مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

گلدستہ تفاسیر

مرتب
حضرۃ مولانا عبد القیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

پسند فرمودہ

حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ

حضرت مولانا مفتی عبد الستار صاحب رحمہ اللہ

اردو کی چھ مستند تفاسیر سے منتخب

اوّل مکمل تفسیر عثمانی • تفسیر ابن کثیر

تفسیر مظہری • تفسیر عزیزی

معارف القرآن • معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم — حضرت مولانا کاندھلوی

تفسیر میرٹھی مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ — حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ

شیخ الاسلام حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ — حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جلد ۵-۶

جدید گلدستہ تفاسیر

سورة المؤمنون تا سورة القمر

مرتب حضرة مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی
مسترشد خاص
شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی المدنی نوراللہ مرقدہ

پسند فرمودہ
حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی
مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ
حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اول مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
تفسیر ابن کثیر
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات ونکات
حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ
حضرت علامہ الزمان شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گلدستہ تفاسیر

گلدستہ تفاسیر

جملہ حقوق محفوظ ہیں
تاریخ اشاعت.............محرم الحرام ۱۴۲۸ھ
ناشر.............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.............سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

اس کتاب کی کاپی رائٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں
کسی بھی طریقہ سے اس کی اشاعت غیر قانونی ہے
قانونی مشیر
قیصر احمد خان
(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ملتان)

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ.....چوک فوارہ.....ملتان
اسلامی کتاب گھر.....خیابان سرسید روڈ.....راولپنڈی
ادارہ اسلامیات.........انارکلی.........لاہور
دارالاشاعت.........اردو بازار.........کراچی
مکتبہ سید احمد شہید.........اردو بازار.........لاہور
مکتبۃ القرآن.........نیو ٹاؤن.........کراچی
مکتبہ رحمانیہ.........اردو بازار.........لاہور
مکتبہ دارالاخلاص.....قصہ خوانی بازار.....پشاور
مکتبہ رشیدیہ.........سرکی روڈ.........کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

''گلدستہ تفاسیر''

دَورِ حاضر کی چھ شاہکار تفسیروں کا حاصل

(حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال)

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

اس دَور میں پاک وہند میں جہاں بھی درس قرآن کی مجالس قائم ہیں وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا حاصل ہیں کہ جہاں تک ہوسکے اس دور میں علومِ قرآن کو عام کیا جائے آپ نے مالٹا کے ایام اسیری میں برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی دینی فلاح اسی میں سمجھی۔

علی العموم مسلمانوں کو اس ترجموں کے سیکھنے اور سمجھنے کی رغبت بھی دلائی جائے۔ علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اس کی منفعت دل نشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں بلکہ ترجمہ کی تعلیم کیلئے ایسے سلسلے ہی قائم فرمادیں کہ ہر بات بسہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق حاصل کرسکے۔

اس ملک میں اُردو میں لکھی گئیں دو بڑی تفسیریں (۱) معارف القرآن حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ (۲) معارف القرآن حضرت شیخ الحدیث وا لتفسیر مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ برصغیر پاک وہند میں وہ شہرت پائے ہوئے ہیں کہ درس قرآن دینے والا کوئی عالم دین ان دو سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ تاہم ان دونوں ضخیم تفاسیر کو ساتھ ساتھ رکھنا خاصا مشکل کام تھا حدیث کا خصوصی ذوق رکھنے والوں کیلئے تفسیر ابن کثیر کا ساتھ رکھنا ایک اور کڑی منزل تھی یہ درس قرآن پاک وہند کے ہر علمی حلقے میں قبولیت سے اس کیلئے سرتاج علماء سند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا نام نامی اور اسم گرامی اس درجہ ضمانت میں ہے کہ اسے پاک وہند کا ہر شخص بلا کسی اختلاف کے گھر بیٹھے علم قرآن اور مرادات قرآن پر مطلع ہوسکتا ہے فقہی نقطہ نظر سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی تفسیر مظہری نقشبندی سلسلہ کے سالکین کیلئے حرف آخر ہے۔

مولانا عبدالقیوم صاحب نے ان تمام تفاسیر پر خاصی محنت کر کے اس حاصل مطالعہ کو عصر حاضر کے عظیم علمی شاہکار تفسیر عثمانی کے ساتھ جمع کر کے ایک ''گلدستہ تفاسیر'' عوام کے سامنے رکھ دیا ہے جس طرح دعوت کا کام چھ نمبروں پر چل رہا ہے اور اس دَور کی یہ خدمت قرآن بھی ان چھ نمبروں پر چلی ہے۔

راقم الحروف اس گلدستہ کی صرف مہک سے متاثر ہو کر بلکہ حضرت مفتی عبدالستار صاحب کی نظر پسند پر پورا اعتماد کر کے اس خدمت قرآن میں ان چند سطور سے شامل ہورہا ہے ؎

اجازت ہو تو آ کر اس میں شامل ان میں ہو جاؤں   سنا ہے کل تیرے دَر پر ہجومِ عاشقاں ہو گا

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ درس قرآن کے ان چھ نمبروں کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں اور ہوسکے تو ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے یہ چھ علمی ذخیرے اپنے پاس منگوا رکھیں اور کبھی کبھی گلدستہ تفاسیر کے مطالعہ میں ان اصل ماخذ کو بھی دیکھ لیا کریں اس سے یہ بات آپ پر ضرور کھل جائے گی کہ مولف مولانا عبدالقیوم صاحب کس قدر اپنی علمی سفر میں کامیاب ہوئے ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت مؤلف اور اس گلدستہ تفاسیر کے جملہ مقرظین کو ان چھ مفسرین کے ساتھ جمع کرے آمین۔

؎ زہے نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خالد محمود عفی اللہ عنہ

(ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال وارد مدرسہ نعمتُ الرحیم ملتان)

کلمات مبارکہ

از حضرت اقدس استاد العلماء مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم

(مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّا بَعْدُ!

ہمارے مشفق ومہربان جناب الحاج عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی مدظلہٗ کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب شدت سے یہ جذبہ پیدا کیا کہ عامۃ المسلمین کے نفع کے لئے ایک جامع تفسیر ہو جس میں آیات کی مختلف تفسیریں یکجا جمع ہوں اور اس کے علاوہ تفسیر کے متعلق ضروری مضامین بھی آجائیں۔ تاکہ علماء وطلباء وعوام کے لئے قرآن مجید کی آیات کے مفہوم وتفسیر کو سمجھنا آسان ہو اور متفرق تفاسیر کی ورق گردانی سے بے نیاز ہو جائیں جو چیزیں بہت سے اوراق پلٹنے کے بعد حاصل ہوتی تھیں وہ ایک ہی جگہ بآسانی میسر ہوسکیں۔ اسی جذبہ کے پیش نظر جناب موصوف نے مختلف تفاسیر کو کھنگال کر گلدستہ تفاسیر کے نام سے ایک تفسیری مجموعہ تیار کیا ہے۔ میں نے اس کے بعض اجزاء کو دیکھ کر مفید پایا۔ امید ہے کہ اس کاوش کی بدولت علماء، وطلباء اور عوام الناس سب کو ہی بے حد نفع ہوگا۔ اور قارئین حضرات اس کو بہت پسند فرمائیں گے۔ چونکہ یہ تفسیری مضامین مختلف تفاسیر سے منتخب شدہ ہیں، ممکن ہے کہ کہیں کوئی بات بے ربط یا نامکمل رہ گئی ہو تو ایسی جگہ حوالہ کو مدنظر رکھ کر قارئین کرام اصل تفسیر کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، جناب مؤلف صاحب کو کہ وہ امت مسلمہ کے دینی نفع کیلئے بہت متفکر اور کوشاں رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی فکر کی وجہ سے پہلے بھی ایک اسلامی انسائیکلوپیڈیا دینی دسترخوان کے نام سے مرتب کر چکے ہیں۔ جو کہ تین ضخیم جلدوں میں شائع ہوچکی ہے۔ اسی طرح تعمیر انسانیت بھی موصوف کی مرتب شدہ کتاب ہے۔ جو کہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبول عام ہوچکی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ مجموعہ تفسیر بھی موصوف کی دیگر کتب کی طرح بہت نافع اور مفید ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی اس کاوش کو شرف قبولیت بخشیں، اور اس کے نفع کو عام وتام بنادیں اور باعث بخشش ونجات بنادیں۔

وماذلک علی اللہ بعزیز۔ [illegible]

فہم قرآن کے شائقین کیلئے قرآنی علوم کا گلدستہ

(حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ العالی شیخ الحدیث دارالعلوم کبیروالا)

بندہ نے گلدستہ تفاسیر مؤلفہ الحاج جناب عبدالقیوم صاحب ملتانی ثم مدنی کو چند مقامات سے دیکھا ماشاء اللہ بہت مفید اور آسان پایا مؤلف دام مجدہ نے اس امر کا اہتمام فرمایا ہے کہ اکابر کی اُردو تفاسیر کو جمع کر کے یکجا کر دیا ہے فہم قرآن کا طالب بہت آسانی سے تھوڑے وقت میں بہت سے اکابر کے علوم سے مستفید ہو جاتا ہے حق تعالیٰ اس تفسیر کو بہت ہی نافع اور مقبول بنائیں۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

اجمالی فہرست

(جلد-۵-۶)

سورۃالمؤمنون	۳۹
سورۃ النور	۸۶
سورۃ الفرقان	۱۶۲
سورۃالشعراء	۲۲۱
سورۃ النمل	۲۵۸
سورۃ القصص	۳۱۳
سورۃ العنکبوت	۳۵۹
سورۃ الروم	۳۸۷
سورۃ لقمان	۴۱۷
سورۃ السجدہ	۴۳۲
سورۃ الاحزاب	۴۵۶
سورۃ سبا	۵۶۹
سورۃ فاطر	۶۰۵
سورۃ یٰس	۶۲۳
سورۃ الصافات	۶۴۹
سورۃ صٓ	۶۸۸
سورۃ الزمر	۷۱۳
سورۃ المؤمن	۷۵۹
سورۃ حٰمٓ	۷۹۳
سورۃ الشوریٰ	۸۲۳
سورۃالزخرف	۸۵۸
سورۃ الدخان	۸۸۸
سورۃ الجاثیہ	۹۰۰
سورۃ الاحقاف	۹۱۳
سورۃ محمد	۹۳۹
سورۃ الفتح	۹۶۶
سورۃ الحجرات	۱۰۰۷
سورۃ قٓ	۱۰۳۲
سورۃ ذاریات	۱۰۵۱
سورۃ الطور	۱۰۶۵

فہرست عنوانات

سورۃ المؤمنون تا سورۃ الاحزاب

سورۃ المؤمنون	۴۹	زکوٰۃ ادا کرو	۵۳	وحی کے ساتھ حضرت عمرؓ کی موافقت	۵۷
خشوع کا معنی	۴۹	شرمگاہوں کی حفاظت	۵۳	شان الٰہی	۵۷
نماز میں خشوع	۴۹	قضائے شہوت کی حرام صورتیں	۵۴	عبداللہ بن سعد کا واقعہ	۵۷
پہلی دس آیات	۴۹	ما ملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں	۵۴	سب کو موت آئے گی	۵۷
حضور ﷺ کے اخلاق	۴۹	متعہ کی حرمت	۵۴	پھر قیامت میں اٹھائے جاؤ گے	۵۷
کامیابی کی چابی	۴۹	جلق حرام ہے	۵۴	سات آسمان	۵۸
نماز میں داڑھی سے کھیلنا	۵۰	امانتداری اور ایفائے عہد	۵۴	پورا نظام قابو میں ہے	۵۸
لفظ ''قد'' کا استعمال	۵۰	دو قسم کے عہد	۵۴	آب رسانی کا نظام	۵۸
فلاح کیا ہے؟	۵۰	سب سے پہلے نماز کا حساب	۵۴	زیر زمین پانی کا ذخیرہ	۵۸
بخیل جنت میں نہ جائے گا	۵۱	نمازوں کی حفاظت	۵۴	اللہ چاہے تو پانی ختم ہو جائے	۵۸
جنت کی چیزیں	۵۱	محبوب عمل	۵۴	باغات اور پھل	۵۹
تمام مومن کسی نہ کسی وقت	۵۱	آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت	۵۵	زیتون کا درخت	۵۹
جنت میں داخل نہ ہوں گے	۵۱	بہترین عمل	۵۵	علمی لطیفہ	۵۹
خشوع کے متعلق مختلف اقوال	۵۱	جنت کے وارث	۵۵	زیتوں کے فوائد خصوصیات	۵۹
بندہ متوجہ ہو تو اللہ متوجہ رہتا ہے	۵۲	ہر ایک کی دو منزلیں	۵۵	طور سیناء	۶۰
شیطان کا جھپٹنا	۵۲	فردوس	۵۵	زیتون کا سالن	۶۰
نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا	۵۲	مہاجرین وانصار	۵۵	حیوانات کے فوائد	۶۰
نفاق یا الخشوع	۵۲	منتخب مٹی کا بنا ہوا	۵۵	وسائل نقل وحمل	۶۰
حضرت عبداللہ بن زبیر	۵۲	رحم مادر میں	۵۶	ربط آیات	۶۰
اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نماز	۵۲	مختلف مراحل	۵۶	حضرت نوحؑ کی دعوت اور سرداران قوم کا جواب	۶۱
نماز میں پتھر نہ ہٹائے	۵۲	روح سیات	۵۶	سرداروں کا تبصرہ	۶۱
حضور ﷺ کی حضرت انسؓ کو نصیحت	۵۲	انسان پیدائش سے انجام تک	۵۶	بارگاہ الٰہی حضرت نوحؑ کی درخواست	۶۱
فضولیات سے پرہیز	۵۲	زندگی کے تغیرات	۵۶	تنور کا مطلب	۶۲
لغو کے درجات	۵۳	روح حقیقی اور روح حیوانی	۵۶	آغاز عذاب	۶۲
لغو کے متعلق اقوال	۵۳	متناسب صورت	۵۷	کشتی سے برکت کا اتارنا	۶۲

حضرت نوحؑ کی عظمت	۶۲	آسمانی کتابوں میں تحریف	۶۷	خوف خدا کرو	۷۴
حضرت ہودؑ یا حضرت صالحؑ کی دعوت	۶۲	فرقہ پرستوں کو چھوڑیئے	۶۷	عرش الٰہی	۷۴
قوم کا عقیدہ	۶۳	فرقہ پرستوں پر گرفت ضرور ہوگی	۶۸	اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا	۷۴
سرداروں کا فیصلہ	۶۳	ایک پرانا وہم	۶۸	تم پر کیا جادو ہے	۷۴
بعث بعد الموت کا انکار	۶۳	عقل کے کورے	۶۸	دلائل کے باوجود انکار حق	۷۴
انکار آخرت	۶۳	مؤمن کی شان	۶۸	اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو نظام نہ چلتا	۷۵
پیغمبر پر جھوٹ کی تہمت	۶۳	آیات پر یقین	۶۸	اللہ شراکت سے پاک ہے	۷۵
پیغمبر کی دُعاء	۶۳	توحید پر ایمان	۶۸	ہر مؤمن عذاب سے بچنے کی دُعاء کرے	۷۵
عذاب کی اطلاع	۶۳	نیک عمل کے باوجود ڈرتے رہنا	۶۸	اعلیٰ اخلاقی قدریں	۷۵
قوم کی ہلاکت	۶۴	اصل نیکی	۶۹	شیاطین سے بچنے کا طریقہ	۷۶
قوموں کے انجام	۶۴	نیکی میں پیش قدمی کرنا	۶۹	شیاطین سے حفاظت کی دُعاء	۷۶
رسولوں کو جھٹلانے کی سزا	۶۴	انسان کو اس کی طاقت کے مطابق	۶۹	نیند آنے کیلئے دُعاء	۷۶
فرعون اور اس کے سرداروں کا تکبر	۶۴	مکلف بنایا گیا ہے	۶۹	موت آئے گی تو پچھتائیں گے	۷۶
ایمان سے انکار کا بہانہ	۶۵	انسان کسی اور طرف مشغول ہے	۷۰	موت کے فرشتوں سے مؤمن کی گفتگو	۷۷
بنی اسرائیل کا دستور العمل	۶۵	عذاب آتے تو چلاتے	۷۰	جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اسے ملنا چاہتا ہے	۷۷
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۶۵	غزوۂ بدر اور قحط کا عذاب	۷۰	عمل صالح کرنے کا نسخہ	۷۷
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش	۶۵	اپنی غفلت واعراض کو یاد کرو	۷۰	کافر کی درخواست رَدّ ہو جاتی ہے	۷۷
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بادشاہ کی دشمنی	۶۵	پیغمبر کی باتوں پر توجہ دیتے تھے	۷۰	گناہگاروں کی قبریں	۷۷
ربوہ کا مطلب	۶۵	قرآن پر غور نہیں کیا	۷۰	عالم برزخ کے عذاب پر تنبیہ	۷۷
بعض گمراہ مصنفین کی تردید	۶۵	پیغمبر اور کتاب کوئی نئی بات نہ تھی	۷۱	ناکام تمنا	۷۷
صحابہ وتابعین کے اقوال	۶۵	پیغمبر کی صداقت ودیانت بھی سامنے ہے	۷۱	کافر واپس آکر بھی نیکی نہ کرینگے	۷۷
اکل حلال اور صدق مقال	۶۶	فقط خواہش پرستی انکار کرا رہی ہے	۷۱	عالم برزخ	۷۷
حضرت داؤدؑ کا اکل حلال اور عبادت گذاری	۶۶	ان کی خواہش پرستی کیلئے حق نہیں بدل سکتا	۷۱	کوئی کسی کو نہ پوچھے گا	۷۸
انبیاء حلال ہی کھاتے ہیں	۶۶	ہدایت آپہنچی ہے	۷۱	حضور ﷺ کا رشتہ برقرار رہے گا	۷۸
طیبات فقط حلال چیزیں ہیں	۶۶	مفاد پرست انکار کر رہے ہیں	۷۲	بدعتیں ایجاد کرنے والے	۷۸
ایسا کھانا جو غافل نہ کرے	۶۶	پیغمبر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا	۷۲	حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثوم سے نکاح	۷۸
عمل صالح	۶۶	پیغمبر تو صراط مستقیم کی طرف بلاتا ہے	۷۲	پہلا نفخہ اور دوسرا نفخہ	۷۸
خلاصہ کلام	۶۶	احسان فراموش اور ناشکرے	۷۲	قیامت میں حقوق کا اعتبار ہوگا انساب کا نہیں	۷۸
حضور ﷺ کی عظمت	۶۶	اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں استعمال کرو	۷۳	نسب پر فخر بے کار ہے	۷۹
حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کو خطاب	۶۷	آخرت کی حاضری	۷۳	معصوم بچے والدین کو شراب پلائیں گے	۷۹
اللہ باخبر ہے	۶۷	دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں	۷۳	مؤمنوں کے رشتے منقطع نہ ہونگے	۷۹
اختلاف امت کے اسباب	۶۷	رجعت پسندی اور اندھی تقلید	۷۳	حضور ﷺ کی دُعاء	۷۹
پیغمبر کا کام	۶۷	سب اللہ کے قبضہ میں ہے	۷۳	ہونٹ سوج جائیں گے	۷۹

اور زبان کو پاؤں روندیں گے	۷۹
میدان حشر کے مختلف احوال	۷۹
مؤمنین کاملین اور کفار	۷۹
ہر انسان کے اعمال کا وزن ہوگا	۸۰
میزان اور ترازو پر ایمان لانا ضروری ہے	۸۰
میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنی ہیں	۸۰
مؤمن بندہ اور اس کے اعمال کا	۸۱
کافر و کافر کے اعمال سے موازنہ	۸۱
اعمال کے درجات	۸۱
جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں	۸۱
قرآن میں یا مؤمن صالح کا تذکرہ ہے یا کافر کا	۸۱
ہمیشہ کی خوش نصیبی و بدنصیبی	۸۱
گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبارہ تلیں گے	۸۱
امت محمدیہ کے چہرے آگ نہیں جلائے گی	۸۱
پورے جسم کا گوشت اتر جائے گا	۸۲
شکلیں بگڑ جائیں گی	۸۲
منکروں کو جتلایا جائے گا	۸۲
منکروں کا اعتراف	۸۲
وہاں فریاد نہیں سنی جائے گی	۸۲
دنیا میں مؤمن پر ہنستے تھے	۸۲
مؤمنین کے صبر کا اجر	۸۳
دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی	۸۳
دنیا کی زندگی قلیل کیوں معلوم ہوگی	۸۳
کاش کہ دنیا میں سمجھ جاتے	۸۳
تمہیں یونہی فضول نہیں بنایا	۸۳
اللہ تعالیٰ وفاداروں کو یونہی نہیں چھوڑے گا	۸۳
اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے	۸۴
حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری خطبہ	۸۴
جن کا علاج	۸۴
غرق ہونے سے تحفظ کی دعاء	۸۴
دعائے مغفرت	۸۵
آخری آیات کا ورد رکھنا چاہیے	۸۵
اختتام سورۃ و آغاز سورۃ کا ربط	۸۵
نبی اور امت کی دعاء	۸۵
مجاہدین کا ورد	۸۵
پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے	۸۵
سورۃ النور	۸۶
سورۂ نور کے مضامین	۸۶
سورۃ نور میں بیان کئے گئے احکام کی اہمیت	۸۶
حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عائشہ	۸۶
رضی اللہ عنہا کی عفت پر ایمان لانا فرض ہے	۸۶
زانی کی سزا	۸۶
زناء اور قتل عمد اور مرتد کی سزائیں	۸۷
تورات کا حکم باقی رکھا گیا	۸۷
ان احکام کی حفاظت فرض ہے	۸۷
وہ لوگ جو رحمت سے محروم ہیں	۸۷
کوڑے مارنے کا طریقہ	۸۸
امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک	۸۸
جلاوطنی حدِ زناء کا حصہ نہیں ہے	۸۸
حد کے علاوہ جلاوطنی حاکم کا	۸۸
صوابدیدی عمل ہے	۸۸
ترک معصیت اور تزکیہ کیلئے ہجرت	۸۸
سنگسار کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے	۸۹
حضرت عمرؓ کا خطبہ	۸۹
تین چیزیں جو مسلمان کا خون حلال کرتی ہیں	۸۹
حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سنگساری	۸۹
حضور نے غیر محصن مرد کو کوڑے لگوائے	۸۹
اور محصنہ عورت کو سنگسار کرایا	۸۹
ایک صحابی کی بیوی کی سنگساری	۹۰
ایک خاتون کی دوہری سزا	۹۰
ایک شخص کی دوہری سزا	۹۰
احصان کا معنی اور شرائط	۹۰
یہودی زناکاروں کی سنگساری کا واقعہ	۹۰
سابقہ شریعتوں کے احکام	۹۰
زناء کی تعریف	۹۱
ایسی صورتیں جو زنا نہیں مگر زنا کے مشابہ ہیں	۹۱
شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے	۹۱
شبہ اشتباہ	۹۲
حدّ کا مطلب	۹۲
وہ عورتیں جن سے نکاح حلال نہیں	۹۲
مریض پر حدّ جاری کرنا	۹۳
حاملہ عورت پر حد	۹۳
زناء کی تباہ کاریاں	۹۴
جس جرم کی سزا سخت ہے اس کے	۹۴
ثبوت کی شرائط بھی سخت ہیں	۹۴
آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی	۹۴
احکام الٰہی جاری کرنے میں کوئی چیز	۹۵
مانع نہ بننے دو	۹۵
اگر فاطمہ بنت محمد ہوتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا	۹۵
حدود میں نرمی نہ کرو	۹۵
حد سے آگے بھی نہ بڑھو	۹۵
سزا بر سر عام ہو	۹۵
بر سر عام سزا کی حکمت	۹۵
زانی کی طبیعت کا تجزیہ	۹۶
زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے	۹۶
مؤمنین کیلئے زانی اور زانیہ سے نکاح حرام ہے	۹۷
حرام نکاح اور حرام فعل	۹۷
پاکدامن عورت پر زناء کی تہمت لگانا	۹۷
محصنات کا مطلب	۹۷
حضرت عائشہؓ کی فضیلت	۹۸
مؤمنوں والا کلمہ	۹۸
ثبوت تہمت کی شرائط	۹۸
ایک شبہ اور جواب	۹۸
محصنات کون ہیں	۹۹
زنا کی تہمت لگانے کی سزا	۹۹
تہمت لگانے والا فاسق ہوا	۹۹
توبہ سے فسق کا ازالہ ہو جاتا ہے	۹۹
توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی	۹۹
حضرت سعید بن معاذ کی گفتگو،	۱۰۰

عویمرؓ کے واقعہ کی تفصیل	۱۰۱	الزام تراشی کے فتنہ کے حصہ داروں کا گناہ	۱۱۰	زبان پر مہر اور مختلف اعضاء کی گواہی	۱۱۶
لعان کیلئے دو شرطیں	۱۰۲	کوڑوں کی سزا	۱۱۰	رتی رتی عمل سامنے آئے گا	۱۱۷
لعان کا طریقہ	۱۰۳	عبداللہ بن اُبی کی بکواس بازی	۱۱۰	بروں کیلئے برے اچھوں کیلئے اچھے	۱۱۷
لعان کے بعد تفریق واجب ہے	۱۰۴	آیت کی تفسیر میں ایک کمزور قول	۱۱۰	حضرت عائشہؓ کی براءت	۱۱۷
لعان سے فسخ نکاح از خود نہیں ہو جاتا	۱۰۴	اہل بدر کی فضیلت	۱۱۰	حضور ﷺ کی ازواج جنتی ہیں	۱۱۷
زناکار خاتون اور تہمت تراش مرد کی اخروی سزا	۱۰۴	ایک مسلمان کا طرز معاشرت	۱۱۰	حضرت عائشہؓ کی مایہ ناز خصوصیتیں	۱۸
غیر باپ کو اپنا باپ بنانا حرام ہے	۱۰۵	حضرت ابو ایوبؓ کا کمال	۱۱۱	صدیق کی بیٹی صدیقہ	۱۱۸
قانونِ الٰہی رحمت و فضل ہے	۱۰۵	بلا دلیل مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں ہے	۱۱۱	حضرت عائشہؓ کی خاص عظمت	۱۱۸
حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ	۱۰۵	ایک اہم اور ضروری تنبیہ	۱۱۱	جبریلؑ کا حضرت عائشہؓ کو سلام	۱۱۸
مفصل واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی	۱۰۶	انسدادِ فواحش کا قرآنی نظام	۱۱۱	تمام ازواج مطہرات پر فضیلت	۱۱۸
سفر کیلئے حضور ﷺ کا معمول	۱۰۶	بغیر ثبوت الزام اٹھانا غلط ہے	۱۱۲	تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ کی فضیلت	۱۱۹
غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں میری رفاقت	۱۰۶	ایک اہم تنبیہ	۱۱۲	حضرت عائشہؓ کی بلاغت وسلاست	۱۱۹
میرا پیچھے رہ جانا	۱۰۶	اللہ کے فضل نے بچالیا	۱۱۲	چار شخصیتوں کی براءت	۱۱۹
حضرت صفوان بن معطلؓ کے ساتھ	۱۰۶	جرم کی سنگینی	۱۱۲	کسی کے ہاں جانے کے آداب	۱۱۹
قافلہ کے ساتھ شمولیت	۱۰۶	تمام نیکیوں کا مدار	۱۱۲	استیناس کا مطلب	۱۱۹
واپسی پر میری علالت	۱۰۶	تہمت کی بات سنتے ہی انکار کیوں نہ کیا	۱۱۳	حضور ﷺ کی نصیحت	۱۱۹
حضور ﷺ کے التفات میں کمی	۱۰۶	حضرت صدیق اکبر کی بیٹی کیلئے	۱۱۳	سلام کے بغیر داخلہ کی اجازت نہ دو	۱۲۰
تہمت تراشی کی خبر	۱۰۶	ایسی بات کیوں کہی گئی؟	۱۱۳	جاہلیت کا طریقہ	۱۲۰
والدین کے گھر جا کر رات بھر روتے رہنا	۱۰۷	یہ بہت بڑا بہتان تھا	۱۱۳	اپنے گھر میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا	۱۲۱
حضور ﷺ کا متعلقین سے تحقیق کرنا	۱۰۷	خبردار! آئندہ ایسا نہ ہو	۱۱۳	اجازت لیتے وقت اپنا نام بتائے	۱۲۱
برسر منبر بہتان تراشوں کی تردید میں	۱۰۷	اللہ کی طرف سے راہنمائی	۱۱۳	ایک برا طریقہ	۱۲۱
حضور ﷺ کا خطاب	۱۰۷	بدکاری کی خبروں کا چرچا کرنیوالے	۱۱۳	بہر حال دوسرے کے گھر میں بلا اجازت	۱۲۲
میرا رات دن روتے رہنا	۱۰۷	اللہ جانتا ہے کس کا کتنا جرم ہے	۱۱۴	داخل ہونا جائز نہیں	۱۲۲
حضور ﷺ کی تسلی	۱۰۸	اللہ کی مہربانی سے فتنہ ختم ہوا	۱۱۴	اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ	۱۲۲
حضور ﷺ کے سامنے میرا بیان	۱۰۸	شیطانی چالوں سے ہوشیار رہو	۱۱۴	تین مرتبہ مانگنے سے اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ	۱۲۲
مجھے اپنی براءت کا یقین تھا	۱۰۸	اللہ نے شیطان کو ناکام کر دیا	۱۱۴	کسی کے گھر جھانکنا منع ہے	۱۲۳
وحی اُترنا	۱۰۸	احسان و مروت کی تعلیم	۱۱۵	جو کچھ کرتے ہو اللہ جانتا ہے	۱۲۳
خوشخبری	۱۰۸	حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت مسطحؓ کا معاملہ	۱۱۵	غیر رہائشی مکانات کا مسئلہ	۱۲۳
حضرت صدیقہؓ کی چند خصوصیات	۱۰۸	پاکدامن خواتین پر تہمت گناہ کبیرہ ہے	۱۱۶	بدنظری حرام ہے	۱۲۴
اِفک کا معنی اور مطلب	۱۰۹	ازواج مطہرات میں سے کسی	۱۱۶	اچانک نظر پڑنا	۱۲۵
طوفان اٹھانے والے	۱۰۹	پر تہمت لگانا کفر ہے	۱۱۶	نابینا سے بھی پردہ ضروری ہے	۱۲۵
حضرت عائشہؓ کا حسن خلق و مروت	۱۰۹	قیامت کے دن مجرم کی رسوائی	۱۱۶	دیور موت ہے	۱۲۵
الزام سے متاثرہ شخصیات کیلئے تسلی	۱۰۹	مومن کی پردہ پوشی اور کافر کی رسوائی	۱۱۶	عورت کا خوشبو لگا کر مسجد آنا	۱۲۵

غیر جگہ زینت ظاہر کرنا	۱۲۵	حفاظت عصمت کا نسخہ	۱۳۴	مؤمن کے دل کا نور	۱۴۲
عورتیں راستے سے ایک طرف ہو کر چلیں	۱۲۵	لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح	۱۳۴	حضور ﷺ کا نور	۱۴۲
اسد ذوشش اور حفاظت عصمت کا ایک اہم باب	۱۲۵	بغیر نکاح رہنے کی ممانعت	۱۳۴	مہر نبوت	۱۴۳
برہنہ ہونے سے بچو	۱۲۶	جوانوں کو حکم	۱۳۴	عالم کفر میں زلزلہ	۱۴۳
آنکھ کی چوری اور دل کا بھید اللہ کو معلوم ہے	۱۲۶	نکاح میری سنت ہے	۱۳۵	یہودی تاجر کی خبر	۱۴۳
زینت کو ظاہر نہ کرنا	۱۲۷	پیغمبروں کی چار سنتیں	۱۳۵	راہب کی پیش گوئی	۱۴۳
عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے	۱۲۷	بعض صحابہ کے جذبات کی اصلاح	۱۳۵	حضرت عباس کے مسلمان	۱۴۳
ضرورت و مجبوری کا حکم	۱۲۷	اس امت کے سب سے افضل آدمی	۱۳۵	ہونے کا خاص سبب	۱۴۳
اوپر کے کپڑے	۱۲۷	حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۱۳۵	فرشتے جھولا جھلاتے تھے	۱۴۳
چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے	۱۲۷	مناسب رشتہ آئے تو نکاح کردو	۱۳۶	حضرت حلیمہ کی گود میں برکتیں	۱۴۳
سینہ چھپانے کی تاکید	۱۲۷	اولاد کا نکاح نہ کرنے کا نقصان	۱۳۶	حضور ﷺ کا سب سے پہلا کلام	۱۴۳
محرم رشتہ داروں کا حکم	۱۲۸	غلام اور باندیاں نکاح کے قابل ہوں	۱۳۶	بادل کا سایہ	۱۴۳
خاوند کا حکم	۱۲۸	تو ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالو	۱۳۶	حضور ﷺ کی موجودگی میں	۱۴۳
محرم کے سامنے زینت کا اظہار مقصود نہ ہو	۱۲۸	رزق کے خوف سے نکاح ترک نہ کرو	۱۳۷	چراغ کی ضرورت نہیں تھی	۱۴۳
خوشبو لگا کر لوگوں پر گذرنا	۱۲۸	نکاح کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو	۱۳۷	بت اور حجر اسود تعظیم سے جھک گئے	۱۴۴
آواز سنانا	۱۲۸	جب تک نکاح کی ہمت نہیں عفت محفوظ رکھو	۱۳۷	خشک وادیاں سرسبز ہوگئیں	۱۴۴
آنکھوں اور ہاتھوں کا زنا	۱۲۹	غلام اور لونڈی کی آزادی	۱۳۷	شق صدر	۱۴۴
اگر خطرہ ہو تو محرم سے بھی پرہیز کرے	۱۲۹	حضرت ابن سیرینؒ کی آزادی	۱۳۸	حضور ﷺ کی برکت سے قحط دور ہو گیا	۱۴۴
عورت کا عورت کی زینت کو دیکھنا	۱۲۹	اگر آزادی میں ان کی بہتری ہو تو آزاد کرو	۱۳۸	راہب نے حضور ﷺ کو پہچان لیا	۱۴۴
بارہ قسم کے محارم	۱۳۰	جدید مادہ پرستانہ نظریات	۱۳۸	راہب مسلمان ہو گیا	۱۴۵
غلام اور باندی	۱۳۰	اور قرآن کا نظریہ ملکیت	۱۳۸	فرشتے سایہ کرنے لگے	۱۴۵
مخنث وغیرہ	۱۳۱	غلاموں کی آزادی میں مالی امداد کرو	۱۳۸	علامہ سہیلی کی توجیہ	۱۴۵
عورت عورت سے قرآن سیکھے	۱۳۱	لونڈیوں کو بدکاری نہ کراؤ	۱۳۹	حضرت ابن عمرؓ کا قول	۱۴۵
خوشبو لگا کر باہر نکلنا	۱۳۲	مجبور و مظلوم قابل رحم ہے	۱۳۹	محمد بن کعب کا قول	۱۴۵
گندہ کیسے توبہ کرلو	۱۳۲	قرآن کا بیان نصیحت و عبرت کا کامل سامان ہے	۱۳۹	وحی سے قبل ہی کمالات ظاہر ہونے لگے	۱۴۵
حضور ﷺ کی توبہ و استغفار	۱۳۲	اللہ کے نور سے جہان آباد ہے	۱۳۹	نور اصل اور نور نسل	۱۴۵
بیوہ، رنڈوں اور غیر شادی شدہ کا نکاح کرو	۱۳۲	طائف میں حضور ﷺ کی دعاء	۱۳۹	حضرت ابی بن کعب کی تفسیر	۱۴۵
نکاح کرنے کا مسنون طریقہ	۱۳۳	نور کا مطلب	۱۴۰	حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول	۱۴۶
نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف	۱۳۳	مذکورہ مثال کا حاصل	۱۴۰	صوفی کا دل	۱۴۶
حالت میں حکم مختلف ہے	۱۳۳	مؤمن نور الٰہی سے کس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے	۱۴۱	حسن اور ابن زید کا قول	۱۴۶
تین آدمی جن کی مدد ضرور ہوتی ہے	۱۳۳	دلوں کی چار قسمیں	۱۴۱	بعض علماء کا قول	۱۴۶
ایک بے سروسامان آدمی کا نکاح	۱۳۳	نور نبی کریم ﷺ	۱۴۱	انسان کی پانچ علمی ادراکی قوتیں	۱۴۶
اسلام میں سب سے پہلی قسطیں	۱۳۴	روغن زیتون کی برکات	۱۴۲	حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تشریح	۱۴۷

ذات اور صفات	۱۴۸	منافق غلط شک میں مبتلا ہیں	۱۵۷	نابالغ لڑکا	۱۶۵
ایجاد اشیاء	۱۴۸	سچے مسلمان کا کام	۱۵۷	بوڑھی خواتین کا مسئلہ	۱۶۶
اولیاء کی نور چینی	۱۴۸	کامیاب کون ہوگا؟	۱۵۷	عورتوں کیلئے اظہار زینت ممنوع ہے	۱۶۶
تاریکی کے بعد نور	۱۴۸	رومی کسان کا عجیب واقعہ	۱۵۷	خفیہ فتنہ بازی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں ہیں	۱۶۶
نور کے برتن	۱۴۹	منافقوں کی جھوٹی قسمیں	۱۵۸	معذوروں کیلئے عذر پذیری اور نئے معودت کا طریقہ	۱۶۶
قرآنی تمثیلات	۱۴۹	اطاعت وتصدیق کی ذمہ داری پوری کرو	۱۵۸	اولاد کا گھر اپنا گھر ہوتا ہے	۱۶۷
مسجدوں کی تعمیر وتعظیم	۱۴۹	اطاعت رسول کے ثمرات	۱۵۸	پاکیزہ ترین مال	۱۶۷
پیغمبروں کی بنائی ہوئی مسجدیں	۱۵۰	دور خلافت کی فتوحات	۱۵۹	وہ گھر جن سے بلا اجازت کھانا جائز ہے	۱۶۷
اللہ کی محبت کا راستہ	۱۵۰	بارہ خلفاء	۱۵۹	ایک ساتھ کھانے سے برکت ہوتی ہے	۱۶۸
بدبو کے ساتھ مسجد میں نہ آئے	۱۵۰	خلفائے راشدین کے حق ہونے کی دلیل	۱۵۹	خادم اپنے آقا کے گھر سے کھا سکتا ہے	۱۶۸
مسجدوں کی شان وشوکت اور زینت	۱۵۰	حضرت عبداللہ بن سلام کا خطاب	۱۶۰	سلام کا طریقہ	۱۶۸
فضائل مسجد	۱۵۰	حضرت شیعاً کا خطاب	۱۶۰	خالی گھر پر سلام کا طریقہ	۱۶۹
مساجد کے پندرہ آداب	۱۵۱	دور خلافت میں وعدہ الٰہی پورا ہوا	۱۶۰	مسلمان کے حقوق	۱۶۹
وہ مکانات جو مساجد کے حکم میں ہیں	۱۵۱	خلفائے راشدین کا فتویٰ شرعی حجت ہے	۱۶۱	محبت کا نسخہ	۱۶۹
وہ کام جو مسجد میں ناجائز ہیں	۱۵۱	قاضی شوستری کی تحریر	۱۶۱	سوار پیدل کو سلام کرے	۱۶۹
مسجد میں جانے کی دعاء	۱۵۲	مثالی دور حکومت	۱۶۱	ایک کا سلام جماعت کا سلام ہے	۱۶۹
عورتوں کا مسجد میں آنا	۱۵۲	حضرت علیؓ اپنے پیشرو خلفاء کو حق سمجھتے تھے	۱۶۱	رخصت ہونے کی اجازت	۱۶۹
نمازوں کی تاکید	۱۵۲	شیعوں کی کتاب سے ثبوت	۱۶۱	حضور ﷺ جسے چاہیں اجازت دیں	۱۶۹
اللہ کے بندے	۱۵۲	کسریٰ کا خاتمہ	۱۶۲	اجتماعی کاموں سے رخصت کا طریقہ	۱۶۹
بازار والوں کی فضیلت	۱۵۲	امن وچین کا دور	۱۶۲	حضور ﷺ کے طلب فرمانے پر حاضر	۱۷۰
عہد رسالت کے دوکاندار	۱۵۳	اہلسنت کی تصدیق اور روافض کی تردید	۱۶۲	ہونا فرض ہو جاتا ہے	
عورتوں کی نماز گھروں میں بہتر ہے	۱۵۳	خلافت کے تیس سال	۱۶۳	دیہاتیوں کی اصلاح	۱۷۰
قیامت کا دن	۱۵۳	فتوحات اور قیام امن کی نبوی پیش گوئی	۱۶۳	حضور ﷺ کی بددعاء سے ڈرتے رہو	۱۷۰
فریب خوردہ لوگ	۱۵۳	بارہ خلفاء قریشی ہوں گے	۱۶۳	یہودیوں کی گستاخیاں	۱۷۰
تاریکی میں ڈوبے ہوئے (کافر)	۱۵۳	ناشکری کرنے والے	۱۶۴	نبی کریم ﷺ کی مجلس کے خصوصاً	۱۷۰
پرندے قدرت کی نشانی ہیں	۱۵۴	قاتلین عثمان	۱۶۴	اور عام معاشرت کے بعض آداب واحکام	۱۷۰
ہر مخلوق اپنے وظیفہ پورا کررہی ہے	۱۵۴	رافضی وخارجی	۱۶۴	منافقین کی گستاخیاں	۱۷۱
رات ودن کا نظام	۱۵۵	یزید بن معاویہ	۱۶۴	نافرمانوں کو عذاب سے ڈرنا چاہئے	۱۷۱
آنکھ والو عبرت حاصل کرو	۱۵۵	مقبول بندوں کا طریقہ	۱۶۴	اللہ تعالیٰ سے کوئی کام نہیں چھپ سکتا	۱۷۱
مخلوقات کی مختلف ہیئتیں	۱۵۶	مردود لوگوں کی شکست	۱۶۴	عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ	۱۷۱
واضح نشانیاں موجود ہیں	۱۵۶	مسئلہ استیذان کا تتمہ	۱۶۴	**سورۃ الفرقان**	۱۷۲
منافقین کا وطیرہ	۱۵۶	حضرت اسماءؓ کی ناگواری پر آیت کا نزول	۱۶۵	حق وباطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب	۱۷۲
دل بیمار ہیں	۱۵۷	خادموں اور نابالغوں کے گھر میں آنے کا ادب	۱۶۵	قرآن کی قراءتیں	۱۷۲

برکت کا مطلب	۱۷۲	جو معبودیت کا دعویٰ کرتے تھے ان کا جواب	۱۷۹	قوم نوحؑ کا کرتوت	۱۸۷
قرآن کو فرقان کیوں فرمایا	۱۷۲	حقیقت حال	۱۸۰	کنوئیں والی قوم	۱۸۷
کامل واکمل بندہ	۱۷۲	مشرکوں کے سب سہارے ٹوٹ جائینگے	۱۸۰	حبیب نجار	۱۸۸
قرآن کا پیغام عالمگیر ہے	۱۷۲	کافروں کے اعتراض کی تردید	۱۸۰	اوّل جنت میں جانے والا غلام	۸۸
تخلیق ربانی کا اعجاز	۱۷۳	کشمکش دنیا امتحان ہے	۱۸۰	بہتر قرن	۱۸۸
حکومت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں ہے	۱۷۳	شکر کی توفیق کا نسخہ	۱۸۰	قرن کا مطلب	۱۸۸
مخلوقات میں سے ہر ایک چیز میں خاص خاص حکمتیں	۱۷۳	پیغمبروں کا فقر	۱۸۰	قوم لوط کی بستیاں	۱۸۹
ظلم وحماقت کی انتہاء	۱۷۴	منکر تکبر کے مریض ہیں	۱۸۱	عبرت آموزی میں رکاوٹ	۱۸۹
جھوٹے معبودوں کی عاجزی	۱۷۴	گھبراؤ نہیں وقت آرہا ہے	۱۸۱	استہزاء بازی	۱۸۹
کافروں کی بے سروپا باتیں	۱۷۴	مومن کی روح کا اعزاز	۱۸۲	عذاب آنکھیں کھول دے گا	۱۸۹
قرآن کی صداقت کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے	۱۷۵	غرور خاک ہوجائے گا	۱۸۲	خواہش نفس کے بندے	۱۸۹
کافروں کی کور مغزی	۱۷۵	ہباء کا معنی	۱۸۲	چوپایوں سے بدتر انسان	۱۸۹
قرآن تو علیم وخبیر کا اتارا ہوا ہے	۱۷۵	اہل جنت کے مزے	۱۸۲	چوپایوں کا بولن	۱۹۰
اللہ کی بخشش ومہربانی	۱۷۵	جنت ودوزخ میں داخلہ کا وقت	۱۸۳	دھوپ اور سایے کا نظام	۱۹۰
حضور ﷺ پر کافروں کی چہ میگوئیاں	۱۷۵	اللہ تعالیٰ کا نزول اجلال	۱۸۳	حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۱۹۰
کافروں کی باتیں بے بنیاد ہیں	۱۷۵	فقط اللہ کی بادشاہی ہوگی	۱۸۳	رات اور دن کا خالق	۹۱
کافروں کا ایک بیوقوفانہ خیال	۱۷۶	قیامت کے دن کی سختی	۱۸۳	حسن تخلیق	۱۹۱
دیکھو! کافروں کی گمراہیاں	۱۷۶	کافروں کی بے انتہا حسرت	۱۸۴	مردہ زمینوں کی زندگی کا نظام	۱۹۱
اللہ سب کچھ پر قادر ہے مگر منکر ازلی محروم ہیں	۱۷۶	عقبہ کا انجام	۱۸۴	طہور کا معنی	۱۹۲
حضور ﷺ پر فقر پسندی	۱۷۶	گمراہوں کی دوستی کا انجام	۱۸۴	نیند سے بیدار ہوکر پہلے ہاتھ دھوئے	۱۹۲
کافروں کا اصل مقصد شرارت ہے	۱۷۷	صرف مومن کو اپنا ساتھی بناؤ	۱۸۴	کثیر پانی	۱۹۲
شرارت پسندوں کا عذاب	۱۷۷	نیک وبد ساتھی کی مثال	۱۸۵	استعمال شدہ پانی	۱۹۲
حضرت ربیع کا خوف آخرت	۷۷	بدبخت قوم	۱۸۵	رکا ہوا پانی	۱۹۲
دوزخ کی دہشت	۱۷۷	قرآن سے ترک کی صورتیں	۱۸۵	میت کا غسل	۱۹۳
دوزخ میں مجرموں کی جگہیں	۱۷۷	ہر نبی کے دشمن ہوتے ہیں	۱۸۵	ناپاک زمین کو پاک کرنا	۹۳
دوزخ کی تنگی	۱۷۷	اللہ آپ ﷺ کی مدد کرے گا	۱۸۵	آب پاشی کا نظام	۱۹۳
لوہے کے صندوقوں میں بند ہونگے	۱۷۸	دشمنوں کا اعتراض	۱۸۶	ناشکرے لوگ	۱۹۳
سب سے پہلے ابلیس جہنم رسید ہوگا	۱۷۸	قرآن پاک کی فضیلت	۱۸۶	بادل کے فرشتے	۱۹۳
مومنوں کا حق	۱۷۸	قرآن تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں	۱۸۶	بارش ہر سال یکساں برستی ہے	۹۴
اللہ نے اپنی مہربانی سے لازم کرلیا	۱۷۸	قرآن شافی جواب دیتا ہے	۱۸۶	آپ ﷺ زور وشور سے منکرین	۱۹۴
میدان حشر میں جھوٹے معبودوں سے سوال	۱۷۹	گمراہی پسندوں کا انجام	۱۸۶	کا مقابلہ کرتے ہیں	۹۴
معبودوں کا عابدوں سے اظہار براءت	۱۷۹	تین طرح لوگوں کو چلایا جائے گا	۱۸۶	ختم نبوت کی حکمت	۹۴
نقلی معبودوں کو سوال پر تعجب ہوگا	۱۷۹	قوم فرعون کا حق سے انکار	۱۸۷	کافروں کی طرف نہ جھکیں	[illegible]

میٹھا وکڑوا پانی ایک ساتھ	۱۹۴	اپنے عملوں پر بھروسہ نہ رکھو	۲۱۳	اللہ بے نیاز ہے ہم محتاج ہیں	۲۱۰
میٹھا اور کھاری پانی اللہ کی عظیم نعمت	۱۹۵	جہنم کے گڑھے	۲۱۳	تکذیب حق کی سزا ملنے والی ہے	۲۱۰
اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ	۱۹۵	جہنمیوں کی آہ وزاری	۲۱۳	سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کا خلاصہ	۲۱۱
ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش	۱۹۶	خرچ میں میانہ روی	۲۱۳	انسان کا مبدء کیا ہے؟	۲۱۱
پیغمبر کا کام	۱۹۶	صحابہ کرام کے کھانے پینے کا مقصد	۲۱۳	انسان کا معیار رحمن کے بندوں کی چال	۲۱۱
رسالت کا اجر	۱۹۶	محتاجی سے تحفظ	۲۱۴	رحمن کے بندوں کا قال	۲۱۲
اللہ کے سوا کسی کے بھروسہ کی ضرورت نہیں	۱۹۷	اثام	۲۱۴	سلام کی برکات اور آداب	۲۱۲
اللہ کی قدر جاننے والے	۱۹۷	سب سے بڑا گناہ	۲۱۴	رحمن کے بندوں کی تنہائی	۲۱۳
بے قدرے لوگ	۱۹۷	فتنۂ قلب کا مقام	۲۱۴	رحمن کے بندوں کی رات سے عبادت	۲۱۵
سجدہ فقط اللہ کو ہے	۱۹۷	توبہ کا فائدہ	۲۱۴	دعا کے سلسلہ میں رحمن کے بندوں کی شان	۲۱۵
آسمان کے برج	۱۹۷	گناہ پر نیک بندوں کی ندامت	۲۱۵	رحمن کے بندوں کی قلبی عبادت	۲۱۶
موسموں کی تبدیلی کا نظام	۱۹۸	حضرت ماعزؓ کی توبہ	۲۱۵	حقوق العباد کے بارے میں رحمن کے	۲۱۸
تفسیر قرآن میں سائنسی نظریات کی	۱۹۸	ایک خاتون کی توبہ	۲۱۵	بندوں کا طرز عمل	۲۱۸
موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار	۱۹۸	اہل محبت کے بعض اعمال واقوال	۲۱۵	توبہ کرنے والوں سے حق تعالیٰ کا معاملہ	۲۱۹
فیثاغورس کی تحقیق کی تائید	۱۹۸	سونے کا وظیفہ	۲۱۵	رحمن کے بندوں کی دعا	۲۲۰
غلط دعوی	۱۹۸	برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی	۲۱۶	**سورۃ الشعراء**	۲۲۱
علامہ آلوسی کا تجزیہ	۱۹۸	چار قسم کے جنتی	۲۱۶	اعجاز قرآن	۲۲۱
علم فلکیات کی تاریخ	۱۹۹	ایک بوڑھے گناہ گار کا واقعہ	۲۱۶	امت کیلئے حضور ﷺ کی دل سوزی	۲۲۱
ابوریحان البیرونی کی تحقیقات پر	۱۹۹	ایک خاتون کا واقعہ	۲۱۶	نزول آیت کا زمانہ	۲۲۱
راکٹ کی ایجاد	۱۹۹	مسلمان گناہ گار کی توبہ	۲۱۶	آیت سے معلوم شدہ احکام	۲۲۱
خلائی سفر	۱۹۹	حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی صوفیانہ توجیہ	۲۱۷	صداقت نبی	۲۲۱
قطب نما کے پس پردہ قوت	۱۹۹	جھوٹ سے پرہیز	۲۱۷	محروم ہدایت لوگ	۲۲۲
نظام کائنات کا پیغام	۲۰۰	جھوٹے گواہ کی سزا	۲۱۷	تکذیب وانکار کی سزا ملنے والی ہے	۲۲۲
آسمان کا چراغ	۲۰۰	گناہ کبیرہ	۲۱۷	تھوڑا سا غور کرنے سے حق تک رسائی ممکن ہے	۲۲۲
رات ودن کا نظام	۲۰۰	قاضی شریح رحمہ اللہ کا عمل	۲۱۷	قدرت الٰہی	۲۲۲
حضرت عمرؓ کی فراست	۲۰۰	جھوٹ کی مجلسوں سے پرہیز	۲۱۸	ربط مضامین	۲۲۲
بدلتے حالات کا سبق	۲۱۱	غور وفکر کی عادت	۲۱۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو	۲۲۲
اللہ کے سچے بندے	۲۱۱	صالح اہل وعیال	۲۱۸	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ	۲۲۳
مقبول بندوں کی مخصوص صفات وعلامات	۲۱۱	نیکی کی امامت	۲۱۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے تسکین وتسلی	۲۲۳
جاہلوں سے سلوک	۲۱۲	مؤمنین کا انعام	۲۱۹	آزادی بنی اسرائیل کا پروگرام	۲۲۳
رات کی عبادت گذاری	۲۱۲	جنت کے درجات	۲۱۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو دعوت	۲۲۳
رات کی نماز کی فضیلت	۲۱۲	جنت کے بالاخانے	۲۱۹	فرعون کا جواب	۲۲۴
خوف آخرت	۲۱۳	سلامتی کے تحفے	۲۱۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عذر	۲۲۴

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں	۲۲۴	حضور ﷺ کو تسلی	۲۳۰	قوم عاد کی عمارت پرستی	۲۳۷
لفظ ضلال کا مفہوم	۲۲۴	دعوت ابراہیمی	۲۳۰	کبوتر بازی	۲۳۷
دعوائے نبوت	۲۲۴	قوم کا جواب	۲۳۰	ذلت والا کام	۲۳۷
فرعون کے احسان کا تجزیہ	۲۲۴	حضرت ابراہیم کا سوال	۲۳۰	بلاضرورت عمارت بنانا مذموم ہے	۲۳۷
رب العالمین کے متعلق فرعون کا سوال	۲۲۵	قوم کا جواب	۲۳۱	ایک انصاری صحابی کی حضور ﷺ	۲۳۷
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب	۲۲۵	حضرت ابراہیم کا اعلان جنگ	۲۳۱	سے ناراضگی	۲۳۷
فرعون کی چالاکی	۲۲۵	اللہ تعالیٰ ہی خالق و راہنما ہے	۲۳۱	موت سر پر کھڑی ہے	۲۳۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زوردار خطاب	۲۲۵	رازق، شافی اور زندہ و موت کا مالک اللہ ہی ہے	۲۳۲	حضور ﷺ کا عمل	۲۳۸
فرعون کا دوسرا پینترا	۲۲۶	موت اور بیماری کا فرق	۲۳۲	کمزوروں پر ظلم سے باز آؤ	۲۳۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک	۲۲۶	مقام عصمت کی وضاحت	۲۳۲	جبارین	۲۳۸
اور ناقابل انکار دلیل	۲۲۶	حضور ﷺ کا واقعہ	۲۳۲	اپنے انجام کو سوچو	۲۳۸
فرعون کی دہشت گردی	۲۲۶	حضرت ابراہیم کی دعاء	۲۳۳	قوم والوں کی بے حسی	۲۳۸
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور چیلنج	۲۲۶	حضرت ابراہیم کا والد کیلئے استغفار	۲۳۳	حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ	۲۳۹
فرعون کی بدحواسی	۲۲۷	پاک دل	۲۳۳	عوام سے خطاب	۲۳۹
فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا	۲۲۷	کافروں اور منافقوں کی رسوائی	۲۳۳	سرداروں کی بے پرواہی	۲۳۹
فرعون کے جادوگر کرائے کے مزدور	۲۲۷	شرک اور شک سے پاک دل	۲۳۴	حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی	۲۳۹
جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیلنج	۲۲۷	کافر کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی	۲۳۴	اونٹنی کے ساتھ ظلم	۲۴۰
جادوگروں نے فرعون کی قوت کا سہارا لیا	۲۲۸	تندرست دل	۲۳۴	قوم لوط کی بدکاری	۲۴۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح	۲۲۸	جنت و دوزخ کا نظارہ	۲۳۴	فطرت کی خلاف ورزی	۲۴۰
فرعون کی سیاسی چالبازیاں	۲۲۸	فرضی معبود کہاں ہیں	۲۳۴	غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے	۲۴۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ	۲۲۸	انجام کار سب باطل پرستوں کا آپس میں جھگڑا	۲۳۴	قوم والوں کی دھمکی	۲۴۱
جادوگروں کے ایمان کی پختگی	۲۲۸	کافر کو گہری دوستی بھی کام نہ آئے گی	۲۳۵	حضرت لوط علیہ السلام کی استقامت	۲۴۱
ہجرت کا حکم	۲۲۹	کافروں کی ناکام حسرت	۲۳۵	حضرت لوط علیہ السلام کی دعاء	۲۴۱
تعاقب کی تیاری	۲۲۹	قصہ ابراہیم کا سبق	۲۳۵	حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی	۲۴۱
فرعون کے دعوے	۲۲۹	حضرت نوح کی دعوت	۲۳۵	عذاب کی صورت	۲۴۱
فرعونیوں کی بدبختی	۲۲۹	ایک پیغمبر کا انکار سب کا انکار ہے	۲۳۵	لوطی کی سزا	۲۴۱
بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنادیا	۲۲۹	پیغمبر بے لوث ہوتا ہے	۲۳۵	مدین والے	۲۴۲
دریائے قلزم کے کنارے پر	۲۲۹	طاعات پر اجرت لینے کا حکم	۲۳۶	حضرت شعیبؑ کی تبلیغ	۲۴۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اطمینان علی اللہ	۲۲۹	قوم کے سرداروں کا اعتراض	۲۳۶	فساد فی الارض	۲۴۲
عصائے موسیٰ علیہ السلام سے پانی میں	۲۳۰	قوم نوح کا احمق پن	۲۳۶	قوم کا جواب	۲۴۳
راستے بن گئے	۲۳۰	غریبوں کو دھکے نہیں جاسکتے	۲۳۶	حضرت شعیبؑ کی وضاحت	۲۴۳
فرعون اور اس کی لشکر کی غرقابی	۲۳۰	قوم والوں کی دھمکی	۲۳۶	زلزلے اور آگ کا عذاب	۲۴۳
حق کی کامیابی کی دلیل	۲۳۰	حضرت نوحؑ کی دعاء	۲۳۶	خدا کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے	۲۴۳

عنوان	صفحہ
نزول قرآن	۲۴۳
وحی کی صورتیں	۲۴۳
حضور ﷺ کا امتیاز	۲۴۳
حضور ﷺ کی فصاحت	۲۴۳
قرآن پاک سے متعلق عقیدہ	۲۴۴
نزول قرآن عربی میں ہوا	۲۴۴
نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا جائز نہیں	۲۴۵
قرآن کے اردو ترجمہ کو قرآن کہنا جائز نہیں	۲۴۵
سابقہ کتب کو قرآن نہ کہا جائے	۲۴۵
مضامین قرآن کا تسلسل	۲۴۵
علمائے یہود کا علم	۲۴۵
مشرکین کے بہانے کبھی ختم نہ ہوں گے	۲۴۶
نبی کا مطلب	۲۴۶
اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت	۲۴۶
حقانیت قرآن	۲۴۶
جب تک اللہ تعالیٰ کی مہلت نہیں ٹلتی	۲۴۶
مہلت غنیمت ہے	۲۴۶
مہلت کے بعد عذاب آتا ہے	۲۴۷
قرآن کریم شیطان کے دخل سے پاک ہے	۲۴۷
شیاطین کی نظر بندی	۲۴۷
قرآن کو چھوڑنا غضب کو دعوت دینا ہے	۲۴۷
قریبی رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم	۲۴۸
حضور ﷺ کا اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوت دینا	۲۴۸
کوہ صفا سے پکارنا	۲۴۸
قوم والوں سے خطاب	۲۴۸
وہب کی بات	۲۴۹
ایک ایک کو خطاب	۲۴۹
حضور ﷺ اور امت کی مثال	۲۴۹
حضرت علی کی فضیلت	۲۴۹
اللہ پر بھروسہ رکھو	۲۵۰
حضور ﷺ کا ساجدین میں تقلیب	۲۵۰
حضور ﷺ کے آباؤ اجداد کا مومن ہونا	۲۵۰
صداقت و عظمت قرآن و پیغمبر	۲۵

عنوان	صفحہ
شیطان کی جھوٹی روایات	۲۵۱
کاہنوں کی باتیں	۲۵
ستاروں کا ٹوٹنا	۲۵۲
پیغمبر شاعر نہیں ہے	۲۵۲
[illegible]	۲۵۲
شعر کی تعریف	۲۵۳
اچھے اشعار	۲۵۳
کون سے اشعار برے ہیں	۲۵۳
خدا و آخرت سے غافل کر دینے والا	۲۵۳
جو شعر اور فن مذموم ہے	۲۵۳
اشعار کے متبعین کی گمراہی متبوع کی	۲۵۳
گمراہی کی علامت ہوتی ہے	۲۵۳
شاعروں کی پیروی ایک نمونہ بن جاتا ہے	۲۵۳
شعر گوئی کی مذمت	۲۵۴
... خطیب	۲۵۴
... خطیب	۲۵۴
شعراء کی برائیاں	۲۵۴
زبانی و خیالی باتیں	۲۵۵
پیغمبر کو شعر سے کوئی لگاؤ نہیں	۲۵۵
اچھے شعراء	۲۵۵
حضرت عبداللہ بن رواحہ	۲۵۵
حضرت حسان بن ثابت	۲۵۵
لبید کا کلام	۲۵۶
امیہ بن صلت کے اشعار	۲۵۶
حضور ﷺ کا ایک ارشاد	۲۵۶
حضرت صدیق و فاروق وغیرہ کے اشعار	۲۵۶
حضرت عبداللہ بن عباس کی شعر پسندی	۲۵۶
ظالموں کو تنبیہ	۲۵۷
حضرت ابوبکر صدیق کا وصیت نامہ	۲۵۷
سورۃ النمل	۲۵۸
دنیا پرستی کے مریض	۲۵۸
لوح محفوظ	۲۵۸
قرآن کے احکام واضح ہیں	۲۵۸

عنوان	صفحہ
دنیا پرستوں کو چھوڑیے آپ عظیم الشان کتاب کا شکر ادا کرتے رہیں	۲۵۹
علم و حکمت	۲۵۹
حضرت موسیٰ کا مدین سے واپسی کا سفر	۲۵۹
... کے معنی کی دلیل	۲۵۹
جد و جہد توکل کے منافی نہیں ہے	۲۵۹
اسباب کا لحاظ	۲۵۹
نور الٰہی کا ظہور	۲۶۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سلام	۲۶۰
[illegible]	۲۶۰
اللہ تعالیٰ جسم، صورت، جہت وغیرہ سے پاک ہے	۲۶۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف	۲۶۱
پیغمبر اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا	۲۶۱
غلطی کے بعد توبہ و اصلاح	۲۶۲
پیغمبر کی دعوت ... ہوتا ہے	۲۶۲
قوم والوں کا انکار اور عذاب	۲۶۲
حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام کے علوم	۲۶۳
حیوانوں کا شعور	۲۶۳
علم کی فضیلت	۲۶۳
حضرت سلیمان کے فضائل	۲۶۳
انبیاء سے مال کی وراثت نہیں ہوتی	۲۶۳
حضرت سلیمان اور حضور ﷺ کا درمیانی عرصہ	۲۶۴
پرندوں کی بولیاں	۲۶۴
حضور ﷺ کو جانوروں کی بولیوں کا علم	۲۶۵
اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے	۲۶۵
بشرطیکہ تکبر نہ ہو	۲۶۵
مختلف پرندوں کی تحقیق	۲۶۵
حضرت ابن عباس سے ... کا سوال	۲۶۶
حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول	۲۶۶
حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۲۶۶
حضرت داؤد کی وفات	۲۶۶
ایک اللہ والے کا عجیب قصہ	۲۶۷

حضرت سلیمان علیہ السلام کے شکر	۲۶۷
حضرت سلیمانؑ کی حکومت	۲۶۷
چیونٹیوں کی وادی پر گذر	۲۶۸
حضرت سلیمانؑ کے سفری انتظامات	۲۶۸
مدینہ و مکہ سے حضرت سلیمانؑ کا گذر	۲۶۸
چیونٹی کا اعلان	۲۶۸
چیونٹیوں کی معاشرت کا نظام	۲۶۸
حیوانوں میں بھی ایک درجہ کی عقل موجود ہے	۲۶۹
چیونٹی کا انداز خطاب	۲۶۹
حضرت سلیمان اور ان کے لشکر	۲۶۹
کے متعلق چیونٹی کا حسن ظن	۲۶۹
اہل معرفت کا قول	۲۶۹
حضرت سلیمانؑ کا تعجب اور خوشی	۲۶۹
انبیاء کی ہنسی	۲۷۰
توفیق شکر کی دعا	۲۷۰
عمل صالح کیلئے قبولیت کی دعا	۲۷۰
ہدہد کی غیر حاضری	۲۷۰
حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مریدوں کی خبر گیری ضروری ہے	۲۷۱
اپنے نفس کا محاسبہ	۲۷۱
پرندوں میں سے ہدہد کی تخصیص کی وجہ	۲۷۱
ایک اہم عبرت	۲۷۱
حضرت عبداللہ ابن عباسؓ پر سوال اور اس کا جواب	۲۷۲
کام میں سستی پر متعلقین کو سزا دینا جائز ہے	۲۷۲
مجرم کو عذر کا موقع دینا چاہئے	۲۷۲
قوم سباء	۲۷۲
انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے	۲۷۲
کبھی چھوٹے آدمی کو بھی حق ہے کہ اپنے بڑوں سے کہہ دے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے	۲۷۲
چرند جانوروں کا قتل ممنوع ہے	۲۷۳
ہدہد کا غیر حاضری کے سبب کا مفصل واقعہ	۲۷۳
کسی کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے	۲۷۴
ملکہ سباء	۲۷۴
کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہو سکتا ہے	۲۷۴
عورت کی حکمرانی	۲۷۴
بلقیس کی پیدائش سے حکمرانی تک	۲۷۵
بلقیس کی ماں	۲۷۵
بلقیس کا دو شوہر	۲۷۵
بلقیس کا تخت	۲۷۶
قوم سبا کا شرک	۲۷۶
جانوروں کی فطری معرفت	۲۷۶
حضرت سلیمانؑ کا خط	۲۷۶
قاصد شاہی کے آداب	۲۷۶
تحریر اور خط بھی عام معاملات میں	۲۷۶
حجت شرعیہ ہے	۲۷۶
مشرکین کو خط لکھنا اور ان کے پاس بھیجنا جائز ہے	۲۷۷
انسانی اخلاق کی رعایت ضروری ہے	۲۷۷
خط بلقیس کے پاس	۲۷۷
بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ	۲۷۷
حضرت سلیمانؑ کا خط کس زبان میں تھا	۲۷۷
خط نویسی کے چند آداب	۲۷۷
حضرت سلیمانؑ کے خط کا اعزاز	۲۷۸
کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا	۲۷۸
خط کا جواب دینا بھی سنت انبیاء ہے	۲۷۸
خطوط میں بسم اللہ لکھنا	۲۷۸
آیت قرآنی والی تحریر کسی کافر مشرک	۲۷۹
کے ہاتھ میں دینا جائز ہے	۲۷۹
خط مختصر، جامع، بلیغ اور مؤثر انداز	۲۷۹
میں لکھنا چاہئے	۲۷۹
خط کی جامعیت	۲۸۰
درباریوں کا مشورہ	۲۸۰
بلقیس کا فیصلہ	۲۸۰
بلقیس کے تحائف	۲۸۱
بلقیس کا قاصد اور اس کو ہدایات	۲۸۱
حضرت سلیمانؑ کے انتظامات	۲۸۱
بلقیس کے قاصدوں کا احساس کمتری	۲۸۱
حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے تحفے قبول نہیں کئے	۲۸۲
حضرت سلیمانؑ نے تحائف واپس کر دیئے	۲۸۲
کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا اصول	۲۸۲
حضرت سلیمانؑ کا جواب	۲۸۲
حملہ کی اطلاع	۲۸۳
بلقیس کی حضرت سلیمانؑ کے پاس	۲۸۳
حاضری کی تیاری	۲۸۳
حضرت سلیمانؑ کا رعب	۲۸۳
بلقیس کے تخت لانے کا پروگرام	۲۸۳
بلقیس کی حاضری دربار سلیمان میں ایک دیو کا دعویٰ	۲۸۴
آصف بن برخیا	۲۸۵
معجزہ اور کرامت میں فرق	۲۸۵
تخت بلقیس کا قدرت حق کی طرف	۲۸۵
آصف بن برخیا کی دعا	۲۸۶
انعام الٰہی کا شکر	۲۸۶
شکر گزاری کا نفع	۲۸۶
تخت کے رنگ و روپ میں تبدیلی	۲۸۷
تخت کے ذریعہ بلقیس کے امتحان کی حکمت	۲۸۷
بلقیس کی دانائی	۲۸۷
بلقیس کے یقین کا اظہار	۲۸۷
حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو شرک سے منع کیا	۲۸۸
بلقیس حضرت سلیمانؑ کے دربار کو سمجھ نہ سکی	۲۸۸
نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا	۲۸۸
حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو حقیقت بتلائی	۲۸۸
بلقیس کے اسلام کا اعلان	۲۸۹
حضرت سلیمانؑ کا بلقیس سے نکاح	۲۸۹
بلقیس کی ایک بدگمانی	۲۸۹
قوم ثمود میں گروہ بندی	۲۸۹
حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم	۲۸۹
قوم کا حضرت صالح علیہ السلام پر الزام	۲۹۰
قوم ثمود کے نو سردار	۲۹۰
حضرت صالحؑ پر حملہ کا پروگرام	۲۹۰
جھوٹ کی برائی	۲۹۰

ان کا فساد اور ہلاکت	۲۹۱	دوبارہ زندہ کرے گا	۲۹۷	گناہ گاروں کی تقسیم	۳۰۵
آخر کار اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی	۲۹۱	آسمان وزمین سے تمہیں رزق کون دیتا ہے	۲۹۸	غور وفکر کے بغیر جھٹلا دیا	۳۰۵
قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈر	۲۹۲	تمہارے پاس مقابلہ کی کوئی	۲۹۸	منکروں کے تمام عذر ختم ہوگئے	۳۰۵
ایمان والے کامیاب ہوئے	۲۹۲	دلیل ہے تو پیش کرو؟	۲۹۸	رات ودن کے نظام پر غور کی دعوت	۳۰۶
حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت	۲۹۲	اللہ کے معبود ہونے پر ایک	۲۹۸	حشر کی دلیل	۳۰۶
قوم والوں کا جواب	۲۹۲	دوسری طرح کی دلیل	۲۹۹	صور کا پھونکا جانا	۳۰۶
حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی	۲۹۳	علم غیب کا مسئلہ	۲۹۹	وہ لوگ جن پر گھبراہٹ نہ ہوگی	۳۰۶
پتھروں کی بارش	۲۹۳	ستاروں کے فائدے اور جاہلوں کا علم	۲۹۹	صور ایک سینگ ہے	۳۰۷
وعظ توحید	۲۹۳	قیامت کا معین وقت کسی کو معلوم نہیں	۲۹۹	حضور ﷺ کا فکر آخرت	۳۰۷
مشرکوں کی حماقت	۲۹۳	کم عقلوں کا انکار قیامت	۲۹۹	صور والا فرشتہ	۳۰۷
اللہ کی خالقیت مشرک بھی مانتے ہیں	۲۹۴	منکروں کی دلیل	۲۹۹	کل نفخات	۳۰۷
جو خالق ہے وہی معبود ہے	۲۹۴	قیام قیامت کی دلیل	۲۹۹	شہداء کی فضیلت	۳۰۷
اوتار	۲۹۴	منکروں کو دھمکی	۳۰۰	جبرئیل، میکائیل، عزرائیل اور حاملین عرش	۳۰۷
زمین کا فرش کس نے بنایا	۲۹۴	جو منکر ہی ہیں انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیں	۳۰۰	سب سے پہلے پیدا ہونے اور سب سے	۳۰۸
نہریں اور پہاڑ کس نے بنائے	۲۹۴	حضور ﷺ کی شفقت	۳۰۰	آخر میں مرنے والے	
دریاؤں کا نظام کس نے بنایا	۲۹۴	معرکہ بدر مشرکین کیلئے عذاب	۳۰۰	حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۳۰۸
اللہ ہی نے یہ سب کچھ بنایا ہے	۲۹۵	مہلت اللہ کا فضل ہے	۳۰۰	متعدد بار صور پھونکنا	۳۰۹
مظلوم کی فریاد کون سنتا ہے	۲۹۵	سب کے سب اعمال اللہ کے علم میں ہیں	۳۰۱	پہاڑ روئی کی طرح ہوں گے	۳۱۰
مضطر کون ہے؟	۲۹۵	اہل کتاب کے جھگڑوں کا فیصلہ	۳۰۱	تمام بڑے اجسام کی حرکت	۳۱۰
بے کس کیلئے حضور ﷺ کی بتلائی ہوئی دعاء	۲۹۵	آپ کسی کے اختلاف سے متاثر نہ ہوں	۳۰۱	بڑی بڑی اہم باتیں	۳۱۰
مضطر کی دعاء اخلاص کی بناء پر ضرور	۲۹۵	مردہ دلوں کا حال	۳۰۱	روحوں کا جسم میں سرایت کرنا	۳۱۰
قبول ہوتی ہے	۲۹۵	مسئلہ سماع اموات	۳۰۱	صانع حقیقی کی کاریگری	۳۱۰
تین دعائیں	۲۹۵	نصیحت کس کو نفع دیتی ہے؟	۳۰۲	نیک عمل اور اس کا بدلہ	۳۱۱
دعاء قبول نہ ہو تو مایوس نہ ہو	۲۹۶	باتیں کرنے والا جانور	۳۰۳	بڑی گھبراہٹ	۳۱۱
ایک بے کس ومجبور کا عجیب واقعہ	۲۹۶	قیامت کی دس نشانیاں	۳۰۳	معظم ومحترم گھر	۳۱۱
ایک بزرگ کا عجیب واقعہ	۲۹۶	دابہ کوہ صفا سے نکلے گا	۳۰۳	کامل فرمانبرداری	۳۱۱
قوموں کو زمین کی وراثت کون دیتا ہے؟	۲۹۷	قیامت کی سب سے آخری علامت	۳۰۳	قرآن کے ذریعہ نصیحت وقرآن کی پیروی	۳۱۲
غور کرو تو حقیقت نظر آئے؟	۲۹۷	دابہ کی انگوٹھی اور لاٹھی	۳۰۳	ہر کسی کو اپنے ہی درستی کی ضرورت ہے	۳.۲
جنگل ودریا میں کون راہنمائی کرتا ہے	۲۹۷	دابۃ الارض کی چیخ	۳۰۴	راہنمائی کے منصب کا شکر	۳۱۲
معنوی ستارے	۲۹۷	دابۃ الارض کا رنگ وروپ	۳۰۴	آیت الٰہیہ	۳۱۲
ہوا اور بارش کون بھیجتا ہے	۲۹۷	تین بار دابہ نکلے گا	۳۰۴	سزائیں تاخیر کو غفلت نہ سمجھو	۳۱۲
یہ سب کچھ جھوٹے معبودوں کے بس کا نہیں ہے	۲۹۷	حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دابۃ الارض کو دیکھا	۳۰۵	سورہ کے مضامین کا ربط	۳ ۳
کس نے ابتداءً پیدا کیا اور کون	۲۹۷	مومن وکافر کا امتیاز	۳۰۵	اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا	۳۱۳

سورۃ القصص	۳۱۳	فرعون کے مشورے	۳۲۴	حضرت موسیٰ ؑ کی [illegible]	۳۳۱
مومنوں کی فرعون پر کامیابی [illegible]	۳۱۳	حضرت موسیٰ ؑ کا مدین کی طرف سفر	۳۲۵	تکمیل مدت اور مصر واپسی	۳۳
سورۃ القصص کا تعارف	۳۱۳	مشکلات سفر	۳۲۵	صحرائے سینا میں نور نظر آنا	۳۳۱
قبطیوں کا بنی اسرائیل پر تسلط	۳۱۴	مدین پہنچنا	۳۲۵	کلام الٰہی	۳۳۲
بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل	۳۱۴	دو حیا والی بیبیاں	۳۲۵	خوف کا علاج	۳۳۲
حضرت ابراہیم کی پیشینگوئی	۳۱۴	بیبیوں کی مشکل	۳۲۵	سند نبوت	۳۳۲
فرعون کا [illegible]	۳۱۴	حضرت موسیٰ ؑ نے بکریوں کو پانی پلایا	۳۲۶	حضرت موسیٰ ؑ کی زبان میں لکنت	۳۳۳
[illegible] غالب رہنے والے تھے	۳۱۴	[illegible]	۳۲۶	حضرت موسیٰ ؑ کی درخواستوں کی منظوری	۳۳۳
مصر و شام کی حکومت	۳۱۵	حضرت موسیٰ ؑ کی اللہ سے دعاء	۳۲۶	حضرت موسیٰ ؑ کی دعاء	۳۳۳
[illegible]	۳۱۵	حضرت موسیٰ ؑ کی [illegible] حالت	۳۲۷	اور فرعون کی مرعوبیت	۳۳۳
حضرت موسیٰ ؑ کی والدہ کو الہام	۳۱۵	[illegible] حضرت	۳۲۷	حضرت موسیٰ ؑ پر جادو کا الزام	۳۳۳
ام موسیٰ کو تسلی	۳۱۵	موسیٰ [illegible] بیٹھے تھے	۳۲۷	فرعون کی دلیل	۳۳۳
مصر میں قبطیوں کے زوال کے اسباب	۳۱۶	قوم شعیب [illegible] کی خدمت میں	۳۲۷	حضرت موسیٰ ؑ کی [illegible] تقریر	۳۳۳
حضرت موسیٰ ؑ کی ولادت اور دایہ	۳۱۶	ایک نبی کی [illegible]	۳۲۷	فرعون کی حماقت	۳۳۴
حضرت موسیٰ ؑ [illegible] تنور [illegible] میں	۳۱۶	حضرت موسیٰ کے پاس حضرت شعیب کا پیغام	۳۲۸	فرعون کا تکبر اور ہلاکت	۳۳۴
صندوق کی تیاری [illegible]	۳۱۶	[illegible]	۳۲۸	گمراہی کے امام	۳۳۵
[illegible]	۳۱۶	[illegible]	۳۲۸	حکمت عملی کی تبدیلی	۳۳۵
حضرت موسیٰ ؑ [illegible] فرعون کے محل میں	۳۱۷	حضرت موسیٰ ؑ [illegible]	۳۲۸	تورات کے مضامین	۳۳۵
فرعون کی بیوی [illegible]	۳۱۷	حضرت شعیب ؑ کی تسلی و امان	۳۲۸	سابقہ کتابوں کا مطالعہ	۳۳۵
فرعون [illegible]	۳۱۷	حضرت موسیٰ ؑ کی قوت و امانت	۳۲۸	ماضی کے واقعات کے تذکرہ کی حکمت	۳۳۶
[illegible]	۳۱۷	حضرت شعیب کی [illegible]	۳۲۸	خواب غفلت سے بیداری کا انتظام	۳۳۶
حضرت [illegible]	۳۱۷	[illegible]	۳۲۸	طور و مدین کی تاریخ حراء و ثور میں دہرائی گئی	۳۳۷
حضرت موسیٰ ؑ [illegible]	۳۱۸	ملازمت [illegible]	۳۲۹	امت محمدیہ کو ندا	۳۳۷
حضرت موسیٰ ؑ کی [illegible]	۳۱۹	[illegible] شرطیں	۳۲۹	تبلیغ و دعوت کے بعض آداب	۳۳۷
بھائی [illegible]	۳۱۹	حضرت موسیٰ ؑ کی شادی	۳۲۹	پیغمبروں کا وجود اللہ کا احسان ہے	۳۳۷
حضرت موسیٰ ؑ [illegible]	۳۲۰	[illegible] طریقہ	۳۲۹	قوم کی کٹ حجتیاں	۳۳۸
حضرت موسیٰ ؑ [illegible]	۳۲۰	خدمت و حق مہر	۳۲۹	مشرکین ہدایت سے خالی	۳۳۸
حضرت موسیٰ ؑ [illegible]	۳۲۱	[illegible] ایک مسئلہ	۳۲۹	خواہش کے بندے	۳۳۸
حضرت موسیٰ ؑ [illegible] موت	۳۲۲	[illegible] حق مہر	۳۲۹	نزول ہدایت کا تسلسل	۳۳۹
قبطی اور اسرائیلی کا جھگڑا	۳۲۳	[illegible]	۳۳۰	انصاف پسند اہل کتاب	۳۳۹
قبطی کے قتل کی قانونی حیثیت	۳۲۳	حضرت شعیب کا [illegible] شوق	۳۳۰	حضرت نجاشیؓ کی رعایا کے چند لوگ	۳۳۹
سرکشی کی دوسری لڑائی	۳۲۴	حضرت شعیب کی [illegible]	۳۳۰	اہل کتاب کا سابقہ ایمان	۳۳۹
راز کا فاش ہونا	۳۲۴	[illegible] فیصلہ	۳۳۰	دوہرا ایمان اور دوہرا اجر	۳۳۹

دوہرے اجر والے لوگ	۳۴۰	حصولِ مقصد پر خوشی	۳۵۰	آزمائش کی صورتیں	۳۵۹
اہل علم کے اوصاف	۳۴۰	اترانے کی سزا	۳۵۰	حضرت عمرؓ کا آزاد کردہ غلام حضرت مہجعؓ	۳۵۹
جاہلوں سے برتاؤ	۳۴۰	مال و وسائل کا صحیح استعمال	۳۵۱	سابقہ انبیاء اور ان کے متبعین کی آزمائشیں	۳۶۰
جناب ابوطالب	۳۴۱	دنیا کے مال میں آدمی کا حصہ	۳۵	اللہ سے جیت سکنے کا مغالطہ	۳۶۰
مشرکین کا عذر	۳۴۲	زمین میں فساد نہ کرو	۳۵۲	[illegible]	۳۶۰
عذر کا جواب	۳۴۲	قارون کا تکبر و خود غرضی	۳۵۲	اللہ اپنے امیدواروں سے وعدہ پورا کرے گا	۳۶۱
حرم دورِ جاہلیت میں بھی امن کی جگہ تھی	۳۴۲	کیمیاگری کا علم	۳۵۲	اللہ بے نیاز ہے عبادت و محنت کا	۳۶۱
حرم میں ہر قسم کے پھل	۳۴۳	بری خصلتیں	۳۵۲	نفع خود بندے کو ہے	۳۶
اللہ کے عذاب سے ڈرو	۳۴۳	دولت کس نے دی؟	۳۵۲	اللہ نیکیوں کا صلہ دیتا ہے	۳۶۱
قانونِ قدرت	۳۴۳	بڑے مجرموں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں	۳۵۳	[illegible]	۳۶۱
دنیا کا سامان فانی ہے	۳۴۴	قارون کی ٹیپ ٹاپ	۳۵۳	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی	۳۶۱
عقلمند کون؟	۳۴۴	دانا اہل علم کی نصیحت	۳۵۳	[illegible]	۳۶۱
مومن و کافر برابر نہیں	۳۴۴	صبر کا پھل	۳۵۴	والدین کی اطاعت کی حد	۳۶۲
خدائی کے جھوٹے دعویدار	۳۴۴	قارون کی سرکشی کا آغاز	۳۵۴	حق پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر	۳۶۲
جھوٹے معبودوں کا عذر	۳۴۵	قارون نے عہدہ طلب کیا	۳۵۴	مومنین کے درجات کا حال	۳۶۲
جھوٹے معبود مدد سے عاجز ہوں گے	۳۴۵	قارون کی حضرت موسیٰ سے عداوت	۳۵۴	کمزور مومن	۳۶۲
گمراہوں کی حسرت	۳۴۵	قارون نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا	۳۵۵	منافقوں کی حالت	۳۶۳
ساعت کا سوال	۳۴۶	حضرت موسیٰ کی بددعا کا خوف	۳۵۵	مومن و منافق الگ ہو کر رہے گا	۳۶۳
آخرت کی کامیابی ایمان و عمل صالح سے	۳۴۶	فرعون کی تدبیریں ناکام	۳۵۵	مسلمان کافروں کی اتباع نہ کریں	۳۶۳
تخلیق و انتخاب کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے	۳۴۶	قارون کی ہلاکت	۳۵۵	کافروں کے جھوٹے دعوے	۳۶۳
فضیلت کا معیار انتخاب خداوندی ہے	۳۴۶	قارون کی ہلاکت سے عبرت	۳۵۶	نیکی اور بدی کا داعی	۳۶۳
[illegible]	۳۴۷	حقیقت سے آگاہی	۳۵۶	اہل حق ہمیشہ آزمائے جاتے رہے ہیں	۳۶۴
معبود صرف اللہ ہے	۳۴۷	اصل خوش بختی	۳۵۶	حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت	۳۶۴
دن کی روشنی کی نعمت	۳۴۷	تواضع کرنے والوں کا مقام	۳۵۶	طوفان نوح	۳۶۴
رات کی نعمت	۳۴۸	مشفقانہ قانون	۳۵۷	نجات یافتہ لوگ	۳۶۴
عمل کے گواہ	۳۴۸	دنیا و آخرت کی کامیابی متقین کیلئے ہے	۳۵۷	کشتی نوح علیہ السلام عبرت کا نشان	۳۶۴
تب ان پر حق واضح ہوگا	۳۴۸	منصب نبوت محض رحمت خداوندی ہے	۳۵۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت	۳۶۵
چند مضامین	۳۴۸	جو دین میں ساتھ دے وہی اپنا ہے	۳۵۸	معیشت کی اہمیت	۳۶۵
قارون ملعون	۳۴۹	دین کے کام میں قوم کی مداہنت نہ کیجئے	۳۵۸	قوم کے جھٹلانے سے پیغمبر کا کوئی نقصان نہیں	۳۶۵
چادر لٹکانا	۳۴۹	فانی اور باقی	۳۵۸	اپنی پیدائش پر دوبارہ زندگی کو قیاس کر لو	۳۶۵
قارون کے خزانے	۳۵۰	اللہ کی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے	۳۵۸	اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں	۳۶۵
حضرت میمونہ مصریہ کی کرامت	۳۵۰	**سورۃ العنکبوت**	۳۵۹	دوسری مخلوقات میں غور کرو	۳۶۶
دولت پر اترانا	۳۵۰	ایمان کا امتحان ضروری ہے	۳۵۹	عذاب و رحم کی صورتیں	۳۶۶

اللہ سے کوئی بھاگ نہیں سکتا	۳۶۶
مایوس رحمت	۳۶۶
قوم ابراہیمؑ کی دہشت گردی	۳۶۷
اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ	۳۶۷
اہل حق کی کامیابی کی مثال	۳۶۷
آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی تقریر	۳۶۷
مشرکانہ دوستیاں کوئی کام نہ دیں گی	۳۶۷
امت محمدیہ میں انقلابات	۳۶۷
حضرت لوطؑ کا ایمان لانا اور ہجرت	۳۶۸
حضرت عثمانؓ کی ہجرت	۳۶۸
... براہیم	۳۶۹
دنیا میں سب سے پہلی ہجرت	۳۶۹
بعض لوگوں کی جزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے	۳۶۹
صحابہ کرامؓ کی ہجرت حبشہ	۳۶۹
حضرت لوطؑ کی تبلیغ	۳۶۹
قوم لوط کی بدکاریاں	۳۶۹
قوم والوں کا حضرت لوط کو جواب	۳۷۰
حضرت لوطؑ کی دعاء	۳۷۰
ہلاکت کے فرشتے	۳۷۰
حضرت ابراہیمؑ کا تعجب	۳۷۰
فرشتوں کا جواب	۳۷۱
فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس	۳۷۱
قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات	۳۷۱
حضرت شعیبؑ کی تبلیغ	۳۷۱
فساد فی الارض	۳۷۱
عقل پرستوں کی غلط فہمی	۳۷۲
عقل کے باوجود ہلاکت کے خریدار بنے	۳۷۲
قارون، فرعون اور ہامان	۳۷۲
مختلف مجرموں کی مختلف سزائیں	۳۷۲
اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا	۳۷۳
مشرکوں کی حیثیت	۳۷۳
مکڑی اور مشرک	۳۷۳
حکمت وطاقت کا مالک اللہ ہے	۳۷۴

قرآنی مثالوں پر مشرکین کے اعتراضوں کا جواب	۳۷۴
اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟	۳۷۴
تلاوت قرآن کے نتائج	۳۷۴
نماز برائیوں سے روکتی ہے	۳۷۵
امام رازی کی تحقیق	۳۷۵
ناقص نمازیں	۳۷۵
عنقریب نماز برائی سے روک دے گی	۳۷۶
انصاری نوجوان کی توبہ	۳۷۶
اللہ کی یاد	۳۷۶
فضائل ذکر کی احادیث	۳۷۶
(۱) سب سے بہتر عمل	۳۷۶
(۲) سب سے اعلیٰ مرتبہ والا بندہ	۳۷۶
(۳) افضل آدمی اور افضل عمل	۳۷۷
(۴) آگے بڑھ جانے والے	۳۷۷
(۵) زندہ و مردہ آدمی	۳۷۷
(۶) اہل ذکر کو فرشتے تلاش کرتے ہیں	۳۷۷
(۷) جنت کے باغ	۳۷۷
(۸) فرشتوں کا سرمایہ فخر	۳۷۷
(۹) غافلوں میں ذاکر کی مثال	۳۷۷
(۱۰) عذاب سے نجات	۳۷۸
(۱۱) فرشتوں اور رحمتوں کا نزول	۳۷۸
(۱۲) اللہ تعالیٰ کی ہمراہی	۳۷۸
جو آدمی جس قدر اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ جانتا ہے	۳۷۸
اہل کتاب کو دعوت دینے کا طریقہ	۳۷۸
کیا اس آیت میں موجودہ تورات و انجیل کے مضامین کی تصدیق کا حکم ہے	۳۷۸
موجودہ تورات وانجیل کی نہ مطلق	۳۷۹
تصدیق کی جائے نہ مطلق تکذیب	۳۷۹
بداخلاقی کا جواب نرمی ہے	۳۷۹
ظلم اور معاہدہ شکن کافر	۳۷۹
اہل کتاب کی تصدیق وتردید کی حد	۳۷۹
سابقہ کتب پر ایمان	۳۷۹
اہل کتاب قرآن پاک کو کیوں قبول نہیں کرتے	۳۸۰

قرآن کریم محفوظ کتاب	۳۸۰
سچے اور منصف اہل کتاب قرآن کو مانیں گے	۳۸۰
جو قرآن کا منکر ہے وہ تورات کا بھی منکر ہے	۳۸۰
صداقت قرآن کی دلیل	۳۸۰
قرآن پاک کی سینہ بہ سینہ حفاظت	۳۸۱
حضور ﷺ کی صداقت	۳۸۱
امت محمدیہ کا ایک وصف	۳۸۱
من مانگا نشان دکھلانا پیغمبر کا کام نہیں ہے	۳۸۱
قرآن کافی نشانی ہے	۳۸۱
شان نزول اپنے پیغمبر کو چھوڑ کر	۳۸۱
دوسروں کی باتوں پر توجہ کرنا	۳۸۱
حضور ﷺ کی نبوت اللہ کی مصدقہ ہے	۳۸۲
سب سے بڑی بدبختی	۳۸۲
اس امت کے کافروں کا عذاب	۳۸۲
عذاب کا وقت	۳۸۲
کافر عذاب میں گھرے ہوئے ہیں	۳۸۲
جہنم کہاں ہے	۳۸۲
مال عذاب بنے گا	۳۸۳
ہجرت کا حکم	۳۸۳
آخر سب کچھ چھوڑنا ہے	۳۸۳
ایمان والے اعمال پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر	۳۸۳
اللہ رزاق ہے چوزوں کو بھی رزق ملتا ہے	۳۸۴
کوے کے بچوں کی پرورش	۳۸۴
سفر وسیلہ ظفر	۳۸۴
سوائے انسان، چوہے اور چیونٹی کے	۳۸۴
کوئی مخلوق روزی جمع نہیں کرتی	۳۸۴
حضور ﷺ کا گذر وقت	۳۸۴
کامل توکل کا انعام	۳۸۴
ہر ایک کو اپنا رزق ضرور ملے گا	۳۸۵
رزق کے اسباب پر اللہ کا تصرف ہے	۳۸۵
بندوں کے ایمان کی حفاظت	۳۸۵
آخرت کی فکر ضروری ہے	۳۸۶
انسان کی احسان فراموش طبیعت	۳۸۶

حقیقت ماننی پڑتی ہے	۳۸۶	جھوٹے معبودوں کا انجام	۳۹۵	اونچی شان اللہ کی ہے	۴۰۲
اہل مکہ کیلئے امن کی نعمت	۳۸۶	نیک و بد کے فیصلہ کا دن	۳۹۵	شرک کی برائی کیلئے عام فہم مثال	۴۰۲
سب سے بڑی ناانصافی	۳۸۶	نیکیوں کا انعام	۳۹۵	خواہش پرستی کا نقصان	۴۰۳
اللہ کیلئے جہاد کا ثمرہ	۳۸۶	تحمید کا معنی و مطلب	۳۹۵	آپ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہیں	۴۰۳
بارگاہِ الٰہی کا قرب	۳۸۷	جنت میں خوش کلامی	۳۹۶	فطرتِ انسانی	۴۰۳
سورۃ الروم	۳۸۷	گانا سننے کی سزا	۳۹۶	ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے	۴۰۴
عرب سے قریب کی زمین	۳۸۷	مسئلہ سماع	۳۹۶	مشرکوں کے بچے	۴۰۴
ایرانیوں کی فتح پر مشرکین کی خوشی	۳۸۷	یادِ الٰہی اور پانچ نمازیں	۳۹۷	فطرت کو مسخ نہ کرو	۴۰۴
اہل روم کا تعارف	۳۸۸	پانچ نمازوں کا ذکر قرآن میں	۳۹۷	آخر کار فطری سعادت و بدبختی غالب آتی ہے	۴۰۴
رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ	۳۸۸	تمام گناہ معاف	۳۹۷	طبیعت نہیں بدل سکتی	۴۰۴
رومیوں کے غلبہ کی پیشنگوئی	۳۸۹	سب سے بڑا عمل	۳۹۷	قبول حق کی استعداد	۴۰۵
ابتدائے اسلام کے وقت کی	۳۸۹	زبان پر ہلکے اور ترازو میں بھارے کلمے	۳۹۷	فرقہ پرستی دین فطرت کے خلاف ہے	۴۰۵
بین الاقوامی طاقتیں	۳۸۹	سبحان اللہ کیا ہے؟	۳۹۷	اہل بدعت	۴۰۵
فارسیوں کی فتح اور مشرکین کی چھیڑ بازی	۳۸۹	چار وزنی اور بڑھیا کلمے	۳۹۸	اہلسنت والجماعت	۴۰۵
حضرت ابوبکرؓ کی مشرکین سے شرط	۳۹۰	سب سے اعلیٰ کلام	۳۹۸	شیطان کا حربہ	۴۰۵
مسئلہ قمار	۳۹۰	حضرت ابراہیم کو خلیل کا نام کیسے ملا؟	۳۹۸	مشرکین کی گروہ بندی	۴۰۵
فارسیوں کا مقابلہ اور ابی بن خلف کی	۳۹۰	رات کے نقصان کا ازالہ	۳۹۸	مصیبت کے وقت اللہ یاد آتا ہے	۴۰۶
حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بحث	۳۹۰	نیند نہ آنے کا علاج	۳۹۸	بندوں کی حالت	۴۰۶
ابی بن خلف کی موت	۳۹۱	قدرتِ الٰہی کی کارسازیاں	۳۹۸	مؤمن کی حالت	۴۰۶
حضرت ابوبکرؓ کی جیت	۳۹۱	مٹی سے تخلیق انسان	۳۹۹	شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے	۴۰۶
رومیوں کے غلبہ کے اسباب	۳۹۱	پہلی آیت قدرت	۳۹۹	مشرک اور مؤمن کا فرق	۴۰۷
مسلمانوں کی خوشی کا دن	۳۹۲	توالد و تناسل کا نظام	۳۹۹	ہر حال میں راضی رہنا چاہیے	۴۰۷
اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے	۳۹۳	دوسری آیت قدرت	۳۹۹	ضرورت مندوں کی خبرگیری	۴۰۷
لوگوں کی ظاہر پرستی	۳۹۳	سامان راحت	۳۹۹	مال کے مستحقین	۴۰۷
معیشت میں پڑکر آخرت سے	۳۹۳	شکل و صورت اور بولیوں کا اختلاف	۴۰۰	زکوٰۃ اور سود کا فرق	۴۰۸
غفلت دانائی نہیں	۳۹۳	تیسری آیت قدرت	۴۰۰	اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی	۴۰۸
تخلیق کائنات کا ایک مقصد ہے	۳۹۳	انسان کی دو حالتیں	۴۰۰	عدل و انصاف کی برکت	۴۰۸
اپنے آپ میں غور کرو	۳۹۳	چوتھی آیت قدرت	۴۰۰	خاندانوں کی ایک باہمی رسم کی اصلاح	۴۰۸
غور و فکر کا حاصل	۳۹۴	سونا اور تلاشِ معاش زہد و توکل کے منافی نہیں	۴۰۰	مارنا، جلانا اللہ ہی کا کام ہے	۴۰۹
ماضی کی طاقتور اقوام سے عبرت پکڑو	۳۹۴	بارش کا انتظام	۴۰۱	بحر و بر کا فساد	۴۰۹
اہل مکہ کیلئے دعوتِ فکر	۳۹۴	آسمان و زمین کا بقاء	۴۰۱	بحر و بر کا مطلب	۴۰۹
قومیں خود اپنے اوپر ظلم کرتی ہیں	۳۹۵	آسمان و زمین میں حکم صرف اللہ ہی کا ہے	۴۰۱	ہابیل کے قتل کا اثر	۴۰۹
گناہ کا اثر	۳۹۵	اول و آخر پیدا کرنا برابر ہے	۴۰۱	فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض ہیں	۴۰۹

گناہوں پر تنبیہ	۴۰۹	کامل خصوصیت کرنے کا اثر	۴۱۶	زبان و عمل سے شکر	۴۲۴
تنگیاں اور مصائب گناہوں کے سبب سے آتے ہیں	۴۱۰	**سورۃ اللقمان**	۴۱۷	جسم کے دو بہترین اور بدترین اعضاء	۴۲۴
مصائب کے وقت ابتلاء و امتحان	۴۱۰	سرمایہ ہدایت و رحمت	۴۱۷	حضرت لقمان کی عقل کی باتیں	۴۲۴
سزا اور عذاب میں فرق	۴۱۰	حکم زکوٰۃ	۴۱۷	حضرت لقمان کا بیٹا	۴۲۵
شرک کی شامت	۴۱۰	فضولیات کے خریدار	۴۱۷	حضرت لقمان کی نصیحتیں	۴۲۵
فساد کا علاج	۴۱۰	قریش کا سردار نضر بن حارث	۴۱۷	امام خلیل بن احمد کی دعاء	۴۲۵
قیامت کا دن	۴۱۰	گانا سکھانے کا پیشہ	۴۱۸	شرک سب سے بڑی ناانصافی ہے	۴۲۶
نیک و بد کا امتیاز	۴۱۰	گانے کا سننا	۴۱۸	ظلم کیا ہے	۴۲۷
نیک عمل کا ثواب	۴۱۰	حضرت [illegible] کا فتویٰ	۴۱۸	والدین کے ساتھ حسن سلوک	۴۲۷
عمل پر مغفرت و رحمت ہے	۴۱۰	تدریجی احتساب	۴۱۹	بچہ کا دودھ چھڑانے کی مدت	۴۲۷
نعمتوں کے مقابلے میں اعمال کچھ نہیں	۴۱۱	مسئلہ دف	۴۱۹	اللہ تعالیٰ اور والدین کا شکر	۴۲۷
اللہ کی رحمت جنت میں لے جائے گی	۴۱۱	غیر دینی کام ممنوع ہے	۴۱۹	یمن میں حضرت معاذ کا پہلا خطبہ	۴۲۷
مسلمانوں کی آبرو کی حفاظت	۴۱۱	شادی کے موقع پر خوشی	۴۱۹	شرک و گناہ میں والدین کی نافرمانی جائز ہے	۴۲۸
حضور ﷺ کی دعاء سے بارش	۴۱۲	حیوانی خوشی	۴۲۰	حضرت سعد بن مالک اور ان کی والدہ کا قصہ	۴۲۸
بحری راستے	۴۱۲	کانوں سے متعلقہ چیزیں حرام ہیں	۴۲۰	والدین سے حسن سلوک کی حدود	۴۲۸
دنیا میں بھی حق پرستوں کا غلبہ ہوتا ہے	۴۱۲	[illegible]	۴۲۱	حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے والد کا واقعہ	۴۲۸
مومنین کی مدد اللہ پر حق ہے	۴۱۲	باغ جنتیں	۴۲۱	والدین کی خدمت اور ادب ضروری ہے	۴۲۹
بارش کے نظام سے عبرت	۴۱۳	شراب، جوا اور طبلہ سارنگی	۴۲۱	حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا اتباع کرو	۴۲۹
رحمت الٰہی [illegible]	۴۱۳	خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر	۴۲۱	چھوٹے سے چھوٹا اور خفیہ سے	۴۲۹
مردہ روحوں اور مردہ جسموں کی زندگی	۴۱۳	مفید اشعار کا پڑھنا ممنوع نہیں	۴۲۱	خفیہ عمل بھی حاضر کیا جائے گا	۴۲۹
کوئی نہ سنے تو پیغمبر پر کوئی عذر نہیں	۴۱۴	قرآن سے اعراض	۴۲۱	حضرت لقمان کے بیٹے کا خیال	۴۲۹
سماع موتی کا مسئلہ	۴۱۴	زمین کی مضبوطی	۴۲۲	دانے اور پتھر سے مراد	۴۳۰
انسانی زندگی کے اُتار چڑھاؤ	۴۱۵	زمین کا حسن	۴۲۲	امر بالمعروف و نہی عن المنکر	۴۳۰
قیامت کے دن دنیا کی زندگی کی	۴۱۵	مشرکین کے معبود جھوٹے معبود ہیں	۴۲۲	دعوت حق کی مشکلات کو برداشت کرو	۴۳۰
حقیقت کھلے گی	۴۱۵	حضرت لقمان کی باتیں	۴۲۲	صبر و استقامت کی اہمیت	۴۳۰
برزخی زندگی	۴۱۵	حضرت لقمان کی خوش گفتاری	۴۲۳	تکبر و بدخلقی نہ کرو	۴۳۰
مشرکین کی غلط سوچ	۴۱۵	خاموش رہنا حکمت ہے	۴۲۳	حضرت سلیمانؑ کی شان	۴۳۰
مشرکین کے خیال کی تردید	۴۱۵	تین کام سے بزرگی	۴۲۳	حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ	۴۳۰
قبر میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا	۴۱۵	حکمت تک پہنچانے والے اعمال	۴۲۳	حضرت حسنؓ کا مقولہ	۴۳۰
کوئی عذر و معذرت بھی نہ ہو سکے گی	۴۱۶	نعمتوں کی شکر گزاری	۴۲۳	تکبر عقل کا دشمن	۴۳۱
تفہیم قرآن	۴۱۶	حکمت اور شکر	۴۲۴	تکبر و نفاق کا علاج	۴۳۱
ضد و عناد کا انجام	۴۱۶	شکر کے حکم کی نوعیت	۴۲۴	حضرت طاؤسؒ کا حضرت عمر بن عبدالعزیز	۴۳۱
دعوت کیلئے صبر و تحمل ضروری ہے	۴۱۶	شکر کا معنی اور اقسام	۴۲۴	کو عار دلانا	۴۳

عنوان	صفحہ
متکبر کو اللہ نہیں دیکھے گا	۴۳۱
حضرت معاذؓ کا رونا	۴۳۱
تصنع سے بچو	۴۳۱
حضرت لقمان کی چھ اور نصیحتیں	۴۳۱
میانہ روی اختیار کرو	۴۳۲
اونچی آواز سے پرہیز	۴۳۲
آداب معاشرت	۴۳۲
حضور ﷺ کے اخلاق و اوصاف	۴۳۲
یہود و نصاریٰ کی بے راہ روی	۴۳۲
حضرت عمرؓ کی رفتار	۴۳۲
گدھے کی آواز کی قباحتیں	۴۳۳
حضرت لقمان پر ہیبت خداوندی کا حب	۴۳۳
تسخیر کائنات	۴۳۳
سورج کا سجدہ	۴۳۳
ظاہر و باطنی نعمتیں	۴۳۳
بے سند جھگڑے	۴۳۴
اندھی تقلید	۴۳۴
اتباع کی قسمیں	۴۳۴
مضبوط حلقہ	۴۳۴
کسی کی تکذیب کی پرواہ نہ کرو	۴۳۵
تھوڑے دن کی مہلت ہے	۴۳۵
اللہ تعالیٰ تمام صفت و قدرت کا مالک ہے	۴۳۵
ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے	۴۳۵
اللہ کی صفت ختم ہونے والی نہیں ہے	۴۳۶
اللہ کی عظمت اور تصرفات کی ایک مثال	۴۳۶
اللہ تعالیٰ کیلئے تخلیق کی آسانی	۴۳۶
بے مثال صفات کی	۴۳۷
پابندی وقت	۴۳۷
اللہ تعالیٰ کا علم محیط	۴۳۷
اللہ کی صفات کے ذکر کا مقصد	۴۳۷
بحری جہاز	۴۳۷
صبر و شکر کا موقع	۴۳۷
صبر و شکر والے لوگ	۴۳۸
سمندر کی موجوں میں مشرک بھی	۴۳۸
اللہ کو پکارتے ہیں	۴۳۸
مشکل کشائی کے بعد کی حالت	۴۳۸
جھوٹے عہد	۴۳۸
قیامت کی وحشت سے بچنے کا سامان کرو	۴۳۸
کوئی بدلہ نہ دے سکے گا	۴۳۹
دھوکے میں نہ پڑو قیامت آ کر رہے گی	۴۳۹
پانچ چیزیں جن کا علم اللہ کے پاس ہے	۴۴۰
غیب کے پانچ خزانے	۴۴۱
حضرت سلیمان کے دربار کی	۴۴۱
موت کا عجیب واقعہ	۴۴۱
خلیفہ منصور کا خواب	۴۴۱
حضور ﷺ کے علوم	۴۴۱
منتہائے حیات اور منتہائے مکان کا علم	۴۴۲
سورة السجده	۴۴۲
شک و شبہ سے پاک کتاب	۴۴۲
سورة کی فضیلت	۴۴۳
ربط	۴۴۳
کافروں کی بیہودہ باتوں کا جواب	۴۴۳
یہاں تو توحید کی دعوت دی جا رہی ہے	۴۴۳
عمرو بن نفیل	۴۴۳
ورقہ بن نوفل	۴۴۳
کہاں بھاگ سکتے ہو؟	۴۴۴
احکام الٰہیہ کی تنفیذ اور انتظامات کی ترتیب	۴۴۴
زمین سے سدرة المنتہیٰ تک اور	۴۴۴
آسمانوں کے درمیان کی مسافت	۴۴۴
زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا	۴۴۴
مومن پر قیامت کی آسانی	۴۴۵
اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت	۴۴۵
اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حسین بنائی ہے	۴۴۵
حکیم الامت حضرت تھانوی کی تقریر	۴۴۵
قدرت کاملہ کا ثبوت	۴۴۵
مخلوق کی عزت افزائی	۴۴۵
نعمتوں کا شکریہ	۴۴۶
کافروں کے شبہات	۴۴۶
موت کا فرشتہ	۴۴۶
موت سے مقصد	۴۴۶
حضرت ابراہیمؑ سے ملک الموت کی ملاقات	۴۴۶
جانوروں کی موت کس طرح ہوتی ہے	۴۴۷
موت کے چار فرشتے	۴۴۷
سمندر کے شہیدوں کی روح افزائی	۴۴۷
موت کے بعد روحوں کا مقام	۴۴۷
حضور ﷺ کی ملک الموت سے ملاقات	۴۴۸
عزرائیل کی ذمہ داری سے براءت	۴۴۸
مجرموں کی رسوائی	۴۴۸
بے کار حسرت	۴۴۸
رحمت الٰہی کے تقاضے	۴۴۸
ہر ایک سے وعدہ ہے	۴۴۹
جنتیوں اور دوزخیوں کی فہرست	۴۴۹
اہل ایمان کا خوف	۴۴۹
مومنوں کی نمازیں	۴۴۹
مخصوص حضرات کیلئے اعلان	۴۵۹
جنت میں لے جانے والے عمل	۴۵۰
امر کا سر، ستون، کوہان اور جڑ	۴۵۰
افضل نفلی نماز اور روزے	۴۵۰
اللہ کے دو محبوب بندے	۴۵۰
حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نعتیہ اشعار	۴۵۰
صحابہ کی شان	۴۵۱
عشاء و فجر کی جماعت کی فضیلت	۴۵۱
اللہ سے لو لگی اور اللہ سے ڈر	۴۵۱
راتوں کی عبادت کا انعام	۴۵۱
جنتیوں کی حوریں	۴۵۱
ان دیکھی و ان سنی نعمتیں	۴۵۲
جہنمیوں کی سزا	۴۵۲
دنیا کا عذاب	۴۵۲
حضور ﷺ کو تسلی	۴۵۳

تین گناہوں کی مغفرت	۴۵۳
شب معراج کے تحفے	۴۵۳
حضرت موسیٰ و حضرت یونس سے ملاقات	۴۵۳
صبر امامت دلاتا ہے	۴۵۳
کسی قوم کا مقتدا و امام بننے کیلئے دو شرطیں	۴۵۴
مسلمانوں کو تنبیہ	۴۵۴
حق و باطل کا فیصلہ	۴۵۴
بنجر زمین مصر کی آبادی کا انتظام	۴۵۴
دریائے نیل کی بھینٹ کی رسم	۴۵۴
دریائے نیل کے نام حضرت عمر فاروقؓ کا خط	۴۵۵
دعوت غور و فکر	۴۵۵
منکرین کی جلد بازی	۴۵۵
ابھی موقع سے فائدہ اٹھاؤ	۴۵۵
آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں	۴۵۵
سورۃ کی فضیلت	۴۵۶
گناہگار کی بخشش	۴۵۶
سورۃ کی برکات	۴۵۶
تمام سورتوں پر فضیلت	۴۵۶
شب قدر کی عبادت کا ثواب	۴۵۶
سورۃ الاحزاب	۴۵۶
کافروں کیلئے بھی چاپلوسی کی ضرورت نہیں	۴۵۶
سورۃ احزاب کی آیات	۴۵۷
تقویٰ کی اہمیت	۴۵۷
سورۃ کے مضامین	۴۵۷
آنحضرت ﷺ کا اعزاز	۴۵۷
صرف وحی کی اتباع کریں	۴۵۷
بھروسہ فقط خدا پر رکھیں	۴۵۷
پچھلی سورۃ سے ربط	۴۵۸
سورۃ احزاب کی منسوخ شدہ آیات	۴۵۸
رسوم جاہلیت کی تردید	۴۵۸
ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے	۴۵۸
ابو معمر فہری	۴۵۹
منافقوں کی قیاس آرائی کی تردید	۴۵۹
ظہار کا حکم	۴۵۹
لے پالک بیٹے	۴۵۹
حضرت زید بن حارثہ	۴۶۰
بھول چوک معاف ہے	۴۶۰
دوسرے کی طرف نسبت کی سزا	۴۶۰
مجتہدین کی خطا	۴۶۰
مومن کا حضور ﷺ سے تعلق	۴۶۰
حضور ﷺ کی اطاعت واجب ہے	۴۶۱
حضور ﷺ کی خدمت اپنی مرضی پر مقدم ہے	۴۶۱
مومن کی نجات میں حضور ﷺ کا سبب	۴۶۱
ازواج مطہرات امہات المومنین ہیں	۴۶
امہات المومنین کے دیگر رشتہ دار	۴۶۱
ازواج مطہرات سے امتی کا نکاح حرام ہے	۴۶۲
نسبی رشتہ داری	۴۶۲
اپنی خوشی اور احسان کی بنیاد پر وراثت منسوخ	۴۶۲
انبیاء سے میثاق	۴۶۲
عہد کس وقت لیا گیا	۴۶۲
میثاق تمام انبیاء سے لیا گیا	۴۶۲
حضور ﷺ کی عظمت	۴۶۳
میثاق کا مقصد	۴۶۳
غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کی غیبی مدد	۴۶۳
غزوۂ خندق کا مختصر حال	۴۶۳
اللہ کی ہوا اور جماعت کی مدد	۴۶۴
غزوۂ خندق کا پس منظر	۴۶۴
مشہور پہلوان کا قتل	۴۶۴
یہودیوں کو تعصب نے جاہل کر دیا	۴۶۴
یہودیوں اور مشرکوں کا پختہ معاہدہ	۴۶۵
یہودیوں کا بنی غطفان سے معاہدہ	۴۶۵
مشرکوں کی روانگی	۴۶۵
مسلمانوں کے انتظامات	۴۶۵
خندق کے کام کی تقسیم	۴۶۶
ایک سخت چٹان	۴۶۶
چٹان سے روشنی	۴۶۶
فتوحات کی پیشن گوئی	۴۶۶
منافقوں کے دل کا کھوٹ	۴۶۶
حالت کی تنگی	۴۶۷
حضرت سلمانؓ منّا	۴۶۷
حضرت جابرؓ کی طرف سے دعوت کا انتظام	۴۶۷
رسول اللہ ﷺ کا معجزہ	۴۶۷
کافروں کی چڑھائی	۴۶۸
کعب بن اسد کی عہد شکنی	۴۶۸
اطلاع کی رسائی	۴۶۸
صورت حال کی شدت	۴۶۹
منافقوں کا خوف	۴۶۹
کعب بن اسد کی بے وقت پشیمانی	۴۶۹
حضرت زبیر کا بنو قریظہ کی طرف جانا	۴۶۹
صلح کی تدبیر اور مسلمانوں کے بلند جذبے	۴۶۹
بنی غطفان سے مدینہ کی پیداوار کا معاہدہ	۴۷۰
حضرت علیؓ اور عمرو بن عبدود کا مقابلہ	۴۷۰
نوفل بن عبداللہ کا جسد	۴۷۰
حضرت سعد بن معاذؓ کا جذبہ	۴۷۰
حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی بہادری	۴۷۱
یہودیوں کے شب خون کا سدباب	۴۷۱
حضرت سعد کا حضور ﷺ سے تعلق	۴۷۱
سخت سردی میں حضور ﷺ کا خود نگرانی کرنا	۴۷۱
ایک شب تمام مشرکوں کی شکست	۴۷۱
صحابہ کا خوف	۴۷۲
مشرکوں کی شرارت کا خاتمہ	۴۷۲
غزوۂ خندق کی شدت	۴۷۲
نمازوں میں تاخیر	۴۷۲
نماز میں تاخیر پر مشرکین کو بددعا میں	۴۷۳
کافروں کی شکست کیسے ہوئی	۴۷۳
ایک خفیہ مسلمان کی خفیہ تدبیر	۴۷۳
کافروں میں پھوٹ	۴۷۴
سردی کی شدت میں حضرت حذیفہؓ کا	۴۷۴
جاسوسی کیلئے جانا	۴۷۴

حضرت حذیفہؓ کا مشرکین میں گھس جانا	۴۷۵
مشرکین کی پسپائی	۴۷۵
حضرت حذیفہؓ کا خوشخبری لے کر لوٹنا	۴۷۵
فرشتوں کا اثر	۴۷۵
رحمۃ للعالمین کا اثر	۴۷۵
حضرت حذیفہ سے فرشتوں کی بات چیت	۴۷۵
حضرت زبیرؓ کی فضیلت	۴۷۵
کافروں کی دائمی پسپائی	۴۷۵
واپس شہر لوٹنے کی دعاء	۴۷۶
انتظامی، معاشرتی امتیاز اسلامی وحدت	۴۷۶
اور اسلامی قومیت کے منافی نہیں	۴۷۶
خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی	۴۷۶
غزوۂ خندق کا موسم اور فرشتوں کا رعب	۴۷۶
غیر یقینی حالات	۴۷۶
منافقوں کی بزدلی	۴۷۷
یثرب	۴۷۷
منافقوں کا مشورہ اور بہانے	۴۷۷
رسول اللہ ﷺ کی ایک جنگی تدبیر	۴۷۷
حضرت سعدؓ کی غیرت ایمانی اور عزم شدید	۴۷۷
منافقوں کی اندرونی کیفیت	۴۷۸
منافقوں کی عہد شکنی	۴۷۸
موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا	۴۷۸
اللہ کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا	۴۷۹
منافقوں کی بد اندیشی اللہ کو معلوم ہے	۴۷۹
منافقوں کی موقع پرستی	۴۷۹
منافقوں کے عمل بے جان ہیں	۴۸۰
منافقوں کی بزدلی کا عالم	۴۸۰
حضور ﷺ کا واجب تقلید استقلال	۴۸۰
حضور ﷺ کی سیرت مکمل نمونہ ہے	۴۸۰
حضرت عمرؓ کا اتباع سنت	۴۸۱
مخلص مسلمانوں کی شان	۴۸۱
مؤمنوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا	۴۸۱
حضرت انس بن النضر کا ایفائے عہد	۴۸۲

حضرت مصعب بن عمیرؓ	۴۸۲
حضرت طلحہ بن عبید اللہ	۴۸۲
عمل کا بدلہ	۴۸۳
کفار کی ذلت و ناکامی	۴۸۳
لڑائی کے بغیر فتح	۴۸۳
یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی کی سزا	۴۸۳
بنو قریظہ کے مقتولین	۴۸۳
یہودیوں کی زمینیں	۴۸۴
غزوۂ بنی قریظہ کا واقعہ	۴۸۴
خندق سے واپسی	۴۸۴
فرشتے کی آواز	۴۸۴
فقط حملہ کی دیر ہے	۴۸۴
فرشتوں سے اٹھتا ہوا غبار	۴۸۵
حملے کا اعلان	۴۸۵
جھنڈا	۴۸۵
غزوہ بنو قریظہ کب ہوا	۴۸۵
حضور ﷺ کی سواری	۴۸۵
جبریل کی سواری اور بنی نجار کو حکم	۴۸۵
بنی قریظہ کی گالیاں	۴۸۶
یہودی کی مکر نیاں	۴۸۶
چھواروں کا کھانا	۴۸۶
محاصرہ کا آغاز	۴۸۶
یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین	۴۸۶
کعب بن اسد کی حق پرستانہ تجویز	۴۸۶
قوم یہود کا انکار	۴۸۶
کعب کی دوسری تجویز	۴۸۷
ثعلبہ اور اسید کی تقریر اور اسلام	۴۸۷
عمرو بن مسعود نے عہد پورا کیا	۴۸۷
حضرت ابولبابہؓ کا واقعہ	۴۸۸
حضرت فاطمہؓ کی فضیلت	۴۸۸
حضرت ابولبابہؓ کا خواب	۴۸۸
یہودیوں کی شکست	۴۸۸
قبیلہ اوس کی سفارش	۴۸۹

حضرت سعد کا بطور جج تقرر	۴۸۹
حضرت سعد کا فیصلہ	۴۸۹
حضرت سعدؓ کی دعاء	۴۹۰
یہودی مردوں کا قتل	۴۹۰
یہودیوں کا سردار حیی	۴۹۰
قیدیوں کو پانی پلانے کا حکم	۴۹۰
کعب بن اسد سے حضور ﷺ کی گفتگو	۴۹۰
قتل کا اصول	۴۹
رفاعہ کی جان بخشی	۴۹۱
ایک یہودی عورت کا قتل	۴۹۱
زبیر بن باطا کی عجیب داستان	۴۹۱
مال کی تقسیم	۴۹۲
کچھ قیدیوں کی فروخت	۴۹۲
حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن کی تجارت	۴۹۲
ماں بچے میں جدائی کی ممانعت	۴۹۳
شاہی تحفہ میں آئی ہوئی باندیاں	۴۹۳
مناقب سعد بن معاذ	۴۹۴
مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب گناہ یا منکر نہیں ہوتی جس پر ملامت کی جائے	۴۹۴
ازواج مطہرات کا معاملہ	۴۹۴
ازواج مطہرات کو اختیار	۴۹۵
اختیار دینے کا سبب	۴۹۵
ازواج مطہرات کا اجر	۴۹۵
ازواج مطہرات کی تعداد	۴۹۶
حضرت عائشہ اور تمام ازواج نے	۴۹۶
حضور ﷺ کو اختیار کرلیا	۴۹۶
ازواج مطہرات کی قدر افزائی	۴۹۶
اس واقعہ میں صحابہ کرامؓ کا عمل	۴۹۶
حضرت عائشہؓ کی دانائی	۴۹۶
عورت کو اختیار طلاق کا مسئلہ	۴۹۶
ازواج مطہرات کے مطالبہ کے محرکات	۴۹۷
حضور ﷺ کی خوشی	۴۹۷
امہات المؤمنین کا عظیم درجہ	۴۹۸

عظیم مرتبہ کے لوازمات	۴۹۸	اہل بیت میں ازواج یقیناً داخل ہیں	۵۰۵	خاشع، متصدق، صائم اور حافظ	۵۱۲
عمدہ روزی اور حسن معاشرت	۴۹۸	سیاق احکام کا مقصد	۵۰۶	حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب کا واقعہ	۵۱۳
امہات المؤمنین کا عمل دوگنا ہے	۴۹۸	حدیث نساء ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۵۰۶	حضرت زید کی شادی	۵۱۳
امہات المؤمنین پر [illegible]	۴۹۸	خلاصہ کلام	۵۰۶	اپنی مرضی کو اللہ و رسول کے تابع بناؤ	۵۱۳
مقام عظمت کا تقاضا	۴۹۹	حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین [illegible]	۵۰۷	پیغمبر کی نافرمانی یا کفر ہے یا فسق	۵۱۳
فضیلت والی خواتین	۴۹۹	بھی اہل بیت میں داخل ہیں	۵۰۷	نکاح اولیاء کے ذریعہ کفو میں ہونا چاہئے	۵۱۴
چار فضیلت والی خواتین	۴۹۹	ازواج واہل [illegible] بیت ہیں	۵۰۷	دینی مصلحت کفو سے افضل ہے	۵۱۴
تمام خواتین سے افضل	۴۹۹	[illegible]	۵۰۷	حضرت زید اور حضرت زینب میں ناموافقت	۵۱۴
حضرت عائشہ صدیقہ کی فضیلت	۴۹۹	مستعمل [illegible]	۵۰۷	حضور ﷺ نے حضرت زید کو طلاق سے منع فرمایا	۵۱۴
تمام ازواج مطہرات متقیہ تھیں	۵۰۰	شیعوں کا [illegible]	۵۰۸	حضرت زید نے طلاق دی	۵۱۵
غیر مرد سے بات کرنے کا طریقہ	۵۰۰	عورتوں [illegible]	۵۰۸	حضور ﷺ کا میلان طبع	۵۱۵
اجنبی خاتون سے نرم گفتگو کرنے والے کی سزا	۵۰۰	عورت [illegible]	۵۰۸	حضور ﷺ کا حضرت زید کو مشورہ	۵۱۶
بغیر شوہر اجنبی سے بات منع ہے	۵۰۰	عورت کی [illegible]	۵۰۸	موجب اجر ہے	۵۱۶
غیر عورت سے [illegible] ممنوع	۵۰۰	[illegible]	۵۰۸	انبیاء اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے	۵۱۶
منافقت کی بیماری	۵۰۰	[illegible]	۵۰۸	حیاء کی اہمیت	۵ ۶
عورتوں کیلئے گھروں سے باہر نکلنے کی	۵۰۰	ازواج [illegible]	۵۰۹	حضور ﷺ کا حضرت زینب کو پیغام	۵۱۷
نمائش ممنوع ہے	۵۰۰	[illegible]	۵۰۹	دعوت ولیمہ	۵۱۷
ضرورت سے [illegible]	۵۰۱	حضرت [illegible]	۵۰۹	حضرت زینب [illegible]	۵ ۷
شیعوں کی [illegible]	۵۰۱	مختلف اقوال میں تطبیق	۵۰۹	حضرت زینب [illegible] حضور ﷺ	۵ ۷
[illegible]	۵۰۱	اسلوب [illegible]	۵۰۹	[illegible]	۵۱۷
جاہلیت کی بدفعلی کی ابتداء	۵۰۱	[illegible] کا خطاب	۵۰۹	[illegible] نکاح	۵۱۸
حضرت عثمان غنی کی شہادت اور حالات کا انتشار	۵۰۲	[illegible]	۵۰۹	[illegible]	۵۱۸
حضرت عائشہ صدیقہ کا سفر بصرہ	۵۰۲	شیعوں کی تاویل	۵۱۰	حضرت [illegible] حضور ﷺ	۵۱۸
اور اس کے مقاصد	۵۰۲	تعلیم قرآن وسنت کا حکم	۵۱۰	[illegible]	۵۱۸
شیعوں کا طوفان	۵۰۲	قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت	۵۱۰	منہ بولے بیٹے کی بیوی	۵۱۹
فتنہ بازوں کی کارروائی	۵۰۲	[illegible]	۵۱۰	حضرت [illegible]	۵۱۹
واقعہ جمل پر حضرت عائشہ	۵۰۳	ایمان دار خواتین کا ذکر	۵۱۱	منہ بولے [illegible]	۵۱۹
اور حضرت علی کا افسوس	۵۰۳	خواتین کی دلجمعی	۵۱	[illegible]	۵۱۹
[illegible]	۵۰۳	[illegible]	۵	پیغمبر [illegible]	۵۲۰
انگلستانی خاتون کا بے پردگی ختم	۵۰۴	عذاب الٰہی سے نجات	۵۱۱	ختم نبوت	۵۲۰
بے پردگی کے نقصانات	۵۰۴	افضل و اعلیٰ آدمی	۵۱۲	حضور ﷺ کی نرینہ اولاد نہ رہنے کی حکمت	۵۲۰
ارکان اسلام کی پابندی	۵۰۵	غافل و ذاکر کی مثال	۵۱۲	حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ پر ہوں گے	۵۲۰
ازواج مطہرات کیلئے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ	۵۰۵	مؤمن، مسلم، قانت، صادق، صابر،	۵۱۲	سلسلہ نبوت میں حضور ﷺ کی مثال	۵۲۰

تحقیق [illegible] بھی [illegible] ﷺ [illegible] تھے	۵۲۱
اہم صفت	۵۲۱
آپ ﷺ خاتم النبیین بھی ہیں خاتم الرسل بھی	۵۲۱
قادیانیوں کی تحریفات اوران کا رد	۵۲۱
ایک بلیغ تمثیل	۵۲۲
آنے والی امت کے ہدایت کا انتظام	۵۲۲
نبوت کی تمام قسمیں ختم ہو گئیں	۵۲۳
قادیانی کے من گھڑت عنوانات	۵۲۳
اجماع امت	۵۲۳
منکر ختم نبوت کافر ہے	۵۲۳
ختم نبوت کی احادیث کی راوی صحابہؓ	۵۲۳
حضور ﷺ ہر لحاظ سے خاتم الانبیاء ہیں	۵۲۴
مسیلمہ قادیان کا ہذیان	۵۲۴
بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت	۵۲۴
اللہ کا علم کافی ہے	۵۲۵
حضور ﷺ کے اسمائے گرامی	۵۲۵
عظیم الشان نعمت کا شکر	۵۲۵
ہمہ وقتی عبادت	۵۲۵
[illegible] خصوصیت	۵۲۶
نماز میں تسبیح کی اہمیت	۵۲۶
[illegible]	۵۲۶
حضور ﷺ کی دعاء	۵۲۶
جامع عبادت	۵۲۶
قابل حسرت مجلس	۵۲۶
ذکر اللہ کی کثرت کا نتیجہ	۵۲۶
"صلوٰۃ" کا معنی	۵۲۷
مؤمنوں پر مہربانی	۵۲۷
مؤمنوں کیلئے سلام کے تحفے	۵۲۷
امت کیلئے حضور ﷺ کی گواہی	۵۲۷
انبیاء کیلئے گواہی	۵۲۷
امت کیلئے گواہی کا مقصد اور گواہی کی بنیاد	۵۲۸
نور اعظم	۵۲۸
دعوت حق کی دشواریاں	۵۲۸

داعی [illegible] کی مثال	۵۲۹
روشن چراغ	۵۲۹
[illegible]	۵۲۹
تورات میں حضور ﷺ کے اوصاف	۵۲۹
حضرت [illegible]	۵۲۹
[illegible]	۵۲۹
[illegible]	۵۳۰
حضور ﷺ کا نور اور چراغ کی روشنی	۵۳۰
[illegible]	۵۳۰
کافروں منافقوں کی پرواہ نہ کریں	۵۳۱
کافروں کی ایذاء کو اہمیت نہ دیں	۵۳۱
حضور ﷺ کے کمالات اور ذمہ داریاں	۵۳۱
[illegible]	۵۳۱
نکاح سے پہلے طلاق [illegible]	۵۳۱
[illegible]	۵۳۲
[illegible]	۵۳۲
[illegible]	۵۳۲
[illegible]	۵۳۳
حضور ﷺ [illegible]	۵۳۳
[illegible]	۵۳۳
[illegible]	۵۳۳
[illegible]	۵۳۳
[illegible]	۵۳۳
[illegible]	۵۳۴
[illegible]	۵۳۴
[illegible]	۵۳۵
حضور ﷺ [illegible]	۵۳۵
[illegible]	۵۳۵
[illegible]	۵۳۵
[illegible]	۵۳۵
[illegible]	۵۳۵
[illegible]	۵۳۶
[illegible]	۵۳۶

اختیار کے مختلف پہلو	۵۳۶
دورِ جاہلیت کا ایک غلط رواج	۵۳۶
تعدادِ ازواج کا مسئلہ	۵۳۷
حضور ﷺ نے ان اختیارات سے کام نہیں لیا	۵۳۷
حضور ﷺ کو اختیار دینے کی حکمت	۵۳۷
ازواج مطہرات کیلئے تسلی	۵۳۷
حضرت [illegible] کی بیوہ	۵۳۸
[illegible]	۵۳۸
[illegible]	۵۳۹
نکاح کیلئے عورت کی پیشکش	۵۳۹
حضور ﷺ کی مجلس کیلئے آداب	۵۳۹
پردے کا حکم	۵۳۹
حضرت عمر فاروقؓ کی رائے	۵۳۹
حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت	۵۴۰
مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرو	۵۴۰
[illegible]	۵۴۰
حضور ﷺ کی مروت	۵۴۰
اعلیٰ معاشرت کیلئے احکام	۵۴۱
حضور ﷺ کی حیات میں یا وفات	۵۴۱
کے بعد ازواج مطہرات میں سے	۵۴۱
کسی کا غیر سے نکاح [illegible]	۵۴۱
ایک مستثنیٰ صورت	۵۴۲
تحریم ازواج کی وجہ	۵۴۲
[illegible]	۵۴۳
[illegible]	۵۴۳
[illegible]	۵۴۳
[illegible]	۵۴۵
[illegible]	۵۴۵
[illegible]	۵۴۶
[illegible]	۵۴۶
[illegible]	۵۴۶
حضرت [illegible]	۵۴۷

درود بھیجنا واجب ہے یا مستحب	۵۴۷
آخری قعدہ میں درود پڑھنا	۵۴۸
ہر دفعہ حضور ﷺ کے نام پر درود	۵۴۸
کے واجب ہونے کے دلائل	۵۴۸
رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کی فضیلت وکیفیت	۵۴۹
ایک دفعہ درود پر دس رحمتیں	۵۴۹
حضور ﷺ کا قرب کا حصول	۵۴۹
سلام پہنچانے والے فرشتے	۵۴۹
سلام کا جواب	۵۴۹
دس رحمتوں اور دس سلامتیوں کا حصول	۵۴۹
تمام فکر دور ہو جائیں گے	۵۵۰
بھرپور بدلہ	۵۵۰
ستر رحمتیں	۵۵۰
حضور ﷺ کی شفاعت	۵۵۰
حضور ﷺ کی خوشی	۵۵۰
دعا کی قبولیت	۵۵۰
جتنا درود اتنی رحمتیں	۵۵۰
احد پہاڑ جتنا ثواب	۵۵۰
صبح شام دس مرتبہ درود	۵۵۰
روئے زمین کے تمام باشندوں کے برابر عمل	۵۵۰
گناہوں کی معافی	۵۵۱
جمعہ کو درود کی کثرت	۵۵۱
کتاب میں درود لکھنے کا ثواب	۵۵۱
نبیوں کے علاوہ کسی پر صلوٰۃ وسلام کا مسئلہ	۵۵
صحابہ کرام کی عظمت	۵۵۲
نماز کیلئے حضور ﷺ کی تعلیم فرمودہ دعاء	۵۵۲
صلوٰۃ وسلام کا طریقہ	۵۵۲
رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے کی سزا	۵۵۳
یہودی اور عیسائیوں کی ایذا رسانی	۵۵۳
ابن آدم کی نالائقی	۵۵۳
رسول اللہ ﷺ کو ایذا کی صورتیں	۵۵۳
اللہ کو ایذا دینے کا مطلب	۵۵۳
حضرت صفیہ بنت حیی کی فضیلت	۵۵۳
حضرت عائشہؓ کی فضیلت	۵۵۳
اللہ تعالیٰ کی اپنے ولیوں سے محبت	۵۵۴
توہین رسالت کے مجرم کی سزا	۵۵۴
کامل مسلمان	۵۵۴
عبداللہ بن اُبی منافق	۵۵۴
حضرت علیؓ کی فضیلت	۵۵۵
آوارہ گرد منافق	۵۵۵
بہتان تراش منافق	۵۵۵
پردہ کا حکم	۵۵۵
عورت پردہ کرکے ضروری کام کیلئے	۵۵۵
گھر سے باہر جاسکتی ہے	۵۵۵
پردہ کا طریقہ	۵۵۵
حضور ﷺ کی صاحبزادیاں	۵۵۶
چادر اوڑھنے کی صورت	۵۵۶
باہر نکلنے کیلئے پردہ کے علاوہ شرطیں	۵۵۶
جوان عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کی	۵۵۶
طرف دیکھنا ممنوع ہے	۵۵۶
پردہ کے درجے	۵۵۶
آزاد عورتوں کا امتیاز	۵۵۶
منافقوں فتنہ پردازوں کو تنبیہ	۵۵۷
منافقوں کی ایذائیں اور ان کا سد باب	۵۵۷
فسادیوں کا قلع قمع	۵۵۷
کفر کیلئے قانون	۵۵۸
منافق ومرتد کی سزا	۵۵۸
ایذا رساں افواہیں پھیلانا حرام ہے	۵۵۸
اللہ تعالیٰ کا قانون	۵۵۸
اقوام گذشتہ کا حال دیکھ لو	۵۵۸
دستور الٰہی اٹل ہے	۵۵۸
قیام قیامت کا علم	۵۵۸
ملعون مردوں کا عذاب	۵۵۹
آخرت کی حسرت	۵۵۹
بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو	۵۵۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کی شرارتیں	۵۶۰
حضرت موسیٰ پر زنا کی تہمت	۵۶۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قتل کی تہمت	۵۶۰
آنحضرت ﷺ پر ایک گرانی	۵۶۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت	۵۶۰
سیدھی بات ہو	۵۶۱
انسان کی عظیم ذمہ داری	۵۶۱
حضرت آدم پر اطاعت کی پیشکش	۵۶۲
زمین وآسمان کی حالت	۵۶۲
انسان کی خطاء	۵۶۲
ذمہ داری کی اہمیت	۵۶۲
امانت کے اٹھ جانے کا اندیشہ	۵۶۲
چار بنیادی اوصاف	۵۶۲
امانت داری دل کی صفت ہے	۵۶۲
قرب ورضائے الٰہی کا شوق	۵۶۲
عرض امانت کا وقت	۵۶۳
ادائے امانت فرض ہے	۵۶۳
آیت امانت کی تشریحی تفسیر	۵۶۳
حضرت حکیم الامت تھانوی کا ارشاد	۵۶۳
حضرت جنید بغدادی کا ارشاد	۵۶۳
امانت کے متعلق علماء کے اقوال	۵۶۳
جمادات کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ	۵۶۴
حضرت آدم علیہ السلام	۵۶۴
امانت کی تشبیہ	۵۶۴
حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تحقیق	۵۶۵
علامہ بیضاوی کی تحقیق	۵۶۵
انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا مطلب	۵۶۵
تزکیہ ضروری ہے	۵۶۶
منافق، کافر اور مؤمن کا انجام	۵۶۶
بار امانت کا نتیجہ	۵۶۷
شرعی ذمہ داری کی غرض	۵۶۷

☆ ☆ ☆

فہرست عنوانات

سورۃ سبا تا سورۃ القمر

سورۃ سبا	۵۶۹	حکایت	۵۷۵	دو ہی شکر والے بہت کم ہیں	۵۸۱
دنیا و آخرت میں تعریف اللہ ہی کی ہے	۵۶۹	بطور معجزہ لوہا نرم ہو جاتا تھا	۵۷۵	نمر داودی	۵۸۲
اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے	۵۶۹	سارا وقت اسی میں صرف نہ ہو	۵۷۵	حضرت سلیمانؑ کی موت	۵۸۲
یہ سب چہل پہل اللہ کی رحمت سے ہے	۵۶۹	علماء، قاضی اور مفتی بیت المال سے لے سکتے ہیں	۵۷۵	سلیمانؑ کی عبادت	۵۸۳
انکار قیامت	۵۶۹	حقیقی رزاق سے غفلت	۵۷۵	دیمک کا شکریہ	۵۸۳
قیامت ضرور آئے گی	۵۶۹	پانچ چیزیں اور نیک عمل کرو	۵۷۵	جنات کی غیب دانی کا دعویٰ	۵۸۳
بیک وقت ہزاروں اموات	۵۷۰	ہوائی سفینہ	۵۷۶	سلیمانؑ کی عمر	۵۸۳
غیبت کرنے والے	۵۷۰	تخت سلیمانی کی رفتار	۵۷۶	موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں	۵۸۳
ملی کی وجہ سے عذاب	۵۷۱	یہ معجزہ کیسے ملا	۵۷۶	سلیمانؑ کی دعائیں	۵۸۴
صفت علم غیب کی تخصیص	۵۷۱	تانبے کا چشمہ	۵۷۶	تعمیر کی تکمیل سلیمانؑ کی کوشش	۵۸۴
قیامت کیوں ضروری ہے	۵۷۱	جنات کا مسخر ہونا	۵۷۶	جنات کے علم کی حقیقت	۵۸۴
ایمان والوں کو عین الیقین حاصل ہوگا	۵۷۱	تسخیر جنات کا مسئلہ	۵۷۷	ایک عجیب درخت	۵۸۴
کافروں کے عقیدۂ آخرت کا تجزیہ	۵۷۲	نافرمان جنات کی سزا	۵۷۷	سلیمانؑ کو موت کا علم کیسے ہوگیا	۵۸۵
یہی لوگ گمراہ ہیں	۵۷۲	جنات کا کام	۵۷۸	سبا کا تعارف	۵۸۵
جس نے کائنات بنائی وہ توڑ بھی سکتا ہے	۵۷۲	بیت المقدس کی تعمیر	۵۷۸	قوم سبا کے باغات	۵۸۵
کافروں کو ڈرانا	۵۷۲	نمازوں کا مختلف ثواب	۵۷۸	سدّ مآرب	۵۸۵
نظم کائنات میں نشانیاں ہیں	۵۷۲	تین مسجدوں کا سفر	۵۷۹	سبا سے شام تک کی آبادی	۵۸۵
داؤدؑ کو نبوت اور حکومت عطا کرنا	۵۷۳	سلیمانؑ کی تعمیر کی بربادی	۵۷۹	سبا کی آب و ہوا	۵۸۶
داؤدؑ کی خوش آوازی	۵۷۳	جن کیسی تصویریں بناتے تھے	۵۷۹	سبا میں بارہ یا تیرہ پیغمبر آئے	۵۸۶
حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام	۵۷۳	شریعت اسلامیہ کی خصوصیت	۵۷۹	انعامات الٰہیہ کا تقاضا	۵۸۶
کے تذکرہ کی حکمتیں	۵۷۳	تصویر کی ممانعت کے اسباب	۵۸۰	پھل کا نظام اور باغات	۵۸۷
تسبیح کرنے میں پہاڑوں	۵۷۳	تصویر بنانے والے	۵۸۰	ناشکری اور بے پرواہی کا نتیجہ	۵۸۸
اور پرندوں کی رفاقت	۵۷۳	فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے	۵۸۰	سیل عرم	۵۸۸
لوہے کو موم کرنا	۵۷۴	جن اور انسان	۵۸۱	تدبیر کی شکست	۵۸۸
داؤدؑ نے زرہوں کا کام کیسے شروع کیا	۵۷۴	مسجد میں محراب	۵۸۱	پیلو اور جھاؤ	۵۸۸
ہاتھ کی کمائی	۵۷۴	عمل سے شکر ادا کرو	۵۸۱	چوہوں کے ذریعے تباہی	۵۸۸

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
ایک کاہن کی چوائی	۵۸۸	روزی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے	۵۹۸	مُردوں کا انجام بُرا ہی ہے	۶۰۴
کفر کی سزا	۵۸۹	قرب الٰہی کا ذریعہ	۵۹۸	**سورۃ فاطر**	۶۰۵
مؤمن کی بھلائی	۵۸۹	مال کے مصارف	۵۹۸	بغیر نمونے کے بنانے	۶۰۵
تجارتی سفر کی آسانیاں	۵۹۰	عمل کا بدلہ	۵۹۸	فاطر کا معنی	۶۰۵
قوم سبا کی مستی	۵۹۰	منکرین مخالف عذاب میں	۵۹۸	فرشتوں کی مصروفیت	۶۰۵
پوری قوم بکھر گئی	۵۹۰	خرچ کرنے سے نہ گھبراؤ	۵۹۹	فرشتوں کی ساخت	۶۰۵
صبر و شکر والوں کیلئے عبرت	۵۹۱	خرچ کرنے سے نعمت بڑھتی ہے	۵۹۹	اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے	۶۰۵
مؤمن کی شان	۵۹۱	کاٹ کھانے والا زمانہ	۵۹۹	سر سید احمد خان کی غلط فہمی	۶۰۶
قوم نے ابلیس کا مقصد پورا کر دیا	۵۹	بدتر لوگ	۵۹۹	اللہ کی رحمت کوئی نہیں روک سکتا	۶۰۶
مؤمن شیطان کا تابع نہیں ہوتا	۵۹۱	ملائکہ سے خطاب	۵۹۹	حضور ﷺ کی دعائیں	۶۰۶
انسان کیلئے امتحان	۵۹۲	فرشتوں کا جواب	۵۹۹	بارش کے وقت حضرت ابوہریرہؓ کا عمل	۶۰۶
اہل مکہ سے خطاب	۵۹۲	عابد و معبود دونوں عاجز ہیں	۶۰۰	معبود حقیقی صرف اللہ ہی ہے	۶۰۶
بت ایک ذرے کے مالک نہیں	۵۹۲	کافروں کی بدگمانی	۶۰۰	آسمان و زمین	۶۰۶
کافروں کیلئے کوئی سفارش نہ چلے گی	۵۹۲	کفر کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے	۶۰۰	متعصب ہمیشہ رہتے ہیں	۶۰۷
فرشتوں کی تابعداری	۵۹۳	ان سے زیادہ طاقتور قومیں ہلاک ہوئیں	۶۰۰	شیطان سے بچنا ضروری ہے	۶۰۷
فرشتوں کی گھبراہٹ	۵۹۳	اللہ کیلئے اٹھو اور غور کرو	۶۰۱	محبت کا تقاضا	۶۰۷
روزی رساں	۵۹۴	حضور ﷺ کی سچائی واضح ہو چکی	۶۰۱	نیک و بد برابر نہیں ہیں	۶۰۷
اب تم دونوں میں ہے	۵۹۴	حضور ﷺ کو تم سے دنیوی غرض نہیں	۶۰۱	مُردے اور زندہ برابر نہیں	۶۰۸
دونوں سچے نہیں ہو سکتے	۵۹۴	سب سے بالاتر ہیں	۶۰۱	مُردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت	۶۰۸
اپنی عاقبت کی فکر کرو	۵۹۴	قریش کے سرداروں کو دعوت	۶۰۱	عزت و ذلت کا سبب اللہ ہے	۶۰۸
ذرا دکھلاؤ تو اپنے معبود!	۵۹۴	غور و فکر کی لائن	۶۰۱	[illegible]	۶۰۸
نہیں نہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں	۵۹۵	میں کوئی معاوضہ نہیں مانگتا	۶۰۲	پاک کلمات اور نیک عمل	۶۰۹
حضور ﷺ کی عام رسالت	۵۹۵	اللہ کا حق اور بندوں کا حق	۶۰۲	بغیر عمل کے ایمان بیکار نہیں	۶۰۹
حضور ﷺ کی خصوصیت	۵۹۵	حق آ گیا اس سے فائدہ اٹھاؤ	۶۰۲	قبولیت کی شرط	۶۰۹
کہتے ہیں قیامت کب آئے گی	۵۹۶	ہر گھر تک اسلام پہنچ کر رہے گا	۶۰۲	حق کے مخالف کا کام ہوتا ہے	۶۱۰
ضرور آئے گی	۵۹۶	باطل حق کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا	۶۰۲	انسان کا توالد و تناسل	۶۱۰
محشر میں پتہ چلے گا	۵۹۶	جھوٹ زیادہ دیر نہیں چل سکتا	۶۰۲	ہر ایک کی عمر مقرر ہے	۶۱۰
چھوٹوں کا بڑوں پر الزام	۵۹۶	ان کی پکڑ کا وقت قریب ہے	۶۰۳	زیادتی عمر کے اسباب	۶۱۰
پھر سب شرمائیں گے	۵۹۷	اس وقت کا ایمان بھی کام نہ آئے گا	۶۰۳	غلبہ اسلام کے لطیف اشارے	۶۱۱
طوق اور بیڑیاں	۵۹۷	اب پچھتانے سے کچھ نہیں ملتا	۶۰۳	مچھلی کا حکم	۹
اعمال کی سزا	۵۹۷	اب دنیا میں واپسی نہیں ہوگی	۶۰۳	مردوں کیلئے موتیوں کا استعمال	۶۱۱
آگ سارا گوشت جلا دے گی	۵۹۷	ایک نیک نوجوان کا عجیب واقعہ	۶۰۳	اللہ کا شکر ادا کرو	۶۱۱
سردار لوگ ہر پیغمبر کے مخالف رہے ہیں	۵۹۷	کافروں کی روح دنیاوی لذتوں	۶۰۴	مغرب کے فلاسفروں کا شوشہ	۶۱۱
مال و اولاد پر فخر	۵۹۷	میں اٹکی رہتی ہے	۶۰۴	خود ساختہ خداؤں کی بے بسی	۶۱۲

انبیاء اور فرشتے مشرکین سے بیزار ہیں	۶۱۲	خلافت کا حق ادا کرو	۶۲۱	مُردہ کا زندہ ہونا	۶۳۱
سب اللہ کے محتاج ہیں	۶۱۲	تمہاری ناشکری	۶۲۲	شہزادی کا زندہ ہونا	۶۳۱
انسان سب سے زیادہ محتاج ہے	۶۱۲	عقل سے کام لو	۶۲۲	بادشاہ کی بدبختی	۶۳۱
اللہ تمہاری جگہ دوسری مخلوق لا سکتا ہے	۶۱۲	کوئی دلیل لاؤ	۶۲۲	بستی کی تعیین کوئی ضروری نہیں	۶۳۱
کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا	۶۱۳	شیطان کے دھوکہ میں مبتلاء ہو	۶۲۲	یہ تینوں قاصد تھے پیغمبر نہیں تھے	۶۳۱
قرابت و رشتہ کا واسطہ نہیں چلے گا	۶۱۳	حرکت آسمان و زمین	۶۲۲	قاصدوں کی دعوت	۶۳۱
ڈرنے والے	۶۱۳	اللہ تعالیٰ کی بردباری اور بخشش	۶۲۳	تینوں قاصدوں کے نام	۶۳۲
ہر کسی کا اپنا فائدہ ہے	۶۱۳	مشرکین کی فریب کاریاں	۶۲۳	بستی والوں کا جواب	۶۳۲
مؤمن اور کافر برابر نہیں	۶۱۴	تعزیز و سزا کا الٰہی قانون	۶۲۳	بستی والوں کی بے عقلی	۶۳۲
پیغمبر کی ذمہ داری	۶۱۴	اللہ کی گرفت سے کوئی باہر نہیں	۶۲۳	قاصدوں کی تعلیم	۶۳۲
عجیب قدرت کا مظاہرہ	۶۱۴	حکمت الٰہی	۶۲۴	پیغمبرانہ دعوت و اصلاح	۶۳۲
قدرت کی نیرنگیاں	۶۱۴	وقت آنے دو سب کو پتہ لگ جائے گا	۶۲۴	حبیب کے ساتھ بستی والوں کا سلوک	۶۳۳
اہل علم کی شان	۶۱۵	**سورۃ یٰس**	۶۲۴	خدمت خاصہ	۶۳۴
آنحضرت ﷺ کو سب سے زیادہ خدا کا ڈر تھا	۶۱۵	سورۂ یٰسین کے فضائل	۶۲۴	حضرت حبیب کی مثال ایک صحابی	۶۳۴
علم کی فضیلت	۶۱۵	یٰسین کسی کا نام رکھنا کیسا ہے	۶۲۵	قوم سے ہمدردی	۶۳۴
علماء کی تین قسمیں	۶۱۵	اعجاز قرآن کی گواہی	۶۲۶	غرور ظلم کی سزا	۶۳۴
عالم کون ہے اور علم کیا ہے	۶۱۵	اللہ تعالیٰ زبردست بھی ہے مہربان بھی	۶۲۶	تاریخ کی پکار	۶۳۵
طلب علم کی فضیلت	۶۱۶	آنحضرت ﷺ کی ذمہ بہت مشکل کام	۶۲۶	مکہ والوں کیلئے عبرت	۶۳۵
ایسی تجارت جس میں نفع ہی نفع ہے	۶۱۶	سرمایہ پرستی و جہالت کے طوق	۶۲۷	مجرمین کا اجتماع	۶۳۵
قرب خداوندی کا ذریعہ	۶۱۷	عداوت و جہالت کی دیوار	۶۲۸	بعث بعد الموت کی دلیل	۶۳۵
اللہ تعالیٰ قدردان ہے	۶۱۷	یہ نصیحت کے لائق نہیں	۶۲۸	تجویز	۶۳۶
منتخب بندے	۶۱۷	یہ نفع مندی کی صفات سے خالی ہیں	۶۲۸	اللہ کا شکر واجب ہے	۶۳۶
حدیث ابی الدرداءؓ	۶۱۹	”رحمٰن“ کہنے کا نکتہ	۶۲۹	غافلوں کیلئے تنبیہ	۶۳۶
اہل جنت کے زیور	۶۱۹	ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں	۶۲۹	قدرت الٰہی کا عجیب کرشمہ	۶۳۶
مہاجرین کی فضیلت	۶۲۰	سب عمل محفوظ ہیں	۶۲۹	انت بات جہاں	۶۳۶
کلمہ طیبہ کی فضیلت	۶۲۰	قدموں کے نشان بھی لکھے جاتے ہیں	۶۲۹	سورج کا طلوع و غروب	۶۳۶
دنیا غموں کا گھر ہے	۶۲۰	لوح محفوظ	۶۲۹	حضرت قتادہؒ کی تفسیر	۶۳۷
جنت رحمت کا گھر ہے	۶۲۰	انطاکیہ والوں کا قصہ	۶۳۰	طلوع و غروب کا نظام	۶۳۷
موت کی موت	۶۲۰	حضرت عیسیٰ کا دو قاصدوں کو روانہ کرنا	۶۳۰	چاند کی منزلیں	۶۳۷
ناکام حسرت	۶۲۱	انطاکیہ کا بادشاہ	۶۳۰	چاند اور سورج حکم الٰہی سے بغاوت	۶۳۸
کوئی عذر کام نہ دے گا	۶۲۱	قاصدوں کا قید ہونا اور [illegible] کی سزا پانا	۶۳۰	نہیں کر سکتے	۶۳۸
ساٹھ سال کی عمر اور سفید بال	۶۲۱	شمعون کا مدد کیلئے جانا	۶۳۰	آسمانوں کی تعداد اور فاصلہ	۶۳۸
گناہ چھوڑنے کی ترکیب	۶۲۱	بادشاہ کے سامنے قیدیوں کے بیانات	۶۳۰	وسائل نقل و حمل	۶۳۸
اللہ تعالیٰ غیب دان ہیں	۶۲۱	اندھے کا بینا ہونا	۶۳۰	سب کچھ رحمت الٰہی سے ہے	۶۳۹

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
منکرین کی بے پروائی	۶۳۹	حکومت صرف اللہ ہی کی ہے	۶۴۹	دوزخیوں کا مطعم	۶۵۹
مشرکین کی حماقت	۶۳۹	**سورۃ الصافات**	۶۴۹	اندھی تقلید	۶۵۹
مال خرچ کرنے کا حکم	۶۴۰	سورت کے مضامین	۶۴۹	ہر دور میں ڈرانے والے آتے ہیں	۶۶۰
مطلب پرستی عملی گمراہی ہے	۶۴۰	صف باندھنے والے	۶۴۹	حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم	۶۶۰
منکرین کی ہٹ دھرمی	۶۴۰	نماز میں صفوف کی درستی	۶۵۰	نوح علیہ السلام ایک مخصوص قوم کے نبی تھے	۶۶۰
قیامت آنے والی ہے	۶۴۰	برائی سے روکنے والی قومیں	۶۵۰	سب انبیاء ایک جماعت ہیں	۶۶۱
دونوں کا وقفہ	۶۴۱	مخلوق کی قسم	۶۵۰	اپنے والد اور قوم کو نصیحت	۶۶۱
کافروں کی جہنم کی حاضری	۶۴۱	فرشتوں اور نیک لوگوں کی گواہی	۶۵۰	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تحمل	۶۶۱
جہنم اور قبر کے عذاب کا موازنہ	۶۴۱	مشارق اور مغارب کا رب	۶۵۱	علم نجوم کی شرعی حیثیت	۶۶۲
جہنم کی ایک وادی	۶۴۱	آسمان کی زینت	۶۵۱	توریہ کا شرعی حکم	۶۶۳
چودھری	۶۴۱	فرشتوں کا قول	۶۵۱	لوگوں کی میلہ سے واپسی	۶۶۴
انصاف کا دن	۶۴۱	شیاطین کی روک تھام	۶۵۱	علم کلام کا ایک مسئلہ	۶۶۴
عیش و عشرت کا انجام	۶۴۲	کافروں سے کاروبار کا ایک منظر	۶۵۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا منصوبہ	۶۶۵
صوفیاء کا مقام	۶۴۲	شیاطین جیسے ... کی عذاب	۶۵۲	خواب اور قربانی	۶۶۸
اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام	۶۴۲	موجودہ ... داناؤں کا خیال	۶۵۲	شام اور مدینہ میں آمد و رفت	۶۶۸
دیدار الٰہی	۶۴۲	مقصد اصلی	۶۵۲	بیٹیوں کی ...	۶۶۸
نیکوں کی دعوت	۶۴۲	[illegible]	۶۵۳	[illegible]	۶۶۸
جہنم کی زنجیریں	۶۴۳	کافروں کی بے وقوفی	۶۵۳	قربانی سے پہلے بیٹے کی باتیں	۶۶۹
انسانوں کی ناشکری	۶۴۳	کافروں کی بد بختی	۶۵۳	شیطان کی کارروائی اور مایوسی	۶۶۹
نئی عادت سے اعلان	۶۴۳	انعام جنت	۶۵۴	قربانی کا دن	۶۶۹
حقیقت کی دلیل	۶۴۴	... کا اعلان	۶۵۴	صداقت ابراہیمی	۶۷۰
دنیا فانی ہے	۶۴۴	[illegible]	۶۵۴	علامہ انور شاہ کی عجیب توجیہ	۶۷۰
زندگی سے متعلق مراحل کا بیان	۶۴۴	جہنم سے نجات	۶۵۴	نیکی کا بدلہ	۶۷۱
قرآنی تعلیمات حق ہیں	۶۴۴	کافروں کی ذلت	۶۵۵	مینڈھا	۶۷۱
شعور کی نعمتیں	۶۴۶	جھوٹے معبودوں کی بیزاری	۶۵۵	اولاد ابراہیم میں برکت	۶۷۲
قرآن زندہ دلوں کی صحبت	۶۴۶	سب قوموں کی انتہاء	۶۵۶	حضرت الیاس علیہ السلام	۶۷۲
آیت توحید	۶۴۶	مخلص بندے	۶۵۶	بنی اسرائیل کی گمراہی	۶۷۲
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری	۶۴۶	اہل جنت کا رزق	۶۵۶	بادشاہ	۶۷۳
حضرت علیؓ کی ...	۶۴۷	نگاہیں نیچی رکھنے والی	۶۵۶	نیک شخص ... ظلم کا شکار ہوا	۶۷۳
... قطرہ کی ...	۶۴۷	حوروں کا حسن	۶۵۷	بادشاہ کا افسوس	۶۷۳
خلق ہیں ...	۶۴۸	اہل جنت کی باہمی گفتگو	۶۵۷	حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت	۶۷۳
سب کا وارث	۶۴۹	حق مقصد کا حصول	۶۵۸	بادشاہ کا انکار و عداوت	۶۷۳
دنیا میں جیسی ...	۶۴۹	جنت اور جہنم میں پہلی پیشی	۶۵۸	شہزادے کا بیمار ہونا	۶۷۴
خالق کی قدرت	۶۴۹	زقوم کی بدصورتی	۶۵۹	حضرت الیاس علیہ السلام کی دعوت حق	۶۷۴

بادشاہ کا فریب	٦٧٤	خیبر پر حملہ	٦٨٧	عادل حکمران	٦٩٩
دھوکے بازوں پر آگ کا برسنا	٦٧٥	تمام مضامین کا خلاصہ	٦٨٧	ضعیف وقت سے حساب	٦٩٩
دوسرا دھوکہ اور ہلاکت	٦٧٥	**سورۃ ص**	٦٨٨	[illegible] سامنے رکھو	٧٠٠
حضرت الیاس علیہ السلام کی واپسی	٦٧٦	قرآن کی شہادت	٦٨٨	قیامت کی حکمت	٧٠٠
شہزادے کی موت	٦٧٦	ماضی کے متکبرین کا انجام	٦٨٨	کتاب کے نزول کی حکمت	٧٠٠
یونس علیہ السلام کا زندہ ہونا	٦٧٧	کافروں کا جھوٹا فلسفہ	٦٨٨	حضرت سلیمان اور ان کی آزمائش	٧٠١
حضرت الیاس علیہ السلام کی دعاء	٦٧٧	انوکھی بات	٦٨٩	سلیمان کے گھوڑے	٧٠٢
ایک بیمار بچے کا صحیح ہونا	٦٧٧	کافروں کی تردید	٦٩٠	حضرت سلیمان کا استغفار	٧٠٢
الیاس علیہ السلام کی دعا سے بارش برسنا	٦٧٨	یہ مشرکین [illegible]	٦٩٠	بادشاہی کی ایک اور صورت	٧٠٢
بادشاہ اور ملکہ کی ملامت	٦٧٨	مشرک پچھتائیں	٦٩٠	مثالی حکومت	٧٠٣
حضرت خضر و حضرت الیاس کی رفاقت	٦٧٨	[illegible] کا مطلب	٦٩	[illegible] کا طریقہ	٧٠٣
حضرت الیاس علیہ السلام	٦٧٩	کافروں کا حصہ	٦٩١	[illegible] کی شان	٧٠٣
بعل بت	٦٧٩	حضرت داؤد کا قصہ [illegible]	٦٩١	حضرت [illegible] کی دعاء	٧٠٣
حضرت الیاس علیہ السلام پر ملاقات	٦٨٠	عبادت کا پسندیدہ طریقہ	٦٩٢	حضرت سلیمان کی [illegible]	٧٠٤
[illegible] محبت	٦٨٠	نماز چاشت کا حکم	٦٩٢	[illegible]	٧٠٤
حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش	٦٨٠	نماز چاشت کی فضیلت	٦٩٢	[illegible] حکومت	٧٠٤
قرعہ اندازی کا حکم	٦٨١	حضرت داؤد کی حکومت	٦٩٣	حضرت [illegible] بیماری	٧٠٤
انبیاء کا مقام	٦٨	حضرت داؤد کے اوصاف	٦٩٣	صبر کا پھل	٧٠٥
مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت	٦٨١	فصل الخطاب	٦٩٤	صبر کے بدلے میں رحمت	٧٠٥
افضلیت انبیاء کا مسئلہ	٦٨٢	حضرت داؤد کی آزمائش	٦٩٤	[illegible]	٧٠٥
قوم یونس کی تعداد	٦٨٢	آزمائش کی تشریح	٦٩٤	[illegible]	٧٠٦
قادیانی کی [illegible] کا جواب	٦٨٢	حاکم کے آداب	٦٩٥	[illegible]	٧٠٦
سب مخلوق اللہ کی محتاج ہیں	٦٨٣	[illegible]	٦٩٥	[illegible]	٧٠٦
[illegible] کا عقیدہ	٦٨٣	[illegible]	٦٩٦	جنت [illegible] کا مقصد	٧٠٧
جن اللہ [illegible] نہیں	٦٨٣	آزمائش کا سبب	٦٩٦	[illegible]	٧٠٧
جن کا معنی	٦٨٣	حضرت داؤد کی توبہ	٦٩٧	[illegible]	٧٠٧
خلوص و بندگی کا [illegible]	٦٨٤	حضرت داؤد کی شان	٦٩٧	دوزخیوں کی [illegible]	٧٠٨
سب اللہ کے اختیار میں ہے	٦٨٤	خلافت کے تقاضے	٦٩٨	[illegible]	٧٠٨
انسان اور ملائکہ کا فرق	٦٨٥	خلیفہ اور بادشاہ کا فرق	٦٩٨	ایک [illegible]	٧٠٨
نماز میں صف بندی	٦٨٥	[illegible]	٦٩٨	[illegible]	٧٠٨
بے حقیقت [illegible]	٦٨٥	خدا کی یاد میں غفلت	٦٩٩	دوزخیوں کا جھگڑا حق ہے	٧٠٩
آخر کار فتح حق والوں کی ہوتی ہے	٦٨٦	[illegible]	٦٩٩	پیغمبر کا کام	٧٠٩
باطل کی شکست قریب ہے	٦٨٦	[illegible] نگرانی کرنی چاہیے	٦٩٩	قیامت کا [illegible]	٧٠٩
جب عذاب آئے گا تو آنکھیں کھلیں گی	٦٨٦	ایک عبادت کا وقت	٦٩٩	عالم بالا کی بحث	٧٠٩

ملاءِ اعلیٰ سے کفارات کا مطلب	۷۱۰	ہجرت اور جہاد	۷۱۹	مشرک و موحد کی مثال	۷۲۹
اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا انجام	۷۱۰	گناہوں اور فتنوں سے فرار	۷۲۰	مشرک غلام کی طرح ہے	۷۲۹
قدرت	۷۱۱	صابرین کی فضیلت	۷۲۰	مومن موحد کی مثال	۷۲۹
پیغمبر کی خیر خواہی	۷۱۲	عاشقانہ انی	۷۲۰	اکثر لوگ نہیں سمجھتے	۷۳۰
تکلف اور تصنع کی مذمت	۷۱۲	حضور ﷺ کی اولیت	۷۲۰	قیامت میں سب کا آمنا سامنا ہوگا	۷۳۰
سورۃ الزمر	۷۱۳	نافرمانی موجب عذاب ہے	۷۲۱	مرد و عورت کا جھگڑا	۷۳۱
سورۂ زمر کی فضیلت	۷۱۳	توحید پر استقامت	۷۲۱	ہمسایوں کا مقدمہ	۷۳۱
قرآن کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا	۷۱۳	کافروں کو دھمکی	۷۲۱	دنیا ہی میں حقوق ادا کرو	۷۳
اللہ کی بندگی اور دعوت میں لگے رہو	۷۱۳	مشرکین خسارے میں ہیں	۷۲۱	مفلس کون ہے	۷۳۱
عمل کی مقبولیت	۷۱۳	انجام بد سے ڈرو	۷۲۲	اہلسنت کا مسلک	۷۳
مشرکین کا فیصلہ ہوجائے گا	۷۱۳	مومن کیلئے خوشخبری	۷۲۲	قیامت کے دن حقوق	۷۳۱
مشرکین عرب کا حال	۷۱۴	اعلیٰ کردار والوں کیلئے بشارت	۷۲۲	صحابہ کرامؓ کا تعجب	۷۳۱
سرکش و بدباطن تباہ ہوگئے	۷۱۴	کامیابی کا راستہ	۷۲۳	مظلوم کا حق ظالم سے	۷۳۲
اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے	۷۱۴	بدبخت آدمی	۷۲۳	جسم اور روح کا جھگڑا	۷۳۲
فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہنا	۷۱۵	جنت تیار ہے	۷۲۴	سب سے بڑا ظالم	۷۳۳
نظام کائنات	۷۱۵	جنت کے محل اور ان کی مقدار	۷۲۴	سب سے بڑا بے انصاف	۷۳۳
اللہ تعالیٰ [illegible] درگزر کرنے والا ہے	۷۱۵	نعمتِ آب پاشی	۷۲۴	حضور ﷺ سچے ہیں	۷۳۳
تخلیق انسانیت	۷۱۵	پانی کا محفوظ رہنا پانی سے بڑی نعمت ہے	۷۲۴	ڈرنے والوں کی شان	۷۳۳
دوسری مخلوقات	۷۱۵	کھیتیوں میں نصیحت	۷۲۵	غلطیوں کی معافی	۷۳۴
انسانی پیدائش	۷۱۶	عقل والوں کیلئے نصیحت	۷۲۵	بڑے گناہ بھی معافی کے قابل ہیں	۷۳۴
اللہ تعالیٰ کی بے نیازی	۷۱۶	خوش بخت و بدبخت	۷۲۵	اللہ کا بندہ غیر اللہ سے نہیں ڈرتا	۷۳۴
اللہ کی پسندیدہ بات	۷۱۷	شرح صدر	۷۲۵	جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کا محافظ ہے	۷۳۵
اللہ عادل ہے	۷۱۷	قساوت قلبی سب سے بڑی سزا ہے	۷۲۶	جو خالق ہے وہی معبود ہے	۷۳۵
رسول اللہ ﷺ کی برأت	۷۱۷	قرآن میں صاف مضامین	۷۲۶	قوی اور غنی ہونے کا طریقہ	۷۳۶
سب کے عمل سامنے آتے ہیں	۷۱۷	اولیاء اللہ کے یقین کی حالت	۷۲۷	خدا پرست ہی غالب ہوگا	۷۳۶
انسان کی عجیب طبیعت	۷۱۸	مومنوں کا خوف اور فضیلت	۷۲۷	ہر حال میں آنحضرت ﷺ کو غلبہ ہوگا	۷۳۶
مہلت کو نجات نہ سمجھو	۷۱۸	صحابہ اور غیر صحابہ کا فرق	۷۲۷	آپ ﷺ اپنا فرض ادا کرچکے	۷۳۶
مومن کی شان	۷۱۸	فرشتوں کا خوف	۷۲۷	پیغمبر کی ذمہ داری	۷۳۷
علم تقویٰ کی بنیاد ہے	۷۱۸	انسان کی ہمت	۷۲۷	نیند اور موت	۷۳۷
رات کی عبادت	۷۱۹	ہدایت خدا ہی سے مانگو	۷۲۸	توفی کا معنی	۷۳۷
کامیاب کرنے والی دو صفتیں	۷۱۹	محشر میں کافر کی حالت	۷۲۸	بعض اہل علم کا قول	۷۳۷
قانت کا معنی	۷۱۹	ماضی سے سبق حاصل کرو	۷۲۹	خواب کے سچا اور جھوٹا ہونے کی وجہ	۷۳۸
نیکی کا بدلہ ضرور ملے گا	۷۱۹	قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں	۷۲۹	سونے اور جاگنے کا مسنون طریقہ	۷۳۸
ہجرت کی فضیلت	۷۱۹	خلق قرآن کا مسئلہ	۷۲۹	اہل فکر	۷۳۸

بتوں کی سفارش کی حقیقت	۷۳۸	قرآن پر عمل کرو	۷۴۸	تکبر کا نتیجہ	۷۵۶
سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے	۷۳۹	کافر کی حسرت	۷۴۸	جنتی اور جہنمی آدمی	۷۵۶
غیر اللہ کی محبت والے	۷۳۹	بے وقت توبہ	۷۴۸	روزہ داروں کا دروازہ	۷۵۶
اللہ ہی سے دعا کیجئے	۷۴۰	عذرِ لنگ	۷۴۸	اچھی طرح وضو کرنے والے	۷۵۶
آنحضرت ﷺ کی دعاء	۷۴۰	ناکام کوشش	۷۴۸	آنحضرت ﷺ کی شان	۷۵۶
دربارِ الٰہی میں فریاد	۷۴۰	ہدایت کے مکمل اسباب موجود ہیں	۷۴۹	جنت میں پہلی جماعت	۷۵۶
آنحضرت ﷺ کی سکھلائی ہوئی دعاء	۷۴۰	حق کو جھٹلانے کا انجام	۷۴۹	جنتیوں کا شباب	۷۵۷
جنت میں پہنچانے والی دعاء	۷۴۰	تکبر کرنے والوں کا حشر	۷۴۹	جنت کی نہریں	۷۵۷
کافروں کی نجات نہیں ہوگی	۷۴۱	متقین کا انعام	۷۴۹	باغ و بہار	۷۵۷
کافروں کیلئے ناگہانی عذاب	۷۴۱	تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں	۷۴۹	جنتیوں کا اعزاز	۷۵۷
انسان کی جبلت	۷۴۱	مقالید کی تفسیر	۷۵۰	اہل جنت کی پاکیزگی	۷۵۷
نعمت امتحان ہے	۷۴۲	کافروں کے لئے خسارہ ہی ہے	۷۵۰	جنت میں اہل جنت	۷۵۸
کافروں کی لاعلمی اور ضد	۷۴۲	اہل ایمان کی فلاح	۷۵۰	عدالت الٰہی کا منظر	۷۵۹
مشرک بھاگ نہیں سکتے	۷۴۲	تیسرے کلمے کی فضیلت	۷۵۰	تخلیق کائنات	۷۵۹
روزی اللہ کی مرضی سے ملتی ہے	۷۴۲	انتہائی حماقت	۷۵۱	**سورة المؤمن**	۷۵۹
تمام حوادث اللہ کی طرف سے ہیں	۷۴۲	فقط اللہ کی عبادت کرو	۷۵۱	توبہ	۷۵۹
اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی	۷۴۲	شرک سے اعمال غارت	۷۵۱	سورۂ مؤمن کی فضیلت	۷۵۹
لوگوں کو مایوس نہ کرو	۷۴۳	مرتد ہونا	۷۵۱	لوگوں کی اصلاح	۷۶۰
بنی اسرائیل کے گنہگار	۷۴۴	مشرکین نے اللہ کی قدر نہیں کی	۷۵۱	دشمن سے حفاظت	۷۶۱
حضرت ابوہریرہؓ کی نصیحت	۷۴۴	عظمت شانِ الٰہی	۷۵۲	ایک عجیب قصہ	۷۶۱
مشرک کی بخشش نہیں ہے	۷۴۵	زمین و آسمان کو اپنے ہاتھ میں لینے	۷۵۲	ناحق جھگڑا	۷۶۱
اپنے فوت شدہ آباؤ اجداد	۷۴۵	کی کیفیت کا بیان	۷۵۲	خطرناک بحثیں	۷۶۱
اللہ تعالیٰ کی رحمتیں	۷۴۵	تین چیزیں	۷۵۳	منکرین کا انجام	۷۶۲
اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے	۷۴۵	صور اسرافیل	۷۵۳	حق کے منکر	۷۶۲
آخرکار مؤمن جنت میں جائے گا	۷۴۶	علامات قیامت	۷۵۴	ان منکروں پر بھی عذاب	۷۶۲
ثواب کیلئے ایمان شرط ہے	۷۴۶	قیام قیامت	۷۵۴	مؤمنین کا شرف	۷۶۳
معافی کے ذرائع	۷۴۶	جلوہ افروزی	۷۵۴	عرش کے حامل فرشتے	۷۶۳
گناہ! مؤمن اور کافر کے نزدیک	۷۴۶	اللہ تعالیٰ کا نور	۷۵۴	عرش کی بناوٹ	۷۶۴
سب سے زیادہ عظمت والی آیت	۷۴۶	پیغمبر کی شہادت	۷۵۵	فرشتوں کی فضیلت	۷۶۴
حضرت ابوایوبؓ انتقال کے وقت	۷۴۷	امت محمدیہ کی گواہی	۷۵۵	غائبانہ دعاء	۷۶۴
حضرت آدمؑ کی درخواست	۷۴۷	عمل کے مطابق بدلہ ملے گا	۷۵۵	امیہ بن ابی الصلت کے اشعار	۷۶۴
کرم کی انتہاء	۷۴۷	کافروں کی ذلت	۷۵۵	رحمت و بخشش	۷۶۴
توبہ کی توفیق	۷۴۷	اقرار بدبختی	۷۵۶	عزیز و اقارب کی وجہ سے نجات	۷۶۵

برقی سے حفاظت	۷۶۵	[illegible]	۷۷۴	اب وقت نکل چکا ہے	۷۸۲
کفر کی سزا	۷۶۵	خوف دور کرنے کی دعاء	۷۷۴	دنیا میں مدد	۷۸۳
دو موتیں دو حیاتیں	۷۶۶	[illegible]	۷۷۴	اللہ تعالیٰ کی سنت	۷۸۳
اعتراف جرم	۷۶۶	[illegible]	۷۷۵	اہل حق کا اعزاز	۷۸۳
منکرین کا اقرار	۷۶۶	خوش بختی اور بدبختی کا اعلان	۷۷۵	[illegible] تنبیہ	۷۸۴
کافروں کی حسرت	۷۶۶	[illegible]	۷۷۶	قابل عبرت	۷۸۴
عظمت و وحدانیت کی نشانی	۷۶۷	عناد کی سزا	۷۷۶	آپ ﷺ کو ضرور فتح ہوگی	۷۸۴
کافروں کی پرواہ نہ کرو	۷۶۷	حضرت یوسف سے استدلال	۷۷۶	تکبر	۷۸۴
ہر ضرورت کا کفیل	۷۶۷	سب سے بڑی رسوائی	۷۷۶	موت کے بعد زندگی	۷۸۵
روح سے مراد	۷۶۸	غرور کی سزا	۷۷۷	مؤمن اور بدکار	۷۸۵
ملاقات کا دن	۷۶۸	[illegible]	۷۷۷	مخصوص تین چیزیں	۷۸۵
منادی کی پکار	۷۶۸	فرعون کی بے شرمی	۷۷۷	اللہ تعالیٰ کی شان	۷۸۵
آدھے دن میں سب کا عذاب	۷۶۹	مسلسل برائی کا نتیجہ	۷۷۷	چار باتیں	۷۸۵
قیامت کی دہشت	۷۶۹	آخرت [illegible]	۷۷۷	تکبر کرنے والوں کا حشر	۷۸۶
سفارش	۷۶۹	آخرت کی ایک جھلک	۷۷۸	قابل تعجب آدمی	۷۸۶
آنکھوں کی خیانت	۷۶۹	عجیب معمہ	۷۷۸	دعاء کی حقیقت	۷۸۶
فیصلہ کا اختیار	۷۷۰	قوم کی دعوت	۷۷۸	فضائل دعاء	۷۸۷
[illegible]	۷۷۰	مرد مومن کی دعوت	۷۷۸	قبولیت دعاء کا وعدہ	۷۸۷
معجزات موسوی	۷۷۰	قوم کی بدبختی	۷۷۹	قبولیت دعاء کی شرائط	۷۸۷
فرعون و قارون	۷۷۰	بے وقت پشیمانی	۷۷۹	رات اور دن کا نظام	۷۸۷
[illegible]	۷۷۱	[illegible]	۷۷۹	ناشکری	۷۸۸
[illegible]	۷۷۱	آخری نتیجہ	۷۷۹	معبودیت کی دلیل	۷۸۸
فرعون کی چالبازی	۷۷۱	آل فرعون	۷۷۹	بہتر صورت اور بہتر رزق	۷۸۸
خوف اقتدار	۷۷۱	عذاب قبر	۷۸۰	حضرات سلف کا عمل	۷۸۹
حضرت موسیٰ کا عزم	۷۷۲	عالم برزخ پر ایمان	۷۸۰	حمیم کیا ہے	۷۹۰
فرعون کا نام نہ لینے کی حکمت	۷۷۲	برزخ و قبر کیا ہے	۷۸۰	غلطی کا اعتراف	۷۹۰
مرد مؤمن	۷۷۲	قبر کی حیات	۷۹۰	وعدۂ الٰہی	۷۹۱
صدیق اکبرؓ کا جذبہ ایمان	۷۷۲	قبر میں مؤمن و کافر کی حالت	۷۸۰	مختار کل اللہ تعالیٰ ہے	۷۹
آنحضرت ﷺ کو سخت ترین ایذاء	۷۷۳	ثواب و عذاب قبر کے دلائل	۷۸۱	عذاب الٰہی	۷۹۲
چند صدیقین	۷۷۳	صبح و شام آگ	۷۸۱	پیغمبروں پر استہزاء کا انجام	۷۹۲
حماقت سے دھوکہ نہ کھاؤ	۷۷۴	ایک طالب علم کا اشکال اور اس کا حل	۷۸۱	اب پچھتائے کیا ہوت	۷۹۳
فرعون کی رائے	۷۷۴	جھوٹے لیڈروں کا انجام	۷۸۲	**سورۃ حٰم**	۷۹۳
تکذیب انبیاء کی سزا	۷۷۴	داروغوں سے درخواست	۷۸۲	نعمت کتاب	۷۹۳

قرآن کی زبان	۷۹۳	قوم ثمود	۸۰۳	اذان واقامت	۸۱۲
اکثریت کا اعراض	۷۹۴	اہل ایمان	۸۰۳	داعی کے اخلاق	۸۱۳
قرآن پاک کا عتبہ پر اثر	۷۹۴	قیامت میں مجرموں کے گروہ	۸۰۳	برائی کے بدلے اچھائی کرو	۸۱۳
کثریت کا جواب	۷۹۴	اعضاء کی گواہی	۸۰۳	شیطان کا مقابلہ	۸۱۳
حجاب کا معنی	۷۹۵	کیا کیا چیزیں گواہی دیں گی	۸۰۴	شیطان کی کوشش	۸۱۴
پیغمبر کا خطاب	۷۹۵	دن کی گواہی	۸۰۴	عظمت الٰہی کے دلائل	۸۱۴
اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ کا مطلب	۷۹۶	اعضاء کو ملامت	۸۰۴	اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں	۸۱۴
مشرکوں کا انجام	۷۹۶	تعجب خیز بات	۸۰۴	چاند، سورج اور پورا نظام کائنات	۸۱۵
زکوۃ کا مطلب	۷۹۶	تین کم سمجھ آدمی	۸۰۴	اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے	۸۱۵
زکوۃ کی خصوصیت	۷۹۶	تہدید	۸۰۵	سجدہ کس مقام پر ہے	۸۱۵
زکوۃ نہ دینے کا مطلب	۷۹۶	دل کا چور	۸۰۵	زمین کی خصوصیت	۸۱۵
مؤمنین کا اجر	۷۹۶	عذاب کسی طرح نہ ٹلے گا	۸۰۵	ملحد کا انجام	۸۱۶
مقام تعجب	۷۹۷	جیسے کام ویسا عمل	۸۰۵	الحاد کیا ہے	۸۱۶
آسمان وزمین کی تخلیق میں ترتیب	۷۹۷	اعراض کا نتیجہ	۸۰۶	الحاد کی گرم بازاری	۸۱۶
ہر خطہ زمین کی خصوصیات	۷۹۷	آواز حق	۸۰۶	الحاد کی دو قسمیں	۸۱۷
ضروریات انسانی کا گودام	۷۹۸	کافروں کی بک بک	۸۰۶	اہل حق کی جماعت موجود رہے گی	۸۱۷
پیدائش زمین کی مدت	۷۹۸	تلاوت قرآن کے وقت	۸۰۶	اللہ تعالیٰ کی بخشش وسزا	۸۱۷
دخان کیا ہے	۷۹۸	برے کام کی بنیاد	۸۰۷	قرآن پاک کی تحریف	۸۱۸
نظام کائنات	۷۹۸	اہل ایمان واستقامت کا انعام	۸۰۷	آنحضرت ﷺ کو تسلی	۸۱۸
تعیین ایام کی احادیث	۷۹۹	استقامت کے معنی	۸۰۸	خوئے بدرا بہانہ بسیار	۸۱۸
تخلیق زمین وآسمان	۷۹۹	اللہ تعالیٰ کی دوستی اور رضاء	۸۰۸	کتب عمل	۸۱۹
زمین وآسمان کی تخلیق کے دن	۷۹۹	سب سے آسان آیت	۸۰۹	مسخ شدہ فطرت والے	۸۱۹
اللہ تعالیٰ نے آسمان کو کیا حکم دیا	۸۰۰	استقامت کی دُعاء	۸۰۹	عمل کی اہمیت	۸۱۹
آسمان کی زینت	۸۰۰	اسلام کے بعد سب سے اہم بات	۸۰۹	ایام قیامت کا علم	۸۱۹
کفار مکہ کو تنبیہ	۸۰۰	دنیا وآخرت کی رفاقت	۸۰۹	علم الٰہی	۸۲۰
جاءتہم الرسل کا مطلب	۸۰۰	مؤمنوں کیلئے بشارتیں	۸۰۹	جھوٹے عابد ومعبود	۸۲۰
عتبہ والے واقعہ کی تفصیل	۸۰۰	دیدار الٰہی	۸۱۰	انسانی طبیعت کی نیرنگیاں	۸۲۰
قوم عاد	۸۰۲	جنت میں تحاسد نہ ہوگا	۸۱۰	کافر اور مؤمن کی حالت	۸۲۱
عذاب	۸۰۲	اللہ تعالیٰ کی مہمانی	۸۱۱	انسانی امراض کا علاج	۸۲۱
قوم عاد پر عذاب کس وقت ہوا	۸۰۲	اہل استقامت کا اعلیٰ مقام	۸۱۱	قدرت کے نمونے	۸۲۲
رضا اور ناراضی کی علامت	۸۰۲	داعی کے آداب	۸۱۱	آیات آفاقی	۸۲۲
کوئی وقت منحوس نہیں ہے	۸۰۲	اذان کی فضیلت	۸۱۱	فریب نفسی	۸۲۲
عذاب آخرت	۸۰۳	اذان کا جواب	۸۱۲	**سورۃ الشوریٰ**	۸۲۳

شان حکمت	۸۲۳	اللہ تعالیٰ کی نرمی	۸۳۳	تکلیف آنے کی حکمت	۸۴۵
حم عسق	۸۲۳	رزق میں دو طرح کی مہربانی	۸۳۳	ہوا بھی اللہ کے تابع ہے	۸۴۶
پھٹ پڑنے کی وجہ	۸۲۳	ثواب میں زیادتی	۸۳۴	دنیا کے سامان سے دھوکہ	۸۴۶
فرشتوں کی دعاء	۸۲۳	اعمال کا مدار نیتوں پر ہے	۸۳۴	حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ	۸۴۷
فرشتوں کی تسبیح وتحمید	۸۲۳	اس امت کیلئے خوشخبری	۸۳۴	مشورہ	۸۴۷
اللہ تعالیٰ کی مہربانی	۸۲۴	ہدایت فقط اللہ کی طرف سے ہے	۸۳۴	مشورہ کا ادب	۸۴۷
اللہ تعالیٰ حفیظ ہیں	۸۲۴	دوشیزاؤں کی بارش	۸۳۵	اسلام حقیقی جمہوریت کا بانی ہے	۸۴۸
آنحضرت ﷺ کا ''مد'' کو خطاب	۸۲۴	دعوت کا عجیب انداز	۸۳۵	مومن کی شان	۸۴۸
''مد'' سے محققین کی نظر میں	۸۲۴	مودۃ فی القربیٰ کا معنی	۸۳۵	عفو وانتقام میں معتدل فیصلہ	۸۴۸
حضرت ابراہیم کی مکہ میں آمد	۸۲۴	اہل بیت کی فضیلت	۸۳۵	بدلہ	۸۴۹
آنحضرت ﷺ کی خصوصیت	۸۲۵	فرقہ شیعہ کی غلط تفسیر	۸۳۷	گالی گلوچ	۸۴۹
قیامت یقینی ہے	۸۲۵	ذوی القربیٰ کی محبت	۸۳۷	معاف کرنا	۸۴۹
ثبوت تقدیر	۸۲۵	شیعوں کا غلط استدلال	۸۳۸	معاف کرنے کی فضیلت	۸۴۹
قدرت ورحمت	۸۲۶	حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق	۸۳۹	فضیل بن عیاض کی اپنے خادم کو نصیحت	۸۵۰
کافروں کا مذہب	۸۲۶	ہر تکلیف پر نیکی ملتی ہے	۸۳۹	توفیق اللہ کی طرف سے ہے	۸۵۱
اللہ مددگار بندہ	۸۲۶	نیکی کے بڑھنے کی صورت	۸۴۰	کافروں کی حسرت	۸۵۱
حکم صرف اللہ کا ہے	۸۲۷	تصدیق رسالت	۸۴۰	گنہگاروں کی حالت	۹۵۱
اس کی مثل کوئی نہیں	۸۲۷	باطل کو مٹانا اور حق کو ثابت کرنا	۸۴۰	ایمان نہ لا کر اپنی حوریں کھودیں	۸۵
اللہ کا دین ایک ہے	۸۲۷	شیطانی خیال کا ازالہ	۸۴۰	انسانی طبیعت	۸۵۲
تمام خزانوں کا مالک	۸۲۸	اللہ کا معاملہ	۸۴۱	مصیبت، رحمت کا تقاضا نہیں ہے	۸۵۲
دعوت انبیاء	۸۲۸	توبہ کی حقیقت	۸۴۱	اللہ ہی مالک ومختار ہے	۸۵۳
آنحضرت ﷺ کی اولیت	۸۲۸	اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے کتنا خوش ہوتا ہے	۸۴۱	اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی	۸۵۳
دین اسلام ہی تمام انبیاء کا دین ہے	۸۲۸	اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں	۸۴۲	وحی کا مفہوم	۸۵۴
اقامت دین فرض ہے	۸۲۹	ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہیں	۸۴۲	نزول وحی کی کیفیت	۸۵۴
جہالت وبدعت کی ابتداء	۸۳۰	اعلیٰ ترین دعاء	۸۴۲	وحی کی حقیقت	۸۵۴
ہدایت کے دو طریقے	۸۳۰	دعا قبول نہ ہونے کی وجہ	۸۴۲	الہام اور اس کی صورتیں	۸۵۵
نفسانیت کے کرشمے	۸۳۰	حکمت کا تقاضا	۸۴۲	الہام انبیاء اور الہام اولیاء	۸۵۶
حضور ﷺ کا فرض	۸۳۱	تکلیفیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں	۸۴۳	روح سے مراد	۸۵۷
اہل کتاب کے جھگڑے	۸۳۱	تقسیم رزق میں حکمت الٰہی	۸۴۳	روح القدس کی بات	۸۵۷
ترازو	۸۳۲	حضرت آدم کی تمنا	۸۴۳	تفاصیل وحی کے ذریعہ	۸۵۷
میزان کا معنی	۸۳۲	علامہ طیبی کی رائے	۸۴۳	ایمان سے کیا مراد ہے	۸۵۷
مومن اور منکر	۸۳۲	نعمتوں کی تقسیم میں حکمت قدسی	۸۴۴	نور ہدایت	۸۵۷
خدا اور رسول کی محبت	۸۳۳	بہت بڑھیا آیت	۸۴۵	انجام کو سوچو	۸۵۸

سورة الزخرف	۸۵۸
قسم کھانے کا مطلب	۸۵۸
قرآن کو واضح کہنے کا مطلب	۸۵۸
برتر و محکم کتاب	۸۵۹
اُمّ الکتاب ہونے کا تقاضا	۸۵۹
نزول ہدایت بند نہیں ہو سکتی	۸۵۹
آنحضرت ﷺ کیلئے پیغام تسکین	۸۶۰
سامانِ عبرت	۸۶۰
زمین کی نافعیت	۸۶۰
بعث بعد الموت	۸۶۰
دو نفخوں کے درمیان مدت	۸۶۱
آب حیات کی بارش	۸۶۱
سب کا خالق	۸۶۱
جانوروں اور سواریوں کی نعمت	۸۶۱
انسانی صحت کی نعمت	۸۶۱
سوار ہونے کا اذکار	۸۶۱
سواری کے وقت دُعاء	۸۶۲
اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ فعل	۸۶۲
صاحب عقل کا کام	۸۶۲
کافر و مؤمن کا فرق	۸۶۲
سفر آخرت کی یاد	۸۶۲
مشرکین کے دعوی کی عقلی تردید	۸۶۳
مشرکین کی بے عقلی	۸۶۳
ضعیف الرائے	۸۶۳
عورتوں کیلئے زیور کی اجازت	۸۶۳
فرشتوں کی توہین	۸۶۴
مشرکین کے دعوے	۸۶۴
بے وقوفانہ دلیل	۸۶۴
پیغمبری دعوت	۸۶۵
کافروں کی ہٹ دھرمی	۸۶۵
حضرت ابراہیمؑ کی عزیمت	۸۶۵
تقلید کرنی ہے	۸۶۶
بدعقیدہ لوگوں سے براءت	۸۶۶

اولاد کی اصلاح کی فکر ضروری ہے	۸۶۶
اولاد کی اصلاح کا کارگر عمل	۸۶۶
مشرکین پر افسوس	۸۶۶
نبوت روحانی مرتبہ ہے	۸۶۷
کافروں کے نامزد عظیم آدمی	۸۶۷
کافروں کا اعتراض	۸۶۷
مال و دولت کی زیادتی	۸۶۷
مالک اللہ ہے تم نہیں	۸۶۸
معاشی مساوات کی حقیقت	۸۶۸
فرائض و حقوق کا تعین	۸۶۸
تقسیم معیشت کا قدرتی نظام	۸۶۸
تقسیم معیشت کا کام	۸۶۸
تقسیم حقوق و فرائض	۸۶۹
اسلامی مساوات کا مطلب	۸۶۹
اسلام کے معاشی نظام میں مساوات	۸۶۹
نبوت میں مرضی کو دخل نہیں	۸۶۹
اللہ کے ہاں دنیا کی بے وقعتی	۸۷۰
مؤمنین کیلئے آخرت ہے	۸۷۰
دنیا کی قیمت	۸۷۰
دنیا کو بے عقل جمع کرتا ہے	۸۷۱
اہل اللہ کا بلند مقام	۸۷۱
حضرت مجدد الف ثانیؒ	۸۷۱
طلبِ معیشت	۸۷۱
دنیا کی محبت کا مطلب	۸۷۲
حق سے منہ موڑنے کا عذاب	۸۷۲
عقل کے دشمن	۸۷۲
بے وقت حسرت	۸۷۳
عذاب میں تخفیف نہ ہوگی	۸۷۳
آنحضرت ﷺ کو تسلی	۸۷۳
اعزاز و ترقی کا سامان	۸۷۴
مستقبل کیلئے بشارت	۸۷۴
آنحضرت ﷺ کی قوم کا شرف	۸۷۴
قریش اور عرب کی فضیلت	۸۷۴

قرآن کے بارے میں پوچھ ہوگی	۸۷۵
آنحضرت ﷺ کی دعوت کوئی انوکھی نہیں	۸۷۵
تمام انبیاء کا اجتماع	۸۷۵
انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم	۸۷۵
قوم کی فرمائش	۸۷۶
فرعونیوں کی دھوکہ بازی	۸۷۶
بنی اسرائیل کی بدعہدی	۸۷۶
حاکم مصر	۸۷۷
نیل کی نہریں	۸۷۷
فرعون کا تجزیہ	۸۷۷
اہل مصر کا دستور	۸۷۷
فرعون کی عیاری	۸۷۷
انتقام کی صورتیں	۸۷۸
مشرکین کا واویلا	۸۷۸
مشرکین کی عادت بد	۸۷۸
جھگڑے کی نحوست	۸۷۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۸۷۹
کوئی معبود نہیں بن جاتا	۸۷۹
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نشان ہدایت	۸۷۹
مسئلہ نزول عیسیٰ	۸۷۹
قیامت کی دس نشانیاں	۸۸۰
نزول عیسیٰ ؑ کی احادیث	۸۸۰
امتوں کے فرقے	۸۸۱
عیسیٰ کی تعلیم	۸۸۱
فرقہ بندی	۸۸۱
منکرین کی ہلاکت کا اعلان	۸۸۲
ناجی فرقہ اہل سنت والجماعت ہے	۸۸۲
قیامت کی ہیبت	۸۸۲
اچھے اور برے دوست	۸۸۲
دوستی در حقیقت وہی ہے	۸۸۳
مؤمنوں کیلئے اعلان	۸۸۳
ایمان واسلام	۸۸۳
دیدار الٰہی	۸۸۳

جنت میں گھوڑے اور اونٹ	۸۸۴	مشرکین کی بدمزاری	۸۹۲	حور کی بناوٹ اور حسن	۸۹۹
جنت کے پھل	۸۸۴	بڑی چیز	۸۹۳	دنیا کی عورتوں کا حسن	۸۹۹
دوزخیوں کی ناامیدی	۸۸۵	قوم فرعون کی آزمائش	۸۹۳	جنت میں ہر قسم کا پھل ہوگا	۸۹۹
داروغہ جہنم	۸۸۵	دعوت موسوی	۸۹۳	دائمی زندگی	۸۹۹
دوزخیوں کی پانچ دعائیں	۸۸۵	فرعونی دھمکیوں کا جواب	۸۹۳	بڑی کامیابی	۹۰۰
کفار کی تدبیریں	۸۸۶	حضرت موسیٰ کی دعا اور حلم الٰہی	۸۹۳	جنت کا ملنا اللہ کی رحمت ہے	۹۰۰
ہم سب جانتے ہیں	۸۸۶	فرعون کی جنت کا سامان	۸۹۴	وقت بتادے گا	۹۰۰
عقیدۂ اولاد کی تردید	۸۸۶	تمام دنیا کا سردار	۸۹۴	**سورۃ الجاثیہ**	۹۰۰
پاک ذات	۸۸۷	بنی اسرائیل کیلئے نعمت	۸۹۴	ایمان کی دلیل	۹۰۰
عنقریب گرفت ہوگی	۸۸۷	فرعونیوں کی بغاوت	۸۹۴	انسان کی تدریجی بناوٹ	۹۰۱
معبود فقط ایک ہے	۸۸۷	مومن اور کافر کی موت	۸۹۴	غور کی ضرورت	۹۰۱
سفارش	۸۸۷	کافر پر آسمان زمین نہیں روتے	۸۹۴	اللہ کی بات سے بڑھ کر کوئی نہیں	۹۰۱
نبی کی مخصوص توجہ	۸۸۷	آسمان میں ہر بندہ بیٹے	۸۹۴	ضد اور غرور	۹۰۱
کافروں پر غضب	۸۸۸	آسمان کے رونے یا نہ رونے کی وجہ	۸۹۴	تسخیر کائنات	۹۰۲
داعی حق کا وطیرہ	۸۸۸	بنی اسرائیل کی فضیلت	۸۹۵	غور کرو	۹۰۳
سلام کہنے کا مطلب	۸۸۹	انکار بعث	۸۹۵	ایام اللہ	۹۰۳
سورۃ الدخان	۸۸۸	بادشاہوں کے القاب	۸۹۵	درگذر کا حکم	۹۰۳
فضیلت سورت	۸۸۸	تبع کا ایمان	۸۹۶	بنی اسرائیل پر نعمت	۹۰۴
شب برأت	۸۸۸	لعنۃ اللہ پر حرف کی ابتداء	۸۹۶	امتوں میں فرقہ بندی کی علت	۹۰۴
ابن صیاد کا ذہن	۸۸۹	تبع کی دو بہنیں	۸۹۶	صراط مستقیم	۹۰۵
دخان علامت قیامت ہے	۸۸۹	تبع کو برا بھلا مت کہو	۸۹۶	قانون شریعت کے اجزاء	۹۰۵
رات میں برکت کی وجہ	۸۸۹	عاد وثمود کا حشر	۸۹۷	سچے مسلمان	۹۰۵
مبارک رات کون سی ہے	۸۸۹	کارخانہ کائنات	۸۹۷	بصیرت افروز حقائق	۹۰۵
دستور الٰہی	۸۹۰	آسمان و زمین میں غور	۸۹۷	مومن و کافر	۹۰۶
شب قدر اور شب برأت	۸۹۰	رحمت الٰہی	۸۹۷	حضرت تمیم داری کا قیام اللیل	۹۰۶
فرشتوں کے کام	۸۹۱	زقوم	۸۹۷	نیک لوگ بدوں کے برابر	۹۰۶
رحمت و حکمت الٰہی	۸۹۱	آگ میں رحمت کیسے ممکن ہے	۸۹۷	زمین و آسمان کا پیغام	۹۰۶
ربوبیت الٰہی	۸۹۱	زقوم کی تلخی	۸۹۸	چار چیزیں دین کی اصل ہیں	۹۰۷
مشرکین کی بے توجہی	۸۹	کافروں کی ذلت	۸۹۸	بدبخت	۹۰۷
واضح دھواں	۸۹۱	ابوجہل کا دعویٰ	۸۹۸	سب سے بڑی ذلت	۹۰۷
قیامت کی علامت	۸۹۲	کافروں کی ذلت	۸۹۸	ایک بیماری جو خود ہی دوا بھی ہے	۹۰۷
بے موقع پچھتاوا	۸۹۲	جنت میں ابدی نعمتوں کا اعلان	۸۹۸	علم کی وجہ سے خوف	۹۰۷
اب پچھتائے کیا ہوت	۸۹۲	جنت کا لباس	۸۹۹	بے وقوفانہ استدلال	۹۰۸

عنوان	صفحہ
مشرکین اور فلسفی کی نادانی	۹۰۸
دہر کا معنی	۹۰۸
زمانہ کو برا کہنے کا نتیجہ	۹۰۹
علم کے حصول کے دو طریقے	۹۰۹
مشرکین کا مطالبہ	۹۰۹
قیامت میں حقیقت کھلے گی	۹۰۹
سب کو اعمال نامے دیئے جائیں گے	۹۱۰
حضرت سفیان ثوری کی معافری کو نصیحت	۹۱۰
نامہ اعمال اور لوح محفوظ	۹۱۰
اعمال کی رپورٹ	۹۱۱
مومنین کا انعام	۹۱۱
کافروں کا حال	۹۱۱
مشرکین پر اتمام حجت	۹۱۱
جھوٹے کی سزا	۹۱۱
غلط خیال	۹۱۲
کافروں کے لیے تمام مواقع ختم	۹۱۲
اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو	۹۱۲
سورۃ الاحقاف	۹۱۳
کائنات کا پیغام حال	۹۱۳
کافروں کی بے فکری	۹۱۳
زمین و آسمان کس نے بنائے	۹۱۳
مشرکین سے طلب دلیل	۹۱۳
ایک باطل گمان کی تردید	۹۱۳
اپنے دعویٰ کی دلیل لاؤ	۹۱۴
سب سے بڑی گمراہی	۹۱۴
کافروں کے معبود	۹۱۴
کافروں کی بے پروائی	۹۱۵
بہتان طرازی	۹۱۵
اللہ سب کو خوب جانتا ہے	۹۱۵
تباہی سے بچنے کا موقع	۹۱۶
میں کوئی انوکھی چیز نہیں لایا	۹۱۶
آنحضرت کی نبوت کے بے شمار دلائل	۹۱۶
پیغمبر کا کام	۹۱۶

عنوان	صفحہ
رسول اللہ ﷺ کے علم غیب	۹۱۷
علمائے یہود کی گمراہی	۹۱۷
حضرت عبداللہ بن سلام	۹۱۸
سب سے پہلی بات	۹۱۸
تین باتیں جن کا علم نبی کے علاوہ	۹۱۹
کسی کو نہیں ہوسکتا	۹۱۹
حضرت عبداللہ بن سلامؓ کی فضیلت	۹۱۹
کافروں کی خودرائی	۹۱۹
قدیم سچائی	۹۲۰
ایمان و استقامت پر بشارت	۹۲۱
والدین سے حقوق	۹۲۱
ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے	۹۲۱
ماں کی مشقت	۹۲۱
ماں سے حسن سلوک کی وجہ	۹۲۱
دودھ پلانے کی مدت	۹۲۲
چالیس سال کی زندگی	۹۲۲
حضرت ابوبکرؓ کی زندگی	۹۲۲
سعادت مندی	۹۲۳
حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت	۹۲۳
حضرت عثمانؓ کی فضیلت	۹۲۳
نافرمان اولاد	۹۲۴
نافرمان کی گستاخ کلامی	۹۲۴
والدین کی کاوش	۹۲۴
بدبختوں کا انجام	۹۲۵
بدبختوں کا نقصان	۹۲۵
اہل جنت و اہل دوزخ	۹۲۵
کافر کی نیکیوں کا اجر	۹۲۵
آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا حال	۹۲۶
حضرت معاذ کو نصیحت	۹۲۷
حضرت عمرؓ کی حالت	۹۲۷
سابقہ اقوام سے عبرت حاصل کرنے کا سبق	۹۲۸
ہوا کے وقت کی دعاء	۹۲۸
یہود کی دعوت	۹۲۹

عنوان	صفحہ
کافروں کا مطالبہ	۹۲۹
قوم عاد پر عذاب آنے کی کیفیت	۹۲۹
عذاب	۹۳۰
عبرت و نصیحت	۹۳۱
بدنصیبی	۹۳۱
استہزاء کا نتیجہ	۹۳۱
قوم ثمود اور قوم لوط	۹۳۱
مشرکین کو عبرت کی دعوت	۹۳۱
اب بتوں کو بلاؤ	۹۳۱
اب بت کہاں گئے	۹۳۲
جھوٹ سے پورے نہیں ہوتے	۹۳۲
جنات کا مسلمان ہونا	۹۳۲
جنوں سے بھی بڑھ کر سرکش ہیں	۹۳۲
جنات کے قرآن سننے کا واقعہ	۹۳۳
آنحضرت ﷺ کی دعاء	۹۳۳
جنوں کے پاس تشریف لے جانا	۹۳۳
نصیبین کے جن	۹۳۴
ایک کاہن کی گواہی	۹۳۴
حضرت عمرؓ کی گواہی	۹۳۴
سواد بن قارب کے اسلام لانے کا واقعہ	۹۳۴
لیلۃ الجن کا قصہ	۹۳۵
ایک شہید جن صحابی	۹۳۵
مومن جنوں کے جنت میں جانے کا مسئلہ	۹۳۶
چھ مرتبہ جنات حاضر ہوئے	۹۳۶
توراۃ کی گواہی	۹۳۶
قرآن کی راہنمائی	۹۳۶
جنوں کی اپنی قوم کو دعوت	۹۳۶
اسلام لانے سے گناہ معاف ہو جاتے	۹۳۷
خدا کے باغی کا کہیں ٹھکانہ نہیں	۹۳۷
یہود کے عقیدہ کی تردید	۹۳۷
موت کے بعد زندگی	۹۳۷
کافروں کا اقرار	۹۳۸
حضور ﷺ کو تسلی	۹۳۸

مجدد الف ثانیؒ کا ارشاد	۹۳۸	کافروں کی بدحالی	۹۴۵	حضرت عمرؓ کا واقعہ	۹۵۵
اہل علم کا مقام	۹۳۸	ہلاکت کا سبب	۹۴۶	[illegible]	۹۵۵
ایک نبی کا صبر	۹۳۸	اہل مکہ کیلئے عبرت	۹۴۶	صدیقؓ کی فضیلت	۹۵۵
عذاب سے کا تو پتہ چلے گا	۹۳۹	اللہ مومنین کا مددگار ہے	۹۴۶	آیت کی وضاحت	۹۵۶
جنت پوری ہو چکی	۹۳۹	[illegible]	۹۴۷	ایک نوجوان کا واقعہ	۹۵۶
سورۃ محمد	۹۳۹	حیوانوں جیسی زندگی	۹۴۷	شیطان کے چند [illegible]	۹۵۷
[illegible]	۹۳۹	یہ کافر [illegible]	۹۴۷	شیطان کے دھوکے	۹۵۷
خود فریبی	۹۳۹	مومن و کافر برابر نہیں	۹۴۸	منافقوں کا یہودیوں سے گٹھ جوڑ	۹۵۷
اعمال بغیر ایمان کے مقبول نہیں	۹۴۰	[illegible]	۹۴۸	غرق کا مزہ	۹۵۸
[illegible]	۹۴۰	جنت کا پانی، دودھ اور شراب	۹۴۸	اعمال غارت کرنے والا راستہ	۹۵۸
ایک لطیف مفہوم	۹۴۰	جنت میں دریا	۹۴۹	منافقوں کا خبث باطن	۹۵۸
واضح بیان	۹۴۰	جنت کی نہریں	۹۴۹	منافقوں پر لعنت	۹۵۸
باطل سے مقابلہ	۹۴	جنت کا دودھ، شراب، شہد	۹۴۹	حضرت عمر فاروقؓ کا واقعہ	۹۵۸
جنگی قیدیوں کا مسئلہ	۹۴	جنت کا نہری نظام	۹۴۹	[illegible] بحث	۹۵۸
امام المسلمین کو چار اختیار	۹۴۱	جوہر حیات، غذائے لطیف	۹۴۹	[illegible]	۹۵۸
اسلام پر اعتراض اور اس کا جواب	۹۴۲	مومن اور منافق کا فرق	۹۵۰	مختلف روایتوں میں تطبیق	۹۵۹
اسلام کا [illegible]	۹۴۲	منافقین کی [illegible]	۹۵۰	[illegible]	۹۵۹
اسلام نے غلاموں کو تمام معاشرتی حقوق دیے	۹۴۲	[illegible]	۹۵۰	امتحان	۹۵۹
غلاموں کی آزادی	۹۴۲	قیامت [illegible]	۹۵۰	[illegible] منافق اپنا ہی نقصان کرتے ہیں	۹۶۰
جنگی قیدیوں [illegible]	۹۴۳	[illegible]	۹۵	کفار قریش کی مدد کرنے والے	۹۶۰
حرب [illegible] کا مطلب	۹۴۳	قیامت قریب ہے	۹۵۱	[illegible]	۹۶
احکام اسلام کا مقصد	۹۴۳	قیامت کی نشانیاں	۹۵۱	[illegible]	۹۶
ظلم کے خلاف [illegible]	۹۴۳	[illegible]	۹۵	[illegible]	۹۶۱
قتل و جہاد کی حکمت	۹۴۳	[illegible]	۹۵	[illegible]	۹۶۲
جہاد کی ایک حکمت	۹۴۴	[illegible] کا مطلب	۹۵۲	[illegible]	۹۶۲
مشروعیت جہاد	۹۴۴	[illegible]	۹۵۲	[illegible]	۹۶۲
شہید کامیاب ہیں	۹۴۴	ایک حدیث کی [illegible]	۹۵۳	[illegible]	۹۶۲
تین شہید	۹۴۴	دل پر [illegible]	۹۵۳	[illegible]	۹۶۳
اُحد کے دن کی صورتحال	۹۴۴	سورۃ محکمہ	۹۵۳	اللہ تم سے مال طلب نہیں کرتا	۹۶۳
شہید کیلئے دو نعمتیں	۹۴۵	منافقوں پر حکم جہاد کا اثر	۹۵۴	اللہ کے دیئے میں مخصوص حصہ	۹۶۳
جن کا قرض اللہ تعالیٰ ادا کریں گے	۹۴۵	جہاد کا حکم	۹۵۴	دینے کا نفع تمہیں ہے	۹۶۴
خوشبو سے مہکائے ہوئے	۹۴۵	مخلص ہونے کا تقاضا	۹۵۴	اپنا مال اور روش کا مال	۹۶۴
مومنوں کی ہمت افزائی	۹۴۵	فساد نہ پھیلاؤ	۹۵۴	دو فرشتوں کی دعاء	۹۶۴

اللہ محتاج نہیں تم ہو	۹۶۴	حضرت عثمان کی سرداران قریش سے ملاقات	۹۷۶	مقام صہباء میں قیام	۹۹۰
اللہ تمہارا محتاج نہیں	۹۶۴	حضرت عثمان کی وفا شعاری	۹۷۶	[illegible]	۹۹۰
امام اعظمؒ کی فضیلت	۹۶۵	قریش کے سرداروں کی بے قراری	۹۷۶	نافرمان کیلئے جنت نہیں ہے	۹۹۱
دین کا قیام	۹۶۵	قریش کی معذرت	۹۷۷	یہودیت کی گفتگو	۹۹۱
اللہ تعالیٰ غنی باقی سب	۹۶۵	صلح کی شرائط صلح نامہ	۹۷۸	بخار اور اس کا علاج	۹۹۱
سورة الفتح	۹۶۶	قبائل کی حمایت	۹۷۸	غذائی سامان کی قلت	۹۹۱
صلح حدیبیہ	۹۶۷	حضرت عمرؓ کی گفتگو	۹۷۸	دو بدو مقابلہ	۹۹۱
اگلے اور پچھلے گناہوں کا مطلب	۹۶۷	معجزہ	۹۷۹	فتح کیلئے راستہ بتانا	۹۹۱
راہ ہدایت میں ترقی	۹۶۸	حضرت ابوجندلؓ کا واقعہ	۹۷۹	[illegible]	۹۹۲
صحابہ جیسے ایمان	۹۶۹	صحابہ کی اداسی	۹۸۰	آنحضرت ﷺ کی تکلیف	۹۹۲
نقلی صوفیوں کی تردید	۹۶۹	حضرت ام سلمہؓ کی دانائی	۹۸۰	فاتح کے ہاتھ میں جھنڈا	۹۹۲
منافقوں اور مشرکوں کیلئے سزا	۹۶۹	حضرت کعب بن عجرہ کا احرام	۹۸۰	حضرت علیؓ کی آنکھیں	۹۹۳
نزول اطمینان	۹۶۹	ابوبصیر کا واقعہ	۹۸۱	دوبدو مقابلہ، حضرت علیؓ کی شجاعت	۹۹۳
ایمان بڑھنے کا مطلب	۹۶۹	آنحضرت ﷺ کی دعا کا اثر	۹۸۱	قیدی عورتیں اور حضرت صفیہؓ	۹۹۳
تمام امت کے تمام اعمال پر حضور ﷺ	۹۷۰	آنحضرت ﷺ کا خط	۹۸۲	حضرت صفیہؓ کا خواب	۹۹۴
توقیر کا مطلب	۹۷۰	حضور ﷺ کے وعدہ کا پورا ہونا	۹۸۲	دعوت ولیمہ	۹۹۴
تعزیر اور توقیر	۹۷۰	صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں	۹۸۲	آخری دو قلعے اور مال غنیمت	۹۹۴
حضور ﷺ کے ہاتھ میں بیعت	۹۷۰	منافقوں کے اندیشے اور بہانے	۹۸۳	کنانہ اور ربیع کا معاملہ	۹۹۴
[illegible]	۹۷۱	جھوٹی خیر خواہی	۹۸۳	خیبر کی زمینیں	۹۹۵
واقعہ حدیبیہ	۹۷۱	منافقوں کے اس کا جواب	۹۸۴	پیداوار کی منصفانہ تقسیم	۹۹۵
عمرہ کا احرام باندھنا	۹۷۲	غزوہ خیبر	۹۸۴	یہودیوں کی غداری اور زہر	۹۹۵
آنحضرت کا خواب	۹۷۲	منافقوں کی تہذیب	۹۸۵	یہودیہ عورت کی چالبازی	۹۹۵
مسلمانوں کا باہم مشورہ	۹۷۲	اسلام کی تین شرطیں	۹۸۵	رسول اللہ ﷺ کی شہادت	۹۹۶
نماز خوف کا حکم	۹۷۲	حضرت علیؓ کا دور خلافت	۹۸۶	حضور ﷺ کا درگزر	۹۹۶
ایک بدقسمت شخص	۹۷۳	حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خط	۹۸۶	مختلف روایت میں تطبیق	۹۹۶
صحابہ کی جاں نثاری کے مظاہرے	۹۷۳	جہاد سے مراد	۹۸۷	حضرت جعفر بن ابی طالب کی حبشہ سے واپسی	۹۹۶
حدیبیہ میں قیام	۹۷۳	بیعت رضوان	۹۸۷	فدک کا قصہ	۹۹۷
آنحضرت کا معجزہ	۹۷۳	حضرت عثمانؓ کی فضیلت	۹۸۸	فتح مکہ کی بشارت	۹۹۷
بدیل بن ورقاء کی آمد	۹۷۴	[illegible]	۹۸۸	[illegible]	۹۹۸
عروہ کی اپنے قبیلے کی طرف واپسی اور تاثرات	۹۷۵	[illegible]	۹۸۸	[illegible]	۹۹۸
عروہ کا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جانا	۹۷۵	[illegible]	۹۸۹	بیعت کا مطلب	۹۹۹
آنحضرت ﷺ کا [illegible] سے	۹۷۵	[illegible]	۹۸۹	[illegible]	۹۹۹
پاس اپنا قاصد بھیجنا	۹۷۵	غزوہ خیبر	۹۹۰	[illegible]	۱۰۰۰

حضور ﷺ کا خواب	۱۰۰۰	حجرات امہات المومنین	۱۰۱۲	بہتری اور برتری کا معیار	۱۰۲۸
تعبیر خواب میں تاخیر کی مصالح	۱۰۰۰	خطیب اور شاعر آمنے سامنے	۱۰۱۲	آنحضرت ﷺ کا خطاب	۱۰۲۸
غلبہ کامیابی اسلام ہی کا مقدر ہے	۱۰۰۱	عقلمندی کا تقاضا	۱۰۱۳	نسب پر اترانے والوں کا انجام	۱۰۲۸
معاندین اسلام کیلئے صحابہ کی سختی	۱۰۰۲	نزاعات کا انسداد	۱۰۱۳	ایمان کی کمزوری کی علامت	۱۰۲۹
شیعوں کی تردید	۱۰۰۲	احکام ومسائل	۱۰۱۴	مؤمن کی تین قسمیں	۱۰۳۰
کافروں پر سخت ہونے کا مطلب	۱۰۰۲	صحابہؓ کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ	۱۰۱۴	اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا	۱۰۳۰
آپس میں محبت کی وجہ	۱۰۰۳	حضرت ولید بن عقبہؓ کا معاملہ	۱۰۱۵	اسلام اور ایمان	۱۰۳۰
خدا پرستی	۱۰۰۳	حق کو اپنی رائے کے تابع نہ بناؤ	۱۰۱۶	خدا کے سامنے باتیں نہ بناؤ	۱۰۳۱
سجدوں کی نشانی	۱۰۰۳	ایمان کی محبت	۱۰۱۶	**سورۃ ق**	۱۰۳۲
تورات وانجیل میں صحابہؓ کی مثال	۱۰۰۴	کفر، فسوق اور عصیان کا معنی	۱۰۱۶	سورۂ ق کی خصوصیت	۱۰۳۲
چند افراد سے لاکھوں تک	۱۰۰۴	باہمی اختلاف ختم کرنے کا لائحہ عمل	۱۰۱۷	قرآن کی عظمت واعجاز	۱۰۳۳
مرحلہ بہ مرحلہ ترقی	۱۰۰۵	اصلاح کی پوری کوشش کرو	۱۰۱۹	اللہ کا قدیم علم	۱۰۳۳
صحابہ کرامؓ کی فضیلت	۱۰۰۵	باغی گروہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا	۱۰۱۹	سچ کی تکذیب	۱۰۳۳
انجیل میں صحابہ کی مثال	۱۰۰۵	باغی گروہ [illegible] مسائل	۱۰۱۹	آسمان کی بناوٹ	۱۰۳۴
صحابہ کرامؓ سے بغض	۱۰۰۶	آداب معاشرت	۱۰۲۱	دانائی کا سامان	۱۰۳۴
صحابہ [illegible] وعدہ	۱۰۰۶	مسلمان کی پردہ داری کا ثواب	۱۰۲۲	کھجور کی فضیلت	۱۰۳۴
تمام صحابہ عادل ہیں	۱۰۰۶	[illegible] نہ کرو	۱۰۲۲	سبزہ کی طرح انسانی جسم اگے گا	۱۰۳۵
[illegible] تعلیم ہے	۱۰۰۷	[illegible]	۱۰۲۲	اسرافیل کی نداء	۱۰۳۵
سورۃ الحجرات	۱۰۰۷	[illegible]	۱۰۲۳	ایک آدمی کا واقعہ	۱۰۳۵
حضور ﷺ کے آداب وحقوق	۱۰۰۷	[illegible]	۱۰۲۳	اصحاب [illegible]	۱۰۳۶
ادب ملحوظ رکھنا چاہیے	۱۰۰۸	[illegible]	۱۰۲۳	قوم ثمود	۱۰۳۶
آنحضرت کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے	۱۰۰۸	[illegible]	۱۰۲۳	قوم [illegible]	۱۰۳۶
عیدنماز سے پہلے قربانی نہ کرو	۱۰۰۸	[illegible]	۱۰۲۴	فرعون اور اس کی قوم	۱۰۳۶
رمضان سے پہلے روزے رکھنا	۱۰۰۸	[illegible]	۱۰۲۴	اخوان لوط	۱۰۳۷
مجلس نبوی کے آداب	۱۰۰۹	[illegible]	۱۰۲۵	تکذیب انبیاء کا انجام	۱۰۳۸
احادیث کی مجلس	۱۰۰۹	بدگمانی اور اس کے نتائج	۱۰۲۵	ابن آدم کی نالائقی	۱۰۳۸
روضہ اقدس کے سامنے بھی بہت بلند	۱۰۰۹	ظن ممنوع اور ظن مشروع	۱۰۲۵	وسوسہ کا معنی ومراد	۱۰۳۹
آواز سے سلام وکلام کرنا ممنوع ہے	۱۰۰۹	ایک مشہور مقولہ کا مطلب	۱۰۲۶	عام وخاص قرب	۱۰۳۹
پیغمبر کی [illegible]	۱۰۱۰	غیبت [illegible]	۱۰۲۶	قرب سے کیا مراد ہے	۱۰۳۹
ادب کی بنیاد	۱۰۱۰	غیبت کی [illegible]	۱۰۲۶	اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے	۱۰۴۰
حضرت ثابت بن قیس کا حال	۱۰۱۰	غیبت کی [illegible]	۱۰۲۷	دونوں فرشتے ایک دوسرے کے نگران ہیں	۱۰۴۱
واقعہ [illegible] تمیم	۱۰۱۱	غیبت کی تلافی	۱۰۲۷	اسرار ورموز	۱۰۴۱
حضرت ثابت کی شہادت	۱۰۱۱	تقویٰ فرمانبرداری کی بنیاد ہے	۱۰۲۷	رسول اللہ ﷺ کی کیفیت	۱۰۴۲

موت ہر انسان کی قیامت ہے	۱۰۴۲	قیامت میں جھگڑنا حماقت ہے	۱۰۵۲	حضرت علیؓ کا قول	۱۰۶۳
موت سے بھاگنے والے کی مثال	۱۰۴۲	متقیوں کو خوشخبری	۱۰۵۳	تخلیق جن و انس کا مقصد	۱۰۶۳
فرشتہ تیار کھڑا ہے	۱۰۴۲	پوری رات عبادت کرنے والے	۱۰۵۳	اللہ روزی رساں ہے	۱۰۶۴
جب صور پھونکا جائے گا	۱۰۴۲	اللہ تعالیٰ کی عنایتیں	۱۰۵۳	عبادت میں سستی نہ کرو	۱۰۶۴
محشر کی پیشی	۱۰۴۳	حضور ﷺ کی نماز تہجد	۱۰۵۴	رزق کیلئے کوشش	۱۰۶۴
محشر کی ڈانٹ	۱۰۴۳	قبولیت دعا کا عمل	۱۰۵۴	**سورة الطور**	۱۰۶۵
جہنم میں ڈالنے کا حکم	۱۰۴۳	آنحضرت ﷺ کی دعاء شبانہ	۱۰۵۴	سورۂ طور کی فضیلت	۱۰۶۵
سخت ترین عذاب کے مستحق	۱۰۴۴	جنت میں داخل ہونے کا عمل	۱۰۵۵	بیت معمور	۱۰۶۶
اعمال لکھنے والے فرشتے اور شیطان	۱۰۴۴	جنت کے محلات کس لیے ہیں	۱۰۵۵	ابلتے ہوئے دریاء	۱۰۶۶
گمراہ کرنے اور گمراہ ہونے کی سزا ملے گی	۱۰۴۴	غور و فکر	۱۰۵۵	حضرت عمرؓ پر اللہ کے کلام کا اثر	۱۰۶۶
اللہ کے ہاں ظلم نہیں ہے	۱۰۴۵	آیات آفاقی	۱۰۵۵	جبیر بن مطعمؓ پر اس آیت کا اثر	۱۰۶۷
جہنم کی طلب	۱۰۴۵	رزق اور جنت آسمان میں	۱۰۵۶	قیامت کی دہشت ناکیاں	۱۰۶۷
جنت کا نظارہ	۱۰۴۵	[illegible]	۱۰۵۶	ذلت کے ساتھ جہنم میں داخلہ	۱۰۶۷
جنت کے متقین	۱۰۴۵	[illegible]	۱۰۵۷	اب کسی صورت چھٹکارا نہیں ہے	۱۰۶۸
[illegible]	۱۰۴۶	[illegible]	۱۰۵۷	جنتیوں کی مجلس	۱۰۶۸
"مزید" کا مطلب	۱۰۴۶	[illegible]	۱۰۵۸	بچوں کا کیا ہوگا	۱۰۶۹
کفار اقوام کی بربادی	۱۰۴۷	[illegible]	۱۰۵۸	اولاد کے استغفار و دعا کا اثر	۱۰۶۹
نصیحت پانے والے	۱۰۴۸	[illegible]	۱۰۵۸	شراب طہور	۱۰۷۰
یہاں کون سا درس مراد ہے	۱۰۴۸	[illegible]	۱۰۵۹	بہترین درجہ کا جنتی	۱۰۷۰
قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ارشاد	۱۰۴۸	[illegible]	۱۰۵۹	جنتیوں کی شاہانہ ملاقاتیں	۱۰۷۰
آپ صبر کرتے رہیں	۱۰۴۹	[illegible]	۱۰۵۹	حضرت عائشہؓ کی دعاء	۱۰۷۰
نماز فجر اور عصر کی تاکید	۱۰۴۹	قوم لوط	۱۰۵۹	نہ ماننے کے ہزار بہانے	۱۰۷۲
نماز تہجد	۱۰۴۹	[illegible]	۱۰۶۰	پیغمبر خدا کی بات کیوں نہیں مانتے	۱۰۷۲
فرض نماز کے بعد تسبیحات کی فضیلت	۱۰۴۹	[illegible]	۱۰۶۰	کیا یہ کوئی سند رکھتے ہیں	۱۰۷۲
عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے	۱۰۵۰	[illegible]	۱۰۶۱	کیا کوئی اور حاکم و معبود ہے	۱۰۷۳
موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے	۱۰۵۰	حضرت صالحؑ کی تنبیہ	۱۰۶۱	ان معاندوں پر قہر برسے گا	۱۰۷۳
یوم محشر	۱۰۵۰	قوم ثمود کی تباہی	۱۰۶۱	آپ انتظار کریں	۱۰۷۴
حضرت قتادہ کی دعا	۱۰۵۱	[illegible] قدرت	۱۰۶۱	آپ تسبیح و تحمید میں لگے رہیں	۱۰۷۴
سورة ذاریات	۱۰۵۱	[illegible]	۱۰۶۲	آیت کا مطلب اور کفارہ مجلس	۱۰۷۴
قیام قیامت کی شہادتیں	۱۰۵۱	ہر چیز کے جوڑے	۱۰۶۲	[illegible]	۱۰۷۴
انجام مکافات	۱۰۵۲	اللہ کی طرف دوڑنے کا مطلب	۱۰۶۲	فجر کی دو سنتیں	۱۰۷۵
آسمان کا نظم و نسق	۱۰۵۲	ایک تاریخی حقیقت	۱۰۶۳		

گلدستۂ تفاسیر

جلد-۵

سورۃ المؤمنون

تا

سورۃ سبا

سورة المؤمنون

سورۃ مومنون مکہ میں اتری اور اس کی ایک سو اٹھارہ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

جس نے اسکو خواب میں پڑھا اس کے دن میں زیادہ دیر تک عبادات میں کھڑے رہنے کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف عاجزی کرنے کی محبت ہوں اور ایک ایسے مرض کا خوف ہے جو بڑا خطرناک ہے۔ (علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ
تحقیق کامیاب ہوئے ایمان والے جو انکی
فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۙ
نماز میں جھکنے والے ہیں

خشوع کا معنی:

"خشوع" کے معنی ہیں کسی کے سامنے خوف وہیبت کے ساتھ ساکن اور پست ہونا چنانچہ ابن عباس نے "خاشعون" کی تفسیر "خائفون ساکنون" سے کی ہے اور آیت کریمہ "الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ" بھی دلالت کرتی ہے کہ "خشوع" میں ایک طرح کا سکون وتذلل معتبر ہے۔ قرآن کریم میں "خشوع" کو وجوہ، ابصار، اصوات وغیرہ کی صفت قرار دیا ہے اور ایک جگہ آیت "اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ" میں قلب کی صفت بتائی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خشوع قلب کا ہے اور قلب سے بدن کا خشوع اس کے تابع ہے۔

نماز میں خشوع:

جب نماز میں قلب خاشع، خائف اور ساکن وپست ہوگا تو خیالات ادھر ادھر بھٹکنے نہیں پائیں گے، ایک ہی مقصود پر جم جائیں گے۔ پھر خوف وہیبت اور سکون وخضوع کے آثار بدن پر بھی ظاہر ہوں گے مثلاً بازو اور سر جھکانا، نگاہ پست رکھنا، ادب سے دست بستہ کھڑا ہونا، ادھر اُدھر نہ تاکنا، کپڑے یا داڑھی وغیرہ سے نہ کھیلنا، انگلیاں نہ چٹخانا، اور اس قسم کے بہت افعال واحوال لوازم خشوع میں سے ہیں۔ احادیث میں حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نماز میں ایسے ساکن ہوتے تھے جیسے ایک بے جان لکڑی، اور کہا جاتا تھا کہ یہ نماز کا خشوع ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا نماز بدون خشوع کے صحیح ومقبول ہوتی ہے یا نہیں۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ خشوع اجزائے صلوۃ کے لئے شرط نہیں، ہاں قبول صلوۃ کے لئے شرط ہے میرے نزدیک یوں کہنا بہتر ہوگا کہ حسن قبول کے لئے شرط ہے۔ واللہ اعلم۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ احیاء العلوم اور اس کی شرح میں تفصیل ملاحظہ کی جائے۔ بہرحال انتہائی فلاح اور حقیقی کامیابی ان ہی مومنین کو حاصل ہوگی جو خشوع وخضوع کے ساتھ نمازیں ادا کرتے ہیں اور ان اوصاف سے موصوف ہیں جو آگے بیان کئے گئے ہیں۔ (عثمانی)

پہلی دس آیات:

مسند احمد میں حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب کی روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو پاس والوں کے کان میں ایسی آواز ہوتی تھی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے۔ ایک روز آپ کے قریب ایسی ہی آواز سنی گئی تو ہم ٹھہر گئے تاکہ تازہ نازل ہونے والی وحی سن لیں۔ جب وحی کی خاص کیفیت سے فراغت ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گئے اور یہ دعا کرنے لگے اللهم زدنا ولا تنقصنا واكرمنا ولا تهنا واعطنا ولا تحرمنا واثرنا ولا تؤثر علينا وارض عنا وارضنا (یعنی یا اللہ ہمیں زیادہ دے کم نہ کر اور ہماری عزت بڑھا ذلیل نہ کر اور ہم پر بخشش فرما، محروم نہ کر اور ہمیں دوسروں پر ترجیح دے ہم پر دوسروں کو ترجیح نہ دے اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کر دے)۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھ پر اس وقت دس آیتیں ایسی نازل ہوئی ہیں کہ جو شخص اُن پر پورا پورا عمل کرے تو وہ (سیدھا) جنت میں جائیگا۔ پھر یہ دس آیتیں جو اوپر لکھی گئی ہیں پڑھ کر سنائیں۔ (ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق:

اور نسائی نے کتاب التفسیر میں یزید بن بابنوس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلق کیسا اور کیا تھا، انہوں نے فرمایا آپ کا خلق یعنی طبعی عادت وہ تھی جو قرآن میں ہے اس کے بعد یہ دس آیتیں تلاوت کرکے فرمایا کہ بس یہی خلق و عادت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ (ابن کثیر)

کامیابی کی چابی:

اللہ تعالیٰ نے فلاح پانے کا وعدہ ان مومنین سے کیا ہے جن میں وہ سات صفات موجود ہوں جن کا ذکر ان آیات (۱ تا ۱۱) کے اندر آیا ہے۔

دنیا کا تجربہ اور مشاہدہ شاہد ہے کہ جو اہل صلاح ان صفات اوصاف کے حامل اور اُن سے متصف اور اُن پر قائم رہیں تو دنیا میں وقتی تکلیف ان کو بھی پیش آ جائے مگر انجام کار اُن کی تکلیف جلد دور ہوتی ہے اور مراد حاصل ہو جاتی ہے ساری دنیا ان کی عزت کرنے پر مجبور ہوتی ہے اور دنیا میں نیک نام نہیں باقی رہتا ہے۔ جتنا دنیا کے حالات کا غور و انصاف سے مطالعہ کیا جائیگا ہر دور اور ہر زمانے ہر خطہ میں اسکی شہادتیں ملتی چلی جائیں گی۔

نماز میں خشوع: خشوع کے لغوی معنے سکون کے ہیں اصطلاح شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاء بدن میں بھی سکون ہو کہ عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے (بیان القرآن) خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں منع فرمایا ہے اور فقہاء نے ان کو مکروہات نماز کے عنوان سے جمع کر دیا ہے۔ تفسیر مظہری میں خشوع کی یہی تعریف حضرت عمرو بن دینار سے نقل کی ہے اور دوسرے بزرگوں سے جو خشوع کی تعریف میں مختلف چیزیں نقل کی گئی ہیں وہ دراصل اسی سکون قلب و جوارح کی تفصیلات ہیں مثلاً حضرت مجاہد نے فرمایا کہ نظر اور آواز کو پست رکھنے کا نام خشوع ہے حضرت علی نے فرمایا کہ دائیں بائیں التفات یعنی گوشۂ چشم سے دیکھنے سے بچنا خشوع ہے حضرت عطاء نے فرمایا کہ بدن کے کسی حصہ سے کھیل نہ کرنا خشوع ہے۔ حدیث میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز کے وقت اپنے بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک وہ دوسری طرف التفات نہ کرے جب دوسری طرف التفات کرتا ہے یعنی گوشۂ چشم سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے رُخ پھیر لیتے ہیں (رواہ احمد و نسائی و ابوداؤد وغیرہم۔ مظہری) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو حکم دیا کہ اپنی نگاہ اس جگہ رکھو جس جگہ سجدہ کرتے ہو اور یہ کہ نماز میں دائیں بائیں التفات نہ کرو۔ (رواہ البیہقی فی سنن بعدی مظہری)

نماز میں داڑھی سے کھیلنا:

اور حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو فرمایا لو خشع قلب هذا لخشعت جوارحه (رواہ الحکیم الترمذی بسند ضعیف) یعنی اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی سکون ہوتا۔ (مظہری)

نماز میں خشوع کی ضرورت کا درجہ:

امام غزالی و قرطبی اور بعض دوسرے حضرات نے فرمایا کہ نماز میں خشوع فرض ہے اگر پوری نماز خشوع سے خالی گزر جائے تو نماز ادا نہ ہوگی۔ اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اس میں شبہ نہیں کہ خشوع روح نماز ہے اسکے بغیر نماز بے جان ہے مگر اس کو رکن نماز کی حیثیت سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ خشوع نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوگی اور اس کا اعادہ فرض قرار دیا جائے۔

حضرت سیدی حکیم الامت نے بیان القرآن میں فرمایا کہ خشوع صحت نماز کیلئے موقوف علیہ تو نہیں اور اس درجہ میں وہ فرض نہیں مگر قبول نماز کا موقوف علیہ ہے اور اس مرتبہ میں فرض ہے۔ حدیث میں طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن حضرت ابوالدرداء سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو چیز اس اُمت سے اُٹھ جائیگی یعنی سلب ہو جائیگی وہ خشوع ہے یہاں تک کہ قوم میں کوئی خاشع نظر نہ آئیگا۔ كذا في مجمع الزوائد (بیان القرآن ملخصاً)

شانِ نزول:

حاکم نے حسب شرط شیخین حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے میں اپنی نظر اوپر آسمان کی طرف اٹھا لیتے تھے اس پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ بیشک ان مومنوں نے (آخرت میں) فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر نیچے جھکا لیا۔ ابن مردویہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان میں ادھر اُدھر نظر گھما لیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نماز کے اندر آسمان کی طرف اپنی نظر اٹھا لیتے تھے۔ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو سجدہ گاہ پر نظر جمانے لگے۔

ابن ابی حاتم نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نماز کے اندر آسمان کی طرف نظریں اٹھا لیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

لفظ ”قد“ کا استعمال

لفظ قد کسی امر متوقع کے ثبوت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جیسے لما کسی امر متوقع کی نفی پر دلالت کرتا ہے قد اگر ماضی ہو تو تحقق وقوع کے علاوہ قرب حال کا مفہوم بھی اس کے اندر آ جاتا ہے۔ (قد قد امت الصلوٰۃ ہو گیا۔ قد افلح ابھی ابھی وہ جا چکا) مومنوں کو اللہ کے فضل سے امید تھی کہ توفیق کی قید کے لانے سے فلاح یاب ہونے کی مسلمانوں کے لئے بشارت ہوئی (گویا مسلمان فلاح یاب ہو چکے)۔

فلاح کیا ہے؟

صاحب قاموس نے لکھا ہے فلاح کامیابی اور اپنی قابل خوف چیز سے نجات اور امر خیر میں باقی رہنا۔ فلاح دنیوی بھی ہوتی ہے اور آخرت کی بھی

اس جگہ فلاح اخروی مراد ہے۔ کامل فلاح اخروی یہ ہے کہ بالکل عذاب نہ ہو، نہ قبر میں، نہ حساب کے وقت (حساب فہمی کی سختی کی شکل میں) نہ شدائد قیامت میں مبتلا ہو کر، نہ دوزخ میں داخل ہونے کی صورت میں، نہ صراط پر سے گذرنے میں (خلاصہ یہ ہے کہ عذاب قبر سے حساب فہمی کی سختی سے شدائد قیامت سے، روز قیامت کی ظلمت سے، دوزخ کی آگ اور ہر طرح کی تکلیفوں سے اور پل صراط پر گذرنے کی دشواری سے بالکل نجات مل جائے) اور اس نجات کے بعد جنت میں داخلہ مل جائے۔ مرتبہ قرب اور دیدار باری تعالیٰ نصیب ہو جائے اور مولیٰ کریم کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔

رہی فی الجملہ ناقص کامیابی تو اس کی خصوصیت انہی اہل ایمان کے ساتھ نہیں ہے جن کی صفات کا تذکرہ اس آیت میں کیا گیا ہے بلکہ ہر وہ شخص جو ایمان والا ہو وہ (آخرت میں) ضرور فلاح یاب ہوگا (خواہ اس کی فلاح کامل نہ ہو) اللہ نے فرمادیا ہے: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ ۚ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ ۔ جو ذرہ (یا چھوٹی سرخ چیونٹی کے) برابر نیکی کرے گا وہ اس کی نظر کے سامنے آئے گی۔ اور جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ بھی اس کی نظر کے سامنے آئے گی اور نفس ایمان و توحید تمام نیکیوں کا سرمایہ ہے (اس لئے ہر مؤمن کا فلاح یاب ہونا ضروری ہے خواہ کسی قدر گناہگار ہو) اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، توحید کی تصدیق کرنے والے سعادت یاب ہوں گے اور جنت میں (ہمیشہ) رہیں گے۔

بخیل جنت میں نہ جائے گا:

حضرت ابن عباس کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا اس کے درختوں میں پھل لگائے۔ (یعنی درختوں میں اتنی کثرت سے پھل پیدا کئے کہ ان کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھک گئیں اور پھل لٹک گئے) اور جنت کے اندر نہریں نکالیں پھر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا، قسم اپنی عزت وجلال کی کوئی بخیل تیرے اندر میرے قریب بھی نہیں آئے گا۔ رواہ الطبرانی

جنت کی چیزیں

میں کہتا ہوں اس حدیث میں شاید بخیل سے مراد کافر ہے کیونکہ کافر اللہ کا حق توحید ادا کرنے میں بخیل ہوتا ہے۔ دوسری سند سے طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب اللہ نے جنت عدن کو پیدا کیا تو اس کے اندر ایسی چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی شخص کے دل میں ان کا خیال آیا پھر فرمایا بات کر، جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔

ابن ابی الدنیا نے صفۃ الجنۃ میں حضرت انس سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے جنت عدن کو ایک سفید موتی اور یاقوت سرخ اور زمرد سبز کی اینٹوں سے بنایا ہے اس کا پلستر مشک کا ہے اس کی گھاس زعفران ہے اس کی پتھریاں موتی ہیں اور اس کی مٹی عنبر ہے، اور فرمایا بات کر۔ جنت نے عرض کیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اللہ نے فرمایا قسم ہے اپنی عزت کی تیرے اندر میرے قرب میں کوئی بخیل نہیں آئے گا۔

تمام مؤمن کسی نہ کسی وقت جنت میں داخل ہوں گے:

حضرت مؤلف نے کہا ہو سکتا ہے کہ آیت میں فلاح سے مراد جنت کا داخلہ ہو خواہ عذاب کے بعد ہی مل جائے، اس وقت المؤمنون سے تمام مؤمن مراد ہوں گے کیونکہ کسی نہ کسی وقت سب مؤمنوں کا جنت میں داخلہ ہو جائے گا جیسا کہ احادیث مذکورہ سے ثابت ہے۔ اس تفسیر پر آیت میں مؤمنوں کی جو صفات بیان کی ہیں وہ قید احترازی کے طور پر نہ ہوں گی۔ (کہ جن مؤمنوں میں وہ صفات نہ ہوں وہ فلاح یاب نہ ہوں) بلکہ صفات مدحیہ ہوں گی۔ مؤمن کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ ان صفات کا حامل ہو اگر ان صفات کو قید احترازی قرار دیا جائے اور فلاح سے کامل فلاح مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ کامل فلاح پانے والے وہ مؤمن ہوں گے جو ان صفات سے حامل ہوں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جو مؤمن اپنے اندر یہ صفات نہیں رکھتے ہوں گے وہ مطلقاً فلاح یاب نہ ہوں گے۔

اہل سنت کا اجماع ہے کہ جو گناہگار مؤمن بغیر توبہ کے مر جائے وہ جنت میں بلا آخر ضرور داخل ہوں گے اللہ وانتقیر کرنے کے ارادہ یہ ہے کہ بعد جنت میں داخل فرمائے یا معاف فرمادے اور بغیر عذاب کے جنت میں بھیج دے۔

خشوع کے متعلق مختلف اقوال.

خَاشِعُوْنَ سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس نے ترجمہ میں عاجزی کرنے والے، اللہ کے سامنے اظہار عجز کرنے والے۔ حسن نے کہا ڈرنے والے۔ مقاتل نے کہا تواضع کرنے والے اور اپنے آپ کو پست قرار دینے والے۔ مجاہد نے کہا نظریں نیچی اور آواز پست رکھنے والے۔ ایک روایت میں حضرت علی کا قول آیا ہے (نماز میں) ادھر ادھر التفات نہ کرنا خشوع ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا خشوع یہ ہے کہ یہ معلوم بھی نہ ہو کون دائیں طرف ہے اور کون بائیں طرف۔ اور دائیں بائیں نظر نہ ڈالے۔

عمرو بن دینار نے کہا خشوع سے مراد ہے سکون اور حسن ہیئت۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ خشوع سے مراد ہے سجدہ گاہ سے نظر نہ ہٹانا۔ عطاء نے کہا اپنے بدن کے کسی حصے سے نہ کھیلنا مثلاً بے وجہ کھجانا مراد ہے۔

بعض نے کہا نماز میں خشوع نام ہے توجہ کی یکسوئی کا کہ دوسری طرف خیال نہ جائے اور زبان سے جو الفاظ ادا کر رہا ہے اس پر غور کرتا جائے، نماز

سے ادھر ادھر نہ دیکھے، دائیں بائیں نظر نہ گھمائے۔ کسی طرف مائل نہ ہو، انگلیاں نہ چٹکائے، کنکریاں (جو زمین پر پڑی ہوں) الٹ پلٹ نہ کرے اور نماز کے نامناسب کوئی حرکت نہ کرے۔

حضرت ابو درداء نے فرمایا خشوع سے مراد ہے قول اخلاص (اللہ کے سامنے) تعظیم کے ساتھ کھڑا ہونا، کامل یقین اور پوری توجہ ویکسوئی۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے خشوع کا معنی ہے خضوع یعنی تواضع، خشوع کا مفہوم تواضع کے قریب ہے۔ یہ خشوع کا تعلق اعضائے بدن سے ہوتا ہے اور خضوع آواز کی پستی و عاجزی، اور نگاہ اور سکون اور اظہار عجز سب سے متعلق ہے۔ نہایہ میں ہے خشوع نگاہ اور آواز میں ہوتا ہے جیسے خضوع کا تعلق جسم سے ہوتا ہے۔

بندہ متوجہ ہو تو اللہ متوجہ رہتا ہے:

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ بندے کی طرف برابر متوجہ رہتا ہے جب تک بندہ نماز میں ادھر ادھر نظر نہ کرے اور جب بندہ ادھر ادھر التفات کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے توجہ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد و ابو داؤد و النسائی والدارمی۔

شیطان کا جھپٹنا:

حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التفات کے متعلق دریافت کیا، فرمایا یہ ایک جھپٹنا ہوتا ہے جو شیطان بندے کی نماز میں سے اچک لیتا ہے۔ راوہ الشیخان فی الصحیحین

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا:

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ نماز کے اندر اپنی نگاہیں آسمان کی طرف کیوں اٹھاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس معاملہ میں اتنا سخت تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا لوگ اس حرکت سے باز آ جانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔ رواہ البغوی۔ مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے سے لوگوں کو باز آ جانا چاہئے ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نماز کے اندر آسمان کی طرف نظر اٹھانے سے لوگوں کو باز آ جانا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی نگاہیں واپس نہ آئیں۔ رواہ مسلم وابوداؤد واحمد وابن ماجہ۔

نفاق والا خشوع:

حضرت ابوبکر صدیقؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہم نفاق والے خشوع سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ نفاق والا خشوع کیسا ہوتا ہے فرمایا بدن کا خشوع اور دل کا نفاق (یعنی دل کسی اور طرف مشغول ہو اور بظاہر اعضاء نماز میں ہوں)۔

حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابوبکر صدیق کی نماز

مجاہد کا بیان ہے حضرت عبداللہ بن زبیر نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لکڑی کا تھم (اپنی جگہ) کھڑا ہے حضرت ابوبکر صدیق کی بھی یہی حالت تھی۔

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق راوی ہیں کہ ان کی والدہ حضرت ام رومان نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے نماز میں ادھر ادھر جھکتے دیکھ تو اتنا سخت ڈانٹا کہ قریب تھا میں نماز توڑ دوں، اور فرمایا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جب تم میں سے کوئی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں میں سکون رہنا چاہئے، یہودیوں کی طرح ادھر ادھر نہ جھکے، نماز میں ہاتھ پاؤں کا ساکن رہنا نماز کا جزو تکمیل ہے۔ (رواہ [illegible])

نماز میں پتھر نہ ہٹائے:

حضرت ابوالاحوص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی نماز کو کھڑا ہو جائے تو پتھریوں کو صاف نہ کرے کیونکہ (اللہ کی) رحمت اس کے منہ کے سامنے ہوتی ہے (اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹائے) رواہ البغوی، امام احمد، ابن عدی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے یہ حدیث حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت انسؓ کو نصیحت:

حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، اپنی نظر سجدہ کرنے کے مقام پر رکھا کرو۔ رواہ البیہقی فی السنن۔

یہ بھی حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بیٹے نماز میں ادھر اُدھر دیکھنے سے پرہیز رکھ۔ نماز کے اندر ادھر اُدھر نظر کرنا (نماز کی) بربادی ہے اگر مجبوری ہو تو نفل میں (ایسا کر سکتا ہے) فرض میں نہیں۔ (تفسیر مظہری)

> وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ
>
> اور جو لغو بات پر دھیان نہیں کرتے

فضولیات سے پرہیز:

یعنی فضول بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے کوئی دوسرا شخص لغو اور لغو بات کہے تو اُدھر سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اُن کو وظائف عبودیت سے

اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں۔

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو چو بگذشت بر عارف جنگجو

گر ایں مدعی دوست بشناختے بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(تفسیر عثمانی)

لغو کے درجات:

لغو کے معنے فضول کلام یا کام جسمیں کوئی دینی فائدہ نہ ہو۔ لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر نقصان ہے اس سے بچنا واجب ہے، اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر اس کا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من احسن اسلام المرأ ترکه مالا یعنیه. یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہو سکتا ہے جبکہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے۔ اسی لئے آیت میں اسکو مؤمن کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

لغو کے متعلق اقوال:

اور جو لغو باتوں سے (قولی ہوں یا فعلی) اعراض کرنے والے ہیں عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا کہ لغو سے مراد شرک ہے حسن نے کہا گناہ اور نافرمانیاں مراد ہیں۔ میں کہتا ہوں آخرت میں کام نہ آنے والے امور مراد لینا بہتر ہے خواہ وہ امور قول سے تعلق رکھتے ہوں یا عمل سے۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شرک اور معاصی اور مُعْرِضُوْنَ آخرت میں نہ ... چنانچہ ... کتاب کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ تو بیکار اور غیر مفید باتوں سے بھی الگ رہتے ہیں اور پرہیز کرتے ہیں۔

بعض نے کہا لغو سے اعراض کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے مقابلہ میں وہ گالیاں نہیں دیتے اور سب و شتم نہیں کرتے۔

دوسری آیت میں اللہ نے خود فرمایا ہے وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا مطلب یہ ہے کہ جب وہ بُری بات سنتے ہیں تو خود اس کے اندر گھس نہیں پڑتے۔ (مظہری)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ
اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں

زکوٰۃ ادا کرنا:

یعنی اُن کی عادت ہے کہ ہمیشہ زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ کبھی دی کبھی نہ دی، غالباً اسی لئے يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ کی جگہ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ کی ترکیب اختیار فرمائی۔ گویا بتلا دیا کہ زکوٰۃ ادا کرنا اُن کا مستمر کام ہے۔ مترجم محقق قدس روحہ نے "دیا کرتے ہیں" سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں زکوٰۃ کو "طہارت" (پاکیزگی) یا تزکیۂ نفس کے معنی میں لیا ہے۔ گویا آیت حاضرہ وَقَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى اور قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اگر یہ مراد ہو تو اس کے مفہوم کو عام رکھا جائے جس میں بدن کا، دل کا اور مال کا پاک رکھنا سب داخل ہو۔ زکوٰۃ، صدقات بھی ایک قسم کی مالی تطہیر ہے۔ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا (توبہ۔ رکوع ۱۳) یہ کہنا کہ آیت مکی ہے اور مکہ میں زکوٰۃ فرض نہ ہوئی تھی۔ ابن کثیر نے اس کا جواب دیا ہے۔ اصل زکوٰۃ کی مشروعیت مکہ میں ہو چکی تھی، اموال، مقادیر، نصب وغیرہ کی تشخیص مدینہ میں ہوئی واللہ اعلم۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ
اور جو اپنی شہوت کی جگہ کو تھامتے ہیں
إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ
مگر اپنی عورتوں پر یا اپنے ہاتھ کے مال باندیوں پر
فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ
سو ان پر نہیں کچھ الزام پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوا
فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ
سو وہی ہیں حد سے بڑھنے والے

شرمگاہوں کی حفاظت:

یعنی اپنی منکوحہ عورت یا باندی کے سوا کوئی اور راستہ تقاضائے شہوت کا ڈھونڈے، وہ حلال کی حد سے آگے نکل جانے والا ہے۔ اس میں زنا، لواطت اور استمناء بالید وغیرہ سب صورتیں آ گئیں، بلکہ بعض مفسرین نے حرمت متعہ پر بھی اس سے استدلال کیا ہے وفیہ کلام طویل لایسعہ المقام۔ راجع روح المعانی تحت ہذہ الآیہ الکریمہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی لونڈیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطہ کے مطابق شہوت نفس پوری کرنے کے علاوہ اور کسی سے کسی ناجائز طریقہ پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے۔ اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا

فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ یعنی شرعی قاعدے کے مطابق اپنی بیوی یا لونڈی سے شہوت نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں اسمیں اشارہ ہے کہ اس ضرورت کو ضرورت کے درجہ میں رکھنا ہے مقصدِ زندگی بنانا نہیں اسکا درجہ تو یہی ہے کہ جو ایسا کرے وہ قابل ملامت نہیں واللہ اعلم۔

قضائے شہوت کی حرام صورتیں:

[illegible] منکوحہ بیوی یا شرعی قاعدہ سے حاصل شدہ لونڈی کیساتھ شرعی قاعدے کے مطابق قضائے شہوت کے علاوہ اور کوئی بھی صورت شہوت پورا کرنے کی حلال نہیں اس میں زنا بھی داخل ہے اور جو عورت شرعاً اس پر حرام ہے اس سے نکاح بھی بحکم زنا ہے اور اپنی بیوی یا لونڈی سے حیض و نفاس کی حالت میں یا غیر فطری طور پر جماع کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ [illegible] جانور سے شہوت پوری کرنا بھی۔ اور جمہور [illegible] اپنے ہاتھ سے [illegible] کر لینا بھی اسمیں داخل ہے۔ از تفسیر بیان القرآن، قرطبی، بحر محیط وغیرہ [illegible]

ملکت سے مراد صرف باندیاں ہیں

حضرت مؤلف نے فرمایا کہ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ سے صرف باندیاں [illegible] مختص ہیں [illegible] دی جاتی ہیں اس لفظ ما اس جگہ ذکر کرنا دلالت [illegible] باندیاں مراد ہیں غلام مراد نہیں ہیں خلاصہ یہ کہ عورتوں [illegible] اپنے غلاموں سے قربت ناجائز ہے۔

متعہ کی حرمت:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ابتدائے اسلام میں عورتوں سے متعہ کرنا جائز تھا کوئی شخص جس شہر میں جاتا اور وہاں کوئی جان پہچان والا نہ ہوتا تو جس قدر قیام کا ارادہ ہوتا اتنی مدت کے لئے کسی عورت سے نکاح کر لیتا تاکہ عورت [illegible] کھانا تیار کرے اور سامان کی حفاظت رکھے یہاں تک کہ یہ آیت [illegible] مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ نازل ہوئی تو سوائے ان [illegible] عورت [illegible] عورتوں سے متعہ [illegible] یقیناً نہیں ہوتیں۔ فرقہ شیعہ [illegible] بھی [illegible] (اور باندیاں بھی یقیناً نہیں ہیں اور تیسری کوئی قسم [illegible] صراحت آیت حلال نہیں ہے) اور زوجین کے درمیان توریث صراحت قرآنی کے بموجب ضروری ہے۔ متعہ کا مسئلہ سورۂ نساء کی آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کی تفسیر میں ہم نے مفصل بیان کر دیا ہے۔

جلق حرام ہے۔

آیت مذکورہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عمل بالید (جلق) بھی حرام ہے۔ [illegible]

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ

[illegible]

امانتداری اور ایفائے عہد:

یعنی امانت اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں، خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملہ میں نہ بندوں سے [illegible]

امانتوں سے مراد ہیں وہ چیزیں جو بطور امانت معتمدوں کے پاس رکھی جائیں انکو ان چیزوں کا امین بنایا جاتا ہے۔

دو قسم کے عہد:

عہد (وعدہ) دو طرح کا ہوتا ہے ایک عہد وہ ہے جو اللہ نے بندوں سے لیا اور بندوں نے اللہ سے کیا ہے۔ نماز، روزہ، اور تمام عبادتیں اس کے ذیل میں آتی ہیں۔ دوسرا عہد وہ ہے جو آپس میں کرتے ہیں امانت، [illegible]، تجارت [illegible] معاہدات [illegible] تعلق [illegible] دونوں کی پابندی اور ان کو پورا کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ

[illegible] اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں

نمازوں کی حفاظت۔

نمازیں اپنے اوقات پر آداب و حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادت الٰہی سے غافل نہیں ہوتے۔ یہاں تک مومنین مخلصین کی چھ صفات و خصائل بیان ہیں۔

(۱) خشوع و خضوع سے نماز پڑھنا یعنی دل اور بدن سے اللہ کی طرف جھکنا۔

(۲) باطل لغو اور نکمی باتوں سے علیحدہ رہنا۔

(۳) زکوٰۃ یعنی مالی حقوق ادا کرنا یا اپنے بدن، نفس اور مال کو پاک رکھنا۔

(۴) شہوات نفسانی کو قابو میں رکھنا۔

(۵) امانت و عہد کی حفاظت کرنا گویا معاملات کو درست رکھنا۔

(۶) اور آخر میں پھر نمازوں کی پوری طرح حفاظت کرنا کہ اپنے وقت پر آداب و شروط کی رعایت کے ساتھ ادا ہوں [illegible] نماز کا حق تعالیٰ کے یہاں کیا درجہ ہے اور کس قدر مہتم بالشان چیز ہے [illegible] شروع کر کے اسی پر ختم فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

محبوب عمل:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب عمل اللہ کے نزدیک کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا گیا پھر؟ فرمایا

باپ سے سوال کرنا چوتھا یہ کہ "فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ (بخاری، مسلم)

آنکھوں کی ٹھنڈک دل کی راحت:

چنانچہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے خوشبو اور عورتیں زیادہ پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے (نسائی) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے نماز کے وقت اپنی لونڈی سے کہا کہ پانی لا، نماز پڑھ کر راحت حاصل کروں تو سننے والوں کو یہ بات گراں گذری۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے اے بلال اقامت کہو اور نماز کے ساتھ ہمیں راحت پہنچاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

بہترین عمل: حدیث شریف میں ہے سیدھے سیدھے رہو اور تم ہرگز احاطہ نہ کر سکو گے جان لو کہ تمہارے تمام اعمال میں بہترین عمل نماز ہے۔ دیکھو وضو کی نگہداشت صرف مومن ہی کر سکتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ
وہی ہیں میراث لینے والے جو میراث پائیں گے باغ ٹھنڈی چھاؤں کے
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ
وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے

جنت کے میراث ہونے پر پہلے کسی جگہ ہم لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مہاجرین وانصار:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دہلوی فرماتے ہیں کہ سورۃ مومنون مکی ہے اور شروع سورت میں جن مومنین مخلصین کی صفات فاضلہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے اولین مصداق مہاجرین اولین اور خلفاء راشدین تھے جن کو دینی اور دنیوی فوز و فلاح سے نوازا گیا۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

جنت کے وارث:

ان سب صفات کو بیان فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ یہی لوگ وارث ہیں، جو فردوس کے دائمی وارث ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے خدا سے جب جنت مانگو جنت الفردوس مانگو وہ سب سے اعلیٰ اور اوسط جنت ہے۔ وہیں سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں اسی کے اوپر خدا تعالیٰ کا عرش ہے (صحیحین)

ہرایک کی دومنزلیں:

فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک کی دو دو جگہیں ہیں ایک منزل جنت میں ایک جہنم میں۔ جب کوئی دوزخ میں گیا تو اس کی منزل کے وارث جنتی بنتے ہیں اسی کا بیان اس آیت میں ہے۔ مجاہدؒ فرماتے ہیں جنتی تو اپنی جنت کی جگہ سنوار لیتا ہے اور جہنم کی جگہ ڈھا دیتا ہے اور دوزخی اس کے خلاف کرتا ہے کفار جو عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے انہوں نے عبادت ترک کر دی تو ان کے جو انعامات تھے وہ ان سے چھین کر سچے مومنوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ اسی لئے انہیں وارث کہا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لے کر آئیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر ڈال دے گا اور انہیں بخش دے گا۔ اور سند سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایک ایک یہودی یا نصرانی دے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے جہنم سے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جب یہ حدیث سنی تو راوی حدیث ابوبردہؓ کو قسم دی انہوں نے تین مرتبہ قسم کھا کر حدیث کو دہرایا۔ اسی جیسی آیت یہ بھی ہے تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا اور آیت میں ہے۔ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا

فردوس: فردوس رومی زبان میں باغ کو کہتے ہیں بعض سلف کہتے ہیں۔ اس باغ کو جس میں انگور کی بیلیں ہوں، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ایسے ہی لوگ وارث ہونے والے ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے۔

اُولٰٓئِكَ یعنی یہی لوگ۔ جو اوصاف مذکورہ کے حامل ہیں۔

الْوٰرِثُوْنَ یعنی اس بات کے مستحق ہیں کہ صرف انہی کو (فردوس کا) وارث کہا جائے گا۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ یہ الوارثون کا وصف ہے اور جس چیز کے وارث ہوں گے ان کا بیان ہے پہلے بلا تعیین وراثت کا ذکر کیا گیا پھر تعیین کے ساتھ وراثت فردوس کا ذکر کیا۔ اس سے وراثت کی عظمت اور بلندی شان ظاہر ہوتی۔ (شبہ کیا جا سکتا ہے کہ وارث ہونے کا لفظ چاہتا ہے کہ پہلے فردوس کسی اور کی تھی پھر مومنوں کو دیدی جائے گی۔

ابن ماجہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ جنت کے اندر اس کا میراثی حصہ ختم کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ			
اور ہم نے بنایا	آدمی کو	چنی ہوئی	مٹی سے

منتخب مٹی کا بنا ہوا: کیونکہ سب کے باپ حضرت آدم علیہ السلام منتخب مٹی سے پیدا ہوئے اور پھر بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبد بن حمید کا قول نقل کیا ہے کہ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ سے مراد ہے بنی آدم کا نطفہ (گویا طین سے مراد ہوئے بنی آدم اور سلالہ سے مراد ہوا نطفہ)۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ

پھر رکھا ہم نے اس کو پانی کی بوند کر کے ایک جمے ہوئے ٹھکانے میں

رحم مادر میں:

یعنی رحم مادر میں جہاں سے نہیں مل سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً

پھر بنایا اس بوند سے لہو جما ہوا، پھر بنائی اس لہو جمے ہوئے سے گوشت کی بوٹی

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا

پھر بنائی اس بوٹی سے ہڈیاں پھر پہنایا ان ہڈیوں پر گوشت

مختلف مراحل:

یعنی پھر اس گوشت کا سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں۔ اور ہڈیوں کے ڈھانچے پر پھر گوشت پوست منڈھ دیا۔ سورۃ "حج" میں اس سے قریب کیفیت تخلیق انسانی کی بیان ہو چکی ہے۔ (تفسیر حقانی)

مضغۃ گوشت کی بوٹی تھی جو چبانے کے بقدر ہو۔ گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں بنا دینے کا یہ مطلب ہے کہ ہم نے اس کو سخت کر دیا۔ مضغۃ کا جو حصہ ہڈی ہونے سے باقی رہا اس کا گوشت بنا کر ہم نے ہڈیوں کو اس گوشت کا جامہ پہنا دیا (ہڈیوں پر چڑھا دیا)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ

پھر اٹھا کھڑا کیا اس کو ایک نئی صورت میں

روح حیات:

یعنی روح حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنا دیا۔ جس پر آگے چل کر بچپن، جوانی، بڑھاپا اور بڑھاپے کے بہت سے احوال و اطوار گزرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نفخ روح کیا ہے:

نفخ روح، اللہ کی ایک صفت ہے (جس کا وجود قدیم ہے) اللہ نے فرمایا جب ہڈیاں گوشت کا جامہ پہن لیتی ہیں تو اس صفت کا تعلق جسم سے ہو جاتا ہے گویا روح کا جسم سے تعلق حادث ہے اور روح بجائے خود قدیم ہے ہاں اگر آیت میں انشاء (پیدا کرنے سے مراد نفخ روح ہو پیدا کرنا نہ ہو تو اس توجیہ کی ضرورت نہیں)۔

انسان پیدائش سے انجام تک:

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کا مادہ تخلیق ماں کے پیٹ میں بشکل نطفہ چالیس روز تک جمع رکھا جاتا ہے پھر وہ مادہ خون کا لوتھڑا ہو جاتا ہے اور اس حالت میں اتنی ہی مدت تک رہتا ہے۔ پھر گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے اور اتنی ہی مدت تک (بوٹی کی شکل پر) رہتا ہے پھر اللہ فرشتہ کو چار امور دے کر بھیجتا ہے فرشتہ اس کے (لکھ دیتا ہے) اعمال اور مدت زندگی اور رزق اور سعید یا شقی ہونا (مومن یا کافر ہونا جنتی یا دوزخی ہونا) لکھ دیتا ہے پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم میں سے کچھ لوگ (ساری عمر) جنتیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ (تقدیر کی) تحریر غالب آتی ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگتے ہیں (اور اسی عمل پر خاتمہ ہو جاتا ہے) اور بعض لوگ (ساری عمر) دوزخیوں کے جیسے کام کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان ایک گز سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر تقدیر کا لکھا غالب آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرنے لگتے ہیں (اور اسی پر ان کا خاتمہ ہو جاتا ہے) متفق علیہ۔ بخاری و مسلم

مسئلہ: اگر کسی نے کوئی انڈا غصب کیا اور غاصب کے پاس رکھنے پر انڈے سے بچہ نکل آیا اور پھر بچہ مر گیا یا حرم کے اندر سے انڈا باہر نکال کر لے گیا اور حرم سے باہر انڈے سے بچہ پیدا ہو گیا تو دونوں صورتوں میں انڈے کا ضمان (تاوان) دینا پڑے گا کیونکہ بچہ کا پیدا ہونا تخلیق آخر ہے اور اسی دور میں روح سفلی یعنی روح حیوانی پیدا ہو جاتی ہے اس سے ضمان کا تعلق تحقیق اس سے ہی ہو گا۔

زندگی کے تغیرات:

عوفی کی روایت حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول ہے کہ نشأۃ تخلیق آخر سے زندگی کے سارے تدریجی تغیرات اور انقلابات مراد ہیں پیدا ہونا، بچہ بننا، پھر دودھ پینا، پھر آنکھیں کھولنا، بیٹھنا پھر رفتہ رفتہ کھڑا ہونا پھر چلنا اور دودھ چھوڑ کر مختلف چیزیں کھانا پینا پھر بچپن سے بڑھا کر جوانی کی حدود میں داخل ہونا اور طرح طرح میں گھومنا پھرنا یہ سب ہی انشاء خلق آخر کی صورتیں ہیں۔

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ انشاء تخلیق آخر سے مراد دوسری ولادت ہو جو صوفی کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ مرتبہ فنا پر پہنچ جاتا ہے اور تمام بہیمی اور سبعی بشری صفات سے نکل کر ملکوتی صفات اختیار کر لیتا ہے اور پھر ملکوتی صفات سے ترقی کر کے رحمانی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے اور بقاء باللہ یا بقاء بصفات اللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ لفظ ثُمَّ کا استعمال کرنے کی یہ وجہ زیادہ مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

روحِ حقیقی اور روحِ حیوانی:

یہاں خلقا آخر کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ، مجاہد، شعبی، عکرمہ، ضحاک

ابو عبیدہ وغیرہ نے نفخ روح سے فرمایا ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ غالب مراد اس روح سے روح حیوانی ہے کہ وہ بھی مادی اور ایک جسم لطیف ہے جو جسم حیوانی کے ہر ہر جزو میں سمایا ہوا ہوتا ہے جس کو اطباء اور فلاسفہ روح کہتے ہیں۔ اُس کی تخلیق بھی تمام اعضاء انسانی کی تخلیق کے بعد ہوتی ہے اس لئے اسکو لفظ ثم سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور روح حقیقی جسکا تعلق عالم ارواح سے ہے وہ تیں ہے۔ اور اس روح حیوانی کے ساتھ اسکا کوئی رابطہ حق تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا فرما دیتے ہیں جس کی حقیقت کا پہنچانا انسان کے بس کا نہیں اس روح حقیقی کی تخلیق تو تمام انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے ہے انہیں ارواح کو حق تعالیٰ نے ازل میں جمع کر کے ''''فرمایا اور سب نے بلیٰ کے لفظ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ ہاں اسکا تعلق جسم انسانی کے ساتھ تخلیق اعضاء انسانی کے بعد ہوتا ہے۔ اس جگہ نفخ روح سے اگر یہ مراد لی جائے کہ روح حیوانی کیساتھ روح حقیقی کا تعلق اسوقت قائم فرمادیا گیا تو یہ بھی ممکن ہے۔ اور درحقیقت حیات انسانی اسی روح حقیقی سے متعلق ہے جب اس کا تعلق روح حیوانی کے ساتھ ہو جاتا ہے تو انسان زندہ کہلاتا ہے جب منقطع ہو جاتا ہے تو انسان مُردہ کہلاتا ہے وہ روح حیوانی بھی اپنا عمل چھوڑ دیتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ
سو بڑی برکت اللہ کی جو سب سے بہتر بنانے والا ہے

متناسب صورت:

خوبصورتی سے تمام اعضاء وقویٰ کو بہترین سانچے میں ڈھالا اور اُس کی ساخت میں حکمت سے موافق نہایت موزوں و متناسب بنائی۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کے ساتھ حضرت عمرؓ کی موافقت:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب کی موافقت چار باتوں میں کی ہے، جب یہ آیت اُتری کہ ہم نے انسان کو بجتی مٹی سے پیدا کیا تو بے ساختہ میری زبان سے فتبارک اللہ احسن الخالقین نکلا، اور وہی پھر اُترا۔ (ابن ابی حاتم)

شانِ الٰہی

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (تخلیق کے گذشتہ احوال دلیل ہیں اس امر کی کہ) اللہ کی بہت بڑی شان ہے جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ یعنی اللہ کی شان اعلیٰ و برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنا کوئی شریک بنائے یا اس کے احکام کی پابندی اور تعمیل میں سستی کی جائے۔

عبداللہ بن سعد کا واقعہ:

بعض روایات میں آیا ہے کہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا (وحی نازل ہوتی تو آپ اس سے وحی کی کتابت بھی کرایا کرتے تھے) ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھوائے بغیر یہ جملہ اس نے آیت مذکورہ کے اختتام پر زبان سے کہہ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسی طرح لکھ دو یہ یوں ہی نازل ہوا ہے۔ عبداللہ نے (لوگوں سے) کہا اگر محمد نبی ہیں ان کے پاس وحی آتی ہے تو میں بھی نبی ہوں میرے پاس بھی وحی آتی ہے یہ کہہ کر مدینہ سے چلا گیا اور مکہ چلا گیا کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو جہاں اور چند لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واجب القتل قرار دیا وہاں اس کو بھی سبحان اللہ مقرر کیا گیا اور حکم دیا گیا۔ جہاں ملے قتل کر دیا جائے۔ عبداللہ حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں حاضر ہو کر سفارش کا خواستگار ہوا حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک خاموش رہے۔ پھر دیر کے بعد فرمایا، اچھا۔ (عبداللہ کو امان مل گئی) حضرت عثمان واپس چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا (تم نے میرے اچھا کہنے سے پہلے ہی اس کو قتل کیوں نہیں کر دیا) میں تو دیر تک اسی لئے خاموش رہا تھا کہ تم اس کو قتل کر دو۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اشارہ کیوں نہ کر دیا، فرمایا، نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ نگاہ کی چوری کرے۔ عبداللہ اسی روز دوبارہ مسلمان ہو گیا اور پھر اس کا اسلام اچھا رہا۔ (فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ) (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ
پھر تم اس کے بعد مرو گے

سب کو موت آئے گی.

یعنی تمہارا وجود باقی اور خانہ زاد نہیں ہے مستعار ہے وہ مرنے کا عطیہ ہے۔ چنانچہ موت آ کر سب نقشہ بگاڑ دیتی ہے۔ تم اس وقت اس کے زبردست پنجے سے اپنی ہستی کو نہیں بچا سکتے۔ یقیناً کوئی اور قاہر طاقت تمہارے اوپر ہے جس نے وجود کی باگ اپنے ہاتھ میں تھام رکھی ہے جب چاہے ڈھیلی چھوڑ دے، جب چاہے کھینچ لے۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ
پھر تم قیامت کے دن کھڑے کئے جاؤ گے

پھر قیامت میں اٹھائے جاؤ گے:

جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہ ہی دوبارہ بنا کر کھڑا کریگا۔ تاکہ پہلے وجود کی مستور قوتیں اور اعمال کے نتائج اپنی کامل ترین صورتوں میں ظاہر ہو کر

ثابت کر دیں کہ یہ تمام کارخانہ کوئی بیکار اور بے نتیجہ ڈھونگ نہیں بنایا گیا تھا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ
اور ہم نے بنائے ہیں　　تمہارے اوپر سات رستے

سات آسمان:

"طرائق" کے معنی بعض مفسرین و لغویین کے نزدیک طبقات کے ہیں یعنی آسمان کے سات طبقے اوپر نیچے بنائے۔ لہٰذا فرمایا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا (نوح-رکوع ۱) اور بعض نے طرائق کو راستوں کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی سات آسمان بنائے جو فرشتوں کی گذرگاہیں ہیں۔ بعض متاخرین مفسرین نے "سبع طرائق" سے سات سیاروں کے مدارات مراد لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

طرائق سے مراد آسمان ہیں، کیونکہ اوپر والا آسمان نیچے والے آسمان پر چڑھا ہوا ہے اگر نچلی چیز بالائی چیز کی طرح ہو تو نچلی و بالائی چیز کا طریقہ کہا جاتا ہے۔ طرائق کہنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آسمانوں کے اندر فرشتوں یا سیاروں کے چلنے کی گذرگاہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ
اور ہم نہیں ہیں　　خلق سے بے خبر

پورا نظام قابو میں ہے:

ہر چیز پورے انتظام و احکام اور خبر داری سے بنائی ہے اور اسکی حفاظت و بقاء کے طریقوں سے ہم پورے باخبر ہیں۔ اجرام سماویہ اور مخلوقات سفلیہ میں کوئی چیز نہیں جو ہمارے احاطۂ علم و قدرت سے باہر ہو۔ ورنہ سارا انتظام ہی درہم و برہم ہو جائے۔ [illegible] (حدید رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

الخلق سے مراد ہے مخلوق [illegible]۔

غفلین، یعنی ان کے معاملہ سے بے خبر، ان کو یوں ہی بے کار چھوڑ دینے والے نہیں ہیں بلکہ اختلال اور نظام کی ابتری سے ان کو محفوظ رکھتے ہیں۔ ان کی نگرانی رکھتے ہیں اور حسب حکمت و مصلحت ان کے مناسب حد کمال تک پہنچنے کا انتظام قائم رکھتے ہیں اور آسمانوں کو زمین پر [illegible] سے روکے ہوئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ
اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی ماپ کر

آب رسانی کا نظام:

نہ اس قدر زیادہ کہ دنیا بے وقت اور بے موقع تباہ ہو جائے اور نہ تمام کی تمام روئیدگی [illegible] نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں آسمان سے پانی برسانے کے ذکر کے ساتھ ایک قید بقدر بڑھا کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ انسان بڑا ضعیف الخلقت ہے۔ جو چیزیں اس کے لئے مدار زندگی ہیں اگر وہ مقدار مقررہ سے زیادہ ہو جائیں تو وہی اس کے لئے وبال جان اور عذاب بن جاتی ہیں پانی جیسی چیز جس کے بغیر کوئی انسان و حیوان زندہ نہیں رہ سکتا اگر ضرورت سے زیادہ برس جائے تو طوفان آ جاتا ہے اور انسان اور اس کے سامان کے لئے وبال و عذاب بن جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

پانی سے مراد بارش کا پانی بقدر یعنی [illegible] مقدار کے ساتھ جتنا تقاضائے مصلحت تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ
پھر اس کو ٹھہرا دیا زمین میں

زیر زمین پانی کا ذخیرہ:

یعنی بارش کا پانی زمین اپنے اندر جذب کر لیتی ہے جس کو ہم کنوں وغیرہ کھود کر نکالتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

[illegible] ۔ زمین کا پانی یہ مراد ہے پانی زمین چوس لیتی ہے زمین کے مسامات میں پانی گھس جاتا ہے پھر اس سے چشمے اور سوت پھوٹ نکلتے ہیں۔ زمین سے جتنا پانی برآمد ہوتا ہے وہ آسمان سے برسا ہوا ہی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ
اور ہم اس کو لے جانے پر　　قادر ہیں

اللہ چاہے تو پانی ختم ہو جائے:

یعنی نہ اتارنا چاہیں تو نہ اتاریں اور اتارنے کے بعد تم کو اس سے منتفع ہونے کی صورت نہ دیں مثلاً اس قدر گہرا کر دیں کہ تم نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکو یا خشک کر دیں ہوا میں اڑا دیں یا کھاری اور کڑوا کر دیں تو ہم یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذَهَاب یعنی اس کو لے جانا، زائل کر دینا۔ مراد یہ ہے کہ ہم اس کو خراب بھی کر سکتے ہیں کہ کسی کام نہ آئے اور بھاپ بنا کر اڑا بھی سکتے ہیں اور زمین

کے اندر انتہائی گہرائی تک بھی پہنچ سکتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔

یعنی جو قادر مطلق ہمیشہ پانی برسانے پر قادر ہیں اسی طرح قادر ہیں جس طرح اس کو برسانے پر قادر ہیں اگر ہم پانی فنا کر دیں تو تم پیاسے مر جاؤ تمہارے جانور بھی مر جائیں اور تمہاری زمینیں بنجر ہو جائیں۔

جنت سے جاری شدہ دریاء:

بغوی نے لکھا ہے حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے جنت سے چار دریا نازل کئے ہیں سیحون، جیحون، دجلہ، فرات۔ یہ بھی بغوی نے لکھا ہے کہ امام حسن بن سفیان نے سند کے ساتھ بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے جنت کے ایک چشمہ سے جو جنت کے نچلے نشیبی حصہ میں تھا پانچ دریا جبرئیل کے دونوں بازوؤں پر نازل فرمائے۔ سیحون، جیحون، دجلہ، فرات، نیل۔ جبرئیل نے یہ دریا بطور امانت پہاڑوں کے سپرد کر دیئے اور زمین میں بہا دیئے۔ اور لوگوں کے لئے فائدہ بخش بنا دیئے۔ آیت وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ سے اسی طرف اشارہ ہے پھر جب یاجوج و ماجوج کا زمانہ آئے گا تو اللہ جبرئیل کو بھیج کر زمین سے قرآن اور تمام (دینی) علم اور حجر اسود اور مقام ابراہیم اور تابوت موسیٰ کو مع اس کی اندرونی چیزوں کے اور ان پانچوں دریاؤں کو آسمان کی طرف اٹھوا لے گا۔ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ آیت کا یہی مطلب ہے جب یہ چیزیں زمین سے اٹھالی جائیں گی تو اہل ارض دنیا اور دین کی ہر بھلائی سے محروم ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں شاید زمین کے سارے دریا جنت ہی سے آئے ہیں۔ حدیث میں صرف پانچ کا تذکرہ بطور تمثیل کیا گیا ہے۔ (مظہری)

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ
پھر اگا دیئے تمہارے واسطے اس سے باغ کھجور اور انگور کے تمہارے
فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ
واسطے ان میں میوے ہیں بہت اور انہی میں سے کھاتے ہو

باغات اور پھل:

یعنی ان کی بہار دیکھ کر خوش ہوتے ہو اور بعض کو بطور تفکہ اور بعض کو بطور غذا استعمال کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ
اور وہ درخت جو نکلتا ہے سینا پہاڑ سے لے اگتا ہے
بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ
تیل اور روٹی ڈبونے والوں کے واسطے

زیتون کا درخت:

یعنی زیتون کا درخت جس میں سے روغن نکلتا ہے جو مالش وغیرہ کے کام آتا ہے اور بہت لوگوں کے لئے سالن کی جگہ اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اس درخت کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کیونکہ اس کے فوائد بیشتر ہیں اور خاص فضل و شرف رکھتا ہے۔ اس سے سورہ "تین" میں اس کی قسم کھائی گئی۔ جبل طور کی طرف نسبت کرنا بھی اس کی فضیلت اور برکت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ وہاں اس کی پیداوار زیادہ ہوتی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

علمی لطیفہ:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس آیت سے استدلال کر کے ایک عجیب لطیفہ شب قدر کی تعیین میں نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ اکابر صحابہ کے مجمع سے سوال کیا کہ شب قدر رمضان کی کونسی تاریخ میں ہے سب نے جواب میں صرف اتنا کہا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ کوئی تعیین بیان نہیں کیا۔ حضرت ابن عباسؓ ان سب میں چھوٹے تھے ان سے خطاب فرمایا کہ آپ کیا کہتے ہیں تو ابن عباسؓ نے فرمایا کہ امیر المومنین اللہ تعالیٰ نے آسمان سات پیدا کئے زمینیں سات پیدا کیں، انسان کی تخلیق سات درجات میں فرمائی۔ انسان کی غذا سات چیزیں بنائیں اس لئے میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ شب قدر ستائیسویں شب ہوگی۔ فاروق اعظمؓ نے یہ عجیب استدلال سن کر اکابر صحابہ سے فرمایا کہ آپ سے وہ بات نہ ہو سکی جو اس لڑکے نے کی جس کے سر کے بال بھی ابھی مکمل نہیں ہوئے۔ یہ حدیث طویل ابن ابی شیبہ کے مسند میں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے تخلیق انسانی کے سات درجات سے مراد وہی لیا ہے جو اس آیت میں ہے اور انسان کی غذا کی سات چیزیں سورۃ عبس کی آیت میں ہیں فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا اس آیت میں آٹھ چیزیں مذکور ہیں جن میں پہلی سات انسان کی غذا ہے اور آخری یعنی اب یہ جانوروں کی غذا ہے۔ (قرطبی)

زیتون کے فوائد و خصوصیات:

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سیناء اور سینین اس مقام کا نام ہے جس میں وہ طور واقع ہے۔ زیتون کا تیل تیل کی ضروریات مثلاً بدن کی مالش اور چراغ میں جلانے کے بھی کام آتا ہے اور کھانے میں سالن کا بھی کام دیتا ہے اسی کو فرمایا تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۔ زیتون کے درخت کے لئے کوہ طور کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ درخت سب سے پہلے کوہ طور ہی پر پیدا ہوا ہے

اور بعض نے کہا کہ طوفان نوح کے بعد سب سے پہلا درخت جو زمین پر اگا وہ زیتون تھا۔ (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ اور ہم نے ایک (اور) درخت پیدا کیا (یعنی زیتون) جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے۔

طور سیناء:

سیناء کے معنی مختلف بیان کئے گئے ہیں، مجاہد نے کہا سیناء کا معنی ہے برکت۔ یعنی برکت والے پہاڑ سے ہم نے زیتون کو پیدا کیا۔

قتادہ، حسن اور عکرمہ نے کہا اس کا معنی ہے اچھا اور خوبصورت۔ ضحاک نے کہا یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور عکرمہ نے اس کو حبشی زبان کا لفظ کہا ہے۔ کلبی نے کہا سیناء کا معنی ہے درختوں والا۔ بعض نے کہا سریانی زبان میں گھنے درختوں کی جھاڑی کو سیناء کہتے ہیں۔ مقاتل نے کہا جس پہاڑ پر بکثرت پھلدار درخت ہوں اس کو نبطی زبان میں سیناء اور سینین کہا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا سیناء، خاص پتھروں کی ایک قسم ہوتی ہے یہ طور میں بکثرت موجود ہیں اس لئے طور کی سیناء کی طرف اضافت کر دی گئی۔ ابن زید نے کہا طور سیناء پرانا مشہور پہاڑ ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔ جہاں سے حضرت موسیٰ کو ندا دی گئی تھی۔ جیسے امرء القیس پرانا نام ہے۔

زیتوں کا سالن: تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ جو اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور کھانے والوں کے لئے سالن لئے ہوئے۔ یعنی زیتون میں دونوں فائدے ہیں، اس سے تیل اور روغن بھی حاصل ہوتا ہے جو مالش کے کام میں آتا ہے، چراغ بھی اس سے جلائے جاتے ہیں اور یہ سالن بھی ہے کہ روٹی اس میں ڈبوئی جاتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے صبغ اور صباغ اس سالن کو کہتے ہیں جس میں روٹی ڈبوئی جاتی ہے اور روٹی پر اس کا رنگ آ جاتا ہے۔ مراد ہے وہ سالن جس کو روٹی کے ساتھ کھایا جاتا ہے خواہ اس سے روٹی رنگین ہو یا نہ ہو۔ (مظہری)

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا

اور تمہارے لئے چوپایوں میں دھیان کی بات ہے پلاتے ہیں ہم تم کو

فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ

ان کے پیٹ کی چیز سے اور تمہارے لئے اُن میں بہت فائدے ہیں

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ

اور بعضوں کو کھاتے ہو

حیوانات کے فوائد: نباتات کے بعد یہ حیوانات کا ذکر ہے۔ مویشی جانوروں کا دودھ ہم اپنی قدرت سے تم کو پلاتے ہیں۔ اور بہت سے فائدے تمہارے لئے ان کی ذات میں رکھ دیئے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض جانوروں کا گوشت کھانا بھی حلال کر دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۧ

اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو

وسائل نقل و حمل: یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر کہیں سے کہیں نکل جاتے ہو اور بڑے بڑے وزنی سامان بار کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

رابط آیات: کشتی کی مناسبت سے آگے نوح علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی کشتی کو جو طوفان عظیم کے وقت مومنین کی نجات کا ذریعہ بنی۔ پھر نوح علیہ السلام کی مناسبت سے بعض دوسرے انبیاء کے واقعات بھی ذکر فرمائے۔ شاید یہاں ان قصص کے بیان میں یہ بھی اشارہ ہو کہ جس طرح پچھلی آیات میں تمہاری جسمانی ضروریات کا انتظام مذکور ہے اسی طرح خداوند قدوس نے تمہاری روحانی حوائج و ضروریات کا سامان کرنے کے لئے ابتداء سے نبوت اور رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرما دیا۔ یا یوں کہو کہ اوپر قدرت کے نشانات بیان فرما کر توحید کی طرف متوجہ کرنا تھا۔ اب ان قصوں کے ضمن میں مسئلہ نبوت کا بیان شروع کر دیا۔ جس کے ضمن میں انبیاء اور ان کے متبعین کی خوش انجامی اور معاندین و مکذبین کی بد انجامی بھی ذہن نشین کر دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ

اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس تو اس نے کہا

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اے قوم بندگی کرو اللہ کی تمہارا کوئی حاکم نہیں اس کے سوائے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۞ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کیا تم ڈرتے نہیں تب بولے سردار جو منکر تھے

مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

اس کی قوم میں یہ کیا ہے ایک آدمی ہے جیسے تم

یعنی اس میں اور تم میں فرق کیا ہے جو یہ رسول بن جائے۔ تم نہ بنو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اور سرداران قوم کا خطاب

پس انہوں نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو سوائے اس کے تمہارا اور کوئی معبود نہیں سو کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں۔ یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم جو اس کے سوا دوسروں کی پوجا کرتے ہو اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہو۔ کہیں وہ تم سے یہ ساری نعمتیں چھین لے اور تم کو اس شرک کی وجہ سے (دنیا اور آخرت میں) عذاب میں مبتلا کرے۔

لمُلا و سرداران قوم نے آپس میں (یا عوام سے) کہا کہ یہ نوح علیہ السلام تو تم ہی جیسا آدمی ہے تمہاری طرح کھاتا اور سوتا ہے پھر یہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول کیسے ہو سکتا ہے۔ قوم نوح کا خیال تھا کہ پتھر بھی معبود ہونے میں اللہ کے شریک ہیں اور کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا اگر خدا کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا چاہتا تو کسی فرشتے کو بھیجتا۔ اسی خیال کے زیر اثر وہ یہ سمجھتے کہ نوح چونکہ رسالت کے مدعی ہیں اس لئے شاید ان کو اپنے آدمی ہونے کا انکار ہے یا فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے۔ (تفسیر مظہری)

يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر اور اگر اللہ چاہتا
لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً
تو اتارتا فرشتے

سرداروں کا تبصرہ:

یعنی بڑا بن کر رہنا چاہتا ہے اس لئے یہ سب ڈھونگ بنایا ہے ورنہ خدا کو رسول بنا کر بھیجنا تو یہ کیا اس کام کے لئے رہ گیا تھا۔ کوئی فرشتہ نہ بھیج سکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

يُرِيْدُ یعنی رسالت کا دعویٰ کرنے سے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم سب کا سردار بن جائے اور تم سب سے اعلیٰ و بالا ہو جائے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ یعنی اگر اللہ کو منظور ہوتا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے تو کسی کو رسول بنا کر بھیجنا چاہتا۔ (تفسیر مظہری)

مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ
ہم نے یہ نہیں سنا اپنے اگلے باپ دادوں میں

یعنی ہم نے ایسی عجیب بات کبھی نہیں سنی کہ ایک ہماری طرح کا معمولی آدمی خدا کا رسول بن جائے اور تمام دیوتاؤں کو ہٹا کر تنہا ایک خدا کی حکومت منوانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا ہم نے تو یہ بات جس کا نوح مدعی ہے کہ معبود ایک ہے اور آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجتا ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اپنے پچھلے بزرگوں میں بھی کبھی نہیں سنی۔ ایسی بات کافروں نے یا تو محض عناد کی وجہ سے کہی تھی یا قوم کی پیغمبر کو آئے ہوئے ایک لمبی مدت گزر چکی تھی اور ان کو بزرگوں سے بھی کسی پیغمبر کا مبعوث ہونا معلوم نہیں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ
اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے کہ اس کو سودا ہے
فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ
سو راہ دیکھو اس کی ایک وقت تک

معلوم ہوتا ہے کہ اس غریب کا دماغ چل گیا۔ بھلا ساری قوم سے خلاف اور اپنے باپ دادوں کے خلاف ایسی بات زبان سے نکالنا جو کوئی شخص باور نہ کرے بجز جنون نہیں تو اور کیا ہو گا بہتر ہے چند روز صبر کر و اور انتظار کرو شاید ہوش میں آ جائے یا ہوش ٹھیک ہو جائے ورنہ جنون کے دورہ سے اتفاقاً مر یوں ہی مر مرا کر قصہ ختم ہو جائے۔ (عیاذاً باللہ) (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ
بولا اے رب تو مدد کر میری کہ انہوں نے مجھ کو جھٹلایا

بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوحؑ کی درخواست:

یعنی جب نوحؑ کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، ساڑھے نو سو برس سختیاں جھیل کر بھی ان کو راہ راست پر لانے میں کامیاب نہ ہوئے تو خدا سے فریاد کی کہ اب ان اشقیاء کے مقابلہ میں میری مدد فرمایئے۔ کیونکہ بظاہر یہ لوگ میری تکذیب سے باز آنے والے نہیں۔ اوروں کو بھی خراب کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا
پھر ہم نے حکم بھیجا اس کو کہ بنا کشتی ہماری آنکھوں کے سامنے
وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ
اور ہمارے حکم سے پھر جب پہنچے ہمارا حکم اور ابلے تنور تو تو ڈال لے
فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ
کشتی میں ہر چیز کا جوڑا دو دو اور اپنے گھر کے لوگ

یہ قصہ پہلے سورۂ ''ہود'' وغیرہ میں گذر چکا ہے، وہاں ان الفاظ کی تفسیر ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

تنور کا مطلب: وَفَارَ التَّنُّوْرُ تنور، اُس خاص جگہ کو بھی کہا جاتا ہے جو روٹی پکانے کیلئے بنائی جاتی ہے اور یہی معنے معروف و مشہور ہیں۔ [illegible] معنے میں تنور، پوری زمین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ خلاصہ تفسیر میں اسی معنے کے اعتبار سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ اور بعض حضرات نے اس سے ایک خاص تنور روٹی پکانے والا مراد لیا ہے جو کوفہ کی مسجد میں اور بعض کے نزدیک ملک شام میں کسی جگہ تھا۔ اس تنور سے پانی ابلنے لگا۔ (معارف مفتی اعظم)

آغازِ عذاب: حضرت مفسر کے نزدیک تنور سے مراد یہی روٹی پکانے کا تنور ہے۔ حضرت نوح کو عذاب (طوفان) آنے کی یہ نشانی بتائی گئی تھی چنانچہ تنور سے پانی پھوٹ نکلا، بیوی نے [illegible] کر اطلاع دی آپ فوراً سوار ہو گئے۔ آپ کا مکان کوفہ کی مسجد کے اندر تھا کہ باب کندہ کی طرف سے داخل ہونے والے دائیں ہاتھ کو واقع تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ ملک شام کی کسی (ٹیلہ [illegible]) [illegible] (تفسیر مظہری)

> إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ
>
> [illegible]

یعنی کافروں [illegible] (تفسیر عثمانی)

> وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ
>
> [illegible]

یعنی حکمِ قطعی عذاب کا ہو چکا۔ یہ فیصلہ اب ضرور ہو کر رہے گا۔ اب ظالموں میں سے کسی [illegible] سفارش نہ کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

> فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ
>
> [illegible]
>
> الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ
>
> [illegible]

یعنی ظالموں [illegible] عذاب سے [illegible] (تفسیر عثمانی)

> وَقُلْ رَبِّ أَنْزِلْنِي مُنْزَلًا مُبَارَكًا وَأَنْتَ
>
> [illegible]
>
> خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ
>
> [illegible]

کشتی سے برکت کا اتارنا

یعنی کشتی میں اچھی طرح [illegible] جہاں [illegible] وہاں بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر طرح اور ہر جگہ تیری رحمت و برکت شاملِ حال رہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا برکت کا اتارنا۔ کشتی میں برکت کا اتارنا یہ کہ اللہ کے دشمنوں کی صحبت سے نجات دی اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت فرمایا۔ اور زمین میں اترنے کے بابرکت ہونے سے یہ معنی کہ (اللہ نے ڈوبنے سے محفوظ رکھا۔ مترجم) اور نسل و رزق میں کثرت عطا فرمائی اور بے غمی کے ساتھ عبادتِ رب میں مشغول ہو جانے کا موقع عنایت کیا۔

حضرت نوحؑ کی عظمت:

دعا کرنے کا حکم صرف حضرت نوح کو دیا اپنے لئے بھی اور اپنے ساتھیوں کے لئے بھی اس میں حضرت نوح کی بزرگی کا اظہار ہے [illegible] کی طرف [illegible] حضرت نوح کی دعا ساتھ والوں کے لئے بھی کافی ہے ساتھیوں والے کے دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر مظہری)

> إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ
>
> [illegible]

کہ [illegible] ان نشانیوں [illegible] عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے [illegible] تعالیٰ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ [illegible]

> ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ
>
> پھر پیدا کی ہم نے [illegible]

یہ ذکر "عاد" کا ہے یا "ثمود" کا [illegible]

> فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ
>
> پھر بھیجا ہم نے ان میں ایک رسول ان میں

حضرت ہودؑ اور حضرت نوحؑ کی دعوت

یعنی حضرت ہود یا حضرت صالح علیہما السلام [illegible]

> أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ
>
> [illegible]
>
> أَفَلَا تَتَّقُونَ ۞ وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ
>
> [illegible]

كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ

[illegible] اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو اور آ[illegible] دیا تھا

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

ان کو ہم نے دنیا کی زندگی میں

قوم کا عقیدہ [illegible] مرنے کے بعد ایک دن خدا کے [illegible] عیش [illegible] نا سمجھتی تھی [illegible]

مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ

[illegible]

وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ

[illegible]

[illegible] بات [illegible] (تفسیر [illegible])

وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ

[illegible]

سرداروں کا فیصلہ [illegible] اپنے جیسے آدمی [illegible] یہ حقیقت [illegible] تم آپ جیسے آدمی [illegible] وقت [illegible] میں [illegible] اپنے جیسے آدمی کے فرماں بردار ہوئے اور خود اپنے [illegible] بیوقوف اور جاہل تھے کہ اپنے جیسے آدمی کی بات ماننے کا [illegible] تھے اور بے جان پتھروں کی پوجا [illegible] اپنے [illegible] [illegible] تھے۔ ([illegible])

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا

[illegible]

أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ

[illegible]

بعث بعد الموت کا انکار [illegible] بات [illegible] بعد قبروں سے آدمی [illegible] اٹھیں گے؟ ایسی مہمل بات ماننے کو کون تیار ہوگا۔ [illegible]

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا

[illegible] دنیا کا [illegible] مرتے ہیں [illegible]

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ

[illegible]

انکار آخرت [illegible] آخرت [illegible] سب [illegible] یہ دنیا کا سلسلہ [illegible] مرنا اور جینا [illegible] سامنے ہوتا رہتا ہے۔ کوئی پیدا ہوا کوئی فنا ہو گیا آگے [illegible]

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

اور کچھ نہیں یہ ایک مرد ہے | باندھ لایا ہے | اللہ پر جھوٹ

پیغمبر پر جھوٹ کی تہمت

[illegible] اس کا پیغمبر [illegible] ہم بھی تسلیم نہیں [illegible]

وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي

اور اس کو ہم نہیں ماننے والے [illegible]

بِمَا كَذَّبُونِ

[illegible]

پیغمبر کی دعاء

یعنی [illegible] پیغمبر نے [illegible] طرف سے ناامید [illegible]

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ

[illegible]

عذاب کی اطلاع: یعنی عذاب آیا چاہتا ہے جس کے بعد پچھتائیں گے [illegible] پچھتانا [illegible] گا۔ ([illegible])

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ

[illegible]

اس سے [illegible] قصہ [illegible] ثمود [illegible] مرے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر [illegible])

فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً

پھر کر دیا ہم نے ان کو کوڑا

قوم کی ہلاکت جیسے سیلاب [illegible] خاشاک کو بہا لے جاتا ہے [illegible] طرح عذاب الٰہی [illegible] میں بہ چکے [illegible]

[illegible] خاشاک [illegible] جیسے سیلاب [illegible] پروڑا [illegible] آ جاتا ہے [illegible] شخص ہلاک ہو جائے [illegible] اس سے متعلق [illegible] سیلاب اس کو بہا لے گیا۔ (تفسیر مظہری)

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ

[illegible]

یعنی خدا کی رحمت [illegible]

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ

[illegible]

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

[illegible]

لوگوں [illegible]

یعنی [illegible] اپنے [illegible] [illegible] قوم [illegible] پیچھے [illegible]

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا

[illegible]

كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ

[illegible]

رسولوں کو جھٹلا [illegible]

یعنی [illegible] ہی [illegible] پیچھے [illegible] کی بعثت کا اور [illegible] کا انکار کیا۔ چنانچہ بہت قومیں ایسی [illegible] کی گئیں جن کے قصے کہانیوں کے سوا کوئی چیز باقی نہیں [illegible] داستانیں محض عبرت کے لئے پڑھی اور سنی جاتی ہیں [illegible]

وَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ اور ہم نے ان کو کہانیاں بنا دیا۔ یعنی [illegible] داستانیں اور ہلاکت کے قصے رہ گئے جن کو لوگ بطور داستان بیان کرتے ہیں اور عبرت آموز دماغوں والے ان سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ

[illegible]

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے [illegible]

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ڏ بِاٰيٰتِنَا

پھر بھیجا ہم نے [illegible] کے بھائی ہارون [illegible]

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ

[illegible]

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ

[illegible]

فرعون اور اس کے سرداروں کا تکبر

اس لئے خدائی پیغام کو خاطر میں نہ لائے۔ کبر و غرور [illegible] دماغوں کو بالکل مختل کر رکھا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ کھلی دلیل، جو مقابل حریف کو لاجواب بنا دینے والی ہو [illegible] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے مراد عصا [illegible] تھا اس نے اس کو مستقل طور پر [illegible] معجزات [illegible] تھے۔ مثلاً [illegible] تھی [illegible] تھے اس [illegible] کی تھی [illegible] پانی [illegible] ہو گیا تھا اس کی ضرب سے پتھر سے [illegible] جاری ہو جاتے تھے [illegible] وقت [illegible] حفاظت کرتی تھی [illegible] کا [illegible] تھی [illegible] پانی [illegible] کام دیتی تھی [illegible] مراد [illegible] معجزات [illegible] یہ سب نشان نبوت تھے [illegible] حضرت موسیٰ کے دعوے کی [illegible]

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا

[illegible]

وَّقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ

اور ان کی قوم ہمارے تابعدار ہیں

ایمان سے انکار کا بہانہ:

یعنی موسیٰ و ہارونؑ کی قوم (بنی اسرائیل) تو ہماری غلامی کر رہی ہے اُن میں کے دو آدمیوں کو ہم اپنا سردار کس طرح بنا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ

پھر جھٹلایا اُن دونوں کو پھر ہو گئے غارت ہونے والوں میں اور ہم نے دی

اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

موسیٰ کو کتاب تاکہ وہ راہ پائیں

بنی اسرائیل کا دستور العمل:

یعنی فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد ہم نے ان کو تورات شریف مرحمت کی تا لوگ اُس پر چل کر جنت اور رضائے الٰہی کی منزل تک پہنچ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً

اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو ایک نشانی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام: یعنی قدرت الٰہیہ کی نشانی ہے کہ تنہا ماں سے بدون باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کر دیا۔ جیسا کہ "آل عمران" اور سورۃ "مریم" میں اس کی تقریر کی جا چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

اور ان کو ٹھکانا دیا ایک ٹیلہ پر جہاں ٹھہرنے کا موقع تھا اور پانی نتھرا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش:

شاید یہ وہی ٹیلہ یا اونچی زمین ہو جہاں وضع حمل کے وقت حضرت مریم تشریف رکھتی تھیں۔ چنانچہ سورۂ مریم کی آیات فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا وَهُزِّىْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۔ دلالت کرتی ہیں کہ وہ جگہ بلند تھی۔ نیچے چشمہ یا نہر بہہ رہی تھی۔ اور کھجور کا درخت نزدیک تھا۔ (کذا فسرہ ابن کثیر رحمہ اللہ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بادشاہ کی دشمنی:

لیکن عموماً مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت مسیح کے بچپن کا واقعہ ہے۔ ایک ظالم بادشاہ ہیرودس نامی نجومیوں سے سنکر کہ حضرت عیسیٰ کو سرداری ملے گی، لڑکپن ہی میں اُن کا دشمن ہو گیا تھا اور قتل کے درپے تھا۔ حضرت مریم الہام ربانی سے اُن کو لے کر مصر چلی گئیں اور اس ظالم کے مرنے کے بعد پھر شام واپس چلی آئیں۔ چنانچہ "انجیل متی" میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے اور مصر کا اونچا ہونا باعتبار رودِ نیل کے ہے ورنہ غرق ہو جاتا اور "مَاءٍ معین" رود نیل ہے بعض نے۔

ربوہ کا مطلب: "ربوہ" (اونچی جگہ) سے مراد شام یا فلسطین لیا ہے۔ اور کچھ بعید نہیں کہ جس ٹیلہ پر ولادت کے وقت موجود تھیں وہیں اس خطرہ کے وقت بھی پناہ دی گئی ہو۔ واللہ اعلم۔

بعض گمراہ مصنفین کی تردید:

بہر حال اہل اسلام میں کسی نے "ربوہ" سے مراد کشمیر نہیں لیا نہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قبر کشمیر میں بتلائی۔ البتہ ہمارے زمانہ کے بعض زاعمین نے "ربوہ" سے کشمیر مراد لیا ہے اور وہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتلائی ہے جس کا کوئی ثبوت تاریخی حیثیت سے نہیں۔ محض کذب و دروغ بافی ہے۔ مثلاً "خان یار" شہر سری نگر میں جو قبر "یوز آسف" کے نام سے مشہور ہے اور جس کی بابت "تاریخ اعظمی" کے مصنف نے محض عام افواہ نقل کی ہے کہ "لوگ اُس کو کسی نبی کی قبر بتاتے ہیں وہ کوئی شہزادہ تھا اور دوسرے ملک سے یہاں آیا" اُس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بتانا پرلے درجہ کی بیحیائی اور سفاہت ہے۔ ایسی انکل پچو قیاس آرائیوں سے حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات کو باطل ٹھہرانا بجز خبط اور جنون کے کچھ نہیں اگر اس قبر کی تحقیق مطلوب ہو اور یہ کہ "یوز آسف" کون تھا تو جناب منشی حبیب اللہ صاحب امرتسری کا رسالہ دیکھو جو خاص اسی موضوع پر بہ نہایت تحقیق و تدقیق سے لکھا گیا ہے۔ اور جس میں اس مہمل خیال کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ و تابعین کے اقوال

رَبْوَۃٍ زمین میں اونچی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا: یہ دمشق تھا۔ سعید بن مسیب اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

ضحاک نے کہا غوطۂ دمشق مراد ہے۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ربوۃ سے رملہ مراد ہے۔ عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ ربوہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ یہی قول قتادہ اور کعب کا ہے۔ کعب نے کہا ربوہ کا حصہ بہ نسبت دوسری زمین کے اٹھارہ میل آسمان کے قریب تھا۔ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے (یہی قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قوی ہے)۔ (تفسیر مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ

اے رسولو کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا

اکل حلال اور صدق مقال:

یعنی سب پیغمبروں کے دین میں یہی ایک حکم رہا کہ حلال کھانا حلال راہ سے کما کر۔ اور نیک کام کرنا۔ نیک کام سب خلق جانتی ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبر نہایت مضبوطی اور استقامت کے ساتھ اکل حلال صدق مقال اور نیک عمل پر مواظبت اور اپنی اُمتوں کو اسی کی تاکید کرتے رہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ اسی طرح کا حکم جو یہاں رسولوں کو ہوا، عامۂ مؤمنین کو دیا گیا۔ اس میں نصاریٰ کی رہبانیت کا بھی رد ہو گیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس کا کھانا پینا، پہننا حرام کا ہو، اُسے اپنی دعاء کے قبول ہونے کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو گوشت حرام سے اُگا ہو، دوزخ کی آگ اس کی زیادہ حقدار ہے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤدؑ کا اکل حلال اور عبادت گذاری:

حضرت داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی محنت کا کھایا کرتے تھے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے اللہ کو سب سے زیادہ پسند روزہ داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے اور سب سے زیادہ پسندیدہ قیام داؤد علیہ السلام کا قیام ہے۔ آدھی رات سوتے تھے اور تہائی رات نماز تہجد پڑھتے تھے اور چھٹا حصہ سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے ایک دن نہ رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں کبھی پیٹھ نہ دکھاتے۔

انبیاء حلال ہی کھاتے ہیں:

ام عبداللہ بنت شدادؓ فرماتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ کا ایک پیالہ شام کے وقت بھیجا تا کہ آپ اس سے اپنا روزہ کھولیں۔ یہ دن کا آخری حصہ تھا اور دھوپ کی تیزی تھی تو آپ نے قاصد کو واپس کر دیا کہ اگر تیری بکری کا ہوتا تو خیر اور بات تھی۔ انہوں نے کہلوایا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ دودھ اپنے مال سے خریدا ہے۔ پھر آپ نے پی لیا۔ دوسرے دن مائی صاحبہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ اس گرمی میں میں نے دودھ بھیجا بہت دیر سے بھیجا تھا۔ آپ نے میرے قاصد کو واپس کیا۔ آپ نے فرمایا ہاں مجھے یہی فرمایا گیا ہے انبیاء صرف حلال کھاتے ہیں اور صرف نیک عمل کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

طیبات فقط حلال چیزیں ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا لفظ طیبات کے لغوی معنی ہیں پاکیزہ نفیس چیزیں۔ اور چونکہ شریعت اسلام میں جو چیزیں حرام کر دی گئی ہیں نہ وہ پاکیزہ ہیں نہ اہل عقل کے لئے نفیس و مرغوب، اس لئے طیبات سے مراد حلال چیزیں ہیں جو ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے پاکیزہ و نفیس ہیں۔

نکتہ: علماء نے فرمایا کہ ان دونوں حکموں کو ایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے جب غذا حلال ہوتی ہے تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے اور غذا حرام ہو تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی اس میں مشکلات حائل ہو جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں اور غبار آلود رہتے ہیں پھر اللہ کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یا رب یا رب پکارتے ہیں مگر اُن کا کھانا بھی حرام ہوتا ہے پینا بھی، لباس بھی حرام سے تیار ہوتا ہے اور حرام ہی کی اُن کو غذا ملتی ہے ایسے لوگوں کی دعا کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور دعا کے قبول ہونے میں حلال کھانے کو بڑا دخل ہے جب غذا حلال نہ ہو تو عبادت اور دعا کی مقبولیت کا بھی استحقاق نہیں رہتا۔ (معارف مفتی اعظم)

ایسا کھانا جو غافل نہ کرے:

بعض نے کہا اس سے حلال صاف قوام والا مراد ہے حلال تو حرام کی ضد ہوتا ہے اور صاف سے یہ مراد ہے کہ اس کے کھانے سے اللہ کی یاد نہ بھولے اس کا کھانا اللہ کی یاد سے غافل نہ بنا دے اور خواہشات نفسانی میں نہ ڈال دے۔ اور قوام سے یہ مراد ہے کہ نفس کی خواہش کو روک دے عقل کی حفاظت رکھے، یعنی ضرورت کی مقدار سے زائد نہ ہو۔

عمل صالح: نیک کام سے مراد ہے اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرو، جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کیا جائے اس میں کسی قسم کے شرک کی آمیزش بھی نہ ہو، فاسد نہ ہو یعنی ایسا قول و فعل نہ ہو جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔

خلاصہ کلام: خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہر زمانہ میں اس زمانہ کے پیغمبر کو حکم دیدیا تھا کہ حرام چیز نہ کھانا حلال کھانا اور نیک کام کرنا۔ یہ کلام حقیقت میں گذشتہ واقعات کا بیان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت:

حسن، مجاہد، قتادہ، سدی، کلبی اور مفسرین کی ایک جماعت کا خیال ہے کہ خطاب صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ عرب کا طریقہ ہے کہ ایک کو جمع کے صیغہ سے خطاب کر لیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں ایک کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے جمع کے صیغہ سے خطاب کیا جاتا ہے اس قسم کے خطاب میں مخاطب کی بزرگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور یہ بتانا ہوتا ہے کہ یہ ایک جماعت کے قائم مقام ہے۔ (تفسیر مظہری)

پس جمع کا صیغہ بول کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے اور ایماء ہے اس طرف کہ آپ کو سب لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صیغۂ جمع سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء امت کو ہو رسول اللہ اور علماء امت کے درمیان ایک بڑی

درجہ رکھتا ہے۔ ورعلمائے امت، رسول اور دوسرے لوگوں کے درمیان برزخی درجہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ علماء انبیاء کے قائم مقام ہیں یا علوم انبیاء کے وارث ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو خطاب:

بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو خطاب ہے اور یہ خطاب اس وقت کیا گیا تھا جب ربوہ میں وہ پناہ گزیں ہو گئے تھے اس خطاب میں اس حکم کو بیان فرمایا ہے جو انبیائے سابقین کو دیا گیا تھا تا کہ یہ دونوں بزرگ بھی سابق انبیاء کی پیروی کریں۔ بیانِ قصہ کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو ہی مخاطب قرار دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۵۱﴾
جو تم کرتے ہو میں جانتا ہوں

اللہ باخبر ہے: یعنی حلال کھانے اور نیک کام کرنے والوں کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے تمام کھلے چھپے احوال وافعال سے باخبر ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کریگا۔ یہ رسولوں کو خطاب کر کے امتوں کو سنایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ
اور یہ لوگ ہیں تمہارے دین کے سب ایک دین پر اور میں ہوں تمہارا رب
فَاتَّقُونِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۖ
سو مجھ سے ڈرتے رہو پھر پھوٹ ڈال کر اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے

اختلافِ امت کے اسباب:

یعنی اصول کے اعتبار سے تمام انبیاء کا دین وملت ایک اور سب کا خدا بھی ایک ہے جس کی نافرمانی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ لیکن لوگوں نے پھوٹ ڈال کر اصل دین کو پارہ پارہ کر دیا اور جدی جدی راہیں نکال لیں۔ اسی طرح آراء واہواء کا اتباع کر کے سینکڑوں فرقے اور مذہب بن گئے۔ یہ تفریق نبیوں نے نہیں سکھلائی۔ ان کے یہاں ازمنہ وامکنہ وغیرہ کے اختلاف سے صرف فروعی اختلاف تھا۔ اصول دین میں سب بالکلیہ متفق رہے ہیں۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تقریر اسی طرح کی ہے۔

پیغمبر کا کام:

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ہر پیغمبر کے ہاتھ اللہ تعالیٰ نے جو اس وقت کے لوگوں میں بگاڑ تھا، اُس کا سنوار فرمایا پیچھے لوگوں نے جانا انکا حکم جدا جدا ہے۔ آخر ہمارے پیغمبر کی معرفت سب بگاڑ کا سنوار (اور سب خرابیوں کا علاج) اکٹھا بتادیا اب سب دین مل کر ایک دین ہو گیا"۔ اور سب قومیں ایک جھنڈے تلے جمع کر دی گئیں۔ (تفسیر عثمانی)

سو لوگوں نے اپنے دین میں (اپنا طریق الگ الگ کر کے) اختلاف پیدا کر لیا ہر گروہ کے پاس جو کچھ دین ہے وہ اس پر اترائے ہوئے ہیں، یعنی جن لوگوں کے پاس پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے پیغمبروں کے بعد دین میں تفرقہ پیدا کر لیا اور ایک دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اصول اختلاف دین بنا لیا۔ اور ایک دین کے چند دین بنا لئے کوئی تو تمام پیغمبروں کی اور ان کے لائے ہوئے احکام کی تصدیق کرتا رہا یہ ہر زمانے میں اہل حق کا گروہ رہا اور کچھ لوگ کسی پیغمبر اور کسی حکم پر ایمان لائے، دوسرے انبیاء واحکام کا انکار کر دیا، جیسے یہودی، اور عیسائی اور صابی۔ بعض نے سب ہی کا انکار کر دیا جیسے مجوسی اور بت پرست۔ مذکورہ بالا تفسیری مطلب اس صورت ہوگا جب تَقَطَّعُوْا کو قَطَعُوْا کے معنی میں مانا جائے۔

آسمانی کتابوں میں تحریف:

بعض علماء نے زبرا کا ترجمہ کیا ہے کتابیں۔ زبرت الکتاب میں جلی حروف میں کتاب لکھی، ہر جلی موٹے حروف کی کتاب کو زبور کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا دین پہلے ایک کتاب کی شکل میں تھا جو اللہ کی طرف سے نازل کی گئی تھی لیکن انہوں نے اس کی متعدد تحریف کردہ کتابیں بنا ڈالیں۔

حسن نے اس طرح مطلب بیان کیا کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بگاڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۵۳﴾
ہر فرقہ جو ان کے پاس ہے اُس پر ریجھ رہے ہیں

یعنی سمجھتے ہیں کہ ہم ہی حق پر ہیں اور ہماری ہی راہ سیدھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۵۴﴾
سو چھوڑ دے ان کو ان کی بیہوشی میں ڈوبے ایک وقت تک

فرقہ پرستوں کو چھوڑ دیجئے:

یعنی جن لوگوں نے انبیاء کی متفقہ ہدایت میں رخنے ڈال کر الگ الگ فرقے اور ملتیں قائم کر لیں ہر فرقہ اپنے ہی مقصد وخیالات پر مست ہو کر بیٹھا ہے کسی طرح اس سے ہٹنا نہیں چاہتا، خواہ آپ کتنی ہی نصیحت فرمائیں تو آپ بھی ان کے غم میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ تھوڑی سی مہلت دیجئے۔ یہ اپنی غفلت وجہالت کے نشہ میں ڈوبے رہیں۔ یہاں تک کہ وہ آخری گھڑی پہنچے جب اُن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں۔ یعنی موت یا عذاب الٰہی ان کے

سروں پر منڈلانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (یعنی) کفر و گمراہی میں (رہنے دیجئے) بعض نے کہا غمرۃ سے مراد ہے غفلت اور باوجود نہ جاننے کے جاننے کا دعویٰ کرنا۔ غفلت کو اس پانی سے تشبیہ دی۔ جس میں آدمی ڈوب جاتا ہے اس کے قد سے بھی پانی اونچا ہو جاتا ہے۔

فرقہ پرستوں پر گرفت ضرور ہوگی:

حَتّٰى حِيْنٍ " ایک خاص وقت تک یعنی وقتِ موت تک یا اس وقت تک کہ اللہ آپ کو جہاد کا حکم دیدے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ ان کے کفر سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کی گرفت ضرور کریں گے یا اپنی طرف سے براہ راست عذاب بھیج کر یا آپ کے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔ (تفسیر مظہری)

أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ ﴿٥٥﴾
کیا وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ جو ہم اُن کو دیے جاتے ہیں مال اور اولاد
نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ
سو دوڑ دوڑ کر پہنچا رہے ہیں ہم ان کو بھلائیاں

ایک پرانا وہم: یہی خیال ' کا تھا۔ چنانچہ کہتے تھے "نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ" (سبا۔ رکوع ۴) یعنی ہم اگر خدا کے ہاں مردود و مبغوض ہوتے تو یہ مال و دولت اور اولاد وغیرہ کی بہتات کیوں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

بَل لَّا يَشْعُرُونَ ﴿٥٦﴾
یہ بات نہیں وہ سمجھتے نہیں

عقل کے کورے:

یعنی سمجھتے نہیں کہ مال و اولاد کی یہ افراط انکی فضیلت و کرامت کی وجہ سے نہیں اسباب واستدراج کی بناء پر ہے جتنی ڈھیل دی جارہی ہے اسی قدر ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ (اعراف۔ رکوع ۲۳)

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾
البتہ جو لوگ اپنے رب کے خوف سے اندیشہ رکھتے ہیں

مؤمن کی شان:

یعنی باوجود ایمان و احسان کے کفار و مغرورین کی طرح مکر اللہ سے مامون نہیں ہمہ وقت خوف خدا سے ارزاں و ترساں رہتے ہیں کہ نہ معلوم دنیا میں جو انعامات ہو رہے ہیں استدراج تو نہیں۔ حسن بصری کا مقولہ ہے "إِنَّ الْمُؤْمِنَ جَمَعَ إِحْسَانًا وَشَفَقَةً وَإِنَّ الْمُنَافِقَ جَمَعَ إِسَاءَةً وَأَمْنًا" ۔ (مؤمن نیکی کرتا اور ڈرتا رہتا ہے اور منافق بدی کر کے بےفکر ہوتا ہے)۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾
اور جو لوگ اپنے رب کی باتوں پر یقین کرتے ہیں

آیات پر یقین: یعنی آیات کونیہ و شرعیہ دونوں پر یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ اُدھر سے پیش آئے عین حکمت اور جو خبر دی جائے بالکل حق اور جو حکم ملے بہمہ وجوہ صواب و معقول ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾
اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں مانتے

توحید پر ایمان: یعنی خالص ایمان و توحید پر قائم ہیں۔ ہر ایک عمل صدق و اخلاص سے ادا کرتے ہیں۔ شرک جلی یا خفی کا شائبہ بھی نہیں آنے دیتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ اور جو لوگ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں قرار دیتے یعنی اپنے رب کی عبادت میں کسی طرح کے شرک کی آمیزش نہیں کرتے نہ شرک جلی کرتے ہیں نہ شرک خفی۔ شرک نہ کرنے کا جو مطلب بیان کیا ہے اس سے مضمون کی تکرار کا شبہ جاتا رہا بظاہر اللہ پر ایمان رکھنا اور اس کے ساتھ شریک قرار نہ دینا ایک ہی مفہوم رکھتا ہے لیکن جب شرک سے عبادت میں شرک مراد لے لیا جائے تو وحدت مضمون باقی نہیں رہتی کیونکہ اللہ کو ماننے کے بعد بھی اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کیا جا سکتا تھا (جیسے عرب کے مشرک بلکہ تمام بت پرست کرتے ہیں کہ اللہ کو بھی مانتے ہیں اور اسی کے ساتھ دوسروں کی بھی پوجا کرتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ
اور جو لوگ کہ دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں
أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾
اس لئے کہ ان کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے

نیک عمل کے باوجود ڈرتے رہنا:

یعنی کیا جانے وہاں قبول ہوا یا نہ ہوا، آگے کام آئے یا نہ آئے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے یہ کھٹکا لگا رہتا ہے، اپنے عمل پر مغرور نہیں ہوتے، نیکی کرنے کے باوجود ڈرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا آتَوا یعنی جو کچھ خیر، خیرات کرتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت

عائشہ یہ آیت یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا پڑھتی تھیں تو فرماتی تھیں جو کچھ نیک کام کرتے ہیں (یعنی حضرت عائشہ کے نزدیک دینے سے مراد صرف مال دینا نہیں بلکہ ہر کارِ خیر کرنا مراد ہے)۔

وَجِلَةٌ ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی خیر خیرات رد نہ کر دی جائے اور قبول نہ کی جائے۔ یا اس طریقے سے نہ ہو پائے جو بارگاہ کبریائی میں پیش ہونے کے مناسب ہے اور اس پر ان کی پکڑ ہو جائے۔ یا ان کو اپنے گناہوں کی کثرت اور طاعت کی قلت کی وجہ سے یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ خیر خیرات بھی ان کو اللہ کے عذاب سے بچا نہ سکے۔

اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ یعنی اس بات سے ان کے دل ڈرتے ہیں کہ اللہ کے پاس ان کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ان کے ہر عمل سے واقف ہے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا۔ وہ اللہ کی طاعت کرتے ہیں اور کوشش کے ساتھ کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی طاعت نامقبول نہ ہو جائے۔

بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کیا یہ وہ شخص ہے جو زنا کرتا، شراب پیتا اور چوری کرتا ہے فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی! (یہ وہ شخص نہیں) بلکہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو رات کو (نماز کے لئے) اٹھتا ہے اور خیرات کرتا ہے اور (پھر بھی) ڈرتا ہے کہ کہیں قبول نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾
وہ لوگ دوڑ دوڑ کر لیتے ہیں بھلائیاں اور وہ اُن پر پہنچے سب سے آگے

اصل نیکی:

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ کما قال تعالیٰ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ (آل عمران-رکوع ۱۵) تو درحقیقت اصلی بھلائی اعمال صالحہ، اخلاق حمیدہ اور ملکات فاضلہ میں ہوگی نہ کہ اموال و اولاد میں، جیسے کفار کا گمان تھا۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی میں پیش قدمی کرنا:

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ طاعتوں کی بہت زیادہ رغبت رکھتے ہیں اس لئے جلدی جلدی طاعتیں کرتے ہیں تاکہ کوئی طاعت فوت نہ ہو جائے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ طاعتوں میں پیش قدمی کرنے پر جن اُخروی بھلائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے اور نیک اعمال میں تیزی کرنے سے جن دنیوی فوائد کو وابستہ کیا گیا ہے سب فائدوں کے حاصل کرنے کے لئے وہ تیزی سے کام لیتے ہیں اور جلدی جلدی حاصل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مصیبت کو کوئی چیز رد نہیں کرتی سوائے دعا کے اور عمر میں کوئی چیز زیادتی نہیں کرتی مگر نیکی (یعنی خیر، خیرات، حُسنِ سلوک)۔ اس تفسیر پر اس آیت کا مضمون ویسا ہی ہوگا جیسا آیت فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ۔ کا ہے گویا ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے مخالف لوگوں کو نہیں ملے گا۔

میں کہتا ہوں جن بھلائیوں کی طرف دنیا میں مؤمن تیزی سے بڑھتے ہیں ان سے مراد شاید یہ ہو کہ مؤمن کو اللہ کی یاد میں لذت آتی ہے اس کے دل کو چین ملتا ہے۔ وہ بقدرِ کفاف رزق پر قناعت کرتا اور سیر ہو جاتا ہے اس کو دنیوی نعمتوں کے زوال کا کوئی خوف نہیں ہوتا وہ سوائے اللہ کے نہ کسی سے امید وابستہ رکھتا ہے نہ ڈرتا ہے اس کو خواب میں یا بطور الہام مبشرات پہنچتی رہتی ہے۔

وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ یعنی وہ نیکیوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے ہیں جنت کی طرف سب سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ یا سابقون سے (مراد سب سے آگے بڑھنا اور سبقت کر جانا نہیں بلکہ) مراد ہے طاعتوں کی طرف یا ثواب کی طرف یا جنت کی طرف بڑھنا۔ یا یہ مراد ہے کہ آخرت سے پہلے وہ دنیوی فائدوں کی طرف بڑھنے والے ہیں کیونکہ (ثواب آخرت سے پہلے) فوری طور پر ان کے لئے دنیوی فائدے فراہم کر دیئے جاتے ہیں۔ بعض علماء کی قول ہے کہ لَهَا سٰبِقُوْنَ میں لام بمعنی الیٰ ہے یعنی وہ بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں جیسے آیت لما نهوا عنه میں لام بمعنی الیٰ ہے۔ ہے اسی وجہ سے کلبی نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ تمام اقوام سے بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اللہ کی طرف سے ان کے لئے سعادت پہلے ہی سے (مقدر) ہو چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ
اور ہم کسی پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی گنجائش کے موافق اور ہمارے پاس لکھا ہوا ہے
يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾
جو بولتا ہے سچ اور ان پر ظلم نہ ہو گا

انسان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف بنایا گیا ہے:

یعنی اُوپر جو اعمال و خصائل بیان کئے گئے کوئی ایسے مشکل کام نہیں جن کا اٹھانا انسانی طاقت سے باہر ہو۔ ہماری یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو تکلیف مالا یطاق دیجائے۔ یہ سب باتیں وہ ہیں جنکو اگر توجہ کرو تو بخوبی حاصل کر سکتے ہو۔ اور جو لوگ سابقین کاملین کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے انہیں بھی اپنی وسعت و ہمت کے موافق پوری کوشش کرنی چاہئے کہ وہ اُسی کے مکلف ہیں۔ ہمارے یہاں صحائف اعمال میں درجہ بدرجہ ہر ایک کے اعمال لکھے ہوئے موجود ہیں جو قیامت

کے دن سب کے سامنے کھول کر رکھ دیئے جائیں گے اور ان ہی کے موافق جزا دی جائے گی جس میں رتی برابر ظلم نہ ہوگا نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی۔ نہ اجر کم کیا جائے گا، نہ بے وجہ بے قصور دوسرے کا بوجھ اُس پر ڈالا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ
کوئی نہیں ان کے دل بیہوش ہیں اس طرف سے اور ان کو اور کام
مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ
لگ رہے ہیں اس کے سوائے کہ وہ ان کو کر رہے ہیں

انسان کسی اور طرف مشغول ہے:

یعنی آخرت کے حساب کتاب سے یہ لوگ غافل ہیں اور دنیا کے دوسرے دھندوں میں پڑے ہیں جن سے نکلنے کی فرصت ہی نہیں ہوتی جو آخرت کی طرف توجہ کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اُن کے دل شک وتردد اور غفلت وجہالت کی تاریک موجوں میں غرقاب ہیں۔ بڑا گناہ تو یہ ہوا۔ باقی اس سے ورے اور بہت سے گناہ ہیں جن کو وہ ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔ ایکدم کو اُن سے جدا نہیں ہوتے اور جدا بھی کیونکر ہوں، جو کام اُن کی استعداد کی بدولت مقدر ہو چکے ہیں وہ کر کے رہیں گے اور لامحالہ اُن کا خمیازہ بھی اٹھانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ
یہاں تک کہ جب پکڑیں گے ہم ان کے آسودہ لوگوں کو آفت میں تبھی وہ لگیں گے چلانے
لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ
مت چلاؤ آج کے دن تم ہم سے چھوٹ نہ سکو گے

عذاب آئے تو چلاتے ہیں:

یعنی جب دنیوی یا اخروی عذاب میں پکڑے جائیں گے تو چلائیں گے اور شور مچائیں گے کہ ہمیں اس آفت سے بچاؤ۔ بھلا وہاں بچانے والا کون؟ حکم ہوگا کہ چپ رہو، چلاؤ نہیں، یہ سب چیخ پکار بیکار ہے۔ آج کوئی تمہاری مدد کو نہیں پہنچ سکتا نہ ہمارے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ چنانچہ اس عذاب کا ایک نمونہ کفار مکہ کو بدر میں دکھلایا گیا جہاں اُنکے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا قید ہو گئے۔ عورتیں مہینوں تک اُن کا نوحہ کرتی رہیں، سر کے بال کٹوا کر ماتم کئے گئے۔ روئے پیٹے، چیخے چلائے، پر کچھ بن نہ پڑا۔ ایک مرتبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مظالم سے تنگ آ کر بددعا فرمائی تو سات سال کا قحط مسلط ہوا مردار کی ہڈیاں اور چمڑے کھانے اور خون پینے کی نوبت آ گئی۔ آخر رحمۃ للعالمین سے رحم کا واسطہ دیکر دعاء کی درخواست کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب اُٹھایا۔ اُس وقت نہ "لات ومنات" کام آئے نہ ہبل ونائلہ۔ (تفسیر عثمانی)

غزوہ بدر اور قحط کا عذاب:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مُراد وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی تلوار سے ان کے سرداروں پر پڑا تھا۔ اور بعض حضرات نے اس عذاب سے مراد قحط کا عذاب لیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے مکہ والوں پر مسلط کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ مُردار جانور اور کتے اور ہڈیاں کھانے پر مجبور ہو گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے لئے بددعا بہت کم کی ہے لیکن اس موقع میں مسلمانوں پر اُن کے مظالم کی شدت سے مجبور ہو کر یہ بددعا کی تھی۔ اللهم اشدد وطأتک علی مضر واجعلها علیهم سنین کسنی یوسف (رواہ البخاری ومسلم) (قرطبی ومظہری) (معارف مفتی اعظم)

قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ
تم کو سنائی جاتی تھیں میری آیتیں تو تم ایڑیوں
أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ۝ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ
پر الٹے بھاگتے تھے اس سے تکبر کر کے

اپنی غفلت واعراض کو یاد کرو:

یعنی اب کیوں شور مچاتے ہو، وہ وقت یاد کرو جب خدا کے پیغمبر آیات پڑھ کر سناتے تھے تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے، سننا بھی گوارا نہ تھا۔ تمہاری شیخی اور تکبر اجازت نہ دیتا تھا کہ حق کو قبول کرو اور پیغمبروں کی بات پر کان دھرو۔ (تفسیر عثمانی)

سَامِرًا تَهْجُرُونَ
قصہ کو کو چھوڑ کر چلے گئے

پیغمبر کی باتوں پر توجہ نہ دیتے تھے:

یعنی پیغمبر کی مجلس سے ایسے بھاگتے تھے گویا کسی فضول قصہ کو چھوڑ کر چلے گئے۔ یا کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت حرم میں بیٹھ کر پیغمبر علیہ السلام اور قرآن کریم کی نسبت باتیں بناتے اور طرح طرح کے قصے گھڑتے تھے، کوئی جادو کہتا تھا، کوئی شاعری کوئی کہانت، کوئی کچھ اور۔ اسی طرح کی بکواس اور بیہودہ ہذیان کیا کرتے تھے۔ آج اُس کا مزہ چکھو چیخنے چلانے سے کچھ حاصل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ
سو کیا انہوں نے دھیان نہیں کیا اس کلام میں

قرآن پر غور نہیں کیا: یعنی قرآن کی خوبیوں میں غور وفکر نہیں کرتے ورنہ

حقیقت حال منکشف ہو جاتی کہ بلا شبہ یہ کلام اللہ جل شانہ کا ہے جس میں ان کی بیماریوں کا صحیح علاج بتلایا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾
یا آئی ہے ان کے پاس کوئی چیز جو نہ آئی تھی ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس

پیغمبر اور کتاب کوئی نئی بات نہ تھی:

یعنی نصیحت کرنے والے ہمیشہ ہوتے رہے ہیں پیغمبر ہوئے یا پیغمبر کے تابع ہوئے۔ آسمانی کتابیں بھی برابر اترتی رہی ہیں۔ کبھی کہیں، کبھی کہیں۔ سو یہ کوئی انوکھی بات نہیں جس کا نمونہ پیشتر سے موجود نہ ہو۔ ہاں جو اکمل ترین و اشرف ترین کتاب اب آئی اس شان و مرتبہ کی پہلے نہ آئی تھی تو اس کا مقتضی یہ تھا کہ ورزیادہ اس نعمت کی قدر کرتے اور آگے بڑھ کر اس کی آواز پر بیعت کرتے جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کی۔

(تنبیہ) شاید یہاں "آباء اولین" سے آباء ابعدین مراد ہوں۔ اور سورہ "یٰس" میں جو آیا ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ وہاں آباء اقربین کا رد کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾
یا پہچانا نہیں انہوں نے اپنے پیغام لانے والے کو، سو وہ اس کو اوپرا سمجھتے ہیں

پیغمبر کی صداقت و دیانت بھی سامنے ہے:

یعنی کیا اس لئے اعراض و تکذیب برتتے ہوئے ہیں کہ ان کو پیغمبر کے احوال سے آگاہی نہیں۔ حالانکہ سارا عرب جانتا ہے کہ آپ بچپن سے صادق و امین اور عفیف و پاکباز تھے۔ چنانچہ حضرت جعفرؓ نے بادشاہ حبشہ کے سامنے، حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے نائب کسریٰ کے آگے اور ابوسفیان نے بحالت کفر قیصر روم کے دربار میں اسی چیز کا اظہار کیا۔ پھر ایسے مشہور و معروف راستباز بندہ کی نسبت کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ یعنی ان کے انکار کی ایک وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ جو شخص دعوت حق اور دعوائے نبوت لیکر آیا ہے یہ کہیں باہر سے آیا ہوتا تا کہ یہ لوگ اس کے نام و نسب اور عادات و خصائل اور کردار سے واقف نہ ہوتے تو یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس مدعی کے حالات سے واقف نہیں اس کو کیسے نبی و رسول مان کر اپنا مقتدا بنالیں۔ مگر یہاں تو یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش ہی کے اعلیٰ نسب میں اسی شہر مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن سے لیکر جوانی اور مابعد کا سارا زمانہ انہیں لوگوں کے سامنے گذرا، آپ کا کوئی عمل کوئی عادت ان سے چھپی ہوئی نہیں تھی اور دعوائے نبوت سے پہلے تک سارے کفار مکہ آپ کو صادق و امین کہا کرتے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ
یا کہتے ہیں اس کو سودا ہے کوئی نہیں وہ تو لایا ہے ان کے پاس
بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾
سچی بات اور ان بہتوں کو سچی بات بری لگتی ہے

فقط خواہش پرستی انکار کر رہی ہے:

یعنی سودائیوں اور دیوانوں کی باتیں کہیں ایسی کھری اور سچی ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بھی محض زبان سے بکتے تھے۔ دل ان کا جانتا تھا کہ بیشک جو کچھ آپ لائے ہیں حق ہے۔ پر حق بات چونکہ انکی اغراض و خواہشات کے موافق نہ تھی اس لئے بری لگتی تھی اور قبول کرنے سے آمادہ نہ ہوتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ	
اور اگر سچا رب چلے ان کی خوشی پر	تو خراب ہو جائیں
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ	
آسمان اور زمین	اور جو کوئی ان میں ہے

ان کی ہر خواہش پرستی کیلئے شے حق نہیں بدل سکتی:

یعنی سچی بات بری لگتی ہے تو لگنے دو۔ سچائی ان کی خوشی اور خواہش کے تابع نہیں ہو سکتی۔ اگر بالفرض ان کی خوشی اور خواہش ہی پر چلا کرے تو وہ خدائی کیا ہے۔ معاذ اللہ بندوں کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی بن جائے۔ ایسی صورت میں زمین و آسمان کے یہ محکم انتظامات کیونکر قائم رہ سکتے ہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے گاؤں کا انتظام محض لوگوں کی خواہشات کے تابع کر دیا جائے وہ بھی چار دن قائم نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ زمین و آسمان کی حکومت۔ کیونکہ عام خواہشات نظام حق سے مزاحم اور باہم دگر بھی متناقض واقع ہوئی ہیں عقل وہوی کی کشمکش اور اہواء مختلفہ کی لڑائی میں سارے انتظامات درہم برہم ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ
کوئی نہیں ہم نے پہنچائی ہے ان کو ان کی نصیحت

ہدایت آ پہنچی ہے:

جس کی وہ تمنا کیا کرتے تھے لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۔ (صافات رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ

سو وہ اپنی نصیحت کو دھیان نہیں کرتے

مفاد پرست انکار کر رہے ہیں:

جب آ گئی اور ایسی آئی جس سے اُن کو قومی حیثیت سے عظیم الشان فخر و شرف حاصل ہوا تو اب منہ پھیرتے ہیں اور ایسے اعلیٰ فضل و شرف کو ہاتھ سے گنوا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ

یا تو ان سے مانگتا ہے کچھ محصول سو محصول تیرے رب کا بہتر ہے

وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

اور وہ ہے بہتر روزی دینے والا

پیغمبر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا:

یعنی دعوت و تبلیغ اور نصیحت و خیر خواہی کر کے ان سے کسی معاوضہ کے بھی طلب گار نہیں۔ خدا تعالیٰ نے دارین کی جو دولت آپ کو مرحمت فرمائی ہے وہ اس معاوضہ سے کہیں بہتر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

اور تو تو بلاتا ہے ان کو سیدھی راہ پر

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

اور جو لوگ نہیں مانتے آخرت کو

عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ

راہ سے ٹیڑھے ہو گئے ہیں

پیغمبر تو صراطِ مستقیم کی طرف بلاتا ہے:

یعنی آپ کے صدق و امانت کا حال سب کو معلوم ہے جو کلام آپ لائے اس کی خوبیاں اظہر من الشمس ہیں۔ معاذ اللہ آپ کو خلل دماغ نہیں، اُن سے کسی معاوضہ کے طالب نہیں، جس راستہ کی طرف آپ بلاتے ہیں بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے جس کو ہر سیدھی عقل والا بسہولت سمجھ سکتا ہے کوئی اینچ پینچ نہیں ٹیڑھا ترچھا نہیں۔ ہاں اس پر چلنا اُن ہی کا حصہ ہے جو موت کے بعد دوسری زندگی مانتے ہوں اور اپنی بدانجامی سے ڈرتے ہوں، جسے انجام کا ڈر اور عاقبت کی فکر ہی نہیں وہ کب سیدھے راستہ پر چلے گا، یقیناً ٹیڑھا رہے گا۔ اور سیدھی سی بات کو بھی اپنی کجروی سے کج بنائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور کھول دیں جو تکلیف پہنچی اس کو تو بھی برابر لگے رہیں

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ

اپنی شرارت میں بہکے ہوئے

احسان فراموش اور ناشکرے:

یعنی تکلیف سے نکال کر آرام دیں، تب بھی احسان نہ مانیں اور شرارت و سرکشی سے باز نہ آئیں۔ حضرت کی دعا سے ایک مرتبہ مکہ والوں پر قحط پڑا تھا، پھر حضرت ہی کی دعا سے کھلا۔ شاید یہ اس کو فرمایا یا یہ مطلب ہے کہ اگر ہم اپنی رحمت سے اُن کے نقصان کو دور کر دیں یعنی قرآن کی سمجھ دے دیں تب بھی یہ لوگ اپنے ازلی خسران اور سوء استعداد کی وجہ سے اطاعت و انقیاد اختیار کرنے والے نہیں کما قال تعالیٰ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ (انفال رکوع ۳)

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا

اور ہم نے پکڑا تھا ان کو آفت میں پھر نہ عاجزی کی

لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ

اپنے رب کے آگے اور نہ گڑگڑائے

مثلاً قحط وغیرہ آفات مسلط ہوئیں۔ تب بھی عاجزی کر کے خدا کی بات نہ مانی۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بیہقی نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ ابن اثال حنفی جب گرفتار ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وعدہ لیکر چھوڑ دیا پھر وہ مکہ کو چلا گیا اور مسلمان ہو گیا (قریش نے اس کو گرفتار کرنا چاہا وہ بھاگ کر) مکہ اور یمامہ کے درمیان آ کر بیٹھا اور یمامہ سے جو غلے کی رسد مکہ کو آیا کرتی تھی اس کو روک دیا، قریش بھوکے مرنے لگے، یہاں تک کہ جانوروں کا اون کھانے لگے، مجبور ہو کر ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ آپ کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک، یہی بات ہے۔ ابوسفیان نے کہا تو (یہ کیسی رحمت ہے کہ) آپ نے آباؤ اجداد کو تو تلوار سے قتل کر

دیا اور ان کی اولاد کو قحط سالی سے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں (گویا) شہادت ہے اس بات کی کہ اگر ہم نے دوسرا عذاب بھی ان سے دور کر دیا تو یہ اللہ کے سامنے زاری نہیں کریں گے جیسے پہلے عذاب میں گرفتار ہونے کے بعد اللہ کی طرف انہوں نے رجوع نہیں کیا اور زاری نہیں کی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ

یہاں تک کہ جب کھول دیں ہم ان پر دروازہ ایک سخت آفت کا

اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ

تب اس میں ان کی آس ٹوٹنے لگی

اس سے یا تو آخرت کا عذاب مراد ہے یا شاید وہ دروازہ لڑائیوں کا کھلا جس میں تھک کر عاجز ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

اور اسی نے بنا دیے تمہارے کان اور آنکھیں

وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ

اور دل تم بہت تھوڑا حق مانتے ہو

اللہ کی دی ہوئی صلاحیتیں استعمال کرو:

کانوں سے اس کی آیات تنزیلیہ کو سنو اور آنکھوں سے آیات تکوینیہ کو دیکھو اور دلوں سے دونوں کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ ان نعمتوں کا شکر یہ تھا کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو اُس کے کام میں لاتے۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ اکثر آدمیوں نے اکثر اوقات میں ان قوتوں کو بے جا خرچ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ

اور اسی نے تم کو پھیلا رکھا ہے زمین میں اور اسی کی طرف جمع ہو کر جاؤ گے

آخرت کی حاضری: ہاں ہر ایک کو شکر گزاری اور ناشکری کا بدلہ مل جائے گا۔ اُس وقت کوئی شخص یا کوئی عمل غیر حاضر نہ ہو سکے گا۔ جس نے پھیلایا اُس کو سمیٹنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ

اور وہی ہے جلاتا اور مارتا اور اسی کا کام ہے بدلنا

الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

رات اور دن کا سو کیا تم کو سمجھ نہیں

دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں:

زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ یا اندھیرے سے اُجالا اور اُجالے سے اندھیرا کر دینا جس کے قبضہ میں ہے اس کی قدرت عظیمہ کے سامنے کیا مشکل ہے کہ تم کو دوبارہ زندہ کر دے اور آنکھوں کے آگے سے ظلمت جہل کے پردے اٹھا دے۔ جس کے بعد حقائق اشیاء ٹھیک ٹھیک منکشف ہو جائیں جیسے کہ قیامت میں ہوگا۔ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ (تفسیر عثمانی)

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ قَالُوْۤا ءَاِذَا

کوئی بات نہیں یہ تو وہی کہہ رہے ہیں جیسا کہا کرتے تھے پہلے لوگ کہتے ہیں کیا

مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ

جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو زندہ ہو کر اٹھنا ہے

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ

وعدہ دیا جاتا ہے ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو یہی پہلے سے

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ

اور کچھ بھی نہیں یہ نقلیں ہیں پہلوں کی

رجعت پسندی اور اندھی تقلید:

یعنی عقل و فہم کی بات کچھ نہیں محض پرانے لوگوں کی اندھی تقلید کیے چلے جا رہے ہیں، وہی دقیانوسی شکوک پیش کرتے ہیں جو ان کے پیشرو کیا کرتے تھے۔ یعنی مٹی میں مل کر اور ریزہ ریزہ ہو کر ہم کیسے زندہ کیے جائیں گے؟ ایسی دوراز عقل باتیں جو ہم کو سنائی جا رہی ہیں پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کہی گئی تھیں لیکن ہم نے تو آج تک خاک کے ذروں اور ہڈیوں کے ریزوں کو آدمی بنتے نہ دیکھا۔ ہو نہ ہو یہ سب قصے کہانیاں ہیں جو پہلے لوگ گھڑ گئے تھے۔ اور اب اُن ہی کی نقل کی جا رہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ

تو کہہ کس کی ہے زمین اور جو کوئی اس میں ہے بتاؤ اگر تم

تَعْلَمُوْنَ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ

جانتے ہو اب کہیں گے سب کچھ اللہ کا ہے تو کہہ پھر تم سوچتے نہیں

سب اللہ کے قبضہ میں ہے:

کہ جس کا قبضہ ساری زمین اور زمینی چیزوں پر ہے کیا تمہاری مشت خاک

اس کے قبضہ سے باہر ہوگی؟ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم اہل علم میں سے ہو یا اگر تم جانتے ہو تو جواب دو، یہ مخاطب کی بات اور تحقیر کا سوال ہے مقصود یہ ہے کہ ایسی بات جس کو بچے اور دیوانے بھی جانتے ہیں تم نہیں جانتے تمہارا حال اور قول تمہاری جہالت کا شاہد ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار ممکن ہی نہیں تمام لوگ اس کے قائل ہیں۔ عقل صریح اور نقل صحیح ... اس لئے ان کو ماننا پڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ

تو کہہ کون ہے مالک سات آسمانوں کا اور مالک اس بڑے

الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝

تخت کا اب بتلائیں گے اللہ کو تو کہہ پھر تم ڈرتے نہیں

خوف خدا کرو: اتنے بڑے شہنشاہ تمہاری ان گستاخیوں اور نافرمانیوں پر تم کو دھمکیاں دیتا ہے، کیا یہ تمہاری گستاخی نہیں کہ اس شہنشاہ مطلق کا ایک ذرہ کے مقدار سے عاجز قرار دیتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

عرش الٰہی: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی شان بہت بڑی ہے اس کا عرش ... آسمانوں پر اس طرح ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے قبہ کی شکل بنا کر بتایا (ابو داؤد)۔ اور حدیث میں ہے ساتوں آسمان اور زمین اور ان کی کل مخلوق کرسی کے مقابلہ پر ایسی ہے جیسے کسی چٹیل میدان میں کوئی حلقہ پڑا ہو۔ اور کرسی اپنی تمام چیزوں سمیت عرش کے مقابلے میں بھی ایسی ہی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ عرش کی ایک جانب سے دوسری جانب کی دوری پچاس ہزار سال کی مسافت کی ہے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ عرش سرخ رنگ یاقوت کا ہے اس آیت میں عرش عظیم کہا گیا ہے اور اس سورت کے آخر میں عرش کریم کہا گیا ہے یعنی بہت بڑا اور بہت حسن و خوبی والا پس لمبائی چوڑائی وسعت عظمت حسن و خوبی میں وہ بہت ہی اعلیٰ و بالا ہے اسی سے لوگوں نے اسے یاقوت سرخ کہا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ تمہارے رب کے پاس رات دن نہیں اس کے عرش کا نور اس کے چہرے کے نور سے ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ

تو کہہ کس کے ہاتھ میں ہے حکومت ہر چیز کی اور وہ بچا لیتا ہے

وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ

اور اس سے کوئی بچا نہیں سکتا، اگر تم جانتے ہو اب بتائیں گے اللہ کو

اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا:

ہر چیز پر اسی کا اختیار رہتا ہے جس کو چاہے وہ پناہ دے سکتا ہے لیکن کوئی دوسرا اس کے مجرم کو پناہ نہیں دے سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ یعنی اللہ تعالیٰ جس کو چاہے عذاب اور مصیبت رنج و تکلیف سے پناہ دیدے اور یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے مقابلہ پر کسی کو پناہ دیکر اس کے عذاب و تکلیف سے بچالے یہ بات دنیا کے اعتبار سے بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو کوئی نفع پہنچانا چاہے کوئی روک نہیں سکتا اور جس کو کوئی تکلیف و عذاب دینا چاہے اس سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ اور آخرت کے اعتبار سے بھی یہ مضمون صحیح ہے کہ جس کو وہ عذاب میں مبتلا کریگا کوئی اس کو بچا نہ سکے گا اور جسکو جنت اور راحت دیگا اس کو کوئی روک نہ سکے گا۔ (قرطبی)

(معارف مفتی اعظم)

قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝

تو کہہ پھر کہاں سے تم پر جادو آ پڑتا ہے

تم پر کیا جادو ہے: جس سے مسحور ہو کر تم ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہو، ایسی موٹی باتیں بھی نہیں سمجھ سکتے جب تمام زمین و آسمان کا مالک وہ ہی ہوا اور ہر چیز اسی کے زیر تصرف و اقتدار ہوئی تو کیا تمہارے معبود ان باطلہ یا خود تم اس کے قبضۂ اقتدار سے نکل کر کہیں چلے جاؤ گے کہ وہ قادر مطلق اپنی مشیت نافذ نہ کر سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

کوئی نہیں ہم نے ان کو پہنچا دیا سچ اور وہ بے شک جھوٹے ہیں

دلائل کے باوجود انکارِ حق:

یعنی دلائل و شواہد سے ظاہر کر دیا گیا کہ جو کچھ ان سے کہا جا رہا ہے وہ ہی سچ اور حق ہے اور وہ لوگ محض جھوٹے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں کیا اور نہ اس کے ساتھ کسی کا حکم چلے

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا

یوں ہوتا تو لے جاتا ہر حکم والا اپنی بنائی چیز کو اور چڑھائی کرتا

بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

ایک پر ایک

اللہ کا کوئی شریک ہوتا تو نظام نہ چلتا:

یعنی زمین و آسمان اور ذرہ ذرہ کا تنہا مالک و مختار وہ ہی ہے نہ اُسے بیٹے کی ضرورت نہ مددگار کی، نہ اُس کی حکومت و فرمانروائی میں کوئی شریک جسے ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہو۔ ایسا ہوتا تو ہر ایک بااختیار حاکم اپنی رعایا کو لے کر علیحدہ ہو جاتا اور اپنی جمعیت فراہم کر کے دوسرے پر چڑھائی کر دیتا اور عالم کا یہ مضبوط و محکم نظام چند روز بھی قائم نہ رہ سکتا۔ سورۂ انبیاء کی آیت "لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" کے فوائد میں اس کی تقریر کی جاچکی ہے ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

(جب کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو وہ ضرور خالق بھی ہوتا) اور ہر الٰہ (خدا) اپنی مخلوق کو (تقسیم کر کے) جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔

اپنی مخلوق کو لے کر جدا ہو جاتا اور دوسرے کو اپنی مخلوق پر تصرف کرنے سے روک دیتا اور ہر ایک کی ملکیت دوسرے کی ملکیت سے علیحدہ ہو جاتی (اور ان کے باہم لڑائی ہوتی) اور (لڑائی میں) ایک دوسرے پر غالب آ جاتا۔ جیسے دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے تعدد آلہہ کے وقت باہمی جنگ و جدال ناممکن نہیں اور جنگ میں ایک دوسرے پر غلبہ ہونا ہی چاہئے نتیجہ میں ایک مغلوب ہوتا اور مغلوب خدا نہیں ہو سکتا۔ مغلوبیت کمزوری اور حدوث کی علامت ہے۔ اور اگر کوئی کسی پر غالب نہ آ سکتا تو دونوں غالب آنے سے عاجز ہوتے اور عجز علامت حدوث ہے الوہیت کے منافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ
اللہ نرالا ہے ان کی بتلائی باتوں سے

یہ خدائی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے آگے کوئی دم مار سکے یا ایک ذرہ اس کے حکم سے باہر ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۟
جاننے والا چھپے اور کھلے کا وہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو یہ شریک بتاتے ہیں

اللہ شراکت سے پاک ہے: یعنی جس کی قدرت عامہ و تامہ کا حال پہلے بیان ہو چکا اور علم محیط ایسا کہ کوئی ظاہر و باطن اور غیب و شہادت اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اُس کی حکومت میں کیا وہ چیزیں شریک ہونگی جن کی قدرت سب صفات محدود و مستعار ہیں؟! استغفر اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ
تو کہہ اے رب اگر تو دکھانے لگے مجھ کو جو ان سے وعدہ ہوا ہے

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۟
تو اے رب مجھ کو نہ کیجیو ان گنہگار لوگوں میں

ہر مؤمن عذاب سے بچنے کی دُعاء کرے:

یعنی حق تعالیٰ کی جناب میں ایسی گستاخی کی جاتی ہے تو یقیناً کوئی سخت آفت آکر رہے گی۔ اس لئے ہر مؤمن کو ہدایت ہوئی کہ اللہ سے عذاب سے ڈر کر دعا مانگے۔ جب ظالموں پر عذاب آئے تو مجھ کو ان کے ذیل میں شامل نہ کرنا۔ جیسے کہ حدیث میں آیا "واذا اردت بقوم فتنة فتوفني غير مفتون" مطلب یہ ہے کہ خداوند ہم ایمان و احسان کی راہ پر مستقیم رکھ۔ کوئی ایسی تقصیر نہ ہو کہ اعیاذاً باللہ تیرے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہوا "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً" (انفال۔ رکوع ۳) یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا ہے اور یہ قرآن کریم کی عام عادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیاطین سے حفاظت کی دُعاء:

مسند احمد اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں یہ جملہ بھی ہوتا تھا کہ خدایا جب تو کسی قوم کے ساتھ فتنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالنے سے پہلے اٹھا لے۔ (ابن کثیر)

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۟
اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھلا دیں جو ان سے وعدہ کر دیا ہے
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ
بری بات کے جواب میں وہ کہہ جو بہتر ہے ہم خوب
اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۟
جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں

اعلیٰ اخلاقی قدریں:

یعنی ہم کو قدرت ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے دنیا ہی میں ان کو سزا دے دیں لیکن آپ کے مقام بلند اور اعلیٰ اخلاق کا مقتضی یہ ہے کہ ان کی برائی کو بھلائی سے دفع کریں جہاں تک اس طرح دفع ہو سکتی ہو۔ اور اُن کی بیہودہ بکواس سے مشتعل نہ ہوں۔ اُس کو ہم خوب جانتے ہیں، وقت پر کافی سزا دی جائے گی۔ آپ کے اغماض اور نرم برتاؤ کا اثر یہ ہوگا کہ بہت سے لوگ گرویدہ ہو کر آپ کی طرف جھکیں گے اور دعوت و اصلاح کا مقصود حاصل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾

اور کہہ اے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی چھیڑ سے

شیاطین سے بچنے کا طریقہ:

پہلے شیاطین الانس کے ساتھ برتاؤ کرنے کا طریقہ بتلایا تھا۔ لیکن شیاطین جن کسی طریقہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ کوئی تدبیر بجز اس کی ان پر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اُس کا علاج صرف استعاذہ ہے یعنی اللہ کی پناہ میں آ جانا، تا وہ قادر مطلق ان کی چھیڑ خانی اور شر سے محفوظ رکھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیطان کی چھیڑ یہ ہے کہ دین کے سوال و جواب میں بے موقع غصہ چڑھے اور لڑائی ہو پڑے۔ اسی پر فرمایا کہ بُرے کا جواب دے اُس سے بہتر۔ (تفسیر عثمانی)

هَمَزٰت زور سے دھکا دینا یعنی وسوسے ڈال کر گناہوں کی طرف لے جانا۔

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ کہ میرے پاس آئیں۔ یعنی میری نماز میں عبادت میں اور دوسرے امور میں میرے پاس بھی آئیں کیونکہ شیطان جب پاس آئے گا تو ضرور وسوسے بھی پیدا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

شیاطین سے حفاظت کی دُعاء:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ پڑھا کرتے تھے، اور میں پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان میرے کسی کام میں حائل ہو اور وہ میرے پاس پہنچ جائے۔ پس ہر ایک کام کے شروع میں خدا کا ذکر شیطان کی شمولیت کو روک دیتا ہے۔ کھانا پینا، جماع ذبح وغیرہ کل کاموں کے شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا ذکر چاہئے۔ ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ بھی تھی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَرَمِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَدْمِ وَ مِنَ الْغَرَقِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ يَّتَخَبَّطَنِيَ الشَّيْطٰنُ عِنْدَ الْمَوْتِ. اے اللہ! میں تجھ سے بُرے بڑھاپے سے اور دب کر مر جانے سے اور ڈوب کر مر جانے سے پناہ مانگتا ہوں اور اس سے بھی کہ موت کے وقت شیطان مجھ کو بہکا دے۔

نیند آنے کیلئے دُعاء:

مسند احمد میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا سکھاتے تھے کہ نیند اچاٹ ہو جانے کی مرض کو دور کرنے کے لئے ہم سوتے وقت پڑھا کریں بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَ عِقَابِهٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ حضرت ابن عمر کا دستور تھا کہ اپنی اولاد میں سے جو ہوشیار ہوتے انہیں تو یہ دعا سکھا دیا کرتے اور جو چھوٹے ناسمجھ ہوتے یاد نہ کر سکتے ان کے گلے میں اس دعا کو لکھ کر لٹکا دیتے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی میں بھی یہ حدیث ہے امام ترمذی اسے حسن غریب بتلاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

شیاطین اور جنات کے دوسرے آثار اور حملوں سے بچنے کے لئے بھی یہ دعا مجرب ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو شب میں نیند نہ آتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ کلمات دعا تلقین فرمائے کہ یہ پڑھ کر لیٹا کریں، انہوں نے پڑھا تو یہ شکایت جاتی رہی وہ دعا یہ ہے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَ عِقَابِهٖ وَ مِنْ شَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ (معارف مفتی اعظم)

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں

یعنی کسی حال میں بھی شیطان میرے پاس نہ آنے پائے کہ کچھ برا اثر ڈال سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ يَّحْضُرُوْنِ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تمہارے ہر کام میں ہر حال میں تمہارے پاس آتا ہے اور ہر کام میں گناہوں اور غلط کاموں کا وسوسہ دل میں ڈالتا رہتا ہے (قرطبی) اسی سے پناہ مانگنے کے لئے یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ

یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں کسی کو موت کہے گا اے رب

ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ

مجھ کو پھر بھیج دو شاید کچھ میں بھلا کام کر لوں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا

موت آئے گی تو پچھتائیں گے:

یعنی آپ ان کفار کی برائیوں کو بھلے طریقہ سے دفع کرتے رہئے۔ اور جو باتیں یہ بناتے ہیں ان کو ہمارے حوالہ کیجئے یہاں تک کہ ان میں سے بعض کی موت کا وقت آ پہنچے اور نزع کی حالت میں مبادی عذاب کا معائنہ کر کے پچھتاوا شروع ہو۔ اُس وقت تمنا کریں گے کہ اے پروردگار! قبر کی طرف لے جانے کے بجائے ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس کر دو۔ تا گذشتہ زندگی میں جو تقصیرات ہم نے کی ہیں اب نیک عمل سے اُن کی تلافی کر سکیں۔ آئندہ ہم ایسی خطا میں ہرگز نہیں کریں گے۔ کما قال تعالیٰ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ (منافقون۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

موت کے فرشتوں سے مؤمن کی گفتگو:

ابن جریج کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو (موت کے) فرشتے نظر آتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹا دیں۔ مومن کہتا ہے کیا افکار و آلام کے گھر کی طرف (تم مجھے لوٹانا چاہتے ہو میں ایسا نہیں چاہتا) بلکہ میں تو اللہ کے پاس جانا چاہتا ہوں اور کافر (کے سامنے جب ملائکہ آتے ہیں تو وہ) کہتا ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔

جو اللہ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے:

صحیحین میں حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو اللہ سے ملنا بُرا سمجھتا ہے اللہ بھی اس سے ملنے سے نفرت کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے یا کسی اور بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں (کون مرنا چاہتا ہے) فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ بات یوں ہے کہ مؤمن کے سامنے جب موت آتی ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور عزت بخشی کی بشارت دی جاتی ہے اس وقت (پیچھے رہنے والی) کوئی چیز بھی آگے آنے والی چیز سے زیادہ محبوب نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو پسند کرتا ہے اور اللہ اس سے ملنا پسند کرتا ہے۔ لیکن جب کافر کے مرنے کا وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے اس وقت پیش آنے والی چیز سے زیادہ بُری کوئی چیز اس کی نظر میں نہیں ہوتی اس لئے وہ اللہ سے ملنے کو ناگوار سمجھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

عمل صالح کرنے کا نسخہ:

حضرت علاء بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کیا ہی عمدہ بات فرماتے ہیں آپ فرماتے ہیں تم یوں سمجھ لو کہ میری موت آ چکی تھی لیکن میں نے اللہ سے دعا کی کہ مجھے چند روز کی مہلت دیدی جائے تاکہ میں نیکیاں کر لوں اللہ تعالیٰ نے مجھے مہلت دیدی ہے تو اب مجھے چاہئے کہ دل کھول کر نیکیاں کر لوں۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کافر کی اس امید کو یاد رکھو اور خود زندگی کی گھڑیاں اطاعتِ خدا میں بسر کرو۔

کافر کی درخواست رَدّ ہو جاتی ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں جب کافر اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اپنا جہنم کا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے تو کہتا ہے میرے رب! مجھے لوٹا دے میں توبہ کروں گا اور نیک اعمال کرتا رہوں گا۔ جواب ملتا ہے کہ جتنی عمر تجھے دی گئی تھی تو ختم کر چکا۔ پھر اس کی قبر اس پر سمٹ جاتی ہے اور تنگ ہو جاتی ہے اور سانپ بچھو چمٹ جاتے ہیں۔

گنہگاروں کی قبریں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں گنہگاروں پر ان کی قبریں بڑی مصیبت کی جگہ ہوتی ہیں۔ ان کی قبروں میں نہیں کالے ناگ ڈستے رہتے ہیں جن میں سے ایک بہت بڑا اس کے سرہانے ہوتا ہے اور ایک اتنا ہی بڑا پائنتی ہوتا ہے وہ سر کی طرف سے ڈستا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہ پیروں کی طرف سے کاٹتا اور اوپر چڑھنا شروع کرتا ہے یہاں تک کہ بیچ کی جگہ آ کر دونوں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ پس یہ ہے وہ برزخ جہاں یہ قیامت تک رہیں گے۔

عَالَمِ برزخ کے عذاب پر تنبیہ:

مِنْ وَّرَآئِهِمْ کے معنی کئے گئے ہیں کہ ان کے آگے برزخ ایک حجاب اور آڑ ہے دنیا اور آخرت کے درمیان۔ وہ نہ تو صحیح طور پر دنیا میں ہیں کہ کھائیں پئیں نہ آخرت میں ہیں کہ اعمال کے پورے بدلے میں آ جائیں بلکہ بیچ ہی بیچ میں ہیں۔ پس اس آیت میں ظالموں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ انہیں عالمِ برزخ میں بھی بڑے بھاری عذاب ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ناکام تمنا:

رَبِّ ارْجِعُوْنِ یعنی موت کے وقت کافر پر جب آخرت کا عذاب سامنے آنے لگتا ہے تو وہ تمنا کرتا ہے کہ کاش میں پھر دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل کر کے اس عذاب سے نجات حاصل کروں۔ (معارف مفتی اعظم)

كَلَّا ۚ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۚ	
ہرگز نہیں یہ ایک بات ہے	کہ وہی کہتا ہے

کافر واپس آ کر بھی نیکی نہ کریں گے:

یعنی اجل آ جانے کے بعد اس کام کیلئے ہرگز واپس نہیں جا سکتا اور بالفرض واپس کر دیا جائے تو ہرگز نیک کام نہ کرے گا۔ وہی شرارتیں پھر سوجھیں گی وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ (انعام۔ رکوع ۳) یہ محض اس کی بات ہے جو زبان سے بنا رہا ہے اور غلبہ حسرت وندامت کی وجہ سے خاموش نہیں رہ سکتا وہی اپنی طرف سے یہ بات کہتا رہے، ہمارے یہاں شنوائی نہیں ہوگی۔

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ	
اور ان کے پیچھے	پردہ ہے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں

عالم برزخ:

یعنی ابھی کیا دیکھا ہے۔ موت ہی سے اس قدر گھبرا گئے۔ آگے اس کے بعد ایک اور عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ

سامنے آتا ہے جس کا مزہ قیامت تک چکھتا رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

موت کے بعد قیامت و حشر تک کے زمانے کو برزخ کہا جاتا ہے کہ یہ دنیوی حیات اور آخرت کے درمیان حد فاصل ہے اور معنے آیت کے یہ ہیں کہ جب مرنے والا کافر فرشتوں سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کو کہتا ہے تو یہ کلمہ تو اس کو کہنا ہی تھا کیونکہ اب عذاب سامنے آچکا ہے مگر اس کلمہ کا اب کوئی فائدہ ملنے والا نہیں کیونکہ وہ اب برزخ میں پہنچ چکا ہے جس کا قانون یہ ہے کہ برزخ سے واپس کوئی دنیا میں نہیں آتا اور قیامت اور بعث و حشر سے پہلے دوسری زندگی نہیں ملتی۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ

پھر جب پھونک ماریں صور میں تو نہ قرابتیں ہیں ان میں

يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ

اس دن اور نہ ایک دوسرے کو پوچھے

کوئی کسی کو نہ پوچھے گا:

یعنی عالم برزخ کے بعد قیامت قائم ہوگی ہے۔ دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے بعد تمام خلائق ایک میدان میں اکٹھا کریں گے۔ اس وقت ہر ایک شخص اپنی فکر میں مشغول ہوگا۔ اولاد ماں باپ سے، بھائی بھائی سے اور میاں بیوی ایک دوسرے سے بیزار ہوں گے۔ کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا جیسا کہ فرمایا یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه وصاحبته وبنیه لکل امرئ منهم یومئذ شان یغنیه (عبس رکوع ۱) ہاں بعد دوسرے وقت ممکن ہے بعض باتوں سے پوچھ گچھ ہو جیسے فرمایا وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ [illegible] (... رکوع ۱)

(تنبیہ) بعض احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سارے نسب اور دامادی کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے (یعنی کام نہ دیں گے) "الا نسبی و صہری" (بجز میرے نسب اور صہر کے) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات عموم سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی حدیث کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے نکاح کیا، اور چالیس ہزار درہم مہر باندھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "وہاں باپ بیٹا ایک دوسرے کے شامل نہیں، ہر ایک سے اُس کے عمل کا حساب ہے۔" (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ برقرار رہے گا:

مسند احمد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو چیز اسے ناخوش کرے وہ مجھے بھی ناخوش کرتی ہے اور جو چیز اسے خوش کرے وہ مجھے بھی خوش کرتی ہے۔ قیامت کے روز سب رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے لیکن میرا نسب میرا سبب میری رشتہ داری نہ ٹوٹے گی۔

بدعتیں ایجاد کرنے والے۔

اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے اسے ناراض کرنے والی اور اسے ستانے والی چیزیں مجھے ناراض کرنے والی اور مجھے تکلیف پہنچانے والی ہیں۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر فرمایا لوگوں کا یہ حال ہے کہ کہتے ہیں رسول اللہ کا رشتہ بھی آپ کی قوم کو کوئی فائدہ نہ دیگا۔ بخدا میرا رشتہ دنیا میں اور آخرت میں ملا ہوا ہے۔ اے لوگو! میں تمہارا میر سامان ہوں جب تم آؤ گے ایک شخص کہے گا یا رسول اللہ میں فلاں ابن فلاں ہوں۔ میں جواب دوں گا کہ ہاں نسب تو میں نے پہچان لیا لیکن تم لوگوں نے میرے بعد بدعتیں ایجاد کی تھیں اور ایڑیوں کے بل مرتد ہو گئے تھے۔

حضرت عمرؓ کا حضرت ام کلثوم سے نکاح

مسند امیر المومنین حضرت عمر بن خطابؓ میں ہم نے کئی سندوں سے یہ روایت وارد کی ہے کہ جب آپ نے ام کلثوم بنت علی بن ابی طالبؓ سے نکاح کیا تو فرمایا کرتے تھے واللہ مجھے اس نکاح سے صرف یہ غرض تھی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر سبب و نسب قیامت کے دن کٹ جائے گا مگر میرا نسب اور سبب۔ (تفسیر ابن کثیر)

پہلا نفخہ اور دوسرا نفخہ:

سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ صور پھونکے جانے سے مراد اس جگہ پہلا نفخہ صور ہے۔ یعنی نفخہ بیہوشی جس کے متعلق فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ ... فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ جب صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو جائیں گے اور ان لوگوں کے درمیان (دنیاوی) رشتہ داریاں نہیں رہیں گی اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ پھر دوبارہ صور پھونکا جائیگا تو یکدم سب (اٹھ کر) کھڑے ہو جائیں گے اور (حیرت سے) دیکھتے ہوں گے وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ اور ایک دوسرے کی جانب رخ کر کے باہم پوچھیں گے الخ۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں نفخہ سے مراد نفخہ بعث (جس کے بعد سب لوگ زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے) مراد ہے۔

قیامت میں حقوق کا اعتبار ہوگا نسب کا نہیں.

حضرت ابن مسعود نے فرمایا قیامت کے دن بندے یا بندی کا ہاتھ پکڑ

کر سب اگلوں اور پچھلوں کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور ایک منادی ندا دے گا یہ فلاں بن فلاں ہے اس کی طرف کسی کا حق ہو تو وہ اپنا حق لینے آ جائے اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بی بی یا بھائی پر کوئی حق ہوگا وہ خوش ہوگا اور اپنا حق وصول کرے گا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے آیت فَلَآ اَنۡسَابَ الخ پڑھی۔ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا قول بھی آیا ہے کہ اس جگہ نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔

نسب پر فخر بے کار ہے:

فَلَآ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ یعنی دنیا میں تو شرافت نسب پر فخر کرتے تھے، قیامت کے دن کوئی کسی پر نسبی (اور سسرالی) فخر نہ کر سکے گا۔ یہ یہ مطلب ہے کہ رشتے اس روز فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ کیونکہ سب اتنے دہشت زدہ اور حیران ہوں گے کہ کوئی کسی سے محبت نہیں کرے گا اور آپس میں محبت کا جذبہ معدوم ہو جائے گا اور یہ حالت ہو جائے گی کہ آدمی اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی بھاگے گا۔

معصوم بچے والدین کو شراب پلائیں گے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، قیامت کا دن ہوگا تو اس روز مسلمانوں کے لڑکے نکلیں گے (یعنی کوثر و تسنیم کے پاس سے ایسی حالت میں برآمد ہوں گے) کہ ان کے ہاتھوں میں شربت (شراب طہور) ہوگا۔ لوگ ان سے کہیں گے ہم کو پلا دو، وہ جواب دیں گے (نہیں) ہم اپنے ماں باپ کو پلائیں گے۔ اپنے ماں باپ کو پلائیں گے، یہاں تک کہ ساقط شدہ بچہ بھی جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا ہے گا جب تک میرے ماں باپ اندر نہ جائیں گے، میں اندر داخل نہ ہوں گا۔ رواہ ابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن عمر اللیثی۔ ابوذر اروی کی حدیث بھی اسی کے ہم معنی آئی ہے۔

ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میرے نسبی اور سسرالی ناتے کے علاوہ نسبی اور سسرالی رشتہ ٹوٹ جائے گا۔

مؤمنوں کے رشتے منقطع نہ ہوں گے:

مؤمنوں کی نسبی رشتہ داریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں داخل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے باپ تھے، اور آپ کی بی بیاں مسلمانوں کی مائیں تھیں۔ (پس آپ کا رشتہ منقطع نہ ہوگا یعنی مومنوں کے رشتے بھی منقطع نہ ہوں گے۔)

بغوی نے کہا، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کوئی ذریعہ اور نسب سودمند نہ ہوگا سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اور نسبت کے یعنی سوائے قرآن اور سنت کے۔ (مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء:

حدیث میں ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ جس کا میرا نکاح ہوا ہے اور جس کا نکاح میرے ساتھ ہوا ہے وہ سب جنت میں بھی میرے ساتھ رہیں تو خدا تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ
سو جس کی بھاری ہوئی تول تو وہی لوگ کام لے نکلے
وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓٮِٕكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ
اور جس کی ہلکی نکلی تول سو وہی لوگ ہیں جو ہار بیٹھے اپنی جان
فِىۡ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ۚ تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ وَهُمۡ
دوزخ ہی میں رہا کریں گے جھلس دے گی ان کے منہ کو آگ اور وہ
فِيۡهَا كٰلِحُوۡنَ
اس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے

ہونٹ سوج جائیں گے اور زبان کو پاؤں روندیں گے:

جلتے جلتے بدن سوج جائیگا، نیچے کا ہونٹ لٹک کر ناف تک اور اوپر کا پھول کر کھوپڑی تک پہنچ جائیگا، اور زبان باہر نکل کر زمین میں گھسٹتی ہوگی جسے دوزخی پاؤں سے روندیں گے۔ (اللهم احفظنا منه ومن سائر انواع العذاب ۔ انیس المؤمنین)

میدان حشر کے مختلف احوال:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ محشر میں مختلف موقف ہوں گے ہر موقف کا حال مختلف ہوگا۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ کوئی کسی کو نہ پوچھے گا پھر کسی موقف میں جب وہ ہیبت اور ہول کا عالم ہو جائے گا تو باہم ایک دوسرے کا حال بھی دریافت کریں گے۔ (مظہری)

مؤمنین کاملین اور کفار:

فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓٮِٕكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فِىۡ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ یعنی میزان عمل میں جس شخص کا نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہی فلاح پانے والے ہیں اور جس کا پلہ نیکیوں کا ہلکا رہے گا تو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں خود اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا اور اب وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنے والے ہیں۔ اس آیت میں مقابلہ صرف مومنین

کا مومنین اور کفار کا ہے اور انہیں کے وزن اعمال کا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا ذکر کیا گیا کہ مؤمنین کاملین کا پلہ بھاری ہوگا انکو فلاح حاصل ہوگی، کفار کا پلہ ہلکا رہے گا اُن کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہنا پڑے گا۔

ہر انسان کے اعمال کا وزن ہوگا:

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے اعمال جو دنیا میں بے وزن بے جسم اعراض ہوتے ہیں محشر میں ان کو مجسم کر کے میزان عمل میں رکھا جائے گا وہ تولے جائیں گے۔ طبرانی وغیرہ نے یہ بروایت ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے۔ ان سب روایات حدیث کے الفاظ اور متن تفسیر مظہری میں مکمل موجود ہیں وہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

نکتہ: موازین میزان کی جمع ہے (اور میزان کا معنی ہے ترازو) یعنی جس کی ترازو میں نیکیوں کا پلڑا نیچے کا جھکا ہوگا۔ موازین کو بصیغہ جمع اس لئے ذکر کیا کہ ہر شخص کی (وزن کشی کی) ترازو الگ ہوگی۔ یا تعدد میزان سے مراد وزن کا تعدد ہے۔

علمائے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ میزان کا قائم ہونا اور اعمال کا اس میں تولا جانا حق ہے۔ خوارج معتزلہ اور شیعہ اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر اہل بدعت (جو سلف صالحین کے خلاف عقائد رکھتے ہیں) اس کے منکر ہیں۔

(۱) میزان اور ترازو پر ایمان لانا ضروری ہے

(۲) میزان کے متعلق احادیث متواتر المعنی ہیں

(۱) بیہقی نے البعث میں حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے حدیث جبرئیل نقل کی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ایمان کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کو ماننا، اللہ کے فرشتوں اور رسولوں کو ماننا، اور جنت، دوزخ، میزان اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے جانے کا یقین کرنا۔ اور اس بات کو ماننا کہ اچھی بری تقدیر اللہ کی طرف سے (مقرر) ہے (یعنی دنیا میں جو اچھائی برائی ہوتی ہے اللہ نے اسکا علمی اندازہ پہلے سے کرایا تھا) جبرئیلؑ نے کہا اگر میں ایسا کرلوں تو کیا میں مؤمن ہو جاؤں گا، فرمایا، ہاں، جبرئیل نے کہا آپ نے سچ کہا۔

(۲) حاکم نے مستدرک میں برشرط مسلم حضرت سلمان کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میزان قائم کی جائے گی (اتنی بڑی ہوگی کہ) اگر آسمان و زمین اس میں رکھ دیئے جائیں تو اس میں سما جائیں۔ ابن مبارک نے الزہد میں اور اجری نے الشریعت میں حضرت سلمانؓ کا قول موقوفاً نقل کیا ہے اور ابو الشیخ ابن حبان نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا قول بھی یہی بیان کیا ہے کہ میزان کی ایک زبان اور دو پلڑے ہوں گے۔

ابن ابی الدنیا نے اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت حذیفہ کا قول بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن میزان والے حضرت جبرئیلؑ ہوں گے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن بعض لوگ آئیں گے جو عظیم الجثہ اور موٹے ہوں گے اور خدا کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ۔

(۴) ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن میری امت کے ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے طومار کھولے جائیں گے۔ ہر طومار کا طول بقدر رسائی نظر ہوگا پھر (اللہ اس سے) فرمائے گا کیا اس میں سے کسی بات کا تجھے انکار ہے کیا میری طرف سے اعمال نویسوں نے تیرے اوپر کوئی ظلم کیا ہے۔ وہ شخص عرض کرے گا نہیں، اے میرے رب۔ (اعمال نویسوں نے میری کوئی حق تلفی نہیں کی) اللہ فرمائے گا، کیوں نہیں، میرے پاس تیری ایک نیکی ہے تجھ پر آج ظلم مطلقاً نہ ہوگا (اس نیکی کا بدلہ ملے گا) چنانچہ اس شخص کا ایک کارڈ نکالا جائے گا جس میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لکھا ہوگا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب ان طوماروں کی موجودگی میں اس کارڈ کی کیا حقیقت ہے اللہ فرمائے گا تیری حق تلفی نہیں کی جائے گی، چنانچہ تمام طومار ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور وہ کارڈ دوسرے پلڑے میں طوماروں والا پلڑا اوپر کو اٹھ جائے گا (یعنی اٹھ جائیگا) اور کارڈ بھاری نکلے گا۔ اللہ کے نام سے کوئی چیز بھاری نہیں ہوتی۔ امام احمد نے حسن، صحیح سند سے حضرت ابن عمر کی روایت سے اسی طرح حدیث نقل کی ہے۔

(۵) بعض نے کہا اعمال کو مجسم بنا کر تولا جائے گا۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر آسمانوں کو اور زمین اور ان کے اندر کی اور ان دونوں کے درمیان کی اور ان کے نیچے کی ساری کائنات کو لا کر میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ کی گواہی کو رکھا جائے تو لا الہ الا اللہ کی شہادت والا پلڑا جھک جائے گا (وزنی نکلے گا) رواہ الطبرانی۔

ابن عبدالرزاق نے علم کی فضیلت کے باب میں اپنی سند سے ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن آدمی کے عمل لا کر اس کی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیئے جائیں گے تو وہ پلڑا ہلکا رہے گا پھر بادلوں کی طرح ایک

چیز ڈ کر ترازو کے دوسرے پلڑے میں رکھدی جائے گی وہ وزنی نکلے گی، پھر اس شخص سے کہا جائے گا تو جانتا ہے یہ کیا ہے وہ شخص جواب دے گا نہیں (میں واقف نہیں) کہا جائے گا یہ علم کی فضیلت ہے جو تو لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔

(۲) ذہبی نے علم کی فضیلت کے بیان میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن علماء کی روشنائی اور شہیدوں کے خون کا موازنہ کیا جائے گا تو علماء کی روشنائی شہیدوں کے خون سے بھاری نکلے گی۔

مؤمن بندہ اور اسکے اعمال کا کافر و کافر کے اعمال سے موازنہ

میں کہتا ہوں کہ مؤمن بندہ کو مع اس کے نیک اعمالناموں یا مع مجسم اعمال کے (دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے) ایک پلڑے میں رکھا جائے گا اور دوسرے کافر بندہ کو مع اس کے بُرے اعمالناموں کے یا مع اس کے مجسم بُرے اعمال کے دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو کافر کا وزن مچھر کے پر کے برابر نہ نکلے گا۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ یعنی اس کی میزان میں (اس کا) کوئی وزن ہی نہ ہوگا مؤمن کی ترازو میں ضرور (کچھ نہ کچھ) وزن ہوگا خواہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت کے سبب ہی ہو اسی کے متعلق اللہ نے بطور کنایہ فرمایا فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ

اعمال کے درجات:

مگر مؤمن کے ثقل کے درجات ہوں گے جو کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے ہوں گے اور اللہ نے ان کے گناہ ساقط کر دیئے ہوں گے تو ان کی میزانوں میں وزن سب سے زیادہ ہوگا بدیوں کا پلڑہ اڑ جائے گا۔ بالکل خالی رہے گا (اس میں کوئی وزن ہی نہ ہوگا) اور جن لوگوں کے عمل مخلوط ہوں گے، اچھے عمل بھی ہوں اور بُرے عمل بھی ان میں جنت کے اندر داخل ہونے کی صلاحیت ہوگی انہیں کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قیامت کے دن لوگوں کی حساب فہمی ہوگی گناہوں کی بہ نسبت ایک نیکی بھی اگر کسی کی زائد ہوگی تو وہ جنت میں چلا جائے گا اور جس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں گے وہ دوزخ میں چلا جائے گا، یعنی گناہوں کی کثافت سے پاک صاف بنانے کے لئے اس کو آگ میں داخل کیا جائے گا جیسے لوہا آگ میں پڑ کر میل کچیل سے پاک صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک دانگ کے وزن سے بھی میزان کا وزن ہلکا بھاری ہوگا۔

جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں:

اور جن اشخاص کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی وہ اصحاب اعراف ہوں گے اس وقت تک اعراف میں رہیں گے جب تک اللہ ان کے جنت میں داخلے کا حکم دیدے اس کے بعد جنت میں چلے جائیں گے۔

قرآن میں یا مؤمن صالح کا تذکرہ ہے یا کافر کا:

قرآن میں صرف مؤمنین صالحین کا ذکر ہے یا کافروں کا۔ گنہگار مؤمنوں کا کوئی تذکرہ نہیں اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ نزول قرآن کے زمانہ میں سارے مؤمن صالح ہی تھے۔ سب صحابہ تھے، کبائر سے پرہیز رکھنے والے تھے۔ یا گناہوں سے توبہ کرنے والے تھے اور گناہوں سے توبہ کرتے والے بے گناہ کی طرح ہو جاتے ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ اور جن لوگوں کی میزانیں ہلکی ہوں گی تو وہ ایسے ہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا، جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی جن کے اچھے اعمال ہلکے ہوں گے یا اچھے اعمال کا پلڑہ ہلکا ہوگا ایسا کہ ان کی نیکیوں کا کوئی وزن ہی نہ ہوگا ایسے لوگ لامحالہ کافر ہی ہوں گے۔

ہمیشہ کی خوش نصیبی و بد نصیبی:

بزار اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن آدم کے بیٹے کو لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتے کو میزان پر مقرر کیا جائے گا اب اگر اس کی میزانیں بھاری نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا، فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا اور اگر اس کی میزانیں ہلکی نکلیں تو وہ فرشتہ ایسی آواز سے جس کو ساری مخلوق سنے گی کہے گا فلاں شخص بدنصیب ہو گیا آئندہ اس کے بعد کبھی خوش نصیب نہ ہوگا۔ اس حدیث میں خفت سے مراد ہے بالکل وزن نہ ہونا۔

گنہگار مؤمنوں کے اعمال دوبار تلیں گے:

میں کہتا ہوں شاید گنہگار مومنوں کے اعمال دوبار تولے جائیں گے اگر اس کی نیکیوں میں کسی قدر ہلکا پن ہوگا تو اس کو اس وقت تک کے لئے دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا کہ وہ پاک صاف ہو جائے پھر پاک صاف ہونے کے بعد اس کے اعمال کی پھر تول کی جائے گی اس وقت اس کی میزانیں بھاری نکلیں گی تو فرشتہ ندا دے گا فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا۔ ہم نے سورت القارعہ میں اس مبحث کی کسی قدر تحقیق کر دی ہے۔

آیت مندرجہ بالا میں صرف کفار مراد ہیں اس کی دلیل اس سے آگے آنے والی آیت ہے فرمایا ہے فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ الخ وہ یہی لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا اور نفس کو کامل کرنے کا جو وقت تھا وہ کھو دیا۔ (مظہری)

امت محمدیہ کے چہرے کو آگ نہیں جلائے گی:

تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ جلس دے گی ان کے چہروں کو آگ۔ یعنی

کے چہروں کو آگ جلا ڈالے گی۔ (کذا فی القاموس) اور مؤمن کے چہرے کو آگ نہیں جلائے گی۔ مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور آگ ان کو جلائے گی لیکن ان کے چہروں کے گھیرے کو نہیں جلائے گی پھر کچھ مدت کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

پورے جسم کا گوشت اتر جائے گا:

ابن مردویہ در ضیاء نے حضرت ابو درداء کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا آگ کی ان کو ایک لپٹ لگے گی کہ ان کے گوشت بہہ کر ایڑیوں پر جا پڑیں گے۔ طبرانی نے الاوسط میں اور ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کی طرف جب دوزخیوں کو نکالا جائے گا تو آگ کی ایک لپٹ ان کو ایسی لگے گی کہ گوشت کو ہڈی پر کانہ چھوڑے گی سارا گوشت ایڑیوں پر (بہا کر) ڈال دے گی۔

شکلیں بگڑ جائیں گی:

وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ اور آگ کے اندر ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ کلوح کا معنی ہے دونوں ہونٹوں کا دانتوں کے اوپر سے سکڑ جانا (یعنی نیچے کا ہونٹ نیچے کی طرف آجانا اور اوپر کا ہونٹ اوپر کو اٹھ جانا) ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ کی تشریح میں فرمایا آگ اس کو بھون دے گی اوپر کا ہونٹ اوپر کی جانب کو اتنا اٹھ جائے گا کہ سر کے وسط تک پہنچ جائے گا اور نیچے کا ہونٹ اتنا لٹک جائے گا کہ ناف سے جا لگے گا۔

ہناد نے بیان کیا کہ حضرت ابو مسعودؓ نے آیت وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ کے متعلق فرمایا جیسے پکی ہوئی سری جس کے دانت باہر نکل آئے ہوں اور ہونٹ سکڑ گئے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝

کیا تم کو سنائی نہ جاتی تھیں ہماری آیتیں پھر تم ان کو جھٹلاتے تھے

منکروں کو جتلایا جائے گا:

یعنی اس وقت ان سے یوں کہیں گے کہ دیکھو جن باتوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے، اب آنکھوں سے دیکھ لو کچی تھیں یا جھوٹی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ

بولے اے رب ہمارے زور کیا ہم پر ہماری کم بختی نے اور رہے ہم لوگ بہکے ہوئے

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝

اے ہمارے رب نکال دے ہم کو اس میں سے اگر ہم پھر کریں تو ہم گنہگار

منکروں کا اعتراف: یعنی اعتراف کریں گے کہ بیشک ہماری بدبختی نے دھکا دیا جو سیدھے راستے سے بہک کر اس ابدی ہلاکت کے گڑھے میں پڑے۔ اب ہم نے سب کچھ دیکھ لیا۔ ذرا اپنی رحمت سے ایک دفعہ ہم کو یہاں سے نکال دیجئے پھر بھی ایسا کریں تو گنہگار، جو سزا چاہے دیجئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ

فرمایا پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ سے نہ بولو ایک فرقہ تھا

مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا

میرے بندوں میں جو کہتے تھے اے رب ہمارے ہم یقین لائے سو معاف کر

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝

کر ہم کو اور رحم کر ہم پر اور تو سب رحم والوں سے بہتر ہے

وہاں فریاد نہیں سنی جائے گی:

یعنی بک بک مت کرو، جو کیا تھا اب اس کی سزا جھگتو۔ آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب کے بعد پھر فریاد منقطع ہو جائے گی۔ بجز زفیر و شہیق کے کچھ کلام نہ کر سکیں گے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

حسن نے کہا دوزخیوں سے یہ آخری کلام ہوگا اس کے بعد وہ کلام نہ کر سکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کر سکیں گے۔ کتوں کی طرح بھونکیں گے نہ خود بات سمجھیں گے نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے۔ قرطبی نے کہا، جب اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ان سے کہہ دیا جائے گا تو ان کی ساری امیدیں کٹ جائیں گی، بالکل نراس ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے بھونکیں گے اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ

پھر تم نے ان کو ٹھٹھوں میں پکڑا یہاں تک کہ بھول گئے ان کے پیچھے میری یاد

وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ

اور تم ان سے ہنستے رہے

دنیا میں مؤمنوں پر ہنستے تھے:

یعنی دنیا میں مسلمان جب اپنے رب سے دعا و استغفار کرتے تو تم ہنسی

سوجھتی تھی۔ اس قدر ٹھٹھا کرتے اور ان کے نیک خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے۔ انکے پیچھے پڑ کر تم نے مجھے بھی یاد نہ رکھا، گویا تمہارے سر پر کوئی حاکم ہی نہ تھا جو کسی وقت ان حرکتوں پر نوٹس لے اور ایسی سخت شرارتوں کی سزا دے سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ
میں نے آج دیا ان کو بدلہ ان کے صبر کرنے کا کہ وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے

مومنین کے صبر کا اجر:

بیچارے مسلمانوں نے تمہاری زبانی اور عملی ایذاؤں پر صبر کیا تھا، آج دیکھتے ہو تمہارے بالمقابل اُن کو کیا پھل ملا۔ ان کو ایسے مقام پر پہنچا دیا جہاں وہ ہر طرح کامیاب اور ہر قسم کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ۝ قَالُوْا
فرمایا تم کتنی دیر رہے زمین میں　برسوں کی گنتی سے　بولے
لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ
ہم رہے ایک دن　یا کچھ دن سے کم تو　پوچھ لے گنتی والوں سے

دنیا کی زندگی بہت کم معلوم ہوگی:

یعنی فرشتوں سے جنہوں نے ہر نیکی بدی گن رکھی ہے یہ بھی گنا ہوگا "زمین میں رہنا" یعنی قبر میں رہنا یا دنیا کی عمر، یہ بھی وہاں تھوڑی نظر آئیگی۔ یہ پوچھنا اس واسطے کہ دنیا میں عذاب کی شتابی کیا کرتے تھے، اب جانا کہ شتاب ہی آیا۔ کذانی موضح القرآن۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی زندگی قلیل کیوں معلوم ہوگی:

(۱) دکھ اور تکالیف کے وقت کو آدمی طویل سمجھتا ہے اور اس سے پہلے گذرے ہوئے زمانے کو چھوٹا جانتا ہے۔ (۲) پچھلی مدت تو گذر چکی تھی، اور جو مدت گذر چکے وہ حقیر ہی معلوم ہوتی ہے۔ (۳) آخرت کی زندگی لامحدود ہے اس کے مقابلے میں یہ دنیوی زندگی اور قبر میں رہنے کی مدت بہت ہی کم ہے۔ (۴) پچھلی زندگی خوشی میں گذری اور خوشی کے ایام چھوٹے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ آخری توجیہ اس صورت میں صحیح ہوگی جب مدت قیام سے صرف دنیا میں زندگی کی مدت مراد ہو۔ قبر کی مدت مراد نہ ہو کیونکہ نصوص قطعیہ اور اجماع سے ثابت ہے کہ (کافروں کے لئے خصوصیت کے ساتھ) عذاب قبر حق ہے۔ (تفسیر مظہری)

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ
فرمایا تم اس میں بہت نہیں تھوڑا ہی رہے ہو　اگر تم جانتے ہوتے

کاش کہ دنیا میں سمجھ جاتے:

یعنی واقعی دنیا کی عمر تھوڑی ہی تھی۔ لیکن اگر اس بات پیغمبروں کے کہنے سے دنیا میں سمجھ لیتے تو کبھی اس متاع فانی پر مغرور ہو کر انجام سے غافل نہ ہوتے اور وہ گستاخیاں اور شرارتیں نہ کرتے جن کا دنیا کے زائل و فانی مزوں میں پڑ کر ارتکاب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

لو انکم تمنائی ہے جس کے اندر توبیخ و ملامت بھی ہے۔ یعنی کاش تم دنیا میں جان لیتے کہ وہاں تمہاری مدت قیام تھوڑی ہے پھر اس زندگی کو کھیل کود، تمہیں خواہشات اور نفس پرستی میں نہ کھو دیتے اور آج کے دن کی پیشی کو نہ بھولتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دنیا میں ایسے رہو جیسے تم مسافر یا رہ گیر ہو۔ رواہ البخاری عن ابن عمر، امام ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت میں حدیث مذکورہ کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو قبروں والوں میں شمار کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، آخرت میں یہ دنیا بس ایسی ہوگی جیسے کوئی شخص اپنی انگلی (ذرا) سمندر میں ڈال (کر نکال) لے پھر دیکھے کہ انگلی (سمندر کے پانی سے) کیا لے کر لوٹی۔ رواہ مسلم و ابن ماجہ و مسلم عن المستورد۔ (تفسیر مظہری)

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ
سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا کھیلنے کو اور تم
اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ
ہمارے　پاس پھر کر نہ آؤ گے

تمہیں یونہی فضول نہیں بنایا:

یعنی دنیا میں تو نیکی بدی کا پورا نتیجہ نہیں ملتا۔ اگر اس زندگی کے بعد دوسری زندگی نہ ہو تو گویا یہ سب کارخانہ محض کھیل تماشہ اور بے نتیجہ تھا۔ سو حق تعالیٰ کی جناب اس سے بہت بلند ہے کہ اس کی نسبت ایسا رکیک خیال کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَاۤ اِلٰهَ
سو بہت اوپر ہے اللہ وہ بادشاہ سچا کوئی حاکم
اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ
نہیں اس کے سوائے مالک اس عزت کے تخت کا

اللہ تعالیٰ وفاداروں کو یونہی نہیں چھوڑے گا:

جب وہ بالا و برتر، شہنشاہ، مالک علی الاطلاق ہے تو ہو نہیں سکتا کہ وفاداروں

اور مجرموں کو یوں کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْمَلِكُ الْحَقُّ حقیقی بادشاہ جس کو حکومت کا حق ہے (اور جس کی حکومت واقعی ہے) دوسری مخلوق بالذات مالک نہیں مملوک ہے، (حاکم نہیں محکوم ہے) اس کی مالکیت (اور شاہیت) بالعرض ہے یعنی جب اللہ ہی بادشاہ حقیقی ہے تو اس کا فعل عبث نہیں ہو سکتا۔

الْعَرْشِ الْكَرِيمِ عرش بزرگ۔ اللہ کی پر عظمت تجلیات خصوصی طور پر عرش پر پڑتی ہیں اسی لئے اس کی صفت کریم قرار دی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ
اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم جس کی سند نہیں
لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ
اس کے پاس، سو اس کا حساب ہے اس کے رب کے نزدیک

یعنی وہاں حساب ہو کر مقدار جرم کے موافق سزا دی جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے:

پکارنے سے مراد ہے عبادت کرنا۔ یہ دوسری صفت ہے اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت باطل ہے اور باطل کی کوئی دلیل نہیں یہ دوسری صفت یا تو محض تاکیدی ہے یا اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ حکم توحید کی بنا اسی پر ہے۔ اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ کوئی ایسا دین اختیار کرنا جس کی کوئی دلیل نہ ہو ممنوع ہے چہ جائیکہ اس (عقیدہ و عمل) کے خلاف دلیل موجود ہو۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا آخری خطبہ:

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ لوگو تم بیکار اور عبث پیدا نہیں کئے گئے اور تم مہمل چھوڑ نہیں دیئے گئے، یاد رکھو وعدے کا ایک دن ہے جس میں خود خدائے تعالیٰ فیصلے کرنے اور حکم فرمانے کے لئے نازل ہوگا۔ وہ نقصان میں پڑا اس نے خسارہ اٹھایا وہ بے نصیب اور بدبخت ہو گیا وہ محروم اور خالی ہاتھ رہا جو خدا کی رحمت سے دور ہو گیا اور جنت سے روک دیا گیا جس کی چوڑائی مثل کل زمینوں اور آسمانوں کے ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل قیامت کے دن وہ عذاب خدا سے بچ جائے گا جس کے دل میں اس دن کا خوف آج ہے اور جو اس فانی دنیا کو اس باقی آخرت پر قربان کر رہا ہے، اس تھوڑے کو اس بہت کے حاصل کرنے کے لئے بے تکان خرچ کر رہا ہے اور اپنے اس خوف کو امن سے بدلنے کے اسباب مہیا کر رہا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ تم سے اگلے ہلاک ہوئے جن کے قائم مقام اب تم ہو اسی طرح تم بھی مٹا دیئے جاؤ گے اور تمہارے بدلے آئندہ آنے والے آئیں گے یہاں تک کہ ایک وقت آئے گا کہ ساری دنیا سمٹ کر اس خیرالوارثین کے دربار میں حاضری دے گی، لوگو خیال تو کرو کہ تم دن رات اپنی موت سے قریب ہو رہے ہو اور اپنے قدموں اپنی گور کی طرف جا رہے ہو تمہارے پھل پک رہے ہیں تمہاری امیدیں ختم ہو رہی ہیں تمہاری عمریں پوری ہو رہی ہیں تمہاری اجل نزدیک آگئی ہے تم زمین کے گڑھوں میں دفن کر دیئے جاؤ گے جہاں نہ کوئی بستر ہوگا نہ تکیہ، دوست احباب چھوٹ جائیں گے حساب کتاب شروع ہو جائے گا۔ اعمال سامنے آ جائیں گے جو چھوڑ آئے ہو وہ دوسروں کا ہو جائے گا جو آگے بھیج چکے اسے سامنے پاؤ گے نیکیوں کے محتاج ہو گے بدیوں کی سزائیں بھگتو گے۔ اے اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو اس کی باتیں سامنے آ جائیں۔ اس سے پہلے موت تم کو اچک لے جائے، اس سے پہلے جوابدہی کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اتنا کہا تھا جو رونے کے غلبے نے آواز بلند کر دی منہ پر چادر کا کونہ ڈال کر رونے لگے اور حاضرین کی بھی آہ و زاری شروع ہو گئی۔

جن کا علاج:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک بیمار شخص جسے کوئی جن ستا رہا تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو آپ نے اسے سورت کے ختم تک کی آیتیں اس کے کان میں تلاوت فرمائیں۔ وہ اچھا ہو گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا عبداللہ تم نے اس کان میں کیا پڑھا تھا؟ آپ نے بتلا دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ آیتیں اس کے کان میں پڑھ کر اسے جلا دیا، واللہ ان آیتوں کو اگر کوئی باایمان بایقین شخص کسی پہاڑ پر پڑھے تو وہ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے۔

غرق ہونے سے تحفظ کی دُعاء:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت کا ڈوبنے سے بچاؤ کشتیوں میں سوار ہونے کے وقت یہ کہنا ہے، بِسْمِ اللّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (ابن کثیر)

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ
بیشک بھلا نہ ہوگا منکروں کا اور تو کہہ اے رب معاف کر
وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝
اور رحم کر اور تو ہے بہتر سب رحم والوں سے

دُعائے مغفرت:

یعنی ہماری تقصیرات سے درگذر فرما اور اپنی رحمت سے دنیا و آخرت میں سرفراز کر۔ تیری رحمت بے نہایت کے سامنے کوئی چیز مشکل نہیں۔

آخری آیات کا وِرد رکھنا چاہیے:

اَفَحَسِبْتُمْ سے ختم سورۃ تک کی یہ آیتیں بہت بڑی فضیلت اور تاثیر رکھتی ہیں، جس کا ثبوت بعض احادیث سے ہوا ہے اور مشائخ نے تجربہ کیا ہے۔ چاہئے کہ ان آیات کا وِرد رکھا جائے، خاتمہ پر وہ دعا تبرکاً و تفاؤلاً نقل کرتا ہوں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو تلقین فرمائی کیونکہ اُس کے الفاظ ان آیات کے مناسب ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

تم سورۃ المؤمنون بفضلہ ومنہ وحسن توفیقہ وزجو منہ اکمال بقیۃ الفوائد۔

(تفسیر عثمانی)

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ اور آپ کہا کریں اے میرے رب (میری خطائیں) معاف کردے اور (میرے حال پر) رحم فرما تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ یعنی اے اللہ تو میری تمام خطاؤں کو معاف فرما دے (خطاؤں کی معافی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر تکلیف وہ ضرر رساں چیز سے حفاظت ہو جائے گی) اور مجھ پر رحم فرما (ہر طرح کے رحم کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ہر فائدہ بخش چیز عنایت فرما دیگا۔ مغفرت کا لازمی نتیجہ دفع مضرت ہے اور رحمت کا لازمی نتیجہ حصول منفعت)۔

اختتام سورۃ و آغاز سورۃ کا ربط: شروع سورت میں اہل ایمان کے لئے فلاح کو ثابت کیا اور اخیر سورت میں کافروں سے فلاح کی نفی کی۔

نبی اور امت کی دُعاء: اے نبی آپ اور آپ کے متبعین ہمیشہ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے پروردگار ہمارا قصور معاف فرما اور ہم پر اپنی خاص رحمت فرما یعنی ہم کو اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما۔ اور ایمان پر قائم رکھ اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ کہ تیری رحمت کے بعد کسی کی رحمت کی حاجت نہیں رہتی۔

مقصود امت کو تعلیم ہے کہ اس طرح دعا مانگا کریں۔ گناہوں سے استغفار بھی فلاح کا ذریعہ ہے اگر اعمال صالحہ میں کوتاہی ہو تو استغفار سے گریز نہ کرے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ

مجاہدین کا ورد: اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر ختم سورت تک یہ آیتیں بڑی فضیلت رکھتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے ایک سریہ (چھوٹا لشکر) روانہ فرمایا اور یہ حکم دیا۔ صبح اور شام یہ آیتیں پڑھا کریں یعنی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ۔۔۔

صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے حسب الارشاد یہ آیتیں پڑھیں تو ہم صحیح سالم مال غنیمت لے کر واپس آئے۔ اخرجہ ابن السنی وابن مندہ و ابو نعیم بسند حسن – روح المعانی ص:۶۵ ج ۱۸

پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک مصیبت زدہ شخص پر گزر ہوا جس کے کان میں تکلیف تھی۔ عبداللہ بن مسعود نے اَفَحَسِبْتُمْ سے لے کر آخر سورت تک آیتیں پڑھ کر اس کے کان میں دم کیں تو وہ اچھا ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو یہ فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر یقین والا مرد اس کو پہاڑ پر پڑھ دے تو وہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔ اخرجہ الحکیم و الترمذی وابن المنذر وابو نعیم فی الحلیۃ و آخرون عن ابن مسعود (روح المعانی ص ۶۵ ج ۱۸، تفسیر قرطبی ص ۱۵۷، ج ۲) (معارف کاندھلوی)

الحمدللہ سورۃ المؤمنون ختم ہوئی

سورة النور

جس نے اس کی خواب میں تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں اور اللہ کیلئے کسی سے محبت کریگا اور اللہ ہی کیلئے بغض رکھے گا دنیا میں اس کو کوئی مرض لاحق ہوگا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ نور مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ
یہ ایک سورت ہے جو ہم نے نازل کی اور ہم نے اس کو فرض کیا اور اتاریں اس میں
اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾
باتیں صاف تاکہ تم یاد رکھو

سورۂ نور کے مضامین:

یہ سورۃ بعض نہایت ضروری احکام وحدود، امثال ومواعظ، حقائق توحید اور بہت ہی اہم تنبیہات واصلاحات پر مشتمل ہے جن کا سب سے زیادہ ممتاز اور سبق آموز حصہ وہ ہے جس کا تعلق قصہ ''افک'' سے ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے جو جھوٹی تہمت لگائی تھی اس میں بعض سادہ دل ومخلص مسلمانوں کے پائے استقامت کو بھی قدرے لغزش ہوگئی تھی جس کا خطرناک اثر نہ صرف عائشہ صدیقہؓ کی پوزیشن پر پڑتا تھا، بلکہ ایک حیثیت سے خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ مجد وشرف تک پہنچتا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کریم پورے اہتمام اور قوت سے اس خوفناک غلط کاری یا غلط فہمی کی اصلاح کرے، اور ہمیشہ کے لئے ایمانداروں کے کان کھول دے کہ آئندہ کبھی دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ایسی ٹھوکر نہ کھائیں پیغمبر علیہ السلام کا مرتبہ رفیع یا امہات المؤمنین کی پاک محترم حیثیت ایسی نہیں جسکے سمجھنے اور یاد رکھنے میں کوئی مسلمان کسی وقت بھی ذرا سا تساہل روا رکھے۔ شاید اسی لئے سورت کا آغاز ان الفاظ سے فرمایا ﴿سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا﴾ تو تا مخاطبین سمجھ لیں کہ اس کے مضامین ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں اور بہت زیادہ محفوظ رکھنے اور لازم پکڑنے کے مستحق ہیں۔ اور جو صاف صاف نصیحتیں اور کھری کھری باتیں اس سورت میں بیان فرمائی گئی ہیں اس لائق ہیں کہ ہر مسلمان ان کو حرز جان بنائے اور یاد رکھے۔ ایک منٹ کے لئے اس سے غفلت نہ کرے ورنہ دین ودنیا کی تباہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ نور میں بیان کئے گئے احکام کی اہمیت:

اس سورت کی پہلی آیت تو بطور تمہید کے ہے جس سے اس کے احکام کا خاص اہتمام بیان کرنا مقصود ہے اور احکام میں سب سے پہلے زنا کی سزا کا ذکر جو مقصود سورت، عفت اور اس کے لئے نگاہوں تک کی حفاظت، بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانے اور نظر کرنے کی ممانعت کے احکام آگے آنیوالے ہیں زنا کا ارتکاب ان تمام احتیاطوں کو توڑ کر عفت کے خلاف انتہائی حد پر پہنچنا اور احکام الٰہیہ کی کھلی بغاوت ہے۔ اسی لئے اسلام میں انسانی جرائم پر جو سزائیں (حدود) قرآن میں متعین کر دی گئی ہیں زنا کی سزا بھی ان تمام جرائم کی سزا سے اشد اور زیادہ ہے زنا خود بھی بہت بڑا جرم ہونے کے علاوہ اپنے ساتھ سینکڑوں جرائم کو لے کر آتا ہے اور اس کے نتائج پوری انسانیت کی تباہی ہے۔ دنیا میں جتنے قتل وغارتگری کے واقعات پیش آتے ہیں تحقیق کی جائے تو ان میں بیشتر کا سبب کوئی عورت اور اس سے حرام تعلق ہوتا ہے اس لئے شروع سورت میں اس انتہائی جرم و بے حیائی کا قلع قمع کرنے کے لئے اس کی حد شرعی بتلائی گئی ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عفت پر ایمان لانا فرض ہے:

جس طرح حضرت مریم صدیقہ کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور اس میں شک کرنا کفر ہے اسی طرح عائشہ صدیقہ بنت صدیق کی عفت وعصمت پر ایمان لانا فرض ہے اور عائشہ صدیقہ کی عصمت اور نزاہت میں شک کرنا کفر اور ارتداد ہے، دونوں کی عفت وعصمت نص قرآنی سے ثابت ہے اور نص قرآنی کا انکار کفر اور ارتداد ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا
بدکاری کرنے والی عورت اور بدکار مرد سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے
مِائَةَ جَلْدَةٍ
سو سو کوڑے

زانی کی سزا: یہ سزا اس زانی اور زانیہ کی ہے جو آزاد، عاقل، بالغ ہو اور نکاح کئے ہوئے نہ ہو یا نکاح کرنے کے بعد ہمبستری نہ کر چکے ہوں اور جو آزاد نہ ہو

اسکے پچاس ذرّے لگتے ہیں، اُس کا حکم پانچویں پارہ کے اول رکوع کے ختم پر مذکور ہے۔ اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں اور جس مسلمان میں تمام صفتیں موجود ہوں (حریت بلوغ، عقل، نکاح اور ہمبستری سے فراغ) ایسے شخص کو "محصن" کہتے ہیں۔ اُس کی سزا "رجم" (سنگسار کرنا) ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ میں "تورات" کے حوالے سے فرمایا وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ الخ اور وہ حکم اللہ رجم تھا جیسا کہ وہاں کے فوائد میں گذر چکا۔

زنا، اور قتل عمد اور مرتد کی سزا میں تورات کا حکم باقی رکھا گیا:

چنانچہ نبی کریم نے اس کے موافق فیصلہ کیا اور فرمایا "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَوَّلُ مَنْ اَحْيَا اَمْرَكَ اِذْ اَمَاتُوْهُ" (خدایا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیرے حکم کو زندہ کیا جبکہ وہ اُسے مٹا چکے تھے) پھر نہ صرف اُن یہود کو بلکہ جس قدر واقعات اس قسم کے پیش آئے اُن سب میں زانی محصن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی رجم کی سزا دی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل برابر اسی قانون رجم پر رہا۔ بلکہ اہل سنت والجماعت میں کسی ایک شخص نے بھی اس سے اختلاف کی جرأت نہ کی۔ گویا سنت متواترہ اور اجماع اہل حق نے بتلا دیا کہ اس مسئلہ میں شریعت محمدیہ نے تورات کے حکم کو باقی رکھا ہے جیسے کہ قتل عمد کی سزا قتل ہونا قرآن کریم نے بحوالہ تورات بیان فرمایا تھا وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ اور مرتدین کے قتل کا بنی اسرائیل کو حکم دینا سورۂ "بقرہ" میں بیان کیا گیا۔ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ پھر ان ہی احکام کو امت محمدیہ کے حق میں بھی قائم رکھا گیا۔

ان احکام کی حفاظت فرض ہے:

شاید رجم محصن اور مسئلہ قصاص کو نقل کرنے کے بعد جو بڑی شدت و تاکید سے ترک حکم بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کی بُرائی بیان فرمائی اور آخر میں ارشاد ہوا وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ الخ اس سے یہ ہی غرض ہو کہ تورات کے یہ احکام اب قرآن کے زیر حفاظت ہیں جن کے قائم رکھنے میں پیغمبر کو کسی کی اہواء و آراء کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پرواہ کی نہ آپ کے خلفاء نے۔ حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب رجم محصن کے متعلق یہ اندیشہ ہوا بلکہ مکشوف ہو گیا کہ آگے چل کر بعض زائغین اس کا انکار کرنے لگیں گے (چنانچہ خوارج نے اور ہمارے زمانہ کے ایک ممسوخ فرقہ نے کیا) تو آپ نے منبر پر چڑھ کر صحابہ وتابعین کے مجمع میں اس حکم خداوندی کا بہت شدومد سے اعلان فرمایا اور اس میں قرآن کی ایک آیت کا حوالہ دیا جس میں رجم محصن کا صریح حکم تھا اور جس کی تلاوت گو بعد میں منسوخ ہو گئی مگر حکم برابر باقی رہا۔

(تنبیہ) کسی آیت کا محض منسوخ التلاوت ہونا اور حکم باقی رہنا یہ ایک مستقل مسئلہ ہے جسکی تحقیق ان مختصر فوائد میں درج نہیں ہو سکتی۔ ان شاء اللہ العزیز اگر مستقل تفسیر قرآن لکھنے کی نوبت آئے تو وہاں لکھا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وہ لوگ جو رحمت سے محروم ہیں

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جو جنت میں نہ جائیں گے اور جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں (۳) اور دیوث، اور تین قسم کے لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا (۱) ماں باپ کا نافرمان (۲) ہمیشہ کا نشے کا عادی (۳) اور راہ خدا میں دے کر احسان جتانے والا۔ مسند میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے ہمیشہ کا شرابی، ماں باپ کا نافرمان اور اپنے گھر والوں میں خباثت کو برقرار رکھنے والا۔ (ابن کثیر)

کوڑے مارنے کا طریقہ فَاجْلِدُوْا جلد سے ہے جس کے معنی کھال کے ہیں۔ اشارہ ہے کہ صرف جلد بدن پر مارا جائے۔ ایسا نہ مارا جائے جو کھال کو ادھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے۔ اسی سے فقہاء نے مسئلہ ذیل کا استنباط کیا ہے۔

مسئلہ: ایسے درمیانی سائز کے کوڑے سے مارا جائے جس کے سرے پر گھنڈی (گانٹھ) نہ ہو اور ضرب بھی درمیانی طور پر ماری جائے۔ ابن ابی شیبہ نے حنظلہ سدوسی کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک فرماتے تھے، حکم دیا جاتا تھا کہ کوڑے کی گھنڈی کاٹ دی جائے۔ پھر اس کے سرے کو دو پتھروں میں رکھ کر خوب کوٹ دیا جائے پھر مارا جائے۔ حنظلہ کا بیان ہے، میں نے دریافت کیا حضرت کس کے زمانہ میں ایسا کیا جاتا تھا فرمایا حضرت عمر بن خطاب کے عہد (خلافت) میں۔

عبدالرزاق نے یحییٰ بن ابی کثیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ایسے جرم کا ارتکاب ہو گیا ہے جو موجب حد ہے اس لئے مجھ پر حد (شرعی) جاری فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کوڑا طلب فرمایا، حکم کی تعمیل کی گئی لیکن جو کوڑا پیش کیا گیا وہ سخت بھی تھا اور اس میں (سرے پر) گھنڈی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سے کم (سخت) لاؤ۔ حسب الحکم ایک اور کوڑا پیش کیا گیا جو شکستہ بھی تھا اور نرم بھی فرمایا اس سے اونچے درجہ کا لاؤ (یعنی اتنا نرم بھی نہ ہو اور پہلے کوڑے کی طرح سخت اور گرہ دار بھی نہ ہو) چنانچہ درمیانی حیثیت کا کوڑا لایا گیا، فرمایا، یہ ٹھیک ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کوڑے سے اس شخص کو پٹوایا۔ ابن ابی شیبہ نے زید بن اسلم کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور امام مالک نے موطا میں بھی اس کو ذکر کیا ہے۔

نکتہ: زنا کی رغبت کا ظہور عموماً عورت کی طرف سے پہلے ہوتا ہے وہ

اکثر مردوں کے سامنے خودنمائی کرتی ہے اس لئے آیت میں زانیہ کا لفظ زانی کے لفظ سے پہلے ذکر کیا اور چوری کا صدور عام طور پر مردوں سے ہی ہوتا ہے اس لئے آیت سرقہ میں السارق کا ذکر السارقۃ سے پہلے کیا۔

مسئلہ: علمائے امت اسلامیہ کا اتفاق ہے کہ اگر زانی اور زانیہ آزاد، عاقل، بالغ اور کنوارے ہوں تو ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں اس آیت میں یہی حکم دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی سزا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہیں دی جا سکتی۔

حضرت زید بن خالد کا بیان ہے میں نے خود سنا ناکتخدا زانی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے، سو کوڑے مارنا اور ایک سال کی جلاوطنی۔ رواہ البخاری۔

صحیحین میں حضرت زید بن خالد اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں نے اپنا مقدمہ پیش کیا، ایک نے کہا کتاب اللہ کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کر دیجئے اور مجھے کچھ بولنے کی اجازت دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیان کرو۔ اس شخص نے کہا میرا بیٹا اس شخص کے پاس مزدور تھا۔ میرے بیٹے نے اس کی بیوی سے زنا کیا، لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تیرے بیٹے کو سنگسار کی سزا دی جائے گی میں نے سزا سے بچنے کے لئے بطور معاوضہ اس شخص کو سو بکریاں اور ایک باندی دیدی، پھر علماء سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور اس عورت کو سنگسار کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان سننے کے بعد فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم دونوں کا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق کروں گا، تیری بکریں اور باندی تو واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کیا جائے گا اور (حضرت انسؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا) انس اٹھ اور میرے پاس اس شخص کی عورت کو لوٹا کر لے آ۔ اگر وہ اقرار کر لے تو اس کو سنگسار کر دے، چنانچہ اس عورت نے اقرار کر لیا اور اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرا دیا۔

امام مالک اور امام شافعیؒ کا مسلک:

امام مالک نے شہر بدر کرنے کا حکم صرف مردوں کے لئے خاص قرار دیا ہے، اور عورتوں کے لئے شہر بدر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اور امام شافعی نے محرم کے ہمراہ ہونے کی شرط لگائی ہے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ جب عورتوں کے لئے تنہا سفر کرنے کی وجہ سے شہر بدر کرنے کا حکم ان کے لئے باقی نہیں رہا تو مردوں کو شہر بدر کرنے کی نفی بھی اس سے نکل آئی۔

جلاوطنی حدِ زناء کا حصہ نہیں ہے:

طحاوی نے لکھا ہے کہ حدِ زنا میں تغریب (جلاوطنی) داخل نہیں اس کا ثبوت حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اگر تم میں سے کسی کی باندی زنا کرے اور فعل زنا ثابت ہو جائے تو اس کو کوڑے لگائے جائیں اور ڈانٹ ڈپٹ یا زجر و توبیخ نہ کرے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں کہ جس سے تغریب واجب کا وجوب اس طرح ثابت ہوتا ہو کہ ہم اس کو بطریق حد (زناء) واجب قرار دے سکیں۔ ہاں اقامتِ حد (یعنی سزائے تازیانہ کے بعد) اگر حاکم وقت کی مصلحت عامہ کا تقاضا ہو اور وہ شہر بدر بھی کر دے تو اس کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔

عبدالرزاق نے زہری کی روایت سے سعید بن مسیب کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے شراب خوری کی سزا میں ربیعہ بن امیہ کو جلاوطن کر کے خیبر بھیج دیا ربیعہ ہرقل سے جا کر مل گیا اور عیسائی ہو گیا حضرت عمر کو جب یہ اطلاع ملی تو فرمایا آئندہ میں کسی مسلمان کو جلاوطنی کی سزا نہیں دوں گا۔

حد کے علاوہ جلاوطنی حاکم کا صوابدیدی عمل ہے:

اگر حاکم وقت مصلحت سمجھے کہ سزاء تازیانہ کے ساتھ شہر بدر بھی کر سکتا ہے بمصلحت حاکم شہر بدر کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث تغریب اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر و حضرت عثمان کے فیصلے جو روایت میں آتے ہیں ان سب کا مطلب یہی ہے (کہ حاکم کا یہ اختیار تمیزی ہے اگر وہ چاہے تو جلاوطن بھی کر دے) شہر بدر کرنے کا جواز صرف زنا کی صورت میں ہی نہیں ہے بلکہ حاکم اگر مصلحت سمجھے تو ہر مفسد کو جلاوطن کر سکتا ہے۔

طحاوی نے حضرت عمرو بن شعیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سو کوڑے لگوائے پھر اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کر دیا اور (اس کا حصہ) مسلمانوں کی فہرست سے خارج کر دیا اور ایک بردہ آزاد کرنے کا اسکو حکم دیا۔

سعید بن منصور راوی ہیں کہ ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تھی حضرت عمر نے اس کو دو سو کوڑے لگوائے اور جلاوطن کر کے شام کی طرف بھیج دیا۔ بخاری نے اس روایت کے ایک حصہ کو بطور تعلیق بیان کیا ہے۔ بغوی نے الجعدیات میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت عمر جب کسی شخص پر غضبناک ہوتے تھے تو اس کو شام کی طرف بھیج دیتے تھے۔ بیہقی کی روایت میں آیا ہے کہ بصرہ کی طرف جلاوطن کر کے بھیج دیتے تھے۔ عبدالرزاق نے بوساطت معمر از ایوب از نافع بیان کیا کہ حضرت عمر نے فدک کی طرف (ایک شخص کو) شہر بدر کر کے بھیج دیا۔

ترکِ معصیت اور تزکیہ کیلئے ہجرت:

مشائخ کرام اسی لئے اگر کسی مرید کے اندر غلبۂ نفسانیت محسوس کرتے تو اس کو (کچھ مدت کے لئے) ترکِ وطن کا حکم دیدیتے تھے تاکہ اس کی

نفسانیت کا غلبہ ٹوٹ جائے اور دل میں نرمی آ جائے۔

میں کہتا ہوں اگر کسی مسلمان کو کوئی حاکم مبتلائے معصیت دیکھے اور اس مسلمان کو اپنے کیے پر ندامت بھی ہو اور وہ اپنے قصور پر شرمندہ بھی ہو تو اس کو سفر کرنے اور وطن کو (کچھ مدت کے لئے) چھوڑ دینے کا حکم دیدے لیکن جو مجرم اپنے قصور پر شرمندہ اور پشیمان نہ ہو اس کی سزا یہ ہے کہ جب تک توبہ نہ کرے ساری زمین سے اس کو نکال دیا جائے۔ ساری زمین سے نکال دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے۔ واللہ اعلم۔

سنگسار کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے:

اگر زانی اور زانیہ شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کیا جائے گا، صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے بعد کے علماء کا بھی اس پر اجماع ہے۔ صرف خارجی اس کے منکر ہیں کیونکہ اجماع صحابہ اور خبر آحاد کا وہ انکار کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ رجم (سنگسار کرنے) کا حکم قرآن سے ثابت نہیں۔ خبر آحاد میں آیا ہے اور خبر آحاد موجب حکم نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ رجم کا حکم احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمرؓ کا خطبہ:

بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا، اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ نازل کردہ آیات میں آیت رجم بھی نازل فرمائی ہم نے وہ آیت پڑھی اور یاد رکھی (آیت یہ تھی) اَلشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ اِذَا زَنَيَا فَا رْجُمُوْ هُمَا اَلْبَتَّةَ نَكَالًامِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو دونوں کو قطعاً اللہ کی طرف سے سزا کے طور پر سنگسار کر دو اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کرایا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کرایا اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ کہنے لگیں گے عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا تو میں مصحف کے حاشیہ پر آیت رجم لکھ دیتا ابوداؤد نے حضرت عمر کا خطبہ نقل کیا ہے اس خطبہ میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھے ڈر ہے کہ جب طویل زمانہ گذر جائے گا تو لوگ کہنے لگیں گے کہ رجم کا حکم ہم کو کتاب اللہ میں نہیں ملتا۔ ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں (حضرت عمر نے خطبہ میں فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ کہیں عمر نے کتاب اللہ میں اضافہ کر دیا، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو میں اس کو قرآن میں لکھ دیتا۔ کیونکہ مجھے ڈر لگا ہوا ہے کہ آئندہ کچھ لوگ آئیں گے اور اس آیت کو قرآن میں نہیں پائیں گے تو اس کے منکر ہو جائیں گے (اور کہیں گے رجم کی کوئی آیت قرآن میں نہیں ہے) حضرت عمر نے یہ خطبہ صحابہ کے سامنے دیا تھا اور کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا (معلوم ہوا کہ آیت رجم کا قرآن میں ہونا اجماعی ہے) حاکم اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت جب زنا کریں تو ان کو اس لذت اندوزی کی پاداش میں سنگسار کر دو۔

صحیح ابن حبان میں آیا ہے کہ سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر تھی اور اس میں آیت رجم الشیخ و الشیخة اذا زنیا الخ بھی تھی۔

تین چیزیں جو مسلمان کا خون حلال کرتی ہیں:

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت دیتا ہو اس کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے (۱) جان کے بدلے جان یعنی قصاص کی وجہ سے (۲) یا شادی شدہ زانی ہو (۳) یا دین سے نکل گیا ہو جماعت (مسلمین) کو چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہو۔

حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کا بیان ہے کہ جس روز حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تھا اس روز دریچہ سے باہر گردن نکال کر آپ نے فرمایا میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دیکر دریافت کرتا ہوں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین وجوہ میں کسی ایک وجہ سے (۱) شادی شدہ ہونے کے بعد اس نے زنا کیا ہو (۲) مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہو گیا ہو (۳) یا ناحق کسی کو قتل کر دیا ہو۔ پس خدا کی قسم میں نے زنا نہیں کیا نہ اسلامی دور سے پہلے نہ اسلام کی حالت میں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے کے بعد میں اسلام سے پھرا اور نہ کسی کو ناحق قتل کیا جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کیا ہو تو پھر تم لوگ مجھے کیوں قتل کرتے ہو۔

رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی۔ ورواہ الشافعی فی مسندہ ورواہ البزار والحاکم۔ حاکم نے اس کو بر شرط شیخین صحیح قرار دیا ہے ورواہ البیہقی وابو داؤد۔ بخاری نے حسب روایت ابوقلابہ اس حدیث کو فعلی قرار دیا ہے، حضرت ابوقلابہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ نے کسی کو قتل نہیں کیا مگر تین وجوہ سے (اگر) کسی نے (ناحق) قتل کیا تو اس کو (قصاص میں) قتل کیا گیا۔ یا شادی شدہ ہوتے ہوئے کسی نے زنا کیا (تو اس کو سنگسار کیا گیا) یا کوئی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑا اور اسلام سے مرتد ہو گیا (تو اس کو قتل کیا)۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سنگساری:

صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز بن مالک کو سنگسار کرایا تھا جبکہ انہوں نے خود زنا کا اقرار کیا تھا، رواہ مسلم والبخاری من حدیث ابن عباس ورواہ الترمذی وابن ماجہ من حدیث ابی ہریرہ۔

حضور نے غیر محصن مرد کو کوڑے لگوائے اور محصنہ عورت کو سنگسار کرایا

صحیحین میں حضرت زید بن خالد کی روایت کردہ حدیث پہلے نقل کی جا

چکی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک شخص کے مزدور نے اس کی بیوی سے زنا کیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زانی کے سو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لئے شہر بدر کرنے کا حکم دیا اور حضرت انیس سے فرمایا انیس اٹھو اور جاؤ اگر عورت اعتراف کرے تو اس کو سنگسار کردو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ پہلے اس کے کوڑے مارو اور پھر سنگسار کرو۔

ایک صاحب کی بیوی کی سنگساری:

طحاوی نے حضرت ابو واقد لیثی اشجعی صحابی کا بیان نقل کیا ہے، حضرت ابو واقد نے فرمایا، ہم حضرت عمر کے پاس موجود تھے۔ ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا امیر المومنین میری بیوی نے زنا کا ارتکاب کیا ہے، اور وہ اس فعل کا اعتراف کرتی ہے، حضرت عمر نے مجھ کو چند لوگوں کے ساتھ اس عورت کے پاس دریافت کرنے کے لئے بھیجا، جب ہم نے جا کر دریافت کیا اس عورت نے وہی بیان کیا جو اس کے شوہر نے کہا تھا اور معلوم ہے شوہر نے بھی کہا، ہم نے یہ حال حضرت عمر کو جا کر بتا دیا۔ آپ نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیدیا۔ سنگسار کرنے سے پہلے کوڑے نہیں لگوائے اور یہ واقعہ صحابہ کی جماعت کے سامنے کا ہے (کسی نے اس کا انکار نہیں کیا)۔

ایک خاتون کی دوہری سزا:

میں کہتا ہوں حضرت علی نے جو ہمدانیہ عورت کو دوہری سزا دی اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ پہلے اس کا شادی شدہ ہونا آپ کو معلوم نہیں ہوا تھا اس لئے کوڑے لگوائے پھر شادی شدہ ہونا معلوم ہو گیا تو رجم کی سزا دی۔ اور حضرت علی نے جو فرمایا کہ کتاب اللہ کے موافق میں اس کے کوڑے لگواتا ہوں اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق اس کو رجم کرتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ کنوارا کی سزا کوڑے مارنا قرآن میں مذکور ہے اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم حدیث میں ہے، پس جب تک اس کے شادی شدہ ہونے کا علم نہ تھا آپ نے قرآن کے مطابق اس کے کوڑے لگوا دیئے اور جب شادی شدہ ہونے کا علم ہو گیا تو آپ نے اس کو رجم کرا دیا، یہی تشریح ایک روایت میں بھی آئی ہے۔

ایک شخص کی دوہری سزا:

طحاوی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے زنا کا ارتکاب کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس کے کوڑے مار دیئے گئے، پھر آپ کو اطلاع ملی کہ وہ شادی شدہ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم کرا دیا۔

احصان کا معنی اور شرائط:

المحصنۃ سے مراد ہے نکاح کرنا اور المحصنت سے مراد ہیں آزاد عورتیں۔

زانی اور زانیہ کو رجم کرنے کے لئے جو احصان کی شرط ہے ضروری ہے اس سے مراد ہے نکاح ہونا لیکن صحیح نکاح میں ہونا، کیونکہ نکاح کے بعد عورت مرد کی حصن (حفاظت) میں داخل ہو جاتی ہے۔ تعبیر تزوج کی محصن ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محصن کو ثیب اور غیر محصن کو بکر (ثیب اور بکر) کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

علاوہ احصان رجم کی شرط میں سے زانی کا آزاد، عاقل، بالغ ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے اور یہ بھی لازم قرار دیا ہے کہ اس نے صحیح طریقے سے نکاح کیا ہو اور نکاح کے بعد زوجہ سے قربت صنفی بھی کر لی ہو۔ یہ پانچوں شرطیں بالاجماع ضروری ہیں (ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو رجم کا حکم جاری نہیں کیا جا سکتا) عقل اور بلوغ تو قابل سزا ہونے کی بنیادی شرط ہے کیونکہ مکلف اور ماخوذ ہونے کی ضروری شرط ہے احصان رجم کی ہیں اس کا مستثنی کوئی سبب نہیں اور آزاد ہونا ہر انسان کی تکمیل کی شرط ہے، رجم کی کوئی خصوصیت نہیں، یہاں تک کہ غلام کے سو کوڑے بھی نہیں مارے جاتے بلکہ آدھی سزا دی جاتی ہے، ہاں نکاح کا صحیح ہونا رجم کے لئے ایک ضروری شرط ہے۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک زانی کو سنگسار کرنے کے لئے اس کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔

یہودی زنا کاروں کی سنگساری کا واقعہ:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کا ارتکاب کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے متعلق کیا فیصلہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، رجم کی بابت توریت میں تم کو کیا ملتا ہے؟ کہنے لگے (توریت کے موافق تو) زنا کرنے والوں کو ہم فضیحت کرتے ہیں (یعنی منہ کالا کر کے بازار میں گشت کراتے اور مشتہری کرتے ہیں) اور کوڑے مارتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن سلام بولے تم نے جھوٹ کہا توریت میں تو سنگسار کر دینے کا حکم ہے، توریت لاؤ، توریت لائی گئی اور اس کو کھول کر پڑھا گیا تو ایک یہودی نے آیت رجم پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے اوپر اور نیچے کی عبارت پڑھ دی عبداللہ نے فرمایا ہاتھ ہٹاؤ۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو آیت رجم سامنے آ گئی۔ سب یہودی کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! عبداللہ نے سچ کہا، توریت میں آیت رجم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سنگسار کر دینے کا حکم نافذ فرما دیا۔ حسب الحکم دونوں کو رجم کر دیا گیا۔ اس حدیث سے امام احمد و امام شافعی کے قول کا ثبوت ہوتا ہے کہ زانی کو رجم کرنے کے لئے اسلام کی شرط نہیں ہے۔

سابقہ شریعتوں کے احکام:

میں کہتا ہوں امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ گزشتہ شریعتوں کے احکام

ہمارے لئے واجب العمل ہیں تاوقتیکہ ان کا منسوخ کیا جانا ہماری شریعت میں واضح طور پر نہ آیا ہو خاص کر اس صورت میں تو ان کا واجب العمل ہونا ضروری قرار پا جاتا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کیا ہو شریعت سابقہ کے حکم پر رسول اللہ کا عمل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ حکم ہماری شریعت میں بھی باقی ہے اگر ہماری شریعت میں منسوخ کر دیا گیا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہرگز عمل نہ کرتے اور اللہ کے (آخری) نازل کردہ حکم کے خلاف کبھی حکم نہ دیتے۔ جب امام ابوحنیفہ کا خود یہ قول ہے کہ بغیر شرعی نسخ کے شریعت سابقہ کا حکم ہمارے لئے بھی واجب العمل ہے تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کوئی آیت یا حدیث ایسی ہے جو حکم رجم کو منسوخ کر رہی ہو ہم کو تو ایسی نہ کوئی آیت ملتی ہے نہ حدیث۔ زانی زانیہ، شیخ، شیخہ، ثیب اور بکر کے الفاظ تو عام ہیں مؤمن کو بھی شامل ہیں۔

مسئلہ: اگر دونوں میں سے ایک پاگل اور دوسرا عاقل ہو تو امام مالکؒ و امام شافعی و امام احمد کے نزدیک دونوں میں سے جو مجنون نہ ہوگا اس پر حد شرعی قائم کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا اگر مرد عاقل ہے اور عورت پاگل تو حد شرعی مرد پر جاری ہوگی اور اگر عورت عاقل ہے اور مرد پاگل تو عورت پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ فعل زنا کا فاعل تو مرد ہوتا ہے عورت تو محل زنا ہے عورت کو زانیہ مجازاً کہا جاتا ہے (حقیقت میں عورت مزنیہ ہوتی ہے) عورت کو جو زنا کی سزا دی جاتی ہے وہ صرف اس وجہ سے کہ اس نے مرد کو فعل زنا کی اجازت دی۔ باقی ائمہ نے کہا اگر عورت عذر شرعی رکھتی ہو اور اس کو سزا نہ دی جائے تو مرد جو غیر معذور ہے اجماعاً شرعی سزا سے نہیں بچ سکتا اسی طرح اگر مرد معذور ہو اور عورت عاقل ہو تو مرد کا معذور ہونا عورت سے حد شرعی کو ساقط نہیں کر سکتا۔

زناء کی تعریف:

مرد کا عورت سے آگے کے مقام میں بغیر کسی استحقاق ملکیت کے (یعنی بغیر نکاح اور بغیر ملکیت شخص کے) جماع کرنا شرعاً اور لغۃً زنا کہلاتا ہے ذبر میں جماع کرنا زنا نہیں کہلاتا خواہ مفعول عورت ہو یا مرد۔ سورت نساء کی آیت وَالَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لواطت کی سزا کی تشریح کر دی ہے۔

ایسی صورتیں جو زنا نہیں مگر زنا کے مشابہ ہیں:

پس اگر کسی نے اپنی حائضہ بی بی سے یا اپنی روزہ دار بیوی سے یا محرم (یعنی جس نے حج یا عمرہ کا احرام کر رکھا ہو) بیوی سے یا استبراء کی مدت (تقریباً ایک ماہ) کے ختم کا انتظار کئے بغیر اس باندی سے جو اس کے اور دوسرے شخص کے درمیان مشترک ہو یا مشرک باندی سے یا دوسرے کی منکوحہ باندی سے یا اس باندی سے جو دودھ کے رشتہ سے حرام ہوگئی ہے صحبت کر لی تو اس کو زنا نہیں کہا جائے گا نہ اس فعل پر شرعی سزا جاری ہوگی کیونکہ ان تمام صورتوں میں کسی قدر ملکیت موجود ہے ہاں ایسا کرنے پر گناہگار ضرور ہوگا۔ اگر شبہ ہو تو شرعاً اس کا حکم بھی اسی طرح ہے، چاروں ائمہ اور سوائے ظاہریہ فرقہ کے تمام علماء کے نزدیک حد ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو۔ (یعنی اگر ارتکاب جرم میں شبہ پیدا ہو جائے تو اس فعل کی مقررہ شرعی سزا جاری مت کرو) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث بواسطہ مقسم حضرت ابن عباس کی روایت سے مسند ابوحنیفہ میں مذکور ہے۔

شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے:

ترمذی، حاکم اور بیہقی نے بطریق زہری بواسطہ عروہ حضرت عائشہ کی روایت سے حدیث مذکور کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرو اگر اس (مجرم) کے لئے کوئی راستہ نکل سکے تو اس کو چھوڑ دو کیونکہ حاکم کا معافی میں غلطی کرنا، غلط طور پر سزا دینے سے بہتر ہے۔ اس روایت میں یزید بن زیاد دمشقی ضعیف ہے بخاری نے اس کو منکر اور نسائی نے متروک قرار دیا ہے۔ وکیع نے اس حدیث کو موقوف بیان کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ ترمذی نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ متعدد صحابہ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت علیؓ کی مرفوع روایت کے یہ الفاظ ہیں شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دو اور حدود کو معطل کر دینا (جاری نہ کرنا) حاکم کے لئے جائز نہیں ہے (یعنی شبہات کی وجہ سے حدود کو ساقط کر دینا چاہئے لیکن ثبوت کے بعد حاکم حدود کو معطل نہیں کر سکتا) اس کی سند میں مختار بن نافع ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری نے اس کے متعلق یہی کہا ہے۔

اس موضوع کی صحیح ترین حدیث سفیان ثوری کے سلسلہ سے آئی ہے جس کے قائل حضرت ابن مسعود ہیں کہ شبہات سے حدود کو ساقط کر دو اور جہاں تک تم سے ہو سکے مسلمانوں سے قتل (یعنی جان لینے والی سزا) کو دفع کر دو۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ حضرت عقبہ بن عامر اور حضرت معاذ سے بھی یہ حدیث موقوفاً مروی ہے رواہ ابن ابی شیبہ حضرت عمر سے بھی منقطعاً اور موقوفاً یہ حدیث آئی ہے ابن حزم نے کتاب الایصال میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمر پر اس کو موقوف قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی کے طریق سے حضرت عمر کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ اگر شبہات کی وجہ سے میں غلطی سے حدود ساقط کر دوں تو میرے نزدیک یہ فعل اس سے بہتر ہے کہ شبہات کی موجودگی میں میں حدود جاری کروں۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ شبہ کی وجہ سے سقوط حد کی حدیث کو ساری امت نے قبول کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جو قول اس

مسند میں مروی ہیں تو مسئلہ کا قطعی الثبوت ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ سے فرمایا تھا۔ شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا۔ شاید تو نے چھویا ہوگا شاید تو نے دیکھا ہوگا۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرار زنا کے بعد حضرت ماعزؓ کو اپنے اقرار سے لوٹ جانے کی پردہ تلقین فرمائی تھی اور اس کا فائدہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں ہاں کہہ دیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیتے۔ اسی طرح جو چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس کے متعلق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے خیال میں اس نے چوری نہیں کی۔

غامدیہ عورت (جس نے زنا کا اقرار کیا تھا) سے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔ حضرت علی نے بھی اسی طرح شراحہ سے (جس نے زنا کا اقرار کیا تھا) فرمایا تھا شاید تو سو رہی ہوگی اور وہ تیرے اوپر آ پڑا ہوگا۔ شاید اس نے تجھ پر جبر کیا ہوگا شاید تیرے آقا نے تیرا نکاح اس سے کر دیا ہوگا اور تو اس بات کو چھپا رہی ہے۔ صحابہ کے اس طرح کے اقوال تلاش کے بعد بہت مل سکتے ہیں جن کی تفصیل موجب طول ہے خلاصہ یہ کہ تمام احادیث و آثار کا یہ قطعی فیصلہ ہے کہ حد کو ساقط کرنے کی ہر ممکن تدبیر کی جائے۔

شبہ اشتباہ: یعنی ایسا شبہ جو شبہ میں پڑنے والوں کے لئے تو ہوتا ہے اور جو شبہ نہ کریں ان کے لئے نہیں ہوتا، ایسا شبہ اس وقت ہوتا ہے جب حلت کی کوئی واقعی دلیل تو موجود نہیں ہوتی، لیکن مرتکب زنا اس چیز کو دلیل سمجھ لیتا ہے جو واقع میں دلیل نہیں ہو سکتی۔

مثلاً کسی نے ماں باپ یا اپنی بی بی کی باندی سے یہ سمجھتے ہوئے صحبت کر لی کہ ماں باپ کے ساتھ رشتہ ولادت ہے اور بی بی سے رشتہ زوجیت کی وجہ سے ملکیت مشترک ہے اسی لئے ماں باپ اور بی بی کے لئے اس کی شہادت اور اس کے لئے والدین اور بی بی کی شہادت شرعاً قابل قبول نہیں۔ یا جس عورت کو تین طلاقیں دے چکا ہے اور وہ ابھی عدت میں ہے اس سے قربت کر لی یہ سمجھ کر کہ ابھی حقوق نکاح باقی ہیں عدت کا نفقہ میں دے رہا ہوں اور عدت میں عورت کا نکاح کسی دوسرے سے ہو بھی نہیں سکتا۔ ان تمام صورتوں میں اگر اس کو حرمتِ قربت کا علم نہیں ہے اور صحبت کر لی تو (اگرچہ یہ فعل زنا ہوگا لیکن) حد زنا جاری نہیں ہوگی اور اگر حرمت صحبت کا علم رکھنے کے بعد ایسا کرے گا تو حدِ زنا جاری ہوگی۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ ایک شخص نے خدمتِ گرامی میں گذارش کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی مگر میرا باپ میرا مال چھین لینا چاہتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اور تیرا مال (سب کچھ) تیرے باپ کا ہے، ابن القطان اور منذری نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ یہ حدیث طبرانی نے الاصغر میں اور بیہقی نے دلائل میں بھی نقل کی ہے۔

حدّ کا مطلب: حدود تو اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں۔ جیسے تہمتِ زنا لگانے کی سزا شرعاً اسّی کوڑے مقرر ہے اور تہمت کفر تہمت زنا سے زیادہ سخت ہے مگر اس کی کوئی سزا شرعاً مقرر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کو زنا سے زیادہ سخت قرار دیا ہے، اور فرمایا ہے غیبت، زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، عن ابی سعید و جابر۔ (اس کے باوجود غیبت کی کوئی شرعی سزا مقرر نہیں۔)

وہ عورتیں جن سے نکاح حلال نہیں:

جن عورتوں سے نکاح حلال نہیں ان سے مراد وہ عورتیں ہیں جن سے نکاح کی حرمت دوامی ہو کبھی ان سے نکاح حلال نہ ہو خواہ نسبی قرابت دار ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ دار ہوں (مثلاً ماں، دادی، نانی تمام اصول اور بیٹی پوتی نواسی تمام فروع اسی طرح تمام رضاعی محرمات یعنی رضاعی ماں کے تمام اصول و فروع وغیرہ اور منکوحہ موطوءہ بیوی کے تمام اصول و فروع وغیرہ) لیکن اگر صحت نکاح اختلافی ہو۔ جیسے بلا گواہوں کے نکاح تو ان سے نکاح حدِ زنا کو ساقط کر دیتا ہے۔

مسئلہ: اگر چار مردوں نے الگ الگ (متفرق اوقات یا متعدد مجلس میں) شہادت دی تو امام شافعی کے نزدیک ثبوت زنا ہو جائے گا اور حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور شاہدوں کو تہمت زنا لگانے والا قرار دیا جائے گا کیونکہ ابتداء میں ایک گواہ یا دو گواہ یا تین گواہ پیش ہوئے تھے اس وقت نصاب شہادت پورا نہ تھا اور شہادت واجب الرد ہو گئی اور جب قلت تعداد کی وجہ سے ان کی شہادت رد کر دی گئی تو دوبارہ صرف اس وجہ سے کہ چوتھا شاہد بھی آ گیا اور اس نے شہادت دی، رد شدہ شہادتوں کو قبول نہیں کیا جا سکتا پہلی شہادتوں کا اعتبار تو ختم ہو گیا اگر گواہ آئے تو الگ الگ پھر شہادت دینے کے وقت سب جمع ہو گئے اور سب نے ساتھ شہادت دی تو امام احمد کے نزدیک ایسی شہادت قبول کر لی جائے گی لیکن امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک چاروں گواہوں کا ساتھ آنا اور ساتھ ساتھ شہادت دینا ضروری ہے اس لئے الگ الگ آنے والے لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی گو شہادت کے وقت سب کا اجتماع ہو جائے۔

مسئلہ: کیا اقرار کی صورت میں متعدد بار اقرار ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام احمد اور اکثر علماء کے نزدیک اقرار کا تعدد لازم ہے۔ عاقل بالغ شخص (ثبوت شہادت نہ ہونے کی صورت میں) اگر خود چار مرتبہ اقرار کرے گا تو ثبوت زنا ہو جائے گا اس تعداد سے کم اقرار کافی نہیں ہے۔ پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک ہی مجلس میں چار بار اقرار کرنا بھی کافی نہیں ہے ہر اقرار کی مجلس بھی الگ ہونی چاہئے ثبوتِ زنا میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

امام احمد، اسحاق بن راہویہ اور مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوبکر کی

روایت سے بیان کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا کہ ماعز نے حاضر ہو کر ایک بار زنا کا اقرار کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد کر دیا، ماعز پھر آئے اور آکر دوبارہ اقرار کیا آپ نے پھر بھی لوٹا دیا وہ پھر آئے اور تیسری بار اقرار کیا۔ میں نے ماعز سے کہا اب اگر چوتھی بار تم نے اقرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو سنگسار کر دیں گے مگر ماعز نے چوتھی بار بھی اقرار کیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قید کر دیا، اور اس کے متعلق (قبیلہ والوں سے) دریافت کیا (کہ یہ کیسا آدمی ہے اس کو جنون تو نہیں ہے) سب نے کہا ہم کو تو (اس کے اندر) بھلائی ہی معلوم ہے آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنگسار کرا دیا۔

اس حدیث سے بھی صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ ماعز متعدد مرتبہ آئے تھے۔ اور تعدد آمد بغیر غائب ہوئے ممکن نہیں اسی لئے حنفیہ قائل ہیں کہ اگر غائب ہو کر پھر لوٹ آئے تو یہ دوسری مجلس مانی جائے گی۔

مسئلہ: حاکم کے لئے مستحب ہے کہ اقرار زنا کرنے والے کو پردے پردے میں اقرار سے لوٹ جانے کی تعلیم دے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز سے فرمایا، شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، شاید تو نے چھو لیا ہوگا۔

مسئلہ: چار مرتبہ اقرار کرنے کے بعد حد جاری ہونے سے پہلے یا حد جاری ہونے کے بعد اقرار سے لوٹ جائے تو تینوں اماموں کے نزدیک اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور حد ساقط ہو جائے گی۔

ابوداؤد نے حضرت یزید بن منعم کی روایت سے حضرت ماعز کے قصہ کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں راوی کا یہ قول بھی منقول ہے کہ پتھر لگنے سے ماعز کو جب چوٹ کی تکلیف محسوس ہوئی تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ نکلے۔ سب مارنے والے لوگ پکڑ نہ سکے صرف عبداللہ بن انیس نے ماعز کو جا لیا اور اونٹ کے پاؤں کی ہڈی ماعز کے پھینک ماری جس سے وہ ختم ہو گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں نے اس کو چھوڑ کیوں نہیں دیا۔ شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا (اور گناہ معاف فرما دیتا) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے حضرت ماعز کا جو قصہ بیان کیا ہے وہ اسی جیسا ہے۔

مریض پر حد جاری کرنا:

اگر مریض زنا کرلے اور رجم کا مستحق ہو جائے تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا۔ بیماری کا عذر مانع نہ ہوگا کیونکہ رجم کا مقصد ہی ہلاک کر دینا ہے لیکن اگر زانی مریض سزائے تازیانہ کا مستحق ہو تو صحت یاب ہونے تک سزا کو ملتوی رکھا جائے گا تاکہ سزا موجب ہلاکت نہ ہو جائے۔ اگر زانی مریض ایسے مرض میں مبتلا ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید ہی نہ ہو مثلاً سل کے مرض میں مبتلا ہو یا پیدائشی طور پر ضعیف ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ایک ایسا گچھا جس میں سو تیلیاں ہوں لے کر ایک مرتبہ اس گچھے سے اس کو اس طرح مار دیا جائے کہ ہر تیلی اس کے بدن پر پڑ جائے۔ جیسے کہ بغوی نے شرح سنۃ میں اور ابن ماجہ نے حضرت ابوامامہ بن سہل بن حنیف کی وساطت سے حسب روایت سعید بن عبادہ بیان کیا ہے کہ ہماری باندیوں میں ایک مرد بستا تھا جو پیدائشی طور پر بہت کمزور تھا ایک روز دیکھتے کیا ہیں کہ وہ ایک باندی پر پڑا ہوا فعل گناہ میں مشغول ہے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے اس کا واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے سو کوڑے مارو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، وہ تو بہت ہی کمزور ہے اگر ہم اس کے سو کوڑے ماریں گے تو وہ یقیناً مر جائے گا فرمایا، تو ایک گچھا جس میں سو تیلیاں ہوں ایک بار اس کے مارو اور پھر اس کو نکال دو۔ ابوداؤد نے یہ حدیث حضرت ابوامامہ بن سہل کی روایت سے ایک انصاری کے حوالہ سے بیان کی ہے اور نسائی نے بروایت ابوامامہ بن سہل عن ابیہ (یعنی سہل کی وساطت سے) اور طبرانی نے بروایت ابوامامہ بحوالہ ابوسعید خدری بیان کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ تمام طرق روایت محفوظ ہیں گویا ابوامامہ نے صحابہ کی ایک جماعت کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ابوامامہ سے مرسلاً بیان کیا ہے۔

حاملہ عورت پر حد:

حاملہ عورت کو زنا کی سزا میں وضع حمل سے پہلے حد زنا نہیں ماری جائے گی تاکہ پیٹ کا بچہ ہلاک نہ ہو جائے اگر وہ سزائے تازیانہ کی مستحق ہو تو نفاس سے فراغت سے پہلے اس کو کوڑے نہ مارے جائیں۔ حضرت علی نے ارشاد فرمایا تھا لوگو اپنے باندی غلاموں پر حد شرعی جاری کرو۔ شادی شدہ ہو یا نا کتخدا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک باندی نے جب زنا کیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس کے کوڑے ماروں لیکن نفاس شروع ہوئے اس کو تھوڑا ہی زمانہ گذرا تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اس کے کوڑے ماروں گا تو یہ مر جائے گی۔ میں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ فرمایا تم نے خوب کیا، رواہ مسلم۔ ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے اس وقت تک باندی کو رہنے دو کہ اس کا خون بند ہو جائے پھر اس پر حد جاری کرنا اور اپنے باندی غلاموں پر حد زنا قائم کرتے رہنا۔

اور اگر نفاس میں مبتلا عورت کی سزا رجم ہو تو اس کو سنگسار کر دیا جائے گا کیونکہ بچہ پیدا ہو چکا اور وہ رجم کی مستحق ہے اس کو تو مرنا ہی ہے۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، عورت کو رجم کرنے میں اتنی مدت کی تاخیر کی جائے گی کہ بچہ کو اس کی ضرورت نہ رہے۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غامدیہ سے فرمایا جا اور اس وقت تک انتظار کر کہ بچہ پیدا ہو جائے جب بچہ پیدا ہو گیا اور وہ عورت

پھرتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اور بچہ کو دودھ پلاتی رہ جب دودھ چھڑا دے تو آنا جب مدت ہو گئی (مدت پوری کر کے) دودھ چھڑا دیا تو بچہ کو لے کر آئی بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا، عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا اور یہ کھانا کھانے لگا ہے حضور نے وہ بچہ ایک مسلمان کے سپرد کر دیا (تاکہ وہ پرورش کرتا رہے) اس کے بعد ایک گڑھا کھدوا کر جس کی گہرائی عورت کے سینہ تک تھی لوگوں کو حکم دیا کہ اس کو سنگسار کر دو۔ سب نے سنگسار کر دیا۔

مسئلہ آیت فاجلدوا میں حاکموں کو خطاب ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ کے نزدیک کوئی آقا، حاکم کی اجازت کے بغیر اپنے باندی غلام پر حد جاری نہیں کرسکتا، امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا قول اس کے خلاف ہے ایک روایت میں امام مالک کے نزدیک باندی پر اس کا آقا اجازت حاکم کے بغیر حد جاری کرسکتا ہے ہاں اگر باندی کسی کی منکوحہ ہو تو خود حد جاری نہیں کرسکتا۔

نووی (شافعی) نے کہا صحیح تر یہ بات ہے کہ (بغیر اجازت حاکم کے) قیامت حدود کا حکم عام ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں اطلاق ہے (ہر حد کی اقامت کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے) تہذیب میں ہے کہ قطع دست اور قتل کرا دینے کا اختیار صرف حاکم کو ہے یہی صحیح ترین قول ہے۔

امام شافعی نے بحوالہ امام مالک بروایت نافع بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کے ایک غلام نے چوری کی، حضرت عبداللہ نے سعید بن عاص حاکم مدینہ کے پاس ہاتھ کاٹنے کے لئے بھیج دیا۔ سعید نے غلام کا ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا اور کہا غلام کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر اس نے چوری کی ہو۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا آپ نے کس کتاب میں پڑھا ہے، پھر آپ نے خود حکم دیا اور اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔

امام ابوحنیفہ نے اپنے مسلک کے استدلال میں اصحاب السنن کی اس روایت کو پیش کیا ہے جو انہوں نے اپنی کتابوں میں موقوفاً مرفوعاً لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر نے چار چیزوں کو حاکموں کے اختیار میں دیا ہے۔ حدود، زکوٰۃ (کی وصولی اور تقسیم) صلوٰۃ جمعہ اور مال فے (یعنی مال غنیمت کو جمع کرنا اور تقسیم کرنا)۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم)

زناء کی تباہ کاریاں:

باقی جرم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت اور ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جس قدر سزا دینے کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں تعزیرات کہا جاتا ہے۔

جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا۔ ماں بہن بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے جب یہ رشتے ہی غائب ہو گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آسکتی ہے جو زنا سے بھی زیادہ اشد جرم ہے۔

فعل زنا ایک ایسی بے حیائی ہے جس کا صدور عورت کی طرف سے ہونا انتہائی بےحیائی اور بے پروائی سے ہوسکتا ہے کیونکہ قدرت نے اس کے مزاج میں فطری طور پر ایک حیاء اور اپنی عفت کی حفاظت کا جذبہ تو یعت فرمایا ہے اور اسکی حفاظت کے لئے بڑے سامان جمع فرمائے ہیں اس کی طرف سے اس فعل کا صدور بہ نسبت مرد کے زیادہ اشد ہے۔

نکتہ: فَاجْلِدُوْا لفظ جلد کوڑا مارنے کے معنے میں آتا ہے وہ جلد سے مشتق ہے کیونکہ کوڑا عموماً چمڑے سے بنایا جاتا ہے۔ بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ لفظ جلد سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کوڑوں یا دُرّوں کی ضرب اس حد تک زنی چاہئے کہ اسکا اثر انسان کی کھال تک رہے۔

جس جرم کی سزا سخت ہے اسکے ثبوت کی شرائط بھی سخت ہیں:

زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے اس کے ساتھ اسلامی قانون میں اُس کے ثبوت کے لئے شرائط بھی بہت سخت رکھی گئی ہیں جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہو جائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہا جاتا ہے وہ معاف ہو جاتی ہے صرف تعزیری سزا بقدر جرم باقی رہ جاتی ہے۔ تمام معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لئے کافی ہو جاتی ہے مگر حد زنا جاری کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کی عینی شہادت جس میں کوئی التباس نہ ہو شرط ضروری ہے جیسے کہ سورۂ نساء کی آیت میں گزر چکا ہے۔ دوسری احتیاط اور شدت اس شہادت میں یہ ہے کہ اگر شہادت زنا کی کوئی شرط مفقود ہونے کی بنا پر شہادت رد کی گئی تو پھر شہادت دینے والوں کی خیر نہیں، اُن پر قذف یعنی زنا کی جھوٹی تہمت کا جرم قائم ہو کر حد قذف اسّی کوڑے لگائے جانے کی صورت میں جاری کی جاتی ہے اس لئے ذرا سا شبہ ہونے کی صورت میں کوئی شخص اس کی شہادت پر اقدام نہیں کر سکتا۔ البتہ جس صورت میں صریح زنا کا ثبوت نہ ہو مگر شہادت سے دو مرد و عورت کا غیر مشروع حالت میں دیکھنا ثابت ہو جائے تو قاضی ان کے جرم کی حیثیت کے مطابق تعزیری سزا کوڑے لگانے وغیرہ کی جاری کر سکتا ہے سزائے زنا اور اس کی شرائط وغیرہ کے مفصل احکام کتب فقہ میں مذکور ہیں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ (معارف القرآن جلد ششم)

آیت رجم جس کی تلاوت منسوخ ہوگئی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس خطبہ میں جس آیت رجم کا ذکر فرمایا وہ پوری آیت اس طرح ہے: الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة نکالا من اللّٰه واللّٰه عزیز حکیم۔ (اخرجہ النسائی وصححہ الحاکم)

(ترجمہ) شادی شدہ مرد یا عورت جب (دیکھو مجمع الزوائد ج ۶) زنا کریں تو ان دونوں کو رجم یعنی سنگسار کر ڈالو قطعی طور پر اور یہ رجم کا حکم اللہ کی طرف سے بطور عبرت ہے تاکہ اس عبرتناک سزا کو دیکھ کر لوگ زنا سے باز آجائیں اور اللہ غالب ہے اور حکمت والا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ	
اور نہ آوے تم کو ان پر ترس	اللہ کے حکم چلانے میں
إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ	
اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر	اور پچھلے دن پر

احکام الٰہی جاری کرنے میں کوئی چیز مانع نہ بننے دو:

یعنی اگر اللہ پر یقین رکھتے ہو تو اس کے احکام و حدود جاری کرنے میں کچھ پس و پیش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ مجرم پر ترس کھا کر سزا بالکل روک لو یا اس میں کمی کرنے لگو یا سزا دینے کی ایسی ہلکی اور غیر مؤثر طرز اختیار کرو کہ سزا سزا نہ رہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق اور تم سے زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ اس کا کوئی حکم سخت ہو یا نرم مجموعہ عالم کے حق میں حکمت و رحمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اگر تم اس کے احکام و حدود کے اجراء میں کوتاہی کرو گے تو آخرت کے دن تمہاری پکڑ ہو گی۔ (تفسیر عثمانی)

اگر فاطمہ بنت محمد ہوتی تو اس کا ہاتھ کاٹ دیتا:

صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت سے آیا ہے کہ بنی مخزوم میں ایک عورت نے چوری کی تھی۔ اس معاملے نے بڑی پریشانی کی حیثیت اختیار کر لی۔ انہوں نے مشورہ کیا کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی سفارش کرے گا۔ سب نے کہا سوائے اسامہ بن زید کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں اور کوئی اس کی جرأت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں گذارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم اللہ کی قائم کردہ حد کے متعلق سفارش کر رہے ہو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (منبر پر) کھڑے ہو کر ایک خطبہ دیا اور فرمایا تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے تباہ کر دیئے گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو چھوڑ دیتے تھے اور کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

حدود میں نرمی نہ کرو:

اہل تفسیر نے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کہ تم کو اللہ کے دین میں کوئی نرمی نہ پکڑ لے کہ ہلکی مار مارو۔ ایسا نہ کرو بلکہ دردناک مار مارو۔ سعید بن مسیب اور حسن نے یہی تفسیر کی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا، زنا کی حد تو سختی سے جاری کی جائے پھر اس سے کم سختی شراب کی حد مارنے میں کی جائے اور تہمت زنا کی سزا میں اور بھی خفت سے کام لیا جائے۔ کیونکہ ممکن ہے تہمت زنا لگانے والا واقع میں سچا ہو (لیکن اپنے قول کو شہادت سے ثابت نہ کر سکا ہو) اور شراب پینے کی حد میں غلطی کا احتمال نہیں ہو سکتا اور زنا کا جرم شراب خوری سے بڑا ہے (اس لئے اس کی سزا کو جاری کرنے میں بہت زیادہ سختی سے کام لینا چاہئے) قتادہ کا قول ہے کہ شراب خوری اور تہمت زنا کی سزا میں خفت برتی جائے۔ زنا کی سزا جاری کرنے میں سختی سے کام لیا جائے۔ زہری نے کہا جرم زنا اور تہمت زنا کی سزا دینے میں خفت اختیار کی جائے کیونکہ ان کی سزائیں کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور شراب کی سزا میں خفت اختیار کی جائے شراب کی سزا صرف حدیث میں آئی ہے قرآن مجید سے ثابت نہیں ہے۔

حد سے آگے بھی نہ بڑھو:

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک باندی نے زنا کیا آپ نے اس کے کوڑے لگوائے اور کوڑے مارنے والے سے فرمایا اس کی پیٹھ اور ٹانگوں پر کوڑے مارو۔ آپ کے ایک بیٹے نے کہا وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ (اللہ کا حکم ہے) حضرت عبداللہ نے فرمایا بیٹے! اللہ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں اس کو قتل کر دوں۔ میں نے (کوڑے) مار دیئے اور درد پہنچا دیا۔ (یہی کافی ہے) (تفسیر مظہری)

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ	
اور چاہئیے کہ دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان	

سزا بر سرِ عام ہو:

یعنی سزا تنہائی میں نہیں، مسلمانوں کے مجمع میں دینی چاہئے۔ کیونکہ اس رسوائی میں سزا کی تکمیل و تشہیر اور دیکھنے سننے والوں کے لئے سامان عبرت ہے اور شاید یہ بھی غرض ہو کہ دیکھنے والے مسلمان اس کی حالت پر رحم کھا کر مغفرت کی دعا کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بر سرِ عام سزا کی حکمت:

فواحش اور بے حیائی کی روک تھام کیلئے اسلام نے دور دور تک پہرے بٹھائے ہیں عورتوں پر پردہ لازم کر دیا گیا۔ مردوں کو نظر نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ زیور کی آواز یا عورت کے گانے کی آواز کو ممنوع قرار دیا گیا کہ وہ بے حیائی کے لئے محرک ہیں اس کے ساتھ ہی جس شخص سے ان معاملات میں کوتاہی دیکھی جائے اس کو خلوت میں تو سمجھانے کا حکم ہے مگر اس کو رسوا

کرنے کی اجازت نہیں۔ لیکن جو شخص ان تمام شرعی احتیاطوں کو توڑ کر اس درجہ میں پہنچ گیا کہ اس کا جرم شرعی شہادت سے ثابت ہو گیا تو اب اس کی پردہ پوشی دوسرے لوگوں کی جرأت بڑھنے کا موجب ہو سکتی ہے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِکَةً ۫ وَّالزَّانِیَةُ
بدکار مرد نہیں نکاح کرتا مگر عورت بدکار سے یا شرک والی سے اور بدکار عورت سے
لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ
نکاح نہیں کرتا مگر بدکار مرد یا مشرک

زانی کی طبیعت کا تجزیہ:

زنا کی سزا ذکر کرنے کے بعد اس فعل کی غایت شناعت بیان فرماتے ہیں یعنی جو مرد یا عورت اس عادت شنیع میں مبتلا ہیں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی عفیف مسلمان سے اُن کا تعلق ازدواج وہمسری قائم کیا جائے۔ ان کی پلید طبیعت اور میلان کے مناسب تو یہ ہے کہ ایسے ہی کسی بدکار و تباہ حال مرد و عورت سے یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک و مشرکہ سے اُن کا تعلق ہو۔ کما قال تعالیٰ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ (سورۃ نور)۔

کند ہمجنس با ہمجنس پرواز، کبوتر با کبوتر باز با باز

اُن کی حرکت کا اصلی اقتضاء تو یہی تھا۔ اب یہ جداگانہ امر ہے کہ حق تعالیٰ نے دوسری مصالح وحِکَم کی بنا پر کسی نام نہاد مسلمان کا مشرک و مشرکہ سے عقد جائز نہیں رکھا۔ یا مثلاً بدکار مرد کا پاکباز عورت سے نکاح ہو جائے تو باطل یا حرام نہیں ٹھہرایا۔ (تنبیہ) آیت کی جو تقریر ہم نے کی وہ بالکل سہل اور بے تکلف ہے اس میں "لَا یَنْکِحُ" کے معنی وہ لیے گئے جو "اَلسُّلْطَانُ لَا یَکْذِبُ" وغیرہ محاورات میں لیے جاتے ہیں یعنی نفی لیاقت فعل کو نفی فعل کی حیثیت دے دی گئی۔ فافہم واستقم۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابی جن کا نام مرثد بن ابو مرثد تھا یہ مکہ سے مسلمان قیدیوں کو اٹھا لیا کرتے تھے اور مدینے پہنچا دیا کرتے تھے۔ عناق نامی ایک بدکار عورت مکہ میں رہا کرتی تھی۔ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا اس عورت سے تعلق تھا۔ حضرت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایک قیدی کو لانے کیلئے مکہ شریف گیا۔ ایک باغ کی دیوار کے نیچے میں پہنچ گیا۔ رات کا وقت تھا چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اتفاق سے عناق آ پہنچی اور مجھے دیکھ لیا بلکہ پہچان بھی لیا اور آواز دے کر کہا کیا مرثد ہے؟ میں نے کہا ہاں مرثد ہوں۔ اس نے بڑی خوشی ظاہر کی اور مجھ سے کہنے لگی چلو رات میرے ہاں گزارنا۔ میں نے کہا عناق اللہ تعالیٰ نے زنا کاری حرام کر دی ہے۔ جب وہ مایوس ہوئی تو اس نے مجھے پکڑوانے کے لئے غل مچانا شروع کیا کہ اے خیمے والو ہوشیار ہو جاؤ دیکھو چور آ گیا ہے۔ یہی ہے جو تمہارے قیدیوں کو چرا لیا کرتا ہے۔ لوگوں میں جاگ ہوگئی اور آٹھ آدمی میرے پکڑنے کو میرے پیچھے دوڑے میں مٹھیاں بند کر کے خندق کے راستے بھاگا اور ایک غار میں جا چھپا۔ یہ لوگ میرے پیچھے ہی پیچھے غار پر آ پہنچے لیکن میں انہیں نہ ملا۔ یہ وہیں پیشاب کرنے کو بیٹھے، واللہ ان کا پیشاب میرے سر پر آ رہا تھا۔ لیکن اللہ نے انہیں اندھا کر دیا۔ انکی نگاہیں مجھ پر نہ پڑیں ادھر اُدھر ڈھونڈھ بھال کر واپس چلے گئے۔ میں نے کچھ دیر گزار کر جب یہ یقین کر لیا کہ وہ پھر سو گئے ہوں گے تو یہاں سے نکلا پھر مکہ کی راہ لی اور وہیں پہنچ کر اس مسلمان قیدی کو اپنی کمر پر چڑھایا اور وہاں سے لے بھاگا۔ چونکہ وہ بھاری بدن کے تھے میں جب اذخر میں پہنچا تو تھک گیا میں نے انہیں کمر سے اتار کر ان کے بندھن کھول دیے اور آزاد کر دیا۔ اب اٹھاتا چلاتا مدینے پہنچ گیا۔ چونکہ عناق کی محبت میرے دل میں تھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اس سے نکاح کر لوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ میں نے دوبارہ یہی سوال کیا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور یہ آیت اُتری۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مرثد! زانیہ سے نکاح زانی یا مشرک ہی کرتا ہے تو اس سے نکاح کا ارادہ چھوڑ دے۔

نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا وہ بدکار پیشہ ور عورت تھی کسی صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے زنا کے سلسلہ میں ایک مرد اور ایک عورت کو پٹوایا اور ان کو ترغیب دی کہ دونوں میں نکاح ہو جائے لیکن اس مرد نے انکار کر دیا (معلوم ہوا کہ زانیہ سے زانی کا نکاح جائز ہے) طبرانی اور دار قطنی نے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرے اور پھر اس سے نکاح کر لینا چاہے تو کیا حکم ہے، فرمایا حرام حلال کو حرام نہیں بنا دیتا۔ عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی اپنی مصنف میں بیان کیا ہے کہ کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا ہو پھر نکاح کر لینا چاہتا ہو تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا آغاز زنا ہے اور انجام نکاح۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ تفسیر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بُری عادت پر قائم رہیں۔ اور اگر

ان میں سے کوئی مرد خانہ داری یا اولاد کی مصلحت سے کسی پاکدامن شریف عورت سے نکاح کرلے یا ایسی عورت کسی نیک مرد سے نکاح کرلے تو اس آیت سے اس نکاح کی نفی لازم نہیں آتی۔ یہ نکاح شرعاً درست ہو جائے گا۔ جمہور فقہاء امت، امام اعظم ابوحنیفہ، مالک، شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔ اور صحابہ کرام سے ایسے نکاح کرانے کے واقعات ثابت ہیں تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی فتویٰ نقل کیا ہے۔

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
اور یہ حرام ہوا ہے ایمان والوں پر

مؤمنین کیلئے زنا اور زانیہ سے نکاح حرام ہے:

یعنی زنا مومنین پر حرام ہے۔ ایک مومن مومن رہتے ہوئے یہ حرکت نہیں کرے گا۔ حدیث میں ہے "لایزنی الزانی حین یزنی وهو مومن" یہ مطلب ہے کہ زانیہ سے نکاح کرنا ان پاکباز مردوں پر حرام کر دیا گیا ہے جو صحیح اور حقیقی معنوں میں مومنین کہلانے کے مستحق ہیں یعنی تکوینی طور پر ان کے پاک نفوس کو ایسی گندی جگہ کی طرف مائل ہونے سے روک دیا گیا ہے۔ اس وقت "حرم" کے معنی وہ ہوں گے جو "وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ" میں یا "وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا" میں لئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

حرام نکاح اور حرام فعل:

کسی مشرک عورت سے یا جو عورتیں ہمیشہ کے لئے حرام ہیں ان میں سے کسی سے نکاح کر لیا تو یہ گناہ عظیم بھی ہے اور ایسا نکاح شرعاً کالعدم ہے زنا میں اور اس میں کوئی فرق نہیں۔ دوسرے یہ کہ فعل حرام ہے یعنی گناہ موجب سزا ہے مگر دنیا میں اس فعل کے کچھ ثمرات رہتے ہیں معاملہ صحیح ہو جاتا ہے جیسے کسی عورت کو دھوکہ دے کر یا اغوا کر کے لے آیا پھر شرعی قاعدے کے مطابق دو گواہوں کے سامنے اس کی مرضی سے نکاح کر لیا تو یہ فعل تو ناجائز و حرام تھا مگر نکاح صحیح ہو گیا اولاد ثابت النسب ہوگی اسی طرح زانیہ اور زانی کا نکاح جبکہ ان کا مقصود اصلی زنا ہی ہو نکاح محض کسی دنیوی مصلحت سے کرتے ہوں اور زنا سے توبہ نہیں کرتے ایسا نکاح حرام ہے مگر دنیوی احکام میں باطل کالعدم نہیں۔ نکاح کے ثمرات شرعیہ نفقہ، مہر، ثبوت نسب اور میراث سب جاری ہوں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ
اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو
ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
پھر نہ لائے چار مرد شاہد

پاکدامن عورت پر زناء کی تہمت لگانا:

یعنی ایسی پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں جن کا بدکار ہونا کسی دلیل یا قرینہ شرعیہ سے ثابت نہیں۔ اُس کی سزا بیان فرماتے ہیں اور یہی حکم پاکباز مردوں پر تہمت لگانے کا ہے۔ چونکہ یہ آیات ایک عورت کے قصہ میں نازل ہوئیں اس لئے اُن ہی کا ذکر فرمایا۔ اگر چار گواہ پیش کر دیئے اور ان کی شہادت بقاعدہ شریعت پوری اُتری تو مقذوف یا مقذوفہ پر حد زنا جاری کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ اور جو لوگ پاکدامن عورتوں کو تہمت زنا لگاتے ہیں۔ یعنی صراحۃً لفظ زنا کی کسی پاکدامن عورت کی طرف نسبت کرتے ہیں مثلاً کوئی یوں کہتا ہے تو نے زنا کیا یا کہتا ہے اے زانیہ یہ مفہوم کی تفسیر تمام علماء تفسیر و فقہ کے نزدیک مسلمہ ہے کیونکہ چار شہادتیں پیش کرنے کی شرط آیت میں صراحۃً مذکور ہے (اور یہ شرط صرف زنا ہی کے ثبوت کی ہے) اب کسی شخص نے کسی پر کسی دوسرے گناہ کی تہمت لگائی تو باجماع علماء حد قذف (تہمت زنا لگانے کی سزا) اس پر لازم نہ ہوگی۔ بلکہ حاکم حسب صوابدید اس کو تعزیر کر سکتا ہے۔ اس طرح اگر صراحۃً زنا کی تہمت نہیں لگائی بلکہ پردے پردے میں تعریضاً کسی کی طرف زنا کی نسبت کی (مثلاً یوں کہا میں تو زانی نہیں۔ مطلب یہ کہ تم زانی ہو) تو امام ابوحنیفہ امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری، ابن سیرین اور حسن بن صالح کے نزدیک حد قذف جاری نہیں کی جائے گی۔

محصنات کا مطلب:

باجماع علماء احصان سے اس جگہ مراد یہ ہے کہ آزاد ہو بالغ ہو عاقل ہو مسلمان ہو پاکدامن ہو اس سے پہلے متہم بازنا نہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا من اشرک باللّٰه فلیس بمحصن (جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ عبادت میں ساجھی بنایا وہ محصن نہیں ہے) اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔

اگر کسی نے اپنی عمر میں کبھی جرم زنا کا ارتکاب کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو اور اس کی حالت درست ہو گئی ہو اور درستی پر ایک مدت گزر گئی ہو پھر کسی کی طرف مجرم زنا ہونے کی کوئی نسبت کرے تو تہمت لگانے والے پر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی کیونکہ زنا کی نسبت کرنے والا اپنے قول میں سچا ہوتا ہے البتہ اس کو تعزیر کی جائے گی کیونکہ جس شخص نے توبہ کر لی ہے اس کی طرف اس نے گذشتہ گناہ کی نسبت کی حالانکہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی باندی غلام یا بچے یا پاگل کی طرف زنا کی نسبت کرنے والا بھی حد قذف کا مستوجب نہیں ہوتا۔ داؤد کے متعلق روایت میں آیا ہے کہ ان کے نزدیک باندی غلام پر تہمت زنا لگانے والے پر

حد قذف جاری کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس ان کے آخری وقت آئے تو فرمانے لگے: اے ام المومنین! آپ خوش ہو جائیے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے پیش آتے رہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے سوا کسی کنواری سے نکاح نہیں کیا، اور آپ کی براءت آسمان سے نازل ہوئی۔

مومنوں والا کلمہ:

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ اپنے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ کرنے لگیں تو حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرا نکاح آسمان سے اترا، اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میری پاکدامنی کی شہادت قرآن کریم میں آسمان سے اتری جب کہ صفوان بن معطلؓ مجھے اپنی سواری پر بٹھا کر لائے تھے۔ حضرت زینب نے پوچھا یہ تو بتاؤ جب تم اس اونٹ پر سوار ہوئی تھیں تو تم نے کیا کلمات کہے تھے؟ آپ نے فرمایا حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ اس پر وہ بول اٹھیں کہ تم نے مومنوں کا کلمہ کہا تھا۔ پھر فرمایا جس نے آپ پر یعنی صدیقہ پر تہمت لگائی ہے ہر ایک کو بڑا عذاب ہوگا اور جس نے اس کی ابتداء کی [illegible] عذاب [illegible] عبداللہ بن ابی بن سلول ملعون ہے۔ جیسا کہ قول ہے۔

ثبوت تہمت کی شرائط

[illegible] یعنی جو لوگ پاکدامن عورتوں پر تہمت زنا کی لگائیں اور پھر چار گواہ نہ پیش کر سکیں۔ تو تہمت لگانے والے کو کوڑے مارو اور اگر چار گواہ زنا کے پیش کردے تو اب قذف کرنے والا سبکدوش ہو جائے گا اس کے اوپر حد قذف جاری نہیں کی جائے گی (بلکہ تہمت زنا ثابت ہو جانے کی وجہ سے زانی کو کوڑے مارے جائیں گے) اگر چار گواہ زنا کے تو پیش کردیئے لیکن مختلف اوقات میں متفرق طور پر پیش ہوئے اور سب مجتمع ہو کر نہیں آئے تو زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور جس پر تہمت لگائی گئی ہے اس پر حد زنا جاری نہ ہوگی، امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے۔ لیکن تہمت لگانے والا بھی [illegible] نہیں رہے گا وہ بھی حد قذف سے محفوظ ہو جائے گا۔ کیونکہ زنا کی شہادت کی تعداد تو بہرحال موجود ہے۔ [illegible] شرط تمام نہیں کی گئی ہے تاکہ زنا کی حد ساقط ہو جائے۔ قاذف (تہمت لگانے والے) پر حد قذف [illegible] شرط نہیں لگائی گئی ہے (کہ سب گواہ اجتماعی شکل میں شہادت دیں یا ساتھ ساتھ آئیں تو قاذف پر حد جاری کردی جائے) اسی طرح اگر مجرم یا زانیہ نے ایک بار اقرار

لیا تو اس پر حد زنا جاری نہ ہوگی اور نہ قاذف پر حد قذف جاری ہوگی۔

آیت میں شہداء سے مراد وہ شہداء ہیں جو شرعاً شہادت کے اہل ہوں، اسی لئے اگر اندھوں نے شہادت دی یا ایسے لوگوں نے شہادت دی جو جرم قذف میں سزا یافتہ ہوں یا شہداء میں کوئی غلام ہو، ان سب صورتوں میں زنا کا ثبوت نہ ہوگا، بلکہ ان گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی، ایسے لوگ شرعاً شہادت کے قابل نہیں۔ ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے خواہ تو شاہد بنے [illegible] شہادت [illegible] زنا کا ثبوت تو اوروں کی شہادت سے ہوتا ہے۔

لیکن اگر گواہ فاسق ہوں تو ان پر حد قذف تو جاری نہ ہوگی لیکن ان کی شہادت سے زنا کا ثبوت بھی نہ ہو سکے گا۔ اس لئے تہمت زدہ پر حد زنا بھی جاری نہ ہوگی، کیونکہ فاسق شہادت [illegible] شاہد بننے کا اہل تو ہے لیکن فسق کی وجہ سے اس کی شہادت میں کچھ ضعف ہے [illegible] شہادت سے شبہ زنا تو پیدا ہو جائے گا اور وہ حد قذف سے محفوظ رہیں گے اور ثبوت زنا نہ ہوگا اس لئے زانی پر حد زنا جاری نہ ہوگی۔ امام شافعی کے نزدیک فاسق گواہوں پر حد قذف جاری کی جائے گی کیونکہ شافعی کے نزدیک فاسق غلام کی طرح شہادت کا اہل ہی نہیں ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ [illegible] گواہوں کی تعداد چار سے کم ہو تو ان پر حد قذف جاری کی جائے گی (اور ان کو مجرم قرار دیا جائے گا) [illegible] شہادت کی ضرورت تھی اور چار سے کم گواہ ہوں تو یہ غرض حاصل نہیں ہو سکتی (چار گواہوں کی گواہی صرف جرم کے [illegible] مسلمانوں کی آبروریزی سے [illegible] تو ثابت ہے۔ [illegible] ہی جرم کا ثبوت ہے۔ جب شہادت ناتمام ہوئی تو اس میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

شریعت اسلام نے بغیر ثبوت شرعی کے جس کا نصاب چار مرد گواہ عادل ہونا ہے اگر کوئی کسی پر تہمت صریح زنا کی لگائے تو اس تہمت لگانے کو بھی شدید جرم قرار دیا اور اس جرم پر بھی حد شرعی اسی کوڑے مقرر کی جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی شخص پر زنا کا الزام کوئی شخص اسی وقت لگانے کی جرأت کرے گا جبکہ اس کے اس فعل خبیث کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا بھی اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرے ساتھ اور تین مردوں نے دیکھا ہے اور وہ گواہی دیں گے۔ کیونکہ اگر دوسرے گواہ ہیں ہی نہیں یا چار سے کم ہیں یا ان کے گواہی دینے میں شبہ ہے تو اکیلا یہ شخص گواہی دے کر تہمت زنا کی سزا کا مستحق بننا کسی حال گوارا نہ کرے گا۔

ایک شبہ اور جواب:

ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ جب زنا کی شہادت کے لئے ایسی کڑی شرطیں لگا دی ہیں تو مجرموں کو تو چھٹی مل گئی نہ کسی کو شہادت کی جرأت ہوگی نہ کبھی ثبوت شرعی بہم

پہنچ گانہ ایسے مجرم کبھی سزایاب ہوسکیں گے مگر یہ خیال اس لئے غلط ہے کہ زنا کی حد شرعی یعنی سو کوڑے یا رجم وسنگساری کی سزا دینے کے لئے تو یہ شرطیں ہیں لیکن دو غیر محرم مرد وعورت کو یکجا قابل اعتراض حالت میں یا بے حیائی کی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی شہادت دینے پر کوئی پابندی نہیں اور ایسے تمام امور جو زنا کے مقدمات ہوتے ہیں یہ بھی شرعاً قابل سزا جرم ہیں لیکن حد شرعی کی سزا نہیں بلکہ تعزیری سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید کے مطابق کوڑے لگانے کی دی جاتی ہے اس لئے جس شخص نے دو مرد وعورت کو زنا میں مبتلا دیکھا مگر دوسرے گواہ نہیں ہیں تو صریح زنا کے الفاظ سے تو شہادت نہ دے مگر بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے اور حاکم قاضی اس پر تعزیری سزا بعد ثبوت جرم جاری کر سکتا ہے۔

محصنت کون ہیں:

یہ لفظ ''احصان'' سے مشتق ہے اصطلاح شرع میں احصان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا حد زنا میں اعتبار کیا گیا ہے وہ یہ کہ جس پر زنا کا ثبوت ہو جائے وہ عاقل بالغ آزاد مسلمان ہو اور کسی عورت سے ساتھ نکاح صحیح کر چکا ہو اور اُس سے مباشرت بھی ہو چکی ہو تو اس پر سزائے رجم وسنگساری جاری ہو گی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا
[illegible]
لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا
اُن کی کوئی گواہی کبھی

زنا کی تہمت لگانے کی سزا:

یہ سزا قاذف (تہمت لگانے والے) کی ہوئی کہ (مقذوف کے مطالبہ پر) اسی کوڑے لگائے جائیں اور آئندہ ہمیشہ کے لئے (معاملات) میں مردود الشہادت قرار دیا جائے۔ حنفیہ کے نزدیک توبہ کے بعد بھی اس کی شہادت معاملات میں قبول نہیں کی جاتی۔ [illegible]

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً کی وضاحت بشرطیکہ گواہی دینے والے آزاد ہوں (غلام نہ ہوں) اگر گواہ غلام ہوں تو با جماع فقہاء ان کی سزا آدھی ہو جائے گی یعنی ہر غلام گواہ کے چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ فقہاء نے حد قذف کو حد زنا پر قیاس کیا ہے (زانی غلام یا باندی ہو تو پچاس کوڑے مارے جانے کا حکم بصراحت قرآنی اور حدیث میں آیا ہے۔ اس سے قاذف اور غلام ہو تو اس کی سزا بھی آدھی ہو گی)۔ [illegible] زانی باندیوں سے متعلق فرمایا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (تفسیر مظہری)

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ
اور یہی لوگ ہیں نافرمان

تہمت لگانے والا فاسق ہوا:

اگر واقع میں جھوٹ بولا اور جھوٹی تہمت لگائی تھی تب تو ان کا فاسق و نافرمان ہونا ظاہر ہے اور اگر واقعی سچ بیان کیا تھا لیکن جانتے تھے کہ چار گواہوں سے ہم اپنا دعویٰ ثابت نہیں کر سکیں گے تو ایسی بات کا اظہار کرنے سے بجز ایک مسلمان کی آبرو ریزی اور پردہ دری کے کیا مقصود ہوا جو بجائے خود ایک مستقل گناہ ہے [illegible]

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ
[illegible]
اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
[illegible]

توبہ سے فسق کا ازالہ ہو جاتا ہے:

یعنی توبہ اور اصلاح حال کے بعد اللہ کے نافرمان بندوں میں اُس کا شمار نہ رہے گا۔ گو پچھلے قذف کی سزا میں مردود الشہادت پھر بھی رہے۔ یہی مذہب سلف میں سے قاضی شریح۔ ابراہیم نخعی۔ سعید بن جبیر۔ مکحول۔ عبدالرحمن بن زید بن جابر۔ حسن بصری۔ محمد بن سیرین اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا ہے [illegible] (تفسیر عثمانی)

توبہ سے سزا ساقط نہیں ہوتی:

امام ابوحنیفہ نے فرمایا اِلَّا الَّذِيْنَ کا استثناء جملہ آخری بعد کی طرف راجع ہے (یعنی جو لوگ توبہ کرلیں گے اور اپنے احوال درست کرلیں گے وہ فاسق نہیں رہیں گے مطلب یہ ہے کہ توبہ سے قذف کی سزا معاف نہیں ہوگی صرف فاسق ہونے کا حکم جاتا رہے گا) اصول فقہ میں امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے۔ توبہ سے فسق ختم ہو جاتا ہے، حدود ساقط نہیں ہوتیں جمہور علماء کے نزدیک توبہ سے حد ساقط نہیں ہوتی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ
اور جو لوگ عیب لگائیں اپنی (منکوحہ) بیبیوں کو

یعنی زنا کی تہمت لگائے یا اپنے بچہ کو کہے کہ یہ میرے نطفہ سے نہیں۔

(تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء سے زنا کرنے کی تہمت لگائی (واقعہ یقیناً سچ تھا لیکن شرعی شہادت موجود نہیں تھی اس لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرعی ثبوت پیش کرو ورنہ تمہاری پشت پر کوڑے مارے جائیں گے۔ ہلال نے عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی شخص کسی کو اپنی بیوی پر دیکھے تو کیا گواہوں کو تلاش کرنے جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ یا تمہاری پشت پر کوڑے۔ ہلال نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں بالکل سچا ہوں اللہ ضرور (وحی کے ذریعہ) نازل فرمائے گا جس سے میری پشت کوڑوں سے بچ جائے گی۔ اس وقت جبرئیل آیت ذیل لے کر نازل ہوئے۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اور جو لوگ اپنی بیویوں کی طرف زنا کی نسبت کرتے ہیں۔ کیفیت وحی دور ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ تک تلاوت فرمائی حسب الحکم ہلال آئے اور انہوں نے شہادت ادا کی یعنی لعان کیا اور حضور برابر فرماتے رہے کہ اللہ جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنے قول سے رجوع کرے گا۔ ہلال کی شہادت کے بعد عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت ادا کی یعنی لعان کیا جب پانچویں شہادت کا نمبر آیا تو لوگوں نے اس کو روکا اور کہا یہ شہادت فیصلہ کر دینے والی ہے (اگر تو نے جرم کیا ہے تو شہادت سے اب بھی رک سکتی ہے) عورت ذرا جھجکی اور مڑی یہاں تک کہ ہمارا خیال ہوا کہ یہ (شہادت سے) رک جائے گی پھر کہنے لگی میں اپنے خاندان کو آئندہ ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کروں گی چنانچہ اس نے شہادت جاری رکھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس عورت کو دیکھتے رہنا (اگر اس کے بچہ پیدا ہوا اور آنکھیں سرگیں ہوں سرین بھاری ہوں اور پنڈلیاں گداز ہوں تو (خیال کرنا کہ) وہ شریک بن سحماء کا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کتاب اللہ کا فیصلہ نازل نہ ہوا ہوتا تو پھر میں اس عورت سے سمجھتا۔

ابن عویمر کی بیوی کا واقعہ:

صحیح میں حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے آیا ہے کہ ابن عویمر عجلانی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی آدمی کو (مشغول) دیکھ لے تو کیا کرے اگر وہ قتل کر دے گا تو آپ لوگ (قصاص میں) اس کو قتل کر دیں گے (گواہ لینے جائے گا تو وہ دونوں فارغ ہو کر چل چکے ہوں گے) بتائیے وہ کیا کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اور تمہاری بیوی کے معاملہ میں حکم نازل ہو گیا ہے جاؤ اپنی بیوی کو لے آؤ حضرت سہل کا بیان ہے پھر دونوں نے مسجد کے اندر لعان کیا میں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا لعان سے دونوں فارغ ہو گئے تو عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اب اس کے بعد میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں گا تو (گویا) میں نے اس پر تہمت تراشی کی (کیونکہ غیرت مند آدمی زنا کار عورت کو اپنے نکاح میں نہیں رکھتا ہے) چنانچہ انہوں نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھتے رہنا اگر اس عورت کے بچہ پیدا ہو اور وہ سانولا، سیاہ چشم، بھاری سرینوں اور گداز پنڈلیوں والا ہو تو میرا خیال ہو جائے گا کہ عویمر (یعنی ابن عویمر) نے سچ کہا تھا اور اگر سرخ رنگ کا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اس عورت پر دروغ بندی کی چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو وہ ایسا ہی تھا جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کے مطابق عویمر کی سچائی ظاہر ہوتی تھی چنانچہ آئندہ اس بچہ کا نسب ماں سے ملایا جاتا (اور ولد عویمر نہیں کہا جاتا تھا)

حضرت سعید بن معاذ کی گفتگو، حضرت ہلال کا واقعہ:

امام احمد نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا

نازل ہوئی تو انصار کے سردار حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا (کیا) اسی طرح آیت نازل ہوئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ انصار سن رہے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے (اس کو نزول آیت میں شبہ ہے) انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آپ برا نہ کہیں یہ بڑے غیرت مند آدمی ہیں بخدا انہوں نے (کبھی کسی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح نہیں کیا) ہمیشہ ناکتخدا سے ہی نکاح کیا اور نہ اپنی کسی بیوی کو طلاق دی (یعنی جس عورت کا پردہ کسی مرد نے اٹھا لیا ہو اس کو انہوں نے کبھی ساتھ رکھنا پسند نہیں کیا اور انتہائی غیرت یہ کہ کسی عورت کو طلاق نہیں دی۔ کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر سکے) ان کی اسی شدت غیرت کی وجہ سے ہم میں سے کوئی شخص جرأت نہیں کر سکتا کہ (اگر ان کی چھوڑی ہوئی کوئی عورت ہو تو) اس سے نکاح کر لے۔ حضرت سعد نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ قربان بخدا یہ تو میں ضرور جانتا ہوں کہ یہ آیت حق ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مجھے تعجب اس بات پر ہے کہ اگر میں بدکار عورت کو اس حالت میں دیکھوں کہ کوئی شخص اس کو اپنی رانوں میں دبائے ہوئے ہے تو مجھے یہ بھی اجازت نہیں کہ میں اس کو اس کی جگہ سے ہلا سکوں جب تک کہ چار گواہ لا کر ان کو آنکھوں سے دکھا نہ دوں خدا کی قسم جب تک میں گواہ لاؤں گا وہ شخص اپنا کام کر کے چل دے گا۔ اس واقعہ کو زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ

ہلال بن امیہ کا قصہ ہو یا حضرت ہلال ان تینوں میں سے ایک تھے جن کی توبہ قبول ہونے کی صراحت آیت میں آئی تھی۔ (غزوہ تبوک میں تینوں شخص باوجود قدرت کے نہیں گئے تھے اور واپسی کے وقت حاضر خدمت ہو کر انہوں نے سچ سچ عرض کردیا تھا اور اپنے قصور کا اعتراف کر لیا تھا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سخت عتاب کیا تھا اور مسلمانوں کو ان کے بائی کاٹ کا حکم دے دیا تھا انہوں نے چالیس پچاس دن برابر اللہ سے زاری کی اور روتے رہے آخران کی توبہ قبول ہوئی اور قبول توبہ کی آیت اللہ نے نازل فرمادی) وہ قصہ یوں ہوا کہ حضرت ہلال رات کو اندھیرا پڑے اپنی زمین سے واپس آئے آکر دیکھا کوئی شخص ان کی بیوی کے پاس موجود ہے (اور کام میں مشغول ہے) آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کی حرکت دیکھی اور اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنیں لیکن اس شخص کو متنبہ نہیں کیا صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں اندھیرا پڑے گھر آیا تو میں نے اپنی بیوی کے پاس ایک آدمی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے (ان کی باتیں) سنیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ناگوار ہوئی اور بارگذری، دوسری طرف انصار جمع ہوئے اور انہوں نے کہا سعد بن عبادہ کے قول نے ہم کو آزمائش میں ڈال دیا۔ اب ہلال بن امیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کوڑے) لگوائیں گے اور لوگوں میں ان کی شہادت کو باطل قرار دیں گے۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ اللہ میرے لئے اس سے رہائی کا کوئی راستہ ضرور نکال دے گا (راوی کا بیان ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوڑے لگوانے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ اللہ نے آپ پر وحی نازل فرمائی۔ جب وحی نازل ہوگئی (اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا دی) لوگ ہلال کو کوڑے مارنے سے رک گئے۔ آیت نازلہ یہ تھی وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ الخ ابویعلیٰ نے ایسا ہی بیان حضرت انس کا نقل کیا ہے بغوی نے یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد اس کے آخر میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہلال تم کو خوش خبری ہو اللہ نے تمہارے لئے کشائش پیدا کردی ہلال نے کہا مجھے اللہ سے اس کی امید تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کو بلواؤ حسب الحکم عورت حاضر ہوئی جب دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکٹھے ہوئے تو عورت سے (ہلال کا قول) کہا گیا عورت نے ہلال کے قول کو جھوٹا قرار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ یقیناً جانتا ہے کہ تم دونوں میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں سے کوئی (اپنے بیان سے) رجوع کرنے والا ہے۔ ہلال نے کہا یارسول اللہ! میرے ماں باپ قربان میں سچ کہہ چکا اور میں نے حق بات کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان دونوں کے درمیان لعان کرادو۔ حسب الحکم ہلال سے کہا گیا، شہادت دو ہلال نے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں یقیناً سچا ہوں، پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال سے فرمایا ہلال اللہ سے ڈر دنیوی عذاب، آخرت کے عذاب سے آسان ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ پانچویں شہادت واجب کرنے والی ہے (اگر تو جھوٹا ہے تو) عذاب کو تجھ پر واجب کر دے گی۔ ہلال نے کہا خدا کی قسم اللہ اس شہادت پر مجھے عذاب نہیں دے گا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر میرے کوڑے نہیں ماریں گے۔ اس کے بعد پانچویں شہادت میں ہلال نے کہا کہ اللہ کی لعنت مجھ پر اگر میں جھوٹا ہوں، پھر پانچویں شہادت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو روکا اور فرمایا اللہ سے ڈر پانچویں شہادت یقیناً واجب کرنے دینے والی ہے اور اللہ کا عذاب لوگوں کے عذاب سے زیادہ سخت ہے۔ یہ سن کر عورت تھوڑی دیر کے لئے ٹھٹکی اور اقرار کرنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر کہنے لگی۔ خدا کی قسم میں اپنے خاندان کو رسوا نہیں کروں گی۔ چنانچہ اس نے پانچویں شہادت بھی دے دی اور کہا اللہ کا مجھ پر غضب ہو اگر وہ (ہلال) سچا ہو۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ الگ کر دیا اور فیصلہ کر دیا کہ بچہ (اگر ہو گا تو) عورت کا ہو گا باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی۔ لیکن بچہ ولد حرام نہیں کہا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر بچہ ایسا ایسا ہو تو شوہر کا ہو گا اور اگر ایسا ایسا ہو تو وہ اس شخص کا ہو گا جس کا نام لیا گیا ہے۔ چنانچہ جب بچہ پیدا ہوا تو خاکستری رنگ کے اونٹ کی طرح بدشکل تھا جو آئندہ زندگی میں مصر کا حاکم بنا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ کون تھا۔

عکرمہ نے کہا وہ بچہ مصر کا گورنر ہوا اور کسی باپ کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جاتی تھی۔ اکثر طرق روایت میں آیا ہے کہ لعان کرنے کے وقت ہلال کی بیوی حاملہ تھی۔

عویمر کے واقعہ کی تفصیل:

بغوی نے لکھا ہے کہ تمام روایات میں حضرت ابن عباس کا بیان مندرجہ ذیل آیا ہے اور یہی مقاتل نے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الخ نازل ہوئی۔ اور منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔ تو عاصم بن عدی انصاری نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے (یہ فرمائیے) اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو (مشغول) دیکھے اور جو کچھ دیکھا ہے اس کو بیان کر دے تو اس کے اسی کوڑے مارے جائیں گے اور مسلمان اس کو فاسق کہیں گے اور آئندہ اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔ ہم گواہ اس وقت تک کہاں سے لا سکتے ہیں گواہوں کی تلاش میں جائیں گے تو اتنے وقت میں وہ شخص اپنے کام سے

دریافت کرو۔ جب یہ پوچھا جا چکا تو عاصم کے ایک چچا زاد بھائی تھے جن کا نام عویمر تھا اور عویمر کی بیوی خولہ بنت قیس بن محصن تھیں (چند روز بعد) عویمر عاصم کے پاس پہنچے اور کہا (بھائی) میں نے اپنی بیوی خولہ کے پیٹ پر سوار شریک بن سحماء کو دیکھا (یہ سن کر) عاصم نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اگلے جمعہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ گذشتہ جمعہ کو جو بات میں نے عرض کی تھی اس میں مبتلا میرے ہی خاندان کا ایک شخص ہو گیا۔ عویمر، خولہ اور شریک سب عاصم کے ہی قوم (یعنی ایک ہی دادا کی اولاد) تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلب فرمایا اور عویمر سے ارشاد فرمایا وہ تیری بیوی اور تیرے چچا کی بیٹی ہے، اللہ سے ڈر اور بدگمانی کی وجہ سے تہمت نہ لگا۔ عویمر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے شریک کو اس کے پیٹ پر دیکھا اور چار مہینے سے میں خولہ کے قریب بھی نہیں گیا۔ اس وقت سے وہ حاملہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا، اللہ سے ڈر اور جو کچھ تو نے دیکھا سچ بیان کر دے۔ عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ عویمر بد غیرت آدمی ہے اس نے دیکھا کہ میں اور شریک (رات کو) بیدار رہتے اور باہم باتیں کرتے رہتے۔ اس کو غیرت آئی اور غیرت نے اس سے یہ بات کہلوائی (جو اس نے آپ سے کہی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریک سے فرمایا تیرا کیا بیان ہے؟ اس نے بھی عورت جیسی بات کہی۔ اس پر آیت وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو حکم دیا کہ الصلوٰۃ جامعۃ کی ندا کرو۔ منادی نے ندا کی، لوگ جمع ہو گئے۔ آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر عویمر سے فرمایا، کھڑا ہو اور کہہ میں اللہ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً سچا ہوں۔ عویمر نے کھڑے ہو کر شہادت دی، پھر دوسری شہادت میں عویمر نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے شریک کو خولہ کے پیٹ پر دیکھا اور میں یقیناً سچا ہوں۔ پھر تیسری شہادت میں عویمر نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ عورت حاملہ ہے اور یہ حمل میرا نہیں ہے اور میں سچا ہوں پھر چوتھی شہادت میں عویمر نے کہا میں اللہ کو شاہد بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے چار مہینے سے اس سے قربت نہیں کی اور بلاشبہ میں سچا ہوں۔ پھر پانچویں مرتبہ عویمر نے کہا اگر عویمر اس بات میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت ہو (اس کے بعد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خولہ سے فرمایا، کھڑی ہو (اور قسم کھا کر بیان کر) خولہ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں زانیہ نہیں ہوں اور عویمر جھوٹا ہے۔ پھر دوسری شہادت میں خولہ نے کہا، میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ عویمر نے شریک کو میرے پیٹ پر نہیں دیکھا اور عویمر جھوٹا ہے، پھر تیسری شہادت میں عورت نے کہا میں عویمر سے حاملہ ہوں اور یہ جھوٹا ہے، پھر چوتھی شہادت میں عورت نے کہا عویمر نے کبھی مجھے زناء کی حالت میں ہرگز نہیں دیکھا اور یہ جھوٹا ہے، پھر پانچویں شہادت میں اس نے کہا اگر عویمر اس قول میں سچا ہو تو خولہ پر اللہ کا عذاب ہو۔ تکمیل شہادت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو الگ کرا دیا اور فرمایا اگر یہ قسمیں نہ ہوتیں تو اس وقت اس عورت سے معاملے میں کچھ اور ہی ہوتا۔ پھر لوگوں سے فرمایا بچے کی پیدائش کے وقت دیکھتے رہو اگر بچے کے دونوں ابرو کشادہ ہوں دونوں میں فاصلہ ہو اور بھورے ہوں رنگ مائل بہ سیاہی ہو تو (سمجھو کہ) وہ شریک بن سحماء کا ہے اور اگر رنگ خاکستری ہو بال گھنگھریالے ہوں، اعضاء کے جوڑ اونٹ کی طرح ہوں تو سمجھو کہ وہ اس شخص کا نہیں ہے جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے (بلکہ وہ عویمر کا ہوگا) حضرت ابن عباس نے فرمایا خولہ کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو وہ شریک سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

لعان کیلئے دو شرطیں۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا، جب تک دو شرطیں نہ ہوں گی لعان جائز نہ ہوگا ایک شرط یہ ہے کہ مرد اہل شہادت ہو یعنی مسلمان آزاد عاقل بالغ ہو دوسری شرط یہ ہے کہ عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف (تہمت زنا لگانے والے) کو حد لگائی جاسکتی ہو یعنی مسلمان ہو آزاد ہو، عاقل ہو، بالغ ہو اور (اس سے پہلے) اس کی طرف زنا کی نسبت نہ کی گئی ہو امام صاحب کے اس قول پر اگر عورت ایسی ہو کہ اس کے قاذف کو حد قذف نہ لگائی جاسکتی ہو اور عورت باندی ہو یا کافر ہو یا تہمت زنا کا پہلے سزا یافتہ ہو (اور ایسی عورت پر مرد تہمت زنا لگائے) تو لعان کا حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ حاکم اگر مناسب سمجھے گا تو تعزیری سزا مرد کو دے گا۔

امام صاحب نے شوہر کے لئے شہادت کا اہل ہونے کی شرط لگائی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ عورت ایسی ہو جس کے قاذف پر حد قذف جاری کی جاسکتی ہو ان دونوں باتوں کا ثبوت عمرو بن شعیب کی روایت کردہ حدیث سے ملتا ہے اس حدیث کو ابن ماجہ اور دار قطنی نے چند طرق سے نقل کیا ہے۔

دار قطنی نے بروایت عثمان بن عبدالرحمن زہری بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار (صورتیں) ہیں جن میں لعان نہیں ہے۔ آزاد مرد اور باندی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے غلام مرد اور آزاد بی بی کے درمیان لعان نہیں ہے مسلم مرد اور یہودیہ عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ مسلم مرد اور نصرانی عورت کے درمیان لعان نہیں ہے۔ یحییٰ، بخاری، ابوحاتم رازی اور ابوداؤد نے کہا عثمان بن عبدالرحمن کچھ نہیں ہے (یعنی ہے ناقابل اعتبار ہے) یحییٰ نے ایک بار کہا وہ جھوٹ کہتا تھا ابن حبان نے کہا موضوع احادیث کی روایت کا سلسلہ قابل اعتماد راویوں سے ملاتا تھا اس کی روایت کردہ حدیث کو حجت میں پیش کرنا جائز نہیں۔ نسائی اور دار قطنی نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دارقطنی اور ابن ماجہ نے عثمان بن عطا خراسانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار عورتوں سے لعان نہیں۔ [illegible] مسلمان مرد، یہودی عورت مسلمان مرد، باندی عورت آزاد مرد، آزاد عورت غلام مرد۔ یحییٰ اور دارقطنی نے عثمان بن عطاء کو ضعیف کہا ہے ابوحاتم اور ابن حبان نے کہا اس کی حدیث سے احتجاج جائز نہیں۔ علی بن جنید نے کہا یہ متروک الحدیث ہے۔

دارقطنی نے کہا عثمان کی متابعت یزید بن زریع نے بھی کی ہے اس نے [illegible] یہ حدیث بیان کی ہے لیکن یزید [illegible] بھی ضعیف ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے ضعیف حدیث [illegible] (اور ہر سند میں ضعف ہو) تو وہ حجت (قابل استدلال) ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اسی قسم کی ہے اس کی تائید اوزاعی اور ابن جریج کی روایت سے ہو رہی ہے کہ دونوں اماموں نے اس کو عمرو بن شعیب سے [illegible] کا قول قرار دیا ہے (اگرچہ اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہیں کی اور مرفوعاً نہیں بیان کیا پھر بھی موقوفاً ضرور کہا ہے)

امام ابوحنیفہ [illegible] لعان سے انکار کرنا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار ہے لیکن اس میں کسی قدر شبہ ہے (کیونکہ صراحۃً اس نے اقرار کذب نہیں کیا ہے) اور شبہ کی صورت میں حد جاری نہیں کی جا سکتی مجبوراً اس کو قید کیا جائے گا تاکہ وہ یا لعان پر تیار ہو جائے اور لعان کرے یا صراحۃً اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تاکہ اس پر حدِ قذف جاری کی جائے۔

اگر شوہر لعان کرلے تو عورت پر بھی لعان کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب ہو جاتا ہے اگر وہ انکار کرے تو حاکم اس کو قید کر دے اور اتنی مدت قید رکھے کہ وہ لعان کے لئے تیار ہو جائے یا زنا کا اقرار کرے اور شوہر کی تصدیق کر دے۔ بہرحال جب تک لعان اس وقت تک متحقق نہیں ہوتا جب تک عورت بھی لعان نہ کرلے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ
اور شاہد نہ ہوں ان کے پاس سوائے ان کی جان کے تو ایسے شخص کی گواہی
اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ
کی یہ صورت ہے کہ چار بار گواہی دے اللہ کی قسم کھا کر کہ مقرر وہ شخص سچا ہے
وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ
اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو اس شخص پر اگر ہو وہ جھوٹا
وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ
اور عورت سے ٹل جاتی ہے سزا یوں کہ گواہی دے چار بار
بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ
اللہ کی قسم کھا کر بیشک وہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب
اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ
[illegible]

لعان کا طریقہ

یعنی جو اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور اس کے پاس چار گواہ طلب سے جو میسر نہیں تو پیش کرے تو عورت پر حد زنا جاری کر دی جائے گی۔ مرد [illegible] چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ وہ اپنے دعوے میں سچا ہے (یعنی جو تہمت اپنی بیوی پر لگائی ہے اس میں جھوٹ نہیں بولا) گویا چار گواہوں کی جگہ یہ چار حلفیہ شہادتیں ہوئیں اور آخر میں پانچویں مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہو تو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار۔ الفاظ مذکورہ کہنے سے انکار کرے تو جب تک یہ جائے گا اور حاکم اس کو مجبور کرے گا کہ یا اپنے جھوٹے ہونے کا اقرار کرے تو حد قذف کے جو اوپر گزری۔ اور پانچویں مرتبہ یہی الفاظ کہے جو اوپر مذکور ہوئے۔ اگر کہہ دے تو پھر عورت سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ قسم کھا کر بیان کرے کہ یہ مرد تہمت لگانے میں جھوٹا ہے" اور پانچویں دفعہ یہ الفاظ کہے کہ "اللہ کا غضب آوے اس عورت پر اگر یہ مرد اپنے دعوے میں سچا ہو" تاوقتیکہ عورت یہ الفاظ نہ کہے گی اس کو قید میں رکھیں گے اور مجبور کیا جائے گا۔ یا صاف طور پر مرد کے دعوے کی تصدیق کرے تب تو حد زنا اس پر جاری ہوگی اور یا الفاظ مذکورہ بالا اس کی تکذیب کرے۔ اگر اس نے بھی مرد کی طرح یہ الفاظ کہہ دیئے اور "لعان" سے فراغت ہوئی تو اس عورت سے صحبت وہ دوامی صحبت سب حرام ہو گئے۔ پھر اگر مرد نے اس کو طلاق دے دی فبہا ورنہ قاضی ان میں تفریق کرا دے۔ گو دونوں رضامند نہ ہوں یعنی زبان سے کہہ دے کہ میں نے ان میں تفریق کی۔ اور یہ تفریق طلاق بائن کے حکم میں ہو گی۔ (تنبیہ) زوجین سے اس طرح الفاظ کہلوانے کو شریعت میں "لعان" کہتے ہیں اور لعان صرف قذف ازواج کے ساتھ مخصوص ہے عام محصنات کے قذف کا وہی حکم ہے جو اوپر کی آیت میں مذکور ہو چکا۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: اگر عورت نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ واقعی یہ بچہ شوہر کا نہیں ہے انکار ولد میں یہ سچا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس صورت میں نہ لعان کا حکم باقی رہے گا نہ حد زنا ثابت ہو گی، اور بچہ دونوں کا مانا جائے گا کیونکہ لعان ہو جاتا تو بچے کی نسبت پھر شوہر سے نہ ہوتی لیکن لعان نہ ہوا اور زوجین سے نسبی لحاق بچے کا حق ہے اس لئے زوجین کے کہنے سے اس حق کا ابطال نہیں ہو سکتا۔

لعان کے بعد تفریق واجب ہے:

دو یقینی لعان کر لینے کے بعد دونوں میں تفریق کر دینا حاکم پر واجب ہو جاتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں لعان کرنے والوں (یعنی مرد اور عورت) سے فرمایا۔ تمہارا حساب اللہ کے ذمہ ہے یقینی بات ہے کہ تم دونوں میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے (مرد کو مخاطب کر کے فرمایا) اب تیری اس پر کوئی راہ نہیں (یعنی اس سے ملنے کا اب تیرے لئے کوئی راستہ نہیں رہا دوامی انقطاع ہو گیا) اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا مال (یعنی جو مہر میں نے دیا اس کا کیا ہوگا) فرمایا اگر تو نے اس پر سچا الزام لگایا ہے تو مال (مہر) اس حلت کا معاوضہ ہو گیا جو تجھے اس سے جماع کرنے کی حاصل تھی (یعنی تو اس سے قربت کر چکا مہر اس کا معاوضہ ہو جائے گا) اور اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو یہ مال بہت دور چلا گیا اس لئے تیرے لئے اب کوئی مال نہیں ہو سکتا۔ ابوداؤد نے حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت سے لعان کرنے والے مرد و عورت کے مقدمہ میں جو حدیث بیان کی ہے وہ اوپر گزر چکی ہے کہ دونوں میں (دائمی) تفریق کرا دی جائے گی۔ پھر کبھی دونوں نہ ملیں۔ دارقطنی نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

لعان سے فسخ نکاح از خود نہیں ہو جاتا:

امام ابو حنیفہ نے فرمایا، ثبوت حرمت فسخ نکاح کا تقاضا نہیں کرتا۔ دیکھو ظہار سے حرمت ہو جاتی ہے اور نکاح فسخ نہیں ہوتا (بلکہ کفارہ ظہار ادا کرنے کے بعد پھر حلت ہو جاتی ہے) ہاں ثبوت حرمت کے بعد شوہر بیوی کو دستور شرعی کے مطابق اپنے پاس رکھنے سے جب قاصر ہے تو اچھی طرح بحسن و خوبی عورت کو آزاد کر دینا اس پر لازم ہے اور جب اس نے ایسا نہیں کیا تو حاکم نے قائم مقام کی حیثیت سے عورت کو اس سے الگ کر دیا تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔ اس کا ثبوت صحیحین کی اس روایت سے ہوتا ہے جس کے راوی حضرت سہل بن سعد ہیں کہ دونوں کے لعان کر چکنے کے بعد عویمر نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب اگر میں نے اس کو اپنے پاس روکے رکھا (یعنی اپنے نکاح میں رکھا) تو (گویا) میں نے اس پر جھوٹی تہمت تراشی کی چنانچہ لعان کے بعد عویمر نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کے سلسلے میں اس کے خلاف کچھ نہیں فرمایا۔

میں کہتا ہوں لعان کے بعد حرمت ہو جانا باجماع علماء ثابت ہے۔ امام شافعی امام زفر اور دوسرے ائمہ کے نزدیک تو حرمت کا ثبوت ظاہری ہے (کہ یہ حضرات لعان کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں اور لعان کے بعد بغیر حکم حاکم کے فرقت واقع ہو جاتی ہے) اور امام ابو حنیفہ کے قول پر بھی حرمت کا ثبوت یقینی ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد دونوں میں تفریق نہ کرتے۔ امام صاحب خود قائل ہیں کہ لعان کے بعد قاضی دونوں میں تفریق کرا دے۔

امام صاحب کا یہ قول کہ چونکہ شوہر لعان کے بعد بیوی کو دستور شرعی کے مطابق اپنے پاس روک نہیں سکتا اس لئے حاکم عورت کو آزاد کرا دینے کا فیصلہ کر دے تصریح بالاحسان کے لئے قاضی شوہر کا قائم مقام ہے۔ یہ قول چاہتا ہے کہ لعان کے بعد قاضی شوہر کو طلاق دینے کا حکم دے۔

مسئلہ: اگر مرد نے عورت سے کہا تیرا (یہ) حمل مجھ سے نہیں ہے تو امام ابو حنیفہ، امام زفر اور امام احمد کے نزدیک لعان کا حکم نہیں دیا جائے (نہ مرد پر حد قذف جاری ہوگی نہ عورت کو زانیہ قرار دیا جائے گا) کیونکہ پیٹ ہونا یقینی نہیں ہے (ممکن ہے حمل ہی نہ ہو)

نسائی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجلانی اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، بیوی اس وقت حاملہ تھی۔ عبدالرزاق نے بھی یہ واقعہ اسی طرح نقل کیا ہے اور یہ بھی ہے کہ شوہر نے کہا میں عفار النخل سے ہی اس (عورت) سے قریب نہیں ہوا (اس لئے یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے) عفار النخل تابیر نخل کا وقت ہے۔ شوہر کی تہمت تراشی کے بعد دو مہینہ تک درخت کو پانی نہ دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ ظاہر کر دے چنانچہ پیدا ہونے والا بچہ ہو بہو اسی شخص کا تھا۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکار حمل کی صورت میں لعان جائز ہے

عویمر کو اس کے خاندان والے بہت ملامت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے ہم تو اس عورت کو نیک ہی جانتے ہیں لیکن جب بچہ شریک کا ہم شکل پیدا ہوا تو پھر لوگوں نے عویمر کو معذور سمجھا (یعنی ملامت کرنا چھوڑ دیا) بچہ دو سال زندہ رہ کر مر گیا اس کی ماں بھی اس کے چند دنوں بعد مر گئی اور شریک اس واقعہ کے بعد لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو گیا۔ قصہ کی یہ تفصیل دلالت کر رہی ہے کہ عویمر نے عورت کے زنا کرنے کا بھی دعویٰ کیا تھا اور حمل کا بھی انکار کیا تھا۔

زنا کار خاتون اور تہمت تراش مرد کی اخروی سزا:

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جس عورت نے کسی دوسری قوم کے آدمی کو اپنی قوم میں شامل کیا (یعنی کسی دوسرے شخص سے زنا کر کے بچہ کو اپنے شوہر کا بتایا) وہ اللہ کی رحمت سے خارج ہو گئی اور اللہ قیامت کے دن اس کو جنت میں داخل نہیں فرمائے گا اور جس مرد نے دیدہ دانستہ اپنے بچہ کا باپ ہونے سے انکار کر دیا تو اللہ قیامت کے دن اس سے پردہ کرے گا (اللہ کا دیدار اسے میسر نہ ہوگا) اور اگلے پچھلوں کے سامنے اس کو رسوا کرے گا۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والشافعی و

بن حبان وغیرہ نے۔ دار قطنی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

غیر باپ کو اپنا باپ بنانا حرام ہے:

صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو بکرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام (کے دور) میں کسی نے غیر باپ کو اپنا باپ قرار دیا اور وہ واقف بھی ہے کہ جس شخص کی طرف وہ اپنے باپ ہونے کی نسبت کر رہا ہے وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔

مسئلہ: اگر بچے کی پیدائش کے وقت مرد کہیں غائب تھا تو واپس آنے کے بعد کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا۔ صاحبین کے نزدیک اتنی مدت غور کرنے کے لئے دی جائے گی جتنی مدت نفاس کی ہوتی ہے اور امام صاحب کے نزدیک مدت مبارکباد کی برابر مدت تامل کے لئے کافی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر کو اپنی بیوی کے زنا کا یقین ہو گیا یا زید سے زنا کرنے کی خبر مشہور ہونے کی بناء پر پختہ گمان ہو گیا اور تائیدی قرینہ بھی موجود ہے (مثلاً) شوہر نے زید کو اس عورت کے ساتھ تنہائی میں دیکھ لیا تو اس صورت میں وہ عورت پر زنا کا الزام قائم کر سکتا ہے یا اگر عورت سے کوئی بچہ پیدا ہوا اور اس نے بیوی سے قربت ہی نہیں کی اس نے اس کو یقین ہو گیا کہ یہ بچہ مجھ سے نہیں ہے تو انکار ولدیت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر جماع کیا یا عزل کیا یا عورت کے زنا کرنے کا اس کو (یقینی) علم ہو گیا اور اس بات کا احتمال ہے کہ بچہ اس کا ہو یا زانی کا ہو تو اپنا بچہ ہونے کا انکار حرام ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تمہارے اوپر اور اس کی رحمت
وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾
اور یہ کہ اللہ معاف کرنے والا ہے حکمتیں جاننے والا تو کیا کچھ نہ ہوتا

قانون الٰہی رحمت و فضل ہے:

یعنی اگر یہ حکم لعان مشروع نہ ہوتا تو قذف کے عام قاعدہ کے موافق زوج پر حد قذف آتی اور یا ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا۔ کیونکہ ممکن ہے وہ سچا ہو۔ بخلاف غیر شوہر کے کہ وہ اظہار میں مضطر نہیں، اس لئے اس کے قانون میں ان امور کی رعایت ضرور نہیں۔ دوسری طرف اگر محض خاوند کے قسمیں کھانے پر زنا کا ثبوت ہو جایا کرتا تو عورت کی سخت مصیبت تھی، حالانکہ ممکن ہے وہ ہی سچی ہو۔ اسی طرح اگر عورت کو قسمیں کھانے پر یقیناً بری سمجھ لیا جاتا تو مرد پر حد قذف واجب ہو جاتی باوجود یہ کہ اس کے صادق ہونے کا بھی مساوی احتمال موجود ہے پس ایسے طور پر لعان کا مشروع کرنا ۔۔۔ سب کی رعایت رہے یہ اثر ہے حق تعالیٰ کے فضل و رحمت کا، کیونکہ فریقین میں سے جو سچا ہو وہ سے سزا سے بچ گیا۔ اور جھوٹے کی دنیا میں پردہ پوشی کر کے مہلت دی کہ شاید توبہ کرے۔ پھر اس کی توبہ کا قبول کرنا یہ بھی فضل و رحمت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ
جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان

حضرت عائشہؓ پر تہمت کا واقعہ

یہاں سے اُس طوفان کا ذکر ہے جو حضرت عائشہؓ پر اٹھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۵ھ میں غزوہ بنی المصطلق سے واپس مدینہ شریف آرہے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی ہمراہ تھیں۔ ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا، وہ ہودہ میں پردہ چھوڑ کر بیٹھ جاتیں۔ جمال ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا، کوچ سے ذرا پہلے حضرت عائشہ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی۔ جس کے لئے قافلہ سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں۔ وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا۔ اُس کی تلاش میں دیر لگ گئی، یہاں پیچھے کوچ ہو گیا۔ جمال حسب عادت اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے۔ اور اس کے پردے پڑے رہنے سے گمان کیا کہ حضرت عائشہؓ اس میں تشریف رکھتی ہیں۔ اٹھاتے وقت بھی شبہ نہ ہوا۔ کیونکہ اُن کی عمر تھوڑی تھی اور بدن بہت ہلکا پھلکا تھا۔ غرض جمالوں نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو چلتا کر دیا۔ حضرت عائشہؓ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ نہایت استقلال سے انہوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہاں سے اب جانا خلاف مصلحت ہے۔ جب آگے جا کر میں نہ ملوں گی تو یہیں تلاش کرنے آئیں گے۔ آخر وہیں قیام کیا، رات کا وقت تھا، نیند کا غلبہ ہوا وہیں لیٹ گئیں۔ حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے کی خبر گیری کی غرض سے قافلہ کے پیچھے کچھ فاصلہ سے رہا کرتے تھے، وہ اس موقع پر صبح کے وقت پہنچے۔ دیکھا کوئی آدمی پڑا سوتا ہے۔ قریب آکر پہچانا کہ حضرت عائشہ ہیں (کیونکہ پردہ کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا) دیکھ کر گھبرا گئے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا۔ جس سے ان کی آنکھ کھل گئی فوراً چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان نے اونٹ اُن کے قریب لا کر بٹھا دیا۔ یہ اُس پر پردہ کے ساتھ سوار ہو گئیں۔ انہوں نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر دوپہر کے وقت قافلہ سے جا ملا دیا۔ عبداللہ بن اُبی بڑا خبیث، بدباطن، اور دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اُسے ایک بات ہاتھ لگ گئی اور بدبخت نے واہی تباہی بکنا شروع کیا۔ اور بعض بھولے بھالے مسلمان بھی (مثلاً مردوں میں سے حضرت حسان، حضرت مسطح، اور عورتوں میں سے حضرت حمنہ بنت جحش) منافقین کے مغویانہ پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اس قسم کے

خصوصیت تذکرے کرنے لگے۔ تمام مسلمانوں کو اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تہمت سے بہت اذیت اور شدید غم پہنچا تھا۔ ایک مہینہ تک یہی چرچا رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت اور غمگین رہے اور مدینہ بھر میں اس کا ذکر ہوتا رہا۔ ایک طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس تہمت کی خبر ہوئی تو شدتِ غم سے بیتاب ہو گئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ شب و روز روتی رہیں۔ ایک منٹ کے لئے آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی دوران میں بہت سے واقعات پیش آئے اور گفتگوئیں ہوئیں جو تفصیل سے بخاری وغیرہ میں مذکور ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔ آخر حضرت صدیقہ کی براءت میں خود حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں سورہ نور کی یہ آیتیں نازل فرمائیں جن کے نزول کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی [illegible] ہو گئی اور شبہ جھٹلانے والوں پر حد جاری کی گئی۔

مفصل واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی زبانی:

زہری نے کہا مجھ سے متعدد اہل حدیث نے یہ قصہ بیان کیا، بعض نے کم بعض نے زیادہ لیکن ہر ایک کا بیان دوسرے کے بیان کی تائید کرتا ہے۔

سفر کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:

عروہ کی روایت میں حضرت عائشہ کا بیان حسب ذیل آیا ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ پر تشریف لے جاتے تو اپنی بیبیوں میں قرعہ اندازی کرتے تھے، جس بی بی کا نام نکل آتا اس کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں میری رفاقت:

چنانچہ ایک بار آپ تشریف لے جانے لگے تو حسب معمول قرعہ اندازی کی، میرا نام نکل آیا۔ مجھے آپ نے ساتھ لے لیا۔ یہ واقعہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ہودج میں سوار ہوتی، ہودج اونٹ پر رکھا جاتا تھا اور پھر اتارا جاتا تھا (مجھے اس کی ضرورت نہ ہوتی تھی) اسی طرح ہم مدینے سے چلے گئے۔

میرا پیچھے رہ جانا:

جب جہاد سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور مدینے کے قریب پہنچ کر ایک جگہ اترے، رات کو کوچ کرنے کا اعلان ہوا۔ میں (رفع ضرورت کو جانے کے لئے) اٹھی اور چل کر لشکر سے آگے نکل گئی۔ ضرورت سے فارغ ہو کر جب اپنے مقام پر پہنچی اور سینہ کو ٹٹولا تو عقیق یمنی کا جو ہار میں پہنے تھی وہ ٹوٹ کر کہیں گر گیا، میں ہار کو ڈھونڈنے کے لئے فوراً لوٹ پڑی۔ ہار کی تلاش میں مجھے دیر ہو گئی، میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھنے والے لوگ آئے اور یہ خیال کر کے کہ میں ہودج کے اندر ہوں خالی ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھ

دیا۔ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں بھاری بھر کم نہ ہوتی تھیں ان پر گوشت نہیں چڑھا ہوا تھا، کھانا تھوڑا کھاتی تھیں، اس لئے ہودج اٹھانے والوں نے ہودج کی خفت محسوس نہیں کی، پھر میں تو کمسن لڑکی تھی انہوں نے ہودج کو اونٹ پر لاد دیا اور اونٹ کو کھڑا کر کے چل دیئے۔ لشکر کے روانہ ہونے کے بعد مجھے ہار مل گیا۔ پڑاؤ پر واپس آئی تو وہاں کوئی بھی نہ تھا، پڑاؤ بالکل خالی تھا، مجبوراً میں اپنی فرودگاہ پر ہی رک گئی اور خیال کیا کہ جب لوگ مجھے نہ پائیں گے تو لوٹ کر یہاں آئیں گے۔ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے مجھے نیند آ گئی اور میں سو گئی۔

حضرت صفوان بن معطلؓ کے ساتھ قافلے کے ساتھ شمولیت:

صفوان بن معطل سلمی ذکوانی لشکر کے پیچھے رہتے تھے، ان کو یہ کام سپرد کیا گیا تھا کہ پیچھے رہ کر گری پڑی چیزوں کی نگرانی رکھیں۔ رات کے آخری حصہ میں اپنی فرودگاہ سے (حسب حکم) روانہ ہوئے اور صبح کو میری فرودگاہ پر پہنچے۔ انہوں نے ایک سوئے ہوئے آدمی کا وجود دیکھا، آ کر مجھے پہچان لیا۔ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، میں ان کے پڑھنے کی آواز سے بیدار ہو گئی اور اپنا چہرہ چادر سے ڈھانک لیا۔ اللہ کی قسم انہوں نے مجھ سے کوئی بات ہی نہیں کی اور سوائے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سنا۔ اپنی اونٹنی انہوں نے بٹھا دی اور اس کی اگلی ٹانگیں باندھ دیں، میں اونٹنی پر سوار ہو گئی وہ مہار پکڑ کر آگے آگے چلتے رہے، جب لشکر تک پہنچے تو دوپہر کا وقت ایک جگہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس طرح ہم لشکر سے جا ملے۔

واپسی پر میری علالت:

میرے معاملہ میں جس (تہمت تراشی) کو ہلاک ہونا تھا وہ ہلاک ہوا (خود افواہیں پھیلائیں) اور اس تہمت تراشی کا سرغنہ عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ میں مدینہ پہنچ کر بیمار ہو گئی اور ایک مہینہ بیمار رہی، لوگ تہمت تراشوں کی باتوں میں مشغول رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے التفات میں کمی:

بیماری کے زمانہ میں مجھے پتہ نہیں تھا، صرف یہ بات میرے لئے ضرور پریشان کن اور شبہ پیدا کرنے والی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ التفات میری طرف نہ تھا جو میری بیماری میں پہلے ہوا کرتا تھا، بس اتنی بات ہوتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) آتے اور سلام علیک کرتے اور فرماتے تھے تم لوگ کیسے ہو؟ پھر واپس چلے جاتے، اس سے مجھے شبہ ہوتا پریشانی ہوتی، لیکن راز کا پتہ نہ تھا۔

تہمت تراشی کی خبر

جب میں اچھی ہو گئی مگر کمزور تھی تو ایک رات ام مسطح کو ساتھ لے کر میں

مناصع کی طرف جانے کے لئے نکلی پہلے ہمارے گھروں کے پاس بیت الخلاء بنے ہوئے نہیں ہوتے تھے، رفع ضرورت کے لئے رات کو ہم جنگل کی طرف عربوں کے پہلے رواج کے مطابق جایا کرتے تھے ہم کو گھروں کے قریب ٹٹیاں بنانے سے (بدبو سے) ایذ ہوتی تھی۔ (مسطح کی ماں ابو رہم بن عبد مناف کی بیٹی تھی اور مسطح کی نانی صخر بن عامر کی بیٹی تھی صخر کی بیٹی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خالہ تھی اور اس کا بیٹا مسطح بن اثاثہ تھا) غرض میں اور ام مسطح دونوں ساتھ ساتھ ضرورت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف لوٹے۔ ام مسطح کا پاؤں چادر میں الجھ گیا اور اس نے ٹھوکر کھائی کرتے ہی اس کے منہ سے نکلا! مسطح مرے، میں نے کہا تم نے یہ بہت بری بات کہی، کیا تم ایسے شخص کو کوس رہی ہو جو بدر میں شریک تھا۔ ام مسطح نے کہا بیٹی کیا تم نے اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے کہا اس نے کیا کہا۔ اس پر ام مسطح نے مجھے تہمت تراشوں کی کہی ہوئی بات بتائی، اس کو سن کر میری بیماری اور بڑھ گئی۔

والدین کے گھر جا کر رات بھر روتے رہنا:

جب میں گھر لوٹی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (حسب معمول) تشریف لائے اور دریافت کیا آپ کیسی ہیں تو میں نے کہا کیا آپ کی اجازت ہے میں اپنے والدین کے گھر جانا چاہتی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ مجھے یقینی خبر ماں باپ سے مل جائے گی۔ آپ نے اجازت دے دی میں والدین کے گھر پہنچی اور اپنی والدہ سے پوچھا ماں لوگ یہ کیا باتیں کر رہے ہیں والدہ نے کہا بیٹا تم اس کا رنج نہ کرو جب کوئی عورت کسی شوہر کی نظر میں پسندیدہ ہوتی ہے اور شوہر اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوتی ہیں تو سوکنیں اس کے خلاف بڑی بڑی باتیں بناتی ہیں میں نے کہا سبحان اللہ لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں، میں اس خبر کو سن کر رات بھر روتی رہی صبح تک نہ میرا آنسو تھما نہ نیند آئی، پھر صبح کو بھی روتی رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا متعلقین سے تحقیق کرنا:

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید کو مشورہ کے لئے بلایا کیونکہ وحی آنے میں دیر ہو گئی تھی (مدت سے وحی نہیں آئی تھی) اسامہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کی پاک دامنی سے واقف تھے انہوں نے پاک دامن ہونے کا ہی مشورہ دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اسامہ کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی محبت تھی اسی کے مطابق انہوں نے مشورہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ آپ کی بیوی ہیں اور ہم تو ان کو اچھا ہی جانتے ہیں لیکن علی نے کہا آپ پر اللہ نے کوئی تنگی نہیں رکھی ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔ آپ خادمہ سے دریافت کریں وہ سچ سچ کہہ دے گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو بلایا اور فرمایا کیا تو نے عائشہ کی کوئی ایسی حرکت دیکھی ہے جس سے تیرے دل میں کچھ شک پڑا ہو بریرہ نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے میں نے عائشہ کی کوئی بات ایسی نہیں دیکھی۔ میں نکتہ چینی کروں سوائے اس کے کہ کم سن لڑکی ہیں آٹا گوندھ کر سو جاتی ہیں آٹا گوندھا ہوا رکھا رہتا ہے بکری آتی ہے اس کو کھا جاتی ہے۔

برسر منبر بہتان تراشوں کی تردید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

اس تحقیقات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور عبداللہ بن ابی کی طرف سے معذرت پیش کرنے کے خواستگار ہوئے اور فرمایا اے گروہ اہل اسلام میرے گھر والوں کے معاملہ میں عبداللہ بن ابی کی ذات سے مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے کیا کوئی اس کی طرف سے میرے سامنے کوئی عذر پیش کر سکتا ہے خدا کی قسم مجھے اپنی بیوی کے متعلق (کوئی بری بات معلوم نہیں ہوئی) اچھائی ہی معلوم ہوئی ہے ایک ایسے آدمی کا نام لے رہے ہیں جس کے اندر مجھے کوئی برائی معلوم نہیں ہے (وہ اچھا ہی ہے) اور وہ میرے گھر کے اندر میرے ساتھ ہی جاتا ہے۔ (تنہا نہیں جاتا) یہ سن کر سعد بن معاذ اشہلی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اگر آپ کی طرف سے تہمت تراش کو تنبیہ پہنچ جائے تو) میں آپ کو معذور جانتا ہوں اگر وہ اوس کے قبیلہ میں سے ہے تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا اور اگر ہمارے خزرجی بھائیوں میں سے ہے تو آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ یہ بات سن کر قبیلہ خزرج کا ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ حسان کی ماں اس شخص کے چچا کی بیٹی تھی، یعنی سعد بن عبادہ سردار خزرج کھڑے ہوئے پہلے یہ نیک آدمی تھے لیکن قبیلہ کی حمیت ان پر سوار ہو گئی اور سعد بن معاذ سے کہنے لگے خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا تم نہ اس کو قتل کرو گے نہ اس کو قتل کرنے کی تم میں ہمت ہے اور اگر تمہارے قبیلہ اوس میں سے وہ ہوتا تو میرے خیال میں تم اس کو قتل کرنے کا ارادہ ہی نہ کرتے اس پر سعد بن معاذ کے چچازاد بھائی اسید بن حضیر نے سعد بن عبادہ سے کہا تم نے خدا کی قسم جھوٹ کہا ہم اسکو ضرور بالضرور قتل کر دیں گے تم یقیناً منافق ہو منافقوں کی طرف سے لڑتے ہو اس کے بعد اوس اور خزرج دونوں قبیلے جوش میں آ گئے قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر موجود تھے آپ سب کو ٹھنڈا کر رہے تھے آخر سب خاموش ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔

میرا رات دن روتے رہنا:

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں اس روز بھی دن بھر روتی رہی اور رات بھر بھی میرا آنسو تھما نہ نیند آئی والدین کو اندیشہ ہو گیا کہ روتے روتے میرا جگر پھٹ جائے گا۔ دونوں حضرات میرے پاس بیٹھے ہی ہوئے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی، میں نے

جرأت دے دی وہ (میرے والد) بیٹھے اور میرے ساتھ رونے لگی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی:

پھر دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بیٹھ گئے اس سے پہلے جب سے میرے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہوئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس نہیں بیٹھے تھے، اور ایک مہینہ کا وقفہ گزر چکا تھا اس عرصہ میں میرے معاملہ کے متعلق کوئی وحی بھی نہیں آئی تھی بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اول کلمہ شہادت پڑھا، پھر فرمایا عائشہ مجھے تیرے متعلق ایسی ایسی خبر پہنچی ہے۔ تو اگر تو پاک ہے تو اللہ تیری پاکی ظاہر فرما دے گا اور اگر تو اتفاقاً کسی گناہ میں مبتلا ہو گئی ہے تو اللہ سے توبہ و استغفار کر بندہ جب گناہ کا اقرار کر لیتا ہے اور معافی کا خواستگار ہوتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرا بیان

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بات پوری کر چکے تو میرے آنسو تھم گئے کہ ایک قطرہ بھی نکلتا مجھے محسوس نہ ہوا پھر میں نے اپنے والد سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا جواب دیجئے، والد نے کہا خدا کی قسم مجھے کوئی جواب معلوم نہیں کیا جواب دوں۔ پھر میں نے اپنی والدہ سے یہی بات کہی کہ آپ جواب دیجئے انہوں نے بھی والد کی طرح یہی کہا کہ میں کیا کہوں مجھے کوئی جواب معلوم نہیں۔ آخر میں نے خود کہا (اس وقت میں نو عمر لڑکی تھی زیادہ قرآن بھی نہیں پڑھا تھا) خدا کی قسم میں جانتی ہوں کہ تم لوگوں نے یہ بات سن کر اپنے دلوں میں جما لی ہے اور اس کو سچ مان لیا ہے اب اگر میں کہوں کہ میں اس سے پاک ہوں اور خدا جانتا ہے۔ میں اس سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا نہ جانو گے اور اگر میں تمہارے سامنے اقرار کر لوں اور خدا جانتا ہے کہ میں اس فعل سے پاک ہوں تو تم مجھے سچا سمجھو گے (اس لئے میں کچھ نہیں کہہ سکتی) مجھے اپنی اور تمہاری حالت کی سوائے اس کے اور کوئی مثال نہیں ملتی جو یوسف کے باپ نے کہا تھا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ (پس میں بھی یہی کہتی ہوں) یہ کہنے کے بعد میں نے منہ موڑ لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔

مجھے اپنی براءت کا یقین تھا:

میں یہ تو جانتی تھی کہ چونکہ میں پاک ہوں، اللہ ضرور میری پاکی کا اظہار فرما دے گا۔ لیکن میرا یہ گمان بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں اللہ وحی ایسی نازل فرمائے گا جو (ہمیشہ قرآن میں) پڑھی جائے گی۔ میرے دل میں میری حالت اس قابل نہ تھی کہ اللہ اس کے سلسلہ میں اپنا کلام نازل فرماتا جو (ہمیشہ) پڑھا جائے گا۔ مجھے تو یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے میری پاک دامنی کا کوئی خواب دکھا دیا جائے گا۔

وحی اترنا:

خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ کوئی گھر والا باہر نکلا تھا کہ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما دی اور نزول وحی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکلیف ہوئی تھی وہ ہونے لگی، سخت سردی کے زمانے میں نزول وحی کے وقت چاندی کے موتیوں جیسے پسینے کے قطرے (آپ کی پیشانی سے) ٹپکنے لگتے تھے۔

خوشخبری:

پھر دیر کے بعد وحی کی وہ حالت دور ہوئی اور آپ ہنسنے لگے جو کلمہ آپ نے سب سے پہلے اپنے منہ سے نکالا وہ یہ تھا، عائشہ خوشخبری ہو اللہ نے تیری پاک دامنی کا اعلان کر دیا۔ میری ماں نے کہا اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نہ جاؤں گی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤں گی نہ سوائے اللہ کے کسی کا شکر ادا کروں گی اللہ نے میری پاکی ظاہر فرمائی ہے۔ (تفسیر مظہری)

صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مجلس سے ابھی نہیں اٹھے تھے اور گھر والوں میں بھی کوئی نہیں اٹھا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت طاری ہوتی تھی جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ چھوٹنے لگتا تھا جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے اٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا ابشری یا عائشة اما اللّٰہ فقد ابرأک یعنی اے عائشہ خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بری کر دیا۔ میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو میں نے کہا کہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان ماننے والی نہیں نہ کھڑی ہوں گی میں اپنے رب کی شکرگزار ہوں کہ اسی نے مجھے بری فرمایا۔

حضرت صدیقہؓ کی چند خصوصیات:

امام بغوی نے انہیں آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حضرت صدیقہ عائشہ کی چند خصوصیات ایسی ہیں جو ان کے علاوہ کسی دوسری عورت کو نصیب نہیں ہوئیں اور صدیقہ عائشہؓ بھی (بطور تحدیث بالنعمة) ان چیزوں کو فخر کے ساتھ بیان فرمایا کرتی تھیں۔

پہلی خصوصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے جبرئیل امین ایک ریشمی کپڑے میں میری تصویر لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ یہ تمہاری زوجہ ہے (رواہ الترمذی عن عائشہؓ) اور بعض روایات

تھیں جب کہ جبرئیل امین آپ کی تسلی میں یہ صورت لے کر تشریف لاتے تھے۔

دوسری خصوصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

تیسری خصوصیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ان کی گود میں ہوئی۔

چوتھی خصوصیت:

بیت عائشہؓ ہی میں آپ مدفون ہوئے۔

پانچویں خصوصیت:

آپ پر اس وقت بھی وحی نازل ہوتی تھی جبکہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک لحاف میں ہوتے تھے دوسری کسی بی بی کو یہ خصوصیت حاصل نہ تھی۔

چھٹی خصوصیت:

آسمان سے اُن کی براءت نازل ہوئی۔

ساتویں خصوصیت:

وہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہیں اور صدیقہ ہیں اور ان میں سے ہیں جن سے دُنیا ہی میں مغفرت کا اور رزق کریم کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرما لیا ہے۔ (مظہری)

حضرت صدیقہؓ کی فقیہانہ و عالمانہ تحقیقات اور فصاحت و بلاغت کی روایتیں بہت ہیں۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ نے فرمایا کہ میں نے صدیقہ عائشہ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔ (۔۔۔ معارف القرآن مفتی اعظم)

افک کا معنی اور مطلب:

افک، انتہائی درجہ کا جھوٹ، افک کا لغوی معنی ہے منہ موڑ دینا، الٹ دینا، حضرت عائشہ پر تہمت کو افک اس وجہ سے فرمایا کہ آپ اپنی پاک دامنی اور شرافت نفس کی وجہ سے تعریف اور دعا کی مستحق تھیں، صدیق اکبر کی بیٹی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں، مسلمانوں کی ماں تھیں، ہر طرح کی تعظیم و تکریم آپ کی واجب تھی، پس اس کے برعکس جس نے آپ سے اوپر تہمت لگائی اس نے (گویا) حقیقت ہی الٹ دی، یہ قلب حقیقت ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ

تمہیں میں ایک جماعت ہیں

طوفان اٹھانے والے:

یعنی طوفان اُٹھانے والے خیر سے وہ لوگ ہیں جو جھوٹ یا سچ اسلام کا نام لیتے اور اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ ان میں سے چند آدمیوں نے مل کر یہ سازش کی اور کچھ لوگ نادانستہ اُن کی عیارانہ سازش کا شکار ہو گئے۔ تاہم خدا کا احسان ہے کہ جمہور مسلمان اُن کے جال میں نہیں پھنسے۔ (تفسیر عثمانی)

عُصْبَةٌ دس سے چالیس تک کے آدمیوں کی جماعت۔ اس کا کوئی واحد نہیں۔ کذافی النھایۃ مِنْكُمْ یعنی مسلمانوں میں سے۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی تھیں (ام المومنین) زینب بنت جحش کو ان کی دینداری کی وجہ سے اللہ نے (اس تہمت تراشی سے) بچائے رکھا، انہوں نے سوائے کلمۂ خیر کے اور کچھ نہیں کہا، لیکن ان کی بہن حمنہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہو گئی (یعنی تہمت تراشی کرنے والوں کی ہمنوا بن گئی) یہ باتیں کرنے والے مسطح حسان بن ثابت اور عبداللہ بن ابی منافق تھے۔ عبداللہ بن ابی ہی ایسی باتیں نکال کر لاتا اور جمع کرتا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے عروہ نے اہل افک میں صرف حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ، اور حمنہ بنت جحش کے نام دوسرے لوگوں کے ساتھ ذکر کیے، مجھے باقی لوگوں کے نام معلوم نہیں، اتنا ضرور معلوم ہے کہ ایک جماعت تھی جیسا اللہ نے عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ فرمایا ہے (اور عصبہ دس سے کم کو نہیں کہتے)۔

حضرت عائشہؓ کا حسن خلق و مروت:

عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ کو یہ پسند نہ تھا کہ آپ کے سامنے حضرت حسان کو برا کہا جائے آپ فرماتی تھیں حسان کا ہی تو یہ شعر ہے۔

فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

(ترجمہ) میرے باپ اور میری ماں اور میری آبرو محمد کی آبرو کی حفاظت کے لیے سپر ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کے لیے والدین اور آبرو قربان ہیں۔ (۔۔۔ مظہری)

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

تم اس کو نہ سمجھو برا اپنے حق میں بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں

الزام سے متاثرہ شخصیات کیلئے تسلی

یہ خطاب ان مسلمانوں کی تسلی کے لیے ہے جنہیں اس واقعہ سے صدمہ پہنچا تھا بالخصوص عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُن کا گھرانا کہ ظاہر ہے وہ سخت غمزدہ اور پریشان تھے یعنی گو بظاہر یہ چرچا بہت برا اور رنجیدہ اور ناخوشگوار تھا۔ لیکن فی الحقیقت تمہارے لیے اس کی تہ میں بڑی بہتری چھپی ہوئی تھی۔ آخر اتنی مدت تک ایسے جگر خراش حملوں اور ایذاؤں پر صبر کرنا کب خالی جا سکتا ہے۔ کیا یہ شرف تھوڑا ہے کہ خود حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں تمہاری نزاہت و براءت اُتاری۔ اور دشمنوں کو رسوا کیا اور قیامت تک کے لئے تمہارا ذکر خیر قرآن پڑھنے والوں کی زبان پر جاری کر دیا۔ اور مسلمانوں

جو پیغمبر علیہ السلام کی ازواج و اہل بیت کا حق پہچاننے کے لئے ایسا سبق دیا جو کبھی فراموش نہ ہو سکے۔ فللہ الحمد علی ذلک (تفسیر عثمانی)

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ

ہر آدمی کے لئے ان میں سے وہ ہے جتنا اس نے گناہ کمایا

وَالَّذِىْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

اور جس نے اٹھایا ہے اس کا بڑا بوجھ اس کے واسطے بڑا عذاب ہے

الزام تراشی کے فتنہ کے حصہ داروں کا گناہ:

یعنی جس شخص نے اس فتنہ میں جس قدر حصہ لیا اسی قدر اس کا گناہ اور وبال کا مستحق ہوا۔ مثلاً بعض خوش ہو کر اور خوب مزے لے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے۔ بعض اظہار افسوس کے طرز میں بعض چھیڑ کر مجلس میں چرچا اٹھا دیتے اور آپ خود چپکے سنا کرتے۔ بعض سن کر تردد میں پڑ جاتے۔ بہت سے خاموش رہتے اور بہت سے سن کر جھٹلا دیتے ان پچھلوں کو پسند فرمایا اور سب درجہ بدرجہ کم و بیش الزام ہے۔ اور بڑا بوجھ اٹھانے والا منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی تھا جیسا کہ روایات صحیحہ میں تصریح ہے۔ یہ ہی خبیث لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے خود دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس کے لئے آخرت میں بڑا عذاب تو ہے ہی، دنیا میں بھی ملعون خوب ذلیل و رسوا ہوا اور قیامت تک اسی ذلت و خواری سے یاد کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کوڑوں کی سزا:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عائشہ پر الزام تراشی کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک (یعنی حد قذف جاری کی ہر ایک) کو اسی اسی کوڑے لگوائے میں کہتا ہوں اس سے تزکیہ اور دنیا میں رسوائی تو ان کی دنیوی سزا تھی، آخرت میں جنتی ہی (ان شاء) اللہ مغفور ہوں گے جیسے دل۔

عبداللہ بن ابی کی بکواس بازی:

ابن ابی ملیکہ نے بروایت عروہ قصہ افک کے ذیل میں حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے ام المومنین نے فرمایا، جس میں سوار ہوئی صفوان نے اونٹ کی مہار پکڑ لی (اور مہار پکڑے آگے آگے چلنے لگے) چلتے چلتے منافقوں کی ایک جماعت کی طرف سے ہمارا گذر ہوا منافقوں کا قاعدہ تھا وہ مسلمانوں سے علیحدہ (اتر کر) اپنا پڑاؤ کرتے تھے (ان کی فرودگاہ مسلمانوں کی فرودگاہ سے الگ ہوتی تھی) منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی

بولا یہ کون عورت ہے۔ ساتھیوں نے جواب دیا عائشہ ہے۔ عبداللہ بولا خدا کی قسم یہ اس سے نہیں بچی ورنہ وہ اس سے بچ گیا، تمہارے نبی کی بیوی رات بھر ایک مرد کے ساتھ رہی۔ پھر صبح ہوئی تو وہ شخص آگے آگے چلنے لگا۔

آیت کی تفسیر میں ایک کمزور قول:

بعض کا قول ہے کہ وَالَّذِىْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ سے چار شخص مراد ہیں، عبداللہ بن ابی بن سلول، حسان بن ثابت، مسطح بن اثاثہ اور حمنہ بنت جحش۔ یہ قول کمزور ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو والذی تولی کی جگہ والذین تولوا (بصیغہ جمع) ہوتا۔ اس کے علاوہ مسطح اور حسان تو بدری تھے، بدر میں شریک تھے اور شرکاء بدر کے تمام اگلے پچھلے گناہ اللہ نے معاف فرما دیے ہیں (اس لئے ان کو آخرت میں عذاب عظیم نہیں ہو سکتا)

اہل بدر کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بدر سے فرمایا تھا جو چاہو کرو اللہ نے تم کو بخش دیا ہے۔ اللہ نے تمام (مخلص) صحابیوں کے متعلق فرمایا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور ہر ایک سے اللہ نے جنت کا وعدہ کر دیا ہے۔ (اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ عذاب نہ ہو گا ممکن ہے عذاب کے بعد جنت میں داخلہ ہو) مسروق نے کہا میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا حسان بن ثابت اس وقت ام المومنین کے پاس موجود تھے اور حضرت عائشہ کی شان میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

حصانٌ رزانٌ ماتزنّ بریبة
وتصبح غرثی من لحوم الغوافل

(ترجمہ) وہ بڑی پاک دامن اور بڑی باوقار ہیں، کسی شک والی بات سے متہم نہیں کی جاتیں ان کا پیٹ بے خبر بھولی عورتوں کے گوشت سے خالی رہتا ہے (یعنی کسی کی غیبت نہیں کرتیں)۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا خیال کیا ہوتا ایماندار مردوں اور عورتوں نے

بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ

اپنے لوگوں پر بھلا خیال اور کہا ہوتا یہ صریح طوفان ہے

ایک مسلمان کا طرز معاشرت:

مسلمان کو چاہئے کہ اپنے مسلمان بھائی بہنوں کے ساتھ حسن ظن رکھے اور جب ایسے لوگ بے تحقیق کسی شخص پر اس طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں تو اپنے میں ایسے نیک، ستودہ اور خدا رسیدہ ہستی کے حق میں... پیغمبر

علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی پیٹھ پیچھے بھائی مسلمان کی مدد کرے اللہ پیچھے پیچھے اس کی مدد کرے گا۔ بے تحقیق تہمتیں تراشنا ایمان سے بعید ہے۔ چاہئے کہ آدمی خود اپنی آبرو پر دوسروں کی آبرو کو قیاس کر لے۔

حضرت ابوایوبؓ کا کمال:

جیسے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہ نے قصہ "افک" میں کیا۔ ایک روز اُن کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ صدیقہؓ کی نسبت ایسا کہتے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ جھوٹے ہیں۔ کیا ایسا کام تو کر سکتی ہے؟ بولی ہرگز نہیں۔ فرمایا پھر (صدیقؓ کی بیٹی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی) عائشہ صدیقہؓ تجھ سے کہیں بڑھ کر پاک صاف اور طیب و مطہر ہیں، اُن کی نسبت بے وجہ ایسا گمان کیوں کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کے آخری جملے وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تقاضا ایمان کا یہ تھا کہ مسلمان اس خبر کو سنتے ہی کہہ دیتے کہ یہ کھلا جھوٹ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کے بارے میں جب تک کسی گناہ یا عیب کا علم کسی دلیل شرعی سے نہ ہو جائے اُس وقت تک اس کے ساتھ نیک گمان رکھنا اور بلا کسی دلیل کے عیب و گناہ کی بات اُس کی طرف منسوب کرنے کو جھوٹ قرار دینا مقتضائے ایمان ہے۔

بلا دلیل مسلمان سے بدگمانی جائز نہیں ہے:

اس سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان مرد و عورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیل شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے۔ اور جو شخص بلا دلیل شرعی کے اُس پر الزام لگاتا ہے اُس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیونکہ وہ شخص ایک غیبت اور مسلمان کو بلا وجہ رسوا کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم اور ضروری تنبیہ:

مذکورہ دونوں آیتوں میں ہر مسلمان کو دوسرے مسلمانوں سے حسن ظن رکھنے کی ہدایت اور اس کے خلاف بے دلیل بات کو جھوٹ قرار دینے کی تاکید ہے۔ اس پر کسی کو یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس خبر کے غلط ہونے پر یقین کیوں نہ فرمایا اور اس خبر کی تردید کیوں نہ فرمائی اور ایک مہینہ تک تردد کی حالت میں کیوں رہے یہاں تک کہ حضرت صدیقہ عائشہؓ سے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی لغزش ہوئی ہو تو توبہ کر لینا چاہئے۔ وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر حسن ظن رکھنے کا حکم ہے وہ اس تردد کے منافی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آیا کیونکہ آپ نے اس خبر کی نہ تصدیق فرمائی اور نہ اس کے مقتضے پر کوئی عمل فرمایا نہ اس کا چرچا کرنا پسند فرمایا بلکہ صحابہ کرام کے مجمع میں یہی فرمایا کہ **ما علمت على اهلي الا خيرا** (رواہ البخاری)۔ یعنی میں اپنی اہلیہ کے بارہ میں بھلائی اور نیکی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ یہ سب انہیں آیات مذکورہ کے مقتضی پر عمل اور حسن ظن رکھنے کے شواہد ہیں۔ البتہ قطعی اور یقینی علم جس سے طبعی تردد بھی رفع ہو جائے وہ اس وقت ہوا جب آیات براءت نازل ہوئیں۔

مسلمان جو تہمت سے پاک صاف ہو جس پر دلیل شرعی سے کوئی عیب ثابت نہ ہو اس کے خلاف جو بات بغیر دلیل کے کہی جائے اس کو جھوٹ سمجھنے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں، صرف اتنا کافی ہے کہ ایک مومن مسلمان پر بغیر کسی دلیل شرعی کے الزام لگایا گیا ہے لہٰذا یہ بہتان ہے۔

انسدادِ فواحش کا قرآنی نظام:

قرآن حکیم نے فواحش کے انسداد کا یہ خاص نظام بنایا ہے کہ اول تو اس قسم کی خبر کہیں مشہور نہ ہونے پاوے اور شہرت ہو تو ثبوت شرعی کے ساتھ ہو تا کہ اس شہرت کے ساتھ ہی مجمع عام میں حد زنا اس پر جاری کر کے اس شہرت کو انسداد کا ذریعہ بنا دیا جائے۔ اور جہاں ثبوت شرعی نہ ہو وہاں اس طرح کی بے حیائی کی خبروں کو چلتا کر دینا اور شہرت دینا جبکہ اس کے ساتھ کوئی سزا نہیں طبعی طور پر لوگوں کے دلوں سے بے حیائی اور فواحش کی نفرت کم کر دینے اور جرائم پر اقدام کرنے اور شائع کرنے کا موجب ہوتی ہے جس کا مشاہدہ آج کل کے اخبارات میں روزانہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی خبریں ہر روز اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں، نوجوان مرد اور عورتیں ان کو دیکھتے رہتے ہیں، روزانہ ایسی خبروں کے سننے سے ان کی نظر میں اس کام کا ارتکاب ہلکا نظر آنے لگتا ہے، دیکھتے دیکھتے وہ فعل خبیث نظروں میں ہلکا نظر آنے لگتا ہے اور پھر نفس میں ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہوتا ہے۔ اسی لئے قرآن حکیم نے ایسی خبروں کی تشہیر کی اجازت صرف اُس صورت میں دی ہے جبکہ وہ ثبوت شرعی کے ساتھ ہو تا کہ اس کے نتیجہ میں خبر کے ساتھ ہی اس بے حیائی کی ہولناک پاداش بھی دیکھنے سننے والوں کے سامنے آ جائے۔ اور جہاں ثبوت اور سزا نہ ہو تو ایسی خبروں کی اشاعت کو قرآن نے مسلمانوں میں فواحش پھیلانے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ کاش مسلمان اس پر غور کریں۔ (مفتی اعظمؒ)

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا

کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار شاہد پھر جب نہ لائے

بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ

شاہد تو وہ لوگ اللہ کے یہاں وہی ہیں جھوٹے

بغیر ثبوت الزام اٹھانا غلط ہے:

یعنی اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق وہ لوگ جھوٹے قرار دیئے گئے ہیں۔ جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کر سکیں۔ اور بدون کافی ثبوت کے ایسی سنگین بات زبان سے نکالتے پھریں۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو کسی پر زنا کا الزام قائم کرے اور اتنے گواہ بھی پیش نہ کرے جو زنا کی سزا جاری کرنے کے لئے کافی ہوں تو ممکن ہو اس کی نیت بخیر ہو وہ اللہ کی نافرمانی سے لوگوں کو روکنا چاہتا ہو لیکن ضروری شہادت پیش نہ کر سکے تو اس صورت میں کسی پر زنا کا الزام لگانے کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ ایک مسلمان کو بدنام کرنا چاہتا ہے حد شرعی قائم کرانا نہیں چاہتا اس حالت میں اگر وہ شرعی سزا قائم کرانے کی نیت کا دعویٰ کرتا ہے تو عند اللہ جھوٹا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا
اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا
وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ
اور آخرت میں تو تم پر پڑتی اس چرچا کرنے میں کوئی آفت بڑی

اللہ کے فضل نے بچالیا:

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کو پیغمبر کے طفیل دنیا کے عذابوں سے بچایا ہے۔ نہیں تو یہ بات قابل تھی عذاب کے۔ (موضح القرآن) نیز تم میں سے مخلصین کو توبہ کی توفیق دے کر معاف فرمادیا ورنہ منافقین کی طرح وہ بھی قیامت کے دن عذاب عظیم میں گرفتار ہوتے۔ (احیاء بلعد) (تفسیر عثمانی)

یعنی اے مسلمانو! اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تم پر اللہ کا کرم نہ ہوتا اور دنیا میں طرح طرح کی نعمتیں وہ اپنی رحمت سے نہ دیتا (منجملہ دوسری نعمتوں کے ایک اسلام کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا میسر آجانا بھی ہے جس کی وجہ سے عذاب کے نزول میں رکاوٹ ہوئی اور توبہ کا وقت مل گیا) اور آخرت میں اللہ کی رحمت تم پر نہ ہوتی (کہ اس نے عفو و درگزر اور جنت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے) تو جس افتراء اور معصیت مشغلہ میں تم گھس گئے تھے اس کی وجہ سے دنیا و آخرت میں تم پر بڑا عذاب آجاتا۔ (مظہری)

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ
جب لینے لگے تم اس کو اپنی زبانوں پر اور بولنے لگے اپنے منہ سے جس چیز کی تم کو
لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ
خبر نہیں اور تم سمجھتے ہو اس کو ہلکی بات اور یہ اللہ کے یہاں بہت بڑی ہے

جرم کی سنگینی: یعنی عذاب عظیم کے مستحق یوں نہ ہوتے جبکہ تم بے تحقیق اور ظاہر البطلان بات کو ایک دوسرے کی طرف چلتا کر رہے تھے۔ اور زبان سے وہ الفاظ نکال رہے تھے جن کی واقعیت کی تمہیں کچھ بھی خبر نہ تھی پھر طرفہ یہ ہے کہ ایسی سخت بات کو (یعنی کسی محصنہ خصوصاً پیغمبر علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ اور مومنین کی روحانی والدہ کو متہم کرنا) جو اللہ کے نزدیک بہت ہی سنگین جرم ہے محض ایک ہلکی اور معمولی بات سمجھنا یہ اصل جرم سے بھی بڑا جرم تھا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام نیکیوں کا مدار: حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور کردے۔ فرمایا تم نے بڑی بات دریافت کی لیکن جس کے لئے اللہ آسان کردے اس کے لئے آسان بھی ہے اللہ کی عبادت کرو۔ کسی چیز کو اس کے ساتھ (الوہیت و ربوبیت میں) شریک بھی نہ بناؤ نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو بیت اللہ کا حج کرو۔ آخر میں فرمایا کیا میں تم کو بھلائی کے دروازے نہ بتا دوں، (یاد رکھو) روزہ (عذاب سے بچنے کی) سپر ہے۔ خیرات گناہوں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو اور رات کے جوف (وسط) میں نماز پڑھنا (بھی گناہوں کی آگ کو بجھا دیتا ہے) پھر آپ نے آیت تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ... يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کیا میں تمہیں (دینی) امور کا راس ستون اور اس کے کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں، اسلام اس کا سر ہے، نماز اس کا ستون ہے اور جہاد اس کے کوہان کی چوٹی ہے۔ پھر فرمایا کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتا دوں جس پر ان سب کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا ضرور فرمائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کو پکڑ کر فرمایا اس کو روکے رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا بات کرنے پر بھی ہماری پکڑ ہوگی، فرمایا، معاذ! تجھ پر تیری ماں روئے زبانوں کے نتائج ہی تو لوگوں کو اوندھے منہ دوزخ میں گرائیں گے (یعنی باتوں کی کھیتی دوزخ کی شکل میں کٹ کر سامنے آئے گی) رواہ احمد، والترمذی وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ
اور کیوں نہ جب تم نے اس کو سنا تھا کہا ہوتا ہم کو نہیں لائق کہ منہ پر لائیں
نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ
یہ بات اللہ تو پاک ہے یہ تو بڑا بہتان ہے

تہمت کی بات سنتے ہی انکار کیوں نہ کیا:

یعنی اول تو حسن ظن کا اقتضاء یہ تھا کہ دل میں بھی یہ خیال نہ گزرنے پائے۔ جیسا کہ اوپر ارشاد ہوا لیکن اگر شیطانی اغواء سے فرض کیجئے کسی کے

[illegible] میں ولی [illegible] تو پھر یہ جائز نہیں [illegible] بات زبان پر
[illegible] اس وقت مومن [illegible] حیثیت [illegible] وقار رکھے اور
[illegible] یہ بہتان کا زبان سے نکالنا مومن [illegible] نہیں دیتا
[illegible] ایسی نامعقول بات منہ سے نکالتے ہیں۔
[illegible] نے سید الانبیاء اور [illegible] زوجیت کے
[illegible] (معاذ اللہ) [illegible] (حاشا وکلا)
[illegible] بے قصور پر بہتان باندھتے۔ (تفسیر عثمانی)

[illegible] یہ بات کہنی بھی جائز نہیں اے اللہ تو
پاک ہے (تیرا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی بیوی پاک ہے) یہ بڑا بہتان ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بیٹی کیلئے ایسی بات کیوں کہی گئی۔

مَا يَكُونُ لَنَا یعنی ہمارے لئے جائز نہیں، سزاوار نہیں کہ یہ بات یا اس
قسم کی باتیں کہیں، صدیق اکبر کی بیٹی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی
[illegible] تعلق [illegible] مسلمانوں [illegible] بھی
[illegible] فرق [illegible]
[illegible]

سُبْحٰنَكَ [illegible] بیوی [illegible] شوہر [illegible]
لوگوں کو دعوت اصلاح دیتا ہے۔

یہ بہت بڑا بہتان تھا:

هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ یعنی یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے [illegible]
جاتا ہے جس پر دروغ بندی کی جارہی ہے اس کی عظمت شان اور پھر اس کی
طرف [illegible] کی نسبت کرنے والے [illegible] جس پر دروغ
تراشی کی جاتی ہے اس کے مرتبے کے موافق تہمت (کے ہلکے بھاری
ہونے) کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ
اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ پھر نہ [illegible]

خبردار! آئندہ ایسا نہ ہو۔

[illegible] مومنین کو [illegible] منافقین
[illegible] بھی [illegible] پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے اہل بیت کی
عظمت شان کو ملحوظ رکھیں [illegible]

اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖ [illegible] حرکت دوبارہ پھر کبھی نہ کرنا۔ وعظ کا معنی ہے
ایسی یاد داشت جس میں خوف بھی دلایا گیا ہو۔ خلیل نے کہا وعظ کا معنی ہے
اس طور پر [illegible] دلوں میں رقت پیدا ہو جائے۔ مطلب یہ ہے
کہ اللہ تم کو اپنا عذاب یاد [illegible] ڈراتا ہے۔
[illegible] مطلب ہے کہ اللہ تم کو تنبیہ کرتا ہے [illegible] تمہارا پھر
ایسا کرنا پسند نہیں ہے۔
مجاہد نے يَعِظُكُمْ کا ترجمہ کیا تم کو منع کرتا ہے [illegible]
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اگر تم مومن ہو تو نصیحت [illegible] ایسی حرکت پھر بھی
نہ کرنا یہ حرکت تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔
جو شیعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کو متہم کرتے ہیں وہ مومن نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ
[illegible]

اللہ کی طرف سے راہنمائی:

[illegible] کہ یہ طوفان اٹھایا کس نے معلوم ہوا کہ منافقین نے جو ہمیشہ
[illegible] اگلی آیت میں پتہ بتلا دیا۔ (کذافی الموضح) عموماً مفسرین نے
آیات سے مراد احکام، نصائح، حدود اور قبول توبہ وغیرہ کے مضامین [illegible]
[illegible] وقت صفات علم و حکمت [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible]
مخلصین کی ندامت قلبی کا حال خوب جانتا ہے۔ اس لئے توبہ قبول کی اور چونکہ
حکیم مطلق ہے [illegible] نہایت حکمت ودانائی کے ساتھ تمہاری سیاست کی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا
فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ایمان والوں میں

بدکاری کی خبروں کا چرچا کرنے والے۔

یعنی بدکاری پھیلے یا بدکاری کی خبریں پھیلیں [illegible] منافقین
تھے یہاں ان کا تذکرہ کر کے مومنین کو بھی متنبہ فرما دیا [illegible]
دل میں ایک بری بات کا خطرہ گزرا اور بے پروائی سے کوئی لفظ زبان سے بھی
[illegible] اب ایسی مہمل بات کا چرچا کرتا پھرے [illegible]
[illegible] مومن کی آبرو [illegible] کرے گا تو خوب سمجھ لے کہ اس کی آبرو بھی
محفوظ نہ رہے گی۔ حق تعالیٰ اسے ذلیل وخوار کر کے چھوڑے گا۔ کما فی حدیث
احمد رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

ان کے لئے عذاب ہے [illegible] دنیا [illegible] آخرت میں

دنیا میں حد قذف، رسوائی اور [illegible] اور آخرت میں دوزخ [illegible]

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

اللہ جانتا ہے کس کا کتنا جرم ہے:

یعنی ایسے فتنہ پردازوں کو خدا خوب جانتا ہے [illegible] [illegible]

[illegible]

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور (اے [illegible]) تم نہیں جانتے [illegible]

[illegible]

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

[illegible]

وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

[illegible]

اللہ کی مہربانی سے فتنہ ختم ہوا۔

یعنی یہ طوفان تو ایسا تھا کہ [illegible] معصوم [illegible] لیکن [illegible] اپنے فضل، رحمت اور شفقت و مہربانی سے تم میں سے [illegible] توبہ کو قبول فرمایا [illegible] حد شرعی جاری [illegible] (ابن کثیر)

یہ خطاب ان مسلمانوں کو ہے جنہوں نے حضرت عائشہ [illegible] قصے میں [illegible]

جس اندازے کی تھی۔ شرط کی جزا محذوف ہے یعنی اگر اللہ کا فضل و کرم نہ ہوتا تو دنیا میں ایسا عذاب تم پر نازل کرتا [illegible] اور آخرت میں تم کو ہمیشہ [illegible] دوزخ میں [illegible]

اللہ نے اس آیت میں [illegible] عذاب سے [illegible] اپنی رحمت کا تذکرہ [illegible] جرم بہت سنگین تھا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ الخ میں عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھی مراد ہیں اور لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ سے مراد ہے دنیا میں حد قذف اور آخرت میں دوزخ اور وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ میں مراد ہیں حسان اور مسطح [illegible]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

اے ایمان والو نہ چلو قدموں پر شیطان کے

وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ

[illegible]

يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

[illegible]

شیطانی چالوں سے ہوشیار رہو۔

یعنی شیطان کی چالوں سے ہوشیار رہو [illegible] [illegible]

[illegible] ہیں یہ سیدھے [illegible] مسلمان کس طرح اُس کے قدم پر چلیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى

[illegible]

مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ

[illegible]

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

[illegible]

اللہ نے شیطان کو ناکام کر دیا۔

یعنی شیطان تو سب کو بگاڑ [illegible] چھوڑتا ایک کو بھی سیدھے راستے پر [illegible]

خدا کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کی دستگیری فرما کر [illegible] سے محفوظ رکھتا ہے اور بعض کو مبتلا ہو جانے کے بعد توبہ کی توفیق دے کر درست کر دیتا ہے۔ یہ بات اسی خدائے واحد کے اختیار میں ہے اور وہی اپنے علم محیط اور حکمت کاملہ سے جانتا ہے کہ کون بندہ [illegible] کے قابل ہے اور کس کی توبہ قبول ہونی چاہیے۔ وہ سب کی [illegible] اور دلی کیفیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ
اور قسم نہ کھائیں بڑے درجہ والے تم میں سے اور کشائش والے
أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ
اس پر کہ دیں قرابتیوں کو اور محتاجوں کو اور وطن چھوڑنے والوں کو
فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ
اللہ کی راہ میں، اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزریں، کیا تم نہیں چاہتے
أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
کہ اللہ تم کو معاف کرے اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان

احسان ومروت کی تعلیم

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت مسطحؓ کا معاملہ

حضرت عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں میں بعض مسلمان بھی نادانی سے شریک ہو گئے تھے۔ ان میں سے ایک حضرت مسطحؓ تھے جو ایک مفلس مہاجر ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بھانجے یا خالہ زاد بھائی ہوتے تھے۔ قصہ افک سے پہلے حضرت صدیق اکبرؓ ان کی امداد اور خبر گیری کیا کرتے تھے۔ جب یہ قصہ ختم ہوا اور عائشہ صدیقہؓ کی براءت آسمان سے نازل ہو چکی تو حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ آئندہ مسطحؓ کی امداد نہ کریں گے۔ شاید بعض دوسرے صحابہ کو بھی ایسی صورت پیش آئی ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی یعنی تم میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بزرگی اور دنیا کی وسعت دی ہے انہیں لائق نہیں کہ ایسی قسم کھائیں۔ ان کا ظرف بہت بڑا اور ان کے اخلاق بہت بلند ہونے چاہئیں۔ بدی کا جواب نیکی سے دینا چاہیے۔ [illegible] محتاج رشتہ داروں اور خدا کے لئے وطن چھوڑنے والوں کی اعانت سے دست کش ہو جانا بزرگوں اور بہادروں کا کام نہیں۔ اگر ایسی قسم کھالی ہے تو ایسی قسم کو پورا مت کرو۔ اس کا کفارہ ادا کر دو۔ تمہاری شان یہ ہونی چاہیے کہ خطاکاروں کی خطا سے اغماض اور درگزر کرو۔ ایسا کرو گے تو حق تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر کرے گا۔ کیا تم حق تعالیٰ سے عفو و درگزر کی امید اور خواہش نہیں رکھتے؟ اگر رکھتے ہو تو تم کو اس کے بندوں کے معاملہ میں یہی خو اختیار کرنی چاہیے۔ گویا اس میں "تخلق باخلاق اللہ" کی تعلیم ہوئی۔ احادیث میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب "اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ" (کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کرے) سنا تو فوراً بول اٹھے۔ بَلٰى يَا رَبَّنَا اِنَّا نُحِبُّ (بیشک اے پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں) اور مسطحؓ کی جو امداد کرتے تھے بدستور جاری فرما دی، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ پہلے سے دگنی کر دی۔ رضی اللہ عنہ (تفسیر عثمانی)

"اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ" (اے فضیلت اور دولت والو) کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ (تمہارے [illegible]) معاف کرنے اور معاف کر دینے کے بدلے میں) تمہارے قصور معاف کر دے۔ لیکن تم سے بھی تو اللہ کے حقوق ادا نہیں ہوتے تو کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری کوتاہیوں کو معاف کر دے۔ تم پر اللہ کی نعمتیں اور حقوق بہت زیادہ ہیں اور وہ بدلہ لینے پر پوری پوری قدرت بھی رکھتا ہے اس کے باوجود وہ معاف کر دیتا ہے اور مہربان ہے۔ لہٰذا تم بھی اپنے اندر اللہ کی یہ پسندیدہ صفت پیدا کرو۔

[illegible] روایت میں ہے کہ [illegible] حضرت ابوبکرؓ نے [illegible] قسم [illegible] بعد آپ نے دوبارہ حضرت مسطحؓ کے مصارف جاری کر دیئے اور فرمایا واللہ! آئندہ بھی میں یہ مصارف نہیں روکوں گا۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں ہے جو برابر کا بدلہ دے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ اگر دوسرا اس سے رشتہ توڑے تو تم اس کو جوڑے رکھو۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ چند صحابیوں نے قسم کھائی تھی کہ جن لوگوں نے اس بہتان تراشی میں حصہ لیا ان کو کچھ نہیں دیں گے۔ اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

ایک اہم تنبیہ: حضرت صدیقہ عائشہؓ پر تہمت کے قصے میں جو بعض مسلمان بھی شریک ہو گئے تھے یہ قضیہ اس وقت کا تھا جب تک آیات براءت قرآن میں نازل نہیں ہوئی تھیں۔ آیت براءت نازل ہونے کے بعد جو شخص حضرت صدیقہؓ پر تہمت لگائے وہ بلاشبہ کافر، منکر قرآن ہے جیسے کہ شیعوں کے بعض فرقے اور بعض افراد اس میں مبتلا پائے جاتے ہیں ان کے کافر ہونے میں کوئی شک وشبہ کی بھی گنجائش نہیں وہ باجماع امت کافر ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ
جو لوگ عیب لگاتے ہیں پاکدامن بے خبر ایمان والی عورتوں کو
لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
ان کو پھٹکار ہے دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے ہے بڑا عذاب

پاکدامن خواتین پر تہمت گناہ کبیرہ ہے:

[illegible] حدیث میں ہے۔ "اجتنبوا السبع الموبقات الشرک بالله وقتل النفس التی حرم الله الا بالحق واکل الربوا واکل مال الیتیم و التولی یوم الزحف وقذف المحصنات المومنات الغافلات" [illegible] قذف [illegible] مہلکات میں سے ہے۔

ازواج مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگانا کفر ہے۔

پھر ان میں سے بھی ازواج مطہرات بالخصوص ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا قذف تو کس درجہ کا گناہ ہوگا، علماء نے تصریح کی ہے۔ [illegible] حضرت عائشہ صدیقہ یا ازواج مطہرات میں سے کسی کو متہم [illegible] کافر مکذب قرآن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ اور طبرانی کی ایک حدیث میں ہے۔ "قذف المحصنة يهدم عمل مائة سنة" (محصنہ پر تہمت لگانا سو برس کے عمل کو ڈھا دیتا ہے)۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر حقانی)

[illegible] اور حضرت عائشہ [illegible] امہات المومنین کے حق میں خاص طور پر نازل ہوئی [illegible] نہیں ہے اور اگر کوئی کسی دوسری مومن عورت پر زنا کی تہمت لگائے [illegible] حضرت ابن عباس [illegible] المحصنات [illegible] (آیت مذکورہ میں) [illegible] آیت کا نزول صرف امہات المومنین کے حق میں ہوا تھا۔ [illegible]

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ

[illegible]

وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

[illegible]

قیامت کے دن مجرم کی رسوائی:

[illegible] ہاتھ پاؤں [illegible] عمل [illegible] گیا تھا (یعنی) قاذف نے زبان سے تہمت لگائی تھی اور چار [illegible] پردہ [illegible] کر سکا۔ اس کے بالمقابل [illegible]

ہوں۔ ایک زبان جو قذف کا اصلی آلہ ہے اور چار ہاتھ پاؤں جو اس کی شرارت [illegible] (تفسیر عثمانی)

مومن کی پردہ پوشی اور کافر کی رسوائی

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن حساب کے لئے مومن کو طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے کئے ہوئے وہ اعمال اس کے سامنے لائے گا جو بندے اور رب کے درمیان تھے، یعنی حقوق اللہ سے تعلق رکھنے والے [illegible] بندہ واقف ہوگا اور اس کا رب بندے کے سامنے لائے جائیں گے مومن ان کا اقرار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب [illegible] میں نے [illegible] معاف فرمائے گا [illegible] زمین پر کوئی مخلوق اس کو نہ دیکھ سکے گی ہاں اس کی نیکیاں ہی نیکیاں نمایاں ہوں گی سارے لوگ اس کی نیکیاں دیکھیں گے اور باہم بیان کریں گے۔ منافق و [illegible] جب حساب کے لئے طلب کیا جائے گا اور اس کا رب اس کے عمل اس کے سامنے لائے گا تو وہ انکار کرے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! تیری عزت کی قسم میں نے یہ کام نہیں کئے جنہیں کام فرشتے نے مجھ پر لکھ دیئے ہیں۔ فرشتہ کہے گا کیا تو نے فلاں دن فلاں جگہ یہ کام نہیں کیا تھا۔ منافق کہے گا قسم ہے عزت رب کی میں نے نہیں کئے اس وقت اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی (اور اعضاء شہادت دیں گے) حضرت ابوموسیٰ نے کہا میرا خیال ہے کہ [illegible] آیت الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ الخ تلاوت کی۔

ابویعلیٰ اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا (یعنی یہ حدیث مرفوع ہے)

زبان پر مہر اور مختلف اعضاء کی گواہی

احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے [illegible] اس روز انسان کی [illegible] سے پہلی ہڈی جو کلام [illegible] اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن (منافق) لوگ اس حالت میں آئیں گے کہ ان کے مونہوں پر [illegible] آدمی کی ران اور ہتھیلی کا [illegible] مسلم نے [illegible]

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ آدمی سے کہا جائے گا (اس کی تصدیق کے لئے) اس کی ران اور اس کا گوشت اور اس کی ہڈی بولے گی اور یہ شخص منافق ہوگا جس پر اللہ کا غضب ہوگا۔

منہ پر مہر لگانے کا یہ مطلب ہے کہ خود اپنے ارادے سے وہ منہ سے بول نہ سکیں گے (اپنی مرضی کے مطابق زبانوں سے کام نہ کر سکیں گے) یہ مطلب نہیں کہ [illegible] ان کی زبانوں سے کوئی لفظ نکل نہ سکے گا (اور گویائی کی قوت سلب ہو جائے گی)

قرطبی نے لکھا ہے [illegible] خود ان کے خلاف شہادت دیں گے [illegible] ان کے نامۂ اعمال [illegible] اور جھگڑا کریں گے [illegible] خلاف [illegible] شہادت دیں گے میں کہتا ہوں کہ تفسیر [illegible] آیت کا نزول عبداللہ بن ابی کے لئے مانا جائے گا [illegible]

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ

اُس دن پوری دے گا ان کو اللہ اُن کی سزا جو چاہئے اور جان لیں گے

أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ

[illegible]

رتی رتی عمل سامنے آئے گا

جو رتی رتی عمل کھول کر سامنے رکھ دیتا ہے اور جس کا حساب بالکل صاف ہے اس کے ہاں کسی طرح کا ظلم و تعدی نہیں۔ یہ مضمون قیامت کے دن سب کو مکشوف و مشہود ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ

گندیاں ہیں گندوں کے واسطے اور گندے واسطے گندیوں کے

وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ

اور ستھریاں ہیں ستھروں کے واسطے اور ستھرے واسطے ستھریوں کے

بروں کیلئے برے اچھوں کیلئے اچھے:

یعنی بدکار اور گندی عورتیں گندے اور بدکار مردوں [illegible] اسی طرح بدکار اور گندے مرد اس قابل ہیں کہ ان کا تعلق اپنے جیسی گندی اور بدکار عورتوں سے ہو۔ پاک اور ستھرے آدمیوں کا ناپاک بدکاروں سے کیا مطلب [illegible] ابن عباسؓ نے فرمایا کہ پیغمبر کی عورت بدکار (زانیہ) نہیں ہوتی یعنی اللہ تعالیٰ [illegible] کی ناموس کی حفاظت فرماتا ہے۔ [illegible] (تنبیہ) آیت کا یہ مطلب تو ترجمہ سے موافق ہوا۔ مگر بعض مفسرین سلف سے یہ منقول ہے "الخبیثات" اور "الطیبات" سے یہاں عورتیں مراد نہیں بلکہ اقوال و کلمات مراد ہیں یعنی گندی باتیں گندوں کے لائق ہیں اور ستھری باتیں ستھرے آدمیوں کے۔ پاکباز اور ستھرے مرد و عورت ایسی گندی تہمتوں سے بری ہوتے ہیں جیسا کہ آگے ہے "أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ" [illegible] یوں ہو جائے کہ گندی باتیں گندوں کی زبان سے نکلا کرتی ہیں۔ تو جنہوں نے کسی پاکباز کی نسبت گندی بات کہی، سمجھ لو کہ وہ خود گندے ہیں۔ [illegible]

حضرت عائشہؓ کی براءت

ابن زید نے [illegible] خبیثات سے گندی عورتیں اور خبیثین سے گندے مرد مراد ہیں یعنی گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے [illegible] پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہوتے ہیں اور عائشہؓ پاک ہیں، اس لئے اللہ نے ان کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا۔ عائشہؓ اور ان جیسی [illegible] ان افترا پردازوں کی الزام تراشی سے پاک ہیں۔ اگر عائشہؓ پاک نہ ہوتیں تو پاک رسول کی بیوی بننے کی اہل نہ ہوتیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج جنتی ہیں

حضرت ہند بن ابی ہالہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے پسند نہ کیا ہے کہ میں سوائے جنتی (عورت) کے کسی اور سے نکاح کروں۔ رواہ ابن عساکر۔

أُولَٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ

[illegible]

یعنی ستھرے آدمی ان باتوں سے بری ہیں جو یہ گندے لوگ بکتے پھرتے ہیں۔ [illegible]

لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

اُن کے واسطے بخشش ہے اور روزی ہے عزت کی

یعنی برا کہنے سے وہ برے نہیں ہو جاتے، بلکہ جب وہ اس پر صبر کرتے ہیں تو یہ چیز ان کی حسنات یا لغزشوں کا کفارہ بنتی ہے۔ اور یہ مفسد لوگ جس قدر ان کو [illegible] چاہتے ہیں وہاں اُس کے بدلہ میں عزت کی روزی ملتی ہے (تفسیر عثمانی)

قرآن مجید کی ان آیات سے جو عائشہ صدیقہؓ کی عنداللہ قدر و منزلت ثابت ہوئی [illegible] روشن سے زیادہ واضح ہے حق جل شانہ کی اس شہادت کے بعد بھی اگر کوئی بدبخت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائے تو باتفاق امت وہ کافر ہے اور عائشہ صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا وہی حکم ہے جو مریم [illegible]

صدیقہ پر تہمت لگانے والے کا ہے۔ حضرت مسروق (جو کبار تابعین میں سے ہیں) ان کی یہ عادت تھی جب وہ عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے تو یوں کہتے کہ مجھ سے صدیقہ بنت صدیق، حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبرأۃ من السماء نے اس طرح بیان کیا۔

(نکتہ) خاتمہ پر أُولٰئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ بصیغہ جمع فرمایا سو اس عموم میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ حکم فقط عائشہ صدیقہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہی حکم تمام ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔ (واللہ سبحانہ وتعالی اعلم)

(معارف القرآن کاندھلوی)

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ان کے (یعنی عائشہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں) کے لئے (گناہوں کی) مغفرت ہے اور عزت والا رزق یعنی جنت ہے۔

حضرت عائشہؓ کی مایۂ ناز خصوصیتیں:

بغوی نے لکھا ہے کہ روایت میں آیا ہے حضرت عائشہ چند باتوں پر ناز کرتی تھیں جو آپ ہی کو عطا کی گئی تھیں، کسی اور عورت کو نہیں دی گئیں۔

(۱) حضرت جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عائشہ کی تصویر ریشمی پارچہ میں (لپیٹ کر) لے کر آئے اور کہا یہ آپ کی بیوی ہیں۔

میں کہتا ہوں ترمذی نے حضرت عائشہ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت جبرئیل حضرت عائشہ کی تصویر اپنی ہتھیلی میں لائے تھے۔ (۲) حضرت عائشہؓ کے سوا کسی اور ناکتخدا (دوشیزہ) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی نہیں کی۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضور والا کا سر حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ (۴) حضرت عائشہؓ کے حجرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد مبارک دفن کیا گیا۔ (۵) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے ساتھ ایک چادر میں ہوتے تو (کبھی) اسی حالت میں وحی آجاتی (اور کسی بیوی کو یہ شرف حاصل نہیں تھا) (۶) حضرت عائشہ کی پاک دامنی کی شہادت آسمان سے نازل ہوئی۔ (۷) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (اول) خلیفہ کی صاحبزادی ہیں۔ (۸) آپ صدیقہ طاہرہ تھیں۔ (۹) آپ سے مغفرت اور رزق کریم عطا فرمانے کا وعدہ کیا گیا۔

صدیق کی بیٹی صدیقہ:

مسروق اگر حضرت عائشہؓ کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تو یہ الفاظ کہتے، مجھ سے بیان کیا صدیق کی صاحبزادی صدیقہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی تھیں اور جن کی پاک دامنی آسمان سے نازل کی گئی تھی۔

حضرت عائشہؓ کی خاص عظمت:

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر پورے قرآن میں تلاش کیا جائے تو کسی کے

لئے اتنی سخت وعید نازل نہیں ہوئی جتنی حضرت عائشہ پر تہمت لگانے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تجھے (یعنی تیری صورت کو) تین رات برابر خواب میں میری نظر کے سامنے لایا گیا، فرشتہ ایک ریشمی پارچہ میں تجھے لاتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا یہ آپ کی بیوی ہے، میں نے تیرے چہرے سے پردہ ہٹایا تو وہ تیری ہی صورت تھی، میں نے کہا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اس کو پورا کرے گا۔

جبرئیلؑ کا حضرت عائشہؓ کو سلام:

صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ جبرئیل ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے جواب دیا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ۔ حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ نظر آتا تھا جو میں نہیں دیکھتی تھی۔

تمام ازواج مطہرات پر فضیلت:

یہ بھی حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ لوگ قصداً عائشہؓ کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ہدیے بھیجتے تھے (یعنی باری کا تعین کر کے) اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے دو گروہ (جدا جدا) ہوگئے تھے۔ ایک گروہ عائشہ، حفصہ، صفیہ اور سودہ کا تھا اور دوسرا گروہ ام سلمہ اور باقی بیویوں کا تھا۔ ایک روز ام سلمہ کی ساتھ والی بیویوں نے ام سلمہ سے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیجئے کہ آپ لوگوں سے فرما دیں کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجنا ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس بیوی کے گھر ہوں وہیں بھیج دیں (عائشہؓ کی باری ہی کی تخصیص نہ رکھیں) چنانچہ ام سلمہ نے (بیویوں کا قول) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم مجھے عائشہؓ کے معاملے میں دکھ نہ دو، سوائے عائشہ کے اور کسی عورت کی چادر میں (اگر میں موجود ہوتا ہوں تو) مجھ پر وحی نہیں آتی۔ ام سلمہ نے کہا میں اللہ کے رسول کو دکھ دینے سے اللہ سے توبہ کرتی ہوں۔ اس کے بعد بیویوں نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) فاطمہ کو اسی غرض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور (سیدہ) فاطمہؓ نے اس بات کے سلسلے میں گذارش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹا! کیا تجھے وہ بات ناپسند ہے جو مجھے پسند ہے۔ سیدہ نے کہا کیوں نہیں (پسند ہے)۔ فرمایا تو تو بھی اس سے محبت کر۔ متفق علیہ۔

تمام عورتوں پر حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (ایک خاص قسم کا کھانا) کی فضیلت اور کھانوں پر۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا صحابہ کو جب کسی حدیث (کے سمجھنے) میں کوئی دشواری ہوتی تو ہم جا کر حضرت عائشہؓ سے دریافت کرتے تو اس کا علم ہم کو ان کے پاس ملتا۔ رواہ الترمذی۔

حضرت عائشہؓ کی بلاغت وسلاست:

حضرت موسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں نے عائشہؓ سے زیادہ فصیح بیان والا کوئی نہیں دیکھا۔ رواہ الترمذی۔

چار شخصیتوں کی براءت:

بیضاوی نے لکھا ہے، اللہ نے چار شخصوں کو چار کے ذریعہ سے پاکی (یعنی تہمت سے براءت) عنایت فرمائی۔

(۱) یوسف کو زلیخا کے ایک عزیز کے (بچہ) کی شہادت کے ذریعہ سے۔

(۲) موسیٰ کو یہودیوں کی تہمت سے اس پتھر کے ذریعہ جو آپ کے کپڑے لے کر بھاگا تھا۔

(۳) مریم کو انہی کے بچے (عیسیٰ) کی شہادت کے ذریعہ سے۔

(۴) عائشہ کو ان مذکورہ آیات کے ذریعہ سے، اور متعدد آیات نازل فرما کر حضرت عائشہ کی پاکی کا اعلان فرمانا اتنی مدد جو پہلوں میں محض منصب رسول کی عظمت و بیان کرنے اور آپ کے مرتبہ کو اور بلند کرنے کے لیے ہے۔

میں کہتا ہوں اس سے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرت عائشہؓ کی عظمت وشان کا اظہار بھی مقصود ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ
اے ایمان والو تم اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل مت ہو
حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ
جب تک کہ اجازت حاصل نہ کر لو اور ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو یہی
خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ
تمہارے حق میں بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو

کسی کے ہاں جانے کے آداب:

یعنی خاص اپنے ہی رہنے کا جو گھر ہو اس کے سوا کسی دوسرے کے رہنے کے گھر میں بلا اجازت داخل نہ ہو۔ کیونکہ نہ معلوم صاحب خانہ اس وقت کس حال میں ہو اور اس وقت کسی کا اندر آنا پسند کرتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اندر جانے سے پہلے آواز دے کر اجازت حاصل کرے اور سب سے بہتر آواز سلام کی۔ حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سلام کرے اور اجازت داخل ہونے کی لے۔ اگر تین بار سلام کرنے کے بعد بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلا جائے۔ فی الحقیقت یہ ایک حکیمانہ تعلیم ہے کہ اگر اس کی پابندی کی جائے تو صاحب خانہ اور ملاقاتی دونوں کے حق میں بہتر ہے۔ مگر افسوس آج مسلمان ان مفید ہدایات کو ترک کرتے جاتے ہیں جن کو دوسری قومیں ان ہی سے سیکھ کر ترقی کر رہی ہیں۔ (ربط) شروع سورت سے احکام زنا، قذف وغیرہ کے بیان ہوئے تھے۔ چونکہ بسا اوقات بلا اجازت کسی گھر میں چلا جانا ان امور کی طرف مفضی ہو جاتا ہے اس لیے ان آیات میں مسائل استیذان کو بیان فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن جریر نے حضرت عدی بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری عورت نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر کے اندر (بعض وقت) ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس حالت میں کوئی مجھے دیکھے، لیکن گھر والوں میں سے کوئی (نہ کوئی) آدمی (بے روک ٹوک) اندر آ جاتا ہے اور اسی حالت میں مجھے دیکھ لیتا ہے میں کیا کروں۔ اس سوال پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ [illegible]

استیناس کا مطلب:

ابن ابی حاتم نے کہا کہ حضرت ابوایوب کے بھتیجے حضرت ابوسودہ نے بیان کیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں لیکن استیناس (طلب انس) کا کیا مطلب ہے فرمایا (استیناس یہ ہے کہ) آدمی (باہر ہی رہ کر) سبحان اللہ اور اللہ اکبر اور الحمد للہ کہے اور کھنکارے (تاکہ گھر والے کو اس کی آمد کی اطلاع ہو جائے) پھر اہل خانہ اجازت دے دے (تو اندر داخل ہو جائے)

قاموس میں ہے انس، ضد وحشت (کو کہتے ہیں) آنس الشئی کسی چیز کو دیکھ جانا، احساس کیا آنس الصوت آواز کو سنا۔ خلیل نے کہا استیناس کا معنی دیکھنا۔

حضور کی نصیحت:

تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا یعنی گھر والوں کو سلام کیا کرو۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیٹے! جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو انہیں سلام کر تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت حاصل ہو گی۔ رواہ الترمذی۔

سلام کے بغیر داخلہ کی اجازت نہ دو۔

حضرت کلدہ بن حنبل کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اجازت داخلہ مانگی نہ سلام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واپس جاؤ اور واپس جا کر کہو السلام علیکم کیا میں اندر آسکتا ہوں۔ [illegible]

حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے پہلے سلام نہ کیا اس کو (داخلہ کی) اجازت نہ دو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

بغوی نے لکھا ہے ایک شخص نے حضرت ابن عمر سے داخلہ کی اجازت طلب کی اور کہا کیا میں اندر آسکتا ہوں۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا نہیں ایک شخص نے آنے والے کو مشورہ دیا کہ پہلے سلام کر پھر اجازت داخلہ طلب کر چنانچہ اس نے سلام کیا پھر اجازت طلب کی حضرت ابن عمر نے اجازت داخلہ دے دی۔

امام بخاری نے ادب مفرد میں حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص سلام سے پہلے استیذان کرے اس کو اجازت نہ دو (کیونکہ اُس نے مسنون طریقہ کو چھوڑ دیا) (روح المعانی) اور ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ بنی عامر کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں استیذان کیا کہ باہر سے کہا االج کیا میں گھس جاؤں۔ آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ یہ شخص استیذان کا طریقہ نہیں جانتا باہر جا کر اس کو طریقہ سکھاؤ کہ یوں کہے السلام علیکم ادخل یعنی کیا میں داخل ہوسکتا ہوں۔ ابھی یہ خادم باہر نہیں گیا تھا کہ اُس نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات سن لیے اور اس طرح کہا السلام علیکم ادخل تو آپ نے اندر آنے کی اجازت دے دی (ابن کثیر) اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتاذنوا لمن لم یبدأ بالسلام یعنی جو شخص پہلے سلام نہ کرے اس کو اندر آنے کی اجازت نہ دو۔ [illegible]

ترمذی میں ہے حضرت ابن عمر حاجت سے فارغ ہو کر آ رہے تھے لیکن دھوپ کی تاب نہ لاسکے تو ایک قریشی عورت کی جھونپڑی کے پاس پہنچ کر فرمایا السلام علیکم، کیا میں اندر آجاؤں؟ اس نے کہا سلامتی سے آجاؤ۔ آپ نے پھر یہی کہا اس نے پھر یہی جواب دیا۔ آپ کے پاؤں جل رہے تھے کبھی اس قدم پر سہارا لیتے کبھی اس قدم پر فرمایا یوں کہو کہ آجاؤ۔ اس نے کہا آجاؤ۔ اب آپ اندر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ کے پاس چار عورتیں گئیں اجازت چاہی کیا ہم آجائیں؟ آپ نے فرمایا نہیں تم میں جو اجازت کا طریقہ جانتی ہو اسے کہو کہ وہ اجازت لے تو ایک عورت نے پہلے سلام کیا پھر اجازت مانگی۔

حضرت عائشہ نے اجازت دے دی پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میرے خاوند حضرت عبداللہ بن مسعود جب گھر میں آتے تو کھنکار کر آتے یا بلند آواز سے بات کرتے تاکہ گھر والوں کو آپ کے آنے کی اطلاع ہو جائے چنانچہ حضرت مجاہد نے تستانسوا کے معنی بھی یہی کئے ہیں کہ کھنکار کر، جوتوں وغیرہ کی آواز کرو۔ امام احمد فرماتے ہیں مستحب ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جانا چاہے تو اسے کوئی کھنکار وغیرہ سے اپنی آمد کی اطلاع دینی چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ سفر سے رات کے وقت بے اطلاع گھر آجانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس سے گویا گھر والوں کی خیانت کو پوشیدہ طور پر ٹٹولنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک سفر سے صبح کے وقت آئے تو حکم دیا کہ [illegible] سب یہاں ٹھہر جائیں تاکہ مدینہ میں خبر مشہور ہو جائے شام کو اپنے گھروں میں جانا اس لئے کہ اس اثناء میں عورتیں اپنی صفائی ستھرائی کرلیں۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ سلام تو ہم جانتے ہیں لیکن استیذان کا طریقہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ یا الحمد للہ یا اللہ اکبر بلند آواز سے کہہ دینا یا کھنکار دینا جس سے گھر والے معلوم کرلیں کہ فلاں آرہا ہے۔ [illegible]

مسئلہ اگر قاصد بھیج کر کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ ہی آجائے تو مزید اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اگر تم میں سے کسی کو بلوایا جائے اور وہ قاصد کے ساتھ آجائے تو یہی اس کے لئے اجازت ہے۔ رواہ ابوداؤد۔

دوسری روایت میں آیا ہے کسی کو بلوانے کیلئے قاصد بھیجنا ہی اجازت ہے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی تمہارے لئے بہتر ہے کہ اچانک اندر گھس پڑنے سے یہ اجازت کا طریقہ بہتر ہے۔

جاہلیت کا طریقہ حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے ہم جاہلیت کے زمانے میں (بجائے السلام علیکم کے) کہتے تھے انعم اللہ بک عینا اللہ تم کو خنک چشم رکھے۔ انعم صباحا صبح بخیر۔ جب اسلام آیا تو ہم کو ان الفاظ کے کہنے کی ممانعت کردی۔ رواہ ابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: ان آیات میں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب کیا گیا جو مردوں کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عورتیں بھی اس حکم میں داخل ہیں جیسے تمام احکام قرآنیہ اسی طرح مردوں کو مخاطب کر کے آتے ہیں عورتیں بھی ان میں شامل ہوتی ہیں بجز مخصوص مسائل کے جن کی خصوصیت مردوں کے ساتھ بیان کر دی جاتی ہے۔ چنانچہ نساء صحابہ کا بھی یہی معمول تھا کہ کسی کے گھر جائیں تو پہلے اُن سے استیذان کریں۔ حضرت ام ایاس فرماتی ہیں کہ ہم چار عورتیں

اور حضرت صدیقہ عائشہ کے پاس جایا کرتی تھیں اور گھر میں جانے سے پہلے ان سے استیذان کرتی تھیں جب وہ اجازت دیتی تو اندر جاتی تھیں۔ (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)

مسئلہ: اس آیت کے عموم سے معلوم ہوا کہ کسی دوسرے شخص کے گھر میں جانے سے پہلے استیذان کا حکم عام ہے مرد عورت محرم غیر محرم سب کو شامل ہے۔ عورت کسی عورت کے پاس جائے یا مرد مرد کے پاس، سب کو استیذان کرنا واجب ہے، اسی طرح ایک شخص اگر اپنی ماں اور بہن یا دوسری محرم عورتوں کے پاس جائے تو بھی استیذان کرنا چاہیے۔

اپنے گھر میں بھی اجازت لے کر داخل ہونا:

حضرت ابوموسیٰ اور حضرت حذیفہ اپنی محرم عورتوں کے پاس (گھر کے اندر) آنا چاہتے تو ان سے بھی اجازت داخلہ طلب کیا کرتے تھے۔

امام مالکؒ نے مؤطا میں مرسلاً عطاء بن یسارؒ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنی والدہ کے پاس جانے کے وقت بھی استیذان کروں۔ آپ نے فرمایا ہاں استیذان کرو۔ اُس شخص نے کہا یا رسول اللہ میں تو اپنی والدہ ہی کے ساتھ گھر میں رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت کے بغیر گھر میں نہ جاؤ۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہر وقت ان کی خدمت میں رہتا ہوں آپ نے فرمایا پھر بھی اجازت کے بغیر گھر میں نہ جاؤ کیا تمہیں یہ بات پسند ہے کہ اپنی والدہ کو ننگی دیکھو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا اسی لئے استیذان کرنا چاہیے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھر میں کسی ضرورت سے ستر کھولے ہوئے ہوں۔ (مظہری)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آیت قرآن میں غیر بیوتکم آیا ہے اس میں بیوتکم سے مراد وہ بیوت اور گھر ہیں جن میں انسان تنہا خود ہی رہتا ہو۔ والدین، بہن بھائی وغیرہ اُس میں نہ ہوں۔

مسئلہ: جب گھر میں صرف اپنی بیوی رہتی ہو اُس میں داخل ہونے کے لئے اگرچہ استیذان واجب نہیں مگر مستحب اور طریق سنت یہ ہے کہ وہاں بھی یکایک بغیر کسی اطلاع کے اندر نہ جائے بلکہ داخل ہونے سے پہلے اپنے پاؤں کی آہٹ سے یا کھنکار سے کسی طرح پہلے باخبر کرے پھر داخل ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زوجہ محترمہ فرماتی ہیں کہ عبداللہ جب کبھی باہر سے گھر میں آتے تھے تو دروازہ میں کھنکار کر پہلے اپنے آنے سے باخبر کر دیتے تھے تاکہ وہ ہمیں کسی ایسی حالت میں نہ دیکھیں جو ان کو پسند نہ ہو (ابن کثیر بحوالہ ابن جریر وقال اسنادہ صحیح) (مظہری)

اجازت لیتے وقت اپنا نام بتائے:

پہلے سلام اور پھر داخل ہونے کی اجازت لینے کا جو بیان اوپر احادیث سے ثابت ہوا اس میں بہتر یہ ہے کہ اجازت لینے والا خود اپنا نام لے کر اجازت طلب کرے جیسا کہ حضرت فاروق اعظم کا عمل تھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آ کر یہ الفاظ کہے۔ **السلام علی رسول الله السلام عليكم أيدخل عمر** یعنی سلام کے بعد کہا کہ کیا عمر داخل ہو سکتا ہے۔ (رواہ قاسم بن اصبغ وابن عبدالبر فی التمہید عن ابن عباس عن عمرؓ (ابن کثیر) اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو استیذان کے لئے یہ الفاظ فرمائے **السلام عليكم هذا ابوموسیٰ السلام عليكم هذا الاشعری** (قرطبی) اس میں بھی پہلے اپنا نام ابوموسیٰ بتایا پھر مزید وضاحت کے لئے اشعری کا ذکر کیا۔ اور یہ اس لئے کہ جب تک آدمی اجازت لینے والے کو پہچانے نہیں تو جواب دینے میں تشویش ہوتی۔ اس تشویش سے بھی مخاطب کو بچانا چاہئے۔

خطیب بغدادی نے اپنے جامع میں علی بن عاصم واسطی سے نقل کیا ہے کہ وہ بصرہ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی ملاقات کو حاضر ہوئے۔ دروازہ پر دستک دی۔ حضرت مغیرہؓ نے اندر سے پوچھا کون ہے تو جواب دیا انا (یعنی میں ہوں) تو حضرت مغیرہ نے فرمایا کہ میرے دوستوں میں تو کوئی بھی ایسا نہیں جس کا نام انا ہو پھر باہر تشریف لائے اور ان کو حدیث سنائی کہ ایک روز حضرت جابر عبداللہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اجازت لینے کے لئے دروازہ پر دستک دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر سے پوچھا کون صاحب ہیں، تو جابر نے یہی لفظ کہہ دیا انا یعنی میں ہوں۔ آپ نے بطور زجر وتنبیہ کے فرمایا انا انا یعنی انا انا کہنے سے کیا حاصل ہے اس سے کوئی پہچانا نہیں جاتا۔

ایک برا طریقہ:

اس سے بھی زیادہ برا یہ طریقہ ہے جو آج کل بہت سے لکھے پڑھے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں کہ دروازہ پر دستک دی جب اندر سے پوچھا گیا کہ کون صاحب ہیں تو خاموش کھڑے ہیں کوئی جواب ہی نہیں دیتے۔ یہ مخاطب کو تشویش میں ڈالنے اور ایذا پہنچانے کا بدترین طریقہ ہے جس سے استیذان کی مصلحت ہی فوت ہو جاتی ہے۔

جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دستک دیتے تھے تو ان کی عادت یہ تھی کہ ناخنوں سے دروازہ پر دستک دیتے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ ہو (رواہ الخطیب فی جامعہ۔ قرطبی) جو شخص استیذان کے مقصد کو سمجھ لے کہ اصل اُس سے استیناس ہے یعنی مخاطب کو مانوس کر کے اجازت حاصل کرنا وہ خود بخود ان سب چیزوں کی رعایت کو ضروری سمجھے گا جن چیزوں سے مخاطب کو تکلیف ہو اُس سے بچائے گا۔ اپنا نام ظاہر کرے

وردستک دے تو متوسط انداز سے دے یہ سب چیزیں اس میں شامل ہیں۔

مسئلہ: کسی شخص کو ایسے وقت ٹیلیفون پر مخاطب کرنا جو وقت اس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو بلاضرورت شدیدہ جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی وہی ایذا رسائی ہے جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

مسئلہ: جس شخص سے ٹیلیفون پر بات چیت اکثر کرنا ہو تو مناسب ہے کہ اس سے دریافت کرے کہ آپ کو ٹیلیفون پر بات کرنے میں کس وقت سہولت ہوتی ہے پھر اس کی پابندی کرے۔

مسئلہ: ٹیلیفون پر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کر لے کہ آپ کو ذرا سی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹیلیفون کی گھنٹی آنے پر آدمی طبعاً مجبور ہوتا ہے کہ معلوم کرے کہ کون کیا کہنا چاہتا ہے اور اس ضرورت سے وہ کیسی بھی حالت میں اور اپنے ضروری کام میں ہو اس کو چھوڑ کر ٹیلیفون اٹھاتا ہے کوئی بے رحم آدمی اس وقت لمبی بات کرنے لگے تو سخت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔

مسئلہ: بعض لوگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور کوئی پروا نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے کیا کہنا چاہتا ہے یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے جیسے حدیث میں ہے ان لزورک علیک حقاً یعنی جو شخص آپ کی ملاقات کو آئے اس کا تم پر حق ہے اس سے بات کرو اور بلاضرورت ملاقات سے انکار نہ کرو اسی طرح جو آدمی ٹیلیفون پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اس کا حق ہے کہ آپ اس کو جواب دیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا

پھر اگر نہ پاؤ اُس میں کسی کو تو اس میں نہ جاؤ

حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ

جب تک کہ اجازت نہ ملے تم کو

بہرحال دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا جائز نہیں

یعنی اگر یہ معلوم ہو کہ گھر میں کوئی موجود نہیں تب بھی دوسرے کے مکان میں بدون مالک و متولی کی اجازت کے مت جاؤ۔ کیونکہ ملک غیر میں بدون اجازت تصرف کا کوئی حق نہیں۔ نہ معلوم بے اجازت چلے جانے سے کیا جھگڑا پیش آ جائے ہاں صراحۃً یا دلالۃً اجازت ہو تو جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جب تک صاحب خانہ آ کر تم کو اجازت نہ دے اندر نہ جاؤ۔ بات یہ ہے کہ بغیر اجازت اندر داخل ہو جانے کی ممانعت کی وجہ صرف یہی نہیں

ہے کہ بغیر اجازت داخلے سے ننگا کھلا آدمی سامنے آ جاتا ہے اور بے پردگی ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایک وجہ ممانعت کی یہ بھی ہے کہ اس سے بعض ان پوشیدہ چیزوں کا اظہار ہو جاتا ہے جس کو آدمی لوگوں سے چھپانا چاہتا ہے پھر ممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا یوں بھی ممنوع ہے ہاں اس مکان میں بدون اجازت داخلہ کی ممانعت نہیں جس میں اچانک داخلہ کی کوئی معقول وجہ ہو مثلاً مکان میں آگ لگ گئی ہو یا چھت گر رہی ہو۔ یا اس میں کوئی ممنوع فعل ہو رہا ہو۔ (مثلاً کسی بیوی کا قتل ہو رہا ہو یا شراب فروخت ہو رہی ہو) (تفسیر مظہری)

وَإِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا

اور اگر تم کو جواب ملے کہ پھر جاؤ تو پھر جاؤ

هُوَ أَزْكٰى لَكُمْ

اس میں خوب ستھرائی ہے تمہارے لئے

اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ

یعنی ایسا سبب ہے کہ بعض اوقات آدمی کی طبیعت کسی سے ملنے کو نہیں چاہتی یا حرج ہوتا ہے یا کوئی ایسی بات کر رہا ہے جس پر غیر کو مطلع کرنا پسند نہیں کرتا تم کو کیا ضرورت ہے کہ خواہ مخواہ اس پر بوجھ ڈالو۔ اس طرح باہم خاطر بننے سے تعلقات صاف نہیں رہتے۔ (تفسیر عثمانی)

تین مرتبہ مانگنے سے اجازت نہ ملے تو لوٹ آؤ

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ ہم ... کی ایک ... میں ... تھے اور ... مجھے حضرت عمرؓ نے آدمی بھیج کر بلوایا ... میں ... کے ... پہنچا ... اطلاب میں حضرت عمرؓ کے دروازے پر پہنچا اور تین بار (السلام ...) ... یعنی (اندر آنے کی اجازت) حضرت عمرؓ نے سلام کا جواب نہیں دیا میں لوٹ آیا۔ جب ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے مجھ سے جواب طلب کیا کہ تم کیوں نہیں آئے۔ میں نے جواب دیا میں آیا تھا اور تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد بھی جب سلام کا جواب آپ کی طرف سے نہیں ملا تو لوٹ گیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا تھا کہ جب تم میں سے کوئی تین مرتبہ (داخلہ کی) اجازت طلب کرے اور اس کو اجازت نہ ملے تو اس کو لوٹ جانا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ارشاد پر شہادت پیش کرو۔ (یا آپ لوگوں میں سے کوئی اس فرمان کا شاہد ہو تو میرے سامنے پیش کرو ...) حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا میں کھڑا ہو گیا اور ان کے ساتھ جا کر حضرت عمرؓ کے سامنے شہادت ادا کی۔ متفق علیہ

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی مرفوع روایت ہے کہ تسلیم (جس کا حکم آیت

میں (دیا گیا تب) یہ ہے کہ تین مرتبہ کہے السلام علیکم، کیا میں اندر آ سکتا ہوں۔ اگر اجازت مل جائے تو اندر چلا جائے ورنہ لوٹ جائے۔ رواہ ابن ماجہ۔

حسن نے کہا: پہلی مرتبہ (اجازت طلبی اور سلام) اطلاع آمد ہے اور دوسری مرتبہ سلام کہنا بات چیت کی ایک قسم کا مشورہ اور طلب امر ہے اور تیسری مرتبہ اندر داخل ہونے کی یعنی اجازت کی طلب ہے۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن عبادہ کے پاس (ملاقات کے لئے) تشریف لے گئے اور (باہر سے) داخلے کی اجازت طلب کی اور فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ حضرت سعد نے چپکے سے جواب دیا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا۔ یہاں تک کہ آپ نے تین بار سلام علیک کی اور سعد نے ایسی آواز سے جواب دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سن سکے۔ بالآخر آپ لوٹ آئے۔ اب سعد پیچھے دوڑے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار آپ نے جتنی بار سلام علیک کی میں نے اپنے کانوں سے اس کو سنا اور جواب بھی برابر دیا لیکن ایسا جواب آپ کو نہیں سنایا (اتنی پست آواز سے جواب دیا کہ آپ نہ سن سکیں (مجھے اس کی خواہش تھی کہ آپ کی طرف سے سلامتی و برکت زیادہ سے زیادہ مجھے مل جائے۔ (آپ برابر مجھے برکت و سلامتی کی دعا دیتے رہیں) اس کے بعد آپ لوٹ کر سعد کے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ سعد نے کشمش پیش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمائی اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا۔ تمہارا کھانا نیک لوگوں نے کھایا اور ملائکہ نے تمہارے لئے نزول رحمت کی دعا کی اور روزہ داروں نے تمہارے پاس روزہ کھولا۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

مسئلہ: اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت داخلہ طلب نہ کرے بلکہ صاحب خانہ کے باہر نکلنے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جائے تو جائز ہے۔ حضرت ابن عباسؓ ایک انصاری کے دروازے پر طلب حدیث کے لئے جاتے اور انصاری کے برآمد ہونے کے انتظار میں دروازے پر بیٹھ جاتے۔ داخل ہونے کی اجازت طلب نہ کرتے۔ انصاری فرماتے اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہوتی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہم کو اسی طرح طلب علم کا حکم دیا گیا ہے۔

میں کہتا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ یہ آیت بھی مضمون مذکور پر دلالت کر رہی ہے۔

کسی کے گھر جھانکنا منع ہے:

اگر کوئی کسی کے دروازے پر جائے اور اجازت طلب کرے اور دروازے پر پردہ نہ ہو تو دروازے کے سامنے منہ کر کے نہ کھڑا ہو اور نہ دروازے کی جھریوں سے اندر جھانکے حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے منہ کر کے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں بازو کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے السلام علیکم، السلام علیکم اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں گھروں (کے دروازوں) پر پردے نہیں ہوتے تھے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی راوی ہیں کہ ایک بار ایک شخص نے حجرے کے پردے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جھانک کر دیکھا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کوئی نوک دار لوہے کی چیز تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں اس کی آنکھ میں اس کو چبھو دیتا۔ طلب اجازت کا حکم تو فقط نہ دیکھنے کے لئے ہی دیا گیا ہے (جب دیکھ لیا تو طلب اجازت بیکار ہے) رواہ البغوی۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص تمہاری اجازت کے بغیر تم کو جھانک کر دیکھے اور تم کوئی کنکری اس کے پھینک مارو اور کنکری سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو تمہارا کوئی جرم نہیں۔ رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ (۲۸)
اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو جانتا ہے

جو کچھ کرتے ہو اللہ جانتا ہے۔

وہ تمہارے تمام اعمال قلبیہ و قالبیہ سے باخبر ہے جیسا کچھ کرو گے اور جس نیت سے کرو گے حق تعالیٰ اس کے مناسب جزا دے گا۔ اور اس نے اپنے علم محیط سے تمام امور کی رعایت کر کے یہ احکام دیئے ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا
نہیں گناہ تم پر اس میں کہ جاؤ ان گھروں میں
غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ
جہاں کوئی نہیں بستا اس میں کچھ چیز ہو تمہاری

غیر رہائشی مکانات کا مسئلہ:

یعنی جن مکانوں میں کوئی خاص آدمی نہیں رہتا، نہ کوئی روک ٹوک ہے مثلاً مسجد، مدرسہ، خانقاہ، سرائے وغیرہ۔ اگر وہاں تمہاری کوئی چیز ہے یا تم کو چند سے اس کے برتنے کی ضرورت ہے تو بیشک وہاں جا سکتے ہو اس کے لئے استیذان کی ضرورت نہیں۔ اس طرح کے مسائل کی تفصیل فقہ میں دیکھی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ جن بیوت میں بلا اجازت [illegible] مراد [illegible] ان سے مراد وہ مکان ہیں [illegible] [illegible] بنائے جاتے تھے [illegible] ٹھہرتے تھے اور اپنا سامان رکھتے تھے۔ ان مکانوں میں بغیر اجازت طلبی کے داخلے کو جائز کر دیا گیا۔ اس صورت میں متاع (بمعنی منفعت) یہ ہوگی کہ وہاں لوگ اُترتے ہیں [illegible] سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا ان سے مراد وہ تجارتی کوٹھیاں [illegible] ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں خرید و فروخت کے لئے لوگ داخل ہوتے ہیں [illegible] منفعت ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا [illegible] دوکانوں میں داخل ہونے کی اجازت [illegible] نہیں [illegible] داخل ہو جاؤں پھر (جواب کا انتظار کئے بغیر داخل ہو جاتے) (تفسیر مظہری)

شانِ نزول: حضرت صدیق اکبرؓ سے روایت ہے کہ جب استیذان کی آیات مذکورہ نازل ہوئیں جنہیں بغیر اجازت کے کسی مکان میں داخل ہونے کی ممانعت ہے تو صدیق اکبرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس ممانعت کے بعد قریش کے تجارت پیشہ لوگ کیا کریں گے کیونکہ مکہ اور مدینہ سے ملک شام تک ان کے تجارتی سفر ہوتے ہیں اور اس راستہ میں جابجا ان کے مسافر خانے بنے ہوتے ہیں جن میں دوران سفر وہ لوگ قیام کرتے ہیں۔ ان میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں ہوتا تو وہاں استیذان کی کیا صورت ہوگی اجازت کس سے حاصل کی جائے گی۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی [illegible]

مسئلہ: رفاہ عام کے اداروں میں جس مقام پر اس کے مالکان یا متولیان کی طرف سے داخلہ کے لئے [illegible] اور پابندیاں [illegible] پابندی شرعاً واجب ہے مثلاً ریلوے اسٹیشن پر [illegible] بغیر پلیٹ فارم [illegible] کی اجازت نہیں ہے تو پلیٹ فارم ٹکٹ حاصل کرنا ضروری ہے اس کی خلاف ورزی ناجائز ہے ایرڈروم (ہوائی اڈے) کے جس حصہ میں جانے کی محکمہ کی طرف سے اجازت نہ ہو وہاں بغیر اجازت کے جانا شرعاً جائز نہیں۔

مسئلہ: اسی طرح مساجد، مدارس، خانقاہیں، ہسپتال وغیرہ میں جو کمرے وہاں کے منتظمین یا دوسرے لوگوں کی رہائش کے لئے مخصوص ہوں جیسے مساجد مدارس اور خانقاہوں کے خاص حجرے یا ریلوے، ایرڈروم اور ہسپتالوں کے دفاتر اور مخصوص کمرے جو مریضوں یا دوسرے لوگوں کی رہائش گاہ ہیں وہ بیوت غیر مسکونہ کے حکم میں نہیں۔ بلکہ مسکونہ کے حکم میں ہیں ان میں بغیر اجازت جانا شرعاً ممنوع اور گناہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ

[illegible]

[illegible] تمہارے [illegible] چھپے [illegible] اپنے دل میں کوئی خوش وہنی نظر رکھے [illegible]

تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو۔ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی فساد کی غرض سے یا لوگوں کو [illegible] مکانوں میں بغیر اجازت داخل ہوتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ

[illegible]

بدنظری حرام ہے۔ بدنظری [illegible] بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لئے اول اسی سوراخ کو بند کرنا چاہا۔ یعنی مسلمان مرد و عورت و حکم [illegible] کہ بدنظری سے بچیں اور اپنی شہوات کو قابو میں رکھیں [illegible] دوبارہ ارادہ سے اس طرف نظر نہ کرے۔ [illegible] اختیار [illegible] معذور [illegible] [illegible] اس کو معاف رکھا گیا ہے۔ شاید یہاں [illegible] مِنْ بَعْضِهِمْ [illegible] تبعیضیہ لے کر اسی طرف اشارہ ہو۔ [illegible]

[illegible] روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی [illegible]

[illegible] کی ممانعت ہے [illegible] پہلی مرتبہ جو بلا ارادہ نظر پڑ جائے اس کا گناہ نہیں۔ حضرت [illegible] حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی سے فرمایا علی پہلی (بے ساختہ) نظر کے پیچھے (دوسری بالارادہ) نظر نہ ڈالو پہلی نظر تمہارے لئے جائز ہے دوسری نظر مباح نہیں۔ رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤد والدارمی

اچانک نظر پڑنا

حضرت جریر بن عبداللہ کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لو۔ (رواہ مسلم)

حضرت ابو امامہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کسی (اجنبی) عورت کی خوبصورتی پہلی مرتبہ (اچانک) دیکھ کر آنکھ بند کر لیتا ہے اللہ اس کے لئے عبادت میں احساس حلاوت پیدا کر دیتا ہے (رواہ احمد۔ تفسیر مظہری)

نابینا سے بھی پردہ ضروری ہے

ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیٹھی تھیں جو ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے۔ یہ واقعہ پردے کی آیتیں اترنے کے بعد کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پردہ کر لو۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو نابینا ہیں نہ ہمیں دیکھیں گے نہ پہچانیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو تم تو انہیں دیکھو گی۔

دیور موت ہے صحیحین میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دیور جیٹھ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ... موت ہے۔

عورت کا خوشبو لگا کر مسجد آنا:

ابوداؤد میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عورت خوشبو سے مہکتی ہوئی ملی آپ نے اس سے پوچھا کیا تو مسجد سے آ رہی ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں تو آپ نے فرمایا کیا تو نے خوشبو لگائی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے حبیب ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو عورت اس مسجد میں آنے کے لئے خوشبو لگائے اس کی نماز نامقبول ہے جب تک کہ وہ لوٹ کر جنابت کی طرح غسل نہ کرے۔

غیر جگہ زینت ظاہر کرنا:

ترمذی میں ہے کہ اپنی زینت کو غیر جگہ ظاہر کرنے والی عورت کی مثال قیامت کے اس اندھیرے جیسی ہے جس میں نور نہ ہو۔

عورتیں راستہ کے ایک طرف ہو کر چلیں:

ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں عورتوں کو راستے میں ملے جلے چلتے ہوئے دیکھ کر فرمایا عورتو! تم ادھر ادھر ہو جاؤ۔ تمہیں بیچ راہ میں نہ چلنا چاہئے۔ پس عورتیں دیواروں سے لگ لگ کر چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ

اور حفاظت کریں اپنے ستر کو

یعنی حرام کاری سے بچیں اور ستر کسی کے سامنے نہ کھولیں۔ الا عند من اباحہ الشارع من الازواج وما ملکت ایمانهم

انسداد فواحش اور حفاظت عصمت:

عورتوں کے لئے حجاب اور پردہ کے احکام کی پہلی آیات وہ ہیں جو سورۃ احزاب میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے وقت نازل ہوئیں جس کی تاریخ بعض حضرات نے ۳ھ اور بعض نے ۵ھ بتلائی ہے تفسیر ابن کثیر اور نیل الاوطار میں ۵ھ کو ترجیح دی ہے اور روح المعانی میں حضرت انس سے روایت نقل کی ہے کہ ذی قعدہ ۵ھ میں یہ عقد نکاح ہوا اور اس پردے کا تعلق ہے جبکہ آیت حجاب اسی موقع پر نازل ہوئی۔ اور سورۃ نور کی یہ آیات قصہ افک کے ساتھ نازل ہوئی ہیں جو غزوہ بنی المصطلق یا مریسیع سے واپسی میں پیش آیا یہ غزوہ ۶ہجری میں ہوا۔

غیر محرم عورت کی طرف بری نیت سے دیکھنا تو زنا اور رغبت کی نیت سے دیکھنا کرا ہیت داخل ہے اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے (مواضع ضرورت جیسے علاج معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) کسی کا راز معلوم کرنے کے لئے اس کے گھر میں جھانکنا اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہیں (معارف القرآن)

وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ شرمگاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں ان سب سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہو جائے ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز و حرام چیزیں داخل ہیں۔ مراد اس آیت کی ناجائز و حرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتدا اور انتہا کو تصریحاً بیان فرما دیا باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنہ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے ان دونوں کو صراحۃً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا ان کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً بات چیت سننا، ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمناً آ گئے۔

ابن کثیر نے حضرت عبیدہ سے نقل کیا ہے کہ کل ما عصی الله به فهو كبيرة وقد ذكر الطرفين۔ یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو وہ کبیرہ ہے اور اس آیت میں اس کے دونوں طرف ابتدا و انتہا

کو حرام کر دیا گیا ہے کیونکہ نظر [illegible] ابتداء زنا ہے۔ طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

النظر سهم من سهام ابليس مسموم من تركها مخافتي ابدلته ايمانا يجد حلاوته في قلبه۔ (از ابن کثیر)

(ترجمہ) نظر ایک زہریلا تیر شیطان کے تیروں سے ہے جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ (ابن کثیر)

برہنہ ہونے سے بچو:

بہز بن حکیم کے دادا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنی شرمگاہ کو سوائے اپنی بیوی اور اپنی باندی کے اوروں سے محفوظ رکھ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آدمی تنہائی میں ہو تو کیا حکم ہے فرمایا اللہ زیادہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس سے شرم کی جائے۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد و ابن ماجہ۔

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برہنہ ہونے سے بچو تمہارے ساتھ (ہر وقت) ایسی ہستیاں رہتی ہیں جو تم سے کسی وقت الگ نہیں ہوتیں سوائے رفع حاجت کے وقت کے یا اس وقت کے جب کوئی شخص اپنی بیوی سے قربت کرتا ہے۔ پس تم ان سے شرم کرو اور ان کی عزت کرو۔

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ

اس میں خوب ستھرائی ہے ان کے لئے بیشک اللہ کو خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں

آنکھ کی چوری اور دل کا بھید اللہ کو معلوم ہے:

یعنی آنکھ کی چوری اور دلوں کے بھید اور نیتوں کا حال اس کو سب معلوم ہے لہٰذا اس کا خیال کر کے بدنگاہی اور ہر قسم کی بدکاری سے بچو۔ ورنہ وہ اپنے علم کے موافق تم کو سزا دے گا۔ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ (مومن - رکوع ۲) حضرت شاہ صاحبؒ نے "مایصنعون" سے مراد غالباً جاہلیت کی بے اعتدالیاں لی ہیں یعنی جو بے اعتدالیاں پہلے سے کرتے آ رہے ہیں وہ اللہ کو سب معلوم ہے اسی لئے اب اس نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے یہ احکام جاری کئے تا مہذب و شائستہ ہو سکیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ

اور کہہ دے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ذرا اپنی آنکھیں

وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ

اور تھامتی رہیں اپنے ستر کو اور نہ دکھلائیں اپنا سنگار

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

مگر جو کھلی چیز ہے اس میں سے

زینت کو ظاہر نہ کرنا:

سنگار عرف میں خارجی اور کسبی آرائش کو کہتے ہیں جو لباس، زیور وغیرہ سے حاصل ہو۔ احقر کے نزدیک یہاں "زینت" کا ترجمہ سنگار کے بجائے "زیبائش" کیا جاتا تو زیادہ جامع اور مناسب ہوتا۔ زیبائش کا لفظ خلقی اور کسبی زینت کو شامل ہے۔ خواہ خلقی و پیدائشی ساخت سے متعلق ہو یا لباس، زیور وغیرہ خارجی ٹیپ ٹاپ سے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عورت اپنی خلقی یا کسبی زیبائش کا اظہار بجز محارم کے جن کا ذکر آگے آتا ہے کسی کے سامنے جائز نہیں۔ ہاں جس قدر زیبائش کا ظہور ناگزیر ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے، بسبب عدم قدرت یا ضرورت کے روک نہیں سکتی اس کے مجبوری یا ضرورت کھلا رکھنے میں مضائقہ نہیں (بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو) حدیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ اور کفین ہتھیلیاں "الا ما ظهر منها" میں داخل ہیں کیونکہ بہت سی ضروریات دینی و دنیوی ان کے کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ان کے چھپانے کا مطلقاً حکم دیا جائے تو عورتوں کے لئے کاروبار میں سخت تنگی اور دشواری پیش آئے گی۔ آگے فقہاء نے قدمین کو بھی ان ہی اعضاء پر قیاس کیا ہے۔ اور جب یہ اعضاء مستثنیٰ ہوئے تو ان سے متعلقات مثلاً انگوٹھی، چھلہ، مہندی کا رنگ، کاجل وغیرہ کو بھی استثناء میں داخل ماننا پڑے گا جیسا کہ ابن عباس سے منقول ہے۔ "الا ما ظهر منها" سے صرف عورتوں کو بضرورت ان کے اظہار کی اجازت ہوئی۔ نامحرموں کو اجازت نہیں دی گئی کہ وہ ان اعضاء کا نظارہ کیا کریں۔ شاید اسی لئے اس اجازت کے متصل ہی حق تعالیٰ نے غض بصر کا حکم مؤمنین و مؤمنات دونوں کو دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک طرف سے کسی عضو کے کھولنے کی اجازت اس کو مستلزم نہیں کہ دوسری طرف والوں کو اس کا دیکھنا بھی جائز ہو۔ آخر کے محارم جن سے پردہ کا حکم نہیں اسی آیت با میں عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا گیا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان آیات میں محض ستر کا مسئلہ بیان ہوا ہے یعنی اس سے تعلق نظر کرتے ہوئے کہ عورت گھر کے اندر ہو یا باہر عورت کو کس حصہ بدن کا کس کے سامنے کس حالت میں کھلا رکھنا جائز ہے۔ باقی مسئلہ حجاب یعنی شریعت نے کس حالت میں عورت کو گھر سے باہر نکلنے اور سیر و سیاحت کرنے کی اجازت دی، یہاں مذکور نہیں۔ اس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ سورہ احزاب میں آئے گی۔ اور ہم نے فتنہ کا خوف نہ ہونے کی جو شرط بڑھائی وہ دوسرے دلائل اور قواعد شرعیہ سے ماخوذ ہے جو ادنیٰ تامل اور مراجعت نصوص سے دریافت ہو سکتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے بحوالہ مقاتل بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا (ایک بار) حضرت اسماء بنت مرثد اپنے نخلستان میں تھیں باہر عورتیں ان کے پاس آتی جاتی اور پہنے ہوئے تھیں اس لئے جو چیزیں پاؤں میں پہنے ہوئی تھیں (مثلاً پازیب وغیرہ) وہ نظر آ رہا تھا ان کے سینے اور گیسو بھی کھلے ہوئے تھے۔ حضرت اسماء نے فرمایا یہ کیسی بری ہیئت ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ایک بار حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھیں۔ حضرت ابن ام مکتوم بھی آئے (یہ واقعہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں پردے میں ہو جاؤ (حضرت ام سلمہ کا بیان ہے) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہ نابینا نہیں ہیں۔ فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو کیا تم اس کو نہیں دیکھ سکتیں۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی۔

مسئلہ: ناف سے زانو تک عورت کو عورت نہیں دیکھ سکتی اور نہ مرد مرد کو۔ حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مرد مرد کے ستر کو نہ دیکھے اور نہ عورت، عورت کے ستر کو، مرد، مرد کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں نہ لیٹے اور نہ عورت، عورت کے ساتھ برہنہ ایک کپڑے میں لیٹے۔ رواہ مسلم۔

وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اور اپنی شرمگاہوں کی نگہداشت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس (موقع زینت) میں سے (غالباً) کھلا رہتا ہے۔ زینت سے مراد ہیں زیور، کپڑے، سنگھار کی چیزیں اور سنگھار کو پردہ سے نہیں کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے سوائے شوہر اور محرم کے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مجبوری ہو تو الگ بات ہے جیسے بیماری کا علاج یا ادائے شہادت وغیرہ۔

عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے:

حسن کا اصل سرچشمہ تو چہرہ ہی ہے چہرے کو دیکھنے سے ہی فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ بہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت (سرتاپا) عورت ہے (یعنی قابل ستر ہے) جب باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک جھانک میں رہتا ہے۔ رواہ الترمذی عن ابن مسعود۔

یہ حدیث بتا رہی ہے کہ عورت (از سرتاپا) واجب الستر ہے۔

ضرورت و مجبوری کا حکم:

ضرورتیں اس حکم سے باجماع امت مستثنیٰ ہیں۔ عورت کو بازار سے ضروری سودا سلف لانے والا نہ ملے تو یہ بھی ایک طرح کی ضرورت ہے، برقعہ پہن کر وہ نکل سکتی ہے۔ راستہ دیکھنے کے لئے وہ ایک آنکھ کھلی رکھے اور سر سے پاؤں تک چھپانے والا کپڑا نہ ملے تو جہاں تک ممکن ہو اور جو کپڑے میسر ہوں وہی کپڑے پہن کر اور بدن کو چھپا کر باہر آ سکتی ہے۔ کبھی علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی گواہوں کے پاس اور کبھی عدالت میں حاکم کے سامنے جانے کی مجبوری ہوتی ہے ان سب صورتوں میں بقدر ضرورت پردے کا انکشاف درست ہے۔ ہم نے زینت کا مراد کو دو طرح سے بیان کیا ہے (۱) کپڑے، زیور اور بناؤ سنگھار کی چیزیں۔ بیضاوی کے نزدیک زینت سے بھی مراد ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی زینت سے مراد کپڑے لئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اوپر کے کپڑے:

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ماظہر منہا میں جس چیز کو مستثنیٰ کیا گیا ہے وہ اوپر کے کپڑے ہیں جیسے برقعہ یا لمبی چادر جو برقعہ کے قائم مقام ہوتی ہے۔ یہ کپڑے زینت کے کپڑوں کو چھپانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں تو مراد آیت کی یہ ہوئی کہ زینت کی کسی چیز کا اظہار کرنا جائز نہیں بجز ان اوپر کے کپڑوں کے جن کا چھپانا بوقت ضرورت باہر نکلنے کے وقت ممکن نہیں جیسے برقعہ وغیرہ۔

چہرہ کا کھولنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی تفسیر کے مطابق تو غیر محرم مردوں کے سامنے عورت کو چہرہ اور ہاتھ کھولنا بھی جائز نہیں صرف اوپر کے کپڑے برقعہ وغیرہ کا اظہار بضرورت مستثنیٰ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حسن اور زینت کا اصل مرکز انسان کا چہرہ ہے اور زمانہ فتنہ و فساد اور غلبہ ہوی اور غفلت کا ہے اس لئے بجز مخصوص ضرورتوں کے مثلاً علاج معالجہ یا کوئی خطرہ شدیدہ وغیرہ عورت کو غیر محارم کے سامنے قصداً چہرہ کھولنا بھی ممنوع ہے اور مردوں کو اس کی طرف قصداً نظر کرنا بھی بغیر ضرورت شرعیہ کے جائز نہیں۔

وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ
[illegible]

سینہ چھپانے کی تاکید

بدن کی خلقی زینت میں سب سے زیادہ نمایاں چیز سینہ کا ابھار ہے اس کے مزید ستر کی تاکید فرمائی اور جاہلیت کی رسم مٹانے کی صورت بھی یہ کہ زمانہ جاہلیت میں عورتیں اوڑھنی سر پر ڈال کر اس کے دونوں پلے پشت پر لٹکا لیتی تھیں۔ اس طرح سینہ کی ہیئت نمایاں رہتی تھی۔ یہ

گویا حسن کا مظاہرہ تھا۔ قرآن کریم نے بتلایا کہ اوڑھنی کو سر پر سے [illegible] گریبان پر ڈالنا چاہیے تاکہ اس طرح کان، گردن اور سینہ پوری طرح مستور رہے۔ (تفسیر عثمانی)

زینت ظاہرہ کے استثناء کے بعد ارشاد ہے وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ یعنی آنچل مار لیا کریں اپنے دوپٹوں کا اپنے سینوں پر۔ خُمُر، خمار کی جمع ہے اس کپڑے کو کہتے ہیں جو عورت سر پر استعمال کرے اور اس سے گلا اور سینہ بھی چھپ جائے۔ جیوب جیب کی جمع ہے جس کے معنی ہیں گریبان۔ چونکہ زمانہ قدیم سے گریبان سینہ ہی پر ہونے کا معمول ہے۔

زمانہ جاہلیت میں عورتیں دوپٹہ سر پر ڈال کر اس کے دونوں کنارے پشت پر چھوڑ دیتی تھیں جس سے گریبان اور گلا اور سینہ اور کان کھلے رہتے تھے اس لئے مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ایسا نہ کریں بلکہ دوپٹے کے دونوں پلے ایک دوسرے پر الٹ لیں تاکہ یہ سب اعضاء چھپ جائیں۔ (رواہ ابن ابی حاتم عن ابن جبیر۔ روح) [illegible] محرم مردوں کا بیان کیا گیا ہے جن سے شرعاً پردہ نہیں جس کے دو سبب ہیں اول تو جن مردوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ان سے کسی فتنہ کا خطرہ نہیں [illegible] حق تعالیٰ نے خلقۃً ایسا بنایا ہے کہ وہ ان عورتوں کی عصمت کے محافظ ہوتے ہیں ان سے خود کوئی فتنہ کا احتمال نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ
اور نہ کھولیں [illegible] مگر اپنے خاوند کے [illegible] باپ [illegible]

محرم رشتہ داروں کا حکم:

چچا اور ماموں کا بھی یہی حکم ہے اور ان محارم میں بھی فرق مراتب ہے مثلاً جو زینت خاوند کے آگے ظاہر کر سکتی ہے [illegible] کے سامنے نہیں کر سکتی۔ ابدائے زینت کے درجات ہیں جن کی تفصیل تفاسیر اور کتب فقہ میں دیکھنی چاہیے۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ جس قدر تستر کا اہتمام اجنبیوں سے تھا اتنا محارم سے نہیں یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک عضو کو ان میں سے ہر ایک کے آگے کھول سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خاوند کا حکم:

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ مگر اپنے شوہروں [illegible] زینت کا مرکزی نقطہ تو شوہر ہی ہیں اپنی بیویوں کے سارے بدن کو دیکھنا جائز ہے، یہاں تک کہ شرمگاہوں کو بھی۔ مگر شرمگاہوں کو دیکھنا مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جو شخص اپنی بیوی سے قربت کرے تو پردہ کرے دونوں گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں [illegible]

[illegible] حضرت عائشہ [illegible] کی پہلی [illegible]

ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کبھی نہیں دیکھی۔ [illegible]

ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"اذا جامع احدکم زوجه اوجاريته فلاينظر الى فرجها فان ذلك يورث العمى." قال ابن الصلاح جيد الاسناد كذافي شرح الجامع الصغير

جب کوئی اپنی بیوی اور باندی سے جماع کرے تو اس کی شرمگاہ کی طرف نظر نہ کرے یہ [illegible] نابینائی پیدا کرتا ہے۔

ابن صلاح کہتے ہیں کہ اس حدیث کی سند نہایت عمدہ ہے۔

مسئلہ۔ [illegible] موقعوں میں جہاں [illegible] باپ یا بھائی [illegible] ان سے [illegible] اس موقع میں موجود ہو تو یہ خلوت بالاجنبیہ ہے اور بلاشبہ حرام ہے۔

محرم کے سامنے زینت کا اظہار مقصود نہ ہو

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کے محارم کا ذکر فرمایا اور بتلایا کہ عورت کے لئے اپنی زینت کو ان محارم کے سامنے ظاہر کرنا [illegible] جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ محارم کے سامنے بھی اس کشف و اظہار سے اپنے حسن و جمال کا اظہار مقصود نہ ہو۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۲۸۴ ج ۳۔

جیسے کہ سورۂ احزاب کی یہ آیت فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ اس بارہ میں نص صریح ہے مقصود یہ ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ چلتے وقت ایسی حرکت نہ کریں جس سے مردوں کو عورتوں کے چلنے [illegible] جائے اور [illegible] آواز [illegible] کا سبب ہے

خوشبو لگا کر لوگوں پر گذرنا۔

اور اسی قسم سے ہے کہ عورت اپنے گھر سے خوشبو لگا کر نکلے اگرچہ وہ برقعہ اوڑھے ہوئے ہو جیسا کہ ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر گھر سے نکلے اور کسی مجلس پر گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے یعنی زانیہ اور بدکار ہے۔ [illegible] والترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔

آواز سنانا: پس جب عورت کے لئے اپنے زیور کی آواز کا سنانا ناجائز اور حرام ہے۔ تو عورت کا خود اپنی آواز کا سنانا [illegible] اجنبی مردوں سے باتیں کرنا [illegible] بدرجہ اولیٰ حرام ہوگا۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ اجنبی عورت کا قرآن سننا بھی حرام ہے اور عورت کی اذان اور اقامت بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔ معلوم ہوا کہ عورت کی [illegible] بھی عورت [illegible]

واجب ہے پس جب عورت کی اذان اور اقامت ناجائز ہے تو جلسۂ عام میں عورت کی تقریر بدرجہ اولیٰ حرام اور ناجائز ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ عورت کا کھلے منہ جلسوں میں آنا اور تقریر کرنا اور مردوں کی پارٹیوں میں کھلے منہ شرکت کرنا اور اپنی تصویر اتروانا اور اس کا اخباروں میں چھپوانا بلاشبہ حرام ہوگا۔ جب عورت کے زیور کی آواز فتنہ ہے اور اس کا اظہار ناجائز ہے تو خود عورت کی تصویر اور اس کی آواز کیسے فتنہ نہ ہوگی اور اس کا اظہار اور اشتہار کیوں حرام نہ ہوگا۔ خوب سمجھ لو کہ عورت کی تقریر اور عورت کی تصویر یہ سب زنا کے دروازے ہیں۔ شریعت مطہرہ ان کو بند کرنا چاہتی ہے مگر یہ دلدادگانِ مغربیت اس فکر میں ہیں کہ بے پردگی اس درجہ بام عروج پر پہنچ جائے کہ نفس پرستوں کو نکاح ہی کی ضرورت نہ ہو۔

نیز احادیث میں عورت کو اجنبی مرد کے ساتھ خلوت کی ممانعت ہے۔

اور عورت کو بغیر محرم کے سفر کرنے کی ممانعت آئی ہے۔

اور عورت کو بغیر شوہر کی اجازت کے مسجد وغیرہ میں جانے کی ممانعت آئی ہے۔ اس ممانعت کی علت صرف یہی فتنۂ شہوت و نفسانیت ہے جس کا شریعت مطہرہ سد باب کرنا چاہتی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
یا اپنے خاوند کے باپ کے یا اپنے بیٹے کے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے
اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ
یا اپنے بھائی کے یا اپنے بھتیجوں کے یا اپنے بھانجوں کے
اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ
یا اپنی عورتوں کے

یعنی جو عورتیں اس کے پاس اُٹھنے بیٹھنے والی ہیں۔ بشرطیکہ نیک چلن ہوں۔ بدراہ عورتوں کے سامنے نہیں اور بہت سے سلف کے نزدیک اس سے مسلمان عورتیں مراد ہیں۔ کافر عورت اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ یا اپنے بھانجوں کے لئے۔ بہنوں کے پوتے نواسے بھی اسی حکم میں شامل ہیں۔ مذکورۂ بالا سب لوگ عام طور پر اپنی بزرگ یا خورد عورتوں کے گھروں میں ہر وقت آمد و رفت رکھتے ہیں اور عموماً کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہوتا، اصول و فروع سے صنفی تعلقات کو طبعاً لوگ بُرا سمجھتے ہیں پھر حیا اور شرم بھی دامن گیر ہوتی ہے۔ اس لئے مذکورۂ بالا مردوں کے سامنے مذکورہ عورتوں کا آنا اور اپنی زینت کو ظاہر کرنا اللہ نے جائز قرار دیا اور مردوں کے لئے مباح کر دیا۔ خدمت کے وقت جو حصہ بدن کھلا رہتا ہے یا کھل جاتا ہے اس کو دیکھ سکتے ہیں یعنی سر، پنڈلیاں، بازو اور سینہ۔ پیٹ اور پشت کو دیکھنا روا نہیں، نہ ناف سے زانو تک کوئی حصہ دیکھنا جائز ہے عام طور پر یہ حصے کام کے وقت بھی چھپے رہتے ہیں اور ان کو چھپا رکھنے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوتی۔ یہ حکم ان مردوں اور عورتوں کے لئے ہے جو باہم محرم ہیں جن کے درمیان سلسلۂ نکاح ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا ہے، خواہ حرمت نسبی ہو یا دودھ کی شرکت کی وجہ سے۔ آیت میں باپ کے بھائیوں اور ماں کے بھائیوں کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا کیونکہ دلالت النص سے ان کا حکم وہی معلوم ہو جاتا ہے جو بھتیجوں اور بھانجوں کا ہے اس پر اجماع اہل علم ہے کیونکہ جب پھوپھی اپنی زینت کا اظہار اپنے بھتیجے کے سامنے کر سکتی ہے تو بھتیجی کے لئے بھی اپنے چچا کے سامنے زینت کا اظہار جائز ہوگا۔ دونوں رشتے برابر کے ہیں اسی طرح خالہ بھانجے کے سامنے جب اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے تو بھانجی ماموں کے سامنے بھی زینت کو ظاہر کر سکتی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے کہ اعمام و اخوال کو صراحت کے ساتھ ذکر نہ کرنے سے اس طرف اشارہ ہو کہ چچا اور ماموں کے سامنے اظہار زینت نہ کرنا تقاضاء احتیاط ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان کی زینت کو دیکھ کر اپنے بیٹوں کے سامنے ان عورتوں کی زینت کو بیان کر دیں۔

آنکھوں اور ہاتھوں کا زنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں آنکھوں کا زنا (بُری نیت سے) دیکھنا ہے اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (بُری نیت سے) پکڑنا ہے۔ دوسری روایت میں ہے دونوں آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرمگاہ زنا کرتی ہے۔ رواہ احمد والطبرانی عن ابن مسعود۔ مرفوعاً۔

اگر خطرہ ہو تو محرم سے بھی پرہیز کرے:

محرم عورتوں سے زنا کرنے کا جرم بہت ہی سخت ہے۔ اس لئے اگر ان کو دیکھنے یا چھونے سے نفسانیت کے بیدار ہو جانے کا کسی ایک طرف بھی خطرہ ہو تو دیکھنے سے پرہیز رکھے اور چھونے سے بھی۔

عورت کا عورت کی زینت کو دیکھنا:

اَوْ نِسَآئِهِنَّ یا اپنی عورتوں کے لئے یعنی ایک عورت دوسری عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کر سکتی ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا غیر مومنہ آزاد ہو یا باندی کیونکہ ہر عورت دوسری عورت کی ہم جنس ہے اور نفسانی خواہشات کی بیداری کا عام طور پر خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں ناف سے زانو تک کا انکشاف ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بھی (باستثناء ضرورت خاص) نہیں کر سکتی۔

امام ابو حنیفہؒ کا ایک قول منقول ہے کہ عورت کا عورت کی طرف دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے مرد کا اپنی محرم عورتوں کی طرف دیکھنا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ قسم کے محارم

تنبیہ: یاد رہے کہ اس جگہ لفظ محرم عام معنے میں استعمال ہوا ہے جو شوہر کو بھی مشتمل ہے فقہاء کی اصطلاح میں محرم کی جو خاص تفسیر ہے کہ جس سے کبھی نکاح جائز نہ ہو وہ یہاں مراد نہیں تفصیل ان بارہ مستثنیات کی جو سورۂ نور کی مذکورہ آیت میں ہے یہ ہے سب سے پہلے شوہر ہے جس سے بیوی کے کسی عضو کا پردہ نہیں اگر چہ اعضاء مخصوصہ کو بلا ضرورت دیکھنا خلاف اولیٰ ہے حضرت صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا ما رأی منی ولا رأیت منہ یعنی نہ آپ نے میری خاص اعضاء دیکھے نہ میں نے آپ کے۔

دوسرے اپنے باپ ہیں۔ جس میں دادا، پردادا سب داخل ہیں۔ تیسرے شوہر کا باپ ہے اس میں بھی دادا، پردادا سب داخل ہیں چوتھے اپنے لڑکے جو اپنی اولاد میں ہیں۔ پانچویں شوہر کے لڑکے جو کسی دوسری بیوی سے ہوں۔ چھٹے اپنے بھائی، اس میں حقیقی بھی داخل ہیں اور باپ شریک علاتی اور ماں شریک اخیافی بھی۔ لیکن ماموں، خالہ زاد، چچا، تایا زاد، پھوپی زاد جن کو عرف میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں۔ ساتویں بھتیجے یعنی اپنے بھائی کے لڑکے یہاں بھی صرف حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائی کے لڑکے مراد ہیں دوسرے عرفی بھائیوں کے لڑکے شامل نہیں۔ آٹھویں بہنوں کے لڑکے۔ اس میں بھی بہنوں سے حقیقی اور علاتی اخیافی بہنیں مراد ہیں۔ پہلے لفظ نسائھن میں داخل ہیں ان کو علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی اس کا جواب جصاصؒ نے یہ دیا ہے کہ لفظ نسائھن اپنے ظاہر کے اعتبار سے صرف مسلمان عورتوں کے لئے ہے۔ اور مملوکہ باندیوں میں اگر کافر بھی ہوں تو ان کو مستثنیٰ کرنے کے لئے یہ لفظ علیحدہ لایا گیا ہے۔

گیارھویں قسم او التّٰبعین غیر اولی الاربۃ من الرجال ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ مغفل اور بدحواس قسم کے لوگ ہیں جن کو عورتوں کی طرف کوئی رغبت، دلچسپی نہ ہو (ابن کثیر) اور یہی مضمون ابن جریر نے مجاہد، ابن جبیر، ابن عطیہ وغیرہ سے نقل کیا ہے اس لئے اس سے مراد وہ مرد ہیں جو عورتوں کی طرف نہ کوئی رغبت وشہوت رکھتے ہیں، نہ ان کے اوصاف حسن اور حالات سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگوں سے بیان کریں بخلاف مخنث قسم کے لوگوں کے جو عورتوں کے اوصاف خاص سے تعلق رکھتے ہوں ان سے بھی پردہ واجب ہے جیسے کہ صدیقہ عائشہؓ کی حدیث میں ہے کہ ایک مخنث ازواج مطہرات کے پاس آیا کرتا تھا اور امہات المؤمنین اس کو غیر اولی الاربۃ من الرجال میں داخل سمجھ کر اس کے سامنے آجاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کو دیکھا اور اس کی باتیں سنیں تو گھروں میں داخل ہونے سے اس کو روک دیا (روح المعانی)

اسی لئے ابن حجر مکیؒ نے شرح منہاج میں فرمایا ہے کہ مرد اگرچہ عنین (نامرد) یا مجبوب (مقطوع العضو) یا بہت بوڑھا ہو وہ اس غیر اولی الاربۃ کے لفظ میں داخل نہیں ان سب سے پردہ واجب ہے۔ اس میں غیر اولی الاربۃ کے لفظ کے ساتھ جو التابعین کا لفظ مذکور ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسے مغفل بدحواس لوگ جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں چلے جائیں وہ مستثنیٰ ہیں۔ اس کا ذکر صرف اس لئے کیا گیا کہ اس وقت ایسے مغفل قسم کے کچھ مرد ایسے ہی تھے جو طفیلی بن کر کھانے پینے کے لئے گھروں میں جاتے تھے اصل مدار حکم کا ان کے مغفل مدہوش ہونے پر ہے تابع اور طفیلی ہونے پر نہیں۔ واللہ اعلم۔

بارھویں قسم او الطفل الذین ہے۔ اس سے مراد وہ نابالغ بچے ہیں جو ابھی بلوغ کے قریب بھی نہیں پہنچے اور عورتوں کے مخصوص حالات وصفات اور حرکات وسکنات سے بالکل بے خبر ہوں اور جو لڑکا ان امور سے دلچسپی لیتا ہو وہ مراہق یعنی قریب البلوغ ہے اس سے پردہ واجب ہے (ابن کثیر) امام جصاصؒ نے فرمایا کہ یہاں طفل سے مراد وہ بچے ہیں جو مخصوص معاملات کے لحاظ سے عورتوں اور مردوں میں کوئی امتیاز نہ رکھتے ہوں (احکام القرآن) پردہ سے مستثنیات کا بیان ختم ہوا۔ [illegible] مظہری

أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ

یا اپنے ہاتھ کے مال کے

غلام اور باندی:

یعنی اپنی لونڈیاں (باندیاں) اور بعض سلف کے نزدیک مملوک غلام بھی اس میں داخل ہے اور ظاہر قرآن سے اسی کی تائید ہوتی ہے لیکن جمہور امت اور سلف کا یہ مذہب نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غلام سیدہ فاطمہ کو عطا فرمایا اور غلام کو ساتھ لے کر حضرت فاطمہ کے پاس تشریف لے گئے اس وقت حضرت سیدہ کے پاس صرف اتنا کپڑا تھا کہ اگر سر چھپاتی تھیں تو پاؤں کھلے رہتے تھے اور پاؤں چھپاتی تھیں تو سر تک کپڑا نہیں پہنچتا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا کوئی حرج نہیں (کوئی غیر نہیں ہے) صرف تمہارا باپ اور تمہارا غلام ہے۔ رواہ ابو داؤد۔ اس حدیث کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے وہ غلام چھوٹی عمر کا ہو۔ حدیث میں جو لفظ غلام آیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے (غلام کا معنی ہے لڑکا) (تفسیر مظہری)

اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

یا کام کاج کرنے والوں کے جو مرد کہ کچھ غرض نہیں رکھتے

یعنی مفید ہے خدمتگار جو محض اپنے کام سے کام رکھیں اور کھانے سونے غرق میں شوقین رہتے ہوں یا فاتر العقل پاگل جن کے حواس وغیرہ بھی ٹھکانے نہ ہوں محض کھانے پینے میں گھر والوں کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مخنث وغیرہ: صحیح یہ ہے کہ خصی اور ذکر بریدہ نامحرم عورت کے معاملہ میں مرد کا حکم رکھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے خصی زن قابل جماع ہوتا ہے اور ذکر بریدہ کی بھی یہی حالت ہوتی ہے مس کر سکتا ہے، رگڑ سکتا ہے اس کو انزال ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ زنانہ جو بدفعلیوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے زنانہ بن گیا ہو وہ بھی بدچلنی کرسکتا ہے یہ سب لوگ آیت قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے حکم میں داخل ہیں، آیت کا حکم ذکر بریدہ خصی اور مخنث کو بھی شامل ہے اور شمول قطعی ہے۔ اور آیت التابعین غیر اولی الاربۃ میں ان ذکر بریدہ خصی وغیرہ کا شامل ہونا قطعی نہیں ہے اس لئے اول آیت میں جو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ان پر لاگو ہوگا۔

میں کہتا ہوں اصلی فطری خنثیٰ جس کے پاس آلۂ مردانگی بھی ہوتا ہے اور شرمگاہ نسوانی بھی۔ اگر اس میں نسوانی علامات نمایاں ہوں مثلاً عورتوں کی طرح پستان ہوں یا عورتوں کی مثل پستانوں میں دودھ اترآئے یا حیض آتا ہو یا حمل ہو، یا شرمگاہ نسوانی سے اس سے جماع کیا جا سکتا ہو تو ایسا خنثیٰ عورت کے حکم میں ہے۔ ورنہ مرد کا حکم اس پر لاگو ہوگا، عورتوں کے لئے اس کے سامنے ظہار زینت جائز نہ ہوگا۔ اور اگر خنثیٰ مشکل ہے تو محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا نہ وہ مردوں کے سامنے اپنا کشف کر سکے گا نہ عورتیں اس کے سامنے اپنی زینت نمایاں کرسکیں گی۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ام سلمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ کے پاس موجود تھے اور گھر میں ایک مخنث بھی موجود تھا، مخنث نے حضرت ام سلمہ کے بھائی حضرت عبداللہ بن امیہ سے کہا عبداللہ اگر کل اللہ تم کو طائف کی فتح عنایت فرما دے تو میں تم کو غیلان کی بیٹی کا پتہ بتاؤں گا، وہ چار کے ساتھ سامنے آتی ہے اور آٹھ کے ساتھ پیٹھ موڑ کر جاتی ہے (یعنی اس کے بدن کا یہ عالم ہے کہ جب وہ سامنے سے آتی ہے تو پیٹ پر چار شکنیں پڑی دکھائی دیتی ہیں اور پشت پھیر کر واپس جاتی ہے تو آٹھ شکنیں نمودار ہوتی ہیں، چار دائیں پہلو کی طرف اور چار بائیں پہلو کی طرف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ لوگ تمہارے پاس نہ آیا کریں۔ (تفسیر مظہری)

اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ

یا لڑکوں سے جنہوں نے ابھی نہیں پہچانا عورتوں کے بھید کو

یا جن لڑکوں کو ابھی تک نسوانی اسرار کی کوئی تمیز نہیں، نہ نفسانی جذبات رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ

اور ماریں زمین پر اپنے پاؤں کو کہ جانا جائے

مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ

جو چھپاتی ہیں اپنا سنگار

یعنی چال ڈھال ایسی نہ ہونی چاہیئے کہ زیور وغیرہ کی آواز سے جانب و ادھر میلان اور توجہ ہو۔ بسا اوقات اس قسم کی آواز صورت دیکھنے سے بھی زیادہ نفسانی جذبات کی محرک ہو جاتی ہے۔

عورت عورت سے قرآن سیکھے:

بیضاوی نے انوار میں صراحت کی ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اسی پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ عورت کا عورت سے قرآن سیکھنا افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ کہنا مردوں کے لئے ہے اور تالی بجانا عورتوں کے لئے۔ متفق علیہ۔

ابن ہمام نے لکھا ہے اسی وجہ سے اگر کہا جائے کہ عورت نماز میں اگر جہری قرأت کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو اس کی بنیاد معقول ہے اسی وجہ سے نماز میں اگر سہو ہو جائے تو امام کو متنبہ کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ عورت آواز سے سبحان اللہ کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تالی بجا دینے کا حکم دیا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا قدم بھی عورت ہے۔ (تفسیر مظہری)

اپنی مخفی زینت کا اظہار خواہ کسی ذریعہ سے ہو وہ بھی جائز نہیں۔ زیور کے اندر خود کوئی چیز ایسی ڈال دی جائے جس سے وہ بجنے لگے یا ایک زیور دوسرے زیور سے ٹکرا کر بجے یا پاؤں زمین پر اس طرح مارے جس سے زیور کی آواز نکلے اور غیر محرم مرد سنیں یہ سب چیزیں اس آیت کی رو سے ناجائز ہیں۔ اور اسی وجہ سے بہت سے فقہاء نے فرمایا کہ جب زیور کی آواز غیر محرموں کو سنانا اس آیت سے ناجائز ثابت ہوا تو خود عورت کی آواز کا سنانا اس سے بھی زیادہ سخت اور بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا اس لئے عورت کی آواز کو بھی ان حضرات نے ستر میں داخل قرار دیا ہے اور اسی بنا پر نوازل میں فرمایا کہ عورتوں کو جہاں تک ممکن ہو قرآن کی تعلیم بھی عورتوں ہی سے لینا چاہیئے۔ مردوں سے تعلیم لینا بدرجہ مجبوری جائز ہے۔

صحیح بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ نماز میں اگر کوئی سامنے سے گزرنے لگے تو مرد کو چاہیئے کہ بلند آواز سے سبحان اللہ کہہ کر گزرنے والے کو متنبہ کر دے مگر عورت آواز نہ نکالے بلکہ اپنی ایک ہتھیلی کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر اس کو متنبہ کرے۔

حنفیہ کے نزدیک عورت کی اذان مکروہ ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نزول حجاب کے بعد بھی پس پردہ غیر محارم سے بات کرتی تھیں اس مجموعہ سے راجح اور صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس موقع اور جس محل میں عورت کی آواز سے فتنہ پیدا ہونے کا خطرہ ہو وہاں ممنوع ہے جہاں یہ نہ ہو جائز ہے (جصاص) اور احتیاط اسی میں ہے کہ بلا ضرورت عورتیں پس پردہ بھی غیر محرموں سے گفتگو نہ کریں۔ واللہ اعلم۔

خوشبو لگا کر باہر نکلنا:

اس حکم میں یہ بھی داخل ہے کہ عورت جب بضرورت گھر سے باہر نکلے تو خوشبو لگا کر نہ نکلے کیونکہ وہ بھی اس کی مخفی زینت ہے غیر محرم تک یہ خوشبو پہنچے تو ناجائز ہے۔ ترمذی میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث ہے جس میں خوشبو لگا کر باہر جانے والی عورت کو برا کہا گیا ہے۔

مزین برقع پہن کر نکلنا بھی ناجائز ہے۔

وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ
اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب مل کر اے ایمان والو
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ؀
تاکہ تم بھلائی پاؤ

آئندہ کیلئے توبہ کرلو۔

یعنی پہلے جو کچھ حرکات ہو چکیں ان سے توبہ کرو اور آئندہ کے لئے ہر مرد و عورت کو خدا سے ڈر کر اپنی تمام حرکات و سکنات اور چال چلن میں انابت اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ اس میں دارین کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور اے مسلمانو تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے اوامر و نواہی کی تعمیل میں کوتاہی ہر شخص سے ہوتی ہے اس لئے سب کو توبہ کرنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام بنی آدم خطا وار ہیں اور خطا واروں میں سب سے اچھے توبہ کرنے والے ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی۔

بعض اہل تفسیر نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سورۂ نور میں اللہ نے جن اخلاق و آداب کو اختیار کرنے یا نہ کرنے کی تم کو ہدایت کی ہے اس کی تعمیل کی طرف رجوع کرو۔

بعض نے کہا جاہلیت کے زمانہ میں تم جو کچھ کرتے تھے اس سے توبہ کرو، اگرچہ اسلام کی وجہ سے پچھلے دورِ کفر کے اعمال قابل مواخذہ نہیں رہے، لیکن جب بھی ان بداعمالیوں کی یاد آ جائے ان پر ندامت تو بہر حال واجب ہی ہے اور ان کو دوبارہ اختیار نہ کرنے کا پکا ارادہ لازم ہی ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ؀ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

فلاح دارین توبہ ہی سے وابستہ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شخص کے لئے خوشی ہے جو اپنے اعمالنامے میں بکثرت استغفار پائیگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ واستغفار:

حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے لوگو اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ میں ہر روز سو بار اپنے رب کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم میں دن میں ستر بار سے زیادہ اپنے رب سے معافی مانگتا اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ البخاری۔

اعرابی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ میرے دل پر کثافت آ جاتی ہے اور میں دن میں سو مرتبہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ہم گنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں سو بار فرماتے تھے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد۔ (تفسیر مظہری)

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ
اور نکاح کر دو رانڈوں کا اپنے اندر

بیوہ، رنڈوں اور غیر شادی شدہ کا نکاح کرو

اوپر استیذان، غض بصر اور تستر وغیرہ کے احکام بیان ہوئے تھے، تاکہ بے حیائی اور بدکاری کی روک تھام کی جائے۔ اس آیت میں یہ حکم دیا کہ جن کا نکاح نہیں ہوا یا ہو کر بیوہ اور رنڈوے ہو گئے تو موقع مناسب ملنے پر ان کا نکاح کر دیا کرو۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کر، نماز فرض کا جب وقت آ جائے، جنازہ جب موجود ہو اور رانڈ عورت جب اس کا کفو مل جائے۔" جو قومیں رانڈوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں سمجھ لیں کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بقاء نسل کا عقلی اور شرعی تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ حدود کے اندر رہ کر مرد و عورت کے اختلاط کی کوئی صورت تجویز کی جائے۔ اسی کا نام قرآن و سنت کی اصطلاح میں نکاح ہے۔ آیت مذکورہ میں اس کے متعلق حرہ عورتوں کے اولیاء اور کنیزوں غلاموں کے آقاؤں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کا نکاح کر دیا کریں۔

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ الایامٰی، ایامی ایم کی جمع ہے جو ہر اس مرد و عورت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جس کا نکاح موجود نہ ہو خواہ وہ اصل سے نکاح نہ کیا ہو یا دونوں میں سے کسی ایک کی موت سے یا طلاق سے نکاح ختم ہو چکا

ہو۔ ایسے مردوں و عورتوں کے نکاح کے لئے اُن کے اولیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اُن کے نکاح کا انتظام کریں۔

نکاح کرنے کا مسنون طریقہ:

آیت مذکورہ کے طرزِ خطاب سے اتنی بات تو باتفاق ائمہ فقہاء ثابت ہے کہ نکاح کا مسنون اور بہتر طریقہ یہی ہے کہ خود اپنا نکاح کرنے کے لئے کوئی مرد یا عورت بلا واسطہ اقدام کے بجائے اپنے اولیاء کے واسطے سے یہ کام انجام دے اس میں دین و دنیا کے بہت سے مصالح اور فوائد ہیں۔ خصوصاً لڑکیوں کے معاملہ میں کہ لڑکیاں اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کریں، یہ ایک قسم کی بے حیائی بھی ہے اور اس میں فواحش کے راستے کھل جانے کا خطرہ بھی، اسی لئے بعض روایات حدیث میں عورتوں کو خود اپنا نکاح بلا واسطہ ولی کرنے سے روکا بھی گیا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک یہ حکم ایک خاص سنت اور شرعی ہدایت کی حیثیت میں ہے اگر کوئی بالغ لڑکی اپنا نکاح بغیر اجازت ولی کے اپنے کفو میں کرے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اگرچہ خلاف سنت کرنے کی وجہ سے وہ موجب ملامت ہوگی جبکہ اس نے کسی مجبوری سے اس پر اقدام نہ کیا ہو۔

لفظ ایامیٰ میں بالغان مرد و عورت دونوں داخل ہیں اور بالغ لڑکوں کا نکاح بلا واسطہ ولی سب کے نزدیک صحیح ہو جاتا ہے اس کو کوئی باطل نہیں کہتا۔ اسی طرح ظاہر یہ ہے کہ لڑکی بالغ اگر اپنا نکاح خود کرے تو وہ بھی صحیح اور منعقد ہو جائے ہاں خلاف سنت کام کرنے پر ملامت دونوں کو کی جائے گی۔

نکاح واجب ہے یا سنت یا مختلف حالات میں حکم مختلف ہے:

اس پر ائمہ مجتہدین تقریباً سبھی متفق ہیں کہ جس شخص کو نکاح نہ کرنے کی صورت میں غالب گمان یہ ہو کہ وہ حدود شریعت پر قائم نہیں رہ سکے گا گناہ میں مبتلا ہو جائے گا اور نکاح کرنے پر اس کو قدرت بھی ہو کہ اس کے وسائل موجود ہوں تو ایسے شخص پر نکاح کرنا فرض یا واجب ہے جب تک نکاح نہ کرے گا گنہگار رہے گا۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضرت عکافؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا تمہاری زوجہ ہے انہوں نے عرض کیا نہیں۔ پھر پوچھا کوئی شرعی لونڈی ہے کہا کہ نہیں پھر آپ نے دریافت کیا کہ تم صاحب وسعت ہو یا نہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ صاحب وسعت ہوں، مراد یہ تھی کہ کیا تم نکاح کے لئے ضروری نفقات کا انتظام کر سکتے ہو جس کے جواب میں انہوں نے اقرار کیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تو تم شیطان کے بھائی ہو اور فرمایا کہ ہماری سنت نکاح کرنا ہے۔ تم میں بدترین آدمی وہ ہیں جو بے نکاح ہوں اور تمہارے مُردوں میں سب سے رذیل وہ ہیں جو بے نکاح مر گئے۔ (مظہری)

اس روایت کو بھی جمہور فقہاء نے اسی حالت پر محمول فرمایا ہے جبکہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں گناہ کا خطرہ غالب ہو۔ عکافؓ کا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوگا کہ وہ صبر نہیں کر سکتے۔

اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح میں عبادت کا پہلو بہ نسبت دوسرے مباحات کے غالب ہے احادیث صحیحہ میں اس کو سنت المرسلین اور اپنی سنت قرار دے کر تاکیدات بکثرت آئی ہیں، اُن روایات حدیث کے مجموعہ سے اتنا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ نکاح عام مباحات کی طرح مباح نہیں بلکہ سنت انبیاء ہے جس کی تاکیدات بھی حدیث میں آئی ہیں۔ صرف نیت کی وجہ سے عبادت کی حیثیت اس میں نہیں بلکہ سنت انبیاء ہونے کی حیثیت سے بھی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو کھانا پینا سونا بھی سنت انبیاء ہے کہ سب نے ایسا کیا ہے۔ مگر جواب واضح ہے کہ ان چیزوں پر سب انبیاء کا عمل ہونے کے باوجود یہ کسی نے نہیں کہا نہ کسی حدیث میں آیا کہ کھانا پینا اور سونا سنت انبیاء ہے بلکہ اس کو عام انسانی عادت کے تابع انبیاء کا عمل قرار دیا ہے۔ بخلاف نکاح کے کہ اس کو صراحۃً سنت المرسلین اور اپنی سنت فرمایا ہے۔

تفسیر مظہری میں اس موقع پر ایک معتدل بات یہ کہی ہے کہ جو شخص حالتِ اعتدال میں ہو کہ نہ غلبۂ شہوت سے مجبور و مغلوب ہو اور نہ نکاح کرنے سے کسی گناہ میں پڑنے کا اندیشہ رکھتا ہو یہ شخص اگر یہ محسوس کرے کہ نکاح کرنے کے باوجود نکاح اور اہل و عیال کی مشغولیت میرے لئے کثرت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ سے مانع نہیں ہوگی تو اس کے لئے نکاح افضل ہے، اور انبیاء علیہم السلام اور صلحاء اُمت کا عام حال یہی تھا۔ اور اگر اس کا اندازہ یہ ہے کہ نکاح اور اہل و عیال کے مشاغل اس کو دینی ترقی، کثرت ذکر وغیرہ سے روک دیں گے تو بحالت اعتدال اس کے لئے عبادت کے لئے خلوت گزینی اور ترک نکاح افضل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

صدیق اکبرؓ کا قول ہے کہ تم نکاح کے بارے میں خدا کا حکم مانو وہ تم سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں امیری کو نکاح میں طلب کرو۔

تین آدمی جن کی مدد ضرور ہوتی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تین قسم کے لوگوں کی مدد کا اللہ تعالیٰ کے ذمہ حق ہے نکاح کرنے والا جو حرام کاری سے بچنے کی نیت سے نکاح کرے، وہ لکھت لکھ دینے والا غلام جس کا ارادہ ادائیگی کا ہو، وہ غازی جو خدا تعالیٰ کی راہ میں نکلا ہو (ترمذی وغیرہ)

ایک بے سروسامان آدمی کا نکاح:

اسی کی تائید میں وہ روایت ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا نکاح ایک عورت سے کرا دیا جس کے پاس بجز تہبند کے اور کچھ نہ تھا یہاں تک کہ لوہے کی انگوٹھی بھی اس کے پاس سے نہیں نکلی تھی۔

باوجود ان فقیری اور مفلسی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نکاح کرا دیا اور مہر یہ ٹھہرایا کہ جو قرآن اسے یاد ہے اپنی بیوی کو یاد کرا دے۔

اسلام میں سب سے پہلی قسطیں:

حضرت عمر نے اپنے غلام ابوامیہ سے مکاتبہ کیا تھا۔ جب وہ اپنی رقم کی پہلی قسط لے کر آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ اپنی اس رقم میں دوسروں سے بھی مدد طلب کرو۔ اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین آپ آخری قسط تک تو مجھے ہی محنت کرنے دیجئے۔ فرمایا نہیں مجھے ڈر ہے کہ کہیں خدا تعالیٰ کے اس فرمان کو ہم چھوڑ نہ بیٹھیں کہ انہیں اللہ کا وہ مال دو جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے پس یہ پہلی قسطیں تھیں جو اسلام میں ادا کی گئیں ابن عمر کی عادت تھی کہ شروع شروع میں آپ نہ کچھ دیتے تھے نہ معاف فرماتے تھے کیونکہ خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو آخر میں یہ رقم پوری نہ کر سکے تو میرا دیا ہوا مجھے ہی واپس آ جائے۔ ہاں آخری قسطیں ہوتیں تو جو چاہتے اپنی طرف سے معاف کر دیتے

حفاظت عصمت کا نسخہ:

عکرمہ فرماتے ہیں کہ جو مرد کسی عورت کو دیکھے اور اس کے دل میں خواہش پیدا ہو اسے چاہئے کہ اگر اس کی بیوی موجود ہو تو اس کے پاس چلا جائے ورنہ خدا تعالیٰ کی خدائی میں نظریں ڈالے اور صبر کرے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اسے غنی کر دے۔

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ
اور جو نیک ہوں تمہارے غلام اور لونڈیاں

لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح:

یعنی لونڈی غلام کو اگر اس لائق سمجھو کہ حقوق زوجیت ادا کر سکیں گے اور نکاح ہو جانے پر مغرور ہو کر تمہاری خدمت نہ چھوڑ بیٹھیں گے تو ان کا بھی نکاح کر دو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ صالحین سے مراد ہیں وہ لوگ جن میں نکاح کرنے اور حقوق نکاح ادا کرنے کی صلاحیت واہلیت ہو۔

مسئلہ: اگر جوش صنفی غالب ہو، اور حرام میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو نکاح واجب ہے صاحب نہایہ نے لکھا ہے اگر زنا میں مبتلا ہو جانے کا ڈر ہو اور رکنے پر قدرت نہ ہو تو ایسی حالت میں نکاح فرض ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اگر ایسا قوی اندیشہ ہو کہ نکاح نہ کرے گا تو اپنے پر قابو نہ پا سکے گا۔ یقیناً حرام میں مبتلا ہو جائے گا تو نکاح فرض ہے اور اگر مغلوبیت اس حد تک نہ ہو بلکہ جوش کی وجہ سے مبتلائے معصیت ہو جانے کا خطرہ ہو تو نکاح واجب ہے لیکن یہ وجوب اس وقت ہے جب حقوق نکاح ادا کرنے کا یقین ہو نکاح کے بعد حق تلفی کا اندیشہ نہ ہو، اگر لوازم نکاح ادا نہ کرنے کا خوف ہو تو نکاح مکروہ ہے۔ ابن ہمام نے یہ بھی لکھا ہے کہ حق تلفی کا خوف بھی تفصیل طلب ہے اگر فریضہ نکاح کے تلف ہونے کا یقین ہو تو نکاح حرام ہے اور حق تلفی کا خطرہ ہو یقین نہ ہو تو نکاح مکروہ تحریمی ہے۔

بدائع میں ذکر کیا گیا ہے جوش شہوانی (کے وقت) جو نکاح واجب ہو جاتا ہے اس کے لئے یہ شرط بھی ضروری ہے کہ بقدر مہر معجل دے سکے اور نفقہ برداشت کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اگر جوش شہوانی کے ساتھ یہ شرطیں بھی موجود ہوں اور نکاح نہ کرے تو گناہگار ہوگا۔

بغیر نکاح رہنے کی ممانعت:

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مجرد رہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عکاف سے فرمایا کیا تیری بیوی ہے عکاف نے کہا نہیں فرمایا اور کوئی باندی بھی نہیں ہے۔ عکاف نے کہا نہیں۔ فرمایا تو خوش حال (مالدار) بھی ہے عکاف نے کہا میں خوش حال ہوں (مالدار ہوں) فرمایا تب تو تو شیطان کے بھائیوں میں سے ہے

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہماری سنت (طریقہ) نکاح ہے تم میں جو لوگ مجرد ہیں وہ برے لوگ ہیں اور جو مجرد ہونے کی حالت میں مر گئے وہ بہت رذیل مردے ہیں۔ رواہ احمد۔

حضرت انس کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکاح کرنے کا حکم دیتے تھے اور مجرد رہنے کی سختی کے ساتھ ممانعت فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے اس عورت سے نکاح کرو جو شوہر سے بہت زیادہ محبت کرنے والی اور بکثرت بچے پیدا کرنے والی ہو۔ میں قیامت کے دن دوسری امتوں کے مقابلے میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی۔

خطاب سرپرستوں کو ہے کہ اگر ایامی نکاح کرنا چاہیں تو وہ نکاح کر دیں نکاح فرض عین نہیں ہے اس پر اجماع امت ہے۔ بعض کے نزدیک سنت موکدہ ہے بعض کے نزدیک مستحب لیکن سنت یا مستحب ہونا صرف اس شرط کے ساتھ ہے کہ جماع پر قدرت رکھتا ہو بیوی کا خرچ اٹھا سکتا ہو اور حق تلفی کا اس کو خطرہ نہ ہو ان میں سے اگر کوئی شرط مفقود ہو تو نکاح مکروہ ہے یا حرام۔

جوانوں کو حکم:

عملی سنت ہونے کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی عمل سے ملتا ہے اور قولی سنت کے ثبوت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے گروہ جواناں تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کر لے اور جس میں (مالی) استطاعت نہ ہو وہ روزے رکھے، روزہ اس

کے لئے شہوت شکن ہے۔ (خصی بننے کی ضرورت نہیں، روزہ خود ایسا ہی شہوت شکن ہے جیسے خصی ہونا) متفق علیہ من حدیث ابن مسعودؓ۔

نکاح میری سنت ہے:

ابن ماجہ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت ہے جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔ (یعنی میری تعلیم سے اس کا تعلق نہیں) نکاح کرو۔ دوسری امتوں کے مقابلہ میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ جو استطاعت رکھتا ہو اس کو نکاح کرنا چاہیے جو استطاعت نہ رکھتا ہو اس کو روزہ رکھنا ضروری ہے۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن میمون ہے اور یہ راوی ضعیف ہے۔

پیغمبروں کی چار سنتیں:

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے (یعنی وہ میرا نہیں مجھ سے اس کا تعلق نہیں ہے)

ترمذی نے ابو ایوبؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ پیغمبروں کی چار سنتیں ہیں۔ حیا، خوشبو کا استعمال، مسواک اور نکاح۔

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طاہر اور مطہر ہونے کی حالت میں اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو اس کو آزاد عورتوں سے نکاح کرنا چاہئے۔

بعض صحابہ کے جذبات کی اصلاح:

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ چند صحابہ نے امہات المومنین سے (ازواج مطہرات) پوشیدگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے متعلق دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ گھر کے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اوقات غیر معمولی عبادت میں نہیں گزرتے تھے، آپ سوتے بھی تھے عبادت بھی کرتے تھے تو کہنے لگے ہم میں سے کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہوسکتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فروگذاشتیں تو اللہ نے پہلے ہی سے معاف فرما دی ہیں۔ ایک صاحب بولے، میں تو عورتوں سے قربت ہی چھوڑ دوں گا، دوسرے نے کہا میں گوشت نہیں کھاؤں گا، تیسرے نے کہنے لگے میں بستر پر نہیں سوؤں گا، اس گفتگو کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچی، دوسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تقریر کی اور خطبہ میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا کیا وجہ کہ کچھ لوگوں نے ایسی باتیں کیں، میں تو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں روزہ بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔

اس امت کے سب سے افضل آدمی:

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے ابن عباسؓ نے فرمایا، نکاح کرو۔ اس امت کے سب سے افضل آدمی کی بیبیاں بہت تھیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے افضل تھے آپ کی بیبیاں بھی بہت تھیں اور بیبیوں کی کثرت نے آپ کے مرتبہ کی عظمت کم نہیں کی۔ ایک گزر چکا ہے کہ مجرد رہنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق:

میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ جو شخص اپنے کو نکاح کرنے اور اہل و عیال سے تعلق رکھنے و تعلق باللہ رکھنے میں رکاوٹ نہیں سمجھتا اس کو اپنے اوپر یہ قابو ہے کہ باوجود ان مشاغل کے عبادت اور ذکر اللہ کی کثرت اور تعمیل اوقات میں اس کے کوئی فرق نہیں آسکتا تو اس کے لئے نکاح افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انبیاء، صحابہ کرام اور بیشتر علماء سلف صالحین اسی درجہ پر فائز تھے، باوجود کثرت موانع کے ان بزرگوں کے مجاہدے میں کوئی فرق نہیں آسکتا تھا ان کا مرتبہ یقیناً بہت اونچا تھا اور ان کا ثبات فکر و نظر نہایت پختہ تھا اور ان کا عملی جہاد نفس سب عوائق و موانع پر غالب تھا۔ لیکن جو شخص اپنے آپ کو اتنا راسخ قدم نہیں سمجھتا وہ ڈرتا ہے کہ نکاح کرنے اور اہل و عیال کی پرورش میں مشغول ہونے سے اس کے تعمیل کی اوقات میں فرق آ جائے گا، اس کے دل کی دنیا اجڑ جائے گی وہ پراگندہ خاطر ہو کر ذکر اللہ کی کثرت نہ کر سکے گا اور انقطاع کلی میں رخنہ پیدا ہو جائے گا۔ اس کے لئے ترک نکاح افضل ہے لیکن یہ ترک کی افضلیت اسی وقت ہے جب اس کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اللہ نے ذکر خدا اور تعلق باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ پر زور دیتے ہوئے تمام پرکشش اسباب دنیا اور پرفریب جذبات قرابت سے مغلوب نہ ہونے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے۔

مسلم نے حضرت عمرو بن العاص کی روایت سے مرفوعاً بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا متاع (فائدہ اندوزی کی چیز) ہے اور دنیا کے متاع میں صالحہ عورت سب سے اچھی متاع ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نکاح دنیاوی امور میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ کے) فرض کے بعد حلال کی طلب بھی فرض ہے رواہ الطبرانی والبیہقی عن ابن مسعودؓ۔

طبرانی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بھی بیان کی ہے کہ حلال کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔ بقائے نسل کے لئے نکاح جس طرح فرض کفایہ ہے (تاکہ مسلمانوں کی نسل دنیا میں ختم نہ ہو) اسی طرح بقدر بقائے زندگی کھانا پینا ہر شخص پر فرض عین ہے او

تجارت زراعت وغیرہ دوسرے معاشی اور پیشے فرض کفایہ ہیں۔ اگر سب ان کو چھوڑ دیں تو معاشی نظام درہم برہم ہو جائے گا اور دینی نظم بھی بگڑ جائے گا (اور سب گناہگار ہوں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امانت دار سچا تاجر (قیامت کے دن) نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا رواہ الترمذی عن ابی سعید خدری وحسنہ وابن ماجہ عن حدیث ابن عمر۔

بغوی نے شرح السنۃ میں حضرت انس کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ لیکن (نکاح ہو یا تجارت یا زراعت یا کھانا پینا) ان تمام امور کی خوبی (یعنی عبادت ہو جانا) بالغیر ہے (حسن نیت کی وجہ سے یہ امور عبادت بن جاتے ہیں) اور ذکر خداوندی اور سب سے کٹ کر اللہ سے لو لگانا فی نفسہ عبادت ہیں ان کی خوبی ذاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کی وجہ سے برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، الحدیث رواہ البخاری۔ اس حدیث میں یہ نہیں فرمایا کہ میرا بندہ نکاح یا کھانے پینے سے برابر میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس وحی نہیں آئی کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں بلکہ یہ وحی آئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کروں اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو جاؤں۔ رواہ البغوی فی تفسیر سورۃ الحجر۔

تمام پیغمبروں کی شریعتوں میں نکاح کرنا مجرد رہنے سے افضل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار چیزوں کو سنن انبیاء میں شمار کیا ہے ان چار چیزوں میں ایک نکاح کو بھی شامل کیا ہے۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ موسیٰؑ، ہارونؑ، ایوبؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ، زکریاؑ وغیرہم سب ہی نے نکاح کئے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، مسلمانوں کا بہترین مال وہ بکریاں ہیں جن کو ہنکا کر وہ پہاڑ کی چوٹی پر لے جائے (اور سب سے الگ ہو جائے) تاکہ فتنوں سے اپنے دین کو بچا کر بھاگ جائے۔ رہبانیت سے مراد ہے ان جائز امور کو ترک کر دینا جن کو ترک کرنے کا کوئی ثواب نہیں، جیسے نکاح کا ترک کر دینا بستر پر سونا ترک کر دینا، گوشت ترک کر دینا، ہمیشہ چپ رہنا اور کلام کو ترک کر دینا، جیسے نصاریٰ کے راہب کیا کرتے تھے، اللہ نے فرمایا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ شریعت میں ممانعت اسی اختراعی خود ساختہ رہبانیت کی ہے۔ جائز شرعی رہبانیت کی ممانعت نہیں ہے۔ صحابہ کرام کی تعریف میں حدیث میں آیا ہے وہ رات میں راہب اور دن میں شیر تھے۔

گویا آیت یہ تعلیم دے رہی ہے کہ اگر غلام آقا سے یا بالغ عورت سرپرست سے اپنا نکاح کرانے کی درخواست کرے تو آقا اور ولی پر ان کا نکاح کرا دینا واجب ہے یہ مطلب امام شافعی کے مسلک پر ہوگا اور ان لوگوں کے نزدیک بھی آیت کا یہی مفہوم ہوگا جو عورتوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے نکاح کو جائز نہیں قرار دیتے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک تو آیت کا مقصد صرف یہ ہے کہ سرپرست لوگ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں یہی مفہوم آیت فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ کا ہے۔

مناسب رشتہ آئے تو نکاح کر دو:

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیام نکاح بھیجے جس کے دین اور خلق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے (اپنی بہن، بیٹی یا عزیزہ کا) نکاح کر دو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور لمبا چوڑا بگاڑ پیدا ہو جائے گا (رسوائی ذلت اور زناکاری کا برا نتیجہ پیدا ہوگا) رواہ الترمذی۔

اولاد کا نکاح نہ کرنے کا نقصان:

حضرت عمر بن خطابؓ اور انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، توریت میں لکھا ہوا تھا کہ جس کی بیٹی بارہ برس کی ہو جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اس حالت میں اگر لڑکی کسی گناہ کا ارتکاب کر لے تو گناہ نکاح نہ کرنے والے پر پڑے گا۔

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کے لڑکا ہو وہ لڑکے کا اچھا نام رکھے اور اچھی تہذیب سکھائے، جوان ہو جائے تو اس کا نکاح کر دے، اگر بالغ ہو جانے کے بعد اس کا نکاح نہیں کرے گا اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھے گا تو اس کا گناہ باپ پر ہوگا، دونوں حدیثیں بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

غلام اور باندیاں نکاح کے قابل ہوں تو انکے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالو

وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَاۗىِٕكُمْ یعنی اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صالح ہوں، اُن کے نکاح کرا دیا کرو۔ یہ خطاب اُن کے آقاؤں اور مالکوں کو ہے اس جگہ صالحین کا لفظ اپنے لغوی معنے میں آیا ہے یعنی ان میں جو شخص نکاح کی صلاحیت واستطاعت رکھتا ہو اس کا نکاح کرا دینے کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے مراد اس صلاحیت سے وہی ہے کہ بیوی کے حقوق زوجیت اور نفقہ ومہر معجّل ادا کرنے کے قابل ہوں۔ اور اگر صالحین کو معروف

یعنی نیک لوگوں کے معنے میں لیا جائے تو پھر ان کی تخصیص بالذکر اس وجہ سے ہوگی کہ نکاح کا اصل مقصد حرام سے بچنے کا وہ صالحین ہی میں ہوسکتا ہے۔

بہرحال اپنے غلاموں اور کنیزوں میں جو صلاحیت نکاح کی رکھنے والے ہوں ان کے نکاح کا حکم ان کے آقاؤں کو دیا گیا ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ اگر وہ اپنی نکاح کی ضرورت ظاہر کریں اور خواہش کریں کہ ان کا نکاح کر دیا جائے تو آقاؤں پر بعض فقہاء کے نزدیک واجب ہوگا کہ ان کے نکاح کر دیں اور جمہور فقہاء کے نزدیک اُن پر لازم ہے کہ ان کے نکاح میں رکاوٹ نہ ڈالیں بلکہ اجازت دے دیں کیونکہ مملوک غلاموں اور کنیزوں کا نکاح بغیر مالکوں کی اجازت کے نہیں ہوسکتا۔ تو یہ حکم ایسا ہی ہوگا جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت میں ہے فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ یعنی عورتوں کے اولیاء پر لازم ہے کہ اپنی زیر ولایت عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص منگنی لے کر آئے اور اخلاق آپ کو پسند ہوں تو ضرور نکاح کر دو اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور وسیع پیمانے کا فساد پیدا ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حکم آقاؤں کو اس لئے دیا گیا کہ وہ اجازت نکاح دینے میں کوتاہی نہ کریں خود نکاح کرا دینا ان کے ذمہ واجب ہو یہ ضروری نہیں۔ واللہ اعلم۔

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
اگر وہ ہوں گے مفلس اللہ اُن کو غنی کر دے گا اپنے فضل سے

رزق کے خوف سے نکاح ترک نہ کرو:

بعض لوگ نکاح میں اس لئے پس وپیش کیا کرتے ہیں کہ نکاح ہو جانے کے بعد بیوی بچوں کا بار کیسے اُٹھے گا۔ انہیں سمجھا دیا کہ ایسے موہوم خطرات پر نکاح سے مت رُکو۔ روزی تمہاری اور بیوی بچوں کی اللہ کے ہاتھ میں ہے کیا معلوم ہے کہ خدا چاہے تو ان ہی کی قسمت سے تمہارے رزق میں کشائش کر دے۔ نہ مجرد رہنا غنا کا موجب ہے اور نہ نکاح کرنا فقر وافلاس کو مستلزم ہے۔ یہ باتیں حق تعالیٰ کی مشیت پر ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ (توبہ۔ رکوع ۴) اور ظاہری اسباب کے اعتبار سے بھی یہ چیز معقول ہے کہ نکاح کر لینے یا ایسا ارادہ کرنے سے آدمی پر بوجھ پڑتا ہے اور وہ پہلے سے بڑھ کر کمائی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ اُدھر بیوی اور اولاد ہو جائے تو وہ بلکہ بعض اوقات بیوی کے کنبہ والے بھی کسب معاش میں اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ بہرحال روزی کی تنگی یا وسعت نکاح یا تجرد پر موقوف نہیں۔ پھر یہ خیال نکاح سے مانع کیوں ہو۔ (تفسیر عثمانی)

نکاح کے ذریعہ اللہ کا فضل تلاش کرو:

حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا، نکاح کے سلسلہ میں اللہ کے حکم کی تعمیل کرو۔ اللہ نے جو تم سے غنی بنا دینے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کو پورا کرے گا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ حضرت قتادہ کا بیان ہے، حضرت عمر بن خطاب کا فرمان ہم سے نقل کیا گیا ہے۔ میں نے اس شخص کی طرح (عجیب آدمی) نہیں دیکھا جو نکاح کے ذریعہ غنی کا طلبگار نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس سلسلہ میں اللہ نے وعدہ فرمایا ہے وہ فرماتا ہے نکاح کے ذریعہ سے غنی طلب کرو۔ نکاح کرنے سے ہی اللہ کے فضل کے خواستگار بنو۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔

بزار خطیب اور دارقطنی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں سے نکاح کرو۔ وہ خود مال لے کر آئیں گی (یعنی نکاح کے بعد اللہ تمہارے لئے فراخ دستی کے دروازے کھول دے گا) رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ مرسلاً عن عروۃ۔

ثعلبی اور دیلمی مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے نکاح کے ذریعہ سے رزق کی تلاش کرو۔

میں کہتا ہوں شاید یہ وعدہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نکاح کے ذریعہ سے پاک دامن رہنے کے خواستگار ہوتے ہیں اور رزق کا بھروسہ اللہ پر رکھتے ہیں۔ ذیل کی آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ
اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے

جس کے حق میں مناسب جانتا ہے کشائش کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى
اور اپنے آپکو تھامتے رہیں جن کو نہیں ملتا سامان نکاح کا جب تک
يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ
کہ مقدور دے اُن کو اللہ اپنے فضل سے

جب تک نکاح کی ہمت نہیں عفت محفوظ رکھو:

یعنی جن کو فی الحال اتنا بھی مقدور نہیں کہ کسی عورت کو نکاح میں لا سکیں تو جب تک خدا تعالیٰ مقدور دے چاہئے کہ اپنے نفس کو قابو میں رکھیں۔ اور عفیف رہنے کی کوشش کریں۔ کچھ بعید نہیں کہ اسی ضبط نفس اور عفت کی برکت سے حق تعالیٰ اُن کو غنی کر دے اور نکاح کے بہترین مواقع مہیا فرما دے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
اور جو لوگ چاہیں لکھت آزادی کی مال دے کر ان میں سے کہ جو تمہارے ہاتھ

فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا

تو ان کو لکھ دو اگر سمجھو ان میں کچھ نیکی

غلام اور لونڈی کی آزادی

یعنی کسی کا غلام یا لونڈی ہے یہ مزید توثیق کے لئے معاملہ چاہے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر مال تجھ کو دوں تو مجھے آزاد کر دے، تو مالک کو چاہئے کہ قبول کر لے اگر سمجھے (اس معاملہ کو کتابت کہتے ہیں (اور یہ غلاموں کے آزاد کرنے کی ایک خاص صورت ہے) لیکن یہ معاملہ اس وقت قبول کرنا چاہئے جبکہ وہ سمجھے کہ واقعی اس غلام یا لونڈی کے حق میں آزادی بہتر ہوگی۔ قید غلامی سے چھوٹ کر چوری یا بدکاری یا اور طرح کی بدمعاشیاں کرتا نہ پھرے گا۔ اگر یہ اطمینان ہو تو بیشک اس کو آزادی کا موقع دینا چاہئے۔ تاکہ وہ آزاد ہو کر اپنی قابلیت سے میدانوں میں خوب ترقی کر سکے اور نہیں کما سکتا ہے تو بااختیار خود کمائے ... غلامی کی وجہ سے میدان تنگ نہ ہو۔ (بیان القرآن)

بغوی نے لکھا کہ یہ آیت نازل ہوئی تو حویطب نے اپنے غلام کو سو دینار ادا کرنے کی شرط پر مکاتب بنا دیا اور بیس دینار (تجارت وغیرہ کے لئے) اس کو خود دے دیے، چنانچہ غلام نے (محنت کر کے) سو دینار ادا کر دیئے (اور آزاد ہو گیا) یہ غلام جنگ حنین میں شہید ہو گیا۔

آیت مذکور میں، جمہور علماء کے نزدیک امر استحبابی ہے وجوبی نہیں (مکاتب بنانا واجب نہیں)

حضرت ابن سیرینؒ کی آزادی:

بغوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ابن سیرین نے اپنے آقا حضرت انس بن مالک سے درخواست کی کہ مجھے مکاتب بنا دیجئے۔ حضرت انس نے کچھ توقف کیا۔ ابن سیرین نے حضرت عمر سے جا کر شکایت کی۔ حضرت عمر نے درہ لے کر حضرت انس پر چڑھائی کی اور مکاتب بنانے کا حکم دیا۔ حضرت انس نے ابن سیرین کو مکاتب بنا دیا۔ (تفسیر مظہری)

اگر آزادی میں ان کی بہتری ہو تو آزاد کر دو:

إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا یعنی مکاتب بنانا جب درست ہوگا جبکہ تم ان میں بہتری کے آثار دیکھو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور دوسرے حضرات ائمہ نے اس بہتری سے مراد قوت کسب بتلائی ہے یعنی جس شخص میں یہ دیکھو کہ اگر اس کو مکاتب بنا دیا تو کما کر معینہ رقم جمع کر لے گا اس کو مکاتب بنا دو ورنہ جو اس قابل نہ ہو اس کو مکاتب بنا دینے سے غلام کی محنت بھی ضائع ہوگی آقا کا نقصان بھی ہوگا۔ اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ خیر اور بہتری سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ اس کے آزاد ہونے سے مسلمانوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے مثلاً وہ کافر ہو اور اپنے کافر بھائیوں کی مدد کرتا ہو۔ درست بات یہ ہے کہ لفظ خیر اس جگہ دونوں چیزوں پر حاوی ہے کہ غلام میں قوت کسب بھی ہو اور اس کی آزادی سے مسلمانوں کو کوئی خطرہ بھی نہ ہو۔ (مظہری)

جدید مادہ پرستانہ نظریات اور قرآن کا نظریہ ملکیت

آج کل دنیا میں معاشیات کا دور دورہ ہے۔ ساری دنیا معاشی دولت ہی کی طرف ... معاش کے جال میں پھنس گئی ہے ان کی علمی تحقیقات اور غور و فکر کا رخ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور اس میں بحث و تحقیق نے ... ایک ایک معمولی مسئلہ کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے۔ ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔

اس معاملہ میں آج کل متضاد دنیا کے دو نظریے زیادہ معروف و مشہور ہیں اور دونوں ہی باہم متصادم ہیں ان کے تصادم نے ... دنیا میں ... اور جنگ و جدال کے ایسے دروازے کھول دیئے ہیں کہ ... دنیا امن و اطمینان سے محروم ہو گئی۔

قرآن کریم نے اصول یہ بتلایا کہ کائنات کی ہر چیز اصل میں حق تعالیٰ کی ملک ہے جو ان کا خالق ہے پھر اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے جن چیزوں کا اس قانون کی رو سے وہ مالک بنا دیا گیا ہے اس میں دوسروں کے تصرف بغیر اس کی اجازت کے حرام قرار دیا مگر مالک بننے کے بعد بھی اس کو آزاد ملکیت نہیں دی کہ جس طرح چاہے کمائے اور جس طرح چاہے خرچ کرے بلکہ دونوں طرف ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریقہ کمانے کا حلال ہے فلاں حرام اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام۔ اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق بھی رکھ دیئے ہیں جن کا ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ (مفتی اعظم)

وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ

اور دو ان کو اللہ کے مال سے جو اس نے تم کو دیا ہے

غلاموں کی آزادی میں مالی امداد کرو:

یہ خطاب عام مسلمانوں کو ہے کہ ایسے غلام لونڈی کی مالی امداد کرو خواہ زکوٰۃ سے یا عام صدقات و خیرات وغیرہ سے۔ تاکہ وہ جلد آزادی حاصل کر سکیں اور اگر مالک بدل کتابت کا کوئی حصہ معاف کر دے، یہ بھی بڑی امداد ہے۔ (تنبیہ) مصارف زکوٰۃ میں جو فی الرقاب کا ایک مد رکھا ہے وہ ان ہی غلاموں کے آزاد کرانے کا فنڈ ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں بیت المال سے ایسے غلاموں کی امداد ہوتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا

اور مت زبردستی کرو اپنی چھوکریوں پر بدکاری کے واسطے اگر وہ چاہیں قید سے رہنا

لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

کہ تم کمانا چاہو اسباب دنیا کی زندگانی کا

لونڈیوں کو غلط کاری نہ کراؤ:

جاہلیت میں بعض لوگ اپنی لونڈیوں سے کسب کراتے تھے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے پاس کئی لونڈیاں تھیں جن سے بدکاری کرا کر روپیہ حاصل کرتا تھا۔ ان میں بعض مسلمان ہوئیں تو اس فعل شنیع سے انکار کیا۔ اس پر وہ ملعون زدوکوب کرتا تھا۔ یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی۔ اور اسی شان نزول کی رعایت سے مزید تقبیح کیلئے اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا اور لِتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی قیود بڑھائی ہیں ورنہ لونڈیوں سے بدکاری کرانا بہرحال حرام ہے اور اس طرح جو کمائی کریں سب ناپاک ہے۔ خواہ لونڈیاں یہ کام رضا و رغبت سے کریں یا زبردستی اور ناخوشی سے ہاں جب لونڈیاں نہ چاہیں اور یہ محض دنیا کے حقیر فائدے کے لئے زبردستی مجبور کرے تو اور بھی زیادہ وبال اور انتہائی وقاحت اور بے شرمی کی دلیل ہے۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ

اور جو کوئی ان پر زبردستی کرے گا تو اللہ ان کی بے بسی کے پیچھے

اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

بخشنے والا مہربان ہے

مجبور و محکوم قابل رحم ہے:

یعنی زنا ایسی بُری چیز ہے جو جبر و اکراہ کے بعد بھی بُری رہتی ہے لیکن حق تعالیٰ محض اپنی رحمت سے مکرَہہ کی بے بسی اور بیچارگی کو دیکھ کر درگذر فرماتا ہے۔ اس صورت میں مکرِہ (زبردستی کرنے والے) پر سخت عذاب ہوگا اور مکرَہ پر (جس پر زبردستی کی گئی) رحم کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

گناہ اس وقت قرار نہ دیا جائے گا جب جبر کرنے والا اضطرار کی حد تک مجبور کر کے وہ گناہ کرائے یعنی مجبور کو یہ اندیشہ ہو جائے اگر میں جابر کے قول پر عمل نہیں کروں گا تو مارا جاؤں گا یا میرا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا۔ اگر اس حد تک اندیشہ نہ ہو تو گناہ قائم رہتا ہے۔ اور چونکہ عبداللہ نے باندیوں کو اس حد تک مجبور نہیں کیا تھا کہ اگر وہ زنا نہ کریں گی تو ان کو قتل کر دیا جائے گا یا جسم کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا یا توڑ پھوڑ دیا جائے گا اس لئے گناہ قائم رہا وہ عورتیں زنا کرنے کے بعد بے گناہ نہیں ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اور ہم نے اتاریں تمہاری طرف آیتیں کھلی ہوئی اور کچھ حال ان کا جو

خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ

ہو چکے تم سے پہلے اور نصیحت ڈرنے والوں کو

قرآن کا بیان نصیحت و عبرت کا کامل سامان ہے:

یعنی قرآن میں سب اچھی باتیں احکام اور گذشتہ قوموں کے عبرتناک واقعات بیان کر دیے گئے ہیں۔ تا خدا کا ڈر رکھنے والے ان سے نصیحت و عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کو سوچیں۔ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا الخ میں اشارہ کر دیا ہو کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح کی حدود اور احکام جاری کئے گئے تھے جو اس سورت میں مذکور ہوئے۔ اور بعض قصے بھی اس قصہ افک کے مشابہ پیش آئے جو سورت ہذا میں بیان کیا گیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم صدیقہ اور حضرت یوسف صدیق کی دشمنوں کے بہتان سے براءۃ ظاہر فرمائی، عائشہ صدیقہ بنت الصدیقؓ کی براءۃ اور بزرگی بھی تا قیام قیامت صادقین کے قلوب میں نقش فی الحجر کر دی۔ اور دشمنوں کا منہ کالا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ان کی بعض حکایات یعنی جس طرح یوسف، مریم وغیرہ کے ہم نے عجیب تاریخی واقعات بیان کئے انہی کی طرح عجیب واقعہ ہم نے عائشہ کا بھی بیان کر دیا۔ یہ مطلب ہے کہ جو حالات اور نتائج گذشتہ قوموں کے ہم نے بیان کئے انہی کی طرح اے دروغ بندی، تہمت تراشی کرنے والو تمہارا حال بھی بیان کر دیا جو نتیجہ ان کا ہوا وہی تمہارا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اللہ روشنی ہے آسمانوں کی اور زمین کی

اللہ کے نور سے جہان آباد ہے:

یعنی اللہ سے رونق اور بستی ہے زمین اور آسمان کی، اس کی مدد نہ ہو تو سب ویران ہو جائیں (موضح القرآن) سب مخلوق کو نور وجود اسی سے ملا ہے۔ چاند، سورج، ستارے، فرشتے اور انبیاء و اولیاء میں جو ظاہری یا باطنی روشنی ہے اسی منبع انوار سے مستفاد ہے۔ ہدایت و معرفت کا جو چمکارا کسی کو پہنچتا ہے اسی بارگاہ رفیع سے پہنچتا ہے تمام علویات و سفلیات اس کی آیات تکوینیہ و تنزیلیہ سے منور ہیں حسن و جمال یا خوبی و کمال کی کوئی چمک اگر کہیں نظر پڑتی ہے وہ اسی کے وجہ منور اور ذات مبارک کے جمال و کمال کا ایک پرتو ہے۔

طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

سیرۃ ابن اسحٰق میں ہے کہ طائف میں جب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: اعوذ بنور وجهک الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا و الآخرة ان یحل بی غضبک او ینزل بی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولاحول ولاقوة الا بالله۔ روایات میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو "انت نور السموات والارض" کہہ کر پکارتے اور اپنے کان، آنکھ، دل، ہر ہر عضو بلکہ بال بال میں اُس سے نور طلب فرماتے تھے اور آخر میں بطور خلاصہ فرماتے "وَاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا یا وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یا "واجعلنی نورا" یعنی میرے نور کو بڑھا دے، مجھے نور ہی نور بنا دے۔ اور ایک حدیث میں ہے۔ ان الله خلق خلقه فی ظلمة ثم القی علیهم من نوره فمن اصابه من نوره یومئذ اهتدی ومن اخطاه ضل (فتح الباری ص۴۳۰) یعنی جس کو اس وقت اللہ کے نور (توفیق) سے حصہ ملا وہ ہدایت پر آیا اور جو اس سے چوکا گمراہ رہا۔ واضح رہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات مثلاً سمع، بصر وغیرہ کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ ایسے ہی صفت نور بھی ہے ممکنات کے نور پر قیاس نہ کیا جائے۔ تفصیل کے لئے امام غزالی کا رسالہ "مشکوٰۃ الانوار" دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

نور کا مطلب:

اللہ آسمانوں کا اور زمین کا نور ہے۔ نور اس کیفیت کا نام ہے جس کو آنکھ سب سے پہلے ادراک کرتی ہے پھر اس کے ذریعے سے دوسری قابل دید چیزوں کا انکشاف کرتی ہے۔ جیسے چاند سورج کی روشنی کہ (پہلے چاند سورج اس سے روشن ہوتے ہیں پھر) ان چیزوں کا اس سے انجلاء ہو جاتا ہے جو سورج و چاند کے سامنے ہوتی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے لفظ نور کا ذات باری تعالیٰ پر حقیقی اطلاق ممکن نہیں (کیونکہ یہ نور مادی ہے اور عوارض مادیات میں سے ہے) لامحالہ تاویل کی جائے گی۔ تاویل کی چند صورتیں ہیں۔

(۱) مضاف محذوف مانا جائے یعنی اللہ زمین و آسمان کو نور عطا کرنے والا ہے (۲) بطور مبالغہ مصدر کو اللہ پر محمول کیا جائے (اللہ میں اتنی زیادہ نور بخشی ہے کہ گویا خدا خود نور ہو گیا) جیسے زید کا اگر بہت زیادہ منصف ہونا ظاہر کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں زید عدل یعنی زید سراپا عدل ہے۔ کریم کو کرم کہہ دیتے ہیں۔

کبھی لفظ نور کا اطلاق بطور مدح بھی کیا جاتا ہے جیسے ایک عربی کا شعر ہے۔

جب کی رات عبداللہ مر گئے چل جاتا ہے تو مرد کا نور اور حسن چلا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور سے مراد ہے مدبر جو سردار قوم بڑا مدبر اور منتظم ہو اس کو نور القوم کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا نور وہ کیفیت ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہو اور اصل ظہور وجود و ہستی ہے جس طرح اصل خفاء عدم و نیستی ہے، پس نور السموات سے مراد ہے آسمانوں کا موجود ہونا۔ اللہ بذات خود موجود ہے اور دوسری چیزوں کو موجود کرنے والا ہے۔

یا مراد (قوت بینائی) ہے جس کا تعلق کی وجہ سے علم ہوتا ہے۔ اور سب اشیاء اس پر موقوف ہے اور بصیرت تو بہرحال حقیقی ترین ادراک ہے آنکھ تو ادراک نہیں کرتی بصیرت اپنا بھی ادراک ہے اور اپنی ذات کے علاوہ تمام کلیات و جزئیات کا ادراک بھی اسی پر موقوف ہے یہی حقائق پر غور کرتی اور ان کی تحلیل و ترکیب کرتی ہے اس لئے اس کو نور کہنا تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔ اور چونکہ بصیرت بذات خود اور باختیار کامل نہ اپنی ذات کا ادراک کر سکتی ہے نہ دوسری چیزوں کا بلکہ اللہ کی طرف سے اس پر فیضان ادراک ہوتا ہے کبھی بلاواسطہ اور کبھی ملائکہ وانبیاء کے توسط سے اس لئے ان سب کو انوار کہا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ مثال کا حاصل:

اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مومن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثال ہے جو مومن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے۔ جس کا خاصہ خود بخود بھی قبول حق کا ہے پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شعلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مومن میں رکھا گیا ہے جب وحی الٰہی اور علم الٰہی سے اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے اور حضرات صحابہ و تابعین نے جو اس مثال کو قلب مومن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مومن ہی اُٹھاتا ہے ورنہ وہ فطری نور ہدایت جو ابتداء تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مومن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کی فطرت اور جبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جاتا ہے اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم ہر خطہ ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود اور اس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتے ہیں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفس وجود کا ہر انسان فطرۃً قائل ہوتا ہے بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ خدا ہی کے وجود سے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے کُلُّ مولودٍ یولد علی الفطرة یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے۔

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ
مثال اس کی روشنی کی جیسے ایک طاق اس میں ہو ایک چراغ وہ چراغ دھرا ہو

فِیْ زُجَاجَةٍ ۚ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ
ایک شیشہ میں وہ شیشہ ہے جیسے ایک تارہ چمکتا ہوا تیل جلتا ہے
مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا
اس میں ایک برکت کے درخت کا وہ زیتون ہے نہ مشرق کی طرف ہے اور نہ
غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ
مغرب کی طرف قریب ہے اس کا تیل کہ روشن ہو جائے اگرچہ نہ لگی ہو اس میں آگ
نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ
روشنی پر روشنی اللہ راہ دکھلا دیتا ہے اپنی روشنی کی جس کو چاہے
وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ
اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے واسطے اور اللہ سب
بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۙ
چیز کو جانتا ہے

مؤمن نور الٰہی سے کس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے:

یعنی یوں تو اللہ تعالیٰ کے نور سے تمام موجودات کی نمود ہے لیکن مؤمنین مہتدین کو نور الٰہی سے ہدایت وعرفان کا جو خصوصی حصہ ملتا ہے اس کی مثال ایسی سمجھو گویا مؤمن قانت کا جسم ایک طاق کی طرح ہے جس کے اندر ایک ستارہ کی طرح چمکدار شیشہ (قندیل) رکھا ہو یہ شیشہ اُس کا قلب ہوا جس کا تعلق عالم بالا سے ہے۔ اُس شیشہ (قندیل) میں معرفت وہدایت کا چراغ روشن ہے، یہ روشنی ایسے صاف وشفاف اور لطیف تیل سے حاصل ہو رہی ہے جو ایک نہایت ہی مبارک درخت (زیتون) سے نکل کر آیا ہے اور زیتون بھی وہ جو کسی حجاب سے نہ مشرق میں ہو نہ مغرب میں یعنی کسی طرف دھوپ کی روک نہیں کھلے میدان میں کھڑا ہے جس پر صبح و شام دونوں وقت کی دھوپ پڑتی ہے۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ ایسے زیتون کا تیل اور بھی زیادہ لطیف وصاف ہوتا ہے غرض اُس کا تیل اس قدر صاف اور چمکدار ہے کہ بدون آگ دکھائے ہی معلوم ہوتا ہے کہ خود بخود روشن ہو جائے گا۔ یہ تیل میرے نزدیک وہ حُسن استعداد اور نور توفیق کا ہوا جو نور مبارک کے تقدمہ سے بدو فطرت میں مؤمن کو حاصل ہوا تھا۔ جیسا کہ اوپر کے فائدہ میں گذر چکا اور جس طرح شجرہ مبارکہ کو لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّلَا غَرْبِیَّةٍ فرمایا تھا وہ نور ربانی بھی جہت کی قید سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مؤمن کا شیشہ دل نہایت صاف ہوتا ہے اور خدا کی توفیق سے اُس میں قبول حق کی ایک زبردست استعداد پائی جاتی ہے کہ بدون دیاسلائی دکھائے ہی جل اُٹھنے کو تیار ہوتا ہے۔ اب جہاں ذرا آگ دکھائی یعنی وحی وقرآن کی تیز روشنی نے اس کو مس کیا فوراً اس کی فطری روشنی بھڑک اٹھی۔ اسی کو "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ" فرمایا۔ باقی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ جس کو چاہے اپنی روشنی عنایت فرمائے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس کو یہ روشنی ملنی چاہئے کس کو نہیں ان عجیب وغریب مثالوں کا بیان فرمانا بھی اسی غرض سے ہے کہ استعداد رکھنے والوں کو بصیرت کی یہ روشنی حاصل ہو۔ حق تعالیٰ ہی تمثیل کے مناسب موقع ومحل کو پوری طرح جانتا ہے کسی دوسرے کو قدرت کہاں کہ ایسی موزوں وجامع مثال پیش کر سکے۔ آگے فرمایا کہ وہ روشنی ملتی ہے اس سے کہ جن مسجدوں میں کامل لوگ صبح وشام بندگی کرتے ہیں وہاں دھیان لگا رہے۔ (تنبیہ) مفسرین نے تشبیہ کی تقریر بہت طرح کی ہے، حضرت شاہ صاحب نے بھی موضح القرآن میں نہایت لطیف وعمیق تقریر فرمائی ہے مگر بندہ کے خیال میں جو توجیہ آئی وہ درج کر دی۔ وللناس فیما یعشقون مذاہب واضح رہے کہ "یُوْقَدُ اور وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ" میں جس نار کی طرف اشارہ ہے میں نے مشبہ میں اس کی جگہ وحی وقرآن کو رکھا ہے۔ اس کا ماخذ وہ فائدہ ہے جو حضرت شاہ صاحب نے "مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا" پر لکھا ہے اور جس کی تائید صحیحین کی ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے یہ الفاظ فرمائے ہیں۔ "انما مثلی ومثل الناس کرجل استوقد نارا فلما اضاءت ما حوله جعل الفراش وھذہ الدواب التی یقعن فیھا الخ" (از تفسیر عثمانی)

دلوں کی چار قسمیں:

مسند کی ایک حدیث میں ہے دلوں کی چار قسمیں ہیں ایک تو صاف اور روشن، ایک غلاف دار بندھا ہوا ایک اُلٹا اور اوندھا، ایک پھرا ہوا اُلٹا سیدھا، پہلا دل تو مومن کا دل ہے جو نورانی ہوتا ہے اور دوسرا دل کافر کا دل ہے اور تیسرا دل منافق کا دل ہے کہ اس نے جانا پھر انجان ہو گیا، پہچان لیا پھر منکر ہو گیا۔ چوتھا دل وہ دل ہے جس میں ایمان بھی ہے نفاق بھی ہے۔ ایمان کی مثال تو اس میں مثل ترکاری کے درخت کے ہے کہ اچھا پانی اسے بڑھا دیتا ہے اور نفاق کی مثال اس میں مثل پھوڑے کے ہے کہ خون پیپ اسے اُبھار دیتا ہے اب جو غالب آ گیا وہ اس دل پر چھا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم:

اور امام بغویؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب احبار سے پوچھا کہ اس آیت کی تفسیر میں آپ کیا کہتے ہیں مثل نورہ کمشکوٰۃ الآیۃ کعب احبار جو تورات وانجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مشکوٰۃ آپ کا سینہ اور زجاجۃ (قندیل) آپ کا قلب

مبارک و مصباح (چراغ) نبوت ہے۔ اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے پھر وحی بھی اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے والا ہے۔

بہت سے واقعات عجیبہ صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں اور ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا ایک کافی حصہ اس جگہ تفسیر مظہری میں بھی نقل کر دیا ہے۔

روغن زیتون کی برکات:

شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ اس سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک اور نافع و مفید ہونا ثابت ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر مالش بھی کرو کیونکہ یہ شجرہ مبارکہ ہے (رواہ البغوی والترمذی عن عمرؓ مرفوعاً۔ مظہری) (معارف مفتی معظم)

مؤمن کے دل کا نور:

مَثَلُ نُوْرِهٖ اللہ کے نور کی صفت۔ یعنی وہ نور جو مومن کے دل میں جگمگاتا ہے جس کی پرتو اندازی کی وجہ سے مومن کا دل اللہ کی ذات و صفات کی طرف راستہ پاتا ہے عقل انسانی جس کو پا نہیں سکتی تھی۔ اس نور کی ضیاء پاشی کی وجہ سے وہاں تک پہنچ جاتی ہے اور جس کے ذریعہ یہ مثل بشری حق و حق اور باطل کو باطل جان لیتی ہے، اللہ نے فرمایا، فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ

بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعود پڑھتے تھے مثل نوره فی قلب المؤمن بقول سعید بن جبیر حضرت ابن عباس نے فرمایا، اس نور کی حالت و صفت جو اللہ نے مومن کو عطا فرمایا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے کہا ہے کہ نورہ کی ضمیر مومن کی طرف راجع ہے۔ حضرت ابی نے فرمایا، مومن کے دل کے نور کی صفت۔ یہ مومن وہ بندہ ہے، جس کے دل کے اندر اللہ نے ایمان اور سینہ کے اندر قرآن جما دیا ہے۔ حسن اور زید بن اسلم نے کہا نور سے مراد قرآن ہے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا نور سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک۔ بعض کے نزدیک نور سے اللہ کی طاعت مراد ہے۔ بندے کی طاعت کو اللہ نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔

كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ جیسے ایک طاقچہ جس میں ایک چراغ ہو۔ مشکوۃ طاقچہ جس میں آر پار سوراخ نہ ہو اگر آر پار سوراخ ہو تو اس کو کوۃ (روشن دان) کہتے ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک مشکوۃ حبشی زبان کا لفظ ہے۔ مجاہد نے مشکوۃ کا ترجمہ قندیل کیا ہے اس وقت مضاف محذوف ہوگا۔ یعنی نور قندیل کی طرح ہے جس میں چراغ موجود ہو۔ مصباح چراغ۔ یہ صبح سے بروزن مفعال ہے۔ صبح کا معنی ہے روشنی مصباح روشنی کا آلہ۔

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ چراغ شیشہ (کے فانوس) میں ہو۔ جان سے سیا شیشے کے اندر نور اور آگ کی روشنی بہت زیادہ چمکتی ہے۔ اسی لئے زجاجہ ذکر کیا۔

اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ شیشہ کا فانوس ایسا معلوم ہوتا ہو۔ دری میں یہ نسبت ہے۔ در موتی۔ (یعنی موتی جیسا تارا) صفائی و حسن میں موتی کی طرح۔

يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ وہ چراغ جو برکت والے درخت یعنی زیتون (کے تیل) سے روشن ہو۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے زیتون کے تیل سے ناسور اچھا ہو جاتا ہے۔ چونکہ جز تمام اس کے درخت میں تیل ہی تیل ہوتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت اسید بن ثابت یا حضرت اسید انصاری کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ مبارک درخت ہے۔ رواہ الترمذی عن عمرؓ۔ واحمد الترمذی والحاکم عن ابی اسید، و رواہ ابن ماجہ، والحاکم عن ابی ہریرۃؓ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں زیتون کا تیل کھاؤ اور استعمال کرو یہ نفیس اور برکت والا ہوتا ہے۔

ابونعیم نے الطب میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیتون کا تیل کھاؤ اور لگاؤ یہ ستر بیماریوں سے شفاء ہے جن میں سے ایک کوڑھ کی بیماری بھی ہے۔

لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ جو نہ شرقی ہو نہ غربی۔

بعض نے کہا وہ درخت نہ زمین کے مشرقی حصہ میں واقع ہے نہ مغربی حصہ میں بلکہ درمیان میں یعنی ملک شام میں واقع ہے۔ شام کا زیتون بہت عمدہ ہوتا ہے۔

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ نور بالائے نور ہے۔ ایک تو تیل کی چمک خود چمک چمک آگ کی وجہ سے اس کی اشتعالی روشنی۔ یہ دو نور ہیں۔ چراغ اور چراغ کا نور ہے تیل کے صاف ہونے کی وجہ سے اس کی ذاتی چمک شیشہ کے اشتعال کی چمک اور ایسے طاقچہ کی جگمگاہٹ جس میں ادھر ادھر سوراخ اور آر پار راستہ نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کا بیان ہے میں نے بحالت حمل خواب میں دیکھا کہ ایک نور میرے اندر سے نکلا جس کی وجہ سے شہر بصریٰ علاقہ شام کے محلات میری نظر کے سامنے چمک اٹھے پھر پیدا ہوتے ہی آپ نے سر آسمان کی طرف اٹھایا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ جونہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے آپ کی والدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ملک شام کے محل ان کی نظر کے سامنے چمک اٹھے، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

مہر نبوت۔ ابو نعیم نے دلائل میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے بیان کیا جب آپ پیدا ہوئے تو فرشتہ نے آپ کو تین بار پانی میں غوطہ دیا۔ پھر ایک ریشمی تھیلے کے اندر سے ایک مہر نکال کر آپ کے شانہ پر لگائی جس کی وجہ سے ایک سفید انڈے کی طرح چیز پیدا ہوگئی جو زہرہ کی طرح چمکنے لگی۔

عالم کفر میں زلزلہ: بیہقی، ابن ابی الدنیا اور ابن السکن کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو کسریٰ کے محل میں لرزہ آگیا اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اور کسریٰ خوف زدہ ہو گیا۔ اور فارس کی جو آگ ہزار برس سے نہیں بجھی تھی وہ بجھ گئی اور دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔

یہودی تاجر کی خبر حضرت عائشہؓ کی روایت میں آیا ہے۔ ایک یہودی مکہ میں رہتا اور تجارت کرتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی رات کو اس نے قریش سے کہا اے گروہ قریش آج رات اس امت کا نبی پیدا ہوگیا جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہے اور نشان میں گھوڑے کے ایال کی طرح چند بالوں کی ایک قطار ہے لوگ یہودی کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کے پاس پہنچے اور مولود بچہ کی پشت کھول کر دکھائی یہودی کی نظر جب مسہ پر پڑی فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے پوچھا ارے تجھے کیا ہو گیا یہودی نے کہا، خدا کی قسم بنی اسرائیل سے نبوت نکل گئی۔ رواہ الحاکم۔

راہب کی پیش گوئی:

مواہب لدنیہ میں عیصا راہب کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، عیصا مکہ والوں سے کہتا تھا اے اہل مکہ عنقریب تم میں ایک پیغمبر پیدا ہونے والا ہے۔ سارا عرب جس کا تابع ہو جائے گا، وہ نجم پرچمکی ہے وہ بتلا رہا ہے کہ پیدائش کا وقت ہے۔

حضرت عباس کے مسلمان ہونے کا خاص سبب:

حضرت عباس بن عبدالمطلب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے دین میں میرے داخل ہونے کا ایک خاص باعث ہوا آپ کے نبی ہونے کی نشانی میں نے اسی وقت دیکھ لی تھی جب آپ جھولے میں پڑے ہوئے چاند سے باتیں کر رہے تھے اور انگلی سے اس کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور جب آپ اس کی طرف اشارہ کرتے تھے وہ (کنارہ) جھک جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں اس سے باتیں کر رہا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کر رہا تھا وہ مجھے رونے سے بہلاتا تھا اور جب وہ عرش کے نیچے سربسجود ہوتا تھا تو میں اس کی آواز سنتا تھا۔

فرشتے جھولا جھلاتے تھے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کی گئی ہے کہ آپ کے جھولے کو فرشتے جھلاتے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے کلام کیا تھا۔

حضرت حلیمہ کی گود میں برکتیں:

ابو یعلیٰ اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن جعفر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انا حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے آپ کو اپنی گود میں لے لیا تو فوراً میری چھاتیاں بقدر ضرورت دودھ سے بھر آئیں پہلے میرا بچہ یعنی ضمرہ بھوکا رہنے کی وجہ سے سوتا نہ تھا، اب دونوں نے سیر ہو کر پی لیا اور دونوں سو گئے پہلے میری پستان میں اتنا دودھ ہی نہ تھا جو بچہ کے لئے کافی ہوتا نہ ہماری اونٹنی کے پاس دودھ تھا جو بچہ کو پلایا جا سکتا اب جو میرا شوہر اونٹنی کے پاس گیا تو دیکھتا کیا ہے کہ اونٹنی کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہیں میرے شوہر نے اس کو دوہا اور میں نے خوب سیر ہو کر پیا اور شوہر نے بھی خوب پیا اور وہ رات بڑے چین سے گزری محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جب میں واپس آئی اور گدھی پر سوار ہوئی تو خدا کی قسم وہ تو اتنی تیز چلنے لگی کہ ساتھیوں کا کوئی گدھا اس کا مقابلہ نہ کر سکا ساتھ والیاں کہنے لگیں اری ابی ذویب کی بیٹی ذرا ٹھہر تو، کیا یہ تیری وہی گدھی ہے جس پر تو آئی تھی، میں نے کہا ہاں۔ بات یہ تھی کہ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے میری گدھی ساتھ والے قافلے کے لئے بار ہو گئی تھی بار بار ان کو رکنا پڑتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلا کلام

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حضرت حلیمہ نے کہا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو آپ نے کہا، اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا وَّالْحَمْدُ لِلّٰہِ کَثِیْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّ اَصِیْلًا۔ یہ آپ کا سب سے پہلا کلام تھا۔ الحدیث۔

بادل کا سایہ: حضرت ابن عباس کا بیان ہے حلیمہ آپ کو دور نہیں جانے دیتی تھیں تاکہ آپ کی طرف سے ان کو بے خبری نہ رہے ایک روز آپ اپنی (رضاعی) بہن شیماء کے ساتھ باہر چلے گئے اور جہاں (جنگل میں) اونٹ تھے وہاں جا پہنچے حلیمہ تلاش میں نکلیں آپ اپنی بہن کے ساتھ (کہیں) مل گئے حلیمہ نے کہا اس گرمی میں تم کہاں پھر رہے ہو شیماء نے کہا اماں! مجھے اپنے بھائی کے ساتھ تو گرمی محسوس ہی نہیں ہوئی، برابر ان کے اوپر ایک بدلی سایہ کئے رہی جب یہ کہیں ٹھہر جاتے تھے بدلی بھی (ان کے اوپر) ٹھہر جاتی تھی یہ چل دیتے تھے تو بدلی بھی ان کے اوپر چل دیتی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں چراغ کی ضرورت نہیں تھی۔

شمائل محمدیہ میں مذکور ہے کہ حلیمہ نے کہا جس روز سے ہم نے آپ کو لیا کبھی ہم کو چراغ کی ضرورت نہیں رہی آپ کے چہرہ کی روشنی تو چراغ سے زیادہ نورانی تھی۔ اگر ہم کو کسی جگہ چراغ کی ضرورت پڑتی تو ہم آپ کو وہاں لے جاتے آپ کی برکت سے تمام مقامات روشن ہو جاتے

بت اور حجر اسود تعظیم سے جھک گئے:

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حلیمہ جب آپ کو لے کر بتوں کی طرف میں تو ہبل اور دوسرے بت آپ کی تعظیم میں اپنی اپنی جگہ سرنگوں ہو گئے اور سنگ اسود کے پاس لے کر گئیں تو سنگ اسود خود اپنی جگہ سے نکل کر آپ کے منہ کو چمٹ گیا۔

خشک وادیاں سرسبز ہوگئیں:

یہ بھی مروی ہے کہ حلیمہ جب آپ کو دودھ پلانے لگیں تو پستانوں سے اتنا دودھ بہنے لگا جو دس بلکہ اس سے بھی زیادہ بچوں کے لئے کافی ہوتا۔ جب حلیمہ آپ کو لے کر کسی خشک وادی سے گزرتیں تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی، حضرت حلیمہ خود کہتی اور دیکھتی تھیں کہ پتھر اور درخت آپ کو سلام کرتے تھے اور درختوں کی شاخیں آپ کی طرف جھک جاتی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رضاعی بھائی دونوں ساتھ ساتھ بکریاں چرایا کرتے تھے۔ رضاعی بھائی کا بیان ہے کہ میرے رضاعی بھائی جب کسی وادی پر چڑھ جاتے تو وہ فوراً سرسبز ہو جاتی تھی۔ اور بکریوں کو پانی پلانے کے لئے ہم کنویں پر آتے تھے تو کنویں کا پانی ابل کر کنویں کے منہ تک آ جاتا تھا، جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے تھے تو بدلی آ کر سایہ کر لیتی تھی اور جنگلی جانور آپ کے پاس آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے تھے۔

شقِ صدر:

خلاصۃ السیر میں ہے کہ آپ کی دائی بیان کرتی ہیں کہ ایک بار آپ ہمارے گھر کے مقام پر تھے اچانک آپ کا رضاعی بھائی دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ دو سفید پوش آدمیوں نے میرے قریشی بھائی کو پکڑ کر زمین پر لٹا کر پیٹ چاک دیا، حضرت حلیمہ کا بیان ہے ہم یہ بات سن کر فوراً ان کی طرف نکل کھڑے ہوئے جا کر دیکھا تو آپ منہ پھیرے کھڑے ہوئے تھے ہم نے آپ کو چمٹا لیا اور دریافت کیا کیا واقعہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی سفید پوش آئے اور انہوں نے مجھے لٹا کر میرا پیٹ پھاڑا پھر اس کے اندر کسی چیز کو ٹٹولا، مجھے معلوم نہیں کہ انہوں نے کیا چیز نکالی۔ حضرت شداد بن اوس کی روایت سے ابو یعلی، ابو نعیم اور ابن ابی عساکر نے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ تین آدمیوں کا ایک گروہ آیا ان کے پاس سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا ان میں سے ایک نے مجھے زمین پر لٹایا (اور پیٹ پھاڑ کر) پھر پیٹ کے اندر کی چیزیں نکالیں۔ پھر ان کو برف سے دھویا اور خوب دھویا پھر ان کو ان کی جگہ دوبارہ رکھ دیا پھر دوسرا کھڑا ہوا اور اس نے میرا دل نکال کر پھاڑا اور اس کو صاف کیا یہ سب باتیں میں دیکھ رہا تھا، پھر ایک سیاہ بوٹی اس کے اندر سے نکال کر پھینک دی پھر دائیں بائیں طرف ہاتھ گھمانے لگا معلوم ہوتا تھا کوئی چیز تلاش کر رہا ہے پھر مجھے نظر آیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی ہے جو بجھ منور ہے اس کو دیکھنے سے نگاہ میں چکا چوند ہو رہی تھی اس انگوٹھی سے اس نے میرے دل پر مہر لگا دی مہر لگتے ہی میرا دل نور سے بھر گیا یہ نبوت و دانش کا نور تھا پھر دل کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا میں اس مہر کی خنکی اپنے دل میں مدت تک محسوس کرتا رہا پھر تیسرے شخص نے اپنے ساتھی سے کہا تم ہٹ جاؤ (وہ ہٹ گیا) تیسرے شخص نے سینے کی وسطی میر (خط ابیض) کے آغاز سے زیر ناف کے آخری حصہ تک ہاتھ پھیرا فوراً شگاف جڑ گیا۔

حضرت انس کا بیان ہے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے قحط دُور ہوگیا:

ابن عساکر کی روایت میں آیا ہے کہ ایک سال کال پڑا، ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر بارش کی دعا کرنے کعبے کے پاس پہنچے کعبہ کی دیوار سے اپنی پشت لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی پکڑی اس وقت آسمان پر بادل کا ٹکڑا بھی نہ تھا، فوراً ادھر اُدھر سے بادل آ گیا اور موسلا دھار خوب بارش ہوئی اتنی کہ ساری وادی بہ نکلی۔ اس واقعہ کی طرف ابو طالب نے ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے "ان کا رنگ گورا ہے ان کے طفیل میں بارش کی دعا کی جاتی ہے وہ یتیموں کی پناہ گاہ اور رانڈوں کی عصمت بچانے والے ہیں۔"

راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا:

خلاصۃ السیر میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ ملک شام کی طرف گئے۔ مقام بصریٰ میں پہنچے تو بحیرا راہب نے آپ کا حلیہ دیکھ کر پہچان لیا اور دست مبارک کو پکڑ کر کہا۔ یہ رب العالمین کے رسول ہیں اللہ ان کو انسانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔ راہب سے دریافت کیا گیا تم کو اس کا کیسے علم ہوا، راہب نے کہا جب تم لوگ گھاٹی سے نکل کر آ رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ ہر درخت اور پتھر ان کی طرف کو جھک رہا تھا اور ایسا صرف نبی کے لئے ہی ہوتا ہے ہم نے اپنی کتابوں میں ان کے حالات پڑھے ہیں۔ پھر ابو طالب سے بحیرا نے کہا اگر تم ان کو لے کر شام کو گئے تو یہودی ان کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ راہب کے مشورے سے ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بصریٰ سے ہی واپس کر دیا (یا ساتھ لے کر واپس لوٹ آئے) دوبارہ حضرت خدیجہؓ کے غلام کو ساتھ لے کر تجارت کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ملک شام کو گئے اس وقت سن مبارک پچیس ۲۵ سال کا تھا اور حضرت خدیجہ سے نکاح نہیں ہوا تھا، شام میں پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس اترے، راہب نے اوپر سے میسرہ کی طرف جھانک کر دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے

میسرہ نے کہا باشندگان حرم میں سے ایک قریشی شخص ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کبھی کوئی اور نہیں اترا۔

راہب مسلمان ہوگیا:

بعض روایت میں آیا ہے کہ راہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا میں ایمان لے آیا اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ وہی (نبی) ہیں جن کا ذکر اللہ نے توریت میں کیا ہے، پھر مہر نبوت کو دیکھ کر چوما اور کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول نبی امی ہاشمی عربی ہیں آپ ہی صاحب حوض ہیں آپ ہی شفاعت کرنے والے ہیں آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔

فرشتے سایہ کرنے لگے:

بعض روایت میں آیا ہے کہ میسرہ نے بیان کیا دوپہر کا وقت ہوا اور گرمی سخت ہوگئی تو دو فرشتے اتر کر آپ پر سایہ کرنے لگے تاکہ گرمی (اور سورج کی تیزی) سے آپ کو تکلیف نہ ہو آپ اس وقت اپنے اونٹ پر سفر کر رہے تھے حضرت خدیجہ نے میسرہ کا جب بیان سنا تو آپ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنے کا شوق پیدا ہوگیا۔

علامہ سہیلی کی توجیہہ:

سہیلی نے راہب مذکور کے قول کا مطلب اس طرح بیان کیا۔ راہب کی مراد یہ تھی کہ اس وقت اس درخت کے نیچے پیغمبر ہی فروکش ہوا ہے۔ سہیلی کو اس تاویل کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انبیاء کے دور کو گزرے ایک طویل مدت (تقریباً چھ سو سال) گزر چکے تھے اتنی طویل مدت تک ایک درخت کا باقی رہنا بعید از عقل تھا چونکہ درخت بھی سر راہ تھا آنے جانے والے ضرور اس کے نیچے آکر بیٹھتے رہے ہوں گے، یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ لب راہ درخت کے نیچے کوئی مسافر سوائے نبی کے کبھی نہ اترا ہو۔ سہیلی کی توجیہ ضعیف ہے لیکن یہ توجیہ لفظ قطُّ کے خلاف ہے قطُّ کا تو یہ معنی ہے کہ کبھی اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی نہیں اترا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی قدرت ہمہ گیر معمولی حالات اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے اور کوئی کبھی نہ اترا ہو۔ اللہ کی قدرت سے کوئی بات بعید نہیں۔ (سہیلی کی توجیہ کا یہ مطلب بھی لیا جاسکتا ہے کہ یہ درخت جس کی عمر دس بیس یا پچاس برس ہے اس مدت میں کوئی شخص کبھی اس کے نیچے نہیں نازل ہوا اس وقت صرف پیغمبر ہی فروکش ہوا اور حسب صراحت توریت اس کے نیچے پیغمبر ہی اتر سکتا تھا) واللہ اعلم۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول:

سالم کی روایت میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا "مشکوٰۃ" سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک سینہ اور "زجاجہ" سے مراد ہے آپ کا دل اور مصباح وہ نور تھا جو آپ کے دل میں روشن تھا اور "شجرۂ مبارکہ" سے مراد ہیں حضرت ابراہیم اور "شرقی غربی" نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی اور "نور علیٰ نور" کا یہ مطلب ہے کہ ایک نور تو حضرت ابراہیم کے دل کا نور تھا اور دوسرا نور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا نور۔

محمد بن کعب کا قول:

محمد بن کعب قرظی نے کہا "مشکوٰۃ" حضرت ابراہیم تھے اور "زجاجہ" حضرت اسمٰعیل اور "مصباح" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی کی ذات کو اللہ تعالیٰ نے آیت سراجاً منیرا میں سراج فرمایا ہے۔ یہ چراغ ایک برکت والے درخت کے تیل یعنی حضرت ابراہیمؑ کی ذات سے روشن تھا، حضرت ابراہیم یقیناً بہت ہی بابرکت تھے اکثر انبیاء آپ ہی کی نسل سے ہوئے پھر آپ ایسے درخت کی طرح تھے جو نہ شرقی ہو نہ غربی یعنی آپ نہ یہودی تھے نہ عیسائی یہودی مغرب کو منہ کر کے عبادت کرتے ہیں اس لئے یہودیوں کو غربی قرار دیا اور عیسائی شرقی قرار پائے۔

وحی سے قبل ہی کمالات ظاہر ہونے لگے:

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ وحی آنے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور محاسن ظہور پذیر ہونے والے تھے (آگ کے چھونے یعنی وحی آنے کے بعد تو ان کا ظہور ہو ہی گیا وحی سے پہلے ہی وہ قریب الظہور تھے)

نور اصل اور نور نسل:

نور بالائے نور کا یہ مطلب ہے کہ نور اصل نور نسل کے ساتھ شامل ہوگیا ایک تو نور ابراہیمی تھا پھر نور محمدی اس کے ساتھ شامل ہوگیا۔ پس نور محمدی نور بالائے نور ہوگیا۔

حضرت ابی بن کعب کی تفسیر:

ابوالعالیہ نے حسب ذیل تفسیر کی حضرت ابی بن کعب کی طرف نسبت کی ہے کہ یہ مومن کی مثال ہے مومن کی ذات ایک مشکوٰۃ ہے، زجاجہ مومن کا سینہ ہے مصباح اس کا دل ہے نور مصباح ایمان اور قرآن کی روشنی ہے جو مومن کے دل میں ہوتی ہے۔ شجرۂ مبارکہ سے یہ روشنی اخلاص اللہ کے مبارک درخت سے حاصل ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سرسبز شاداب درخت جو گھنے باغ میں دوسرے درختوں سے گھرا ہوا ہو کہ سورج کے طلوع و غروب کے وقت دھوپ سے محفوظ ہو مومن بھی ہر طرح کے فتنہ سے محفوظ رہتا ہے، چار اوصاف اس کے خصوصی اوصاف ہوتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے اس کو کچھ ملتا ہے تو شکر ادا کرتا ہے نہیں ملتا تو صبر کرتا ہے فیصلہ کرتا ہے تو

نصف کا کرتا ہے، بات بہت بہت تو تیل کہتا ہے اس کا دل ایسا چراغ ہوتا ہے جو آگ چھو جانے کے بغیر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روشن ہو جانے کے قریب ہے۔ یعنی ظہور حق سے پہلے ہی اس کو معرفت حق حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا دل فطری طور پر حق پرست ہے، وہ نور بالائے نور ہوتا ہے اس کا قول ایک نور ہوتا ہے اس کا علم ایک نور ہوتا ہے، اس کا آنا نور اور جانا نور ہوتا ہے اور قیامت کے دن وہ نور ہی کی طرف جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے مومن کا دل فطرتاً ہدایت پر عمل کرتا ہے جب اس کو (شریعت کے ذریعہ سے) علم حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے نور بالائے نور ہو جاتا ہے۔

صوفی کا دل:

میں کہتا ہوں صوفی کا دل حق بات، حق عمل اور حق اعتقاد کی وجہ سے کھل جاتا ہے حق کو قبول کرتا ہے اور باطل کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، باطل سے اس میں انقباض ہو جاتا ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اپنے دل سے (مشتبہ امور میں) فتویٰ طلب کرو۔ اگرچہ مفتیوں نے تم کو فتوی دے دیا رواہ البخاری فی التاریخ بسند حسن۔ جب مومن کے دل میں کتاب اللہ ورسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم آ جاتا ہے تو اس کے اندر یقین وہدایت کا نور اور بڑھ جاتا ہے۔ ''نور علی نور'' کی تشریح میں کلبی نے کہا یعنی مومن کا ایمان اور اس کا عمل، سدی نے کہا نور ایمان اور نور قرآن۔

حسن اور ابن زید کا قول:

حسن اور ابن زید نے کہا یہ قرآن کی مثال ہے مصباح قرآن ہے جس طرح چراغ سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اسی طرح قرآن سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ زجاجہ مومن کا دل ہے مشکوٰۃ اس کا منہ اور زبان ہے، مبارک درخت وحی کا درخت ہے، زیت سے مراد ہے قرآنی دلائل، تیل کے روشن ہو جانے سے مراد ہے حجت قرآن کا واضح ہو جانا خواہ اس کو پڑھا نہ گیا ہو، یعنی نزول قرآن سے پہلے اللہ نے مخلوق کی ہدایت کی نشانیاں اور دلائل قائم فرما دی تھیں پھر جب قرآن نازل ہوا تو نور بالائے نور ہو گیا، نور فطرت میں نور قرآن کا اضافہ ہو گیا۔

بعض علماء کا قول:

بعض علماء نے کہا یہ حقیقت میں اس ہدایت کی تمثیل ہے جو واضح آیات کے مفہوم کے اندر موجود ہے اور اس ہدایت کا ظہور مشکوٰۃ ہے یا یوں کہا جائے کہ لوگوں کے اوہام وخیالات کی تاریکیاں ہدایت کو گھیرے رہتی ہیں پس یہ ہدایت چراغ کی طرح ہے جس کو ہر طرف سے ظلمت محیط ہوتی ہے (اور وہ بیچ میں جھلملاتا رہتا ہے)

انسان کی پانچ علمی ادراکی قوتیں:

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے انسان کو پانچ علمی ادراکی قوتیں عطا فرمائی ہیں جن سے انسانی معاش ومعاد وابستہ ہے۔

(۱) حسی قوت (یعنی حس مشترک) جس کے ذریعہ سے دماغ ان چیزوں کو جان لیتا ہے جو ظاہری پانچوں حواس کے ذریعہ سے محسوس ہوتی ہیں۔

(۲) خیال کی قوت یہ طاقت احساسی قوت کے معلومات کا خزانہ ہے محسوسات کی جو صورتیں حسی قوت میں آتی ہیں ان کو یہ اپنے اندر جمع رکھتی ہے تاکہ ضرورت کے وقت قوت عقلیہ کے سامنے لا سکے۔

(۳) قوتِ عاقلہ جو صرف کلی حقائق کا ادراک کرتی ہے (جزئی صورتوں سے حقائق کلیہ کا تجرد اور استنباط کر لیتی ہے)

(۴) فکری قوت یعنی قوت متفکرہ جو معلومات کو ترتیب دے کر نامعلوم چیزوں کا علم حاصل کرتی ہے اس کا کام دلائل کو جوڑنا اور معلومات کو ترتیب دینا ہے۔

(۵) قوت قدسیہ یہ قوت انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے اسرار ملکوت اور انوار غیب کا اس کے ذریعہ سے انکشاف ہوتا ہے آیت وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا میں یہی قوت مراد ہے۔ آیت زیر تفسیر میں یہی پانچوں قوتیں مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے مراد ہیں۔

حسی قوت، مشکوٰۃ کی طرح ہے گویا یہ ایک کھڑکی یا روشندان ہے جس کا رخ باہر کی طرف کو ہے اور صرف محسوسات خارجیہ وجدانی ہے اپنے پہنچتے کا اس کو کچھ ادراک نہیں، اس کا معقولات کے ذریعہ سے روشن ہو جانا بذات نہیں۔

قوتِ خیالیہ، اس قارورے یا شیشے کی طرح ہے جو ہر جہتی معقولات کی صورتوں کا ادراک کرتی ہے اور انوار عقلیہ کو اپنے اندر محفوظ رکھتی اور قوت عاقلہ کی ضیاء پاشی سے روشن رہتی ہے۔

قوتِ عاقلہ ایک چراغ ہے جو علوم کلیہ اور معارف ربانیہ کے نور سے جگمگا رہا ہے، قوتِ متفکرہ ایک مبارک درخت ہے جس کے پھل لامحدود ہیں یہ زیتون کا درخت ہے جس سے روغن پیدا ہوتا ہے اور اسی روغن سے چراغ روشن ہوتا ہے۔ یہ درخت نہ غربی ہے نہ شرقی، کیونکہ تمام جسمانی عوارض سے پاک ہے یا یوں کہو کہ یہ درخت فکر یہ صورتوں اور معانی کے درمیان واقع ہے، دونوں سے بہرہ یاب ہوتا ہے اور دونوں میں تصرف کرتا ہے۔

قوت قدسیہ روغن زیتون کی طرح صاف وشفاف ہے، بغیر سوچ وبچار اور کسی سے سیکھنے کے خود ہی معارف وعلوم کی نورانیت سے جگمگا جانے ...

قریب ہوتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت مذکورہ میں قوت عقلیہ کی تمثیل ہو۔ ہر شخص کی قوت عقلیہ وعمیہ ہر قسم کی صورتوں سے خالی ہوتی ہے لیکن قبول علم کی اس میں صلاحیت واستعداد ہوتی ہے اس درجہ کو آیت میں مشکوٰۃ قرار دیا ہے (قدما فلسفہ حسب صراحت بہروی وشیخ ابن سینا قوت عقلیہ کے اس مرتبہ کو عقل ہیولانی کہتے ہیں)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تشریح:

حضرت مجدد الف ثانی کے کشف الہامی پرمبنی آیت زیر تفسیر کی دو تاویلیں اور بھی ہیں جن کو ہم اس جگہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان وزمین کو موجود کرنے والا اور پردہ عدم سے میدان خارجی میں لانے والا ہے اور یہ وجود خارجی مثل ظل اور سایہ کے ہے۔

مَثَلُ نُورِہٖ۔ نور سے مراد ہے وجود عظمت نور کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی ذات کی طرف نور کی نسبت کی جیسے بیت اللہ (خانہ خدا) اور ناقۃ اللہ (اللہ کی براہ راست پیدا کی ہوئی متبرک اونٹنی) کہا جاتا ہے یا یوں کہاں جائے کہ ماہیات ممکنات پر وجود خداوندی پرتو انداز اور سایہ افگن ہے جیسے چاند اور سورج کے مقابل ہو جانے سے کہا جاتا ہے کہ چاند درمیان کا نور مستفاد ہوتا ہے۔

کَمِشْکٰوۃٍ یعنی جیسے مشکوٰۃ (طاقچہ، چراغ دان) کی روشنی، مضاف محذوف ہے۔

فِیْھَا مِصْبَاحٌ یعنی مشکوٰۃ کے اندر چراغ روشن ہے اور چراغ کی روشنی سے مشکوٰۃ پرنور ہو رہا ہے اسی طرح اللہ کی صفات واسماء کے چراغ سے تمام ممکنات کی حقیقتیں نور وجود حاصل کر رہی ہیں۔

اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ یعنی چراغ کی نور پاشی بدرجہ کمال ہے، حضرت مجدد نے فرمایا انبیاء اور اولیاء کو چھوڑ کر باقی تمام ممکنات کے مبادی تعین اللہ کی صفات نہیں بلکہ صفات کا پرتو اور ظل مبدء تعین ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ اللہ اپنی صفت کمال کو بھی جانتا ہے اور ان صفات کے نقائض کو بھی یعنی وہ اپنی صفات ثبوتیہ کا بھی علم رکھتا ہے اور صفات سلبیہ تنزیہیہ کا بھی۔ جیسے موت نقیض حیات ہے جہالت نقیض علم ہی کمزوری اور عجز قدرت کی نقیض ہے۔ بہرہ ہونا سننے کی نقیض ہے نابینا ہونا بینا ہونے کی نقیض گونگا ہونا کلام کی نقیض ہے، مجبور ہونا با اختیار ہونے کی نقیض ہے اور تعطل تکوین کی نقیض ہے۔

جب اللہ کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ مرتبہ علم میں جمع ہو جاتی ہیں تو نقائض کی تصویریں صفات سلبیہ کے ساتھ آمیختہ ہو جاتی ہیں ان مخلوطات کی حقیقت عدم ہوتی ہے اور سب صفات ان کے عوارض ہوتے ہیں یعنی یہ صفات سلبیہ اور تنزیہیہ ہوتی ہیں۔ صوفیا کی اصطلاح میں انہی مخلوطات کو ظل صفات کہتے انہی کو اعیان ثابتہ کہا جاتا ہے یہی ممکنات اور حقائق ممکنات کے مبادی تعین ہوتے ہیں یہی حقائق امکانیہ کی مربی (تعین کرنے والی) ہوتی ہیں، صفات کی تشبیہ روشن چراغ سے دی جاسکتی ہے اور ظلال صفات کو شیشہ کہہ سکتے ہیں اور ماہیات امکانیہ کے وجود ظہور کو مشکوٰۃ قرار دیا جاسکتا ہے، چراغ کی روشنی سے شیشہ اور قندیل روشن ہو جاتا ہے، مصباح کے نور سے شیشہ چمک جاتا ہے۔

مسلم نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نور اللہ (کے چہرہ) کا نقاب ہے اگر وہ اس نقاب و حجاب کو ہٹا دے تو اس چہرے کے چمکارے (شعاعیں) وہاں تک ساری مخلوق کو جلا کر سوختہ کر دیں جہاں تک اس کی نظر پہنچے۔ شاید اس حدیث میں نور سے مراد مرتبہ ظلال ہے اور انوار وجہ سے مراد ہیں صفات۔

بات یہ ہے کہ عام ممکنات کی ماہیات اپنی استعداد کی کمزوری سے براہ راست ظلال کی وساطت کے بغیر صفات سے نور وجود کو حاصل نہیں کرسکتیں۔ اگر ظلال صفات کا توسط نہ ہو تو عام ممکنات معدوم ہو جائیں البتہ انبیاء واولیاء اپنی استعداد وصلاحیت کی قوت کی وجہ سے براہ راست صفات سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یعنی نور مصباح سے شیشہ روشن اور چمکیلا ہو جاتا ہے شیشہ والے کو دھوکا ہو جاتا ہے کہ یہی مصباح ہے دیکھنے والے شیشہ (یعنی فانوس) اور چراغ میں امتیاز نہیں کرپاتے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

رق الزُّجاجُ ورقت الخمرُ فتشابها وتشاكل الامْر

(ترجمہ) شیشہ بھی شفاف ہے اور شراب بھی شفاف ہے، دونوں ہم شکل ہیں۔

فكانّما خمرٌ ولا زجاجٌ وكانّما زُجاجٌ ولا خمرُ

(ترجمہ) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف شراب ہے شیشہ نہیں ہے اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ صرف شیشہ ہے شراب نہیں ہے۔

ظلال وصفات میں چونکہ اتنا اشتباہ ہے کہ دونوں میں امتیاز کرنا بہت مشکل ہے اسی لئے عارفوں کا ایک گروہ یعنی وہ صوفی جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں نظری فریب میں مبتلا ہو گئے۔ ظلال کو صفات سمجھ بیٹھے دونوں مرتبوں کا فرق نہ سمجھ سکے اور صفات کو عین ذات کہنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ ممکنات کی ماہیت میں جو حقیقت جلوہ انداز ہے وہ ان ممکنات کی عین ہے نور پذیر اور نور افگن ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اسی غلط فہمی کی بنیاد پر وہ پکار اُٹھے، لیس فی الکون الا اللّٰہُ عالم وجود میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں۔ ایک عارف نے کہا۔ لَیْسَ فِی جُبَّتِی سوی اللّٰہ میرے جبہ کے اندر سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں، ایک وجودی شاعر کا قول ہے۔

لا مُلْکَ سُلَیْمَانَ وَلاَ بلقیسُ وَلا اٰدمَ فی الکون ولاابلیسُ

(ترجمہ) عالم وجود میں نہ ملک سلیمان ہے نہ بلقیس نہ نبی نہ بلیس۔

والکل صُوَرٌ واَنتَ المعنیٰ یامن ھُوَ للقلوب مغاطیسُ

(ترجمہ) اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے مقناطیس ہے حقیقت تو ہی ہے اور باقی سارا جہان محض صورتیں، مورتیں ہیں۔

یہ ساری خرافات سکر اور فریفتگی عشق کا نتیجہ ہیں یہ لوگ جلوہ آفریں اور جلوہ پذیر میں فرق نہ کر سکے۔

ذات اور صفات:

شیخ مجدد نے فرمایا صفات ضرور ذات سے زائد ہیں اور خارج (یعنی نفس الامر) میں ان کا وجود ہے نصوص قرآنی اور صراحت احادیث سے یہی ثابت ہے لیکن ذات فی نفسہٖ ترتب آثار میں صفات کی محتاج نہیں ہے (یعنی تنہا ذات بغیر صفت کے اظہار آثار کے لئے کافی ہے) اگر ہم ساری صفات کا عدم فرض کرلیں تب بھی آثار کا ظہور ذات سے ضرور ہوگا۔ مثلاً اگر سننے اور دیکھنے کی صفت ذات میں نہ مانی جائے تب بھی تنہا ذات ان آثار کے اظہار کے لئے کافی ہے جو شنوائی اور بینائی کی صفات پر مرتب ہوتے ہیں۔ شنوائی کے آثار اگر (بغیر صفت سمع کے) تنہا ذات سے ظاہر ہوں تو اس وقت اس کو شان سمع کہا جائے گا اسی طرح بصارت کے آثار بغیر صفت بصارت کے ذات سے ظاہر ہوسکتے ہیں اس لئے اس کو شان بصارت کہا جائے گا۔

نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ یعنی ایک تو چراغ کا نور ہے جو شیشے اور مشکوٰۃ کو روشن کر رہا ہے دوسرا درخت زیتون کے روغن کا نور ہے جیسے ایک نور صفات ہے جس سے آثار کا ظہور، حیات کی نور اندوزی اور ممکنات کی ایجاد وابستہ ہے دوسرا نور شیون ذات کا ہے اس طرح نور بالائے نور ہے۔

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ یعنی جس شخص کو چاہتا ہے اللہ اپنا نور معرفت عطا فرماتا ہے اس کی معرفت کا نور خاص خاص عارف ہی حاصل کرتے ہیں۔

ایجادِ اشیاء: اس توجیہ پر اس آیت میں ایجادِ اشیاء کی طرف اشارہ ہوگا وجود خارجی ظلی کے میدان میں پردۂ عدم سے نکل کر آنا مراد ہوگا اور اس بات کا ثبوت ہوگا کہ تمام موجودات سے ذات خداوندی انتہائی قریب ہے۔

سورۂ قٓ کی آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کی تفسیر میں ہم نے اقربیت ذات کی مفصل تشریح کر دی ہے۔

(۲) دوسری تاویل جو سلف سے مروی ہے حسب ذیل ہے

نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان و زمین کے رہنے والوں کو اللہ اپنی معرفت کا رستہ بتانے والا ہے پس تمام اہل ارض و سماء اسی کے نور کے ذریعہ سے ذات و صفات کی معرفت کا رستہ پاتے اور مراتب قرب تک ترقی کرتے جاتے ہیں آیت قریبٌ من الْمُحْسِنِیْنَ او آیت اللّٰهُ ولیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ میں اسی پردہ ای نور کو بیان کیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے، بالآخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ الحدیث۔ اسی قرب کا نام ولایت خاصہ ہے۔

مؤمن کے دل میں نور کی مثال:

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ یعنی مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے مشکوٰۃ کا نور جس کے اندر چراغ روشن ہو۔ پس مومن کا دل ایک مشکوٰۃ ہے جس کے اندر صفات الٰہی کی جلوہ پاشی ہو رہی ہے او رصفات خداوندی مثل روشن چراغ کے ہیں۔ اور یہ چراغ زیتون کے ایک بابرکت درخت (کے تیل) سے روشن ہے درخت بھی وہ ہے جو شرقی ہے نہ غربی۔ یعنی صفات الہیہ ذات الٰہی سے پھوٹ رہی ہیں اور ذات کے اندر شیون ذاتیہ اور اعتبارات ان صفات کے لئے سرچشمہ ہیں۔

اولیاء کی نور چینی:

یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اولیاء عموماً براہ راست صفات الہیہ سے پرتو اندوز نہیں ہو سکتے، ان کی نور چینی ظلال کی وساطت پر موقوف ہے ظلال کے پردے کے پیچھے صفات ہیں جو ظلال پر پرتو افگن ہیں اور ظلال کی نور پاشی اولیاء پر ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

(۱) ظہور (۲) بطون۔ ظہوری حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ذات الٰہی کے ساتھ قائم ہیں۔ یہی ظہور صفات والی ست سری ہے یعنی ولایت انبیاء ہے اور بطون کی حیثیت کا نام ولایت علیا یعنی ولایت ملائکہ ہے۔

انبیاء کے بعد صدیقین کا مرتبہ ہے صدیقین صحابہ کے متعلق فرمایا ہے، ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ اور صحابہ کے بعد دوسرے صدیقوں کے متعلق فرمایا، وَقَلِیْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ صدیق مرتبہ صفات وشیون سے ترقی کرکے مرتبہ ذات تک پہنچتے ہیں۔ صفات وشیون کے حجاب کے بغیر خالص ذات ان پر جلوہ پاش ہو جاتی ہے آیت میں آخری دونوں فریقوں کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے البتہ نور علیٰ نور سے اولیاء کے مراتب وصول کے اختلاف کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس مقام پر ایک نور دوسرے نور سے اوپر ہے درجہ نورانیت میں بڑا تفاوت ہے

تاریکی کے بعد نور:

یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ اللہ اپنے نور کے ذریعہ سے جس کو چاہتا

سے ہدایت یاب کر دیتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس پر اپنے نور کا کچھ حصہ (پرتو) ڈالا، پس جس شخص نے اس نور کا کچھ حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس نے نور کا حصہ نہ پایا وہ گمراہ ہو گیا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ اللہ کے علم پر قلم خشک ہو گیا۔ رواہ احمد والترمذی۔

نور پڑنے اور پہونچنے کی صورت یہ ہے کہ جس ذاتِ گرامی کو اللہ نے رحمتِ عالم بنا کر بھیجا اور اس کے سینے کو کھول دیا اور اس کے دل کے اندر نورِ حکمت اور ایمان کو بھر دیا، اس کی پیروی کی جائے اس کے چمکتے ہوئے نور کا کوئی چکارا چن لیا جائے اپنے دل کو اس رحمتِ عالم کے دل کا آئینہ بنا دیا جائے تاکہ اپنا دل بھی بقدر نور چینی روشن ہو جائے۔ آدمی تین طرح کے ہیں ایک وہ گروہ ہے جس نے صورت ایمان حاصل کر لی، دنیا میں کفر سے اور آخرت میں دوزخ سے نجات پائی، دوسرا وہ گروہ ہے جس نے حقیقت پائی حقیقتِ ایمان پانے والوں کے درجات مختلف ہیں۔ تیسرا وہ طبقہ ہے جس نے نورِ ایمان قطعاً حاصل نہیں کیا، صحیح راستہ سے محروم رہا، اور ادھر اُدھر بھٹکتا رہا۔ یہ گروہ اہلِ ضلالت کا ہے۔

نور کے برتن:

حضرت ابوعنبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، زمین والوں میں اللہ (کے نور) کے کچھ ظروف ہیں، یعنی اللہ کے نیک بندوں کے دل، جو دل سب سے زیادہ نرم اور بہت زیادہ پسیجنے والے ہیں، اللہ کو وہ سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ رواہ الطبرانی

قرآنی تمثیلات:

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے فائدے کے لئے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے، یعنی وہ عقلی معانی جن کو آدمی حواس کے ذریعہ سے نہیں سمجھتا ان کو سمجھانے کے لئے اللہ محسوس مثالیں دیتا ہے تاکہ غیر محسوس امور کا انسان کو علم ہو جائے۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ اپنے اولیاء کو عالمِ مثال میں ان چیزوں کی تصویریں دکھا دیتا ہے جن کی (عالم محسوسات و معقولات میں) کوئی تصویر نہیں اور اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حق بالکل نمایاں ہو کر ان کے سامنے آ جائے اور وہ حقیقت کی صورت دیکھ لیں۔ بات یہ ہے کہ اللہ سے بندے کا قریب ہونا تو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے، نوافل کے ذریعہ سے بندہ اللہ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے لیکن یہ قرب جسمانی نہیں، مادی نہیں، بے کیف ہے اس کی کیفیت نہیں بیان کی جا سکتی۔ نہ حواس ظاہری و باطنی سے اس کا احساس کیا جا سکتا ہے نہ عقل نارسا کی علمی رسائی وہاں تک ہے۔ نہ علم حصولی کا اس سے تعلق ہے نہ اس کا علم حضوری ہو سکتا ہے بلکہ عقلی اور حسی علم کے علاوہ براہ راست اللہ کی طرف اس کا فیضان ہوتا ہے اسی علم کو بطور کنایہ بیان کیا گیا ہے اس حدیث قدسی میں جس میں اللہ کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے حتی کنت سمعه الذی یسمع به (میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے) علمِ وجدانی کے حصول کا براہ راست فیضان کے علاوہ ایک اور ذریعہ بھی ہوتا ہے، عالمِ مثال میں ان تمام حقائق و معانی کی صورتیں اور جسمانی شکلیں موجود ہیں جن کی اس عالم جسمانی میں کوئی شکل نہیں (مثلاً عداوت، محبت، صداقت، علم، ایمان، جہالت وغیرہ ایسے معانی ہیں جن کی کوئی شکل اس عالم میں موجود نہیں، ہاں ان معانی کے مظاہر موجود ہیں) صوفی عالم مثال میں ظلال کا دائرہ دیکھتا ہے اور صفات کا دائرہ بھی اس کو نظر آتا ہے اور جتنا نوافل کو انابت اور رجوع الی اللہ سے زینے پر چڑھ کر بڑھتا ہے اس کو اپنی ذات دائرہ ظلال کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ آخر دائرہ ظلال میں اس کی ذات مخلوط ہو کر گم ہو جاتی ہے۔ اور دائرے کے رنگ میں ڈوب جاتی ہے اس کے آگے دائرہ صفات کی طرف اس کی سیر شروع ہوتی ہے اور جب حدود صفات تک اس کی رسائی ہو جاتی ہے تو اس وقت وہ اپنی انفرادی ہستی کھو دیتا ہے اور صفات کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔

حقیقت میں وہاں کوئی رنگ نہیں ہوتا (رنگ تو عرض کی قسم ہے اور مقولۂ کیف سے ہے وہاں تو کوئی کیفیت نہیں) لیکن سمجھنے کے لئے کوئی لفظ نہیں۔ زبان اس حالت کو بیان کرنے سے قاصر ہے اس لئے رنگ کا لفظ استعمال کیا گیا، اللہ نے فرمایا ہے سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ہم ان کو نفسی اور آفاقی نشانیاں دکھاتے ہیں تاکہ ان کو کامل انکشاف ہو جائے کہ اللہ ہی حق ہے (اور اللہ کے سوا ہر چیز باطل اور بے حقیقت) وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ یہ جملہ حالیہ ہے (یعنی ایسا نہیں کہ بغیر علم کے اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔ نہیں ایسا نہیں۔ بلکہ بخوبی کامل علم کی حالت میں اللہ بیان فرماتا ہے)۔ (تفسیر مظہری)

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللّٰهُ أَنْ تُرْفَعَ
ان گھروں میں کہ اللہ نے حکم دیا ان کو بلند کرنے کا

مسجدوں کی تعمیر و تعظیم:

اُن کی تعظیم و تطہیر کا حکم دیا یعنی ان کی خبر گیری کی جائے اور ہر قسم کی گندگی اور لغو افعال و اقوال سے پاک رکھا جائے۔ مساجد کی تعظیم میں یہ بھی داخل ہے کہ وہاں پہنچ کر دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ (تفسیر عثمانی)

فی بیوت ... اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ ان گھروں میں جن کو بنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے بیوت سے مراد ہیں مسجدیں۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی چمکیلی دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کے لئے ستارے۔ مسجدیں بلند کرنے سے مراد ہے مسجدوں کا بنایا جانا، کذا قال مجاہد۔ رفع بمعنی تعمیر آیت وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ میں بھی آیا ہے (جب ابراہیم بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے، یعنی بنا رہے تھے) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کے (ذکر) کے لئے مسجد بنائے گا اللہ جنت کے اندر اس کے لئے گھر بنا دے گا۔ (متفق علیہ من حدیث عثمان)

حسن نے کہا آیت اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھر کی تعظیم کی جائے، یعنی اس میں بیہودہ بُری باتیں نہ کی جائیں، آیت اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ میں پاک رکھنے سے مراد بھی یہی ہے کہ اس میں بُری باتیں نہ کی جائیں۔

پیغمبروں کی بنائی ہوئی مسجدیں:

بغوی نے بروایت صالح بن حبان بریدہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ صرف چار مسجدیں ہیں جن کو پیغمبروں نے بنایا تھا کعبہ کو حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل نے بنایا، بیت المقدس کو حضرت داؤد و حضرت سلیمان نے بنایا، مسجد مدینہ اور مسجد قبا کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا، مسجد قبا وہی مسجد ہے جس کی بنیاد اول دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی تھی۔

میں کہتا ہوں یہ مسجدیں گو بڑی فضیلت رکھتی ہیں لیکن انہی کو خاص طور پر مراد قرار دینے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے زیادہ مناسب یہ ہے کہ فی بیوت کو یہدی اللہ لنورہ سے وابستہ قرار دیا جائے اکثر ہدایت الٰہیہ مسجدوں کے اندر اعتکاف کرنے والوں اور نماز ادا کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز مومن کی معراج ہے۔ یہ بھی ارشاد فرمایا، بندہ اپنے رب سے بہت زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے لہٰذا تم (سجدہ میں) دعا بہت کیا کرو۔ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ہریرہؓ۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی محبت کا راستہ:

جمہور مفسرین کے نزدیک ان بیوت سے مراد مساجد ہیں۔

مساجد اللہ کے گھر ہیں ان کی تعظیم واجب ہے

قرطبی نے اسی کو ترجیح دی اور استدلال میں حضرت انسؓ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے اس کو چاہیے کہ مجھ سے محبت کرے۔ اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ میرے صحابہ سے محبت کرے۔ اور جو صحابہ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ قرآن سے محبت کرے۔ اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہیے کہ مسجدوں سے محبت کرے کیونکہ وہ اللہ کے گھر ہیں، اللہ نے اُن کی تعظیم کا حکم دیا ہے اور ان میں برکت رکھی ہے وہ بھی بابرکت اور ان کے رہنے والے بھی بابرکت وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں اور ان کے رہنے والے بھی حفاظت میں وہ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کے کام بناتے اور حاجتیں پوری کرتے ہیں وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اُن کے پیچھے ان کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ (قرطبی)

بدبو کے ساتھ مسجد میں نہ آئے:

صحیح مسلم میں حضرت فاروق اعظمؓ سے روایت ہے فرمایا کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس شخص کے منہ سے لہسن یا پیاز کی بدبو محسوس فرماتے تھے اس کو مسجد سے نکال کر بقیع میں بھیج دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس کو لہسن پیاز کھانا ہی ہو تو اس کو خوب اچھی طرح پکا کر کھائے کہ اُن کی بدبو ماری جائے۔

مسجدوں کی شان وشوکت اور زینت:

رفع مساجد کا مفہوم جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک یہی ہے۔ مسجدیں بنائی جائیں اور ان کو ہر بُری چیز سے پاک صاف رکھا جائے۔ بعض حضرات نے اس میں مسجدوں کی ظاہری شان وشوکت و تعمیری بلندی کو بھی داخل قرار دیا ہے اور استدلال کیا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی تعمیر اصل کی لکڑی سے شاندار بنائی تھی اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی میں نقش و نگار اور تعمیری خوبصورتی کا کافی اہتمام فرمایا تھا اور یہ زمانہ اجلۂ صحابہ کا تھا کسی نے اُن کے اس فعل پر انکار نہیں کیا اور بعد کے بادشاہوں نے تو مسجدوں کی تعمیرات میں بڑے اموال خرچ کئے ہیں۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ خلافت میں دمشق کی جامع مسجد کی تعمیر و تزیین پر پورے ملک شام کی سالانہ آمدنی سے تین گنا زیادہ مال خرچ کیا تھا اُن کی بنائی ہوئی یہ مسجد آج تک قائم ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر نام و نمود اور شہرت کے لئے نہ ہو اللہ کے نام اور اللہ کے گھر کی تعظیم کی نیت سے کوئی شخص مسجد کی تعمیر شاندار بلند و مستحکم خوبصورت بنائے تو کوئی ممانعت نہیں بلکہ امید ثواب کی ہے۔

فضائل مساجد:

ابوداؤد نے حضرت ابوامامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لئے مسجد کی طرف نکلا اُس کا ثواب اُس شخص جیسا ہے جو احرام باندھ کر گھر سے حج کے لئے نکلا ہو اور جو

شخص نماز اشراق کے لئے اپنے گھر سے وضو کر کے مسجد کی طرف چلا تو اس کا ثواب عمرہ کرنے والے جیسا ہے۔ اور ایک نماز کے بعد دوسری بشرطیکہ ان دونوں کے درمیان کوئی کام یا کلام نہ کرے، علیین میں لکھی جاتی ہے۔ اور حضرت بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ اندھیرے میں مساجد کو جاتے ہیں اُن کو قیامت کے روز مکمل نور کی بشارت سنا دیجئے۔ (رواہ مسلم)

اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا، گھر میں یا دکان میں نماز پڑھنے کی نسبت بیس سے زائد درجہ افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جب کوئی شخص وضو کرے اور اچھی طرح (سنت کے مطابق) وضو کرے پھر مسجد کو صرف نماز کی نیت سے چلے اور کوئی غرض نہ ہو تو ہر قدم پر اس کا مرتبہ ایک درجہ بلند ہو جاتا ہے اور ایک گناہ معاف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ مسجد میں پہنچ جائے۔ پھر جب تک جماعت کے انتظار میں بیٹھا رہے گا اس کو نماز ہی کا ثواب ملتا رہے گا اور فرشتے اس کے لئے یہ دعا کرتے رہیں گے کہ یا اللہ، اس پر رحمت نازل فرما اور اس کی مغفرت فرما، جب تک کہ وہ کسی کو ایذا نہ پہنچائے اور اس کا وضو نہ ٹوٹے۔ اور حضرت حکم بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں مہمانوں کی طرح رہو اور مسجدوں کو اپنا گھر بناؤ۔ (معارف القرآن)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو مسجدوں میں آ کر جگہ جگہ حلقے بنا کر بیٹھ جائیں گے اور وہاں دنیا ہی کی اور اس کی محبت کی باتیں کریں گے تم ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایسے مسجد میں آنے والوں کی ضرورت نہیں۔ اور حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں بیٹھا گویا وہ اپنے رب کی مجلس میں بیٹھا ہے اس لئے اُس کے ذمہ ہے کہ زبان سے سوائے کلمۂ خیر کے اور کوئی کلمہ نہ نکالے۔ (قرطبی)

مساجد کے پندرہ آداب:

علماء نے آداب مساجد میں پندرہ چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اول یہ کہ مسجد میں پہنچنے پر اگر کچھ لوگوں کو بیٹھا دیکھے تو اُن کو سلام کرے اور کوئی نہ ہو تو السلام علینا وعلیٰ عباد اللّٰه الصالحین کہے (لیکن یہ اُس صورت میں ہے جبکہ مسجد کے حاضرین نفلی نماز یا تلاوت و تسبیح وغیرہ میں مشغول نہ ہوں ورنہ اس کو سلام کرنا درست نہیں۔) دوسرے یہ کہ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھے (یہ بھی جب ہے کہ اس وقت نماز پڑھنا مکروہ نہ ہو، مثلاً عین آفتاب کے طلوع یا غروب یا استواء نصف النہار کا وقت نہ ہو۔ ۱۲ ش) تیسرے یہ کہ مسجد میں خرید و فروخت نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ وہاں تیر تلوار نہ نکالے۔ پانچویں یہ کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز تلاش کرنے کا اعلان نہ کرے۔ چھٹے یہ کہ مسجد میں آواز بلند نہ کرے۔ ساتویں یہ کہ وہاں دنیا کی باتیں نہ کرے۔ آٹھویں یہ کہ مسجد میں بیٹھنے کی جگہ میں کسی سے جھگڑا نہ کرے۔ نویں یہ کہ جہاں صف میں پوری جگہ نہ ہو وہاں گھس کر لوگوں پر تنگی پیدا نہ کرے۔ دسویں یہ کہ کسی نماز پڑھنے والے کے آگے سے نہ گزرے۔ گیارھویں یہ کہ مسجد میں تھوکنے ناک صاف کرنے سے پرہیز کرے۔ بارھویں اپنی انگلیاں نہ چٹخے۔ تیرھویں یہ کہ اپنے بدن کے کسی حصے سے کھیل نہ کرے۔ چودھویں نجاسات سے پاک صاف رہے اور کسی چھوٹے بچے یا مجنون کو ساتھ نہ لے جائے۔ پندرھویں یہ کہ وہاں کثرت سے ذکر اللہ میں مشغول رہے۔

قرطبی نے یہ پندرہ آداب لکھنے کے بعد فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کر لئے اُس نے مسجد کا حق ادا کر دیا اور مسجد اس کے لئے حرز و امان کی جگہ بن گئی۔

احقر نے مساجد کے آداب و احکام ایک مستقل رسالہ بنام ''آداب المساجد'' میں جمع کر دیئے ہیں جن کو ضرورت ہو اس کا مطالعہ فرمائیں۔

وہ مکانات جو مساجد کے حکم میں ہیں:

تفسیر بحر محیط میں ابوحیان نے فرمایا کہ فی بیوت کا لفظ قرآن میں عام ہے جس طرح مساجد اس میں داخل ہیں، اسی طرح وہ مکانات جو خاص تعلیم قرآن تعلیم دین یا وعظ، نصیحت یا ذکر و شغل کے لئے بنائے گئے ہوں جیسے مدارس اور خانقاہیں، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں اُن کا بھی ادب واحترام لازم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ
اور وہاں اُس کا نام پڑھنے کا

تسبیح و تہلیل اور تلاوت قرآن وغیرہ سب اذکار اس میں شامل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وہ کام جو مساجد میں ناجائز ہیں:

فرمان ہے کہ جسے مسجد میں خرید و فروخت کرتے ہوئے دیکھو تو کہو کہ اللہ تو تیری تجارت میں نفع نہ دے، اور جب کسی کو گم شدہ جانور مسجد میں تلاش کرتا ہوا پاؤ تو کہو کہ اللہ تعالیٰ کرے نہ ملے (ترمذی) ارشاد ہے کہ بہت سی باتیں مسجد کے لائق نہیں، مسجد کو راستہ نہ بنایا جائے۔ مسجد میں ہتھیار نہ نکالے جائیں، مسجد میں تیر کمان پر نہ لگایا جائے نہ تیر پھیلائے جائیں، نہ کچا گوشت لایا جائے نہ یہاں حد ماری جائے، نہ یہاں باتیں اور قصے کہے جائیں نہ اسے بازار بنایا جائے (ابن ماجہ) فرمان ہے کہ ہماری مسجدوں سے اپنے بچوں کو اور دیوانوں کو اور خرید و فروخت کو اور لڑائی جھگڑے کو اور بلند آواز سے بولنے کو اور حدوں کے جاری کرنے کو اور تلواروں کے ننگی کرنے کو روکو، ان

کے دروازوں پر وضو وغیرہ کی جگہ بناؤ اور جمعہ کے دن انہیں خوشبو سے مہکا دو (ابن ماجہ) اس کی سند ضعیف ہے۔

سائب بن یزید کندی فرماتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ اچانک مجھ پر کسی نے کنکر پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے مجھ سے فرمانے لگے جاؤ ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لاؤ جب میں آپ کے پاس انہیں لایا تو آپ نے دریافت فرمایا تم کون ہو؟ یا پوچھا کہ تم کہاں سے ہو؟" انہوں نے کہا ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم یہاں کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا تم مسجد نبوی میں اونچی اونچی آوازوں سے بولتے ہو۔" (بخاری)

مسجد میں جانے کی دُعاء:

ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے پھر اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ پڑھے اور جب مسجد سے نکلے تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج کر اَللّٰھُمَّ اعْصِمْنِیْ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھے

عورتوں کا مسجد میں آنا:

کہتی ہیں کہ مسلمان عورتیں صبح کی نماز میں آتی تھیں پھر وہ اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی چلی جاتی تھیں اور بوجہ رات کے قدرے اندھیرے کے وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ صدیقہ فرماتی ہیں کہ عورتوں نے یہ جو نئی نئی باتیں نکال لی ہیں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو پاتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنو اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں (بخاری و مسلم) (تفسیر ابن کثیر)

يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ
یاد کرتے ہیں اس کی وہاں صبح اور شام

نمازوں کی تاکید: یعنی تمام مناسب اوقات میں خدا کو یاد کرتے ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ "غدو" سے صبح کی نماز مراد ہے اور "آصال" میں باقی چاروں نمازیں داخل ہیں۔ کیونکہ اصیل زوال شمس سے صبح تک کے اوقات پر بولا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ صبح کی تسبیح سے چاشت کی نماز مراد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو شخص باوضو فرض نماز کے لئے چل کر جاتا ہے اس کا ثواب محرم حاجی کی طرح ہوتا ہے اور جو چاشت کی نماز کی غرض سے چل کر جاتا ہے اور صرف چاشت کی نماز کا ارادہ ہی اس کو کھڑا کرتا ہے اس کا ثواب عمرہ کرنے والے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے اور (ایک) نماز کے پیچھے (دوسری) نماز علیین میں لکھ دی جاتی ہے۔

بغوی اور طبرانی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے جو شخص فرض نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو (اس کا یہ عمل) ایسا ہے جیسے ایک حج (کرنا) اور جو شخص نفل نماز کے لئے پیدل چل کر گیا تو یہ نماز نفل عمرہ کی طرح ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ
وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے
وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ
اور نماز قائم رکھنے سے اور زکوٰۃ دینے سے

اللہ کے بندے:

یعنی معاش کے دھندے ان کو اللہ کی یاد اور احکام شرعیہ کی بجا آوری سے غافل نہیں کرتے۔ بڑے سے بڑا بیوپار یا معمولی خرید و فروخت کوئی چیز خدا کے ذکر سے نہیں روکتی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہی شان تھی۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے کہا کہ تجارت سے مفید لین دین مراد ہے اور اس کے بعد بیع کا خصوصی ذکر بیع کی اہمیت دکھانے کے لئے کیا گیا ہے۔

ذکر اللہ سے مراد ہے نماز پڑھنے کے لئے مسجدوں میں آنا۔ بغوی نے بروایت سالم حضرت ابن عمر کا قول نقل کیا ہے کہ میں بازار میں تھا اتنے میں نماز کی اقامت ہوئی۔ لوگ اٹھ کر دکانیں بند کر کے مسجد میں چلے گئے انہیں کے متعلق آیت لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ الخ نازل ہوئی۔

یا ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ کی عمومی یاد ہو، ممکن ہے کہ اس وقت ذکر اللہ کا لفظ عام ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ نماز قائم کرنے سے مراد ہے مقررہ اوقات میں نماز ادا کرنا، مقررہ وقت سے نماز کو مؤخر کرنے والا نماز کو قائم کرنے والا نہیں ہوتا۔

وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ اور (فرض) زکوٰۃ ادا کرنے سے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ادائے زکوٰۃ کا وقت آ جاتا ہے تو وہ زکوٰۃ کو روکتے نہیں فوراً ادا کر دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

بازار والوں کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت بازار والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت سالم فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ بازار سے گزرے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا لوگوں کو دیکھا کہ دکانیں بند کر کے مسجد کی طرف جا رہے ہیں تو فرمایا کہ انہی لوگوں کے

بارے میں قرآن کا یہ ارشاد ہے رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔

عہدِ رسالت کے دُکاندار:

اور عہد رسالت میں دو صحابی تھے ایک تجارت کرتے تھے دوسرے صنعت وحرفت یعنی لوہار کا کام کرتے اور تلواریں بنا کر بیچتے تھے۔ پہلے صحابی کی تجارت کا حال یہ تھا کہ اگر سودا تولنے کے وقت اذان کی آواز کان میں پڑ جاتی تو وہیں ترازو کو پٹک کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ دوسرے بزرگ کا یہ عالم تھا کہ اگر گرم لوہے پر ہتھوڑے کی ضرب لگا رہے ہیں اور کان میں آواز اذان کی آ گئی تو اگر ہتھوڑا مونڈھے پر اُٹھائے ہوئے ہیں تو وہیں سے پیچھے ہتھوڑا ڈال کر نماز کو چل دیتے تھے اُٹھائے ہوئے ہتھوڑے کی کام لینا بھی گوارا نہ تھا۔ اُن کی مدح میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

عورتوں کی نماز گھروں میں بہتر ہے:

لفظ رجال کی تعبیر میں اس طرف اشارہ ہے کہ مساجد کی حاضری دراصل مردوں کے لئے ہے عورتوں کی نماز اُن کے گھروں میں افضل ہے۔

مسند احمد و بیہقی میں حضرت اُمِّ سلمہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **خیر مساجد النساء قعر بیوتهن** یعنی عورتوں کی بہترین مساجد اُن کے گھروں کے تنگ و تاریک گوشے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝
ڈرتے رہتے ہیں اُس دن سے جس میں اُلٹ جائیں گے دل اور آنکھیں

قیامت کا دن:

یعنی اس روز دل وہ باتیں سمجھیں گے جو ابھی تک نہ سمجھے تھے اور آنکھیں وہ ہولناک وقعات دیکھیں گی جو کبھی نہ دیکھے تھے۔ قلوب میں کبھی نجات کی توقع پیدا ہوگی، کبھی ہلاکت کا خوف۔ اور آنکھیں کبھی داہنے کبھی بائیں دیکھیں کی کہ دیکھے کس طرف سے پکڑے جائیں یا کس جانب سے اعمالنامہ ہاتھ میں دیا جائے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ
تاکہ بدلہ دے اُن کو اللہ اُن کے بہتر سے بہتر کاموں کا اور زیادتی دے اُن کو اپنے فضل سے

یعنی اچھے کاموں کا جو صلہ مقرر ہے وہ ملے گا۔ اور حق تعالیٰ کے فضل سے اور زیادہ دیا جائے گا جس کی تفصیل و تعیین ابھی نہیں کی جا سکتی۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار

یعنی اس کے ہاں کیا کمی ہے اگر جنتیوں کو بے حد وحساب عنایت فرمائے تو کچھ مشکل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَّحْسَبُهُ
اور جو لوگ منکر ہیں اُن کے کام جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اُس کو
الظَّمْاٰنُ مَاءً حَتّٰى إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا
پانی یہاں تک کہ جب پہنچا اُس پر اُس کو کچھ نہ پایا
وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهُ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهُ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝
اور اللہ کو پایا اپنے پاس پھر اس کو پورا پہنچا دیا اُس کا لکھا اور اللہ جلد لینے والا ہے حساب

فریب خوردہ لوگ:

کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق کچھ اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد کام آئیں گے۔ حالانکہ اگر کوئی کام بظاہر اچھا بھی ہو تو کفر کی شامت سے وہ عنداللہ مقبول و معتبر نہیں۔ ان فریب خوردہ کافروں کی مثال ایسی سمجھو کہ دوپہر کے وقت جنگل میں ایک پیاسے کو دور سے پانی دکھائی دیا اور وہ حقیقت میں چمکتی ہوئی ریت تھی۔ پیاسا شدتِ تشنگی سے بیتاب ہو کر وہاں پہنچا دیکھا تو پانی وانی کچھ نہ تھا، ہاں ہلاکت کی گھڑی سامنے کھڑی تھی اور اللہ تعالیٰ عمر بھر کا حساب لینے کے لئے موجود تھا، چنانچہ اسی اضطراب و حسرت کے وقت اللہ نے اُس کا سب حساب ایکدم میں چکا دیا۔ کیونکہ وہاں حساب کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ ہاتھوں ہاتھ عمر بھر کی شرارتوں اور غفلتوں کا بھگتان کر دیا گیا۔ دوسرے وہ ہیں جو سر سے پاؤں تک دنیا کے مزوں میں غرق اور جہل و کفر، ظلم و عصیان کی اندھیریوں میں پڑے غوطے کھا رہے ہیں اُن کی مثال آگے بیان فرمائی۔ ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والے کو نظر آتی تھی۔ یہ لوگ خالص اندھیریوں اور تہ بہ تہ ظلمات میں بند ہیں کسی طرف سے روشنی کی شعاع اُن تک نہیں پہنچنے دیتے۔ نعوذ باللہ منہا۔

أَوْ كَظُلُمٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ
یا جیسے اندھیرے گہرے دریا میں چڑھی آتی ہے اُس پر ایک لہر اُس پر ایک لہر
مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ
اُس کے اوپر بادل اندھیرے ہیں ایک پر ایک

تاریکی میں ڈوبے ہوئے (کافر)

یعنی سمندر کی تہ میں خود دریا کا اندھیرا، اُس پر طوفانی لہریں جو ایک پر ایک

چڑھی آتی ہے۔ پھر سب سے اوپر گھٹا بادل کا اندھیرا، اور رات کا وقت فرض کیا جائے تو ان اندھیریوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُۥ لَمْ يَكَدْ يَرَىٰهَا
جب نکالے اپنا ہاتھ لگتا نہیں کہ اس کو وہ سوجھے

یعنی اپنا ہاتھ نکال کر آنکھوں سے قریب کر کے دیکھے تو اندھیرے کی وجہ سے نظر نہ آئے جس کو ہمارے یہاں کہتے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ ٱللَّهُ لَهُۥ نُورًا فَمَا لَهُۥ مِن نُّورٍ
اور جس کو اللہ نے نہ دی روشنی اس کے واسطے کہیں نہیں روشنی

اوپر مومنین کے ذکر میں جو يَهْدِى ٱللَّهُ لِنُورِهِۦ مَن يَشَآءُ فرمایا تھا یہ جملہ اس کے مقابل ہو یعنی جس کو خدا تعالیٰ نور توفیق نہ دے اسے اور کون روشنی پہنچا سکتا ہے۔ ان کی استعداد خراب تھی توفیق نہ ملی۔ اور ایمان کی ... انہوں نے سب دروازے روشنی کے اپنے اوپر بند کر لیے۔ پھر نور آئے تو کدھر سے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُۥ مَن فِى
تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی یاد کرتے ہیں جو کوئی ہیں
ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱلطَّيْرُ صَٰٓفَّٰتٍ
آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے

پرندے قدرت کی نشانی ہیں:

شاید اڑتے جانوروں کا علیحدہ ذکر اس لیے کیا کہ وہ اس وقت آسمان زمین کے بیچ میں معلق ہوتے ہیں۔ اور ان کا اس طرح ہوا میں اڑتے رہنا قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُۥ وَتَسْبِيحَهُۥ
ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد

ہر مخلوق اپنا وظیفہ پورا کر رہی ہے:

یعنی حق تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو اس کے حال کے مناسب جو طریقہ انابت و بندگی اور تسبیح خوانی کا الہام فرمایا اس کو سمجھ کر وہ اپنا وظیفہ ادا کرتی رہتی ہے لیکن افسوس و تعجب کا مقام ہے کہ بہت سے انسان کہلانے والے غفلت اور ظلمت جہالت میں پھنس کر مالک حقیقی کی یاد اور ادائے عبودیت سے بے بہرہ ہیں۔

(تنبیہ) مخلوقات کی تسبیح کے متعلق پندرھویں پارہ میں رکوع ۵ کے قریب کچھ مضمون گزر چکا۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو تسبیح کی وصیت کی اور فرمایا۔ "وانها لصلوة الخلق." (یہی باقی مخلوق کی نماز ہے) (تفسیر عثمانی)

زمخشری اور دوسرے مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ ان کو کسی خاص قسم کی گویائی عطا فرمائی ہو اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت ان کو سکھا دی ہو جس میں وہ مشغول رہتے ہوں آخری جملے كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا اور نباتات کی اور طرح سے جمادات نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں، جمادات کی اور طریق سے قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے أَعْطَىٰ كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهُۥ ثُمَّ هَدَىٰ، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے۔

وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُونَ
اور اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں

یعنی ان کی بندگی اور تسبیح کو خواہ تم نہ سمجھو لیکن حق تعالیٰ کو سب معلوم ہے کہ کون کیا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلَّهِ مُلْكُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۖ وَإِلَى ٱللَّهِ ٱلْمَصِيرُ
اور اللہ کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں اور اللہ ہی تک پھر جانا ہے

اللہ کی حکومت سب پر محیط ہے:

یعنی جیسے اس کا علم سب کو محیط ہے، اس کی حکومت بھی تمام علویات و سفلیات پر حاوی ہے اور سب کو آخرکار اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ آگے اپنے حاکمانہ اور قادرانہ تصرفات کو بیان فرماتے ہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُزْجِى سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُۥ
تو نے نہ دیکھا کہ اللہ ہانک لاتا ہے بادل پھر ان کو ملا دیتا ہے
ثُمَّ يَجْعَلُهُۥ رُكَامًا فَتَرَى ٱلْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَٰلِهِۦ
پھر ان کو رکھتا ہے تہ بر تہ پھر تو دیکھے مینہ نکلتا ہے ان کے بیچ سے

نظام باد و باراں۔ یعنی ابتداءً میں بادل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اُٹھتے ہیں پھر مل کر بڑا بادل بن جاتا ہے پھر بادلوں کی تہ پر تہ جمع کی جاتی ہے۔

وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ

اور اُتارتا ہے آسمان سے اس میں جو پہاڑ ہیں اولوں کے

فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ

پھر وہ ڈالتا ہے جس پر چاہے اور بچا دیتا ہے جس سے چاہے

یعنی جیسے زمین میں پتھروں کے پہاڑ ہیں بعض سلف نے کہا کہ اسی طرح آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے اُسی کے موافق ترجمہ کیا ہے لیکن زیادہ راجح اور قوی یہ ہے کہ سماء سے بادل مراد ہو مطلب یہ ہے کہ بادلوں سے جو کثیف اور بھاری ہونے میں پہاڑوں کی طرح ہیں۔ اولے برساتا ہے جس سے بہتوں کو جانی یا مالی نقصان پہنچ جاتا ہے اور بہت سے محفوظ رکھے جاتے ہیں مشہور ہے کہ اولے کی چھال بیل کے ایک سینگ پر پڑتی ہے اور دوسرا سینگ خشک رہ جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے اس آیت میں اطلاع دی ہے کہ آسمان میں اولوں کے پہاڑ ہیں۔ دوسرے ترجمہ کی بناء پر مِنْ جِبَالٍ مِنْ بَرَدٍ مفعول ہوگا یعنی اولوں کے بڑے بڑے تودے جو پہاڑوں کی طرح ہوتے ہیں، اللہ اوپر سے اتارتا ہے۔

فَيُصِيبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ پھر اس کو جس (کی جان و مال) پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے ہٹانا چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے۔ یعنی جس کی کھیتیں اور مال اولوں سے تباہ کرنا چاہتا ہے تباہ کر دیتا ہے اور جس سے (اولوں کے رخ کو) پھیرنا چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اس کو ژالہ باری سے نقصان نہیں پہنچتا۔ (تفسیر مظہری)

يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ

ابھی اس کی بجلی کی کوند لے جائے آنکھوں کو

یعنی بجلی کی چمک اس قدر تیز ہوتی ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، قریب ہے کہ بینائی جاتی رہے۔ (تفسیر عثمانی)

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

اللہ بدلتا ہے رات اور دن کو

رات و دن کا نظام: یعنی دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن اُسی کی قدرت سے آتا ہے اور وہ ہی کبھی رات کو کبھی دن کو گھٹاتا بڑھاتا رہتا ہے اور دن کی گرمی کو سردی سے، سردی کو گرمی سے تبدیل کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے فرمایا مجھے ابن آدم دکھ پہنچاتا ہے زمانے کو گالیاں دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ (کو الٹنے پلٹنے والا) ہوں میرے ہی ہاتھ میں حکم ہے، میں ہی رات دن کا ادل بدل کرتا ہوں۔ (رواہ البخاری و مسلم فی صحیحیہما)۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ

اس میں دھیان کرنے کی جگہ ہے آنکھ والوں کو

آنکھ والو عبرت حاصل کرلو:

یعنی چاہیے کہ قدرت کے ایسے عظیم الشان نشانات دیکھ کر آدمی بصیرت و عبرت حاصل کرے اور اس شہنشاہ حقیقی کی طرف سچے دل سے رجوع ہو جس کے قبضہ میں ان تمام تصرفات و تقلبات کی باگ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبرت سے مراد یہ ہے کہ یہ واقعات ایک خالق قدیم کی ہستی پر دلالت کرتے ہیں جس کی قدرت ہمہ گیر علم محیط کل اور مشیت نافذ ہے وہ کسی کا محتاج نہیں (بلکہ دنیا کا ہر واقعہ اسی کا مرہون قدرت و مشیت ہے) الابصار سے مراد ہے بصیرت اور صحیح فہم۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ

اور اللہ نے بنایا ہر پھرنے والے کو ایک پانی سے

اس کے لئے سترھویں پارہ کے تیسرے رکوع میں آیت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ کا فائدہ دیکھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

مخلوقات کا جوہرِ وجود:

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ. اور اللہ ہی نے پیدا کیا ہر رینگنے پھرنے والے جانور کو پانی سے۔

پانی سے مراد ہے وہ پانی جو ہر جانور کے خمیری مادے میں داخل ہے یا نطفہ مراد ہے اس صورت میں کل جانور مراد نہ ہوں گے، کیونکہ بعض جانور بغیر نطفہ کے پیدا ہوں گے لیکن اکثریت انہی جانداروں کی ہے جن کی تخلیق نطفہ سے ہوتی ہے۔

بعض علماء نے کہا تمام (عنصری) مخلوق کی اصل پانی ہی ہے ارسطو اور اس کے پیرو کہتے ہیں کہ ہر جانور کی تخلیق کے اصل ارکان و عناصر چار ہیں پانی ہوا مٹی آگ ارسطو اور شیخ ابن سینا نے انہی کو اسطقسات بھی کہا ہے بعض یونانیوں کا خیال ہے کہ اجزاء تخلیق دو ہیں۔ بعض نے کہا صرف گیس ہر تخلیق کی بنیاد ہے پانی مٹی وغیرہ اسی کے روپ ہیں۔

یعنی بعض علماء کے اس قول میں ہے کہ خلقت کی بنیاد پانی ہے پانی جم کر پتھر بنا، پانی تحلیل کر کے ہوا بن گیا، جو ہوا آگ بن گئی اور سب حیوانوں کا اصل خمیر پانی ہی ہے اور پانی ہی بنیاد ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں اللہ نے پانی کو پیدا کیا پھر اس سے آگ پیدا ہوئی جس سے فرشتے بنے اور پھر آگ سے جن پیدا کیا جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور پھر مٹی بنا دیا جس سے حضرت آدم کی پیدائش ہوئی اور انہی سے ہی تمام جانور بنائے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ

جو ان میں سے چلتا ہے پیٹ پر۔

مخلوقات کی مختلف ہیئتیں:

جیسے سانپ اور مچھلی فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى بَطْنِهٖ سو وہ جانور تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ جیسے سانپ، مچھلی اور کیڑے وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰى رِجْلَيْنِ

اور ان میں سے جو چلتا ہے دو پاؤں پر

جیسے آدمی اور پرندے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِىْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ

اور ان میں سے کوئی چلتا ہے چار پر

جیسے گائے بھینس وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

بناتا ہے اللہ جو چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

یعنی کسی جانور کو چار سے زائد پاؤں دیئے ہوں تو بعید نہیں۔ اس کی لامحدود قدرت ومشیت کو کوئی محصور نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ

ہم نے اتاریں آیتیں کھول کھول کر بتانے والی اور اللہ چلائے

مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

جس کو چاہے سیدھی راہ پر

واضح نشانیاں موجود ہیں:

یعنی آیات تکوینیہ وتنزیلیہ تو اس قدر واضح ہیں کہ انہیں دیکھ کر اور سن کر چاہیے کوئی آدمی نہ بھٹکے لیکن سیدھی راہ پر چلتا وہ ہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ہدایت کی توفیق دی ہو۔ لاکھوں آدمی یہ کھلی کھلی نشانیاں دیکھتے ہیں پر نتیجہ کے اعتبار سے اُن کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى

اور لوگ کہتے ہیں ہم نے مانا اللہ کو اور رسول کو اور حکم میں آئے پھر پھر جاتا ہے

فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ

ایک فرقہ ان میں سے اس کے پیچھے اور وہ لوگ نہیں ماننے والے

منافقین کا وطیرہ:

یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ زبان سے دعویٰ ایمان واطاعت کا کرتے تھے اور جب عمل کا وقت آتا تو پھر جاتے حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں شروع سے ایمان واطاعت موجود ہی نہ تھا جو کچھ زبانی جمع خرچ تھا امتحان و ابتلاء کے وقت اس کی بھی قلعی کھل جاتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے حسن بصری کی مرسل روایت بیان کی ہے کہ بعض (منافق) لوگوں کا کسی سے جھگڑا ہوتا تھا اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑے کا فیصلہ کرانے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ اگر حق پر ہوتا اور اس کو بجائے خود یہ یقین ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال حق فیصلہ کریں گے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے اور مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو جاتا تھا لیکن اگر وہ حق پر نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ لے جانے کی اس کو دعوت دی جاتی تو کترا جاتا اور کہتا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں) فلاں شخص کے پاس چل کر فیصلہ کرائیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

اور جب ان کو بلائیے اللہ اور رسول کی طرف کہ ان میں فیصلہ کرے

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ

تبھی ایک فرقہ ان میں منہ موڑتے ہیں اور اگر ہو ان کو

الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ

حق پہنچتا ہو تو چلے آئیں اس کی طرف قبول کر کر

یعنی اگر ان کا جھگڑا کسی سے ہو گیا اور سمجھتے ہوں کہ ہم ناحق پر ہیں اس

وقت گروہ منافق کہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل کر اس معاملہ کو طے کرا دو تو یہ منافق رضامند نہیں ہوتے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقینا بے رو رعایت حق کے موافق فیصلہ کریں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا۔ حالانکہ پہلے سے یہ دعویٰ کر رہے تھے کہ ہم اللہ و رسول پر ایمان لائے اور ان کا حکم ماننے کو تیار ہیں۔ اب وہ دعویٰ جاتا رہا۔ ہاں فرض کیجئے اگر کسی معاملہ میں حق ان کی جانب ہو تو اس وقت بہت جلدی سے گردن جھکا کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہو جائیں اور فیصلہ کا انحصار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر کر دیں گے۔ کیونکہ سمجھتے ہیں عدالت سے ہمارے موافق فیصلہ ہوگا۔ تو یہ ایمان و اسلام کیا ہوا۔ محض ہوا پرستی ہوئی

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
کیا ان کے دلوں میں روگ ہے

دل بیمار ہیں: روگ یہ کہ خدا اور رسول کو حق مانا لیکن حرص نہیں چھوڑتی کہ بے پرچیں جیسے بیمار چاہتا ہے چلے اور پرہیز نہیں کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
یا دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں یا ڈرتے ہیں کہ بے انصافی کرے گا ان پر اللہ
وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ
اور اس کا رسول، کچھ نہیں وہی لوگ بے انصاف ہیں

منافق غلط شک میں مبتلا ہیں:

یعنی خدا اور رسول کی بابت کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت یا اللہ کے وعدہ وعید میں کوئی شک و شبہ ہے؟ یا گمان ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے معاملات کا خلاف انصاف فیصلہ کر دیں گے؟ اس سے ان کی عدالت میں مقدمہ لے جانے سے کتراتے ہیں۔ سو یاد رکھو وہاں تو ظلم و بے انصافی کا احتمال ہی نہیں۔ ہاں خود ان ہی لوگوں نے ظلم پر کمر باندھ رکھی ہے۔ چاہتے ہیں کہ اپنا حق پورا وصول کر لیں اور دوسروں کا ایک پیسہ نہ دیں۔ اسی لئے ان معاملات کو خدائی عدالت میں لانے سے گھبراتے ہیں جن میں سمجھتے ہیں کہ رسول کا منصفانہ فیصلہ ہمارے مطلب کے خلاف ہوگا۔ یہ تو منافقین کا ذکر تھا۔ آگے ان کے بالمقابل مخلصین کی اطاعت و فرمانبرداری کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ
ایمان والوں کی بات یہی تھی کہ جب بلائیے ان کو اللہ

وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ
اور رسول کی طرف فیصلہ کرنے کو ان میں تو کہیں ہم نے سن لیا اور حکم مان لیا
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
اور وہ لوگ کہ انہی کا بھلا ہے

سچے مسلمان کا کام: یعنی سچے مسلمان کا کام یہ ہوتا ہے اور یہ ہونا چاہیے کہ جب کسی معاملہ میں ان کو خدا اور رسول کی طرف بلایا جائے خواہ اس میں بظاہر ان کا نفع ہو یا نقصان۔ ایک منٹ کا توقف نہ کریں۔ فی الفور "سمعا و طاعۃ" کہہ کر حکم ماننے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اسی میں ان کی اصلی بھلائی اور حقیقی فلاح کا راز مضمر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ
اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اس کے رسول کے اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ
اس سے سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے

کامیاب کون ہوگا؟ یعنی جو لوگ ان کی فرمانبرداری کریں گزشتہ تقصیرات پر نادم ہوں اور خدا سے ڈر کر توبہ کریں اور آئندہ برے راستے سے بچ کر چلیں۔ اسی کے لئے دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رومی کسان کا عجیب واقعہ: تفسیر قرطبی میں اس جگہ ایک واقعہ حضرت فاروق اعظمؓ کا نقل کیا جس سے ان چاروں چیزوں کے مفہوم کا فرق اور وضاحت ہو جاتی ہے واقعہ یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ ایک روز مسجد نبوی میں کھڑے تھے اچانک ایک رومی دیہاتی آدمی بالکل آپ کے برابر آ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا انا اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا بات ہے تو کہا میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا اس کا کوئی سبب ہے اس نے کہا ہاں۔ بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور اور انبیاء سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب قدیمہ کو اپنے اندر سمو لیا ہے تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ منجانب اللہ ہے۔ فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے تو اس رومی دہقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی اور اس کے ساتھ اس کی تفسیر بھی عجیب و غریب اس طرح بیان کی کہ من یطع اللہ فرائض الٰہیہ کے متعلق ہے و رسولہ سنت نبوی کے متعلق ہے۔ و یخش اللہ گزشتہ عمر کے متعلق ہے و یتقہ آئندہ

باقی عمر سے متعلق ہے۔ جب انسان چار چیزوں کا عامل ہو جائے تو اس کو اولئک هم الفائزون کی بشارت ہے اور فائز وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے اور جنت میں اس کو ٹھکانا ملے۔ فاروق اعظمؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے کلام میں اس کی تصدیق موجود ہے آپ) نے فرمایا ہے اوتیت جوامع الکلم یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائے ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی نہایت وسیع ہیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکیدی قسمیں کہ اگر تو حکم کرے تو

لَيَخْرُجُنَّ قُلْ لَا تُقْسِمُوا طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ

سب چھوڑ کر نکل جائیں تو کہہ قسمیں مت کھاؤ حکم برداری چاہیے جو دستور ہے

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

بیشک اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو

منافقوں کی جھوٹی قسمیں:

یعنی منافقین بڑی تاکیدی قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم کو آپ حکم دیں تو سب گھر بار چھوڑ کر خدا کے راستہ میں نکل جانے کو تیار ہیں ذرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ فرمائیں تو سب مال و دولت اللہ کے راستہ میں نثار کر کے الگ ہو جائیں۔ آپ فرما دیجئے اس قدر مبالغہ آمیز قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ تمہاری فرمانبرداری کی حقیقت معلوم ہے کہ زبان سے دعوے بہت کیا کرتے ہو اور عمل کا وقت آئے تو آہستہ سے کھسک جاتے ہو۔ چاہیے کہ آپ مسلمانوں کے دستور کے موافق حکم برداری کرو۔ خالی زبانی قسمیں کھانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ فرض کرو تم قسمیں کھا کر بندوں کو اپنی بات کا یقین دلا دو لیکن اللہ کے آگے کوئی چالاکی اور فریب نہیں چل سکتا وہ تو تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ آگے چل کر تمہاری مکاری اور نفاق کا پردہ فاش کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا

تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا پھر اگر تم منہ پھیرو گے

فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ

تو اس کا ذمہ ہے جو بوجھ اس پر رکھا اور تمہارا ذمہ ہے جو بوجھ تم پر رکھا اور اگر

تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

اس کا کہا مانو تو راہ پاؤ اور پیغام والے کا ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر

اطاعت و تصدیق کی ذمہ داری پوری کرو:

یعنی پیغمبر پر خدا کی طرف سے تبلیغ کا بوجھ رکھا گیا ہے۔ سو انہوں نے پوری طرح ادا کر دیا۔ اور تم پر جو بوجھ ڈالا گیا وہ تصدیق و قبول حق کا ہے ادا کرو۔ اُس کے ارشاد کے موافق چلو۔ اگر تم اپنی ذمہ داری کو محسوس کر کے اُس کے احکام کی تعمیل کرو گے تو کامیابی دارین کی راہ پاؤ گے اور دنیا و آخرت میں خوش رہو گے ورنہ پیغمبر کا کچھ نقصان نہیں، تمہاری شرارت و سرکشی کا خمیازہ تم کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ پیغمبر تو اپنا فرض ادا کر کے عنداللہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکے۔ آگے اطاعت رسول کے بعض ثمرات بیان فرماتے ہیں جن کا سلسلہ دنیا ہی میں شروع ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

وعدہ کر لیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام

لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ

البتہ پیچھے حاکم کر دے گا ان کو ملک میں جیسا حاکم کیا تھا ان سے

مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ

اگلوں کو اور جما دے گا ان کے لئے دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے

لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي

اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے میں امن میری بندگی کریں گے

لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا

شریک نہ کریں گے میرا کسی کو

اطاعتِ رسول کے ثمرات:

یہ خطاب فرمایا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کے مومنوں کو یعنی جو ان میں اعلیٰ درجہ کے نیک اور رسول کے کامل متبع ہیں رسول کے بعد ان کو زمین کی حکومت دے گا اور جو دین اسلام خدا کو پسند ہے اُن کے ہاتھوں سے دنیا میں اس کو قائم کرے گا۔ گویا جیسا کہ لفظ استخلاف میں اشارہ ہے وہ لوگ محض دنیوی بادشاہوں کی طرح نہ ہوں گے بلکہ پیغمبر کے جانشین ہو کر روحانی بادشاہت کا اعلان کریں گے اور دین حق کی بنیادیں جمائیں گے اور انتظامی ترقی میں اس کا ساتھ دیں گے۔ اس وقت مسلمانوں کو کفار کا خوف مرعوب نہ کرے گا وہ کامل امن و اطمینان کے ساتھ اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہیں گے اور دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہوگا ان مقبول و

معزز بندوں کی ممتاز شان یہ ہوگی کہ وہ خاص خدائے واحد کی بندگی کریں گے جس میں ذرہ برابر شرک کی آمیزش نہ ہوگی۔ شرکِ جلی کا تو وہاں ذکر کیا ہے شرکِ خفی کی ہوا بھی اُن کو نہ پہنچے گی۔ صرف ایک ذات کے غلام ہوں گے، اسی سے ڈریں گے، اسی سے امید رکھیں گے، اسی پر بھروسہ کریں گے، اسی کی رضا میں ان کا جینا اور مرنا ہوگا۔ کسی دوسری ہستی کا خوف وہراس ان کے پاس نہ پھٹکے گا۔ نہ کسی دوسرے کی خوشی ناخوشی کی پروا کریں گے۔ الحمدللہ کہ یہ وعدہ انہی چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں پر پورا ہوا۔ اور دنیا نے اس عظیم الشان پیشین گوئی کے ایک ایک حرف کا مصداق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خلفائے اربعہ کے بعد بھی کچھ بادشاہانِ اسلام وقتاً فوقتاً اس نمونہ کے آتے رہے اور جب اللہ چاہے گا آئندہ بھی آئیں گے۔ احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری خلیفہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ ہوں گے جن کے متعلق عجیب وغریب بشارات سنی گئیں ہیں۔ وہ خدا کی زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور خارقِ عادت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ اسلام کا کلمہ بلند کریں گے۔ اللّٰھم احشرنا فی زمرتہ وارزقنا شھادۃً فی سبیلک انک واسعُ المَغفرۃ وَذُوالفَضلِ العَظِیم"

(تنبیہ) اس آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی بڑی بھاری فضیلت و منقبت نکلتی ہے۔ ابن کثیر نے اس کے تحت میں عہد نبوت سے لے کر عہد عثمانی تک کی فتوحات کو درجہ بدرجہ بیان کیا ہے آخر میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

وَجُبیُ الخراجُ مِنَ المشَارِقِ وَ المَغَارِبِ اِلیٰ حَضرۃِ اَمِیرِ المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وذلک ببرکۃ تلاوتہ وَدراستہ وَجَمعِہِ الاُمَّۃَ علیٰ حِفظِ القُرانِ وَ لِھذا ثبت فی الصَّحِیحِ اَنَّ رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لی الارض فرأیت مَشارِقَھَا وَمَغَارِبَھا وَسَیَبلُغُ مُلکُ اُمتی مازُوِیَ لی مِنھا فھا نحنُ نتقلَّبُ فیما وعدنَا اللّٰہ وَرَسُولُہُ وَصَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُولُہُ فنسالُ اللّٰہ الایمَانَ بِہٖ وَبِرَسُولِہٖ وَالقِیَامَ بِشُکرِہٖ علی الوجہ الَّذِی یُرضِیہ عنَّا" (تفسیر عثمانی)

دورِ خلافت کی فتوحات:

حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل میں اپنے بعد عمرؓ بن خطاب کو خلیفہ بنانے کا الہام فرمایا۔ عمر بن خطابؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نظامِ خلافت ایسا سنبھالا کہ آسمان نے انبیاء علیہم السلام کے بعد ایسا نظام کبھی نہ دیکھا تھا۔ اُن کے زمانے میں ملکِ شام پورا فتح ہو گیا اسی طرح پورا ملکِ مصر اور ملکِ فارس کا اکثر حصہ۔ انہیں کے زمانے میں قیصر وکسریٰ کی قیصری اور کسروی کا خاتمہ ہوا۔ اس کے بعد خلافتِ عثمانی کا وقت آیا تو اسلامی فتوحات کا دائرہ مشارق ومغارب تک وسیع ہو گیا۔ بلادِ مغرب، اندلس اور قبرص تک اور مشرقِ اقصیٰ میں بلادِ چین تک اور عراق، خراسان، اہواز سب آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ اور صحیح حدیث میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے پوری زمین کے مشارق و مغارب سمیٹ کر دکھائے گئے ہیں اور میری اُمت کی حکومت اُن تمام علاقوں تک پہنچے گی جو مجھے دکھائے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ خلافتِ عثمانیہ کے دور ہی میں پورا فرما دیا (یہ سب مضمون تفسیر ابن کثیر سے لیا گیا ہے)

اور ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال رہے گی اس کی مراد خلافتِ راشدہ ہے جو بالکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر قائم رہی اور حضرت علی مرتضیٰ تک چلی کیونکہ یہ تیس سال کی مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے تک پوری ہوگی۔

بارہ خلفاء:

ابن کثیر نے اس جگہ صحیح مسلم کی یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری اُمت کا کام چلتا رہے گا جب تک کہ بارہ خلیفہ رہیں گے۔ ابن کثیر نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہ حدیث بارہ خلیفہ عادل اس اُمت میں ہونے کی خبر دے رہی ہے جس کا وقوع ضروری ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب مسلسل اور متصل ہی ہوں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کچھ وقفوں کے بعد ہوں۔ ان میں سے چار تو یکے بعد دیگرے ہو چکے جو خلفاء راشدین تھے پھر کچھ وقفہ کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز ہوئے اُن کے بعد بھی مختلف زمانوں میں ایسے خلیفہ ہوتے رہے اور تاقیامت رہیں گے آخری خلیفہ حضرت مہدی ہوں گے۔ روافض نے جن بارہ خلفاء کو متعین کیا ہے اس کی کوئی دلیل حدیث میں نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا خلافت سے کوئی تعلق ہی نہیں رہا۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ان سب کے درجات برابر ہوں اور سب کے زمانے میں امن وسکون دنیا کا یکساں ہو۔ بلکہ اس وعدہ کا مدار ایمان وعمل صالح پر استقامت اور مکمل اتباع پر ہے اس کے درجات کے اختلاف سے حکومت کی نوعیت وقوت میں بھی فرق واختلاف لازمی ہے۔ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں جب اور جہاں کوئی مسلمان عادل اور صالح بادشاہ ہوا ہے اس کو اپنے عمل وصدق کے پیمانے پر اس وعدہ الٰہیہ کا حصہ ملا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا ہے ان حزب اللہ ہم الغالبون یعنی اللہ کی جماعت ہی غالب رہے گی۔

خلفائے راشدین کے حق ہونے کی دلیل:

یہ آیت حضرات خلفاء راشدین کی خلافت کے حق وصحیح اور مقبول عند اللہ

ہونے کی بھی دلیل ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ اپنے رسول اور اس کی امت سے فرمایا تھا اس کا ظہور انہیں حضرات کے زمانے میں ہوا۔ اگر ان حضرات کی خلافت کو حق وصحیح نہ مانا جائے جیسے روافض کا خیال ہے تو پھر قرآن کا یہ وعدہ ابھی تک پورا نہیں ہوا۔ اور روافض کا یہ کہنا کہ یہ وعدہ حضرت مہدی کے زمانے میں پورا ہوگا ایک مضحکہ خیز چیز ہے اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ چودہ سو برس تو پوری امت ذلت وخواری میں رہے گی اور قرب قیامت میں جو چند روز کے لئے ان کو حکومت ملے گی وہی حکومت اس وعدہ سے مراد ہے معاذ اللہ۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا خطاب:

بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام کا یہ خطبہ نقل کیا ہے جو انہوں نے حضرت عثمان کے خلاف ہنگامہ کے وقت دیا تھا۔ خطبہ کے الفاظ یہ ہیں "اللہ کے فرشتے تمہارے شہر کے گرد احاطہ کئے ہوئے حفاظت میں اس وقت سے مشغول تھے جب سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور آج تک یہ سلسلہ جاری تھا۔ خدا کی قسم اگر تم نے عثمان کو قتل کر دیا تو یہ فرشتے واپس چلے جائیں گے اور پھر کبھی نہ لوٹیں گے۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص ان کو قتل کر دے گا وہ اللہ کے سامنے دست بریدہ حاضر ہوگا اس کے ہاتھ نہ ہوں گے۔ اور سمجھ لو کہ اللہ کی تلوار اب تک میان میں تھی۔ خدا کی قسم اگر وہ تلوار میان سے نکل آئی تو پھر کبھی میان میں نہ جائے گی۔ کیونکہ جب کوئی نبی قتل کیا جاتا ہے تو اس کے بدلے میں ستر ہزار آدمی مارے جاتے ہیں اور جب کسی خلیفہ کو قتل کیا جاتا ہے تو پینتیس ہزار آدمی مارے جاتے ہیں۔ (مظہری)

چنانچہ قتل عثمان غنیؓ سے جو باہمی خونریزی کا سلسلہ شروع ہوا تھا امت میں چلتا ہی رہا ہے۔ اور جیسے اللہ تعالیٰ کی نعمت استخلاف اور استحکام دین کی مخالفت اور ناشکری قاتلان عثمان نے کی تھی ان کے بعد روافض اور خوارج کی جماعتوں نے خلفاء راشدین کی مخالفت میں ... اسی سلسلے میں حضرت حسین بن علیؓ کی شہادت کا عظیم واقعہ پیش آیا۔ نسئل اللہ الھدایۃ وشکر نعمتہ۔ (معارف القرآن مختصراً)

حضرت شعیاؑ کا خطاب:

وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ شعیا نبی کی طرف وحی خداتعالیٰ آئی کہ تو بنی اسرائیل کے مجمع میں کھڑا ہو جا میں تیری زبان سے جو چاہوں گا نکلواؤں گا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو آپ کی زبان سے بحکم خداتعالیٰ یہ خطبہ بیان ہوا۔ اے آسمان سن، اے زمین خاموش رہ اللہ تعالیٰ ایک شان پوری کرنا اور ایک امر کی تدبیر کرنا چاہتا ہے جسے وہ پورا کرنے والا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جنگلوں کو آباد کرے، ویرانوں کو بسا دے، صحراؤں کو سرسبز بنا دے، فقیروں کو غنی کر دے، چرواہوں کو سلطان بنا دے، ان پڑھوں میں سے ایک امی کو نبی بنا کر بھیجے جو نہ بدگو ہو، نہ بداخلاق ہو، نہ بازاروں میں شوروغل کرنے والا ہو اتنا مسکین صفت اور متواضع ہو کہ اس کے دامن کی ہوا سے وہ چراغ بھی نہ بجھے جس کے پاس سے وہ گزرے، اور اگر وہ سوکھے بانسوں پر پیر رکھ کر چلے تو بھی چرچراہٹ کسی کے کان تک نہ پہنچے میں اسے بشیر ونذیر بنا کر بھیجوں گا وہ زبان کا پاک ہوگا، اندھی آنکھیں اس کی وجہ سے روشن ہو جائیں گی، بہرے کان اس کے باعث سننے لگیں گے، غلاف والے دل اس کی برکت سے کھل جائیں گے، ہر ہر بھلے کام سے میں اسے سنواروں گا، ہر ہر خلق کریم سے میں اسے سرفراز فرماؤں گا، سکینت اس کا لباس ہوگی، نیکی اس کا وطیرہ ہوگی، تقویٰ اس کی ضمیر ہوگا، حکمت اس کی باتیں ہوں گی، صدق ووفا اس کی طبیعت ہوگی، عفو ودرگذر کرنا اور عدل وبھلائی چاہنا اس کی خصلت ہوگی، حق اس کی شریعت ہوگی، عدل اس کی سیرت ہوگی، ہدایت اس کی امام ہوگی، اسلام اس کی ملت ہوگی، احمد اس کا نام ہوگا (صلی اللہ علیہ وسلم) گمراہی کے بعد اس کے ذریعہ سے میں ہدایت پھیلا دوں گا، جہالت کے بعد علم چمک اٹھے گا، پستی کے بعد ترقی ہوگی، انجان پنا اس کی ذات سے پہچان سے بدل جائے گا، کمی زیادتی سے بدل جائے گی، فقیری کو اس کے ذریعہ میں امیری سے بدل دوں گا، اس کی ذات سے جدا جدا لوگوں کو میں ملا دوں گا، فرقت کے بعد الفت ہوگی، پھوٹ کے بعد ایکا ہوگا، اختلاف کے بعد اتفاق ہوگا، مختلف دل جداگانہ خواہشیں ایک ہو جائیں گی، بے شمار بندگانِ خدا ہلاکت سے بچ جائیں گے اس کی امت کو میں تمام امتوں سے بہتر کر دوں گا جو لوگوں کے نفع کے لئے ہوگی، بھلائیوں کا حکم کرنے والی برائیوں سے روکنے والی ہوگی، موحد مومن مخلص ہوں گے، خداتعالیٰ کے جتنے رسول خداتعالیٰ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں یہ سب کو مانیں گے کسی کے انکاری نہ ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

دورِ خلافت میں وعدہ الٰہی پورا ہوا:

حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بنی حنیفہ (یعنی مسیلمہ کے لشکر) سے اور عرب مرتدوں سے جہاد کیا اور اس کے دو سال بعد حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں اللہ نے فتح شام مرحمت فرمائی۔ حدیبیہ کے سال ۶ھ میں رومی غالب آئے تھے اس کے نو سال بعد مسلمانوں نے ملک شام ان سے چھین لیا اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے عراق پر لشکر کشی کرنے کا مشورہ کیا، حضرت علیؓ نے اسی آیت کو ثبوت میں پیش کرتے ہوئے جہاد کا مشورہ دیا۔ حضرت علیؓ کا یہ مشورہ اہل سنت کی متعدد کتابوں میں منقول ہے اور شیعی کتب میں سے نہج البلاغہ میں

جمی حضرت علی اسی آیت سے یہ استنباط مذکور ہے بروایت نہج ۔ بلاغت حضرت علیؓ نے فرمایا اس کام (دین) کی کامیابی یا ناکامی تعداد کی قلت و کثرت پر موقوف نہیں ہے یہ تو اللہ کا دین ہے جس کو اس نے غالب بنایا ہے اور (یہ) اللہ کا لشکر ہے جس کو اس نے غلبہ عنایت کیا ہے اور مدد فرمائی ہے یہاں تک کہ جہاں سے کا نکلا اور جہاں پہنچنا پہنچا۔ اللہ نے خود فرما دیا، وعد اللہ الذین امنوا منکم پس اللہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور اپنے لشکر کو ضرور فتحیاب بنائے گا۔

و لیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم اور جس دن کو اللہ نے ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو ضرور ضرور جماؤ عطا فرمائے گا۔ حضرت ابن عباس نے اس کی تشریح میں فرمایا ان کو ملکی وسعت عطا کرے گا دوسرے ممالک پر ان کا قبضہ ہو جائے گا اور اپنے دین کو تمام مذاہب پر غالب کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

خلفائے راشدین کا فتویٰ شرعی حجت ہے:

فقہاء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ جو شخص خلفاء راشدین کے فتوے کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت و جماعت میں سے نہیں، نیز چونکہ یہ استخلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس کا مفاد یہ ہوگا کہ منجانب اللہ لوگوں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب ہوگی اس لئے بادشاہ کا یہ کہنا کہ ہم نے فلاں شخص کو وزیر اور والی بنایا۔ اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے احکام ماننا رعایا پر واجب ہے پس جب شروع آیت میں وعدہ کی نسبت اللہ کی طرف ہے اور بعد میں یستخلفھم میں بھی استخلاف کی اسناد اللہ کی طرف ہے کہ اللہ خلیفہ بنائے گا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ خلیفۃ اللہ کا بنایا ہوا اور اس کا مقرر کردہ ہوگا اور اس کا ظہور اس وعدہ کے مطابق ہوگا اور جس کو خدا تعالیٰ خلیفہ مقرر کرے اس کی اطاعت بلاشبہ واجب ہے۔

قاضی شوستری کی تحریر:

قاضی نور اللہ شوستری، حقاق الحق میں لکھتے ہیں حاصل یہ کہ حضرت امیر کی خلافت برائے نام تھی خلافت کا نام تھا معنی اور حقیقت نہ تھی زمانہ خلافت کے لوگ ان سے معارضہ اور مناقشہ کرتے تھے اور وہ مبغوض تھے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے پیش رو خلفاء کی مخالفت نہیں کر سکتے تھے جن لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ سب ان کے دشمنوں کے گروہ تھے اور ان کا عقیدہ یہ تھا کہ خلفاء ثلاثہ نہایت عدل و انصاف اور افضل حالت میں گزرے اور ان کے بعد آنے والے خلیفہ کی انتہائی معراج یہ ہے کہ قدم بقدم انہیں کے راستہ پر چلے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحریر:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ فرمایا تھا۔ وہ پورا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت عثمان کے اخیر زمانہ تک امن قائم رہا۔ یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس نعمت کا کفران کیا اور ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک تغیر عظیم پیدا کر دیا اور موجودہ حالت کو تبدیل کر دیا اور خوف کو پھر ان پر مسلط کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء)

مثالی دورِ حکومت:

خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جو فتوحات بلاد عجم و شام حاصل ہوئیں وہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سعادت سے لے کر اس وقت تک کسی کو حاصل نہیں ہوئی تھیں اور وہ تالیف قلوب اور تمکین و توسیع دین متین علی وجہ الکمال والتمام جس کا عشر عشیر کسی دین و ملت کو نصیب نہیں ہوا۔ انہیں حاصل ہوئی پس اگر ان بزرگانِ دین کی خلافت۔ وعدہ الٰہی کا مصداق نہ تھی تو بتلایا جائے تو پھر اور کس کی خلافت وعدہ الٰہی کا مصداق بن سکے گی۔ خاص کر خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں اہل اسلام دینی اور دنیوی ترقیات کے لحاظ سے اوج کمال کو پہنچے۔ احکامِ شریعت جاری ہوئے۔ اسلام سربلند ہوا او کفر سرنگوں ہوا۔ اور کفار ذلیل خوار ہوئے اور اہل اسلام کے ہاتھ سے ان کا بازار سرد ہوا اور ملک کے ملک مسلمانوں کے زیر نگین آئے اور وعدہ استخلاف سے جو غرض تھی کہ دین اسلام سربلند ہو اور دنیا پر حکمران ہو یہ غرض خلفاء ثلاثہ کے عہد خلافت میں خوب حاصل ہوئی۔

حضرت علی اپنے پیشرو خلفاء کو حق پر سمجھتے تھے:

حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی کا حضرت عمر سے نکاح کر دیا جو باتفاق حضرات شیعہ و اہل سنت ثابت ہے۔

نیز فریقین کی کتابوں سے یہ امر بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں ان تمام احکام اور سنن کو جاری اور باقی رکھا کہ جو خلفاء ثلاثہ کے زمانہ میں جاری تھیں۔ پس اگر خلفاء ثلاثہ کی خلافتیں اور ان کے احکام بدعت تھے تو حضرت علی پر ان کی تائید قطعاً حرام تھی کیونکہ بدعت کی تائید باتفاق فریقین موجب لعنت ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کے ڈھانے کی سعی اور کوشش ہے اہل سنت والجماعت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو ان تمام خرافات سے پاک اور منزہ سمجھتے اہلِ سنت کا یقین ہے کہ حضرت علی بلاشبہ شیرِ خدا تھے۔

بفرض محال وہ اگر خلفاء ثلاثہ کا فر اور منافق سمجھتے تو مدینہ سے ہجرت کر جاتے مگر کافروں کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ نہ بنتے معلوم ہوا کہ اس قسم کی روایتیں دشمنان اہل بیت کی ساختہ اور پرداختہ ہیں۔ (معارف القرآن)

شیعوں کی کتاب سے ثبوت:

چنانچہ نہج البلاغہ میں (جو شیعوں کی اعلیٰ ترین کتاب ہے) مذکور ہے کہ جب عمر بن الخطاب نے اہلِ فارس کی لڑائی میں جانے کے لئے حضرت امیرؓ

سے مشورہ کیا تو حضرت امیر نے جواب میں یہ عبارت ارشاد فرمائی۔

ان هذا الامر لم يكن نصرته وخذلانه بكثرة ولاقلة وهو دين الله الذى اظهره وجنده الذى اعزه وايده حتى بلغ مابلغ وطلع حيث طلع ونحن على موعود من الله تعالىٰ منكم و عملوا الصالحات الى اخر الآية فالله منجز وعده وناصر جنده الخ

(تحفہ ص ۱۷۳ باب ہفتم در امامت بروایت نہج البلاغہ ص ۳۰)

بے شک اس دین کی فتح و شکست کثرت سے نہیں ملی اور نہ لشکر کی قلت سے اس کو شکست ہوئی۔ بلکہ یہ دین خدا کا دین ہے جس نے اس کو غلبہ دیا اور لشکر اسی خدا کا لشکر ہے اس کی مدد اللہ نے کی خدا نے اس کو عزت اور قوت دی یہاں تک کہ یہ دین پہنچا جہاں تک پہنچا اور غالب اور روشن ہوا جیسے کہ غالب اور روشن ہوا اور ہم خدا کے وعدہ پر ہیں جیسے کہ اس نے قرآن عزیز میں اہل ایمان سے خلافت اور تمکین دین اور امن کا وعدہ کیا ہے جو اس آیت یعنی وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ میں مذکور ہے پس اللہ اپنے وعدہ کو پورا اور اپنے لشکر کی مدد کرے گا یعنی ان کو غلبہ اور فتح دے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک خلافت فاروقی خلافت موعودہ فی القرآن کا مصداق ہے اور نہج البلاغہ کے تمام شارحین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کا مقصود آیت استخلاف کی طرف اشارہ ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے نبی امی فداہ نفسی وابی سے جو وعدے کئے تھے کہ تیرے خادموں اور غلاموں کو داؤد اور سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا کروں گا وہ وعدہ بالکل خداوندی ابوبکر و عمر و عثمان کے ہاتھوں پورے ہو گئے۔ دیکھو قرۃ العینین ص ۲۲۲

مصنفہ ... استاف حق ... رہبری ... تمام ... حق

پرانات ... تمام ... زمانی تا بماہ

کسریٰ کا خاتمہ:

حجاز اور نجد اور یمن اور بحرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اہل اسلام کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ اور نواحی عرب میں جو بت پرستی رائج تھی اس کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ خیبر جو یہودیوں کا مرکز تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور ہجر کے مجوسی اور نواح شام کے کچھ عیسائی جزیہ گزار ہو گئے تھے۔ صدیق اکبر کے زمانہ خلافت میں فارس کے کچھ علاقے بصریٰ اور ملک شام کے کچھ علاقے مسلمانوں کے تصرف میں آئے اور فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں تمام ملک شام اور تمام ملک مصر اور فارس کا اکثر ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آیا اور کسریٰ شاہ فارس نے ہر چند کوشش کی لیکن سوائے کسر شوکت (اقبال کچھ نہ ملا اور قیصر روم نے بہتیرے ہاتھ پیر مارے لیکن سوائے قصور طالع کے کچھ نہ دیکھا اور ان دونوں سلطنتوں کے بے شمار خزانے اور بے حساب اسباب مسلمانوں میں تقسیم ہوئے اور ان تمام اقالیم میں اسلام کا ڈنکا بج گیا اور بے خوف و خطر توحید حق پھیل گئی اور کفر و شرک دور مجوسیت اور عیسائیت کا بعض جگہوں سے بالکل خاتمہ ہو گیا اور بعض جگہ مقہور و مغلوب ہو گئی اور عثمان غنی کے دور خلافت میں اسلام کی حکومت مغرب کی جانب میں اور اندلس اور قیروان اور بحر محیط تک اور مشرق میں چین تک کا علاقہ مفتوح ہو گیا۔

اور ۳۰ھ میں حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں کسریٰ مارا گیا اور کسریٰ کی سلطنت کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا اور مشرق و مغرب کا خراج مدینہ منورہ آنے لگا۔ (معارف کاندھلوی)

امن وچین کا دور:

ابو العالیہ نے کہا اللہ نے اپنے نبی کو جزیرۃ العرب پر اقتدار عطا فرما دیا، سب عربوں نے ہتھیار رکھ دیئے اور مسلمان ہو گئے، وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلمان امن چین سے رہے پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت کے دور میں بھی امن و چین کی یہی حالت قائم رہی اور حضرت عثمانؓ کا دور خلافت بھی اسی طرح گزر گیا آخر جس (خانہ جنگی کی مصیبت) میں پھنسنا تھا پھنس گئے اور اللہ کی نعمت کے شکر گزار نہ رہے۔

آیت مذکورہ کا شانِ نزول:

ابو العالیہ کا بیان ہے کہ نزول وحی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں صحابہ کے ساتھ رہے صحابہ کو حکم تھا کہ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر کریں، پھر مدینے کو ہجرت کر جانے کا حکم ہو گیا۔ کسی کا بھی حملہ کیا گیا لیکن (ہر طرف سے خوف کی یہ حالت تھی کہ) کوئی ہتھیار اپنے بدن سے الگ نہ کرتا تھا آخر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ کوئی دن بھی ایسا آئے گا کہ ہم امن سے رہیں اور ہتھیار کھول دیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حضرت براء نے فرمایا یہ آیت ہمارے متعلق نازل ہوئی تھی ہم سخت خوف کی حالت میں تھے پھر اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور خوف کی بجائے امن عطا کیا اور زمین پر امن کو پھیلا دیا یعنی ملکی فتوحات عطا فرما دیں)

اہلسنت کی تصدیق اور روافض کی تردید:

اس آیت میں آئندہ واقعہ کے متعلق پیشین گوئی ہے (جو صحیح ثابت ہوئی) اس لئے یہ صداقت نبوت کی دلیل ہے۔ اور خلفائے راشدین کی خلافت کی حجت پر بھی آیت دلالت کر رہی ہے اگر خلفائے راشدین کی خلافت مراد نہ ہو تو وعدہ الٰہی میں کذب لازم آئے گا کیونکہ سوائے خلافت راشدہ کے زمانہ کے موعود (فتوحات ملکیہ) اور موعود لہم (مومنین صالحین) یکجا جمع نہ ہوئے اس سے اہلسنت کے مسلک کی صداقت واضح ہوتی ہے اور

یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دین اسلام اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور رافضیوں کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ ائمہ آج تک خوف کی حالت میں رہے ہیں یہاں تک کہ دشمنوں کے خوف سے امام مہدی بھی پوشیدہ ہیں۔

لفظ منکم (میں خطاب صحابہ کو ہے اس لئے اس لفظ) سے یہ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ امام مہدی کے ظہور کے بعد اللہ اپنا وعدہ پورا کرے گا ابھی تک اس نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا) دین کا ظہور کب اور کیسے ہوگا جب کہ چھ اوپر گیارہ سو برس تک نہیں ہوا۔ ایسا خیال کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

خلافت کے تیس سال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہے پھر ملوکیت ہو جائے گی۔ حضرت سفینہ نے کہا دو سال حضرت ابوبکرؓ خلافت کو تھامے رہے، پھر حضرت عمرؓ کی خلافت دس سال رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ کی خلافت بارہ سال رہی پھر حضرت علیؓ چھ سال خلیفہ رہے۔

فتوحات اور قیام امن کی نبوی پیش گوئی:

حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی اور دوسرے آدمی نے آکر راستہ میں لوٹا جانے کا شکوہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عدی کیا تم نے حیرہ دیکھا ہے، میں نے عرض کیا میں نے خود نہیں دیکھا لیکن اس کے متعلق سنا ضرور ہے فرمایا اگر تمہاری عمر (کچھ) لمبی ہوئی تو دیکھ لوگے کہ (تنہا) عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی آئے گی اور کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے خدا کے کسی سے خوف نہ ہوگا میں نے اپنے دل میں کہا اس وقت بنی طے کے غارت گر کہاں ہوں گے جنہوں نے ملک میں آگ لگا رکھی ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اگر تیری عمر (کچھ) دراز ہوئی تو کسریٰ کے خزانے تم فتح کروگے، میں نے کہا کیا کسریٰ بن ہرمز کے فرمایا، کسریٰ بن ہرمز کے (پھر فرمایا) اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو دیکھ لوگے کہ آدمی مٹھی بھر چاندی یا سونا قبول کرنے والے کو تلاش میں لئے پھرے گا اور کوئی لینے والا نہ ملے گا اور جس روز آدمی اپنے رب کے سامنے جائے گا اور بندے کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا کہ اللہ کا مطلب بندے کو سمجھائے (بلکہ اللہ براہ راست بندہ سے خطاب کرے گا) اور فرمائے گا کیا میرے احکام پہنچانے کے لئے میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا؟ بندہ کہے گا کیوں نہیں (یقیناً بھیجا تھا) اللہ فرمائے گا کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر اپنی مہربانی نہیں کی تھی بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں (یہ سب کچھ ہوا تھا) اس وقت آدمی اپنی دائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اس کو کچھ نہیں دکھائی دے گا اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی جہنم ہی دکھائی دے گا (غرض جہنم میں پھینک دیا جائے گا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ سے بچو، خواہ چھوارے کا ایک ٹکڑا ہی خیرات کرکے (یعنی چھوارے کا ایک ٹکڑا غریب کو دینا دوزخ سے بچنے کا سبب بن جائے گا) اگر چھوارے کا ایک ٹکڑا بھی میسر نہ ہو تو (سائل سے) میٹھی بات کہہ کر ہی (دوزخ سے اپنی حفاظت کرو) حضرت عدی نے (اپنے شاگردوں سے) فرمایا میں نے تو یہ دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے کعبہ کا طواف کرنے کے لئے چلتی یہاں تک کہ طواف کر لیتی ہے اور (راستہ میں اس کو کسی لٹیرے بدمعاش کا اندیشہ نہیں ہوتا) اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے میں تو میں خود شریک تھا۔ آئندہ اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو بھی صحیح پاؤ گے کہ مٹھی بھر (سونا چاندی) آدمی لے کر قبول کرنے والے کی تلاش میں نکلے گا اور قبول کرنے والا اس کو نہیں ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

بارہ خلفاء قریشی ہوں گے:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگوں کا کام بھلائی سے جاری رہے گا یہاں تک کہ ان میں بارہ خلیفے ہوں۔ پھر آپ نے ایک جملہ آہستہ بولا جو راوی حدیث حضرت جابر بن سمرہؓ سن نہ سکے تو انہوں نے اپنے والد صاحب سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ انہوں نے بیان کیا کہ یہ فرمایا ہے یہ سب کے سب قریشی ہوں گے (مسلم) آپ نے یہ بات اس شام کو بیان فرمائی تھی جس دن حضرت ماعزؓ بن مالکؓ کو رجم کیا گیا تھا پس معلوم ہوا کہ ان بارہ خلیفوں کا ہونا ضروری ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ وہ خلیفے نہیں جو شیعوں نے سمجھ رکھے ہیں کیونکہ شیعوں کے اماموں میں تو بہت سے وہ بھی ہیں جنہیں خلافت و سلطنت کا کوئی حصہ بھی پوری عمر میں نہیں ملا تھا۔ اور یہ بارہ خلفاء ہوں گے سب کے سب قریشی ہوں گے حکم میں عدل کرنے والے ہوں گے ان کی بشارت اگلی کتابوں میں بھی ہے اور یہ بھی شرط نہیں ہے کہ یہ سب کے سب پے در پے ہوں گے بلکہ ان کا ہونا یقینی ہے خواہ پے در پے ہوں خواہ متفرق زمانوں میں کچھ ہوں چنانچہ چاروں خلیفے تو بالترتیب ہوئے اول ابوبکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم اجمعین ان کے بعد پھر سلسلہ ٹوٹ گیا پھر بھی ایسے خلیفہ ہوئے اور ممکن ہے آگے چل کر بھی ہوں ان کے صحیح زمانوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ہاں یہ تو یقینی ہے کہ حضرت امام مہدی بھی انہی بارہ میں سے ہوں گے جن کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے جن کی کنیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت سے مطابق ہوگی تمام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسے کہ وہ ظلم و ناانصافی سے بھرگئی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی، پھر کاٹ کھانے

والا ملک ہو جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس کے پیچھے سو وہی لوگ ہیں نافرمان

ناشکری کرنے والے:

یعنی ایسے انعامات عظیمہ کے بعد ناشکری کرنا بہت ہی بڑے نافرمان اور اصل مجرم کا کام ہے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جو کوئی خلفائے اربعہ کی خلافت اور ان کے فضل و شرف سے منکر ہوا۔ ان الفاظ سے اُس کا حال سمجھا گیا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (تفسیر عثمانی)

قاتلین عثمان: فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ سو یہی لوگ (ایمان یا دائرہ اطاعت سے) خارج ہوں گے۔ بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ سب سے پہلے خداداد نعمت کی ناشکری کرنے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کردیا، جب حضرت عثمانؓ کو انہوں نے شہید کردیا تو اللہ نے وہ نعمت بھی بدل ڈالی جو ان کو عطا فرمائی تھی، چنانچہ خوف ان پر طاری ہو گیا اور (دینی) بھائی بھائی ہونے کے باوجود آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگا۔

بغوی نے حمید بن بلال کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام نے حضرت عثمان کی بابت فرمایا۔ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اس وقت سے آج تک (اللہ کے حفاظتی) فرشتے تمہارے اس شہر کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اب اگر تم عثمانؓ کو قتل کر دو گے تو خدا کی قسم فرشتے چلے جائیں گے اور پھر کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ جو شخص عثمان کو شہید کرے گا خدا کی قسم جب وہ اللہ کے سامنے جائے گا تو کوڑھی ہو کر جائے گا اللہ کی تلوار نیام کے اندر تھی۔ اللہ نے نیام سے اس کو نکال دیا تو خدا کی قسم پھر تم سے (ہٹ کر) وہ (کبھی یا روز قیامت تک) نیام میں داخل نہیں کرے گا کیونکہ جب بھی کوئی نبی شہید کیا گیا (اس کے انتقام میں) ستر ہزار آدمی مارے گئے اور جب بھی کوئی خلیفہ شہید کیا گیا (اس کے بدلہ میں) پینتیس ہزار آدمی قتل کئے گئے۔

رافضی و خارجی. میں کہتا ہوں اللہ نے جو مسلمانوں کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا اور خلافت عطا فرمائی رافضیوں اور خارجیوں کے مختلف گروہوں نے اس کی ناشکری کی۔

یزید بن معاویہ

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت ومن کفر بعد ذلک میں یزید بن معاویہ کی طرف اشارہ ہو یزید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو اور آپ کے ساتھیوں کو شہید کیا یہ ساتھی خاندان نبوت کے ارکان تھے عزت رسول کی بے عزتی کی اور اس پر فخر کیا اور کہنے لگا آج بدر کے دن کا انتقام ہوگیا اسی نے مدینہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لشکر کشی کی اور حرہ کے واقعہ میں مدینہ کو غارت کیا اور وہ مسجد جس کی بناء تقویٰ پر قائم کی گئی تھی اور جس کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کہا گیا ہے اس کی بے حرمتی کی اسی نے بیت اللہ پر سنگباری کے لئے منجنیقیں نصب کرائیں اور اسی نے اول خلیفۂ رسول اللہ یعنی حضرت ابوبکرؓ کے نواسے حضرت عبداللہ بن زبیر کو شہید کرایا اور ایسی ایسی نازیبا حرکتیں کیں کہ آخر میں دین کا منکر ہو گیا اور (اللہ کی حرام کی ہوئی) شراب کو حلال کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا

اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور حکم پر چلو

الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ

رسول کے تاکہ تم پر رحم ہو

مقبول بندوں کا طریقہ:

یعنی خدا کی رحمت سے حصہ لینا چاہتے ہو تو تم بھی ان ہی مقبول بندوں کی روش اختیار کرو۔ وہ روش یہی ہے نمازیں قائم کرنا، زکوٰۃ دیتے رہنا اور تمام شعبہ زندگی میں رسول کے احکام پر چلنا۔ "اللّٰھم ارزقنا متابعۃ رسولک صلی اللہ علیہ وسلم وتوفنا علیھا والحقنا بالصالحین. آمین.

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ

یہ خیال نہ کر کہ یہ جو منکر ہیں تھکا دیں گے بھاگ کر ملک میں

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور وہ بری جگہ ہے پھر جانے کی

مردود لوگوں کی شکست:

یہ نیک بندوں کے بالمقابل مردود و مغضوب لوگوں کا انجام بتلایا۔ یعنی جب نیکوں کو ملک کی حکومت اور زمین کی خلافت عطا کی جاتی ہے، کافروں اور بدکاروں کی ساری مکاریاں اور تدبیریں شکست ہو جاتی ہیں۔ اللہ کے ارادہ کو کوئی روک نہیں سکتا اگر تمام خدائی میں ادھر اُدھر بھاگتے پھریں تب بھی وہ خدائی سزا سے اپنے کو نہیں بچا سکتے یقیناً ان کو جہنم کے جیلخانہ میں جانا پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

اے ایمان والو اجازت لے کر آئیں تم سے جو تمہارے ہاتھ کے مال ہیں

مسئلہ استیذان کا تتمہ:

یعنی لونڈی غلام، چار رکوع پہلے مسئلہ استیذان (اجازت لینے) کا ذکر

تھا۔ یہ اسی کا تتمہ ہے۔ درمیان میں خاص خاص مناسبتوں سے دوسرے مضامین آ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت اسماءؓ کی ناگواری پر آیت کا نزول:

ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حیان کی روایت سے بیان یہ ہے کہ حضرت اسماء بنت مرشد کا ایک غلام تھا جو اکثر حضرت اسماء کے پاس ایسے وقت میں (بلا اجازت) آ جاتا تھا کہ اس وقت غلام کا آنا حضرت اسماء کو ناگوار گزرتا تھا، حضرت اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے خادم اور غلام ایسے وقت ہمارے پاس آ جاتے ہیں کہ اس وقت ان کا آنا ہم کو ناگوار ہوتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ

اور جو کہ نہیں پہنچے تم میں عقل کی حد کو تین بار فجر کی

مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ

نماز سے پہلے اور جب اتار رکھتے ہو اپنے کپڑے دوپہر میں

الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ

اور عشاء کی نماز سے پیچھے یہ تین وقت بدن کھلنے کے ہیں تمہارے

غلاموں اور نابالغوں کے گھر میں آنے کا ادب:

ان تین وقتوں میں عموماً زائد کپڑے اُتار دیئے جاتے ہیں یا سوتے جاگنے کا لباس تبدیل کیا جاتا ہے اور بیوی کے ساتھ مخالطت بھی بیشتر ان ہی اوقات میں ہوتی ہے بھی فجر سے قبل یا دوپہر کے وقت آدمی غسل کرنے کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی مطلع نہ ہو۔ اس لئے حکم دیا کہ ان تین وقتوں میں نابالغ لڑکوں اور لونڈی غلام کو بھی اجازت لے کر آنا چاہیے۔ باقی وقتوں میں ان کو اجانب کی طرح اجازت طلب کرنے کی حاجت نہیں۔ الّا یہ کہ کوئی شخص اپنی مصلحت سے دوسرے اوقات میں بھی استیذان کی پابندی عائد کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری غلام کو دوپہر کے وقت حضرت عمر کو بلانے کے لئے بھیجا، غلام حضرت عمر کے پاس (گھر کے اندر) پہنچا ایسی حالت میں دیکھا کہ حضرت عمر کو اس حالت میں دیکھا جانا ناگوار گزرا۔ اس پر آیت وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ نازل ہوئی۔

جوانی کو نہ پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ جوانی کے قریب بھی نہ پہنچے ہوں (مراہق بھی نہ ہوں) جو لڑکے بالغ ہونے کے قریب پہنچ گئے ہوں وہ بالغ کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ: آیت مذکور کا اقتضاء ہے کہ مذکورہ تینوں اوقات میں غلام کا اپنے آقا کے پاس بلا اجازت (تنہائی میں) جا پہنچنا ممنوع ہے خواہ غلام چھوٹی عمر کا ہی ہو لیکن ہو باشعور۔ اور باندی (اوقات مذکورہ میں بلا اجازت) اپنی مالکہ کے پاس نہیں جا سکتی ہاں باندی اپنے آقا اور مالک کے پاس ہر وقت بلا اجازت داخل ہو سکتی ہے کیونکہ وہ تو بیوی کی طرح ہے (جو ننگے کھلے سے واقف ہوتی ہے) بالغ یا قریب البلوغ غلام اپنی مالکہ کے پاس کسی وقت داخل نہیں ہو سکتا (شریف مالکہ کو اس سے پردہ کرنا چاہیے) اللہ نے فرمایا ہے قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ الخ اس آیت میں جن مملوک لوگوں کا استثناء کیا گیا ہے ان سے مراد باندیاں ہیں غلام نہیں ہیں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے یہ مضمون بیان کر دیا ہے۔

جو لڑکا باشعور ہے وہ بغیر اجازت لئے ہر سہ اوقات مذکورہ میں داخل نہیں ہو سکتا اور ان تین اوقات کے علاوہ ہر وقت بغیر اجازت حاصل کئے داخل ہو سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ

کچھ تنگی نہیں تم پر اور نہ اُن پر ان وقتوں کے پیچھے

طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

پھرا ہی کرتے ہو ایک دوسرے کے پاس

یعنی اوقات مذکورہ بالا کو چھوڑ کر باقی جن اوقات میں عادۃً ایک دوسرے کے پاس بے روک ٹوک آتے جاتے ہیں اُن میں نابالغ لڑکوں یا لونڈی غلام کو ہر مرتبہ اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ ایسا پابند کرنے میں بہت تنگی اور کاروبار کا تعطل ہے جو حق تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

یوں کھولتا ہے اللہ تمہارے آگے باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا

حَكِيْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ

حکمت والا ہے اور جب پہنچیں لڑکے تم میں سے عقل کی حد کو

فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

تو ان کو ویسی ہی اجازت لینی چاہیے جیسے لیتے رہے ہیں ان سے اگلے

نابالغ لڑکا۔ یعنی لڑکا جب تک نابالغ ہے تین وقتوں کے سوا باقی اوقات میں بلا اجازت لئے آ جا سکتا ہے۔ جس وقت حدِ بلوغ کو پہنچا پھر اس کا حکم اُن ہی مردوں جیسا ہو گیا جو اس سے پہلے بالغ ہو چکے ہیں اور جن کا حکم پیشتر آیت

حدیث ہے: "نساء کاسیات عاریات مائلات ممیلات لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ریحہا" حتی تبدو سوأتہما علی ظہرہا
میں ذکر ہے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
یوں کھول کر سناتا ہے اللہ تم کو اپنی باتیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا
حَكِيْمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ
حکمت والا ہے اور جو بیٹھ رہی ہیں گھر میں تمہاری عورتوں میں سے جن کو
نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ
توقع نہیں رہی نکاح کی ان پر گناہ نہیں کہ اتار رکھیں اپنے کپڑے
غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ
یہ نہیں کہ دکھاتی پھریں اپنا سنگار اور اس سے بھی بچیں تو بہتر ہے ان کے لئے

بوڑھی خواتین کا مسئلہ:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی بوڑھی عورتیں گھر میں تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو درست ہے اور پورا پردہ رکھیں تو اور بہتر" اور جب دوپٹہ وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار دیں تو کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس زینت کا اظہار نہ ہو جس کے چھپانے کا حکم آیت "وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ" میں دیا جا چکا ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جوان عورتوں کے ستر سے متعلق قرآن کریم کا منشا کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا یعنی وہ عورتیں جو بڑی بوڑھی ہونے کی وجہ سے اس قابل نہ رہی ہوں کہ نکاح کی کوئی توقع کر سکیں۔ ربیعہ نے کہا اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جن سے مرد نفرت کرتے ہیں بڑھاپے کی وجہ سے کوئی اس کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ جو عمر رسیدہ عورت ایسی ہو کہ اس کے اندر کچھ رعنائی باقی ہو وہ اس آیت سے خارج ہے۔

کپڑے اتار دینے سے مراد ہے کچھ کپڑے اتار دینا لہذا کسی (آزاد) بوڑھی عورت کے لئے بھی اجنبی مردوں کے سامنے پشت یا پیٹ اور ناف سے نیچے کا بدن کھولنا جائز نہیں۔ سر، چہرہ اور دونوں ہاتھ کھول سکتی ہے۔

عورتوں کیلئے اظہار زینت ممنوع ہے:

غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ برج کا لغوی مفہوم ہے ظہور قلعہ، مضبوط عمارت، آسمانی ستاروں کا جھمگھٹ۔

لفظ تبرج کا خصوصی استعمال عورتوں کے بے پردہ بن ٹھن کر مردوں کے سامنے آنے کے لئے ہوتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو برا سمجھتے تھے ان میں سے ایک بات یہ (نامنظور و ناپسندیدہ) تھی کہ عورت شوہر کے سوا غیر مقام میں نمودار ہو۔ صاحب ہدایہ نے صراحت کی ہے کہ تبرج کا معنی ہے غیر مردوں کے سامنے عورتوں کا اظہار زینت۔ ایسا اظہار زینت شرعاً مذموم ہے ہاں شوہر کے سامنے اظہار زینت مذموم نہیں ہے حدیث میں جو ممانعت ہے یہی مذموم اظہار زینت ہے۔

اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ کے بعد غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ کی قید کا اضافہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ کچھ کپڑے اتار کر غیر مردوں کے سامنے بوڑھی عورتوں کا آنا اس وقت قابل گناہ نہیں قرار دیا جائے گا جب کچھ کپڑے اتارنے سے ان عورتوں کا مقصد اظہار زینت نہ ہو اگر کپڑے اتارنے کا مقصد اندرونی زینت اور لباس کی نمائش ہو تو بہرحال گناہ اور حرام ہے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰
اور اللہ سب باتیں سنتا جانتا ہے

خفیہ فتنہ بازی بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں۔

یعنی یہ تو فتنہ کی راہ تھی سے ظاہری احتیاطات تھی باقی دلوں کے اندر جو باتیں چھپی ہیں اور فتنے اٹھتے ہیں خدا سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ
نہیں ہے اندھے پر کچھ تکلیف اور نہ لنگڑے پر
حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ
تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف

معذوروں کیلئے عذر پذیری اور ان سے معاملات کا طریقہ

یعنی جو کام تکلیف کے ہیں وہ اُن کو معاف ہیں مثلاً جہاد، حج، جمعہ و جماعت اور ایسی چیزیں۔ (کذا فی الموضح) یا یہ مطلب ہے کہ ان معذور محتاج لوگوں کو تندرستوں کے ساتھ کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ جاہلیت میں اس قسم کے محتاج و معذور آدمی اغنیاء اور تندرستوں کے ساتھ کھانے سے رکتے تھے انہیں خیال گزرتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو اور ہماری بعض حرکات و اوضاع سے ایذا پہنچتی ہو۔ واقعی بعضوں کو نفرت و وحشت ہوتی بھی تھی۔ نیز بعض مومنین کو غایت اتقاء سے یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسے معذوروں اور مریضوں کے ساتھ کھانے میں شاید اصول عدل و مساوات قائم نہ رہ سکے۔ اندھے کو سب کھانے نظر نہیں آتے لنگڑا ممکن ہے دیر میں پہنچے

ورنہ سب نشست سے نہ بیٹھ سکے۔ بیمار کا تو چھنا تھی ہے اس بنا پر ساتھ کھانے میں احتیاط کرتے تھے کہ ان کی حق تلفی نہ ہو۔ دوسری ایک اور صورت پیش آتی تھی کہ یہ معذور محتاج لوگ کسی کے پاس گئے، وہ شخص استطاعت نہ رکھتا تھا، از راہ بے تکلفی ان کو اپنے باپ، بھائی، بہن، چچا، ماموں وغیرہ کسی عزیز و قریب کے گھر لے گیا۔ اس پر ان حاجتمندوں کو خیال ہوتا تھا کہ ہم تو آئے تھے کسی کے پاس، یہ دوسرے کے ہاں لے گیا، کیا معلوم وہ ہمارے کھلانے سے کارہ اور ناخوش تو نہیں۔ ان تمام خیالات کی اصلاح آیت حاضرہ میں کردی گئی کہ خواہ مخواہ اس طرح کے اوہام و وساوس میں مت پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں وسعت رکھی ہے پھر تم خود اپنے اوپر تنگی کیوں کرتے ہو۔

وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

اور نہیں تکلیف تم لوگوں پر کہ کھاؤ اپنے گھروں سے یا اپنے باپ کے گھر

اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائی کے گھر سے یا اپنی بہن کے گھر سے

اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ

یا اپنے چچا کے گھر سے یا اپنی پھوپھی کے گھر سے

اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

یا اپنے ماموں کے گھر سے یا اپنی خالہ کے گھر سے یا جس گھر کی کنجیوں کے

مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ

تم مالک ہو یا اپنے دوست کے گھر سے

یعنی تمہارے زیر تصرف دے دیا گیا ہو۔ مثلاً کسی نے اپنی چیز کا وکیل یا محافظ بنا دیا اور بقدر معروف اُس میں سے کھانے پینے کی اجازت دے دی۔ (تفسیر عثمانی)

اولاد کا گھر اپنا گھر ہوتا ہے:

اپنے گھروں سے مراد ہیں وہ گھر جن میں بیوی بچے ہوں اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں، اپنی اولاد کا گھر اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اخرجہ اصحاب السنۃ وابن ماجہ والحاکم عن عائشہ رضی اللہ عنہا۔

پاکیزہ ترین مال: ابن ماجہ نے بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاکیزہ ترین مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کمائے اور آدمی کی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بیویوں کا اور اپنی اولاد کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کذا قال ابن قتیبۃ

اَوْ صَدِيْقِكُمْ یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔

وہ گھر جن سے بلا اجازت کھانا جائز ہے:

بغوی نے لکھا ہے حسن اور قتادہ اسی آیت کی بنا پر قائل تھے کہ دوست کے گھر میں داخل ہو کر اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کوئی چیز کھا لینا جائز ہے۔

مطلب یہ ہے کہ مذکورۂ بالا اشخاص (یعنی اقرباء اور اعزاء) کے گھروں میں جا کر ان کی موجودگی کے بغیر کچھ کھا لینا جائز ہے۔ کھا سکتے ہو لیکن بطور توشہ ذخیرہ کرنا اور اٹھا کر لے آنا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے یہ حکم شروع اسلام میں تھا پھر منسوخ کر دیا گیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے لیکن اس کا جواز اس بات پر موقوف ہے کہ گھر والے نے صراحتاً اجازت دے دی ہو یا قرینہ سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں ذکر ایسے ہی لوگوں کا کیا گیا جن سے عام طور پر بے تکلفی ہوتی ہے۔ (اور آپس میں کھانے پینے کا کوئی پرہیز یا تکلف نہیں ہوتا) ان لوگوں کا آیت میں تذکرہ صرف عادت و رواج کے پیش نظر ہے (حصر کے لئے نہیں ہے) اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ بالکل اجنبی اور غیر آدمی کے گھر پہنچ کر اس کی صریح یا غیر صریح اجازت کے بغیر کچھ کھا لینا بھی جائز ہے، بشرطیکہ گھر والے کی رضامندی کا کسی طور پر علم ہو گیا ہو۔

مسئلہ: یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ عام طور پر قریبی محرم رشتہ داروں میں چونکہ بے تکلفی اور (کھانے پینے سے) انبساط ظاہر ہوتا ہے اس لئے نتیجہ یہ ہے کہ محرم قرابت دار کے مکان کے اندر سے اگر کوئی شخص اس قرابت دار کا یا کسی غیر کا مال چرا لے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا لیکن اگر کسی غیر کے مکان سے وہ مال چرایا خواہ چرانے والے کے قریبی محرم ہی کا ہو تب بھی ہاتھ کاٹا جائے گا کیونکہ اول صورت میں مال محرز نہ تھا اور دوسری صورت میں محرز تھا (محرز بمعنی محفوظ یعنی اول صورت میں مال ایسی جگہ نہیں رکھا ہوا تھا جو چرانے والے کے لئے محفوظ مقام سمجھا جائے۔ اور دوسری صورت میں اس چور کے لئے غیر کا گھر ممنوع ہے۔ اور محفوظ مقام ہے)۔ (تفسیر مظہری)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا

نہیں گناہ تم پر کہ کھاؤ آپس میں مل کر یا جدا ہو کر

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً

پھر جب کبھی جانے لگو گھروں میں تو سلام کہو اپنے لوگوں پر

مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

نیک دعا ہے اللہ کے یہاں سے برکت والی ستھری یوں کھولتا ہے اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ

تمہارے آگے اپنی باتیں تاکہ تم سمجھ لو

یعنی اپنائیت کے علاقوں میں کھانے کی چیز کو ہر وقت پوچھنا ضروری نہیں۔ نہ کھانے والا حجاب کرے نہ گھر والا دریغ کرے۔ مگر عورت کا گھر اگر اُس کے خاوند کا ہو۔ اُس کی مرضی حاصل کرنی چاہیے اور مل کر کھاؤ یا جدا یعنی اس کی تکرار دل میں نہ رکھے کہ کس نے کم کھایا کس نے زیادہ۔ سب نے مل کر کھایا۔ اور اگر ایک شخص کی مرضی نہ ہو تو پھر کسی کی چیز کھانی ہرگز درست نہیں اور تقید فرمایا سلام کا آپس کی ملاقات میں۔ کیونکہ اس سے بہتر دعا نہیں۔ جو لوگ اس کو چھوڑ کر اور الفاظ گھڑتے ہیں اللہ کی تجویز سے ان کی تجویز بہتر نہیں ہو سکتی۔

(تنبیہ) آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا۔ بعض حضرات کو لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہ کھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ غلو ہے۔ البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول بنی لیث بن بکر کنانی کے متعلق ہوا اس قبیلہ کا ایک شخص تنہا بغیر مہمان کے نہیں کھاتا تھا مہمان ساتھ کھانے کے لئے مل جاتا تو کھانا کھا لیتا ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صبح سے بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی اور کھانا سامنے رکھا رہا مگر اس شخص نے نہیں کھایا، اونٹنیوں کے تھنوں میں دودھ بھرا رہتا مگر وہ تنہا نہ پیتا (اس لئے دودھ دوہتا ہی نہ تھا) جب کوئی مہمان ہم مشرب ہونے کے لئے آجاتا تو پی لیتا۔ دن بھر مہمان کے نہ ملنے اور تنہا نہ کھانے کی وجہ سے بھوکا پیاسا رہتا، آخر جب شام ہو جاتی تو کچھ کھا لیتا۔ یہ بیان قتادہ ضحاک اور ابن جریج کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک ساتھ کھانے سے برکت ہوتی ہے:

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے آ کر کہا یا رسول اللہ ہم کھاتے تو ہیں لیکن آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے جمع ہو کر ایک ساتھ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ تو تمہیں برکت دی جائے گی۔

غلام اپنے آقا کے گھر سے کھا سکتا ہے:

امام ابو حنیفہؒ کا اور امام احمدؒ کے مذہب کا مشہور مقولہ ہے۔ جس کی کنجیاں تمہاری ملکیت میں ہیں اس سے مراد غلام اور داروغے ہیں کہ وہ اپنے آقا کے مال سے حسب ضرورت و دستور کھا پی سکتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سلام کا طریقہ: تحیۃ بطور دعا۔ تحیۃ کے معنی ہی سلام کرنا ہیں۔ اس لئے لفظ تحیۃ۔ سَلِّمُوْا کا مفعول مطلق ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ نے آدم کو اپنی (قائم کردہ) صورت میں پیدا کیا۔ آدم کے قد کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔ بنا چکنے (اور روح پھونکنے) کے بعد فرمایا کہ جاؤ فرشتوں کی جماعت جو بیٹھی ہوئی ہے اس کو سلام کرو۔ اور سنو وہ تم کو کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ جو جواب دیں گے وہی تمہارا اور تمہاری نسل کا جواب (سلام) ہوگا آدم نے جا کر السلام علیکم کہا۔ فرشتوں نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ الخ۔

حضرت ابو امامہ کی مرفوع روایت ہے کہ سب سے زیادہ اللہ سے قرب رکھنے والا وہ شخص ہے جو سلام کی ابتداء کرتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے جو شخص کسی جلسہ میں پہنچے تو سلام کرے۔ پھر اس کا دل بیٹھنے کو چاہے تو بیٹھ جائے۔ پھر (واپسی کے وقت) جب اٹھے تو سلام کرے۔ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ مستحق (ثواب) نہیں ہے۔ رواہ الترمذی وابوداؤد۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا طَيِّبَةً سے مراد ہے اچھی خوبصورت۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میرے کسی اُمتی سے ملو تو اس کو سلام کرو۔ اس سے تمہاری عمر لمبی ہوگی اور جب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو۔ اس سے تمہارے گھر کی خیر بڑھے گی اور چاشت کی نماز پڑھا کرو۔ یہ صلوٰۃ اوابین (اللہ کی طرف لوٹنے والوں کی نماز) ہے۔ اخرجہ البیہقی۔ فی شعب الایمان والعقیلی وحمزۃ بن یوسف الجرجانی فی تاریخ جرجان، اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اسلام (میں) کون سا (عمل) سب سے اچھا ہے۔ فرمایا، یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر شخص کو) سلام کرو۔ خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو، متفق علیہ۔

قتادہ نے کہا اگر تم اپنے گھر میں داخل ہو تو اپنے گھر والوں کو سلام کرو۔ وہ تمہارے سلام کے زیادہ مستحق ہیں اور اگر خالی گھر میں داخل ہو جہاں کوئی نہ ہو تب (بھی سلام کرو اور) یوں کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ، ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں قتادہ کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم باہر جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام کے ساتھ رخصت کرو۔

ترمذی نے حضرت انسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا، بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس (گھر کے اندر) داخل ہو تو ان کو سلام کیا کر تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

خالی گھر پر سلام کا طریقہ:

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو تو یوں کہے "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰه "ہم پر ہمارے رب کی طرف سے سلامتی ہو ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو، گھر والوں پر سلامتی اور اللہ کی رحمت ہو۔

اس آیت کی توضیح میں عمرو بن دینار نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب تو مسجد میں داخل ہو تو یوں کہہ "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ"

مسلمان کے حقوق:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں اگر کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے۔ اگر وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں یہ حاضر ہو۔ اگر وہ دعوت کرے تو یہ دعوت کو قبول کرے۔ ملاقات ہو تو سلام کرے۔ اس کو چھینک آئے تو یہ یرحمک اللہ کہے اور وہ سامنے موجود ہو یا نہ ہو بہر حال اس کی خیر خواہی کرے۔ رواہ النسائی والترمذی۔ اور بزار نے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

محبت کا نسخہ: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ فرمایا، تم جب تک مومن نہ ہو گے جنت میں نہ جاؤ گے اور جب تک آپس میں محبت نہ کرو گے مومن نہ ہو گے، کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتادوں کہ اگر تم اس کو کرو گے تو آپس میں محبت کرنے لگو گے۔ سلام (کے رواج) کو پھیلاؤ۔ رواہ مسلم۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے ہیں اللہ پر اور اُس کے رسول پر

وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا

اور جب ہوتے ہیں اس کیساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے

حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ

جب تک اُس سے اجازت نہ لے لیں جو لوگ تجھ سے اجازت لیتے ہیں

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

وہ ہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ کو اور اُس کے رسول کو

اُوپر کی آیتوں میں آنے کے وقت استیذان (اجازت طلب کرنے) کا ذکر تھا۔ یہاں جانے کے وقت استیذان کی ضرورت بتلائی ہے یعنی پورے ایمان والے وہ ہیں جو رسول کے بُلانے پر حاضر ہوتے ہیں اور جب کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں مثلاً جمعہ، عیدین، جہاد اور مجلس مشاورت وغیرہ میں تو بدون اجازت کے اُٹھ کر نہیں جاتے۔ یہی لوگ ہیں جو کامل اور صحیح معنی میں اللہ اور رسول کو مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: دلائل میں بیہقی نے اور ابن اسحق نے عروہ اور محمد بن کعب قرظی کے حوالہ سے بیان کیا کہ جنگ احزاب کے سال (جب قریش اور غطفان کے قبائل وغیرہ مدینہ پر چڑھ کر آئے تو) قریش نے مدینہ میں چاہ رومہ کے مجمع الاسیال کے مقام پر اپنا پڑاؤ کیا ان کا کمانڈر ابو سفیان تھا اور غطفان (کے قبائل) نے آ کر احد کے ایک طرف نقمین میں قیام کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع مل چکی تھی آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوا دی تھی خود بھی حضور خندق کھودنے میں مصروف عمل تھے اور مسلمان بھی کام میں لگے ہوئے تھے، لیکن منافقوں میں سے کچھ لوگ سستی کر رہے تھے۔ جھوٹ موٹ کام میں شریک تھے اور موقع پاتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و اجازت کے بغیر گھروں کو چپکے سے سرک لیتے تھے پھر کسی مسلمان کو کوئی حادثہ درپیش ہو جاتا جس سے وہ مجبور ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کر دیتا۔ اور اجازت لے کر جاتا تھا۔ اجازت ملنے پر ضرورت پوری کر کے فوراً واپس آ جاتا تھا اس پر یہ آیات ذیل آخر سورۃ تک نازل ہوئیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ

پھر جب اجازت مانگیں تجھ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دے جس کو

وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

ان میں سے تو چاہے اور معافی مانگ اُن کے واسطے اللہ سے اللہ بخشنے والا مہربان ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں اجازت دیں:

یعنی غور و فکر کے بعد جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیں۔ اور چونکہ اس اجازت پر عمل کرنا بھی فی الجملہ صحبت نبوی سے حرمان اور صورۃ تقدیم الدنیا علی الدین کا شائبہ اپنے اندر رکھتا ہے اس لئے اُن مخلصین کے حق میں استغفار فرمائیں تا آپ کے استغفار کی برکت سے اس نقص کا تدارک ہو سکے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَنْ شِئْتَ یعنی ہر طلب گار اذن کو اجازت دے دینا رسول پر لازم نہیں ورنہ اجازت طلب کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے، اجازت کی درخواست تو ہر ایک کر سکتا تھا۔ لِمَنْ شِئْتَ کی قید سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ بعض احکام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر موقوف ہیں اور اسی طرح خلیفۂ وقت (کے امتیازی اختیار) کو ان میں دخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اجتماعی کاموں سے رخصت کا طریقہ:

مجاہد نے کہا جمعہ کے دن (خطبہ کے وقت) امام کی طرف سے ہاتھ سے اشارہ کر دینا ہی اذن ہے اہل علم کہتے ہیں، مسلمانوں کے ہر اجتماعی کام کا یہی

ہے۔ جب امام کے ساتھ مسلمان کسی اجتماعی کام کے لئے جمع ہوں تو بغیر اجازت امام کے جماعت کو چھوڑ کر نہ جائیں اور امام کو اختیار ہے۔ جب کوئی جانے کے لئے اجازت مانگے تو جس کو چاہے اجازت دے اور جس کو نہ چاہے نہ دے۔ اجازت طلب کرنے اور اجازت دینے نہ دینے کی تفصیل اس وقت ہے جب ٹھہرے رہنے سے کوئی اضطراری سبب مانع نہ ہو۔ اگر اضطراری سبب پیدا ہو گیا تو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مثلاً مسجد میں کسی عورت کو حیض شروع ہو گیا یا کوئی جنبی ہو گیا یا کسی کو کوئی (شدید) مرض لاحق ہو گیا۔ ایسے حالات میں اجازت طلب کرنا لازم نہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابوداؤد وغیرہ میں ہے جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں جائے تو اہل مجلس کو سلام کر لیا کرے اور جب وہاں سے آنا چاہے تو بھی سلام کر لیا کرے۔ آخر دفعہ کا سلام پہلی مرتبہ کے سلام سے کچھ کم نہیں ہے۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام صاحب نے اسے حسن فرمایا ہے۔

مقاتل بن حیانؒ فرماتے ہیں، جمعہ کے دن خطبے میں بیٹھا رہنا منافقوں پر بہت بھاری پڑتا تھا اور مسجد میں آ جانے اور خطبہ شروع ہو جانے کے بعد کوئی شخص بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے نہیں جا سکتا تھا جب کسی کو کوئی ایسی ہی ضرورت ہوتی تو اشارے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دے دیتے اس لئے کہ خطبے کی حالت میں بولنے سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے تو یہ منافق آڑ ہی آڑ میں نظریں بچا کر سرک جاتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا تَجۡعَلُوۡا دُعَآءَ الرَّسُوۡلِ بَيۡنَكُمۡ كَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا

مت کر لو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طلب فرمانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے

یعنی حضرت کے بلانے پر حاضر ہونا فرض ہو جاتا ہے۔ آپ کا بلانا اوروں کی طرح نہیں کہ چاہے اس پر لبیک کہے یا نہ کہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر نہ ہو تو آپ کی بددعا سے ڈرنا چاہیے کیونکہ آپ کی دعا معمولی لوگوں جیسی نہیں۔ نیز مخاطبت میں حضور کے ادب و عظمت کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ عام لوگوں کی طرح "یا محمد" وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کیا جائے بلکہ یا نبی اللہ اور یا رسول اللہ جیسے تعظیمی القاب سے پکارنا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "حضرت کے بلانے سے فرض ہوتا تھا حاضر ہونا جس کام کو بلائیں۔ پھر یہ بھی تھا کہ وہاں سے بے اجازت اٹھ کر چلے نہ جائیں۔ اب بھی سب مسلمانوں کو اپنے سرداروں کے ساتھ یہ برتاؤ کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

دیہاتیوں کی اصلاح:

ابو نعیم نے الدلائل میں ضحاک کی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ (دیہاتی اعرابی لوگ) یا محمد یا ابا القاسم کہتے تھے۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس حکم کے بعد وہ لوگ یا نبی اللہ یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کرنے لگے۔

فائدہ: یہ تشریح آیت کے سیاق و سباق سے مناسب نہیں ہے کیونکہ پچھلا کلام تو اجازت طلب کرنے نہ کرنے کے سلسلے میں تھا (اور یہاں رسول کو پکارنے اور بلانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ دونوں کلاموں میں کوئی ربط نہیں) اس کے علاوہ نفس عبارت بھی اس مطلب سے انکار کرتی ہے کیونکہ کَدُعَآءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا مشبہ بہ ہے اور اس میں لفظ بعض (اول) فاعل ہے دعاء کی اس کی طرف اضافت ہے۔ کیونکہ بعضاً منصوب ہے اس لئے یقینی طور پر مفعول ہے پس عبارت کا تقاضا ہے کہ دعاء الرسول (مشبہ) میں بھی دعاء کی اضافت فاعل کی طرف ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے ڈرتے رہو:

بغوی نے بحوالہ حضرت ابن عباسؓ اس آیت کا (تشریحی) مطلب ان الفاظ میں بیان کیا (تم اللہ کے رسول کو ناراض نہ کرو) تم کو ان کی بددعا سے ڈرتے رہنا چاہیے، ان کی بددعا موجب (عذاب) ہے، دوسروں کی بددعا کی طرح نہیں ہے۔

یہودیوں کی گستاخیاں:

بخاری نے صحیح میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ یہودی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور کہا السام علیک (تم پر ہلاکت ہو، تم کو موت آ جائے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وعلیکم (اور تم پر بھی) حضرت عائشہؓ نے فرمایا، السام علیکم و لعنۃ اللہ وغضب علیکم (تم کو موت آئے تم پر اللہ کی لعنت ہو اور غضب ٹوٹے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عائشہ! نرمی کرو۔ نرم کلام اختیار کرو، سخت کلامی اور بیہودہ بات کہنے سے پرہیز رکھو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، کیا آپ نے نہیں سنا کہ انہوں نے کیا کہا تھا۔ فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ میں نے ان کو کیا جواب (لوٹا کر) دیا تھا۔ میری دعا ان کے بارے میں قبول ہو جائے گی۔ اور ان کی دعا میرے بارے میں قبول نہ ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے خصوصا اور عام معاشرت کے بعض آداب و احکام

آیات مذکورہ میں دو حکم دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کسی دینی جہاد وغیرہ کے لئے جمع کریں تو مقتضائے ایمان یہ ہے کہ سب جمع ہو جائیں اور پھر آپ کی مجلس سے بغیر آپ کی اجازت کے نہ

جائیں۔ کوئی ضرورت پیش آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت حاصل کر لیں اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہے کہ کوئی خاص حرج اور ضرورت نہ ہو تو اجازت دے دیا کریں اسی ضمن میں ان منافقین کی مذمت ہے جو اس تقاضائے ایمان کے خلاف بدنامی سے بچنے کے لئے حاضر تو ہو جاتے ہیں مگر پھر کسی کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب وہ روشن ہوئی، پتنگوں پروانوں کا اجتماع ہو گیا اور وہ ادھر ادھر اس میں گرنے لگے اب یہ انہیں ہر چند روک رہا ہے لیکن وہ ہیں کہ شوق سے اس میں گرے جاتے ہیں اور اس شخص کے روکنے سے نہیں رکتے۔ یہی حالت میری اور تمہاری ہے کہ تم آگ میں گرنا چاہتے ہو اور میں تمہاری کمریں بھر بھر کر تمہیں اس سے روک رہا ہوں کہ آگ میں نہ گھسو آگ سے بچو لیکن تم میری نہیں مانتے اور اس آگ میں گھسے چلے جا رہے ہو۔ یہ حدیث بخاری مسلم میں بھی ہے۔ (ابن کثیر)

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ
اللہ جانتا ہے ان لوگوں کو تم میں سے جو کھسک جاتے ہیں آنکھ بچا کر

منافقین کی گستاخیاں: یہ منافقین تھے جن کو مجلس نبوی میں بیٹھنا اور پند و نصیحت سننا شاق گزرتا تھا، دوسروں کی آڑ میں موقع پا کر اور آنکھ بچا کر مجلس سے بلا اجازت نکل جاتے، یہ بھی اس کی آڑ میں ہو کر ساتھ ساتھ چل دیئے اس کو فرمایا کہ تم پیغمبر سے چھپتے ہو، خدا تعالیٰ کو تمہارا سب کا حال معلوم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ
سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا اس سے کہ پڑے
فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾
ان پر کچھ خرابی یا پہنچے ان کو عذاب دردناک

نافرمانوں کو عذاب سے ڈرنا چاہئے:

یعنی اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان کے دلوں میں کفر و نفاق وغیرہ کا فتنہ ہمیشہ کے لئے جڑ نہ پکڑ جائے۔ اور اس طرح دنیا کی سخت آفت یا آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ العیاذ باللہ

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ
سنتے ہو اللہ ہی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں اس کو معلوم ہے
مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا
جس حال پر تم ہو اور جس دن پھیرے جائیں گے اس کی طرف تو بتائے گا
عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾
ان کو جو انہوں نے کیا اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے

اللہ تعالیٰ سے کوئی کام چھپ نہیں سکتا:

یعنی ممکن ہے مخلوق سے آنکھ بچا کر کوئی کام کر گزرو، لیکن حق تعالیٰ سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں رہ سکتا نہ اس کی زمین و آسمان میں سے نکل کر کہیں بھاگ سکتے ہو۔ وہ جس طرح تمہارے احوال موجودہ سے باخبر ہے ایسے ہی اس دن کی کیفیت مجازات سے بھی پورا آگاہ ہے جب تمام مخلوق حساب و کتاب کے لئے اس کی طرف لوٹائی جائے گی اور ہر ایک کے سامنے اس کا ذرہ ذرہ عمل کھول کر رکھ دیا جائے گا۔ ایسے علیم الکل اور مالک الکل کی سزا سے مجرم کس طرح اپنے کو بچا سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ:

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں کو بالاخانوں پر نہ رکھو اور ان کو لکھنا نہ سکھاؤ (بلکہ) ان کو چرخہ کاتنا اور سورت نور کی تعلیم دو۔ اللہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے سچ فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

تم سورۃ النور بفضل اللّٰہ وتوفیقہ، اللّٰھم نوّر قلوبنا بالایمان والاحسان ونوّر قبورنا واتمم لنا نورنا واغفرلنا انک علی کل شیٔ قدیر وبالاجابۃ جدیر

الحمد للہ سورۃ النور ختم ہوئی

سورة الفرقان

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ حق کو پسند کرے گا اور باطل اس کو ناگوار ہوگا۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ فرقان مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ

بڑی برکت ہے اس کی جس نے اُتاری فیصلہ کی کتاب

حق وباطل کا فیصلہ کرنے والی کتاب:

"فرقان" (فیصلہ کی کتاب) قرآن کریم کو فرمایا جو حق وباطل کا آخری فیصلہ اور حرام وحلال کو کھلے طور پر ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے یہی کتاب ہے جس نے اپنے اتارنے والے کی عظمت شان، علوصفات اور اعلیٰ درجہ کی حکمت ورافت کو انتہائی شکل میں پیش کیا اور تمام جہان کی ہدایت واصلاح کا تکفل اور اُن کو خیر کثیر اور غیر منقطع برکت عطا کرنے کا سامان بہم پہنچایا۔ (تفسیر عثمانی)

تبارک "بڑی خیر والا ہے۔

قرآن کی قرأتیں:

امام مالک، امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کا بیان نقل کیا ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں میں نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان پڑھتے سنا اور کان لگا کر سنا تو محسوس کیا کہ ہشام ان کثیر الفاظ پر سورۂ فرقان پڑھ رہے ہیں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہیں پڑھایا تھا (کثیر الفاظ سے غالباً مراد، الفاظ کے ادا کرنے کی کیفیت ہے جیسے امالہ اشمام وغیرہ) قریب تھا کہ نماز ہی میں میں ان پر جھپٹ پڑوں لیکن میں رکا رہا، جب انہوں نے سلام پھیر دیا تو فوراً جا کر ان کا گریبان پکڑ لیا اور دریافت کیا یہ سورت جو تم پڑھ رہے تھے تم کو کس نے پڑھائی تھی۔ ہشام نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ میں نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قراءت کے خلاف پڑھائی تھی جو تم نے پڑھی۔

غرض میں ہشام کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور عرض کیا میں نے ان کو سورۂ فرقان ان طریقوں سے پڑھتے نہیں سنا جن کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ سورۃ پڑھائی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہشام سے فرمایا، ہشام پڑھو، ہشام نے جس طریقے سے پہلے پڑھا تھا اسی طریقے سے پڑھ کر سنا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی طرح ہے یونہی نازل کی گئی، پھر مجھ سے فرمایا تم پڑھو۔ حسب الحکم میں نے اس طریقے سے یہ سورت پڑھی جس طریقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی تھی، فرمایا، یہ اسی طرح نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں (لہجوں یا طرق ادا وغیرہ) پر نازل ہوا ہے تم کو جو طریقہ سہل معلوم ہو اس طریقہ سے پڑھو۔ (مؤلف) (تفسیر مظہری)

تبارک کا استعمال صرف اللہ کے لئے مخصوص ہے یہ لفظ برکت سے بنایا گیا ہے، برکت کا معنی ہے کثرت خیر یعنی اس کی خیر کثیر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، یعنی ہر خیر اسی کی طرف سے آتی ہے۔

برکت کا مطلب: تبارک، برکت سے مشتق ہے۔ برکت کے معنے خیر کی کثرت کے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ ہر خیر وبرکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

قرآن کو فرقان کیوں فرمایا:

فرقان، قرآن کریم کا لقب ہے لغوی معنے اس کے تمیز اور فرق کرنے کے ہیں۔ قرآن چونکہ اپنے واضح ارشادات کے ذریعہ حق وباطل میں تمیز اور فرق بتلاتا ہے اور معجزہ کے ذریعہ اہلِ حق واہلِ باطل میں امتیاز کر دیتا ہے اس لئے اس کو فرقان کہا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلٰى عَبْدِهٖ

اپنے بندہ پر

کامل واکمل بندہ: یعنی اپنے اس کامل واکمل بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر جن کا ممتاز لقب ہی کمال عبودیت کی وجہ سے "عبداللہ" ہو گیا۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ۔

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ

تاکہ رہے جہان والوں کے لئے ڈرانے والا

قرآن کا پیغام عالمگیر ہے:

یعنی قرآن کریم سارے جہان کو کفر وعصیان کے انجام بد سے آگاہ کرنے والا ہے۔ چونکہ سورت ہذا میں مکذبین ومعاندین کا ذکر بکثرت ہوا ہے، شاید اسی لئے یہاں صفت "نذیر" کو بیان فرمایا۔ "بشیر" کا ذکر نہیں کیا۔ اور

"للعالمین" کے لفظ سے بتلا دیا کہ یہ قرآن صرف عرب کے اُمیوں کے لئے نہیں اُترا بلکہ تمام جن وانس کی ہدایت واصلاح کے واسطے آیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

للعلمین، اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت سارے عالم کے لئے ہے بخلاف پچھلے انبیاء کے کہ اُن کی نبوت و رسالت کسی مخصوص جماعت یا مخصوص مقام کے لئے ہوتی تھی۔ صحیح مسلم کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے چھ خصوصی فضائل کا ذکر فرمایا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی بعثت سارے جہان کے لئے عام ہے۔ (معارف مفتی معظم)

الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وہ کہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین میں
وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ
اور نہیں پکڑا اس نے بیٹا اور نہیں کوئی اس کا ساجھی
فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝
سلطنت میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اس کو ماپ کر

تخلیق ربانی کا اعجاز:

یعنی ہر چیز کو ایک خاص اندازہ میں رکھا کہ اُس سے وہی خواص و افعال ظاہر ہوتے ہیں جن کے لئے پیدا کی گئی ہے اپنے دائرہ سے باہر قدم نہیں نکال سکتی نہ اپنی حدود میں عمل وتصرف کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ غرض ہر چیز کو ایسا ناپ تول کر پیدا فرمایا کہ اس کی فطری موزونیت کے لحاظ سے ذرا کمی بیشی یا انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بڑے بڑے سائنس داں حکمت کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں اور آخر کار اُن کو یہی کہنا پڑتا ہے صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِىْ اَتْقَنَ كُلَّ شَىْءٍ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (تفسیر حقانی)

حکومت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں ہے:

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا اور اس نے (اپنے لئے) کوئی بیٹا نہیں اختیار کیا (جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے کہ مسیح صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا بیٹا تھا)

وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ اور اسی نے ہر چیز پیدا کی۔ یعنی ایک خاص اندازے کے ماتحت ہر چیز کو نیستی سے ہستی میں لایا۔ مثلاً، انسان کو خاص مادہ سے مخصوص معین شکل دے کر پیدا کیا۔

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا۔

یعنی اس کو ٹھیک بنایا، جو خواص و افعال اس میں پیدا کرنا مقصود تھا اس کے مطابق اس چیز میں تخلیقی صلاحیت پیدا کردی۔ جیسے انسان میں فہم وادراک غور وفکر تدبیر، نوع درنوع صنعتوں کے اختراع اور گونا گوں افعال واعمال پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا کردی۔

بعض علماء نے قدّر کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے ہر چیز کے لئے مدتِ زندگی، عمل اور رزق پہلے سے ہی مقدر کردیا۔ اب (اس دنیا میں آکر) یہ تینوں چیزیں تخلیق کے مطابق ہوتی ہیں۔ (اللہ کے اندازہ تخلیقی کے خلاف نہیں ہوسکتیں۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا، تخلیق کے بعد تقدیر کا ذکر فرمایا گیا۔ تخلیق کے معنی تو اتنے ہیں کہ بغیر کسی سابق مادہ وغیرہ کے ایک چیز کو عدم سے وجود میں لایا جائے وہ کیسی بھی ہو۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ اور نہ حکومت میں کوئی اس کا ساجھی ہے جیسا کہ مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے کہتے ہیں (مجوسی اور ثنویہ فرقہ والے دو خالق مانتے ہیں۔ ایک خیر اور بھلائی کا خالق، دوسرا شر اور بُرائی کا خالق۔ مجوسی اول خالق کو یزداں اور دوسرے کو (اہرمن کہتے ہیں)۔ اس آیت میں اللہ نے اپنے لئے اقتدار مطلق ہونے کا اظہار فرمایا اور اس کی دلیل پر آئندہ آیت میں تنبیہ فرمائی۔

مخلوقات میں سے ہر ایک چیز میں خاص خاص حکمتیں:

اور تقدیر کا مفہوم یہ ہے کہ جس چیز کو بھی پیدا فرمایا اس کے اجزاء کی ساخت اور شکل وصورت اور آثار وخواص بڑی حکمت کے ساتھ اُس کام کے مناسب پیدا کئے جس کام کے لئے اس چیز کو پیدا کیا گیا ہے آسمان کی ساخت اس کے اجزاء ترکیبی اور ہیئت اُس کام کے مناسب ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آسمان بنایا ہے۔ سیاروں اور ستاروں کی تخلیق میں وہ چیزیں رکھی گئیں جو اُن کے منشاء وجود کے مناسب ہیں۔ زمین اور اس کے پیٹ میں پیدا ہونے والی ہر چیز جس پر نظر ڈالو ہر ایک کی ساخت، شکل و صورت، نرمی، سختی اس کام کے مناسب بنائی گئی ہے جس کام کے لئے قدرت نے اس کو پیدا کیا ہے۔ زمین کو نہ اتنا رقیق، وہ پانی کی طرح بنایا کہ جو کچھ اس پر رکھا جائے وہ اس کے اندر ڈوب جائے، نہ، تنا سخت پتھر اور لوہے کی طرح بنایا کہ اس کو کھود نہ سکیں کیونکہ اس سے یہی ضرورتیں متعلق تھیں کہ اس کو کھود کر پانی بھی نکالا جاسکے۔ اس میں بنیادیں کھود کر بڑی اُونچی عمارتیں اس پر کھڑی کی جاسکیں۔ پانی کو سیال بنایا جس میں ہزاروں حکمتیں ہیں۔ ہوا بھی سیال ہی ہے مگر پانی سے مختلف، پانی ہر جگہ خود بخود نہیں پہنچتا اس میں انسان کو کچھ محنت بھی کرنا پڑتی ہے ہوا کو قدرت نے اپنا جبری انعام بنایا کہ وہ بغیر کسی محنت وعمل کے ہر جگہ پہنچ جاتی ہے بلکہ کوئی شخص ہوا سے بچنا چاہے تو اس کو اس کے لئے بڑی محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ جگہ مخلوقات الٰہیہ کی حکمتوں کی تفصیل بیان کرنے کی نہیں۔ یک ایک مخلوق کو دیکھو ان میں سے

ہر ایک قدرت وحکمت کا شاہکار ہے۔ امام غزالی نے اپنی ایک مستقل کتاب اس موضوع پر لکھی ہے بنام الحکمۃ فی مخلوقات اللہ تعالیٰ۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا
اور لوگوں نے پکڑ رکھے ہیں اُس سے ورے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز
وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ
اور وہ خود بنائے گئے ہیں اور نہیں مالک اپنے حق میں
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا
برے کا نہ بھلے کا اور نہیں مالک مرنے کے نہ جینے کے نہ جی اٹھنے کے

ظلم وحماقت کی انتہاء:

یعنی کس قدر ظلم اور تعجب وحیرت کا مقام ہے کہ ایسے قادر مطلق، مالک کل حکیم علی الاطلاق کی زبردست ہستی کو کافی نہ سمجھ کر دوسرے معبود اور حاکم تجویز کر لیے گئے۔ جو گویا خدا کی حکومت میں حصہ دار ہیں۔ حالانکہ اُن بیچاروں کا خود اپنا وجود بھی اپنے ہاتھ کا نہیں نہ وہ ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ مارنا جلانا اُن کے قبضہ میں ہے۔ نہ اپنے مستقل اختیار سے کسی کو ادنیٰ ترین نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ بلکہ خود اپنی ذات کے لئے بھی ذرہ برابر فائدہ حاصل کرنے یا نقصان سے محفوظ رہنے کی قدرت نہیں رکھتے ایسی عاجز ومجبور ہستیوں کو خدا کا شریک ٹھہرانا کس قدر سفاہت اور بے حیائی ہے۔ (ربط) یہ تو قرآن نازل کرنے والے کی صفات وشئون کا ذکر تھا اور اس کے متعلق شرکین جو بے تمیزی کر رہے تھے اُس کی تردید تھی۔ آگے خود قرآن اور حامل قرآن کی نسبت سفیہانہ نکتہ چینیوں کا جواب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے معبودوں کی عاجزی:

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا جو نہ کسی جوہر کو پیدا کرتے نہ عرض و نہ عمل وفعل کو نہ حالت کو۔ جو ممکن خود مستقل بالذات ہو اپنے وجود خارجی میں دوسرے کا محتاج نہ ہو اس کو جوہر کہتے ہیں جیسے تمام اجسام اور جو وجود خارجی میں اور دوسرے کا محتاج ہو تو اس کو عرض کہتے ہیں جیسے سیاہی کہ رنگ جسم کی محتاج ہے۔

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اور وہ پیدا کئے جاتے ہیں، وہ مخلوق ہیں۔ اللہ سب کا خالق ہے۔ عبارت کے الفاظ ومعانی میں عموم ہے تمام باطل معبودوں کو یہ لفظ شامل ہے لیکن مراد صرف بت ہیں

نفع ونقصان پر قادر نہ ہونا صرف بتوں ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ عالی مرتبہ پیغمبر جیسے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور تمام فرشتے بھی عاجز ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء

وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا اور نہ وہ قدرت رکھتے ہیں موت پر نہ زندگی پر نہ (دوبارہ) اٹھنے پر یعنی ان میں قدرت نہیں کہ کسی پر موت کو مسلط کر سکیں یا کسی کو (ابتداء) زندگی دے سکیں یا (مرنے کے بعد) دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکیں۔ اور یہ تمام امور الوہیت کے لوازم ہیں جس کے اندر یہ لوازم نہیں وہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سزا وجزا دے سکے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ
اور کہنے لگے جو منکر ہیں اور کچھ نہیں یہ مگر طوفان باندھ لایا ہے
وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ
اور ساتھ دیا ہے اُس کا اُس میں اور لوگوں نے

کافروں کی بے سروپا باتیں:

یعنی یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے معاذ اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند یہودیوں کی مدد سے ایک کلام تیار کر لیا اور اس کو جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر دیا۔ چنانچہ ان کے ساتھی بھی اس کی اشاعت کرنے لگے بس کل حقیقت اتنی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انکارِ نبوت کفر ہے:

صراحت سے ساتھ کفروا کہنے میں اس امر پر تنبیہ ہے۔ کہ توحید کی طرح انکار نبوت بھی کفر ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباس کی روایت سے قبیلہ عبدالقیس کے وفد کے قصہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان لانے کے معنی کیا ہیں؟ اہل وفد نے کہا، اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بخوبی واقف ہے۔ فرمایا (معنی توحید کو) ماننا یہ ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ کی شہادت دو۔

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ مجاہد نے کہا قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ سے ان کی مراد تھی یہودیوں کی ایک جماعت۔ حسن نے کہا ایک حبشی (غلام) مراد تھا جس کا نام عبید بن الحضر تھا۔ یہ کاہن تھا۔ بعض نے کہا مکہ میں چند غلام تھے جن کے نام تھے، جبیر، یسار، عداس۔ یہ لوگ کتابی تھے، قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ سے یہی لوگ مراد تھے۔ مشرکوں کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ہی قرآن سیکھ لیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚ
سو آگئے بے انصافی اور جھوٹ پر

قرآن کی صداقت کو جھٹلانا سب سے بڑا ظلم ہے:

یعنی اس سے بڑھ کر ظلم اور جھوٹ کیا ہوگا کہ ایسے کلام معجز اور کتاب حکیم کو جس کی عظمت و صداقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کذب و افتراء کہا جائے۔ کیا چند یہودی غلاموں کی مدد سے ایسا کلام بنایا جا سکتا ہے جس کے مقابلہ سے تمام دنیا کے فصیح و بلیغ عالم و حکیم بلکہ جن و انس ہمیشہ کے لئے عاجز رہ جائیں۔ اور جس کے علوم و معارف کی تھوڑی سی جھلک بڑے بڑے عالی دماغ عقلاء و حکماء کی آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا
اور کہنے لگے یہ نقلیں ہیں پہلوں کی جن کو اس نے لکھ رکھا ہے
فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝
سو وہی لکھوائی جاتی ہیں اس کے پاس صبح اور شام

کافروں کی کور مغزی:

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے کچھ قصے کہانیاں سن کر نوٹ کر لی ہیں یا کسی سے نوٹ کرالی ہیں۔ وہ ہی شب و روز ان کے سامنے پڑھی پڑھی جاتی ہیں۔ نئے نئے اسلوب سے ان ہی کا الٹ پھیر رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اول نماز کے دو وقت مقرر تھے صبح و شام۔ مسلمان حضرت کے پاس جمع ہوتے جو نیا قرآن اترا ہوتا لکھ لیتے یاد کرنے کو۔ اس کو کافر یوں کہنے لگے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
تو کہہ اس کو اتارا ہے اس نے جو جانتا ہے چھپے ہوئے بھید آسمانوں میں اور زمین میں

قرآن تو علیم و خبیر کا اتارا ہوا ہے:

یعنی کتاب خود بتلا رہی ہے کہ وہ کسی ایک انسان یا کمیٹی کی بنائی ہوئی نہیں۔ بلکہ اس خدا کی اتاری ہوئی ہے جس کے احاطۂ علمی سے زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں ہو سکتی۔ اس کلام کی معجزانہ فصاحت و بلاغت، علوم و معارف، اخبار غیبیہ احکام و قوانین اور وہ اسرار مکنونہ جن کی تہ تک بدوں توفیق الٰہی کے عقول و افہام کی رسائی نہیں ہو سکتی صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ کسی محدود علم والے آدمی یا سازشی جماعت کا کلام نہیں۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝
بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

اللہ کی بخشش و مہربانی:

یعنی اپنی بخشش اور مہر سے ہی یہ قرآن اتارا، موضح القرآن۔ پھر جو لوگ ایسی روشن حقیقت کے منکر ہیں باوجود ان کے جرائم کا تفصیلی علم رکھنے کے فوراً سزا نہیں دیتا۔ یہ بھی اس کی بخشش اور مہر ہی کا پرتو ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ
اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کھاتا ہے کھانا
وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ
اور پھرتا ہے بازاروں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کافروں کی چہ میگوئیاں:

یعنی جب ہماری طرح کھانا کھائے اور ہماری طرح خرید و فروخت کے لئے بازاروں میں جائے تو ہم میں اس میں فرق کیا رہا۔ اگر واقعی رسول تھا تو چاہئے تھا کہ فرشتوں کی طرح کھانے پینے اور طلب معاش کے بکھیڑوں سے فارغ ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے، کافر کہتے تھے تم فرشتہ نہیں ہو۔ فرشتہ کھاتا پیتا نہیں اور تم کھاتے پیتے ہو۔ اور تم بادشاہ بھی نہیں ہو۔ بادشاہ بازاروں میں نہیں گھومتا پھرتا اور تم گھومتے پھرتے ہو۔

کافروں کی باتیں بے بنیاد ہیں:

میں کہتا ہوں یہ بات غلط ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نہ کبھی فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور نہ بادشاہ ہونے کا (پھر کافر اس کی تردید ہی کیوں کرتے) بلکہ آپ نے تو فرمایا تھا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر) میرے پاس وحی آتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نبوت کا دعویٰ کھانا کھانے اور بازاروں میں چلنے پھرنے کے منافی نہیں ہے۔ یہ چیزیں تو مقتضائے بشریت ہیں اور بشریت نبوت کے لئے لازم ہے، افادہ اور استفادہ کے لئے ہم جنس ہونا ضروری ہے۔ اللہ نے فرمایا اگر زمین پر ملائکہ (آباد) ہوتے، اطمینان کے ساتھ زمین پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتہ ہی رسول اتارتے (انسانوں کے لئے انسان ہی پیغمبر ہونا چاہیے)۔ (تفسیر مظہری)

لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝
کیوں نہ اترا اس کی طرف کوئی فرشتہ کہ رہتا اس کے ساتھ ڈرانے کو
اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا
یا آ پڑتا اس کے پاس خزانہ یا ہو جاتا اس کے لئے ایک باغ کہ کھایا کرتا اس میں سے

کافروں کا ایک بیوقوفانہ خیال:

یعنی اگر فرشتوں کی فوج نہیں تو کم از کم خدا کا ایک آدھ فرشتہ ان کو سچا ثابت کرنے اور رعب جمانے کے لئے ساتھ رہتا جسے دیکھ کر خواہ مخواہ لوگوں کو جھکنا پڑتا۔ یہ کیا کہ کسمپرسی کی حالت میں اکیلے دعوے کرتے پھر رہے ہیں۔ یا اگر فرشتے بھی ہمراہ نہ ہوں تو کم از کم آسمان سے سونے چاندی کا کوئی غیبی خزانہ مل جاتا کہ لوگوں کو بے دریغ مال خرچ کر کے ہی اپنی طرف کھینچ لیا کرتے۔ اور خیر یہ بھی نہ سہی معمولی رئیسوں اور زمینداروں کی طرح انگور کھجور وغیرہ کا ایک باغ تو ان کی ملک میں ہوتا جس سے دوسروں کو نہ دیتے تو کم از کم خود بے فکری سے کھایا پیا کرتے جب اتنا بھی نہیں تو کس طرح یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے عہدہ جلیلہ پر معاذ اللہ ایک معمولی حیثیت کے آدمی کو مامور کیا ہے۔

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾
اور کہنے لگے بے انصاف تم پیروی کرتے ہو اس ایک مرد جادو مارے کی

یعنی میاں کی یہ پوزیشن اور اتنے اونچے دعوے؟ بجز اس کے کیا کہا جائے کہ عقل کھوئی گئی ہے یا کسی نے جادو کے زور سے دماغ مختل کر دیا ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا
دیکھ کیسی بٹھاتے ہیں تجھ پر مثلیں سو بہک گئے
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾
اب پا نہیں سکتے راہ

دیکھو! کافروں کی گمراہیاں:

یعنی کبھی کہتے ہیں کہ ان کی باتیں محض مفتریات ہیں کبھی دعوے کرتے ہیں کہ نہیں دوسروں سے سیکھ کر اپنے سانچے میں ڈھال لی ہیں۔ کبھی آپ کو مسحور بتلاتے ہیں کبھی ساحر، کبھی کاہن کبھی شاعر کبھی مجنون۔ یہ اضطراب خود بتلاتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز آپ پر منطبق نہیں ہوتی۔ اسی سے کسی ایک بات پر قرار نہیں۔ اور الزام لگانے کا کوئی راستہ بھی سمجھ نہیں آتا۔ جو لوگ انبیاء کی جناب میں اس طرح کی گستاخیاں کر کے گمراہ ہوتے ہیں ان کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا
بڑی برکت ہے اس کی جو چاہے تو کر دے تیرے واسطے اس سے بہتر
مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ
باغ کہ نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں
وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾
اور کر دے تیرے واسطے محل

اللہ سب کچھ پر قادر ہے مگر منکر ازلی محروم ہیں:

یعنی اللہ کے خزانہ میں کیا کمی ہے۔ وہ چاہے تو ایک باغ کیا بہت سے باغ اس سے بہتر عنایت فرما دے جس کا یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ اس کو قدرت ہے کہ آخرت میں جو باغ اور نہریں اور حور و قصور ملنے والے ہیں وہ سب آپ کو ابھی دنیا میں عطا کر دے لیکن حکمت الٰہی بالفعل اس کو مقتضی نہیں۔ اور معاندین کے سارے مطالبات اور فرمائشیں بھی اگر پوری کر دی جائیں تب بھی یہ حق و صداقت کو قبول کرنے والے نہیں ہیں۔ باقی پیغمبر علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنے کے لئے جو دلائل و معجزات پیش کئے جا چکے وہ کافی سے زیادہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے نیز ابن ابی شیبہ نے مصنف میں حضرت خیثمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو زمین کے خزانے اور خزانوں کی کنجیاں عطا کر دیں اور اس سے آپ کے اس اجر میں کمی نہ ہو گی جو قیامت کے دن ہمارے پاس سے آپ کو ملے گا اور اگر آپ چاہیں تو اس (نعمت) کو بھی ہم آخرت (کی نعمتوں) کے ساتھ جمع کر دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نہیں (میں یہاں لینا نہیں چاہتا) میرے لئے آخرت میں دونوں (نعمتوں) کو جمع کر لیا جائے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول اس طرح نقل کیا ہے اگر وہ چاہے تو اس سے یعنی بازاروں میں گھومنے اور معاش کی تلاش میں پھرنے سے بہتر عنایت کر دے۔

قصورا مضبوط مکان۔ عرب ہر پختہ مکان کو قصر کہتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فقر پسندی۔

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے وادی مکہ کو میرے لئے سونا بنا دینے کی مجھ سے پیش کش کی میں نے عرض کیا نہیں میرے رب۔ میں تو ایک دن سیر شکم ہوں اور ایک دن بھوکا

رہوں (یہی مجھے پسند ہے) جب میں بھوکا ہوں تو تیرے سامنے زاری کروں اور سیر شکم ہوں تو تیری تعریف اور شکر کروں۔

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں چاہتا تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلتے، ایک فرشتہ جس کی کمر کعبے کے برابر تھی میرے پاس آیا اور اس نے کہا آپ کا رب آپ کو سلام فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو نبی (اور) بندہ (غلام) رہیں اور اگر چاہیں تو نبی (اور) بادشاہ ہو جائیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ اپنے آپ کو نچلا رکھو۔ میں نے کہا میں نبی اور بندہ (غلام) رہنا چاہتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتے تھے اور فرماتے تھے میں غلاموں کی طرح کھاتا ہوں اور غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ

بلکہ یہ لوگ جھٹلاتے ہیں قیامت کو اور ہم نے تیار کی ہے اس کے واسطے

بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا

جھٹلاتا ہے قیامت کو آگ

کافروں کا اصل مقصد شرارت ہے:

یعنی یہ لوگ جن چیزوں کا مطالبہ کر رہے ہیں، فی الحقیقت طلب حق کی نیت نہیں۔ محض شرارت اور تنگ کرنے کے لئے ہے۔ اور شرارت کا سبب یہ ہے کہ انہیں ابھی تک قیامت اور سزا و جزاء پر یقین نہیں آیا۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے جھٹلانے سے کچھ نہیں بنتا، قیامت آ کر رہے گی اور ان مکذبین کے لئے آگ کا جو جیل خانہ تیار کیا گیا ہے اس میں ضرور رہنا پڑے گا۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا

جب وہ دیکھے گی ان کو دور کی جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا

شرارت پسندوں کا عذاب:

یعنی دوزخ کی آگ محشر میں جہنمیوں کو دور سے دیکھ کر جوش میں بھر جائے گی اور اس کی غضبناک آوازوں اور خوفناک چنگھاڑوں سے بڑے بڑے دلیروں کے پتے پانی ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرا نام لے کر میرے ذمے وہ بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو اور جو شخص اپنے ماں باپ کے سوا دوسروں کو اپنا ماں باپ کہے اور جو غلام اپنے آقا کے سوا اور کی طرف اپنی غلامی کی نسبت کرے وہ جہنم کی دونوں آنکھوں کے درمیان اپنا ٹھکانا بنا لے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کیا تم نے خدا کے کلام کی یہ آیت نہیں سنی اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ الخ۔

حضرت ربیعؒ کا خوف آخرت:

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت ربیع وغیرہ کو ساتھ لئے ہوئے کہیں جا رہے تھے راستے میں لوہار کی دوکان آئی آپ وہاں ٹھہر گئے اور لوہا جو آگ میں تپایا جا رہا تھا اسے دیکھنے لگے حضرت ربیع کا تو برا حال ہو گیا عذاب خدا کا نقشہ آنکھوں تلے پھر گیا قریب تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ اس کے بعد آپ فرات کے کنارے گئے وہاں آپ نے تنور دیکھا کہ اس کے بیچ میں آگ شعلے مار رہی ہے، بے ساختہ آپ کی زبان سے یہ آیت نکل گئی اسے سنتے ہی حضرت ربیع بے ہوش ہو کر گر پڑے چارپائی پر ڈال کر آپ کو گھر پہنچا دیا گیا، صبح سے لے کر دوپہر تک حضرت عبداللہؓ ان کے پاس بیٹھے رہے اور چارہ جوئی کرتے رہے لیکن حضرت ربیع کو ہوش نہ آیا۔

دوزخ کی دہشت:

حضرت عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ جب جہنم مارے غصے کے تھرتھرانے لگے گی اور شور وغل اور چیخ و پکار اور جوش و خروش شروع کرے گی اس وقت تمام مقرب فرشتے اور نبی رب [illegible] کانپ رہے ہوں گے یہاں تک کہ خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور کہنے لگیں گے کہ خدایا میں آج تجھ سے صرف اپنی جان کا بچاؤ چاہتا ہوں اور کچھ نہیں مانگتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ

اور جب ڈالے جائیں گے اس کے اندر ایک جگہ تنگ میں ایک [illegible]

دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا

میں کئی کئی بندھے ہوئے پکاریں گے اس جگہ موت [illegible]

دوزخ میں مجرموں کی جگہیں:

یعنی دوزخ میں ہر مجرم کے لئے خاص جگہ ہوگی جہاں سے ہل نہ سکے گا۔ اور ایک نوعیت کے کئی کئی مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ اس وقت مصیبت سے گھبرا کر موت کو پکاریں گے۔ کاش موت آ کر ہماری ان دردناک مصائب کا خاتمہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخ کی تنگی:

اور جب ان کو دوزخ کے تنگ مقام میں باندھ جکڑ کر ڈالا جائے گا تو

وہاں وہ ہلاکت (یعنی موت) کو پکاریں گے۔

تنگ مقام میں ڈالے جانے کی غرض ہوگی عذاب کی شدت تنگی میں بے چینی اور وسعت مکان میں کچھ راحت ہوتی ہی ہے۔ ابن ابی حاتم نے یحییٰ بن سعید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا۔ فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ دوزخ میں اس طرح ٹھونسا جائے گا جیسے دیوار میں میخ۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے جیسے برچھے بوری میں۔

ابن مبارک نے بطریق قتادہ بیان کیا کہ حضرت عبداللہ (بن عمر) فرماتے تھے کافروں پر دوزخ کی ایسی تنگی ہوگی جیسے نیزے بوری میں۔

لوہے کے صندوقوں میں بند ہوں گے:

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو جن کو ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے دوزخ میں ڈالا جائے گا (یعنی ڈالے جانے کا حکم ہوگا) تو اول ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا۔ پھر جہنم کی تہہ میں ان کو پھینک دیا جائے گا، پس کوئی بھی سوائے اپنے کسی دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ نہ سکے گا۔

سعید بن منصور کی روایت سے بھی ابو نعیم اور بیہقی نے اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

مقرنین یعنی گردن سے ہاتھ بندھے ہوئے زنجیروں سے جکڑے ہوئے، بعض نے کہا شیطانوں کے ساتھ باندھے گئے۔ شیطانوں کی جنس میں بندھے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

یہ لوگ جہنم کے ایسے تنگ و تاریک مکان میں ٹھونس دیئے جائیں گے جیسے بھڑ کی سوراخ میں اور روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کی بابت سوال ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مروی ہے کہ جیسے کیل دیوار میں بمشکل گاڑی جاتی ہے اس طرح ان دوزخیوں کو ٹھونسا جائے گا یہ اس وقت خوب جکڑے ہوئے ہوں گے بال بال بندھا ہوا ہوگا۔ وہاں وہ موت و فوت ہلاکت و بربادی کو حسرت کو پکارنے لگیں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سب سے پہلے ابلیس جہنم رسید ہوگا:

احمد بزار، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنوؤں پر رکھ کر کھینچے گا اور یہ شور پکارے گا (ہائے میری ہلاکت) اس کی ذریات اس کے پیچھے (اسی طرح کا لباس پہنے) یہ شور پکارتی ہوگی، آخر سب دوزخ پر جا کر

ٹھہریں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴

مت پکارو آج ایک مرنے کو اور پکارو بہت سے مرنے کو

یعنی ایک بار مریں تو چھوٹ جائیں۔ دن میں ہزار بار مرنے سے بدتر حال ہوتا ہے۔ (موضح القرآن)

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۝

تو کہہ بھلا یہ چیز بہتر ہے یا باغ ہمیشہ رہنے کا جس کا وعدہ ہو چکا پرہیزگاروں سے

یعنی مکذبین کا انجام سن لیا۔ اب خود فیصلہ کرو کہ یہ پسند ہے یا وہ جس کا وعدہ مومنین متقین سے کیا گیا۔

كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ

وہ ہوگا ان کا بدلہ اور پھر جانے کی جگہ ان کے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں

اور چاہیں گے وہی جو ان کے مرتبہ کے مناسب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

مومنوں کا انعام:

جو کچھ وہ چاہیں گے جنت میں ان کو ملے گا (یا ان کے لئے موجود ہے) ہمیشہ (وہاں) رہیں گے۔

یعنی اپنے مرتبے کے لائق مومن جنت کے اندر جو کچھ چاہے گا وہ اس کو ملے گا۔ ظاہر ہے کہ ناقص کو وہ نعمت نہیں ملے گی جو کامل کو ملے گی۔ آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ تمام ارمان تو صرف جنت میں ہی پورے ہوں گے (دنیا میں پورے نہیں ہو سکتے) (تفسیر مظہری)

خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝

رہا کریں ہمیشہ ہو چکا تیرے رب کے ذمہ وعدہ مانگا ملتا

اللہ نے اپنی مہربانی سے لازم کر لیا:

وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا سے مراد حتمی وعدہ ہے جو خدا تعالیٰ نے محض فضل و عنایت سے اپنے ذمہ لازم کر لیا۔ یا یہ مطلب کہ اس وعدہ کے ایفاء کا متقین سوال کریں گے۔ جو یقیناً پورا کیا جائے گا۔ جیسے کہ دعا میں ہے رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰي رُسُلِكَ (تفسیر عثمانی)

عَلٰى رَبِّكَ یعنی آپ کے رب پر لازم ہے اور واجب ہے کیونکہ اس نے وعدہ کر لیا ہے اور وعدہ خداوندی کے خلاف ہونا ممکن نہیں (یعنی اللہ پر کوئی بات فی نفسہ واجب نہیں وجوب مجبور، عاجز پر ہوتا ہے اور خدا ہر عجز سے پاک ہے لیکن اس نے اپنے ارادے اور اختیار سے وعدہ فرما لیا ہے اس لئے

وعدے کو پورا کرنا اس پر لازم ہے، پس یہ وجوب اضافی ہے خود اسی کا اختیار کردہ ہے پہلے ارادے کے ساتھ اس نے وعدہ کیا پھر وعدے کے مطابق ایفاء کو اس نے اپنے اوپر واجب کیا (اس لئے اگر ایفاء وعدہ اس پر واجب ہوا تو اس کے اختیار کے ماتحت ہوا) (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
اور جس دن جمع کر منگائے گا ان کو اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوائے
فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ
پھر ان سے کہے گا کیا تم نے بہکایا میرے ان بندوں کو
أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿١٧﴾
یا وہ آپ بہکے راہ سے

میدان حشر میں جھوٹے معبودوں سے سوال:

یعنی عابدین کو سنا کر معبودوں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے ان کو شرک کی اور اپنی پرستش کرانے کی ترغیب دی تھی یا یہ خود اپنی حماقت و جہالت اور غفلت و بے توجہی سے گمراہ ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَعْبُدُونَ سے مراد ہیں تمام باطل معبود عقل والے ہوں یا عقل سے محروم کیونکہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ لفظ ما دونوں کو شامل ہوتا ہے اہل عقل کو اور بے عقل چیزوں کو مجاہد نے سوال و جواب کے قرینہ کا لحاظ کرتے ہوئے کہا کہ اس جگہ ملائکہ جنات، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت عزیرؑ مراد ہیں۔ عکرمہ ضحاک اور کلبی کے نزدیک صرف اصنام (بت) مراد ہیں کیونکہ اہل نحو کا مشہور قول یہ ہے کہ ما کا استعمال بے عقل چیزوں کے لئے ہوتا ہے اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اللہ ان بتوں کو زندہ کر دے گا اور بولنے پر قدرت عطا کر دے گا جس طرح انسان کے ہاتھ پاؤں اور مقامات گناہ گویا بنا دیئے جائیں گے۔

ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ کیا تم نے گمراہ کیا تھا یعنی کیا تم نے ان کو اپنی پوجا کی دعوت دی تھی۔

أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ وہ خود معرفت حق کا راستہ کھو بیٹھے تھے۔ انہوں نے خود صحیح غور و فکر نہیں کیا، اور ہادی برحق کی نصیحت سے گریز کیا۔ اس سوال کی غرض معبودان باطل کے پرستاروں کو سرزنش اور زجر ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ
بولے تو پاک ہے ہم سے بن نہ آتا تھا کہ پکڑیں
مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ
تیرے سوا کسی کو رفیق

معبودوں کا عابدوں سے اظہارِ براءت:

یعنی ہماری کیا مجال تھی کہ تجھ سے ہٹ کر کسی دوسرے کو اپنا رفیق و مددگار سمجھتے۔ پھر جب ہم اپنے نفس کے لئے تیرے سوا کوئی سہارا نہیں رکھتے تھے تو دوسروں کو کیسے حکم دیتے کہ ہم کو اپنا معبود اور حاجت روا سمجھیں (تفسیر عثمانی)

نقلی معبودوں کو سوال پر تعجب ہوگا:

سُبْحَانَكَ، یعنی بطور تعجب وہ یہ لفظ کہیں گے کیونکہ معبودان باطل کرملائکہ یا انبیاء ہوں گے تو اس سوال پر ان کا تعجب ظاہر ہی ہے۔ اللہ نے ان کو معصوم بنایا تھا ان سے ایسا جرم کیسے سرزد ہو سکتا تھا اور اگر مراد جمادات اور پتھروں وغیرہ کو مانا جائے تب بھی ان کا تعجب صحیح ہے ان کو اللہ کی طرف سے تحدید قدرت ہی نہیں دی گئی پھر وہ کیسے گمراہ کر سکتے تھے ان سے ایسا سوال تعجب انگیز تھا۔

یا ان کو اس بات پر تعجب اس وجہ سے ہوا کہ ہمارے متعلق تو فرما دیا گیا کہ ہم اللہ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں۔ اللہ نے فرما دیا ہے وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ پھر ہم کس طرح گمراہ کر سکتے ہیں اور کیونکر شرک کی تعلیم دے سکتے ہیں۔

مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا ہمارے لئے تو یہ بھی جائز نہیں، یعنی اللہ نے ہم کو معصوم بنایا ہے یا قدرت ہی نہیں دی، اس لئے کسی دوسرے کو اللہ کے سوا ہم اپنا کارساز قرار دیں یہ ہمارے لئے درست ہی نہیں ہے، دوسروں کو بہکانے یا گمراہ کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

جو معبودیت کا دعویٰ کرتے تھے ان کا جواب:

یہ جواب انبیاء ملائکہ اور جمادات کی طرف سے ہوگا۔ لیکن جو لوگ خود معبود اور رب بن بیٹھے ہیں خواہ وہ انسان ہوں یا جنات، ان کی طرف سے یہ جواب نہ ہوگا بلکہ وہ اس طرح کے جواب دیں گے۔

وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ قسم اللہ کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے شیطان کہے گا إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا وہ سچا وعدہ تھا اللہ نے وہ پورا کیا اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا میرا تم پر کوئی جبر نہ تھا۔ الآیۃ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا
لیکن تو ان کو فائدہ پہنچاتا رہا اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ
الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿١٨﴾
بھلا بیٹھے تیری یاد اور یہ تھے لوگ تباہ ہونے والے

حقیقت حال یعنی اصل یہ ہے کہ یہ بدبخت اپنی سوء استعداد سے خود ہی تباہ ہونے کو پھر رہے تھے بدبختی ان کے لئے مقدر ہو چکی تھی، ظاہری سبب اس کا یہ ہوا کہ عیش و آرام میں پڑ کر اور غفلت کے نشہ میں چور ہو کر آپ کی یاد کو بھلا بیٹھے۔ کسی نصیحت پر کان نہ دھرا پیغمبروں کی ہدایت وارشاد کی طرف سے بالکل آنکھیں بند کر لیں اور دنیوی تمتع پر مغرور ہو گئے آپ نے اپنی نوازش سے جس قدر ان کو اور ان کے باپ دادوں کو دنیا کے فائدے پہنچائے، یہ اسی قدر غفلت و نسیان میں ترقی کرتے گئے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ انعامات الٰہیہ کو دیکھ کر منعم حقیقی کی بندگی اور شکر گزاری اختیار کرتے، اسے مغرور و مفتون ہو کر کفر و عصیان پر تُل گئے گویا جو سرمایہ حیات تھا، بدبختی سے ان کے حق میں زہر بن گیا۔

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ
سو وہ تو جھٹلا چکے تم کو تمہاری بات میں

مشرکوں کے سب سہارے ٹوٹ جائیں گے

یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ وہ جن کی حمایت پر تم کو بڑا گھمنڈ تھا وہ خود تمہارے دعووں کو جھٹلا رہے ہیں اور تمہاری حرکات سے اپنی بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم قیامت کے دن مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے معبودوں نے تم کو جھوٹا قرار دے رہے ہیں۔ بِمَا تَقُولُونَ یعنی یہ بات جو تم کہتے تھے کہ یہ ہمارے معبود ہیں یہ جھوٹ ہے تمہارے ان معبودوں نے ہم کو گمراہ کیا، اس بات کی تکذیب تمہارے معبودوں نے ہی کر دی۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا
اب نہ تم لوٹا سکتے ہو اور نہ مدد کر سکتے ہو

یعنی اب نہ عذاب الٰہی کو پھیر سکتے ہو نہ بات کو پلٹ سکتے ہو نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو جس کو جو سزا ملنے والی ہے اُس کا مزہ چکھتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا
اور جو کوئی تم میں گنہگار ہے اس کو ہم چکھائیں گے بڑا عذاب

شاید ظلم سے مراد یہاں شرک ہو، اور ممکن ہے ہر قسم کا ظلم مراد لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ
اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے رسول سب

لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ
کھاتے تھے کھانا اور پھرتے تھے بازاروں میں

کافروں کے اعتراض کی تردید:

یہ جواب ہوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ الخ کا یعنی آپ سے پہلے جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب آدمی تھے۔ آدمیوں کی طرح کھاتے پیتے اور معاشی ضروریات کے لئے بازار بھی جاتے تھے۔ ان کو فرشتہ نہ بنایا گیا تھا جو کھانے پینے اور حوائج بشریہ سے مستغنی ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے بازاروں میں پھرنا شانِ تقدس اور بزرگی کے منافی نہیں۔ بلکہ اگر بازار نہ جانے کا منشاء کبر و خود بینی ہو تو یہ بزرگی کے خلاف ہے۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ
اور ہم نے رکھا ہے تم میں ایک دوسرے کے جانچنے کو دیکھیں ثابت رہتے ہو

کشمکش دنیا امتحان ہے:

یعنی پیغمبروں میں کافروں کا ایمان جانچتے ہو۔ اور کافروں میں پیغمبروں کا صبر جانچتے ہیں۔ اب دیکھیں کافروں کے طعن و تشنیع اور دل آزاریاں سن کر تم کس حد تک صبر واستقلال دکھاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا، قریش مومنوں کا مذاق بناتے تھے، اور کہتے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو تو دیکھو، جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا ہے وہ تو ہمارے غلام ہیں، کمینے ہیں، ذلیل طبقے کے ہیں، اللہ نے ان مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا اتصبرون یعنی اس فقر و مصیبت اور کافروں کی طرف سے اذیت پہنچنے پر تم صبر رکھو گے۔ یا صبر نہ رکھو گے، صبر رکھو گے تو اجر پاؤ گے، صبر نہ رکھو گے تو غم و الم میں مزید مبتلا ہو گے مطلب یہ کہ صبر رکھو۔ (تفسیر مظہری)

شکر کی توفیق کا نسخہ:

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو اپنے سے نیچے کو بھی دیکھے (یعنی) اپنے سے او نچے کو مت دیکھو، کمتر حالت والوں پر نظر رکھو تاکہ تمہاری نظر میں اللہ کی نعمت کی تحقیر نہ ہو اور شکر کی توفیق ہو۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین و مسلم۔ (تفسیر مظہری)

پیغمبروں کا فقر

صحیح مسلم شریف میں ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود تجھے اور تیرے ذریعے سے اور لوگوں کو آزمانے والا ہوں۔ مسند میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو میرے

ساتھ سونے چاندی کے پہاڑ چلتے رہتے۔ اور صحیح حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی اور بادشاہ بننے میں اور نبی اور بندہ بننے میں اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بندہ اور نبی بننا پسند فرمایا۔ فصلوات اللہ وسلامہ علیہ و علی الہ واصحابہ اجمعین (تفسیر ابن کثیر)

مسند احمد، ترمذی میں حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب نے مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے لئے پورے بطحاء مکہ اور اس کے پہاڑوں کو سونا بنا دیتا ہوں، تو میں نے عرض کیا نہیں، اے میرے پروردگار مجھے تو یہ پسند ہے کہ مجھے ایک روز پیٹ بھر کھانا ملے (جس پر اللہ کا شکر ادا کروں) اور ایک روز بھوکا رہوں (اس پر صبر کروں) اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلا کرتے۔ (مظہری)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا عام طور پر فقر و فاقہ میں رہنا اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتوں اور عام لوگوں کی مصالح کی بنا پر ہے اور اس میں بھی وہ اس حالت پر مجبور نہیں ہوتے اگر وہ چاہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بڑا مالدار صاحب جائیداد بنا سکتے ہیں مگر ان کی ذات کو حق تعالیٰ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ مال و دولت سے دلی دلچسپی ہی نہیں رکھتے فقر و فاقہ ہی کو پسند کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا

اور تیرا رب سب کچھ دیکھتا ہے

یعنی کافروں کا غرور و ایذا دہی اور صابروں کا صبر و تحمل سب اس کی نظر میں ہے۔ ہر ایک کو اس کے کئے کا پھل دے کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا

اور بولے وہ لوگ جو امید نہیں رکھتے کہ ہم سے ملیں گے کیوں نہ

أُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ

اترے ہم پر فرشتے یا ہم دیکھ لیتے اپنے رب کو

منکرین آخرت کی بیہودہ گوئی:

یعنی جن کو یہ امید نہیں کہ ایک روز ہمارے روبرو حاضر ہو کر حساب و کتاب دینا ہے وہ ہمارے خوف سے بالکل بے فکر ہو کر متمردانہ اور گستاخانہ کلمات زبان سے بکتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہم پر فرشتے وحی لے کر کیوں نہ اترے۔ یا خدا تعالیٰ سامنے آ کر ہم سے ہمکلام کیوں نہ ہو گیا۔ کم از کم فرشتے تمہاری تصدیق ہی کے لئے آ جاتے یا خود خداوند رب العزت کو ہم دیکھتے کہ سامنے ہو کر تمہارے دعوے کی تائید و تصدیق کر رہا ہے کوئی موقع

آخر قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ (انعام رکوع ۱۵) وفی سورۃ الاسراء أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا رکوع ۱۰۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيرًا

تحقیق بہت بڑائی رکھتے ہیں اپنے جی میں اور سر چڑھ رہے ہیں بڑی شرارت میں

منکر تکبر کے مریض ہیں:

یعنی انہوں نے اپنے دل میں اپنے کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے جو ملوک اور فرشتوں سے آنے کی تمنا رکھتے ہیں شرارت و سرکشی کی حد ہو گئی کہ باوجود ان سیاہ کاریوں کے دنیا میں ان آنکھوں سے خداوند قدوس کو دیکھنے اور شرف ہم کلامی سے مشرف ہونے کا مطالبہ کریں۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ

جس دن دیکھیں گے فرشتوں کو کچھ خوشخبری نہیں اس دن

لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَحْجُورًا

گنہگاروں کو اور کہیں گے کہیں روک دی جائے کوئی آڑ

گھبراؤ نہیں وقت آ رہا ہے:

یعنی گھبراؤ نہیں، ایک دن آنے والا ہے جب فرشتے تم کو نظر پڑیں گے لیکن ان کے دیکھنے سے تم جیسے مجرموں کو کچھ خوشی حاصل نہ ہو گی، بلکہ سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہو گا۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس وقت فرشتوں کے نزول کا مطالبہ کرنے والے ہیں اُس وقت حِجْرًا مَحْجُورًا کہہ کر پناہ طلب کریں گے، اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت روک قائم ہو جائے کہ وہ اُن تک نہ پہنچ سکیں لیکن خدا کا فیصلہ کب رُک سکتا ہے فرشتے بھی حِجْرًا مَحْجُورًا کہہ کر بتلا دیں گے کہ آج مسرت و کامیابی ہمیشہ کے لئے تم سے روک دی گئی ہے۔ (تنبیہ) ممکن ہے یہ تذکرہ احتضار (موت) کے وقت کا ہو۔ کما قال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ (انفال۔ رکوع ۷) وقال تعالیٰ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ (انعام رکوع ۱۱) گویہ کیفیت اس کے بالمقابل ہو گی۔ جو دوسری جگہ مومنین کی بیان ہوئی ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (حم سجدہ رکوع ۴) اور ممکن ہے یہاں قیامت کے دن کا ذکر ہو۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بحوالہ ابن جریج لکھا ہے کہ عربوں پر جب کوئی مصیبت آتی

ہے اور نہ خوشبو۔ مرتے ہیں جتلا ہوتے ہیں تو حجرا محجورا کہتے ہیں چنانچہ مجرم فرشتوں کو دیکھنے کے بعد یہ الفاظ کہیں گے۔ (تفسیر مظہری)

مؤمن کی روح کا اعزاز:

صحیح حدیث میں ہے کہ فرشتے مومن کی روح سے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی تو نکل خوشبو کے رحم اور رحمت کی طرف چل جو تجھ سے ناراض نہیں ہے۔ ثور بن یزید کہتے ہیں کہ ان میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوتی سُبحانک اللّٰھم وبحمدک لک الحمد علی حلمک بعد علمک خدایا تو پاک ہے تو قابل ستائش وتعریف ہے باوجود علم کے پھر بھی بردباری برتنا تیرا وصف ہے جس پر ہم تیری تعریف بیان کرتے ہیں اور چار کی تسبیح یہ ہوگی۔ سُبحانک اللّٰھم وبحمدک لک الحمد علی عفوک بعد قدرتک خدایا تو پاک ہے اور اپنی تعریفوں کے ساتھ ہے تیرے ہی لئے سب تعریف ہے کہ تو باوجود قدرت کے معاف فرماتا رہتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا

اور ہم پہنچے ان کے کاموں پر جو انہوں نے کیے تھے پھر ہم نے کر ڈالا اس کو خاک اڑتی ہوئی

غرور خاک ہو جائے گا:

یعنی وہ ہم کو بلاتے تھے تو ہم بھی آ پہنچے، مگر اُن کی عزت بڑھانے کو نہیں، بلکہ اس لئے کہ انہوں نے اپنے زعم باطل کے موافق جو بھلے کام کئے تھے جن پر بڑا بھروسہ تھا انہیں ہم قطعاً ملیامیٹ کر دیں اور اس طرح بے حقیقت کر کے اُڑا دیں جیسے خاک کے حقیر ذرات ہوا میں ادھر اُدھر اُڑ جایا کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اعمال روح اخلاص وایمان سے یکسر خالی یا طریق حق کے بالکل متضاد واقع ہوئے ہیں۔ قال تعالیٰ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّھِمْ اَعْمَالُھُمْ کَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِہِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم۔ رکوع۳) وغیر ذلک من آیات۔ (تفسیر عثمانی)

ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا یعنی بے کار، رائیگاں جس کا آخرت میں کوئی ثواب نہ ہوگا، کیونکہ ثواب کی شرط ہے ایمان اور محض اللہ کے لئے نیکی کرنا اور یہ دونوں شرطیں کافروں کے اعمال میں مفقود ہیں۔

ہباء کا معنی:

حضرت علیؓ نے فرمایا، ہباء ان ذروں کو کہتے ہیں جو روشندانوں (اور کواڑوں) کے شگافوں سے سورج کی روشنی پر غبار کی طرح نظر آتے ہیں، مگر ہاتھ سے ان کو چھو نہیں جا سکتا اور نہ وہ سایہ میں نظر آتے ہیں حسن، مجاہد اور عکرمہ نے بھی اس لفظ کی یہی تشریح کی۔ منثور کا معنی ہے پراگندہ۔ (تفسیر مظہری)

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِیْلًا

بہشت کے لوگوں کا اُس دن خوب ہے ٹھکانا اور خوب ہے جگہ دوپہر کے آرام کی

اہل جنت کے مزے:

یعنی یہ لوگ تو اس روز اس مصیبت میں گرفتار رہوں گے اور جن کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ جنت میں خوب عیش وآرام کے مزے لوٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت ودوزخ میں داخلہ کا وقت:

بغوی کی روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ان الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔ قیامت کا دن آدھا نہ ہونے پائے گا کہ اہل جنت، جنت میں اور اہل نار دوزخ میں جا کر ٹھہر جائیں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَھُمْ لَاِلَی الْجَحِیْمِ حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت میں یہ آیت اسی طرح آئی ہے۔ ابن جریر، ابن المنذر اور ابو نعیم نے الحلیہ میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے۔ لوگ خیال کرتے تھے کہ قیامت کے دن آدھے دن میں لوگوں کا حساب ختم ہو جائے گا پھر جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں قیلولہ کریں گے (دوپہر بسر کریں گے)۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے اس روز حساب شروع دن میں ہی ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ کس وقت جنتی جنت میں جائیں گے اور جہنمی جہنم میں، یہ وہ وقت ہوگا جو یہاں دنیا میں دوپہر کا وقت ہوتا ہے کہ لوگ اپنے گھروں کو دو گھڑی آرام حاصل کرنے کی غرض سے لوٹتے ہیں۔ جنتیوں کا یہ قیلولہ جنت میں ہوگا۔ مچھلی کی کلیجی انہیں پیٹ بھر کر کھلائی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَیَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِکَةُ تَنْزِیْلًا

اور جس دن پھٹ جائے آسمان بادل سے اور اتارے جائیں فرشتے تار لگا کر

اللہ تعالیٰ کا نزول اجلال:

قیامت کے دن آسمانوں کے پھٹنے کے بعد اوپر سے بادل کی طرح کی ایک چیز اترتی نظر آئے گی جس میں حق تعالیٰ کی ایک خاص تجلی ہوگی۔ اسے ہم چتر شاہی سے تعبیر کر لیتے ہیں۔ شاید یہ وہی چیز ہو جسے ابو رزین کی حدیث میں عماء سے اور نسائی کی ایک روایت میں جو معراج سے متعلق ہے غیابہ سے تعبیر کیا ہے۔ واللہ اعلم اس کے ساتھ بیشمار فرشتوں کا ہجوم ہوگا اور آسمانوں کے فرشتے اُس روز لگاتار مقام محشر کی طرف نزول فرمائیں گے۔ دوسرے پارہ کے نصف کے قریب آیت ھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَھُمُ اللّٰہُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِکَةُ الخ میں بھی اسی طرح کا مضمون گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر وابن مبارک نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے آسمان اپنے باشندوں سمیت پھٹ پڑے گا اس حکم کے وقت ملائکہ آسمان کے کناروں پر ہوں گے اور نیچے اتر کر ساری زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے، پھر دوسرے تیسرے چوتھے پانچویں چھٹے اور ساتویں آسمان کا بھی یہی حال ہوگا۔ پھر سب فرشتے صف بستہ ہو جائیں گے ایک قطار کے بعد دوسری قطار (ترتیب وار) ہو جائے گی پھر ایک فرشتہ اترے گا جس کے بائیں جانب جہنم ہوگا۔ زمین والے جہنم کو دیکھ کر ادھر اُدھر بھاگ پڑیں گے مگر زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات صفیں گھیرے ہوئے ملیں گی مجبوراً اسی جگہ جہاں سے بھاگے تھے لوٹ آئیں گے۔ آیات ذیل میں اسی کا بیان ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ

وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۝ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ

فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۝ وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا

لوگ اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک ایک آواز سنائی دے گی اور لوگ حساب (فہمی) کے لئے چل دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کا نزولِ اجلال:

ابوبکر بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ عرش کو اُترتا دیکھ کر اہلِ محشر کی آنکھیں پھٹ جائیں گی جسم کانپ اُٹھیں گے دل ہل جائیں گے۔ عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ جس وقت اللہ عزوجل مخلوق کی طرف اُترے گا تو درمیان میں ستر ہزار پردے ہوں گے بعض نور کے بعض ظلمت کے۔ اس ظلمت میں سے ایک ایسی آواز نکلے گی کہ جس سے دل پاش پاش ہو جائیں گے۔ ([illegible])

تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ ای عن الغمام۔ قرطبی۔ معنے یہ ہیں کہ آسمان شق ہو کر اس میں سے ایک رقیق بادل اُترے گا جس میں فرشتے ہوں گے۔ یہ ابر بشکل سائبان آسمان سے آوے گا اور اس میں حق تعالیٰ کی تجلی ہوگی اور اس کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے۔ یہ حساب شروع ہونے کا وقت ہوگا اور اُس وقت آسمان کا پھٹنا صرف کھلنے کے طور پر ہوگا یہ وہ پھٹنا نہیں ہوگا جو پہلی مرتبہ نفخہ صور کے وقت آسمان زمین کو فنا کرنے کے لئے ہوگا کیونکہ یہ نزولِ غمام جس کا ذکر آیت میں ہے نفخۂ ثانیہ کے بعد ہے جبکہ سب زمین و آسمان دوبارہ درست ہو چکے ہوں گے۔ (بیان القرآن، [illegible])

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِۨ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا

بادشاہی اُس دن سچی ہے رحمن کی اور ہے وہ دن

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا

منکروں پر مشکل

فقط اللہ کی بادشاہی ہوگی:

یعنی ظاہراً و باطناً صورۃً و معنیً من کل الوجوہ اکیلے رحمان کی بادشاہت ہوگی اور صرف اُسی کا حکم چلے گا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (مومن۔ رکوع ۲) پھر جب رحمان کی حکومت ہوئی تو جو مستحق رحمت ہیں اُن کے لئے رحمت کی کیا کمی، بے حساب رحمتوں سے نوازے جائیں گے مگر باوجود ایسی لامحدود رحمت کے کافروں کے لئے وہ دن بڑی سخت مشکل اور مصیبت کا ہوگا۔

کہ بازار چنداں کہ آگندہ تر ۔۔۔ تہیدست را دل پراگندہ تر

(تفسیر عثمانی)

قیامت کے دن کی سختی:

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا اور وہ دن کافروں کے لئے سخت دشوار دن ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی (اور عرض کیا گیا) کیسا لمبا دن ہوگا (اور اتنا لمبا وقت کیسے کٹے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مؤمن کے لئے وہ بہت ہلکا ہوگا یہاں تک کہ فرض نماز کے (ایک) وقت سے بھی اس کے لئے زیادہ آسان (اور چھوٹا) ہوگا۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

بغویؒ نے لکھا ہے، عقبہ بن ابی معیط کا دستور تھا کہ جب سفر سے واپس آتا تھا تو کھانا تیار کراتا اور اپنی قوم کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کرتا تھا، یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ بیٹھتا تھا ایک روز سفر سے واپس آ کر کھانا تیار کرایا اور لوگوں کی دعوت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کھانے کے لئے بلایا (آپ تشریف لے گئے) جب عقبہ نے کھانا لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت تک تمہارا کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم لا الٰہ الا اللّٰہ اور محمد رسول اللّٰہ کی شہادت نہ دو گے عقبہ نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کھانا کھا لیا عقبہ اُبی بن خلف کا دوست تھا (اور اُبی سخت کافر تھا) اُبی کو عقبہ کے کلمہ شہادت پڑھنے کی اطلاع ملی تو اس نے عقبہ سے کہا عقبہ تم بے دین ہو گئے عقبہ نے کہا نہیں تو خدا کی قسم میں تو بے دین نہیں ہوا۔ بات صرف یہ تھی کہ میرے گھر ایک آدمی آیا اور بغیر کلمہ شہادت پڑھوائے میرا کھانا کھانے سے اس نے انکار کر دیا میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ وہ میرے گھر سے بغیر کھانا کھائے چلا جائے اس لئے میں نے شہادت دے دی

اور کہنے لگا کہ مجھ پر ابی کی باتیں اثر نہیں کرتیں میں اس وقت تک تم سے راضی نہیں ہوں گا جب تک تم جا کر اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، عقبہ نے جا کر ایسا ہی کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے مکہ کے باہر تجھے پایا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا (یعنی تجھے قتل کر دوں گا)۔ چنانچہ عقبہ کو بدر کے دن باندھ کر قتل کر دیا گیا۔ رہا ابی تو اس کو احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ ابن جریر نے یہ روایت مرسل بھی نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔ ابی نے عقبہ سے کہا میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک تم اس کی گردن کو پاؤں سے روند نہ دو گے، اور اس کے منہ پر تھوک نہ دو گے، چنانچہ عقبہ نے جب دارالندوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کی حالت میں پایا تو وہ ایسا کر گزرا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں مکہ سے باہر تجھ کو پاؤں گا تو تیرے سر پر تلوار ماروں گا بدر کے دن عقبہ گرفتار ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو قتل کا حکم دیا اور مقتول بدر کے وقت ابی بھی تھا اپنی موت آپ مر گیا۔ عقبہ اور ابی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي
اور جس دن کاٹ کاٹ کھائے گا گنہگار اپنے ہاتھوں کو کہے گا اے کاش
اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا
کہ میں نے پکڑا ہوتا رسول کے ساتھ رستہ

کافروں کی بے انتہاء حسرت:

یعنی مارے حسرت وندامت کے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور افسوس کرے گا کہ میں نے کیوں دنیا میں رسول خدا کا رستہ اختیار نہ کیا اور کیوں شیاطین الانس والجن کے بہکانے میں آ گیا جو آج یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابی بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، عقبہ بن ابی معیط نے اس کو سرزنش کی اس پر یہ آیت خَذُوْلًا تک نازل ہوئی، شعبی اور مقسم سے بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے دانتوں سے ہاتھ کاٹنا۔ انگلیوں کے پورے کھانا، دانت پیسنا یہ سب کنائی لفظ ہیں ان سے مراد ہوتا ہے انتہائی غصہ اور حسرت۔

عقبہ کا انجام بد:

ضحاک نے کہا، جب عقبہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر تھوک پھینکا تو اس کا تھوک لوٹ کر اسی کے رخساروں پر آ پڑا۔ جس سے دونوں رخسارے جل گئے۔ اور مرتے دم تک جلنے کا نشان نہیں گیا شعبی کا بیان ہے کہ عقبہ بن ابی معیط امیہ بن خلف کا دوست تھا عقبہ مسلمان ہو گیا امیہ نے کہا چونکہ تو نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی ہے اس لئے میرا چہرہ تیرے لئے اور تیرا چہرہ میرے لئے دیکھنا حرام ہے عقبہ نے اسلام کا انکار کر دیا اور مرتد ہو گیا اس پر اللہ نے اس کے بارے میں آیت وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ نازل فرمائی الظالم سے مراد ہے عقبہ بن ابی معیط بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد ہے ندامت وافسوس کہ وہ دوست جس نے اس کو اللہ کے راستے سے روکا اس نے اس کا کہنا مان لیا اور گناہ وکفر کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو خود تباہ کر لیا۔ عطاء نے کہا وہ (قیامت کے دن) اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کھا جائے گا پھر ہاتھ لوٹ آئیں گے وہ حسرت وافسوس کرتے ہوئے ان کو پھر کھا جائے گا، اور یوں ہی ہاتھ لوٹتے رہیں گے اور وہ حسرت کے ساتھ کھاتا رہے گا۔

يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا
اے خرابی میری کاش کہ نہ پکڑتا میں فلانے کو دوست

گمراہوں کی دوستی کا انجام:

یعنی جس کی دوستی اور اغواء سے گمراہ ہوا تھا یا گمراہی میں ترقی کی تھی، اس وقت پچھتائے گا کہ افسوس ایسوں ویسوں کو میں نے اپنا دوست کیوں سمجھا۔ کاش میرے اور ان کے درمیان کبھی دوستی اور رفاقت نہ ہوئی ہوتی۔ (تنبیہ) مفسرین نے یہاں عقبہ بن ابی معیط اور ابی بن خلف کا جو قصہ نقل کیا ہے، کچھ ضرورت نہیں کہ آیت کے مدلول کو اس پر مقصور کیا جائے۔ ہاں جو تقریر ہم نے کی ہے اس میں وہ بھی داخل ہے۔

صرف مؤمن کو اپنا ساتھی بناؤ:

مسند احمد ترمذی، ابوداؤد وغیرہ نے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لاتصاحب الامؤمنا ولایاکل مالک الاتقی (مظہری) کسی غیر مسلم کو اپنا ساتھی نہ بناؤ، اور تمہارا مال (بطور دوستی کے) صرف متقی آدمی کھائے، یعنی غیر متقی سے دوستی نہ کرو، اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

المرء علیٰ دین خلیله فلینظر من یخالل (رواہ بخاری)

(ترجمہ) ہر انسان (عادۃً) اپنے دوست کے دین اور طریقہ پر چلا کرتا ہے اس لئے دوست بنانے سے پہلے خوب غور کر لیا کرو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے مجلسی دوستوں میں کون لوگ بہتر ہیں تو آپ نے فرمایا۔

من ذكركم بالله رويته وزاد في علمكم منطقه وذكركم بالآخرة عمله رواه البزار (قرطبی)

ترجمہ: وہ شخص جس کو دیکھ کر خدا یاد آئے اور جس کی گفتگو سے تمہارا علم بڑھے اور جس کے عمل کو دیکھ کر آخرت کی یاد تازہ ہو۔

لَقَدْ اَضَلَّنِیْ عَنِ الذِّکْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِیْ
اُس نے تو بہکا دیا مجھ کو نصیحت سے مجھ تک پہنچ چکنے کے پیچھے
وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا
اور ہے شیطان آدمی کو وقت پر دغا دینے والا

یعنی پیغمبر کی نصیحت مجھ کو پہنچ چکی تھی۔ جو ہدایت کے لئے کافی تھی اور امکان تھا کہ میں سیدھی راہ پر چلوں۔ مگر اس ملعون کی دوستی نے تباہ کیا اور اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ بیشک شیطان بڑا دغا باز ہے آدمی کو عین وقت پر دھوکا دیتا اور بُری طرح رسوا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نیک و بد ساتھی کی مثال:

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک اور بد ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے پاس تو مشک ہے اور دوسرا لوہار کی بھٹی دھونک رہا ہے۔ مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو تم کو (کچھ مشک مفت) دے دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا (کم از کم) عمدہ خوشبو ہی تم کو (اس کی طرف سے) مل جائے گی۔ اور بھٹی دھونکنے والا، یا تمہارے کپڑوں کو جلا دے گا یا (کم از کم) بدبو تم کو اس کی طرف سے پہنچے گی (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہیے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔ (رواہ البغوی)

امام احمد اور اصحاب سنن نے اور شیخین نے صحیحین میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے نیز صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، آدمی اسی کے ساتھ ہوگا (یا ہوتا ہے) جس سے اس کو محبت ہوگی۔ (یا محبت ہے) (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا
اور کہا رسول نے اے میرے رب میری قوم نے ٹھہرایا ہے
هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا
اس قرآن کو جھک جھک

بدبخت قوم:

یعنی ضدی معاندین سے جب کسی طرح نصیحت پر کان نہ دھرا، تب پیغمبر نے بارگاہ الٰہی میں شکایت کی کہ خداوندا میری قوم نہیں سنتی۔ انہوں نے قرآن جیسی عظیم الشان کتاب کو (العیاذ باللہ) بکواس قرار دیا ہے۔ جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو خوب شور مچاتے اور بک بک جھک جھک کرتے ہیں۔ تا کوئی شخص سن اور سمجھ نہ سکے۔ اس طرح ان اشقیاء نے قرآن جیسی قابل قدر کتاب کو بالکل متروک و مہجور کر چھوڑا ہے۔ (تنبیہ) آیت میں اگرچہ مذکور صرف کافروں کا ہے تاہم قرآن کی تصدیق نہ کرنا، اس میں تدبر نہ کرنا، اس پر عمل نہ کرنا۔

قرآن کے ترک کی صورتیں:

اس کی تلاوت نہ کرنا، اس کی تصحیح قرأت کی طرف توجہ نہ کرنا، اس سے اعراض کر کے دوسری لغویات یا حقیر چیزوں کی طرف متوجہ ہونا، یہ سب صورتیں درجہ بدرجہ ہجران قرآن کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں۔ "فسأل الله الكريم المنان القادر على مايشاء ان يخلصنا مما يسخطه ويستعملنا فيما يرضيه من حفظ كتابه وفهمه والقيام بمقتضاه آناء الليل واطراف النهار على الوجه الذى يحبه ويرضاه انه كريم وهاب"۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی نہ اسکے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندہ نے مجھے چھوڑ دیا تھا اب آپ میرے اور اس کے معاملہ کا فیصلہ فرما دیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ
اور اسی طرح رکھے ہیں ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن گنہگاروں میں سے

ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں:

جو نبی کی بات ماننے میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں اور لوگوں کو قبول حق سے روکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا
اور کافی ہے تیرا رب راہ دکھلانے کو اور مدد کرنے کو

اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرے گا:

یعنی کافر پڑے بہکایا کریں، جس کو اللہ چاہے گا راہ پر لے آئے گا یہ

مطلب یہ ہے کہ اللہ جس کو چاہے گا ہدایت کرے گا اور جس کو ہدایت نصیب نہ ہوگی اُن سب کے مقابلہ میں تیری مدد کرے گا۔ یا یہ کہ حق تعالیٰ تیری مدد کر کے مقام مطلوب تک پہنچا دے گا۔ کوئی رکاوٹ مانع نہ ہو سکے گی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ
اور کہنے لگے وہ لوگ جو منکر ہیں کیوں نہ اُترا
عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ
اس پر قرآن سارا ایک جگہ ہو کر

دشمنوں کا اعتراض:

یعنی نبی کے دشمن لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے ایسے ایسے اعتراض چھانٹتے ہیں کہ صاحب! دوسری کتابوں کی طرح پورا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا برسوں میں جو تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارا گیا اللہ میاں کو کچھ سوچنا پڑتا تھا۔ اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم سوچ سوچ کر بناتے ہیں پھر موقع مناسب دیکھ کر تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن پاک کی فضیلت:

لطیفہ یہ ہے کہ قرآن کو دونوں بزرگیاں ملیں۔ یہ ایک ساتھ لوح محفوظ سے ملائکہ میں اترا لوح محفوظ سے دور کا دور آسمان دنیا تک پہنچا۔ پھر حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوتا رہا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ سارا قرآن ایک دفعہ ہی لیلۃ القدر میں آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ پھر بیس سال تک زمین پر اترتا رہا۔ پھر اس کے ثبوت میں آپ نے ولا یاتونک مثل الخ اور آیت وقرانا فرقناہ الخ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ۝
اسی طرح اتارا تاکہ ثابت رکھیں ہم اس سے تیرا دل اور پڑھ سنایا ہم نے اس کو ٹھہر ٹھہر کر

قرآن تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمتیں:

یعنی یہ یہ ضرور ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے اُتارنا اس سبب سے ہو جو تم نے سمجھا۔ اگر غور کرو گے تو اس طرح نازل کرنے میں بہت سے فوائد ہیں جو دفعۃً نازل کرنے کی صورت میں پوری طرح حاصل نہ ہوتے مثلاً اس صورت میں قرآن کا حفظ کرنا زیادہ آسان ہوا، سمجھنے میں سہولت رہی، کلام پوری طرح منضبط ہوتا رہا اور جن مصالح و حکم کی رعایت اُس میں کی گئی تھی، لوگ موقع بہ موقع ان کی تفاصیل پر مطلع ہوتے رہے۔ ہر آیت کی جداگانہ شان نزول کو دیکھ کر اُس کا صحیح مطلب متعین کرنے میں مدد ملی۔ ہر ضرورت کے وقت ہر بات کا بروقت جواب ملتے رہنے سے پیغمبر اور مسلمانوں کے قلوب تسکین پاتے رہے۔ اور ہر آیت کے نزول پر گویا دعویٰ اعجاز کی تجدید ہوتی رہی۔ اس سلسلہ میں جبریل علیہ السلام کا بار بار آنا جانا ہوا جو ایک مستقل برکت تھی۔ وغیر ذلک من الفوائد۔ ان ہی میں سے بعض فوائد کی طرف یہاں اشارہ فرمایا ہے۔

وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ
اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثل کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو
بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ۝
ٹھیک بات اور اُس سے بہتر کھول

قرآن شافی جواب دیتا ہے:

یعنی کفار جب کوئی اعتراض قرآن پر یا کوئی مثال آپ پر چسپاں کرتے ہیں تو قرآن اُس کے جواب میں ٹھیک ٹھیک بات بتا دیتا ہے جس میں کسی قسم کا ہیر پھیر نہیں ہوتا۔ بلکہ صاف واضح معتدل اور بے حد خوش بات ہوتی ہے ہاں جن کی عقل اوندھی ہو گئی ہو وہ سیدھی اور صاف بات کو بھی ٹیڑھی سمجھیں یہ الگ چیز ہے ایسوں کا انجام اگلی آیت میں بیان فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى جَهَنَّمَ
وہ لوگ کہ گھیر کر لے جائے جائیں گے اوندھے پڑے ہوئے منہ کے بل دوزخ کی طرف
اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝
اُنہی کا بُرا درجہ ہے اور بہت بہکے ہوئے ہیں راہ سے

گمراہی پسندوں کا انجام:

یہ وہی لوگ ہیں جن کی عقل اوندھی ہو گئی اور روحانیت کو چھوڑ کر محض خواہشات پر جھک پڑے۔ آگے ایسی چند اقوام کا جو حشر ہوا، عبرت کے لئے اُس کو بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تین طرح لوگوں کو چلایا جائے گا:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تین طور پر لوگوں کو چلایا جائے گا کچھ سوار، کچھ پیدل، کچھ منہ کے بل چلنے والے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ منہ کے بل کیسے چلیں گے فرمایا جس نے پاؤں سے چلایا ہے وہ منہ کے بل چلانے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ کفار قیامت کے دن اوندھے منہ کے بل چلائے

جائیں گے اور اپنے منہ سے راستہ کے کانٹے کو ہٹا نہیں گے کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن کافر کس طرح منہ کے بل چلے گا آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو خدا اس کو دنیا میں پیروں کے بل چلانے پر قادر ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلنے پر بھی قادر ہے۔ یعنی سر کے بل چلانا اور پیروں کے بل چلانا خدا کی قدرت کے لحاظ سے یکساں ہے۔

نکتہ: امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس طرح کفار کے دل دنیا میں ... ہو گئے اور زمین اور پستی کی طرف مائل ہو گئے اور بلندی سے اعراض کیا اس لئے ان کا حشر اسی ہیئت کے ساتھ ہوگا۔ ایسے ہی لوگ جو قلب اور عقل کے اندھے اور اوندھے۔ باعتبار مکان کے یا باعتبار مرتبہ کے بدترین خلائق ہیں اور سب سے زیادہ گمراہ ہیں اس لئے ان کا حشر منہ کے بل ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗٓ اَخَاهُ
اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور کر دیا ہم نے اس کے ساتھ اُس کا بھائی
هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۚ فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ
ہارون کام بٹانے والا پھر کہا ہم نے تم دونوں جاؤ اُن لوگوں کے پاس
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ
جنہوں نے جھٹلایا ہماری باتوں کو

قوم فرعون کا حق سے انکار:

یعنی آیات تکوینیہ کو جو اللہ کی توحید وغیرہ پر دال ہیں اور انبیائے سابقین کے متفقہ بیانات کو جن کا تھوڑا بہت چرچا پہلے سے چلا آتا تھا، جھٹلا کر خدائی کے دعوے کرنے لگے تھے۔

فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۝ وَقَوْمَ نُوْحٍ
پھر دے مارا ہم نے اُن کو اکھاڑ کر اور نوح کی قوم کو
لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ
جب انہوں نے جھٹلایا پیغام لانے والوں کو

قوم نوح کا کرتوت:

ایک پیغمبر کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے کیونکہ اصول دین میں سب انبیاء متحد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تکذیب رسل سے مراد ہے حضرت نوح کی اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب یا یوں کہا جائے کہ صرف حضرت نوح کی تکذیب ہی مراد ہے لیکن ایک پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں سب پیغمبروں کی تکذیب ہے کیونکہ ہر پیغمبر دوسرے تمام پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے اس ایک کو جھوٹا جاننا حقیقت میں تمام پیغمبروں کو دروغ گو قرار دینا ہوتا ہے اس لئے تکذیب نوح کو تکذیب رسل قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ
ہم نے ان کو ڈبا دیا اور کیا اُن کو لوگوں کے حق میں نشانی، اور تیار کر رکھا ہے ہم نے گنہگاروں
عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ
کے واسطے عذاب دردناک اور عاد کو اور ثمود کو اور کنوئیں والوں کو

کنوئیں والی قوم:

اصحاب الرس (کنوئیں والے) کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے "روح المعانی" میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے۔ "وملخص الاقوال انهم قوم اَهلكهُمُ الله بتكذيب مَنْ اُرسل اليهمْ" یعنی خلاصہ یہ ہے کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی پاداش میں ہلاک ہوئی حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ایک اُمت نے اپنے رسول کو کنوئیں میں بند کیا پھر اُن پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا" (تفسیر عثمانی)

اس جگہ اصحاب الرس سے مراد ہے حضرت شعیبؑ کی قوم، جس نے ایک کنویں پر اپنی آبادی کر لی تھی۔ یہ لوگ جانور پالتے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے ایک وقت جب وہ سب کنویں کے گرداگرد اپنے گھروں میں موجود تھے وہاں کی زمین دھنس گئی، وہ کنواں اور آبادی اور ساری زمین اندر گھس گئی اور سب مر گئے اُن کے یکدم ہلاک ہو جانے کی اصلی علت یہ تھی کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت شعیب پیغمبر کو مبعوث فرمایا، حضرت شعیبؑ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن ان کی سرکشی اور بڑھتی گئی اور حضرت شعیبؑ کو طرح طرح سے ایذا پہنچانے لگے۔ آخر ہلاک کر دیئے گئے۔ زمین سب کو کھا گئی، کنویں کو بھی، ان کو بھی اور ان کے گھروں کو بھی۔ یہ تفصیل وہب بن منبہ نے بیان کی۔ ابن جریر اور ابن عساکر نے قتادہ کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ اصحاب الرس کا ایک پیغمبر تھا جس کا نام حنظلہ بن صفوان تھا، رس والوں نے اپنے پیغمبر کو شہید کر دیا، اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی طرف سے ایک مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دراز گردن، عظیم الجثہ پرندہ کوہ فتح پر رہتا تھا، پرندہ کو لمبی گردن ہونے کی وجہ سے عنقاء کہا جاتا تھا۔ عنقاء اس قوم کے بچوں پر آ پڑتا تھا اور اُچک کر لے جاتا تھا۔ حنظلہ نے عنقاء کو بددعا دی نتیجہ یہ

... یہ نکال دی اور پھر ان پر ظلم پر ظلم کئے جب ان لوگوں نے ... وشہید کردیا اور (اس جرم کی سزا میں) ان کو بھی تباہ کر دیا گیا۔

حبیب نجار:

بغوی نے لکھا ہے، سدی کا بیان ہے کہ انطاکیہ میں ایک کنواں تھا، لوگوں نے حبیب بن نجار کو قتل کر کے اس کنویں میں ڈال دیا، حبیب بن نجار اور ان کی قوم کا تذکرہ سورہ یٰسین میں آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سورہ اعراف وغیرہ میں اصحاب الرس کی بابت ابن عباس کا قول ہے کہ یہ ثمود یوں کی ایک بستی والے تھے۔ عکرمہ فرماتے ہیں کہ یہ یٰسین والے تھے جن کا ذکر سورہ یٰسین میں ہے۔ ... سے یہ بھی مروی ہے کہ آذر بائیجان سے ایک کنویں کے پاس ان کی بستی تھی۔ ... فرماتے ہیں نہیں کنویں ... کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو کنویں میں ڈال دیا تھا۔

اول جنت میں جانے والا غلام:

ابن اسحاق محمد بن کعبؒ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک سیاہ فام غلام سب سے اول جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بستی والوں کی طرف اپنا نبی بھیجا تھا لیکن اس بستی والوں میں سے بجز اس کے کوئی بھی ایمان نہ لایا بلکہ انہوں نے اللہ کے نبیؑ کو ایک غیر آباد کنویں میں ... میدان میں ڈال دیا، اور اس کے منہ پر ایک بڑی ساری چٹان رکھ دی کہ ... وہیں مر جائیں۔ یہ غلام جنگل میں جاتا لکڑیاں کاٹ کر ... انہیں بازار فروخت کرتا اور روٹی وغیرہ خرید کر کنویں پر آتا۔ ... پتھر ... آدمیوں سے ... نہ ہٹتا تھا۔ لیکن خدا تعالیٰ اس کے ہاتھوں اسے ہٹا دیتا۔ یہ ایک رسی میں لٹکا کر روٹی اور پانی اس پیغمبر کے پاس پہنچا دیتا ... پی لیتے مدتوں تک یوں ہی ہوتا رہا۔ ایک مرتبہ یہ لکڑیاں کاٹ کر، چن چن کر جمع ... گٹھڑی باندھی، اتنے میں نیند کا غلبہ ہوا سو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر نیند ... سات سال تک وہ سوتا رہا۔ سات سال کے بعد آنکھ کھلی انگڑائی لی اور کروٹ بدل کر پھر سو رہا۔ سات سال کے بعد پھر آنکھ کھلی تو اس نے اپنی لکڑیوں کی گٹھڑی اٹھائی اور شہر کی طرف چلا ... جانتا کہ ذرا سی دیر ... سو گیا تھا۔ شہر میں آ کر لکڑیاں فروخت کیں اور ... خریدا ... وہیں پہنچا دیکھتا ہے کہ کنواں تو وہاں ہے ہی نہیں۔ بہت ڈھونڈا لیکن نہ ملا ... یہاں یہ ہوا تھا کہ قوم کے ... ایمان کی طرف راغب ہوئے انہوں نے جا کر اپنے نبیؑ کو کنویں سے نکالا، سب کے سب ایمان لائے پھر نبی اپنی وفات فوت ہوئے ... اسلام بھی اپنی زندگی میں اس حبشی غلام کو تلاش کرتے رہے لیکن اس کا پتہ نہ چلا۔ پھر اس نبی کے انتقال کے بعد یہ شخص اپنی نیند سے جگایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس یہ حبشی غلام ہے جو سب سے پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ روایت مرسل ہے ... اس میں غرابت و نکارت ہے اور شاید ادراج بھی ہے، واللہ اعلم۔ ...

وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ
اور اس کے بیچ میں بہت سی جماعتوں کو اور سب کو کہہ سنائیں ہم نے
الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝
مثالیں اور سب کو کھو دیا ہم نے ...

یعنی پہلے سب کو اچھی طرح سمجھایا جب کسی طرح نہ مانے تو تباہ کر دیا۔ (تفسیر حقانی)

بہتر قرآن: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرن تو صحابہ تھے، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور دوسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے اکثر صحابہ کو یا کسی ایک صحابی ہی کو دیکھا تھا۔ اور تیسرا قرن وہ لوگ تھے جنہوں نے تابعین ہی میں سے کسی ایک کو دیکھا تھا۔

قرن کا مطلب: سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ قرن ایک صدی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو دعا دی تھی اور فرمایا تھا ایک قرن جیو چنانچہ اس کی عمر سو سال ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۭ
...

قوم لوط کی بستیاں:

یعنی قوم لوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر سے یہ لوگ ملک شام کے سفر میں گزرتے تھے۔ (تفسیر حقانی)

بغوی نے لکھا ہے قوم لوط کی بستیاں پانچ ہیں اللہ نے ان میں سے چار کو تباہ کر دیا اور ایک بستی جو چھوٹی سی تھی بچ گئی اس بستی کے رہنے والے خبیث حرکات میں مبتلا نہ تھے۔ ملک شام کو جاتے ہوئے یہ بستیاں راستہ میں پڑتی تھیں ...

اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ
کیا دیکھتے نہ تھے اس کو

یعنی کیا ان کے کھنڈرات کو عبرت کی نگاہ سے نہ دیکھا۔ (...)

بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝
بلکہ امید نہیں رکھتے تھے جی ...

عبرت آموزی میں رکاوٹ.

یعنی عبرت کہاں سے ہوتی جب اُن کے نزدیک یہ احتمال ہی نہیں کہ مرنے کے بعد پھر جی اٹھنا اور خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ عبرت تو وہی حاصل کرتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت ڈر ہو اور انجام کی طرف سے بالکل بے فکر نہ ہو (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي
اور جہاں تجھ کو دیکھیں کچھ کام نہیں ان کو تجھ سے مگر ٹھٹھے میں پکڑنا، کیا یہی ہے جس کو
بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۔ إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا
بھیجا اللہ نے پیغام دے کر، یہ تو ہم کو بچلا ہی دیتا ہمارے معبودوں سے اگر ہم نہ
أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا
جمے رہتے اُن پر

استہزاء بازی:

یعنی بجائے عبرت حاصل کرنے کے ان کا مشغلہ تو یہ ہے کہ پیغمبر سے ٹھٹھا کیا کریں۔ چنانچہ آپ کو دیکھ کر تمسخر سے کہتے ہیں کہ یہ ہی بزرگ ہیں جن کو خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بھلا یہ حیثیت اور منصب رسالت؟ یہ ساری خدائی میں سے یہ ہی ایک رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے؟ آخر کوئی بات تو ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ قوت فصاحت اور زور تقریر سے رنگ تو ایسا جمایا تھا کہ بڑے بڑوں کے قدم پھسل گئے ہوتے۔ قریب تھا کہ اس کی باتیں ہم کو ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتیں۔ وہ تو ہم پکے ہی ایسے تھے کہ برابر جمے رہے اور ان کی کسی بات کا اثر قبول نہ کیا۔ ورنہ یہ ہم سب کو کبھی کا گمراہ کر کے چھوڑتے۔ (عثمانی)

وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ
اور آگے جان لیں گے جس وقت دیکھیں گے عذاب
مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا
کون بہت بچلا ہوا ہے راہ سے

عذاب آنکھیں کھول دے گا:

یعنی عذاب الٰہی کو آنکھوں سے دیکھیں گے تب ان کو پتہ لگے گا کہ واقع میں کون گمراہی پر تھا۔

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ
بھلا دیکھ تو اس شخص کو جس نے پوجنا ٹھہرا لیا اپنی خواہش کا کہیں
تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا
تو لے سکتا ہے اس کا ذمہ

خواہش نفس کے بندے.

یعنی آپ ایسے ہوا پرستوں کو راہ ہدایت پر لے آنے کی کیا ذمہ داری کر سکتے ہیں جن کا معبود ہی محض خواہش ہو۔ جدھر خواہش لے گئی ادھر ہی جھک پڑے۔ جو بات خواہش کے موافق ہوئی قبول کر لی، جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا معلوم ہوا اسے پوجنے لگے۔ کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا پہلے کو چھوڑ کر اس کے آگے سر جھکا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

أَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ اے پیغمبر آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی، جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے، یعنی اپنی خواہشات کا تابع ہو گیا۔ خواہشات پر ہی اس نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی (خواہشات نفس کا پرستار ہو گیا) نہ کسی دلیل کو سنتا ہے نہ دیکھتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباس نے آیت کی تفسیر کا مطلب اس طرح بیان کیا، کیا آپ اس شخص کو دیکھ رہے ہیں۔ جس نے اس اللہ کی عبادت تو ترک کر دی جو اس کا خالق ہے اور پتھروں کی طرف جھک گیا ان کی پوجا کرنے لگا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ جاہلیت میں عرب کی یہ عادت تھی کہ جب کسی سفید گول مول پتھر کو دیکھا اس کی عبادت کرنے لگے۔ اس سے اچھا کوئی نظر پڑ گیا اس کے سامنے جھک گئے۔ اور اول کو چھوڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

أَمْ تَحْسَبُ أَنَّ أَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُونَ أَوْ يَعْقِلُونَ
یا تو خیال رکھتا ہے کہ بہت سے ان میں سنتے یا سمجھتے ہیں
إِنْ هُمْ إِلَّا كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ سَبِيلًا
اور کچھ نہیں وہ برابر ہیں چوپایوں کے بلکہ وہ زیادہ بہکے ہوئے ہیں راہ سے

چوپایوں سے بدتر انسان:

یعنی ایسی ہی نصیحتیں سنانے، یہ تو چوپائے جانور ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر نہیں سننے یا سمجھنے سے یہ واسطہ چوپائے تو بہرحال اپنے پرورش کرنے والے مالک کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں۔ اپنے محسن کو پہچانتے ہیں۔ نفع و ضرر کی کچھ شناخت رکھتے ہیں۔ کھلا چھوڑ دو تو اپنی چراگاہ اور پانی پینے کی جگہ پہنچ جاتے ہیں لیکن ان بدبختوں کا حال یہ ہے کہ نہ اپنے خالق و رازق کا حق پہچانا

نہ اُس کے احسانات کو سمجھا نہ بھلے برے کی تمیز کی، نہ دوست دشمن میں فرق کیا، نہ غذائے روحانی اور چشمۂ ہدایت کی طرف قدم اٹھایا۔ بلکہ اُس سے کوسوں دُور بھاگے اور جو قوتیں خداتعالیٰ نے عطا کی تھیں اُن کو معطل کیے رکھا بلکہ بے موقع صرف کیا۔ اگر ذرا بھی عقل وفہم سے کام لیتے تو اس کارخانہ قدرت میں بیشمار نشانیاں موجود تھیں جو نہایت واضح طور پر اللہ تعالیٰ کی توحید و تنزیہ اور اصول دین کی صداقت وحقانیت کی طرف رہبری کر رہی ہیں جن میں سے بعض نشانیوں کا ذکر آئندہ آیات میں کیا گیا ہے۔

یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ جانور اپنے خالق کو جانتے اور اس کے حکم کی اطاعت کرتے اور تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں اگرچہ ان کی قوت فہم کو عام لوگ نہیں سمجھتے۔

چوپایوں کا بولنا

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص ایک بیل کو ہنکا کر لے جا رہا تھا (چلتے چلتے جب) تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا۔ بیل نے کہا ہم کو اس کام کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ لوگوں نے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر) کہا سبحان اللہ! بیل بھی (کہیں) بولتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا تو اس پر ایمان ہے اور ابوبکرؓ وعمرؓ کا بھی۔ اس وقت یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنی بکریوں کے ساتھ تھا اچانک ایک بھیڑیئے نے ایک بکری پر حملہ کر دیا اور پکڑ لیا، بکریوں کا مالک جا پہنچا اور بکری کو چھڑا لیا، بھیڑیئے نے کہا، قیامت کے دن اس کی حمایت کون کرے گا جب کہ سوائے میرے اور کوئی اس کی نگرانی کرنے والا نہیں ہوگا لوگوں نے کہا سبحان اللہ (کیا) بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں تو اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکرؓ وعمرؓ بھی۔ یہ دونوں حضرات وہاں موجود بھی نہیں تھے۔

فائدہ: ملائکہ میں روح اور عقل ہوتی ہے۔ اور چوپایوں میں نفس و خواہشات۔ آدمی سب کا مجموعہ ہے پس اگر آدمی کی نفسانیت اور خواہشات کا روحانیت (عقل) پر غلبہ ہو جاتا ہے تو آدمی چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ ہو جاتا ہے اور اگر روحانیت کا نفس وخواہشات پر تسلط ہو جاتا ہے تو آدمی ملائکہ سے افضل ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ

تو نے نہیں دیکھا اپنے رب کی طرف کیسے دراز کیا سایہ کو اور اگر چاہتا تو اس

سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۙ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ

کو ٹھہرا رکھتا پھر ہم نے مقرر کیا سورج کو اس کا راہ بتلانے والا پھر کھینچ لیا ہم

اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿۴۶﴾

نے اس کو اپنی طرف سہج سہج سمیٹ کر

دھوپ اور سائے کا نظام:

صبح سے طلوع شمس تک سب جگہ سایہ رہتا ہے۔ اگر حق تعالیٰ سورج کو طلوع نہ ہونے دیتا تو یہی سایہ قائم رہتا۔ مگر اس نے اپنی قدرت سے سورج نکالا جس سے دھوپ پھیلنی شروع ہوئی اور سایہ بتدریج ایک طرف کو سمٹنے لگا۔ اگر دھوپ نہ آتی تو سایہ کو ہم سمجھ بھی نہ سکتے۔ کیونکہ ایک ضد کے آنے سے ہی دوسری ضد پہچانی جاتی ہے۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ ... الخ

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اول ہر چیز کا سایہ لمبا پڑتا ہے۔ پھر جس طرف سورج چلتا ہے اس کے مقابل سایہ گھٹتا جاتا ہے جب تک کہ جڑ میں آ لگے۔ اپنی طرف کھینچ لینے کا یہ مطلب ہے۔ یعنی اصل کو جا ملتا ہے سب کی اصل اللہ ہے (موضح القرآن) پھر زوال کے بعد سے ایک طرف سے دھوپ سمٹنا شروع ہوتی ہے اور دوسری طرف سایہ لمبا ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ آخر شب میں دھوپ غائب ہو جاتی ہے۔ یہی مثال دنیا کی ہستی کی سمجھو۔ وہ عدم تھی، پھر نور وجود میں آیا، پھر آخر کار تم عدم میں چلی جائے گی۔ اور یہی حسی نور وظل کے سلسلہ پر روحانی نور وظلمت کو قیاس کرو۔ کفر وشرک اور جہل وطغیان کی ظلمات میں آفتاب نبوۃ کی روشنی اللہ تعالیٰ نہ بھیجتا تو کسی کو معرفت صحیحہ کا راستہ ہاتھ نہ آتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت قاضی ثناء اللہؒ کی تحقیق:

میرے نزدیک ان آیات کی تاویل دوسرے رنگ سے بھی کی جاسکتی ہے ظل سے مراد عالم مکان ہے عالم مکان کا وجود، خارجی ظلی ہے امکان مرتبہ وجوب کا ظل ہے شمس سے مراد ہیں اللہ کی صفات واجبہ کے مراتب اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح عالم امکان کو ایجاد کیا اور اس کے وجود کو جو وجود واجب کا ظل ہے کس طرح ماہیات ممکنہ کی مختلف صورتوں پر پھیلا دیا اگر اللہ چاہتا تو سارے عالم امکان کے وجود کو ساکن مستقر اور ایک ہی حالت پر کر دیتا مگر اس نے ایسا نہیں چاہا بلکہ اس کو محل حوادث اور تغیرات وفناء کی آماجگاہ بنا دیا تاکہ وہ ذات واجب الوجود حقیقی کا محتاج رہے اور اس کی امکانی احتیاج نمودار ہو پھر ہم نے آفتاب وجوب کو اس کا راہنما بنایا، یعنی جب اللہ کی صفات وجوبیہ کا جلوہ صوفی کے دل پر پڑتا ہے اور قلبی بصیرت کے ذریعہ اس کو وجود حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس وقت اس پر یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ تمام عالم امکان وجود حق تعالیٰ کا ظل ہے تجلیات و

مشاہدت سے پہلے وہ خیال کرتا ہے کہ عالم امکان کا بجائے خود کوئی وجود ہے لیکن صفاتی اور اسمائی نور پاشی کے بعد اس کا یہ خیال دور ہو جاتا ہے۔

پھر ہم اس کو دھیرے دھیرے سمیٹ لیتے ہیں یعنی صوفی کو رفتہ رفتہ اپنا مقرب بنا لیتے ہیں اور ہماری صفات و ذات کی بے کیف قربت اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا فرمان نقل کیا تھا۔ اللہ فرماتا ہے: نوافل کے ذریعہ میرا بندہ برابر میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ حدیث

صوفیاء کا قول ہے جس کے دونوں دن برابر (ایک جیسے) ہوں وہ گھاٹے میں رہتا ہے (یعنی جو دوسرے دن پہلے دن سے زیادہ عروج حاصل نہ کرے وہ خسارہ میں ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ
اور وہی ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو اوڑھنا اور نیند کو
سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا (۴۷)
آرام اور دن کو بنا دیا اٹھ نکلنے کے لئے

رات اور دن کا خالق:

یعنی رات کی تاریکی چادر کی طرح سب پر محیط ہو جاتی ہے جس میں لوگ کاروبار چھوڑ کر آرام کرتے ہیں، پھر دن کا اجالا ہوتا ہے تو نیند سے اٹھ کر ادھر ادھر چلنے پھرنے لگ جاتے ہیں۔ اسی طرح موت کی نیند کے بعد قیامت کی صبح آئے گی جس میں سارا جہان دوبارہ اٹھ کھڑا ہوگا اور یہی حالت اس وقت پیش آتی ہے جب انبیاء علیہم السلام وحی والہام کی روشنی سے دنیا میں اجالا کرتے ہیں، تو جہل وغفلت کی نیند سے سوئی ہوئی مخلوق ایک دم آنکھیں مل کر اٹھ بیٹھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حسن تخلیق:

یہاں کئی چیزیں قابل غور ہیں اول یہ کہ نیند کا راحت ہونا بلکہ راحت کی جان ہونا تو ہر شخص جانتا ہے مگر انسانی فطرت یہ ہے کہ روشنی میں نیند آنا مشکل ہوتا ہے اور آ بھی جائے تو جلد آنکھ کھل جاتی ہے۔ حق تعالیٰ نے نیند کے مناسب رات کو تاریک بھی بنایا اور ٹھنڈا بھی۔ اسی طرح رات خود ایک نعمت ہے اور نیند دوسری نعمت، اور تیسری نعمت یہ ہے کہ سارے جہان کے انسانوں جانوروں کی نیند ایک ہی وقت رات میں جبری کر دی، ورنہ اگر ہر انسان کی نیند کے اوقات دوسرے انسان سے مختلف ہوتے تو جس وقت کچھ لوگ سونا چاہتے دوسرے لوگ کاموں میں مصروف اور شور شغب کا سبب بنے رہتے۔ اسی طرح جب دوسروں کے سونے کی باری آتی تو اس وقت کام کرنے والے چلنے پھرنے والے ان کی نیند میں خلل انداز ہوتے۔ اس کے علاوہ ہر انسان کی ہزاروں حاجتیں دوسرے انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں باہمی تعاون وتناصر اور کاموں میں بھی شدید حرج ہوتا کہ جس شخص سے آپ کو کام ہے اس کے سونے کا وقت ہے اور جب اس کے جاگنے کا وقت آئے گا تو آپ کا سونے کا وقت ہوگا۔

اگر ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کسی بین الاقوامی معاہدہ سے کام لیا جاتا کہ سب لوگ اپنے سونے کا وقت ایک ہی مقرر کرلیں، اول تو ایسا معاہدہ اربوں کروڑوں انسانوں میں ہونا آسان نہ تھا پھر اس پر کاربند رکھنے کے لئے ہزاروں محکمے کھولنے پڑتے اس کے باوجود عام قانونی اور معاہداتی طریقوں سے طے ہونے والی چیزوں میں جو خلل ہر جگہ رشوت، رعایت وغیرہ کے سبب پایا جاتا ہے وہ پھر بھی باقی رہتا۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے نیند کا ایک وقت جبری طور پر مقرر کر دیا ہے کہ ہر انسان اور ہر جانور کو اسی وقت نیند آتی ہے کبھی کسی ضرورت سے جاگنا بھی چاہے تو اس کیلئے مشکل سے انتظام کر پاتا ہے۔
[illegible] (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ
اور وہی ہے جس نے چلائیں ہوائیں خوشخبری لانے والیاں اس کی رحمت سے آگے
وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (۴۸) لِّنُحْیِیَ بِهٖ بَلْدَةً
اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پاکی حاصل کرنے کا، تاکہ زندہ کریں اس سے
مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا (۴۹)
مرے ہوئے دیس کو اور پلائیں اس کو اپنے پیدا کئے ہوئے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو

مردہ زمینوں کی زندگی کا نظام:

یعنی اول برساتی ہوائیں بارش کی خوشخبری لاتی ہیں، پھر آسمان کی طرف سے پانی برستا ہے جو خود پاک اور دوسروں کو پاک کرنے والا ہے۔ پانی پڑتے ہی مردہ زمینوں میں جان پڑ جاتی ہے کھیتیاں لہلہانے لگتی ہیں جہاں خاک اڑ رہی تھی وہاں سبزہ زار بن جاتا ہے۔ اور کتنے جانور اور آدمی بارش کا پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن ایک خاص بارش کے ذریعہ مردہ جسموں کو جو خاک میں مل چکے تھے زندہ کر دیا جائے گا اور دنیا میں بھی اسی طرح جو دل جہل وعصیان کی موت سے مر چکے تھے وحی الہٰی کی آسمانی بارش ان کو زندہ کر دیتی ہے جو روحیں پلیدی میں پھنسی تھیں ان کو صاف

بارش کے پانی سے دُھل کر پاک وصاف ہو جاتی ہیں اور معرفت وصول الی اللہ کی پیاس رکھنے والے اسی کو پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طہور کا معنی

طہور وہ چیز جس سے پاکی حاصل ہوتی ہے جیسے سحور سحری کا کھانا۔ فطور افطار کی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پاک مٹی مسلمان کو طاہر بنانے کی چیز ہے، جب تک پانی نہ پائے خواہ دس سال گزر جائیں رواہ احمد وابوداؤد وترمذی عن ابی ذر۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ساری زمین ہمارے لئے مسجد بنا دی گئی ہے اور زمین کی مٹی کو طہور (پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ) بنا دیا گیا ہے۔

یا طہور قبول کی طرح مصدر ہے، مسلم وابوداؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے برتن میں اگر کتا منہ ڈال دے تو اس برتن کی پاکی یہ ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھو ڈالے جن میں پہلی مرتبہ مٹی سے (مانجھے) اس صورت میں پانی کو طہور کہنا بطور مبالغہ کے ہوگا۔

نیند سے بیدار ہو کر پہلے ہاتھ دھوئے:

امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم، اور اصحاب سنن اربعہ نے حضرت ابوداؤد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہو جائے تو بغیر تین مرتبہ ہاتھ دھوئے برتن میں ہرگز نہ ڈالے کیونکہ کسی کو نہیں معلوم کہ اس کا ہاتھ رات کو (سوتے میں) کہاں رہا۔ یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔

کثیر پانی: امام ابو حنیفہؒ نے کہا، جو شخص آب کثیر استعمال کرے اور اس کے غالب خیال میں پانی اتنا ہے کہ ایک طرف کی نجاست (کا اثر) دوسرے کنارے تک پہنچنے سے قاصر ہے تو ایسا پانی پاک ہے ورنہ نہیں ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد گرامی ہے کہ پانچوں نمازیں (درمیانی اوقات کے گناہوں کے لئے) اور جمعہ کی نماز آئندہ جمعہ تک (کے گناہوں) کے لئے اور رمضان (آئندہ) رمضان تک (کے گناہوں) کے لئے کفارہ ہیں درمیانی (اوقات وایام کے) گناہوں کو اتار دینے والے ہیں بشرطیکہ آدمی بڑے گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار کر دیا، اس پر آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ آخر تک نازل ہوئی۔ (متفق علیہ)

استعمال شدہ پانی:

آب مستعمل کو جو لوگ پاک کہتے ہیں ان کے قول کی تائید متعدد احادیث سے ہوتی ہے۔ حضرت جابر کا بیان ہے میں بیمار تھا، بیہوش پڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو تشریف لائے آپ نے وضو کیا اور وضو کا پانی میرے اوپر ڈالا، مجھے فوراً ہوش آ گیا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے وارث نہ میرے ماں باپ ہیں نہ اولاد، اس پر آیت فرائض نازل ہوئی۔ متفق علیہ

حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے مجھے میری خالہ رسول اللہ کی خدمت میں لے گئیں اور عرض کیا یہ میری بہن کا لڑکا دکھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برکت کی دعا کی، پھر وضو کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی میں نے پیا، متفق علیہ۔

حضرت مسور بن مخرمہ کی حدیث صلح حدیبیہ کے تذکرے کے ذیل میں آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کوئی تھوک تھوکا تو خدا کی قسم وہ (زمین پر گرنے کے بجائے) کسی آدمی کے ہاتھ پر لگا اور اس نے اس لعاب کو اپنے بدن اور چہرے پر مل لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرتے تھے (لوگ وضو کے پانی کو لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وضو کے پانی پر لڑ پڑیں گے۔ (رواہ البخاری)

رُکا ہوا پانی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے کوئی ایسے ٹھہرے ہوئے پانی میں جو جاری نہ ہو پیشاب کرے پھر اسی سے وضو کرے۔ متفق علیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی رکے ہوئے پانی میں غسل نہ کرے۔ اس حدیث میں رکے ہوئے پانی میں غسل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی اور اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ پانی ناپاک ہو جاتا ہے یا یہ وجہ ہے کہ وہ مطہر نہیں رہتا استعمال سے۔ جب پانی کا ... ہو جائے تو اس صورت میں صرف دوسری ہی شق باقی رہتی ہے کہ وہ ... تو ہے مطہر نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں ممانعت تحریمی نہیں تنزیہی ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا اس سے وضو جائز ہے ہاں اگر کوئی جامد چیز آمیختہ ہو جائے جس سے پانی میں گاڑھا پن آ گیا ہو پانی کے بیشتر اوصاف بدل گئے جیسے نبیذ کی حالت ہوتی ہے نبیذ خیسانده پانی میں کوئی چیز جھگو کی ہوئی یا خاص تک پکائی ہوئی یا کوئی سیال چیز ہی زیادہ مقدار میں پانی میں مل گئی ہو کہ اس کی مقدار کے مقابلے میں پانی کے اجزاء کم ہوں یا پانی کے اکثر اوصاف بدل گئے ہوں یا اس کو پانی میں پکایا گیا ہو جس کی وجہ سے پانی کی طبیعت ہی بدل گئی ہو جیسے شوربہ یا آب باقلی تو اس سے وضو جائز نہیں یعنی اگر میش

سے پانی میں تھوڑا سا تغیر آ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ ابن خزیمہ اور نسائی نے حضرت ام ہانی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہؓ نے ایک بڑے لگن سے غسل کیا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کے آثار موجود تھے۔

میت کا غسل:

بخاری نے حضرت ام عطیہ انصاریہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی وفات ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا اس کو تین بار یا پانچ بار اس سے زیادہ بار جتنا مناسب سمجھو پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پتوں کے ساتھ گرم کئے ہوئے پانی سے غسل دینا اور آخری بار کچھ کافور شامل کر دینا یہ فرمایا، کافور شامل کر دینا۔

بزار نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثمامہ بن اثال مسلمان ہونے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کر لیں قیس بن عاصم کی حدیث میں بھی یہی آیا ہے کہ وہ مسلمان ہونے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل کرنے کا حکم دیا۔

ناپاک زمین کو پاک کرنا:

دارقطنی نے عبدالجبار کے طریق سے بروایت ابن حنیفہ از یحییٰ بن سعید بیان کیا کہ حضرت انسؓ نے فرمایا ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، حضور گرامی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس جگہ کو کھود دو (اور مٹی نکال کر) پھر اس جگہ ایک ڈول پانی بہا دو حافظ ابن حجر نے کہا، اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا
اور طرح طرح سے تقسیم کیا ہم نے اس کو ان کے بیچ میں تا دھیان رکھیں
فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۵۰﴾
پھر بھی نہیں رہتے بہت لوگ بدون ناشکری کیے

آب پاشی کا نظام:

یعنی بارش کا پانی تمام زمینوں اور آدمیوں کو یکساں نہیں پہنچتا۔ بلکہ کہیں کم کہیں زیادہ کہیں جلد کہیں بدیر جس طرح اللہ کی حکمت مقتضی ہو پہنچتا رہتا ہے۔ تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کی تقسیم کسی قادر مختار و حکیم کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بہت لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا نہیں کرتے۔ اُلٹے کفر اور ناشکری پر اتر آتے ہیں۔ یہی حال روحانی بارش کا ہے کہ جس کو اپنی استعداد اور ظرف کے موافق جتنا حصہ ملنا تھا مل گیا اور بہت سے اس نعمت عظمیٰ کا کفران ہی کرتے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ اور ہم نے پانی کو انسانوں میں گھمایا پھرایا کبھی ایک شہر میں کبھی دوسری بستی میں بارش کی۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی سال ایسا نہیں ہوتا کہ دوسرے سال سے اس میں بارش زیادہ ہو بلکہ اللہ بارش کو زمین پر گھماتا رہتا ہے پھر آپ نے یہی آیت پڑھی ایک مرفوع روایت میں آیا ہے کہ کوئی ساعت ایسی نہیں ہوتی نہ رات میں نہ دن میں کہ ابر سے بارش نہ ہوتی ہو، اللہ بارش کا رُخ جس طرف چاہتا ہے پھیر دیتا ہے ابن اسحاق ابن جریج اور مقاتل نے حضرت ابن مسعودؓ تک اس قول کو پہنچایا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمایا ہے کہ کسی ایک سال دوسرے سال سے زیادہ بارش نہیں ہوتی لیکن اللہ نے رزق کی تقسیم کر دی ہے نچلے آسمان (یعنی بادل) میں مینہ (کا خزانہ) رکھ دیا ہے اور مخصوص ناپ تول کے ساتھ نیچے اتارتا ہے جب کوئی قوم گناہ کرتی ہے تو اللہ اس کی طرف سے بارش کا رُخ موڑ کر دوسروں کی طرف کر دیتا ہے۔ اور جب سب نافرمان ہو جاتے ہیں تو پھر بیابانوں اور دریاؤں کی طرف بارش کو موڑ دیا جاتا ہے۔

ناشکرے لوگ:

فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا لیکن اکثر لوگ بے ناشکری کیے نہیں رہے۔ یعنی جب اللہ نے بارش کی تو اکثر لوگوں نے ناشکری کی اور کہنے لگے یہ بارش تو فلاں ستارہ کی تاثیر سے ہوئی ہے، حضرت زید بن خالدؓ جہنی راوی ہیں کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کی طرف رخ پھیرا اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا، صحابہ نے عرض کیا، اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا صبح کو میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہوئے کچھ کافر (ہوئے) جن لوگوں نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھنے والے ہیں اور ستاروں کے منکر اور جن لوگوں نے کہا فلاں ستارہ (کی تاثیر) سے ہم پر بارش ہوئی وہ میرے منکر ہو گئے اور ستاروں (کی تاثیر) پر یقین رکھنے والے۔ متفق علیہ (تفسیر مظہری)

بادل کے فرشتے:

ایک مُرسل حدیث ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ میں بادل کی نسبت کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا بادلوں پر جو فرشتہ مقرر ہے وہ یہ ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو چاہیں دریافت فرمالیں۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! ہمارے پاس تو خدا تعالیٰ کا حکم آتا ہے کہ فلاں فلاں شہر میں اتنے اتنے قطرے برساؤ، ہم تعمیل ارشاد کر دیتے ہیں۔ بارش جیسی نعمت کے وقت اکثر لوگوں کے کفر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم فلاں فلاں ستارے کی وجہ سے یہ بارش برسائے گئے چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ بارش برس چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جاننے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے بندوں میں سے بہت سے میرے ساتھ مؤمن ہو گئے اور بہت سے کافر ہو گئے۔

جنہوں نے کہا کہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ بارش ہم پر برسی ہے وہ تو میرے ساتھ ایمان رکھنے والے اور ستاروں سے کفر کرنے والے ہوئے اور جنہوں نے کہا کہ ہم پر فلاں فلاں تارے کے اثر سے پانی برسایا گیا وہ میرے ساتھ کافر ہوئے اور تاروں کے ساتھ مؤمن ہوئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

بارش ہر سال یکساں برستی ہے:

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ مطلب آیت کا یہ ہے کہ بارش کو ہم بدلتے اور پھیرتے رہتے ہیں کبھی ایک شہر میں کبھی دوسرے میں، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ جو لوگوں میں شہرت ہوتی ہے کہ اس سال بارش زیادہ ہے اس سال کم ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ بارش کا پانی تو ہر سال اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکساں نازل ہوتا ہے البتہ بحکم الٰہی یہ ہوتا رہتا ہے کہ اس کی مقدار کسی شہر بستی میں زیادہ کر دی کسی میں کم کر دی۔ بعض اوقات کمی کر کے کسی بستی کے لوگوں کو سزا دینا اور متنبہ کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات زیادتی بھی عذاب بن جاتی ہے تو یہی پانی جو خالص رحمت ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ناشکری اور نافرمانی کرتے ہیں ان کے لئے اسی کو عذاب اور سزا بنا دیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِىْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ۖ فَلَا
اور اگر ہم چاہتے تو اٹھاتے ہر بستی میں کوئی ڈرانے والا سو تو
تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا
کہنا مت مان منکروں کا اور مقابلہ کر ان کا اس کے ساتھ بڑے زور سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زور وشور سے منکرین کا مقابلہ کرتے رہیں

یعنی نبی کا آنا تعجب کی چیز نہیں اللہ چاہے تو اب بھی نبیوں کی کثرت کر دے کہ ہر بستی میں علیحدہ نبی ہو۔ مگر اس کو منظور یہی ہوا کہ اب آخر میں سارے جہان کے لئے اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجے۔ سو آپ کافروں کے احمقانہ طعن و تشنیع اور سفیہانہ نکتہ چینیوں کی طرف التفات نہ فرمائیں۔ اپنا کام پوری قوت اور جوش سے انجام دیتے رہیں اور قرآن ہاتھ میں لے کر ان منکرین کا مقابلہ زور وشور کے ساتھ کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ختم نبوت کی حکمت:

یعنی اس طرح آپ کے اوپر سے تبلیغ کا بار ہلکا ہو جاتا لیکن آپ کو عظمت عطا کرنے اور آپ کی شان بلند کرنے کے لئے ہم نے سب لوگوں کے لئے تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور تمام پیغمبروں پر آپ کو فضیلت عطا کی۔

نذیر سے مراد ہے پیغمبر جو بستی والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے۔

کافروں کی طرف نہ جھکیں:

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا سو اس نعمت کے شکریہ میں آپ کافروں کی خوشی کا کام نہ کیجئے اور قرآن سے بڑے زور وشور سے ان کا مقابلہ کیجئے۔

یعنی کافر جس طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاتے ہیں آپ ان کا کہنا نہ مانیں ان کی موافقت نہ کریں نہ اس چیز میں ان سے رواداری کا سلوک کریں بلکہ ہماری نعمت کا شکر ادا کریں کہ ہم نے سب لوگوں کے لئے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے آپ اپنی دعوت اور اظہار حق پر ثابت قدم رہیں اور اللہ کی مدد و توفیق یا قرآن کے ذریعہ سے یا کافروں کی مخالفت کر کے۔ ان سے جہاد عظیم کریں دل سے بھی اور زبان سے بھی اور تلوار سے بھی (جیسا موقع ہو ویسا جہاد کیجئے) مراد یہ ہے کہ کافر ابطال حق کی کوشش کرتے ہیں آپ ان کے مقابلہ میں بہ طرح اظہار حق اور حمایت حق کی کوشش کریں۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِىْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ
اور وہی ہے جس نے ملے ہوئے چلائے دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھانے والا
وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا
اور یہ کھاری کڑوا اور رکھا ان دونوں کے بیچ پردہ
وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾
اور آڑ روکی ہوئی

میٹھا و کڑوا پانی ایک ساتھ:

بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت

کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے، ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقیٰ ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اور مجھ سے باریسال کے بعض طلبہ نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں۔ ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے ڈابھیل ملک ضلع سورت سمندر تقریباً دس بارہ میل کے فاصلہ پر ہے ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے۔ بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا، جزر کے وقت اوپر سے کھاری اتر جاتا اور میٹھا جوں کا توں باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریا الگ الگ اپنے اپنے مجریٰ میں چلائے اور دونوں زور لگا کر درمیان سے زمین کو ہٹا دیتے اور اس کی ہستی کو تباہ کر دیتے۔ پھر دونوں میں ہر ایک کا جو مزہ ہے وہ اسی کے لئے لازم ہے۔ یہ نہیں کہ میٹھا دریا کھاری یا کھاری میٹھا بن جائے۔ گویا باعتبار اوصاف کے ہر ایک دوسرے سے بالکل الگ رہنا چاہتا ہے۔ وقیل غیر ذلک والراجح عندی ہو الاول۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

میٹھا اور کھاری پانی اللہ کی عظیم نعمت:

بعض ٹھہرے ہوئے سمندروں کا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے۔ اللہ کی اس نعمت پر بھی شکر کرنا چاہیے کہ اس نے میٹھے پانی کی چوطرف ریل پیل کر دی کہ لوگوں کو نہانے دھونے اور اپنے کھیت اور باغات کو پانی دینے میں آسانی رہے۔ مشرقوں اور مغربوں میں محیط سمندر کھاری پانی کے اس نے بہا دیئے جو ٹھہرے ہوئے ہیں ادھر ادھر بہتے نہیں۔ لیکن موجیں مار رہے ہیں تلاطم کر رہے ہیں۔ بعض میں مد و جزر ہے۔ ہر مہینے کی ابتدائی تاریخوں میں تو ان میں زیادتی اور بہاؤ ہوتا ہے پھر چاند کے گھٹنے کے ساتھ وہ گھٹتا جاتا ہے یہاں تک کہ آخر میں اپنی حالت پر آجاتا ہے پھر جہاں چاند چڑھا یہ بھی چڑھنے لگا چودہ تاریخ تک برابر چاند کے ساتھ چڑھتا رہا پھر اترنا شروع ہوا۔ ان تمام سمندروں کو اسی خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ پوری اور زبردست قدرت والا ہے۔ کھاری اور گرم پانی گو پینے کے کام نہیں آتا لیکن ہواؤں کو صاف کر دیتا ہے جس سے انسانی زندگی ہلاکت میں نہ پڑے اس میں جو جانور مر جاتے ہیں ان کی بدبو دنیا والوں کو ستا نہیں سکتی اور کھاری پانی کے سبب سے اس کی ہوا صحت بخش اور اس کا مزہ پاک طیب ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب سمندر کے پانی کی نسبت سوال ہوا کہ کیا ہم اس سے وضو کر لیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حِجْرًا مَّحْجُورًا اور وہ سخت روک کہ کوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھتا، اور نمکین سمندر، میٹھے سمندر کو بگاڑ نہیں سکتا۔ بیضاوی نے لکھا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر سے کسی چیز نے داخل ہو کر سمندر کو بیچ سے پھاڑ دیا ہے اور اس طرح یہ دخیل (دھارا) میلوں تک گھستا چلا جاتا ہے اور اس کے مزے میں فرق نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی قدرت کا عظیم کرشمہ:

مراد ان دو دریاؤں سے وہ مواقع ہیں جہاں شیریں ندیاں اور نہریں بہتے سمندر میں آکر گرتی ہیں وہاں باوجود اس کے کہ اوپر سے دونوں کا سطح ایک معلوم ہوتا ہے لیکن قدرت الٰہیہ سے ان میں ایک ایسی حد فاصل ہے کہ ملتقیٰ کے ایک جانب سے پانی لیا جائے تو شیریں اور دوسری جانب سے جو کہ جانب اول سے بالکل قریب ہے پانی لیا جائے تو تلخ۔ دنیا میں جہاں جس جگہ شیریں پانی کی نہریں چشمے سمندر کے پانی میں گرتے ہیں وہاں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ میلوں دور تک میٹھا اور کھاری پانی الگ الگ چلتے ہیں، دائیں طرف میٹھا، بائیں طرف تلخ کھاری یا اوپر نیچے میٹھا اور تلخ پانی الگ الگ پائے جاتے ہیں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ بیان القرآن میں دو معتبر بنگالی علماء کی شہادت نقل کی ہے کہ ارکان سے چاٹگام تک دریا کی شان یہ ہے کہ اس کی دو جانبیں بالکل الگ الگ نوعیت کے دو دریا نظر آتے ہیں ایک کا پانی سفید ہے اور ایک کا سیاہ، سیاہ میں سمندر کی طرح طوفانی تلاطم اور تموج ہوتا ہے اور سفید بالکل ساکن رہتا ہے کشتی سفید میں چلتی ہے اور دونوں کے بیچ میں ایک دھاری سی برابر چلی گئی ہے جو دونوں کا ملتقیٰ ہے لوگ کہتے ہیں کہ سفید پانی میٹھا ہے اور سیاہ کڑوا۔ اھ، اور مجھ سے باریسال کے بعض طلباء نے بیان کیا کہ ضلع باریسال میں دو ندیاں ہیں جو ایک ہی دریا سے نکلی ہیں ایک کا پانی کھاری بالکل کڑوا اور ایک کا نہایت شیریں اور لذیذ ہے۔ یہاں گجرات میں راقم الحروف جس جگہ آج کل مقیم ہے (ڈابھیل سملک ضلع سورت) سمندر وہاں سے تقریباً دس بارہ میل کے فاصلے پر ہے۔ ادھر کی ندیوں میں برابر مد و جزر (جوار بھاٹا) ہوتا رہتا ہے بکثرت ثقات نے بیان کیا کہ مد کے وقت جب سمندر کا پانی ندی میں آجاتا ہے تو میٹھے پانی کی سطح پر کھاری پانی بہت زور سے چڑھ جاتا ہے لیکن اس وقت بھی دونوں پانی مختلط نہیں ہوتے۔ اوپر

کھاری رہتا ہے نیچے میٹھا جزر کے وقت اوپر سے کھاری اُتر جاتا ہے اور میٹھا جوں کا توں میٹھا باقی رہ جاتا ہے واللہ اعلم۔ ان شواہد کو دیکھتے ہوئے آیت کا مطلب بالکل واضح ہے یعنی خدا کی قدرت دیکھو کہ کھاری اور میٹھے دونوں دریاؤں کے پانی کہیں نہ کہیں مل جانے کے باوجود بھی کس طرح ایک دوسرے سے ممتاز رہتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا
اور وہی ہے جس نے بنایا پانی سے آدمی پھر ٹھہرایا اس کے لئے جد اور سسرال
وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ
اور تیرا رب سب کچھ کر سکتا ہے اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر
مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ
وہ چیز جو نہ بھلا کرے اُن کا نہ بُرا اور ہے کافر
عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۝
اپنے رب کی طرف سے پیٹھ پھیرے

ایک قطرۂ آب سے انسان کی پیدائش:

دیکھ لو! کس طرح اپنی قدرت کاملہ سے ایک قطرۂ آب کو عاقل و کامل آدمی بنا دیا۔ پھر آگے اس سے نسبیں چلیں اور دامادی اور سسرال کے تعلقات قائم ہوئے۔ ایک ناچیز قطرہ کو کیا سے کیا کر دیا اور کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ لیکن یہ حضرت تھوڑی ہی دیر میں اپنی اصل کو بھول گئے اور اس رب قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو خدا بنانے لگے۔ اپنے پروردگار کا حق تو کیا پہچانتے اُس سے منہ موڑ کر اور پیٹھ پھیر کر شیطان کی فوج میں جا شامل ہوئے۔ تاکہ اغواء و اضلال کے مشن میں اس کی مدد کریں اور مخلوق کو گمراہ کرنے میں اس کا ہاتھ بٹائیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ
اور تجھ کو ہم نے بھیجا یہی خوشی اور ڈر سنانے کے لئے تو کہہ میں نہیں مانگتا
عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ
تم سے اس پر کچھ مزدوری مگر جو کوئی چاہے کہ پکڑ لے
إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝
اپنے رب کی طرف راہ

پیغمبر کا کام:

یعنی آپ کا کام خدا تعالیٰ کی وفاداری پر بشارت سنانا اور غداروں کو خراب نتائج و عواقب سے آگاہ کر دینا ہے۔ آگے کوئی مانے یا نہ مانے آپ کا کچھ نقصان نہیں۔ آپ ان سے کچھ فیس یا مزدوری تھوڑی طلب کر رہے تھے کہ ان کے نہ ماننے سے اس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ آپ تو ان سے صرف اتنا ہی چاہتے ہیں کہ جو کوئی چاہے خدا کی توفیق پا کر اپنے رب کا راستہ پکڑے۔ اسی کو چاہو فیس کہہ لو یا مزدوری۔ (تفسیر عثمانی)

رسالت کا اجر: اللہ کے امر و نواہی کی تعمیل کے لئے اللہ کے رسول کی اطاعت کو اجرِ رسالت قرار دیا کیونکہ رسالت کا اصل مقصد ہی یہ ہے اس کے علاوہ ہر اجرِ تبلیغ کی نفی کر دی تاکہ کسی کو شبہ کرنے کا موقع ہی باقی نہ رہے۔ شاید کوئی سرپھرا یہ خیال کرنے لگتا کہ اللہ کی طرف احکام کو منسوب کر کے یہ اپنی اطاعت تحصیلِ زر و مال کے لئے کرانا چاہتے ہیں اور ہم سے معاوضہ مالی کے طلب گار ہیں، ہر قسم کے معاوضہ مالی کی طلب کی ممانعت کر کے اس وہم کی بیخ کنی کر دی، پھر اس طرزِ ادا میں انتہائی شفقت کا اظہار بھی ہے کافروں کے لئے جو بات فائدہ رساں تھی اس کو اپنے لئے سود مند ظاہر کیا اور بتا دیا کہ تم لوگوں کا اس راستہ پر چلنا ہی میری خدمت رسالت کا پورا معاوضہ ہے اس طریق بیان سے اس امر پر تنبیہ بھی ہوگئی کہ امت کی اطاعت کا فائدہ مآل کے اعتبار سے رسول کی طرف لوٹے گا چونکہ رسول کی راہنمائی سے امت ہدایت یاب ہوئی ہے اس لئے (راہنمائی کا اور) ہدایت یاب ہونے کا ثواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا راستہ بتانے والا بھی نیکی کرنے والے کی طرح ہے یہ حدیث بزار نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابو مسعودؓ کی روایت سے اور امام احمد نیز صحاح ستہ کے مؤلفین نے اور ضیاء نے کچھ زیادتی کے ساتھ حضرت بریدہؓ کی روایت سے اور ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ ضیاء نے اتنی فقرہ حدیث کا اور نقل کیا ہے کہ اللہ مصیبت زدہ کی فریاد رسی کو پسند فرماتا ہے۔ مسلم نے حضرت جریر کی روایت سے ایک طویل حدیث کے ذیل میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اس کو اس طریقے پر چلنے کا ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کا بھی ثواب ملے گا جو اس طریقہ پر چلیں گے مگر ان سے ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ
اور بھروسہ کر اوپر اُس زندہ کے جو نہیں مرتا

اللہ کے سوا کسی کے بھروسہ کی ضرورت نہیں:

یعنی آپ تنہا خدا پر بھروسہ کر کے اپنا فرض (تبلیغ و دعوت وغیرہ) ادا کیے جائیے۔ کسی کی مخالفت یا موافقت کی پروا نہ کریں۔ فانی چیزوں کا کیا سہارا۔ سہارا تو اسی کا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے کبھی نہ مرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۚ
اور یاد کر اس کی خوبیاں اور وہ کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار

یعنی اسی پر توکل رکھیے اور اسی کی عبادت اور حمد و ثنا کرتے رہیے۔ ان مجرموں سے وہ خود نمٹ لے گا۔

اور جب تیرا پروردگار حی لایموت ہے تو سمجھ لے کہ اس کی مدد بھی دائم ہوگی جس پر کبھی موت نہیں آئے گی جس زندہ پر بھی بھروسہ کیا جائے اس کے مرنے کے بعد سہارا باقی نہیں رہتا مگر خداوند ذو الجلال حي لايموت ہے آپ کے کسی دشمن میں یہ طاقت نہیں کہ اس سہارے کو ختم کر سکے اور آپ ان کی دشمنی کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ اطمینان کے ساتھ اللہ کی تسبیح میں لگے رہیے اور سبحانک اللهم وبحمدک یا سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم پڑھتے رہیے اللہ کے ذکر اور تسبیح کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اور دل کی پریشانی دور ہوتی ہے لہٰذا آپ تبلیغ بھی کرتے رہیے اور تسبیح بھی پڑھتے رہیے اور ان دشمنوں کی دشمنی کی پروا نہ کیجیے۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا
جس نے بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے
فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۚ
چھ دن میں پھر قائم ہوا عرش پر

اس کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِیْرًا
وہ بڑی رحمت والا، سو پوچھ اس سے جو اس کی خبر رکھتا ہو

اللہ کی قدر جاننے والے:

یعنی اللہ تعالیٰ کی شانوں اور رحمتوں کو کسی جاننے والے سے پوچھو۔ یہ جاہل مشرک اسے کیا جانیں وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اپنی شئون و کمالات کا پوری طرح جاننے والا تو خدا ہی ہے اَنْتَ كما اثنيت على نفسك لیکن مخلوق میں سب سے بڑے جاننے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات گرامی میں حق تعالیٰ نے اولین و آخرین کے تمام علوم جمع کر دیے۔ خدا تعالیٰ کی شانوں کو کوئی ان سے پوچھے۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا
اور جب کہیے ان سے سجدہ کرو رحمن کو کہیں
وَمَا الرَّحْمٰنُ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩
رحمن کیا ہے کیا سجدہ کرنے لگیں ہم جس کو تو فرمائے اور بڑھ جاتا ہے ان کا بدکنا

بے قدرے لوگ: یعنی یہ جاہل مشرک رحمان کی عظمت شان کو کیا سمجھ سکتے ہیں جن کو اس نام سے بھی چڑ ہے۔ جب یہ نام سنتے ہیں تو انتہائی جہل یا بےحیائی اور تعنت سے ناواقف بن کر کہتے ہیں کہ رحمان کون ہے۔ جس کو ہم سے سجدہ کراتا ہے کیا محض تیرے کہہ دینے سے ایسی بات مان لیں؟ بس تم نے ایک نام لے دیا اور ہم سجدہ میں گر پڑے غرض جس قدر انہیں رحمان کی اطاعت و انقیاد کی طرف توجہ دلائیے اسی قدر زیادہ بدکتے اور بھاگتے ہیں۔

سجدہ فقط اللہ کو ہے:

ایک مرسل حدیث میں ہے کہ مدینہ طیبہ کی کسی گلی میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کر سجدے کے لائق وہ ہے جو ہمیشہ کی زندگی والا ہے جس پر کبھی موت نہیں (ابن ابی حاتم) اور اس کی تسبیح و حمد بیان کرتا رہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا
بڑی برکت ہے اس کی جس نے بنائے آسمان میں برج

آسمان کے برج:

یعنی بڑے بڑے ستارے، یا آسمانی قلعے جن میں فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ یا ممکن ہے سورج کی بارہ منزلیں مراد ہوں جو اہل ہیئت نے بیان کی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ آسمان کے بارہ حصے، ان کا نام برج، ہر ایک پر ستاروں کا پتہ، یہ حدیں رکھی ہیں حساب کو۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

حضرت علی اور ابن عباس اور محمد بن کعب اور ابراہیم نخعی اور سلیمان بن مہران اعمش سے منقول ہے کہ یہ پہرہ دینے والے فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔ دیکھو (تفسیر ابن کثیر)

اور بعض کہتے ہیں کہ بروج سے آسمان کی وہ بارہ منزلیں مراد ہیں جو اہل ہیئت بیان کرتے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد جس کو لیث بھی کہتے ہیں۔ سنبلہ۔ میزان۔ عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو۔ حوت۔

آسمان میں ستاروں کے اجتماع سے مختلف صورتیں پیدا ہوگئیں۔ کہیں شیر کی اور کہیں ترازو کی اور کہیں بچھو کی کہیں مچھلی کی۔ اور آفتاب جب ایک برج سے دوسرے برج میں جاتا ہے تو موسم بدل جاتا ہے یہ بھی خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اس لئے وہ ان ناموں سے موسوم ہوئے، حکماء نے آسمان کو خیالی طور پر اس طرح تقسیم کیا ہے کہ جس طرح خربوزہ کی قاشیں ہوتی ہیں اور اس نام کے ساتھ اس کو نامزد کیا کہ جو صورت اس میں نمودار ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

موسموں کی تبدیلی کا نظام:

ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس و قمر اور دوسرے ستاروں کے کبھی سامنے آنے اور کبھی غائب ہو جانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب سے پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات کے گھٹنے بڑھنے کے عجیب و غریب نظام سے جس میں ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا، ان سب امور سے ایک ادنیٰ عقل و بصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یوں ہی خود بخود نہیں چل رہا کوئی اس کو بنانے چلانے والا اور باقی رکھنے والا ہے اور اتنا سمجھنے کے لئے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق اور آلات رصدیہ وغیرہ کی حاجت پڑتی ہے نہ قرآن نے اس کی طرف دعوت دی۔ قرآن کی دعوت صرف اُسی حد تک ان چیزوں میں غور و فکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ اکتشافات اس کی واضح دلیل ہیں کہ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جا سکتا۔ انسانی ضرورت سے متعلقہ تمام فنون، فلکیات، کائنات فضاء ابر و باراں، خلا، طبقات الارض، پھر زمین پر پیدا ہونے والی مخلوقات، جمادات، نباتات، حیوانات سے اور عالم انسان اور انسانی علوم و فنون، تجارت، زراعت صنعت وغیرہ ان سب میں سے قرآن حکیم صرف اُن کی روح اور مشاہداتی حصہ کو اسقدر لیتا ہے جس سے انسان کی دینی یا دنیوی ضرورت متعلق ہے، دور از کار تحقیقات کی دلدل میں انسان کو نہیں پھنساتا البتہ کہیں کہیں کسی خاص مسئلے کی طرف اشارہ یا صراحت بھی پائی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن میں سائنسی نظریات کی موافقت یا مخالفت کا صحیح معیار

علماءِ اہلِ حق قدیم و جدید اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآن کریم سے یقینی طور پر ثابت ہے۔ اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اُس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں، اس نظریہ ہی کو مغالطہ قرار دیا جائے گا، البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں الفاظ قرآنی میں دونوں معنے کی گنجائش ہے وہاں اگر مشاہدات اور تجربے سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیتِ قرآن کو بھی اسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ جیسے اسی آیت جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا میں ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ ستارے آسمان کے اندر ہیں یا باہر فضائے آسمانی میں ہیں۔

فیثاغورس کی تحقیق کی تائید:

آج کل جبکہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچی جا سکتا ہے تو اس سے فیثاغورسی نظریہ کی تائید ہوگئی کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآن کریم اور احادیث صریحہ کی تصریحات کی رُو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے اُن میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس مشاہدے و تجربے کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائے گا کہ کواکب کو فضائے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوم میں سے ایک کی تعیین ہے۔

غلط دعویٰ: لیکن اگر کوئی سرے سے آسمانوں کے وجود کا انکار کرے جیسے بعض ہیئت جدید والے کہتے ہیں یا کوئی یہ دعویٰ کرے کہ راکٹوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ آسمانوں کے اندر داخلہ ہو سکتا ہے تو از روئے قرآن اُس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا کیونکہ قرآن کریم نے متعدد آیات میں یہ بات واضح طور پر بتلائی ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں اور وہ دروازے خاص خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں ان دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے۔ آسمانوں میں داخلہ ہر شخص کا جب چاہے نہیں ہو سکتا، اس دعوے کی وجہ سے اُن آیات میں کوئی تاویل نہیں کی جائے گی اور اس دعوے کو غلط قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح جبکہ قرآن کریم کی آیت كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے۔

علامہ آلوسیؒ کا تجزیہ:

زمانۂ حال کے سب سے بڑے مفسر قرآن سید محمود آلوسی بغدادی جن کی تفسیر روح المعانی علماءِ سلف کی تفاسیر کا بہترین خلاصہ و عرب و عجم مشرق و مغرب میں مقبول و مستند تفسیر ہے۔

اُن کے پوتے علامہ سید محمود شکری آلوسی نے ان مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے **مادل علیه القرآن مما یعضد الهیئة الجدیدة القویمة البرهان** جس میں ہیئت جدیدہ کے نظریات کی تائید قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے مگر دوسرے تجدد پسند علماء کی طرح قرآنی آیات میں کسی قسم کی تاویل کو روا نہیں رکھا۔ اُن کے چند جملے اس جگہ نقل کر دینا کافی ہیں جو ہیئت جدیدہ کی تائید میں لکھے ہیں وہ فرماتے ہیں۔

میں نے ہیئت جدیدہ کے بہت سے قواعد کو دیکھا ہے وہ قرآن وسنت کی نصوص کے خلاف نہیں۔ اور اس کے باوجود اگر وہ قرآن وسنت کی کسی نص کے خلاف ہو تو ہم اس کی طرف رُخ نہ کریں گے اور قرآن وسنت کی نصوص میں اس کی وجہ سے تاویل نہ کریں گے کیونکہ ایسی تاویل سلف صالحین کے مذہب مقبول میں نہیں ہے بلکہ ہم اُس وقت یہ کہیں گے کہ جو نظریہ قرآن و سنت کے خلاف ہے اس میں ہی کوئی خلل ہے کیونکہ عقلِ سلیم اور نقلِ صحیح میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔

علم فلکیات کی تاریخ:

فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات اور ہیأت کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں، ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ مصر، شام، ہند، چین وغیرہ میں ان فنون کا چرچا قدیم زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام سے پانسو سال پہلے اس فن کا بڑا معلم فیثاغورس گزرا ہے جو اطالیہ کے مدرسہ کوتونا میں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا تھا، اس کے بعد میلادِ مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایکسو چالیس سال پہلے اس فن کا دوسرا محقق بطلیموس رومی آیا اور اسی زمانے میں ایک دوسرے فلاسفر ہیرخوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویئے ناپنے کے آلات ایجاد کیے۔

فیثاغورس اور بطلیموس کے نظریات ہیئت افلاک کے متعلق بالکل ایک دوسرے سے متضاد تھے۔ بطلیموس کو اپنے زمانے کی حکومت اور عوام کا تعاون حاصل ہوا۔ اس کا نظریہ اتنا پھیلا کہ فیثاغورس کا نظریہ گوشۂ گمنامی میں جا پڑا، اور جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا تو یہی بطلیموس کا نظریہ ان کتابوں میں منتقل ہوا اور اہل علم میں عام طور سے یہی نظریہ جانا پہچانا گیا۔ بہت سے مفسرین نے آیات قرآنیہ کی تفسیر میں بھی یہ نظریہ سامنے رکھ کر کلام کیا۔ گیارہویں صدی ہجری اور پندرہویں صدی عیسوی جس میں اقوام یورپ کی ترقی کا آغاز ہوا اور یورپین محققین نے ان مسائل پر کام کرنا شروع کیا جن میں سب سے پہلے کوپرنک پھر جرمنی میں کیلر اور اطالیہ میں گلیلیو وغیرہ کے نام آتے ہیں انہوں نے ازسرِنو ان مباحث کا جائزہ لیا، یہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ ہیئت افلاک کے متعلق بطلیموسی نظریہ غلط اور فیثاغورس کا نظریہ صحیح ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی اور تیرہویں صدی ہجری میں اسحٰق نیوٹن کی شہرت ہوئی، اس کی تحقیقات وایجادات نے اس کو مزید تقویت پہنچائی، اس نے یہ تحقیق کی کہ وزنی چیزیں اگر ہوا میں چھوڑی جائیں تو ان کے زمین پر آ گرنے کا سبب وہ نہیں جو بطلیموسی نظریہ میں بتلایا گیا ہے کہ زمین کے وسط میں مرکزِ عالم ہے اور تمام وزنی چیزیں مرکز کی طرف فطرۃً رجوع کرتی ہیں بلکہ اُس نے بتلایا کہ جتنے ستارے اور سیارات ہیں سب میں ایک جذب وکشش کا مادہ ہے زمین بھی اسی طرح کا ایک سیارہ ہے اس میں بھی کشش ہے۔ جس حد تک زمین کی کشش کا اثر رہتا ہے وہاں سے ہر وزنی چیز زمین پر آئے گی لیکن اگر کوئی چیز اس کی کشش کے دائرہ سے باہر نکل جائے تو وہ پھر نیچے نہیں آئے گی۔

ابوریحان البیرونی کی تحقیقات پر راکٹ کی ایجاد:

حال میں روسی اور امریکی ماہرین نے قدیم اسلامی فلاسفر ابوریحان محمد البیرونی کی تحقیقات کی امداد سے راکٹ وغیرہ ایجاد کر کے اس کا عملی تجربہ اور مشاہدہ کر لیا کہ راکٹ جب اپنی شدید قوت اور تیز رفتاری کے سبب زمین کی کشش کو توڑ کر اس کے دائرہ سے باہر نکل گیا تو پھر یہ نیچے نہیں آتا بلکہ ایک مصنوعی سیارے کی صورت اختیار کر لیتا اور اپنے مدار پر چکر لگاتا ہے۔ پھر ان مصنوعی سیاروں کا تجربہ کرتے کرتے اس کے ماہرین نے سیارات تک پہنچنے کی تدبیریں شروع کیں اور بالآخر چاند پر پہنچ گئے جس کی تصدیق اس زمانے کے تمام ماہرین فن موافق ومخالف نے کی اور اب تک چاند پر بار بار جانے وہاں کے پتھر، خاک وغیرہ لانے اور اس کے فوٹو مہیا کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔ دوسرے سیارات تک پہنچنے کی بھی کوششیں ہو رہی ہیں اور خلانوردی خلا پیمائی کی مشقیں جاری ہیں۔

خلائی سفر:

ان میں سے امریکن خلانورد جان گلین جو کامیابی کے ساتھ خلا کا سفر کر کے واپس آیا اور اس کی کامیابی پر اس کے موافق ومخالف سبھی نے اعتماد کیا، اس کا ایک بیان امریکہ کے مشہور ماہنامہ ریڈرز ڈائجسٹ میں اور اس کا اُردو ترجمہ امریکہ کے اُردو ماہنامہ سیربین میں مفصل شائع ہوا ہے یہاں اس کے اہم اقتباسات ماہنامہ سیربین سے نقل کئے جاتے ہیں جن سے ہمارے زیر بحث مسئلہ پر کافی روشنی پڑتی ہے جان گلین نے اپنے طویل مقالہ میں خلاء کے عجائب کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

''یہی وہ ایک واحد شئ ہے جو خلاء میں خدا کے وجود پر دلالت کرتی ہے، اور یہ کہ کوئی طاقت ہے جو ان سب کو مرکز ومحور سے وابستہ رکھتی ہے۔'' آگے لکھا ہے کہ: ''اُس کے باوجود خلا میں پہلے ہی سے جو عمل جاری ہے اُس کو دیکھتے ہوئے ہماری کوششیں انتہائی حقیر ہیں۔ سائنسی اصطلاحات وپیمانوں میں خلائی پیمائش ناممکن ہے۔''

قطب نما کے پس پردہ قوت:

آگے ہوائی جہاز کی مشینی قوت کا تذکرہ کر کے لکھا ہے کہ:

''لیکن ایک یقینی اور غیر محسوس قوت کے بغیر اس کا استعمال بھی محدود اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے اس لئے کہ جہاز کو اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تعیین رُخ کی حاجت ہوتی ہے اور یہ کام قطب نما سے لیا جاتا ہے۔ وہ قوت جو

قطب نما کو متحرک رکھتی ہے ہمارے تمام حواس خمسہ کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے اسے نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ چکھ سکتے ہیں نہ سونگھ سکتے ہیں حالانکہ نتائج کا ظہور اس پر واضح دلالت کر رہا ہوتا ہے کہ یہاں کوئی پوشیدہ قوت ضرور موجود ہے۔"

آگے سب سیر و سفر کے نتیجہ کے طور پر لکھتا ہے

"عیسائیت کے اصول و نظریات کی حقیقت بھی ٹھیک یہی کچھ ہے۔ اگر ہم ان کو اپنا رہنما بنائیں تو باوجود یہ کہ ہمارے حواس ان کے ادراک سے عاجز ہوتے ہیں لیکن اس رہنما قوت کے نتائج و تاثرات اپنے اور اپنے دوسرے بھائیوں کی زندگیوں میں کھلی آنکھوں دیکھیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم جانتے ہیں اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ اس کائنات میں ایک رہنما قوت موجود ہے۔"

یہ ہیں خلاء کے مسافروں اور سیارات پر کمند پھینکنے والوں کی کمائی کے حاصلات۔

نظام کائنات کا پیغام:

بس حاصل اتنی بات ہوئی کہ یہ سب نظام کائنات اور نجوم و سیارات خود بخود نہیں، بلکہ کسی عظیم اور غیر محسوس طاقت کے زیر فرمان چل رہے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کو انبیاء علیہم السلام نے پہلے قدم پر عام انسانوں کو بتلا دیا تھا اور قرآن کریم کی بیشمار آیات میں اسی چیز کا یقین دلانے کے لئے آسمان زمین، نجوم و سیارات وغیرہ کے حالات پر غور و فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

آپ نے دیکھ لیا کہ جس طرح زمین میں بیٹھ کر آسمانی فضاؤں اور نجوم و سیارات کی تحقیقات و ہیأت پر فلسفیانہ بحثیں کرنے والے ان چیزوں کی حقیقت تک نہ پہنچ سکے اور بالآخر اپنے عجز و بے بسی کا اعتراف کیا، اسی طرح یہ زمین سے لاکھوں میل اُوپر کا سفر کرنے والے اور چاند کے پتھر اور مٹی اور وہاں کے فوٹو لانے والے بھی حقیقت شناسی کے میدان میں کچھ اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔

بزرگان سلف نے یہ نصیحت فرمائی ؎

زباں تازہ کردن باقرار تو   نینگیختن علت از کار تو
مہندس بسے جویداز راز شاں   نداند کہ چوں کردی آغاز شاں

صوفیائے کرام جو نظر کشفی سے ان چیزوں کو دیکھتے ہیں ان کا فیصلہ بھی انجام کار وہی ہے جو شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

چہ شبہا نشستم دریں سیر گم   کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم

حافظ شیرازی نے اپنی لے میں فرمایا ؎

سخن از مطرب دمی گوئی وراز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود ونکشاید بحکمت ایں معمارا

اس تمام تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ کائنات افلاک و فضاء اور کائنات ارضی میں غور و فکر اس حیثیت سے کہ اُن سے پیدا کرنے والے کے وجود اور توحید اور اس کی بے مثال علم و قدرت پر استدلال کیا جا سکے عین مقصود قرآنی ہے اور قرآن جا بجا اس کی دعوت دے رہا ہے۔

تجربات و مشاہدات سے کوئی چیز ثابت ہو جائے تو اس کو قرآن کے منافی کہنا بھی صحیح نہیں۔ چاند کے اوپر پہنچنا، رہنا بسنا اور وہاں کی معدنیات وغیرہ سے نفع اُٹھانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں ان میں سے کوئی چیز مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہو جائے تو اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں اور جب تک ثابت نہ ہو خواہ مخواہ اس کے تصورات باندھنا اور اس میں عمر عزیز کے اوقات صرف کرنا بھی کوئی دانشمندی نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا
اور رکھا اس میں چراغ

آسمان کا چراغ:

یعنی سورج، شاید نور و حرارت کے جمع ہونے اور صفت احراق رکھنے کی وجہ سے اس کو چراغ فرمایا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (سورۃ نوح)

وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً
اور چاند اُجالا کرنے والا اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن بدلتے سدلتے

رات و دن کا نظام:

گھٹنے بڑھنے یا آنے جانے کو بدلنا سدلنا فرمایا، یا یہ مطلب ہے کہ ایک کو دوسرے کا بدل بنایا ہے مثلاً دن کا کام رہ گیا، رات کو کر لیا اور رات کا وظیفہ رہ گیا، دن میں پورا کر دیا۔ کما ورد فی الحدیث۔ (تفسیر عثمانی)

خِلْفَةً یعنی رات اور دن میں سے ہر ایک دوسرے کا قائم مقام ہو جاتا ہے، اسی لئے اگر کسی سے دن یا رات کا کوئی عمل فوت ہو گیا ہو تو دن کے عمل کو رات میں اور رات کے عمل کو دن میں ادا کر سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ کی فراست:

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا آج میری رات کی نماز فوت ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا رات کو جو نماز فوت ہو گئی اس کو دن میں (پورا) کر لو۔ اللہ نے فرمایا ہے

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ

حسن راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے چاشت کی نماز بہت طویل کر دی کسی نے دریافت کیا آج آپ نے وہ بات کی جو اس سے پہلے آپ نہیں کرتے تھے فرمایا میرا رات کا کچھ وظیفہ آج رہ گیا تھا میں اس کو پورا کرنا چاہتا

تھا۔ یا فرمایا۔ میں نے اس کو ادا کرنا چاہا، اس کے بعد آپ نے آیت وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً تلاوت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۝

اس شخص کے واسطے کہ چاہے دھیان رکھنا یا چاہے شکر کرنا

بدلتے حالات کا سبق:

یعنی چاند، سورج وغیرہ کا اُلٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل اس لئے ہے اُس میں دھیان کر کے لوگ خداوند قدیر کی معرفت کا سُراغ لگائیں کہ یہ سب تصرفات وتقلبات عظیمہ اُسی کے دست قدرت کی کارسازیاں ہیں۔ اور رات دن کے فوائد وانعامات کو دیکھ کر اُس کی شکرگزاری کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ رحمٰن کے مخلص بندے جن کا ذکر آگے آتا ہے، ایسا ہی کرتے ہیں۔

صحیح حدیث شریف میں ہے، اللہ تعالیٰ رات کو اپنے ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرلے اور دن کو ہاتھ پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرلے۔

خِلْفَةً کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مختلف یعنی دن روشن رات تاریک اس میں اُجالا اس میں اندھیرا یہ نورانی وہ ظلمانی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

اور بندے رحمٰن کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں

اللہ کے سچے بندے:

یعنی مشرکین کی طرح رحمان کا نام سن کر ناک بھویں نہیں چڑھاتے بلکہ ہر فعل وقول سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اُن کی چال ڈھال سے تواضع، متانت، خاکساری اور بے تکلفی ٹپکتی ہے متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ریاء وتصنع سے بیماروں کی طرح قدم اُٹھاتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو رفتار احادیث میں منقول ہے، اس کی تائید نہیں کرتی۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مقصود ہے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو رحمٰن کی عبادت میں ڈوبے ہوئے ہیں (گویا حقیقت میں یہ ہی اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں) اس صورت میں عبد عابد کی جمع ہے جیسے تجار تاجر کی جمع ہے۔ اللہ کے دوسرے نام اس جگہ ذکر نہیں کئے صرف الرحمٰن کا ذکر کیا اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے ان سے اپنی رحمتِ کاملہ کا وعدہ کرلیا ہے اور یہ بھی مخلوقِ خدا پر کامل طور پر مہربان ہیں (جب رحمان کے پرستار ہیں تو خود بھی ان کا رحیم ہونا ضروری ہے)

يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی تواضع اور فروتنی کے ساتھ پروقار پرسکون چال سے چلتے ہیں ان کی چال میں نہ غرور ہے نہ اتراتا۔ لغت میں ہَون کا معنی ہے نرمی، صاحب قاموس نے ہَون کا معنی لکھا ہے وقار (سنجیدگی) یہی معنی مراد ہیں اس قول رسول میں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، مؤمن نرم رفتار اور پروقار ہوتا ہے اتنا کہ انتہائی نرمی کی وجہ سے تم اس کو احمق خیال کرنے لگتے ہو۔ رواہ البیہقی بسند ضعیف عن ابی ہریرۃؓ۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو اکڑ کر چلتے دیکھا فرمایا جس چال میں غرور ہو وہ بُری ہے سوائے جہاد کے (جب دشمنوں کا مقابلہ ہو) اللہ نے کچھ لوگوں کی تعریف کی ہے اور فرمایا ہے وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ ــــــ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا تک۔ پس تو اپنی چال میں درمیانی صورت اختیار کر۔ (نہ زیادہ جھک کر چل نہ اکڑ کر)

یہاں ان مخصوص بندوں کو اپنا بندہ فرما کر ان کو اعزازی لقب دینا تھا مگر اپنی طرف نسبت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سب اسماء حسنیٰ اور صفات کمال میں سے اس جگہ لفظ رحمٰن کا انتخاب شاید اس لئے کیا گیا کہ مقبولین کی عادات وصفات اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی ترجمان اور مظہر ہونا چاہئیں اس کی طرف اشارہ کرنا منظور ہے۔

مقبول بندوں کی مخصوص صفات وعلامات:

آیات مذکورہ میں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفت و علامات کا ذکر آیا ہے جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ ورسول کے احکام اور مرضی کی پابندی۔ دوسرے انسانوں کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت، رات دن کی عبادت گزاری کے ساتھ خوف خدا۔ تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اپنی اولاد وازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

ان کا سب سے پہلا وصف عباد ہونا ہے عباد عبد کی جمع ہے عبد کا ترجمہ ہے بندہ جو اپنے آقا کا مملوک ہو، اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم ومرضی پر دائر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہوسکتا ہے جو اپنے عقائد وخیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت وسکون کو اپنے رب کے حکم او رمرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کام کا حکم ہو وہ بجا لاؤں۔

دوسری صفت يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا یعنی چلتے ہیں وہ زمین پر تواضع کے ساتھ لفظ ہَون کا مفہوم اس جگہ سکینت ووقار اور تواضع ہے کہ اکڑ کر نہ چلے، قدم متکبرانہ انداز سے نہ رکھے، بہت آہستہ چلنا مراد نہیں، کیونکہ وہ بلاضرورت ہو تو خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی جو صفت شمائل نبویہ میں منقول ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا۔ حدیث میں ہے کانما الارض تطوی لہ یعنی آپ ایسا چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سمٹتی ہے (ابن

کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے تکلف مریضوں کی طرح آہستہ چلنے کو عدمِ تکبر و تصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے۔ فاروق اعظمؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے، پوچھا کیا تم بیمار ہو۔ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے اس پر درہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو (ابن کثیر)

حضرت حسن بصریؒ نے اس آیت یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا کی تفسیر میں فرمایا کہ مؤمنین مخلصین کے تمام اعضاء و جوارح آنکھ، کان، ہاتھ پاؤں سب اللہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں ناواقف ان کو دیکھ کر معذور عاجز سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ بیمار ہیں نہ معذور بلکہ تندرست قوی ہیں مگر ان پر حق تعالیٰ کا خوف ایسا طاری ہے جو دوسروں پر نہیں ہے۔ ان کو دنیا کے دھندوں سے آخرت کی فکر نے روکا ہوا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کی ساری فکر دنیا ہی کے کاموں میں لگی رہتی ہے تو وہ ہمیشہ حسرت ہی حسرت میں رہتا ہے (کہ دنیا تو ساری ملتی نہیں اور آخرت میں اس نے حصہ نہیں لیا) اور جس شخص نے اللہ کی نعمت صرف کھانے پینے کی ہی چیزوں کو سمجھا ہے اور اعلیٰ اخلاق کی طرف دھیان نہیں دیا، اس کا علم بہت تھوڑا ہے اور عذاب اس کے لئے تیار ہے۔ (از ابن کثیر ملخصاً)

بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کو اکبر کبائر فرمایا ہے۔

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا

اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ تو کہیں صاحب سلامت

جاہلوں سے سلوک: یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات کا جواب عفو و صلح سے دیتے ہیں۔ جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔ ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ ان میں شامل ہوں نہ ان سے لڑیں۔ ان کا شیوہ وہ نہیں جو جاہلیت میں کسی نے کہا تھا

الا لا یجهلن احد علینا فنجهل فوق جهل الجاهلینا

یہ تو رحمان کے ان مخلص بندوں کا دن تھا، آگے رات کی کیفیت بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مروی ہے کہ حسن بصریؒ نے یہ آیت پڑھی تو فرمایا یہ تو ان کی دن کی حالت ہوتی ہے (اور رات میں حالت وہ ہوتی ہے جو آئندہ آیت میں بیان کی گئی ہے (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿۶۴﴾

اور وہ لوگ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے آگے سجدہ میں اور کھڑے

رات کی عبادت گذاری:

یعنی رات کو جب غافل بندے نیند اور آرام کے مزے لوٹتے ہیں، یہ خدا کے آگے کھڑے اور سجدہ میں پڑے ہوئے گزارتے ہیں۔ رکوع چونکہ قیام و سجود کے درمیان واقع ہے، شاید اسی لئے اس کو علیحدہ ذکر نہیں کیا۔ گویا ان ہی دونوں کے بیچ میں آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔ اور وہ لوگ جو رات کو اپنے رب کے سامنے سجدے کرتے اور کھڑے رہتے ہیں۔

حسن نے فرمایا، یہ حالت ان کی رات کو ہوتی ہے، عبادت کے لئے رات کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا کہ رات کی عبادت زیادہ دشوار ہوتی ہے ریاکاری کا بھی اس میں شائبہ نہیں ہوتا خضوع قلب اور زبان سے دل کی موافقت خوب ہوتی ہے اس کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ دن دوسری قسم کی عبادتوں کے لئے مخصوص ہے (جو عام طور پر رات کو ادا نہیں کی جا سکتیں) مثلاً اللہ کی راہ میں جہاد اور کسی ملامت گر کی ملامت کا اندیشہ نہ کرنا تعلیم و تعلم اور ہدایت کرنے اور ہدایت پانے کے لئے نیک لوگوں اور بزرگوں کی صحبت (وغیرہ)

رات کی نماز کی فضیلت:

سُجَّدًا ساجد کی جمع ہے اور قیام قائم کی یا قیام مصدر بمعنی اسم فاعل ہے، نماز شب (کی فضیلت) کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے سردار حاملین قرآن اور نماز شب ادا کرنے والے ہیں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات میں پڑھی جانے والی نماز ہے۔ رواہ احمد۔

حضرت ابو امامہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیام شب کا التزام کرو یہ گزشتہ صلحاء کی عادت جاریہ ہے رب سے قربت حاصل کرنے گناہوں کو ساقط کرنے اور (آئندہ) گناہ سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ رواہ الترمذی۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں ہیں جن کی طرف دیکھ کر اللہ ہنستا (یعنی اظہار پسندیدگی فرماتا) ہے۔ (۱) اس آدمی کو دیکھ کر جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھتا ہے۔ (۲) ان لوگوں کو دیکھ کر جو نماز میں صف بند ہوتے ہیں۔ (۳) ان لوگوں کو دیکھ کر جو دشمن کے مقابلے میں لڑنے کے لئے صفیں قائم رکھتے ہیں۔ (رواہ البغوی فی شرح السنۃ)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جس نے عشاء (کی نماز) کے بعد دو رکعتیں یا اس سے زیادہ پڑھ لیں (تو گویا) اس نے رات بھر اللہ کے سامنے سجدہ اور قیام میں گزاری، حضرت عثمان بن عفانؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے آدھی رات قیام کیا۔ رواہ مسلم و احمد (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ

اور وہ لوگ کہ کہتے ہیں اے رب ہٹا ہم سے دوزخ کا عذاب

جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖ اِنَّهَا سَآءَتْ

بیشک اُس کا عذاب چمٹنے والا ہے وہ بُری جگہ ہے

مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿۶۶﴾

ٹھہرنے کی اور رُہنے کی جگہ

خوفِ آخرت:

یعنی اتنی عبادت پر اتنا خوف بھی ہے۔ یہ نہیں کہ تہجد کی آٹھ رکعت پڑھ کر خدا کے عذاب وقہر سے بے فکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے عملوں پر بھروسہ نہ کر بیٹھو:

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے انبیاء بنی اسرائیل میں سے ایک نبی (یعنی حضرت داؤد) کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے اطاعت گزار بندوں سے کہہ دو کہ وہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں کیونکہ قیامت کے دن حساب فہمی کے وقت میں جس بندے کو کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو (بتقاضاء عدل) اس کو عذاب دوں گا اور میرے نافرمان بندوں سے کہہ دو کہ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالیں (یعنی مغفرت سے ناامید نہ ہوں) کیونکہ میں بڑے بڑے گناہ (اگر چاہوں گا تو اپنی رحمت سے) بخش دوں گا اور مجھے پروا نہیں ہے (نہ کسی کو عذاب دینے نہ بخش دینے کی) رواہ ابو نعیم (تفسیر مظہری)

جہنم کے گڑھے:

حضرت عُبید ابن عمیر فرماتے ہیں کہ جہنم میں گڑھے ہیں کنوؤں جیسے ان میں سانپ ہیں جیسے بختی اُونٹ اور بچھو ہیں جیسے خچر جب کسی جہنمی کو جہنم میں ڈالا جاتا ہے تو وہاں سے نکل کر آتے اور انہیں لپٹ جاتے ہیں ہونٹوں پر سروں پر جسم کے اور حصوں پر ڈستے اور ڈنک مارتے ہیں جس سے ان کے سارے بدن میں زہر پھیل جاتا ہے اور بھکنے لگتے ہیں۔ سارے سر کی کھال جھلس کر گر پڑتی ہے پھر وہ سانپ چلے جاتے ہیں۔

جہنمیوں کی آہ وزاری:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنمی ایک ہزار سال تک جہنم میں چلاتا رہے گا۔ یاحَنَّانُ یامَنَّانُ تب اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل سے فرمائے گا جاؤ دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ آ کر دیکھیں گے کہ سب جہنمی بُرے حال سر جھکائے آہ وزاری کر رہے ہیں جا کر جنابِ باری تعالیٰ میں خبر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر جاؤ فلاں فلاں جگہ یہ شخص ہے جاؤ اور اسے لے آؤ۔ آپ بحکمِ خدا تعالیٰ جائیں گے اور اسے لا کر خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ تو کیسی جگہ ہے؟ یہ جواب دے گا کہ خُدایا ٹھہرنے کی بھی بُری جگہ اور سونے بیٹھنے کی بھی بدترین جگہ ہے۔

خدا تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب اسے اس کی جگہ واپس کر آؤ۔ تو یہ گڑگڑائے گا عرض کرے گا کہ اے میرے ارحم الراحمین خدا! جب کہ تو نے مجھے اس سے باہر نکالا تو تیری ذات ایسی نہیں کہ پھر مجھے اس میں داخل کر دے مجھے تو تجھ سے رحم وکرم کی ہی اُمید ہے۔ خدایا بس اب مجھ پر کرم فرما۔ جب تو نے مجھے جہنم سے نکالا تو میں خوش ہو گیا تھا کہ اب تو اس میں نہ ڈالے گا۔ اس مالک ورحمٰن ورحیم خدا کو بھی رحم آ جائے گا اور فرمائے گا اچھا میرے بندے کو چھوڑ دو۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا

اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی کریں

وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾

اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران

خرچ میں میانہ روی:

یعنی موقع دیکھ بھال کر میانہ روی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں۔ نہ مال کی محبت نہ اُس کی اضاعت۔ کما قال تعالیٰ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

مسند احمد میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ اپنی گزران میں میانہ روی کرنا انسان کی سمجھداری کی دلیل ہے اور حدیث میں ہے جو افراط تفریط سے بچتا ہے وہ کبھی فقیر ومحتاج نہیں ہوتا۔ بزار کی حدیث میں ہے کہ امیری میں فقیری میں عبادت میں درمیانہ روی بڑی ہی بہتر اور احسن چیز ہے۔ امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ راہِ خدا میں کتنا ہی چاہو دو اس کا نام اسراف نہیں ہے۔ حضرت ایاس بن معاویہؒ فرماتے ہیں جہاں کہیں تو حکمِ خدا تعالیٰ سے آگے بڑھ جائے وہی اسراف ہے اور بزرگوں کا قول ہے کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ اسراف ہے۔

صحابہ کرام کے کھانے پینے کا مقصد:

صحابہؓ کرام مزے اور لذت کے لئے کھانا نہیں کھاتے تھے نہ آرائش وزیبائش کے لئے لباس پہنتے تھے بلکہ کھانا کھانے سے ان کا مقصد تھا بھوک کو دور کرنا اور عبادت رب کے لئے قوت حاصل کرنا اسی طرح لباس سے ان کی

غرض تھی تو بلا ضرورت بدن کو چھپانا اور سردی گرمی سے جسم کی حفاظت کرنی۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ آدمی جو چیز پسند آئے وہ خرید لے۔ (ابو مغیرہ رحمہ اللہ) (تفسیر مظہری)

محتاجی سے تحفظ:

ایک دوسری حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ما عال من اقتصد، یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا۔ (رواہ الامام احمد۔ ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ

اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ دوسرے حاکم

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

اور نہیں خون کرتے جان کا جو منع کر دی اللہ نے مگر جہاں چاہیے

مثلاً قتل عمد کے بدلے قتل کرنا یا بدکاری کی سزا میں زانی محصن کو سنگسار کرنا، یا جو شخص دین چھوڑ کر جماعت سے علیحدہ ہو جائے اس کو مار ڈالنا یہ سب صورتیں الا بالحق میں شامل ہیں۔ کما ورد فی الحدیث۔

وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا

اور بدکاری نہیں کرتے اور جو کوئی کرے یہ کام وہ جا پڑا گناہ میں

اثاما: یعنی بڑا سخت گناہ کیا جس کی سزا مل کر رہے گی بعض روایات میں آیا کہ "اثام" جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں بہت ہی ہولناک عذاب بیان کئے گئے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا گناہ: شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب سے بڑا کون سا گناہ ہے فرمایا، اللہ کی مثل دوسرے کو قرار دینا حالانکہ اللہ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے، فرمایا اس خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دینا کہ وہ تمہارے ساتھ کھانے میں شریک ہو جائے گی، میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا گناہ سب سے بڑا ہے فرمایا اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔

ابن جریر طبرانی اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی پتھر جس کا وزن دس وقیہ ہو جہنم کے کنارہ سے (اندر کی طرف) پھینکا جائے تو ستر برس میں غی واثام تک پہنچے گا۔ راوی کا بیان ہے میں نے عرض کیا غی اور اثام کیا ہیں فرمایا، جہنم کی تلی میں دو نہریں ہیں جن کے اندر دوزخیوں کا پیپ بہہ کر جاتا ہے انہی دونوں کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور فرمایا ہے "فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا" "وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا"۔ (تفسیر مظہری)

فنائے قلب کا مقام:

میں کہتا ہوں آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے شاید فناء قلب کی طرف اشارہ ہے، فناء قلب کے بعد آدمی سوائے خدا کے کسی چیز کا قصد نہیں کرتا، اللہ کے سوا اس کو نہ کسی سے کوئی امید رہتی ہے نہ خوف، اللہ ہی اس کا مقصود ہو جاتا ہے اور جو مقصود ہوتا ہے وہی معبود ہوتا ہے بلکہ اس کو اللہ کے سوا کوئی چیز موجود ہی نہیں دکھائی دیتی کیونکہ حقیقی وجود اللہ کا ہے دوسری چیزوں کا حقیقی وجود نہیں (بلکہ وجود حقیقی کا ایک پرتو اور سایہ ہے) صرف اللہ ہی کا اصل وجود ہے، ذات الٰہی کا تقاضا ہے وجود۔

يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا

دونا ہوگا اس کو عذاب قیامت کے دن اور پڑا رہے گا اس میں خوار ہو کر

یعنی اور گناہوں سے یہ گناہ بڑے ہیں۔ عذاب بھی ان پر بڑا ہوگا اور دم بدم بڑھتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

مگر جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ کام نیک سو ان کو

يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

توبہ کا فائدہ:

یعنی گناہوں کی جگہ نیکیوں کی توفیق دے گا اور کفر کے گناہ معاف کرے گا۔ یا یہ کہ بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے موافق نیکیاں ثبت فرمائے گا۔ کما یظہر من بعض الاحادیث۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ اپنی مہربانی سے اسلام میں کئے ہوئے برے اعمال کو قیامت کے دن نیکیوں میں تبدیل کر دے گا یہی قول سعید بن میسب مکحول ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ کا مروی ہے اس کی تائید حضرت ابو ذرؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک آدمی کو (حساب کے لئے) لایا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائیں گے اور اس کے بڑے گناہ پوشیدہ رکھے جائیں گے وہ چھوٹے گناہوں کا اقرار کرے گا انکار نہیں کرے گا اور بڑے گناہوں (کی پیشی) کا اندیشہ کرتا رہے گا حکم ہوگا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے دو وہ کہے گا میرے گناہ تو اور بھی ہیں جو مجھے

یہاں دکھائی نہیں دیتے۔ راوی کا بیان ہے یہ فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنس پڑے کہ کچلیاں نظر آنے لگیں رواہ مسلم۔ ابن ابی حاتم نے حضرت سلمانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن ایک شخص کو اس کا اعمالنامہ دیا جائے گا جونہی وہ اعمالنامہ کا بالائی حصہ پڑھے گا تو اس کے خیالات برے ہونے لگیں گے (لیکن) وہ یکدم اعمالنامہ کے نیچے کے اندراجات کو دیکھے گا تو اس میں اس کو نیکیاں دکھائی دیں گی پھر جو بالائی حصہ کو دیکھے گا تو اس میں مندرجہ برائیاں نیکیوں سے تبدیل ہو چکی ہوں گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ ایسے لوگوں کو بھی اللہ (موقف میں) لائے گا جو دل سے خواہشمند ہوں گے کہ انہوں نے (کاش) گناہ بہت کئے ہوتے دریافت کیا گیا یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا جن کی بُرائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئی ہوں گی۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ آئے کہ گناہ جیسی ناپسندیدہ چیز نیکی میں کیسے بدل سکتی ہے تو اس کا دو طرح سے ازالہ ہو سکتا ہے۔

گناہ پر نیک بندوں کی ندامت:

اللہ کے نیک بندوں سے اگر بتقدیر الٰہی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو ان کو انتہائی پشیمانی ہوتی ہے اتنی کہ خود ان کو اپنی جان ذلیل معلوم ہونے لگتی ہے۔ فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں زاری کرتے ہیں اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، معافی کے طلبگار ہوتے ہیں آخر رحمت الٰہی کی ان پر اتنی اور ایسی بارش ہوتی ہے کہ اگر وہ گناہ نہ کرتے تو اس رحمت کا [illegible] مرتبے پر نہ پہنچتے حاصل یہ کہ گناہ جو موجب عذاب تھا، ندامت و استغفار کے بعد سبب ثواب بن جاتا ہے اسی مفہوم کو ظاہر کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اگر تم نے گناہ نہ کئے تو اللہ تم کو لے جائے گا اور [illegible] لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کریں گے پھر اللہ سے معافی کے طلبگار [illegible] اور اللہ ان کو معاف کر دے گا۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرہؓ۔

حضرت ماعزؓ کی توبہ:

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ماعز بن مالک کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک گروہ کو تقسیم کر دی جائے تو سب کو اپنے اندر سما لے (سب کی مغفرت کے لئے کافی ہو جائے)

ایک خاتون کی توبہ:

ایک عورت قبیلہ غامد میں کی تھی اس سے فعل زنا سرزد ہو گیا اس نے بھی حاضر ہو کر سزائے زنا جاری کرنے کی درخواست کی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کر دیجئے اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ چند تاخیر [illegible] مانی آخر اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کرا دیا حضرت خالد بن ولید نے اس غامدیہ عورت کے متعلق کچھ ناشائستہ الفاظ کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالد زبان روک قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ مکس والا بھی کرے تو اس کی بھی مغفرت ہو جائے (مکس وہ ٹیکس جو عُشر کے بہانہ سے سرکاری آدمی سوداگروں سے وصول کر لیتے تھے یہ ٹیکس بیرونی سوداگروں سے دھوکہ دے کر لیا جاتا تھا۔ مجمع البحار۔ رواہ مسلم فی قصۃ ماعز والغامدیۃ عن بریدۃ۔

یہی روح ہے اس قول کی کہ جس گناہ کا آغاز غفلت اور انجام ندامت (و توبہ) ہو وہ اس طاعت سے بہتر ہے جس کا آغاز فخر اور انجام ریاکاری ہو۔

اہل محبت کے بعض اعمال واقوال:

بحر محبت میں ڈوبنے والوں سے کبھی کبھی کوئی ایسا عمل یا قول سرزد ہو جاتا ہے جو معیار شریعت سے گرا ہوا ہوتا ہے جیسے رہبانیت (ترک لذائذ و [illegible] کلی) سماع، وجد اور شطحیات (غیر شرعی کلمات) چونکہ ان امور کا [illegible] صدور [illegible] محبت و عشق کے زیر اثر ہوتا ہے اس لئے ان کی اس ظاہری [illegible] سے تبدیل کر دے گا۔

[illegible]

[illegible] شود　　[illegible] شود
[illegible]　　[illegible] نوشتن شیشہ
[illegible] لطف [illegible]　　[illegible] شد [illegible]

[illegible] کی حدیث میں جو آیا ہے کہ (قیامت کے دن بعض [illegible] کے متعلق حکم ہوگا کہ) اس کے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ حسب الحکم چھوٹے گناہ اس کے سامنے لائے جائیں گے اور پوشیدہ گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے گا۔ [illegible] بالا قول کی طرف ہے کیونکہ [illegible] والوں سے جو ان امور کا صدور ہوتا ہے وہ غلبہ محبت کے زیر اثر ہوتا ہے۔

شرعی نقطہ نظر سے ان کو چھوٹے گناہ کہا جا سکتا ہے کبیرہ گناہ نہیں قرار دیا جا سکتا چونکہ ان صغیرہ گناہوں کا اصل سرچشمہ (ارادۂ معصیت نہیں بلکہ) غلبہ محبت ہوتا ہے اس لئے اللہ ان کو نیکیاں بنا دے گا رہے کبیرہ گناہ جو بقضاء خداوندی کبھی کبھی ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کو پوشیدہ رکھا جائے گا اور معاف کر دیا جائے گا ذکر بھی نہیں کیا جائے گا جیسا کہ آئندہ آیت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے چھوٹے بڑے سب گناہوں کو بخشدے گا توبہ کے بعد بھی اور بغیر توبہ کے بھی۔

سونے کا وظیفہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب انسان

سوتا ہے تو فرشتہ شیطان سے کہتا ہے مجھے اپنا صحیفہ جس میں اس کے گناہ لکھے ہوئے ہیں دے وہ دے دیتا ہے تو ایک ایک نیکی کے بدلے دس دس گناہ وہ اس کے صحیفے سے مٹا دیتا ہے اور انہیں نیکیاں لکھ دیتا ہے پس تم میں سے جو بھی سونے کا ارادہ کرے وہ تینتیس دفعہ اللہ اکبر اور چونتیس دفعہ الحمد للہ کہے اور تینتیس دفعہ سُبحان اللہ کہے یہ مل کر سو ۱۰۰ مرتبہ ہو گئے۔

برائیاں نیکیوں میں بدل جائیں گی:

حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ انسان کو قیامت کے دن نامہ اعمال دیا جائے گا وہ پڑھنا شروع کرے گا تو اوپر اس کی بُرائیاں درج ہوں گی جنہیں پڑھ کر یہ کچھ نا امید سا ہونے لگے گا۔ اسی وقت اس کی نظر نیچے کی طرف پڑے گی تو اپنی نیکیاں لکھی ہوئی پائے گا جس سے کچھ ڈھارس بندھے گی۔ اب دوبارہ اوپر کی طرف دیکھے گا تو وہاں کی بُرائیوں کو بھی بھلائیوں سے بدلا ہوا پائے گا حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے آئیں گے جن کے پاس بہت کچھ گناہ ہوں گے پوچھا گیا کہ وہ کون سے لوگ ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جن کی بُرائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا۔

چار قسم کے جنتی:

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جنتی جنت میں چار قسم کے جائیں گے۔ متقین یعنی پرہیزگاری کرنے والے پھر شاکرین یعنی شکر خدا کرنے والے پھر خائفین یعنی خوف خدا رکھنے والے پھر اصحاب یمین جن کے داہنے ہاتھ میں نامہ اعمال ملے ہوں گے۔ پوچھا گیا کہ انہیں اصحاب یمین کیوں کہا جاتا ہے؟ جواب دیا اس لئے کہ انہوں نے نیکیاں بدیاں سب کچھ کی تھیں ان کے عمل نامے ان کے داہنے ہاتھ میں ملے اپنی بدیوں کا ایک ایک حرف پڑھ کر یہ کہنے لگا کہ خدایا ہماری نیکیاں کہاں ہیں؟ یہاں تو سب بدیاں لکھی ہوئی ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ان بدیوں کو مٹا دے گا اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دے گا انہیں پڑھ کر خوش ہو کر اب تو یہ دوسروں سے کہیں گے کہ آؤ ہمارے عمل نامے دیکھو۔ جنتیوں کے اکثر یہی ہوں گے۔ علی بن حسین زین العابدینؒ فرماتے ہیں کہ بُرائیوں کو بھلائیوں سے بدلنا آخرت میں ہوگا مکحول فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو بخشے گا اور انہیں نیکیاں کر دے گا۔

ایک بوڑھے گناہ گار کا واقعہ:

حضرت مکحولؒ نے ایک مرتبہ حدیث بیان کی کہ ایک بہت بوڑھے ضعیف آدمی جن کی بھویں آنکھوں پر آ گئی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ! میں ایک ایسا شخص ہوں جس نے کوئی غداری کوئی گناہ کوئی بدکاری باقی نہیں چھوڑی میرے گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اگر تمام انسانوں پر تقسیم ہو جائیں تو سب کے سب غضب خدا میں گرفتار ہو جائیں۔ کیا میری بخشش کی بھی کوئی صورت ہے؟ کیا میری توبہ بھی قبول ہو سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اس نے کلمہ پڑھ لیا کہ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ اللہ تعالیٰ تیری تمام بُرائیاں گناہ بدکاریاں سب کچھ معاف فرما دے گا بلکہ جب تک تو اس پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ تیری بُرائیاں بھلائیوں سے بدل دے گا۔ اس نے پھر پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے چھوٹے بڑے گناہ سب صاف ہو جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں سب کے سب۔ پھر تو وہ شخص خوشی خوشی واپس جانے لگا اور تکبیر و تہلیل پکارتا ہوا لوٹ گیا، رضی اللہ عنہ۔ (ابن جریر)

ایک خاتون کا واقعہ:

ایک عورت حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس آئی اور دریافت فرمایا کہ مجھ سے بدکاری ہو گئی اس سے بچہ ہو گیا میں نے اسے مار ڈالا اب کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے آپؓ نے فرمایا کہ اب نہ تیری آنکھیں ٹھنڈی ہو سکتی ہیں نہ خدا تعالیٰ کے ہاں تیری بزرگی ہو سکتی ہے تیرے لئے توبہ ہرگز نہیں، وہ روتی پیٹتی واپس چلی گئی۔ صبح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر میں نے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے اس سے بہت ہی بُری بات کہی کیا تو ان آیتوں کو قرآن میں نہیں پڑھتا وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ سے اِلَّا مَنْ تَابَ تک۔ مجھے بڑا ہی رنج ہوا اور میں لوٹ کر اس عورت کے پاس پہنچا۔ اور اسے یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں وہ خوش ہو گئی اور اسی وقت سجدے میں گر پڑی اور کہنے لگی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میرے چھٹکارے کی صورت پیدا کر دی (طبرانی) اور روایت میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کا پہلا فتویٰ سن کر وہ حسرت و افسوس کے ساتھ یہ کہتی ہوئی واپس چلی کہ ہائے ہائے یہ اچھی صورت کیا جہنم کے لئے بنائی گئی تھی؟ اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابو ہریرہؓ کو اپنی غلطی کا علم ہوا تو اس عورت کو ڈھونڈنے کے لئے نکلے۔ تمام مدینہ اور ایک ایک گلی چھان ماری لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ اتفاق سے رات کو وہ عورت پھر آئی تب حضرت ابو ہریرہؓ نے انہیں صحیح مسئلہ بتلایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے میرے لئے چھٹکارے کی صورت بنائی اور میری توبہ کی قبولیت رکھی۔ یہ کہہ کر اس کے ساتھ جو لونڈی تھی اسے آزاد کر دیا اس لونڈی کے ایک لڑکی بھی تھی اور سچے دل سے توبہ کر لی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ یَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا
اور جو کوئی توبہ کرے اور کرے کام نیک سو وہ پھر آتا ہے اللہ کی طرف پھر آنے کی جگہ

مسلمان گناہ گار کی توبہ:

پہلے ذکر تھا کافر کے گناہوں کا جو پیچھے ایمان لے آیا۔ یہ ذکر ہے اسلام

میں گناہ کرنے کا۔ وہ بھی جب توبہ کرے یعنی پھرے بُرے کام سے تو اللہ کے یہاں جگہ پائے۔ معلوم ہوا کہ سورۂ نساء میں جو فرمایا وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا (نساء رکوع ۱۳) وہ غیر تائب کے حق میں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمَنْ تَابَ اور جس نے توبہ کی۔ یعنی شرک و معاصی سے توبہ کی۔ شرک اور گناہ کو چھوڑ دیا اور ندامت کے ساتھ معافی کا طلبگار رہا۔

مَتَابًا کی تنوین بعض اہل تفسیر کے نزدیک تعظیم کے لئے اور توبہ کی ترغیب کے لئے ہے مطلب یہ کہ وہ اللہ کی طرف ایسا عظیم الشان رجوع کرتے ہیں جو اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہے عذاب کو مٹا دینے والا اور حصول ثواب کا ذریعہ ہے بعض علماء نے کہا اللہ کی طرف لوٹنے سے مراد ہے اللہ کے ثواب کی طرف لوٹنا اور یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ بغوی نے لکھا ہے بعض اہل علم کا قول ہے کہ جن گناہوں سے اجتناب کرنے کی سابق آیت میں صراحت کی گئی ہے اس آیت میں ان گناہوں سے توبہ مقصود نہیں ہے دوسری قسم کی توبہ اور رجوع مقصود ہے۔ یعنی جن لوگوں نے شرک سے توبہ کی اور فرائض کو ادا کیا اور قتل و زناء کا ارتکاب نہیں کیا اس کا رجوع مرنے کے بعد اللہ کی طرف بحسن و خوبی ہوگا۔ قتل و زناء کا ارتکاب کرنے والوں سے قتل و زنا نہ کرنے والوں کا رجوع بہتر حالت میں ہوگا، اس صورت میں پہلی توبہ جس کا ذکر وَمَنْ تَابَ میں کیا گیا ہے جزا ہوگی۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ آیت تمام گناہوں سے توبہ کے متعلق ہے مطلب یہ ہے۔ جو شخص توبہ کرنے کا ارادہ کرے اور عزم کر چکا ہو تو اس کو لوجہ اللہ توبہ کرنا چاہیے۔ فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اگرچہ خبر ہے لیکن بمعنی امر ہے۔ بعض نے کہا (یتوب میں توبہ بمعنی رجوع ہے) مطلب یہ ہے کہ آخر اللہ کی طرف لوٹنا اور منتقل ہونا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی صوفیانہ توجیہ:

میں کہتا ہوں کہ اگر آیت يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ میں وہ تائب مراد ہوں جن سے غلبۂ حال اور سکر و محبت کے زیر اثر کچھ ایسی لغزشیں ہوگئی ہوں جو غیر شرعی ہوں معیار شرع پر پوری نہ اترتی ہوں پھر اس محبت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ ان کی لغزشوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے تو اس آیت میں وہ نیک بندے مراد ہو سکتے ہیں جن سے کوئی غیر شرعی حرکت سرزد نہیں ہوئی نہ سکر اور غلبۂ حال کی وجہ سے نہ حالت صحو میں بلکہ ان بندوں نے تمام مکروہات و ممنوعات شرعیہ سے رجوع کر لیا اور کبھی کوئی گناہ کا کام نہیں کیا، ان اصحاب صحو کا رجوع اللہ کی طرف اصحاب سکر سے بہتر ہوگا جیسے نقشبندیہ ہیں جو بالکل صحابہ کرام کا نمونہ ہیں اور صحابہ کی طرح سنت کے پیرو ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ
اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں

جھوٹ سے پرہیز:

یعنی نہ جھوٹ بولیں نہ جھوٹی شہادت دیں۔ نہ باطل کاموں اور گناہ کی مجلسوں میں حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

جھوٹے گواہ کی سزا:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جھوٹے گواہ کے چالیس تسمے (کوڑے) مارے جائیں اور منہ کالا کر کے بازار میں گھمایا جائے۔

حضرت عمرؓ کے انہی احکام کی روشنی میں امام مالک، امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا جھوٹے گواہ کو (کوڑے) مارنے کی تعزیری سزا دی جائے اور اس کی قوم کے سامنے لے جا کر اس کو کھڑا کیا جائے تاکہ وہ بھی پہچان جائیں کہ یہ جھوٹا گواہ ہے۔

امام مالک نے اتنا زائد فرمایا کہ مسجدوں اور بازاروں میں اس کو حاضر کیا جائے۔

گناہ کبیرہ مذکورۂ بالا ائمہ نے فرمایا کہ جھوٹی شہادت گناہ کبیرہ ہے جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حضرت انسؓ کی روایت سے شیخین نے صحیحین میں نقل کیا ہے بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے بڑے کبیرہ گناہ کون سے ہیں صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور فرمائیے، فرمایا اللہ کا ساجھی قرار دینا، ماں باپ سے سرکشی کرنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے فوراً اُٹھ بیٹھے اور فرمایا سنو، اور جھوٹی بات کہنی، جھوٹی شہادت دینی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لفظ کو بار بار اتنی مرتبہ فرمایا کہ ہم نے (اپنے دل میں) کہا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے تو بہتر تھا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تعزیری سزا کے لئے صرف تشہیر کافی ہے۔ مارنا اور قید کرنا جائز نہیں کیونکہ تعزیز کا مقصد ہے (مجرم کو) باز داشت اور یہ باز داشت تشہیر سے حاصل ہو جاتی ہے۔ مارنے اور قید کرنے میں زجر و باز داشت کی شدت ہے لیکن ایسی سخت سزا کا تصور مجرم کو اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار اور شہادت سے لوٹ جانے سے روکتا ہے اور شہادت کا جھوٹ ہونا بغیر اس کے ثابت نہیں ہوتا کہ مجرم خود ہی اپنی شہادت کے کاذب ہونے کا اقرار کرے اور دی ہوئی شہادت سے لوٹ جائے لہٰذا جھوٹی شہادت کی سزا میں تخفیف ہونی چاہیے (تاکہ مجرم اپنی شہادت کے جھوٹے ہونے کے اقرار کی جراءت کر سکے)۔ رہا حضرت عمرؓ کا اثر تو وہ محض سیاسی تھا۔ (آئینی نہ تھا آرڈیننس تھا جس کا امیر وقت کو اختیار ہے)۔

قاضی شُریح رحمہ اللہ کا عمل:

امام ابو حنیفہؒ کے قول کی طرح قاضی شریح کا قول بھی روایت میں آیا ہے

امام محمد نے کتاب الآثار میں بیان کیا ہے کہ شریح جب کسی جھوٹے گواہ کو پکڑ لیتے تھے اور مجرم بازاری شخص ہوتا تو شریح اپنے قاصد کو حکم دیتے کہ جا کر بازار والوں سے کہہ دو کہ شریح تم کو سلام کہتا ہے اور سلام کے بعد اس نے کہا ہے کہ ہم نے اس شخص کو جھوٹا شاہد پایا ہے تم لوگ اس سے پرہیز رکھو اور اگر مجرم (بازاری نہ ہوتا بلکہ) عرب کے قبیلہ میں سے ہوتا تو اس قبیلہ کی مسجد میں قاصد کو بھیج کر مذکورہ بالا پیام بھیجتے ابن ابی شیبہ نے بھی شریح کا یہی فیصلہ نقل کیا ہے ابن جریج کے نزدیک شہادت زور سے ہر جھوٹ مراد ہے صرف شرک ہی مراد نہیں ہے۔

جھوٹ کی مجلسوں سے پرہیز:

بعض علماء نے لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ جھوٹ کی محفلوں میں شرکت نہیں کرتے (یعنی الزور سے پہلے مضاف محذوف ہے) کیونکہ بیہودہ جلسوں میں موجود ہونا بھی شرکت کا حکم رکھتا ہے۔ اس تفسیر پر بیہودہ قصوں یا شاعری کی مجلسوں میں شرکت کرنا ناجائز قرار پائے گا مجاہد کا یہی قول ہے۔ مراد یہ ہے کہ مشرکوں کے تہواروں اور میلوں میں وہ شریک نہیں ہوتے۔

بعض نے الزور سے نوحہ کی مجلس مراد لی ہے۔ قتادہ نے عدم شہادت زور کا یہ مطلب بیان کیا کہ بیہودہ، باطل باتوں کی تائید اور اعانت نہیں کرتے۔

محمد بن حنفیہؒ نے فرمایا، لغو اور گانے کے موقع پر حاضر نہیں ہوتے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا گانا دلوں میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں بھی ہے کہ سچے مومن کو چاہیے کہ اس دسترخوان پر نہ بیٹھے جس پر دور شراب چل رہا ہو اور یہ بھی مطلب ہے کہ جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ بتاؤں؟ تین دفعہ یہی فرمایا صحابہؓ نے کہا ہاں یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا۔ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے تھے اب اس سے الگ ہو کر فرمانے لگے سنو اور جھوٹی بات کہنا سنو اور جھوٹی گواہی دینا اسے بار بار فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے دل میں کہنے لگے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب خاموش ہو جاتے۔ زیادہ ظاہر لفظوں سے تو یہ ہے کہ وہ جھوٹ کے پاس نہیں جاتے" اسی لئے آگے بیان ہوا کہ اگر اتفاقاً گزر ہو جائے تو وہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں لیتے منہ پھیرے گزر جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کسی کھیل کے پاس سے گزرے تو منہ پھیرے ہوئے بغیر رکے چلے گئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کریم ہو گئے۔

رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم فرماتے ہیں کہ انسان کے مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں، مگر تین چیزیں، نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے یا علم جس سے اس کے بعد نفع اٹھایا جائے یا صدقہ جاریہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

اور جب گزرتے ہیں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی گناہ میں شامل نہیں، اور کھیل کی باتوں کی طرف دھیان نہیں کرتے نہ اس میں شامل نہ ان سے لڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ وہ خود اپنے ارادہ سے گناہوں کی مجلسوں میں نہیں جاتے لیکن اتفاقاً اگر کسی گناہ کی محفل کی طرف سے ان کا گذر ہو جاتا ہے تو منہ پھیر کر تیزی کے ساتھ وہاں سے گزر جاتے ہیں۔ عربی محاورہ ہے کَرُمَ فُلَانٌ عَمَّا يَشِينُهُ فلاں شخص ایسی باتوں سے پاک ہے جو اس کو عیب دار بناتی ہیں اَكْرَمَ نَفْسَهُ عَنْهُ اس نے اپنے نفس کو عیب دار بنانے والی باتوں سے پاک رکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا

اور وہ لوگ کہ جب ان کو سمجھایئے ان کے رب کی باتیں نہ پڑیں

عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾

ان پر بہرے اندھے ہو کر

غور و فکر کی عادت:

بلکہ نہایت فکر و تدبر اور دھیان سے سنیں اور اثر پذیر ہوں مشرکین کی طرح پتھر کی مورتیں نہ بن جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی بغیر گوش ہوش سے سننے اور بغیر چشم حقیقت بین سے دیکھنے کے اندھوں بہروں کی طرح نہیں اٹھ کھڑے ہوتے بلکہ گوش قبول سے سنتے اور سمجھتے ہیں اور چشم بصیرت سے حق کو دیکھتے اور اس پر چلتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب دے ہم کو ہماری عورتوں کی طرف سے

وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ

اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک

صالح اہل و عیال:

یعنی بیوی بچے ایسے عنایت فرما جنہیں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی اور قلب مسرور ہو۔ اور ظاہر ہے مومن کامل کا دل اسی وقت ٹھنڈا ہوگا جب اپنے اہل و عیال کو طاعت الٰہی کے راستہ پر گامزن اور علم نافع کی تحصیل میں مشغول

ہے۔ دنیا کی سب نعمتیں اور مسرتیں اس کے بعد ہیں۔ (تفسیر ...)
قرطبی نے لکھا ہے مومن کی آنکھ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی ٹھنڈک نہیں کہ وہ اپنی بیوی اور اولاد کو اللہ کا فرمانبردار دیکھے۔ (تفسیر مظہری)

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

اور ہم کو پرہیز گاروں کا پیشوا

نیکی کی امامت:

یعنی ایسا بنادے کہ لوگ ہماری اقتداء کر کے متقی بن جایا کریں۔ حاصل یہ ہے کہ ہم نہ صرف بذات خود مہتدی بلکہ دوسروں کے لئے ہادی ہوں۔ اور ہمارا خاندان تقویٰ وطہارت میں ہماری پیروی کرے۔ ...

حضرت ... کا مقصود ... متقیوں کا امام بنانے کی دعا ... حاصل کرنا ہے ... تاکہ ... ہم سے فائدہ پہنچے۔ قرطبی نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے ... دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔ ریاست وامامت کی طلب جو دینی ... اور آخرت کے فائدہ کے ... وہ مذموم نہیں بلکہ جائز ہے۔ اور آیت لایریدون علوا میں اس ریاست واقتدار کی خواہش کی مذمت ہے جو دنیوی عزت وجاہ کے لئے ہو، واللہ اعلم۔ یہاں تک عباد الرحمٰن یعنی مومنین کاملین کی اہم صفات کا بیان پورا ہو گیا۔ آگے اُن کی جزاء اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ

ان کو بدلے میں ملیں گے بالا خانوں سے اس لئے کہ وہ ثابت قدم رہے ... میں ...

فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝

... وہاں دعا اور سلام کہتے ہوئے

مومنین کا انعام:

یعنی جنت میں اوپر کے درجے ملیں گے اور فرشتے دعا وسلام کہتے ہوئے ان کا استقبال کریں گے اور آپس کی ملاقاتوں میں یہی کلمات سلام ودعا اُن کی تکریم وعزت افزائی کے لئے استعمال ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے درجات:

شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے اوپر بالائی منزلوں والوں کو آپس کے تفاوت مراتب کی وجہ سے اس طرح دیکھیں گے جیسے تم لوگ ابر آلود آسمان میں مشرقی یا مغربی افق کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ انبیاء کے مکان ہوں گے دوسرا کوئی وہاں نہیں پہنچے گا۔ فرمایا کیوں نہیں، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کو سچا جانا (وہ ان مراتب تک پہنچتے ہیں)
حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

جنت کے بالاخانے: احمد، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور ترمذی، بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابومالک اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کے اندر ایسے بالاخانے ہیں جن کے اندر کی حالت باہر سے اور باہر کی حالت اندر سے دکھائی دیتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں (غریبوں کو) کھانا کھلاتے ہیں اور جب دوسرے لوگ سوتے ہوتے ہیں تو وہ رات کو (نماز میں) کھڑے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں یہ حدیث اسی طرح آئی ہے۔ حضرت علیؓ کی روایت کے لحاظ سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، ان لوگوں کے لئے ہیں جو پاکیزہ کلام کرتے ہیں سلام پھیلاتے ہیں کھانا کھلاتے ہیں اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھتے ہیں کہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

حضرت ابومالک کی روایت کے یہ الفاظ ہیں، اُن لوگوں کے لئے ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں، نرم کلام کرتے ہیں، متواتر روزے رکھتے ہیں اور رات میں نماز پڑھتے ہیں جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوتے ہیں۔

بیہقی اور ابونعیم نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو جنت کے بالاخانوں کے متعلق نہ بتاؤں۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فرمائیے) ارشاد فرمایا، جنت کے اندر یقیناً کچھ بالاخانے قسم قسم کے جواہرات کے ایسے (شفاف) ہیں کہ ان کے باہر سے اندر کی نعمتیں لذتیں اور عزت کھلی دکھائی دیں گی اور اندر سے باہر کی راحت لذت اور عزت دکھائی دے گی یہ نعمت لذت اور عزت ایسی ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بالاخانے کن لوگوں کے لئے ہوں گے فرمایا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے سلام کو پھیلایا کھانا کھلایا ہمیشہ روزے رکھے اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی جبکہ (اور) لوگ سوتے ہوں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کی کس میں طاقت ہے فرمایا میری امت اس کی طاقت رکھتی ہے میں اس کی تفصیل تم کو بتاتا ہوں جو اپنے بھائی (مسلمان) سے ملا اور اس کو سلام کیا اور سلام کا جواب دیا۔ اس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے اہل وعیال کو پیٹ بھر کھانا کھلایا تو اس نے (ضروری) کھانا کھلا دیا اور جس نے رمضان

[illegible] مہینے تین دن کے (یعنی ۱۳،۱۴،۱۵ تاریخوں کے) روزے رکھے [illegible] (گویا) ہمیشہ روزے رکھے اور جس نے عشاء [illegible] رات ایک وقت نماز پڑھی [illegible] وقت [illegible] میں [illegible] ہیں۔ [illegible] حدیث [illegible] نہیں ہے۔

ابن عدی اور بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا [illegible] [illegible] کے رسول یہ بالاخانے کن [illegible] فرمایا ان کے لئے جنہوں نے پاکیزہ کلام کیا، مسلسل روزے رکھے سلام کو پھیلایا اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھی کہ لوگ سوتے [illegible] عرض کیا گیا کلام کی پاکیزگی سے کیا مراد ہے۔ فرمایا، سُبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا إلٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر قیامت [illegible] جب ان کا قائل (محشر کے میدان میں) آئے گا [illegible] پیچھے ہوں گے [illegible] عرض کیا گیا مسلسل [illegible] کا یہ مطلب [illegible] جس نے رمضان [illegible] (ہمیشہ کے) مسلسل روزے رکھے عرض کیا گیا کھلانے سے کیا مراد ہے [illegible] اپنے میاں کو کھانا دیا۔ عرض کیا گیا سلام کو پھیلانے سے کیا [illegible] [illegible]

حکیم ترمذی نے حضرت [illegible] مرفوعاً روایت [illegible] آیت [illegible] [illegible]

وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا اور ان لوگوں کو بہشت میں (فرشتوں کی طرف سے) بقا کی دعا اور سلام ملے گا۔

یعنی بالاخانوں کے اندر فرشتے تحیہ و سلام کے ساتھ استقبال [illegible] [illegible] ہمیشہ باقی رہنے کی بشارت [illegible] [illegible] اللہ کی طرف سے ان کو سلام بھیجا [illegible] [illegible] روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible]

اپنی [illegible] اپنے بیٹے میں [illegible] میں [illegible] اپنے فرشتوں میں سے جن کو چاہے گا حکم [illegible] وسلام کرو۔ (ان کا استقبال کرو) ملائکہ عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں اور تیری مخلوق میں سے [illegible] ہیں۔ کیا تو ہی ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں [illegible] جائے گا یہ وہ لوگ ہیں جو میری (ہی) عبادت [illegible] [illegible] حالت میں مرجاتے تھے کہ ان کی ضروریات ان کے [illegible] اور وہ ضروریات کو پورا نہ کرسکتے تھے [illegible] اور ہر دروازے سے داخل ہوکر کہیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ [illegible] بعض لوگوں نے کہا آیت کا یہ مطلب [illegible] اور سلام یعنی ہر آفت سے سلامتی کی پیشکش [illegible]

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا

[illegible]

[illegible]

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ

[illegible]

اللہ بے نیاز ہے ہم محتاج ہیں

[illegible] اس کی [illegible]

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا

[illegible]

تکذیب حق کی سزا ملنے والی ہے

[illegible]

سورۃ الفرقان کے آخری رکوع کا خلاصہ

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مذہب کی بنیاد تین چیزیں ہیں ایک مبداء، ایک معاد، ایک میعاد، مبداء کا مطلب یہ ہے کہ ابتداء کہاں سے ہوئی، معاد کا مطلب یہ کہ لوٹ کر کہاں جانا ہے، میعاد کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں کس طرح زندگی گزاری جائے تو اس رکوع میں مبداء کا بھی ذکر ہے کہ وہ کون ذات ہے جو تمہاری اصل ہے معاد کا بھی ذکر ہے کہ تمہارا انجام کیا ہونا ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ درمیان کی زندگی کس طرح گذارنی ہے۔

انسان کا مبداء کیا ہے؟

ابتداء یہاں سے کی گئی ہے کہ:

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا برکت والی وہ ذات ہے جس نے آسمان میں برج قائم کئے، منزلیں قائم کیں اور ان منزلوں میں سے سورج اور چاند کو گزارا، جس سے رات اور دن پیدا ہونے لگے، موسم بننے لگے، سردی گرمی اور برسات آنے لگی۔

تو یہ مبداء کا ذکر ہے کہ اصل ابتداء جس ذات سے ہے، اس کی قدرت آسمانوں، زمین میں بھی کام کر رہی ہے۔ آسمان بنا دیے، چاند سورج پیدا کر دیے اور ان میں حرکت پیدا کر دی۔

انسان کا میعاد رحمن کے بندوں کی چال:

اسکے بعد دس احکام شروع کیے کہ اس کی رضا کے لئے کس طرح زندگی گزاری جائے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا رحمن کے بندوں کا دنیا میں کیا ڈھنگ ہونا چاہیے؟

رحمن لغت میں اور شریعت میں بھی اس ذات کو کہتے ہیں جو ساری نعمتوں کا مالک ہو، ظاہری اور باطنی تمام نعمتیں دینے پر قادر ہو، ہر نعمت اس کے قبضے میں ہو، ساری نعمتوں کا والی، وارث اور مالک ہو، تو اس رحمن کے بندے کس طرح سے دنیا میں زندگی بسر کریں فرمایا رحمن کے بندوں کا ڈھنگ یہ ہونا چاہیے کہ جب وہ زمین میں چلیں تو نرم چال چلیں اس میں ہدایت دی گئی کہ زندگی کی بنیاد تواضع اور خاکساری پر رکھی جائے کبر و نخوت پر نہ رکھی جائے، تکبر اور اپنے کو بڑا بنانا یہ نہیں بلکہ چال سے واضح ہو کہ کوئی خدا کا بندہ جا رہا ہے، یہ نہ معلوم ہو کہ کوئی جبار قہار جا رہا ہے یہ انسان کی شان نہیں ہے۔ اور انسان کی شان یہ کیوں نہیں ہے؟

اس کی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ کلکم بنو ادم و ادم من تراب تم سب آدمی اولاد ہو۔ آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا ہے مٹی کا یہ کام نہیں ہے کہ اچھل اچھل کر اوپر جائے، یہ جب تک پست اور پامال رہے گی جب ہی تک اس کی قدر ہوگی جوتوں میں روندی جاتی ہے مگر چوں نہیں کرتی جب ہی تک اس کی قدر ہے۔ جس طرح ہم تصرف کریں با چون و چرا اس تصرف کو قبول کرے اگر مٹی اوپر اڑنے لگے تو آنکھ میں پڑے گی وہ لعنت ہے کہ کانوں میں پہنچے تو بہرہ پن پیدا کرے جو بھنے دے گا جبکہ ہم مٹی سے جو مٹی نے ذرا بھی سر اٹھایا تو اس پر لعنتیں شروع ہو گئیں

تو جس مٹی سے انسان پیدا کیا گیا، وہ انسان اگر غرور تکبر اور نخوت اختیار کرنے لگے ہر شخص اس انسان کو برا کہے گا اور جو تواضع و خاکساری اختیار کرلے اور مٹی بن کر رہے، سب اس کو سر پر بٹھائیں گے کہ یہ بڑی کیمیا معلوم ہوتی ہے کسی بھی مجلس میں جو بڑا بول بولتا ہے ہاتھ کے ہاتھ وہیں اس کو سزا مل جاتی ہے اور جو تواضع کا کلمہ بولتا ہے، سب اس کی قدر کرتے ہیں

حق تعالیٰ شانہ کی عادت کریمہ بھی یہ ہے چنانچہ حدیث میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی بندہ عبادت کر کے یوں کہے کہ اے اللہ! میرے سے کچھ نہیں بن پایا، میرے بس میں کچھ نہیں، تیرا فضل ہے یہ کام تو نے لیا ورنہ میرے اندر یہ طاقت نہیں تھی حق تعالیٰ شانہ فورا فرماتے ہیں کہ نہیں عمل تو نے ہی کیا تھا مسجد کی طرف چل کر تو ہی گیا تھا بیت اللہ کی طرف تو نے ہی رخ کیا تھا تو نے سب کچھ کیا اور اگر کوئی بڑائی و نخوت سے یوں کہے کہ اے اللہ میں نے نماز پڑھی، میں نے عبادت کی، میں نے یہ کام کیا، فرماتے ہیں کہ نہ تو نے کیا "اراوہ ہم نے تیرے اندر پیدا کیا، بدن، زبان اور طاقت ہم نے دی، تو نے کیا کیا؟" جو خود دعوی کرتا ہے اسے پست کر دیتے ہیں۔ اور جو دعوی نہیں کرتا ہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا، اسے فرماتے ہیں کہ تو نے سب کچھ کیا اس لیے سنت اللہ یہ ہے کہ جو آدمی خاکساری برتے، عجز و نیاز برتے، بندگی کی شان سے آئے، اسے اونچا اٹھاتے ہیں، اسے عزت دیتے ہیں اور جو خود ابھرنے لگے اسے زمین پر پٹخ دیتے ہیں کسی شاعر نے خوب کہا ہے کہ:

پستی سے ہو سر بلند اور سرکشی سے پست
اس راہ کے عجیب نشیب و فراز ہیں

تو انسان کی فطرت ایسی بنائی گئی کہ تیرے سامنے مٹی ہے اگر وہ ابھرتی ہے تو تو لعنت بھیجتا ہے یہ جوتوں کے نیچے رہتی ہے تو تو عزت کرتا ہے تو جس چیز سے تو بنا ہے تیرا مزاج بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ جتنی تو خاکساری برتے گا تیری عزت ہوگی جتنا تو غرور کرے گا، اتنا ہی تجھے پست کر دیا جائے گا تو پہلی بات تو یہ فرمائی گئی کہ رحمن کے بندوں کی زندگی کا ڈھنگ یہ ہونا چاہیے کہ جب گھر سے باہر نکلیں اور چلیں تو زمین پر نرم چال چلیں نخوت و کبر کی چال نہ چلیں اس کو دوسرے موقع پر قرآن کریم نے فرمایا وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ۔

[illegible] میں اعتدال اور میانہ روی [illegible]

[illegible] حسب ضرورت آواز بلند [illegible]

[illegible] ہوتی ہے۔

ایک تو یہ [illegible] بلند [illegible]

[illegible] منوع

[illegible] ضرورت کے وقت اعتدال [illegible]

دونوں میں اعتدال ہونا چاہئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال مبارک کا جو نقشہ حدیث میں آتا ہے کہ

[illegible] یمشی کأنما ینحط [illegible] آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سے چلتے تھے

[illegible] اس طرح کہ گردن تو جھکی ہوئی جس کو خاکساری کی چال کہتے

[illegible] معلوم ہوتا تھا [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] رحمۃ

[illegible]

تم تین آدمی تنہائی میں بیٹھ کر آہستہ آہستہ سرگوشی کرو گے تو چوتھا خدا وہاں

موجود ہوگا، یہ نہیں ہے کہ تمہاری باتوں کا سننے والا کوئی نہیں تم چار [illegible]

پانچواں خدا ہوگا تم [illegible] تب خدا [illegible]

[illegible]

[illegible] بے ادبی [illegible]

[illegible] کرتا ہوں اور سڑک پر گویا خدا نہیں تو میرا جی جس طرح چاہے چلوں

یہاں بھی ہے وہاں بھی ہے، ہر جگہ کے مناسب ادب ہوگا اور [illegible]

اختیار کی جائے گی تو زندگی گزارنے کی پہلی بات [illegible]

قدم [illegible] کا [illegible] ہے۔

رحمٰن کے بندوں کا قال:

[illegible] کے بعد آگے فرمایا چلتے چلتے لوگوں سے ملاقات ہوئی، تو اس میں

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مناسب نہیں ہے [illegible]

سلام کی برکات اور آداب

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام ایک ایسی عظیم چیز [illegible]

[illegible] سلام [illegible] اچھا جاتا ہے اور اگر [illegible]

[illegible] اچھا آدمی ہے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس واسطے حدیث میں فرمایا گیا کہ افشوا السلام علی من عرفت

ومن لم تعرف۔ جب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

میں سلام ہوتا ہے۔

اور تعارف بھی ہے [illegible] دراصل [illegible] یہ بھی جانتا ہے کہ میں مسلمان ہوں [illegible] سب لوگوں سے ایک رشتہ [illegible] ہے، پھر تیسرے [illegible] ضرورت نہیں ہے کہ [illegible] تعارف [illegible] میں [illegible] حقیقی بھائی موجود ہوں [illegible] آپ [illegible] تعارف [illegible] سے حقیقی بھائی ہیں اور یہ آپ [illegible] حقیقی بھائی ہیں تب آپ کا [illegible] یہ مصیبت ہے کہ میں تیسرے آدمی کو بلاؤں کہ بھئی میرا تعارف [illegible] تکلف اور بناوٹ [illegible] تعلق [illegible] حقیقی رشتہ [illegible] حقیقی بھائی [illegible] قریب [illegible] تعارف [illegible]

ہاں اس میں البتہ اس زمانے میں ایک مصیبت پڑ گئی [illegible] صورت سے یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمان ہے بھی یا نہیں؟ بعض اوقات سلام کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن سوچتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے یا عیسائی ہے یا ہندو ہے، یہ مصیبت [illegible] پڑ گئی، اس سے معلوم ہوا کہ ہیئت اور وضع بھی ایسی ہو [illegible] جس سے [illegible] سمجھ لیا جائے کہ مسلمان آ رہا ہے تاکہ [illegible]

[illegible] میں [illegible] اس واسطے کہ تعارف کرانے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی ہوا [illegible] کا تو تعارف ہو گیا اور اگر کوئی چھوٹا موٹا آدمی آئے تو اس کا کوئی تعارف نہیں کرتا گویا آپ کا سلام بڑے آدمی کو تو ہو گا [illegible]

[illegible] فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی سواری پر سوار ہو [illegible] سامنے بیٹھے ہوں تو سوار ہونے والے کا فرض ہے کہ وہ بیٹھنے والوں کو سلام [illegible] اپنے اندر خاکساری پیدا کرے ایسی صورت نہ پیدا ہونے دے جس میں یہ انتظار ہو کہ یہ مجھے سلام کریں کیونکہ یہ میرے سے چھوٹے ہیں یہ چھوٹی بڑائی کہاں کی؟ آدمی خود ہی چھوٹا ہے بڑا اللہ ہے سب سے بڑی ذات وہ ہے اس کے سامنے سب چھوٹے ہیں اس لیے ہر شخص یہ سمجھے کہ میں چھوٹا ہوں وہ بڑا ہے جب یہ سمجھے گا تو سلام کی ابتداء کرنے کی کوشش کرے گا اس لیے سلام کے آداب میں سے یہ ہے کہ جب دو آدمی ملیں تو یہ انتظار نہ [illegible] مجھے سلام کہے اسی کو فرمایا گیا

[illegible] جب [illegible] تو سلام [illegible] لیں اگر نیک لوگ ہیں تو سلامتی کی دعاء ہو گی اگر برے اور جھگڑالو لوگ ہیں تو یہ سلام رخصت کا ہو گا کہ بھئی! ہمارا سلام ہم جاتے ہیں ہم ان جھگڑوں میں نہیں پڑتے تو سلام ہر صورت میں انسان کے لیے رہا۔

پھر یہ اتنی پاکیزہ چیز ہے کہ حدیث میں فرمایا گیا

تحية اليهود بالاصابع و تحية النصارى بالاكف وتحية المسلمين السلام عليكم. یہودیوں کا سلام انگلیوں سے ہے، نصاریٰ کا سلام ہتھیلی سے ہے اور مسلمانوں کا سلام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ [illegible] کا سلام اشارہ محض ہیں اور مسلمانوں کا سلام ایک مستقل [illegible] اللہ کی رحمتیں تم پر نازل ہوں [illegible] تم پر نازل ہوں [illegible] مسلمان [illegible] اس [illegible] خیر خواہی اور محبت [illegible] تعلق بھی مضبوط ہو جائے گا۔

[illegible] تو اسے خطرہ لاحق ہو گیا کہ یہ تو کھا جائے گا اس نے آگے [illegible] جان! [illegible] علیکم السلام اور کہا کہ میرا ارادہ تجھے کھانے کا تھا لیکن تو نے [illegible] اور سلام کیا میرے دل میں رحم آ گیا میں نے چھوڑ دیا اب تو آزاد ہے جہاں چاہے چلا جا۔ تو سلام نے جان بچائی یہی صورت دشمن کی بھی [illegible] اپنی دشمنی [illegible] السلام علیکم [illegible] جانے کا دشمنی ڈھیلی پڑ جائے گی تو یہ بہت بڑی نعمت اور عظیم دعاء ہے۔

تو زندگی گزارنے کے طریقے میں پہلی چیز چال ہے دوسری چیز قال ہے [illegible] قال میں دعاء ہو، چال میں تواضع ہو اور جھگڑالوؤں سے بھی جب کلام کرو، سلام کے ساتھ کرو، کہ **سلامٌ عليكم لا نبتغي الجاهلين** ہمارا سلام ہو ہم ان باتوں میں نہیں پڑتے۔

گویا اسلامی شریعت نے [illegible] ابتدائی [illegible] ایک زبان کو قابو میں رکھو، دوسرے قدم کو قابو میں رکھو [illegible] بھی مت اور کلام بھی مت کرو۔

رحمٰن کے بندوں کی تنہائی:

یہ تو لوگوں کے ساتھ معاملہ [illegible] اب آگے اور [illegible] تنہائی [illegible] رات کا وقت [illegible] جس میں لوگوں کے ساتھ [illegible] نہیں [illegible] آگے کی ہدایت دی [illegible] يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ رات گزارتے ہیں تو سجود اور قیام کے ساتھ گزارتے ہیں کہ سو بھی جاتے ہیں کبھی سجدے میں ہیں کبھی قیام میں ہیں، اللہ کی یاد کرتے ہیں، اُس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں [illegible] مخلوق کے آگے مہذب بن کر آتے ہیں اور خدا کے سامنے عابد بن کر آتے ہیں یہاں عبادت کی ضرورت ہے، وہاں شفقت کی ضرورت ہے، شفقت کا تو یہ ہے کہ سلام کرے اور عبادت کا اثر یہ ہے کہ سجدہ و رکوع کرے، ناک اور پیشانی کو اللہ کے سامنے سجدے میں رگڑے۔

یہ گویا جانی عبادت ہوتی ہے جب تم اپنے گھر میں یا مسجد میں تو بھی عبادت کرتے ہیں اس وقت ساری دنیا جاگ رہی ہے لیکن اگر گھر میں معیت ہے تو معیت ہوتی ہے لیکن رات کو سونے کے وقت میں انسان تنہا ہوتا ہے، جب سو جاتا ہے تو اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، جاگتا ہوا بھی ہے تو سوتوں میں بیٹھے گا، یا تم بھی کرے گا اور جب سو گیا تو ایک لاکھ آدمی کر ایک جگہ سوئے ہوئے ہیں، ہر ایک ان میں سے تن تنہا ہے اس وقت ہر ایک کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے بندوں کے ساتھ نہیں اس واسطے اس موقع کا ادب بتلایا کہ جب تم تن تنہا ہو اور اللہ کے سوا کوئی نہ ہو اس وقت بھی تمہاری اطاعت، عبادت کو اپنا شیوہ بناؤ تاکہ تمہاری بندگی نمایاں ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں فرماتے ہیں کہ تین درجات تین چیزیں ہیں جن سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں عند اللہ بھی اس کا رتبہ اونچا ہے اور خلقت کے نزدیک بھی اس کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔

افشاء السلام و اطعام الطعام، و الصلوة باللیل و الناس نیام

سب سے پہلی چیز افشاء السلام ہے یعنی مخلوق کو عام طور پر سلام کرنا اس سے درجات بلند ہوتے ہیں اور اتنی بلندی کہ اللہ کے ہاں جو مرتبہ ہوگا سے اللہ جانے یہ بلندی آخرت میں جانے کا، دنیا میں یہ ہے کہ کثرت سلام سے لوگوں کے دلوں میں عزت و وقار پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز فرمائی، اطعام الطعام، حاجت مندوں کو کھانا کھلانا، اس میں مسکین، غریب، سائل، مسافر، مہمان سبھی آتے ہیں کھانا کھلانا سب سے ہے ... گویا یہ فرمایا گیا کہ اس سے درجات بلند ہوتے ہیں خواہ کوئی سائل بن کر آئے، مہمان بن کر آئے یا ان میں سے کوئی نہ ہو آپ کو معلوم ہے کہ فلاں حاجت مند ہے۔ از خود آپ اس کو کھانا کھلائیں اس سے بھی درجات بلند ہوتے ہیں۔

تیسری چیز رات کو نماز پڑھنا، جب کہ دنیا پڑی سو رہی ہو اس لیے کہ یہ نماز انتہائی خلوص کی ہوگی، نہ اس میں نام و نمود کا جذبہ ہوگا نہ ریاء و شہرت پسندی کا ہوگا، نہ لوگوں کو دکھلاوے کے لیے ہوگی دکھلاوے بھی کس کو؟ سب تو سورہے ہیں، لوگوں کو کچھ خبر نہیں اس وقت جو نماز پڑھتا ہے تو بجز اس کے کہ اللہ کی محبت اس کو اٹھا کر جگائے اور کچھ نہیں۔

علماء لکھتے ہیں کہ جس کو بھی جو کچھ ملا ہے وہ رات کی نماز سے ملا ہے دنیا بھی ملی ہے وہ بھی رات کی نماز سے، آخرت ملی ہے وہ بھی رات کی نماز سے۔

اس لیے سنت میں بھی ... سکون و آرام کا وقت رات ہی کا وقت ہوتا ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ تہجد آداب صالحین میں سے ہے کیونکہ دن میں ریاء کاری اور دکھلاوے کا وہم ہو سکتا ہے رات کی نماز میں دکھلاوے اور ریاء کاری کا احتمال نہیں غرض جس کو جو ملا وہ رات کی نماز سے ملا۔

حدیث میں ہے کہ چند باتیں ایسی ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے ہنسی اس کی شان کے مناسب ہے یا ایسی ہنسی نہیں جیسے ہم اور آپ ہنستے ہیں اس لیے کہ وہ جسم سے پاک ہے مگر ہنسی کی حقیقت یہ ہے کہ جب دل میں دلی خوشی پیدا ہو جب ہنسی آتی ہے غم دل میں ہو تو رویا کرتا ہے ہنسا کرتا ہے تو رونا غم کی اور ہنسنا خوشی کی علامت ہے۔ غرض خوشی ایک کیفیت ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے اللہ نے ہنسی رکھ دی چونکہ ہم سب پابند بدن ہے تو جب اندر خوشی ہے تو باہر بدن پر ہنسی آتی ہے حق تعالیٰ چونکہ بدن و صورت سے پاک ہیں اس لیے جب اس کو بیان کریں گے تو کہیں گے ہنسی درست ہے مگر ہنسی کا وہ مطلب نہیں ہوگا جو ہمارے یہاں ہوتا ہے۔

تو حدیث میں ہے کہ تین موقعوں پر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے ایک میدان جنگ میں جب جنگ ہو رہی ہے وہاں گرد پڑا ہوا، بال بکھرے ہوئے، نہ کھانا پینا ہے نہ خوشبو اور نہ زینت اور لبیک لبیک کہتے ہوئے بندے پھر رہے ہیں حق تعالیٰ کو اس موقع پر ہنسی آتی ہے کہ یہ چیزیں ان کو ان کے گھروں سے نکال کر لائی ہے، بیوی بچے چھوڑے، وطن چھوڑا، آخر یہ کیوں فقیروں کی طرح سے بے وطن ہوئے ہیں "میری محبت میں ہی تو پھر رہے ہیں حق تعالیٰ ہنستے ہیں اور ملائکہ سے کہتے ہیں کہ تمہیں گواہ کرتا ہوں میں نے ان سب کی مغفرت کی، یہ میری محبت میں گھر بار، بیوی بچوں کو چھوڑ کر آئے ہیں میں کریم ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ گھر بار چھوڑیں اور میں توجہ نہ کروں میں نے ان سب کی مغفرت کی تو خوش ہو کر مغفرت فرماتے ہیں اس خوشی کو ہنسی سے تعبیر کیا گیا۔

دوسری ہنسی کب آتی ہے؟ جب مکبر تکبیر کہے اور لوگ دوڑ دوڑ رہے ہیں کہ صف اولیٰ میں جگہ ملے، ہر ایک کہتا ہے مجھے ملے گویا ایک قسم کا جھگڑا ہے اور آگے پیچھے ہونے کی دوڑ ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ جو اپنا گھر چھوڑ کر میرے گھر میں آئے ہیں ان میں سے ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے یہاں کوئی مٹھائی، روٹی نہیں مل رہی؟ یہ آخر کیوں دوڑ رہے ہیں؟ یہ میری محبت میں دوڑ رہے ہیں، یہ میرا دربار جان کر آئے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے جتنا بھی قریب ہو جائیں گے اتنے ہی ہمارے درجات بلند ہوں گے اس سے خوش ہو کر حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے۔

اور تیسرا موقع کون سا ہے؟ فرمایا گیا کہ خاوند اور بیوی پڑے ہوئے سو رہے ہیں اچانک خاوند کی آنکھ کھلی اور اس کا جی چاہا کہ تہجد پڑھوں اس نے بیوی کے منہ کے اوپر پانی کا چھینٹا مارا وہ ہڑبڑا کے اٹھی اس نے کہا کیا مصیبت آئی ہے خاوند نے کہا دو رکعت نفل پڑھ لے تہجد کا وقت ہے حق تعالیٰ کو ہنسی آتی ہے کہ یہ ایک محبوبہ ہے اس کے پاس لیٹی ہوئی ہے آرام سے میٹھی نیند سو رہی تھی یک دم گھبرا کے اٹھی کہ بارش تو نہیں آ گئی، خاوند نے کہا، بارش تو نہیں مگر دو رکعت پڑھ لے تو یہ آگے سے کہتی ہے کہ میں شکریہ ادا کرتی ہوں کہ مجھے دو رکعت

[illegible] توفیق ہو [illegible] بھی [illegible] ۔ [illegible] بیوی سے [illegible] جو [illegible] [illegible] ہو [illegible] خیال ہو، تو [illegible] بھی [illegible] سے [illegible] [illegible] تنہائی [illegible] [illegible] وقت [illegible] جب [illegible] [illegible] [illegible] تو [illegible] [illegible] [illegible] تَتَجَافىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ [illegible] [illegible] تنہائی میں [illegible] میں تو بھی [illegible] اور نہیں [illegible] [illegible] [illegible] نہیں کی [illegible] نہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہوں کسی کو دکھلانے کے لئے یہ نہیں اٹھا یہ صرف مجھے دکھلانے اور میری رضا [illegible] ہے میں کریم ہوں میں بخشتا ہوں اور مغفرت کرتا ہوں۔

[illegible] تین باتیں ہوئیں گھر سے نکلو تو تواضع کی چال چلو، قال ہو تو [illegible] [illegible] ہو، جاہلوں سے [illegible] باتیں نہ ہوں اور رات اور تنہائی میں جب کسی انسان سے سابقہ نہیں تو سجود و قیام اور اللہ کے ذکر و طاعت کرو۔

رحمن کے بندوں کی زبان سے عبادت:

اور [illegible] [illegible] [illegible] قیام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ [illegible] میں خوف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا اس لیے کہ یہ عذاب گلے کا ہار ہے جب لٹک جائے گا تو اس کا جدا ہونا مشکل ہوگا کسی کے بس میں نہیں ہوگا کہ اس عذاب کو دور کرے اللہ کی طرف سے جب عذاب آتا ہے تو کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے آخرت تو آخرت [illegible] میں بھی حق تعالیٰ اگر کسی کو عیاذاً باللہ مبتلا کر دیں کہیں پناہ کی جگہ نہیں ملتی [illegible] [illegible] پناہ نہ دے کسی قوم کو گھیرے تو چار طرف سے راستے بند ہو جاتے ہیں بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ملتا [illegible] [illegible] پناہ [illegible] [illegible] [illegible] اور آخرت میں تو اسباب کا ذکر ہی نہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] باب کا ہے اس لیے بڑا ڈر وہاں کا ہے۔

اس لیے کہ یہاں اگر آدمی مبتلا ہو جائے تو [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] انتہائی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] عذاب [illegible] [illegible] فرمایا گیا کہ تم ایک تو بدن سے عمل کرو یعنی سجود و قیام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا

غرض پہلے قدموں [illegible] [illegible] انہیں ٹھیک [illegible] چال درست ہو، پھر بدن [illegible] [illegible] سجدے اور قیام میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا۔ اس لیے کہ جہنم جسے کہتے ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] قول، بدن اور قدم کی سب عبادتیں آ گئیں۔

مالیات کے سلسلہ میں رحمن کے بندوں کی شان

اب اس سے آگے انسان کے وسائل اور اسباب ہیں جن کو مالیات کہتے ہیں نقد، سامان، گھر بار یہ سب اموال کہلاتے ہیں جب ہم اللہ کے پیدا کیئے ہوئے ہیں، تو ہمارا سامان بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جان اور بدن سے عبادت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مال [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہمیں دے دیا یہ اس کا فضل ہے مگر اصل مالک وہ ہے تو فرمایا جب بدن سے فارغ ہو گئے بدن کا، قدموں کا، زبان [illegible] ہاتھ، پیر اور سونے جاگنے کا [illegible] [illegible] [illegible] اب ایک چیز رہ جاتی ہے جو مالیات ہیں اس کے بارے میں فرمایا

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا رحمن کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اعتدال کے ساتھ چلیں نہ بخیل بنیں [illegible] [illegible] [illegible] ان کے ہاتھ [illegible] [illegible] نفس خرچ [illegible] جا اپنی دولت خرچ کر کے محض اپنے نفس کی راحتوں میں گنوا دیں اعتدال کے ساتھ چلیں نہ اسراف کریں نہ تقصیر کریں اسراف فضول خرچی کو کہتے ہیں تقتیر امساک اور بخل کو کہتے ہیں جس طرح اور جگہ فرمایا گیا۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا نہ تو اپنے ہاتھ کو اتنا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نہیں اور نہ اتنا چھوڑ دو کہ جو کچھ ہے سب دے ڈالو، کل کو بھیک مانگنے لگو، دونوں چیزیں ممنوع ہیں درمیانی چال یہ ہے کہ دو بھی اور نہ بھی دو، یعنی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تاہے [illegible] کہاں موزوں ہے کہاں ناموزوں ہے کہاں دینا حق ہے، [illegible] دینا ناحق ہے [illegible] کھیل تماشے میں مت دو، وہاں بخیل بن جاؤ یہی بہتر ہے اور [illegible] [illegible] [illegible] یہاں دینا بہتر ہے جب آدمی اعتدال کے ساتھ خرچ [illegible] گا تو حدود معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی، کہ کہاں خرچ کروں کہاں نہ [illegible]

[illegible] [illegible] اصول [illegible] اعتدال ہے، عمل میں بھی اعتدال ہو، چنانچہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نفل پڑھنے پر [illegible] [illegible] ساری رات پڑھتا [illegible] [illegible] جب [illegible] چھوڑ کے بھاگے تو فرضوں کی بھی خیر نہیں یہ اچھی چیز نہیں، عبادت کرے، نفل پڑھے، مگر اس طرح کہ پھر عمر بھر اس کو نبھا دے فرائض تو ادا کرے مگر نوافل پڑھے تو ان کو پھر عمر بھر نبھائے۔

اسی کو فرمایا گیا۔ خیر الامور ما دیم علیه۔ آدمی کا بہترین عمل وہ ہے جس پر وہ ہمیشگی کرے مثل مشہور ہے کہ "نہ دوڑ کے چلے نہ اکھڑ کے [illegible] [illegible]" [illegible] اس طرح چلے نہ دوڑے نہ بالکل ضعیف بن جائے، بیچ کی چال چلے اسی کو فرمایا گیا کہ نفل، تلاوت، ذکر کرنے میں اعتدال ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا دل چاہتا ہے کہ ایک دن میں قرآن ختم کیا کروں گا؟

فرمایا ہرگز نہیں، یہ بوجھ نہیں سہے گا۔

عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو دن میں ایک ختم کر لیا کروں گا؟

فرمایا نہیں، یہ بوجھ نہیں سہے گا۔

پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں چاہتا ہوں کہ دس پارے روز پڑھوں اور ہر تیسرے دن ختم کروں؟

فرمایا نہیں، بوجھ سہے گا۔

پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل روزانہ پڑھ لیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ خوشی سے اس کی بھی اجازت نہیں دی مگر جب اصرار کیا تو فرمایا اچھا۔

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میرا بڑھاپے کا زمانہ آیا اب مجھے قدر ہوئی کہ پانچ پارے روز بھی نہیں پڑھ سکتا تو میں کہتا تھا کہ میں روزانہ قرآن شریف ختم کرتا تو چھوڑنے کی ہمت نہیں اور محرومی اختیار کرتا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کتنی اچھی بات فرمائی تھی کہ پانچ پارے نصیحت فرمائی تھی، یہ بھی منشا نہیں تھا کہ پانچ پارے روزانہ پڑھوں، مقصد بتانا تھا۔ اب ان پانچ کا نبھانا بھی مشکل ہو رہا ہے، اس لیے آدمی کام اتنا کرے جو نبھ سکے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں، وہ مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لے گئے، دیکھا کہ چھت میں ایک رسی لٹک رہی ہے، فرمایا یہ رسی کیسی ہے؟

عرض کیا گیا کہ ام سلمہ عبادت کرتی ہیں، جب بیٹھے بیٹھے تھک جاتی ہیں، اونگھ آنے لگتی ہے تو رسی کا سہارا لے کر بیٹھتی ہیں پھر عبادت کرنے لگتی ہیں۔

فرمایا اس کی کیا ضرورت ہے، جب نیند آئے پڑ کے سو جاؤ جب سو کر اٹھو بشاشت ہو پھر عبادت کرو، اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ نیند آ رہی ہے، اونگھ آ رہی ہے پھر بھی رسی کو پکڑ کر بیٹھیں، اور عبادت کی ضرورت نہیں تو کام رہ جاتا ہے، تو جتنا بھی عمل ہو میانہ روی یہ مطلوب ہے خواہ جان کے خرچ کرنے کا عمل ہو یا مال کے خرچ کرنے کا، اعتدال ہونا چاہیے۔

رحمٰن کے بندوں کی قلبی عبادت:

یہاں تک گویا اعمال آ گئے، چال ایسی ہو، سلام کرنا ایسا ہو، خیر یہ تو دیا تھا، پیر اور زبان کی عبادت آ گئی، آگے قلب کی عبادت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس معبود اور معبد کے درمیان میں جو بندگی گزارو تو دل کیسا ہونا چاہیے، دل کی عبادت کیا ہو؟ تو فرمایا ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ﴾ رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ جب وہ اللہ کو پکاریں تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، کسی دوسرے کو بھی نہ ٹھہرائیں نہ اس کی ذات میں، نہ صفات میں، اور نہ ہی افعال میں۔ ذات بھی اس کی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں، صفات میں بھی وہ یکتا ہیں کہ کوئی اس جیسا نہیں، افعال میں بھی وہ یکتا ہے کہ کوئی اس جیسا نہیں۔

ذات لامحدود ہے جس کی حد نہیں، اس کے سوا جو بھی ہے اس کی ایک حد ہے، سب سے بڑی مخلوق انسان ہے مگر اس کی ایک حد ہے، اپنی حد کے اندر ہے اس سے باہر نہیں ہے، ہم ایک حد میں ہیں اس سے آگے نہیں ہیں، آپ اپنی حد میں ہیں اس سے باہر نہیں، میں اپنی حد میں ہوں اس سے باہر نہیں ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ جہاں جاؤ وہ موجود، جہاں پہنچو وہ موجود ہے، آسمانوں، زمینوں اور ان کی تہوں میں گھس جاؤ تب اللہ موجود ہے اس کے وجود کی کوئی حد نہیں ہے، تو اللہ کے سوا کون ہے کہ اس کے وجود کی حد نہ ہو، جسے دیکھو اس کی ایک حد ہے پہاڑ ہیں گو کتنے بڑے ہیں مگر ایک حد میں ہیں، سمندر ہیں ان کی ایک حد ہے جہاں کنارہ آ گیا سمندر ختم ہو گیا آگے زمین شروع ہو گئی، یہ نہیں کہ سمندر ہر جگہ موجود، آسمانوں، زمینوں، فضا میں بھی، ایسا نہیں ہے اپنے دائرے کے اندر ہے، زمین اپنے دائرے میں ایک حد میں ہے حد سے آگے کچھ نہیں ہے، اور اللہ کی ذات اس کی کہیں حد ہی نہیں ہے، کسی عالم میں پہنچو اللہ کی ذات موجود ہے، اس جیسی کوئی دوسری ذات نہیں وہ بے مثل و بے مثال ہے۔

اسی طرح اس کی صفات بھی یکتا ہیں، مثلاً اس کی صفت علم ہے، آپ کا علم ہوگا کہ سو مسئلے معلوم ہوں گے، ہزار باتوں کے، دس ہزار معلوم ہوں گے اس کے بعد پھر جہالت آگے کچھ معلوم نہیں، لیکن اللہ کی ذات کا علم لامحدود ہے کوئی ذرہ نہیں ہلتا کہ اسے علم نہ ہو، کوئی پتہ نہیں حرکت کرے گا کہ اس کے علم میں نہ ہو، آپ کی اور ہماری قدرت ایک حد میں ہے ہم یہ لاؤڈ اسپیکر اٹھا لیں گے، جائے نماز تہہ کر کے اٹھا لیں گے لیکن اگر کوئی کہے کہ مسجد کو اٹھا لو آپ ہم کہہ دیں گے کہ یہ ہماری قدرت میں نہیں ہے ہمارے بس میں نہیں ہے، ایک جن مسجد کو اٹھا لے گا لیکن اس کو اگر کہا جائے کہ ساری زمین کو اٹھا لے وہ کہے گا میرے قبضے میں نہیں، ملائکہ علیہم السلام زمین کا ایک ٹکڑا اٹھا کر پھینک دیں، جبریل علیہ السلام نے لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیاں اٹھا دیں لیکن ان سے کہا جائے کہ آسمانوں کو پلٹ دو، وہ کہیں گے میری قدرت ہی نہیں، غرض بڑے سے بڑے طاقت والے کی طاقت کی ایک حد ہے، مگر اللہ کی طاقت کی کوئی حد نہیں ہے، قدرت، علم، سماعت، بصارت ساری صفات اس کی یکتا ہیں۔

ایسے ہی وہ اپنے افعال میں بھی یکتا ہے کہ اس جیسا کوئی بھی فعل نہیں کر سکتا وہ ماں کے پیٹ میں بچے کو بنا دیتا ہے، کوئی اور دوسرا نہیں کر سکتا، اس نے چاند سورج بنائے، ہمارے آپ کے بس میں نہیں ہے ساری زمین کے حکماء ملیں چاند تو بڑا اونچا ہے زمین کا ایک ذرہ بنا دیں جس میں وہ خصوصیتیں ہوں جو اللہ کی زمین میں ہیں زمین کے ٹکڑوں کو جوڑ توڑ کر کچھ بنا لیں گے لیکن

خود زمین کی ایسی چیزیں ایک ذرہ بھی نہیں کر سکتے ساری دنیا کے فلاسفر جمع ہو جائیں سورج کی ایک کرن بھی نہیں بنا سکتے اور اللہ نے بنایا، معلوم ہوا اس جیسا فعل کوئی نہیں کر سکتا۔

تو ذات، صفات اور افعال سب کچھ یکتا اور بے مثل ہے اس لیے جب جھکیں گے تو اس کے آگے جھکیں گے اگر اس کا کوئی شریک اور ساجھی ٹھہرا ئیں تو یہ کیسے درست ہوگا؟ کیوں کہ جب اس کی ذات وصفات اور افعال میں کوئی شریک نہیں تو عبادت میں کون شریک ہوسکتا ہے؟ سب عبادتیں اسی کے لئے ہوں گی سجدہ رکوع اور فریاد اسی کے سامنے کریں گے، رزق، اولاد اسی سے مانگیں گے، اس کی ذات کے سوا دینے والا کوئی نہیں ہے۔

انبیاء علیہم السلام اتنے مقدس بندے ہیں اور ان میں سے سب سے زیادہ افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ساری کائنات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم برتر ہیں لیکن عبدیت کا یہ حال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ تم خود اپنی زبان سے کہو۔

قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۔

اے پیغمبر! اعلان کرو کہ میں نہ تمہارے نفع کا مالک ہوں نہ نقصان کا۔

حضرت فاطمہؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے فرمایا:

یا فاطمة بنت محمد لا اغنی عنک من اللہ شیئا

اے فاطمہؓ بنتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے قبضے میں کچھ نہیں ہے، تیرے اندر ایمان اور عمل ہوگا تو نجات پا جائے گی میں نجات نہیں دلا سکوں گا، نہ دنیا میرے قبضے میں ہے نہ آخرت، جب سید الاولین والآخرین یہ فرمائیں کہ میرے بس میں کچھ نہیں تو میں اور آپ کیا چیز ہیں؟ پوری مخلوق کیا چیز ہے؟ جو کرے نمٹ لے، بالکل کسی کے بس میں کچھ نہیں، تو اسی کو مانو، جس کے بس میں سب کچھ ہے وہ اللہ کی ذات ہے۔

ہارون رشید کی بادشاہت کا زمانہ تھا اس وقت قحط پڑا، ایک دیہاتی آیا کہ میں بھی جا کر بادشاہ سے کچھ مانگوں، تاکہ میری اصلاح حال ہو بچے بھوکے مر رہے ہیں میں جا کر بادشاہ سے کہوں کہ اپنے خزانے سے مجھے کچھ دے جب آیا تو دیکھا کہ ہارون رشید نماز میں مصروف ہیں تو چوب دار نے کہا کہ ذرا ٹھہر جا یہ دیہاتی بے چارہ ٹھہر گیا ہارون رشید جب سلام پھیر چکے اور وظیفہ تک پڑھ چکے تو ہارون رشید نے پوچھا کہ چودھری صاحب کیوں آئے؟

چودھری صاحب نے کہا کہ یہ تو میں بعد میں بتاؤں گا کہ کیوں آیا پہلے یہ بتا کہ تو کر کیا رہا تھا یہ بات تھی اس نے کہا میں اپنے اللہ کے آگے جھک رہا تھا اُس نے کہا اچھا تیرے سے بھی کوئی بڑا ہے؟ اس نے کہا میرے سے بڑے اللہ میاں ہیں، میں ان سے مانگتا ہوں۔

بس دیہاتی وہیں سے لوٹا کہ مجھے اس سے مانگنے کی ضرورت نہیں میں اس سے کیوں نہ مانگوں، جس سے تو مانگ رہا ہے جب تو بھی اس کا محتاج ہے تو میں محتاج کا محتاج کیوں بنوں؟ حقیقت یہی ہے کہ سب اس کے سامنے بے بس ہیں وہی سب کے کام کرتے ہیں نہ کوئی کسی کو دے سکتا ہے نہ چھین سکتا ہے وہی دیتا ہے اسی کو چھیننے کی قدرت ہے۔

آدمی کو اگر کچھ لینا ہے تو اپنے معاملے کو اللہ میاں سے درست کرے سب کچھ مل جائے گا ان سے بگاڑ لی تو ملا ملایا بھی چھن جائے گا۔

ہارون رشید ایک دفعہ دربار میں بیٹھے ہوئے تھے بادشاہی کا جوش جو آیا تو ہارون رشید نے کہا آج جس کو جو جی چاہے مانگے اسے وہی دوں گا بس لوگ کھڑے ہو گئے کسی نے کہا مجھے دس لاکھ روپے دے دو اس نے کہا دے دیا کسی نے کہا مجھے فلاں صوبے کی گورنری دے دیجئے اس نے کہا دے دی کسی نے کہا مجھے وائسرائے بنا دیجئے اس نے کہا بنا دیا کسی نے کہا مجھے قلعہ دے دیجئے اس نے کہا دے دیا جو جس نے مانگا ہارون نے حکم دیا کہ وہ اسے دے دیا جائے۔

ہارون رشید کی پشت پر باندی کھڑی ہوئی پنکھا جھل رہی تھی تو ہارون نے گردن پھیر کر باندی سے کہا کہ تو نے کچھ نہیں مانگا سب درباری مانگ رہے ہیں۔

باندی نے کہا ان بے وقوفوں کو نمٹنے دیجئے بعد میں میں بھی مانگوں گی۔

اس نے کہا اچھا یہ میرے وزراء، امراء سب بے وقوف، پاگل اور احمق ہیں۔

ہارون رشید کو برا معلوم ہوا کہ اس نے میرے سارے وزراء، امراء کو پاگل بنا دیا، ان امراء کو بھی برا لگا مگر امیر المومنین کی باندی تھی اس سے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا بہرحال اس نے کہا کہ پہلے یہ احمق نمٹ لیں اس کے بعد میں بھی آپ سے مانگوں گی جب سب دربار والوں کی مرادیں پوری ہو گئیں ہارون نے کہا اب مانگ کیا مانگتی ہے؟ اس نے کہا جو کچھ میں مانگوں گی آپ دے سکیں گے؟ کہا میں دوں گا، میرا اعلان ہے ضرور دوں گا اس نے ہارون رشید کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا کہ میں تو آپ کو مانگتی ہوں جب آپ میرے ہو گئے تو ملک، قلعے، دولت اور خزانے سبھی کچھ میرے ہیں یہ سب بے وقوف تھے اس لیے کہ جس نے خزانہ لیا اسے خزانہ مل گیا آگے کچھ بھی نہیں، قلعہ مانگا قلعہ مل گیا، باقی کچھ نہیں کسی نے گورنری مانگی گورنر بن گیا باقی کچھ نہیں، تو انہوں نے ایک ایک چیز مانگی اور میں نے وہ چیز مانگی کہ ساری چیزیں میرے قبضے میں آجائیں۔

یہی شان اہل اللہ اور اہل دنیا کی ہے مثلاً اہل دُنیا مانگتے ہیں کہ یا اللہ! مجھ کو لکھ پتی بنا دیجئے، یا کروڑ پتی بنا دیجئے تو وہ بنا دیئے گئے کسی نے کہا کہ مجھے جاگیر دے دیجئے فرماتے ہیں حق تعالیٰ کر دے دی اللہ والے کہتے ہیں کہ آپ میرے ہو جایئے تو سب کچھ میرے قبضے میں ہے وہ کروڑ پتی بھی ہے لکھ پتی بھی ہے، تو دانش مندی کی بات یہ ہے کہ جز بنیاد کو آدمی پکڑ لے۔

اس لیے آدمی کو اگر مانگنا چاہیے تو اللہ سے مانگے۔ اس سے کیا مانگے جو خود

[illegible]

[illegible] تو کسی [illegible]

[illegible] شریف ہو جائے گا تو [illegible] کی تحقیق میں کوئی شک نہیں ہے [illegible]

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ [illegible]

[illegible] ہے کہ مانگنے سے زیادہ ذلت کسی چیز میں نہیں ہے، بھیک مانگنا اپنے کو [illegible] کرنا ہے بندے کو حق نہیں ہے کہ اپنے جیسے بندہ کے آگے [illegible]

ایک دوستی میں مانگنا ہے جیسے آپ کسی بے تکلفی میں [illegible] تعلق [illegible]

[illegible]

[illegible]

فرماتے ہیں اس میں کوئی [illegible] بات نہیں [illegible] تمہارا جی چاہے کھا سکتے ہو ان کے گھر سے مانگ کر کھا سکتے [illegible] مانگنا تعلق کی علامت ہوگا باپ، حقیقی بھائی [illegible] ایسے گھروں سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں [illegible] سے بھی مانگ کر کھا سکتے ہو کوئی حرج نہیں [illegible] گے کہ جب انہوں نے اپنا سمجھا جب تو مانگا [illegible] پھر تو اس طرح بے تکلفی سے اگر کوئی مانگ لے تو [illegible] کا ذریعہ بنتا ہے اور تعلق کے استحکام کا ذریعہ بنتا ہے [illegible] کام پورا [illegible] نہیں [illegible] بے وقر [illegible] چونکہ [illegible] نہیں [illegible] خدا سے مانگو [illegible]

[illegible] ہیں [illegible]

حقوق العباد کے بارے میں رحمٰن کے بندوں کا طرز عمل

[illegible]

[illegible]

رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو ناحق قتل نہیں کرتے [illegible] کی گردن اڑادی [illegible]

[illegible]

حدیث میں [illegible]

[illegible] المؤمن من امنه الناس على دمائهم و [illegible]

[illegible] نہیں کر سکتے لوگوں کو تو اطمینان [illegible]

ہو جب پھر سمجھا جائے گا کہ یہ مؤمن ہے۔

پھر امن اس میں لفظ بھی عام ہے کہ لوگ مطمئن ہوں خواہ مسلم یا غیر مسلم ہوں، ہر ایک کو اطمینان ہو جائے کہ بھئی یہ مؤمن ہے اس کا کام یہ نہیں کہ مار دھاڑ کرتا پھرے یا آبرو ریزیاں کرتا پھرے دنیا اس سے مطمئن رہے کہ یہ صالح آدمی ہے اس سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے۔

اور اگر آپ کسی سے کھٹکتے رہیں کہ کبھی کہیں یہ چھری نہ مار دے یہ مؤمن کیا اچھا خاصا بیل ہے بیل جب سڑک پر چلتا ہے تو آپ دامن بچا کر چلتے ہیں کہ کہیں پیشاب نہ کر دے کہ کوئی چھینٹ نہ آ جائے کہیں سینگ نہ مار دے تو اگر مؤمن سے بھی کوئی یوں بچنے لگے کہ بھئی جیب بچاؤ کہیں جیب نہ کتر لے کہیں جیب سے فونٹین پن نہ نکال لے جائے تو یہ مؤمن یہ ہوا مؤمن کا یہ کام نہیں ہے۔

اس لیے فرمایا کہ رحمن کے بندے وہ ہیں جو نفس انسانی کے درپے نہیں ہوتے قتل و غارت کرتے نہیں پھرتے ہاں خدا کا حکم آ جائے حکم کیلئے قصاص لے لیں تو قتل کر دیں ویسے ان کا کام نہیں ہے۔

وَلَا يَزْنُونَ آبرو ریزی نہیں کرتے۔

سب سے بڑی آبرو ریزی زنا کاری ہے، کہ ایک عورت کی آبرو ختم کر دی اور اس کے بے ختم کر دی کہ عمر بھر بیٹھے بے آبرو ہوئی اس سے اگر بچہ پیدا ہوا وہ ولد الزنا ہوگا تو پوری برادری کہے گی کہ یہ حرام کا بچہ ہے اس کو بھی مت دو اس سے معاملہ مت کرو تو کتنا عظیم اس نے گناہ کیا کہ ایک عورت کی پوری زندگی برباد کر دی سوسائٹی میں اس کی کوئی وقعت اور آبرو باقی نہ رہی ایسا شخص قابل گردن زدنی ہے۔

پھر آبرو ریزی ایک کی کی اور امن ساری سوسائٹی سے اٹھا دیا دوسروں کو جرأت ہوگی کہ وہ بھی یہ حرکت کریں تو دنیا کے اندر بدامنی پھیل گئی آبرو باقی نہ رہی تو ایک کی آبرو جائے گی اور دوسرے کو اس نے آبرو ریزی کرنے کی جرأت دلائی اس واسطے فرمایا گیا کہ زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے، تو فقط یہ نہیں ہے کہ قتل کیا جائے بلکہ اس کا نصف حصہ زمین میں گاڑ کر پبلک اکٹھی ہو اور پتھر مار مار کر سے سنگسار کیا جائے ظاہر میں تو یہ سزا بڑی سخت معلوم ہوتی ہے لوگ کہتے ہیں کہ وحشت والی سزا ہے لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ جرم کی نوعیت کو دیکھو کہ ایک شخص کی آبرو ضائع کی سوسائٹی برباد کر دی ہے اس نے امن اٹھا دیا ایسے شخص کو تو اس سے زیادہ سزا دینی چاہیے۔

اس لیے فرمایا گیا کہ رحمن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ نہ وہ کسی کی جان گنواتے ہیں نہ کسی کی آبرو گنواتے ہیں دونوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا

پھر بھی اگر کوئی یہ حرکت کرے گا اُسے اثام میں ڈالا جائے گا۔

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اثام ایک وادی اور جہنم میں جنگل ہے جس میں شدید عذاب ہے کہ جہنم بھی اس سے پناہ مانگتا ہے اس میں اس کا ٹھکانا بنایا جائے گا۔

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ دوگنا تگنا عذاب اس کے اوپر بڑھتا ہوا ہوگا، اس لیے کہ جیسے اس نے دنیا میں آبرو ریزی کر کے آبرو کو تہ و بالا کیا کہ پھر آبرو ابھر ہی نہ سکے اس طرح عذاب بھی تہ بہ تہ ڈالا جائے گا تاکہ وہ ابھر ہی نہ سکے اسے بھی وہاں امن نہیں ہوگا، وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا اور ایک لمبی مدت تک ذلت اور رسوائی کے ساتھ یہ عذاب بھگتے گا۔

توبہ کرنے والوں سے حق تعالیٰ کا معاملہ:

اِلَّا مَنْ تَابَ سوائے اس کے کہ کوئی توبہ کرے اس سے آخرت کا عذاب ٹل جائے گا دنیا میں تو عذاب آ گیا کہ اسے سنگسار کر دیں گے لیکن ابھی آخرت کی توبہ باقی ہے اگر توبہ کر لی وہاں کا عذاب ختم ہو جائے گا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ جو توبہ کرے اور توبہ کے بعد نیک راستے پر چلنے لگے فضول حرکتوں کو ترک بھی کر دے پھر فقط گناہ معاف ہی نہیں ہوں گے بلکہ اس کی نیکیاں بدیوں کو بھی مٹا دیں گی اس کی نیکیاں غالب آ جائیں گی اللہ تعالیٰ اس کی برائیاں نیکیوں سے بدل دے گا اور اس تبدیلی کا ظہور آخرت میں ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ ایک شخص میدان محشر میں حاضر ہوگا، حق تعالیٰ اسے بلائیں گے وہ بے چارہ یا تو توبہ کر کے گیا ہوگا یا توبہ نہ کی ہوگی تو حق تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا۔ اسے فرمائیں گے قریب ہو جا، وہ قریب ہوگا فرمائیں گے اور قریب ہو جا، یہ بے چارہ لرز رہا ہے کپکپا رہا ہے، ہیبت زدہ اور ڈر رہا ہے فرمائیں گے اور قریب ہو جا، اتنا قریب آئے گا کہ حدیث میں ہے اس کے کانوں میں آہستہ آہستہ بات چیت ہوگی حق تعالیٰ اس کو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ یاد دلائیں گے، فرمائیں گے یہ حرکت کیوں کی؟ اور اس کا دل اُچھل اُچھل کر منہ کو آ رہا ہوگا کہ اب میری نجات کی کوئی صورت نہیں اور حکم ہوگا جاؤ جہنم میں اس لیے کہ ابھی تو چھوٹی چھوٹی برائیاں پوچھ رہے ہیں جو میں نے بڑی بڑی حرکتیں کی ہیں ان کی نوبت آئی تو کیا ہوگا؟ یہ معمولی باتیں تھیں ان کو پوچھ لیا ہے۔

عذر کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی عرض کرے گا اللہ میاں میں نے اپنی بدبختی سے ایسی حرکتیں کیں، بہت سے بدیاں گنوانے کے بعد حق تعالیٰ فرمائیں گے ان سب کے بدلے ہم تجھے نیکیاں دیتے ہیں اور تیرے نامۂ اعمال میں وہ لکھی جاتی ہیں اب وہ حیران ہوگا کہ یہ تو دوسرا قصہ ہے میں تو ڈر رہا تھا کہ میرے لیے ہلاکت ہے، یہاں تو بدیوں کو نیکیوں سے بدلا جا رہا ہے اب خود ہی کہے گا اللہ میاں، وہ جو بہت بڑی بدی میں نے کی تھی وہ تو آپ نے پوچھی ہی نہیں، فرمائیں گے حق تعالیٰ وہ کیا تھی؟ بندہ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے اس کے بدلے میں اتنی نیکیاں دیں پھر کہے گا ایک تو اس سے بھی بڑی کی تھی وہ آپ نے پوچھی ہی نہیں فرمائیں گے وہ کیا تھی؟ عرض کرے گا وہ یہ تھی فرمائیں گے حق تعالیٰ اسکے بدلے میں اتنی نیکیاں دیں تو رحمت متوجہ ہو جائے تو بدبختی کی کوئی صورت نہیں اور غضب خدانخواستہ متوجہ ہو جائے تو نجات کی کوئی صورت نہیں۔

آگے فرمایا: وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا اس سے پہلے تو وہ گنہگاروں سے معاملہ تھا اب آگے، اصول بیان کیا جس سے جو بھی قصور ہو وہ

[illegible]

[illegible] سے [illegible] کی [illegible] ہو جائے گی۔

حدیث میں [illegible] اور اس کے دل میں ندامت اور [illegible]

[illegible]

حضور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں [illegible]

[illegible]

بندوں کی شان یہ ہے کہ جب ان سے [illegible]

[illegible]

اور [illegible] مسئلہ [illegible]

[illegible] استقامت کی وجہ سے ان میں سمجھ پیدا کر دی جاتی ہے [illegible] بہروں کی طرح قبول نہیں [illegible] بلکہ سمجھ داری کے ساتھ شنوا و بینا ہو کر قبول [illegible] ہیں وہ مطلب سمجھتے ہیں جو اللہ کا مطلب ہے۔

رحمٰن کے بندوں کی معراج

[illegible]

[illegible] اور ان کو ابدی زندگی دی جائے گی [illegible]

جاتا ہے اور ایک وہ جگہ ہے جہاں سے ہم آئے [illegible]

بابرکات اور اس کا حکم وہ ہمارے لیے مبداء تھا جس سے [illegible]

[illegible] ہے کہ زبان، ہاتھ، پیر، روح اور مائیت کی بھی حفاظت [illegible]

[illegible] کے حکم کے مطابق [illegible] کرنے کا جذبہ [illegible]

[illegible]

جہاں سے ہم آئے وہ اللہ رب العزت کی ذات بابرکات ہے جس [illegible]

[illegible]

[illegible] مجبور کرتی ہے کہ [illegible]

[illegible] سکون قلب پیدا ہو جاتا ہے کہ آدمی ایک راستے پر لگ گیا اسے پھر طمانیت اور بشاشت حاصل ہو جاتی ہے۔ (حیات [illegible])

[illegible] سورۃ الفرقان مکمل ہوئی

سورة الشعراء

[illegible]

سُوْرَةُ الشُّعَرَاءِ مَكِّيَّةٌ [illegible]

[illegible]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

[illegible]

طٰسٓمّٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ

[illegible]

سورۃ کی فضیلت [illegible]

[illegible] والی سورتیں [illegible]

طٰسٓمّٓ کا معنی

[illegible]

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ

شاید تم گھونٹ مارے [illegible] جان اس بات پر کہ وہ یقین نہیں [illegible]

امت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلسوزی

[illegible]

[illegible] میں اپنی جان [illegible]

[illegible] میں ایک [illegible] جو [illegible] بھی [illegible]

نزول آیت کا زمانہ

[illegible] جب اہل مکہ نے رسول اللہ کی تکذیب کی اور [illegible] حضور کو اہل مکہ کے ایمان نہ [illegible] اس صورت [illegible] کلمہ امید [illegible]

آیت سے معلوم شدہ احکام

[illegible] میں اعتدال چاہئے اور جو [illegible]

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

[illegible]

اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ

[illegible]

حکمت الٰہی

[illegible] بندوں کے انقیاد و تسلیم اور سرکشی کو [illegible] نہیں کہ ان کا اختیار بالکل سلب کر [illegible] نشان دکھا تا کہ اس کے آگے [illegible] اللہ تعالیٰ نے ایسا تو نہیں کیا، ہاں وہ نشان [illegible] با آسانی سمجھ سکے۔ اور کبھی کبھی [illegible]

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

[illegible]

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝

نئی　جس سے　منہ پھیر　موڑتے

محروم ہدایت لوگ:

یعنی آپ جن کے غم میں پڑے ہیں ان کی حالت یہ ہے کہ رحمن اپنی رحمت و شفقت سے جب ان کی بھلائی کے لئے کوئی پند و نصیحت بھیجتا ہے یہ ادھر متوجہ نہیں ہوتے بلکہ منہ پھیر کر بھاگتے ہیں گویا کوئی بہت بری چیز سامنے آگئی۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ جب یہ زمین کو اور اس کی روئیدگی کو دیکھ رہے ہیں اور توحید الٰہی اور قیامت کے وقوع کی نشانیاں ان کے سامنے ہیں تو مزید آیات کی طلب نہ کرنی چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

سو یہ جھٹلا چکے اب پہنچے گی ان پر حقیقت اس بات کی جس پر ہنستے تھے

تکذیب و انکار کی سزا ملنے والی ہے:

یعنی صرف معمولی اعراض ہی نہیں۔ تکذیب و استہزاء بھی ہے سو عنقریب دنیا اور آخرت میں اپنے کرتوت کی سزا بھگتیں گے۔ تب اس چیز کی حقیقت کھلے گی جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

کیا نہیں دیکھتے وہ زمین کو کتنی اگائیں ہم نے اس میں

مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ

ہر ایک قسم کی خاصی چیزیں البتہ اس میں نشانی ہے

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

تھوڑا سا غور کر کے حق تک رسائی ممکن ہے:

یعنی یہ مکذبین اگر یہ پیش پا افتادہ زمین ہی کے احوال میں غور کرتے تو مبداء و معاد کی معرفت حاصل کرنے کے کافی ہو سکتی تھی۔ یہ دیکھتے نہیں کہ اسی کرکری اور حقیر مٹی سے کیسے عجیب و غریب رنگ برنگ پھول پھل اور قسم قسم کے غلے اور میوے ایک مضبوط نظام تکوین کے ماتحت پیدا ہوتے ہیں۔ کیا یہ اس کی دلیل نہیں کہ کسی لامحدود قدرت و حکمت رکھنے والے صانع نے یہ پر رونق چمن کی کاریاں کی ہیں جس کے قبضہ میں وجود کی باگ ہے

اور وہ ہی جب چاہے اسے ویران کر سکتا اور ویرانی کے بعد دوبارہ آباد کر سکتا ہے۔ پھر ان آیات تکوینیہ کو سمجھ لینے کے بعد آیات تنزیلیہ کی تصدیق میں کیا اشکال رہ جاتا ہے۔ ہاں ماننا ہی منظور نہ ہو تو الگ بات ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

اور تیرا رب　وہی ہے زبردست　رحم والا

قدرت الٰہی:

یعنی زبردست تو ایسا ہے کہ نہ ماننے پر فوراً عذاب بھیج سکتا تھا مگر رحمت سے تاخیر کرتا ہے کہ ممکن ہے اب بھی مان لیں۔

ربط مضامین: آگے عبرت کے لئے مکذبین کے چند واقعات بیان فرماتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ خدا نے ان کو کہاں تک ڈھیل دی، جب کسی طرح نہ مانے تو پھر کیسے تباہ و برباد کیا۔ ان میں پہلا قصہ قوم فرعون کا ہے جو پیشتر سورہ اعراف اور سورہ طٰہٰ وغیرہ میں بالتفصیل گزر چکا۔ یہاں کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور جب پکارا تیرے رب نے موسیٰ کو کہ جا اس قوم گنہگار کے پاس

قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝

قوم فرعون　کے پاس　کیا وہ نہیں ڈرتے

تم جا کر انہیں خدا کے غصہ سے ڈراؤ۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو:

یعنی اس واقعہ کو یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو پکارا تھا موسیٰ نے درخت کو اور (درخت سے اٹھتی ہوئی) آگ کو دیکھا اس وقت اللہ نے ان کو ندا دی تھی۔

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیام تسکین ہے۔ آپ کافروں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے اپنی جان کا نقصان نہ کریں اور اس وقت کو یاد کریں جب اللہ نے موسیٰ کو ندا دی تھی اور قوم فرعون کے پاس جا کر ہدایت کرنے کا حکم دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ

بولا اے رب میں ڈرتا ہوں کہ مجھ کو جھٹلائیں اور رک جاتا ہے

صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝

میرا جی　اور　نہیں چلتی ہے　میری زبان　سو پیغام دے ہارون کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ:

یعنی پوری بات سننے سے پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیں گے اور مجلس میں کوئی تائید کرنے والا نہ ہوگا۔ ممکن ہے اُس وقت ملول اور حزین ہو کر طبیعت رک جائے اور زبان میں پہلے لکنت ہے ہی ہے۔ تکلم کرنے میں زیادہ رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے [illegible] تقویت [illegible] [illegible] فصیح اللسان ہیں [illegible] [illegible] جائے تو بڑی مہربانی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ

اور ان کو مجھ پر ہے ایک گناہ کا دعویٰ

یعنی ایک قبطی کے خون کا دعویٰ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں آ چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ

سو ڈرتا ہوں [illegible]

یعنی دعوت و تبلیغ سے پہلے ہی میرا کام تمام نہ کر دیں کہ یہ وہی شخص ہے جو ہمارے آدمی کا خون کر کے بھاگ گیا تھا۔ ایسی صورت میں فرض تبلیغ کس طرح ادا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ كَلَّا فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ

[illegible]

حضرت موسیٰ [illegible] تسکین و تسلی:

یعنی [illegible] [illegible] [illegible] تم کو یہ ڈر اور [illegible] [illegible] ہیں اور فریقین کی گفتگو سن رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ

[illegible]

أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ

[illegible]

آزادیٔ بنی اسرائیل کا پروگرام:

بنی اسرائیل کا وطن حضرت ابراہیم کے زمانہ سے ملک شام تھا۔ حضرت یوسف کے سبب سے مصر میں آ رہے۔ وہاں ایک مدت گزری۔ اب حق تعالیٰ نے ملک شام دینا چاہا۔ فرعون اُن کو نہ چھوڑتا تھا۔ [illegible] ان سے غلاموں کی طرح بیگار میں کام لیتا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو دعوت:

بغوی نے [illegible] [illegible] اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی (یعنی چھ لاکھ ہزار) [illegible] موجود نہیں تھے موسیٰ نے [illegible] حکم الٰہی سے مطلع کیا۔ قصہ کی تفصیل میں آیا ہے کہ موسیٰ جب مصر کو لوٹ کر آئے تو اس وقت اونی جبہ پہنے ہاتھ میں لاٹھی لئے لاٹھی کے سرے میں توبڑا لٹکا ہوا (جس کے اندر کھانے پینے کا سامان تھا) اس ہیئت سے مصر میں داخل ہوئے۔ مصر میں آ کر اپنے گھر میں داخل ہوئے اور ہارون کو اطلاع دی کہ اللہ نے مجھے فرعون کے اور تمہارے پاس بھیجا ہے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ ہم دونوں جا کر فرعون کو دعوت دیں۔ یہ سن کر موسیٰ و ہارون کی ماں آ گئی اور چیخ پڑی بیٹے فرعون تو تجھے قتل کرنے [illegible] تیری تلاش میں ہے اگر تم لوگ اس کے پاس جاؤ گے تو وہ تم دونوں کو مار ڈالے گا۔ حضرت موسیٰ نے [illegible] ایک نہ مانی اور رات [illegible] دونوں فرعون کے دروازہ پر جا پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان کے بک بک ہو گئے اور گھبرا کر انہوں نے پوچھا، دروازہ پر کون ہے۔

[illegible] روایت میں [illegible] [illegible] کا قاصد ہوں فوراً [illegible] [illegible] رب العالمین کا قاصد ہوں۔ فرعون نے صبح تک یوں ہی چھوڑے رکھا۔ صبح ہوئی تو دونوں کو طلب کیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دونوں فرعون کی طرف گئے لیکن [illegible] فرعون نے اپنے پاس آنے کی اجازت نہیں دی پھر دربان نے جا کر [illegible] [illegible] رب العالمین کا قاصد [illegible] فرعون نے [illegible] اندر آنے [illegible] [illegible] دونوں فرعون کے پاس پہنچے اور اللہ کا پیغام پہنچایا۔ فرعون نے حضرت موسیٰ کو پہچان لیا۔ چونکہ آپ نے اس کے محل میں پرورش پائی تھی۔

[illegible] فرعون [illegible] [illegible] رب العالمین کی طرف سے جو پیغام ہدایت لے کر تیرے پاس آیا ہوں وہ تیری روحانی تربیت بلکہ روحانی حیات اور دائمی زندگی کا سامان ہے جس کے سامنے وہ چند روزہ تربیت جس کا تو مجھ پر احسان جتلا رہا ہے ہیچ ہے [illegible] [illegible] ہدایت کا [illegible] [illegible]

لے زندہ ہو جائے گا۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا
بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا

فرعون کا جواب:

یعنی تو وہی نہیں جس کو ہم نے اپنے گھر میں بڑے ناز و نعم سے پالا پوسا اور پرورش کر کے اتنا بڑا کیا۔ اب تیرا یہ دماغ ہو گیا کہ ہم ہی سے مخاطبت کرتا اور اپنی بزرگی منواتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾
اور رہا تو　ہم میں اپنی　عمر میں سے کئی برس

کتنے برسوں تک کبھی یہ دعوے نہ کئے، اب یہاں سے نکلتے ہی رسول بن گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ
اور کر گیا تو　اپنی وہ کرتوت　جو کر گیا

یعنی جو کرتوت کر کے بھاگا تھا (قبطی کا خون) اُسے ہم بھولے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾
اور　تو ہے　ناشکر

یعنی ہمارے سب احسانات بھلا کر اگلا پیغمبری کے دعوے کرنے اُس وقت تو بھی (معیار بدمعاش) اُن ہی میں کا ایک تھا جن کو آج کافر بتلاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾
کہا　کیا تو تھا میں نے وہ کام　اور میں تھا　چوکنے والا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عذر:

یعنی قبطی کا خون میں نے دانستہ نہیں کیا تھا، غلطی سے ایسا ہو گیا مجھے کیا خبر تھی کہ ایک مکا مارنے میں جو تادیب کے لئے تھا اُس کا دم نکل جائے گا۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ (القصص، رکوع۲) (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں لفظ ضلال کا مفہوم

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ فرعون کے اس سوال پر کہ تم نے اے موسیٰ ایک قبطی کو قتل کیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ہاں میں نے قتل ضرور کیا تھا لیکن وہ قتل ارادۃً و قصداً نہ تھا بلکہ اس قبطی کو اس کی خطا پر متنبہ کرنے کے لئے گھونسہ مارا جس سے وہ بدبخت مر گیا۔ نبوت کے منافی قتل عمد ہے اور یہ قتل بلا ارادہ ہوا تھا جو منافی نبوت نہیں۔ حاصل یہ ہوا کہ یہاں ضلال کا مطلب بے خبری ہے اور اس سے مراد قبطی کا بلا ارادہ قتل ہو جانا ہے۔ اس معنی کی تائید حضرت قتادہ اور ابن زید کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ دراصل عربی میں ضلال کے کئی معنی آتے ہیں، اور ہر جگہ اس کا مطلب گمراہی نہیں ہوتا۔ یہاں بھی اس کا ترجمہ گمراہ کرنا درست نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا
پھر بھاگا میں تم سے جب تمہارا ڈر دیکھا پھر بخشا مجھ کو میرے رب نے حکم
وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾
اور ٹھہرایا مجھ کو پیغام پہنچانے والا

دعوائے نبوت: یعنی پیشتر میں خوف کھا کر یہاں سے بھاگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ مجھے نبوت و حکمت عطا فرمائے۔ اس نے اپنے فضل سے مجھے سرفراز کیا اور رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ یہ بجائے خود میری صداقت کی دلیل ہے کہ جو شخص تم سے خوف کھا کر بھاگا ہو، پھر اس طرح بے خوف و خطر تمہارے سامنے آ کر ڈٹ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾
اور وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام بنا رکھا تو نے بنی اسرائیل کو

فرعون کے احسان کا تجزیہ:

یعنی بچپن میں میری پرورش کا احسان جتلاتا ہے یہ نہیں دیکھتا کہ ایک اسرائیلی بچہ کی تربیت سے اس کا جواب ہو سکتا ہے کہ تو نے کس طرح ساری قوم کو غلام بنا رکھا ہے۔ بالخصوص جبکہ اس بچہ کی تربیت بھی خود تیرے ہی ظلم کے سلسلہ ہی میں وقوع پذیر ہوئی ہو۔ نہ تو بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کرتا، نہ خوف کی وجہ سے میری والدہ تابوت میں رکھ کر مجھے دریا میں چھوڑتی، نہ تیرے محل سرا تک رسائی ہوتی۔ ان حالات کا تصور کر کے تجھ کو یہ احسان جتلاتے ہوئے شرمانا چاہیے اور صاف بات یہ ہے کہ جس پروردگار نے مجھ جیسے دشمن کے گھر میں میری پرورش کرائی اسی نے آج تیری خیر خواہی کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کی طرف سے یہ اقرار احسان ہے کہ تو نے مجھے تو قتل نہیں کیا اور پالا اور میرے سوا سب اسرائیلی بچوں کی طرح مجھ کو قتل نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، بیشک یہ تیرا احسان ہے جو تو مجھے جتلاتا ہے لیکن میں

تو نے غلام بنا رکھا اور مجھے چھوڑ دیا۔ غلام نہیں بنایا۔

بظاہر یہ اقرار نعمت ہے اور حقیقت میں انکار ہے، حضرت موسیٰ نے اول فرعون کی تردید و توبیخ کی اور پھر اس نعمت تربیت کی طرف کلام کا رخ کیا جس کا فرعون نے ذکر کیا تھا لیکن اس کا صراحۃً انکار نہیں کیا۔ کیونکہ فرعون نے واقع میں پالا تھا بلکہ اس بات پر تنبیہ کی کہ یہ نعمت حقیقت میں احسان نہ تھی بلکہ ظلم کے مترتب میں یہ ظلم کے نتیجے میں یہ نعمت تھی مجھ پر تیرا احسان نتیجہ تھا اس بات کا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا ان کے لڑکوں کو تو قتل کراتا تھا اسی وجہ سے میں تیرے ہاتھ لگا اور تیرے پاس مجھے پہنچایا گیا اور تو نے میری پرورش و کفالت کی۔ اگر تو بنی اسرائیل کو حد سے زیادہ ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کراتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور دریا میں مجھے نہ پھینکتے اور میں تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (تفسیر مظہری)

فرعون کا جواب:

تو نے مجھے اپنا بیٹا بنا کر میری پرورش کی۔ مجھے تو تو نے چھوڑ دیا اور میرے سوا ساری قوم کو غلام بنا لیا تو کیا اسی طرح کی اس چند روزہ پرورش سے میری نبوت و رسالت کو دفع کرنا چاہتا ہے میں نے اگر تیری چند روزہ نعمت تربیت کا کفران کیا ہے تو تو رب العالمین کی بے شمار نعمتوں کے کفران میں مبتلا ہے اور جس رب العالمین نے تجھ کو اور تیرے آباؤ اجداد کو پیدا کیا ہے۔ تو تو اسی رب العالمین کا کافر اور منکر بنا ہوا ہے اور جس رب العالمین نے تیری روحانی تربیت اور ہدایت کے لئے رسول بھیجا ہے تو تو اس کی ہی تکذیب اور کفر پر تلا ہوا ہے اور رب العالمین نے جو مجھے آب حیات دے رکھا ہے تو اس کا ایک گھونٹ بھی پینے کے لئے تیار نہیں کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی کفران نعمت ہو سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ

بولا فرعون کیا معنی پروردگار عالم کا

ربُّ العالمین کے متعلق فرعون کا سوال:

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے اختتام میں اپنے کو رب العالمین کا پیغمبر کہا، اس پر فرعون ہٹ دھرمی اور ہٹ دھرمی کی راہ سے بولا کہ (العیاذ باللہ) رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے، میری موجودگی میں کسی اور رب کا نام لینا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہ ملعون اس شقی ازلی کا دعویٰ تو اپنی قوم کے روبرو یہ تھا مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (میں اپنے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں سمجھتا) اور اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (تمہارا بڑا پروردگار میں ہوں) چنانچہ اس کی قوم کے لوگ بعض تو انتہائی جہل و بلادت سے اور بعض خوف یا طمع سے اسی کی پرستش کرتے تھے۔ گو دل میں اس ملعون کو بھی خدا کی ہستی کا یقین تھا۔ جیسا کہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (بنی اسرائیل رکوع ۱۲) سے ظاہر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (بطور تحقیق) کہنے لگا رب العالمین کیا چیز ہوتی ہے یعنی فرعون نے رب العالمین کی حقیقت دریافت کی اور ظاہر ہے کہ اللہ کی ذات مرکب نہیں ہے کہ اس کے اجزاء ذاتیہ حضرت موسیٰ بتا دیتے اور فرد کے صرف خصوصیات ہی بتائے جا سکتے ہیں (یعنی صرف تعریف بالخاصہ ہی ہو سکتی ہے) اس لئے حضرت موسیٰ نے جواب میں اللہ کے مخصوص افعال اور آثار کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

کہا پروردگار آسمان اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ

اگر تم یقین کرو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب:

یعنی آسمان و زمین کی سب چیزیں جس کے زیر تربیت ہیں وہی رب العالمین ہے۔ اگر تمہارے قلوب میں کسی چیز پر بھی یقین لانے کی استعداد موجود ہو تو خود و انسانی سب سے پہلے اس چیز کا یقین دلانے کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ

بولا اپنے گرد والوں سے کیا تم نہیں سنتے

فرعون کی چالاکی:

فرعون جب جواب کی بات کو نا چاہتا تھا اپنے حوالی موالی کو ابھارنے اور موسیٰ علیہ السلام کی بات کو خفیف کرنے کے لئے کہنے لگا۔ سنتے ہو، موسیٰ کیسی دور از کار باتیں کر رہے ہیں۔ کیا تم میں کوئی تصدیق کرے گا کہ میرے سوا آسمان و زمین میں کوئی اور رب ہے۔" (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ

کہا پروردگار تمہارا اور پروردگار تمہارے اگلے باپ دادوں کا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زور خطاب:

یعنی او احمق! میں جس رب العالمین کا ذکر کر رہا ہوں وہ ہے جس نے خود تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ اور جب تم اور تمہارے باپ دادا بھی نہ تھے

وقت زمین وآسمان کی تربیت وتدبیر کر رہا تھا۔

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ

بولا تمہارا پیغام دینے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے ضرور باؤلا ہے

فرعون کا دوسرا پینترا:

یعنی (العیاذ باللہ) کس دیوانہ کو رسول بنا کر بھیجا ہے جو ہماری اور ہمارے باپ دادوں کی خبر لیتا ہے۔ اور ہماری شوکت وحشمت کو دیکھ کر ذرا نہیں جھجکتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دماغ عقل سے بالکل خالی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا

کہا پروردگار مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ انکے بیچ میں ہے

إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ

اگر تم سمجھ رکھتے ہو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک اور نا قابل انکار دلیل:

حضرت موسیٰ نے پھر ایک بات کہی جس طرح کی حضرت ابراہیم نے نمرود کے سامنے آخر میں کہی تھی۔ یعنی رب العالمین وہ ہے جو مشرق ومغرب کا مالک اور تمام سیارات طلوع وغروب کی تدبیر ایک محکم ومضبوط نظام کے موافق کرنے والا ہے۔ اگر تم میں ذرا بھی عقل ہو تو بتلا سکتے ہو کہ اس عظیم الشان نظام کا قائم رکھنے والا بجز خدا کے کون ہو سکتا ہے۔ کیا کسی کو قدرت ہے کہ اس کے قائم کئے ہوئے نظام کو ایک سیکنڈ کے لئے توڑ دے یا بدل ڈالے۔ یہ آخری بات سن کر فرعون بالکل مبہوت ہو گیا اور بحث وجدال سے گزر کر دھمکیوں پر اتر آیا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت موسیٰ ایک بات کہہ جاتے تھے اللہ کی قدرتیں بتانے کو اور فرعون بیچ میں اپنے سرداروں کو ابھارتا تھا کہ ان کو یقین نہ آجاوے۔" (تفسیر عثمانی)

یعنی روزانہ دیکھتے ہو کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور گزشتہ دن کے محور کے علاوہ دوسرے محور پر چلاتا ہے یہاں تک کہ مغرب تک ایسے طریقے سے پہنچاتا ہے جو انتظام کائنات کے لئے انتہائی مفید ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ اگر تم عقل رکھتے ہو تو سمجھ گئے ہو گے۔ جو جواب میں نے دیا ہے اس سے اعلیٰ جواب (اللہ کے بارے میں) ممکن نہیں۔

حضرت موسیٰ نے پہلے خشونت نرمی کی تھی لیکن جب ان لوگوں کی طرف سے شدت محسوس کی تو ان ہی کے قول کی طرح اپنے کلام میں بھی درشتی اختیار کر لی۔

مغلوب جاہلوں کی عادت ہے کہ جب کوئی جواب بن نہیں پڑتا تو دھمکیوں دینے پر اتر آتے ہیں فرعون نے بھی ایسا ہی کیا جب لاجواب ہو گیا تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ

بولا اگر تو نے ٹھہرایا کوئی اور حاکم میرے سوائے تو مقرر ڈالوں گا تجھ کو

مِنَ الْمَسْجُونِينَ

قید میں

فرعون کی دہشت گردی:

اس مرتبہ فرعون نے اپنا مطلب صاف کہہ دیا کہ یہاں "مصر" میں کوئی اور خدا نہیں اگر میرے سوا کسی اور معبود کی حکومت مانی تو یاد رکھو قید خانہ تیار ہے۔ یعنی کہہ دیا اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

الْمَسْجُونِينَ میں الف لام عہدی ہے یعنی ان قیدیوں میں شامل کر دوں گا جن کی حالت میرے قید خانے میں تجھے معلوم ہے۔ کلبی نے کہا فرعون کی قید کی حالت قتل سے بھی زیادہ سخت تھی، قیدی کو ایک تنگ اندھیری کوٹھڑی میں پھینک دیتا تھا، قیدی کو وہاں کچھ نظر نہ آتا تھا وہ پڑا رہتا تھا زمین کے اندر چلا جاتا تھا فرعون کو سخت عذاب دینے کی قدرت حاصل تھی اس سے کسی نے اپنے رب کے وجود پر استدلال کیا اور صانع عالم کا انکار کرنے کا اس نے ہو تو جب أَلَا تَسْتَمِعُونَ کہہ تھا کہ میرے سوا کسی دوسرے الٰہ کا ہونا عجیب بات ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ

کہا اور اگر میں لے آؤں تیرے پاس ایک چیز کھول دینے والی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک اور چیلنج:

یعنی فیصلہ میں ابھی جلدی نہ کر۔ یہ تو تیری باتوں کا جواب تھا اب ذرا وہ کھلے ہوئے نشان بھی دیکھ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور میری صداقت دونوں کا اظہار ہو۔ کیا یہ نشان دیکھ کر بھی تیرا فیصلہ یہی رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَأْتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَأَلْقَى عَصَاهُ

بولا تو لے آ اگر تو سچا ہے پھر ڈال دیا اپنا عصا

فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ ۝ وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا

سو اسی وقت وہ اژدہا ہو گیا صریح اور نکالا اپنا ہاتھ تو

هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ ۝ قَالَ لِلْمَلَإِ حَوْلَهُ

اسی وقت وہ سفید تھا دیکھنے والوں کے سامنے بولا اپنے سرداروں سے

إِنَّ هَٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ
ہے یہ تو کوئی جادوگر ہے پڑھا ہوا چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو
مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿٣٥﴾
تمہارے دیس سے اپنے جادو کے زور سے، سو اب کیا حکم دیتے ہو

فرعون کی بدحواسی:

یا تو خدائی کے دعوے تھے، یا اتنی جلد ایسا حواس باختہ ہوگیا کہ اپنے غلاموں اور پرستاروں کے احکام پر چلنے کے لئے آمادہ ہوگیا۔

قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٣٦﴾
بولے ڈھیل دے اس کو اور اُس کے بھائی کو اور بھیج دے شہروں میں نقیب
يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيمٍ ﴿٣٧﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ
لے آئیں تیرے پاس جو بڑا جادوگر ہو پڑھا ہو پھر اکٹھے کئے جادوگر وعدہ پر
يَوْمٍ مَعْلُومٍ ﴿٣٨﴾
ایک مقرر دن کے

یعنی عید کے دن چاشت کے وقت۔

وَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ﴿٣٩﴾
اور کہہ دیا لوگوں کو کیا تم بھی اکٹھے ہوگے
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿٤٠﴾
شاید ہم راہ قبول کریں جادوگروں کی اگر ہو اُن کو غلبہ

فرعون جادوگروں کا سہارا لینے لگا:

یعنی سب کو اکٹھا ہونا چاہئے۔ امید قوی ہے کہ ہمارے جادوگر غالب آئیں گے۔ اُس وقت ہم موسیٰ کی شکست اور مغلوبیت دکھلانے کے لئے اپنے ساحرین ہی کی راہ پر چلیں گے۔ گویا یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس میں ہماری کوئی خودغرضی نہیں۔ جب مقابلہ میں ہمارا پلہ بھاری رہے گا تو انصاف کسی کو ہمارے طریقہ سے منحرف ہونے کی گنجائش نہیں رہ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

جادوگروں سے مراد ہیں وہ جادوگر جن کو فرعون نے موسیٰ کے مقابلے کے لئے بلوایا تھا۔ عَلّ امید ظاہر کرنے کے لئے آتا ہے اور امید کا لفظ اسی کی کر رہا ہے کہ جادوگروں سے مراد ہیں فرعون کے جمع کئے ہوئے جادوگر۔ (حضرت مؤلف نے کہا) جادوگروں سے مراد ہیں موسیٰ ہارونؑ اور ان کی قوم والے اور اتباع سے مراد ہے اتباع دینی۔ اس وقت امید کا (حقیقی اصل معنی مراد نہ ہوگا بلکہ) مطلب یہ ہوگا کہ اگر موسیٰ اور ہارونؑ غالب ہوگئے تو شاید ہم ان کے دین پر چلنے لگیں، یعنی ہم ان کے دین پر نہیں چلیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا
پھر جب آئے جادوگر کہنے لگے فرعون سے کچھ ہمارا حق بھی ہے
إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ
اگر ہو ہم کو غلبہ بولا البتہ اور تم اس
إِذًا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٢﴾
وقت مقربوں میں ہوگے

فرعون کے جادوگر کرائے کے مزدور:

یعنی نہ صرف مالی انعام و اکرام بلکہ تم میرے خاص مصاحبوں میں رہو گے۔ ان آیات کا مفصل بیان "اعراف" اور "طہٰ" میں گزر چکا ہے۔

قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٤٣﴾
کہا اُن کو موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالتے ہو

جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چیلنج:

یعنی جب ساحرین نے کہا کہ موسیٰ تم پہلے اپنی لاٹھی ڈالتے ہو یا ہم ڈالیں، اُس کے جواب میں فرمایا کہ تم ہی اپنی قوت خرچ کر دیکھو۔ (تفسیر عثمانی)

"أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ" یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے کہا کہ آپ جو کچھ جادو دکھانا چاہتے ہو وہ دکھاؤ۔ اس پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کو جادو کا حکم دے رہے ہیں، لیکن ذرا سے غور سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جادو دکھانے کا حکم نہیں تھا بلکہ جو کچھ وہ کرنے والے تھے اس کا ابطال مقصود تھا لیکن اس کا باطل ہونا بغیر اس کے ظاہر کرنے کے ناممکن تھا اس لئے آپ نے ان کو اظہار جادو کا حکم دیا جیسے کہ ایک زندیق کو کہا جائے کہ تم اپنے زندقہ اور بے دینی کے دلائل پیش کرو تا کہ میں ان کو باطل ثابت کر سکوں ظاہر ہے کہ اسے کفر پر رضامندی نہیں کہا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ
پھر ڈالیں انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور بولے فرعون کے اقبال

إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ

[illegible]

جادوگروں نے فرعون کی قوت کا سہارا لیا

بعض نے بعزۃ فرعون کو قسم کے معنی میں لیا ہے یعنی فرعون کے اقبال کی [illegible] ہم ہی غالب ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ یہ کلمات جادوگروں کے لئے بطور قسم کے [illegible] زمانہ جاہلیت میں رائج تھی۔ افسوس کہ مسلمانوں میں بھی اب ایسی قسمیں [illegible] جو اس سے زیادہ [illegible] قبیح ہیں مثلاً بادشاہ کی قسم، تیرے سر کی قسم، تیری [illegible] کی قسم یا تیرے باپ کی قبر کی قسم، اس قسم کی قسمیں کھانا شرعاً جائز نہیں [illegible] کے متعلق یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ خدا کے نام کی جھوٹی قسم کھانے [illegible]

[illegible]

فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ

پھر ڈالا موسیٰ نے اپنا عصا [illegible] نگلنے لگا [illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فتح:

[illegible] نے لکھا ہے کہ خالی رسیاں اور لاٹھیاں رہ گئیں جو سانپوں کی صورتیں [illegible] تھیں [illegible] موسیٰ کا عصا [illegible] گیا۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ

پھر اوندھے گرے [illegible] سجدے میں بولے ہم نے مان لیا جہان کے رب کو

رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿٤٨﴾ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ

جو رب ہے موسیٰ اور ہارون کا [illegible] بولا تم نے اس کو مان لیا ابھی

أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ

[illegible]

فرعون کی سیاسی چالبازیاں:

[illegible]

[illegible]

مشتبہ بنانے کے لئے اس نے کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم نے موسیٰ (علیہ السلام) [illegible] کا یقین [illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ

یہاں غور [illegible] بات یہ ہے [illegible] جو [illegible] فرعون [illegible] ندائی [illegible] تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ دیکھ [illegible] اپنی پوری قوم کے خلاف فرعون جیسے [illegible] بادشاہ کے خلاف ایمان کا اعلان [illegible] ایک حیرت انگیز چیز تھی مگر یہاں تو صرف ایمان کا اعلان ہی نہیں ہے [illegible] رنگ [illegible] کا مظاہرہ ہے [illegible] قیامت و آخرت [illegible] نظر آنے لگی۔ آخرت کی نعمتوں کا مشاہدہ ہونے کا [illegible] سزا اور مصیبت سے بے نیاز ہو کر فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ [illegible] جو تیرا جی چاہے کر لے ہم تو ایمان سے پھرنے والے نہیں۔ یہ بھی [illegible] علیہ السلام کا معجزہ ہے جو عصا اور ید بیضاء سے [illegible] بہت سے واقعات [illegible]

[illegible]

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ لَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم

[illegible]

مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٩﴾ قَالُوا لَا ضَيْرَ ۖ

[illegible]

إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ

[illegible]

جادوگروں کے ایمان کی پختگی

یعنی بہر حال مر کر خدا کے یہاں جانا ہے اس طرح مریں گے شہادت کا درجہ [illegible]

إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا أَن كُنَّا

[illegible]

أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ

[illegible]

یعنی موسیٰ علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے بعد بھرے مجمع میں ظالم فرعون کے روبرو سب سے پہلے ہم نے قبول حق کا اعلان کیا۔ اس سے امید ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ ہماری گزشتہ تقصیرات کو معاف فرمائے گا۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُمْ مُتَّبَعُونَ ﴿٥٢﴾

اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ رات کو لے نکل میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے

ہجرت کا حکم:

یعنی جب ایک مدت مدید تک سمجھانے اور آیات دکھلاتے رہنے کے بعد بھی فرعون نے نہ حق کو قبول کیا نہ "بنی اسرائیل" کا ستانا چھوڑا، تو ہم نے موسیٰ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو لے کر رات میں یہاں سے ہجرت کر جاؤ اور دیکھنا یہ فرعونی لوگ تمہارا پیچھا کریں گے (تفسیر عثمانی)۔

فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿٥٣﴾

پھر بھیجے فرعون نے شہروں میں نقیب

تعاقب کی تیاری:

تاکہ تمام فوجیوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کرے۔

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿٥٤﴾

یہ لوگ جو ہیں سو ایک جماعت ہے تھوڑی سی

فرعون کے دعوے:

یعنی ان تھوڑے سے آدمیوں نے تم کو تنگ کر رکھا ہے۔ ان کی کیا ہستی ہے جو تمہارے مقابلہ میں عہدہ برآ ہو سکیں۔ یہ باتیں قوم کو غیرت اور جوش دلانے کے لئے کہیں۔

وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ ﴿٥٥﴾

اور وہ مقرر ہم سے غصہ میں بھرے ہیں

یعنی ہم کو غصہ دلا رہے ہیں معلوم ہوتا ہے ان کی کم بختی نے دھکا دیا ہے۔

وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ ﴿٥٦﴾

اور ہم سارے ان سے خطرہ رکھتے ہیں

تو اس روز روز کے خطرہ کا قلع قمع ہی کر دو۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ ہماری بڑی جمعیت ہے جو محتاط یا مسلح ہے تو یہ الفاظ دل بڑھانے کے لئے ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٧﴾

پھر نکال باہر کیا ہم نے ان کو باغوں سے اور چشموں سے

وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿٥٨﴾

اور خزانوں اور عمدہ مکانوں سے اسی طرح

فرعونیوں کی بدبختی:

یعنی اس طرح قبطی گھربار، مال و دولت، باغ اور کھیتیاں چھوڑ کر بنی اسرائیل کے تعاقب میں ایک دم نکل پڑے، جنہیں پھر لوٹنا نصیب نہ ہوا۔ گویا اس تدبیر سے حق تعالیٰ نے ان کو نکال باہر کیا۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَٰلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٥٩﴾

اسی طرح اور ہاتھ لگا دیں ہم نے یہ چیزیں بنی اسرائیل کے

بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنا دیا

یعنی دوسرے وقت میں یہ چیزیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں اور یا ایک مدت بعد سلیمان علیہ السلام کے عہد میں جب ملک مصر بھی ان کی سلطنت میں شامل ہو۔ واللہ اعلم پہلے اس کے متعلق اختلاف گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَتْبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا تَرَاءَى الْجَمْعَانِ

پھر پیچھے پڑے ان کے سورج نکلنے کے وقت پھر جب مقابل ہوئیں دونوں فوجیں

قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ﴿٦١﴾

کہنے لگے موسیٰ کے لوگ ہم تو پکڑے گئے

دریائے قلزم کے کنارے پر:

یعنی بحر قلزم کے کنارے پہنچ کر بنی اسرائیل پریشان ہونے لگے کہ آگے دریا ہے پیچھے سے فرعونی لشکر آ پہنچا۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اب کیا ہو گا ہم تو پکڑے گئے۔ آگے سمندر حائل ہے اور پیچھے سے دشمن آ پہنچا ہے۔

قَالَ كَلَّا ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿٦٢﴾

کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ ہے میرا رب وہ مجھ کو راہ بتلائے گا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اطمینان علی اللہ:

یعنی گھبراؤ نہیں، اللہ کے وعدوں پر اطمینان رکھو، اس کی حمایت و نصرت میرے ساتھ ہے۔ وہ یقیناً ہمارے لئے کوئی راستہ نکال دے گا۔ ممکن ہے

کہ دشمن ہم کو پکڑ سکے۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ

پھر حکم بھیجا ہم نے موسیٰ کو کہ مار اپنے عصا سے دریا کو

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾

پھر دریا پھٹ گیا تو ہو گئی ہر پھانک جیسے بڑا پہاڑ

عصائے موسیٰ سے پانی میں راستے بن گئے:

پانی بہت گہرا تھا۔ بارہ جگہ سے پھٹ کر خشک راستے بن گئے بارہ قبیلے بنی اسرائیل کے الگ الگ اُن میں کو گزرے اور بیچ میں پانی کے پہاڑ کھڑے رہ گئے۔ (مذکی موضح قرآن)

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ

اور پاس لے آئے ہم نے اُسی جگہ دوسروں کو اور بچا دیا ہم نے موسیٰ کو اور جو

مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾

لوگ تھے اُس کے ساتھ سب کو پھر ڈبا دیا ہم نے اُن دوسروں کو

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی:

یعنی فرعونی لشکر بھی قریب آ گیا اور دریا میں راستے بنے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعد بے سوچے سمجھے گھس پڑا۔ جب تمام لشکر دریا کی لپیٹ میں آ گیا، فوراً خدا کے حکم سے پانی کے پہاڑ ایک دوسرے سے مل گئے۔ یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾

اس چیز میں ایک نشانی ہے اور نہیں تھے بہت لوگ اُن میں ماننے والے

حق کی کامیابی کی دلیل:

یعنی جب اشقیاء نے حق کو قبول نہ کیا تو آخر میں قدرت نے یہ نشان دکھلایا۔ جس سے صادقین اور مکذبین کے انجام کا دنیا ہی میں الگ الگ پتہ چل جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بلاشبہ اس میں (یعنی موسیٰ کو ساتھیوں سمیت بچا لینے اور فرعون کو ساتھیوں سمیت غرق کر دینے میں) کھلی ہوئی دلیل ہے (موسیٰ کی سچائی کی) اور ان میں (یعنی فرعون کے ساتھیوں میں) اکثر لوگ مؤمن نہ تھے۔ روایت میں آیا ہے کہ فرعون کے ساتھیوں میں سے صرف یہ لوگ ایمان لائے تھے آسیہ فرعون کی بی بی، ایک وہ شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوا تھا یعنی خرنیل اور اس کی بی بی اور مریم بنت ناموسیا۔ یہ مریم وہی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی کی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

یہ سُنا دیا ہمارے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ مکہ کے فرعون بھی مسلمانوں کے پیچھے نکلیں گے لڑائی کو۔ پھر وطن سے باہر تباہ ہوں گے "بدر" کے دن جیسے فرعون تباہ ہوا۔ (موضح القرآن)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ

اور سنا دے اُن کو خبر ابراہیم کی جب کہا اپنے باپ کو

وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور اس کی قوم کو تم کس کو پوجتے ہو

دعوتِ ابراہیمی۔ یعنی یہ چیز کیا ہے جسے تم پوجتے ہو؟ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾

وہ بولے ہم پوجتے ہیں مورتوں کو پھر سارے دن انہی کے پاس لگے بیٹھے رہتے ہیں

قوم کا جواب:

یعنی تم ہمارے معبودوں کو جانتے نہیں جو ایسی تحقیر سے سوال کر رہے ہو۔ ہم ان مورتوں کو پوجتے ہیں اور اس قدر وقعت وعقیدت ہمارے دل میں ہے کہ دن بھر آسن جما کر ان ہی کو لگے بیٹھے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ہمیشہ ان ہی پر جمے رہتے ہیں (حضرت ابراہیم کا سوال مختصر تھا لیکن) فخر کے طور پر انہوں نے جواب کو طول دے دیا نَظَلُّ (کا لغوی ترجمہ ہے ہم دن کو ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ترجمہ یہاں مناسب نہیں ہے اس لئے اس جگہ اس کا معنی ہے ہم ہمیشہ رہتے ہیں؟ بغوی نے لکھا ہے وہ لوگ دن میں بتوں کی پوجا کرتے تھے رات کو نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہا کچھ سنتے ہیں تمہارا کہا جب تم پکارتے ہو

حضرت ابراہیمؑ کا سوال:

یعنی اتنا پکارنے پر کبھی تمہاری بات سنتے ہیں؟ اگر نہیں سنتے (جیسا کہ

ان کے جماد ہونے سے ظاہر ہے) تو پکارنا فضول ہے۔

اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ
یا کچھ بھلا کرتے ہیں تمہارا یا برا

یعنی یہ پوجنے پر یا نہ پوجنے کی صورت میں کچھ نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟ ظاہر ہے جو اپنے اوپر سے مکھی تک نہ اڑا سکیں وہ دوسرے کو کیا نفع نقصان پہنچا سکیں گے۔ پھر ایسی عاجز و بے حقیقت چیز کو معبود بنانا کہاں کی عقلمندی ہے۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ
بولے نہیں پر ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو یہی کام کرتے

قوم کا جواب:

یعنی ان منطقی بحثوں اور تحقیقوں کو ہم نہیں جانتے، نہ ہماری عقیدت اور پرستش کا مدار ان باتوں پر ہے بس سو دلیلوں کی ایک دلیل یہ ہے کہ ہمارے بڑے اسی طرح کرتے چلے آئے۔ کیا ہم ان سب کو احمق سمجھ لیں۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ
کہا بھلا دیکھتے ہو جن کو تم پوجتے رہے ہو

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ
تم اور تمہارے باپ دادے اگلے

یعنی ان کا پوجنا ایک پرانی حماقت ہے، ورنہ جس کے اختیار اور قبضہ میں ذرہ برابر نفع نقصان نہ ہو اس کی عبادت کیسی؟

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْۤ
سو وہ میرے دشمن ہیں

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا اعلانِ جنگ:

یعنی لو! میں بے خوف و خطر اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان معبودوں سے میری لڑائی ہے میں ان کی گت بنا کر رہوں گا وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ (انبیاء، رکوع ۵) اگر ان میں کوئی طاقت ہے تو مجھ کو نقصان پہنچا دیکھیں۔ کما قال تعالیٰ فی موضع آخر وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖۤ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا الآیۃ (انعام، رکوع ۹) وقال نوح علیہ السلام فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ الخ (یونس، رکوع ۸) وقال ہود (علیہ السلام) فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ (ہود، رکوع ۵) اور بعض مفسرین نے کہا کہ یہ نہایت مؤثر و لطیف پیرایہ میں مشرکین پر تعریض ہے۔ یعنی جن کی تم عبادت کر رہے ہو میں ان کو اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ اگر نعوذ باللہ ان کی پرستش کروں تو سراسر نقصان ہے۔ اسی سے سمجھ لو کہ تم بھی ان کی عبادت کر کے نقصان اٹھا رہے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اپنا دشمن کہنے سے در پردہ یہ مراد ہے کہ وہ تمہارے دشمن ہیں تم کو ان کی پوجا کرنے سے ایسا ضرر پہنچے گا جو کسی شخص کو اپنے دشمن سے نہیں پہنچتا۔ مہربان واعظ کی نصیحت کرنے کا یہ موثر طریقہ ہی ہے کہ پہلے وہ اپنی ذات کو مخاطب کرتا ہے اور مقصود ہوتا ہے دوسروں کو نصیحت کرنا اسی قسم کا استعمال دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے وَمَا لِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ یعنی کیا وجہ کہ تم اپنے خالق کی عبادت نہ کرو۔

جمادات کی طرف دشمن ہونے کی نسبت مجازی ہے یا تو اس وجہ سے کہ وہ ضرر پہنچنے کا ذریعہ ہیں یا اس وجہ سے کہ قیامت کے دن وہ دشمن بن جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ
مگر جہان کا رب

کہ وہ ہی میرا معبود دوست اور مددگار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم نے کہا کہ قوم ابراہیم بتوں کے ساتھ اللہ کی بھی عبادت کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمہارے سارے معبود سوائے رب العالمین کے میرے دشمن ہیں یا یوں کہا جائے کہ ان کے آباد اجداد میں سے کچھ لوگ اللہ کو مانتے اور اس کی عبادت کرتے تھے (ان دونوں صورتوں میں استثناء متصل ہوگا) (تفسیر مظہری)

الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ
جس نے مجھ کو بنایا سو وہی مجھ کو راہ دکھاتا ہے

اللہ تعالیٰ ہی خالق و راہنما ہے:

یعنی فلاح دارین کی راہ دکھاتا اور اعلیٰ درجہ کے فوائد و منافع کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر مخلوق کو زندگی کا دنیوی و اخروی راستہ وہی بتاتا ہے اللہ نے فرمایا ابتداء ایجاد سے انتہا موت تک پوری زندگی اللہ تخلیقی تدریجی رہنمائی فرماتا رہتا ہے تاکہ انسان مفید حیات چیزوں کو حاصل کرتا اور ضرر رساں چیزوں سے بچتا رہے۔ رحم کے اندر بچہ ماں کا فضول خون ناف کے ذریعہ سے چوسنا شروع کرتا ہے اور اس سفر کی انتہا داخلہ جنت ہے یہ ساری رہنمائی اللہ ہی کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ　وَاِذَا مَرِضْتُ
اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے　اور جب میں بیمار ہوں

فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِ

تو وہی شفا دیتا ہے | اور وہ جو مجھ کو مارے گا | پھر جلائے گا

راز شافی اور زندگی و موت کا مالک اللہ ہی ہے

یعنی کھلانا پلانا، مارنا جلانا اور بیماری سے اچھا کرنا سب اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا عنایت کرتا ہے۔

ادب کا لحاظ: بیماری اور شفا دونوں کا خالق اللہ ہی ہے لیکن بلحاظ ادب مرض پیدا کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی۔ حضرت خضر کے قول و نقل یہ ہے اور فرمایا فَأَرَدْتُّ أَنْ أَعِيبَهَا میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کی حالت کو پہنچ جائیں (اول آیت میں ارادہ عیب کی نسبت حضرت خضر نے اپنی طرف کی تقاضا ادب یہی تھا اور دوسری آیت میں ارادہ کی نسبت اللہ کی طرف کی تقاضا معرفت یہی تھا۔ مترجم)

حضرت ابراہیم نے بیمار ہونے کا فعل اسی وجہ سے بھی قرار دیا کہ (گو بیماری اللہ پیدا کرتا ہے مگر) اکثر مصیبت جو انسان پر آتی ہے وہ اسی کے کرتوت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

موت اور بیماری کا فرق

اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو بیان کرنا چاہتے تھے (اور بیمار کرنا نعمت نہیں اس لئے بیمار کرنے کی نسبت اللہ کی طرف نہیں کی) لیکن آئندہ آیت میں موت دینے کی نسبت اللہ کی طرف کی ہے گو بظاہر موت بھی سخت تکلیف کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ موت میں کوئی ضرر نہیں ہوتا وہ تو ایک غیر محسوس چیز ہے مرنے سے پہلے جو عوارض و اسباب عارض ہوتے ہیں دکھ دینے والے تو وہ ہوتے ہیں نہ کہ خود موت کا غیر محسوس درد ہوتا ہے ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ اہل معرفت کے نزدیک موت تو دنیوی مصائب و آلام سے چھوٹنے اور لازوال راحت و نعمت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے مشہور مقولہ ہے کہ موت ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب کے پاس پہنچا دیتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اچھا تحفہ موت مومن کے لئے ہے رحمت اور کافر کے لئے مواخذہ ہے۔ رواہ احمد والبیہقی عن عائشہ مرفوعاً دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ہر مسلم کے لئے موت (گناہوں کا) کفارہ ہے۔ رواہ ابو نعیم فی الحلیہ والبیہقی بسند ضعیف عن انسؓ۔

پھر ایک عقلی بات یہ بھی ہے کہ موت عموماً کھانے پینے کی چیزوں میں (اعتدال) کمی (یا بیشی) کی وجہ سے ہوتی ہے۔ یوں بھی اخلاط (سودا، صفراء، بلغم، خون) اور عناصر (آگ پانی مٹی ہوا) کے درمیان انتہائی تضاد اور کیفیات کا اختلاف ہے ان کے باہمی اختلاط کے بعد اعتدال مزاجی اور معتدل کیفیت کا ظہور تو صرف اللہ کی قدرت سے ہوتا ہے

وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ

اور وہ جو مجھ کو توقع ہے کہ بخشے میری تقصیر انصاف کے دن

یعنی کسی معاملہ میں بھول چوک یا اپنے درجہ کے موافق خطاء تقصیر ہو جائے تو اسی کی مہربانی سے معافی کی توقع ہو سکتی ہے کوئی دوسرا معاف کرنے والا نہیں۔ آگے حق تعالیٰ کے کمالات اور مہربانیوں کا ذکر کرتے کرتے حضرت ابراہیم نے غلبہ حضور سے دعاء شروع کر دی جو کمال عبدیت کے لوازم میں سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقام عصمت کی وضاحت:

جھوٹ اور معصیت کا لزوم تو اس وقت ہوتا جب کہ وہ اپنے آپ کو معصوم اور گناہ سے پاک سمجھتے ہوئے زبان سے کہتے کہ میں گنہگار خطا وار ہوں مگر وہ تو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک جانتے ہی نہ تھے (وہ پاک تھے) واقعہ یہ ہے کہ صوفی جب مقام فقر و فنا کی تکمیل کر لیتا ہے تو وہ اپنی ہستی اور اپنے سارے کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف سے عاریت سمجھتا ہے اور اپنے نفس کو معدوم محض تصور کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرا نفس تو تمام شر کا مبدء ہے اللہ نے فرمایا ہے مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ تم کو جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہارے نفس کی طرف سے پہنچتی ہے۔ اس حالت میں اگر صوفی اپنے کو گنہگار کہتا ہے تو اس کو جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ:

ایک بار ظہر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہو ہو گیا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال کیا میں پوری نماز پڑھ چکا اس لئے سلام پھیر دیا) ذوالیدین (ایک صحابی تھے) نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا نماز میں قصر کر دیا گیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے فرمایا ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ ذوالیدین نے عرض کیا (حضور) کچھ تو ہو چکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا اس میں سے کوئی بات نہیں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات ہرگز ہرگز نہ جھوٹ ہو سکتی ہے نہ گناہ ہاں نسیان ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيئَتِي اے میرے رب میرے قصور کو معاف فرما دے اس دعا کی بنیاد بھی انکسار نفس ہے اور چونکہ یہ امر ہے اور امر انشاء

کی قسم ہے اسلئے اس میں کذب کا احتمال بھی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

بندہ همان بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش کس نتواند کہ بجا آورد

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّ اَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ
اے میرے رب دے مجھ کو حکم اور ملا مجھ کو نیکوں میں

حضرت ابراہیمؑ کی دُعاء:

یعنی مزید علم وحکمت اور درجات قرب وقبول مرحمت فرما، اور اعلیٰ درجہ کے نیکوں کے زمرہ میں (جو انبیاء علیہم السلام ہیں) شامل رکھ۔ کما قال نبینا صلی اللہ علیہ وسلم "اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى" اس دعاء سے اپنی کامل احتیاج اور حق تعالیٰ کی عنایت کا اظہار مقصود ہے یعنی نبی ہو یا ولی، اللہ تعالیٰ کسی کے معاملہ میں مجبور ومضطر نہیں، ہمہ وقت اُس کے فضل ورحمت سے کام چلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ
اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں

یعنی ایسے اعمال مرضیہ اور آثار حسنہ کی توفیق دے کہ پیچھے آنے والی نسلیں ہمیشہ میرا ذکر خیر کریں اور میرے راستہ پر چلنے کی طرف راغب ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں میرے گھرانے سے نبی ہو اور اُمت ہو، اور میرا دین تازہ کریں۔ چنانچہ یہی ہوا کہ حق تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو دنیا میں قبول عام عطا فرمایا اور اُن کی نسل سے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جنہوں نے ملت ابراہیمی کی تجدید کی اور یہ فرمایا کہ میں ابراہیم کی دعاء ہوں، آج بھی ابراہیم کا ذکر خیر ہر ملل کی زبانوں پر جاری ہے اور اُمت محمدیہ تو ہر نماز میں "كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ" اور "كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ" پڑھتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی میری اچھی تعریف اور بھلائی کا ذکر اور قبول عام آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کر دے (کہ سب مجھے اچھا کہیں کوئی برائی کے ساتھ میرا ذکر نہ کرے) یا یہ مطلب ہے کہ آنے والی اُمتیں اگر میری ثناء کریں تو وہ سچی ہو (میری غیر واقعی اور غلط تعریف نہ کریں)۔ (تفسیر مظہری)

وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ
اور کر مجھ کو وارثوں میں نعمت کے باغ کے

یعنی جنت کا جو آدم کی میراث ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ
اور معاف کر میرے باپ کو وہ تھا راہ بھولے ہوؤں میں

ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دعاء باپ کی موت سے پہلے کی تھی، مگر دوسری جگہ تصریح آ چکی کہ جب اُس کا دشمن خدا ہونا ظاہر ہو گیا تو براءت اور بیزاری کا اظہار فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (توبہ، رکوع ۱۴) اور اگر اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ میں کان کا ترجمہ تھا کے بجائے ہے سے کیا جائے پھر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ زندگی میں ایمان لے آنے کا امکان تھا۔ تو دعاء کا حاصل یہ ہے کہ الٰہی اس کو ایمان سے مشرف فرما کر کفر کے زمانہ کی خطا میں معاف فرما دے۔ اس کی قدرے مفصل تحقیق پہلے کسی جگہ گزر چکی ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم کا والد کیلئے استغفار:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے لئے ان کی زندگی میں استغفار اس نیت اور خیال سے کی تھی کہ اللہ رب العزت ان کو ایمان لانے کی توفیق دے جس کے بعد مغفرت یقینی ہے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگرچہ اس کا اظہار اور اعلان نہیں کیا لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مرا ہے تو انہوں نے اپنی پوری بیزاری اور براءۃ کا اظہار فرمایا۔

(فائدہ) اس بات کی تحقیق کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو باپ کا کفر اور شرک اپنے باپ کی زندگی میں معلوم ہو گیا تھا یا مرنے کے بعد یا قیامت کے روز ہوگا، اس کی پوری تفصیل سورہ توبہ میں مذکور ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۙ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ
اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن سب جی کر اٹھیں جس دن نہ کام آئے کوئی مال
وَّلَا بَنُوْنَ ۙ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ
اور نہ بیٹے مگر جو کوئی آیا اللہ کے پاس لے کر دل چنگا

پاک دِل:

یعنی بھلا چنگا بے روگ دل جو کفر ونفاق اور فاسد عقیدوں سے پاک ہوگا وہ ہی وہاں کام دے گا۔ نرے مال واولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ اگر کافر چاہے کہ قیامت میں مال واولاد فدیہ دے کر جان چھڑا لے، تو ممکن نہیں۔ یہاں کے صدقات وخیرات اور نیک اولاد سے بھی کچھ نفع کی توقع اُسی وقت ہے جب اپنا دل کفر کی پلیدی سے پاک ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں اور منافقوں کی رسوائی:

شیخین نے صحیحین میں خود حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ سے دریافت کیا گیا کہ (قیامت کے دن اللہ جو بعض بندوں سے

چھپے چھپے فرمائے گا جس کی دوسروں کو اطلاع نہ ہوگی اس) سرگوشی کے متعلق آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے۔ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تم میں سے بعض لوگ اپنے رب کے قریب ہو جائیں گے یہاں تک کہ وہ اس پر اپنا پردہ ڈال دے گا اور فرمائے گا کیا تو نے ایسا ایسا کیا تھا۔ بندہ عرض کرے گا جی ہاں جی ہاں۔ اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے ان عمل پر پردہ ڈالے رکھا تھا اور آج معاف کرتا ہوں پھر اس کی نیکیوں کی تحریر اسے دے دی جائے گی۔ لیکن کافروں اور منافقوں کو سب کے سامنے علی الاعلان پکارا جائے گا۔ ھٰؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيْنَ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر دروغ تراشی کی تھی۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

شرک اور شک سے پاک دل:

سلیم سے مراد شرک اور شک سے پاک اس لئے کہ گناہوں سے پاک ہونا مراد نہیں ہے کیونکہ کوئی شخص بھی (خواہ وہ چھوٹے بڑے کسی قسم کے) گناہ سے پاک نہیں ہے۔ بغوی نے لکھا ہے یہی قول اکثر اہل تفسیر کا ہے۔

بدعت سے پاک دل:

سعید بن جبیر نے کہا سلیم (تندرست صحت مند) دل مومن کا ہے اور بیمار دل کافر اور منافق کا (اس قول پر آیت میں یہ مومن مراد ہوگا) ابو عثمان نیشاپوری نے کہا سلیم (سالم۔ خالی) دل اس کا ہے جو بدعت سے خالی ہو اور سنت پر قائم ہو یعنی (آیت میں) اہل سنت والجماعت (مراد ہیں)

کافر کو کوئی چیز فائدہ نہ دے گی:

آیت کا تفسیری مطلب یہ ہے کہ اس روز مال اور اولاد کسی کو فائدہ نہیں پہنچائے گی۔ ہاں مومن کو فائدہ پہنچائے گی۔ اس صورت میں مستثنیٰ مفرغ ہوگا یہ مطلب ہے کہ کسی کا مال اور اولاد مفید نہ ہوگی ہاں مومن کا مال اور اولاد کام آئے گی۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافر خواہ اپنے اقتدار میں سے کتنا ہی مال صرف کر دے اور کتنے ہی مسکینوں کو کھانا کھلائے پھر بھی اس کے کام نہ آئے گا نہ اولاد اس کے کام آئے گی خواہ اس کی اولاد صلحاء اور انبیاء ہی ہوں مگر کافر کوئی شفاعت نہیں کرے گا نہ اس کے لئے معافی کا طلبگار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

تندرست دل:

دوسری بات یہ ہے کہ قلب سلیم کے لفظی معنے تندرست دل کے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قلب ہے جو کلمہ توحید کی گواہی دے اور شرک سے پاک ہو۔ یہی مضمون مجاہد حسن بصری سعید بن مسیب سے بعنوان مختلف منقول ہے۔ سعید بن مسیب نے فرمایا کہ تندرست دل صرف مومن کا ہو سکتا ہے۔ کافر کا دل بیمار ہوتا ہے۔ [illegible]

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۙ
[illegible]

جنت و دوزخ کا نظارہ: یعنی محشر میں جنت مع اپنی انتہائی آرائش و زیبائش کے متقین کو قریب نظر آنے لگے گی۔ جسے دیکھ کر داخل ہونے سے پہلے ہی مسرور و محظوظ ہوں گے اسی طرح دوزخ کو مجرموں کے روبرو لے آئیں گے تاکہ داخل ہونے سے پیشتر ہی خوف و ہراس سے [illegible]

وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
[illegible]
هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ؕ
[illegible]

فرضی معبود کہاں ہیں: یعنی اب وہ فرضی معبود کہاں ہیں کیا وہ تمہاری مدد کر کے اس عذاب سے چھڑا سکتے ہیں یا بدلہ لے سکتے ہیں بلکہ خود اپنی بھی مدد نہیں کر سکتے۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۙ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ
پھر اوندھے ڈالے جائیں اس میں ان کو اور سب بہکانے والوں کو اور ابلیس کے لشکر
اَجْمَعُوْنَ ؕ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۙ
[illegible]
تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ
[illegible]
بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ وَمَاۤ اَضَلَّنَاۤ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ
پروردگار عالم کے [illegible]
فَمَا لَنَا مِنْ شٰفِعِيْنَ ۙ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ
[illegible]

انجام کار سب باطل پرستوں کا آپس میں جھگڑا

یعنی بت اور بت پرست اور ابلیس کا سارا لشکر، سب دوزخ میں اوندھے منہ گرا دیے جائیں گے۔ وہاں پہنچ کر آپس میں جھگڑیں گے۔ ایک دوسرے کو الزام دے گا اور آخر کار اپنی گمراہی کا اعتراف کریں گے۔ واقعی ہم سے بڑی [illegible]

غلطی ہوئی کہ تم کو (یعنی بتوں کو یا دوسری چیزوں کو جنہیں خدائی کے حقوق و اختیارات دے رکھے تھے) رب العالمین کے برابر کر دیا۔ کیا کہیں یہ غلطی ہم سے ان بڑے شیطانوں نے کرائی، اب ہم اس مصیبت میں گرفتار ہیں نہ کوئی بُت کام دیتا ہے نہ شیطان مدد کو پہنچتا ہے۔ وہ خود ہی دوزخ کے کندے بن رہے ہیں۔ کوئی اتنا بھی نہیں کہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کر دے یا کم از کم اس آڑے وقت میں کوئی دوست دلسوزی و ہمدردی ہی کا اظہار کرے۔ سچ ہے اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ (زخرف۔ رکوع ۹) (تفسیر عثمانی)

نکتہ: شافعین کو جمع اور صدیق کو مفرد ذکر کرنے کی چند وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) عام طور پر سفارشی تو بہت ہو جاتے ہیں اور سچا دوست کم ہی ملتا ہے۔

(۲) جتنی کوشش متعدد سفارشی کرتے ہیں ان سب سے زیادہ لگن کے ساتھ ایک دوست کوشش کرتا ہے۔

(۳) صدیق کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور جمع پر بھی۔

کافر کو گہری دوستی بھی کام نہ آئے گی:

اس روز گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے ہاں متقی (باہم دشمن نہ ہوں گے) بغوی نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت جابر نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدمی جنت کے اندر کہے گا میرا فلاں دوست کیا ہوا (کہاں گیا) اس وقت اس جنتی کا دوست جہنم میں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

سو کسی طرح ہم کو پھر جانا ملے تو ہم ہوں ایمان والوں میں

کافروں کی ناکام حسرت:

یعنی اگر ایک مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس جانے کا موقع دیا جائے تو اب وہاں سے پکے ایماندار بن کر آئیں لیکن یہ کہنا بھی جھوٹ ہے۔ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام رکوع ۳)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

اس بات میں نشانی ہے اور بہت لوگ اُن میں نہیں ماننے والے

قصہ ابراہیمؑ کا سبق:

یعنی ابراہیمؑ کے اس قصہ میں توحید وغیرہ کے دلائل اور مشرکین کا عبرتناک انجام دکھلایا گیا ہے مگر لوگ کہاں مانتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیم اپنی قوم پر کس قدر مہربان تھے۔ بیان قرآنی میں اس کی کیسی اعلیٰ تصویر پیش کی ہے اور نفس واقعہ کی کیسی تصویر کشی کی ہے وعد و وعید کو بھی بطور نقل بیان کیا ہے لیکن در پردہ تا کہ سننے والے گوشِ قبول سے اس کو سنیں اور نفرت نہ کریں پھر اس بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی بھی واضح دلیل اور کھلا ہوا ثبوت موجود ہے (کہ آپ باوجود امی ہونے کے ہزاروں سال پرانا واقعہ کس قدر خوبصورتی اور صداقت کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اگر یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بیان کردہ نہیں ہے تو اور کیا ہے) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا نوح کی قوم نے پیغام لانیوالوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی نوح نے کیا تم کو ڈر نہیں میں تمہارے واسطے پیغام لانیوالا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت نوحؑ کی دعوت:

یعنی نہایت صدق و امانت کے ساتھ حق تعالیٰ کا پیغام بلا کم و کاست تم کو پہنچاتا ہوں۔ لہٰذا واجب ہے کہ پیغام الٰہی سن کر خدا سے ڈرو۔ اور میرا کہا مانو۔ (تفسیر عثمانی)

ایک پیغمبر کا انکار سب کا انکار ہے:

روایات میں آیا ہے کہ حسن بصریؒ سے دریافت کیا گیا۔ ابو سعید یہ تو بتائیے کہ اللہ نے كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ فرمایا ہے باوجودیکہ ان میں سے ہر قوم نے صرف اپنے ہی ایک پیغمبر کی تکذیب کی کیونکہ ان کی ہدایت کے لئے ایک ہی پیغمبر کو بھیجا گیا تھا۔ حسن بصری نے فرمایا ہر دوسرا پیغمبر انہی (عقائد و اعمال) کی تعلیم لے کر آیا جس کے لئے پہلا پیغمبر آیا اور جب انہوں نے ایک پیغمبر کی تکذیب کی تو حقیقت میں سب کی تکذیب کی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

اور مانگتا نہیں میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

پیغمبر بے لوث ہوتا ہے:

یعنی ایک بے غرض اور بے لوث آدمی کی بات ماننی چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

طاعات پر اُجرت لینے کا حکم:

[illegible] آیت سے معلوم ہوتا ہے [illegible] تعلیم اور تبلیغ پر اجرت [illegible] سے [illegible] جرات [illegible] متاخرین نے [illegible] بحالت مجبوری [illegible]

قَالُوٓا اَنُؤۡمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الۡاَرۡذَلُوۡنَ

بولے کیا ہم تجھ کو مان لیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کمینے

قوم کے سرداروں کا اعتراض:

یعنی تھوڑے سے [illegible] اپنی قوم [illegible] ساتھ [illegible] اونچے [illegible] اشراف [illegible] اجازت [illegible] ان میں [illegible] تمہاری مجلس میں بیٹھیں [illegible] پہلے تو آپ ان کو اپنے پاس سے ہٹا دیجئے پھر ہم سے بات کرنا [illegible]

قوم نوح کا احمق پن:

[illegible] حضرت ابن عباس [illegible] قوموں سے [illegible] نظر [illegible] متعلق [illegible] ایمان [illegible] مسلمان نہیں ہوئے [illegible] تمہاری دعوت [illegible] تمہاری دعوت و نصیحت غلط و باطل [illegible] ساتھ ہم کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ وَمَا عِلۡمِیۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ۚ اِنۡ حِسَابُہُمۡ

کہا مجھ کو کیا خبر ہے جو وہ کام کرتے تھے ان کا حساب پوچھنا

اِلَّا عَلٰی رَبِّیۡ لَوۡ تَشۡعُرُوۡنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ

میرے رب ہی کا کام ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو اور میں ہانکنے والا نہیں [illegible]

غریبوں کو دھکے نہیں دیے جا سکتے:

[illegible] ایمان قبول [illegible] ان کے [illegible] اندرونی [illegible] جاننے سے [illegible] اس کا فیصلہ اور حساب [illegible] میں تمہاری خاطر سے غریب ایمانداروں کو اپنے پاس سے ہٹا نہیں سکتا۔

اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ

میں تو بس یہی ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر

[illegible] تمہاری [illegible] باز نہیں [illegible]

قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَہِ یٰنُوۡحُ لَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمَرۡجُوۡمِیۡنَ

[illegible]

قوم والوں کی دھمکی:

[illegible] اب [illegible] نصیحت سے [illegible]

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوۡمِیۡ کَذَّبُوۡنِ ۚ فَافۡتَحۡ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَہُمۡ فَتۡحًا

[illegible]

حضرت نوح علیہ السلام کی دعاء:

[illegible] عملی فیصلہ [illegible] راست [illegible] نہیں۔

وَّنَجِّنِیۡ وَمَنۡ مَّعِیَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ

[illegible]

[illegible]

فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَمَنۡ مَّعَہٗ فِی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے [illegible]

ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا بَعۡدُ الۡبٰقِیۡنَ

[illegible]

اس قصہ کی تفصیل پہلے کئی جگہ گزر چکی [illegible]

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ؕ وَمَا کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ

[illegible]

وَاِنَّ رَبَّکَ لَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۔ کَذَّبَتۡ عَادُ

[illegible]

الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۚ اِذۡ قَالَ لَہُمۡ اَخُوۡہُمۡ ہُوۡدٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ

پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی ہود نے کیا تم ڈرتے نہیں

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝

میں تمہارے لئے ... رسول ہوں ... سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ

اور میں تم سے اس پر کوئی ... نہیں مانگتا ... [illegible]

رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝

... کیا تم ... یادگار بناتے ہو ... بے فائدہ

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝

... بناتے ہو ... گویا تم ہمیشہ رہو گے

قوم عاد کی عمارت پرستی۔

ان لوگوں کو بڑا شوق تھا اونچے مضبوط منارے بنانے کا جس سے کچھ کام نہ نکلے بجز نام و نمود کے اور رہنے کی عمارتیں بھی بڑے تکلف کی بناتے تھے ... ضائع کرنے کو۔ ان میں بڑی کاریگریاں دکھلاتے ... وہ یہ سمجھتے تھے ہمیشہ یہیں رہنا ہے اور یہ یادگاریں اور عمارتیں کبھی برباد نہ ہوں گی۔ لیکن آج دیکھو تو ان کے کھنڈر بھی باقی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کبوتر بازی:

... قوم عاد ... کبوتر بازی کرتے تھے ... انہوں نے ... بنا رکھے تھے حضرت ہود ... ان کے اس فعل کو ناپسند کیا ... [illegible] ... آیت میں تعبثون آیا ہے یعنی تم لوگ ان سے کھیلتے ہو۔

ذلت والا کام:

میں ... کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ یادگار قائم رکھنے کے لئے ... اونچی عمارتیں اور قلعے تعمیر کرتے تھے دنیا پرستوں کا شیوہ ہی یہی ہے۔ ... غرض یہ ہوتی تھی کہ ہمیشہ ان عمارتوں کو بنانے والوں کی یادگار باقی رہے ... اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا۔ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے رب نے ... بڑی بڑی ... بنانے والی ... ارم ... [illegible] ... عمل فضول اور بے نتیجہ تھا ... [illegible] ... کو پسند نہیں ... [illegible] ... بھی یہ قسم کی عمل پسند نہیں ... حضور اقدس نے ارشاد فرمایا جب اللہ کسی بندہ کی برائی چاہتا ہے تو ... اینٹوں اور گارے میں اس کی ہمت کو محصور کر دیتا ہے کہ وہ عمارتیں بنانے لگتا ہے۔ رواہ الطبرانی بسند جید عن حدیث جابر۔

لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں بیان فرمایا کہ اس آیت میں لعل تشبیہ کے معنے میں ہے اور حضرت ابن عباس نے ترجمہ یہ فرمایا کانکم تخلدون یعنی گویا تم ہمیشہ رہو گے (مظہری ...)۔

بلاضرورت عمارت بنانا مذموم ہے:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ بغیر ضرورت کے مکان بنانا اور تعمیرات ... شرعاً برا ہے۔ اور یہی معنی ہیں اس حدیث کے جو امام ترمذی نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔ النفقة كلها في سبيل الله الا البناء فلاخير فيه یعنی وہ عمارت جو ضرورت سے زائد بنائی گئی ہو اس میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں۔ اور اس معنی کی تصدیق حضرت انس ... کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ ان كل بناء وبال على صاحبه الا ما لا يعنى الا ما لا بدمنه (ابو داؤد) یعنی ہر تعمیر صاحب تعمیر کے لئے مصیبت ہے مگر وہ عمارت جو ضروری ہو وہ وبال نہیں ہے روح المعانی میں فرمایا کہ بغیر غرض صحیح کے بلند عمارت بنانا شریعت محمدیہ میں بھی مذموم اور برا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہے سوائے اس کے جو ایسی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے وقت اپنی ہتھیلی سے اشارہ کیا ... [illegible]

ایک انصاری صحابی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی۔

حضرت انس راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے (کسی بازار کو) ایک اونچا گنبد (نما مکان) دیکھ کر فرمایا یہ کیا ہے صحابہ نے عرض کیا یہ فلاں انصاری کا ہے حضور خاموش ہو گئے مگر یہ بات اپنے دل میں لئے رہے جب اس کا مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ اس وقت لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما تھے اس شخص نے سلام کیا آپ نے منہ پھیر لیا ایسا کئی مرتبہ ہوا وہ شخص سمجھ گیا کہ حضور مجھ سے ناراض ہیں اس لئے بے رخی برت رہے ہیں (لیکن ناراضگی کی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آئی) صحابہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ مجھے غیر ... دکھائی دیتا ہے ... صحابہ نے کہا باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارا ... بنا ہوا گنبد دیکھا تھا یہ سنتے ہی وہ شخص فوراً لوٹ پڑا اور ... گنبد کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز پھر ... تشریف لے گئے اور گنبد دکھائی نہیں دیا تو فرمایا وہ گنبد کیا ہوا صحابہ نے عرض کیا اس کے مالک نے حضور کی بے رخی کا ہم سے شکوہ کیا تھا ہم نے اس کو وجہ بتا دی اس نے جا کر گنبد ڈھا دیا۔ فرمایا سنو ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہے سوائے اس کے جو ضروری ہو جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر عمارت قیامت کے دن اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی۔ سوائے مسجد اور (سکونت کے) گھر کے۔

ت امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے مضبوط عمارتیں بناتے ہو۔

مسئلہ لمبی لمبی آرزوئیں کرنی مکروہ ہے آرزو کی کمی مستحب ہے۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کے کسی حصہ کو پکڑ کر فرمایا دنیا میں اس طرح رہنا جیسے تو پردیسی ہے، یا راہ گیر ہے اور اپنے آپ کو مردوں (کی فہرست) میں شمار کرنا۔ رواہ البخاری۔

موت سر پر کھڑی ہے:

یہ بھی حضرت عمر کی روایت ہے کہ ایک بار ہماری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا میں اور میری ماں کچھ مٹی سے کر رہے تھے (یعنی مٹی کی لسائی یا لپائی کر رہے تھے) فرمایا عبداللہ یہ کیا ہے میں نے کہا ہم کچھ درستی (مرمت) کر رہے ہیں۔ فرمایا امر (یعنی تقدیری حکم) اس سے بھی پہلے پہنچنے والا ہے (یعنی موت سر پر کھڑی ہے معلوم نہیں اس کی درستی سے پہلے آ جائے) رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حضرت ابن عباس نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بچے ہوئے) پانی کو بہا دیا کرتے تھے (آگے بڑھ کر سفر میں جب پانی کی ضرورت ہوتی اور پانی موجود نہ ہوتا تو) تیمم کر لیتے تھے میں عرض کرتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی قریب ہی ہے حضور فرماتے مجھے کیا معلوم شاید میں پانی تک نہ پہنچ سکوں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وابن الجوزی فی کتاب الوفاء۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
اور جب ہاتھ ڈالتے ہو تو پنجہ مارتے ہو ظلم سے
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾
سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

کمزوروں پر ظلم سے باز آؤ:

یعنی ظلم وستم سے زیردستوں اور کمزوروں کو تنگ کر رکھا ہے گویا انصاف اور نرمی کا سبق ہی نہیں پڑھا۔ خدا کی ضعیف مخلوق کو جبر و تعدی کا تختہ مشق بنا رکھا ہے۔ سو اللہ سے ڈرو، ظلم و تکبر سے باز آؤ، اور میری بات مانو۔ (تفسیر عثمانی)

جبارین:

جبارین بغیر رحم کے ناحق قتل کرنے والے۔ قاموس میں ہے جبار متکبر آدمی اور وہ دل جس میں رحم نہ آئے اور ناحق بہت زیادہ قتل کرنے والا۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ
اور ڈرو اس سے جس نے تم کو پہنچائیں وہ چیزیں جو تم جانتے ہو پہنچائے
بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ
تم کو چوپائے اور بیٹے اور باغ اور چشمے میں ڈرتا ہوں
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾
تم پر ایک بڑے دن کی آفت سے

اپنے انجام کو سوچو:

یعنی اتنا تو سوچو کہ آخر یہ سامان تم کو کس نے دیئے ہیں؟ کیا اس منعم حقیقی کا تمہارے ذمہ کوئی حق نہیں۔ اگر تمہاری یہ ہی شرارت اور سرکشی رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ پہلی قوموں کی طرح کسی سخت آفت میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ دیکھو! میں تم کو نصیحت کر چکا اپنے انجام کو خوب سوچ لو۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
بولے ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ بنے تو نصیحت کرنے والا
اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾
اور کچھ نہیں یہ باتیں عادت ہے اگلے لوگوں کی اور ہم پر آفت نہیں آنے والی

قوم والوں کی بے حسی:

یعنی تمہاری نصیحت بیکار ہے۔ یہ جادو ہم پر چلنے والا نہیں قدیم سے یہ عادت چلی آتی ہے کہ کچھ لوگ نبی بن کر عذاب سے ڈرایا کرتے ہیں اور مرنے جینے کا سلسلہ بھی پہلے سے چلا آتا ہے تو اسے ہم کو کیا اندیشہ ہو سکتا ہے، رہا جو طریقہ ہمارا ہے وہ ہی ہمارے اگلے باپ دادوں کا تھا۔ ہم اس سے کسی طرح ہٹنے والے نہیں۔ نہ عذاب کی دھمکیوں کو خاطر میں لا سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وعظ اس کلام کو کہتے ہیں جو وعدہ وعید (ترغیب و ترہیب) کے ذکر کی وجہ سے دلوں میں نرمی پیدا کر دے (یعنی وعظ کے اندر ترغیب و ترہیب ضروری ہے تاکہ دلوں کی سختی دور ہو)

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہی ہے (کہ وہ اسی طرح کی جھوٹی باتیں بنایا کرتے تھے) یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا جو مذہب اور دین ہے۔ یہی دین ہمارے اسلاف کا تھا اور ہم ان کے پیرو ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ زندگی اور موت کی یہ رفتار پہلے زمانے سے یوں ہی چلی آئی

ہے سب لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَكَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ

پھر اس کو جھٹلانے لگے تو ہم نے ان کو غارت کر دیا

یعنی سخت آندھی بھیج کر ان کا قصہ بھی پہلے اعراف وغیرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝ كَذَّبَتْ ثَمُودُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا ثمود نے

الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ

پیغامبروں کو جب کہا ان کو ان کے بھائی صالح نے کیا تم ڈرتے نہیں

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ

میں تمہارے واسطے پیغام لانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ

اور نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَتُتْرَكُونَ فِي مَا هَاهُنَا آمِنِينَ

اسی جہان کے پالنے والے پر کیا چھوڑے رہیں گے تم کو یہاں کی چیزوں میں بے کھٹکے

فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ

باغوں میں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے

وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فَارِهِينَ

اور تراشتے ہو پہاڑوں کے گھر تکلف کے

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو

حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ:

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ ہمیشہ اسی عیش و آرام اور باغ و بہار کے مزے لوٹو گے اور پہاڑوں کو تراش تراش کر جو تکلف کے مکان تیار کرتے ہو ان سے کبھی نہ نکلو گے؟ یہ مضبوط اور سنگین عمارتیں تم کو خدا کے عذاب سے بچا سکتی ہیں؟ اس سودائے خام کو دل سے نکال ڈالو۔ اور خدا تعالیٰ سے ڈر کر میرا کہنا مانو۔ میں تمہارے بھلے کی کہتا ہوں۔

وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ ۝ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ

اور نہ مانو حکم بیباک لوگوں کا جو خرابی کرتے ہیں

فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ

ملک میں اور اصلاح نہیں کرتے

عوام سے خطاب:

یعنی عوام کو فرمایا کہ تم ان بڑے مفسد شیطانوں کے پیچھے چل کر تباہ ہو۔ یہ تو زمین میں خرابی پھیلانے والے ہیں۔ اصلاح کرنے والے اور نیک صلاح دینے والے نہیں۔

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ

بولے تجھ پر تو کسی نے جادو کیا ہے

مَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم

سرداروں کی بے پرواہی:

یعنی ہم سے کون سی بات تجھ میں زائد ہے جو نبی بن گیا۔ معلوم ہوتا ہے کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے تیری عقل ماری گئی (العیاذ باللہ)

فَأْتِ بِآيَةٍ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ

سو لے آ کچھ نشانی اگر تو سچا ہے

یعنی اگر تو نبی ہے اور ہم سے ممتاز درجہ رکھتا ہے تو اللہ سے کہہ کہ کوئی ایسا نشان دکھا جسے ہم بھی تسلیم کریں پھر فرمائش کی کہ اچھا پتھر کی اس چٹان میں سے ایک اونٹنی نکال دے جو ایسی اور ایسی ہو۔ حضرت صالحؑ نے دعا فرمائی، حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ نشان دکھلا دیا۔

قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ

کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لئے پانی پینے کی ایک باری اور تمہارے لئے باری ایک دن مقرر کی

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں اونٹنی پیدا ہوئی پتھر میں سے اللہ کی قدرت

سے حضرت صالح کی دعا سے وہ چھوٹی پھرتی، جس جنگل میں چرنے یا جس تالاب پر پانی پینے جاتی سب مواشی بھاگ کر کنارے ہو جاتے۔ تب یوں ٹھہرا دیا کہ ایک دن اس کا پانی پر دورہ ہو جائے، ایک دن اوروں کے مواشی جائیں۔

وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ
اور مت چھیڑیو اس کو بری طرح سے پھر پکڑے تم کو آفت ایک بڑے دن کی

یعنی اونٹنی کے ساتھ برائی سے پیش نہ آنا ورنہ بڑی سخت آفت ہوگی۔

فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ
پھر کاٹ ڈالی اس اونٹنی کو پھر کل کو رہ گئے پچھتاتے

اونٹنی کے ساتھ ظلم:

ایک بدکار عورت کے گھر مواشی بہت تھے، چارے اور پانی کی تکلیف سے بچنے کے لیے اس کے کہنے سے ایک شقی نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر ڈال دیئے۔ اس سے تین دن بعد عذاب آیا (موضح القرآن) یہ قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا۔

فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا
پھر آ پکڑا ان کو عذاب نے البتہ اس بات میں نشانی ہے اور
كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ
ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے اور تیرا رب وہی ہے زبردست
الرَّحِيمُ ۝ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لَهُمْ
رحم کرنے والا جھٹلایا لوط کی قوم نے پیغام لانے والوں کو جب کہا ان کو
أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝
ان کے بھائی لوط نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تمہارے لئے پیغام لانے والا ہوں معتبر
فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ
سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور مانگتا نہیں میں تم سے اس کا کچھ بدلہ
إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ
میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر کیا تم دوڑتے ہو
مِنَ الْعَالَمِينَ ۝
جہان کے مردوں پر

قوم لوط کی بدکاری:

یعنی سارے جہان میں سے مرد ہی تمہاری شہوت رانی کیلئے رہ گئے۔ یا یہ کہ سارے جہان میں سے تم ہی ہو جو اس فعل شنیع کے مرتکب ہوتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط علیہ السلام ان کا نام لوط بن ہاران بن تارح تھا یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی حیات میں بہت بڑی امت کی طرف بھیجا تھا یہ لوگ سدوم اور اس کے آس پاس بستے تھے بالآخر یہ بھی خدا تعالیٰ کے عذابوں میں پکڑے گئے۔ سب کے سب ہلاک ہوئے اور ان کی بستیوں کی جگہ ایک جھیل سڑے ہوئے گندے کھاری پانی کی رہ گئی۔ یہ اب تک بھی بلاد غور میں مشہور ہے جو کہ بیت المقدس اور کرک و شوبک کے درمیان ہے۔ ان لوگوں نے بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ کیا تمام دنیا جہان والوں میں سے تم (یہ حرکت کرتے ہو کہ) مردوں سے فعل بد کرتے ہو یعنی سارے جہان سے ہٹ کر سب کے خلاف تم مردوں سے لواطت کرتے ہو دنیا میں کوئی مخلوق بھی اس عمل میں تمہاری شریک نہیں ہے کوئی بھی یہ حرکت نہیں کرتا اس مطلب پر عالمین سے مراد ہوگا ہر جماع کرنے والا (خواہ آدمی ہو یا کوئی اور) یا یہ مطلب ہے کہ آدمیوں میں سے تم ہی مردوں سے لواطت کرتے ہو اور کوئی آدمی ایسا نہیں کرتا اس مطلب پر العالمین سے مراد آدمی ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم ۚ
اور چھوڑتے ہو جو تمہارے واسطے بنا دی ہیں تمہارے رب نے تمہاری جوروئیں
بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ ۝
بلکہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو

فطرت کی خلاف ورزی:

یعنی یہ خلاف فطرت کام کر کے آدمیت کی حد سے بھی نکل چکے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم اور جو بیبیاں اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان کو چھوڑے رہتے ہو اس ترجمہ پر من ازواجکم میں من بیانیہ ہوگا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام اللہ نے تمہارے لئے بنایا ہے تم اس کو چھوڑے رکھتے ہو (یعنی عورتوں سے صنفی مباشرت نہیں کرتے بلکہ ان سے بھی لواطت کرتے ہو) وہ لوگ عورتوں سے بھی لواطت کرتے تھے۔ جیسے رافضی کرتے ہیں۔

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ بلکہ تم حد سے تجاوز کرنے والے ہی لوگ ہو۔ یعنی شہوت رانی میں حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہو شہوت کو پورا کرنے میں تم تمام لوگوں کی حد بندیوں سے آگے بڑھنے والے بلکہ جانوروں سے بھی اس معاملہ میں بڑھ کر ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ گناہوں میں تم حد سے بڑھتے ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس نالائق حرکت کرنے کی وجہ سے تم اس بات کے مستحق ہو کہ تم کو حد سے تجاوز کرنے والا کہا جائے۔ (تفسیر مظہری)

غیر فطری فعل اپنی بیوی سے بھی حرام ہے:

لفظ من ازواجکم میں حرف من اصطلاحی الفاظ میں بیانیہ بھی ہوسکتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ تمہاری خواہش نفسانی کے لئے جو اللہ نے بیویاں پیدا فرمائی ہیں تم ان کو چھوڑ کر اپنے ہم جنس مردوں کو اپنی شہوت نفس کا نشانہ بناتے ہو جو خباثت نفس کی دلیل ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حرف من کو تبعیض کے لئے قرار دیں تو اشارہ اس طرف ہوگا کہ تمہاری بیبیوں کا جو مقام تمہارے لئے بنایا گیا اور جو امر فطری ہے اس کو چھوڑ کر بیویوں سے خلاف فطرت عمل کرتے ہو جو کہ قطعاً حرام ہے، غرض اس دوسرے معنے کے لحاظ سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوگیا کہ اپنی زوجہ سے خلاف فطرت عمل حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے نعوذ باللہ منہ (کذافی الروح)

(معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ

بولے کہ اگر نہ چھوڑے گا تو اے لوط تو تو نکال دیا جائے گا

قوم والوں کی دھمکی:

یعنی یہ وعظ و نصیحت رہنے دو۔ اگر آئندہ ہمیں تنگ کرو گے تو تم کو بستی سے نکال باہر کریں گے۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ

کہا میں تمہارے کام سے البتہ بیزار ہوں

حضرت لوط علیہ السلام کی استقامت:

اسلئے ضرور اس پر اظہار نفرت کروں گا اور نصیحت سے باز نہیں آسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

لوطؑ نے کہا میں تمہارے (عمل سے سخت نفرت کرنے والا ہوں یا) عمل کا سخت دشمن ہوں قالی بغض رکھنے والا یعنی تمہارے عمل سے مجھے سخت نفرت ہے اس لئے مجھے بستی سے نکالے جانے کی دھمکی کی پروا نہیں ہے من القالین کہنے میں قالی کہنے سے زیادہ زور ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے عمل سے نفرت

کرنے والی جماعت میں میں شامل ہوں اور اس گروہ میں مشہور ہوں (تفسیر مظہری)

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ

اے رب خلاص کر مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں

حضرت لوط علیہ السلام کی دعاء:

یعنی ان کی نحوست اور وبال سے ہم کو بچا اور انہیں غارت کر (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط کو جب معلوم ہو گیا کہ میری نصیحت و دعوت کا ان لوگوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا (آئندہ ان کے ساتھ رہنا بیکار ہے) تو آپ نے دعا کی کہ مجھے ان سے الگ کر دے تاکہ ان پر آنے والے عذاب سے میں محفوظ رہوں۔ (تفسیر مظہری)

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ

پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو سب کو مگر ایک بڑھیا رہ گئی رہنے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی:

یہ ان کی بیوی تھی جو ان بدمعاشوں سے ملی رہتی تھی۔ جب عذاب آیا تو یہ بھی ہلاک ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ عجوز سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کہ قوم لوط کے اس فعل سے راضی تھی اور کافر تھی۔ وہ علیہ السلام کی بیوی اگر واقع میں بڑھیا تھی تو اس سے لفظ عجوز استعمال کرنا ظاہر ہی ہے اور اگر عمر کے لحاظ سے بڑھیا نہ تھی تو اس کو عجوز کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا کہ پیغمبر کی بیوی امت کے لئے ماں کی جگہ ہوتی ہے جو عورت ماں ہو اس کو بڑھیا کہہ دینا کچھ مستبعد نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۚ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا

پھر اٹھا مارا ہم نے ان دوسروں کو اور برسایا ہم نے ان پر برساؤ

فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ

سو کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا

عذاب کی صورت:

یعنی ان کی بستیاں اُلٹ دیں اور آسمان سے پتھروں کا مینہ برسا کر ملیا میٹ ہوکر رہ گئے۔ اُن کا قصہ بھی مفصل اعراف وغیرہ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

لوطی کی سزا:

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ اس آیت سے ثابت ہوا

دی پرا یوں ... کر اسے بلند مقام سے نیچے پھینکنے کی تعزیر جائز ہے جیسے حنفیہ کا مسلک ہے۔ چونکہ قوم لوط کی اسی طرح ہلاکت کی گئی تھی کہ ان کی بستیوں کو اوپر اٹھا کر الٹا زمین پر پھینک دیا گیا تھا (شامی کتاب الحدود) (معارف مفتی اعظم)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں تھے ماننے والے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ كَذَّبَ أَصْحَابُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا جھٹلایا بن والوں نے

الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ

پیغام لانے والوں کو

مدین والے:

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اصحاب ایکہ وہی قوم مدین ہے۔ ایکہ ایک درخت تھا جس کی یہ لوگ پوجا کرتے تھے اسی نسبت سے اصحاب ایکہ کہا گیا۔ اور اسی لئے شعیب کو اخوہم کے لفظ سے تعبیر نہیں فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کی اخوت محض قومی و نسبی تعلقات پر مبنی تھی۔ اہل مدین کہتے تو اخوہم کہنا موزوں تھا۔ جب اصحاب ایکہ کہہ کر ایک مذہبی نسبت سے ذکر کیا تو اس حیثیت سے اخوہم فرمانا حضرت شعیب کی شان کے مناسب نہ تھا۔ بہرحال مدین اور اصحاب ایکہ ایک قوم ہے اور شعیب اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے پہلے بھی اس کے متعلق کچھ بحث گزر چکی۔ ([illegible])

ایکہ درختوں کی گھنی جھاڑی۔ بن مدین کے قریب ایک گھنا جنگل تھا جس میں کچھ لوگ رہتے تھے یہ گروہ مدین والوں سے الگ تھا۔ اللہ نے حضرت شعیب کو جس طرح مدین والوں کی ہدایت پر مامور کیا تھا اسی طرح اس جنگل کے باشندوں کی ہدایت کے لئے بھی مقرر کیا تھا حضرت شعیب اہل مدین میں سے تھے اصحاب ایکہ میں سے نہیں تھے۔ ([illegible])

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ إِنِّي لَكُمْ

جب کہا ان کو شعیب نے کیا تم ڈرتے نہیں میں تم کو پیغام

رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ وَمَا أَسْأَلُكُمْ

پہنچانے والا ہوں معتبر سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو اور نہیں مانگتا میں

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ

تم سے اس پر کچھ بدلہ میرا بدلہ ہے اسی پروردگار عالم پر

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ وَزِنُوا

پورا بھر کر دو ماپ اور مت ہو نقصان دینے والے اور تولو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ

سیدھی ترازو سے

حضرت شعیب کی تبلیغ:

یعنی معاملات میں خیانت اور بے انصافی مت کرو جس طرح لینے کے وقت پورا ناپ تول کرتے ہو دیتے وقت بھی پورا ناپ تول کرو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا

اور مت گھٹا دو لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت دوڑو

فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ

ملک میں خرابی ڈالتے ہوئے

یعنی ملک میں ڈاکے مت ڈالو اور لوگوں کے حقوق نہ مارو۔ (تفسیر عثمانی)

فساد فی الارض:

مفسدین جانتے بوجھتے تباہی لاتے ہوئے مطلب یہ ہے کہ قصداً بگاڑ نہ پیدا کرو تباہی نہ پھیلاؤ اس سے معلوم ہوا کہ اگر نیت اصلاح کی ہو اور خرابی پیدا ہو جائے تو اس کو فساد فی الارض نہیں کہا جائے گا اور اس کا کوئی مواخذہ نہیں۔ کسی نے کافر کے تیر مارا کافر نے مسلمان قیدی کو اپنے سامنے ڈھال کی طرح کر دیا اور مسلمان مارا گیا یا زخمی ہو گیا تو نہ دیت ہوگی نہ قصاص نہ کوئی تاوان۔ (تفسیر مظہری)

ادائیگی کے حقوق:

ولا تبخسوا الناس اشیاءهم یعنی نہ کم کرو لوگوں کی اپنی چیزوں میں مراد یہ ہے کہ معاہدہ کے مطابق جتنا کسی کا حق ہے اس سے کمی کرنا حرام ہے خواہ وہ ناپنے تولنے کی چیز ہو یا کوئی دوسری۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ملازم مزدور اگر اپنے مقررہ وقت میں چوری کرتا ہے وقت کم لگاتا ہے وہ بھی اسی وعید میں داخل ہے۔ امام مالک نے موطا میں روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز عصر میں شریک نہیں ہوا وجہ پوچھی تو اس نے کچھ عذر کیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا طففت یعنی تو نے تولنے میں کمی کردی۔ چونکہ نماز کوئی تولنے کی چیز نہیں اس لئے یہ حدیث نقل فرما کر امام مالک فرماتے ہیں کہ وفاء و تطفیف یعنی حق کے مطابق کرنا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یعنی صرف ناپ تول ہی کے ساتھ یہ حکم مخصوص نہیں بلکہ ہر کسی کے حق

میں کمی کرنا خواہ کسی صورت سے ہو وہ تطفیف میں داخل ہے جس کا حرام ہونا وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾ قَالُوا إِنَّمَا

اور ڈرو اس سے جس نے بنایا تم کو اور اگلی خلقت کو بولے تجھ پر تو

أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو بھی ایک آدمی ہے جیسے ہم

وَإِن نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٨٦﴾

اور ہمارے خیال میں تو تو جھوٹا ہے

قوم کا جواب: یعنی دعوے نبوت میں اور عذاب وغیرہ کی دھمکیوں میں۔

فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾

سو گرا دے ہم پر کوئی ٹکڑا آسمان کا اگر تو سچا ہے

اگر آپ سچے ہیں تو آسمان کا یہ بادل کا کوئی ٹکڑا گرا دو ہم تو بدون عذاب کے یقین نہیں کرتا۔

قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾

کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو

حضرت شعیبؑ کی وضاحت:

یعنی وہی جانتا ہے کہ تم کس وقت اور کتنی سزا ملنی چاہیے۔ عذاب اپنے اختیار کا کام نہیں۔ اس کا اختیار اسی ذات کو ہے جو عذاب بھیجے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۚ إِنَّهُ كَانَ

پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑا ان کو آفت نے سائبان والے دن کی بیشک وہ تھا

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٨٩﴾

عذاب بڑے دن کا

زلزلے اور آگ کا عذاب:

سائبان کی طرح ابر آیا اس میں سے آگ برسی، نیچے سے زمین میں زلزلہ آیا اور سخت ہولناک آواز آئی۔ اس طرح سب قوم تباہ ہوئی۔ ان کا قصہ بھی پہلے مفصل گزر چکا ہے۔ ایک نظر وہاں کے فوائد پر ڈال لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

خدا کا مجرم اپنے پاؤں چل کر آتا ہے:

عذاب یوم الظلہ، جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے اس کا واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی قوم پر سخت گرمی مسلط فرمائی کہ نہ مکان کے اندر چین آتا نہ باہر، پھر ان کے قریبی جنگل میں ایک گہرا بادل بھیج دیا جس کے نیچے ٹھنڈی ہوا تھی، ساری قوم گرمی سے پریشان تھی سب دوڑ دوڑ کر اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے جب ساری قوم بادل کے نیچے آ گئی تو اس بادل نے ان پر پانی کے بجائے آگ برسا دی جس سے سب بھسم ہو کر رہ گئے۔ (کذا رواہ عن ابن عباس، روح المعانی، معارف مفتی اعظم)

یوم الظلہ (سائبان کے دن) کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ایکہ والوں کے جنگل میں سخت گرمی پڑی، لوگ بے تاب ہو کر تہ خانوں میں گھس گئے اندر پہنچے تو وہاں اور بھی شدید گرمی محسوس ہوئی مجبور ہو کر باہر آ گئے اس وقت آسمان پر ایک بادل آئی اور بادل کے سایہ میں سب جمع ہو گئے اس بادل و ظلہ (سائبان) کہا گیا ہے چونکہ وہ گزر رہی تھی کہ بادل سے آگ برسنے لگی اور سب جل بھن گئے یہ قصہ سورت ہود میں گزر چکا ہے۔ (مظہری)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٩٠﴾

البتہ اس بات میں نشانی ہے اور ان میں بہت لوگ نہیں ماننے والے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٩١﴾ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ

اور تیرا رب وہی ہے زبردست رحم والا اور یہ قرآن ہے اتارا

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلَىٰ قَلْبِكَ

ہوا پروردگار عالم کا لے کر اترا ہے اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر

لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿١٩٤﴾

کہ تو ہو ڈر سنانے والا

نزول قرآن:

آغاز سورت میں قرآن کریم کا ذکر تھا اور اس کی تکذیب پر دھمکی دی گئی تھی درمیان میں مکذبین حق کے واقعات بیان ہوئے، یہاں سے پھر مضمون سابق کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی قرآن کریم وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جسے رب العالمین نے اُتارا، جبریل امین لے کر اُترے اور تیرے پاک و صاف قلب پر اتاری گئی کیونکہ یہی قلب تھا جو اللہ کے علم میں اس بھاری امانت کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا۔ چنانچہ وحی قرآنی آتی اور سیدھی تیرے دل میں اُترتی چلی گئی۔ تو نے اُس کو اپنے سارے دل سے سنا اور سمجھا اور محفوظ رکھا۔ شاید عَلٰی قَلْبِكَ کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہو کہ نزول وحی کی جو دو کیفیتیں احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں (یعنی کبھی صلصلة الجرس کی طرح آنا اور کبھی فرشتہ کا آدمی کی صورت میں سامنے آ کر بات کرنا) ان میں

[illegible]

نزول کی صورتیں

[illegible]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیاز:

قال ابن الشیخ فهو علیه افضل الصلاة والسلام مختص بهذه الرتبة العلیة والکرامة السنیة من سائر الانبیاء فان کتبهم انزلت علیهم بالالواح والصحائف جملة واحدة فهی منزلة علی صورهم وظاهرهم علی قلوبهم حاشیه شیخ زاده علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ وکذافی روح البیان ص ۳۰۶ ج ۲۔ (معارف کاندھلوی)

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ

[illegible] نہایت فصیح و واضح اور شافیہ عربی زبان میں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عَلٰی قَلْبِكَ سے مراد یہ نہیں کہ صرف مضامین قرآن کے آپ کے دل میں اتار دیئے پھر آپ نے اُن کو اپنے الفاظ میں ادا کر دیا۔ [illegible] سب رُوحِ ربانی سے قلب مبارک پر القاء کئے گئے۔ [illegible]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے نہایت فصاحت سے [illegible] بیان کئے جسے سن کر صحابہ [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ زبان رکھتے ہیں [illegible]

[illegible]

قرآن پاک سے متعلق عقیدہ

قال ابن الشیخ فالقرآن کلام الله وصفة القائمة به کساه کسوة الالفاظ المرکبة من الحروف العربیة ونزله الی جبریل وجعله امینا لئلا یتصرف فی حقائقه ثم نزل به کما هو علی قلب رسول الله صلی الله علیه وسلم لیتعرفه ویتحقق بحقه ویتنور بانواره ویتحلی بحقائقه فهمه و تمکن من تفهمیه الخ حاشیه شیخ زاده ص ۴۷۹ ج ۳

قرآن اللہ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ [illegible] بندوں کی ہدایت کے لئے اس کو حروف [illegible] اس میں بارگاہ قدس سے نازل کیا۔ جبریل امین نے جن الفاظ اور حروف کے ساتھ اس کو سنا اسی طرح بعینہ اللہ کی امانت کو اللہ کے رسول تک پہنچا دیا [illegible] (شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی ص ۴۷۹ ج ۳ و روح البیان ص ۳۰۶ ج ۲)

[illegible] کلام اللہ یعنی [illegible] فی المصحف [illegible] خدا کا کلام ہے [illegible] قدیم [illegible] قرآن اپنی زبانوں سے پڑھتے ہیں اور [illegible] مصاحف میں لکھتے ہیں [illegible] مخلوق [illegible] مطلق قرآن [illegible] مخلوق اور حادث ہیں۔ کلام الٰہی جو ذات باری کے ساتھ قائم ہے اور اس کی صفت ہے کہ وہ بلاشبہ قدیم اور غیر مخلوق ہے لیکن ہماری قرأت [illegible] مخلوق اور حادث ہیں [illegible] جس حیثیت سے بندہ سے متعلق ہے اس حیثیت سے اس کو حادث اور مخلوق کہہ سکتے ہیں تاکہ خدا کی صفت میں [illegible] ہو جائے مطلق کلام اللہ اور قرآن کو مخلوق اور حادث کہنا جائز نہیں۔ [illegible] (معارف کاندھلوی)

نزول قرآن عربی میں ہوا

[illegible] روح الامین نے یہ قرآن آپ کے دل پر عربی زبان میں اتارا ہے اگر کسی اور زبان میں نازل ہوتا [illegible]

[illegible]

ہے الفاظ کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوتی [illegible]
[illegible] زبان میں [illegible] کلام [illegible] ہے تو [illegible]
[illegible] معانی [illegible] تعلق [illegible] ہے۔ [illegible]

نماز میں ترجمہ قرآن پڑھنا ناجائز ہے:

اُمت کا اس پر اتفاق ہے کہ نماز میں فرض تلاوت کی جگہ قرآن کے الفاظ کا ترجمہ کسی زبان فارسی، اردو، انگریزی میں پڑھ لینا بحالت اضطرار کے کافی نہیں۔ بعض ائمہ سے جو اس میں توسع کا قول منقول ہے ان سے بھی اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے۔

قرآن کے اُردو ترجمہ کو قرآن کہنا جائز نہیں:

[illegible] قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن کے [illegible] اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں [illegible] قرآن اور انگریزی [illegible] کا قرآن [illegible] قرآن مجید [illegible]
کی دوسری زبان میں نام قرآن [illegible] ناجائز ہے، اس مسئلہ کی پوری تفصیل احقر کے رسالہ "تحذير الاخوان عن تغيير رسم القرآن" میں مذکور ہے۔

سابقہ کتب کو قرآن نہ کہا جائے:

مستدرک حاکم میں حضرت معقل بن یسارؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سورۂ بقرہ ذکر اول سے دی گئی ہے اور سورة [illegible] حوامیم [illegible] سورتیں [illegible] سے [illegible] ہیں اور [illegible] جو [illegible] مجھے تحت عرش سے دی گئی ہے۔ [illegible] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت [illegible] ہے [illegible] اور [illegible] الاعلیٰ میں [illegible] قرآن کی [illegible] "ان هذا لفي الصحف الاولى صحف ابراهيم وموسى" [illegible] حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام [illegible] آیات [illegible] مضامین قرآن [illegible] میں بھی موجود تھے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان مضامین کی وجہ سے کتب سابقہ کے ان حصوں کو جن میں یہ مضامین قرآن آئے ہیں قرآن کا نام دے دیا جائے۔ [illegible] اُمت میں کوئی [illegible] کا قائل نہیں کہ ان صحیفوں اور کتابوں کو جن میں مضامین قرآن مذکور ہیں قرآن کہا جائے، بلکہ عقیدہ جمہور اُمت کا یہی ہے کہ قرآن [illegible] صرف الفاظ قرآن کا نام ہے [illegible] معانی قرآن [illegible] قرآن میں سے [illegible] جیسا [illegible] یہ عبارت [illegible] محمد الله العزيز الرحيم الذي [illegible] السموات وهو رب العرش [illegible] خالق كل شيء وهو [illegible] [illegible] قرآن [illegible] عبارت [illegible] قرآن [illegible]
[illegible] معنی قرآن [illegible]
[illegible] قرآن نہیں [illegible]

> وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ
>
> [illegible]

مضامین قرآن کا تسلسل:

[illegible] قرآن [illegible] آسمانی کتابوں میں موجود ہے [illegible] ہوتے چلے آئے ہیں [illegible] بہت کچھ تحریف و تبدیل [illegible] کا پتہ چلتا ہے [illegible] قرآن [illegible] مضامین [illegible] انبیاء کی [illegible] جاتے ہیں۔ خصوصاً قصص، توحید، رسالت، معاد وغیرہ [illegible] تمام کتب سماویہ اور انبیاء و مرسلین کا اتفاق رہا ہے۔

> اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
>
> [illegible]

علمائے یہود کا علم

[illegible] خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب اور پیغمبر ہے جس کی خبر پہلے آسمانی صحیفوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ ان میں سے بعض نے علانیہ اور بعض نے اپنی خصوصی مجلسوں میں امر حق کا اقرار کیا ہے اور بعض انصاف پسند اسی علم کی بناء پر مسلمان ہو گئے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ [illegible] جس کا دل حق کی طلب رکھتا اور خدا سے ڈرتا ہو اس [illegible] بڑی نشانی ہے۔ دوسرے مذاہب کے علماء بھی اپنے [illegible] میں قرآن کی حقانیت کو سمجھتے ہیں، گو کسی وجہ سے بعض اوقات اعلان و اقرار کی جرات نہ کر سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

[illegible] سے مراد بقول عطیہ پانچ علماء تھے عبداللہ بن سلام، ابن یامین، ثعلبہ، اسد، اُسید۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اہل مکہ نے مدینہ میں یہودیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کرایا، یہودیوں نے کہا ان کی (یعنی پیغمبر آخر الزماں کی) بعثت کا زمانہ یہی ہے اور

ہم توریت میں ان کے اوصاف وخصوصی احوال پاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ
اور اگر اتارتے ہم یہ کتاب کسی اوپری زبان والے پر پھر وہ اس کو پڑھ کر
مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ
سناتا تو بھی اس پر یقین نہ لاتے

مشرکین کے بہانے کبھی ختم نہ ہوں گے۔

یعنی آپ تو فصحائے عرب میں سے ہیں۔ ممکن ہے مشرکین مکہ یوں کہہ دیں کہ قرآن آپ نے خود تصنیف کرلیا ہوگا (حالانکہ قرآن اس حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے جس کا مثل تمام جن وانس بھی بنا کر نہیں لاسکتے) تاہم کہنے کو یہ احتمال پیدا کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کی ہٹ دھرمی وشقاوت اور بدبختی کا حال تو یہ ہے کہ اگر یہ قرآن فرض کرو ہم کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر اتارتے جو ایک حرف عربی کا بولنے پر قادر نہ ہوتا، بلکہ بفرض محال کسی حیوان لایعقل پر اتارا جاتا۔ تب بھی یہ لوگ کبھی ماننے والے نہ تھے۔ اس وقت کچھ اور احتمالات پیدا کرتے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "کافر کہتے تھے کہ قرآن آیا ہے عربی زبان میں، اس نبی کی زبان بھی عربی ہے شاید آپ ہی بنا لاتا ہو۔ اگر غیر زبان والے پر عربی قرآن اترتا تو یقین کرتے فرمایا یہ دھوکے والے کا کہیں بھی نہیں ٹھہرتا۔ تب اور شبہ نکالتے کہ کوئی سکھا جاتا ہے۔ (موضح القرآن) (تفسیر عثمانی)

عجمی کا مطلب:

اعجمین اعجمی کی جمع ہے، اعجم اس شخص کو کہتے ہیں جو فصیح عربی اچھی طرح نہ بول سکے خواہ نسب عربی ہی ہو اور عجمی کی نسبت عجم کی طرف ہے۔ عجمی اس شخص کو کہتے ہیں جو نسب غیر عربی ہو خواہ عربی فصیح بولتا ہو۔ اس تشریح لغوی کی بنا پر آیت کا یہ معنی ہوگا کہ اگر ہم یہ قرآن کسی ایسے شخص پر نازل کرتے جس کی عربی زبان فصیح نہ ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
اسی طرح گھسا دیا ہم نے اس انکار کو گنہگاروں کے دل میں وہ نہ مانیں گے اس کو
حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ
جب تک نہ دیکھ لیں گے عذاب دردناک

اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت:

یعنی جو آدمی جرائم اور گناہوں کا خوگر ہو جاتا ہے اور اپنے قویٰ کو شرارت اور سرکشی میں لگا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی عادت کے موافق ڈھیل چھوڑ دیتا ہے اور اس کے دل میں انکار وتکذیب کے تخم کو جاگزیں کر دیتا ہے۔ یہ تقریر ترجمہ کے موافق ہوئی۔

حقانیت قرآن:

لیکن بہت سے مفسرین نے سلکناہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی قرآن کو ہم نے اس طرح مجرمین کے دل میں گھسا دیا ہے کہ وہ دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں ہوسکتا۔ پھر بھی ہٹ دھرمی سے ایمان نہیں لاسکتے اور تکذیب کئے چلے جاتے ہیں۔ تاآنکہ دنیا یا آخرت میں دردناک عذاب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں، اس وقت مانیں گے کہ بیشک پیغمبر سچے تھے اور جو کتاب لائے تھے وہ سچی تھی مگر اس وقت ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ فَيَقُوْلُوْا
پھر آئے ان پر اچانک اور ان کو خبر بھی نہ ہو پھر کہنے لگیں
هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ
کچھ بھی ہم کو فرصت ملے گی

جب آنکھ کھلے گی مہلت نہیں ملے گی:

یعنی جب عذاب الٰہی ایک دم سر پر پہنچ جائے گا اس وقت کہیں گے کیا ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جاسکتی ہے کہ اب تو ہم اپنے چال چلن درست کرلیں اور پیغمبروں کا اتباع کرکے دکھلائیں۔ دنیا میں تو عذاب کی جلدی مچا رہے تھے اب مہلت طلب کرنے لگے۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ
سو کیا ہمارے عذاب کو جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر فائدہ پہنچاتے رہیں ہم ان کو برسوں
ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ
پھر پہنچے ان پر جس چیز کا ان سے وعدہ تھا تو کیا کام آئے گا ان کے جو کچھ فائدہ اٹھاتے رہے

ساری زندگی کی مہلت گنوا دی:

یعنی سالہا سال کی ڈھیل اور مہلت بھی جو دی گئی تھی اس وقت کچھ کام نہ آئے گی۔ اس وقت یہ برسوں کی مہلت کالعدم معلوم ہوگی اور سمجھیں گے کہ واقعی بہت ہی جلدی پکڑے گئے۔ (نازعات۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

لمبی عمر نعمت ہے:

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ اس آیت میں اشارہ ہے کہ دنیا میں کسی کو عمر

درازمن بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے لیکن جو لوگ اس نعمت کی ناشکری کریں ایمان نہ لائیں اُن کو عمر دراز کی عافیت و مہلت کچھ کام نہ آئے گی۔ امام زہری نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز روز صبح کو اپنی داڑھی پکڑ کر اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ آیت پڑھا کرتے تھے اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ الآیۃ اس کے بعد ان پر گریہ طاری ہو جاتا اور یہ اشعار پڑھتے تھے

نهارک بالغرور سهو و غفلة	ولیلک نوم والردی لک لازم
فلا انت فی الایقاظ یقظان حازم	ولا انت فی النوم ناج وسالم
وتسعی الی ماسوف تکره غبه	کذلک فی الدنیا تعیش البهائم

(ترجمہ) اے فریب خوردہ تیرا سارا دن غفلت میں اور رات نیند میں صرف ہوتی ہے حالانکہ موت تیرے لئے لازمی ہے، نہ تو بیدار لوگوں میں ہوشیار و بیدار ہے اور نہ سونے والوں میں اپنی نجات پر مطمئن ہے۔ تیری کوشش ایسے کاموں میں رہتی ہے جس کا انجام عنقریب ناگوار صورت میں سامنے آئے گا، دنیا میں چوپائے جانور ایسے ہی جیا کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ
اور کوئی بستی نہیں غارت کی ہم نے جس کے لئے نہیں تھے ڈر سنا دینے والے

ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ
یاد دلانے کو اور ہمارا کام نہیں ہے ظلم کرنا

مہلت کے بعد عذاب آتا ہے:

یعنی کسی قوم کا تختہ یوں ہی یک دم نہیں اُلٹ دیا گیا۔ عذاب بھیجنے سے پہلے کافی مہلت دی گئی اور ہشیار کرنے والے پیغمبر بھیجے گئے کہ لوگ غفلت میں نہ رہیں، جب کسی طرح نہ مانے آخر غارت کئے گئے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
اور اس قرآن کو نہیں لے کر اترے شیطان اور نہ ان سے بن آئے اور نہ وہ کر سکیں

قرآن کریم شیطان کے دخل سے پاک ہے:

درمیان میں مکذبین کے احوال بیان فرما کر پھر اصل مضمون وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ کی تکمیل و تتمیم فرماتے ہیں یعنی یہ کتاب خدا تعالیٰ کے ہاں سے جبریل امین لائے ہیں۔ شیاطین کی سکھلائی ہوئی چیز نہیں۔ بھلا شیاطین سے کہاں ممکن ہے کہ ایسی کتاب بن آئے۔ اُن کی طبائع کا خاصہ تو گمراہی، فساد اور ظلمت پھیلانا ہے۔ اور یہ کتاب اول سے آخر تک رشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہے جس کی تعلیم سے وہ جماعت تیار ہوئی۔ جس سے زیادہ آسمان کے نیچے بجز انبیاء کے کوئی پاکباز، صادق، خدا ترس اور خدا پرست جماعت نہیں تو اس کتاب کے علوم اور شیاطین کی طبائع میں کوئی مناسبت نہیں۔ نہ وہ اس لائق ہیں کہ اس عظیم الشان، متبرک بار امانت کو اٹھا سکیں۔

خواہ کتنا ہی زور لگائیں۔ کقولہ تعالیٰ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (حشر رکوع ۳) روایت میں ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی جن آ کر یہ قرآن سکھلا جاتا ہے۔ بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ دیر ہوئی تو ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ) ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ
ان کو تو سننے کی جگہ سے دور کر دیا ہے

شیاطین کی ناکہ بندی:

یعنی نزول قرآن کے زمانہ میں اُس کی حفاظت کے لئے ایسے غیبی پہرے بٹھائے گئے ہیں کہ شیاطین پاس بھی نہیں پھٹک سکتے نہ ایک حرف اُچک سکتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔ وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا (جن۔ رکوع ۱) وقال تعالیٰ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا (جن۔ رکوع ۲ وقال تعالیٰ) لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (حم السجدہ۔ رکوع ۵)

(تنبیہ) شیاطین کے غیبی خبریں سننے کی کوشش کرنے اور ناکام رہنے کے متعلق سورۃ حجر کے شروع میں مفصل کلام کیا جا چکا ہے وہاں مطالعہ کرنا چاہیے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ
سو تو مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا معبود، پھر تو پڑے عذاب میں

قرآن کو چھوڑنا عذاب کو دعوت دینا ہے:

یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو یعنی جب یہ کتاب بلاشک و شبہ خدا کی اتاری ہوئی ہے۔ شیطان کا اس میں ذرہ بھر دخل نہیں تو چاہیے کہ اس کی تعلیم پر چلو جس میں اصل اصول توحید ہے۔ شرک و کفر اور تکذیب کی شیطانی راہ اختیار مت کرو۔ ورنہ عذاب الٰہی سے رستگاری کی کوئی سبیل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا (بظاہر خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حقیقت میں) اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے گویا یوں فرمایا کہ آپ تمام مخلوق میں میرے نزدیک زیادہ معزز ہیں۔ میرے سوا کسی دوسرے کو معبود بنائیں گے تو آپ کو بھی عذاب دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿٢١٤﴾

اور اپنے سب سے قریب کے رشتہ داروں کو

قرابتداروں کو ڈرانے کا حکم

یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تبلیغ کیجئے۔ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے اور اس لئے بھی آپ کی صداقت و حقانیت اقارب سے معلوم ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قریش کو پکار کر سنایا اور اپنی پھوپی تک اور اپنی بیٹی تک اور چچا تک کہہ دیا کہ اللہ سے بچاؤ اپنی فکر کرو۔ خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔ انتہیٰ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے قرابتداروں کو دعوت دینا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحٰق نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علی نے فرمایا جب یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب کیا اور فرمایا علی اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین عزیزوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں میں یہ معلوم کر کے تنگ دل ہو گیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ جب میں ان لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤں گا اور اس کام کے لئے پکاروں گا تو ان کی طرف سے میرے سامنے ایسا عمل آئے گا جو مجھے ناگوار ہو گا یہ سوچ کر میں خاموش ہو رہا لیکن اب جبرئیل نے مجھ سے آکر کہا کہ محمد اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ تم کو عذاب دے گا لہٰذا علی تم جا کر ایک صاع (آٹے) کی روٹی بنواؤ اور بکری کی ایک ٹانگ (پکا کر بطور سالن کے) اس کے ساتھ رکھ دو اور ایک بڑے پیالہ میں دودھ بھر کر لے آؤ پھر اولاد عبدالمطلب کو اکٹھا کرو تاکہ جس بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے میں وہ بات ان کو پہنچا دوں حضرت علی نے فرمایا میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کی دعوت کر دی وہ لوگ آئے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تایا (چچا) ابوطالب، حمزہ، عباس اور ابولہب بھی تھے سب مرد تقریباً چالیس آدمی تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے وہ کھانا منگوایا جو میں نے تیار کیا تھا میں نے لا کر رکھ دیا آپ نے اس میں سے ایک ٹکڑا گوشت کا لے کر اپنے دانتوں سے اس کو کاٹا پھر اس کو پیالہ میں رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کھاؤ سب نے کھایا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے خدا کی قسم جتنا کھانا میں نے سب کے لئے رکھا تھا اتنا تو ان میں کا ایک آدمی کھا جاتا (مگر کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب کے پیٹ بھر گئے اور کسی کو مزید ضرورت نہیں رہی) پھر فرمایا ان کو (دودھ) پلاؤ میں ان کے سامنے وہی (دودھ بھرا) پیالہ لے آیا خدا کی قسم دودھ اتنا تھا کہ اتنا تو ایک آدمی پی جاتا لیکن سب پی کر سیر ہو گئے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بات کرنے کا موقع پایا لیکن حضور سے پہلے ہی ابولہب بول اٹھا اور کہنے لگا تمہارے ساتھی نے تم پر جادو کر دیا یہ سنتے ہی لوگ منتشر ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بات نہ کر سکے دوسرے دن حضور نے فرمایا علی تم کو معلوم ہے کہ یہ شخص پہلے بول اٹھا اور میرے بات کرنے سے پہلے ہی لوگ منتشر ہو گئے اب پھر ویسا ہی کھانا تیار کرو جیسا (کل) کیا تھا اور لوگوں کو پھر جمع کرو میں نے حکم کی تعمیل کی پھر سب کو جمع کیا حضور نے کھانا منگوایا میں نے سامنے لا کر رکھ دیا آپ نے وہی عمل کیا جو گزشتہ دن کیا تھا اس کے بعد سب نے کھایا پیا کھا چکنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کلام شروع کیا اور فرمایا اے اولاد عبدالمطلب میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو بھی اس کی دعوت دوں تم میں سے کون شخص ہے جو اس کام میں مدد کرے اور میرا بھائی اور وصی اور نائب ہو جب لوگ یہ سن کر سب کے سب بھٹکنے میں سب سے کم عمر تھا میں نے کہا یا نبی اللہ میں اس کام میں آپ کا مددگار رہوں گا یہ سن کر آپ نے میری گردن پکڑی اور فرمایا یہ میرا بھائی میرا وصی اور میرا نائب ہے تم اس کی بات سنو اور اس کا کہا مانو لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اس نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم علی کی بات سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔

کوہِ صفا سے سب کو بلانا:

صحیحین میں سعید بن جبیر کی وساطت سے حضرت ابن عباس کا بیان آیا ہے کہ جب آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر (مختلف) بطون قریش کو پکارنا شروع کیا اے اولاد فہر اے بنی عدی آواز سن کر سب لوگ جمع ہو گئے جو خود نہ آسکا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا تاکہ وہ جا کر دیکھے کہ واقعہ کیا ہے ابولہب بھی آگیا اور دوسرے قریش والے بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا بتاؤ اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ وادی کے اندر (اس وقت) کچھ سوار موجود ہیں جو تم پر تاخت کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری تصدیق کرو گے سب نے کہا جی ہاں ہم نے اپنے تجربہ میں آپ کا کبھی کوئی جھوٹ نہیں پایا حضور نے فرمایا تو عذاب شدید آنے سے پہلے میں تم کو اس سے ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے جو آنے والا ہے) ابولہب بولا تو ہمیشہ کے لئے ہلاک ہو جائے کیا اسی لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورت تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ آخر تک نازل ہوئی۔

قوم والوں سے خطاب:

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آیا ہے کہ جب آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے

اور فرمایا اے گروہ قریش۔ (راوی کا بیان ہے کہ یہ لفظ فرمایا یا اسی طرح کا کوئی دوسرا لفظ) اپنی جانوں کو خود خرید لو (یعنی آنے والے عذاب سے بچالو) میں اللہ (کے عذاب سے تمہارے کسی کام نہیں آؤں گا۔ اے عباس بن عبدالمطلب میں اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے بالکل تمہارے کام نہیں آسکتا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی صفیہ تم کو بھی میں اللہ سے نہیں بچا سکتا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ میرے مال میں تو جو کچھ مانگنا چاہتی ہے مجھ سے مانگ لے اللہ کے مقابل میں تیرے کوئی کام نہیں آؤں گا۔

ابولہب کی ہلاکت:

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے۔ جب آیت وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بستی سے) نکل کر کوہ صفا پر چڑھ گئے اور وہاں سے اونچی آواز سے پکارا یا صباحاہ (اے لوگو ہشیار ہو جاؤ دشمن آخر رات میں حملہ کرنے والا ہے) لوگوں نے آواز سن کر کہا یہ کون ہے سب آپ کے پاس جمع ہو گئے حضور نے فرمایا بھلا بتاؤ تو اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ کچھ سوار اس پہاڑ کے دامن سے برآمد ہو رہے ہیں (جو تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں) تو کیا تم مجھے سچا جانو گے لوگوں نے کہا ہم نے تجربہ میں آپ کی کوئی بات جھوٹی نہیں پائی فرمایا تو میں عذاب شدید آنے سے پہلے تم کو (اس کی آمد سے) ڈرا رہا ہوں (عذاب شدید میرے سامنے ہے) ابولہب بولا تجھے ہلاکت ہو کیا اس لئے تو نے ہم کو اکٹھا کیا تھا یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا اس پر اسی روز تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ (اعمش کی قراءت میں اسی طرح آیا ہے) نازل ہوئی۔

بغوی نے حضرت عبداللہ بن حمار مجاشعیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو علم اس نے مجھے عطا فرمایا ہے اور تم اس سے واقف نہیں آج تم کو اس کے کچھ حصہ سے واقف کر دوں اس نے فرمایا کہ جو مال میں نے اپنے بندوں کو (بطور حلال) عطا کر دیا وہ ان کے لئے حلال ہے میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا پھر شیطانوں نے پہنچ کر ان کو ان کے دین سے بہکایا اور جو چیز میں نے ان کے لئے حلال کر دی تھی شیطانوں نے وہ چیز ان کے لئے حرام قرار دیں میں نے ان کو حکم دیا تھا کہ جس چیز کی معبودیت کی میں نے کوئی دلیل نہیں، اتاری اس کو میرا ساجھی نہ قرار دیں۔ اللہ نے تمام زمین والوں کو دیکھا اور سب سے نفرت کی عرب ہوں یا عجمی ہوں۔ ہاں اہل کتاب میں سے جو (اصلی دین پر) باقی رہ گئے تھے (ان سے نفرت نہیں کی) اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں (اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) قریش کو ڈراؤں میں نے عرض کیا اے رب وہ تو میرا سر توڑ ڈالیں گے اور میرے سر کو (کچل کر) روٹی بنا دیں گے اللہ نے فرمایا میں نے تجھے اسی لئے بھیجا ہے کہ تیری بھی جانچ کروں اور تیرے ذریعے سے دوسروں کی بھی میں نے تیرے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے جاگتے پڑھا کر، تو ان سے جہاد کر کامیاب ہو گا تو (اللہ کے بندوں پر) خرچ کر (اللہ کی طرف سے) تجھ پر خرچ کیا جائے گا۔ تو ایک لشکر (کافروں کے مقابلے کے لئے) تیار کر میں اس سے پانچ گنا لشکر تیری مدد کے لئے بھیج دوں گا۔ اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لے کر نافرمانوں سے جنگ کر پھر فرمایا اہل جنت تین ہیں۔

(۱) منصف حاکم (۲) ہر قرابتدار اور مسلم پر مہربانی کرنے والا نرم دل آدمی (۳) دولت مند پاک دامن آدمی جو خود پاکدامن رہتا ہے اور دوسروں کو خیرات دیتا ہے۔

اور دوزخی پانچ ہیں وہ کمزور بے عقل جس میں برائیوں سے رکنے والی سمجھ نہ ہو محض دوسروں کے پیچھے لگ جانے والا ہو اور وہ شخص کہ جب صبح کو اٹھتا ہے تو تم کو تمہارے مال و عیال کے معاملہ میں فریب دیتا اٹھتا ہے اور وہ شخص کہ اس کا ہر لالچ خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اس کو (اپنے ساتھ) لے جاتا ہے۔ اور وہ شخص جو بداخلاق اور فحاش ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل اور کذب کا بھی ذکر کیا تھا۔ واللہ اعلم

ایک ایک کو خطاب:

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اترتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشیوں کو بلایا اور انہیں ایک ایک کر کے اور عام طور پر خطاب کر کے فرمایا کہ اے قریشیو! اپنی جانیں جہنم سے بچالو۔ اے کعب کے خاندان والو! اپنی جانیں آگ سے بچالو۔ اے ہاشم کی اولاد کے لوگو! اپنے تئیں خدا کے عذابوں سے چھڑالو۔ اے عبدالمطلب کے لڑکو! خدا کے عذابوں سے بچنے کی کوشش کرو۔ اے فاطمہ بنت محمد! اپنی جان کو دوزخ سے بچالے۔ میں خدا کے ہاں کی کسی چیز کا مالک نہیں۔ بیشک تمہاری قرابت داری ہے جس کے دنیوی حقوق میں ہر طرح ادا کرنے کو تیار ہوں (مسلم وغیرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کی مثال:

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑی پر چڑھ گئے جس کی چوٹی پر پتھر تھے وہاں پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبدالمناف میں تو صرف ہوشیار کر دینے والا ہوں میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے دشمن کو دیکھ اور دوڑ کر اپنے والوں کو ہوشیار کرنے کے لئے آیا تا کہ وہ بچاؤ کر لیں دور سے ہی اس نے غل مچانا شروع کر دیا کہ پہلے ہی خبردار ہو جائیں (مسلم نسائی وغیرہ)

حضرت علیؓ کی فضیلت:

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

وعدہ سے پہلے ان آیت وجمع بیان ہے میں شخص تھے جب یہ معانی چاہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو میرا قرض اپنے ذمے لے اور میرے بعد میرے وعدے پورے کرے وہ جنت میں بھی میرا ساتھی اور میرے اہل میں میرا خلیفہ ہوگا تو ایک شخص نے کہا آپ تو ایک سمندر ہیں آپ کے ساتھ کون ٹھہر سکتا ہے تین دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن کوئی تیار نہ ہوا تو میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اس کے لئے تیار ہوں۔ (سیرۃ ابن ہشام)

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

اور اپنے بازو جھکائے رکھ ان کے واسطے جو تیرے ساتھ ہیں ایمان والے

یعنی شفقت میں رہ ایمان والوں کو اپنے بازوؤں میں لئے رہ۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ

پھر اگر تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے میں بیزار ہوں تمہارے کام سے

یعنی خلاف حکم خدا جو کوئی کرے اس سے تو بیزار ہو جا اپنا ہو یا پرایا۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

گناہوں سے بیزاری:

پھر اگر وہ مومن (بعض امور میں) تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دو میں تمہارے ان (گناہوں کے) اعمال سے بری ہوں۔ اس آیت میں گناہوں سے بیزاری ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا ہے گنہگاروں سے الگ ہو جانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ

اور بھروسہ کر اس زبردست رحم والے پر

اللہ پر بھروسہ رکھو:

یعنی نافرمانی کرنے والے کوئی ہوں اور کتنے ہی ہوں تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ سب سے بیزار ہو کر ایک خدا پر بھروسہ رکھ جو زبردست بھی ہے کسی کی اس کے مقابلہ میں چل نہیں سکتی، اور مہربانی فرمانے والا بھی، چنانچہ اپنی مہربانی سے تیرے حال پر ہر وقت نظر عنایت رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

توکل کا معنی ہے اپنا کام (مکمل طور پر) دوسرے کے سپرد کر دینا اور ایسا کرنا فقط اس کے لئے صحیح ہے۔ ہاں اگر جس کی سپردگی میں کام دیا ہو وہ نفع پہنچانے اور ضرر کو دفع کرنے پر کامل قدرت رکھتا۔ بھروسہ کرنے والے کے اقوال کو سنتا اور تمام احوال کو دیکھتا ہو اور انجام سے باخبر ہو اور بھروسہ کرنے والے کا ہر وقت نگراں ہو تو اس کی سپردگی میں اپنے کام دیئے جا سکتے ہیں اسی

سے فرمایا علی العزیز یعنی اس اللہ پر اعتماد رکھو جو اپنے دشمنوں پر غالب اور مقہور کرنے والا اور اپنے دوستوں کی مدد کرنے والا ہے الرحیم جو رحیم ہے تمہارے اوپر بھی اور تمہاری پیروی کرنے والوں پر بھی۔ (مظہری)

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ

جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اٹھتا ہے اور تیرا پھرنا نمازیوں میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساجدین میں تقلب

یعنی جب تو تہجد کو اٹھتا ہے اور متوحین کی خبر لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں کیا مشغول ہیں (موضح) یا تو جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے اور جماعت کی نماز میں نقل و حرکت (رکوع و سجود وغیرہ) کرتا ہے، اور مقتدیوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور بعض سلف نے کہا کہ ساجدین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء مراد ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی نسل تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو اس وقت بھی دیکھتا ہے جب تم تنہا نماز پڑھتے ہو اور اس وقت بھی دیکھتا ہے جب نمازیوں کے ساتھ جماعت کی نماز پڑھتے ہو۔ مجاہد نے کہا مطلب یہ ہے کہ تم جو نمازیوں کی طرف نظر اٹھا کر پھیرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سامنے سے دیکھتے تھے اسی طرح پشت کے پیچھے کی چیز کو بھی دیکھتے تھے (تو نماز کے اندر) نظر نبوت سے مقتدیوں کے حال کا بھی مشاہدہ کرتے تھے حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میرا رخ یہاں (یعنی سامنے کی طرف) دیکھتے ہو واللہ تمہارے خضوع کی حالت مجھ سے پوشیدہ نہیں ہوتی میں تمہیں بلاشبہ اپنی پشت کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں رواہ البخاری۔

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا ایک قول آیا ہے کہ تقلب سے مراد ہے آباء واجداد کی پشتوں میں منتقل ہونا یعنی ایک نبی سے نور محمدی کا دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو کر آنا۔ لیکن اس تفسیر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی خاص مدح نہ ہوگی کیونکہ آباء واجداد میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا تو صرف رسول اللہ ہی کے لئے مخصوص نہ تھا تمام قریش بلکہ تمام انسان یونہی پشت در پشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ تقلب سے مراد ہو پاک عبادت گزار مردوں کی پشت سے متدین پاک دامن عورتوں کے رحموں میں آپ کا منتقل ہوتے رہنا یعنی موحد، مومن مردوں کی پشتوں سے مومن، موحد عورتوں کے رحموں کی طرف انتقال۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کا مؤمن ہونا:

اس تفسیر سے آیت پر استدلال کیا جا سکے گا اس امر پر کہ

حضور کے سارے آباء واجداد مومن تھے۔ کذا قال السیوطی۔

حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی کے شعر ہیں

ویفقل احمد نوراً عظیماً تلالأ لافی وجوه الساجدین
تقلب فیهم قرناً فقرناً الی ان جاء خیر المرسلین

ہر ایک نورِ عظیم منتقل کرتا رہا جو موحدوں کے چہروں میں جگمگاتا رہا وہ نور ہر زمانہ میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ سید المرسلینؐ پیدا ہو گئے۔

اس تفسیر کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے قرن در قرن (منتقل کر کے) بنی آدم کے بہترین قرن میں بھیجا گیا یہاں تک کہ میری بعثت اس زمانہ میں ہو گئی جس میں میں ہوں۔ مسلم نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کا انتخاب کر لیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت انس کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے حضور نے فرمایا جب بھی اللہ نے آدمیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین فرقہ میں سے رکھا آخر مجھے میرے والدین سے پیدا کرایا گیا کہ دور جاہلیت کی کوئی خرابی مجھے نہیں پہنچی آدم سے لے کر اپنے والدین تک میں نکاح سے پیدا ہوا زنا سے نہیں۔ پس میں ذاتی حیثیت میں بھی تم سے بہتر ہوں اور نسبی اعتبار سے بھی افضل ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے مومن ہونے کے موضوع پر مجمل اور مفصل ایک کتاب تصنیف کی ہے جس میں مثبت و منفی ہر طرح کی بحث کی ہے میں نے اس کا خلاصہ ایک رسالہ کی شکل میں لکھ دیا ہے اس موضوع کی تنقیح کے لئے اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ
بیشک وہی ہے سننے والا جاننے والا میں بتلاؤں تم کو کس پر اترتے ہیں
الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ
شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر

صداقت وعظمتِ قرآن و پیغمبر:

یہاں پھر قرآن کے صدق اور عظمت شان پر تنبیہ فرمائی یعنی ایسے ساجدین اور تہجد گزاروں کے امام کو جو اللہ کے معاملہ میں اپنے اور بیگانے کی کوئی پروا نہ کرے اور ساری دنیا سے ٹوٹ کر اکیلے خدا پر بھروسہ رکھے، کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) شیطان اُن پر وحی لاتا تھا؟ آؤ! میں تم کو بتاؤں کہ شیطانی وحی کس قسم کے لوگوں پر آتی ہے۔ وہ آتی ہے جھوٹوں پر بدمعاش اور بدکاروں پر کیونکہ شیطان سچے اور نیک آدمیوں سے بیزار ہے اور وہ ایسے ہی لوگوں کو چاہتے ہیں۔ جھوٹے دغا بازوں سے خوش ہے جو اس کی مرضی کے موافق ہیں۔ جہاں سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے بڑھ کر نیک انسان کو شیطانی وحی سے کیا نسبت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق، امانت، اتقاء، پاکبازی، خدا ترسی تو وہ اوصاف ہیں جو بچپن سے لے کر دعوے نبوت تک آپ کی ساری قوم کو تسلیم تھے۔ حتیٰ کہ "الصادق الامین" آپ کا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

"شیاطین اترتے ہیں ہر بڑے دروغ گو بڑے گنہگار پر۔"

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بڑے دروغ گو ہیں۔ نہ گنہگار اللہ کے نافرمان اس لئے شیاطین کا نزول ان پر نہیں ہو سکتا تعلیم دینے والے اور تعلیم پانے والے میں (عملی و قولی) مناسبت و موافقت ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ
لا ڈالتے ہیں سنی ہوئی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں

شیطان کی جھوٹی روایات:

یعنی شیاطین کوئی ایک آدھ ناتمام بات امور غیبیہ جزئیہ کے متعلق جو سن بھاگتے ہیں اس میں سو جھوٹ ملا کر اپنے کاہن دوستوں کو پہنچاتے ہیں۔ یہ حقیقت ان کی وحی کی ہے۔ برخلاف اس کے انبیاء علیہم السلام کی وحی کا ایک حرف ورائی شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ بعض نے يُلْقُونَ السَّمْعَ کے معنی یہ لئے ہیں، کہ شیاطین ملاء اعلیٰ کی طرف کان لگاتے ہیں کہ کوئی بھنک کان میں پڑ جائے، یا جھوٹے گنہگار شیاطین کی طرف کان جھکاتے رکھتے ہیں کہ کوئی چیز اُدھر سے ہاتھ آئے تو چلتی کریں۔ (تفسیر عثمانی)

کاہنوں کی باتیں:

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا حضور نے فرمایا وہ (یعنی کاہن) کچھ نہیں عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ بسا اوقات ایسی باتیں کہتے ہیں جو صحیح ثابت ہوتی ہیں فرمایا کوئی ایک صحیح بات کوئی جن (فرشتوں کی گفتگو سے) جھپٹ کر لے جاتا ہے اور لا کر اپنے دوست کے کان میں مرغی کے کٹکٹانے کی طرح کٹ کٹ کر دیتا ہے کاہن اس (ایک صحیح بات) میں سو سے بھی زیادہ جھوٹ ملا کر بیان کر دیتے ہیں۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرشتے عنان یعنی ابر میں اترتے ہیں اور ان میں باہم اس امر کا تذکرہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے شیاطین (بادلوں تک پہنچ کر) اس

بات کو چوری سے سن پاتے ہیں اور کاہنوں سے [illegible] دیتے ہیں کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ اپنی طرف سے شامل کر دیتے ہیں۔ [illegible]

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جب کسی امر کا فیصلہ آسمان پر کر دیتا ہے تو فرشتے عاجزی اور اطاعت کے اظہار کے لئے اپنے بازو پھٹ پھٹاتے ہیں جیسے کسی چٹان پر زنجیر مارنے سے آواز پیدا ہوتی ہے جب گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو (باہم) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا (دوسرے جواب میں) کہتے ہیں جو کچھ فرمایا حق ہے وہی بڑا، برتر، عالی قدر ہے۔ اس بات کو کچھ چوری سے سننے والے، (شیاطین) سن پاتے ہیں وہ نیچے والے چوری سے سننے والے سے کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح ایک کے بعد ایک ترتیب وار سن لیتا ہے (سفیان راوی نے اپنی انگلیاں کھول کر ہاتھ کو ترچھا کر کے [illegible] ترتیب [illegible] ایک انگلی [illegible] تیسری [illegible] چوتھی [illegible] (مترجم) پہلا [illegible] اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور وہ اپنے سے نیچے والے [illegible] یہاں تک [illegible] سب سے نیچے شیطان [illegible] کاہن کو بتا دیتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے [illegible] نیچے والے کو بتانے بھی نہیں پاتا کہ پیچھے ہی ایک انگارہ (شہاب ثاقب) اس پر آگرتا ہے اور اس کو جلا دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انگارہ پڑنے سے پہلے وہ اپنے نیچے والے کو بتا چکتا ہے۔ کاہن اس کے ساتھ سو جھوٹ ملا دیتا ہے اور لوگوں سے کہہ دیتا ہے اسی بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ کیا فلاں فلاں دن کاہن نے ایسا نہیں کہا تھا غرض اسی آسمان والی بات کی وجہ سے کاہن کی تصدیق کی جاتی ہے۔ رواہ البخاری

ستاروں کا ٹوٹنا:

حضرت ابن عباس نے کسی انصاری کا مقولہ نقل کیا انصاری نے کہا ہم ایک رات رسول اللہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک تارہ ٹوٹا اور اس کی روشنی ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاہلیت کے زمانہ میں اس طرح (تارہ) پھینکا جاتا تھا تو تم لوگ کیا کہتے تھے حاضرین نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں ہم کہا کرتے تھے کہ آج رات کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ (تارے) نہ کسی کے مرنے کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے پھینکے جاتے ہیں بلکہ ہمارا رب بزرگ و برتر جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو حاملین عرش تسبیح پڑھتے ہیں پھر ان سے متصل آسمان والے یہاں تک کہ تسبیح (کی آواز) اس نچلے قریبی آسمان والوں کو پہنچ جاتی ہے پھر حاملین عرش سے متصل آسمان والے حاملین عرش سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ بتاتے ہیں کہ اللہ نے کیا فرمایا (ترتیب وار) ہر آسمان والے [illegible] سے پوچھتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ بات اس دنیوی آسمان تک پہنچ جاتی ہے اور جن جھپٹ کر اس کو سن لیتے ہیں [illegible] شیاطین اپنے دوستوں کی طرف [illegible] ڈال دیتے ہیں (کاہنوں کو) جب [illegible] بات اسی طرح بیان کرتے ہیں جیسی وہ ہوتی ہے تو وہ حق ہوتی ہے لیکن وہ تو اس میں بڑھا دیتے ہیں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ

اور شاعروں کی بات [illegible]

پیغمبر شاعر نہیں ہے:

[illegible]

دورِ فاروقی کے ایک گورنر کی معزولی کا واقعہ:

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت نعمان بن عدی بن نضلہ کو بصرے کے شہر میسان کا گورنر مقرر کیا تھا وہ شاعر تھے ایک مرتبہ اپنے شعروں میں کہا [illegible] اطلاع نہیں ہوئی کہ ان کا محبوب میسان میں ہے جہاں ہر وقت شیشے کے گلاسوں سے دورِ شراب چل رہا ہے اور گاؤں کی بھولی لڑکیوں کے گانے اور ان کے رقص و سرود مہیا ہیں ہاں اگر میرے کسی دوست [illegible] جام مجھے پلائے [illegible] جام مجھے سخت ناپسند ہیں۔ خدا کرے امیر المومنین کو یہ خبر نہ پہنچے ورنہ [illegible]۔ یہ اشعار جب حضرت امیر المومنین تک پہنچے آپ سخت ناراض ہوئے اور اسی وقت آدمی بھیجا کہ میں نے تجھے تیرے عہدے سے معزول کیا اور آپ نے ایک خط بھیجا جس میں بسم اللہ [illegible] کے بعد حم کی تین آیتیں الیہ المصیر تک لکھ کر فرمایا کہ تیرے اشعار میں نے سنے مجھے سخت رنج ہوا [illegible] میں تجھے تیرے عہدے سے معزول کرتا ہوں چنانچہ اس خط کو پڑھتے ہی حضرت نعمان دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور باادب عرض کی کہ امیر المومنین واللہ میں نے کبھی شراب پی نہ ناچ رنگ و گانا بجانا دیکھا نہ یہ تو صرف شاعرانہ ترنگ تھی آپ نے فرمایا یہی میرا خیال ہے لیکن میری ہمت تو نہیں پڑتی کہ ایسے فحش گو شاعر کو کوئی عہدہ دوں

پس معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک بھی شاعر اپنے شعروں میں کسی جرم کا اعتراف کرے تو قابل حد ہو اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ درست نہیں۔ ہاں وہ قابل ملامت و زجر و سرزنش ضرور ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ پیٹ کو پیپ سے بھر لینا اشعار سے بھر لینے سے بہتر ہے۔

شعر کی تعریف.

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ، اصل لغت میں شعر ہر اس کلام کو کہا جاتا ہے جس میں محض خیالی اور غیر تحقیقی مضامین بیان کئے گئے ہوں جس میں کوئی بحر، وزن، ردیف اور قافیہ کچھ شرط نہیں۔ منطق میں بھی ایسے ہی مضامین کو ادلہ شعریہ اور قضایا شعریہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی شعر و غزل میں بھی چونکہ عموماً خیالات کا ہی غلبہ ہوتا ہے اس لئے اصطلاح شعراء میں کلام موزون مقفّیٰ کو شعر کہنے لگے۔ بعض مفسرین نے آیات قرآن بَلْ هُوَ شَاعِرٌ، شَاعِرٌ مَّجْنُونٌ، شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ وغیرہ میں شعر اصطلاحی کے معنی میں مراد لے کر کہا کہ کفار مکہ آنحضرتؐ کو موزون اور قافیہ دار کلام کرنے والا کہتے تھے لیکن بعض نے کہا کہ کفار کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ شعر کے طرز سے واقف تھے، اور نہ یہ کہ قرآن شعر کا مجموعہ نہیں اس کا قائل تو ایک عجمی بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ فصیح و بلیغ عرب۔ بلکہ کفار آپ کو شاعر شعر کے اصلی معنی یعنی خیالی مضامین کے اعتبار سے کہتے تھے۔ مقصد ان کا دراصل آپ کو (نعوذ باللہ) جھوٹا کہنا تھا کیونکہ شعر بمعنی کذب بھی استعمال ہوتا ہے اور شاعر کاذب کو کہا جاتا ہے۔ اسی لئے ادلہ کاذبہ کو ادلہ شعریہ کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جیسے موزون و مقفّیٰ کلام کو شعر کہتے ہیں اسی طرح ظنی اور تخمینی کلام کو بھی شعر کہتے ہیں جو اہل منطق کی اصطلاح ہے۔

اچھے اشعار: تفسیر قرطبی میں ہے کہ مدینہ منورہ کے فقہاء [illegible] جو علم و فضل میں معروف ہیں ان میں سے عبیداللہ بن عتبہ بن مسعود [illegible] شاعر تھے اور قاضی زبیر بن بکار [illegible] پھر قرطبی نے لکھا کہ ابوعمرو نے فرمایا [illegible] علم اور اہل عقل میں سے کوئی [illegible] مقتدا ہیں ان میں کوئی بھی ایسا نہیں [illegible] اشعار نہ پڑھے یا سنے ہوں اور پسند نہ کئے ہوں۔

کون سے اشعار برے ہیں:

جن روایات میں شعر شاعری کی مذمت مذکور ہے ان سے مقصود یہ ہے کہ شعر میں اتنا مصروف اور منہمک ہو جائے کہ ذکر اللہ، عبادت اور قرآن سے غافل ہو جائے۔ امام بخاری نے اس کو ایک مستقل باب میں بیان فرمایا ہے اور اس باب میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے لان یمتلی جوف رجل قیحاً یریہ خیر من ان یمتلی شعراً، یعنی کوئی آدمی پیپ سے اپنا پیٹ بھرے یہ اس سے بہتر ہے کہ اشعار سے پیٹ بھرے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ شعر جب ذکر اللہ اور قرآن اور علم کے اشتغال پر غالب آجائے۔ اور اگر شعر مغلوب ہے تو برا نہیں ہے اسی طرح وہ اشعار جو فحش مضامین یا لوگوں پر طعن و تشنیع یا دوسرے خلاف شرع مضامین پر مشتمل ہوں وہ باجماع امت حرام و ناجائز ہیں اور یہ کچھ شعر کے ساتھ مخصوص نہیں جو نثر کلام ایسا ہو اس کا بھی یہی حکم ہے (قرطبی)

حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے گورنر عدی بن نضلہ کو ان کے عہدہ سے اس لئے برخاست کردیا کہ وہ فحش اشعار کہتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمرو بن ربیعہ اور ابوالاحوص کو اسی جرم میں جلاوطن کرنے کا حکم دیا۔ عمرو بن ربیعہ نے توبہ کرلی وہ قبول کی گئی۔ (قرطبی)

خدا و آخرت سے غافل کردینے والا ہر علم اور فن مذموم ہے:

ابن ابی جمرہ نے فرمایا کہ بہت قافیہ بازی اور ہر ایسا علم و فن جو دلوں کو سخت کرے اور خدا تعالیٰ کے ذکر سے انحراف و اعراض کا سبب بنے اور اعتقادات میں شکوک و شبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے۔

اکثر تابعین کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت ہوتی ہے.

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ، اس آیت میں شعراء پر یہ عیب لگایا گیا ہے کہ ان کے متبعین گمراہ ہیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گمراہ تو ہوئے متبعین ان کا الزام متبوعین یعنی شعراء پر کیسے عائد ہوا، جواب یہ ہے کہ عموماً اتباع [illegible] متبوع [illegible] ہی کی [illegible] متبوع [illegible] اکثر متبوع کی ایک علامت اور [illegible] کی گمراہی متبوع کی گمراہی کی علامت نہیں ہوگی [illegible] کسی عالم کا اتباع کرتا ہے اور اس میں کوئی گمراہی نہیں، اعمال و اخلاق میں اس عالم کا اتباع نہیں کرتا ان میں یہ گمراہ ہے تو اس کی عملی اور اخلاقی گمراہی اس عالم کی گمراہی پر دلیل نہیں ہوگی۔ [illegible]

شاعروں کی گپوں کا ایک نمونہ لکھا جاتا ہے:

اے رشک مسیحا تری رفتار کے قرباں ٹھوکر سے مری لاش کئی بار جلا دی

اے بادصبا ہم تجھے یہ یاد دلاتے ہیں کہ　　　کس گل کی خبر تو نے کبھی ہم کو نہ لا دی
سب نے کی ہے وجہ سے از آر　　　خدا جانے ہماری خطا ہے کیا؟
وغیرہ وغیرہ حتی کہ کبھی کفریات بکنے لگتے ہیں۔

قرآن قرآن کے اعجاز کے دو رخ ہیں اول ترتیبی یعنی اسلوب ادا اور دوسرا معنوی۔ قرآن کی معنویت پر تو وہ لوگ یہ جرح کرتے تھے کہ یہ شیاطین سے کراتے ہیں اور اعجاز لفظی کے سلسلہ میں کہتے تھے یہ شاعری ہے اس لئے اللہ نے کاہنوں اور شاعروں کی حالت بیان کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کا ان کی حالتوں سے فرق ظاہر کر دیا۔

شعر گوئی کی مذمت:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کے پیٹ میں ہو، پیپ بھرا ہو کہ اس کی صحت کو غارت کر دے تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔ رواہ البخاری ومسلم واحمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب (کوہ) عرج میں چل رہے تھے اچانک ایک شاعر گاتا ہوا سامنے آیا حضور نے فرمایا شیطان کو پکڑ لو یا تھام لو فرمایا اگر کسی کے جوف کے اندر پیپ ہو بھرا ہو تو اس سے بہتر ہے کہ اس کے اندر شعر بھرے ہوں۔

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام میں انتہائی مبالغہ کرنے والے غارت ہو گئے حضور نے یہ بات تین بار فرمائی۔

حضرت ابو ثعلبہ خشنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سب سے زیادہ پیارے اور قیامت کے دن سب سے زیادہ میرے مقرب تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور میرے سب سے زیادہ قابل نفرت اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے دور تم میں سے وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق سب سے برے ہوں۔ نقول بواس کرنے والے، منہ بنا کر خلاف حقیقت شیخی کا مظاہرہ کرنے والے ہوں حلق پھاڑ کر بغیر حقیقت کے کلام و چیخنے والے ہوں۔ میں کہتا ہوں شعراء کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح نقل کی ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا ہم ثرثارون (بکواسی، شیخی خور) اور متشدقون (باچھیں پھاڑ پھاڑ کر کلام کرنے والے) کو تو جانتے ہیں متفیھقون کے کیا معنی فرمایا تکبر کرنے والے۔

بے عمل خطیب:

حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے (معراج میں) لے جایا گیا تو میرا گزر چند لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں (تقریر میں) کہتے تھے جو خود نہیں کرتے تھے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

شانِ نزول:

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو آدمیوں نے (یعنی دو شاعروں نے) باہم ہجو کا مقابلہ کیا ایک انصاری تھا دوسرا کسی اور قبیلہ کا۔ ہر ایک کے ساتھ اس کی قوم کے کچھ غاوی (مراد یعنی اشعار کو نقل کرنے اور یاد رکھنے والے) بھی تھے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

غاوی کون ہیں:

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ - اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں بغوی نے حضرت کی روایت سے بھی ایسا ہی نقل کیا ہے عطیہ کی ایک روایت بھی ابن عباس سے یہی ہے حضرت ابن عباس کا قول عطیہ نے بھی یہی نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی بروایت عکرمہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

یعنی اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ آیت میں وہ شعراء مراد ہیں جو کافروں کی حمایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تھے مقاتل نے ان کے نام اس طرح نقل کئے ہیں عبداللہ بن زبعری۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی۔ شافع بن عبد مناف۔ ابو عزہ عبداللہ بن عمر جمحی۔ امیہ بن صلت ثقفی۔

یہ شعراء جھوٹی غلط سلط باتیں کہتے اور دعویٰ کرتے تھے کہ جیسے محمد کہتے ہیں ویسا ہم بھی کہتے ہیں یہ لوگ اشعار کہتے اور ان کی قوم کے کچھ گمراہ لوگ جمع ہو جاتے اور رسول اللہ اور صحابہ کے متعلق ان شاعروں کے کہے ہوئے اشعار سنتے اور پھر نقل کرتے تھے یہی وہ لوگ تھے جن کو اللہ نے غاوون فرمایا۔ یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ اور مسلمانوں کے متعلق کہے ہوئے ہجویہ اشعار نقل کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿۲۲۵﴾
تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں

شعراء کی گمراہیاں:

یعنی جو مضمون پکڑ لیا اسی کو بڑھاتے چلے گئے کسی کی تعریف کی تو آسمان پر پہنچا دیا، مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیے۔ موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے غرض جھوٹ، مبالغہ، ترشیں کے کسی جنگل میں نکل گئے پھر نہیں دیکھا کہ

لئے شعر کی نسبت مشہور ہے۔ اکذب أو احسن أو۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٢٢٦﴾

اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

زبانی وخیالی باتیں:

یعنی شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے اور جا کر دیکھو تو پرلے درجہ کے نامرد اور ڈرپوک۔ کبھی دیکھو تو بڑے متقی ہیں اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساقط ہو چکیں۔ قبض روح کا انتظار ہے۔ حالی نے مسدس میں ان کے جھوٹ کا خوب نقشہ کھینچا ہے۔

پیغمبر کو شاعروں سے کوئی لگاؤ نہیں:

غرض ایک پیغمبر خدا اور وہ بھی خاتم الانبیاء کو اس جماعت سے کیا لگاؤ ہو سکتا ہے۔ فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بات تھی سچی تھی، جو بات تولے پورے تحقیق کی ترازو میں تلی ہوئی۔ پھر جو بات زبان مبارک سے کہی جاتی تھی وہ ہی عمل میں آنکھوں سے نظر آتی تھی۔ بھلا شاعر ایسے ہوتے ہیں؟ اور شاعری اسے کہتے ہیں؟ حاشا ثم حاشا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا

[illegible]

اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا

اللہ کی یاد [illegible]

اچھے شعراء:

مگر جو کوئی شعر میں اللہ کی حمد کہے یا نیکی کی ترغیب دے یا غرض مذمت یا گناہ کی برائی کرے یا کافر اسلام کی ہجو کریں یا اس کا جواب دے یا کسی نے کو ئی ایذا پہنچائی اس کا جواب بحد اعتدال دیا ایسا شعر عیب نہیں چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے ان کے لئے حضور نے فرمایا کہ ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن ابی حاتم اور ابن جریر اور حاکم نے ابو الحسن براد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ نازل ہوئی تو عبداللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک اور حسان بن ثابت خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں ہم تو غارت ہو گئے اس پر اللہ نے آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا نازل فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا یعنی ان کی شاعری ان کے لئے یاد الٰہی کی کثرت سے مانع نہ ہو اور اپنے بیشتر اشعار میں وہ اللہ کے ذکر توحید، اللہ کی حمد و ثنا اور اس کی اطاعت کی ترغیب بیان کرتے ہوں۔

ابو یزید نے کہا ذکر کی کثرت تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ حضور قلب سے ہوتی ہے۔

وَّانْتَصَرُوْا یعنی مسلمانوں کی ہجو جن لوگوں نے کی ہو ان مومن شاعروں نے اس کے مقابلے میں ان کی ہجو کی ہو اور اس طرح کافروں سے ظلم کا انتقام لیا ہو۔

بغوی نے شرح السنۃ اور معالم میں لکھا ہے کہ حضرت کعب بن مالک نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ شاعری کے متعلق اللہ نے جو کچھ نازل فرمایا وہ معلوم ہی ہے (پھر ہمارا کیا ہوگا) فرمایا مومن اپنی تلوار (سے بھی جہاد کرتا ہے) اور زبان سے (بھی) جہاد کرتا ہے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم جو (اپنی زبانوں سے) ان کے تیر مارتے ہو وہ گویا کمانوں سے تیر مارنے کی طرح ہیں۔

استیعاب میں عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ شاعری کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ فرمایا مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ:

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عمرۃ القضا کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے ابن رواحہ حضور کے آگے آگے چل رہے تھے اور حرم کے اندر شعر پڑھ رہے تھے حضور نے (حضرت عمر سے) فرمایا عمر اس کو پڑھنے دے یہ اشعار کمانوں کے تیروں سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ:

صحیحین میں حضرت براء بن عازب کی روایت سے آیا ہے کہ غزوہ بنی قریظہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا مشرکوں کی ہجو کرو جبرئیل (مدد کے لئے) تمہارے ساتھ ہیں یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان سے فرما رہے تھے میری طرف سے ان کو جواب دو۔ اے اللہ روح القدس کے ذریعہ سے اس کی مدد کر۔

مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو تمہاری طرف سے یہ ہجو قریش کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

یہ بھی حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حسان سے یہ فرماتے ہوئے سنا روح القدس برابر تیری مدد پر رہے گا جب تو اللہ اور

اللہ کے رسول کی طرف سے دفاع کرے گا۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ فرما رہے تھے حسان نے ان کی ہجو کی پس شفا دی اور شفا دینے والی چیز بیان کر دی۔

بخاری نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان کے لئے مسجد کے اندر منبر رکھوا دیتے تھے جس پر وہ کھڑے ہو کر رسول اللہ کی طرف سے فخریہ یا دفاعیہ کلام پڑھتے تھے اور رسول اللہ فرماتے تھے اللہ روح القدس سے حسان کی مدد کراتا ہے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حسان دفاع کرتا ہے۔

بغوی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش کی ہجو کرو یہ ان کے لئے تیر لگنے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔ پھر ابن رواحہ کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو حکم دیا ان کی ہجا کرو اور ان سے ہجو میں مقابلہ کرو (لیکن وہ) حضور کی خوشی کے مطابق (ہجو) نہ کر سکے پھر کعب بن مالک کو بلوایا پھر حسان بن ثابت کو بلوایا جب حسان آئے تو فرمایا اب وقت آ گیا کہ تم اس شیر کی طرف تیر بھیجو جو دم پٹک رہا ہے (یعنی حملہ کے لئے تیار ہے) پھر حضرت حسان نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالتے ہوئے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنی زبان سے ان کو چمڑے کی طرح چیر ڈالوں گا حضور نے فرمایا جلدی نہ کرو ابوبکر قریش کے نسبوں سے بخوبی واقف ہیں میرا نسب بھی قریش کے اندر ہی ہے ابوبکر میرے نسب کو ان کے اندر سے الگ چھانٹ دیں گے حسان حضرت ابوبکر کے پاس گئے پھر لوٹ کر آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکر نے آپ کے نسب کو چھانٹ دیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں آپ کو ان کے اندر سے اس طرح کھینچ نکالوں گا جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ حسان نے یہ شعر کہے۔

هجوت محمدا فاجبت عنه　　وعند الله فی ذاک الجزاء

تو نے محمد کی ہجو کی میں نے ان کی طرف سے جواب دیا اللہ کے ہاں اس کا بدلہ ہے۔

هجوت محمدا برا تقیا　　رسول الله شیمته الوفاء

تو نے مقدس پرہیزگار محمد کی ہجو کی جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی خصلت وفاء عہد ہے۔

فان ابی ووالدتی وعرضی　　لعرض محمد منکم وقاء

میرے ماں باپ اور میری آبرو محمد کی آبرو کو تم سے بچانے والی ہے یعنی محمد کی آبرو پر سب قربان

امن یهجو رسول الله منکم　　ویمدحه وینصره سواء

تم میں سے جو رسول اللہ کی ہجو کرتا ہے اور جو رسول اللہ کی مدح اور مدد کرتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔

وجبریل رسول الله فینا　　وروح القدس لیس له کفاء

اللہ کے رسول جبریل اور روح القدس ہمارے اندر ہیں جن کا کوئی ہمسر نہیں۔

ابن سیرین کی مرسل روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن مالک سے فرمایا اور حضرت کعب نے آپ کو (قصیدہ) سنایا حضور نے فرمایا یہ ان (قریش) کے لئے تیر پڑنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

فائدہ: ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر شعر جھوٹ اور دوسری ناجائز باتوں سے پاک ہو تو ایسی شاعری میں کوئی حرج نہیں دارقطنی نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شعر (کے جواز و عدم جواز) کا ذکر کیا گیا فرمایا یہ بھی ایک کلام ہے اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی ہوتا ہے اچھے کو لے لو برے کو چھوڑ دو۔

لبید کا کلام:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا کلام جو کسی شاعر نے کہا ہو۔ وہ لبید کا یہ کلام ہے الا کل شیء ما خلا الله باطل خوب سن لو اللہ کے سوا ہر چیز بے حقیقت ہے۔ متفق علیہ

امیہ بن صلت کے اشعار:

عمرو بن شرید نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا عمرو کے باپ نے کہا میں ایک روز رسول اللہ کے پیچھے حضور کے ساتھ سوار تھا فرمایا کہ امیہ بن صلت کا کوئی شعر تمہیں یاد ہے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا پڑھو میں نے ایک شعر سنا دیا فرمایا اور لاؤ میں نے ایک شعر اور سنا دیا فرمایا اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے حضور کو سو شعر پڑھ کر سنائے۔ رواہ مسلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد:

حضرت جندب راوی ہیں کہ کسی معرکہ میں حضور کی ایک انگلی زخمی (یا خون آلود) ہوگئی آپ نے فرمایا۔

هَلْ اَنْتِ اِلاَّ اِصبعٌ دُمِیت　　وَفِی سَبِیلِ اللّٰه مالقِیْتِ

تو صرف ایک انگلی ہے جو زخمی ہوگئی اور جو کچھ تو نے دکھ پایا اللہ کی راہ میں پایا۔ متفق علیہ۔

حضرت صدیق و فاروق و حیدر رضی اللہ عنہم

شعبی کا بیان ہے کہ ابوبکر بھی شعر کہتے تھے اور عمر بھی شعر کہتے تھے اور علی بھی شعر کہتے تھے تینوں شعر کہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی شعر پسندی:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن عباس مسجد کے اندر تھے بھی شعر

پڑھتے تھے اور پڑھواتے بھی تھے ایک بار عمرو بن ربیع کو طلب فرما کر اس سے اس کا قصیدہ سنا جس کا پہلا شعر یہ تھا۔

امن آل نعمی انت غادِ مبکر غداۃ غدام رائح فمُحجر

ابن ربیعہ نے آپ کو پورا قصیدہ آخر تک سنا دیا جو تقریباً ستر شعر کا تھا۔ حضرت ابن عباس نے دوبارہ لوٹ کر سنا دیا کیونکہ آپ پورا قصیدہ ایک بار سن کر یاد کرلیا کرتے تھے۔

فائدہ: اگر شعروں میں اللہ کا ذکر ہو یا علم دین ہو یا مسلمانوں کو وعظ و نصیحت ہو تو ایسی شاعری عبادت ہے۔ حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔ رواہ البخاری۔

صخر بن عبداللہ بن بریدہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت اور بعض شعر حکمت اور بعض قول عیال۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے بعض بیان جادو ہوتے ہیں اور بعض شعر حکمتیں۔ رواہ ابوداؤد۔ واحمد۔

یہ حدیث اوپر درج کی جا چکی ہے کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ ابوداؤد ونسائی دارمی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکوں سے جہاد کرو اپنے مالوں سے اپنی جانوں سے اور اپنی زبانوں سے۔

اوپر کی آیت میں جب اللہ نے مسلم شعراء اور مشرک شعراء کا ذکر کیا تو آئندہ آیت میں مشرک شعراء کو وعید سنائی اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ

اور اب معلوم کریں گے ظلم کرنے والے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں

ظالموں کو دھمکی:

یہ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا" کی مناسبت سے فرمایا کہ ظالموں کو عنقریب اپنا انجام معلوم ہو جائے گا کہ کس کروٹ اونٹ بیٹھتا ہے سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن و شاعر کہہ کر جھٹلائے۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے یہ سخت تہدید ہے سیعلم کے اندر وعید بلیغ ہے اور الَّذِينَ ظَلَمُوا میں عموم واطلاق ہے اور أَيَّ مُنقَلَبٍ میں ابہام کے ساتھ عظیم ہولناکی کا اظہار ہے مطلب یہ ہے کہ ظالم امید رکھتے ہیں کہ عذاب سے (ان کو چھوٹ مل جائے گی اور وہ) لوٹ جائیں گے مگر (مرنے کے بعد) ان کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عذاب سے لوٹنے کی کوئی وجہ نہیں ہوگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصیت نامہ:

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا میرے والد نے اپنے وصیت نامہ میں دو سطریں لکھیں (اور وصیت نامہ اس طرح تحریر کیا) بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ وصیت وہ ہے جو ابوبکر بن ابو قحافہ نے دنیا سے نکلتے وقت لکھی تھی (یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ) اس وقت کافر بھی ایمان لے آتا ہے اور بدکار بھی نیک ہو جاتا ہے اور جھوٹا بھی سچ کہتا ہے میں نے تم پر عمر بن خطاب کو اپنا جانشین بنایا، اگر وہ انصاف کریں تو ان کے متعلق میرا یہی خیال اور امید ہے اور اگر وہ ظلم کریں اور (مذہبی احکام کو بدل ڈالیں) تو میں (معذور ہوں) غیب داں نہیں ہوں۔ (آئندہ کا مجھے علم نہیں) وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ۔ (تفسیر مظہری)

اور صرف یہی انصاری شعراء رضی اللہ عنہم ہی نہیں بلکہ اگر کسی شاعر نے اپنی جاہلیت کے زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بھی اشعار کہے ہوں اور پھر وہ مسلمان ہو جائے تو یہ کرلے اور اس کے مقابلہ میں ذکر اللہ بکثرت کرے وہ بیشک اس برائی سے الگ ہے۔ حسنات سیات کو دور کر دیتی ہیں جب کہ اس نے مسلمانوں کو اور دین خدا کو برا کہا تھا وہ برا تھا لیکن جب اس نے مدح کی وہ برائی اچھائی سے بدل گئی۔ جیسے حضرت عبداللہ بن الزبعری نے اسلام سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بیان کی تھی لیکن اسلام کے بعد بڑی مدح بیان کی اور اپنے اشعار میں اس ہجو کا عذر بھی بیان کر دیا کہ اس وقت میں شیطانی پنجہ میں پھنسا ہوا تھا اسی طرح ابوسفیان بن حارث باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا زاد بھائی ہونے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا اور بہت ہی ہجو کیا کرتا تھا جب مسلمان ہوگئے تو ایسے مسلمان ہوئے کہ دنیا بھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہیں کوئی نہ تھا۔ اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کیا کرتے تھے، اور بہت ہی عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ النمل

[illegible]

سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

[illegible]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

[illegible]

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ

[illegible]

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

[illegible]

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ

[illegible]

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ

[illegible]

اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ

[illegible] رہے ہیں

دنیا پرستی کے مریض

[illegible] مستقبل [illegible] حقیقت کی طرف توجہ دلائے [illegible] حق میں فرق [illegible] پیغمبروں کے ساتھ [illegible] ترقی کرتے جاتے ہیں۔ (تفہیم) [illegible]

[illegible] اور ان [illegible] ابتدائی آیت کا مضمون [illegible] ابتدائی آیت [illegible] مشابہت [illegible] (قرطبی)

[illegible] آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان [illegible] مزین کر دیئے ہیں [illegible] اعمالهم سے مراد [illegible] اعمال [illegible] کے سامنے رکھ دیا تھا مگر ان ظالموں نے انکی طرف [illegible] شرک میں مبتلا رہے اس لئے گمراہی میں بھٹکنے لگے۔ [illegible] زیادہ واضح ہے اول تو اس لئے کہ مزین کرنے کے الفاظ [illegible] شہوت [illegible] اور [illegible] دوسری آیت میں اعمالهم (ان کے اعمال) کا لفظ بھی اس پر دلالت کر [illegible] اعمال بد ہیں نہ کہ اعمال صالحہ۔ (معارف مفتی اعظم)

[illegible] آیت [illegible]

لوحِ محفوظ:

[illegible] سے مراد لوح محفوظ ہے [illegible] ہونے والی چیز کا اندراج [illegible] لوح محفوظ تحریر کے لحاظ سے قرآن پر مقدم [illegible] کا تعلق قرآن [illegible] تعلق [illegible]

قرآن کے احکام واضح ہیں۔

[illegible] قرآن [illegible] احکام کو [illegible] ہونے کو بھی [illegible]

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ

یہی ہیں جن کے لئے [illegible] بڑی طرح کا عذاب ہے اور

فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ

[illegible]

یعنی وہاں سب سے زیادہ خسارہ میں یہ ہی لوگ ہوں گے۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ

اور تجھ کو تو قرآن پہنچتا ہے ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے

دنیا پرستوں کو چھوڑیے آپ عظیم الشان کتاب کا شکر ادا کرتے رہیں

یعنی ان بدبختوں کو تیہ ضلالت میں بھٹکنے دو۔ جب انہوں نے قرآن مبین کی قدر نہ پہچانی اور اُس کی ہدایات وبشارات سے فائدہ نہ اُٹھایا تو یہ ہی حشر ہونا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خدا کا شکر کیجیے کہ اُس علیم وحکیم کی سب سے زیادہ عظیم الشان کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت کی گئی ہے جس سے ہر وقت تازہ بتازہ فوائد پہنچ رہے ہیں جس میں مومنین کے لئے بشارتیں ہیں اور مکذبین کو عبرتناک واقعات سنائے گئے ہیں تا سچوں کا دل مضبوط وقوی ہو اور جھوٹ کی حمایت کرنے والے اپنی بدانجامی پر مطلع ہو جائیں۔ چنانچہ ان ہی اغراض کے لئے آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعونیوں کا قصہ سنایا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

علم وحکمت:

علم حکمت کے اندر داخل ہے کیونکہ علم عام مفہوم پر دلالت کرتا ہے اور حکمت کا لفظ عمل کے استحکام پر دلالت کرتا ہے لہٰذا دونوں اوصاف کو ظاہر کرنے کے لئے حکیم کے ساتھ علیم بھی فرمادیا پھر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کچھ علوم تو حکمت ہوتے ہیں جیسے علم العقائد علم شریعت وغیرہ اور بعض علوم حکمت نہیں ہوتے جیسے قصص اور آئندہ چیزوں کا بیان۔ گویا لفظ علیم سے اس طرف اشارہ ہے کہ اس قرآن میں گزشتہ واقعات کو بھی بیان کیا گیا ہے چنانچہ اس سے آگے حضرت موسیٰ کے قصہ کی تفصیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا

جب کہا موسیٰ نے اپنے گھر والوں کو میں نے دیکھی ہے ایک آگ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدین سے واپسی سفر کا حال:

یہ مدین سے جاتے ہوئے وادی طویٰ کے قریب پہنچ کر جبکہ سخت سردی کی اندھیری رات میں راستہ بھول گئے تھے مفصل واقعہ سورۂ طہٰ کے فوائد میں گزر چکا۔ ملاحظہ کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

روایت بالمعنیٰ کی دلیل:

(اللہ نے وہ قول نقل کیا جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے کہا تھا اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عربی میں نہیں کہا ہوگا بلکہ اس مفہوم کو اپنی زبان میں ادا کیا ہوگا جس کو قرآن نے عربی عبارت میں اللہ نے بیان فرمایا) اس میں دلیل ہے اس امر کی کہ حدیث کے معنی کو دوسرے الفاظ میں نقل کرنا (اور یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا) جائز ہے اور نکاح بھی ایسے الفاظ سے جائز ہے جو تزوج ونکاح کے مفہوم کو ظاہر کرتے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ

اب لاتا ہوں تمہارے پاس وہاں سے کچھ خبر یا لاتا ہوں انگار

قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ

سلگا کر شاید تم سینکو

یعنی راستہ کی خبر لاتا ہوں اور آگ سے پاس کوئی موجود نہ ہوا تو کم از کم سینکنے کے لئے ایک انگارا تو لے ہی آؤں گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ کو امید تھی اس لئے لَعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ کہہ دیا اور امید یقینی تھی کہ ضرور کوئی خلاف امید نہ ہوگا اس لئے سَاٰتِیْكُمْ کہہ دیا۔

بحر: کوئی اطلاع کی غرض تھی راستہ کی طرح۔ حضرت موسیٰ راستہ بھٹک گئے تھے اور راستہ کی ہی تلاش تھی۔ (تفسیر مظہری)

جدوجہد توکل کے منافی نہیں ہے:

معلوم ہوا کہ ضروریات کے حصول کے لئے جدوجہد توکل کے منافی نہیں۔ لیکن بھروسہ اپنی کوشش کے بجائے اللہ پر ہونا چاہیے اور آگ کے پاس جانے میں بھی شاید یہی حکمت ہو کہ اس سے آپ کے دونوں مقصود پورے ہو سکتے تھے، راستے کا مل جانا اور آگ سے گرمی حاصل کرنا۔ (کمافی الروح)

ادب کا لحاظ:

اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے امکثوا اور تصطلون جمع کے صیغے بولے حالانکہ آپ کے ساتھ صرف آپ کی بیوی یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی تھیں ان کے لئے صیغہ جمع استعمال فرمانا بطور اکرام کے ہوا جیسے معزز لوگوں میں کسی ایک فرد سے بھی خطاب ہوتا ہے تو صیغۂ جمع کا استعمال کیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے صیغہ جمع استعمال فرمانا روایات حدیث میں وارد ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ

پھر جب پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی کہ برکت ہے

مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا

اس پر جو کوئی کہ آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے

نورِ الٰہی کا ظہور:

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہ دنیا کی آگ نہیں بلکہ غیبی اور نورانی آگ ہے جس کے اندر نورانی ظہور ہو رہا تھا یا اس کی تجلی چمک رہی تھی۔ تو یہ وہی نور تھا جس کو حدیث میں فرمایا۔ حجابہ النار یا حجابہ النور پھر غیب سے آواز آئی کہ نُودِیَ اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا یعنی زمین کا یہ ٹکڑا مبارک ہے اس میں جو تجلی ہے وہ بھی مبارک اور اس کے اندر یا اس کے آس پاس جو ہستیاں ہیں مثلاً فرشتے یا خود موسیٰ علیہ السلام وہ سب مبارک ہیں۔ یہ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو مانوس کرنے کے لئے بطور اعزاز و اکرام کے فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کیلئے سلام:

(یعنی موسیٰ علیہ السلام) اس پر بھی (برکت و سلام) جیسا بطور تحیہ و سلام کے ہے جیسے مد مقابل آپس میں سلام کرتے ہیں۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام جانتے نہ تھے کہ یہ نور خدا کا ہے سو جب ان سے خود سلام نہیں کر سکے تو منجانب اللہ ان کے انس کے لئے سلام ارشاد ہوا اور فرشتوں کو ملا لینا شاید اس لئے ہو کہ جس طرح فرشتوں کو سلام حق تعالیٰ کے قرب خاص کی علامت ہوتی ہے یہ سلام بھی موسیٰ علیہ السلام کو قرب خاص کی بشارت ہو گیا) اور (اس امر کے بتلانے کے لئے کہ یہ نور جو آگ کی صورت میں نظر آیا خود حق تعالیٰ کی ذات نہیں (حق تعالیٰ نے) ارشاد فرمادیا کہ) اللہ رب العالمین (رنگ، جہات، مقدار اور حد بندی وغیرہ سے) پاک ہے (اور اس نور میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں)۔

آگ میں کیا تھا:

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری، سعید بن جبیر سے مَنْ فِی النَّارِ کی تفسیر میں یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ مَنْ فِی النَّارِ سے خود ذات حق سبحانہ و تعالیٰ مراد ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ آگ ایک مخلوق ہے اور کسی مخلوق میں خالق کا حلول نہیں ہو سکتا اس لئے اس روایت کا یہ مفہوم تو نہیں کہ (معاذ اللہ) ذات حق سبحانہ و تعالیٰ نے آگ کے اندر حلول فرمایا تھا جیسا کہ بہت سے بت پرست مشرکین بتوں کے وجود میں ذات حق کے حلول کے قائل ہیں اور یہ توحید کے قطعاً خلاف ہے بلکہ مراد ظہور ہے جیسے آئینہ میں کسی چیز کا عکس جاتا ہے وہ آئینہ میں حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی بلکہ اس سے جدا اور خارج ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ نور جس کی تجلی آگ پر ہو رہی ہے خود ذات حق سبحانہ و تعالیٰ بھی نہیں تھا ورنہ ذات حق تعالیٰ کا مشاہدہ ہو جاتا جس سے موسیٰ علیہ السلام کو خود جواب میں لَنْ تَرَانِیْ کہا گیا ہے۔ اس سوال میں موسیٰ علیہ السلام نے رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات پاک دکھا دیجئے کہ میں دیکھ لوں) اور اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے لَنْ تَرَانِیْ کا ارشاد بھی یہ بتلاتا ہے

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس قول میں حق تعالیٰ جل شانہ کا ظہور یعنی تجلی جو کہ کسی صورت میں ہوئی ہے جس طرح حلول نہیں تو اس طرح تجلی ہے جس میں بھی کسی شیئی کی (الآیۃ) سے یہ بات ثابت ہے اس بات کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ذات کا مشاہدہ ہو سکتا ہے جو ذات الٰہی جل شانہ کا ظہور بالواسطہ ہے۔ یہ تجلی مثالی تھی جو حضرات صوفیائے کرام میں معروف ہے اس کی حقیقت کا سمجھنا تو انسان کے لئے مشکل ہے۔ بقدر ضرورت حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احکام القرآن بزبان عربی سورۂ قصص میں اس کی تفصیل لکھی ہے اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں عوام کو اس کی ضرورت نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

نودی ندا ازل کی حق تعالیٰ کی طرف سے اندر آگ کی جو شئی تھی پکار کر کہا بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ یعنی برکت دی گئی ہے اس کو جو آگ کے اندر جلوہ گر ہے اس سے مراد رب العالمین۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور حسن بصری کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ کو ندا دی اور اپنا کلام سنایا جس طرح کہ کسی درخت سے آواز آئی تھی اسی طرح آگ کا نور جلوہ افروز تھا موسیٰ نے اس کو آگ خیال کیا تھا اس کو نور (حق تعالیٰ) کا تھا۔

ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ وہب بن منبہ نے کہا (اس نور کو دیکھ کر) موسیٰ خوفزدہ ہو گئے تھے جب کسی روایت میں حجابہ النور کی جگہ حجابہ النار آیا ہے اس تفسیر پر اس آیت کا شمار متشابہات میں ہوگا جیسا کہ دوسری آیت میں آیا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ سلف اس بات کا اقرار کرتے ہیں اللہ نے فرمایا ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اس کی تفصیل کے پیچھے نہیں پڑتے۔

بعض اہل علم نے کہا کہ مَنْ فِی النَّارِ میں مضاف محذوف ہے یعنی بورک من فی طلب النار (برکت دی گئی اس کو جو آگ کی طلب میں ہے) یا بورک من فی مکان النار (اور برکت دی گئی اس کو جو آگ کے مقام پر ہے) بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت موسیٰ اور مَنْ حَوْلَهَا سے ملائکہ مراد ہیں جو آگ کے آس پاس موجود تھے اس صورت میں دعا کے طرز میں ہے یعنی تم کو برکت دی گئی جیسے حضرت ابراہیم کو فرشتوں نے دعا دی تھی برکت دی اور کہا رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَکٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اور فرشتوں نے کہا تھا۔

بعض نے کہا کہ مَنْ فِی النَّارِ سے مراد ملائکہ ہیں اور من حولها سے مراد حضرت موسیٰ ہیں یعنی تمام ملائکہ اور موسیٰ کو برکت دی گئی کیونکہ ارض مقدس میں شامل تھے اور موسیٰ بھی آگ کے قریب تھے۔

بعض علماء نے کہا مَنْ حَوْلَهَا کا لفظ عام ہے موسیٰ کے علاوہ وہ ملائکہ اور سب وہ شامل تھا اور شام (جس مقام انبیاء ہونے کی وجہ سے برکات بھی ہو رہے ہیں) بھی اس میں شامل ہے اور خطاب کا صیغہ ذکر کرنے سے پہلے

مَنْ حَوْلَهَا [illegible] بشارت [illegible] پہلے سے
خوشخبری [illegible] تمہید واقعہ بڑی عظمت [illegible] کا ظہور [illegible]
چھپی [illegible] پر سبحان اللہ رب العالمین [illegible] مستغنی ہوں
[illegible] واقعہ موسیٰ کی
عظمت کا اظہار اور اس کا تعجب آفرین ہونا معلوم ہو جائے گا۔ (احسن [illegible])

موسیٰ علیہ السلام [illegible] بطور [illegible] جس سے ان کا اعزاز اور
[illegible] مقصود تھی [illegible] اے موسیٰ [illegible] مبارک ہو [illegible]
[illegible] جیسے فرشتے جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے تو [illegible] جواب
[illegible] رحمۃ اللہ وبرکاتہ [illegible] فرشتوں کی طرف سے [illegible]
[illegible] ابن عباس [illegible] سعید بن جبیر اور حسن بصری [illegible] منقول ہے کہ
مَنْ فِی النَّارِ سے اللہ پاک مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور [illegible] کی قدرت کا جلوہ
مراد ہے اور ایک روایت میں ابن عباس [illegible]
حقیقت [illegible] بلکہ وہ ایک نور تھا [illegible]
[illegible]
[illegible]
ایک تجلی تھی [illegible] آئینہ میں [illegible] تھی جیسے [illegible]
[illegible] کا جلوہ نظر آتا ہے اور یہ مطلب نہیں [illegible] آسمان [illegible]
[illegible] جو [illegible] تھی جو [illegible]
[illegible] ایک نوری [illegible]
[illegible] ایک [illegible] آئینہ [illegible] جیسے کہ حدیث
میں [illegible] حجابہ النار اور ظاہر ہے کہ جو چیز کسی آئینہ میں ظاہر ہو وہ اس آئینہ
کا عین نہیں ہوتی اور [illegible] آئینہ اس چیز کا مظہر ہوتا ہے اور
آئینہ میں ظاہر ہونے والی صورت اصل [illegible] جلوہ ہوتا ہے [illegible]
معلوم ہو [illegible] مَنْ فِی النَّارِ سے [illegible] مراد لیں [illegible]
[illegible] اس چیز میں [illegible] آیت
سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ میں اس کی تنزیہ و تقدیس پر متنبہ فرمایا [illegible] کا مطلب
[illegible] اور اللہ جو جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت سے اور [illegible]
[illegible] جہت سے اور کسی محل میں نزول اور حلول کرنے سے پاک
[illegible] میں جو کچھ نظر آیا وہ اللہ کے نور کی ایک تجلی تھی جو [illegible]
میں نمودار ہوئی جیسے آفتاب کی آئینہ میں تجلی ہو سکتی ہے [illegible]
کی طرح سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں متجلی اور جلوہ افروز ہو سکتا ہے [illegible]
سما نہیں سکتا۔ (معارف کاندھلوی)

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
اور پاک ہے ذات اللہ کی جو رب سارے جہان کا

اللہ تعالیٰ جسم، صورت، جہت وغیرہ سے پاک ہے:

[illegible] مکان، جہت، جسم، صورت، رنگ وغیرہ [illegible] حدوث سے اس کی
ذات پاک ہے۔ [illegible] میں اس کی تجلی [illegible] معنی نہیں کہ معاذ اللہ اس کی ذات
پاک [illegible] میں حلول کر گئی؟ آفتاب [illegible] آئینہ میں متجلی ہوتا ہے
لیکن کون احمق کہہ سکتا ہے کہ اتنا بڑا کرہ شمسی چھوٹے سے آئینہ میں آ گیا؟

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ		
اے موسیٰ	وہ میں اللہ ہوں	زبردست حکمتوں والا

یعنی اس وقت تجھ سے کلام کرنے والا میں ہوں یہ سب واقعہ مفصلاً سورہ
طٰہٰ میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ
[illegible]

شاید ابتدا میں [illegible] میں تشبیہ ہو اسفر [illegible] میں نہیں۔

وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ
[illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خوف:

یہ خوف طبعی تھا جو منافی نبوت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے ایسے سانپوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے۔ الغرض جناب موسیٰ اسے دیکھ کر ڈر اور دہشت کے مارے ٹھہر نہ سکے اور منہ موڑ کر پیٹھ پھیر کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے ایسے دہشت زدہ تھے کہ مڑ کر بھی نہ دیکھا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ موسیٰ! ڈرو نہیں۔ میں تو تمہیں پسندیدہ برگزیدہ رسول اور ذی عزت پیغمبر بنانا چاہتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ			
اے موسیٰ مت ڈر	میں جو ہوں	میرے پاس نہیں ڈرتے	رسول

پیغمبر اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا:

یعنی اس مقام حضور و اصطفاء میں پہنچ کر ایسی چیزوں سے ڈرنے کا کیا مطلب۔ مرسلین کو لائق نہیں کہ ہماری بارگاہ قرب میں پہنچ کر بھی یہ سانپ یا کسی مخلوق سے ڈریں۔ وہاں تو دل کو انتہائی سکون و طمانیت حاصل ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

لئی جب میرے قرب میں جاتا ہے اور میری بارگاہ میں پیغمبر آ جاتے ہیں تو (حالت قرب میں) پھر کسی (خوفناک چیز سے نہیں ڈرتے)۔ یہ آخری جملہ عدم خوف کی علت ہے مطلب یہ ہے کہ جو پیغمبر میری مخلوق کو پہنچاتے ہیں وہ صرف مجھ سے ڈرتے ہیں اور میرے سوا کسی سے نہیں ڈرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا انا اخشٰکم باللّٰہ بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر سب سے زیادہ ڈرتے ہیں لیکن آیت کا جو مطلب ہم نے بیان کیا اس کی روشنی میں حدیث کا مطلب بھی واضح ہو گیا (کہ پیغمبروں کو بارگاہ الٰہی میں رسائی کے بعد مخلوق میں سے کسی کا خوف نہیں رہتا وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں)

یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں پر جس وقت وحی نازل ہوتی ہے تو اس وقت وہ اس میں مستغرق ہو جاتے ہیں کہ ان کو مطلق کوئی خوف نہیں رہتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اپنا انجام برا ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ ان کا انجام اور مآل کار برا ہوتا ہی نہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا ڈر جانا بعض نے کہا ہے کہ طبعی ہے جو کسی طرح شان کے منافی نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جو بات مخلوق کی جانب سے ہو اس سے ڈرنا منع ہے جیسے ابراہیم آتش نمرود سے نہیں ڈرے ... جو امر حق کی طرف سے ہو اس میں ڈرنا ... حقیقت حق تعالیٰ سے ڈرنا ہے جیسے ہوا تیز ہونے کے وقت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھبرا جانا حدیثوں میں آتا ہے سو چونکہ اس تبدل میں مخلوق کا واسطہ نہ تھا اس سے ڈر گئے کہ یہ کوئی قہر الٰہی نہ ہو۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دو موسیٰ نے لاٹھی پھینک دی وہ سانپ بن گئی اور تیزی کے ساتھ دوڑنے لگی اور حکم ملا اپنا ہاتھ گریبان کے اندر کر کے نکالو وہ سفید بے داغ نکلے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس حکم کی بھی تعمیل کی اور ہاتھ اندر سے گورا چمکیلا بے داغ نکلا اور حکم ملا یہ دونوں نشانیاں لے کر مع نو نشانیوں کے فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ وہ بدکار لوگ ہیں موسیٰ علیہ السلام گئے اور معجزات پیش کئے فرعون اور اس کے ساتھیوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًاۢ بَعْدَ سُوْٓءٍ
مگر جس نے زیادتی کی پھر بدلے میں نیکی برائی کے پیچھے
فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ
تو میں بخشنے والا مہربان ہوں

کوتاہی کے بعد توبہ و اصلاح:

یہ استثناء منقطع ہے۔ یعنی خدا کے حضور میں پیغمبر لرخوف و اندیشہ صرف اس کو ہونا چاہیے جو کوئی زیادتی یا خطاء و تقصیر کر کے آیا ہو۔ اس کے متعلق بھی ہمارے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ برائی کرنے کے بعد اگر دل سے توبہ کر کے اپنی روش درست کر لی اور نیکیاں کر کے برائی کا اثر مٹا دیا تو حق تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف فرمانے والا ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں موسیٰ علیہ السلام سے چوک کر ایک کافر کا خون ہو گیا تھا اس کا ڈر تھا ان کے دل میں، ان کو وہ معاف کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبر گناہ سے پاک ہوتا ہے:

صحیح تر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ درحقیقت گناہ ہی نہ تھے نہ صغیرہ نہ کبیرہ، البتہ صورت گناہ کی تھی اور درحقیقت وہ اجتہادی خطائیں ہوئی ہیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

بعض علماء نے کہا یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ پیغمبروں سے ظلم (گناہ) کا صدور ممکن نہیں (اللہ نے ان کو معصوم بنایا ہے) اس وقت اِلَّا کا معنی ہو گا لیکن (اور کلام بالکل علیحدہ ہو گا) مطلب اس طرح ہو گا۔ لیکن پیغمبروں کے علاوہ جس نے گناہ کیا ہو پھر توبہ کر لی ہو، تو اللہ غفور رحیم ہے اس کو معاف کر دے گا لیکن ایسے شخص کو اللہ سے ... کا خوف ہو جاتا ہے۔ (...)

وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ
اور ڈال دے اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں کہ نکلے سفید ہو کر نہ کسی برائی سے
فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ
یہ دونوں مل کر نو نشانیوں میں ہیں فرعون اور اس کی قوم کی طرف بیشک وہ تھے لوگ نافرمان

نو نشانیوں کا بیان سورہ بنی اسرائیل کی آیت ... کے تحت میں دیکھو۔

(تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ
پھر جب پہنچیں ان کے پاس ہماری نشانیاں سمجھانے کو بولے یہ جادو ہے صریح
وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا
اور ان کا انکار کیا اور ان کا یقین کر چکے تھے اپنے جی میں بے انصافی اور غرور سے
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾
سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام خرابی کرنے والوں کا

قوم والوں کا انکار اور عذاب:

یعنی جب وقتاً فوقتاً ان کی آنکھیں کھولنے کیلئے وہ نشانیاں دکھلائی گئیں تو کہنے لگے کہ یہ سب جادو ہے حالانکہ ان کے دلوں میں یقین تھا کہ موسیٰ علیہ

اس لیے سچے ہیں اور جو نشانیاں دکھا رہے ہیں یقیناً خدائی نشان ہیں۔ [illegible] شعبدہ و نظر بندی نہیں مگر محض بے انصافی اور غرور و تکبر سے جان بوجھ کر اپنے ضمیر کے خلاف حق کی تکذیب اور سچوں کا انکار کر رہے تھے، پھر یہ ہوا چند روز بعد پتہ لگ گیا کہ ایسے بدبخت مجرم مفسدوں کا انجام ایسا ہوتا ہے سب کو بحر قلزم کی موجوں نے کھا لیا کسی کو گور و کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا

[illegible]

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے علوم:

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤد علیہ السلام کے صاحبزادہ ہیں باپ بیٹے میں سے ہر ایک کو اس کی شان کے لائق اللہ تعالیٰ نے علم کا [illegible] فرمایا۔ شرائع و احکام اور اصول سیاست و حکمرانی وغیرہ کے علوم سب اس لفظ کے تحت میں داخل ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

[illegible] علوم انبیاء ہیں جو نبوت و رسالت سے متعلق [illegible] ان کے عموم میں دوسرے علوم و فنون بھی شامل [illegible] جیسے حضرت داؤد علیہ السلام [illegible] صنعت سکھائی گئی تھی۔ حضرت [illegible] سلیمان [illegible] منطق الطیر [illegible] نبوت و رسالت کے ساتھ سلطنت بھی دی گئی تھی اور سلطنت بھی ایسی بے نظیر کہ صرف انسانوں پر نہیں بلکہ جنات اور جانوروں پر بھی ان کی حکمرانی تھی ان سب عظیم الشان نعمتوں سے پہلے حق تعالیٰ نے نعمت علم کا ذکر فرمانے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ نعمت علم تمام دوسری نعمتوں سے فائق اور بالاتر ہے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا

[illegible]

نعمتوں کا شکر:

حق تعالیٰ نے جو علم [illegible] سلیمان علیہما السلام [illegible] حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرتے تھے [illegible] نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ [illegible]

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ جس بندے کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دے [illegible] اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو اس کی حمد ان نعمتوں سے بہت افضل ہے [illegible] کتاب اللہ میں یہ مضمون موجود ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی اور کہا کہ ان دونوں پیغمبروں کو جو نعمت دی گئی تھی اس سے افضل اور نعمت یہ [illegible]

علم کی فضیلت:

آیت بتا رہی ہے کہ علم بڑی فضیلت ہے [illegible] شرف ہے اور علم [illegible] دوسروں پر فضیلت حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو باقی ستاروں پر فضیلت ہے۔ علماء انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہیں اور انبیاء نے کوئی دینار و درہم اپنی میراث میں نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی پس جس نے اس میراث کو لیا (وہ بڑا خوش نصیب ہے) اس نے بڑی میراث پالی رواہ احمد والترمذی [illegible]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عابد پر عالم کی برتری ایسی ہے جیسے تم میں سے ادنیٰ آدمی پر میری برتری رواہ الترمذی عن ابی امامۃ الباہلی۔

آیت میں نعمت علم کا شکر ادا کرنے کی ترغیب ہے اور اس بات کی تعلیم ہے کہ آدمی [illegible] دوسروں پر فضیلت حاصل ہو پھر بھی اس کو تواضع کرنا چاہئے اور یہ سمجھنا چاہئے کہ [illegible] پر جتنی بہت لوگوں کو برتری حاصل ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ [illegible] سے اونچا عالم ہے۔ (تفسیر مظہری)

عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ

[illegible]

[illegible] بہت بندوں [illegible] پر فضیلت دی [illegible] باقی تمام مخلوق پر فضیلت کلی تو سارے جہان میں ایک ہی بندے کو حاصل ہوئی جن کا نام مبارک ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ

اور قائم مقام ہوا سلیمان داؤد کا

حضرت سلیمانؑ کے فضائل:

یعنی داؤد کے بیٹوں میں سے اُن کے اصل جانشین حضرت سلیمان علیہ السلام ہوئے جن کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے نبوت اور بادشاہت دونوں جمع کر دیں اور وہ علم [illegible] جو ان سے پہلے یا بعد کسی کو نہ ملا۔ جن، ہوا اور پرندوں وغیرہ [illegible] جیسا کہ [illegible] آگے آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤدؑ سے [illegible] حضرت سلیمانؑ ہوئے اس سے مراد مال کی وراثت نہیں بلکہ علم و نبوت کی وراثت ہے اگر مالی میراث مراد ہوتی تو اس میں صرف حضرت سلیمانؑ ہی کا نام نہ آتا کیونکہ حضرت داؤدؑ کی سو بیویاں تھیں انبیاء کے مال کی میراث نہیں بٹتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

انبیاء میں مال کی وراثت نہیں ہوتی:

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ [illegible] وراثت سے وراثت علم اور نبوت مراد ہے

وراثت مال نہیں ہوتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث یعنی انبیاء نہ وارث ہوتے ہیں اور نہ مورث۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے ترمذی اور ابوداؤد میں روایت ہے۔

العلماء ورثة الانبياء وان الانبياء لم يورثوا دينارا ولا درهما ولكن ورثوا العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر یعنی علماء انبیاء کے وارث ہیں یعنی نبیوں میں وراثت علم اور نبوت کی ہوتی ہے مال کی نہیں ہوتی۔ حضرت ابوعبداللہ کی روایت اس مسئلہ کو اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے (روح عن الکلینی) عقلی طور پر بھی یہاں وراثت مال مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی اولاد میں انیس بیٹوں کا ذکر آتا ہے اگر وراثت مال مراد ہو تو یہ بیٹے سب کے سب وارث ٹھہریں گے پھر وراثت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وراثت وہ مراد ہے جس میں بھائی شریک نہ تھے بلکہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام وارث بنے اور وہ صرف علم اور نبوت کی وراثت ہی ہو سکتی ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا ملک و سلطنت بھی حضرت سلیمانؑ کو عطا فرما دیا اور اس میں مزید اضافہ اس کا کر دیا کہ آپ کی حکومت جنات اور وحوش و طیور تک عام کر دی، ہوا کو آپ کے لئے مسخر کر دیا، ان دلائل کے بعد طبرسی کی وہ روایت غلط ہو جاتی ہے جس میں انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت کے حوالے سے مال کی وراثت مراد لی ہے (روح)

حضرت سلیمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیانی عرصہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وورث سلیمن داود اور سلیمانؑ داؤدؑ کے وارث ہوئے یعنی نبوت کے حکومت کے اور علم کے وارث ہوئے۔ قتادہ نے یہی تفسیر کی اخرجہ عبد بن حمید وابن المنذر وابن ابی حاتم شیعہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ انبیاء بھی دوسروں کو اپنا وارث بناتے ہیں۔ لیکن شیعہ فرقہ کا یہ استدلال بجائے فائدہ کے ان کو نقصان پہنچاتا ہے اگر سلیمانؑ داؤدؑ کے مال کے وارث ہوئے یہ صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داؤدؑ کے جو دوسرے اٹھارہ بیٹے تھے ان کو باپ کے مال میں سے کچھ نہیں ملا سب کے وارث سلیمانؑ ہو گئے وراثت کا معنی یہ ہے کہ ایک شئی دوسرے کی طرف بغیر کسی بیع شراء اور ہبہ اور عاریت وغیرہ کے منتقل ہو جائے خواہ وہ دونوں آپس میں قرابت دار ہوں یا نہ ہوں اللہ نے فرمایا ہے واورثنها بني اسرائيل ہم نے اس سرزمین کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں جو لا نورث کا لفظ آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ کوئی آدمی (خواہ کتنا ہی عزیز اور قرابتدار ہو) کسی نبی کے مال کا وارث نہیں ہوتا بلکہ نبی کی وفات کے بعد اس کا مال وقف قرار پائے گا اور اللہ براہ راست اس کا مالک ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت داؤدؑ کو اللہ نے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں وہ نعمتیں سب حضرت سلیمان کو عطا فرما دیں بلکہ تسخیر ہوا اور تسخیر شیاطین یہ دونوں چیزیں زیادہ عنایت فرمائیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ
اور بولا اے لوگو ہم کو سکھائی ہے بولی اڑتے جانوروں کی

پرندوں کی بولیاں:

اس بات کا انکار کرنا بداہت کا انکار ہوگا کہ پرندے جو بولیاں بولتے ہیں اُن میں ایک خاص حد تک افہام و تفہیم کی شان پائی جاتی ہے ایک پرند جس وقت اپنے جوڑے کو بلاتا یا دانہ دینے کے لئے اپنے بچوں کو آواز دیتا یا کسی چیز سے خوف کھا کر خبردار کرتا ہے ان تمام حالات میں اُس کی بولی اور لب ولہجہ یکساں نہیں ہوتا چنانچہ اُس کے مخاطبین اس فرق کو بخوبی محسوس کرتے ہیں۔ اس سے ہم سمجھتے ہیں کہ دوسرے احوال و ضروریات کے وقت بھی اُن کے لہجوں میں (گو ہمیں کتنے ہی متشابہ و متعارف معلوم ہوں) ایسا لطیف وخفیف تفاوت ہوتا ہوگا جسے وہ آپس میں سمجھ لیتے ہوں گے۔ تم کسی پوسٹ آفس میں چلے جاؤ اور تار کی متشابہ کھٹ کھٹ گھنٹوں سنتے رہو، تمہارے نزدیک محض بے معنی حرکات واصوات سے زیادہ وقعت نہ ہوگی لیکن ٹیلی گراف ماسٹر فوراً بتا دے گا کہ فلاں جگہ سے فلاں آدمی یہ مضمون کہہ رہا ہے یا فلاں لیکچرر کی تقریر انہی تاروں کی کھٹ کھٹ میں صاف سنائی دے رہی ہے۔ یہ مرد وان فقرات تلغرافیہ کی دلالت وضعیہ سے پوری طرح واقف ہے۔ کیا بعید قیاس ہے کہ واضع حقیقی نے نغمات طیور کو بھی مختلف معانی ومطالب کے اظہار کے لئے وضع کیا ہو۔ اور جس طرح انسان کا بچہ اپنے ماں باپ کی زبان سے آہستہ آہستہ واقف ہوتا رہتا ہے طیور کے بچے بھی اپنی فطری استعداد سے اپنی نوع کی بولیوں کو سمجھنے لگتے ہوں اور بطور ایک پیغمبرانہ اعجاز کے حق تعالیٰ کسی نبی کو بھی اُن کا علم عطا فرما دے۔ حیوانات کے لئے جزئی ادراکات کا حصول تو پہلے سے مسلم چلا آتا ہے لیکن یورپ کی جدید تحقیقات اب حیوانات کی عاقلیت کو آدمیت کی سرحد سے قریب کرتی جاتی ہیں حتیٰ کہ حیوانات کی بولیوں کی ابجد تیار کی جا رہی ہے قرآن کریم نے خبر دی تھی کہ ہر چیز اپنے پروردگار کی

تسبیح و تحمید کرتی ہے جسے تم سمجھتے نہیں اور ہر پرندہ اپنی صلوٰۃ و تسبیح سے واقف ہے احادیث صحیحہ میں حیوانات کا تکلم بلکہ جمادات مخصبہ کا بات کرنا اور تسبیح پڑھنا ثابت ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اپنے خالق کی اجمالی مگر صحیح معرفت ہر چیز کی فطرت میں تہ نشین کردی گئی ہے پس اُن کی تسبیح و تحمید یا بعض محاورات و خطابات پر بعض بندگان خدا کا بطور خرق عادت مطلع کردیا جانا از قبیل محالات عقلیہ نہیں۔ ہاں عام عادت کے خلاف ضرور ہے۔ سو اعجاز و کرامت اگر عام عادت اور معمول کے موافق ہوا کرے تو اعجاز و کرامت ہی کیوں کہلائے (خوارق عادت پر ہم نے مستقل مضمون لکھا ہے اُسے ملاحظہ کر لیا جائے) بہرحال اس رکوع میں کئی معجزے اس قسم کے مذکور ہیں۔ جن میں زائغین نے عجیب طرح کی رکیک اور بے تحریفات شروع کردی ہیں، کیونکہ بعض طیور کا اپنی بولی میں آدمیوں سے بعض علوم کو ادا کرنا، یا چیونٹیوں کا آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب بنانا اور سلیمان پیغمبر کا اُن کو سمجھ لینا یہ سب باتیں اُن کے نزدیک ایسی لغو اور احمقانہ ہیں جن پر ایک بچہ بھی یقین نہیں کرسکتا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ تمام محققین اور علماء سلف و خلف کی نسبت خیال کرنا کہ وہ ایسی پچی، لغو در بدیہی البطلان باتوں کو جنہیں ایک بچہ اور گنوار بھی نہیں مان سکتا تھا بلا تردید و تنقید بیان کرتے چلے آئے اور ان اوہام کو رد کرکے مضمون آیات کی صحیح حقیقت جو تم پر آج منکشف ہوئی ہے کسی نے بیان نہ کی؟ یہ خیال اُن باتوں سے بھی بڑھ کر لغو اور احمقانہ ہے جن کی لغویت کو تم تسلیم کرانا چاہتے ہو۔ علماء سے ہر زمانہ میں غلط فہمی یا خطاء و تقصیر ہوسکتی ہے۔ مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ شب و روز کی جن محسوسات اور پیش پا افتادہ حقائق کو انسان کا بچہ بچہ جانتا ہے وہ صدیوں تک بڑے بڑے عقلمند اور محقق علماء کو ایک دن بھی نظر نہ آتی ہوں۔ یاد رہے کہ ہم اسرائیلی خرافات کی تائید نہیں کر رہے۔ ہاں جس حد تک اکابر سلف نے بلا اختلاف کلام الٰہی کا مدلول بیان کیا ہے اُس کو ضرور تسلیم کرتے ہیں خواہ وہ اسرائیلی روایت کے موافق پڑ جائیں یا مخالف۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانوروں کی بولیوں کا علم:

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی منطق الطیر کا علم عطا فرمایا۔ جانوروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور اونٹ کا آپ سے شکایت کرنا اور درختوں اور پتھروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو السلام علیک یارسول اللہ کہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

اور اس قسم کی کرامتوں کا نمونہ فاروق اعظمؓ کو بھی عطا ہوا۔ حضرت عمرؓ کا عین خطبہ میں یا ساریۃ الجبل الجبل کہنا۔ اور حضرت ساریہ کا میدان کا رزار میں حضرت عمرؓ کی آواز سننا۔ روایات معتبرہ سے ثابت ہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک بار زلزلہ آیا تو حضرت عمرؓ نے زمین پر پاؤں مارا اور کہا کہ اے زمین میں تجھ پر عدل اور انصاف جاری کئے ہوئے ہوں اور تو حرکت کر رہی ہے زمین فوراً ساکن ہوگئی اور دریائے نیل کے نام حضرت عمرؓ کے ایک پرچہ لکھنے کا بھی واقعہ مشہور ہے دریائے نیل خشک ہوگیا تھا حضرت عمر کا یہ پرچہ ڈالتے ہی جاری ہوگیا۔ (معارف کاندھلوی)

اپنے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے بشرطیکہ تکبراً نہ ہو:

عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا الخ، حضرت سلیمان علیہ السلام نے باوجود خود اکیلے ہونے کے اپنے لئے جمع کا صیغہ شاہانہ محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے تاکہ رعایا پر رعب پڑے اور رعایا اطاعت خداوندی اور اطاعت سلیمان علیہ السلام میں سستی نہ کریں۔ اسی طرح امراء، حکام اور افسران کو اپنی رعایا کی موجودگی میں اپنے لئے جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں جبکہ وہ سیاسۃً اور اظہار نعمت کی غرض سے ہو تکبر و تعلّی کے لئے نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

مختلف پرندوں کی نصیحتیں:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت کعبؓ نے فرمایا حضرت سلیمانؑ کے پاس جنگلی کبوتر نے آواز نکالی تو آپ نے پوچھا کیا تم کو معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے مرنے کے لئے جنو اور ویران ہونے کے لئے عمارتیں بناؤ۔ فاختہ چیخی تو آپ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے کاش یہ مخلوق پیدا نہ کی جاتی۔ مور چیخا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہا ہے جیسا دوسروں سے معاملہ کرو گے ویسا ہی تم سے کیا جائے گا۔ ہدہد بولا تو پوچھا یہ کیا کہہ رہا ہے تمہیں معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے جو رحم نہیں کرے گا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔ ترمتی (باز اور شکرہ کی طرح شکاری پرندہ) نے آواز دی تو پوچھا تم جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے حاضرین نے کہا نہیں۔ فرمایا یہ کہہ رہی ہے گناہگارو اللہ سے معافی کی درخواست کرو۔ ٹیہو (ایک قسم کا مرغ) چیخا تو پوچھا تم کو معلوم ہے یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے ہر زندہ مرے گا اور ہر نیا پرانا فرسودہ ہوگا۔ خطاف (ابابیل کی قسم کا پرندہ جس کے بازو بہت لمبے ہوتے ہیں اور بہت تیز اڑتا ہے) چیخا تو پوچھا کیا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے پہلے سے نیکی بھیجو (وہاں) تم کو مل جائے گی۔ کبوتری نے آواز دی تو فرمایا یہ کیا کہہ رہی ہے تم کو معلوم ہے حاضرین نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے پاکی بیان کرو میرے رب برتر کی اتنی کہ آسمانوں اور زمین کو بھر دے۔ قمری چیخی تو پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہی ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہی ہے میرے رب اعلیٰ کی پاکی بیان کرو۔ فرمایا کوا عشر وصول کرنے والے (کل مال کا دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرنے والے) کو بددعا دیتا ہے اور چیل کہتی ہے سواء اللہ کے ہر چیز کو فنا

ہے اور مستغفرہ کہتی ہے جو خاموش رہا محفوظ رہا اور طوطا کہتا ہے [illegible] ہے اس سے جس کا مقصد دنیا ہے اور مینڈک کہتا ہے میرے رب قدوس کی پاکی بیان کرو اور [illegible] کہتا ہے میرے رب کی پاکی بیان کرو اور [illegible] مینڈک کہتی ہے پاکی بیان کرو اس کی جس کا [illegible] ہر زبان پر ہے۔

منقول ہے کہ سلیمان کے پاس ایک [illegible] چڑیا تو آپ نے پوچھا جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے لوگوں نے کہا نہیں فرمایا یہ کہہ رہا ہے الرحمن علی العرش استوی (رحمن عرش پر متمکن ہے) فرقد کی کا بیان ہے ایک مینڈک درخت پر بیٹھا سر ہلا رہا تھا اور دم نیچے کو جھکا رہا تھا (اور بول رہا تھا) حضرت سلیمان علیہ السلام نے [illegible] فرمایا جانتے ہو یہ [illegible] اللہ اور اس کا نبی ہی خوب واقف ہیں فرمایا یہ [illegible] [illegible]

حضرت ابن عباسؓ سے یہودیوں کے سوال

روایت میں آتا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت نے حضرت ابن عباسؓ سے کہا ہم سات چیزوں کے متعلق آپ سے دریافت کرتے ہیں اگر آپ نے بتا دیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سمجھنے کے لئے پوچھتے ہو ضد سے نہیں پوچھتے یہودیوں نے پوچھا یہ پرندوں (ایک خوش آواز چڑیا) اپنے گانے میں یہ کہتا ہے اور مینڈک اپنی ٹرٹر میں یہ کہتا ہے اور مرغ اپنی بانگ میں یہ کہتا ہے اور گدھا اپنے رینگنے میں یہ کہتا ہے اور گھوڑا اپنی ہنہناہٹ میں یہ کہتا ہے اور زرزور اور تیتر یہ کہتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا چنڈول کہتا ہے اے اللہ محمد اور آل محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت کر اور مرغ کہتا ہے غافلو [illegible] کرو۔ اور مینڈک کہتا ہے پاک ہے وہ معبود جس کی عبادت سمندروں کے کناروں میں بھی کی جاتی ہے اور گدھا کہتا ہے [illegible] (ٹیکس) وصول کرنے والے پر لعنت کر۔ گھوڑا جب معرکہ میں صفوں مقابل پر ہوتا ہے تو کہتا ہے سبوح قدوس رب الملائکہ والروح۔ پاک اور مقدس ہے ملائکہ اور جبرئیل کا رب۔ زرزور کہتا ہے اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر روز کی روزی اسی روز عطا فرما اور تیتر کہتا ہے الرحمن علی العرش استوی۔ یہودی یہ جواب سن کر مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام اچھا رہا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا قول:

حضرت امام جعفر صادق نے اپنے والد کی وساطت سے اپنے دادا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب گدھ چلاتا ہے تو کہتا ہے اے آدم کے بیٹے جی لے جب تک چاہے آخر موت ہے عقاب چیختا ہے تو کہتا ہے لوگوں سے دور رہنے میں سلامتی ہے اور چنڈول چیختا ہے تو کہتا ہے اے اللہ [illegible]

محمد سے بغض رکھنے والوں پر لعنت بھیج اور خطاف چلاتا ہے تو کہتا ہے الحمد للہ رب العلمین اور الضالین وہ بھی [illegible] قاری کھینچتا ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں [illegible] پرندوں کی آوازوں کی جو تشریح حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور جو تفصیل کعب احبار اور فرقد کے اقوال میں آئی ہے ان سب کا تعلق ممکن ہے کسی خاص [illegible] سے ہو (حضرت سلیمان کے سامنے کسی وقت پرندوں نے [illegible] ہو) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ جانور جب بھی بولتے ہیں تو یہی کہتے ہیں۔ [illegible] اس صورت میں ہدہد اور چیونٹی کا [illegible] تعلق [illegible] قصے [illegible] [illegible] سوال کے جواب میں جو حضرت ابن عباسؓ نے [illegible] [illegible] یہ بات ہمیشہ کی یا لحاظ نہیں [illegible] یہ روایت [illegible] [illegible]

حضرت داؤدؑ کی وفات

مسند امام احمدؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد بہت ہی غیرت والے تھے جب آپ باہر [illegible] جاتے تو دروازہ بند کر کے جاتے پھر کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی ایک مرتبہ آپ کی طرح باہر [illegible] [illegible] بیوی صاحبہ کی نظر اٹھی تو دیکھتی ہیں [illegible] ایک صاحب کھڑے ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] یہ کہنے لگے [illegible] [illegible] خدا کی قسم حضرت داؤد [illegible] ہماری بڑی رسوائی ہوگی اتنے میں حضرت داؤد بھی [illegible] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضرت داؤد سمجھ گئے [illegible] [illegible] ملک الموت ہیں۔ [illegible] ملک الموت نے آپ کی روح قبض کی۔ سورج نکل آیا [illegible] حضرت سلیمان نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت داؤد پر سایہ کریں انہوں نے اپنے پر کھول کر ایسی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

ایک اللہ والے کا عجیب قصہ:

حضرت [illegible] ایک ولی اللہ شخص تھے پیر اور خمیس کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے تھے۔ [illegible] ایک آنکھ سے کانے تھے۔ سلیمان بن زید نے ان سے آنکھ کے جانے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے [illegible] بتانے سے انکار [illegible] پیچھے پڑ گئے مہینوں گزر گئے نہ وہ بتاتے نہ یہ سوال چھوڑتے۔ آخر تنگ [illegible] فرمایا [illegible] خراسانی میرے پاس [illegible] میں جو

دمشق کے پاس ایک شہر ہے آئے اور مجھ سے کہا کہ میں انہیں برزہ کی وادی میں لے جاؤں۔ میں انہیں وہاں لے گیا انہوں نے انگیٹھیاں نکالیں بخور نکالے اور جلانے شروع کئے یہاں تک کہ تمام وادی خوشبو سے مہکنے لگی اور ہر طرف سے سانپوں کی آمد شروع ہوگئی لیکن یہ بے پرواہی سے بیٹھے رہے کسی سانپ کی طرف التفات تک نہ کرتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ایک سانپ آیا جو ہاتھ بھر کا تھا اور اس کی آنکھیں سونے کی طرح چمک رہی تھی۔ یہ بہت ہی خوش ہوئے اور کہنے لگے خدا کا شکر ہے کہ ہماری سال بھر کی محنت ٹھکانے لگی۔ انہوں نے اس سانپ کو لے کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر کر اپنی آنکھوں میں وہ سلائی پھیر لی۔ میں نے اُن سے کہا کہ میری آنکھوں میں بھی یہ سلائی پھیر دو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ میں نے ان سے منت سماجت کی بمشکل وہ راضی ہوئے اور میری داہنی آنکھ میں وہ سلائی پھیر دی اب جو میں دیکھتا ہوں تو زمین مجھے ایک شیشے کی طرح معلوم ہونے لگی جیسی اوپر کی چیزیں نظر آتی تھیں ایسی ہی زمین کے اندر کی چیزیں بھی دیکھ رہا تھا۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ چھا اب آپ ہمارے ساتھ ہی کچھ دور چلئے۔ میں نے منظور کر لیا وہ باتیں کرتے ہوئے مجھے ساتھ لئے ہوئے چلے۔ جب میں بستی سے بہت دور نکل گیا تو دونوں نے مجھے دونوں طرف سے پکڑ لیا اور ایک نے اپنی انگلی ڈال کر میری آنکھ نکال لی اور پھینک دی۔ اور مجھے یونہی بندھا ہوا وہیں پٹک کر دونوں کہیں چل دیئے۔ اتفاقاً وہاں سے ایک قافلہ گزرا اور انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھ کر رحم کھایا قید و بند سے مجھے آزاد کیا اور میں چلا آیا، یہ قصہ ہے میری آنکھ کے جانے کا (ابن عساکر) (تفسیر ابن کثیر)

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
اور دیا ہم کو　　ہر چیز　　میں سے

یعنی ایک عظیم الشان سلطنت و نبوت کے لئے جو چیزیں اور سامان درکار تھے وہ عطا فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

عُلِّمْنَا اور اُوْتِيْنَا جمع متکلم کے صیغے ہیں حضرت سلیمانؑ نے اپنے ساتھ حضرت داؤدؑ کو شامل کر کے جمع متکلم کے صیغے استعمال کئے۔ حضرت سلیمانؑ نے اپنے متبعین کو شامل کر کے یہ لفظ کہے۔ کیونکہ آپکے متبعین کو آپ کی وساطت سے وہ علم اور وہ انعام ملا جو اللہ نے آپکو عطا فرمایا تھا۔ یا اصول سیاست کو پیش نظر رکھ کر حضرت سلیمانؑ نے شاہانہ الفاظ استعمال کئے بادشاہ اپنے کو ہم کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کُلِّ شَيْءٍ سے دنیا اور آخرت سے تعلق رکھنے والی ہر چیز مراد ہے مقاتل نے کہا نبوت حکومت اور شیاطین و ہوا کی تسخیر مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝ وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ
بیشک یہی ہے فضیلت صریح　اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس اسکے لشکر
مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝
[illegible] پھر ان کی جماعتیں بنائی جاتی تھیں

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر:

یعنی سلیمان علیہ السلام جب کسی طرف کوچ کرتے تو جن انس طیور تینوں قسم کے لشکروں میں سے حسب ضرورت و مصلحت ساتھ لئے جاتے تھے۔ اور ان کی جماعتوں میں خاص نظم و ضبط قائم رکھا جاتا تھا۔ مثلاً پچھلی جماعتیں تیز چل کر یا اڑ کر اگلی جماعتوں سے آگے نہیں نکل سکتی تھیں۔ نہ کوئی سپاہی اپنے متعین مورچہ یا پوزیشن کو چھوڑ کر جا سکتا تھا جس طرح آج بری، بحری اور ہوائی طاقتوں کو ایک خاص نظم و ترتیب کے ساتھ کام میں لایا جاتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ نے یہ بات اداء شکر کے طور پر کہی اظہار فخر کے لئے نہیں کہی جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور (یہ بات) فخر (کے طور پر) نہیں ہے اور قیامت کے دن آدم کے سوا سب لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی جو بات فرمائی وہ اس حکم کی تعمیل کے طور پر تھی جو آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ میں دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کی حکومت:

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان نے ساری روئے زمین پر سات سو برس اور چھ ماہ تمام جن وانس اور پرندوں اور چرندوں اور درندوں پر حکومت کی اور ہر چیز کی بولی اللہ نے ان کو سکھا دی تھی اور انہیں کے زمانہ میں عجیب عجیب صنعتوں کی ایجاد ہوئی۔

محمد بن کعب نے کہا سلیمان کی لشکر گاہ سو فرسخ تھی ۲۵ فرسخ جنات کے لئے ۲۵ فرسخ آدمیوں کے لئے ۲۵ فرسخ پرندوں کے لئے اور ۲۵ فرسخ جنگلی جانوروں کے لئے سلیمانؑ کے ایک ہزار کمرے تھے جو لکڑی کے تختوں کے فرش پر قائم تھے تین سو منکوحہ بیبیاں تین سو گھروں میں رہتی تھیں اور سات سو باندیاں سات سو گھروں میں۔ سلیمانؑ کے حکم سے تند ہوا اس تخت کو اٹھا کر اوپر کو لے جاتی تھی پھر بحکم سلیمانؑ نرم نرم ہوا اس کو لے کر چلتی تھی۔ (ایک روز) جو آپ کہیں جا رہے تھے اور آسمان و زمین کے درمیان تھے کہ اللہ نے وحی بھیجی میں نے تمہاری حکومت میں اضافہ کر دیا ہے اب کوئی مخلوق جہاں بھی کوئی بات کرے گی ہوا وہ بات لا کر تم کو پہنچا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ

[illegible]

چیونٹیوں کی وادی پر گذر:

یعنی سلیمان کا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ایک [illegible] جہاں چیونٹیوں کی بڑی بھاری بستی تھی۔ (تنبیہ) جہاں چیونٹیاں [illegible] خاص حیثیت [illegible] ہیں [illegible] عرب میں [illegible] ہیں (چیونٹیوں کی بستی) مفسرین نے مختلف [illegible] حسب اتفاق حضرت سلیمان [illegible]

حضرت سلیمانؑ کے سفری انتظامات

[illegible] تھے [illegible] کی بڑی بڑی دیگیں بھی ہوتی تھیں [illegible] جب چوپائے میدان بھی اپنے سامنے [illegible] وزمین کے درمیان چوپائے اپنے میدانوں میں [illegible] اور روٹیاں پکانے میں مشغول رہتے تھے ہوا ان سب کو لے کر چلتی تھی۔

مدینہ اور مکہ سے حضرت سلیمانؑ کا گذر

ایک بار اصطخر سے یمن کو جاتے میں مدینہ [illegible] گزرے اور فرمایا یہ نبی آخر الزماں کی ہجرت کا [illegible] سے جو ان سے [illegible] ایمان [illegible] اور خوش [illegible]

[illegible] آگے بڑھ گئے تو تعبیر رونے لگا اللہ نے کعبہ کے پاس [illegible] فرمایا) تیرے رونے کا کیا سبب ہے کعبہ نے کہا اے میرے رب مجھے اس بات [illegible] تیرا نبی تھا اور تیرے [illegible] طرف سے گزرے اور میرے [illegible] نماز نہیں پڑھی [illegible] مجھے چھوڑ کر [illegible] بعد میں تجھے سجدہ [illegible] قرآن نازل کروں گا اور تیرے اندر سے آخر زمانہ میں ایک نبی پیدا [illegible] میں اپنے انبیاء سے محبت رکھتا ہوں [illegible] آباد کروں گا جو میری عبادت کریں گے اور میں اپنے بندوں پر ایک [illegible]

[illegible] (وادی تیری [illegible] [illegible] پھر سلیمان چلتے چلتے [illegible] [illegible] اس وادی کی چیونٹیاں [illegible] [illegible] چیونٹی [illegible]

قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ

[illegible]

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ

[illegible]

چیونٹی کا اعلان

[illegible] جیونٹیوں کی آوازوں (آدمی) نہیں سنتا انہیں (سلیمان علیہ السلام کو) معلوم ہوگئی یہ ان کا معجزہ ہوا۔

چیونٹیوں کی معاشرت کا نظام:

(تنبیہ) [illegible] بہت [illegible] قریب واقع ہوا ہے [illegible] تقسیم عمل [illegible] چیونٹیوں کی [illegible] معلومات [illegible] معروف [illegible] کے آخری جملے نقل کرتا ہوں فمن ذاهم غذو قرية النمل حنتت العمه وحرحت لحود لقتل والصال فحرج اولا واحد معها لالا ستطلاع ثم يعود فحبرابمارای وبعد هيهة

تخرج ثلاثة او اربعة يتبعها عدد كثيف من الحبوش بادية عليهم، علائم الحق فتلدغ كل ما صادفته ولا تفلتُ مَنْ تلدغه ولو قطعتُ اربا اربا فاذا انتهى القتال رَجع الفعلةُ فاعادوابناء ما تهدم يتخللها عدد من الجنود للحراسة لاللعمل [illegible] میں بتایا ہے [illegible] ایسے چیونٹی [illegible] قوم واپنی معلومات [illegible] سلیمان کا [illegible] پتہ [illegible]

حیوانوں میں بھی ایک درجہ کی عقل موجود ہے:

پرندوں اور چیونٹی میں بھی [illegible] پرندے اور چرندے [illegible] ہے ابتدا ان کی عقول [illegible] اور انسان اور جنات کو عقل و شعور کا وہ کامل درجہ عطا ہوا [illegible] تعالیٰ کے مخاطب [illegible] پرندوں میں [illegible] عقلمند [illegible] قوت [illegible] کا فیہ [illegible] (قرطبی) [illegible]

چیونٹی کا اندازِ خطاب:

[illegible] مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کرنے کی وجہ [illegible] متعلق [illegible] مستعمل ہیں عورتوں [illegible] جمادات کی ضمیریں استعمال کر لی جاتی ہیں [illegible] جمادات کے ساتھ شامل کر دیا جاتا ہے لیکن حیوانات [illegible] سے کلام کرتے ہیں تو وہ [illegible] عقل [illegible] خطاب کرتے ہیں [illegible] یہ چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں [illegible] صیغہ تعبیر [illegible] جس سے مخاطب اہل عقل ہوتے ہیں۔

لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ [illegible] (حطم) [illegible] حضرت سلیمانؑ اور ان کی فوج [illegible] روئے خطاب تو دوسری چیونٹیوں کی طرف [illegible] حضرت سلیمانؑ [illegible] کی جانب نہیں تھا [illegible] حقیقت [illegible]

ممانعت ہے تاکہ پامال ہونے سے بچ جاؤ جیسے عرب کہتے ہیں [illegible] میں تجھے یہاں نہ دیکھوں یعنی یہاں نہ ٹھہرنا (یا پھر نہ آنا)۔

حضرت سلیمانؑ اور ان کے لشکر کے متعلق چیونٹی کا حسن ظن.

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ [illegible] حالت میں کہ ان کو پتہ بھی نہ ہو۔ کیونکہ [illegible] روند دیں گے۔ گویا یہ حضرت سلیمانؑ اور آپ [illegible] معذرت کا اظہار [illegible] یہ قصور [illegible] سرزد نہ ہوگا۔

[illegible] بھی سمجھ نہیں کہ وہ صحابہ کرام کی جانب [illegible] قائل ہیں۔

اہل معرفت کا قول

بعض اہل عرفان نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا ایسا نہ ہو کہ تم حضرت سلیمانؑ کے لشکر اور ان کے ساز و سامان اور شان و شوکت کی [illegible] میں اتنی مشغول ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے بھی [illegible] یہ بات سلیمان [illegible] جو تعلق بات [illegible] (تفسیر مظہری)

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا

[illegible]

حضرت سلیمانؑ کا تعجب اور خوشی:

[illegible] تعجب [illegible] سرور [illegible] والے شکر کا [illegible]

اس چیونٹی [illegible] صاحب جان بوجھ کر کسی پر ظلم و [illegible] زیادہ عقلمند تھی جو صحابہ کرام سے [illegible] حضرت سلیمانؑ نے [illegible] کو سن لیا اور سمجھ گئے پس سلیمان علیہ السلام اس کی اس بات سے [illegible] خوش ہوئے [illegible] کو بھی سمجھ پر [illegible] ظلم نہیں کریں گے [illegible] عظیم نعمت اور کرامت ہے اس ایک نعمت [illegible] نعمت کو چھوڑ کر منعم حقیقی کی طرف متوجہ ہو گئے [illegible]

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا پس سلیمان مسکراتے ہوئے ہنس پڑے یہاں کچھ کلام محذوف ہے اور اسی پر عطف ہے پورا کلام اس طرح تھا سلیمان نے چیونٹی کی بات سن لی اس کا مطلب سمجھ یا مطلب سمجھ کر خوش ہوئے اور اس بات سے بھی ان کو مسرت ہوئی کہ چیونٹی نے آپ کو اور آپ کی فوج کو عادل سمجھا یہ تمام باتیں سمجھ کر آپ خوش ہوئے اور مسکرا دیئے۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کو چیونٹی کی دانش مندی اور احتیاط سے تعجب ہوا اور اس بات پر بھی اچنبھا ہوا کہ ایک حقیر چیونٹی نے اپنی قوم کے بچاؤ کے راستے بتائے۔ ان باتوں پر آپ کو تعجب ہوا اور آپ مسکرا دیئے۔

انبیاء کی ہنسی:

صاحکا یعنی حضرت سلیمان کا تبسم ضحک کی حد تک پہنچ گیا (گویا ہنس دیئے) زجاج نے کہا انبیاء کی ہنسی اکثر بصورت تبسم ہی ہوتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شروع میں مسکرائے ہوں پھر ہنس دیئے ہوں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی بھرپور ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلق کا کوا نظر آگیا ہو آپ صرف مسکرا دیا کرتے تھے۔ رواہ البخاری۔

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء کا بیان ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو مسکراتے نہیں دیکھا رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيٓ
اور بولا اے میرے رب میری قسمت میں دے کہ شکر کروں تیرے
أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا
احسان کا جو تو نے کیا مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں کام نیک
تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ
جو تو پسند کرے اور ملا دے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں

توفیق شکر کی دُعاء:

یعنی حیران ہوں تیرے انعامات عظیمہ کا شکر کس طرح ادا کروں، بس آپ ہی سے التجاء کرتا ہوں کہ مجھے پورا شاکر بنا دیجئے زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔ اور اعلیٰ درجہ کے نیک بندوں میں (جو انبیاء و مرسلین ہیں) محشور فرمایئے۔ (تفسیر عثمانی)

عمل صالح کیلئے قبولیت کی دُعاء:

وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ یہاں رضا بمعنی قبول ہے، معنی یہ ہیں کہ یا اللہ مجھے ایسے عمل صالح کی توفیق دیجئے جو آپ کے نزدیک مقبول ہو۔ روح المعانی میں اس سے اس پر استدلال کیا ہے کہ عمل صالح کے لئے قبولیت لازم نہیں ہے بلکہ قبولیت کچھ شرائط پر موقوف ہوتی ہے، اور فرمایا کہ صالح اور مقبول ہونے میں نہ عقلاً کوئی لزوم ہے نہ شرعاً۔ اسی سے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ اپنے اعمال صالحہ کے مقبول ہونے کی بھی دُعا کرتے تھے جیسے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کے وقت دُعا فرمائی، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اس سے معلوم ہوا کہ جو عمل نیک ہے صرف اس کو کر کے بے فکر ہونا نہیں چاہئے، اللہ تعالیٰ سے یہ بھی دُعا کرے کہ اس کو قبول فرمائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ان کلمات میں دخول جنت کے لئے **فصل ربی** کی دُعا فرما رہے ہیں یعنی اے اللہ، مجھے وہ فضل بھی عطا فرما جس سے جنت کا مستحق ہو جاؤں۔ (معارف مفتی اعظم)

نکتہ: گزشتہ آیات میں **فهم يوزعون** کا لفظ آیا ہے اور اس آیت میں رَبِّ أَوْزِعْنِيٓ آیا ہے دونوں کا اصل مادہ ایک ہے دونوں لفظ وزع بمعنی منع سے مشتق ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ناشکری سے روک دے اور تیرا شکر میرے پاس رکا رہے اور میں اس کو ایسا باندھ کر رکھوں کہ تیرا شکر میرے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔ **کمافی الکشاف اجعلنی ازع شکر نعمتک عندی واکفه وار تبطه لاینفلت عنی حتی لاانفک شاکر الک** الخ (معارف الصدیق)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ
اور خبر لی اڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہد ہد کو
أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ﴿٢٠﴾
یا ہے وہ غائب

ہُد ہُد کی غیر حاضری:

کسی ضرورت سے سلیمان علیہ السلام نے اڑنے والی فوج کا جائزہ لیا، ہُد ہُد ان میں نظر نہ پڑا۔ فرمایا کیا بات ہے ہُد ہُد کو میں نہیں دیکھتا۔ آیا پرندوں کے جھنڈ میں مجھ کو نظر نہیں آیا یا حقیقت میں غیر حاضر ہے؟ (تنبیہ) پرندوں سے حضرت سلیمان مختلف کام لیتے تھے مثلاً ہوائی سفر میں ان کا پرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے رہنا ہے جا بجا ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا، نامہ بری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے اس وقت ہُد ہُد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو۔ مشہور ہے کہ جس جگہ زمین کے نیچے پانی قریب ہو ہُد ہُد کو محسوس ہو جاتا ہے۔ اور یہ کچھ مستبعد نہیں کہ حق تعالیٰ کسی جانور کو کوئی خاص حاسہ انسانوں اور دوسرے جانوروں سے تیز عنایت فرما دے۔ اسی ہُد ہُد کی نسبت نہایت معتبر ثقات نے بیان کیا کہ زمین میں جس جگہ مٹی کے نیچے بیٹھو ہوا سے

محسوس کر کے فوراً نکال لیتے تھے نیز بعض بھی یہ ہے اور یہاں تک زمین کھودتا ہے تب وہاں سے پانی نکلتا ہے۔ (قرطبی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے انسانوں کے علاوہ جنات اور وحوش وطیور پر حکومت عطا فرمائی تھی اور جیسا کہ حکمرانی کا اُصول ہے رعایا کے حالات کی خبر گیری حاکم کے فرائض میں سے ہے اس کے مطابق اس آیت میں بیان فرمایا وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ یعنی سلیمان علیہ السلام نے اپنی رعایا [illegible] کے حالات پر نظر رکھتے تھے [illegible] باخبر رہتے اور ہر ایک کی ضرورت کا خیال رکھتے تھے [illegible] سے تشریف لے جاتے تھے [illegible] تلاش میں جاتے تھے وہاں سے بندوبست فرماتے تھے۔

حاکم کو اپنی رعیت کی اور مشائخ کو اپنے شاگردوں اور مریدوں کی خبر گیری ضروری ہے۔

[illegible] ثابت ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی رعایا کے ہر طبقہ پر نظر رکھتے اور ان کے حالات سے باخبر رہتے تھے یہاں تک کہ ہد ہد جو طیور میں چھوٹا اور کمزور بھی ہے اور اس کی تعداد بھی دنیا میں بہ نسبت دوسرے طیور کے کم ہے وہ بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا، [illegible] ہد ہد کے متعلق جو سوال آپ نے فرمایا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے [illegible] کمزوروں پر نظر رکھنے کا زیادہ اہتمام فرماتے [illegible] اپنے زمانہ خلافت میں [illegible] راتوں کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھرتے تھے تاکہ لوگوں کے حالات سے باخبر رہیں، جس شخص کو کسی مصیبت و تکلیف میں [illegible] اس کی امداد فرماتے تھے [illegible] واقعات [illegible] فرمایا کرتے تھے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے [illegible] کوئی بکری کا بچہ بھی بھوک سے مرجائے تو اس کا بھی عمر سے سوال ہوگا۔ (قرطبی)

یہ تھے وہ اصول جہانبانی وحکمرانی جو انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو سکھائے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُن کو عملاً جاری کر کے [illegible] جس کے نتیجہ میں پوری مسلم وغیر مسلم رعایا امن واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتی تھی اور ان کے بعد زمین و آسمان نے اپنے عدل وانصاف اور عام امن وسکون اور اطمینان کا یہ منظر نہیں دیکھا۔

مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے کیا ہو گیا کہ میں ہد ہد کو مجمع میں نہیں دیکھتا۔

اپنے نفس کا محاسبہ

یہاں موقع تو یہ فرمانے کا تھا کہ ہد ہد کو کیا ہو گیا کہ وہ مجمع میں حاضر نہیں۔ عنوان شاید اس لئے بدلا کہ ہد ہد اور تمام طیور کا مسخر ہونا حق تعالیٰ کا یہ انعام تھا، ہد ہد کی غیر حاضری پر ابتداءً یہ خوف دل میں پیدا ہوا کہ شاید مجھ سے کسی قصور کے سبب اس نعمت میں کمی آئی کہ ایک صنف طیور یعنی ہد ہد غائب ہو گیا اس لئے اپنے نفس سے سوال کیا کہ یہ کیوں ہوا، جیسا کہ مشائخ صوفیہ کا معمول ہے کہ جب ان کو کسی نعمت میں کمی آئے یا کوئی تکلیف و پریشانی لاحق ہو تو وہ اس کے ازالہ کے لئے مادی اسباب کی طرف توجہ کرنے سے پہلے اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کے حق شکر میں کون سی کوتاہی ہوئی جس کے سبب یہ نعمت ہم سے لے لی گئی۔ قرطبی نے اس جگہ بحوالہ ابن عربی ان بزرگوں کا یہ حال نقل کیا ہے۔

اذا فقدوا امآلهم تفقدوا اعمالهم

یعنی ان حضرات کو جب اپنی مراد میں کامیابی نہیں ہوتی تو یہ اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہیں کہ ہم سے کیا قصور سرزد ہوا۔ اس ابتدائی محاسبہ نفس اور غور وفکر کے بعد فرمایا أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ اس جگہ حرف ام معنے بل ہے (قرطبی) معنے یہ ہیں کہ یہ بات نہیں کہ ہد ہد کے دیکھنے میں میری نظر نے خطاء کی بلکہ وہ حاضر ہی نہیں۔

طیور میں سے ہد ہد کی تخصیص کی وجہ اور ایک اہم عبرت:

حضرت عبداللہ بن عباس سے سوال کیا گیا کہ تمام پرندوں میں ہد ہد کی تفتیش کی یہ خصوصیت کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام نے کسی ایسے مقام میں قیام فرمایا تھا جہاں پانی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ نے ہد ہد کو یہ خاصیت عطا فرمائی ہے کہ وہ زمین کے اندر کی چیزوں کو اور زمین کے اندر بہنے والے چشموں کو دیکھ لیتا ہے مقصود حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ تھا کہ ہد ہد سے یہ معلوم کریں کہ اس میدان میں پانی کتنی گہرائی میں ہے اور کس جگہ زمین کھودنے سے پانی کافی مل سکتا ہے۔ ہد ہد کی نشاندہی کے بعد وہ جنات کو حکم دیتے کہ اس زمین کو کھود کر پانی کا ذخیرہ جلد نکال لیتے تھے۔ ہد ہد اپنی تیز نظر اور بصیرت کے باوجود شکاری کے جال میں پھنس جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ اور پرندوں کو طلب کیا۔

یعنی پرندوں کے متعلق تفتیش کی اور ان کو طلب کیا۔ تفقد کا معنی ہے گم شدہ چیز کو ڈھونڈنا۔ غرض پرندوں کی تفتیش کرنے کے بعد ہد ہد کو غیر حاضر پایا۔ ہد ہد کو تلاش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ جب حضرت سلیمان کسی منزل پر اترتے تھے تو دھوپ سے بچانے کے لئے پرندے پورے لشکر پر سایہ کر لیتے تھے اور ہد ہد اوپر چڑھ کر زمین کو دیکھتا تھا اور زمین کے اندر پانی کی تلاش کرتا تھا اور پانی کا دور یا قریب ہونا معلوم کرتا تھا کیونکہ اس کو زمین کے اندر کی چیزیں اس طرح نظر آتی

تھیں جیسے شیشہ کے اندر چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ پانی جہاں نظر آ جاتا وہاں جا کر چونچ سے زمین کو کریدتا تھا پھر جنات پہنچ کر زمین کھود کر پانی برآمد کر لیا کرتے تھے، كذا اخرج ابن ابی شيبة و عبد ابن حميد و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و الحاکم۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ پر سوال اور اس کا جواب:

سعید بن جبیر نے کہا جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ فرمایا تو نافع بن ازرق نے کہا اے بیان کرنے والے دیکھ کیا کہہ رہا ہے (سمجھ کے بات کر) ایک بچہ جب جال بچھا کر اس پر مٹی ڈال دیتا ہے (اور اس پر دانہ بکھیر دیتا ہے) تو ہدہد کو جال نظر نہیں آتا اور آ کر پھنس جاتا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تیرا برا ہو جب تقدیری حکم ہو جاتا ہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں جب قضا وقدر آ جاتی ہے تو نظر جاتی رہتی ہے اور نابینا ہو جاتی ہے۔

غرض حضرت سلیمانؑ ایک منزل پر اترے لوگوں نے پانی تلاش کیا نہیں نہیں ملا پانی کی ضرورت سخت تھی حضرت سلیمان نے ہدہد کو تلاش کرایا آپ کو خیال تھا کہ وہ حاضر ہوگا لیکن وہ نہیں ملا۔

فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ پس کہا مجھے کیا ہو گیا ہے مجھے ہدہد دکھائی نہیں دیتا یا (واقعی) وہ غیر حاضر ہے۔ اس جملہ کا عطف تفقد الطیر پر ہے یعنی سلیمانؑ نے پرندوں کو سایہ فگن ہونے کا حکم دیا لیکن دھوپ آپ کے تخت پر دکھائی دی اور پرندوں کی طرف تفتیشی نظر سے دیکھا تو ہدہد کو نہ پایا اور فرمایا۔

یا یوں کہا جائے کہ سلیمان کے لئے تمام لشکر فوجیں جتھے جمع کر دیئے گئے اور وہ ایک منزل پر اترے پانی کی ضرورت ہوئی اور پانی نہ ملا تو ہدہد کو بلوایا ہدہد نہ ملا تو فرمایا۔ مالی میں استفہام تعجبی ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَابًا شَدِيدًا	
اُس کو سزا دوں گا	سخت سزا

مثلاً اُس کے بال و پر نوچ ڈالوں گا۔ (تفسیر عثمانی)

کام میں سستی پر معتدل سزا دینا جائز ہے:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے حق تعالیٰ نے جانوروں کو ایسی سزائیں دینا حلال کر دیا تھا جیسا عام اُمتوں کے لئے جانوروں کو ذبح کر کے ان کے گوشت پوست وغیرہ سے فائدہ اُٹھانا اب بھی حلال ہے۔ اسی طرح پالتو جانور گائے، بیل، گدھا، گھوڑا، اونٹ وغیرہ اپنے کام میں سستی کرے تو اُس کو تادیب کے لئے بقدر ضرورت مارنے کی معتدل سزا اب بھی جائز ہے۔ دوسرے جانوروں کو سزا دینا ہماری شریعت میں ممنوع ہے۔ (قرطبی)

یا یہ مطلب تھا کہ میں اس کے مخالف کے ساتھ اسکو قید کر دوں گا۔ یا یہ معنی تھا کہ میں اس کو ساتھیوں کا خدمت گار بنا دوں گا کہ وہ اپنے ساتھ والوں کی خدمت کرتا رہے حضرت سلیمان کے لئے (ہدہد کو) عذاب دینا جائز تھا۔ (تفسیر مظہری)

أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ	
یا ذبح کر ڈالوں گا	یا لائے میرے پاس کوئی سند صریح

یعنی اپنی غیر حاضری کا واضح عذر پیش کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

مجرم کو عذر کا موقع دینا چاہیے:

وَلَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ یعنی اگر ہدہد نے اپنی غیر حاضری کا کوئی عذر واضح پیش کر دیا تو وہ اس سزا سے محفوظ رہے گا، اس میں اشارہ ہے کہ حاکم کو چاہیے کہ جن لوگوں سے کوئی قصور عمل میں سرزد ہو جائے اُن کو عذر پیش کرنے کا موقع دے، عذر صحیح ثابت ہو تو سزا وہ معاف کر دے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ
پھر بہت دیر نہ کی کہ آ کر کہا میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر
بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ
نہ تھی اور آیا ہوں تیرے پاس سبا سے ایک خبر لے کر تحقیقی

قوم سبا: حضرت سلیمانؑ کو اس ملک کا حال مفصل نہ پہنچا تھا۔ اب پہنچا۔ سبا ایک قوم کا نام ہے اُن کا وطن عرب میں تھا یمن کی طرف (موضح القرآن) گویا ہدہد کے ذریعہ سے حق تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ بڑے سے بڑے انسان کا علم بھی محیط نہیں ہو سکتا، دیکھو جن کی بابت خود فرمایا تھا وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا اُن کو ایک جزئی کی اطلاع ہدہد سے ملی۔ (تفسیر عثمانی)

أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ یعنی ہدہد نے اپنا عذر بتاتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ چیز معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں، یعنی میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔

وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ سبا یمن کا ایک مشہور شہر جس کا ایک نام مارب بھی ہے، اس کے اور یمن کے دارالحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت تھی۔

انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے:

امام قرطبی نے فرمایا کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے اُن کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

کیا چھوٹے آدمی کو یہ حق ہے کہ اپنے بڑوں سے کہے کہ مجھے آپ سے زیادہ علم ہے

ہدہد کی مذکورہ گفتگو سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے

کہ کوئی شخص اپنے استاد سے یا غیر عالم عالم سے کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کا علم مجھے آپ سے زیادہ ہے۔ بشرطیکہ اس کو اس مسئلہ کا واقعی طور پر مکمل علم دوسروں سے زائد ہو۔ مگر روح المعانی میں فرمایا کہ یہ طرز گفتگو اپنے مشائخ اور بڑوں کے سامنے خلاف ادب ہے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور ہدہد کے قول سے اس پر استدلال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس نے یہ بات اپنے آپ کو سزا سے بچانے اور عذر کے قوی ہونے کے لئے کہی ہے تاکہ اس کی غیر حاضری کا عذر پوری طرح حضرت سلیمانؑ کے سامنے آ جائے ایسی ضرورت میں ادب کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی بات کہی جائے تو مضائقہ نہیں۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

چار جانوروں کا قتل ممنوع ہے:

مسند احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار جانوروں کے قتل سے منع فرمایا، چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد یعنی ممولا۔ (تفسیر ابن کثیر)

ہُدہُد کا غیر حاضری کے سبب کا مفصل واقعہ:

غَیْرَ بَعِیْدٍ یعنی لمبا توقف نہیں کیا تھا یا دراز مدت تک نہیں ٹھہرے تھے مطلب یہ کہ حضرت سلیمانؑ کے خوف سے ہدہد جلد واپس آ گیا ہدہد کی غیر حاضری کا سبب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہو کر حرم (کعبہ) کو چلے گئے اور اللہ کی مشیت جتنی تھی اسی کے مطابق وہاں قیام پذیر رہے جب تک مکہ میں رہے روزانہ یانچ ہزار اونٹنیاں پانچ ہزار بیل اور بیس ہزار مینڈھے ذبح کرتے رہے آپ نے اپنی قوم کے سرداروں سے فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں سے نبی عربی جن کے اوصاف یہ ہیں پیدا ہوں گے ان کو مخالفین پر فتیاب کیا جائے گا ان کا رعب ایک ماہ کی مسافت تک پڑے گا نزدیک اور دور ان کے لئے برابر ہو گا اللہ کے معاملہ میں وہ کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے حاضرین نے پوچھا اے اللہ کے نبی ان کا دین کیا ہو گا فرمایا وہ دین توحید (دین حنیفی یعنی دین ابراہیمی) پر چلیں گے خوش ہو اس کے لئے جو ان کو پائے اور ان پر ایمان لائے حاضرین نے دریافت کیا ان کی بعثت میں کتنی مدت باقی ہے حضرت سلیمان نے فرمایا ایک ہزار سال حاضرین کو چاہیے کہ وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں حاضر نہیں ہیں۔ بیشک وہ انبیاء کے سردار اور خاتم المرسلین ہوں گے۔

راوی کا بیان ہے حضرت سلیمانؑ مکہ میں قیام پذیر رہے جب حج پورا کر لیا تو مکہ سے نکلے اور صبح کو مکہ سے روانہ ہو کر یمن کی طرف چل دیئے صنعاء میں زوال کے وقت پہنچ گئے یہ مسافت ایک ماہ کی راہ تھی صنعاء کی سرزمین بڑی ہری بھری تھی آپ نے وہاں اترنے کو پسند کیا تاکہ کھانے پینے سے فراغت حاصل کریں ہدہد نے دیکھا کہ سلیمان تو اترنے میں لگے

ہوئے ہیں اتنے میں آسمان کی طرف اڑ کر زمین کی لمبائی چوڑائی دیکھوں چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اوپر جا کر دائیں بائیں نظر دوڑائی تو بلقیس کا ایک باغ نظر آیا ہدہد اسی طرف چل دیا اور باغ میں اتر گیا وہاں ایک اور ہدہد سے ملاقات ہوئی ہدہد سلیمان اس کے پاس اتر کر پہنچ گیا۔ ہدہد سلیمان کا نام یعفور اور ہدہد یمن کا نام عنفیر تھا عنفیر نے یعفور سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اور کہاں کا ارادہ ہے یعفور نے کہا میں اپنے ملک سلیمان بن داؤد کے ساتھ شام سے آیا ہوں عنفیر نے پوچھا سلیمان کون ہے یعفور نے کہا وہ جن وانس اور شیطانوں وحشی جانوروں پرندوں اور ہواؤں کے بادشاہ ہیں۔ (ان کا حکم سب پر چلتا ہے) تم کہاں کے رہنے والے ہو عنفیر نے کہا اسی ملک کا باشندہ ہوں یعفور نے پوچھا اس ملک کا بادشاہ کون ہے عنفیر نے کہا یہاں کی بادشاہ ایک عورت ہے جس کو بلقیس کہا جاتا ہے بیشک تمہارے آقا کا ملک بڑا ہے لیکن بلقیس کا ملک بھی کم نہیں ہے وہ یمن کی ملکہ ہے اس کے زیر حکم بارہ ہزار سردار ہیں اور ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ جنگی سپاہی ہیں کیا تم میرے ساتھ چل کر اس کی حکومت دیکھنا چاہتے ہو یعفور نے کہا مجھے یہ اندیشہ ہے کہ نماز کے وقت سلیمان کو پانی کی ضرورت ہوئی اور مجھے تلاش کریں گے عنفیر نے کہا تمہارا مالک اس بات سے خوش ہو گا کہ تم اس کو اس ملکہ کی خبر بتاؤ گے غرض یعفور اس کے ساتھ بلقیس کو اور اس کی حکومت کو دیکھنے اور سلیمان کے پاس عصر کے وقت سے پہلے نہ پہنچ سکا ادھر جب سلیمان اتر پڑے تو اس جگہ پانی نہ تھا نماز کا وقت آ گیا اور پانی کی ضرورت ہوئی تو پانی نہیں ملا آپ نے جنات سے آدمیوں سے اور شیاطین سے پانی کے متعلق دریافت کیا کسی کو معلوم نہ تھا کہ پانی کہاں ہے پرندوں کی تلاش کی تو ہدہد کو غیر حاضر پایا پرندوں کے عریف (مانیٹر۔ سردار۔ ناظم) یعنی گدھ کو طلب فرمایا اور ہدہد کے متعلق اس سے پوچھا گدھ نے کہا مجھے معلوم نہیں وہ کہاں ہے میں نے تو اس کو کہیں بھیجا نہیں ہے۔ اس وقت حضرت سلیمان کو غصہ آ گیا اور فرمایا لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَذْبَحَنَّهٗ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ پھر پرندوں کے سردار عقاب کو بلایا اور حکم دیا کہ ہدہد کو پکڑ لا عقاب فوراً اڑا اور آسمان کے نیچے ہوا سے ساتھ چپک ہو گیا وہاں سے اس کو دنیا ایک پیالہ کی طرح نظر آتی تھی اور ادھر نظر دوڑائی تو یمن کی طرف سے ہدہد بھی آتا دکھائی دیا عقاب اس کی طرف چلا ہدہد نے عقاب کو دیکھ کر اپنی طرف آتا دیکھا تو سمجھ گیا کہ عقاب کا ارادہ میرے متعلق برا ہے ہدہد نے اس کو قسم دی اور کہا میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے طاقت عطا کی ہے اور مجھ پر قدرت دی ہے تو مجھ پر رحم کر اور کوئی دکھ پہنچانے کا ارادہ نہ کر عقاب ہدہد کی طرف سے پشت پھیر کر کہا بدبخت تو مر اللہ کے پیغمبر نے قسم کھائی ہے کہ وہ تجھے عذاب دیں گے یا ذبح کر ڈالیں گے اس کے بعد دونوں نے حضرت

سلیمان کی طرف رخ کیا جب قریب پہنچے تو ہدہد اور دوسرے پرندوں نے جا لیا اور کہا رے آج تو دن بھر کہاں غائب رہا اللہ کے پیغمبر نے تیرے متعلق یہ کہا تھا ہدہد نے کہا کیا انہوں نے (اپنی قسم میں) کوئی شرط بھی لگائی تھی پرندوں نے کہا ہاں یہ بھی فرمایا تھا کہ کوئی واضح عذر بیان کرے تو عذاب سے نجات ہو گی ہدہد نے کہا بس تو میں عذاب سے بچ گیا پھر عقاب اور ہدہد حضرت سلیمان کی خدمت میں پہنچے آپ اس وقت کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے ہدہد نے [illegible] اس وقت ہدہد نے سلیمان کے سامنے انکسار و عاجزی کے طور پر اپنی گردن جھکا دی اور دونوں بازو پھیلا کر زمین پر ان کو کھینچتا آیا جب آپ کے قریب پہنچ گیا تو آپ نے اس کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا تو کہاں تھا میں تجھے ضرور سخت عذاب دوں گا ہدہد نے کہا یا نبی اللہ اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے یہ بات سن کر حضرت سلیمان لرز گئے اور ہدہد کو معاف کر دیا پھر غیر حاضری کی وجہ دریافت کی۔

کسی کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہئے:

فَقَالَ اَحَطْتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ (کہ ہدہد آگیا) اور اس نے کہا میں ایک بات پوری پوری معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں۔

احاطہ کسی چیز کا ہمہ جہتی (پورا پورا) علم۔ اللہ تعالیٰ نے ہدہد جیسے حقیر پرندے سے اس کا استعمال یا بطور معجزہ ہوتا یا بطریق مبالغہ خطاب یہ ہے کہ مجھے ایک بات یقینی طور پر معلوم ہوئی ہے جو آپ کے علم میں نہیں ہے ایک ہدہد کا ایک جلیل القدر نبی سے اس طرح خطاب کرنا بتا رہا ہے کہ ادنیٰ جانور کو بھی بعض وہ باتیں معلوم تھیں جو سلیمان کو بھی نہ تھیں اس میں تنبیہ ہے اس امر کی کہ سلیمان علیہ السلام کو اپنے علم پر ناز نہ کرنا چاہیے بلکہ سمجھ لینا چاہیے کہ میرا علم بہت ہی ناقص ہے اس سے شیعہ فرقہ کا اس عقیدہ کا غلط ہونا ثابت ہوتا ہے کہ امام سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی اور اس کے زمانہ میں کوئی بھی اس سے زیادہ اور بڑھ کر عالم نہیں ہوتا۔

سبا یمن کے ایک شہر کا نام ہے جس کا صنعاء سے فاصلہ تین برید ہے بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبا کے متعلق دریافت کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبا ایک آدمی تھا جس کے دس بیٹے تھے جن میں سے چھ دائیں سمت کو چلے گئے اور چار بائیں رخ، پس چھ نے دائیں طرف جا کر آبادی کر لی یہ ملک یمن ہو گیا اور چار نے بائیں جانب جا کر آباد ہوئے یہ آبادی شام کے نام سے موسوم ہوئی۔ ([illegible])

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ
میں نے ایک عورت کو دیکھا جو ان پر بادشاہی کرتی ہے اور اس کو ہر ایک چیز ملی ہے

ہر ایک چیز میں مال و اسباب، فوج، اسلحہ اور حسن و جمال سب آگیا۔

(تفسیر عثمانی)

ملکہ سبا: اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ یعنی میں نے ایک عورت کو پایا جو قوم سبا کی مالک ہے یعنی ان پر حکومت کرتی ہے اس عورت یعنی ملکہ سبا کا نام تاریخ میں بلقیس بنت شراحیل بتایا گیا ہے اور بعض روایت میں ہے کہ اس کی والدہ جنات میں سے تھی جس کا نام ملعمہ بنت شیصان بتایا جاتا ہے (رواہ وہب بن جریر عن الخلیل ابن احمد۔ قرطبی) اور اُن کا دادا ہُدہاد پورے ملک یمن کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جس کی اولاد میں چالیس لڑکے ہوئے سب کے سب ملوک و بادشاہ بنے۔ ان کے والد شراحیل نے ایک جنیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اُسی کے بطن سے بلقیس پیدا ہوئی۔ جنیہ سے نکاح کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ اپنی حکومت و سلطنت کے غرور میں لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میں کوئی میرا کفو نہیں اس لئے میں نکاح ہی نہ کروں گا غیر کفو میں نکاح مجھے پسند نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کا نکاح ایک جنیہ عورت سے کرا دیا (قرطبی) شاید یہ اسی فخر و غرور کا نتیجہ تھا کہ اس نے انسانوں کو جو درحقیقت کفو تھے حقیر و ذلیل سمجھا اور اپنا کفو تسلیم نہ کیا تو قدرت نے اس کا نکاح ایک ایسی عورت سے مقدر کر دیا جو نہ اس کی کفو تھی نہ اس کی جنس و قوم سے تھی۔

کیا انسان کا نکاح جنی عورت سے ہو سکتا ہے:

احادیث صحیحہ سے جنات میں توالد و تناسل اور مرد و عورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں ہیں جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہے۔

دوسرا سوال شرعی حیثیت سے ہے کہ کیا عورت جنیہ کسی انسان مرد کے لئے نکاح کر کے حلال ہو سکتی ہے۔

اس مسئلہ کی تفصیل آکام المرجان فی احکام الجان میں مذکور ہے اس میں بعض ایسے واقعات بھی ذکر کئے ہیں کہ مسلمان مرد سے مسلمان جنیہ کا نکاح ہوا اور اس سے اولاد بھی ہوئی یہاں یہ مسئلہ اس لئے زیادہ قابل بحث نہیں کہ نکاح کرنے والا بلقیس کا والد مسلمان ہی نہ تھا اس کے عمل سے کوئی استدلال جواز یا عدم جواز پر نہیں ہو سکتا اور چونکہ شرع اسلام میں اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور بلقیس کے والد انسان تھے اس لئے بلقیس انسان ہی قرار پائیں گی۔

عورت کی حکمرانی:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپ نے فرمایا لن یفلح قوم ولوا امرھم امراۃ یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔ اسی لئے علماء امت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جا سکتی، بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامت کبریٰ بھی صرف مردوں کو

مذ وار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر برقرار رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکام شرعیہ میں اعتماد کیا جاسکے۔ (معارف مفتی اعظم)

بلقیس.... پیدائش سے حکمرانی تک:

ملکہ سبا کا نام بلقیس بنت شراحیل تھا وہ یعرب بن قحطان کی نسل سے تھی اس کا باپ بہت بڑا بادشاہ تھا جس کے ۳۹ آباء واجداد بادشاہ ہو گزرے تھے وہ خود چالیسواں تھا ملک یمن پر حکومت کرتا تھا اور سرحدی ہمسایہ ان بادشاہوں میں سے کسی کو اپنا ہمسر نہیں جانتا تھا اسی لئے اس نے ہر بادشاہ کی بیٹی سے نکاح کرنے سے انکار کر دیا تھا آخر اس کا نکاح (خاندان جنات میں) ایک پری سے ہو گیا جس کا نام ریحانہ بنت سکن تھا اس پری کے پیٹ سے بلقیس بنت شراحیل پیدا ہوئی۔ سوا بلقیس کے شراحیل کا کوئی اور بچہ نہیں ہوا۔ حدیث میں آیا ہے کہ بلقیس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک جنات میں سے تھا۔

باپ کے مرنے کے بعد بلقیس نے ملکہ بننے کی خواہش کی اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا قوم میں سے کچھ لوگوں نے مان لیا اور کچھ نے مخالفت کی مخالفین نے ایک اور شخص کو اپنا بادشاہ بنا لیا قوم دو فرقوں میں بٹ گئی یمن کی مملکت کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے جس مرد کو بادشاہ بنایا گیا تھا اس نے لوگوں سے بہت برا سلوک کیا۔ رعیت کی عورتوں پر بھی دست درازی کرنے لگا لوگوں نے اس کو معزول کرنا چاہا لیکن اس کی طاقت زیادہ تھی کچھ بس نہ چلا بلقیس نے جب عورتوں کی یہ بے حرمتی دیکھی تو اس کو غیرت آئی اور اس نے اس ظالم بادشاہ کے پاس از خود تحریر بھیجی اور خواہش کی کہ تم مجھ سے نکاح کر لو (تاکہ دونوں حکومتیں ایک ہو جائیں اور قومی نفاق مٹ جائے) بادشاہ نے جواب لکھا۔ مجھے تمہاری طرف سے امید نہ تھی کہ تم میرے پیام نکاح کو قبول کروگی اسی لئے میں نے اپنی طرف سے نکاح کی تحریک نہیں کی بلقیس نے کہا مجھے کوئی عذر نہیں تم میرے کفو اور شریف ہو اب میری قوم والوں کو جمع کر کے ان کے سامنے مجھ سے نکاح کرنے کی درخواست رکھو بادشاہ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور سب کو نکاح کا پیام دیا لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں تو بلقیس راضی نہیں ہوگی بادشاہ نے کہا ابتدائی تحریک خود اس کی طرف سے ہو چکی ہے میں آپ لوگوں سے یہ چاہتا ہوں کہ اس کی زبان سے تم خود اس کا اقرار سن لو قوم والوں نے آ کر بلقیس سے اس کا ذکر کیا بلقیس نے کہا ہاں مجھے اولاد کی تمنا ہے غرض لوگوں نے بلقیس کا نکاح بادشاہ سے کر دیا بلقیس جب دلہن ہو کر گئی تو اپنی بہت سی فوج کو (جلو میں) لیتی گئی اور بادشاہ کے پاس پہنچی تو اس کو اتنی شراب پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا پھر اس کا سر کاٹ کر رات ہی کو اپنے گھر واپس آ گئی صبح ہوئی اور لوگوں نے بادشاہ کو مقتول اور سر دروازہ پر لٹکا ہوا پایا تو سمجھ گئے کہ یہ نکاح ایک فریب و مکر تھا اس کے بعد سب لوگوں نے باتفاق بلقیس کو ملکہ مان لیا۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی والدہ:

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اس کی ماں جنیہ عورت تھی اس کے قدم کا پچھلا حصہ چوپائے کے کھر جیسا تھا اور روایت میں ہے کہ اس کی ماں کا نام فارعہ تھا۔ ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے باپ کا نام ذی شرح تھا اور ماں کا نام بلتعہ تھا۔

بلقیس کا لاؤ لشکر:

لاکھوں کا اس کا لاؤ لشکر تھا۔ اس کی بادشاہی ایک عورت کو کرتے ہوئے میں نے پایا۔ اس کے مشیر وزیر تین سو بارہ شخص ہیں ان میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ ہزار کی جمعیت ہے۔ اس کی زمین کا نام مارب ہے۔ یہ صنعاء سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہی قول قرین قیاس ہے۔ (اس کا اکثر حصہ مملکت یمن میں ہے۔ واللہ اعلم۔ دنیوی ضروری اسباب ہر قسم کا اسے مہیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ
اور اس کا ایک تخت ہے بڑا

بلقیس کا تخت:

یعنی اس ملکہ یمن کا تخت ایسا مکلف ومرصع اور بیش قیمت تھا کہ اس وقت کسی بادشاہ کے پاس نہ تھا مفسرین ملکہ کا نام بلقیس لکھتے ہیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ اور اس کا تخت عظیم ہے۔

یعنی حجم میں بڑا سونے کا بنا ہوا یاقوت سرخ زبرجد سبز اور موتیوں سے مرصع جس کے پائے یاقوت و زمرد کے تھے۔ اس کے اوپر سات کمرے تھے اور ہر کمرہ کا دروازہ علیحدہ تھا جو بند رہتا تھا۔ ابن ابی حاتم نے زہیر بن محمد کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ تخت سونے کا تھا جس کے دونوں پہلو یاقوت و زبرجد سے مرصع تھے اس کا طول ۸۰ ہاتھ اور عرض ۴۰ ہاتھ تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا بلقیس کا تخت تیس ہاتھ لمبا تیس ہاتھ چوڑا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اس کا نہایت ہی شاندار تخت ہے جس پر وہ جلوس کرتی ہے سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ اور مروارید کی کاریگری اس پر ہوئی ہے یہ اسی ہاتھ اونچا تھا اور چالیس ہاتھ چوڑا تھا۔ چھ سو عورتیں ہر وقت اس کی خدمت میں کمربستہ رہتی تھیں اس کا دیوان خاص جس میں یہ تخت تھا بہت بڑا محل تھا بلند و بالا کشادہ اور فراخ پختہ مضبوط اور صاف جس کے شرقی حصے میں تین سو ساٹھ طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں اسے اس صنعت سے بنایا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابلہ کے طاق سے غروب ہوتا۔ اہل دربار صبح شام اسے سجدہ کر لیتے راجہ پرجا سب آفتاب پرست تھے خدا کا پجاری ان میں ایک بھی نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللَّهِ

میں نے پایا [illegible] وہ اور اس کی قوم سجدہ کرتے ہیں سورج کو اللہ کے سوائے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

[illegible]

عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ

[illegible]

قوم سبا کا شرک.

یعنی وہ قوم مشرک آفتاب پرست ہے شیطان نے اُن کی راہ مار دی، اور مشرکانہ رسوم و اطوار [illegible] نظر میں خوبصورت بنا دیا۔ اس سے وہ راہِ ہدایت نہیں پاتے۔ [illegible] حضرت سلیمان علیہ السلام اس قوم پر جہاد [illegible]

أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ

[illegible]

وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ

[illegible]

جانوروں کی فطری معرفت.

[illegible] معرفت [illegible] کہ ہُدہُد کی روزی ہے ریت سے کیڑے نکال کر [illegible]

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

[illegible]

[illegible] تخت [illegible]

قَالَ سَنَنْظُرُ أَصَدَقْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْكَاذِبِينَ

سلیمان نے کہا ہم اب دیکھتے ہیں تو نے سچ کہا [illegible] جھوٹا ہے

[illegible]

حضرت سلیمان کا خط.

[illegible] پانی خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ حضرت سلیمان نے ایک خط اس طرح لکھا۔ بندۂ خدا سلیمان بن داؤد کی طرف سے بلقیس ملکۂ سبا کے نام۔ [illegible] جو ہدایت پر چلے۔ اما بعد۔ مجھ پر فخر نہ [illegible] وہ کلام کو طول نہیں [illegible] حضرت سلیمان نے اس پر [illegible] حوالہ کیا اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اذْهَبْ بِكِتَابِي هَٰذَا فَأَلْقِهْ إِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ

لے جا میرا یہ خط اور ڈال دے اُن کی طرف پھر اُن کے پاس سے ہٹ

فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ

[illegible]

قاصد شاہی کے آداب:

[illegible]

تحریر اور خط بھی عام معاملات میں حجت شرعیہ ہے:

اِذْهَبْ بِكِتَابِي هَٰذَا [illegible] حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کے نام [illegible]

کی پر تمام حجت کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے، تفصیل فقہاء سے معلوم ہے۔ عدالت میں تحریر خط قابل اعتبار ثبوت ہے۔ فقہاء نے صرف ان معاملات میں خط کو کافی نہیں سمجھا جہاں شہادت شرعی ضروری ہے جیسے حدود و قصاص وغیرہ۔ یہ شہادت نہیں ہو سکتی۔ شہادت کا مدار شاہد کا عدالت کے سامنے حاضر ہو کر بیان دینے پر رکھا گیا جس میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج کل بھی دنیا کی عدالت میں خط اور ٹیلیفون پر شہادت دینے کو کافی نہیں سمجھا جاتا۔

مشرکین کو خط لکھنا اور اُن کے پاس بھیجنا جائز ہے:

اور اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس عمل سے یہ ثابت ہوا کہ تبلیغ دین اور دعوت اسلام کے لئے مشرکین اور کفار کو خطوط لکھنا جائز ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

انسانی اخلاق کی رعایت ضروری ہے:

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے نامہ بری کا کام لیا تو اس کو یہ ادب مجلس بھی سکھایا کہ خط ملکہ سبا کو پہنچا کر وہیں سر پر سوار نہ رہے بلکہ وہاں سے ذرا ہٹ جائے جو عام شاہی مجلسوں کا طریقہ ہے اس میں آداب معاشرت اور انسانی اخلاق کا عام مخلوقات کے ساتھ مطلوب ہونا معلوم ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

خط بلقیس کے پاس:

حسب حکم ہدہد خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا بلقیس اس وقت صنعاء سے تین منزل پر مقام مآرب میں تھی ہدہد محل کے قصر میں پہنچا تو دروازے سب مقفل پائے اور کنجیاں ملکہ نے اپنے سرہانے رکھ لی تھیں خوش ہدہد (کسی طرح) بلقیس کے قریب پہنچ گیا بلقیس چت لیٹی سو رہی تھی ہدہد نے خط اس کے سینہ پر ڈال دیا۔

كذا اخرج عبد بن حميد و ابن المنذر و ابن ابي حاتم عن قتادة

مقاتل کا بیان ہے کہ ہدہد اپنی چونچ میں خط پکڑ کر لے گیا اور بلقیس کے سرہانے جا کھڑا ہوا باڈی گارڈ سردار اور سپاہی موجود تھے ہدہد نے پر پھڑ پھڑائے لوگ اس کو دیکھتے رہے آخر ملکہ نے خود سر اٹھایا ہدہد نے فوراً خط ملکہ کی گود میں ڈال دیا۔

وہب بن منبہ اور ابن زید کا بیان ہے کہ سورج کے رخ پر ایک روشن دان تھا اور سورج سامنے سے نکلتا تھا جونہی ملکہ روشن دان (یا دریچہ) سے اس کی طرف دیکھتی اور سورج نظر آتا فوراً اس کو سجدہ کرتی تھی ہدہد اس دریچہ میں گھس گیا اور دونوں بازو پھیلا کر روشن دان کو بند کر دیا سورج حسب معمول اونچا ہو گیا لیکن روشن دان بند ہونے کی وجہ سے ملکہ کو پتہ نہ چلا جب دیر ہو گئی تو اٹھ کر سورج کو دیکھنے لگی ہدہد نے فوراً خط اس کی طرف پھینک دیا بلقیس پڑھی

ہوئی تھی خط ... پڑھ کر مہر دیکھی تو ... گئی کیونکہ سلیمان کی حکومت (کا نقشہ) اس ... میں موجود تھا سمجھ گئی کہ جس نے یہ خط بھیجا ہے وہ مجھ سے بڑا بادشاہ ہے مگر خط چھپا دیا۔ پھر چپکے ... بلقیس نے خط پڑھا پھر جا کر تخت پر بیٹھی اور اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا یہ ... سردار بارہ ہزار تھے ہر سردار کے ماتحت ایک لاکھ سپاہی تھے حضرت ابن عباس کا قول ایک روایت میں آیا ہے بلقیس کے ساتھ ایک ... قیل تھے اور ہر قیل کے پاس ایک لاکھ فوج تھی قیل بمعنی ذواب یعنی جو شہنشاہ کے ماتحت ہوتا ہے قتادہ اور مقاتل نے کہا بلقیس کی مجلس شوریٰ میں ۳۱۳ ... تھے ہر ممبر شوریٰ کے ماتحت دس دس ہزار سپاہی تھے ... اپنی جگہ بیٹھ گئے تو۔ (تفسیر مظہری)

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ (۲۹)	
کہنے لگی اے دربار والو میرے پاس ڈالا گیا ایک خط عزت کا	
اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ	
وہ خط ہے سلیمان کی طرف سے	

بلقیس کا اپنے وزیروں سے مشورہ:

بلقیس نے خط پڑھ کر اپنے مشیروں اور وزیروں کو جمع کیا اور کہنے لگی۔ اے سردارو! میرے پاس یہ خط ... پہنچا ہے جو بہت بڑے معزز و محترم بادشاہ (سلیمان) کی طرف سے آیا ہے۔ غالباً حضرت سلیمان کا نام اور ان کی شان حکومت و شوکت کا شہرہ پہلے سے سن چکی ہوگی۔ (روح المعانی)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط کس زبان میں تھا:

حضرت سلیمان علیہ السلام عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جاننا اور سمجھنا آپ کے لئے کوئی بعید بات نہیں جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان بھی جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں سے افضل اور اشرف ہے لہٰذا ہو سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلقیس) عربی النسل تھی اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی، اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط اپنی ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلقیس کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمان ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو۔ (روح)

خط نویسی کے چند آداب:

قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْٓ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ کریم کے لفظی معنی معزز مکرم کے ہیں اور محاورہ میں کسی خط کو معزز مکرم جب کہا جاتا ہے جبکہ اس پر مہر لگائی گئی ہو۔ اسی لئے اس آیت میں كِتٰبٌ كَرِيْمٌ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ قتادہ

ذریعہ خط دینے کا بھی ثبوت ملتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ عجم کی یہ عادت معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اس کو نہیں پڑھتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بادشاہوں کے خطوط کے لئے مہر بنوائی اور قیصر وکسریٰ وغیرہ کو جو خطوط تحریر فرمائے اُن پر مہر ثبت فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ کا بھی اکرام ہے اور اپنے خط کا بھی۔ آج کل عادت خط کو لفافہ میں بند کر کے بھیجنے کی ہوگئی ہے یہ بھی مہر کے قائم مقام ہے جس جگہ مکتوب الیہ کا اکرام منظور ہو، کھلا خط بھیجنے کے بجائے لفافہ میں بند کر کے بھیجنا اقرب الی السنۃ ہے۔

إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ قرآن کریم نے انسانی زندگی کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا جس پر ہدایات نہ دی ہوں۔ خط وکتابت اور مراسلت کے ذریعہ باہمی گفت وشنید بھی انسان کی اہم ضروریات میں داخل ہے اس سورت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مکتوب بنام ملکۂ سبا (بلقیس) پورا نقل فرمایا گیا ہے یہ ایک پیغمبر ورسول کا خط ہے اور قرآن کریم نے اس کو بطور استحسان کے نقل کیا ہے اس لئے اس خط میں جو ہدایات خط وکتابت کے متعلق میں پائی جاتی ہیں وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابل اتباع ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت سلیمانؑ کے خط کا اعزاز:

امام قشیری فرماتے ہیں کہ اس کتاب کو کتاب کریم اس لئے کہا کہ اس گرامی نامہ کا مضمون اللہ کے نام سے شروع ہوا ہے اور اس میں مالک الملک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دی گئی ہے اور اس میں اپنے ملک اور سلطنت کی جمع کا کوئی شائبہ ورائحہ بھی نہیں۔

نظم

ہے نامہ تو بہترین سرآغاز　　ہے نام تو نامہ کے ہم آغاز

آرائش نامہ ہست نامت　　آسائش سینہا کلامت

غرض یہ کہ ملکہ بلقیس نے جب یہ دیکھا کہ اس کتاب کریم کو ایک پرندہ لے کر آیا ہے جو نہایت شائستہ اور ادب سے آراستہ ہے تو سمجھ گئی کہ پرند جس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں وہ شہنشاہ عام قسم کا بادشاہ نہیں وہ کوئی خاص برگزیدہ ہستی ہے اس نے فوراً ارکان دولت کو جمع کر کے سلیمان علیہ السلام کا یہ گرامی نامہ سنایا تمام دربار ہل گیا اور گھبرا اٹھے۔

کاتب اپنا نام پہلے لکھے پھر مکتوب الیہ کا:

سب سے پہلی ایک ہدایت تو اس خط میں یہ ہے کہ خط کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے نام سے شروع کیا، مکتوب الیہ کا نام کس طرح لکھا قرآن کریم کے الفاظ میں وہ مذکور نہیں۔ مگر اتنی بات اس سے معلوم ہوئی کہ خط لکھنے والے کے لئے سنت انبیاء یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا نام لکھے جس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً خط پڑھنے سے پہلے ہی مکتوب الیہ کے علم میں آجائے کہ میں کس کا خط پڑھ رہا ہوں تاکہ وہ اسی ماحول میں خط کے مضمون کو پڑھے اور غور کرے مخاطب کو یہ تکلیف نہ اٹھانی پڑے کہ کاتب کا نام خط میں تلاش کرے کہ کس کا خط ہے کہاں سے آیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے مکاتیب منقول اور شائع شدہ عام میں موجود ہیں اُن سب میں بھی آپ نے یہی طریقہ اختیار فرمایا ہے کہ (من محمد عبداللہ ورسولہ) سے شروع فرمایا ہے۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ جب کوئی بڑا آدمی اپنے چھوٹے کو خط لکھے اس میں تو اپنے نام کی تقدیم پر کوئی اشکال نہیں، لیکن کوئی چھوٹا اپنے باپ، اُستاد، شیخ یا اور کسی بڑے کو خط لکھے اس میں اپنے نام کو مقدم کرنا کیا اس کے ادب کے خلاف نہ ہوگا اور اس کو ایسا کرنا چاہئے یا نہیں، اس معاملے میں حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل مختلف رہا ہے اکثر حضرات نے تو اتباع سنت نبوی واجب پر مقدم رکھا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خطوط لکھے ان میں بھی اپنے نام کو مقدم لکھا ہے۔ روح المعانی میں بحر محیط کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تو کوئی انسان قابلِ تعظیم نہیں، مگر صحابہ کرامؓ جب آپ کو بھی خط لکھتے تو اپنا نام ہی شروع میں لکھا کرتے تھے اور حضرت علاء حضرمی کا خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام معروف ہے وہ اس پر شاہد ہے۔

البتہ روح المعانی میں مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ سب کلام افضلیت میں ہے جواز میں نہیں اگر کوئی شخص اپنا نام شروع کے بجائے اخیر میں لکھ دے تو یہ بھی جائز ہے۔ فقیہ ابو اللیث کی بستان میں ہے کہ اگر کوئی شخص مکتوب الیہ کے نام سے شروع کر دے تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں کیونکہ اُمت میں یہ طریقہ بھی چلا آرہا ہے اس پر نکیر نہیں کی گئی۔ (روح المعانی، قرطبی)

خط کا جواب دینا بھی سنتِ انبیاء ہے:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ جس شخص کے پاس کسی کا خط آئے اُس کے لئے مناسب ہے کہ اس کا جواب دے کیونکہ غائب کا خط حاضر کے سلام کے قائم مقام ہے اس لئے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ وہ خط کے جواب کو جواب سلام کی طرح واجب قرار دیتے تھے۔ (قرطبی)

خطوط میں بسم اللہ لکھنا:

حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذکورہ خط سے نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مکاتیب سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ خط کے شروع میں بسم اللہ

الرحمٰن الرحیم لکھنا سنت انبیاء ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ بسم اللہ کو اپنے نام سے پہلے لکھے یا بعد میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب اس پر شاہد ہیں کہ بسم اللہ کو سب سے مقدم، اس کے بعد کاتب کا نام، پھر مکتوب الیہ کا نام لکھا جائے۔ اور قرآن کریم میں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے اور بسم اللہ بعد میں مذکور ہے اس کے ظاہر سے جواز اس کا بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ اپنے نام کے بعد لکھی جائے۔ لیکن ابن ابی حاتم نے یزید بن رومان سے نقل کیا ہے کہ دراصل حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے خط میں اس طرح لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من سلیمان بن داؤد الی بلقیس ابنۃ ذی شرح وقومھا ان لاتعلوا الخ بلقیس نے جب یہ خط اپنی قوم کو سنایا تو اس نے قوم کو کاتب نے سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا۔ قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ بلقیس کا قول ہے قرآن کریم میں اس کی تصریح نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصل خط میں بسم اللہ مقدم تھی یا سلیمان علیہ السلام کا نام اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا نام لفافہ کے اوپر لکھا ہوا اور اندر بسم اللہ سے شروع ہو، بلقیس نے جب اپنی قوم کو خط سنایا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا نام پہلے ذکر کر دیا۔

مسئلہ خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے، لیکن قرآن وسنت کے نصوص واشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اس جگہ اس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا۔ آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لئے زبان سے بسم اللہ کہہ لے تحریر میں نہ لکھے۔

آیتِ قرآنی والی تحریر کیا کسی کافر مشرک کے ہاتھ میں دینا جائز ہے

یہ خط حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اس وقت بھیجا ہے جب وہ مسلمان نہیں تھیں حالانکہ اس خط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوا تھا جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے، ان میں بھی بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔ وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آ گئی ہے وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لئے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ میں بھی۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

خط مختصر، جامع، بلیغ اور مؤثر انداز میں لکھنا چاہئے:

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس والا نامہ کو دیکھئے تو چند سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دیئے اور بلاغت کا اعلیٰ معیار بھی قائم ہے۔ مکتوب میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے۔ اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی صفات کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی، اور ترفع وتکبر کی مذمت بھی، درحقیقت یہ خط بھی اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو مگر کوئی ضروری مضمون چھوٹے بھی نہیں۔ (روح المعانی)

اہم امور میں مشورہ کرنا سنت ہے اس میں دوسروں کی رائے سے مدد بھی حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کی دلجوئی بھی ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض نے کریم کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ خط پہنچنے کا واقعہ عجیب تھا بلقیس اپنے کمرے کے اندر لیٹی ہوئی تھی دروازے سب مقفل تھے ہدہد روشن دان سے آیا بلقیس کے سینہ پر خط ڈال دیا اور بلقیس کو پتہ بھی نہ چلا۔ بعض نے کہا خط کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ابتداء کی گئی تھی اس سے اس کو کریم کہا۔

اس کے بعد بلقیس نے بتایا کہ یہ خط کہاں سے آیا ہے اور کہا

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ بلاشبہ یہ (خط یا مضمون) سلیمان کے پاس سے آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اور وہ یہ ہے شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ
کہ زور نہ کرو میرے مقابلہ میں اور چلے آؤ میرے سامنے حکم بردار ہو کر

خط کی جامعیت:

ایسا مختصر، جامع اور پر عظمت خط شاید ہی دنیا میں کسی نے لکھا ہو۔ مطلب یہ تھا کہ میرے مقابلہ میں زور آزمائی سے کچھ نہ ہوگا۔ خیریت اس میں ہے کہ اسلام قبول کرو اور حکم بردار ہو کر آدمیوں کی طرح سیدھی انگلیوں میرے سامنے حاضر ہو جاؤ۔ تمہاری شیخی اور تکبر میرے آگے کچھ نہ چلے گی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ
کہنے لگی اے دربار والو مشورہ دو مجھ کو میرے کام میں

مَا كُنتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ

میں طے نہیں کرتی کوئی کام، تمہارے حاضر ہونے تک

یعنی مشورہ دو کہ کیا جواب دیا جائے اور کیا کاروائی کی جائے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے میں کسی اہم معاملہ کا فیصلہ بدون تمہارے مشورہ کے نہیں کرتی۔ (ماجدی) قتادہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا جواب یعنی جو معاملہ میرے سامنے ہے اس میں مجھے مشورہ دو۔

حَتَّىٰ تَشْهَدُونِ یہاں تک کہ تم میرے پاس موجود نہ ہو، مجھے مشورہ نہ دو یا جب تک اس بات کے درست ہونے کی شہادت نہ دے دو۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا نَحْنُ أُولُو قُوَّةٍ وَأُولُو بَأْسٍ شَدِيدٍ

وہ بولے ہم لوگ زور آور ہیں اور سخت لڑائی والے

وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي مَاذَا تَأْمُرِينَ

اور کام تیرے اختیار میں ہے سو تو دیکھ لے جو حکم کرے

درباریوں کا مشورہ:

یعنی ہمارے پاس زور و طاقت اور سامان حرب کی کمی نہیں۔ اگر کسی بادشاہ نے اپنی [illegible] تیرا حکم ہو تو ہم سلیمان سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں آگے تو مختار ہے سوچ سمجھ کر [illegible] ہماری رائے [illegible] سامنے ظاہر ہوں [illegible] معلوم ہوتا ہے [illegible] کی مصلحت [illegible] تمہیں مناسب نہ سمجھی اور بیچ بیچ میں صورت اختیار کرنا [illegible] چاہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُوَّةٍ یعنی [illegible] کی قوت بَأْسٍ شَدِيدٍ یعنی لڑائی کے وقت سخت طاقتور قدرانی [illegible] اور بأس سے مراد ہے شدت شجاعت۔

بلقیس نے اہل دربار سے مشورہ طلب کیا جنگ دونوں کا مشورہ دیا [illegible] مقابلہ میں مشکل اور سخت کام ہے جنگ کی صورت میں اہل دربار نے تمہیں حکم کا قرار دیا۔ برخلاف ان یہودیوں کے جنہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ تم اور تمہارا خدا دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں یعنی ہم تو آگے نہیں جاتے۔ جب بلقیس سے حکم پر انہوں نے [illegible] کا اظہار کر دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ صلح کا اگر حکم ہوا تو ہم اس کی تعمیل بدرجہ اولیٰ کریں گے آپ کو دونوں باتوں کا اختیار ہے۔

مَاذَا تَأْمُرِينَ میں ما استفہامیہ ہے اور پورا جملہ بتاویل مفرد ہو کر انظری کا مفعول ہے یعنی آپ خود دیکھ لیں اور سوچ لیں کہ دونوں میں کون سی چیز آپ کے لئے مفید ہے جنگ یا صلح۔ بہرحال ہم آپ کے فیصلہ پر چلنے کے لئے تیار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اور جنگ خواہی [illegible]
[illegible] صلح جوئی [illegible] بندہ [illegible] خدمت [illegible]

مطلب یہ تھا کہ ہم جنگ کے لئے تیار ہیں آگے آپ کو اختیار ہے [illegible] کا میلان جنگ کی طرف تھا مگر ملکہ نے جنگ میں تعجیل مناسب نہ سمجھی بلکہ اور جنگ کے بیچ بیچ ایک صورت اختیار کی۔ [illegible]

قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا

بولی بادشاہ جب گھستے ہیں کسی بستی میں اس کو خراب کر دیتے ہیں

وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ

اور کر ڈالتے ہیں وہاں کے سرداروں کو بے عزت اور یہی کچھ کریں گے اور میں بھیجتی ہوں

إِلَيْهِم بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ

ان کی طرف کچھ تحفہ پھر دیکھتی ہوں کیا جواب لے کر آتے ہیں بھیجے ہوئے

بلقیس کا فیصلہ:

معلوم ہوتا ہے کہ مضمون خط کی عظمت و شوکت اور دوسرے قرائن و آثار سے بلقیس کو یقین ہو گیا کہ اس بادشاہ پر ہم غالب نہیں آ سکتے اور کم از کم اس کا قوی احتمال تو ضرور تھا۔ اس نے کہا کہ ایسی شان و شکوہ رکھنے والے بادشاہوں سے لڑنا ٹھیک نہیں۔ اگر وہ غالب آ گئے (جیسا کہ قوی امکان ہے) تو ملوک و سلاطین کی عادت کے موافق تمہارے شہر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیں گے۔ اور وہ انقلاب ایسا ہوگا جس میں بڑی عزت والے سرداروں کو ذلیل و خوار ہونا پڑے گا۔ لہٰذا میرے نزدیک بہتر ہے کہ ہم جنگ کرنے میں جلدی نہ کریں بلکہ ان کی حقیقت [illegible] نوعیت حکومت اور اس بات کا پتہ لگائیں کہ ان کی جمعیتوں کی پشت پر کس کی قوت کار فرما ہے۔ اور یہ کہ واقعی طور پر وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اگر کچھ تحفہ و ہدیہ دے کر ہم آنے والی مصیبت کو اپنے سر سے ٹال سکیں تو زیادہ اچھا ہوگا ورنہ جو کچھ رویہ معلوم ہو جائے گا ہم اس کے مناسب کاروائی کریں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ بلقیس نے چاہا کہ اس بادشاہ کا شوق دریافت کرے کس چیز سے ہے۔ مال خوبصورت آدمی یا نادر سامان [illegible] قسم کی چیزیں تحفہ میں بھیجی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ملکہ نے عام بادشاہوں کا عمومی خط بیان کرنے والی قوم کو مبہم طور پر جنگ سے ڈرایا پھر آخری فقرہ کہہ کے صراحت کر دی کہ ان لوگوں سے بھی مجھے یہی خطرہ ہے۔ وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ کا ایک ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ بادشاہ ایسا ہی کرتے رہتے ہیں ان کا دستور ہی یہی ہے۔ اس ترجمہ پر اس فقرہ کا

ارتباط سابق جملہ سے ہوگا اور یرجعون کی ضمیر مرسلون کی طرف راجع ہوگی حضرت سلیمان اور آپ کے شکر کی طرف راجع نہ ہوگی۔

یہ مقولہ اللہ کا ہے اللہ نے بلقیس کے قول کی تصدیق فرمادی کہ بادشاہوں کا یہی طریقہ عمل ہے۔ ملکہ کے اس کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ بلقیس صحیح و مناسب خیال رکھتی تھی۔

بلقیس کے تحائف:

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنَاظِرَةٌ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُونَ اور میں ان کو ایک ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھوں گی کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ میں اپنے پاس سے کچھ تحفہ دے کر قاصدوں کو روانہ کروں گی۔ ہدیہ وہ چیز جو ہدیہ میں دی جائے۔ جیسے عطیہ دی ہوئی چیز۔

بغوی نے لکھا ہے بلقیس ہدیہ بھیج کر حضرت سلیمان کی جانچ کرنی چاہتی تھی۔ بادشاہ ہیں یا نبی اگر بادشاہ ہوں گے تو ہدیہ قبول کریں گے اور اگر نبی ہوں گے تو ہدیہ واپس کردیں گے اور بغیر اتباع ایمانی کے راضی نہیں ہوں گے۔

اس کے بعد ہدیہ میں ملکہ نے کچھ غلام اور کچھ باندیاں بھیجیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سب کو ایک ہی طرح کا لباس پہنا دیا تاکہ (لڑکے اور لڑکی کی) شناخت نہ ہو سکے۔ مجاہد نے کہا دو سو غلام اور دو سو باندیاں بھیجی تھیں۔ مجاہد اور مقاتل کا قول ہے کہ باندیوں کو غلاموں کا لباس اور غلاموں کو باندیوں کا لباس پہنا دیا تھا۔ سعید بن جبیر نے کہا (سونے کی) اینٹ ریشم اور دیباج کے ساتھ بھیجی تھی بعض نے کہا سونے کی چار اینٹیں بھیجی تھیں۔ وہب بن منبہ نے بیان کیا بلقیس نے پانسو لڑکے اور لڑکیاں بھیجیں لڑکوں کو قبائیں اور کمر کے پٹکے یعنی لڑکوں کا لباس پہنایا اور غلاموں و باندیوں کے کپڑے پہنائے۔ کلائیوں میں سونے کے کنگن گلے میں سونے کے طوق کانوں میں بالیاں اور ایسے جواہر سے مرصع پہنائے لڑکوں کو پانسو گھوڑوں پر اور لڑکیوں کو پانسو خچروں پر سوار کرایا ہر گھوڑے کی لگام سونے کی جواہر سے جڑی تھی اور چار جامے رنگارنگ کے دیباج کے بلقیس نے چاندی کی پانچ سو اینٹیں اور موتی اور یاقوت سے جڑا ہوا تاج بھی بھیجا مشک و عنبر و عود بھی بھیجا ایک ڈبہ میں بے سوراخ کیا ہوا ایک قیمتی موتی اور ٹیڑھا سوراخ کیا ہوا ایک پتھر رکھ کر بند کر دیا۔

بلقیس کا قاصد اور اس کو ہدایات:

اور اپنی قوم کے ایک سردار کو جس کا نام منذر بن عمرو تھا بلوا کر کچھ دوسرے سمجھدار ہوشیار آدمیوں کو اس کے ساتھ کر کے ایک خط جس میں تحفوں کی فہرست تھی دے کر ہدایت کی اور سب چیزیں دے کر بھیج دیا اور منذر سے کہہ دیا کہ سلیمان سے جا کر یہ کہنا کہ اگر آپ نبی ہیں تو باندیوں و غلاموں کے الگ الگ چھانٹ دیجئے اور بغیر کھولے بتائیے کہ ڈبہ میں کیا ہے اور جب وہ بتا دیں تو کہنا کہ اس موتی میں ٹھیک سوراخ کر دیجئے اور سوراخ دار پتھر میں دھاگہ ڈال دیجئے بلقیس کی آزمائش یہ تھی جس سے اس میں مدد نہ لیجئے غلاموں اور باندیوں کو یہ حکم دیا کہ غلام باندیوں کی بولی میں زنانہ لوچدار بات کریں اور باندیاں کرخت لہجے میں مردانہ بات کریں پھر قاصد سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس بات کا اندازہ کرنا کہ وہ کس طور پر پیش آتے ہیں اگر غصہ کی نظر سے تم کو دیکھیں تو سمجھ لینا وہ بادشاہ ہیں تم کچھ خوف نہ کرنا ہم ان سے زیادہ عزت رکھتے ہیں اور اگر خوش و بشاش اور مہربانی سے پیش آئیں تو سمجھ لینا وہ نبی مرسل ہیں ان کی بات سمجھنا اور (ادب کے ساتھ) جواب دینا غرض بلقیس کے قاصد سارے تحفے لے کر روانہ ہو گئے۔

حضرت سلیمانؑ کے انتظامات:

ادھر ہدہد نے جلدی جا کر حضرت سلیمان کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی آپ نے جنات کو حکم دیا کہ سونے چاندی کی اینٹیں تیار کریں حکم کی تعمیل کی گئی پھر آپ نے حکم دیا کہ ان اینٹوں کو اس جگہ سے نو فرسخ تک ایک میدان میں یہ اینٹیں بچھا دیں اور میدان کے گرد سونے چاندی کی اونچی دیوار کھینچ دیں پھر فرمایا خشکی اور دریا میں کون سا جانور سب سے اچھا ہوتا ہے حاضرین نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم نے فلاں سمندر میں چتکبرے جانور دیکھے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں ان کے دو بازو ہوتے ہیں کلغیاں اور پیشانیوں پر بال ہوتے ہیں فرمایا ابھی لے آؤ جنات نے فوراً حاضر کر دیئے فرمایا میدان کے دائیں بائیں دونوں طرف سونے چاندی کی اینٹوں کے فرش پر ان کو باندھ دو اور ان کا چارہ ان کے سامنے ڈال دو پھر جنات کو حکم دیا کہ اپنی اولاد کو میدان کے دائیں بائیں کھڑا کر دو۔

ان احکام کی تعمیل کے بعد حضرت سلیمان اپنے تخت پر رونق افروز ہو گئے اور اپنے دائیں بائیں جانب چار چار ہزار کرسیاں بچھوا دیں اور دائیں بائیں دونوں تک صف بستہ کھڑے ہونے کا شیاطین کو حکم دیا۔

بلقیس کے قاصدوں کا احساس کمتری:

جب قاصد قریب پہنچ گئے اور سلیمان کی حکومت دیکھی اور ایسے چوپائے دیکھے جو کبھی نہ دیکھے تھے اور ان کو چاندی سونے کی اینٹوں پر گوبر کرتے پایا تو خود وہ اپنی نظروں میں حقیر ہو گئے اور جو تحفے ساتھ لائے تھے سب پھینک دیئے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان نے سونے چاندی کی اینٹیں بچھانے کا حکم جس وقت دیا تھا اس وقت بلقیس کی بھیجی ہوئی اینٹوں کی گنتی کے مطابق جگہ خالی چھوڑ دی تھی قاصدوں نے جب کچھ اینٹوں کی جگہ خالی دیکھی اور باقی زمین پر فرش پایا تو ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی ہم پر اینٹیں اٹھا لینے کی تہمت نہ لگا دے۔ اس لئے خالی جگہ پر اینٹیں پھینک دیں پھر شیاطین کو دیکھ کر تو خوف زدہ ہو گئے ان سے کہا گیا آگے بڑھو ڈر کی کوئی بات

تھیں قاصد تمام جن وانس اور پرندوں درندوں اور چرندوں کی ٹکڑیوں سے گزر کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے جا کھڑے ہوئے آپ نے ان کی طرف کشادہ روئی کے ساتھ اچھی نظروں سے دیکھا اور فرمایا کیا بات ہے، امیر وفد نے ساتھ لائی ہوئی چیزیں پیش کر دیں اور ملکہ کا خط بھی دے دیا۔

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے تمام سوالات حل کر دیئے

آپ نے خط غور سے پڑھا اور فرمایا ڈبہ کہاں ہے امیر وفد نے پیش کر دیا آپ نے ڈبہ کو ہلایا اتنے میں جبرئیل آ گئے اور ڈبہ کے اندر جو چیز تھی وہ بتا دی حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اس کے اندر بغیر سوراخ کا ایک قیمتی موتی ہے اور ایک ٹیڑھا سوراخ کیا ہوا پوتھ ہے قاصد نے عرض کیا آپ نے ٹھیک فرمایا اب موتی میں سوراخ کر دیجئے اور پوتھ میں دھاگہ پرو دیجئے حضرت سلیمانؑ نے جنات اور آدمیوں سے دریافت فرمایا کوئی اس میں سوراخ کر سکتا ہے کسی کو سوراخ کرنے کی تدبیر معلوم نہ تھی اس لئے خاموش رہے پھر آپ نے شیاطین سے دریافت کیا ایک شیطان نے کہا لکڑی کے کیڑے کو بلوایئے حسب الحکم لکڑی کا کیڑا آیا اور دھاگہ منہ میں پکڑ کر موتی میں سوراخ کرتا ہوا دوسری جانب نکل آیا حضرت سلیمانؑ نے فرمایا تو کیا انعام چاہتا ہے کیڑے نے عرض کیا میری روزی درخت (لکڑی) میں مقرر کر دی جائے حضرت نے فرمایا تیرے لئے ایسا ہی کر دیا گیا۔ پھر آپ نے لڑکوں اور لڑکیوں کو الگ الگ چھانٹ دیا جس کی تدبیر یہ کی کہ سب کو ہاتھ منہ دھونے کا حکم دیا لڑکی برتن میں سے پانی ایک ہاتھ میں لیتی پھر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتی پھر منہ پر مارتی تھی اور لڑکا براہ راست برتن سے پانی لے کر منہ پر مارتا تھا۔ لڑکی بازو کے اندرونی جانب پانی ڈالتی تھی اور لڑکا کلائی کے بیرونی جانب پانی بہاتا تھا لڑکی یونہی پانی ڈالتی تھی اور لڑکا اوپر سے نیچے کو ہاتھ پر پانی گراتا تھا۔ خلاصہ یہ کہ آپ نے سب کو الگ الگ چھانٹ دیا پھر لائے ہوئے ہدیے واپس کر دیئے جیسا کہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِ
پھر جب پہنچا سلیمان کے پاس بولا کیا تم میری مدد کرتے ہو مال سے
ءَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ
سو جو اللہ نے مجھ کو دیا ہے بہتر ہے اس سے جو تم کو دیا ہے بلکہ تم ہی اپنے تحفہ سے خوش رہو

حضرت سلیمانؑ نے تحائف واپس کر دیئے:

یعنی یہ تحفہ تمہیں ہی مبارک رہے، کیا تم نے مجھے محض ایک دنیوی بادشاہ سمجھا جو مال ومتاع کا لالچ دیتے ہو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے جو روحانی و مادی دولت مجھے عطا فرمائی ہے وہ تمہارے ملک و دولت سے کہیں بڑھ کر ہے ان سامانوں کی ہمیں کیا پروا۔ (تفسیر عثمانی)

کافر کا ہدیہ قبول کرنے کا اصول:

کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر یہ مسلمانوں کی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی) ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو، مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو یا اس کی شر وفساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جا سکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس معاملہ میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرما لیا بعض کا رد فرما دیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الہبہ میں اور شرح سیر کبیر میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن مالک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو اس نے کہا نہیں آپ نے اس کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالمقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مشرکین سے ہدایا قبول فرمائے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو سفیان نے بحالت شرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا آپ نے قبول فرما لیا۔

شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض کا ہدیہ رد کر دینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید تھی وہاں رد کر دیا اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہو جانے کی امید تھی تو قبول کر لیا۔ (عمدۃ القاری کتاب الہبہ)

اور بلقیس کے ہدیہ کو رد کر دینے کی حضرت سلیمانؑ کی عادت قرار دیا اس کا سبب یہ تھا کہ اس نے ہدیہ کو اپنے شر سے کا چھٹکارا بنایا سبب یہ تھا کہ اس نے یہ ہدیہ حقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

حضرت سلیمانؑ کا جواب:

اللہ نے جو کچھ عطا فرما دیا ہے (یعنی دین نبوت، حکمت، حکومت) وہ

اس سے افضل و بہتر ہے جو تم کو دیا ہے (میں اس ہدیہ کے لین دین سے خوش نہیں ہوتا) بلکہ تم ہی اپنے ہدیہ سے خوش ہوتے ہو۔

کیونکہ تم لوگ صرف ظاہری دنیوی زندگی کو جانتے ہو یہی تمہاری نظروں کے سامنے ہے اس لئے ہدیے لے کر مال میں اضافہ کرنا چاہتے ہو اور ہدیے دے کر اپنے ہمسروں پر فخر کرنا چاہتے ہو۔ تم میری حالت کو اپنی حالت پر قیاس کرتے ہو حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ پھر منذر بن عمرو سردار وفد کی طرف رخ کر کے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا
پھر جا ان کے پاس اب ہم پہنچتے ہیں ان پر ساتھ لشکروں کے جن کا مقابلہ نہ ہو سکے ان سے
وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ
اور نکال دیں گے ان کو وہاں سے بے عزت کر کے اور وہ خوار ہوں گے

حملہ کی اطلاع:

یعنی قیدی بنیں گے، جلاوطن ہوں گے اور ذلت و خواری کے ساتھ دولت و سلطنت سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اور کسی پیغمبر نے اس طرح کی بات نہیں فرمائی۔ سلیمانؑ کو حق تعالیٰ کی سلطنت کا زور تھا جو یہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا ذلت عزت کی ضد ہے آبرو اور حکومت کا زوال ذلت ہے اور صغار سے مراد ہے قیدی ہو جانا یعنی اگر وہ مسلمان ہو کر نہیں آئیں گے تو ہم ان کو ان کی سرزمین سے نکال دیں گے اور ان کو قیدی بنالیا جائے گا۔

بلقیس کی حضرت سلیمانؑ کے ہاں حاضری کی تیاری:

وہب بن منبہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب وفد یمن حضرت سلیمانؑ کے پاس سے لوٹ کر بلقیس کے پاس پہنچا (اور واقعہ بیان کیا) تو بلقیس نے کہا واللہ میں تو پہلے ہی پہچان چکی کہ وہ بادشاہ نہیں ہے اور اس کے مقابلہ کی ہم میں سکت نہیں۔ اس کے بعد بلقیس نے حضرت سلیمانؑ کے پاس پیام بھیجا میں خود اپنی قوم کے سرداروں کے ساتھ آپ کے پاس آرہی ہوں اور دیکھوں گی کہ جس دین کی طرف آپ ہم کو بلا رہے ہیں وہ کیا ہے پھر بلقیس نے حکم دے کر اپنے تخت کو تہ بر تہ سات کمروں میں بند کرا کے دروازوں کو مقفل کر دیا سات محلوں کے اندر اس کو رکھوا دیا اور حفاظت کے لئے کچھ نگراں مقرر کر دیئے اور اپنے نائب سے کہا تم یہاں کے حالات کے نگراں رہنا میرے تخت تک کوئی پہنچنے نہ پائے اور کوئی اس کو خراب نہ کر سکے۔ پھر اعلانچی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دے دیا کہ تمام ممالک محروسہ کے باشندوں کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ ہم کوچ کر رہے ہیں اس کے بعد یمن کے بارہ ہزار نوابوں کو لے کر روانہ ہوئی ہر نواب کے ماتحت ہزاروں سپاہی تھے۔

حضرت سلیمانؑ کا رعب:

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ حضرت سلیمانؑ بڑے باوقار اور رعب داب کے آدمی تھے اگر کسی سے کچھ دریافت کرتے تھے تو (اس کی مجال نہ ہوتی کہ خود اپنی طرف سے جواب دے سکے بلکہ) وہ حضرت پر بھی آپ کے سوال کا جواب محول کر دیتا (اور کہہ دیتا کہ اللہ کے نبی کو ہی اس کا بخوبی علم ہے) ایک روز اپنے تخت حکومت پر بیٹھے ہوئے تشریف فرما تھے کہ ایک غبار قریب ہی اڑتا نظر آیا دریافت فرمایا یہ کیا ہے حاضرین نے عرض کیا بلقیس اس جگہ آکر اتری ہے یہ مقام حضرت سلیمانؑ کی مجلس سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا حضرت سلیمانؑ نے یہ بات سن کر اپنے لشکر والوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا
بولا اے دربار والو تم میں کوئی ہے کہ لے آئے میرے پاس اس کا تخت
قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ
پہلے اس سے کہ وہ آئیں میرے پاس حکمبردار ہو کر

بلقیس کے تخت اٹھانے کا پروگرام:

قاصد نے واپس جا کر پیغام جنگ پہنچا دیا بلقیس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ نہیں ان کی قوت خدائی زور سے ہے۔ جدال و قتال سے کچھ فائدہ نہ ہوگا، نہ کوئی حیلہ اور زور ان کے روبرو چل سکتا ہے آخر اظہار اطاعت و انقیاد کی غرض سے بڑے ساز و سامان کے ساتھ حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہوئی جب ملک شام کے قریب پہنچی حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے فرمایا کوئی ہے جو بلقیس کا تخت شاہی اس کے پہنچنے سے پیشتر میرے سامنے حاضر کر دے۔ اس میں بھی حضرت سلیمان کو کسی طرح بلقیس پر اپنی خداداد عظمت و قوت کا اظہار مقصود تھا۔ تا وہ سمجھ لے کہ یہ نرے بادشاہ نہیں، کوئی اور فوق العادت باطنی طاقت بھی اپنے ساتھ رکھتے ہیں (تنبیہ) قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ سے معلوم ہوا کہ اسلام و انقیاد سے پہلے حربی کا مال مباح ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمین کی قید اظہار واقعہ کے لئے ہے کیونکہ وہ لوگ اسی قصد سے آ رہے تھے تخت کا منگانا غالباً اس غرض سے ہے کہ وہ لوگ میرا معجزہ بھی دیکھ لیں کیونکہ اتنا بڑا تخت، اور پھر اس کا ایسے سخت پہروں میں اس طور پر اچانک آ جانا کہ اطلاع تک نہ ہو عادت بشریہ سے باہر ہے اگر جنوں کی تسخیر یعنی تابع ہونے سے ہو تب بھی جنوں کا خود بخود تابع ہو جانا بھی ایک معجزہ ہی ہے اور

... کی ملاقات کی کرامت کے ذریعے سے تو ان کی کرامت بھی نبی کا معجزہ ہوتا ہے ... بغیر کسی واسطہ کے ہے تو پھر وہ دونوں طرح سے بہر حال معجزہ یہ معجزہ اور نبوت کی دلیل ہے لہٰذا مقصود یہ ہوگا کہ ... ولی کی کرامت کے ساتھ یہ معجزہ ... بھی ... تاکہ ایمان و اطمینان زیادہ ہو۔

بلقیس کی حاضری دربارِ سلیمانی میں

قرطبی نے تاریخی روایات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بلقیس نے قاصد خود بھی مرعوب و مبہوت ہو کر واپس ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اعلان جنگ سنایا تو بلقیس نے اپنی قوم سے کہا کہ پہلے بھی میرا یہی خیال تھا کہ سلیمان دنیا کے بادشاہوں کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص منصب بھی ان کو ملا ہے اور اللہ کے نبی و رسول سے جنگ کرنا اللہ سے جنگ ہے جس کی ہم میں طاقت نہیں، یہ کہہ کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کی تیاری شروع کر دی، بارہ ہزار سرداروں کو اپنے ساتھ لیا جن کے تحت ایک ایک لاکھ افواج تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ایسا رعب و جلال عطا فرمایا تھا کہ ان کی مجلس میں کوئی ابتداءً گفتگو کی جرأت نہ کرتا تھا۔ ایک روز حضرت سلیمان علیہ السلام نے دور سے غبار اٹھتا ہوا دیکھا تو حاضرین سے سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: اے نبی اللہ! ملکہ بلقیس اپنے ساتھیوں کے ساتھ آ رہی ہیں۔ بعض روایت میں ہے کہ اس وقت وہ دربارِ سلیمانی سے ایک فرسخ یعنی تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے تسخیر جنات کا عام معجزہ عطا فرمایا ہوا تھا شاید حق تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر انہوں نے یہ ارادہ فرمایا کہ کسی طرح بلقیس کا تخت شاہی اس کے یہاں پہنچنے سے پہلے منگوا لیا جائے، اس لئے حاضرین کو جن میں جنات بھی تھے خطاب فرمایا کہ تخت لانے کے لئے فرما دیا اور اس کے تمام اموال و دولت میں تخت شاہی کا انتخاب بھی شاید اس لئے کیا گیا کہ وہ اس کی سب سے زیادہ محفوظ چیز تھی جس کو سات محلات شاہی کے وسط میں ایک محفوظ محل کے اندر مقفل کر کے رکھا تھا کہ اس کے اپنے آدمیوں کا بھی وہاں تک گزر نہ تھا، اس کے بغیر دروازہ یا قفل توڑے ہوئے منتقل ہو جانا اور اتنی مسافت بعیدہ پر پہنچ جانا حق تعالیٰ شانہ ہی کی قدرت کاملہ سے ہو سکتا ہے یہ اس کو حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ پر یقین کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتا تھا اس کے ساتھ اس پر بھی یقین لازم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص منصب حاصل ہے کہ ان کے ہاتھ پر ایسی فوق العادت چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں (ذکرہ واختارہ ابن جریر)

قبل ان یاتونی مسلمین۔ مُسْلِمِیْنَ، مُسْلِم کی جمع ہے جس کے لغوی معنی مطیع و فرمانبردار کے ہیں، اصطلاح شرع میں مومن کو مسلم کہا جاتا ہے یہاں بقول ابن عباس ... لغوی معنی مراد ہیں یعنی مطیع و فرمانبردار ہو کر کیونکہ ملکہ بلقیس کا ... اس وقت تک ... بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہونے کے ... کے بعد مسلمان ہوئی ہے جیسا کہ خود قرآن کریم کے آئندہ الفاظ سے ثابت ہوتا ہے (معارف القرآن)

قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ
[illegible]
أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ
[illegible]

ایک دیو کا دعویٰ

حضرت سلیمان کا دربار روزانہ ایک معین وقت تک رہتا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ آپ دربار سے اٹھ جائیں، میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں، مگر اس کو کچھ پسند نہ فرمایا۔ حضرت سلیمانؑ اس سے بھی زیادہ جلدی چاہتے تھے۔ (...)

وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ
اور میں اس پر زور آور ہوں معتبر

زور آور ہوں یعنی اپنی قوت بازو سے بہت جلد اٹھا کر لا سکتا ہوں، اللہ نے مجھ کو قدرت دی ہے۔ اور معتبر ہوں یعنی اس میں خیانت نہ کروں گا کہتے ہیں تخت بہت بیش قیمت تھا سونے چاندی کا اور اس میں جواہر جڑے تھے۔ (...)

حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو اللہ کی قدرت اور اس کا عطا کردہ معجزہ دکھانا چاہتے تھے نیز بلقیس کی عقل کی آزمائش بھی مقصود تھی۔ (موضح القرآن) بعد میں واپس تخت کو پہنچا دیا گیا ہوگا۔

مسلمان ہو کر آنے سے پہلے کی (حسب سوء ظن مفسر) شرط کی ... لگائی کہ مسلمان ہونے کے بعد تو بلقیس کی رضامندی کے بغیر اس کا تخت لینا حضرت سلیمان کے لئے حلال نہ تھا (یہ تفسیر ... میں یہ توجیہ نامناسب ہے اس سے معصوم پیغمبر پر الزام عائد ہوتا ہے کہ حضرت سلیمانؑ بلقیس کے تخت پر ہر حیلے اور بہانہ سے قبضہ کرنا چاہتے تھے حالانکہ حضرت سلیمانؑ وہ ہیں جنہوں نے سونے چاندی اور جواہر کے بڑے تحفے واپس کر دیے تھے آپ کو کسی طرح کسی غیر مسلم کے مال کا لالچ نہیں ہو سکتا۔ (واللہ اعلم)

عفریت کا ترجمہ بعض نے کیا خبیث فرمایا ہے اور بعض نے طاقتور ... جس کی تخلیق سخت مضبوط ہو اس کو عفریت کہتے ہیں، اصل میں یہ ... سے بنا ہے اور عفر مٹی کو کہتے ہیں۔ عافرہ ... کشتی میں ... ڈال کر ...

پر ہو گیا۔ بہر حال۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ أَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ
بولا وہ شخص جس کے پاس تھا ایک علم کتاب کا میں لائے دیتا ہوں
قَبْلَ أَنْ يَّرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ
تیرے پاس اس کو پہلے اس سے کہ پھر آئے تیری طرف تیری آنکھ

آصف بن برخیا:

راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص حضرت سلیمان کا صحابی اور وزیر آصف بن برخیا ہے جو کتب سابقہ کا عالم اور اللہ کے ... اور کلام کی تاثیرات سے واقف تھا، اس نے عرض کیا کہ میں چشم زدن میں تخت کو حاضر کر سکتا ہوں۔ آپ کی طرف دیکھنے قبل ... اس ... میں تخت آپ کے سامنے رکھا ہوا ... ہو۔

... تفسیر قرطبی وغیرہ ... نقل ... ، قرطبی ... اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے کہ یہ وہی شخص حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھا۔ ابن اسحٰق نے اس کا نام آصف بن برخیا بتایا ہے اور یہ کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا دوست تھا، اور بعض روایات کے اعتبار سے ان کا خالہ زاد بھائی بھی تھا جس کو اسم اعظم کا علم تھا جس کا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے اور جو کچھ مانگا جائے اللہ کی طرف سے ... دیا جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اسم اعظم کا علم نہیں تھا کیونکہ یہ کچھ بعید نہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مصلحت ... میں یہی ... یہ عظیم کارنامہ ان کی امت کے کسی آدمی کے ذریعہ ظاہر ہو ... سے ... پر ... اور زیادہ ... ہے۔

معجزہ اور کرامت میں فرق

حقیقت یہ ہے کہ ... معجزہ میں اسباب طبیعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ ... اور کرامت حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبیعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا ... کرامت ... کی طرف سے ولی کا ... جاتا ہے۔ معجزہ اور کرامت دونوں ... معجزہ و کرامت نبی کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے ... دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ... کوئی خارق عادت کام ... کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ ہوتا ہے غیر نبی کے ... ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت ہوتی ہے ... واقعہ میں ... روایت میں ہے ... یہ عمل حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب میں سے آصف بن برخیا کے ذریعہ ہوا تو یہ ان کی کرامت کہلائے گی اور ہر ولی کے کمالات چونکہ ان کے ... پیغمبر کے ... کمالات کا عکس اور نبی سے مستفاد ہوتے ہیں اس لئے امت کے اولیاء اللہ کے ہاتھوں جتنی کرامتوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے یہ سب رسول کے معجزات میں شمار ہوتے ہیں۔

اکثر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ وہ آصف بن برخیا تھے جو صدیقیت کے مرتبہ پر فائز تھے اللہ کا اسم اعظم ان کو معلوم تھا جب اسم اعظم لے کر اللہ سے دعا کرتے تھے تو اللہ ان کی دعا قبول فرما لیتا تھا اور ان کا سوال پورا کر دیتا تھا جریر اور مقاتل نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس بیان کی نسبت کی ہے کہ آصف نے نماز کے بعد حضرت سلیمان سے کہا جہاں تک آپ کی نظر پہنچے اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھئے حضرت سلیمان نے نظر اٹھا کر یمن کی طرف دیکھا اور آصف نے دعا کی فوراً اللہ نے فرشتوں کو بھیج دیا فرشتوں نے تخت اٹھا لیا اور زمین کو اندر ہی اندر چیرتے ہوئے لا کر حضرت سلیمان کے سامنے رکھ دیا۔

تخت بلقیس کا واقعہ کرامت تھی یا تصرف:

تصرف اصطلاح میں خیال ونظر کی طاقت استعمال کر کے حیرت انگیز کام صادر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کے لئے نبی یا ولی بلکہ مسلمان ہونا بھی شرط نہیں، وہ مسمریزم جیسا ایک عمل ہے۔ صوفیائے کرام نے اصلاح مریدین کے لئے کبھی کبھی اس کو استعمال کیا ہے۔

رہا یہ شبہ کہ ان کا یہ کہنا کہ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ یعنی میں یہ تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے لادوں گا، یہ علامت اس کی ہے کہ یہ کام اُن کے قصد واختیار سے ہوا جو علامت تصرف کی ہے کیونکہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی تو اس کا یہ جواب ہو سکتا ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اطلاع دی ہو کہ تم ارادہ کرو گے تو ہم یہ کام اتنی جلدی کر دیں گے۔ یہ تقریر حضرت ... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی ہے جو احکام القرآن میں سورہ نمل کی تفسیر لکھنے کے وقت حضرت نے ارشاد فرمائی تھی، اور تصرف کی حقیقت اور اس کے احکام پر حضرت کا ایک مستقل رسالہ بنام التصرف عربی زبان میں تھا جس کا اُردو ترجمہ احقر نے لکھا تھا وہ جداگانہ شائع ہو چکا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس شخص کا نام آصف بن برخیا تھا جو سلیمان علیہ السلام کا صحابی اور ان کا وزیر تھا۔ جو کتب الہیہ کا عالم تھا اور اسماء الہیہ کے خواص اور تاثیرات سے واقف تھا دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۳۶۴ ج ۳، روح المعانی ص ۱۸۳ ج ۱۹۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور نبی کے بیٹے ہیں آپ اللہ سے دعا

فرمائیے آپ اگر اللہ سے دعاء کریں گے تو حاضر ہو جائیگا حضرت سلیمان نے دعاء کی تو فوراً تخت حاضر ہو گیا (دیکھو تفسیر ص ۵۰)

تخت کا اس طرح طرفۃ العین میں حاضر ہو جانا سلیمان علیہ السلام کا معجزہ تھا اور ان کے صحابی کی کرامت تھی۔ کیونکہ صحابی کو یہ مرتبہ اپنے نبی کی متابعت سے ملا یہ بھی ممکن تھا کہ خود سلیمان علیہ السلام اس تخت کو لے آتے لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کام ان کے خادم کے ہاتھ سے کرایا تا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مزید اعزاز و اکرام کا سبب ہے کہ یہ شخص اللہ کا اس درجہ مقبول بندہ ہے کہ اس کے خادم ایسے ہیں جن سے ایسی کرامتیں ظہور میں آ رہی ہیں۔

(فائدہ) اور طرفۃ العین میں اس طرح تخت کا حاضر ہو جانا عقلاً محال نہیں اور موجودہ سائنس کی تحقیق پر اجسام کی تیز رفتاری کی کوئی حد مقرر نہیں ابھی تک تو بندہ کی قدرت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ کہاں تک پہنچے گی تو خدائے قادر مطلق کی قدرت کی کون حد مقرر کر سکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

آصف بن برخیا کی دُعاء:

بعض اہل روایت کا کہنا ہے یہ مسافت دو مہینے کی راہ کے برابر تھی آصف نے کیا دعا مانگی تھی مجاہد نے کہا یاذا الجلال والاکرام کہا تھا یعنی یہ اسم اعظم ہے کلبی نے کہا یاحی یا قیوم تھا (یہی اسم اعظم ہے) حضرت عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے۔

زہری کا قول مروی ہے کہ جس کے پاس علم کتاب تھا اس نے اس طرح دعا کی تھی یا اِلٰهَنَا وَاِلٰهُ كُلِّ شَيْءٍ اِلٰهاً وَّاحِداً اَلا اِلٰهَ اِلاَّ اَنْتَ اِيْتِنِي بِعَرْشِهَا اے ہمارے معبود اور ہر چیز کے تنہا معبود تیرے سوا کوئی معبود نہیں میرے پاس اس کا تخت لے آ۔

اللہ کے اسم اعظم کی بحث ہم نے سورۂ آل عمران کے شروع میں تفصیل کیساتھ لکھ دی ہے میرے نزدیک زہری کا قول قابل ترجیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ
پھر جب دیکھا اُس کو دھرا ہوا اپنے پاس کہا یہ میرے رب کا فضل ہے

فضل الٰہی کا شکر:

یعنی یہ ظاہر کے اسباب سے نہیں آیا، اللہ کا فضل ہے کہ میرے رفیق اس درجہ کو پہنچے جن سے ایسی کرامات ظاہر ہونے لگیں۔ اور چونکہ ولی کی خصوصاً صحابی کی کرامت اُس کے نبی کا معجزہ اور اُس کے اتباع کا ثمرہ ہوتا ہے اس لئے حضرت سلیمان پر بھی اس کی شکرگزاری عائد ہوئی۔ (تنبیہ) معلوم ہوا کہ اعجاز و کرامت فی الحقیقت خداوند قدیر کا فعل ہے جو ولی یا نبی کے ہاتھ پر خلاف معمول ظاہر کیا جاتا ہے پس جس کی قدرت سے سورج یا زمین کا کرہ ایک لمحہ میں ہزاروں میل کی مسافت طے کرتا ہے اسے کیا مشکل ہے کہ تخت

بلقیس کو پلک جھپکنے میں مارب سے شام پہنچا دے حالانکہ تخت بلقیس کو سورج اور زمین سے ذرہ اور پہاڑ کی نسبت ہے۔

لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ
میرے جانچنے کو کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری

حضرت سلیمان ہر ہر قدم پر حق تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچانتے اور ہمہ وقت شکرگزاری کے لئے تیار رہتے تھے گویا اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا کے حکم کی تعمیل تھی۔ (تفسیر عثمانی)

لِيَبْلُوَنِيْٓ یعنی اس کا یہ فضل مجھ پر میری جانچ کرنے کے لئے ہے شکر ادا کروں کہ میں اس کی نعمت کا شکر کرتا ہوں اور محض رب کی مہربانی سمجھتا ہوں اپنی طاقت اور قوت کا نتیجہ نہیں قرار دیتا اور پھر اس عطیۂ خداوندی کا حق ادا کرتا ہوں۔ اَمْ اَكْفُرُ یا ناشکری کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو اس کا مستحق قرار دیتا ہوں یا اس کا حق ادا کرنے میں قصور کرتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ
اور جو کوئی شکر کرے سو شکر کرے اپنے واسطے اور جو کوئی ناشکری کرے سو
رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ
میرا رب بے پرواہ ہے کرم والا

شکرگزاری کا نفع:

یعنی شکرگزاری کا نفع شکر کرنے والے ہی کو پہنچتا ہے کہ دنیا و آخرت میں مزید انعامات مبذول ہوتے ہیں ناشکری کرے گا تو خدا کا کیا نقصان وہ ہمارے شکریوں سے قطعاً بے نیاز اور بذات خود کامل الصفات اور منبع الکمالات ہے۔ ہمارے کفرانِ نعمت سے اس کی کسی صفت کمالیہ میں کمی نہیں آ جاتی۔ یہ بھی اُس کا کرم ہے کہ ناشکروں کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ ایسے کریم کی ناشکری کرنے والا پرلے درجہ کا بے حیا اور احمق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الشکر قيد النعمة الموجودة وصيد النعمة المفقودة شکر موجود نعمت کو روکے رکھتا ہے اور غیر موجود نعمت کا شکار کرتا ہے (یعنی زیادت نعمت کا ذریعہ ہے) شکر کرنے سے صاحب نعمت کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے وہ حق واجب کر دیتا ہے اور اس کا درجہ عند اللہ اونچا ہو جاتا ہے اور آخرت میں ثواب کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کھانے والا شکر ادا کرنے والا (یعنی کھا کر شکر ادا کرنے والا) صابر روزہ دار کی مثل ہے رواه احمد والترمذی وابن ماجه والحاكم بسند صحيح عن ابی هريرةؓ

امام احمد اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت سنان بن سنہ کی روایت سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کھانے والے (پھر اس کا) شکر کرنے والے کے لئے اتنا ہی اجر ہے جیسے صابر روزہ دار کا۔

غنی یعنی اس کے شکر سے بے پرواہ ہے کریم یعنی شاکر اور کافر سب کو دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ نَكِّرُوا لَهَا عَرْشَهَا نَنظُرْ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ
کہا روپ بدل دکھلاؤ اس عورت کے آگے اس کے تخت کا ہم دیکھیں سوجھ پاتی ہے یا ہوتی ہے ان لوگوں
مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ
میں جن کو سوجھ نہیں

تخت کے رنگ وروپ میں تبدیلی:

یعنی تخت کا رنگ روپ تبدیل کردو۔ اور اس کی وضع وہیئت بدل ڈالو، جسے دیکھ کر بلقیس بآسانی نہ سمجھ سکے۔ اس سے بلقیس کی عقل وفہم کا آزمانا تھا کہ ہدایت پانے کی استعداد اس میں کہاں تک موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سلیمان نے (بلقیس کی سمجھ کو جانچنے کے لئے) حکم دیا اس کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو ہم دیکھیں کہ اس کو صحیح پتہ لگتا ہے یا اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جو (ایسی باتوں کا) پتہ نہیں لگا سکتے۔ مکرو اس کی تخت وایسا کر دو کہ وہ پہچان نہ سکے۔ (اس کو اپنا نہیں کوئی غیر تخت محسوس ہو۔ مترجم) روایت میں آیا ہے کہ حسب الحکم تخت کے نچلے حصہ کو بالائی اور بالائی حصہ کو نچلا کر دیا گیا۔ اور سرخ جواہر کی جگہ سبز جواہر جڑ دیئے گئے اور سبز کی جگہ سرخ۔

اتهتدی کیا وہ اپنے تخت کو شناخت کرنے کی راہ پالے گی (کسی طریقہ سے شناخت کر سکے گی)

تخت کے ذریعہ بلقیس کے امتحان کی حکمت۔

سلیمان نے ایسا کیوں کیا اس کے متعلق وہب بن منبہ اور کعب وغیرہ کا بیان ہے کہ شیاطین کو یہ اندیشہ تھا کہ سلیمان بلقیس سے عقد نہ کر لیں اگر ایسا کر لیا تو جنات کے سارے راز وہ سلیمان سے کہہ دے گی کیونکہ اس کی ماں پری تھی وہ جنات کی خفیہ باتوں سے واقف تھی پھر اگر کوئی اولاد ہو گئی تو سلیمان کے بعد اس کے زیر حکم رہنا پڑے گا اور یہ نسل سلیمانی کی غلامی کبھی دور نہ ہوگی اس لئے حضرت سلیمان کو نفرت دلانے کے لئے شیاطین نے حضرت سلیمان سے بلقیس کی مذمت کی اور کہا اس کی عقل میں کچھ کمزوری ہے اس کے دونوں قدم گدھے کے سم کی طرح ہیں اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں اسی اطلاع کی بنا پر حضرت سلیمان نے تخت کی صورت بدل ڈالنے کا حکم دیا تاکہ بلقیس کی عقل کی جانچ ہو جائے اور پنڈلیاں دیکھنے کے لئے ایک شیشہ گھر بنانے کا حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ
پھر جب وہ آ پہنچی کسی نے کہا کیا ایسا ہی ہے تیرا تخت بولی گویا یہ وہی ہے

بلقیس کی دانائی:

کہا ہاں وہ ہی ہے اور نہ بالکل نفی کی، جو حقیقت تھی ٹھیک ٹھیک ظاہر کر دی کہ تخت وہ ہی ہے مگر کچھ اوصاف میں فرق آ گیا۔ اور فرق چونکہ معتدبہ نہیں اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا وہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا آپ کا تخت بھی ایسا ہی ہے ملکہ نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے بعینہ یہ وہی ہے اھکذا عرشک۔ یہ اشتباہی لفظ بلقیس کی عقل کی آزمائش کے لئے کیا گیا مقاتل کا بیان ہے کہ بلقیس نے اپنا تخت پہچان تو لیا تھا لیکن اشتباہی الفاظ میں اس نے جواب اس لئے دیا کہ اس سے مشتبہ الفاظ میں ہی سوال کیا گیا تھا بعض نے کہا واقعی وہ پوری یقینی شناخت نہیں کر پائی تھی اس لئے نہ کھل کر اقرار کیا نہ انکار حضرت سلیمانؑ اس طرز کلام سے اس کی دانشمندی کو پہچان گئے۔ پھر اس سے کہا گیا واقعی یہ تخت آپ ہی کا ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ سات دروازوں میں مقفل ہونے اور چوکیداروں کی حفاظت کرنے سے یہ محفوظ نہ رہ سکا۔ اس پر بلقیس نے جواب دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ
اور ہم کو معلوم ہو چکا پہلے سے اور ہم ہو چکے حکم بردار

بلقیس کے یقین کا اظہار:

یعنی اس معجزہ کی حاجت نہ تھی ہم کو پہلے ہی یقین ہو چکا تھا کہ سلیمان محض بادشاہ نہیں۔ اللہ کے مقرب بندہ ہیں اور اسی لئے ہم نے فرمانبرداری اور تسلیم وانقیاد کا رستہ اختیار کر لیا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی دوسری نشانیوں سے ہم نے آپ کی نبوت کو جان لیا تھا ہدہد کا خط ڈالنا اور ہمارے تحفوں کو واپس کر دینا اور قاصدوں کے ذریعہ سے پیام بھیجنا بعض علماء نے کہا۔ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ حضرت سلیمان اور آپ کے ساتھیوں کا کلام ہے یعنی ہم تو اللہ کی قدرت اور ہر حکم خدا کی صحت کو اس واقعہ سے پہلے ہی جانتے ہیں اور ہم اس کے بھیجے ہوئے دین پر قائم ہیں اور برابر اس کے اطاعت گزار اور فرمانبردار ہیں۔ اس وقت اس کلام کی غرض ہوئی محض اللہ کی نعمتوں کا اقرار اور ان کے شکر کا اظہار۔ بعض اہل علم نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم کو بلقیس کے ایمان لانے اور آنے سے پہلے اطاعت گزار

ہو جانے کا علم ہو چکا تھا اور ہم اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ
اور روک دیا اس کو ان چیزوں سے جو پوجتی تھی اللہ کے سوا
إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِينَ
بیشک وہ تھی　　منکر لوگوں میں

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو شرک سے منع کیا:

یعنی حق تعالیٰ نے یا سلیمان علیہ السلام نے حق تعالیٰ کے حکم سے ملکہ بلقیس کو آفتاب وغیرہ کی پرستش سے روک دیا جس میں وہ بہ تبعیت اپنی قوم کے مبتلا تھی۔ یا یہ مطلب ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے تک جو علانیہ اسلام کا اظہار نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے کہ جھوٹے معبودوں کے خیال اور قوم کفار کی تقلید وصحبت نے اس کو ایسا کرنے سے روک رکھا تھا۔ نبی کی صحبت میں پہنچ کر وہ روک جاتی رہی، ورنہ سلیمان علیہ السلام کی صداقت کا اجمالی علم اس کو پہلے ہی ہو چکا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے کہا شیشہ کا صحن خانہ تیار کرنے کا حکم دیا جس کے نیچے پانی ہی پانی رکھا اور پانی میں مینڈکیاں اور طرح طرح کی مچھلیاں چھوڑ دیں پھر اس صحن کے شہ نشین میں اپنا تخت بچھوا دیا اور اس پر رونق افروز ہوئے پرندے جنات وانسان آپ کے گرد جمع ہوئے۔ بعض کا خیال ہے شیشہ کا ایک صحن تیار کرایا تھا جس کے نیچے مچھلیوں اور مینڈکیوں کی مورتیں رکھی تھیں، دیکھنے والا اس کو پانی ہی سمجھتا تھا۔ غرض اس کے بعد بلقیس کو بلوایا۔ (تفسیر مظہری)

قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ
کسی نے کہا اس عورت کو اندر چل محل میں پھر جب دیکھا اس کو خیال کیا
لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا
کہ وہ پانی ہے　　اور کھولیں اپنی پنڈلیاں

بلقیس حضرت سلیمانؑ کے دربار کو سمجھ نہ سکی:

یعنی پانی میں گھسنے کے لیے پائنچے چڑھائے جیسے عام قاعدہ ہے۔ پانی کی گہرائی پوری طرح معلوم نہ ہو تو گھسنے والا شروع میں پائنچے [illegible] ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا اور اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اٹھا لیا تاکہ پانی میں داخل ہو جائے۔ ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کے قول پر ایک طویل بیان میں لکھا ہے کہ بلقیس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان نے ایک قصر بنایا جس کا صحن سفید آبگینہ کا رکھا اور اس کے نیچے پانی چھوڑ دیا پانی کے نیچے آبی جانور بھی چھوڑ دیے اور اپنا تخت اسی صحن کے شہ نشین پر بچھوا دیا اور تخت پر تشریف فرما ہوئے جب بلقیس آئی اور اس نے صحن کو دیکھا تو پانی کا خیال کیا اور پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا دیا۔ پنڈلیوں میں گھنے بال تھے۔ سلیمان نے پنڈلیاں جب سلیمان نے اس کی طرف دیکھا تو پنڈلیاں اور قدم بہت ہی خوبصورت دیکھائی دیے البتہ پنڈلیوں پر بال تھے سلیمان نے دیکھ کر نظر پھیر لی۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا:

علماء نے اس جگہ سے یہ مطلب اخذ کیا ہے کہ اجنبی عورت کو نکاح کا پیام دینے والے کو دیکھ لینا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دے اور وہ حصہ بدن (چہرہ وغیرہ) دیکھنا ممکن ہو جس کو دیکھ کر نکاح کر سکتا ہو تو ایسا کر لے۔ رواہ ابو داؤد عن جابر ورواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی عن مغیرۃ بن شعبۃ۔ حضرت مغیرہ کا بیان ہے میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھجوایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں فرمایا تو اس کو دیکھ لو تم دونوں کے آپس میں محبت پیدا کرنے کے لیے یہ بات زیادہ مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُمَرَّدٌ مِنْ قَوَارِيرَ ۗ
کہا یہ تو ایک محل ہے　جڑے ہوئے ہیں اس میں شیشے

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کو حقیقت بتلائی:

حضرت سلیمان علیہ السلام جس مکان میں بیٹھے تھے اس میں پتھروں کی جگہ شیشہ کا فرش تھا۔ صاف شیشہ اور نظر آتا تھا کہ پانی لہرا رہا ہے۔ اور ممکن ہے شیشہ کے نیچے واقعی پانی ہو جس پر وہ شیشہ کا فرش پاٹ دیا ہو۔ بلقیس نے پانی میں گھسنے کے لیے پنڈلیاں کھولیں۔ سلیمان نے پکارا کہ یہ شیشہ کا فرش ہے پانی نہیں اس وقت بلقیس کو اپنا قصور اور ان کی عقل کا کمال معلوم ہوا۔ سمجھی کہ دین میں بھی جو یہ سمجھے ہیں وہی حق ہوگا۔ اور یہ بھی سمجھ گئی کہ یہ اس سے بڑھ کر معجزات کا سامان ہے جو سلیمان علیہ السلام نے اس کو دکھلایا۔ گویا سلیمان علیہ السلام نے اس پر متنبہ کیا کہ آفتاب وماہتاب کی چمک سے دھوکا کھا کر انہیں خدا سمجھ لینا ایسی ہی غلطی ہے جیسے شیشہ کی چمک سے پانی گمان کر لے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ
بولی اے رب میں نے برا کیا ہے اپنی جان کا اور میں حکم میں آئی
مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ
ساتھ سلیمان کے اللہ کے جو رب ہے سارے جہان کا

بلقیس کے اسلام کا اعلان:

یعنی اے پروردگار! میں تیری حکم بردار ہو کر سلیمان کا راستہ اختیار کرتی ہوں۔ اب تک میں نے اپنی جان پر بڑا ظلم کیا کہ شرک و کفر میں مبتلا رہی، اب اُس سے تائب ہو کر تیری بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرتی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کا بلقیس سے نکاح:

ابن عساکر نے حضرت عکرمہؓ سے روایت کیا ہے کہ اس کے بعد بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی اور اس کو اس کے ملک پر برقرار رکھ کر یمن واپس بھیج دیا۔ ہر مہینے حضرت سلیمان علیہ السلام وہاں تشریف لے جاتے اور تین روز قیام فرماتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے لئے یمن میں تین عمدہ محلات ایسے تیار کرا دیئے تھے جس کی مثال و نظیر نہیں تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

عام تفسیر و سیر میں یہ مشہور ہے کہ ملکہ سبا کے اسلام لانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح فرما لیا۔ ملکہ سبا غیر شادی شدہ تھی۔ والمشهور انه عليه السلام تزوجها و اليه ذهب جماعة من اهل الاخبار تفسير روح المعانى ص۱۸۹ ج۱۹۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت سلیمانؑ نے جب بلقیس سے نکاح کر لیا تو آپ کو بلقیس سے بڑی محبت ہو گئی اور یمن کی سلطنت پر اس کو برقرار رکھا۔ اور حضرت سلیمان کے حکم سے جنات نے یمن میں تین قلعے اتنے اونچے بنائے کہ ایسے اونچے اور خوبصورت قلعے کسی نے نہ دیکھے ہوں گے ان کے نام تھے سلحون سنون اور غمدان جب حضرت سلیمان نے بلقیس کو ان کے ملک میں واپس کر دیا تو ہر مہینے ملاقات کے لئے ایک بار جایا کرتے تھے اور تین روز وہاں قیام پذیر رہتے تھے صبح کو شام سے یمن کو چل دیتے تھے اور پھر صبح کو ہی یمن سے شام کو روانہ ہو جاتے تھے بلقیس کے بطن سے حضرت سلیمان کا ایک لڑکا بھی ہوا۔

کہا گیا ہے کہ ۱۳ سال کی عمر میں حضرت سلیمان کو حکومت ملی تھی اور ۵۳ سال کی عمر پا کر آپ کی وفات ہوئی "سبحان الله من لازوال لملكه" پاک ہے وہ خدا جس کی حکومت کو کبھی زوال نہیں۔

لا ملک سلیمان ولا بلقیس　　لا آدم فی الکون ولا ابلیس

ما ثم فصورة و نت المعنى　　یا من هو للقلوب مقناطیس

نہ سلیمان کی حکومت (کوئی حقیقت رکھتی) ہے نہ بلقیس نہ آدم اس کائنات میں وجود (حقیقی) رکھتے ہیں نہ ابلیس اے وہ ذات جو دلوں کو اپنی طرف کھینچنے والی مقناطیس ہے تو ہی حقیقت ہے اور کل جہان صورت۔ (تفسیر مظہری)

بلقیس کی ایک بدگمانی:

آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب بلقیس صحن پر پہنچی اور اس کو سمند سمجھی تو خیال کیا کہ سلیمان مجھے غرق کرنا چاہتے ہیں اس سے تو قتل ہونا آسان ہے پھر جب حقیقت ظاہر ہوئی تو کہنے لگی میں نے سلیمان پر بدگمانی کر کے اپنے اوپر ظلم کیا اب میں نے توبہ کی اور اسلام لے آئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
اور ہم نے بھیجا تھا ثمود کی طرف اُن کے بھائی صالح کو کہ بندگی کرو اللہ کی
فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ
پھر وہ تو دو فرقے ہو کر لگے جھگڑنے

قوم ثمود میں گروہ بندی:

یعنی ایک ایمان والے اور ایک منکر، جیسے مکہ کے لوگ پیغمبر کے آنے سے جھگڑنے لگے۔ قوم ثمود کے جھگڑنے کی قدرے تفصیل سورۂ اعراف کی ان آیات میں گزر چکی۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ الخ (اعراف۔ رکوع ۱۰) (تفسیر عثمانی)

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ
کہا اے میری قوم کیوں جلدی مانگتے ہو برائی کو　پہلے بھلائی سے
لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ
کیوں نہیں گناہ بخشواتے اللہ سے　شاید تم پر رحم ہو جائے

حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم:

حضرت صالح علیہ السلام نے اُن کو بہت سمجھایا ہر طرح فہمائش کی اور آخرت میں عذاب کی دھمکی دی۔ جس پر وہ کہنے لگے يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (اعراف۔ رکوع ۱۰) یعنی سچا ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آ، دیر کس بات کی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ کم بختو! ایمان و توبہ اور بھلائی کی راہ تو اختیار نہیں کرتے جو دنیا و آخرت میں کام آئے۔ اُلٹے بُرائی طلب کرنے میں جلدی مچا رہے ہو۔ بُرا وقت آ پڑے گا تو ساری طمطراق ختم ہو جائے گی۔ ابھی موقع ہے کہ گناہوں سے توبہ کر کے محفوظ ہو جاؤ۔ کیوں توبہ و استغفار نہیں کرتے حق تعالیٰ عذاب کی جگہ اپنی رحمتیں تم پر نازل فرمائے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ
بولے ہم نے منحوس قدم دیکھا تجھ کو اور تیرے ساتھ والوں کو

قوم کا حضرت صالح ﷺ پر الزام:

یعنی جب سے تیرا منحوس قدم آیا ہے اور یہ باتیں شروع ہوئی ہیں ہم پر قحط وغیرہ کی سختیاں پڑتی جاتی ہیں اور گھر گھر میں لڑائی جھگڑے شروع ہوئے۔ (عثمانی)

قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ
کہا تمہاری بری قسمت اللہ کے پاس ہے

یعنی یہ سختیاں برائیاں میری وجہ سے نہیں۔ تمہاری بدقسمتی سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری شرارتوں اور بداعمالیوں کے سبب سے مقدر کی ہیں۔ (عثمانی)

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ
بلکہ تم لوگ جانچے جاتے ہو

یعنی غرض شامت سے تم پر سختی پڑی ہے یہ نہیں سمجھتے ہو یہ نہیں۔ (عثمانی)

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ		
اور تھے اس شہر میں	نو شخص	کہ خرابی کرتے
فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ		
ملک میں	اور	اصلاح نہ کرتے

قوم ثمود کے نو سردار:

یہ نو شخص شاید نو جماعتوں کے سردار ہوں گے جن کا کام ملک میں فساد پھیلانے اور خرابی ڈالنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اصلاح و درستی کی طرف ان کا قدم کبھی نہ اٹھتا تھا۔ مکہ میں بھی کافروں کے نو سردار تھے جو ہمہ وقت اسلام کی بیخ کنی اور پیغمبر کی دشمنی میں ساعی رہتے تھے بعض مفسرین نے ان کے نام لکھے ہیں۔ (عثمانی)

تسعة رهط لفظ **رهط** جماعت کے معنے میں آتا ہے۔ یہاں نو شخصوں میں سے ہر شخص کو رہط کے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اپنے مال و دولت اور جاہ و حشم کے سبب قوم کے بڑے مانے جاتے تھے اور ہر ایک کے ساتھ الگ الگ جماعتیں تھیں، اس لئے ان نو آدمیوں کو نو جماعتیں فرمایا۔ یہ لوگ قوم صالح علیہ السلام کی بستی یعنی حجر کے بڑے مانے جاتے تھے۔ حجر ملک شام میں معروف مقام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ
بولے آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو جا پڑیں اس پر اور اس کے گھر پر پھر کہہ دیں گے
لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ
اس کے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں

حضرت صالح ﷺ پر حملہ کا پروگرام:

یعنی آپس میں معاہدہ اور حلف ہو گئے کہ سب مل کر رات کو حضرت صالح ﷺ کے گھر پر ٹوٹ پڑو اور کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ پھر جب کوئی ان کے خون کا دعویٰ کرنے والا کھڑا ہو تو کہہ دینا ہمیں خبر نہیں۔ ہم سچ کہتے ہیں کہ ان کی تباہی ہماری آنکھوں نے نہیں دیکھی۔ گویا ہم خود تو ایسی جرأت کیا کرتے اس وقت موقع پر موجود بھی نہ تھے۔ اس طرح نہ مقتول کے وارث کو دعویٰ کی گنجائش رہے گی نہ ہم میں سے کوئی مجرم ٹھہرے گا جس سے ان کے خون کا مطالبہ کریں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ تھا کہ ہم سب مل کر رات کے اندھیرے میں ان پر اور ان کے متعلقین پر چھاپہ ماریں، سب کو ہلاک کر دیں، پھر ان کے خون کا دعویدار وارث تحقیق تفتیش کے لئے کھڑا ہوگا تو ہم یہ کہہ دیں گے کہ ہم نے تو قاتل آدمی کو نہ مارا نہ دیکھا اور ہم اپنے اس قول میں سچے ہوں گے کہ رات کے اندھیرے میں یہ تعیین کہ کس نے کس کو مارا ہمیں معلوم نہیں ہوں۔

جھوٹ کی برائی:

اس میں ایک بات یہ قابل نظر ہے کہ یہ کفار اور ان میں سے بھی چیدہ بدمعاش جو فساد میں معروف تھے یہ سارے کا مشرک کفر اور قتل و غارت گری کے مرتکب ہیں اور کوئی فکر نہیں مگر وہ بھی یہ فکر رکھتے ہیں کہ ہم جھوٹے نہ ہوں یعنی جھوٹ کو انہوں نے بھی ایسا برا سمجھا کہ جھوٹ ایسا بڑا گناہ ہے کہ سارے بڑے بڑے جرائم کے مرتکب بھی اپنی شرافت نفس اور عزت کی حفاظت کے لئے جھوٹ بولنے پر اقدام نہ کرتے تھے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ قابل غور ہے کہ جس شخص کو ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا ولی قرار دیا ہے وہ تو انہی اہل سازش میں شامل تھا اس کو قتل کے ارادہ سے کیوں چھوڑ دیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے وہ ان کے خاندانی اعتبار سے بڑا ہو اگرچہ کافر ہو کافروں کے ساتھ ملا ہوا ہو صالح علیہ السلام اور ان کے متعلقین کے قتل کے بعد وہ ان کے خون کا دعویٰ اپنے نسبی تعلق کی بنا پر کرے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمان ہی ہو مگر کوئی بڑا آدمی ہو جس کے قتل کرنے سے اپنی قوم میں اختلاف و انتشار کا خطرہ ہو اس لئے اس کو چھوڑ دیا ہو واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ
اور بنایا انہوں نے ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب اور ان کو خبر نہ ہوئی

ان کا مکر تو وہ جو خفیہ سازش تھی اور خدا کا مکر تھا ان کو ڈھیل دینا کہ خوب دل کھول کر اپنی شرارتوں کی تکمیل کر لیں۔ تاکہ مستحق عذاب عظیم ہونے میں کوئی حجت و عذر باقی نہ رہے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم حضرت صالح کا قصہ ختم کر رہے

ہیں یہ خبر نہ تھی کہ اندر اندر ان ہی کی جڑ کٹ رہی ہے اور ان ہی کا قصہ ختم ہو رہا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ان کی ہلاکت کے اسباب پورے ہونے تھے شرارت جب تک حد کو نہ پہنچے ہلاکت نہیں آتی۔ (تفسیر عثمانی)

ان کا فساد اور ہلاکت:

یہی وہ لوگ تھے جو درہم کے سکے کو تھوڑا سا کتر لیتے تھے اور اسے چلاتے تھے۔ سکے کو کاٹنا بھی ایک طرح کا فساد ہے چنانچہ ابوداؤد وغیرہ میں حدیث ہے جس میں بلا ضرورت سکے کو جو مسلمانوں میں رائج ہو کاٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے الغرض ان کا یہ فساد بھی تھا اور دیگر فساد بھی بہت سارے تھے اس ناپاک گروہ نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ آج رات کو صالح علیہ السلام کو اور اس کے گھرانے کو قتل کر ڈالو اس پر سب نے حلف اٹھائے اور مضبوط عہد و پیمان کئے۔ لیکن یہ لوگ حضرت صالح تک پہنچیں اس سے پہلے عذاب خداتعالیٰ ان تک پہنچ گیا اور ان کا ستیاناس کر دیا۔ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آئی اور ان سب سرداروں کے سر پھوٹ گئے سارے ہی ایک ساتھ مر گئے۔ ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے خصوصاً جب انہوں نے حضرت صالح والی اونٹنی کو قتل کیا، اور دیکھا کہ کوئی عذاب نہیں آیا تو اب نبی اللہ کے قتل پر آمادہ ہوئے۔ مشورے کیے کہ چپ چاپ اچانک اسے اور اس کے بال بچوں کو ہلاک کر دو اور اس کے وارثوں اور قوم سے کہہ دو کہ ہمیں کیا خبر؟ اگر صالح نبی ہے تو وہ ہمارے ہاتھ لگنے کا نہیں ورنہ اسے بھی اس کی اونٹنی کے ساتھ سلا دو۔ اس ارادے سے چلے، راہ میں ہی تھے جو فرشتے نے پتھر سے ان سب کے دماغ پاش پاش کر دیئے۔ ان کے مشوروں میں اور جو جماعت شریک تھی انہوں نے جب دیکھا کہ انہیں گئے ہوئے عرصہ ہوا اور واپس نہیں لوٹے تو یہ خبر لینے چلے۔ دیکھا کہ سب کے سر پھٹے ہوئے ہیں بھیجے نکلے پڑے ہیں اور سب مردہ ہیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام پر ان کے قتل کی تہمت رکھی اور انہیں مار ڈالنے کے لئے چڑھے لیکن ان کی قوم ہتھیار لگا کر آ گئی اور کہنے لگی دیکھو اس نے تم سے کہا ہے کہ تین دن میں عذاب خداتعالیٰ تم پر آئے گا تم یہ تین دن گزر جانے دو اگر یہ سچا ہے تو اس کے قتل سے خداتعالیٰ کو اور ناراض کرو گے اور زیادہ سخت عذاب آئیں گے اور اگر یہ جھوٹا ہے تو پھر تمہارے ہاتھ سے بچ کر کہاں جائے گا چنانچہ وہ لوگ چلے گئے۔ فی الواقع ان سے حضرت صالحؑ نے صاف فرما دیا تھا کہ تم نے خداتعالیٰ کی اونٹنی کو قتل کیا ہے تو تم تین دن تک تو مزے اڑا لو پھر خداتعالیٰ کا سچا وعدہ ہو کر رہے گا۔ یہ لوگ حضرت صالحؑ کی زبانی یہ سن کر کہنے لگے یہ تو اتنی مدت کہہ رہا ہے آؤ ہم آج ہی اس سے فارغ ہو جائیں جس پتھر سے اونٹنی نکلی تھی اسی پہاڑی پر حضرت صالح علیہ السلام کی ایک مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھا کرتے تھے

انہوں نے مشورہ کیا کہ جب وہ نماز کو آئے اسی وقت راہ میں ہی اس کا کام تمام کر دو۔ جب پہاڑی پر چڑھنے لگے تو دیکھا کہ اوپر سے ایک چٹان لڑھکتی ہوئی آ رہی ہے اس سے بچنے کے لئے ایک غار میں گھس گئے چٹان آ کر غار کے منہ پر اس طرح ٹھہری کہ منہ بالکل بند ہو گیا سب کے سب ہلاک ہو گئے اور کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں گئے؟ انہیں یہاں یہ عذاب آیا وہاں باقی والے وہیں ہلاک کر دیئے گئے۔ نہ ان کی خبر انہیں ہوئی اور نہ ان کی انہیں۔ حضرت صالحؑ اور باایمان لوگوں میں سے کسی کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور اپنی جانیں خداتعالیٰ کے عذابوں میں کھو دیں۔ انہوں نے مکر کیا ہم نے ان کی چال بازی کا مزہ انہیں چکھا دیا اور انہیں اس سے ذرا پہلے بھی مطلق علم نہ ہو سکا انجام کار ان کی فریب بازیوں کا یہ ہوا کہ سب کے سب تباہ و برباد ہوئے یہ ہیں ان کی بستیاں جو اوجڑ پڑی ہیں ان کے ظلم کی وجہ سے یہ ہلاک ہو گئے ان کے بارونق شہر تباہ کر دیئے گئے۔ ذی علم لوگ ان نشانوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں ہم نے ایماندار متقیوں کو بال بال بچا لیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مکروا مکرا یعنی انہوں نے غداری کی کہ شب خون مار کر صالح کو قتل کر ڈالنے کا باہم مشورہ طے کر لیا۔ ومکرنا مکرا یعنی ہم نے بھی ان کو ہلاک کرنے کا سبب اسی بات کو بنا دیا۔ کیف کان میں استفہام تعجبی ہے تعجب کے ساتھ ان کے انجام پر نظر کرو انا دمرناھم کہ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان نو آدمیوں کو ہلاک کس طرح کیا گیا اس کے متعلق روایات میں اختلاف ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے فرشتوں کو صالحؑ کے مکان کی حفاظت کے لئے بھیج دیا جب ان نو آدمیوں نے تلواریں سونت کر صالح کے گھر پر چڑھائی کی تو فرشتوں نے ان پر پتھر برسانے پتھر تو ان کو دکھتے تھے اور پتھر مارنے والا کوئی نظر نہ آتا تھا آخر سب وہیں ڈھیر ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ
سو دیکھ لیجئے کہ ان کی فریب کاری کا کیا انجام ہوا کہ ہم نے ان کو
وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ
اور ان کی قوم کو سب کو

آخر کار اللہ کی تدبیر کامیاب ہوئی:

ان نو اشخاص نے اول اتفاق کر کے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ حضرت صالح نے کہہ دیا کہ اب تین دن سے زیادہ مہلت نہیں عذاب آ جائے گا تب آپس میں ٹھہرایا کہ ہم تو خیر تین دن کے بعد ہلاک ہوں گے ہی ان کا تین دن سے پہلے ہی کام تمام کر دو۔ چنانچہ شب کے وقت حضرت صالح کے گھر پر چھاپہ مارنے اور ان کو مع اہل و عیال کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ نو آدمی اس

نا پاک مقصد کے لئے تیار ہو گئے بلکہ باقی نو افراد ان کے تابع یا معین تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت صالح کی حفاظت فرمائی۔ فرشتوں کا پہرہ لگا دیا۔ آخر وہ عذاب الٰہی سے تباہ ہوئے اور اپنے ساتھ قوم کو بھی تباہ کرایا۔ (تفسیر عثمانی)

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا
سو یہ پڑے ہیں ان کے گھر ڈھئے ہوئے بسبب ان کے ظلم کے

قوم ثمود کی بستیوں کے کھنڈر:

مکہ والے شام کا سفر کرتے تو رستہ پر وادی القریٰ میں ثمود کی بستیوں کے کھنڈر دیکھتے تھے فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً الخ میں ان ہی کی طرف اشارہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ
البتہ اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں

یعنی جاننے والوں کو چاہیے کہ ان واقعات ہائلہ سے عبرت حاصل کریں۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَنجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ
اور بچا دیا ہم نے ان کو جو یقین لائے تھے اور بچتے رہتے تھے

ایمان والے کامیاب ہوئے:

یعنی حضرت صالح علیہ السلام کے رفقاء جو ایمان لائے اور کفر و عصیان سے بچتے تھے ہم نے ان کو عذاب کی چپیٹ سے بچا لیا۔ خدا کی قدرت دیکھو مومن و کافر ملے جلے ایک بستی میں رہیں مگر عذاب آتا ہے تو چن چن کر کافروں کو ہلاک کرتا ہے مومن کو نہیں چھوتا۔

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ
اور لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم کو کیا تم کرتے ہو بے حیائی اور تم دیکھتے ہو

حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت:

یعنی دیکھتے ہو کہ یہ بڑا گندہ کام ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ دیدہ دانستہ تم نے بے حیائی کا کام کرتے ہو یا یہ مطلب ہے کہ بے حیائی کا کام تم ایک دوسرے کی نظروں کے سامنے (بلا جھجک) کرتے ہو ان لوگوں کا یہ طریقہ تھا کہ لوگوں کی موجودگی میں سب کے سامنے ایسے برے کام کرتے تھے۔

یہ مطلب ہے کہ گزشتہ نافرمان قوموں کے نشانات و آثار تمہاری نظروں کے سامنے ہیں پھر بھی یہ حرکت کرتے ہو۔ (مظہری)

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ
کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر مزے کے واسطے عورتوں کو چھوڑ کر

بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ
کوئی نہیں تم لوگ بے سمجھ ہو

یعنی تم سمجھتے نہیں کہ اس بے حیائی کا انجام کیا ہونے والا ہے پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کیا تم شہوت کے ساتھ مردوں پر چڑھتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر (اس کی وجہ کوئی نہیں) بلکہ (اس معاملہ میں تم بالکل جاہل لوگ ہو) محض جہالت کرتے ہو۔

یہ قوم لوط کی بدکاری کا بیان ہے کہ شہوت رانی کے لئے مردوں پر آتے ہیں عورتوں کو چھوڑ کر حالانکہ عورتیں اس کام کے لئے پیدا کی گئی ہیں آیت میں اس امر پر تنبیہ بھی ہے کہ جماع کا اصل مقصد ہے طلب نسل محض تقاضائے شہوت پورا کرنا مقصود نہیں ہے (کہ جہاں چاہا بے محل اس عمل کو کرلیا)

بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ یعنی یہ حرکت اس شخص کی طرح کرتے ہو جو اس کی برائی سے ناواقف ہو یا بے وقوف ہو جو اچھے برے کا امتیاز نہ رکھتا ہو یا تم اس کے انجام سے ناواقف لوگ ہو۔

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اشیاء کا حسن و قبح (محض شرعی نہیں ہے بلکہ) واقعی اور نفس الامری چیز ہے اگرچہ بعض چیزوں کے اچھے برے ہونے کا علم شریعت پر موقوف ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ
پھر کچھ جواب نہ تھا اس کی قوم کا مگر یہی کہ کہنے لگے نکال دو لوط کے گھر کو

مِّن قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ
اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہنا چاہتے

قوم والوں کا جواب: یعنی بڑے پاک و صاف بننا چاہتے ہیں۔ پھر ہم گندوں میں ان کا کیا کام ہے۔

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ
پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو

یعنی انہیں تباہ کر کے انہیں بچا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَاهَا مِنَ الْغَابِرِينَ
مگر اس کی عورت مقرر کر دیا تھا ہم نے اس کو رہ جانے والوں میں

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی:

یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو اُن بدمعاشوں کی اعانت کرتی تھی وہ بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ تباہ ہوئی۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنذَرِينَ
اور برسا دیا ہم نے ان پر برساؤ پھر کیا برا برساؤ تھا ان ڈرائے ہوؤں کا

پتھروں کی بارش:

یعنی آسمان سے پتھر برسے اور شہر کا تختہ الٹ دیا۔ حضرت شاہ صاحب مذکورہ بالا تین قصوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا۔ ہم لائیں گے لشکر جس کا سامنا نہ کر سکیں گے، وہ بھی بات ہوئی رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اور مکہ والوں میں۔ اور حضرت صالح علیہ السلام پر نو شخص متفق ہوئے کہ رات کو جا پڑیں۔ اللہ نے اُن کو بچایا اور ان کو غارت کیا۔ مکہ کے لوگ بھی یہی چاہ چکے لیکن نہ بن پڑا جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی، سب کافر حضرت کا گھر گھیر بیٹھے تھے کہ صبح کو اندھیرے میں نکلیں تو سب مل کر مار لیں (کسی ایک کا خون بہانہ دینا پڑے) حضرت صاف بچ کر نکل گئے۔ اُن کو نہ سوجھا۔ اور قوم لوط نے چاہا کہ پیغمبر کو شہر سے نکال دیں، یہی مکہ والے بھی چاہ چکے۔ اللہ نے آپ سے پہلے بتا دیا کہ خود اپنے اختیار سے شہر چھوڑ کر نکل جاؤ۔ اور اسی میں کام نکلا۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ
تو کہہ تعریف ہے اللہ کو اور سلام ہے اُس کے بندوں پر جن کو اس نے پسند کیا

قصص سے فارغ ہو کر آگے آللّٰهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ سے توحید کا بیان فرماتا ہے۔ یہ الفاظ بطور خطبہ کے تعلیم فرمائے جو بیان شروع کرنے سے قبل ہونا چاہیے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ کی تعریف اور پیغمبر پر سلام بھیج کر اگلی بات شروع کرنی لوگوں کو سکھا دی۔ (موضح) اور بعض مفسرین کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جو نعمت و احسانات اوپر بعض قصص مذکور ہوئے ہیں ان پر پیغمبر کو حکم ہو کہ اللہ کی حمد و ثنا کریں اور شکر بجا لائیں اور اس کے مقبول بندوں پر جن میں سے بعضوں کا اوپر نام لیا گیا ہے سلام بھیجیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے پسندیدہ بندے: اس آیت میں الَّذِينَ اصْطَفَىٰ کے الفاظ سے ظاہر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جیسے کہ ایک دوسری آیت میں ہے وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ ہیں۔ سفیان ثوری نے اسی کو اختیار کیا ہے (اخرجه عبد بن حميد والبزار وابن جرير وغيرهم)

اگر آیت میں الَّذِينَ اصْطَفَىٰ سے مراد صحابہ کرام لئے جائیں جیسا کہ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے تو اس آیت سے غیر انبیاء پر سلام بھیجنے کے لئے نہیں علیہ السلام کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق سورۂ احزاب میں آیت صلوا علیہ وسلموا کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسئلہ۔ اس آیت سے خطبہ کے آداب بھی ثابت ہوئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود و سلام سے شروع ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام مسنون و مستحب ہے۔ (کذافی الروح) (معارف مفتی اعظم)

بروایت امام مالک حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ اس سے مراد صحابہ کرام ہیں سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے کلبی نے کہا ساری امت محمدیہ مراد ہے کیونکہ اللہ نے ساری امت کے لئے فرمایا ہے ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ بعض نے کہا گزشتہ اور آئندہ سب مؤمن مراد ہیں۔ دیگر مطلب یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سلامتی ہو کیونکہ انبیاء اور ان کی امتوں کو جن آفتوں سے اللہ نے بچایا اور عزت و کرامت عطا فرمائی وہ سب کچھ نور محمدی کی برکت سے ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (آغاز) آفرینش کے لحاظ سے سب سے پہلا ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب کے بعد۔ رواہ ابو سعد عن قتادۃ مرسلاً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں (اس وقت) نبی تھا جب کہ آدم روح و جسم کے درمیان تھے (یعنی حضرت آدمؑ کے بدن میں روح بھی نہیں پڑی تھی) رواہ ابن سعد بسند صحیح عن میسرۃ بن سعد عن ابی الحدعاء و رواہ الطبرانی عن ابن عباس (تفسیر مظہری)

آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ
بھلا اللہ بہتر ہے یا جن کو وہ شریک کرتے ہیں

وعظ توحید: یہاں سے توحید کا وعظ شروع کیا گیا ہے یعنی قصص مذکورہ بالا سن کر اور دلائل تکوینیہ و تنزیلیہ میں غور کر کے تم ہی بتلاؤ کہ ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کا ماننا بہتر اور نافع اور معقول ہے یا اس کی خدائی میں اس کی عاجز ترین مخلوق کو شریک ٹھہرانا۔ یہ مسئلہ جب بچوں کے لئے مشکل تو نہیں رہا جس کا فیصلہ کرنے میں کچھ وقت ہو یا دیر لگے تاہم مزید تذکیر و تنبیہ کی غرض سے آگے اللہ تعالیٰ کی بعض شئون و صفات بیان کی جاتی ہیں جو توحید پر دال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکوں کی حماقت: اس آیت میں درحقیقت مشرکوں کی حماقت اور سبک سری کا اظہار ہے جب انبیاء علیہ السلام اور ان کی امتوں کے قصے بیان کر دیے

جن سے تجارت ہو رہی ہے نہ خدو بہت نیک۔ خدا کی عزت افزائی اور دشمنوں (کو) ذلیل کرنے کی قدرت کا مدعا حاصل ہے اور کسی کی قدرت سے متاثر نہیں ہو سکتے تو اب فرمایا کہ یہ رب قادر عبادت کے قابل اور مرکز خوف و رجا ہونے کا مستحق ہے یا وہ عاجز بے بس بت وغیرہ جو نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں نہ ضرر پہنچانے کی طاقت بلکہ ان کا ضرر نفع سے زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ
بھلا کس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا تمہارے
مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ
آسمان سے پانی پھر اگائے ہم نے اس سے باغ رونق والے
مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا
تمہارا کام نہ تھا کہ اگاتے ان کے درخت

اللہ کی خالقیت مشرک بھی مانتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ درختوں کا اگانا تمہارے اختیار میں نہیں۔ چہ جائیکہ اس کا پھول پھل لانا اور بارآور کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی روزی رسانی کو مشرکین بھی مانتے تھے جیسے دوسری آیت میں بیان ہوا ہے کہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ یعنی اگر تو ان سے دریافت کرے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے؟ تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ نے اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو کس نے زندہ کر دیا؟ تو بھی ان کا یہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے۔ الغرض یہ جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ خالق کل صرف اللہ ہی ہے لیکن ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ عبادت کے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو بھی شریک کر لیتے ہیں باوجودیکہ جانتے ہیں کہ وہ نہ پیدا کرنے والے ہیں نہ روزی دینے والے۔ اور اس بات کا فیصلہ تو ہر ایک عقلمند کر سکتا ہے کہ مستحق عبادت وہی ہے جو خالق مالک اور رازق ہے۔ اسی لیے یہاں اس آیت میں بھی سوال کیا کہ کیا معبود برحق کے ساتھ کوئی اور بھی عبادت کے لائق ہے؟ کیا خدا کے ساتھ مخلوق کو پیدا کرنے میں مخلوق کی روزی رسانی میں کوئی اور بھی شریک ہے؟ چونکہ وہ مشرک خالق رازق صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور عبادت اوروں کی بھی کرتے تھے اس لئے اور آیت میں فرمایا اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ کیا خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہیں پھر تم خالق مخلوق کو یکساں کیوں کر رہے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ
اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں وہ لوگ راہ سے مڑتے ہیں

جو خالق ہے وہی معبود ہے:

یعنی تم مانتے ہو کہ خالق رب اور خود یہ مشرکین بھی مانتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا، بارش برسانا، درخت اگانا بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کا کام نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن میں اُن کا اقرار و اعتراف مذکور ہے پھر یہاں تک پہنچ کر راستہ سے کیوں کترا جاتے ہیں۔ جب اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جو خلق و تدبیر کر سکے یا کسی چیز کا مستقل اختیار رکھے، تو اس کی الوہیت و معبودیت میں دوسرا کس طرح شریک ہو جائے گا۔ عبادت تو انتہائی تذلل کا نام ہے، وہ اسی کی ہونی چاہیے جو انتہائی درجہ میں کامل اور با اختیار ہو۔ کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کر دینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اوتار: ہندوستان کے مشرک یعنی ہندو اوتاروں کے قائل ہیں اوتار اس کو کہتے ہیں کہ جس میں خدا حلول کر جائے جیسے رام اور کنہیا کے متعلق ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ وہ اوتار تھے۔

اہل اسلام اس سے بری اور بیزار ہیں مسلمانوں کے نزدیک خدا اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ کسی چیز میں حلول کرے یا کسی چیز کا جز ہو جائے۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یصفون (معارف القرآن کاندھلوی)

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا
بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھہرنے کے لائق

زمین کا فرش کس نے بنایا:

یعنی آدمی اور جانوروں کی قیام گاہ ہے۔ آرام سے اس پر زندگی بسر کرتے اور اس کے محاصل سے منتفع ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّجَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ
اور بنائیں اس کے بیچ میں ندیاں اور رکھے اس کے ٹھہرانے کو بوجھ

نہریں اور پہاڑ کس نے بنائے:

یعنی پہاڑ رکھ دیے تاکہ ٹھہری رہے، کانپے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا
اور رکھا دو دریاؤں میں پردہ

دریاؤں کا نظام کس نے بنایا:

اس کی تحقیق قریب ہی سورۂ فرقان میں گزر چکی۔ آیت وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؀

اب کوئی اور حاکم ہے اللہ کے ساتھ کوئی نہیں پر بہت لوگ نہیں سمجھتے

اللہ ہی نے یہ سب کچھ بنایا ہے:

کیا کوئی اور بھی ایسی ہستی ہے جس سے یہ کام بن پڑیں اور اس بنا پر وہ معبود بننے کی مستحق ہو۔ جب نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ مشرکین محض جہالت اور کج فہمی سے شرک و مخلوق پرستی کے غار عمیق میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ

بھلا کون پہنچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے سختی

مظلوم کی فریاد کون سنتا ہے:

یعنی جب اللہ چاہے اور مناسب جانے تو بے کس اور بیقرار فریادی کی سختی دور کر دیتا ہے جیسے کہ دوسری جگہ فرمایا فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَاۗءَ (انعام)

گویا اسی نے دعاء کو بھی اسباب عادیہ میں سے ایک سبب بنایا ہے۔ جس پر مسبب کا ترتب بمشیت الٰہی اجتماع شروط اور ارتفاع موانع کے بعد ہوتا ہے اور عدم طبعی وغیرہ۔ نیز اس آیت میں مشرکین و تنبیہ ہے کہ سخت مصائب و شدائد کے وقت تو تم بھی مضطر ہو کر اسی کو پکارتے ہو اور دوسرے معبودوں کو بھول جاتے ہو۔ پھر فطرت اور ضمیر کی اس شہادت کو امن و اطمینان کے وقت کیوں یاد نہیں رکھتے۔ (تفسیر عثمانی)

یا کون ہے ایسا کہ جب کوئی بے قرار اس کو پکارتا ہے تو وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں۔ اضطرار (باب افتعال) ضرّ سے بنا ہے مضطر یعنی وہ شخص جو ایسے دکھ میں مبتلا ہو یا ہو جس سے مجبور ہو کر بے قراری کے ساتھ وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا اور اس سے پناہ کا خواستگار ہوتا ہو۔ المضطر میں الف لام جنسی ہے استغراق کے لئے نہیں ہے اس لئے ہر دعا کرنے والے کی ہر دعا قبول کرنا ضروری نہیں۔ اذا دعاہ یعنی اللہ اگر چاہتا ہے تو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مضطر کون ہے؟

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْۗءَ۔

اَلْمُضْطَرّ۔ اضطرار سے مشتق ہے کسی ضرورت سے مجبور و بے قرار ہونے واضطر کہا جاتا ہے وہ جبھی ہوتا ہے جب اس کا کوئی یار و مددگار اور سہارا نہ ہو، اس لئے مضطر وہ شخص ہے جو سب دنیا کے سہاروں سے مایوس ہو کر خالص اللہ تعالیٰ ہی کو فریاد رس سمجھ کر اس کی طرف متوجہ ہو۔ مضطر کی یہ تفسیر سدی۔ ذوالنون مصری، سہل بن عبداللہ وغیرہ سے منقول ہے۔ (قرطبی)

بے کس کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی دُعاء:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لئے ان الفاظ سے دعا کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ اللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْ فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ (ترجمہ) یا اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں اس لئے مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی میرے اپنے نفس کے حوالہ نہ کیجئے۔ اور آپ ہی میرے سب کاموں کو درست کر دیجئے آپ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (قرطبی)

مضطر کی دُعا اخلاص کی بناء پر ضرور قبول ہوتی ہے۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا ذمہ لیا ہے اور اس آیت میں اس کا اعلان بھی فرما دیا ہے جس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا کے سب سہاروں سے مایوس اور علائق سے منقطع ہو کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو کارساز سمجھ کر دعا کرنا سرمایۂ اخلاص ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اخلاص کا بڑا درجہ ہے وہ جس کسی بندہ سے پایا جائے وہ مومن ہو یا کافر، اور متقی ہو یا فاسق فاجر اس کے اخلاص کی برکت سے اس کی طرف رحمت حق متوجہ ہو جاتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے کفار کا حال ذکر فرمایا ہے کہ جب یہ لوگ دریا میں ہوتے ہیں اور کشتی سب طرف سے موجوں کی لپیٹ میں آ جاتی ہے اور یہ گویا آنکھوں کے سامنے اپنی موت کو کھڑا دیکھ لیتے ہیں اس وقت یہ لوگ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں کہ اگر ہمیں اس مصیبت سے آپ نجات دے دیں تو ہم شکر گزار ہوں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول کر کے خشکی پر لے آتے ہیں تو یہ پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

تین دُعائیں: ایک صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، ایک مظلوم کی دعا، دوسرے مسافر کی دعا، تیسرے باپ جو اپنی اولاد کے لئے بددعا کرے۔ قرطبی نے اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا کہ ان تینوں دعاؤں میں بھی وہی صورت ہے جو دعائے مضطر میں اوپر لکھی گئی ہے کہ جب کوئی مظلوم دنیا کے سہاروں اور مددگاروں سے مایوس ہو کر دفع ظلم کے لئے اللہ کو پکارتا ہے وہ بھی مضطر ہی ہوتا ہے اسی طرح مسافر حالت سفر میں اپنے خویش و عزیز اور ہمدردوں غمگساروں سے الگ بے سہارا ہوتا ہے۔ اسی طرح باپ اولاد کے لئے اپنی فطرت اور پدری شفقت کی بنا پر کبھی بددعا نہیں کر سکتا بجز اس کے کہ اس کا دل بالکل ٹوٹ جائے اور اپنے آپ کو مصیبت سے بچانے کے لئے اللہ کو پکارے۔ امام حدیث آجری نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ میں مظلوم کی دعا کبھی رد نہیں کروں گا اگرچہ وہ کسی کافر کے منہ سے ہو (قرطبی)

دُعاء قبول نہ ہوتو مایوس نہ ہو:

اگر کسی مضطر یا مظلوم یا مسافر وغیرہ کو بھی یہ محسوس ہو کہ اس کی دعا قبول نہیں ہوئی تو بدگمان اور مایوس نہ ہو بعض اوقات دعا قبول تو ہو جاتی ہے مگر کسی حکمت و مصلحت ربانی سے اس کا ظہور دیر میں ہوتا ہے۔ یا پھر وہ اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اس کے خلوص اور توجہ کی حد میں کوتاہی رہی ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک بے کس ومجبور کا عجیب واقعہ:

ایک بہت ہی عجیب واقعہ حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ میں ایک خچر پر لوگوں کو دمشق سے زبدانی لے جایا کرتا تھا اور اسی کرایہ پر میری گزر بسر تھی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے خچر کرایہ پر لیا میں نے اسے سوار کرایا اور لے چلا۔ ایک جگہ جہاں دو راستے تھے پہنچے تو اس نے کہا اس راہ چلو میں نے کہا میں اس سے واقف نہیں ہوں سیدھی راہ یہی ہے اس نے کہا نہیں میں پوری طرح واقف ہوں یہ بہت نزدیک کا راستہ ہے میں اس کے کہنے سے اسی راہ چلا تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک لق ودق بیابان میں ہم آ گئے ہیں جہاں کوئی راستہ نظر نہیں آتا نہایت خطرناک جنگل اور بن ہے اور ہر طرف لاشیں پڑی ہوئی ہیں میں سہم گیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا ذرا لگام تھام لو مجھے یہاں اترنا ہے میں نے لگام تھام لی وہ اترا اور اپنا تہمد اونچا کر کے کپڑے ٹھیک کر کے چھری نکال کر مجھ پر حملہ کیا، میں وہاں سے سرپٹ بھاگا لیکن اس نے میرا تعاقب کیا اور مجھے پکڑ لیا۔ میں اسے قسمیں دینے لگا لیکن اس نے خیال بھی نہ کیا۔ میں نے کہا اچھا یہ خچر اور کل سامان جو میرے پاس ہے تو لے لے اور مجھے چھوڑ دے۔ اس نے کہا یہ تو میرا ہو ہی چکا لیکن میں تو تجھے زندہ چھوڑنا چاہتا ہی نہیں۔ میں نے اسے خدا کا خوف دلایا آخرت کے عذابوں کا ذکر کیا لیکن اس چیز نے بھی اس پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ میرے قتل پر تلا رہا۔ اب میں مایوس ہو گیا اور مرنے کے لئے تیار ہو گیا اور اس سے بہ منت التجا کی کہ آپ مجھے دو رکعت نماز ادا کر لینے دیجئے، اس نے کہا اچھا جلدی پڑھ لے۔ میں نے نماز شروع کی لیکن خدا کی قسم میری زبان سے قرآن کا ایک حرف نہیں نکلتا تھا یونہی ہاتھ باندھے دہشت زدہ کھڑا ہوا تھا اور وہ جلدی مچا رہا تھا، اسی وقت اتفاق سے یہ آیت میری زبان پر آ گئی ﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾ یعنی خدا ہی ہے جو بے قرار کی بے قراری کے وقت کی دعا کو سنتا اور قبول فرماتا ہے اور بے بس بے کس کی سختی اور مصیبت کو دور کر دیتا ہے پس اس آیت کا زبان سے جاری ہونا تھا جو میں نے دیکھا کہ بیچوں بیچ جنگل میں سے ایک گھوڑے سوار تیزی سے اپنا گھوڑا بھگائے نیزہ تانے ہماری طرف چلا آ رہا ہے اور بغیر کچھ کہے اس ڈاکو کے پیٹ میں اس نے اپنا نیزہ گھسیڑ دیا جو اس کے جگر کے آر پار ہو گیا۔ وہ اسی وقت بے جان ہو کر گر پڑا۔ سوار نے باگ موڑی اور جانا چاہا لیکن میں اس کے قدموں سے لپٹ گیا اور باحلف کہنے لگا خدا کے لئے یہ تو بتلاؤ کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو مجبوروں بے کسوں اور بے بسوں کی دعا قبول فرماتا ہے اور مصیبت و آفت کو ٹال دیتا ہے میں نے خدا کا شکر کیا اور وہاں سے اپنا خچر اور مال لے کر صحیح سالم واپس ہوا۔ رحمہ اللہ۔

ایک بزرگ کا عجیب واقعہ:

اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے ایک لشکر نے ایک جنگ میں کافروں سے شکست کھائی اور واپس لوٹے۔ ان میں ایک مسلمان جو بڑے سخی اور نیک تھے یہ بھی تھے، ان کا گھوڑا جو بہت تیز رفتار تھا راستہ میں اڑ گیا۔ اس ولی اللہ نے بہت کوشش کی لیکن جانور نے قدم ہی نہ اٹھایا آخر عاجز آ کر اس سے کہا کیا بات ہے تو اڑ گیا۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے تو میں نے تیری خدمت کی تھی اور تجھے پیار سے پالا تھا۔ گھوڑے کو خدا تعالیٰ نے زبان دی۔ اس نے جواب دیا کہ وجہ یہ ہے کہ آپ میرا گھاس دانہ سائیس کو سونپ دیتے تھے وہ اس میں سے چرا لیتا تھا مجھے بہت کم کھانے کو دیتا تھا اور مجھ پر ظلم کرتا تھا۔ خدا کے اس نیک بندے نے کہا اب تو چل میں خدا کو بیچ میں رکھ کر وعدہ کرتا ہوں کہ اب سے تجھے میں ہمیشہ اپنی گود میں ہی کھلایا کروں گا۔ جانور یہ سنتے ہی تیزی سے لپکا اور انہیں جائے امن تک پہنچا دیا۔ حسب وعدہ اب سے یہ بزرگ اپنے اس جانور کو اپنی گود ہی میں کھلایا کرتے تھے۔ لوگوں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی، انہوں نے کسی سے واقعہ کہہ دیا جس کی عام شہرت ہو گئی اور لوگ اس واقعہ کو سننے کے لئے ان کے پاس دور دور سے آنے لگے۔ شاہ روم کو جب یہ خبر پہنچی تو اس نے چاہا کہ کسی طرح انہیں اپنے شہر میں بلا لے بہت کوششیں کیں لیکن بے سود رہیں آخر میں اس نے ایک شخص کو بھیجا کہ کسی طرح حیلے حوالے سے انہیں بادشاہ تک پہنچا دے۔ یہ شخص پہلے مسلمان تھا پھر مرتد ہو گیا تھا۔ یہ بادشاہ کے پاس سے چلا یہاں آ کر ان سے ملا اپنا اسلام ظاہر کیا توبہ کی اور نہایت نیک بن کر رہنے لگا، یہاں تک کہ اس ولی اللہ کو اس پر پورا اعتماد ہو گیا اور اسے صالح اور دیندار سمجھ کر انہوں نے دوستی پیدا کر لی اور ساتھ ساتھ پھرنے لگے۔ اس نے اپنا پورا رسوخ جما کر اپنی ظاہری دینداری کے فریب میں انہیں پھنسا کر ادھر بادشاہ کو اطلاع دی کہ فلاں وقت دریا کے کنارے ایک مضبوط جری شخص کو بھیجو میں انہیں لے کر وہاں آ جاؤں گا اور اس شخص کی مدد سے انہیں گرفتار کر لوں گا۔ یہاں سے انہیں جل دے کر لے چلا اور اسی جگہ پہنچایا۔ دفعۃً یہ شخص نمودار ہوا اور اس بزرگ پر حملہ کیا، ادھر سے اس مرتد نے حملہ کیا اس نیک دل شخص نے اس وقت آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور دعا کی کہ خدایا اس شخص نے

تیرے نام سے مجھے دھوکا دیا۔ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو جس طرح چاہے مجھے ان دونوں سے بچالے۔ وہیں جنگل سے دو درندے بھاگتے ہوئے آئے اور ان دونوں شخصوں کو انہوں نے دبوچ لیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے چل دیئے اور یہ بندۂ خدا با امن و امان وہاں سے صحیح و سالم واپس تشریف لے آئے، رحمہ اللہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ

اور کرتا ہے تم کو نائب اگلوں کا زمین پر

قوموں کو زمین کی وراثت کون دیتا ہے؟

یعنی ایک قوم یا نسل کو اٹھا لیتا اور اُس کی جگہ دوسری کو آباد کرتا ہے جو زمین میں مالکانہ اور بادشاہانہ تصرف کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ "اور تم کو زمین کے وارث بناتا ہے" یعنی اسلاف کے جانشین اخلاف ہوتے ہیں زمین کے وارث بنانے کا مطلب ہے زمین پر رہنے زمین میں تصرف کرنے یا زمین پر تسلط جمانے کا اختیار دینا۔ بعض اہل علم نے کہا انسانوں کو اللہ نے زمین پر جنات کا جانشین کر دیا۔ میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ نے زمین پر تم میں سے کچھ آدمیوں کو اپنا نائب بنایا یہی مضمون آیت انی جاعل فی الارض خلیفة کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۚ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ تم بہت کم دھیان کرتے ہو

غور کرو تو حقیقت نظر آئے؟

یعنی پوری طرح دھیان کرتے تو دور جانے کی ضرورت نہ پڑتی انہی اپنی حوائج و ضروریات اور قوموں کے ادل بدل کو دیکھ کر سمجھ سکتے تھے کہ جس کے ہاتھ میں ان امور کی باگ ہے تنہا اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

بھلا کون راہ بتاتا ہے تم کو اندھیروں میں جنگل کے اور دریا کے

جنگل و دریاء میں کون راہنمائی کرتا ہے:

یعنی خشکی اور دریا کی اندھیریوں میں ستاروں کے ذریعہ سے تمہاری رہنمائی کرتا ہے۔ خواہ بلا واسطہ یا بواسطہ قطب نما وغیرہ آلات کے۔ (تفسیر عثمانی)

بھلا بتاؤ کہ یہ بت بہترین یا وہ ذات بہتر ہے جو تم کو بیابانوں میں اور دریاؤں کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے یعنی اس نے تمہاری رہنمائی کے لئے ستارے پیدا کئے تاکہ اندھیروں میں ان کے ذریعہ راستہ معلوم کر سکو کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ اور ان ستاروں کا پیدا کرنے والا سوائے خدا کے کون ہے۔

معنوی ستارے:

یہ تو ظاہری ستارے ہیں اور معنوی ستارے صحابہ کرام ہیں جن کے متعلق حدیث میں آیا ہے۔ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم میرے تمام صحابہ نجوم ہدایت ہیں تم جس کی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے۔

غم مخور زآنرا کہ غمخوارت منم   وز ہمہ برہا نگہدارت منم
از تو گر اغیار بردارند روئے   ایں جہان و آں جہاں یارت منم

(معارف کاندھلوی)

وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ

اور کون چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والیں اُس کی رحمت سے پہلے

ہوا و بارش کون بھیجتا ہے:

یعنی باران رحمت سے پہلے ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کی آمد کی خوشخبری سناتی ہیں۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۭ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ اللہ بہت اوپر ہے اس سے جس کو شریک بتلاتے ہیں

یہ سب کچھ جھوٹے معبودوں کے بس کا نہیں ہے:

یعنی کہاں وہ قادر مطلق اور حکیم برحق اور کہاں عاجز و ناقص مخلوق جسے اُس کی خدائی کا شریک بتلایا جا رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

بھلا کون سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا

کس نے ابتداءً پیدا کیا اور کون دوبارہ زندہ کرے گا:

ابتداء پیدا کرنا تو سب کو مسلم ہے کہ اللہ کا کام ہے۔ موت کے بعد دوبارہ پیدا کرنے کو بھی اس سے سمجھ لو۔ منکرین بعث بعد الموت بھی اتنا سمجھتے تھے کہ اگر بالفرض دوبارہ پیدا کئے گئے تو یہ کام اسی کا ہوگا جس نے اول پیدا کیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

(پہلی تخلیق تو مسلمہ تھی لیکن) قیامت کے دن دوبارہ پیدا ہونے کے کفار منکر تھے پر عقلاً اعادہ تخلیق ناممکن نہیں۔ اور نقلی دلائل سے وجوب اعادہ ثابت ہے نقلی دلائل کے واجب الیقین ہونے پر معجزات کی تائید کافی ہے اس لئے دوبارہ تخلیق بھی ناقابل شک ہے اور یہ یقینی ہے کہ اللہ ہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے　اور　زمین سے

آسمان وزمین سے تمہیں رزق کون دیتا ہے:

یعنی کون ہے جو آسمانی اور زمینی اسباب کے ذریعہ سے اپنی حکمت کے موافق تم کو روزی پہنچاتا ہے۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ

اب کوئی حاکم ہے اللہ کے ساتھ　تو کہہ لاؤ　اپنی سند

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾

اگر تم　سچے ہو

تمہارے پاس مقابلہ کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرو؟

یعنی اگر اتنے صاف نشانات اور واضح دلائل سننے کے بعد بھی تم خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور شرک کی قباحت کو تسلیم نہیں کرتے تو جو دلیل تم اپنے دعوے باطل کے ثبوت میں رکھتے ہو پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ کھل جائے گا۔ مگر وہاں دلیل و برہان کہاں محض اندھی تقلید ہے۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ (مومنون۔ رکوع ۶) (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ

اللہ کے معبود ہونے پر ایک دوسری طرح کی دلیل:

اس آیت میں مضمون سابق کی تکمیل اور مضمون لاحق کی تمہید ہے۔ شروع پارہ سے یہاں تک حق تعالیٰ کی قدرت تامہ، رحمت عامہ اور ربوبیت کاملہ کا بیان تھا۔ یعنی جب وہ ان صفات و شئون میں متفرد ہے تو الوہیت و معبودیت میں بھی متفرد ہونا چاہیے۔ آیت حاضرہ میں اس کی الوہیت پر دوسری حیثیت سے متنبہ کیا جاتا ہے۔ یعنی معبود وہ ہوگا۔ جو قدرت تامہ کے ساتھ علم کامل ومحیط بھی رکھتا ہو۔ اور یہ وہ صفت ہے جو زمین و آسمان میں کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ اسی رب العزت کے ساتھ مخصوص ہے پس اس اعتبار سے بھی معبود بننے کی مستحق اکیلی اسی کی ذات ہوئی۔

علم غیب کا مسئلہ:

(تنبیہ) کل مغیبات کا علم بجز خدا کے کسی کو حاصل نہیں نہ کسی ایک غیب کا علم کسی شخص کو بالذات بدون عطائے الٰہی کے ہو سکتا ہے اور نہ مفاتیح غیب (غیب کی کنجیاں جن کا ذکر سورۂ انعام میں گزر چکا) اللہ نے کسی مخلوق کو دی ہیں۔ ہاں بعض بندوں کو بعض غیوب پر باختیار خود مطلع کر دیتا ہے جس کی وجہ سے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شخص کو حق تعالیٰ نے غیب پر مطلع فرما دیا۔ یا غیب کی خبر دے دی لیکن اتنی بات کی وجہ سے قرآن و سنت نے کسی جگہ ایسے شخص پر عالم الغیب یا فلاں یعلم الغیب کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ احادیث میں اس پر انکار کیا گیا ہے۔ کیونکہ بظاہر یہ الفاظ اختصاص علم غیب بذات باری کے خلاف موہم ہوتے ہیں۔ اسی لیے علمائے محققین اجازت نہیں دیتے کہ اس طرح کے الفاظ کسی بندہ پر اطلاق کیے جائیں۔ گو لغۃً صحیح ہوں جیسے کسی کا یہ کہنا کہ ان اللہ لا یعلم الغیب (اللہ کو غیب کا علم نہیں) گو اس کی مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اعتبار سے کوئی چیز غیب ہے ہی نہیں سخت مکروہ اور سوء ادب ہے۔ یا کسی کا حق سے موت اور فتنہ سے اولاد اور رحمت سے بارش مراد لے کر یہ لفظ کہنا انی اکرہ الحق واحب الفتنۃ وافر من الرحمۃ (میں حق کو برا سمجھتا ہوں اور فتنہ کو محبوب رکھتا ہوں اور رحمت سے بھاگتا ہوں) سخت مکروہ اور قبیح ہے، حالانکہ باعتبار نیت و مراد کے قبیح نہ تھا۔ اسی طرح فلاں عالم الغیب وغیرہ الفاظ کو سمجھ لو اور واضح رہے کہ علم غیب سے ہماری مراد محض ظنون و تخمینات نہیں اور نہ وہ علم جو قرائن و دلائل سے حاصل کیا جائے۔ بلکہ جس کے لیے کوئی دلیل و قرینہ موجود نہ ہو وہ مراد ہے۔ سورۂ انعام و اعراف میں اس کے متعلق کسی قدر لکھا جا چکا ہے۔ وہاں مراجعت کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو بتا دیں کہ جتنی مخلوق آسمانوں میں ہے جیسے فرشتے اور جتنی مخلوق زمین میں ہے جیسے بنی آدم اور جنات وغیرہ ان میں سے کوئی بھی غیب کو نہیں جانتا۔ بجز اللہ تعالیٰ کے۔ آیت مذکورہ نے پوری وضاحت اور صراحت کے ساتھ یہ بتا دیا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے جس میں کوئی فرشتہ یا نبی و رسول بھی شریک نہیں ہو سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ یعنی فرشتے وَالْاَرْضِ یعنی انس و جن جن میں تمام انبیاء بھی شامل ہیں۔ الغیب غیب سے مراد وہ چیز ہے جو حواس (ظاہری و باطنی) کی رسائی سے باہر ہو جس کی نہ خبر ہو اور نہ اس کے ثبوت پر کوئی عقلی دلیل قائم ہو (یعنی نظری ہونا قابل استدلال غیر ممکن اطلاع مترجم) الا اللّٰہ یعنی صرف اللہ ہی ان تمام باتوں کو جانتا ہے جو ملائکہ اور جن وانس کے لئے ناممکن الحصول ہیں۔ ہاں اگر اللہ چاہے تو بعض غیب کی باتیں اپنے بندوں کو بتا دے اس طرح بندوں کو اطلاع ہو جائے مگر اپنی طرف سے بندوں کو کچھ بھی معلوم ہو جائے نہیں ہو سکتا۔ الا اللہ میں استثناء منقطع ہے کیونکہ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اللہ پہلے سے داخل نہ تھا اللہ کے لئے نہ آسمان مکان بن سکتا ہے نہ زمین اللہ استقرار و تمکن سے پاک ہے۔ (مظہری)

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا فرمان ہے کہ جو یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کل کی بات جانتے تھے اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بہتان عظیم باندھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین وآسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔

ستاروں کے فائدے اور جاہلوں کا علم:

قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں۔ آسمان کی زینت۔ بھولے بھٹکوں کی رہبری اور شیطانوں کی مار۔ کسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور تکلیف اٹھانا اور اپنے حصہ کو کھونا ہے۔ جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علم نجوم کو متعلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس ستارے کے وقت جو نکاح کرے یوں ہوگا فلاں ستارے کے موقعہ پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا وہ ایسا وغیرہ وغیرہ یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ان کی اس بکواس کے خلاف اکثر ہوتا رہتا ہے ہر ستارے کے وقت کوئی کالا گورا ٹھگنا لمبا خوبصورت بدشکل پیدا ہوتا ہی ہے نہ کوئی جانور غیب جانے نہ کسی پرندے سے غیب حاصل ہوسکے نہ ستارے غیب کی رہنمائی کریں۔ منوخدائی کا فیصلہ ہے کہ آسمان اور زمین کی کل مخلوق غیب سے بے خبر ہے۔ انہیں تو اپنے جی اٹھنے کا وقت بھی نامعلوم ہے (ابن ابی حاتم) سبحان اللہ قتادہ کا یہ قول کتنا صحیح کس قدر مفید اور معلومات سے پُر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾
اور اُن کو خبر نہیں کب جی اٹھیں گے

قیامت کا معین وقت کسی کو معلوم نہیں:

یعنی قیامت کب آئے گی جس کے بعد مردے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اس کی خبر کسی کو نہیں۔ پہلے سے مبدا کا ذکر چلا آتا تھا۔ یہاں سے معاد کا شروع ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ. اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ ان کا حشر کب ہوگا کیونکہ وقت حشر حسی نہیں کہ حواس کے ذریعہ سے اس کا وقت معلوم ہوسکے اور نہ اس کے وقت کی تعیین نظری قابل استدلال ہے اس لئے کسی آسمانی زمینی مخلوق کے لئے قیامت کا تعیینی علم ممکن نہیں۔ ہاں اگر اللہ کسی کو بتادے تو معلوم ہونا ممکن ہے مگر اللہ نے کسی کو قیامت کی تعیین کا علم عطا نہیں فرمایا یہ علم اپنی ذات کے لئے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ
بلکہ تھک کر گر گیا ان کا فکر آخرت کے بارہ میں بلکہ اُن کو

فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
شبہ ہے اس میں بلکہ وہ اُس سے اندھے ہیں

کم عقلوں کا انکارِ قیامت:

یعنی عقل دوڑا کر تھک گئے، آخرت کی حقیقت نہ پائی کبھی شک کرتے ہیں کبھی منکر ہوتے ہیں (موضح) اور بعض مفسرین نے یوں تقریر کی ہے کہ آخرت کے ادراک تک ان کے علم کی رسائی نہ ہوئی اور نہ عدم علم کی وجہ سے صرف خالی الذہن رہے بلکہ اس کے متعلق شک وتردد میں پڑ گئے، اور نہ صرف شک وتردد بلکہ اُن دلائل وشواہد سے بالکل آنکھیں بند کرلیں جن میں غور وتامل کرتے تو شک رفع ہوسکتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ
اور بولے وہ لوگ جو منکر ہیں کیا جب ہم ہو جائیں مٹی اور ہمارے باپ دادے
اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا
کیا ہم کو زمین سے نکالیں گے وعدہ پہنچ چکا ہے اس کا ہم کو اور ہمارے باپ دادوں کو
مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾
پہلے سے یہ کچھ نہیں یہ نقلیں ہیں پہلوں کی

منکروں کی دلیل:

یعنی پہلے ہمارے بڑوں سے یہی وعدے کئے گئے تھے۔ جو پہلے کہہ گئے ان ہی کی نقل آج یہ پیغمبر بھی اتار رہے ہیں لیکن کتنے قرن گزر چکے ہم نے تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو اور اس کی کوئی اصل ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
تو کہہ دے پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾
ہوا انجام کار گنہگاروں کا

قیام قیامت کی دلیل:

یعنی کتنے مجرموں کو دنیا ہی میں عبرتناک سزائیں مل چکی ہیں اور پیغمبروں کا فرمانا پورا ہو کر رہا۔ اسی پر قیاس کرلو کہ بعث بعد الموت اور عذاب آخروی کی جو خبر انبیاء دیتے چلے آئے ہیں یقیناً پوری ہو کر رہے گی یہ کارخانہ یوں ہی

بے فکر نہیں کہ اس پر کوئی حاکم نہ ہو، وہ اپنی رعایا کو یوں ہی مہمل نہ چھوڑے گا جب سب مجرموں کو یہاں پوری سزا نہیں ملتی تو یقیناً کوئی دوسری زندگی ہو گی جہاں ہر ایک اپنی کیفر کردار کو پہنچے اگر تمہاری یہی تکذیب رہی تو مکذبین کا جو نتیجہ دنیا میں ہوا تمہارا بھی ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

منکروں کو دھمکی:

(اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ ملک میں چل پھر کر دیکھو۔ مجرموں کا نتیجہ کیسا (برا) ہوا۔

یہ دھمکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کافروں کو کہ دیکھو تکذیب انبیاء کا نتیجہ کتنا برا نکلا۔ اس سے تم کو بھی ڈرنا چاہئے۔ تکذیب کا جو خمیازہ ان کو بھگتنا پڑا تم کو بھی تکذیب رسول کی ویسی ہی سزا ملے گی۔ کافروں کو مجرمین کہنے سے مومنوں کے غیر مجرم ہونے کی طرف لطیف ایماء ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ
اور غم نہ کر ان پر اور تنگ نہ ہو ان کے فریب بنانے سے

جو منکر ہی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں:

یعنی اُن کو سمجھا کر اور بدی کے انجام پر متنبہ کر کے آپ سبکدوش ہو چکے اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ بہت زیادہ غم و تاسف نہ کریں اور نہ ان کے مکر و فریب اور حق کے خلاف تدبیریں کرنے سے تنگدل اور خفا ہوں آپ اپنا فرض ادا کر چکے، اللہ تعالیٰ ایسے ضدی مجرموں سے خود نبٹ لے گا اور جس طرح پہلے مجرموں کو سزائیں دی گئی ہیں اُن کو بھی دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت:

ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے ساتھ جو شفقت و ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے اس کا تقاضا تھا کہ سب کو اللہ کا پیغام سنا کر جہنم سے بچا لیں جو لوگ اس پیغام کو قبول نہ کرتے تو آپ کو سخت صدمہ پہنچتا تھا اور آپ ایسے غمگین ہوتے تھے جیسے کسی کی اولاد اس کے کہنے کے خلاف آگ میں جا رہی ہو اس لئے قرآن نے جابجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں۔ سابقہ آیت میں وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُن فِي ضَيْقٍ اسی مقصد کا ایک عنوان تھا۔ مذکورالصدر آیت میں بھی تسلی کا مضمون دوسرے انداز سے بیان فرمایا ہے کہ آپ کا کام پیغام حق کو پہنچا دینے کا وہ آپ پورا کر چکے ہیں جن لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس میں آپ کا کوئی قصور اور کوتاہی نہیں جس پر آپ غم کریں بلکہ وہ اپنی صلاحیت قبول ہی کو کھو چکے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو

یعنی آخر وہ قیامت کب آئے گی؟ اور جس عذاب کی دھمکیاں دی جاتی ہیں کب نازل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ لَكُم
تو کہہ کیا عجب ہے جو تمہاری پیٹھ پر پہنچ چکی ہو
بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ
بعض وہ چیز جس کی جلدی کر رہے ہیں

معرکہ بدر مشرکین کیلئے عذاب:

یعنی گھبراؤ نہیں، وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور کچھ بعید نہیں کہ وعدہ کا کچھ حصہ قریب ہی آلگا ہو (چنانچہ تھوڑے دنوں کے بعد بدر میں عذاب الٰہی کی ایک قسط پہنچ گئی رہی قیامت سو اس کے بھی بعض آثار و علامات ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
اور تیرا رب تو فضل رکھتا ہے لوگوں پر
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٧٣﴾
پر بہت لوگ حق نہیں مانتے

مہلت اللہ کا فضل ہے:

یعنی حق تعالیٰ اپنے فضل سے جو عذاب میں تاخیر کرتا ہے تو چاہیے تھا اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانی سے شکر گزار ہو کر ایمان و عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے لیکن وہ اس کے خلاف ناشکری کرتے اور اپنے منہ سے عذاب مانگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ
اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں
وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٤﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ
اور جو کچھ کہ ظاہر کرتے ہیں اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو آسمان
وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿٧٥﴾
اور زمین میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں

سب کے سب اعمال اللہ کے علم میں ہیں:

یعنی تمہارے ظاہری و پوشیدہ اعمال، دلوں کے بھید نیتیں ارادے اور زمین و آسمان کے چھپے سے چھپے راز سب اللہ تعالیٰ کے علم میں حاضر اور اس کے دفتر میں درج ہیں۔ ہر بات اسی کے موافق اپنے اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوگی۔ جلدی مچانے یا دیر لگانے سے کچھ حاصل نہیں۔ جو چیز علم الٰہی میں طے شدہ ہے جلد یا بدیر اپنے وقت پر آ کے رہے گی اور ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت و عزم کے موافق پھل مل کر رہے گا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ

یہ قرآن سناتا ہے بنی اسرائیل کو

اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۞ وَاِنَّهٗ لَهُدًى

بہت چیزیں جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں اور بیشک وہ ہدایت ہے

وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۞

اور رحمت ہے یقین والوں کے واسطے

اہل کتاب کے جھگڑوں کا فیصلہ:

یعنی ابھی عملی فیصلہ کا وقت نہیں آیا، البتہ قرآن قولی و علمی فیصلہ کے لئے آ چکا ہے۔ اس وقت یہودی علماء اور مذہبی چیزوں کے سب سے بڑے عالم بنی اسرائیل سمجھے جاتے تھے مگر عقائد، احکام اور قصص و روایات کے متعلق ان کے شدید اختلافات کا فیصلہ کن تصفیہ بھی قرآن نے کر دیا۔ فی الحقیقت قرآن ہی وہ کتاب ہے جس نے دنیا کو خداوند قدوس کا آخری پیغام پہنچایا۔ اور ایمان لانے والوں کی رہبری کی تاکہ اس ان کے ... کر رہیں۔ جنہیں ہر معاملہ کا عملی فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ

تیرا رب ان میں فیصلہ کرے گا اپنی حکومت سے

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۞

اور وہی ہے زبردست سب کچھ جاننے والا

یعنی قرآن تو آیا ہے سمجھانے اور آگاہ کرنے کو، باقی تمام معاملات کا حکیمانہ اور حاکمانہ فیصلہ خدائے قادر و توانا کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۖ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۞

سو تو بھروسہ کر اللہ پر بیشک تو ہے صحیح سچے رستہ پر

آپ کسی کے اختلاف سے متاثر نہ ہوں:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے اختلاف و تکذیب سے متاثر نہ ہوں۔ خدا پر بھروسہ کر کے اپنا کام کئے جائیں جس صحیح و صاف راستہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل رہے ہیں اس میں کوئی کھٹکا نہیں۔ آدمی جب صحیح راستہ پر ہو اور خدائے واحد پر بھروسہ رکھے پھر کیا غم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ

بیشک تو نہیں سنا سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو اپنی پکار

اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۞ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى

جب لوٹیں وہ پیٹھ پھیر کر اور نہ تو دکھلا سکے

الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ

اندھوں کو جب وہ راہ سے بچلیں

مردہ دلوں کا حال:

یعنی جس طرح ایک مردہ کو خطاب کرنا یا کسی بہرے کو پکارنا خصوصاً جبکہ وہ پیٹھ پھیرے چلا جا رہا ہو اور پکارنے والے کی طرف قطعاً ملتفت نہ ہو ان کے حق میں سودمند نہیں یہی حال ان مکذبین کا ہے جن کے قلوب مر چکے ہیں اور دل کے کان بہرے ہو گئے ہیں اور سننے کا ارادہ بھی نہیں رکھتے کیا ان کے حق میں کوئی نصیحت نافع اور کارگر نہیں ایک نپٹ اندھے کو جب تک آنکھ نہ بنوائے تم کس طرح راستہ یا کوئی چیز دکھلا سکتے ہو۔ یہ لوگ بھی دل کے اندھے ہیں اور چاہتے بھی نہیں کہ اندھے پن سے نکلیں۔ پھر تمہارے دکھلانے سے وہ دیکھیں تو کیسے دیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس کے معنی بھی یہی ہوئے کہ جیسے مردے اگر کوئی بات حق کی سن بھی لیں اور اس وقت وہ حق کو قبول کرنا بھی چاہیں تو یہ ان کے لئے نافع نہیں، کیونکہ وہ دنیا کے دارالعمل سے گزر چکے ہیں جہاں ایمان و عمل نافع ہو سکتا تھا مرنے کے بعد برزخ یا محشر میں تو سبھی کافر منکر ایمان و عمل صالح کی تمنا کریں گے مگر وہ وقت ایمان و عمل کے قبول ہونے کا وقت نہیں۔ اس لئے اس آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مردے کوئی کلام کسی کا سن ہی نہیں سکتے اس لئے سماع اموات کے مسئلہ سے درحقیقت یہ آیت ساکت ہے۔ یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل نظر ہے کہ مردے کسی کلام کو سن سکتے ہیں یا نہیں۔

مسئلہ سماع اموات:

یہ مسئلہ کہ مردے کوئی کلام سن سکتے ہیں یا نہیں ان مسائل میں سے ہے جن

میں خود صحابہ کرام کا باہم اختلاف رہا ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سماع موتیٰ کو ثابت قرار دیتے ہیں اور حضرت ام المومنین صدیقہ عائشہؓ اس کی نفی کرتی ہیں اسی لئے دوسرے صحابہ وتابعین میں بھی دو گروہ ہو گئے بعض اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔ اور قرآن کریم میں یہ مضمون ایک تو اسی موقع پر سورۂ نمل میں آیا ہے دوسرے سورۂ روم میں تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ دوسری آیت آئی ہے اور سورۂ فاطر میں یہ مضمون ان الفاظ سے آیا ہے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ یعنی آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو کہ قبروں میں ہیں۔

ان تینوں آیتوں میں یہ بات قابل نظر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی یہ نہیں فرمایا کہ مردے سن نہیں سکتے بلکہ تینوں آیتوں میں نفی اس کی کی گئی ہے کہ آپ نہیں سنا سکتے۔ تینوں آیتوں میں اسی تعبیر واختیار کرنے سے اس طرف واضح اشارہ نکلتا ہے کہ مردوں میں سننے کی صلاحیت تو ہو سکتی ہے مگر ہم باختیار خود ان کو نہیں سنا سکتے۔

ان تینوں آیتوں کے بالمقابل ایک چوتھی آیت جو شہداء کے بارے میں آئی ہے وہ یہ ثابت کرتی ہے کہ شہداء کو اپنی قبروں میں ایک خاص قسم کی زندگی عطا ہوتی ہے اور اس زندگی کے مطابق رزق بھی ان کو ملتا ہے اور اپنے پسماندہ متعلقین کے متعلق بھی منجانب اللہ ان کو بشارت سنائی جاتی ہے آیت یہ ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ

یہ آیت اس کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور اور ادراک باقی رہ سکتا ہے بلکہ شہداء کے معاملہ میں اس کے وقوع کی شہادت بھی یہ آیت دے رہی ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ یہ حکم تو شہیدوں کے ساتھ مخصوص ہے دوسرے اموات کے لئے نہیں، سوال کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو گیا کہ مرنے کے بعد بھی روح انسانی میں شعور وادراک اور اس دنیا کے ساتھ علاقہ باقی رہ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے شہداء کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ ان کی ارواح کا تعلق ان کے اجسام اور قبور کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ چاہیں تو دوسرے اموات کو یہ موقع دے سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو سماع اموات کے قائل ہیں، ان کا یہ قول بھی ایک صحیح حدیث کی بنا پر ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اسناد صحیح کے ساتھ منقول ہے وہ یہ ہے جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ اس کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ اس مردے کی روح اس میں واپس بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ سلام کا جواب دے۔

امام غزالی اور علامہ سبکی وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ اتنی بات تو احادیث صحیحہ اور قرآن کی آیت مذکورہ سے ثابت ہے کہ بعض اوقات میں مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر حال میں ہر شخص کے کلام کو ضرور سنتا ہے اس طرح آیات وروایات کی تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مردے ایک وقت میں احیاء کے کلام کو سن سکیں دوسرے وقت نہ سن سکیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بعض کے کلام کو سنیں بعض کے کلام کو نہ سنیں یا بعض مردے سنیں بعض نہ سنیں، کیونکہ سورۂ نمل، سورۂ روم، سورۂ فاطر کی آیت سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ مردوں کو سنانا ہمارے اختیار میں نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتے ہیں سنا دیتے ہیں۔

اس لئے جن مواقع میں حدیث کی روایات صحیحہ سے سننا ثابت ہے وہاں سننے پر عقیدہ رکھا جائے اور جہاں ثابت نہیں وہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے نہ قطعی اثبات کی گنجائش ہے نہ قطعی نفی کی، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اس مسئلہ کی مکمل تحقیق میں احقر نے ایک مستقل رسالہ بنام تکمیل الحبور بسماع اہل القبور لکھا ہے جو احکام القرآن سورۂ روم حزب خامس میں بزبان عربی شائع ہوا ہے جس میں آیات وروایات اور اقوال سلف وخلف اور شرح الصدور وغیرہ سے بہت سے واقعات ومخاطبات اہل قبور کے نقل کئے گئے ہیں۔ اہل علم وہاں دیکھ سکتے ہیں عوام کے لئے یہاں اس کا ضروری خلاصہ لکھ دیا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ
تو تو سناتا ہے اس کو جو یقین رکھتا ہو ہماری باتوں پر سو وہ مسلمان ہیں

نصیحت کس کو نفع دیتی ہے؟

یعنی نصیحت سنانا ان کے حق میں نافع ہے جو سن کر قبول کریں۔ اور اثر قبول کرنا یہی ہے کہ خدا کی باتوں پر یقین کر کے فرمانبردار بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے جس کے اس واقعہ سے رد کی ہے ایمان کی راہ اس کو سوجھائی نہیں دیتی آپ اس کو ایمان کا راستہ نہیں دکھا سکتے آپ کا قرآن سنانا صرف ان لوگوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے جو ہماری آیات پر ایمان رکھنے والے ہیں یعنی ایمان۔ تاہم کے ان کے متقد ہیں یعنی وہی مسلم ہوتے ہیں یعنی اپنی خصوصی ساتھ اللہ کی طرف مڑ دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَاۗبَّةً
اور جب پڑ چکے گی ان پر بات نکالیں گے ہم ان کے آگے ایک جانور
مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا
زمین سے ان سے باتیں کرے گا اس واسطے کہ لوگ ہماری
بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ
نشانیوں کا یقین نہیں کرتے تھے

باتیں کرنے والا جانور:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں قیامت سے پہلے صفا پہاڑ مکہ کا پھٹے گا اس میں سے ایک جانور نکلے گا جو لوگوں سے باتیں کرے گا کہ اب قیامت نزدیک ہے اور سچے ایمان والوں اور چھپے منکروں کو نشان دے کر جدا کر دے گا (موضح) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بالکل آخر زمانہ میں طلوع الشمس من المغرب کے دن ہوگا۔ قیامت تو نام ہی اس کا ہے کہ عالم کا سب موجودہ نظام درہم برہم کر دیا جائے۔ لہٰذا اس قسم کے خوارق پر کچھ تعجب نہیں کرنا چاہیے جو قیامت کی علامات قریبہ اور اس کے پیش خیمہ کے طور پر ظاہر کی جائیں گی شاید دابۃ الارض کے ذریعہ سے یہ دکھلانا ہو کہ جس چیز کو تم پیغمبروں کے کہنے سے نہ مانتے تھے آج وہ ایک جانور کی زبانی ماننی پڑ رہی ہے۔ مگر اس وقت کا ماننا نافع نہیں صرف مکذبین کی تجہیل و تحمیق مقصود ہے ماننے کا جو وقت تھا گزر گیا۔ (تنبیہ) دابۃ الارض کے متعلق بہت سے رطب و یابس اقوال و روایات تفاسیر میں درج کی گئی ہیں مگر معتبر روایات سے تقریباً اتنا ہی ثابت ہے جو حضرت شاہ صاحب نے لکھا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

قیامت کی دس نشانیاں:

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ (۱) آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا (۲) دخان (۳) دابہ (۴) خروج یاجوج و ماجوج (۵) نزول عیسیٰ علیہ السلام (۶) دجال (۷) تین خسوف کے معنی، ایک مغرب میں دوسرا مشرق میں تیسرا جزیرۃ العرب میں ہوگا (۸) ایک آگ جو قعر عدن سے نکلے گی اور سب لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے آئے گی جس مقام پر لوگ رات گزارنے بیٹھیں گے یہ آگ بھی ٹھہر جائے گی پھر ان کو لے چلے گی۔

(ہکذا رواہ مسلم و اہل السنن من طرق وقال الترمذی حدیث حسن صحیح)

دابہ کوہ صفا سے نکلے گا:

ابن کثیر نے بحوالہ ابوداؤد طیالسی حضرت طلحہ بن عمر سے ایک طویل حدیث میں روایت کیا ہے کہ یہ دابہ الارض مکہ مکرمہ میں کوہ صفا سے نکلے گا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا مسجد حرام میں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان پہنچ جائے گا لوگ اس کو دیکھ کر بھاگنے لگیں گے ایک جماعت رہ جائے گی یہ دابہ ان کے چہروں کو ستاروں کی طرح روشن کر دے گا۔ اس کے بعد وہ زمین کی طرف نکلے گا۔ ہر کافر کے چہرے پر کفر کا نشان لگا دے گا۔ کوئی اس کی پکڑ سے بھاگ نہ سکے گا یہ ہر مومن و کافر کو پہچانے گا۔ (روح)

قیامت کی سب سے آخری علامت:

مسلم بن حجاج نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی تھی جس کو میں کبھی بھولا نہیں وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی آخری علامات میں سب سے پہلے آفتاب کا طلوع مغرب کی طرف سے ہوگا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد دابۃ الارض نکلے گا ان دونوں علامتوں میں سے جو بھی پہلے ہو جائے اس کے فوراً بعد قیامت آجائے گی (ابن کثیر) (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

صحیح مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے جو نشانی ظاہر ہوگی وہ سورج کا مغرب سے نکلنا اور دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ کا ضحیٰ کے وقت آ جانا ہے ان دونوں میں سے جو پہلے ہوگا اس کے بعد ہی دوسرا ہوگا۔

چھ چیزوں سے پہلے عمل کرو:

صحیح مسلم میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں کی آمد سے پہلے ہی پہلے نیک اعمال کر لو۔ سورج کا مغرب سے نکلنا۔ اور دھوئیں کا آنا اور دجال کا آنا اور دَآبَّةَ الْاَرْضِ کا آنا اور تم میں سے ہر ایک کا خاص امر اور عام امر۔ یہ حدیث اور سندوں سے دوسری کتابوں میں بھی ہے۔

دابۃ کی انگوٹھی اور لاٹھی:

ابوداؤد طیالسی میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دَآبَّةُ الْاَرْضِ کے ساتھ حضرت موسیٰ کی لکڑی ہوگی اور حضرت سلیمان کی انگوٹھی ہوگی۔ کافروں کی ناک پر لکڑی سے مہر لگائے گا اور مومنوں کے منہ انگوٹھی سے منور کر دے گا یہاں تک کہ ایک دسترخوان پر بیٹھے ہوئے مومن کافر سب ظاہر ہوں گے۔ ایک اور حدیث میں جو مسند احمد میں ہے مروی ہے کہ کافروں کی ناک پر انگوٹھی سے مہر کرے گا اور مومنوں کے چہرے لکڑی سے چمکا دے گا۔

دابۃ الارض کے نکلنے کی جگہ:

ابن ماجہ میں بریدہؓ سے روایت ہے کہ مجھے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے پاس کے ایک جنگل میں گئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک خشک زمین ہے جس کے ارد گرد ریت ہے فرمانے لگے یہیں سے دابۃ الارض نکلے گا۔ بریدہؓ کہتے ہیں اس کے کئی سال بعد میں حج کے لیے نکلا تو مجھے لکڑی دکھائی دی جو میری اس لکڑی کے برابر تھی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے چار پیر ہوں گے صفا کی کھڈ میں سے نکلے گا۔ اس قدر تیزی سے خروج کرے گا کہ جیسے کوئی بہت ہی تیز رفتار گھوڑا ہو، تاہم تین دن میں اس کے جسم کا تیسرا حصہ بھی نہ نکلا ہوگا۔ عبداللہ بن عمرؓ سے جب اس کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جیاد میں ایک چٹان ہے اس کے نیچے سے نکلے گا۔ میں اگر وہاں ہوتا تو میں تمہیں وہ چٹان دکھا

دیتا یہ سیدھا مشرق کی طرف جائے گا اور اس زور سے چلائے گا کہ ہر طرف اس کی آواز پہنچ جائے گی پھر شام کی طرف جائے گا، وہاں بھی چیخ لگا کر پھر یمن کی طرف متوجہ ہوگا یہاں بھی آواز لگا کر شام کے وقت مکہ سے چل کر صبح کو عسفان پہنچ جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ فرمایا پھر مجھے معلوم نہیں۔

دابۃ الارض کی چیخ:

عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ مزدلفہ کی رات کو نکلے گا، حضرت عزیزؑ ایک کلام کی حکایت ہے کہ سدوم کے نیچے سے یہ نکلے گا اس کے کلام کو سب سنیں گے حاملہ کے حمل وقت سے پہلے گر جائیں گے، میٹھا پانی کڑوا ہو جائے گا دوست دشمن بن جائیں گے، حکمت جل جائے گی، علم اٹھ جائے گا نیچے کی زمین باتیں کرے گی، انسان کی وہ تمنائیں ہوں گی جو کبھی پوری نہ ہوں، ان چیزوں کی کوشش ہوگی جو کبھی حاصل نہ ہوں، اس بارے میں کام کریں گے جسے کھائیں گے نہیں۔

دابۃ الارض کا رنگ وروپ:

ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ اس کے جسم پر سب رنگ ہوں گے۔ اس کے دو سینگوں کے درمیان سوار کے لئے ایک فرسخ کی راہ ہوگی۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ موٹے نیزے اور بھالے کی طرح ہوگا حضرت علیؓ فرماتے ہیں اس کے بال ہوں گے کھر ہوں گے، داڑھی ہوگی، دم نہ ہوگی۔ تین دن میں بمشکل ایک تہائی باہر آئے گا حالانکہ تیز گھوڑے کی چال چلتا ہوگا۔ ابن الزبیرؓ کا قول ہے کہ اس کا سر بیل کے سر کے مشابہ ہوگا آنکھیں خنزیر کی آنکھوں کے مشابہ ہوں گی، کان ہاتھی جیسے ہوں گے سینگ کی جگہ اونٹ کی طرح ہوگی، شتر مرغ جیسی گردن ہوگی شیر جیسا سینہ ہوگا، چیتے جیسا رنگ ہوگا، بلی جیسی کمر ہوگی، مینڈھے جیسی دم ہوگی، اونٹ جیسے پاؤں ہوں گے، ہر دو جوڑ کے درمیان بارہ گز کا فاصلہ ہوگا۔ حضرت موسیٰؑ کی لکڑی اور حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی ساتھ ہوگی۔ ہر مومن کی پیشانی پر اپنے عصائے موسوی سے نشان کردے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا چہرہ منور ہو جائے گا اور ہر کافر کے چہرے پر خاتم سلیمانی سے نشان لگا دے گا جو پھیل جائے گا اور اس کا سارا چہرہ سیاہ ہو جائے گا۔ اب تو اس طرح مومن کافر ظاہر ہو جائیں گے کہ خرید و فروخت کے وقت کھانے پینے کے وقت لوگ ایک دوسرے کو اے مومن! او رائے کافر! کہہ کر بلائیں گے۔ دابۃ الارض ایک ایک کا نام لے کر اس کو جنت کی خوشخبری یا جہنم کی بدخبری سنا دے گا یہی معنی و مطلب اس آیت کا ہے۔ (ابن کثیر)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا یہ دابہ ایسا نہ ہوگا جس کی دم ہو بلکہ داڑھی والا دابہ ہوگا۔

بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ دابۃ الارض کوہ صفا کے ایک شگاف سے برآمد ہوگا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے احرام کی حالت میں صفا کو لاٹھی سے ٹھوکا اور فرمایا دابہ میری لاٹھی کے ٹھوکے کو سن رہا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا دابہ ایک گھاٹی سے برآمد ہوگا اس کا سر بادل کو چھوئے گا اور اس کی ٹانگیں زمین کے اندر ہوں گی باہر نکلی بھی نہ ہوں گی وہ نماز پڑھتے آدمی کی طرف سے گزرے گا اور کہے گا نماز کی تجھے کیا ضرورت پھر اس (کے ماتھے یا ناک پر) نشان بنادے گا۔

تین بار دابہ نکلے گا:

بغوی نے حضرت ابوشریحہ انصاریؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پوری مدت میں تین بار دابہ کا خروج ہوگا۔ ایک بار یمن سے برآمد ہوگا جس کی شہرت بادیہ (صحراء) میں پھیل جائے گی۔ اور قریہ یعنی مکہ میں بھی اس کا تذکرہ پہنچ جائے گا پھر ایک روز سب سے بڑی عزت و عظمت والی مسجد یعنی مسجد حرام میں لوگ جمع ہوں گے کہ دابہ دکھائی دے گا عمرو (راوی) نے کہا رکن اسود سے باب بنی مخزوم تک درمیان میں دکھائی دے گا اور مسجد کے ہر گوشہ میں موجود لوگوں کو دیکھے گا لوگ اس کو دیکھ کر بکھر جائیں گے لیکن ایک جماعت اس کے سامنے جمی رہے گی وہ سمجھ لیں گے کہ اللہ سے چھوٹ کر وہ نہیں جا سکتے دابہ اپنے سر سے مٹی جھاڑتا ہوا ان کی طرف گزرے گا اور ان کے چہروں کو (نشان زدہ کرکے) ایسا روشن کردے گا جیسے چمکدار ستارے۔ پھر زمین کو پھاڑتا ہوا چل جائے گا (اتنی تیزی سے جائے گا) کہ اس کو پکڑنے والا پا نہ سکے گا اور اس سے بھاگنے والا چھوٹ نہ سکے گا پھر کچھ لوگ اٹھ کر نماز پڑھنے لگیں گے تو (تیسری بار) وہ پیچھے سے آپڑے گا اور کہے گا اے فلاں تو اب نماز پڑھ رہا ہے پھر نمازی کے سامنے آکر اس کے چہرہ پر نشان بنادے گا پھر لوگ اپنی اپنی بستیوں اور اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور ساتھ ساتھ مل کر سفر کریں گے اور باہم دولتوں میں شرکت کریں گے اور کافر کا مومن سے امتیاز ہو جائے گا مومن کو مومن کہہ کر پکارا جائے گا اور کافر کو کافر کہہ کر۔

حضرت حذیفہ بن یمان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دابہ کا تذکرہ آیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کہاں سے برآمد ہوگا۔ فرمایا سب سے بڑی حرمت والی مسجد سے اس وقت عیسیٰ علیہ السلام طواف کررہے ہوں گے مسلمان آپ کے ساتھ ہوں گے۔ قندیل کی حرکت کی طرح ان کے قدموں کے نیچے زمین میں لرزہ پیدا ہوگا اور مشرقی جانب کوہ صفا پھٹ کر اس سے دابہ برآمد ہو جائے گا سب سے پہلے اس کا سر نکلے گا۔ اس کا بدن اور پر ہوں گے کوئی پکڑنے والا اس تک پہنچ نہ سکے گا اور نہ بھاگنے والا اس سے چھوٹ سکے گا۔ وہ لوگوں پر مومن و کافر کا نشان بنادے گا۔ مومن کا چہرہ چمکدار ستارہ کی طرح روشن ہو جائے گا اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں وہ نشان ہوگا۔ اور کافر کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں جو نشان ہوگا وہ کالا ہوگا اور

دونوں آنکھوں کے بیچ میں کافر لکھا ہوگا۔ رواہ البغوی و کذا اخرج ابن جریر۔ بغوی نے سہل بن صالح کے والد کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا ... بڑی ... عرض کیا گیا یا رسول اللہ ... فرمایا اس سے دابہ برآمد ہوگا اور تین چیخیں مارے گا جن کو مشرق و مغرب کے درمیان سب سنیں گے اس کا چہرہ مرد کا چہرہ ہوگا اور (باقی) جسمانی بناوٹ پرندے کی ہوگی اور جو اس کو دیکھے گا اس سے وہ کہے گا کہ اہل مکہ محمد اور قرآن پر یقین نہیں رکھتے تھے۔

حضرت ابوامامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دابہ برآمد ہوگا اور لوگوں کی ناکوں پر نشان لگائے گا اس کے بعد بھی لوگ (مدت تک) زندہ رہیں گے یہاں تک کہ بعض لوگ جانور خریدیں گے ... تو ان سے دریافت کیا جائے گا تم نے یہ جانور کس سے خریدا وہ جواب دیں گے مہر زدہ آدمی سے۔ رواہ احمد۔ حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کی رات کو دابہ برآمد ہوگا لوگ منیٰ کی طرف جا رہے ہوں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دابۃ الارض کو دیکھا:

ابن ابی شیبہ عبد بن حمید ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ موسیٰ نے اپنے رب سے خواہش کی کہ مجھے دابۃ الارض دکھا دیا جائے (اللہ نے دعا قبول فرمائی اور) چنانچہ دابہ تین دن رات (...) ... میں چرتا رہا ... حضرت موسیٰ نے ... دیکھ کر درخواست کی اے میرے رب اس کو واپس لے ... اللہ نے اس کو واپس ... دیا۔

مؤمن و کافر کا امتیاز:

میں کہتا ہوں کہ احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ دابۃ الارض سچے مومنوں کو منافقوں سے الگ کر دے گا جو زبان سے مومن اور دل سے کافر ہوں گے اور کفر سے مراد ہے اس اسلام کی ضد جو (صرف زبانی ہوتا ہے لیکن زبان سے اسلام کا اقرار کرنے والوں کے) دلوں میں نہیں ہوتا بلکہ ایسے لوگوں کے دل اس دین کی تصدیق نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا ہے اس اسلام کو مجازی اسلام کہا جاتا ہے یا کفر سے مراد ہے اس حقیقی اسلام کی ضد جس کے دعوے دار دلوں میں بھی ایمان رکھتے ہیں اور زبان سے بھی تصدیق کرتے ہیں لیکن اطمینان قلب اور ایمان نفس کے درجہ پر فائز نہیں ہوتے ... معنی مراد ہوں تو دابہ جو بعض لوگوں سے کہے گا ... وہ دنیا میں ... ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

کفر سے مراد ... کفر کا اقرار نہیں ہو سکتا کیونکہ فتح مکہ کے بعد مکہ کے اندر علانیہ کفر کا دعویدار کوئی باقی نہیں رہا (نہ آئندہ ہوگا) پھر مومنوں سے تمیز کر دینے کا کوئی معنی نہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ

اور جس دن ہم گھیر لائیں گے ہر امت میں سے ایک جماعت جو جھٹلاتے تھے

بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ

ہماری باتوں کو پھر ان کی جماعتیں بندی ہوگی

گناہ گاروں کی تقسیم:

ہر گناہ والوں کے جتھے اور جماعتیں الگ الگ ہوں گی۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے فَهُمْ يُوزَعُونَ کے معنی روکنے کے لیے ہیں یعنی ہر امت کے مکذبین محشر کی طرف چلیں گے اور وہ تعداد کثرت سے ہوں گے کہ پیچھے چلنے والوں کو آگے بڑھنے سے روکا جائے گا۔ جیسے انبوہ کثیر میں انتظام قائم رکھنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ

یہاں تک کہ جب حاضر ہو جائیں فرمائے گا کیوں جھٹلایا تم نے میری باتوں کو اور نہ

تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

... کیا کرتے تھے

غور و فکر کے بغیر جھٹلا دیا:

یعنی پوری طرح سمجھنے اور تمام اطراف و جوانب پر نظر ڈالنے کی کوشش بھی نہ کی، پہلے ہی جھٹلانا شروع کر دیا۔ یہ بھی نہیں تو اور کیا کرتے تھے یعنی اس کے سوا تمہارا کام ہی کیا تھا اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ بے سوچے سمجھے تکذیب ہی کی تھی، یا بولو اس کے سوا اور بھی کچھ کام کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

جو لوگ غور و فکر کرنے کے باوجود حق ونہ پاسکیں ... ان کی نظر و فکر کی گمراہی کی طرف ... جب قرآن کا برہان قدرت ... توحید وغیرہ کی تکذیب پھر بھی فرض ہے اور دائمی عذاب سے نہیں بچ سکے گی کیونکہ یہ ایسے بدیہی امور ہیں جن میں نظر و فکر کی غلطی معاف نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ

... تو وہ کچھ نہیں بول سکتے

منکروں کے تمام عذر ختم ہو گئے:

یعنی ان کی شرارتوں کا یقینی ثبوت ہو چکا اور خدا کی حجت تمام ہو چکی۔ اب آگے وہ کیا بول سکتے ہیں۔ باقی بعض آیات میں جو ان کا عذر پیش کرنا مذکور ہے وہ شاید اس سے پہلے ہو چکے گا بہر حال نفی و اثبات کو مختلف مواطن

پر عمل کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

کیونکہ ان کے پاس تکذیب کرنے کا کوئی عذر ہی نہ ہوگا یا اس معنی سے کہ ان کو بولنے کی اجازت نہیں ملے گی کہ کچھ عذر پیش کر سکیں۔ بعض نے نہ بولنے کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے مونہوں پر مہر لگی ہوں گی بعض نے یہ وہ عذاب میں ایسے گرفتار ہوں گے کہ ان کو بولنے کا ہوش ہی نہ ہوگا اول توجیہ زیادہ صحیح ہے۔ اسی پر اگلی آیت دلالت کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ

کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے بنائی رات کہ اس میں چین حاصل کریں

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

اور دن بنایا دیکھنے کا بے شک اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں

رات و دن کے نظام پر غور کی دعوت:

یعنی ایسے کھلے کھلے نشان اللہ تعالیٰ نے دنیا میں دکھلائے پر ذرا بھی غور نہ کیا۔ ایک رات دن کے روزانہ ادل بدل ہی کے حال میں غور کرتے تو اللہ کی توحید پیغمبروں کی ضرورت اور بعثت بعد الموت سب کچھ سمجھ سکتے تھے۔ آخر وہ کون ہستی ہے جو ایسے مضبوط و محکم انتظام کے ساتھ برابر دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن کو نمودار کرتا ہے جس نے ہماری ظاہری بصارت کے لئے شب کی تاریکی کے بعد دن کا اُجالا کیا۔ یا وہ ہماری باطنی بصیرت کے لئے وہم و ہوا کی تاریکیوں میں معرفت و ہدایت کی روشنی نہ بھیجتا۔ پھر رات جو ہر "نیند کا وقت ہے جسے ہم موت کا ایک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد دن آیا پھر آنکھیں کھول کر دفعتاً چلنے پھرنے لگے۔ اسی طرح اگر حق تعالیٰ ہم پر موت طاری کرے اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھا دے تو اس میں کیا استحالہ ہے۔ غرض یقین کرنے والوں کے لئے اسی ایک نشان میں تمام ضروری چیزوں کا حل موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ يَرَوْا میں رؤیت (دیکھنا) بمعنی علم ہے یعنی کیا یہ نہیں جانتے کہ خاص طریقہ سے مفید طور پر معاش و معاد کے مصالح کے مطابق روشنی اور تاریکی کا وارد و تعاقب اللہ نے کر دیا ہے ان کا اس طور پر تعاقب دلالت کر رہا ہے کہ ان کا فاعل خالق حکیم و رقادر ہے اور ظاہر ہے کہ جو شب و روز کے تعاقب پر قدرت رکھتا ہے وہ پیغمبروں کو اللہ کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے بھیج سکتا ہے اور فرمانبرداری و نافرمانی کی جزا سزا دینے کی بھی اس کو قدرت ہے اور موت کے بعد زندگی بھی دے سکتا ہے جیسے کہ وہ نور و ظلمت اور بیداری و خواب کا تبادل کرتا رہتا ہے۔ اور پیغمبروں کے معجزات سے پیغمبروں کی رسالت کی ہونی تعلیم کی صداقت ثابت ہو گئی ہے ان تمام مذکورہ امور میں اللہ کی توحید اور رسول کے صادق ہونے کی حقی ہونی

نشانیاں ہیں تکذیب کرنے والے نشانوں کے بعد کوئی عذر ہو سکتا ہے لیکن ان دلائل و آیات کا فائدہ انہی لوگوں کو پہنچتا ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔

حشر کی دلیل: اَلَمْ يَرَوْا سے آخر تک حشر کی دلیل ہے ظلمت و نور سے اور خواب و بیداری سے بدلنا ثابت کر رہا ہے کہ جو قادر یہ تبدیل کرتا ہے وہ موت کے بعد دوبارہ زندگی بھی دے سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ

اور جس دن پھونکی جائے گی صور

صور کا پھونکا جانا:

صور پھونکنے والا فرشتہ اسرافیل ہے جو حکم الٰہی کے انتظار میں صور لئے تیار کھڑا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

تو گھبرا جائے جو کوئی ہے آسمان میں اور جو کوئی ہے زمین میں

اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ

مگر جس کو اللہ چاہے

بعض روایات میں ہے اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ کہ جبرئیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت ہیں۔ اور بعض نے شہداء کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قرطبی وغیرہ محققین نے اس آیت کو نفخہ اولیٰ سے متعلق قرار دیا ہے جس سے سب مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ سب زندہ ہونے کے وقت گھبرائے ہوئے اٹھیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ صور تین مرتبہ پھونکا جائے گا، پہلا نفخہ فزع ہوگا جس سے سب پریشانی گھبراہٹ اور اضطراب میں مبتلا ہو جائیں گے۔ دوسرا نفخہ صعق ہوگا جس سے سب مر جائیں گے تیسرا نفخہ حشر و نشر ہوگا جس سے سب مردے زندہ ہو جائیں گے مگر آیات قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثبوت دو ہی نفخوں کا ملتا ہے (قرطبی و ابن کثیر) اور ابن مبارک نے حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا۔ (قرطبی)

وہ لوگ جن پر گھبراہٹ نہ ہوگی:

اِلَّا مَنْ شَاۗءَ اللّٰهُ یعنی بجز ان کے جس کے متعلق گھبراہٹ سے بچنا مطلب یہ ہے کہ کچھ ایسے بھی ہوں گے جن پر کوئی گھبراہٹ اس وقت نہیں ہوگی۔ حضرت ابوہریرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ یہ

شہداء ہوں گے حشر کی دوبارہ زندگی کے وقت ان پر کوئی گھبراہٹ نہیں ہوگی (صحیح الحدیث ابن العربی) (قرطبی) سعید ابن جبیر نے بھی یہ فرمایا کہ مراد اس سے شہداء ہیں جو حشر کے وقت اپنی تلواریں باندھے ہوئے عرش کے گرد جمع ہوں گے اور قشیری نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام ان میں بدرجہ اولی داخل ہیں کیونکہ ان کو مقام شہادت بھی حاصل ہے اور مقام نبوت مزید براں ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ اور یاد کرو اس دن کو جب کہ صور کے اندر پھونک ماری جائے گی۔

سور ایک سینگ ہے:

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صور کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ ایک سینگ ہے جس سے پھونکا جائے گا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ والنسائی وابن حبان والحاکم۔ حضرت ابن مسعود سے بھی اسی طرح کی حدیث مروی ہے۔ **رواہ مسدد بسند صحیح.**

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فکر آخرت:

حضرت زید بن ارقم راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیسے چین پا سکتا ہوں سینگ (صور) والا تو سینگ منہ میں لئے پیشانی آگے کو جھکائے اور کان لگائے ہوئے ہے کہ کب اس کو (پھونکنے کا) حکم دیا جاتا ہے سی یہ تو یہ فرمان سن کر بڑی دشواری ہوگئی (کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ دل کو کسی وقت سکون میسر نہیں تو ہمارا کیا ٹھکانہ ہے) فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہی اچھا ذمہ دار ہے۔

حاکم، بیہقی اور طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے یہ حدیث اسی طرح بیان کی ہے اور ترمذی حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید کی روایت سے بھی یونہی نقل کیا ہے اور ابونعیم نے حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

صُور والا فرشتہ:

سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل اس کے یعنی اسرافیل کے دائیں جانب اور میکائیل بائیں جانب ہیں اور وہی صور والا ہے۔ قرطبی نے لکھا ہے تمام (پیغمبروں کی) امتوں کے علماء کا اتفاق ہے کہ اسرافیل ہی صور پھونکیں گے۔

کل نفخات:

بعض علماء کا قول ہے کہ صرف دو نفخات ہوں گے نفخہ فزع ہی نفخہ صعق ہوگا ان لوگوں کا خیال ہے کہ نفخہ ایک ہی ہوگا جس میں دونوں حالتیں پیدا ہو جائیں گی اور یہ دونوں باہم لازم ملزوم ہوں گی صور کی آواز سن کر پہلے گھبراہٹ پھر بے ہوشی اور موت ہو جائے گی۔ قرطبی نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے اور استدلال میں کہا ہے کہ نفخہ فزع سے اس جگہ مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جس طرح کہ نفخہ صعق سے من شاء اللہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے دونوں کے متعلق اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ نفخات نہیں ہوں گے بلکہ ایک ہی نفخہ ہوگا (جس کو نفخہ فزع بھی کہا گیا ہے اور نفخہ صعق بھی)

میں کہتا ہوں یہ دلیل صحیح نہیں ہے اس سے دونوں نفخوں کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا بے شک مستثنیٰ منہ دونوں کلاموں میں ایک ہی ہے لیکن مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کو دونوں جگہ مستثنیٰ کر لینے کا یہ معنی نہیں کہ دونوں مستثنیٰ ایک ہی ہیں۔

شہداء کی فضیلت:

بغوی نے لکھا ہے مستثنیٰ کون لوگ ہوں گے اس کی تعیین میں علماء کے اقوال میں اختلاف ہے حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کی بابت دریافت کیا گیا تو حضور نے فرمایا وہ شہداء ہوں گے کیونکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں ان کو فزع لاحق نہ ہوگا۔

ابویعلی بیہقی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جبرئیل سے آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کے سلسلہ میں دریافت کیا کہ وہ کون ہیں جن کو اللہ بے ہوش کرنا (یعنی صور کی آواز سے مردہ کرنا) نہ چاہے گا وہ شہداء ہوں گے جو تلواریں لٹکائے عرش کے گرداگرد ہیں علماء نے استثناء شہداء کی بابت یہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں بغوی نے لکھا ہے بعض آثار میں آیا ہے کہ شہداء اللہ کے استثناء کردہ ہیں یعنی اللہ نے خود نفخہ صور کے اثر سے ان کو مستثنیٰ کر دیا ہے۔ **کذا روی هناد بن السری والبیهقی والنحاس فی معانی القرآن عن سعید بن جبیر.**

جبریل، میکائیل، عزرائیل اور حاملین عرش:

فریابی نے اپنی تفسیر میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ تک تلاوت کی تو صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ نے استثناء کیا ہے فرمایا جبرئیل میکائیل فرشتہ موت اسرافیل اور حاملین عرش جب اللہ مخلوق (یعنی انسانوں) کی روحیں قبض کر لے گا تو ملک الموت سے فرمائے گا اب کون باقی ہے ملک الموت جواب دے گا اے مالک عظمت وعزت تو پاک ہے بڑی خیر والا ہے بزرگ و برتر ہے جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت باقی ہیں اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے ملک الموت میکائیل کی جان لے لے گا

اور میکائیل بڑے پہاڑ کی طرح گر جائے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا (اب) کون باقی رہا عرض کرے گا جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا ملک الموت سے فرشتے تو مر جا موت کا فرشتہ فوراً مر جائے گا اللہ فرمائے گا جبرئیل اب کون باقی رہا عرض کرے گا جبرئیل تیری ذات کریم لافانی اور جبرئیل میت فانی اللہ فرمائے گا (موت تو تجھے بھی آنی ہے) مرے بغیر چارہ نہیں جبرئیل فوراً سجدہ میں گر جائے گا اپنے دونوں بازو پھڑ پھڑاتا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل کی جسمانی ساخت کی میکائیل کی جسمانیت پر بیشی ایسی ہے جیسے بڑے پہاڑ کی بڑی چھوٹے ٹیلہ پر۔ بیہقی نے آیت نُفِخَ فِي الصُّورِ کے ذیل میں حضرت انس کی مرفوع روایت نقل کی ہے۔ جن کو مستثنیٰ کیا ہے ان میں سے تین تو یہ ہوں گے جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ باوجودیکہ خوب جانتا ہوگا فرمائے گا ملک الموت کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری لافانی ذات کریم اور تیرا بندہ جبرئیل اور میکائیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا میکائیل کی جان لے لے پھر فرمائے گا باوجودیکہ خوب واقف ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ جبرئیل اور ملک الموت اللہ فرمائے گا جبرئیل کی جان لے لے اس کے بعد فرمائے گا باوجودیکہ خوب جانتا ہوگا (اب) کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات کریم لافانی اور تیرا بندہ ملک الموت اور وہ بھی مرنے والا ہے اللہ فرمائے گا تو بھی مر جا (ملک الموت بھی مر جائے گا) پھر فرمائے گا میں نے ہی مخلوق کو شروع میں پیدا کیا تھا پھر میں ہی دوبارہ تخلیق کروں گا اب کہاں ہیں مغرور متکبر کوئی جواب نہیں دے گا پھر اللہ پکار کر فرمائے گا آج حکومت کس کی ہے کوئی بھی جواب دینے والا نہ ہوگا اللہ خود ہی فرمائے گا ایک غالب کل اللہ کی اس کے بعد (ملک الموت کو سب سے پہلے اٹھایا جائے گا اور) دوبارہ صور میں پھونک ماری جائے گی اور یکدم سب کھڑے ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے۔

بیہقی نے ... کا قول نقل کیا ہے ... مستثنیٰ ... بارہ ہیں جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور ... حاملین عرش۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ جبرئیل و میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر حاملین عرش کی پھر اسرافیل کی روح پھر ملک الموت کی روح۔

بیہقی نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے (اول) میکائیل کی روح قبض کی جائے گی پھر جبرئیل کی روح پھر اسرافیل کی ... ملک الموت ... (مر جائے گا) آخر ... وہ بھی مر جائے گا۔

سب سے پہلے پیدا ہونے اور سب سے آخر میں مرنے والے

واسطی نے کتاب العظمۃ میں وہب کا قول نقل کیا ہے کہ ان چاروں یعنی جبرئیل میکائیل اسرافیل علیہم السلام اور ملک الموت علیہم السلام کو اللہ نے سب سے پہلے پیدا کیا اور سب کے آخر میں ان کو وفات دے گا اور پھر سب سے پہلے ان کو زندہ کرے گا یہی ہیں اَلْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا (کاموں کا انتظام کرنے والے ملائکہ) اور اَلْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا (کاموں کو تقسیم کرنے والے ملائکہ) یعنی قرآن کی اس آیت میں یہی مراد ہیں سیوطی نے لکھا استثناء کی ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے ان تمام روایات کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ یہ سب مستثنیٰ ہیں (چاروں ملائکہ بھی اور آٹھوں حاملین عرش بھی)

حضرت قاضی ثناء اللہ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں جتنی احادیث اور آثار آئی ہیں وہ نفخہ صعق (نفخہ موت) سے استثناء سے متعلق ہیں نفخہ فزع سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ میرے نزدیک آیت سے جن لوگوں کا استثناء کیا ہے وہ ... جن کا ... آیت مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ... میں بیان ان آیت میں ... جو دوزخ میں جائے بغیر جنت میں چلے جائیں گے نفخہ فزع کے وقت حیرت طاری نہ ہوگی ... نفخہ فزع کے وقت سوائے فاسقوں کے اور کوئی موجود نہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت صرف شریروں پر برپا ہوگی۔ رواہ احمد و مسلم عن ابن مسعود۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے قیامت اس وقت قائم ہوگی جب زمین پر اللہ اللہ (کہنے والا کوئی نہ ہوگا اور اللہ اللہ) انہیں کہا جائے گا رواہ احمد و مسلم و الترمذی عن انس۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا قیامت برپا نہ ہوگی یہاں تک کہ ... (کوئی نیک ... نہ ہوگا اس وقت قیامت آئے گی) رواہ عبد الرزاق فی الجامع۔ یہ بھی حضور کا ارشاد ہے۔ قیامت نہیں آئے گی یہاں تک کہ کعبہ اور قرآن اٹھا لیا جائے گا (اس وقت آئے گی) رواہ السجزی عن ابن عمر ... اس مضمون کی اور احادیث بھی آئی ہیں ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ... شہداء کو مستثنیٰ قرار دیا۔ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں باقی ملائکہ اور ارواح انبیاء بھی استثناء میں داخل ہیں وہ بھی بالکل گھبراہٹ سے مستثنیٰ ہوں گی۔ ابن جریر نے تفسیر میں طبرانی نے المطولات ابو یعلیٰ نے مسند میں بیہقی نے البعث میں ابو موسیٰ مدینی نے المطولات میں علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والعصیان میں ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں ... نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں ... نے تین بار صور پھونکا جائے گا پہلا نفخہ نفخۂ فزع ہوگا دوسرا نفخہ صعق اور تیسرا نفخہ ... جس سے سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے اللہ اسرافیل کو پہلی بار

صور پھونکنے کا حکم دے گا اسرافیل پھونکے گا جس سے (سارے) اہل سموات و ارض گھبرا جائیں گے (سخت خوف زدہ ہو جائیں گے) سوائے ان کے جن کو اللہ (محفوظ رکھنا) چاہے گا (وہ محفوظ رہیں گے) پھر حضور نے فرمایا پھر لمبی مدت تک ایسا ہی رہے گا۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر چلنے لگیں گے ، بچے بوڑھے ہو جائیں گی حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے بچوں کے بال سفید ہو جائیں گے اور شیطان اڑے اڑے بھاگ کر زمین کے کناروں پر پہنچ جائیں گے سامنے سے ملائکہ آ کر ان کے منہ پر مار مار کر واپس لوٹا دیں گے لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے ہوں گے ایک دوسرے کو پکارے گا اللہ نے اسی دن یوم التناد (پکار کا دن) فرمایا ہے اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ (قبروں کے اندر) اس بیرونی کیفیت سے بالکل بے خبر ہوں گے ان کو کچھ معلوم نہ ہوگا کہ اوپر کیا ہو رہا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ نے مستثنیٰ کیا ہے اور فرمایا ہے اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ فرمایا وہ شہداء ہوں گے (تمام) زندوں تک وہ خوف پہنچے گا (مگر شہداء تک نہیں پہنچے گا) اور وہ اپنے رب کے پاس زندگی کی حالت میں ہوں گے ان کو ان کی طرف سے رزق دیا جاتا ہے اللہ ان کو اس روز کے خوف سے محفوظ رکھے گا اور اس گھبراہٹ سے وہ امن میں رہیں گے یہ عذاب انہی لوگوں پر قائم ہوگا جو اللہ کی مخلوق میں سب سے برے (یعنی کافر) ہوں گے اللہ نے فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ اللہ جتنی مدت چاہے گا لوگ اسی حالت میں رہیں گے پھر نفخ الصعق کا حکم دے گا تو سارے آسمان و زمین والے مر جائیں گے سوائے ان کے جن کو اللہ (موت سے محفوظ رکھنا) چاہے ملک الموت عرض کرے گا آسمان و زمین والے (سارے) مر گئے سوائے ان کے جن کو تو نے (محفوظ رکھنا) چاہا اللہ فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہوگا ، اب کون باقی رہا۔ پھر (بروایت ابوہریرہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل میکائیل ملک الموت اور حاملین عرش کے مرنے کا تذکرہ حضرت انس کی روایت کردہ حدیث کے مطابق کیا یا یوں کہا جائے کہ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ سے مراد ہیں بعض مومنوں کی روحیں اور سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی سے مراد ہیں انبیاء اور مقربین بارگاہ الٰہی۔

نفخ الصعق سے مستثنیٰ کون ہوں گے اس بحث میں حق قول وہ ہے جو صاحب مظہری نے کہا ہے کہ نفخ صعق سے بطور عموم مجاز ایسا مفہوم مراد ہے جو موت کو بھی شامل ہے اور صرف بے ہوشی کو بھی زندوں کے لئے موت اور مردوں کے لئے بے ہوشی ہو جانے کی یہ بے ہوشی تمام انبیاء کو (جو عالم برزخ میں موجود ہیں) ہوگی البتہ حضرت موسیٰ کے بے ہوش ہونے میں تردد ہے کوئی قطعی بات نہیں کی جا سکتی شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی وابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی نے مدینہ کے بازار میں کہا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ کو تمام انسانوں پر فضیلت عطا کی یہ بات سن کر ایک انصاری نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور یہودی کے طمانچہ مار دیا اور کہا تو ایسی بات کہتا ہے حالانکہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں۔ اس بات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا ہے وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ پس میں ہی سب سے پہلے اٹھنے والوں کا تو اچانک دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک پایہ پکڑے ہوئے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ مجھ سے پہلے انہوں نے اپنا سر اٹھایا (ورا ٹھ کھڑے ہوئے) یا ان لوگوں میں سے تھے جن کو اللہ نے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ جب لفظ صعق موت اور بے ہوشی دونوں کو شامل ہے اور انبیاء پر (عالم برزخ میں) غشی طاری ہو جائے گی تو شہداء کا بیہوش ہونا بدرجۂ اولیٰ ہوگا اور ملائکہ بھی بے ہوش ہوں گے البتہ جبرئیل میکائیل اسرافیل ملک الموت اور حاملین عرش کی موت صور پھونکنے کی آواز سے نہیں ہوگی بلکہ کچھ مدت کے بعد کو مریں گے جیسا کہ احادیث میں آ چکا ہے۔ (تفسیر مظہری)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل اور ارواح انبیاء اور ارواح شہداء مراد ہیں۔ ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مر جائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گے اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے۔ پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھر پھنکے گا تو ہوشیار ہوں گے۔ صور پھنکنے کی بات ہے۔ (موضح القرآن) (معارف کاندھلوی)

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ﴿۸۷﴾

اور سب چلے آئیں اس کے آگے عاجزی سے

متعدد بار صور پھنکنا:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ایک بار صور پھنکے گا جس سے خلق مر جائے گی۔ دوسرا پھنکے گا تو جی اٹھیں گی۔ اس کے بعد پھنکے گا تو گھبرا جائیں گے ، پھر پھنکے گا تو بیہوش ہو جائیں گے اور پھنکے گا تو ہوشیار ہوں گے صور پھنکنا کئی بار ہے (موضح) اور بہت سے علماء صرف دو نفخے مانتے ہیں یعنی کل دو مرتبہ پھنکے گا۔ اور سب احوال کو انہی دو میں درج کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً

اور تو دیکھے پہاڑوں کو سمجھے کہ وہ جم رہے ہیں

وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

اور وہ چلیں گے جیسے چلے بادل

پہاڑ روئی کی طرح ہوں گے:

یعنی جن بڑے بڑے پہاڑوں کو تم اس وقت دیکھ کر خیال کرتے ہو کہ ہمیشہ کے لئے زمین میں جمے ہوئے ہیں کبھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کھائیں گے۔ قیامت کے دن یہ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اُڑتے پھریں گے اور بادلوں کی طرح تیز رفتار ہوں گے وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (واقعہ کولا) وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ (قارعہ روع ۱) (طہ۔ رکوع ۲) (تنبیہ) آیت ہذا کو زمین کی حرکت وسکون کے مسئلہ سے کچھ علاقہ نہیں جیسا کہ بعض متنورین نے سمجھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام بڑے اجسام کی حرکت:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ مراد یہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ کر اس طرح چلیں گے جیسے بادل کہ دیکھنے والا اس کو اپنی جگہ جما ہوا سمجھتا ہے حالانکہ وہ تیزی سے چل رہے ہیں تمام بڑے اجسام جن کی ابتداء و انتہاء انسان کی نظر کے سامنے نہیں ہوتی جب وہ کسی ایک سمت کی طرف حرکت کریں تو خواہ حرکت کتنی بھی تیز ہو دیکھنے والوں کو ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ وہ اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں جس کا مشاہدہ سب کو گہرے بادل اور دور تک چھائی ہوئی گھٹا سے ہوتا ہے کہ یہ بادل اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہیں مگر ان کی حرکت دیکھنے والوں کو اس وقت محسوس ہوتی جب وہ کتنی دور چلے جائیں کہ افق کا کنارہ اس سے کھل جائے۔ (معارف مفتی معظم)

اے دیکھنے والے تو (قیامت کے وقت) پہاڑوں کو دیکھے گا خیال کرے گا کہ یہ اپنی جگہ کھڑے ہیں (متحرک نہیں ہیں) حالانکہ وہ بادلوں کی طرح (تیز رفتاری کے ساتھ) چلیں گے۔

پھر تیزی کے ساتھ چل کر زمین پر گر پڑیں گے اور زمین کے برابر ہو جائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑے بڑے جسم بھی اگر تیزی کے ساتھ ایک طرف کو حرکت کر رہے ہوں تو ان کی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

بڑی بڑی اہم باتیں: عبداللہ بن عمروؓ سے ایک دن کسی شخص نے دریافت کیا کہ یہ آپ کیا فرمایا کرتے ہیں کہ اتنے اتنے وقت تک قیامت آجائے گی۔ آپ نے سبحان اللہ یا لا الٰہ الا اللہ یا اور کوئی ایسا ہی کلمہ بطور تعجب کہا اور فرمانے لگے سنو اب تو جی چاہتا ہے کہ کسی سے کوئی حدیث بیان ہی نہ کروں۔ میں نے یہ کہا تھا کہ عنقریب تم بڑی بڑی اہم باتیں دیکھو گے بیت اللہ خراب ہوگا اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال میری اُمت میں چالیس ٹھیرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال، پھر اللہ (حضرت) عیسیٰؑ کو نازل فرمائے گا وہ صورت شکل میں بالکل عروہ بن مسعود جیسے ہوں گے آپؑ اسے ڈھونڈ نکالیں گے اور اسے ہلاک کر دیں گے۔ پھر سات سال ایسے گزریں گے کہ دنیا بھر میں دو شخص ایسے نہ ہوں گے جن میں آپس میں بغض و عداوت ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک بھینی بھینی ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے ہر مومن فوت ہو جائے گا ایک ذرے کے برابر بھی جس کے دل میں خیر یا ایمان ہوگا اس کی روح بھی قبض ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی پہاڑ کی کھوہ میں گھس گیا ہوگا تو یہ ہوا وہیں جا کر اسے فنا کر دے گی۔ اب زمین پر صرف بدلوگ رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور چوپایوں جیسے بے عقل ہوں گے ان میں سے بھلائی برائی کی تمیز اٹھ جائے گی ان کے پاس شیطان پہنچے گا اور کہے گا تم شرماتے نہیں کہ ان بتوں کی پرستش چھوڑے بیٹھے ہو؟ یہ بت پرستی شروع کر دیں گے۔ خدا انہیں روزیاں پہنچاتا رہے گا اور خوش و خرم رکھے گا۔ یہ اسی مستی میں ہوں گے جو صور پھونکنے کا حکم مل جائے گا جس کے کان میں آواز پڑی وہیں دائیں بائیں لوٹنے لگے گا۔ سب سے پہلے اسے وہ شخص سنے گا جو اپنے اونٹوں کے لئے حوض ٹھیک ٹھاک کر رہا ہوگا سنتے ہی بے ہوش ہو جائے گا۔ اور سب لوگ بیہوش ہونا شروع ہو جائیں گے۔

روحوں کا جسم میں سرایت کرنا:

صور کی حدیث میں ہے کہ تمام روحیں صور کے سوراخ میں رکھی جائیں گی اور جب جسم قبروں سے اُگ رہے ہوں گے صور پھونک دیا جائے گا روحیں اُڑنے لگیں گی۔ مومنوں کی روحیں نورانی ہوں گی کافروں کی روحیں اندھیرے اور ظلمت والی ہوں گی۔ رب العالمین خالق کل فرمائے گا کہ میرے جلال کی میری عزت کی قسم ہے ہر روح اپنے بدن میں چلی جائے۔ جس طرح زہر رگ وپے میں سرایت کرتا ہے اس طرح روحیں اپنے جسموں میں پھیل جائیں گی اور لوگ اپنی اپنی جگہ سے سر جھاڑتے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ		
کاری گری اللہ کی جس نے	سادھا ہے	ہر چیز کو

صانع حقیقی کی کاریگری: یعنی جس نے ہر چیز کو نہایت حکمت سے درست کیا اُسی نے آج پہاڑوں کو ایسا بھاری اور مضبوط بنایا ہے اور وہی اُن کو ایک دن ریزہ ریزہ کر کے اُڑا دے گا۔ وہ اُڑانا محض تباہ کرنے کی غرض سے نہ ہوگا بلکہ عالم کو توڑ پھوڑ کر اس درجہ پر پہنچانا ہوگا جہاں پہنچانے کے لئے ہی اسے پیدا کیا ہے۔ تو یہ سب اسی صانع حقیقی کی کاریگری ہوئی جس کا کوئی تصرف حکمت سے خالی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ		
اس کو	خبر ہے	جو کچھ تم کرتے ہو

یعنی اس توڑ پھوڑ اور انقلاب عظیم کے بعد بندوں کا حساب کتاب ہوگا اور چونکہ حق تعالیٰ بندوں کے ذرہ ذرہ عمل سے خبردار ہے تو ہر ایک کو ٹھیک اُس کے عمل کے موافق جزا وسزا دی جائے گی۔ نہ ظلم ہوگا نہ حق تلفی ہوگی۔ آگے اسی کی قدرے تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ

جو کوئی لے کر آیا بھلائی تو اس کو ملے اس سے بہتر

نیک عمل اور اس کا بدلہ: یعنی ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس نیکیوں کے حساب سے دیا جائے گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

معنی یہ ہیں کہ جو شخص نیک عمل کرے گا اور نیک عمل اسی وقت نیک کہلانے کے قابل ہوتا ہے جبکہ اس کی پہلی شرط ایمان موجود ہو تو اس کو اپنے عمل سے بہتر چیز ملے گی مراد اس سے جنت کی لازوال نعمتیں اور عذاب اور ہر تکلیف سے دائمی نجات ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ خیر سے مراد یہ ہے کہ ایک نیکی کی جزاء دس گنے سے لے کر سات سو گنے تک ملے گی۔ (معارف)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝

اور ان کو گھبراہٹ سے اس دن امن ہے

بڑی گھبراہٹ: یعنی بڑی گھبراہٹ سے مامون ہوں گے (انبیاء، روح ۔) اگر کم درجہ کی گھبراہٹ ہو تو اس آیت کے منافی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ فزع سے مراد ہر بڑی مصیبت اور پریشانی اور گھبراہٹ ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو متقی پرہیزگار بھی خائف و ترساں رہتے ہیں اور رہنا ہی چاہئے جیسے قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ان کے رب کا عذاب یہ نہیں کہ کسی کو اس سے بے فکر اور مطمئن ہو کر بیٹھ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ و اولیاء امت ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے مگر اس روز جبکہ حساب کتاب سے فراغت ہو چکے گی تو جنت میں جانے والے نیک لوگ ہر خوف و غم سے بے فکر اور مطمئن ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ

اور جو کوئی لے کر آیا برائی سو وندھے ڈالے گئے منہ آگ میں

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ زیادتی نہیں۔ جو کرتا سو بھرتا، خود کردہ را چہ علاج۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ

مجھ کو یہی حکم ہے کہ بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو

حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ؗ

حرمت دی اور اسی کی ہے ہر ایک چیز

معظم و محترم گھر: شہر سے مراد ہے مکہ معظمہ جسے خدا تعالیٰ نے معظم و محترم بنایا۔ اسی تخصیص و تشریف کی بناء پر رب کی اضافت اس کی طرف کی گئی ورنہ یوں ہر چیز کا رب اور مالک ایک وہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ بلدہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک مکہ مکرمہ ہے اللہ تعالیٰ تو رب العالمین اور رب السموٰت و رب الارض ہے مکہ مکرمہ کی تخصیص اس جگہ اس کی عظمت شان اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محترم و محترم ہونے کا اظہار ہے لفظ حرم تحریم سے مشتق ہے جس کے معنے مطلق احترام و اکرام کے بھی ہیں اور اس احترام و اکرام کی وجہ سے جو خاص احکام شرعیہ مکہ مکرمہ اور ارض حرم سے متعلق ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں مثلاً جو شخص حرم میں پناہ لے وہ مامون ہو جاتا ہے۔ حرم میں کسی دشمن سے انتقام لینا اور قتل کرنا جائز نہیں اور ارض حرم میں شکار کو قتل کرنا بھی جائز نہیں۔ درختوں کا کاٹنا جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس (اللہ) کی عبادت کروں جو (خاص طور پر) اس شہر کا مالک حقیقی ہے جس نے اس کو محترم بنایا ہے (ویسے تو عام طور پر) ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں (اسی کا) فرمانبردار رہوں۔

هٰذِهِ الْبَلْدَةِ یعنی مکہ۔ رب کی هٰذِهِ الْبَلْدَةِ کی طرف اضافت شہر کی عزت ظاہر کرنے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ اس کے اندر کعبہ ہے۔ جو تجلیات الٰہیہ کی پر تو فگنی کا خصوصی مقام ہے۔

الَّذِيْ حَرَّمَهَا یعنی وہ رب ایسا ہے کہ اس نے اس شہر کو حرم بنا دیا یہ مقام امن ہے یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا نہ کسی کا خون بہایا جاتا ہے نہ کسی کو لوٹا جاتا ہے نہ یہاں کے شکار کو بھگایا جاتا ہے نہ یہاں کے درخت اور گھاس کاٹنے کی اجازت ہے۔ حقیقت میں اللہ کی اس صفت کا ذکر کر کے قریش کو اللہ کے احسان کی یاد دلائی گئی ہے کہ اس نے ان تمام فتنوں فسادوں اور بدامنیوں سے تمہارے مسکن کو محفوظ رکھا ہے جو سارے عرب میں پھیلے ہوئے ہیں۔

وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ یعنی ہر چیز اسی کے مخلوق و مملوک ہے۔ اس شہر کا بھی مالک حقیقی وہی ہے۔ المسلمین یعنی فرمانبردار مطیع حکم ہو جاؤں یا ملت اسلام پر قائم رہوں (پہلا معنی لغوی ہے دوسرا معنی اصطلاحی) (تفسیر مظہری)

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

اور مجھ کو حکم ہے کہ رہوں حکم برداروں میں

کامل فرمانبرداری: یعنی ان لوگوں میں رہوں جو حق تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کرنے والے اور اپنے کو ہمہ تن اس کے سپرد کر دینے والے ہیں۔

وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ

اور یہ کہ سناؤں قرآن

قرآن کے ذریعہ نصیحت اور قرآن کی پیروی

یعنی ہدایت خود اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کرتا رہوں اور دوسروں کو قرآن سنا کر سیدھا رستہ بتاتا رہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ اور (مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ) میں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ تلو یا تلاوت سے ہے یعنی تبلیغ دعوت کی غرض سے پڑھ کر سناؤں یا تلو سے مشتق ہے اور تلو کا معنی (پیچھے پیچھے چلنا) تب یہ معنی ہوں گے قرآن کی پیروی کروں (اس کے راستہ پر چلوں) بیضاوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے دین، مبداء، معاد و قیامت کے احوال لوگوں کے سامنے بیان فرما دیئے ہیں اس کے بعد اپنے رسول کو حکم دیا کہ آپ ان کو یہ بات سنا دیجئے اب رسول اللہ کے ذمہ تبلیغ و دعوت کا فریضہ باقی نہیں صرف یہی کام رہ گیا کہ اپنے رب کی عبادت میں مستغرق ہو جائیں اور ہر وقت اسی کی یاد میں رہیں۔ ان امور سے پہلے قُلْ محذوف ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ مجھے عبادت کرنے اور طاعت پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ		
پھر جو کوئی راہ پر آیا	سو راہ پر آئے گا	اپنے ہی بھلے کو
وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ		
اور جو کوئی بہکا رہا	تو کہہ دے	میں تو یہی ہوں ڈر سنانے والا۔

ہر کسی کو اپنے لئے راہِ راست کی ضرورت ہے۔

یعنی میں نصیحت کر کے فارغ الذمہ ہو چکا۔ نہ سمجھو تو تمہارا ہی نقصان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سو جو سیدھے راستہ پر چلے گا وہ اپنے لئے چلے گا اور جو راہ راست سے بھٹکے گا تو آپ کہہ دیجئے (میرا کچھ ضرر نہ ہوگا) میں صرف ڈرانے والا ہوں (یعنی کسی کو ہدایت یاب بنانے کا ذمہ دار میں نہیں کسی کی گمراہی کا وبال مجھ پر نہیں پڑے گا میرا کام صرف پہنچا دینا ہے کسی کے ہدایت یاب نہ ہونے اور راہ راست پر نہ چلنے کی باز پرس مجھ سے نہیں ہوگی اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں وہ عنقریب تم کو اپنی نشانیاں دکھا دے گا اس وقت تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

فَمَنِ اهْتَدَىٰ یعنی آپ کی دعوت و تبلیغ سے جو شخص راہ یاب ہو جائے گا تو اس کا فائدہ خود اسی کو ہوگا آپ پر احسان جتلانے کا اس کو حق نہیں اور جو راہ راست سے بھٹکے گا سیدھا راستہ کھو دے گا اور تبلیغ و دعوت کے بعد بھی راہ حق پر نہ چلے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا آپ کہہ دیجئے میرا کام صرف ڈرانا ہے تمہارا ذمہ دار نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ
اور کہہ تعریف ہے سب اللہ کو

راہنمائی کے منصب کا شکر:

یعنی اللہ کا ہزاروں ہزار شکر جس نے مجھ کو ہادی و مہتدی بنایا۔ فی الحقیقت تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے جس کوئی خوبی یا کمال ہو وہیں سے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ اور اللہ نے جو نعمت نبوت سے مجھے سرفراز کیا اور جو تبلیغ و دعوت مجھ پر واجب تھی اس کو پورا کرنے کی مجھے توفیق عنایت کی اس پر اس کا شکر ہے وہ مستحق ستائش و ثنا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا
آگے دکھائے گا تم کو اپنے نمونے تو ان کو پہچان لو گے

آیاتِ الٰہیہ: یعنی آگے چل کر حق تعالیٰ تمہارے اندر اور تم سے باہر اپنی قدرت کے وہ نمونے اور میری صداقت کے نشان دکھلائے گا جنہیں دیکھ کر سمجھو گے کہ بے شک یہ اللہ کی وہی آیات ہیں جن کی خبر پیغمبر نے دی تھی باقی اس وقت کا سمجھنا تم کو نافع ہو یا نہ ہو، یہ جداگانہ چیز ہے۔ علامات قیامت وغیرہ سب اس کے تحت میں آ سکتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ عنقریب تم کو اللہ اپنی نشانیاں دکھا دے گا۔ نشانیوں سے مراد ہیں دنیا میں نمودار ہونے والی آیات قدرت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آیات صداقت ہیں جیسے بدر کی لڑائی میں کافروں کا مارا جانا قید ہونا فرشتوں کا نازل ہونا مسلمانوں کی مدد کرنا اور کافروں کے چہروں کو زخمی کرنا اور پشت پر ضربیں لگانا چاند کا پھٹنا کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور آخر زمانہ میں دابۃ الارض کا برآمد ہونا۔ انہیں آیات کی طرف اشارہ ایک اور آیت میں آیا ہے فرمایا ہے سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ یا آیات سے مراد ہیں آخرت میں نمودار ہونے والی نشانیاں (یعنی واقعات قیامت) ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ۔

فَتَعْرِفُونَهَا اس وقت تم ان آیات کو پہچان لو گے لیکن اس وقت پہچاننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ	
اور تیرا رب بے خبر نہیں	ان کاموں سے جو تم کرتے ہو

سزا میں تاخیر کو غفلت نہ سمجھو:

یعنی جو عمل اور معاملہ تم کرتے ہو سب اس کی نظر میں ہے۔ اسی کے

موافق آخرکار بدلہ ملے گا۔ اگر سزا وغیرہ میں تاخیر ہو تو یہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کرتوت سے بے خبر ہے۔ تم سورۃ النمل وللہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

امام احمد بن حنبلؒ اکثر ان دو شعروں کو پڑھتے رہا کرتے تھے جو یا تو آپ کے ہیں یا کسی اور کے۔

اذا ماخلوت الدھر یوماً فلاتقل خلوت ولکن قل علیّ رقیب

ولا تحسبنّ اللّٰہ یغفل ساعۃ ولا ان مایخفی علیه یغیب

یعنی جب تو کسی وقت بھی خلوت اور تنہائی میں ہو تو اپنے تئیں تنہا اور اکیلا نہ سمجھ بلکہ اپنے خدا کو وہاں بھی حاضر ناظر جان وہ ایک ساعت بھی کسی سے غافل نہیں نہ کوئی مخفی اور پوشیدہ چیز اس کے علم سے باہر ہے۔

خدا کے فضل و کرم سے سورۂ نمل کی تفسیر ختم ہوئی۔

سورۂ کے مضامین کا ربط:

(ربط) جب اللہ تعالیٰ مبداء اور معاد اور قیامت اور علامات قیامت اور قانون جزا اور سزا کو بیان کر چکے تو اب اس سورت کو تین احکام کے بیان پر ختم کرتے ہیں جن پر آخرت کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ (۱) ایک تو خدا کی عبادت۔ یعنی توحید خالص (۲) دوم دین اسلام پر استقامت (۳) سوم قرآن مجید کی تلاوت جو تبلیغ احکام اور دعوت اسلام کا اولین ذریعہ ہے۔

اور بتلا دیا کہ راہ راست پر چلنے سے بندہ ہی کا فائدہ ہے اور نہ چلنے سے بندہ ہی کا نقصان ہے اور اللہ بندوں کے اعمال سے غافل نہیں۔ لہٰذا اعمال صالحہ عبادت اور تلاوت میں لگے رہو تاکہ آخرت میں کام آویں۔ (معارف کاندھلوی)

اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا:

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ اور اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب ان کے کسی عمل سے بے خبر نہیں ہے جو یہ کرتے رہتے ہیں یعنی اعمال کے مطابق ہر ایک کو بدلہ دے گا اور وقت مقرر پر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ النمل ختم ہوئی

سورة القصص

سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ قصص مکہ میں اتری اور اس کی اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا
یہ آیتیں ہیں کھلی کتاب کی ہم سناتے
عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ
ہیں تجھ کو کچھ احوال موسیٰ اور فرعون کا تحقیقی
لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
اُن لوگوں کے واسطے جو یقین کرتے ہیں

مومنوں کو ظالموں پر کامیابی ملے گی:

یعنی مسلمان لوگ اپنا حال قیاس کریں خصموں کے مقابلہ میں (موضح) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو باوجود کمزوری کے فرعونیوں کی طاقت کے مقابلہ میں منصور و کامیاب کیا۔ ایسے ہی مسلمان جو فی الحال مکہ میں قلیل اور ضعیف و ناتواں نظر آتے ہیں اپنے بیشمار طاقتور حریفوں کے مقابلہ پر کامیاب ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ القصص مکی ہے صرف آیات اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ تک مدنی ہیں اس سورۃ کی آیات اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّكَ اِلٰى مَعَادٍ الخ مکہ و مدینہ کے درمیان راستہ میں نازل ہوئیں۔ نَتْلُوْا ہم پڑھتے ہیں یعنی جبرئیل کی زبانی مراد ہے نازل کرنا۔ مِنْ نَّبَاِ کچھ خبر کچھ قصہ (مِنْ تبعیضیہ ہے) بِالْحَقِّ یعنی سچائی کا حال۔ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ. ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں کیونکہ انہیں کو اس سے فائدہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

سورۂ قصص کا تعارف:

سورۂ قصص مکی سورتوں میں سب سے آخری سورت ہے جو ہجرت کے

وقت مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان نازل ہوئی۔ بعض روایت میں ہے کہ سفر ہجرت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ یعنی رابغ کے قریب پہنچے تو جبریل امین تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو آپ کا وطن جس میں آپ پیدا ہوئے یاد آتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور یاد آتا ہے۔ اس پر جبرئیل امین نے یہ سورت قرآن سنائی جس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی بشارت ہے کہ انجام کار مکہ مکرمہ فتح ہو کر آپ کے قبضہ میں آئے گا وہ آیت یہ ہے اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ سورۂ قصص میں سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ پہلے اجمال کے ساتھ پھر تفصیل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ نصف سورت تک موسیٰ علیہ السلام کا قصہ فرعون کے ساتھ اور آخر سورت میں قارون کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ([illegible])

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ		
فرعون چڑھ رہا تھا	ملک میں	اور کر رکھا تھا
اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ		
وہاں کے لوگوں کو کئی فرقے	کمزور کر رکھا تھا	ایک فرقہ کو اُن میں

قبطیوں کا بنی اسرائیل پر تسلط:

یعنی مصر میں قبطی بھی آباد تھے جو فرعون کی قوم تھی اور سبطی بھی جو بنی اسرائیل کہلاتے تھے لیکن فرعون ظلم وتکبر کی راہ سے بنی اسرائیل کو پنپنے اور ابھرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا سب قبطی آقا بنے ہوئے تھے اور پیغمبروں کی اولاد بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا رکھا تھا۔ ان سے ذلیل کام اور بیگاریں لیتے اور کسی طرح اس قابل نہ ہونے دیتے کہ ملک میں وہ کوئی قوت ووقعت حاصل کر سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

شیعا فرقے فرقے۔ کہ سب فرعون کے تابع تھے فرعون جو کام لینا چاہتا تھا وہ کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ
ذبح کرتا تھا ان کے بیٹوں کو اور زندہ رکھتا تھا اُن کی عورتوں کو

بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل:

کہتے ہیں فرعون نے کوئی خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کاہنوں نے یہ دی کہ بنی اسرائیل کے ہاتھ سے تیری سلطنت برباد ہوگی۔ اس لئے پیش بندی کے طور پر یہ احمقانہ وظالمانہ تدبیر سوچی کہ بنی اسرائیل کو ہمیشہ کمزور کرتے رہنا چاہئے۔ انہیں حکومت کے مقابلہ کا حوصلہ ہی نہ ہو۔ اور آئندہ جو لڑکے ان کے پیدا ہوں ان کو ایک طرف سے ذبح کر دینا چاہئے۔ اس طرح آئندہ کی مصیبت رک جائے گی۔ البتہ لڑکیوں سے چونکہ کوئی خطرہ نہیں انہیں زندہ رہنے دیا جائے۔ وہ بڑی ہو کر باندیوں کی طرح ہماری خدمت کیا کریں گی۔ اور ابن کثیر لکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل آپس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی ایک پیشین گوئی کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ جس میں خبر دی گئی تھی کہ ایک لڑکا بنی اسرائیل کے ہاتھ پر اس سلطنت مصر کی تباہی مقدر ہے۔ شدہ شدہ یہ تذکرہ فرعون تک پہنچا اس نے یہ حمق کی کہ قضا وقدر کی روک تھام کے لئے ظلم وستم کی یہ اسکیم جاری کی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیمؑ کی پیشینگوئی:

بات یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر کی حکومت میں سے مع اپنی اہلیہ حضرت سارہ کے جا رہے تھے اور یہاں کے سرکش بادشاہ نے حضرت سارہ کو لونڈی بنانے کے لئے آپ سے چھین لیا تھا، جنہیں خدا نے اس کافر سے محفوظ رکھا اور اسے ان پر دست درازی کرنے کی قدرت ہی حاصل نہ ہوئی۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے بطور پیشینگوئی فرمایا تھا کہ میری اولاد میں سے ایک کی اولاد کے ایک لڑکے کے ہاتھوں ملک مصر اس قوم سے جاتا رہے گا اور ان کا بادشاہ اس کے ہاتھ سے ذلت کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ چونکہ بنی اسرائیل میں یہ روایت چلی آ رہی تھی اور ان کے درس میں بھی یہ تھی جسے قبطی بھی سنتے تھے جو فرعون کی قوم کے تھے۔ (ابن کثیر)

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ	
بیشک وہ تھا	[illegible]

فرعون کا فساد: یعنی زمین میں خرابی پھیلانے والا تو تھا ہی بھلا اسے ایسا ظلم وستم کرنے میں کیا جھجک ہوتی۔ جو جی میں آیا اپنے جبر و غرور کے نشہ میں کر گزرا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا		
اور ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو کمزور ہوئے پڑے تھے		
فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ		
ملک میں	اور کر دیں ان کو سردار	اور کر دیں ان کو قائم مقام
وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ		
اور جما دیں ان کو	ملک میں	

اللہ کمزوروں کو غالب کرنے والے تھے:

یعنی اس ملعون کے انتظامات تو وہ تھے اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ کمزوروں کو

قوی اور پستوں کو بالا کیا جائے۔ جس قوم کو فرعونیوں نے ذلیل غلام بنا رکھا تھا اُن ہی کے سر پر دین کی امامت اور دنیا کی سرداری کا تاج رکھ دیں۔ ظالموں اور متکبروں سے جگہ خالی کرا کر اُس مظلوم و ستم رسیدہ قوم سے زمین کو آباد کریں اور دینی سیادت کے ساتھ دنیوی حکومت بھی اس مظلوم و مقہور قوم کے حوالے کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ائمۃ مجاہد کے نزدیک دینی پیشوا اور داعیان خیر مراد ہیں۔ قتادہ کے نزدیک والیان ملک اور بادشاہ مراد ہیں کیونکہ اللہ نے بنی اسرائیل کے متعلق ایک اور آیت میں فرمایا ہے **وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا** **وَنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ** یعنی فرعون اور اس کی قوم کے ملک و مال کے مالک۔

مصر و شام کی حکومت:

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ یعنی سرزمین مصر و شام میں ان کو حکومت عطا کریں۔ تمکین کا لغوی معنی ہے کسی چیز کی جگہ بنا دینا کہ اس میں وہ چیز ٹھہر جائے (لغت کے لحاظ سے نمکن کا لفظی ترجمہ ہوا ہم ان کو جگہ عطا کر دیں) مجازاً تمکین کا معنی ہے حاکم بنا دینا مسلط اور غالب کر دینا۔ (تفسیر مظہری)

وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ
اور دکھا دیں فرعون اور ہامان کو

فرعون و ہامان اور اس کے لشکروں کی شکست:

ہامان وزیر تھا فرعون کا جو ظلم و ستم میں اُس کا شریک اور آلہ کار بنا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝
اور اُن کے لشکروں کو اُن کے ہاتھ سے جس چیز کا اُن کو خطرہ تھا

یعنی جس خطرہ کی وجہ سے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزار ہا بچوں کو ذبح کر ڈالا تھا۔ ہم نے چاہا کہ وہ ہی خطرہ اُن کے سامنے آئے۔ فرعون نے امکانی کوشش کر دیکھی اور پورے زور خرچ کر لئے کہ کسی طرح اُس اسرائیلی بچہ سے مامون ہو جائے۔ جس کے ہاتھ پر اُس کی تباہی مقدر تھی لیکن تقدیر الٰہی کہاں سے ٹلنے والی تھی۔ خداوند قدیر نے اُس بچہ کو اسی کی گود میں اُسی کے بستر پر اُسی کے محلات کے اندر شاہانہ ناز و نعم سے پرورش کرایا۔ اور دکھلا دیا کہ خدا جو انتظام کرنا چاہے، کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ
اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اُس کو دودھ پلاتی رہ

فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ
پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا تو ڈال دے اُس کو دریا میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام:

اُنکی ماں کو الہام ہوا یا خواب دیکھا یا اور کسی ذریعہ سے معلوم کرا دیا گیا کہ جب تک بچہ کے قتل کا اندیشہ نہ ہو برابر دودھ پلاتی رہیں، جب اندیشہ ہو تو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں چھوڑ دیں۔ سورۂ طٰہٰ میں یہ قصہ گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کا نام یوخابذ بنت لاوی تھا اور لاوی حضرت یعقوب کا بیٹا تھا۔ علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ وحی نبوت والی وحی نہیں تھی نہ کوئی عورت نبی ہوئی۔ قتادہ نے اس جگہ اَوْحَيْنَآ کا ترجمہ کیا ہم نے اس کے دل میں ڈال دیا صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو الہام کہتے ہیں الہام ہی کی ایک قسم وہ سچا خواب بھی ہے جس سے دل کو یقین اور اطمینان ہو جائے۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ الہام بھی علم کا ایک ذریعہ ہے اگرچہ اس سے علم ظنی (غیر یقینی) حاصل ہوتا ہے لیکن الہام قلبی اور القاء انہی دلوں کا قابل اعتبار ہوتا ہے جو پاک صاف اور حامل اطمینان ہوں۔ وسوسے اور الہام کا فرق ہی یہ ہے کہ وسوسہ (دل کا کھٹکا) موجب اطمینان نہیں ہوتا اور الہام سے اطمینان قلبی حاصل ہو جاتا ہے اور (صاحب الہام کو اپنی جگہ) قلبی یقین ہو جاتا ہے۔

اَنْ اَرْضِعِيْهِ یعنی موسیٰ کی ماں کے دل میں یہ بات ڈال دی اور کہہ دیا کہ جب تک پوشیدہ رکھنا ممکن ہو موسیٰ کو دودھ پلاتی رہ۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ موسیٰ علیہ السلام کو گود میں لئے دودھ پلاتی رہتی تھیں اور وہ نہ روتے تھے نہ حرکت کرتے تھے۔ کذا ذکرالبغوی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ
اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو ہم پھر پہنچا دیں گے اُس کو تیری طرف
وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝
اور کریں گے اُس کو رسولوں سے

اُمّ موسیٰ کو تسلی: ماں کی تسلی کر دی کہ ڈرے مت، بے کھٹکے دریا میں چھوڑ دے بچہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور بچے کی جدائی سے غمگین بھی مت ہو۔ ہم بہت جلد اس کو تیری ہی آغوش شفقت میں پہنچا دیں گے خدا کو اس سے بڑے کام لینے ہیں۔ وہ منصب رسالت پر سرفراز کیا جائے گا۔ کوئی طاقت اللہ کے ارادہ میں حائل و مانع نہیں ہو سکتی۔ تمام رکاوٹیں دُور کر کے وہ مقصد پورا کرنا ہے جو اس محترم بچے کی پیدائش سے متعلق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مصر میں قبطیوں کے زوال کے اسباب:

عطاء ورضحاک راوی ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا مصر میں جب بنی اسرائیل کی تعداد بہت ہوگئی اور لوگوں پر انہوں نے دراز دستی شروع کر دی اللہ کی نافرمانیاں کرنے لگے، نہ بھلائی کا حکم دیتے تھے نہ گناہ سے منع کرتے تھے آخر اللہ نے ان پر قبطیوں کو مسلط کر دیا قبطیوں نے ان کا زور توڑ دیا اور بہت زیادہ کمزور بنا دیا آخر اللہ نے اپنے نبی موسیٰ کے ذریعہ سے قبطیوں کے تسلط سے ان کو رہا کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور دایہ:

حضرت ابن عباس کا یہ بھی بیان ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ قریب آگیا تو موسیٰ کی والدہ نے ایک دایہ کو بلوایا یہ دایہ انہی دائیوں میں سے تھی جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں کے لئے مقرر تھیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی دوست تھی درد زہ ہوا تو دائی کو بلوایا وہ آگئی تو اس سے کہا میری جو حالت ہے تجھے معلوم ہے آج تیری دوستی سے مجھے فائدہ حاصل کرنا ہے دائی اپنے کام میں لگ گئی جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوگئے اور دائی کے ہاتھوں میں آگئے تو موسیٰ کی دونوں آنکھوں کے بیچ سے ایک نور نکلا دیکھ کر دائی حیرت زدہ ہوگئی اس کا ہر جوڑ لرزنے لگا اور اس کے دل میں سنسنی پیدا ہوگئی اور موسیٰ علیہ السلام کی محبت اس کے دل میں جم گئی موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے کہنے لگی تو نے جب بلوایا تھا اور میں تیرے پاس آئی تھی اس وقت میرے پیچھے تیرے بیٹے کو قتل کرنے والے تھے (یعنی میرا ارادہ تھا کہ تیرے بچہ کو قاتلوں کے حوالے کر دوں گی) لیکن اب میرے دل میں تیرے بیٹے کی محبت ایسی محسوس ہوتی ہے کہ ایسی محبت میں نے کسی کی نہ پائی اس لئے میں کہتی ہوں کہ اپنے بیٹے کی حفاظت رکھنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام تنور کی آگ میں:

پھر دائی کو موسیٰ کی ماں کے گھر سے نکلتے کسی جاسوس نے دیکھ لیا فوراً سب دروازہ پر آگئے اور اندر گھسنا چاہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن (دوڑی آئی اور) کہنے لگی اماں دروازہ پر سپاہی آگئے فوراً موسیٰ علیہ السلام کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر بہن نے تنور میں ڈال دیا تنور میں آگ روشن تھی لیکن اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے اس کو پتہ بھی نہ چلا کہ میں کیا کر رہی ہوں سرکاری آدمی اندر گھس آئے تنور بھڑک رہا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے چہرے پر کوئی تغیر نہ تھا نہ چہرے کے رنگ میں کوئی فرق آیا تھا نہ دودھ اترا تھا کہنے لگے دائی یہاں کیوں آئی تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے کہا وہ میری دوست ہے ملاقات کے لئے آئی تھی غرض وہ لوگ واپس چلے گئے اب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی عقل بھی ٹھکانے پر آئی اور موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے پوچھا بچہ کہاں ہے موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ اتنے میں تنور کے اندر سے بچے کے رونے کی آواز آئی ماں نے جا کر دیکھا تو تنور کی آگ موسیٰ علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی پڑ چکی تھی اور ٹھنڈی بھی تھی جو باعث سلامتی تھی ماں نے موسیٰ کو اٹھا لیا۔

صندوق کی تیاری اور بڑھئی کی زبان بندی:

پھر مدت کے بعد والدہ موسیٰ نے دیکھا کہ فرعون لڑکوں کی تلاش بے حد کر رہا ہے اور اس کو اپنے بچہ کا خطرہ ہوا تو اللہ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ایک صندوق لے کر موسیٰ کو اس میں رکھ کر دریا میں ڈال دے اس خیال کے پیدا ہوتے ہی وہ ایک بڑھئی کے پاس گئی جو فرعون کی قوم میں سے تھا اور اس سے ایک صندوقچہ خریدا بڑھئی نے پوچھا تجھے اس کا کیا کرنا ہے عورت نے موسیٰ کی والدہ نے جھوٹ بولنا پسند نہیں کیا، بتا دیا کہ میرا ایک بچہ ہے میں صندوقچہ کے اندر اس کو چھپاؤں گی۔ بڑھئی نے پوچھا کیوں والدہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا فرعون کے خوف سے غرض صندوقچہ خرید کر چلی گئی وہ بڑھئی کے پاس سے چلی ہی تھی کہ بڑھئی قاتلوں کو اس واقعہ کی اطلاع دینے چل دیا اور بتانے ہی کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اللہ نے زبان روک دی اور بولنے کی طاقت سلب ہوگئی کچھ بول نہ سکا اور ہاتھ سے اشارے کرنے لگا لیکن سپاہی کچھ نہ سمجھے جب تھک گئے اور کچھ نہ سمجھ سکے تو اس کو مار کر نکال دیا، واپس لوٹ کر گیا ہی تھا کہ بڑھئی پھر اپنی جگہ پہنچا تو اللہ نے پھر زبان میں بولنے کی طاقت واپس دے دی وہ پھر مخبری کرنے کے ارادے سے سپاہیوں کے پاس پہنچا اس مرتبہ زبان بھی بند ہوگئی اور نظر بھی جاتی رہی نہ بول سکا نہ آنکھوں سے کچھ دیکھ سکا آخر ان لوگوں نے نکال دیا بڑھئی۔

بالآخر بڑھئی مسلمان ہوگیا:

حیران پریشان ہو کر بھٹکتا پھرا، ایک وادی میں جا پہنچا اور اس نے منت مان لی کہ اگر اللہ نے میری نگاہ اور قوت گویائی واپس کر دی تو وہ موسیٰ کی نشاندہی نہیں کرے گا بلکہ موسیٰ جہاں ہوں گے ان کے ساتھ رہے گا اور ان کی حفاظت کرے گا۔ اللہ نے اس کو سچا جانا اور بینائی اور گویائی واپس دے دی فوراً وہ سجدہ میں گر گیا اور دعا کی اے میرے رب مجھے کسی نیک بندہ کا پتہ بتا دے اللہ نے اس کو موسیٰ تک پہنچنے کا راستہ بتا دیا وہ وادی سے نکل آیا اور موسیٰ پر ایمان لے آیا وہ سمجھ گیا کہ یہ بات اللہ کی طرف سے ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا
پھر اٹھا لیا اس کو فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو ان کا دشمن اور غم میں ڈالنے والا
إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ
بیشک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر تھے چوکنے والے

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں:

آخر ماں نے بچہ کو لکڑی کے صندوق میں ڈال کر پانی میں چھوڑ دیا۔ صندوق بہتا ہوا ایسی جگہ جا لگا جہاں سے فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کے ہاتھ لگ گیا۔ ان لوگوں نے پیارے بچہ کی پیاری صورت بھی معصوم بھولی۔ آثار جو بہت شرافت نظر آئے تو دیکھتے ہی خوشی سے اٹھا لیا۔ مگر ان لوگوں کا آخری نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ بچہ بڑا ہو کر فرعون اور فرعونیوں کا دشمن ثابت ہو اور ان کے حق میں سوہانِ روح بنے۔ ان کے اٹھانے والوں کو خوشی ہوئی اور موقع دیا۔ فرعون کو کیا خبر تھی کہ جس دشمن کے ڈر سے ہزاروں معصوم بچے تہ تیغ کرا چکا ہوں وہ یہی ہے جو بڑے چاؤ پیار سے آج اس کے ہاتھوں میں پرورش پا رہا ہے۔ فی الحقیقت فرعون اور اس کے وزیر و مشیر اپنے ناپاک مقصد کے اعتبار سے بہت چوکے۔ بیشمار بچوں کو ایک شبہ پر قتل کرتے رہے اور جو دشمن تھا وہ زندہ رہ گیا لیکن نہ چوکتے تو کیا کر لیتے کیا خدائی تقدیر کو بدل سکتے تھے یا مشیت ربانی کو روک سکتے تھے۔ ان کی بڑی چوک تو یہ تھی کہ ایسا سمجھا کہ قضاء و قدر کے فیصلوں کو بھی انسانی تدبیروں سے روکا جا سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ

اور فرعون کی عورت بولی یہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے اور تیرے

فرعون کی بیوی نے موسیٰ کو بیٹا بنالیا:

یعنی کہا یہ اچھا بچہ ہے، موسیٰ کو قتل نہیں کرو، اس سے دل بہلے گا، میں اور تم آنکھیں ٹھنڈی کریں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے کہا "لک لا لی" (تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میری نہیں) تقدیر الٰہی یہ لفظ اس ملعون کی زبان سے کہلوا رہی تھی۔ آخر وہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون کی اکلوتی بیٹی کا علاج:

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ فرعون کی صرف ایک لڑکی تھی اور کوئی اولاد نہ تھی لڑکی سے فرعون کو بڑی محبت تھی ہر روز فرعون سے وہ اپنے تین کام پورے کراتی تھی اس لڑکی کو سخت برص تھا فرعون نے اس کے علاج کے لئے مصر کے تمام اطباء اور ساحروں کو جمع کیا (طبیب کوئی کامیاب علاج نہ کر سکے) ساحروں نے کہا کہ اس کا علاج دریا کی طرف سے ہوگا کوئی چیز انسان کی شکل کی دریا میں پائی جائے گی اس کے منہ کا لعاب لے کر برص کے داغوں پر لگا دیا جائے تو یہ اچھی ہو جائے گی ایسا فلاں دن فلاں ساعت میں سورج نکلنے کے وقت ہوگا۔ چنانچہ وہ دن دوشنبہ کا تھا فرعون نے نیل کے کنارے اپنی بیٹھنے کی جگہ تیار کرائی اور جا کر بیٹھ گیا ساتھ میں اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم بھی تھی فرعون کی لڑکی بھی اپنی خادماؤں کے ساتھ آ کر دریا کے کنارے بیٹھ گئی اور کنیزوں کے منہ پر پانی کے چھپاکے مار مار کر کھیلنے لگی اچانک نیل میں بہتا ہوا سامنے سے ایک صندوق نظر آیا لہریں طمانچے مار مار کر اس کو لا رہی تھیں۔ (تفسیر مظہری)

فرعون نے کہا نیل میں یہ چیز درخت سے آویختہ ہے اس کو لاؤ ہر طرف سے کشتیوں نے جا کر اس کو گھیر لیا اور لا کر فرعون کے سامنے رکھ دیا لوگوں نے ہر چند کھولنے کی تدبیریں کیں لیکن کھول نہ سکے پھر توڑنا چاہا تو توڑ بھی نہ سکے آخر آسیہ قریب آئی تو اس کو صندوق کے اندر ایک نور دکھائی دیا جو کسی اور کو نہیں دکھائی دیا کوشش کرنے پر آسیہ نے صندوق کو کھول دیا اندر ایک چھوٹا سا بچہ بچھونے پر لیٹا تھا اس کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں ایک نور چمک رہا تھا اور اللہ نے اس کا رزق دونوں انگوٹھوں میں پیدا کر دیا تھا جن کے اندر سے وہ دودھ چوس رہا تھا اللہ نے بچہ کی محبت آسیہ کے دل میں ڈال دی فرعون بھی اس سے محبت کرنے لگا اور دل سے مہربان ہو گیا صندوقچے سے بچہ کو نکالا گیا فرعون کی لڑکی بھی آ گئی اور اس نے بچہ کے منہ کا لعاب لے کر اپنے داغوں پر مل لیا فوراً اچھی ہو گئی لڑکی نے بچہ کو چوم لیا اور سینے سے چمٹا لیا۔

جادوگروں کی ناکامی:

جادوگروں نے کہا اے بادشاہ ہمارا خیال ہے کہ یہ بچہ وہی ہے جس سے تجھے خطرہ تھا یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے تیرے خوف سے اس کو دریا میں پھینک دیا گیا ہے فرعون نے بچہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آسیہ نے قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ لَا تَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرو امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے آسیہ کے اولاد نہ ہوتی تھی (بانجھ تھی یا کوئی اور وجہ تھی) فرعون سے آسیہ نے کہا موسیٰ کو مجھے دے دو فرعون نے آسیہ کو موسیٰ ہبہ کر دیا اور کہنے لگا مجھے اپنے لئے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

بچے کا نام: آسیہ سے کہا گیا اس کا کچھ نام رکھو آسیہ نے کہا میں نے اس کا نام موسیٰ علیہ السلام رکھ دیا ہے کیونکہ ہم نے اس کو پانی اور درختوں کے درمیان پایا تھا۔ مو، پانی۔ اور سا درخت۔

حضرت آسیہ: وہب بن منبہ نے بیان کیا جب فرعون کے سامنے صندوقچہ رکھا گیا اور لوگوں نے اس کو کھولا اور اس کے اندر سے موسیٰ برآمد ہوئے تو فرعون نے ان کو دیکھ کر کہا یہ تو عبرانی ہے دشمنوں میں سے ہے موسیٰ کو دیکھ کر اس کو غصہ آیا اور کہنے لگا یہ لڑکا کیسے بچ گیا فرعون نے ایک اسرائیلی عورت سے نکاح کر لیا تھا جس کو آسیہ بنت مزاحم کہا جاتا تھا یہ عورت بہت نیک تھی اور انبیاء کی نسل سے تھی مسکینوں کے لئے تو ماں تھی ان پر بڑا ترس کھاتی تھی بہت خیرات دیتی تھی، جب آسیہ فرعون کے پاس بیٹھی ہوئی تھی تو

اس نے فرعون سے کہا یہ لڑکا تو ایک سال سے زائد کا ہے اور آپ کا حکم اس سال کے لڑکوں کو قتل کرنے کا ہے اس لئے اس کو چھوڑ دیجئے۔ (تفسیر مظہری)

لَاتَقْتُلُوْهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا
مت مارو کچھ بعید نہیں جو ہمارے کام آئے یا ہم اس کو کرلیں بیٹا

یعنی کم از کم بڑا ہو کر ہمارے کام آئے گا یا مناسب سمجھا تو متبنٰی بنا لیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ امید ہے کہ یہ ہمارے کام آئے گا۔ یہ قتل نہ کرنے کی درخواست کی علت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر برکت کے نشانات ہیں ہم کو اس سے فائدہ پہنچنے کی علامتیں موجود ہیں۔ آسیہ نے یہ بات اس سے کہی کہ ان کو موسیٰ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور چمکتا نظر آ گیا تھا انگوٹھوں سے دودھ چوستے بھی انہوں نے دیکھا تھا اور فرعون کی لڑکی بھی ان کے منہ کا لعاب لگانے سے اچھی ہو گئی تھی۔

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یا ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے۔ کیونکہ یہ بیٹا ہونے کے قابل ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾
اور ان کو کچھ خبر نہ تھی

یعنی یہ تو خبر نہ تھی کہ بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ سمجھے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی نے خوف سے ڈالا ہے ایک لڑکا نہ مارا تو کیا ہوا۔ یہ ضرور ہے کہ یہی وہ بچہ ہو جس سے ہمیں خوف ہے پھر جب ہم پرورش کریں گے وہ خود ہی ہم سے شرمائے گا۔ کس طرح ممکن ہے کہ ہم سے ہی دشمنی کرنے لگے۔ انہیں کیا خبر تھی کہ یہ اس کا دوست ہوگا جو سارے جہان کا پرورش کرنے والا ہے اور تم چونکہ اس کے دشمن ہو اس لئے مجبور ہوگا کہ پروردگار حقیقی کے حکم سے تمہاری مخالفت کرے۔ تم اپنی ظاہری تربیت پر تو ایسی اچھی امیدیں باندھتے ہو۔ مگر شرم نہیں آتی کہ اس رب حقیقی کے مقابلہ میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کی آواز بلند کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کاش کہ فرعون:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس روز فرعون کہہ دیتا کہ جیسے تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ویسے ہی میرے لئے بھی خنکی چشم ہے تو اللہ نے جس طرح آسیہ کو ہدایت یاب کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب کر دیتا۔

ابن جریر نے بروایت محمد بن قیس مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ فرعون نے کہا تھا کہ تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا میری آنکھ کی ٹھنڈک نہیں ہے اگر وہ یوں کہہ دیتا کہ جیسے یہ تیری آنکھ کی ٹھنڈک ہوگا ویسے ہی میری آنکھ کی بھی خنکی ہوگا تو جس طرح اللہ نے آسیہ کو ہدایت یافتہ کر دیا اسی طرح فرعون کو بھی ہدایت یاب بنا دیتا۔

محمد بن وہب نے کہا حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر اللہ کا دشمن آسیہ کی طرح موسیٰ کی بابت **عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَا** کہہ دیتا تو اللہ اس کو بھی فائدہ پہنچا دیتا لیکن اللہ نے اس کے لئے بدبختی لکھ دی تھی وہی بدنصیبی غالب آئی اور اس نے انکار کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ
اور صبح کو موسیٰ کی ماں کے دل میں قرار نہ رہا قریب تھی
لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا
کہ ظاہر کر دے بیقراری کو اگر نہ ہم نے گرہ دی ہوتی اس کے دل پر
لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
اس واسطے کہ رہے یقین کرنے والوں میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کی کیفیت:

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے کو دریا میں ڈال تو آئیں مگر ماں کی ممتا کہاں چین سے رہنے دیتی۔ رہ رہ کر موسیٰ کا خیال آتا تھا۔ دل سے قرار جاتا رہا۔ موسیٰ کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی، قریب تھا کہ صبر و ضبط کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹ جائے اور علی الاعلان ظاہر کر دیں کہ میں نے اپنا بچہ دریا میں ڈالا ہے کسی کو خبر ہو تو۔ لیکن خدائی الہام اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ کو یاد کر کے تسلی پاتی تھی۔ یہ خدا ہی کا کام تھا کہ اس کے دل کو مضبوط باندھ دیا کہ خدائی راز قبل از وقت کھلنے نہ پائے۔ اور تھوڑی دیر بعد خود موسیٰ کی والدہ کو عین الیقین حاصل ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر اہل تفسیر نے خالی ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ موسیٰ کی یاد کے علاوہ اس کا دل ہر بات سے خالی ہو گیا۔

حسن نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس کا دل خالی ہو گیا وہ اس الہام کو بھول گئی جو اللہ نے اس کے دل میں پیدا کر دیا تھا کہ اس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف و غم نہ کرنا۔ ہم ضرور اس کو لوٹا کر تیرے پاس پہنچا دیں گے۔ اور اس کو پیغمبر بنائیں گے۔ مگر شیطان نے اس سے آ کر کہا کیا تجھے یہ بات تو پسند نہیں کہ فرعون تیرے بچہ کو قتل کر دے اور تجھے اس کا اجر و ثواب ملے اور تو خود بچہ کو قتل کرنے کے درپے ہو رہی ہے اور اس کو دریا میں ڈال کر غرق کر رہی ہے (اس کا گناہ تو تجھ پر ہوگا اور اگر فرعون اس معصوم کو قتل کر دے گا تو تجھے اجر ملے گا) غرض جب اس کو اطلاع ملی کہ فرعون نے نیل میں موسیٰ کو پا لیا تو اس مصیبت نے اس کو اللہ کا وعدہ فراموش کرا دیا میں کہتا ہوں شاید اس کو اس

سے یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ممکن ہے کہ اس صندوق میں جو لڑکا ہے وہ موسیٰ ہو یعنی دفعۃً یہ خیال پیدا ہوتا ہے قطعی نہیں ہوتا اس میں غلطی ہو سکتی ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا قریب تھا کہ وہ کہہ اٹھتی ہائے میرا بیٹا۔

مقاتل نے کہا جب اس نے صندوق کو دیکھا کہ دریا کی موجیں اس کو اوپر اٹھا رہی ہیں اور پھر نیچے پٹک رہی ہیں اور وہ ہر اس میں پھنسا ہوا ہے تو اس کو ڈوب جانے کا خطرہ لاحق ہوا کہ قریب تھا وہ چیخ پڑے (اور بات کھل جائے)

کلبی نے کہا جوان ہونے کے بعد جب حضرت موسیٰ کو فرعون کا بیٹا ہو جانے کا لوگ پکارنے لگے تو یہ بات ان کو اور یہ بات اتنی شاق گزری کہ قریب تھا وہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ میرا بیٹا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ والدۂ موسیٰ کا دل غم و فکر سے خالی ہو گیا (اس کو کوئی غم نہ رہا) جب کہ اس نے سن لیا کہ موسیٰ کو فرعون نے بیٹا بنا لیا ہے یہ بات سن کر اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے مغلوب ہو کر وہ قریب تھا کہ ظاہر کر دیتی کہ موسیٰ میرا بیٹا ہے (میرے بیٹے کو فرعون نے بیٹا بنایا ہے)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کا بیان نقل کیا ہے کہ جب موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی عورت بتاتی ہوں کہ موسیٰ اس کا دودھ پی لے گا اور پھر ماں کو لے کر آگئی اور موسیٰ نے ماں کے پستان کو منہ میں لے لیا تو قریب تھا کہ ماں بول اٹھتی یہ تو میرا ہی بیٹا ہے لیکن اللہ نے اس کو اظہار سے بچا لیا۔

یوسف بن حسین نے کہا موسیٰ کی ماں کو دو حکم دیئے گئے تھے اور دو چیزوں کی ممانعت کی گئی اور دو بشارتیں دی گئی تھیں لیکن اس کو کسی سے کوئی فائدہ اس وقت تک نہیں پہنچا جب تک اللہ نے اس کی حفاظت نہیں کی اور اس کے دل کو مضبوط نہ کیا اور بے چینی و سکون سے نہ بدلا تاکہ وہ ان مومنوں میں سے ہو جائے جو اللہ کے وعدہ پر پختہ بھروسہ رکھتے ہیں فرعون کے بیٹا بنانے پر بھروسہ نہ رکھے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَتْ لِأُخْتِهِ قُصِّيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ
اور کہا اس نے اس کی بہن کو پیچھے چلی جا پھر دیکھتی رہی اس کو
عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ
اجنبی ہو کر اور وہ نہ جانتے تھے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن اپنے بھائی کے حالات کی جاسوسی:

یعنی جب فرعون کے محل سرا میں صندوق کھلا اور بچہ برآمد ہوا تو شہر میں شہرت ہوئی۔ موسیٰ کی والدہ نے اپنی بیٹی کو (جو موسیٰ کی بہن تھی) حکم دیا کہ بچہ کا پتہ لگانے کے لئے چلی جا اور پوشیدہ طور پر معلوم کر کہ کیا معاملہ ہوتا ہے۔ یہ بہن ہوشیاری سے جہاں بچے کو رکھا گیا تھا وہاں جا پہنچی اور اجنبی بن کر دور سے دیکھتی رہی۔ کسی کو پتہ نہ لگا کہ اس بچے کی بہن ہے۔ (تفسیر عثمانی)

موسیٰ کی بہن موسیٰ کی ٹوہ لے رہی ہے اس قصہ میں یہ بھی آیا ہے کہ مریم الگ الگ جا رہی تھی اور نظر چرا کر دیکھتی جاتی تھی تاکہ لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ وہ موسیٰ کو دیکھ رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جب آپ کو صندوقچے میں ڈال کر فرعونیوں کے خوف کی وجہ سے دریا میں بہا دیا اور بہت پریشان ہوئیں اور سوائے خدا کے سچے رسول اپنے لخت جگر حضرت موسیٰؑ کے آپ کو کسی اور چیز کا خیال ہی نہ رہا صبر و سکون جاتا رہا دل میں بجز حضرت موسیٰؑ کی یاد کے اور کوئی خیال ہی نہیں آتا تھا۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کی دل جمعی نہ کر دی جاتی تو وہ بے صبری میں راز فاش کر دیتیں لوگوں سے کہہ دیتیں کہ اس طرح میرا بچہ ضائع ہو گیا۔ لیکن خدا نے ان کا دل ٹھہرا دیا ڈھارس اور تسکین دے دی اور انہیں یقین کامل کرا دیا کہ تیرا بچہ تجھے ضرور مل جائے گا والدہ موسیٰؑ نے اپنی بڑی بچی سے جو ذرا سمجھدار تھیں فرما دیا کہ بیٹی تم اس صندوق پر نظریں جما کر کنارے کنارے چلی جاؤ دیکھو کیا (انجام ہوتا ہے؟) مجھے خبر کرنا۔ تو یہ دور سے دیکھتی ہوئی چلیں لیکن اس انجان پن سے کہ کوئی اور نہ سمجھ سکے کہ یہ ان کا خیال رکھتی ہوئی ساتھ جا رہی ہیں۔ فرعون کے محل تک پہنچتے ہوئے اور وہاں سے آپ کی لونڈیوں کو اٹھاتے ہوئے تو آپ کی ہمشیرہ نے دیکھا پھر وہیں باہر کھڑی رہ گئیں کہ شاید کچھ معلوم ہو سکے کہ اندر کیا ہو رہا ہے وہاں یہ ہوا کہ جب حضرت آسیہؓ نے فرعون کو اس کے خونی ارادے سے باز رکھا اور بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو شاہی محل میں جتنی دایہ تھیں سب کو بچہ دیا گیا ہر ایک نے بڑی محبت و پیار سے انہیں دودھ پلانا چاہا لیکن بحکم خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی کے دودھ کا ایک گھونٹ بھی نہ پیا آخر اپنی لونڈیوں کے ہاتھ باہر بھیجا کہ باہر کسی دایہ کو تلاش کرو اور جس کا دودھ یہ پیئے اُسے لے آؤ۔ چونکہ رب العالمین کو یہ منظور نہ تھا اُس کا نبی علیہ السلام اپنی والدہ کے سوا اور کسی کا دودھ پیئے اور اس میں سب سے بڑی مصلحت یہ تھی کہ اس بہانے حضرت موسیٰؑ اپنی ماں تک پہنچ جائیں۔ لونڈیاں جب آپ کو لے کر باہر نکلیں تو آپ کی بہن صاحبہ نے پہچان لیا لیکن ان پر ظاہر نہ کیا اور نہ انہیں خود کوئی پتہ چل سکا آپ کی والدہ گو پہلے تو بہت پریشان تھیں لیکن اس کے بعد خدا نے انہیں صبر و سکون دے دیا تھا اور وہ خاموش اور مطمئن تھیں بہن نے انہیں کہا کہ تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟ انہوں نے کہا کہ یہ بچہ کسی دائی کا دودھ نہیں پیتا ہم اس کے لئے کسی اور دایہ کی تلاش میں ہیں یہ سن کر ہمشیرہ کلیم اللہ نے فرمایا کہ اگر کہو تو میں ایک دائی کا پتہ دوں؟ ممکن ہے یہ بچہ ان کا دودھ پی لے۔ وہ اسے پرورش کریں اور اس کی خیر خواہی کریں۔ یہ سن کر انہیں یہ شک گزرا کہ یہ لڑکی اس لڑکے کی اصلیت سے اور اس کے ماں باپ سے واقف ہے اسے گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا معلوم کہ وہ عورت

اس کی کفالت اور خیر خواہی کریں گے؟ اس نے فوراً جواب دیا کہ بھلا کون نہ چاہے گا کہ شاہی دربار میں اس کی عزت ہو، انعام اکرام کی خاطر کون اس بچہ سے ہمدردی نہ کرے گا؟ ان کی سمجھ میں بھی آ گیا کہ واقعی پہلا گمان غلط تھا یہ تو ٹھیک کہہ رہی ہے اسے چھوڑ دیا اور کہا اچھا چل اس کا مکان دکھا۔ یہ انہیں لے کر اپنے گھر گئیں اپنی والدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا انہیں دیجئے۔ سرکاری آدمیوں نے انہیں دیا تو بچہ ان کا دودھ پینے لگا۔ فوراً یہ خبر حضرت آسیہ کو دی گئی سن کر آپ بہت خوش ہوئیں انہیں اپنے محل میں بلوایا اور بہت کچھ انعام اکرام دیا لیکن یہ علم نہ تھا کہ فی الواقع یہی اس بچہ کی والدہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ
اور ہم نے روک رکھا تھا موسیٰ سے دائیوں کو پہلے سے پھر بولی
هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتٍ يَكْفُلُونَهُ
میں بتلاؤں تم کو ایک گھر والے کہ اس کو پال دیں
لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ
تمہارے اور وہ اس کا بھلا چاہنے والے ہیں

حضرت موسیٰ علیہ السلام دوبارہ اپنی والدہ کی گود میں:

یعنی فرعون کی بیوی نے اس معصوم کو جس بچہ کی پرورش پر راضی کر لیا تو دودھ پلانے کی فکر ہوئی اور دائیاں طلب کی گئیں۔ مگر قدرت نے پہلے ہی سے بند لگا دیا تھا موسیٰ اپنی ماں کے سوا کسی کا دودھ نہ پکڑتے۔ سخت تشویش تھی کہ کہاں سے مرضعہ لائی جائے جس کا دودھ بچہ منہ لگائے۔ کسی عورت کا دودھ نہ پیتے تھے۔ فرعون کے آدمی اسی فکر و جستجو میں تھے کہ موسیٰ کی بہن نے کہا میں تم کو ایک گھرانے کا پتہ بتا سکتی ہوں جو امید ہے بچہ کو پال دیں گے اور جہاں تک ان کی طبائع کا اندازہ ہے بہت خیر خواہی اور غور پرداخت سے پالیں گے کیونکہ شریف گھرانا ہے اور بادشاہ کی طرف سے انعام اکرام کی بڑی توقعات ہوں گی۔ پھر تربیت میں کیوں کمی کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی کے مشورہ کے موافق حضرت موسیٰ کی والدہ طلب کی گئیں بس بچہ کو چھاتی سے لگانا تھا کہ اس نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون کے گھر والوں کو بہت غنیمت معلوم ہوا کہ بچہ نے ایک عورت کا دودھ قبول کر لیا ہے بڑی خوشیاں منائی گئیں اور انعام و اکرام دیئے گئے۔ مرضعہ نے عذر کیا کہ میں یہاں نہیں رہ سکتی، اپنے گھر لے جا کر اس کی پرورش کروں گی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام امن و اطمینان کے ساتھ پھر آغوش مادری میں پہنچ گئے۔ اور فرعون کے یہاں سے جو روزینہ ان کی ماں کا مقرر ہوا وہ مفت میں رہا۔ (تفسیر عثمانی)

ہر عورت کی پستان ورد کر دیا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا فرعون کی بیوی چاہتی تھی کہ کسی طرح کسی دودھ پلانے والی کا دودھ موسیٰ پی لیں چنانچہ ایک کے بعد ایک دودھ پلانے والیاں آئیں مگر موسیٰ نے کسی کے پستان کو منہ نہیں لگایا موسیٰ کی بہن یہ کیفیت دیکھتی رہی آخر تلاش میں نکل کر پیچھے گئی موسیٰ نے کسی مرضعہ کا دودھ نہیں پیا اور چپ نہ رہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کی تفتیش:

ابن جریج اور سدی نے هُمْ لَهُ نَاصِحُونَ کا مطلب یہ بیان کیا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے وَهُمْ لَهُ نَاصِحُونَ کہا تو لوگوں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ تو اس کے گھر والوں کو جانتی ہے بتا وہ کون ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے کہا مجھے تو اس کے گھر والے معلوم نہیں میں نے یہ کہا تھا کہ وہ لوگ بادشاہ کے خیر خواہ ہیں۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی سدی کا یہ قول نقل کیا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے جب باز پرس ہوئی تو اس نے کہا میں یہ بات بادشاہ کی خوشی کے لئے کہہ رہی تھی اور اس بات کی خواہش کر رہی تھی کہ ہمارا تعلق بادشاہ سے ہے بعض اہل روایات نے لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے هَلْ أَدُلُّكُمْ کہا تو لوگوں نے کہا ایسا کون ہے اس نے کہا میری ماں ہے لوگوں نے پوچھا کیا تیری ماں کا کوئی لڑکا ہے ہمشیرہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں ہارون ہے (حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے تھے جس سال لڑکوں کو قتل نہیں کیا جاتا تھا) لوگوں نے کہا تو نے ٹھیک کہا تو ہمارے پاس لے آ موسیٰ کی بہن نے اپنی ماں سے جا کر پوری بات کہہ دی اور اس کو اپنے ساتھ لے آئی موسیٰ علیہ السلام نے جو اپنی ماں کی خوشبو سونگھی تو پستان کو منہ لگا دیا اور پینے لگے اور اتنا پیا کہ دونوں کوکھیں بھر گئیں سدی نے کہا روزانہ کی اجرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ایک دینار ملتی تھی اور وہ اس لئے لے لیتی تھیں کہ وہ حربی کافر کا مال تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أُمِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ
پھر ہم نے پہنچا دیا اس کو اس کی ماں کی طرف کہ ٹھنڈی رہے اس کی آنکھ اور غم نہ کھائے
وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ
اور جانے کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے

یعنی اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں جو دو وعدے کئے تھے ایک تو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ کس عجیب طریقہ سے پورا ہو کر رہا۔ اور دوسرے وعدہ پر قیاس کرنے کا موقع ملا کہ بلاشبہ وہ بھی اپنے وقت پر پورا ہو کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

پورا کلام اس طرح تھا لوگوں نے حضرت موسیٰ کی بہن سے کہا تھا وہ لوگ

عورت ہے موسیٰ کی بہن نے اپنی ماں کا پتہ بتایا لوگوں نے بہ اپنی ماں کو بلا لائی وہ جب فرعون والے آئی لوگوں نے موسیٰ کی ماں کی گود میں بچہ ڈال دیا ماں نے دودھ پلایا بچے نے پی لیا لوگوں نے بچے کو موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے سپرد کر دیا اس طرح ہم موسیٰ کو ماں کے پاس واپس لے آئے۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
پر بہت لوگ نہیں جانتے

یعنی وعدہ اللہ کا تحقیق ہو کر رہتا ہے ہاں بیچ میں بڑے بڑے پیچ پڑ جاتے ہیں۔ اس میں بہت لوگ بے یقین ہونے لگتے ہیں (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا
اور جب پہنچ گیا اپنی قوت پر اور سنبھل گیا دی ہم نے اس کو حکمت
وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝
اور سمجھ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علم وحکمت کی عطاء:

یعنی موسیٰ علیہ السلام جب اپنی بھرپور جوانی کو پہنچے تو اللہ نے ان کو بہت حکمت کی باتیں سمجھائیں اور خصوصی علم وفہم عطا فرمایا یونہی نیکی والوں کو نوازتے ہیں۔ ایسے ہونہار کو ہم اسی طرح نوازا کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حکم یعنی نبوت علم یعنی اللہ اور اس کے احکام کی معرفت بعض کے نزدیک اس سے نبی بنانا مراد نہیں ہے کیونکہ نبوت تو مصر سے ہجرت کرنے کے بعد مدین سے واپسی میں ملی تھی بلکہ اس سے مراد دانش وری اور شرعی کا علم ہے میں کہتا ہوں واو مطلق عطف کے لئے آتا ہے ترتیب ضروری نہیں۔ نبوت اگرچہ ہجرت کے بعد ملی تھی لیکن اس جگہ پہلے ذکر کرنا اس وعدہ کی تکمیل کو ظاہر کرتا ہے جو آپ کی والدہ سے اللہ نے فرمایا تھا اور ارشاد فرمایا تھا اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اَشُدّ کے لفظی معنیٰ قوت وشدت کی انتہا پر پہنچنے کے ہیں یعنی انسان بچپن کے ضعف سے تدریجاً قوت وشدت کی طرف بڑھتا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اس کے وجود میں جتنی قوت وشدت آ سکتی تھی وہ پوری ہو جائے اس وقت کو اشد کہا جاتا ہے اور یہ زمین کے مختلف خطوں اور قوموں کے مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے کسی کا زمانہ اشد جلد آ جاتا ہے کسی کا دیر میں۔ لیکن حضرت ابن عباس اور مجاہد سے بروایت عبد بن حمید یہ منقول ہے کہ اشد عمر کے تینتیس سال میں ہوتا ہے اسی کو سن کمال یا سن وقوف کہا جاتا ہے جس میں بدن کا نشو ونما ایک حد پر پہنچ کر رک جاتا ہے اس کے بعد چالیس کی عمر تک وقوف کا زمانہ ہے اسی کو استوٰی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے چالیس سال کے بعد انحطاط اور کمزوری شروع ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمر کا اشد تینتیس سال کی عمر سے شروع ہو کر چالیس سال تک رہتا ہے۔ (روح، قرطبی)

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ
اور آیا شہر میں جس وقت
غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا
بے خبر ہوئے تھے وہاں کے لوگ

یعنی حضرت موسیٰ جوان ہو کر ایک روز شہر میں پہنچے جس وقت لوگ غافل پڑے سو رہے تھے شاید رات کا وقت ہو گا یا دوپہر ہو گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا مدینہ سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک شہر مصر ہے۔ اس میں داخل ہونے کے لفظ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام مصر سے باہر کہیں گئے ہوئے تھے پھر ایک روز اس شہر میں ایسے وقت داخل ہوئے جو عام لوگوں کی غفلت کا وقت تھا، آگے قتل قبطی کے قصہ میں اس کا بھی تذکرہ ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کا اظہار اور دین حق کا اظہار شروع کر دیا تھا اس کے نتیجہ میں کچھ لوگ ان کے متبع و فرمانبردار ہو گئے تھے جو ان کے شیعہ کہلاتے تھے مِنْ شِيْعَتِهٖ کا لفظ اس پر شاہد ہے۔ ابن اسحٰق کی ایک روایت کی تائید ہوتی ہے جو ابن اسحٰق اور ابن زید سے منقول ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ہوش سنبھالا اور دین حق کی باتیں لوگوں سے کہنے لگے تو فرعون ان کا مخالف ہو گیا اور قتل کا ارادہ کیا مگر فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کی درخواست پر ان کے قتل سے باز رہا مگر ان کو شہر سے نکال دینے کا حکم دے دیا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں کسی جگہ رہنے لگے اور کبھی کبھی چھپ کر مصر شہر میں آتے تھے، اور عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک دوپہر کا وقت ہے جبکہ سب لوگ قیلولہ میں تھے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ
پھر پائے اس میں دو مرد لڑتے ہوئے یہ ایک اس کے رفیقوں
وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ
میں اور یہ دوسرا اس کے دشمنوں میں پھر فریاد کی اس سے اس نے جو تھا اس کے رفیقوں میں
عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى
اسی کی جو تھا اس کے دشمنوں میں پھر مکا مارا اس کو موسیٰ نے پھر اس کو

عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۖ اِنَّهٗ عَدُوٌّ

تب موسیٰ بولا یہ ہوا شیطان کے کام سے بیشک وہ دشمن

مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۔ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ

ہے بہکانے والا صریح۔ بولا اے رب میں نے برا کیا اپنی جان کا

فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ ۖ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

سو بخش مجھ کو، پھر اس کو بخش دیا، بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کی موت:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب جوان ہوئے، فرعون کی قوم سے بسبب ان کے ظلم و کفر کے بیزار رہتے اور بنی اسرائیل کے ساتھ لگے رہتے تھے ان کی مدد کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ کبھی باہر جاتے کبھی فرعون کے محل میں رہتے۔ فرعون کی قوم (قبط) بنی اسرائیل پر ظلم کرتی تھی۔ غیر قوم کا شخص تھا اس لئے ان پر زور چلاتے۔ ایک روز دیکھا کہ دو شخص آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی دوسرا قبطی۔ اسرائیلی نے موسیٰ کو مدد کے لئے پکارا کہ مجھے اس قبطی کے ظلم سے چھڑاؤ۔ کہتے ہیں قبطی فرعون کے مطبخ کا آدمی تھا۔ موسیٰ پہلے ہی قبطیوں کے ظلم وستم کو جانتے تھے۔ اس وقت آنکھ سے اس کی زیادتی دیکھ کر بہت غصہ آیا۔ پہلے سمجھایا مگر قبطی نے نہ مانا۔ ... غرض موسیٰ علیہ السلام نے اس کو ... ایک گھونسہ رسید کیا، ماشاء اللہ بڑے طاقتور جوان تھے ایک ہی گھونسہ میں قبطی نے پانی نہ مانگا۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ اندازہ نہ تھا کہ ایک گھونسہ میں اس کا کام تمام ہو جائے گا۔ ... قبطی کافر حربی تھا ... اور موسیٰ علیہ السلام کی نیت بھی قتل کی نہ تھی ... اس وقت وہاں ... تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے قبطی قوم کو وہاں امن نہیں دیا تھا۔ ... شروع سے جو مقصد ... رہا تھا اس سے وہ مطمئن تھے ... نہیں چاہتے تھے ... غضب کے جوش میں ... جس ... ہوا اور ... وقت پوری طرح اندازہ نہ رہا ... کافی ہے ... ارادہ قتل سے اندیشہ تھا کہ فرقہ وارانہ اشتعال ... فتنہ کا ... اس لئے اپنے فعل پر نادم ہوئے ... سمجھے کہ اس میں کسی درجہ تک شیطان کا دخل ہے انبیاء علیہم السلام کی فطرت ... اور ان کی استعداد اس قدر اعلیٰ ہوتی ہے کہ نبوت سے پیشتر بھی وہ اپنے ذرا ذرا سے عمل کا محاسبہ کرتے ہیں اور ادنیٰ سی لغزش یا خطاء اجتہادی پر بھی حق تعالیٰ سے رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے اپنی تقصیرات کا اعتراف کر کے معافی چاہی جو دے دی گئی اور غالباً اس معافی کا علم ان کو بذریعہ الہام وغیرہ ہوا ہوگا۔ آخر پیغمبر لوگ نبوت سے پہلے بھی تو ولی ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سوال یہ قبطی حربی کافر تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کو عمل شیطان اور گناہ کیوں قرار دیا؟

جواب یہ ہے کہ معاہدہ جیسے قولی اور تحریری ہوتا ہے اسی طرح معاہدہ عملی بھی ہوتا ہے اس کی پابندی لازمی اور خلاف ورزی عہد شکنی کے مراد ہے۔

معاہدہ عملی کی صورت یہ ہے کہ جس جگہ مسلمان اور کچھ غیر مسلم کسی دوسری حکومت میں باہمی امن واطمینان کے ساتھ رہتے بستے ہوں۔ ایک دوسرے پر حملہ کرنا یا لوٹ مار کرنا طرفین سے غداری سمجھا جاتا ہو تو اس طرح کی معاشرت اور معاملات بھی ایک قسم کا عملی معاہدہ ہوتے ہیں ان کی خلاف ورزی جائز نہیں اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ کی وہ طویل حدیث ہے جس کو امام بخاری کی کتاب الشروط میں مفصل روایت کیا ہے، واقعہ اس کا یہ تھا کہ حضرت مغیرہ ابن شعبہ قبل از اسلام اپنے زمانہ جاہلیت میں ایک جماعت کفار کے ساتھ مصاحبت اور معاشرت رکھتے تھے پھر ان کو قتل کر کے ان کے اموال پر قبضہ کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور جو مال ان لوگوں کا لیا تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تو آپ نے ارشاد فرمایا، اما الاسلام فاقبل واما المال فلست منه فی شیء اور ابوداؤد کی روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اما المال فمال غدر لا حاجة لنا فیه، یعنی آپ کا اسلام تو ہم نے قبول کر لیا اور اب آپ مسلمان ہیں مگر یہ مال ایسا مال ہے جو غدر اور عہد شکنی سے حاصل ہوا ہے اس لئے ہمیں اس مال کی کوئی حاجت نہیں شارح بخاری حافظ ابن حجر نے شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ کفار کا مال حالت امن میں لوٹ لینا حلال نہیں کیونکہ ایک بستی کے رہنے والے یا ایک ساتھ کام کرنے والے ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھتے ہیں ان کا یہ عملی معاہدہ بھی ایک امانت ہے جس کا صاحب امانت کو ادا کرنا فرض ہے چاہے وہ کافر ہو یا مسلم، اور کفار کے اموال جو مسلمانوں کے لئے حلال ہوتے ہیں تو وہ صرف محاربہ اور مغالبہ کی صورت میں حلال ہوتے ہیں، حالت امن وامان میں جبکہ ایک دوسرے سے اپنے کو مامون سمجھ رہا ہو کسی کافر کا مال لوٹ لینا جائز نہیں اور قسطلانی نے شرح بخاری میں فرمایا۔

ان اموال المشركين ان كانت مغنومة عند القهر فلا يحل اخذها عند الامن فاذا كان الانسان مصاحباً لهم فقد امن كل واحد منهم صاحبه فسفک الدماء و اخذ المال مع ذلک غدر حرام الا ان ينبذ اليهم عهد هم على سواء

بیشک مشرکین کے اموال جنگ اور جہاد کے وقت مغنوم ومباح ہیں لیکن امن کی حالت میں حلال نہیں اس لئے جو مسلمان کفار کے ساتھ رہتا سہتا ہو کہ عملی طور پر ایک دوسرے سے مامون ہو تو ایسی حالت میں کسی کافر کا خون بہانا یا مال زبردستی لینا غدر حرام ہے جب تک کہ اُن کے اس عملی معاہدہ سے دست برداری کا اعلان نہ کر دے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قبطی کا قتل اس عملی معاہدہ کی بنا پر اگر بالقصد ہوتا تو جائز نہیں تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ اسرائیلی شخص کو اس کے ظلم سے بچانے کے لئے ہاتھ کی ضرب لگائی جو عادۃً سبب قتل نہیں ہوتی مگر قبطی اس ضرب سے مرگیا تو موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ اس کو دفع کرنے کے لئے اس ضرب سے کم درجہ بھی کافی تھا یہ زیادتی میرے لئے درست نہ تھی۔

مسئلہ: اول یہ ہے کہ مظلوم اگرچہ کافر یا فاسق ہی ہو اس کی امداد کرنا چاہیے، دوسرا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ کسی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ علماء نے اس آیت سے استدلال فرمایا کہ ظالم حکام کی ملازمت کو بھی ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ بھی اُن کے ظلم کے شریک سمجھے جائیں گے اور اس پر سلف صالحین سے متعدد روایات نقل کی ہیں (کما فی روح المعانی) کفار یا ظالموں کی امداد و اعانت کی مختلف صورتیں ہیں اور ان کے احکام کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ احقر نے احکام القرآن میں بزبان عربی اسی آیت کے ذیل میں اس مسئلہ کی پوری تحقیق و تنقیح لکھ دی ہے اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

قبطی اور اسرائیلی کا جھگڑا:

استغاثہ مدد طلب کرنا۔ اسرائیلی نے قبطی کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام سے مدد مانگی موسیٰ وجہ غصہ آیا قبطی اسرائیلی کو پکڑے ہوئے تھا اور یہ بات جانتا تھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی نظر میں محترم ہیں اور موسیٰ بھی ان کی پاسداری کرتے ہیں اور عام لوگ اتنا ہی جانتے تھے کہ موسیٰ کو ایک اسرائیلی عورت نے دودھ پلایا ہے اس لئے موسیٰ بنی اسرائیل کا پاس لحاظ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرعون کے آدمی سے کہا اس کو چھوڑ دے (وہ شاہی سپاہی تھا) اس نے کہا ہم تو اس کو اس لئے پکڑ رہے ہیں کہ یہ ہمیں حکم دیا گیا آپ کے والد کے باورچی خانہ میں پہنچا دے (یعنی بیگار میں پکڑ رہے ہیں) موسیٰ اس سے جھگڑنے لگے فرعونی بولا اب تو میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ لکڑیاں تیرے اوپر لاد کر پہنچاؤں گا۔ حضرت موسیٰ قد آور بھی تھے اور بہت زیادہ طاقتور بھی آپ نے اس کے ایک گھونسہ رسید کیا وہ فوراً مر گیا۔ (تفسیر مظہری)

قبطی کے قتل کی قانونی حیثیت:

قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ کہا یہ شیطانی حرکت ہوئی بے شک شیطان (آدمی کا) کھلا ہوا دشمن ہے غلطی میں ڈال دیتا ہے۔

حضرت موسیٰ نے اس فعل کو شیطانی حرکت اس لئے قرار دیا کہ اس وقت آپ کو کافروں کے قتل کرنے کا حکم نہیں تھا اور ان لوگوں کے اندر آپ محفوظ بھی تھے ان میں سے کسی کو بلا حکم قتل کر دینا آپ کے لئے جائز نہ تھا۔ لیکن یہ قتل خطا تھا قصداً نہ تھا اس لئے اس کو عصمت انبیاء کے خلاف نہیں قرار دیا جا سکتا موسیٰ نے اس فعل کو شیطانی حرکت شمار کیا اور ظلم سمجھا اور پھر استغفار کی اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ مقرب بندوں میں سے تھے حقیر فروگزاشت کو بھی عظیم گناہ جانتے تھے اہل قرب کی یہی حالت ہوتی ہے (اگر ان سے ادنیٰ غلطی ہو جائے تو وہ اس کو گناہ عظیم سمجھتے ہیں اور پھر استغفار کرتے ہیں)۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ موسیٰ نے دعا کی اے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا (کہ تیرے حکم کے بغیر ایک شخص میرے ہاتھ سے مارا گیا) سو میرے اس قصور کو تو معاف فرما دے اللہ نے موسیٰ کو معاف کر دیا بے شک وہ بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ یعنی اللہ نے اپنا حق معاف کر دیا اور قبطی چونکہ معصوم الدم نہ تھا کہ جس کو قتل کرنا موجب قصاص و دیت ہوتا اس لئے وارثوں سے معاف کرانے کی ضرورت ہی نہ تھی نہ (قیامت کے دن) مقتول سے معاف کرانے کی ضرورت ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ
بولا اے رب جیسا تو نے فضل کر دیا مجھ پر پھر میں
اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ
کبھی نہ ہوں گا مددگار گناہگاروں کا

یعنی آپ نے جیسے اپنے فضل سے مجھ کو عزت، رحمت، قوت، علم عطا فرمائی اور میری تقصیرات کو معاف کیا اس کا شکریہ ہے کہ میں آئندہ کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا۔ شاید اس فریادی (اسرائیلی) کی بھی کچھ تقصیر معلوم ہوئی ہو گی، مجرم اُسے کہا ہو۔ یا مجرمین سے کفار اور ظالم لوگ مراد ہوں یعنی تیری دی ہوئی قوتوں کو آئندہ بھی کبھی اُن کی حمایت و اعانت میں خرچ نہ کروں گا یا مجرمین سے شیاطین مراد ہوں یعنی شیاطین کے مشن میں اُن کا مددگار کبھی نہ ہوں گا کہ وہ وسوسہ اندازی کر کے مجھ سے ایسا کام کرا دیں جس پر بعد و پچھتانا پڑے۔ وہ وقوع جرم کا سبب بنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ
پھر صبح کو اٹھا اس شہر میں ڈرتا ہوا راہ دیکھتا ہوا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ:

یعنی رات گزر گئی اور وہ دیکھتے تھے کہ مقتول کے وارث فرعون کے پاس فریاد

سے گئے ہوں گے دیکھئے کس پر جرم ثابت ہوا اور مجھ سے یہ سب [illegible] (تفسیر مظہری)

فَإِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ يَسْتَصْرِخُهُ

[illegible]

اسرائیلی کی دوسری لڑائی

یعنی اسی اسرائیلی نے [illegible] کی اور سے [illegible] تھی۔ (تفسیر مظہری)

یستصرخہ۔ ان سے فریاد کر رہا ہے (مدد طلب کر رہا ہے) یہ صراخ سے مشتق ہے (صراخ کا معنی ہے چیخ و پکار کرنا) حضرت ابن عباس نے فرمایا [illegible] فرعون سے کہا گیا کہ [illegible] اور بنی اسرائیل نے ہمارا ایک آدمی مار [illegible] ہمارا حق (قصاص) دو۔ فرعون نے کہا قاتل [illegible] بغیر شہادت کے تو فیصلہ نہیں کیا جا سکتا [illegible] قاتل میں [illegible] ملی تھی [illegible] شہادت [illegible] دوسرے روز موسیٰ جا رہے تھے [illegible] (ایک) اسرائیلی اور ایک فرعونی سے [illegible] فرعونی کے خلاف موسیٰ سے مدد مانگی موسیٰ کل کے ہی قصور پر نادم تھے [illegible] سے ایک قبطی مارا گیا تھا اسرائیلی سے کہا تو ہی تو گمراہ ہے تیری ہی [illegible] کل ایک شخص کے مارے جانے کا تو ہی سبب بنا اور آج ایک اور آدمی سے لڑ [illegible] (تفسیر مظہری)

قَالَ لَهُ مُوسَىٰ إِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِينٌ

[illegible] موسیٰ نے بیشک تو بہکا ہوا ہے [illegible]

[illegible] ہر روز لڑائی جھگڑا [illegible] مجھ کو [illegible] (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي

پھر جب چاہا [illegible] کہ ہاتھ ڈالے [illegible]

هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يَا مُوسَىٰ أَتُرِيدُ

دشمن تھا ان دونوں کا بول اٹھا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے

أَن تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ

[illegible] کل ایک جان [illegible]

راز کا فاش ہونا۔

[illegible] بول اٹھا مظلوم جانا کہ زبان سے مجھ پر غصہ [illegible] مجھ پر [illegible] کل کا خون چھپا رہا تھا [illegible] زبان سے مشہور ہوا۔ (موضح القرآن)

قبطی نے جب اسرائیلی کا یہ قول سنا کہ اس نے موسیٰ کو مخاطب کر کے کہا [illegible] تو سمجھ گیا کہ کل جو قبطی مارا گیا تھا اس کے قاتل موسیٰ ہیں اور فوراً فرعون کو جا کر اطلاع دے دی فرعون نے موسیٰ کو قتل کرنے کا حکم دے دیا حضرت موسیٰ نے لوگوں کے قوال سن لئے تھے [illegible] عام [illegible] تھے [illegible] قتل [illegible] اطلاع فرعون کے پاس بھی پہنچ گئی تھی اور [illegible] حضرت موسیٰ کو قتل [illegible] تھے (بہرحال فرعون کو خبر پہنچ گئی اور فرعون [illegible] آپ کے قتل کا مشورہ کرنے لگے) (تفسیر مظہری)

إِن تُرِيدُ إِلَّا أَن تَكُونَ جَبَّارًا فِي الْأَرْضِ

[illegible]

وَمَا تُرِيدُ أَن تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ

[illegible]

[illegible] فریقین میں [illegible] (تفسیر عثمانی)

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَىٰ

[illegible]

قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنَّ الْمَلَأَ يَأْتَمِرُونَ بِكَ لِيَقْتُلُوكَ

[illegible] مشورہ [illegible] قتل [illegible]

فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ

[illegible]

فرعون کے مشورے

[illegible] خبر فرعون کو پہنچ گئی [illegible] مشورہ ہوا [illegible] قوم کے آدمی کا یہ [illegible] قوم [illegible] اور سرکاری ملازموں کو قتل کر ڈالے [illegible] موسیٰ [illegible] میں شامل ہو جائے تو قتل [illegible] مجلس میں [illegible] ان میں [illegible] حضرت موسیٰ [illegible] حضرت موسیٰ کو [illegible] مشورہ [illegible] شہر سے نکل جاؤ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں [illegible] ہمارے پیغمبر کو کہ لوگ ان کی جان لینے کی فکر کریں گے اور وہ بھی وطن سے نکلیں گے۔ چنانچہ کافر [illegible] اکٹھے ہوئے تھے [illegible] ہجرت [illegible] رات [illegible] وطن سے ہجرت [illegible]

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي

پھر نکلا وہاں سے ڈرتا ہوا راہ دیکھتا بولا اے رب بچا لے

مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ

مجھ کو اس قوم بے انصاف سے اور جب منہ کیا

مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ

مدین کی سیدھ پر بولا امید ہے کہ میرا رب لے جائے مجھ کو سیدھی راہ پر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مدین کی طرف سفر:

حضرت موسیٰ مصر سے نکل کھڑے ہوئے، راہ سے واقف نہ تھے اللہ سے درخواست کی کہ سیدھی راہ پر چلائے۔ اس نے مدین کی سیدھی راہ پر ڈال دیا۔ جہاں پہنچ کر انہیں امن و اطمینان سے ساتھ متوکل بن کر رہنا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ بہت بڑی رحمت کی سیدھی راہ پر پہنچنا تھا۔ ابن عباس نے کہا یعنی اس راستہ پر چل پڑے جو مدین کو پہنچتا تھا۔ مدین ایک بستی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد کی گئی تھی۔ موسیٰ پیدل نکلے تھے نہ سواری تھی نہ کھانے پینے کا سامان ساتھ تھا۔ مدین مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر تھا اور فرعون کی حکومت سے خارج تھا۔

قال یعنی موسیٰ نے اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے کہا۔ موسیٰ کو اپنے رب پر پورا یقین تھا۔

مشکلاتِ سفر:

أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ یعنی امید ہے کہ اللہ مجھے سیدھے راستہ پر ڈال دے گا جس میں کوئی زحمت نہ ہو۔ موسیٰ کو مصر سے نکلتے وقت مدین کو جانے والا راستہ معلوم نہ تھا جب موسیٰ نے یہ الفاظ کہے تو ایک فرشتہ (بصورت انسانی) ہاتھ میں چھوٹا برچھا لئے نمودار ہوا اور موسیٰ کو لے چلا۔

اہل تفسیر نے لکھا ہے موسیٰ جب مصر سے نکلے تو کھانے کو سوائے آپ کو صرف درختوں کے پتے اور سبزیاں ہی ملیں انہی کو کھاتے رہے آپ کو جا بجا بھی سبز ہو گئی اور مدین پہنچے ہیں تو ناخن گر چکے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ کی طرف سے موسیٰ کی یہ پہلی آزمائش تھی۔ (تفسیر مظہری)

معارف و مسائل:

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ مدین، ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے جو مدین بن ابراہیم کے نام سے موسوم ہے۔ یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا، مصر سے مدین کی مسافت آٹھ منزل کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعونی سپاہیوں سے تعاقب کا طبعی خوف پیش آیا جو نہ نبوت و معرفت کے منافی ہے نہ توکل کے۔ تو مصر سے ہجرت کا ارادہ کیا اور مدین کی سمت شاید اس لئے متعین کی کہ مدین بھی اولاد ابراہیم علیہ السلام کی بستی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ان کی اولاد میں تھے، اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل بے سروسامانی کے ساتھ اس طرح مصر سے نکلے کہ نہ کوئی توشہ ساتھ تھا نہ کوئی سامان اور نہ راستہ معلوم، اسی اضطرار کی حالت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ یعنی امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ مفسرین کا بیان ہے کہ اس سفر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غذا صرف درختوں کے پتے تھے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سب سے پہلا ابتلاء اور امتحان تھا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً

اور جب پہنچا مدین کے پانی پر پایا وہاں ایک جماعت

مِنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۝

لوگوں کی جو پانی پلاتے ہیں

مدین پہنچ کر ”مدین“ کے کنویں پر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے مویشی کو پانی پلا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا

اور پایا ان سے ورے دو عورتیں کہ روکے ہوئے کھڑی تھیں اپنی بکریاں بولا تمہارا کیا حال ہے

قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ

بولیں ہم نہیں پاتیں پانی پلانے جب تک چرواہوں کے پھیر لے جانے تک

دو حیادار بیبیاں دونوں بکریاں لے کر حیا سے کنارے کھڑی تھیں۔ اتنی قوت نہ تھی کہ مجمع کو ہٹا کر یا بذات خود بھاری ڈول نکالیں۔ شاید مردوں سے بچا ہوا پانی پلاتی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ

اور ہمارا باپ بوڑھا ہے بڑی عمر کا

بیبیوں کی مشکل:

یعنی ہمارا باپ جوان اور توانا ہوتا تو ہم کو آنا نہ پڑتا۔ وہ خود ان مردوں سے نبٹ لیا کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ یہ جواب بظاہر سوال کے مطابق نہیں معلوم ہوتا لیکن حقیقت میں سوال ہی کا جواب ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کا مقصد تھا بکریوں کو روکے رکھنے کا سبب دریافت کرنا جو یہ ہے کہ پانی موجود تھا اور لیکن ان عورتوں نے عذر بیان کیا اور یہ بھی کہ ہم عورتیں ہیں مردوں میں قوت کے ساتھ گھس کر آگے بڑھنا ہماری طاقت سے باہر ہے پھر ہم مردوں سے اختلاط کرنے میں شرم بھی آتی ہے۔ باپ بہت زیادہ بوڑھے ہو گئے ہیں وہ خود یہ کام نہیں کر سکتے۔ شیخ کبیر کا بیان مقاتل بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد ، سدی اور حسن کے نزدیک یہ بزرگ حضرت شعیب پیغمبر تھے وہب اور سعید بن جبیر نے کہا شعیب کا نام تھا جو حضرت شعیب کے بھائی کا بیٹا تھا۔ حضرت شعیب کی وفات تو اس واقعہ سے پہلے نابینا ہونے کی حالت میں ہو چکی تھی اور آپ مقام بر زیم اور زمزم کے درمیان دفن کر دیا گیا تھا بعض اہل علم کا قول ہے کہ ایک اور مرد مومن تھا جو حضرت شعیب پر ایمان لے آیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَسَقٰى لَهُمَا
تب اس نے [illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بکریوں کو پانی پلوادیا:

پیغمبروں کے فطری جذبات و حرکات ایسے ہوتے ہیں کہ تھکے ماندے بھوکے پیاسے تھے مگر غیرت آئی کہ میری موجودگی میں یہ صنف ضعیف ہمدردی سے محروم رہے۔ اٹھے اور مجمع کو ہٹا کر یا ان کے بعد کنویں سے تازہ پانی نکال کر بکریوں کے جانوروں کو سیراب کیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَقٰى لَهُمَا پھر موسیٰ نے ان دونوں عورتوں (کی بکریوں کو پانی پلا دیا)۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے حضرت موسیٰ لوگوں کو ہٹاتے ہوئے کنویں پر پہنچے اور عورتوں کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ موسیٰ نے بڑھ کر دوسرے کنویں کے منہ پر ڈھکا ہوا پتھر اکھاڑ کر الگ کر دیا یہ کنواں پہلے کنویں کے قریب تھا اور پتھر اتنا بڑا بھاری تھا کہ ایک جماعت ہی اس کو اٹھا سکتی تھی بعض لوگوں نے کہا دس آدمی اس کو اٹھاتے تھے بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے ایک ڈول پانی کھینچا اور برکت کی وجہ سے ایک ہی ڈول سے سب بکریاں سیراب ہو گئیں۔ (تفسیر مظہری)

مذکورہ واقعہ سے حاصل شدہ چند اہم فوائد:

اس واقعہ سے چند اہم فوائد حاصل ہوئے اول یہ کہ ضعیفوں کی امداد انبیاء کی سنت ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو عورتوں کو دیکھا کہ بکریوں کو پانی پلانے کے لئے کھڑی ہیں مگر لوگوں کے ہجوم کے سبب موقع نہیں مل رہا تو ان سے حال دریافت کیا۔ دوسرا یہ کہ اجنبی عورت سے بوقت ضرورت بات کرنے میں مضائقہ نہیں جب تک کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ تیسرا یہ کہ اگرچہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جبکہ عورتوں پر پردہ لازم نہیں تھا جس کا سلسلہ اسلام کے بھی ابتدائی زمانہ تک جاری رہا۔ ہجرت مدینہ کے بعد عورتوں کے لئے پردہ کے احکام نازل ہوئے، لیکن اس وقت بھی پردہ کا جو اصل مقصد ہے وہ طبعی شرافت اور حیاء کے سبب عورتوں میں موجود تھا کہ ضرورت کے باوجود مردوں کے ساتھ اختلاط گوارا نہ کیا اور تکلیف اٹھانا قبول کیا۔ چوتھا یہ کہ عورتوں کا اس طرح کے کاموں کے لئے باہر نکلنا اس وقت بھی پسندیدہ نہیں تھا اسی لئے انہوں نے اپنے والد کے معذور ہونے کا عذر بیان کیا۔ (معارف القرآن)

ثُمَّ تَوَلّٰى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّيْ لِمَا
پھر ہٹ کر آیا چھاؤں کی طرف بولا اے رب تو جو چیز
اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ
اتارے میری طرف اچھی میں اس کا محتاج ہوں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ سے دعاء:

یعنی اے اللہ کسی عمل کی اجرت مخلوق سے نہیں چاہتا۔ ہاں تیری طرف سے کوئی بھلائی پہنچے اس کا ہمہ وقت محتاج ہوں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "عورتوں سے پہچانا کہ یہ چھاؤں پڑتا ہے مسافر ہے۔ دور سے آیا ہوا، تھکا، بھوکا۔ جا کر اپنے باپ سے کہا (وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے علی قول المشہور) ان کو در کار تھا کہ کوئی مرد نیک بخت جو بکریاں چراوے اور بیٹی بھی بیاہ دیں۔" (موضح) (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا موسیٰ جب مدین کے کنویں پر پہنچے تو وہاں چرواہوں کو اپنے جانوروں کو پانی پلاتے پایا جب وہ فارغ ہو کر وہاں سے ہٹ گئے اور پتھر کنویں کے منہ پر رکھ دیا پتھر اتنا بھاری تھا کہ دس آدمیوں سے کم اس کو نہیں اٹھا سکتے تھے حضرت موسیٰ نے دو عورتوں کو الگ کھڑے دیکھ کر پوچھا تمہاری اس کنارہ کشی کا کیا مقصد ہے عورتوں نے وجہ بیان کی حضرت موسیٰ نے جا کر پتھر اٹھا دیا پھر پانی کھینچا اور صرف ایک ہی ڈول کھینچا تھا کہ سب بکریاں سیراب ہو گئیں عورتوں نے جا کر اپنے باپ سے واقعہ بیان کیا اس کے بعد حضرت موسیٰ سایہ میں چلے گئے اور کہا رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ الخ۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ خَيْرٍ یعنی کھانا تھوڑا ہو یا بہت۔ فَقِيْرٌ یعنی محتاج ہوں سائل ہوں چونکہ لفظ فقیر اپنے اندر سوال کا معنی رکھتا ہے۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا موسیٰ نے اللہ سے ایک لقمہ طلب کیا جس سے اپنی کمر سیدھی کر سکیں۔ امام باقر نے فرمایا موسیٰ اس وقت کھجور کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے اس لئے من خیر فقیر فرمایا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ نے "رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ" کہا حالانکہ آپ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت آپ چھوارے کے ایک ٹکڑے کے محتاج تھے۔

مجاہد نے کہا حضرت موسیٰ نے سوائے خیر کے اور کچھ نہیں مانگا۔ بعض علماء نے کہا اس کا مطلب یہ ہے یعنی اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے خیر عطا فرمائی ہے (خیر سے مراد ہے دین اور حکمت) اس لئے میں فقیر ہوں فرعون کی مذہبی مخالفت میں نے کی اس لئے میری یہ حالت ہوئی جب تک حضرت موسیٰ فرعون کے پاس رہے بڑے عیش سے رہے (پھر مخالفت مذہبی نے اختلاف پیدا کر دیا اور آخر یہ نوبت آ گئی کہ دانہ دانہ کے محتاج ہو گئے اس کلام سے حضرت موسیٰ کا مقصد تھا اظہار مسرت و ادائے شکر۔

میں کہتا ہوں کہ تفسیر پر یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ موسیٰ نے کہا اے میرے رب تو نے مجھے دین اور علم عطا فرمایا میں محتاج ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ مجھے عطا فرما یہی مضمون رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کا ہے۔

میں کہتا ہوں انزلت کو نزول سے بھی مشتق قرار دیا جا سکتا ہے اور نزول کا معنی ہے طعام مہمانی یعنی اے میرے رب جو کھانا تو فراہم کرے میں اس کا محتاج اور سائل ہوں۔ (مظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حالت:

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس کنویں کے منہ کو ان چرواہوں نے ایک بڑے پتھر سے بند کر دیا تھا جس کو دس آدمی مل کر سرکا سکتے تھے آپ نے تن تنہا اس پتھر کو ہٹا دیا اور ایک ہی ڈول نکالا تھا جس میں خدا نے برکت دی اور ان دونوں لڑکیوں کی بکریاں آسودہ ہو گئیں۔ اب آپ تھکے ہارے بھوکے پیاسے ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ مصر سے مدین تک پیدل بھاگے دوڑے آئے تھے پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے، کھانے کو کچھ پاس نہیں تھا درختوں کے پتے اور گھاس پھوس کھاتے رہے تھے پیٹ پیٹھ سے لگ رہا تھا اور گھاس کا سبز رنگ باہر سے نظر آ رہا تھا۔ آدھی کھجور سے بھی اس وقت آپ ترسے ہوئے تھے۔ حالانکہ اس وقت کی ساری مخلوق سے زیادہ برگزیدہ خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ تھے، صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

وہ درخت جس کے سایہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھے تھے:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو رات کا سفر کر کے میں مدین گیا اور وہاں کے لوگوں سے اس درخت کا پتہ پوچھا جس کے نیچے خدا کے کلیم نے سہارا لیا تھا۔ لوگوں نے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک سرسبز درخت ہے۔ میرا جانور بھوکا تھا اس نے اس میں منہ ڈالا پتے منہ میں لے کر بڑی دیر تک بدقت چباتا رہا لیکن آخر اس نے نکال ڈالے۔ میں نے کلیم خدا کے لئے دعا کی اور وہاں سے واپس لوٹ آیا۔ اور روایت میں ہے کہ آپ اس درخت کو دیکھنے گئے تھے جس سے خدا تعالیٰ نے آپ سے باتیں کی تھیں جیسے کہ آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سدی فرماتے ہیں کہ یہ ببول کا درخت تھا۔ الغرض اس درخت تلے بیٹھ کر آپ نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اے رب! میں تیرے احسانوں کا محتاج ہوں عطاؒ کا قول ہے کہ اس عورت نے بھی آپ کی دعا سنی۔ (تفسیر ابن کثیر)

قوم شعیب علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں:

طبرانی کی ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت سلمہ بن سعد غزی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی طرف سے ایلچی بن کر رسول اللہ علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعیب کی قوم کو اور موسیٰ کی سسرال والوں کو مرحبا ہو تمہیں ہدایت کی گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت شعیب کے بھتیجے تھے کوئی کہتا ہے قوم شعیب کے ایک مومن مرد تھے بعض کا قول ہے شعیب علیہ السلام کا زمانہ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے بہت پہلے کا ہے ان کا قول قرآن میں اپنی قوم سے یہ مروی ہے کہ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ قوم لوط کی قوم تم میں سے کچھ دور نہیں۔ اور یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ لوطیوں کی ہلاکت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی تھی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کا زمانہ بہت لمبا زمانہ ہے۔ تقریباً چار سو سال کا جیسے اکثر مورخین کا قول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ
پھر آئی اس کے پاس ان دونوں میں سے ایک چلتی تھی شرم سے

ایک بی بی کی واپسی:

جیسا کہ شریف اور پاکباز عورتوں کا قاعدہ ہے۔ کہتے ہیں کہ شرم کے مارے چہرہ چھپا کر بات کی۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا وہ عورت بے باک نہ تھی کہ بے جھجک مردوں میں گھستی پھرتی بلکہ موسیٰ کے پاس دبتی چپتی اور کرتے کی آستین منہ پر ڈالے شرماتی آئی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ
بولی میرا باپ تجھ کو بلاتا ہے کہ بدلے میں دے حق
اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ
اس کا کہ تو نے پانی پلا دیا ہمارے جانوروں کو

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے حضرت شعیب کا پیغام:

حضرت موسیٰ مدین میں نئے نئے صاحب ورود تھے۔ اس نے اپنے نفس سے خیر متوقع جو پر خیر تھی تو قبول ہو نہ کرتے۔ انجو عورت کے ساتھ ہوئے۔ چلتے ہیں۔ چلتے وقت ان کو ہدایت فرمائی کہ میں آگے چلوں گا تم پیچھے آنا ہر جگہ پر نظر کرنے کی نوبت آئے۔ چنانچہ وہ پیچھے پیچھے راستہ بتاتی ہوئی چلیں۔

...ایک عورت موسیٰ کو پانی پلانے کی اجرت دینے کے لئے آئی تھی اور اس غرض سے موسیٰ کو طلب کیا تھا اور موسیٰ اس کے ساتھ گئے تھے۔

ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے کوئی نبی مبعوث نہیں کیا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے بھی؟ فرمایا میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط (یعنی چند جو چاندی) پر چراتا تھا۔ رواہ البخاری۔ یہ حدیث بھی ذکر کی ہے۔ حضرت موسیٰ نے اپنی شرمگاہ کی عفت اور پیٹ کی حرمت کے لئے آٹھ یا دس سال تک اپنے آپ کو مزدوری پر دیا تھا۔

نیکی پر اجرت کا مسئلہ

شیخ نے تعلیم قرآن یا امامت یا اذان غرض کسی عمل پر جو خود عبادت مقصودہ ہے یا عبادت مقصودہ کی شرط ہے اجرت لینا اور ٹھہرانا جائز نہیں، ہاں جو امر جائز خود مباح ہے (عبادت اور نیکی نہیں ہے) اور نیت صالحہ کے بعد وہ طاعت بن جاتا ہے اس کی اجرت لینی اور ٹھہرانی جائز ہے امام شافعی نے تو اذان کی اجرت کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ متاخرین حنفیہ نے بھی تعلیم قرآن کی اجرت کو درست مانا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ
پھر جب پہنچا اُس کے پاس اور بیان کیا اُس نے احوال کہا
لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ
مت ڈر بچ آیا تو اس قوم بے انصاف سے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت شعیب علیہ السلام کی تسلی وامان:

موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب کو اپنی ساری سرگزشت سنائی۔ انہوں نے تسلی دی اور فرمایا کہ اب تو اُس ظالم قوم کے پنجہ سے بچ نکلا۔ انشاء اللہ تم...

چھٹکارا پا گئے (مدین فرعون کی حدود سلطنت سے باہر تھا)۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ
بولی ان دونوں میں سے ایک اے باپ اس کو نوکر رکھ لے البتہ بہتر نوکر
مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ
جس کو تو رکھنا چاہے وہ ہے جو زور آور ہو امانتدار

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت وامانت

یعنی موسیٰ میں دونوں باتیں موجود ہیں زور بھی ہے (وہ کنوئیں کا ڈول اکیلے کھینچ لینا) اور امانتدار بھی جیسا کہ عفیف ہونے سے (تفسیر عثمانی)

یعنی جس کو آپ کام پر رکھیں اس کا کام پورا کرنے کی طاقت رکھنا اور امانتدار ہونا ضروری ہے بہترین کارگزار وہی ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو (موسیٰ میں یہ دونوں اوصاف موجود ہیں اس لئے یہ بہترین اجیر ہوں گے) استاجرت ماضی کا صیغہ بجائے مضارع کے بولنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے ان دونوں اوصاف کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔

حضرت شعیبؑ کی صاحبزادی کی دانائی:

شعیب نے اپنی تاریخ میں حضرت ابو ذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکی سے اس کے باپ نے پوچھا تجھے اس کی قوت وامانت کا حال کیسے معلوم ہوا لڑکی نے کہا کنوئیں کے منہ سے جو بھاری پتھر اٹھا دیا جس کو دس آدمیوں سے کم (یا چالیس سے کم) نہیں اٹھاتے یہ تو اس کی طاقت ہے اور امین ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ اس نے مجھ سے پیچھے پیچھے رہنے کو کہا تھا تاکہ ہوا کی وجہ سے میری جسم پنڈلی پر اس کی نظر نہ پڑے۔

تین زیرک آدمی

حضرت ابن مسعود نے فرمایا تین آدمی بڑے زیرک اور ہوشیار تھے شعیب کی لڑکی۔ یوسف کا ساتھی جس نے کہا تھا عسی ان ینفعنا اور ابوبکر جنہوں نے اپنی زندگی میں عمر کو خلیفہ بنا دیا۔

اکثر اہل علم نے کہا چھوٹی سے نکاح کیا تھا جس کا نام صفورہ تھا یہی لڑکی موسیٰ کو بلانے گئی تھی۔ بزار اور طبرانی نے حضرت انس کی روایت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ذر کی مرفوع روایت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سے دریافت کیا جائے کہ موسیٰ کا نکاح کس لڑکی سے ہوا تھا تو تم کہہ دینا چھوٹی سے کیا تھا وہی موسیٰ کے پاس آئی تھی اور اس نے کہا تھا یا ابت استاجرہ حضرت موسیٰ نے چھوٹی سے ہی نکاح کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

ملازم میں دو صفتیں ہونا چاہئیں ایک کام کی قوت وصلاحیت دوسرے

امانتداری ان کے پتھر اٹھا کر پانی پلانے سے ان کی قوت وقدرت کا اور راستہ میں اپنی ... پیچھے رہنے سے امانتداری کا تجربہ ہو چکا ہے۔

ملازمت یا عہدہ سپرد کرنے کے لئے دو اہم شرطیں

حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی کی زبان پر اللہ تعالیٰ نے بڑی حکمت کی بات جاری فرمائی۔ آج کل سرکاری عہدوں اور ملازمتوں کے لئے صرف کام کی صلاحیت اور ڈگریوں کو تو دیکھا جاتا ہے مگر دیانت وامانت کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عام دفتروں اور عہدوں کی کارروائی میں پوری کامیابی کے بجائے رشوت خوری، اقربا پروری وغیرہ کی وجہ سے قانون معطل ہو کر رہ گیا ہے۔ کاش لوگ اس قرآنی ہدایت کی قدر کریں تو سارا نظام درست ہو جائے۔ (مفتی اعظم)

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ
کہا میں چاہتا ہوں کہ بیاہ دوں تجھ کو ایک بیٹی اپنی ان دونوں میں سے
هٰتَیْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ
اس شرط پر کہ تو میری نوکری کرے آٹھ برس

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی:

شاید یہی خدمت لڑکی کا مہر تھا۔ ہمارے حنفیہ کے ہاں اب بھی اگر بالغہ راضی ہو تو اس طرح کی خدمت اقرب مہر ٹھہرانا درست ہے (كذا يفهمه الشيخ الا نور اطال الله بقاءه) یہاں صرف نکاح کی ابتدائی گفتگو مذکور ہے۔ ممکن ہے حضرت شعیب نے نکاح کرتے وقت ایک لڑکی کی تعیین کر کے ... رضامندی حاصل کر لی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

بیٹی کے نکاح میں ایک نبوی طریقہ:

قَالَ اِنِّیْۤ اُرِیْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام نے خود ہی اپنی طرف سے اپنی لڑکی کو ان کے نکاح میں دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہیے کہ کوئی مرد صالح ملے تو اسکا انتظار نہ کرے کہ اسی کی طرف سے نکاح کے معاملہ کی تحریک ہو، بلکہ خود بھی پیش کر دینا سنت انبیاء ہے جیسا کہ عمر بن خطاب نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد از خود ہی صدیق اکبر اور عثمان غنی سے ان کے نکاح کی پیشکش کی تھی۔ (قرطبی)

اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَیْنِ حضرت شعیب علیہ السلام نے دونوں لڑکیوں میں سے کسی کو معین کر کے گفتگو نہیں فرمائی بلکہ اس کو مبہم رکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو آپ کے نکاح میں دینے کا ارادہ ہے مگر چونکہ یہ گفتگو باقاعدہ عقد نکاح کی گفتگو نہ تھی جس میں ایجاب وقبول گواہوں کے سامنے ہونا شرط ہے بلکہ معاملہ کی گفتگو تھی کہ آپ کو آٹھ سال کی نوکری اس نکاح کے عوض میں منظور ہو تو ہم نکاح کر دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر معاہدہ کر لیا۔ آگے یہ خود ظاہر ہے کہ باقاعدہ نکاح کیا گیا ہوگا۔

خدمت کو حق مہر بنانا: امام اعظم ابوحنیفہ سے ظاہر روایت میں یہی صورت منقول ہے کہ خدمت زوج کو مہر نہیں بنایا جا سکتا مگر ایک روایت جس پر علماء متاخرین نے فتویٰ دیا ہے یہ ہے کہ خود بیوی کی خدمت کو مہر بنانا تو شوہر کی تکریم و احترام کے خلاف ہے مگر بیوی کا کوئی ایسا کام جو گھر سے باہر کیا جاتا ہے جیسے مواشی چرانا یا کوئی تجارت کرنا اگر اس میں شرط اجارہ کے مطابق مدت معین کر دی گئی جیسے اس واقعہ میں آٹھ یا دس سال کی مدت معین ہے تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اس مدت کی ملازمت کی تنخواہ بیوی کے ذمہ لازم ہو گئی اس تنخواہ کو مہر قرار دیا جا سکتا ہے (ذكره في البدائع عن نوادر ابن سماعه) (مفتی اعظم)

مسئلہ: خدمت وغیرہ کا مہر مقرر کرنا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور ہماری شریعت میں ختم ہو گیا ہے۔ مہر کے لئے مال ہونا ضروری ہے کما قال تعالیٰ اور حدیث میں ہے۔ تفصیل کے لئے شرح ہدایہ دیکھیں۔

شعیب علیہ السلام نے بظاہر تو معاملہ اجارہ کا کیا لیکن درحقیقت ان کی قوت اور امانت دیکھ کر اپنی صاحبزادی دینے کا ارادہ فرمایا اور نور نبوت سے ان کی صلاحیت اور باطنی استعداد کا اندازہ لگایا اور آٹھ دس سال قیام کی شرط لگا کر اپنی تربیت میں رکھنا مقصود تھا کہ مقام ارادت سے ترقی کر کے کمال استقامت و تمکین پر پہنچ جائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (کاندھلوی)

بیع کے متعلق ایک مسئلہ:

اصحاب ابی حنیفہ نے اسی سے استدلال کیا ہے کہ جب کوئی شخص اس طرح کی بیع کرے کہ ان دو غلاموں میں سے ایک کو ایک سو کے بدلے فروخت کرتا ہوں اور خریدار منظور کر لے تو یہ بیع ثابت اور صحیح ہے واللہ اعلم۔

روٹی کپڑے پر مزدور رکھنا:

اصحاب امام احمد نے اس آیت سے استدلال کرتے کہا ہے کہ کھانے پینے اور کپڑے پر کسی کو مزدوری اور کام کاج پر لگا لینا درست ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ
پھر اگر تو پورے کر دے دس برس تو وہ تیری طرف سے ہے

موسیٰ علیہ السلام کے نکاح کا حق مہر:

یعنی کم از کم آٹھ برس میری خدمت میں رہنا ضروری ہوگا۔ اگر دو سال اور زائد رہے تو تمہارا تبرع ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شعیب کا یہ کلام بیٹی حضرت کی درخواست نکاح تھی عقد نکاح نہ تھا کیونکہ دونوں لڑکیوں میں سے کسی کی انہوں نے تعیین نہیں کی اور عقد نکاح کے لئے تعیین زوجہ لازم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مشورہ کے بعد حضرت شعیب نے کسی ایک لڑکی کا نکاح حضرت موسیٰ سے کر دیا ہوگا۔ لیکن یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ اپنی بکریاں آٹھ سال تک حضرت موسیٰ سے چروانے کو پورا مہر یا جزو مہر قرار دیا تھا جیسا کہ حضرت عتبہ بن منذر کی روایت سے ثابت ہوتا ہے حضرت عتبہ نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے سورت طٰسم پڑھی جب موسیٰ کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا موسیٰ نے شرمگاہ کی عفت اور پیٹ بھرنے کے لئے اپنے آپ کو آٹھ سال تک ملازمت پر دے دیا۔ (رواہ احمد وابن ماجہ)

مسئلہ: اس آیت و حدیث سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ عورت سے اس مہر پر نکاح کرنا کہ شوہر اس عورت کی بکریاں چرائے گا جائز ہے اور ہماری شریعت میں بھی ایسا نکاح جائز ہے۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصہ بیان فرمایا اور ہماری شریعت میں ایسا کرنے کی نفی نہیں کی اس سے معلوم ہوا کہ یہ عمل ہماری شریعت میں بھی جائز ہے۔

ہماری شریعت میں اس بات پر اجماع ہے کہ مہر عورت کا حق ہے عورت کے باپ کا حق نہیں ہے اور یہ واقعہ ہے کہ بکریاں حضرت شعیب کی تھیں۔ اس لئے اجماع سے ثابت ہے کہ یہ حکم شریعت شعیبی کا تھا ہماری شریعت کا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دس برس کی مدت پوری کی۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ سَتَجِدُنِيْٓ

اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو پائے گا مجھ کو

اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ

اگر اللہ نے چاہا نیک بختوں سے

یعنی کوئی سخت خدمت تم سے نہ لوں گا، تم کو میرے پاس رہ کر انشاء اللہ خود تجربہ ہو جائے گا کہ میں بری طبیعت کا آدمی نہیں۔ بلکہ خدا کے فضل سے نیک بخت ہوں، میری صحبت میں تم گھبراؤ گے نہیں، بلکہ مناسبت طبع کی وجہ سے انس حاصل کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ

بولا یہ وعدہ ہو چکا میرے اور تیرے بیچ جونسی مدت ان دونوں میں پوری کر دوں

فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ

سو زیادتی نہ ہو مجھ پر اور اللہ پر بھروسا اس چیز کا جو ہم کہتے ہیں

معاہدۂ نکاح کی تکمیل

یعنی مجھے اختیار ہوگا کہ آٹھ برس رہوں یا دس برس۔ بہرحال جو معاہدہ ہو چکا خدا کے بھروسے پر مجھے منظور ہے۔ اللہ کو ہی اس معاہدہ پر گواہ قرار دیتا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے بڑی مدت (یعنی دس برس) پورے کئے۔ (مسند...)

مقصد یہ ہے کہ آٹھ سال گزرنے پر جیسے مجھ سے مزید مطالبہ نہیں کیا جا سکتا ایسے ہی آٹھ سال گزرنے پر مجھ سے مزید کام پر آپ مجبور نہیں کر سکتے۔ یہ مطلب کہ اگر آٹھ سال گزرنے کے بعد میں کام چھوڑ دوں گا تو معتدی نہ قرار پاؤں۔ مجھے قصوروار نہ سمجھا جائے۔

• واللہ علی ما نقول وکیل اور ہم (باہم) جو کچھ کہہ رہے ہیں اللہ اس کا گواہ ہے۔ وکیل وہ شخص ہوتا ہے جس کے سپرد کوئی معاملہ کیا جائے لیکن جب وکیل سے مراد گواہ ہو... تو علی سے اس کا تعدیہ آیا ہے۔

حضرت شعیب کا گریہ شوق

حضرت شداد بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعیب نبی اتنا روئے کہ بینائی جاتی رہی اللہ نے دوبارہ بینائی عطا فرما دی پھر بھی اتنا روئے کہ آنکھیں جاتی رہیں اللہ نے پھر بینائی عنایت کر دی اور فرمایا اس رونے کی کیا وجہ ہے کیا جنت کے شوق میں روتے ہو یا دوزخ کے ڈر سے؟ شعیب نے عرض کیا نہیں اے میرے رب (نہ میں جنت کے شوق میں گریہ کرتا ہوں نہ دوزخ کے خوف سے) بلکہ تیرے دیدار کے شوق میں روتا ہوں۔ اللہ نے وحی بھیجی اگر یہ بات ہے تو میرا دیدار تم کو مبارک ہو (یعنی نابینائی کی حالت میں بھی میرا دیدار تم کو ... پہنچ ... گی) اے شعیب میں نے ... موسیٰ کو ... (تفسیر مظہری)

حضرت شعیب کی لاٹھی

تکمیل معاہدہ کے بعد حضرت شعیب نے اپنی لڑکی ... حضرت موسیٰ کو لاٹھی ... دو ... یہ لاٹھی ... کی تھی۔ اس روایت کے اس سے متعلق مختلف روایات ہیں حضرت آدم اس کو جنت سے لے کر آئے تھے وفات آدم کے بعد جبرئیل نے وہ لے لی اور اپنے پاس رکھ لی یہاں تک کہ ایک رات کو موسیٰ ... کو دے دی یہ عکرمہ کا خیال ہے۔ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ وہ لاٹھی جنت کے درخت ... کی تھی حضرت آدم اس کو جنت سے ساتھ لائے تھے پھر ... وارث ہوتا رہا یہاں تک کہ ... حضرت نوح تک پہنچی پھر حضرت ابراہیم تک آئی پھر حضرت شعیب کو ملی پھر شعیب نے موسیٰ کو دے دی۔

لاٹھی پر اختلاف کا فیصلہ:

سدی کا بیان ہے ایک فرشتہ نے آدمی کی شکل میں آ کر وہ لاٹھی حضرت

شعیب کے پاس امانت رکھی تھی۔ جب حضرت شعیب نے اپنی لڑکی کو لاٹھی لانے کا حکم دیا تو لڑکی وہی لاٹھی اٹھا لائی حضرت شعیب نے فرمایا یہ لاٹھی واپس لے جاؤ دوسری لاکر دو لڑکی نے وہ لاٹھی لے جاکر ہاتھ سے ڈال دی اور دوسری اٹھانی چاہی مگر سوائے اس کے اور کوئی لاٹھی ہاتھ میں نہ آئی آخر اسی کو اٹھالائی حضرت شعیب نے پھر واپس کر دی یہ لوٹا پھیری تین مرتبہ ہوئی بالآخر حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کو وہی لاٹھی دے دی اور آپ اس کو لے کر چلے گئے۔ حضرت شعیب کو اس کے بعد پشیمانی ہوئی اور آپ نے کہا وہ تو ایک شخص کی امانت تھی میں نے یہ کیا حرکت کی یہ خیال آتے ہی حضرت موسیٰ کے پیچھے گئے اور ان سے لاٹھی واپس مانگی حضرت موسیٰ نے دینے سے انکار کر دیا کہ لاٹھی تو میری ہو چکی دونوں میں اختلاف ہوا آخر دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ جو شخص بھی سامنے سے آئے گا اس کے فیصلہ کی ہم دونوں پابندی کریں گے ایک فرشتہ بصورت انسانی سامنے سے آیا اس شخص نے فیصلہ دیا اس لاٹھی کو زمین پر پھینک دو پھر جو اٹھا لے لاٹھی اسی کی ہے موسیٰ نے لاٹھی زمین پر ڈال دی حضرت شعیب نے بہ چند اس کو (اٹھا) لینے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ نے اس کو اٹھا لیا حضرت شعیب نے وہ لاٹھی حضرت موسیٰ کے پاس چھوڑ دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بکریاں:

اس کے بعد جب موسیٰ نے مدت مقررہ پوری کر دی اور حضرت شعیب نے اپنی لڑکی ان کو دے دی تو حضرت موسیٰ نے بی بی سے کہا تم اپنے والد سے کہو کہ کچھ بکریاں ہم کو دے دیں بیوی نے جا کر اپنے باپ سے بکریوں کی طلب کی حضرت شعیب نے فرمایا اس سال جو دو رنگا بچہ ہوگا وہ تم دونوں کا ہوگا حضرت شعیب موسیٰ کو حسن خدمات کا بدلہ دینا چاہتے تھے اور اپنی لڑکی پر بہت مہربانی اور مرحمت کرنے کے خواہشمند تھے انہوں نے اپنی لڑکی سے فرمایا اس سال جو نر و مادہ چتکبرے (ابلق۔ دورنگے) بچے پیدا ہوں وہ میں نے تم کو دیئے۔ اللہ نے موسیٰ کو خواب میں بتا دیا کہ بکریوں کے پینے کے پانی میں لاٹھی ماریں موسیٰ نے بیدار ہو کر پانی میں لاٹھی ماری پھر بکریوں کو وہی پانی پلایا جس بکری نے وہ پانی پیا اس کا بچہ ابلق ہی پیدا ہوا۔ حضرت شعیب سمجھ گئے یہ خدا داد نصیب ہے اللہ نے موسیٰ کے لئے یہ رزق بھیجا ہے چنانچہ آپ نے اپنا قول پورا کیا اور سب ابلق بچے حضرت موسیٰ کو دے دیئے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ
پھر جب پوری کر چکا موسیٰ وہ مدت اور لے کر چلا اپنے گھر والوں کو دیکھی

مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا
کوہ طور کی طرف سے ایک آگ کہا اپنے گھر والوں کو ٹھہرو
اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ
میں نے دیکھی ہے ایک آگ شاید لے آؤں تمہارے پاس وہاں کی کچھ خبر
اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّاۤ
یا انگارا آگ کا تاکہ تم تاپو پھر جب
اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ
پہنچا اس کے پاس آواز ہوئی میدان کے داہنے کنارے سے
فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ
برکت والے تختہ میں ایک درخت سے

یہ وہی درخت تھا جس پر آگ بھڑکتی ہوئی نظر آئی۔ (تفسیر عثمانی)

تکمیل مدت اور مصر واپسی:

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ پھر جب موسیٰ نے مدت مقررہ پوری کر دی یعنی مدت خدمت سے فارغ ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ سعید بن جبیر نے کہا مجھ سے حیرہ کے رہنے والے ایک یہودی نے دریافت کیا موسیٰ نے کون سی مدت پوری کی تھی میں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں حبر العرب (علامہ عرب یعنی حضرت ابن عباس سے) پوچھ کر بتاؤں گا چنانچہ میں حضرت ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا فرمایا سب سے زیادہ اور خوشگوار ترین (جس سے فریقین کو پورا اطمینان حاصل ہو گیا) مدت پوری کی اللہ کا رسول جب کوئی بات کہتا ہے تو کرتا بھی ہے۔ بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابوذر نے فرمایا (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جب تم سے پوچھا جائے کہ موسیٰ نے کون سی مدت پوری کی تو کہہ دینا دونوں مدتوں میں جو بہتر اور (حسن سلوک میں اعلیٰ تھی یعنی) زیادہ وفاء عہد والی۔ رواہ البزار مجاہد نے کہا جب حضرت موسیٰ مدت مقررہ پوری کر چکے تو اس کے بعد بھی اپنے خسر کے پاس دس سال اور قیام پذیر رہے کل بیس سال رہے اس کے بعد مصر کو واپس جانے کی اجازت طلب کی حضرت شعیب نے اجازت دے دی اور آپ روانہ ہو گئے۔

صحرائے سینا میں نور نظر آنا:

یعنی جب طور سیناء کے قریب صحراء میں پہنچے اور رات تاریک تھی موسم سرمائی سردی بھی سخت تھی اور راستہ بھٹک گئے تھے۔ جب موسیٰ آگ پر پہنچے

[illegible]

مقطعة [illegible] موسیٰ [illegible]

کلامِ الٰہی۔ [illegible] حرف اور آواز [illegible] اور سب چیزوں [illegible] صورت میں [illegible] اہل ایمان [illegible] صورت میں نمودار ہو [illegible] اہل ایمان [illegible] خدا [illegible] صورت [illegible] ایمان خدا تعالیٰ کا [illegible] صورت [illegible] اس کے نہ کوئی صورت ہے اور نہ کوئی مثال ہے [illegible] میں اس کو دیکھا جائے گا لیکن اس کا دیدار کسی صورت کے [illegible] اس کا تحمل کرسکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھو [illegible] بغیر حرف اور بغیر آواز کے [illegible]

أَنْ يَّمُوسَىٰٓ إِنِّيٓ أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَٰلَمِينَ
[illegible]

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَءَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَآنٌّ
[illegible]

وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَٰمُوسَىٰٓ أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ
[illegible]

إِنَّكَ مِنَ الْءَامِنِينَ اسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ
[illegible]

تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ
[illegible]

[illegible] مفصل واقعات سورۂ طٰہٰ وغیرہ میں [illegible]

وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ
[illegible]

[illegible]

خوف کا علاج [illegible]

فَذَٰنِكَ بُرْهَٰنَانِ مِن رَّبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِي۟هِۦٓ
[illegible]

[illegible]

إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ قَالَ رَبِّ إِنِّى قَتَلْتُ
مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ
[illegible]

[illegible]

وَأَخِى هَٰرُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّى لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ
مَعِىَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِىٓ إِنِّىٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ
[illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت:

[illegible] اس وقت [illegible] (تفسیر [illegible])

[illegible] مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے اور میرا بھائی ہارون [illegible] حضرت موسیٰ نے اپنے [illegible]

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا
[illegible] تیرے بھائی سے اور دیں گے تم دونوں کو غلبہ
يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا ۚ بِآيَاتِنَا ۚ أَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ
[illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواستوں کی منظوری

[illegible] (تفسیر [illegible])

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور فرعون کی مرعوبیت:

[illegible] ملک میں سحرہ و شعبدہ [illegible] مقابلہ میں کرتا ہوں اور اس کی برائی سے تیری پناہ [illegible] فرعون اور فرعونیوں کے پاس رسالت لے [illegible] پیش [illegible]

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا
[illegible]

مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُفْتَرًى
[illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جادو کا الزام:

یعنی معجزات دیکھ کر کہنے لگے جادو ہے اور جو باتیں خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے وہ بھی جادو کی باتیں ہیں جو خود تصنیف کر کے لے آیا، اور دعویٰ کرنے لگا کہ خدا نے مجھ پر وحی کی ہے حقیقت میں وحی وغیرہ کچھ نہیں۔ محض [illegible] تخیل و افتراء ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ
اور ہم نے سُنا نہیں یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں

فرعون کی دلیل:

یعنی جو باتیں یہ کرتا ہے (مثلاً ایک خدا نے ساری دنیا کو پیدا کیا، اور [illegible] کے دوبارہ زندہ کرے گا پھر حساب کتاب ہوگا اور [illegible] نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، وغیرہ وغیرہ) اپنے اگلے بزرگوں سے ہمارے [illegible] کبھی نہیں [illegible] (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ
[illegible]
مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ
[illegible]
إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ
[illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تقریر:

[illegible] میں سچا ہوں [illegible] وہ کامیاب [illegible] (تفسیر عثمانی)

[illegible] آخرت [illegible] اصل مقصد [illegible] (اصل مقصد نہیں ہے)

[illegible]

ثواب پر ہوتا ہے اور عقاب۔ عقوبت اور معاقبت کا اطلاق برائیوں کے انجام بد یعنی عذاب پر ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ
اور بولا فرعون اے دربار والو مجھ کو تو معلوم نہیں تمہارا
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ
کوئی حاکم ہو میرے سوا سو آگ دے اے ہامان میرے واسطے گارے کو
فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى
پھر بنا میرے واسطے ایک محل تاکہ میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے رب کو
وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ
اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے

فرعون کی حماقت:

یعنی اپنے وزیر ہامان کو کہا کہ اینٹوں کا ایک پژاوہ لگوا تاکہ پکی اینٹوں کی خوب اونچی عمارت بنوا کر اور اوپر چڑھ کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک آؤں کہ کہاں ہے اور کیسا ہے۔ کیونکہ زمین میں تو مجھے کوئی خدا اپنے سوا نظر نہیں پڑتا۔ آسمان میں بھی خیال تو یہی ہے کہ کوئی نہ ہوگا، تاہم موسیٰ کی بات کا جواب ہو جائے گا۔ یہ بات فرعون نے استہزاء و تمسخر سے کہی اور ممکن ہے اس قدر بدحواس و پاگل ہو گیا ہو کہ اس طرح کی پوچ اور مضحکہ خیز تجویزیں سوچنے لگا۔ (تفسیر عثمانی)

اور فرعون نے کہا اے سردارو میں تو اپنے سوا تمہارا کوئی اور خدا نہیں جانتا۔

فرعون نے اپنے سوا کسی دوسرے خدا کو جاننے کی نفی کی خدا کے وجود کی نفی نہیں کی کیونکہ اس کو اپنے سوا دوسرے خدا کے نہ ہونے کا جزم نہ تھا۔

ہامان فرعون کا وزیر تھا فرعون نے اس کو پختہ اینٹیں بنوانے کا حکم دیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فرعون نے ہی سب سے پہلے پختہ اینٹیں بنوا کر عمارت بنوائی۔ بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کہتے ہیں کہ ہامان نے بکثرت راجوں اور مزدوروں کو جمع کیا یہاں تک کہ مزدوروں کے علاوہ پچاس ہزار معمار اکٹھے ہو گئے اینٹیں پکانے والے چونہ تیار کرنے والے لکڑی کا کام کرنے والے پیتل ڈھالنے والے اور دوسرے کاریگر ان کے علاوہ تھے چنانچہ سب نے مل کر اتنی مضبوط اور اونچی عمارت بنا دی کہ کسی شخص کی عمارت (اس زمانہ تک) اتنی اونچی نہیں بنی تھی۔ اللہ نے لوگوں کی آزمائش کرنی چاہتا تھا عمارت سے فارغ ہو کر فرعون اور اس کے ساتھی اوپر چڑھ گئے فرعون نے اوپر پہنچ کر تیر اندازوں کو حکم دیا کہ اوپر کی طرف تیر چھوڑیں تیر اندازوں نے اوپر کو تیر پھینکے تیر خون آلود ہو کر واپس لوٹے فرعون بولا میں نے موسیٰ کے خدا کو قتل کر دیا فرعون کو خچر پر سوار کر کے اوپر چڑھایا گیا تھا اللہ نے غروب آفتاب کے وقت جبرئیل کو بھیجا جبرئیل نے اپنا پر خچر کے مار کر اس کے تین ٹکڑے کر دیے ایک ٹکڑا فرعون کے لشکر پر گرا جس سے لاکھوں آدمی مارے گئے ایک ٹکڑا سمندر میں جا گرا اور ایک ٹکڑا مغرب میں جن جن لوگوں نے عمارت بنانے میں کچھ بھی کام کیا تھا سب ہی ہلاک ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
اور بڑائی کرنے لگے وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق
وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ
اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف پھر کر نہ آئیں گے پھر پکڑا ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو
فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ
پھر پھینک دیا ہم نے ان کو دریا میں سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام گنہگاروں کا

فرعون کا تکبر اور ہلاکت:

یعنی انجام سے بالکل غافل ہو کر سلطنت میں تکبر کرنے لگے یہ سمجھ کر کہ کوئی ان کی گردن نیچی کرنے والا اور سر توڑنے والا بھی موجود ہے۔ آخر خداوند قہار نے اس کو مع لشکر سمیت بحر قلزم میں غرق کر دیا تاکہ دکھلا دے کہ بدبخت ظالموں کا جو خدا سے غافل ہوں ایسا ہی انجام ہوا کرتا ہے۔ غرق وغیرہ کے متعلقات کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بڑائی فقط اللہ کی ہے:

حق یعنی استحقاق بڑائی کا حق بڑا ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے جس سے بڑا اور اس کے برابر بڑا اس کی نسبت سے پھر بھی کوئی دوسرا بڑا نہ ہو اور یہ صرف خدا تعالیٰ کی ہے (اس کی بڑائی سے کسی دوسرے کی نسبت ہی نہیں نہ دوئی کی نہ برابری کی) نہ کسی اور حقیقت کوئی بڑا ہے ہی نہیں آخری درجہ پر پہنچا ہوا ہی ہے اللہ نے فرمایا بڑائی میری چادر ہے اور بزرگی میری ازار (یعنی عظمت و کبریائی میرا ہی لباس ہے) جو شخص بھی اس بارے کو مجھ سے کھینچے گا (وراثتاً اس کو خود پہننا چاہے گا) میں اس کو دوزخ میں پھینک دوں گا۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ بسند صحیح عن ابی ہریرہ وعن ابن عباس۔ حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے بڑائی میری چادر ہے جو بھی میری چادر کو مجھ سے کھینچے گا میں اس کو توڑ دوں گا۔ (ہلاک کر دوں گا) سمویہ نے حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں جو شخص مجھ سے دونوں میں سے کسی کو بھی کھینچے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ

اور کیا ہم نے ان کو پیشوا کہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف

گمراہی کے امام:

یعنی یہاں ضلالت وطغیان میں پیش پیش تھے اور لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے وہاں بھی ان کو دوزخیوں کے آگے امام بن کر رہنا ہے گا یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ (سورہ ہود رکوع ۹) (تفسیر عثمانی)

وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ

اور قیامت کے دن ان کو مدد نہ ملے گی

یعنی یہاں کے لشکر وہاں کام نہ دیں گے نہ کسی طرف سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ اپنے لاؤ لشکر سمیت جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً

اور پیچھے رکھ دی ہم نے ان پر اس دنیا میں پھٹکار

وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ

اور قیامت کے دن [illegible]

یعنی آخرت کی برائی اور بدانجامی تو الگ رہی، دنیا ہی میں اب قیامت تک ایسوں پر لعنت بھیجتے رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَعْنَةً یعنی رحمت سے دوری یا بددعا یعنی ہم نے ان کی لعنت ان کے پیچھے لگا دی کہ اللہ اور ملائکہ اور مومن بندے ان پر لعنت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ الْمَقْبُوْحِیْنَ یعنی رحمت سے دور ملعون لوگوں میں سے ابوعبیدہ نے ترجمہ کیا ہلاک کردہ لوگوں میں سے حضرت ابن عباس نے فرمایا بگڑی ہوئی صورتوں والوں میں سے چہرے کالے آنکھیں نیلی۔ عرب کہتے ہیں قَبَحَهُ اللّٰهُ اللہ نے اس کی صورت بگاڑ دی اور ہر بھلائی سے اس کو دور کر دیا جو عرب کہتے ہیں قبحه قبحا وقبوحا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب بعد اس کے کہ ہم نے غارت

اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى

کر ڈالیں پہلی جماعتیں

حکمت عملی کی تبدیلی:

نزول توراۃ کے بعد دنیا میں ایسے غارت کے عذاب کم آئے۔ بجائے ابلاک دفعی کے جہاد کا طریقہ شروع کر دیا گیا کیونکہ کچھ لوگ احکام شریعت پر قائم رہ جاتے۔ (تفسیر عثمانی)

بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً

جھانکنے والی لوگوں کو اور راہ کی سوجھ اور رحمت

لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ

تاکہ وہ یاد رکھیں

تورات کے مضامین:

یعنی تورات جو موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ بڑی فہم و بصیرت عطا کرنے والی، لوگوں کو راہ ہدایت پر چلانے والی اور مستحق رحمت بنانے والی کتاب تھی۔ تا لوگ اسے پڑھ کر اللہ کو یاد رکھیں۔ احکام الٰہی سیکھیں اور پند ونصیحت حاصل کریں۔ حق تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد ہدایت میں تورات شریف ہی کا درجہ ہے اور آج جبکہ اس کے پیروؤں نے اسے ضائع کر دیا، قرآن ہی اس کے ضروری علوم وہدایت کی حفاظت کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سابقہ کتابوں کا مطالعہ:

حدیث میں یہ واقعہ معروف ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ تورات میں جو حسن نصیحت کی باتیں ہیں ان کو پڑھیں تاکہ ان کے علم میں ترقی ہو، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر فرمایا کہ اگر اس وقت موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع لازم ہوتا (جس کا حاصل یہ ہوتا ہے، کہ آپ کو صرف میری تعلیمات پر عمل چاہیے، تورات وانجیل کا دیکھنا آپ کے لئے درست نہیں۔ غور کرنے سے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تورات کا جو اس وقت اہل کتاب کے پاس تھا وہ محرف شدہ تھا اور زمانہ ابتداء اسلام کا تھا جس میں نزول قرآن کا سلسلہ جاری تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی حفاظت کے پیش نظر اپنی حدیث لکھنے سے بھی بعض حضرات کو روک دیا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ قرآن کے ساتھ احادیث کو جوڑ دیں، ان حالات میں کسی دوسری منسوخ شدہ آسمانی کتاب کا پڑھنا پڑھانا ظاہر ہے کہ احتیاط کے خلاف تھا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلقاً تورات وانجیل کے مطالعے اور پڑھنے سے منع فرما دیا گیا ہے۔ ان کتابوں کے وہ حصے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق پیشین گوئیوں پر مشتمل ہیں ان کا مطالعہ کرنا اور نقل کرنا

صحابہ کرام سے ثابت اور معروف و مشہور ہے حضرت عبداللہ بن سلام اور کعب احبار اس معاملہ میں سب سے زیادہ معروف ہیں۔ دوسرے صحابہ نے بھی ان پر نکیر نہیں کی۔ اس سے حاصل آیت کا یہ ہو جاتا ہے کہ تورات و انجیل میں جو غیر محرف مضامین اب بھی موجود ہیں اور بلاشبہ بہت ہیں، ان سے استفادہ درست ہے مگر ظاہر ہے کہ ان سے استفادہ صرف ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جو محرف اور غیر محرف میں فرق کر سکیں اور صحیح و غلط کو پہچان سکیں وہ علماء ماہرین ہی ہو سکتے ہیں، عوام کو بیشک اس سے اجتناب اس لئے ضروری ہے کہ وہ کسی مغالطے میں نہ پڑ جائیں، یہی حکم ان تمام کتابوں کا ہے جن میں حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ہے کہ عوام کو ان کے مطالعہ سے پرہیز کرنا چاہئے علماء ماہرین دیکھیں تو مضائقہ نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَآ
اور تو نہ تھا غرب کی طرف جب ہم نے بھیجا
إِلٰى مُوسَى الْأَمْرَ
موسیٰ کو حکم

یعنی کوہ طور کے غرب کی جانب جہاں موسیٰ کو نبوت اور تورات ملی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ نے اللہ سے کلام کیا تھا۔ اور ما کنت سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یعنی اے محمد تم وہاں موجود نہ تھے۔

إِذْ قَضَيْنَآ إِلٰى مُوسَى الْأَمْرَ یعنی جب ہم نے فرعون اور اس کی قوم کے پاس پیام لے جانے کی موسیٰ سے بات طے کی تھی۔ [illegible]

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۙ وَلٰكِنَّآ أَنْشَأْنَا
اور نہ تھا تو دیکھنے والا لیکن ہم نے پیدا کیں
قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ
کئی جماعتیں پھر دراز ہوئی ان پر مدت

ماضی کے واقعات کے تذکرہ کی حکمت:

یعنی تو اس وقت کے واقعات تو ایسی صحت و صفائی اور بسط و تفصیل سے بیان کر رہا ہے جیسے وہیں طور کے پاس کھڑا دیکھ رہا ہو۔ حالانکہ تمہارا موقع پر موجود نہ ہونا ظاہر ہے اور ویسے بھی سب جانتے ہیں تم امی ہو۔ کسی عالم کی صحبت میں بھی نہیں رہے۔ نہ ٹھیک ٹھیک صحیح واقعات کا کوئی جید عالم مکہ میں موجود تھا۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ علم کہاں سے آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اقوام میں یہ قصے تھے مگر قرن ہا قرن گزرنے سے [illegible] محرف و مبدل ہوتے جا رہے تھے اور وہ ہدایت مٹتی جا رہی تھیں لہٰذا اس علیم و خبیر کا ارادہ ہوا کہ ایک امی کی زبان سے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں اور ان حقائق و معظمت آمیز واقعات کا ایسا صحیح فوٹو دنیا کے سامنے پیش کر دیا جائے جس پر نظر کرنے سے یہ تخیل ہو تا جائے کہ اس کا پیش کرنے والا موقع پر موجود تھا اور اپنی آنکھوں سے ان سب کیفیات کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ [illegible] وہاں موجود نہ تھے۔ [illegible] جو خدا آپ کی زبان سے بول رہا ہے اور جس کے سامنے ہر غائب بھی حاضر ہے۔ یہ بیان اسی کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ یعنی آپ ان لوگوں میں نہ تھے جو موسیٰ کے پاس [illegible] کے شاہد تھے یا اس وقت موجود تھے جب موسیٰ پر نزول وحی ہو رہا تھا۔ الشاہدین سے مراد وہ ستر آدمی ہیں جن کو حضرت موسیٰ اپنے ساتھ طور پر لے گئے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ کے واقعات [illegible] تمہارے بغیر وحی اور اطلاع الٰہی کے ممکن نہیں یہ تمہارا ایک (خداداد) معجزہ ہے جو تمہارے دعویٰ نبوت کو ثابت کر رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا
[illegible]
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ
[illegible]

خواب غفلت سے بیداری کا انتظام

یعنی [illegible] مدین [illegible] جو واقعات پیش آئے ان کا اس خوبی و صحت سے بیان تو یہ [illegible] اس وقت تم شان پیغمبری کے ساتھ وہیں موجود تھے اور جس طرح آج اپنے وطن مکہ میں ملکی آیات پڑھ کر [illegible] اس وقت مدین والوں کو [illegible] بات صرف اتنی ہے کہ ہم ہمیشہ سے پیغمبر بھیجتے رہے ہیں جو دنیا کو غفلت سے چونکاتے اور گذشتہ عبرتناک واقعات یاد دلاتے رہیں۔ اسی عام عادت کے موافق ہم نے اس زمانہ میں تم کو رسول بنا کر بھیجا کہ پچھلے قصے یاد دلاؤ اور خواب غفلت سے مخلوق کو بیدار کرو۔ اس لئے ضروری ہوا کہ ٹھیک واقعات کا صحیح علم تم کو دیا جائے اور تمہاری زبان سے ادا کرایا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ إِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ
اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی لیکن

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

یہ انعام ہے تیرے رب کا

طور ومدین کی تاریخ حراء وثور میں دہرائی گئی:

یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ تم وہاں کھڑے سن نہیں رہے تھے۔ یہ حق تعالیٰ کا انعام ہے کہ آپ کو ان واقعات وحقائق پر مطلع کیا اور تمہارے ساتھ بھی اسی نوعیت کا برتاؤ کیا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا۔ گویا جبل النور (جہاں غار حراء ہے) اور مکہ مدینہ میں جبل طور اور مدین کی تاریخ دُہرادی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

امتِ محمدیہ کو نداء:

وہب کا بیان ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے محمد کا دیدار کرا دے اللہ نے فرمایا تم ہرگز وہاں تک نہیں پہنچ سکتے اور اگر تم چاہو تو میں ان کی امت کو پکاروں اور ان کی آواز تم کو سنوا دوں موسیٰ نے کہا بہت خوب، اللہ نے فرمایا اے امت محمد امت والوں نے اپنے باپوں کی پشت سے لبیک کہا۔

ابوزرعہ بن عمرو بن جریر کا قول ہے کہ اللہ نے ندا دی اے امت محمد قبل اس کے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں نے تمہاری دعا قبول کر لی اور مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا۔

حضرت ابن عباس نے کہا اللہ نے فرمایا اے امت محمد لوگوں نے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں سے جواب دیا لَبَّیْکَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ اللہ نے فرمایا اے امت محمد میری رحمت میرے غضب سے اور میری معافی میرے عذاب سے آگے ہے (یعنی غالب ہے) میں نے مانگنے سے پہلے تم کو دے دیا اور دعا کرنے سے پہلے تمہاری دعا قبول کر لی۔ اور گناہ کرنے سے پہلے تمہاری مغفرت کر دی جو شخص قیامت کے دن یہ گواہی لے کر آئے گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد میرے بندے اور رسول ہیں۔ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا خواہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں۔ (تفسیر مظہری)

نسائی شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آواز دی گئی کہ اے اُمت محمد! تم مجھ سے مانگو اس سے پہلے میں نے تمہیں دے دیا، اور تم مجھ سے دُعا کرو اس سے پہلے میں قبول کر چکا مقاتل کہتے ہیں کہ ہم نے تیری اُمت کو جو ابھی باپ دادوں کی پیٹھ میں تھی آواز دی کہ جب تو نبی بنا کر بھیجا جائے تو وہ تیری اتباع کریں۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ

تا کہ تو ڈر سنا دے ان لوگوں کو جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈرانے والا

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

سنانے والا تجھ سے پہلے تاکہ وہ یاد رکھیں

یعنی عرب کے لوگوں کو یہ چیزیں بتلا کر خطرناک عواقب سے آگاہ کر دیں۔ ممکن ہے وہ سن کر یاد رکھیں اور نصیحت پکڑیں۔ (تنبیہ) "مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ" سے شاید آبائے اقربین مراد ہوں گے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

تبلیغ ودعوت کے بعض آداب:

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا یہ پہلو یہ تھا کہ وہ حق بات کو مسلسل کہتے اور پہنچاتے ہی رہتے تھے۔ لوگوں کا انکار وتکذیب ان کے اپنے عمل اور اپنی لگن میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتا تھا بلکہ وہ حق بات اگر ایک مرتبہ نہ مانا گیا تو دوسری مرتبہ، وہ بھی نہ مانا گیا تو تیسری، چوتھی مرتبہ برابر پیش کرتے ہی رہتے تھے۔ کسی کے دل میں دل ڈال دینا تو کسی ناصح ہمدرد کے بس میں نہیں مگر اپنی کوشش کو بغیر کسی تکان اور اکتاہٹ کے جاری رکھنا جو ان کے قبضہ میں تھا اس کو مسلسل انجام دیتے۔ آج بھی تبلیغ ودعوت کے کام کرنے والوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ

اور کبھی بات یہ ہے کہ کبھی آن پڑے ان پر آفت ان کاموں کی وجہ سے

اَیْدِیْهِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا

جو آگے بھیج چکے ہیں ان کے ہاتھ تو کہنے لگیں اے رب ہمارے کیوں نہ بھیجا ہمارے پاس

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

کسی کو پیغام دے کر تو ہم چلتے تیری باتوں پر اور ہوتے ایمان والوں میں

پیغمبروں کا وجود اللہ کا احسان ہے:

یعنی پیغمبر کا ان میں بھیجنا خوش قسمتی ہے۔ اگر بدون پیغمبر بھیجے اللہ تعالیٰ ان کی عقلی ہوئی بے عقلیوں اور بے ایمانیوں پر سزا دینے لگتا تب بھی ظلم نہ ہوتا، لیکن اس نے احسان فرمایا اور کسی قسم کی معقول عذرداری کا موقع نہیں چھوڑا۔ ممکن تھا، سزا ہی کے وقت کہنے لگتے کہ صاحب ہمارے پاس پیغمبر تو بھیجا نہیں جو ہم کو ہماری غلطیوں پر متنبہ کر دیتا، ایک دم پکڑ کر عذاب میں دھر گھسیٹا۔ اگر کوئی پیغمبر آتا تو دیکھتے ہم کیسے نیک اور ایماندار ثابت ہوتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ

پھر جب پہنچی ان کو ٹھیک بات ہمارے پاس سے کہنے لگے کیوں نہ

أُوْتِيَ مِثْلَ مَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى

[illegible]

قوم کی کٹ حجتیاں:

یعنی رسول نہ بھیجتے تو [illegible] اب رسول تشریف لائے جو تمام پیغمبروں سے شان اور مرتبہ میں بڑھ [illegible] اُس وقت [illegible] موسیٰ علیہ السلام [illegible] ید بیضا وغیرہ [illegible] معجزات ظاہر ہوتے [illegible] ایسی دہ ایک کتاب [illegible] یہ کیا کہ دو دو چار چار آیتیں پیش کرتے ہیں۔

أَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ أُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ

[illegible]

یعنی موسیٰ کے معجزات اور کتاب ہی کو کہاں سب نے مان [illegible] والے اُن کو بھی ساحر مفتری کہتے رہے جیسا کہ ابھی ایک دو رکوع پہلے گزرا بس جن کو ماننا منظور نہیں ہوتا وہ ہر بات میں کچھ نہ کچھ احتمالات نکال لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ

[illegible]

[illegible] پوچھا اور تورات کی باتیں اس نبی کے موافق اور اپنی مرضی کے خلاف سنیں [illegible] آخرت کا جینا برحق ہے [illegible] (اور عرب میں ایک نبی آخر الزمان [illegible]) [illegible] تورات اور قرآن [illegible] محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) [illegible] جو ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى

[illegible]

مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

[illegible]

مشرکین ہدایت سے خالی

یعنی [illegible] کتابوں میں سب سے بڑی اور مشہور یہی دو کتابیں تھیں [illegible]

[illegible] کتاب نہیں [illegible] یہ دونوں [illegible] کتاب [illegible] ہدایت [illegible] قرآن [illegible] ہدایت [illegible] (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ

[illegible]

اَهْوَآءَهُمْ ۭ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ

[illegible]

هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ

[illegible]

خواہش کے بندے

[illegible] ہدایت [illegible] نہیں محض اپنی خواہشات کی پیروی [illegible] مرضی اور خواہش کے خلاف [illegible] ہدایت [illegible]

بغیر ھدًی [illegible] خواہش نفس بھی حق کے موافق ہو جاتی ہے [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا [illegible] مومن نہیں ہو [illegible] (حق) [illegible] الظّٰلمین [illegible] اپنے نفس پر ظلم کیا [illegible]

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ

[illegible]

نزول ہدایت کا تسلسل:

یعنی ہماری وحی کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ ایک وحی کی تصدیق و تائید میں دوسری وحی برابر بھیجتے رہے ہیں۔ اور قرآن کو بھی ہم نے بتدریج نازل کیا ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت آتی رہی، مقصد یہ ہے کہ کافی غور کرنے اور سمجھنے کا موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر اور طبرانی نے رفاعہ قرظی کا قول نقل کیا ہے کہ آیت وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ دس آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی جن میں سے ایک میں ہوں۔

ابن جریر نے علی بن رفاعہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اہل کتاب میں سے دس آدمی جن میں ایک رفاعہ یعنی علی کے باپ بھی تھے۔ نکل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور ایمان لے آئے پھر ان کو دکھ درد دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ

جن لوگوں کو دی ہے کتاب　اس سے پہلے　وہ اس پر یقین کرتے ہیں

وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ

اور جب ان کو سنائے تو کہیں ہم یقین لائے اس پر یہی ٹھیک ہے ہمارے رب کا بھیجا

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ

ہم ہیں　اس سے پہلے کے　حکم بردار

انصاف پسند اہل کتاب:

یعنی ان جاہل مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ نہ اگلی کتابوں کو مانیں نہ پچھلی کو، اور ان کے بالمقابل انصاف پسند اہل کتاب کو دیکھو کہ دونوں کو تسلیم کرتے جو پہلے سے تورات و انجیل پر یقین رکھتے تھے۔ جب قرآن پاک آیا تو بول اٹھے کہ بیشک یہ کتاب برحق ہے، ہمارے رب کی اتاری ہوئی، ہم اس پر اپنے یقین و اعتقاد کا اعلان کرتے ہیں ہم تو پہلے بھی اللہ کی باتوں کو مانتے تھے آج بھی قبول کرتے ہیں۔ فی الحقیقت ہم آج سے مسلمان نہیں بہت پہلے سے مسلمان ہیں۔ کیونکہ کتب سابقہ پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزماں اور قرآن کریم کے متعلق صاف بشارات موجود تھیں۔ لہٰذا ان پیشینگوئیوں پر بھی ہمارا پہلے سے اجمالی ایمان ہو۔ آج اس کی تفصیل اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت نجاشی رحمہ اللہ کی رعایا کے چند لوگ:

ابن ابی حاتم نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا ہے کہ جب حضرت جعفرؓ اور آپ کے رفقاء نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ان کی میزبانی کی اور اچھا سلوک کیا جب یہ لوگ لوٹنے لگے تو نجاشی کی حدود مملکت میں رہنے والوں نے نجاشی سے کہا ہم کو اجازت دیجئے کہ (ہم ان کے ساتھ جائیں اور) سمندر میں ان کی خدمت کریں اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر تجدید عہد کریں (نجاشی نے اجازت دے دی) وہ لوگ اپنے ملک سے روانہ ہو کر خدمت گرامی میں حاضر ہو گئے احد، حنین اور خیبر کی لڑائیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے لیکن ان میں سے کوئی شہید نہیں ہوا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ ہم کو اپنے دیس کو جانے کی اجازت مرحمت فرما دیجئے اپنے ملک میں ہمارے پاس مال ہے ہم وہاں سے مال لا کر مہاجرین کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ مہاجرین سخت محنت (ناداری) میں مبتلا ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی وہ لوگ چلے گئے پھر مال لے کر آئے اور مہاجرین کو تقسیم کیا۔ اللہ نے انہیں کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

بغوی نے سعید بن جبیر وغیرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انہیں کے بارے میں اللہ نے آیت اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ سے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ تک نازل فرمائیں۔

اہل کتاب کا سابقہ ایمان:

اور جب (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لے آئے بلاشبہ یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے (اترا ہے) ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم (اطاعت گزار) تھے۔

ہم اس پر ایمان لائے یعنی اس بات پر ایمان لائے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ مُسْلِمِيْنَ یعنی اقرار توحید میں مخلص تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے تھے۔ پہلے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان رکھنے کی وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دے دی تھی اور فرما دیا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توریت میں بھی تھا اور انجیل میں بھی مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان نیا نہیں بلکہ پہلے سے ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا

وہ لوگ پاویں گے　اپنا ثواب　دوہرا　اس بات پر کہ قائم رہے

دوہرا ایمان اور دوہرا اجر:

یعنی مغرور و مستغنی ہو کر قبول حق سے گریز نہیں کیا بلکہ جس وقت جو حق پہنچا بے تکلف گردن تسلیم جھکا دی۔ (تنبیہ) شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان

اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دو مرتبہ ہوا اول بالاستقلال دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ضمن میں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سابقین کے مصدق ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں کیونکہ ہر پیغمبر حضور کی بشارت دیتے اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اسی لئے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا باقی حدیث میں جو آیا ہے اس کی شرح کا یہاں موقع نہیں۔ ہم نے خدا کے فضل سے شرح صحیح مسلم میں اس کو تفصیل لکھا ہے اور اشکالات کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے فللہ الحمد والمنہ وبہ التوفیق والعصمہ۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ یعنی مومنین اہل کتاب کو دو مرتبہ اجر دیا جائیگا۔

دوہرے اجر والے لوگ:

قرآن کریم میں اسی طرح کا وعدہ ازواج مطہرات کے متعلق بھی آیا ہے وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں تین شخصوں کے لئے دوہرے اجر کا ذکر فرمایا ہے ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے سابق نبی پر ایمان رکھتا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔ دوسرے وہ غلام جو کسی کا مملوک غلام ہو اور وہ اپنے آقا کی بھی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہو اور اللہ اور اس کے رسول کی بھی۔ تیسرے وہ شخص جس کی ملک میں کوئی کنیز تھی جس سے بلا نکاح صحبت اس کے لئے حلال تھی اس نے اس کو اپنی غلامی سے آزاد کر دیا پھر اس کو منکوحہ زوجہ بنا لیا۔ (تفسیر معارف مفتی اعظم)

بما صبروا بسبب اس کے کہ وہ (نزول قرآن کے بعد اپنے ایمان پر) جمے رہے۔ (جس طرح پہلے ایمان رکھتے تھے اسی طرح نزول کے بعد بھی ایمان پر قائم رہے۔ برخلاف دوسرے اہل کتاب کے کہ نزول قرآن سے پہلے تو قرآن پر ان کا ایمان تھا اور کافروں کے مقابلہ میں رسول اللہ کے طفیل سے دعاء فتح کیا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ جانا پہچانا قرآن (یا رسول) ان کے پاس آ گیا تو محض حسد کی وجہ سے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور سابق ایمان پر قائم نہ رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اور بھلائی کرتے ہیں برائی کے جواب میں

اہل علم کے اوصاف:

یعنی کوئی دوسرا ان کے ساتھ برائی سے پیش آئے تو یہ اس کے جواب میں مروت و شرافت سے کام لے کر بھلائی اور احسان کرتے ہیں۔ یا یہ مطلب کہ بھی ان سے کوئی برا کام ہو جائے تو اُس کا تدارک بھلائی سے کر دیتے ہیں تاکہ حسنات کا پلہ سیئات سے بھاری رہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباس نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کی شہادت سے شرک کو دفع کرتے ہیں۔ میں کہتا ہوں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ دشمنوں کی دشمنی کو نیک سلوک اور بھلائی سے دفع کرتے ہیں اللہ نے فرمایا فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ جس شخص کی تم سے دشمنی ہے (اگر تم اس کے ساتھ احسان کرو گے) تو وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ گہرا دوست ہے۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے۔ طاعت سے معصیت کو دفع کرتے ہیں اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بدی کے پیچھے نیکی کر لیا کرو وہ بدی کو مٹا دے گی۔ (تفسیر مظہری)

بعض نے فرمایا کہ بھلائی سے طاعت اور برائی سے معصیت مراد ہے کیونکہ نیکی بدی کو مٹا دیتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے حضرت معاذ بن جبل سے فرمایا اتبع الحسنۃ السیئۃ تمحھا یعنی بدی اور گناہ کے بعد نیکی کرو تو وہ گناہ کو مٹا دے گی۔ اور بعض حضرات نے فرمایا حسنہ سے مراد علم و حلم اور سیئہ سے مراد جہل و غفلت ہے یعنی یہ لوگ دوسروں کی جہالت کا جواب جہالت کے بجائے حلم و بردباری سے دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے رہتے ہیں

یعنی اللہ نے جو مال حلال دیا ہے اُس میں سے زکوۃ دیتے ہیں، صدقہ کرتے ہیں خویش واقارب کی خبر لیتے ہیں۔ غرض حقوق العباد ضائع نہیں کرتے (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا

اور جب سنیں نکمی بات تو اُس سے کنارہ کریں اور کہیں ہم کو ہمارے کام

وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ

اور تم کو تمہارے کام سلامت رہو تم ہم کو نہیں چاہئیں بے سمجھ لوگ

جاہلوں سے برتاؤ:

یعنی کوئی جاہل لغو بیہودہ بات کہے تو اس سے الجھتے نہیں۔ بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ بس صاحب! تمہاری باتوں کو ہمارا دور سے سلام۔ یہ جہالت کی لوٹ تم ہی کو مبارک رہے ہم ایسے مشغلہ میں شریک نہیں ہو سکتے تمہارا کیا تمہارے اور ہمارا کیا ہمارے سامنے آئے گا ہم کو تم جیسے بے سمجھ لوگوں سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے۔ قریب بیس آدمی نصاریٰ حبشہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سن کر آئے کہ تحقیق کریں یہ کیسے شخص ہیں۔

آپ سے بات چیت کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنایا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور بڑے زور سے آپ کی تصدیق کی، جب مشرف بایمان ہو کر واپس ہونے لگے تو ابوجہل وغیرہ مشرکین نے ان پر آوازے کسے۔ یہ احمقوں کا قافلہ آج تک نہیں دیکھا ہوگا۔ جو ایک شخص کی تحقیق حال کرنے آئے تھے اور اس کے خادم بن کر اور اپنا دین چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا سلامٌ عليكم لانجاهلكم لنا ما نحن عليه ولكم ما انتم عليه لم ءال انفسنا خيراً (بس ہم تم کو سلام کرتے ہیں، معاف رکھو ہم تمہاری جہالت کا جواب جہالت سے دینا نہیں چاہتے، ہم اور تم میں سے جو جس حال پر ہے اس کا وہی حصہ ہے ہم نے اپنے نفس کا بھلا چاہنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی) اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جس جاہل سے توقع نہ ہو کہ سمجھے گا اس سے کنارہ ہی بہتر ہے۔ (موضح) (تفسیر حقانی)

سلام علیکم اس سے مراد سلام تحیت و دعا نہیں بلکہ سلام ترک مراد ہے مطلب ہم گالیاں نہیں دیں گے برا نہیں کہیں گے۔ تم کو جواب نہیں دیں گے۔ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ یعنی ہم جاہلوں کا دین نہیں چاہتے تمہارے مذہب کو پسند نہیں کرتے بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ ہم جاہلوں کے ساتھ رہنا نہیں چاہتے۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے ہم جاہلوں میں سے ہونا نہیں چاہتے یعنی تم ہم کو گالیاں دیتے ہو برا کہتے ہو اگر جواب میں ہم بھی تم کو گالیاں دیں گے تو تمہاری طرح جاہل ہو جائیں گے اور ہم ایسا ہونا نہیں چاہتے ہم جاہلوں میں سے ہو جانے سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے یہ حکم اس وقت تھا جب جہاد کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ میں کہتا ہوں بغوی کا یہ قول واقعہ نزول کے مطابق نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا نزول یا حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں ہوا یہ حضرات تو ہجرت کے بعد اسلام لائے تھے یا ان حبشیوں کی بابت ہوا جو حضرت جعفر بن ابی طالب کے ساتھ نجاشی کے پاس سے آئے تھے ان کی آمد بھی ۶ھ میں غزوہ خیبر کے وقت ہوئی تھی یا چالیس نجرانیوں اور آٹھ شامیوں کے متعلق نزول ہوا۔ یہ واقعہ بھی ہجرت کے بعد کا ہے اور اس وقت کا جب جہاد کا حکم آچکا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ
تو راہ پر نہیں لاتا جس کو چاہے پر
اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ
اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے

جناب ابوطالب:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا (ابوطالب) سے آخر تک بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لے، اس نے قبول نہ کیا۔ اس پر یہ آیت اتری (موضح) یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو، یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے۔ لازم نہیں کہ یہ ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف رستہ بتانا ہے آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے کون نہیں پہنچتا، یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصول الی المطلوب کی توفیق بخشے (تنبیہ) جو کچھ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ اس سے زائد اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ابوطالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بحث بنالینا غیر ضروری ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پرخطر مباحث میں کف لسان کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب سے فرمایا آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے تاکہ قیامت کے دن میں آپ کے لئے شہادت دے سکوں تو ابو طالب نے کہا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں عار دلائیں گی اور کہیں گی (موت کے) خوف سے ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا تو میں یہ کلمہ پڑھ کر تمہاری آنکھ ٹھنڈی کر دیتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اور نسائی نے ابوسعید بن رافع کی روایت سے بیان کیا ہے ابوسعید نے کہا میں نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا۔ کیا آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ابوجہل و ابوطالب کے متعلق نازل ہوئی؟ فرمایا ہاں۔ شیخین اور نسائی اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ اور ابن مردویہ اور بیہقی نے سعید بن مسیب کے حوالہ سے ان کے باپ کی روایت نقل کی ہے سعید کے باپ نے کہا ابوطالب کے انتقال کا وقت آ پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ وہاں موجود تھے حضور نے فرمایا میرے چچا لا الہ الا اللہ ایک بار کہہ دیجئے تاکہ اللہ کے سامنے اس کلمہ کو آپ کے لئے حجت میں پیش کر سکوں ابوجہل اور عبداللہ نے کہا کیا آپ عبدالمطلب کے دین سے روگرداں ہو جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کلمہ پیش کرتے رہے اور بار بار دہراتے رہے بالآخر ابوطالب نے جو آخری لفظ زبان سے نکالا وہ یہ تھا علی ملۃ عبدالمطلب۔ عبدالمطلب کے مذہب پر۔ اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک مجھے ممانعت نہ ہوگی میں

آپ نے ان کے لئے مغفرت کی دعا کی اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی۔
ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین آیت نبی کے لئے اور
مسلمانوں کے لئے مشرکوں کے لئے دعاء مغفرت کرنی جائز نہیں (آیت) اور
ابو طالب کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی انک لا تھدی من احببت ولکن
اللہ یھدی من یشاء آیت۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿٥٦﴾

اور وہ خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو

یعنی کسی کو کسی شخص کے راہ پر لانے کا اختیار ہے نہ علم بھی نہیں کہ کون راہ پر آنے والا ہے یا آنے کی استعداد و لیاقت رکھتا ہے بہرحال اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرمادی کہ آپ جاہلوں کی اغوائی اور معاندانہ شور و شغب یا اپنے خاص اعزہ و اقارب کے اسلام نہ لانے سے غمگین نہ ہوں جس قدر آپ کا فرض ہے ادا کئے جائیں، لوگوں کی استعدادیں مختلف ہیں۔ ہدایت کے علم و اختیار میں آپ کا کچھ دخل نہیں جو راہ پر آنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوا إِنْ نَتَّبِعِ الْهُدَى مَعَكَ

اور کہتے ہیں اگر ہم راہ پر آئیں تیرے ساتھ

نُتَخَطَّفْ مِنْ أَرْضِنَا

اچک لئے جائیں اپنے ملک سے

مشرکین کا عذر:

انسان کو ہدایت سے روکنے والی کئی چیزیں ہیں مثلاً نقصان جان و مال کا خوف، چنانچہ بعض مشرکین مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بیشک ہم جانتے ہیں کہ آپ حق پر ہیں لیکن اگر ہم دین اسلام قبول کر کے آپ کے ساتھ ہو جائیں تو سارا عرب ہمارا دشمن ہو جائے گا۔ اردگرد کے تمام قبائل ہم پر چڑھ دوڑیں گے اور مل کر ہم پر حملہ کریں گے، نہ جان سلامت رہے گی نہ مال، اس کا آگے جواب دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ قریشی لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو لوگ ہم کو اچک لیں گے۔ (تفسیر مظہری)

أَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَى إِلَيْهِ

کیا ہم نے جگہ نہیں دی ان کو حرمت والے پناہ کے مکان میں کھنچے چلے آتے ہیں

ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِزْقًا مِنْ لَدُنَّا وَلَٰكِنَّ

اس کی طرف میوے ہر چیز کے روزی ہماری طرف سے پر

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

بہت ان میں سمجھ نہیں رکھتے

عذر کا جواب:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں مکہ والے کہنے لگے کہ ہم مسلمان ہوں تو سارے عرب ہم سے دشمنی کریں اللہ نے فرمایا کہ اب کس کی دشمنی سے کس کی پناہ میں بیٹھے ہو۔ یہی حرم کا ادب (مانع ہے کہ باوجود آپس کی سخت عداوتوں کے باہر والے چڑھائی کر کے تم کو مکہ سے نکال نہیں دیتے) وہی اللہ (جس نے اس جگہ کو حرم بنایا) تب بھی پناہ دینے والا ہے (موضح) کیا شرک و کفر کے باوجود تو پناہ دی ایمان و تقویٰ اختیار کرنے پر پناہ نہ دے گا۔ ہاں ایمان و تقویٰ پر چلنے کے لئے اگر چند روزہ امتحان کے طور پر کوئی بات پیش آئے تو گھبرانا نہ چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

حرم دور جاہلیت میں بھی امن کی جگہ تھی:

دور جاہلیت میں عرب باہم قتل و غارت کیا کرتے تھے لوٹ مار کا عام دستور تھا کسی جگہ امن نہ تھا لیکن مکہ والے حرم کی حرمت کی وجہ سے امن چین سے رہتے تھے۔ مشہور بات ہے کہ حرم کی بکریاں بھیڑیوں سے اور کبوتر شکاری چیلوں سے محفوظ رہتے حرم کے اندر کوئی جانور بھی کسی جانور کا شکار نہیں کرتا تھا۔

جب بت پرستی کے دور میں بت پرست حرمت حرم کی وجہ سے مامون و محفوظ تھے تو حرمت کعبہ کے ساتھ جب حرمت توحید بھی شامل ہو گئی تو پھر جھپٹ لے جانے پر اللہ کیسے قدرت دے سکتا ہے۔

ولکن اکثرھم لیکن ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں نہ اس بات کو سمجھتے ہیں نہ غور کرتے ہیں۔ ڈرنا تو کفر و معصیت کی وجہ سے اللہ کے عذاب سے چاہیے نہ کہ ایمان و توحید سے کیونکہ۔ (تفسیر مظہری)

ارض مکہ کو حرم بنا دیا اور پورے عرب کے قبائل کفر و شرک اور باہمی عداوتوں کے باوجود اس پر متفق تھے کہ زمین حرم مکہ میں قتل و قتال سخت حرام ہے۔ حرم میں باپ کا قاتل بیٹے کو ملتا تو انتہائی جوش انتقام کے باوجود کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ حرم کے اندر اپنے دشمن کو قتل کرے یا اس سے کوئی انتقام لے۔ اس کے ایمان لانے میں ان کو یہ خطرہ محسوس کرنا کس قدر جہالت ہے کہ جس مالک نے اپنے رحم و کرم سے ان کے کفر و شرک کے باوجود اس زمین میں امن دے رکھا ہے تو ایمان لانے کی صورت میں وہ ان کو کیسے ہلاک

ہونے دے گا یحییٰ بن سلام نے فرمایا کہ معنے آیت کے یہ ہیں کہ تم حرم میں [illegible] سے مامون ومحفوظ تھے، میرا دیا ہوا رزق فراخی کے ساتھ کھا رہے تھے اور عبادت [illegible] تھے اپنی اس حالت سے تو تمہیں خوف نہ ہوا [illegible] خوف [illegible] (قرطبی) آیت مذکورہ میں حرم [illegible] دو وصف بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ وہ جائے امن ہے [illegible] کہ وہاں اطراف دنیا سے ہر چیز کے ثمرات لائے جاتے ہیں تاکہ مکہ کے باشندے اپنی تمام ضروریات آسانی سے پوری کرسکیں۔ (معارف مفتی)

حرم میں ہر قسم کے پھل:

رات دن کے تمام اوقات میں تیار شدہ غذا [illegible] وقت [illegible] مشاہدہ [illegible] رہتا ہے اور قرآن کریم کے لفظ (ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ) میں غور [illegible] ہوں پیدا ہوتا ہے [illegible] عام [illegible] اعتبار سے ثمرات کا تعلق درختوں [illegible] ہے [illegible] اس کا تقاضا ثمرات کل شجر فرمایا جاتا [illegible] ثمرات کل شیٔ فرماتے ہیں بعید نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ لفظ ثمرات یہاں [illegible] میں نہیں بلکہ مطلقاً حاصل اور پیداوار کے معنی میں ہے [illegible] کی مصنوعات بھی ان کے ثمرات ہیں [illegible] حاصل اس آیت کا یہ ہوگا [illegible] حرم [illegible] میں صرف کھانے پینے کی چیزیں نہیں [illegible] زندگی جمع کردی جائیں گی جس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہو رہا ہے۔ (معارف مفتی)

وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ
اور کتنی غارت کردیں ہم نے بستیاں جو اترا چلی تھیں اپنی گذران میں [illegible]
مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۖ
ان کے گھر [illegible] بسائے [illegible] ان کے پیچھے مگر تھوڑے

اللہ کے عذاب سے ڈرو:

یعنی عرب کی دشمنی سے کیا ڈرتے ہو، اللہ کے عذاب سے ڈرو [illegible] نہیں کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنہیں اپنی خوش عیشی پر غرہ ہو گیا تھا۔ جب انہوں نے تعبہ اور سرکشی [illegible] اللہ تعالیٰ نے کس طرح تباہ و برباد [illegible] آج صفحۂ ہستی پر ان کا [illegible] باقی نہ رہا۔ یہ کھنڈر ان کی بستیوں کے [illegible] جن میں کوئی بسنے والا نہیں بجز اس کے کوئی مسافر تھوڑی [illegible] قدرت الٰہی کا عبرتناک تماشا دیکھنے کے لئے وہاں جا [illegible] (تفسیر عثمانی)

دوسری کافر قوموں کے حالات پر نظر ڈ[illegible] ان کے غرور [illegible] وہاں [illegible] کس طرح ان کی بستیاں تباہ ہوئیں اور مضبوط و مستحکم قلعے اور حفاظتی سامان سب خاک میں مل گئے تو اصل خوف کی چیز [illegible] ہے جو تباہی

بربادی کا سبب ہوتا ہے [illegible] بیوقوف ہو کہ کفر و شرک سے خطرہ محسوس نہیں [illegible] ایمان سے [illegible] ہوتے ہو۔ (معارف مفتی)

وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿٥٨﴾
اور ہم ہیں آخر کو [illegible]

یعنی سب مرمرا گئے کوئی وارث بھی نہ رہا۔ ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ
[illegible] بستیوں کو جب تک نہ بھیجے
فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا ۚ
ان کی بڑی بستی میں کسی پیغمبر [illegible] ہماری باتیں

قانونِ قدرت:

یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک بستیوں کو غارت نہیں کرتا جب تک ان کے صدر مقام میں کوئی پیغمبر [illegible] نہ بھیج لے (صدر مقام کی تخصیص شاید اس لئے کی کہ وہاں کا اثر دور تک پہنچتا ہے اور شہروں کے باشندے [illegible] سلیم [illegible] ہوتے ہیں) تمام روئے زمین کی آبادیوں کا صدر مقام مکہ معظمہ تھا [illegible] أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا (الشوریٰ۔ رکوع ۱) اس [illegible] سب سے بڑے اور آخری پیغمبر مبعوث ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم [illegible] اس وقت تک [illegible] نہیں کرتا جب تک اس قوم [illegible] اپنے کسی رسول کے ذریعہ پیغام حق نہ پہنچا [illegible] جب حجت حق پہنچ جائے اور [illegible] قبول نہ کریں اس وقت ان بستیوں پر عذاب [illegible]۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے انبیاء اور رسل عموماً بڑے شہروں میں مبعوث ہوتے ہیں وہ چھوٹے قصبات و دیہات میں نہیں آتے کیونکہ ایسے قصبات و دیہات عادۃً شہر کے تابع ہوتے ہیں اپنی معاشی ضروریات میں بھی اور تعلیمی ضروریات میں بھی۔ اور شہر میں جو بات پھیل جائے اس کا تذکرہ ماتحت قصبات و دیہات میں خود بخود پھیل جاتا ہے۔ (معارف مفتی)

[illegible] میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے کہ میں تمام سیاہ و سفید کی طرف [illegible] بھیجا گیا ہوں۔ اسی لئے نبوت و رسالت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم [illegible] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے قیامت تک نہ کوئی نبی آنے کا نہ رسول۔ [illegible] کہ مراد ام القریٰ سے اصل اور بڑا قریہ ہے۔ (ابن کثیر)

وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٥٩﴾
اور ہم [illegible] بستیاں [illegible] کہ وہاں کے لوگ گنہگار ہوں

یعنی کثیر کرنے پر بھی جب وہ باز نہیں آتے اور برابر ظلم و طغیان میں ترقی کرتے چلے جاتے ہیں تب اللہ تعالیٰ ان کو پکڑ کر ہلاک کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
اور جو تم کو ملی ہے کوئی چیز سو فائدہ اٹھا لینا ہے دنیا کی زندگی میں
وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ
اور یہاں کی رونق ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے اور باقی رہنے والا کیا تم کو سمجھ نہیں

دنیا کا سامان فانی ہے:

یعنی آدمی کو عقل سے کام لے کر اتنا سمجھنا چاہیے کہ دنیا میں کتنے دن جینا ہے اور یہاں کی بہار اور چہل پہل کا مزہ کب تک اٹھا سکتے ہو۔ فرض کرو دنیا میں عذاب بھی نہ آئے۔ تاہم موت کا ہاتھ تم سے یہ سب سامان جدا کر کے رہے گا۔ پھر خدا کے سامنے حاضر ہونا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے اگر وہاں کا عیش و آرام میسر ہو گیا تو یہاں کا عیش اس کے سامنے محض ہیچ اور لاشئے ہے کون عقلمند ہو گا جو ایک محدود منغص زندگی کو بے خلل و غش زندگی پر اور ناقص و فانی لذتوں کو کامل و باقی نعمتوں پر ترجیح دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا جس میں یہ بتلایا کہ اگر بفرض ایمان لانے کے نتیجہ میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچ ہی جائے تو وہ چند روزہ ہے اور جس طرح دنیا کی عیش و عشرت مال و دولت سب چند روزہ متاع ہے کسی کے پاس ہمیشہ نہیں رہتی، اسی طرح یہاں کی تکلیف بھی چند روزہ ہے جلد ختم ہو جانے والی ہے اس لئے عقلمند کا کام یہ ہے کہ فکر اس تکلیف و راحت کی کرے جو پائیدار اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

عقلمند کون؟: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے مال و جائیداد کے متعلق یہ وصیت کر کے مر جائے کہ میرا مال اس شخص کو دے دیا جائے جو سب سے زیادہ عقلمند ہو تو اس مال کے مصرف شرعی وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول ہوں، کیونکہ عقل کا تقاضا یہی ہے اور دنیاداروں میں سے سب سے زیادہ عقل والا وہی ہے۔ یہی مسئلہ فقہ حنفیہ کی مشہور کتاب دُرِمختار باب الوصیت میں بھی مذکور ہے۔ (معارف مفتی)

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ
بھلا ایک شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے اچھا وعدہ سو وہ اس کو پانے والا ہے
كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ
برابر ہے اس کی جس کو ہم نے فائدہ دیا دنیا کی زندگانی کا پھر

هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ
وہ قیامت کے دن پکڑا ہوا آیا

مومن و کافر برابر نہیں:

یعنی مومن و کافر دونوں انجام کے اعتبار سے کس طرح برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک کے لئے دائمی عیش کا وعدہ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا اور دوسرے کے لئے چند روزہ عیش کے بعد گرفتاری کا وارنٹ اور دائمی جیل خانہ والعیاذ باللہ! ایک شخص خواب میں دیکھے کہ میرے سر پر تاج شاہی رکھا ہے، خدم و حشم پرے باندھے کھڑے ہیں اور الوان نعمت دسترخوان پر چنے ہوئے ہیں جن سے لذت اندوز ہو رہا ہوں، آنکھ کھلی تو دیکھا انسپکٹر پولیس گرفتاری کا وارنٹ اور بیڑی ہتھکڑی لئے کھڑا ہے بس وہ پکڑ کر لے گیا اور فوراً ہی پیش ہو کر جیل ہو گئی یا مال کی۔ بتلاؤ کیا اسے وہ خواب کی بادشاہت اور پلاؤ قورمے کی لذت یاد آتی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون دسویں محرم کو عاشورہ کے دن ہلاک ہوا اور توریت دسویں ذی الحجہ کو عطا ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

وَعْدًا حَسَنًا یعنی جنت کا وعدہ۔ جس چیز کا وعدہ کیا جائے اگر وہ اچھی ہو تو اس کا وعدہ بھی اچھا ہوتا ہے۔ جنت بجائے خود اچھی ہے اس لئے اس کا وعدہ بھی اچھا ہے۔

فَهُوَ لَاقِيْهِ بحالیکہ وہ اس کو وعدۂ الٰہی کے مطابق ضرور پائے گا کیونکہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔

مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی وہ حیات دنیاوی کا سامان جو آلام سے پُر ہے تکالیف اور مصائب نے اس کو مکدر کر دیا ہے پھر فانی ہے زوال کے بعد سوائے حسرت کے اس کا اور کوئی نتیجہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بغوی نے مقاتل اور محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت حمزہ اور ابوجہل یا حضرت علی اور ابوجہل کے حق میں ہوا۔ بعض نے کہا کہ حضرت عمار اور ولید بن مغیرہ کے متعلق اس کا نزول ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ
اور جس دن ان کو پکارے گا تو کہے گا کہاں ہیں میرے شریک
الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ
جن کا تم دعویٰ کرتے تھے

خدائی کے جھوٹے حصہ دار:

یعنی وہ خدائی کے حصہ دار کہاں ہیں ذرا اپنی تائید و حمایت کے لئے بلاؤ تو سہی۔ (تفسیر عثمانی)

میں کہتا ہوں شاید شرکاء سے مراد وہ سرداران کفر ہوں کہ جن کی وجہ سے

ن کے تابعین نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر انہیں کی عبادت اختیار کر لی تھی اور انہیں کا اتباع کرتے تھے۔ ان کو شرکاء بطور استہزاء کہا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

بولے جن پر ثابت ہو چکی بات اے رب یہ لوگ ہیں

الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَآ

جن کو ہم نے بہکایا انکو بہکایا جیسے ہم آپ بہکے ہم منکر ہوئے

اِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ ﴿۶۳﴾

تیرے آگے وہ ہم کو نہ پوجتے تھے

جھوٹے معبودوں کا عذر لنگ:

یعنی سوال تو مشرکین سے تھا، مگر بہکانے والے شرکاء سمجھ جائیں گے کہ فی الحقیقت ہمیں بھی ڈانٹ بتلائی گئی ہے۔ اس لئے سبقت کر کے جواب دیں گے کہ خداوندا! بیشک ہم نے ان کو بہکایا اور یہ بہکانا ایسا ہی تھا جیسے ہم خود بہکے یعنی جو ٹھوکر بہکنے کے وقت کھائی تھی اُسی کی تکمیل بہکانے سے کی۔ کیونکہ بہکانا بھی بہکنے کی انتہائی منزل ہے۔ پس اس جرم اغواء کا تو ہمیں اعتراف ہے لیکن ان مشرکین پر کوئی جبر و اکراہ ہمارا نہ تھا کہ زبردستی اپنی بات منوا لیتے فی الحقیقت ان کی ہوا پرستی تھی جو ہمارے بہکانے میں آ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ہم کو نہیں پوجتے تھے بلکہ اپنے اہواء و ظنون کی پرستش کرتے تھے ہم ان کی عبادت سے آج آپ کے سامنے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ کذا قال بعض المفسرین۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ شیطان بولیں گے۔ بہکایا تو ہے انہوں نے پر نام لے کر نیکوں کا۔ اسی سے کہا کہ ہم کو نہ پوجتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تنبیہ) حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ سے مراد ہے۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس طرح ہم بہک گئے تھے خود اپنے اختیار سے گمراہی میں پڑ گئے تھے کسی نے ہم پر جبر نہیں کیا تھا اسی طرح یہ لوگ خود اپنے اختیار سے بہکے تھے ہم نے ان پر زبردستی نہیں کی تھی ہم کو جبراً گمراہ کر دینے کا اختیار نہیں تھا ہم نے تو ان کو ورغلایا تھا وسوسے پیدا کئے تھے لالچ دیئے تھے۔ یہ لالچ میں پڑ گئے ہمارا پرفریب وسوسا اگرچہ ان کو کفر کی طرف دعوت دے رہا تھا لیکن اللہ نے پیغمبر بھیج دیئے تھے کتابیں نازل کر دی تھیں ہر طرح کی دلیلیں قائم کر دی تھیں جن کی موجودگی میں ان کو ہمارے بہکاوے میں نہ آنا چاہیے۔ یہ آیت مضمون کے لحاظ سے ایک ہی ہے جیسی دوسری آیت میں فرمایا ہے وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ۔ الخ۔

تَبَرَّاْنَآ اِلَيْكَ یعنی آج ہم تیری بارگاہ میں تیرے سامنے ان سے اور جس کفر کو انہوں نے اپنے نفسانی میلان و جھکاؤ سے اختیار کیا تھا سب سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

مَا كَانُوْٓا اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ یعنی یہ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پجاری تھے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ خود ان شیاطین کی زبانوں سے کہلوا دیں گے کہ ہم نے بہکایا ضرور تھا مگر مجبور تو ہم نے نہیں کیا، اس لئے مجرم ہم بھی ہیں مگر جرم سے بری یہ بھی نہیں کیونکہ جس طرح ہم نے اُن کو بہکایا تھا اس کے بالمقابل انبیاء علیہم السلام اور اُن کے نائبوں نے ان کو ہدایت بھی تو کی تھی اور دلائل کے ساتھ ان پر حق واضح کر دیا تھا، انہوں نے اپنے اختیار سے انبیاء کی بات نہ مانی ہماری مان لی تو یہ کیسے بری ہو سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کے سامنے حق کے دلائل واضحہ موجود ہوں اور وہ حق کی طرف دعوت دینے والوں کے بجائے گمراہ کرنے والوں کی بات مان کر گمراہی میں پڑ جائے تو یہ کوئی عذر معتبر نہیں۔ (معارف مفتی)

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ

اور کہیں گے پکارو اپنے شریکوں کو پھر پکاریں گے اُن کو

فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

تو وہ جواب نہ دیں گے اُن کو

مصنوعی معبود مدد سے عاجز ہوں گے:

یعنی کہا جائے گا کہ اب مدد کو بلاؤ، مگر وہ کیا مدد کر سکتے خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے۔ کذا قال المفسرون۔ اور حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر کا حاصل یہ ہے کہ شیاطین جب نیکوں کا نام لیں گے تو مشرکین سے کہا جائے گا کہ اُن نیکوں کو پکارو! وہ کچھ جواب نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ ان مشرکانہ حرکات سے راضی نہ تھے یا خبر نہ رکھتے تھے۔

وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور دیکھیں گے عذاب کس طرح وہ راہ پائے ہوئے ہوتے

گمراہوں کی حسرت:

یعنی اُس وقت عذاب کو دیکھ کر یہ آرزو کریں گے کہ کاش دنیا میں سیدھی راہ چلتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾

اور جس دن اُنکو پکارے گا تو فرمائے گا کیا جواب دیا تھا تم نے پیغام پہنچانے والوں کو

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ

پھر بند ہو جائیں گی اُن پر باتیں اس دن سو وہ آپس میں بھی نہ پوچھیں گے

رسالت کا سوال:

پہلے سوال توحید کے متعلق تھے، یہ سوال رسالت کی بابت ہو گا [illegible] اپنی عقل سے تم نے اگر حق کو نہ سمجھا تھا تو پیغمبروں سے سمجھ لینے کے [illegible] ان کے ساتھ تم نے کیا برتاؤ کیا۔ اُس وقت کسی کو جواب نہ آئے گا [illegible] بات کرنے کی راہیں بند ہو جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اُس روز ڈر کے مارے جب پیغمبر جواب میں [illegible] کہہ دیں گے اور جواب کو اللہ کے علم کے سپرد کر دیں گے (اور کہیں گے [illegible] جانتا ہے تیرے علم میں ہے کہ ہم نے ان کو شہادت کی خبر نہیں [illegible]) تو کافر لوگ کس گنتی میں ہوں گے۔ وہ کیا کہہ سکیں گے۔ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ [illegible] میں سوال نہیں کریں گے دہشت اور خوف کی وجہ سے پوچھنے کی بھی ہمت نہ ہو گی یا اس خیال سے نہیں پوچھیں گے کہ جس سے سوال کیا جائے گا اس کا بھی حال کی طرح (لاجواب) ہو گا پھر پوچھنے کا کیا حاصل۔ (تفسیر مظہری)

بقول حافظ شیرازی

[illegible]

[illegible]

(معارف کاندھلوی)

فَأَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰى

سو جس نے توبہ کی اور یقین لایا اور کیا کچھ بھلا کام سو امید ہے

اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ

کہ ہو چھوٹنے والوں میں

آخرت کی کامیابی ایمان و عمل صالح ہے:

یعنی وہاں کی کامیابی صرف ایمان و عمل صالح سے ہے۔ اب بھی جو کوئی [illegible] ترک سے توبہ کر کے ایمان لایا [illegible] معاف کر کے فائز المرام کرے گا۔ (تفسیر عثمانی) فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ وعدہ ہے شہنشاہانہ انداز میں یعنی اُس کو فلاح کی اُمید رکھنا چاہیے۔ گو ہم پر کسی کا دباؤ نہیں کہ ناچار ایسا کرنے پر مجبور ہوں۔ محض فضل و کرم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ

اور تیرا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند کرے

مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ

[illegible] ان کے ہاتھ میں نہیں پسند کرنا

تخلیق و انتخاب کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے:

[illegible] پیدا کرنا بھی اس کی مشیت و اختیار سے ہے اور کسی چیز کو [illegible] پسند کر کے منتخب کر لینا بھی اس کا کام ہے۔ جو اس کی مرضی [illegible] جس شخص کو مناسب جانے کسی خاص منصب و مرتبہ پر فائز [illegible] جس میں استعداد دیکھے ہدایت پر چلا کر کامیاب کر دے [illegible] مخلوقات [illegible] جس نوع و افراد میں سے جس فرد کو چاہے اپنی حکمت کے [illegible] دوسرے انواع و افراد سے ممتاز بنا دے [illegible] اختیار و انتخاب کا حق حاصل نہیں [illegible] اہل میں [illegible] مضمون و بہت مربوط و مناسب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

[illegible] قرآن [illegible] بستیوں میں سے [illegible]

[illegible] خلق [illegible]

[illegible] تخلیق کائنات میں منفرد ہے [illegible] میں بھی منفرد ہے جو چاہے اپنی مخلوق میں حکم نافذ [illegible]۔

فضیلت کا معیار صحیح اختیار خداوندی ہے:

حافظ ابن قیم نے اس آیت سے [illegible] دنیا میں ایک جگہ دوسری جگہ پر ایک چیز دوسری چیز پر فضیلت کی جو [illegible] سب کسی کا قبضہ نہیں [illegible] خلق کا تمت کے انتخاب و اختیار کا نتیجہ ہوتا ہے۔ [illegible] سات آسمان پیدا کئے ان میں سے [illegible] پر فضیلت [illegible] فرشتوں [illegible] فرشتوں و دوسرے فرشتوں [illegible] انبیاء علیہم السلام [illegible] دوسرے انبیاء پر اور اپنے خلیل ابراہیم اور حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم و [illegible] اولو العزم [illegible] علیہ السلام کو دوسری [illegible] قریش [illegible] سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] فضیلت [illegible]

تعالیٰ جل شانہٗ کے انتخاب واختیار کا نتیجہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں مدارِ فضیلت دو چیزیں ہیں ایک غیر اختیاری ہے جو صرف حق تعالیٰ کا انتخاب ہے دوسرا اختیاری جو اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سے حاصل ہوتا ہے علامہ ابن قیم نے اس موضوع پر بڑا تفصیلی کلام لیا ہے اور آخر میں صحابہ کرام میں سے خلفاء راشدین کو تمام دوسرے صحابہ پر اور خلفاء راشدین میں صدیق اکبر ان کے بعد عمر بن خطاب ان کے بعد عثمان غنی ان کے بعد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی ترتیب کو ان دونوں معیاروں سے ثابت کیا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک مستقل رسالہ فارسی زبان میں اس موضوع پر ہے جس کا اردو ترجمہ احقر نے بنام بعض تفصیل مسماۃ التفضیل شائع کردیا ہے اور احکام القرآن سورۂ قصص میں بھی عربی زبان عربی مفصل لکھ دیا ہے۔ اہل علم کے ذوق کی چیز ہے وہاں مطالعہ فرمائیں۔ (معارف مفتی)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ
اللہ پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس چیز سے کہ شریک بتاتے ہیں

یعنی تخلیق وتشریع اور اختیار مذکور میں حق تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں لوگوں نے اپنی تجویز واختیار سے جو شرکاء ٹھہرا رکھے ہیں سب باطل اور بے سند ہیں۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ
اور تیرا رب جانتا ہے جو چھپ رہا ہے ان کے سینوں میں اور جو کچھ ظاہر میں کرتے ہیں

اللہ آگاہ ہے:

یعنی دل میں جو فاسد عقیدے یا بری نیتیں رکھتے ہیں اور زبان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سے جو کام کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور وہ ہی ہر ایک شخص کی پوشیدہ استعداد وقابلیت سے آگاہ ہے اُسی کے موافق معاملہ کرے گا۔

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى
اور وہی اللہ ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اُسی کی تعریف ہے دنیا
وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ
اور آخرت میں اور اُسی کے ہاتھ حکم ہے اور اُسی کے پاس پھیرے جاؤ گے

معبود صرف اللہ ہے:

یعنی جس طرح تخلیق واختیار اور علم محیط میں وہ منفرد ہے الوہیت میں بھی یگانہ ہے بجز اس کے کسی کی بندگی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اُسی کی ذات منبع الکمالات میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ دنیا اور آخرت میں جو تعریف بھی ہو خواہ وہ کسی کے نام رکھ کر کی جائے حقیقت میں اُسی کی تعریف ہے۔ اُسی کا حکم چلتا ہے اُسی کا فیصلہ ناطق ہے۔ اُسی کو اقتدارِ کلی حاصل ہے اور انجام کار سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ رات دن میں جس قدر نعمتیں اور بھلائیاں تم کو پہنچتی ہیں اُسی کے فضل وانعام سے ہیں بلکہ خود رات اور دن کا ادل بدل کرنا بھی اُس کا مستقل احسان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُ الْحُكْمُ اسی کا فیصلہ (حکم) ہر چیز میں نافذ ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا اہل طاعت کے لئے اس کا حکم مغفرت اور گناہگاروں کے لئے فیصلہ بدبختی نافذ ہے۔

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ اور اسی (کے حکم) کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے مرنے کے بعد زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ
تو کہہ دیکھو تو اگر اللہ رکھ دے تم پر رات
الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
ہمیشہ کو قیامت کے دن تک

دن کی روشنی کی نعمت:

مثلاً سورج کو طلوع نہ ہونے دے یا اُس سے روشنی سلب کرلے تو اپنے کاروبار کے لئے ایسی روشنی کہاں سے لاسکتے ہیں۔

مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ
کون حاکم ہے اللہ کے سوائے کہ لادے تم کو کہیں سے روشنی
اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝٧١
پھر کیا تم سنتے نہیں

یہ بات ایسی روشن اور صاف ہے کہ سنتے ہی سمجھ میں آجائے۔ تو کیا تم سنتے بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ
تو کہہ دیکھو تو اگر رکھ دے اللہ تم پر دن
سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ
ہمیشہ کو قیامت کے دن تک کون حاکم ہے اللہ کے سوائے
يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ
کہ لادے تم کو رات جس میں آرام کرو پھر کیا تم نہیں دیکھتے

رات کی نعمت:

یعنی اگر آفتاب کو غروب نہ ہونے دے ہمیشہ تمہارے سروں پر کھڑا رکھے تو جو راحت و سکون اور دوسرے فوائد رات کے آنے سے حاصل ہوتے ہیں ان کا سامان کون کی طاقت کر سکتی ہے۔ کیا ایسی روشن حقیقت بھی تم کو نظر نہیں آتی۔ (تنبیہ) فَلَا تُبْصِرُوْنَ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا کے مناسب ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھنا عادۃً روشنی پر موقوف ہے جو دن میں پوری طرح ہوتی ہے۔ رات کی تاریکی میں چونکہ دیکھنے کی صورت نہیں، ہاں سننا ممکن ہے۔ اس لئے جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا کے ساتھ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ فرمانا ہی موزوں تھا۔ واللہ اعلم۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اور اپنی مہربانی سے بنا دیئے تمہارے واسطے رات اور دن
لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
کہ اس میں چین بھی کرو اور تلاش بھی کرو کچھ اس کا فضل
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝
اور تاکہ تم شکر کرو

یعنی رات دن کا الٹ پھیر کرتا رہتا ہے تا رات کی تاریکی اور خنکی میں سکون و راحت بھی حاصل کرو اور دن کے اجالے میں کاروبار بھی جاری رکھ سکو۔ اور روز و شب کے مختلف النوع انعامات پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ
اور جس دن ان کو پکارے گا تو فرمائے گا کہاں ہیں میرے شریک جن کا
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا
تم دعویٰ کرتے تھے اور جدا کریں گے ہم ہر فرقہ میں سے ایک احوال بتانے والا

اعمال کے گواہ:

احوال بتلانے والا پیغمبر یا ان کے نائب یا جو نیک بخت تھے۔ (موضح) وہ بتلائیں گے کہ لوگوں نے شرائع سماویہ اور احکام الٰہیہ کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اور یاد کرو اس دن کو جب کہ اللہ ان (کافروں) کو ندا دے گا اور فرمائے گا (آج) کہاں ہیں وہ میرے (فرض کئے ہوئے) شریک جن کو تم (اپنا سفارشی اور عذاب خدا سے بچانے والا) خیال کرتے تھے۔

یہ زجر ہے بعد دوسری زجر ہے یہ تنبیہ ہے اس امر پر کہ اللہ کے غضب کا موجب سب سے بڑھ کر شرک ہے پہلی زجر تھی اس بات پر کہ وہ اپنے سرداروں کے نقش قدم پر چلتے تھے اور سرداروں کا اتباع کر کے انہوں نے اللہ کی عبادت کو ترک کر دیا تھا اور یہ دوسری زجر ہے اس بات پر کہ ان کا عقیدہ ہی بگڑا ہوا ہے وہ پتھروں کو اپنا سفارشی سمجھتے ہیں۔

نَزَعْنَا ہم نکال کر لائیں گے شَهِيْدًا یعنی پیغمبر جو ان کے خلاف شہادت دیں گے۔ بُرْهَانَكُمْ اپنی دلیل یعنی اس بات کی دلیل کہ جس مذہب پر وہ چلتے تھے وہ صحیح تھا۔ اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وحدیت اللہ ہی کا حق ہے، وحدیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ ضَلَّ غائب ہو جائیں گی جیسے کوئی کھوئی ہوئی چیز غائب ہو جاتی ہے مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ یعنی دنیا میں جو بے اصل باتیں گھڑتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ
پھر کہیں گے لاؤ اپنی سند

یعنی خدا تعالیٰ کے شریک کی سند اور دلیل لے کر آؤ، اور حلال و حرام وغیرہ کے احکام کس ماخذ صحیح سے لئے تھے پیغمبروں کو تو تم نے مانا نہیں، پھر کس نے بتلایا کہ خدا کا یہ حکم ہے یہ نہیں۔

فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ
تب جان لیں گے کہ سچ بات ہے اللہ کی اور کھوئی جائیں گی ان سے
مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝
جو باتیں وہ جوڑتے تھے

تب ان پر حق واضح ہوگا:

یعنی اس وقت نظر آجائے گا کہ سچی بات اللہ کی ہے اور معبودیت صرف اسی کا حق ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ دنیا میں پیغمبر جو کہتے تھے وہ ہی ٹھیک ہے۔ مشرکین نے جو عقیدے گھڑ رکھے تھے اور جو باتیں اپنے دل سے جوڑی تھیں اس روز سب کافور ہو جائیں گی۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ
قارون جو تھا موسیٰ کی قوم سے پھر شرارت کرنے لگا ان پر

ربط مضامین:

رکوع سابق کے آغاز میں دنیا کی بے ثباتی اور حقارت آخرت کے مقابلہ میں بیان کی گئی تھی۔ چونکہ ذکر آخرت کی مناسبت سے کچھ احوال عالم

آخرت سے بیان ہوئے۔ رکوع حاضر میں پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے اور اسی دعوے کے استشہاد میں قارون کا قصہ سنایا جاتا ہے۔

قارون ملعون:

کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور فرعون کی ڈیوڑھی میں رہتا تھا جیسا کہ ظالم حکمتوں کا دستور ہے کہ کسی قوم کا خون چوسنے کے لئے انہی میں سے بعض افراد کو اپنا آلہ کار بنالیتے ہیں۔ فرعون نے بنی اسرائیل میں سے اُس ملعون کو چن لیا تھا۔ قارون نے اُس وقت موقع پاکر دونوں ہاتھوں سے خوب دولت سمیٹی اور دنیوی اقتدار حاصل کیا۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے زیر حکم آئے اور فرعون غرق ہوا تو اُس کی مالی ترقی کے ذرائع مسدود ہو گئے اور سرداری جاتی رہی۔ اس حسد و غیظ میں حضرت موسیٰ سے دل میں خلش رکھنے لگا۔ تاہم ظاہر میں مومن بنا ہوا تھا، تورات بہت پڑھتا اور علم حاصل کرنے میں مشغول رہتا تھا۔ مگر دل صاف نہ تھا۔ حضرت موسیٰ اور ہارون کی خداداد عزت و وجاہت دیکھ کر جلتا اور کہتا کہ آخر میں بھی اُن ہی کے چچا کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا معنی کہ وہ دونوں تو نبی اور مذہبی سردار بن جائیں۔ مجھے کچھ بھی نہ ملے کبھی مایوس ہو کر شیخی مارتا کہ انہیں نبوت مل گئی تو کیا ہوا۔ میرے پاس مال و دولت کے اتنے خزانے ہیں جو کسی کو میسر نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک مرتبہ زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا تو لوگوں سے کہنے لگا کہ اب تک تو موسیٰ جو احکام دے ہم تم نے برداشت کئے۔ مگر کیا تم یہ بھی برداشت کرلوگے کہ وہ ہمارا مال بھی ہم سے وصول کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے اُس کی تائید میں کہا، نہیں، ہم برداشت نہیں کرسکتے۔ آخر ملعون نے حضرت موسیٰ کو بدنام کرنے کی ایک گندی تجویز سوچی۔ کسی عورت کو بہکا پھسلا کر آمادہ کیا کہ بھرے مجمع میں جب موسیٰ علیہ السلام زناء کی حد بیان فرمائیں تو اپنے ساتھ ان کو متہم کرنا۔ چنانچہ عورت مجمع میں کہہ گزری جب حضرت موسیٰ نے اُس کو شدید قسمیں دیں، اور اللہ کے غضب سے ڈرایا تو اس کا دل ڈر گیا۔ تب اُس نے صاف کہہ دیا کہ قارون نے مجھ کو سکھلایا تھا۔ اُس وقت حضرت موسیٰ کی بددعا سے وہ مع اپنے گھر اور خزانوں کے زمین میں دھنسا دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

مروی ہے کہ قارون حضرت موسیٰ کے چچا کا لڑکا تھا۔ اس کا نسب یہ ہے قارون بن یصہر بن قاہث۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث۔ ابن اسحاق کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کا چچا تھا۔ لیکن اکثر علماء چچا کا لڑکا بتاتے ہیں۔ یہ بہت خوش آواز تھا تورات بڑی خوش الحانی سے پڑھتا تھا۔ اس لئے اسے لوگ منور کہتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

معارف ومسائل

سورۂ قصص کے شروع سے یہاں تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ قصہ مذکور تھا جو اُن کو فرعون اور آل فرعون کے ساتھ پیش آیا، یہاں ان کا دوسرا قصہ بیان ہوتا ہے جو اپنی برادری کے آدمی قارون کے ساتھ پیش آیا اور مناسبت اس کی سابقہ آیتوں سے یہ ہے کہ پچھلی آیت میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ دنیا کی دولت و مال جو تمہیں دیا جاتا ہے وہ چند روزہ متاع ہے اس کی محبت میں لگ جانا دانشمندی نہیں۔

قارون ایک عجمی لفظ غالباً عبرانی زبان کا ہے۔

روح المعانی میں محمد ابن اسحٰق کی روایت سے نقل کیا ہے کہ قارون تورات کا حافظ تھا اور دوسرے بنی اسرائیل سے زیادہ اس کو تورات یاد تھی مگر سامری کی طرح منافق ثابت ہوا اور اس کی منافقت کا سبب دنیا کے جاہ و عزت کی بیجا حرص تھی۔ پورے بنی اسرائیل کی سیادت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھی اور ان کے بھائی ہارون اُن کے وزیر اور شریک نبوت تھے اس کو یہ حسد ہوا کہ میں بھی تو ان کی برادری کا بھائی اور قریبی رشتہ دار ہوں میرا اس سیادت و قیادت میں کوئی حصہ کیوں نہیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کی شکایت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مجھے اس میں کچھ دخل نہیں، مگر وہ اس پر مطمئن نہ ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد رکھنے لگا۔

فَبَغٰى عَلَيْهِمْ لفظ بغی چند معانی کے لئے آتا ہے۔ مشہور معنے ظلم کے ہیں، یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ اس نے اپنے مال و دولت کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرنا شروع کیا، یحییٰ بن سلام اور سعید بن مسیب نے فرمایا کہ قارون سرمایہ دار آدمی تھا، فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل کی نگرانی پر مامور تھا، اس امارت کے عہدے میں اُس نے بنی اسرائیل کو ستایا (قرطبی) (معارف مفتی)

چادر لٹکانا:

شہر بن حوشب نے کہا (غرور و تکبر کا مظاہرہ کرنے کے لئے) قارون نے اپنے کپڑوں کی لمبائی (دوسروں کے مقابلہ میں) ایک بالشت بڑھائی تھی (یعنی اس کے کپڑے نیچے لٹکتے تھے)

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا کپڑا (ازار یعنی تہبند لنگی یا کرتا عبا چغہ وغیرہ) تکبر سے کھینچ کر چلتا ہے اللہ اس کی طرف (رحمت کی) نظر نہیں کرے گا۔ رواہ البغوی۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی چادر غرور کی وجہ سے کھینچتا چلتا ہے اللہ (قیامت کے دن رحمت کی) نظر سے اس کی طرف نہیں دیکھے گا۔ امام احمد اور نسائی نے صحیح سند سے حضرت

ابن حبان کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اللہ (رحمت کی نظر سے) اس شخص کو نہیں دیکھے گا جو اپنی ازار (لنگی یا تہبند) کو گھسیٹتا چلتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ
اور ہم نے دیئے تھے اُس کو خزانے اتنے کہ اُس کی کنجیاں اُٹھانے سے
بِالْعُصْبَةِ اُولِى الْقُوَّةِ
تھک جاتے کئی مرد زور آور

قارون کے خزانے:

بعض سلف نے مفاتح کی تفسیر خزائن سے کی ہے یعنی اس قدر روپیہ تھا کہ طاقتور مردوں کی ایک جماعت بھی اُسے مشکل سے اُٹھا سکتی۔ لیکن اکثر مفسرین نے مفاتح کی تفسیر کنجیوں سے کی ہے۔ یعنی مال کے صندوق اتنے تھے جن کی کنجیاں اُٹھاتے ہوئے کئی زور آور تھک جاتے ہیں۔ اور یہ چنداں مستبعد نہیں جیسا کہ بعض تفاسیر میں اس کی صورت بتلائی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت حیوہ مصری کی کرامت:

چنانچہ مروی ہے کہ حضرت حیوہ بن شریح مصری سے ایک مرتبہ کسی سائل نے سوال کیا اور آپ کے پاس کچھ نہ تھا اور سائل کی حاجتمندی اور ضرورت کو دیکھ کر آپ دل میں بہت آزردہ ہو رہے تھے آخر آپ نے ایک کنکر زمین سے اُٹھا لیا اور کچھ دیر اپنے ہاتھوں میں اُلٹ پلٹ کر کے فقیر کی جھولی میں ڈال دیا تو وہ سونے کا ڈلا بن گیا۔ معجزے اور کرامات حدیثوں اور آثار میں اور بھی بہت سی مروی ہیں، جنہیں یہاں بیان کرنا باعث طول ہوگا۔ بعض کا قول ہے کہ قارون اسم اعظم جانتا تھا جسے پڑھ کر اس نے اپنی مالداری کی دعا کی تو اس قدر دولتمند ہوگیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ
جب کہا اُس کو اُس کی قوم نے اترامت اللہ کو
لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ
نہیں بھاتے اترانے والے

دولت پر اترانا: یعنی اس فانی و زائل دولت پر کیا اتراتا ہے جس کی وقعت اللہ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ خوب سمجھ لے کہ خدا تعالیٰ کو شیخی کرنے اور اترانے والے بندے اچھے نہیں معلوم ہوتے اور جو چیز اس مالک کو نہ بھائے اُس کا نتیجہ بجز تباہی و ہلاکت کے کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فرح کا لغوی ترجمہ ہے خوشی اور مرغوب چیز پر سینہ کی کشادگی جس فرح کی ممانعت کی گئی ہے وہ فرح بمعنی غرور ہے۔ جب انسان اپنے غنی پر نازاں ہوتا ہے تو اترانے لگتا ہے مغرور ہو جاتا ہے تکبر کرنے لگتا ہے۔ ایسی فرح کی ممانعت ہے۔ اللہ نے اسی کو طغیان (چھوٹا ہو کر اپنی حد سے تجاوز کرنا) فرمایا ہے ارشاد فرمایا ہے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى انسان نے اپنے کو غنی پایا تو طغیان (غرور و تکبر) کرنے لگا۔ قاموس میں ہے فرح کا معنی ہے خوشی اور (اپنے کو) بڑا سمجھنا۔ بغوی نے لاتفرح کا ترجمہ کیا ہے مت اترا غرور نہ کر۔

حصول مقصد پر خوشی:

فرح یعنی حصول مقصد سے خوشی تو فطری امر ہے بندہ کے اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں اس لئے اس کی ممانعت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ دنیا ملنے پر خوش ہونا مطلقاً مذموم ہے (خواہ غرور و تکبر پیدا ہو یا نہ ہو) کیونکہ دنیا کی محبت اور دنیا کی پسندیدگی موجب ہے دل کی دنیا کی طرف سے غافل ہو جانے کی اور فنا ہونے والی کی طرف سے غافل ہونا بہر حال مذموم ہے یہ سمجھنا کہ دنیا فانی ہے اس کی لذت زائل ہونے والی ہے تسلی بخش ہے۔ انسان سے تقاضا کرتا ہے کہ وہ دنیا سے دل نہ لگائے اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ جو چیز تم سے فوت ہو گئی اس کا غم نہ کرو اور جو چیز اللہ نے تم کو عطا فرمادی ہے اس پر خوش نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

فرح کی اجازت صرف آیت فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا میں اور آیت وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ میں دی گئی ہے میرے نزدیک قول فیصل یہ ہے کہ دنیا میں اس نعمت کے ملنے پر جو آخرت میں کام آنے والی ہے فرح کرنا بہر حال قابل تعریف ہے اور اسی کا حکم آیت فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا میں دیا گیا ہے۔ اور جس دنیوی نعمت کے ملنے پر اللہ کا شکر بھی ادا کیا جائے اس پر بھی خوش ہونا اچھا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے والا شکر گزار روزہ دار صابر کی طرح ہے۔ ہاں اگر دنیوی لذتوں کے حصول کے بعد طغیان، سرکشی اور ناشکری پیدا ہو جائے تو قطعاً ایسی نعمت پر خوش ہونا مذموم ہے خوش ہونے کا مذموم یا محمود ہونا شکر اور ناشکری کی بناء پر ہے فی نفسہ بذات خود حصول مطلوب پر خوش ہونا تو فطری امر ہے انسان کے اختیار کو اس میں دخل نہیں۔ (تفسیر مظہری)

اترانے کی سزا:

ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنا تہبند لٹکائے فخر سے جا رہا تھا کہ اسے زمین میں دھنسا دیا گیا جو قیامت تک دھنستا ہوا چلا جائے گا (بخاری) احمد کی روایت میں ہے کہ دو چادروں میں اکڑتا ہوا نکلا تھا کہ خدا تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اسے نگل جا۔ کتاب العجائب میں ہے نوفل بن ماحق کہتے ہیں کہ نجران کی مسجد میں میں نے ایک نوجوان کو دیکھا

بڑا لمبا چوڑا ابھر پور جوانی کے نشہ میں چور گٹھے ہوئے بدن والا بانکا ترچھا اچھے رنگ روغن والا خوبصورت شکیل۔ میں نگاہیں جما کر اس کے جمال وکمال کو دیکھنے لگا تو اس نے کہا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا آپ کے حسن وجمال کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور تعجب معلوم ہو رہا ہے۔ اس نے جواب دیا تو بھی خود ... بھی تعجب ہے۔ ... کہتے ہیں کہ اس کلمہ کے کہتے ہی وہ گھٹنے لگا اور اس کا رنگ روپ اترنے لگا اور قد پست ہونے لگا یہاں تک کہ بقدر ایک بالشت ... رہ گیا ... یہی مذکور ہے کہ قارون کی ... ہلاکت ... ہوئی تھی۔

تکبر اور اترانے کی حدود:

حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ جسے یہ بات اچھی لگے کہ اس کی جوتی کا تسمہ اپنے ساتھی کی جوتی کے تسمے سے اچھا ہو تو وہ بھی اس آیت میں داخل ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب وہ فخر وغرور کرے۔ ورنہ اگر صرف بطور زیبائش کے چاہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جیسے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میری تو یہ خوشی ہے کہ میری چادر بھی اچھی ہو میری جوتی بھی اچھی ہو تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں نہیں یہ تو خوبصورتی ہے، اللہ تعالیٰ خود صاحب جمال ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ (ابن کثیر)

لَا تَفْرَحْ فرح کے لغوی معنے اس خوشی کے ہیں جو انسان کو کسی لذت عاجلہ کے سبب حاصل ہو۔ قرآن کریم نے بہت سی آیات میں فرح کو مذموم قرار دیا جیسے ایک تو یہی آیت ہے دوسری آیت میں ہے لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ اور ایک آیت میں اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ اور ایک آیت میں ہے فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور بعض آیات میں فرح کی اجازت بلکہ ایک طرح کا امر بھی وارد ہوا ہے جیسے يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ میں اور آیت میں فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ارشاد ہوا ہے۔ ان سب آیات کے مجموعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذموم اور ممنوع وہ فرح ہے جو اترانے اور تکبر کرنے کی حد تک پہنچ جائے اور وہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس لذت و نعمت کو اپنا ذاتی کمال اور اپنا ذاتی حق سمجھے اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان نہ سمجھے۔ اور جو خوشی اس حد تک نہ پہنچے وہ ممنوع نہیں بلکہ ایک حیثیت سے مطلوب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی شکر گزاری ہے۔ (معارف مفتی)

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ
اور جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے [illegible]

مال ووسائل کا صحیح استعمال:

یعنی خدا کا دیا ہوا مال اس لئے ہے کہ انسان اسے آخرت کا توشہ بنائے۔ نہ یہ کہ نعمت کے نشہ میں پڑ کر غرور وتکبر کی چال چلنے لگے۔ (ابن کثیر)

اور تجھ کو خدا نے جتنا دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصہ (آخرت میں لے جانا) فراموش نہ کر اور جس طرح خدا نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی (اس کے بندوں کے ساتھ) احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں نہ ہو بے شک اللہ اہل فساد کو پسند نہیں کرتا۔

فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ یعنی اللہ نے جو دنیوی نعمتیں تجھے عطا فرمائی ہیں۔

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ یعنی جنت کی طلب کر مطلب یہ ہے کہ خداداد نعمتوں کا شکر کر اور ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے راستہ میں خرچ کر۔

وَلَا تَنْسَ نہ بھول یعنی بھولی بسری چیز کی طرح دنیا سے اپنا حصہ ترک نہ کر یعنی دنیا سے اتنا حصہ ضرور حاصل کر جس سے آخرت میں جنت تجھے مل جائے۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے انسان کا دنیا میں اصلی نصیب وہ ہے جس سے آخرت کو حاصل کرلے۔ کذا قال مجاہد وابن زید۔

وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ
اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر
كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ
جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے

دنیا کے مال میں آدمی کا حصہ:

یعنی حصہ موافق حلال چیز اور زیادہ مال سے آخرت کما اور مخلوق سے ساتھ سلوک کر۔

سدی نے کہا نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا سے مراد ہے خیرات دینی اور کنبہ پروری کرنی۔ حضرت علی نے فرمایا اپنی صحت قوت جوانی اور مالداری کو آخرت کے حصول کے لئے صرف کرنے کو ترک نہ کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ پانچ چیزوں کو غنیمت سمجھ اپنی زندگی کو مرنے سے پہلے اپنی صحت کو بیماری سے پہلے اپنی فرصت کو مشغولیت سے پہلے اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اور اپنی مالداری کو فقر سے پہلے۔ رواہ الحاکم والبیہقی ... وصححہ ... (تفسیر مظہری)

بدنیا توانی کہ عقبیٰ خری ... زر گنج قاروں نہنگ آوری
بخر جان من ورنہ حسرت بری ... سعدیؒ نماند مگر آنکہ بخشی بری

اور بعض علماء نے نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا کی یہ تفسیر کی ہے کہ انسان کا حصہ دنیا سے کفن ہے جب اس جہان سے جانے لگے گا تو اتنا ہی نصیب ہو گا لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے کہ میرا حصہ دنیا سے صرف کفن کی دو چادریں ہیں۔ اسی نہیں پیش نظر رکھے اور دنیا کے مال ومنال پر گھمنڈ نہ

کرے اسی بنا پر کسی شاعر کا قول ہے۔

نصیبک مما تجمع الدھر کلہ　　　رداء ان تلوی فیھما و حنوط

یعنی جو کچھ تو ساری عمر جمع کرے گا۔ اس میں سے تیرا حصہ صرف کفن کی دو چادریں ہیں جن میں تو لپیٹا جائے گا۔

اور حنوط یعنی خوشبو ہے جو کفن پر لگائی جاتی ہے۔

نظم

گر ملک تو شہ ما تا یمن خواہد بود　　　وز سرحد روم تا ختن خواہد بود
آں روز کز ین جہاں کنی عزم سفر　　　ہمراہ تو چند گز کفن خواہد بود
اگر پہلوانی اگر تیغ زن　　　نخواہی بدر بردن الا کفن

(سعدی)

(معارف کاندھلوی)

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ
اور مت چاہ　خرابی ڈالنی　ملک میں　اللہ کو بھاتے

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ
نہیں　خرابی ڈالنے والے

زمین میں فساد نہ کر:

یعنی حضرت موسیٰ کی ضد نہ کر، خدا کی زمین پر سیدھی طرح رہ خواہ مخواہ ملک میں اودھم مچانا اور خرابیاں ڈالنا اچھا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے جس نے اللہ کی نافرمانی کی وہ زمین پر فساد کا طلب گار ہوا۔ (یعنی گناہ اور اللہ کی نافرمانی ہی فساد اور تباہی ہے)

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ یعنی بداعمالوں کی بداعمالی کی وجہ سے اللہ ان کو پسند نہیں کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ
بولا　یہ مال تو مجھ کو ملا ہے　ایک ہنر سے جو میرے پاس ہے

قارون کا تکبر وخود غرضی:

یعنی میں ہنر مند تھا۔ کمانے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ اپنی لیاقت وقابلیت یا کسی خاص علمی مہارت سے مجھے یہ دولت حاصل ہوئی۔ اللہ نے بھی میری لیاقت کو دیکھ کر اور قابل جان کر یہ کچھ دیا ہے۔ کیا یونہی بیٹھے بٹھائے بے محنت مل گیا ہے کہ موسیٰ کے حکم اور تمہارے مشورہ کے موافق خدا کے نام پر خرچ کر ڈالوں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي قارون نے کہا مجھے جو کچھ ملا ہے (مجھے دیا گیا ہے) وہ مجھے میرے علم کی وجہ سے ملا ہے۔ قوم والوں نے قارون سے کہا تھا، أَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ قارون نے اس کا تردیدی جواب یہ دیا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے میرے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا مجھے اس کا استحقاق تھا اس کی کوئی مہربانی نہیں جس کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر لازم ہو اور اس کے بندوں سے بھلائی کرنا مجھ پر فرض ہو جائے مجھے جو کچھ عزت مال اور سیادت ملی وہ میرے علم کی وجہ سے ملی۔ (تفسیر مظہری)

کیمیا گری کا علم:

بعض علماء نے کہا علم سے مراد ہے کیمیا گری، سعید بن مسیب کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ کیمیا بنانی جانتے تھے آپ نے علم کیمیا کا ایک حصہ تو یوشع بن نون کو سکھا دیا اور ایک تہائی حصہ کالب بن یوقنا کو اور ایک تہائی قارون کو۔ قارون نے یوشع اور کالب کو فریب دے کر وہ حصہ بھی معلوم کر لیا جو انہوں نے سیکھا تھا اس طرح پورا علم کیمیا اس کو حاصل ہو گیا اس کی مالداری کا یہی گر تھا بعض اہل علم نے کہا۔ قارون نے جو لفظ علم بولا تھا اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ میں تجارت کے گر جانتا ہوں کاشتکاری کے فن سے خوب واقف ہوں اور کمائی کے دوسرے راستے مجھے معلوم ہیں انہی ذرائع سے میرے پاس مال آیا ہے۔

بری خصلتیں:

سہل نے کہا جس نے اپنے کو دیکھا (یعنی اترایا) اس نے فلاح نہیں پائی خوش نصیب وہ ہے جس نے اپنے اوپر (غرور کی) نظر نہ ڈالی اور (نظر غرور سے) اپنے افعال واعمال کو نہیں دیکھا اور بدبخت وہ ہے جس کی نظر میں اس کے اپنے اقوال اعمال اور احوال پسندیدہ بنا کر دکھا دیئے ہوں اور ان پر فخر کرنے لگا ہو قریب ہے کسی دن ایسا بدنصیب ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح کہ قارون کو زمین میں دھنسا دیا گیا جب کہ اس نے اپنے لئے برتری کا دعویٰ کیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ
کیا اس نے یہ نہ جانا　کہ اللہ غارت کر چکا ہے　اس سے پہلے کتنی

الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ
جماعتیں جو اس سے زیادہ رکھتی تھیں　زور اور زیادہ رکھتی تھیں مال کی جمع

دولت کس نے دی؟

یعنی دولت کمانے کی لیاقت کس نے دی۔ افسوس ہے مُنعم حقیقی کو بھول کر اس کی دی ہوئی دولت ولیاقت پر غرہ کرنے لگا۔ کیا اسی دولت کو اس نے اپنی نجات کا ضامن تصور کر رکھا ہے۔ اسے معلوم نہیں کتنی جماعتیں اپنی شرارت وسرکشی کی بدولت پہلے تباہ کی جا چکی ہیں۔ جن کے پاس بادشاہتیں تھیں۔ اور اس ملعون سے زیادہ خزانوں اور لشکروں کے مالک تھے۔ ان کا

انجام سن کر اسے عبرت نہ ہوئی۔

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور پوچھے نہ جائیں گنہگاروں سے ان کے گناہ

سزا کیلئے اللہ کو گناہوں کے پوچھنے کی ضرورت نہیں:

یعنی پوچھنے کی ضرورت کیا ہوگی۔ اللہ کو ان کے گناہ ایک ایک کر کے معلوم ہیں فرشتوں کے ہاں سب لکھے ہوئے ہیں۔ ہاں بطور توبیخ و تقریع اگر کسی وقت سوال ہو وہ دوسری بات ہے۔ یا یہ کنایہ ہے گناہوں کی کثرت سے یعنی اتنی تعداد میں ہوں گے کہ ایک ایک جزئی کی پوچھ پاچھ کی ضرورت نہ رہے گی۔ اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "پوچھے نہ جائیں گے گناہ، یعنی گناہگار کی سمجھ درست ہو تو گناہ کیوں کرے۔ جب سمجھ الٹی پڑے تو الزام دینے سے کیا فائدہ کہ یہ برا کام کیوں کرتا ہے اس کی برائی نہیں سمجھتا" (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ اور مجرموں سے ان کے قصوروں کے متعلق (تحقیق کی غرض سے) نہیں پوچھا جائے گا۔ کیونکہ اللہ کو پہلے ہی سے ان کے جرائم معلوم ہوں گے اس کو پوچھنے اور دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے دنیا میں وہ بغیر دریافت کئے جرم کی سزا میں ہلاک کرتا ہے اور آخرت میں دوزخ میں داخل کرے گا۔ پہلے اللہ نے ایک ذکر کیا ہے جو بہت ... اور تعداد میں بھی بہت تھے تاکہ قارون کے دل میں اپنی ہلاکت کا خوف پیدا ہو اس آیت میں فرمایا کہ یہ عذاب انہیں کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ اللہ تمام اگلے پچھلے مجرموں کے جرائم پر مطلع ہے سب کو سزا دے گا۔ قتادہ نے لَا يُسْـَٔلُ کا یہ مطلب بیان کیا کہ بغیر پوچھے اور بغیر حساب لئے ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا مجاہد نے کہا فرشتے ان سے ان کے جرائم کا سوال نہیں کریں گے بلکہ چہروں سے ہی پہچان لیں گے حسن نے کہا دریافت حال اور تحقیق کے لئے ان سے نہیں پوچھا جائے گا بلکہ توبیخ و زجر کی غرض سے باز پرس کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ

پھر نکلا اپنی قوم کے سامنے اپنے ٹھاٹھ سے کہنے لگے جو لوگ

یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ

طالب تھے دنیا کی زندگانی کے اے کاش ہم کو ملے جیسا کچھ ملا ہے

اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۷۹﴾

قارون کو بیشک اس کی بڑی قسمت ہے

قارون کی ٹیپ ٹاپ:

یعنی لباس فاخرہ پہن کر بہت سے خدم و حشم کے ساتھ بڑی شان و شکوہ اور ٹیپ ٹاپ سے نکلا۔ جسے دیکھ کر حریص دنیا کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ کہنے لگے کاش ہم بھی دنیا میں ایسی ترقی اور عروج حاصل کرتے جو اس کو حاصل ہوا۔ بیشک یہ بڑا ہی صاحب اقبال اور بڑی قسمت والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقاتل نے کہا قارون سفید خچر پر نکلا، خچر پر سرخ ارغوانی زین تھی چار ہزار سوار تھے ان سواروں کے گھوڑے ارغوانی تھے تین سو باندیاں بھی سفید خچروں پر سوار ساتھ تھیں باندیاں گوری گوری۔ زیور اور سرخ لباس سے آراستہ تھیں۔

بنی اسرائیل (اگرچہ دنیا کے طلب گار تھے لیکن) مومن تھے اس لئے یہ نہیں کہا کہ قارون کی دولت ہم کو مل جاتی یہ تو حسد ہو جاتا بلکہ یوں کہا کہ قارون کی دولت کی طرح کاش ہم کو بھی دولت مل جاتی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ

اور بولے جن کو ملی تھی سمجھ اے خرابی تمہاری اللہ کا

اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ

دیا ثواب بہتر ہے ان کے واسطے جو یقین لائے اور کام کیا بھلا

دانا اہل علم کی نصیحت:

یعنی سمجھدار اور ذی علم لوگوں نے کہا کم بختو اس فانی چمک دمک میں کیا رکھا ہے جو ریجھے جاتے ہو۔ مومنین صالحین کو اللہ کے ہاں جو دولت ملنے والی ہے اس کے سامنے یہ ٹیپ ٹاپ محض ہیچ اور لاشے ہے اتنی بھی نسبت نہیں جو ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔

اور جن لوگوں کو (دین کا) علم عطا کیا گیا تھا انہوں نے کہا ارے تمہارا برا ہو اللہ کے گھر کا ثواب (ہر درجہ) بہتر ہے جو ان لوگوں کو ملے گا جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور (کامل طور پر) انہی لوگوں کو دیا جائے گا جو (حرص و طمع سے) اپنے آپ کو روکنے والے ہیں۔

اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی جو لوگ اس ثواب سے واقف تھے جس کا وعدہ اللہ نے مومنوں سے کیا ہے انہوں نے ان تمنا کرنے والوں سے کہا۔

وَیْلَكُمْ لفظ ویل مصدر ہے اس کا معنی ہے ہلاکت۔ یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے یعنی تم مرو۔ ہلاک ہو جاؤ۔ حقیقت میں اس لفظ کا مفہوم ہے بددعا لیکن اس کا استعمال ناپسندیدہ کام سے روکنے اور جھڑکنے کے لئے ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور یہ بات انہی کے دل میں پڑتی ہے جو سہنے والے ہیں

صبر کا پھل

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ

[illegible]

مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ

[illegible]

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِينَ

[illegible]

قارون کی سرکشی کا آغاز

[illegible]

[illegible]

قارون کے عہد و طلب ...

[illegible]

قارون کی حضرت موسیٰ سے جدائی

[illegible]

[illegible]) اپنا ایک مکان تعمیر کیا جس کا دروازہ سونے کا بنوایا اور دیواروں پر سونے کی پتریں لگوائیں بنی اسرائیل کے بڑے بڑے آدمی روزانہ صبح شام اس کے پاس آتے باتیں کرتے ہنسی مذاق کرتے اور قارون سب کو کھانا کھلاتا تھا (یہ مجلس عیش روزانہ کی رسم ہوتی تھی)۔

قارون نے زکوۃ کا انکار کر دیا:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا (اور حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا) تو قارون نے ماننے سے انکار کر دیا آخر حضرت موسیٰ نے ایک فی ہزار کی شرط پر قارون سے مصالحت کر لی قارون نے وعدہ کر لیا کہ ہزار دینار میں ایک دینار ہزار درہم میں ایک درہم اور ہزار بکریوں میں ایک بکری زکوۃ میں ادا کرے گا جب قارون اس اقرار کے بعد اپنے گھر پہنچا اور حساب لگایا تو بڑی رقم ہوئی اور اس کے دل نے اتنا کثیر مال دینے کی اجازت نہیں دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون کی تدبیریں ناکام:

آخر (سوچ کر) ایک تدبیر کی اس نے بنی اسرائیل کو جمع کیا اور سب سے خطاب کر کے کہا موسیٰ نے جو حکم بھی تم کو دیا تم نے اس کی تعمیل کی اب (یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ) وہ تمہارے مال بھی لینا چاہتا ہے [illegible] قارون نے [illegible] کو چھوڑ دیں گے اور اس کے حلقہ سے نکل جائیں گے چنانچہ [illegible] عورت کو بلوایا قارون نے ایک [illegible] قارون نے اس سے کہا تجھے [illegible] اور تجھے اپنی بیویوں میں شامل کر لوں گا بشرطیکہ کل صبح بنی اسرائیل موسیٰ کے پاس جمع ہوں تو موسیٰ پر اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگا دے۔ جب دوسرا دن ہوا تو قارون نے بنی اسرائیل کو جمع کیا پھر موسیٰ کے پاس گیا اور کہا بنی اسرائیل آپ کے برآمد ہونے کا انتظار کر رہے ہیں [illegible] وعظ و نصیحت کریں حضرت موسیٰ برآمد ہوئے بنی اسرائیل اس وقت ایک میدان میں تھے [illegible] اے بنی اسرائیل (سنو) جو چوری کرے گا ہم اس کا ہاتھ کاٹ دیں گے جو کسی پر زنا کی تہمت لگائے گا ہم اس کو کوڑے ماریں گے اور جو زنا کرے گا ہم اس کے کوڑے ماریں گے بشرطیکہ اس کی بیوی نہ ہو اور بیوی ہوتے ہوئے اگر زنا کرے گا تو ہم پتھر مار مار کر اس کو ہلاک کر دیں گے قارون بولا خواہ خود آپ ہی ایسا [illegible] (تب بھی آپ کو یہی سزا ہوگی) حضرت موسیٰ نے فرمایا خواہ [illegible] قارون کہنے لگا بنی اسرائیل کا خیال ہے کہ تم نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے [illegible]

حضرت موسیٰ نے فرمایا اس عورت کو بلاؤ [illegible] جب وہ عورت آئی تو حضرت موسیٰ نے اس سے [illegible] اس خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس نے [illegible] توریت نازل فرمائی [illegible] عورت کا [illegible] سچ [illegible] حضرت موسیٰ [illegible] اس پر غضب نازل فرما اللہ نے وحی بھیجی کہ زمین کو تمہارے زیر حکم کر دیا [illegible] حضرت موسیٰ نے [illegible]

قارون کی ہلاکت

[illegible] (زمین کو حکم دیا اور) فرمایا اے زمین [illegible] ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ اپنے تخت [illegible] تو زمین نے اس کے تخت کو نگل لیا پھر آپ نے [illegible] زمین نے [illegible] تک ان کو نگل لیا پھر آپ نے فرمایا ان کو لے [illegible] تک نگل گئی قارون اور اس کے ساتھی برابر موسیٰ علیہ [illegible] شدت غضب کی وجہ سے حضرت موسیٰ نے [illegible] طرف کوئی التفات نہیں کی اور زمین کو حکم دیا ان کو لے لو غرض زمین نے سب کو نگل لیا۔

اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا تمہارا دل بھی کیسا سخت ہے قارون نے [illegible] بار تم سے فریاد کی [illegible] قسم ہے اپنی عزت و عظمت کی [illegible] ایک بار بھی مجھ سے فریاد کرتا تو میں [illegible] قول میں آیا ہے [illegible] زمین کو کسی کا تابع نہیں بناؤں گا۔

قتادہ نے کہا زمین نے قارون کو اپنے اندر دھنسا لیا اور وہ روز بقدر قد آدم زمین کے اندر [illegible] قیامت تک [illegible] قارون کے زمین میں [illegible] بنی اسرائیل [illegible] حضرت

موسیٰ نے دعا کی تو پھر ان [illegible] کے بعد ان کے ساتھ اس کے گھر اور خزانوں اور مال متاع کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔ (تیسیر مدنی)

وَاَصْبَحَ الَّذِیْنَ تَمَنَّوْا مَکَانَهٗ بِالْاَمْسِ

اور صبح کو لگے کہنے جو کل شام آرزو کرتے تھے اس کا سا

یَقُوْلُوْنَ وَیْکَاَنَّ اللّٰهَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ

ارے خبر نہیں اللہ کشادہ کر دیتا ہے روزی

لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ

جس کو چاہے اپنے بندوں میں اور تنگ کر دیتا ہے

قارون کی ہلاکت سے عبرت:

یعنی جو لوگ قارون کی ترقی دیکھ کر ویسی ہی آرزو کر رہے تھے [illegible] بھی یہ عروج حاصل ہوتا [illegible] ان کا [illegible] آنکھوں سے [illegible] دیکھ کر ان کو ایک بات حقیقت میں یہ خوب [illegible] بے [illegible] کہ [illegible] کی دنیاوی ترقی اور عروج [illegible] یہ فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کہ اللہ کے ہاں وہ بڑا عزت و وجاہت والا ہے۔ یہ چیز کسی بندے کے مقبول و مردود ہونے کا معیار نہیں بن سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت سب کچھ جانے روزی کے دروازے کھول دے جس پر چاہے تنگ کر دے۔ مال و دولت کی [illegible] مقبولیت و خوشنودی کی دلیل نہیں [illegible] وقت [illegible] تباہی اور ابدی ہلاکت کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔

کم عاقل عاقل اعیت مذاهبه	کم جاهل جاهل تلقاه مرزوقا
هذا الذی ترک الاوهام حائرة	وصیر العالم النحریر زندیقا

لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا لَخَسَفَ بِنَا

اگر نہ احسان کرتا ہم پر اللہ تو ہم کو بھی دھنسا دیتا

وَیْکَاَنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ

ارے خبر نہیں بھلا نہیں پاتے منکر

حقیقت سے آگاہی: [illegible] قارون کی [illegible] بنایا [illegible] اپنی طرف سے تو ہم حرص [illegible] کی آرزو کرنے لگے تھے۔ خدا نے خیر کی کہ ہماری آرزو کو پورا نہیں کیا اور ہماری حرص پر [illegible]۔ قارون کا حشر آنکھوں سے دکھا کر [illegible] اب ہمیں خوب [illegible] کہ محض مال و زر کی ترقی سے حقیقی فلاح و کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی [illegible]

شکر گزار منکروں کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا نہیں۔

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ

وہ گھر پچھلا ہے ہم دیں گے وہ ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے

عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ

اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا اور عاقبت بھلی ہے ڈرنے والوں کی

اصل خوش بختی: یعنی قارون کی دولت دیکھنے والوں نے [illegible] اس کی بڑی قسمت ہے [illegible] قسمت نہیں، آخرت کا ملنا بڑی قسمت ہے۔ [illegible] ان کے لئے ہے جو اللہ کے ملک میں شرارت [illegible] بگاڑ نہیں چاہتے اور اس فکر میں نہیں رہتے کہ اپنی ذات کو سب سے اونچا رکھیں۔ بلکہ تواضع و انکسار اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اپنی ذات کو اونچا رکھنے کے بجائے اپنے دین اور سچائی کو اونچا [illegible] اپنا [illegible] اور ان کی بہت صرف کر دیتے ہیں۔ وہ دنیا [illegible] نہیں ہوتے [illegible] آخرت کے مشتاق ہوتے ہیں۔ دنیا [illegible] قدم [illegible] دنیا کا مطلب یہ [illegible] سب سے [illegible] صحابہ رضی اللہ عنہم [illegible] تاریخ [illegible] عزت و [illegible] تھے۔ بہرحال مومن کا مقصد اصلی آخرت ہے۔ دنیا کا جو حصہ اس مقصد [illegible] ہو وہ مبارک ہے ورنہ ہیچ۔ (تفسیر عثمانی)

تواضع کرنے والا حاکم:

[illegible] نے کہا اگر [illegible] نہیں [illegible] حقیر نہیں [illegible] عزت و مرتبہ کے طالب [illegible] نہیں ہوتے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ یہ آیت [illegible] ان حاکموں کے متعلق [illegible] قدرت [illegible] تواضع کرتے ہیں۔ آپ کا مقصد یہ ہے [illegible] قدرت [illegible] تواضع [illegible] لوگوں میں [illegible] اونچا [illegible] فوقیت حاصل کرنے) کا خواستگار نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

غلو [illegible] اپنے آپ [illegible] سے بڑا بنانے اور [illegible] حقیر کرنے کی فکر اور فساد سے مراد لوگوں پر ظلم کرنا ہے (سفیان ثوری) اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ [illegible] معصیت فساد فی الارض ہے کیونکہ گناہ کے وبال سے دنیا کی برکت میں کمی آتی ہے۔ [illegible] آیت سے معلوم ہوا کہ جو لوگ [illegible] کا [illegible] آیت [illegible] میں داخل نہیں۔

فائدہ: تکبر جس کی حرمت اور وبال اس آیت میں ذکر کیا گیا وہ وہی ہے کہ لوگوں پر تفاخر اور ان کی تحقیر مقصود ہو ورنہ اپنے لئے اچھے لباس اچھی غذا اچھے مکان کا انتظام جب وہ دوسروں کے تفاخر کے لئے نہ ہو مذموم نہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے۔

معصیت کا پختہ ارادہ بھی معصیت ہے

اس آیت میں علو اور فساد کے ارادہ پر دار آخرت سے محرومی کی وعید ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی معصیت کا پختہ ارادہ جو عزم کے درجہ میں آجائے وہ بھی معصیت ہی ہے۔ (کمافی الروح) (معارف مفتی)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا
جو کوئی لایا بھلائی اُس کو ملنا ہے اس سے بہتر

یعنی جو بھلائی یہاں کرے گا اس سے بہتر بھلائی وہاں پائے گا ایک نیکی کا جو مستحق ہوگا کم از کم اس سے دس گنا ثواب پائے گا۔

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ
اور جو کوئی لے آیا برائی سو سزا نہ ملے گی ان کو جو
عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝
وہی سزا ملے گی جو کچھ کرتے تھے

مشفقانہ قانون: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں نیکی پر وعدہ دیا نیکی کا دونا یقینی ملتا ہے، اور برائی پر برائی کا وعدہ نہیں فرمایا شاید وہ کسی سبب سے معاف ہو جائے۔ ہاں یہ فرمادیا کہ اپنے کئے سے زیادہ نہیں ملتی۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ
جس نے حکم بھیجا تجھ پر قرآن کا
لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ
وہ پھیر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ

دنیا و آخرت کی کامیابی متقین کے لئے ہے:

پہلے فرمایا تھا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی انجام بھلا پرہیزگاروں کا ہے یہ بات آخرت میں جیسے کہ اوپر معلوم ہوا۔ اب بتلاتے ہیں کہ دنیا میں بھی آخری فتح ان ہی کی ہوتی ہے۔ دیکھو آج کفار کے ظلم و ستم سے تنگ آکر تم کو وطن چھوڑنا پڑا ہے۔ مگر جس خدا نے آپ کو پیغمبر بنایا اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی وہ یقیناً آپ کو نہایت کامیابی کے ساتھ اسی جگہ واپس لانے والا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یہ آیت اتری ہجرت کے وقت یہ تسلی فرمادی کہ پھر مکہ میں آؤ گے۔ سو خوب طرح آئے پورے غالب ہو کر بعض مفسرین نے معاد سے مراد موت لی ہے بعض نے آخرت بعض نے جنت بعض نے بیت المقدس کہ شام جہاں پہلے ایک مرتبہ آپ شب معراج میں تشریف لے گئے تھے۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر نے ان اقوال میں بہت عمیق و لطیف تطبیق دی۔ یعنی معاد سے

مراد ابتداءً مکہ معظمہ ہے (جیسا کہ بخاری) مگر فتح مکہ علامت تھی قرب اجل کی جیسا کہ ابن عباسؓ اور عمر رضی اللہ عنہما نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا۔ آپ کی اجل کے بعد حشر، حشر کے بعد آخرت اور آخرت کی انتہائی منزل جنت ہے مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اول آپ کو نہایت شاندار طریقہ سے لوٹا کر مکہ میں لائے گا۔ اس کے چند روز بعد اجل واقع ہوگی۔ پھر ارض مقدس میں حشر ہوگا (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے) پھر آخرت میں بڑی شان و شکوہ سے تشریف لائیں گے اور آخر میں جنت کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہمیشہ کے لئے پہنچ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے معاد کی یہ تفسیر منقول ہے مطلب یہ ہے کہ اگرچہ چند روز کے لئے آپ کو اپنا وطن عزیز خصوصاً حرم اور بیت اللہ چھوڑنا پڑا مگر قرآن کا نازل کرنے والا اور اس پر عمل واجب کرنے والا خدا تعالیٰ آخر کار آپ کو پھر مکہ میں لوٹا کر لائے گا۔ تفسیر میں ہے مقاتل کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غار ثور سے رات کے وقت نکلے اور مکہ سے مدینہ جانے والے معروف راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستوں سے سفر کیا کیونکہ دشمن تعاقب میں تھے۔ جب مقام جحفہ پر پہنچے جو مدینہ طیبہ کے راستہ کی مشہور منزل رابغ کے قریب ہے اور یہاں سے وہ مکہ سے مدینہ کا معروف راستہ مل جاتا ہے اس وقت مکہ معظمہ کے راستہ پر نظر پڑی تو بیت اللہ اور وطن یاد آیا اسی وقت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے جس میں آپ کو بشارت دی گئی ہے کہ مکہ مکرمہ سے یہ جدائی چند روزہ ہے اور بالآخر آپ کو پھر مکہ مکرمہ پہنچا دیا جائے گا جو فتح مکہ کی بشارت تھی۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت جحفہ میں نازل ہوئی ہے نہ مکی ہے نہ مدنی (قرطبی)۔ (معارف مفتی)

زی معاد سے عادت مراد ہے کہ چنانچہ اس وعدہ کے مطابق اللہ نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں لوٹا بھی دیا۔ عوفی نے حضرت ابن عباس کا یہی قول بیان کیا ہے مجاہد کا بھی یہی قول ہے قتیبی نے کہا کسی شخص کا معاد اس کا شہر ہوتا ہے جہاں وہ لوٹ کر آتا ہے۔ معاد میں تنوین تنکیر اظہار عظمت و شان کے لئے ہے یعنی وہ جگہ ہے جہاں اللہ کا رسول اللہ کے حکم سے غالب آیا اور فتح مکہ سے مسلمانوں کا اسلام کا بول بالا ہوا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ معاد سے مراد موت ہے۔ میں کہتا ہوں۔ موت اصلی حالت کی طرف واپس ہونے کا نام ہے اسی لئے معاد موت ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ۔ تم بے جان تھے اللہ نے تم کو جاندار بنایا پھر وہ تم کو بے جان کردے گا۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا تم کھلی ہوئی گمراہی میں ہو اس کے جواب میں اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى
[illegible]
وَمَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
[illegible]

[illegible]

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ
[illegible]
اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ
[illegible]

منصب نبوت محض رحمت خداوندی ہے

[illegible]

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ
[illegible]

جو ایمان میں ساتھ دے وہی اپنا ہے

[illegible]

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ
[illegible]
اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ
[illegible]
وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
[illegible] شریک والوں میں

دین کے کام میں قوم کی رعایت نہ کیجئے:

[illegible]

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ
[illegible]

[illegible]

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ
[illegible]

فانی اور باقی

[illegible]

؎ الا کل شیء ما خلا اللہ باطل [illegible]

اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ سارے کام مٹ جانے والے اور فنا ہونے والے [illegible]

[illegible]

( ) الا کل شیء ما خلا اللہ باطل

[illegible]

فنائیۃ حکم الفناء یعمها من الخلق والباقون فی حیز العدم هی العرش والکرسی [illegible] وعجب [illegible] والقلم

(معارف کاندھلوی)

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ
[illegible] کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے

اللہ کی عدالت میں سب کو حاضر ہونا ہے

یعنی سب کو اس کی عدالت میں حاضر ہونا ہے جہاں تنہا اسی کا حکم چلے گا۔ صورۃً وظاہراً بھی کسی کا حکم و اقتدار باقی نہ رہے گا۔ [illegible] اس گنہگار بندہ پر رحم فرمایئے اور اپنے غضب سے پناہ دیجئے

(تم سورۃ القصص وللہ الحمد والمنۃ) [illegible]

پناہ بلندی و پستی تو ئی [illegible] ہمہ نیستند آنچہ ہستی تو ئی

سورة العنكبوت

[illegible]

سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ
[illegible]
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
[illegible]
الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا
[illegible]
اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ
[illegible]

ایمان کا امتحان ضروری ہے

یعنی زبان سے ایمان کا دعویٰ کرنا کچھ سہل نہیں جو دعویٰ کرے امتحان و ابتلاء کے لئے تیار ہو جائے یہی کسوٹی ہے جس پر کھرا کھوٹا [illegible] حدیث میں ہے کہ سب سے سخت امتحان انبیاء کا ہے ان کے بعد [illegible] لوگوں کا جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں [illegible] امتحان [illegible]

آزمائش کی صورتیں

وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ فتنہ سے مشتق ہے [illegible] مختلف قسموں [illegible] قسمیں جمع بھی کر دی جاتی ہیں۔

[illegible] احکام خداوندی کی پابندی [illegible] کافروں کی ایذا رسانیوں [illegible]

شانِ نزول [illegible]

[illegible]

[illegible] ابن جریر [illegible] ابی حاتم [illegible] بیان کیا کہ آیت [illegible] حضرت عمار بن یاسر کے متعلق ہوئی آپ کو اللہ کی راہ میں سخت دکھ [illegible] اللہ نے فرمایا اَحَسِبَ النَّاسُ الخ [illegible] ابن جریج کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کا آزاد کردہ غلام حضرت مہجعؓ

مقاتل نے کہا حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت مہجعؓ [illegible] آپ پہلے شخص [illegible] جنت [illegible] جائے گا۔

میں کہتا ہوں حضرت مہجعؓ ہی جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلے کافروں کے مقابلہ کے لئے قطار سے نکل کر آئے تھے [illegible] آپ [illegible] شہید [illegible] سب سے پہلے شہید آپ

ہی ہوئے۔ کذا فی سبیل الرشاد جب آپ کے والدین اور بی بی بے تابی کے ساتھ گریہ وزاری کرنے لگے تو ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

ایمان کے ساتھ اعمال بھی ضروری ہیں:

بغوی نے ذکر کیا ہے کہ شروع میں صرف ایمان کا حکم دیا تھا پھر نماز زکوٰۃ اور دوسرے قوانین فرض ہوئے بعض لوگوں کو (اس کی تعمیل میں دشواری ہوتی اور ان پر) یہ حکم شاق ہوا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس شان نزول پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ یہ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صرف ایمان لانے (بغیر شرائع کے) ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور دوسرے اوامر و نواہی بھیج کر ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ صرف ایمان دوام اگرچہ دوامی جہنمی ہونے سے روکتا ہے اور جنت میں (کبھی نہ کبھی) داخل ہونے کا مستحق بنا دیتا ہے۔ لیکن حصول درجات تو ادائے طاعت اور ترک خواہشات سے وابستہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
اور ہم نے جانچا ان کو جو ان سے پہلے تھے

سابقہ انبیاء اور ان کے متبعین کی آزمائشیں:

اگلے پہلے نبیوں کے متبعین بڑے بڑے سخت امتحانوں میں ڈالے جا چکے ہیں۔ بخاری میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی کہ حضرت! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیجئے اور دعا فرمائیے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں پر سختی اور ظلم وستم کی انتہا کر رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایک (زندہ) آدمی کو زمین کھود کر (کھڑا) گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے سر پر آرہ چلا کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دیے تھے، بعضوں کے بدن میں لوہے کی کنگھیاں پھرا کر چمڑا اور گوشت الگ کر دیا جاتا تھا۔ تاہم یہ سختیاں ان کو دین سے نہ ہٹا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا
سو البتہ معلوم کرے گا اللہ جو لوگ سچے ہیں
وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ
اور البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو

یعنی اللہ تعالیٰ علانیہ ظاہر کر دے گا اور دیکھ لے گا کہ دعوے ایمان میں کون سچا نکلتا ہے اور کون جھوٹا۔ اسی کے موافق ہر ایک کو جزا دی جائے گی۔ (تنبیہ) فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الخ سے جو حدوث علم باری کا وہم ہوتا ہے اس کا نہایت محققانہ جواب مترجم علام قدس سرہ نے دیا ہے۔ ملاحظہ کیا جائے پارہ دوم رکوع اول "اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ" کے تحت میں ہم نے یہاں ان توجیہات کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو مفسرین نے لکھی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے جان لینے کا مطلب:

اللہ تعالیٰ کو تو ہر انسان کا صادق یا کاذب ہونا اس کے پیدا ہونے سے پہلے بھی معلوم ہے، امتحانات اور آزمائشوں کے جان لینے کے معنی یہ ہیں کہ اس امتیاز کو دوسروں پر بھی ظاہر فرما دیں گے، اور حضرت سیدی حکیم الامت تھانوی نے اپنے شیخ مولانا محمد یعقوب صاحب سے اس کی توجیہ یہ بھی نقل فرمائی ہے کہ بعض اوقات عوام کے درجہ علم پر تنزل کر کے بھی کلام کیا جاتا ہے، عام انسان مخلص اور منافق میں فرق آزمائش ہی کے ذریعہ معلوم کرتے ہیں، ان کے مذاق کے مطابق حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ان مختلف قسم کے امتحانات کے ذریعہ ہم یہ جان کر رہیں گے کہ کون مخلص ہے کون نہیں، حالانکہ اس کے علم میں یہ سب کچھ ازل سے ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اللہ تو ہمیشہ سے جانتا ہے سچوں کو بھی اور جھوٹوں کو بھی اس لئے حصول علم مقصود نہیں ہے بلکہ اس کے علم ازلی کا سچوں کی سچائی اور کاذبوں کے جھوٹ سے بالفعل (بعد العمل) تعلق پیدا کرنا مقصود ہے تاکہ سچے ایمان والے جھوٹے منافقوں سے ممتاز ہو کر ثابت ہو جائیں اور ان سے ثواب یا عذاب کا تعلق ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ
کیا یہ سمجھتے ہیں جو لوگ کرتے ہیں برائیاں
اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ
کہ ہم سے بچ جائیں بری بات ہے جو طے کرتے ہیں

ایذاء دینے والے کافر عذاب میں مبتلا ہونگے:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ پہلی دو آیتیں مسلمانوں کے متعلق تھیں جو کافروں کی ایذاء میں گرفتار تھے، اور یہ آیت ان کافروں سے متعلق ہے جو مسلمانوں کو ستا رہے تھے۔ (موضح) یعنی مومنین کے امتحانات کو دیکھ کر یہ نہ سمجھیں کہ ہم مزے سے ظلم کرتے رہیں گے اور سختیوں سے بچے رہیں گے۔ وہ ہم سے بچ کر کہاں جا سکتے ہیں۔ جو سخت ترین سزا ان کو ملنے والی ہے اس کے سامنے مسلمانوں کے امتحان کی سختی کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر اس وقت کی عارضی مہلت سے انہوں نے یہ قائم کر لی ہے کہ ہم ہمیشہ مامون رہیں گے اور سزا دہی کے وقت خدا کے ہاتھ نہ آئیں گے تو حقیقت میں بہت ہی بری بات طے کی ایسا احمقانہ فیصلہ آنے والی مصیبت کو روک نہیں سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچوں نمازیں (باہم ایک وقت سے دوسرے وقت تک) اور جمعہ کی نماز (آئندہ) جمعہ تک اور رمضان (کے روزے آئندہ) رمضان تک درمیانی گناہوں کو اتار دینے والے ہیں بشرطیکہ بندہ کبیرہ گناہوں سے بچا رہے رواہ مسلم۔ یہ بحث آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفصیل کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ
جوکوئی توقع رکھتا ہے اللہ کی ملاقات کی سو اللہ کا وعدہ
لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝
آ رہا ہے اور وہ ہے سننے والا جاننے والا

اللہ اپنے امیدواروں سے وعدہ پورا کرے گا:

یعنی جو شخص اس توقع پر سختیاں اٹھا رہا ہے کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے جہاں بات بات پر پکڑ ہوگی۔ ناکامیاب ہوا تو یہاں کی سختیوں سے کہیں بڑھ کر سختیاں جھیلنی پڑیں گی اور کامیاب رہا تو ساری کلفتیں دھل جائیں گی اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار نصیب ہوگا۔ ایسا شخص یاد رکھے کہ اللہ کا وعدہ آ رہا ہے، کوئی طاقت اُسے پھیر نہیں سکتی۔ اس کی اعلیٰ توقعات پوری ہو کر رہیں گی اور اس کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کی جائیں گی۔ اللہ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے کسی کی محنت رائیگاں نہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ
اور جوکوئی محنت اٹھائے سو اُٹھاتا ہے اپنے ہی واسطے
اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝
اللہ کو پروا نہیں جہان والوں کی

اللہ بے نیاز ہے، عبادت ومحنت کا نفع خود بندے کو ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی کی طاعت سے کیا نفع اور معصیت سے کیا نقصان۔ وہ تو کلی طور پر بے نیاز ہے۔ ہاں بندہ اپنے پروردگار کی طاعت میں جس قدر محنت اُٹھائے گا اس کا پھل دنیا وآخرت میں اسی کو ملے گا، پس مجاہدے کرنے والے یہ خیال کبھی نہ آنے دیں کہ ہم خدا کے رستہ میں اتنی محنت کر کے کچھ اس پر احسان کر رہے ہیں؟ (العیاذ باللہ) اُس کا احسان ہے کہ خود تمہارے فائدہ کے لیے طاعت وریاضت کی توفیق بخشے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں جہاد تلوار چلانے کا ہی نام نہیں، انسان نیکیوں کی کوشش میں لگا رہے یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے۔ (ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ہم اتار دیں گے اُن پر سے
سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
برائیاں اُن کی اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر سے بہتر کاموں کا

اللہ نیکیوں کا صلہ دیتا ہے:

یعنی جہان سے بے پروا اور بے نیاز ہونے کے باوجود اپنی رحمت وشفقت سے تمہاری محنت کو ٹھکانے لگاتا ہے حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ یعنی ایمان کی برکت سے نیکیاں ملیں گی اور برائیاں معاف ہوں گی۔ (موضح القرآن) (تفسیر عثمانی)

اس میں شک نہیں کہ تمہاری نیکیاں خدا کو کوئی کام نہیں آتیں لیکن پھر بھی اس کی یہ مہربانی ہے کہ وہ تمہیں نیکیوں پر بدلے دیتا ہے۔ ان کی وجہ سے تمہاری برائیاں معاف فرما دیتا ہے، چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے، ایک ایک نیکی کا سات سات سو تک بدلہ عنایت فرماتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل ہی معاف فرما دیتا ہے یا اسی کے برابر سزا دیتا ہے۔ وہ ظلم سے پاک ہے نیکیوں کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم دیتا ہے۔ ایمانداروں کی مطابق سنت نیکیاں قبول فرماتا ہے، ان کے گناہوں سے درگزر کر لیتا ہے اور ان کے اچھے اعمال کا بدلہ عنایت فرماتا ہے۔ (ابن کثیر)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ
اور ہم نے تاکید کر دی انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی سے رہنے کی
وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ
اور اگر وہ تجھ سے زور کریں کہ تو شریک کرے میرا جس کی تجھ کو خبر نہیں

اللہ کا شریک کوئی نہیں ہو سکتا:

یعنی تمام کائنات میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو خدا کی شریک ہو سکے۔ پھر اُس کی خبر کسی کو کہاں سے ہوتی۔ جو لوگ شرکاء ٹھہراتے ہیں محض جاہلانہ اوہام اور بے سند خیالات کی پیروی کر رہے ہیں۔ واقع کی خبر انہیں کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سعد بن ابی وقاص کی والدہ کی بھوک ہڑتال:

مسلم۔ ترمذی۔ بغوی۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کیا ہے (حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں

[illegible]

اپنا مذہب نہیں چھوڑوں گا تیرا دل چاہے کھانا چاہے نہ کھا۔ جب ماں [illegible]

[illegible]

فَلَا تُطِعْهُمَا

[illegible]

والدین کی اطاعت کی حد:

دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں۔ [illegible] ان کی خاطر دین نہ چھوڑے۔ (موضح) حدیث میں ہے [illegible] بن ابی وقاص کی والدہ نے جو مشرکہ تھی [illegible]

[illegible]

اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

مجھی تک پھر آنا ہے تم کو سو میں بتلا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

یعنی سب کو عدالت میں حاضر ہونا ہے اس وقت بتلا دیا جائے گا [illegible] اور والدین میں سے کس کی زیادتی تھی اور کون حق پر تھا۔ [illegible]

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

[illegible]

لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ

[illegible]

حق پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر

[illegible]

مومن کے درجات کا کمال

[illegible]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ

[illegible]

اُوْذِیَ فِی اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ

[illegible]

کمزور دل مومن

[illegible]

یہ منافقوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ فِي اللّٰهِ اللہ کی راہ میں یعنی مسلمان ہونے کی بنیاد پر جو دکھ ان کو کافروں کی طرف سے پہنچتا ہے كَعَذَابِ اللّٰهِ یعنی آخرت کے عذاب کی طرح کا مطلب یہ ہے کہ جو دکھ کافروں کی طرف سے پہنچنے والے ہیں ان پر صبر نہیں رکھتے اور بے تاب ہو کر کافروں کا کہنا مان لیتے ہیں اور اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں جس طرح کہ مسلمان اللہ کے عذاب آخرت کے خوف سے کفر و معصیت کو ترک کر دیتے ہیں۔

شانِ نزول:

ابن جریر اور ابن المنذر نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ مکہ کے کچھ لوگ تو مسلمان ہو گئے تھے مگر اپنے ایمان پوشیدہ رکھتے تھے بدر کی لڑائی میں مشرک ان کو اپنے ساتھ (مسلمانوں سے مقابلہ کے لئے) لے گئے ان میں سے کوئی مارا گیا تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ لوگ تو مسلمان تھے مجبوراً ان کو جنگ کے لئے نکلنا پڑا تھا آپ ان کے لئے دعائے مغفرت فرما دیجئے اس پر سورت نساء کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ الخ نازل ہوئی مدینہ کے مسلمانوں نے یہ آیت لکھ کر مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو بھیج دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ اب تمہارے لئے عذر کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ یہ خط پڑھ کر مکہ کے مسلمان نکل کھڑے ہوئے مشرکوں نے ان کا تعاقب کیا اور زبردستی واپس لے گئے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ
اور اگر پہنچے مدد تیرے رب کی طرف سے تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں

منافقوں کی حالت:

یعنی اگر مسلمانوں کی کوئی کامیابی اور عروج دیکھیں تو باتیں بنانے لگیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی تمہارے اسلامی بھائی ہیں۔ خصوصاً اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور فرض کیجئے یہ لوگ کفار کا ساتھ دیتے ہوئے ان کے ہاتھ میں قید ہو جائیں، پھر تو نفاق و تملق کی کوئی حد نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ
کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہان والوں کے

یعنی جیسے کچھ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اللہ کو سب معلوم ہے۔ کیا زبانی دعوے کر کے اللہ سے اپنے دلوں کا حال چھپا سکتے ہیں؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
اور البتہ معلوم کرے گا اللہ ان لوگوں کو جو یقین لائے ہیں اور البتہ معلوم کرے گا جو لوگ دغا باز ہیں

مؤمن منافق ایک ہو کر رہے گا:

یعنی معلوم تو اُسے پہلے ہی سے سب کچھ ہے لیکن اب تمہارے اعمال و افعال دیکھ لے گا کہ کون اپنے کو سچا مومن ثابت کرتا ہے اور کون جھوٹا دغاباز منافق ہے (تنبیہ) اس قسم کے مواضع میں لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ کے معنی "لَيُمَيِّزَنَّ اللّٰهُ" سیدنا ابن عباسؓ سے منقول ہے کما فی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ
اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو تم چلو ہماری راہ اور ہم اٹھا لیں تمہارے گناہ

مسلمان کافروں کی اتباع نہ کریں:

یعنی مسلمان کو چاہئے ایمان پر مضبوط رہے، نہ کوئی تکلیف و ایذا اس کو اس طریق استقامت سے ہٹا سکے اور نہ کافروں کی احمقانہ استمالت سے متاثر ہو، مثلاً کفار مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم اسلام چھوڑ کر پھر اپنی برادری میں آ ملو اور ہماری راہ پر چلو، تمام تکلیفوں اور ایذاؤں سے بچ جاؤ گے مفت میں یوں مصیبتیں جھیل رہے ہو۔ اور اگر ایسا کرنے میں گناہ سمجھتے اور مواخذہ کا اندیشہ رکھتے ہو تو خدا کے ہاں بھی ہمارا نام لے دینا کہ انہوں نے ہم کو یہ مشورہ دیا تھا۔ اگر ایسی صورت پیش آئی تو ساری ذمہ داری ہم اٹھا لیں گے، اور تمہارے گناہ کا بوجھ اپنے سر رکھ لیں گے کما قال الشاعر۔

ع تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر (تفسیر عثمانی)

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ
اور وہ کچھ نہ اٹھائیں گے ان کے گناہ بیشک وہ جھوٹے ہیں اور البتہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور کتنے بوجھ ساتھ اپنے بوجھ کے

کافروں کے جھوٹے دعوے:

یعنی جھوٹے ہیں تمہارا بوجھ رتی برابر بھی ہلکا نہیں کر سکتے۔ ہاں اپنا بوجھ بھاری کر رہے ہیں۔ ایک تو اُن کے ذاتی گناہوں کا بار تھا، اب دوسروں کے اغواء و اضلال کے بارے اُس میں مزید اضافہ کر دیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ کوئی چاہے کہ رفاقت کر کے کسی کے گناہ اپنے اوپر لے لے یہ نہیں ہوگا۔ مگر جس کو گمراہ کیا اور اس کے بہکانے سے اس نے گناہ کیا،

گناہ اس پر بھی اور اس پر بھی۔ (موضح) جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دنیا میں جو کوئی کسی کو (ناحق) قتل کرے اس کے گناہ کا حصہ آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کو پہنچتا ہے جس نے اول یہ بُری راہ نکالی۔ (تفسیر عثمانی)

نیکی اور بدی کا داعی:

ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہؓ اور انس بن مالک سے روایت کی گئی ہے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو جتنے لوگ اس کی دعوت کی وجہ سے ہدایت پر عمل کریں گے ان سب کے عمل کا ثواب اس داعی کے نامہ اعمال میں بھی لکھا جائے گا۔ بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی کی جائے۔ اور جو شخص کسی گمراہی اور گناہ کی طرف دعوت دے تو جتنے لوگ اس کے کہنے سے اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے ان سب کا گناہ اور وبال اس شخص پر بھی پڑے گا بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے وبال اور عذاب میں کوئی کمی ہو (مسلم عن ابی ہریرۃ وابن ماجہ عن انس، قرطبی)۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ
اور البتہ ان سے پوچھ ہوگی قیامت کے دن جو باتیں کہ جھوٹ بناتے تھے

اہل حق ہمیشہ آزمائے جاتے رہے ہیں:

یعنی جو جھوٹی باتیں بناتے ہیں کہ ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے یہ خود مستقل گناہ ہے جس پر ماخوذ ہوں گے۔ آگے چند قصص کے ضمن میں متنبہ کیا ہے کہ سچوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے جھوٹے اغواء اور شرارت کرتے رہے ہیں اور سچوں کو مدتوں تک امتحان وابتلاء کے دور میں سے گزرنا پڑا ہے۔ مگر آخری نتیجہ انہی کے حق میں بہتر ہوا، منکر اور شریر لوگ خائب وخاسر رہے سچے کامیاب وسربلند ہوئے۔ اشقیاء کے تمام مکائد تار عنکبوت سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔ (تفسیر حقانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ
اور ہم نے بھیجا نوح کو اس کی قوم کے پاس پھر رہا ان میں
اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا
ہزار برس پچاس برس کم

حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت:

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ ساڑھے نوسو برس دعوت وتبلیغ اور سعی واصلاح میں مصروف رہے۔ پھر طوفان آیا، طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اور کہا یہ جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار چار سو برس ہوئی۔ آخر موت کے فرشتے نے آپ سے پوچھا اے دراز ترین عمر والے پیغمبر آپ نے دنیا کو کیسا پایا فرمایا جیسے کسی نے ایک مکان بنایا ہو جس کے دو دروازے ہوں میں ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے دروازہ سے باہر نکل گیا۔

آیت میں نو سو پچاس برس کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ نوسو کے لفظ میں ایک طرح کی شان اور عظمت ہے۔ مدعا یہ ہے کہ ایک عظیم الشان طویل مدت تک حضرت نوح قوم کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرتے رہے اور اتنی طویل مدت تک قوم کی تکذیب کا مقابلہ کرتے رہے۔ پھر غرقاب میں انتقام لیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ
پھر پکڑا اُن کو طوفان نے اور وہ گنہگار تھے

طوفان نوح:

یعنی جب گناہوں اور شرارتوں سے باز نہ آئے تو طوفان نے سب کو تباہ کیا۔ بجز چند نفوس کے سب غرق ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ
پھر بچا دیا ہم نے اس کو اور جہاز والوں کو

نجات یافتہ لوگ:

یعنی جو آدمی یا جوجانور جہاز پر سوار تھے اُن کو نوح علیہ السلام کی معیت میں ہم نے محفوظ رکھا۔ سورۂ ہود میں یہ قصہ مفصل گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ
اور رکھا ہم نے جہاز کو نشانی جہان والوں کے واسطے

کشتی نوح علیہ السلام عبرت کا نشان:

کہتے ہیں حضرت نوح کا جہاز مدت دراز تک جودی پر لگا رہا تا کہ دیکھنے والوں کے لئے عبرت ہو اور اب جو جہاز اور کشتیاں موجود ہیں یہ بھی ایک نشانی ہے جسے دیکھ کر سفینہ نوح علیہ السلام کی یاد تازہ ہوتی اور قدرت الٰہی کا نمونہ نظر آتا ہے۔ یا شاید یہ مراد ہو کہ کشتی کے اس قصہ کو ہم نے ہمیشہ کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں جس وقت یہ سورۃ اتری ہے حضرت کے بہت سے اصحاب کافروں کی ایذاؤں سے تنگ آ کر جہاز پر سوار ہو کر ملک حبشہ کی طرف گئے تھے جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ ہجرت کر

آتے تب وہ جہاز والے سمجھ بھی ہاتھی سے آ ملے۔ (موضح القرآن) گویا نوح علیہ السلام و نبینوں جہاز بن تاریخ کی رحمت میں ہی باقی تھی۔

وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ
اور ابراہیم کو جب اس نے کہا اپنی قوم کو بندگی کرو اللہ کی اور ڈرتے رہو اس سے
ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ
یہ بہتر ہے تمہارے حق میں اگر تم سمجھ رکھتے ہو تم تو پوجتے ہو
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا
اللہ کے سوا یہ بتوں کے تھان اور بناتے ہو جھوٹی باتیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت:

یعنی جھوٹے عقیدے تراشتے ہو اور جھوٹے خیالات و اوہام کی پیروی کرتے ہو، یعنی اپنے ہاتھوں سے بت بنا کر کھڑے کر لیتے ہیں جنہیں جھوٹ موٹ خدا بنا رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تم اہل علم میں سے ہو، یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم خیر و شر کو جانتے ہو اور حق و باطل میں امتیاز کر سکتے ہو، یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم علمی نظر رکھتے ہو اور تعصب و ضد سے تمہاری نظر پاک ہے، یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم ان لوگوں میں سے ہو جو اہل علم و تمیز ہیں تو تم سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہوگی کہ اللہ کی عبادت اور اس کے عذاب کا خوف اس مذہب سے بہتر ہے جس پر تم چل رہے ہو۔ (مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ
جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا وہ مالک نہیں
لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ
تمہاری روزی کے سو تم ڈھونڈو اللہ کے یہاں روزی اور اس کی بندگی کرو
وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ
اور اس کا حق مانو اسی کی طرف پھر جاؤ گے

معیشت کی اہمیت:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "اکثر خلق روزی کے پیچھے ایمان دیتی ہے۔ سو جان رکھو کہ اللہ کے سوا روزی کوئی نہیں دیتا وہی دیتا ہے اپنی خوشی کے موافق بلا اس کے شکرگزار بنو اور اسی کی بندگی کرو۔ وہیں تم کو جانا ہے، آخر اس وقت کیا منہ دکھاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ
اور اگر تم جھٹلاؤ گے تو جھٹلا چکے ہیں بہت فرقے تم سے پہلے
وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ
اور رسول کا ذمہ تو یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر

قوم کے جھٹلانے سے پیغمبر کا کوئی نقصان نہیں:

یعنی جھٹلانے سے میرا کچھ نہیں بگڑتا میں صاف صاف تبلیغ و نصیحت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا، جو نہ سمجھ چکا، نہ مانو گے نقصان اٹھاؤ گے جیسے عاد و ثمود وغیرہ تم سے پہلے اٹھا چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ
کیا دیکھتے نہیں کیونکر شروع کرتا ہے اللہ
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
پیدائش کو پھر اس کو دہرائے گا

اپنی پیدائش پر دوبارہ زندگی کو قیاس کر لو:

یعنی خود اپنی ذات میں غور کرو، پہلے تم کچھ نہ تھے، اللہ نے تم کو پیدا کیا اسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کر دے گا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ شروع تو دیکھتے ہو، دوہرانا اسی سے سمجھ لو۔ (تفسیر عثمانی)

كَيْفَ يُبْدِئُ یعنی کیا انہوں نے اپنی ابتدائی تخلیق کی کیفیت کو نہیں دیکھا۔ (نظر اور دیکھا ہے لیکن) عبرت حاصل نہیں کی۔ اللہ نے ان کو نطفہ سے پھر بستہ خون سے پھر گوشت کی بوٹی سے بنایا پھر بچہ بنا کر باہر لے آتا ہے پھر وقت موت تک اس کے حالات کو بدلتے رہتے ہیں یہاں تک موت آ جاتی ہے۔

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ اعادہ سے مراد ہے مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرنا۔ یہ بھی اعادہ کا مطلب ہو سکتا ہے کہ سبزہ اور پھل وغیرہ اللہ دوبارہ ویسے ہی پیدا کر دیتا ہے جیسے گذشتہ سال پیدا کئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝
یہ اللہ پر آسان ہے

اللہ کیلئے کچھ مشکل نہیں:

یعنی اللہ کے نزدیک تو کوئی چیز بھی مشکل نہیں۔ البتہ تمہارے سمجھنے کی بات ہے۔ جس نے بدون نمونہ کے ایک چیز کو بنایا نمونہ قائم ہونے کے

بعد بنانا تو اور زیادہ آسان ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ

تو کہہ ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر

بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ

شروع کیا ہے پیدائش کو پھر اللہ اٹھائے گا پچھلا اٹھان

دوسری مخلوقات میں غور کرو:

یعنی اپنی ذات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کی پیدائش میں بھی غور کرو اور چل پھر کر دیکھو کیسی کیسی مخلوق خدا نے پیدا کی ہے۔ اسی پر دوسری زندگی کو قیاس کر لو۔ اس کی قدرت اب کچھ محدود تو نہیں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۤءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاۤءُ

عذاب کرے گا جس کو چاہے اور رحم کرے گا جس کو چاہے

یعنی دوبارہ پیدا کر کے جسے اپنی حکمت کے موافق چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا اپنے فضل و کرم سے مہربانی فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب و رحم کی صورتیں:

یعنی آخرت میں دوزخ کا عذاب دے کر اور دنیا میں بے مدد چھوڑ کر دنیا کا حریص بنا کر یا بداخلاق بنا کر یا اللہ کی طرف سے روگردانی کرا کر یا بدعات کا مرتکب بنا کر، یہ سب صورتیں عذاب کی ہیں۔ یعنی اللہ جس پر رحم کرنا چاہے رحم کرے آخرت میں جنت میں داخل فرما کر اور دنیا میں مدد دے کر اور قناعت عطا فرما کر اور خوش اخلاق بنا کر اور اپنی طرف متوجہ بنا کر اور اتباع سنت کی توفیق دے کر۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ

اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے اور تم عاجز کرنے والے نہیں

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۤءِ وَمَا لَكُمْ

زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی نہیں تمہارا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

اللہ سے ورے حمایتی اور نہ مددگار

اللہ سے کوئی بھاگ نہیں سکتا:

یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سزا دینا چاہے وہ نہ زمین کے کسی گوشے میں چھپ کر سزا سے بچ سکتا ہے نہ آسمان میں اڑ کر، کوئی بلندی یا پستی خدا سے بچا نہیں سکتی نہ کوئی طاقت اس کی مشیت اور ارادہ کو روک سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۤءِ زمین میں اور نہ آسمان میں یعنی تم بھاگ کر زمین میں چھپ جاؤ زمین کے غاروں میں گھس جاؤ تب بھی اس کے حکم سے نکل نہیں سکتے اسی طرح اگر (بالفرض) آسمان میں اونچے برجوں قلعوں میں بند ہو جاؤ تب بھی قبضہ خداوندی سے باہر نہیں ہو سکتے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَلَا فِي السَّمَاۤءِ کا مطلب ہو وَلَا مَنْ فِي السَّمَاۤءِ یعنی اہل آسمان ملائکہ بھی عاجز نہیں کر سکتے ... حسان کا شعر ہے۔

فمن یهجو رسول الله منکم ویمدحه وینصره سواء

تم میں سے جو لوگ رسول اللہ کی ہجو کریں اور وہ لوگ جو رسول اللہ کی مدح اور مدد کریں دونوں فریق برابر ہیں (یعنی آپ کی شان میں ان کی ہجو سے کوئی کمی نہیں ہوتی اور ... کی تعریف سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَاۤئِهٖۤ اُولٰۤئِكَ

اور جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی باتوں سے اور اس کے ملنے سے وہ

يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ

ناامید ہوئے میری رحمت سے

مایوس رحمت:

یعنی جنہوں نے اللہ کی باتوں کا انکار کیا اور اس سے ملنے کی امید نہیں رکھی (کیونکہ وہ بعث بعد الموت کے قائل ہی نہ ہوئے) انہیں رحمت الٰہی کی امید کیونکر ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہ آخرت میں بھی محروم و مایوس ہی رہیں گے۔ یہ وہی ... فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا کا عکس ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُولٰۤئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ

اور ان کو دکھ کی مار ہے پھر کچھ جواب نہ تھا

قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ

اس کی قوم کا مگر یہی کہ بولے اس کو مار ڈالو یا جلا دو

قوم ابراہیم علیہ السلام کی ہٹ دھرمی

[illegible]

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ
[illegible]

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ

[illegible]

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
[illegible]

اہل حق کی کامیابی کی مثال

[illegible]

وَقَالَ
[illegible]

[illegible]

اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا
[illegible]
مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
[illegible]

آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی تقریر

[illegible]

[illegible] دوست ہیں۔ جیسا کہ آج کل ہم یورپ کی عیسائی قوموں کا [illegible] دیکھتے ہیں۔ [illegible] بت پرستی کا شیوع و رواج اس بنا پر نہیں [illegible] معقول چیز ہے بلکہ اندھی تقلید، قومی مروت، لحاظ اور تعلقات باہمی [illegible] بڑا سبب ہے [illegible] بت پرستی کی اصل جڑ آپس کی محبت اور [illegible] تھی۔ ایک قوم میں چند نیک آدمی جنہیں لوگ محبوب رکھتے تھے انتقال کر [illegible] جوش محبت میں [illegible] تصویریں بنا کر بطور یادگار رکھ لیں [illegible] تعظیم بڑھتے بڑھتے عبادت بن گئی۔ [illegible] آیت میں [illegible] بیان کئے ہیں۔ [illegible] "مودة بينكم" [illegible] محبت ہے [illegible] دوسری جگہ [illegible] "فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ
پھر [illegible] قیامت [illegible] منکر ہو جاؤ گے ایک سے
بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا
[illegible] لعنت [illegible]

مشرکانہ دوستیاں کوئی کام نہ دیں گی:

[illegible] قیامت کے دن ایک [illegible] حضرت شاہ صاحب [illegible] اللہ کے روبرو منکر ہوں [illegible] ہم کو پوجو۔ تب یہ پوجنے والے ان کو لعنت کریں [illegible] (موضح) (تفسیر عثمانی)

وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ
اور ٹھکانا تمہارا [illegible] اور کوئی نہیں تمہارا مددگار

[illegible] آگ سے تم کو بچالے جیسے میرے پروردگار نے تمہاری آگ سے مجھ کو بچا لیا۔ (تفسیر عثمانی)

امت محمدیہ میں انقلابات

[illegible] حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت گاہ کی طرف ہوگی۔ [illegible] زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جنہیں [illegible] اور خدا تعالیٰ ان سے نفرت کرے گا انہیں [illegible] سوروں اور بندروں کے ساتھ [illegible] دونوں وانہیں کے ساتھ رہے گی [illegible] ہجرت [illegible] اور روایت میں ہے جو ان میں سے پیچھے رہ گا [illegible] اور مشرق کی طرف سے کچھ لوگ میری امت میں

ایسے نکلیں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا ان کے ایک جتھے کے خاتمے کے بعد دوسرا گروہ کھڑا ہوگا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس سے بھی زیادہ بار اسے دہرایا۔ یہاں تک کہ انہی کے آخری گروہ میں دجال نکلے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک زمانہ وہ ہم پر وہ تھا کہ ہم ایک مسلمان بھائی کے لئے درہم و دینار کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے اپنی دوست اپنے بھائی کی ہی سمجھتے تھے، پھر وہ زمانہ آیا کہ دولت ہمیں اپنے مسلم بھائی سے زیادہ عزیز معلوم ہونے لگی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر تم بیلوں کی دموں کے پیچھے لگ جاؤ گے اور تجارت میں مشغول ہو جاؤ گے اور خدا تعالیٰ کی راہ کا جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کے پٹے ڈال دے گا جو اس وقت تک تم سے الگ نہ ہوں گے جب تک کہ تم پھر سے وہیں نہ آ جاؤ جہاں تھے اور تم توبہ نہ کرو۔ پھر وہی حدیث بیان کی جو اوپر گزری اور فرمایا کہ میری اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے اور بدعملیاں کریں گے قرآن ان کے حلقوم سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے علم دیکھ کر تم اپنے علموں کو حقیر سمجھنے لگو گے۔ وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے پس جب یہ لوگ ظاہر ہوں تم انہیں قتل کر دینا، پھر نکلیں پھر مار ڈالنا پھر ظاہر ہوں پھر قتل کر دینا۔ وہ بھی خوش نصیب ہے جو انہیں قتل کرے اور وہ بھی خوش نصیب ہے جو ان کے ہاتھوں قتل کیا جائے۔ جب ان کے گروہ نکلیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں برباد کر دے گا پھر نکلیں گے پھر برباد ہو جائیں گے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی بیس مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ بار یہی فرمایا۔ (ابن کثیر)

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ
پھر مان لیا اُس کو لوط نے اور وہ بولا میں تو وطن چھوڑتا ہوں
اِلٰى رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۲۶
اپنے رب کی طرف بیشک وہی ہے زبردست حکمت والا

حضرت لوطؑ کا ایمان لانا اور ہجرت:

حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے کسی مرد نے نہ مانا۔ البتہ لوطؑ نے فوراً بلا توقف تصدیق کی۔ دونوں کا وطن "عراق" میں شہر بابل تھا۔ خدا کے توکل پر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اور ملک شام میں پہنچ کر بس گئے۔ (تنبیہ) وَقَالَ اِنِّیْ مُهَاجِرٌ الخ میں دونوں احتمال ہیں۔ قائل ابراہیم ہوں یا لوط علیہما السلام۔ (تفسیر عثمانی)

میرا رب یعنی اللہ نے مجھے جہاں چلے جانے کا حکم دیا ہے وہاں چلا جاؤں گا یعنی جہاں میرے لئے اپنے رب کی عبادت کی سہولت ہوگی وہاں چلا جاؤں گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں اپنی قوم سے منہ پھیر لوں گا ان سے کوئی (دینی) تعلق نہیں رکھوں گا اور اپنا رخ اپنے رب کی طرف کر لوں گا (سب سے کٹ کر اللہ سے جڑ جاؤں گا ہمہ تن بے ہمہ) صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو وطن میں سفر کہتے ہیں۔ اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کوثی علاقہ کوفہ سے حران کی طرف ہجرت کی پھر حران سے شام کو چلے گئے حضرت لوط اور آپ کی بیوی حضرت سارہ دونوں آپ کے ساتھ تھے حضرت ابراہیم ہی سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا پھر حضرت ابراہیم نے فلسطین میں اور حضرت لوط نے سدوم میں قیام اختیار کیا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر پچھتر سال تھی۔

حضرت عثمانؓ کی ہجرت:

حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم راوی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم اور لوطؑ کے بعد عثمانؓ سب سے پہلے مہاجر ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سب سے پہلے ہجرت کی جیسے حضرت لوطؑ نے حضرت ابراہیم کی طرف سے سب سے پہلے ہجرت کی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمانؓ اور رقیہؓ سے پہلے لوط کے بعد اور کوئی مہاجر نہیں ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ
اور دیا ہم نے اس کو اسحٰق اور یعقوب

اولادِ ابراہیم:

یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا دیا جن کی نسل بنی اسرائیل کہلاتی ہے۔

وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ
اور رکھ دی اُس کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب

یعنی حضرت ابراہیمؑ کے بعد بجز ان کی اولاد کے کسی کو کتاب آسمانی اور پیغمبری نہ دی جائے گی۔ چنانچہ جس قدر انبیاء ان کے بعد تشریف لائے ان ہی کی ذریت سے تھے۔ اسی لئے ان کو ابوالانبیاء کہا جاتا ہے۔

وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا ۚ وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ
اور دیا ہم نے اس کو اس کا ثواب دنیا میں اور وہ آخرت میں
لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۲۷
البتہ نیکوں سے ہے

یعنی دنیا میں حق تعالیٰ نے مال، اولاد، عزت اور ہمیشہ کا نام نیک دیا، اور ملک شام ہمیشہ کے لئے اُن کی اولاد کو بخشا۔ (کذافی الموضح) اور آخرت میں اعلیٰ درجہ کے صالحین کی جماعت میں (جو انبیائے اولوالعزم کی جماعت ہے) شامل رکھا۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا میں سب سے پہلی ہجرت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو دین کے لئے ترک وطن اور ہجرت اختیار کرنا پڑی، ان کی یہ ہجرت پچھتر سال کی عمر میں ہوئی (یہ سب بیان قرطبی سے لیا گیا ہے)۔

بعض اعمال کی جزاء دنیا میں بھی مل جاتی ہے:

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اللہ کی راہ میں قربانیوں اور دوسرے اعمال صالحہ کی جزاء دنیا میں بھی دے دی کہ ان کو تمام مخلوق میں مقبول وامام بنا دیا، یہودی، نصرانی، بت پرست سبھی ان کی عزت کرتے ہیں، اور اپنا مقتدا مانتے ہیں اور آخرت میں وہ صالحین اہل جنت میں سے ہوں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعمال کی اصل جزا تو آخرت میں ملے گی مگر اس کا کچھ حصہ دنیا میں بھی نقد دیدیا جاتا ہے، جیسا کہ احادیث معتبرہ میں بہت سے اچھے اعمال کے دنیوی فوائد اور برے اعمال کے دنیوی مفاسد کا بیان آیا ہے، ایسے اعمال کو سیدی حضرت حکیم الامت نے ایک مستقل رسالہ جزاء الاعمال میں جمع فرما دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت حبشہ:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمام شہر خدا تعالیٰ کے شہر ہیں اور کل بندے اللہ تعالیٰ کے غلام ہیں جہاں تو بھلائی پا سکتا ہو وہیں قیام کر۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ پر جب کہ مکہ شریف کی رہائش مشکل ہو پڑی تو وہ ہجرت کر کے حبشے چلے گئے تاکہ امن وامان کے ساتھ خدا کے دین پر قیام کر سکیں۔ وہاں کے سمجھدار دیندار بادشاہ اصحمہ نجاشی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی پوری تائید ونصرت کی اور وہاں وہ بہت عزت اور خوشی سے رہے سہے۔ پھر اس کے بعد باجازت خداوندی صحابہؓ نے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ
اور بھیجا لوط کو جب کہا اپنی قوم کو تم آتے ہو بے حیائی کے کام پر

مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ
تم سے پہلے نہیں کیا وہ کسی نے جہان میں

حضرت لوطؑ کی تبلیغ:

یعنی یہ فعل شنیع تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ یہی اس کی دلیل ہے کہ فطرت انسانی اس سے نفور ہے۔ ایسے خلاف فطرت وشریعت کام کی بنیاد تم نے ڈالی۔ (تفسیر عثمانی)

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ
کیا تم دوڑتے ہو مردوں پر اور راہ مارتے ہو

قوم لوط کی بدکاریاں:

راہ مارنے سے مراد ممکن ہے ڈاکہ زنی ہو، یہ بھی ان میں رائج ہوگی۔ یا اسی بدکاری کے لئے مسافروں کی راہ مارتے تھے کہ ڈر کے مارے اس طرف ہو کر نہ نکلیں۔ یا تَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ کا مطلب یہ ہو کہ فطری اور معقول راستہ کو چھوڑ کر توالد وتناسل کا سلسلہ منقطع کر رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ؕ
اور کرتے ہو اپنی مجلس میں برا کام

شاید یہی بدکاری علانیہ لوگوں کے سامنے کرتے ہوں گے، اس بات کی شرم بھی نہ رہی تھی یا یہ ہو اور ٹھٹھے، دھینگے اور بے شرمی کی باتیں کرتے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے بروایت ابوصالح حضرت ام ہانیؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت ام ہانیؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آیت وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ کے متعلق دریافت کیا، عرض کیا وہ بری بات کون سی تھی جو قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں کرتے تھے فرمایا وہ لوگ (اپنی مجلسوں میں سر راہ بیٹھ کر) آنے جانے والوں کے غلے مارتے اور ان کا مذاق بناتے تھے۔ (رواہ احمد والترمذی)

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ قوم لوط والے اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوتے ہر شخص کے پاس ایک پیالہ میں کچھ پتھریاں ہوتی تھیں کوئی مسافر ادھر سے گزرتا تو وہ آپس میں کہتے تھے (اپنے شکار کو) لو چنانچہ ہر شخص مسافر کو نشانہ بنا کر کنکری مارتا تھا جس کی کنکری مسافر کو لگ جاتی وہی مسافر کا مستحق قرار پاتا تھا اول اس کا سب سامان چھین لیتا پھر اس کے ساتھ بدفعلی کرتا تھا۔ اور تین درہم اس کو دے کر چلتا کر دیتا تھا ان کا سرپنچ تین درہم دینے کا فیصلہ کرتا تھا۔

قاسم بن محمد نے کہا وہ مجلسوں میں بیٹھ کر آواز کے ساتھ ریاح خارج کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا ایک دوسرے پر تھوکتا تھا۔ مکحول نے کہا قوم لوط کی بری حرکتوں میں سے یہ باتیں تھیں کہ وہ علک چباتے مہندی سے

[illegible] (میہ مظہری)

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِۦٓ إِلَّآ أَن قَالُوا ٱئْتِنَا

[illegible]

بِعَذَابِ ٱللَّهِ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّـٰدِقِينَ

[illegible]

قوم والوں کا حضرت لوطؑ کو جواب

[illegible]

[illegible] أَنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ [illegible]

[illegible]

قَالَ رَبِّ ٱنصُرْنِى عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْمُفْسِدِينَ

[illegible]

حضرت لوطؑ کی دعاء

[illegible]

[illegible] السلام نے فرمایا تھا "إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوٓا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا" (نوح، کوع ۲) کذا قال الشیخ [illegible] (تفسیر [illegible])

مُفْسِدِينَ یعنی یہ مفسد لوگ ہیں انہوں نے لواطت کی ایجاد کی [illegible]

[illegible]

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ إِبْرَٰهِيمَ بِٱلْبُشْرَىٰ قَالُوٓا

[illegible]

إِنَّا مُهْلِكُوٓا أَهْلِ هَـٰذِهِ ٱلْقَرْيَةِ

[illegible]

إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَـٰلِمِينَ

[illegible]

بلاکت کے فرشتے

[illegible]

قَالَ إِنَّ فِيهَا لُوطًا

[illegible]

حضرت ابراہیمؑ کا تعجب

[illegible]

نے اپنے کلام میں کوئی استثناء نہیں کیا تھا، اس سے ان کے ذہن میں یہ شق آئی ہوگی کہ لوط کی موجودگی میں کارروائی کریں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ

وہ بولے ہم کو خوب معلوم ہے جو کوئی اس میں ہے ہم بچا لیں گے اس کو

وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ

اور اس کے گھر والوں کو مگر اس کی عورت کہ رہ جانے والوں میں

فرشتوں کا جواب:

یعنی فرشتوں نے اطمینان دلایا کہ ہم سب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں اور جو ان میں خدا کے مجرم ہیں۔ تم کو خطرہ نہیں، بلکہ اس کے گھر والوں کو بھی کوئی گزند نہ پہنچے گا۔ سب کو عذاب کے موقع سے علیحدہ کر دیں گے صرف اس کی ایک عورت وہاں رہ جائے گی۔ کیونکہ اس پر بھی عذاب آنا ہے۔

وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس

بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا

ان کے آنے سے ناخوش ہوا اور تنگ ہوا دل میں

فرشتے حضرت لوط کے پاس:

فرشتے نہایت حسین وجمیل امردوں کی شکل میں وہاں پہنچے۔ حضرت لوط نے اول پہچانا نہیں۔ بہت تنگدل اور ناخوش ہوئے کہ اب ان مہمانوں کی عزت قوم کے ہاتھ سے کس طرح بچاؤں گا۔ اگر اپنے یہاں نہ ٹھہراؤں تو اخلاق و مروت اور مہمان نوازی کے خلاف ہے۔ ٹھہراتا ہوں تو اس بدکار قوم سے آبرو کس طرح محفوظ رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ

اور وہ بولے مت ڈر اور غم نہ کھا ہم بچا لیں گے تجھ کو

وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ

اور تیرے گھر کو مگر عورت تیری رہ گئی رہ جانے والوں میں

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰۤى اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا

ہم کو اتارنی ہے اس بستی والوں پر ایک آفت

مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ

آسمان سے اس بات پر کہ وہ نافرمان ہو رہے تھے

یعنی اپنی قوم کی شرارت سے ڈرو مت۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی اور ہمارے چھونے سے گھبرائیں نہیں ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں۔ جو تجھ کو ڈرتے ہیں ہم شرب والوں وغیرہ ان کی قوم کو غارت کرنے آئے ہیں۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَاۤ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ

اور چھوڑ رکھا ہم نے اس کا نشان ظاہر سمجھدار لوگوں کے واسطے

قوم لوط کی بستیوں کے کھنڈرات:

یعنی ان الٹی ہوئی بستیوں کے نشان عرب والوں کو ملک شام کے سفر میں دکھائی دیتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے آیت بینہ سے مراد ہیں قوم لوط کی بستیوں کے ویران کھنڈر۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد وہ پتھر ہیں جو ان پر برسائے گئے تھے وہ پتھر باقی رکھے اس امت کے ابتدائی دور تک وہ پتھر موجود تھے اور اگلے لوگوں نے ان کو دیکھا تھا۔

مجاہد نے کہا زمین کے اندر سے سیاہ پانی برآمد ہونا آیت بینہ سے مراد ہے۔ بعض نے کہا اس سے قصہ کی شہرت مراد ہے یعنی ہم نے قوم لوط کی تباہی کے قصہ کو ایک نشانی کر کے چھوڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ

اور بھیجا مدین کے پاس ان کے بھائی شعیب کو پھر بولا اے قوم

اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ

بندگی کرو اللہ کی اور توقع رکھو پچھلے دن کی

حضرت شعیب کی تبلیغ:

یعنی آخرت کی طرف سے غافل نہ ہو اور ایک خدائے واحد کی پرستش کرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ

اور مت پھرو زمین میں خرابی مچاتے

فساد فی الارض:

خرابی مچانے سے شاید مراد ہے لین دین میں دغا بازی کرنا، سود وغیرہ کھانا، جیسا کہ ان کی عادت تھی۔ اور ممکن ہے رہزنی بھی کرتے ہوں۔ وقیل غیر ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا

پھر اُس کو جھٹلایا　تو پکڑ لیا اُن کو　زلزلے نے　پھر صبح کو رہ گئے

فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ وَعَادًا وَثَمُودَ

اپنے گھروں میں　اوندھے پڑے　اور ہلاک کیا عاد اور ثمود کو

وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَسَاكِنِهِمْ

اور تم پر حال کھل چکا ہے　اُن کے گھروں سے

یعنی اُن کی بستیوں کے کھنڈر تم دیکھ چکے ہو۔ ان سے عبرت حاصل کرو۔ (تفسیر عثمانی)

عقل پرستوں کی غلط فہمی:

اور جن کی عقل فلسفہ اور سائنس سے خراب ہو چکی ہے اور ان کا دائرہ ادراک محسوسات سے متجاوز نہیں ان کا گمان یہ ہے کہ ان بستیوں کے نیچے [illegible] لوہا اور گندھک کی کان تھی یا [illegible] سے [illegible] مشتعل ہوا [illegible] سے وہ بستی جل گئی اور تباہ ہوئی۔

[illegible] ایک جگہ جمع ہوسکتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ

اور فریفتہ کیا ان کو شیطان نے　ان کے کاموں پر　پھر روک دیا

عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ۝

ان کو　راہ سے　اور تھے　ہوشیار

عقل کے باوجود ہلاکت کے خریدار ہے:

یعنی دنیا کے کام میں ہشیار تھے اور اپنے نزدیک عقلمند تھے پر شیطان کے بہکانے سے نہ بچ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

[illegible] مستبصر ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے [illegible] تھے بصیرت مند تھے غور و نظر رکھتے تھے لیکن انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ان پر [illegible] کہ ان پر عذاب ضرور آئے گا۔ پیغمبروں کے قول سے ان پر ظاہر ہو چکا تھا کہ (اگر وہ تائب نہ ہوئے تو) عذاب میں مبتلا ہوں گے لیکن وہ اپنے افکار و اطوار پر جمے رہے اور نتیجہ میں تباہ کر دیئے گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَى

اور ہلاک کیا قارون اور فرعون اور ہامان کو　اور اُن کے پاس پہنچا موسیٰ

بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ۝

کھلی نشانیاں لے کر　پھر بڑائی کرنے لگے ملک میں　اور نہیں تھے ہم سے بچ نکلنے والے

قارون، فرعون اور ہامان:

یعنی کھلی نشانیاں دیکھ کر بھی حق کے سامنے نہ جھکے اور غرور سے [illegible] نہ پہنچنے ہو سکے۔ پھر نتیجہ کیا ہوا [illegible] سے [illegible] ہے؟ یا انبیاء بالخصوص خدا کو تھکا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

قارون نسبی لحاظ سے فرعون و ہامان سے شریف تھا اس لئے قارون کا لفظ فرعون و ہامان سے پہلے ذکر کیا اس سے اشارہ نکلتا ہے اس امر کی طرف کہ [illegible] عصیت کا صدور [illegible] ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ

[illegible]

مختلف مجرموں کی مختلف سزائیں:

یعنی ان میں سے ہر ایک کو [illegible] سزا دی۔

فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا

پھر کوئی تھا　کہ اس پر بھیجا ہم نے　پتھراؤ

یہ قوم لوط ہے اور [illegible] عاد [illegible] ان میں شامل ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ

اور کوئی تھا　کہ　اُس کو پکڑا　چنگھاڑ نے

یہ ثمود تھے اور اہل مدین بھی۔

وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ

اور کوئی تھا　کہ اس کو دھنسا دیا ہم نے　زمین میں

یعنی قارون جیسے سورۂ قصص میں گزرا۔

وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا

اور کوئی تھا　کہ اس کو ڈبو دیا ہم نے

یہ فرعون و ہامان ہوئے اور بعض نے قوم نوح کو بھی ان میں شامل کیا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے پر تھے وہ
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ
اپنا آپ ہی برا کرتے

اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا:

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ نہیں کہ کوئی ناانصافی یا بے موقع کام کرے۔ اس کی بارگاہ عیوب و نقائص سے بالکل مبرا و منزہ ہے۔ ظلم تو وہاں متصور ہی نہیں۔ ہاں بندے خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ یعنی ایسے کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ بالآخر اُن کے حق میں برا ہو۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ
مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے پکڑے اللہ کو چھوڑ کر اور حمایتی
كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ
جیسے مکڑی کی مثال بنایا اس نے ایک گھر اور سب گھروں میں بودا
لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ
سو مکڑی کا گھر اگر ان کو سمجھ ہوتی

مشرکوں کی حیثیت:

یعنی گھر اس واسطے ہے کہ جان و مال کا بچاؤ ہو۔ مکڑی کا جالا ذرا سی ہوا سے ٹوٹ پڑے۔ یہی مثال اس کی ہے جو اللہ کے سوا کسی کو اپنا بچانے والا اور محافظ سمجھے، بدون مشیت الٰہی کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ (تفسیر حقانی)

مسئلہ: مکڑی کو مارنے اور اس کے جالے صاف کر دینے سے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں، بعض حضرات اس کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ یہ جانور بوقت ہجرت غار ثور کے دہانے پر جالا تان دینے کی وجہ سے قابل احترام ہو گیا۔ جیسا کہ خطیب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس کے قتل کی ممانعت نقل کی ہے، مگر ثعلبی نے اور ابن عطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی سے یہ روایت نقل کی ہے "طهروا بيوتكم من نسج العنكبوت فان تركه يورث الفقر" یعنی مکڑی کے جالوں سے اپنے مکانات کو صاف رکھا کرو، کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر و فاقہ پیدا ہوتا ہے، سند ان دونوں روایتوں کی قابل اعتماد نہیں، اور دوسری روایت کی دوسری احادیث سے تائید ہوتی ہے جن میں مکانات اور فناء دار کو صاف رکھنے کا حکم ہے۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

مکڑی اور مشرک:

حماد کا قول ہے کہ مکڑی کے آٹھ پاؤں اور چھ آنکھیں ہوتی ہیں اور ان کے اندر ایک زہریلا مادہ بھی ہوتا ہے اور یہ عنکبوت [illegible] اسی طرح مشرکین ہر طرف دوڑتے ہیں اور ان کی نظریں چکاچوند رہتی ہیں اور اندر شرک کا زہریلا مادہ ہوتا ہے جو ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

یعنی جو کافر بتوں پر بھروسہ رکھتے ہیں اور انہوں نے بتوں کو اپنا محل اعتماد قرار دے رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے ضعف و حفاظت میں ایسی ہے جیسے مکڑی نے اپنا جالا بنا لیا ہو، بلکہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ ان کا محل اعتماد کمزور ہے مکڑی کا جالا پھر بھی کوئی حقیقت رکھتا ہے اور اس کا کچھ فائدہ مکڑی کو پہنچتا ہے۔ بت پرستوں کی حالت اس سے بھی گئی گزری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بت پرستوں کے مذہب کی مثال مکڑی کے جالے کی طرح ہے۔ یہ مطلب ہے کہ جن کافروں نے اللہ کے سوا دوسروں کو کارساز سمجھ رکھا ہے اہل توحید کے مقابلہ میں ان کی حالت ایسی ہے جیسے اس مکڑی کی جس نے اپنا گھر آدمی کے گھر کے مقابلہ میں بنایا ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکر غار میں داخل ہوئے تو مکڑیوں نے جمع ہو کر فوراً دروازہ پر جالا بنا دیا اس سے [illegible]۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ
اللہ جانتا ہے جس جس کو وہ پکارتے ہیں اس کے
دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ
سوائے کوئی چیز ہو

یعنی ممکن تھا کہ سننے والا تعجب کرے کہ سب کو ایک ہی ذیل میں کھینچ دیا کسی کو مستثنیٰ نہ کیا بعض لوگ بت کو پوجتے ہیں بعض آگ پانی کو بعض دیوتا، انبیاء و فرشتوں کو، سو اللہ نے فرما دیا کہ اللہ کو سب معلوم ہیں۔ اگر کوئی ایک بھی ان میں سے مستقل قدرت و اختیار رکھتا تو حق تعالیٰ سب کی یک قلم نفی نہ کرتا۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ
اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا

یعنی اللہ کو کسی کی رفاقت نہیں چاہیے وہ زبردست ہے اور مشورہ نہیں چاہیے کیونکہ حکیم مطلق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حکمت وطاقت کا مالک اللہ ہے:

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ اور وہی غالب اور حکمت والا ہے یہ ماسبق کا تتمہ ہے۔ ایک غالب حکیم ہستی کے ساتھ ایسی چیز کو عبادت میں شریک کرنا جو بالکل ہیچ اور بے مقدار ہیں انتہائی حماقت ہے اللہ مطلق ہے ہر چیز پر اس کو قدرت تامہ حاصل ہے مگر جن کو اس کے مقابلہ میں پکارتے ہو وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے بالکل معدوم کی طرح ہیں اس مجید کامل ہیں لیکن قادر مطلق یقینا مکڑیوں وغیرہ سے پرقدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ
اور یہ مثالیں بٹھلاتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے
وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ
اور ان کو سمجھتے وہی ہیں جن کو سمجھ ہے

قرآنی مثالوں پر مشرکین کے اعتراض کا جواب:

مشرکین کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مکڑی اور مکھی وغیرہ حقیر چیزوں کی مثالیں بیان کرتا ہے جو اس کی عظمت کے منافی ہیں اس کا جواب دیا۔ یہ مثالیں اپنے موقع کے لحاظ سے نہایت موزوں اور ممثل لہ پر پوری منطبق ہیں۔ مگر سمجھدار ہی ان کا مطلب سمجھتے ہیں۔ جاہل بے وقوف کیا جانیں۔ مثال کا انطباق مثال دینے والے کی حیثیت پر نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ جس کی مثال ہے اس کی حیثیت کو دیکھو، اگر وہ حقیر و کمزور ہے تو تمثیل بھی ایسی ہی حقیر و کمزور چیزوں سے ہوگی۔ مثال دینے والے کی عظمت کا اس سے کیا تعلق۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے نزدیک عالم کون ہے؟

امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور وفکر کرے، اور اس کی طاعت پر عمل کرے، اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔

مسند احمد میں حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار امثال سیکھی ہیں، ابن کثیر اس کو نقل کر کے کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمرو بن عاصؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ میں عالم انہی کو فرمایا ہے جو اللہ و رسول کی بیان کردہ امثال کو سمجھیں، اور حضرت عمرو بن مرہ نے فرمایا کہ جب میں قرآن کی کسی آیت پر پہنچتا ہوں جو میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے بڑا غم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ (معارف مفتی اعظم)

بغوی نے عطاء اور ابو الزبیر کی روایت بیان کی کہ حضرت جابرؓ نے وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ تلاوت کی اور فرمایا عالم وہ ہے جس نے اللہ کی طرف سے سمجھ لیا ہو اور سمجھنے کے بعد اللہ کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی سے پرہیز رکھے۔ ثعلبی اور واحدی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ ابوداؤد نے کتاب الفتن میں حارث بن اسامہ کے طریق سے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔ ابن جوزی نے اس کو موضوعات میں لکھا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمرو بن مرہ فرماتے ہیں کہ کلام اللہ شریف کی جو آیت میری تلاوت میں آئے اور اس کی تحقیق یعنی مطلب میری سمجھ میں نہ آئے تو میرا دل دکھتا ہے مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور میں ڈرنے لگتا ہوں کہ کہیں خدا تعالیٰ کے نزدیک میری گنتی جاہلوں میں تو نہیں ہوگئی کیونکہ فرمان خدا تعالیٰ یہی ہے کہ ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں جنہیں صرف عالموں کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ
اللہ نے بنائے آسمان اور زمین جیسے چاہئیں

یعنی نہایت حکمت سے، یونہی بیکار پیدا نہیں کیا۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ
اس میں نشانی ہے یقین لانے والوں کے لئے

یعنی جب آسمان و زمین کی پیدائش میں اسے کسی شریک یا مددگار کی کیا احتیاج ہوگی۔ ہوتی تو ان بڑے کاموں میں ہوتی۔ چھوٹے چھوٹے کاموں میں

اتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ
تو پڑھ جو اتری تیری طرف کتاب

تلاوتِ قرآن کے نتائج:

یعنی قرآن کی تلاوت کرتے رہیے تا دل مضبوط اور قوی رہے۔ تلاوت کا اجر وثواب الگ حاصل ہو۔ اس کے معارف وحقائق کا انکشاف بیش از بیش ترقی کرے۔ دوسرے لوگ بھی سن کر اس کے مواعظ اور علوم و برکات سے منتفع ہوں، جو نہ مانیں ان پر خدا کی حجت تمام ہو، اور دعوت واصلاح کا فرض بحسن وخوبی انجام پاتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ
اور قائم رکھ نماز بیشک نماز روکتی ہے

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

[illegible]

نماز برائیوں سے روکتی ہے:

نماز کا برائیوں سے روکنا دو معنی میں ہو سکتا ہے۔ ایک بطریق تسبیب یعنی نماز میں اللہ تعالیٰ نے خاصیت و تاثیر یہ رکھی ہو کہ نمازی کو گناہوں اور برائیوں سے روک دے جیسے کسی دوا کا استعمال کرنا بخار وغیرہ امراض کو روک دیتا ہے۔ اس صورت میں یاد رکھنا چاہیے کہ دوا کے لیے ضروری نہیں کہ اس کی ایک ہی خوراک بیماری کو روکنے کے لیے کافی ہو جائے۔ بعض دوائیں خاص مقدار میں مدت تک التزام کے ساتھ کھائی جاتی ہیں۔ اس وقت ان کا نمایاں اثر ظاہر ہوتا ہے بشرطیکہ مریض کسی ایسی چیز کا استعمال نہ کرے جو اس دوا کی خاصیت کے منافی ہو۔ پس نماز بھی بلاشبہ بڑی قوی التاثیر دوا ہے جو روحانی بیماریوں کو روکنے میں اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ ہاں ضرورت اس کی ہے کہ ٹھیک مقدار میں اس احتیاط اور بدرقہ کے ساتھ جو اطباء روحانی نے تجویز کیا ہے کسی مدت تک اس پر مداومت کی جائے۔ اس کے بعد مریض خود محسوس کرے گا کہ نماز کس طرح اس کی پرانی بیماریوں اور برسوں کے روگ کو دور کرتی ہے۔ دوسرے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ نماز کا برائیوں سے روکنا بطور اقتضاء ہو یعنی نماز کی ہر ایک ہیئت اور اس کا ہر ایک ذکر مقتضی ہے کہ جو انسان ابھی ابھی بارگاہ الٰہی میں اپنی بندگی، فرمانبرداری، خضوع و تذلل اور حق تعالیٰ کی ربوبیت، الوہیت اور حکومت و شہنشاہی کا اظہار و اقرار کر کے آیا ہے، مسجد سے باہر آ کر بھی بدعہدی اور شرارت نہ کرے اور اس شہنشاہ مطلق کے احکام سے منحرف نہ ہو، گویا نماز کی ہر ایک ادا نمازی کو پانچ وقت حکم دیتی ہے کہ او بندگی اور غلامی کا دعویٰ کرنے والے واقعی بندوں اور غلاموں کی طرح رہ۔ اور بزبان حال مطالبہ کرتی ہے کہ بے حیائی اور شرارت اور سرکشی سے باز آ۔ اب کوئی باز آئے یا نہ آئے مگر نماز یقیناً ان باتوں سے روکتی اور منع کرتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ خود روکتا اور منع فرماتا ہے۔ کما قال تعالیٰ "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ" (نحل رکوع ۱۳) پس جو بدبخت اللہ تعالیٰ کے روکنے اور منع کرنے پر برائی سے نہیں رکتے نماز کے روکنے پر بھی ان کا نہ رکنا محل تعجب نہیں۔ ہاں یہ واضح رہے کہ نماز کا روکنا اور منع کرنا اسی درجہ تک ہوگا۔ جہاں تک اس کے ادا کرنے میں خدا کی یاد سے غفلت نہ ہو۔ کیونکہ نماز محض چند مرتبہ اٹھنے بیٹھنے کا نام نہیں۔ سب سے بڑی چیز اس میں خدا کی یاد ہے۔ نمازی ارکان صلوٰۃ ادا کرتے وقت اور قراءت قرآن یا دعاء و تسبیح کی حالت میں جتنا حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کو مستحضر اور زبان و دل کو موافق رکھے گا اتنا ہی اس کا دل نماز کے منع کرنے کی آواز کو سنے گا۔ اور اسی قدر اس کی نماز برائیوں کو چھڑانے میں مؤثر ثابت ہوگی۔ ورنہ جو نماز قلب لاہی و غافل سے ادا ہو وہ صدق و اخلاص سے خالی ہو بے اثر ثابت ہوگی۔ جس کی نسبت حدیث میں فرمایا "لا یذکر اللہ فیہا الا قلیلا" (یہ منافق کی نماز ہے) "لم یزدد بہا من اللہ الا بعدا" [illegible]

امام رازی کی تحقیق:

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ میں صلوٰۃ سے مطلق نماز مراد نہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے کہ جو شرعاً صحیح ہو اور عند اللہ قبول ہو۔ اور نماز کے لیے شرط ہے کہ کپڑے پاک صاف ہوں۔ کما قال تعالیٰ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ [illegible] نمازی کا باطنی لباس یعنی تقویٰ بھی طاہر و مطہر اور نظیف ہو اور اس پر فحشاء و منکر کی نجاست اور گندگی لگی ہوئی نہ ہو اور جب اللہ اکبر نماز کے لیے کھڑا ہو تو دل سے یہ سمجھتا ہو کہ میں دربار خداوندی میں حکمران کونین کے سامنے کھڑا ہوں۔ معاذ اللہ میں جنگل نہیں ہوں [illegible] جو شخص نماز کی حقیقت و آداب [illegible] نماز سے فارغ ہونے کے بعد فحشاء اور منکر کی جانب جانے سے [illegible] شہنشاہ [illegible] نمازی [illegible]

ناقص نمازیں:

اقامت صلوٰۃ [illegible] اللہ خود بخود توفیق [illegible] بھی ہوتی ہے [illegible] گناہوں سے بچنے کی بھی۔ اور جو شخص نماز پڑھنے کے باوجود گناہوں سے نہ بچے تو سمجھ لے کہ اس کی نماز ہی میں قصور ہے جیسے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا من لم تنهه صلوته عن الفحشاء والمنكر فلا صلوة له (رواه ابن ابی حاتم بسنده عن عمران بن حصين والطبرانی من حديث ابی معاوية) یعنی جس شخص کو اس کی نماز نے فحشاء و منکرات سے نہ روکا اس کی نماز کچھ نہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صلوة لمن لم يطع الصلوة (رواه ابن جرير بسنده) یعنی اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے اپنی نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی اطاعت یہی ہے کہ فحشاء اور منکرات سے باز آ جائے۔ اور حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا کہ جس شخص کی نماز نے اس کو اعمال صالحہ پر عمل اور منکرات سے پرہیز پر آمادہ نہیں کیا تو ایسی نماز اس کو اللہ سے اور زیادہ دور کر دیتی ہے۔

ابن کثیر نے ان تینوں روایتوں کو نقل کر کے ترجیح اس کو دی ہے کہ یہ احادیث مرفوعہ نہیں، بلکہ عمران بن حصین اور عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے اقوال ہیں جو ان حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمائے ہیں۔

عنقریب نماز برائی سے روک دے گی:

اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ فلاں آدمی رات کو تہجد پڑھتا ہے اور جب صبح ہو جاتی ہے تو چوری کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عنقریب نماز اس کو چوری سے روک دے گی۔ (ابن کثیر)

بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد وہ اپنے گناہ سے تائب ہو گیا۔ (معارف مفتی معظم)

منکر: وہ بری بات جس کی برائی شرعاً اور عقلاً ظاہر ہو۔ نماز اللہ کی یاد دلاتی ہے اور نفس کے اندر خشیہ (خوفِ عذاب) پیدا کرتی ہے اس لئے گناہوں سے روکتی ہے۔

انصاری نوجوان کی توبہ:

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک انصاری جوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی کھلا ہوا گناہ ایسا نہ تھا جس کا وہ ارتکاب نہ کرتا ہو اس کی یہ حالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی حضور نے فرمایا کہ اس کی نماز اس کو (ان گناہوں سے) روک دے گی چنانچہ تھوڑی مدت کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اس کی حالت ٹھیک ہو گئی۔

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ
اور اللہ کی یاد ہے سب سے بڑی

اللہ کی یاد: یعنی نماز برائی سے کیوں نہ روکے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کے یاد کرنے کی بہترین صورت ہے۔ کما قال تعالیٰ ''وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ'' (طٰہٰ رکوع ۱) اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے نماز اور جہاد وغیرہ تمام عبادات کی روح کہہ سکتے ہیں۔ یہ نہ ہو تو عبادت کیا، ایک جسد بے روح اور لفظ بے معنی ہے۔ حضرت ابو درداء وغیرہ کی احادیث دیکھ کر علماء نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ ذکر اللہ (خدا کی یاد) سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔ اصلی فضیلت اسی کو ہے۔ یوں عارضی اور وقتی طور پر کوئی عمل ذکر اللہ پر سبقت لے جائے وہ دوسری بات ہے لیکن غور کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اس عمل میں بھی فضیلت اسی ذکر اللہ کی بدولت آئی ہے۔ بہر حال ذکر اللہ تمام اعمال سے افضل ہے اور جب وہ نماز کے ضمن میں ہو تو افضل تر ہو گا۔ پس بندے کو چاہیے کہ کسی وقت خدا کے ذکر سے غافل نہ ہو خصوصاً جس وقت کسی برائی کی طرف میلان ہو فوراً خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال کو یاد کرے اس سے باز آ جائے قرآن وحدیث میں ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو یاد فرماتا ہے۔ بعض سلف نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اسلئے نماز بڑی چیز ہوئی۔ لیکن اس کے جواب میں جو ادھر سے اللہ تعالیٰ اس کو یاد فرماتا ہے بعض سلف نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے کہ نماز میں ادھر سے بندہ خدا کو یاد کرتا ہے اس سے نماز بڑی چیز ہوئی لیکن اس کے جواب میں جو ادھر سے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کو یاد فرماتا ہے یہ سب سے بڑی چیز ہے جس کی انتہائی قدر کرنی چاہیے اور یہ شرف وکرامت محسوس کر کے اور زیادہ ذکر اللہ کی طرف راغب ہونا چاہیے۔ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے احکام بہت ہیں، مجھے کوئی ایک جامع ومانع چیز بتا دیجئے فرمایا ''لایزال لسانک رطبا من ذکر اللّٰہ'' (تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں جتنی دیر نماز میں گئے اتنے تو گناہ سے بچے امید ہے آگے بھی بچتا رہے۔ اور اللہ کی یاد کو اس سے زیادہ اثر ہے یعنی گناہ سے بچے اور اعلیٰ درجوں پر چڑھے۔

(موضح) یہ ''وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ'' کی ایک اور لطیف تفسیر ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

فضائل ذکر کی احادیث:

ذکر کی فضیلت میں بہت حدیثیں آئی ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱-سب سے بہتر عمل:

حضرت ابو درداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمہارے مالک کے نزدیک سارے اعمال سے بہتر اور پاکیزہ اور ہر عمل سے زیادہ اونچے درجہ پر پہنچنے والا سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے تمہارے لئے بہتر اور (اس جہاد سے بھی) تمہارے لئے افضل ہے جس میں دشمن کے مقابلہ میں تم دشمنوں کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں ماریں۔ صحابہ نے عرض کیا۔ کیوں نہیں (ضرور فرمائیے) فرمایا، اللہ کا ذکر رواہ احمد ومالک والترمذی وابن ماجۃ امام مالک کے نزدیک یہ حدیث موقوف ہے (یعنی حضرت ابو درداء نے اس کو مرفوعاً ذکر نہیں کیا)

۲-سب سے اعلیٰ مرتبہ والا بندہ:

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کون سا بندہ سب سے افضل اور اللہ کے نزدیک اعلیٰ مرتبہ والا ہے فرمایا اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا مجاہد فی سبیل اللہ سے بھی (افضل ہیں) فرمایا اگر مجاہد اپنی تلوار سے کافروں کو اتنا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگین ہو جائے تب بھی اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اس سے افضل درجہ والے ہیں رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۳-افضل آدمی اور افضل عمل

حضرت عبداللہ بن بسری راوی ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا (یارسول اللہ) کون سا آدمی سب سے بہتر ہے فرمایا خوشی ہو اس کے لئے جس کی عمر طویل اور اعمال اچھے ہوں اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کون سا عمل سب سے افضل ہے فرمایا (سب سے افضل یہ ہے) کہ تم دنیا سے ایسی حالت میں جاؤ کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تروتازہ ہو رہی ہو رواہ احمد الترمذی۔

۴-آگے بڑھ جانے والے:

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک راستہ پر جا رہے تھے ایک پہاڑ کی طرف سے گزرے اس پہاڑ کا نام جمدان تھا فرمایا چلے چلو یہ جمدان ہے۔ اہل تفرید آگے بڑھ گئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اہل تفرید سے کیا مراد ہے فرمایا۔ اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔ رواہ مسلم۔

۵-زندہ ومردہ آدمی:

حضرت ابوموسیٰ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر رب نہیں کرتا اسکی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ متفق علیہ

۶-اہل ذکر کو فرشتے تلاش کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے کچھ فرشتے اہل ذکر کی تلاش میں راستوں میں گھومتے رہتے ہیں جب وہ کسی جماعت کو اللہ کا ذکر کرتے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکار کر کہتا ہے آؤ تمہارا مقصد یہ ہے حضور نے فرمایا۔ پھر آسمان تک ملائکہ ان لوگوں پر چھا جاتے ہیں اللہ ان ملائکہ سے دریافت فرماتا ہے (باوجودیکہ وہ خود ہی خوب واقف ہے) میرے بندے کیا کہہ رہے تھے فرشتے عرض کرتے ہیں تیری پاکی بیان کر رہے تھے تیری بڑائی بیان کر رہے تھے تیری ثناء کر رہے تھے اور تیری بزرگی کا اظہار کر رہے تھے (یعنی الحمد للہ، اللہ اکبر، سبحان اللہ اور المجد للہ کہہ رہے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے ملائکہ کہتے ہیں نہیں خدا کی قسم انہوں نے تجھے نہیں دیکھا، اللہ فرماتا ہے کہ وہ مجھے دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ملائکہ عرض کرتے ہیں اگر وہ تجھے دیکھ لیتے تو تیری عبادت کرتے اور تیری بزرگی بیان کرتے ہیں اور زیادہ سرگرم ہو جاتے۔ اور تیری پاکی اور زیادہ بیان کرتے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ کیا مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے جنت دیکھ لی ہے فرشتے عرض کرتے ہیں خدا کی قسم انہوں نے جنت نہیں دیکھی اللہ فرماتا ہے اگر وہ دیکھ لیتے تو ان کی کیا حالت ہوتی فرشتے عرض کرتے ہیں اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو ان کو جنت کی خواہش اور طلب اور زیادہ شدت کے ساتھ ہو جاتی اور جنت کی رغبت بہت بڑھ جاتی۔ اللہ فرماتا ہے وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں فرشتے عرض کرتے ہیں وہ دوزخ سے پناہ چاہتے ہیں اللہ فرماتا ہے کیا انہوں نے دوزخ دیکھی ہے فرشتے عرض کرتے ہیں نہیں بخدا انہوں نے دوزخ نہیں دیکھی، اللہ فرماتا ہے اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ملائکہ عرض کرتے ہیں اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیتے تو اس سے اور زیادہ بھاگتے اور بہت زیادہ اس سے ڈرتے۔ اللہ فرماتا ہے تو میں تم گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔ ان ملائکہ میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص بھی موجود تھا جو ان میں سے نہیں تھا (یعنی ذکر میں شامل نہ تھا) کسی کام سے وہاں آیا تھا اللہ فرماتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی محروم نہیں ہوتا۔ رواہ البخاری

مسلم نے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے اس روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ اے رب ان میں ایک بندہ غلطی سے شامل ہو گیا (ادھر سے) گزرا تھا کہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا اللہ فرماتا ہے میں نے اس کو بھی بخش دیا وہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا (بھی) بدنصیب نہیں ہوتا۔

۷-جنت کے باغ:

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کے باغوں کی طرف سے گزرو تو وہاں چر لیا کرو (یعنی ان میں حصہ لیا کرو) صحابہ نے عرض کیا جنت کے باغ کون سے ہیں فرمایا ذکر کے حلقے رواہ الترمذی۔

۸-فرشتوں کا سرمایہ فخر:

معاویہ کی روایت سے مسلم نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے حلقہ کی طرف سے گزرے فرمایا یہاں کیسے بیٹھے ہو۔ صحابہ نے عرض کیا، اللہ کا ذکر کرنے بیٹھے ہیں اور اس کی ثناء کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو مسلمان ہونے کی توفیق دی اور مسلمان بنا کر ہم پر احسان فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ملائکہ پر تم کو بطور فخر پیش فرماتا ہے۔

۹-غافلوں میں ذاکر کی مثال:

امام مالک کا بیان ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کرتے تھے غافلوں میں (یعنی اللہ کی یاد سے غفلت کرنے والوں میں) اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے (کافروں کے مقابلہ سے) بھاگنے والوں میں (کافروں سے) لڑنے والا۔ اور غافلوں میں اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے خشک درخت میں سبز شاخ اور غافلوں (کی جماعت) میں اللہ کو یاد کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے گھر میں (روشن) چراغ۔ اور غافلوں

سے اندر (رہ کر) ہمیں یاد کرنے والے وزندگی میں اللہ جنت سے اندر [illegible] جگہ عطا فرماتا ہے اس سے ذوات مخلص [illegible] جاتے ہیں جتنی قدر [illegible] والوں اور نہ ہونے والوں یعنی [illegible] اور پڑوسیوں [illegible] رواہ [illegible]۔

۱۰-عذاب سے نجات:

حضرت معاذ بن جبل کی روایت ہے [illegible] اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی عمل آدمی کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں ہے۔ رواہ [illegible] والترمذی وابن ماجۃ۔

۱۱-فرشتوں اور رحمتوں کا نزول:

حضرت ابوسعید خدری نے شہادت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں (یعنی ان کے بیٹھنے کی غرض سوائے یاد الٰہی کے اور کچھ نہیں ہوتی) ان پر فرشتے چھا جاتے ہیں (فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں) اور رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے اور ان پر سکینہ (دل اور روح کا چین) نازل ہوتا ہے اور اللہ ان (ملائکہ) میں جو اس کے مقرب ہوتے ہیں ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔ رواہ مسلم۔

۱۲-اللہ تعالیٰ کی ہمراہی:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (اللہ نے ارشاد فرمایا) کہ بندہ میرے متعلق جیسا گمان رکھتا ہے میں اسی گمان کے پاس ہوتا ہوں جب وہ میری یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ میری یاد اپنے دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے [illegible] یاد کرتا ہوں اور اگر وہ میری یاد جماعت کے ساتھ کرتا ہے (جماعت میں کرتا ہے) تو میں اس کا ذکر ایسی جماعت میں کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ متفق علیہ (یعنی فرشتوں کی جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں)

بعض اہل تفسیر کے نزدیک وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جو تمہارا ذکر کرتا ہے وہ اس ذکر سے زیادہ عظمت والا ہے جو تم اللہ کا کرتے ہو (یعنی تم جو خدا کی یاد کرتے ہو اس سے بڑھ کر اللہ تمہارا ذکر کرتا ہے) مجاہد عکرمہ اور سعید بن جبیر سے یہی تفسیر منقول ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کی طرف سے اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کی روایت میں بحوالۂ نافع آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مرفوعاً یہ تفسیر نقل کی ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی یاد میں کمی نہ کرو، کیونکہ جب تم خدا کی یاد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا ذکر کرے گا اور اللہ جب تمہارا ذکر کرے گا تو اس کا درجہ تمہارے ذکر خدا کرنے سے بہت بڑا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ

[illegible]

جو آدمی جس قدر اللہ کو یاد کرتا ہے اللہ جانتا ہے۔

یعنی جو آدمی جس قدر خدا کو یاد کرتا ہے [illegible] سب [illegible] [illegible] [illegible] کا [illegible]

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ

[illegible]

اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ

[illegible]

اہل کتاب کو دعوت دینے کا طریقہ

[illegible] متانت، خیر خواہی اور [illegible] انصاف [illegible] اور آپ چلیں [illegible] قرآن [illegible] انصاب [illegible] [illegible]

اس آیت میں اہل کتاب [illegible] اہل کتاب [illegible] تمہارے [illegible] [illegible] ہم مسلمان تو اس وحی پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف ہمارے رسول کے بھیجی گئی ہے اور اس وحی پر بھی جو تمہاری طرف تمہارے پیغمبر کے ذریعہ بھیجی گئی ہے اس لیے ہم سے مخالفت کی کوئی وجہ نہیں۔

کیا اس آیت میں موجودہ تورات وانجیل کے مضامین کی تصدیق کا حکم ہے

اس آیت میں اہل کتاب کی طرف آنے والی کتابوں تورات اور انجیل

پر مسلمانوں کے ایمان کا تذکرہ جس عنوان سے کیا گیا ہے وجہ یہ ہے کہ ہم ان کتابوں پر اجمالی ایمان رکھتے ہیں بایں معنی کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں نازل فرمایا تھا اس پر ہمارا ایمان ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ موجودہ تورات وانجیل کے سب مضامین پر ہمارا ایمان ہے جبکہ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی بہت تحریفات ہو چکی تھیں اور اس وقت سے اب تک ان میں تحریف کا سلسلہ چل ہی رہا ہے۔ ایمان صرف ان مضامین تورات وانجیل پر ہے جو اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئے تھے۔ تحریف شدہ مضامین اس سے خارج ہیں۔

موجودہ تورات وانجیل کی نہ مطلقاً تصدیق کی جائے نہ مطلق تکذیب

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ اہل کتاب تورات وانجیل کو ان کی اصلی زبان عبرانی میں پڑھتے تھے، اور مسلمانوں کو ان کا ترجمہ عربی زبان میں سناتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق مسلمانوں کو یہ ہدایت دی کہ تم اہل کتاب کی تصدیق نہ کرو نہ تکذیب کرو، بلکہ یوں کہو امنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم۔ یعنی ہم اجمالاً اس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو تمہارے انبیاء پر نازل ہوئی ہے اور جو تفصیلات تم بتاتے ہو وہ ہمارے نزدیک قابل اعتماد نہیں اس لئے ہم اس کی تصدیق وتکذیب سے اجتناب کرتے ہیں۔

تفسیر اس میں جو عام مفسرین نے اہل کتاب کی روایات نقل کی ہیں ان کا بھی یہی درجہ ہے اور نقل کرنے کا منشا بھی صرف ان کی تاریخی حیثیت واضح کرنا ہے۔ احکام حلال وحرام کا ان سے مستنبط نہیں کیا جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

بداخلاقی کا جواب نرمی سے:

اور مطلب یہ ہے کہ کافروں کی بداخلاقی کے مقابلہ میں تم نرمی سے کام لو مباحثہ کے وقت وہ غضب ناک ہو جائیں تو تم تحمل کرو۔ وہ شوروغل کریں تو تم ان کی خیر خواہی ظاہر کرو، چونکہ خیر خواہی اور نصیحت مجادلہ میں داخل نہیں ہے اس لئے مستثنیٰ منقطع ہوگا۔

ظلم اور معاہدہ شکن کافر:

اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ مگر ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا ہو یعنی معاہدہ کو توڑ دیا ہو یا جزیہ ادا کرنا قبول نہ کیا ہو تو ان سے (مباحثہ نہ کرو بلکہ) لڑو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں سعید بن جبیر نے یہی تشریح کی ہے اور کہا ہے کہ حربی کافر مستثنیٰ ہیں اور استثناء کے بعد جو لوگ باقی رہ گئے وہ ذمی کافر ہیں۔

اہل کتاب کی تصدیق وتردید کی حد:

یہ حسن مجادلہ کا بیان ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اہل کتاب وہ باتیں کہیں جو ان کی کتابوں میں مذکور ہیں تو تم ان سے جھگڑا نہ کرو یعنی تکذیب نہ کرو ہاں ان میں سے جو لوگ بیجا باتیں کہیں اور ایسی باتوں کا اظہار کریں جو یقیناً (ان کی اصلی) کتابوں میں نہیں ہیں اور جھوٹی ہیں جیسے ان کا دعویٰ کہ شریعت موسوی ہمیشہ رہے گی یا عیسیٰ کو قتل کر دیا گیا یا مسیح خدا کے بیٹے تھے تو اس صورت میں ان کو جھوٹا قرار دینا واجب ہے اور مباہلہ ضروری ہے ان سے کہہ دو کہ ہم اپنی اور تمہارے پاس بھیجی گئی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں (تمہاری ان غلط باتوں کو نہیں مانتے) (تفسیر مظہری)

حضرت ابونملہ انصاری کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک یہودی آیا اور (اسی وقت) ایک جنازہ بھی ادھر سے گزرا۔ یہودی نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ میت کیا کلام کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے نہیں معلوم یہودی بولا یہ کلام کرتی ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا اہل کتاب اگر تم سے کچھ بیان کریں (اور وہ تمہارے دین کے خلاف نہ ہو) تو تم نہ ان کی تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو اٰمنا باللّٰه وکتبه ورسله (ہمارا ایمان اللہ پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں پر ہے) اب اگر وہ بات صحیح ہے تو تم نے اس کی تکذیب نہیں کی (اس لئے مجرم نہ ہوگے) اور اگر وہ بات غلط ہے تو تم نے اس کی تصدیق نہیں کی۔ (اس سے مجرم نہ ہوگے)۔

وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ
اور یوں کہو کہ ہم مانتے ہیں جو اترا ہم کو اور اترا تم کو

سابقہ کتب پر ایمان:

یعنی ہمارا جیسا کہ قرآن پر ایمان ہے اس پر بھی ایمان ہے کہ اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے حضرت موسیٰ ومسیح علیہما الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے انبیاء پر جو کتابیں اتاریں بیشک وہ سچی تھیں۔ ایک حرف اُن کا غلط نہ تھا۔ (گو تمہارے ہاتھ میں وہ آسمانی کتابیں اپنی اصلی صورت وحقیقت میں باقی نہ رہیں) (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ اہل کتاب (یعنی یہودی) عبرانی میں تو ریت پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے اس کی تشریح عربی میں کرتے تھے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اس (کتاب) پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر جو تمہاری طرف اتاری گئی الخ رواہ البخاری۔ (تفسیر مظہری)

وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ
اور بندگی ہماری اور تمہاری ایک ہی کو ہے اور ہم اسی کے حکم پر چلتے ہیں

اہل کتاب اور مسلمانوں کا فرق:

یعنی اصلی معبود ہمارا تمہارا ایک ہے۔ فرق اتنا ہے کہ تم [illegible] چلتے ہیں تم نے [illegible] اور [illegible] بھی خدائی کے حقوق و اختیارات [illegible] مثلاً حضرت مسیح یا حضرت عزیر علیہما السلام [illegible] نیز ہم نے ان سے تمام [illegible] پیغمبروں کی تصدیق [illegible] کتابوں کو برحق سمجھا اس کے آخری حصہ [illegible] تسلیم [illegible] پڑھنا چاہتے [illegible] آخری صداقت سے منکر ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
اور ویسی ہی · ہم نے اتاری تجھ پر · کتاب

اہل کتاب قرآن پاک کو کیوں قبول نہیں کرتے:

کتاب میں آخر تمہاری کتابوں سے کون سی بات عجیب ہے جو قبول کرنے میں تردد ہے جس طرح انبیائے سابقین پر کتابیں اور صحیفے ایک دوسرے کے بعد اترتے رہے، پیغمبر آخر الزماں پر یہ کتاب [illegible] جواب [illegible] سے تم انکار کیوں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کریم محفوظ کتاب:

صحیح مسلم کی حدیث میں فرمان باری تعالیٰ ہے کہ اے نبی! میں تمہیں آزماؤں گا اور تمہاری وجہ سے لوگوں کی بھی آزمائش کرلوں گا میں تم پر ایسی کتاب نازل فرماؤں گا جسے پانی دھو نہ سکے۔ تو اسے سوتے جاگتے پڑھتا رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے حروف پانی سے دھوئے [illegible] سینوں [illegible] محفوظ ہے جیسے کہ اور حدیث میں ہے کہ اگر قرآن کسی چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں جلائے گی اس لئے کہ وہ سینوں میں محفوظ ہے زبانوں پر آسان ہے [illegible] موجود ہے وہ اپنے لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک جیتا جاگتا معجزہ ہے۔ (تفسیر [illegible])

فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَمِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ
سو جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو مانتے ہیں اور ان مکہ والوں میں
مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۚ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ
بھی بعضے ہیں کہ اس کو مانتے ہیں اور منکر وہی ہیں ہماری باتوں سے جو نافرمان ہیں

سچے اور منصف اہل کتاب قرآن کو مانیں گے:

یعنی جن اہل کتاب نے اپنی کتاب ٹھیک سمجھی وہ اس کتاب کو بھی مانیں گے اور انصاف کرنا چاہیے چنانچہ ان میں سے جو منصف ہیں وہ اس کی صداقت دل سے تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ صرف اہل کتاب بلکہ بعض عرب کے لوگ بھی جو کتاب [illegible] کا علم نہیں رکھتے [illegible] وہ سمجھتے جاتے ہیں۔ حقیقت میں قرآن [illegible] صداقت کے دلائل اس قدر روشن ہیں کہ بجز سخت حق پوش [illegible] تسلیم سے انکار نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

جو قرآن کا منکر ہے وہ توراۃ کا بھی منکر ہے:

وما يجحد بايٰتنا الا الظٰلمون [illegible] انکار کرتے ہیں جو [illegible] ساری کتابوں کے منکر ہیں [illegible] قرآن کی جو شخص تکذیب کرتا ہے وہ حقیقت میں توریت و انجیل کی بھی تکذیب کرتا ہے [illegible] توریت و انجیل نے قرآن کی تصدیق کی ہے پس جو شخص قرآن کا منکر ہے اور توریت [illegible] سے بعد [illegible] کتاب [illegible] ہیں اور قرآن حق ہے اس کے بعد انہوں نے انکار کیا [illegible] (تفسیر [illegible])

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ
اور تو پڑھتا نہ تھا · اس سے پہلے · کوئی · کتاب
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ
اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے

صداقت قرآن کی دلیل:

[illegible] قرآن سے پہلے آپ [illegible] لکھنے والی کتاب پڑھی [illegible] تعلیم [illegible] تائید [illegible] اپنی عبارت میں [illegible] کتاب [illegible] جاتا [illegible] آپ کا امی ہونا مسلمات میں سے ہے تو [illegible] شبہ کی بھی جرأت نہ اور یوں ضد کرنے [illegible] "اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا" (فرقان، رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ
بلکہ یہ قرآن تو آیتیں ہیں صاف ان لوگوں کے سینوں میں
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ
جن کو · ملی ہے · سمجھ

قرآن پاک کی سینہ بہ سینہ حفاظت:

یعنی پیغمبر کے ہی سینہ میں نہیں۔ سینہ بسینہ آیات پر آئی ہیں اور ان کے بعد سینہ بسینہ جاری رہیں گی۔ اللہ نے محض ان کے سینہ کو محفوظ کر دیا، بلکہ ان کے الفاظ و معانی کی حفاظت کریں گے۔ دیگر آسمانی کتابیں محفوظ نہ ہوئی تھیں۔ یہ کتاب اللہ ہی کے ہاتھ ہے۔ علماء ان پر فخر ہے۔ (موضح القرآن و تفسیر عثمانی)

قرآن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی آیات کھلے ہوئے معجزات ہیں اور تحریف و تبدیل سے محفوظ ہیں۔ عام لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں۔ پھر یہ قرآن اہل ایمان کے سینوں میں محفوظ ہے جن میں اس کے حافظ ہیں۔ اس کے برخلاف دوسری آسمانی کتابیں چونکہ معجزہ نہ تھیں اس لئے لوگوں نے ان کی آیات و الفاظ کو تبدیل کر دیا تھا اور ان کو یاد سے نہیں پڑھا جاتا تھا بلکہ کتاب میں دیکھ کر پڑھا جاتا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت:

حضرت ابن عباس نے فرمایا ہو سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ سے مراد ہیں اہل کتاب۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت ایسی واضح علامات کی حامل ہے جو اہل کتاب کے سینوں میں محفوظ ہیں یعنی جن علماء کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں مذکور ہیں اور اہل کتاب ان سے واقف ہیں وہ اوصاف رسول اللہ کی شخصیت میں موجود ہیں۔ (تفسیر مظہری)

امت محمدیہ کا ایک وصف:

اس امت کے اوصاف میں یہ آیا ہے۔ صدورھم اناجیلھم یعنی ان کے سینے ان کی انجیلیں ہوں گے یعنی ان کی آسمانی کتاب جو کتاب نازل ہوئی وہ امت کے سینوں میں محفوظ ہوگی اور ہر حافظ کا سینہ ان کی انجیل ہوگا چنانچہ یہ شرف صرف امت کے حافظوں میں ہے شمار ان کے حافظ موجود ہیں اور پورا قرآن لفظ بلفظ ان کے سینوں میں محفوظ ہے اور تورات و انجیل کے لئے کوئی ایک بھی حافظ آج تک روئے زمین پر کوئی پکا حافظ بھی نہیں ہوا۔ چودہ سو سال سے اب تک قرآن کے الفاظ اور معانی حفاظ اور قراء اور علماء کے سینوں میں محفوظ چلے آ رہے ہیں جو ہر زمانہ میں بھی ملتے رہتے ہیں یہ احتمال ہے۔ بلکہ ان کے حروف املا جاتے ہیں بدمٹ جائیں یہ آیت سے جس جگہ میں ہیں جو چیز ہزاروں اور لاکھوں سینوں میں محفوظ ہو اس کے ضائع ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ ... بلکہ کتاب میں کچھ ہمت ہے تو روئے زمین پر تورات و انجیل کا ایک ہی پکا حافظ دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ (معارف القرآن)

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝
اور منکر نہیں ہماری باتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں

یعنی ناانصافی کا یہ علاج۔ ایک شخص یہی ٹھان لے کہ میں کبھی سچی بات نہ مانوں گا۔ وہ روشن سے روشن چیز کا بھی انکار کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا
اور کہتے ہیں کیوں نہ اتریں اس پر کچھ نشانیاں اس کے رب سے تو کہہ
الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کے اور میں تو بس سنا دینے والا ہوں کھول کر

منہ مانگا نشان دکھلانا پیغمبر کا کام نہیں ہے:

یعنی میرے قبضہ میں نہیں کہ جو نشانی تم طلب کیا کرو وہ ہی دکھلا دیا کروں نہ کسی نبی کی تصدیق اس بات پر موقوف ہو سکتی ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ بدی کے نتائج سے تم کو صاف لفظوں میں آگاہ کرتا رہوں باقی حق تعالیٰ میری تصدیق کے لئے جو نشانی چاہے دکھلا دے، یہ اس کے اختیار میں ہے۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ
کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر اتاری کتاب کہ ان پر پڑھی جاتی ہے
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝
بیشک اس میں رحمت ہے اور سمجھانا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں

قرآن کافی نشانی ہے:

یعنی کیا یہ نشان کافی نہیں جو کتاب ان پر رات دن پڑھ کر سنائی جاتی ہے اس سے بڑا نشان کون سا ہوگا۔ دیکھتے نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے کس طرح سمجھ حاصل کرتے جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: اپنے پیغمبر کو چھوڑ کر دوسروں کی باتوں پر توجہ کرنا

مسند میں دارمی نے اور ابو داؤد نے مراسیل میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بطریق عمرو بن دینار یحییٰ بن جعدہ کی روایت سے مرسلاً بیان کیا ہے کہ کچھ مسلمان شانہ کی ایک ہڈی لے کر آئے جس میں یہودیوں سے سنی ہوئی کچھ باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے گمراہ ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جو کچھ ان کا نبی لے کر آیا ہو اس سے تو گریز کریں اور دوسروں کے لئے جو دوسرے (انبیاء) لے کر آئے ہوں اس کی طرف راغب ہو جائیں اس پر آیت اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ
تو کہہ کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے بیچ گواہ جانتا ہے
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ
جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اللہ کی مصدقہ ہے:

یعنی خدا ان زمین پر اس کے آسمان کے نیچے میں جو یہ دعوے رسالت کر رہا ہوں جسے وہ سنتا اور دیکھتا ہے پھر روز بروز مجھے اور میرے ساتھیوں کو غیر معمولی طریقہ سے بڑھا رہا ہے۔ برابر میرے دعوے کی فعلی تصدیق کرتا ہے میری زبان پر اور ہاتھوں پر قدرت کے وہ خارق عادت نشان ظاہر کرتے جاتے ہیں جن کی نظیر پیش کرنے سے تمام جن وانس عاجز ہیں۔ کیا میری صداقت پر اللہ کی یہ گواہی کافی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ
اور جو لوگ یقین لاتے ہیں جھوٹ پر اور منکر ہوئے ہیں اللہ سے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ
وہی ہیں نقصان پانے والے

سب سے بڑی بدبختی:

آدمی کی بڑی شقاوت اور خسران یہ ہے کہ جھوٹی بات کو خواہ عقل کتنی ہی بدیہی البطلان ہو فوراً قبول کرے اور سچی بات سے جو حق کی صاف روشنی ہو انکار کرتا رہے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ
اور جلدی مانگتے ہیں تجھ سے آفت

یعنی اگر ہم باطل پر ہیں تو ہم پر دنیا میں کوئی آفت کیوں نہیں آتی۔

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ
اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ مقرر تو آ پہنچتی ان پر آفت
وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ
اور البتہ آئے گی ان پر اچانک اور ان کو خبر نہ ہوگی

اس امت کے کافروں کا عذاب:

یعنی ہر چیز اپنے وقت معین پر آتی ہے گھبراؤ نہیں، وہ آفت بھی آکر رہے گی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس امت کا عذاب یہی تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہونا اور پکڑے جانا۔ سو فتح مکہ میں مکہ کے لوگ بے خبر رہے کہ حضرت کا لشکر سر پر آ گیا اچانک۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کا وقت:

اَجَلٌ مُّسَمًّى کی تشریح میں حضرت ابن عباس نے فرمایا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سے میرا وعدہ نہ ہوتا کہ آپ کی قوم کو عذاب نہیں دوں گا اور ان کی جڑ نہیں اکھاڑوں گا بلکہ قیامت تک کے لئے ان سے عذاب کو ملتوی رکھوں گا تو عذاب آ جاتا۔ اللہ نے فرمایا بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ بلکہ قیامت کی گھڑی ان کے عذاب کے لئے مقرر ہے۔ (مظہری)

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ
جلدی مانگتے ہیں تجھ سے عذاب

یہاں عذاب سے شاید آخرت کا عذاب مراد ہو۔ جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ
اور دوزخ گھیر رہی ہے منکروں کو

کافر عذاب میں گھرے ہوئے ہیں:

یعنی آخرت کا عذاب تو انہیں مانگتے ہیں، اس عذاب میں تو پڑے ہی ہیں۔ یہ کفر اور بد کام دوزخ نہیں تو اور کیا ہے جس نے ہر طرف سے انہیں گھیر رکھا ہے۔ موت کے بعد حقیقت کھل جائے گی کہ دوزخ کس طرح چاروں طرف سے ان کو گھیرے ہوئے ہے۔ بدحالی جب یہی اعمال جہنم کی آگ اور سانپ بچھو بن کر چمٹیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس روز عذاب آئے گا اس روز جہنم کافروں کو گھیر لے گی۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت بھی کافروں کو جہنم گھیرے ہوئے ہے کیونکہ کفر اور معاصی ان کو گھیرے ہوئے ہیں اور یہی دخول جہنم کے موجبات ہیں تو گویا اس وقت بھی دوزخ ان کو گھیرے ہوئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

جہنم کہاں ہے:

ابن عباس سے منقول ہے کہ وہ جہنم یہی بحر اخضر ہے۔ ستارے اسی میں جھڑیں گے اور سورج چاند اسی میں ڈال دیئے جائیں گے۔ یہ بھڑک اٹھے گا اور جہنم بن جائے گا۔ مسند احمد میں مرفوع حدیث ہے کہ سمندر ہی جہنم ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ
جس دن گھیرے گا ان کو عذاب ان کے اوپر سے اور پاؤں کے

تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

[illegible]

مال عذاب بنے گا

[illegible]

يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي

[illegible]

وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ

[illegible]

ہجرت کا حکم

[illegible] کرتے ہیں تو خدا کی زمین تنگ نہیں [illegible]

[illegible]

[illegible] ہو گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم و ابراہیم (صلی اللہ علیہ) کا رفیق (ساتھی) ہو [illegible]

رواہ الثعلبی من حدیث الحسن مرسلا [illegible]

[illegible] قدرت نہ ہو یا کوئی اور [illegible] معذور [illegible]

[illegible]

[illegible] حکم ہے۔ اگرچہ وہاں کے حضرات نے مسلمان ہونے کی بنا پر اس کو دارالسلام کہا جاتا ہو۔ یہ تفصیل حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تحریر فرمائی ہے۔ (معارف مفتی معظم)

اور ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جس شہر میں معاصی اور فحش عام ہوں اس کو چھوڑ دو۔ اور امام تفسیر حضرت عطاء نے فرمایا کہ جب تمہیں کسی شہر میں معاصی کے لئے مجبور کیا جائے تو وہاں سے بھاگ جاؤ۔ (ابن جریر طبری فی التفسیر) (معارف مفتی معظم)

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ

جو جی ہے سو چکھے گا موت پھر ہماری طرف پھر آؤ گے

آخر سب کچھ چھوڑنا ہے:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں جب کافروں نے مکہ میں بہت زور باندھا تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم ہوا۔ چنانچہ اسی تراسی گھر حبشہ چلے گئے۔ اس کو فرمایا کہ کوئی دنیا کی زندگی ہے جہاں بن پڑے وہاں کاٹ دو۔ پھر ہمارے پاس اکٹھے آؤ گے۔ اس میں مہاجرین کی تسلی کر دی تا کہ وطن چھوڑنا اور حضرت سے جدا ہونا دل پر بھاری نہ گزرے گویا جتلا دیا کہ وطن، خویش و اقارب رفتہ رفتہ چھوٹے بڑے آج نہیں کل چھوٹیں گے فرض کرو اس وقت ہجرت نہ کی تو ایک روز دنیا سے ہجرت کرنا ضروری ہے مگر وہ بے اختیار ہو گا۔ بندگی اس کا نام ہے کہ اپنی خوشی اور اختیار سے ان چیزوں کو چھوڑ دے جو پروردگار حقیقی کی بندگی میں مزاحم اور خلل انداز ہوتی ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُم

اور جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ہم جگہ دیں گے

مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

بہشت میں جھروکے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ الَّذِينَ

سدا رہیں ان میں خوب ثواب ملا کام والوں کو جنہوں

صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۵۹﴾

نے صبر کیا اور اپنے رب پر بھروسہ رکھا

ایمان و اعمال پر ثابت قدم رہنے والوں کا اجر:

یعنی جو صبر و استقلال سے اسلام و ایمان کی راہ پر جمے رہے اور خدا پر بھروسہ کر کے گھر بار، چھوڑ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے ان کو اس وطن کے بدلے [illegible]

وطن ملے گا اور یہاں کے گھروں سے بہتر گھر دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ مؤمن مکہ میں رہ گئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاؤ ان لوگوں نے جواب دیا وہاں نہ ہمارا گھر ہے نہ مال ہے ہمارے کھانے پینے کا انتظام وہاں کون کرے گا اس پر آیت نازل ہوئی۔ (مظہری)

وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللَّهُ يَرْزُقُهَا
اور کتنے جانور ہیں جو اٹھا نہیں رکھتے اپنی روزی اللہ روزی دیتا ہے اُن کو
وَإِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۞
ور تم کو بھی اور وہی ہے سننے والا جاننے و.

اللہ رازق ہے.... جانوروں کو بھی رزق ملتا ہے:

یہ روزی کی طرف سے خاطر جمع کردی کہ اکثر جانوروں کے گھر میں اگلے دن کا قوت نہیں ہوتا نیا دن اور نئی روزی (موضح) پھر جو خدا جانوروں کو روزی پہنچاتا ہے کیا اپنے وفادار عاشقوں کو نہ پہنچائے گا۔ خوب سمجھ لو رزاق حقیقی وہی ہے جو سب کی باتیں سنتا اور دلوں کے اخلاص کو جانتا ہے۔ ہر ایک کا ظاہر و باطن اس کے سامنے ہے کسی کی محنت وہاں رایگاں نہیں ہوسکتی۔ جو لوگ اس کے راستہ میں وطن چھوڑ کر نکلے ہیں انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ سامان معیشت ساتھ لے جانے کی فکر نہ کریں۔ کتنے جانور ہیں جو اپنی روزی اپنی کمر پر لادے نہیں پھرتے، پھر بھی رازق حقیقی ان کو ہر روز رزق پہنچاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کوے کے بچوں کی پرورش:

یہ مشہور ہے کہ کوے کے بچے جب نکلتے ہیں تو ان کے پر و بال سفید ہوتے ہیں یہ دیکھ کر کوا ان سے نفرت کر کے بھاگ جاتا ہے چند دنوں کے بعد ان پروں کی رنگت سیاہ پڑ جاتی ہے۔ تب ان کے ماں باپ آتے ہیں اور انہیں دانہ وغیرہ کھلاتے ہیں۔ ابتدائی ایام میں جب کہ ماں باپ ان چھوٹے بچوں سے متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں اور ان کے پاس بھی نہیں آتے اس وقت اللہ تعالیٰ چھوٹے چھوٹے مچھر ان کے پاس بھیج دیتا ہے وہی ان کی غذا بن جاتے ہیں۔ عرب کے شعراء نے اسے نظم بھی کیا ہے۔

سفر وسیلۂ ظفر:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے سفر کرو تاکہ صحت اور روزی پاؤ۔ اور روایت میں ہے کہ سفر کرو تاکہ صحت و غنیمت ملے۔ اور حدیث میں ہے سفر کرو نفع اٹھاؤ گے روزے رکھو تندرست رہو گے، جہاد کرو غنیمت ملے گی اور روایت میں ہے جد والوں اور آسانی والوں کے ساتھ سفر کرو۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتیں سننے والا اور ان کی حرکات و سکنات کو جاننے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوائے انسان، چوہے اور چیونٹی کے کوئی مخلوق روزی جمع نہیں کرتی

یعنی بہت سے چوپائے اور پرندے جو غذا کے محتاج ہیں اپنے ساتھ اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اور نہ کل کے لئے جمع کرتے ہیں۔ سفیان بن علی بن اقمر نے کہا سوا انسان اور چوہے اور چیونٹی کے اور کوئی مخلوق روزی جمع کر کے نہیں رکھتی۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ چوپائے اور پرندے جو کمزور ہیں اور اپنی روزی جمع کر کے نہیں رکھتے ان کو بھی اللہ ہی روزی دیتا ہے اور تم طاقتور ہو رزق جمع کر کے رکھتے ہو اللہ ہی تم کو بھی روزی دیتا ہے روزی ملنے کے معاملہ میں تم اور جانور سب برابر ہو تم بھی (رزق کھا کر) جیتے ہو وہ بھی جیتے ہیں تم بھی (آخر) مر جاتے ہو وہ بھی مر جاتے ہیں۔ پھر تمہاری کوشش بیکار ہے اس لئے ہجرت کرنے کی صورت میں معاش کی طرف سے تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اوقات:

عبد بن حمید۔ ابن ابی حاتم بیہقی اور ابن عساکر نے ضعیف سند سے نیز بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انصار کے باغات میں سے ایک باغ میں گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کھجوریں (تازہ خرمے) چن چن کر کھانے لگے اور فرمایا ابن عمر تم بھی کھاؤ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خواہش نہیں ہے۔ فرمایا مجھے تو کھانے کی خواہش ہے یہ چوتھی رات کی صبح ہے چار دن ہو گئے کہ میں نے کھانا نہیں کھایا نہ مجھے ملا میں نے کہا انا للہ المستعان فرمایا ابن عمر اگر میں اپنے رب سے مانگتا تو وہ مجھے کسریٰ اور قیصر کے ملک سے بھی کتنے ہی گنا زیادہ عنایت فرما دیتا لیکن میں ایک دن بھوکا رہتا ہوں اور ایک دن پیٹ بھرتا ہوں۔ (یعنی ایک روز کھانا کھاتا ہوں) ابن عمرؓ اگر تمہاری عمر ہوئی تو اس وقت تمہاری کیا حالت ہو گی جب تم ایسے لوگوں میں رہو گے جو سال بھر کا رزق چھپا کر رکھیں گے اور ان (کو اللہ کے رزاق ہونے کا) یقین کمزور ہو گا۔

حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے واللہ ہم وہاں سے ہٹے بھی نہ تھے اور نہ ہٹنے کا ارادہ کیا تھا کہ آیت وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ الخ نازل ہوئی۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے دن کے لئے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔ رواہ الترمذی وصححہ۔

کامل توکل کا انعام:

حضرت عمرؓ بن خطاب کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فرما رہے تھے اگر تم اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھتے تو وہ تم کو اسی طرح رزق عطا فرماتا جس طرح پرندوں کو عطا فرماتا ہے۔ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

ہر ایک کو اپنا رزق ضرور ملے گا:

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی چیز تم کو جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ میں نے اس (کو کرنے) کا تم کو حکم نہ دے دیا ہو اور کوئی چیز دوزخ سے قریب کرنے والی اور جنت سے دور رکھنے والی ایسی نہیں رہی کہ اس (کو کرنے) کی تم کو ممانعت نہ کردی ہو روح القدس (جبرئیل) نے میرے دل میں یہ بات پھونک دی ہے کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنا رزق پورا نہ کرے گا ہرگز نہیں مرے گا پس تم لوگ متنبہ ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور رزق کی طلب میں اچھائی اختیار کرو (یعنی پاک ذرائع سے کماؤ) رزق ملنے میں دیر ہو جانے سے تم کو گناہوں کے راستہ سے تحصیل رزق پر آمادہ نہ ہو جانا چاہیے کیونکہ اللہ کے پاس جو چیز ہے اس کو بغیر اللہ کی طاعت کے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وذکرہ فی المعالم۔ (مظہری)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ
اور اگر تو لوگوں سے پوچھے کہ کس نے بنایا ہے آسمان اور زمین کو

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ
اور کام میں لگایا سورج اور چاند کو تو کہیں اللہ نے پھر کہاں سے الٹ جاتے ہیں

رزق کے اسباب پر اللہ کا تصرف ہے:

یعنی رزق کے تمام اسباب (سماویہ وارضیہ) اسی نے پیدا کئے سب جانتے ہیں، پھر اس پر بھروسہ نہیں کرتے کہ وہ ہی پہنچا بھی دے گا۔ مگر جتنا وہ چاہے نہ جتنا تم چاہو۔ یہ اگلی آیت میں سمجھا دیا ہے۔ (عثمانی)

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ
اللہ پھیلاتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اپنے

عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ
بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے جس کو چاہے

ناپ کر دیتا ہے یعنی تنگی کر دے یا بالکل نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ
بیشک اللہ ہر چیز سے خبردار ہے

یعنی یہ خبر اسی کو ہے کہ کس کو کتنا دینا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

بندوں کے ایمان کی حفاظت:

اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یعنی ہر چیز کی خوبیاں اور خرابیاں خوب جانتا ہے۔

حضرت انس کی روایت سے ایک طویل حدیث بغوی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے جس کو ہم سورۂ شوریٰ میں بیان کریں گے اس حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرے کچھ مومن بندے مجھ سے باب عبادت میں داخلہ کی دعا کرتے ہیں مگر باب عبادت میں داخل ہونے سے ان کو روک دیتا ہوں تاکہ ان میں اس سے غرور نہ آ جائے جو ان کو تباہ کر دے۔ میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ دولت ہی ان کے ایمان کو درست رکھتی ہے اگر میں ان کو مفلس کر دوں تو افلاس ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو صحیح رکھنے والا صرف افلاس ہوتا ہے اگر میں ان کو دولت مند بنا دوں تو دولت ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ تندرستی ہی ان کے ایمان کو صحیح رکھنے والی ہے اگر میں ان کو بیمار کر دوں تو بیماری ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کی درستی صرف بیماری سے ہوتی ہے۔ اگر میں ان کو تندرست کر دوں تو صحت ان کے ایمان کو بگاڑ دے۔ میں بندوں کے دلوں کی حالت جانتا ہوں اور اسی علم کے مطابق اپنے بندوں کا انتظام کرتا ہوں۔ بلاشبہ میں جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ
اور جو تو پوچھے ان سے کس نے اتارا آسمان سے

مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ
پانی پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد تو کہیں اللہ نے

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ
تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے

یعنی مینہ بھی ہمیشہ یکساں برابر نہیں برستا۔ اور اسی طرح حال بدلتے دیر نہیں لگتی۔ ذرا دیر میں مفلس سے دولتمند کر دے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ
اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیلنا ہے

وَإِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ
اور پچھلا گھر جو ہے سو وہی ہے زندہ رہنا

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ
اگر ان کو سمجھ ہوتی

آخرت کی فکر ضروری ہے:

یعنی آدمی کو چاہیے یہاں کی چند روزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے کہ اصلی و دائمی زندگی وہی ہے۔ دنیا کے کھیل تماشے میں غرق ہو کر عاقبت کو بھول نہ بیٹھے۔ بلکہ یہاں رہ کر وہاں کی تیاری اور سفر آخرت کے لئے توشہ درست کرے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
پھر جب سوار ہوئے کشتی میں پکارنے لگے اللہ کو خالص کر کر اس کے لیے
الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ
بندگی پھر جب بچا لایا ان کو زمین کی طرف اسی وقت لگے شریک بنانے
لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ
تاکہ منکر ہوتے رہیں ہمارے دیے ہوئے سے اور مزے اڑاتے رہیں سو عنقریب جان لیں گے

انسان کی احسان فراموش طبیعت:

یعنی چاہیے تو یہ تھا کہ آدمی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو اور آخرت کو فراموش نہ کرے لیکن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب کشتی طوفان میں گھر جائے تو بڑی عقیدتمندی سے اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جہاں آفت سر سے ٹلی اور خشکی پر قدم رکھا، اللہ کے احسانوں سے مکر کر جھوٹے دیوتاؤں کو پکارنا شروع کر دیا۔ گویا غرض یہ ہوئی کہ اللہ کی نعمتوں کا کفران کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں۔ خیر بہتر ہے چند روز دل کے ارمان نکال لیں۔ عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ اس بغاوت و شرارت احسان فراموشی اور ناسپاسی کا نتیجہ کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر بھی جس وقت اپنے آپ کو بے سہارا جان کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس وقت یہ یقین کرتا ہے کہ خدا کے سوا مجھے اس مصیبت سے کوئی نہیں چھڑا سکتا، تو اللہ تعالیٰ کافر کی بھی دعا قبول فرما لیتے ہیں، کیونکہ وہ مضطر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ (قرطبی وغیرہ) (معارف القرآن مفتی اعظم)

حقیقت ماننی پڑتی ہے:

عکرمہ کا بیان ہے کہ دور جاہلیت والے جب سمندر میں سفر کرتے تھے تو اپنے بتوں کو ساتھ رکھتے تھے لیکن جب ہوا میں طوفان آتا تھا تو بتوں کو سمندر میں پھینک دیتے تھے اور پکارتے تھے اے رب، اے رب۔ مطلب یہ کہ سخت مصائب کے وقت تو خاص طور پر دل سے اللہ کی اطاعت گزار ہو جاتے تھے اور شرک چھوڑ دیتے تھے اور نجات پا جاتے تو شرک کی طرف لوٹ آتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ
کیا نہیں دیکھتے کہ ہم نے رکھ دی ہے پناہ کی جگہ امن کی اور لوگ اچکے
النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ
جاتے ہیں ان کے آس پاس سے کیا جھوٹ پر یقین رکھتے ہیں
وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ
اور اللہ کا احسان نہیں مانتے

اہل مکہ کے لئے امن کی نعمت:

یعنی یہ لوگ اللہ کے حرم کے طفیل دشمنوں سے پناہ میں تھے حالانکہ سارے عرب میں لوٹ مار اور قتل و خون کا بازار گرم تھا۔ تو ان جھوٹے دیوتاؤں کا احسان مانتے ہیں اللہ کا یہ سچا احسان نہیں مانتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ
اور اس سے زیادہ بے انصاف کون جو باندھے اللہ پر جھوٹ یا
كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ
جھٹلائے سچی بات کو جب اس تک پہنچے کیا دوزخ میں نہیں ہے ٹھکانا
مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ
منکروں کا

سب سے بڑی ناانصافی

یعنی سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ اللہ کا شریک کسی کو ٹھہرائے۔ یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کرے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ یا پیغمبر جو سچی بات لے کر آئے ہیں اسے سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو ایسی بے باکی اور بے حیائی سے عقل و انصاف کے گلے پر چھری پھیرنے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا
اور جنہوں نے محنت کی ہمارے واسطے ہم سمجھا دیں گے ان کو اپنی راہیں

اللہ کیلئے جہاد کا ثمرہ:

یعنی جو لوگ اللہ کے واسطے محنت اٹھاتے اور سختیاں جھیلتے ہیں اور طرح

طرح کے مجاہدات میں سرگرم رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو ایک خاص نور بصیرت عطا فرماتا اور اپنے قرب ورضا یا جنت کی راہیں سمجھاتا ہے۔ جوں جوں وہ ریاضت ومجاہدات میں ترقی کرتے ہیں اسی قدر ان کی معرفت وانکشاف کا درجہ بلند ہوتا جاتا ہے اور وہ باتیں سوجھنے لگتی ہیں کہ دوسروں کو ان کا احساس تک نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مجاہدہ یعنی ظاہری اور باطنی جہاد اور جدوجہد ضروری ہے اور لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں سبل سے خداتعالیٰ کے قرب اور رضا کی راہیں مراد ہیں جس کا مال بہشت ہے۔

اگر در جستجوئے من شتابی مراد خود بزودی باز یابی

(معارف کاندھلوی)

الَّذِينَ جَاهَدُوا جہاد کا معنی ہے مقدور بھر کوشش کرنا۔ مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے اپنی انتہائی طاقت بھر کافروں سے لڑنے اور نفسانی خواہشات کی مخالفت کرنے کی کوشش کی۔

فِينَا ہمارے اندر یعنی ہماری مرضی کی طلب ہمارے دین کی مدد اور ہمارے اوامر ونواہی کی تعمیل کرنے میں۔

بارگاہِ الٰہی کا قرب:

سُبُلَنَا اپنے راستوں کی یعنی اپنی بارگاہ تک پہنچنے کے راستوں کی۔ اللہ کی بارگاہ تک رسائی بے کیف ہے (اس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی) یا یہ معنی ہے کہ ہم نیکی کے راستے کو دکھا دیتے ہیں۔ اور ان راستوں پر چلنے کی توفیق عنایت کر دیتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى اور جو لوگ ہدایت پالیتے ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

حضرت ابودرداء راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ فرمان کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اپنے جانے ہوئے راستوں پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں ہم ان کو (آگے) وہ راستے بتا دیتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتے۔

جنید نے کہا جن لوگوں نے توبہ کی کوشش کی ہم ان کو اخلاص کے راستے بتا دیتے ہیں۔ حسن نے کہا سب سے اعلیٰ جہاد نفسانی خواہشات کی مخالفت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے جو شخص عمل کرتا ہے اس پر جس کو وہ جانتا ہے تو اللہ نامعلوم چیز کا علم اس کو عطا فرما دیتا ہے۔

وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٦٩﴾

اور بیشک اللہ ساتھ ہے نیکی والوں کے

یعنی اللہ کی حمایت ونصرت نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(تم سورۃ العنکبوت فللہ الحمد والمنۃ) (تفسیر عثمانی)

سورۃ الروم

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے دل میں غلق ہے اور یہ خواب دیکھنے والا اگر بادشاہ ہے تو عالم ہو جائے گا اور اگر قاضی یا تاجر ہے تو بہت سے فوائد حاصل کرے گا۔ (علامہ ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورہ روم مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی ساٹھ آیتیں ہیں اور چھ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ

مغلوب ہو گئے ہیں رومی ملتے ہوئے ملک میں

عرب سے قریب کی زمین:

اَدْنَى الْاَرْضِ" (ملتے ہوئے ملک یا پاس والے ملک) سے مراد "اذرعات" و"بصریٰ" کے درمیان کا خطہ ہے جو "شام" کی سرحد پر "حجاز" سے ملتا ہوا مکہ کے قریب واقع ہوا ہے یا "فلسطین" مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا، یا "جزیرہ ابن عمر" جو فارس سے اقرب ہے۔ ابن حجر نے پہلے قول کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ایرانیوں کی فتح پر مشرکین کی خوشی:

ابن ابی حاتم نے ابن شہاب زہری کی روایت سے اور ابن جریر نے عکرمہ اور یحییٰ بن یعمر اور قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مسلمان جب مکہ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت نہیں کی تھی تو مشرک مسلمانوں سے جھگڑتے تھے اور کہتے تھے کہ تم شہادت دیتے ہو کہ رومی اہل کتاب ہیں لیکن (ایران کے) مجوسی ان پر غالب آگئے۔ اسی طرح تمہارا خیال ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب اتاری گئی ہے اور تم اس کتاب کی برکت سے ہم پر غالب آجاؤ گے اگر تمہارا یہ خیال ہے تو بتاؤ رومی تو اہل کتاب ہیں ان پر مجوسی کیسے غالب آگئے۔ پس جس طرح فارس والے رومیوں پر غالب آگئے اسی طرح ہم تم پر غالب آئیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ایک بہت عجیب وغریب قصہ امام سعید بن داؤد نے اپنی تفسیر میں یہ وارد کیا ہے کہ عکرمہؒ فرماتے ہیں فارس میں ایک عورت تھی جس کے بچے زبردست پہلوان یا بادشاہ ہی ہوتے تھے۔ کسریٰ نے ایک مرتبہ اسے بلوایا

وراس سے خیال میں رومیوں پر ایک لشکر بھیجنا چاہتا ہوں اور تین [illegible] میں سے کسی [illegible] شہر کا سردار بنانا چاہتا ہوں۔ اب تم مشورہ [illegible] [illegible] سے زیادہ ہوشیار ہے۔ دوسرا لڑکا فرخان تیر جیسا تیز [illegible] شہر براز سب سے زیادہ حلیم الطبع ہے۔ اب تم جسے چاہو سرداری دو۔ بادشاہ نے سوچ سمجھ کر شہر براز [illegible] بنایا۔ یہ لشکروں کو لے کر چلا۔ رومیوں سے لڑا بھڑا اور ان پر غالب آیا۔ ان کے لشکر کاٹ ڈالے ان کے شہر اجاڑ دیے۔ ان کے باغات برباد کر دیے۔ اس سرسبز شاداب ملک کو ویران و غارت کر دیا۔ اذرعات اور بصریٰ میں جو عرب کی حدود سے ملتے ہیں ایک زبردست [illegible] فارسی رومیوں پر غالب آگئے جس سے قریش خوشیاں منانے لگے اور مسلمان ناخوش ہوئے۔ کفارِ قریش مسلمانوں کو طعنے دینے لگے [illegible] اہل کتاب ہو اور ہم اور فارسی ان پڑھ ہیں۔ ہمارے والے تمہارے والوں پر غالب آگئے۔ اسی طرح ہم بھی تم پر غالب آ جائیں گے [illegible] [illegible] اہل کتاب [illegible] [illegible] [illegible]

اہلِ روم کا تعارف:

[illegible] اہل [illegible] ابراہیم [illegible] [illegible] [illegible] رومیوں [illegible] بھی [illegible] یونانیوں [illegible] تھے۔ یونانی [illegible] [illegible] تھے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد تین سو (۳۰۰) سال تک رومی اپنے پرانے خیالات پر ہی رہے۔ ان میں سے کوئی شام کا اور جزیرے کا بادشاہ ہو جاتا تو اسے قیصر کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلے رومیوں کے بادشاہ قسطنطین [illegible] قسطنطین نے نصرانی مذہب قبول کیا۔ اس کی ماں کا نام مریم تھا [illegible] [illegible] [illegible] پہلے اس نے نصرانیت قبول کی تھی [illegible] [illegible] اس کے بیٹے نے بھی یہی مذہب اختیار کر لیا۔ یہ بڑا فلسفی، عقلمند اور مکار آدمی تھا۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے دراصل دل سے اس مذہب کو نہیں مانا تھا۔ اس زمانے میں نصرانی [illegible] [illegible] [illegible] میں مذہبی جھگڑے اور اختلافات اور مناظرے چھڑے [illegible] [illegible] [illegible] اور اس قدر انتشار اور تفریق ہوئی

[illegible] سے [illegible] تین [illegible] ایک کتاب لکھی جو [illegible] [illegible] عقیدہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] زمانے میں لکھی ہیں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اصل وہی صحیح عقائد اور اصل مذہب [illegible] [illegible] مشرق کی جانب نمازیں پڑھنے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] صلیب کی پرستش [illegible] [illegible] سے حرام [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] قوم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نیچے اور گرجے بہت [illegible] شہر قسطنطنیہ کی بنا رکھی اور بڑے شہر [illegible] [illegible] [illegible] تمام مخلوق [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ:

[illegible] [illegible] (۲ھ) [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] تھے۔ یہاں تک [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور عظمت دور دراز تک پھیلا دی۔ اس نے مقابلے میں فارس کا بادشاہ [illegible] اور چھوٹی چھوٹی سلطنتوں نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ اس کی [illegible] قیصر سے بھی زیادہ بڑی تھی۔ یہ مجوسی لوگ تھے، آگ کو پوجتے تھے۔

مندرجہ بالا روایت میں تو ہے کہ اس کا سپہ سالار مقابلے پر گیا۔ لیکن مشہور بات یہ ہے کہ خود [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] یہاں تک [illegible] قسطنطنیہ میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] سلطنت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اس شہر کا [illegible] تھا۔ قیصر نے

اسے بھی قبول کرلیا کیونکہ اس نے اس سے کسریٰ کی بے وقوفی کا پتہ چل گیا کہ وہ وہ چیز مانگتا ہے جس کو جمع کرنا دنیا کے اختیار سے باہر ہے، بعد [illegible] کا دسواں حصہ بھی جمع نہیں کرسکتی۔ قیصر نے کسریٰ سے ہوا جیسے کہ مجھے اجازت دی چاہئے کہ میں اپنے ملک شام میں چلا جاؤں [illegible] آپ کو سونپ دوں، اس نے یہ درخواست منظور کرلی۔ جب شاہ روم نے اپنے لشکر کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ میں ایک ضروری اور اہم کام سے اپنے مخصوص احباب کے ساتھ جا رہا ہوں اگر ایک سال کے اندر اندر آ جاؤں تو یہ ملک میرا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے جسے چاہو بادشاہ تسلیم کرلینا۔ انہوں نے جواب دیا کہ [illegible] بادشاہ تو آپ ہی ہیں خواہ دس (۱۰) سال تک بھی آپ واپس نہ آئیں تو [illegible] یہاں سے مختصر سی جماعت کے ساتھ چل پڑا۔ پوشیدہ راستوں سے بہت [illegible] اور [illegible] بہت جلد فارس [illegible] تک پہنچ گیا [illegible] فوجیں تو روم پہنچ چکی تھیں، عوام کہاں تک مقابلہ کرتے [illegible] قتل عام شروع کردیا جو سامنے پڑے ہو [illegible] آگے ہی بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مدائن پہنچ گیا جو کسریٰ کی سلطنت کی کرسی تھی وہاں کے محافظوں پر بھی غالب آیا انہیں بھی قتل کردیا اور چوطرف سے مال جمع کیا ان کی تمام عورتوں کو قید کرلیا اور تمام لڑنے والوں کو قتل کردیا، کسریٰ کے لڑکے کو زندہ گرفتار کیا [illegible] کی عورتوں کو زندہ گرفتار کیا اس کی درباری عورتیں وغیرہ بھی پکڑیں پھر اس کے لڑکے کا سر منڈا کر گدھے پر بٹھا کر عورتوں سمیت کسریٰ کی طرف بھیج کر کہلا بھیجا کہ یہ مال اور عورتیں [illegible] آپ نے مانگے تھے وہ حاضر ہیں۔ جب یہ قافلہ کسریٰ کے پاس پہنچا کسریٰ کو سخت صدمہ ہوا۔ یہ ابھی تک قسطنطنیہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا اور قیصر کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ [illegible] کے پاس اس کا خاندان اور ساری حرم سرا اس ذلت کی حالت میں پہنچی۔ یہ سخت غضبناک ہوا اور بڑا سخت حملہ شہر پر کردیا لیکن اس میں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اب یہ جیحون کی طرف چلا کہ قیصر کو وہاں روک لے کیونکہ فارس سے قسطنطنیہ آنے کا راستہ یہی تھا۔ قیصر نے اسے سن کر پہلے سے بھی زبردست حیلہ کیا یعنی اس نے اپنے لشکر کو وہیں دریا کے اس دہانے کے پاس چھوڑا اور آپ تھوڑے سے آدمی لے کر سوار ہو کر پانی کے بہاؤ کی طرف چل دیا۔ کوئی ایک دن رات کا راستہ چلنے کے بعد اپنے ساتھ جو گھاس، چارہ، لید، گوبر وغیرہ لے گیا تھا اسے پانی میں بہا دیا۔ یہ چیزیں پانی میں بہتی ہوئی کسریٰ کے لشکر کے پاس سے گزریں تو وہ سمجھے کہ قیصر یہاں سے گزر گیا۔ یہ اس لشکر کے جانوروں کے آثار ہیں۔ اب قیصر وہاں اپنے لشکر میں پہنچ گیا، ادھر کسریٰ اس کی تلاش میں آگے کو چل دیا۔ قیصر اپنے لشکروں سمیت جیحون کا دہانہ عبور کرکے راستہ بدل کر قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ جس دن یہ اپنے دارالسلطنت میں پہنچا نصرانیوں میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ کسریٰ کو جب یہ خبر ملی تو اس کا عجیب حال ہوا کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن، نہ تو روم ہی فتح ہوا اور نہ فارس ہی رہا۔ [illegible] میں روکیا اور رومی غالب آگئے۔ فارس کی عورتیں اور وہاں کے مال ان کے قبضے میں آگئے۔ یہ کل امور نو (۹) سال میں [illegible] رومی سلطنت فارسیوں [illegible] مغلوب ہو [illegible] غالب آگئے۔ [illegible] میں اہل فارس غالب آگئے تھے اور یہ ملک شام کا وہ حصہ تھا جو حجاز سے ملتا تھا۔

رومیوں کے غلبہ کی پیشگوئی

[illegible] سال کے اندر اندر رومی غالب ہو جائیں گے یونکہ لغت میں اور حدیث میں "بضع" کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے۔ [illegible] آیت میں قرآن نے ایک عجیب و غریب پیشگوئی کی جو اس کی صداقت کی ایک نمایاں دلیل ہے۔

ابتدائے اسلام کے وقت کی بین الاقوامی طاقتیں:

"واقعہ یہ ہے کہ اس زمانہ کی بڑی بھاری دو سلطنتیں "فارس" (جسے "ایران" کہتے ہیں) اور "روم" مدت دراز سے آپس میں ٹکراتی چلی آتی تھیں ۶۰۲ء سے ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی حریفانہ زور آزمائیوں کا سلسلہ جاری رہا یہ جیسا [illegible] پیدا ہو [illegible] سے ظاہر ہے ۵۷۰ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مکہ والوں میں جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں۔ اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوئے نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لئے ان خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کردی۔ فارس کے آتش پرست مجوس کو مشرکین مکہ [illegible] اپنے سے [illegible] ایک سمجھتے تھے۔ اور روم کے نصرانی اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے بھائی یا کم از کم ان کے قریبی دوست قرار دیے جاتے تھے۔ جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ مسرور ہوتے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی فال لیتے اور خوش آئند توقعات باندھتے تھے۔ مسلمانوں کو بھی فطرۃً صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں، ادھر ان کو مشرکین مکہ کی شماتت کا ہدف بننا پڑے۔

فارسیوں کی فتح اور مشرکین کی چھیڑ بازی:

آخر ۶۱۴ء کے بعد (جبکہ ولادت نبوی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال اور بعثت کے پانچ سال گذر چکے) خسرو پرویز (کیخسرو

ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک مہلک اور فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ ہرقل قیصر روم کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا اور رومیوں کا دارالسلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا۔ بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے۔ بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے اڑے۔ قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا۔ بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔ یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب بغلیں بجائیں۔ مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا، بڑے بڑے حوصلے اور توقعات قائم کرنے لگے حتی کہ بعض مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ کی مشرکین سے شرط:

اُس وقت قرآن نے سلسلۂ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہو گئے ہیں لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و منصور ہوں گے اسی پیشینگوئی کی بناء پر حضرت ابوبکر صدیق نے بعض مشرکین سے شرط باندھ لی (اُس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہ ہوا تھا) کہ اگر اتنے سال تک رومی غالب نہ ہوئے تو میں سو (۱۰۰) اونٹ تم کو دوں گا، ورنہ اسی قدر اونٹ تم مجھ کو دو گے۔ شروع میں حضرت ابوبکرؓ نے اپنی رائے سے "بضع سنین" کی میعاد کچھ کم رکھی تھی۔ بعدہٗ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے "بضع" کے لغوی مدلول یعنی نو سال پر معاہدہ ٹھہرا۔ ادھر ہرقل قیصر روم نے اپنے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کا تہیہ کر لیا اور منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو فارس پر فتح دی تو "حمص" سے پیدل چل کر "ایلیا" (بیت المقدس) تک پہنچوں گا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ قرآنی پیشینگوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر (یعنی ہجرت کا ایک سال گذرنے پر) عین بدر کے دن جبکہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت حاصل ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے، یہ خبر سن کر اور زیادہ مسرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا تعالیٰ نے ایران کے مجوسیوں پر غالب فرمایا۔ اور اس ضمن میں مشرکین مکہ کو مزید خذلان و خسران نصیب ہوا۔ قرآن کی اس عظیم الشان اور محیر العقول پیشینگوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے سو (۱۰۰) اونٹ مشرکین مکہ سے وصول کیے جن کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صدقہ کر دیے جائیں۔ فللّٰہ الحمد علی نعمائہ الظاھرۃ والائہ الباھرۃ. (تفسیر عثمانی)

مسئلہ قمار: قمار یعنی جوا از روئے نصوص قرآن حرام قطعی ہے، ہجرت مدینہ کے بعد جس وقت شراب حرام کی گئی اسی کے ساتھ قمار بھی حرام کر دیا گیا، اور اس کو شیطانی عمل قرار دیا، آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ میں میسر اور ازلام جوئے (قمار) ہی کی صورتیں ہیں جن کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور یہ دو طرفہ لین دین اور ہار جیت کی شرط جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُبی بن خلف کے ساتھ ٹھہرائی یہ بھی ایک قسم کا جوا اور قمار ہی تھا، مگر یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے جب قمار حرام نہیں تھا، اس لئے اس واقعہ میں جب یہ قمار کا مال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا تو کوئی مال حرام نہیں تھا، اس لئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے صدقہ کر دینے کا حکم کیوں فرمایا، خصوصاً دوسری روایت میں جو اس کے متعلق لفظ سُحت آیا ہے جس کے مشہور معنی حرام کے ہیں یہ کیسے درست ہوگا، اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ یہ مال اگرچہ اس وقت حلال تھا مگر قمار کے ذریعہ اکتساب مال اس وقت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ تھا، اس لئے صدیق اکبرؓ کی شان کے مناسب نہ سمجھ کر ان کو صدقہ کرنے کا حکم دیا، اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے شراب حلال ہونے کے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبرؓ نے کبھی استعمال نہیں فرمائی۔

فارسیوں کا مقابلہ اور اُبی بن خلف کی حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بحث

بغوی نے لکھا ہے فارس اور روم میں جنگ تھی مشرک دل سے چاہتے تھے کہ اہل فارس رومیوں پر غالب آ جائیں کیونکہ فارس والے مجوسی تھے۔ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں تھی اور مسلمان چاہتے تھے کہ رومی فتحیاب ہو جائیں کیونکہ رومی اہل کتاب تھے۔ کسریٰ پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں نے ایک لشکر روم کی طرف بھیجا جس کی قیادت شہریزاد کے سپرد کی اور قیصر نے ایک لشکر یحنس کی زیر سرکردگی روانہ کیا دونوں فوجوں کا مقابلہ اذرعات علاقہ شام و بصریٰ کے مقام پر ہوا (یہ شامی علاقہ ارض عرب کے بہت قریب تھا اور عجم سے بھی قریب تھا) آخر میں فارس والے رومیوں پر غالب آ گئے۔ مسلمانوں کو مکہ میں اس کی اطلاع پہنچی تو ان کو بڑا رنج ہوا، اور کفار مکہ اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوئے، اور مسلمانوں سے کہنے لگے تم بھی اہل کتاب ہو اور عیسائی بھی اہل کتاب ہیں اور ہم امی (یعنی بے کتاب) ہیں، ہمارے فارسی بھائی تمہارے رومی بھائیوں پر غالب آ گئے اگر تم ہم سے لڑو گے تو ہم بھی تم پر غالب آئیں گے، اُس وقت اس آیت کا نزول ہوا۔ نزول آیت کے بعد حضرت ابوبکرؓ کفار کے پاس گئے اور فرمایا اب تو تم اپنے بھائیوں کے غالب آ جانے سے بہت خوش ہو لیکن واللہ عنقریب رومی فارسیوں پر غالب آ جائیں گے، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس کی اطلاع دیدی ہے۔ اُبی بن خلف جمحی بولا تم جھوٹے ہو، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، دشمن خدا تو بڑا جھوٹا ہے، اُبی نے کہا، ہمارے درمیان ایک معین مدت کی شرط کر لو میں دس اونٹنیوں کی

شرط باندھتا ہوں۔ اگر رومی فارس والوں پر غالب آ گئے تو میں تاوان (یعنی دس اونٹنیاں) تم کو دوں گا اور اگر فارس والے رومیوں پر غالب رہے تو تم کو تاوان ادا کرنا ہوگا۔ شرط طے ہوگئی اور تین سال کی میعاد مقرر ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے خدمتِ گرامی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کر دیا (یہ واقعہ قمار کی حرمت سے پہلے کا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں نے تو یہ نہیں بیان کیا تھا، بضع تو تین سے نو تک ہوتا ہے اب تم مال کی مقدار میں اضافہ کر دو اور میعاد بڑھا دو حضرت ابوبکر خدمت گرامی سے واپس آئے ابی سامنے دکھائی دیا۔ ابی نے کہا شاید تم کو پشیمانی ہوئی ہو گی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا، پشیمانی نہیں ہے۔ میں تو مال کی مقدار بڑھانا اور میعاد مقررہ میں توسیع کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ سو سو اونٹنیوں کی شرط ہوئی اور نو سال کی مدت مقرر ہوئی۔ بعض روایات میں سات سال کی میعاد آئی ہے۔ اُبی نے کہا، میں نے مان لیا۔ کچھ مدت کے بعد ابی بن خلف کو جب یہ اندیشہ ہوا کہ ابوبکر مکہ سے چلے جائیں گے تو آ کر آپ سے چمٹ گیا اور بولا، مجھے اندیشہ ہے کہ تم مکہ سے چلے جاؤ گے اس لئے اپنا کوئی ضامن دو۔ (کہ جب میں شرط جیت جاؤں تو اس سے مال شرط وصول کرلوں) حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ضامن بنادیا۔ حضرت عبداللہ ضامن ہوگئے۔

ابی بن خلف کی موت:

اس کے بعد ابی بن خلف (مسلمانوں کے مقابل) احد کی جنگ میں گیا اور مقابلہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مکہ میں آ کر مر گیا۔ اُدھر حدیبیہ کے دن رومی فارس پر غالب آگئے بعض روایات میں آیا ہے کہ بدر کے دن رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہوا۔ یہ واقعہ شرط سے ساتویں سال کے سرے پر پیش آیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جیت:

شعبی نے لکھا ہے، یہ مقررہ مدت گذرنے نہیں پائی تھی کہ رومی فارس والوں پر غالب آگئے، اور اپنے گھوڑے مدائن (ایرانیوں کی عراقی راجدھانی) میں لے جا کر باندھ دیئے (حرمتِ قمار سے پہلے کا یہ قصہ ہے) حضرت ابوبکرؓ بھی ابی بن خلف سے جیت گئے اور ابی بن خلف کے وارثوں سے آپ نے شرط کا مال وصول کرلیا اور خدمت گرامی میں لے کر حاضر ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کو خیرات کردو، ترمذی نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔

مسئلہ: حضرت ابوبکرؓ کے اس قصہ سے استدلال کرتے ہوئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ دارالحرب میں مسلمانوں اور کافروں کے درمیان تمام عقودِ فاسدہ جیسے سود کا لین دین وغیرہ جائز ہیں، اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ (حربی) کافروں کا مال ہر طرح سے لینا جائز ہے بشرطیکہ ذمہ داری کی شکست نہ ہو، فارس کو امان دے کر ان کا مال لینا جائز نہیں۔

رومیوں کے غلبہ کے اسباب:

بغوی نے لکھا ہے کہ حسب بیان عکرمہ رومیوں کی فارس والوں پر غالب آنے کی صورت یہ ہوئی کہ شہریزاد رومیوں پر غالب آیا اور ان کے شہروں کو روندتا اجاڑتا ہوا خلیج تک پہنچ گیا۔ ایک روز شہریزاد کا بھائی فرخان شہریزاد کے تخت پر بیٹھا شراب پی رہا تھا کہ (مستی کی حالت میں) اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں کسریٰ کے تخت پر بیٹھا ہوا ہوں یہ بات کسریٰ تک پہنچ گئی۔ کسریٰ نے شہریزاد کو لکھا جس وقت میری یہ تحریر تم کو پہنچے فوراً فرخان کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دو۔ شہریزاد نے جواب میں لکھا، بادشاہ سلامت فرخان نے بڑے کارنامے کئے ہیں اور دشمنوں پر اس کی دھاک ہے آپ کو ایسا شخص نہیں ملے گا۔ کسریٰ نے دوبارہ لکھا، فارس میں اور بہت سے لوگ ہیں جو اس سے بہتر ہیں فوراً میرے پاس اس کا سر بھیج دو۔ شہریزاد نے اس کا بھی ویسا ہی جواب بھیج دیا جس سے کسریٰ غضبناک ہو گیا اور شہریزاد کو کچھ نہیں لکھا بلکہ فوج کے پاس ڈاک سے یہ حکم بھیج دیا کہ میں نے شہریزاد کو ہٹا دیا اس کی جگہ تمہارا افسر فرخان کو بنا دیا ہے، پھر ایک چھوٹا سا پرچہ ڈاک سے جانے والے کو لکھ کر دے دیا جس میں شہریزاد کو قتل کر دینے کا حکم لکھا ہوا تھا اور ڈاک والے سے کہا جب فرخان حکومت کا چارج لے لے اور اس کا بھائی اس کی اطاعت کرے تو اس وقت یہ پرچہ فرخان کو دیدینا غرض شاہی حکم ملنے کے بعد شہریزاد نے بسروچشم اس کو قبول کیا اور تخت سے اتر آیا اس کی جگہ فرخان بیٹھ گیا۔ اس وقت ڈاک والے نے وہ پرچہ فرخان کو دیا، فرخان نے فوراً شہریزاد کو بلوانے کا حکم دیا اور گردن مار دینے کے لئے پیشی میں طلب کیا۔ شہریزاد نے کہا جلدی سے کام نہ لیجئے مجھے اتنی مہلت دیجئے کہ میں وصیت نامہ لکھ دوں۔ فرخان نے کہا اچھا، شہریزاد نے بستہ منگوایا اور اس میں سے تین تحریریں نکال کر دکھائیں اور فرخان سے کہا میں نے آپ کے سلسلے میں کسریٰ سے یہ ساری مراسلت کی تھی اور آپ صرف ایک تحریر ملنے پر مجھے قتل کرانا چاہتے ہیں۔ فرخان نے فوراً اقتدار حکومت شہریزاد کو واپس کر دیا۔

اس کے بعد شہریزاد نے قیصر روم کو لکھا مجھے آپ سے کام ہے لیکن وہ نہ پیام رساں کی معرفت زبانی کہلوایا جا سکتا ہے نہ تحریراً اس کو پہنچایا جا سکتا ہے ملاقات ہی ضروری ہے۔ اس لئے میری خواہش ہے کہ آپ پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر مجھ سے ملیں میرے ساتھ بھی اس وقت صرف پچاس ایرانی ہوں گے، قیصر نے یہ بات مان لی اور پچاس رومیوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا لیکن اس کو اندیشہ لگا ہوا تھا کہ شاید شہریزاد نے کوئی فریب کیا ہو اس لئے

پہنچ گئے آگے اس نے چھ جاسوس بھیجے، تاکہ صحیح طور پر خبر پہنچیں۔ جاسوسوں نے آ کر بتایا کہ شہریزاد کے ساتھ بھی صرف پچاس آدمی ہیں قیصر مطمئن ہو کر اس کی جانب چل دیا۔ پھر دونوں کے بیچ ایک ریشمی خیمہ لگوایا گیا اور دونوں کی ملاقات اس طرح ہوئی کہ ہر ایک کے پاس خنجر تھا اور دونوں کے درمیان ترجمان تھا، شہریزاد نے کہا آپ کے شہر جن لوگوں نے ویران کئے وہ میں اور میرا بھائی ہیں ہم نے ہی اپنی تدبیر اور بہادری سے آپ کا ملک اجاڑا۔ اس سے کسریٰ کو ہم پر حسد ہو گیا اور اس نے میرے بھائی کو میرے ہاتھ سے قتل کرا دینا چاہا، میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو کسریٰ نے میرے بھائی کو حکم دیا کہ وہ مجھے قتل کر دے۔ ہم دونوں ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ (اس لئے ایک کے قتل ہو جانے سے دوسرا مر جائے گا) اب ہم آپ کے ساتھ مل کر کسریٰ سے لڑنا چاہتے ہیں۔ قیصر نے کہا تم نے ٹھیک کیا۔ پھر ایک نے دوسرے سے (اشارۃً) کہا کہ راز دو آدمیوں کے درمیان رہتا ہے جب وہ آگے بڑھتا ہے تو پھیل جاتا ہے۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے خنجر سے ترجمان کو قتل کر دیا۔ اس وقت سے رومیوں کا فارسیوں پر غلبہ ہو گیا اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر رومیوں نے ان کو قتل کر دیا۔ کسریٰ بھی مر گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کی اطلاع صلح حدیبیہ کے روز پہنچی جس وقت کہ مسلمان اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ اس قصہ کی طرف غُلِبَتِ الرُّوْمُ. فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

یہ بھی قول ہے کہ یہ ہزیمت جزیرہ میں ہوئی تھی جو رومیوں کی سرحد کا مقام ہے اور فارس سے ملتا ہے، واللہ اعلم۔ پھر نو (۹) سال کے اندر اندر رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

قرآن کریم میں لفظ بضع کا ہے اور اس کا اطلاق بھی نو (۹) تک ہوتا ہے۔ وہ یہی تفسیر جامع ترمذی اور ابن جریر والی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ سے فرمایا کہ تمہیں احتیاطاً دس (۱۰) سال تک رکھنے چاہئے تھے کیونکہ بضع کے لفظ کا اطلاق تین سے لے کر نو (۹) تک ہوتا ہے۔ اس کے بعد قبلُ اور بعدُ پر پیش اضافت کے ہٹا دینے کی وجہ سے ہے یعنی اس سے پہلے اور اس کے بعد حکم اللہ ہی کا ہے اس دن جبکہ رومی فارس پر غالب آ جائیں گے مسلمان خوشیاں منائیں گے اکثر علماء کا قول ہے کہ بدر کی لڑائی کے دن رومی فارسیوں پر غالب آ گئے۔

ابن عباسؓ، سدیؒ، ثوریؒ اور ابوسعیدؓ یہی فرماتے ہیں، ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ غلبہ حدیبیہ کے سال ہوا تھا۔ عکرمہ زہری اور قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے بعضوں نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ قیصر روم نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے فارس پر غالب کرے گا تو وہ اس کے شکریہ میں پاپیادہ بیت المقدس تک جائیگا۔ چنانچہ اس نے نذر پوری کی اور بیت المقدس پہنچا۔

یہیں تھا جو اس کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہنچا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبیؓ کی معرفت بصریٰ کے گورنر کو بھیجا تھا اور اس نے ہرقل کو پہنچا دیا تھا۔ ہرقل نے نامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پاتے ہی شام میں جو حجازی عرب تھے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ ان میں ابوسفیان صخر بن حرب اُموی بھی تھا اور دوسرے بھی قریش کے بڑی عزت والے بڑے بڑے لوگ تھے اس نے ان سب کو اپنے سامنے بٹھا کر پوچھا کہ تم میں سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے؟ جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا میں ہوں۔ بادشاہ نے انہیں آگے بٹھا لیا اور ان کے ساتھیوں کو ان کے پیچھے بٹھا دیا اور ان سے کہا کہ دیکھو میں اس شخص سے چند سوالات کروں گا اگر یہ کسی بات کا غلط جواب دے تو تم اسے جھٹلا دینا۔

ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ اگر میں جھوٹ بولوں گا تو یہ لوگ اسے ظاہر کر دیں گے اور پھر اس جھوٹ کو میری طرف نسبت کریں گے تو میں یقیناً جھوٹ بولتا۔ اب ہرقل نے بہت سے سوالات کئے۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب نسب کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وعادات کے متعلق وغیرہ وغیرہ۔ انہی میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا وہ غداری کرتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا کہ آج تک تو کبھی بدعہدی، وعدہ خلافی اور غداری کی نہیں۔ اس وقت ہم میں اور اس میں ایک معاہدہ ہے نہ جانے اس میں وہ کیا کرے۔

ابوسفیان کے اس قول سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور قریش میں یہ بات بھی ٹھہری تھی کہ دس (۱۰) سال تک کوئی لڑائی آپس میں نہ ہوگی۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ؕ		
اللہ کے ہاتھ ہیں سب کام	پہلے	اور پیچھے

یعنی پہلے فارس کو غالب کرنا، روم کو مغلوب کرنا، اور پیچھے حالات کو اُلٹ دینا، سب اللہ کے قبضہ میں ہے۔ صرف اتنی بات سے کسی قوم کے مقبول و مردود ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا تلک الایام نداولها بین الناس۔

وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ			
اور اس دن	خوش ہونگے	مسلمان	اللہ کی مدد سے

مسلمانوں کی خوشی کا دن:

یعنی ایک تو اس دن اپنی فتح کی خوشی اس پر مزید خوشی یہ ہوئی کہ رومی اہل کتاب (جو نسبتاً مسلمانوں سے قریب تھے) فارس کے مجوسیوں پر غالب آ گئے۔ قرآن کی پیشینگوئی کے صدق کا لوگوں نے مشاہدہ کر لیا کفار مکہ کو ہر طرح ذلت نصیب ہوئی۔

يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

مدد کرتا ہے | جس کی چاہتا ہے | اور وہی ہے زبردست | رحم والا

یعنی جسے مغلوب کرنا چاہے تو کوئی زبردستی کر کے روک نہ سکے اور جس پر مہربانی فرمانا چاہے اُسے بے روک ٹوک غالب کر کے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ

اللہ کا وعدہ ہو چکا | خلاف نہ کریگا | اللہ | اپنا وعدہ | لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

بہت | لوگ | نہیں | جانتے۔

اللہ کی حکمتیں اللہ ہی جانتا ہے:

یعنی اکثر لوگ نہیں سمجھتے کہ غالب یا مغلوب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں ہیں اور یہ کہ قدرت جب کوئی کام کرنا چاہے تو سب ظاہری رکاوٹیں دور ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اسی لئے اکثر ظاہربین بغیر اسباب ظاہری کے خدا پر بھروسہ نہیں رکھتے اور کسی کا عارضی غلبہ دیکھ کر سمجھنے لگتے ہیں کہ یہی اللہ کے ہاں مقبول ہوگا۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ

جانتے ہیں | اُوپر اُوپر | دنیا کے | جیسے کو

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

اور وہ لوگ | آخرت کی خبر | نہیں رکھتے۔

لوگوں کی ظاہر پرستی:

یعنی یہ لوگ دنیوی زندگی کی ظاہری سطح کو جانتے ہیں۔ یہاں کی آسائش و آرائش، کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، بونا جوتنا، پیسہ کمانا، مزے اڑانا، بس یہی ان کے علم و تحقیق کی انتہائی جولانگاہ ہے۔ اس کی خبر ہی نہیں کہ اس زندگی کی تہہ میں ایک دوسری زندگی کا راز چھپا ہوا ہے جہاں پہنچ کر اس دنیوی زندگی کے بھلے بُرے نتائج سامنے آئیں گے۔ ضروری نہیں کہ جو شخص یہاں خوشحال نظر آتا ہے وہاں بھی خوشحال رہے۔ بھلا آخرت کا معاملہ تو دور ہے یہیں دیکھ لو کہ ایک شخص یا ایک قوم کبھی دنیا میں عروج حاصل کر لیتی ہے لیکن اُس کا آخری انجام ذلت و ناکامی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

معیشت میں پڑ کر آخرت سے غفلت دانائی نہیں:

قرآن کریم اقوامِ دنیا کے عبرتناک قصوں سے بھرا ہوا ہے، جو مکسب دنیا اور عیش و عشرت کے سامان جمع کرنے میں بڑے نام آور تھے، پھر ان کا انجامِ بد بھی دنیا ہی میں لوگوں نے سامنے آیا، اور آخرت کا دائمی عذاب ان کا حصہ بنا، اس لئے ان کو کوئی سمجھدار آدمی عقلاء یا حکماء نہیں کہہ سکتا، افسوس ہے کہ آجکل عقل و حکمت کا سارا انحصار اسی میں سمجھ لیا گیا ہے کہ جو شخص زیادہ سے زیادہ مال جمع کرے اور اپنی عیش و عشرت کا سامان سب سے بہتر بنا لے وہ سب سے بڑا عقلمند کہلاتا ہے، اگرچہ اخلاق انسانیت سے بھی کورا ہو، عقل و شرع کی رُو سے اس کو عقلمند کہنا عقل کی توہین ہے، قرآن کریم کی زبان میں عقل والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ کو اور آخرت کو پہچانیں، اس کے لئے عمل کریں، دنیا کی ضروریات کو بقدر ضرورت رکھیں، اپنی زندگی کا مقصد نہ بنائیں۔

دنیا کا چند روزہ قیام درحقیقت ایک مسافرانہ قیام ہے، انسان یہاں کا مقامی آدمی (نیشنل) نہیں، بلکہ دوسرے ملک آخرت کا باشندہ ہے، یہاں کچھ مدت کے لئے ویزا پر آیا ہوا ہے، اس کا اصلی کام یہ ہے کہ اپنے اصلی وطن کے لئے یہاں سے سامانِ راحت فراہم کر کے وہاں بھیجے، اور وہ سامانِ راحت ایمان اور عمل صالح ہے، اس دوسرے رُخ سے بڑے بڑے عاقل کہلانے والے بالکل غافل اور جاہل ہیں۔ (مفتی اعظم رحمہ اللہ)

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ

کیا دھیان نہیں کرتے | اپنے جی میں | کہ اللہ نے جو بنائے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا

آسمان | اور | زمین | اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ

سو ٹھیک سادھ کر اور وعدہ | مقرر پر

تخلیق کائنات کا ایک مقصد ہے:

یعنی عالم کا اتنا زبردست نظام اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں پیدا کیا، کچھ اس سے مقصود ضرور ہے وہ آخرۃ میں نظر آئیگا۔ ہاں یہ سلسلہ ہمیشہ چلتا رہتا تو ایک بات تھی، لیکن اس کے تغیرات و احوال میں غور کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ اس کی کوئی حد اور انتہا ضرور ہے۔ لہٰذا ایک وعدہ مقررہ پر یہ عالم فنا ہوگا اور دوسرا عالم اس کے نتیجہ کے طور پر قائم کیا جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے آپ میں غور کرو:

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ کیا انہوں نے اپنے نفسوں میں غور نہیں کیا۔ یعنی کیا انہوں نے اپنے علم کو صرف ظاہری دنیا پر منحصر رکھا اور دلوں کے اندر باطن پر غور نہیں کیا کہ ان پر دنیا کے اندرونی گوشوں کا انکشاف ہوتا، یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے کیا اپنے نفسوں کے متعلق غور نہیں کیا باوجودیکہ ان کے نفوس اس سے

اتنے قریب ہیں کہ دوسری کوئی چیز اتنی قریب نہیں اپنے نفس کے اندر غور کرنے والے کو وہ انکشافات ہوتے ہیں جو سارے عالم امکان پر غور کرنے والے کو ہوتے ہیں۔ انسان عالم صغیر ہے (اور عالم کبیر کا نمونہ ہے) اگر وہ اپنے اندر میں غور کرے تو ان کو معلوم ہو جاتا اور وہ یہ سمجھتے کہ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اللہ نے آسمان و زمین اور ان کی درمیانی کائنات کو برحق ہی پیدا کیا ہے (یعنی حکمت و مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے) اور ایک مقررہ مدت (تک) کے لئے سمجھتے ہوئے پیدا کیا ہے یعنی بے کار لاحاصل بغیر کسی کامل حکمت کے نہیں پیدا کیا اور ان کی تخلیق دوامی نہیں ہے بلکہ ان کا بقا ایک خاص مدت کے لئے ہے اس کے بعد قیامت آجائے گی اور حساب فہمی کا وقت آپہنچے گا اور سزا و جزا مل جائے گی۔ اللہ نے فرمایا ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ کیا تم یہ خیال کئے ہوئے ہو کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا اور ہماری طرف تم کو نہیں لوٹایا جائے گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اللہ کی طرف بازگشت نہ ہو اور اللہ سب کو یوں ہی چھوڑ دے تو تخلیق بیکار بے لاحاصل ہے۔

غور و فکر کا حاصل:

نظام عالم پر غور کرنے والے جانتے ہیں کہ اس کا خالق حکیم ہے اور حکیم بیکار کام نہیں کرتا تخلیق عالم کی حکمت خالق کی ذات و صفات کی معرفت ہے اگر قیامت نہ آئے اور جزا سزا نہ ملے تو عارف و کافر دونوں برابر ہیں۔ پس کائنات پر غور کرنے والا ہی آخرت کو جانتا ہے اور علم آخرت حاصل ہونے کے بعد اس کے دل سے غفلت دور ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ
اور　بہت　لوگ
بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ
اپنے رب　کا ملنا　نہیں مانتے

وہ سمجھتے ہیں کہ کبھی خدا کے سامنے جانا ہی نہیں جو حساب و کتاب دینا پڑے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ
کیا انہوں نے سیر نہیں کی ملک کی　تو دیکھیں　انجام
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْٓا
کیسا ہوا　ان سے　پہلوں کا　تھے

اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ
زیادہ　تھے زور میں　اور جوتا انہوں نے زمین کو　اور بسایا اس کو
اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
اس سے زیادہ جو یہ بسا رہے ہیں　اور پہنچے ان کے پاس رسول ان کے
بِالْبَيِّنٰتِ
لے کر کھلے حکم

ماضی کی طاقتور اقوام سے عبرت پکڑو:

یعنی بڑی بڑی طاقتور قومیں (مثلاً عاد و ثمود) جنہوں نے زمین کو جوت کر مالا مال اور گلزار بنایا اور اسے خوب بڑھاتے رہے۔ ان منکرین سے بڑھ کر تمدن کو ترقی دی۔ لمبی عمریں پائیں اور زمین کو ان سے زیادہ آباد کیا۔ وہ آج کہاں ہیں؟ جب اللہ کے پیغمبر نشان اور احکام لے کر آئے اور انہوں نے تکذیب کی تو پھر تم نے سنا کہ انجام کیا ہوا۔ کس طرح تباہ و برباد کئے گئے۔ ان کے ویران کھنڈر آج بھی ملک میں چل پھر کر دیکھ سکتے ہیں۔ کیا ان میں ان منکروں کے لئے کوئی عبرت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وہ لوگ ان سے زیادہ قوت والے تھے انہوں نے زمین کو کھود ڈالا تھا اور ان سے زیادہ زمین کو آباد کیا تھا (بڑی بڑی اونچی عمارتیں بکثرت بنائی تھیں)۔ زمین کو اٹھانے کا یہ مطلب ہے کہ پانی نکالنے معادن برآمد کرنے اور کھیتی کرنے کے لئے انہوں نے زمین کو کھودا تھا۔

اہل مکہ کیلئے دعوت فکر

اہل مکہ ایسی زمین پر آباد تھے جہاں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی تھی بالکل وادی غیر ذی زرع تھی۔ اہل مکہ دنیوی طاقت کا حصہ پانے والے نہ تھے۔ آیت میں ایک طرح کا طعن ہے اہل مکہ دنیا پر گھمنڈ کرتے اور دنیا پر ریجھے ہوئے ہیں فریفتہ ہیں، غرور سے سرمست ہیں باوجودیکہ ان کا حال کمزور ہے۔ دنیا کی فراخی ان کو حاصل نہیں۔ دنیا نام ہے وسعت ملک کا، تسلط عام کا، تعمیرات کی کثرت کا اور ان کو کچھ بھی میسر نہیں ان کی بستی میں کسی چیز کی پیداوار نہیں گرمی موسم سرما دونوں میں یمن و شام کا سفر نہ کریں اور وہاں سے خرید کر نہ لائیں تو بھوکے مر جائیں۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے ان کی حقیقی دنیا پر چھوٹے نہیں رہتے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
سو اللہ نہ تھا　ان پر　ظلم　کرنے　لیکن　وہ خود

اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ۝۹

آپ — بُرا کرتے تھے

قومیں خود اپنے اوپر ظلم کرتی ہیں:

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تو ظلم کا امکان نہیں۔ ہاں یہ لوگ خود اپنے ہاتھوں اپنی جڑ پر کلہاڑی مارتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جن کا نتیجہ بربادی ہو تو یہ اپنی جان پر خود ہی ظلم کرنا ہوا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے عدل و رحم کی کیفیت تو یہ ہے کہ بے رسول بھیجے اور بدون پوری طرح ہوشیار کئے کسی کو پکڑتا بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡٓاٰۤى اَنۡ

پھر ہو — انجام — بُرا کرنے والوں — کا — بُرا — اس

كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا بِهَا يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۱۰

واسطے کہ جھٹلاتے تھے — اللہ کی باتیں اور ان پر — ٹھٹھے کرتے تھے

دنیا میں دیکھتا تھا پھر آخرت میں تکذیب واستہزاء کی جو سزا ہے وہ الگ رہی۔ موجودہ اقوام کو چاہئے کہ گذشتہ قوموں کے احوال سے عبرت پکڑیں کیونکہ ایک قوم کو جن باتوں پر سزا ملی سب کو وہی سزا مل سکتی ہے۔ سب کی فنا بھی ایک کی فنا سے سمجھو اور سب کی سزا بھی ایک کی سزا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

گناہ کا اثر:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مؤمن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہی کا ایک نکتہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لیتا ہے اور گناہ سے نکل آتا ہے اور مغفرت کا طلبگار ہو جاتا ہے تو (دل سے وہ سیاہ نکتہ دور ہو جاتا ہے) دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر مزید گناہ کرتا رہا تو سیاہی کا نکتہ بھی بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ (پورے) دل پر سیاہی چڑھ جاتی ہے۔ یہی وہ زنگ ہے جس کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اور فرمایا ہے بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ بلکہ جو اعمال وہ کرتے تھے ان کا زنگ ان کے دلوں پر چڑھ گیا۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ثُمَّ اِلَيۡهِ

اللہ بناتا ہے پہلی بار — پھر اس کو دہرائے گا — پھر اسی کی طرف

تُرۡجَعُوۡنَ ۝۱۱ وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝۱۲

پھر جاؤ گے — اور جس دن برپا ہو گی قیامت آس توڑ کر رہ جائیں گے گنہگار

وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ مِّنۡ شُرَكَآئِهِمۡ شُفَعٰٓؤُا

اور نہ ہوں گے ان کے شریکوں میں کوئی ان کے سفارش کرنے والے

وَكَانُوۡا بِشُرَكَآئِهِمۡ كٰفِرِيۡنَ ۝۱۳

اور وہ ہو جائیں گے اپنے شریکوں سے منکر

جھوٹے معبودوں کا انجام:

یعنی جن کو اللہ کا شریک بناتے تھے جب وقت پر کام نہ آئیں گے تو منکر ہو کر کہنے لگیں گے کہ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ (خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے)

وَيَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَةُ يَوۡمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوۡنَ ۝۱۴

اور جس دن قائم ہو گی قیامت — اس دن لوگ ہونگے قسم قسم

نیک و بد کے فیصلہ کا دن:

یعنی نیک و بد ہر قسم کے لوگ الگ کر دیئے جائیں گے اور علیحدہ علیحدہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچا دیئے جائیں گے جس کی تفصیل اگلی آیت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یکے خنداں بصد عشرت یکے نالاں بصد حسرت
یکے در راحت و صلت یکے در شدت ہجراں

اہل جنت اہل جہنم سے جدا کر دیئے جائیں گے۔ (معارف کاندھلوی)

فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمۡ

سو جو لوگ — یقین لائے اور کئے — بھلے کام — سو

فِىۡ رَوۡضَةٍ يُّحۡبَرُوۡنَ ۝۱۵

باغ میں ہونگے ان کی آؤ بھگت ہو گی

نیکیوں کا انعام:

یعنی انعام واکرام سے نوازے جائیں گے اور ہر قسم کی لذت و سرور سے بہرہ اندوز ہونگے۔ یہ نیکوں کا ٹھکانہ ہوا۔ آگے بدوں کی جگہ بتلائی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں ایسی تفریق اور جدائی کر دی جائے گی جس سے بڑھ کر کوئی جدائی نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

تحبیر کا معنی ومطلب:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور میری قراءت کو سن رہے ہیں تو میں تحبیر سے کام لیتا، یعنی مزید خوش آوازی سے پڑھتا۔

بغوی نے بروایت اوزاعی یحییٰ بن کثیر کا قول نقل کیا ہے کہ [illegible] جنت کے آسمان کا نام ہے ہناد اور بیہقی کی روایت میں بھی یحییٰ بن کثیر کا یہی قول آیا ہے۔ اوزاعی کا بیان ہے جب وہ گانا شروع کرتا ہے تو جنت کا کوئی درخت بغیر سرسبز ہوئے نہیں رہتا۔ یہ بھی اوزاعی کا بیان ہے کہ اللہ کی کوئی مخلوق اسرافیل سے زیادہ خوش آواز نہیں جب وہ گانا شروع کرتا ہے تو ساتوں آسمانوں کے رہنے والوں کی نماز اور تسبیح ختم ہو جاتی ہے۔

جنت میں خوش کلامی:

میں کہتا ہوں گانے سے اور شعر سے اس دنیا میں لذت اندوزی کے لیے تین باتوں کی ضرورت ہے اشعار میں محبوب کا ذکر ہو، کلام موزوں ہو، آواز میں حسن ہو، لیکن جنت والوں کے لیے اللہ سے بڑی مرغوب کوئی چیز نہیں ہو گی اس کے جمال سے زیادہ کسی کا حسن بھی نہیں ہے اس لیے جب اس کے دیدار سے بہرہ ور ہوں گے تو کسی کی خوش الحانی کے ساتھ حمد سے لذت اندوز ہوں گے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ غزالہ چشم حوریں اپنے شوہروں کے سامنے ایسی حسین آوازوں سے گائیں گی جن کی مثل کسی نے کوئی گانا کبھی نہ سنا ہوگا۔ روایت میں آیا ہے کہ منجملہ دوسرے کلام کے یہ اشعار بھی گائیں گی۔ ترجمہ: "ہم سب سے اچھی ہیں ہم عزت والے لوگوں کی بیبیاں ہیں ہم ہمیشہ رہیں گی کبھی نہیں مریں گی ہم امن میں رہیں گی ہم کو کسی بات کا خوف نہ ہو گا ہم یہاں مقیم رہیں گی کبھی یہاں سے کوچ نہیں کریں گی"۔ رواہ [illegible] عن ابن عمر۔ مرفوعا کذا اخرج الطبرانی والبیہقی وابن ابی الدنیا عن انس۔

امام احمد نے الزہد میں مالک بن دینار کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمائے گا اسی خوش آوازی کے ساتھ میری مجد بیان کرو۔ داؤد علیہ السلام ایسی آواز سے گانا شروع کر دیں گے جو جنت کی تمام نعمتوں پر غالب آ جائے گی۔

صبہانی نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ اللہ جنت کے درخت کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو گانا سنا جنہوں نے میری یاد میں تمام گانوں اور باجوں کو چھوڑ رکھا تھا درخت اللہ کی تسبیح و تقدیس ایسی آوازوں سے گائے گا جس کی مثل کسی مخلوق نے کبھی نہیں سنی ہو گی۔

گانا سننے کی سزا:

اس موضوع کی احادیث بکثرت ہیں۔ حکیم نے نوادر الاصول میں حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے (دنیا میں) گانے کی آواز سنی اس کو روحانیات کی آواز سننے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، روحانی کون؟ فرمایا اہلِ جنت کے سامنے پڑھنے والے۔

[illegible] نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جو لوگ اپنی آوازوں اور کانوں کو [illegible] اور شیطانی مزامیر سے پاک رکھتے ہیں قیامت کے دن اللہ ان [illegible] میں قیام پذیر [illegible] گا اور فرشتوں [illegible] میرے بندوں کو [illegible] کا خوف [illegible] نہیں [illegible]

مسئلہ سماع: کسی خوش الحان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کا سماع یا کسی ایسے شعر کا [illegible] آخرت [illegible] بشرطیکہ [illegible] اجنبی عورت [illegible] اجنبی عورت کا [illegible] [illegible] اپنی بیوی کا [illegible] جائز ہے بشرطیکہ [illegible] عورت [illegible] اور [illegible] قواعد شریعت کے تحت [illegible] اس سے متعلق حضرت خواجہ [illegible] کا یہ قول [illegible] ہے

[illegible]

[illegible] اندر دماغ

[illegible] کہ جب [illegible] رکھتا ہے [illegible] اور [illegible] خاص [illegible] والی خوبصورت عورت [illegible] اور [illegible] اور [illegible] والی تصویریں بھی ہوں [illegible] (از [illegible])

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ

[illegible] اور جھٹلاتے ہیں ہماری باتیں اور ملنا

الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ

[illegible]

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ

[illegible]

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا

[illegible] اور پچھلے وقت

وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ

[illegible]

یادالٰہی اور پانچ نمازیں:

یعنی جنت چاہتے ہو تو اللہ کی پاکی بیان کرو جو دل، زبان اور اعضاء و جوارح سب سے ہوتی ہے۔ نماز میں تینوں قسم کی پاکی بیان کرنی ہے۔ اور اوقات فرض نماز کے یہی ہیں جو آیت میں بیان ہوئے۔ یعنی صبح، شام (جس میں مغرب، عشاء شامل ہیں) دن کے پچھلے وقت (عصر) اور دوپہر ڈھلنے کے بعد (ظہر) کی نمازیں ہیں۔ ان اوقات میں حق تعالیٰ کی رحمت یا قدرت وعظمت کے آثار بہت زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔ آفتاب عالم اجسام میں سب سے بڑا روشن کرہ ہے جس کے بلا واسطہ یا بواسطہ فیض و تاثیر سے تمام اسباب میں شاید ہی کوئی مخلوق مستثنیٰ ہو (جیسا کہ ارباب النجوم کے مصنف نے بہت شرح و بسط سے اس کو ثابت کیا ہے) اسی بناء پر سیارہ پرستوں نے اُسے معبود اکبر قرار دیا تھا جس کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول هٰذَا اَكْبَرُ میں اشارہ ہے۔ اس کے عجز و بیچارگی اور آفتاب پرستوں کی اس کے فیض سے محرومی کا کھلا ہوا منظر بھی ان ہی پانچ اوقات میں ہوتا ہے۔ صبح کو جب تک طلوع نہیں ہوا اور دوپہر ڈھلنے پر جب اس کے عروج میں کمی آنی شروع ہوئی اور عصر کے وقت [illegible] حرارت اور روشنی میں نمایاں طور پر ضعف آ گیا اور غروب کے بعد جب اس کی نورانی شعاعوں سے تعلق [illegible] سے پوری طرح محروم ہو گئے۔ پھر عشاء کے وقت جب شفق بھی غائب ہوئی اور روشنی کا ادنیٰ نشان تک بھی افق پر باقی نہ رہا۔ ان اوقات میں موحدین کو حکم ہوا کہ خدائے واحد کی عبادت کریں۔ اور ترتیب حمد و ثنا میں اللہ اکبر کہہ کر اُس موحد اعظم (ابراہیم خلیل اللہ) کی اقتداء کرتے رہیں۔ جس نے هٰذَا اَكْبَرُ کے بعد فرمایا تھا اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام رکوع ۹) شاید آیت ہذا میں فرمایا [illegible] یہی بات ہے کہ تسبیح و تنزیہ اور [illegible] کی مستحق وہی ذات ہو سکتی ہے جس کی خوبی آسمان و زمین کی کل کائنات زبان حال و قال سے بیان کر رہی ہے کوئی مجبور و عاجز مخلوق اس کا استحقاق نہیں رکھتی خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی بڑی نمایاں ہو۔ آگے اسی خدائے اکبر کی بعض شئون عظیمہ اور صفات کاملہ کا بیان ہے تا معبودیت کا استحقاق اور زیادہ واضح ہو جائے اسی ضمن میں بعث بعد الموت کے مسئلہ پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پانچ نمازوں کا ذکر قرآن میں:

حضرت ابن عباسؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا صراحۃً ذکر ہے۔ تو فرمایا ہاں! اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا۔ حِيْنَ تُمْسُوْنَ میں نماز مغرب اور حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ میں نماز فجر اور عَشِيًّا میں نماز عصر اور حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ میں نماز ظہر کا ذکر صریح موجود ہے، اب صرف ایک نماز عشاء رہی، اس کے ثبوت میں دوسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا مِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ (معارف مفتی اعظم)

بغوی نے لکھا ہے کہ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا پانچوں نمازوں کا ذکر قرآن مجید میں کہیں ہے۔ فرمایا، ہاں پھر یہی دونوں آیتیں پڑھ دیں اور فرمایا یہ آیت پانچوں نمازوں اور ان کے اوقات کو حاوی ہے۔

تمام گناہ معاف:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات دن میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھے گا اس کے (سارے) گناہ ساقط کر دیئے جائیں گے خواہ سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔ متفق علیہ۔

سب سے بڑا عمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص صبح شام سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سو مرتبہ پڑھے گا قیامت کے دن اس سے بڑھ کر کوئی عمل اور کوئی نہیں لائے گا سوائے اس شخص کے جس نے اسی کی طرح پڑھا ہو یا اس سے زائد پڑھا ہو۔ متفق علیہ۔ رواہ ابوہریرہ۔

زبان پر ہلکے اور ترازو میں بھاری کلمے:

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (آسانی کے ساتھ ادا ہو جاتے ہیں) میزان میں (یعنی قیامت میں باوزن ہیں) بھاری ہوں گے رحمن کو پیارے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ متفق علیہ۔

سبحان اللہ کیا ہے؟

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک روز فرمایا الحمد للہ کو تو ہم جانتے ہیں کہ ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ کو بھی ہم جانتے ہیں اللہ کے سوا بتوں کی پوجا ہوتی ہی تھی اور اللہ اکبر کو بھی جانتے ہیں نمازی تکبیر کہتا ہی ہے لیکن سبحان اللہ کا کیا

مطلب ہے حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا اللہ اعلم۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر عمرؓ اتنا بھی نہ جانے کہ اللہ اعلم ہے تو بڑا بدنصیب ہے (یعنی اللہ کا علم کل ہونا تو میں بھی جانتا ہوں) حضرت علیؓ نے فرمایا، امیرالمومنین یہ ایسا نام ہے کہ اس کو کوئی مخلوق اپنے لئے استعمال نہیں کرسکتی۔ ساری مخلوق کا اسی کی طرف رجوع ہے اسی کے واسطے یہ کلمہ کہنا واجب ہے۔) (از مفسر رحمۃ اللہ علیہ)

چار وزنی اور بڑھیا کلمے:

حضرت جویریہ بنت الحارث جن کا نام برہ تھا مسجد میں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے ایک صبح کو اٹھ کر مسجد سے باہر چلے گئے پھر دن چڑھے واپس تشریف لائے اور فرمایا جب سے میں یہاں سے گیا ہوں اس وقت سے اب تک تم یہیں بیٹھی (وظیفہ پڑھ رہی) ہو۔ حضرت جویریہ نے کہا جی ہاں۔ فرمایا، میں نے تو تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمے تین بار پڑھے تھے اگر تمہارے (وظیفہ کے) الفاظ سے ان کا موازنہ کیا جائے تو وہ بھاری پڑیں گے (چار کلمے یہ ہیں) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، عدد خلقه ورضاء نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته (رواہ مسلم)

حضرت سمرہ بن جندب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے بڑھیا چار جملے ہیں: سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور لاالٰہ الا اللّٰہُ اور اللّٰہ اکبر۔

دوسری روایت میں آیا ہے اللہ کو سب سے پیارے جملے چار ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور لاالٰہ الا اللّٰہُ اور اللّٰہ اکبر۔ جس سے شروع کرو کوئی ہرج نہیں (یعنی ترتیب ضروری نہیں) رواہ مسلم۔

سب سے اعلیٰ کلام:

حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا سب سے اعلیٰ کونسا کلام ہے فرمایا (افضل کلام) وہی ہے جو اللہ نے اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا ہے (یعنی ملائکہ پڑھتے ہیں) سُبحان اللّٰہ وبحمدہٖ۔ رواہ مسلم۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے سُبحان اللّٰہ العظیم وبحمدہٖ کہا اس کے لئے جنت کے اندر ایک درخت خرما بو دیا گیا (یعنی جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ان الفاظ کا بھی ہوگا۔) رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کا نام کیسے ملا؟

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ خدا تعالیٰ نے (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کا نام خلیل وفادار کیوں رکھا؟ اس لئے کہ وہ صبح شام ان کلمات کو پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے فَسُبْحٰنَ اللّٰہِ سے تُظْهِرُوْنَ تک کی دونوں آیتیں تلاوت فرمائیں۔

رات کے نقصان کا ازالہ:

طبرانی کی حدیث میں ان دونوں آیتوں کی نسبت ہے کہ جس نے صبح شام یہ پڑھ لیں اس نے دن رات میں جو اس سے فوت ہوا ہو اُسے پالیا۔

نیند نہ آنے کا علاج:

طبرانی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ راتوں کو میری نیند اُچاٹ ہو جایا کرتی تھی تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعا پڑھا کرو اللّٰھُمَّ غارت النجوم وهدئت العيون وانت حيّ قيومٌ ياحيُّ ياقيُّومُ انم عيني وَاهدِئْ لَيْلِيْ میں نے جب اس دعا کو پڑھا تو نیند نہ آنے کی بیماری بفضلِ خدا دور ہوگئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
نکالتا ہے زندہ کو　مردہ سے　اور نکالتا ہے مردہ کو
مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
زندہ سے　اور زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے
وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ
اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے

قدرتِ الٰہی کی کارسازیاں:

یعنی انسان کو نطفہ سے، نطفہ کو انسان سے، جانور کو بیضہ سے اور بیضہ کو جانور سے، مؤمن کو کافر سے، کافر کو مؤمن سے پیدا کرتا ہے اور زمین جب خشک ہو کر مرجاتی ہے تو رحمت کے پانی سے پھر زندہ کر کے سبز و شاداب کر دیتا ہے۔ غرض موت وحیات حقیقی ہو یا مجازی، حسی ہو یا معنوی، سب کی باگ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ پھر تم کو زندہ کر کے قبروں سے نکال کھڑا کرنا اُس کے نزدیک کیا مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تم کو بنایا　مٹی سے
اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ
پھر اب　تم انسان ہو زمین میں پھیلے پڑے

مٹی سے تخلیق انسان:

یعنی آدم کو مٹی سے بنایا، پھر دیکھو قدرت نے اُسے کتنا پھیلایا کہ ساری زمین پر اس کی ذریت چھا گئی اور زمین میں پھیل کر کیسی کیسی عجیب وغریب تدبیریں اس مٹی کے پتلے نے ڈھالی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پہلی آیت قدرت:

انسان جیسے اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات کو مٹی سے پیدا فرمانا جو اس دنیا کے عناصر ترکیبیہ میں سب سے زیادہ ادنیٰ درجہ کا عنصر ہے جس میں حس وحرکت اور شعور وادراک کا کوئی شمہ نظر نہیں آتا، کیونکہ مشہور چار عناصر آگ، پانی، ہوا، مٹی کے سوا اور سب عناصر میں کچھ نہ کچھ حرکت تو ہے، مٹی اس سے بھی محروم ہے۔ قدرت نے تخلیق انسانی کے لئے اس کو منتخب فرمایا، ابلیس کی گمراہی کا سبب یہی بنا کہ اس نے آگ کے عنصر کو مٹی سے اشرف و اعلیٰ سمجھ کر تکبر اختیار کیا، اور یہ نہ سمجھا کہ شرافت اور بزرگی خالق ومالک کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہے بڑا بنا سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا
اور اس کی نشانیوں میں سے ہے یہ کہ بنا دیئے تمہارے واسطے تمہاری قسم سے جوڑے
لِّتَسۡكُنُوۡۤا اِلَیۡهَا وَجَعَلَ بَیۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ
کہ چین سے رہو ان کے پاس اور رکھا تمہارے بیچ میں پیار اور مہربانی
اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ
البتہ اس میں بہت پتے کی باتیں ہیں ان لوگوں کے لئے جو دھیان کرتے ہیں

توالد وتناسل کا نظام:

یعنی اول مٹی سے ایک آدم کو پیدا کیا پھر اس کے اندر سے اس کا جوڑا نکالا تاکہ اس سے انس اور چین پکڑے اور پیدائشی طور پر دونوں صنفوں (مرد وعورت) کے درمیان خاص قسم کی محبت اور پیار رکھ دیا تا مقصود ازدواج حاصل ہو۔ چنانچہ دونوں کے میل جول سے نسل انسانی دنیا میں پھیل گئی۔ کما قال تعالیٰ: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً (تفسیر عثمانی)

دوسری آیت قدرت:

یہ ہے کہ انسان ہی کی جنس میں اللہ تعالیٰ نے عورتیں پیدا کر دیں جو مردوں کی بیبیاں بنیں ایک ہی مادہ سے ایک ہی جگہ میں ایک ہی غذا سے پیدا ہونے والے بچوں میں یہ دو مختلف صورتیں پیدا فرمادیں۔ (معارف مفتی اعظم)

سامانِ راحت:

لِتَسۡكُنُوۡا یعنی تم عورتوں کی طرف مائل ہو اور ان سے انسیت کرو۔ اتحاد جنسیت موجب انسیت ہے اور اختلاف جنسیت باعثِ نفرت۔

بَیۡنَكُمۡ تمہارے درمیان یعنی مردوں اور عورتوں کے درمیان یا افرادِ جنس کے درمیان۔ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً یعنی جنسی خواہش کے غلبہ کے وقت ازدواجی تعلق قائم کرنے کے ذریعہ سے۔ تمہارے اندر اللہ نے باہم محبت اور شفقت پیدا کر دی تاکہ معاشی نظم درست ہو جائے۔ یا باہمی رحمت ومحبت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس پر تعاون موقوف ہے اور باہمی تعاون پر نسانی معیشت کا مدار ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس سے معلوم ہوا کہ ازدواجی زندگی کے تمام کاروبار کا خلاصہ سکون و راحتِ قلب ہے، جس گھر میں یہ موجود ہے وہ اپنی تخلیق کے مقصد میں کامیاب ہے، جہاں قلبی سکون نہ ہو اور چاہے سب کچھ ہو وہ ازدواجی زندگی کے لحاظ سے ناکام ونامراد ہے۔

مرد وعورت کے باہمی معاملات کچھ اس نوعیت کے ہیں کہ ان کے حقوق باہمی پورے ادا کرانے پر نہ کوئی قانون حاوی ہو سکتا ہے نہ کوئی عدالت ان کا پورا انصاف کر سکتی ہے اسی لئے خطبۂ نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی وہ آیات انتخاب فرمائی ہیں جن میں تقویٰ اور خوف خدا وآخرت کی تلقین ہے کہ وہی درحقیقت زوجین کے باہمی حقوق کا ضامن ہو سکتا ہے۔

ارشاد فرمایا؟ وَجَعَلَ بَیۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً یعنی اللہ تعالیٰ نے زوجین کے درمیان صرف شرعی اور قانونی تعلق نہیں رکھا بلکہ ان کے دلوں میں مودّت اور رحمت پیوست کر دی۔ وُدّ اور مودّت کے لفظی معنی چاہنے کے ہیں، جس کا ثمرہ محبت والفت ہے، یہاں حق تعالیٰ نے دو لفظ اختیار فرمائے، ایک مودّت، دوسرے رحمت۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا ... وَجَعَلَ بَیۡنَكُمۡ مَّوَدَّةً وَّرَحۡمَةً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ اور منجملہ اس کی آیات قدرت کے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری ذاتوں سے یعنی تمہاری جنس سے جوڑے پیدا کئے یعنی عورتیں تاکہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے ان کی طرف میل کرو اور ان سے مل کر سکون حاصل کرو اور چین پکڑو اس لئے کہ ہم جنس ہونا میلان طبیعت اور رغبت کا سبب ہے اور خلاف جنس ہونا نفرت کا باعث ہے۔ نظم ؎

بجنس خود کند ہر جنس آہنگ ندارد ہیچ کس از جنس خود ننگ
جنس خویش دارد میل ہر جنس فرشتہ با فرشتہ انس با انس!

(معارف کاندھلوی)

وَمِنۡ اٰیٰتِهٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ
اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمان اور زمین کا بنانا

وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَأَلْوَانِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور طرح طرح کی بولیاں تمہاری اور رنگ اس میں بہت نشانیاں

لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ

ہیں سمجھنے والوں کو

شکل وصورت اور بولیوں کا اختلاف:

سب انسان ایک ماں باپ سے بنائے، پھر کر بسائے، پھر تمام روئے زمین پر اُن کو پھیلا دیا۔ سب کی جُدا جُدا بولیاں کر دیں۔ ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جا کر زبان کے اعتبار سے محض اجنبی ہو گیا۔ پھر دیکھو کہ شروع دنیا سے آج تک کتنے بیشمار آدمی پیدا ہوئے مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا لب ولہجہ، تلفظ، طرز تکلم بالکل یکساں ہو۔ جس طرح ہر آدمی کی شکل وصورت اور رنگت وغیرہ دوسرے سے ممتاز ہے، آواز اور لب ولہجہ بھی بالکل الگ ہے کوئی دو شخص ایسے نہ ملیں گے جن کی آواز اور رنگ، روپ میں کوئی مابہ الامتیاز نہ ہو۔ ابتدائے عالم سے آج تک برابر نئی صورتیں اور بولنے کے نئے طور نکلتے چلے آتے ہیں۔ اس خزانہ میں کبھی ٹوٹا نہیں آیا۔ حقیقت میں یہ کتنا بڑا نشان حق تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تیسری آیت قدرت:

آسمان وزمین کی تخلیق اور انسانوں کے مختلف طبقات کی زبانیں اور لب ولہجہ کا مختلف ہونا اور مختلف طبقات کے رنگوں میں امتیاز ہوتا ہے، کہ بعض سفید ہیں بعض سیاہ بعض سرخ بعض زرد، اس میں آسمان وزمین کی تخلیق تو قدرت کا عظیم شاہکار ہے ہی، انسانوں کی زبانیں مختلف ہونا بھی ایک عجیب کرشمہ قدرت ہے، زبانوں کے اختلاف میں لغات کا اختلاف بھی داخل ہے، عربی، فارسی، ہندی، ترکی، انگریزی وغیرہ کتنی مختلف زبانیں ہیں جو مختلف خطوں میں رائج ہیں۔

اس آیت قدرت میں متعدد چیزیں آسمان، زمین، اختلاف السنہ، اختلاف الوان، اور ان کے ضمن میں اور بہت سی قدرت وحکمت کی نشانیاں ہیں، اور وہ ایسی کھلی ہوئی ہیں کہ کسی مزید غور وفکر کی بھی ضرورت نہیں، ہر آنکھوں والا دیکھ سکتا ہے، اس لئے اس کے ختم پر ارشاد فرمایا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالِمِينَ یعنی اس میں بہت سی نشانیاں ہیں سمجھ رکھنے والوں کے لئے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اور اس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات　　اور دن میں

وَابْتِغَاؤُكُم مِّن فَضْلِهِ

اور تلاش کرنا　　اس کے فضل سے

انسان کی دو حالتیں:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ انسان کی دو حالتیں ہوتی ہیں، سویا تو بے خبر پتھر کی طرح اور روزی کی تلاش میں لگا تو بے ہوشیار کوئی نہیں۔ بس تو رات ہے سونے کو اور دن تلاش کو پھر دونوں وقت دونوں کام ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یا یہ مطلب ہے کہ رات میں تمہارا سونا اور دن میں روزی کو طلب اور تلاش کرنا قدرت ومصلحت کی نشانی ہے دو حروف عطف کے ساتھ دو فعلوں کو دو اوقات کے ساتھ ملا دیا تاکہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ اگر ایک فعل دن کے ساتھ اور ایک فعل رات کے ساتھ (عادتاً) مخصوص ہے لیکن ہر کام ہر وقت ہو سکتا ہے (رات کو کمائی اور دن کو نیند بھی ہو سکتی ہے) اس کی تائید دوسری آیات سے بھی ہوتی ہے جو اسی مضمون کی حامل ہیں۔ (تفسیر مظہری)

چوتھی آیت قدرت:

انسانوں کا سونا رات میں اور دن میں، اسی طرح ان کی تلاش معاش ہے رات میں اور دن میں، اس آیت میں تو نیند کو بھی دونوں میں بیان فرمایا ہے اور تلاش معاش کو بھی، اور بعض دوسری آیات میں نیند کو صرف رات میں اور تلاش معاش کو دن میں بتلایا ہے، وجہ یہ ہے کہ رات میں اصل کام نیند کا ہے، اور کچھ تلاش معاش کا بھی چلتا ہے، اور دن میں اس کے برعکس اصل کام تلاش معاش کا ہے، اور کچھ سونے آرام کرنے کا بھی وقت ملتا ہے، اس لئے دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، بعض مفسرین تاویل کر کے اس آیت میں بھی نیند کو رات کے ساتھ اور تلاش معاش کو دن کے ساتھ مخصوص کیا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں۔

سونا اور تلاش معاش زہد وتوکل کے منافی نہیں:

اس آیت سے ثابت ہوا کہ سونے کے وقت سونا اور جاگنے کے وقت تلاش معاش انسان کی فطرت بنائی گئی ہے، اور ان دونوں چیزوں کا حاصل کرنا انسانی اسباب، کمالات کے تابع نہیں، بلکہ درحقیقت یہ دونوں چیزیں خالص عطاء حق ہیں، جیسا کہ رات کا مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات نیند وآرام کے سارے بہتر سے بہتر سامان جمع ہونے کے باوجود نیند نہیں آتی، بعض اوقات ڈاکٹری گولیاں بھی نیند لانے میں فیل ہو جاتی ہیں، اور جس کو وہ چاہتا ہے کھلی زمین پر دھوپ اور گرمی میں نیند عطا فرما دیتا ہے۔

یہی حال تحصیل معاش کا رات دن مشاہدہ میں آتا ہے کہ دو شخص یکساں علم وعقل والے برابر کے مال والے، برابر کی محنت والے تحصیل معاش کا یکساں ہی کام لیکر بیٹھتے ہیں ایک ترقی کر جاتا ہے، دوسرا رہ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کو عالم اسباب بڑی حکمت ومصلحت سے بنایا ہے، اس نے تلاش معاش اسباب ہی کے ذریعہ کرنا لازم ہے مگر عقل کا کام یہ ہے کہ حقیقت شناسی سے دور نہ ہو، ان اسباب کو

اسباب ہی سمجھے اور اصل رازق اسباب کے بنانے والے کو سمجھے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ

اس میں بہت پتے ہیں ان کو جو سنتے ہیں

یعنی جو سن کر محفوظ رکھتے ہیں معانی تفسیر ابن کثیر حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اپنے سونے کے احوال نظر نہیں آتا۔ سو لوگوں کی زبانی سنتے ہیں۔" (موضح) یہ لفظ یسمعون اختیار کرنے کا نکتہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا

اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ دکھلاتا ہے تم کو بجلی ڈر اور امید سے

بارش کا انتظام:

بجلی کی چمک دیکھ کر لوگ ڈرتے ہیں کہیں کسی پر گر نہ پڑے۔ یا بارش زیادہ نہ ہو جائے جس سے جان و مال تلف ہوں۔ اور اُمید بھی رکھتے ہیں کہ بارش ہو تو دنیا کا کام چلے۔ مسافر بھی اندھیرے میں اس کی چمک کو غنیمت سمجھتا ہے کہ تھوڑی دیر تک راستہ نظر آ جائے اور کبھی خوف ہوتا ہے کہ رعب آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ

اور اتارتا ہے آسمان سے پانی پھر زندہ کرتا ہے اس سے زمین کو

بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

مر گئے پیچھے اس میں بہت پتے ہیں ان کے لئے جو سوچتے ہیں

یعنی اسی سے سمجھو کہ مرے پیچھے تمہارا پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ

اور اس کی نشانیوں سے یہ ہے کہ کھڑا ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے

آسمان وزمین کا بقاء:

پہلے آسمان وزمین کا پیدا کرنا مذکور ہوا تھا یہاں ان کے بقاء و قیام کو بتلایا کہ وہ بھی اسی کے حکم سے ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی اپنے مرکز ثقل سے ہٹ جائے۔ یا ایک دوسرے پر گر کر تمام کائنات کو درہم برہم کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ

پھر جب پکارے گا تم کو ایک بار زمین میں سے

اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ

اسی وقت تم نکل پڑو گے

یعنی زمین وآسمان جب تک اُس کا حکم ہے قائم رہیں گے۔ پھر جس وقت دنیا کی میعاد پوری ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کی ایک پکار پر تم سب قبروں سے نکلے چلے آؤ گے میدان حشر کی طرف۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کوئی تاکیدی قسم کھانا چاہتے تو فرماتے اس خدا تعالیٰ کی قسم جس کے حکم سے زمین و آسمان ٹھہرے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر)

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور اسی کا ہے جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں

كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

سب اس کے حکم کے تابع ہیں

آسمان وزمین میں حکم صرف اللہ ہی کا ہے:

یعنی آسمان وزمین کے رہنے والے سب اُسی کے مملوک بندے اور اُسی کی رعیت ہیں، کس کی طاقت ہے کہ اُس کے حکم تکوینی سے سرتابی کر سکے۔ (عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا ہر ایک (بغیر کسی اختیار کے) پیدا ہونے، جینے، مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے میں حکم کا بندہ ہے۔ خواہ حکم عبادت سے سرکشی کرتا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ

اور وہی ہے جو پہلی بار بناتا ہے پھر اس کو دہرائے گا

وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ

اور وہ آسان ہے اس پر

اوّل وآخر پیدا کرنا برابر ہے:

یعنی قدرت الٰہی کے سامنے تو سب برابر ہیں لیکن تمہارے محسوسات کے اعتبار سے اوّل بار پیدا کرنے سے دوسری بار دوہرا دینا آسان ہونا چاہئے پھر یہ عجیب بات ہے کہ اوّل پیدائش پر اسے قادر مانو اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے کو مستبعد سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ مخلوق کے لئے دوبارہ پیدا ہو جانا پہلی مرتبہ پیدا ہو جانے سے سہل ہوگا کیونکہ وہ صرف ایک آواز سے اٹھ کر نکل آئیں گے۔ پہلی پیدائش دشوار تھی، نطفہ بنا پھر بستہ خون ہوا پھر بوٹی بنا پھر مرد یا عورت بنا بچہ پیدا ہوا۔ ابن حبان نے بحوالہ کلبی اور صالح کی روایت سے

حضرت ابن عباس کا جو قول نقل کیا ہے اس کا بیان ہے [illegible]

وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
اور اس کی شان سب سے اونچی ہے [illegible] آسمان اور زمین میں
وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
اور وہی ہے [illegible]

اونچی شان اللہ کی ہے۔

یعنی اعلیٰ سے [illegible] صفت اور اونچی سے اونچی شان اسی کی ہے۔ آسمان وزمین کی کوئی چیز اپنے حسن وخوبی میں اُسکی شان وصفت سے لگا نہیں کھا سکتی۔ مساوی ہونا تو کجا، وہ تو اُس سے بھی بالا وبرتر ہے جہاں تک مخلوق اُس کے جلال وجمال کا تصور کر سکتی ہے بلکہ جو خوبی کسی [illegible] وہ [illegible] کا ادنیٰ پرتو ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں [illegible] نہ شتے ند حد میں نہ چیں نہ جست شرکی رکھیں سوا بندوں کے [illegible] نہیں اور زمین [illegible] چیز میں آ [illegible] صفت [illegible] ذات ہے" (موضح)

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم	[illegible] اندیشیم وخواندہ ایم
منزل تمام گشت وبپایاں رسید عمر	ماہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

[illegible] من قال:

اے بروں از وہم وقال وقیل من	خاک بر فرق من وتمثیل من

[illegible]

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کی مثل اعلیٰ یہی ہے کہ اس کی مثل کوئی نہیں۔ [illegible] نے بروایت ابن ابی حاتم اس آیت کی تشریح میں قتادہ کا قول نقل کیا ہے [illegible] مثل اعلیٰ [illegible] کی شہادت [illegible] اس قول کا مطلب [illegible] مثل [illegible]

شان نزول:

طبرانی نے نقل کیا ہے [illegible] تلبیہ [illegible] تھے لاشریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک [illegible] اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں سوا اس شریک کے جو تیرے [illegible] ہے وہ تیرا مالک نہیں اس پر آیت نازل ہوئی [illegible]

ضَرَبَ لَكُم مَّثَلًا مِّنْ أَنفُسِكُمْ ۖ هَل لَّكُم
بتلائی تم کو [illegible] ایک مثل تمہارے اندر سے [illegible]
مِّن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن شُرَكَاءَ
[illegible]
فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ
[illegible]
كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ
[illegible]
لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ
[illegible]

شرک کی برائی کیلئے عام فہم مثال

[illegible] تمہارے غلام [illegible] اموال میں سے ایک مثال [illegible] فرماتا ہے [illegible] تمہارے [illegible] مال (یعنی لونڈی غلام) [illegible] [illegible]

[illegible] ایسے [illegible] شریک نہ ہو سکے۔ حالانکہ وہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں [illegible] ایک مخلوق، مخلوق [illegible] خدائی میں شریک [illegible] ایسی بات کوئی عقلمند قبول نہیں [illegible]

كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ جیسے تم [illegible] اندیشہ رکھتے ہو تمہاری طرح [illegible] استفہام انکاری ہے [illegible] سمجھتے ہو باوجود یکہ [illegible] آدمی ہونے میں غلاموں سے [illegible] اور مساویانہ تصرف وارانہیں [illegible] عاجز ترین مخلوق [illegible] اللہ کا شریک قرار دیتے ہو [illegible] خالق ہے۔ [illegible]

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ
[illegible]

خواہش پرستی کا نقصان:

یعنی یہ بے انصاف لوگ ایسی صاف و واضح باتوں کو کیونکر سمجھیں۔ وہ سمجھنا چاہتے ہی نہیں بلکہ جہالت اور ہوا پرستی سے محض اوہام و خواہشات کی پیروی پر تلے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ		
سو کون سمجھائے	جس کو اللہ نے بھٹکایا	اور نہیں
مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ؀		
ان کا مددگار		

یعنی جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کی بے انصافی جہل اور ہوا پرستی کی بدولت راہ حق پر چلنے اور سمجھنے کی توفیق نہ دی۔ اب کون طاقت ہے جو اسے سمجھا کر راہ حق پر لے آئے یا مدد کر کے گمراہی اور تباہی سے بچا لے۔ لہٰذا ایسوں کی طرف سے زیادہ متفکر اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان سے قطع نظر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ تن اپنے پروردگار کی طرف توجہ کیجئے۔ اور دین فطرت پر ڈٹے رہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ
سو تو سیدھا رکھ اپنا منہ دین پر ایک طرف کا ہو کر

آپ اللہ ہی کی طرف متوجہ رہیں:

یعنی جو گمراہی سے کسی طرح نکلنا نہیں چاہتا اسے شک و جدال میں پڑا رہنے دو اور تم ہر طرف سے منہ موڑ کر ایک خدا کے ہو رہو اور اس کے سچے دین کو پوری توجہ اور یک جہتی سے تھامے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ
وہی تراش اللہ کی جس پر تراشا لوگوں کو

فطرت انسانی:

اللہ تعالیٰ نے آدمی کی ساخت اور تراش شروع سے ایسی رکھی ہے کہ اگر وہ حق کو سمجھنا اور قبول کرنا چاہے تو کر سکے اور بدا فطرت سے اپنی اجمالی معرفت کی ایک چمک اس کے دل میں بطور تخم ہدایت کے ڈال دی ہے کہ اگر گردوپیش کے احوال اور ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اصلی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تو یقیناً دین حق کو اختیار کرنے کے سوا دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ "عہد الست" کے قصہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے اور احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ ہر بچہ فطرۃ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے بعدہ ماں باپ اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو "حنفاء" پیدا کیا۔ پھر شیاطین نے اغوا کر کے انہیں سیدھے رستہ سے بھٹکا دیا۔ بہر حال دین حق، دین حنیف اور دین قیم وہ ہے کہ اگر انسان کو اس کی فطرت پر مخلی بالطبع چھوڑ دیا جائے تو اپنی طبیعت سے اسی کی طرف جھکے۔ تمام انسانوں کی فطرۃ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں۔ فرض کرو اگر فرعون یا ابو جہل کی اصلی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت نہ ہوتی تو ایمان و قبول حق کا مکلف بنانا صحیح نہ ہوتا۔ جیسے اینٹ پتھر، یا جانوروں کو شرائع کا مکلف نہیں بنایا۔ فطرت انسانی کی اسی یکسانیت کا یہ اثر ہے کہ دین کے بہت سے اصول ہیں جو کسی نہ کسی رنگ میں تقریباً سب انسان تسلیم کرتے ہیں گو ان پر ٹھیک ٹھیک قائم نہیں۔ جیسے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی اللہ سب کا مالک حاکم، سب سے نرالا، کوئی اس کے برابر نہیں، کسی کا زور اس پر نہیں، یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ اس پر چلنا چاہیے۔ ایسے ہی کسی کے جان اموال کو ستانا، ناموس میں عیب لگانا، ہر کوئی برا جانتا ہے۔ ایسے ہی اللہ کو یاد کرنا، غریب پر ترس کھانا، حق پورا دینا، دغا نہ کرنا ہر کوئی اچھا جانتا ہے۔ اس (راستہ) پر چلنا وہی دین ہے (یہ امور فطری تھے مگر) اس کا بندوبست پیغمبروں کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے سکھا دیا۔" (تفسیر حقانی)

فطرت (بمعنی پیدائش) سے مراد حضرت ابن عباس اور جماعت مفسرین کے نزدیک اسلام ہے۔ آیت میں براہ راست خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ذیل میں ساری امت کو ہے۔ فطرت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ساری مخلوق سے اطاعت ہی لازم ہے۔

الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ یعنی تمام لوگوں کے اندر صلاحیت اور استعداد پیدا کر دی ہے کہ فطرت کو جان سکتے ہیں اور اس پر چل سکتے ہیں (گویا فطرت سے مراد ہے فطری استعداد جو ہر شخص میں پیدائشی ہے) بعض علماء کے نزدیک فطرت سے وہ وعدہ مراد ہے جو اللہ نے حضرت آدم اور آپ کی ساری نسل سے لیا تھا اور فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، قَالُوْا بَلٰی تو سب نے جواب دیا کیوں نہیں (تو ہی ہمارا رب ہے) ہر بچہ جو پیدا ہوتا ہے اسی ازلی اقرار پر پیدا ہوتا ہے یہی حنیفیت ہے جس پر سارے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔ سورۃ آل عمران میں آیت مذکورہ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے آئی ہوئی یہ حدیث ذکر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے سے چوپایہ سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم کسی کو پیدائشی نکٹا ہوا پاتے ہو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کی تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ۔

اسلام دین فطرت ہے

ارشادِ ربانی فاقم وجهک للدین حنیفا فطرة الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله (سورہ روم ۳۰) نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کل مولود یولد علی الفطرة (او قال "علی الاسلام") فابواه یهودانه وینصرانه (او کما قال صلی الله علیه وسلم) کا مفاد یہ ہے کہ ایمان وجودی چیز ہے جو فطرتِ انسان میں ودیعت ہوتی ہے، کفر اس کی نفی کا نام ہے۔ ایمان اور کفر میں تقابل عدم اور ملکہ کا ہے [illegible] فرعارض ہے اور ایمان اصل جیسے چراغ کی روشنی [illegible] مردراکھ پس (آیت ختم الله علی قلوبهم میں) "ختم" سے معلوم ہوا کہ اگرچہ فطری صلاحیت ودیعت ہوئی تھی مگر اس پر [illegible] ایمان کی روشنی اندر نہیں پہنچ سکتی۔ [illegible]

ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے:

بخاری شریف میں بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا [illegible] کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے بکری کا بچہ [illegible] کان [illegible] دیتے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔

مشرکوں کے بچے:

مسند احمد میں ہے حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کیا وہاں ہم بفضلِ خدا تعالیٰ غالب آئے [illegible] نے بہت سے کفار کو قتل کیا۔ یہاں تک کہ چھوٹے بچوں پر بھی ہاتھ صاف کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے یہ کیا بات ہے کہ لوگ حد سے آگے نکل جاتے ہیں، آج بچوں کو بھی قتل کر دیا ہے۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ! آخر وہ بھی تو مشرکین کی ہی اولاد تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ یاد رکھو تم میں سے بہترین لوگ مشرکین کے بچے ہیں، خبردار بچوں کو کبھی قتل نہ کرنا، نابالغوں کے قتل سے رک جانا، ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنی زبان سے کچھ کہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی نصرانی بنا لیتے ہیں۔

جابر بن عبداللہ کی روایت سے مسند شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے زبان

آج [illegible]

لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ

[illegible]

فطرت کو مسخ نہ کرو:

[illegible] اصل پیدائش کے اعتبار سے کوئی فرق اور تغیر و تبدل نہیں۔ [illegible] کی فطرت قبولِ حق کے لئے مستعد ہوتی ہے یہ مطلب [illegible] پر پیدا کیا اس کو تم اپنے تغیرات سے بدل کر خراب نہ کرو [illegible] سے جو تجھی [illegible] سے ضائع مت ہونے دو۔ (تفسیر عثمانی)

آخرکار فطری سعادت و بدبختی غالب آتی ہے:

ایک روایت میں ہے [illegible] نے حدیث کل مولود یولد علی الفطرة کی تشریح میں کہا ہر بچہ کو اس سرشت پر پیدا کیا جاتا ہے جو اللہ کے علم میں ہے یعنی (بموجب علم الٰہی) ہر بچہ خوش نصیب یا بدنصیب پیدا کیا جاتا ہے۔ آخر میں ہر آدمی کی سعادت یا شقاوت کی طرف لوٹ جاتا ہے جو [illegible] سرشت میں پیدا [illegible] ہے اور [illegible] کا عمل فطرت کے مطابق (آخر میں) ہو جاتا ہے [illegible] مطلب [illegible] آیت لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا [illegible] سعادت یا شقاوت پر انسان کی فطری تخلیق ہوئی ہے وہ بدلتی نہیں [illegible] سعید شقی نہیں ہوتا اور شقی سعید نہیں بن سکتا۔ حضرت ابن مسعود کا بیان ہے [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صادق مصدوق تھے فرمایا کہ تم میں سے (ہر) ایک کا (مادۂ) تخلیق بصورت نطفہ ماں کے پیٹ میں جمع رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت خون [illegible] میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت بوٹی (گوشت کا ٹکڑا) [illegible] ایک فرشتہ [illegible] کی طرف بھیجا [illegible] عمل، زندگی کی مقدار رزق اور اس کا بدبخت یا سعادت مند ہونا لکھ دیتا ہے۔ پھر [illegible] روح پھونک دی جاتی ہے، قسم ہے اس کی [illegible] نہیں ہے کوئی (تم میں) جنت والوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک [illegible] اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا [illegible] کا (لکھا ہوا اللہ کا) نوشتہ غالب آ جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کا عمل کرنے لگتا ہے آخر دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی (ساری عمر) دوزخیوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ سے زیادہ فاصلہ نہیں رہتا آخر نوشتہ غالب آتا ہے [illegible] جنتیوں کا عمل کرنے لگتا ہے اور جنت میں چلا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

طبیعت نہیں بدل سکتی:

حضرت ابودرداء کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں نہیں تذکرہ کرتے تھے کہ یہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا اور اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی اپنی جبلت (سرشت) سے بدل گیا ہے تو سچ نہ ماننا کیونکہ (آخرکار ہر) آدمی اسی کی طرف لوٹے گا جو اس کی سرشت ہے۔ رواہ احمد۔ اس تفسیر پر آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ نے ہر شخص کو ایک فطرت پر پیدا کیا ہے جس سے وہ بدل نہیں سکتا اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو خوش نصیب بنایا ہے لہٰذا اپنا رُخ دین کی طرف سیدھا کر لیجئے۔ (تفسیر مظہری)

قبول حق کی استعداد:

یہودی اور نصرانی ہو جانے کے بعد بھی قبول حق کی استعداد اور صلاحیت باقی رہتی ہے ورنہ اگر فرض کرو کہ فرعون اور ہامان اور ابوجہل اور ابولہب میں قبول حق اور قبول اسلام کی صلاحیت اور استعداد ہی نہ ہوتی تو وہ ایمان اور اسلام کے مکلف ہی نہ ہوتے اینٹ اور پتھر یا جانور کی طرح ہوتے اور اتباع شریعت کے مکلف نہ ہوتے۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ
یہی ہے دین سیدھا اور لیکن
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔
اکثر لوگ نہیں سمجھتے

یعنی سیدھا دین یہی فطرت کی آواز ہے۔ پر بہت لوگ اس نکتہ کو سمجھتے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ
سب رجوع ہو کر اس کی طرف

یعنی اصل دین یہی ہے، رجوع اس کی طرف، بجوع ہو کر، کیجئے اور بدون اصلاح سے، منشاء یہ کام سے تو دین درست نہ ہوگا۔ آگے دین فطرت کے چند اہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے۔ مثلاً اتقاء (خدا سے ڈرتے رہنا) نماز قائم رکھنا، شرک جلی و خفی سے بیزار اور مشرکین سے علیحدہ رہنا اپنے دین میں پھوٹ نہ ڈالنا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
اور اس سے ڈرتے رہو اور قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں
مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا
جنہوں نے کہ پھوٹ ڈالی اپنے دین میں اور ہو گئے ان میں بہت فرقے

كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۔
ہر فرقہ جو اس کے پاس ہے اس پر نازاں ہے

فرقہ پرستی دینِ فطرت کے خلاف ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا الخ یعنی دینِ فطرت کے اصول سے علیحدہ ہو کر ان لوگوں نے اپنے مذہب میں پھوٹ ڈالی، بہت سے فرقے بن گئے۔ ہر ایک کا عقیدہ الگ، مذہب و مشرب جدا۔ جس کسی نے غلط کاری یا ہوا پرستی سے کوئی عقیدہ قائم کر دیا وہ کوئی طریقہ ایجاد کر دیا ایک جماعت اسی کے پیچھے ہو گئی تھوڑے دن بعد وہ ایک فرقہ بن گیا۔ پھر ہر فرقہ اپنے ٹھہرائے ہوئے اصول و عقائد پر خواہ وہ کتنے ہی مہمل کیوں نہ ہوں ایسا فریفتہ اور مفتوں ہے کہ اپنی غلطی کا امکان بھی اس کے تصور میں نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

اہلِ بدعت: بعض لوگوں کا قول ہے کہ دین کو ٹکڑے کرنے والوں سے مراد ہیں اس امت کے اہل بدعت جنہوں نے دینِ حق کو چھوڑ کر اپنی اپنی خواہشات کا اتباع اختیار کر لیا ہے۔ ان کو مشرک اس وجہ سے فرمایا کہ ان کے ہر گروہ نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

اہلسنت والجماعت: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی، سوا ایک فرقہ کے باقی سب لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ عرض کیا گیا، وہ کونسا فرقہ ہوگا۔ فرمایا جس (طریقہ) پر میں اور میرے صحابہ ہیں (اس پر چلنے والا فرقہ نجات یافتہ ہوگا) رواہ الترمذی۔

شیطان کا حربہ: دارمی بحوالہ ابراہیم بن اسحاق بروایت ابن مبارک اوزاعی کا قول نقل کیا ہے کہ ابلیس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم اولاد آدم کے پاس (بہکانے کے لئے) کس طریقے سے جاتے ہو، ساتھیوں نے کہا ہر طریقہ سے۔ ابلیس نے کہا استغفار کے راستے سے بھی جاتے ہو۔ ساتھیوں نے کہا یہ بات نہیں ہو سکتی، استغفار تو توحید سے وابستہ ہے۔ (یعنی ہر مومن استغفار کرتا ہے) ابلیس نے کہا میں ان کے اندر ایسی چیز پھیلا دوں گا جس سے وہ بھی استغفار نہیں کریں گے۔ (کیونکہ اس چیز کو وہ گناہ نہیں خیال کریں گے بلکہ حق سمجھیں گے) چنانچہ ابلیس نے اولاد آدم کے اندر خواہشات (کا اختلاف) پھیلا دیا۔ (تفسیر مظہری)

مشرکین کی گروہ بندی:

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دینِ فطرت اور دینِ حق میں تفریق پیدا کر دی، یا یہ کہ دینِ فطرت سے مفارق اور الگ ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے، شِيَعًا، شیعہ کی جمع ہے، ایسی جماعت جو کسی مقتداء کی پیرو ہو، اس کو شیعہ کہتے

یعنی جب یہ بات ہے کہ دین فطرت تو توحید تھی جس کا اثر یہ ہونا چاہئے تھا کہ سب انسان اس پر متفق رہتے لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے دین توحید کو چھوڑ دیا اور مختلف لوگوں نے خیالات کے تابع ہو کر اور انسانی خیالات و آراء میں اختلاف ایک طبعی امر ہے۔ اس لئے ہر ایک نے اپنا اپنا ایک مذہب بنا لیا جو آخر ان کے سب مختلف پارٹیوں میں بٹ گئے۔ اور شیطان نے ان کو اپنے اپنے خیالات و معتقدات و حق ثابت کر دینے میں یہ کہا کہ کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ یعنی ہر پارٹی اپنے اپنے معتقدات و خیالات پر مگن اور خوش ہے، اور دوسروں کو غلطی پر بتاتی ہے۔ حالانکہ یہ سب کے سب گمراہی کے غلط راستوں پر پڑے ہوئے ہیں۔ [illegible]

وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ

اور جب پہنچے لوگوں کو کچھ سختی تو پکاریں اپنے رب

مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً

کو اس کی طرف رجوع ہو کر پھر جہاں چکھا دی ان کو اپنی طرف سے مہربانی

اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ لِيَكْفُرُوْا

اس وقت ایک جماعت ان میں اپنے رب کا شریک لگی بتانے کہ منکر ہو جائیں

بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ

ہمارے دیئے ہوئے سے سو مزے اڑا لو اب آگے جان لو گے

مصیبت کے وقت اللہ یاد آتا ہے:

یعنی جیسے بھی کام ہو انسان کی فطرت پہچانتی ہے۔ اللہ کی طرف رجوع ہونا بھی ہر ایک کی فطرت جانتی ہے۔ چنانچہ خوف اور سختی کے وقت اس کا ظہور ہو جاتا ہے۔ بڑے سے بڑا سرکش مصیبت میں گھر کر خدائے واحد کو پکارنے لگتا ہے۔ اس وقت جھوٹے سہارے سب ذہن سے نکل جاتے ہیں۔ وہ ہی ایک سچا مالک یاد رہ جاتا ہے جس کی طرف فطرت انسانی رہنمائی کرتی تھی۔ مگر افسوس کہ انسان اس حالت پر دیر تک قائم نہیں رہتا۔ جہاں خدا کی مہربانی سے مصیبت دور ہوئی، پھر اس کو چھوڑ کر جھوٹے دیوتاؤں کے بھجن گانے لگا۔ گویا اس کے پاس سب کچھ ان ہی کا دیا ہوا ہے! خدا نے کچھ نہیں دیا۔ (العیاذ باللہ) اچھا چند روز مزے اڑا لے، آگے چل کر معلوم ہو جائیگا کہ اس کفر اور ناشکری کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اگر آدمیت ہوتی تو سمجھتا کہ جس خدا کو سختی اور مصیبت کے وقت پکار رہا تھا وہ ہی اس لائق ہے کہ ہر وقت یاد رکھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بندوں کی حالت:

حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت ہے کہ حدیبیہ میں رات کو بارش ہوئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی۔ نماز ختم کرنے کے بعد لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ صحابہ نے جواب دیا اللہ جانے اور اللہ کا رسول۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے فرمایا ہے کہ صبح ہوئی میرے بندوں میں سے کوئی مؤمن رہا کوئی کافر (یعنی میری نعمت کا منکر) جس نے کہا اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان رکھتا ہے اور ستاروں کا منکر ہے اور جس نے کہا ہم پر فلاں ستارے کے طلوع سے بارش ہوئی وہ میرا منکر ہے اور ستاروں پر یقین رکھنے والا ہے۔ رواہ البخاری ومسلم فی الصحیحین۔ [illegible]

مؤمن کی حالت:

صحیح حدیث میں ہے کہ مؤمن پر تعجب ہے اس کے لئے خدا تعالیٰ کا ہر فیصلہ بہتر ہی ہوتا ہے، راحت پر شکر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے اور مصیبت پر صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ [illegible]

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ

[illegible]

بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ

[illegible]

شرک کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

یعنی عقل سلیم اور فطرت انسانی کی شہادت شرک کو صاف طور پر رد کرتی ہے تو کیا اس کے خلاف وہ کوئی حجت اور سند رکھتے ہیں، جو بتلاتی ہو کہ خدا کی خدائی میں دوسرے بھی اسکے شریک ہیں (معاذ اللہ) اگر نہیں تو انہیں معبود بننے کا استحقاق کہاں سے ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ

اور جب چکھائیں ہم لوگوں کو کچھ مہربانی اس پر پھولے نہیں سماتے

وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ

اور اگر آ پڑے ان پر کچھ برائی اپنے ہاتھوں کے بھیجے ہوئے پر

اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ

تو آس توڑ بیٹھیں

مشرک اور مؤمن کا فرق

یعنی اُن لوگوں کی حالت عجیب ہے۔ جب حق تعالیٰ کی مہربانی [illegible] چین میں ہوں تو خوشی سے [illegible] جائیں [illegible] حقیقی خوشی یاد نہ رہیں۔ [illegible] وقت شامت [illegible] مصیبت کا [illegible] تو بالکل ہی [illegible] ناامید ہو بیٹھیں۔ [illegible] نہیں جو مصیبت سے [illegible] مومن کا حال [illegible] ہے۔ وہ عیش و راحت میں منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے [illegible] ہو، زبان [illegible] شکر ادا کرتا ہے اور مصیبت میں [illegible] ساتھ اللہ سے [illegible] امید رکھتا ہے۔ [illegible] مصیبت [illegible] ظاہری [illegible] جب [illegible] اس [illegible] ہے۔ (تنبیہ) ایک آیت پہلے فرمایا تھا [illegible] وقت [illegible] خدا کو پکارنے لگتے ہیں۔ یہاں فرمایا [illegible] تو آس توڑ کر بیٹھ رہتے ہیں۔ دونوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ پہلی حالت [illegible] خدا کو پکارنا [illegible] ہے۔ پھر جب مصیبت [illegible] میں [illegible] تو آخر بہت ناامید ہو جاتا ہے۔ یا بعض لوگوں کا وہ حال ہو بعض کا یہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ

[illegible]

وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ

اور [illegible] جس کو چاہے [illegible] شانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں

ہر حال میں راضی رہنا چاہئے:

یعنی ایمان و یقین والے سمجھتے ہیں [illegible] تنگی [illegible] کا [illegible] سب اسی رب قدیر کے ہاتھ میں ہے۔ [illegible] جو حال آئے [illegible] صبر سے رضا بقضا رہنا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر [illegible] چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے سختیوں کو دور فرما دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی وہی وجہ نہیں کہ فراخی حال میں [illegible] اترانے لگیں [illegible] ناشکری کریں اور تنگ حال میں ناامید ہو جائیں اللہ کی طرف نہ [illegible] گناہوں پر پشیمان [illegible] نہ کریں [illegible] نہ چھوڑیں اور مومنوں کی [illegible] نہ کریں [illegible] مصیبت پڑنے پر ثواب کی امید نہ رکھیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

سو تو دے قرابت والے کو اُس کا حق اور محتاج کو اور مسافر کو

ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ

[illegible]

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۳۸

جن کا بھلا ہے

ضرورت مندوں کی خبر گیری

یعنی جب فراخی [illegible] حقیقی مالک و رب وہی ہے۔ [illegible] نعمتیں سب اُسی کی عطا کی ہوئی ہیں۔ تو جو لوگ اُس کی خوشنودی چاہتے ہیں اور اُس کی لقاء و دیدار کے آرزومند ہیں چاہیے کہ اُسکے دیے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ مسافر محتاج اور غریب رشتہ داروں کی خبر لیں۔ اہل قرابت کے حقوق درجہ بدرجہ ادا کرتے رہیں ایسے ہی بندوں کو دنیا و آخرت کی بھلائی نصیب ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس مسافر کے پاس پردیس میں کچھ نہ ہو اور وطن میں مال ہو اس کو اور [illegible] مسکینوں کو زکوٰۃ کے مال میں سے دو۔ (تفسیر مظہری)

مال کے مستحقین آیت مذکورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بقول حسن بصری ہر صاحب [illegible] جس کو اللہ نے مال میں وسعت دی ہو یہ ہدایت [illegible] ہے [illegible] اس میں بخل [illegible] ان واجب مصارف میں خوش دلی کے ساتھ خرچ [illegible] اس سے تمہارے مال اور رزق میں کمی نہیں آئے گی، اور اس حکم کے ساتھ اس آیت میں مال کے چند مصارف بھی بیان کر دیے، اول ذوی القربیٰ دوسرے مساکین تیسرے مسافر کہ خدا تعالیٰ کے عطا [illegible] مال میں [illegible] ان لوگوں [illegible] ان پر خرچ کرو، اور ساتھ ہی یہ بھی [illegible] کہ [illegible] کا حق ہے جو [illegible] تمہارے مال میں شامل [illegible] کے لئے ان کو دینے کے وقت [illegible] احسان نہ جتاؤ [illegible] حق والے کا حق ادا کرنا مقتضائے عدل و انصاف ہے کوئی احسان و تفضل نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ

[illegible] کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں

فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ

سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے

تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝۳۹

[illegible] رضامندی اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کے دونے ہوئے

زکوٰۃ اور سود کا فرق:

یعنی سود بیاج سے گو بظاہر مال بڑھتا دکھائی دیتا ہے، لیکن حقیقت میں گھٹ رہا ہے جیسے کسی آدمی کا بدن ورم سے پھول جائے وہ بیماری یا پیام موت ہے اور زکوٰۃ نکالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کم ہو گیا فی الحقیقت وہ بڑھتا ہے جیسے کسی مریض کا بدن مسہل و تنقیہ سے گھٹتا دکھائی دے مگر انجام اس کا صحت ہو۔ سود اور زکوٰۃ کا حال بھی انجام کے اعتبار سے ایسا ہی سمجھو۔ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (رکوع ۳۸، آیت ۲۷۶) حدیث میں ہے کہ ایک کھجور جو مومن صدقہ کرے قیامت کے دن بڑھ کر پہاڑ کے برابر نظر آئیگی۔ (تنبیہ) بعض مفسرین نے "ربا" سے یہاں سود بیاج مراد نہیں لیا۔ بلکہ آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جو آدمی کسی کو تحفہ اس غرض سے دے کہ وہ اس سے بڑھ کر احسان کا بدلہ کریگا تو یہ دینا اللہ کے ہاں موجب برکت و ثواب نہیں۔ گو مباح ہو۔ اور پیغمبر علیہ السلام کے حق میں تو مباح بھی نہیں۔ لقولہ تعالیٰ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (مدثر رکوع ۱) واللہ اعلم۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ سود یعنی ربا کی دو صورتیں ہیں ایک تو بیوپار تجارت میں بیاج یہ تو حرام محض ہے۔ دوسرا سود یعنی زیادتی جس میں کوئی حرج نہیں وہ کسی کو اس ارادے سے ہدیہ تحفہ دینا ہے کہ یہ مجھے اس سے زیادہ دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے پاس تو ثواب زکوٰۃ کے ادا کرنے کا ہے۔ زکوٰۃ دینے والوں کو بہت برکتیں ہوتی ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک کھجور بھی صدقہ میں دے لیکن ہو حلال طور سے حاصل کی ہوئی تو اسے اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے اور اس طرح پالتا اور بڑھاتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے، یہاں تک کہ وہی ایک کھجور احد پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق و رازق ہے۔ انسان اپنی ماں کے پیٹ سے ننگا، بے علم، بے کان، بے آنکھ، بے طاقت نکلتا ہے پھر خدا تعالیٰ اسے سب چیزیں عطا فرماتا ہے۔ مال بھی، ملکیت بھی، کمائی بھی، تجارت بھی، غرض بے شمار نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی:

دو صحابیوں کا بیان ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تک سر ہلتے رہیں تب تک بھی روزی سے کوئی محروم نہیں رہتا۔ انسان ننگا بھوکا دنیا میں آتا ہے، ایک چھلکا بھی اس کے بدن پر نہیں ہوتا، پھر رب تعالیٰ ہی اسے روزیاں دیتا ہے۔ وہ اس حیات کے بعد تمہیں مار ڈالے گا پھر قیامت کے دن زندہ کر دے گا۔ خدا تعالیٰ کے سوا تم جن جن کی عبادت کر رہے ہو ان میں سے ایک بھی ان باتوں میں سے کسی ایک پر قابو نہیں رکھتا۔

عدل وانصاف کی برکت:

مسند امام احمد بن حنبل میں ہے کہ زیاد کے زمانہ میں ایک تھیلی پائی گئی جس میں کھجور کی بڑی گٹھلی جیسے گیہوں کے دانے تھے اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہ اس زمانے میں اُگتے تھے جس میں عدل وانصاف کو کام میں لایا جاتا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اعمال کا مدار نیت پر ہے جس شخص کی جو نیت ہوگی وہی اس کو ملے گا جس شخص نے ہجرت اللہ اور رسول کے لئے کی ہو گی اس کی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے ہوگی (یعنی وہ ثواب کا مستحق ہوگا) اور جس شخص نے دنیا پانے یا عورت سے نکاح کرنے کے لئے کی ہوگی اس کی ہجرت (اللہ اور رسول کے لئے نہیں بلکہ) اسی چیز کے قرار پائے گی جس کے لئے اس نے کی ہوگی۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

خاندانوں کی ایک باہمی رسم کی اصلاح:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ اس آیت میں ایک بری رسم کی اصلاح کی گئی ہے جو عام خاندانوں اور اہل قرابت میں چلتی ہے، وہ یہ کہ عام طور پر کنبہ رشتہ کے لوگ جو کچھ دوسرے کو دیتے ہیں اس پر نظر رکھتے ہیں کہ وہ بھی ہمارے وقت میں کچھ دے گا بلکہ رسمی طور پر کچھ زیادہ دے گا، خصوصاً نکاح، شادی وغیرہ کی تقریبات میں جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی یہی حیثیت ہوتی ہے جس کو عرف میں نوتہ کہتے ہیں، اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ اہل قرابت کا جو حق ادا کرنے کا حکم پہلی آیت میں دیا گیا ہے اس کو یہ حق اس طرح دیا جائے کہ نہ ان پر احسان جتائے اور نہ کسی بدلے پر نظر رکھے، اور جس نے بدلے کی نیت سے دیا کہ ان کا مال دوسرے عزیز رشتہ دار کے مال میں شامل ہونے کے بعد کچھ زیادتی لے کر واپس آئے گا تو اللہ کے نزدیک اس کا کوئی درجہ اور ثواب نہیں اور قرآن کریم نے اس زیادتی کو لفظ ربا سے تعبیر کر کے اس کی قباحت کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ ایک صورت سود کی سی ہوگئی۔

مسئلہ: ہدیہ اور ہبہ دینے والے کو اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا یہ تو ایک بہت مذموم حرکت ہے، جس کو اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے، لیکن بطور خود جس شخص کو کوئی ہبہ عطیہ کسی دوست عزیز کی طرف سے ملے اس کے لئے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ بھی جب اس کو موقع ملے اس کی مکافات کرے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کو ہدیہ دیتے تھے، (کذا روی عن عائشہؓ قرطبی) ہاں اس مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے ہدیہ کا بدلہ دے رہا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

اللہ وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ

پھر تم کو جلائے گا کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو کر سکے ان

ذٰلِكُمْ مِّنْ شَىْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ

کاموں میں سے ایک کام وہ نرالا ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں

مارنا، جلانا اللہ ہی کا کام ہے:

یعنی مارنا جلانا، روزی دینا، سب کام تو تنہا اس کے قبضہ میں ہوئے۔ پھر دوسرے شریک کدھر سے آ کر الوہیت کے مستحق بن گئے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ

پھیل پڑی ہے خرابی جنگل میں اور دریا میں لوگوں کے ہاتھ کی

اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ

کمائی سے چکھانا چاہیے ان کو تھوڑا سا مزہ ان کے

عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

کام کا تاکہ وہ پھر آئیں

بحر و برّ کا فساد:

یعنی لوگ دین فطرت پر قائم نہ رہے کفر و ظلم دنیا میں پھیل پڑا اور اُس کی شامت سے ملکوں اور جزیروں میں خرابی پھیل گئی نہ خشکی میں امن و سکون رہا نہ تری میں، رُوئے زمین کو فتنہ و فساد نے گھیر لیا۔ بحری لڑائیوں اور جہازوں کی لوٹ مار سے سمندروں میں بھی طوفان بپا ہو گیا۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ بندوں کی بداعمالیوں کا تھوڑا سا مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا جائے پوری سزا تو آخرت میں ملے گی۔ مگر کچھ نمونہ یہاں بھی دکھلا دیں، ممکن ہے بعض لوگ ڈر کر راہِ راست پر آ جائیں۔ (تنبیہ) بندوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں خرابی پھیلنا گو ہمیشہ ہوتا رہا اور ہوتا رہیگا۔ لیکن جس خوفناک عموم و شمول کے ساتھ بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ تاریک گھٹا مشرق و مغرب اور برّ و بحر پر چھا گئی تھی، دنیا کی تاریخ میں اُس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یورپ کے محققین نے اُس زمانہ کی تاریک حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے اُس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم مؤرخ بھی اس مشہور و معروف صداقت پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکے (دیکھو دائرۃ المعارف فرید وجدی مادہ محمد) شاید اسی عموم فتنہ و فساد کو پیش نظر رکھ کر قتادہ رحمہ اللہ نے آیت کا محمل زمانۂ جاہلیت کو قرار دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

برو بحر کا مطلب:

بغوی نے لکھا ہے بَرّ سے مراد ہے صحراء بیابان اور بحر سے مراد ہیں وہ شہر اور بستیاں جو نہروں اور دریاؤں کے کنارے پر آباد ہیں۔ عطیہ نے کہا، روئے زمین پر جو شہر وغیرہ ہیں وہ بر ہیں اور بحر تو معروف ہی ہے (یعنی سمندر) بارش کی کمی کا اثر جس طرح خشکی پر پڑتا ہے اسی طرح سمندر پر بھی پڑتا ہے۔

ہابیل کے قتل کا اثر:

ضحاک نے کہا زمین پہلے سرسبز اور شاداب تھی، جس درخت کے پاس آدمی جاتا تھا اس کو بار آور پاتا تھا۔ اور سمندر کا پانی پہلے میٹھا تھا اور شیر گائے بکری کو قتل کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا تھا، لیکن جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو زمین خشک ہو گئی درخت پر خار ہو گئے اور سمندر کا پانی شور ہو گیا اور جانور ایک دوسرے کو پھاڑنے لگے۔ یعنی ان کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے یا ان کے برے عمل کرنے کی وجہ سے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل مکہ جو قحط میں مبتلا ہوئے ہڈیاں اور مردار تک کھا گئے، یہ انہی کے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے ہوا۔ (تفسیر مظہری)

فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض ہیں:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ " یعنی خشکی اور دریا میں سارے جہان میں فساد پھیل گیا لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے" تفسیر روح المعانی میں ہے کہ فساد سے مراد قحط اور وبائی امراض اور آگ لگنے اور پانی میں ڈوبنے کے واقعات کی کثرت اور ہر چیز کی برکت کا مٹ جانا، نفع بخش چیزوں کا نفع کم نقصان زیادہ ہو جانا وغیرہ آفات ہیں، اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان دنیوی آفات کا سبب انسانوں کے گناہ اور اعمال بد ہوتے ہیں جن میں شرک و کفر سب سے زیادہ اشد ہیں، اس کے بعد دوسرے گناہ ہیں۔

گناہوں پر تنبیہ:

لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا یعنی تاکہ چکھا دے اللہ تعالیٰ کچھ حصہ ان کے برے اعمال کا، اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اعمال بد اور گناہوں کی وجہ سے جو مصیبت و آفت دنیا میں بھیجدی جاتی ہے وہ بھی غور کرو تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت ہی ہے، کیونکہ مقصود اس دنیا کی مصیبت سے یہ ہوتا ہے کہ غافل انسان کو تنبیہ ہو جائے اور وہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے باز آ جائے جو انجام کار اس کے لئے مفید اور بڑی نعمت ہے، جیسا کہ آخر آیت میں فرمایا: لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ"

آفتیں اور مصائب گناہوں کے سبب سے آتے ہیں

[illegible] ان سب گناہوں [illegible] آتے ہیں اس سے سب [illegible] ہوتے ہیں [illegible] قیامت سے [illegible] سب بھی گناہگار انسان کے خلاف [illegible]

مصائب کے وقت ابتلاء وامتحان یا سزاء وعذاب میں فرق:

اس کی پہچان حضرت شاہ ولی اللہ نے یہ لکھی ہے کہ جو نیک لوگ بطور ابتلاء وامتحان [illegible] ان کے قلوب [illegible] کر دیتے ہیں، اور وہ ان مصائب وآفات پر ایسے ہی راضی رہتے ہیں جیسے بیمار [illegible] آپریشن پر باوجود تکلیف محسوس کرنے کے راضی ہوتا ہے، بلکہ اس [illegible] گنہگاروں کے جو بطور سزا ابتلاء [illegible] پریشانی [illegible] کی حد نہیں رہتی بعض اوقات ناشکری بلکہ کلمات کفر تک پہنچ جاتے ہیں۔

سیدی حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے ایک پہچان یہ بتلائی کہ جس مصیبت کے ساتھ [illegible] اپنے گناہوں پر تنبہ اور توبہ [illegible] رغبت زیادہ ہو جائے وہ علامت اس کی ہے کہ یہ قہر نہیں بلکہ مہر اور عنایت ہے، اور جس کو یہ صورت نہ ہو بلکہ جزع فزع اور معاصی میں اور زیادہ انہماک بڑھ جائے وہ علامت قہر الٰہی اور عذاب کی ہے، واللہ اعلم۔ [illegible]

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تو کہہ پھرو ملک میں تو دیکھو کیسا ہوا انجام

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِيْنَ

پہلوں کا [illegible]

شرک کی شامت:

یعنی [illegible] شامت [illegible] گناہوں کی وجہ سے [illegible] (تفسیر عثمانی)

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ

سو تو سیدھا رکھ [illegible] سیدھی [illegible]

فساد کا علاج: یعنی دنیا میں [illegible] بے کھٹکے ٹھیک قائم رہو سب خرابیوں کا ایک [illegible]

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللّٰهِ

[illegible]

قیامت کا دن: یعنی [illegible] سے اس دن کا [illegible] حالت سے [illegible] (تفسیر عثمانی)

يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُوْنَ

[illegible]

نیک و بد کا امتیاز: یعنی [illegible] حضرت شاہ صاحب [illegible] یعنی دین کا [illegible] (تفسیر عثمانی)

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ

[illegible]

یعنی [illegible]

وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ

[illegible]

[illegible]

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ

[illegible]

یعنی کتنا ہی بڑا نیک [illegible] بھی اللہ کے فضل سے جنت [illegible] (تفسیر عثمانی)

نیک عمل کا ثواب

حضرت ابن عباس [illegible] ثواب [illegible]

اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اللہ ثواب دینا ہی چاہتا ہے ہاں جو شخص خود انکار وکفر کر کے عذاب آخرت کو پسند کرے تو اللہ بھی ان کو عذاب دے گا۔

اعمال پر مغرور نہ ہو جاؤ:

[illegible] حدیث [illegible] روایت [illegible]

میرے نیک بندوں کو ڈراؤ وہ مغرور نہ ہو جائیں اور اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کریں۔ کیونکہ میرے بندوں میں کوئی ایسا بندہ نہ ہوگا کہ میں اس کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں اور اس کے معاملہ میں عدل سے کام لوں (اور وہ میرے عذاب سے بچ جائے بلکہ جس نیک بندے کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں گا اور عدل سے کام لوں گا) تو ضرور اس کو عذاب دوں گا۔

ابونعیم نے حضرت علی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ اپنی امت کے ان بندوں سے جو اطاعت گذار ہیں کہہ دو کہ اپنے (نیک) اعمال پر بھروسہ نہ کریں۔ کیونکہ قیامت کے دن میں جس بندے کو حساب فہمی کے لئے کھڑا کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو عذاب دوں گا (اور یہ ظلم نہ ہوگا عدل ہوگا) اور اپنی امت کے گناہگاروں سے کہہ دو کہ وہ مایوس نہ ہو جائیں میں بڑے بڑے گناہوں کو بخش دوں اور مجھے (کسی کے گناہ کی) پرواہ نہیں ہوتی۔

نعمتوں کے مقابلہ میں اعمال کچھ نہیں:

طبرانی نے حضرت واثلہ بن اسقع کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک ایسے بندے کو اٹھائے گا جس کا کوئی گناہ ہی نہیں ہوگا اور اس سے فرمائے گا (بتا) تجھے دو باتوں میں سے کونسی بات پسند ہے کیا تو اپنے عمل کا بدلہ چاہتا ہے یا میرے فضل کا خواستگار ہے۔ بندہ عرض کرے گا تو خوب واقف ہے کہ میں نے تیری نافرمانی نہیں کی اللہ فرمائے گا میرے بندے (کے اعمال) کا میری ایک نعمت سے مقابلہ کرو۔ چنانچہ (جب نعمت کا مقابلہ عمل سے کیا جائے گا تو) تمام نیکیوں کو اللہ کی ایک نعمت (مقابلہ کے وقت) اپنے اندر سمالے گی اور کوئی نیکی باقی نہیں رہے گی آخر بندہ عرض کرے گا تیرے فضل و رحمت سے (میں مغفرت کا طلبگار ہوں)

بزار نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر سامنے لائے جائیں گے۔ ایک رجسٹر میں ساری نیکیوں کا اندراج ہوگا دوسرے رجسٹر میں سارے گناہ لکھے ہوں گے اور تیسرے رجسٹر میں اللہ کی نعمتیں درج ہونگی اللہ نعمتوں کے رجسٹر سے سب سے چھوٹی نعمت کو لے کر فرمائے گا اس بندہ کے تمام نیک اعمال کا مقابلہ کر چنانچہ ایک چھوٹی نعمت تمام اعمال کو گھیر لے گی۔ نعمتوں کا رجسٹر کہے گا تیری عزت کی قسم میں نے ابھی پورا پورا حصہ لیا بھی نہیں ہے کہ سارے نیک اعمال ختم ہو گئے اور گناہ باقی ہیں۔ لیکن جب اللہ کسی بندے پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند در چند کر دی ہیں (یعنی ہزاروں گنا کر دیں) اور تیرے گناہوں سے درگذر کر لی اور اپنی نعمتیں تجھے بخش دیں۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا (یعنی یقین کے ساتھ اقرار کر لیا) تو اللہ کے نزدیک اس کے لئے (جنت میں) داخل (کرنے کا) ایک پختہ وعدہ ہو گیا۔ اور جس نے سبحان اللہ کہا (یعنی اللہ کو ہر عیب اور برائی سے پاک سمجھا اور اس کا اقرار کیا) اس کے لئے اس کلمہ کی وجہ سے ایک لاکھ نیکیاں لکھدی جائیں گی، ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہم ہلاک کیسے ہو سکتے ہیں (یعنی پھر ہم کو عذاب نہیں ہو سکتا) فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت کے دن آدمی ایسے (وزنی) اعمال لے کر آئے گا جو پہاڑ پر بھی بھاری ہوں گے لیکن اللہ کی نعمتوں میں سے ایک ہی نعمت کے مقابلہ میں سب ختم ہو جائیں گے، یہ سارا کچھ تو اس روز اللہ کی مہربانی سے ہوگا اللہ اس روز اپنی رحمت سے (جس پر چاہے گا) مہربانی فرمائے گا۔

اللہ کی رحمت جنت میں لے جائے گی:

بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سیدھی چال رکھو اور لگے لگے چلو اور خوش ہو جاؤ کیونکہ جنت کے اندر کسی کو اس کے اعمال نہیں لے جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا کیا آپ بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا اور نہ میں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی مغفرت اور رحمت سے ڈھانک لے۔ مسلم نے یہ حدیث حضرت جابر کی روایت سے بھی بیان کی ہے، اور بزار نے حضرت ابوموسیٰ کے بیٹے اور شریک بن طارق کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے اور طبرانی نے شریک بن طریف اور اسامہ بن شریک اور اسد بن کرز کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابن مسعود نے فرمایا، تم پل صراط سے اللہ کے عفو کی وجہ سے پار ہو جاؤ گے اور جنت کے اندر اللہ کی رحمت سے داخل ہو گے اور درجات جنت کی تقسیم تمہارے اعمال کے مطابق ہوگی۔ ابونعیم نے عون بن عبداللہ کی روایت سے بھی یہ قول نقل کیا ہے۔

مسلمان کی آبرو کی حفاظت:

حضرت ابو درداء کا بیان ہے، میں نے خود سنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے جو مسلم اپنے بھائی کی آبرو کی طرف سے دفع کرتا ہے اللہ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن دوزخ کی آگ کو اس کی طرف سے لوٹا دے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ طبرانی اور اسحاق بن راہویہ نے یہ حدیث حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ

بیشک اس کو نہیں بھاتے انکار والے

جو اس سچے مالک کو نہ بھائے اس کا کہاں ٹھکانا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ

اور اس کی نشانیوں میں [illegible] خوشخبری [illegible]

وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ

اور تا کہ چکھائے تم کو [illegible]

یعنی باران رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں۔ پھر خدائی مہربانی سے [illegible]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے بارش.

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ پڑھ رہے تھے [illegible] ایک اعرابی [illegible] ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ قحط [illegible] اہل و عیال بھوکے ہیں آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر باران رحمت نازل فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ حضرت انس کہتے ہیں واللہ اس وقت سوائے آفتاب کی تمازت کے آسمان میں ابر کا نام و نشان نہ تھا۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا فرمائی [illegible] طرف سے ابر کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور پھیل کر آسمان کو محیط ہو گیا اور بارش شروع ہوئی اور نماز سے فارغ ہو کر اسی بارش میں ہم اپنے گھروں کو واپس ہوئے اسی طرح وہ پانی آٹھ روز تک مسلسل برستا رہا۔ یہاں تک کہ دوسرے جمعہ میں وہی شخص یا کوئی دوسرا شخص اثناء خطبہ کھڑا ہوا جس نے پہلے جمعہ کو بارش کی التجا کی تھی اس نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کثرت بارش سے راستے بند ہو گئے اور مکانات منہدم ہو گئے۔ آپ نے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کی اللھم حوالینا ولا علینا اے اللہ ہمارے ارد گرد پہاڑوں اور ٹیلوں پر بارش ہو اور ہم پر نہ ہو۔ اسی وقت بادل کھل گیا اور بارش بند ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ یہ اسباب ظاہری جن کے فوائد مذکور ہیں [illegible] ثابت ہوا جو میں تو کوئی مستقل اور قطعی چیز نہیں، اصل سبب اللہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور مشیت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ

اور تا کہ چلیں جہاز اس کے حکم سے

بحری راستے: یعنی بادبانی جہاز اور کشتیاں ہوا سے چلتی ہیں اور دخانی اسٹیمروں کی رفتار میں بھی باد موافق مدد دیتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

[illegible]

یعنی جہازوں [illegible] تجارتی مال سمندر پار منتقل کر سکو۔ اور اللہ کے فضل سے خوب نفع کماؤ [illegible] نعمتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے رہو۔ (تفسیر) [illegible] بشارت و نعمت الٰہی [illegible] شاید یہ بھی [illegible] خشکی اور غبار پھیل جانے کے بعد امید رحمت [illegible] باران رحمت آ پہنچتی ہے [illegible] ہو جاتی [illegible] بشارات اور نزول نعمت سے باز آ جائیں اور خدا کی مہربانیوں [illegible]

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ

[illegible]

فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ

[illegible]

أَجْرَمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ

[illegible]

دنیا میں بھی حق و باطل کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے.

پہلے فرمایا تھا کہ مقبول اور مردود جدا کر دیے جائیں گے [illegible] انکار وبال پڑ کر [illegible] ہیں [illegible] اس کا ظہور دنیا میں ہو کر رہے گا۔ یہی اللہ کی عادت اور وعدہ ہے۔ مجرمین [illegible] انتقام لے اور مومنین کو اپنی امداد و اعانت سے [illegible] ہو [illegible] آتی ہیں [illegible] چلتی ہیں اسی طرح دین سے [illegible] (تفسیر عثمانی)

مومنین کی مدد اور اس کی شرط:

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ [illegible] ہم نے مجرموں کافروں سے انتقام لے لیا اور [illegible] مومنین کی مدد کرتے [illegible] آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین کی مدد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار سے مقابلہ میں کبھی شکست نہ ہو، حالانکہ بہت سے واقعات اس کے خلاف بھی ہوئے ہیں اور ہوتے رہتے ہیں۔ اس کا جواب خود اسی آیت میں موجود ہے کہ مومنین سے مراد وہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں جو محض اللہ کے لئے کفار سے جنگ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا ہی انتقام اللہ تعالیٰ مجرمین سے لیتے ہیں اور ان کو غالب

کرتے ہیں۔ جہاں کہیں اس کے خلاف کوئی صورت پیش آتی ہے وہاں عموماً مجاہدین کی کوئی لغزش ان کی شکست کا سبب بنتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ
اللہ ہے جو چلاتا ہے ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل پھر پھیلا دیتا ہے
فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ
آسمان میں جس طرح چاہتا ہے

بارش کے نظام سے عبرت: یعنی پہلے کسی طرف پیچھے کسی طرف اسی طرح دین بھی پھیلے گا۔ چنانچہ پھیلا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَیَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ
اور رکھتا ہے اس کو تہ بہ تہ پھر تو دیکھے مینہ کو نکلتا ہے بیچ میں سے
فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ
پھر جب اس کو پہنچاتا ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں
اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ
تبھی وہ لگتے ہیں خوشیاں کرنے

کیا خوب تھا جو یہاں اور روحانی بارش سے متعلق ہوتے وہ خوشیاں منا رہے ہیں۔ (عثمانی)

وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ
اور پہلے سے تھے اس سے کہ اترے ان پر
مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ
پہلے ہی سے ناامید

یعنی پہلے سے لوگ ناامید ہو رہے تھے۔ تھی کہ بارش آنے سے ذرا پہلے تک بھی امید نہ تھی کہ مینہ برسے گا۔ یکایک ہوا چلی۔ انسان کا حال بھی عجیب ہے۔ ذرا دیر میں ناامید ہو بیٹھتا ہے پھر ذرا سی دیر میں خوشی سے کھل پڑتا ہے۔

فَانْظُرْ اِلٰٓی اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ کَیْفَ
سو دیکھ لے رحمت کی نشانیاں اللہ کی کیونکر
یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
زندہ کرتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے پیچھے

رحمتِ الٰہی کے کرشمے:

یعنی چند گھنٹے پہلے ہر طرف خاک اڑ رہی تھی اور زمین خشک، بے رونق اور مردہ پڑی تھی ناگہاں اللہ کی مہربانی سے زندہ ہو کر لہلہانے لگی۔ بارش نے اس کی پوشیدہ قوتوں کو کتنی جلد ابھار دیا۔ یہی حال روحانی بارش کا سمجھو اس سے مردہ دلوں میں جان پڑ گئی اور خدا کی زمین ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ والی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہو گئی۔ ہر طرف رحمت الٰہی کے نشان اور دین کے آثار نظر آتے ہیں جو تخمیں مدت سے مٹی میں مل رہی تھیں، باران رحمت کا ایک چھینٹا ان کو ابھار کر نمایاں کر دیگا۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے بعثت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے یہ جلوہ دنیا کو دکھلا دیا۔ ہمارے صوبہ کے شاعر حکیم نے کیا خوب کہا ہے۔

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر
ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ذرہ کو مہر کر دے اسے ابھار کر
اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بے شمار کر

صلِّ علیٰ محمّد صلِّ علیٰ محمّد

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی وَهُوَ
بے شک وہی ہے مردوں کو زندہ کرنے والا اور وہ
عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ
ہر چیز کر سکتا ہے

مردہ روحوں اور مردہ جسموں کی زندگی:

یعنی یہاں مردہ دلوں کو روحانی زندگی عطا فرمائے گا اور قیامت کے دن مردہ جسموں میں دوبارہ جان ڈالیگا۔ اس کی قدرت کاملہ کے آگے کوئی چیز مشکل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا
اور اگر ہم بھیجیں ایک ہوا پھر دیکھیں وہ کھیتی ہو کر زرد
لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ
لگیں اس کے پیچھے ناشکری کرنے

یعنی پہلے ناامید تھے، بارش آئی، زمین کی کھیتی، خوشیاں منانے لگے۔ اب اگر اس کے بعد ہم ایک ہوا چلا دیں جس سے کھیتیاں خشک ہو کر زرد پڑ

جائیں تو یہ لوگ فوراً پھر بدل جائیں اور اللہ کے سب احسان فراموش کر کے ناشکری شروع کر دیں۔ غرض ان کا شکر اور ناشکری سب دنیوی اغراض کے تابع ہے اور یہاں اس پر فرمایا کہ اللہ کی مہربانی سے مراد پا کر بندہ نڈر نہ ہو جائے اس کی قدرت رنگارنگ ہے۔ معلوم نہیں دی ہوئی نعمت کب سلب کر لے۔ اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ دین کی کھیتی دنیا میں سرسبز و شاداب ہونے کے بعد پھر باد مخالف کے جھونکوں سے مرجھا کر زرد پڑ جائیگی۔ اس وقت مایوس ہو کر ہمت ہارنی نہیں چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ
سو تو سنا نہیں سکتا مردوں کو اور نہیں سنا سکتا بہروں کو پکارنا
إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ وَمَا أَنتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَن
جبکہ پھریں پیٹھ دے کر اور نہ تو راہ سمجھائے اندھوں کو ان کے
ضَلَالَتِهِمْ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ
بھٹکنے سے تو تو سنائے اسی کو جو یقین لائے
بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ
ہماری باتوں پر سو وہ مسلمان ہوتے ہیں

کوئی نہ مانے تو پیغمبر پر کوئی عذر نہیں:

یعنی اللہ کو سب قدرت ہے، مردہ کو زندہ کر دے، تم کو یہ قدرت نہیں کہ مردوں سے اپنی بات منوا سکو یا بہروں کو سنا دو۔ یا اندھوں کو دکھا دو۔ خصوصاً جب وہ سننے اور دیکھنے کا ارادہ بھی نہ کریں پس آپ ان کے کفر و بے حسی سے مغموم و غمگین نہ ہوں۔ آپ صرف دعوت و تبلیغ کے ذمہ دار ہیں کوئی بدبخت نہ مانے تو آپ کا کیا نقصان ہے آپ کی بات وہی سنیں گے جو ہماری باتوں پر یقین کر کے تسلیم و انقیاد کی خو اختیار کرتے ہیں۔

سماع موتی کا مسئلہ:

(تنبیہ) اسی قسم کی آیت سورۂ "نمل" کے آخر میں گذر چکی۔ اس پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ مفسرین نے اس موقع پر "سماع موتی" کی بحث چھیڑ دی ہے۔ اس مسئلہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد سے اختلاف چلا آتا ہے اور دونوں جانب سے نصوص قرآن و حدیث پیش کی گئی ہیں۔ یہاں ایک بات سمجھ لو کہ یوں تو دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت و ارادہ کے بدون نہیں ہو سکتا مگر آدمی جو کام اسباب عادیہ کے دائرہ میں رہ کر باختیار خود کرے وہ اس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے ہو جائے اسے براہ راست حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا یہ اس قاتل کا فعل ہوگا۔ اور فرض کیجئے ایک مٹھی کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا اسے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تباہ کر دیا باوجودیکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے۔ اور اس کی مشیت کے بدون کوئی گولی یا گولہ کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (انفال رکوع ۲) یہاں خارق عادت ہونے کی وجہ سے پیغمبر اور مسلمانوں سے "قتل" و "رمی" کی نفی کر کے براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کی گئی۔ ٹھیک اسی طرح إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ کا مطلب سمجھو۔ یعنی تم یہ نہیں کر سکتے کہ تم خود اپنی آواز مردے کو سنا دو۔ کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف تمہاری کوئی بات مردہ سن لے اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا۔ اب نصوص سے جن باتوں کا اس غیر معمولی طریقہ سے سننا ثابت ہو جائیگا اسی حد تک ہم کو سماع موتی کا قائل ہونا چاہئے۔ محض قیاس کر کے دوسری باتوں کو سماع کے تحت میں نہیں لا سکتے۔ بہرحال آیت میں "اسماع" کی نفی ہے مطلقاً سماع کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مسلم نے حضرت انس بن مالک کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مقتولوں کو یونہی تین روز پڑا رہنے دیا پھر ان کی نعشوں میں کھڑے ہو کر ان کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو خطاب کر کے پکارا فرمایا اے امیہ بن خلف اے ابو جہل بن ہشام اے عتبہ بن ربیعہ کیا تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا وہ تم نے صحیح پالیا۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سن کر فوراً آئے اور عرض کیا "اے اللہ کے رسول تین روز کے بعد بھی آپ ان کو پکار رہے ہیں یہ کیا سن رہے ہیں، اللہ نے تو فرمایا ہے إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ حضور نے فرمایا "قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے"۔ حضرت ابن عمر سے بھی یہی روایت آئی ہے۔ میں کہتا ہوں اگر یہ روایت صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں تو اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنے اختیار و قوت سے مردوں کو نہیں سنا سکتے (کہ جب چاہو مردوں کو اپنا کلام سنا دو) بلکہ اللہ جب چاہتا ہے مردوں کو زندوں کا کلام سنا دیتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے جو ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکے (کیونکہ ہر ہدایت پر عمل کرنے کا وقت گذر گیا)۔ (تفسیر مظہری)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن ضَعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ
اللہ ہے جس نے بنایا تم کو کمزوری سے پھر دیا

مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ

[illegible]

ضَعْفًا وَشَيْبَةً ۚ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ

[illegible]

انسانی زندگی کے اتار چڑھاؤ

[illegible] وقت [illegible] قوت [illegible] [illegible] آخری حد [illegible] قوی [illegible] قوت [illegible] جس طرح چاہے [illegible] اور قوت و ضعف کے مختلف ادوار میں گذارے [illegible] قدرت [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ

[illegible]

مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ

[illegible]

قیامت آئے گی تو دنیا کی زندگی کی حقیقت کھلے گی

[illegible] مصیبت [illegible] [illegible] مصیبت [illegible]

برزخی زندگی۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس قیام سے مراد قبر اور برزخ کا قیام ہو۔ اور مطلب یہ ہو کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ قبر یعنی عالم برزخ میں قیام بہت طویل ہوگا، اور قیامت بہت زمانہ کے بعد آئے گی، مگر معاملہ برعکس ہو گیا، کہ ہم برزخ میں تھوڑے ہی دن ٹھہرنے پائے تھے کہ قیامت آ گئی۔ اور یہ جلدی آنا ان کو اس بنا پر محسوس ہوگا کہ قیامت میں ان کے لئے کوئی خوشی و راحت کی چیز تو تھی نہیں مصیبت ہی مصیبت تھی۔ اور انسانی فطرت یہ ہے کہ مصیبت آنے کے وقت پچھلی راحت کے زمانے کو بہت مختصر سمجھنے لگتا ہے۔ اور کافروں کو اگرچہ قبر و برزخ میں بھی عذاب ہوگا مگر قیامت کے عذاب کے مقابلہ میں وہ بھی راحت محسوس ہونے لگے گا، اور اس زمانے کو مختصر سمجھ کر قسم کھائیں گے کہ قبر میں ہمارا قیام بہت مختصر ایک گھڑی کا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ

اسی طرح تھے الٹے جاتے

مشرکین کی غلط سوچ: یعنی جیسے اس وقت یہ کہنا جھوٹ اور غلط ہوگا اسی طرح سمجھ لو کہ دنیا میں بھی یہ لوگ غلط خیالات جماتے اور الٹی باتیں کیا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ

اور کہنے لگے جن کو ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا

لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَٰذَا

ٹھہراؤ تھا اللہ کی کتاب میں جی اٹھنے کے دن تک سو یہ ہے

يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

جی اٹھنے کا دن پر تم نہیں تھے جانتے

مشرکین کے خیال کی تردید: یعنی مؤمنین [illegible] اس وقت ان کی [illegible] کہ تم [illegible] ہو یا غلطی میں پڑے ہو جو کہتے ہو کہ قبر میں یا دنیا میں ایک گھڑی سے زیادہ ٹھہرنا نہیں ہوا۔ تم ٹھیک اللہ کے علم اور اس کی خبر اور لوح محفوظ کے نوشتہ کے موافق قیامت کے دن تک ٹھہرے، ایک منٹ کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ آج حسب وعدہ کے موافق وہ دن آ پہنچا۔ اب وہ دیکھ لو جسے جھوٹ سمجھتے اور مانتے نہ تھے۔ اگر پہلے سے اس دن کا یقین کرتے تو تیار ہو کر آتے [illegible] اس دن کے آنے میں بہت دیر لگی۔ [illegible] اشتیاق سے [illegible] جیسے مؤمنین سمجھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قبر میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا:

قبر کے سوال و جواب میں حدیث صحیحہ میں مذکور ہے کہ جب کافر سے

پوچھا جائے گا کہ تیرا رب کون ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ تو وہ کہے گا، ھَاہْ ھَاہْ لَا اَدْرِیْ، "ہائے ہائے میں کچھ نہیں جانتا" اور وہاں جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو کیا مشکل تھا کہہ دیتا کہ میرا رب اللہ ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، تو یہ ایک عجیب بات ہے کہ کافر حق تعالیٰ اللہ کے سامنے تو جھوٹ بولنے پر قادر ہوں اور فرشتوں کے سامنے جھوٹ نہ بول سکیں، مگر غور کیا جائے تو کچھ تعجب کی بات نہیں، وجہ یہ ہے کہ فرشتے نہ تو عالم الغیب ہیں، نہ ان کو اختیار ہے کہ ہاتھ پاؤں کی گواہی لے کر اس پر حجت تمام کر دیں، اگر ان کے سامنے جھوٹ بولنے کا اختیار ہوتا تو سب کافر فاجر عذاب قبر سے بے فکر ہو جاتے، بخلاف اللہ جل شانہ کے کہ وہ دلوں کے حال سے بھی واقف ہیں، اور اعضاء و جوارح کی شہادت سے اس کا جھوٹ کھول دینے پر قادر بھی ہیں، اس لئے محشر میں یہ آزادی دیدینا عدالت انصاف میں کوئی خلل پیدا نہیں کرتا۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ		
سو اُس دن کام نہ آئے گا	ان گنہگاروں کو	قصور بخشوانا
وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾		
اور نہ ان سے کوئی منانا چاہے		

کوئی عذر و معذرت بھی نہ ہو سکے گی:

یعنی نہ کوئی معقول عذر پیش کر سکیں گے جو کام آئے اور نہ اُن سے کہا جائیگا کہ اچھا اب توبہ اور اطاعت سے اپنے پروردگار کو راضی کر لو، کیونکہ اس کا وقت گذر چکا اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنے کے سوا چارہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ			
اور ہم نے بٹھلائی ہے	آدمیوں کے واسطے	اس قرآن میں	ہر ایک
كُلِّ مَثَلٍ ۗ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ			
طرح کی مثل	اور جو تو لائے ان کے پاس کوئی آیت	تو ضرور کہیں	
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾			
وہ منکر	تم سب	جھوٹ بناتے ہو	

تفہیم قرآن: یعنی اس وقت پچھتائیں گے اور آج خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کا موقع ہے قرآن کریم کیسی عجیب مثالیں اور دلیلیں بیان کر کے طرح طرح اُن کو سمجھاتا ہے، پر اُن کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی، کیسی ہی آیتیں پڑھ کر سنایئے یا صاف سے صاف معجزے دکھلایئے وہ سن کر اور دیکھ کر یہی کہہ دیتے ہیں کہ تم (پیغمبر اور مسلمان) سب مل کر جھوٹ بناتے ہو۔ ایک نے چند آیتیں بنالیں دوسروں نے تصدیق کر دی۔ ایک نے جادو دکھلایا دوسرے اُس پر ایمان لانے کو تیار ہو گئے۔ اس طرح کی بھگت کر کے اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾		
یوں مہر لگا دیتا ہے	اللہ ان کے دلوں پر	جو سمجھ نہیں رکھتے

ضد و عناد کا انجام: یعنی جو آدمی نہ سمجھے نہ سمجھنے کی کوشش کرے، اور ضد و عناد سے برابر حق بات کا انکار کرتا رہے اسی طرح شدہ شدہ اُس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے اور آخرکار ضد و عناد سے دل اتنا سخت ہو جاتا ہے کہ قبول حق کی استعداد بھی ضائع کر بیٹھتا ہے۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَعْلَمُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی توحید سے ناواقف ہیں یا یہ مراد ہے کہ ان کو علم کی طلب ہی نہیں بس اپنے بیہودہ عقائد پر جمے ہوئے ہیں، جہل مرکب معرفت حق سے روکتا اور تعصب حق پر آنے سے دور کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا		
سو تو قائم رہ	بے شک اللہ کا وعدہ	ٹھیک ہے اور
يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾		
جگہ سے نہ ہلا دیں تجھ کو	وہ لوگ جو	یقین نہیں رکھتے

دعوت کیلئے صبر و تحمل ضروری ہے:

یعنی جب ان بدبختوں کا حال ضد و عناد کے اس درجہ پر پہنچ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکی شرارتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ بلکہ پیغمبرانہ صبر و تحمل کے ساتھ اپنے دعوۃ و اصلاح کے کام میں لگے رہیں۔ اللہ نے جو آپ سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے یقیناً پورا کر کے رہیگا۔ اس میں رتی برابر تفاوت و تخلف نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنے کام پر جمے رہئے۔ یہ بدعقیدہ اور بے یقین لوگ آپ کو ذرا بھی آپ کے مقام سے جنبش نہ دے سکیں گے۔ تمت سورۃ الروم وللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

کامل وضو نہ کرنے کا اثر: ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھتے ہوئے اسی سورت کی قراءت کی۔ اثناء قراءت میں آپ کو وہم سا ہو گیا فارغ ہو کر فرمانے لگے تم میں بعض ایسے لوگ ہیں جو ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے ہیں لیکن باقاعدہ ٹھیک ٹھیک وضو نہیں کرتے۔ تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ نماز میں شامل ہو اسے اچھی طرح وضو کرنا چاہیے۔ (مسند احمد) اس کی اسناد حسن ہے، متن بھی حسن ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورة لقمان

یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت و ہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت وفہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت ورحمت بن کر آتی ہے۔

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اَرْبَعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ لقمان مکہ میں نازل ہوئی اس کی چونتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾

یہ آیتیں ہیں پکی کتاب کی

هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾

ہدایت ہے اور مہربانی نیکی کرنے والوں کے لئے

سرمایہ ہدایت ورحمت:

یہ کتاب خاص نیکی اختیار کرنے والوں کے لئے سرمایہ رحمت وہدایت ہے۔ کیونکہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہوتے ہیں۔ ورنہ نفس نصیحت وفہمائش کے لحاظ سے تو تمام جن وانس کے حق میں ہدایت ورحمت بن کر آئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوۃ

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى

اور وہ ہیں جو آخرت پر اُن کو یقین ہے انہوں نے پائی

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

ہے راہ اپنے رب کی طرف سے اور وہی مراد کو پہنچے

سورۂ بقرہ کے شروع میں اسی طرح کی آیات گزر چکی ہیں وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

حکم زکوٰۃ: يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اس آیت میں زکوٰۃ کا حکم ہے، حالانکہ آیت مکی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اصل زکوٰۃ کا حکم مکہ معظمہ ہی میں ہجرت سے پہلے آ چکا تھا، اور یہ جو مشہور ہے کہ زکوٰۃ کا حکم ہجرت کے دوسرے سال میں نافذ ہوا اس سے مراد نصابوں کا تقرر اور مقدار واجب کی تفصیلات اور حکومت اسلامیہ کی طرف سے اس کی وصول یابی اور مصرف پر خرچ کرنے کا انتظام ہے، یہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ

اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا

تاکہ بچلائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں

هُزُوًا ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۶﴾

اس کو ہنسی وہ جو ہیں اُن کو ذلت کا عذاب ہے

فضولیات کے خریدار:

سعدائے مفلحین کے مقابلہ میں یہ اُن اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر ناچ رنگ کھیل تماشے یا دوسری واہیات وخرافات میں مستغرق ہیں چاہتے ہیں، کہ دوسروں کو بھی ان ہی مشاغل وتفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اُس کی یاد سے برگشتہ کر دیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں حضرت حسن لَهْوَ الْحَدِيْثِ کے متعلق فرماتے ہیں "کل ماشغلک عن عبادة الله وذکره من السمر والاضاحیک والخرافات والغناء ونحوها" (روح المعانی) یعنی لہو الحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو۔ مثلاً فضول قصہ گوئی ہنسی مذاق کی باتیں واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ)

قریش کا سردار نضر بن حارث:

روایت میں ہے کہ نضر بن حارث جو رؤسائے کفار میں تھا بغرض تجارت فارس جاتا تو وہاں سے شاہانِ عجم کے قصص وتواریخ خرید کر لاتا اور قریش سے کہتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو عاد وثمود کے قصے سناتے ہیں۔ آؤ میں تم کو رستم واسفندیار اور شاہانِ ایران کے قصے سناؤں بعض لوگ ان کو دلچسپ سمجھ کر اُدھر متوجہ ہو جاتے۔ نیز اُس نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی، جس کو دیکھتا کہ دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکا، اُس کے پاس لے جاتا اور کہہ دیتا کہ

[illegible] اور گانا [illegible] اس شخص کو [illegible] ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں [illegible] آیت نازل ہوئی [illegible] ہے گا۔ جو (شخص) [illegible] اس کے [illegible] مذہب [illegible] نے [illegible] آیت سے [illegible] بات [illegible] کی [illegible] ہے [illegible] فقہ [illegible] غنا و سماع کا مسئلہ اس کی تفصیل [illegible] مزامیر [illegible] پر تو صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے۔ اب [illegible] ایک [illegible] ہیں اس کی قیود و شروط بھی کتابوں میں دیکھ لی جائیں۔ [illegible] کی تحقیق [illegible]

[illegible] گانا [illegible]

گانا سکھانے کا پیشہ

[illegible] اللہ [illegible] نہیں اور ان کی قیمت حرام ہے (یعنی ان کو فروخت کرنا ناجائز ہے) اور ایسے ہی شخص کی بابت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الخ نازل ہوئی ہے۔

گانا گانے کی سزا:

[illegible] گانے کے لئے آواز اٹھاتا ہے اللہ دو شیطان اس پر مسلط کر دیتا ہے [illegible] اپنی [illegible] اس وقت تک اس پر مارتے رہتے ہیں جب تک وہ [illegible] خاموش نہ ہو جائے۔ ترمذی [illegible] نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گانے والی (باندیوں) کو نہ بیچو [illegible] ان کی قیمت حرام ہے اور ایسے ہی شخص کی بابت آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ نازل ہوئی۔

حضرت مکحولؒ کا تقویٰ

[illegible] کا قول ہے [illegible] بجائے

[illegible] باندی [illegible] اس پر [illegible] نماز نہیں [illegible] وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ الخ۔

[illegible] حضرت ابن عباسؓ حسن عکرمہ اور سعید بن جبیرؓ کے نزدیک لہو الحدیث سے گانا سننا مراد ہے [illegible] کے متعلق یہ آیت نازل [illegible] ابو الصہباء بکری کا بیان ہے میں نے حضرت ابن مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا حضرت ابن مسعودؓ نے تین بار فرمایا قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) غناء ہے۔ ابن جریج کے نزدیک لَهْوَ الْحَدِيْثِ سے طبل (ڈھول، طبلہ) مراد ہے۔

میں [illegible] اگرچہ کوئی خاص چیز ہو (گانا سننا) ہو یا عجمی قصے [illegible] لیکن الفاظ عام ہیں اور عموم الفاظ ہی قابل اعتبار ہیں اسی لئے [illegible] آیت میں [illegible] ہے۔

مسئلہ: باتفاق فقہاء ہر قسم کا باجا طبلہ ڈھول وغیرہ خواہ بغیر تار کے بجایا جائے یا تار کے ساتھ بہر حال حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] کی قیمت [illegible] کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔ [illegible] حضرت ابو مالک اشعری کا بیان ہے، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میری امت کے کچھ لوگ شرابیں پئیں گے اور [illegible] نام [illegible] رکھ دیں گے۔ ان کے سامنے باجے بجائے جائیں گے اور گانے والیاں گائیں گی اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کو بندر اور سور بنا دے گا۔ رواہ ابن ماجہ ابن حبان نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اس کی اصل صحیح بخاری میں موجود ہے۔ حضرت علی ابن ابی طالب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ باتیں کرے گی تو اس پر مصائب کا نزول ہوگا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا باتیں ہیں؟ حضور نے فرمایا:

(۱) جب [illegible] غنیمت [illegible] سمجھا جائے گا۔

(۲) جب امانت کے مال کو غنیمت کا مال سمجھا جائے گا۔

(۳) جب زکوٰۃ کو ڈانڈ سمجھا جائے گا۔

(۴) جب مرد اپنی بیوی کا فرماں بردار بن جائے گا۔

(۵) اور اپنی ماں کی نافرمانی کرے گا۔

(۶) اور دوست سے اچھا سلوک کرے گا۔

(۷) اور باپ پر ظلم کرے گا۔

(۸) اور جب مسجدوں میں آوازیں اٹھنے لگیں گی۔

(۹) اور سب سے رذیل آدمی قوم کا سردار بن جائے گا۔

(۱۰) اور (شریر) آدمی کی عزت اسلئے کی جائیگی کہ اسکی شر سے حفاظت ہو جائے۔

(۱۱) اور شراب پی جائے گی۔

(۱۲) اور ریشمی [illegible] پہنے جائیں گے (یعنی مرد پہننے لگیں گے، مترجم)

(۱۳) اور گانے والیاں رکھی جائیں گی۔
(۱۴) اور باجے ڈھول طبلے استعمال کئے جائیں گے۔
(۱۵) اور پیچھے آنے والے لوگ اسلاف پر لعنت بھیجیں گے۔
ایسے وقت میں لوگوں کو سرخ آندھی اور زمین میں دھنسائے جانے کا انتظار کرنا چاہیے (ایسا ضرور ہو کر رہے گا)۔ (رواہ الترمذی وقال غریب)

مسئلہ: فقہاء نے کہا اس آیت کی رو سے اور دوسری احادیث کی وجہ سے گانا سننا حرام ہے۔ (تفسیر مظہری)

اطلاعی ڈھول: الملتقط میں ہے باجا بجانا اور سننا حرام ہے۔ فتاویٰ کبریٰ میں ہے طبل بجانا اور سننا حرام ہے کیونکہ ڈھول آلۂ لہو ہے ہاں لڑائی کے موقع پر یا قافلہ کے لئے اطلاعی ڈھول پیٹنا جائز ہے مجاہدین کو رفقاء قافلہ کو نقارہ سے اطلاع دینا موجب ثواب ہے۔ ملتقط میں ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے۔ خوشی کے موقع پر اور شادی کی تقریب میں گانا جائز ہے۔

دیکھو نکاح کے موقع پر دف بجانا جائز ہے، دف بھی ایک قسم کا لہو ہے لیکن اس کا مقصود ہوتا ہے اعلانِ نکاح اس لئے جائز ہے، اعلانِ نکاح کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے نکاح کا اعلان کرو خواہ دف ہی کے ذریعہ سے ہو۔ اسی پر فتویٰ بھی ہے۔ ذخیرہ میں ہے کچھ لوگ کہتے ہیں عید میں دف بجانے میں کوئی گناہ نہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف فرما تھے، عید کا دن تھا، دو لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر (باہر سے) آئے اور فرمایا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہلیز پر گا رہی ہو۔ حضور اقدس نے فرمایا (ابوبکرؓ) ان کو رہنے دو آج عید کا دن ہے۔

مسئلہ سماع: شرح کافی میں ہے ہمارے علماء کے نزدیک وہ سماع مکروہ ہے جو گناہ کے ارادے بطور لہو ہو، کچھ فاسق لوگ جمع ہو جائیں جو نماز اور تلاوت قرآن کے تارک ہوں اور سب اکٹھے ہو کر گانا سنیں۔ لیکن جو لوگ نمازی متقی اور عامل بالقرآن ہوں ان کے لئے باتفاق علماء سماع جائز ہے کیونکہ اس سماع سے ان کا مقصد توجہ الی اللہ اور حضورِ قلب ہوتا ہے، وہ آخرت کے خوف سے اللہ کی یاد کرتے ہیں اور یہ تمام امور مستحسن ہیں ان میں کوئی خرابی نہیں اسی غرض سے وجد اور رقص بھی مذموم نہیں۔

الاقناع میں ہے کہ سماع سے دل میں رقت اور خشوع پیدا ہوتا ہے، اللہ کے دیدار کا شوق برانگیختہ ہوتا ہے اللہ کی ناراضگی کا ڈر اور اس کے عذاب کا خوف دل پر چھا جاتا ہے۔ اس طرح کے سماع میں ہوائے نفسانی اور ہوس کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔
بعض علماء قائل ہیں کہ گانا ہر طرح مکروہ ہے امام خواہر زادہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔
جامع المضمرات میں النافع اور ذخیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ اگر مغنی تنہائی میں اپنے لئے نہ گائے بلکہ اپنی کبیدگی اور وحشت خاطر کو دور کرنے کے لئے گائے تو کوئی حرج نہیں۔ میں نے امام نجم الدین رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی سنا ہے کہ اپنی باندی کا گانا بھی اگر (وحشت خاطر دور کرنے کے لئے) سنے تو کوئی گناہ نہیں۔ اس قول کو واقعات حسامیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ عوارف میں باندی کے ساتھ اپنی بی بی کا لفظ بھی مذکور ہے (یعنی اگر اپنی بی بی سے بھی گانا سن لیا جائے تو مباح ہے۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ محیط میں (سرخسی نے ذکر کیا) ہے کہ امام محمد نے سیر کبیر میں بیان کیا ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ اپنے بھائی براء بن مالک کے پاس گئے اس وقت وہ گا رہے تھے۔

غیر واقعی کلام ممنوع ہے:

حضرت ربیع کا بیان ہے کہ میری شادی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس طرح میرے پاس بیٹھ گئے جیسے تم میرے قریب بیٹھے ہو، کچھ لڑکیاں دف بجا کر ان لوگوں کا مرثیہ گانے لگیں جو بدر کے دن مقتول ہوئے تھے ایک لڑکی نے یہ مصرعہ گایا وفینا نبی یعلم مافی غد ہم میں ایک ایسا نبی ہے جو آنے والے کل کی باتیں جانتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے فرمایا، اس کو چھوڑ، جو کہہ رہی تھی وہی کہہ۔ رواہ البخاری، ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ بات مت کہو آنے والے کل کی بات سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک انصاری شخص سے ایک عورت کی شادی ہوئی اور وہ دلہن ہو کر شوہر کے گھر گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے پاس کوئی لہو (گانا بجانا) نہیں ہے، انصار کو لہو پسند ہوتا ہے۔ رواہ البخاری۔

شادی کے موقع کی خوشی:

حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نکاح کا اعلان کیا کرو اور مسجدوں میں کرو اور اس پر دف بجاؤ (یعنی خوب شہرت دو)۔ رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی میں نے اس کا نکاح کرا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عائشہ! کیا کوئی غنا نہیں ہے، انصاریوں کا یہ قبیلہ تو غنا کو پسند کرتا ہے، رواہ ابن حبان فی صحیح

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے اپنی کسی قرابتدار (لڑکی) کا کسی انصاری سے نکاح کرا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اندر) تشریف لائے تو فرمایا کیا تم نے لڑکی کو رخصت کرا دیا۔ حاضرین نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والے (یا گانے والی) کو بھیج دیا؟ حضرت عائشہ نے کہا نہیں۔ فرمایا انصاری لوگوں کے اندر غزل ہے (یعنی ان کو غزل پسند ہے)، اگر تم لڑکی کے ساتھ کسی کو یہ گانے کے لئے

بھیج دیتے اتینا کم اتینا کم فحیانا وحیاکم (تو بہتر ہوتا) ہم تمہارے پاس آ گئے اللہ ہم کو بھی مبارک کرے اور تم کو بھی۔ رواہ ابن ماجہ۔

عامر بن سعد راوی ہیں کہ ایک شادی میں میں شریک ہوا، وہاں حضرت قرظہ بن کعبؓ اور حضرت ابو مسعود انصاریؓ بھی موجود تھے اور لڑکیاں گا رہی تھیں۔ میں نے عرض کیا، اے رسول خدا کے صحابہؓ اور اے اہل بدر تمہارے سامنے یہ کیا کیا جا رہا ہے، دونوں نے جواب دیا، اگر تم چاہو تو بیٹھ جاؤ اور ہمارے ساتھ تم بھی سنو۔ اور اگر جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ، ہم کو شادی میں لہو (گانا سننے) کی اجازت دے دی گئی ہے۔

عید کی خوشی: حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس حضرت ابو بکر تشریف لائے، حج (یعنی عید) کا زمانہ تھا، میرے پاس دو لڑکیاں بیٹھی دف بجا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چہرے پر کپڑا ڈالے (لیٹے) ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے لڑکیوں کو جھڑکا، حضور والا نے چہرہ کا کپڑا کھول دیا اور فرمایا ابو بکر ان کو رہنے دو یہ عید کے دن ہیں۔ رواہ البخاری۔ ابن ماجہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ہر قوم کا تہوار ہوتا ہے اور ہمارا یہ تہوار ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے نذر مانی تھی کہ (جب آپ تشریف لے آئیں گے تو اس خوشی میں) آپ کے سر پر دف بجاؤں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی منت پوری کر لو۔ رواہ ابوداؤد۔

اور یہ بات طے شدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی فرمایا، اللہ کی نافرمانی کی نذر کو پورا نہ کیا جائے (اگر دف بجانا معصیت ہوتا تو آپ اجازت نہ دیتے) رواہ مسلم یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے اور بنی نجار (کے محلّے) میں فروکش ہوئے تو بنی نجار کی لڑکیاں یہ شعر گانے اور کہنے لگیں۔

نحن جوارٍ مِّنْ بنی نجار یاحَبَّذَا مُحَمَّداً مِنْ جَارٍ

(ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم بہترین مہمان ہیں) رواہ ابن ماجۃ عن انس۔

اسی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جواب میں) فرمایا، اللہ واقف ہے کہ میں تم سے محبت رکھتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو عورتیں لونڈیاں اور بچے یہ شعر گانے لگے، طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا مادع للہ داع۔

وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا
ہم پر اس کا شکر ادا کرنا ہمیشہ واجب ہے

اے نبی مبعوث آپ واجب التعمیل احکام لے کر آئے۔

امام احمد نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں حبشیوں نے چھوٹے چھوٹے برچھوں کا کھیل کیا۔

محمد بن حاطب جمحی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، گانا اور نکاح میں دف بجانا حلال و حرام میں امتیاز (کی علامت) ہے۔ رواہ احمد والترمذی، وابن ماجہ والنسائی۔

تقریر مذکورہ بالا سے ظاہر ہو گیا کہ گانا (سننا اور گانا) وہ حرام ہے جو گناہ کی دعوت دے رہا ہو اور اللہ کی یاد سے غافل بنا رہا ہو اگر ایسا نہ ہو تو حلال ہے حرام نہیں ہے۔ ہاں یہ بات الگ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ کا گانا سننا اور قربت الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرار دینا ثابت نہیں ہے اسی لئے اکابر نقشبندی گانا نہیں سنتے لیکن اس کی تردید بھی نہیں کرتے۔ (تفسیر مظہری)

گانا اور اس سے متعلقہ چیزیں حرام ہیں:

جو غنا تحریک اصوات اور تحسین نغمات کے ساتھ برعایت قواعد موسیقی ہو وہ بالاتفاق حرام ہے۔ غرض یہ کہ اس آیت میں لہو الحدیث سے قصے کہانیاں اور گانے بجانے کا سامان مراد ہے جیسے باجا اور بانسری، اور موسیقی اور ستار اور سارنگی اور خرافات اور مضحکہ خیز باتیں اور ناول اور افسانہ جات اور گانے بجانے والی لڑکیاں یہ سب چیزیں لہو الحدیث کے عموم میں داخل ہیں اور یہ سب چیزیں باجماع صحابہ و تابعین و باتفاق ائمہ مجتہدین حرام ہیں جن کے حرام ہونے میں ذرہ برابر شبہ نہیں اور گانا بجانا تو تمام ملتوں اور دینوں میں حرام رہا ہے یہ نفسانی اور شہوانی چیزیں کسی دین میں کبھی بھی جائز نہیں ہوئیں اور غنا اور مزامیر کی حرمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں جن کو علامہ ابن حجر مکی نے کتاب الزواجر میں ذکر کیا ہے۔

جاننا چاہیے کہ اس قسم کے ہنوات اور خرافات اور ناولوں اور افسانوں کا پڑھنا بلاشبہ حرام ہے اور جبکہ اس سے مقصود استماع حق اور سماعت قرآن سے روکنا ہو تو وہ بلاشبہ کفر ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اور سنن بیہقی میں ہے کہ اشتراء لہو الحدیث سے مراد گانے بجانے والے مرد یا عورت کو خریدنا یا اس کے امثال ایسی بیہودہ چیزوں کو خریدنا ہے جو اللہ کی یاد سے غافل کریں، ابن جریر نے بھی اسی عام معنی کو اختیار فرمایا ہے (روح ملخصاً) اور ترمذی کی ایک روایت سے بھی یہی عموم ثابت ہوتا ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ گانے والی لونڈیوں کی تجارت نہ کرو، اور پھر فرمایا وفی مثل هذا انزلت هذه الاية وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ الخ

لہو ولعب اور اس کے سامان کے شرعی احکام:

ان احکام کی پوری تفصیل قرآن وسنت کے دلائل کے ساتھ احقر نے مستقل رسالہ المسمی الحشیت فی تفسیر لہو الحدیث میں مذکور ہے، جس میں غناء ومزامیر پر بھی مفصل کلام قرآن وحدیث سے پھر فقہاء امت اور صوفیائے کرام کے اقوال سے مذکور ہے، یہ رسالہ بزبان عربی احکام القرآن حزب خامس میں شائع ہو چکا ہے، اہل علم اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، عوام کے لئے اس کا خلاصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

پہلی بات قابل نظر یہ ہے کہ قرآن کریم نے جتنے مواقع میں لہو ولعب کا ذکر کیا ہے وہ مذمت اور برائی ہی کے مواقع ہیں، جس کا ادنی درجہ کراہت ہے (روح المعانی وکشاف) اور آیت مذکورہ لہو کی مذمت میں بالکل واضح اور صریح ہے۔

جائز کھیل:

اور مستدرک حاکم کتاب الجہاد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ شَيءٍ مِنْ لَهْوِ الدُّنْيَا بَاطِلٌ اِلَّا ثَلٰثَة اِنتِضالُكَ بِقَوْسِكَ وَتَادِيبُكَ لِفَرَسِكَ ... وَمُلاعَبَتُكَ لِاَهْلِكَ فَاِنَّهُنَّ مِنَ الْحَقِّ،

''یعنی دنیا کا ہر لہو (کھیل) باطل ہے مگر تین چیزیں ایک یہ کہ تم تیر کمان سے کھیلو، دوسرے اپنے گھوڑے کو سدھانے کے لئے کھیلو، تیسرے اپنی بی بی کے ساتھ کھیل کرو۔''

حاکم نے اس حدیث کو صحیح علی شرط مسلم کہا ہے۔

حدیث میں تین کھیلوں کو ممانعت سے مستثنیٰ کرنا اوپر گزر چکا ہے، تیر اندازی گھوڑے کی سواری، اپنے اہل کے ساتھ ملاعبت، اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک مرفوع حدیث میں ہے: **خیر لھو المؤمن السباحة وخیر لھو المراۃ المغزل (جامع صغیر برمز ابن عدی باسناد صعیف)** یعنی مؤمن کا اچھا کھیل تیراکی ہے اور عورت کا اچھا کھیل چرخہ ہے''۔

صحیح مسلم اور مسند احمد میں حضرت سلمہ ابن اکوعؓ کی روایت ہے کہ انصار مدینہ میں ایک صاحب دوڑ میں بڑے ماہر تھے، کوئی ان سے سبقت نہ لے جا سکتا تھا، انہوں نے ایک روز اعلان کیا کہ کوئی ہے جو میرے ساتھ دوڑ میں مقابلہ کرے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں مقابلہ کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تو میں مقابلہ میں آگے بڑھ گیا، اس سے معلوم ہوا کہ پیادہ دوڑ کی مشق کرنا بھی جائز ہے۔

ایک مشہور پہلوان رکانہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی ٹھہرائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کشتی میں پچھاڑ دیا (ابوداؤد فی المراسیل)۔

حبشہ کے کچھ نوجوان مدینہ طیبہ میں فن سپہ گری کی مشق کرنے کے لئے نیزوں وغیرہ سے کھیلتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کھیل حضرت عائشہؓ کو اپنی پشت کے پیچھے کھڑا کر کے دکھلایا اور ان لوگوں کو فرمایا کہ **اِلْهُوْا وَالْعَبُوْا** ''یعنی کھیل کود کرتے رہو'' (رواہ البیہقی فی الشعب کذا فی الکنز من باب اللہو) اور بعض روایات میں اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی آئے ہیں **فانی اکرہ ان یری فی دینکم غلظة** ''یعنی میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ تمہارے دین میں خشکی اور شدت دیکھی جائے۔''

اسی طرح بعض صحابہ کرام سے منقول ہے کہ جب وہ قرآن وحدیث کے مشاغل میں تھک جاتے تو بعض اوقات عرب کے اشعار یا تاریخی واقعات سے دل بہلاتے تھے (ذکرہ عن ابن عباسؓ فی کف الرعاع)

ایک حدیث میں ارشاد ہے: **رَوِّحُوا الْقُلُوْبَ سَاعَةً فَسَاعَةً اخرجه ابو داؤد فی مراسیله عن ابن شهاب مُرسَلاً،** ''یعنی تم اپنے قلوب کو کبھی کبھی آرام دیا کرو'' جس سے قلب ودماغ کی تفریح اور اس کے لئے کچھ وقت نکالنے کا جواز ثابت ہوا۔

شراب، جوا اور طبلہ سارنگی:

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے اور طبلہ وسارنگی کو حرام کیا ہے، اور فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔ (رواہ الامام احمد وابوداؤد وابن حبان)۔

خوش آوازی کے ساتھ بغیر مزامیر کے مفید اشعار:

بعض صوفیائے کرام سے جو سماع غنا منقول ہے وہ اسی قسم کے جائز غنا پر محمول ہے، کیونکہ ان کا اتباع شریعت اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب کی طرح یقینی ہے، ان سے ایسے گناہ کے ارتکاب کا گمان نہیں کیا جا سکتا، محققین صوفیائے کرام نے خود اس کی تصریح فرمائی ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا

اور جب سنائے اس کو ہماری آیتیں پیٹھ دی جائے غرور سے گویا ان کو سنا ہی نہیں

كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ

گویا اُس کے دونوں کان بہرے ہیں سو خوشخبری دے اُس کو دردناک عذاب کی

قرآن سے اعراض: یعنی غرور وتکبر سے ہماری آیتیں سننا نہیں چاہتا بالکل بہرا بن جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ

جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام اُن کے واسطے ہیں نعمت کے باغ

خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ۭ وَعْدَ اللّٰہِ حَقًّا ۭ وَہُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

ہمیشہ رہیں گے اُن میں، وعدہ ہو چکا اللہ کا سچا اور وہ زبردست ہے حکمتوں والا

یعنی کوئی قوت اُس کو ایفائے وعدہ سے روک نہیں سکتی [illegible] وعدہ [illegible] (تفسیر عثمانی)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَہَا

بنائے آسمان بغیر ستونوں کے تم اس کو دیکھتے ہو

اس لفظ کی تفسیر سورہ رعد کے شروع میں گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ

اور ڈال دیے زمین پر بوجھ کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر

زمین کی مضبوطی.

یعنی [illegible] والے جھٹکوں سے [illegible] حرکت [illegible] سورہ نحل [illegible] میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ باقی پہاڑوں [illegible] نہیں [illegible] فوائد اور حکمتیں ہوں گی جو اللہ کو معلوم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَثَّ فِیْہَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِیْہَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ

اور بکھیر دیے اس میں سب طرح کے جانور، اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر اگائے زمین میں ہر قسم کے جوڑے خاصے

زمین کا حسن: یعنی ہر قسم کے پُر رونق، خوش منظر اور نفیس و کارآمد درخت زمین سے اُگائے۔ سورہ شعراء کے شروع میں اسی مضمون کی آیت گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہٰذَا خَلْقُ اللّٰہِ فَاَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ

یہ سب کچھ تو بنایا ہوا ہے اللہ کا، اب دکھلاؤ مجھ کو کیا بنایا ہے اوروں نے جو اس کے سوا ہیں

مشرکین کے معبود جھوٹے ہیں:

جب نہیں دکھا سکتے تو کس منہ سے اُن کو خدائی کا شریک اور معبودیت کا مستحق ٹھہراتے ہو۔ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جس کے ہاتھ میں پیدا کرنا اور رزق پہنچانا سب کچھ ہو۔ یہاں ایک ذرہ کے پیدا کرنے کا اختیار نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ

کچھ نہیں پر بے انصاف صریح بھٹک رہے ہیں

ان ظالموں کو سوچنے سمجھنے سے کچھ سروکار نہیں۔ اندھیرے میں پڑے بھٹک رہے ہیں۔ آگے تنبیہ کے لیے تھوڑی سی نصیحتیں حضرت لقمان کی نقل فرماتے ہیں جو انہوں نے اللہ کی طرف سے دانائی پا کر اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَۃَ

اور ہم نے دی لقمان کو عقلمندی

حضرت لقمان کی باتیں:

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت لقمان پیغمبر نہیں تھے۔ ہاں ایک پاکباز متقی انسان تھے جن کو حق تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کی عقل و فہم اور متانت و دانائی عطا فرمائی تھی۔ انہوں نے عقل کی راہ سے وہ باتیں کہیں، جو پیغمبروں کے احکام و ہدایات کے موافق تھیں۔ اُن کی عقلمندانہ نصیحتیں اور حکمت کی باتیں لوگوں میں مشہور چلی آتی ہیں۔ [illegible] قرآن میں [illegible] شاید مقصود یہ جتانا ہو کہ شرک وغیرہ کا قبح جس طرح فطرتِ انسانی کی شہادت اور نبیوں کی وحی سے ثابت ہے، ایسے ہی منتخب عقلمند بھی اپنی عقل سے اس کی تائید و تصدیق کرتے رہے ہیں۔ پس توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار کرنا ضلالِ مبین نہیں تو اور کیا ہے؟ (تنبیہ) حضرت لقمان کہاں کے رہنے والے تھے؟ اور کس زمانہ میں ہوئے؟ اس کی پوری تعیین نہیں ہو سکی، اکثر کا قول ہے کہ حبشی تھے، اور حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ہوئے۔ ان سے بہت سے قصے اور اقوال تفاسیر میں نقل کیے ہیں۔ واللہ اعلم بصحتہا (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے لقمان بن باعور بن ناخور بن تارخ۔ تارخ ہی کو آزر کہا جاتا ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا لقمان حضرت ایوب کے بھانجے تھے مقاتل نے کہا خالہ کے بیٹے تھے۔ بیضاوی نے لکھا ہے لقمان حضرت داؤد کے زمانہ تک زندہ تھے اور فتویٰ دیا کرتے تھے لیکن حضرت داؤد کی بعثت کے بعد فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور فرمایا اب میری ضرورت نہیں پھر کیوں فتویٰ دینے سے باز نہ رہوں۔ واقدی نے کہا لقمان بنی اسرائیل کے قاضی تھے۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے اور امام احمد نے الزہد میں بھی اس کو بیان کیا ہے اور کتاب المملوکین میں ابن ابی الدنیا نے بھی یہ لکھا ہے۔ نیز ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم کا بھی بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، لقمان ایک حبشی غلام تھے جو بڑھئی کا پیشہ کرتے تھے۔

حضرت لقمانؑ کی خوش گفتاری:

بغوی نے لکھا ہے لقمان دوپہر کو سو رہے تھے۔ خواب میں [illegible] ندا دی لقمان کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ تم کو زمین میں اپنا خلیفہ بنا دے اور لوگوں پر تم حکومت کرتے رہو؟ خواب ہی میں لقمان نے ہاتف کو جواب دیا، اگر میرے رب نے مجھے اختیار دیا ہے تو مجھے عافیت پسند ہے (میں حکومت کے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا) اور اگر یہ اللہ کا قطعی حکم ہے تو بسر و چشم۔ [illegible] میں خوب جانتا ہوں کہ جب اللہ کا یہ قطعی حکم [illegible] ہوگا تو وہی فیصلہ کرنے میں میری مدد بھی کرے گا اور (غلطی سے) مجھے محفوظ رکھے گا۔ ہاتف نے [illegible] آواز دی لقمان کیا تم نے کیوں اختیار کیا (یعنی عافیت کو [illegible] پسند کیا") لقمان نے کہا، سخت ترین اور الجھا ہوا غیر واضح [illegible] میں فیصلہ [illegible] طرف سے تاریکی چھائی ہوتی ہے [illegible] لقمان کا فیصلہ [illegible] نجات کا مستحق ہے اور اگر اس سے فیصلہ میں غلطی ہوئی تو جنت کا [illegible] دنیا میں نیچے رہنا، سردار ہونے سے بہتر ہے جو شخص آخرت [illegible] کے ہاتھ سے دنیا بھی جاتی ہے اور آخرت بھی ہاتھ نہیں آتی۔ [illegible] لقمان کی خوش گفتاری پر تعجب ہوا اس کے بعد لقمان [illegible] اللہ نے حکمت عطا فرمادی اور بیدار ہونے کے بعد آپ (ہر) بات پر حکمت کرنے لگے۔

خاموش رہنا حکمت ہے:

حضرت انسؓ کی روایت ہے [illegible] لقمان [illegible] تھے، حکمت [illegible] دیکھتے تھے لیکن حضرت لقمان حضرت [illegible] کی بابت کوئی سوال نہیں کرتے۔ جب حضرت داؤد نے زرہ بنالی اور اس کو پہن [illegible] حضرت لقمان نے [illegible] خاموش رہنا حکمت ہے (بغیر دریافت کئے زرہ بنانے کی حکمت اور غرض حضرت لقمان کو معلوم ہوگئی) لیکن ایسا کرنے والے کم ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت لقمان سے دریافت کیا گیا سب سے برا کون آدمی ہے؟ فرمایا "وہ آدمی سب سے برا ہے جو اس بات کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ لوگ مجھے گناہ کرتے دیکھ رہے ہیں" یعنی علی الاعلان بدکار)۔ (تفسیر مظہری)

لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے ہیں اور [illegible] درمنثور میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت یہ ہے کہ لقمان ایک حبشی غلام تھے، نجاری کا کام کرتے تھے (اخرجہ ابن ابی شیبہ واحمد فی الزہد وابن جریر وابن المنذر وغیرہ) اور حضرت جابر بن عبداللہؓ سے [illegible] حالات دریافت [illegible] گئے تو فرمایا کہ پست قد پست ناک کے حبشی تھے، اور مجاہد نے فرمایا کہ حبشی غلام موٹے ہونٹ والے پھٹے ہوئے قدموں والے تھے (ابن کثیر)

تین کالے بزرگ: ایک سیاہ رنگ حبشی حضرت سعید بن مسیب کے پاس [illegible] کوئی مسئلہ دریافت [illegible] حضرت سعید نے اس کی تسلی [illegible] فرمایا کہ تم [illegible] کالے [illegible] لوگوں میں سے [illegible] بزرگ [illegible] حبشی [illegible] مہجع حضرت عمرؓ [illegible] حضرت لقمان [illegible]

حکمت تک پہنچنے والے اعمال:

حضرت لقمان [illegible] [illegible] لقمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں وہی ہوں [illegible] نے پوچھا کہ آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ خلق خدا آپ کی تعظیم [illegible] حکمت [illegible] کے لئے [illegible] سے جمع ہوتی ہے۔ لقمان علیہ السلام نے فرمایا [illegible] [illegible] اختیار [illegible] وہ چیزیں جن کی وجہ سے یہ درجہ اور مقام حاصل ہوا [illegible] [illegible] قیامت [illegible] اپنی شرمگاہ کی حفاظت [illegible] [illegible] کی حفاظت [illegible] (ابن کثیر) [illegible]

> اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ
>
> یہ حق مان اللہ کا اور جو کوئی حق مانے اللہ کا تو مانے گا اپنے بھلے کو
>
> وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑫
>
> [illegible]

نعمتوں کی شکر گذاری:

[illegible] احسان عظیم اور [illegible] احسانات پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرنا اور حق ماننا ضروری ہے [illegible] اس حق شناسی اور شکر گذاری سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا جو کچھ فائدہ ہے خود شکر کرنے [illegible] دنیا میں مزید انعام اور آخرت میں اجر و ثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اگر ناشکری [illegible] تو اپنا نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے شکریہ کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ اس کی حمد و ثنا تو ساری مخلوق زبان حال سے کر رہی ہے اور بفرض محال کوئی تعریف کرنے والا نہ ہو تب بھی جامع الصفات اور منبع الکمالات ہونے کی بنا پر وہ بذات خود محمود ہے [illegible] حمد و شکر [illegible] سے اس کے کمالات میں [illegible] کمی بیشی نہیں ہوتی۔ [illegible]

حکمت اور شکر:

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ کہ اللہ کا شکر کر یعنی ہم نے لقمان کو حکمت دی اور کہا کہ اس عطیۂ حکمت کا شکر ادا کر۔ اکثر اہلِ تفسیر نے ان کو مفسرہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ عطائے حکمت میں قول کا معنی آ جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں، عطائے حکمت کا مطلب ہے حکمت سکھانا اور تعلیم حکمت اکثر قول ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے اس صورت میں حکمت دینے کا معنی ہوگا شکر گزاری کا حکم دینا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حکمت ہی شکر ہے اور حکمت عطا کرنے کا معنی ہی شکر ادا کرنے کا حکم دینا ہے۔

ذاتِ الٰہی کا علم بہت ہی خاص خاص لوگوں کو ہوتا ہے۔

شکر کے حکم کی نوعیت:

آیت میں امر سے مراد ہے تکوینی (تخلیقی، فطری) حکم۔ کیونکہ تکلیفی (اور تشریعی) حکم تو سب ہی لوگوں کو دیا گیا ہے، لقمان ہی کی خصوصیت نہیں پھر شکر گذاری کا حکم دینا (یعنی تکلیفی حکم دینا) اس بات کا قطعاً موجب نہیں کہ ہر شخص ادا کرنے پر مجبور ہو اور ضرور ہی شکر کرے۔ البتہ تکوینی امر کے لئے مامور کا وجود ضروری ہے اگر امر تکوینی مراد ہو تو پھر شکر گزاری لازم ہوگی جس طرح عطائے حکمت کے بعد حصول حکمت لازم ہے اسی طرح شکر کے امر تکوینی کے بعد لقمان کا شکر گذار ہو جانا ضروری ہے۔

حکمت سے شکر مراد لینا بطور مجاز ہے کیونکہ شکر حکمت کے لئے لازم ہے اور ملزوم سے لازم یا لازم سے ملزوم مراد ہو سکتا ہے۔

شکر کا معنی اور اقسام:

شکر کا معنی ہے منعم کی نعمت کا (اقرار و) اظہار۔ اور کفران کا معنی ہے منعم کی نعمت پر پردہ ڈال دینا، چھپا دینا، (منعم کو منعم نہ قرار دینا)۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے، شکر کا معنی ہے احسان شناسی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ شکر اصل میں شَرْک تھا، شَرْک کے حروف کو مقدم موخر کر کے شکر کر دیا گیا، کَشْر کا معنی ہے کھول دینا، شکر کا معنی بھی نعمت کو ظاہر کرنا ہے۔

شکر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) دل سے شکر کرنا یعنی منعم کے انعام کا تصور کرنا۔

(۲) زبان سے شکر کرنا یعنی منعم کی نعمت پر اس کی ثناء کرنا۔

(۳) اعضاء جسم سے شکر کرنا یعنی نعمت کے بدلہ میں منعم کی اطاعت کرنا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ شکر عَيْنٌ شَكْرٰى (بھرا ہوا چشمہ) سے ماخوذ ہے اس قول پر شکر کا معنی ہوگا منعم کی نعمتوں کی یاد سے بھر جانا۔ اسی بنیاد پر اللہ نے فرمایا ہے وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ قرآن مجید میں اللہ نے دو شخصوں کو شکر گزار بندہ فرمایا ہے ایک حضرت ابراہیم جن کے متعلق فرمایا ہے۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ دوسرے حضرت نوحؑ جن کے متعلق فرمایا ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا

زبان و عمل سے شکر:

نہایہ میں جزری نے لکھا ہے، نعمت کے مقابلہ میں شکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور عمل سے بھی اور نیت سے بھی زبان سے بھی منعم کی تعریف کرنی چاہیے اور اپنے اعضاء کو بھی ہمیشہ اس کی طاعت میں لگا دیا جائے اور یقین بھی رکھا جائے کہ منعم ہی میرا مولیٰ ہے۔ لفظ شکر شَكِرَتِ الْاِبِلُ شَكْرًا (اونٹ خوب چر کر موٹے ہو گئے) سے ماخوذ ہے۔

شکر کا فائدہ:

وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ جو شکر کرے گا وہ صرف اپنے ہی فائدے کے لئے شکر کرے گا۔

شکر کرنے سے موجودہ اور حاصل شدہ نعمت زوال سے محفوظ ہو جاتی ہے اور آئندہ مزید نعمت حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ کے قرب اور دائمی جنت کا حصول ہو جاتا ہے، اللہ نے فرمایا ہے۔ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے غنی اور بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات و افعال میں بذاتِ خود حمید اور پسندیدہ ہے اس کا کمال و جمال کسی کی حمد اور ستائش کا محتاج نہیں۔

ع　عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است۔

(معارف کاندھلوی)

جسم کے دو بہترین اور بدترین اعضاء:

حضرت خالد ربعیؒ کا قول ہے کہ حضرت لقمان جو حبشی غلام بڑھئی تھے ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے۔ کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے یہی حکم دیا اور کہا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے جو بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں وہ لا دو۔ آپ آج بھی یہی دو چیزیں لے گئے۔ مالک نے پوچھا اس کی کیا وجہ کہ بہترین ٹکڑے تجھ سے مانگے تو تو یہی دو لایا اور بدترین ٹکڑے مانگے تو تُو نے یہ لا دیئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ بُرے بن جائیں تو پھر سب سے بدتر بھی یہی ہیں۔ حضرت مجاہدؒ کا قول ہے کہ حضرت لقمان نبی نہ تھے، نیک بندے تھے، سیاہ فام غلام تھے، موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے۔

حضرت لقمانؑ کی بھلی عادتیں:

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت لقمان حکیم کسی بڑے گھرانے کے

امیر اور بہت زیادہ کنبے والے نہ تھے۔ ہاں اُن میں بہت سی بھلی عادتیں تھیں۔ وہ خوش خُلق، خاموش، غور وفکر کرنے والے گہری نظر والے، دن کو نہ سونے والے تھے۔ لوگوں کے سامنے تھوکتے نہ تھے نہ پاخانہ پیشاب اور غسل کرتے تھے لغو کاموں سے دُور رہتے تھے، ہنستے نہ تھے جو کلام کرتے تھے حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا، جس وقت ان کی اولاد فوت ہوئی یہ بالکل نہ روئے۔ وہ بادشاہوں امیروں کے پاس اس لئے جاتے تھے کہ غور وفکر اور عبرت ونصیحت حاصل کریں۔ اسی وجہ سے انہیں بزرگی ملی۔ حضرت قتادہ سے ایک عجیب اثر وارد ہے کہ حضرت لقمان کو حکمت ونبوت کے قبول کرنے میں اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت قبول فرمائی۔ راتوں رات ان پر حکمت برسادی گئی اور رگ وپے میں حکمت بھر دی گئی۔ صبح کو ان کی باتیں اور ان کی عادتیں سب حکیمانہ ہوگئیں۔ آپ سے سوال ہوا کہ آپ نے نبوت کے مقابلہ میں حکمت کیسے اختیار کی؟ تو جواب دیا کہ اگر خداتعالیٰ مجھے نبی بنادیتا تو تو اور بات تھی ممکن تھا کہ منصب نبوت کو میں نبھا جاتا۔ لیکن جب مجھے اختیار دیا گیا تو مجھے ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں نبوت کا بوجھ نہ سہار سکوں، اس لئے میں نے حکمت ہی کو پسند کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ
اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو جب اس کو سمجھانے لگا
يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ
اے بیٹے شریک نہ ٹھہرائیو اللہ کا

حضرت لقمانؑ کا بیٹا:

معلوم نہیں بیٹا مشرک تھا؟ سمجھا کر راہ راست پر لانا چاہتے تھے یا موحد تھا؟ اُسے توحید پر خوب مضبوط کرنے اور جمائے رکھنے کی غرض سے یہ وصیت فرمائی؟ (تفسیر عثمانی)

حضرت لقمانؑ کی نصیحتیں:

(۱) عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان حکیم یہ کہا کرتا تھا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی چیز ودیعت رکھی اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا ہے (رواہ احمد) لہٰذا مسلمان کو چاہیے کہ اپنا ایمان اور اسلام اللہ کے پاس ودیعت رکھ دے تاکہ وہ شیطان کی دستبرد سے محفوظ ہو جائے۔ (معارف القرآن)

(۲) قاسم بن مغیرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو ایک نصیحت یہ کی کہ اے بیٹے تقنع سے بچنا (تقنع کے معنی سر کے اوپر اس طرح چادر لپیٹنا کہ گھونگٹ کی طرح ہو جائے) اس لئے کہ تقنع سے رات میں ٹھوکر کھا جانے کا ڈر ہے اور دن میں مذمت کا ڈر ہے کہ لوگ اس ہیئت کو بُرا سمجھیں گے اور بُرا کہیں گے۔ اخرجہ ابن ابی حاتم ورجالہ ثقات ولکنہ مرسل۔

(۳) عون بن عبداللہ سے روایت ہے کہ لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تو کسی مجلس میں جائے تو ان پر اسلام کا تیر چلا یعنی ان پر سلام کر پھر ایک گوشہ میں خاموش بیٹھ جا اور ان کو دیکھتا رہ۔ پس جب وہ بولیں تو اگر ذکر الٰہی کی باتیں شروع کریں تو تو بھی ان میں حصہ لے اور اگر ادھر ادھر کی باتیں کریں تو وہاں سے نکل کر اور اٹھ کر کہیں اور چلا جا (ابن ابی حاتم) یہ تینوں روایتیں تفسیر ابن کثیر ۴۴۷ ج ۳ سے لی گئی ہیں۔

امام خلیل بن احمد کی دعاء

امام نحو یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھم اجعلنی عنک مِنْ اَرْفَعِ خلقک واجعلنی فِی نفسی مِنْ اَوْضَعِ خَلْقِکَ وعِنْدَ النَّاسِ مِنْ اَوْسَط، خَلْقِکَ۔ تفسیر ابن کثیر ص ۴۴۸ ج ۳

اے اللہ مجھ کو اپنے نزدیک بلند ترین مخلوق میں سے بنا اور میرے نفس سے مجھ کو کمتر ین مخلوق میں سے بنا کہ میں اپنے دل میں اپنے آپ کو حقیقۃً سب سے حقیر اور کمتر جانوں (نہ یہ کہ لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو ہیچ اور ناچیز کہوں) اور اے اللہ مجھ کو لوگوں کے نزدیک متوسط درجہ کی مخلوق میں سے بنا۔ آمین

خطیب شربینی نے اپنی تفسیر سراج منیر میں مختصر طریق پر بلا سند کے ان نصائح کو ذکر کیا ہے کہ جو لقمان حکیم کی طرف منسوب ہیں جو بلاشبہ خزینۂ حکمت اور گنجینۂ معرفت ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خطیب شربینی کی طرح ہم بھی ان نصائح کا ترجمہ اپنی تفسیر میں ذکر کریں۔

(۱) اے پسر اللہ کے تقویٰ کو اپنی تجارت بنا بغیر سرمایہ مال کے تجھ کو نفع حاصل ہوگا۔

(۲) اے پسر جنازوں پر حاضر ہوا کر اور شادیوں کی محفل میں مت جایا کر۔ کیونکہ جنازے تجھ کو آخرت یاد دلائیں گے اور شادی کی محفلیں تجھ کو دنیا یاد دلائیں گی کہ دنیا ایسی ہوتی ہے۔

(۳) اے پسر پیٹ بھر کر نہ کھانا۔ کتے کے سامنے ڈال دینا زیادہ کھانے سے بہتر ہے۔

(۴) اے پسر مرغ کو دیکھ کہ صبح کو اُٹھ کر اذان دیتا ہے اور تو بستر پر سویا ہوا ہوتا ہے لہٰذا مرغ سے زیادہ عاجز نہ بن۔

(۵) اے پسر توبہ میں تاخیر نہ کر کیونکہ موت اچانک آتی ہے خبر کر کے نہیں آتی۔

(۶) اے پسر تو مرد جاہل سے دوستی کرنے کی طرف راغب نہ ہو دیکھنے والا یہ سمجھے گا کہ تو بھی اسی کے عمل اور طریقہ سے راضی ہے تو تیری وجہ سے لوگ دھوکہ میں پڑیں گے۔

(۷) اے پسر اللہ سے ڈرتا رہ اور اس کے تقویٰ کو لازم پکڑ۔ مگر اس طرح رہ کہ لوگوں پر تیرا تقویٰ ظاہر نہ ہو ورنہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ شخص اللہ سے ڈرتا ہے تاکہ تیرا اکرام کریں اور حالانکہ اندر سے تیرا دل بدکار ہو۔

(۸) اے پسر خاموشی کو لازم پکڑ۔ خاموشی پر کبھی تجھ کو ندامت نہ ہوگی۔ کیونکہ تیرا کلام چاندی کا ہے تو تیری خاموشی خالص سونا ہے۔

(۹) اے پسر شر سے علیحدہ اور دور رہ۔ کیونکہ شر اور برے شر کا شیفتہ ہوتا ہے۔

(۱۰) اے پسر شدت غضب سے پرہیز کرنا۔ شدت غضب دل کو خراب کر دیتا ہے اور شدت غضب سے حکیم کے دل کا نور مٹ جاتا ہے۔

(۱۱) اے پسر علماء کی مجلس کو لازم پکڑ اور حکماء کا کلام سنا کر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نور حکمت سے مردہ دل کو زندہ کر دیتا ہے جیسے کہ مردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اور جو جھوٹ بولتا ہے اس کے چہرہ کی رونق چلی جاتی ہے اور بدخلق آدمی کو غم بہت لاحق ہو جاتا ہے اور پہاڑ سے پتھر لانا آسان ہے بہ نسبت نادان اور بے عقل کے سمجھانے کے۔

(۱۲) اے پسر کسی نادان اور بے عقل کو ایلچی بنا کر نہ بھیج اور اگر سمجھ والا دانا میسر نہ آئے تو خود چلا جا۔

(۱۳) اے پسر کسی کی باندی سے نکاح نہ کرنا کہ اپنی اولاد کو ہمیشہ کی غلامی کے غم میں ڈال دے۔

(۱۴) اے پسر لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا جس میں علم اور حلم والے کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہوگی۔

(۱۵) اے پسر وہ مجلس اختیار کر جس میں اللہ کا ذکر ہوتا ہو کیونکہ ان پر جو اللہ کی رحمت آئے گی ان میں سے تو بھی حصہ پائے گا اور اس مجلس میں نہ بیٹھنا جہاں اللہ کا ذکر نہ ہو کیونکہ اگر ان پر کوئی غضب الٰہی آیا تو تو بھی ان کے ساتھ اس میں پس جائے گا۔

(۱۶) اے پسر چاہیے کہ تیرا کھانا صرف متقی اور پرہیزگار کھائیں اور اپنے کاموں میں برے لوگوں کو اپنا کھانا نہ کھلا۔

(۱۷) اہل علم اور اہل فہم سے مشورہ کر۔

(۱۸) اے پسر دنیا بحر عمیق ہے یعنی بڑا گہرا دریا ہے جس میں بہت سے لوگ غرق ہو گئے پس اگر تو نجات چاہتا ہے تو اللہ کے تقویٰ کو اپنی کشتی بنا اور اس کو ایمان کے سامان سے بھر دے اور اللہ پر توکل اس کا لنگر بنا دے تو امید ہے کہ تو غرق ہونے سے بچ جائے گا۔

(۱۹) اے پسر میں نے بڑے بڑے پتھر اور بڑے بڑے لوہے اٹھائے ہیں مگر برے پڑوسی سے زیادہ کسی کو ثقیل اور بوجھل نہیں پایا۔

(۲۰) اور میں نے بڑی بڑی تلخیاں چکھی ہیں مگر فقیری اور محتاجی سے بڑھ کر کوئی تلخ چیز نہیں دیکھی۔

(۲۱) اے پسر علم اور حکمت نے فقراء اور مساکین کو ملوک اور سلاطین کی جگہ پر بٹھا دیا۔

(۲۲) اے پسر تو ان لوگوں میں سے نہ ہونا کہ جو بے جا تعریف کے طلبگار رہتے ہیں۔

(۲۳) اے پسر جب علم حاصل کرے تو اس پر عمل کرنے کی بھی پوری کوشش کر۔ (علم بغیر عمل کے بے نتیجہ ہے)

(۲۴) اے پسر علماء اور صلحاء کی صحبت کو لازم پکڑ اور دو زانو ان کے سامنے بیٹھا کر۔

(۲۵) اے پسر جب کسی سے دوستی کرنا مقصود ہو تو اس کا امتحان کر اور اس کو غضب ناک کرو اور دیکھو کہ وہ اس غصہ کی حالت میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کرتا ہے اگر وہ انصاف کرتا ہے تو دوستی کے لائق ہے ورنہ اس سے پرہیز کرنا۔

(۲۶) اے پسر قرضہ سے بچ قرضہ دن میں ذلت ہے اور رات میں فکر اور غم ہے۔

(۲۷) اے پسر جب سے تو دنیا میں آیا ہے تو تیری پشت دنیا کی طرف ہے اور منہ تیرا آخرت کی طرف ہے پس جس گھر کی طرف تو جا رہا ہے وہ اس گھر سے کہیں زیادہ قریب ہے جس سے تو دور ہوتا جا رہا ہے۔

(۲۸) اے پسر اپنی زبان کو اللّٰہم اغفرلی کا عادی اور خوگر بنا لے کیونکہ دن رات میں ایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں دعا رد نہیں ہوتی۔

(۲۹) اے پسر اللہ تعالیٰ سے امید لگائے رکھ مگر ایسی امید نہ رکھ کہ جو تجھ کو اس کی نافرمانی پر جری اور دلیر بنا دے اور اللہ سے ڈرتا رہ مگر وہ خوف ایسا نہ ہو کہ تجھ کو اللہ کی رحمت سے ناامید بنا دے۔

لقمان حکیم کی حکمتیں اور نصیحتیں کی تو کوئی شمار نہیں یہ چند نصائح ہیں جو تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی ص ۱۵۰ ج ۳ اور حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۲۵۵ ج ۳ سے نقل کی ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو اور ناظرین کو اس کی توفیق دے آمین یا رب العالمین۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ

بیشک شرک بڑی بے انصافی ہے

شرک سب سے بڑی ناانصافی ہے

اس سے بڑھ کر بے انصافی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق مختار کا درجہ دے دیا جائے اور اس کے نیاز و عبادت والے سر کو اپنی جیسی یا اپنے سے بھی کمتر مخلوقات بلکہ اشرف المخلوقات ہو کر خسیس ترین اشیاء کے آگے سرنگوں کر دے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ (تفسیر عثمانی)

اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا میرے پیارے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک مت قرار دینا کیونکہ شرک بڑا ظلم ہے۔

لقمان کے بیٹے کا نام انعم یا اشکم یا ثاران تھا بعض اقوال میں آیا ہے کہ لقمان کا بیٹا مشرک تھا پھر باپ کی نصیحت کی وجہ سے مؤمن ہو گیا۔

ظلم کیا ہے:

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مخصوص (مناسب) مقام کے علاوہ کسی دوسری جگہ رکھ دینا۔ خواہ اس میں کمی کر دی جائے یا بیشی یا مکان میں تغیر کر دیا جائے یا وقت بدل دیا جائے۔ ظلم کا اطلاق حق سے تجاوز کرنے پر بھی ہوتا ہے تجاوز تھوڑا ہو یا بہت اسی لئے چھوٹے گناہ کو ظلم کہہ جاتا ہے اور بڑے گناہ کو بھی اور ظاہر ہے کہ شرک (بڑا گناہ ہے اس لئے) بڑا ظلم ہے جس میں معبود ہونے کی صلاحیت نہ ہو اس کی عبادت کرنا یقیناً حق سے تجاوز عظیم ہے حقیقی منعم کو اس شخص کے ساتھ برابر قرار دینا جو منعم ہونے کی حیثیت نہیں رکھتا بڑا ظلم (اور بڑی بے جا حرکت) ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ
اور ہم نے تاکید کردی انسان کو اس کے ماں باپ کے واسطے پیٹ میں رکھا اس کو اس کی ماں
وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ
نے تھک تھک کر اور دودھ چھڑانا ہے اس کا دو برس میں کہ حق مان میرا
وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ
اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک آنا ہے

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک:

یعنی ماں کا حق باپ سے بھی زیادہ ہے۔ نو مہینوں تک اس کا بوجھ پیٹ میں اٹھائے پھری، پھر وضع حمل کے بعد دو برس تک دودھ پلایا۔ اس دوران میں نہ معلوم کیسی کیسی تکلیفیں اور سختیاں جھیل کر بچہ کی تربیت کی۔ اپنے آرام کو اس کے آرام پر قربان کیا۔ لہذا ضروری ہے کہ آدمی اولاً خدا تعالیٰ کا اور ثانیاً اپنے ماں باپ کا، خصوصاً ماں کا حق پہچانے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور ماں باپ کی خدمت واطاعت میں بقدر استطاعت مشغول رہے جہاں تک اللہ کی نافرمانی نہ ہو کیونکہ اس کا حق سب سے مقدم ہے اور اسی کے سامنے سب کو حاضر ہونا ہے۔ انسان دل میں سوچ لے کہ کیا منہ لے کر وہاں جائے گا۔

بچہ کا دودھ چھڑانے کی مدت:

(تنبیہ) دودھ چھڑانے کی مدت جو یہاں دو سال بیان ہوئی باعتبار غالب اور اکثری عادت کے ہے۔ امام ابوحنیفہؒ جو اکثر مدت ڈھائی سال بتاتے ہیں ان کے پاس کوئی اور دلیل ہوگی۔ جمہور کے نزدیک دو ہی سال ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا میرے حسن معاشرت (یعنی حسن سلوک) کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے فرمایا، تیری ماں۔ پھر تیری ماں۔ پھر تیری ماں پھر تیرا باپ اس کے بعد اقارب حسب درجہ۔ (متفق علیہ)

حضرت مغیرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے تمہارے لئے ماؤں کی نافرمانی حرام کر دی ہے۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عباس نے وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ کا ترجمہ سختی پر سختی کیا ہے۔ ضحاک نے ضعف بالائے ضعف اور مجاہد نے مشقت بر مشقت۔ جب عورت حاملہ ہو جاتی ہے تو اس پر کمزوری اور مشقت طاری ہو جاتی ہے۔ حمل کا ضعف خون چھوٹنے (وضع حمل) کا ضعف اور دودھ پلانے کا ضعف (اسی طرح ضعف پر ضعف بڑھتا جاتا ہے)۔

وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اور اس کی دودھ چھڑائی دو سالوں (کے اختتام) میں ہے۔

اس آیت سے امام شافعی امام ابو یوسف اور امام محمد نے استدلال کیا ہے کہ دودھ پلانے کی (زیادہ سے زیادہ) مدت دو سال ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ الخ کی تفسیر کے ذیل میں مسئلہ رضاعت کو مفصل بیان کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور والدین کا شکر:

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ کہ میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا۔

اس آیت کی تفسیر میں سفیان بن عیینہ نے کہا جس نے پانچوں نمازیں پڑھ لیں اس نے اللہ کا شکر ادا کر دیا۔ اور جس نے نمازوں کے بعد ماں باپ کے لئے دعائے خیر کی اس نے ماں باپ کا شکر کیا۔

اِلَيَّ الْمَصِيْرُ میری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اس فقرہ میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی یعنی میں شکر اور ناشکری دونوں کا بدلہ دوں گا۔ (تفسیر مظہری)

یمن میں حضرت معاذؓ کا پہلا خطبہ:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر بنا کر بھیجا آپ نے وہاں پہنچ کر سب سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا میں تمہاری طرف رسول اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں یہ پیغام لے کر کہ تم ایک اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، میری باتیں مانتے رہو میں تمہاری خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ سب کو لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے۔ پھر یا تو جنت مکان بنے گی یا جہنم ٹھکانا ہوگا۔ پھر وہاں سے نہ نکلنا ہو نہ موت آئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ
اور اگر وہ دونوں تجھ سے اڑیں اس بات پر کہ شریک مان میرا

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

اُس چیز کو جو تجھ کو معلوم نہیں تو ان کا کہنا مت مان

شرک وگناہ میں والدین کی فرمانبرداری ناجائز ہے:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شریک نہ مان جو تجھے معلوم نہیں یعنی شبہ میں بھی نہ مان اور یقین سمجھ کر تو کیوں مانے۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یعنی جس معبود باطل کے شریک الوہیت ہونے کا تجھے علم بھی نہ ہو اس کو اللہ کی معبودیت میں شریک بنانے پر اگر ماں باپ حکم دیں تو ان کا کہنا نہ مان۔ چہ جائیکہ ادلہ قطعیہ سے شرک کا باطل ہونا جب تجھے معلوم ہے تو ایسی حالت میں ماں باپ کا حکم نہ ماننا تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔ اللہ کا حق ہر مخلوق کے حق پر غالب ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خالق کی نافرمانی (کی صورت) میں مخلوق کا حکم ناقابل اطاعت ہے۔ رواہ احمد والحاکم عن عمران والحکیم بن عمرو الغفاری حاکم نے اس روایت کی تصحیح کی ہے صحیحین، سنن ابو داؤد اور نسائی میں ایسی ہی حدیث حضرت علی کی روایت سے آئی ہے۔

حضرت سعد بن مالک اور ان کی والدہ کا قصہ:

طبرانی کی کتاب العشرۃ میں ہے کہ حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ میں اپنی ماں کی بہت خدمت کیا کرتا تھا اور ان کا پورا اطاعت گزار تھا۔ جب مجھے خدا تعالیٰ نے اسلام کی طرف ہدایت کی تو میری والدہ مجھ پر بہت بگڑیں اور کہنے لگیں بچے! یہ نیا دین تو کہاں سے نکال لایا۔ سنو میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ اس دین سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ میں نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور یونہی بھوکی مر جاؤں گی۔ میں نے اسلام کو چھوڑا نہیں اور میری ماں نے کھانا پینا ترک کر دیا اور چوطرف سے مجھ پر آوازہ کشی ہونے لگی کہ یہ اپنی ماں کا قاتل ہے۔ میں بہت ہی دل تنگ ہوا اپنی والدہ کی خدمت میں بار بار عرض کیا، خوشامد یں کیں سمجھایا کہ خدا تعالیٰ کے لئے اپنی ضد سے باز آ جاؤ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اس سچے دین کو چھوڑ دوں۔ اسی ضد میں میری والدہ پر تین دن کا فاقہ گزر گیا اور اس کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی تو میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا میری اچھی اماں جان سنو! تم مجھے میری جان سے زیادہ عزیز ہو لیکن میرے دین سے زیادہ عزیز نہیں ہو۔ واللہ ایک نہیں تمہاری ایک سو جانیں ہوں اور اسی بھوک پیاس میں ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تو بھی میں آخری دم تک اپنے سچے دین اسلام کو نہ چھوڑوں گا پر نہ چھوڑوں گا۔ اب میری ماں مایوس ہو گئیں اور کھانا پینا شروع کر دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا

اور ساتھ دے ان کا دنیا میں دستور کے موافق

والدین سے حسن سلوک کی حدود:

یعنی دین کے خلاف ماں باپ کا کہنا نہ مان۔ ہاں دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ نیکی اور سلوک کرتا رہ۔ اسی مضمون کی آیت سورۂ عنکبوت میں گزر چکی وہاں کا فائدہ دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا اور دنیا میں ماں باپ کے ساتھ اچھے طور پر (جو عقلاً اور شرعاً پسندیدہ ہو) رہو۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ماں باپ خواہ کافر ہوں لیکن اگر صاحب احتیاج ہیں تو ان کی مالی مدد کرنی اور قرابتداری کو نہ توڑنا واجب ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ کا بیان ہے میرے پاس میری ماں آئی اس زمانہ میں وہ مشرک تھی قریش کے حلقہ میں داخل تھی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آئی ہے اور (مدد کی) خواہشمند ہے کیا میں اس کے ساتھ قرابتداری کا سلوک کر سکتی ہوں، فرمایا: ہاں اس سے قرابت کا تعلق جوڑے رکھو۔ (متفق علیہ) (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اگر والدین فریضہ خداوندی کو ترک کرنے یا فعل حرام کا ارتکاب کرنے کا حکم دیں تو ان کا کہنا ماننا ناجائز ہے۔ اللہ کے حکم کی تعمیل کے ساتھ ساتھ اس کے مخالف مخلوق کے حکم کو ماننا شرک معنوی ہے۔ ہم حدیث مبارک نقل کر چکے ہیں کہ خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کے حکم کو ماننا جائز ہے۔ ہاں والدین کے حکم کو ماننا اس وقت واجب ہے جب وہ کسی ایسے مباح کام کا حکم دیں جو خلاف عقل وشرع نہ ہو۔

اگر والدین کثرت ذکر و نوافل کو روکیں یا ضرورت سے زائد مال کمانے کا حکم دیں تو کیا ان کی بات ماننی واجب ہے؟

میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ایسے حکم کو ماننا واجب نہیں ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے والد کا واقعہ:

حاکم نے بوساطت عامر بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن زبیر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر نے فرمایا ابو قحافہ (حضرت ابوبکر کے والد) نے حضرت ابوبکر سے کہا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کمزور باندی غلاموں کو آزاد کرتے ہو اگر طاقتور غلاموں کو آزاد کرتے تو بہتر ہوتا کہ وہ تمہاری حفاظت کر سکتے، اور تمہاری طرف سے (دشمنوں سے مقابلہ میں) کھڑے ہو سکتے۔

حضرت ابوبکر نے فرمایا: بابا میں تو ثواب کا طلبگار ہوں جو اللہ کے پاس ہے اس پر آیت وَسَيُجَنَّبُهَا... الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكّٰى نازل ہوئی۔ یہ واقعہ ...

زمانہ کا ہے، جب حضرت ابوبکر نے حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیر حضرت ام عمیس اور حضرت زبیرہ وغیرہ کو (خرید کر) آزاد کیا تھا۔

حضرت ابوبکر نے چار ہزار درہم ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ہجرت کی تھی گھر والوں کے لئے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے تھے اور یہ بات باپ کی مرضی کے خلاف تھی۔ سورۂ توبہ کی آیت اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ الخ کی تفسیر میں ہم نے ہجرت کی تفصیل لکھ دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

والدین کی خدمت اور ادب ضروری ہے:

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا یعنی دین میں تو تم ان کا کہنا نہ مانو مگر دنیا کے کاموں میں مثلاً ان کی جسمانی خدمت یا مالی اخراجات وغیرہ اس میں کمی نہ ہونے دو، بلکہ دنیوی معاملات میں اس کے عام دستور کے مطابق معاملہ کرو ان کی بے ادبی نہ کرو، ان کی بات کا جواب ایسا نہ دو جس سے بلا ضرورت دل آزاری ہو، مطلب یہ ہے کہ ان کے شرک وکفر کے معاملہ میں نہ ماننے سے جو ان کی دل آزاری ہوگی وہ تو مجبوری کے لئے برداشت کرو، مگر ضرورت کو ضرورت کی حد میں رکھو، دوسرے معاملات میں ان کی دل آزاری سے پرہیز کرتے رہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ
اور راہ چل اُس کی جو رجوع ہوا میری طرف

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اتباع کرو:

یعنی پیغمبروں اور مخلص بندوں کی راہ پر چل! دین کے خلاف ماں باپ کی تقلید یا اطاعت مت کر۔ (تفسیر عثمانی)

سَبِيْلَ سے مراد دین ہے اور مَنْ اَنَابَ سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام۔ عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ سے اللہ کی مراد حضرت ابوبکرؓ کی ذات ہے، واقعہ یوں ہوا کہ جب حضرت ابوبکرؓ اسلام لے آئے تو حضرت عثمان طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم نے آ کر حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کیا آپ (مسلمان ہو گئے اور) اس شخص پر ایمان لے آئے اور اس کو سچا سمجھ لیا۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا، ہاں وہ سچے ہیں تم بھی ان پر ایمان لے آؤ پھر آپ سب کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے، یہی لوگ اسلام کے پیش رو جو حضرت ابوبکرؓ کی راہنمائی سے مسلمان ہوئے اللہ نے حضرت ابوبکرؓ ہی کے متعلق فرمایا وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ۔

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
پھر میری طرف ہے تم کو پھر آنا پھر میں بتا دوں گا تم کو جو کچھ تم کرتے تھے

یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر اولاد اور والدین سب کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کی زیادتی یا تقصیر تھی (تنبیہ) وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ سے یہاں تک حق تعالیٰ کا کلام ہے پہلے لقمان کی وصیت بیٹے کو تھی۔ اور آگے بھی يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ الخ سے اُسی وصیت کا سلسلہ ہے۔ درمیان میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ایک ضروری تنبیہ فرما دی یعنی شرک اتنی سخت قبیح چیز ہے کہ ماں باپ کے مجبور کرنے پر بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں لقمان نے بیٹے کو باپ کا حق نہ بتلایا تھا کہ اپنی غرض معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے توحید کی نصیحت سے پیچھے اور دوسری نصیحتوں سے پہلے ماں باپ کا حق فرما دیا کہ بعد اللہ کے حق کے ماں باپ کا حق ہے۔ باپ نے اللہ کا حق بتایا۔ اللہ نے باپ کا۔ باقی پیغمبر یا مرشد و ہادی کا حق بھی حق اللہ کے ذیل میں سمجھو کہ وہ اُسی کے نائب ہوتے ہیں۔ (موضح بتغییر یسیر) (تفسیر عثمانی)

يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ
اے بیٹے اگر کوئی چیز ہو برابر رائی کے دانہ کی
فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ
پھر وہ ہو کسی پتھر میں یا آسمانوں میں یا زمین میں
يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ
لا حاضر کرے اس کو اللہ بیشک اللہ جانتا ہے چھپی ہوئی چیزوں کو خبردار ہے

چھوٹے سے چھوٹا اور خفیہ سے خفیہ عمل بھی حاضر کیا جائے گا:

یعنی کوئی چیز یا کوئی خصلت اچھی یا بری اگر رائی کے دانہ کے برابر چھوٹی ہو اور فرض کرو پتھر کی کسی سخت چٹان کے اندر یا آسمانوں کی بلندی پر یا زمین کی تاریک گہرائیوں میں رکھی ہو، وہ بھی اللہ سے مخفی نہیں ہو سکتی۔ جب وقت آئے گا وہیں سے لا حاضر کرے گا۔ اس لئے آدمی کو چاہیے کہ عمل کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھے کہ ہزار پردوں میں بھی جو کام کیا جائے گا، اللہ کے سامنے ہے۔ چنانچہ نیکی یا بدی کیسی ہی چھپ کر کی جائے اُس کا اثر ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے جسے اہل نظر بے تکلف محسوس کر لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لقمان کے بیٹے کا خیال:

حضرت لقمان کے بیٹے نے حضرت لقمان سے کہا تھا اے میرے باپ! اگر میں چھپ کر کوئی گناہ کروں کہ کسی کو اطلاع نہ ہو تو اس کو خدا کیسے جان لے گا اس کے جواب میں اِنَّهَا اِنْ تَكُ الخ حضرت لقمان نے فرمایا، جس کو اللہ نے اس جگہ نقل فرما دیا۔

دانے اور پتھر سے مراد

حبۂ خردل سے مراد ہے حقیر ترین مقدار۔ پتھر یا آسمان یا زمین کے اندر ہونے سے مراد ہے پوشیدہ ترین انتہائی محفوظ مقام میں ہونا، جیسے پتھر کا جوف یا سب سے اونچی مقام آسمان یا زمین کی انتہائی پست ترین گہرائی۔

قتادہ نے کہا صخرۃ (پتھر) سے مراد ہے پہاڑ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو ساتوں زمینوں کے نیچے ہے، جس میں کافروں اور بدکاروں کے اعمال کا اندراج ہوتا ہے۔ آسمان کی نیلگونی اسی کے (عکس کی) وجہ سے ہے۔ سدی نے کہا، اللہ نے زمین کو مچھلی کے اوپر پیدا کیا یہ مچھلی وہی نون (مچھلی) ہے جو آیت نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ میں مذکور ہے۔ یہ مچھلی پانی کے اندر پتھر کی ایک چٹان کے اوپر اور چٹان ایک فرشتے کی پشت پر رکھی ہوئی ہے اور فرشتہ ایک پتھر پر قائم ہے۔ یہ وہی پتھر ہے جس کا ذکر حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرنے کے ذیل میں کیا ہے۔ یہ پتھر نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں بلکہ ہوا پر ہے۔

یَاْتِ بِھَا اللّٰہُ اللہ اس کو لا کر حاضر کر دیگا، یعنی اسکی حساب فہمی کرے گا۔

حضرت لقمانؑ پر ہیبت خداوندی کا غلبہ:

بغوی نے لکھا ہے بعض کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت لقمان کے یہ آخری الفاظ تھے، اس جملہ کے زبان سے نکلتے ہی ان پر ایسی دہشت اور ہیبت طاری ہوئی کہ پتہ پھٹ گیا۔ (تفسیر مظہری)

یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ
اے بیٹے قائم رکھ نماز اور سکھلا بھلی بات
وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ
اور منع کر برائی سے

امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

یعنی خود اللہ کی توحید اور بندگی پر قائم ہو کر دوسروں کو بھی نصیحت کر کہ بھلی بات سیکھیں اور برائی سے رکیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ
اور سہار جو تجھ پر پڑے بیشک یہ ہیں
مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ
ہمت کے کام

دعوت حق کی مشکلات کو برداشت کرو:

یعنی دنیا میں جو سختیاں پیش آئیں جن کا پیش آنا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں اغلب ہے اُن کو تحمل اور اولوالعزمی سے برداشت کر۔ شدائد سے گھبرا کر ہمت ہار دینا حوصلہ مند بہادروں کا کام نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صبر و استقامت کی اہمیت:

اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ بلاشبہ یہ (ثبات وصبر) فرائض میں سے ہے یعنی ان امور میں سے ہے جو اللہ نے فرض کر دیئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا خَیْرُ الامور عوازمہا یعنی بہترین امور وہ ہیں جن کا کرنا اللہ نے فرض کر دیا ہے۔

لغت میں عزم کے معنی ہے، کسی کام کو کرنے کا اٹل ارادہ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّکَ لِلنَّاسِ
اور اپنے گال مت پھلا لوگوں کی طرف

تکبر و بد خلقی نہ کرو:

یعنی غرور سے مت دیکھ اور لوگوں کو حقیر سمجھ کر متکبروں کی طرح بات نہ کر۔ بلکہ خندہ پیشانی سے مل۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بد خلقی سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ اچھے اخلاق سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ بداخلاقیاں نیک اعمال کو غارت کر دیتی ہیں جیسے شہد کو سرکہ خراب کر دیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں غلام خریدنے سے غلام نہیں بڑھتے لیکن خوش اخلاقی سے لوگ بہت سے گرویدہ اور فدائی ہو سکتے ہیں۔ امام محمد بن سیرین کا قول ہے کہ اچھا خُلق دین کی مدد ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی شان:

امام مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ایک دن حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دربارداری میں اُس وقت دو لاکھ انسان تھے اور دو لاکھ جن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان تک پہنچایا گیا۔ یہاں تک کہ فرشتوں کی تسبیح کی آواز کان میں آنے لگی اور پھر زمین تک لایا گیا یہاں تک کہ سمندر کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بھیگ گئے۔ پھر ہاتف غیب نے ندا دی کہ اگر اس کے دل میں ایک دانے کے برابر بھی تکبر ہوتا تو جتنا اُونچا گیا تھا اس سے زیادہ نیچے دھنسا دیا جاتا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطبہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خطبے میں انسان کی پیدائش کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ دو شخصوں کی پیشاب گاہ سے نکلتا ہے اس

طرح اسے بیان فرمایا کہ سننے والے گھن کرنے لگے۔

حضرت حسنؓ کا مقولہ:

حضرت حسن کا مقولہ ہے وہ انسان جو ہر دن میں دو مرتبہ اپنا پاخانہ اپنے ہاتھ سے دھوتا ہے وہ کس بنا پر تکبر کرتا ہے اور اس کا وصف اپنے میں پیدا کرنا چاہتا ہے جس نے دونوں کو پیدا کیا ہے اور اپنے قبضے میں رکھا ہے۔ ضحاکؒ بن سفیان سے دنیا کی مثال اس چیز سے بھی دینا مروی ہے جو انسان سے نکلتی ہے۔

تکبر عقل کا دشمن:

امام محمد بن حسین بن علی فرماتے ہیں جس دل میں جتنا تکبر اور گھمنڈ ہوتا ہے اتنی ہی عقل اس کی کم ہو جاتی ہے۔

تکبر و نفاق کا علاج:

یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں کہ سجدہ کرنے کے ساتھ تکبر اور توحید کے ساتھ نفاق نہیں ہوا کرتا۔

حضرت طاؤسؒ کا حضرت عمر بن عبدالعزیز کو عار دلانا:

بنی امیہ عار کر اپنی اولاد کو اکڑ کر چلنا سکھاتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو آپ کی خلافت سے پہلے ایک مرتبہ اٹھلاتی ہوئی چال چلتی ہوئی دیکھ کر حضرت طاؤس نے ان کے پہلو میں ایک چوکا مارا اور فرمایا یہ چال اس کی جس کے پیٹ میں پاخانہ بھرا ہوا ہے! حضرت عمرؒ بہت شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے معاف فرمایئے ہمیں مار مار کر اس چال کی عادت ڈلوائی گئی ہے۔

متکبر کو اللہ نہیں دیکھے گا:

فخر و گھمنڈ کی مذمت کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص فخر و غرور سے اپنا کپڑا نیچے لٹکا کر گھسیٹے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَمْشِ	فِي الْأَرْضِ	مَرَحًا	إِنَّ اللَّهَ
اور مت چل	زمین پر	اتراتا	بیشک اللہ کو

لَا يُحِبُّ	كُلَّ	مُخْتَالٍ	فَخُورٍ
نہیں بھاتا	کوئی	اتراتا	بڑائیاں کرنے والا

یعنی اترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی کچھ عزت نہیں بڑھتی بلکہ ذلیل و حقیر ہوتا ہے۔ سامنے نہیں تو پیچھے لوگ بُرا کہتے ہیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا رونا:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت معاذؓ کو قبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے دیکھ کر دریافت فرمایا۔ تو جواب دیا کہ صاحب قبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث میں نے سنی ہے جسے یاد کر کے رو رہا ہوں۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا، فرماتے تھے تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں دوست رکھتا ہے جو متقی ہیں، جو لوگوں میں چھپے چھپائے ہیں جو کسی گنتی میں نہیں آتے۔ اگر وہ کسی مجمع میں نہ ہوں تو کوئی ان کا پرسان حال نہیں اگر آ جائیں تو کوئی آؤ بھگت نہیں لیکن ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں وہ ہر ایک غبار آلود اندھیرے سے بچ کر نور حاصل کر لیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ میلے کچیلے کپڑوں والے جو ذلیل گنے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے مقرب ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ پوری کر دے گو انہیں خدا تعالیٰ نے دنیا نہیں دی لیکن اگر ان کی زبان سے پوری جنت کا سوال بھی نکل جائے تو اللہ تعالیٰ پورا کر لیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری اُمت میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر آ کر وہ لوگ ایک دینار (اشرفی) ایک درہم (روپیہ) بلکہ ایک فلوس (پیسہ) بھی مانگیں تو تم نہ دو لیکن خدا تعالیٰ کے وہ ایسے پیارے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ سے جنت کی جنت مانگیں تو پروردگار دیدے، ہاں دُنیا نہ تو انہیں دیتا ہے نہ روکتا ہے اس لئے کہ یہ کوئی قدر کے قابل چیز نہیں۔ یہ میلی کچیلی دو چادروں میں رہتے ہیں اگر کسی موقعہ پر قسم کھا بیٹھیں تو جو قسم انہوں نے کھائی ہو خدا تعالیٰ پوری اُتارتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تصنع سے بچو:

آپ کا یہ قول بھی مروی ہے کہ تصنع سے بچ یہ رات کے وقت ڈراونی چیز ہے اور دن کو مذمت و بُرائی والی چیز ہے۔

حضرت لقمان کی کچھ اور نصیحتیں:

آپ نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا تھا کہ حکمت سے مسکین لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں۔ آپ کا فرمان ہے کہ جب کسی مجلس میں پہنچو پہلے اسلامی طریق کے مطابق سلام کرو پھر مجلس کے ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دوسرے نہ بولیں تو تم بھی خاموش رہو۔ اگر وہ لوگ ذکر اللہ کریں تو تم اُن میں سب سے زیادہ حصہ لینے کی کوشش کرو اور اگر گپ شپ شروع کر دیں تو تم اُس مجلس کو چھوڑ دو۔ مروی ہے کہ آپ اپنے بچے کو نصیحت کرنے کے لئے جب بیٹھے تو رائی کی بھری ہوئی ایک تھیلی اپنے پاس رکھ لی تھی اور ہر ہر نصیحت کے بعد ایک دانہ اُس میں سے نکال لیتے یہاں تک کہ تھیلی خالی ہو گئی، تو آپ نے فرمایا بچے اگر اتنی نصیحت کسی پہاڑ کو کرتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ چنانچہ آپ کے صاحبزادے کا بھی یہی حال ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ		
اور چل بیچ کی چال	اور نیچی کر	آواز اپنی
اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾		
بیشک بُری سے بُری	آواز	گدھے کی آواز ہے

میانہ روی اختیار کرو:

یعنی تواضع، متانت اور میانہ روی کی چال اختیار کر، بے ضرورت مت بول، کلام کرتے وقت حد سے زیادہ نہ چلا۔ اگر اونچی آواز سے بولنا ہی کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو، وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے مگر کس قدر کریہ و کرخت ہوتی ہے۔ بہت زور سے بولنے میں بسا اوقات آدمی کی آواز بھی ایسی ہی بے ڈھنگی اور بے سُری ہو جاتی ہے۔ (ربط) لقمان کا کلام یہاں تک تمام ہوا۔ آگے پھر اصل مضمون کی طرف عود کیا گیا ہے یعنی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال اور احسان و انعام یاد دلا کر توحید وغیرہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ اور اپنی چال درمیانی رکھو یعنی نہ رینگتے چلو کہ یہ غرور کی علامت ہے اور اہل غرور کی چال ہے۔ نہ بہت لپک کر چلو کہ یہ چھچھوروں کی چال ہے۔ وقار کو زائل کرتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سرعت رفتار مؤمن کے وقار کو زائل کر دیتی ہے۔ اخرجہ ابن عدی وابونعیم فی الحلیۃ عن ابی ہریرۃ واخرجہ ابن عدی من حدیث ابی سعید وابن عمر۔

جس تیز رفتاری کی ممانعت کی گئی ہے اس سے مراد وہ سرعت رفتار ہے جو طبعی چال سے بڑھ کر کوشش کر کے اختیار کی جائے۔ معمولی تیزی رفتار، جس کی عادت ہو وہ تو مستحب ہے۔ ابن سعد نے حضرت یزید بن مرثد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چلتے تھے تو اتنی تیزی سے چلتے تھے کہ آپ کے پیچھے لپکنے والا آپ تک پہنچ نہ سکتا تھا۔ طبرانی اور بیہقی نے حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وقار کو (چال میں) قائم رکھو اور جنازے لے جانے میں میانہ روی کو اختیار کرو۔ صحاح ستہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جنازے کو تیز لے جاؤ کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو تم اس کو پہلے پہنچا دو گے اور اگر بد ہے تو اپنے کندھوں سے (جلد) اتار دو گے۔ ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتار کی تیزی حسب عادت قبیح نہیں ہے اور قصد سے مراد تیزی رفتار ہی ہے جو دوڑ سے کم درجہ کی ہو۔

اُونچی آواز سے پرہیز:

اغضض کا ترجمہ کیا ہے پست رکھ۔ یعنی گدھوں کی آواز بہت ہی مکروہ ہوتی ہے بالکل پھٹی ہوئی۔ دوزخیوں کی آواز بھی گدھوں کی طرح ہوگی ابتداء میں زفیر اور اختتام میں شہیق۔ (سینہ کے اندر ہی اندر گڑگڑ کی آواز)

سفیان ثوری نے آیت مذکورہ کی تشریح میں کہا اس سے مراد چھینک کی دہشت ناک قبیح آواز ہے۔ وہب نے کہا لقمان نے اپنے کلام میں حکمت کے بارہ ہزار دروازے کھول دیئے (یعنی بارہ ہزار پُرحکمت مقولے لقمان کے ہیں) جن کو لوگوں نے اپنے کلام اور معاملات میں شامل کر لیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

یعنی چوپاؤں میں سب سے زیادہ مکروہ آواز گدھے کی ہے، جو بہت شور کرتا ہے۔

آدابِ معاشرت:

یہاں آدابِ معاشرت میں چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں، اول لوگوں سے گفتگو اور ملاقات میں متکبرانہ انداز سے رُخ پھیر کر بات کرنے کی ممانعت، دوسرے زمین پر اترا کر چلنے کی ممانعت تیسرے درمیانی چال چلنے کی ہدایت، چوتھے، بہت زور سے شور مچا کر۔ بولنے کی ممانعت۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق واوصاف مبارک:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات وشمائل میں یہ سب چیزیں جمع تھیں، شمائل ترمذی میں حضرت حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد علی مرتضیٰؓ سے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو آپس میں آپ کا کیا طرز ہوتا تھا؟ انہوں نے فرمایا

''کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خوش وخرم معلوم ہوتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق میں نرمی اور برتاؤ میں سہولت مندی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت سخت نہ تھی بات بھی درشت نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ شور مچانے والے تھے نہ فحش گو تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے، نہ بخل کرتے تھے، جو چیز دل کو نہ بھاتی اس کی جانب سے غفلت برتتے تھے (مگر) دوسرے کو اس کی طرف سے ناامید بھی نہ کرتے تھے، (اگر حلال ہو اور اس کی رغبت ہو) اور جو چیز اپنی مرغوب نہ ہو دوسرے کے حق میں اس کی کاٹ نہ کرتے تھے، (بلکہ خاموشی اختیار فرماتے تھے) تین چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل چھوڑ رکھی تھیں۔
(۱) جھگڑنا (۲) تکبر کرنا (۳) جو چیز کام کی نہ ہو اس میں مشغول ہونا''

یہود ونصاریٰ کی بے راہ روی:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کو یہود کی طرح دوڑنے سے بھی منع کیا جاتا تھا، اور نصاریٰ کی طرح بہت آہستہ چلنے سے بھی، اور حکم یہ تھا کہ ان دونوں چالوں کی درمیانی چال اختیار کرو۔

حضرت عمرؓ کی رفتار:

حضرت عائشہؓ نے کسی شخص کو بہت آہستہ چلتے دیکھا جیسے ابھی مر جائے گا تو لوگوں سے پوچھا کہ یہ ایسے کیوں چلتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ قراء میں سے ہے، قراء قاری کی جمع ہے، اس زمانے میں قاری اس کو بھی کہا جاتا تھا جو تلاوت قرآن کی صحت کے ساتھ قرآن کا عالم بھی ہو، مطلب یہ تھا کہ یہ کوئی بڑا قاری عالم ہے، اس لئے ایسا چلتا ہے، اس پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ عمر بن خطاب اس سے زیادہ قاری تھے، مگر ان کی عادت یہ تھی کہ جب چلتے تو تیز چلتے تھے (مراد وہ تیزی نہیں جس کی ممانعت اوپر آئی ہے بلکہ اس کے بالمقابل تیزی ہے) اور جب وہ کلام کرتے تھے تو اس طرح کہ لوگ اچھی طرح سن لیں (ایسی پست آواز نہ ہوتی تھی کہ سننے والوں کو پوچھنا پڑے کہ کیا فرمایا)۔ (معارف مفتی اعظم)

گدھے کی آواز کی قباحتیں:

سفیان ثوری فرماتے ہیں حیوانات میں گدھے کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ہر حیوان کی آواز اللہ کی تسبیح ہے، مگر گدھے کی آواز شیطان کے دیکھنے کے سبب سے ہوتی ہے اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ جب گدھے کی آواز سنو تو اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو۔ اس لئے کہ گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے (اس سے اوپر کی بات) اور بعض بزرگوں نے ... [illegible] ... جو آواز بہیمیت اور سبعیت کے سبب پیدا ہوگی وہ سب آوازوں سے بدتر ہوں۔ اور اسی وجہ سے حدیث میں گدھے کے نماز کے سامنے سے گزرنے کو قطع صلاۃ قرار دیا ہے نیز قرآن کریم میں جہنمیوں کے چیخنے اور چلانے کے متعلق یہ آیا ہے لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ آیا ہے اور زفیر اور شہیق لغت میں گدھے کی باریک آواز اور بلند آواز کو کہتے ہیں اسی سبب سے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ کا ترجمہ کیا ہے۔

ایشاں را آنجا مانند زیرہ بم خر باشد (معارف کاندھلوی)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ
تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان
وَمَا فِى الْاَرْضِ
اور جو کچھ ہے زمین میں

تسخیر کائنات:

یعنی آسمان و زمین کی کل مخلوق تمہارے کام میں لگا دی ہے پھر تم اس کے کام میں کیوں نہیں لگتے۔ (تفسیر عثمانی)

سورج کا سجدہ:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ جا کر خدا تعالیٰ کے عرش کے نیچے سجدے میں گر پڑتا ہے اور اپنے رب تعالیٰ سے اجازت چاہتا ہے قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں کو لوٹ جا۔

ابن عباسؓ کا قول ہے کہ سورج بمنزلہ ساقیہ کے ہے۔ دن کو اپنے دوران میں جاری رہتا ہے غروب ہو کر رات کو پھر زمین کے نیچے گردش میں رہتا ہے یہاں تک کہ اپنی مشرق سے ہی طلوع ہو۔ اسی طرح چاند بھی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً		
اور پوری کر دیں تم پر اپنی نعمتیں	کھلی	اور چھپی

ظاہر اور باطنی نعمتیں:

کھلی نعمتیں وہ جو حواس سے مدرک ہوں یا بے تکلف سمجھ میں آ جائیں چھپی وہ جو عقلی غور و فکر سے دریافت کی جائیں۔ یا ظاہر سے مادی و حسی اور باطن سے روحانی و معنوی نعمتیں مراد ہوں۔ پیغمبر بھیجنا، کتاب اتارنا، نیکی کی توفیق دینا، سب باطنی نعمتیں ہوں گی۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

ظاہری نعمتوں سے مراد ہیں محسوس نعمتیں خوبصورتی اعضاء کی درستی رزق، عافیت اور دوسری دنیوی نعمتیں۔ ان کے علاوہ دشمنوں پر غلبہ، اسلام، رسول، قرآن، ضوابط شریعت کا ثقیل نہ ہونا، اتباع رسول کی توفیق، اسلام کا غلبہ وغیرہ یہ سب بھی ظاہری نعمتوں میں شامل ہیں۔

باطنی نعمتوں سے مراد ہے دل، عقل، باطنی حواس، حسن اخلاق، اعتقاد حق، دل میں صحیح اعتقاد ڈال دینا، گناہوں کی فوری پکڑ نہ ہونا، ملائکہ کے ذریعہ سے مدد پہنچانا، معرفت الٰہی کا نور اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت، رسول کی شفاعت، وغیرہ۔ (تفسیر مظہری)

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً اسباغ کے معنی مکمل کرنے کے ہیں معنی یہ ہیں کہ مکمل کر دیا اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی ظاہری نعمتوں کو اور باطنی نعمتوں کو، ظاہری نعمتوں سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو انسان اپنے حواس خمسہ سے محسوس اور معلوم کر لیتا ہے، مثلاً حسن صورت اعضاء انسانی کا اعتدال اور ہر عضو کو ایسا متناسب بنانا جو انسان کے عمل میں زیادہ سے زیادہ معین بھی ہو اور اس کی شکل و صورت کو بھی نہ بگاڑے، اسی طرح رزق مال و دولت، اسباب معیشت، تندرستی اور عافیت یہ سب ظاہری نعمتیں اور محسوس نعمتیں ہیں، اسی طرح دین اسلام کو سہل

[illegible] اور باطنی نعمتیں وہ ہیں [illegible] متعلق ہوں جیسے ایمان اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور [illegible]

[illegible]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

[illegible]

وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ

[illegible]

بے سند جھگڑے:

[illegible] میں جھگڑتے ہیں [illegible] بے سند جھگڑتے ہیں [illegible] محض باپ دادوں کی اندھی تقلید ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں [illegible]

[illegible]

وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ

اور جب ان کو کہیے چلو اس حکم پر جو اتارا اللہ نے کہیں نہیں ہم تو [illegible]

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ

[illegible]

يَدْعُوْهُمْ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ

[illegible]

اندھی تقلید [illegible] شیطان [illegible] باپ دادوں [illegible] پیچھے چلو [illegible]

[illegible]

اتباع کی قسمیں:

[illegible] اتباع کی [illegible] صورتیں ہیں۔ ایک [illegible] کتاب الٰہی کا اتباع کرے اور جو شخص خود عالم نہ ہو اور نہ وہ عربی زبان جانتا ہو تو وہ اہل علم سے پوچھ کر حکم خداوندی کا اتباع کرے کہ حق تعالیٰ فَسْئَلُوْٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور یہ اتباع درحقیقت اس عالم کا اتباع نہیں بلکہ درحقیقت اللہ اور اس کے رسول کا اتباع ہے [illegible] یعنی مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ کا اتباع ہے لیکن باخبر ہے یعنی خود نہیں [illegible] شریعت کے ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی [illegible] اللہ اور اس کے رسول [illegible] نے ابوحنیفہ اور شافعی کو اپنا رب قرار نہیں [illegible] اِتَّخَذُوْٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کے مصداق ہیں۔ منکرین تقلید کا عجب حال ہے کہ تقلید کے معنی تو سمجھتے نہیں اور بے سوچے سمجھے [illegible] آیت مقلدین پر چسپاں [illegible] جہاں [illegible] اور [illegible] صحیح [illegible] حسن [illegible] غریب [illegible] تقلید [illegible] منکرین تقلید [illegible]

[illegible]

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

[illegible]

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى

[illegible]

مضبوط حلقہ [illegible] اپنے آپ

کو اللہ کے سپرد کر دیا، سمجھو کہ اس نے بڑا مضبوط حلقہ ہاتھ میں تھام لیا ہے جب تک یہ نہ چھوڑے رہے گا، گرنے یا چوٹ کھانے کا کوئی اندیشہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُ یعنی جو اپنی توجہ اللہ کی طرف کر دے اور کامل طور پر ہمہ تن اللہ کا ہو جائے اپنے تمام کام اللہ کے سپرد کر دے ہر کام کو کرنے یا نہ کرنے میں اللہ کی خوشنودی کا حصول اس کے پیش نظر ہو۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ اور اپنے تمام اعمال میں مخلص ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! احسان (اعمال کی خوبی) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا (عبادت کے وقت وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور) تم اس کو دیکھ رہے ہو یعنی کامل حضور قلب کے ساتھ۔

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ یعنی اس نے مضبوط ترین قبضہ پکڑ لیا اور ایسا محکم؛ رسیوں کی رفت میں ہے یا جس کے ٹوٹنے کا احتمال بھی نہ ہو۔ یہ نہایت لطیف تشبیہ ہے متوکل شخص سے تشبیہ دی ہے جس نے کوئی مضبوط قبضہ پکڑ رکھا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ
اور اللہ کی طرف ہے آخر ہر کام کا

یعنی جس نے یہ کڑا مضبوط تھام رکھا وہ آخر اس کے سہارے سے اللہ تک پہنچ جائے گا اور خدا اس کا انجام درست کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَن كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ ۚ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ
اور جو کوئی منکر ہوا تو تو غم نہ کھا اس کے انکار سے ہماری طرف پھر آنا ہے ان کو
فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ
پھر ہم جتلا دیں گے ان کو جو انہوں نے کیا ہے بے شک اللہ جانتا ہے جو بات ہے دلوں میں

کسی کی تکذیب کی پرواہ نہ کرو:

یعنی تم اپنا علاقہ خدا تعالیٰ سے جوڑے رکھو، کسی کے انکار و تکذیب کی پروا نہ کرو۔ منکرین کو بھی آخر ہمارے ہاں آنا ہے۔ اس وقت سب کیا دھرا سامنے آ جائے گا۔ کسی مجرم کا اللہ سے چھپا نہیں رہ سکتا وہ دلوں تک کے راز جانتا ہے۔ سب کھول کر رکھ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ
کام چلا دیں گے ہم ان کا تھوڑے دنوں پھر پکڑ بلائیں گے ان کو گاڑھے عذاب میں

تھوڑے دن کی مہلت ہے:

یعنی تھوڑے دن کا عیش اور بے فکری ہے۔ مہلت ختم ہونے پر سخت سزا کے نیچے کھنچے چلے آئیں گے۔ مجال ہے کہ چھوٹ کر بھاگ جائیں؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
اور اگر تو پوچھے ان سے کس نے بنائے آسمان اور زمین
لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ
تو کہیں اللہ نے تو کہہ سب خوبی اللہ کو ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے

اللہ تعالیٰ تمام صفت وقدرت کا مالک ہے:

یعنی الحمدللہ اتنا تو زبان سے اعتراف کرتے ہو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنا بجز اللہ کے کسی کا کام نہیں، پھر اب کون سی خوبی رہ گئی جو اس کی ذات میں نہ ہو۔ کیا ان چیزوں کا پیدا کرنا اور ایک خاص محکم نظام پر چلانا بدون اعلیٰ درجہ کے علم، حکمت اور زور قدرت کے ممکن ہے؟ محض "خلق السموات والارض" میں تمام صفات تسلیم کرنی پڑیں گی۔ اور یہ بھی اس کی قدرت کا ایک نمونہ ہے کہ تم جیسے منکرین سے اپنی عظمت وقدرت کا اقرار کراتا ہے۔ جس کے بعد تم ملزم ٹھہرتے ہو۔ جب تمہارے نزدیک خالق تنہا وہ ہے تو معبود اور مستقل حاکم کوئی دوسرا کیونکر بن سکتا ہے۔ یہ بات تو صاف ہے پر بہت لوگ نہیں سمجھتے اور یہاں تک پہنچ کر اٹک جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّ اللَّهَ
اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں بیشک اللہ
هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ
وہی ہے بے پروا سب خوبیوں والا

ہر چیز کا خالق و مالک اللہ ہے:

یعنی جس طرح آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ ہے ایسے ہی آسمان و زمین میں جو چیزیں موجود ہیں سب بدون شرکت غیرے اسی کی مخلوق و مملوک اور اسی کی طرف محتاج ہیں۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ یعنی وجود و توابع وجود میں، ہمہ صفت [illegible] نہ اس کی ذات ہے۔ [illegible] کسی سے مستغنی نہیں۔ وہ بذات سب عزتوں اور خوبیوں کا مالک ہے۔ پھر اسے کسی کی کیا پروا ہوتی؟ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ
اور اگر جتنے درخت ہیں زمین میں قلم ہوں اور سمندر ہو اس کی سیاہی
مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ
اس کے پیچھے ہوں سات سمندر نہ تمام ہوں باتیں اللہ کی

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

[illegible]

اللہ کی صفات ختم ہونے والی نہیں ہیں

[illegible] اللہ کی معلومات ہی کا سرانجام کیونکر ہو۔ اللّٰهم [illegible] علیک انت کما اثنیت علی نفسک (تفسیر مظہری)

[illegible] قلم ہو جائیں اور (مفہوم) [illegible] معلومات لکھی جائیں تو قلم ختم ہو جائیں گے [illegible] ہو جائے گی مگر) اللہ کے کلمات و معلومات ختم نہیں ہوں گے۔

[illegible]

کلمات [illegible] معلومات (غیر متناہی ہیں [illegible])

[illegible] (اس کے علم و حکمت کے دائرے سے کوئی چیز باہر نہیں۔

شانِ نزول:

[illegible] اہلِ کتاب نے کہا آپ کا ہمارے متعلق یہ خیال ہے کہ ہم کو قلیل [illegible]

[illegible] یہودیوں نے قریش [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق دریافت [illegible] نہیں چھوڑ [illegible]

[illegible] (قرآن مجید) [illegible] ولو ان ما فی الارض من شجرۃ [illegible] نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی نعمتوں اور تصرفات کی ایک مثال:

[illegible] اپنے معلومات اور اپنی قدرت کے تصرفات [illegible] غیر متناہی ہیں [illegible] سب ادا ہو سکتے ہیں نہ کسی قلم سے سب کو لکھا جا سکتا ہے [illegible] فرمائی کہ ساری زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان کی سب شاخوں کے قلم بن جائیں اور ان کے لکھنے کے لیے سمندر کو روشنائی بنا دیا جائے اور یہ سب قلم حق تعالیٰ کی معلومات اور تصرفات قدرت کو لکھنا شروع کریں تو سمندر ختم ہو جائے گا اور معلومات و تصرفات ختم نہ ہوں گے۔ اور ایک سمندر نہیں اس جیسے سات [illegible] سمندر ختم ہو جائیں [illegible] کلمات ختم نہ ہوں گے۔ کلمات اللہ سے مراد اس کے علم و حکمت کے کلمات ہیں (تفسیر مظہری) اور شیون قدرت و نعمائے الہیہ بھی اس میں داخل ہیں [illegible] سات سمندر سے مطلب یہ نہیں کہ [illegible] سات سمندر [illegible] کلمات اللہ [illegible] ہیں نہیں [illegible]

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ

تم سب کا بنانا اور مرے پیچھے جلانا [illegible]

اللہ تعالیٰ کیلئے تخلیق کی آسانی

[illegible] "کن" [illegible] سے جو چاہے کر ڈالے اور لفظ "کن" [illegible] پر بھی موقوف نہیں [illegible] سمجھانے کا ایک عنوان ہے بس اُدھر ارادہ ہوا اِدھر وہ چیز موجود۔ (تفسیر عثمانی)

[illegible] پیدا کرنا اور پھر دوبارہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے ایک [illegible] قدرت سے جب اس کا ارادہ [illegible] اور اٹھانے کے لیے بس یہی کافی ہے [illegible] نہیں کہ ایک کام میں مشغول ہونے کے وقت دوسرے کام سے غافل ہو۔

جائے آن کی آن میں جس طرح ایک کی تخلیق اس کے ارادے سے ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک پل میں سب کی تخلیق بھی اس کے ارادے سے ہو سکتی ہے وہ ہر سنی جانے والی آواز کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے ایک شے کی شنوائی اور بینائی کسی دوسری چیز کی شنوائی و بینائی سے مانع نہیں ہوسکتی۔

یہ سمیع بصیر دونوں صفتیں جو قیامت کا ... کرتے ہیں بندوں کے ... اقوال وسننے والا اور ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ

بیشک اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے

بے مثال صفاتِ الٰہی:

یعنی جس طرح ایک آواز کا سننا اور بیک وقت تمام جہان کی آوازوں کا سننا، یا ایک چیز کا دیکھنا اور بیک وقت تمام جہان کی چیزوں کو دیکھنا، اس کے لئے برابر ہے۔ ایسے ہی ایک آدمی کا مارنا، جلانا اور سارے جہان کا مارنا جلانا اس کی قدرت کے سامنے یکساں ہے پھر دوبارہ جلانے کے بعد بیک وقت تمام اولین و آخرین کے اگلے پچھلے اعمال کا رتی رتی حساب چکا دینے میں بھی اسے کوئی دقت نہیں ہوسکتی کیونکہ، ہمارے تمام اقوال کو سنتا اور تمام افعال کو دیکھتا ہے۔ کوئی چھپی کھلی بات وہاں پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَيُوْلِجُ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے رات دن میں اور داخل کرتا ہے

النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِىْٓ

دن کو رات میں اور کام میں لگا دیا ہے سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

ایک مقرر وقت تک

پابندیٔ وقت: مقرر وقت سے قیامت مراد ہے یا چاند سورج میں سے ہر ایک کا دورہ، کیونکہ ایک دورہ پورا ہونے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے چلنا شروع کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ

اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے اس کی جو تم کرتے ہو

اللہ تعالیٰ کا علم محیط:

یعنی جو قوت رات کو دن اور دن کو رات کرتی اور چاند سورج جیسے عظیم الشان کرّوں کو ایک ضابطہ کے ماتحت پابند کر کے چلا رہی ہے، کیا اس سے تمہارا کوئی عمل مخفی رہ سکتا ہے۔ بالکل نہیں۔

ظاہر و باطنی صورتوں میں اس کے علم میں ہے۔ اسے تمہارا مرنے کے پیچھے زندہ کرنا کیا مشکل ہوگا۔ اور جب ہر ایک چھوٹے بڑے عمل سے پوری طرح باخبر ہے تو حساب کتاب میں کیا دشواری ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ

یہ اس واسطے کہ اللہ وہی ہے ٹھیک اور جس کو پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ

اس کے سوائے وہی جھوٹ ہے

اللہ کی صفات کے ذکر کا مقصد:

یعنی حق تعالیٰ کی یہ شانِ عظیمہ اور صفت قاہرہ اس لئے ذکر کی گئیں کہ سننے والے سمجھ لیں کہ ایک خدا ماننا اور صرف اس کی عبادت کرنا ہی ٹھیک راستہ ہے۔ اس کے خلاف جو کچھ ہے سب ہیچ ہے باطل اور جھوٹ ہے۔ یا یہ مطلب ہو کہ اللہ تعالیٰ کا موجود بالذات اور واجب الوجود ہونا جو "بان اللہ هو الحق" سے سمجھ میں آتا ہے اسی کو مستلزم ہے کہ ... بالذات ہو ... یہی شانِ خداوندی ہے یہی شان اور صفات ثابت ہوں گی ... سے یہ شان و صفات ثابت ہوں وہی معبود بننے کا مستحق ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ

اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا

سو اللہ ہی کی تعظیم حقیقی و تذلل (جس کا نام عبادت ہے) اسی کے شایان ہوسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ

تو نے نہ دیکھا کہ جہاز چلتے ہیں سمندر میں

بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ

اللہ کی نعمت لے کر تاکہ دکھلائے تم کو اپنی قدرتیں

بحری جہاز: یعنی جہاز بھاری بھاری سامان اٹھا کر خدا کی قدرت اور فضل و رحمت سے کس طرح سمندر میں دوڑتے پھرتے ہیں، تاکہ خدا کی قدرت کے نشان دیکھ لو۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ

البتہ اس میں نشانیاں ہیں ہر ایک تحمل کرنے والے احسان ماننے والے کے واسطے

صبر و شکر کا موقع: یعنی اس بحری سفر کے احوال و حوادث میں غور کرنا

سان سے صبر و شکر کے موقع بہم پہنچتا ہے۔ جب طوفان اٹھتا ہے اور جہاز پانی کے تھپیڑوں میں گھرا ہوا اس وقت بڑے صبر و تحمل کا کام ہے اور جب بعد طوفان کشمکش موت و حیات سے نجات ملی تو ضروری ہے کہ اس کا احسان مانے۔ (تفسیر عثمانی)

صبر و شکر والے لوگ:

صبار سے وہ شخص مراد ہے جو آفاق اور انفس (یعنی اندرونی و بیرونی اپنی ذات اور سارے جہان) کا گہرا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سلسلے میں تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ اور شکور وہ شخص جو اللہ کی نعمتوں کو پہچانتا ہو نعمتیں ملنے پر وہ شکر ادا کرتا ہے۔ یہ صبار و شکور سے مراد ہیں اہل ایمان بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے دو نصف ہیں، آدھا ایمان صبر میں ہے اور آدھا شکر میں۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان، یعنی مومن سختی میں صبر کرتا ہے اور راحت میں شکر کرتا ہے (اور انسان کی زندگی دکھ اور سکھ کا ہی نام ہے)۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ
اور جب سر پر آ پڑے ان کے موج جیسے بادل پکارنے لگیں اللہ کو
مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ
خالص کر کر اس کے لیے بندگی

سمندر کی موجوں میں مشرک بھی اللہ کو پکارتا ہے:

اوپر دلائل و شواہد سے سمجھایا تھا کہ ایک اللہ ہی کا ماننا ٹھیک ہے اس کے خلاف سب باتیں جھوٹی ہیں۔ یہاں بتلایا کہ طوفانی موجوں میں گھر کر سخت سے سخت مشرک بھی بڑی عقیدتمندی اور اخلاص کے ساتھ اللہ کو پکارنے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ انسانی ضمیر اور فطرت کی اصلی آواز یہی ہے۔ باقی سب بناوٹ اور جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مخلصین لہ الدین، یعنی اللہ کے سوا کسی دوسرے کو نہیں پکارتے کیونکہ ان کے دماغوں میں فطری طور پر یہ بات جمی ہوئی ہے کہ مصیبتوں کو دور کرنے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں سخت خطرے اور خوف کے وقت وہ میلان نفسانی اور تقلید اسلاف جو فطرت پر پردہ ڈالے ہوئے تھی یکدم زائل ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ
پھر جب بچا لایا ان کو جنگل کی طرف تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر

مشکل کشائی کے بعد کی حالت:

یعنی جب خدا تعالیٰ طوفان سے نکال کر خشکی پر لے آیا تو تھوڑے لوگ ہیں جو اعتدال و توسط کی راہ پر قائم رہیں ورنہ اکثر تو دریا سے نکلتے ہی شرارتیں شروع کر دیتے ہیں۔ مترجم رحمہ اللہ نے فَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ کا ترجمہ کیا "تو کوئی ہوتا ہے ان میں بیچ کی چال پر" حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ یعنی جو حال خوف کے وقت تھا وہ تو کسی کا نہیں، مگر بالکل حال بھی نہ جائے۔ ایسے بھی کم ہیں نہیں تو اکثر قدرت سے منکر ہوتے ہیں۔ اپنے بچ نکلنے کو تدبیر پر رکھتے ہیں یا کسی ارواح وغیرہ کی مدد پر۔ (تفسیر عثمانی)

مقتصد سے مراد ہے درمیانی راہ پر قائم رہنے والا یعنی توحید پر برقرار رہنے والا، قصد السبیل درمیانی راہ یعنی راستہ صراط مستقیم یعنی راہ توحید کی تفسیر اس وجہ سے ہے کہ آیت کا نزول حضرت عکرمہ کے متعلق ہوا۔ فتح مکہ کے وقت حضرت عکرمہ بن ابوجہل مکہ سے بھاگ کر سمندر کے کنارے پہنچ گئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستہ میں طوفان آ گیا حضرت عکرمہؓ نے کہا اگر اللہ مجھے اس طوفان سے محفوظ رکھ کر کنارے پر پہنچا دے گا تو میں اپنا ہاتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جا کر دے دوں گا۔ حضرت عکرمہؓ کے اس قول سے طوفان رک گیا اور عکرمہ واپس آ کر مسلمان ہو گئے اس تشریح پر پورا کلام اس طرح ہوگا۔ بعض ان میں سے اعتدال پر رہتے ہیں اور بعض کافر ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا يَجْحَدُ بِآيٰتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ
اور منکر ہوتے ہیں ہماری قدرتوں سے وہی جو قول کے جھوٹے ہیں ناشکرے

جھوٹے عہد: یعنی ابھی تھوڑی دیر پہلے طوفان میں گھر کر جو قول و قرار اللہ سے کر رہے تھے سب جھوٹے نکلے۔ چند روز بھی اس کے انعام و احسان کا حق نہ مانا اس قدر جلد قدرت کی نشانیوں سے منکر ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِي وَالِدٌ
اے لوگو بچتے رہو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی باپ
عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا
اپنے بیٹے کے بدلے اور نہ کوئی بیٹا ہو جو کام آئے اپنے باپ کی جگہ کچھ بھی

قیامت کی وحشت سے بچاؤ کا سامان کرو:

طوفان کے وقت جہاز کے مسافروں میں سخت افراتفری ہوتی ہے ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں رہتا ہے۔ تاہم ماں باپ اولاد سے اور اولاد ماں باپ سے بالکل غافل نہیں ہو جاتی۔ ایک دوسرے کے بچنے کی تدبیر

[illegible] بلکہ اس وقت والدین کی شفقت بھی ختم ہو جائے گی اور [illegible] مصیبت پڑ جائے گی [illegible] ایسا ہولناک ہوگا کہ [illegible] جب ہر طرف نفسی نفسی ہوگی اور والدین بھی کسی کا [illegible] کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوں گے اور نہ ہی [illegible] چاہئے کہ آدمی اس دن سے ڈرے اور غضب الٰہی سے بچنے کا سامان کرے [illegible] اللہ کے خوف سے بچ گئے تو کل اس سے بے فکر ہو گئے۔ ([illegible])

یعنی مومن باپ کافر بیٹے کی طرف سے اور مومن بیٹا کافر باپ کی طرف سے [illegible] نہیں دے گا جبکہ مومن مومن کی شفاعت کرے گا، اللہ نے فرمایا: [illegible] مِنْهُ وَبَنِيهِ [illegible] لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ [illegible] جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ۔

نکتہ: [illegible] لفظ [illegible] سے [illegible] اظہر ہے کیونکہ مولود تو صرف بیٹے کو کہتے ہیں اور ولد کا اطلاق پوتے پر بھی ہوتا ہے۔ پس جب صلبی حقیقی بیٹا اپنے باپ کے کام نہیں آئے گا تو پوتے کا اپنے دادا کے کام نہ آنا ظاہر ہی ہے ولد کا اطلاق بیٹے پوتے پڑ پوتے بلکہ پوتی پڑ پوتی پر بھی ہوتا ہے۔ ([illegible])

کوئی لب نہ ہلا سکے گا:

ابن ابی حاتم میں ہے [illegible] علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی تکلیف [illegible] کی اور غم و رنج بہت بڑھ گیا نیند اچاٹ ہوگئی تو آپ [illegible] کی طرف متوجہ ہوئے۔ فرماتے ہیں میں نے نہایت تضرع و زاری کی، خوب رویا [illegible] نمازیں پڑھیں روزے رکھے دعا میں مانگیں، ایک مرتبہ [illegible] تھا کہ میرے سامنے ایک فرشتہ آگیا۔ میں نے اس سے پوچھا [illegible] [illegible] کی شفاعت کریں گے؟ یا باپ بیٹوں کے کام آئیں گے؟ اس نے فرمایا قیامت کا دن جھگڑوں کے فیصلوں کا دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ خود سامنے ہوگا، کوئی بغیر اس کی اجازت کے لب نہ ہلا سکے گا، کسی کو دوسرے کے بارے میں نہ پکڑا جائے گا، نہ باپ بیٹے کے بدلے نہ بیٹا باپ کے بدلے نہ بھائی بھائی کے بدلے نہ غلام آقا کے بدلے نہ کوئی کسی کا غم و رنج کرے گا نہ کسی کو کسی سے شفقت و محبت ہوگی۔ نہ ایک دوسرے کی طرف سے پکڑا جائے گا، ہر شخص اپنی دھن میں ہوگا، ہر ایک اپنا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا نہ کسی اور کا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ: یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت میں باپ، بیٹے وغیرہ بچا نہ سکے گا یہاں تو جملہ فعلیہ کی صورت میں لَا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهٖ سے اشارۃً ذکر فرمایا اور دوسری جانب میں دو تغیر کئے گئے، ایک یہ کہ اس کو جملہ اسمیہ کی صورت میں بیان فرمایا، دوسرے اس میں وَلَد کے بجائے لفظ مَوْلُوْد اختیار فرمایا۔

[illegible] اس کی یہ ہے [illegible] یہ بات معتدیہ [illegible] ہو جاتا ہے۔ اس تعبیر میں [illegible] ہوا کہ باپ اور اولاد میں ہے کہ باپ کی محبت [illegible] اس محبت کا یہ درجہ دنیا میں بھی نہیں ہوتا [illegible] میں [illegible] اور اولاد کی عدم نفع رسانی کو موکد کر کے بیان فرمایا، اور [illegible] ولد کے بجائے مولود اختیار کرنے میں یہ حکمت ہے کہ مولود صرف [illegible] اور لفظ ولد عام ہے اولاد کی اولاد کو بھی شامل ہے، اس میں دوسرے رخ سے اسی مضمون کی تائید اس طرح ہوگئی کہ خود صلبی بیٹا بھی باپ کے کام نہ آئے گا تو پوتے پڑپوتے کا حال معلوم ہے۔ ([illegible])

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو تم کو نہ بہکائے دنیا کی زندگانی
وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ
اور نہ دھوکا دے تم کو اللہ کے نام سے وہ دغاباز

دھوکے میں نہ پڑو قیامت آکر رہے گی:

[illegible] یقیناً [illegible] یہ اللہ کا وعدہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ یہ دنیا کی چند روزہ [illegible] ہے اس سے دھوکہ نہ کھاؤ کہ ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ اور [illegible] یہاں [illegible] تو وہاں بھی آرام کرو گے؟ نیز اس دغاباز شیطان کے اغواء سے ہوشیار رہو جو اللہ کا نام لے کر دھوکا دیتا ہے۔ کہتا ہے میاں اللہ غفور رحیم ہے خوب [illegible] مزے اڑاؤ، بوڑھے ہو کر [illegible] توبہ [illegible] کا۔ تقدیر میں اگر اس نے جنت لکھ دی ہے تو [illegible] [illegible] نہیں [illegible] چھوڑ دیا ([illegible])

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ
بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کی خبر اور اتارتا ہے مینہ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ
اور جانتا ہے جو کچھ ہے ماں کے پیٹ میں اور کسی جی کو معلوم نہیں کہ
مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ
کل کو کیا کرے گا اور کسی جی کو خبر نہیں کس زمین میں
تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ
مرے گا تحقیق اللہ سب جاننے والا خبردار ہے

پانچ چیزیں جن کا یقینی علم اللہ کے پاس ہے۔

[illegible] قیامت [illegible] ہے [illegible] معلوم ہے [illegible] ہو جائے۔ آدمی دنیا کے باغ و بہار اور رونق پر فریفتہ ہے [illegible] یہ نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیزیں اور [illegible] سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے۔ سال دو سال مینہ نہ [illegible] تو ہر طرف خاک اڑنے لگے۔ [illegible] سامان معیشت [illegible] باب راحت [illegible] انسان [illegible] اور [illegible] پر فریفتہ ہو رہا ہے [illegible] جس سے اپنی [illegible] اس کو ترو تازہ اور پر رونق بنا رکھا ہے۔ [illegible] معلوم نہیں [illegible] عیش و آرام میں ان کا [illegible] ہے [illegible] نہیں [illegible] ہیں [illegible] کچھ نہیں [illegible] ہو جاتی ہے [illegible] تدبیر [illegible] تدبیر کرنی چاہیے [illegible] تدبیر [illegible] کا میاب [illegible] میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ علم خدا [illegible] تقدیر [illegible] تدبیر [illegible] ہو [illegible] تقدیر [illegible] تقدیر کا چہرہ [illegible] آئینہ میں نظر [illegible] تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے [illegible] میں وہ سعید ہے یا شقی، جنتی ہے یا دوزخی [illegible]

[illegible] کی عمر [illegible] ہو [illegible] پیٹ میں [illegible] پیدا ہونے سے پہلے ان کی عمر [illegible] سعید ہو یا شقی، اسی کی طرف **ویعلم ما فی الارحام** میں اشارہ ہے۔ [illegible] شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو [illegible] جانا، اس کا جواب **وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا** [illegible] خبر نہیں کل وہ کیا کرے گا [illegible] موت [illegible] تدبیر [illegible] توفیق [illegible] کی خبر تو اسی علیم وخبیر کو ہے۔ (تنبیہ) یاد رکھنا چاہیے [illegible] غیبیہ [illegible]

[illegible] تین [illegible] میں سے [illegible] غیبیہ کا علم [illegible] **فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ** [illegible] (جن رکوع ۲) [illegible] جزئیات کی تفصیل [illegible] اور اصول غیبیہ کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہے [illegible] جزئیات منتشرہ [illegible] بہت سے لوگوں کو حسب استعداد [illegible] اور [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] بھی [illegible] حصہ ملا [illegible] نہیں [illegible] غیبیہ کا علم [illegible] کے ساتھ مختص رہا۔ آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب [illegible] کہا [illegible] (یعنی علم کلی) [illegible] فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں تمام [illegible] غیبیہ انواع کی طرف اشارہ ہو گیا [illegible] میں غیب [illegible] "مافی الارحام" میں [illegible]

[illegible] علم نہیں [illegible] پہلے [illegible] کے وقت ان کی مقدار [illegible] ماں پیٹ میں لیے پھرتی ہے [illegible] پیٹ میں کیا ہے [illegible] انسان واقعات آئندہ [illegible] مگر یہ نہیں جانتا [illegible] میں [illegible] کی [illegible] مختوں [illegible] حاضر ہونا پڑے گا [illegible] پانچ چیزوں [illegible] غیبیہ علم کلی کی طرف اشارہ [illegible] مخصوص [illegible] کی [illegible] یہ [illegible] آیت [illegible] مافی الارحام [illegible] سے متعلق [illegible] ہیں [illegible] سورۂ لقمان [illegible]

شانِ نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحرائی لوگوں میں سے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، بغوی نے اس شخص کا نام وارث بن عمرو بن حارثہ بن محارب [illegible] اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق دریافت کیا [illegible] قیامت کب ہوگی، اس شخص نے [illegible] بیوی [illegible] بتائیے کیا پیدا ہوگا [illegible] بتائیے بارش کب ہوگی اور جس زمین پر میں پیدا ہوا [illegible] مجھے معلوم ہے [illegible] مروں گا آپ بتائیے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

غیب کے پانچ خزانے:

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیب کے خزانے پانچ ہیں جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ رحم کے اندر کیا ہے؟ سوائے خدا کے کوئی واقف نہیں کہ قیامت کب برپا ہوگی۔ سوائے خدا کے کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی موت کس سرزمین پر آئے گی۔ اور سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی۔ رواہ احمد والبخاری۔

بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اس آیت کی تفسیر میں حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غیب کے خزانے (یا کنجیاں) پانچ ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ سے بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ تک تلاوت فرمائی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے سوال جبرئیلؑ والی حدیث میں آیا ہے۔ یہ پانچ چیزوں میں سے ہے یعنی قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جو آیت اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ اخ میں مذکور ہیں۔

حضرت سلیمان کے درباری کی موت کا عجیب واقعہ:

ابن ابی شیبہ نے المصنف میں خیثمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ملک الموت حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے اور حضرت سلیمانؑ کے پاس جو لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص کی طرف گھور کر دیکھنے لگے اس شخص نے پوچھا یہ کون شخص ہے حضرت سلیمانؑ نے فرمایا ملک الموت ہے اس شخص نے کہا مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجھے مارنا چاہتا ہے آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے اٹھا کر ہندوستان پہنچا دے۔ حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو حکم دے دیا (ہوا نے اس شخص کو ہندوستان پہنچا دیا) ملک الموت نے کہا میں تعجب سے اس شخص کو برابر دیکھ رہا تھا کیونکہ یہ آپ کے پاس موجود تھا اور مجھے حکم دیا گیا تھا کہ ہندوستان میں اس کی روح قبض کروں۔ (واللہ اعلم)

خلیفہ منصور کا خواب:

ایک حکایت ہے کہ منصور (عباسی خلیفہ) نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا، منصور نے اس سے اپنی عمر کی مدت دریافت کی، ملک الموت نے اپنی پانچ انگلیاں اٹھا دیں، اہل تعبیر سے تعبیر دریافت کی تو کسی نے کہا پانچ برس، کسی نے کہا پانچ مہینے، کسی نے کہا پانچ دن۔

امام ابوحنیفہ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ یہ اشارہ ہے اس آیت کی طرف کہ یہ پانچوں چیزیں سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

بحمد اللہ سورہ لقمان کی تفسیر ۲۲ رجب ۱۲۰۶ھ اور اس کا
ترجمہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کو ختم ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم:

اور حدیث میں جو بروایت ابن عمرؓ ابن مسعودؓ یہ ارشاد آیا ہے کہ اُوْتِیْتُ مفاتیح کل شیء الا الخمس (اخرجہ الامام احمد، ابن کثیر) اس میں لفظ اوتیت نے خود یہ بات واضح کر دی کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ جن غائبات کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی دیا گیا تھا، اس لئے وہ علم غیب کی تعریف میں شامل نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اور اولیاء کو بذریعہ الہام جو غیب کی چیزوں کی خبریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہیں وہ حقیقت کے اعتبار سے علم غیب نہیں، جس کی بناء پر ان کو عالم الغیب کہا جا سکے بلکہ وہ اَنْبَاءُ الْغَیْبِ یعنی غیب کی خبریں ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اپنے فرشتوں اور رسولوں اور مقبول بندوں کو عطا فرما دیتا ہے، قرآن کریم میں ان کو اَنْبَاءُ الْغَیْبِ فرمایا گیا ہے مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ

اس لئے مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایسا مخصوص فرمایا ہے کہ بطور انباء غیب کے بھی فرشتے اور رسول کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔

غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک احکام غیب ہیں جیسے احکام شرائع جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم بھی دیا جاتا ہے جس کو علم عقائد کہا جاتا ہے اور وہ تمام احکام شرعیہ بھی جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کون سے کام پسند ہیں کون سے ناپسند، یہ سب چیزیں غیب ہی کی ہیں،

دوسری قسم اکوان غیبیہ یعنی دنیا میں پیش آنے والے واقعات کا علم، پہلی قسم کے غائبات کا علم حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء ورسل کو عطا فرمایا ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں اسی طرح آیا ہے فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتے، بجز اس رسول کے جس کو اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے پسند فرما لیں۔

دوسری قسم یعنی اکوان غیبیہ، ان کا علم کلی تو حق تعالیٰ کسی کو عطا نہیں فرماتے وہ بالکل ذات حق کے ساتھ مخصوص ہے، مگر علم جزئی خاص خاص واقعات کا جب چاہتا ہے جس قدر چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے، اس طرح اصل علم غیب تو سب کا سب حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، پھر وہ اپنے علم غیب میں سے احکام غیب کا علم تو عادۃً انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی بتلاتے ہی ہیں، اور یہی علم ان کی بعثت کا مقصد ہے۔

اگر کوئی غیب کا علم جزئی بھی انبیاء اولیاء کو بذریعہ وحی یا الہام جس قدر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے عطا فرما دیتا ہے، جو منجانب اللہ عطا کیا ہوا علم ہے۔ اس کو حقیقی معنی کے اعتبار سے علم الغیب نہیں کہا جا سکتا، بلکہ غیب کی خبریں (انباء غیب) کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آخری دو چیزیں یعنی آئندہ کل میں انسان کیا کام کرے گا، اور یہ کہ وہ کس زمین میں مرے گا خود انسان کی ذات سے متعلق ہیں، ان میں احتمال ہو سکتا تھا کہ انسان ان کا علم حاصل کرے۔ اس لئے ان دونوں میں خصوصیت سے غیر اللہ کے علم کو منفی کر کے بیان فرما دیا، جس سے پہلی تین چیزوں کا علم غیر اللہ کے لئے نہ ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہو گیا کہ جب انسان خود اپنے اعمال و مکاسب کو اور ان کی جگہ موت اور اس کی جگہ نہیں جانتا تو آسمان اور نزول مطر اور شکم مادر کی اندھیریوں میں مخفی چیز کو کیا جانے گا، اور آخری چیز میں صرف مکان موت کا علم انسان کو نہ ہونا بیان فرمایا ہے حالانکہ مکان موت کی طرح زمان موت بھی انسان کے علم میں نہیں ہوتا۔ (معارف مفتی اعظم)

منتہائے حیات اور منتہائے معاد کا علم:

وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ سے انسان کے منتہائے حیات کی طرف اشارہ ہے اور عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ سے تمام عالم کے منتہیٰ کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کل عالم کے مبداء اور معاد اور معاش کا علم کلی اور تفصیلی اور بہمہ وجوہ محیط اور قطعی اور یقینی سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ علوم غیبیہ کا علم کلی اور تفصیلی اور محیط اللہ رب العزۃ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اگر کسی نبی کو بذریعہ وحی کے اور کسی نبی کو بذریعہ الہام کے اور کسی مرد صالح کو بذریعہ خواب کے کسی کی موت اور حیات کا کچھ علم ہو جائے تو وہ ایک علم جزئی اور ناتمام ہے جس کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو دریا کے ساتھ ہو اور بعض اوقات کافروں کو بھی بذریعہ خواب یا کشف کچھ امور دکھلا دیئے جاتے ہیں جو واقع کے مطابق ہوتے ہیں جیسا کہ دجال کی حدیث میں اس قسم کے امور کا ذکر آیا ہے تو وہ بطور استدراج ہے نہ کہ بطریق کرامت۔ (معارف کاندھلوی)

سورة السجده

[illegible]

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ سجدہ مکہ میں نازل ہوئی [illegible]
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے [illegible]
الٓمّٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ
[illegible]

شک و شبہ سے پاک کتاب:

بلاشبہ یہ کتاب مقدس رب العالمین کی طرف سے اتاری گئی ہے [illegible]

سورۃ کی فضیلت حدیث میں ہے [illegible] تَنْزِيْل السجدہ اور تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ [illegible] (احمد، ترمذی، نسائی [illegible])

ربط۔ گذشتہ سورت کا آغاز حقانیت قرآن سے فرمایا [illegible] توحید اور حشر و نشر [illegible] حقانیت [illegible] اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ [illegible] سلسلہ کلام آخر سورت تک چلا گیا ہے۔ [illegible]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ
[illegible]
مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ
[illegible]
مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۞
[illegible]

کافروں کی بے ہودہ باتوں کا تجزیہ:

یعنی جس کتاب کا معجزِ من اللہ ہونا اس قدر واضح ہے کہ شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں، کیا اس کی نسبت کافر کہتے ہیں کہ پیغمبر اپنی طرف سے گھڑ لایا ہے اور معاذ اللہ جھوٹ طوفان خدا کی طرف نسبت کرتا ہے؟ حد ہوگئی جب ایسی روشن چیز میں بھی شبہات پیدا کیے جانے لگے، ذرا غور و انصاف کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب ٹھیک پروردگارِ عالم کی طرف سے آئی ہے۔ تا اس کے ذریعہ سے آپ اس قوم کو بیدار کریں اور راہِ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے پاس قرنوں سے کوئی بیدار کرنے والا پیغمبر نہیں آیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی اپنی طرف سے وہی چیز بنا کر لا سکتا ہے یا بنا سکتا ہے جس کی کوئی نظیر یا زبردست خواہش اس کے ماحول میں پائی جاتی ہو کسی ملک میں ایسی بات دفعۃً منہ سے نکال دینا جو ان کی سینکڑوں برس کی مسخ شدہ ذہنیت اور مذاق کے یکسر مخالف ہو اور جس کے قبول کی ادنیٰ ترین استعداد بھی بظاہر نہ پائی جائے کسی عاقل کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ قاہرہ کسی کو مامور کرے وہ الگ بات ہے جب نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم جن کا عقل الناس ہونا اُن کو بھی تسلیم کرنا پڑا ہے جو آپ کو (معاذ اللہ) مفتری کہتے ہیں، اگر کوئی بات بنا کر لاتے تو یقیناً ایسی بات جو عرب کی اس فضا کے مناسب اور عام جذبات کے موافق ہوتی اور جس کا کوئی نمونہ اُن کے گرد و پیش پایا جاتا یہی بات ایک انصاف پسند کو یقین دلا سکتی ہے کہ وہ خود اپنی ذاتی خواہش سے کھڑے نہیں ہوئے اور نہ جو پیغام لائے وہ اُن کی تصنیف کیا ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان و توحید کی دعوت ہر دور میں رہی ہے:

اس آیت میں لفظ نذیر اپنے عام لغوی معنی میں ہے یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والا، وہ خواہ رسول و پیغمبر ہو یا ان کا کوئی نائب خلیفہ یا عالمِ دین، تو اس آیت سے تمام امتوں اور جماعتوں تک توحید کی دعوت پہنچ جانا معلوم ہوتا ہے وہ اپنی جگہ صحیح و درست اور حق تعالیٰ کی رحمتِ عامہ کا مقتضا ہے جیسا کہ ابو حیان نے فرمایا کہ توحید و ایمان کی دعوت کسی زمانے اور کسی مکان اور کسی قوم میں کبھی منقطع نہیں ہوتی، اور جب کہیں نبوت پر زمانہ دراز تک گزر جانے کے بعد اس نبوت کا علم رکھنے والے علماء بہت کم رہ گئے تو کوئی دوسرا نبی و رسول مبعوث ہو گیا، اس کا مقتضی یہ ہے کہ اقوامِ عرب میں بھی ضرورت توحید کی دعوت پہلے سے ضرور پہنچی ہوگی، مگر اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ یہ دعوت خود کوئی نبی و رسول لے کر آیا ہو، ہو سکتا ہے کہ ان کے نائبین علماء کے ذریعہ پہنچ گئی ہو، اس لئے اس سورۃ اور سورۃ یٰسین وغیرہ کی وہ آیتیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قریشِ عرب میں آپ سے پہلے کوئی نذیر نہیں آیا تھا، ضروری ہے کہ اس میں نذیر سے مراد اصطلاحی معنی کے اعتبار سے رسول و نبی ہو، اور مراد یہ ہو کہ اس قوم کے اندر آپ سے پہلے کوئی نبی و رسول نہیں آیا تھا، اگرچہ دعوتِ ایمان و توحید دوسرے ذرائع سے یہاں بھی پہنچ چکی ہو۔

زمانہ فترت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بہت سے حضرات کے متعلق یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ دینِ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام پر قائم تھے، توحید پر ان کا ایمان تھا، بت پرستی اور بتوں کیلئے قربانی دینے سے متنفر تھے۔

عمرو بن نفیل:

روح المعانی میں موسیٰ بن عقبہؒ کی مغازی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ عمرو بن نفیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نبوت سے پہلے آپ سے ملے بھی تھے، مگر نبوت سے پہلے ان کا انتقال اس سال میں ہو گیا جس میں قریش نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور یہ واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پانچ سال پہلے کا ہے، ان کا حال موسیٰ بن عقبہ نے یہ نقل کیا ہے کہ قریش کو بت پرستی سے روکتے تھے، اور بتوں کے نام پر قربانی دینے کو بہت بُرا کہتے تھے، اور مشرکین کے ذبائح کا گوشت نہ کھاتے تھے۔

اور ابو داؤد طیالسی نے عمرو بن نفیل کے صاحبزادے حضرت سعید بن عمروؓ سے، جو صحابہؓ میں عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں یہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرے والد کا جو کچھ حال تھا وہ آپ کو معلوم ہے کہ توحید پر قائم، بت پرستی کے منکر تھے، تو کیا میں ان کے لئے دعائے مغفرت کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ان کے لئے دعاءِ مغفرت جائز ہے، وہ قیامت کے روز ایک مستقل امت ہو کر اٹھیں گے۔ (روح)

ورقہ بن نوفل:

اس طرح ورقہ بن نوفل جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت شروع ہونے اور نزولِ قرآن کی ابتداء کے وقت موجود تھے توحید پر قائم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے کا اپنا عزم ظاہر کیا تھا، مگر فوراً بعد ہی ان کی وفات ہوگئی، یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اقوامِ عرب بھی دعوتِ الٰہیہ اور دعوتِ ایمان و توحید سے محروم تو نہیں، مگر خود ان کے اندر کوئی نبی نہیں آیا تھا، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ
اللہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین
وَمَا بَیۡنَهُمَا فِیۡ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ
اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے چھ دن کے اندر پھر قائم ہوا عرش پر

اس کا بیان سورۂ اعراف میں آٹھویں پارہ کے اختتام کے قریب گذر چکا، ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ

کوئی نہیں تمہارا اس کے سوائے حمایتی اور نہ سفارشی

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ

پھر تم کیا دھیان نہیں کرتے

کہاں بھاگ سکتے ہو؟: یعنی دھیان نہیں کرتے کہ اس سے پیچھا چھڑا کر کہاں جاؤ گے۔ تمام زمین و آسمان میں عرش سے فرش تک اسی کی حکومت ہے۔ اس کو چھوڑ کے کوئی اور ایسا ہے جو ادنیٰ درجہ میں بھی حمایت و سفارش کر سکے؟ یہی دھیان نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ

تدبیر سے اتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے

اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

وہ کام اس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں

احکامِ الٰہیہ کی تنفیذ اور نظامِ کائنات کی ترتیب:

بڑے کام اور اہم انتظامات کے متعلق عرشِ عظیم سے حکم صادر کرتا ہے۔ سب اسباب حسی و معنوی ظاہری و باطنی، آسمان و زمین سے لے کر اس کے انصرام میں لگ جاتے ہیں، آخر وہ کام اور انتظام اللہ کی مشیت و حکمت سے مدتوں جاری رہتا ہے، پھر زمانہ دراز کے بعد اٹھ جاتا ہے۔ اس وقت اللہ کی طرف سے دوسرا رنگ اترتا ہے جیسے بڑے بڑے پیغمبر جن کا اثر قرنوں رہا، یا کسی بڑی قوم میں سرداری جو نسلوں تک چلی۔ وہ ہزار برس اللہ کے ہاں ایک دن ہے (موضح بتغییر یسیر) مجاہد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہزار سال کے انتظامات و تدابیر فرشتوں کو القاء کرتا ہے۔ اور یہ اس کے ہاں ایک دن ہے۔ پھر فرشتے جب (انہیں انجام دے کر) فارغ ہو جاتے ہیں آئندہ ہزار سال کے انتظامات القاء فرما دیتا ہے۔ یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مفسرین آیت کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ اللہ کا حکم آسمانوں سے اوپر سے زمین تک آتا ہے، پھر جو کاروائیاں اس سے متعلق یہاں ہوتی ہیں وہ دفتر اعمال میں درج ہونے کے لئے اوپر چڑھتی ہیں جو ساتویں آسمان کے محدب پر واقع ہے۔ اور زمین سے وہاں تک کا فاصلہ آدمی کی متوسط رفتار سے ایک ہزار برس کا ہے جو خدا کے ہاں ایک دن قرار دیا گیا۔ مسافت تو اتنی ہے یہ جدا گانہ بات ہے کہ فرشتہ ایک گھنٹہ یا اس سے بھی کم میں قطع کر لے۔ بعض مفسرین یوں معنی کرتے ہیں کہ ایک کام اللہ تعالیٰ کو کرنا ہے تو اس کے مبادی و اسباب کا سلسلہ برسوں پہلے سے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ حکمت بالغہ کے مطابق مختلف ادوار میں گزرتا اور مختلف صورتیں اختیار کرتا ہوا بتدریج اپنے منتہیٰ کمال کو پہنچتا ہے۔ اس وقت جو نتائج و آثار اس سے ظاہر ہوتے ہیں بارگاہ ربوبیت میں پیش ہونے کے لئے چڑھتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یوم سے یوم قیامت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ آسمان سے زمین تک تمام دنیا کا بندوبست کرتا ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب یہ سارا قصہ ختم ہو کر اللہ کی طرف لوٹ جائے گا اور آخری فیصلہ کے لئے پیش ہوگا۔ اس کو قیامت کہتے ہیں۔ قیامت کا دن ہزار برس کا ہوگا۔ بعض حدیث میں پچاس ہزار کا بھی آیا ہے۔ اس کے متعلق بعض کی تطبیق سورۂ معارج میں آئے گی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور آسمانوں کے درمیان کی مسافت:

كَانَ مِقْدَارُهٗۤ یعنی اس کے عروج و نزول کی مدت تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہوتی ہے مطلب یہ کہ عروج و نزول کی مسافت تو اتنی ہے کہ ہزار برس میں طے کی جائے لیکن اللہ کی قدرت سے فرشتے اتنی مسافت کو ایک دن سے بھی کم میں طے کر لیتے ہیں۔

میرے نزدیک دونوں آیتوں میں زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک کی مسافت مراد ہے لیکن ایک ہزار اور پچاس ہزار کی تحقیق کا اختلاف چلنے والوں کی رفتار کے فرق کی وجہ سے ہے۔ ترمذی نے حضرت عباس کی طویل روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین اور آسمان کے درمیان کی مسافت اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کی راہ ہے۔ نیز ترمذی اور احمد نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دو آسمانوں کے درمیان پانچ سو برس کی راہ ہے۔ یہاں بھی اختلاف مدت مختلف چلنے والوں کی رفتار کے تفاوت کی بنا پر ظاہر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے جو ترمذی نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، نادار لوگ مالداروں سے پانچ سو برس اور آدھا دن پہلے (یعنی قیامت کے آدھے دن کی بقدر پہلے) جنت میں داخل ہوں گے۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی سزا:

بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو خزانے والا اپنے خزانے کی زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اس کا خزانہ جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس کی چٹانیں بنا لی جائیں گی اور چٹانوں سے اس شخص کے دونوں پہلوؤں اور پیشانی پر داغ لگائے جائیں گے (اور یہ) اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک اللہ اپنے بندوں کا

فیصلہ ان کے درمیان کرے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کی مدت کے برابر ہوگی۔
بعض لوگوں کے لئے تو وہ پچاس ہزار برس کا دن ہوگا اور بعض کے لئے ایک ہزار برس کا اور بعض لوگوں کے لئے دنیا کے ایک دن سے بھی کم مدت محسوس ہوگی۔ حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کیا ہے کہ مومنوں کے لئے قیامت کے دن کا طول اتنا ہوگا جتنی مدت ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے۔

مومن پر قیامت کی آسانی:

بغوی نے ابراہیم تیمی کا قول بھی یہی نقل کیا ہے اور ابو یعلیٰ، ابن حبان و بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مدت پچاس ہزار برس کی ہوگی اور عرض کیا گیا کہ وہ دن کتنا لمبا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مومن کے لئے تو وہ دن فرض نماز سے بھی ہلکا ہوگا جو دنیا میں وہ پڑھا کرتا تھا۔
جلال الدین محلیؒ [illegible] کی روایت کو پسند کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝
یہ ہے جاننے والا چھپے اور کھلے کا زبردست رحم والا

اللہ تعالیٰ کا علم وقدرت:

یعنی ایسے عالی اور عظیم الشان انتظام و تدبیر کا قائم کرنا اسی پروردگار کا کام ہے جو ہر ایک ظاہر و پوشیدہ کی خبر رکھے اور زبردست اور مہربان ہو۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ
جس نے خوب بنائی جو چیز بنائی اور شروع کی انسان کی بناوٹ
مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝
ایک گارے سے پھر بنائی اس کی اولاد نچوڑے ہوئے بے قدر پانی سے

یعنی نطفہ جو بہت سی غذاؤں کا نچوڑ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حسین بنائی ہے:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کی خلقت کو حسین اور بہتر بنایا ہے، مطلب یہ ہے کہ اس عالم میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا فرمایا وہ حکمت اور مصلحت عامہ کے مقتضاء سے بنایا ہے، اس کی ہر چیز اپنی ذات کے اعتبار سے ایک حسن رکھتی ہے، اور ان سب سے زیادہ حسین اور بہتر انسان کو بنایا ہے، جیسا کہ ارشاد فرمایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ یعنی ہم نے انسان کو سب سے زیادہ حسین تقویم اور بہتر شکل و صورت میں پیدا کیا ہے۔

کسی نے خوب کہا ہے

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں — کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تقریر:

حضرت حکیم الامتؒ نے فرمایا کہ کل شئ میں تمام جواہر اور اعراض داخل ہیں، سو وہ چیزیں بھی جو وجود میں ہیں جیسے حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ اور اعراض بھی جن میں اخلاق و اعمال بھی داخل ہیں، یہاں تک کہ جو اخلاق برے بتلائے جاتے ہیں جیسے غصہ، حرص، شہوت وغیرہ یہ بھی اپنی ذات میں برے نہیں، ان کی برائی غیر مصرف میں صرف کرنے اور بے محل استعمال کرنے سے ہوتی ہے، اپنے محل میں رہیں تو ان میں کوئی چیز بری نہیں، یعنی مراد اس سے ان اشیاء کی جہت تخلیق وتکوین ہے، کہ وہ خیر ہی خیر اور حسن ہی حسن ہے اور اعمال کی دوسری جہت انسان کا کسب و اکتساب ہے، یعنی اپنے اختیار کو ان کاموں کے کرنے میں صرف کرنا، تو اس حیثیت سے سب حسن نہیں، بلکہ ان میں تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن کی اجازت نہیں دی وہ حسن نہیں، قبیح ہیں، واللہ اعلم۔

قدرت کاملہ کا ثبوت:

وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ اس سے پہلے یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم کی ہر چیز کو حسن بنایا ہے، اس کے بعد انسان کا ذکر فرمایا جو ان سب میں زیادہ حسین ہے، اس کے ساتھ کمال قدرت کے اظہار کے لئے یہ بھی بتلایا کہ جس انسان کو ہم نے سب مخلوق سے زیادہ بہتر بنایا ہے وہ یہ نہیں کہ اس کا مادہ تخلیق کوئی سب سے زیادہ اشرف و اعلیٰ اور بہتر کیا گیا، اس لئے سب سے بہتر ہوگیا، بلکہ مادہ تخلیق تو اس کا سب سے گھٹیا چیز یعنی مٹی کو بنایا گیا، پھر قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ نے اس گھٹیا چیز کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ سَوّٰىهُ
پھر اس کو برابر کیا

یعنی شکل و صورت اعضاء موزوں و متناسب رکھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ رُّوحِهٖ
اور پھونکی اس میں اپنی ایک جان

مخلوق کی عزت افزائی:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں جو مخلوق ہے اسی کا مال ہے مگر جس کی عزت بڑھائی اس کو اپنا کہا جیسے فرمایا إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ حالانکہ سب

خدا کے بندے ہیں کما قال اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ سوانسان کی جان عالم غیب سے آئی ہے مٹی پانی سے نہیں بنی۔ اس کو اپنا کہا۔ ورنہ اللہ کی جان کا اگر وہ مطلب لیا جائے جو مثلاً آدمی کی جان کا لیتے ہیں تو چاہیے جان کسی بدن میں ہو، بدن ہوا تو ترکیب آئی، ترکیب آئی تو حدوث آیا، ذات پاک کہاں رہی (موضح بتغییر) (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ
اور بنا دیے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل
قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾
تم بہت تھوڑا شکر کرتے ہو

نعمتوں کا شکریہ:

ان نعمتوں کا شکریہ تھا۔ آنکھوں سے کسی کی آیات تکوینیہ پر نظر امعان ڈالتے۔ کانوں سے آیت تنزیلیہ کو توجہ وشوق کے ساتھ سنتے۔ دل سے دونوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی کوشش کرتے پھر سمجھ کر اس پر عامل ہوتے۔ مگر تم لوگ بہت کم شکر ادا کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ
اور کہتے ہیں کیا جب ہم رل گئے زمین میں کیا ہم کو نیا بنا
جَدِيْدٍ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ
ہے کچھ نہیں وہ اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہیں

کافروں کے شبہات:

یعنی اس پر غور نہ کیا کہ اللہ نے اُن کو اول مٹی سے پیدا کیا ہے۔ الٹے شبہات نکالنے لگے کہ مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کس طرح بنائے جائیں گے۔ اور شبہ یا استبعاد ہی نہیں بلکہ صاف طور پر یہ لوگ بعث بعد الموت سے منکر ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست و نابود ہوگئے تو کیا ہم نئے جنم میں آئیں گے۔ یعنی جب ہم زمین میں غائب ہو جائیں گے ور مٹی بن کر مٹی میں مل جائیں گے زمین کی خاک میں اور ہماری خاک میں کوئی فرق نہیں رہے گا تو کیا ہم کو دوبارہ از سرِ نو زندہ کیا جائے گا۔ ضلّ الماء في اللبن عرب کا محاورہ ہے، یعنی دودھ میں پانی اس طرح مل کر کھو گیا کہ کوئی امتیاز باقی نہ رہا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ
تو کہہ قبض کر لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو
وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾
تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف پھر جاؤ گے

موت کا فرشتہ:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی تم آپ کو محض بدن اور دھڑ سمجھتے ہو کہ خاک میں رل مل کر برابر ہوگئے۔ ایسا نہیں تم حقیقت میں جان ہو جسے فرشتہ لے جاتا ہے بالکل فنا نہیں ہو جاتے۔ (موضح) (تفسیر عثمانی)

موت کے قاصد:

بغوی نے لکھا ہے کہ عکرمہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام درد و دکھ موت کے قاصد ہیں۔ جب وقت مقرر آ جاتا ہے تو موت کا فرشتہ پہنچتا ہے اور کہتا ہے اے بندے کتنی ہی خبروں کے بعد خبریں آتی رہیں، قاصدوں کے بعد قاصد اور پیاموں کے بعد پیام بھی آتے رہے۔ اب میں آخری خبر ہوں میرے بعد (تیرے پاس) کوئی خبر نہیں آئے گی میں (آخری) قاصد ہوں میرے بعد کوئی قاصد نہیں آئے گا۔ اب چار و ناچار حضور رب پر تجھے جانا ہے۔ جب موت کا فرشتہ روح قبض کر لیتا ہے اور (اقرباء اعزہ) اس پر چیختے پیٹتے ہیں تو موت کا فرشتہ کہتا ہے تم کس پر چیختے ہو، کس پر روتے ہو۔ خدا کی قسم میں نے اس کی مدت حیات میں کوئی کمی نہیں کی، نہ میں نے اس کا رزق کھایا، بلکہ اس کے رب نے اس کو بلا لیا ہے رونے والا اپنے اوپر روئے خدا کی قسم میرے بار بار لوٹ کر پھیرے ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ میں تم میں سے کسی کو نہیں چھوڑوں گا۔

مسئلہ: ملک الموت کو کسی کے مرنے کا مقرر وقت معلوم نہیں، جب کسی کی روح قبض کرنے کا اس کو حکم ہوتا ہے اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے۔

ابن ابی الدنیا نے ابن جریج کا قول نقل کیا ہے ہم تک یہ بات (یعنی حدیث) پہنچی ہے کہ ملک الموت سے کہا جاتا ہے، فلاں شخص کی روح فلاں وقت فلاں دن قبض کرلے۔

مسئلہ: موت کا فرشتہ مومن کے سامنے (مرنے کے وقت) خوبصورت ترین شکل میں آتا ہے اور کافر کے سامنے بدترین شکل میں۔

حضرت ابراہیمؑ سے ملک الموت کی ملاقات:

ابن ابی الدنیا کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل چن لیا تو ملک الموت نے (بارگاہ الٰہی

میں) درخواست کی کہ مجھے اجازت عطا فرمائی جائے میں ابراہیم کو جا کر یہ بشارت دے دوں۔ اللہ تعالیٰ نے اجازت عطا فرما دی۔ ملک الموت نے جا کر ابراہیم علیہ السلام کو یہ بشارت سنائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، الحمد للہ۔ پھر فرمایا اے فرشتہ موت مجھے دکھاؤ کہ تو کافروں کی روحیں کیسے قبض کرتا ہے۔ ملک الموت نے کہا آپ اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ حضرت ابراہیم نے کہا کیوں نہیں فرشتہ موت نے منہ ابراہیم کی طرف سے پھیر لیا۔ فوراً پھر ابراہیم کی طرف رخ کیا تو ابراہیم نے ایک سیاہ فام شخص سامنے کھڑا ہے جس کا سر آسمان کو چھو رہا ہے اور اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور اس کے بدن کے ہر رونگٹے سے آدمی کی ایک شکل نمودار ہو رہی ہے جس کے منہ اور ہر رونگٹے سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں یہ منظر دیکھ کر حضرت ابراہیم بیہوش ہو گئے کچھ دیر کے بعد ہوش میں آئے تو دیکھا کہ ملک الموت پہلی شکل میں آ چکا تھا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، اے ملک الموت اگر (مرنے کے وقت) کوئی کافر سوائے آپ کی اس (ہیبت ناک) صورت کے کسی اور مصیبت وغم سے دوچار نہ بھی ہو تب بھی (اس کی مصیبت وغم کے لئے) یہ صورت ہی کافی ہے۔ اچھا اب بتائیے آپ مومنوں کی روحیں کیسے قبض کرتے ہیں۔ ملک الموت نے اپنا منہ پھیر لیا پھر فوراً (دوبارہ حضرت ابراہیم کی طرف) رخ موڑا تو ابراہیم نے دیکھا کہ وہ نہایت حسین جوان مرد تھے خوشبو پاکیزہ (مہک رہی تھی) اور لباس سفید تھا۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، اے فرشتہ موت اگر (مرنے کے وقت) مومن آپ کی اس (حسین پاکیزہ) صورت کے سوا کوئی اور چشم نوازی خوشی اور عزت نہ بھی دیکھے، تب بھی اس کے لئے یہ حسین صورت کافی ہوگی۔

حضرت کعب کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم کو ملک الموت نے اپنی وہ حسین صورت دکھائی جو مومن کی روح قبض کرتے وقت ان کی ہوتی ہے تو ان کی صورت پر ایسی چمک دمک اور رونق دیکھی جس کی کیفیت سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور کافروں، فاجروں کی روح قبض کرنے کے وقت جو صورت ان کی ہوتی ہے جب وہ دکھائی تو ابراہیم خوف زدہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ کے شانے، مرنے کے اور پیٹ زمین سے لگ گیا، یہ قریب تھا کہ آپ کی جان نکل جائے۔

جانوروں کی موت کس طرح ہوتی ہے:

ابوالشیخ اور دیلمی نے اور عقیلی نے الضعفاء میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چوپایوں اور زمین کے کیڑوں موڑوں کی مدت زندگی اللہ کی پاکی بیان کرنے سے رہتی ہے۔ جب ان کی تسبیح ختم ہو جاتی ہے تو اللہ (خود) ان کی جانیں قبض کر لیتا ہے موت کے فرشتہ کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ ایک اور سند سے حضرت ابن عمر کی روایت سے خطیب نے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ ابن عطیہ اور قرطبی نے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک الموت کے دخل کے بغیر اللہ خود ان کی زندگیاں ختم کر دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں آدمیوں کی روحیں قبض کرنے کے لئے ملک الموت اور اس کے مددگاروں کی وساطت مومنوں کی عزت افزائی اور کافروں کی توہین وسزا کے لئے مقرر کی گئی ہے۔

موت کے چار فرشتے:

خطیب نے اپنی تفسیر میں بوساطت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ملک الموت تو آدمیوں کی روحیں قبض کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے اور ایک فرشتہ جنات کے لئے مقرر ہے اور ایک فرشتہ شیاطین (کی موت) پر اور ایک فرشتہ چرندوں، پرندوں، درندوں، مچھلیوں اور چیونٹیوں (کی موت) کے لئے مقرر ہے، یہ چار فرشتے ہیں (تمام) فرشتے پہلی بے ہوشی میں (یعنی پہلا صور پھونکتے ہی) مر جائیں گے۔ ملک الموت ان کی روحیں قبض کرنے پر مقرر ہے پھر ملک الموت (خود) مر جائے گا۔

سمندر کے شہیدوں کی روح افزائی:

یعنی (جہاد پر جانے والے) وہ لوگ جو سمندر میں شہید ہوتے ہیں اللہ ان کی روحیں خود قبض کرتا ہے ان کی عزت افزائی کے پیش نظر ملک الموت کو ان کا معاملہ سپرد نہیں کرتا وہ راہ خدا میں نکلنے والے ہوتے ہیں جو سمندر میں شہید ہو جاتے ہیں، اس روایت کی سند میں جو یبر انتہائی ضعیف راوی ہے پھر ضحاک کا حضرت ابن عباس سے انقطاع بھی ہے، البتہ اثر مذکور کے آخری حصہ کا ایک شاہد مرفوع ہے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے ملک الموت کو سوائے شہداء بحر کے سب کی روحیں قبض کرنے پر مقرر فرمایا ہے۔ شہداء بحر کی روحیں قبض کرنے کی ذمہ داری اللہ نے خود (اپنے ہاتھ میں) لی ہے۔ میں کہتا ہوں عشق ومعرفت کے سمندر میں ڈوبنے والے تو اس عزت افزائی کے زیادہ مستحق ہیں۔ واللہ اعلم۔

موت کے بعد روحوں کا مقام:

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ پھر تم سب اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

یعنی مرنے کے بعد مومن کی روح کو رحمت کے فرشتے آسمانوں پر چڑھا لے جائیں گے یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیں گے، اور کافر کی روح کو عذاب کے فرشتے لے کر چڑھیں گے اور جب پہلے ہی آسمان تک پہنچ کر (دروازہ) کھلوانا چاہیں گے تو کافر کی روح کے لئے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جائے گا، بلکہ اوپر سے اس کو پھینک دیا جائے گا (کہ وہ مقام سجین میں پہنچ جائے گی) پوری حدیث سورۂ واقعہ میں نقل کی جا چکی ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک الموت سے ملاقات:

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک انصاری صحابی کے سرہانے ملک الموت کو دیکھا تو فرمایا کہ میرے صحابی کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرو، ملک الموت علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ مطمئن رہیں، میں ہر مومن کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتا ہوں اور فرمایا کہ جتنے آدمی شہروں میں یا دیہات اور جنگلوں پہاڑوں میں یا دریا میں آباد ہیں، میں ان میں سے ہر ایک کو دن میں پانچ مرتبہ دیکھتا ہوں، اس لئے میں ان کے ہر چھوٹے بڑے سے بلاواسطہ واقف ہوں، پھر فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جو کچھ ہے اللہ کے حکم سے ہے ورنہ میں اگر ایک مچھر کی روح بھی قبض کرنا چاہوں تو مجھے اس پر قدرت نہیں، جب تک اللہ تعالیٰ ہی کا امر اس کے لئے نہ آ جائے۔

عزرائیل کی الزام سے براءت:

اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کے سپرد ساری دنیا کی موت [illegible] تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے پروردگار آپ نے ایسی خدمت میرے سپرد کی کہ ساری دنیا اور سب بنی آدم مجھے برا کہیں گے، جب میرا ذکر آئے گا برائی سے کریں گے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے اس کا تدارک اس طرح کر دیا ہے کہ دنیا میں موت کے کچھ ظاہری اسباب اور امراض رکھ دیئے ہیں جن کے سبب سب لوگ موت کو ان اسباب و امراض کی طرف منسوب کریں گے، آپ ان کی بدگوئی سے محفوظ رہیں گے (قرطبی فی التفسیر والتذکرہ)۔ (معارف القرآن [illegible])

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
اور کبھی تو دیکھے جس وقت کہ منکر سر ڈالے ہوئے ہوں گے اپنے رب کے سامنے

یعنی ذلت و ندامت سے محشر میں۔ (تفسیر عثمانی)

مجرموں کی رسوائی:

نَاكِسُو رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اور (اے محمد) اگر آپ (وہ منظر) دیکھیں گے (تو بڑا ہیبت ناک منظر آپ کو دکھائی دے گا) جب کہ مجرم (یعنی وہ مشرک جو کہا کرتے تھے کہ جب ہم خاک میں مل جائیں گے تو کیا نئے جسم میں آ سکیں گے ندامت اور غم کے مارے) اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ
اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہم کو پھر بھیج دے کہ ہم کریں

صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ
بھلے کام ہم کو یقین آ گیا

بے کار حسرت:

یعنی ہمارے کان اور آنکھیں کھل گئیں۔ پیغمبر جو باتیں فرمایا کرتے تھے ان کا یقین آ گیا۔ جو آنکھوں سے مشاہدہ کرایا گیا ایمان اور عمل صالح ہی خدا کے ہاں کام دیتا ہے۔ اب ایک مرتبہ دنیا میں بھیج دیجئے دیکھئے کیسے نیک کام کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سمعنا یعنی تو نے پیغمبروں کی تصدیق کر دی جن کو ہم جھوٹا کہتے تھے۔ ہم نے سن لی تیری طرف سے تصدیق کر دی۔ بعض نے کہا: سمعنا کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ہم نے اپنے گناہوں سے اور [illegible] کے متعلق جو کہا گیا تھا وہ سن لیا۔

یعنی دنیا میں ہم پہلے نہیں [illegible] اب ان کا یقین آ گیا [illegible]

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ
اور اگر ہم چاہتے تو سجھا دیتے ہر جی کو اس کی راہ لیکن
حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
ٹھیک ہو چکی میری کہی بات کہ مجھ کو بھرنی ہے دوزخ جنوں سے
وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ
اور آدمیوں سے اکٹھے

حکمت الٰہی کے تقاضے:

دوسری جگہ فرمایا وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ (انعام، رکوع ۳) یعنی جھوٹے ہیں اور دنیا کی طرف لوٹائے جائیں پھر وہی حرکتیں کریں۔ ان کی طبیعت کی افتاد ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ شیطان کے اغوا کا قبول کریں اور اللہ کی رحمت سے دور بھاگیں بیشک ہم قدرت تھی چاہتے تو ایک طرف سے تمام آدمیوں کو زبردستی اس راہ ہدایت پر قائم رکھتے جس کی طرف انسان کا اصل فطرۃ راہنمائی کرتا ہے لیکن اس طرح سب کو ایک ہی طور و طریق اختیار کرنے پر مجبور کرنا حکمت کے خلاف تھا جس کا بیان کئی جگہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا وہ بات پوری ہونی تھی جو ابلیس کے جواب لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ کے مقابلہ میں فرمائی تھی فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ (ص، رکوع ۵) عموم

ہوا کہ یہاں جن وانس سے مراد وہی شیاطین اور انکے اتباع ہیں۔ (تفسیر حقانی)

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے کچھ لوگوں کو پیدائشی جنتی بنایا، جب وہ اپنے آباء کی پشت میں تھے اسی وقت ان کو جنت کے لئے بنا دیا تھا اور کچھ لوگوں کو پیدائشی دوزخی بنایا جب وہ پشت پدر میں تھے اسی وقت ان کو دوزخ کے لئے بنا دیا تھا۔ رواہ مسلم۔

ہر ایک کے دو ٹھکانے:

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک کے لئے دوزخ میں ٹھکانا یا جنت میں ٹھکانا (پہلے سے) لکھ دیا گیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر ہم اپنی تحریر پر بھروسہ کیوں نہ کرلیں اور کیوں نہ عمل ترک کردیں؟ فرمایا عمل کئے جاؤ۔ ہر ایک کو اسی کام کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے جو خوش نصیب (لکھ دیئے گئے) ہیں ان کے لئے اہل سعادت کے عمل آسان کر دیئے جاتے ہیں۔ اور جو بدبخت (لکھ دیئے گئے) ہیں ان کو بد نصیبوں کے اعمال کی توفیق دی جاتی ہے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی آخر تک تلاوت فرمائی۔ رواہ بخاری و مسلم۔

جنتیوں اور دوزخیوں کی فہرست:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک میں دو تحریریں لئے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دونوں تحریریں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا ہم کو پتہ نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا یہ رب العالمین کی تحریر ہے اس میں (تمام) جنتیوں کے نام مع ان کے آباء و قبائل کے لکھے ہوئے ہیں پھر اس کو بند کر دیا گیا ہے آئندہ کبھی اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور بائیں ہاتھ والی تحریر کے متعلق فرمایا یہ تحریر بھی رب العالمین کی ہے اس میں دوزخیوں کے نام ان کے آباء و قبائل سمیت لکھے ہوئے ہیں پھر آخر میں اس کو بند کر دیا گیا ہے آئندہ کبھی اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جب معاملہ طے ہو چکا ہے تو پھر عمل کس وجہ سے کیا جائے فرمایا سیدھی چال چلتے رہو اور لگے لگے چلو جنتی کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کوئی عمل بھی کیا ہو اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوتا ہے خواہ (زندگی میں) اس نے کچھ بھی کیا ہو، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریروں کی طرف اشارہ کر کے پھینک دیا (یعنی یہ اشارہ کیا جیسے کوئی پھینکنے والا کرتا ہے اور وہ تحریریں غائب ہو گئیں) پھر فرمایا تمہارا رب بندوں (کے فیصلے) سے فارغ ہو چکا ہے۔ ایک فریق جنتی اور

دوسرا فریق دوزخی ہے۔ رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ
سو اب چکھو مزہ جیسے تم نے بھلا دیا تھا اس اپنے دن کے ملنے کو
هٰذَا اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ
ہم نے بھی بھلا دیا تم کو

ہم نے بھی تم کو بھلا دیا یعنی ہم بھی رحمت سے یاد نہیں کرتے جاتے ہیں۔ آگے مجرمین کے مقابلہ میں مومنین کا حال و مآل بیان فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
اور چکھو عذاب سدا کا عوض اپنے کئے کا
اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا
ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب اُن کو سمجھایئے اُن سے گر پڑیں
سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ
سجدہ کر کر اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور وہ بڑائی نہیں کرتے

اہل ایمان کا خوف:

یعنی خوف و خشیت اور خشوع و خضوع سے سجدہ میں گر پڑتے ہیں، زبان سے اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، ان میں کبر، غرور اور بڑائی کی بات نہیں رہتی جو آیات اللہ کے ماننے سے مانع ہو۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
جدا رہتی ہیں اُن کی کروٹیں اپنے سونے کی جگہ سے

مومنوں کی نمازیں:

یعنی میٹھی نیند اور نرم بستروں کو چھوڑ کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ مراد تہجد کی نماز ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں مذکور ہے۔ اور بعض نے عشاء کی یا صبح کی نماز یا مغرب و عشاء کے درمیان کے نوافل مراد لئے ہیں۔ لفظ میں ان سب کی گنجائش ہے لیکن صحیح وہی پہلی تفسیر ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

خوابگاہوں سے پہلو دور رکھنے سے مراد یہ ہے کہ وہ بستروں سے جدا ہو جاتے ہیں۔

مخصوص حضرات کیلئے اعلان:

حضرت اسماء بنت یزید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے دن جب اللہ ایک میدان میں لوگوں کو جمع کرے گا۔ پکارنے والے کی آواز سب کو (یکساں) سنائی دے گی (اور چونکہ میدان میں کوئی چیز حائل نہیں ہوگی اور نشیب و فراز نہیں ہوگا اس لئے) نظر سب کے پار جائے گی۔ منادی پکارے گا کہاں ہیں وہ لوگ جو راحت و تنگی میں اللہ کی حمد کرتے تھے یہ آواز سن کر کچھ تھوڑے سے لوگ اٹھیں گے اور سب جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر منادی پکارے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو خوابگاہوں سے الگ رہتے تھے یہ آواز سن کر کچھ تھوڑے سے لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور بلا حساب کے جنت میں چلے جائیں گے اس کے بعد باقی مخلوق اٹھے گی اور ان سے حساب لیا جائے گا (ہناد) ابن راہویہ اور بیہقی نے اپنی مسندوں میں بھی حضرت اسماء کی روایت سے حدیث مذکور اسی طرح بیان کی ہے اس روایت میں اتنا تغیر ہے کہ منادی اول ایسی آواز سے جو سب لوگوں کو سنائی دے گی یہ الفاظ پکارے گا اس مجمع والوں کو ابھی معلوم ہو جائے گا کہ کرم کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے۔

حسن بصری، مجاہد، امام مالک، اوزاعی اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ میں تہجد گزار مراد ہیں جو تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے ہیں۔

جنت میں لے جانے والا عمل:

امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابن راہویہ اور حاکم نے حضرت معاذ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت معاذ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں لے جائے اور دوزخ سے دور رکھے فرمایا تو نے بڑی بات دریافت کی اور اللہ جس کو توفیق دے اس کے لئے دشوار بھی نہیں ہے۔ تو اللہ (ہی) کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ قرار دے۔ نماز قائم رکھ زکوٰۃ ادا کر رمضان کے روزے رکھ اور کعبہ کا حج کر۔ پھر فرمایا میں تجھے خیر کے دروازے نہ بتا دوں (سن) روزہ ڈھال ہے (گناہوں سے) اور خیرات گناہ کو بجھا دیتی ہے (گناہ کی آگ کو اس طرح بجھا دیتی ہے جیسے پانی آگ کو۔ اور وسط رات میں نماز پڑھنی بھی خیر کا دروازہ ہے) اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ ... يَعْمَلُوْنَ تک تلاوت فرمائی۔

امر کا سر، ستون، کوہان اور جڑ:

پھر فرمایا میں تجھے امر کا سر اور ستون اور کوہان کی چوٹی نہ بتا دوں میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا امر کا سر اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی چوٹی جہاد ہے۔ اس کے بعد فرمایا میں تجھے اس سب کی جڑ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا اس کو روکے رکھو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم جو بات کرتے ہیں اس پر بھی ہماری پکڑ ہوگی۔ فرمایا معاذ تجھے تیری ماں روئے منہ کے بل یا ناک کے بل لوگوں کو دوزخ میں ڈالنے والی زبانوں کی کھیتی (یعنی الفاظ) ہی تو ہوں گے۔

افضل نفلی نماز اور روزے:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے بعد سب سے افضل روزے خدا کے مہینے محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ رواہ مسلم۔

اللہ کے دو محبوب بندے:

بغوی نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ دو آدمیوں کو بہت پسند فرماتا ہے ایک وہ جو اپنے بستر و لحاف میں سے اپنی محبوب بیوی بچوں کو چھوڑ کر نماز کو اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے میرے بندے کو دیکھو جو اپنے بستر و لحاف سے اور اپنی محبوب بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر میرے ثواب کا امیدوار ہو کر اور میرے عذاب سے ڈر کر اٹھ کھڑا ہوا ہے دوسرا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے۔ پھر شکست پا کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ پھر فرار کی حالت میں اس کو خیال آتا ہے کہ جہاد سے بھاگنے میں کیا جرم ہے اور لوٹ کر جانے میں کیا ثواب ہے تو لوٹ کر پھر جہاد میں چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا جاتا ہے (یعنی شہید ہو جاتا ہے) اللہ ملائکہ سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو کہ کس طرح وہ میرے ثواب کی طلب میں اور میرے عذاب سے ڈر کر (جہاد کی طرف) لوٹ گیا یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کے نعتیہ اشعار:

بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے حضرت (عبداللہ) ابن رواحہ (انصاری صحابی) کے یہ شعر نقل کئے ہیں۔

وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ	اذا انشق معروف من الفجر ساطع
اراناالھدی بعد العمی فقلوبنا	بہ موقنات ان ماقال واقع
یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ	اذا استثقلت بالکافرین المضاجع

ہم میں اللہ کے رسول ہیں جو صبح کی پو پھٹتے وقت اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں ہم اندھے پن کے بعد انہوں نے ہمیں راستہ دکھایا۔ ہمارے دلوں کو یقین ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا وہ حق ہے وہ رات کو اپنا پہلو بستر سے جدا رکھتے ہیں جبکہ کافروں کے بستر کافروں (کے بار) سے بوجھل پڑے ہوتے ہیں۔

سورۂ مزمل کی تفسیر میں ہم نے نماز تہجد کی فضیلت کو ظاہر کرنے والی حدیثیں ذکر کر دی ہیں۔

صحابہ کی شان:

ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے کہ آیت تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو (مغرب کی نماز پڑھ کر) عتمہ یعنی عشاء کی نماز کے انتظار میں رہتے تھے۔

بغوی نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت انسؓ نے فرمایا یہ آیت ہمارے گروہ انصار کی بابت نازل ہوئی ہم مغرب کی نماز پڑھ کر گھروں کو نہیں لوٹتے تھے (اور مسجد میں انتظار کرتے رہتے تھے) یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز ادا کرتے تھے (پھر گھروں کو لوٹتے تھے)

یہ بھی حضرت انسؓ ہی کی روایت ہے کہ اس آیت کا نزول کچھ صحابہ کے متعلق ہوا تھا جو مغرب کی نماز پڑھ کر عشاء کی نماز تک (مسجد میں ہی رہتے تھے) یہ روایت ابن مردویہ نے نقل کی ہے اس کی اصل سنن ابوداؤد میں موجود ہے۔ ابن ابی حاتم اور محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے ان دونوں بزرگوں کا قول ہے کہ (آیت میں جس نماز کا ذکر ہے) وہ صلوٰۃ الاوابین ہے۔

بزار نے کمزور سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت بلالؓ نے فرمایا ہم مجلس میں بیٹھے ہوتے تھے اور کچھ صحابی مغرب سے عشاء تک نماز پڑھتے رہتے تھے ان پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

عشاء و فجر کی جماعت کی فضیلت:

بغوی نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابودرداءؓ، حضرت ابوذرؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ عشاء اور فجر کی نماز (رسول اللہ کے ساتھ جماعت سے پڑھتے تھے۔ مسلم اور امام احمد نے حضرت عثمانؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے آدھی رات نماز پڑھی اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا پوری رات نماز میں گزاری۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ اذان دینے اور پہلی صف میں شریک ہونے کا ثواب جانتے اور پھر بغیر قرعہ اندازی کے اذان دینا اور پہلی صف میں شریک ہونا ان کو میسر نہ آتا تو وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے۔ اور اگر ظہر کی (باجماعت) نماز کا ثواب ان کو معلوم ہو جائے تو دوڑتے ہوئے پہلے پہنچنے کی کوشش کریں اور اگر (باجماعت) عشاء اور فجر کی نمازوں کے ثواب سے وہ واقف ہو جائیں تو سرینوں کے بل گھسٹ کر بھی پہنچیں۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین، محمد، النسائی) (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ دو شخصوں سے بہت ہی خوش ہوتا ہے ایک تو وہ جو رات کو میٹھی نیند سویا ہوا ہے لیکن دفعتاً اپنے رب کی نعمتیں اور اس کی سزائیں یاد کر کے اٹھ بیٹھتا ہے اپنے نرم و گرم بستر کو چھوڑ کر میرے سامنے کھڑا ہو کر نماز شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو ایک غزوے میں ہے کافروں سے لڑتے لڑتے مسلمانوں کا پاسہ کمزور پڑ جاتا ہے لیکن یہ شخص یہ سمجھ کر کہ بھاگنے میں خدا تعالیٰ کی ناراضگی ہے اور آگے بڑھنے میں رب تعالیٰ کی رضامندی ہے میدان کی طرف لوٹتا ہے اور کافروں سے جہاد کرتا ہے یہاں تک کہ اپنا سر اس کے نام پر تصدق کر دیتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے اور لالچ سے

اللہ سے لالچ اور اللہ سے ڈر:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اللہ سے لالچ اور ڈر برا نہیں، دنیا کا ہو یا آخرت کا۔ اور اس واسطے بندگی کرے تو قبول ہے ہاں اگر کسی اور کے خوف و رجاء سے بندگی کرے تو ریاء ہے کچھ قبول نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ

اور ہمارا دیا ہوا کچھ خرچ کرتے ہیں سو کسی جی کو معلوم نہیں

مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا

جو چھپا دھری ہے اُن کے واسطے آنکھوں کی ٹھنڈک بدلہ اُس کا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

جو کرتے تھے

راتوں کی عبادت کا انعام:

جس طرح راتوں کی تاریکی میں لوگوں سے چھپ کر انہوں نے یہ عبادت کی، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں جس وقت دیکھیں گے آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے جنت میں وہ چیز چھپا رکھی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی بشر کے دل میں گزری۔ (تنبیہ) سرسید وغیرہ نے اس حدیث وغیرہ سے جنت کی نعمائے جسمانی کا انکار کیا ہے۔ مگر یہ مضمون بدیہ سفیہ سے نام سے چھپا ہے اس میں جواب دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

جنتیوں کی حوریں:

حضرت عامر بن عبد الواحد فرماتے ہیں مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ایک جنتی اپنی حور کے ساتھ محبت پیار میں ستر سال تک مشغول رہے گا کسی دوسری چیز کی

طرف ان کا التفات ہی نہ ہوگا، پھر جو دوسری طرف التفات ہوگا تو دیکھے گا کہ پہلی سے بہت زیادہ خوبصورت [illegible] ایک اور حور ہے [illegible] اپنی طرف متوجہ دیکھ کر خوش ہو [illegible] ابھی تک [illegible] وجہ [illegible] دوسری طرف دیکھنے کا بھی نہیں۔ [illegible] مدت کے بعد پھر جو اس کا التفات اور جواب ہوگا تو دیکھے گا [illegible] اچھی [illegible] اب وقت [illegible] آپ میں [illegible] پوچھنے کا تم [illegible] ہوگا جواب [illegible] ان میں سے ہوں جن کی نسبت جناب باری تعالیٰ نے [illegible] کوئی نہیں جانتا [illegible] تعالیٰ [illegible] چھپا رکھی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں [illegible] پاس دنیا کے دن کے اندازے سے ہر دن میں تین تین بار جنت عدن کے خدائی تحفے لے کر جائیں گے جو ان کی جنت میں نہیں۔ (تفسیر [illegible])

ان دیکھی وان سنی نعمتیں،

حضرت [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] اللہ فرماتا ہے [illegible] نعمتیں [illegible] فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ [illegible] (نعمت) [illegible]

أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا ۚ لَّا يَسْتَوُونَ
[illegible]

[illegible] کل [illegible]

أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ
[illegible]
جَنَّاتُ الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
[illegible]

[illegible] اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کے عمل جنت کی مہمانی کا سبب بن جائیں [illegible]

وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ ۖ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن
[illegible]
يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا
[illegible]
عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ
[illegible] عذاب [illegible] تم جھٹلایا کرتے تھے

جہنمیوں کی سزا:

[illegible] جہنمیوں [illegible] طرف پھینکیں گے [illegible] وقت [illegible] فرشتے [illegible] (اللهم اعذني من النار واجرني من غضبك) (تفسیر [illegible])

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ
[illegible]
الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ
[illegible]

دنیا کا عذاب

[illegible] عذاب [illegible]

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ
[illegible]
ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ
[illegible]

[illegible]

إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ
[illegible]

[illegible]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ظلم واعراض سے دلگیر نہ ہوں۔ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے کتاب دی تھی جس سے بنی اسرائیل کو ہدایت ہوئی۔ اور اس کی پیروی کرنے والوں میں بڑے بڑے دینی پیشوا اور امام ہو گزرے۔ آپ کو بھی بلاشبہ اللہ کی طرف سے عظیم الشان کتاب ملی ہے جس سے بڑی مخلوق ہدایت پائے گی۔ اور [illegible] سے بڑھ کر آپ کی امت میں امام و رہبر ہوں گے۔ رہے معاندین کا فیصلہ تو حق تعالیٰ خود کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

تین گناہوں کی نقد سزا:

روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تین گناہ ایسے ہیں کہ ان کی سزا آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتی ہے [illegible] (رواہ ابن جریر عن معاذ بن جبل) [illegible]

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض نہ کرو ایسا کرنے والے بے عزت، بے وقعت اور بڑے گنہگار ہیں۔ یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ ایسے گنہگاروں سے ہم ضرور انتقام لیں گے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ تین کام جس نے کئے وہ مجرم ہوگیا، جس نے بے وجہ کوئی جھنڈا باندھا، جس نے ماں باپ کی نافرمانی کی، جس نے ظالم کے ظلم میں اس کا ساتھ دیا۔ یہ مجرم لوگ ہیں اور خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم مجرموں سے باز پرس کریں گے اور ان سے پورا بدلہ لیں گے (ابن ابی حاتم)۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ
اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ
فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ
دھوکے میں اس کے ملنے سے

یہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی بے شک بلاشبہ موسیٰ کو کتاب دی گئی اور آپ کو بھی اسی طرح کی کتاب ملی اس میں کوئی دھوکا اور فریب نہیں۔ یا موسیٰ کے ذکر پر فرمادیا کہ تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے کوئی دھوکا یا نظر بندی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یہ نقل کیا ہے کہ شب معراج میں موسیٰ اپنے رب سے ملے تھے۔

شب معراج کے نظارے:

شیخین نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب معراج میں میں نے موسیٰ کو دیکھا گندمی رنگ دراز قامت گھونگریالے بال ایسا معلوم ہوتا تھا کہ (قبیلۂ ازد) شنوأۃ کے ایک مرد ہیں۔ میں نے عیسیٰ کو بھی متوسط القامت سرخی سفیدی مائل رنگ اور سیدھے بالوں والا پایا۔ میں نے تمام دوسری آیات قدرت کے جو اللہ نے مجھے دکھائیں دوزخ کے داروغہ مالک اور دجال کو بھی دیکھا فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان مذکور کے بعد تلاوت فرمائی)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یونسؑ سے ملاقات:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب مکہ و مدینہ کے درمیان جا رہے تھے کہ ایک وادی کی طرف سے ہمارا گزر ہوا حضور نے فرمایا یہ وادی کونسی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا وادی ازرق ہے۔ فرمایا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آگیا کہ جب میں (شب معراج میں) اس وادی سے گزر رہا تھا تو موسیٰ میری نظر کے سامنے دونوں کانوں میں انگلیاں دیئے لبیک کہہ رہے تھے اور اللہ کو پکار رہے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا پھر ہم آگے چلتے چلتے ایک گھاٹی پر پہنچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کونسی گھاٹی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہرشا۔ فرمایا وہ یونس میری نظروں کے سامنے ہیں یونس سرخ اونٹنی پر سوار صوف کا جبہ پہنے اونٹنی کی مہار پکڑے اس وادی میں لبیک کہتے ہوئے گزر رہے تھے۔ رواہ مسلم۔

سورۂ بنی اسرائیل میں حدیث معراج کے بیان میں ذکر کر دیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کو چھٹے آسمان میں دیکھا اور نمازوں (کی تخفیف کی) بات چیت ہوئی تھی۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مجھے رات کو آسمان کی طرف لے جایا گیا تو (اثناء راہ میں) میں نے موسیٰ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ
اور کیا ہم نے اس کو ہدایت بنی اسرائیل کے واسطے اور کیے ہم نے ان میں
اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۚ
پیشوا جو راہ چلاتے تھے ہمارے حکم سے جب وہ صبر کرتے رہے

(یعنی شدائد اور منکرین کے جور و ستم پر۔ تفسیر عثمانی)

صبر امامت دلاتا ہے:

لما صبروا جب کہ انہوں نے اپنے (دین پر اور مصر کی سکونت کی حالت

میں بڑی بڑی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں پر) صبر کیا تھا، اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ صبر موجب امامت ہے (شدید مصائب پر صبر کرنے والے لوگوں کے پیشوا بن جاتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

کسی قوم کا مقتداء وامام بننے کے لئے دو شرطیں:

اس آیت میں حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں سے بعض کو امامت و پیشوائی کا درجہ عطا فرمانے کے دو سبب ذکر فرمائے ہیں اول صبر کرنا، دوسرے آیات الٰہیہ پر یقین کرنا، صبر کرنے کا مفہوم عربی زبان کے اعتبار سے بہت وسیع اور عام ہے، اس کے لفظی معنی باندھنے اور ثابت رہنے کے ہیں، اس جگہ صبر سے مراد احکام الٰہیہ کی پابندی پر ثابت قدم رہنا اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان سے اپنے نفس کو روکنا ہے، جس میں تمام احکام شریعت کی پابندی آجاتی ہے، اور یہ بہت بڑا عملی کمال ہے، دوسرا سبب ان کا آیات الٰہیہ پر یقین رکھنا ہے، اس میں آیات کے مفہوم کو سمجھنا پھر سمجھ کر اس پر یقین کرنا دونوں داخل ہیں، یہ بہت بڑا کمال علمی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امامت وپیشوائی کے لائق اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ لوگ ہیں جو عمل میں بھی کامل ہوں اور علم میں بھی، اور یہاں عملی کمال کو علمی کمال سے مقدم بیان فرمایا ہے کہ ترتیب طبعی میں علم عمل سے مقدم ہوتا ہے، اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ علم قابل اعتبار ہی نہیں جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكَانُوا بِاٰيٰتِنَا يُوقِنُونَ ﴿۲۴﴾

اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے

مسلمانوں کو تنبیہ: یعنی مسلمان اللہ کے وعدوں پر یقین رکھیں اور سختیوں پر صبر کر کے اپنے کام پر لگے رہیں تو ان کے ساتھ بھی خدا کا یہی معاملہ ہوگا۔ چنانچہ ہوا اور خوب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تیرا رب جو ہے وہی فیصلہ کرے گا ان میں دن قیامت کے

فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۲۵﴾

جس بات میں کہ وہ اختلاف کرتے تھے

حق وباطل کا فیصلہ

یعنی اہل حق اور منکرین کے درمیان دو ٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ دنیا میں بھی کئی مثالیں ایسی دکھائی جا چکی ہیں کہ کوئی انہیں دیکھ کر سمجھ

اور یہ بات حاصل کر سکتے ہیں کہ عاد و ثمود کی بستیوں کے تباہ شدہ کھنڈر اور نشان ان منکروں نے نہیں دیکھے؟ جن پر شام وغیرہ کے سفر میں ان کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ ان کی ہلاکت کی داستانیں نہیں سنیں۔ مقام تعجب ہے کہ وہ چیزیں دیکھنے سننے کے بعد بھی ان کو تنبیہ ہو اور نجات و فلاح کا راستہ نظر آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

متی ہذا الفتح میں فتح سے مراد یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن بندوں کا فیصلہ کرے گا۔ بعض نے کہا فتح سے قریب فیصلہ دینے سے مراد فتح مکہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

أَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ

کیا ان کو سمجھ نہیں آئی کہ کتنی غارت کر دیں ہم نے ان سے پہلے

مِّنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسٰكِنِهِمْ إِنَّ

جماعتیں کہ یہ پھرتے ہیں ان کے گھروں میں البتہ اس میں

فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ أَفَلَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۶﴾

نشانیاں ہیں کیا وہ سنتے نہیں

یعنی نہروں اور دریاؤں کا پانی یا بارش کا۔ (تفسیر عثمانی)

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ

یا دیکھا نہیں انہوں نے کہ ہم ہانک دیتے ہیں پانی کو زمین چٹیل کی طرف

بنجر زمین کی آبادکاری کا بندوبست:

ارض جرز سے مراد ایک خشک زمین جو نباتات سے خالی ہو، مراد ہے بعض نے خاص سرزمین مصر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے اور نسوق الماء سے دریائے نیل کا پانی مراد لیا ہے۔ اس تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔ کما نبہ علیہ ابن کثیر رحمہ اللہ۔ (تفسیر عثمانی)

سرزمین مصر کی آبادی کا انتظام:

حق یہ ہے کہ یہ مضمون ایسی تمام زمینوں کو شامل ہے، مگر مصر کی زمین خصوصیت سے اس میں شامل ہے، جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے، مگر بلاد حبشہ افریقہ کی بارشوں کا پانی دریائے نیل کے ذریعہ مصر میں آتا ہے، اور وہاں کی سرخ مٹی ساتھ لاتا ہے، جس میں نباتات کا مادہ زیادہ ہے، اس سے مصر کے لوگ اپنے ملک میں بارش نہ ہونے کے باوجود سال بھر پانی اور مٹی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، فتبارک اللہ احسن الخالقین (معارف مفتی اعظم)

دریائے نیل کی بھینٹ کی رسم:

روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو مصر والے بؤونہ مہینے میں حضرت عمرو

بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ ہماری قدیمی عادت ہے کہ اس مہینے میں دریائے نیل کی بھینٹ چڑھاتے ہیں اور اگر نہ چڑھائیں تو دریا میں پانی نہیں آتا۔ ہم ایسا کرتے ہیں کہ اس مہینے کی بارھویں تاریخ کو ایک باکرہ لڑکی کو لیتے ہیں جو اپنے ماں باپ کی اکلوتی ہو، اس کے والدین کو دے دلا کر رضامند کر لیتے ہیں اور اسے بہت عمدہ کپڑے اور بہت قیمتی زیور پہنا کر بنا سنوار کر اس نیل میں ڈال دیتے ہیں تو اس کا بہاؤ چڑھتا ہے ورنہ پانی چڑھتا ہی نہیں۔ سپہ سالار اسلام حضرت عمرو بن عاص فاتح مصر نے جواب دیا کہ ایک جاہلانہ اور احمقانہ رسم ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام تو ایسی عادتوں کو مٹانے کے لئے آیا ہے۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ باز رہے۔

دریائے نیل کا پانی نہ چڑھا، مہینہ پورا نکل گیا لیکن دریا خشک پڑا ہے۔ لوگ تنگ آ کر ارادے کرنے لگے کہ مصر کو چھوڑ دیں یہاں کی بود وباش ترک کر دیں۔

دریائے نیل کے نام حضرت عمر فاروقؓ کا خط

جب فاتح مصر کو خیال گزرتا ہے اور دربار خلافت کو اس سے مطلع فرماتے ہیں۔ اسی وقت خلیفۃ المسلمین امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جواب ملتا ہے کہ آپ نے جو کیا اچھا کیا اب میں اپنے اس خط میں ایک پرچہ دریائے نیل کے نام بھیج رہا ہوں تم اسے لے کر نیل میں ڈال دو۔ حضرت عمرو بن عاص نے اس پرچے کو نکال کر پڑھا تو اس میں تحریر تھا کہ: یہ خط ہے خدا تعالیٰ کے بندے امیر المومنین عمر کی طرف سے اہل مصر کے دریائے نیل کی طرف۔ بعد حمد وصلوٰۃ کے مطلب یہ ہے کہ اگر تو اپنی طرف سے اور اپنی مرضی سے چل رہا ہے تو خیر نہ چل اور اگر اللہ تعالیٰ واحد وقہار تجھے جاری رکھتا ہے تو ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تجھے رواں کر دے۔ یہ پرچہ لے کر حضرت امیر عسکر نے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ ابھی ایک رات بھی گزرنے نہ پائی تھی جو دریائے نیل میں سولہ ہاتھ گہرا پانی چلنے لگا اور اسی وقت مصر کی خشک سالی تر سالی سے، گرانی ارزانی سے بدل گئی۔ خط کے ساتھ ہی خطہ کا خطہ سرسبز ہو گیا اور دریا پوری روانی سے بہتا رہا۔ اس کے بعد سے ہر سال جو جان چڑھائی جاتی تھی وہ بچ گئی اور مصر سے اس ناپاک رسم کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا (کتاب السنۃ للشیخ الحافظ ابوالقاسم اللالکائی)۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ
پھر ہم نکالتے ہیں اس سے کھیتی کہ کھاتے ہیں اس میں سے ان کے چوپائے
وَاَنْفُسُهُمْ ۭ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ
اور خود وہ بھی پھر کیا نہیں دیکھتے

دعوت غور وفکر: یعنی ان نشانات کو دیکھ کر چاہیے تھا کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور رحمت وحکمت کے قائل ہوتے اور سمجھتے کہ اسی طرح مردہ لاشوں میں دوبارہ جان ڈال دینا بھی اس کے لئے کچھ دشوار نہیں۔ نیز اللہ کی نعمتوں سے جان ودل سے شکر گزار رہتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ فیصلہ اگر تم سچے ہو

منکرین کی جلد بازی: پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس پر منکرین کہتے ہیں کہ قیامت قیامت کب تک ہو، اگر سچے ہو تو وہ دن کب آئے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی دھمکیاں ہیں قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
تو کہہ فیصلہ کے دن کام نہ آئے گا منکروں کو
اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ
ان کا ایمان لانا اور نہ ان کو ڈھیل ملے گی

ابھی موقع سے فائدہ اٹھا لو:

یعنی ابھی موقع ہے۔ مقدور ہو تو سمجھ لو یقین کرو ورنہ اس دن سے ڈرو جب کیفر کردار کو پہنچ جانے پر نہ ایمان لانا کام آئے گا نہ سزا میں ڈھیل ہوگی اور نہ مہلت ملے گی۔ تم چاہو چال چلن درست کر کے حاضر ہو جاؤ۔ اس وقت کو بہت غنیمت سمجھو۔ تم اس تعذیب میں کہاں مت کرو جو خدا کی آنے والی ہے یقیناً، کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ پھر نہ نفس [illegible] جب آئے گی اور سب فیصلہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ
سو تو خیال چھوڑ ان کا اور منتظر رہ وہ بھی منتظر ہیں

آپ فرض تبلیغ ادا کرتے رہیں:

یعنی جو ایسے بے فکرے اور بے حس ہیں کہ باوجود نصیحت سمجھ اور مستوجب سزا ہونے کے فیصلہ اور سزا کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کے راہ راست پر آنے کی کیا توقع ہے۔ لہٰذا آپ فرض دعوت وتبلیغ ادا کرنے کے بعد ان کا خیال چھوڑیے اور ان کی تباہی کے منتظر رہیے جیسے وہ اپنے زعم میں معاذ اللہ آپ کی تباہی کے منتظر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الٓمٓ تنزیل اور ھل اتی علی الانسان پڑھتے تھے۔

حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے نہ تھے جب تک الٓمٓ تنزیل اور تبارک الذی بیدہ الملک نہ پڑھ لیتے تھے۔ رواہ احمد والترمذی والدارمی ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

گناہگار کی بخشش:

حضرت خالد بن معدان کا بیان ہے کہ الم تنزیل کے متعلق مجھے یہ خبر پہنچی ہے اور یہی حال تبارک الذی بیدہ الملک کے متعلق بھی ہے کہ ایک شخص یہی دو سورتیں پڑھتا تھا اور کچھ نہیں پڑھتا تھا اور تھا بڑا بدکار (مرنے کے بعد) الم تنزیل نے اس کو اپنے سایہ میں لے لیا اور اپنے پروں سے اس پر سایہ کر کے [illegible] سے یہ عرض کیا کہ یا رب یہ [illegible] مجھے بہت پڑھتا تھا۔ اللہ نے ان سورتوں کی شفاعت قبول فرما لی (اور ان کو حکم دیا) اور فرمایا ہر بدی کے عوض) اس شخص کے لئے نیکی لکھ دو اور [illegible]۔

سورہ کی وکالت:

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ یہ سورت قبر کے اندر اپنے پڑھنے والے کی طرف سے وکالت کرے گی اور عرض کرے گی (اے رب) اگر میں تیری کتاب کی سورت ہوں تو اس شخص کے متعلق میری شفاعت قبول فرما اور اگر میں تیری کتاب کا حصہ نہیں ہوں تو مجھے کتاب کے اندر سے مٹا دے یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے پر اپنے پر بچھا دے گی اس کو اپنے سایہ میں لے لے گی اس کے لئے شفاعت کرے گی اور عذاب قبر سے اس کو بچا لے گی۔

تمام سورتوں پر فضیلت:

یہ بھی روایت ہے کہ قرآن کی ہر سورت پر ان دونوں سورتوں کی فضیلت ساٹھ نیکیوں کے برابر ہے۔ رواہ الدارمی۔

شب قدر کی عبادت کا ثواب:

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے الٓمٓ تنزیل اور تبارک الذی پڑھی اس کو اتنا ثواب ملا گویا شب قدر میں اس نے رات جاگ کر عبادت کی۔ رواہ الثعلبی وابن مردویہ۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی حدیث اسی طرح بیان کی ہے۔ سیوطی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورت سجدہ ختم ہوئی

سورۃ الاحزاب

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان کی تعریف کرنے والا ہوگا اس کی عمر زیادہ ہوگی اور دوستوں کے ساتھ عمر زیادہ ہوگی [illegible]

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ

[illegible]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

[illegible]

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ

[illegible]

وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ وَّاتَّبِعْ

[illegible]

مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اس پر جو وحی کی جاتی ہے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بیشک اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

[illegible]

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا

[illegible]

کافروں کیلئے کبھی لچک دکھانے کی ضرورت نہیں ہے:

یعنی جیسے اب تک معمول رہا ہے آئندہ بھی ہمیشہ ایک اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانیے یہ سب مل کر خواہ کتنا ہی زور لگائیں، باتیں بنائیں، شور مچائیں، مجھوتے کی بات منوانا چاہیں، عیارانہ مشورے دیں، اپنی طرف جھکانا چاہیں، آپ اصلاً پرواہ نہ کیجئے اور خدا کے سوا کسی کا ڈر پاس نہ آنے دیجئے۔ اسی اپنے پروردگار کی بات مانیے اسی کے آگے جھکیے خواہ ساری مخلوق الٹی ہو جائے آپ ان کے خوف سے ہرگز کسی کی بات نہ سنیں۔ اللہ تعالیٰ

سب احوال کا جاننے والا ہے۔ وہ جس وقت جو حکم دے گا نہایت حکمت اور خبرداری سے دے گا۔ اسی میں تمہاری اصلی بہتری ہوگی۔ جب اس کے حکم پر چلتے رہو گے اور اسی پر بھروسہ رکھو گے تمہارے سب کام اپنی قدرت سے بنا دے گا۔ تنہا اسی کی ذات بھروسہ کرنے کے لائق ہے۔ جو سارے دل سے اس کا ہو رہا دوسری طرف دل نہیں لگا سکتا۔ دوسرا دل ہو تو دوسری طرف جائے لیکن ایک سینہ میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ کافر چاہتے تھے اپنی طرف نرم کرنا اور منافق چاہتے تھے اپنی چال سکھانا اور پیغمبر وصرف اللہ پر بھروسہ ہے۔ اس سے زیادہ دانا کون۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ احزاب کی آیات:

حضرت اُبی بن کعب نے حضرت زر سے فرمایا سورۂ احزاب کی گنتی آپ کے نزدیک کتنی ہے؟ حضرت زر نے جواب دیا تہتر۔ حضرت اُبی نے فرمایا، قسم ہے اس خدا کی جس کی قسم ابی کھایا کرتا ہے کہ یہ سورۃ سورۂ بقرہ کے برابر یا اس سے بڑی تھی ہم نے اس سورۃ میں یہ آیت بھی پڑھی تھی الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھا نکالا من اللّٰہ واللّٰہ عزیز حکیم

تقویٰ کی اہمیت:

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ اے نبی اللہ سے ڈرتے رہو نبی کے لفظ سے خطاب کر کے تقویٰ کا حکم دیا، محمد نہیں فرمایا اس سے تقویٰ کی اہمیت اور عظمت بتانا مقصود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ سے ڈرنا اور تقویٰ رکھنا ضروری ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے ان آیات کا نزول ابوسفیان بن حرب، عکرمہ بن ابوجہل اور ابوالاعور عمرو بن سفیان سلمی کے حق میں ہوا۔ جنگِ اُحد کے بعد یہ تینوں شخص مدینہ میں آکر سرگروہ منافقین عبداللہ بن ابی کے پاس ٹھہرے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کی درخواست کی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی چنانچہ عبداللہ بن ابی سعد اور طعمہ بن ابیرق خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ لات عزیٰ اور مناۃ کا تذکرہ چھوڑ دیجئے ہمارے ان معبودوں کا ذکر (برائی کے ساتھ) نہ کیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ جو شخص ان کو پوجے گا یہ معبود اس کی شفاعت کریں گے اگر آپ ایسا کرلیں گے تو ہم آپ کا اور آپ کے رب کا ذکر (برائی کے ساتھ) نہیں کریں گے (اور آپ کے کام میں مداخلت نہیں کریں گے) اس وقت حضرت عمر بن خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی یہ بات بہت شاق گزری۔ حضرت عمر نے فرمایا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اجازت دیجئے میں ان کو قتل کردوں فرمایا میں ان کو امن دے چکا ہوں۔ پھر فرمایا نکل جاؤ تم پر اللہ کی لعنت اور غضب۔ چنانچہ حضور نے ان کو مدینہ سے نکال دینے کا حکم دے دیا اس پر اللہ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو ہے کیونکہ تقویٰ کے حکم کا روئے سخن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امت سب کی طرف تھا اگرچہ صیغہ مفرد کا استعمال کیا گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ کے مضامین:

یہ مدنی سورۃ ہے اس کے بیشتر مضامین رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور خصوصیت عند اللہ پر مشتمل ہیں، جس میں آپ کی تعظیم کا واجب ہونا اور آپ کی ایذاء رسانی کا حرام ہونا مختلف عنوانات سے بیان ہوا ہے، اور باقی مضامین سورۃ بھی انہی کی تکمیل واتمام سے مناسبت رکھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعزاز:

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص اعزاز واکرام ہے کہ پورے قرآن میں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر خطاب نہیں کیا گیا، جیسا کہ دوسرے انبیاء کے خطابات میں یا ادم، یا نوح یا ابراھیم یا موسیٰ وغیرہ ذلک بار بار آیا ہے، بلکہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے قرآن میں جہاں خطاب کیا گیا وہ کسی لقب نبی یا رسول وغیرہ سے خطاب کیا گیا، صرف چار مواقع جن میں یہی بتلانا منظور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر کیا گیا ہے جو ضروری تھا۔

صرف وحی کی اتباع کریں:

وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰٓی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا یہ پہلے ہی حکم کا تکملہ ہے کہ آپ کفار ومنافقین کی باتوں میں نہ آئیں، ان کی بات نہ مانیں بلکہ جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ کو بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے بس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اسی کا اتباع کریں، چونکہ اس خطاب میں صحابہ کرام اور عام مسلمان بھی شامل ہیں، اس لئے آخر میں بصیغہ جمع بِمَا تَعْمَلُوْنَ فرما کر تنبیہ کردی گئی۔

بھروسہ فقط اللہ پر رکھیں:

وَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا یہ بھی اسی حکم کی تکمیل ہے، اس میں ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں، اپنے مقصد کی کامیابی میں صرف اللہ پر بھروسہ کریں، کہ وہ ہی کافی کارساز ہے، اس کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی رواداری کی ضرورت نہیں،

مسئلہ: آیات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امور دین میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں، دوسرے امور جن کا تعلق تجربہ وغیرہ سے ہو ان میں مشورہ لینے میں مضائقہ نہیں، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

پچھلی سورۃ سے ربط:

گزشتہ سورت کے اخیر میں کفار کو قریبی عذاب کی دھمکی دی گئی تھی۔ وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ اس سورت میں اسی قریبی عذاب کا ذکر ہے یعنی غزوۂ احزاب میں کفار کی شکست کا بیان ہے جو عذاب ادنیٰ کا ایک مصداق ہے۔

سورۃ احزاب کی منسوخ شدہ آیات:

یہ سورت جب ابتداء میں نازل ہوئی تو قریب قریب سورۂ بقرہ کے تھی اور اس میں آیت رجم بھی تھی یعنی الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموها نکالا من الله و الله عزیز حکیم یعنی بیاہا ہوا مرد اور بیاہی ہوئی عورت یعنی شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت جب زنا کریں تو ضرور بضرور ان کو سنگسار کر دو، اللہ کی طرف سے بطور عقوبت یہ حکم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست اور حکمتوں والا ہے پھر اللہ نے اس سورت میں سے جس قدر چاہا اٹھالیا۔ رواہ احمد والنسائی عن ابی بن کعب واسنادہ حسن۔ (تفسیر [illegible])

یعنی اس سورت کا بیشتر حصہ عہد رسالت میں اٹھالیا گیا اور سینوں میں سے نکال لیا گیا اور ان کی تلاوت منسوخ ہوگئی مگر اس میں سے ایک آیت رجم تو ایسی ہے کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہوگئی مگر اس کا حکم تاہنوز باقی ہے اور اس پر عمل جاری ہے اور تا قیامت اس پر عمل جاری رہے گا۔

چنانچہ عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد اپنے خطبہ میں یہ فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حق کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور آپ پر کتاب مجید نازل کی پس اس میں آیت رجم بھی تھی جسے ہم نے پڑھا اور خوب یاد کیا اور یہ آیت پڑھی۔ الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموها نکالا من الله و الله عزیز حکیم یعنی شادی شدہ مرد اور شادہ شدہ عورت جب زنا کریں تو قطعاً دونوں کو سنگسار کر دو۔ اللہ کے حکم سے بطور عقوبت و سزا کے بے شک اللہ عزیز و حکیم ہے۔ ([illegible])

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ
اللہ نے نہیں رکھے کسی مرد کے دو دل اس کے اندر
وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ
اور نہیں کیا تمہاری ان بیبیوں کو جن کو ماں کہہ بیٹھے ہو سچ مچ ماں
وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم
اور نہیں کیا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے یہ تمہاری بات ہے

بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ
اپنے منہ کی اور اللہ کہتا ہے ٹھیک بات اور وہی سمجھاتا ہے راہ

رسوم جاہلیت کی تردید:

یعنی جس طرح ایک آدمی کے سینہ میں دو دل نہیں۔ ایسے ہی ایک شخص کی حقیقی دو مائیں یا ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوتے۔ جاہلیت کے زمانہ میں کوئی بیوی کو ماں کہہ دیتا تو ساری عمر کے لئے اس سے جدا ہو جاتی۔ گویا اس لفظ سے وہ حقیقی ماں بن گئی۔ اور کسی کو منہ بولا بیٹا بنا لیتا تو سچ مچ بیٹا سمجھا جاتا تھا اور سب احکام اس پر بیٹے کے جاری ہوتے تھے۔ قرآن کریم نے اس لفظی و مصنوعی تعلق و حقیقی اور قدرتی تعلق سے جدا کرنے کے لئے ان رسوم و مفروضات کی بڑی تندی سے تردید [illegible] [illegible] ہے وہ اس کی حقیقی ماں بن جاتی ہے [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] پر جاری نہیں کئے جاتے۔ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نہیں ہوتی۔ [illegible] کی حقیقت [illegible] نہیں [illegible] کی جاتی ہے [illegible] آدمی [illegible] [illegible] اور قوی اللقب یا ایک شخص جو ایک وقت میں مختلف چیزوں کی طرف متوجہ ہو [illegible] نکلے گا۔ اسی طرح [illegible] باپ یا بیٹے کے سوا کسی کو بیٹا کہہ دینے سے [illegible] وہ نسبت ثابت نہیں ہو جاتی جو بدون ہمارے زبان سے کہے قدرت نے قائم کر دی ہے۔ [illegible] مصنوعی اور حقیقی تعلقات میں خلط ملط نہیں کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے:

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ اللہ نے کسی کے سینہ میں دو دل نہیں بنائے۔

دل روح حیوانی اور تمام قوتوں کا سرچشمہ ہے اسی وجہ سے ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اگر بالفرض دو دل ہوں تو وہ یا ایک دل سے سارے قلبی افعال سرانجام دے گا اس صورت میں دوسرا دل بیکار ہوگا یا دونوں دلوں

سے ایک ہی کام کرے گا تب بھی وہ ہونے کی کوئی ضرورت نہ ہوگی یا ایک دل سے ایک کام اور دوسرے دل سے پہلے کام کے خلاف کام کرے گا اس سے افعالِ قلبی میں کھلا ہوا تناقض پیدا ہو جائے گا۔

ابو معمر فہری: بغوی اور ابن ابی حاتم نے سدی اور ابن ابی نجیح کی روایت سے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ ایک شخص تھا ابو معمر جمیل بن معمر فہری اس شخص کی سمجھ بھی تیز تھی اور حافظہ بھی اتنا قوی کہ جو کچھ سنتا تھا یاد رہتا تھا قریش کہتے تھے ابو معمر کا جو حافظہ اتنا قوی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دو دل ہیں وہ خود بھی کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں محمد جو کچھ سمجھتے ہیں اس سے زیادہ سمجھ تو میرے ہر ایک دل میں ہے میں ایک دل سے بھی ان سے زیادہ جانتا اور بہتر سمجھتا ہوں اسی کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

بدر کے دن جب قریش کو شکست ہوئی تو ابو معمر بھی بھاگ کھڑا ہوا ایک پاؤں میں جوتی تھی اور دوسری جوتی ہاتھ میں تھی۔ اسی حالت میں ابوسفیان کا سامنا ہو گیا ابوسفیان نے پوچھا ابو معمر لوگوں کا کیا حال ہے۔ ابو معمر نے کہا شکست کھا گئے۔ ابوسفیان نے کہا تیرا یہ کیا حال ہے کہ ایک جوتی پاؤں میں اور ایک ہاتھ میں ہے۔ ابو معمر نے کہا ارے میں تو دونوں جوتیاں پاؤں میں سمجھ رہا تھا۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس کے دو دل نہیں ہیں اگر دو دل ہوتے تو ہاتھ میں پکڑی ہوئی جوتی کو نہ بھولتا۔

ابن ابی حاتم نے بسند ضعیف سعید بن جبیر اور مجاہد اور عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص تھا جس کو دو دل والا کہا جاتا تھا اسی کے بارے میں اس آیت کا نزول ہوا۔ ابن جریر نے بوساطت عوفی حضرت ابن عباس اور بوساطت قتادہ حسن بصری کا بھی یہی بیان نقل کیا ہے۔ اس بیان میں اتنا زائد ہے کہ وہ شخص کہتا تھا کہ میرا ایک دل مجھے (کسی کام کو) کرنے کا حکم دیتا ہے اور دوسرا دل منع کرتا ہے۔

منافقوں کی قیاس آرائی کی تردید:

ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو حسن کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک بار) کھڑے ہوئے اس وقت آپ کے دل میں کسی بات کا خطرہ پیدا ہوا، منافق جو آپ کے پاس اس وقت موجود تھے کہنے لگے دیکھو اس شخص کے دو دل ہیں، ایک تمہارے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے رفیقوں کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ظہار کا حکم: وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ دورِ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی شریعت میں (طلاق نہیں قرار دیا گیا بلکہ) ظہار کرنے والا جب تک کفارہ ادا نہ کرے اس وقت تک بیوی سے قربت صنفی کی ممانعت کر دی۔

ظہار کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کو کہہ دے تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت۔ ظہار کے مسائل ہم نے سورۂ مجادلہ میں بیان کر دیئے ہیں۔

لے پالک بیٹے:

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ کسی کو بیٹا بنانے سے حقیقی بیٹے کے احکام اس پر جاری نہیں ہو جاتے۔ نہ وہ میراث کا مستحق قرار پاتا ہے۔ نہ اس سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں عرب کے ان جاہلی اقوال کی تردید کر دی گئی ہے کہ دانشمند قوی حافظہ والے کے دو دل ہوتے ہیں، اور ظہار کر لینے سے طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور عورت شوہر کے لئے ہمیشہ کے واسطے ماں کی طرح حرام ہو جاتی ہے اور بنایا ہوا بیٹا حقیقی بیٹے کی طرح ہو جاتا ہے میراث کا بھی مستحق بن جاتا ہے اور اس سے نکاح بھی حرام ہو جاتا ہے اور بناوٹی بیٹے سے وہ تمام رشتہ دار حرام ہو جاتے ہیں جو حقیقی بیٹے کے ہوتے ہیں اور حرام ہوتے ہیں (جیسے حقیقی بیٹے کی بیوی، بہن وغیرہ) نبوت سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی کو آزاد کر کے بیٹا بنایا تھا اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب سے ان کا رشتہ اخوت قائم کر دیا تھا۔ حضرت زید نے اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دے دی اور رسول اللہ نے ان سے نکاح کر لیا۔ منافق کہنے لگے کہ محمد نے خود تو اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا اور دوسروں کو منع کرتے تھے اس پر آیت اللہ نے نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ کی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام جس کو ابو حذیفہ نے بیٹا بنا لیا ہے ہمارے گھر میں آتا ہے اور میں اس وقت ایک کپڑا پہنے ہوتی ہوں ہم سالم کو بیٹا ہی سمجھتے ہیں اس کا کیا حکم ہے اس پر آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

جس طرح ایک انسان کے پہلو میں دو دل نہیں ہوتے، اور جس طرح بیوی کو ماں کے مثل کہنے سے بیوی ماں نہیں بن جاتی، اسی طرح منہ بولا بیٹا تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا، یعنی دوسرے بیٹوں کے ساتھ نہ وہ میراث میں شریک ہوگا اور نہ حرمتِ نکاح کے مسائل اس پر عائد ہوں گے کہ بیٹے کی مطلقہ بیوی باپ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے تو متبنیٰ کی بیوی بھی حرام ہو۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ محض شفقت کی وجہ سے ہو متبنیٰ قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ اگرچہ جائز ہے، مگر پھر بھی بہتر نہیں کہ صورۃً ممانعت میں داخل ہے
(کذا فی الروح عن الخفاجی علی البیضاوی) (معارف مفتی اعظم)

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ
پکارو لے پالکوں کو ان کے باپ کی طرف نسبت کر کے یہی پورا انصاف ہے اللہ کے یہاں

اور ٹھیک انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اس کے حقیقی باپ کی طرف کی جائے۔ کسی نے پالک بنا لیا تو وہ واقعی باپ نہیں بن جاتا۔ ہاں ادنیٰ شفقت و محبت سے دل کی وجہ سے بیٹا یا باپ کہہ کر پکارے، وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ نسبی تعلقات اور ان کے احکام میں اشتباہ و التباس واقع نہ ہونے پائے۔

ابتدائے اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کو آزاد کر کے متبنیٰ کر لیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انہیں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر پکارنے لگے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو۔ یعنی حقیقی باپوں سے ان کا نسب ملاؤ۔

هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ - یہ بات اللہ کے نزدیک بہت انصاف کی ہے۔

اقسط اسم تفضیل کا صیغہ ہے لیکن حقیقی زیادتی مراد نہیں ہے بلکہ فی نفسہ عدل کی زیادتی مراد ہے یعنی کامل سچی بات۔

حضرت زید بن حارثہؓ:

بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے ہم زید کو زید بن حارثہ نہیں کہتے تھے بلکہ زید بن محمد کہتے تھے یہاں تک کہ آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی (اس کے بعد ہم زید بن حارثہ کہنے لگے) (تفسیر مظہری)

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ
پھر اگر نہ جانتے ہو ان کے باپ کو تو تمہارے بھائی ہیں
فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْكُمْ
دین میں اور رفیق ہیں

یعنی اگر باپ معلوم نہ ہو تو بہرحال تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں ان ہی القاب سے یاد کرو۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کو فرمایا۔ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ وَلٰكِنْ
اور گناہ نہیں تم پر جس چیز میں چوک جاؤ پر وہ
مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا
جو دل سے ارادہ کرو اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

بھول چوک معاف ہے:

یعنی بھول کر یا نادانستہ اگر غلط کہہ دیا کہ فلاں کا بیٹا فلاں، وہ معاف ہے۔ خطا بھول چوک کا گناہ کسی چیز میں نہیں، جان کر کرو تو گناہ ہے۔ اس میں بھی توبہ چاہئے تو بخشش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرے کی طرف غلط نسبت کی سزا:

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابو بکرہؓ راوی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جانتے ہوئے (سچے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ ظاہر کیا اس پر جنت حرام ہے۔ [illegible]

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم (اپنے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ نہ بناؤ [illegible] اپنے باپ سے [illegible] کفر ہے۔ [illegible]

مسئلہ: امام ابو حنیفہ کا قول ہے [illegible] اپنے غلام کو جو عمر میں آقا سے زیادہ ہو یہ بات کہہ دے کہ یہ میرا بیٹا ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا [illegible] [illegible] غلام آزاد ہو جائے گا [illegible] [illegible] (تفسیر مظہری)

مجتہد کی خطا:

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا [illegible] میں کامیاب ہو جائے اپنے اجتہاد میں صحت و حق پا جائے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور اگر خطا کر جائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کو ان کی خطا میں بھول چوک اور جو کام ان سے [illegible] (تفسیر ابن کثیر)

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ
نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے

مومن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق:

مومن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتی ہے۔ آفتاب نبوت پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام ہوئے۔ بنابریں مومن (من حیث ہو مومن) اگر اپنی حقیقت سمجھنے کے لئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر علیہ السلام کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی۔ اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہے اور اس

روحانی تعلق کی بنا پر کہہ دیا جائے کہ مومنین کے حق میں نبی [illegible] باپ سے بھی اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے تو بالکل بجا ہوگا۔ چنانچہ بعض صحابہ میں انما انا لکم بمنزلة الوالد الخ اور ابی بن کعب وغیرہ کی قراءت میں آیت ہذا [illegible] وهو اب لهم کا جملہ حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہ نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت و شفقت طبعی اوروں سے بڑھ کر ہے [illegible] نبی اور امتی کا تعلق [illegible] ہے۔ یقیناً امتی کا ایمانی و روحانی وجود نبی کی روحانیت کبریٰ کا ایک پرتو ہوتا ہے اور جو شفقت و تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا۔ باپ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] شفقت و تربیت فرماتے ہیں جو خود ہماری جان بھی اپنی نہیں کر سکتی۔ اسی لئے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ نبی نائب ہے اللہ کا اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ [illegible]

[illegible]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب ہے

[illegible] نبی کا مومنوں سے تعلق [illegible] پیغمبر کی اطاعت سب پر واجب ہے [illegible] خلاف ہو تو [illegible] پیغمبر [illegible] راہ خدا میں جان خرچ کرنے کا حکم دینے کا حق حاصل ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنی مرضی پر مقدم ہے۔

حضرت ابن عباس اور عطاء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب نبی کسی کو کسی کام کی دعوت دیں اور اس کا نفس کسی دوسری بات کا خواہش مند ہو تو نفس کی طاعت سے نبی کی طاعت اولیٰ ہے کیونکہ نبی تو مسلمانوں کے مصالح اور مفاسد سے پوری طرح خوب واقف ہیں، مومنوں کے لئے اسی بات کو پسند کرتے اور اسی کام کا حکم دیتے ہیں جس میں مومنوں کی بہبودی اور کامیابی ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ۔

انسان کا نفس ہمیشہ بدی کا حکم دیتا ہے سوا اس کے جس پر اللہ کا کرم ہو انسان کا نفس بڑا ناحق کوش اور بہت ہی نادان ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مومنوں کو اللہ کے رسول کی محبت اپنے نفسوں سے بھی زیادہ ہو اور اللہ کے رسول کا حکم نفس کی حکومت پر غالب ہو اور رسول خدا کی مومنوں پر شفقت اتنی ہو کہ خود ان کی اپنے نفسوں پر نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ میں اس کی نظر میں اس کے باپ اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں رواہ البخاری و مسلم فی صحیحیہما عن انسؓ۔

مومن دنیا و آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہے:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مومن سے دنیا و آخرت میں میرا تعلق سب سے زیادہ ہے اگر اس کا ثبوت چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو۔ پس جو مومن مال چھوڑ کر مرے تو اس کے مال کے وارث اس کے عصبات ہوں گے جو بھی ہوں۔ اور جو مومن نادار بیوی بچوں کو چھوڑ جائے تو وہ میرے پاس آجائیں میں ان کا متولی ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ
اور اس کی عورتیں ان کی مائیں ہیں

ازواجِ مطہرات امہات المؤمنین ہیں:

یعنی دینی مائیں ہیں تعظیم و احترام میں اور بعض احکام میں جو ان کے لئے شریعت سے ثابت ہوں۔ کل احکام میں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ اور نبی کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں، یعنی ان کا نکاح (ماؤں کی طرح) ہمیشہ کے لئے (ہر مومن کا) نکاح حرام ہے یہ مطلب نہیں ہے جس طرح ماؤں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے اسی طرح پیغمبر کی بیبیوں کو دیکھنا اور ان کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا جائز ہے۔ امہات المؤمنین کو دیکھنا اور خلوت میں ان کے ساتھ بیٹھنا تو ایسا ہی ناجائز ہے جیسے اجنبی عورتوں کے ساتھ اللہ نے فرمایا ہے وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ اگر امہات المؤمنین سے تم کوئی سامان مانگنا ہو تو پردہ کی اوٹ سے مانگو۔

امہات المؤمنین کی دیگر رشتہ دار:

امہات المؤمنین کی بیٹیوں کو امت کی بہنیں نہیں کہا جاتا، نہ اس کے بہن بھائی امت کی خالائیں اور ماموں ہیں (نسبی رشتہ نہیں ہے) امام شافعی نے فرمایا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اسماء سے نکاح کیا اور اسماء حضرت عائشہ کی بہن تھیں لیکن کسی نے نہیں کہا کہ حضرت اسماء مومنوں کی خالہ تھیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کا نکاح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ سے کیا تھا (اگر حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی صاحبزادیاں امت کی بہنیں ہوتیں تو ان سے کسی کا نکاح نہیں ہوتا)۔

ازواجِ مطہرات سے امتی کا نکاح حرام ہے:

شعبی نے مسروق کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہ کو ماں کہا تو آپ نے فرمایا، میں تمہاری ماں نہیں ہوں تمہارے مردوں کی ماں ہوں۔ بیہقی نے سنن میں بھی یہ روایت نقل کی ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو مومنوں کی مائیں فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ماؤں کی طرح ازواج مطہرات سے امت کا نکاح حرام ہے۔ حضرت ابی بن کعب کی قراءت میں آیت وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ یعنی رسول اللہ مومنوں کے دینی باپ تھے ہر پیغمبر اپنی امت کا دینی باپ ہوتا ہے۔ سب کی ابدی زندگی کی جڑ پیغمبر ہی ہوتا ہے اسی لئے سب مومن آپس میں دینی بھائی قرار دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ
اور قرابت والے ایک دوسرے سے لگاؤ رکھتے ہیں اللہ کے حکم میں زیادہ
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا
سب ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں سے مگر یہ کہ کرنا چاہو اپنے ساتھیوں سے سلوک

نسبی رشتہ داری:

حضرت کے ساتھ جنہوں نے وطن چھوڑا، بھائی بندوں سے ٹوٹے، آپ نے اُن مہاجرین اور انصار مدینہ میں سے دو دو آدمیوں کو آپس میں بھائی بنا دیا تھا۔ بعد مہاجرین کے دوسرے قرابتدار مسلمان ہوگئے تب فرمایا کہ قدرتی رشتہ ناطہ اُس بھائی چارہ سے مقدم ہے میراث وغیرہ رشتہ ناطے کے موافق تقسیم ہوگی۔ ہاں سلوک احسان ان رفیقوں سے بھی کئے جاؤ۔ (موضح القرآن)

دینی اخوۃ وموالات کی بنیاد پر وراثت منسوخ:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ میں مِنْ تفضیلیہ ہے ابتداءِ اسلام میں مہاجر مہاجر کا وارث ہوتا یا دینی موالات (انصار و مہاجرین کی اخوت دینی) موجب میراث تھی اس آیت سے وہ حکم منسوخ ہو گیا (اور دوسرے مہاجرین و مومنین کے مقابلہ میں قرابتدار اپنے قرابت داری میراث کا مستحق قرار دیا گیا) قتادہ نے کہا مسلمان ہجرت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے (بغوی)

کلبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں باہم رشتہ اخوت قائم کرا دیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو دو مسلمانوں کو بھائی بھائی بنا دیتے تھے آخر یہ آیت نازل ہوئی (تو پچھلا دستور منسوخ ہو گیا)۔ (تفسیر مظہری)

كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا
یہ ہے کتاب میں لکھا ہوا

یعنی قرآن میں یہ حکم ہمیشہ کو جاری رہے۔ یا تورات میں بھی ہوگا یا "کتاب" سے "لوحِ محفوظ" مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ
اور جب لیا ہم نے نبیوں سے اُن کا اقرار اور تجھ سے
وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى
اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور عیسیٰ سے
ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا
جو بیٹا مریم کا اور لیا ہم نے اُن سے گاڑھا قرار

انبیاء سے میثاق: یعنی یہ قول و قرار کہ ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کرے گا۔ اور دین کے قائم کرنے اور حق تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے گا۔ "آلِ عمران" میں اس میثاق کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں اوپر پیغمبر کے حق میں فرمایا تھا کہ مومنین پر اُن کی جان سے زیادہ تصرف رکھتا ہے یہاں اشارہ فرمایا کہ یہ جیسے حق ویسے ہی ان پر محنت (اور ذمہ داری بھی) سب سے زیادہ ہے۔ اسلئے ساری خلق سے مقابل ہونا اور کسی سے خوف نہ کھانا، پیغمبروں کے سوا کس کا کام ہو سکتا ہے۔ یہ پانچ پیغمبر جن کے نام یہاں خصوصیت سے لئے اولو العزم پیغمبر ہوئے ہیں۔ ان کی ہدایت کا اثر ہزاروں برس رہا اور جب تک دنیا ہے رہے گا۔ ان میں پہلے نام ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا کیونکہ عالم شہادت میں آپ کا ظہور سب کے بعد ہوا ہے۔ مگر رتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے ہیں اور وجود بھی آپ کا عالم غیب میں سب سے مقدم ہے۔ کما ثبت فی الاحادیث۔ (تفسیر عثمانی)

عہد کس وقت لیا گیا:

یہ عہد اس وقت لیا گیا تھا جب پشت آدم سے سب کو برآمد کیا گیا تھا۔ اللہ نے سب سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کریں گے دوسروں کو بھی اللہ ہی کی عبادت کی دعوت دیں گے اپنی اپنی امت کے بہی خواہ رہیں گے اور ہر ایک دوسرے کی مدد کرے گا۔

میثاق تمام انبیاء سے لیا گیا:

النَّبِيّٖنَ کا لفظ تمام انبیاء کو شامل ہے سب ہی پیغمبر اس میں آ گئے لیکن اس کے بعد چند پیغمبروں کا نام بطور خصوصی تذکرہ کے لئے لیا گیا یہ پیغمبر اولو العزم تھے ان پر

کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے تھے ان کو الگ الگ مستقل شریعتیں دی گئی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان [illegible] دوسرے پیغمبروں [illegible] سے پہلے آپ کا ذکر (بطور [illegible]) [illegible] تقدیم [illegible] کی طرف بھی اشارہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی [illegible] پیدائش کے آغاز [illegible] سب لوگوں سے مقدم [illegible] [illegible] سب سے پیچھے (آیا ہوں) [illegible] قیامت کے روز [illegible] [illegible] عن ابی ہریرۃ مختصراً (روایت بغوی) [illegible] (حدیث مذکور بیان کرنے کے بعد) [illegible] (مضمون) [illegible] اس میں اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا [illegible] سب سے پہلے [illegible]۔

ابن سعد نے اور ابونعیم نے حلیہ میں [illegible] بن معدان کی مرسلات سے بروایت ابوالجدعاء اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابن عباس کی روایت سے حدیث مذکور [illegible] نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا جب [illegible] (روح اور جسم کے درمیان) تھے۔

میثاق غلیظ [illegible] عہد [illegible] ایمان کے ساتھ پختہ [illegible]۔

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ

[illegible]

لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا

[illegible]

میثاق کا مقصد: [illegible] پیغمبروں [illegible] ربانی اپنے احکام خلق [illegible] سب سے پوچھ گچھ کرے گا۔ تاکہ [illegible] سچائی پر قائم رہنے والوں [illegible] سچائی سے انعام [illegible] دی جائے [illegible] سچے پیغمبروں اور مومنین اور اُن کے بالمقابل جھوٹے منافقوں [illegible] اور ان کے خلاف [illegible]۔

یعنی ایسا کرنے کی غرض یہ تھی کہ انبیاء صادقین سے دریافت کیا جائے کہ تم نے اپنی اپنی امتوں سے کیا کہا تھا یا کافروں کو ذلیل کرنے اور جواب بننے کے لئے کافروں سے دریافت کیا جائے گا کہ کیا تم نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی تھی یا انبیاء کی تصدیق کرنے والوں سے ان کی تصدیق کے متعلق پوچھا جائے گا (کہ کیا تم نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی تھی) کیونکہ سچے کی تصدیق کرنے والا بھی سچا ہوتا ہے یا ان مومنوں سے جنہوں نے اپنے وعدوں کو سچ کر دکھایا تھا ان کے صدق کی باز پرس ہوگی [illegible] کو خود اپنے اوپر گواہ بنایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

[illegible] احسان اللہ کا

عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

[illegible] فوجیں پھر ہم نے بھیج دی ان پر

رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ

ہوا اور وہ فوجیں جو تم نے نہیں دیکھیں

غزوہ احزاب میں مسلمانوں کی غیبی مدد:

یعنی فرشتوں کی فوجیں جو کفار کے دلوں میں رُعب ڈال رہی تھیں۔

(تفسیر عثمانی)

جُنُوْدٌ سے مراد ہیں کفار قریش۔ بنی غطفان اور قبیلہ بنی قریظہ کے یہودی جن کی مجموعی تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی۔ مدینہ کے مسلمانوں کا ان سب نے [illegible] محاصرہ کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے گرد ایک خندق کھدوا لی تھی۔

رِيْحًا [illegible] ہوا تھی موسم بھی سردی کا تھا، رات بھی بہت سرد تھی پروا ہوا کا ایک طوفان [illegible] خیموں کی [illegible] اکھڑ گئیں رسیاں ٹوٹ گئیں آگ (جو حملہ کرنیوالوں نے اپنی فرودگاہ میں کھانا پکانے اور تاپنے کیلئے روشن کر رکھی تھی) بجھ گئی۔ ہانڈیاں الٹ گئیں گھوڑے رسیاں توڑ کر بھاگ نکلے۔

جُنُوْدًا یعنی [illegible] کا لشکر (جو غیبی امداد کے لئے بھیجا گیا تھا اور) جو لشکر کے گرد [illegible] آوازیں بلند کر رہے تھے کافروں پر رعب چھا گیا خوف زدہ ہو گئے ہر قبیلہ کے سردار نے اپنے قبیلہ کو آواز دے کر اپنے پاس بلایا جب سب آ گئے تو [illegible] نتیجہ میں بغیر لڑائی کے سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس [illegible] فرشتوں [illegible] میں [illegible] یہ تھا صرف مسلمانوں کو اطمینان دلانے اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

[illegible] بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝

اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا

غزوہ خندق کا مختصر حال:

ہجرت کے چوتھے یا پانچویں سال یہودی بنی نضیر جو مدینہ سے نکالے گئے تھے

(اُس کا ذکر سورۃ حشر میں آئے گا) ہر قوم میں پھرے۔ اور اُبھار اُکسا کر قریش مکہ بنی فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل عرب کی متحدہ طاقت کو مدینہ پر چڑھا لانے میں کامیاب ہوگئے۔ تقریباً بارہ ہزار کا لشکر جرار پورے سازو سامان سے آراستہ اور طاقت کے نشہ میں چُور تھا، یہود بنی قریظہ جن کا ایک مضبوط قلعہ مدینہ کی شرقی جانب تھا پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کئے ہوئے تھے۔ نضیری یہود کی ترغیب وتربیت سے آخر کار وہ بھی معاہدات کو بالائے طاق رکھ کر حملہ آوروں کی مدد کے لئے کھڑے ہوگئے۔ مسلمانوں کی جمعیت کل تین ہزار تھی۔ جن میں ایک بڑی تعداد ان دغاباز منافقوں کی تھی جو سختی کا وقت آنے پر جھوٹے حیلے بہانے کر کے میدانِ جنگ سے کھسکنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ آخر حضرت سلمان فارسی کے مشورہ سے شہر کے گرد جدھر سے حملہ کا اندیشہ تھا خندق کھودی گئی۔ سخت جاڑے کا موسم تھا غذا کی گرانی تھی بھوک کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود سردارِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کو پتھر باندھے ہوئے تھے۔ مگر عشق الٰہی کے نشہ میں سرشار سپاہی اور ان کے سالارِ اعظم اس سنگلاخ زمین کی کھدائی میں حیرت ناک قوت اور ہمت مردانہ کے ساتھ مشغول تھے مجاہدین پتھریلی زمین پر کدال مارتے، اور کہتے نحن الذین بایعوا محمداً علی الجهاد مابقینا ابداً ادھر سرکارِ محمدی سے جواب ملتا اللّٰهم لاعیش الا عیش الاٰخرة فاغفر للانصار والمهاجرة خندق تیار ہوگئی تو اسلامی لشکر نے دشمن کے مقابل مورچے جمادیئے۔ تقریباً بیس پچیس روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں درمیان میں خندق حائل تھی۔ باوجود کثرت تعداد کے کفار سے بن نہ پڑا کہ شہر پر عام حملہ کر دیتے۔ البتہ دُور سے تیراندازی ہوتی رہی اور گاہ بگاہ فریقین کے خاص خاص افراد میدانِ مبارزہ میں بھی دو دو ہاتھ دکھانے لگتے تھے۔ مشرکین اور یہود بنی قریظہ کے درمیان مسلمانوں کی جمعیت محصورین کی حیثیت رکھتی تھی تاہم انہوں نے سب عورتوں بچوں کو شہر کی مضبوط ومحفوظ حویلیوں میں پہنچا کر خود بڑی جوانمردی اور استقامت کے ساتھ شہر کی حفاظت ومدافعت کا فرض انجام دیا۔ آخر کار نعیم ابن مسعود اشجعی کی ایک عاقلانہ اور لطیف تدبیر سے مشرکین اور یہود بنی قریظہ میں پھوٹ پڑ گئی ادھر کفار کے دلوں کو خدا تعالیٰ کا غیر مرئی لشکر مرعوب کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات سخت خوفناک جھکڑ ہوا کا چلا دیا۔ ہوا سے ریت اور سنگریزے اُڑ کر کفار کے منہ پر لگتے تھے۔ اُن کے چولھے بجھ گئے، دیگچے زمین پر جا پڑے، کھانے پکانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ ہوا کے زور سے خیمے اکھڑ گئے گھوڑے چھوٹ کر بھاگ گئے لشکر پریشان ہوگیا، سردی اور اندھیری ناقابل برداشت بن گئی آخر ابوسفیان نے جن کے ہاتھ میں تمام لشکروں کی اعلیٰ کمان تھی طبل رحیل بجا دیا۔ ناچار سب اُٹھ کر بے نیل ومرام واپس چلے گئے۔ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيزًا یہ جنگ احزاب کہلاتی ہے اور

"جنگ خندق" بھی کہتے ہیں۔ سخت جاڑے کے موسم اور فاقہ کشی کی حالت میں خندق کھودنا اور اتنے دشمنوں کے بیچ میں ٹھہر کر لڑائی لڑنا یہ وہ حالات تھے جن میں منافقوں کی باتیں بولنے لگے اور مومن ثابت قدم رہے۔ اسی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب آئندہ ہم کفار پر چڑھائی کریں گے وہ ہم پر چڑھ کر نہ آسکیں گے چنانچہ یہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا اور (اے مسلمانوں) تم جو (لڑائی کی تیاری خندق کی کھدائی) کر رہے تھے اللہ اس کو دیکھ رہا تھا۔

امداد کی ہوا اور ہلاکت کی ہوا:

بخاری نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پُروا ہوا سے میری مدد کی گئی اور پچھمی ہوا سے قوم عاد کو تباہ کیا گیا۔

غزوۂ خندق کب پیش آیا:

غزوۂ خندق کا واقعہ ماہ شوال ۵ھ میں ہوا مواہب مدنیہ کے مصنف نے یہی لکھا ہے اور موسیٰ بن عقبہ کو اس کا راوی کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو مدینہ سے نکال دیا تھا ان کی جلاوطنی سے آٹھ ماہ کے بعد یہ واقعہ ہوا تھا۔ بنی نضیر مدینہ سے نکل کر اطراف عرب میں گھومتے پھرے، سلام بن ابی الحقیق اور کنانہ بن ربیع اور حیی بن اخطب ربیع الاول ۴ھ میں خیبر میں پہنچے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ربیع الاول یا اس کے کچھ بعد کا ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ شوال ۵ھ میں غزوۂ خندق کا واقعہ ہوا (بقول محمد بن اسحاق)۔ (تفسیر مظہری)

مشہور پہلوان کا قتل:

عمرو بن عبد وُد عامری جو عرب کا مشہور شجاع پہلوان اور فن سپہ سالاری میں یکتا تھا ساتھ ہی بہادر نیوٹ اور قوی تھا نیز مستعد ہمت کر کے اپنے ساتھ چند جانباز پہلوانوں کو لے کر خندق سے اپنے گھوڑوں کو کدا دیا۔ یہ حال دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ انہیں تیار نہ پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ تم اس کے مقابلہ پر جاؤ۔ آپؓ گئے تھوڑی دیر تک تو دونوں بہادروں میں تلوار چلتی رہی لیکن بالآخر شیر خدا نے کفر کے اس دیو کو تہ تیغ کیا جس سے مسلمان بہت خوش ہوئے۔ (تفسیر حقانی)

یہودیوں کو تعصب نے جاہل کر دیا:

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق نے کہا مجھ سے یزید بن رومان نے (جو خاندان زبیر کے آزاد کردہ غلام تھے) عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا اور عبداللہ بن کعب بن مالک اور زہری اور عاصم بن عمرو بن قتادہ نیز عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم اور محمد بن کعب قرظی کا بھی بیان ہے

اور یہ تمام روایات باہم متفق ہیں (جن کا خلاصہ یہ ہے کہ) یہودیوں کی ایک جماعت جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قبائل عرب کو مدینہ پر چڑھا کر لانے والے سلام بن ابی الحقیق اور حیی بن اخطب اور کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور ھوذہ بن قیس اور ابو عامر الوائلی شامل تھے اور بنی نضیر، بنی وائل کے لوگوں کی کچھ تعداد بھی ساتھ تھی مدینہ سے نکل کر مکہ میں قریش کے پاس پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کی ان کو دعوت دی اور یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیخ کنی کرنے میں ہم تمہارے ساتھ رہیں گے۔ قریش نے جواب دیا اے گروہ یہود تم اہل علم ہو۔ تمہاری کتاب سابق ہے، ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی اختلاف ہے تم یہ بتاؤ کہ ہمارا مذہب بہتر ہے یا محمد کا یہودیوں نے جواب دیا تمہارا مذہب بہتر ہے تم حق پر ہو انہی کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ
بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ ... وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا

یہودیوں کا یہ فیصلہ سن کر قریش خوش ہو گئے اس کے بعد یہ یہودی قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے قبیلہ غطفان، قیس بن غیلان کی ایک شاخ تھی ان کو بھی وہی دعوت دی جو قریش کو دی تھی اور ان سے بھی کہا ہم تمہارے ساتھ شریک رہیں گے اور یہ بھی بتا دیا کہ قریش سے ہمارا اس پر معاہدہ ہو چکا ہے قریش نے مان لیا ہے یہ سن کر قبیلہ غطفان نے بھی ان کی دعوت قبول کر لی۔

یہودیوں اور مشرکوں کا پختہ معاہدہ:

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے کہ بنی نضیر اور بنی وائل کے تقریباً بیس آدمیوں کی جماعت قریش کے پاس گئی ابوسفیان نے ان کو خوش آمدید کہا اور یہ بھی کہا، تم سب سے زیادہ ہمارے منظورِ نظر ہو تم نے محمد کے خلاف ہم سے معاہدہ کیا ہے یہودیوں نے ابوسفیان سے کہا قبیلہ قریش میں سے تم پچاس آدمی منتخب کر لو اور تم بھی ان کے ساتھ شامل رہو پھر ہم تم سب مل کر کعبہ کے پردوں کے اندر گھس کر کعبہ کی دیواروں سے سینہ چمٹا کر اس بات کی قسمیں کھائیں کہ محمد کی عداوت پر ہم سب متفق اور یک زبان رہیں گے ہم باہم عہد کریں کہ جب تک ہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ رہے گا ہم محمد سے لڑتے رہیں گے، حسب مشورہ سب نے یہ معاہدہ کر لیا۔

یہودیوں کا بنی غطفان سے معاہدہ:

قریش سے معاہدہ کرنے کے بعد یہودی قبیلہ غطفان کے پاس پہنچے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ پر ابھارا، ان سے وعدہ کیا کہ اگر تم ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کرو گے تو خیبر کے درختوں پر جتنے پھل ایک سال یا چھ ماہ تک آئیں گے وہ سب ہم تم کو دے دیں گے (یعنی نخلستان خیبر کی پوری فصل یا آدھی فصل تمہاری ہو گی) قبیلہ غطفان کے سردار عیینہ بن حصین فزاری نے شرط مذکور پر یہودیوں کی بات مان لی اور بنی اسد میں جو عیینہ کے حلیف (معاہد) تھے ان کو بھی بلوایا۔

لشکروں کی روانگی:

اس کے بعد قریش ہو لے کر ان کا کمانڈر ابوسفیان بن حرب اور بنی غطفان کو مع بنی فزارہ کے لے کر ان کا قائد عیینہ بن حصین بن حذیفہ بدر اور بنی مرہ کو لے کر حارث بن عوف بن ابی حارثہ اور بنی اشجع میں سے اپنے ساتھیوں کو لے کر مسعر بن رحیلہ بن نویرہ بن طریف نکل کھڑے ہوئے۔

ابوسفیان نے چار ہزار کا لشکر جمع کیا اور اس لشکر کا جھنڈا عثمان بن ابی طلحہ کو دیا مکہ سے برآمد ہونے کے وقت اس کے لشکر میں تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے یہ لشکر مکہ سے چل کر مر الظہران پہنچ کر ترپڑا اسی جگہ بنی اسلم بنی اشجع بنی مرہ بنی کنانہ، بنی فزارہ اور بنی غطفان کے لشکر آ پہنچے یہ ساری فوج دس ہزار ہو گئی مر الظہران سے روانہ ہو کر سب مدینہ کو چل دیئے۔ (چونکہ مختلف جماعتیں اور گروہ اس لشکر میں شامل تھے) اسی لئے اس جنگ کا نام غزوۂ احزاب ہو گیا۔

مسلمانوں کے انتظامات:

بغوی نے لکھا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے جمع ہونے اور مدینہ پر چڑھائی کرنے کی خبر سنی تو مدینہ کے باہر آپ نے ایک خندق کھدوائی۔ خندق کھدوانے کا مشورہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت سلمان فارسیؓ نے دیا تھا۔

حضرت سلمان اس زمانہ میں آزاد تھے (غلام نہیں تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہ کر شریک معرکہ ہونے کا آپ کے لئے پہلا موقع تھا۔ حضرت سلمان نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جب فارس میں تھے اور دشمن ہمارا محاصرہ کر لیتا تھا تو ہم اپنے گردا گرد خندق کھدوا لیا کرتے تھے (دشمن کی پیش قدمی روکنے کی یہ تدبیر تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو مان لیا اور خندق کو مضبوط کر دیا۔

میں کہتا ہوں روایت میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل عرب کے متفق ہو کر چڑھائی کرنے کی خبر سنی تو فرمایا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اللہ ہمارے لئے کافی ہے وہی ہمارا اچھا کارساز ہے، پھر آپ نے مہاجرین و انصار کے سرداروں کو جمع کر کے مشورہ طلب کیا، حضرت سلمان نے خندق کھدوانے کا مشورہ دیا، حضور نے یہ مشورہ پسند فرمایا، مدینہ (کے انتظام) پر حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو جانشین بنایا اور خود جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے تین ہزار مہاجر اور انصار آپ کے ساتھ نکلے۔ حضرت زید بن حارثہ کو مہاجرین کا اور حضرت سعد بن عبادہ کو انصار کا جھنڈا عطا فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

میں جاتا ہوں۔ روایت میں آیا ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت (صرف) ۳۶ گھوڑے تھے۔ کچھ نابالغ لڑکے بھی جہاد میں شریک ہونے کے لئے آپ کے ساتھ نکلے آپ نے پندرہ سال سے کم عمر کے بچوں کو واپس کر دیا اور پندرہ سال کی عمر کے بچوں کو جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دے دی ان بالغوں میں حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو سعید خدری اور حضرت براء بن عازب بھی تھے جب مسلمانوں نے خندق کھودنے کے لئے مدینہ کے شمال مشرقی طرف میں جبل سلع کے قریب ایک جگہ منتخب کر دی پہاڑ و شہر کے عقب میں تھا اور خندق کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خط کھینچ دیا۔

خندق کے کام کی تقسیم:

بغوی نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن عوف سے روایت ہے کہ احزاب کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود خندق کی حد بندی کی تھی اور دس آدمیوں کے لئے چالیس گز (شرعی یعنی چالیس ہاتھ) زمین (کھودنے کے لئے) کاٹ دی تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت سلمان قوی آدمی تھے مہاجرین وانصار نے حضرت سلمان کے متعلق باہم اختلاف کیا مہاجرین نے کہا سلمان ہم میں سے ہیں اور انصار نے کہا سلمان ہمارے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان ہم میں سے یعنی اہل بیت میں سے ہیں۔

ایک سخت چٹان:

عمرو بن عوف نے فرمایا میں اور سلمان اور حذیفہ اور نعمان بن مقرن مزنی اور چھ انصاری چالیس گز زمین کھودنے میں شریک تھے ہم کھودتے کھودتے جب خندق کے اندر ایک جگہ پہنچے تو ایک سخت چٹان آگئی جس کو توڑنا ہمارے لئے سخت دشوار ہو گیا ایسی سخت چٹان تھی کہ اس نے ہمارے لوہے کے اوزاروں کو توڑ دیا میں نے سلمان سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چٹان کی کیفیت بتاؤ اگر حضور مناسب سمجھیں گے تو ہم اس پتھر کی طرف سے خندق کا رخ موڑ دیں گے موڑنے کا مقام قریب ہی ہے یا جو بھی حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خط کھینچ دیا ہے اس سے ہٹنا ہم نہیں چاہتے سلمان اوپر چڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپ اس وقت ترکی خیمہ کے نیچے فروکش تھے۔ سلمان نے کہا یا رسول اللہ خندق کے اندر ایک سخت سفید چٹان نکل آئی جس نے ہمارے آہنی اوزار کو توڑ ڈالا ہمارے لئے سخت دشواری ہو گئی کچھ بھی [illegible] اب حضور کا جو حکم ہو [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] ہو [illegible] خط سے ہٹنا پسند نہیں کرتے۔

چٹان سے روشنی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خود) [illegible] اور [illegible] خندق کے اندر [illegible] سلمان بھی ساتھ تھے اور خندق کے اندر نو آدمی اور تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک سخت ضرب لگائی [illegible] پتھر میں [illegible] پتھر سے ایک [illegible] نکلی جس سے مدینہ [illegible] روشن [illegible] معلوم ہوا جیسے کسی تاریک ترین کوٹھری میں [illegible] روشن [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] مسلمانوں نے [illegible] اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اس کے بعد آپ نے دوسری ضرب لگائی پتھر ٹوٹ گیا اور ایک بجلی چمکی جس سے مدینہ کے دونوں [illegible] چمک اٹھے۔ [illegible] معلوم ہوا جیسے کسی تاریک کوٹھری میں چراغ روشن کر دیا گیا ہو۔ حضور نے [illegible] مسلمانوں نے [illegible] حضور نے پھر [illegible] سلمان کا ہاتھ [illegible]

فتوحات کی پیشن گوئی

سلمان نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ قربان میں نے (آج) ایک بات [illegible] جو کبھی نہیں دیکھی تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] فرمایا تم نے دیکھا سلمان کیا کہہ رہے ہیں [illegible] فرمایا میں نے پہلی ضرب جو [illegible] اس کی روشنی میں حیرہ (یعنی شاہان عراق [illegible] تخت گاہ حیرہ تھی) کے محلات اور کسریٰ کی (تخت گاہ) مدائن [illegible] سامنے آ [illegible] معلوم [illegible] جیسے [illegible] ہیں جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان (یعنی حیرہ اور مدائن) پر غالب [illegible] پھر میں نے دوسری ضرب لگائی [illegible] اس کی چمک میں میں نے رومی سرخوں کے محلات دیکھے جیسے کتوں کے [illegible] اور جبرئیل نے مجھے بتایا کہ میری امت ان محلات پر قابض ہو جائے گی [illegible] مسلمانوں [illegible]

منافقوں کے دل کا کھوٹ:

منافق کہنے لگے کیا تم کو [illegible] بات عجیب نہیں ہے کہ محمد تم کو [illegible] ہیں تم [illegible] اور تم خندق [illegible] ان کو دکھائی دے رہے ہیں اور ان سب پر تمہارا قبضہ [illegible] خندق [illegible] منافقون [illegible]

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا نازل ہوئی اور اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ نے فرمایا، قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ۔

حالات کی سختی:

بخاری نے صحیح میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف تشریف لے گئے، سردی کی صبح تھی مہاجرین اور انصار خود خندق کھود رہے تھے، ان کے خدام ان کے پاس یہ کام کرنے کے لئے نہیں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بھوک اور تھکن دیکھی تو فرمایا

اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَةِ　　فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَه

درحقیقت زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، اے اللہ انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔ صحابہ نے اس (شعر) کے جواب میں کہا۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا　　عَلَى الْجِهَادِ مَابَقِیْنَا اَبَدًا

ہم وہی تو ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لئے جب تک زندہ ہیں جہاد کرنے کی بیعت کی ہے۔

صحیح میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت براء بن عازب نے فرمایا، جنگ احزاب کا زمانہ آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھدوائی تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود خندق کی مٹی نکال رہے ہیں اور غبار کی وجہ سے شکم مبارک کی جلد گرد آلود ہو کر چھپ گئی تھی حضور کے سینہ پر بال بہت تھے آپ مٹی ڈھونے میں ابن رواحہ کے یہ شعر بطور رجز کے پڑھ رہے تھے اور شعر کے قافیہ پر آواز کو کھینچتے تھے (لمبی کھینچ کر ادا کرتے تھے)۔

اَللّٰهُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَیْنَا　　وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

اے اللہ اگر تیری توفیق نہ ہوتی تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے نہ زکوٰۃ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَةً عَلَیْنَا　　وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَیْنَا

ہم پر طمانیت خاطر نازل فرما۔ اور مقابلہ کے وقت ہمارے قدم جمائے رکھ۔

اِنَّ الْاُلٰى قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا　　اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا

انہی لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے جب انہوں نے فساد برپا کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ہم نے انکار کر دیا۔ دوسری روایت میں پہلا مصرع اس طرح آیا ہے۔

وَاللّٰهِ لَوْلَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَیْنَا

حضرت سلمانؓ کو نظر لگنا۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلمان قوی آدمی تھے خندق میں دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے۔ یہ بھی روایت ہے کہ پانچ ہاتھ چوڑا اور پانچ ہاتھ گہرا خندق روز کھودتے تھے۔ قیس بن ابی صعصعہ کی نظر لگ گئی اور بیہوش ہو کر گر پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیس کو حکم دیا کہ کسی برتن میں وضو کرو

اور اس پانی سے سلمان کو غسل دو پھر اس برتن کو اپنی پشت کی طرف اوندھا کر کے پھینک دو حکم کی تعمیل کی گئی اور حضرت سلمان اچھے ہو گئے۔

حضرت عبداللہ کی طرف سے دعوت کا انتظام:

بخاری نے صحیح میں عبدالواحد کے طریق سے بیان کیا ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا ہم خندق کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے خندق کھود رہے تھے کہ ایک بہت سخت پتھر آگیا لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یہ پہاڑ کا سخت پتھر سامنے آگیا (اب کیا کیا جائے) فرمایا میں خود اندر اتروں گا یہ فرماتے ہی کھڑے ہو گئے اس وقت بھوک کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر پتھر باندھ رکھا تھا، تین روز سے ہم نے بھی کوئی چیز چکھی تک نہیں تھی حضور نے کدال ہاتھ میں لے کر پتھر پر ضرب لگائی، پتھر ریزہ ریزہ ہو کر ریت کی طرح ہو گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے گھر جانے کی اجازت عطا فرما دیجئے، اجازت لے کر میں گھر پہنچا اور اپنی بیوی سے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے مجھ سے یہ دیکھ کر صبر نہ ہوا کیا تمہارے پاس کچھ ہے بیوی ایک تھیلا نکال کر لائی جس میں جو رکھے ہوئے تھے، ہمارا ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ بھی تھا میں نے اس کو ذبح کیا اور بیوی نے آٹا گوندھا چکی اور میں دونوں فارغ ہو گئے پھر میں نے گوشت کاٹ کر ہانڈی میں ڈال دیا اتنے میں آٹا خمیر ہو گیا، گوشت کی ہانڈی پتھروں کے چولہے پر چڑھا دی جب ہانڈی پک جانے کے قریب ہوئی تو میں لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ:

بیوی نے مجھ سے کہا دیکھو (زیادہ آدمیوں کو لا کر) مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے رسوا نہ کرنا خدمت گرامی میں پہنچ کر میں نے چپکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ عرض کر دیا اور کہہ دیا یا رسول اللہ بہت تھوڑا کھانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلیں اور ایک یا دو آدمی اور بھی ساتھ لے لیں فرمایا کتنا کھانا ہے، میں نے بتا دیا، فرمایا، بہت ہے پاکیزہ ہے تم بیوی سے کہہ دو کہ جب تک میں نہ پہنچ جاؤں ہانڈی چولہے سے نہ اتارے اور روٹی تنور سے نہ نکالے (یعنی نہ پکائے) پھر آواز دے کر فرمایا، خندق والو جابر نے تمہارے لئے کھانا تیار کیا ہے اور تمہاری دعوت کی ہے جلدی چلو۔ میں نے اپنی بیوی سے جا کر کہا، ارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو لے کر آ رہے ہیں (اب کیا ہو گا) بیوی نے کہا اللہ کا حکم تمہارے متعلق یہی ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے (کھانے کی مقدار بھی) دریافت کی تھی۔ میں نے کہا ہاں بیوی نے

کہ تو اللہ اور رسول (ہماری حالت کو) خوب جانتے ہیں۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے آئے اور صحابہ سے فرمایا تم بھی اندر آ جاؤ لیکن بھیڑ نہ کرنا کوئی دباؤ نہیں۔ میں نے گوندھا ہوا آٹا باہر رکھ دیا۔ آپ نے اس میں تھوک دیا اور برکت کی دعا کی پھر ہانڈی کے پاس گئے اس میں تھوکا اور برکت کی دعا کی پھر فرمایا چار پکانے والی کو بلا لو وہ آ کر پکانا شروع کرے اور ہانڈی سے سالن نکالو لیکن ہانڈی کو نیچے نہ اتارنا، حضور خود روٹی کے ٹکڑے کرنے لگے اور روٹی پر گوشت رکھتے گئے اس مدت میں ہانڈی اور چولہے کو ڈھانکے رکھا نکالتے جاتے تھے اور صحابہ کی طرف بڑھاتے جاتے تھے پھر نکالتے تھے اور صحابہ کو دیتے تھے یہاں تک کہ ایک ہزار آدمی تھے سب سیر ہو گئے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ سب نے اتنا کھایا کہ کھاتے کھاتے چھوڑ دیا اور رخ موڑ کر چل دیئے لیکن ہانڈی میں ویسا ہی ابال آ رہا تھا جیسا آ رہا تھا اور روٹی بھی برابر پکتی ہی رہی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت سے فرمایا۔ اب تو بھی کھا لے اور دوسرے لوگوں کو بھی بھیج دے لوگ سخت بھوکے ہیں چنانچہ ہم کھانے لگے اور دن بھر دوسروں کو بھی بھیجتے رہے۔ میں کہتا ہوں کہ روایت میں آیا ہے کہ خندق کھودنے سے صحابہ چھ روز میں فارغ ہوئے تھے۔

کافروں کی چڑھائی:

بغوی نے (اس کے بعد) لکھا ہے اب ہم پھر ابن اسحاق کے بیان کی طرف لوٹتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق (کی تکمیل) سے فارغ ہو چکے تھے کہ قریش اپنے احابیش اور دوسرے اہل تہامہ کو ساتھ لے کر دس ہزار کی تعداد میں آ کر مجمع الاسیال میں فروکش ہو گئے اور بنی غطفان اپنے نجدی ساتھیوں کے ساتھ کوہ احد کے ایک جانب نقمی کے پچھلے حصہ میں اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ برآمد ہوئے اور کوہ سلع کو اپنی پشت پر لے کر حضور نے اپنی لشکر گاہ بنائی خندق آپ کے اور دشمنوں کے درمیان حائل تھی مسلمانوں نے حسب الحکم بچوں اور عورتوں کو پہاڑیوں کے اوپر پہنچا دیا۔

کعب بن اسد کی عہد شکنی:

دشمن خدا حیی بن اخطب نضیری اپنے مقام سے اٹھا اور کعب بن اسد قرظی کی طرف چل دیا کعب نے بنی قریظہ کی طرف سے اپنی قوم کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (امن کا) معاہدہ کر لیا تھا اور مصالحت کر لی تھی اس لئے حیی کے لئے اس نے اپنی گڑھی کا دروازہ نہیں کھولا، کھولنے سے صاف انکار کر دیا حیی نے ہر چند دروازہ کھولنے کی استدعا کی لیکن کعب نے نہ مانا اور کہنے لگا حیی یہ بڑی بدبختی ہے میں محمد سے معاہدہ کر چکا ہوں اپنا معاہدہ ہرگز نہیں توڑوں گا محمد کی طرف سے میں نے ہمیشہ عہد کی پابندی اور سچائی ہی پائی ہے اس لئے میں بھی نقض عہد کرنے والا نہیں۔ حیی نے کہا دروازہ تو کھولو میں تم سے بات کروں گا، کعب نے کہا میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ حیی نے کہا کعب تم مجھے باہر چھوڑ کر دروازہ بند کئے بیٹھے ہو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم کو اندیشہ ہے کہ اگر میں اندر آ جاؤں گا تو تمہارے ساتھ حصہ بانٹ کروں گا کعب کو یہ بات سن کر غصہ آ گیا اور (جوش میں آ کر) دروازہ کھول دیا حیی اندر آ گیا اور کہا کعب میں زمانہ بھر کی عزت لے کر تمہارے پاس آیا ہوں ہر طرف سے امنڈا ہوا ایک سمندر چڑھا لایا ہوں۔ میں نے قریش کو ان کے کمانڈروں اور سرداروں کے ساتھ لا کر رومہ کے ندیوں کے مقام مجتمع الاسیال میں اتار دیا ہے اور بنی غطفان کو ان کے سرداروں اور سپہ سالاروں کے ساتھ لا کر کوہ احد کے ایک پہلو پر نقمی کے پچھلے حصہ میں شام کو پڑاؤ ڈلوا دیا ہے ان سب نے مجھ سے معاہدہ اور پختہ وعدہ کر لیا ہے کہ جب تک محمد اور ان کے ساتھیوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیں گے یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ کعب بن اسد نے کہا خدا کی قسم تم ابدی ذلت لے کر آئے ہو یہ ایک ایسا بادل ہے جس کا پانی برس چکا ہے اب اس میں صرف گرج اور چمک ہے اور کچھ بھی نہیں ہے تم محمد کے معاملہ میں مجھے میرے حال پر چھوڑ دو میں نے محمد کی طرف سے سوائے سچائی اور پابندی عہد کے کبھی غداری نہیں دیکھی حیی بن اخطب کعب کو برابر بہکاتا رہا اور فریب دیتا رہا یہاں تک کہ حیی نے کعب کے سامنے اللہ کی پختہ قسم کھائی کہ اگر قریش محمد پر کامیابی حاصل کئے بغیر واپس چلے گئے تو تمہاری اس گڑھی کے اندر میں بھی آ جاؤں گا کہ جو کچھ تم کو پہنچے اس میں تمہارا شریک رہوں آخر کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور پابندی عہد جو اس پر لازم تھی اس سے الگ ہو گیا۔

اطلاعی رسالہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو جب یہ اطلاع ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ اشہلی سردار اوس اور سعد بن عبادہ ساعدی سردار خزرج اور عبداللہ بن رواحہ خزرجی اور خوات بن جبیر عمری کو تحقیق واقعہ کے لئے بھیجا اور فرمایا تم لوگ جا کر دیکھو کہ ان لوگوں کے متعلق جو اطلاع مجھے ملی کیا وہ صحیح ہے اگر خبر صحیح ہو تو آ کر ایسے الفاظ میں مجھے اطلاع دینا کہ میں سمجھ جاؤں (ایسا نہ کرنا کہ عام لوگوں کے سامنے اعلان کر دو جس سے ان کے دلوں میں خوف پیدا ہو جائے اور) لوگوں کے بازو نہ توڑ دینا اور اگر وہ ہم سے کئے ہوئے سابق معاہدہ پر قائم ہوں تو پھر علی الاعلان لوگوں کے سامنے اس کو بیان کر سکتے ہو۔ مذکورہ بالا حضرات حسب الحکم گئے یہودیوں کے پاس پہنچے اور جو خبر ان کے متعلق ملی تھی اس سے زیادہ بری حالت پر ان کو پایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ بالکل ہی برگشتہ ہو گئے تھے اور صاف کہہ دیا تھا اب ہمارا اور محمد کا کوئی معاہدہ نہیں حضرت سعد بن عبادہ کے مزاج میں تیزی تھی آپ نے یہودیوں کو

برا بھلا کہنا شروع کر دیا، حضرت سعد بن معاذ نے کہا۔ سعد بن عبادہ ان سے گالی گلوچ چھوڑو، ہمارا ان کا معاملہ اس سے بہت آگے بڑھ چکا ہے۔

صورت حال کی شدت:

اس کے بعد دونوں سعد اور ان کے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلام کے بعد عرض کیا عضل و قارہ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ غداری کی بہت سخت ہے اللہ اکبر اے گروہ اہل اسلام تم کو بشارت ہو۔ غرض (صحابہ کے لئے) سخت مصیبت آ پڑی اور سخت خوف کا وقت آ گیا دشمنوں نے اوپر (گڑھی کی طرف) سے اور نیچے (خندق کے پار غار) کی طرف سے گھیر لیا مسلمانوں کے دلوں میں بھی برے برے خیالات آنے لگے۔

منافقوں کا خوف:

بعض منافقوں کی طرف سے تو اس کا ظہور بھی ہو گیا۔ یہاں تک کہ معتب بن قشیر عمری نے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ محمد ہم سے تو وعدہ کرتے ہیں کہ تم کسریٰ اور قیصر کے خزانے کھاؤ گے لیکن ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص رفع ضرورت کے لئے جنگل کو بھی نہیں جا سکتا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا ہے وہ محض فریب ہے۔

اوس بن قیظی (منافق) نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھروں میں کوئی نگران نہیں اور گھر شہر کے باہر ہیں آپ ہم کو اجازت دے دیجئے کہ واپس گھروں کو چلے جائیں (اس شخص نے یہ بات غلط کہی تھی) ان لوگوں کے گھروں کی نگہبان انہیں کے قبیلے کے مردوں کی ایک جماعت موجود تھی۔

کعب بن اسد کی بے وقت پشیمانی:

میں کہتا ہوں کعب نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور (نقض عہد پر قائم رہنے کا) پختہ ارادہ کر لیا تو اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا جن میں زبیر بن بلطا نباش بن قیس اور عقبہ بن زید وغیرہ شامل تھے اور سب کو نقضِ عہد کی اطلاع دی یہ خبر سنتے ہی لوگوں نے اس کو سخت ملامت کی اور عہد شکنی کو پسند نہیں کیا اس وقت کعب اپنی حرکت پر پشیمان ہوا لیکن اس وقت پشیمانی سے کوئی فائدہ نہ تھا اس کے ہاتھ سے بات نکل چکی تھی اللہ نے اسی سبب سے بنی قریظہ کو تباہ کر دینا چاہا۔

حضرت زبیر کا بنو قریظہ کی طرف جانا:

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر بن العوام نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک روز) ارشاد فرمایا۔ کوئی شخص ہے جو جا کر بنی قریظہ کی خبر مجھے لا کر دے ارشاد گرامی سن کر میں روانہ ہو گیا اور واپس لوٹ کر بنی قریظہ کی خبریں حضور کو پہنچا دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کلام میں اپنے ماں اور باپ دونوں لفظ فرمائے۔

میں کہتا ہوں حضرت زبیر کا بنی قریظہ کی طرف جانا، حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ کے واپس آ جانے کے بعد ہوا تھا (یعنی پہلے خبر کی تحقیقات کے لئے حضرت سعد وغیرہ کو بھیجا گیا جب وہ تحقیق خبر کے بعد واپس آ گئے تو حضرت زبیر کو بنی قریظہ کی تیاری کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت زبیر جب بنی قریظہ کی طرف سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اطلاع دی کہ وہ لوگ قلعوں کو درست کر رہے ہیں راستے اور سڑکیں بند کر رہے ہیں چوپایوں کو زمینوں سے اندر جمع کر رہے ہیں۔ حضور اقدس نے فرمایا ہر نبی کا حواری ہوتا ہے اور میرا حواری (مخلص دوست ہے) زبیر ہے۔

صلح کی تدبیر اور مسلمانوں کے بلند جذبے:

بغوی نے لکھا ہے کہ چھ اوپر بیس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی فرودگاہ میں اور مشرک اپنے پڑاو پر قائم رہے کوئی لڑائی نہیں ہوئی سوا تیر یا پتھر پھینکنے کے کسی طرف سے کچھ نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب تکلیف زیادہ ہوئی تو آپ نے بنی غطفان کے دو سرداروں یعنی عیینہ بن حصین اور ابو حارث بن عمرو کو پیام صلح دے کر بلوایا اور ان سے فرمایا تم اپنے (غطفانی) ساتھیوں کو لے کر اس شرط پر واپس چلے جاؤ کہ تم کو مدینہ کے نخلستانوں کی کل پیداوار (یعنی کھجوروں) کا ایک تہائی حصہ دے دیا جائے گا، وہ لوگ اس پر راضی ہو گئے۔ تحریر معاہدہ کی گئی لیکن ابھی دستخط ہونا باقی تھا کہ حضور نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے اس کا تذکرہ کیا اور مشورہ طلب کیا دونوں نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ایسا کرنے کا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے (اگر ایسا ہے) تو اس کی تعمیل ہم پر واجب ہے یا آپ نے خود یہ تدبیر مناسب سمجھی ہے اور آپ اس کو پسند کرتے ہیں (تب بھی ہمارے لئے مجبوری ہے) یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے فائدے کے لئے ایسا کرنا چاہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کوئی وجہ نہیں صرف تمہارے فائدے کے لئے میں نے ایسا ارادہ کیا ہے میں نے دیکھا کہ سارے عرب تمہارے خلاف ہو گئے اور ایک کمان سے سب تیر پھینکنا چاہتے ہیں اور ہر طرف سے وہ تم پر جھپٹ رہے ہیں تو میں نے ارادہ کیا کہ تمہارے خلاف ان کی اجتماعی طاقت کو توڑ دوں حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک وقت تھا کہ ہم اور یہ لوگ سب بت پرست اور مشرک تھے نہ ہم اللہ کو جانتے تھے نہ اس کی پرستش کرتے تھے اس زمانہ میں ان لوگوں میں یہ طاقت نہ تھی کہ ہمارا ایک چھوارا بھی بغیر خریدے یا بدون مہمانی کھائیں۔ اب

بجائے سعد نے کہا ہم کو اللہ نے اسلام کی وجہ سے عزت عطا فرمائی اور آپ کی ذات مبارک سے ہم کو عزت افزائی ہوئی تو کیا ہم ان کو اپنا مال (محنت) دے دیں۔ ہمیں ایسے معاہدے کی ضرورت نہیں بخدا ہم ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان (آخری) فیصلہ کر دے۔ حضور نے فرمایا یہ تم کو اختیار ہے (اسی طرح) سعد نے کاغذ لے کر تحریر مٹا دی اور کہا اب یہ ہمارے خلاف جو کوشش کر سکتے ہیں کریں۔

میں کہتا ہوں بعض روایات میں آیا ہے یہ بات حضرت اسید بن حضیر نے کہی تھی پھر حضرت سعد بن عبادہ نے بھی یہی کہا۔

بنی غطفان کے سرداروں کی ناکام واپسی

عیینہ بن حصین اس وقت مجلس میں ٹانگ پھیلائے بیٹھا تھا، حضرت سعد نے اس سے فرمایا خدا کی قسم اپنی ٹانگ سمیٹ لے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا وقار مانع نہ ہوتا تو میں برچھا تیری کوکھ میں پیوست کر دیتا، غرض عیینہ اور حارث دونوں ناکام واپس چلے گئے اور سمجھ گئے کہ ان کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا انصار کی قوت اور جرأت دیکھ کر ان کے قدم اکھڑ گئے تھے۔

دشمن کا محاصرہ:

بغوی نے لکھا ہے کہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محاصرہ کئے پڑے رہے لڑائی کوئی نہیں ہوئی صرف تیر اندازی ہوتی تھی۔ چند شہسوار دشمن میں عمرو بن عبد ود عامری، عکرمہ بن ابی جہل مخزومی، ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی، نوفل بن عبداللہ، ضرار بن خطاب اور مرداس بن کلب محاربی شامل تھے گھوڑوں پر سوار ہو کر بنی کنانہ کی طرف سے گزرے اور ان سے کہا لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ آج تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون شہسوار ہے پھر خندق کی طرف رخ موڑا اور خندق دیکھ کر بولے خدا کی قسم یہ تدبیر ایسی ہے جس کو عرب (پہلے) نہیں کرتے تھے اس کے بعد خندق میں ایک تنگ جگہ تلاش کر کے اس میں گھوڑوں کو داخل کر دیا، گھوڑے ان کو لے کر خندق اور کوہ سلع کے درمیانی گڑھے میں گردش کرنے لگے حضرت علی نے جو یہ بات دیکھی تو کچھ مسلمانوں کو ساتھ لے کر اس سرحدی مقام پر جا پہنچے جہاں سے دشمن نے اپنے سواروں کو داخل کیا تھا وہ سوار بھی تیزی کے ساتھ ان کے سامنے آ گئے۔ حضرت علی نے اس مقام کو بند کر دیا۔

حضرت علیؓ اور عمرو بن عبدود کا مقابلہ

عمرو بن عبدود بدر کی لڑائی میں شریک اور زخمی ہو گیا تھا اس لئے جنگ احد میں شریک نہ تھا، جب خندق کا واقعہ ہوا تو اپنی ہیبت جتانے کے لئے وہ بھی ساتھیوں کو ٹریننگ دینے کی غرض سے ساتھ آ گیا حضرت علی کے مقابلہ پر جب وہ خود دوسرے سواروں کے ساتھ میدان میں آ کھڑا ہوا تو حضرت علی نے اس سے فرمایا عمرو تو نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ جب کوئی قریشی تیرے سامنے دو باتیں (ایک مثبت دوسری منفی) رکھے گا تو دونوں میں سے ایک بات کو تو اختیار کر لے گا، عمرو نے کہا بیشک یہی بات ہے حضرت علی نے فرمایا تو میں تجھے اللہ کے رسول اور اسلام کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہوں عمرو نے کہا اس کی مجھے ضرورت نہیں۔ حضرت علی نے فرمایا تو پھر میں تجھے میدان میں اترنے کی دعوت دیتا ہوں۔ عمرو نے کہا بھتیجے ایسا کیوں کرتے ہو خدا کی قسم میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت علی نے فرمایا خدا میں تو تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں یہ سنتے ہی عمرو کو غیرت آ گئی اور گھوڑے سے اتر کر اس کی ٹانگوں کو زخمی کر دیا اور اس کے منہ پر ایک ضرب رسید کی پھر حضرت علی کی طرف چل پڑا دونوں نے ایک دوسرے کی پکڑ کی اور کشتی کرنے لگے آخر حضرت علی نے اس کو قتل کر دیا دوسرے سوار شکست کھا کر خندق میں گھس کر بھاگ گئے اس روز عمرو کے دو سپاہی بھی مارے گئے منبہ بن عثمان بن عبدالسباق بن عبدالدار کے ایک تیر لگ گیا تھا جس سے مکہ میں پہنچ کر اس کا انتقال ہو گیا۔

نوفل بن عبداللہ کا انجام:

اور نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ مخزومی خندق کے اندر گھس کر جب درمیان میں پہنچا تو مسلمانوں نے اس پر سنگباری کی۔ کہنے لگا اے گروہ عرب (مارنے کا یہ طریقہ نہیں) اس کا طریقہ اس سے بہتر ہونا چاہئے (یعنی مبارزت کی ہونی چاہئے) فوراً حضرت علی میدان میں اتر پڑے اور جا کر نوفل کو مار ڈالا اور مسلمان غالب آ گئے۔ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ مقتول کی لاش ہم کو قیمت وصول کر کے واپس دے دیجئے فرمایا ہم کو نہ اس کی لاش درکار ہے نہ قیمت کی ضرورت لاش لوٹا دی جائے۔ چنانچہ آپ نے لاش لے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت سعد بن معاذ کا جذبہ:

ام المؤمنین حضرت عائشہ کا بیان ہے خندق کی لڑائی کے دن ہم بنی حارثہ کی گڑھی میں تھے مدینہ کے قلعوں میں یہ سب سے محفوظ قلعہ تھا۔ سعد بن معاذ کی ماں بھی ہمارے ساتھ گڑھی کے اندر تھیں۔ یہ واقعہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے سعد بن معاذ ایک چھوٹی زرہ پہنے ہوئے قلعہ سے باہر نکلے ہاتھ کی بانہہ کھلی ہوئی تھی۔ ہاتھ میں چھوٹا برچھا تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ کاش لڑائی کو میں پا لیتا جب موت کا مقرر وقت آ جائے تو مرنے میں کوئی باک نہیں۔

سعد کی ماں نے کہا بیٹے بہت جلد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک) جا پہنچ۔ بخدا تو نے دیر کر دی (تو پیچھے رہ گیا) میں نے کہا سعد کی اماں سعد جو زرہ پہنے ہیں میں چاہتی ہوں کہ اس سے بڑی زرہ ان کے بدن پر ہو مجھے اندیشہ ہے کہیں ان کے (برہنہ حصہ پر) کوئی تیر نہ لگے سعد کی ماں نے کہا اللہ کا جو حکم ہو گا وہ پورا ہو کر رہے گا (آخر) سعد کے ایک تیر لگ گیا جس سے

کھل رگ کٹ گئی یہ تیر حبان بن قیس غرقہ عامری نے مارا تھا سعد نے (ابن غرقہ کو بددعا دی کہ) اللہ تجھے دوزخ میں درد رسیدہ کرے پھر کہا اے اللہ اگر تو نے قریش سے لڑائی آئندہ باقی رکھی ہو تو مجھے اس میں شریک ہونے کے لئے باقی رکھ کیونکہ کسی قوم سے لڑنے کی مجھے اتنی خواہش نہیں جتنی اس قوم سے لڑنے کی ہے جس نے تیرے رسول کو ستایا اور جھٹلایا اور (وطن سے) نکالا اور اگر تو نے ہماری اور قریش کی لڑائی ختم کر دی ہو تو اس (زخم) کو میرے سبب شہادت بنا دے لیکن جب تک میری آنکھیں بنی قریظہ (کی تباہی) کو دیکھ کر ٹھنڈی نہ ہو جائیں مجھے موت نہ دینا۔ دور جاہلیت میں حضرت سعد بن معاذ اور بنی قریظہ باہم حلیف و معاہد تھے۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب کی بہادری

محمد بن عمر اور محمد بن اسحاق نے بحوالہ یحییٰ بن عباد بن عبد اللہ بن زبیر حضرت عبادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے فرمایا، ہم حسان بن ثابت کی گڑھی میں تھیں حسان بھی عورتوں اور بچوں کے ساتھ موجود تھے، ہم نے دیکھا کہ ایک یہودی گڑھی کے گرد پاس پہنچ گیا۔ اس وقت بنی قریظہ کی رسول اللہ سے جنگ تھی (معاہدہ ٹوٹ چکا تھا) بنی قریظہ سے ہمارے درمیان کوئی محافظ موجود نہ تھا کہ یہودیوں کی ہماری طرف سے مدافعت کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کافروں کے مقابلہ میں مشغول جنگ تھے دشمن کی طرف سے منہ موڑ کر ہماری طرف متوجہ نہیں ہو سکتے تھے اسی حالت میں وہ یہودی (حکومت کی حدود پر نظر) آیا تھا میں نے حسان سے کہا حسان تم دیکھ رہے ہو کہ یہ یہودی گڑھی کے گرد چکر لگا رہا ہے مجھے اندیشہ ہے کہ یہ شخص کسی غیر محفوظ جگہ سے یہودیوں کو اندر لے آئے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ مشغول مقابلہ ہیں (یہاں پہنچ کر ہماری مدد نہیں کر سکتے) تم گڑھی سے اتر کر جاؤ اور اس کو قتل کر دو حسان نے کہا اے بنت عبدالمطلب اللہ آپ کی مغفرت کرے آپ تو واقف ہی ہیں کہ بخدا میں ایسا کرنے کا اہل نہیں ہوں جب میں نے حسان کا یہ جواب سن لیا اور سمجھ لی کہ حسان کے اندر یہودی کو قتل کرنے کی بالکل جرأت نہیں ہے تو میں نے خود تہبند کسی اور خیمہ کی ایک ٹیک لے کر گڑھی سے نکلی اور اس کی گردن پر ماری۔ جب وہ مر گیا قتل کر کے گڑھی میں لوٹی تو میں نے حسان سے کہا اب تم جا کر اس کے کپڑے اور ہتھیار اتار لو، یہ اجنبی مرد ہے اس لئے میں خود ایسا نہیں کر سکتی۔ حسان نے کہا بنت عبدالمطلب مجھے اس کے سامان کی ضرورت نہیں۔

یہودیوں کے شب خون کا انسداد:

میں کہتا ہوں بعض روایت میں آیا ہے کہ بنی قریظہ نے مدینہ پر شب خون مارنا چاہا تھا اور قریش سے اس کام کے لئے مدد کی خواہش کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے سلمہ بن اسلم کی قیادت میں دو سو آدمیوں کو اور زید بن حارثہ کی قیادت میں تین سو آدمیوں کو مقرر فرما دیا کہ مدینہ کے (مختلف) مقامات اور آبادیوں کی حفاظت رکھیں، یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ عباد بن بشر اپنے ساتھیوں کو لے کر ہر رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکیداری کرتے تھے۔ مشرک چوبیس تھے۔ خندق کے پار آ جاتے اور مسلمان تکبیر کہہ کر اور تیر مار مار کر ان کو روک رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس بھی چوکسی رکھتے تھے۔

حضرت سعد کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق:

مسلم و بخاری نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو ایک رات کو بیدار رہے اور فرمایا، کاش کوئی نیک مرد ہوتا جو میری چوکسی کرتا اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا سعد نے فرمایا یہاں کیسے آئے، سعد نے کہا میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک اندیشہ پیدا ہوا اس لئے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکسی کے لئے فوراً حاضر ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کو دعا دی پھر سو گئے۔ ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا، خندق کے زمانہ میں جس روز سے سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکسائی کرنی شروع کی تھی جب ہی سے مجھے سعد سے محبت ہو گئی تھی۔

سخت سردی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود نگرانی کرنا:

خندق میں ایک مقام ایسا تھا جہاں سے کافروں کے عبور کر آنے کا اندیشہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس جگہ کی نگرانی کرتے تھے اور جب سخت سردی محسوس ہونے لگتی تو میرے پاس آ جاتے اور مجھ سے (مل کر) گرمی حاصل کرتے پھر چلے جاتے اور چوکسائی کرنے لگتے تھے۔ اور فرماتے تھے مجھے صرف اس جگہ سے مشرکوں (کے گھس آنے) کا اندیشہ ہے ایک بار جو میرے پاس سردی سے سکون حاصل کرنے کے لئے آئے تو فرمایا، کاش کوئی نیک مرد ایسا ہوتا جو آج رات میری چوکیداری کرتا میں سوچ رہا تھا کہ اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا، سعد۔ سعد نے کہا ہم (لوگ) اس جگہ کی نگرانی کر رہے ہیں یہ جواب سن کر حضور سو گئے۔ یہاں تک کہ میں نے آپ کی سانس کی آواز سن لی (یعنی خراٹے لینے لگے)

ایک تنگ مقام پر مشرکوں کی شکست:

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس چوکسائی کرتے تھے اور سردی سخت ہوتی تھی ایک رات آپ نے اپنے ڈیرے میں

نماز پڑھی پھر جا کر جو سائی کرنے گئے اور فرمایا مشرکوں کے سوار خندق سے گزرنا چاہتے ہیں پھر آواز دی عباد بن بشیر عباد نے جواب دیا حاضر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کیا تمہارے ساتھ کوئی ہے۔ عباد نے کہا جی ہاں میرے قبیلے کے چند لوگ چوکیداری کر رہے ہیں فرمایا اپنے قبیلے کے آدمیوں کو لے جاؤ خندق کے آس پاس کچھ مشرک موجود ہیں جو شب خون مارنا چاہتے ہیں جاؤ تم ہماری طرف سے ان کی شرارت کو دور رکھو اور ان کو دور رکھنے کے لئے ہماری مدد کرو۔ فوراً عباد اپنے آدمیوں کو لے کر خندق کی طرف چلے گئے جا کر دیکھا کہ ابوسفیان اور اس کے دوسرے مشرک خندق کے تنگ مقام میں گھس رہے ہیں اور مسلمان تیر مار مار کر اور پتھر برسا کر ان کو روک رہے ہیں اتنے میں عباد جا پہنچے عباد کا بیان ہے میں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں پر پتھر برسائے آخر شکست کھا کر مشرک بھاگ گئے پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آیا، آپ نماز میں مشغول تھے نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے واقعہ بیان کیا۔

حضرت ام سلمہؓ کا بیان ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے میں نے آپ (کے سانس) کی آواز سن لی اور بلال کی اذان فجر ہونے تک بیدار نہیں ہوئے۔ اذان کے بعد باہر نکلے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔ حضرت ام سلمہؓ فرمایا کرتیں اے اللہ عباد بن بشیر پر رحمت نازل فرما۔

صحابہ کے نعرے:

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ کے اندر سو رہے تھے آدھی رات ہوئی تو کچھ آوازیں آئیں میں نے سنا کوئی کہہ رہے تھے اے شہسواران خدا سوار ہو جاؤ اس جہاد میں مہاجروں کا یہ امتیازی نعرہ (مقرر) تھا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جب کافر رات کو قوم پر چھاپہ ماریں تو تمہارا امتیازی نعرہ حم لاینصرون ہونا چاہئے۔ دونوں روایتوں کے اختلاف کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ یہ نعرہ انصار کا تھا اور پہلا نعرہ مہاجرین کا۔

مشرکوں کی شرارت کا خاتمہ:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہو کر خیمہ کے باہر تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کچھ لوگ جن میں عباد بن بشیر بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکیداری کر رہے تھے عباد سے دریافت فرمایا یہ آوازیں کیسی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عباد کو حکم دیا کہ جا کر خبر لاؤ عباد چلے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا انتظار کرتے رہے کچھ دیر کے بعد عباد آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ عمرو بن عبدود مشرکوں کی ایک ٹولی لے کر مسلمانوں سے لڑ رہے ہے باہم تیر اندازی اور سنگباری کر رہے ہیں یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ کے اندر تشریف لے گئے اور ہتھیار اٹھا کر برآمد ہوئے پھر گھوڑے پر سوار ہو کر صحابہ کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہوگئے۔ تھوڑی دیر کے بعد خوش خوش واپس آ گئے اور فرمایا اللہ نے ان کی شرارت کو دفع کر دیا اور وہ بہت زخم کھا کر شکست پا کر بھاگ گئے اس کے بعد حضور لیٹ کر سو گئے کہ مجھے آپ کے سانس کی آواز سنائی دینے لگی کچھ مدت کے بعد پھر دوبارہ آوازیں آئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور فرمایا عباد دیکھو یہ کیسی آوازیں ہیں عباد گئے اور واپس آ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرار بن خطاب مشرکوں کا ایک ٹولہ لے کر مسلمانوں سے تیر اندازی اور سنگباری کی جنگ کر رہا ہے حضور والا مسلح ہو کر خیمہ سے برآمد ہوئے اور کافروں سے لڑتے رہے اسی میں صبح ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ گئے اور فرمایا وہ لوگ بہت سے زخم کھا کر بھاگ گئے۔

غزوۂ خندق کی شدت:

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں غزوۂ مریسیع، خیبر، حنین اور فتح مکہ کے زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی لیکن کوئی غزوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا شاق اور دشوار نہیں گزرا جتنا غزوۂ خندق شدید گزرا، اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت زخم آئے اور زمانہ بھی سخت سردی اور تنگ حالی کا تھا۔

نمازوں میں تاخیر:

روایت میں آیا ہے کہ ایک روز کافر جمع ہوئے اور پورے خندق کو آ گھیرا اور سخت لڑائی کی یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نماز کی فرصت نہیں ملی ظہر کی نماز بھی فوت ہوئی اور عصر کی بھی اور مغرب کی بھی پھر عشاء کے وقت یہ نمازیں ادا کیں۔

نسائی نے سنن میں لکھا ہے کہ حضرت ابوسعید خدری نے بیان کیا خندق کے دن ہم و ظہر عصر مغرب اور عشاء کی نمازوں کی فرصت نہیں مل سکی آخر اللہ نے ہمارا کام پورا کر دیا اسی کے متعلق اللہ نے آیت وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ نازل فرمائی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نماز کے ارادے سے کھڑے ہوئے (بلال نے) اقامت کہی اور آپ نے اسی طرح ظہر کی نماز پڑھی جس طرح پہلے پڑھتے تھے، پھر اقامت کہی اور حسب سابق عصر کی نماز پڑھی پھر اقامت کہی اور عشاء کی نماز معمول سابق کے مطابق ادا کی۔ یہ واقعہ آیت فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا کے نزول سے پہلے کا ہے (اس آیت کے نزول کے بعد تو صلوٰۃ خوف کا حکم اور اس کی طریقہ بتا دیا گیا) ابن حبان نے اپنی صحیح میں یہ روایت بیان کی ہے لیکن صلوٰۃ عشاء کا اس میں ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ نماز عشاء تو اپنے وقت میں ادا کی تھی لیکن دوسری روایت میں جو عشاء کی نماز بھی ذکر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عشاء کی نماز بھی اپنے معمول سے مؤخر ہو گئی تھی۔

نماز میں تاخیر پر مشرکین کو بددعائیں:

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے آیا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد حضرت عمر بن خطاب کفار قریش کو بُرا بھلا کہتے ہوئے آئے اور عرض کیا یارسول اللہ میں تو (عصر کی) نماز بھی نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ اب سورج ڈوبنا ہی چاہتا ہے حضور نے فرمایا، میں نے بھی ابھی نماز نہیں پڑھی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم بطحان میں اترے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے وضو کیا اور حضور نے عصر کی نماز غروب آفتاب کے بعد پڑھی پھر نماز عصر کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

صحیحین میں حضرت علی کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن فرمایا اللہ ان کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے (اسی طرح) بھردے جس طرح انہوں نے غروب آفتاب تک ہم کو درمیانی نماز (عصر کی نماز) پڑھنے کی فرصت نہیں دی۔ مسلم کی روایت میں آیا ہے پھر عصر کی نماز حضور نے مغرب وعشاء (کی نمازوں) کے درمیان پڑھی۔

مسئلہ: اگر چند نمازیں فوت ہوگئی ہوں تو پہلی نماز لوٹانے کے لئے اذان دی جائے (اور اقامت کہی جائے) پھر باقی نمازوں میں سے ہر نماز کی قضاء کے لئے صرف اقامت کہے بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کو لوٹانے کے وقت اذان بھی دی جائے اور اقامت بھی کہی جائے۔ بزار کی روایت کردہ حدیث سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

کافروں کی شکست کیلئے دُعاء:

جب مسلمانوں پر تکلیف بہت زیادہ ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے لئے بددعا کی اور اللہ نے آپ کی دعا قبول بھی فرمائی، چنانچہ بخاری نے صحیح میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب (وہ قبائل جو متفق ہوکر مدینہ پر چڑھ آئے تھے) کے لئے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ، اے کتاب نازل کرنے والے اے جلد حساب فہمی کرنے والے احزاب کو شکست دے دے اور ان کو جھنجھوڑ دے (ان کے قدم اکھاڑ دے)

میں کہتا ہوں، حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے لئے تین روز پیہم مسجد فتح میں بددعا کی۔ بعض اقوال میں آیا ہے کہ دوشنبہ سہ شنبہ اور چارشنبہ کے لئے بددعا کی، چارشنبہ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ہم نے خوشی کے آثار چہرۂ مبارک پر دیکھ لئے۔ راوی کا بیان ہے اس کے بعد جو مصیبت ہم پر آئی اور ہم نے اس ساعت میں (یعنی ظہر وعصر کے درمیان) اللہ سے دعا کی تو اللہ نے ہماری دعا ضرور قبول فرمائی۔

ایک خفیہ مسلمان کی خفیہ تدبیر:

بغوی کا بیان ہے نعیم بن مسعود بن عامر بن غطفان نے (پوشیدہ طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا یارسول اللہ میں مسلمان ہوگیا ہوں لیکن میری قوم والوں کو میرا مسلمان ہوجانا معلوم نہیں ہے اب آپ ہم کو جو چاہیں حکم دیں (ہم اس کی تعمیل کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ہماری جماعت میں تنہا ہو اگر کر سکتے ہو تو (ان جماعتوں میں پھوٹ ڈالدو اور) ایسا کردو کہ ہماری طرف سے ان کا رُخ مڑ جائے اور ایک جماعت دوسری کی مدد نہ کرے کیونکہ لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔

میں کہتا ہوں، دوسری روایت میں آیا ہے کہ نعیم نے عرض کیا تھا یارسول اللہ مجھے یہ اجازت دیجئے کہ میں (ان سے) جو کچھ چاہوں کہوں (خواہ بات جھوٹی ہو) حضور نے اجازت دے دی۔ اجازت پاکر نعیم بنی قریظہ کے پاس پہنچے (اسلام سے پہلے نعیم بنی قریظہ ہم نشین تھے) اور کہا اے بنی قریظہ تم واقف ہو کہ میں تمہارا خاص دوست ہوں، بنی قریظہ نے کہا تم نے سچ کہا، ہماری نظر میں تم مشکوک نہیں ہو۔ نعیم نے کہا تو (سنو) قریش اور غطفان لڑائی کے لئے آئے ہیں اور تم ان کے مددگار ہو لیکن ان کی حالت تمہاری حالت کی طرح نہیں ہے یہ شہر تمہارا شہر ہے اس میں تمہارا مال ہے اہل وعیال ہیں تم اس کو چھوڑ کر دوسرے شہر کو نہیں جاسکتے رہے قریش وغطفان (وہ یہاں کے باشندے نہیں ہیں) ان کے مال اور اہل وعیال یہاں سے دور ہیں اگر کامیابی کا موقع اور مال غنیمت ان کے ہاتھ آ گیا تو بہتر ورنہ اپنے شہروں کو چلے جائیں گے اور تم کو اس شخص کے مقابلہ پر تنہا چھوڑ دیں گے اور یہ شخص تمہارے شہر میں رہتا ہے تنہا اس کا مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔ (مناسب یہ ہے کہ) تم اعتماد حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں کے کچھ سرداروں کو اپنی تحویل میں بطور رہن رکھ لو تا کہ وہ تم کو چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں اگر وہ ایسا کرلیں تو ان کے ساتھ مل کر تم محمد سے لڑو اور کھل کر ان کا مقابلہ کرو (اگر وہ ایسا نہ کریں تو سمجھ لو کہ ان کی نیت بُری ہے) بنی قریظہ نے کہا تم نے صحیح مشورہ دیا۔ پھر نعیم یہاں سے نکل کر قریش کے پاس پہنچے اور ابوسفیان وسردارانِ قریش سے کہا تم لوگ جانتے ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں اور محمد کے متعلق جو رائے رکھتا ہوں اس سے بھی تم واقف ہو مجھے ایک اطلاع ملی ہے۔ میں بطور خیر خواہی اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ وہ خبر تم تک پہنچادوں لیکن اس کو پوشیدہ رکھنا قریش نے کہا ہم ایسا ہی کریں گے نعیم نے کہا تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ گروہ یہود اپنے کئے پر پشیمان ہیں اور محمد کے پاس انہوں نے پیام بھیجا ہے کہ ہم نے جو کچھ کیا ہم اس پر نادم ہیں (اس کی تلافی میں) اگر ہم قریش وغطفان کے کچھ سرداروں کو پکڑ کر تمہارے حوالے کردیں تا کہ تم ان کی گردنیں اڑادو تو کیا تم ہم سے راضی ہوجاؤ گے پھر ہم اور تم مل کر باقی لوگوں کا مقابلہ کریں گے محمد نے جواب میں کہلا بھیجا بہتر

ہے (ہم سب شرط پر تم سے مصالحت کرنے کو تیار ہیں) مدینہ یہودی اور تمہارے پاس بھیجیں اور تمہارے سرداروں کو اپنے پاس بطور رہن رکھنا چاہیں تو تم اپنا ایک آدمی بھی ان کے حوالے نہ کرنا۔ اس کے بعد نعیم غطفان کے پاس پہنچے اور کہا اے گروہ غطفان تم میرا کنبہ قبیلہ ہو اور میرے پیارے ہو میرا خیال ہے کہ تم مجھے مشکوک نہیں سمجھتے ہو بنی غطفان نے جواب دیا تم نے سچ کہا واقعی تم ہمارے دوست ہو نعیم نے کہا تو بات چھپی رکھنا (نہ ظاہر کرنا ہے) بنی غطفان نے کہا ایسا ہی کریں گے اس کے بعد نعیم نے وہ بات قریش سے کہی تھی وہی غطفان سے بھی کہہ دی اور جس بات کا اندیشہ دلایا تھا اسی بات کا خوف بنی غطفان کو بھی دلایا۔

کافروں میں پھوٹ:

شنبہ کی رات ماہ شوال ۵ھ کو اللہ نے اپنے رسول کی کارسازی اس طرح کی کہ ابوسفیان نے ورقہ بن غطفان اور عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ قبیلہ غطفان وقریش کے چند آدمیوں کو بنی قریظہ کے پاس بھیجا ان لوگوں نے جاکر بنی قریظہ سے کہا کہ ہم یہاں قیام کرنے والے نہیں۔ ہمارے اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو رہے ہیں آپ لوگ لڑائی کے لئے تیار ہو جائیں تاکہ ہم کھل کر باہر نکل کر محمد سے جنگ کریں اور اس جھگڑے سے فارغ ہو جائیں جو ہمارا محمد سے ہے یہودیوں نے پیام بھیجا آج سنیچر کا دن ہے سنیچر کے دن ہم کوئی کام نہیں کرتے ہم میں سے بعض لوگوں نے سنیچر کے دن بدعت کی تھی اس کی جو سزا ان کو ملی وہ تم سے پوشیدہ نہیں ہے پھر ایک بات یہ ہے کہ جب تک ہمارے پاس اپنے کچھ آدمی بطور رہن نہ چھوڑ دو گے ہم تمہارے ساتھ مل کر لڑنے والے نہیں ہیں اگر ایسا کردو گے تو ہم کھل کر محمد سے لڑیں گے ہم کو اندیشہ ہے کہ اگر لڑائی سے تم کو کچھ نقصان پہنچا اور جنگ کی شدت ہوئی تو تم ہم کو چھوڑ کر اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ گے اور یہ لوگ ہمارے اسی شہر کے باشندے ہیں ہم تنہا ان سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ قاصد جب بنی قریظہ کا یہ جواب لے کر لوٹے تو قریش وغطفان نے کہا تم واللہ سچ جانتے ہو کہ نعیم بن مسعود نے جو کچھ کہا وہ بالکل صحیح ہے اس کے بعد ان لوگوں نے بنی قریظہ کو کہلا بھیجا کہ اپنا ایک آدمی بھی ہم تمہارے قبضہ میں نہیں دیں گے اگر (بلا شرط) تم (محمد سے) لڑنا چاہتے ہو تو نکلو اور جنگ کرو قاصد یہ پیام لے کر بنی قریظہ کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا نعیم بن مسعود نے جو بات کہی تھی وہ بالکل سچ تھی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اگر (فتح کا) ان کو موقع مل جائے تو اس کو غنیمت سمجھیں ورنہ سمٹ کر اپنے شہروں کو چلے جائیں اور ہم کو تمہارے شہر میں اس شخص کے مقابل تنہا چھوڑ جائیں اس کے جواب میں بنی قریظہ نے قریش اور غطفان کو وہی پیام بھیجا کہ ہم کو اطمینان نہ ہو تم اپنے کچھ سرداروں کو ہمارے پاس بطور گروی چھوڑ دو لیکن قریش نے نہ مانا اس رات سخت سردی تھی اور بہت تیز ہوا چل رہی تھی ... شدید سردی کی رات تھی اور بہت ہی سخت ٹھنڈک تھی اللہ نے ایک طوفانی ہوا بھیج دی جس سے کافروں کی (چڑھی ہوئی) ہانڈیاں الٹ گئیں اور دانے برتنوں کو پھینک دیا۔

سردی کی شدت میں حضرت حذیفہ کا جاسوسی کیلئے جانا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی پھوٹ کی اطلاع ملی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو یہ بات معلوم کرنے کے لئے بھیجا کہ رات کو کیا ہوا محمد بن اسحاق نے بروایت یزید بن زیاد محمد بن کعب قرظی کا بیان نقل کیا ہے اور بعض اہل روایت نے ابراہیم تیمی کے والد کا قول بھی بیان کیا ہے دونوں کی روایت ہے کہ ایک کوفی جوان نے حضرت حذیفہ بن یمان سے دریافت کیا ابو عبداللہ کیا آپ (حضرات) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے تھے حضرت حذیفہ نے فرمایا ہاں بھتیجے (ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تھے) جوان نے پوچھا تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے حضرت حذیفہ نے فرمایا ہم تیاری کرتے تھے جوان بولا اگر ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر پیدل نہ چلنے دیتے اپنی گردنوں پر اٹھائے رہتے اور آپ کی (خدمت) حفاظت کرتے حضرت حذیفہ نے فرمایا بھتیجے (تم کو کیا معلوم کہ وہ زمانہ کتنی مصائب کا تھا) خدا کی قسم وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ خندق کی رات ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (اور انتہائی سخت سردی تھی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے جو جاکر کافروں کی خبر لائے جو ایسا کرے گا اللہ اس کو جنت میں داخلہ عطا فرمائے گا یہ بات سن کر (بھی) ہم میں سے کوئی نہیں اٹھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیر تک نماز پڑھی اور نماز کے بعد ہماری طرف منہ کر کے وہی بات فرمائی لیکن سب خاموش رہے ہم میں سے کوئی نہیں اٹھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر دیر تک نماز پڑھتے رہے اور نماز کے بعد فرمایا جو شخص جاکر خبر لائے گا اور پھر واپس آجائے گا اس کو میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ جنت میں میرا ساتھی ہوگا۔ یہ سننے کے بعد بھی سخت سردی، سخت بھوک اور شدت خوف کی وجہ سے کوئی شخص بھی نہیں اٹھا جب کوئی نہیں اٹھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرمایا اور پکارا جب میرا نام لے لیا تو میرے لئے اٹھنے کے سوا چارہ نہ رہا۔ میں نے عرض کیا لبیک یا رسول اللہ پھر اٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اس وقت (سردی کی وجہ سے) میرے دونوں پہلو کانپ رہے تھے حضور نے میرے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیرا پھر فرمایا ان لوگوں کے پاس جاکر ان کی خبر لاؤ لیکن

میرے پاس پہنچنے تک کچھ (چھیڑ چھاڑ) مت کرنا پھر اس کے بعد فرمایا اے اللہ اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں اور اوپر نیچے سے اس کی حفاظت میں رکھ۔

حضرت حذیفہؓ کا مشرکین میں گھس جانا:

میں نے اپنے تیر کمان سنبھالے اور کمر باندھی اور پیدل ان کی طرف روانہ ہو گیا۔ نکلا ہی ہوں تو ایسا معلوم ہوا کہ حمام میں چل رہا ہوں (ساری سردی غائب ہو گئی) چلتے چلتے ان لوگوں کے اندر داخل ہو گیا۔ اللہ کے حکم سے ان لوگوں پر ایک ہوا کا طوفان اور (غیبی) لشکر آ گیا اور اللہ کے اس لشکر نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیا کہ ان کی ایک ہنڈی کو (چولھے پر) اور آگ کو (چولھے میں) اور ڈیرے چھولداری کو (زمین پر) قائم نہ رہنے دیا اس وقت ابوسفیان آگ کے پاس بیٹھا تاپ رہا تھا میں نے تیر نکالا۔ کمان کے چلہ پر چڑھایا اور چھوڑنا چاہتا ہی تھا کیونکہ اگر اس وقت میں تیر چھوڑ دیتا تو ٹھیک ابوسفیان کے لگ جاتا۔ لیکن مجھے اللہ کے رسول کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھنا جب تک میرے پاس واپس نہ پہنچ جائے۔ اس لئے میں نے تیر واپس نکال کر رکھ دیا۔ ابوسفیان نے جو یہ تباہی دیکھی تو کہنے لگا کہ اے گروہ قریش تم میں سے ہر ایک اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لے اور دیکھ لے کہ وہ کون ہے (تاکہ کوئی جاسوس ہمارے لشکر میں نہ گھس آئے۔ شناخت ہو جائے) یہ سن کر میں نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی کا ہاتھ پکڑ لیا اور پوچھا تو کون ہے اس نے جواب دیا سبحان اللہ کیا تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں بن فلاں ہوں وہ قبیلہ ہوازن کا آدمی تھا۔

مشرکین کی پسپائی:

ابوسفیان نے کہا اے گروہ قریش تمہارے قیام کی یہ جگہ نہیں ہے (کہ ہمیشہ یہاں رہتا ہو) اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو گئے بنی قریظہ نے بھی ہم سے غداری کی اور ان کی طرف سے ہم کو وہ (پیام) ملا جو ہمارے لئے ناگوار تھا ادھر اس طوفان کی وجہ سے جو بپتا ہم پر پڑی وہ تم لوگ دیکھ ہی رہے ہو لہذا کوچ کرو چونکہ میں تو روانہ ہو رہا ہوں اس کے بعد ابوسفیان اٹھ کھڑا ہوا اور اونٹ کے پاس پہنچا اونٹ کے پاؤں میں اس وقت گھٹنا بندھا ہوا تھا (اور وہ بیٹھا ہوا تھا) ابوسفیان اس پر سوار ہو گیا اور اس کو مارا اونٹ فوراً تین ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا چوتھی ٹانگ کا گھٹنا کھلا ہونے کی حالت میں کھول دیا۔ میں نے سنا کہ جو عمل قریش نے کیا وہی غطفان نے بھی کیا اور سب اپنے شہروں کو لوٹ پڑے۔

حضرت حذیفہؓ کا خوشخبری لے کر لوٹنا:

میں رسول اللہ کی طرف لوٹ آیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں حمام میں چل رہا ہوں خدمت گرامی میں پہنچا تو آپ اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے سلام پھیرا تو میں نے ان لوگوں کا واقعہ عرض کیا۔ حضور ہنس پڑے اتنے کہ رات کی تاریکی میں (سفید چمکدار) کچلیاں نمودار ہو گئیں۔ جب میں اطلاع دے چکا تو وہ سینک (جو اس آمد و رفت اور ٹوہ لگانے کے دوران حمام کی گرمی جیسی محسوس ہو رہی تھی وہ) بھی غائب ہو گئی (اور حسب سابق سردی محسوس ہونے لگی) حضور نے مجھے اپنے قریب اپنے قدموں کے پاس کر لیا اور اپنے کپڑے کا ایک چھوٹا حصہ اوپر ڈال دیا اور میں نے سینہ اپنے تلووں سے چمٹا لیا اس طرح میں برابر سوتا رہا جب صبح ہوئی تو حضور نے فرمایا اے سونے والے اب اٹھ جا۔

فرشتوں کا اثر:

میں کہتا ہوں ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب شروع سے تمہارے اللہ نے ہوائی طوفان مسلط کر دیا اور اطراف لشکر میں فرشتوں نے تکبیر کہی (یعنی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا) تو طلحہ بن خویلد اسدی نے کہا (لوگو) محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تم پر جادو کرنا شروع کر دیا اس لئے تیزی کے ساتھ نکل جاؤ جلدی کرو یہ سنتے ہی بغیر لڑے لوگ بھاگ نکلے۔

رحمۃ للعالمین کا اثر:

میں کہتا ہوں شیخ محمد بن عبد الوہاب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو یہ ہوا ہر کافر کو چورا چورا کئے بغیر نہ چھوڑتی جیسا عاد کی قوم کے ساتھ ریح عقیم نے کیا تھا۔

حضرت حذیفہ سے فرشتوں کی بات چیت:

دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت حذیفہ نے فرمایا جب میں کافروں کے لشکر کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹا تو شاہراہ میں میں نے بیس سوار دیکھے جن کے عمامے سفید تھے انہوں نے مجھ سے کہا اپنے ساتھی سے جا کر کہہ دینا کہ اللہ نے تمہارا کام پورا کر دیا اور تمہارے دشمنوں کے شر کو دفع کر دیا۔

حضرت زبیرؓ کی فضیلت:

شیخین نے صحیحین میں حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا ان لوگوں (یعنی لشکر کفار) کی خبر کون ہم کو لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ حضور نے پھر فرمایا ان لوگوں کی خبر کون ہم کو لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ (تیسری بار) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں کی خبر ہم کو کون لا کر دے سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں۔ اس پر حضور نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیر ہے۔

کافروں کی دائمی پسپائی:

بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمان بن صرد نے فرمایا جب کافروں کی جماعتیں (احزاب کے دن) نکل کر چلی گئیں تو میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا (آئندہ) ہم ان سے جا کر جہاد کریں گے وہ آ کر ہم سے نہیں لڑیں گے ہم ان کی طرف جائیں گے۔

واپس شہر لوٹنے کی دُعاء:

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر کی روایت سے یہ بھی آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد یا حج یا عمرہ سے لوٹ کر شہر میں پہنچتے تو تین بار اللہ اکبر کہہ کر فرماتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ

تنہا اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کی حکومت ہے اسی کے لئے ہر طرح کی حمد مناسب ہے وہی ہر چیز پر قابو رکھتا ہے ہم (اسی کی طرف) لوٹنے والے ہیں اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں (اسی کی) عبادت اور سجدہ کرنے والے ہیں اپنے رب ہی کی ہم حمد کرنے والے ہیں اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جماعتوں کو تنہا شکست دے دی۔

مقتولین کی تعداد:

محمد بن عمر کا قول ہے کہ جنگ خندق میں چھ مسلمان شہید ہوئے اور چھ مشرک بھی مارے گئے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ			
جب چڑھ آئے تم پر	اوپر کی طرف سے	اور نیچے	سے

یعنی مدینہ کی شرقی جانب سے جو اونچی ہے اور غربی جانب سے جو نیچی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ
اور جب بدلنے لگیں آنکھیں

یعنی دہشت وحیرت سے آنکھیں پھرنے لگیں اور لوگوں کے تیور بدلنے لگے۔ دوستی جتانے والے لگے آنکھیں چرانے۔ (تفسیر عثمانی)

انتظامی، معاشرتی امتیاز اسلامی وحدت اور اسلامی قومیت کے منافی نہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہاد کے لئے مہاجرین کا جھنڈا حضرت زید بن حارثہؓ کے سپرد فرمایا اور حضرات انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہؓ کے سپرد فرمایا، اس وقت مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات (بھائی چارے) کے تعلقات بڑی مضبوط ومستحکم بنیادوں پر قائم تھے، اور سب بھائی بھائی تھے مگر انتظامی سہولت کے لئے مہاجرین کی قیادت الگ اور انصار کی الگ رکھی گئی تھی اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی قومیت اور اسلامی وحدت انتظامی اور معاشرتی تقسیم کے منافی نہیں بلکہ ہر جماعت پر ذمہ داری کا بوجھ ڈالنے سے باہمی اعتماد اور تعاون وتناصر کے جذبہ کی تقویت ہوتی ہے، اور اس جنگ کے سب سے پہلے کام یعنی خندق کھودنے میں اس تعاون وتناصر کا اس طرح مشاہدہ ہوا کہ

خندق کی کھدائی کی تقسیم پورے لشکر پر کی گئی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے لشکر کے مہاجرین وانصار کو دس دس آدمیوں کی جماعت میں تقسیم کر کے ہر دس آدمیوں کو چالیس گز خندق کھودنے کا ذمہ دار بنایا۔ (معارف القرآن)

غزوہ خندق کا موسم اور فرشتوں کا رعب:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں مجھے میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خندق والی رات سخت جاڑے اور تیز ہوا میں مدینہ شریف بھیجا کہ کھانا اور لحاف لے آؤں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ میرے جو صحابی تمہیں ملیں انہیں کہنا کہ میرے پاس چلے آئیں۔ اب میں چلا۔ ہوائیں زناٹے کی شائیں شائیں چل رہی تھیں۔ مجھے جو مسلمان ملا میں نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا اور جس نے سنا الٹے پاؤں فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیا یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ ہوا میری ڈھال کو دھکے دے رہی تھی اور وہ مجھے لگ رہی تھی یہاں تک کہ اس کا لوہا میرے پاؤں پر گر پڑا جسے میں نے نیچے پھینک دیا۔ اس ہوا کے ساتھ ہی ساتھ خدا تعالیٰ نے فرشتے بھی نازل فرمائے تھے جنہوں نے مشرکین کے دل اور سینے خوف اور رعب سے بھر دیئے۔ یہاں تک کہ جتنے سرداران لشکر تھے اپنے ماتحت سپاہیوں کو اپنے پاس بلا بلا کر کہنے لگے نجات کی صورت تلاش کرو، بچاؤ کا انتظام کرو۔ یہ تھا فرشتوں کا ڈالا ہوا ڈر اور رعب اور یہی وہ لشکر ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ اس لشکر کو تم نے نہیں دیکھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ
اور پہنچ گئے دل گلوں تک

یعنی خوف وہراس سے دل دھڑک رہے تھے گویا اپنی جگہ سے اٹھ کر گلے میں آ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا
اور اٹکلنے لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں

غیر یقینی حالات: یعنی کوئی کچھ سمجھتا تھا کوئی کچھ اٹکلیں لگا رہا تھا۔

مسلمانوں نے سمجھا کہ اس مرتبہ اور سخت آزمائش آئی، دیکھیے کیا صورت پیش آئے۔ کچے ایمان والوں نے خیال کیا کہ بس جی اب کی بار نہیں بچیں گے۔ منافقین کا تو پوچھنا ہی کیا۔ آگے ان کے مقولے آ رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا
وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑجھڑائے گئے زور کا جھڑجھڑ :

حضرت حذیفہ کو آپ نے دشمن کی خبر لانے کے لئے بھیجا تھا۔ اُس کا مفصل قصہ حدیث میں پڑھو تو اس جھڑجھڑانے کی کیفیت کا کچھ اندازہ ہو۔ یہاں ترجمہ کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ
اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے
مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا
جو وعدہ کیا تھا ہم سے اللہ نے اور اس کے رسول نے سب فریب تھا

منافقوں کی بزدلی:

بعض منافق کہنے لگے کہ پیغمبر صاحب کہتے تھے کہ میرا دین مشرق و مغرب میں پھیلے گا اور فارس، روم، صنعاء کے محلات مجھ کو دیئے گئے۔ یہاں تو مسلمان قضائے حاجت کو بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ وعدے کہاں گئے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ مسلمان کو چاہیے اب بھی ناامیدی کے وقت بے ایمانی کی باتیں نہ بولیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ
اور جب کہنے لگی ایک جماعت ان میں اے یثرب والو

یثرب: ''یثرب'' مدینہ طیبہ کا پرانا نام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے ''مدینۃ النبی'' ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

یثرب سے مراد ہے مدینہ۔ ابوعبیدہ نے کہا یثرب ایک قطعہ زمین کا نام ہے جس کے ایک حصہ میں مدینہ رسول واقع ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو یثرب کہنے کی ممانعت فرمائی اور ارشاد فرمایا یہ طابہ ہے حضور نے مدینہ کو یثرب کہنا اس لئے پسند نہیں فرمایا کیونکہ یثرب کا لفظ ثرب یثرب اور ثربة اور تثریب اور ثرب سے مشتق ہے (یعنی مادہ سب کا ایک ہے لیکن استعمال فعل یفعل اور تفعیل اور افعال سے ہوتا ہے) اور ثرب ہو یا اثرب یا تثریب سب کا معنی ہے ملامت کرنا۔ عار دلانا، کسی کی جرم پر ذلیل کرنا

اور مثرب اس شخص کو کہتے ہیں جو بخشش میں دراز دست نہ ہو۔ تو مقام یا اسم ظرف ہے یعنی ٹھہرنے کا موقع۔ یا مصدر ہے (باب افعال کا) (تفسیر مظہری)

لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ
تمہارے لئے ٹھکانا نہیں سو پھر چلو اور رخصت مانگنے لگا ایک فرقہ ان میں
النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ
نبی سے کہنے لگے ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں پڑے
إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا
اور کوئی غرض نہیں مگر بھاگ جانا

منافقوں کا مشورہ اور بہانے:

یعنی سارے عرب ہمارے دشمن ہوئے تو ہم کو رہنے کا ٹھکانا کہاں۔ سب لشکر سے جدا ہو کر گھر لوٹ چلو۔ اور حضرت لشکر کے ساتھ باہر کھڑے تھے شہر میں مضبوط حویلیوں کے نیچے بند کر کے زنانے اُن میں رکھ دیئے تھے۔ یہ بہانہ کرنے لگے کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں کہیں چور گھس کر لوٹ نہ لیں۔ اور یہ محض جھوٹ بات بنائی تھی۔ غرض یہ تھی کہ بہانہ کر کے میدان سے بھاگ جائیں۔ چنانچہ جو اجازت لینے آیا آپ اجازت دیتے رہے کچھ پرواہ تکثیر سواد کی نہ کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف تین نفوس قدسیہ آپ کے ساتھ باقی رہ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جنگی تدبیر:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ قبیلہ غطفان کے رئیس نے ان یہودیوں کے ساتھ شرکت خیبر کے پھل اور کھجور کی جمع میں کی ہے۔ آپ نے غطفان کے دو سردار عیینہ ابن حصن اور ابوالحارث بن عمرو کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم تمہیں مدینہ طیبہ کا ایک تہائی پھل دیں گے، اگر تم اپنے ساتھیوں کو لے کر میدان سے واپس چلے جاؤ، یہ گفتگو درمیان میں تھی اور دونوں سردار راضی ہو چکے تھے قریب تھا کہ معاہدہ صلح پر دستخط ہو جائیں، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب عادت، ارادہ کیا کہ صحابہ کرام سے اس معاملہ میں مشورہ لیں، قبیلہ اوس و خزرج کے دو بزرگ سعدین یعنی سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو بلا کر ان سے مشورہ لیا۔

حضرت سعدؓ کی غیرت ایمانی اور عزم شدید:

دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا ہے تو ہمارے کچھ کہنے کی مجال نہیں ہم

قبول کریں گے ورنہ بتائیں کہ یہ آپ کی طبعی رائے ہے یا آپ نے ہمیں مشقت و تکلیف سے بچانے کے لئے یہ تدبیر کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ امر الٰہی اس کا ہے اور نہ میری اپنی طبیعت کا تقاضا ہے بلکہ صرف تمہاری مصیبت و تکلیف دیکھ کر یہ صورت اختیار کی ہے، کیونکہ تم لوگ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہو، میں نے چاہا فریق مقابل کی قوت کو اس طرح فوراً توڑ دیا جائے۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم جس وقت بتوں کو پوجتے تھے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانتے تھے نہ اس کی عبادت کرتے تھے، اس وقت ان لوگوں کو ہمارے شہر کے پھل میں سے ایک دانہ کی طمع رکھنے کی ہمت نہیں تھی، بجز اس کے کہ وہ ہمارے مہمان ہوں، اور مہمانی کے طور پر ہم ان کو کھلا دیں یا پھر ہم سے خرید کر لے جائیں، آج جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی معرفت عطا فرمائی، اور اسلام کا اعزاز عطا فرمایا، کیا آج ہم ان لوگوں کو اپنا پھل اور اپنے اموال دے دیں گے، ہمیں ان کی مصالحت کی کوئی حاجت نہیں، ہم تو ان کو تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدؓ کی اولوالعزمی اور غیرت ایمانی دیکھ کر اپنا یہ ارادہ چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو، سعدؓ نے صلح نامہ کا کاغذ ان کے ہاتھوں سے لے کر تحریر مٹا دی، کیونکہ ابھی اس پر دستخط نہیں ہوئے تھے، غطفان کے سردار عیینہ اور حارث جو وہاں صلح کے لئے آئے ہوئے مجلس میں موجود تھے، صحابہ کرامؓ کی یہ قوت و شدت دیکھ کر خود بھی اپنے دل میں متزلزل ہو گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا
اور اگر شہر میں کوئی گھس آئے ان پر اس کے کناروں سے پھر ان سے چاہے [illegible]
الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيرًا
دین سے بچلنا تو مان لیں اور دیر نہ کریں اس میں مگر تھوڑی

منافقوں کی اندرونی کیفیت:

یعنی جھوٹے حیلے بنا رہے ہیں۔ اگر فرض کرو یہ لوگ شہر میں ہوں اور کوئی غنیم ادھر ادھر سے گھس آئے پھر ان سے مطالبہ کرے کہ دین اسلام چھوڑ دو۔ جس کا بظاہر یہ لوگ اظہار کئے ہوئے ہیں۔ یا یہ کہ مسلمانوں سے لڑو اور فتنے فساد برپا کرو۔ اس وقت ان کا جھوٹ صاف کھل جائے۔ فوراً ان مطالبات کی تائید میں نکل پڑیں۔ نہ گھروں کے کھلے ہونے کا عذر کریں نہ [illegible] کا، بس بات چیت کرنے اور تھوڑا سا تامل کرنے میں جو تھوڑی دیر لگے اس سے مستثنیٰ کر کے ایک منٹ کا توقف نہ کریں، اسلام سے خفا ہو جانے سے وہ فوراً فتنہ و فساد کی آگ میں کود پڑیں۔

وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ
اور اقرار کر چکے تھے اللہ سے پہلے کہ نہ پھیریں گے
الْأَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا
پیٹھ اور اللہ کے قرار کی پوچھ ہوتی ہے

منافقوں کی عہد شکنی:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ جنگ احد کے بعد انہوں نے اقرار کیا تھا کہ پھر ایسی حرکت نہ کریں گے۔ سو اس کی پوچھ اللہ کی طرف سے ہوگی کہ وہ قول و قرار کہاں گیا۔ (تفسیر عثمانی)

یزید بن رومان کا بیان ہے کہ جنگ احد کے دن بنی حارثہ نے ارادہ کیا کہ بنی سلمہ کے ساتھ بزدلی کریں لیکن جب ان کے حق میں آیت نازل ہوئی تو انہوں نے عہد کیا کہ آئندہ ایسی بات نہیں کریں گے قتادہ نے بیان کیا کہ کچھ لوگ غزوہ بدر سے غیر حاضر تھے لیکن جب (لڑائی کے بعد) انہوں نے اہل بدر کی خداداد عزت و بزرگی دیکھی تو کہنے لگے آئندہ اگر اللہ نے ہم کو کسی لڑائی میں شریک ہونے کی توفیق دی تو ہم ضرور لڑیں گے انہی لوگوں کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہوگی، پوچھا جائے گا کہ پورا کیوں نہیں کیا مطلب یہ کہ عہد خداوندی کی خلاف ورزی کی سزا دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ
تو کہہ کچھ کام نہ آئے گا تم کو بھاگنا اگر بھاگو گے مرنے سے
أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا
یا مارے جانے سے اور پھر بھی پھل نہ پاؤ گے مگر تھوڑے دنوں

موت سے کوئی نہیں بھاگ سکتا:

یعنی جس کی قسمت میں موت ہے وہ کہیں بھاگ کر جان نہیں بچا سکتا۔ قضائے الٰہی سے کوئی نہیں بچ سکتا اور اگر ابھی موت مقدر نہیں تو میدان سے بھاگنا بے سود ہے۔ یہ نہیں کہ میدان جنگ میں سب مارے جاتے ہیں اور فرض کرو بھاگنے سے بچ بھی گئے تو کتنے دن؟ آخر موت آنی ہے اب نہیں چند روز کے بعد آئے گی اور اتنے عرصہ کی زندگی ہی کتنی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذًا لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا اور اس حالت میں بجز تھوڑے سے

تھوڑے دنوں کے فائدہ سے زیادہ متمتع نہیں ہو سکتے یعنی دنیا میں زندہ رہ کر تم تھوڑی مدت تک یا تھوڑا سا مزہ حاصل کر سکو گے (زیادہ مدت فائدہ اندوز نہ ہو سکو گے) آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر بالفرض میدان جنگ سے فرار تمہارے لئے مفید بھی ہو تو یہ فائدہ زیادہ مدت تک باقی نہیں رہے گا کیونکہ دنیا بہرحال فنا پذیر ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ
تو کہہ کون ہے کہ بچائے تم کو اللہ سے
أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً
چاہے تم پر برائی یا چاہے تم پر مہربانی

اللہ کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا:

یعنی اللہ کے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی نہ کوئی تدبیر اور حیلہ اس کے مقابلہ میں کام دے سکتا ہے۔ تو آدمی کو چاہئے کہ اسی پر توکل کرے اور ہر حالت میں اس کی مرضی کا طالب رہے۔ مقدر میں جو بھلائی یا سختی لکھی ہے تو یقیناً پہنچ کر رہے گی۔ پھر اس کے راستہ میں بزدلی کیوں دکھائے اور وقت پر جان کیوں چرائے جو عاقبت خراب ہو اور دنیا کی تکلیف ہٹ نہ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا
اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہ مددگار

یعنی عرب کی مخالفت سے ڈرتے ہو ... تو مسلمان اب ... قتل کرنا اٹھیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ
اللہ کو معلوم ہیں جو اٹکانے والے ہیں تم میں اور کہنے والے
لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا
اپنے بھائیوں کو چلے آؤ ہمارے پاس اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کبھی

منافقوں کی بد اندیشی اللہ کو معلوم ہے:

یعنی ظاہری وضع داری اور دکھاوے کو شرما شرمی کبھی میدان میں آ کھڑے ہوتے ہیں ورنہ عموماً گھروں میں بیٹھے عیش اڑاتے اور اپنی برادری کے لوگوں کو بھی جو بچے مسلمان ہیں جہاد میں آنے سے روکتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اخوان سے مراد ہیں مدینہ کے باشندے یعنی ہمارے پاس آ جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دو ان کے ساتھ مل کر جنگ نہ کرو ہم کو تمہارے مارے جانے کا اندیشہ ہے۔ عائق موڑ دینے والا۔ عوق پھیر دینا۔ عائق سے مراد ہوتا ہے خیر سے مانع یہاں معوقین سے مراد وہ منافق ہیں جو دوسروں کو رسول اللہ کا ساتھ دینے اور آپ کے ہمراہ رہنے سے روکتے تھے۔ قتادہ نے کہا یہ لوگ منافق تھے جو انصار کو رسول اللہ کا ساتھ دینے سے روکتے تھے اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے تھے محمد اور ان کے ساتھی گوشت (کی طرح) ہیں۔ ابوسفیان اور اس کے ساتھی ان کو ہضم کر لیں گے۔ یہ شخص تو تباہ ہونے والا ہی ہے اس کو چھوڑ دو۔ (تفسیر مظہری)

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ
دریغ رکھتے ہیں تم سے

یعنی مسلمانوں کا ساتھ دینے سے دریغ رکھتے ہیں اور ہر قسم کی ہمدردی و خیر خواہی سے بخل ہے ہاں غنیمت کا موقع آئے تو حرص کے مارے چاہیں کہ کسی کو کچھ نہ ملے سارا مال ہم ہی سمیٹ کر لے جائیں اسی احتمال پر لڑائی میں قدرے شرکت بھی کر لیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ
پھر جب آئے ڈر کا وقت تو تو دیکھے ان کو تکتے ہیں تیری طرف پھرتی ہیں
أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ
آنکھیں ان کی جیسے کسی پر آئے بیہوشی موت کی
فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ
پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ کر بولیں تم پر تیز زبانوں سے ڈھکے پڑتے ہیں مال پر

منافقوں کی موقع پرستی:

یعنی آڑے وقت رفاقت سے جی چراتے ہیں، ڈر کے مارے جان نکلتی ہے اور فتح کے بعد آ کر باتیں بناتے اور سب سے زیادہ مردانگی جتاتے ہیں اور مال غنیمت پر مارے حرص کے گرے پڑتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق طعن و تشنیع سے زبان درازی کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

منافقوں کی تشبیہ: کالذی یغشی علیہ من الموت میں مشبہ بہ یا مدہوش ہونے والے کی نظر ہے یعنی کنظر الذی یغشی علیه یا مشبہ بہ آنکھوں کا چکرانا ہے یعنی کدوران عینی المغشی علیه یا مشبہ بہ دونوں وصف ہیں بے ہوش ہونے والے کی نظر اور آنکھوں کا چکرانا۔ یا مشبہ بہ بے ہوش ہونے والے کی آنکھیں ہیں جب موت کے اسباب چھا جاتے ہیں اور موت سے پہلے آنے لگتے ہیں تو حواس معطل ہو جاتے ہیں عقل زائل ہو جاتی

ہے آنکھیں متحیر ہو جاتی ہیں اور ٹکٹکی بندھ جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ
وہ لوگ یقین نہیں لائے پھر اکارت کردیئے اللہ نے ان کے سب کیے
وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا
اور یہ ہے اللہ پر آسان

منافقوں کے عمل بے جان ہیں:

یعنی جب اللہ و رسول پر ایمان نہیں تو کوئی عمل مقبول نہیں ہوسکتا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جہاں حبط عمل کا ذکر ہے تو فرمایا کہ یہ اللہ پر آسان ہے یعنی بظاہر اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کو دیکھتے ہوئے تعجب ہوتا ہے اور یہ بات بھاری معلوم ہوتی ہے کہ وہ کسی کی محنت کو ضائع کر دے لیکن اس پر بھاری نہیں رہتی کہ خود عمل ہی کے اندر ایسی خرابی چھپی ہوتی ہے جو کسی طرح اس کو درست نہیں ہونے دیتی۔ جیسے بے ایمان کا عمل کہ ایمان شرط اور روح ہے ہر عمل کی، بدون اس کے عمل مُردہ ہے پھر قبول کس طرح ہو۔ کافر کتنی ہی محنت کرے سب اکارت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ
سمجھتے ہیں کہ فوجیں کفار کی نہیں پھریں اور اگر آجائیں وہ فوجیں
يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ
تو آرزو کریں کسی طرح ہم باہر نکلے ہوئے ہوں گاؤں میں پوچھ لیا کریں تمہاری خبریں

منافقوں کی بزدلی کا عالم:

یعنی کفار کی فوجیں ناکامیاب واپس جاچکیں لیکن ان ڈرپوک منافقوں کو ان کے چلے جانے کا یقین نہیں آتا۔ اور فرض کیجئے کفار کی فوجیں پھر لوٹ کر حملہ کر دیں تو ان کی تمنا یہ ہوگی کہ اب وہ شہر میں بھی نہ ٹھہریں۔ جب تک لڑائی رہے کسی گاؤں میں رہنے بیٹھیں اور وہیں دور بیٹھے آنے جانے والوں سے پوچھ لیا کریں کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے۔ لڑائی کا نقشہ کیسا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا
اور اگر ہوں تم میں لڑائی نہ کریں مگر بہت تھوڑی

یعنی باتوں میں تمہاری خیر خواہی جتائیں اور لڑائی میں زیادہ کام نہ دیں۔ محض مجبوری کو برائے نام شرکت کریں۔ (تفسیر عثمانی)

لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن
تمہارے لئے بھلی تھی سیکھنی رسول اللہ کی چال اس کے لئے جو کوئی
كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا
امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور یاد کرتا ہے اللہ کو بہت سا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واجب تقلید استقلال:

یعنی پیغمبر کو دیکھو ان سختیوں میں کیا استقلال رکھتے ہیں۔ حالانکہ سب سے زیادہ اندیشہ اور فکر ان ہی پر ہے۔ مگر مجال ہے پائے استقامت ذرا جنبش کھا جائے جو لوگ اللہ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتے ہیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے ہیں ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات بہترین نمونہ ہے۔ چاہیے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں ان کے نقش قدم پر چلیں اور ہمت و استقلال وغیرہ میں ان کی چال سیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مکمل نمونہ ہے:

اسوۃ بمعنی قدوہ یعنی وہ طریقہ جس کی اقتداء کی جائے اس جگہ مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمہارے لئے خصائل حمیدہ موجود ہیں جو تمہارے لئے واجب العمل ہیں مثلاً لڑائی میں ثابت قدم رہنا اور شدائد کو برداشت کرنا۔

یا یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مقتدیٰ ہیں تمہارے لئے ان کی اقتداء ہی مناسب ہے بعض نے کہا اُسوۃ بروزن **فُعْلَة** ائتساء (باب افتعال) سے مشتق ہے جیسے **قدوۃ** اقتداء سے بنا ہے یہ اسم ہے جو مصدر کا قائم مقام ہے۔ یعنی تم لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھی ہمدردی (لازم) ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی مدد کی تم بھی ویسی ہی دین کی مدد کرتے رہو۔ ان کا دانت جنگ میں ٹوٹا چہرہ زخمی ہوا ان کے چچا شہید ہوئے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی گئیں مگر انہوں نے ہر دُکھ پر صبر کیا اور تمہاری ہمدردی کی لہٰذا تم بھی ان کی طرح مصائب و شدائد پر صبر رکھو اور ان سے ہمدردی کرو اور ان کے طریقہ پر چلو۔

وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا اور اللہ کی بہت یاد کرتا ہے۔

دکھ میں بھی اور سکھ میں بھی کثرت ذکر دوام طاعت کا سبب ہے اسی لئے رجاء کے ساتھ کثرت ذکر کا ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے والا وہی ہوسکتا ہے جو امید بھی رکھتا ہو اور اللہ کا ہمیشہ اطاعت گزار بھی ہو۔ حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ حضرت عمر نے حجر اسود پر سر جھکا کر فرمایا

میں بلاشبہ جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے لیکن اگر میں نے اپنے پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے اور چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے نہ چومتا نہ بوسہ دیتا۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔

حضرت عمرؓ کا اتباعِ سنت:

یعلی بن منبہ کا بیان ہے میں نے حضرت عمر کے ساتھ طواف کیا جب میں حجر کے متصل دروازہ کے پاس رکن کے قریب پہنچا تو میں نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ لیا تاکہ آپ بھی چوم لیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا میں نے جواب دیا کیوں نہیں حضرت عمر نے فرمایا تو کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کو چومتے دیکھا ہے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا تو پھر اپنے سے اس کو دور رکھو لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا
اور جب دیکھی مسلمانوں نے فوجیں بولے یہ وہی ہے جو
وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
وعدہ دیا تھا ہم کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اور سچ کہا اللہ نے اور اس کے رسول نے
وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا
اور ان کو اور بڑھ گیا یقین اور اطاعت کرنا

مخلص مسلمانوں کی شان:

یعنی پکے مسلمانوں نے جب دیکھا کہ کفر کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو بجائے مذبذب یا پریشان ہونے کے اُن کی اطاعت شعاری کا جذبہ اور اُن کا یقین اللہ ورسول کے وعدوں پر اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ وہ کہنے لگے کہ یہ تو وہی منظر ہے جس کی خبر اللہ ورسول نے پہلے سے دے رکھی تھی اور جس کے متعلق ان کا وعدہ ہو چکا تھا جیسے کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (بقرہ رکوع ۲۶) اور سورۂ ص میں جو مکیہ ہے فرمایا جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ (ص۔ روح المعانی و تفسیر عثمانی)

وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا اور (کافروں کی اس لشکر کشی نے) مومنوں کے ایمان اور تسلیم کو اور پختہ کر دیا۔

ایمان سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق اور تسلیم سے مراد ہے اللہ کے حکم اور تقدیر کے سامنے سر جھکا دینا (اپنے آپ کو امر اور قضاءِ الٰہی کے سپرد کر دینا) (تفسیر مظہری)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ
ایمان والوں میں کتنے مرد ہیں کہ سچ کر دکھلایا جس بات کا عہد کیا تھا اللہ سے
مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا
پھر کوئی تو ان میں پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ہے ان میں راہ دیکھ رہا اور بدلا نہیں ایک ذرہ

مؤمنوں نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا:

یعنی منافقین نے جو عہد کیا تھا پچھلے رکوع میں گزر چکا۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ اُسے توڑ کر بے حیائی کے ساتھ میدانِ جنگ سے ہٹ گئے۔ اُن کے برعکس کتنے پکے مسلمان ہیں جنہوں نے اپنا عہد و پیمان سچا کر دکھلایا۔ بڑی بڑی سختیوں کے وقت دین کی حمایت اور پیغمبر کی رفاقت سے ایک قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔ اللہ ورسول کو جو زبان دے چکے تھے، پہاڑ کی طرح اُس پر جمے رہے۔ اُن میں سے کچھ تو وہ ہیں جو اپنا ذمہ پورا کر چکے یعنی جہاد ہی میں جان دے دی جیسے شہدائے بدر و اُحد جن میں سے حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا قصہ بہت مشہور ہے اور بہت مسلمان وہ ہیں جو نہایت اشتیاق کے ساتھ موت فی سبیل اللہ کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب کوئی معرکہ پیش آئے جس میں ہمیں بھی شہادت کا مرتبہ نصیب ہو۔ بہرحال دونوں قسم کے مسلمانوں نے (جو اللہ کی راہ میں جان دے چکے، اور جو مشتاقِ شہادت ہیں) اپنے عہد و پیمان کی پوری حفاظت کی اور اپنی بات سے ذرہ برابر نہیں بدلے۔ (فائدہ) حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کو فرمایا هٰذَا مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (یہ اُن میں سے ہے جو اپنا ذمہ پورا کر چکے) گویا اُن کو اسی زندگی میں شہید قرار دے دیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنے ہاتھ پر تیر روکتے رہے حتی کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کے رسول سے انہوں نے معاہدہ کیا تھا کہ ہم معرکۂ جنگ میں آپ کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور آپ کی معیت میں کافروں سے لڑیں گے عرب کہتے ہیں صدقنی اس نے مجھ سے سچ کہا۔ صدقوا بھی اسی محاورہ سے ماخوذ ہے۔ وعدہ پورا کرنے والا اپنے وعدہ کو سچا ثابت کر دیتا ہے (کہ جو کچھ میں نے معاہدہ کیا تھا دیکھو اس کو پورا کر دیا)

فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ۔ پس ان میں سے کچھ لوگوں نے تو اپنی نذر پوری کر دی اور عہد کو کامل طور پر پورا کر دیا اب کئے ہوئے وعدہ کا کوئی بار اس پر باقی نہیں رہا مطلب یہ کہ ان لوگوں نے جہاد و طاعت پر صبر کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے یا مر گئے۔ نحب کا معنی نذر بھی ہے اور موت بھی

وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا اور انہوں نے (کئے ہوئے عہد میں) کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔

حضرت انس بن النضر کا ایفائے عہد

شیخین، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد، ابن سعد اور بغوی نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر بدر کی لڑائی سے غیر حاضر رہے تھے ان کو یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ سب سے پہلا معرکہ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور میں غیر حاضر رہا۔ (بڑے افسوس کی بات ہے) اگر اللہ نے مشرکوں سے جنگ کرنے میں مجھے حاضر ہونے کی توفیق دی تو میری کارگزاری اللہ دیکھ لے گا چنانچہ احد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو حضرت انس بن نضر نے کہا اے اللہ ان لوگوں نے یعنی ساتھیوں نے جو کچھ کیا میں تیرے سامنے اس کا عذر خواہ ہوں اور انہوں نے (یعنی مشرکوں) نے جو کچھ کیا اس سے تیرے سامنے اظہار بیزاری کرتا ہوں پھر خود اٹھے بعض مہاجرین نے اپنے ہتھیار اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے تھے (وہ فکر و غم میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے) حضرت انس بن نضر ان کے پاس پہنچے اور پوچھا کیوں بیٹھے ہیں صحابہ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ابن نضر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جی کر کیا کرو گے اٹھو اور جس دین کی خاطر رسول اللہ شہید ہوئے تم بھی اسی پر مر جاؤ اس کے بعد مشرکوں کی فوج کی طرف رخ کر کے چل دیئے اُحد سے ورے حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی سعد نے کہا میں آپ کے ساتھ ہوں۔

حضرت سعد کا بیان ہے کہ انس کافروں کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ کام کیا جو میں نہیں کر سکا۔ (دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت انس نے کہا ہائے ابو عمرو) آہا یہ جنت کی ہوا ہے قسم ہے رب نضر کی مجھے احد کے قریب جنت کی ہوا محسوس ہو رہی ہے پھر آگے بڑھے اور اتنا لڑے کہ شہید ہو گئے آپ کے جسم پر تلوار، تیر اور بھالے کی ضربوں کے کچھ اوپر اسی زخم لوگوں نے پائے۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے آپ کی لاش کو کافروں نے مثلہ کر دیا تھا (یعنی ناک کان پیشاب گاہ کو کاٹ ڈالا تھا) لوگوں نے لاش کو شناخت بھی نہیں کیا صرف آپ کی بہن شامہ نے انگلیوں کے پوروں سے دیکھ کر پہچانا۔ ہمارا خیال تھا کہ آیت مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ حضرت انس بن نضر اور ان جیسے لوگوں کے حق میں ہی نازل ہوئی تھی۔ رضی اللہ عنہم

حضرت مصعب بن عمیرؓ:

بغوی کی روایت ہے کہ حضرت خباب بن ارت نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہم میں سے بعض لوگ تو چلے گئے (مر گئے) اور اپنی محنت کا کوئی پھل (دنیا میں) نہ کھا سکے جن میں سے ایک مصعب بن عمیر بھی تھے جنگ احد میں شہید ہو گئے تو سوا ایک نمدہ کے اتنا کپڑا نہ تھا کہ ان کو کفن دے سکتے نمدہ بھی اتنا تھا کہ سر چھپاتے تھے تو قدم کھلے رہتے تھے اور پاؤں پر ڈالتے تھے تو سر کھلا رہتا تھا حضور نے فرمایا سر پر ڈال دو اور پاؤں کو اذخر (ایک قسم کی گھاس۔ مرچیا گند) سے چھپا دو اور بعض لوگوں کی محنت کا پھل پختہ ہو گیا جس کو (دنیا میں) وہ کھا رہے ہیں۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہ

ترمذی نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (ایک بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ کر فرمایا جو شخص پسند کرتا ہو کہ روئے زمین پر (زندہ) چلتے پھرتے ایسے آدمی کو دیکھے جس نے اپنی نذر پوری کر دی ہے (اور جنتی ہو گیا ہے) تو وہ اس کو دیکھ لے۔

بخاری کا بیان ہے کہ قیس بن حازم نے فرمایا میں نے حضرت طلحہ کا (ایک) ہاتھ شل دیکھا تھا احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کافروں کے حملہ سے انہوں نے اس ہاتھ کے ذریعہ محفوظ رکھا تھا (جس کی وجہ سے ہاتھ اتنا زخمی ہو گیا کہ شل ہو گیا)

عیسیٰ بن طلحہ کا بیان ہے میں اور عائشہ بنت طلحہ (یعنی میری بہن) ام المؤمنین حضرت عائشہ کے پاس گئے عائشہ بنت طلحہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبر سے کہنے لگیں میں آپ سے اور میرا باپ آپ کے باپ سے افضل ہیں حضرت اسماء عائشہ بنت طلحہ کو برا بھلا کہنے لگیں اور بولیں تم مجھ سے افضل ہو حضرت عائشہ نے فرمایا میں تم دونوں کا جھگڑا طے کر دوں دونوں نے کہا کیوں نہیں حضرت عائشہ نے فرمایا جب ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا تم دوزخ سے آزاد ہو اسی روز سے حضرت ابو بکر کا لقب عتیق (آزاد) ہو گیا پھر حضرت طلحہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنی نذر پوری کر چکے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ معاویہ راوی ہیں میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے طلحہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے۔ (تفسیر مظہری)

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ
تا کہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا [illegible] منافقوں پر
اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
[illegible] بیشک اللہ [illegible]

عمل کا بدلہ: یعنی جو عہد کے پکے اور قول وقرار کے سچے رہے ان کو سچائی پر جمے رہنے کا بدلہ دے اور بد عہد دغاباز منافقوں کو چاہے سزا دے اور چاہے توبہ کی توفیق دے کر معاف فرما دے۔ اُس کی مہربانی سے کچھ بعید نہیں۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا
اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے ہوئے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی

کفار کی ذلت وناکامی: یعنی کفار کا لشکر ذلت وناکامی سے پیچ وتاب کھاتا اور غصہ سے دانت پیستا ہوا میدان چھوڑ کر واپس ہوا۔ نہ فتح ملی نہ کچھ سامان ہاتھ آیا۔ ہاں عمرو بن عبد ود جیسا اُن کا نامور سوار جسے لوگ ایک ہزار سواروں کے برابر گنتے تھے اس لڑائی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے کھیت رہا۔ مشرکین نے درخواست کی کہ دس ہزار لے کر اس کی لاش ہمیں دے دی جائے۔ آپ نے فرمایا وہ تم لے جاؤ، ہم مردوں کا ثمن کھانے والے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ
اور اپنے اوپر لے لی اللہ نے مسلمانوں کی لڑائی اور ہے اللہ
قَوِيًّا عَزِيْزًا
زورآور زبردست

لڑائی کے بغیر فتح: یعنی مسلمانوں کو عام لڑائی لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوا کا طوفان اور فرشتوں کا لشکر بھیج کر وہ اثر پیدا کر دیا کہ کفار ازخود سراسیمہ اور پریشان حال ہو کر بھاگ گئے۔ اللہ کی زبردست قوت کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا اور اللہ ہے قوی غالب یعنی اللہ کا اقتدار قوی ہے وہ اپنے ملک میں جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور (نافرمانوں سے) انتقام لینے میں غالب ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
اور اتار دیا اُن کو جو اُن کے پشت پناہ ہوئے تھے اہل کتاب سے
مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ
اُن کے قلعوں سے اور ڈال دی اُن کے دلوں میں دھاک
فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا
کتنوں کو تم جان سے مارنے لگے اور کتنوں کو قید کر لیا

یہود بنی قریظہ کی عہد شکنی کی سزا:

یہود بنی قریظہ کا مدینہ کے شرقی جانب ان کا مضبوط قلعہ تھا اور پہلے سے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کئے ہوئے تھے جنگ احزاب کے موقع پر حیی ابن اخطب کے اغواء سے تمام معاہدات بالائے طاق رکھ کر مشرکین کی مدد پر تیار ہو گئے ان میں سے بعض نے مسلمان عورتوں پر جو ایک گڑھی میں تھیں حملہ کرنا چاہا جس کا جواب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بڑی بہادری سے دیا۔ جب کفار قریش وغیرہ عاجز ہو کر چلے گئے تو بنو قریظہ اپنے مضبوط قلعوں میں جا گھسے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبرئیل تشریف لائے۔ چہرہ پر غبار کا اثر تھا فرمایا۔ یا رسول اللہ! آپ نے ہتھیار اتار دیئے حالانکہ فرشتے ہنوز ہتھیار بند ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ بنو قریظہ پر حملہ کیا جائے فوراً منادی ہوئی کہ بنو قریظہ کے محلہ میں پہنچ کر نماز عصر پڑھی جائے۔ نہایت سرعت کے ساتھ اسلامی فوج نے اُن کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ چوبیس پچیس دن محاصرہ جاری رہا۔ آخر محصورین تاب نہ لا سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجنے شروع کئے۔ اخیر میں اُن کی طرف سے بات اس پر ٹھہری کہ ہم قلعوں سے باہر آتے ہیں اور ہمارے بارہ میں حضرت سعد بن معاذ کو حکم ٹھہراتے ہیں (کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے) جو فیصلہ ہمارے حق میں حضرت سعد کر دیں ہم کو منظور ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبول فرما لیا۔ قصہ مختصر حضرت سعد تشریف لائے اور بحیثیت ایک مسلم حکم کے فیصلہ کیا کہ بنی قریظہ کے سب جوان قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں بچے سب قید غلامی میں لائے جائیں اور اُن کے اموال وجائداد کے مالک مہاجرین ہوں خدا اور رسول کی مرضی اور اُن کی بدعہدی کی سزا یہی تھی۔ اور یہ فیصلہ ٹھیک اُن کی مسلمہ مذہبی کتاب "تورات" کے موافق تھا۔ چنانچہ تورات کتاب استثناء اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے جب کسی شہر پر حملہ کرنے کو تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے، اگر وہ صلح تسلیم کرلیں اور تیرے لئے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے، عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوں گے۔ اس فیصلہ کے مطابق تین سو یہودی جوان قتل کئے گئے اور سات سو عورتیں بچے قید ہوئے اور اُن کے اموال پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

بنو قریظہ کے مقتولین:

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا اور ان کے دلوں میں (مسلمانوں کا) رعب ڈال دیا چنانچہ ان کے ایک فریق کو تم قتل کر رہے تھے

اور ایک فریق کو قید کر رہے تھے۔ یعنی مردوں کو قتل کر رہے تھے اور عورتوں اور بچوں کو قید کر رہے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ مردوں کی تعداد چھ سو تھی۔ ترجمہ سعد بن معاذ میں ابو عمرو نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ابن عائذ نے قتادہ کا مرسل قول بیان کیا ہے کہ مرد سات سو تھے۔ سہیلی نے کہا زیادہ سے زیادہ بیان کرنے والوں کا قول ہے کہ آٹھ سو اور نو سو کے درمیان تھے۔ ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ چار سو جنگ جو تھے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ان کی تعداد نو سو بھی بتائی گئی ہے۔ تمام اقوال کے اختلاف باہمی دور کرنے کے لئے یہ توجیہ کی جا سکتی ہے کہ جنگ جو چار سو تھے باقی ان کے تابع تھے۔

عورتوں اور بچوں کی تعداد سات سو پچاس یا نو سو تھی۔ سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ
اور تم کو دے دی اُن کی زمین اور اُن کے گھر اور اُن کے مال
وَأَرْضًا لَّمْ تَطَئُوهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا
اور ایسی زمین ... جس پر ... قدم ... اللہ ... ہر چیز پر ...

یہودیوں کی زمینیں:

یہ زمین جو مدینہ کے قریب ہاتھ لگی حضرت نے مہاجرین پر تقسیم کر دی۔ اُن کے گزران کا ٹھکانا ہو گیا اور انصار پر سے اُن کا خرچ ہلکا ہوا۔ اور دوسری زمین سے مراد خیبر کی زمین ہے جو اس کے بعد فتح ہوئی۔ ... حضرت کے سب صحابہ ... بعض کہتے ہیں کہ ... زمین ... کی ہے بعض نے فارس و روم کی زمینیں مراد لی ہیں جو آپ کے بعد خلفاء کے ہاتھوں سے فتح ہوئیں اور بعض کہتے ہیں کہ قیامت تک جو زمینیں فتح ہوں گی سب اس میں شامل ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر حقانی)

غزوۂ بنی قریظہ کا واقعہ:

محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا ہے کہ جب حضور خندق سے واپس چلے گئے تو بنی قریظہ کو (اپنے تباہ ہو جانے کا) بڑا خوف ہوا۔ امام احمد اور شیخین نے مختصر طور پر اور بیہقی و حاکم نے صحیح سند سے تفصیل کے ساتھ حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا۔ ابو نعیم اور بیہقی نے دوسری سند سے بھی یہ واقعہ نقل کیا۔ ابن عابد نے حمید بن بلال کے واسطہ سے بیان کیا۔

خندق سے واپسی:

ابن جریر نے حضرت ابن ابی اوفی کی روایت سے اور بیہقی نے عروہ کے حوالہ سے اور ابن سعد نے ماجشون و یزید بن اصم کی ... سے بیان کیا۔

محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کے سلسلہ سے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان جب تھکے ہارے خندق سے لوٹے تو ہتھیار کھول دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے مکان میں تشریف لے گئے اور پانی طلب کر کے سر دھونے لگے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضور حضرت زینب بنت جحش کے مکان میں تشریف لے گئے اور حضرت زینب آپ کا سر دھو رہی تھیں اور ایک طرف کا سر دھو بھی دیا تھا۔

فرشتے کی آواز:

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ (اس وقت) کسی شخص نے ہم کو سلام کیا ہم ... کے اندر تھے۔

محمد بن عمر نے کہا وہ شخص جنازوں کے رکھنے کے مقام میں کھڑا تھا اس نے پکار کر کہا اے جنگ کرنے والے (ہتھیار کھول دینے کا) تمہارے پاس کیا عذر ہے حضور آواز سنتے ہی گھبرا کر اچھل پڑے اور ایک دم تیزی سے کود (کر باہر نکل) گئے میں بھی آپ کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور کیواڑوں کے سوراخ میں سے دیکھنے لگی مجھے ... نظر آئی ... تھے۔

ابن اسحاق ... وہ شخص ... پٹکے ہوئے تھا۔ ... شخص نے کہا اے اللہ کے رسول آپ نے بہت جلد ہتھیار کھول دیئے اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ نے ہتھیار کھول کر رکھ دیئے حالاں کہ جب سے دشمن اترا ہے ملائکہ نے اس وقت سے اب تک اسلحہ نہیں کھولے دوسری روایت میں ہے چالیس دن سے ملائکہ نے اسلحہ نہیں کھولے۔ ہم نے حمراء الاسد تک ان کا تعاقب کیا اس وقت ... تعاقب ... اللہ نے ان کو بھگا دیا اور آپ کو حکم دیا ہے ... بنی قریظہ سے جنگ ... میں اپنے ساتھ والے ملائکہ کو لے کر ... کی طرف جا رہا ہوں تا کہ ان کے قلعوں میں زلزلہ پیدا کر دوں۔ آپ بھی وہاں ... نکل کر (میرے بعد) آیئے۔

فقط حملہ کی دیر ہے:

حمید بن بلال کی روایت میں ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ... چکے ... انہیں ... کو ... آپ صلی اللہ علیہ وسلم ... پر چڑھائی ... میں ان کو اس طرح ... گا جیسے انڈا پتھر کی چٹان پر پٹکا جاتا ہے پھر ان کو ہلا ڈالوں گا (یعنی قلعوں سے باہر نکل پڑنے پر مجبور کر دوں گا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔)

حضرت عائشہ کا بیان ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے آئے تو میں نے عرض کیا آپ ... شخص سے باتیں کر رہے تھے وہ کون تھا۔ ... دیکھا تھا میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تمہارے خیال

میں اس کی شکل کس کے مشابہ تھی۔ میں نے عرض کیا دحیہ کلبی کے مشابہ تھی۔ فرمایا وہ جبرئیل تھے انہوں نے مجھے حکم دیا کہ بنی قریظہ کی طرف جاؤں۔

فرشتوں سے اٹھتا ہوا غبار:

حمید کا بیان ہے کہ پھر جبرئیل اور ان کے ساتھ کے ملائکہ پشت پھیر کر چل دیئے یہاں تک کہ بنی غنم کے کوچوں میں (ان کی رفتار سے اٹھا ہوا) غبار اڑنے لگا۔ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا گویا اٹھتا ہوا غبار اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے۔

حملے کا اعلان:

قتادہ نے ابن عابد کی روایت کے بموجب بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز ایک منادی کو (مسلمانوں کی بستیوں میں) یہ ندا کرنے کے لئے بھیج دیا اے سواران خدا سوار ہو جاؤ اور حضرت بلال کو اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جو سننے والے فرمان بردار ہوں ان کو عصر کی نماز بنی قریظہ تک پہنچنے سے پہلے نہ پڑھنی چاہئے (یعنی ہر شخص پر لازم ہے کہ عصر کی نماز بنی قریظہ کی بستی میں پہنچ کر ہی پڑھے) شیخین نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیہقی نے حضرت عائشہ اور ابن عقبہ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا میں تم کو تاکیدی حکم دیتا ہوں کہ عصر کی نماز (بنی قریظہ کی بستی تک پہنچنے سے پہلے نہیں) نہ پڑھنا۔ مسلم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور نے ظہر کی نماز کے متعلق حکم دیا تھا چنانچہ راستہ میں جب عصر کی نماز یا حسب روایت مسلم ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض لوگوں نے کہا ہم تو بنی قریظہ میں پہنچ کر عصر کی نماز پڑھیں گے اس سے پہلے نہیں پڑھیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو تاکیدی حکم دیا ہے (اگر نماز میں تاخیر ہو گئی تو) ہم پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔ غروب آفتاب کے بعد جب بنی قریظہ میں پہنچے تو ان لوگوں نے عصر کی نماز پڑھی۔ کچھ لوگوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ نہ تھا کہ ہم نماز نہ پڑھیں (بلکہ جلد پہنچنے کی تاکید مقصود تھی) اس لئے ہم تو راستہ میں ہی نماز پڑھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع پہنچ گئی مگر آپ نے کسی فریق کو تنبیہ نہیں کی۔

مسئلہ: اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ مجتہد سے اگر اجتہاد میں غلطی ہو جائے تب بھی وہ گناہگار نہ ہوگا دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں فریقوں میں کسی پر درشتی نہیں کرتے۔ جس نے راستہ میں نماز پڑھ لی اس کو بھی برا نہیں کہا اور جس نے پہنچ کر (مغرب ہونے کے بعد) پڑھی اس کو بھی تنبیہ نہیں کی۔

صاحب زاد المعاد نے لکھا ہے کہ ہر فریق نیت کے مطابق ثواب کا حقدار ہو گیا لیکن جس فریق نے راستہ میں نماز پڑھ لی اس کو دوہرا ثواب ہوا ایک بروقت نماز پڑھنے کا دوسرا تعمیل حکم میں تیزی کرنے کا۔ کیونکہ بنی قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نماز نہ پڑھنے کے حکم کا مقصد ہی یہی تھا کہ تعمیل حکم میں تاخیر نہ کی جائے۔

جھنڈا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو طلب فرمایا اور اپنا جھنڈا ان کے سپرد کر دیا۔ خندق سے واپسی کے بعد سے جھنڈا کھولا نہیں گیا تھا۔

غزوہ بنو قریظہ کب ہوا:

محمد بن عمر واور ابن ہشام و بلاذری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوب کو مدینہ کا حاکم (اپنی جگہ) بنایا۔ محمد بن عمر کا قول ہے کہ ۲۳ ذی قعدہ کو مدینہ سے برآمد ہوئے۔ بغوی نے کہا یہ واقعہ ۵ ھ کا ہے۔ حضور والا نے ہتھیار لگائے زرہ پہنی خود اوڑھا، ہاتھ میں نیزہ ڈھال گلے میں لٹکائی اور محیف گھوڑے پر سوار ہوئے جو میں صحابہ نے گھیرا ڈال لیا جو مسلح تھے گھوڑوں پر سوار تھے اور تعداد میں چھتیس تھے۔ یہ سوار اور پیدل آپ کے گرداگرد تھے اس شان سے صحابہ کے ہجوم میں آپ روانہ ہو گئے۔

ابن سعد کی روایت کے بموجب ہم رکاب صحابی تین ہزار تھے۔

مسئلہ: اس قصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ماہ حرام میں ابتداء جہاد جائز ہے (کیونکہ خیبر کا واقعہ ذی القعدہ کے آخر کا ہے) لیکن حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور نے ماہ حرام میں قتال کی ممانعت فرما دی تھی مگر یہ ممانعت اباحت کے بعد ہوئی اس لئے ... تعارض ... ہے ... نسخ ... ثابت ہے ... یہ بھی ... ہو سکتا ہے کہ یہ اجازت حضور کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ قتال حلال ہو گیا تھا اسی طرح آپ کے لئے خصوصیت کے ساتھ خیبر کی فتح کے موقع پر بھی ماہ حرام میں جہاد کو مباح کر دیا گیا۔ یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ ابتداء جنگ نہ تھی بلکہ لڑائی کی ابتداء بنی قریظہ کی طرف سے ہو چکی تھی انہوں نے جنگ میں قریش کی مدد اس سے پہلے کی تھی۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری:

طبرانی نے حضرت ابورافع وابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی قریظہ پر (یعنی ان کی بستی کے قریب) پہنچے تو ایک برہنہ پشت گدھے پر جس کا نام یعفور تھا سوار ہوئے۔ لوگ آپ کے گرد گرد تھے۔

جبرئیل کی سواری اور بنی نجار کو حکم:

حاکم بیہقی اور ابونعیم نے حضرت عائشہ کی روایت سے نیز محمد بن عمر اور ابن اسحاق نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صوریین کی طرف سے گزرے وہاں بنی نجار کے کچھ لوگ جمع تھے جن میں حارثہ بن نعمان بھی تھے سب مسلح و صف بستہ تھے۔

حضور نے دریافت کیا کیا تمہاری طرف سے کوئی گزرا تھا۔ انصار نے کہا جی ہاں دحیہ کلبی خچر پر سوار ادھر سے گزرے تھے۔ خچر پر دبیز ریشم کی جھول بھی پڑی تھی

ہم کو حکم دیئے گئے تھے۔ ہم بھی تھیار بند ہیں (مسلح ہو چکے ہیں) چنانچہ ہم مسلح اور صف بند ہو گئے اور یہ بھی ہم نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی برآمد ہونے والے ہیں۔ حارثہ بن نعمان نے بیان کیا ہم نے دو صفیں بنائی تھیں۔ حضور نے فرمایا وہ جبرئیل تھے جن کو بنی قریظہ کی طرف ان کے قلعوں میں ان کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ حضرت علی چند مہاجرین و انصار کی جماعت کو لے کر پہلے گئے تھے جن میں حضرت ابوقتادہ بھی تھے۔

بنی قریظہ کی گالیاں:

محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حضرت ابوقتادہ نے فرمایا جب ہم بنی قریظہ پر پہنچے تو ہم نے محسوس کیا کہ ان لوگوں کو جنگ کا یقین ہو چکا ہے۔ حضرت علی نے جا کر قلعہ کی جڑ میں جھنڈا گاڑ دیا۔ ان لوگوں نے اپنی گڑھیوں کے اندر سے ہی کاربوں سے ہمارا استقبال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی بیویوں کو گالیاں دینے لگے مگر ہم خاموش رہے اور ہم نے کہا ہمارا تمہارا فیصلہ تلوار سے ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچ گئے اور ان کے قلعہ کے قریب بنی قریظہ کے پتھریلے میدان کے نشیبی جانب پڑاؤ ڈالا۔ حضرت علی نے حضور کو دیکھا تو مجھے حکم دیا کہ میں جھنڈا پکڑ لوں۔ میں نے جھنڈا پکڑ لیا حضرت علی کو یہ بات پسند نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں ان لوگوں کی گالیاں اور گندے الفاظ پہنچیں اس لئے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ ان خبیثوں کے قریب نہ پہنچیں تو کچھ حرج نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا تم مجھے واپس جانے کا مشورہ دے رہے ہو میرا خیال ہے کہ تم نے ان کی طرف سے کچھ گندے الفاظ سن لئے ہیں۔ حضرت علی نے جواب دیا ہاں۔ فرمایا اگر وہ مجھے دیکھ لیتے تو کچھ بھی اس طرح کی بات نہ کہتے۔

یہود کی کہہ مکرنیاں:

غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھتے آگئے آگے اسید بن حضیر تھے اسید نے کہا اے اللہ کے دشمنو جب تک تم بھوکے نہ مر جاؤ گے ہم تمہارے قلعوں سے نہیں ہٹیں گے (یعنی رسد نہ ملنے کی وجہ سے تم جو کے مر جاؤ گے ہم محاصرہ نہیں اٹھائیں گے) تم (اس وقت) ایسے (گڑھیوں میں محصور اور بند) ہو جیسے بھٹ کے اندر لومڑی بنی قریظہ نے کہا اے ابن حضیر خزرج کے مقابلہ میں ہم نے تم سے معاہدہ کیا تھا (ہم تمہارے حلیف تھے) حضرت اسید نے کہا اب میرے تمہارے درمیان نہ کوئی معاہدہ باقی ہے اور نہ رشتہ۔

(اس کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یہودیوں کی گڑھی کے) قریب پہنچ گئے اور اتنی اونچی آواز سے یہودیوں کے چھ سرداروں کو پکارا کہ انہوں نے آواز سن لی اور فرمایا اے بندروں اور سوروں کے بھائیو اور اے بتوں (یا شیطان) کی پرستش کرنے والو جواب دو کیا اللہ نے تم کو رسوا کر دیا اور تم پر اپنا عذاب نازل فرما دیا۔ یہ تم مجھے گالیاں دیتے ہو (اندرون حصن سے) ان لوگوں نے قسمیں کھا کر کہا ابوالقاسم ہم نے ایسا نہیں کیا آپ تو جاہل نہیں ہیں دوسری روایت میں جاہل کی جگہ فحش گو کا لفظ آیا ہے۔

چھواروں کا کھانا:

شام کو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔ حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے چھواروں کی کچھ بوریاں بھیج دیں یہی ان لوگوں کی خوراک تھی۔ حضور اقدس نے فرمایا چھوارے اچھا طعام ہیں۔

محاصرہ کا آغاز: صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازوں کو آگے بھیج دیا۔ تیراندازوں نے جا کر یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور تیر چلانا اور پتھر پھینکنا شروع کر دیا۔ قلعوں کے اندر سے یہودی بھی تیر اور پتھر پھینکتے رہے۔ دن ان پر گزرا اور جب شام ہوئی تو رات بھر مسلمان قلعوں کا محاصرہ کئے رہے اور باری باری سے ڈیوٹی دیتے رہے۔

یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کی طرف سے تیر افگنی برابر جاری رہی یہاں تک کہ یہودیوں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا اور انہوں نے تیر افگنی چھوڑ دی اور مسلمانوں سے کہا (لڑائی بند کرو) ہم تم سے کچھ گفتگو کرنی چاہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بہتر ہے یہودیوں نے گڑھی کے اوپر سے نباش بن قیس کو اتار کر بھیجا۔ نباش نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کی اور یہ شرط پیش کی کہ جن شرائط پر بنی نضیر نے صلح کی تھی ہم بھی انہی شرائط پر صلح کرنا چاہتے ہیں۔ شرائط یہ ہیں کہ اپنا مال (نقد جنس وغیرہ) اور اسلحہ لے جائیں گے اور عورتوں اور بچوں سمیت تمہاری بستیاں چھوڑ جائیں گے اور سوائے اسلحہ کے باقی مال جتنا اونٹوں پر لادا جا سکے گا وہ لے کر چلے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا یہودیوں نے کہا تو خیر ہم کو مال کی ضرورت نہیں ہم مال نہیں لے جائیں گے البتہ عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ ہم نکال لے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط ماننے سے بھی انکار کر دیا اور فرمایا بلا شرط تم کو گڑھیوں سے اتر کر آنا ہوگا۔ ہم جو فیصلہ کر دیں گے اس کو ماننا پڑے گا۔ نباش یہ جواب لے کر بنی قریظہ کے پاس لوٹ گیا۔ اور قوم سے جا کر جو گفتگو ہوئی ہو نقل کر دی۔

کعب بن اسد کی حق پرستانہ تجویز:

کعب بن اسد نے کہا اے گروہ بنی قریظہ جو مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے وہ تمہاری نظروں کے سامنے ہے۔ اب میں تین باتیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں

تم ان میں سے جو چاہو اختیار کر لو بنی قریظہ نے کہا وہ باتیں کون سی ہیں۔ کعب نے کہا یہ ہے کہ تم اس شخص کی بیعت کر لو اور اس کو سچا مان لو کیوں کہ بخدا یہ وہی نبی مرسل ہے جس کا ذکر تمہاری کتاب میں موجود ہے یہ بات تمہارے سامنے واضح طور پر آ چکی ہے اس صورت میں تمہاری جانیں اور مال اور عورتیں محفوظ رہیں گی۔ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ محمد نبی ہیں تم کو ان کا ساتھی ہونے سے سوائے حسد کے اور کوئی امر مانع نہیں تھا کہ یہ عرب میں سے ہیں۔ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں مگر اللہ نے یہ مقام (نبوت) ان کو عطا فرما دیا مجھے معاہدہ شکنی اور عہد کی خلاف ورزی پہلے ہی پسند نہ تھی لیکن یہ مصیبت اور نحوست اس شخص (حیی بن اخطب) کی وجہ سے آئی جو بیٹھا ہوا ہے۔ جب قریش اور بنی غطفان واپس چلے گئے تو حیی کعب بن اسد سے کئے ہوئے وعدہ کے مطابق بنی قریظہ کے پاس قلعہ میں آ گیا تھا۔ (اسی کی طرف کعب نے اشارہ کیا) کیا ابن ہواس کی بات تم کو یاد ہے جو اس نے تم سے کہی تھی یہودیوں نے پوچھا کیا کہا تھا۔ کعب نے جواب دیا ابن ہواس نے کہا تھا کہ اس بستی میں ایک نبی کا خروج ہوگا اگر میری زندگی میں اس کا خروج ہو گیا تو میں اس کا پیروی اور مدد کروں گا اور اگر میرے بعد وہ پیدا ہوا تو تم اس کا اتباع کرنا۔ خبردار کسی سے بہکاوے میں نہ آ جانا اس کے مددگار اور دوست رہنا اگر تم ایسا کرو گے تو دونوں کتابوں پر تمہارا ایمان ہو جائے گا اول کتاب پر بھی اور آخری کتاب پر بھی۔ ان کو میرا سلام پہنچا دینا اور بتا دینا کہ میں ان کو سچا جانتا ہوں اور ان پر ایمان رکھتا ہوں۔

کعب نے کہا (اے معشر یہود) آؤ ہم ان سے بیعت کر لیں اور ان کے سچے ہونے کا اعتراف کر لیں۔

قوم یہود کا انکار۔ بنی قریظہ نے کہا ہم توریت کا حکم تو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ اور شریعت توریت کی بجائے دوسری شریعت کو نہیں اختیار کریں گے۔

کعب کی دوسری تجویز:

کعب نے کہا جب تم یہ بات نہیں مانتے تو آؤ ہم پہلے اپنے بیوی بچوں کو قتل کر دیں پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے مقابلہ میں تلواریں سونت کر نکل آئیں یہاں تک کہ اللہ ہمارا اور محمد کا فیصلہ کر دے اگر اسی حالت میں مر جائیں گے تو اپنے پیچھے کسی کو چھوڑ کر نہیں جائیں گے کہ ہمیں اس کے متعلق اندیشہ ہو اور اگر غالب آ جائیں گے تو یقیناً ہم اور بیویاں اور بچے مل جائیں گے یہودیوں نے کہا ہم ان بیچاروں کو قتل کر سکتے ہیں ان کے بعد جینے میں کیا لذت رہ جائے گی۔ کعب نے کہا جب یہ بات بھی تم تسلیم نہیں کرتے تو یہ سمجھو کہ آج شنبہ کی رات ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی بے فکر ہوں گے اس کو یہودی آج حملہ نہیں کر سکتے) تم نیچے اترو ممکن ہے غفلت کی حالت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کرنے میں ہم کو کامیابی مل جائے۔ یہودیوں نے جواب دیا ہم یوم السبت (سے حرمت) کو بگاڑ نہیں سکتے تم جانتے ہو کہ ہم سے پہلے (ہمارے اسلاف میں سے) جن لوگوں نے یوم السبت میں بدعت (خلاف شرع حرکت) کی تھی ان پر جیسا کچھ مسخ شکل کا عذاب آیا تھا اس سے ہم بے خبر نہیں ہیں کہ ہم پر بھی وہ عذاب آ جائے۔ کعب نے کہا تم میں سے کوئی بھی جب سے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اب تک ایک دن کے لئے بھی مجھدار (دانشمند) نہیں ہوا۔ (تفسیر مظہری)

ثعلبہ اور اسید کی تقریر اور اسلام:

ثعلبہ بن سعید اور اسید بن سعید اور اسد بن عبید نے کہا (یہ خاندان بنی قریظہ میں سے تھے نہ بنی نضیر میں سے بلکہ بنی ہذیل میں سے تھے اور بنی قریظہ سے ان کا رشتہ تھا) اے گروہ بنی قریظہ بخدا تم خوب جانتے ہو کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور ان کا حلیہ اور اوصاف ہمارے پاس (ہماری کتابوں میں) موجود ہیں جو ہمارے علماء اور بنی نضیر کے علماء بیان کرتے رہتے ہیں۔ ابن ہیبان ہمارے نزدیک بڑا سچا آدمی تھا یہ حیی بن اخطب جو بنی نضیر کا سب سے بڑا شخص ہے اس نے ان کے اوصاف سے واقف ہے اس نے مرتے وقت اللہ کے رسول کی صفات (حلیہ، اخلاق وغیرہ) بیان کئے تھے۔ بنی قریظہ نے کہا ہم (شریعت) توریت کو نہیں چھوڑیں گے جب ثعلبہ اور اسید وغیرہ نے دیکھا کہ بنی قریظہ نے ان کی بات نہیں مانی تو اسی تاریخ کو صبح ہوتے ہی گڑھی سے اتر گئے اور جا کر مسلمان ہو گئے اور اپنی جانوں مالوں اور اہل و عیال کو محفوظ کر لیا۔

عمرو بن مسعود نے عہد پورا کیا:

عمرو بن مسعود نے کہا اے گروہ یہود تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جن باتوں پر معاہدہ کیا تھا اس سے تم واقف ہو تم نے ان سے معاہدہ کو توڑ دیا میں تمہارا شریک نہ تھا۔ معاہدہ میں داخل تھا نہ معاہدہ شکنی میں۔ اب اگر (مسلمان ہونے سے) تم انکار کرتے ہو تو جزیہ قبول کرو اور یہودیت پر قائم رہو۔ بنی قریظہ نے کہا ہم عرب کو جزیہ دینے کا بار اپنی گردنوں پر نہیں لیں گے اس سے تو قتل ہو جانا بہتر ہے۔ عمرو نے کہا تو میں تم سے الگ ہوں یہ کہہ کر اسی رات سعید کے دونوں بیٹوں کے ساتھ نکل کر چلا گیا۔ اسلامی لشکر کے محافظوں کے افسر محمد بن مسلمہ تھے عمرو بن مسعود جب یہودیوں کے پاس سے نکل کر اسلامی لشکر کے محافظوں تک پہنچا تو محمد بن مسلمہ نے کہا کون ہے عمرو بن مسعود نے کہا عمرو بن مسعود۔ محمد بن مسلمہ نے کہا اے اللہ مجھے عزت والوں کی صحبت سے محروم نہ کرنا پھر (عمرو کو داخلہ کی اجازت دے دی) راستہ چھوڑ دیا عمرو آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تک پہنچ گیا وہ رات وہیں گزاری صبح ہوئی تو یہ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ وہ اس وقت کہاں رہا۔

بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا۔ حضور نے فرمایا اس آدمی (یعنی ابولبابہ) نے اللہ اور رسول سے وفاءِ عہد کی ہے۔ بیشک اللہ نے اس کو بچا لیا (مخفوظ رکھا)

حضرت ابولبابہؓ کا واقعہ:

اہل مغازی کا بیان ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھیجا کہ ہم ابولبابہ سے اپنے معاملہ میں مشورہ کرنا چاہتے ہیں آپ ان کو ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ حضرت ابولبابہ خاندان عمرو بن عوف کے ایک فرد تھے اور یہودی قبیلۂ اوس کے حلیف تھے۔ حضور نے ابولبابہ کو ان کے پاس بھیج دیا ابولبابہ پہنچے تو یہودی مردان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور عورتوں اور بچوں نے ان کے سامنے رونا شروع کر دیا ابولبابہ کو ان پر رحم آ گیا۔ یہودیوں نے کہا ابولبابہ آپ کی کیا رائے ہے کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے ہم گڑھیوں سے اتر آئیں۔ ابولبابہ نے (زبان سے تو) کہا ہاں (لیکن) ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا مراد یہی تھی کہ قتل کر دیئے جاؤ گے حضرت ابولبابہ کا بیان ہے کہ میں اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا کہ مجھے خیال آ گیا کہ میں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت (بدعہدی) کی۔ حضرت ابولبابہ وہاں سے چل کر سیدھے مسجد میں آئے اور ایک ستون سے اپنے کو بندھوا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں ہوئے اور کہنے لگے میں اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا جو حرکت مجھ سے ہوئی ہے اللہ اس کو معاف فرما دے۔ میں نے اللہ سے عہد کر لیا ہے کہ بنی قریظہ کی سرزمین پر قدم نہیں رکھوں گا اور جس آبادی میں میں نے اللہ اور اس کے رسول سے بدعہدی کی ہے اس میں کبھی مجھے کوئی نہیں دیکھے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے جانے کی اور اس عمل کی جو مجھ سے سرزد ہو گیا تھا اطلاع پہنچی تو فرمایا اس کو اس وقت تک یونہی رہنے دو جب تک اللہ اس کے بارے میں کوئی جدید حکم نازل نہ فرمادے وہ اگر میرے پاس آ جاتا تو میں اللہ سے اس کے لئے معافی کی دعا کرتا لیکن جب وہ میرے پاس نہیں آیا اور خود چلا گیا تو اس کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو۔ اسی واقعہ کے سلسلہ میں آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ نازل ہوئی۔ اس کے بعد ابولبابہ کی توبہ قبول ہونے کی وحی رسول اللہ پر نازل ہوئی اس وقت حضور حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تھے حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول کو ہنستے سنا تو عرض کیا یا رسول اللہ اللہ آپ کو ہنستا رکھے آپ کس وجہ سے ہنس رہے ہیں فرمایا ابولبابہ کی توبہ قبول ہو گئی میں نے عرض کیا کیا میں اس کو اس کی بشارت دے دوں فرمایا اگر تم چاہتی ہو (تو ایسا کر لو) میں اٹھ کر حجرہ کے دروازہ پر پہنچی (یہ واقعہ حکم پردہ نازل ہونے سے پہلے کا ہے) اور کہا ابولبابہ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمائی یہ سنتے ہی لوگ ابولبابہ کو کھولنے کے لئے دوڑ پڑے لیکن ابولبابہ نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم (مجھے کوئی نہ کھولے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مجھے اپنے ہاتھ سے کھولیں تو خیر فجر کی نماز کے لئے حضور برآمد ہوئے اور ابولبابہ کی طرف سے گزرے اور ان کو آزاد کر دیا۔

حضرت فاطمہؓ کی فضیلت:

حماد بن سلمہ نے علی بن زید بن جدعان کی وساطت سے بروایت حضرت علی زین العابدین بن امام حسین بیان کیا کہ حضرت سیدہ فاطمہ زہراء کھولنے کے لئے تشریف لے گئی تھیں تو حضرت ابولبابہ نے کہا میں نے اللہ کی قسم کھائی ہے کہ سوا اللہ کے رسول کے اور کوئی مجھے نہ کھولے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرا ہی ٹکڑا ہے۔ امام زین العابدین کی یہ روایت مرسل ہے (درمیان کا راوی بیان نہیں کیا گیا اور خود امام زین العابدین صحابی نہیں تھے)

حضرت ابولبابہؓ کا خواب:

ابولبابہ کا بیان ہے جب ہم بنی قریظہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو میں نے ایک خواب دیکھا میں نے دیکھا تھا کہ میں بدبودار سیاہ کیچڑ میں دھنس گیا ہوں اور اس کی بدبو سے مرا جا رہا ہوں مگر نکل نہیں پاتا۔ پھر میں نے ایک بہتی نہر دیکھی اور اس میں غسل کرنے لگا یہاں تک کہ پاک صاف ہو گیا اور مجھے پاکیزہ خوشبو محسوس ہونے لگی میں نے اس کی تعبیر حضرت ابوبکر صدیق سے دریافت کی۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا تم کسی غم آگیں بات میں پھنس جاؤ گے پھر اللہ کشائش عطا فرما دے گا۔ میں جس وقت ستون سے بندھا ہوا تھا اس وقت مجھے حضرت ابوبکر کی بات یاد تھی اس لئے مجھے امید تھی کہ اللہ میری توبہ کی قبولیت نازل فرمائے گا۔

چنانچہ میں مسلسل اسی حالت میں رہا اور تکلیف کی وجہ سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کانوں سے آواز بھی نہیں سنائی دیتی تھی اور رسول اللہ میری حالت دیکھ رہے تھے۔ ابن ہشام کا بیان ہے کہ ابولبابہ چھ رات بندھے رہے ہر نماز کے وقت بیوی آ کر کھول دیتی تھی۔ آپ وضو کر کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ بیوی پھر باندھ دیتی تھی۔

ابن عتبہ کا بیان ہے لوگوں کا قول ہے کہ تقریباً بیس رات بندھے رہے بدایہ میں اس کو زیادہ صحیح قول قرار دیا ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پچیس دن بندھے رہے۔ نماز کے وقت یا قضاء حاجت کے لئے بیٹی آ کر کھول دیتی تھی۔ فراغت کے بعد بیٹی دوبارہ باندھ دیتی تھی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کبھی بیوی کھول دیتی ہوگی کبھی بیٹی۔

ابولبابہ کی توبہ کے قبول ہونے کے سلسلہ میں اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَیِّئًا ؕ
عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

یہودیوں کی شکست:

بغوی نے لکھا ہے مسلمانوں نے بنی قریظہ کا محاصرہ پچیس روز جاری رکھا یہاں تک کہ محاصرہ کی تکلیف سے وہ تنگ آ گئے اور اللہ نے ان کے دلوں

میں رعب ڈال دیا تو اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق وہ اتر آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مشکیں کسنے کا حکم دے دیا اور محمد بن مسلمہ کو اس خدمت پر مامور فرمایا پھر ان کو ایک طرف کو لے گئے اور عورتوں بچوں کو قلعوں سے باہر لایا گیا اور یہ خدمت عبداللہ بن سلام کے سپرد کی گئی پھر ان کا سامان جمع کیا جس میں پندرہ سو تلواریں تین زرہیں دو ہزار بھالے پندرہ سو چمڑے کی چھوٹی بڑی ڈھالیں بہت سا اثاث البیت بکثرت ظروف اور شراب اور نشی شربت ملا۔ شراب ساری بہادی گئی اس میں سے پانچواں حصہ نہیں نکالا گیا۔ آب کش اونٹوں کی کافی تعداد اور مویشی بکثرت دست یاب ہوئے۔ یہ سب مال جمع کیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ گئے۔

قبیلہ اوس کی سفارش:

پھر قبیلۂ اوس والے قریب آئے اور انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ ہمارے حلیف ہیں خزرج کے حلیف نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ ابن ابی (سردار خزرج) کے حلیفوں یعنی بنی قینقاع کے معاملہ میں آپ نے کیا سلوک کیا۔ خزرج کی وجہ سے تین سو غیر مسلح اور چار سو زرہ پوش لوگوں کو آپ نے معاف کر دیا۔ اب ہمارے حلیف بھی اپنی گذشتہ عہد شکنی پر پشیمان ہیں ان کو ہماری وجہ سے معاف فرما دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے کوئی بات نہیں کی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت سعد کا بطورِ جج تقرر:

اوس والوں نے جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرو گے کہ یہ فیصلہ تمہارے ہی ایک آدمی کے سپرد کر دیا جائے۔ اوس والوں نے کہا کیوں نہیں۔ حضور نے فرمایا تو فیصلہ سعد بن معاذ کے سپرد ہے۔ ابن عقبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میرے صحابہ میں سے جس شخص کا چاہو (اس فیصلہ کے لئے) انتخاب کر لو۔ سفارش کرنے والوں نے حضرت سعد بن معاذ کو منتخب کر لیا۔

ایک مسلمان عورت تھی جس کو رفیدہ کہا جاتا تھا وہ زخمیوں کا علاج کرتی تھی اور جس زخمی کا کوئی دیکھ بھال کرنے والا تیماردار نہیں ہوتا تھا امید ثواب اس کی خدمت خود کرتی تھی۔ اس کا خیمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد کے اندر لگا دیا گیا تھا اور حضرت سعد جب جنگ خندق میں زخمی ہو گئے تھے تو حضور نے حکم دے دیا تھا کہ سعد کو رفیدہ کے خیمہ میں رکھو تا کہ قریب سے میں ان کی عیادت اور خبر گیری کر سکوں چنانچہ اس محاصرہ کے زمانہ میں حضرت سعد مسجد کے اندر رفیدہ کے ڈیرے میں مقیم تھے جب حضور نے حضرت سعد کو بنی قریظہ کے معاملہ کا جج بنا دیا تو یہیں رفیدہ کے خیمہ میں قبیلۂ اوس والے حضرت سعد کے پاس آئے اور آپ کو ایک عربی گدھے پر سوار کیا گدھے پر ریشوں سے بنا ہوا چار جامہ رکھا گیا تھا اور چار جامہ کے اوپر ایک کمبل ڈال دیا گیا تھا گدھے کی لگام بھی کھجور کے ریشوں کی تھی حضرت سعد جسیم اور آدمی تھے قبیلہ اوس والے آپ کو اپنے گھیرے میں لے کر چلے اور راستہ میں حضرت سعد سے کہنے لگے ابو عمرو اللہ کے رسول نے آپ کے بھائیوں (یعنی حلیفوں) کا معاملہ آپ کے سپرد کر دیا ہے تا کہ آپ ان کے معاملہ میں اچھا سلوک کریں اس لئے آپ بھی ان کے ساتھ بھلائی کریں (یعنی سخت فیصلہ نہ کریں) آپ دیکھ چکے ہیں کہ ابن ابی نے اپنے حلیفوں کے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا تھا۔ یہ لوگ حضرت سعد سے بہت زیادہ سفارش کرتے رہے مگر آپ خاموش تھے کوئی بات زبان سے نہیں نکال رہے تھے آخر جب ان لوگوں نے زیادہ زور دیا تو آپ نے فرمایا اب سعد کے لئے وقت آ گیا ہے کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت گر کے برا کہنے کی اس کو پرواہ نہ ہو یہ سن کر ضحاک بن حنیفہ بن ثعلبہ انصاری اور دوسرے لوگ بول اٹھے۔ افسوس قوم والوں کی تباہی آ گئی سعد کے منہ سے نکلی ہوئی بات ابھی اوس والوں کو پہنچی بھی نہ تھی کہ ضحاک نے ان کو جا کر بنی قریظہ کی موت کی (یعنی فیصلہ موت کی) اطلاع دے دی صحیحین میں آیا ہے کہ جب حضرت سعد مسجد کے قریب پہنچے یعنی اس مسجد کے قریب پہنچے جو محاصرہ کے زمانہ میں بنی قریظہ کے احاطہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے تیار کرائی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے سردار کے (استقبال) لئے اٹھو۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ اپنے بہترین (سب سے اچھے) آدمی کے لینے کے لئے اٹھو مہاجرین قریش کے نزدیک یہ خطاب صرف انصار کو تھا اور انصار کہتے تھے رسول اللہ کا یہ خطاب تمام مسلمانوں کو تھا۔ امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا اپنے سردار کو لینے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس کو اتارو بنی عبدالاشہل کا بیان ہے کہ (اس حکم کی تعمیل میں) ہم نے اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر دو قطاریں بنا لیں۔ (تفسیر مظہری)

حضرت سعد کا فیصلہ:

بوساطت حضرت جابر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعد ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔ حضرت سعد نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ہی نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنے حلیفوں کے معاملہ کا فیصلہ کرو اور اچھی طرح کرو۔ حضرت سعد نے (انصاریانِ اوس سے) کہا کیا بنی قریظہ کے معاملہ میں میرے فیصلہ پر تم راضی ہو سب نے کہا۔ ہاں ہم تو اس وقت بھی راضی تھے جب آپ یہاں موجود نہ تھے ہم نے آپ کا انتخاب کیا تھا اور یہ امید تھی کہ آپ ہم پر احسان کریں گے جیسے دوسروں نے (یعنی ابن ابی نے) اپنے حلیفوں کے ساتھ یعنی بنی قینقاع کے ساتھ کیا تھا۔ سعد نے کہا کیا تم اللہ کے عہد و میثاق کے ساتھ کہتے ہو کہ جو کچھ میں فیصلہ کروں گا تم اس کو واجب النفاذ قرار دو گے سب نے کہا

ہاں۔ سعد نے اس گوشہ کی جانب جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اشارہ کرتے ہوئے کہا (یہ فیصلہ) کیا ان پر بھی ہوگا جو یہاں ہیں عظمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے ہوئے حضرت سعد کا رخ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مڑا ہوا تھا۔ حضور نے فرمایا۔ ہاں۔ سعد نے کہا تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے بالغ مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں بچوں کو باندی غلام بنایا جائے اور ان کے مال کو بانٹ لیا جائے اور ان کے گھر مہاجرین وانصار کو دے دیئے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ فیصلہ اس حکم خداوندی کے مطابق کیا جو سات ٹکڑوں (یعنی سات آسمانوں) کے اوپر سے اللہ نے نازل فرمایا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سحر کو ہی یہ حکم لے کر فرشتہ میرے پاس آ چکا تھا۔

حضرت سعدؓ کی دُعاء:

جس رات کی صبح کو رسول اللہ کے حکم کے مطابق بنی قریظہ اپنے قلعوں سے اترے تھے اسی رات کو حضرت سعد نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ اگر قریش سے جنگ کرنے کے لئے مجھے زندہ رکھنا چاہتا ہے تو باقی رکھ کیوں کہ جن لوگوں نے تیرے رسول کی تکذیب کی ان کو ستایا اور جلاوطن کیا ان سے زیادہ کسی قوم سے لڑنے کی مجھے خواہش نہیں اور اگر قریش کی لڑائی ختم ہو چکی ہے تو اسی (زخم) کو میرے لئے باعث شہادت بنا دے لیکن جب تک بنی قریظہ کی طرف سے (یعنی ان کی شکست و تباہی کو دیکھ کر) میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں میرے لئے موت مقرر نہ فرما۔

اللہ نے بنی قریظہ کی طرف سے سعد کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیں۔

یہودی مردوں کا قتل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے بروز پنجشنبہ نویا پانچ ذی الحجہ کو واپس ہوئے اور حسب الحکم رملہ بنت حارث بخاریہ کے گھر میں یہودیوں کو بند کر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ مدینہ کے بازار کی طرف تشریف لے گئے۔ وہ بازار وہی تھا جو آج بھی ہے۔ وہاں ایک گڑھا کھودنے کا حکم دیا چنانچہ ابوالجہم عدوی کے مکان کے پاس سے احجار الزیت تک بازار میں گڑھا صحابہ کھودنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہے پھر آپ نے بنی قریظہ کے مردوں کو بلوایا اور اس گڑھے میں ان کی گردنیں ماری جانے لگیں۔ کعب بن اسد سے جو یہودیوں کی دستہ دستہ (قطار در قطار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جا رہے تھے۔ یہودیوں نے کہا کعب تمہارا کیا خیال ہے محمد ہمارے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں۔ کعب نے جواب دیا کم بختو تمہارے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو تم کو پسند نہ ہوگا بہر حال تم کو دیت لے کر چھوڑا نہیں جائے گا تم میں سے جو جائے گا وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔ خدا کی قسم (اب تو تمہاری موت) تو آ رہی ہے میں نے تم کو پہلے جس بات کی دعوت دی تھی (یعنی معاہدہ شکنی نہ کرنے کی) تم نے اس کو نہ مانا۔ کہنے لگے یہ وقت عتاب (برا بھلا کہنے) کا نہیں ہے اگر ہم تمہاری رائے کو مجبوراً نظر انداز نہ کر دیتے تو جو معاہدہ ہمارے اور محمد کے درمیان تھا اس کو توڑنے میں شریک نہ ہوتے۔ حیی بن اخطب نے جواب ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا چھوڑو اس وقت کسی سے کچھ فائدہ نہیں مرنے پر تیار ہو جاؤ۔

حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت زبیر بن عوام نے بنی قریظہ کو قتل کیا تھا (یعنی قتل کرنے کی خدمت ان ہی دونوں بزرگوں نے انجام دی تھی)

یہودیوں کا سردار حیی:

حیی بن اخطب کو لایا گیا اس وقت گردن سے اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے اور فقاحی جوڑا اس نے قتل ہونے کے لئے پہن رکھا تھا لیکن پھر اس کو پھاڑ دیا اور انگل انگل برابر ٹکڑے کر دیئے تا کہ اس کو اتار کر کوئی پہن نہ سکے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا تو حضور نے فرمایا دشمن خدا کیا اللہ نے تجھے میرے قابو میں نہیں کر دیا کہنے لگا کیوں نہیں لیکن آپ سے دشمنی رکھنے پر میں اپنے آپ کو قابل ملامت نہیں قرار دیتا کیوں کہ اپنے خیال میں میں آپ پر غالب آ جانے کا خواستگار تھا لیکن اللہ کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ بھی منظور تھا کہ مجھ پر آپ کو قابو حاصل کر دے میں نے ہر چند دوڑ لگائی لیکن جس کی مدد اللہ نہ کرے اس کی مدد کوئی نہیں کرتا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا لوگو اللہ کے حکم میں کوئی خرابی نہیں بنی اسرائیل پر یہ خدا کی طرف سے لکھا ہوا اور مقدر کیا ہوا امر ہے۔ یہ کہنے کے بعد بیٹھ گیا پھر اس کی گردن مار دی گئی۔

قیدیوں کو پانی پلانے کا حکم:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنے قیدیوں سے بھلائی کرو اور دوپہر کا وقفہ دو اور پانی پلاؤ تا کہ ان کو کچھ ٹھنڈک مل جائے۔ پھر جو باقی رہ گئے ہیں ان کو قتل کر دینا۔ دو گرمی کی مار ان پر نہ ڈالو۔ ایک تلوار کی گرمی دوسری سورج کی گرمی۔

گرمی کا موسم تھا اور وہ دن گرم بھی تھا لوگوں نے یہودیوں کو دوپہر کا کچھ وقفہ دیا اور پانی پلایا جب ٹھنڈک ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور جو لوگ باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کر دیا گیا۔

کعب بن اسد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو:

کعب بن اسد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا حضور نے اس سے فرمایا ابن جواس نے تم کو نصیحت کی تھی اور میرے متعلق

اس نے سچ کہا تھا مگر تم نے اس کی نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا کیا اس نے تم کو میرا اتباع کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ اگر تمہاری ملاقات مجھ سے ہو جائے تو مجھے اس کی طرف سے سلام پہنچا دینا۔ کعب نے کہا بے شک ابو القاسم توریت کی قسم (اس نے یہی کہا تھا) اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ یہودی مجھے عار دلائیں گے اور کہیں گے تلوار سے ڈر گیا تو میں آپ کا اتباع ضرور کرتا لیکن اب تو دین یہودیت پر قائم ہوں۔ حضور نے حکم دیا اس کو بھی (قتل گاہ میں) پیش کرو۔ چنانچہ اس کی بھی گردن ماردی گئی۔

قتل کا اصول:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس مرد کو قتل کر دینے کا حکم دیا تھا جس کے زیر ناف بال آ گئے ہوں۔ امام احمد اور اصحاب السنن نے بیان کیا ہے کہ عطیہ قرظی نے کہا میں (اس زمانہ میں) لڑکا تھا زیر ناف بال نہیں جمے تھے اس لئے مجھے چھوڑ دیا۔

طبرانی نے حضرت اسلم انصاری کا بیان نقل کیا ہے حضرت اسلم انصاری نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بنی قریظہ کے قیدیوں پر مامور فرمایا تھا میں لڑکے کے شرمگاہ دیکھتا تھا اگر زیر ناف بال اُگے ہوئے نظر آئے تو میں اس کی گردن مار دیتا تھا اگر زیر ناف بال نہ ہوئے تو اس کو میں مسلمانوں کے مال غنیمت میں شامل کر دیتا تھا۔

رفاعہ کی جان بخشی:

رفاعہ بن شمول قرظی بالغ ہو چکا تھا لیکن اس نے اسلیط بن قیس کی بہن ام المنذر سلمی بنت قیس کی پناہ حاصل کر لی۔ ام المنذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خالاؤں میں سے تھی یعنی آپ کے دادا عبد المطلب کی خالہ تھی عبد المطلب کی ماں قبیلہ بنی نجار میں سے تھی سلمی (قدیم الاسلام تھی اس) نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی تھی۔ سلمی نے رسول اللہ کی خدمت میں گذارش کی اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ قربان مجھے رفاعہ کو بخش دیجئے اس نے خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ آئندہ نماز پڑھے گا اور اونٹ کا گوشت بھی کھائے گا (یعنی مسلمان ہو جائے گا اور اونٹ کے گوشت کو شریعت اسلامیہ کے مطابق حلال سمجھے گا) حضور نے رفاعہ کو بطور ہبہ سلمی کو دے دیا۔ رفاعہ کو زندہ چھوڑ دینے کا سبب سلمی ہوئی اس کے بعد رفاعہ مسلمان ہو گیا۔ یہ سلسلہ قتل (دن بھر) قائم رہا۔ یہاں تک کہ شفق چھپ گئی۔ اس کے بعد خندق کے اندر مقتولین پر مٹی ڈال دی گئی یہ سب کچھ حضرت سعد بن معاذ کی نظر کے سامنے ہوا اور اللہ نے ان کی دعا قبول فرمالی۔

ایک یہودی عورت کا قتل:

(اس روز) سوائے بنی نضیر کی ایک عورت کے اور کسی عورت کو قتل نہیں کیا گیا یہ عورت بنانہ تھی جو بنی قریظہ کے کسی مرد کے نکاح میں تھی اور زوجین میں بڑا پیار تھا جب یہودیوں کا محاصرہ سخت ہو گیا تو بنانہ شوہر کے سامنے روئی اور کہا تم مجھ سے جدا ہو جاؤ گے شوہر نے کہا توریت کی قسم تو اور کسی کام نہیں آ سکتی صرف اس چکی کے پاٹ کو اوپر سے مسلمانوں پر لڑکا دے کیوں کہ اب تک ہم ان میں سے کسی کو قتل نہیں کر سکے ہیں تو عورت ہے اگر محمد ہم پر غالب آ گئے تو تجھے قتل نہیں کریں گے کیوں کہ وہ عورتوں کو قتل نہیں کرتے ہیں ورنہ مجھے گوارا نہیں کہ تجھے باندی بنایا جائے میں چاہتا ہوں کہ (میرے بعد) تجھے قتل کر دیا جائے۔ بنانہ اس وقت زبیر بن باطا کے قلعہ میں تھی اس نے قلعہ کے اوپر سے چکی کا پاٹ لڑکا دیا مسلمان سایہ لینے کے لئے قلعہ (کی دیوار) کے نیچے بیٹھ جایا کرتے تھے مسلمانوں نے جب یہ حرکت دیکھی تو منتشر ہو گئے خلاد بن سوید کے اوپر چکی گر پڑی اور ان کا سر پھٹ کے ٹکڑے ہو گیا اسی سے ان کی وفات ہو گئی۔ عروہ کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا واللہ بنانہ میرے پاس موجود تھی اور خوب ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کو تلواروں سے قتل کر رہے تھے دوسری روایت میں آیا کہ بنانہ (ہنس ہنس کر) کہہ رہی تھی کہ بنی قریظہ کے سردار مارے جا رہے ہیں یک دم کسی پکارنے والے نے بنانہ کا نام لے کر آواز دی فلاں عورت کہاں ہے بنانہ نے کہا میں ہوں خدا کی قسم۔ میں نے کہا کم بخت تجھے اس سے کیا تعلق۔ کہنے لگی (اب) میں ماری جاؤں گی میں نے کہا کیوں کہنے لگی میں نے ایک بات کی ہے چنانچہ وہ چلی گئی اور خلاد بن سوید کے عوض اس کی گردن ماردی گئی۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں میں بنانہ کی خوش طبعی اور ہنسی کی زیادتی نہیں بھولوں گی جب کہ وہ جان چکی تھی کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔ (پھر بھی خوب ہنس رہی تھی) (تفسیر مظہری)

مسئلہ: جمہور کا مسلک ہے کہ کسی بھاری چیز سے کوئی کسی کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا بنانہ کا واقعہ اس کی شہادت دے رہا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا بھاری چیز سے قتل کا کوئی قصاص نہیں خواہ کوہ ابو قبیس کسی پر پھینک مارا ہو قتل ہو یا زخم اس کا قصاص صرف اس وقت ہو گا جب آلہ دھار دار سے ہو۔ سورۂ توبہ کی آیت كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ کی تفسیر کے ذیل میں ہم اس مسئلہ کی تنقیح کر چکے ہیں۔

زبیر بن باطا کی عجیب داستان:

محمد بن اسحاق نے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ دورِ جاہلیت میں جنگ بعاث کے دن زبیر بن باطا قرظی جس کی کنیت ابو عبد الرحمن تھی ثابت بن قیس بن شماس کو پکڑ کر لے گیا اور (بجائے قتل کرنے یا خدم بنانے کے) اس کی پیشانی کے بال کاٹ کر چھوڑ دیا جب بنی قریظہ کا یہ دن آیا تو زبیر قرظی بہت بوڑھا تھا ثابت نے اس سے کہا ابو عبد الرحمن کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔ زبیر نے

جواب دیا۔ مجھ جیسا آدمی آپ جیسے آدمی سے کس طرح انجان رہ سکتا ہے ثابت نے کہا آپ نے جو احسان مجھ پر کیا تھا میں آج اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں زبیر نے کہا شریف لوگ بھلائی کا اچھا بدلہ دیتے ہیں اس کے بعد ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ زبیر کا مجھ پر ایک احسان تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کا بدلہ اتار دوں۔ حضور زبیر کی جان مجھے عطا فرما دیں فرمایا وہ تم کو بخش دیا گیا۔ ثابت یہ حکم لے کر زبیر کے پاس آئے اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے تمہاری جان بخش کر دی زبیر نے کہا ایک بڑا بوڑھا جس کے نہ بیوی نہ بچے زندہ رہ کر کیا کرے گا یہ بات سن کر ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ زبیر کے بال بچوں کو معاف کر دیجئے۔ فرمایا وہ بھی تمہیں دے دیئے گئے۔ ثابت زبیر کے پاس پہنچے اور کہا تمہارے اہل وعیال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہبہ کر دیئے اور اب میں وہ تم کو دیتا ہوں زبیر نے کہا وہ گھر والے جو حجاز میں ہوں اور ان کے پاس کچھ مال نہ ہو کس طرح جی سکتے ہیں۔ ثابت پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ اس کا مال بھی عطا فرما دیجئے فرمایا وہ بھی تم کو دے دیا گیا۔ ثابت نے زبیر سے جا کر کہا کہ اللہ کے رسول نے تمہارا مال مجھے بخش دیا اب وہ تمہارا ہے۔ زبیر نے کہا ثابت اس شخص کا کیا ہوا جو خوبصورت چینی آئینہ تھا جس کے اندر (پورے) قبیلہ کا چہرہ دکھائی دیتا تھا یعنی کعب بن اسد ثابت نے کہا اس کو قتل کر دیا گیا۔ زبیر نے کہا اچھا اس کا کیا ہوا جو شہریوں کا بھی سردار تھا اور صحرا نشین لوگوں کا بھی دونوں کا سرگروہ تھا۔ لڑائی کے موقع پر لوگوں کو سواریاں عطا کرتا ہے اور قحط کے زمانہ میں کھانا کھلاتا تھا یعنی حیی بن اخطب کہاں گیا۔ ثابت نے کہا وہ بھی مارا گیا۔ زبیر نے کہا عزال بن شموال کیا ہوا جو حملہ کرنے کے وقت ہمارا ہراول تھا اور حملہ سے مڑنے کے وقت ہمارے حاشیہ ہوتا تھا (یعنی میمنہ اور میسرہ ہو جاتا تھا تاکہ ہماری حفاظت ہو سکے) ثابت نے کہا وہ بھی قتل ہو گیا۔ زبیر نے کہا دونوں نشستگاہوں یعنی بنی کعب بن قریظہ اور بنی عمرو بن قریظہ کی مجلسوں کا کیا ہوا ثابت نے کہا (دونوں مجلسوں کے) لوگ چلے گئے اور مارے گئے زبیر کہنے لگا ثابت میں نے جو بھلائی تیرے ساتھ کی تھی اس کا واسطہ دے کہ تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے بھی انہیں لوگوں کے پاس پہنچا دے۔ خدا کی قسم ان کے بعد زندگی کا کوئی مزہ نہیں جس گھر میں وہ لوگ فروکش اور مقیم تھے میں اس گھر میں جا کر ان کے بعد ہمیشہ رہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں لیکن ثابت میرے بعد میرے اہل وعیال کا خیال رکھنا اپنے ساتھی سے درخواست کرنا کہ وہ ان کو آزاد کر دے اور ان کا مال ان کو دے دے چنانچہ ثابت کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبیر کے بیوی بچوں کو اور باستثناء اسلحہ باقی مال کو واپس کر دیا۔ زبیر نے کہا ثابت میرا جو حق تجھ پر ہے تجھے اس کا واسطہ مجھے (جلد) ان دوستوں سے ملا دے۔ مجھ سے اب تنی دیر بھی صبر نہیں ہو سکتا جتنی دیر میں بھرے ہوئے ڈول کو حوض میں الٹ دیا جاتا ہے، ڈول کنوئیں میں ڈالنے میں ہوتی ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے ثابت نے لے جا کر زبیر کی گردن مار دی۔ (تفسیر مظہری)

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ ثابت نے کہا زبیر مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تجھے قتل کروں۔ زبیر نے کہا مجھے پرواہ نہیں کہ میرا قاتل کون ہو (تیرے ہاتھ سے مارا جاؤں یا کسی اور کے ہاتھ سے میرے لئے دونوں برابر ہیں) آخر حضرت زبیر بن عوام نے اس کو قتل کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کو جب زبیر کا قول کہ اپنے دوستوں سے ملا دو پہنچا تو آپ نے فرمایا جہنم کی آگ میں وہ اپنے دوستوں سے ہمیشہ ملاقات کرتا رہے گا۔

مال کی تقسیم:

اس کے بعد بنی قریظہ کا مال متاع اور عورتوں کی تقسیم کی گئی۔ یہ سب سے پہلا مال مفت تھا جس میں (بعض لوگوں کو) دوہرا حصہ ملا۔ مسلمانوں کی تعداد تین ہزار تھی اور ان میں ۳۶ گھوڑے (سوار) تھے۔ کل مال کے ۳۰۷۲ تین ہزار بہتر حصے کئے گئے ہر آدمی کا ایک حصہ اور گھوڑے کا دوہرا حصہ۔

کچھ قیدیوں کی فروخت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قیدی سعد بن عبادہ کے ساتھ فروخت کرنے کے لئے بھیج دیئے تاکہ ان کی قیمت سے اسلحہ اور گھوڑے خریدے جائیں۔ یہ روایت محمد بن عمر کی ہے لیکن ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ سعید بن زید انصاری کے ساتھ بنی قریظہ کے کچھ قیدی بھیجے تھے جن کی قیمت سے سعد نے گھوڑے اور اسلحہ خریدے تھے۔

حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمن کی تجارت:

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے کچھ قیدی عورتیں شرکت میں خریدی تھیں پھر حضرت عبدالرحمن نے خریدی ہوئی عورتیں دو حصوں میں بانٹ دیں۔ بوڑھی عورتوں کو ایک طرف کیا اور جوان عورتوں کو دوسری طرف پھر حضرت عثمان کو اختیار دے دیا کہ جو حصہ آپ چاہیں لے لیں۔ حضرت عثمان نے بوڑھی عورتوں والا حصہ لے لیا اور اس کی وجہ سے بڑے مالدار ہو گئے کیونکہ بوڑھی عورتوں کے پاس سے کثیر مال برآمد ہوا۔

ابن سیرہ نے کہا بوڑھی عورتوں کے پاس سے ایک یا دو ماہ کے بعد مال برآمد ہوا تھا اس لئے ان سے مال لے کر مال غنیمت میں شامل نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عثمان نے اپنی خریدی ہوئی عورتوں میں سے ہر عورت سے کہہ دیا کہ اتنے وقت میں اتنا مال

جو عورت وسط میں ہو وہ آزاد کر دی جائے گی چنانچہ جس عورت نے مقررہ مدت میں مال کی مقدار ادا کر دی وہ آزاد کر دی گئی۔ حضرت عثمان نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

ماں بچے میں جدائی کی ممانعت:

عورتوں سے ان کے بچوں کو جدا کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی تھی۔ تقسیم کے وقت بھی اور فروخت کے وقت بھی اور فرما دیا تھا ماں اور اس کے بچہ میں تفریق نہ کی جائے جب تک بچہ بالغ نہ ہو جائے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ بالغ ہونے سے کیا مراد ہے فرمایا لڑکی کو حیض آنے لگے اور لڑکے کو احتلام ہونے لگے۔ رواہ الحاکم وصححہ عن عبادۃ بن الصامت۔

حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ماں اور اس کے بچہ میں جدائی نہ کرو۔ عرض کیا گیا کب تک فرمایا جب تک لڑکا بالغ ہو جائے اور لڑکی کو حیض آنے لگے۔

دارقطنی نے بوساطت میمون بن ابی شبیب حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے ایک باندی اور اس کے بچہ میں جدائی کر دی (یعنی ایک کو فروخت کر دیا دوسرے کو اپنے پاس رکھا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرما دی اور بیع لوٹوا دی۔ ابوداؤد نے منقطعاً یہ لفظ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے اس کو واپس کر دیا۔ ابن ہمام نے کہا مرسل ہونا ہمارے نزدیک ضعف نہیں پیدا کرتا۔ حاکم نے اس کو صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے اور بیہقی نے اس کو ترجیح دی ہے۔

مسئلہ: اس حدیث سے امام ابوحنیفہ نے استنباط یہ ہے کہ بیع یا ہبہ وغیرہ کے ذریعہ سے ان دو چھوٹے غلاموں میں تفریق کرنا جو باہم قرابت دار محرم ہوں ناجائز ہے اسی طرح نابالغ اور بالغ میں تفریق کرنا بھی ناجائز ہے جو ایک دوسرے کے قرابت دار محرم ہوں۔ امام احمد کے نزدیک اگر دو بالغ باہم محرم ہوں تو ان کو جدا کرنا بھی جائز نہیں۔ (تفسیر مظہری)

حاکم اور دارقطنی نے ایک اور طریق سے بوساطت عبدالرحمن بن ابی لیلی حضرت علی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ کے پاس کچھ قیدی آئے حضور نے مجھ سے فرمایا کہ ان میں سے دو بھائیوں کو فروخت کر دو۔ میں نے دونوں کو الگ الگ فروخت کر دیا۔ پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دے دی۔ حضور نے فرمایا (جلد) پہنچ اور ان کو واپس لے لو اور یکجا کر کے ان کو فروخت کرو۔ ایک کو دوسرے سے جدا نہ کرو۔ حاکم نے اس روایت کو برشرط شیخین صحیح کہا ہے اور ابن قطان نے بھی کہا ہے اس سند میں کوئی عیب نہیں۔ اگر بچہ کے ساتھ صرف اس کی پھوپھی اور خالہ ہو دادی نہ ہو تو تنہا خالہ اور پھوپھی کو بیچنا جائز نہیں۔

مسئلہ: اگر ماں اور اس کے بچہ میں جدائی کر دی اور ایک کو فروخت کر دیا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بیع نافذ ہو جائے گی لیکن ایسا کرنے والا گنہگار ہو گا۔

مسئلہ: حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اگر دونوں غلام یا باندیاں بالغ ہوں (خواہ دونوں کے درمیان کیسا ہی قریبی رشتہ ہو تو) دونوں کو الگ الگ کر دینا جائز ہے۔

شاہی تحفہ میں آئی ہوئی باندیاں:

ایک روایت میں آیا ہے کہ مقوقس شاہ اسکندریہ نے دو باندیاں بطور ہدیہ رسول اللہ کی خدمت میں بھیجیں ایک ماریہ قبطیہ دوسری سیرین حضور نے سیرین تو حسان بن ثابت کو عطا فرما دی جس کے بطن سے عبدالرحمن بن حسان پیدا ہوئے اور حضرت ماریہ کو اپنے پاس رکھا جن کے بطن سے حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے۔

واقعہ بنی قریظہ کے دن خلاد بن سوید اور منذر بن محمد شہید ہو گئے۔

فائدہ: بنی نضیر کے خاندان کی ایک عورت تھی جس کا نام تھا ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خدافہ یہ بنی عمرو بن قریظہ میں بیاہی گئی تھی۔ عورت تھی خوبصورت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھا گئی آپ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا۔ حضور اس سے کنارہ کش ہو گئے لیکن دل میں اس کا خیال رہا۔ اس لئے ابن سعیہ کو طلب فرما کر ان سے اس کا تذکرہ کیا ابن سعیہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان وہ مسلمان ہو جائے گی۔ ابن سعیہ یہاں سے نکل کر ریحانہ کے پاس پہنچے اور اس سے کہنے لگے اب اپنی قوم کی طلب چھوڑ دو تم نے دیکھ لیا کہ حیی بن اخطب کیسی مصیبت ان پر لے آیا اب مسلمان ہو جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو اپنے لئے پسند فرما لیں گے۔ ریحانہ نے ابن سعیہ کی بات مان لی۔ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے اچانک حضور کو جوتوں کی آواز سنائی دی فرمایا یہ تو ابن سعیہ کے جوتوں کی آواز ہے مجھے ریحانہ کے مسلمان ہونے کی بشارت دینے آ رہا ہے چنانچہ ابن سعیہ آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ریحانہ مسلمان ہو گئی یہ بات سن کر حضور (فداہ امی وابی) خوش ہو گئے۔ ریحانہ حضور کی وفات تک آپ کے پاس رہی اور مملوک ہونے کی حالت میں ہی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ ریحانہ سے نکاح کریں اور اس کو پردہ میں رکھیں لیکن ریحانہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے یوں ہی اپنی ملکیت میں ہی رہنے دیجئے (آزاد نہ کیجئے) میرے اور آپ کے لئے یہی بات آسان ہے (نہ اس میں آپ کو کوئی تکلیف نہ مجھے) اس لئے حضور نے ان کو باندی (ہی کی صورت میں) رہنے دیا۔

فائدہ: جب بنی قریظہ کا قصہ ختم ہو گیا تو حضرت سعد بن معاذ کا زخم بھی کھل گیا۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت

ابوبکر اور حضرت عمر سب سعد کے پاس (ان کو دیکھنے) گئے (عمر رونے لگے) اس وقت میں اپنے حجرہ میں تھی اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے میں نے عمر کے رونے کی آواز ابوبکر کے رونے کی آواز سے الگ پہچان لی۔ اور یہ لوگ ایسے ہی تھے جیسا اللہ نے فرمایا ہے۔ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ -

مناقب سعد بن معاذ:

حضرت انس راوی ہیں کہ جب حضرت سعد کا جنازہ اٹھایا تو منافقوں نے کہا سعد کا جنازہ کتنا ہلکا ہے اس کی وجہ وہ فیصلہ تھا جو بنی قریظہ کے متعلق حضرت سعد نے کیا تھا۔ حضور کو یہ اطلاع پہنچی تو فرمایا فرشتے اس کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ رواہ الترمذی۔

حضرت جابر کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے سعد بن معاذ کے مرنے سے رحمٰن کے عرش میں لرزہ آ گیا۔ رواہ الشیخان فی الصحیح...

حضرت براء بن عازب کی روایت ہے کہ کپڑوں کا ایک جوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (کہیں سے) بطور ہدیہ آیا صحابہ اس کو ہاتھوں سے چھونے لگے اور اس کی نرمی پر تعجب کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اس کی نرمی پر تعجب کرتے ہو۔ جنت میں سعد بن معاذ کے رومال اس سے اچھے اور نرم ہیں۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اعلان کرنے کے لئے ایک منادی بھیج دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم لوگوں کو سنایا اور پہنچایا لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِيْ بَنِيْ قُرَيْظَةَ۔ یعنی کوئی آدمی عصر کی نماز نہ پڑھے جب تک کہ بنو قریظہ میں نہ پہنچ جائے۔

صحابہ کرام سب کے سب اس دوسرے جہاد کے لئے فوراً تیار ہو کر بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو گئے، راستہ میں عصر کا وقت آیا تو بعض حضرات نے حکم نبوی کے ظاہر کے موافق راستہ میں نماز عصر ادا نہیں کی، بلکہ منزل مقرر بنو قریظہ میں پہنچ کر ادا کی، اور بعض نے یہ سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد عصر کے وقت میں بنو قریظہ پہنچ جانا ہے، ہم اگر نماز راستہ میں پڑھ کر عصر کے وقت میں وہاں پہنچ جائیں تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے منافی نہیں، انہوں نے نماز عصر اپنے وقت پر راستہ میں ادا کر لی۔

مجتہدین کے اختلاف میں کوئی جانب گناہ یا منکر نہیں ہوتی جس پر ملامت کی جائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام کے اس اختلاف عمل کی خبر دی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق میں سے کسی کو ملامت نہیں فرمائی، بلکہ دونوں کی تصویب فرمائی، اس سے علماء امت نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ علمائے مجتہدین جو حقیقۃً مجتہد ہوں اور اجتہاد کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کے اقوال مختلفہ میں سے کسی کو گناہ اور منکر نہیں کہا جا سکتا، دونوں فریقوں کے لئے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کرنے میں ثواب لکھا جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگانی

وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا

اور یہاں کی رونق تو آؤ کچھ فائدہ پہنچا دوں تم کو اور رخصت کر دوں بھلی طرح سے رخصت کرنا

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ

اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور پچھلے گھر کو

فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا

تو اللہ نے رکھ چھوڑا ہے ان کے لئے جو تم میں نیکی پر ہیں بڑا ثواب

ازواج مطہرات کا معاملہ:

حضرت کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں۔ اُن میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش و ترفہ کی زندگی بسر کر سکیں حضرت کو یہ باتیں شاق گزریں۔ قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالا خانہ میں علیحدہ فروکش ہوئے۔ صحابہ مضطرب تھے۔ ابوبکر وعمرؓ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ گتھی سلجھ جائے۔ انہیں زیادہ فکر اپنی اپنی صاحبزادیوں (عائشہؓ اور حفصہؓ) کی تھی کہ پیغمبر کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ آپ قدرے منشرح ہوئے ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر اُتری۔ یعنی اپنی ازواج سے صاف صاف کہہ دو کہ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کی عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دو کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ کہ میں کچھ دے دلا کر (یعنی کپڑوں کا جوڑا جو مطلقہ کو دیا جاتا تھا) تم کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں (یعنی شرعی طریقہ سے طلاق دے دوں) اور اگر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی طلب ہے تو پیغمبر کے پاس رہنے میں اس کی کمی نہیں۔ جو آپ کی خدمت میں صلاحیت سے رہے گی اللہ کے یہاں اُس کے لئے بہت بڑا اجر تیار ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے ساتھ رہیں۔ نزول آیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے۔ اول سیدہ عائشہ کو خدا کا حکم سنایا۔ انہوں نے اللہ و رسول کی مرضی اختیار کی۔ پھر سب ازواج نے ایسا ہی کیا۔ دنیا کے عیش و عشرت کا تصور دل سے نکال دیا۔ حضرت کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ رہتا تھا جو تا شب اٹھا دیتے تھے۔ پھر قرض لینا پڑتا اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں۔ ورنہ یہ جو فرمایا۔ جو نیکی پر رہیں ان کو بڑا ثواب ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہیں۔ المحسنات منکن فرمایا قرآن میں صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جائے۔ خاتمہ کا اعتبار ہے یہی بات ہے آگے ان عورتوں کو خطاب ہے جو نبی کی معیت اختیار کر لیں کہ ان کا درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہی چاہیے کہ ان کی اخلاق اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو جو اس مقام رفیع کے مناسب ہے۔ چونکہ عام لوگوں کی بڑی بزرگی سے وہ امہات مومنین ہیں۔ اس میں بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہیں۔ لازم ہے کہ ان کے اعمال و اخلاق امت کے لیے اسوہ حسنہ بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

ازواجِ مطہرات کو اختیار:

اس آیت نے سب ازواج مطہرات کو اختیار دے دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ حالت یعنی معاشی عسرت و تنگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق لے کر آزاد ہو جائیں۔ پہلی صورت میں ان کو عام عورتوں کی نسبت سے بہت زیادہ اجر عظیم اور آخرت کے خاص درجات عالیہ عطا ہوں گے اور دوسری صورت یعنی طلاق لینے میں بھی ان کو دنیا کے لوگوں کی طرح کسی تنگی و تکلیف کی نوبت نہیں آئے گی۔ بلکہ سنت کے مطابق کپڑوں کا جوڑا وغیرہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔

فائدہ: اختیار طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جائے، اگر وہ چاہے تو خود اپنے نفس کو طلاق دے کر آزاد ہو جائے دوسرے یہ کہ طلاق شوہر ہی کے ہاتھ میں رہے کہ اگر عورت چاہے تو وہ طلاق دے دے۔

آیت مذکورہ میں بعض مفسرین نے پہلی صورت کو اور بعض نے دوسری کو اختیار کیا ہے، سیدی حکیم الامۃ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کے الفاظ میں دونوں احتمال ہیں، جب تک کسی صریح نص سے ایک کی تعیین نہ ہو جائے اپنی طرف سے کسی صورت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

اختیار دینے کا سبب:

شروع آیات میں جو ازواج مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے، اس کا ایک سبب چند واقعات ہیں جو ازواج مطہرات کی طرف سے پیش آئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف تھے، جن سے بلا قصد و اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی روایت سے مفصل آیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہراتؓ نے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان نفقہ بڑھایا جائے۔ تفسیر بحر محیط میں ابو حیان نے اس کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد بنو نضیر پھر بنو قریظہ کی فتوحات اور اموال غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوش حالی پیدا کر دی تھی، ازواج مطہراتؓ کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ان اموال غنیمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا حصہ رکھا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے جمع ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کسریٰ و قیصر کی بیبیاں طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباسوں میں ملبوس ہیں، اور ان کی خدمت کے لئے کنیزیں ہیں، اور ہمارا حال فقر و فاقہ کا آپ دیکھتے ہیں، اس لئے اب کچھ توسع سے کام لیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

بغوی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ امہات المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دنیوی ساز و سامان مانگا اور مصارف میں کچھ وسعت کی طلبگار ہوئیں۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اذیت ہوئی اس لئے آپ سب بیویوں سے ناراض ہو گئے اور قسم کھالی کہ ایک ماہ تک کسی کے پاس نہیں جائیں گے اور کاشانہ نبوت سے برآمد بھی نہیں ہوئے۔ صحابہ کو فکر ہوئی کہ جانے کیا بات ہے کچھ لوگ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر نے کہا میں تم کو بتاؤں گا کہ اصل بات کیا ہے۔ حضرت عمر کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا حضور نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مسجد میں مسلمان کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی کیا میں اب جا کر ان سے کہہ دوں کہ حضور نے طلاق نہیں دی۔ فرمایا ہاں اگر تم چاہو تو میں جا کر مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور انتہائی اونچی آواز سے پکار کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ

اور اگر ان کے پاس خوف یا امن کی کوئی خبر آتی ہے تو (بلا تحقیق) اس کو پھیلاتے ہیں اور اگر اس خبر کو رسول کی جانب اور اپنے سمجھدار لوگوں کی جانب راجع کر دیتے تو اصل واقعہ کا استنباط کرنے والوں کو اس کا (صحیح) علم ہو جاتا۔ حضرت عمر نے فرمایا میں نے اس خبر کی حقیقت دریافت کی تھی۔

ازواج مطہرات کا اجر:

فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا تو بلاشبہ اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں

نے نیک اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ یعنی ان عورتوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہیں۔ ایسی ہی عورتیں محسنہ ہیں احسان کا معنی ہی یہ ہے کہ رب کی عبادت اس حضور قلب سے کی جائے کہ گویا رب نظروں کے سامنے رہے۔

ازواج مطہرات کی تعداد:

بغوی نے لکھا ہے اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیبیاں تھیں پانچ قریشی حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر۔ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق۔ حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان۔ حضرت ام سلمہ بنت امیہ۔ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ باقی چار قریشی نہیں تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش اسدی۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالی۔ حضرت صفیہ بنت حیی ابن اخطب خیبری سرائیلی۔ حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقی۔

حضرت عائشہ اور تمام ازواج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کرلیا

جب آیت تخییر (مندرجہ بالا) نازل ہوئی تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی بی بی تھیں۔ حضور نے ان کے سامنے آیت پڑھی اور ان کو (طلاق حاصل کرنے یا ساتھ رہنے کا) اختیار دیا۔ حضرت عائشہ نے اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا۔ اس بات سے حضور کے چہرہ پر خوشی محسوس کی۔ دوسری بیبیوں نے بھی حضرت عائشہ کی پیروی کی۔

ازواج مطہرات کی قدر افزائی:

قتادہ کا بیان ہے جب امہات المومنین نے اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کی قدر افزائی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں بیبیوں پر بس کرنے کا اور آئندہ نکاح نہ کرنے کا حکم دے دیا لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ اور فرما دیا ان کے بعد تمہارے لئے اور عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

اس واقعہ میں صحابہ کرامؓ کا عمل:

مسلم احمد اور نسائی نے بوساطت ابوالزبیر حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بارگاہ نبوت میں داخلہ کی اجازت طلب کی لیکن آپ کو اجازت نہیں ملی پھر حضرت عمر آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت نہیں ملی۔ کچھ دیر کے بعد دونوں کو اجازت دے دی۔ دونوں حضرات اندر پہنچ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غمگین خاموش بیٹھے ہوئے تھے گرداگرد آپ کی بیبیاں موجود تھیں۔ حضرت عمر نے (اپنے دل میں) کہا مجھے کوئی بات کہنی چاہیے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حضرت عمر کا بیان ہے (یہ خیال کر کے) میں نے عرض کیا دیکھئے اگر خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بی بی) مجھ سے (زائد) خرچ مانگتی تو میں اٹھ کر اس کی گردن توڑ دیتا۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی اور فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ میرے گرد گرد یہ عورتیں جمع ہیں اور مجھ سے زیادہ خرچ دینے کی خواستگار ہیں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت ابوبکر عائشہ کی گردن پر ضرب رسید کرنے اٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر بھی حفصہ کی طرف گردن پر ضرب لگانے کے لئے بڑھے اور دونوں نے کہا رسول اللہ کے پاس جو چیز نہیں ہے اس کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز بھی نہ کرنا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب عورتوں سے ایک مہینہ یعنی انتیس روز کنارہ کش رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کی دانائی:

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء حضرت عائشہ سے کی اور فرمایا عائشہ میں ایک بات تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ حضرت عائشہ نے کہا اے اللہ کے رسول وہ کیا بات ہے حضور نے آیت مذکورہ پڑھ کر سنا دیں حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ کے بارے میں میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں (ایسا نہیں ہوسکتا) میں تو اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن آپ سے میری درخواست ہے کہ اپنی بیبیوں میں سے کسی کو میرے اس فیصلہ کی اطلاع آپ نہ دیں۔ حضور نے فرمایا مجھ سے تو جو عورت بھی پوچھے گی میں اس کو بتا دوں گا اللہ نے مجھے فتنہ انگیز بنا کر نہیں بلکہ بشارت دینے والا اور معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔

صحیح میں زہری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ (۲۹ روز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ہمارے پاس ایک ماہ تک نہیں آئیں گے اور آج تو ۲۹ دن ہوئے ہیں میں گن رہی ہوں فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا ہے۔

عورت کو اختیار طلاق کا مسئلہ

اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس جملہ سے اس کا مطلب تفویض طلاق ہو یعنی یہ مقصد ہو کہ عورت چاہے تو خود اپنے کو طلاق دے لے تو اس مجلس میں عورت جب تک رہے گی اس کو اختیار رہے گا کہ اگر چاہے تو اپنے آپ کو خود طلاق دے لے لیکن اگر اس جگہ سے اٹھ جائے گی یا کسی اور کام میں مشغول ہو جائے گی تو طلاق کا اختیار ہاتھ سے نکل جائے گا کیوں کہ یہ تملیک فعل ہے اور تملیک فعل کا تقاضا ہے کہ اسی مجلس میں جواب

دیا جائے جیسے بیع میں (قبول کا اختیار اسی مجلس عقد میں رہتا ہے) صاحب ہدایہ نے لکھا ہے عورت کو خیار مجلس با جماع صحابہ ثابت ہے۔ حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو اس کے نفس کا اختیار دے دے تو عورت کو اختیار اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اس مجلس میں رہے جب مجلس سے اٹھ جائے گی تو اس کو اختیار نفس نہیں رہے گا۔ کسی دوسرے صحابی کا قول بھی اس کے خلاف منقول نہیں لہٰذا اس پر اجماع سکوتی ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ روایات کی اسنادوں میں کلام کیا گیا ہے تو اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا کیونکہ امت اسلامیہ نے اس قول کو بالاتفاق قبول کر لیا ہے اس کے علاوہ عبدالرزاق نے جو حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن مسعود کا قول جس سند سے نقل کیا ہے وہ کھری ہے (اس سند میں کوئی کلام نہیں رہا ان مذکورہ حدیث کے لفظ لاستغنی سے استدلال تو یہ بھی غلط ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کی تفویض نہیں کی تھی (طلب طلاق کا اختیار دیا تھا اور ہماری بحث اس مسئلہ میں ہے جب کہ شوہر نے تفویض طلاق کر دی اور خود اپنے آپ کو طلاق دے دینے کا اختیار دے دیا ہو) آیت فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا کی یہ بات دلالت کر رہی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تجھے اپنا اختیار ہے تو تفویض طلاق کی نیت شوہر اس وقت ہونی چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ شوہر بیوی کو کسی اور چیز کا اختیار دے رہا ہو (اور یہ مقصد ہو کہ تجھے خود اس کام کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے)

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس نے جواب میں کہا میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو حضرت عمر حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس کے نزدیک ایک رجعی طلاق ہو جائے گی کیونکہ شوہر کی طرف سے تفویض اختیار کا معنی ہے تفویض طلاق اور جب عورت نے اختیار نفس کا اظہار کر دیا تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے یہ لفظ کہہ دیئے کہ میں نے اپنے آپ کو طلاق دے لی اور اس طرح لفظ طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس کے علاوہ آیت قرآنی سے بھی ثابت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد تو خیر رجوع نہیں کیا جا سکتا البتہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

حضرت علی کا قول روایۃً ثابت ہے کہ ایک بائنہ طلاق واقع ہو گی یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے کیونکہ تفویض اختیار کے بعد طلاق کا اختیار صرف عورت ہی کو مل جاتا ہے (مرد کو رجوع کا حق نہیں رہتا)۔

مسئلہ: اگر شوہر کے جواب میں عورت نے کہا میں نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ شوہر نے طلاق نہیں دی تھی بلکہ عورت کو تفویض طلاق کی تھی اور عورت نے طلاق کو اختیار نہیں کیا بلکہ بقاء نکاح کو اختیار کیا۔

میں کہتا ہوں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین کو طلاق کا اختیار نہیں دیا تھا بلکہ طلب طلاق کا اختیار دیا تھا۔

مسئلہ (تفویض طلاق کے لئے) نفس کا لفظ ذکر کیا جانا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اگر لفظ میں کسی مفہوم کے مراد ہونے کا احتمال ہی نہ ہو تو نیت بیکار ہے۔ (تفسیر مظہری)

ازواجِ مطہرات کے مطالبہ کے محرکات:

قصہ یہ پیش آیا کہ غزوہ بنی قریظہ و بنی نضیر کے بعد جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اس لئے ازواج مطہرات نے اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور بتقاضائے محبت و ناز مزید نان و نفقہ اور زینت دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اور فی الجملہ متاع دنیا کی خواہش کی اور اپنے نفقات میں کچھ زیادتی چاہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری۔ ازواج مطہرات نے جو سامان دنیا کا تقاضا کیا اگرچہ وہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا لیکن وہ منصب نبوت کے شایان شان نہ تھا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے جو تعلق تھا وہ یہ تھا کہ ان کے دل میں آپ کی ایذاء کا تصور بھی نہ تھا اور جس دنیاوی زینت کا مطالبہ کیا تھا وہ بقدر ضرورت اور راحت تھی معاذاللہ امیرانہ عیش و عشرت نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی ناگوار گزرا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں فروکش ہو گئے صحابہ سخت مضطرب تھے۔ خاص کر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان دونوں کو اپنی اپنی صاحبزادیوں عائشہ اور حفصہ کی فکر دامنگیر تھی کہ پیغمبر خدا کو رنجیدہ کرنے والی ازواج کی اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں اس لئے ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا اور نصیحت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کریں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض معروض کی اور انس اور بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ کا انقباض رفع ہو اور آپ قدرے منشرح اور منبسط ہوئے۔ دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۱۲ ج ۱۴، ص ۱۶۳ ج ۱۴، و تفسیر ابن کثیر ص ۴۹۱ ج ۳ و تفسیر روح المعانی ص ۱۶۲ ج ۲۱۔

ان حالات میں یہ آیت نازل ہوئی اور بعد میں آیت لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ آپ کی تسلی کے لئے نازل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی:

جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ سے دریافت کیا اور یہ آیتیں پڑھ کر ان کو سنائیں انہوں نے بلا کسی تردد اور تامل کے اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت کو اختیار کیا جس

سے آپ کا دل جاتا رہا اور چہرہ پر بشاشت آ گئی اس کے بعد باقی ازواج نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی کہا اور سب نے دنیا کی رغبت کا تصور دل سے نکال دیا۔ [illegible]

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ
اے نبی کی عورتو! جو کوئی تم میں سے صریح بے حیائی کا کام کرے [illegible]
لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا
اس کو دوہرا عذاب [illegible] اور یہ [illegible] اللہ پر آسان ہے

امہات المومنین کا عظیم درجہ:

بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے۔ اگر بالفرض تم میں کسی سے کوئی بد خلقی کا کام ہو جائے تو جو مقدار اس کا حق ہے اس سے دگنی سزا دی جائے گی۔ اور اللہ پر یہ بات نہ سمجھو کہ تمہاری وجاہت اور جہت رسالت سزا دینے سے اللہ کو روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا فاحشہ سے مراد ہے نافرمانی بد خلقی (فتح [illegible])

امہات المومنین کا ارتکاب فاحشہ پر دوہری سزا کی تجویز اس لئے کی گئی کہ اللہ کے انعامات ان پر زائد تھے اور انعامات کی زیادتی کی صورت میں گناہ کا ارتکاب زیادہ برا ہوتا ہے۔ اس لئے (زنا وغیرہ کی) آزاد آدمی کے مقابلہ میں غلام کی سزا آدھی مقرر کی گئی ہے اس کے علاوہ دوہرے عذاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کی آبرو پر دھبہ لگتا ہے جو بہت ہی بڑی حرکت ہے۔

وکان ذلک علی اللہ یسیرا اور یہ (دوہرا عذاب دینا) اللہ کے لئے آسان ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا
اور جو کوئی تم میں اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور عمل کرے اچھے
نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا
دیویں ہم اس کو اس کا ثواب دوہرا اور رکھی ہے ہم نے اس کے واسطے روزی عزت کی

عظیم مرتبہ کے لوازمات:

یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملے اس سے دو گنا تم کو۔ اور مزید برآں ایک خاص روزی عزت کی عطا ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ بڑے درجہ کا لازمہ ہے کہ نیکی کا ثواب دونا اور برائی کا عذاب دونا" خود پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ

(تفسیر عثمانی)

عمدہ روزی اور حسن معاشرت:

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک کام کرے گی۔ ہم (دوسری عورتوں کے مقابلہ میں) اس کو دوہرا (یعنی دوگنا) اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہت عمدہ روزی تیار کر رکھی ہے۔ دوگنا ثواب دیا جائے گا ایک تو اللہ اور رسول کی اطاعت کا دوسرا اس بات کا کہ قناعت اور حسن معاشرت کے ساتھ وہ اللہ کے رسول کی مرضی کی طالب ہوئیں۔ مقاتل نے کہا ہر نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔

رزق کریم عالی قدر روزی یعنی جنت جو اصل ثواب کے بعد مزید عطا کی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ کی مصاحبت میں ان کو وہ ملے گا جو رسول اللہ کو عطا کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

امہات المومنین کا عمل دوگنا ہے:

ازواج مطہرات کا مرتبہ دوسری عورتوں کی نسبت سے اونچا ہے اس لئے جس طرح ان کا ایک گناہ دو کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اسی طرح وہ نیک عمل کریں گی تو دوسری عورتوں کی نسبت ان کو ثواب بھی دوہرا دیا جائے گا ان کا ایک نیک عمل دو کے قائم مقام ہوگا۔

یہ آیت نیک تربیت سے [illegible] ازواج مطہرات کو ان کے عمل کی [illegible] انہوں نے آیت تخییر نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت پر دنیا کی فراخی کو قربان کر دیا اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک عمل کو دو کے برابر دے دیا اور گناہ کی صورت میں دوہرا عذاب بھی ان کی خصوصی فضیلت اور امتیازی شرافت کی وجہ سے ہوا، کیونکہ یہ بات عقلی بھی ہے اور نقلی بھی۔ جتنا کسی کا اعزاز و احترام ہوتا ہے اتنا ہی اس کی طرف سے غفلت و کوتاہی کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے۔

امہات المومنین پر انعامات

ازواج مطہرات پر حق تعالیٰ کے انعامات بڑے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا ان کے گھروں میں وحی الٰہی نازل ہوتی رہی تو ان کی ادنیٰ غلطی بھی بڑی ہوگی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچے تو اس سے کہیں زیادہ شدید ہوگا ان سے کوئی بات ایذا و تکلیف کی سرزد ہو تو آں کریم کے ان الفاظ میں خود اس سبب کی طرف اشارہ ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ۔

فائدہ ازواج مطہرات کی یہ خصوصیت کہ ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملے عام امت کے اعتبار سے ہے یہ لازم نہیں کہ امت میں کسی فرد یا جماعت کو کسی خصوصیت سے دوہرا ثواب ملے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ

اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں

مقام عظمت کا تقاضا:

یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا اور امہات المومنین بنایا۔ لہٰذا تقویٰ و طہارت کا بہترین نمونہ پیش کرنا جیسا کہ تم سے متوقع ہے۔ اس کا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا۔ اور بالفرض کوئی بری حرکت سرزد ہو تو اس نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔ غرض ہر نیکی کی جانب سے عام مومنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی عورتو تم کسی دوسری عورت کی طرح نہیں ہو۔

یعنی نہ تم میں سے کوئی ایک کسی غیر عورت کی طرح ہے اور نہ تمہاری جماعت دوسری عورتوں کی جماعت کی طرح ہے۔ یعنی فضیلت میں کوئی دوسری عورت تمہاری طرح نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس نے یہ مطلب بیان کیا کہ دوسری نیک مومن عورتوں کے برابر میرے نزدیک تمہارا مرتبہ نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک تمہاری عزت اور تمہارا ثواب بہت زیادہ ہے۔

فضیلت والی خواتین:

آیت مذکورہ دلالت کر رہی ہے کہ امہات المومنین کو تمام دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے لیکن ایک اور آیت میں حضرت مریمؑ کو سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمانے کا ذکر کیا گیا۔ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ اے مریم اللہ نے تجھے چن لیا اور پاک کر دیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھے برتری عطا کی۔

چار فضیلت والی خواتین:

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے جہان کی عورتوں سے تمہارے لئے کافی ہیں (یعنی سب پر برتری رکھتی ہیں) مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ فرعون کی بی بی۔ آیت کا مناسب مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف تم کو حاصل ہے اس شرف میں اور کوئی عورت تمہاری شریک اور مساوی نہیں ہے۔

تمام خواتین سے افضل:

جمہور کا بالاتفاق طے شدہ مسئلہ ہے کہ تمام عورتوں سے افضل حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ بنت خویلد ہیں حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون اور حضرت عائشہ بنت صدیق بھی تھیں۔ رضی اللہ عنہ

شیخین نے صحیحین میں اور احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے مگر عورتوں میں سوائے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے اور کوئی عورت کامل نہیں ہوئی۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید کی فضیلت۔ صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس کی برترین عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ کریب کی روایت میں ہے کہ وکیع نے یہ حدیث بیان کرتے وقت آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا یعنی آسمان و زمین کی برترین عورتیں۔ صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے بیان کیا (مجھ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ اہل جنت (یا فرمایا مومنوں) کی عورتوں کی تم سردار ہو۔

حضرت حذیفہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتہ (آیا ہے جو) اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے (آکر) سلام کرے اور مجھے اس بات کی بشارت دے کہ فاطمہ اہل جنت کی سردار ہے اور حسن و حسین جوانان اہل جنت کے سردار ہیں (اجازت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اجازت مل گئی اور اس نے آکر یہ پیام سنا دیا) رواہ الترمذی ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ان تمام آیات سے ازواج مطہرات کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتانا ہے کہ ان سے کبھی کوئی معصیت قبیحہ سرزد نہیں ہوگی اور یہ عورتیں محسنات اور مخلصات ہیں اور امہات المومنین ہیں اور نبی کی وفات کے بعد ان سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی فضیلت

روافض کی مطلب ہے ... تمام صحابہ و تابعین دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ خصوصاً حضرت علی اور حضرت عمار اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہم نے صحابہ و تابعین کے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں باآواز بلند یہ اعلان کیا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ دنیا اور آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں لہٰذا کسی اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات کا زوجہ رسول ہونا فقط دنیا تک محدود ہے صریح گمراہی ہے اور کسی رافضی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی نے حضرت عائشہ صدیقہ کو طلاق دے دی تھی یہ کفر بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی ہے۔ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

تمام ازواج مطہرات متقیہ تھیں:

واقعات اور حالات سے اور کتاب وسنت کی شہادت سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ بحمد اللہ ازواج مطہرات از اول تا آخر تمام زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم رہیں حضور پر نور کی حیات میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی اور یہی وجہ ہے کہ یہ حکم نازل ہوا ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا ازواج مطہرات دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ کی زوجہ ہیں۔ مخالفین اسلام نے بڑی کوشش کی مگر ادنیٰ خفیف سے خفیف واقعہ بھی ایسا نہ ملا کہ جس سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ (معارف القرآن)

اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ
اگر تم ڈر رکھو سو تم دب کر بات نہ کرو پھر لالچ کرے
الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا
وہ جس کے دل میں روگ ہے اور کہو بات معقول

غیر مرد سے بات کرنے کا طریقہ:

یعنی اگر تقویٰ اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں سے دب کر بات نہ کرو (جس کی خصوصیت امہات المؤمنین کو حاصل ہے) نرم اور دلکش لہجہ میں کلام کرنا جو شبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر نرمی اور نزاکت رکھی ہے لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہیے کہ حتی المقدور غیر مردوں سے بات کرنے میں بتکلف ایسا لہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو اور کسی بدباطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے امہات المؤمنین کو اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ حفاظت لازم ہے تاکہ کوئی بیمار دل اس کا آدمی بالکل اپنی عاقبت تباہ نہ کر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یہ ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اس طرح کہو جیسے ماں بیٹے کو۔ اور بات بھی بھلی اور معقول ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سو تم دب کر بات نہ کیا کرو۔ مطلب یہ کہ اگر تقویٰ تمہاری فضیلت اور دوسری عورتوں پر برتری ہے تو تقویٰ کے خلاف تم سے کوئی حرکت سرزد نہ ہونی چاہیے۔ (دوسرے) مردوں سے لوچ پیدا کر کے بات نہ کیا کرو (یہ تقویٰ کے خلاف ہے) یعنی اگر عورت کسی غیر مرد سے چبا چبا کر باتیں کرے گی تو اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا لہٰذا تم ایسا نہ کرو۔

جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو غیر عورت سے اس طرح نرم نرم باتیں کرنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ عورت اس کی طرف چھوٹنے لگے۔ خضوع کا معنی ہے اطاعت۔

اجنبی خاتون سے نرم گفتگو کرنے والے کی سزا:

جزری نے یہ بھی نہایہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے دور خلافت میں ایک شخص کی مرد عورت کی طرف سے گزر ہوا جو باہم نرم نرم باتیں کر رہے تھے اس شخص نے اس مرد کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت عمر نے اس کو خون بہا نہ دلایا (ضرب کو قصاص قرار دیا)

بغیر شوہر اجنبی سے بات منع ہے:

طبرانی نے اچھی سند سے حضرت عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بغیر شوہروں کی اجازت کے (غیر مردوں سے) کلام کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

غیر عورت کے سامنے انگڑائی ممنوع:

دارقطنی نے افراد میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمادی ہے کہ کوئی مرد نماز میں یا اپنی بیوی اور باندیوں کے سوا دوسری عورتوں کے سامنے انگڑائی لے۔

منافقت کی بیماری فَيَطْمَعَ الَّذِىْ فِىْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ (یعنی) اس شخص کو جس کے دل میں بیماری ہے طمع پیدا ہونے لگے۔

مرض سے مراد ہے نفاق کا شائبہ۔ مومن کامل کا دل تو ایمان پر مطمئن ہوتا ہے اس کو اپنے رب کی شان کا وقت نظر آتا ہے وہ کبھی بھی حرام بات کی طرف مائل ہی نہیں ہوتا۔ ہاں جس کے ایمان میں ضعف ہوتا ہے اس کے دل میں نفاق کا شائبہ ہوتا ہے وہ ممنوعات خداوندی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ اجنبی مردوں سے کلام کرنے کے وقت عورت کو حکم ہے کہ لہجہ میں درشتی اختیار کرے تاکہ کسی بدباطن کو کسی قسم کی طمع پیدا ہونے پائے۔

وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا اور قاعدہ (عفت) کے مطابق بات کرو۔ یعنی اس طرح بات کرو کہ شک نہ پیدا ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ
اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور دکھاتی نہ پھرو جیسا کہ دکھانا
الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى
دستور تھا پہلے جہالت کے وقت میں

عورتوں کیلئے گھروں سے باہر زینت کی نمائش ممنوع ہے:

یعنی اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے

بدن، اور سونے کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ یہ بد اخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔ امہات المومنین کا فرض اس معاملہ میں بھی اوروں سے زیادہ موکد ہوگا جیسے کہ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کے تحت میں گزر چکا۔

ضرورت کے تحت نکلنا:

ہاں کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر بدون زیب و زینت کے بہتذل اور ناقابل التفات لباس میں مستتر ہو کر احیاناً باہر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظنہ نہ ہو، بلاشبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے اور خاص ازواج مطہرات کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ متعدد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت ملتا ہے لیکن شارع کے ارشادات سے یہ بداہۃً ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہر حال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ حجاب شرعی میں ہے۔ رہا ستر کا مضمون یعنی عورت کے لئے کن اعضاء کو کن مردوں کے سامنے کھلا رکھنا جائز ہے۔ اس کا بیان سورۂ نور میں گزر چکا۔ (تنبیہ) جو احکام ان آیات میں بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں۔ ازواج مطہرات کے حق میں چونکہ ان کا تاکد و اہتمام زائد تھا اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب ان کو بنایا گیا۔ میرے نزدیک یہ پ: مِنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تک ان احکام کی تمہید تھی۔ تمہید میں دو شقیں ذکر کی تھیں۔ ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب۔ اس کی روک تھام فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى تک کی۔ دوسری اللہ رسول کی اطاعت اور عمل صالح۔ آگے وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ سے اَجْرًا عَظِيْمًا تک جو اس کے نیکی وزن میں دونی قرار دے گی۔ اس تقریر سے "موافق" فاحشہ مبینہ" کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى اور قدیم زمانہ جاہلیت کے موافق مت پھرو۔

امہات المومنین کے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت عمومی نہیں کہ نماز یا حج یا ضرورت انسانی کے لئے بھی باہر نہ نکلیں۔

شیعوں کی غلط فہمی:

وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یعنی شیعہ آیت میں عمومی ممانعت سمجھ بیٹھے ہیں اس لئے حضرت صدیقۃ الکبریٰ بنت صدیق اکبر حبیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر ملہ کو پہنچیں پھر مدینہ سے بصرہ پہنچیں جہاں جنگ جمل کا واقعہ ہوا یہ جاہل سفر ممانعت آیت کے خلاف ہوا یہ ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ اس زمانہ میں مدینہ کی فضا پر امن نہیں رہی تھی۔ ام المومنین کے مدینہ سے نکلتے ہی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اور مصر والوں نے مدینہ میں ایسا فساد مچایا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی خروج پر مجبور ہو گئے اور مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو پہنچے اور انہیں دونوں بزرگوں نے حضرت عائشہ کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی خونریزی روکنے کے لئے بصرہ کو تشریف لے جائیں جب حضرت عائشہ نے انکار کیا تو آیت لاخیر فی کثیر من نجوٰہم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس سے استدلال کرتے ہوئے خروج کو ضروری قرار دیا۔ اس مشورہ کے بعد حضرت عائشہ بصرہ کو تشریف لے گئیں اور اس خروج ہی کے سبب حضرت عائشہ کے ساتھیوں میں اور حضرت علی کے رفقاء میں صلح ہو گئی لیکن عبداللہ بن سبا یہودی منافق نے جو اپنے کو شیعان علی میں سے کہتا تھا صلح قائم نہ رہنے دی اور دونوں جماعتوں میں فتنہ کی ایسی بھڑکائی کہ جنگ جمل کا واقعہ ظہور پذیر ہو گیا اور مسلمانوں میں باہم بڑا کشت و خون ہوا۔ ہم نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب سیف مسلول میں مفصل طور پر کر دیا ہے۔

"تبرج" کا معنی:

تبرج کا لفظ بروج سے نکلا ہے۔ بروج کا معنی ہے ظہور۔ اس جگہ تبرج سے مراد ہے اظہار زینت اور مردوں کے سامنے بن سنور کر کے نکلنا۔ ابن نجیح نے کہا تبرج کا معنی ہے اتر اکر چلنا۔ اس لئے لا تبرجن کا تفسیری ترجمہ یہ ہے اتراکر نہ چلو۔

دورِ جاہلیت: جاہلیت اولیٰ سے مراد ہے دور اسلامی سے پہلے کا زمانہ جاہلیت اور جاہلیت دوم ہے۔ اسلام کے بعد گناہ کبیرہ کا ارتکاب۔ شعبی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت عیسیٰ کے زمانہ تک جاہلیت اولیٰ کا دور تھا۔ ابوالعالیہ نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ جاہلیت اولیٰ کا زمانہ تھا۔ عورتیں ایسی قمیصیں پہن کر نکلتی تھیں جو دونوں طرف سے بغیر سلے ہوئے ہوتے تھے اور ان کا بدن دونوں طرف سے برہنہ دکھتا تھا۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جاہلیت اولیٰ کا وہ زمانہ تھا جو حضرت نوح اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان تھا۔

جاہلیت کی بدفعلی کی ابتداء:

حضرت آدم کی نسل سے دو قبیلے ہوئے ایک پہاڑ پر رہتا تھا دوسرا میدانی علاقہ میں پہاڑی مردوں کے چہرے شگفتہ اور گورے تھے مگر عورتیں بدصورت تھیں اور میدانی باشندوں کی عورتیں حسین تھیں اور مرد بدصورت۔

ایک بار ابلیس انسانی شکل میں ایک میدانی باشندے کے پاس آیا اور اس کے پاس نوکر ہو گیا اور خدمت کرنے لگا پھر اس نے چرواہوں کی بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور اس میں آواز نکالی جو لوگوں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کو آواز پہنچی تو وہ سننے کے لئے جمع ہو گئے اور اس کو ایک تیوہار بنا دیا جہاں مقررہ وقت پر جمع ہونے لگے اس طرح بن سنور کو عورتیں مردوں کے سامنے آنے لگیں اور مرد عورتوں کے سامنے۔ ایک روز کوئی پہاڑی اس تیوہار میں پہنچ گیا اور اس نے مردوں عورتوں کو یکجا دیکھا اور عورتوں کا حسن اس کی نظر کے سامنے آیا اس نے جا کر پہاڑی باشندوں سے اس کا تذکرہ کیا اس کے بعد پہاڑی باشندے بھی اپنے مسکن چھوڑ کر میدانی لوگوں کے ساتھ ہی آ بسے اور آپس میں بدکاریاں ہونے لگیں۔ آیت میں تبرج جاہلیت اولی سے یہی مراد ہے۔ لیکن ابوحیان کا یہ مطلب نہیں کہ جاہلیت دوم بھی ہوئی گزری ہے کبھی اولی کا لفظ بغیر اخریٰ کے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے آیت عَادَا الْاُوْلٰى میں اولی کا لفظ ہے (عاد اخریٰ کوئی قوم نہیں ہوئی پھر بھی قوم عاد کو عادا الاولی فرمایا)

یا جاہلیت سے مراد قبل از اسلام کا دور ہے۔ (جس کی کوئی حد بندی نہیں) ...

حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور حالات کا انتشار:

صدیقہ عائشہ اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما حج کے لئے مکہ تشریف لے گئی تھیں، وہاں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور بغاوت کے واقعات کی تحقیق ہوئی، اور مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظام مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کئے ہوئے تھا، اسی حالت میں حضرت طلحہ اور زبیر اور نعمان بن بشیر اور کعب بن عمرو اور چند دوسرے صحابہ کرام مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے، کیونکہ قاتلان عثمانؓ ان کے بھی قتل کے درپے تھے اس لئے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مشورہ طلب کیا، حضرت صدیقہ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ طیبہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گرد جمع ہیں، اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رکے ہوئے ہیں تو آپ لوگ چند روز ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں اپنے آپ کو مامون سمجھیں، اور جب تک امیر المومنین انتظام پر قابو نہ پالیں، اور تم لوگ جو کچھ کوشش کر سکتے ہو، اس کی کرو کہ یہ لوگ امیر المومنین کے گرد سے متفرق ہو جائیں، اور امیر المومنین ان سے قصاص یا انتقام لینے پر قادر ہو جائیں۔

یہ حضرات اس پر راضی ہوئے، اور بصرہ چلے جانے کا ارادہ کیا، کیونکہ اس وقت وہاں مسلمانوں کے لشکر جمع تھے، ان حضرات نے وہاں جانے کا قصد کر لیا تو ام المومنین سے بھی درخواست کی کہ انتظام حکومت برقرار ہونے تک آپ بھی ہمارے ساتھ بصرہ میں قیام فرمائیں۔

اور اس وقت قاتلان عثمانؓ اور مفسدین کی قوت و شوکت اور حضرت علیؓ کا ان پر حد شرعی جاری کرنے سے مجبور ہونا خود نہج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے، یاد رہے کہ نہج البلاغہ شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں، نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب و رفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دیتے جنہوں نے عثمان غنی پر حملہ کیا تو بہتر ہوتا، اس پر حضرت امیر نے فرمایا کہ میرے بھائی! میں اس بات سے بے خبر نہیں جو تم کہتے ہو، مگر یہ کام کیسے ہو جبکہ مدینہ پر یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں اور تمہارے غلام اور آس پاس کے عرب بھی ان کے ساتھ لگ گئے ہیں ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کر دوں تو نافذ کس طرح ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کا سفر بصرہ اور اس کے مقاصد:

حضرت صدیقہؓ کو ایک طرف حضرت علیؓ کی مجبوری کا اندازہ تھا دوسری طرف یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب زخمی ہیں، اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں تاخیر جو امیر المومنین علیؓ کی طرف سے مجبوری دیکھی جا رہی تھی اور مزید یہ کہ قاتلان عثمان امیر المومنینؓ کی مجلس میں بھی شریک ہوتے تھے جو لوگ حضرت امیر المومنینؓ کی مجبوری سے واقف نہ تھے ان کو اس معاملہ میں ان سے بھی شکایت پیدا ہو رہی تھی، ممکن تھا کہ یہ شکوہ و شکایت کسی دوسرے فتنے کا آغاز بن جائے اس لئے لوگوں کو فہمائش کر کے صبر کرنے اور امیر المومنین کو قوت پہنچا کر نظم مملکت کو مستحکم کرنے اور باہمی شکوہ و شکایت دور کرنے اصلاح بین الناس کے قصد سے بصرہ کا سفر اختیار کیا، جس میں ان کے محرم بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ ان کے ساتھ تھے، اپنے اس سفر کا مقصد خود ام المومنینؓ نے حضرت قعقاعؓ کے سامنے بیان فرمایا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا، اور ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المومنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔

شیعوں کا طوفان:

اس کے لئے اگر ام المومنین نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے اہتمام ہودج میں اختیار فرمایا تو اس کو جو شیعہ اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المومنین نے احکام قرآن کی خلاف ورزی کی اس کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔

فتنہ بازوں کی کارروائی:

آگے منافقین اور مفسدین کی شرارت نے جو صورت جنگ باہمی کی پیدا کر دی اس کا خیال بھی صدیقہؓ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، اس آیت کی

تفسیر کے لئے اتنا ہی کافی ہے آگے واقعہ جمل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کے لئے چند سطور لکھی جاتی ہیں۔

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہل بصیرت و تجربہ غافل نہیں ہو سکتا، یہاں بھی صورت یہ پیش آئی کہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابہ کرام کی معیت میں حضرت صدیقہ کے بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر المومنین علی مرتضی سے مخالف صورت بنا کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لئے بصرہ جا رہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں، اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے ہی دبا دیں۔ حضرت حسن و حسین، عبداللہ بن جعفر، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ دیا کہ جب تک ان کے مقابلہ پر لشکر کشی کا وقت تک نہ کریں جب تک کہ ان کا مقصود واضح نہ ہو جائے مگر اکثریت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہو کر لشکر کے ساتھ نکل آئے، اور یہ شریر اہل فتنہ و بغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت قعقاع کو ام المومنین کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، انہوں نے عرض کیا کہ اے ام المومنین آپ کے یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا؟ صدیقہ نے فرمایا أی بُنَیَّ الْاِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاسِ، یعنی میرے پیارے بیٹے میں صلح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں پھر حضرت طلحہ اور زبیر کو بھی قعقاع کی مجلس میں بلا لیا قعقاع نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ قاتلان عثمان پر حد شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے۔ حضرت قعقاع نے سمجھایا کہ یہ کام اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور متحد نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کر لیں۔

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا، حضرت قعقاع نے جا کر امیر المومنین کو اس کی اطلاع دے دی وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہوئے اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کر لیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال پر رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہو جائے گا، اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المومنین کی ملاقات حضرت طلحہ و زبیر کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلان عثمان شریک نہیں تھے، یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گزری، اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم لوگ حضرت عائشہ کی جماعت میں پہنچ کر قتل و غارتگری شروع کر دو، تاکہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی، اور یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت علیؓ کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں۔

ان کی یہ شیطانی چال چل گئی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہؓ کی جماعت پر حملہ ہو گیا تو وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المومنین کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے، اس کی جوابی کارروائی شروع ہو گئی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ ماجرا دیکھا تو قتال سے رکنا چاہا مگر جو حادثہ باہمی قتل و قتال کا پیش آنا تھا آ گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح طبری اور دوسرے ثقات مورخین نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے نقل کیا ہے (روح المعانی)

واقعہ جمل پر حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ کا افسوس:

غرض مفسدین، مجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس بزرگوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا، اور جب فتنہ فرو ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے، حضرت صدیقہ عائشہ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا، اسی طرح حضرت امیر المومنین علی مرتضی کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا، فتنہ فرو ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو اپنی ران پر ہاتھ مار کر فرماتے تھے کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیاً منسیاً ہو گیا ہوتا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المومنین جب قرآن میں یہ آیت پڑھتی تھیں وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ تو رونے لگتیں، یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ (رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد و ابن المنذر و ابن ابی شیبۃ من مسروق، روح)

آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لئے نہ تھا کہ قرار فی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آیا اس پر طبعی رنج و غم اس کا سبب تھا۔ (یہ سب روایات اور پورا مضمون بیشتر روح المعانی سے لیا گیا ہے) (معارف مفتی اعظم)

تحفظ عصمت کیلئے شرعی قوانین:

ایک حکم تو یہ دیا گیا کہ عورتیں بلا شدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت مرد کو نہ دیکھے۔

آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا کہ ایک اجنبی مرد یا عورت دوسرے اجنبی مرد یا عورت کو نہ دیکھے اس لئے کہ یہ دیکھنا ہی فتنہ کا سبب ہے بلا تفریق تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اصل محل فتنہ یہ چہرہ ہی ہے جس کے دیکھنے سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا

ہونے لگتے ہیں اور مرد اور عورت کی عفت اور عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ عورت کو اپنی پیدائشی زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سر بازار چہرہ کھول کر پھرے حسن و جمال کا مرکز چہرہ ہے حسن و جمال کا تمام اور مدار چہرہ پر ہے اور اصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے زنا کا دروازہ بند کرنے کے لئے نامحرم کے سامنے چہرہ کو کھولنا حرام قرار دیا ہے البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بناء پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرست لوگوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہو جائے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جن محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے ان میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدا نخواستہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم رشتہ دار جیسے بھائی بدچلن ہو تو اس کے سامنے آنا بھی جائز نہیں فتنہ کے خوف سے محرم سے بھی پردہ واجب ہو جاتا ہے کیونکہ زنا سے حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی پردہ ہے۔

چوتھا حکم شریعت نے یہ دیا کہ اگر کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو پردہ کے پیچھے سے بات کر سکتی ہے۔

پانچواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اگر ضرورت کی بناء پر گھر سے باہر نکلے تو موٹے کپڑے کا برقعہ اوڑھ کر یا موٹی چادر میں لپیٹ کر نکلے۔ عمدہ کپڑوں میں نہ نکلے اور عطر اور خوشبو لگا کر نہ نکلے اور تیسری شرط یہ لگائی کہ شوہر کی بغیر اجازت کے نہ نکلے اور چوتھی شرط یہ لگائی کہ عورت سڑک کے کنارے کنارے چلے عورت کو درمیان سڑک چلنے کا نہ حق ہے اور نہ اجازت۔ یہ طبرانی کی ایک حدیث کا مضمون ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اجنبی عورتوں کے یا اجنبی مردوں کے دیکھنے والے اور دیکھنے والی پر اور جس کی طرف دیکھا گیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔

پردہ عورت کے حسب نسب کا محافظ ہے بے پردہ عورت اور اس کی اولاد مشکوک ہے پردہ والی عورت کے خاوند کو اپنے بچے کے نسب میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

انگلستانی خاتون کا بے پردگی کا ماتم:

انگلستان کی ایک شریف عورت نے بصد حسرت و ندامت اپنے ملک کی عورتوں کے متعلق ایک مقالہ لکھا جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ المنار میں شائع ہوا جس میں یہ تھا کہ انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت اور عصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنہوں نے اپنے دامن عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم اور حیاء نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے ان کو اس قابل نہیں رہنے دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے ہمیں سر زمین مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقویٰ کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیر فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آرہا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ رکھا جائے (انگلستان کی عورت کے کلام کا ترجمہ ختم ہوا)

بے پردگی کے نقصانات:

۱- یہ کہ بے پردگی سے بے غیرتی اور بے حمیتی پیدا ہوتی ہے۔

۲- زنا کا دروازہ کھلتا ہے۔

۳- اولاد حرام ہوتی ہے۔

۴- حسب اور نسب ضائع ہو جاتا ہے۔

۵- شوہر کو اپنی بیوی پر اطمینان نہیں رہتا تو اس سے کیسے محبت رہے۔

۶- بے پردہ بیوی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے شوہر کو اس پر یقین نہیں ہوتا کہ یہ میرا ہی بچہ ہے اور خاص کر جو عورت بے پردہ پھرتی

۷- اور جب اس بچہ کا اس کی اولاد ہونا یقینی نہ رہا تو پھر اس کے مرنے کے بعد اس بچہ کا وارث ہونا بھی یقینی نہ رہا۔ حلال ولد میراث کی مستحق ہوتی ہے حرام کا بچہ میراث کا مستحق نہیں ہوتا۔

۸- بے پردہ عورت شوہر کی راحت اور سکون اور طمینان کا باعث نہیں بنتی۔ شوہر جب گھر آتا ہے تو بیوی کو غائب پاتا ہے اور پریشان ہوتا ہے کہ نہ معلوم کہاں ہوگی۔

۹- بے پردہ عورت نہ شوہر کی خدمت کر سکتی ہے اور نہ اس کی اطاعت کر سکتی ہے۔

۱۰- بے پردہ عورت اولاد کی تربیت اور نگرانی بھی نہیں کر سکتی۔

۱۱- بے پردگی باہمی خصومت اور نزاع کا سبب ہے جو بدچلنی کا لازمی نتیجہ ہے۔

۱۲- بے پردگی اپنی آوارگی کی پردہ پوشی کے لئے عورت کو جھوٹ اور مکر اور فریب پر آمادہ کرتی ہے گھر سے باہر جانے کے عجیب عجیب بہانے بناتی ہے۔

۱۳- جس کا اثر اولاد پر پڑتا ہے۔ اولاد بھی وہی کرے گی جو ماں کو کرتے دیکھے گی۔

۱۴- جس قدر بے پردگی بڑھتی جائے گی اسی قدر بے حیائی اور بے

بے غیرتی بڑھتی جائے گی جس کا لازمی نتیجہ نحوست ہے اور خاندان اور محلہ میں بدنامی اور بے عزتی ہے۔

۱۵- حتیٰ کہ اس گھرانہ سے حیاء اور شرم اور عصمت اور غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

فوجی بھرتی کے لئے مرد لئے جاتے ہیں عورت نہیں لی جاتی آج تک دنیا میں کسی بادشاہ نے عورتوں کی فوج بنا کر دشمن کے مقابلہ کے لئے کبھی بھی عورتوں کی فوج نہیں بھیجی۔

پردہ عورتوں کے لئے قید نہیں بلکہ ان کی عصمت اور عفت کی حفاظت کا ایک قلعہ ہے۔

بے پردگی سے کوئی دنیاوی اور مادی ترقی حاصل نہیں ہوسکتی بلکہ اخلاقی تنزل اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا آج کل متمدن اقوام کا حال یہ ہے کہ چپہ چپہ پر ناچ گھر قائم ہوتے ہیں جن میں نوجوان مرد اور عورتیں جمع ہو کر اپنی نفسانی خواہشیں پوری کرتے ہیں اور ایک شخص کسی اجنبی عورت سے چمٹ جاتا ہے اور اس کا شوہر دیوث بھی وہاں موجود ہوتا ہے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کو غیرت نہیں آتی مغربی ممالک میں دن بدن حرامزادوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اب یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض مغربی ممالک میں لب سڑک لوگوں کو زنا کرتے دیکھا جاتا ہے گویا کہ مرد اور عورت بہائم کی طرح ہو گئے ہیں جس طرح ایک جانور کو کسی مادہ سے جفتی کرنے کے لئے کسی بند کمرہ کی ضرورت نہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ
اور قائم رکھو نماز اور دیتی رہو زکوۃ
وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
اور اطاعت میں رہو اللہ کی اور اس کے رسول کی

ارکانِ اسلام کی پابندی:

یعنی اوروں سے بڑھ کر ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ کیونکہ تم نبی سے قرب اور اُمت کے لئے نمونہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ یعنی تمام اوامر ونواہی کی پابندی کرو یہی تقویٰ ہے جو تمہاری فضیلت یاب ہونے کی ضروری شرط ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ
اللہ یہی چاہتا ہے کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے نبی کے گھر والو

وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا
اور ستھرا کر دے تم کو ایک ستھرائی سے

ازواجِ مطہرات کیلئے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ:

یعنی اللہ کا ارادہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک وصاف کر دے اور ان کے رتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز وفائق ہو جس کی طرف يُطَهِّرَكُمْ کے بعد تَطْهِيْرًا بڑھا کر اشارہ فرمایا ہے یہ تطہیر واذہاب رجس اس قسم کی نہیں جو آیت وضوء میں وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (مائدہ۔ رکوع ۲) سے یا بدر کے قصہ میں لِيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ (انفال۔ رکوع ۲) سے مراد ہے بلکہ یہاں تطہیر سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو اکمل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں چنانچہ لفظ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ الخ فرمانا اور اَرَادَ اللّٰهُ نہ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں۔

اہلِ بیت میں ازواج یقیناً داخل ہیں:

(تنبیہ) نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لمحہ کے لئے اس میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات اُن ہی سے ہوئے ہیں اور بیوت کی نسبت بھی پہلے میں اور آگے وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں اور آگے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ میں ان کی طرف کی گئی ہے اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ علیہم السلام نے فرمایا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ (ھود۔ رکوع ۷) مطلقہ عورت باوجود یہ کہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اُسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا "لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ" (طلاق۔ رکوع ۱) حضرت یوسف کے قصہ میں بیت کو زلیخا کی طرف منسوب کیا۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا "(یوسف۔ رکوع ۳) بہرحال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اُولاً اُن ہی سے ہے لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہلِ بیت گھر والوں میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ مُسند احمد کی ایک روایت میں احق کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا حضرت

فاطمہ علی، حسن حسین رضی اللہ عنہم وایک چادر میں لے کر اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی وغیرہ فرمانا یا حضرت فاطمہ کے مکان سے قریب گزرتے ہوئے یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ سے خطاب کرنا اس حقیقت و مفہوم کی وضاحت کے لئے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور انہی سے تخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لئے ان کی نسبت کسی قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (عثمانی)

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اے اہل بیت (نبی) اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور کامل طور پر تم کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

یہ کلام مستقل ہے (پچھلے کلام سے وابستہ نہیں ہے) اس کلام کا عموم امہات مومنین کو بھی شامل ہے اور آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ اسی لئے مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

سابقہ احکام کا مقصد:

یہ کلام سابق کلام کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ بیویوں فرمایا کہ تم کو جو اوامر و نواہی کی پابندی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے وہ تم سے اور تمہارے علاوہ دوسرے اہل بیت سے رجس یعنی عمل شیطانی کو دور کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔

رجس سے مراد ہے عمل شیطانی یعنی گناہ اور ہر وہ حرکت جس میں کوئی شرعی یا ایسی طبعی برائی ہو جو اللہ کو ناپسندیدہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہل بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیہ قلب مراد ہے جو تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام مراد ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھم اجعل رزق آل محمد قوتا، اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت لایموت کر دے اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

حدیث نساء ایک شبہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین کو اپنی عبا میں داخل کر کے فرمایا۔

اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کی فضیلت میں داخل اور شامل فرما اور ان کو بھی اس رحمت میں شریک فرما۔ آپ کا مقصود یہ نہ تھا کہ یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں اور اس حدیث کے ایک طرق میں یہ آیا ہے کہ حضور پرنور نے جب ان حضرات کو اپنی عبا میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المومنین ام سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرمائیے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہو کیونکہ انہوں نے یہ فضیلت حاصل کرنا چاہی جو ان کو پہلے سے حاصل تھی۔

حضور پرنور نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی الخ تو اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدہ و نعمت و کرامت میں شریک ہو جائیں جو حق تعالیٰ نے ازواج مطہرات سے فرمایا ہے۔

جس طرح اس حدیث میں حضرت علی اور ان کی اولاد کو عبا میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس اور ان کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس کو اور ان کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔

ان مختلف دعاؤں سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات کے ساتھ دوسرے اعزاء و اقارب بھی اس نعمت اور کرامت میں داخل ہو جائیں۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پرنور کی ازواج مطہرات اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں اور سب اس بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لا لخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا آیت کا نزول اصالۃً اگرچہ ازواج مطہرات کے بارے میں ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پرنور کی دعا کی وجہ سے تمام اہل بیت کو شامل کیا گیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اھل البیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے۔ عکرمہ اور مقاتل کے نزدیک امہات المومنین مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس کا قول سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہی آیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے (اہل البیت کے مفہوم کے تعین کے لئے) آیت وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ تلاوت فرمائی۔

ابن ابی حاتم وابن جریر عن عکرمۃ نحوہ۔ ان حضرات نے آیت کے سیاق و سباق سے بھی اسی پر استدلال کیا ہے۔ لیکن عورتوں کے ساتھ حکم کی تخصیص کیسے ہو سکتی ہے جب کہ کم ضمیر مذکر مخاطب کی استعمال کی گئی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور بطور تغلیب مذکر کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔ مترجم)

حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسنین رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت میں داخل ہیں

حضرت ابو سعید خدری اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں مجاہد اور قتادہ بھی شامل ہیں کہ اہل بیت ہیں۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین۔ کیوں کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ بالوں کی اونی چادر اوڑھے باہر تشریف لے گئے۔ چادر پر کجاوے کے نقوش تھے اتنے میں حسن بن علی آئے حضور نے ان کو چادر میں لے لیا پھر حسین بن علی آئے حضور نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر (سیدہ) فاطمہ آئیں حضور نے ان کو بھی چادر میں داخل کر لیا۔ پھر علی آئے آپ نے ان کو بھی داخل کر لیا پھر فرمایا اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا رواہ مسلم۔

حضرت سعد بن ابی وقاص راوی ہیں کہ جب آیت نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو طلب فرمایا، اور فرمایا، اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ رواہ مسلم

حضرت واثلہ بن اسقع راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ تلاوت فرمائی اور حضرت علی، حضرت فاطمہ اور دونوں صاحبزادوں کے متعلق فرمایا اے اللہ یہ میرے گھر والے اور میرے خاص لوگ ہیں ان سے گندگی کو دور فرمادے اور ان کو کامل طور پر پاک کر دے۔

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ جب آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین کو طلب کیا اور کملی میں داخل کر لیا۔ پھر فرمایا اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں ان سے گندگی کو دور کر دے اور ان کو کامل طور پر پاک کر دے۔

ازواجِ واولاد سب اہل بیت ہیں:

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تطہیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی، حضرت سیدہ، حضرت حسن، حضرت حسین کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔ ماقبل اور مابعد کا کلام بھی اس تخصیص سے انکار کر رہا ہے اور عرف و لغت کی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔ اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیویوں پر ہوتا ہے۔ اولاد اور دوسرے گھر والے ذیلی طور پر اس میں آجاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا کمرے) عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ نے کہا تھا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ کیا تجھے اللہ کے حکم پر تعجب ہو رہا ہے۔ اے گھر والو تم پر اللہ کی رحمت ہے۔

حق بات یہ ہے کہ رفتار کلام اگرچہ امہات المومنین پر دلالت کر رہی ہے لیکن آیت تطہیر سب کو شامل ہے حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا تھا میرے گھر میں آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ اور علی اور حسن اور حسین کو بلوایا پھر فرمایا یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی اہل بیت میں سے ہوں فرمایا کیوں نہیں۔ انشاء اللہ۔

رواہ البغوی وغیرہ۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اہل بیت میں سب داخل ہیں اور انشاء اللہ کا لفظ (امید مستقبل کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور) تبرک کے لئے استعمال ہوا ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ سب لوگ تھے جن پر صدقہ کا مال (لینا) حرام کر دیا گیا تھا یعنی اولاد علی اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس اور اولاد حارث بن عبد المطلب۔

گناہ گندگی ہے:

تطہیر سے مراد ہے دنیا میں گناہوں کی نجاست سے پاک کرنا اور آخرت میں مغفرت فرمانا۔

اللہ نے آیات مذکورہ میں امہات المومنین کو بعض چیزوں سے منع فرمایا بعض باتوں کے کرنے کا حکم دیا تاکہ رسول اللہ کا گھر والا کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور سب کے سب متقی ہو جائیں۔ بطور استعارہ گناہوں کو گندگی اور تقویٰ کو طہارت فرمایا کیونکہ گناہ کرنے والے کی گناہوں سے اسی طرح آلودگی ہو جاتی ہے جس طرح جسم نجاست سے آلودہ ہوتا ہے اور متقی ایسا ہی پاک صاف ہوتا ہے جس طرح کپڑا پاک صاف ہوتا ہے۔

مستعمل پانی:

چونکہ گناہ اور گندگی میں بہت گہری مناسبت ہے اسی لئے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ پانی کا استعمال خواہ رفع حدث کے لئے کیا گیا ہو یا بطور ثواب (وقربت) بہرحال مستعمل پانی نجس ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی طرح خوب وضو کرتا ہے اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی خارج ہو جاتے ہیں (اور پانی کے ساتھ بہہ جاتے ہیں) متفق علیہ۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلم بندہ (یا فرمایا مومن بندہ) وضو کرتا ہے اور منہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے پانی کے ساتھ آنکھ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ الحدیث۔ رواہ مسلم۔

شیعوں کا غلط استدلال:

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین معصوم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ یہی تھے دوسرا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اور انہیں حضرات اربعہ کا اور ان کے بعد (ان کی نسل کے) دوسرے اماموں کا ہی اجماع معتبر ہے۔ شیعہ کہتے ہیں اللہ کا ارادہ مراد سے منفک نہیں ہوتا (یعنی اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا پورا ہونا لازم ہے) اور حسب صراحت آیت اللہ اہل بیت کو طاہر بنانا چاہتا تھا اس لئے اہل بیت کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ گناہگار پاک نہیں ہوتا اور عصمت امامت (یعنی خلافت) کی شرط ہے اور چونکہ ابوبکر اور عمر اور عثمان بالاجماع معصوم نہ تھے اس لئے خلافت کا استحقاق صرف اہل بیت کو تھا۔ شیعہ فرقہ کا استدلال غلط ہے۔

آیت کا نزول امہات المومنین کے لئے ہوا۔ ہاں یہ چاروں بزرگ ہستیاں حکم آیت میں داخل ہیں۔

آیت عصمت پر دلالت نہیں کرتی (اور تطہیر کا معنی عصمت نہیں) دیکھو آیت وضو میں تمام امت کو خطاب کر کے فرمایا ہے مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ اللہ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے (تو کیا ساری امت اسلامیہ کو اس آیت کی روشنی میں معصوم قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ آیت تطہیر کا تقاضا تو گناہوں سے پاک کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے (یعنی اللہ گناہوں سے تم کو پاک کرنا چاہتا ہے) اور آیت وضو کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو نجاست اور غلاظت بدنیہ سے پاک صاف کرنا چاہتا ہے اگر تم وضو کرو گے (تو بدنی نجاست دور ہو جائے گی) دونوں آیتوں میں ایک قسم کی تطہیر نہیں ہے مگر یہ شبہ بے اصل ہے دونوں آیتوں میں اللہ کا ارادہ تطہیر مشروط ہے آیت وضو میں مشروط بوضو ہے اور آیت تطہیر میں مشروط بتقویٰ۔ یعنی اگر وضو کرو گے تو نجاست بدنی سے پاک ہو جاؤ گے اسی طرح اے اہل بیت تم تقویٰ اختیار کرو گے تو گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے یہی وجہ ہے کہ جس طرح طہارت بدنی حاصل کرنے کے لئے اللہ نے پانی کے استعمال کا طریقہ بتا دیا اسی طرح گناہوں سے طہارت حاصل کرنے اور باطن کو پاک رکھنے کے لئے تقویٰ کا طریقہ بتا دیا اور فرما دیا فلا تخضعن پس جس طرح طہارت بدن پانی کے استعمال سے وابستہ ہے اسی طرح طہارت باطن تقویٰ پر موقوف ہے۔

امامت (یعنی خلافت ارضی) کے لئے عصمت شرط نہیں ہے۔ معصوم کی موجودگی میں غیر معصوم خلیفہ ہو سکتا ہے۔ دیکھو حضرت اشموئیل اور حضرت داؤد کے موجود ہونے کے باوجود طالوت کو خلیفہ (بادشاہ) بنا دیا گیا تھا۔ آیت میں آیا ہے وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا۔ (تفسیر مظہری)

عورتوں کیلئے جہاد کا ثواب:

ایک روایت میں ہے کہ ان سے ابن کثیر نقل کرتے ہیں۔ بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہو کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے۔ اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پا سکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔

عورت کیلئے قرب الٰہی:

ترمذی وغیرہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے، یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خدا سے قریب اس وقت ہوتی ہے جب کہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو۔

عورت کی افضل نماز:

ابوداؤد وغیرہ میں ہے عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھڑی کی نماز گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔

دورِ جاہلیت کے کرتوت:

جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں۔ اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے۔ ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے۔ دوپٹہ گلے میں ڈال لیں لیکن اسے لپیٹیں نہیں جس سے گردن اور کانوں کے زیورات دوسروں کی نظر میں آئیں۔ یہ جاہلیت کا بناؤ تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔

حضرات حسنین کی فضیلت:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا دیا گیا۔ آپ ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص کود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا۔ جو آپ کے گوشت میں لگا جس سے آپ کئی مہینے بیمار رہے

جب اچھے ہو گئے تو مسجد میں آئے۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا جس میں فرمایا اے عراقیو! ہمارے بارے میں خوف خدا کرو۔ ہم تمہارے حاکم ہیں، تمہارے مہمان ہیں، ہم اہل بیت ہیں جن کے بارے میں آیت إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا نازل ہوئی۔ آپ نے اس پر خوب زور دیا اور اس مضمون کو بار بار دہرایا جس سے مسجد والے رونے لگے۔ ایک مرتبہ علی بن حسین نے ایک شامی سے فرمایا تھا کیا تو نے سورہ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے جواب دیا کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا ہاں۔

ازواج کو خصوصی خطاب کی حکمت:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

آیت مذکورہ میں جو ہدایت ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے دی گئی ہیں، وہ اگرچہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ پوری امت ان احکام کی مکلف ہے، مگر ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیت نبوت کے مناسب ان اعمال کا زیادہ اہتمام کریں، اس آیت میں اس خصوصی خطاب کی حکمت مذکور ہے کہ اصلاح اعمال کی خاص ہدایت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب یہ ہے کہ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رجس (گندگی) سے پاک کردے۔

رجس کا معنی:

لفظ رجس قرآن میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، ایک جگہ رجس بتوں کے معنی میں آیا ہے، کبھی رجس مطلق گناہ کے معنی میں، کبھی عذاب کے معنی میں کبھی نجاست اور گندگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شرعاً یا طبعاً قابل نفرت سمجھی جاتی ہو وہ رجس ہے۔ اس آیت میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ (بحر محیط)

حضرت عکرمہؓ کا چیلنج:

حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے کہ آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مختلف اقوال میں تطبیق:

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہل بیت سے وہ مراد ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہل بیت میں شامل ہوں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں، کیونکہ شان نزول اس آیت کا وہی ہیں اور شان نزول کا مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا متحمل نہیں، اور حضرت فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی، ارشاد نبوی علیہ السلام کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

اسلوب قرآن کی دلالت:

اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے خطاب اور ان کے لئے صیغے مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں، سابقہ آیات میں فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے آخر تک سب صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں، اور آگے پھر وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ میں بصیغہ تانیث خطاب ہوا ہے، اس درمیانی آیت کو سیاق و سباق سے کاٹ کر بصیغہ مذکر عنکم اور یطہرکم فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں، کچھ رجال بھی ہیں۔

تطہیر کا مطلب:

آیت مذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

تطہیر کا مطلب:

ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان ہدایات کے ذریعہ اغوائے شیطانی اور معاصی اور قبائح سے حق تعالیٰ اہل بیت کو محفوظ رکھے گا، اور پاک کردے گا، خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر تشریعی مراد ہے، تکوینی تطہیر جو خاصہ انبیاء ہے وہ مراد نہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب معصوم ہوں اور ان سے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی گناہ سرزد ہونا ممکن نہ ہو، تکوینی تطہیر کا جو خاصہ ہے، اہل تشیع نے اس آیت میں جمہور امت سے اختلاف کر کے اول تو لفظ اہل بیت کا صرف اولاد و عصبات رسول کے ساتھ مخصوص ہونے اور ازواج مطہرات کے ان سے خارج ہونے کا دعویٰ کیا، دوسرے آیت مذکورہ میں تطہیر سے مراد ان کی عصمت قرار دے کر اہل بیت کو انبیاء کی طرح معصوم کیا، اس کا جواب اور مسئلہ کی مفصل بحث احقر نے احکام القرآن سورۂ احزاب میں لکھی ہے اس میں عصمت کی تعریف اور اس کا انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور ان کے علاوہ کسی کا معصوم نہ ہونا دلائل شرعیہ سے واضح کر دیا ہے، اہل علم اس کو دیکھ سکتے ہیں، عوام کو اس کی ضرورت نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرامؓ کی فضیلت شیعوں کی کتاب میں:

شیعوں کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہ کے لئے بصیغہ ماضی وارد ہوئی ہے وہ حدیث طویل ہے جو فروع کافی کلینی جلد اول مطبوعہ نول کشور کتاب الجہاد میں ص ۶۰۹ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادق سے

مروی ہے جو مہاجرین صحابہ کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے جس میں صحابہ کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے۔ الذين اخبر عنهم في كتابه انه اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی دور کر دی اور ان کو خوب پاک کر دیا۔ بعد ازاں امام جعفر صادق نے مہاجرین کو آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ اور آیت قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ اور آیت التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ اور آیت يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ کا مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفاء ثلاثہ معاذ اللہ ظالم و فاسق نہ تھے۔

شیعوں کی تاویل:

حضرات شیعہ کو اس صحیح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لئے بھی کوئی موقع اور محل چاہئے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے یہاں امام جعفر صادق کو کیا خوف، حق تھا۔ (معارف کاندھلوی)

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ

اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں

اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ

اللہ کی باتیں اور عقلمندی کی

تعلیم قرآن وسنت کا حکم:

یعنی قرآن وسنت میں جو اللہ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں انہیں سیکھو، یاد کرو دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ: ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی آیت قرآن یا حدیث سنے اس پر لازم ہے کہ وہ امت کو پہنچائے، یہاں تک کہ ازواج مطہرات پر بھی لازم کیا گیا کہ جو آیات قرآن ان کے گھروں میں نازل ہوں یا جو تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو حاصل ہوں اس کا ذکر امت کے دوسرے افراد سے کریں، اور یہ اللہ کی امانت ان کو پہنچائیں۔

قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت:

اس آیت میں جس طرح آیات قرآن کی تبلیغ و تعلیم امت پر لازم کی گئی ہے اسی طرح لفظ حکمت فرما کر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ، تعلیم کو بھی لازم کیا گیا ہے، اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ہر حال میں کی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت معاذؓ کا یہ واقعہ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی، لیکن اس کو عام لوگوں کے سامنے اس لئے بیان نہیں کیا کہ خطرہ تھا کہ لوگ اس کو اس کے درجہ میں نہ رکھیں، اور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں، لیکن جب ان کی وفات کا وقت آیا تو لوگوں کو جمع کر کے وہ حدیث سنا دی اور فرمایا کہ میں نے اس وقت تک دینی مصلحت سے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا، مگر اب موت کا وقت قریب ہے اس لئے امت کی یہ امانت ان کو پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں، صحیح بخاری میں اس کے الفاظ یہ ہیں فاخبر بہا معاذ عند موتہ تاثما یعنی حضرت معاذؓ نے یہ حدیث لوگوں کو وفات کے وقت اس لئے سنا دی کہ وہ گناہ گار نہ ہوں کہ حدیث رسول امت کو نہیں پہنچائی۔

یہ واقعہ بھی اسی پر شاہد ہے کہ اس حکم قرآنی کی تعمیل سب صحابہ کرام واجب و ضروری سمجھتے تھے، اور صحابہ کرام نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہوگئی، اس معاملہ میں شبہات نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات نکالنا ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا

بیشک اللہ ہے بھید جاننے والا خبردار

اسرار الٰہی:

اس کی آیتوں میں بڑے باریک بھید اور پتے کی باتیں ہیں اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون اس امانت کے تحمل کے قابل ہے اس نے اپنے لطف و مہربانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی اور تمہاری زوجیت کے لئے تم کو چن لیا۔ یہ جوڑ اس لطیف و خبیر کا لگایا ہوا ہے جو ہر ایک کے احوال و استعداد کی خبر رکھتا ہے کوئی کام یوں ہی بے جوڑ نہیں کر سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

آئندہ آیت کا شان نزول:

بعض روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس جب اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابوطالب کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں کے پاس گئیں تو ان سے دریافت کیا کیا ہمارے معاملہ میں قرآن کی کوئی آیت اتری ہے۔ امہات المومنین نے جواب دیا، نہیں، اسماء فوراً رسول اللہ کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا یا رسول اللہ عورتیں بڑے ٹوٹے میں ہیں، بڑی نامراد ہیں۔ فرمایا کس وجہ سے یہ بات (کہہ رہی ہو) عرض کیا حضور مردوں کا جس طرح ذکر کیا جاتا ہے۔ عورتوں کا اچھائی کے ساتھ (قرآن

میں) کہیں ذکر ہی نہیں ہوتا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر حقانی)

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ
تحقیق مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد
وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ
اور ایماندار عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سچے مرد
وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ
اور سچی عورتیں اور محنت جھیلنے والے مرد اور محنت جھیلنے والی عورتیں

یعنی تکلیفیں اٹھا کر اور سختیاں جھیل کر احکام شریعت پر قائم رہنے والے۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان دار خواتین کا ذکر:

طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ اسی طرح ابن سعد نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ طبرانی نے قابل قبول سند سے بروایت ابن عباس یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وجہ ہے کہ اللہ ایماندار مردوں کا تو ذکر کرتا ہے اور ایماندار عورتوں کا ذکر (قرآن میں) نہیں کرتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ سبب نزول ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے مرسلاً ذکر کیا ہے۔

ترمذی نے بسند حسن حضرت ام عمارہ انصاریہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے کہا تھا کیا وجہ کہ میں (قرآن میں) ہر چیز مردوں ہی کے لئے دیکھتی ہوں اور عورتوں کا تذکرہ کسی (اچھی) چیز کے ساتھ (قرآن میں) مجھے نظر نہیں آتا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ
اور دب کر رہنے والے مرد اور دبی رہنے والی عورتیں

یعنی تواضع و خاکساری اختیار کرنے والے یا نماز خشوع و خضوع سے ادا کرنے والے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ
اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں
وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ
اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شہوت کی جگہ کو اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور یاد کرنے والے مرد

كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا
اللہ کو بہت سی اور یاد کرنے والی عورتیں رکھی ہے اللہ نے ان کے واسطے معافی اور ثواب بڑا

خواتین کی دلجمعی:

بعض ازواج مطہرات نے کہا تھا کہ قرآن میں اکثر جگہ مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا نہیں نہیں اور بعض نیک بخت عورتوں کو خیال ہوا کہ آیات سابقہ میں ازواج نبی کا ذکر تو آیا عام عورتوں کا کچھ حال بیان نہ ہوا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ تا تسلی ہو جائے کہ عورت ہو یا مرد کسی کی محنت اور عمل اللہ کے یہاں ضائع نہیں جاتی۔ اور جس طرح مردوں کو روحانی اور اخلاقی ترقی کرنے کے ذرائع حاصل ہیں عورتوں کے لئے بھی یہ میدان کشادہ ہے۔ یہ طبقہ اناث کی دلجمعی کے لئے تصریح فرما دی۔ ورنہ جو احکام مردوں کے قرآن میں آئے وہ ہی عموماً عورتوں پر عائد ہوتے ہیں۔ جداگانہ نام لینے کی ضرورت نہیں۔ ہاں خصوصی احکام الگ بتلا دیئے گئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا مجاہد:

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ یعنی بکثرت دلوں اور زبانوں سے اللہ کی یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔

حضرت معاذ راوی ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کون سا مجاہد سب سے بڑے ثواب کا مستحق ہے فرمایا جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرنے والا ہو۔ عرض کیا کون روزہ دار سب سے بڑے ثواب کا ہے گا فرمایا جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہو پھر اس شخص نے نماز زکوٰۃ حج اور خیرات کا ذکر کیا اور حضور نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرتا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے فرمایا ابو حفص اللہ کا ذکر کرنے والے ہر بھلائی کو لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک۔

بغوی نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ بندہ اسی وقت اللہ کی بکثرت یاد کرنے والوں میں شمار کیا جاتا ہے جب کھڑے بیٹھے لیٹے ہر وقت اللہ کی یاد کرتا ہو کسی وقت اللہ کی یاد میں سستی نہ کرتا ہو اس کے بغیر شمار اندر بندوں میں سے نہیں ہوتا۔

میں کہتا ہوں یہ بات اسی وقت ہوتی ہے جب فنائے قلب حاصل ہو جائے ذکر میں دل لگا رہے اور ہر وقت حضور دوامی حاصل رہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افراد والے (سب سے) آگے بڑھ گئے عرض کیا گیا افراد والے کون فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرۃ۔

عذاب الٰہی سے نجات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکرِ خدا سے زیادہ عذاب الٰہی سے

نجات دینے والی اور کوئی چیز نہیں۔ صحابہ نے عرض کیا نہ جہاد فی سبیل اللہ۔ فرمایا نہ جہاد فی سبیل اللہ ہاں اگر جہاد میں اتنی شمشیر زنی کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔ (ایسی حالت میں مجاہد کا درجہ زیادہ ہو جائے گا) رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر من حدیث عبداللہ بن عمر۔

افضل واعلیٰ آدمی:

حضرت سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون سا بندہ سب سے افضل اور عالی مرتبہ ہوگا فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا اللہ کی راہ میں لڑنے والے سے بھی فرمایا اگر (مجاہد) کافروں اور مشرکوں میں اتنی شمشیر زنی کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے اور خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کو یاد کرنے والا اس سے مرتبہ میں افضل ہوگا۔ رواہ احمد والترمذی وقال ہذا حدیث غریب۔

غافل وذاکر کی مثال:

امام مالک نے فرمایا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے یاد خدا سے غفلت کرنے والوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے (جہاد سے منہ موڑ کر) بھاگنے والوں کے پیچھے (کافروں سے) لڑنے والا اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے سوکھے درخت میں سبز ٹہنی اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے تاریک گھر میں (روشن) چراغ۔ غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والے کو (دنیا میں ہی) جنت کے اندر اس کا مقام اللہ دکھا دیتا ہے اور غافلوں میں اللہ کی یاد کرنے والے کے گناہ سارے بولنے والوں اور گونگوں کی گنتی کے برابر بخش دیئے جاتے ہیں۔ بولنے والوں سے مراد ہیں تمام بنی آدم اور گونگے سے مراد ہیں چوپائے۔ رواہ رزین۔

مؤمن ومسلم، قانت، صادق، صابر، خاشع، متصدق، صائم اور حافظ

بغوی نے لکھا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے کہا جس نے اپنے کام اللہ کے سپرد کر دیئے وہ المسلمین والمسلمات کے تحت آ گیا اور جس نے اقرار کیا کہ اللہ میرا رب ہے اور محمد اس کے رسول ہیں اور دل زبان کے مخالف نہ ہو تو وہ المومنین والمومنات کی فہرست میں آ گیا اور جس نے فرائض میں اللہ کی اور سنت میں رسول کی اطاعت کی (یعنی فرائض خداوندی ادا کیے اور سنت رسول پر چلا) وہ القانتین والقانتات میں شامل ہو گیا اور جس نے اپنے کلام کو جھوٹ سے محفوظ رکھا وہ الصادقین والصادقات میں آ گیا اور جو طاعت پر جما رہا اور گناہ سے ڈرتا رہا اور دکھ پر صبر کیا وہ الصابرین والصابرات میں شامل ہو گیا اور جس نے (اتنے استغراق سے) نماز پڑھی کہ دائیں بائیں کی بھی اس کو شناخت (یعنی خبر) نہ ہوئی وہ الخاشعین والخاشعات میں داخل ہو گیا اور جس نے ہر ہفتہ ایک درہم خیرات کیا وہ المتصدقین والمتصدقات میں شامل ہو گیا اور جس نے ہر ماہ چاندنی راتوں کے (یعنی ۱۳-۱۴-۱۵ تاریخوں کے) روزے رکھے وہ الصائمین والصائمات میں داخل ہو گیا اور جس نے حرام سے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا وہ الحافظین فروجہم والحافظات کے ذیل میں آ گیا اور جس نے پانچوں نمازیں ادا کیں وہ الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات کے تحت آ گیا۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً یعنی جو گناہ ان سے سرزد ہو گئے ہوں گے ان کی مغفرت اللہ نے تیار کر رکھی ہے۔

وَّاَجْرًا عَظِیْمًا یعنی طاعت کا بڑا ثواب۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں دونوں کو صراحۃً خطاب فرمایا باقی اکثر آیات میں صرف مردوں ہی کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ مرد حاکم ہیں اور اصل ہیں اور عورتیں ان کے تابع ہیں۔ اس لئے عورتوں کو جداگانہ خطاب نہیں کیا گیا حاکم کو خطاب کافی ہے محکوم اور تابع کو علیحدہ خطاب کی ضرورت نہیں جو لوگ مرد اور عورت کی مساوات کے قائل ہیں وہ قرآن اور حدیث سے بے خبر ہیں نیز سارا عالم اس بات پر متفق ہے کہ عورتیں مردوں سے جسمانی قوت میں اور عقل اور فہم میں اور اعضاء ظاہری کی ساخت میں مردوں سے بہت کم ہیں حتیٰ کہ آواز میں بھی مردوں سے کم ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورت کے متعلق فرمایا وَمَنْ یُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَةِ وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ یعنی عورتوں کو ابتداء ہی سے زیب و زینت کا شوق ہوتا ہے اور اسی میں ان کی پرورش ہوتی ہے اور زیب و زینت سے اور غیر ضروری چیزوں سے رغبت قلت عقل کی دلیل ہے اور اخیر سورت میں حق جل شانہٗ کا یہ ارشاد وَهُوَ فِی الْخِصَامِ غَیْرُ مُبِیْنٍ عورتوں کے دوسرے نقص کا بیان ہے کہ وہ قوت بیانیہ میں ضعیف اور کمزور ہے پس جس کو قدرت نے محکوم اور کمزور اور ناقص بنایا ہو وہ حاکم اور قوی کے ساتھ کیسے مساوی ہو سکتا ہے بلکہ یہ محکومیت ہی عورتوں کے لئے اللہ کی رحمت اور نعمت ہے کہ ان کو مردوں کے تابع کر دیا۔ اگر چھوٹے بچے ماں باپ کے تابع نہ ہوں تو یقیناً وہ ہلاک ہوں گے اسی وجہ سے حدیث میں ہے۔ لا نکاح الا بولی عورت کو بغیر ولی کے ہرگز نکاح نہ کرنا چاہیے۔ (معارف کاندھلوی)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ
اور کسی ایماندار مرد کو اور نہ کسی ایماندار عورت کو یہ حق ہے کہ جب مقرر کر دے اللہ
وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ
اور اس کا رسول کوئی کام کہ ان کو رہے [illegible] اختیار

مِنْ اَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اپنے کام کا اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اُس کے رسول کی

فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

سو وہ راہ بھولا صریح چوک کر

حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینبؓ کا واقعہ

حضرت زینب رضی اللہ عنہا امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کر دیں۔ یہ زید اصل سے شریف عرب تھے لیکن لڑکپن میں کوئی ظالم ان کو پکڑ لایا اور غلام بنا کر مکہ کے بازار میں بیچ گیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خرید لیا اور چند روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا۔ جب یہ ہوشیار ہوئے تو ایک تجارتی قافلہ کی تقریب سے اپنے وطن کے قریب گزرے، وہاں ان کے عزیزوں کو پتہ لگ گیا۔ آخر ان کے والد، چچا اور بھائی حضرت کی خدمت میں پہنچے کہ آپ معاوضہ لے کر ہمارے حوالہ کر دیں۔ فرمایا کہ معاوضہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہارے ساتھ جانا چاہے خوشی سے لے جاؤ۔ انہوں نے حضرت زید سے دریافت کیا۔ حضرت زید نے کہا کہ میں حضرت کے پاس سے جانا نہیں چاہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ماں باپ سے بڑھ کر عزیز رکھتے ہیں اور میں آپ سے زیادہ چاہتا ہوں۔ حضرت نے اُن کو آزاد کر دیا اور اپنا بنا لیا۔ چنانچہ لوگ اُس زمانہ کے مطابق زید بن محمد کہہ کر پکارتے تھے تا آنکہ آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ نازل ہوئی۔ اُس وقت زید بن محمد کی جگہ پھر زید بن حارثہ رہ گئے چونکہ قرآن کے حکم کے موافق اُن کے نام سے اس نسبت عظیمہ کا شرف جدا کر لیا گیا تھا شاید اس کی تلافی کے لئے تمام صحابہ کے مجمع میں سے صرف اُن کو یہ خاص شرف بخشا گیا کہ اُن کا نام قرآن میں تصریحاً وارد ہوا جیسا کہ آگے آتا ہے فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا بہر حال حضرت زینبؓ کی خاندانی حیثیت چونکہ بہت بلند تھی اور زید بن حارثہ پر بظاہر داغ غلامی لگ کر آزاد ہوئے تھے اس لئے ان کی نیز اُن کے بھائی کی مرضی زید سے نکاح کرنے کی نہ تھی لیکن اللہ و رسول کو منظور تھا کہ اس طرح کی موہوم تفوقیات و امتیازات نکاح کے راستہ میں حائل نہ ہوا کریں۔ اس سے آپ نے زینب اور ان کے بھائی پر زور دیا کہ وہ اس نکاح کو قبول کر لیں۔ اسی وقت یہ آیت اتری اور ان دونوں نے اپنی مرضی کو اللہ و رسول کی مرضی پر قربان کر دیا اور زینب کا نکاح زید بن حارثہ سے ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: طبرانی نے صحیح سند سے بروایت قتادہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کو پیام نکاح بھیجا یہ پیام حضرت زید بن حارثہ کے لئے تھا لیکن حضرت زینب نے خیال کیا کہ رسول اللہ نے اپنے ساتھ نکاح کا پیام بھیجا ہے جب معلوم ہوا کہ زید کا پیام بھیجا ہے تو انکار کر دیا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

رسول نے کسی بات کا قطعی حکم دے دیا ہو تو پھر کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اپنے معاملہ کا خود اختیار نہیں رہتا۔

اس آیت کے بعد حضرت زینب راضی ہو گئیں اور انہوں نے مان لیا۔

حضرت زیدؓ کی شادی:

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو بازار عکاظ سے خریدنے کے بعد آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا پھر حضرت زینب کو پیام نکاح بھیجا۔ حضرت زینب نے خیال کیا کہ اپنے ساتھ نکاح کا پیام بھیجا ہے اس لئے راضی ہو گئیں لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ زید کی طرف سے پیام بھیجا ہے تو آپ نا گوار ہو گئیں اور انکار کر دیا اور زینب کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی یہ رشتہ پسند نہیں کیا حضرت زینب اور ان کے بھائی عبداللہ کی ماں امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں امیمہ رسول اللہ کی پھوپھی تھیں۔

ابن جریر نے بطریق عکرمہ عوفی حضرت ابن عباس کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کو زید بن حارثہ کے لئے نکاح کا پیام بھیجا تھا۔ زینب نے یہ رشتہ پسند نہیں کیا اور کہا میں زید سے نسب میں بہتر اور عالی ہوں اس پر آیت وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ نازل ہوئی۔ مومن سے مراد ہیں عبداللہ بن جحش اور مومنہ سے مراد ہیں زینب بنت جحش یعنی کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

اپنی مرضی کو اللہ و رسول کے تابع بناؤ:

اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ کہ ان کو اپنے معاملہ کا اختیار خود اپنے ہاتھ میں رہے کہ جب چاہیں اپنی مرضی کے مطابق کریں بلکہ حکم خدا کی تعمیل ان کے لئے ضروری ہے اور اپنے اختیار کو اللہ اور رسول کی پسندیدگی کے تابع بنانا لازم ہے۔

خیرۃ اور خیار دونوں ہم معنی ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلق امر (اگر کسی دوسرے معنی کے قرینہ سے خالی ہو تو) وجوب کے لئے آتا ہے۔ ایک بات یہ بھی معلوم ہو رہی ہے کہ عالم اور وہ لوگ جن کو دینی شرف حاصل ہے وہ بہ معنوی شریف النسب شخص کا کفو ہے (خواہ اس کی ذات اور قوم عرف عام کے لحاظ سے گھٹیا ہی ہو)

پیغمبر کی نافرمانی یا کفر ہے یا فسق:

ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا راہ صواب سے کھلا ہوا انحراف۔ امر سے انحراف دو طرح کا

ہوتا ہے۔ امر کو ماننے سے انکار اور تردید ایسا انحراف کفر ہے۔ انحراف عمل مع معتقد وجوب یعنی امر کے واجب ہونے کا عقیدہ تو ہو لیکن عمل اس کے مطابق نہ ہو، ایسی نافرمانی کو فسق کہتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت زینب اور ان کا بھائی دونوں راضی ہوگئے اور دونوں نے مان لیا اور زینب نے نکاح کا اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دے دیا۔ حضور نے زید سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضور نے زید کی طرف سے زینب کو دس دینار ساٹھ درہم ایک اوڑھنی ایک کرتا ایک تہبند ایک چادر پچاس مد غلہ اور تیس صاع چھوہارے دیئے۔ حضرت زید کے پاس ایک مدت تک رہیں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے (حضرت زینب کی طرف) گئے زینب گوری اور قریش کی حسین ترین عورت تھیں اس وقت صرف کرتا اور دوپٹہ پہنے ہوئی تھیں حضور کی جو نظر ان پر پڑی تو اچھی معلوم ہوئیں اور دل کو بھا گئیں فوراً زبان سے نکلا سبحان اللہ۔ اللہ دل کو پلٹنے والا ہے۔ اس کے بعد جب آئے جب حضرت زید آئے تو ان سے حضور نے اس بات کا تذکرہ کر دیا۔ زید سمجھ گئے اور اسی وقت سے ان کے دل میں زینب کی طرف سے کراہت پیدا ہو گئی۔ کچھ مدت بعد حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی بیوی کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ حضور نے فرمایا ایسا کیوں؟ کیا زینب کی تم نے کوئی نامناسب حرکت دیکھی۔ زید نے کہا نہیں خدا کی قسم۔ میں نے تو ان کی طرف سے نیکی کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا مگر وہ اپنی شرافت نسب کی وجہ سے مجھ پر اپنی بڑائی جتاتی ہیں اور زبان سے مجھے دکھ دیتی ہیں۔ حضور نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھو اور اس کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ ابن جریر نے ابو زید کی روایت سے یہ قصہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

نکاح اولیاء کے ذریعہ کفو میں ہونا چاہئے:

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی کے ذریعہ ہونا چاہئے۔ یعنی کسی لڑکی کو بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنے نکاح کا معاملہ خود طے کرے۔ حیا کا تقاضا یہ ہے کہ یہ کام اس کے والدین اور اولیاء کریں۔ اور فرمایا کہ لڑکیوں کا نکاح ان کے کفو ہی میں کرنا چاہئے۔ اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر صحابہ کرام کے آثار و اقوال سے اس کی تائید ہو کر حدیث قابل استدلال ہو جاتی ہے۔ امام محمد نے کتاب الآثار میں حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں یہ حکم جاری کرتا ہوں کہ کسی بڑے اونچے معروف خاندان کی لڑکی کا نکاح اس کے کفو کے سوا نہ کیا جائے۔ اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت انسؓ نے بھی اس کی تاکید فرمائی کہ نکاح میں کفو کی رعایت کی جائے۔ جو متعدد اسانید سے منقول ہے۔ امام ابن ہمامؒ نے بھی فتح القدیر میں اس کو نقل کیا ہے۔

دینی مصلحت کفو سے افضل ہے:

حاصل یہ ہے کہ نکاح میں کفائت و مماثلت کی رعایت کرنا دین میں مطلوب ہے تاکہ زوجین میں موافقت رہے، لیکن کوئی دوسری اہم مصلحت اس کفائت سے بڑھ کر سامنے آ جائے تو عورت اور اس کے اولیاء کو اپنا یہ حق چھوڑ کر غیر کفو میں نکاح کر لینا بھی جائز ہے خصوصاً جب کہ کوئی دینی مصلحت پیش نظر ہو تو ایسا کرنا افضل و بہتر ہے جیسا کہ صحابہ کرام کے متعدد واقعات سے ثابت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان واقعات سے اصل مسئلہ کفائت کی نفی نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

حضرت زیدؓ اور حضرت زینب میں ناموافقت:

حضرت زینب بنت جحش کا نکاح بامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن حارثہؓ کے ساتھ ہو گیا، مگر دونوں کی طبیعتوں میں موافقت نہ ہوئی، حضرت زید ان کی تیز زبانی اور نسبی شرافت کی بنا پر اپنے کو اونچا سمجھنے اور اطاعت میں کوتاہی کرنے کی شکایت کیا کرتے تھے۔ دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ بتلا دیا گیا تھا کہ زیدؓ ان کو طلاق دیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی۔ ایک روز حضرت زیدؓ نے اپنی شکایات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر کے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ ان کو طلاق دے دیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو طلاق سے منع فرمایا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ منجانب اللہ یہ علم ہو گیا تھا کہ یہ واقعہ یوں ہی پیش آنے والا ہے کہ زید ان کو طلاق دے دیں گے، پھر یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں گی، لیکن دو وجہ سے آپ نے حضرت زید کو طلاق دینے سے روکا۔ اول یہ کہ طلاق دینا اگرچہ شریعت اسلام میں جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں بلکہ ابغض المباحات یعنی جائز چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض و مکروہ ہے۔ اور تکوینی طور پر کسی کام کا وقوع تشریعی حکم کو متاثر نہیں کرتا۔ دوسرے قلب مبارک میں یہ بھی خیال پیدا ہوا کہ اگر انہوں نے طلاق دے دی اور پھر زینب کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو عرب اپنے دستور جاہلیت کے مطابق یہ طعنے دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا، اگرچہ قرآن نے اس دستور جاہلیت کو سورہ احزاب کی ابتدائی آیات میں ختم کر دیا ہے۔ اس کے بعد کسی مومن کے لئے تو اس کے وسوسہ کا بھی خطرہ نہ تھا مگر کفار قرآن کو مانتے نہیں تھے، وہی طعنہ دیں گے کہ متبنیٰ منہ بولے بیٹے کو تمام احکام میں حقیقی بیٹے کی طرح سمجھتے تھے، وہ یہ طعن دراز کریں گے۔ یہ اندیشہ بھی حضرت زید کو طلاق دینے سے منع کرنے کا سبب ہوا۔ جیسا کہ ترمذی اور ابن

ابی حاتم وغیرہ محدثین نے حضرت علی بن حسین زین العابدین کی روایت سے نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

اَوْحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلَیْہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّ زَیْنَبَ سَیُطَلِّقُھَا زَیْدٌ وَیَتَزَوَّجُھَا بَعْدَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

(روح رحکیم ترمذی)

''یعنی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع دے دی تھی کہ حضرت زینبؓ کو زیدؓ طلاق دینے والے ہیں اور اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آئیں گے''

اور ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ اَعْلَمَ نَبِیَّہٗ اَنَّھَا سَتَکُوْنُ مِنْ اَزْوَاجِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّتَزَوَّجَھَا فَلَمَّا اَتَاہُ زَیْدٌ لِیَشْکُوْھَا اِلَیْہِ قَالَ اِتَّقِ اللّٰہَ وَاَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ فَقَالَ اَخْبَرْتُکَ اَنِّیْ مُزَوِّجُکَھَا وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ۔

''یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بتا دیا تھا کہ حضرت زینبؓ بھی ازواج مطہرات میں داخل ہو جائیں گی، پھر جب حضرت زیدؓ ان کی شکایت لے کر آپ کی خدمت میں آئے تو آپ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تو آپ سے بتا دیا تھا کہ میں ان سے آپ کا نکاح کرا دوں گا اور آپ اپنے دل میں اس چیز کو چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا ہے۔'' (معارف مفتی اعظم)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ
اور جب تو کہنے لگا اس شخص کو جس پر اللہ نے احسان کیا اور تو نے احسان کیا
عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ
[illegible]
وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ
اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولا چاہتا ہے اور ڈرتا تھا لوگوں سے
وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا
اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈرنا تجھ کو پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض

حضرت زیدؓ نے طلاق دے دی۔

یعنی زید نے طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی [illegible] مطلب نہ رہا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ اور جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی اس پر انعام کیا تھا کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ حاکم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ زید بن حارثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زینب بنت جحش کی شکایت کرنے آئے تو آپ نے فرمایا اپنی بیوی کو اپنے پاس ہی رکھو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

انعم اللہ علیہ اللہ نے اس پر فضل کیا کہ اسلام کی اور آپ کے ساتھ رہنے کی اس کو توفیق دی اور آپ کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دی (جس کی وجہ سے آپ نے اس کو آزاد کر کے اپنا بیٹا بنا لیا)

زوجک یعنی زینب بنت جحش۔

واتق اللہ اور اللہ سے اس کے معاملہ میں ڈر۔ اس کو طلاق نہ دے۔ طلاق اگرچہ جائز ہے لیکن تمام جائز احکام میں سب سے زیادہ بری اور قابل نفرت چیز ہے۔

وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ اور آپ اپنے دل میں وہ بات (بھی) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ (آخر میں) ظاہر کرنے والا تھا۔

بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کے معاملہ میں ہوا۔ حسن نے کہا زید کی بات رسول اللہ کو دل سے تو پسند آئی مگر شرم اور شرف ذاتی کی وجہ سے اس بات کو دل میں چھپائے رکھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلانِ طبع:

بغوی نے بروایت سفیان بن عیینہ بیان کیا کہ علی بن زید جدعان نے کہا مجھ سے امام زین العابدین علی بن امام حسین نے پوچھا آیت وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰہُ کے متعلق حسن کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا حسن کہتے تھے کہ جب زید نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے اللہ کے نبی میں زینب کو چھوڑنا چاہتا ہوں حضور کو زید کی یہ بات (دل سے تو) پسند آئی لیکن (ظاہر میں) زبان سے فرمایا اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰہَ امام زین العابدین نے فرمایا یہ نہیں ہے۔ اللہ نے آپ کو پہلے سے اطلاع دے دی تھی کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب آپ کی بیوی ہو جائیں گی۔ جب زید نے آ کر کہا میں زینب کو طلاق دینا چاہتا ہوں تو حضور نے فرمایا اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ یہ بات اللہ کو پسند نہ آئی اور بطور عتاب اللہ نے فرمایا جب ہم نے آپ کو بتا دیا تھا کہ زینب آپ کی بیوی ہو گی تو پھر آپ نے زید سے کیوں کہا کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دو طلاق نہ دو۔ آیت کا یہ

مطلب شانِ انبیاء کے موافق ہے (اس سے نبی پر کوئی دھبہ نہیں آتا) اور عبارت بھی اس کے مطابق ہے کیوں کہ اللہ نے فرمایا کہ جو بات تم نے چھپائی تھی ہم اس کو ظاہر کرنے والے ہیں لیکن سارا اس کے بعد وَتَخْشَى ہم نے تمہارا نکاح زینب سے کر دیا) فرمایا اور کوئی بات ظاہر نہیں کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل میں زینب کی محبت چھپا رکھی ہوتی یا دل کے اندر یہ بات مخفی کر لی ہوتی کہ زینب و زید کو طلاق ہو جائے تو اللہ (حسب وعدہ) اس کو ضرور ظاہر کر دیتا حقیقت میں (جب یہ بات ہونے لگی کہ آپ کو معلوم ہو گیا کہ زید زینب کو طلاق دے دیں گے اور زینب سے آپ کا نکاح ہو جائے گا تو) آپ کو زید سے یہ بات کہتے ہوئے شرم محسوس ہوئی کہ جو بیوی تیرے نکاح میں اور تیرے پاس ہے وہ میری بیوی ہو جائے گی۔

قوی نے لکھا ہے امام زین العابدین کا بیان کیا ہوا یہ مطلب نہایت خوبصورت اور پسندیدہ ہے لیکن یہ مطلب بھی غلط نہیں ہے اور نہ شان انبیاء کے خلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں زینب کی محبت پیدا ہوئی اور آپ نے اس کو چھپایا۔ حیا سے یہ بات پوشیدہ رکھی کہ زید طلاق دے دیں گے تو میں نکاح کر لوں گا کیوں کہ دل میں جو بات بغیر اختیار کے پیدا ہو جائے اس کو قابل ملامت اور برا نہیں قرار دیا جا سکتا اس قسم کے میلانات قلبی میں کوئی گناہ نہیں دل کا جھکاؤ اور وجدان محبت تو طبعی اور فطری چیز ہے۔ باقی اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ جو فرمایا تو یہ تقویٰ کا مشورہ ہے امر بالمعروف ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زید کو مشورہ موجب اجر ہے

میں کہتا ہوں بلکہ یہ مشورہ اور حکم اجر عظیم کا موجب ہے کیوں کہ اپنی طبیعت کے خلاف امر بالمعروف تو (جہاد نفس کی) نہایت اعلیٰ (صورت) ہے اللہ نے فرمایا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں چاہے ان کو بھی سخت حاجت ہو اور جو شخص حرص نفس سے محفوظ رہتے ہیں وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

حسن کے قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا سبحان اللہ مقلب القلوب۔ یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال تھا کہ زینب سے زید کا نکاح کرا دیں (چنانچہ ایسا کر دیا اور باوجود زینب کے میلان طبع اور اقرار کے حضور کے دل میں خود نکاح کرنے کا خیال ہی نہیں ہوا) پھر اللہ نے دل پلٹ دیا اور زینب سے نکاح کرنے کی حرف ان کی موافقت کر دی۔ (تفسیر مظہری)

انبیاء اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے:

وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ اور آپ لوگوں (کے طعن) سے ڈرتے تھے اور ڈرنا تو آپ کو صرف اللہ ہی سے سزاوار ہے۔ یعنی آپ کو یہ اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زید سے اس کی بیوی کو طلاق دلوا دی حالانکہ اللہ ہی سے ڈرنا مناسب ہے۔

حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود نے فرمایا اس آیت سے زیادہ اور کوئی آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شاق نہیں ہوئی مسروق کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی فرستادہ وحی میں سے کوئی حصہ چھپاتے تو اس آیت وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ کو پوشیدہ رکھتے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اللہ کا خوف و خشیت نہیں تھی۔ حضور نے خود فرمایا تھا انی اخشاکم واتقاکم میں تم سب سے زیادہ اللہ کا خوف و خشیت رکھتا ہوں۔

میں کہتا ہوں اللہ نے تمام انبیاء کی شان میں فرمایا ہے

يَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ لیکن اس جگہ جب لوگوں سے ڈرنے کا ذکر کیا تو بطور تعریض کے یہ بھی فرما دیا کہ تمام امور و احوال میں خدا سے ڈرنا ہی سزاوار ہے۔ میں کہتا ہوں اس تشریح پر آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ آپ لوگوں کے طعن سے ڈرتے ہیں اور جتنا لوگوں سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ خدا کا خوف رکھتے ہیں کیوں کہ اللہ کی سزا زیادہ سزاوار ہے لوگوں سے ڈر اور خوف سے آپ نے دل میں یہ بات چھپائی اور اللہ کے خوف سے (زید کو) نیکی اور بھلائی کا حکم بھی دیا اور حکم خدا کی تعمیل میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہی مطلب ہے آیت لَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ کا انبیاء لوگوں کا خوف و لحاظ ایسا نہیں رکھتے کہ اس کی وجہ سے اللہ کے حکم کی تعمیل چھوڑ دیں یا اس میں کمی کر دیں۔ رہا عام طور پر لوگوں سے ڈرنا اور ان کے طعن کا لحاظ رکھنا تو یہ بات کوئی بری نہیں بلکہ اچھی ہے کیونکہ حیا ایمان کا جزء ہے۔ (متفق علیہ)

حیاء کی اہمیت صحیحین میں حضرت عمران بن حصین کی روایت سے آیا ہے کہ حیا اور ایمان دونوں کو جوڑ دیا گیا ہے (ہر ایک دوسرے کا ساتھی ہے) جب ایک اٹھا لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھا لیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے جب ایک سلب کر لیا جاتا ہے تو دوسرا اول کے پیچھے آ جاتا ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

امام مالک نے مرسلاً بروایت زید بن طلحہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں نیز ابن ماجہ نے حضرت انس اور حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان

کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر چیز کی ایک شرشت ہوتی ہے اور اسلام کی شرشت حیاء ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت زینبؓ کو پیغام:

مسلم۔ احمد۔ نسائی۔ ابویعلی۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی اور بغوی نے حضرت انس کا بیان نقل کیا ہے اور روایت مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ بغوی نے ذکر کی ہے۔ جب حضرت زینب کی عدت پوری ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے فرمایا جاؤ زینب سے میرا تذکرہ کرو (یعنی پیام پہنچاؤ) زید گئے اور جس وقت پہنچے ہیں اس وقت زینب آٹا خمیر کر رہی تھیں۔ زید کا بیان ہے میں نے زینب کو دیکھا تو اس کی اتنی عظمت میرے دل میں پیدا ہوئی کہ میں سامنے سے ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا ارادہ ان کا ذکر کیا تھا چنانچہ میں نے فوراً ان کی طرف اپنی پشت کر لی اور ایڑیوں کے بل مڑ کر کہا زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے حضور نے تم کو یاد کیا ہے۔ حضرت زینب نے کہا میں اپنے رب سے مشورہ کے بغیر کچھ کرنے والی نہیں۔ یہ جواب دینے کے بعد حضرت زینب اٹھ کر مسجد (یعنی اندرون خانہ جو نماز کی جگہ مقرر کر رکھی تھی اس) کی طرف گئیں اور آیت نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا (اور اس نے طلاق دے دی) تو ہم نے اس کو آپ کی بیوی بنا دیا۔

منہا کی ضمیر زینب بنت جحش کی طرف راجع ہے وطر کا معنی ہے حاجت۔ حاجت پوری کرنے سے مراد ہے دل بھر جانا یعنی جب زینب سے زید کا دل بھر گیا اور زید کو زینب کی حاجت نہ رہی اور انہوں نے طلاق دے دی اور زینب کی عدت گزر گئی۔ بعض علماء تفسیر نے کہا کہ قضاء وطر (حاجت پوری کرنے) سے بطور کنایہ طلاق مراد ہے۔

دعوت ولیمہ: حضرت انس کا بیان ہے رسول اللہ (یہ آیت اترنے کے بعد) بغیر اذن طلب کئے زینب کے پاس اندر تشریف لے گئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ (حضرت زینب کے ولیمہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو گوشت روٹی کھلایا تھا۔ آدھا دن گزر گیا لوگ کھانے کے بعد نکل کر چلے گئے لیکن دو آدمی باتوں میں مشغول حجرہ میں بیٹھے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مجبوراً خود) باہر نکل گئے میں بھی حضور کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ حضور دوسری امہات المومنین کے حجروں میں تشریف لے گئے ان کو سلام کیا انہوں نے بھی سلام کیا اور دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا۔ حضرت انس نے کہا مجھے یاد نہیں کہ پھر میں نے جا کر اطلاع دی یا دوسرے لوگوں نے کہ وہ لوگ چلے گئے۔ یہ سن کر حضور تشریف لے آئے حجرہ میں پہنچے میں بھی آپ کے ساتھ اندر گھسنے لگا تو میرے اور حضور کے درمیان پردہ کھینچ دیا گیا اور حجاب کا حکم نازل ہو گیا۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا ولیمہ حضرت زینب کا کیا ایسا کسی اور بی بی کا نہیں کیا زینب کے ولیمہ میں ایک بکری ذبح کی۔ یہ بھی حضرت انس کا بیان ہے کہ زینب بنت جحش کے زفاف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پیٹ بھر گوشت روٹی کھلایا۔ (متفق علیہ)

حضرت زینب کا امتیاز:

بخاری۔ احمد۔ ترمذی۔ حاکم۔ ابن مردویہ عبد بن حمید اور بیہقی نے سنن میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیویوں پر فخر کرتی اور فرماتی تھیں تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارے گھر والوں نے کیا اور میرا نکاح سات آسمانوں کے اوپر سے اللہ نے کیا دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت زینب کہتی تھیں میرے نکاح کا تو اللہ ولی ہوا اور تمہارا نکاح تمہارے اولیاء نے کیا۔

بغوی نے بحوالہ شعبی بیان کیا ہے کہ زینب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی تھیں مجھے آپ کے معاملہ میں (دوسری بیبیوں پر) تین چیزوں سے امتیاز ہے کسی بی بی کو حاصل نہیں۔ میرا اور آپ کا دادا ایک تھا۔ میرا نکاح آپ کے ساتھ اللہ نے آسمان پر کیا میرے نکاح کے سفیر جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ تفسیر مظہری

حضرت زینبؓ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں حکمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں جب بیت اللہ کی تعمیر کی گئی تو اس میں کئی چیزیں بناء ابراہیمی کے خلاف کر دی گئی ہیں اول تو یہ کہ بیت اللہ کا کچھ حصہ تعمیر سے باہر چھوڑ دیا، دوسرے بناء ابراہیمی میں لوگوں کے بیت اللہ میں داخل ہونے کے دو دروازے تھے، ایک مشرقی جانب میں دوسرا مغربی جانب میں، جس کی وجہ سے بیت اللہ میں داخل ہونے اور نکلنے میں زحمت نہ ہوتی تھی، اہل جاہلیت نے اس میں دو تصرف کئے کہ مغربی دروازہ تو بالکل بند کر دیا اور مشرقی دروازہ جو سطح زمین سے متصل تھا اس کو اتنا اونچا کر دیا کہ بغیر سیڑھی کے اس میں داخلہ نہ ہو سکے جس سے مقصد یہ تھا کہ وہ جس کو اجازت دیں صرف وہ اندر جا سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نومسلم لوگوں کے غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو پھر بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دیتا، یہ حدیث سب کتب معتبرہ میں موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے اپنا یہ ارادہ جو شرعاً محمود تھا اس کو ترک کر دیا، اور

منجانب اللہ ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، جس سے اس عمل کا عنداللہ مقبول ہونا بھی معلوم ہو گیا، مگر یہ معاملہ بیت اللہ کو بنائے ابراہیمی کے مطابق دوبارہ تعمیر کرنے کا یہ نہیں جس پر کوئی مقصد موقوف ہو یا جس سے احکام حلال و حرام متعلق ہوں۔

بخلاف واقعہ نکاح زینب کے کہ اس سے ایک مقصد شرعی متعلق تھا اس واقعہ میں حضرت زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان اختلاف طبائع اور زیدؓ کی رائے پر طلاق دینے کا عزم یہ سب اسی تکوینی اور تقدیری امر کی تمہید تھیں۔ (معارف مفتی اعظم)

آسمان پر نکاح: چونکہ حضرت زینب نے اپنے اس نکاح کے بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا جو اہل ایمان کا اصل وظیفہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت خاصہ سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب سے کر دیا آسمانوں میں تو اسی نکاح کا اعلان ہو ہی گیا اب ضرورت ہوئی کہ زمین میں بھی اس نکاح کا اعلان ہو چنانچہ جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

اعلانِ نکاح: فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی تو اے نبی کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

آیت کے نازل ہونے سے تمام مکہ میں اس کا اعلان ہو گیا اور پیغام کے ذریعہ ایجاب و قبول پہلے ہی ہو چکا تھا اس لئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد (یعنی اس اعلان عام کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے مکان پر تشریف لے گئے اور بلا اذن مکان میں داخل ہوئے۔ رواہ مسلم واحمد والنسائی۔ دیکھو فتح الباری ص ۴۰۰ ج ۸ کتاب التفسیر و زرقانی ص ۲۳۵ ج ۳ اور نکاح آسمانی اور حکم قرآنی خود بلا واسطہ ان کو پڑھ کر سنایا۔ (معارف کاندھلوی)

زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ
ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا تا نہ رہے مسلمانوں پر گناہ
فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا
نکاح کر لینا بیویوں لے پالکوں کی جب وہ تمام کریں ان سے اپنی غرض
وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا
اور ہے اللہ کا حکم بجالانا

حضرت زید کی طلاق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کے اسباب واغراض

حضرت زینب زیدؓ کے نکاح میں آئیں تو وہ اُن کی آنکھوں میں حقیر لگتا۔ مزاج کی موافقت نہ ہوئی۔ جب آپس میں لڑائی ہوتی تو زید آ کر حضرت سے اُن کی شکایت کرتے اور کہتے میں اسے چھوڑتا ہوں حضرت منع فرماتے کہ میری خاطر اور اللہ و رسول کے حکم سے اُس نے تجھ کو اپنی خشاء کے خلاف قبول کیا۔ اب چھوڑ دیئے کو وہ اور اُس کے عزیز دوسری ذلت سمجھیں گے۔ اس لئے خدا سے ڈر اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بگاڑ مت کر۔ اور جہاں تک ہو سکے نباہ کی کوشش کرتا رہ۔ جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا، اور بار بار جھگڑے قضیے پیش آتے رہے تو ممکن ہے آپ کے دل میں آیا ہو کہ اگر ناچار زید چھوڑ دے گا تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کر لوں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ کہیں گے اپنے بیٹے کی جورو گھر میں رکھ لی۔ حالانکہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ کے نزدیک لے پالک کو کسی بات میں حکم بیٹے کا نہیں۔ ادھر اللہ کو یہ منظور تھا کہ اس جاہلانہ خیال کو اپنے پیغمبر کے ذریعہ سے عملی طور پر بدم کر دے۔ تا مسلمانوں کو آئندہ اس مسئلہ میں کسی قسم کا توحش اور استنکاف باقی نہ رہے اس نے پیغمبر علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ میں زینب کو تیرے نکاح میں دینے والا ہوں۔ کیوں دینے والا ہوں؟ اس کو خود قرآن کے الفاظ لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ صاف صاف ظاہر کر رہے ہیں یعنی آپ کے نکاح میں دینے کی غرض یہی تھی کہ دلوں سے جاہلیت کے اس خیال باطل کا بالکل قلع قمع کر دیا جائے اور کوئی تنگی اور رکاوٹ آئندہ اس معاملہ میں باقی نہ رہنے پائے۔ اور شاید یہی حکمت ہو گی جو اول زینب کا نکاح زید سے زور ڈال کر کرایا گیا۔ کیونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ یہ نکاح زیادہ مدت تک باقی نہ رہے گا۔ چند مصالح مہمہ تھیں جن کا حصول اس عقد پر معلق تھا۔ الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ذاتی خیال اور اس آسمانی پیشین گوئی کے اظہار سے عوام کے طعن و تشنیع کا خیال فرما کر شرماتے تھے اور زید کو طلاق کا مشورہ دینے میں بھی حیا کرتے تھے لیکن خدا کی خبر سچی ہونی تھی اور اس کا حکم تکوینی و تشریعی ضرور تھا کہ نافذ ہو کر رہے۔ آخرکار زید نے طلاق دے دی۔ اور عدت گزر جانے پر اللہ نے زینب کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھ دیا۔ اس تقریر سے معلوم ہو گیا کہ آپ دل میں جو چیز چھپائے ہوئے تھے وہ یہی نکاح کی پیشین گوئی اور اس کا خیال تھا۔ اسی کو بعد میں اللہ نے ظاہر فرما دیا۔ جیسا کہ لفظ زَوَّجْنٰكَهَا سے ظاہر ہے اور ڈر اس بات کا تھا کہ بعض لوگ اس بات پر بدگمانی یا بدگوئی کر کے اپنی عاقبت خراب نہ کر بیٹھیں یا کم از کم ہی میں ترقی نہ کریں چونکہ مصالح مہمہ شرعیہ کے مقابلہ میں اس قسم کی جھجک بھی پیغمبر کی شان رفیع سے نازل تھی۔ اس لئے بقاعدہ، حسنات الابرار سیئات المقربین اس کو عتاب آمیز رنگ میں بھاری کر کے ظاہر فرمایا گیا۔ جیسا کہ عموماً انبیاء علیہم السلام کی زلات کے ذکر میں واقع ہوا ہے۔ (تنبیہ) ہم نے جو لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو نکاح کی خبر پہلے سے دے دی تھی۔ اس کی روایت فتح الباری سورۂ احزاب کی تفسیر میں موجود ہیں۔ باقی جو غلط اور دور از کار قصے اس مقام پر حاطب اللیل مفسرین مورخین نے درج کر دیئے ہیں ان کی نسبت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ لاینبغی التشاغل بھا اور ابن کثیر لکھتے ہیں " احببنا ان نضرب عنها صفحا لعدم صحتها فلا نوردها " (تفسیر حقانی)

منہ بولے بیٹے کی بیوی:

اَدعیاء کا مفرد دعی ہے دعی بنایا ہوا بیٹا یعنی زینب زوجہ زید سے ہم نے آپ کا نکاح اس لئے کرایا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹوں کی (مطلقہ) بیویوں سے نکاح حلال ہے خواہ وہ بیٹے اپنی بیویوں سے قربت کر چکے ہیں حقیقی بیٹے کی بیوی کا حکم اس کے خلاف ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت جُلَیبیبؓ کا نکاح:

مسند احمد میں ہے کہ ایک انصاری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنی لڑکی کا نکاح جلیبیب سے کر دو۔ انہوں نے جواب دیا کہ اچھی بات ہے میں اس کی ماں سے بھی مشورہ کر لوں جا کر ان سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہم نے فلاں فلاں ان سے بڑے بڑے آدمیوں کے رشتے تو واپس کر دیئے اور اب جلیبیبؓ سے نکاح کر دیں۔ انصاری اپنی بیوی کا یہ جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانا چاہتے ہی تھے کہ لڑکی جو پردے کے پیچھے سے یہ تمام گفتگو سن رہی تھی، بول پڑی کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات رد کرتے ہو؟ جب آپ اس سے خوش ہیں تو تمہیں انکار نہ کرنا چاہیے۔ اب دونوں نے کہا کہ بچی ٹھیک کہہ رہی ہے بیچ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس نکاح سے انکار کرنا گویا حضور کے ماننے والا اور آپ کی خواہش کو رد کرنا ہے یہ ٹھیک نہیں چنانچہ انصاری سیدھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا آپ اس بات سے خوش ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں میں تو اس سے رضا مند ہوں کہا پھر آپ کو اختیار ہے آپ نکاح کر دیجئے۔ چنانچہ نکاح ہو گیا ایک مرتبہ اہل اسلام مدینے والے دشمنوں کے مقابلے کے لئے نکلے لڑائی ہوئی جس میں حضرت جلیبیب شہید ہو گئے۔ انہوں نے بہت سے کافروں کو قتل کیا تھا جن کی لاشیں ان کے آس پاس پڑی ہوئی تھیں۔ جو روایت میں حضرت ابو برزہ اسلمی کا بیان ہے کہ حضرت جلیبیبؓ کی طبیعت میں مذاق تھا اس لئے میں نے اپنے گھر والوں سے کہہ دیا تھا کہ یہ تمہارے پاس نہ آئیں انصاریوں کی عادت تھی کہ وہ کسی عورت کا نکاح نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ یہ معلوم کر لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی بابت کچھ نہیں فرماتے، پھر وہ واقعہ بیان فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت جلیبیبؓ نے سات کافروں کو اس غزوے میں قتل کیا تھا۔ پھر کافروں نے جھپٹ کر آپ کو شہید کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تلاش کرتے ہوئے جب ان کی نعش کے پاس آئے تو فرمایا سات کو مار کر پھر شہید ہوئے ہیں یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ دو یا تین مرتبہ یہی فرمایا۔ پھر قبر کھدوا کر اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر قبر میں اتارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک ہی ان کا جنازہ تھا اور کوئی چارپائی نہ تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ

نبی پر کچھ مضائقہ نہیں اس بات میں جو مقرر کر دی اللہ نے اُس کے واسطے

سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ

جیسے دستور رہا ہے اللہ کا اُن لوگوں میں جو گزرے پہلے اور ہے

أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿٣٨﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ

حکم اللہ کا مقرر ٹھہر چکا وہ لوگ جو پہنچاتے ہیں پیغام

رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا

اللہ کے اور ڈرتے ہیں اس سے اور نہیں ڈرتے کسی سے سوائے

اللَّهَ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا

اللہ کے اور بس ہے اللہ کفایت کرنے کو

منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں اس کی مطلقہ سے نکاح جائز ہے:

یعنی اللہ کا حکم اٹل ہے جو بات اُس کے یہاں طے ہو چکی ضرور ہو کر رہے گی۔ پھر پیغمبر والے نے میں کیا مضائقہ ہے جو شریعت میں روا ہوئی۔ نبی و رسول واللہ کے پیغامات پہنچانے میں اس کے سوا بھی کسی کا ڈر نہیں رہا۔ (چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پیغام رسانی میں آج تک کسی چیز کی پروا نہیں کی نہ کسی کے کہنے سننے کے خیال سے بھی متاثر ہوئے) پھر اس نکاح کے معاملہ میں رکاوٹ کیوں ہو۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ اسی طرح سلیمان علیہ السلام کی کثرت ازواج مشہور ہے۔ جو الزام سفہاء آپ کو دے سکتے ہیں انبیائے سابقین کی لائف میں اُس سے بڑھ کر نظیریں موجود ہیں۔ لہٰذا اس طرح کی سفیہانہ اور جاہلانہ نکتہ چینیوں پر نظر نہیں کرنا چاہیے۔ آگے بتلایا ہے کہ زید بن حارثہ جن کو آپ نے متبنیٰ کر لیا تھا آپ کے واقعی بیٹے نہیں بن گئے تھے کہ ان کی مطلقہ سے آپ نکاح نہ کر سکیں۔ اور ایک زید کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں۔ کیونکہ آپ کی اولاد میں یا لڑکے ہوئے جو بچپن میں گزر گئے۔ اور بعض اس آیت کے نزول کے وقت پیدا ہی نہیں ہوئے۔ یا بیٹیاں تھیں جن میں سے حضرت

فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی ذریت دنیا میں پھیلی۔ (تیسیر معنی)

پیغمبروں کیلئے کثرت نکاح:

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ، اور پیغمبر کے لئے جو بات اللہ نے مقرر کر دی تھی اس میں ان پر کوئی الزام نہیں۔

حرج تنگی فِیمَا فَرَضَ اللّٰہُ لَہٗ یعنی عورتوں کی جو تعداد اللہ نے پیغمبر کے لئے مقرر اور مقدر کر دی تھی۔ عرب کہتے ہیں فرض لہ فی الدیوان یعنی دیوان میں اس کے لئے حصہ مقرر کر دیا گیا۔ فرض العسکر فوج کی مقرر تنخواہیں۔ بعض علماء نے آیت میں فرض کا معنی احلّ (پیغمبر کے لئے اللہ نے جو کچھ حلال کر دیا تھا) بیان کئے ہیں۔

بعض کے نزدیک سنۃ اللہ سے مراد ہے نکاح کیونکہ نکاح سنت انبیاء ہے بعض کے نزدیک کثرت ازواج کی طرف اشارہ ہے جیسے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی بیبیاں کثرت سے تھیں۔ (تفسیر مظہری)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ
محمد صلی اللہ علیہ وسلم باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے
وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ
لیکن رسول ہے اللہ کا

یعنی کسی کو اس کا بیٹا نہ جانو۔ ہاں اللہ کا رسول ہے اس سب سے سب کے روحانی بیٹے ہیں جیسے کہ ہم النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ کے حاشیہ میں لکھ چکے ہیں۔

وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ
اور مہر سب نبیوں پر

ختم نبوت: یعنی آپ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلہ پر مہر لگ گئی۔ اب کسی کو نبوت نہیں دی جائے گی، بس جن کو ملنی تھی مل چکی۔ اسی لئے آپ کی نبوت کا دورہ سب نبیوں کے بعد رکھا۔ جو قیامت تک چلتا رہے گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام بھی اخیر زمانہ میں بحیثیت آپ کے ایک امتی کے آئیں گے خود ان کی نبوت و رسالت کا عمل اس وقت جاری نہ ہوگا جیسے آج تمام انبیاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں مگر شش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ کا جاری و ساری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام (زمین پر) زندہ ہوتے تو ان کو بھی بجز میرے اتباع کے چارہ نہ تھا۔ بلکہ بعض محققین کے نزدیک تو انبیائے سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ ہی سے مستفید ہوتے تھے۔ جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں حالانکہ سورج اس وقت دکھائی نہیں دیتا۔ اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب و کمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (تنبیہ) ختم نبوت کے متعلق قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سے سینکڑوں دلائل جمع کر کے بعض علمائے عصر نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ مطالعہ کے بعد ذرا شبہ نہیں رہتا کہ اس عقیدہ کا منکر قطعاً کافر اور ملت اسلام سے خارج ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ اور لیکن اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے ختم پر ہیں (سب کے ختم ہونے کے بعد آئے ہیں) اور ہر رسول شفقت و خیر خواہی کے لحاظ سے اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔ سب امت کا نسبی باپ نہیں ہوتا۔ امت کی کسی عورت سے اس کا نکاح نہ ہوسکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہ رہنے کی حکمت:

حضرت ابن عباس نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اگر میں سلسلہ انبیاء کو محمد پر ختم نہ کرتا تو ان کے بعد ان کے بیٹے کو نبی بناتا۔ عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبی بنانا نہیں ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نرینہ یعنی مرد (اولاد) عنایت نہیں کیا۔ ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحبزادہ ابراہیم کے متعلق فرمایا کہ وہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریعت محمدیہ پر ہوں گے:

حضرت عیسیٰ بھی قریب قیامت نازل نہیں ہوں گے۔ نہ ہوں اور نازل ہوں گے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر ہوں گے اس لئے نزول عیسیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر کوئی جرح نہیں کی جاسکتی اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جدید نبوت کو ختم کر دیا اگر گزشتہ نبی باقی رہے تو اس سے جدید نبوت کی نفی پر کیا اثر پڑتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

سلسلہ نبوت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال:

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک

اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جہاں پہنچ کر لوگ اسے چاروں طرف سے دیکھتے پھرتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن کہتے کیا اچھا ہوتا کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر دی جاتی پس میں نبیوں میں اسی اینٹ کی جگہ ہوں۔

تخلیق آدم سے بھی قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم تھے:

مسند میں ہے میں خدا کے نزدیک نبیوں کا ختم کرنے والا تھا اس وقت جب کہ آدم پورے طور پر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اور حدیث میں ہے میرے کئی نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری وجہ سے کفر کو مٹا دے گا اور میں حاشر ہوں تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں تلے ہوگا۔ اور میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں (صحیحین) (تفسیر ابن کثیر)

اعلیٰ صفت:

صفت خاتم الانبیاء ایک ایسی صفت ہے جو تمام کمالات نبوت و رسالت میں آپ کی اعلیٰ فضیلت اور خصوصیت کو ظاہر کرتی ہے۔ کیونکہ عموماً ہر چیز میں تدریجی ترقی ہوتی ہے، اور انتہاء پر پہنچ کر اس کی تکمیل ہوتی ہے، اور جو آخری نتیجہ ہوتا ہے وہی اصل مقصد ہوتا ہے۔ قرآن کریم نے خود اس کو واضح کر دیا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔ انبیائے سابقین کے دین بھی اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے مکمل تھے، کوئی ناقص نہ تھا۔ لیکن کمال مطلق اسی دین مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوا جو اولین و آخرین کے لئے حجت اور قیامت تک چلنے والا دین ہے۔

اس جگہ صفت خاتم النبیین کے اضافہ سے اس مضمون کو بھی اور زیادہ وضاحت اور تکمیل ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقطوع النسل کہنا جہالت ہے، جبکہ ساری امت کے باپ ہونے کی حیثیت سے آپ متصف ہیں کیونکہ لفظ خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آپ کے بعد قیامت تک آنے والی سب نسلیں اور قومیں آپ ہی کی امت میں شامل ہوں گی۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی تعداد بھی دوسری امتوں سے زیادہ ہو گی اور آپ کی روحانی اولاد دوسرے انبیاء کی نسبت سے بھی زیادہ ہوگی۔

صفت خاتم النبیین نے یہ بھی بتلا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اپنی اولاد روحانی یعنی پوری اُمت پر دوسرے تمام انبیاء سے زائد ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک پیش آنے والی ضرورتوں کو واضح کرنے کا پورا اہتمام فرمائیں گے، کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی اور کوئی وحی دنیا میں آنے والی نہیں، بخلاف انبیاء سابقین کے کہ ان کو اس کی فکر نہ تھی وہ جانتے تھے کہ جب قوم میں گمراہی پھیلے گی تو ہمارے بعد دوسرے انبیاء آ کر اس کی اصلاح کر دیں گے، مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فکر لاحق تھی کہ قیامت تک اُمت کو جن حوادث سے سابقہ پڑے گا ان سب حوادث کے متعلق ہدایت امت کو دے جائیں، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شاہد ہیں کہ آپ کے بعد جتنے لوگ قابل اقتداء آنے والے تھے اکثر ان کے نام لے کر بتلا دیا ہے، اسی طرح جتنے گمراہی کے علمبردار ہیں ان کے حالات اور پتے ایسے کھول کر بتلا دیئے ہیں کہ ذرا غور کرنے والے کو کوئی اشتباہ باقی نہ رہ جائے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انی ترکتکم علی شریعة بيضاء ليلها ونهارها سواء "یعنی میں نے تم کو ایسے روشن راستے پر چھوڑا ہے جس میں رات دن برابر ہیں کسی وقت بھی گمراہی کا خطرہ نہیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی ہیں خاتم الرسل بھی

اس آیت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بصفت رسول آیا ہے، اس کے لئے بظاہر مناسب یہ تھا کہ آگے خاتم الرسل یا خاتم النبیین کا لفظ استعمال ہوتا، مگر قرآن حکیم نے اس کے بجائے خاتم النبیین کا لفظ اختیار فرمایا۔

وجہ یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک نبی اور رسول میں ایک فرق ہے، وہ یہ کہ نبی تو ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کو حق تعالیٰ اصلاح خلق کے لئے مخاطب فرمائیں۔ اور اپنی وحی سے مشرف فرمائیں، خواہ اس کے لئے کوئی مستقل کتاب اور مستقل شریعت تجویز کریں، یا پہلے ہی کسی نبی کی کتاب و شریعت کے تابع لوگوں کو ہدایت کرنے پر مامور ہو، جیسے حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب و شریعت کے تابع ہدایت کرنے پر مامور تھا۔ اور لفظ رسول خاص اس نبی کے لئے بولا جاتا ہے جس کو مستقل کتاب و شریعت دی گئی ہو، اسی طرح لفظ نبی کے مفہوم میں بہ نسبت لفظ رسول کے عموم زیادہ ہے، تو آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے ختم کرنے والے اور سب سے آخر میں ہیں خواہ وہ صاحب شریعت نبی ہوں یا صرف پہلے نبی کے تابع، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کی جتنی قسمیں اللہ کے نزدیک ہو سکتی ہیں وہ سب آپ پر ختم ہو گئیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔

امام ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں فرمایا

"یعنی یہ آیت نص صریح ہے اس عقیدہ کے لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں، اور جب نبی نہیں تو بدرجہ اولیٰ رسول بھی نہیں، کیونکہ لفظ نبی عام اور لفظ رسول خاص ہے، اور یہ وہ عقیدہ ہے جس پر احادیث متواترہ شاہد ہیں جو صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی روایت سے ہم تک پہنچی ہیں"

قادیانیوں کی تحریفات اور ان کا رد:

اس آیت کی لفظی تشریح میں کسی قدر تفصیل سے اس لئے کام لیا گیا کہ ہمارے ملک میں مرزا قادیانی مدعی نبوت نے اس آیت کو اپنے راستہ کی

رکاوٹ سمجھ کر اس کی تفسیر میں طرح طرح کی تحریفات اور احتمالات پیدا کئے ہیں، مذکورالصدر تقریر سے، الحمدللہ ان سب کا جواب ہوجاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کاذب و کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے، اس لئے ضرورت نہ تھی کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث کی جائے، لیکن قادیانی فرقہ نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کے لئے پورا زور لگایا ہے، سینکڑوں چھوٹی بڑی کتابیں شائع کرکے کم علم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، اس لئے احقر نے اس مسئلہ کی پوری تفصیل ایک مستقل کتاب ''ختم نبوت'' لکھ دی ہے، جس میں ایک سو آیات اور دو سو سے زائد احادیث اور سینکڑوں اقوال و آثار سلف و خلف سے اس مسئلہ کو پورا واضح کردیا ہے، اور قادیانی دجل کے شبہ کا مفصل جواب دیا ہے، یہاں اس میں سے چند ضروری باتیں لکھی جاتی ہیں۔

مرزائی قادیانی نے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان میں اٹھایا جانا اور پھر آخر زمانے میں تشریف لانا جو قرآن وسنت کی بے شمار نصوص سے ثابت ہیں ان کا انکار کرکے خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور استدلال میں یہ پیش کیا کہ اگر حضرت عیسیٰ بن مریم نبی بنی اسرائیل کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کیا جائے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہوگا۔

جواب بالکل واضح ہے کہ خاتم النبیین اور آخر النبیین کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص عہدۂ نبوت پر فائز نہ ہوگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے پہلے جن کو نبوت عطا ہوچکی ہے ان کی نبوت سلب ہوجائے گی یا ان میں سے کوئی اس عالم میں پھر نہیں آسکتا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی آپ کی امت میں اصلاح و تبلیغ کے لئے آئے گا وہ اپنے منصب نبوت پر قائم ہوتے ہوئے اس امت میں اصلاح کی خدمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کے تابع انجام دے گا، جیسا کہ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا:

''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے یہ مراد ہے کہ وصف نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہوگیا، اب کسی کو یہ وصف اور منصب نہیں ملے گا، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس پر امت کا اجماع ہے اور قرآن اس پر ناطق ہے اور احادیث رسول جو تقریباً درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اس پر شاہد ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں نازل ہوں گے، کیونکہ ان کو نبوت اس دنیا میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مل چکی تھی۔''

ایک بلیغ تمثیل:

صحیح بخاری ومسلم وغیرہ میں تمام کتب حدیث میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت اسناد صحیح کے ساتھ آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان مثلی و مثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بیتا

''میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے ایک مکان بنایا ہو اور اس کو خوب مضبوط اور مزین کیا ہو مگر اس کے ایک گوشہ میں دیوار کی ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی ہو تو لوگ اس کو دیکھنے کے لئے اس میں چلیں پھریں اور تعمیر کو پسند کریں مگر سب یہ کہیں کہ اس مکان بنانے والے نے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی جس سے تعمیر بالکل مکمل ہوجاتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قصر نبوت کی) وہ آخری اینٹ میں ہوں، اور بعض الفاظ حدیث میں ہیں کہ میں نے اس خالی جگہ کو پر کرکے قصر نبوت کو مکمل کردیا۔''

اس تمثیل بلیغ کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے جس کے ارکان انبیاء علیہم السلام ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہوچکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو پر کرکے قصر نبوت کی تکمیل فرمادی، اب اس میں نہ کسی نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصر نبوت میں نہیں ہے۔

آنے والی امت کی ہدایت کا انتظام

صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي وانه لانبي بعدي و سيكون خلفاء فيكثرون'' الحديث،

''بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا، جب ایک نبی کی وفات ہوجاتی تو دوسرا نبی اس کے قائم مقام ہوجاتا تھا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے خلیفہ ہوں گے جو بہت ہوں گے۔''

اس حدیث نے یہ بھی واضح کردیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا، تو امت کی ہدایت کا انتظام کیسے ہوگا؟

اس کے متعلق فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کی تعلیم وہدایت کا انتظام آپ کے خلفاء کے ذریعہ سے ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے مقاصد نبوت کو پورا کریں گے، اگر ظلی بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی یا غیر تشریعی نبوت باقی ہوتی، تو ضرور تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہوچکی مگر فلاں قسم کی نبوت باقی ہے جس سے اس عالم کا انتظام ہوگا۔

نبوت کی تمام قسمیں ختم ہوگئیں:

اس حدیث میں صاف واضح الفاظ میں بتلادیا کہ نبوت کی کوئی قسم آپ کے بعد باقی نہیں، اور ہدایت خلق کا کام جو پچھلی امتوں میں انبیاء بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا، وہ اس امت میں آپ کے خلفاء سے لیا جائے گا۔

صحیح بخاری، مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث مرفوع ہے۔

لم يبق من النُّبُوَّة الا المُبشرات

''یعنی نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے۔''

مسند احمد وغیرہ میں حضرت صدیقہ عائشہؓ اور ام کرز کعبیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لايبقى بعدى من النبوة شئ الا المبشرات قالوا يارسول الله وماالمبشرات قال الرؤيا الصّالحة يراها المسلم اوترى له

(طبرانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے کذا فی الکنز)

''میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبشرات کیا چیز ہے؟ فرمایا اچھے خواب جو مسلمان خود دیکھے یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے''

اس حدیث نے کس قدر وضاحت سے بتلادیا کہ نبوت کی کوئی قسم تشریعی یا غیر تشریعی اور بقول مرزا قادیانی ظلی یا بروزی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں، صرف مبشرات یعنی سچے خواب لوگوں کو آئیں گے جن سے کچھ معلومات ہوجائیں گی۔

اور مسند احمد اور ترمذی میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلارسول بعدى ولانبى رواه الترمذى وقال هذا حديث صحيح.

''بیشک رسالت اور نبوت میرے بعد منقطع ہوچکی ہے، میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔''

اس حدیث نے واضح کردیا کہ غیر تشریعی نبوت بھی آپ کے بعد باقی نہیں، اور ظلی بروزی تو نبوت کی کوئی قسم ہی نہیں نہ اسلام میں اس طرح کی کوئی چیز معروف ہے۔

قادیانی کے من گھڑت عنوانات:

اس جگہ مسئلہ ختم نبوت کی احادیث جمع کرنا مقصود نہیں، وہ تو دو سو سے زیادہ رسالہ ختم نبوت میں جمع کردی گئی ہیں، صرف چند احادیث سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ مرزائی قادیانی نے جو بقاء نبوت کے لئے ظلی اور بروزی کا عنوان ایجاد کیا ہے، اول تو اسلام میں اس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں، اور بالفرض ہوتی بھی تو ان احادیث مذکورہ نے واضح طور پر یہ بتلادیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کی کوئی قسم کسی طرح کی باقی نہیں ہے۔

اجماع امت: اسی لئے صحابہ کرام سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے سب طبقات کا اجماع اس عقیدہ پر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی کسی قسم کا نبی یا رسول نہیں ہوسکتا، جو دعویٰ کرے وہ کاذب، منکر قرآن اور کافر ہے، اور صحابہ کرام کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلہ پر ہوا جس کی رو سے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت سے خلیفہ اول صدیق اکبر کے عہد میں جہاد کرکے اس کو اور اس کے ماننے والوں کو قتل کیا گیا۔

منکرِ ختم نبوت کافر ہے:

ائمہ سلف اور علماء امت کے اقوال و تصریحات بھی اسی معاملہ میں رسالہ ختم نبوت کے تیسرے حصہ میں بڑی تفصیل سے لکھ دیئے گئے ہیں، اس جگہ چند کلمات نقل کئے جاتے ہیں۔

اور قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب شفا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دعویٰ نبوت کرنے والے کو کافر اور کذاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والا اور آیت مذکورہ کا منکر کہہ کر یہ الفاظ لکھے ہیں:

واجمعت الامة علىٰ حمل هذا الكلام علىٰ ظاهره وانّ مفهومه المرادبه دون تاويل ولا تخصيص فلاشک فى كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعاً اجماعاً وّسمعاً.

''امت نے اجماع کیا ہے کہ اس کلام کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور اس پر کہ اس آیت کا نفس مفہوم ہی مراد ہے بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے اس لئے ان تمام فرقوں کے کفر میں کوئی شک نہیں، (جو کسی مدعی نبوت کی پیروی کریں)

بلکہ ان کا کفر قطعی طور سے اجماع امت اور نقل یعنی کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ختم نبوت کی احادیث کے راوی صحابہؓ

برادران اسلام کی تسلی اور تشفی کے لئے اجمالاً ان صحابہ کرام اور تابعین کے نام شمار کردیئے جائیں جن سے ختم نبوت کی احادیث مروی اور منقول ہیں۔

ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

ابوحازم رضی اللہ عنہ۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ ثوبان رضی اللہ عنہ۔
عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ۔ عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ۔
عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ۔ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔
ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ۔ اُمِ کرز رضی اللہ عنہا۔
ابوامامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ۔ سفینہ رضی اللہ عنہ۔
ابن زمل الجہنی رضی اللہ عنہ۔ ضحاک بن نوفل رضی اللہ عنہ۔
ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ۔
سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ۔ حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ۔
اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا۔ زید بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ۔
ابوقبیلہ رضی اللہ عنہ۔ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔
ابوالطفیل رضی اللہ عنہ۔ نافع رضی اللہ عنہ۔
عوف بن مالک رضی اللہ عنہ۔ ابوبکرۃ رضی اللہ عنہ۔
ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ۔
عصمۃ بن مالک رضی اللہ عنہ۔ عمر بن قیس رضی اللہ عنہ۔
سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ۔ تمیم الداری رضی اللہ عنہ۔
نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ۔ جبیر بن مطعم والملیح رضی اللہ عنہ۔
نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ۔ محمد بن حزم الانصاری رضی اللہ عنہ۔
بہتر بن حکیم رضی اللہ عنہ۔ عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ۔
ابوقتادہ رضی اللہ عنہ۔ قتادہ رضی اللہ عنہ۔
عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ سیدنا الحسن رضی اللہ عنہ۔
انس رضی اللہ عنہ۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا۔
عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ مغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ عنہ۔
حذیفہ بن مسلم رضی اللہ عنہ۔ ابومعاویہ رضی اللہ عنہ۔
سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ۔ عکرمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ۔
ابوالدرداء رضی اللہ عنہ۔ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ۔
ام ہانی رضی اللہ عنہا۔ زبیر رضی اللہ عنہ۔
رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وعنا معہم برحمتک یا ارحم الراحمین کذا فی ختم نبوت ص ۱۰۲

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر لحاظ سے خاتم الانبیاء ہیں۔

اور اہلِ سنت و جماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ آپ دونوں طرح اور دونوں معنی میں خاتم النبیین ہیں زمانہ کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور مرتبہ اور کمال کے اعتبار سے بھی خاتم ہیں اور جو حضور پُر نور کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر اور مرتد ہے۔ اور صدیق اکبر کا مدعیان نبوت سے جہاد و قتال کرنا اور ان کو اپنی تیغ بے دریغ کا تمہ بنانا مسلمات میں سے ہے بلکہ حضور کی وفات کے بعد امت محمدیہ میں جو پہلا اجماع منعقد ہوا وہ مدعیان نبوت کے قتل پر ہوا اور کسی سے یہ سوال نہیں کیا گیا کہ تیرا تشریعی یا غیر تشریعی یعنی ظلی یا بروزی نبوت کا مدعی ہے۔

منصب نبوت و رسالت میں وہی آپ کا شریک و رہتا نہیں۔

عارف رومی مثنوی میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ جس طرح آپ کمالات نبوت کے خاتم ہیں اسی طرح آپ کمالات نبوت کے فاتح اور مبداء بھی ہیں۔

قفلہائے ناکشادہ ماندہ بود　　از کف انا فتحنا برکشود

حسن یوسف عیسیٰ دم ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور سرور عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خاتم النبیین تھے اس لئے آپ نے یہ فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں اور آخری نبی ہوں میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں اور کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میرے بعد ایران یا قادیان میں یا ہندوستان میں کسی جگہ کوئی نبی ظاہر ہو تو تم اس کی پیروی کرنا جیسا کہ انبیاء سابقین اپنے بعد آنے والے نبیوں کی خبر دیتے رہے آپ نے اس قسم کی کوئی خبر نہیں دی بلکہ بار بار یہ فرمایا کہ میرے بعد مدعی جو نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کذاب ہے۔

مسیلمہ قادیان کا ہذیان:

بہرحال ختم نبوت مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے اور مسیلمہ قادیان یعنی مرزا غلام قادیانی ختم نبوت کا منکر اور بقاء نبوت کا مدعی ہے کبھی کہتا ہے کہ میں مستقل نبی اور رسول ہوں اور کمالات نبوت میں تمام انبیاء و مرسلین سے برتر اور بڑھ کر ہوں۔ چنانچہ نزول المسیح ص ۹۹ پر لکھا ہے۔

انبیاء گرچہ بودہ اند بسے　　من بعرفان نہ کمترم ز کسے

آنچہ داداست ہر نبی را جام　　داد آں جام را مرا بتمام

اس قسم کے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ مرزا قادیانی اپنے کو انبیاء سے بھی نہیں بلکہ سب سے برتر اور بہتر سمجھتا ہے۔

بروزی اور ظلی نبوت کی حقیقت:

مرزائے قادیان حقیقۃ النبوۃ ص ۲۶۵، ص ۲۶۶ پر بحوالہ ایک غلطی کا ازالہ لکھتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو درحقیقت خاتم النبیین تھے مجھے رسول اور نبی کے لفظ سے پکارا جانا کوئی اعتراض کی بات نہیں اور نہ اس سے مہر ختمیت ٹوٹتی ہے کیونکہ میں بارہا بتلا چکا ہوں کہ میں بموجب وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ آیت بروزی طور پر وہی نبی خاتم الانبیاء ہوں اور خدا نے آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں میرا نام محمد اور احمد رکھا ہے اور مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وجود قرار دیا ہے پس اس طور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے میں میری

نبوت سے کوئی تنزل نہیں آیا کیونکہ ظل اصل سے علیحدہ نہیں ہوتا۔

ورتریاق القلوب حاشیہ ص ۳۷۷ میں خود مرزا لکھتا ہے۔ غرض جیسا کہ صوفیوں کے نزدیک مانا گیا ہے کہ مراتب وجود دوریہ ہیں اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنی خو اور طبیعت اور دلی مشابہت کے لحاظ سے تقریباً ڈھائی ہزار برس اپنی وفات کے بعد عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر میں جنم لیا اور محمد کے نام سے پکارا گیا۔

اور کتاب قول فیصل ص ۶ میں بحوالہ اخبار الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء مرزا کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے۔ کمالات متفرقہ جو تمام دیگر انبیاء میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں ان سے بڑھ کر موجود تھے اور اب وہ سارے کمالات حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ظلی طور پر ہم کو عطا کئے گئے۔ پہلے تمام انبیاء ظلی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خاص صفات میں اب ہم ان تمام صفات میں نبی کریم کے ظل ہیں۔

ان عبارات میں مرزائے قادیان نے اپنے آپ کو ظلی اور بروزی نبی کہہ کر دنیا کو دھوکہ دیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا
اور ہے اللہ سب چیزوں کو جاننے والا

اللہ کا علم کافی ہے:

یعنی وہ ہی جانتا ہے کہ رسالت یا ختم نبوت کو کس محل میں رکھا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا اور اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔

اس سے وہ جانتا ہے کہ کس پر نبوت کا خاتمہ کیا جائے اور اس کی کیا حالت ہونی چاہیے۔ حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور دوسرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک خوبصورت محل ہو اس کی عمارت حسین ہو لیکن ایک اینٹ (کونے) کی جگہ اس میں چھوڑ دی گئی ہو دیکھنے والے اس کے گرد گردگھومتے ہوں اور اس کے حسن تعمیر پر تعجب کرتے ہوں لیکن (ساتھ ہی) یہ بھی کہیں کہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پس اس ایک اینٹ کے مقام کو میں نے درست کر دیا اور مجھ پر پیغمبروں کا خاتمہ ہو گیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ متفق علیہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے گرامی:

حضرت جبیر بن مطعم کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میرے (بہت) نام ہیں میں محمد ہوں احمد ہوں میں ماحی ہوں کہ اللہ میرے ذریعہ سے کفر کو مٹائے گا میں حاشر ہوں لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا میں عاقب ہوں (سب سے پیچھے آنے والا) میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مختلف نام (صفات) بیان کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا میں محمد ہوں احمد ہوں مقفی ہوں حاشر ہوں، نبی التوبہ ہوں، نبی الرحمۃ ہوں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ		
اے ایمان والو	یاد کرو اللہ کو	بہت سی یاد
وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا		
اور پاکی بولتے رہو اس کی صبح اور شام		

عظیم الشان نعمت کا شکر:

یعنی حق تعالیٰ نے اتنا بڑا احسان فرمایا کہ ایسے عظیم الشان پیغمبر اور پیغمبروں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا۔ اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ اور منعم حقیقی کو کبھی نہ بھولو، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، رات دن، صبح، شام ہمہ اوقات اس کو یاد رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

ہمہ وقتی عبادت:

حضرت ابن عباس نے فرمایا ذکر کے علاوہ اللہ نے ہر فرض کی ایک حد مقرر کر دی ہے اور عذر کے وقت معذور لوگوں کو چھوڑ دیا ہے مگر ذکر کی کوئی آخری حد مقرر نہیں کی اور سوائے دیوانہ کے کسی کو معذور نہیں قرار دیا بلکہ تمام حالتوں میں ذکر کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ اللہ کی یاد کرو کھڑے، بیٹھے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے۔ اور فرمایا ہے اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا اللہ کی بکثرت یاد کیا کرو رات میں، دن میں، خشکی میں، سمندر میں، صحت میں، بیماری میں، پوشیدہ اور ظاہر مجاہد نے کہا ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی اللہ کو نہ بھولے۔ میں کہتا ہوں یہ حالت فنائے قلب اور دوامی حضور کے بعد ہوتی ہے۔

وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا اور صبح شام (یعنی ہمیشہ) اس کی پاکی بیان کرتے رہو یعنی فجر کی نماز پڑھو۔

وَّاَصِيْلًا کلبی نے کہا یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھو۔ مجاہد نے کہا تسبیح سے مراد ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھنا۔ لفظ تسبیح سے تمام ساتھی جملے مراد ہیں۔ (یعنی تسبیح تحمید تہلیل تکبیر وغیرہ) ان الفاظ کو باوضو بے وضو اور جنب سب پڑھیں۔

میں کہتا ہوں اول اللہ نے عمومی ذکر کا حکم دیا کہ کسی وقت خدا کی یاد نہ

بھولے پھر مخصوص اوقات میں ذکر کا حکم دیا اول سے مراد ہے ذکر خفی قلبی دوامی اور دوسرے سے مراد ہے ذکر جلی اور مقررہ فرض وسنت عبادات۔

صبح شام کی خصوصیت:

بعض اہل علم نے کہا تسبیح کے لئے صبح شام کے اوقات کی تخصیص اس لئے کی کہ ان اوقات میں رات اور دن کے ملائکہ جمع ہوتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے ملائکہ اور دن کے ملائکہ باری باری سے تمہارے اندر آتے ہیں اور فجر وعصر کی نمازوں میں سب جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ ملائکہ جو رات کو تمہارے پاس رہے اوپر چڑھ جاتے ہیں تمہارا رب ان سے پوچھتا ہے (حالانکہ وہ خود بخوبی واقف ہے) تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ ملائکہ عرض کرتے ہیں ہم نے ان کو نماز پڑھتے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ متفق علیہ۔

نماز میں توجہ کی اہمیت:

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نماز میں ہوتا ہے تو اللہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے جب تک بندہ ادھر ادھر توجہ نہ کرے۔ لیکن بندہ جب ادھر ادھر توجہ کرنے لگتا ہے تو اللہ بھی اس کی طرف سے رُخ پھیر لیتا ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی والدارمی۔ (تفسیر مظہری)

ذکر کی کثرت:

اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر وقت مشغول رہو۔ یہاں تک کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو، یہاں تک کہ منافق تمہیں ریاکار کہنے لگیں (طبرانی) فرماتے ہیں جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور وہاں اللہ کا ذکر نہ کریں وہ مجلس قیامت کے دن ان پر حسرت وافسوس کا باعث بنے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اُذْكُرُوا اللّٰهَ تَعَالٰى حَتّٰى يَقُوْلُوْا مَجْنُوْنٌ (ذکرہ مسند احمد)

''یعنی تم اللہ کا ذکر اتنا کرو کہ دیکھنے والے تمہیں دیوانہ سمجھیں۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

امام احمدؒ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دعا سنی ہے جس کو میں کبھی نہیں چھوڑتا، وہ یہ ہے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اُعْظِمُ شُكْرَكَ وَاَتْبَعُ نُصْحَكَ وَاُكْثِرُ ذِكْرَكَ وَاَحْفَظُ وَصِيَّتَكَ (ابن کثیر)

''یا اللہ مجھے ایسا بنا دے کہ میں تیرا شکر بہت کروں اور تیری نصیحت کا تابع رہوں اور تیرا ذکر کثرت سے کیا کروں اور تیری وصیت کو محفوظ رکھوں۔''

اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کی دعاء کی کہ ذکر اللہ کی کثرت کی توفیق عطا ہو۔

جامع عبادت:

ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اسلام کے اعمال و فرائض وواجبات تو بہت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی مختصر جامع بات بتلادیں کہ میں اس کو مضبوطی سے اختیار کرلوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى. (مسند احمد، ابن کثیر)

''یعنی تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تروتازہ رہنی چاہیے۔''

قابلِ حسرت مجلس:

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں جس میں اللہ کا ذکر نہ آئے تو قیامت کے روز یہ مجلس ان کیلئے حسرت ثابت ہوگی۔ (رواہ احمد ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ

وہی ہے جو رحمت بھیجتا ہے تم پر اور اس کے فرشتے تاکہ نکالے تم کو

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا

اندھیروں سے اجالے میں اور ہے ایمان والوں پر مہربان

ذکر اللہ کی کثرت کا نتیجہ:

یعنی اللہ کو بکثرت یاد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ اپنی رحمت تم پر نازل کرتا ہے جو فرشتوں کے توسط سے آتی ہے یہی رحمت وبرکت ہے جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہالت وضلالت کی اندھیریوں سے علم وتقویٰ کے اُجالے میں لاتی ہے۔ اگر اللہ کی خاص مہربانی ایمان والوں پر نہ ہو تو دولت ایمان کہاں سے ملے اور کیونکر محفوظ رہے۔ اسی کی مہربانی سے مؤمنین رُشد وہدایت اور ایمان واحسان کی راہوں میں ترقی کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا میں ان کا حال ہوا۔ آخرت کا اکرام و احترام آگے مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے جو شرف خصوصیت کے ساتھ آپ کو عطا فرمایا ہم لوگوں کو بھی اس میں شریک فرمائیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ عبد بن حمید نے اس روایت کی نسبت مجاہد کی طرف بھی کی ہے۔

''صلوٰۃ'' کا معنی:

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ وہ (خود بھی) اور اس کے فرشتے (بھی) تم پر رحمت بکثرت اہل لغت کا بیان ہے کہ صلوٰۃ کا معنی ہے دعا۔ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ میں نے اس کے لئے دعا کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اگر کسی کو کھانا کھلانے بلایا جائے تو دعوت قبول کرلے اور اگر روزہ دار ہو تو دعوت کرنے والے کے لئے صلوٰۃ (دعا) کرے۔ اللہ نے فرمایا ہے صَلِّ عَلَيْهِمْ اے نبی آپ ان کے لئے دعا کریں اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ آپ کی دعا ان کے لئے باعث تسکین ہے۔

نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اندر دعا پڑھی جاتی ہے یعنی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پڑھا جاتا ہے جزء پر کل کا اطلاق کر دیا گیا۔

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس نے بندوں پر رحمت کرنی اپنی ذات پر لازم کرلی ہے یہی معنی ہے كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ کا ایجاب (لازم کر لینا) اور طلب دونوں کا معنی ایک ہی ہے قطعی طلب ایجاب ہی ہوتی ہے لیکن ایجاب (کا معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ پر کوئی چیز واجب ہے اور کسی کا خدا پر کوئی لازمی حق ہے جس کو ادا کرنا اس پر لازم ہے بلکہ اس) کا یہ معنی ہے کہ اللہ نے اپنی مہربانی سے ذمہ لے لیا ہے۔ اگر صلوٰۃ کو بمعنی دعا قرار دیا جائے تو عموم مشترک کا قول لازم نہیں آئے گا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کیا ہمارا رب صلوٰۃ کرتا ہے حضرت موسیٰ پر یہ سوال نہایت شاق گزرا۔ اللہ نے موسیٰ کے پاس وحی بھیجی۔ ان سے کہہ دو کہ میں صلوٰۃ کرتا ہوں مگر میری صلوٰۃ (بمعنی) رحمت ہے جو ہر چیز کو اپنے اندر سمائے ہوئے ہے

مومنوں پر مہربانی:

لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا تاکہ تم کو تاریکیوں سے (نکال کر) نور کی طرف لے آئے اور اللہ مومنوں پر بہت مہربان ہے۔ یعنی اپنی رحمت اور ملائکہ کی دعا سے کفر و معاصی سے نکال کر ایمان و طاعت کے نور کی طرف ہمیشہ تم کو۔ ...تا رہے یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تم کو وقتاً فوقتاً ہمیشہ ظلمات (فراق و) بعد سے نکال کر نور قرب کی طرف لاتا رہے۔

اللہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے یوں کہ اس نے مومنوں کے سارے امور کو درست کیا ان کے مرتبہ کو اونچا کیا اور ملائکہ مقربین کی دعا ان کے شامل حال کی۔ (تفسیر مظہری)

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ
دعا ان کی جس دن اُس سے ملیں گے سلام ہے
وَّاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا
اور تیار کر رکھا ہے اُن کے واسطے ثواب عزت کا

مومنوں کیلئے سلام کے تحفے:

یعنی اللہ ان پر سلام بھیجے گا اور فرشتے سلام کرتے ہوئے اُن کے پاس آئیں گے۔ اور مومنین کے آپس میں بھی یہی دعا ہوگی جیسا کہ دنیا میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جس روز وہ اللہ سے ملیں گے تو ان کا دعائیہ کلمہ السلام علیکم ہوگا اور اللہ نے ان کے لئے (جنت میں) عمدہ صلہ تیار کر رکھا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ یعنی اللہ کی طرف سے جو تحیت ان کو کی جائے گی۔

يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ جس روز وہ اللہ سے ملیں گے یعنی مرنے کے وقت یا قبر سے نکلنے کے وقت یا جنت میں داخلہ کے وقت یا دیدار خداوندی ہونے کے وقت۔

سَلٰمٌ یعنی اللہ کی طرف سے بطور تحیت ان کو سلام کیا جائے گا اور اللہ ان کو تمام ناگوار باتوں سے امن و سلامتی میں رکھے گا۔ (تفسیر مظہری)

جب ملک الموت مومن کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو پہلے اسے سلام کرتا ہے اور خدا کی طرف سے اس کو سلام پہنچاتا ہے۔

زجاج کہتے ہیں کہ یہ سلام درحقیقت سلامتی کی خوشخبری ہوتی ہے کہ اللہ تم کو تمام آفات سے سلامت رکھے گا اور جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے اس وقت فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی بشارت سنائیں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد فرشتے ان کی ملاقات کے لئے آئیں گے اور ان کو سلام کریں گے۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ

(معارف کاندھلوی)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا			
اے	نبی	ہم نے تجھ کو بھیجا	بتانے والا

اُمت کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی:

یعنی اللہ کی توحید سکھاتے اور اُس کا رستہ بتاتے ہیں جو کچھ کہتے ہیں دل سے اور عمل سے اس پر گواہ ہیں اور محشر میں بھی اُمت کی نسبت گواہی دیں گے کہ خدا کے پیغام کو کس نے کس قدر قبول کیا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن مبارک نے سعید بن مسیب کا قول بیان کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو آپ کے سامنے نہ لایا جاتا ہو۔ آپ اپنی امت کو ان کے چہروں سے (یا خصوصی علامات سے) پہچانتے ہیں اسی لئے آپ ان پر شہادت دیں گے (یعنی گواہی دیں گے کہ یہ میری امت والے ہیں) یا شاہد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جب امت اسلامیہ شہادت دے گی کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق کریں گے۔

انبیاء کیلئے گواہی: بخاری۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید

خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن نوحؑ کو بلوا کر پوچھا جائے گا کیا تم نے (میرا پیام) پہنچا دیا تھا۔ نوح کہیں گے، جی ہاں۔ پھران کی امت کو طلب فرما کر دریافت کیا جائے گا کیا تم کو میرا پیام نوح نے پہنچا دیا تھا۔ وہ کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ پھر نوحؑ سے کہا جائے گا تمہارا شاہد کون ہے۔ وہ تمہاری گواہی دے سکتا ہے۔ حضرت نوحؑ کہیں گے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ الحدیث۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

امت کیلئے گواہی کا مقصد اور گواہی کی بنیاد:

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت کے ذریعہ اپنی امت کی تصدیق و توثیق فرمائیں گے کہ بیشک میں نے ان کو یہ حکم دی تھی۔

اور امت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے سب افراد کے اچھے برے اعمال کی شہادت دیں گے، اور یہ شہادت اس بناء پر ہوگی کہ امت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہر روز صبح وشام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک روز پیش ہوتے ہیں، اور آپ امت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال کے ذریعہ پہچانتے ہیں، اس لئے قیامت کے روز آپ امت کے شاہد بنائے جائیں گے۔ (رواہ ابن مبارک عن سعید بن المسیب، مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا
اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا

یعنی نافرمانوں کو ڈراتے اور فرمانبرداروں کو خوشخبری سناتے ہیں۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا
اور بلانے والا اللہ کی طرف اُس کے حکم سے ۔ اور چمکتا ہوا چراغ

نورِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم:

پہلے جو فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت مؤمنین کو اندھیرے سے نکال کر اُجالے میں لاتی ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ وہ اُجالا اس روشن چراغ سے پھیلا ہے۔ شاید چراغ کا لفظ اس جگہ اس معنی میں ہو جو سورۂ نوح میں فرمایا "وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا" (اللہ نے چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا) یعنی آپ آفتاب نبوت و ہدایت ہیں جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت نہیں رہی سب روشنیاں اسی نورِ اعظم میں محو و مدغم ہوگئیں۔ (تفسیر عثمانی)

دعوتِ حق کی دُشواریاں: باذنہ کی قید کا اضافہ کرنے سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اللہ کی توحید و طاعت کی دعوت دینا بڑا سخت کام ہے۔ اللہ کی مدد اور توفیق کے بغیر اس کی تکمیل ناممکن ہے خصوصاً اللہ کے دیدار کی دعوت تو انتہائی دشوار ہے کہ بغیر خاص فضل خداوندی کے بندہ کی رسائی بارگاہِ الٰہی تک محال ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ آپ اگر کسی کو ہدایت یاب کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے ہیں۔ اللہ جس کو سیدھے راستے پر چلانا چاہتا ہے اس کو درست راہ پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

داعی اور قوم کی مثال:

حضرت ربیعہ جرشی کا بیان ہے کہ (خواب میں) کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا تمہاری آنکھیں سوئیں (مگر) کان سنیں اور دل سمجھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چنانچہ میری آنکھ سو رہی تھی دونوں کان سن رہے تھے اور دل سمجھ رہا تھا کہ کسی نے کہا۔ ایک سردار نے ایک مکان بنوایا اس میں دسترخوان بچھوایا اور (دعوتِ عام دینے کے لئے) ایک بلانے والے کو بھیجا۔ پکارنے والے کی آواز پر جو آگیا اس نے مکان کے اندر داخل ہو کر دسترخوان پر (کھانا) کھایا اور گھر والا سردار بھی اس سے خوش ہوگیا اور جس نے داعی کی دعوت قبول نہیں کی وہ نہ گھر میں آیا نہ دسترخوان سے کچھ کھا سکا اور سردار اس سے ناراض ہوگیا (اس کی تعبیر یہ ہے کہ) سردار اللہ ہے گھر (جو سردار نے بنایا ہے) اسلام ہے۔ محمد داعی ہیں اور دسترخوان جنت ہے۔ رواہ الدارمی۔

روشن چراغ: وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن چراغ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی میں چراغ جلایا جاتا ہے اور اس کی روشنی سے راستہ دکھ جاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی (اسلام کی) روشنی اور ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

نورِ نبوت اور اس کے خوشہ چین:

مراد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان سے تو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے اور دل کے اعتبار سے روشن چراغ کی طرح تھے کہ تمام مومن آپ ہی کے نور سے استفادہ کرتے اور آپ ہی کے رنگ میں رنگ جاتے تھے (اسی بنا پر اللہ نے آپ کو بھیجا تھا) جیسے یہ عالم سورج کی روشنی سے اور ایک گھر چراغ کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کو ساری امت پر فضیلت حاصل تھی۔ علوم نبوت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ سے امت نے حاصل کئے اس میں تو صحابہ کے ساتھ ساری امت شریک ہے۔ کچھ صحابہ ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اصل سننے والا بھول جاتا ہے اور جس کو علم پہنچایا جاتا ہے وہ زیادہ یاد رکھتا ہے۔ امتیاز صحابہ یہ ہے کہ وہ براہِ راست انوار نبوت کے خوشہ چیں تھے۔ دوسروں کو جو روشنی ملی وہ صحابہ کے توسط سے

پھر تابعین سے تبع تابعین کو اسی طرح قیامت تک نورِ نبوت امت کے دلوں کو روشن کرتا رہے گا لیکن اس خوشہ چینی میں سننے والا مشاہدہ کرنے والے کی طرح نہیں ہوسکتا جیسے صحن مکان میں سورج کی شعاعیں براہِ راست پہنچتی ہیں اور صحن روشن ہو جاتا ہے پھر کمروں کے اندر یہ روشنی صحن کی روشنی [illegible] سے پہنچتی ہے، دونوں کی روشنی اور کیفیت انجلائی میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف:

عطا بن یسار کا بیان ہے میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے ملاقات کی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اوصاف جو توریت میں (آپ نے پڑھے) ہوں بیان فرمائیں۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا ہاں بخدا توریت میں آپ کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں ان میں سے بعض قرآن میں بھی موجود ہیں۔ توریت میں کہا گیا ہے اے نبی ہم نے تجھ کو شاہد اور بشارت دہندہ اور عذاب کی وعید سنانے والا اور امیوں کی پناہ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے۔

وہ بدخو اور درشت مزاج نہ ہوگا۔ بازاروں میں چیختا نہ پھرے گا۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دے گا۔ بلکہ عفو و درگزر سے کام لے گا جب تک ٹیڑھی ملت کی درستی نہ ہو جائے گی اللہ اس کی روح قبض نہیں کرے گا۔ اس کی وفات اس وقت ہوگی جب لوگ لا الٰہ الا اللہ کے قائل ہو جائیں گے اللہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں کو بہرے کانوں کو اور غلاف پوش دلوں کو کھول دے گا۔ رواہ البخاری۔ دارمی نے عطا بن سلام کی روایت سے ایسا ہی بیان کیا ہے۔

حضرت شعیا علیہ السلام کی تقریر:

ابن ابی حاتم میں ہے، حضرت وہب ابن منبہ فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے ایک نبی حضرت شعیا علیہ السلام پر خدائے تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اپنی قوم بنی اسرائیل میں کھڑے ہو جاؤ میں تمہاری زبان سے اپنی باتیں کہلواؤں گا [illegible] میں ایک نبی امی کو بھیجوں گا جو نہ بدخلق ہے نہ بدگو [illegible] بازاروں میں شور و غل کرنے والا اس قدر سکینہ والا ہے کہ اگر چراغ کے پاس سے گزرے تو وہ بھی نہ بجھے [illegible] میں سے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجوں گا جو حق بات کہے [illegible] اس کی وجہ سے اندھی آنکھوں [illegible] بہرے کانوں [illegible] [illegible] [illegible]

ہادی احمد مختار [illegible] احمد اس کا نام ہوگا، گمراہوں کو میں اس کی وجہ سے ہدایت دوں گا [illegible] کو اس کی بدولت علم بنادوں گا تنزل والوں کو ترقی پر پہنچا دوں گا، انجانوں کو مشہور و معروف کر دوں گا، قلت کو اس کی وجہ سے کثرت سے، تنگ دستی کو امیری سے، فرقت و افتراق سے، اختلاف کو اتفاق سے بدل دوں گا۔ مختلف اور متفرق دلوں کو متفق اور متحد کر دوں گا، جداگانہ خواہشوں کو یکسو کر دوں گا دنیا کو اس کی وجہ سے ہلاکت سے بچالوں گا، تمام امتوں سے اس کی امت اعلیٰ و افضل [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جو اپنی مسجدوں مجلسوں اور بستروں پر چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے میری تسبیح حمد و ثنا بزرگی اور بڑائی بیان کرتے رہیں گے [illegible] دشمنانِ خدا سے صفیں باندھ کر [illegible] ہزاروں لوگ میری رضا مندی کی جستجو میں [illegible] کھڑے ہوں گے۔ منہ ہاتھ وضو میں دھویا کریں گے۔ تہبند آدھی پنڈلی تک کا باندھیں گے میری راہ میں قربانیاں [illegible] میری کتاب ان کے سینوں میں ہوگی، راتوں کو عابد اور دنوں کو مجاہد [illegible] اور اولاد میں سبقت کرنے والے صدیق [illegible] امت اس کے بعد دنیا کو حق کی ہدایت [illegible] حق کے ساتھ عدل و انصاف کرے گی، ان کی امداد کرنے والوں کو میں عزت والا کروں گا اور ان کو ملانے والوں کی میں مدد کروں گا۔ ان کے مخالفین اور ان کے باغی اور ان کے بدخواہوں پر میں برے دن لاؤں گا۔ [illegible]

خوشخبریاں سناؤ آسانی کرو:

[illegible]

کی طرف لوگوں کو بلانے والا اور روشن چراغ قرآن کے ساتھ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر کہ اس کے ساتھ دوسرا کوئی معبود نہیں گواہ ہیں، اور قیامت کے دن آپ لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ جیسے ارشاد ہے وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا یعنی ہم تجھے ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔ اور آیت میں ہے تم لوگوں پر گواہ ہو اور تم پر یہ رسول گواہ ہیں۔ آپ مومنوں کو بہترین اجروں کی بشارت سنانے والے اور کافروں کو بدترین عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں اور چونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے اس کی بجا آوری کے باعث آپ مخلوق کو خالق کی عبادت کی طرف بلانے والے ہیں۔ آپ کی سچائی اس طرح ظاہر ہے جیسے سورج کی روشنی۔ ہاں کوئی ضدی [illegible] بات ہے۔ [illegible] کافروں اور منافقوں کی بات نہ ماننا، ان کی طرف کان لگاؤ اور ان سے درگزر کرو، یہ جو ایذائیں پہنچاتے ہیں انہیں خیال میں بھی نہ لاؤ اور خدا پر پورا بھروسہ کرو۔ وہ کافی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور دل مبارک:

یہی وجہ ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت داعی الی اللہ تو ظاہر اور زبان کے اعتبار سے ہے اور سراج منیر آپ کی صفت آپ کے قلب مبارک کے اعتبار سے ہے۔ جس طرح سارا عالم آفتاب سے روشنی حاصل کرتا ہے اسی طرح تمام مؤمنین کے قلوب آپ کے نور قلب سے منور ہوتے ہیں [illegible] [illegible] فضل [illegible] [illegible] زندہ ہیں [illegible] حیات برزخی [illegible] فائق و ممتاز ہوتی ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

بہرحال [illegible] قیامت تک مؤمنین کے قلوب آپ کے قلب مبارک سے [illegible] درود شریف کا زیادہ اہتمام کرے گا اس نور کا حصہ زیادہ پائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور چراغ کی روشنی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو چراغ سے تشبیہ دی گئی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور روشن آفتاب سے [illegible]

کی روشنی سے استفادہ اختیاری ہے، [illegible] وقت [illegible] رکھتے ہیں، اس تک رسائی بھی آسان ہے، اس کا [illegible] بھی آسان ہے بخلاف آفتاب کے کہ وہاں تک رسائی بھی مشکل ہے اور اس سے استفادہ [illegible] وقت نہیں کیا جا سکتا۔

تورات کی عبارت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات جیسے قرآن میں آئی ہیں قرآن سے پہلے تورات میں بھی مذکور ہیں جیسے کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ میں ایک روز حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے ملا، تو ان سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات تورات میں آئی ہیں وہ مجھے بتلایئے۔ انہوں نے فرمایا بیشک میں بتلاتا ہوں، خدا کی قسم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات جو قرآن میں مذکور ہیں وہ تورات میں بھی موجود ہیں، اور فرمایا

انا ارسلنك شاهدا ومبشرا ونذيرا وحرزا للاميين انت عبدي ورسولي سميتك المتوكل ليس بفظ ولا غليظ ولا سخاب في الاسواق ولا يدفع السيئة بالسيئة ولكن يعفو ويغفر ولن يقبضه الله تعالى حتى يقيم به الملة العوجاء بان يقولوا لا اله الا الله ويفتح به اعينا عميا وآذانا صما وقلوبا غلفا

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو بھیجا شاہد بنا کر اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا [illegible] آپ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] وقت تک [illegible] آپ کے ذریعہ ٹیڑھی امت کو سیدھا [illegible] اللہ نہ کہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور بند دلوں کو کھول دے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا

اور خوشخبری سنا دے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے ہے اللہ کی طرف سے بڑی بزرگی

یعنی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ [illegible] امت [illegible] دوسری امتوں پر بزرگی اور برتری دی۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ

[illegible]

کافروں منافقوں کی پرواہ نہ کریں:

یعنی جب اللہ نے آپ کو ایسے کمالات اور ایسی برگزیدہ نعمت عنایت فرمائی تو آپ حسب معمول فریضۂ دعوت واصلاح کو پوری مستعدی سے ادا کرتے رہیے اور اللہ جو حکم دے اُس کے کہنے یا کرنے میں کسی کافرو منافق کی [illegible] پرواہ نہ کیجئے۔

وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ
[illegible] اور بھروسہ کر [illegible]
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا
اور اللہ بس ہے کام بنانے والا

کافروں کی ایذاء کو اہمیت نہ دیں:

یعنی اگر یہ بد بخت زبان اور عمل سے آپ کو ستاتے ہیں تو ان کا خیال چھوڑ [illegible] اللہ پر بھروسہ رکھیے۔ وہ اپنی قدرت ورحمت سے سب کام بنادے گا۔ [illegible] سب اُسی کے ہاتھ میں ہے، آپ [illegible] میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا تو مطلب یہی ہے [illegible] آپ [illegible] مطلب پورا [illegible] (تفسیر عثمانی)

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ کی کارسازی کافی ہے۔ یعنی جب تم [illegible] اپنے تمام امور سپرد کر دو گے تو وہ تمہارے سارے امور کے لیے کافی ہوگا۔ تم کو دوسروں کا محتاج نہ چھوڑے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات اور ذمہ داریاں:

بیضاوی نے لکھا ہے [illegible] شاہد، مبشر، نذیر، داعی الی اللہ [illegible] ترتیب وار حکم دیا [illegible] شاہد کے مقابل کوئی حکم نہیں دیا کیوں کہ مابعد کا کلام تمام احکام نگہداشت کی تفصیل [illegible] (گویا شاہد کا لفظ چاہتا تھا کہ نگہداشت کی جائے یعنی نگہداشت کی بات کی جائے [illegible] تفصیل بعد [illegible] کلام میں کردی گئی) مبشر کے مقابل (یعنی مناسب) مومنوں کو بشارت دینے کا حکم دیا اور نذیر کے مقابل [illegible] اذیت کی پرواہ نہ کرنے کا حکم دیا [illegible] اور داعی الی اللہ کے مقابل اللہ پر بھروسہ رکھنے کا حکم دیا [illegible] مناسب فرمایا کہ اللہ کی کارسازی کافی ہے [illegible] کیوں کہ [illegible] جس نے تمام مخلوق [illegible] آپ [illegible]

[illegible] پر اکتفا کرنا مناسب ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ
[illegible] جب تم نکاح میں لاؤ مسلمان عورتوں کو
ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ
[illegible] پہلے [illegible] تو تم کو [illegible]
عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ
[illegible] عدت [illegible] کہ گنتی پوری کرو سو اُن کو دو کچھ فائدہ
وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا
اور رخصت کرو بھلی طرح سے

ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق کا مسئلہ:

یعنی جو مرد اپنی عورت کو بغیر صحبت کے طلاق دے [illegible] اس کا مہر بندھا تھا تو نصف مہر [illegible] (یعنی عرف اور حیثیت کے موافق ایک جوڑا [illegible]) اور بھلائی کے ساتھ رخصت کر دے۔ اور عورت [illegible] وقت [illegible] اس صورت میں عدت نہیں۔ (حنفیہ کے نزدیک خلوت [illegible] تفصیل فقہ میں دیکھ لی جائے یہ مسئلہ یہاں بیان [illegible] میں جس کا سلسلہ دور سے چلا آتا تھا۔ درمیان میں چند آیات ضمنی مناسبت سے آگئی تھیں۔ یہاں سے پھر مضمون [illegible] روایات میں ہے کہ حضرت نے ایک عورت [illegible] حضرت [illegible] اور [illegible] حضرت نے اُس کو جوڑا دے کر رخصت [illegible] (تفسیر عثمانی)

[illegible] مسلمان عورتوں کا بھی ہے [illegible] کتابی عورتیں جن سے مسلمانوں نے نکاح [illegible] خصوصیت کے ساتھ صرف مومنات کا ذکر [illegible] مسلمان عورتوں سے ہی نکاح [illegible]

نکاح سے پہلے طلاق معتبر نہیں ہے:

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ [illegible] نکاح کے بعد طلاق [illegible] نکاح سے پہلے طلاق [illegible]

[illegible] نہیں ہے [illegible] طلاق [illegible] یہ [illegible] سے [illegible]
[illegible] کہا کہ جب میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو طلاق ہے
[illegible] تو (نکاح سے) پہلے دی ہوئی طلاق کا اعتبار نہیں ہو [illegible]
گا۔ اور اگر اس طرح کہا [illegible] عورت سے میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے پھر اسی
عورت سے نکاح کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس،
حضرت معاذ، حضرت جابر اور حضرت عائشہؓ کا یہی قول ہے۔ سعید بن مسیب،
سعید بن جبیر، [illegible] قاسم، طاؤس، حسن، عکرمہ، عطا، سلیمان بن یسار، مجاہد، [illegible]
[illegible] اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

اگر آزادی کو ملک کے ساتھ معلق [illegible] (مثلاً یوں کہا [illegible] جب میں کسی
باندی غلام کا مالک ہوں تو وہ آزاد ہے، یا کسی معین باندی [illegible] جب
میں تیرا مالک ہوں تو تو آزاد ہے) تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ [illegible]
نے فرمایا (مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں) طلاق [illegible]
[illegible] امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا یہی قول ہے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح
سے پہلے طلاق نہیں ہوتی [illegible]
[illegible]
[illegible] طلاق
(اس کے راوی ثقہ عادل [illegible])

[illegible] نے کہا اگر طلاق کو معلق [illegible] طلاق
[illegible]
[illegible]
[illegible] نے کہا کسی خاص شہر کا یا قبیلہ یا کسی خاص صنف
[illegible] عورت [illegible] اور اس کی طلاق کو معلق بانکاح کیا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

پہلے [illegible] تفسیر میں [illegible] اس مضمون کی
روایت [illegible]

[illegible] شعیب [illegible] روایت سے
بیان کیا [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیر مملوک کو نہ طلاق دی جاسکتی ہے
نہ آزاد [illegible] نہ فروخت کرنا، نہ اس نذر کو پورا کرنا جائز ہے جو غیر مملوک چیز کی ہو۔

ابن عدی نے بروایت نافع بیان کیا کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طلاق (جائز) نہیں مگر نکاح کے بعد۔ ابن
[illegible] راوی ثقہ ہیں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان بن
حرب کو نجران (طائف) یمن کا حاکم بنا کر بھیجا ور من جملہ دیگر ہدایات کے یہ
ہدایت بھی [illegible] آدمی طلاق نہ دے [illegible]
[illegible]

اس سلسلہ کی ایک حدیث حضرت مسعود بن مخرمہ کی بیان کردہ بھی ہے
[illegible] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور نہ مالک
ہونے سے پہلے آزاد کرنا ہے۔

عدت مردوں کا حق ہے:

لکم کا لفظ بتا رہا ہے کہ عورتوں (بیوہ ہوں یا مطلقہ) پر عدت کرنے کا
حق مردوں کا ہے اپنے پانی کی حفاظت اور نسب میں شک نہ ہونا عدت کا
[illegible]

حربی عورت [illegible] عورت [illegible] مسلمان [illegible]
کے لئے کوئی مدت نہیں اگر وہ فوراً نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے کیونکہ حربی کافر کا
[illegible] بے جان جمادات کی طرح ہے کہ مسلمان (دوسرے
[illegible]) [illegible] اگر وہ حاملہ ہوگی تو عدت پوری کرنی ہو
[illegible] وہ ثابت النسب [illegible]

خلوت سے قبل طلاق کے دو حکم

[illegible] بعد خلوت صحیحہ سے پہلے ہی
[illegible] مطلقہ عورت پر کوئی عدت [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] خلوت [illegible]

[illegible]
[illegible]

طلاق کے وقت مُتعہ یعنی لباس کی تفصیل:

بدائع میں ہے کہ متعہ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے کے وقت ضروری استعمال کرتی ہے۔ اس میں پاجامہ، کرتہ، اوڑھنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن کو چھپا سکے شامل ہے۔ [illegible] قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ، ادنیٰ، اوسط ہر طرح کا ہو سکتا ہے، اس لئے فقہاء نے اس کی یہ تفصیل فرمائی کہ اگر شوہر بیوی دونوں مالدار گھرانوں کے ہیں تو کپڑے اعلیٰ قسم کے دیئے جائیں، اور دونوں غریب ہیں تو [illegible] ادنیٰ درجہ کے دیئے جائیں، اور ایک غریب اور دوسرا مالدار ہے تو اوسط درجہ کا دیا جائے۔ (کذا قال الخصاف فی النفقات)

طلاق کے موقع پر جو مسنون ہدایات دی ہیں [illegible] ان میں حسن خلق اور حسن معاشرت کا پورا امتحان ہوتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ
اے نبی ہم نے حلال رکھیں تجھ کو تیری عورتیں جن کے مہر
أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ
تو دے چکا اور جو مال ہو تیرے ہاتھ کا جو ہاتھ لگا دے تجھ کو اللہ

یعنی لونڈیاں، باندیاں جو غنیمت وغیرہ سے ہاتھ آئی ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج کا مہر نقد ادا کیا:

جتنی عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کا مہر نقد ادا کر دیا ادھار نہیں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس چیز کا دینا آپ کے ذمہ واجب ہو اس کو فوراً ادا کر کے سبکدوش ہو جاتے تھے، بلا ضرورت تاخیر نہ فرماتے تھے۔ اس واقعہ کے اظہار میں عام مسلمانوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب ہے۔

غیر مسلم بادشاہ کے ہدیہ میں
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت

دارالحرب سے کسی غیر مسلم کی طرف سے اگر کوئی ہدیہ مسلمانوں کے امیر المؤمنین کے نام پر آئے تو حکم شرعی یہ ہے کہ اس کا مالک امیر المؤمنین نہیں ہوتا بلکہ وہ بیت المال شرعی کی ملک قرار دیا جاتا ہے، بخلاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ایسا ہدیہ آپ کے لئے خصوصیت سے حلال کر دیا گیا، جیسا ماریہ قبطیہ کا معاملہ ہے کہ مقوقس نے ان کو بطور ہدیہ و تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تو یہ آپ ہی کی ملک قرار دی گئیں۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

باندیوں کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت

باندیوں کے بارہ میں آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے آپ کو اختیار تھا جو چاہیں آپ پسند کر لیں۔ چنانچہ خیبر میں آپ نے حضرت صفیہؓ کو [illegible] ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ اہل حرب کی جانب سے جو ہدیہ آپ کے پاس آتے تھے وہ سب آپ کی ملک ہوتے تھے اور آپ کے بعد [illegible] بادشاہ [illegible] ہدیہ [illegible] تو وہ عام مسلمانوں [illegible] حق ہے، ایک خصوصیت آپ کی یہ تھی کہ [illegible] باندی [illegible] خصوصیتیں [illegible] معلوم ہوں اور [illegible] ہجرت [illegible] تھی۔ (معارف [illegible])

وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ
اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تیرے ماموں کی بیٹیاں
وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً
اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے وطن چھوڑا تیرے ساتھ اور جو عورت
مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ
مسلمان ہو اگر بخش دے اپنی جان نبی کو اگر نبی چاہے
أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ
کہ اس کو نکاح میں لائے یہ خالص ہے تیرے لئے سوائے سب مسلمانوں کے
قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ
ہم کو معلوم ہے جو مقرر کر دیا ہے ہم نے اُن پر اُن کی عورتوں کے حق میں
وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ
اور ان کے ہاتھ کے مال میں تاکہ نہ رہے تجھ پر تنگی
وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا
اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

ازواج کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

تیری عورتیں جن کو مہر دے چکا یعنی جو اب تیرے نکاح میں ہیں خواہ

قریش سے ہوں اور مہاجر ہوں یا نہ ہوں سب حلال رہیں، ان میں سے کسی کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ اور چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ کی بیٹیاں یعنی قریش میں کی جو باپ یا ماں کی طرف سے قرابت دار ہوں بشرطیکہ ہجرت کی ہو حلال ہیں ان سے نکاح کر سکتے ہو۔ اور جو عورت بخشے نبی کو اپنی جان یعنی بلا مہر کے نکاح میں آنا چاہے وہ بھی حلال ہے اگر آپ اس طرح نکاح میں لانا پسند کریں۔ یہ اجازت خاص پیغمبر کے لئے ہے گو آپ نے کبھی اس پر عمل نہیں کیا (موضح القرآن) شاید اس کی زکوٰۃ شیخ کی شان سے اجازت مرجوح بھی ہو۔ بہرحال عام مسلمانوں کے لئے وہی حکم ہے جو معلوم ہو چکا کہ تبتغوا باموالکم (نساء، رکوع ۴) یعنی بدون مہر نکاح نہیں، خواہ عقد کے وقت ذکر آیا خواہ پیچھے ٹھہرا لیا یا نہ ٹھہرایا تو مہر مثل (جو اس کی قوم کا مہر ہو) واجب ہوگا۔ پیغمبر پر سے اللہ تعالیٰ نے یہ مہر کی قید اٹھا دی تھی۔ برخلاف مومنین کے کہ ان کو نہ چار سے زائد کی اجازت نہ بدون مہر کے نکاح درست۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باعفت حیات مبارکہ اور تعدد ازواج کی حکمت

(تنبیہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر تک جو شباب کی امنگوں کے اصلی دن ہوتے ہیں محض تجرد میں گزارے۔ پھر قوم کے اصرار اور دوسری جانب کی درخواست پر حضرت خدیجہ جیسی ایک معزز خاتون سے (جن کی عمر ڈھل چکی تھی اور دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں) آپ نے عقد کیا۔ ترپن سال کی عمر تک پورے سکون و طمانیت سے اسی پاکباز بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہی زمانہ تھا کہ آپ ساری دنیا سے الگ غاروں اور پہاڑوں میں جا کر خدائے واحد کی عبادت کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کی نیک بندی آپ کے گوشہ نشینی اور عبادت الٰہی اور سکون قلب کے حصول میں آپ کی اعانت و امداد کیا کرتی تھی۔ زندگی کے اس طویل عرصہ میں جو دوسرے لوگوں کے عموماً نفسانی جذبات کی انتہائی بلندی کا نیز بیویوں کے اکتا اکتا کر ختم ہو جانے کا زمانہ ہوتا ہے، کوئی معاند سے معاند اور کٹر سے کٹر متعصب دشمن بھی ایک حرف یا نقطہ یا گوشہ آپ کی مشہور عصمت اور خارق عادت عفت و پاکبازی کے خلاف نقل نہیں کر سکتا اور واضح رہے کہ یہ اس اکمل بشر کی حیات کا ذکر ہے جس نے خود اپنی نسبت فرمایا کہ مجھ کو جو جسمانی قوت عطا ہوئی ہے وہ اہل جنت میں سے چالیس مردوں کے برابر ہے اور اہل جنت میں سے ایک مرد کی قوت سو کے برابر ہوگی۔ گویا اس حساب سے دنیا کے چار ہزار مردوں کی برابر قوت حضور کو عطا فرمائی تھی۔ اور بیشک دنیا کے اکمل ترین بشر کی تمام روحانی و جسمانی قوتیں بھی اعلیٰ و اکمل پیمانہ پر ہونی چاہییں۔ اس حساب سے اگر فرض کیجئے چار ہزار بیویاں آپ کے نکاح میں ہوتیں تو آپ کی قوت کے اعتبار سے اس درجہ میں شمار ہوتا جیسے ایک مرد ایک عورت سے نکاح کر لے۔ لیکن ابتدا میں اس شدید ریاضت و ضبط نفس کا یہ ٹھکانا ہے کہ ترپن سال کی عمر اس تجرد یا زہد کی حالت میں گزار دی۔ پھر حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ کے سب سے بڑے جاں نثار و وفادار رفیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہ سے عقد ہوا۔ ان کے سوا آٹھ بیویاں آپ کے نکاح میں آئیں۔ وفات کے بعد نو موجود تھیں۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت حفصہ، حضرت سودہ، حضرت ام سلمہ، حضرت زینب، حضرت ام حبیبہ، حضرت جویریہ، حضرت صفیہ، حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن وارضاہن (ان میں پچھلی تین قریش نہیں) دنیا کا سب سے بڑا باکمال انسان جو اپنے فطری قویٰ کے لحاظ سے کم از کم چار ہزار بیویوں کا مستحق ہو، کیا کوئی انصاف پسند اس پر شہوت رانی یا کثرت ازواج کا الزام لگا سکتا ہے۔ پھر جب ہم ایک طرف دیکھتے ہیں کہ آپ کی عمر ترپن سال سے متجاوز ہو چکی تھی، باوجود عظیم الشان فتوحات کے کئی کئی دن پیٹ بھر کھانا نہ ملتا تھا، جو آتا تھا خدا کی راہ میں دے ڈالتے۔ انتہائی فقر و فاقہ سے پیٹ کو پتھر باندھتے، مہینوں ازواج مطہرات کے مکانوں سے دھواں نہ نکلتا، پانی اور کھجور پر گزر رہ جاتا۔ روزہ پر روزہ رکھتے۔ کئی کئی دن کا افطار نہ کرتے، راتوں کو خدا کی عبادت میں کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم ہو جاتا۔ پھر ہر وقت جیش و حرب کا سامان تھا۔ تمام بیویوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ جسے آخرت کی زندگی پسند ہو ہمارے ساتھ رہے جو دنیا کا عیش چاہے رخصت ہو جائے۔ ان حالات کے باوجود دوسری طرف دیکھا جاتا ہے کہ سب ازواج کے حقوق ایسے اکمل و احسن طریقہ سے ادا فرماتے جس کا تحمل بڑے سے بڑا طاقتور مرد نہیں کر سکتا۔ اور میدان جنگ میں لشکروں کے مقابلہ پر جب بڑے بڑے جوان مرد بہادر دل چھوڑ بیٹھتے تھے آپ پہاڑ کی طرح ڈٹے رہتے اور زبان سے فرماتے اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ! اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ اور اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ بیویوں کا تعلق فرائض عبودیت و رسالت کی بجا آوری میں ذرہ برابر فرق نہ ڈالتا۔ نہ کسی سخت سے سخت کٹھن کام میں ایک منٹ کے لئے ضعف و تعب لاحق ہوتا۔ گویا یہ خارق عادت احوال اہل بصیرت کے نزدیک معجزے سے کم نہیں۔ حقیقت میں جس طرح آپ کا بچپن اور آپ کی جوانی ایک معجزہ تھی، بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کی پاک زندگی کے ایک ایک دور میں پیروی کرنے والوں کے لئے بہترین نمونے رکھ دیئے ہیں جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی عملی رہبری کر سکیں۔ ازواج مطہرات کی جس نام نہاد کثرت پر مخالفین کو اعتراض ہے وہی امت مرحومہ کے لئے اس کا ذریعہ بنی کہ پیغمبر کا اتباع کرنے والے مرد اور عورتیں ان

حکموں اور نمونوں سے بے تکلف واقف ہوں جو بالخصوص باطنی احوال اور خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ گویا کثرت ازواج میں ایک بڑی مصلحت یہ ہوئی کہ خانگی معاشرت اور نسوانی مسائل کے متعلق نبی کے احکام و اسوۂ حسنہ کی اشاعت کافی حد تک بے تکلف ہو سکے۔ نیز مختلف قبائل و جماعات کی عورتوں کے آپ کی خدمت میں رہنے سے ان قبائل اور جماعتوں کو آپ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا اور اس طرح اُن کی وحشت و نفرت بھی کم ہوئی۔ اور اپنے کنبہ کی عورتوں سے آپ کی پاکدامنی، خوبی اخلاق، حُسن معاملہ اور بے لوث کیرکٹر کو سن کر اسلام کی طرف رغبت بڑھی۔ شیطانی شکوک و اوہام کا ازالہ ہوا، اور اس طرح خدا کے عاشقوں، آپ کے فداکاروں اور دین کے جاں نثاروں کی وہ عظیم الشان جماعت تیار ہوئی جس سے زیادہ پاکباز کوئی جماعت (بجز انبیاء کے) آسمان کے نیچے کبھی نہیں پائی گئی اور جو سچ مچ یہ رتبہ رکھنے والے کی تربیت میں ہی تیار ہو سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

بغیر ولی اور بغیر مہر کے نکاح:

حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ عورت ہبہ جائز نہیں ہاں آپ کے بغیر ولی اور بغیر مہر کے کسی کے نکاح میں دے دینا یہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ تھا اور مومنوں پر جو ہم نے مقرر کیا ہے ہم خوب جانتے ہیں یعنی دو چار سے زیادہ بیویاں ایک ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ ہاں اس کے علاوہ لونڈیاں رکھ سکتے ہیں اور ان کی کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اسی طرح ولی کی مہر کی گواہوں کی بھی شرط ہے۔ ہاں امت کے لئے تو یہ حکم ہے اور آپ پر اس کی پابندی نہیں تاکہ آپ پر کوئی حرج نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑا غفور و رحیم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات:

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے چھ تو قریشیہ تھیں۔ خدیجہ، عائشہ، حفصہ، ام حبیبہ، سودہ اور ام سلمہ اور تین بنو عامر بن صعصعہ کے قبیلے میں سے تھیں اور دو عورتیں قبیلہ بنو ہلال بن عامر میں سے تھیں۔ حضرت میمونہ بنت حارث یہی وہ ہیں جنہوں نے اپنا نفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی کنیت ام المساکین تھی اور ایک عورت بنو ابی بکر بن کلاب سے یہ وہی ہے جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا اور بنو جون میں سے ایک عورت جس نے پناہ طلب کی تھی۔ اور ایک عورت اسدیہ جن کا نام زینب بنت جحش ہے رضی اللہ عنہا۔ دو کنیزیں تھیں صفیہ بنت حیی بن اخطب اور جویریہ بنت حارث بن عمرو بن مطلق خزاعیہ۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے نفس کو ہبہ کرنے والی عورت حضرت میمونہ بنت حارث تھیں۔ لیکن اس میں انقطاع ہے اور یہ روایت مرسل ہے۔ یہ مشہور بات ہے کہ حضرت زینب جن کی کنیت ام المساکین تھی، بنت خزیمہ تھیں۔ قبیلہ انصار میں سے تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی انتقال کر گئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ واللہ اعلم مقصد یہ ہے کہ وہ عورتیں جنہوں نے اپنے نفس کا اختیار آپ کو دیا تھا وہ بہت سی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی قدردانی کا اعلیٰ ترین نمونہ قائم فرمادیا:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کوئی ایسی عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں نہ تھی جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کر دیا ہو۔ حضرت یونس بن بکیر فرماتے ہیں کہ آپ کے لئے یہ مباح تھا کہ جو عورت اپنے تئیں آپ کو سونپ دے آپ اسے اپنے گھر میں رکھ لیں، لیکن آپ نے ایسا کیا نہیں کیونکہ یہ امر آپ کی مرضی پر رکھا گیا تھا۔ یہ بات کسی اور کے لئے جائز نہیں۔ ہاں مہر ادا کر دے تو سب ٹھیک ہے۔ چنانچہ حضرت بروع بنت واشقؓ کے بارے میں جنہوں نے اپنا نفس ہبہ کر دیا تھا، جب اس کے شوہر انتقال کر گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان کے خاندان کی اور عورتوں کے مثل انہیں مہر دیا جائے جس طرح موت مہر کو مقرر کر دیتی ہے اسی طرح صرف دخول سے بھی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ تھے۔ ایسی عورتوں کو کچھ دینا آپ پر واجب نہ تھا۔ گو آپ سے شرف جنسی حاصل ہو چکا ہو اس لئے کہ آپ بغیر مہر کے اور بغیر ولی کے اور بغیر گواہوں کے نکاح کر سکتے تھے جیسے کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کے قصے میں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ۭ
پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے ان میں اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے
وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ۭ
اور جس کو جی چاہے تیرا ان میں سے جن کو کنارے کر دیا تھا تو کچھ گناہ نہیں تجھ پر

ازواج میں باری کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار

تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ان میں سے آپ جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں (اور جب تک چاہیں) اپنے پاس رکھیں یہ آیت سن کر حضرت عائشہ نے کہا میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی خواہش جلد پوری کر دیتا ہے دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا مجھے ان عورتوں پر غیرت آتی تھی جو اپنی ذات کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کرتی تھیں اور میں کہتی تھی کیا عورت اپنے آپ کو ہبہ کر سکتی ہے لیکن جب آیت تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ الخ نازل ہوئی تو میں نے کہا

مجھے ملنی ہے سو جب آپ کا دل چاہے آپ ان کو اپنی خدمت میں بلا سکتے ہیں۔
ترجی کا معنی ہے پیچھے کر دینا، یعنی آپ جن کو چاہیں پیچھے کر دیں۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کی تفسیر کا اختلاف ہے سب سے زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ اس آیت کا نزول باری تقسیم کرنے کے سلسلہ میں ہوا۔ بیبیوں میں برابری کرنا رسول اللہ پر واجب تھا اس آیت کے نزول کے بعد برابری رکھنے کا حکم ساقط کر دیا گیا اور عورتوں کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا اختیار دے دیا گیا۔

ابو زید اور ابن زید نے کہا اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب بعض امہات المومنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا ... اور بعض نے ... مصارف طلب کئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک سب سے ترک تعلق کر لیا، یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی اور اللہ نے ... عورتوں کو اختیار دے دیا ... دنیا یا آخرت ... چاہیں ... (اس وقت) اور جواہر ... رسول کا اختیار ... اپنے پاس رکھیں ... اور ... (آپ کے بعد) نکاح نہیں کریں گی اور ایک شرط یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے ... چاہیں رسول خدا اپنے پاس رکھیں ... چاہیں ... جس کو رسول اللہ کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ جس کی باری چاہیں مقرر کریں چاہیں نہ کریں اور مصارف و باری کی تقسیم میں جس کو چاہیں ترجیح دیں یہ سارے اختیارات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہوں گے یہ خصوصیت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی تھی۔ امہات المومنین نے یہ تمام شرائط مان لیں اور ان شرائط پر آپ کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئیں رضی اللہ عنہن۔

مذکورہ احکام کا عمومی پہلو:

میں کہتا ہوں یہ اختیار کا حکم صرف رسول اللہ ہی کے لئے نہیں بلکہ ساری امت کے لئے اس کا جواز ہے اگر کسی کے پاس چند عورتیں ہوں اور وہ اپنے حقوق نکاح مثلاً مصارف اور باری کی تقسیم میں مساوات کی طلب گار ہوں اور شوہر ان سے کہہ دے کہ اگر تم چاہو تو آؤ میں تم کو سامان دے کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں ... جو عورت ... نکاح میں رہنا چاہے ... مصارف کے ان شرائط پر رہنا چاہے کہ میں جس کو چاہوں گا اپنے پاس رکھوں گا اور جس کو چاہوں گا الگ رکھوں گا مجھے اختیار ہوگا کہ میں باری مقرر کروں یا کسی کی کروں اور کسی کی نہ کروں اور یہ بھی اختیار ہوگا کہ مصارف طعام وغیرہ ایک کو کم دوں دوسری کو زیادہ دوں اور ان تمام شرائط پر عورتیں کہہ دیں کہ ہم کو یہ سب شرطیں منظور ہیں ہم تو تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہیں ہم اپنے حقوق سے دست بردار ہوتی ہیں آپ جیسے چاہیں رہیں تو اس صورت میں شوہر کو پورا اختیار ہو جاتا ہے اور ان کے حقوق نکاح اس پر باقی نہیں رہتے۔

حضرت سودہ خود اپنے حقوق سے دستبردار ہوگئیں اور انہوں نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ کو دے دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی عظمت:

بخاری نے حضرت معاذہ کی روایت سے حضرت عائشہ کا بیان نقل کیا ہے کہ کسی عورت کی باری کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے (یعنی کسی بیوی سے ...) اجازت طلب کرتے تھے اور یہ واقعہ آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ کے نزول کے بعد کا ہے۔ حضرت معاذہ نے کہا میں نے پوچھا آپ کیا کہتی تھیں حضرت عائشہ نے فرمایا میں کہتی تھی اگر اس کا اختیار میرے ہاتھ میں ہے تو میں کسی پر ... معاملہ میں آپ پر ترجیح نہیں دوں گی۔

اختیار کے مختلف پہلو:

بعض نے کہا تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی سے بغیر ... چاہیں علیحدگی کر لیں ... اور ... کے بعد ... پھر تجدید نکاح کر کے اپنے پاس واپس لانا چاہیں تو لا سکتے ہیں۔

حسن نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اپنی امت کی جس عورت سے آپ نکاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اور نکاح نہ کرنا چاہیں تو نہ کریں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی عورت کو اپنا پیام بھیجتے تھے تو جب تک خود ہی اپنے پیام سے دست بردار نہ ہو جاتے ... کسی کے لئے اس عورت کو پیام بھیجنا جائز نہ تھا۔

بعض نے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ جو مومن عورتیں اپنے آپ کو آپ کے لئے ہبہ کر دیں آپ ان میں سے جس کو چاہیں قبول کر لیں اور اپنے پاس جگہ دیں اور جس کو قبول نہ کرنا چاہیں ... (کذا فی المظہری)

دورِ جاہلیت کا ایک غلط رواج:

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ جاہلیت میں ایک خبیث رواج یہ بھی تھا کہ لوگ آپس میں بیویوں کا تبادلہ کیا کرتے تھے۔ یہ اپنی اسے دے دیتا تھا اور وہ اپنی اسے دے دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس گندے طریقے سے مسلمانوں کو روک دیا ...

اور صحیح بخاری میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بی بی کی نوبت میں ان کے یہاں جانے سے کوئی عذر ہوتا تو آپ ان سے اجازت لیتے تھے، جب کہ یہ آیت بھی نازل ہو چکی تھی، تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ الآیۃ (جس میں بیویوں میں برابری کرنے کا فرض آپ سے معاف کر دیا گیا)

تعدد ازواج کا مسئلہ:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا نکاح پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہؓ سے کیا، جو بیوہ تھیں، رسیدہ صاحب اولاد، اور دو شوہروں کے نکاح میں رہنے کے بعد آئی تھیں، اور پچاس سال کی عمر تک صرف اسی ایک سن رسیدہ بیوی کے ساتھ شباب کا پورا زمانہ گزارا، یہ پچاس سالہ دورِ عمر مکہ کے لوگوں کے سامنے گزرا، چالیس سال کی عمر میں اعلان نبوت کے بعد شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع ہوگی، اور مخالفین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستانے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، ساحر کہا شاعر کہا، مجنون کہا، مگر کبھی کسی دشمن کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں مل سکا، جو تقویٰ وطہارت کو مشکوک کر سکے۔

پچاس سال عمر شریف کے گزرنے اور حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد حضرت سودہؓ نکاح میں آئیں یہ بھی بیوہ تھیں۔

ہجرت مدینہ اور عمر شریف چون سال ہو جانے کے بعد ۲ ہجری میں حضرت صدیقہ عائشہؓ کی رخصتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی، اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہؓ سے اور کچھ دنوں کے بعد حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح ہوا، یہ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو اختیار دیدیا کہ دنیا طلبی کے لئے آپ سے جدائی اختیار کریں یا پھر تنگی وفراخی جو کچھ پیش آئے اس پر قناعت کر کے آپ کی زوجیت میں رہیں، تو سب ازواج مطہرات نے اپنے نفقہ کی زیادتی کے مطالبہ کو چھوڑ کر اسی حال میں زوجیت کے اندر رہنا اختیار کیا تو اس پر بطور انعام کے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو بھی انہی نو ازواج کے لئے مخصوص کر دیا، ان کے سوا کسی سے نکاح جائز نہ رہا (رواہ البیہقی فی سننہ کذافی الروح)

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص فرما دیا کہ آپ کے بعد بھی وہ کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُن کے لئے مخصوص فرما دیا کہ آپ ان کے علاوہ اور کوئی نکاح نہیں کر سکتے حضرت عکرمہ سے بھی ایک روایت میں یہی تفسیر منقول ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ
اس میں قریب ہے کہ ٹھنڈی رہیں آنکھیں اُن کی اور غم نہ کھائیں
وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
اور راضی رہیں اُس پر جو تو نے دیا اُن سب کی سب کو اور اللہ جانتا ہے

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا
جو تمہارے دلوں میں ہے اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا تحمل والا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اختیارات سے کام نہیں لیا

یعنی ولیتہ النفس کے متعلق اختیار ہے قبول کر دیا نہ کرو۔ اور موجودہ بیویوں میں سے جس کو چاہو رکھو یا طلاق دے دو۔ نیز جو بیویاں رہیں آپ پر قسم (باری باری سے رہنا) واجب نہیں، جسے چاہیں باری میں آگے پیچھے کر سکتے ہیں۔ اور جسے کنارے کر دیا ہو اسے دوبارہ واپس لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ حقوق (اختیارات آپ کو دیئے گئے تھے، مگر آپ نے مدت العمر ان سے کام نہیں لیا۔ معاملات میں اس قدر عدل ومساوات کی رعایت فرماتے تھے جو بڑے سے بڑا محتاط آدمی نہیں کر سکتا۔ اس پر بھی اگر قلبی میلان کسی کی طرف بے اختیار ہوتا تو فرماتے۔ اللّٰهم هذا قسمي فيما املك فلا تلمني فيما تملك ولا املك (اے اللہ یہ میری تقسیم ہے اُن چیزوں میں جو میرے اختیار میں ہیں، جو چیز صرف تیرے قبضہ میں ہے میرے اختیار میں نہیں اُس پر ملامت نہ کیجئے) شاید وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا میں اسی طرف اشارہ ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دینے کی حکمت:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ کسی مرد کے کئی عورتیں ہوں تو اُس پر باری سے سب کے پاس برابر رہنا واجب ہے، حضرت پر یہ واجب نہ تھا۔ اس واسطے کہ عورتیں اپنا حق نہ سمجھیں، تو جو دیں راضی ہو کر قبول کریں (ورنہ روز یہ ہی کشمکش اور جھنجھٹ رہا کرتی، مہماتِ دین میں خلل پڑتا، اور ازواج کی نظر بھی دنیا سے بالکل یکسو ہو کر مقصد اصلی کی طرف نہ رہتی۔ اسی غم وفکر میں مبتلا رہا کرتیں) پر حضرت نے اپنی طرف سے فرق نہیں کیا سب کی باری برابر رکھی۔ ایک حضرت سودہؓ نے (جب عمر زیادہ ہوگئی اپنی باری حضرت عائشہؓ کو بخش دی تھی۔" (تفسیر عثمانی)

ازواجِ مطہرات کیلئے آسانی:

ذٰلک یعنی یہ اختیار جو آپ کو دیا گیا ان کی آنکھوں کی ٹھنڈی رکھنے اور آرزدہ خاطر نہ ہونے اور سب کے راضی رہنے سے بہت زیادہ قریب (تعلق رکھنے والا) کیونکہ اس میں سب برابر ہیں (سب کا اختیار آپ کو ہے کوئی خود حقدار نہیں رہی) پھر اگر آپ ان میں سے کسی کو اپنے پاس بلائیں گے تو وہ آپ کے اس فعل کو آپ کی مہربانی سمجھے گی اور جس سے کنارہ کش ہو جائیں گے وہ اس کو حکم خدا سمجھے گی بلکہ اس میں بھی آپ کی مہربانی سمجھے گی کہ آپ نے اس کو صرف اپنے قرب سے ہٹا دیا نکاح سے تو خارج نہیں کیا حالانکہ آپ کو اس کی ضرورت نہیں تھی (طلاق دے سکتے تھے)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ اور اللہ کو تم لوگوں کے دلوں کی باتیں معلوم ہیں۔ اس میں اس بی بی کے لئے وعید ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت پر راضی نہ ہو۔

بعض اہل علم نے اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارے دلوں کے اندر جو بعض عورتوں کی طرف جھکاؤ اور میلان ہوتا ہے اللہ اس سے واقف ہے اور ہم نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آسانی کے لئے یہ اختیار ان کو دیا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَلِيمًا اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا اور حلم والا ہے یعنی جاننے کے باوجود فوری سزا نہیں دیتا اس سے ڈرتا رہنا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ
حلال نہیں تجھ کو عورتیں اس کے بعد [illegible]
بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ
[illegible] عورتیں [illegible] خوش لگے تجھ کو [illegible]

یعنی جتنی قسمیں [illegible] میں فرما دیں ان سے زیادہ حلال نہیں۔ اور جو اب موجود ہیں ان کو بدلنا حلال نہیں۔ یعنی یہ کہ ان میں سے کسی کو اس لئے چھوڑ دو کہ دوسری اس کی جگہ کر لو۔ حضرت عائشہ اور ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ یہ ممانعت آخر کو موقوف ہو گئی۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے نہ اس کے بعد کوئی نکاح کیا نہ ان میں سے کسی کو بدلا۔ آپ کی وفات کے وقت سب ازواج برابر موجود رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ان کے علاوہ اور عورتیں آپ کے لئے حلال نہیں ہیں اور نہ یہ درست ہے کہ آپ ان (موجودہ) بیبیوں (کو چھوڑ کر ان) کی جگہ دوسری بیبیاں کر لیں خواہ آپ کو ان کا حسن دل پسند ہو مگر جو آپ کی باندیاں ہوں (ان کو رکھ سکتے ہیں)

عطاء نے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا تھا کہ [illegible] عورتوں سے [illegible] محرم [illegible] آپ نکاح کرنا چاہیں کر سکتے ہیں آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ میں اس کی اجازت دے دی گئی تھی کیونکہ یہ آیت اگرچہ ترتیب قرات میں پہلے ہے لیکن نزول میں مؤخر ہے لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ [illegible] بعد آیت تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ نازل ہوئی تھی۔

وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ یعنی ان عورتوں کا حسن [illegible] تم [illegible] خواہشمند ہو۔ بغوی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ آپ کے لئے حلال نہیں [illegible] بیویوں میں سے کسی کو طلاق دے دو اور اس کی جگہ دوسری سے نکاح کرو۔

خواہ ان کی خوبصورتی آپ کو کیسی ہی بھلی معلوم ہو۔

حضرت جعفر کی بیوہ:

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہی (حسین) عورت جعفر بن ابی طالب کی بیوی بنت عمیس [illegible] تھی جب جعفر شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس اپنا پیام بھیجا ان پر یہ آیت آپ کو اس کی ممانعت کر دی گئی۔ (تفسیر مظہری)

احمق سردار: حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ عیینہ بن حصن بغیر اجازت لئے رسول اللہ کے پاس اندر آ گیا حضور کے پاس اس وقت حضرت عائشہ موجود تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اجازت [illegible] نہیں لی عیینہ نے کہا یا رسول اللہ جب سے میں جوان ہوا ہوں میں نے مضر (مجازی عرب) کے کسی شخص سے داخلہ کی اجازت نہیں لی پھر کہنے لگا یہ آپ کے پہلو میں گوری عورت کون ہے فرمایا ام المومنین عائشہ ہیں بولا کیا ایک حسین ترین عورت [illegible] آپ سے اس کا تبادلہ نہ کر لوں۔ حضور نے فرمایا اللہ نے یہ حرام [illegible] جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ یہ کون تھا فرمایا یہ احمق ہے [illegible] کا حکم مانا جاتا ہے جو حالت تم نے اس کی دیکھی [illegible] (تفسیر مظہری)

إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ
مگر جو مال ہو [illegible]

حضرت ماریہ اور حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہما

یعنی [illegible] باندی۔ حضرت کی [illegible] مشہور ہیں۔ ایک ماریہ قبطیہ جن کے شکم سے صاحبزادہ حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے بچپن میں انتقال کر گئے۔ دوسری ریحانہ رضی اللہ عنہما۔ (تفسیر عثمانی)

إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کے نزول کے بعد حضرت [illegible] ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ حضور کی ملک میں داخل ہوئیں (مقوقس نے [illegible] [illegible] میں بطور ہدیہ بھیجی تھی [illegible] [illegible] [illegible] صاحبزادے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے۔)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا
[illegible]

یعنی اللہ کی نگاہ میں ہے جو اس کے احکام و حدود کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں [illegible] اس کا خیال رکھ کر کام کرنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا اور اللہ ہر چیز کا پورا نگراں ہے۔ اس

کہ تم اللہ کے احکام کی پابندی کرو اور اس کی قائم کی ہوئی حد سے تجاوز نہ کرو۔

نکاح سے پہلے عورت کو دیکھنا:

بغوی نے لکھا ہے آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو اس کو دیکھنا جائز ہے۔ حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دینا چاہتا ہو اور اس کے لئے ممکن ہو کہ دیکھنا جو نکاح کی دعوت دیں ممکن ہو تو ایسا کرے۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیام بھیجا حضور نے فرمایا کیا تم نے اس کو دیکھ لیا ہے میں نے کہا نہیں۔ فرمایا اس کی طرف دیکھ لو تم دونوں میں اتفاق قائم رکھنے کے لئے یہ بات زیادہ مناسب ہے۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے کسی انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی طرف دیکھ لو انصار کی عورتوں کی آنکھوں میں کچھ ہوتا ہے (یعنی پیلا پن) رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ
اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں
النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ
میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے
اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا
والے اس کے پکنے کی لیکن جب تم کو بلائے تب جاؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کیلئے آداب:

یعنی بدون حکم واجازت کے دعوت میں مت جاؤ اور جب تک بلائیں نہیں پہلے سے جا کر نہ بیٹھو۔ وہاں بیٹھ کر انتظار کرنا پڑے۔ اور گھر والوں کے کام کاج میں حرج واقع ہو۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: بغوی نے ابن شہاب (زہری) کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے ہیں اس وقت دس سال کا تھا۔ میری مائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پر میری موافقت کرتی تھیں میں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میری عمر بیس سال کی تھی۔ حجاب کے واقعہ کا علم مجھے سب لوگوں سے زیادہ ہے آیت حجاب کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور زینب بنت جحش کی خلوت گاہ میں ہوا صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے شوہر ہونے کی حیثیت میں تھے آپ نے لوگوں کو کھانا کھانے بلایا لوگوں نے آکر کھانا کھایا الی آخر الحدیث۔ زہری کی یہ روایت بھی بخاری کی روایت کی طرح ہے۔ بخاری کی دوسری روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا اس آیت یعنی آیت حجاب کو میں سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں جب حضرت زینب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیوی کی حیثیت میں بھیجا گیا تو آپ کے گھر کے اندر وہ موجود تھیں اور آپ نے کچھ کھانا تیار کرایا تھا اور لوگوں کو کھانے کے لئے بلوایا تھا۔ (کھانے کے بعد بھی) لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے اس پر اللہ نے آیت حجاب نازل فرمائی تو لوگ اٹھ گئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا۔

پردے کا حکم:

حضرت انس کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت زینب کے ولیمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت روٹی تیار کرائی اور مجھے لوگوں کو کھانے کی دعوت دینے کے لئے بھیج دیا گیا لوگ آنے لگے اور کھانے لگے اور نکل کر جانے لگے پھر دوسرے لوگ آنے کھانے اور جانے لگے میں لوگوں کو بلاتا رہا جب کوئی آدمی ایسا نہ رہا کہ میں اس کو بلاتا تو میں نے عرض کر دیا یا نبی اللہ اب تو کوئی آدمی مجھے نہیں ملتا کہ میں اس کو بلاؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانا اٹھالو تو تین آدمی وہاں گھر کے اندر بیٹھے باتیں کرتے رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف تشریف لے گئے اور (حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جا کر) فرمایا السلام علیکم اہل البیت ورحمۃ اللہ (اے اہل خانہ تم پر سلام اور اللہ کی رحمت ہو) حضرت عائشہؓ نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ آپ نے اپنی بیوی کو کیسا پایا اللہ آپ کو مبارک کرے (اس طرح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب بیویوں کے حجروں کی طرف تشریف لے گئے وہی بات فرماتے رہے جو حضرت عائشہؓ سے فرمائی تھی اور بیویوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عائشہ نے دیا تھا کچھ دیر کے بعد واپس آگئے تو دیکھا تینوں آدمی باتیں کر رہے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شرمیلے تھے (آدمیوں کو کچھ نہیں فرمایا اور) مڑ کر گھر سے نکل کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف چل دیئے مجھے یاد نہیں کہ میں نے اطلاع دی یا حضور کو (کسی اور سے) اطلاع ملی کہ لوگ چلے گئے آپ فوراً لوٹ پڑے اور گھر کے اندر داخل ہونے کے لئے ایک قدم چوکھٹ کے اندر رکھا تھا دوسرا قدم باہر ہی تھا کہ میرے اور اپنے درمیان پردہ چھوڑ دیا اور آیت حجاب نازل ہوئی۔

حضرت عمر فاروقؓ کی رائے:

طبرانی نے صحیح سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قاب میں کھا رہی تھی اتنے میں ادھر سے عمر گزرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا لیا وہ بھی آکر کھانے

ہے (اتفاق) کہ کی انگلی میری انگلی سے مس ہو گئی فوراً حضرت عمر نے فرمایا کاش تم عورتوں کے بارے میں میری بات مان لی جاتی تو کوئی آنکھ تم کو نہیں دیکھ پاتی۔ اس کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی۔ نسائی نے اور ابن المنذر میں بخاری نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ کے پاس اندر گیا اور بہت دیر تک بیٹھا رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین بار اٹھ کر باہر چلے گئے تاکہ وہ شخص بھی چلا جائے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اتنے میں حضرت عمر اندر آئے اور چہرہ مبارک پر ناگواری دیکھ کر اس شخص سے کہا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی۔ حضور نے فرمایا میں تین مرتبہ اٹھا تاکہ یہ بھی میرے پیچھے اٹھ جائے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ (عورتوں سے) پردہ کر لیتے تو مناسب تھا۔ کیونکہ آپ کی بیبیاں دوسری عورتوں کی طرح تو ہیں نہیں۔ یہ عمل ان کے دلوں کے لیے بھی پاک رکھنے والا ہے اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بخاری کی یہ روایت ذکر کر دی گئی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا تین باتوں میں میری (رائے کی) مطابقت اپنے رب کے (حکم کے) ساتھ ہوئی میں نے عرض کیا کاش آپ مقام ابراہیم کو مقام نماز بنا لیتے اس پر آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى نازل ہوئی میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ آپ کی عورتوں کے پاس نیک و بد ہر طرح کے آدمی آتے ہیں کاش آپ اپنی عورتوں کو پردہ میں رہنے کا حکم دے دیتے اس پر آیت حجاب نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رقابت کی وجہ سے آپ کی عورتیں جمع تھیں۔ میں نے کہا عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ۔

حضرت عمر فاروقؓ کی فضیلت:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا چار باتوں کی وجہ سے عمر بن خطاب کو لوگوں پر فضیلت حاصل تھی۔

(۱) آپ نے بدر کے قیدیوں کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ اس پر آیت لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ نازل ہوئی۔

(۲) آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو پردے میں رہنے کا مشورہ دیا تھا جس پر حضرت زینب نے فرمایا خطاب کے بیٹے اب تم کو ہم پر بھی غیرت آنے لگی حالانکہ وحی ہمارے گھروں میں اترتی ہے اس پر آیت وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ نازل ہوئی۔

(۳) رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے متعلق دعا کی تھی اے اللہ عمر کے ذریعہ سے اسلام کو مضبوط کر دے۔

(۴) حضرت ابوبکر کی خلافت کے بارے میں آپ نے رائے دی تھی

آپ نے ہی سب سے پہلے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (تفسیر مظہری)

مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرو:

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ تم میں سے کسی کو جب اس کا بھائی بلائے تو اسے دعوت قبول کرنی چاہیے خواہ نکاح کی ہو یا کوئی اور۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ
پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں جی لگا کر مت بیٹھے رہو

کسی کے ہاں دعوت پر جانے کے آداب:

یعنی کھانے سے فارغ ہو کر اپنے گھر کا راستہ لینا چاہیے۔ اہل مجلس ... آپ کو تکلیف ہوتی ہے ... باتیں ... تعلق ... کا تعلق ... تھا۔ مگر مقصود ایک عام ادب سکھانا ہے۔ سب دعوت کی ... کھانے کی غرض سے جا بیٹھنا یا طفیلی بن کر پہنچ جانا یا کھانے سے قبل یوں ہی مجلس جمانا، یا فارغ ہونے کے بعد گپ شپ لڑانا درست نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ
اس بات سے پیغمبر کو ایذا ہوتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں
مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ
اور اللہ سچی بات کہنے سے نہیں شرماتا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مروت:

یعنی آپ کو اپنی ذات سے تکلیف برداشت کرتے ہیں، زبان مبارک سے صاف نہیں فرماتے ... کو ... زحمت ہوتی ہے۔ یہ آپ کے خلق اور مروت کی بات ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ... پیغمبر کی زبان سے ایسے کہلوانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ بندوں کو حق بتلاتا ہے:

یعنی جو بات سمجھانا حق ہے اور حق بات سے اللہ نہیں جھجکتا اس لئے تم کو اب سمجھا ... نہیں ... اس نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ نبی کے حد سے تمہارا ... حق بات کہنے سے اللہ ترک نہیں کرتا اس لیے تم کو ... صاف حکم ... (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ
اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردے کے باہر سے

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

یہ بات ہمیشہ کے لیے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کو پاک رکھنے والی ہے

اعلیٰ معاشرت کیلئے احکام:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ادب سکھایا ہے۔ بعض لوگ کھانے کو حضرت کے گھر میں آ بیٹھتے تو پیچھے باتیں کرنے لگ جاتے۔ حضرت کا مکان آرام کا وہی تھا۔ شرم سے نہ فرماتے کہ اٹھ جاؤ۔ ان کے واسطے اللہ نے فرمایا۔ اور اس آیت میں حکم ہوا کہ حضرت کی ازواج کے سامنے نہ جائیں کوئی چیز مانگنی ہو تو وہ بھی پردہ کے پیچھے سے مانگیں اس میں جانبین کے دل ستھرے اور صاف رہتے ہیں اور شیطانی وسوسوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: کسی ولی کا کسی چیز کو بطور رعایت یا بطور بخشش کسی کو دینا ... سے ... فتوی ... آیت ... بعد کسی کو ... نہیں تھی ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی کی طرف ... خواہ وہ ... ہو ... بغیر حجاب کے۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ... یعنی پردے کے پیچھے سے مانگنا ... شیطانی وسوسوں سے ... وہ بھی ... مرد ... ان سے ... وسوسے ... میں ...

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا

اور تم کو جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ ان کی

اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ

بیبیوں سے ان کے پیچھے کبھی بھی نکاح کرو۔ یہ بات

كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا

اللہ کے نزدیک بڑی بھاری ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد ازواج مطہرات میں سے کسی کا غیر سے نکاح جائز نہیں ہے

یعنی ... وجہیں بتلا ... ایذا رسانی ... مومنین ... میں پیغمبر ... انتہائی ... اور ... معصوم ... چکے ہیں ... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یا وفات کے بعد کوئی بات ایسی نہیں کریں جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا سبب بن جائے۔ لازم ہے کہ مومنین اپنے محبوب و مقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ مبادا غفلت یا ... سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے اور دنیا و آخرت کا خسارہ اٹھانا پڑے۔ ان تکلیف دہ حرکات میں سے ایک بہت سخت اور بڑا بھاری ... یہ ہے کہ کوئی شخص ازواج مطہرات سے آپ کے بعد نکاح کرنا چاہے ... اس ارادہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اظہار ... ازواج مطہرات کی مخصوص عظمت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تعلق کی وجہ سے قائم ہوئی ہے کہ روحانی حیثیت سے وہ تمام مومنین کی محترم مائیں قرار دی گئیں۔ نیز کسی امتی کے عقد نکاح میں آنے سے ... بعد ان کا یہ احترام ... خود ... یا آپ کے بعد وہ خانگی بکھیڑوں میں پڑ کر تعلیم و تبلیغ دین کی اس اعلیٰ غرض کو آزادی کے ساتھ پورا کر سکتی ہیں جس کے لئے فی الحقیقت قدرت نے نبی کی زوجیت کے لئے ان کو چنا تھا اور ... یہ بات ... بے حس و بے شعور انسان بھی باور کر سکتا ہے کہ سید البشر ... خلق عظیم کی خدمت میں عمر گزارنے والی خاتون ایک لمحہ کے لئے بھی کسی دوسری جگہ رہ کر قلبی مسرت و سکون حاصل کرنے کی امید رکھ سکتی۔ خصوصاً جبکہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ وہ منتخب خواتین تھیں جن کے سامنے دنیا و آخرت کے دو راستوں میں سے ایک راستہ انتخاب کے لئے پیش کیا گیا تو انہوں نے بڑی خوشی اور آزادی سے دنیا کے عیش و بہار پر لات مار کر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کا راستہ اختیار کرنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ حضور کی وفات کے بعد ... عدیم النظیر زہد و ورع اور صبر و توکل کے ساتھ ان مقدس خواتین جنت نے عبادت الٰہی میں اپنی زندگیاں گزاریں اور اشاعت دین کی اشاعت اور ... خدمات مہمہ کے لئے اپنے کو وقف کر ... ان میں سے کسی ایک کو بھی بھول کر بھی دنیا کی لذتوں کا خیال نہیں آیا اور ... تعالیٰ کو معلوم تھا ... یہ ہی حق تعالیٰ نے يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ ... وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا فرما کر ان ... تزکیہ و تطہیر کی ... رضی اللہ عنہن وارضاھن و جعلنا ممن یعظمھن حق تعظمھن فوق ما یعظم امہا تنا التی ولدنا امین

اس مسئلہ کی نہایت محققانہ بحث حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی کتاب آب حیات میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: ابن ابی حاتم نے ابن زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کسی شخص نے کہا ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو (آپ کے بعد) فلاں (بی بی) سے میں نکاح کر لوں گا اس پر آیت نازل ہوئی۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ ...

أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۚ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا اور تمہارے لئے اللہ کے رسول کو دکھ پہنچانا جائز نہیں اور نہ ان کی بیبیوں سے کبھی نکاح کرنا تمہارے لئے جائز ہے (نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نہ طلاق دینے کے بعد) تمہارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بڑا جرم ہے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول اس شخص کے متعلق ہوا جس نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد میں آپ کی کسی بیوی سے نکاح کرلوں گا۔ سفیان نے کہا ایسی بات حضرت عائشہ کے متعلق کہی گئی تھی۔ سدی کا بیان ہے ہم کو اطلاع ملی ہے کہ طلحہ بن عبیداللہ نے کہا تھا کیا محمد ہماری چچا کی بیٹیوں سے تو ہم سے پردہ کراتے ہیں اور ہمارے بعد ہماری بیویوں سے خود نکاح کرلیتے ہیں اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگی تو ہم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن سعد نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ آیت طلحہ بن عبیداللہ کے بارے میں اتری طلحہ نے کہا تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوجائے گی تو عائشہ سے میں نکاح کروں گا۔

جویبر نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی کے پاس گیا اور ان سے باتیں کرنے لگا یہ شخص ان بی بی کے چچا کا بیٹا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے بعد اس جگہ مت ہونا اس شخص نے کہا وہ میرے چچا کی بیٹی ہے خدا کی قسم نہ میں نے اس سے کوئی بری بات کہی تھی نہ اس نے مجھ سے کوئی بری بات کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں اور مجھ سے بھی زیادہ کوئی غیرت والا نہیں وہ شخص چلا گیا اور جاتے ہوئے کہنے لگا مجھے میری چچا کی بیٹی سے بات کرنے سے روکتے ہیں ان کے بعد میں اس سے ضرور نکاح کروں گا اس پر یہ آیت اتری۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا پھر اس شخص نے اپنی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کی توبہ میں ایک بردہ آزاد کیا دس اونٹ راہ خدا میں سوار ہونے کے لئے دئے اور پیدل حج کیا۔

ایک مستثنیٰ صورت:

بیضاوی نے لکھا حرمت نکاح ازواج سے وہ عورت مستثنیٰ ہے جس کو بغیر قربت کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ (خلافت) میں اشعث بن قیس نے مستعیذہ (جونیہ کلبیہ) سے نکاح کرلیا حضرت عمر نے اس کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ کو بتایا گیا کہ مستعیذہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر صحبت کے چھوڑ دیا تھا حضرت عمر نے یہ بات سن کر اشعث کو چھوڑ دیا اور حضرت عمر کے اس فیصلہ کے خلاف کسی نے کچھ نہیں کہا (مستعیذہ پناہ طلب کرنے والی۔ اس کا نام جونیہ کلبیہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اس نے کہا میں آپ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتے ہی اس کو چھوڑ دیا)

تحریم ازواج کی وجہ:

میں کہتا ہوں تحریم ازواج کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں اسی لئے آپ کے مال کا کوئی وارث نہیں قرار پایا اور نہ آپ کی بیبیاں بیوہ ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھے گا تو میں اس کو سن لوں گا اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھے گا تو مجھے وہ درود پہنچا دی جائے گی۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ (تفسیر مظہری)

ازواج مطہرات کے لئے یہ خصوصی حکم ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی سے نکاح نہیں کرسکتیں۔

اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ بنص قرآن امہات المومنین ہیں اور گو مربی ہونے کے امہات ہونے کا اثر ان کی اولاد روحانی پر نہیں پڑتا کہ وہ سب بہن بھائی ہوں اور باہم نکاح نہ کرسکیں مگر ان کی اپنی ذات کی حد تک امتناع نکاح کا حکم دیا گیا۔

یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا درجہ ایسا ہے جیسے کوئی زندہ شوہر غائب ہوجائے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہیں ہوئی اسی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا وہ حال نہیں جو عام شوہروں کی وفات پر ان کی ازواج کا ہوتا ہے۔

ایک حکمت یہ بھی ہے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ جنت میں ہر عورت اپنے آخری شوہر کے ساتھ رہے گی۔ حضرت حذیفہ نے اپنی زوجہ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر تم جنت میں میری بیوی رہنا چاہو تو میرے بعد کسی دوسرے سے نکاح نہ کرنا، کیونکہ جنت میں عورت اپنے آخری شوہر کو ملے گی۔ (قرطبی)

اس لئے ازواج مطہرات کو جو شرف حق تعالیٰ نے دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا عطا فرمایا ہے اس کو آخرت اور جنت میں بھی باقی رکھنے کے لئے ان کا نکاح کسی دوسرے سے حرام کردیا گیا۔

مسئلہ: اس پر تو امت کا اتفاق ہے کہ جو ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں رہیں ان سب کا یہی حکم ہے لیکن جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی یا کسی اور سبب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت سے علیحدہ ہوگئیں ان کے بارے میں

میں فقہاء امت کے مختلف اقوال ہیں جن کو قرطبی نے تفصیل سے لکھا ہے۔

انسدادِ فواحش کا اسلامی نظام:

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی ان مہلک برائیوں میں ہے جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص و افراد ہی نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں کو اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں جتنے قتل و غارت گری کے واقعات پیش آتے ہیں اگر تحقیق کی جائے تو اکثر واقعات کے پس منظر میں کوئی عورت اور شہوانی جذبات کا جال نظر آئے گا، یہی وجہ ہے کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے اس میں کوئی قوم، کوئی مذہب، کوئی خطہ ایسا نہیں جو اس کی برائی اور مہلک عیب ہونے پر متفق نہ ہو۔

دنیا کے اس آخری دور میں یورپین اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم قومی روایات سب کو توڑ کر اگرچہ زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم ہی نہیں رکھا اور تمدن و معاشرت کو ایسے سانچوں میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم پر جنسی انارکی اور فواحش کو دعوت عام ہے، مگر ان کے ثمرات و نتائج کو وہ بھی جرم سے خارج نہ کر سکے، عصمت فروشی، زنا بالجبر، منظر عام پر فحش حرکات کو تعزیری جرم قرار دینا پڑا، جس کی مثال اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی شخص آگ کے گرد ہر طرف سوختہ کا ڈھیر جمع کرے، پھر اس پر تیل چھڑکے، پھر اس میں آگ لگائے اور جب اس کے شعلے بھڑکنے لگیں تو ان شعلوں پر پابندی لگائے اور روک تھام کی فکر کرے۔ بخلاف اس کے اسلام نے اس سے پہلے کہ آگ جلے، پھر اس کے ابال اور جوش پر روک تھام کی۔

اس کے خلاف اسلام نے جن چیزوں کو جرائم اور فواحش قرار دے کر قابل سزا جرم کہا ہے، ان کے مقدمات پر بھی پابندی عائد کی اور ان کو ممنوع قرار دیا ہے اس معاملے میں مقصود اصلی زنا اور بدکاری سے بچانا تھا تو اس کو نظر نیچی رکھنے کے قانون سے شروع کیا، عورتوں مردوں کے بے محابا اختلاط کو روکا، عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں محدود رکھنے کی ہدایت کی اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لئے بھی برقع یا لمبی چادر سے پورا بدن چھپا کر نکلنے اور سڑک کے کنارے چلنے کی ہدایت کی، خوشبو لگا کر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کی، پھر جو شخص ان سب حدود و قیود اور پابندیوں کے حصار کو توڑ کر باہر نکل جائے اس پر ایسی سخت عبرت آموز سزا جاری کی کہ ایک مرتبہ کسی بدکردار پر جاری کر دی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے۔

پہلے مسئلہ کی مثال شراب فروشی ہے کہ یہ شراب نوشی کا سبب قریب ہے، اس وجہ سے شریعت نے اسی طرح حرام کر دیا جس طرح شراب نوشی حرام ہے۔ کسی غیر عورت کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا اگرچہ عین زنا نہیں مگر زنا کا سبب قریب ہے شریعت نے اس کو بھی اسی طرح حرام قرار دے دیا۔

اور دوسرے مسئلے کی مثال یہ ہے کہ کسی ایسے شخص کے ہاتھ انگور فروخت کرنا جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ اس سے شراب ہی بناتا ہے اس کا پیشہ یہی ہے یا اس نے صراحۃً کہہ دیا ہے کہ میں اس کام کے لئے خرید رہا ہوں، یہ اگرچہ شراب فروشی کے درجہ میں حرام تو نہیں مگر مکروہ و ناجائز یہ بھی ہے، یہی حکم سینما گھر بنانے یا سودی بینک چلانے کے لئے زمین مکان کرایہ پر دینے کا ہے کہ معاملہ کے وقت جب معلوم ہو کہ یہ اس مکان کو ناجائز کام کے لئے لے رہا ہے تو کرایہ پر دینا مکروہ تحریمی اور ناجائز ہے۔

ضروری تنبیہ: یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب درجہ اول کا قرار دے کر حرام کر دیا، اس حکم حرمت کے بعد وہ سب کے لئے مطلقاً حرام ہے، خواہ ابتلاء گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے اب وہ خود ایک حکم شرعی ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھئے کہ عورتوں کا پردہ بھی شرعاً اسی سد ذرائع کے اصول پر مبنی ہے کہ بے پردہ سبب ہے معصیت میں مبتلا ہونے کا، اس میں بھی اسباب کی مذکورہ قسموں کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً کسی جوان مرد کے سامنے جوان عورت کا اپنا بدن کھولنا ابتلاء گناہ کا ایسا سبب قریب ہے کہ عادت اکثریہ کے اعتبار سے اس پر گناہ کا مرتب ہونا لازمی جیسا ہے، اس لئے یہ تو شراب نوشی کی طرح حرام ہو گیا، کیونکہ شرعاً اس عمل کو حکم فاحشہ کا دے دیا گیا ہے۔ اب وہ مطلقاً حرام ہے، خواہ یہ معاملہ کسی معصوم کے ساتھ ہو یا کوئی شخص اپنے نفس پر مکمل قابو رکھنے کی وجہ سے مطمئن ہو کر گناہ سے بچ جائے گا، مواقع ضرورت علاج وغیرہ کا مستثنیٰ ہونا الگ چیز ہے۔

پردہ کا حکم اسباب، اہمیت اور احکام:

عورتوں اور مردوں میں بے محابا اختلاط تو دنیا کی پوری تاریخ میں آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا، اور صرف اہل شرائع ہی نہیں دنیا کے عام شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کو روا نہیں رکھا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سفر مدین کے وقت جن عورتوں کا اپنی بکریوں کو پانی پلانے کے لئے الگ روکے ہوئے کھڑے رہنے کا ذکر ہے، اس کی وجہ بھی بتائی گئی ہے کہ ان عورتوں نے مردوں کے ہجوم میں گھسنا پسند نہ کیا سب کے بعد بچے ہوئے پانی پر قناعت کی، حضرت زینب بنت جحش جن سے نکاح کے وقت حجاب کی آیت جب نازل ہوئی ہے اس کے نازل ہونے سے پہلے بھی بخاری کی روایت میں ان کی خدمت میں نشست کی یہ صورت بیان کی ہے وھی مولیة وجھھا الی الحائط ”یعنی اپنا رخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں“۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزول حجاب سے پہلے بھی عورتوں مردوں میں بے

محرم ختلاط اور بے تکلف ملاقات و گفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں نہیں تھا، قرآن کریم میں جس جاہلیت اولیٰ اور اس میں عورتوں کے تبرج و ظہور کا ذکر ہے وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں بلکہ لونڈیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا، عرب کے شریف خاندان اس کو معیوب سمجھتے تھے، عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے، ہندوستان میں ہندو بدھ مت اور دوسرے مشرکانہ مذاہب والوں میں عورتوں مردوں کے درمیان بے محابا اختلاط گوارا نہ تھا، یہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے دعوے اور بازاروں اور سڑکوں پر پریڈ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبۂ زندگی میں مرد و زن کے بے تکلف اختلاط ضیافتوں اور کلبوں میں بے تکلف ملاقاتوں کا سلسلہ صرف یوروپین قوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے، جس میں یہ اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد مبتلا ہوئی ہیں، قدیم زمانے میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی، حق تعالیٰ نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے اسی طرح ان کی طبیعتوں میں ایک فطری حیاء کا جوہر بھی رکھا ہے، جو ان کو فطری طور پر عام مردوں سے الگ تھلگ رہنے اور مستور رہنے پر آمادہ کرتی ہے۔

خارج نماز لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں تو کسی کا اختلاف ہی نہیں، لیکن خلوت میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود نہ ہو وہاں بھی صحیح قول یہی ہے کہ خارج نماز بھی بلا ضرورت شرعیہ یا طبعیہ کے ستر کھول کر ننگا بیٹھنا جائز نہیں، (کما فی البحر عن شرح المنیہ)

صرف عورتوں پر، ستر عورت لوگوں کے سامنے اور خلوت دونوں میں فرض ہے جب صرف اجنبی کی موجودگی میں، یہ تفصیل اس لئے لکھی گئی کہ ان دونوں مسئلوں کو خلط ملط کر دینے سے بہت سے شبہات مسائل اور احکام قرآن کے سمجھنے میں پیدا ہو جاتے ہیں ستر روایات کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل مطلوب شرعی تو حجاب اشخاص ہے، یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل و حرکت مردوں کی نظروں سے مستور ہو، جو گھر کی چار دیواری یا خیموں اور معلق پردوں کے ذریعہ ہو سکتا ہے اس کے علاوہ جتنی صورتیں حجاب کی منقول ہیں وہ سب ضرورت کی بناء پر اور وقت ضرورت اور قدر ضرورت کے ساتھ مقید و مشروط ہیں۔

ان سب کی بناء پر یہ واضح ہو گیا کہ اصل مطلوب شرعی ہے وہ حجاب اشخاص ہے [illegible]

[illegible]

پردہ کا دوسرا درجہ بھی پہلے کی طرح سب علماء و فقہاء کے درمیان متفق علیہ ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری غزوہ طائف میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانی کے برتن میں کلی کی اور حضرت ابو موسیٰ و بلال کو عطا فرمایا کہ اس کو پی لیں اور اپنے چہرے پر مل لیں، ام المومنین حضرت ام سلمہ پردہ کے پیچھے یہ واقعہ دیکھ رہی تھیں انہوں نے اندر سے آواز دے کر ان دونوں بزرگوں سے کہا کہ اس تبرک میں سے کچھ اپنی ماں یعنی ام سلمہ کے لئے بھی چھوڑ دینا۔

یہ حدیث بھی شاہد ہے کہ نزول حجاب کے بعد ازواج مطہرات گھروں اور پردوں کے اندر رہتی تھیں۔

فائدہ: اس روایت میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ ازواج مطہرات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات کی ایسی ہی شائق تھیں جیسے دوسرے مسلمان، یہ بھی آپ کی ذات اقدس ہی کی خصوصیت تھی ورنہ بیوی سے جو بے تکلف تعلق شوہر کا ہوتا ہے اس کے ساتھ اس کے تقدس و تعظیم کا یہ درجہ قائم رہنا عادۃً ناممکن ہے۔

اور صحیح بخاری کتاب الادب میں حضرت انس سے روایت ہے کہ وہ اور ابو طلحہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہیں جا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر سوار تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ام المؤمنین حضرت صفیہ بھی سوار تھیں، راستہ میں اچانک اونٹ نے ٹھوکر کھائی، ابو طلحہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہ اونٹ سے گر پڑے تو ابو طلحہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جاؤں آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، تم عورت کی خبر لو، ابو طلحہ نے پہلے تو اپنا چہرہ کپڑے میں چھپایا، پھر حضرت صفیہ کے پاس پہنچے اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا تو وہ کھڑی ہو گئیں، پھر اس کے بعد ان کی مستورہ سواری کو ان کی سواری پر سوار کیا۔

اس واقعہ سے بھی حجاب کی صورت میں [illegible] پیش آئی [illegible] کرام [illegible] پردے کے [illegible] کی بڑی اہمیت کا شاہد ہے۔

اور جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذا خرجت المرأۃ استشرفها الشیطٰن (قال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح غریب) "یعنی یہ ہیں کہ عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاکنے لگتا ہے" (یعنی اس کو مسلمانوں میں [illegible] پھیلانے کا ذریعہ بنا لیتا ہے)۔

اور ابن خزیمہ [illegible] اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں و اقرب ما تكون من وجه ربها وهي في قعر بيتها [illegible]

زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو۔"

اس حدیث میں بھی اس کی شہادت موجود ہے کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں باہر نہ نکلیں (ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَیْسَ لِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ فِی الْخُرُوْجِ اِلَّا مُضْطَرَّۃً (رواہ الطبرانی مذانی اسر ص ۲۶۳ ج ۸) یعنی عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں، بجز اس کے کہ باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آ جائے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے سوال فرمایا اَیُّ شَیْءٍ خَیْرٌ لِلْمَرْأَۃِ (عورت کے لئے کیا چیز بہتر ہے) صحابہؓ کرام خاموش رہے، کوئی جواب نہیں دیا، پھر جب میں گھر میں گیا اور فاطمہؓ سے میں نے یہی سوال کیا تو انہوں نے فرمایا لَا یَرَیْنَ الرِّجَالَ وَ لَا یَرَوْنَهُنَّ یعنی عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ نہ وہ مردوں کو دیکھیں اور نہ مرد ان کو دیکھیں۔ میں نے ان کا یہ جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نقل کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صَدَقَتْ اِنَّهَا بَضْعَةٌ مِّنِّی انہوں نے درست کہا بیشک وہ میرا ایک ٹکڑا ہیں۔

واقعہ افک میں جو سبب حضرت صدیقہؓ کے جنگل میں رہ جانے کا پیش آیا وہ یہی تھا کہ ازواج مطہرات کا پردہ صرف برقع چادر ہی کا نہیں تھا وہ سفر میں بھی اپنے ہودج (شغدف) میں رہتی تھیں، یہ شغدف ہی اونٹ کے اوپر سوار کر دیا جاتا تھا اور اسی طرح اتارا جاتا تھا، شغدف مسافر کا مثل مکان کے ہوتا ہے، اس واقعہ میں جب قافلہ چلنے لگا تو حسب عادت خادموں نے شغدف کو یہ سمجھ کر اونٹ پر سوار کر دیا کہ ام المومنین اس کے اندر موجود ہیں، واقعہ یہ تھا کہ وہ اس میں نہیں تھیں، بلکہ طبعی ضرورت کے لئے باہر گئی ہوئی تھیں، اس مغالطہ میں قافلہ روانہ ہو گیا اور ام المومنین جنگل میں تنہا رہ گئیں۔

یہ واقعہ بھی اس بات کا قوی شاہد ہے کہ حجاب شرعی کا مفہوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہراتؓ نے یہی سمجھا تھا کہ عورتیں اپنے مکانوں میں، سفر میں ہوں تو اپنے شغدف میں رہیں ان کا وجود مردوں کے سامنے نہ آئے، اور جب سفر کی حالت میں حجاب اشخاص کا یہ اہتمام تھا تو حضر میں کتنا اہتمام ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اگر کسی چیز کو تم ظاہر کرو گے یا اس کو چھپاؤ گے تو بے شک اللہ
بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا
ہر چیز کو جانتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے کا خیال بھی اللہ دیکھ رہا ہے

یعنی زبان سے تو کجا دل میں بھی ایسا وسوسہ کبھی نہ لانا۔ اللہ کے سامنے ظاہر و باطن سب یکساں ہے دل کا کوئی بھید اس سے پوشیدہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تُبْدُوْا شَیْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا پوشیدہ رکھو گے اللہ (تو بہرحال) ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

یعنی رسول اللہ کو ایذا دینے کی بیبیوں سے نکاح (کا ارادہ) ظاہر کرو گے یا دلوں میں چھپائے رکھو گے۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول اس شخص کے حق میں ہوا جس نے رسول اللہ کے بعد حضرت عائشہ سے نکاح کرنے کا ارادہ دل میں پوشیدہ رکھا تھا۔ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے یعنی تم کو اس (ظاہر اور پوشیدہ) گناہ کی سزا دے گا۔

امہات المؤمنین سے نکاح پر وعید:

تفہیم میں ہے امہات المؤمنین سے علاحدہ نکاح کی ممانعت کے بعد بہت سخت وعید ہے جس میں مزید زور دیا گیا عذاب اور تخویف کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی سے نکاح کرنے کا لفظ زبان سے نکالا تھا انہوں نے اس بات سے توبہ کی اور گناہ کے کفارے میں ایک بردہ آزاد کیا اور جہاد میں سواری کے کام آنے کے لئے دس اونٹ دیئے اور پیدل حج کیا جیسا کہ حضرت ابن عباس کے مذکورہ بالا بیان میں آیا ہے۔

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

بغوی نے لکھا ہے جب آیت حجاب نازل ہوئی تو امہات المؤمنین کے باپوں بھائیوں اور دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے کہا آئندہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں سے کلام کریں گے تو پردے کی آڑ سے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

لَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ فِیْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ
پیغمبر کی بیبیوں پر اپنے باپوں سے اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے
وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ
اور نہ اپنے بھائی کے بیٹوں سے اور نہ اپنی بہن کے بیٹوں سے
وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُنَّ
اور نہ اپنی عورتوں سے اور نہ جن کے مالک ہیں ان کے ہاتھ ان سے

محرم مردوں سے پردہ نہیں ہے:

اوپر ازواج مطہرات کے سامنے مردوں کے جانے کی ممانعت ہوئی تھی۔ اب بتلا دیا کہ محارم کا سامنے جانا منع نہیں۔ اس بارہ میں جو حکم عام مستورات کا سورۂ نور میں گزر چکا وہی ازواج مطہرات کا ہے وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ کی تشریح ہم سورۂ نور میں کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کر لیا جائے۔

نبی کی بیبیوں پر کوئی گناہ نہیں باپوں سے (بے پردہ ہو کر سامنے آنے) میں نہ اپنے بیٹوں سے نہ اپنے بھائیوں سے نہ اپنے بھتیجوں سے نہ اپنے بھانجوں سے نہ اپنی عورتوں سے نہ اپنے مملوک لوگوں سے اور خدا سے ڈرتی رہو اللہ ہر چیز پر حاضر (ناظر) ہے۔

چچا اور ماموں کا ذکر آیت میں نہیں کیا کیونکہ بھتیجوں اور بھانجوں کا ذکر کرنے کے بعد دلالت النص سے چچا اور ماموں کا حکم معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ بھتیجوں کے رشتہ سے امہات المومنین پھوپھیاں ہوتی ہیں اور بھانجوں کے رشتہ سے خالہ۔ پس اور چچا پھوپھی کا ایک ہی رشتہ ہے اسی طرح ماموں اور خالہ بھی ہم رشتہ ہیں (باپ کا بھائی چچا اور بہن پھوپھی ہوتی ہے اور ماں کا بھائی ماموں اور بہن خالہ ہوتی ہے)

رضاعی رشتوں کے محرم:

بخاری نے حضرت عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا آیت حجاب نازل ہونے کے بعد ابوالقعیس کے بھائی افلح نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی میں نے کہا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت نہیں لے لوں گی خود اجازت نہیں دے سکتی۔ ابوالقعیس کے بھائی نے دودھ نہیں پلایا ابوالقعیس کی بیوی نے پلایا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو میں نے کہا ابوالقعیس کے بھائی نے میرے پاس اندر آنے کی اجازت طلب کی تھی مگر آپ کی اجازت کے بغیر میں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا فرمایا تم اپنے چچا کو اجازت دے دو میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تو مرد نے دودھ نہیں پلایا بلکہ ابوالقعیس کی بیوی نے پلایا تھا فرمایا تیرا ہاتھ خاک آلود ہو وہ تیرا چچا ہے اس کو اجازت دے دے۔ حضرت عروہ نے کہا اسی لئے حضرت عائشہ فرماتی تھیں جن نسبی رشتوں کو تم محرم قرار دیتے ہو انہیں رضاعی رشتوں کو بھی محرم قرار دو۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقِينَ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا

اور ڈرتی رہو اے عورتو اللہ سے بیشک اللہ کے سامنے ہے ہر چیز

یعنی پردہ کے جو احکام بیان ہوئے اور جو مستثنیٰ کیا گیا پوری طرح ملحوظ رکھو اور ابھی ڈرتی رہو کہ ظاہر یا باطن میں حدود اللہ محفوظ رہیں۔ اللہ سے تمہارا کوئی حال پوشیدہ نہیں: وَاللَّهُ يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اللہ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں رسول پر اے ایمان والو

آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

تم بھی رحمت بھیجو اس پر اور سلام بھیجو سلام کہہ کر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام اور اس کا مفہوم:

صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب ہے نبی کی ثناء و تعظیم رحمت و عطوفت کے ساتھ پھر جس کی طرف صلوٰۃ منسوب ہوگی اسی کی شان و مرتبہ کے لائق ثناء تعظیم اور رحمت و عطوفت مراد لیں گے۔ جیسے کہتے ہیں کہ باپ بیٹے پر، بیٹا باپ پر اور بھائی بھائی پر مہربان ہے یا ہر ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے تو ظاہر ہے جس طرح کی محبت اور مہربانی باپ کی بیٹے پر ہے اس نوعیت کی بیٹے کی باپ پر نہیں اور بھائی کی بھائی پر ان دونوں سے جدا گانہ ہوتی ہے۔ ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اللہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ بھیجتا ہے یعنی رحمت و شفقت کے ساتھ آپ کی ثناء اور اعزاز و اکرام کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی بھیجتے ہیں مگر ہر ایک کی صلوٰۃ اور رحمت و تکریم اپنی شان و مرتبہ کے موافق ہوگی۔ آگے مومنین کو حکم ہے کہ تم بھی صلوٰۃ و رحمت بھیجو۔ اس کی حیثیت ان دونوں سے علیحدہ ہونی چاہیے۔ علماء نے کہا کہ اللہ کی صلوٰۃ رحمت بھیجنا اور فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار کرنا اور مومنین کی صلوٰۃ دعا کرنا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آیت نازل ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا (یعنی نماز کے تشہد میں جو پڑھا جاتا ہے السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ صلوٰۃ کا طریقہ بھی ارشاد فرما دیجئے جو نماز میں پڑھا کریں۔ آپ نے یہ درود شریف تلقین کیا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ غرض یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم بھی نبی پر صلوٰۃ (رحمت) بھیجو۔ نبی نے بتلا دیا کہ تمہارا بھیجنا یہی ہے کہ اللہ سے درخواست کرو کہ وہ اپنی بیش از بیش رحمتیں ابد الآباد تک نبی پر نازل فرماتا رہے کیونکہ اس کی رحمتوں کی کوئی حد و نہایت نہیں یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس درخواست پر جو مزید رحمتیں نازل فرمائے وہ ہم عاجز و ناچیز بندوں کی طرف منسوب کر دی جائیں۔ گویا ہم نے بھیجی ہیں۔ حالانکہ ہر حال میں رحمت بھیجنے والا وہ ہی ایک ہے کس بندوں کی یہ طاقت کہ سید الانبیاء کی بارگاہ میں ان کے مرتبہ کے لائق

تحفہ پیش کر سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور ان کے ساتھ ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے۔ ان پر ان کے لائق رحمت اترتی ہے۔ اور ایک دفعہ مانگنے سے دس رحمتیں اترتی ہیں مانگنے والے پر۔ اب جس کا جتنا جی چاہے اتنا حاصل کر لے۔ (تنبیہ) صلوٰۃ علی النبی کے متعلق مزید تفصیلات ان مختصر فوائد میں نہیں سما سکتیں۔ شروح حدیث میں مطالعہ کی جائیں۔ اور اس باب میں شیخ شمس الدین سخاویؒ کا رسالہ القول البدیع فی الصلوٰۃ علی الحبیب الشفیع قابل دید ہے۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں بقدر کفایت لکھ دیا ہے فالحمد للہ علی ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ سے مروی ہے کہ خدا کا اپنے نبی پر درود بھیجنا اپنے فرشتوں کے سامنے آپ کی ثناء وصفت کا بیان کرنا ہے اور فرشتوں کا درود آپ کے لئے دعا کرنا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی برکت کی دعا۔ اکثر اہل علم کا قول ہے کہ خدا کا درود رحمت ہے فرشتوں کا درود استغفار ہے۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صلوٰۃ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ ہے۔

حضرت علیؓ کی بتلائی ہوئی دُعاء:

حضرت علیؓ سے لوگوں کو اس دعا کا سکھانا بھی مروی ہے۔

اَللّٰهُمَّ داحی الْمَدْحُوَّات وباری الْمَسْمُوكَات و جبار الْقُلُوب عَلٰى فِطْرَتِهَا شَقِيِّهَا وَسَعِيْدِهَا اِجْعَلْ شَرَآئِفَ صَلَوٰتِكَ ونوامی برکاتک وفضائل آلائک علی مُحَمَّدٍ عبدک ورسولک الْفَاتِحِ لِمَا اُغْلِقَ وَالْخَاتِمِ لِمَا سَبَقَ وَ الْمُعْلِنِ الْحَقِّ بِالْحَقِّ والدامغ لِجَيْشَاتِ الْاَبَاطِيْلِ كَمَا حُمِّلَ فَاضْطَلَعَ بِاَمْرِكَ بطاعتک مُسْتَوْفِزًا فِيْ مَرْضَاتِكَ غَيْرَ نِكْلٍ فِيْ قَدَمٍ وَّلَاوَهْنٍ فِيْ عَزْمٍ وَاعِيًا لِّوَحْيِكَ حَافِظًا لِّعَهْدِكَ مَاضِيًا عَلٰى نِفَاذِ اَمْرِكَ حَتّٰى اَوْرٰى قبسا لقابسٍ آلاءُ اللّٰه تصل باھله اسبابه به هديت الْقُلُوبُ بَعْدَ خوضات الْفِتَنِ وَالْاِثْمِ وَاَبْهَجَ مُوْضِحَاتِ الْاَعْلَامِ وَنَائِرَاتِ الْاَحْكَامِ ومنيرات الاسلام فهو امينک الْمَاْمُوْنُ و خازن علمک الْمَخْزُوْنُ وشهيدک يوم الدين وبعيثک نعمة ورسولک بالحق رحمة اَللّٰهُمَّ افسح له فی عدنک و اجزه مضعفات الْخَيْرِ مِنْ فَضْلِكَ لَهٗ مُهَنَّاتٍ بِخَيْرِ مُكَدَّرَاتٍ مِنْ فَوْزِ ثَوَابِكَ الْمَعْلُوْلِ و جزيل عطائک الْمَحْلُوْلِ اَللّٰهُمَّ اعل علی بناء الناس بناءه و اكرم مثواه لديک ونزله واتمم له نوره واجزه من ابتعاثک له مقبول الشهادة مرضی الْمَقَالَةِ ذامنطق عدلٍ وَخطة فصل وَحجة وبرهانٍ عظيم۔

مگر اس کی سند ٹھیک نہیں۔ اس کا راوی سلامہ کندی نہ تو معروف ہے نہ اس کی ملاقات حضرت علیؓ سے ثابت ہے۔

ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت یونس بن حباب نے اپنے فارس کے ایک خطبے میں اس کی تلاوت کی پھر لوگوں کے درود کے طریقے کے سوال کو بیان فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں وَارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا رَحِمْتَ اٰلَ اِبْرَاهِيْمَ کو بھی بیان فرمایا ہے اس سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے رحمت کی دعا بھی ہے۔ جمہور کا یہی مذہب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

درود بھیجنا واجب ہے یا مستحب:

بعض کا قول ہے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ آپ پر درود واجب ہے۔ پھر مستحب ہے تاکہ آیت کی تعمیل ہو جائے۔ قاضی عیاضؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے وجوب کو بیان فرما کر اسی قول کی تائید کی ہے۔ لیکن طبریؒ فرماتے ہیں کہ آیت سے تو استحباب ہی ثابت ہوتا ہے اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے بہت ممکن ہے کہ ان کا مطلب بھی یہی ہو کہ ایک مرتبہ واجب پھر مستحب جیسے آپ کی نبوت کی گواہی۔ لیکن میں کہتا ہوں بہت سے ایسے اوقات ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا ہمیں حکم ملا ہے لیکن بعض وقت واجب ہے اور بعض جگہ واجب نہیں۔ چنانچہ (۱) اذان سن کر دیکھئے مسند کی حدیث میں ہے جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود بھیجو، ایک کے بدلے دس درود اللہ تم پر بھیجے گا پھر میرے لئے وسیلہ مانگو جو جنت کی ایک منزل ہے اور ایک ہی بندہ اس کا مستحق ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔ سنو جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرتا ہے اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔ پہلے درود کی زکوٰۃ ہونے کی حدیث میں بھی اس کا بیان آ چکا ہے۔ فرمان ہے کہ جو شخص درود بھیجے اور کہے اَللّٰهُمَّ انزله الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عندک يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اس کے لئے میری شفاعت قیامت کے دن واجب ہو جائے گی (مسند) ابن عباسؓ سے دعا منقول ہے اَللّٰهُمَّ تقبل شفاعة مُحَمَّدٍ الْكُبْرٰى وارفع درجته الْعُلْيَا واعطه سؤله فی الآخرة والاولٰی كما اتيت ابراهيم وموسى عليهما السلام (۲) مسجد میں جانے اور مسجد نکلنے کے وقت۔ چنانچہ مسند میں ہے حضرت فاطمہؓ فرماتی ہیں جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مسجد میں جاتے تو درود وسلام پڑھ کر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ پڑھتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیت سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ وسلام بھیجنا مسلمانوں پر واجب ہے خواہ عمر میں ایک ہی بار ہو۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا یہی قول ہے جیسا کہ

نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابن ہمام نے کہا امر کا مقتضیٰ قطعی عمر بھر میں ایک بار (تعمیل) ہے کیونکہ امر تکرار کو نہیں چاہتا اور ہم اسی کے قائل ہیں۔

آخری قعدہ میں درود پڑھنا:

بعض کا قول ہے کہ ہر نماز کے آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود پڑھنی واجب ہے امام شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔

رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے کہ آخری تشہد میں درود پڑھنی امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک سنت ہے اور امام شافعی کے نزدیک فرض ہے اور مشہور ترین روایت میں امام احمد کا قول آیا ہے کہ درود کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوتی۔

ابن ہمام نے اس کو حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ابن جوزی نے کہا اس کی روایت میں جابر ضعیف ہے اور روایت میں اختلاف ہے کبھی موقوفاً بیان کیا ہے کبھی مرفوعاً۔

حاکم اور بیہقی نے بروایت یحییٰ بن سباق قبیلہ بنی حارث کی وساطت سے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی تشہد پڑھ چکے تو کہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث کے راوی سوائے ایک شخص کے ثقہ ہیں حارثی قابل نظر ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یصل علی... تمام اہل حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے مراد کامل نماز کی نفی ہے۔ (یعنی جس نے مجھ پر نماز کے اندر درود نہیں پڑھی اس کی نماز کامل نہیں ہوئی) یا یہ مطلب ہے کہ جس نے عمر میں ایک بار بھی درود نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں۔

حافظ ابن حجر نے کہا اس حدیث سے زیادہ قوی حضرت فضالہ بن عبید کی حدیث ہے فضالہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک آدمی کو دعا کرتے سنا مگر اس نے رسول اللہ پر درود نہیں پڑھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے (دعا مانگنے میں) عجلت کی پھر اس کو بلایا اور اس کو یا دوسرے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا تم میں سے جو شخص نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی حمد وثناء کرے پھر مجھ پر درود بھیجے پھر جو چاہے دعا کرے۔

رواہ ابوداؤد و النسائی والترمذی وابن خزیمہ وابن حبان والحاکم ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ فضالہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے ایک آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی پھر کہا اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما حضور نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے تو نے عجلت کی جب تو نماز پڑھے اور بیٹھ جائے تو (اول) ان صفات کے ساتھ اللہ کی حمد کر جن کا وہ مستحق ہے پھر مجھ پر درود پڑھ پھر اللہ سے دعا کر۔

راوی کا بیان ہے پھر ایک اور آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی اور اللہ کی حمد کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجی حضور نے فرمایا اے نماز پڑھنے والے اب تو دعا کر تیری دعا قبول ہوگی رواہ الترمذی۔ ابوداؤد اور نسائی نے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔ میں کہتا ہوں نماز میں تشہد کے بعد رسول اللہ پر درود پڑھنے کے وجوب پر اس طرح بھی دلیل قائم کی جاسکتی ہے کہ آیت مذکورہ میں جس درود کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد نماز کے اندر درود پڑھنا ہے جیسے آیت وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ میں تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ اور آیت وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ میں قیام سے مراد نماز میں کھڑا ہونا اور آیت وَاسْجُدُوْا وَارْكَعُوْا میں سجدہ اور رکوع سے مراد نماز میں سجدہ رکوع اور آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں قراءت قرآن سے مراد نماز کے اندر قرآن پڑھنا ہے۔ کعب بن عجرہ کی حدیث جس کو بخاری نے نقل کیا ہے اسی پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضور سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلام (کا طریقہ) تو ہم کو معلوم ہے درود بھیجنے کا طریقہ کیا ہے فرمایا کہو اللهم صل علی محمد الخ یعنی تشہد میں سلام کا طریقہ تو ہم کو معلوم ہو چکا ہے تشہد میں السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھی جاتی ہے مگر درود اس وقت کس طرح پڑھیں اس سوال کے جواب میں (نماز کے اندر) درود پڑھنے کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ اللهم صل علی محمد الخ پڑھا کرو امت اسلامیہ نے بالاتفاق اس حدیث کو تسلیم کیا ہے اور بلا اختلاف تشہد کے بعد درود پڑھنے کی صحت کی بنیاد یہی حدیث ہے صرف وجوب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس درود کا حکم آیت مذکورہ میں دیا گیا ہے اس سے مراد تشہد کے بعد نماز کے اندر درود پڑھنا ہے۔

ہر دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درود کے واجب ہونے کے دلائل

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آئے درود پڑھنا واجب ہے انہوں نے کئی احادیث سے استدلال کیا ہے حضرت ابوہریرہ کی روایت میں آیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا تذکرہ کیا گیا ہو اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھی ہو اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس پر رمضان آکر گزر بھی جائے اور اس کی مغفرت نہ ہو اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے

ماں باپ یا دونوں میں سے ایک اس کی زندگی میں بوڑھے ہو جائیں۔ اور اس شخص کے جنت میں داخلہ کا ذریعہ نہ بنیں (یعنی بیٹا بوڑھے ماں باپ کی خدمت نہ کرے اس لئے وہ ناراض رہیں اور یہ شخص جنت سے محروم ہو جائے) رواہ الترمذی و ابن حبان فی صحیحہ

حضرت جابر بن سمرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے اور دوزخ میں چلا جائے اللہ اس کو دور رکھے۔

حضرت ابن عباس کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے (اور انہوں نے کہا) جس شخص کے سامنے آپ کا تذکرہ ہو اور وہ آپ پر درود نہ پڑھے اور (اس وجہ سے) دوزخ میں داخل ہو جائے پس اللہ اس کو دور رکھے۔ یہ دونوں حدیثیں طبرانی نے نقل کی ہیں۔

ابن سنی نے حضرت جابر کی مرفوع حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا تذکرہ ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھی وہ بدنصیب ہو گیا۔

حضرت علیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے وہ بخیل ہے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے امام احمد نے یہ حدیث حضرت امام حسینؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

طبرانی نے اچھی سند کے ساتھ حضرت امام حسین کی مرفوع روایت اس طرح بیان کی ہے جس کے سامنے میرا تذکرہ آیا اور اس سے مجھ پر درود پڑھنی چھوٹ گئی اس سے جنت کا راستہ چھوٹ گیا۔ نسائی نے صحیح سند سے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے جس کے سامنے میرا ذکر کیا جائے اس کو چاہیے کہ مجھ پر درود پڑھے کیونکہ جو شخص مجھ پر (ایک بار) درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا (یا دس بار رحمت نازل فرمائے گا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ وسلام کی فضیلت و کیفیت

عبدالرحمن بن ابی لیلی کا بیان ہے میری ملاقات حضرت کعب بن عجرۃ سے ہوئی تو انہوں نے مجھ سے کہا کیا (حدیث کا) ایک تحفہ میں تم کو پیش نہ کر دوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنی ہے میں نے کہا کیوں نہیں ضرور وہ تحفہ مجھے عنایت فرمایئے کعب نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو سلام کرنا تو اللہ نے ہمیں بتا دیا ہے لیکن آپ (اور آپ کے) اہل بیت پر ہم درود کس طرح پڑھیں فرمایا کہو۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ علی مُحَمَّدٍ وَّ علی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ علی مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّاٰلَ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَتَرَحَّمْتَ علی ابْرٰھِیْمَ وعلی اٰلِ ابْرٰھِیْمَ انک حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ. (متفق علیہ)

مسلم کی روایت میں دونوں جگہ علی ابراہیم کا لفظ نہیں ہے (صرف علی آل ابراہیم ہے) حضرت ابوحمید ساعدی راوی ہیں کہ صحابہ نے کہا رسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں فرمایا کہو۔

اللھم صل علیٰ محمد وازواجہ وذریتہ کما صلیت علی آل ابراھیم وبارک علیٰ محمد وازواجہ و ذریتہ کما بارکت علی آل ابراھیم انک حمید مجید. (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ایک بار مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اللہ دس بار رحمت اس پر نازل فرمائے گا۔ رواہ مسلم۔

ایک دفعہ درود پر دس رحمتیں:

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھ پر ایک درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور دس خطائیں ساقط کرے گا اور دس درجے بلند کرے گا۔ رواہ احمد والبخاری فی الادب والنسائی والحاکم۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب کا حصول:

حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔ رواہ الترمذی۔

سلام پہنچانے والے فرشتے:

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ کے کچھ فرشتے زمین پر گھومتے پھرتے ہیں وہ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں۔ رواہ النسائی والدارمی۔

سلام کا جواب: حضرت ابوہریرہ راوی ہیں جو کوئی (جب بھی) مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ میری روح مجھے لوٹا دے گا کہ میں سلام کا جواب دوں گا۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ (کہ وہاں نماز نہ پڑھو۔ مترجم) اور نہ میری قبر کو میلہ بنانا۔ اور مجھ پر درود پڑھنا تمہارا درود مجھے پہنچے گا تم جہاں بھی ہو۔

دس رحمتوں اور دس سلامتیوں کا حصول:

حضرت ابوطلحہؓ راوی ہیں یک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت حضور کے چہرہ پر بشاشت تھی فرمایا مجھ سے جبرئیل نے آ کر کہا کہ آپ کا رب

فرماتا ہے محمد کیا تم اس بات پر خوش نہ ہوگے کہ تمہاری امت میں سے جو کوئی تم پر درود پڑھے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور تمہاری امت میں سے جو کوئی آپ پر سلام پڑھے گا میں دس بار اس پر سلامتی نازل کروں گا۔ رواہ النسائی والدارمی۔

تمام فکر دور ہو جائیں گے:

حضرت ابی بن کعب کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ پر درود بہت پڑھتا ہوں کتنی بار پڑھا کروں فرمایا جتنی (بھی) چاہو میں نے عرض کیا (ذکر خداوندی اور دعا کا) ایک چوتھائی (درود کے لئے مقرر کرلوں) فرمایا جتنا تم چاہو اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا (کل ذکر کا) آدھا حصہ (درود کو بنالوں) فرمایا تم جتنا چاہو (کرو لیکن) اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے عرض کیا دو تہائی فرمایا جتنا چاہو اگر زیادہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا میں نے عرض کیا کہ میں اپنی ساری دعا آپ کے لئے کردوں فرمایا تو اس حالت میں تمہارے سارے فکر دور ہو جائیں گے) کام پورے کر دیئے جائیں گے اور تمہارے گناہ ساقط کر دیئے جائیں گے۔ رواہ الترمذی

بھرپور بدلہ: حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو یہ بات (پسند ہو) مسرور کرے وہ چاہے کہ جب وہ ہم اہل بیت پر درود پڑھے تو اس کو بھرپور پیمانہ سے (بدلہ) دیا جائے تو اس کو اس طرح کہنا چاہیے۔ **اللهم صل على محمد النبي الأمي وازواجه امهات المؤمنين وذريته واهل بيته كما صليت على ابراهيم انك حميد مجيد.** (رواہ ابوداؤد)

ستر رحمتیں: حضرت عبداللہ بن عمرو کا قول ہے کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اور اس کے فرشتے ستر رحمتیں اس پر نازل کریں گے۔ رواہ احمد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت:

حضرت رویفع کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر درود پڑھی اور کہا۔ **اللهم انزله المقعد المقرب عندك يوم القيامة** وجبت له شفاعتی اے اللہ قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقام قرب عنایت کر اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگئی۔ رواہ احمد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی:

حضرت عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) برآمد ہوئے اور ایک نخلستان کے اندر پہنچے وہاں پہنچ کر آپ نے سجدہ کیا اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہو گیا کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہ ہوگئی ہو میں دیکھنے کے لئے (قریب گیا) آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کیا بات ہے میں نے اپنا اندیشہ بیان کردیا۔ فرمایا جبرئیل نے (آکر) مجھ سے کہا کیا میں آپ کو یہ خوشخبری نہ سنادوں کہ اللہ نے آپ سے (اعزاز اور خوش کرنے کے) لئے فرمایا ہے کہ جو شخص آپ پر درود پڑھے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام پڑھے گا میں اس کو سلامتی عطا کروں گا۔ رواہ احمد۔

دُعاء کی قبولیت:

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا دعا آسمان و زمین کے درمیان رکی رہتی ہے جب تک تم اپنے نبی پر درود نہ پڑھو دعا کا کوئی حصہ اوپر نہیں چڑھنے پاتا۔ رواہ الترمذی

جتنا درود اتنی رحمتیں:

عبداللہ بن عامر بن ربیعہ نے اپنے باپ کا بیان نقل کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص مجھ پر جتنی درود پڑھتا ہے فرشتے اتنی ہی اس پر رحمتیں نازل کرتے ہیں۔ اب بندہ کو اختیار رہے کم درود پڑھے یا زیادہ۔ رواہ البغوی

احد پہاڑ جتنا ثواب:

حضرت علی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اس کے لئے ایک قیراط (ثواب) لکھ دیا جاتا ہے اور ایک قیراط احد کے برابر ہوتا ہے۔ رواہ عبدالرزاق فی جامعہ بسند حسن۔

صبح شام دس مرتبہ درود:

حضرت ابودرداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح اور شام دس دس مرتبہ درود پڑھے گا اس کو میری شفاعت مل جائے گی۔ رواہ الطبرانی فی کبیر بسند حسن۔

روئے زمین کے تمام باشندوں کے برابر عمل:

حضرت ابوبکر صدیق کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا ایک آدمی نے آکر سلام کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سلام کا جواب دیا اور کشادہ روئی کے ساتھ اس کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا جب وہ شخص اپنا کام پورا کر کے اٹھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر روزانہ اس شخص کا عمل باشندگان زمین کے (سارے) اعمال کے برابر اٹھایا جاتا ہے میں نے عرض کیا ایسا کیوں ہے فرمایا جب صبح ہوتی ہے تو یہ شخص دس بار مجھ پر درود پڑھتا ہے اور اس کا یہ درود ایسا ہوتا ہے جیسے ساری مخلوق کا درود۔ میں نے عرض کیا وہ کیا درود ہے فرمایا وہ کہتا ہے۔

اللّٰهُمَّ صلِّ على مُحمَّدٍ النبيِّ عدد من صلّى من خلقك وصلِّ على محمّدٍ كما ينبغي لنا ان نصلّي عليه وصلِّ على محمّدٍ النبيّ كما امرتنا ان نصلي عليه

گناہوں کی صفائی:

حضرت ابوبکر صدیق راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا گناہوں کو اس سے زیادہ مٹا دیتا ہے۔ جتنا پانی آگ کو (بجھاتا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھنا گردنیں (یعنی بردے) آزاد کرنے سے بھی افضل ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت (راہ خدا میں اپنا) خونِ دل دینے سے بھی افضل ہے یا فرمایا، راہِ خدا میں شمشیر زنی سے بھی افضل ہے۔

وتروں کی دُعاء:

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں مجھے حضور نے یہ کلمات سکھائے جنہیں وتروں میں پڑھا کرتا ہوں اللّٰھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شرما قضیت فانک تقضی ولا یقضی علیک انہ لا یذل من والیت ولا یعز من عادیت تبارکت ربنا وتعالیت (اعمال السنن)

جمعہ کو درود کی کثرت:

نسائی کی روایت میں آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں وصلی اللہ علی النبی۔ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات میں مسند احمد میں ہے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی میں حضرت آدمؑ پیدا کئے گئے اسی میں قبض کئے گئے۔ اسی میں نفخہ ہے اسی میں بے ہوشی ہے پس تم اس دن مجھ پر بہ کثرت درود پڑھا کرو۔ تمہارے درود مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ صحابہؓ نے پوچھا، آپ تو زمین میں دفنا دیئے گئے ہوں گے۔ پھر ہمارے درود آپ پر کیسے پیش کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابوداؤد، نسائی، وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن ماجہ میں ہے جمعہ کے دن بہ کثرت درود پڑھو۔ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ جب کوئی مجھ پر درود پڑھتا ہے اُس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جب تک وہ فارغ ہو۔ پوچھا گیا۔ موت کے بعد بھی؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو گلانا سڑانا حرام کر دیا ہے نبی اللہ زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس میں انقطاع ہے۔ عبادہ بن نسی نے حضرت ابودرداءؓ کو پایا نہیں، واللہ اعلم بیہقی میں بھی حدیث ہے کہ جمعہ کے دن اور جمعہ کی رات مجھ پر بہ کثرت درود بھیجو۔ لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ ایک روایت میں ہے اس کا جسم زمین نہیں کھاتی، جس سے روح القدس نے کلام کیا ہو۔

ابوداؤد میں ہے جو مسلمان مجھ پر سلام پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دوں۔

کتاب میں درود لکھنے کا ثواب:

کاتب اس بات کو مستحب جانتے ہیں کہ کاتب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھے صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ لکھے۔ ایک حدیث میں ہے جو شخص کسی کتاب میں مجھ پر درود لکھے اس کے درود کا ثواب اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ کتاب رہے لیکن کئی وجہ سے یہ حدیث صحیح نہیں۔ بلکہ امام ذہبیؒ کے استاد تو اسے موضوع کہتے ہیں یہ حدیث بہت سے طریق سے مروی ہے۔ (ابن کثیر)

انبیاء کے علاوہ کیلئے صلوۃ وسلام کا مسئلہ

کیا انبیاء کے علاوہ دوسروں کیلئے بھی صلوۃ وسلام کا استعمال درست ہے؟ صحیح یہ ہے کہ غیر انبیاء کے لئے صحیح نہیں ہے اور تبعاً یعنی انبیاء کے ساتھ ملا کر صحیح ہے۔ جس طرح لفظ محمد عزوجل کہنا مکروہ ہے باوجود یہ کہ آپ معزز اور جلیل تھے۔ تحقیق اس کی وجہ یہ ہے عرف میں صلوۃ وسلام کا استعمال انبیاء کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ جیسے جل وعلا کے لفظ باری تعالیٰ کے لئے خاص کر دیئے گئے ہیں۔ سورہ توبہ کی آیت وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ کی تفسیر کے ذیل میں اس کی مفصل تحقیق ہو چکی ہے۔ (روح المعانی)

نبیوں کے علاوہ غیر نبیوں پر صلوۃ بھیجنا اگر تبعاً ہو تو بے شک جائز ہے جیسے حدیث میں ہے اللھم صل علی محمد وآلہ وازواجہ وذریتہ ہاں صرف غیر نبیوں پر صلوۃ بھیجنے میں اختلاف ہے۔ بعض تو اسے جائز بتاتے ہیں اور دلیل میں آیت هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ الخ اور اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ اور وَصَلِّ عَلَيْهِمْ پیش کرتے ہیں اور حدیث بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی قوم کا صدقہ آتا تو آپ فرماتے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِمْ چنانچہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں جب میرے والد آپ کے پاس اپنا صدقے کا مال لائے تو آپ نے فرمایا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى اٰلِ اَبِيْ اَوْفٰى (صحیحین)

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور پر صلوۃ نہ بھیجنی چاہیے۔ ہاں مسلمان مردوں عورتوں کے لئے دعائے مغفرت کرنی چاہیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک خط میں لکھا کہ بعض لوگ آخرت کے اعمال سے دنیا کے جمع کرنے کی فکر میں ہیں اور بعض مولوی وعظ میں اپنے خلیفوں اور امیروں کے لئے صلوۃ کے وہی الفاظ بولتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھے۔ جب تیرے پاس میرا یہ خط پہنچے تو ان سے کہہ دینا کہ صلوۃ صرف نبیوں کے لئے ہے اور عام مسلمانوں کے لئے اس کے سوا جو چاہیں دعا کریں۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں ہر صبح ستر ہزار فرشتے اتر کر قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پر سمیٹ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور

ستر ہزار رہتے ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن جب آپ کی قبر مبارک شق ہوگی تو آپ کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ (قرطبی) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام ایک ساتھ بھیجنے چاہئیں صرف صلی اللہ علیہ وسلم یا صرف علیہ السلام نہ کہے۔ اس آیت میں بھی دونوں ہی کا حکم ہے۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ یوں کہا جائے صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما۔

صحابہ کرامؓ کی عظمت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، میں تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ دیکھو خدا کو بیچ میں رکھ کر میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے اصحابؓ کو میرے بعد نشانہ نہ بنا لینا۔ میری محبت کی وجہ سے ان سے بھی محبت رکھنا ان سے بغض و بیر رکھنے والا مجھ سے دشمنی کرنے والا ہے انہیں جس نے ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے خدا کو ایذا دی، اور جس نے خدا کو ایذا دی یقین مانو خدا اُس کی پکڑ کرے گا یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ جو لوگ ایمان داروں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں، جن سے وہ بری ہیں وہ بڑے بہتان باز ہیں اور زبردست گنہگار ہیں۔ اس وعید میں سب سے پہلے تو کفار داخل ہیں۔ پھر رافضی شیعہ جو صحابہؓ پر عیب گیری کرتے ہیں اور خدا نے جن کی تعریفیں کی ہیں یہ انہیں برا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ وہ انصار و مہاجرین سے خوش ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ ان کی مدح و ستائش موجود ہے لیکن یہ بے خبر کند ذہن انہیں برا کہتے ہیں، ان کی مذمت کرتے ہیں اور ان میں وہ باتیں بتاتے ہیں جن سے وہ بالکل الگ ہیں۔ حق یہ ہے کہ خدا کی طرف سے اُن کے دل اندھے ہو گئے ہیں اس لئے ان کی زبانیں بھی اُلٹی چلتی ہیں۔ قابل مدح لوگوں کی مذمت کرتے ہیں اور مذمت والوں کی تعریفیں کرتے ہیں۔

نماز کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم فرمودہ دُعاء:

صحیحین میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی دعا کی درخواست کی جسے وہ نماز میں پڑھیں تو آپ نے یہ دعا تعلیم فرمائی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّ اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ یعنی خدایا میں نے بہت سے گناہ کئے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی انہیں معاف نہیں کرسکتا، پس تو اپنے پاس کی بخشش سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر، تو بڑا ہی بخشش کرنے والا مہربان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

صلوٰۃ وسلام کا طریقہ:

حضرت کعب بن عجرہؓ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے صلوٰۃ اور سلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے (کہ السلام علیک ایہا النبی کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ الفاظ کہا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّارْحَمْ مُحَمَّدًا وَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرَحَّمْتَ عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

مسئلہ: اس پر بھی جمہور فقہاء کا اتفاق ہے جب کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لے یا سنے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے، کیونکہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے وقت درود شریف نہ پڑھنے پر وعید آئی ہے، جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ یعنی ذلیل ہو وہ آدمی جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (قال الترمذی حدیث حسن (رواہ ابن حبان وغیرہ بسند جید)

اور ایک حدیث میں ہے البخیل من ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ یعنی بخیل وہ شخص ہے جس کے سامنے میرا ذکر آئے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے (رواہ الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

مسئلہ: اگر ایک مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہوتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار نام مبارک خود لے یا کسی سے سنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے۔ حضرات محدثین سے زیادہ کون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرسکتا ہے کہ ان کا ہر وقت کا مشغلہ ہی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس میں ہر وقت بار بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے، تمام محدثین کا دستور یہی رہا ہے کہ ہر مرتبہ درود وسلام پڑھتے اور لکھتے ہیں، تمام کتب حدیث اس پر شاہد ہیں۔ انہوں نے اس کی بھی پروا نہیں کی کہ اس تکرار صلوٰۃ وسلام سے کتاب کی ضخامت کافی بڑھ جاتی ہے کیونکہ اکثر تو چھوٹی چھوٹی حدیثیں آتی ہیں جن میں ایک واسطہ کے بعد نام مبارک آتا ہے، اور بعض جگہ تو ایک سطر میں ایک سے زیادہ مرتبہ نام مبارک مذکور ہوتا ہے، حضرات محدثین کہیں صلوٰۃ وسلام ترک نہیں کرتے۔

مسئلہ: ذکر مبارک کے وقت افضل واعلیٰ اور مستحب تو یہی ہے کہ صلوٰۃ اور سلام دونوں پڑھے اور لکھے جائیں، لیکن اگر کوئی شخص ان میں سے ایک یعنی صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفا کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک کوئی گناہ نہیں، شیخ الاسلام نوویؒ وغیرہ نے دونوں میں سے صرف ایک پر اکتفا کرنے کو مکروہ کہا ہے، ابن حجر ہیثمی نے فرمایا کہ ان کی مراد کراہت سے خلاف اولیٰ ہونا ہے جس کو اصطلاح میں مکروہ تنزیہی کہا جاتا ہے، اور علماء امت کا مسلسل عمل اس پر شاہد ہے کہ وہ دونوں ہی کو جمع کرتے ہیں۔ اور بعض

اوقات ایک پر بھی اکتفاء کر لیتے ہیں۔

مسئلہ: لفظ صلوٰۃ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے لئے استعمال کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

جس مجلس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہو تو وہاں ایک بار واجب ہے اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔

فائدہ: امت کی طرف سے جو صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور پرنور کے احسان کی مکافات نہیں بلکہ ایک فقیرانہ ہدیہ ہے جو شاہ رسالت کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ دیکھو شرح کتاب الاذکار لابن علان ص ۳۱۵ ج ۳۔ (معارف کاندھلوی)

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ

جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو اُن کو پھٹکارا اللہ نے

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا

دنیا میں اور آخرت میں اور تیار رکھا ہے اُن کے واسطے ذلت کا عذاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کی سزا:

اوپر مسلمانوں کو حکم تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا سبب نہ بنیں بلکہ اُن کی انتہائی تعظیم وتکریم کریں جس کی ایک صورت صلوٰۃ وسلام بھیجنا ہے۔ اب بتلایا کہ اللہ ورسول کو ایذاء دینے والے دنیا وآخرت میں ملعون و مطرود اور سخت رسواکن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ اللہ کو ستانا یہی ہے کہ اُس کے پیغمبروں کو ستائیں یا اُس کی جناب میں نالائق باتیں کہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہودی اور عیسائیوں کی ایذاء رسانی:

إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ ... جو لوگ اللہ کو اذیت دیتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے ان لوگوں سے مراد ہیں یہودی، عیسائی اور مشرک۔ یہودی تو کہتے تھے عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ اور يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ اور إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ اور عیسائی کہتے تھے الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ اور کہتے تھے إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ اور مشرک کہتے تھے ملائکہ خدا کی بیٹیاں ہیں اور بت (معبود ہونے میں) اللہ کے ساجھی ہیں۔

ابن آدم کی نالائقی:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے آدم کے بیٹے نے میری تکذیب کی اور اس کو ایسا کرنا جائز نہ تھا اور آدم کے بیٹے نے مجھے گالی دی اور اس کے لئے یہ جائز نہ تھا میری تکذیب تو یہ ہوئی کہ وہ کہتا ہے جس طرح خدا نے مجھے پہلی بار پیدا کیا ایسا دوبارہ نہیں کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ پیدا کرنے سے آسان نہیں ہے۔ اور میرے لئے گالی یہ ہوئی کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنی اولاد بنائی ہے حالانکہ میں احد ہوں بے نیاز ہوں نہ کسی کا والد ہوں نہ کسی کا مولود میرا کفو کوئی نہیں۔

حضرت ابن عباس کی روایت اس طرح ہے اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ وہ (میرے متعلق) کہتا ہے کہ میری اولاد ہے حالانکہ میں اس سے پاک ہوں کہ کسی کو اپنی بیوی بناؤں یا اولاد۔ رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے۔ آدم کا بیٹا دہر (زمانہ) کو گالی دے کر مجھے دکھ دیتا ہے حالانکہ میں ہی دہر (کا حکمران) ہوں میرے ہی ہاتھوں میں حکم دینا ہے۔ میں ہی رات دن کو الٹ پلٹ کرتا ہوں۔ متفق علیہ

بعض نے کہا اللہ کو اذیت پہنچانے سے مراد ہے اللہ کے اسماء وصفات میں کج روی اختیار کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء کی صورتیں:

وَرَسُولَهُ اور اس کے رسول کو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگوں نے اللہ کے رسول کے چہرہ کو زخمی کر دیا حضور کا دانت توڑ دیا کسی نے ساحر کہا کسی نے شاعر کسی نے دیوانہ پاگل (یہ سب اللہ کے رسول کو ایذا دینے کی صورتیں تھیں) یہ تشریح ان لوگوں کی نظر میں صحیح ہوگی جو (ایک وقت میں) ایک لفظ کا دو معنی پر اطلاق جائز قرار دیتے ہیں۔ (اللہ کو ایذا پہنچانے کا مفہوم کچھ اور ہے اور اللہ کے رسول کو دکھ دینے کا مطلب اور ہے اور لفظ یؤذون ایک ہی ہے) جمہور کے نزدیک (یؤذون کا ایک ہی معنی مراد ہے)

اللہ کو ایذاء دینے کا مطلب:

مطلب یہ ہے کہ ایسے کام کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایذاء خدا کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے کیا گیا ہو یؤذون اللہ کا معنی یؤذون رسول اللہ ہی ہو گویا جس نے اللہ کے رسول کو دکھ پہنچایا اس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی۔

حضرت صفیہؓ بنت حیی کی فضیلت:

ابن ابی حاتم نے بطریق عوفی حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ بنت حیی کو (بی بی) بنالیا تو کچھ لوگوں نے آپ کو مطعون کیا انہی لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت:

جو یبر نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباس کا یہ بیان نقل کیا کہ عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ان لوگوں نے

حضرت عائشہ صدیقہ پر تہمت لگائی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا وہ شخص جو مجھے اذیت پہنچاتا ہے اور مجھے اذیت پہنچانے والوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے اس کی طرف سے میرے سامنے کون عذر خواہی کر سکتا ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے ولیوں سے محبت:

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے کہ جو (میرے) کسی ولی کی اہانت کرتا ہے دوسری روایت کا لفظ ہے جو (میرے) ولی سے دشمنی کرتا ہے وہ جنگ کے لئے میرے مقابل آتا ہے۔ اور جو کام میں کرنے والا ہوتا ہوں اس میں مجھے (کبھی) اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا تردد اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔ وہ مرنا پسند نہیں کرتا اور میں اس کو ناراض کرنا نہیں چاہتا اور مرنا اس کے لئے لازم ہوتا ہے۔ میرے مومن بندہ کو میرا اقرب (کسی عمل سے) اتنا حاصل نہیں ہوتا جتنا دنیا سے بے رغبت رہنے سے ہوتا ہے۔ اور بندہ مومن میری کوئی عبادت ایسی نہیں کرتا جیسی میرے عائد کئے ہوئے فرض کو ادا کرنے سے کرتا ہے۔ (یعنی فرض کی ادائیگی سب سے بڑی عبادت ہے اس کی برابر کوئی عبادت نہیں۔ مترجم) رواہ البخاری۔

حضرت ابو ہریرہ اس بیان نبوی کے راوی ہیں کہ اللہ فرمائے گا اے ابن آدم میں بیمار ہوا مگر تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں تیری عیادت کیسے کرتا تو تو رب العالمین ہے (ہر بیماری سے پاک ہے) اللہ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی کیا تجھے علم نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس موجود پاتا۔ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، الی آخر الحدیث۔ رواہ مسلم

میں کہتا ہوں کہ جب اولیاء سے دشمنی اللہ سے دشمنی اور جنگ ہے اور اپنے اولیاء کی بیماری کو اللہ نے اپنا مرض قرار دیا ہے، حالانکہ وہ ان تمام حوادث سے پاک اور بالا ہے تو اس کی وجہ اللہ کے ساتھ اولیاء کا وہ وصل ہے جو ہر کیفیت سے پاک ہے جب (عام) اولیاء کی یہ حالت ہے تو ایذاء رسول کو ایذاء خدا کہنا تو بدرجہ اولیٰ مناسب اور صحیح ہے۔

توہین رسالت کے مجرم کی سزا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت، دین، نسب یا حضور کی کسی صفت پر طعن کرنا اور صراحۃً یا کنایۃً یا اشارۃً یا بطور تعریض آپ پر نکتہ چینی کرنا اور عیب نکالنا کفر ہے ایسے شخص پر دونوں جہاں میں اللہ کی لعنت۔ دنیوی سزا سے اس کو توبہ بھی نہیں بچا سکتی، ابن ہمام نے لکھا ہے جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دل میں نفرت کرے وہ مرتد ہو جائے گا۔ بُرا کہنا تو بدرجہ اولیٰ مرتد بنا دیتا ہے۔ ایسے شخص سے توبہ بھی قبول کی جائے تو بھی قتل کی سزا ساقط نہیں ہو سکتی۔ اہل کوفہ نے صراحت سے یہ قول نقل کیا ہے (امام ابو حنیفہ اور ساتھیوں وغیرہ) اور امام مالک سے ایک روایت میں حضرت ابو بکر کا بھی یہ فتویٰ منقول ہے۔

یہ سزا اس صورت میں جب کہ خود وہ اپنے قصور کا اقرار کرے اور تائب ہو کر آئے یا منکر جرم ہو اور شہادت سے ثبوت ہو جائے دوسرے مواخذات میں کا اگر انکار کر دے خواہ شہادت ثبوت موجود ہو تو انکار معتبر ہو گا۔ علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ نشہ کی حالت میں بھی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہنے کے جرم کا ارتکاب کیا ہو تب بھی اس کو معاف نہیں کیا جائے گا ضرور قتل کیا جائے گا۔ اس نشہ کی حالت کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ اس نے خود اپنے اختیار سے بغیر جبر و اکراہ کے ممنوع طریقہ سے نشہ آور چیز کھائی پی ہو اگر ارتکاب نشہ اپنے اختیار سے نہ ہوا ہو تو مدہوش آدمی پاگل کے حکم میں ہے (اس کو سزا نہیں دی جائے گی)۔

خطابی نے لکھا ہے، میں نہیں جانتا کہ ایسے شخص کے واجب القتل ہونے میں کسی نے اختلاف کیا ہو، بیہقی اور دوسرے علماء کے معاملہ میں کسی کا قتل واجب ہو جاتا ہے تو بھی ضرورت ہو تو قتل ساقط ہو جاتی ہے اس صورت میں کوئی مست تو مدہوش آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے کے علاوہ کوئی اور کلمہ کفر زبان سے نکال دے تو خواہ اس نے باختیار خود بغیر جبر و اکراہ کے ممنوع طریقہ سے نشہ کیا ہو، پھر بھی اس کو مرتد نہیں قرار دیا جائے گا۔

کامل مسلمان: حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے ظلم و ایذاء) سے مسلمان محفوظ رہیں، اور مومن وہ ہے کہ لوگوں کو اپنے جان و مال کا اس کی طرف سے اندیشہ نہ ہو۔ (رواہ ترمذی والنسائی)

عبداللہ بن اُبَی منافق:

حضرت عائشہ کو دکھ دینے (یعنی زنا کی تہمت لگانے) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دکھ دیا گیا ہے (کیونکہ ام المومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی تھیں) عرفی بھی اور حقیقتاً بھی اور روایت سے وضاحت بھی ہو رہی ہے جو حضرت ضحاک نے حضرت ابن عباس کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے اس شخص کی طرف سے کون عذر خواہی کرے گا جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے اور مجھے ایذاء دینے والوں کو اپنے گھر میں جمع کرتا ہے۔ یعنی عبداللہ بن ابی جس نے حضرت عائشہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی۔ بعض لوگوں کا جو قول ہے کہ یہ آیت حضرت عائشہ کے متعلق نازل ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ سے اِثْمًا مُّبِيْنًا تک پوری آیت آپ کے متعلق نازل ہوئی صرف آخری آیت کا نزول مراد نہیں ہے۔

حضرت علیؓ کی فضیلت:

اسی طرح جس نے حضرت علی کو گالی دی اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچایا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے (اے علیؓ) تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین عن البراء بن عازب۔

آوارہ گرد منافق:

ضحاک اور کلبی کا بیان ہے کہ آیت کا نزول ان زناکاروں کے حق میں ہوا جو منافق تھے راتوں کو مدینہ کے راستوں میں گھوما کرتے تھے جب رات کو عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے باہر نکل کر (جنگل کی طرف) جاتی تھیں تو راستہ میں یہ ان کو دباتے تھے اگر عورتیں خاموش رہتی تھیں تو یہ ان کے پیچھے لگ جاتے تھے اور اگر وہ جھڑک دیتی تھیں تو یہ رک جاتے تھے حقیقت میں ان کا مقصد ہوتا تھا باندیوں کو چھیڑنا لیکن لباس چونکہ باندی اور آزاد عورت کا ایک ہی جیسا ہوتا تھا کرتہ اور اوڑھنی پہن کر سب ہی نکلتی تھیں اس لئے ان کو شناخت نہیں ہوتی تھی کہ کون باندی ہے اور کون آزاد عورت اس لئے آزاد عورتیں اس زد میں آجاتی تھیں۔ عورتوں نے اس کی شکایت اپنے شوہروں سے کی اور شوہروں نے جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پھر اگلی آیت میں آزاد عورتوں کو باندیوں جیسا لباس پہن کر نکلنے کی ممانعت کردی گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا
اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مسلمان مردوں کو اور مسلمان عورتوں کو بدون گناہ کئے
فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا
تو اٹھایا انہوں نے بوجھ جھوٹ کا اور صریح گناہ کا

بہتان تراش منافق:

یہ منافق تھے جو پیٹھ پیچھے بدگوئی کرتے رسول کی، یا آپ کی ازواج مطہرات پر جھوٹ طوفان اٹھاتے جیسے کہ سورۂ نور میں گزر چکا۔ آگے بعض ایذاؤں کے انسداد کا بندوبست کیا گیا ہے جو مسلمان عورتوں کو ان کی طرف سے پہنچتی تھیں۔ روایات میں ہے کہ مسلمان مستورات جب ضروریات کے لئے باہر نکلتیں، بدمعاش منافق تاک میں رہتے۔ اور چھیڑ چھاڑ کرتے پھر پکڑے جاتے تو کہتے ہم نے سمجھا نہیں تھا کہ کوئی شریف عورت ہے۔ لونڈی باندی سمجھ کر چھیڑ دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ
اے نبی کہہ دے اپنی عورتوں کو اور اپنی بیٹیوں کو
وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ
اور مسلمانوں کی عورتوں کو نیچے لٹکا لیں اپنے اوپر
مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ
تھوڑی سی اپنی چادریں

پردہ کا حکم: یعنی بدن ڈھانپنے کے ساتھ چادر کا کچھ حصہ سر سے نیچے چہرہ پر بھی لٹکا لویں۔ روایت میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے پر مسلمان عورتیں بدن اور چہرہ چھپا کر اس طرح نکلتی تھیں کہ صرف ایک آنکھ دیکھنے کے لئے کھلی رہتی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ فتنہ کے وقت آزاد عورت کو چہرہ بھی چھپا لینا چاہیے۔ لونڈی باندیوں کو ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اس کا مکلف نہیں کیا۔ کیونکہ کاروبار میں حرج عظیم واقع ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ اے نبی آپ اپنی بیبیوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ نیچے کرلیا کریں اپنے اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں۔

جلابیب جلباب کی جمع ہے جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت دوپٹہ اور کرتے کے اوپر سے لپیٹ لیتی ہے۔

عورت پردہ کرکے ضروری کام کیلئے گھر سے باہر جاسکتی ہے:

بخاری نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حکم حجاب کے بعد سودہؓ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے نکلیں عورت ڈیل ڈول کی تھیں جو ان کو پہچانتا تھا اس کے لئے (باوجود چہرہ پوشیدہ ہونے کے) مخفی نہیں ہوسکتی تھیں چنانچہ عمر بن خطاب نے (ظاہری قد اور جسامت) دیکھتے ہی پہچان لیا اور آواز دے کر کہا سودہ تم کس طرح نکل رہی ہو اس کو دیکھ لو ہم سے خدا کی قسم تم چھپ نہیں سکتیں (ہم نے تمہیں پہچان لیا) سودہ فوراً لوٹ پڑیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے گھر میں شام کا کھانا تناول فرما رہے تھے ہڈی ہاتھ میں تھی سودہ اندر آگئیں اور کہا یا رسول اللہ میں اپنے کسی کام سے باہر نکلی تھی عمر نے مجھے ایسا ایسا کہا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہڈی موجود ہی تھی آپ نے اس کو ہاتھ سے رکھا بھی نہ تھا کہ وحی آنے لگی۔ وحی کے ختم ہونے کے بعد آپ نے فرمایا تم عورتوں کو اجازت دے دی گئی کہ تم باہر اپنے کام سے نکل سکتی ہو۔

میں کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ چادر اوڑھ کر نکل سکتی ہو۔

پردہ کا طریقہ:

حضرت ابن عباس اور حضرت ابو عبیدہ نے فرمایا مسلمانوں کی عورتوں کو

حکم دیا گیا تھا کہ اپنے سروں اور چہروں کو چادروں سے ڈھانک کر نکلیں صرف ایک آنکھ کھلی رہے تاکہ لونڈیوں سے ممتاز معلوم ہو جائیں [illegible] باندیاں نہیں ہیں) ومن جلابیبھن میں من تبعیضیہ ہے یعنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے اوپر لٹکائیں۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں:

اس آیت میں جو لفظ بنات آیا ہے وہ صراحۃ اس پر دلالت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں مگر روافض خوافض۔ حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کو اولاد رسول سے خارج سمجھتے ہیں اس لئے کہ ان کا نکاح حضرت عثمان سے ہوا تھا۔ ان کا یہ خیال سراپا اختلال صریح نص قرآنی کے خلاف ہے۔ ([illegible])

ضرورت کے مواقع میں جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے تو اس وقت کسی برقع یا لمبی چادر سے سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو، یہ سورہ احزاب کی اس آیت سے ثابت ہے جو آگے آرہی ہے يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَاۗءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلابیب استعمال کریں جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورت سر سے پیر تک مستور ہو جائے۔ (روی ذلک عن ابن عباسؓ)

چادر اوڑھنے کی صورت:

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے استعمال جلباب کی صورت یہ نقل کی ہے کہ عورت سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو اور چہرہ اور ناک بھی اس سے مستور ہو، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لئے کھلی ہو، اس آیت کی پوری تفسیر آگے آتی ہے، یہاں صرف یہ بتانا منظور ہے کہ ضرورت کے وقت جب عورت گھر سے نکلنے پر مجبور ہو تو اس وقت پردہ کا یہ درجہ اختیار کرنا ضروری ہے کہ جلباب وغیرہ میں سر سے پاؤں تک مستور ہو اور چہرہ بھی بجز ایک آنکھ کے چھپا ہوا ہو۔

باہر نکلنے کیلئے پردہ کے علاوہ شرطیں.

یہ صورت بھی باتفاق فقہاء امت ضرورت کے وقت جائز ہے، مگر احادیث صحیحہ میں اس صورت کے اختیار کرنے پر بھی چند پابندیاں عائد کی ہیں کہ خوشبو نہ لگائے ہوئے ہو بجنے والا کوئی زیور نہ پہنا ہو، راستہ کے کنارے پر چلے، مردوں کے ہجوم میں داخل نہ ہو وغیرہ۔

جوان عورت کا چہرہ اور ہتھیلی کی طرف دیکھنا ممنوع ہے:

حدیث میں حضرت فضل کو ایک عورت کی طرف دیکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے چہرے کو اپنے ہاتھ سے دوسری طرف پھیر دینا [illegible] متاخرین فقہاء حنفیہ نے بھی بات فرو دی [illegible] جوان عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف بھی نظر ممنوع ہے۔

پردے کے دو درجے.

ان کا حاصل یہ ہوا کہ باتفاق مذاہب اربعہ یہ تیسرا درجہ پردہ کا ممنوع ہو گیا کہ عورت برقع چادر وغیرہ میں پورے بدن کو چھپا کر مگر صرف چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھول کر مردوں کے سامنے آئے، اس لئے اب پردے کے صرف پہلے دو درجے رہ گئے، ایک اصل مقصود یعنی عورتوں کا گھروں کے اندر رہنا بلا ضرورت باہر نہ نکلنا، دوسرا برقع وغیرہ کے ساتھ نکلنا ضرورت کے وقت بقدر ضرورت۔

مسئلہ: پردہ کے احکام مذکورہ میں بعض صورتیں مستثنیٰ بھی ہیں، مثلاً بعض مرد یعنی محارم پردے سے مستثنیٰ ہیں اور بعض عورتیں جو بہت بوڑھی ہو چکی ہیں وہ بھی پردے کے حکم سے ایک قدر مستثنیٰ ہیں [illegible] سورہ نور میں گزر چکی ہے [illegible] احکام حجاب کا یہ مختصر خلاصہ [illegible] جو عوام کے لئے کافی ہے۔ ([illegible])

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ

اس میں بہت قریب ہے کہ پہچانی پڑیں تو کوئی ان کو نہ ستائے

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

آزاد عورتوں کا امتیاز:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی پہچانی پڑیں کہ لونڈی نہیں بی بی ہے صاحب ناموس بدذات نہیں، نیک بخت ہے تو بدنیت لوگ اس سے نہ الجھیں۔ گھونگھٹ اس کا نشان رکھ دیا۔ یہ حکم بہتری کا ہے آگے فرمایا اللہ ہے بخشنے والا مہربان یعنی باوجود اہتمام کے جو تقصیر رہ جائے تو اللہ کی مہربانی سے بخشش کی توقع ہے۔ (تکمیل) یہ تو آزاد عورتوں سے متعلق تھا مقصد انہیں پہچان کر ہر ایک کا حوصلہ چھیڑنے کا نہ ہو۔ اور جھوٹے غنڈوں [illegible] کا موقع نہ ہے۔ آگے [illegible] چھیڑ چھاڑ کی نسبت دھمکی دی ہے خواہ بی بی سے ہو یا لونڈی سے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا یعنی جو کچھ پہلے ہو چکا اللہ اس کو معاف کرنے والا ہے اور اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ بندوں کے مصالح کا لحاظ رکھتا ہے

یہاں تک کہ جزئی جزئی مسائل میں بھی بندوں کی مصلحتوں کی پاسداری کرتا ہے۔

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ ایک نقاب پوش باندی حضرت عمرؓ کی طرف سے گزری آپ نے اس کا پردہ اٹھایا اور فرمایا کیا کمینی تو آزاد عورتوں جیسی بنتی ہے۔ پھر اس کا نقاب پھینک دیا۔ (تفسیر مظہری)

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ
اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دل میں روگ ہے

یعنی جن کو بدنظری اور شہوت پرستی کا روگ لگا ہوا ہے۔ (مظہری)

وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ
اور جھوٹی خبریں اُڑانے والے مدینہ میں

منافقوں فتنہ پردازوں کو تنبیہ۔

یہ غالباً یہودی تھے جو اکثر جھوٹی خبریں اڑا کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے اور ممکن ہے منافق ہی مراد ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اگر منافق اپنے نفاق سے اور عورتوں کو چھیڑنے سے باز نہ آئے اور جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری ہے وہ اپنے مذہبی عدم استقلال سے باز نہ آئے اور مدینہ میں سنسنی پیدا کرنے والے اپنی سنسنی خیز جھوٹی خبریں چھوڑنے سے باز نہ آئے۔ ہر مومن کا (اللہ کی رحمت کا) شدید اختلاف اب ہے ... (اللہ جانتا ہے) منافق مدینہ میں جھوٹی خبریں چھوڑتے تھے کبھی کہتے دشمن ... کبھی کہتے ... مسلمانوں پر مدینہ میں حملہ ... غرض ہر طرح کی ... مسلمانوں میں کوئی بری بات پھیل جائے وہ جھوٹی خبریں اڑاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

منافقوں کی ایذائیں اوران کا سدِّ باب۔

منافقین کی طرف سے مسلمانوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو طرح کی ایذائیں پہنچتی تھیں ان دونوں ایذاؤں میں سے ایک یہ تھی کہ منافقین ... آوارہ قسم کے لوگ مسلمانوں کی باندیوں کنیزوں کو جب وہ کام کاج کے لئے باہر نکلتیں چھیڑا کرتے تھے۔ اور کبھی کنیزوں کے شبہ میں حرائر کو ... تھے جس کی وجہ سے عام مسلمانوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی تھی۔

دوسری ایذا یہ تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ جھوٹی خبریں اڑاتے تھے ... غنیم مدینہ پر چڑھائی کرنے والا ہے ... میں پہلی ایذا ... حرائر (آزاد بیبیوں) کو بچانے کا فوری اور سہل انتظام یہ ہو سکتا تھا کہ ان کو ایسا لباس ... خاندان کی وجاہت اور عفت کی وجہ سے

بالقصد چھیڑنے کی جرات نہ کرتے تھے۔ شریعت اسلام نے حرائر اور کنیزوں کے پردہ شرعی میں بضرورت ایک فرق بھی رکھا ہے کہ کنیزوں کا شرعی پردہ وہ ہے جو حرائر کا اپنے محرموں کے سامنے ہوتا ہے کہ مثلاً چہرہ وغیرہ کھولنا جو حرائر کے لئے اپنے محرموں کے سامنے جائز ہے، کنیزوں کے لئے باہر بھی اس کی اجازت اس لئے دی گئی کہ ان کا کام ہی اپنے آقا اور اس کے گھر کی خدمت ہے ... اور چہرہ اور ہاتھ مستور رکھنا مشکل ہوتا ہے۔ بخلاف حرائر کے ... ضرورت سے باہر نکلنا بھی پڑے تو کبھی بھی ... میں پردے کی رعایت مشکل نہیں۔ اس لئے حرائر کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ بڑی چادر جس میں مستور ہو کر نکلتی ہیں اس کو اپنے سر پر سے چہرے کے سامنے لٹکا لیا کریں تاکہ چہرہ اجنبی مردوں کے سامنے نہ آئے اس سے ان کا پردہ بھی مکمل ہو گیا اور باندیوں کنیزوں سے امتیاز خاص بھی ہو گیا۔ ... منافقین ... وعید ... کہ اس سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ ... دنیا میں بھی اپنے نبی اور مسلمانوں کے ہاتھوں سزا دلائیں گے۔ اور امام محمد ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبیدہ سلمانی سے اس آیت کا مطلب اور جلباب کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے سر کے اوپر سے چادر ... چہرہ پر لٹکا کر چہرہ چھپا لیا اور صرف بائیں آنکھ کھلی رکھ کر ادناء و جلباب کی تفسیر عملاً بیان فرمائی۔ (معارف مفتی اعظم)

چنانچہ جس وقت سورۂ توبہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو مسجد میں ... خطبہ ... فرمایا ... نکل جا تو منافق ہے ... منافقوں ... اور جو مومنین صالحین تھے انہوں نے ان منافقین کو ... ساتھ مسجد سے نکال دیا۔ تفسیر قرطبی ...

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا
...
مَّلْعُوْنِيْنَ ۛۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا
پھٹکارے ہوئے جہاں ... گئے پکڑے گئے اور مارے گئے جان سے

فسادیوں کا قلع قمع۔

یعنی اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے ... مدینہ سے نکال ... جتنے دن رہیں، ذلیل و مرعوب ... منافقین ... شاید یہ ... حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ... عورتوں کو چھیڑتے ... جھوٹی خبریں اڑاتے،

مخالفوں کے زور اور مسلمانوں کے ضعف وشکست کی۔ ان کو یہ فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ تو ہم ضرور آپ کو ان کے خلاف برانگیختہ کر دیں گے یعنی حکم دے دیں گے کہ آپ ان سے قتال کریں اور ان کو جلاوطن کر دیں یا ایسی بات کا حکم دے دیں گے جس کی وجہ سے وہ دیش بدر ہونے کی خواہش پر مجبور ہو جائیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

کفار کے لئے قانون:

اوّل ان کو دعوت اسلام دی جائے ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی جائے اس پر بھی وہ اسلام نہ لائیں تو مسلمانوں کے تابع ذمی بن کر رہنے کا حکم دیا جائے، اگر وہ اس کو قبول کر لیں تو ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت مسلمانوں ہی کی طرح فرض ہو جاتی ہے، ہاں جو اس کو بھی قبول نہ کریں اور جنگ ہی پر آمادہ ہو جائیں تو ان کے مقابلہ میں جنگ کرنے کا حکم ہے۔

منافق ومرتد کی سزا:

اس آیت میں ان لوگوں کو مطلقاً قید وقتل کی سزا سنائی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معاملہ منافقین کا تھا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، اور جب کوئی مسلمان احکام اسلام کی کھلی مخالفت اور انکار کرنے لگے تو وہ اصطلاح شرع میں مرتد ہو جاتا ہے، اس کے ساتھ شریعت اسلام میں کوئی مصالحت نہیں، بجز اس کے کہ وہ تائب ہو کر پھر مسلمان ہو جائے، اور احکام اسلام پر قول و عمل تسلیم کرے ورنہ پھر اس کو قتل کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور صحابہ کرام کے اجماعی تعامل سے ثابت ہے، مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت کے خلاف باجماع صحابہ جنگ وجہاد اور مسیلمہ کا قتل اس کی کافی شہادت ہے، اور آخر آیت میں اس کو اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت ودستور قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین کی شرائع میں بھی مرتد کی سزا قتل ہی تھی۔

ایذاء رساں افواہیں پھیلانا حرام ہے:

مسلمانوں میں ایسی افواہیں پھیلانا حرام ہے جن سے ان کو تشویش اور پریشانی ہو اور نقصان پہنچے۔ (معارف مفتی اعظم)

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ
دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے ہیں
وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا
اور تو نہ دیکھے گا اللہ کی چال بدلتی

اللہ تعالیٰ کا قانون:

یعنی عادت اللہ یہی رہی ہے کہ پیغمبروں کے مقابلہ میں جنہوں نے شرارتیں کیں اور فتنے فساد پھیلائے اسی طرح ذلیل وخوار یا ہلاک کئے گئے۔ یہ مطلب ہے کہ پچھلی کتابوں میں بھی یہ حکم ہوا ہے کہ مفسدوں کو اپنے درمیان سے نکال دو۔ جیسا کہ حضرت شاہ صاحب "تورات" سے نقل فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اقوام گذشتہ کا حال دیکھ لو:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ اقوام گزشتہ میں اللہ نے (یہی) ضابطہ جاری کر دیا تھا۔ یعنی جو لوگ انبیاء سے منافقانہ سلوک کرتے تھے اور مخفی طور پر انبیاء سے دشمنی رکھتے تھے ان کو قتل کرنے کا ضابطہ اللہ نے مقرر کر دیا تھا۔

دستور الٰہی اٹل ہے:

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا اور اللہ کے ضابطہ میں آپ ہرگز تبدیلی نہیں پائیں گے یعنی نہ وہ خود اپنا دستور بدلتا ہے اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ اس کے ضابطے کو بدل دے۔ (تفسیر مظہری)

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا
لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو تو کہہ اس کی خبر ہے
عِندَ اللّٰهِ ۚ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا
اللہ ہی کے پاس اور تو کیا جانے شاید وہ گھڑی پاس ہی ہو

قیام قیامت کا علم:

وقوع قیامت کے وقت کی ٹھیک تعیین کر کے اللہ نے کسی کو نہیں بتایا۔ مگر یہاں اس کے قرب کی طرف اشارہ کیا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے شہادت کی اور بیچ کی انگلی کو ملا کر فرمایا انا والساعة کھاتین (میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں) یعنی بیچ کی انگلی جس قدر آگے نکلی ہوئی ہے میں قیامت سے بس اتنا پہلے آیا ہوں قیامت بہت قریب لگی چلی آ رہی ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ شاید یہ بھی منافقوں نے ہنسی ٹھٹھا بنا رکھا ہو جس چیز کا (دنیا میں کسی کو پتہ) نہیں ... [illegible] ... نعمتهم الله في الدنيا والآخرة وأعد لهم عذابا مهينا کو پڑھ کر بطور تکذیب و استہزاء کے کہتے ہوں گے کہ وہ قیامت اور آخرت کب آئے گی جس کی دھمکیاں دی جاتی ہیں؟ آخر اس کا کچھ وقت تو بتاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللّٰهِ آپ کہہ دیجئے کہ قیامت (کی تعیین) کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ یعنی قیامت کا علم اللہ نے نہ کسی نبی کو عطا کیا نہ فرشتے

کو۔ (اُس کے سوا کسی کو معلوم نہیں) (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا
بیشک اللہ نے پھٹکار دیا ہے منکروں کو اور رکھی ہے ان کے واسطے دہکتی ہوئی آگ

ملعون گروہ کا عذاب:

اسی پھٹکار کا اثر ہے کہ لاحاصل سوالات کرتے ہیں، انجام کی فکر نہیں کرتے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا
رہا کریں اس میں ہمیشہ نہ پائیں کوئی حمایتی اور نہ مددگار
يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ
جس دن اوندھے ڈالے جائیں گے ان کے منہ آگ میں

یعنی اوندھے منہ ڈال کر اُن کے چہروں کو آگ میں اُلٹ پلٹ کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ جس روز کہ آگ کے اندر ان کے چہروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ جیسے گوشت کے بھوننے کے وقت کیا جاتا ہے۔ وجوہ (چہرے) سے مراد یا تو پورا جسم ہے (جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے) یا چہرہ کی خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا ہے کہ جسم کے سارے اعضاء (ظاہری) میں چہرے کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا
کہیں گے کیا اچھا ہوتا جو ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا

آخرت کی حسرت:

اس وقت حسرت کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں اللہ و رسول کے کہنے پر چلتے تو یہ دن دیکھنا نہ پڑتا۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا
اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا
فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ
پھر انہوں نے بچلا دیا ہم کو راستہ سے اے رب ان کو دے دونا
مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا
عذاب اور لعنت کر ان پر بڑی لعنت

یہ شدت غیظ سے کہیں گے۔ یعنی ہمارے ان دنیوی سرداروں اور مذہبی پیشواؤں نے دھوکہ دے کر جھوٹ فریب کہہ کر اس مصیبت میں پھنسوایا۔ ان ہی کے اغواء پر ہم راہِ حق سے بھٹکتے رہے۔ اگر ہمیں سزا دی جاتی ہے تو ان کو دوگنی سزا دیجئے۔ اور جو پھٹکار ہم پر ہے اس سے بڑی پھٹکار ان بڑوں پر پڑنی چاہیے۔ گویا ان کو دوگنی سزا دلوا کر اپنا دل ٹھنڈا کرنا چاہیں گے۔ اسی مضمون کی ایک آیت سورۂ اعراف کے چوتھے رکوع میں گزر چکی ہے۔ وہیں ان کی اس فریاد کو جواب بھی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى
اے ایمان والو تم مت ہو ان جیسے جنہوں نے ستایا موسیٰ کو
فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا
پھر بے عیب دکھلایا اس کو اللہ نے ان کے کہنے سے اور تھا اللہ کے یہاں آبرو والا

بنی اسرائیل کی طرح نہ بنو:

یعنی تم ایسا کوئی کام یا کوئی بات نہ کرنا جس سے تمہارے نبی کو ایذاء پہنچے۔ نبی کا تو کچھ نہیں بگڑے گا، کیونکہ اللہ کے ہاں اُن کی بڑی آبرو ہے وہ سب اذیت دہ باتوں کو دور کردے گا۔ ہاں تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت لوگوں نے کیسی اذیت دہ باتیں کیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی وجاہت و مقبولیت کی بدولت سب کا بطلان فرما دیا اور موسیٰ کا سب خطاؤں سے بری ہونا ثابت کر دیا۔ روایت میں ہے کہ بعض منافقین حضرت موسیٰ کو تہمت لگانے لگے کہ حضرت ہارون کو جنگل میں لے جا کر قتل کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خارق عادت طریقہ سے اُس کی تردید کر دی۔ اور صحیحین میں ہے کہ حضرت موسیٰ بہت حیا کی وجہ سے (ابنائے زمانہ کے دستور کے خلاف) چھپ کر غسل کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ ان کے بدن میں کچھ عیب ہے، برص کا داغ یا خصیہ وغیرہ پھولا ہوا ہے۔ ایک روز حضرت موسیٰ نہانے لگے، کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے، وہ پتھر کپڑے لے کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ عصا لے کر اس کے پیچھے دوڑے۔ یہاں تک کہ سب لوگ دیکھتے تھے پتھر کھڑا ہو گیا سب نے برہنہ دیکھ کر معلوم کر لیا کہ بے عیب ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ”چشمہ نداشتی ہر کرا عیبے دید“ بے عیب بدن کو رسوائی ہوا۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قارون نے ایک عورت کو تیار کیا تھا کہ مجمع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام (العیاذ باللہ) اس سے متہم کرے۔ حق تعالیٰ نے اس کا قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور اس عورت کی زبان سے اس تہمت کی تردید کرائی۔ جیسے کہ سورۂ قصص میں گزرا۔

(تنبیہ) موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کے تعاقب میں برہنہ چلے جانا مجبوری

کی وجہ سے تھا اور شاید یہ خیال بھی نہ ہوا کہ پتھر مجمع میں لے جا کر کھڑا کر دے گا۔ رہی پتھر کی یہ حرکت وہ بطور خرق عادت تھی۔ خوارق عادات پر ہم نے ایک مستقل مضمون لکھا ہے اُسے پڑھ لینے کے بعد اس قسم کی [illegible] میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بہرحال اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں انبیاء علیہم السلام کو جسمانی و روحانی عیوب سے پاک ثابت کرنے کا کس قدر اہتمام تاکہ لوگوں کے دلوں میں اُن کی طرف سے تنفر اور استخفاف کے جذبات پیدا ہوکر قبول حق میں رُکاوٹ نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی طرح کی ایذاء پہنچائے آپ کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالے خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً وہ کافر ہو گیا، اور اس آیت کی رُو سے اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت دنیا میں بھی ہوگی اور آخرت میں بھی۔ (کذا قال القاضی ثناء اللہ فی التفسیر المظہری)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کی شرارتیں:

حضرت ابوہریرہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ بڑے حیادار شریف النفس اور اپنے (اندرونی) جسم کو چھپانے والے تھے انتہائی شرم کی وجہ سے وہ اپنی (اندرونی) جلد بھی ظاہر نہیں کرتے تھے بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں نے کہا موسیٰ جو اتنا اپنے بدن کو چھپا کر چھپائے رکھتے ہیں ضرور ان کو کوئی جلدی اندرونی بیماری ہو یا برص ہے یا خصیوں میں پانی آ گیا ہے یا کوئی اور مرض ہے اللہ نے موسیٰ کو اس غلط بات سے پاک ظاہر کرنا چاہا جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک روز غسل کرنے کے لئے موسیٰ نے تنہائی میں کپڑے اُتار کر ایک پتھر پر رکھے پھر غسل کیا۔ غسل کے بعد جب کپڑے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگا آپ اپنی لاٹھی لے کر پتھر کے تعاقب میں دوڑے اور کہنے لگے پتھر میرے کپڑے۔ پتھر میرے کپڑے۔ آخر پتھر بنی اسرائیل کی ایک جماعت تک پہنچ گیا انہوں نے آپ کو برہنہ دیکھ لیا آپ کا اندرونی بدن بہت خوبصورت اور بے عیب تھا اس طرح اللہ نے ان لوگوں کی (بدگمانی سے) موسیٰ کی برأت ظاہر فرما دی۔ موسیٰ نے کپڑے لے کر پہن لئے اور لاٹھی سے پتھر کو مارنے لگے۔ خدا کی قسم موسیٰ کی لاٹھی کی ضرب سے پتھر پر تین چار یا پانچ نشان پڑ گئے۔ آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا سے یہی مراد ہے۔ رواہ البخاری والترمذی واحمد وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ والبیہقی وعبد بن حمید۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر زناء کی تہمت:

ابوالعالیہ نے کہا آیت مذکورہ میں قارون کے قصہ کی طرف اشارہ ہے، قارون نے ایک عورت کو اُجرت دے کر اس بات پر [illegible]

عام مجمع کے سامنے موسیٰ علیہ السلام پر اپنے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائے لیکن اللہ نے اس تہمت سے موسیٰ کو محفوظ رکھا اور ان کی تہمت تراشی سے آپ کو بچا لیا اور قارون کو تباہ کر دیا۔ سورۂ قصص میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر قتل کی تہمت:

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موسیٰ کو اذیت دینے سے یہ مراد ہے کہ حضرت ہارون نے تیہ میں جب وفات پائی تو لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی کہ آپ نے ہارون کو قتل کیا ہے اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا فرشتے حضرت ہارون کا جنازہ لے کر بنی اسرائیل کے سامنے سے گزرے اس وقت لوگوں کو یقین آ گیا کہ موسیٰ نے ہارون کو قتل نہیں کیا ہے۔

اخرجہ ابن منیع وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ والحاکم عن ابن عباس عن علی بن ابی طالب [illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک گرانی:

بخاری نے حضرت عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم کیا ایک شخص نے کہا یہ تقسیم اللہ کی رضا کے لئے نہیں ہوئی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کی اطلاع پہنچا دی۔ سنتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ناراض ہوئے کہ غصہ کی علامت چہرہ مبارک پر نمودار ہوگئی پھر فرمایا اللہ موسیٰ پر اپنی رحمت فرمائے ان کو اس سے زیادہ ایذاء پہنچائی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجاہت:

وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا اور موسیٰ اللہ کے نزدیک بڑے [illegible] تھے۔ وجاہت کا معنی ہے عزت و مرتبہ (بیضاوی) حضرت ابن عباس نے فرمایا حضرت موسیٰ اللہ کے نزدیک بڑی قدر و منزلت والے تھے۔ جو مانگتے تھے اللہ عطا فرما دیتا تھا۔ [illegible] محبوب اور مقبول بارگاہ تھے۔ [illegible]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ
[illegible]
يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ
[illegible]
وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ؀
[illegible]

سیدھی بات کہو:

یعنی اللہ سے ڈر کر درست اور سیدھی بات کہنے والے کو بہترین اور مقبول عمل کی توفیق ملتی ہے اور تقصیرات معاف کی جاتی ہیں حقیقت میں اللہ و رسول کی اطاعت ہی میں حقیقی کامیابی کا راز چھپا ہوا ہے جس نے یہ راستہ اختیار کیا مراد کو پہنچ گیا۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
ہم نے دکھلائی امانت آسمانوں کو اور زمین کو
وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا
اور پہاڑوں کو پھر کسی نے قبول نہ کیا کہ اس کو اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے
وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝۷۲
اور اٹھا لیا اس کو انسان نے یہ ہے بڑا بے ترس نادان

انسان کی عظیم ذمہ داری:

یعنی ستم کر دیئے، جو بوجھ آسمان و زمین اور پہاڑوں سے نہ اٹھ سکتا تھا اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھا لیا۔ آسمان بار امانت نتوانست کشید قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا۔ امانت کیا ہے؟ پرائی چیز رکھنی اپنی خواہش کو روکنا اور آسمان و زمین وغیرہ میں اپنی خواہش کچھ نہیں، یا ہے تو وہی ہے جس پر قائم ہیں۔ انسان میں خواہش اور ہے اور حکم خلاف اس کے۔ اس پرائی چیز (یعنی حکم) کو برخلاف اپنے جی کے تھامنا بڑا زور چاہتا ہے۔ اس کا انجام یہ ہے کہ منکروں کو قصور پر پکڑا جائے اور ماننے والوں کا قصور معاف کیا جائے۔ اب بھی یہی حکم ہے کسی کی امانت کوئی جان کر ضائع کر دے تو بدلا (ضمان) دینا پڑے گا اور بے اختیار ضائع ہو جائے تو بدلہ نہیں۔ (موضح) اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی ایک خاص امانت مخلوق کی کسی نوع میں رکھنے کا ارادہ کیا جو اس امانت کو اگر چاہے تو اپنی سعی و کسب اور قوت بازو سے محفوظ رکھ سکے اور ترقی دے سکے۔ تا اس سلسلہ میں اللہ کی ہر قسم کی شئون و صفات کا ظہور ہو مثلاً اس نوع کے جو افراد امانت کو پوری طرح محفوظ رکھیں اور ترقی دیں ان پر انعام و اکرام کیا جائے۔ جو غفلت یا شرارت سے ضائع کر دیں ان کو سزا دی جائے اور رجوع کریں اس بارہ میں قدرے کوتاہی کریں ان سے عفو و درگزر کا معاملہ ہو۔ میرے خیال میں یہ امانت ایمان و ہدایت کا ایک تخم ہے جو قلوب بنی آدم میں بکھیرا گیا۔ جس کو ہم تکلیف بھی کہہ سکتے ہیں۔ لا ایمان لمن لا امانة له کی نگہداشت اور ترقی دینے سے ایمان کا درخت اگتا ہے۔ وہی آدم کے قلوب اللہ کی زمینیں ہیں، تخم بھی اسی نے ڈال دیا ہے۔ بارش برسانے کے لئے رحمت کے بادل بھی اس نے بھیجے جن کے سینوں سے وحی الٰہی کی بارش ہوئی۔ آدمی کا فرض یہ ہے کہ ایمان کے اس تخم کو جو امانت الٰہیہ ہے ضائع نہ ہونے دے بلکہ پوری سعی و جہد اور تردد و تحفظ سے اس کی پرورش کرے مبادا غلطی یا غفلت سے بجائے درخت اگنے کے تخم بھی سوخت ہو جائے اسی کی طرف اشارہ ہے حذیفہ کی اس حدیث میں ان الامانة نزلت من السماء في جذر قلوب الرجال ثم علموا من القرآن (الحدیث) یہ امانت وہی تخم ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے قلوب رجال میں تہ نشین کیا گیا۔ پھر صوبِ قرآن و سنت کی بارش ہوئی جس سے اگر ٹھیک طور پر انتفاع کیا جائے تو ایمان کا پودا اگے، بڑھے، پھولے، پھلے اور آدمی کو اس کے ثمرہ شیریں سے لذت اندوز ہونے کا موقع ملے۔ اگر انتفاع میں کوتاہی کی جائے تو اسی قدر درخت کے اگنے اور پھلنے پھولنے میں نقصان رہے یا بالکل غفلت برتی جائے تو سرے سے تخم بھی برباد ہو جائے۔ یہ امانت تھی جو اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان و پہاڑوں کو دکھلائی۔ مگر کس میں استعداد تھی جو اس امانت عظیمہ کو اٹھانے کا حوصلہ کرتا ہر ایک نے بلسان حال یا بزبان قال ناقابل برداشت ذمہ داریوں سے ڈر کر انکار کر دیا کہ ہم سے یہ بار نہ اٹھ سکے گا۔ ہم معذور ہیں۔ آخر انسان ہی وہ مخلوق ہے جو اپنے کسب و محنت سے اس تخم ایمان کی حفاظت و پرورش کر کے ایمان کا شجر بار آور حاصل کر سکے۔ فی الحقیقت عظیم الشان امانت کا حق ادا کر سکنا اور ایک افتادہ زمین کو جس میں مالک نے تخم ریزی کی تھی خون پسینہ ایک کر کے باغ و بہار بنا لینا اسی ظلوم و جہول انسان کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے پاس زمین قابل موجود ہے اور محنت و تردد سے کسی چیز کو بڑھانے کی قدرت اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمائی ہے۔ ظلوم و جہول۔ ظالم اور جاہل کا مبالغہ ہے۔ ظالم و جاہل وہ کہلاتا ہے جو بالفعل عدل اور علم سے خالی ہو مگر استعداد و صلاحیت ان صفات کے حصول کی رکھتا ہو۔ پس جو مخلوق بدو فطرت سے علم و عدل کے ساتھ متصف ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی یہ اوصاف اس سے جدا نہیں ہوئے مثلاً ملائکۃ اللہ یا جو مخلوق ان چیزوں کے حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی (مثلاً) زمین و آسمان پہاڑ وغیرہ) خلاصہ یہ کہ دونوں اس امانت الٰہیہ کے حامل نہیں بن سکتے۔ بیشک انسان کے سوا جن ایک نوع ہے جس میں فی جملہ استعداد اس کے تحمل کی پائی جاتی ہے اسی لئے "وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" میں دونوں کو جمع کیا گیا۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ادائے حق امانت کی استعداد اس میں اتنی ضعیف تھی کہ یہاں امانت کے مقام میں چنداں قابل ذکر اور درخور اعتنا نہیں سمجھے گئے۔ چونکہ دونوں معاملہ میں انسان کے تابع قرار دیئے گئے جن کا نام مستقل طور پر لینے کی ضرورت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت آدمؑ پر اطاعت کی پیشکش:

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ "امانت" سے مراد یہاں اطاعت ہے اسے حضرت آدم علیہ السلام پر پیش کرنے سے پہلے زمین، آسمان اور پہاڑوں پر پیش کی۔ لیکن وہ بار امانت نہ اٹھا سکے اور اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا۔ جناب باری عزاسمہ نے اسے اب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کیا کہ یہ سب تو انکاری ہیں تم کہو۔ آپ نے پوچھا خدایا اس میں بات کیا ہے؟ فرمایا اگر بجا لاؤ گے تو ثواب پاؤ گے اور برائی کی سزا پاؤ گے۔ آپ نے فرمایا میں تیار ہوں۔

زمین وآسمان کی حالت:

آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ امانت سے مراد فرائض ہیں دوسروں پر جو پیش کیا تھا یہ بطور حکم کے نہ تھا بلکہ جواب طلب کیا تھا تو ان کا انکار اور اظہار مجبوری گناہ نہ تھی بلکہ اس میں ایک قسم کی تعظیم تھی کہ باوجود پوری طاقت کے خدا کے خوف سے تھرا اٹھے کہ کہیں پوری ادائیگی نہ ہو سکے اور مارے نہ جائیں لیکن انسان جو کہ بھولا تھا اس نے اس بار امانت کو خوشی خوشی اٹھا لیا۔

انسان کی خطاء:

آپ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ عصر کے قریب یہ امانت اٹھائی تھی اور مغرب سے پہلے ہی خطا سرزد ہو گئی۔

امانت کی متنوع ذمہ داریاں:

حضرت اُبیؓ کا بیان ہے کہ عورت کی پاکدامنی بھی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے قتادہؒ کا قول ہے دین فرائض حدود سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ جنابت کا غسل بھی بقول بعض امانت ہے۔

ذمہ داری کی اہمیت:

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں خیال کرو آسمان باوجود اس پختگی اور زینت اور نیک فرشتوں کا مسکن ہونے کے خدائی امانت برداشت نہ کر سکا جب اس نے یہ معلوم کر لیا کہ بجا آوری اگر نہ ہوئی تو عذاب ہوگا۔ زمین باوجود صلابت اور سختی کے لمبائی اور چوڑائی کے ڈرگئی اور اپنی عاجزی ظاہر کرنے لگی۔ پہاڑ باوجود اپنی بلندی اور طاقت اور سختی کے اس سے کانپ گئے اور اپنی لاچاری ظاہر کرنے لگے۔

امانت کے اٹھ جانے کا اندیشہ:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے دو حدیثیں سنیں ہیں، ایک کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور دوسری کے ظہور کا انتظار ہے، ایک تو یہ کہ آپ نے فرمایا، امانت لوگوں کی جبلت میں اتاری گئی، پھر قرآن اترا حدیثیں بیان ہوئیں پھر آپ نے امانت کے اٹھ جانے کی بابت فرمایا۔ انسان سوئے گا جو اس کے دل سے امانت اٹھ جائے گی اور ایسا نشان رہ جائے گا جیسے کسی کے پیر پر کوئی انگارہ لڑھکا کر آ گیا ہو اور چھپولا پڑ گیا ہو کہ ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اندر کچھ بھی نہیں۔ پھر آپ نے ایک کنکر لے کر اسے اپنے پیر پر لڑھکا کر دکھا دیا کہ اس طرح لوگ لین دین خرید و فروخت کریں گے۔ لیکن تقریباً ایک بھی ایماندار نہ ہوگا یہاں تک کہ مشہور ہو جائے گا کہ فلاں قبیلے میں کوئی امانتدار ہے اور یہاں تک کہا جائے گا کہ یہ شخص کیسا عقلمند کس قدر زیرک اور دانا و فراست والا ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہ ہوگا۔

چار بنیادی اوصاف:

مسند احمد میں فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ چار باتیں جب تجھ میں ہوں پھر اگر ساری دنیا بھی فوت ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں، امانت کی حفاظت، بات چیت کی صداقت، حسن اخلاق اور وجہ حلال کی روزی۔ (تفسیر ابن کثیر)

صحیحین بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو حدیثیں سنائی تھیں، ان میں سے ایک تو ہم نے خود آنکھوں سے دیکھ لیا، دوسری کا انتظار ہے۔

پہلی حدیث یہ ہے کہ اول رجال دین کے قلوب میں امانت نازل کی گئی، پھر قرآن اتارا گیا، تو اہل ایمان نے قرآن سے علم حاصل اور سنت سے عمل حاصل کیا۔

اس کے بعد دوسری حدیث یہ سنائی کہ (ایک وقت یہ آنے والا ہے جس میں) آدمی سوئے گا تو اس کے قلب سے امانت سلب کر لی جائے گی اور اس کا کچھ اثر و نشان ایسا رہ جائے گا جیسے تم کوئی آگ کا انگارہ اپنے پاؤں پر لڑھکا دو (وہ انگارہ تو جدا ہو گیا مگر) اس کا اثر پاؤں پر ورم یا چھالے کی صورت میں رہ گیا، جس میں آگ کا کوئی جز نہیں (اس وقت) یہاں تک کہ لوگ باہم معاملات اور معاہدات کریں گے مگر کوئی امانت کا حق ادا نہ کرے گا اور (امانتدار آدمی ایسا قحط ہو جائے گا کہ) لوگ یہ کہا کریں گے کہ فلاں قبیلہ میں ایک آدمی امانتدار ہے۔

امانت داری دل کی صفت ہے:

اس حدیث میں امانت ایک ایسی چیز کو قرار دیا ہے جس کا تعلق انسان کے قلب سے ہے، اور وہی تکالیف شرعیہ اور فرائض دینیہ کے مکلف ہونے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے

قرب و رضائے الٰہی کا شوق:

اور تفسیر قرطبی میں حکیم ترمذی کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کی یہ

روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (آسمان زمین وغیرہ پر عرضِ امانت اور ان کے جواب کے بعد) حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خطاب فرمایا اور فرمایا کہ ہم نے اپنی امانت آسمان زمین کے سامنے پیش کی تو وہ اس کا بار اٹھانے سے عاجز ہو گئے۔ تو آپ اس بار امانت کو اٹھائیں گے مع اس چیز کے جو اس کے ساتھ ہے، آدم علیہ السلام نے سوال کیا کہ اے پروردگار وہ چیز جو اس کے ساتھ ہے کیا ہے؟ جواب ملا کہ اگر حمل امانت میں پورے اترے (یعنی اطاعت مکمل کی) تو آپ کو جزا ملے گی (جو اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا اور جنت کی دائمی نعمتوں کی صورت میں ہوگی) اور اگر اس امانت کو ضائع کیا تو سزا ملے گی، آدم علیہ السلام نے (اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا میں ترقی ہونے کے شوق میں) اس کو اٹھا لیا، یہاں تک کہ بار امانت اٹھانے پر اتنا وقت بھی نہ گزرا تھا جتنا ظہر سے عصر تک ہوتا ہے۔ اس میں شیطان نے ان کو مشہور لغزش میں مبتلا کر دیا، اور جنت سے نکالے گئے۔

عرضِ امانت کا وقت:

اور ظاہر یہ ہے کہ یہ عرضِ امانت کا واقعہ میثاقِ ازل یعنی عہد الست سے پہلے کا ہے کیونکہ الست بربکم امانت کی پہلی کڑی اور اپنے منصب کا حلف اٹھانے کے قائم مقام ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

کردہ بار امانت را قبول ... از کشیدن پس نبید شد ملول

ادائے امانت فرض ہے:

امانت کا صاحب امانت کو ادا کرنا اور صحیح سالم اس تک پہنچا دینا فرض اور واجب ہے۔

آیت امانت کی شیعی تفسیر:

تفسیر قمی میں جو تفسیر اہل بیت کے نام سے مشہور ہے اس میں اس آیت کی عجیب و غریب تفسیر کی ہے وہ یہ کہ امانت سے مراد امامت اور خلافت ہے اور انسان سے ابوبکر مراد ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن ابوبکر بڑا ظلوم و جہول تھا اس نے اٹھا لیا اہل عقل سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے بالفرض والتقدیر اگر یہ تفسیر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ نوع بنی آدم سے پہلے سب ارض و سماوات کی طرح حضرت علی بھی خلافت سے دستبردار ہو چکے تھے ان سب کی دستبرداری کے بعد اللہ نے خلافت ابوبکر پر پیش کی جس کو ابوبکر نے اٹھا لیا اور اٹھا کر اپنی ہی جان پر ظلم کیا نہ کہ حضرت علی پر اور ابوبکر کو جو خلافت ملی وہ مغصوبہ نہ تھی۔ بلکہ خدا کی پیش کردہ تھی۔ خدا کی طرف سے ان کو یہ خلافت ملی تھی جس سے حضرت علی اپنی پیدائش سے پہلے ہی بصد رضا و رغبت دستبردار ہو چکے تھے۔ شیعوں کی یہ تحریف تو اہل سنت کو مفید ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا ارشاد:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں کہ علماء محققین کا قول یہ ہے کہ اس آیت میں امانت سے تکلیف شرعی مراد ہے اور تکلیف کے معنی تحصیل الاعمال باختیار ہیں یعنی اپنے ارادہ اور اختیار سے احکام شریعت کو بجا لانا کیونکہ مطلق عبادت اور اطاعت سے کوئی شے خالی نہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد:

سید الطائفہ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ آدم کی نظر خدا تعالیٰ کے پیش کرنے پر تھی کہ خدا تعالیٰ پیش کر رہا ہے امانت کے ثقل پر ان کی نظر نہ تھی حق تعالیٰ کے پیش کرنے کی لذت نے امانت کا بوجھ بھلا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طرف ربانی سے زبان عنایت یوں گویا ہوئی کہ اے آدم امانت کا اٹھانا تیری طرف سے ہے اور تجھ کو اٹھانا میری طرف سے ہے چونکہ تو نے خوشی سے میری امانت کو اٹھایا تو میں نے بھی تجھے اٹھا لیا۔

راہ ... او ابد ... توان ... جیود ... بار اور ابد و توان برداشت

(معارف کاندھلوی)

امانت کے متعلق علماء کے اقوال:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا امانت سے مراد ہے نماز ادا کرنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے، بیت اللہ کا حج، صدق مقال، ناپ تول میں انصاف اور ان سب سے زیادہ سخت امانتوں کی حفاظت۔

زید بن اسلم نے کہا امانت سے مراد ہے روزہ، غسل، جنابت اور اندرونی شرائع (جیسے ... دل میں مسلمان سے عداوت نہ کرنا، حب جاہ و مال نہ رکھنا وغیرہ وغیرہ ...) یعنی جن میں ریاکاری کا کوئی دخل نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے فرمایا انسانی جسم میں سب سے پہلے شرمگاہ بنائی اور فرمایا یہ امانت ہے بطور ودیعت میں تیرے سپرد کرتا ہوں۔ کان بھی امانت ہے، آنکھ بھی امانت ہے اور جس میں امانت (کی پاسداری) نہیں اس کے پاس ایمان نہیں۔

بعض اہل علم نے کہا امانت سے مراد ہیں لوگوں کی باہمی امانتیں اور ایفاء وعدہ۔ ہر مومن پر حق ہے کہ دوسرے مومن یا معاہد کے ساتھ دھوکہ نہ کرے نہ چھوٹے معاملہ میں نہ بڑے معاملہ میں بغوی نے لکھا ہے اللہ نے زمین و آسمان سے فرمایا کیا تم میری امانت کو مع اس کے لوازم کے اٹھاتے ہو۔ آسمان و زمین نے کہا لوازم امانت کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا اگر تم نیکی کرو گے تو تم کو اچھا بدلہ دیا جائے گا اگر نافرمانی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ آسمان و زمین نے

وحشی ہو ان لوازم کے ساتھ ہم برداشت) نہیں (کر سکتے) اے رب ہم تیرے حکم کے پابند ہیں نہ ثواب چاہتے ہیں نہ عذاب۔ آسمان و زمین نے یہ بات (نافرمانی کے) خوف اور دین خداوندی کی تعظیم کی وجہ سے کہی ان کو اندیشہ ہوا کہ دین خداوندی کا حق ہم سے ادا نہ ہو سکے گا (تو عذاب میں مبتلا ہوں گے) یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے بارِ امانت اٹھانے کا حکم ان کو دیا تھا اور انہوں نے حکم کی نافرمانی کی اللہ کی طرف عرض امانت کی برداشت اختیاری تھی لازمی نہیں تھی اگر لازمی ہوتی تو آسمان و زمین ضرور اس بار کو اٹھاتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے شاید امانت سے عقل یا تکلیف شرعی مراد ہے۔ عقل قوت غضبیہ و شہوانیہ کی نگراں ہے۔ دونوں کو حدود شرعیہ سے آگے بڑھنے اور تجاوز کرنے سے روکتی ہے۔ شرعی احکام کا اصل مقصد ہی غضبیہ اور شہوانیہ قوتوں کو اعتدال پر لانا ہے۔ اسی تشریح کی بنا پر بیضاوی نے [illegible] آیت میں جو طاعت کی عظمت شان کو ظاہر کیا تھا اس کی اس آیت سے تائید ہو رہی ہے۔ طاعت کو امانت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ امانت واجب الادا ہوتی ہے۔ طاعت کا ادا کرنا بھی امانت کی طرح واجب ہے آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ طاعت الٰہیہ اتنا بار ثقیل ہے کہ اگر آسمان و زمین اور پہاڑوں سے اس کو برداشت کرنے کی پیشکش کی جاتی تو وہ بھی اس بار کو اٹھانے سے انکار کر دیتے اور ڈر جاتے لیکن انسان نے اپنی جسمانی ساخت کی کمزوری اور طاقت کی کمی کے باوجود اس کو اٹھا لیا [illegible] جو شخص حقوق امانت پورے پورے ادا کرے گا اور برداشت امانت وہ وقت پیش نظر رکھے گا وہ ضرور کامیاب ہوگا اور اس کو فلاح دارین حاصل ہوگی۔

بعض لوگوں نے کہا کہ اجرام علویہ و سفلیہ پیدا کرتے وقت اللہ نے ان کے اندر سمجھ بھی پیدا کر دی تھی اور فرمایا تھا میں نے ایک فریضہ مقرر کیا ہے جو اس کی طاعت کرے گا اس کے لیے میں نے جنت پیدا کی ہے اور جو نافرمانی کرے گا اس کے لیے دوزخ بنا دی ہے۔ اجرام مذکورہ نے جواب دیا ہم تو جیسے ہم کو پیدا کیا ہے ہم (بے خطر) اسی کے پابند ہیں کسی (تکلیفی) فریضہ کو برداشت نہیں کر سکتے اور ثواب نہیں چاہتے لیکن آدم کو پیدا کیا ان پر فریضہ کی پیشکش کی تو انہوں نے اٹھا لیا کیونکہ وہ یہ بار دوسروں پر ڈال کر خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے اور انجام کی خرابی سے ناواقف تھے۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد کا یہی تفسیری قول نقل کیا ہے اس روایت میں اتنا اور ہے کہ بار امانت کو اٹھانے اور جنت سے نکالے جانے کے درمیان بس اتنی ہی مدت ہوئی جتنی ظہر و عصر کے درمیان ہوتی ہے۔

جمادات کا اللہ تعالیٰ سے معاملہ:

بعض اہل علم نے کہا جمادات ہمارے لحاظ سے بے عقل ہیں [illegible] بات نہیں سمجھتے لیکن اللہ کے فرمان کو سمجھتے ہیں اور مجھ کر اطاعت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اللہ نے آسمان و زمین سے فرمایا ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا دونوں نے جواب دیا أَتَيْنَا طَائِعِينَ دوسری آیت ہے وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ بعض پتھر ایسے ہیں جو پھوٹ کر پھٹتے ہیں اور بعض پتھر اللہ کے خوف سے نیچے گر پڑتے ہیں۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ۔

حضرت آدم علیہ السلام:

بعض علماء نے لکھا ہے حَمَلَهَا الْإِنْسَانُ میں الْإِنْسَانُ سے مراد حضرت آدم ہیں۔ [illegible] نے آدم سے فرمایا تھا کہ میں نے یہ امانت آسمان زمین اور پہاڑوں [illegible] آدم نے عرض کیا [illegible] اللہ نے فرمایا [illegible] تو عذاب میں پڑا جائے گا۔ آدم نے امانت اٹھا لی اور عرض کیا میں اس وجہ [illegible] اس امانت کو قبول کرتا ہوں [illegible] (کہتے ہیں جنت میں [illegible]) اور تیری زبان سے [illegible] ایک قسم [illegible] (ناجائز بات زبان سے نکلنے کا) اندیشہ ہو تو قفل بند [illegible] لئے لباس مقرر کر دوں گا تو شرم گاہ کو اس کے سامنے [illegible]۔

[illegible] وقت [illegible]۔

[illegible] امانت کے بعد جنت سے نکالے جانے کی وجہ شاید یہ [illegible] (یعنی عمل) کا مقام نہیں ہے بلکہ وہ امانت کے ثواب کا مقام ہے (دنیا [illegible] دار الجزاء ہے) اس لئے حضرت آدم کو جنت سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا [illegible] آخرت کی کھیتی ہے (یعنی دنیا میں [illegible])

امانت کی تشبیہ: بغوی نے [illegible] اپنی سند سے حضرت ابن مسعود کی [illegible] امانت کا [illegible] پتھر سے تشبیہ دی گئی جو کسی جگہ [illegible] اس کو [illegible] کی دعوت دی گئی لیکن [illegible] طاقت نہیں [illegible] آدم [illegible] انہوں نے پتھر کو [illegible] سمجھا اس

کو اٹھانے کا حکم دیا گیا تو میں اس کو اٹھالوں گا اللہ نے فرمایا اٹھو آدم اس کو اٹھا کر وہ تک لے آئے پھر رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم اگر میں زیادہ اٹھانا چاہوں تو اٹھا سکتا ہوں۔ آسمان و زمین نے کہا اٹھو۔ آدم نے اس کو اٹھا کر اپنے کاندھے پر رکھ لیا اور پھر اتار کر نیچے رکھ دینے کا ارادہ کیا اللہ نے فرمایا آدم اس کو نیچے نہ رکھو۔ یہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی گردن میں قیامت تک بندھا رہے گا۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق

میں کہتا ہوں آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ امانت کا حامل صرف انسان ہے۔ اب اگر امانت سے مراد طاعت و شرعی تکالیف ہوں گی تو انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہوگی جن اور ملائکہ بھی مکلف شرعی ہیں بلکہ انسانوں پر ملائکہ کی فضیلت لازم آئے گی کیونکہ ملائکہ تو معصوم ہیں امانت مکمل طور پر ادا کر رہے ہیں؟؟ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ وہ رات دن اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ سست نہیں پڑتے اور انسانوں میں سے کچھ ظالم نفسہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں اور کچھ مقتصد میانہ روی سے چلنے والے اور کچھ سابق بالخیرات بھلائیوں کی طرف پیش قدمی کرنے والے۔ اس لئے صوفیہ نے کہا کہ امانت سے مراد ہے نور عقل اور نار عشق۔ عقل کی روشنی میں منطقی استدلال کے ساتھ معرفت الہیہ کا حصول ہوتا ہے اور آتش عشق سے سارے درمیانی حجابات سوختہ ہو جاتے ہیں۔ ملائکہ مقربین بارگاہ ضرور ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کا مقام قرب و معرفت معین ہے وہ اپنے مقام سے ترقی نہیں کر سکتے اللہ نے فرمایا ہے وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ہماری طرف سے ہر ایک کا مرتبہ مقرر ہے۔ ہاں نور عشق تمام حجابات بُعد کو جلا ڈالتی ہے اور صرف انسان معرفت الہیہ کے غیر متناہی مراتب میں ترقی کر سکتا ہے۔

میں نے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے کلام سے یہ استنباط کیا ہے کہ امانت تجلیات ذاتیہ کو قبول کرنے کی وہ استعداد ہے جو اللہ نے صرف انسان میں ودیعت کی ہے۔ ایمان اور نیک اعمال کے بعد جن کا ساتھ اور شمار بھی ہو سکتا ہے اور تجلیات صفاتیہ کو قبول کرنے کی اس میں استعداد ہو سکتی ہے لیکن ذاتی تجلی کی برداشت تو صرف اسی میں ہو سکتی ہے جس کا مزاج خاکی ہو اسی استعداد نے آدم کو مستحق خلافت بنایا اور یہی استعداد مراد ہے اس علم سے جس کا اظہار آیت إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ میں کیا ہے۔ یعنی اللہ نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے کہ تجلی ذاتی کو وہی برداشت کر سکتا ہے جس کا مزاج خاکی ہو اسی کی طرف اشارہ ہے لفظ ظلوم وجہول سے یعنی انسان کو سبعی قوت بھی دی گئی ہے اور بہیمی قوت بھی۔ سبعی قوت کا تقاضا ہے بلند چوٹیوں پر چڑھنا۔ بلند سے بلند مراتب معرفت کی طرف ترقی کرتا چلا جانا اور بہیمی قوت انسان کو اس قابل بنا

دیتی ہے کہ بس محبوب کے سامنے تعمیل اور مشقتیں وہ برداشت کر سکے ظلوم وجہول ہونا انسان کی صفت محمودہ ہے اور مستحق خلافت بنا دینے کی علت ہے۔ سبعی اور بہیمی قوتیں رکھنی مزاج رکھتی ہیں۔

موجودات ارضی اپنی مزاجی کثافت کی وجہ سے نور آفتاب کو جذب کر سکتے ہیں۔ لطیف جرم میں جذب نور کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ مادہ ارضی اپنی کثافت کی وجہ سے تجلی ذاتی کی برداشت کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ ملائکہ اس قابلیت سے محروم ہیں۔ ملائکہ مقربین کے مقامات قرب محدود ہیں اگرچہ ملائکہ کے قرب وولایت (اصل) کا مرتبہ انبیاء کے مقام قرب وولایت سے بالاتر ہے مگر ملائکہ کا مرتبہ ولایت اور نبیوں کا مرتبہ نبوت... تجلی ذاتی... تجلیات ذات کے ساتھ صفات کا قید ملحوظ نہیں اور ملائکہ کے مرتبہ ولایت میں بطون کی حیثیت معتبر ہے یعنی ذات کے ساتھ صفات کا قید ملحوظ ہوتا ہے۔

یہاں تجلی ذاتی جو نبوت کا مبدء ہے ملائکہ میں نہیں اس لئے نبوت انسان کے ساتھ مخصوص ہے اور انبیاء کے خواص ملائکہ کے خواص سے افضل ہیں اور جنت صرف انسانوں کے لئے پیدا کی گئی ملائکہ جنت میں ہر دروازہ سے داخلہ انسانوں کے لئے ... ہوں گے۔

علامہ بیضاویؒ کی تحقیق:

بیضاوی نے اس آیت کو سابق انذار وعدہ کی تائید قرار دیا اور مطلب اس طرح بیان کیا۔ امانت کی عظمت اور ہے کہ اگر بزرگ ترین اجسام بالفرض باشعور ہوتے تو وہ بھی ڈر کے مارے انکار کر دیتے اور اٹھا نہ سکتے لیکن انسان نے باوجود اپنی جسمانی کمزوری کے اس کو اٹھا لیا اس لئے جو شخص اس امانت کے حقوق کی نگہداشت کرے گا وہ دونوں جہان میں کامیاب ہوگا اس مطلب پر بیضاوی نے کہا ہے انہ کان ظلوما جھولا سے یہ مراد ہوگی کہ انسان نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور حق امانت کا لحاظ نہیں رکھا اور حقیقت امانت کے نتیجہ سے ناواقف رہا یہ دونوں وصف جنس انسان کے قرار دیئے (لیکن کل افراد کے نہیں ہیں) یہ معتبر ہے زیادہ افراد کے (کیونکہ بعض افراد یعنی انبیاء، اولیاء اور مومنین صالحین نے تو امانت کے پورے حقوق ادا کئے اور وعدہ پورا کیا)۔

الانسان سے مراد حضرت آدم ہیں اور آدم ہی نے بار امانت اٹھایا تھا اور آدم نبی معصوم تھے انہوں نے جو بوجھ اٹھایا تھا اس کو پورا پورا ادا کر دیا اور انہ کی ضمیر کا رجوع اسی شخص کی طرف ہے جس نے بار امانت اٹھایا تھا (یعنی حضرت آدم علیہ السلام)

انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا مطلب:

صوفیہ نے انسان کے ظلوم وجہول ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ

انسان نے اگر فرد اپنے نفوس پر ظلم کیا معرفت اور تجلیات الٰہیہ کی اس استعداد کو کھو دیا جو فطرت اللہ ہے۔ اللہ نے سب لوگوں کو اس فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اکثر انسان انتہائی نادان بھی ہیں جو چیز فوت ہوگئی اس کی خوبی سے ناواقف ہیں اور جو کمایا اس کی خرابی سے لاعلم ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ الحدیث۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ۔

میں کہتا ہوں یہ بات معلوم ہوگئی کہ بطور کنایہ ظلم سے مراد قوت سبعیہ (غضبیہ) ہے اور جہالت سے مراد قوت بہیمیہ (شہوانیہ) ہے اور ان دونوں قوتوں کی اچھائی برائی مصرف کے تنوع کے لحاظ سے ہے۔ قوت سبعیہ کا استعمال اگر اللہ کے دشمنوں کو دفع کرنے اور مدارج قرب تک پہنچنے اور مراتب معرفت میں ترقی کرنے کے لئے کیا جائے تو یہ قوت مستحق قرار پاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستہ میں اس طرح صف بند ہو کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی مضبوط دیوار ہیں۔ بلاشبہ اللہ بلندی عزم اور رفعت ہمت کو پسند فرماتا ہے۔ لیکن اگر اسی قوت کا استعمال بے قصور لوگوں پر ظلم کرنے اور اللہ کے مقابلہ میں تکبر و غرور کرنے کے لئے کیا جائے تو یہ قوت قبیح قرار پاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے: اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ خوب سن لو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ اور اللہ اترانے والے شیخی جتانے والے کو پسند نہیں کرتا۔

اسی طرح قوت بہیمیہ کا استعمال اگر حصول سعادت کے لئے کیا جائے تو یہ قوت اچھی ہے اور اگر فانی لذتوں کے حصول کے لئے کیا جائے تو بری ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

اور یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان دونوں قوتوں کے استعمال و صرف کی اچھائی کا مدار نفس و قلب کے تزکیہ اور عناصر کی تطہیر پر ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بنی آدم کے جسم کے اندر ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو سارا جسم ٹھیک ہوتا ہے اور جب وہ بگڑتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ خوب سن لو وہ بوٹی دل ہے۔ رواہ البخاری۔ اللہ نے فرمایا ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا جس نے نفس کو پاک کر لیا وہ فلاح یاب ہوگیا اور جس نے نفس کو میل آلود اور گندہ کر دیا وہ نامراد رہا اور یہ بھی صحیح ہے کہ شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی تطہیر نفس کا ذریعہ ہے اب اگر امانت سے مراد شرعی اوامر و نواہی ہوں تو ظلوم و جہول ہونے سے اشارہ ہوگا اس علت کی طرف جس کی وجہ سے انسان پر بار امانت ڈالا گیا اور اس نے اس بوجھ کو اٹھا لیا۔ اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ انسان چونکہ ظلوم و جہول تھا اس لئے ہم نے اس پر بار امانت ڈالا اور اس نے اٹھا لیا تاکہ بری خصلتوں سے اس کی تطہیر ہو جائے اور اعلیٰ فضائل حاصل کرنے کی اس میں صلاحیت ہو جائے اور دونوں جہاں میں وہ بامراد رہے۔ اور اگر امانت سے مراد تجلیات ذاتیہ ہوں تو مطلب اس طرح ہوگا کہ چونکہ انسان ظلوم و جہول تھا اس لئے وہی اس امانت کو اٹھانے کے قابل تھا اس امانت کو برداشت کرنے کا وہی اہل ہوگا جو ان دونوں اوصاف کا حامل ہو۔

تزکیہ ضروری ہے:

امانت سے مراد اطاعت و فرائض ہوں یا معرفت اور مراتب قرب کا حصول بہرحال سبعیہ اور بہیمیہ قوتیں اچھی بھی ہیں اور بری بھی اگر نفس کا تزکیہ نہ کیا اور اللہ کی طرف سے انسان کو بے مدد چھوڑ دیا گیا اور باطل میں ان قوتوں کو مشغول رکھا گیا تو یہ قوتیں بری ہیں ورنہ اگر اس کے خلاف ان قوتوں سے کام لیا گیا تو قوتیں اچھی ہیں۔ دونوں صورتوں میں ان قوتوں کی علت و مدار امانت۔ انسان پر لادنے اور اس بوجھ کو اٹھانے کی علت قرار دینا بالکل صحیح ہے۔ (تفسیر مظہری)

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ
تاکہ عذاب کرے اللہ منافق مردوں اور عورتوں کو اور شرک والے مردوں کو
وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
اور عورتوں کو اور معاف کرے اللہ ایمان دار مردوں کو اور عورتوں کو
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا
اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

منافق، کافر اور مومن کا انجام:

میرے نزدیک اس جگہ توبہ کے معنی معاف کرنے کے نہ لئے جائیں بلکہ ان کے حال پر متوجہ ہونے اور مہربانی فرمانے کے لیں تو بہتر ہے جیسے "لقد تاب الله على النبي والمهاجرين" میں لئے گئے ہیں۔ یہ تو مومنین کاملین کا بیان ہوا۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا اور میں قاصرین و مقصرین کے حال کی طرف اشارہ فرما دیا۔ والله تعالى اعلم نسأل الله تعالى ان يتوب علينا ويغفرلنا ويثيبنا بالفوز العظيم انه جل جلاله وعم نواله غفور رحيم. تم سورة الاحزاب ولله الحمد والمنة. (تفسیر عثمانی)

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ یعنی تاکہ عذاب دے گا اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو، اور مشرکین مردوں اور عورتوں کو اور رحمت ومغفرت سے نوازے گا مؤمنین ومؤمنات کو لیعذب میں حرف لام بیان علت وغرض کے لئے نہیں بلکہ اصطلاح عربیت کے لحاظ سے لام عاقبت ہے، یعنی جو کسی چیز کا انجام بیان کرے جیسے ایک عربی شعر میں ہے

لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَاب

یعنی پیدا ہو موت کے لئے اور تعمیر کرو ویران ہونے کے لئے مراد یہ ہے کہ پیدا ہونے والے کا انجام موت اور ہر تعمیر کا انجام ویرانی ہے۔

بارِ امانت کا نتیجہ:

اس جملے کا تعلق حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ سے ہے، یعنی انسان کے بارِ امانت اٹھانے کا انجام یہ ہوگا کہ نوعِ انسانی میں دو فریق ہو جائیں گے، ایک کفار و منافق وغیرہ جو اطاعت الٰہیہ سے سرکش ہو کر امانت کے ضائع کرنے والے ہو گئے، ان کو عذاب دیا جائے گا، دوسرے مؤمنین ومؤمنات جو اطاعت احکام شرعیہ کے ذریعہ حق امانت ادا کر چکے، ان کے ساتھ رحمت ومغفرت کا معاملہ ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

لِيُعَذِّبَ میں لام عاقبت کا ہے یعنی اس برداشت امانت کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ عذاب دے گا جیسے ایک مصرع ہے لِدُوْا لِلموت وابنوا للخراب مرنے کے لئے جنم دو اور ویران ہونے کے لئے تعمیر کرو یعنی پیدائش کا نتیجہ موت اور تعمیر کا انجام ویرانی ہے۔

منافق اور مشرک ہی ظلم اور عیش میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہی امانت مفوضہ کو ضائع کرنے والے ہیں ان سے نہیں عذاب دیا جائے گا۔

وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور اللہ (اپنی رحمت، مغفرت اور عطاء قرب کے ساتھ) مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کی طرف متوجہ ہو۔ مؤمن ہی امانت کا حق ادا کرنے اور تجلیات الٰہیہ میں ڈوب جانے والے ہیں اس لئے انہیں کی مغفرت اور انہیں پر رحمت الٰہیہ کی بارش ہوگی۔

شرعی ذمہ داری کی غرض:

ابن قتیبہ نے آیات کا مطلب اس طرح بیان کیا ہم نے امانت یعنی شرعی تکلیفات یا فطری استعداد کو پیش کیا تاکہ منافق کا نفاق اور مشرک کا شرک ظاہر ہو جائے اور اللہ ان کو عذاب دے اور مومن کے ایمان (نیز عارف کی معرفت) کا اظہار ہو جائے اور اللہ ان پر رحم فرمائے۔ اور اگر کسی طاعت میں ان سے قصور ہو جائے تو اس کو بخش دے۔ (میں کہتا ہوں) اور وہ ذاتی تجلیات ذاتیہ کی بارش اور بلا کیف وصل بے حجاب کی نعمت ان کو نصیب ہو جائے۔

نکتہ: معاف کے موقع پر یتوب کہنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ شدت سے حفاظت سے انسان ظلوم وجہول ہے اس سے کچھ قصور ہونے ضرور ہوتا۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ (مومنوں کو) بخشنے والا ہے۔ ان کی لغزشوں کو وہ معاف کرتا ہے۔

رَّحِيْمًا بڑا مہربان ہے کہ اپنی مہربانی سے مومنوں کی طاعتوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔

الحمد للہ سورۂ احزاب کی تفسیر ختم ہوئی

بحمد اللہ تعالیٰ

گلدستۂ تفاسیر

جلد-٦

سورۃ سبا
تا
سورۃ القمر

سورة سبا

سورہ سبا مکہ میں نازل ہوئی اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

اگر خواب میں یہ سورۃ پڑھے.... دلیل ہے کہ زاہد اور عابد ہوگا (حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

سب خوبی اللہ کی ہے جس کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمان اور زمین میں

وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝

اور اسی کی تعریف ہے آخرت میں اور وہی ہے حکمتوں والا سب کچھ جاننے والا☆

دنیا وآخرت میں تعریف فقط اللہ ہی کی ہے:

یعنی سب خوبیاں اور تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو اکیلا بلا شرکت غیرے تمام آسمانی وزمینی چیزوں کا مالک وخالق اور نہایت حکمت وخبرداری سے ان کی تدبیر کرتا ہے اس نے یہ سلسلہ بے کار پیدا نہیں کیا ایسے حکیم ودانا کی نسبت یہ گمان نہیں ہوسکتا۔ ضرور ہے کہ یہ نظام آخر میں کسی اعلیٰ نتیجہ پر منتہی ہو، اسی کو آخرت کہتے ہیں اور جس طرح دنیا میں وہ اکیلا تمام تعریفوں کا مستحق ہے، آخرت میں بھی صرف اسی کی تعریف ہوگی، بلکہ یہاں تو بظاہر اور کسی کی بھی تعریف ہو جاتی تھی کیونکہ مخلوق کا فعل خالق کے فعل کا پردہ اور اس کا کمال اس کے کمال حقیقی کا پرتو ہے لیکن وہاں سب وسائط اور پردے اٹھ جائیں گے جو کچھ ہوگا سب دیکھیں گے کہ اسی کی طرف سے ہو رہا ہے اس لئے صورۃً وحقیقۃً ہر حیثیت سے تنہا اسی محمود مطلق کی تعریف رہ جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ تمام حمد ہے اس اللہ کیلئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔

یعنی وہی سب کا مالک اور خالق اور حاکم ہے اس لیے وہی ہر ظاہری، باطنی، جہری اور سری حمد کا مستحق ہے دوسرا کوئی حمد کا مستحق نہیں ہے اللہ کے سوا دوسرے کی ستائش مجازاً کی جاتی ہے کیوں کہ اس کے ہاتھوں سے بظاہر کچھ نعمتیں دوسروں کو پہنچتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ربط: گذشتہ سورت کے آخیر میں امانت کا ذکر تھا اب اس سورت میں یہ بتلایا کہ نفسانی شہوتیں اور دنیاوی لذتیں ہی امانت میں خیانت کا سبب بنتی ہیں جیسا کہ قوم سبا جن کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا اگر وہ دنیاوی عیش وعشرت میں ایسے مست ہوئے کہ اللہ کی امانت میں خیانت کر بیٹھے جس کا انجام تباہی اور بربادی ہوا، حق تعالیٰ نے قوم سبا کو جو نعمتیں دی تھیں وہ جنت کا نمونہ تھیں۔ کفرانِ نعمت کی وجہ سے وہ جنت مبدل بہ جہنم ہوگئی اور رحمت وراحت مبدل بہ لعنت وزحمت ہوگئی، اور عزت مبدل بذلت ہوگئی۔ (معارف کاندھلوی)

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا

جانتا ہے جو کچھ کہ اندر گھستا ہے زمین کے اور جو کچھ کہ نکلتا ہے اس سے

وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ

اور جو اترتا ہے آسمان سے اور جو چڑھتا ہے اس میں☆

اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے:

یعنی آسمان وزمین کی کوئی چھوٹی بڑی چیز اس کے علم سے باہر نہیں جو چیز زمین کے اندر چلی جاتی ہے مثلاً جانور کیڑے مکوڑے نباتات کا بیج، بارش کا پانی، مردہ کی لاش اور جو اس کے اندر سے نکلتی ہے مثلاً کھیتی، سبزہ، معدنیات وغیرہ اور جو آسمان کی طرف سے اترتی ہے مثلاً بارش وحی، تقدیر، فرشتے وغیرہ اور جو اوپر چڑھتی ہے مثلاً روح، دعاء، عمل اور ملائکہ وغیرہ ان سب انواع وجزئیات پر اللہ کا علم محیط ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝

اور وہی ہے رحم والا بخشنے والا☆

یہ سب چہل پہل اللہ کی رحمت سے ہے:

یعنی یہ سب بستی اور چہل پہل اس کی رحمت اور بخشش سے ہے ورنہ بندوں کی ناشکری اور حق ناشناسی پر اگر ہاتھوں ہاتھ گرفت ہونے لگے تو ساری رونق ایک لمحہ میں ختم کر دی جائے۔ ”وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ“ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ ؕ

اور کہنے لگے منکر نہ آئے گی ہم پر قیامت☆

انکارِ قیامت: کیوں نہیں آئے گی، اس کا منشاء آگے آتا ہے۔ ”اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ“

قُلْ بَلٰی وَرَبِّیْ لَتَاْتِیَنَّكُمْ ۙ

تو کہہ کیوں نہیں قسم ہے میرے رب کی البتہ آئیگی تم پر☆

قیامت ضرور آئے گی:

یعنی وہ معصوم ومقدس انسان جس کے صدق وامانت کا اقرار سب کو پہلے سے تھا اور اب براہین ساطعہ سے اس کی صداقت پوری طرح روشن ہو چکی،

موکد قسم کھا کر اللہ کی طرف سے خبر دیتا ہے کہ قیامت ضرور آئے گی، پھر تسلیم نہ کرنے کی کیا وجہ، ہاں اگر کوئی محال یا خلاف حکمت بات کہتا تو انکار کی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن نہ یہ محال ہے نہ خلاف حکمت، پھر انکار کرنا ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ
اس سے غیب کی غائب نہیں ہو سکتا اس سے کچھ ذرہ بھر
فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ
آسمانوں میں نہ زمین میں اور کوئی چیز نہیں اس سے چھوٹی
ذٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ﴿۳﴾
اور نہ اس سے بڑی جو نہیں ہے کھلی کتاب میں ﴿۳﴾

یعنی اس عالم الغیب کی قسم جس کے علم محیط سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ یا ذرہ سے چھوٹی بڑی کوئی چیز کبھی غائب نہیں، شاید اس لئے فرمایا کہ قیامت کے وقت کی تعیین ہم نہیں کر سکتے اس کا علم اسی کو ہے جس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں، ہم کو جتنی خبر دی گئی بلا کم و کاست پہنچا دی، اور اس کا جواب بھی ہو گیا جو کہتے تھے "ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ" یعنی جب ہمارے ذرات منتشر ہو کر مٹی میں مل گئے پھر کیسے دوبارہ اکٹھے کئے جائیں گے تو بتلا دیا کہ کوئی ذرہ اس کے علم سے غائب نہیں۔ اور پہلے بتلایا جا چکا کہ آسمان، زمین کی ہر چیز پر قبضہ اسی کا ہے، لہٰذا اس کو کیا مشکل ہے کہ تمہارے منتشر ذرات کو ایک دم میں اکٹھا کر دے۔

(تنبیہ) کھلی کتاب سے "لوح محفوظ" مراد ہے جس میں ہر چیز اللہ کے علم کے مطابق ثبت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عٰلِمِ الْغَيْبِ وہ رب جو غیب کو جاننے والا ہے۔

نکتہ: عٰلِمِ الْغَيْبِ کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا وقوع امور غیبیہ میں سے ہے جس کو جاننے والا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں لہٰذا یہ صفت قیامت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے، اور غیب کی چیزوں کا اقرار کسی کے لیے بغیر اللہ کے بتائے ہوئے جائز نہیں۔

بیک وقت ہزاروں اموات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ دو لشکر لڑتے ہیں اور ایک ہی وقت میں مارے جاتے ہیں پھر مشرق مغرب اور اس کے درمیان ... مرتے ہیں بچے پیٹ سے گرتے ہیں، ملک الموت تو ایک ہے سب کی روحیں کیسے قبض کرتا ہے، فرمایا ملک الموت ساری دنیا کو دیکھتے ہیں ... ہے جیسے میرے سامنے طشت ہے اسی طرح ساری دنیا اللہ نے ملک الموت

کے سامنے کر دی ہے کیا اس سے کوئی چیز چھپ سکتی ہے۔ (معلوم ہے)

پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ تمام زمانے حال، ماضی، مستقبل اور ہر زمانہ کی چیزیں اللہ کے سامنے حاضر ہیں اور وہ خود زمانہ سے ماوراء ہے اسی طرح ہر مقام اور ہر مقام کی چیزیں اس کے سامنے حاضر ہیں اور وہ خود ہر مکان سے خارج ہے ہر زمان و مکان اسی کی مخلوق ہے۔

فائدہ: بعض اکابر پر بھی ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ زمانہ کی حدود سے خارج ہو جاتے ہیں ماضی یا مستقبل ان کے سامنے آ جاتا ہے اس کا ثبوت اس حدیث سے ہوتا ہے جو شیخین نے صحیح میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت سے بیان کی ہے کہ ایک بار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ساتھ لے کر نماز کو کھڑے ہو گئے اور ایک طویل قیام کیا (الحدیث) اس حدیث میں آیا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے دیکھا کہ (نماز میں) اپنی جگہ کھڑے کھڑے آپ نے کسی چیز کو لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا پھر ہم نے دیکھا کہ آپ کچھ ٹھٹکے فرمایا میں نے جنت دیکھی تھی اور اس سے ایک خوشہ لینے کو ہاتھ بڑھایا تھا، اگر میں اس کو لے پاتا تو جب تک دنیا باقی رہتی تم (یعنی سارے مسلمان) اس کو کھاتے رہتے (اور وہ ختم نہ ہوتا) پھر میں نے دوزخ کو دیکھا آج کی طرح کبھی میں نے ہولناک منظر نہیں دیکھا دوزخیوں کی زیادہ تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی۔ (حدیث)

ظاہر ہے کہ دوزخ میں عورتوں کا داخلہ تو قیامت کے دن ہو گا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوزخ کے اندر پا لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ اگر میں اس کو لے پاتا تو رہتی دنیا تک تم اس میں سے کھاتے رہتے، بتا رہا ہے کہ آپ نے حقیقۃً جنت و دوزخ کو دیکھا تھا تصویر نہیں دیکھی تھی۔

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اس کے اندر ابو طلحہ کی بیوی نظر آئی اور قدموں کی ایک آہٹ میں نے اپنے سامنے سنی میں نے دیکھا تو وہ بلال تھا۔

غیبت کرنے والے:

امام احمد، ابو داؤد اور ضیاء نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میرا رب مجھے اوپر چڑھا کر لے گیا تو میرا گذر ایسے لوگوں کی طرف سے ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ناخنوں سے کھرونچ رہے تھے۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں جبرئیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں (غیبت کرتے ہیں) اور ان کی آبرو ریزی کرتے ہیں۔

بلی کی وجہ سے عذاب. حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ لائی گئی اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت مجھے دکھائی دی جس کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا جارہا تھا، بلی کو اس نے باندھ رکھا تھا نہ تو وہ اس کو کچھ کھانے کو دیتی تھی نہ چھوڑتی تھی کہ وہ کیڑے مکوڑے کھا سکے آخر وہ بھوک سے مرگئی اور میں نے عمر بن عامر خزاعی کو دیکھا جو دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹتا پھر رہا تھا یہی شخص تھا جس نے سب سے پہلے سانڈھ چھوڑنے کی رسم نکالی۔ (رواہ مسلم۔ تفسیر مظہری)

صفتِ علم غیب کی تخصیص:

عٰلِمِ الْغَیْبِ یہ صفت رب کی ہے جس کی اوپر قسم کھائی گئی ہے، اللہ جل شانہٗ کی تمام صفات میں سے ایک جگہ صفتِ علم غیب وعلم محیط کو شاید اس لئے خاص کیا گیا کہ کلام منکرین قیامت کے معاملہ میں ہے، اور قیامت کے انکار کا بڑا سبب کفار کے لئے یہ تھا کہ جب انسان مر کر مٹی ہو جائیں گے اور اس مٹی کے ذرات بھی دنیا میں منتشر ہو جائیں گے تو سارے جہان میں پھیلے ہوئے ذرات کو جمع کرنا پھر ہر ایک انسان کے ذرات کو دوسرے انسانوں کے ذرات سے الگ کر کے ہر ایک کے ذرات اسی کے وجود میں پیوست کرنا کیسے ممکن ہے اور اس کو ناممکن سمجھنا اسی بناء پر تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت سے اپنے علم وقدرت پر قیاس کر رکھا تھا، حق تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کا علم سارے عالم پر ایسا محیط ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے اس کو سب معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کہاں اور کس حال میں ہے، کوئی ذرہ مخلوقات کا اس کے علم سے باہر نہیں، اور یہ علم محیط حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے، کسی مخلوق کو خواہ فرشتہ ہو یا پیغمبر ایسا علم محیط کہ کوئی ذرہ جہان کا اس سے خارج نہ ہو حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور جس ذات کو ایسا علم محیط حاصل ہو اس کے لئے ایک انسان کے ذرات کو الگ الگ سارے جہان میں سے جمع کر لینا اور اس سے ان کے اجسام کو دوبارہ مرکب کر دینا کیا مشکل ہے۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ

تاکہ بدلہ دے اُن کو جو یقین لائے اور کئے بھلے کام وہ لوگ

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ وَالَّذِیْنَ سَعَوْ

جو ہیں ان کے لئے ہے معافی اور عزت کی روزی اور جو لوگ دوڑے

فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

ہماری آیتوں کے ہرانے کو اُن کو بلا کا عذاب ہے

مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝

دردناک

قیامت کیوں ضروری ہے:

یعنی قیامت کا آنا اس لئے ضرور ہے کہ لوگوں کو ان کی نیکی اور بدی کا پھل دیا جائے اور حق تعالیٰ کی جملہ صفات کا کامل ظہور ہو (تنبیہ) "جو لوگ دوڑے ہماری آیتوں کے ہرانے کو۔" یعنی ہماری آیتوں کے ابطال اور لوگوں کو قولاً وفعلاً اُن سے روکنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ گویا وہ (العیاذ باللہ) اللہ کو عاجز کرنا اور ہرانا چاہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کس کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لِّیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝ تاکہ اللہ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور نیک کام کیے نہیں لوگوں کے لئے مغفرت ہے اور عزت کا رزق ہے یعنی حقوق عبدیت کی ادائیگی میں جو کوتاہی ان سے ہوئی ہوگی (پوری ادائیگی تو ممکن ہی نہیں) اللہ اس کوتاہی کو معاف کر دے گا اور جو نیک کام انہوں نے کیے ہیں ان کے بدلے میں اپنی مہربانی سے جنت کے اندر اچھا رزق عطا فرمائے گا جس کے حاصل کرنے میں نہ تھکنا پڑے گا نہ کسی کا (سوائے خدا کے) احسان ہوگا۔

وَالَّذِیْنَ سَعَوْ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝ اور جن لوگوں نے ہماری آیات کے متعلق (ان کو باطل کرنے کے لئے) کوشش کی (ہم کو) ہرانے کے لیے ایسے لوگوں کے لیے سختی کا دردناک عذاب ہوگا۔ یعنی آیات خداوندی کو باطل کرنے اور ان کی طرف سے لوگوں کو بے رغبت اور متنفر بنانے کیلئے کوشش کرتے ہیں (مقصد یہ کہ انہوں نے اپنی دوڑ کا میدان اسی بات کو بنا رکھا کہ اللہ کی آیات کی طرف سے لوگوں کو نفرت دلائیں) ہم پر غالب آنے کے لیے (یعنی یہ بات لوگوں کو بتانے کے لیے نہ کوئی قیامت ہوگی نہ حشر ہوگا اور نہ انہوں نے فرض کر لیا ہے کہ خدا مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا وہ ہم کو عاجز بنا دینا چاہتے ہیں) ایسے لوگوں کو بڑا دکھ دینے والا عذاب ہے۔

قتادہ نے رجز کا ترجمہ سوء العذاب کیا ہے۔ الیم کا ترجمہ ہے دکھ وار مگر مراد ہے دکھ دینے والا۔ (تفسیر مظہری)

وَیَرَى الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ

اور دیکھ لیں جن کو ملی ہے سمجھ کہ جو تجھ پر اتر

اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَیَهْدِیْۤ اِلٰى

تیرے رب سے وہی ٹھیک ہے اور سمجھاتا ہے راہ

صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ

اس زبردست خوبیوں والے کی

ایمان والوں کو عین الیقین حاصل ہوگا:

یعنی اس واسطے قیامت آتی ہے کہ جن کو یقین تھا انہیں عین الیقین حاصل ہو

جو سب اونچھوں سے اعلیٰ ہیں [illegible] قرآن [illegible] صحیح [illegible] بے شک قرآن وہی وہ کتاب ہے جو [illegible] خوبیوں [illegible] خدا تک پہنچنے کا ٹھیک راستہ بتاتی ہے۔ بعض مفسرین نے "وَيَرَى الَّذِينَ الخ" کا مطلب یہ لیا ہے۔ "وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ" کے برخلاف جو اہل علم ہیں (خواہ مسلمان یا اہل کتاب) وہ جانتے ہیں اور مجبور ہیں کہ قیامت وغیرہ کے متعلق قرآن کا بیان بالکل صحیح ہے اور وہ آدمی کو وصول الی اللہ کے ٹھیک راستہ پر لے جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ
[illegible]
يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ
کہ تم کو خبر دیتا ہے جب تم پھٹ کر ہو جاؤ ٹکڑے ٹکڑے [illegible]
جَدِيدٍ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ
بننا ہے کیا بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اس کو سودا ہے

کافروں نے عقیدۂ آخرت کا استہزاء کیا:

کفار قریش نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کرتے تھے یعنی آؤ تمہیں ایک شخص دکھلائیں جو کہتا ہے کہ تم کل [illegible] خاک میں مل جاؤ گے پھر تم کو از سر نو بھلا چنگا بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ بھلا ایسی مہمل بات کون قبول کر سکتا ہے۔ دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ شخص جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ لگاتا ہے کہ اس نے ایسی خبر دی۔ نہیں تو سودائی ہے۔ [illegible] ٹھکانے نہیں دیوانوں کی سی بے تکی باتیں کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي
کچھ بھی نہیں پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا [illegible]
الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ
آفت میں ہیں اور دور جا پڑے غلطی میں ☆

یہی کافر گمراہ ہیں:

یعنی نہ جھوٹ ہے نہ جنون، البتہ یہ لوگ عقل و دانش اور صدق و صواب کے راستہ سے بھٹک کر بہت دور جا پڑے ہیں۔ اور بیہودہ بکواس کر کے اپنے آپ کو آفت میں پھنسا رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ بڑا عذاب ہے کہ آدمی کا دماغ اس قدر مختل ہو جائے کہ وہ خدا کے پیغمبروں کو مفتری یا مجنون کہنے لگے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
کیا دیکھتے نہیں جو کچھ ان کے آگے ہے اور پیچھے ہے

مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنْ نَشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ
[illegible]
الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِنَ السَّمَاءِ
[illegible]

جس نے کائنات بنائی وہ توڑ بھی سکتا ہے:

[illegible] قیامت کا چھوٹا [illegible]

"مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ" [illegible] چیزیں [illegible] قدرت کاملہ کو ثابت [illegible] کے تھا کس طرح [illegible] کے عقل مند اور صادق [illegible] پہلے سے عقل مند و صادق [illegible] مجنون اور ایسے صادق و [illegible]

کافروں کو ڈرانا: بعض [illegible] کا قول ہے کہ "اِنْ نَشَاْ" الخ ڈرانے اور خوف [illegible] تمہید سے مطلب یہ ہے کہ [illegible] کیا ان کو نہیں دکھتا کہ آسمان و زمین سے [illegible] جو [illegible] آسمان و زمین سے باہر نہیں نکل سکتے [illegible] نہیں ہو سکتے اس [illegible] چاہے [illegible] زمین میں دھنسا دے جیسے قارون کو دھنسا دیا یا آسمان سے کوئی ٹکڑا ان پر گرا دیا جائے جیسے قوم لوط پر پتھر برسے تھے اور یہ سب [illegible] پیغمبر و مجنون قرار دینے اور آیات خداوندی کا انکار [illegible] (تفسیر عثمانی)

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ
تحقیق [illegible]

نظام کائنات میں نشانیاں ہیں:

یعنی جو بندے عقل و انصاف سے کام لے کر اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں ان کو آسمان و زمین میں ان سے بڑی بھاری نشانی موجود ہے [illegible]

اور پر حکمت نظام اور یہ رہنمائی [illegible] ایمان کی اس منزل تک پہنچنے والا ہے جس کا نام "دار الآخرۃ" ہے یہ تصور [illegible] اپنے خالق کی طرف جھکتے ہیں اور جو سماوی و زمینی نعمتیں ان کو پہنچتی ہیں [illegible] شکرگزار ہوتے ہیں، ان میں سے بعض بندوں کا ذکر آگے آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

[illegible] زمین جو ان کی نظروں کے سامنے ہیں اللہ کی قدرت کاملہ ثبوت قیامت [illegible] وقیامت [illegible] عذاب دیے جانے کی بھی دلیل ہے لیکن یہ واضح دلیل اسی شخص کے لئے ہے جو دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہو [illegible] غور و فکر سے کام لینے والا [illegible] نتیجہ تک پہنچنے [illegible] ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا

اور ہم نے دی ہے داؤد کو اپنی طرف سے بڑائی

داؤدؑ کو نبوت اور حکومت عطاء کرنا:

یعنی نبوت کے ساتھ غیر معمولی سلطنت عنایت فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

نبوت، کتاب [illegible] (زبور) حکومت، خوش آوازی، آپ کے ہاتھ میں (بغیر تپائے) لوہے کا نرم ہو جانا وغیرہ یہ سب چیزیں فضل داؤدی کی مختلف صورتیں تھیں۔ (تفسیر مظہری)

داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی

صحیح حدیث میں ہے کہ رات کو حضرت ابو موسیٰ اشعری [illegible] تلاوت کر رہے تھے [illegible] کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر گئے، بڑی دیر تک سنتے رہے پھر فرمانے لگے انہیں [illegible] داؤدی کا [illegible] ابو عثمان نہدی کا بیان ہے کہ واللہ ہم نے حضرت ابو موسیٰ سے زیادہ پیاری آواز کسی باجے کی بھی نہیں سنی۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے تذکرہ کی حکمتیں

[illegible] عدد مسب کا قصہ [illegible] اللہ کی طرف [illegible] متوجہ اور ملتفت ہونے [illegible] اللہ نے [illegible] ظاہری [illegible] باطنی نعمتیں عطا [illegible] سلطنت بھی [illegible] حقیقی [illegible] فضلات [illegible] بندے [illegible] اور استغفار [illegible] سلیمان [illegible] قصہ میں ہے وَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ اور سلیمان علیہ السلام کے حق میں ہے۔ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ۔

ان قصص میں منکرین قیامت کا بھی جواب ہے [illegible] خدا [illegible] اپنے کسی بندے کے لئے پہاڑوں کو مسخر کر سکتا ہے اور لوہے کو موم [illegible]

[illegible] سکتا ہے تو کیا وہ خدا ایسے قادر استخوان [illegible] انسانی اور عظام جسمانی [illegible] انسانی ہڈیوں کو مع ان کے قوائے طبیعی اور [illegible] انسانی کے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر نہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور بتحقیق ہم نے داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے ایک خاص بزرگی عطا کی [illegible] نبوت کیساتھ ان کو سلطنت اور اس کا ساز و سامان بھی عطا کیا ہم نے ان کو جو نعمتیں عطا کیں ان میں کی ہر نعمت ان کی فضیلت اور کرامت اور ان کی نبوت کی دلیل تھی اور ہماری کمال قدرت کی بھی دلیل تھی چنانچہ ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ اے پہاڑو تم بھی داؤد کے ساتھ اللہ کی تسبیح کرو اور اللہ کی طرف رجوع کرو [illegible] جب داؤد علیہ السلام اللہ کا ذکر کریں اور اس کی تسبیح میں مشغول ہوں تو تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح اور اس کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور اسی طرح پرندوں کو بھی یہی حکم دیا کہ تم بھی ان کے ساتھ تسبیح کیا کرو، کما قال تعالیٰ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً

جب داؤد علیہ السلام اللہ کی تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی حقیقۃً با آواز بلند ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے اور پرندے بھی ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح پڑھتے اور یہ تسبیح حقیقی تھی بزبان حال یا صدائے بازگشت نہ تھی یہ سب داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا اور خدا کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ جو خدا بے جان اور بے زبان چیزوں کو گویائی عطا کر سکتا ہے وہ مردوں کے بے جان اور بے زبان ریزوں کو کیوں دوبارہ زندہ نہیں بنا سکتا۔

[illegible] نے داؤد [illegible] کو حسن صورت اور خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا تھا [illegible] دنیا کی کوئی آواز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے [illegible] اللہ کی تسبیح کرتے تو در و دیوار اور درخت اور پہاڑ ان کے ساتھ حقیقۃً تسبیح [illegible] تے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو جاتے اور ان کی طرح آواز [illegible] (معارف کاندھلوی)

داؤد علیہ السلام کی آواز کے ساتھ پہاڑوں کا آواز ملانا اور تسبیح کرنا یہ آواز بازگشت کے طور پر نہ تھا جو عام طور پر گنبد یا کنویں وغیرہ میں آواز دینے کے وقت آواز [illegible] لوٹنے سے سنی جاتی ہے، کیونکہ قرآن کریم نے اس کو حضرت داؤد علیہ السلام پر خصوصی فضل و انعام کی حیثیت میں ذکر فرمایا ہے، آواز بازگشت [illegible] فضیلت و خصوصیت سے کیا تعلق ہے وہ تو ہر انسان چاہے کافر [illegible] بازگشت کی جگہ میں اس کی آواز بھی لوٹتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ

[illegible]

تسبیح کرنے میں پہاڑوں اور پرندوں کی رفاقت

حضرت داؤد علیہ السلام [illegible] کبھی جنگل میں نکلتے [illegible] اپنی [illegible] تسبیح و تہلیل میں مشغول [illegible]

آوازی سے زبور پڑھتے اُس کی عجیب وغریب تاثیر سے پہاڑ بھی اُن کے ساتھ تسبیح پڑھنے لگتے تھے اور پرندے ان کے گرد جمع ہو کر اسی طرح آواز کرتے حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو یہ خاص بزرگی عطا فرمائی تھی ورنہ پہاڑوں کی تسبیح سے مراد محض ان کی آواز بازگشت ہو یا وہ عام تسبیح جو ہر چیز زبان حال یا قال سے کرتی رہتی ہے تو حضرت داؤد کے مخصوص فضل وشرف کے ذیل میں اس چیز کا ذکر کرنا محض بے معنی ہوگا۔ (العیاذ باللہ) یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ'' کا حکم تکوینی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے حضرت داؤد جب نوحہ کی آواز بلند کرتے تھے تو پہاڑوں سے آواز کی بازگشت ہوتی تھی یہ پہاڑوں کی طرف سے نوحہ کا جواب ہوتا تھا اور اوپر سے پرندے اڑتے ٹھہر جاتے اور رک جاتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت داؤد پہاڑوں میں گھس کر اللہ کی تسبیح کے ترانے گاتے تھے تو جس طرح آپ تسبیح کرتے تھے ویسے ہی پہاڑ بھی تسبیح کرتے تھے ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ حضرت داؤد کے بدن میں کچھ سستی پیدا ہوجاتی تھی تو ان کو چست بنانے کے لئے اللہ پہاڑوں کی تسبیح کی آواز سنوا دیتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۙ اَنِ اعْمَلْ
اور نرم کردیا ہم نے اُس کے آگے لوہا کہ بنا
سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ
زرہیں کشادہ اور اندازے سے جوڑ کڑیاں ☆

لوہے کو موم کرنا:

یعنی حضرت داؤد ﷺ کے حق میں ہم نے لوہے کو موم کی طرح نرم کردیا بدون آگ اور آلات صناعیہ کے لوہے کو جس طرح چاہتے ہاتھ سے توڑ موڑ لیتے تھے اور اُس کی زرہیں تیار کرکے فروخت کرتے تاقوت بازو سے کما کر کھائیں۔ بیت المال پر اپنا بار نہ ڈالیں کہتے ہیں کہ کڑیوں کی زرہ پہلے ان ہی سے نکلی کہ کشادہ رہے حق تعالیٰ نے اُن کو ہدایت فرمائی کہ فراخ وکشادہ زرہیں تیار کرو اور اُس کے حلقے اور کڑیاں ٹھیک انداز سے جوڑو جو بڑی چھوٹی اور پتلی موٹی ہونے کے اعتبار سے متناسب ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کردیا تھا لوہا آپ کے ہاتھ میں موم یا گوندھے ہوئے آٹے کی طرح ہوجاتا تھا جس طرح چاہتے ہاتھ سے پکڑ کر اس کو موڑ دیتے تھے، تپانے اور کوٹنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔

داؤدؑ نے زرہوں کا کام کیسے شروع کیا:

بغوی نے لکھا ہے اخبار میں آیا ہے کہ حضرت داؤد ﷺ جب بنی اسرائیل کے بادشاہ ہوئے تو آپ نے اپنا یہ دستور بنالیا تھا کہ لوگوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیس بدل کر (رات کو) نکلا کرتے تھے۔ اور ایسے لوگوں سے جو آپ کو پہچانتے نہ تھے حال دریافت کرتے تھے۔ داؤد کیسا آدمی ہے تمہاری اس کے متعلق کیا رائے ہے یہ تمہارا حاکم کیسا شخص ہے سب لوگ آپ کی تعریف کرتے تھے اور آپ کے متعلق کلمہ خیر ہی کہتے تھے ایک روز اللہ نے ایک فرشتہ بشکل انسانی بھیجا حضرت داؤد کی اس سے ملاقات ہوئی اور حسب عادت اس سے اپنے متعلق دریافت کیا فرشتے نے کہا مگر ایک بات نہ ہوتو بادشاہ اچھا آدمی ہے۔ حضرت داؤد یہ سنتے ہی خوف زدہ ہو گئے اور دریافت فرمایا بندہ خدا وہ کون سی بات ہے فرشتے نے کہا وہ خود بھی بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی بیت المال سے لے کر کھلاتا ہے قیتبہ نے کہا اسی سبب سے حضرت داؤد نے اللہ سے دعاء کی کہ میرے لئے رزق کا کوئی ذریعہ مقرر فرمادے تاکہ اس سے میں اپنی بھی روزی کماؤں اور اہل وعیال کو بھی کھلاؤں اور بیت المال کا محتاج نہ رہوں۔ اللہ نے (دعاء قبول فرمائی اور) لوہے کو ان کے لئے نرم کردیا اور زرہ بنانا سکھا دی سب سے پہلے آپ نے ہی زرہ بنائی (آپ سے پہلے زرہ کی بناوٹ نہیں ہوتی تھی) کہا جاتا ہے کہ آپ ایک زرہ چار ہزار درہم کو فروخت کرتے تھے۔ اس سے خود بھی کھاتے تھے گھر والوں کو بھی کھلاتے اور غریبوں مسکینوں کو خیرات بھی دیتے تھے بعض اقوال میں آیا ہے کہ روزانہ ایک زرہ بنایا کرتے تھے جو چھ ہزار کی فروخت ہوتی تھی جس میں سے دو ہزار اپنے اہل وعیال کے صرف میں [illegible] تھے اور چار ہزار غریبوں مسکینوں کو خیرات دے دیتے تھے۔

ہاتھ کی کمائی:

حضرت مقدام بن معدی کرب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ہاتھوں کی کمائی سے بہتر کسی نے کوئی کمائی کبھی نہیں کھائی۔ اللہ کے نبی داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔ رواہ البخاری واحمد بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے داؤد نہیں کھاتے تھے مگر اپنے ہاتھ کی [illegible]

اور ایک فضیلت و کرامت تم نے [illegible] لئے لوہے کو باسبب ظاہری موم کی طرح نرم کر دیا اور یہ حکم دیا کہ تم [illegible] شدہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو جوڑنے میں اندازہ کا لحاظ رکھنا [illegible] بہت بھاری ہو اور نہ بہت ہلکی ہو اور ایسی مضبوط ہو کہ اس کا پہننے والا تیر اور تلوار سے بچ سکے یہ بھی داؤد ﷺ کا معجزہ تھا کہ لوہا بغیر آگ میں ڈالے اور بغیر ہتھوڑے کے کوٹے ان کے ہاتھ میں موم کی طرح نرم ہوجاتا اور تاگے کی طرح [illegible] کر زرہ بنالیتے تاکہ جہاد میں کام آویں اور اے آل داؤد کافروں کے مقابلہ اور ان کے وار کو روکنے کے لئے تو تم نے [illegible] زرہیں تیار کریں مگر نفس اور شیطان کا وار روکنے کے لئے بھی زرہیں تیار کرو یعنی تم سب نیک عمل کرتے رہو کہ جس میں نفسانیت کا شائبہ نہ ہو تحقیق میں تمہارے عمل کو خوب دیکھتا ہوں [illegible] میں کوئی کمزوری تو نہیں کہ نفس وشیطان کے مقابلہ میں کہیں کمزور [illegible] ثابت نہ ہو۔

حکایت: داؤد علیہ السلام زمانہ بادشاہت میں ہیئت بدل کر ملک میں پھرتے اور لوگوں سے بادشاہ کا حال دریافت کرتے تاکہ اگر کسی کو کوئی شکایت ہو تو اس کی اصلاح کر سکیں جس شخص سے بھی پوچھتے تو وہ داؤد علیہ السلام کی عبادت اور ان کی نیک خلقی اور عدل و انصاف کی تعریف کرتا ایک دن ایک فرشتہ انسان کی صورت میں ملا تو داؤد علیہ السلام نے اس کو اپنے سے اجنبی سمجھ کر اس سے اپنا حال پوچھا اس نے کہا کہ داؤد سب آدمیوں سے بہتر ہے اور بہت اچھا ہے لیکن اس میں ایک خصلت ہے اگر وہ نہ ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا داؤد علیہ السلام نے پوچھا وہ کیا بات ہے اس نے کہا کہ وہ خود بھی مسلمانوں کے بیت المال سے کھاتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اس میں سے کھلاتا ہے اگر وہ خود اپنی محنت اور ہاتھ کی کمائی سے کھاتا تو بہتر ہوتا۔ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں دعا شروع کی کہ مجھے کوئی ایسی حرفت سکھادیں جس سے میں اور میرے اہل وعیال مستغنی ہو جائیں پس اللہ تعالیٰ نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھادی جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گذرا **وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ** کہ اللہ عز وجل نے لوہا ان کے لئے نرم کردیا اور زرہ بنانے کی صنعت ان کو سکھلادی چنانچہ داؤد زرہ بناتے اور اس کو فروخت کرتے اس میں سے ایک تہائی صدقہ کردیتے اور ایک تہائی اہل وعیال پر خرچ کردیتے اور ایک تہائی آئندہ زرہ بنانے کے لئے ذخیرہ رکھ چھوڑتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک زرہ چار ہزار درہم میں فروخت ہوتی۔ تفسیر قرطبی ص ۲۶۶ و روح المعانی ص ۱۰۷ ج ۲۲

بطور معجزہ لوہا نرم ہوجاتا تھا:

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ لوہے کو ان کے لئے نرم کردیا تھا حسن بصری، قتادہ، اعمش وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ کے لوہے کو ان کیلئے موم کی طرح نرم بنادیا تھا۔ اس سے کوئی چیز بنانے میں نہ ان کو آگ کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ کسی ہتھوڑے یا دوسرے آلات کی آگے آیت میں اس کا بیان ہے کہ لوہے کو ان کے لئے نرم اس لئے بنایا گیا تھا کہ وہ لوہے کی زرہ آسانی سے بنا سکیں۔

سارا وقت اسی میں صرف نہ ہو:

بعض حضرات نے **قَدِّرْ فِي السَّرْدِ** کی تفسیر میں تقدیر سے یہ مراد لیا ہے کہ اس صنعت کے لئے ایک مقدار وقت کی معین کر لینا چاہئے سارے اوقات اس میں صرف نہ ہو جائیں تاکہ عبادت اور امور سلطنت میں اس کی وجہ سے خلل نہ آئے۔

مسئلہ: خلیفہ وقت یا سلطان کو جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے شرعاً یہ جائز ہے کہ اپنا متوسط گذارہ بیت المال سے لے لے، لیکن کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو سکے تو وہ زیادہ پسند ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کے خزانے کھول دیئے تھے، اور زر و جواہرات اور تمام اشیاء ضرورت کی بڑی فراوانی تھی، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بیت المال کے مال میں حسب منشاء تصرف کی اجازت بھی دیدی گئی تھی آیت **فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** میں یہ بھی اطمینان دیدیا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں خرچ کریں آپ سے کوئی محاسبہ نہیں ہے مگر انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ جس مقام بلند پر رکھنا چاہتے ہیں اس کے تقاضہ سے یہ واقعہ پیش آیا اور اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام اتنی بڑی سلطنت کے ہوتے ہوئے اپنی مزدوری سے اپنا گزارہ پیدا کرتے اور اسی پر قناعت کرتے تھے۔

علماء، قاضی اور مفتی بیت المال سے لے سکتے ہیں:

علماء جو تعلیم و تبلیغ کی خدمت مفت انجام دیتے ہوں، اور قاضی و مفتی جو لوگوں کے کام میں اپنا وقت صرف کرتے ہوں ان کا بھی یہی حکم ہے کہ بیت المال سے اپنا خرچ لے سکتے ہیں مگر کوئی دوسری صورت گذارہ کی ہو جو دینی خدمت میں خلل انداز بھی نہ ہو تو وہ بہتر ہے۔

فائدہ: حضرت داؤد علیہ السلام کے اس طرز عمل سے کہ اپنے اعمال و عادات کے متعلق لوگوں کی رائیں بے تکلف آزادانہ معلوم کرنے کا اہتمام فرماتے تھے یہ ثابت ہوا کہ اپنے عیوب چونکہ آدمی کو خود معلوم نہیں ہوتے، اس لئے دوسروں سے تحقیق کرنا چاہئے حضرت امام مالک بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ یہ معلوم کریں کہ عام لوگ ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ (معارف القرآن)

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ
اور کرو تم سب کام بھلا میں جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہوں

حقیقی رزاق سے غفلت نہ ہونے پائے:

یعنی ان صنائع میں پڑ کر منعم حقیقی کی طرف سے غفلت نہ ہونے پائے ہمیشہ عمل صالح کرتے رہو اور یاد رکھو کہ اللہ سب کام دیکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو:

اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو میں دیکھتا ہوں یعنی تم کو ان اعمال کی جزا دوں گا حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ بلاشبہ پاک ہے پاکیزہ ہی کو پسند کرتا ہے اس نے جو حکم پیغمبروں کو دیا وہی حکم مؤمنوں کو دیا اور فرمایا اے پیغمبرو، پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ (حدیث رواہ مسلم) (تفسیر مظہری)

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ
اور سلیمان کے آگے ہوا کو صبح کی منزل اس کی ایک مہینہ کی

وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ
شام کی منزل ایک مہینہ کی اور بہادیا ہم نے اس کے واسطے چشمہ پگھلے ہوئے تانبے کا

ہوا کی تسخیر:

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت تھا جو فضا میں اڑتا ہوا اس کو شام سے یمن اور یمن سے شام لے چلتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے لئے مسخر کر دیا تھا، ایک مہینہ کی مسافت ہوا کے ذریعہ سے آدھے دن میں طے ہوتی تھی سورہ "انبیاء" اور سورہ "نمل" میں اس کا کچھ بیان گزر چکا ہے اور آگے سورہ ص میں آئے گا اور پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یمن کی طرف نکال دیا تھا اس کو سانچوں میں ڈال کر جنات بڑے بڑے برتن دیگیں اور لگن وغیرہ تیار کرتے تھے جن میں ایک لشکر کا کھانا پکتا اور کھلایا جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

تخت کے اڑنے کی رفتار:

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ صبح سے زوال تک اس کی رفتار ایک ماہ کی مسافت کے برابر تھی اور زوال سے مغرب تک کی اس کی رفتار ایک ماہ (کی مسافت راہ کے برابر) تھی حسن نے کہا حضرت سلیمان صبح کو دمشق سے چلتے اور اصطخر میں قیلولہ کرتے تھے ان دونوں مقاموں کے درمیان مسافت تیز سوار کی ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے پھر پچھلے دن میں اصطخر سے چل کر بابل میں رات کو قیام کرتے ان دونوں کی درمیانی مسافت بھی تیز شہسوار کی ایک ماہ کی مسافت کے برابر ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ صبح کا کھانا آپ رے میں کھاتے اور شام کا کھانا سمرقند میں۔

یہ معجزہ کیسے ملا:

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ تسخیر ہوا کا معجزہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس عمل کے صلہ میں عطا ہوا تھا کہ ایک روز وہ اپنے گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول تھے اس میں ایسی مشغولیت ہوئی کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی چونکہ گھوڑے اس غفلت کا سبب ہوئے تھے اس سبب غفلت کو ختم کرنے کے لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کو ذبح کرکے قربان کر دیا (کیونکہ سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گائے بیل کی طرح گھوڑے کی قربانی بھی جائز تھی) اور یہ گھوڑے خود حضرت سلیمان کی ملک میں تھے اس لئے بیت المال کے نقصان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور قربانی کی وجہ سے اپنا مال ضائع کرنے کا اشکال بھی نہیں ہوتا۔ اس کی پوری تفصیل سورہ ص میں آئے گی۔ چونکہ سلیمان علیہ السلام نے اپنی سواری کے جانور قربان کر دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر سواری عطا فرما دی۔

تانبے کا چشمہ

بغوی نے نقل کیا ہے اہل تفسیر کا قول ہے کہ حضرت سلیمان کے لئے اللہ نے تانبے کا چشمہ تین روز تک جاری رکھا، یہ چشمہ یمن میں تھا جس سے لوگ اس زمانے میں فائدہ اندوز ہوتے تھے۔ (مظہری)

وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ یعنی ہم نے سلیمان کے لئے چشمہ تانبے کا یعنی تانبہ جیسی سخت دھات کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان کے لئے پانی کی طرح بہنے والا سیال بنا دیا، جو پانی کے چشمہ کی طرح جاری تھا، اور گرم بھی نہ تھا، تاکہ آسانی کے ساتھ اس سے برتن وغیرہ کی صنعت ہو سکے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ چشمہ تین دور تک جاری ہوا جس کی مسافت تین دن تین رات میں طے ہوتی ہے۔ اور یہ ارض یمن میں تھا، اور مجاہد کی روایت میں ہے کہ یہ چشمہ صنعاء یمن میں شروع ہوا اور تین دن تین رات کی مسافت تک پانی کے چشمہ کی طرح جاری رہا خلیل نحوی نے فرمایا کہ لفظ قطر جو اس آیت میں آیا ہے اس سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے۔ (قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ
اور جنوں میں کتنے لوگ تھے جو محنت کرتے اس کے سامنے اس کے رب کے حکم سے
وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ
اور جو کوئی پھرے ان میں سے ہمارے حکم سے چکھائیں ہم اس کو
مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ
آگ کا عذاب

جنات کا مسخر ہونا:

یعنی بہت سے جن جنہیں دوسری جگہ شیاطین سے تعبیر فرمایا ہے محکوم قیدیوں اور خدمتگاروں کی طرح ان کے کام میں لگے رہتے تھے اللہ کا حکم تھا کہ سلیمان کی اطاعت کریں نہ کرے گا تو آگ میں جلنے کا عذاب چکھے گا۔ (تفسیر عثمانی)

من العذاب میں عذاب سے مراد بعض نے دنیوی عذاب لیا ہے مطلب یہ ہے کہ سلیمان کیلئے جو جن کام کرتے تھے اس پر ایک فرشتے کو مسلط کر دیا تھا کہ سلیمان کے حکم سے جو جن سرتابی کرے فرشتہ اس کو مار دے اس کا حاصل یہ ہوا کہ جو جن حضرت سلیمان کے کام کی انجام دہی میں منہمک تھے (ان کی سرتابی مراد خداوندی تھی)

بعض نے کہا جب تک وہ موقع کا یہ حکم ہے کہ جو جن حکم سے عدول کرے گا اس کو فرشتہ کوڑا مار کر سیدھا کر دیتا تھا (یعنی نافرمانی سے مراد ہے نافرمانی کا ارادہ) (تفسیر مظہری)

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی مسخر کر دیا ہم نے سلیمان کے لئے جنات میں سے ایسے لوگوں کو جو ان کے سامنے ان کے کام کرتے تھے اپنے رب کے حکم کے موافق، بین یدیہ "یعنی ان کے سامنے" کے الفاظ بڑھانے سے شاید یہ بتانا ہے کہ سلیمان کے لئے جنات کی تسخیر اس طرح کی نہیں جس طرح چاند سورج وغیرہ انسان کے لئے مسخر کرنے کا ارشاد قرآن

میں آیا ہے بلکہ یہ تسخیر ایسی تھی کہ جنات نوکروں چاکروں کی طرح ان کے سامنے مفوضہ خدمات میں لگے رہتے تھے۔

تسخیر جنات کا مسئلہ:

جنات کی تسخیر جو اس جگہ مذکور ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اس میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہوسکتا، اور بعض صحابہ کرام کے متعلق جو روایات میں آیا ہے کہ جنات ان کے مسخر اور تابع تھے تو یہ تسخیر بھی اسی قسم کی تسخیر باذن اللہ تھی جو بطور کرامت ان حضرات کو عطا کی گئی تھی اس میں کسی عمل و وظیفہ کا کوئی دخل نہیں تھا جیسا کہ علامہ شربینی نے تفسیر سراج المنیر میں اس آیت کے تحت میں حضرت ابوہریرہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عمر بن خطاب، ابوایوب انصاری، زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم کے متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات ان کی اطاعت و خدمت کرتے تھے، مگر یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح کچھ جنات کو ان حضرات کا مسخر بنا دیا، لیکن جو تسخیر عملیات کے ذریعہ عاملوں میں مشہور ہے وہ قابل غور ہے، کہ شرعاً اس کا کیا حکم ہے، قاضی بدرالدین شبلی حنفی جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں انہوں نے جنات کے احکام پر ایک مستقل کتاب "آکام المرجان فی احکام الجان" لکھی ہے، اس میں بیان کیا ہے کہ جنات سے خدمت لینے کا کام سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے باذن اللہ بطور معجزہ کے کیا ہے، اور اہل فارس جمشید بن اونجہان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ انہوں نے جنات سے خدمت لی ہے اسی طرح آصف بن برخیا وغیرہ جن کا تعلق حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہا ہے، ان کے متعلق بھی استخدام جن کے واقعات مشہور ہیں، اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ شہرت ابونصر احمد بن ہلال البکیل اور ہلال بن وصیف کی ہے جن سے استخدام جنات کے عجیب عجیب واقعات مذکور ہیں، ہلال بن وصیف نے ایک مستقل کتاب میں جنات کے کلمات جو انہوں نے حضرت سلیمان ں کے سامنے پیش کئے اور جو عہد و میثاق سلیمانؑ نے ان سے لئے ان کو جمع کر دیا ہے۔

قاضی بدرالدین نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عام طور سے تسخیر جنات کا عمل کرنیوالے عاملین کلمات کفریہ شیطانیہ سے اور سحر سے کام لیتے ہیں، جن کو کافر جنات و شیاطین پسند کرتے ہیں، اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شرکیہ سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں اور اسی لئے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں، جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر ان کے کام کر دیتے ہیں، البتہ ایک شخص ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ یہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں تھا، جنات کو اس نے اسماء الٰہیہ کے ذریعہ سے مسخر کیا تھا، اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی۔ (آکام المرجان، ص ۱۰۰)

خلاصہ یہ ہے کہ جنات کی تسخیر اگر کسی کے لئے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسے کہ سلیمانؑ اور بعض صحابہ کرام کے متعلق ثابت ہے وہ تو معجزہ یا کرامت میں داخل ہے، اور جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے اس میں اگر کلمات کفریہ یا اعمال کفریہ ہوں تو کفر، اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے، اور جن عملیات میں ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن کے معنی معلوم نہیں ان کو بھی فقہاء نے اس بناء پر ناجائز کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں، قاضی بدرالدین نے "آکام المرجان" میں ایسے نامعلوم المعنی کلمات کے استعمال کو بھی ناجائز لکھا ہے۔

اور اگر یہ عمل تسخیر اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعہ ہو اور اس میں نجاست وغیرہ کے استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنات کی ایذاء سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو، یعنی دفع مضرت مقصود ہو، جلب منفعت مقصود نہ ہو، کیونکہ اگر اس کو کسب مال کا پیشہ بنایا گیا تو اس لئے جائز نہیں کہ اس میں استرقاق حر یعنی آزاد کو اپنا غلام بنانا اور بلاحق شرعی اس سے بیگار لینا ہے، جو حرام ہے، واللہ اعلم۔

نافرمان جنات کی سزا:

وَمَنْ يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ یعنی ہم نے جنات کو سلیمان کی خدمت و اطاعت کا جو حکم دیا ہے اگر ان میں کوئی فرد اس اطاعت سے انحراف کرے گا تو اس کو آگ کا عذاب دیا جائے گا اکثر مفسرین نے اس سے آخرت کا عذاب جہنم مراد لیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک فرشتہ مسلط کر دیا تھا کہ جو جن سلیمان کی اطاعت میں کوتاہی کرے اس کو آتشیں کوڑے مار کر کام کرنے پر مجبور کرتا تھا (قرطبی) اور اس پر یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جنات تو خود آگ سے بنے ہوئے ہیں، آگ ان پر کیا اثر کرے گی، کیونکہ جنات کے آگ سے بنے کا مطلب وہی ہے جو انسان کے مٹی سے بنے کا مطلب ہے کہ غالب عنصر انسان کے وجود کا مٹی ہے، مگر اس کو مٹی پتھر سے مارا جائے تو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح جنات کا عنصر غالب آگ ہے مگر خالص اور تیز آگ سے وہ بھی جل جاتے ہیں۔

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ
جنات ان کے لئے بناتے جو وہ چاہتے قلعے اور تصویریں
وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيٰتٍ
اور لگن جیسے تالاب اور دیگیں چولہوں پر جمی ہوئی

جنات کا کام:

یعنی بڑے بڑے محل، مسجدیں اور قلعے جنات تعمیر کرتے اور مجسم تصویریں بناتے جو ان کی شریعت میں ممنوع نہیں ہوتی تھیں شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کر دیا اور تانبے کے بڑے بڑے لگن بناتے جیسے حوض یا تالاب اور دیگیں تیار کرتے جو اپنی جگہ سے ہل نہ سکتی تھیں۔ ایک ہی جگہ رکھی رہتیں۔ (تفسیر مظہری)

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِن مَّحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَّاسِيَاتٍ

سلیمان کو جو کچھ منظور ہوتا جنات ان کے لیے وہ بناتے بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن (اتنے بڑے بڑے) جیسے حوض اور دیگیں جو (بڑے ہونے کی وجہ سے) ایک ہی جگہ جمی رہیں۔

محاریب مضبوط محل اونچی مسجدیں اور عمدہ مکانات۔ محراب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حرب کا معنی ہے دفع کرنا اور اعلیٰ عمارتوں کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور ہر نقصان رساں چیز کو ان سے دفع کیا جاتا ہے۔

بیت المقدس کی تعمیر:

بغوی نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے بیت المقدس کی تعمیر حضرت داؤد نے شروع کی تھی قد آدم تعمیر اٹھائی تھی کہ اللہ کی طرف سے وحی آئی تمہارے ہاتھ سے اس عمارت کی تکمیل کا فیصلہ میں نے نہیں کیا ہے بلکہ تمہارے بیٹے جس کا نام سلیمان ہوگا میں بادشاہ بناؤں گا اس کے ہاتھ سے اس عمارت کی [illegible] کا حضرت داؤد کی وفات کے بعد جب حضرت سلیمان ان کے جانشین ہوئے تو آپ نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کرنی چاہی چنانچہ جنات اور شیاطین کو [illegible] اور ایک ایک کام کی [illegible] پر مقرر کیا جنات اور شیاطین کو کانوں سے [illegible] سنگ مرمر سفید کے لانے کا حکم دیا۔

پھر [illegible] سنگ مرمر سفید [illegible] چٹانوں سے شہر بنانے کا امر [illegible] شہر کی بارہ فصیلیں بنائیں [illegible] بنی اسرائیل کے بارہ قبائل تھے ہر قبیلہ کو ایک فصیل میں [illegible] شہر بن چکا تو تعمیر مسجد کا آغاز کیا جس کی ابتداء اس طرح کی کہ جنات اور شیاطین کے گروہ [illegible] ایک گروہ کو کانوں سے سونا چاندی اور یاقوت لانے کا اور سمندر سے چمکدار موتی نکال کر لانے پر مامور کیا [illegible] جواہر اور [illegible] (پتھر) پتھر معدنوں سے [illegible] کا حکم دیا [illegible] مشک عنبر اور دوسری خوشبودار چیزیں [illegible] یہ سب چیزیں اتنی فراہم ہو گئیں کہ جن کی مقدار اور تعداد اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، پتھر کاری [illegible] اور صنعت کاروں [illegible] اچھے اچھے پتھر [illegible] اور ان کی تختیاں [illegible] جواہر [illegible] وغیرہ میں سوراخ کرنے پر مامور کیا مسجد کی تعمیر سفید [illegible] سنگ مرمر سے کرائی اور ستون بھی اسی کے قائم کئے چھت میں قیمتی جواہر کی تختیاں لگائیں اور چھتوں اور دیواروں کا گارا اور پلاستر [illegible] یاقوت [illegible] سے [illegible] زمین پر فیروزے کی تختیوں کا فرش [illegible] زمانے میں روئے زمین پر اس سے زیادہ پر رونق اور چمکیلی عمارت کوئی نہیں تھی، تاریکی میں بھی وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمکتی تھی تعمیر سے فراغت کے بعد حضرت سلیمان نے [illegible] جمع [illegible] اور اطلاع دی کہ [illegible] میں نے یہ عمارت خالص اللہ کے لئے بنائی ہے اس میں جو کچھ ہے وہ اللہ کے لئے ہے (کوئی اس کا مالک نہیں) جس روز تعمیر سے فراغت ہوئی آپ نے اس روز جشن منایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سلیمان نے تعمیر بیت المقدس سے فارغ ہونے کے بعد اپنے رب سے تین چیزیں [illegible] دو چیزیں تو عطا فرما دیں اور تیسری کے متعلق بھی مجھے امید ہے کہ عطا فرما دی ہوگی سلیمان نے درخواست کی تھی کہ ان کو فیصلہ کرنے کی قوت عطا فرما دے [illegible] کا فیصلہ اللہ کے فیصلہ کے موافق ہو (یعنی فیصلہ کرنے میں ان سے غلطی نہ ہو) اللہ نے ان کو یہ چیز عطا فرما دی انہوں نے اپنے رب سے ایسی حکومت مانگی تھی جو ان کے بعد کسی کو سزاوار نہ ہو، اللہ نے یہ چیز بھی ان کو عطا فرما دی۔

سلیمان نے دعا کی تھی کہ [illegible] (بیت المقدس) میں جو شخص [illegible] نماز [illegible] سے [illegible] گناہوں سے [illegible] جیسے [illegible] جب [illegible] تھا [illegible] اللہ نے یہ چیز بھی [illegible] مرحمت فرما دی ہوگی۔ (رواہ احمد)

نمازوں کا مختلف ثواب

حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر کے اندر آدمی کی ایک نماز (کا ثواب) ایک نماز (کا ثواب) ہے اور مسجد قبیلہ کے اندر ایک نماز کا ثواب پچیس نمازوں کا ہے اور مسجد جامع میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کا ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نمازوں کا ہے اور میری مسجد میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کا ہے اور کعبہ کے اندر ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کا ہے۔ (رواہ ابن ماجہ)

تین مسجدوں کا سفر

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا [illegible] (یعنی [illegible]) تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد [illegible]۔

مسئلہ [illegible] مسجدوں [illegible] چاندی وغیرہ [illegible] مسجد [illegible] [illegible] میں نقش [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] مزین بنانے کی اجازت نہیں

دی، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا تم مسجدوں کو ضرور اس طرح آراستہ کرو گے جیسے یہودی اور عیسائی کرتے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مسجدوں کی آرائش علامات قیامت میں سے ہے۔

بعض اہل علم نے کہا مسجد کو آراستہ کرنا تو اس سبب سے کہ اس میں مسجد کی عظمت کا اظہار ہے حضرت سلیمانؑ نے مسجد بیت المقدس کو آراستہ کیا تھا اس سے تائید ہوتی ہے تزئین مساجد کے قول کی۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ تزئین مساجد کا جواز اس وقت ہوگا جب کوئی شخص اپنے مال سے یہ کرے متولی کے لئے جائز نہیں کہ سوا ضروریات تعمیر کے وقف کا روپیہ نقاشی وغیرہ میں صرف کرے اگر ایسا کرے گا تو خود اس کو اپنے پاس سے تاوان ادا کرنا ہوگا، ابن ہمام نے لکھا ہے کہ تزئین مساجد کے مقابلہ میں غریبوں کی امداد کرنا بہرحال بلاشبہ بہتر ہے۔

اکثر علماء کے نزدیک منبت کاری اور نقاشی مصالحہ کی ہو یا لکڑی کی اور سنہرے پانی کا استعمال مسجد کے لئے جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں کوئی ہرج نہیں کا جملہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ نہ اس کا ثواب ملے گا نہ گناہ ہوگا۔ کذا فی الہدایہ۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ تحقیق یہ بات (یعنی مکروہ تحریمی) تو یہ ہے کہ بہت ہی پرتکلف اور دقیق نقش و نگار وغیرہ کی جائے خصوصاً محراب میں اور پچی کاری سے کام لیا جائے یا مسجد کی آرائش تو کی جائے اور (اس میں) نماز نہ پڑھی جائے یا مسجد کو اس کا حق نہ دیا جائے یعنی مسجد سے اللہ کا ذکر منقطع کر دیا جائے دنیا کی باتیں کرنے کے لئے وہاں بیٹھک کی جائے حدیث کا آخری جملہ ہے کہ وقلوبہم خاویۃ من الایمان اور ان کے دل ایمان سے خالی ہوں گے یہ جملہ مذکورہ بالا بیان کو ثابت کر رہا ہے۔

میں کہتا ہوں سلیمانؑ کے قصے کے مقابلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا اتباع زیادہ ضروری ہے کیونکہ گزشتہ انبیاء کی شریعتیں اسی وقت اتباع کے لائق ہیں جب ہماری شریعت میں اس کے خلاف کوئی حکم نہ دیا گیا ہو۔ رہا حضرت سلیمانؑ کا فعل (یعنی تزئین مسجد) تو یہ حکمت کا حصول تھا آپ شیاطین اور جنات کو کاموں میں اس لئے مشغول رکھنا چاہتے تھے کہ شیاطین کو لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے (تزئین مسجد اصل مقصود نہ تھا)

سلیمانؑ کی تعمیر کی بربادی

بغوی نے لکھا ہے اہل اخبار کا بیان ہے بخت نصر کے حملہ تک حضرت سلیمانؑ کی بنائی ہوئی مسجد اپنی اصلی حالت پر باقی تھی جب بخت نصر نے بیت المقدس پر حملہ کیا تو شہر کو تباہ و برباد اور مسمار کر دیا اور مسجد کو ڈھا دیا مسجد کی چھت اور دیواروں میں جو سونا چاندی موتی یاقوت اور جواہر لگے ہوئے تھے سب اکھاڑ کر اپنے ملک (عراق) کو لے گیا۔

جنات نے حضرت سلیمانؑ کے لئے یمن میں پتھر کے بڑے عجیب قلعے بھی تعمیر کئے تھے۔

جن کیسی تصویریں بناتے تھے:

تصویر دو طرح کی ہوتی ہے ایک ذی روح جاندار چیزوں کی تصویر دوسرے غیر ذی روح بے جان چیزوں کی۔ پھر بے جان چیزوں میں دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ جس میں زیادتی و نمو نہیں ہوتا، جیسے پتھر مٹی وغیرہ، دوسرے نامی جس میں نمو اور زیادتی ہوتی رہتی ہے، جیسے درخت اور کھیتی وغیرہ، جنات حضرت سلیمانؑ کے لئے ان سب قسم کی چیزوں کی تصویریں بناتے تھے۔ اول تو لفظ تماثیل کے عموم ہی سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ یہ تصاویر کسی خاص قسم کی نہیں، بلکہ ہر قسم سے عام تھیں۔

شریعت اسلامیہ کی خصوصیت

خلاصہ یہ ہے کہ پچھلی امتوں میں جانداروں کی تصاویر بت پرستی کا ذریعہ بنی ہیں۔ شریعت اسلام کے لئے چونکہ قیامت تک قائم اور باقی رکھنا مقدر ہی ہے، اس لئے اس میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ جس طرح اصل شرک و بت پرستی کو حرام و ممنوع کیا گیا ہے، اسی طرح ان کے ذرائع اور اسباب کو بھی اصل معصیت کے ساتھ ملحق کر کے حرام کر دیا ہے۔ اصل جرم شرک و بت پرستی ہے۔ اس کی ممانعت ہوئی ہے تو جن چیزوں سے بت پرستی کو تقویت ملتی تھی ان راستوں پر بھی شرعی پہرہ بٹھا دیا گیا، بت پرستی کے ذرائع اور اسباب تھے وہ بھی حرام کر دیئے گئے، ذی روح کی تصویر بنانا اور استعمال کرنا اسی اصول کی بنا پر حرام کیا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ متواترہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔

اسی طرح شراب حرام کی تو اس کی خرید و فروخت اس کو بنانے سے جوڑنے کی مزدوری اس کی صنعت سب حرام کر دی کہ شراب نوشی کے ذرائع ہیں۔

تصویر کی ممانعت کے اسباب

ایک سبب تصویر کی ممانعت کا احادیث صحیحہ میں یہ بھی آیا ہے کہ اللہ کے فرشتوں کو تصویر اور کتے سے نفرت ہے جس گھر میں یہ چیزیں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے، جس کے سبب اس گھر کی برکت اور نورانیت مٹ جاتی ہے، گھر میں بسنے والوں کو عبادات و طاعت کی توفیق گھٹ جاتی ہے اور ساتھ ہی یہ مشہور مقولہ بھی غلط نہیں کہ خانہ خالی را دیو می گیرد یعنی خالی گھر میں جنات قبضہ کر لیتے ہیں جب کوئی گھر رحمت کے فرشتوں سے خالی ہوگا تو شیاطین اس کو اپنا مسکن بنا لیں گے اور ان کے اثرات سے گھر والوں کے دلوں میں گناہوں کے وسوسے اور برے خیالات پیدا ہوتے رہیں گے۔

ایک سبب بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ تصویریں بنانا اللہ تعالیٰ کی صفت

ضرورت زینت ہیں اور اس زمانے میں جس طرح تصاویر سے بہت سے فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ہزاروں جرائم اور فحاشی بھی انہی تصاویر سے جنم لیتے ہیں، غرض شریعت اسلام نے صرف ایک وجہ سے نہیں بہت سے اسباب پر نظر کر کے جاندار کی تصاویر بنانے اور اس کے استعمال کرنے کو حرام قرار دے دیا ہے، اب اگر کسی خاص فرد میں فرض کرلیں کہ وہ اسباب اتفاق سے موجود نہ ہوں تو اس اتفاقی واقعہ سے قانون شرعی نہیں بدل سکتا۔

تصویر بنانے والے:

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن مسعودؓ یہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشد الناس عذابا یوم القیمة المصورون ۔ یعنی سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔

اور بعض روایات حدیث میں تصویر بنانے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل مصور فی النار، الحدیث یعنی ہر مصور جہنم میں جائے گا۔

اس مسئلہ کے متعلق روایات حدیث اور تعامل سلف کے شواہد تفصیل کے ساتھ احقر نے اپنے رسالہ "التصویر" میں جمع کر دیئے ہیں، اور لوگوں کے شبہات کے جوابات بھی اس میں مفصل ہیں، ضرورت ہو تو اس کو دیکھا جا سکتا ہے۔

فوٹو کی تصویر بھی تصویر ہی ہے:

بعض لوگوں کا یہ کہنا قطعاً غلط ہے کہ فوٹو تصویر سے خارج ہے، کیونکہ وہ تو ظل اور عکس ہے جیسے آئینہ اور پانی وغیرہ میں آجاتا ہے تو جس طرح آئینہ میں اپنی صورت دیکھنا جائز ہے ایسے ہی فوٹو کی تصویر بھی جائز ہے۔ جواب واضح ہے کہ عکس اور ظل اسی وقت تک عکس ہے جب تک وہ کسی ذریعہ سے قائم اور پائیدار نہ بنا دیا جائے، جیسے آئینہ یا پانی میں اپنا عکس جس وقت پانی کے مقابلہ سے آپ ہٹ جائیں گے ختم ہو جائے گا اگر آئینہ کے اوپر کسی مسالہ یا آلہ کے ذریعہ اس صورت کے عکس کو پائیدار بنا دیا جائے تو یہی تصویر ہو جائے گی جس کی حرمت و ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

تماثیل یعنی پیتل تانبے شیشے اور سنگ مرمر کی مورتیں کہا گیا ہے کہ وہ درندوں اور پرندوں کی تصویریں بناتے تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ علماء انبیاء اور نیک لوگوں کی تصویریں مساجد میں بناتے تھے تاکہ ان کو دیکھ کر لوگوں میں عبادت کا جذبہ ترقی کرے، ان کی شریعت میں تصویر کشی جائز تھی۔

میں کہتا ہوں شاید تماثیل سے مراد بے جان چیزوں کی تصویریں ہوں کیونکہ انسانی مورتیوں کی تو حضرت سلیمان سے پہلے بھی پوجا کی جاتی تھی

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور قوم سے فرمایا تھا۔ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ہر مصور دوزخ میں جائے گا جو صورت اس نے بنائی ہوگی اس میں (قیامت کے دن) جان ڈال دی جائے گی اور وہی تصویر اس کو دوزخ میں عذاب دے گی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر تم کو یہ کرنا ہی ہے (یعنی تصویر بنانی ہی ہے) تو درختوں کی اور بے جان چیزوں کی تصویریں بنالو (متفق علیہ) اس حدیث میں صرف اس امت کے مصوروں کی حالت نہیں بیان کی گئی ہے بلکہ ہر مصور کی حالت کا اظہار کیا گیا ہے اور چونکہ جملہ خبریہ ہے اس لئے منسوخ ہونے کا بھی احتمال نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو کوئی صورت بنائے گا اس کو عذاب دیا جائے گا اور اس کو حکم دیا جائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویر کے اندر جان بھی ڈال دیں (وہ کبھی اس کے اندر) روح نہیں پھونک سکے گا۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک گردن (سب لوگوں سے اونچی) برآمد ہوگی جس کی دو آنکھیں ہوں گی جو دیکھ رہی ہوں گی اور دو کان ہوں گے جو سن رہے ہوں گے اور زبان ہوگی جو بول رہی ہوگی وہ کہے گی مجھے تین آدمیوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے [illegible] اس شخص کے لئے جو [illegible]

یہ بھی حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اللہ فرماتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم (ناحق کوش) کون ہے جو میری تخلیق کی طرح بنانے چلا ہے (قرآن میں تخلیق کی حقیقت ہے) تو ان کو چاہئے کہ ایک چھوٹی چیونٹی ہی بنالیں۔ ایک دانہ یا ایک جو ہی پیدا کر دیں۔ (متفق علیہ) ان تمام احادیث کی بنا پر ثابت ہوتا ہے کہ تصویر کشی کی حرمت امت محمدیہ کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے۔

جفان جفنہ کی جمع ہے جفنہ بڑے پیالے کو کہتے ہیں۔

راسیات اپنی جگہ جمی ہوئی ان دیگوں کے پائے لگے ہوئے تھے اور وہ اتنی بڑی تھیں کہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی تھیں نہ ان کو (چولہے سے) اتارا جا سکتا تھا نہ ادھر ادھر کیا جا سکتا تھا، زینہ لگا کر ان پر چڑھا جاتا تھا۔ یہ یمن میں تھیں۔ (مظہری)

جن اور انسان

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ جن ابلیس کی اولاد میں سے ہیں، اور انسان حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں، دونوں میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی، عذاب ثواب میں دونوں شریک ہیں دونوں کے ایمان دار ولی اللہ ہیں، اور

دونوں کے بے ایمان شیطان ہیں۔

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنات کی تین قسمیں ہیں ایک تو پردار ہے دوسری قسم سانپ اور کتے ہیں تیسری وہ ہے جو سواریوں پر سوار ہوتے ہیں، اُترتے ہیں وغیرہ، یہ حدیث بہت غریب ہے۔

مساجد میں محراب کیلئے مستقل مکان بنانے کا حکم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد تک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک علیحدہ مکان کی حیثیت سے بنانے کا رواج نہیں تھا، قرونِ اولیٰ کے بعد سلاطین نے اس کا رواج اپنے تحفظ کے لئے دیا، اور عام مسلمانوں میں اس کا رواج اس مصلحت سے بھی ہوا کہ امام جس جگہ کھڑا ہوتا ہے وہ پوری صف خالی رہتی ہے، نمازیوں کی کثرت اور مساجد کی تنگی کے پیش نظر صرف امام کے کھڑے ہونے کی جگہ دیوار قبلہ میں گہری کر کے بنا دی جاتی ہے، تاکہ اس کے پیچھے پوری صفوف کھڑی ہو سکیں، چونکہ یہ طریقہ قرونِ اولیٰ میں نہ تھا، اس لئے بعض علماء نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے، شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام اعلام الاریب فی بدعۃ المحاریب لکھا ہے، اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہولت اور مسجد کے مصالح کے پیش نظر بنائی جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اس کو سنت مقصودہ بنالیا جائے اس کے خلاف کرنے والے پر نکیر ہونے لگے تو اس خصوصیت سے یہ عمل بدعت میں داخل ہوسکتا ہے۔

مسئلہ: جن مساجد میں محراب امام ایک مستقل مکان کی صورت میں بنائی جاتی ہے وہاں امام پر لازم ہے کہ اس محراب سے کسی قدر باہر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کے قدم محراب سے باہر نمازیوں کی طرف رہیں، تاکہ امام اور مقتدیوں کا مکان ایک شمار ہو سکے، ورنہ یہ صورت مکروہ وناجائز ہے کہ امام الگ مکان میں تنہا کھڑا ہو اور سب مقتدی دوسرے مکان میں، بعض مساجد میں محراب اتنی وسیع وعریض بنائی جاتی ہے کہ ایک مختصر سی صف مقتدیوں کی بھی اس میں آجائے، ایسی محراب میں اگر ایک صف مقتدیوں کی بھی محراب میں کھڑی ہو اور امام ان کے آگے پورا محراب میں کھڑا ہو تو امام ومقتدیوں کے مکان کا اشتراک ہوجانے کی وجہ سے کراہت نہیں رہے گی۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۭ وَقَلِيْلٌ
کام کرو اے داؤد کے گھر والو احسان مان کر اور تھوڑے ہیں
مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝
میرے بندوں میں احسان ماننے والے ☆

عمل سے شکر ادا کرو:

یعنی ان عظیم الشان نعمات واحسانات کا شکر ادا کرتے رہو، شکر محض زبان سے نہیں بلکہ عمل سے ہونا چاہئے جس سے حق تعالیٰ کی شکر گزاری ٹپکتی ہو، بات یہ ہے کہ احسان تو خدا کم وبیش سب پر کرتا ہے لیکن پورے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں جب تھوڑے ہیں تو قدر زیادہ ہوگی، لہٰذا کامل شکر گزار بن کر اپنی قدر ومنزلت بڑھاؤ، یہ خطاب داؤد کے کنبے اور گھرانے کو ہے کیونکہ وہ مستقل احسانات کے داؤد پر احسان من وجہ سب پر احسان ہے کہتے ہیں کہ داؤد نے تمام گھر والوں پر اوقات تقسیم کر دیئے تھے دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی وقت ایسا نہ تھا جب ان کے گھر میں کوئی نہ کوئی شخص عبادت الٰہی میں مشغول نہ رہتا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا (ہم نے داؤد اور ان کے گھر والوں سے کہا) اے داؤد کے خاندان والو تم سب شکریہ میں (نیک کام) کیا کرو، جعفر بن سلیمان نے کہا میں نے ثابت سے سنا ہے کہ حضرت داؤدؑ اپنے اور اپنے گھر والوں کی عبادت کے لئے رات اور دن کے حصے مقرر کردیئے پس دن رات میں کوئی ساعت ایسی نہ ہوتی تھی کہ حضرت داؤد کے گھر کوئی نہ کوئی عبادت میں مشغول نہ ہو۔

دوامی شکر والے بہت کم ہیں:

وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ اور میرے بندوں میں بڑے شکر گزار کم ہیں یعنی ایسے لوگ کم ہیں جو زبان اور اعضاء جسم سے اکثر اوقات ادا شکر کرتے ہوں اور ہمیشہ بلا سستی کے شکر میں مشغول رہتے ہوں یہ مرتبہ حضور دوامی اور فنا قلب کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

شکور کون ہے؟

اور اس دوامی شکر کے بعد بھی اللہ کی نعمتوں کا حق ادا نہیں ہوتا کیوں کہ توفیق شکر بھی منجانب اللہ ہی ہے اور ایک نعمت ہے پس ہر شکر کا شکر پھر شکر کے شکر کا شکر ادا کرتا چلا جانا انسانی طاقت سے خارج ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ شکور وہ شخص ہے جو اداء شکر سے اپنے آپ کو عاجز سمجھتا ہو۔ (ابراہیم تیمی راوی ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے کہا اے اللہ مجھے کم لوگوں میں سے کردے حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کیسی دعا ہے اس شخص نے کہا میں نے سنا ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے **وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ** اس شخص نے ایک آیت اور بھی پڑھی تھی حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ شخص عمر سے زیادہ اسلامی سمجھ رکھتا ہے۔ (از مظہریؒ) (تفسیر مظہری)

نمازِ داؤدی:

بخاری ومسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازوں میں اللہ کے نزدیک محبوب تر نماز داؤدؑ کی ہے، وہ نصف رات

سوتے تھے پھر ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے، پھر آخری چھٹے حصہ میں سوتے تھے اور سب روزوں میں محبوب تر اللہ کے نزدیک صیام داؤد ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ (بخاری)

حضرت فضیلؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت داؤد پر یہ حکم شکر نازل ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اے میرے پروردگار میں آپ کا شکر کس طرح پورا کر سکتا ہوں جب کہ یہ شکر کرنا بھی ایک عمل ہے وہ بھی آپ ہی کی عطا کردہ نعمت ہے، اس پر بھی مستقل شکر واجب ہے، حق شکر ادا کرنے سے اپنے عجز و قصور کو سمجھ لیا اور اعتراف کر لیا۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى
پھر جب مقرر کیا ہم نے اس پر موت کو نہ بتلایا ان کو اس کا
مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ
مرنا مگر کیڑے نے گھن کے کھاتا رہا اس کا عصا
فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ
پھر جب وہ گر پڑا معلوم کیا جنوں نے کہ اگر وہ خبر رکھتے
الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِى الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ
غیب کی تو نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں

حضرت سلیمانؑ کی موت۔

حضرت سلیمانؑ جنوں کے ہاتھوں سے مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے، جب معلوم ہوا کہ میری موت آ پہنچی جنوں کو نقشہ بتا کر آپ ایک شیشے کے مکان میں دروازہ بند کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لیا اور آپ کی نعش مبارک عصا کے سہارے کھڑی رہی کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا وفات کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے جب تعمیر پوری ہوئی جس عصا پر ٹیک لگائے تھے گھن کے کھانے سے گرا تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا اس سے جنات کو خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتہ لگ گیا کہ اگر انہیں غیب کی خبر رہتی تو کیوں اس ذلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے حضرت سلیمان کی وفات محسوس کرتے ہی کام چھوڑ دیتے، نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شیاطین وغیرہ کی تسخیر حضرت سلیمان کا کوئی کمال نہ تھا محض فضل ایزدی تھا جو اللہ چاہے تو موت کے بعد ایک شے کے حق میں بھی قائم رکھ سکتا ہے۔

نیز سلیمانؑ پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں جاری رکھا گیا، اور بتلا دیا کہ پیغمبروں کے تھامے ہوئے کاموں کو اللہ تعالیٰ کس کس تدبیر سے پورا کرتا ہے۔

ربط۔ یہاں تک بعض منیب و شکر گذار بندوں کا ذکر تھا آگے بعض معرضین و ناسپاس قوم (سبا) کا ذکر کیا جاتا ہے جو بڑے عیش و راحت و خوشحالی و فراغ بالی کے بعد کفران نعمت و ناسپاسی کی سزا میں تباہ کی گئی، یہ قوم یمن کی بڑی دولتمند اور ذی اقتدار قوم تھی جو صدیوں تک بڑے جاہ و جلال سے ملک پر حکومت کرتی رہی ان ہی میں ایک ملکہ تھی (بلقیس) جس کا حضرت سلیمانؑ کی بارگاہ میں حاضر ہونا سورۂ ”نمل“ میں گذر چکا ہے تو یہ بیان سلیمانؑ کے بعد ”سبا“ کا ذکر اس مناسبت سے بھی خوب ہوا۔

سلیمانؑ کی عبادت۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ پھر جب ہم نے ان پر موت کا حکم جاری کر دیا۔ بغوی نے بعض اہل علم کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت سلیمان مسجد بیت المقدس کے اندر مہینہ دو مہینہ سال دو سال یا اس سے کم و بیش مدت تک گوشہ نشین ہو جاتے تھے، وہیں آپ کا کھانا پانی پہنچا دیا جاتا تھا ایک بار حسب معمول بیت المقدس کے اندر تھے کہ آپ کی وفات کا وقت آ گیا۔ اس کے قصہ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ روزانہ صبح کے وقت بیت المقدس کی محراب میں ایک نئی بوٹی اگی ہوتی تھی آپ اس سے اس کا نام دریافت کرتے تھے وہ اپنا نام بتا دیتی تھی آپ اس سے اس کے خواص دریافت کرتے تھے تو وہ اپنے فوائد بیان کر دیتی تھی آپ اس کو کٹوا دیتے تھے پھر اگر وہ کسی پودے کی قسم ہوتی تو اس کو (کسی باغ میں) لگوا دیتے تھے اور اگر دوا کی بوٹی ہوتی تو لکھ دیتے تھے ایک روز درخت خروبہ (محراب میں) اگا حضرت سلیمانؑ نے دریافت کیا تو کون ہے اس نے جواب دیا خروبہ، آپ نے فرمایا تو کس کام کے لئے ہے اس نے کہا آپ کی مسجد کو برباد کرنے کے لئے، حضرت سلیمانؑ نے فرمایا یہ تو ہوئی نہیں سکتا کہ میری زندگی میں اللہ اس مسجد کو برباد کرے، بے شک تیرا چہرہ معلوم ہوتا ہے کہ (پہلے) میری موت اور (پھر) بیت المقدس کی بربادی تیری وجہ سے ہوگی پھر آپ نے اس کو ایک اچھے باغ میں لگوا دیا اور دعا کی اے اللہ میری موت کو جنات سے پوشیدہ رکھنا تاکہ انسانوں کو معلوم ہو جائے کہ جنات غیب داں نہیں ہوتے، جنات آدمیوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم غیب کی باتیں جانتے ہیں اور آنے والے دن میں جو کچھ ہوگا اس سے بھی واقف ہیں۔

اس کے بعد حضرت سلیمانؑ محراب (عبادت خانہ) میں چلے گئے اور لاٹھی پر سہارا لگا کر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اسی حالت میں کھڑے کھڑے آپ کی وفات ہو گئی، محراب کے اندر آگے پیچھے کچھ روشن دان تھے جن میں جنات آپ کو کھڑا دیکھ کر خیال کرتے تھے کہ آپ نماز میں مشغول ہیں اس لئے جو سخت محنت کا کام آپ کی زندگی میں وہ کرتے تھے ان میں آپ کی وفات کے بعد بھی لگے رہے، چونکہ آپ کی عادت ہی تھی کہ نماز میں مشغول ہونے کے بعد (ایک مدت تک) باہر نہیں نکلتے تھے اس لئے آپ کے برآمد نہ ہونے سے

جنات کو آپ کی وفات کا کوئی شبہ بھی نہیں ہوا، اس طرح وفات کے بعد ایک سال گزر گیا اور جنات برابر کام میں مشغول رہے۔ آخر دیمک نے لکڑی کھا لی اور آپ کی میت نیچے گر پڑی اور جنات کو آپ کی وفات کا علم ہوا۔

دیمک کا شکریہ:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنات نے دیمک کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی وجہ سے ان کو سخت مشقتوں سے آزادی ملی، اب بھی پانی اور مٹی جنات لکڑی کے کھوکھلے حصہ میں (دیمک کے لیے) ڈالتے ہیں۔ ابن ابی حاتم نے ابن زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان نے ملک الموت سے کہہ دیا تھا، جب آپ کو میرے متعلق حکم دیا جائے تو مجھے اطلاع دیدینا۔ ایک روز ملک الموت نے آ کر اطلاع دی کہ اب مجھے آپ کی بابت حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی زندگی کا ذرا سا وقت رہ گیا ہے۔ آپ نے جنات کو طلب فرما کر اپنے گرد اور اوپر ایک شیشہ گھر تعمیر کرایا، جس کا کوئی دروازہ نہیں رکھا پھر اس کے اندر نماز پڑھنے کھڑے ہوئے اور لکڑی سے سہارا لگا لیا اور اسی حالت میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض کر لی وفات کے بعد بھی آپ یونہی کھڑے رہے آخر گھن نے لکڑی کو کھالیا اور آپ گر پڑے اس کے بعد لوگوں نے شیشہ گھر میں ایک دروازہ بنالیا اور اندر داخل ہو گئے اور یہ جاننے کے لئے کہ آپ کی وفات کو کتنا عرصہ ہوا گھن کو لکڑی پر لگا دیا گھن ایک رات دن لکڑی کو کھاتا رہا اس طرح لوگوں نے اندازہ لگایا تو معلوم ہوا کہ آپ کی وفات کو ایک سال ہو گیا۔

مَادَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ کسی چیز نے ان کو مر جانے کا پتہ نہ بتایا مگر گھن کے کیڑے نے۔

مادلهم یعنی جنات کو یا حضرت سلیمان کے گھر والوں کو آپ کی موت کی اطلاع صرف گھن لگنے کی وجہ سے ہوئی۔

دَآبَّةُ الْاَرْضِ جس کو عربی میں الارضة اور فارسی میں دیوک کہتے ہیں یہ ننھا کیڑا ہوتا ہے جو لکڑی کو کھا جاتا ہے۔ الارض سے مراد لکڑی کی مٹی ہے۔

جنات کی غیب دانی کا دعویٰ ختم ہو گیا:

فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ جب سلیمان گر پڑے تب جنات کی یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو (اتنی مدت) اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے، الغیب یعنی وہ بات جو ان سے غائب ہو جیسے حضرت سلیمان کی وفات العذاب المهین یعنی سخت محنت و مشقت میں اتنی مدت تک نہ پڑے رہتے حضرت سلیمانؑ کی موت کا جنات کو علم نہ ہو سکا اس لئے حضرت کے حکم کے مطابق کام کرتے رہے مطلب یہ ہے کہ پہلے جنات اپنی غیب دانی کا دعویٰ کر کے لوگوں کو دھوکا دیا کرتے تھے لیکن جب حضرت سلیمانؑ کی وفات کا جنات کو علم نہ ہوا تو لوگوں پر یہ بات واضح ہو گئی کہ جنات غیب داں نہیں ہوتے۔ آیت کا یہ مطلب حضرت ابن مسعودؓ کی قرأت کے مطابق ہے ابن مسعود کی قرأت میں آیا ہے تبینت الانس لو کانوا یعلمون (ای الجن) ما لبثوا فی العذاب المهین۔ بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمان کی وفات سے بے علم رہنے کی وجہ سے جنوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ اگر غیب داں ہوتے تو مشقت میں پڑے نہ رہتے یہ مطلب بعید از فہم ہے کیوں کہ جنات کو تو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ غیب داں نہیں ہیں آدمیوں کو دھوکا دینے کے لئے غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے۔

سلیمانؑ کی عمر:

بغوی نے لکھا ہے کہ اہل تاریخ نے بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی کل عمر ۵۳ سال ہوئی تیرہ سال کی عمر میں باپ کے جانشین ہوئے اور چالیس سال حکومت کی، چار سال حکومت کو گزرے تھے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا آغاز کیا۔ (تفسیر مظہری)

موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں:

اس عجیب واقعہ سے یہ عبرت بھی حاصل ہوئی کہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ کو جو کام لینا ہوتا ہے اس کا جس طرح چاہیں انتظام کر سکتے ہیں، جیسا اس واقعہ میں ہوا کہ موت کے باوجود سلیمانؑ کو سال بھر تک اپنی جگہ قائم رکھ کر جنات سے کام پورا کرا لیا، اور یہ بھی کہ دنیا کے سارے اسباب و آلات اسی وقت تک اپنا کام کرتے ہیں جب تک منظور حق ہوتا ہے، جب منظور نہیں ہوتا تو آلات و اسباب جواب دے دیتے ہیں، جیسے یہاں عصاء کا سہارا دیمک کے ذریعہ ختم کر دیا گیا، اور یہ بھی کہ سلیمانؑ کی وفات کے بعد خطرہ تھا کہ لوگ جنات کے حیرت انگیز عمل اور کارناموں اور بظاہر غیب کی چیزوں سے ان کے باخبر ہونے وغیرہ کے عمل سے عجیب و عجیب کرتب انہی کو اپنا معبود نہ بنا بیٹھیں، اس خطرہ کو بھی اس واقعہ موت نے ختم کر دیا، سب کو جنات کی بے خبری اور بے بسی معلوم ہوئی۔

سلیمانؑ کی دعائیں

امام نسائی نے باسند صحیح حضرت عبداللہ بن عمرو سے یہ روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حضرت سلیمانؑ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں، جو مقبول ہوئیں، ان میں سے ایک دعا یہ ہے کہ جو شخص اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے داخل ہو (اور کوئی دنیاوی غرض نہ ہو) اس مسجد سے نکلنے سے پہلے اس کو تمام گناہوں سے ایسا پاک کر دے جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

اور سدی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ

ہونے پر حضرت سلیمانؑ نے بطور شکرانہ کے بارہ ہزار گائے بیل اور بیس ہزار بکریوں کی قربانی کرکے لوگوں کو دعوت عام دی، اور اس دن کی خوشی منائی، اور صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگیں کہ "یا اللہ آپ نے ہی مجھے یہ قوت اور وسائل عطا فرمائے جن سے تعمیر بیت المقدس مکمل ہوئی تو یا اللہ مجھے اس کی بھی توفیق دیجئے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں اور مجھے اپنے دین پر وفات دیجئے اور ہدایت کے بعد میرے قلب میں کوئی زیغ اور کجی نہ ڈالئے، اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار جو شخص اس مسجد میں داخل ہو میں اس کے لئے آپ سے پانچ چیزیں مانگتا ہوں، ایک یہ کہ جو گنہگار توبہ کرنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کی توبہ قبول فرمائیں اور اس کے گناہوں کو معاف فرمادیں دوسرے یہ کہ جو آدمی کسی خوف وخطرہ سے بچنے کے لئے اس مسجد میں داخل ہو تو آپ اس کو امن دے دیں اور خطرات سے نجات عطا فرمادیں، تیسرے یہ کہ جو بیمار آدمی اس میں داخل ہو اس کو شفا عطا فرمادیں چوتھے یہ کہ جو فقیر آدمی اس میں داخل ہو اس کو غنی کردیں، پانچویں یہ کہ جو شخص اس میں داخل ہو جب تک وہ اس میں رہے آپ اپنی نظرِ عنایت ورحمت اس پر رکھیں بجز اس شخص کے جو کسی ظلم یا بے دینی کے کام میں مشغول ہو۔ (قرطبی) (معارف مفتی معظم)

تعمیر کی تکمیل سلمانؑ کی کوشش:

بیت المقدس کی تعمیر جو حضرت داؤدؑ نے شروع کی، پھر حضرت سلیمانؑ نے اس کی تکمیل فرمائی اس میں کچھ کام تعمیر کا باقی تھا اور یہ تعمیر کا کام جنات کے سپرد تھا، جن کی طبیعت میں سرکشی غالب تھی، حضرت سلیمانؑ کے خوف سے کام کرتے تھے ان کی وفات کا جنات کو علم ہو جائے تو فوراً کام چھوڑ بیٹھیں اور تعمیر رہ جائے اس کا انتظام حضرت سلیمانؑ نے باذنِ ربانی یہ کیا کہ جب موت کا وقت آیا تو موت کی تیاری کر کے اپنی محراب میں داخل ہو گئے جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی، باہر سے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں اور اپنے معمول کے مطابق عبادت کے لئے ایک سہارا لے کر کھڑے ہو گئے کہ روح پرواز کرنے کے بعد بھی جسم اس عصا کے سہارے اپنی جگہ جما رہے، سلیمانؑ کی روح وقت مقرر پر قبض کر لی گئی مگر وہ اپنے عصا کے سہارے اپنی جگہ جمے ہوئے باہر سے نظر آتے تھے کہ عبادت میں مشغول ہیں، جنات کی یہ مجال نہ تھی کہ پاس آکر دیکھ سکتے، حضرت سلیمانؑ کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے یہاں تک کہ سال بھر گزر گیا اور تعمیر بیت المقدس کا بقیہ کام پورا ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے گھن کے کیڑے کو جس کو فارسی میں دیوک اور اردو میں دیمک کہا جاتا ہے اور قرآن کریم نے اس کو دابۃ الارض کے نام سے موسوم کیا ہے، عصائے سلیمانی پر مسلط کر دیا، دیمک نے عصاء کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا، عصاء کا سہارا ختم ہوا تو سلیمانؑ گر گئے، اس وقت جنات کو ان کی موت کی خبر ہوئی۔

جنات کے علم کی حقیقت

جنات کو اللہ نے دور دراز کی مسافت چند لمحات میں قطع کر لینے کی قوت عطا فرمائی ہے وہ بہت سے ایسے حالات وواقعات سے واقف ہوتے تھے جن کو انسان نہیں جانتے جب وہ انسانوں کو ان واقعات کی خبر دیتے تو انسان یہ سمجھتے تھے کہ یہ غیب کی خبر ہے اور جنات کو بھی علم غیب حاصل ہے خود جنات کو بھی علم غیب کا دعویٰ ہو تو بعید نہیں، موت کے اس عجیب واقعہ نے اس کی بھی حقیقت کھول دی خود جنات کو بھی پتہ چل گیا اور سب انسانوں کو بھی کہ جنات عالم الغیب نہیں ہیں، کیونکہ ان کو غیب کا علم ہوتا تو حضرت سلیمانؑ کی موت سے ایک سال پہلے ہی باخبر ہو جاتے اور یہ سال بھر کی محنت ومشقت جو ان کو زندہ سمجھ کر برداشت کرتے رہے اس سے بچ جاتے۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک عجیب درخت.

بعض حضرات سے مروی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی عادت تھی آپ سال سال، دو سال یا کم وبیش مدت کے لئے مسجد قدس میں اعتکاف میں بیٹھ جاتے، آخری مرتبہ انتقال کے وقت بھی آپ مسجد بیت المقدس میں تھے ہر صبح ایک درخت آپ کے سامنے نمودار ہوتا، آپ اس سے نام پوچھتے فائدہ پوچھتے، وہ بتاتا، آپ اس کام میں لیتے، بالآخر ایک درخت ظاہر ہوا جس نے اپنا نام خروبہ بتایا، پوچھا تو کس مطلب کا ہے؟ کہا اس مسجد کے اجاڑنے کے لئے حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے فرمانے لگے میری زندگی میں تو یہ مسجد ویران ہوگی نہیں البتہ تو میری موت اور ویرانی کے لئے ہے چنانچہ آپ نے اسے اپنے باغ میں لگا دیا مسجد کی بیچ کی جگہ میں کھڑے ہو کر ایک لکڑی کے سہارے نماز شروع کر دی وہیں انتقال ہو گیا۔

سلیمانؑ کو موت کا علم پہلے ہوگیا

حضرت زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملک الموت سے کہہ رکھا تھا کہ میری موت کا مجھے کچھ پہلے بتا دینا حضرت ملک الموت نے یہی کیا تو آپ نے جنات کو بغیر دروازے کے ایک شیشے کا مکان بنانے کا حکم دیا اور اس میں ایک لکڑی پر ٹیک لگا کر نماز شروع کی یہ موت کے ڈر کی وجہ سے نہ تھا حضرت ملک الموت اپنے وقت پر آئے اور روح قبض کر گئے پھر لکڑی کے سہارے آپ سال بھر تک اسی طرح کھڑے رہے جنات ادھر ادھر سے دیکھ کر آپ کو زندہ سمجھ کر اپنے کاموں میں آپ کی ہیبت کی وجہ سے مشغول رہے لیکن جو کیڑا آپ کی لکڑی کو کھا رہا تھا جب وہ آدھی کھا چکا تو اب لکڑی بوجھ نہ سہار سکی اور آپ گر پڑے، جنات کو آپ کی موت کا یقین ہو گیا اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور بھی بہت سے سلف سے یہ مروی ہے۔ (ابن کثیر)

لَقَدْ	كَانَ	لِسَبَإٍ	فِىْ	مَسْكَنِهِمْ	اٰيَةٌ		
تحقیق	قوم	سبا	کو	تھی	ان کی	بستی میں	نشانی

جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّشِمَالٍ ۬

دو باغ داہنے اور بائیں

یعنی باغوں کے دو طویل راستے داہنے اور بائیں میلوں تک چلے گئے تھے، گر سمجھتے تو خدا کی رحمت وقدرت کی یہی نشانی ایمان لانے اور شکر گزار بننے کے لئے کافی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدۡ کَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡکَنِہِمۡ اٰیَۃٌ (قوم) سبا کے لئے ان کے مقام سکونت میں (ہماری قدرت کاملہ کی) نشانی موجود تھی (جس کا شکر کرنا ان پر واجب تھا۔)

سبا کا تعارف: بغوی نے یہ روایت ابو سبرہ نخعی بحوالہ فروہ بن مسیک غطفی بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے سبا کے متعلق بتایئے کہ وہ کوئی مرد تھا یا عورت یا کسی مقام کا نام تھا حضور نے فرمایا وہ ایک عربی مرد تھا جس کے دس بیٹے ہوئے چھ دائیں طرف (یعنی یمن) کو چلے گئے اور چار بائیں طرف (یعنی شام) کو جو چھ یمن کو گئے ان کے نام یہ تھے، کندہ، اشعر، ازد، مدحج، انمار، حمیر۔ ایک شخص نے کہا انمار کون ہے، فرمایا جن میں سے خثعم اور بجیلہ ہیں۔ (وہی انمار) جو چار شام کو گئے وہ یہ تھے۔ عاملہ، جذام، لخم، غسان، امام احمد وغیرہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے مرفوعاً اسی طرح بیان کیا ہے سبا، یشجب کا بیٹا اور یشجب یعرب کا اور یعرب قحطان کا۔

قوم سبا کے باغات:

جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّشِمَالٍ

جنتن سے مراد ہیں باغوں کی دو قطاریں، ایک دائیں طرف اور دوسری بائیں طرف یعنی شہر کے دائیں بائیں یا یہ مطلب کہ ہر شخص کے دو باغ تھے ایک مقام سکونت سے دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب (قوم سبا کی تاریخ کے مطابق دائیں بائیں پھل والے درختوں کی قطاریں تھیں اور کسی مسافر کو سر راہ مفت پھل کھانے کی ممانعت نہیں تھی۔ (تفسیر مظہری)

علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ جنتن کا یہ مطلب نہیں کہ اس بستی کے یمین وشمال میں صرف دو باغ تھے عراق میں بھی بہت سی ایسی بستیاں ہیں کہ جہاں صرف دو باغ نہیں بلکہ متعدد باغ ہیں صرف دو باغ کا ہونا قوم سبا کے لئے مخصوص نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس بستی کے یمین وشمال میں باغوں کی دو قطاریں متصل اور مسلسل میلوں تک اس طرح چلی گئی تھیں کہ ایک باغ دوسرے باغ سے متصل تھا اور ہر جانب کی ایک قطار بمنزلہ ایک باغ کے معلوم ہوتی تھی غرض یہ کہ یہ خطہ خدا کی رحمت سے نہایت سرسبز اور شاداب تھا آب وہوا نہایت عمدہ تھی کیڑوں اور مکوڑوں اور مکھیوں اور مچھروں کا نام ونشان نہ تھا راستے پر امن تھے غرض یہ کہ راحت اور آرام کا اور ترقی اور تمدن کا کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا اور یہ تنعم اور خوشی کی سوائے قوم سبا کے اور کسی کو حاصل نہ تھی۔

سدِّ مآرب: عرم دو پہاڑوں کے درمیان ایک بڑا بند تھا جہاں تمام وادیوں کا پانی روکا گیا تھا تاکہ دور دور تک زمین اس سے سیراب ہوتی رہے اور اس بند کے تین دروازے تھے۔ اول اوپر کے دروازے سے پانی دیتے پھر دوسرے سے پھر تیسرے سے جیسی اور جتنی ضرورت ہوتی قہر خداوندی سے جب وہ بند ٹوٹا تو سیلاب سے وہ تمام باغات غارت ہو گئے جو پہلے اس پانی سے سیراب ہوتے تھے اور یہ بند ملکہ بلقیس نے بنایا تھا جس کو سدِّ مآرب کہتے تھے۔

سبا سے شام تک کی آبادی:

ملک سبا سے شام تک چار ہزار سات سو دیہات آباد تھے۔

اور ہم نے ان درمیانی بستیوں میں چلنے والوں کے لئے رفتار کی ایک حد اور اس کا ایک اندازہ رکھ دیا تھا کہ صبح کے وقت ایک بستی سے چلے اور قیلولہ کے وقت دوسری بستی میں پہنچ جائے اور وہاں پہنچ کر آرام سے کھا پی سکے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

سبا کی آل اولاد:

امام احمد حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ سبا جس کا قرآن میں ذکر ہے یہ کسی مرد یا عورت کا نام ہے یا زمین کے کسی حصہ کا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایک مرد کا نام ہے، جس کی اولاد میں دس لڑکے ہوئے جن میں سے چھ یمن میں آباد ہیں اور چار شام میں چلے گئے یمن میں رہنے والوں کے نام یہ ہیں: مدحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر (ان چھ لڑکوں سے چھ قبیلے پیدا ہوئے، جو انہی مذکورہ ناموں سے معروف ہیں)۔

اور شام میں بسنے والوں کے نام یہ ہیں لخم، جذام، عاملہ، غسان (ان کی نسل کے قبائل انہی ناموں سے مشہور ہوئے) یہ روایت حافظ امام ابن عبدالبر نے بھی اپنی کتاب (القصد والامم بمعرفۃ انساب العرب والعجم) میں نقل کی ہے۔

ابن کثیر کی تحقیق بحوالہ علماء نسب یہ ہے کہ یہ دس لڑکے سبا کے صلبی اور بلا واسطہ بیٹے نہیں تھے بلکہ سبا کی دوسری تیسری یا چوتھی نسل میں یہ لوگ ہوئے ہیں پھر ان کے قبیلے شام ویمن میں پھیلے، اور انہی کے ناموں سے موسوم ہوئے، اور سبا کا اصل نام عبد شمس تھا، سبا عبد شمس بن یشجب بن یعرب بن قحطان سے ان کا نسب نامہ واضح ہو جاتا ہے، اور اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ سبا عبد شمس نے اپنے زمانہ میں نبی آخر الزماں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنائی تھی ممکن ہے کہ ان کو اس کا علم کتب قدیمہ تورات وانجیل سے ہوا ہو، یا نجومیوں کاہنوں کے ذریعہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس نے چند عربی اشعار بھی کہے ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کر کے یہ تمنا کی ہے کہ کاش میں ان کے زمانے میں ہوتا تو میں ان کی مدد

کرتا، اور اپنی قوم کو ان پر ایمان لانے اور مدد کرنے کی تلقین کی ہے۔

قرطبی نے بحوالہ قشیری قوم سبا کا زمانہ حضرت عیسیٰ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت نقل کیا ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

صحیح بخاری میں ہے قبیلہ اسلم جب تیروں سے نشانہ بازی کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے نکلے تو آپ نے فرمایا، اے اولاد اسمٰعیل تیراندازی کئے جاؤ تمہارے والد بھی پورے تیر انداز تھے۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ سبا کا سلسلہ نسب خلیل الرحمٰنؑ تک پہنچتا ہے۔ اسلم انصار کا ایک قبیلہ تھا اور انصار سارے کے سارے غسان میں سے ہیں اور یہ سب یمنی تھے سبا کی اولاد ہیں یہ لوگ مدینے میں اس وقت آئے تھے جب سیلاب سے ان کا وطن تباہ ہو گیا ایک جماعت یہاں آ کر بسی تھی دوسری شام چلی گئی، انہیں غسانی اس لئے کہتے ہیں کہ اسی نام کی پانی والی ایک جگہ پر یہ ٹھہرے تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مشلل کے قریب ہے۔ حضرت حسان بن ثابت کے شعر سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ ایک پانی والی جگہ یا اس کنویں کا نام غسان تھا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ سبا کسی عورت کا نام ہے یا مرد یا جگہ کا؟ تو آپ نے فرمایا یہ ایک مرد تھا جس کے دس لڑکے تھے جن میں سے چھ تو یمن میں جا بسے اور چار شام میں مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر یہ چھ قبیلے یمن میں لخم، جذام، عاملہ اور غسان یہ چار قبیلے شامی ہیں۔ (مسند احمد) فروہ بن مسیکؓ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا میں اپنی قوم میں سے ماننے والوں اور آگے بڑھنے والوں کو لے کر نہ ماننے اور پیچھے ہٹنے والوں سے لڑوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، جب میں جانے لگا تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا دیکھو پہلے انہیں اسلام کی دعوت دینا نہ مانیں تب جہاد کی تیاری کرنا میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سبا کس کا نام ہے؟ آپ کا جواب تقریباً وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اس میں یہ بھی ہے کہ قبیلہ انمار میں سے بجیلہ اور خثعم بھی ہیں۔

سبا میں بارہ یا تیرہ پیغمبر آئے:

مروی ہے کہ بارہ یا تیرہ پیغمبر ان کے پاس آئے تھے، بالآخر شامت اعمال رنگ لائی، جو دیوار انہوں نے بنا رکھی تھی اسے چوہوں نے اندر سے کھوکھلی کر دی اور بارش کے زمانہ میں وہ ٹوٹ گئی پانی کی ریل پیل ہو گئی، ان دریاؤں کے چشموں کے بارش کے نالوں کے سب پانی آ گئے، ان کی بستیاں ان کے محلات ان کے باغات اور ان کی کھیتیاں سب تباہ برباد ہو گئیں ہاتھ ملتے رہ گئے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی پھر تو وہ تباہی آئی کہ اس زمین پر کوئی پھل دار درخت جمتا ہی نہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ
کھاؤ روزی اپنے رب کی اور اس کا شکر کرو

انعاماتِ الٰہیہ کا تقاضا

یہ [illegible] نشان [illegible] نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو اور اس منعمِ حقیقی کا شکر ادا [illegible] کے ناشکرے ہو یا جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے [illegible] ہدایت [illegible] تیرہ نبی اس قوم کی طرف بھیجے [illegible] [illegible] (تفسیر [illegible])

كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ [illegible] [illegible]

(تفسیر مظہری)

كُلُوا مِن رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ حق تعالیٰ نے اپنے انبیاء [illegible] [illegible] بنایا ہے [illegible] لطیف [illegible] شہر میں [illegible] (ابن کثیر [illegible])

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ
[illegible]

پانی کا نظام اور باغات

مصنف ارض القرآن [illegible] پانی [illegible] پہاڑوں [illegible] معرف میں نہیں [illegible] مناسب موقعوں پر پہاڑوں اور وادیوں کے بیچ میں بڑے بڑے بند باندھ دیتے تھے۔ پانی [illegible] بقدر ضرورت زراعت کے کام میں آئے [illegible] [illegible] بند تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مارب ہے [illegible] دار الحکومت مارب میں واقع تھا شہر مارب کے جنوب میں داہنے بائیں دو پہاڑ ہیں جن کا نام [illegible] ہے، سبا نے ان دو پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً

۸۰۰ ق م میں ''سد مارب'' کی تعمیر کی تھی یہ بند تقریباً ایک سو پچاس فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی ایک دیوار ہے، اس کا اکثر حصہ تو اب افتادہ ہے تاہم ایک ثلث دیوار اب بھی باقی ہے۔ ''ارناؤ'' ایک یورپین سیاح نے اس کے موجودہ حالات پر ایک مضمون فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں لکھا ہے اور اس کا موجودہ نقشہ نہایت عمدگی سے تیار کیا ہے اس دیوار پر جا بجا کتبات ہیں وہ بھی پڑھے گئے اس سد میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں جو حسب ضرورت کھولی اور بند کی جا سکتی تھیں۔ ''سد'' کے دائیں بائیں مشرق و مغرب میں دو بڑے بڑے دروازے تھے جن سے پانی تقسیم ہو کر چپ و راست کی زمینوں کو سیراب کرتا تھا اس نظام آب رسانی سے چپ و راست دونوں جانب اس ریگستانی اور شور ملک کے اندر تین سو میل مربع میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہو گئی تھی جس میں انواع و اقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ قرآن کریم جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ'' کہہ کر ان ہی باغوں کی طرف اشارہ کرتا ہے یونانی مورخ ''اگاتھرشیڈس'' جو ۱۲۵ ق م میں ''سبا'' کا معاصر تھا بیان کرتا ہے۔ ''سبا عرب کے سرسبز و آباد حصہ میں رہتے ہیں جہاں بہت اچھے اچھے بے شمار میوے ہوتے ہیں دریا کے کنارے جو زمین ہے اس میں نہایت خوبصورت درخت ہوتے ہیں اندرون ملک میں بخورات، دار چینی اور چھوارے کے نہایت بلند درختوں کے گنجان جنگل ہیں اور ان درختوں سے نہایت شیریں خوشبو پھیلا کرتی ہے درختوں کے اقسام کی کثرت و تنوع کے سبب سے ہر قسم کا نام و وصف مشکل ہے جو خوشبو اس میں سے اڑتی ہے وہ جنت کی خوشبو سے کم نہیں اور جس کی تعریف لفظوں میں ادا نہیں ہو سکتی جو اشخاص زمین سے دور ساحل سے گزرتے ہیں وہ بھی جب ساحل کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو اس خوشبو سے محظوظ ہوتے ہیں وہ گویا آب حیات کا لطف اٹھاتے ہیں اور یہ تشبیہ بھی اس کی قوت و لطافت کے مقابل میں ناقص ہے۔'' آرٹی میڈروس جو ''سبا'' کے عہد آخر میں تھا لکھتا ہے، ''سبا کا بادشاہ اور اس کا ایوان ''مارب'' میں ہے جو ایک پر اشجار پہاڑ پر عیش و مسرت (زمانہ خوشحالی) میں واقع ہے۔'' غرض باعتبار سرسبزی، خوشحالی، سامان عیش اور اعتدال آب و ہوا کے ''مارب'' اس کا مصداق تھا: ''بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ'' ''رب غفور'' سے ادھر اشارہ کر دیا کہ اپنی طرف سے شکر گزار بنو اگر بمقتضائے بشریت کچھ تقصیر رہ جائے گی تو اللہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ایسا سخت نہیں پکڑتا اپنی مہربانی سے معاف فرما دے گا اس کی نعمتوں کا شکر کماحقہ کس سے ادا ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ پاکیزہ شہر جہاں پھلوں کی کثرت تھی اور زمین زرخیز تھی شوریلی نہ تھی۔ سدی اور مقاتل نے کہا کہ اگر کوئی عورت سر پر ٹوکرا رکھے باغ کی قطاروں کی طرف سے گزرتی تھی تو خود بخود درختوں سے ٹوٹ کر اتنے پھل گرتے تھے کہ اس کا ٹوکرا بھر جاتا تھا ہاتھ سے توڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی ابن زید نے کہا ان کے شہر میں نہ مچھر تھے نہ مکھیاں اور نہ پسو نہ بچھو سانپ اگر کسی شخص کے کپڑوں میں جوئیں ہوتیں اور اس شہر کی طرف گزرتا ہے تو ہوا کی پاکیزگی کی وجہ سے ساری جوئیں مر جاتی تھیں بلدطیبہ سے یہی مراد ہے یعنی وہاں کی ہوا پاکیزہ تھی۔

رَبٌّ غَفُوْرٌ مقاتل نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اگر خدا کے عطا کردہ رزق کا تم شکر ادا کرو گے تو اللہ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ

سو دھیان میں نہ لائے پھر چھوڑ دیا ہم نے اُن پر ایک نالا زور کا

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ

اور دیے ہم نے ان کو بدلے میں ان دو باغوں کے دو اور باغ جن میں کچھ میوہ

خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ

کسیلا تھا اور جھاؤ اور کچھ بیر تھوڑے سے

ناشکری اور بے پرواہی کا نتیجہ:

یعنی نصیحتوں کو خاطر میں نہ لائے اور منعم حقیقی کی شکر گذاری سے منہ موڑے رہے تب ہم نے پانی کا عذاب بھیجا، وہ بند ٹوٹا تمام باغات اور زمینیں غرقاب ہو گئیں اور ان اعلیٰ درجہ کے نفیس میووں اور پھولوں کی جگہ جو درخت اور جھاڑ جھنکاڑ رہ گئے جہاں انگور چھوارے اور قسم قسم کی نعمتیں پیدا ہوتی تھیں اب وہاں پیلو، جھاؤ، بیری اور بدمزہ پھل والے درختوں کے ساتھ کچھ نہ تھا جن میں بہترین چیز تھوڑی سی جھڑ بیریوں کو سمجھ لو یہ واقعہ حضرت مسیح علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی عہد کا ہے محققین آثار قدیمہ کو ابرہۃ الاشرم کے زمانہ کا ایک بہت بڑا کتبہ سد عرم کی بقیہ دیوار پر ملا ہے اس میں بھی اس بند کے ٹوٹنے کا ذکر ہے مگر یہ غالباً اس واقعہ کے بعد ہوا جس کا ذکر قرآن میں ہے واللہ اعلم، حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ ''جب اللہ نے چاہا عذاب بھیجے، گھونس پیدا ہوئی اس پانی کے بند میں اس کی جڑ کرید ڈالی ایک بار پانی نے زور کیا بند کو توڑ ڈالا اور وہ پانی عذاب کا تھا جس زمین پر پھر گیا کام سے جاتی رہی کہتے ہیں کہ بند ٹوٹنے کی پیشین گوئی ایک کاہن نے کی تھی اس پر بہت لوگ وطن چھوڑ کر ادھر ادھر چلے گئے جو باقی رہے انہیں ان باغوں کے بدلہ یہ نکمی اور کڑوی کسیلی چیزیں ملیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ پھر انہوں نے روگردانی کی تو ہم نے ان پر عرم کا سیلاب چھوڑ دیا یعنی انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی اور کہنے لگے ہم تو اس کو خدا کی عطا کردہ نعمت نہیں جانتے (یہ تو ہماری زمین کی پیداوار اور

ہمارے لگائے ہوئے باغوں کے پھل ہیں مترجم) تم اپنے رب سے کہہ دو کہ اگر وہ اس نعمت کو روک سکتا ہے تو روک لے اس ناشکری کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے (بند توڑ کر) ایک عظیم الشان سیلاب جس کو سیل عرم کہا جاتا ہے ان پر چھوڑ دیا۔

سیل عرم: **اَلعَرِمِ** امر صعب سخت مصیبت عَرِمَ الرَّجُل وہ شخص سخت بد خلق ہو گیا یا سیل العرم سے مراد ہے سخت بارش کا سیلاب، یہ بھی کہا گیا ہے کہ عرم جنگلی چوہے کو کہتے ہیں بلقیس نے پانی کو روک کر جمع رکھنے کے لئے ایک بندھ باندھا تھا جنگلی چوہے نے اس میں سوراخ کر دیا تھا صاحب قاموس نے لکھا ہے عرمۃ بروزن فرحۃ وہ بندھ جو وادی کا پانی روکنے کے لئے باندھا جائے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور وہب وغیرہ نے بیان کیا کہ عرم ایک بندھ تھا جو بلقیس نے بنوایا تھا بات یہ تھی کہ وادی کے پانی پر قوم سبا والے آپس میں لڑتے تھے بلقیس نے رفع شرک کے لئے ایک عرم یعنی بندھ بنوانے کا حکم دیا تھا حمیری لغت میں عرم کا معنی بندھ ہے چنانچہ پتھروں سے ور تارکول سے دو پہاڑوں کے درمیان ایک بندھ بنا دیا گیا اور اوپر نیچے ترتیب کے ساتھ تین دریچے رکھے گئے اور بندھ سے ورے ایک بڑا حوض بنا دیا گیا اور پانی نکلنے کی اس حوض میں بارہ موریاں بنائی گئیں ہر موری ایک دریا کے دہانے پر کھلتی تھی ضرورت کے وقت جس موری کو چاہتے تھے کھول دیتے تھے اور جب سینچائی کی ضرورت پوری ہو جاتی تو اس کو بند کر دیتے تھے بارش کا پانی یمن کی ساری وادیوں کا یہاں جمع ہو جاتا اور بند کے اندر ہی رک جاتا تھا اس وقت بلقیس باہر کی کھڑکی کھلواتی تھی کھڑکی سے پانی نکل کر حوض میں آ جاتا تھا پھر ضرورت ہوتی تو درمیانی کھڑکی بھی کھول دی جاتی پھر اگر ضرورت ہوئی تو نچلا دریچہ بھی کھول دیا جاتا اس طرح بندھ کے اندر کا پانی ختم نہ ہونے پاتا کہ دوسرے سال کی برسات کا پانی آ کر جمع ہونے لگتا۔

یہ بند طویل مدت تک قائم رہا لیکن جب اس قوم نے اللہ سے سرکشی اور ناشکری کی تو اللہ نے ایک جنگلی چوہے کو جس کو گھونس کہا جاتا ہے ان کی تباہی پر مسلط کر دیا گھونس نے بندھ کے نچلے حصہ میں سوراخ کر دیا پانی پھٹ پڑا اور سب کے سارے باغ ڈوب گئے اور زمین تباہ ہو گئی۔

تدبیر کی شکست:

وہب نے کہا ان لوگوں کو کسی کاہن نجومی نے بتا دیا تھا کہ اس بندھ کو ایک چوہا برباد کر دے گا اس لئے ہر دو پتھروں کی دراڑ (شگاف) کے پاس ایک بلی باندھ دی تھی لیکن جب بربادی کا وقت آیا اور اللہ نے ان کو تباہ کرنا چاہا تو ایک بڑا سرخ چوہا آیا اور بلی پر جھپٹ بلی پیچھے دبکی اور اس شگاف میں داخل ہو گئی جو قریب ہی موجود تھا اور بندھ میں گھس گئی چوہا (بلی کے تعاقب میں) بندھ کو کھودنے لگا اوپر پانی کے ریلے کی وجہ سے بندھ کمزور ہوتا گیا اور کسی کو اس کا علم نہ ہونے پایا، آخر سیلاب آ گیا اور شگاف میں گھس کر بندھ کو پھاڑ دیا پانی بہہ نکلا اور ان کے سارے مال ومتاع کو غرق کر دیا۔ صرف بیت میں فن ہوگئے غرض سب تباہ ہو گئے اور کچھ ادھر ادھر منتشر ہو گئے قوم سبا کی بربادی ایک مثال بن گئی۔

پیلو اور جھاؤ:

خمط اراک (پیلو) اور پیلو کا پھل جس کو بریر کہا جاتا ہے۔

اَثْلِ، جھاؤ یا جھاؤ نما ایک درخت جھاؤ سے بڑا ہوتا ہے قَلِیْلٍ، سِدْرٍ کی صفت ہے چونکہ بیر ایک عمدہ پھل ہوتا ہے جس کا مزہ عمدہ ہوتا ہے اس کو لوگ باغوں میں لگایا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی قلت کی صراحت کی بغوی نے کہا یہ (باغوں میں لگائی جانے والی بیری) مراد نہیں بلکہ جنگلی بیری مراد ہے جو کسی کام نہیں آتی نہ اس کے پتے کسی کام کے ہوتے ہیں مذکورہ بار پھل دار باغوں کے عوض بیکار درختوں کے جھنڈ کو بھی صرف ہم شکل ہونے کی بناء پر فرمایا اور اس سے استہزاء بھی مقصود ہے۔

اور ہم نے ان دیہات کے درمیان ان کے چلنے کا ایک خاص انداز رکھا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بے خوف وخطر امن کے ساتھ چلو۔ (تفسیر مظہری)

چوہوں کے ذریعے تباہی:

سد مآرب یعنی عرم کو توڑ کر سیلاب سے تباہ کرنے کا واقعہ یہ تو پانی کے عظیم الشان بند پر اندھے چوہے مسلط کر دیئے جنہوں نے اس کی بنیاد کو کھوکھلا اور کمزور کر دیا، جب بارش اور سیلاب کا وقت آیا تو پانی کے دباؤ نے اس کمزور بنیاد کو توڑ کر رخنے پیدا کر دیئے اور بالآخر اس بند کے پیچھے جمع شدہ پانی اس پوری وادی میں پھیل گیا جس میں یہ شہر مآرب واقع تھا، تمام مکانات منہدم اور درخت تباہ ہو گئے اور دو طرفہ پہاڑوں پر جو باغات تھے ان کا پانی خشک ہو گیا۔

وہب بن منبہ کی روایت میں ہے کہ ان لوگوں کی کتابوں میں یہ بات لکھی چلی آتی تھی کہ اس بند کی خرابی اور تباہی چوہوں کے ذریعہ ہوگی جب لوگوں نے اس بند کے قریب چوہوں کو دیکھا تو خطرہ پیدا ہو گیا اس کی تدبیر یہ کی گئی کہ بند کے نیچے بہت سی بلیاں پال دی گئیں جو چوہوں کو بند کے قریب نہ آنے دیں مگر جب تقدیر الٰہی نافذ ہوئی تو یہ چوہے بلیوں پر غالب آ گئے اور بند کی بنیاد میں داخل ہو گئے۔ (ابن کثیر) (معارف القرآن مفتی اعظم)

ایک کاہن کی چالاکی:

عکرمہؒ ان کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان میں ایک کاہنہ اور ایک کاہن تھا جن کے پاس جنات ادھر ادھر کی خبریں لایا کرتے تھے۔ اس کاہن کو کہیں پتہ چل گیا کہ اس بستی کی ویرانی کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور یہاں کے لوگ ہلاک ہونے والے ہیں، تھا یہ بڑا مالدار خصوصاً جائیداد بہت سی تھی اس نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور ان حویلیوں مکانات اور باغات کی نسبت کیا انتظام کرنا چاہئے آخر ایک بات اس کی سمجھ میں آ گئی اس کی سسرال

کے لوگ بہت سارے تھے اور وہ قبیلہ بھی علاوہ جری ہونے کے مالدار تھا اس نے اپنے لڑکے کو بلایا اور اس سے کہا سنو کل لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے میں تجھے کسی کام کو کہوں گا تو انکار کر دینا میں تجھے برا بھلا کہوں گا تو بھی مجھے میری گالیوں کا جواب دینا میں اٹھ کر تجھے تھپڑ ماروں گا تو بھی اس کے جواب میں مجھے تھپڑ مارنا اس نے کہا ابا جی مجھ سے یہ کیسے ہو سکے گا؟ کاہن نے کہا تم نہیں سمجھتے ایک ایسا ہی اہم معاملہ درپیش ہے اور تمہیں میرا حکم مان لینا چاہئے اس نے اقرار کیا دوسرے دن جب کہ اس کے پاس اس کے ملنے جلنے والے سب جمع ہو گئے اس نے اپنے اس لڑکے سے کسی کام کو کہا اس نے صاف انکار کر دیا اس نے اسے گالیاں دیں تو اس نے بھی سامنے گالیاں دیں یہ غصے میں اٹھا اور اسے مارا اس لڑکے نے بھی پلٹ کر اسے پیٹا اور یہ غضبناک ہوا اور کہنے لگا چھری لاؤ میں تو اسے ذبح کروں گا تمام لوگ گھبرا گئے ہر چند سمجھایا لیکن یہ یہی کہتا رہا کہ میں تو اسے ذبح کروں گا لوگ دوڑے بھاگے گئے اور لڑکے کی ننھیال والوں کو خبر کی، وہ سب آ گئے اول تو منت سماجت کی منوانا چاہا لیکن یہ کب مانتا تھا انہوں نے کہا آپ اسے کوئی اور سزا دیجئے اس کے بدلے ہمیں جو جی چاہے سزا دیجئے لیکن اس نے کہا میں تو اسے لٹا کر باقاعدہ ذبح کروں گا انہوں نے کہا آپ ایسا نہیں کر سکتے اس سے پہلے ہم آپ کو مار ڈالیں گے اس نے کہا اچھا جب یہاں تک بات پہنچ گئی ہے تو میں اس شہر میں نہیں رہنا چاہتا جہاں میرے اور میری اولاد کے درمیان اور لوگ پڑیں، مجھ سے میرے مکانات جائیدادیں اور زمینیں خرید لو میں یہاں سے کہیں اور چلا جاتا ہوں چنانچہ اس نے سب کچھ بیچ ڈالا اور قیمت نقد وصول کر لی جب اس طرف سے اطمینان ہو گیا تو اس نے اپنی قوم کو خبر دی کہ سنو عذاب خدا آ رہا ہے زوال کا وقت قریب پہنچ چکا ہے اب تم سے جو محنت کرنے لمبا سفر کر کے نئے گھروں کا آرزو مند ہو وہ تو عمان چلا جائے اور جو کھانے پینے کا شوقین ہو وہ بصرہ چلا جائے اور جو مزیدار کھجوریں باغات میں بیٹھ کر آزادی سے کھانا چاہتا ہو وہ مدینے چلا جائے قوم کو اس کی باتوں کا یقین تھا۔ جسے جو جگہ اور جو چیز پسند آئی وہ اسی طرف منہ اٹھائے بھاگا بعض عمان کی طرف بعض بصرے کی طرف بعض مدینے کی طرف۔ اس طرف تین قبیلے چلے تھے اوس، خزرج اور بنو عثمان، جب یہ لوگ بطن مر میں پہنچے تو بنو عثمان نے کہا ہمیں تو یہ جگہ بہت پسند ہے اب ہم آگے نہیں جائیں گے چنانچہ یہ یہیں بس گئے اور اسی وجہ سے انہیں خزاعہ کہا گیا کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گئے اوس و خزرج برابر مدینے پہنچے اور یہاں آ کر قیام کیا یہ اثر بھی عجیب و غریب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ
یہ بدلہ دیا ہم نے اُن کو اس پر کہ ناشکری کی اور ہم

نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ
یہ بدلہ اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو☆

کفر کی سزا: ایسی سخت سزا بڑے ناشکروں کو دی جاتی ہے کفر سے بڑھ کر کیا ناشکری ہو گی سورۂ "نمل" میں گذر چکا "وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (نمل، رکوع ۲) بظاہر اس قسم کا شرک اس قوم میں بلقیس کے بعد بھی باقی رہا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا صدق اللّٰه العظیم لا یعاقب بمثل فعله اِلَّا الْكَفُوْرَ، یعنی اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ بڑے عمل کی سزا اس کے برابر بجز کفور کے کسی کو نہیں دی جاتی، دوسروں پر، کیونکہ غیر کفور یعنی مؤمن کو اس کے گناہوں میں بھی کچھ چھوٹ دی جاتی ہے۔

اور روح المعانی میں بحوالہ کشف اس آیت کے مفہوم کی توجیہ یہ کی ہے کہ کلام اپنی حقیقت پر ہے کہ سزا بطور سزا کے تو صرف کافر کو دی جاتی ہے اور مؤمن گناہگار کو جو تکلیف آگ وغیرہ کی دی جاتی ہے وہ صرف صورت سزا کی ہوتی ہے، درحقیقت اس کو گناہ سے پاک کرنا مقصود ہوتا ہے جیسے سونے کو بھٹی میں ڈال کر تپانے سے اس کا میل دور کرنا مقصود ہوتا ہے اسی طرح مؤمن کو بھی اگر کسی گناہ کی پاداش میں جہنم میں ڈالا گیا تو اس لئے کہ اس کے بدن کے وہ اجزاء جل جائیں جو حرام سے پیدا ہوئے ہیں اور جب یہ ہو چکتا ہے تو وہ جنت میں جانے کے قابل ہو جاتا ہے، اس وقت جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ (معارف القرآن، مفتی اعظم)

مؤمن کی بھلائی:

صحیحین میں ہے آپ فرماتے ہیں تعجب ہے کہ مؤمن کے لئے خدائے تعالیٰ کی ہر قضا بھلائی کے لئے ہی ہوتی ہے اگر اسے راحت اور خوشی پہنچتی ہے تو شکر کر کے بھلائی حاصل کرتا ہے اور اگر برائی اور غم پہنچتا ہے تو یہ صبر کرتا ہے اور بدلہ حاصل کرتا ہے یہ نعمت تو صرف مؤمن کو ہی حاصل ہے کہ جس کی ہر حالت بہتری اور بھلائی ہے حضرت مطرفؒ فرماتے ہیں، صبر و شکر کرنے والا بندہ کتنا اچھا ہے کہ جب اسے نعمت ملے تو شکر کرے اور جب زحمت پہنچے تو صبر کرے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ
اور رکھی تھیں ہم نے اُن میں اور اُن بستیوں میں جہاں
بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا
ہم نے برکت رکھی ہے ایسی بستیاں جو راہ پر نظر آتی تھیں اور منزلیں مقرر کر دیں ہم نے اُن میں
السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ
آنے جانے کی پھرو ان میں راتوں کو اور دنوں کو امن سے

تجارتی سفر کی آسانیاں

برکت والی بستیاں ملک شام کی ہیں یعنی ان کے ملک سے شام تک راستے مامون تھے، سڑک کے کنارے کنارے دیہات کا سلسلہ ایسے انداز سے اور تناسب سے چلا گیا تھا کہ مسافر کو ہر منزل پر کھانا، پانی اور آرام کرنے کا موقع ملتا تھا، آبادیوں کے قریب ہونے اور جلد جلد نظر آنے سے مسافر کا جی نہیں گھبراتا تھا نہ چوروں ڈاکوؤں کا خوف تھا، سفر کیا تھا ایک طرح کی سیر تھی مصنف ارض القرآن لکھتا ہے: "سبا کی دولت و ثروت کی اساس صرف تجارت تھی، یمن ایک طرف سواحل ہندوستان کے مقابل واقع ہے اور دوسری طرف سواحل افریقہ کے، سونا بیش قیمت پتھر، مسالے، خوشبوئیں، ہاتھی دانت، یہ چیزیں حبش اور ہندوستان سے تھیک یمن آ کر اترتی تھیں وہاں سے سب اونٹوں پر لاد کر بحر احمر کے کنارے کنارے خشکی خشکی حجاز سے گذر کر شام و مصر جاتے تھے قرآن مجید نے اس رستہ کو "امام مبین" (کھلا راستہ) اور اس سفر کا نام "رحلة الشتاء و الصيف" رکھا ہے جس کو قریش نے جاری کیا تھا، ان تجارتی کاروانوں کی آمد و رفت کے سبب یمن سے شام تک آبادیوں کی ایک قطار قائم تھی جہاں بے خوف و خطر سفر ہو سکتا تھا۔ "یونانی مورخ ارادستھنس ۱۹۴ق م بیان کرتا ہے کہ "حضر موت" سے سبا کے ملک تک چالیس روز کا راستہ ہے اور معین سے سوداگر ستر دن میں ایلہ (عقبہ) پہنچتے ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

بینھم اہل سبا کے درمیان بَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا یعنی ملک شام کی بستیاں جہاں بکثرت دریا اور درخت تھے، اور وہاں ان کے باشندوں کو وسعت رزق حاصل تھی، قُرًى ظَاهِرَةً یعنی وہ بستیاں قریب قریب تھیں ایک دوسری کے سامنے تھیں پہلی کے بعد دوسری فوراً آ جاتی تھی وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ یعنی ان بستیوں میں چلنے کا ایک خاص اندازہ مقرر کر دیا تھا رات ایک بستی میں گزاری اور دوپہر دوسری بستی میں پہنچ گئے، کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لینے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بستیاں یمن سے شام تک تھیں بعض اقوال میں آیا ہے کہ یہ دیہات چار ہزار سات سو مسلسل متصل تھے (کہیں لق و دق بیابان اور ویرانہ تھا) قتادہ نے کہا کہ عورت تکلا ہاتھ میں لے کر (خالی) ٹوکرا سر پر رکھے راستہ سے گزرتی تھی اور آدھے راستے تک نہیں پہنچتی تھی کہ (راستے کے دونوں کناروں کے درختوں سے اتنے پھل ٹوٹ کر ٹوکرے میں جمع ہو جاتے تھے کہ) ٹوکرا پھلوں سے بھر جاتا تھا یمن اور شام کے درمیان سارے راستے کی یہی کیفیت تھی۔ سِيرُوا فِيهَا یعنی ہم نے ان کو اجازت دے دی تھی اور کہہ دیا تھا یا قول سے مراد قول حال یعنی اس راستہ کا حال ہی یہ تھا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا رات دن جس وقت چاہو۔

آمِنِينَ امن کے ساتھ نہ دشمن کا کوئی خوف نہ کسی درندے کا ڈر نہ بھوکے پیاسے رہنے کا اندیشہ اہل سبا اپنی خوش عیشی پر مغرور ہو گئے بجائے شکر کے سرکش ہو گئے اور کہنے لگے (یہ پھلوں کا یا مزہ جس کی اتنی شہرت ہے) ہمارے باغوں کی درمیانی مسافت بھی ہو جاتی (اور سفر میں مشقت ہو) تو مزہ سے زیادہ مناسب ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا
[illegible]

قوم سبا کی مستی

زبان حال سے کہا ہوگا اور ممکن ہے زبان قال سے کہنے لگے ہوں کہ اے اللہ اس طرح سفر کا لطف نہیں آتا، منزلیں دور دور ہوں، آس پاس آبادیاں نہ ہوں، بھوک پیاس ستائے تب سفر کا مزہ ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: "آرام میں مستی کی، تکلیف مانگی۔ جیسے اور قوموں کی خبر سنتے ہیں کہ کسی میں پانی نہیں ملتا، آبادی نہیں ملتی، ویسا ہم بھی ہوں، یہ بڑی ناشکری ہوئی جیسے بنی اسرائیل نے من وسلوی سے سیر ہو کر لہسن پیاز طلب کی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ
[illegible]
وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ
[illegible]

پوری قوم بکھر گئی:

یعنی ہم نے شیرازہ بکھیر دیا اور ان کو پارہ پارہ کر دیا، اکثر خاندان ادھر ادھر منتشر ہو گئے کوئی ایک طرف ہوئی دوسری طرف نکل گیا آبادیوں سے نام و نشان تک نہ رہا، صرف افسانے اور حکایتیں باقی رہ گئیں اور وجہ تباہی کی ان کا عظیم الشان تمدن اور شان و شوکت سے ختم ہو گیا۔ صاحب ارض القرآن کے زمانہ میں قوموں کو جس طرح کی تباہی آئی۔ یونانیوں اور رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کر کے ہندوستان وغیرہ کی تجارت بری راستہ سے بحری راستہ کی طرف منتقل کی، اور رومیوں کی کشتیاں سیدھی بحر احمر کے راستے مصر و شام سے سواحل یمن تک آنے جانے لگیں جس سے یمن سے شام تک خشکی کے راستے کی آبادیاں تباہ و برباد ہو گئیں، مصنف معصوف نے یہ توجیہ معاشی تحریک سے اخذ کی ہے ممکن ہے تباہی اور منتشر ہوں گے ایک ظاہری سبب یہ بھی ہو مگر اس پر حصر درست نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور ان کو بالکل تتر بتر کر دیا یعنی مختلف ملکوں میں پراگندہ کر دیا، شعبی کا بیان ہے جب ان کی بستیاں ڈوب گئیں تو لوگ مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے غسان شام میں آ کر آباد ہو گئے انمار عمان کی طرف، خزاعہ تہامہ کی جانب جزیمہ عراق کی سمت اوس و خزرج یثرب کی طرف۔

یثرب کی طرف چلے گئے مدینہ میں سب سے پہلے عمرو بن عامر انصاری آیا، یہی اوس وخزرج کا جداعلیٰ تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ
اس میں پتے کی باتیں ہیں ہر صبر کرنیوالے شکر گذار کو ☆

صبر وشکر والوں کیلئے عبرت:

یعنی ان حالات کو سن کر چاہئے عقلمند عبرت حاصل کریں جب اللہ فراغی اور عیش دے خوب شکر ادا کرتے رہیں اور تکلیف ومصیبت آئے تو صبر وتحمل اختیار کر کے اللہ سے مدد مانگیں۔ (تفسیر عثمانی)

مؤمن کی شان:

مقاتل نے کہا صبار وشکور سے اس امت کے مؤمن مراد ہیں جو مصیبتوں پر صبر کرنے والے اور اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار ہیں مطرف کا بھی یہی قول ہے میں کہتا ہوں مؤمن ہمیشہ بڑا صابر وشاکر ہوتا ہے، دنیا امتحان گاہ ہے یہاں کی راحت ونعمت بھی ایک امتحان ہے جس میں بندہ مؤمن مبتلا کیا جاتا ہے اور آزمائش کی جاتی ہے کہ وہ شکر کرتا ہے یا نہیں کرتا مؤمن کے لئے موت بھی امتحان ہے اور زندگی بھی اللہ نے فرمایا خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اللہ نے موت اور زندگی کو تمہاری آزمائش کرنے کے لیے پیدا کیا کہ تم میں سے کس کے عمل سب سے اچھے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مؤمن ہمیشہ گناہوں سے اپنے آپ کو روکتا ہے مصائب پر صابر اور طاعات پر ثابت قدم رہتا ہے اس کے لئے ہر مصیبت گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اس لیے مصیبت کا لازمی تقاضا جس طرح صبر ہے پھر صبر کی توفیق بھی تو اللہ کی ایک نعمت ہے جس کا شکر واجب ہے حضرت مجدد نے فرمایا محبوب کی طرف سے دی ہوئی مصیبت انعام سے زیادہ لذیذ ہوتی ہے مصیبت کا شکر تو اور بھی ضروری ہے، ایک شاعر کا قول ہے

وصال کی حالت میں میں اپنے نفس کا ادنی غلام ہوں، اور فراق کی حالت میں تمام آقاؤں کا آقا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے دو حصے ہیں آدھا ایمان صبر میں ہے اور آدھا شکر میں رواہ البیہقی فی شعب الایمان میں کہتا ہوں مؤمن ہمیشہ کامل الایمان ہوتا ہے ایمان کے دونوں حصوں کا مجموعہ ہوتا ہے صرف آدھے ایمان پر بس نہیں کرتا بلکہ دوسرا آدھا بھی اس کے پاس ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کا حال عجیب ہے، کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ جو کچھ بھی تقدیری حکم نافذ فرماتے ہیں سب خیر ہی خیر اور نفع ہی نفع ہوتا ہے کہ اگر اس کو کوئی نعمت راحت اور اس کی خوشی کی چیز حاصل ہوتی ہے تو یہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہ اس کی آخرت کیلئے خیر اور نفع بن جاتا ہے اور اگر کوئی تکلیف ومصیبت پیش آجائے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے جس کا اس کو بہت بڑا اجر وثواب ملتا ہے اس طرح یہ مصیبت بھی اس کے لئے خیر اور نفع بن جاتی ہے۔ (ابن کثیر)

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَیْهِمْ اِبْلِیْسُ ظَنَّهٗ
اور سچ کر دکھائی اُن پر ابلیس نے اپنی اٹکل
فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ
پھر اسی کی راہ چلے مگر تھوڑے سے ایماندار ☆

قوم نے ابلیس کا مقصد پورا کر دیا:

پہلے دن ابلیس نے تخمینہ کر کے کہا تھا لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا (اسراء، رکوع ۷) اور ثُمَّ لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَیْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ (اعراف رکوع ۲) ویسے ہی نکلے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اہل سبا میں سے جو کافر تھے ان کے متعلق شیطان کا گمان صحیح نکلا، مجاہد نے کہا عام انسانوں کی طرف ضمیر راجع ہے، ابلیس نے اللہ کے سامنے اپنا یہ گمان ظاہر کیا تھا فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا یہ بھی ابلیس نے کہا تھا وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِیْنَ تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا چنانچہ اس نے اپنا یہ گمان سچ کر دکھایا صحیح پایا اور سوائے گروہ مومنین کے سب اس کی راہ پر لگ گئے۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ جب ابلیس نے مہلت مانگی اور اللہ نے اس کو مہلت دے دی تو اس نے کہا کہ لا ضلنھم میں ان کو ضرور گمراہ کردوں گا، لا غوینھم میں ان کو ضرور بے راہ بنادوں گا لیکن ابلیس کو اس بات کو کہنے کے وقت یہ یقین نہ تھا کہ اس کی بات پوری بھی ہو سکے گی صرف گمان تھا لیکن اہل سبا جب اس کی راہ پر لگ گئے اور اس کے کہنے پر چلنے لگے تو اس کا گمان صحیح ثابت ہو گیا۔

مؤمن شیطان کی اتباع نہیں کرتا:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ میں الْمُؤْمِنِیْنَ سے مراد یا تو قوم سبا کا ایماندار گروہ ہے یا عام انسانوں میں سے جو مؤمن ہیں وہ مراد ہیں۔

سدی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اصل دین میں کسی مؤمن نے شیطان کا اتباع نہیں کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَیْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ
اور اُس کا اُن پر کچھ زور نہ تھا مگر اتنے واسطے کہ معلوم کریں
مَنْ یُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا
کون ہے جو یقین لاتا ہے آخرت پر جدا کر کے اس سے جو رہتا ہے آخرت کی طرف

فِیْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۠

سے دھوکے میں، اور تیرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے

انسان کیلئے امتحان:

یعنی شیطان کو یہ قدرت نہ تھی کہ زبردستی لے کر ان کو زبردستی راہِ حق سے روک دیتا ہاں بہکاتا پھسلاتا ہے اور اتنی قدرت بھی اس لئے دی گئی کہ بندوں کا امتحان وابتلاء منظور تھا دیکھیں کون آخرت پر یقین کر کے خدا کو یاد رکھتا ہے اور کون دنیا میں پھنس کر انجام سے غافل ہو جاتا اور بیوقوف بن کر شک یا دھوکہ میں پڑ جاتا ہے اللہ کی حکمت کا مقتضاء یہی تھا کہ دنیا میں انسان کے لئے دونوں طرف جانے کے راستے کشادہ رکھیں جیسا کہ پہلے کئی جگہ اس کی تقریر ہو چکی ہے ایسا نہیں کہ (معاذ اللہ) خدا کو خبر نہ ہو بے خبری میں شیطان کسی بندے کو چھین لے جائے خوب سمجھ لو کہ ہر چیز اللہ کی نگاہ میں ہے اور تمام احوال وشئون کی دیکھ بھال وہی ہمہ وقت کرتا ہے جس کو جتنی آزادی دے رکھی ہے وہ عجز وضعف سے نہیں حکمت ومصلحت کی بناء پر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان کا ہتھیار:

یعنی ابلیس کو کوئی قدرت نہیں تھی کہ وہ ان کو بہکا سکتا اور دلوں میں جھوٹی آرزوئیں اور امیدیں پیدا کرتا مگر جب ہم نے اس کو مسلط کر دیا اور اس سے کہہ دیا، وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ تو اس میں قدرت پیدا ہو گئی۔

حسن نے کہا ابلیس نے ان پر تلوار نہیں سونتی نہ تلوار سے کسی کو مارا نہ کسی کو کوڑے مارے (یعنی تسلط سے مراد جبر اور مار دھاڑ نہیں) بلکہ ان سے جھوٹے وعدے اور امیدیں بندھوائیں جس کی وجہ سے وہ فریب کھا گئے اور دھوکہ میں آ گئے۔

وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ اور آپ کا رب ہر چیز کا نگراں ہے یعنی زمانہ ہو یا زمانہ کے اندر کی چیزیں، مومن یا کافر سب کا نگراں ہے کسی چیز کی طرف سے غافل نہیں ہے اس لیے ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق بدلہ دے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ

تو کہہ پکارو اُن کو جن کو گمان کرتے ہو سوائے اللہ کے ☆

اہل مکہ سے خطاب:

یہاں سے مشرکین مکہ کو خطاب ہے جن کی تنبیہ کے لئے ”سبا“ کا قصہ سنایا تھا یعنی اللہ کے سوا جن چیزوں پر تم کو خدائی کا گمان ہے ذرا کسی آڑے وقت میں اُن کو پکارو تو سہی دیکھیں وہ کیا کام آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کہ جن کو تم سوائے خدا کے اپنے (معبود اور کارساز) سمجھ رہے ہو ان کو پکار دیکھو وہ ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ ان دونوں کے پیدا کرنے اور انتظام قائم رکھنے میں) ان کی مصیبت سے تم ان کو پکار دیکھو اگر (ان کی الوہیت وحکمرانی سے متعلق) تمہارا قول سچ ہے تو وہ تمہاری مدد کریں گے (یہ قیاس استثنائی شرطیہ ہے) یعنی وہ تو چھوٹی چیونٹی کے برابر آسمان وزمین میں ہونے والی خیر وشر کا اختیار نہیں رکھتے اس سے تمہاری دعا قبول نہیں کر سکتے اور نہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں حاصل یہ کہ تمہارا یہ (مخلوق کے معبود اور شریک ہونے کا) خیال ہی غلط ہے آسمان وزمین کا ذکر عموم عرفی کی وجہ سے کیا یا یہ وجہ ہے کہ کافروں کے معبود کچھ سماوی تھے جیسے ملائکہ اور ستارے اور کچھ ارضی تھے جیسے بت یا ان دونوں کے ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ خیر وشر کے ظاہری اسباب کچھ آسمانی ہوتے ہیں اور کچھ زمینی۔ (تفسیر مظہری)

لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی

وہ مالک نہیں ایک ذرہ بھر کے آسمانوں میں اور نہ

الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ

زمین میں اور نہ اُن کا ان دونوں میں کچھ ساجھا اور نہ ان میں کوئی اُس کا

مِّنْ ظَهِیْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ

مددگار، اور کام نہیں آتی سفارش اُس کے پاس مگر اس کو کہ جس کے واسطے حکم کر دے اللہ

بت ایک ذرے کے مالک نہیں ہے.

یعنی یہ مسکین کیا کام آتے جنہیں آسمان وزمین میں نہ ایک ذرہ کا مستقل اختیار ہے (بعض بتوں کو تو غیر مستقل بھی نہیں) نہ آسمان وزمین میں ان کی کچھ شرکت نہ خدا کو کسی کام میں مدد کی ضرورت، جو یہ اس کے معین ومددگار بن کر کچھ حقوق جتلاتے، اس کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین کی یہ بھی طاقت نہیں کہ بدون اذن ورضا کے کسی کی نسبت ایک حرف سفارش ہی زبان سے نکال سکیں، انبیاء واولیاء اور ملائکۃ اللہ کی شفاعت بھی صرف انہی کے حق میں نافع ہوگی جن کے لئے اوپر سے سفارش کا حکم مل جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مِنْ ظَهِیْرٍ یعنی تمہارے معبودوں میں سے کوئی آسمان وزمین کے پیدا کرنے اور ان کا انتظام کرنے میں اللہ کا مددگار نہیں ہے۔

کافروں کیلئے کوئی سفارش نہ چلے گی.

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ اور خدا کے سامنے (کسی کی) سفارش کسی کے لیے کام نہیں آتی مگر اس کے لیے (کام آئے گی) جس کے لئے (سفارش کرنے کی سفارش کرنے والے کو) اللہ اجازت دے دے گا یعنی شفیع کو اجازت دے دے گا یا جس کے لئے شفاعت کیے

جانے کی اجازت دے دے گا۔

آیت مذکورہ نازل ہوئی اور اللہ نے فرمایا کہ بغیر اذن الٰہی کے کوئی کسی کی سفارش نہیں کرے گا۔ بت تو ظاہر ہے بے جان ہیں ان کی سفارش کے قابل ہی نہیں ہیں۔ رہے انبیاء و شفاعت کرنے کی اجازت ملے اب رہے وہ لوگ جن کی سفارش کا امکان ہے ان میں کافر اپنی حد سے بڑھی ہوئی سرکشی اور طغیانی کی وجہ سے شفاعت پانے کے مستحق نہیں ہیں۔ ان کے سوا انبیاء (اولیاء) اور ملائکہ صرف مومنوں کی شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا
یہاں تک کہ جب گھبراہٹ دور ہو جائے ان کے دلوں سے کہیں کیا فرمایا
قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ
تمہارے رب نے وہ بولے جو واجبی ہے اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا

فرشتوں کی تابعداری

یہ فرشتوں کا حال فرمایا جو ہمہ وقت اس بارگاہ کے حاضر باش ہیں۔ جب اوپر سے اللہ کا حکم اترتا ہے ایسی آواز آتی ہے جیسے صاف چکنے پتھر پر زنجیر کھینچی جائے۔ (شاید اتصال و بساطت کے قریب ان اشیاء سے تشبیہ دی گئی) فرشتے ہیبت اور خوف و رعب سے تھرا جاتے ہیں اور تسبیح کرتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ جب یہ حالت رفع ہوتی ہے اور تسکین ہوتی ہے تو بالائی فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ حکم ہوا؟ اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو درجہ بدرجہ بتلاتے ہیں کہ جو اللہ کی حکمت کے موافق ہے، آگے سے باقاعدہ معلوم ہے وہی حکم ہوا ظاہر ہے وہاں معقول اور واجبی بات کے سوا کیا چیز ہو سکتی ہے پس جس کی عظمت کی یہ کیفیت ہو کہ حکم دے تو مقربین کا مارے ہیبت و جلال کے یہ حال ہو جائے وہاں کس کی ہمت ہے کہ از خود کسی کی سفارش کے لئے لب کھول سکے۔ (تنبیہ) آیت کی تفسیر یں بھی کی گئی ہیں جن کی نسبت حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "والجمیع یخالف ہذا الحدیث الصحیح (الذی فی البخاری) والاحادیث کثیرۃ تؤیدہ (فتح الباری ص ۳۸۱ ج ۱۳) (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کی گھبراہٹ

میں کہتا ہوں اسی طرح جب اللہ کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو فرشتوں پر ہیبت کی وجہ سے غشی طاری ہو جاتی ہے بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جب آسمان میں کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو عاجزی سے ملائکہ اپنے بازو پھڑپھڑاتے ہیں (ان کی آواز ایسی ہوتی ہے) جیسے پتھر کی چٹان پر کوئی زنجیر ماری جائے پھر جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور کر دی جاتی ہے تو باہم پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ ... کہتے ہیں حق فرمایا وہ عالی شان سب سے بڑا ہے۔ پھر اس بات کو چوری سے سننے والے (جنات) اور پھر (ان کے نیچے) چوری سے سننے والے سن پاتے ہیں اس طرح نیچے والے اوپر والوں سے سنتے چلے جاتے ہیں۔ سفیان نے اپنے ہاتھ کو اس طرح کھڑا کر کے ترتیب وار انگلیوں کو کشادہ کر کے بتایا کہ اس طرح اوپر نیچے جنات کھڑے ہوتے ہیں اوپر والا وہ بات سن پاتا ہے تو نیچے والے کو بتا دیتا ہے پھر وہ اپنے نیچے والے کو بتاتا ہے یہاں تک کہ وہ بات (ساحر یا کاہن تک پہنچ جاتی ہے) پھر ساحر یا کاہن کی زبان پر بات پہنچ جاتی ہے کبھی نیچے والے تک پہنچانے سے پہلے ہی اوپر والے پر ایک انگارہ آ پڑتا ہے (اور اس کو جلا دیتا ہے) اور کبھی القاء کے بعد انگارہ لگتا ہے ساحر یا کاہن (کو جب اس بات کا علم ہو جاتا ہے تو وہ اپنی طرف سے اس میں) سو جھوٹ ملا دیتا ہے (پھر وہ بات پھیل جاتی ہے) تو کہا جاتا ہے کیا فلاں دن کاہن نے ہم سے ایسا ایسا نہیں کہا تھا چنانچہ آسمان سے سنی ہوئی اس ایک بات کی تصدیق کی جاتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے فرشتے قیامت برپا ہونے کے خوف سے گھبرا جاتے ہیں۔ مقاتل، کلبی اور سدی کا قول ہے کہ حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درمیانی مدت ۵۵۰ برس اور بقول بعض ۶۰۰ سو برس کی تھی یہ انقطاع وحی کا زمانہ (فترہ) تھا اس مدت میں ملائکہ نے کوئی وحی کی آواز نہیں سنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور فرشتوں نے وحی کی آواز سنی تو سمجھے کہ قیامت آ گئی کیونکہ آسمان والوں کو اس کا علم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت کی علامت ہے پس جب وحی کی آواز سنی تو قیامت برپا ہونے کے خوف سے بے ہوش ہو گئے جب ابتداء وحی کے موقع پر حضرت جبرئیل (بارگاہ خداوندی سے) نیچے اترے تو جس آسمان کی طرف سے گزرے تو وہاں کے باشندوں نے ان سے پوچھا اور ایک نے دوسرے سے پوچھا تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسروں نے جواب دیا حق فرمایا حق سے مراد وحی ہے۔

اس تفسیر کی بنیاد حسن کا قول ہے کہ آیت مذکورہ میں مشرکوں کی حالت بیان کی گئی ہے حسن اور ابن زید نے کہا کہ نزول موت کے وقت مشرکوں پر حجت پوری کرنے کے لئے جب گھبراہٹ ان کے دلوں سے دور کر دی جاتی ہے تو فرشتے کہتے ہیں پیغمبروں کی زبانی تمہارے رب نے دنیا میں کیا فرمایا تھا مشرک کہتے ہیں (جو کچھ فرمایا) حق فرمایا تھا مشرک اس وقت قرآن کی صداقت کا اقرار کرتے ہیں جو ان کے لئے مفید نہیں ہوتا میں کہتا ہوں اس کی تائید آیت هُمْ مِّنْهُ فِيْ شَكٍّ سے ہو جاتی ہے کہ نزول موت تک مشرک شک میں پڑے رہتے ہیں آخر مرنے کے بعد ان کا شک دور ہو (جاتا ہے) یعنی

پیدا ہو جاتا ہے تو اقرار کرتے ہیں مگر بے سود۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ایک ستارہ جھڑا اور زبردست روشنی ہوگئی آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں تمہارا خیال ان ستاروں کے جھڑنے کی نسبت کیا تھا؟ انہوں نے کہا ہم اس موقع پر سمجھتے تھے کہ یا تو کوئی بہت بڑا آدمی پیدا ہوا یا مرا۔ (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ
تو کہہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے
وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ
اور زمین سے بتلا دے کہ اللہ ☆

روزی رساں: یعنی آسمان و زمین سے روزی کے سامان بہم پہنچانا صرف اللہ کے قبضہ میں ہے اس کا اقرار مشرکین بھی کرتے تھے لہٰذا آپ بتلا دیں کہ یہ تم کو بھی مسلم ہے پھر الوہیت میں دوسرے شریک کہاں سے ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ
اور یا ہم یا تم بیشک ہدایت پر ہیں یا پڑے ہیں
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ
گمراہی میں صریح ☆

اب بتلاؤ کون سچا ہے:

یعنی دونوں فرقے تو سچے نہیں کہتے (ورنہ اجتماع نقیضین لازم آ جائے) یقینا دونوں میں ایک سچا اور دوسرا جھوٹا ہے تو لازم ہے کہ سوچو اور غور کرو کہ بات قبول کرو اس میں ان کا جواب ہے جو یہ کہ ہدایت پر ہیں کہ میاں دونوں فرقے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں یہ ضرورت ہے جھگڑنا، تو بتلا دیا کہ ایک یقینا خطا کار اور گمراہ ہے باقی تعیین نہ کرنے میں حکیمانہ حسن خطاب ہے یعنی ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ بہرحال ایک تو یقینا غلطی پر ہوگا اب اوپر کے دلائل سن کر تم ہی خود فیصلہ کرلو کہ کون غلطی پر ہے گویا مخالف کو نرمی سے بات کر کے اپنے نفس میں غور کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دونوں سچے نہیں ہو سکتے:

توحید کا معنی ہے نفی شرک توحید شرک کی نقیض ہے جس طرح ضلال اور ہدایت کے درمیان تناقض ہے کیوں کہ ضلال نفی ہدایت کا نام ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ دونوں باتیں (توحید و شرک اور گمراہی و ہدایت) صحیح ہوں، یا دونوں میں کوئی صحیح نہ ہو۔ آیت سابقہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ روزی دینے والا صرف اللہ ہے کوئی اور رازق نہیں، اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہل توحید ہدایت پر ہیں اور مشرک کھلی ہوئی گمراہی میں پڑے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ
تو کہہ تم سے پوچھ نہ ہوگی اس کی جو ہم نے گناہ کیا اور ہم سے پوچھ نہ ہوگی
عَمَّا تَعْمَلُوْنَ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ
اس کی جو تم کرتے ہو تو کہہ جمع کریگا ہم سب کو رب ہمارا پھر
يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ
فیصلہ کریگا ہم میں انصاف کا اور وہی ہے قصہ چکانے والا سب کچھ جاننے والا

اپنی عاقبت کی فکر کرو:

یعنی ہر ایک کو اپنی عاقبت کی فکر کرنی چاہئے کوئی شخص دوسرے کے قصور اور غلطی کا جواب دہ نہ ہوگا اگر تم ایسی صاف باتیں سننے کے بعد بھی تم اپنی حالت میں غور کرنے کے لئے تیار نہیں تو یاد رکھو ہم حجت تمام کر چکے اور کلمہ حق پہنچا چکے اب تم اپنے اعمال کے خود جواب دہ ہو گے ہم پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی نہ کسی حالت میں ہمارا تمہارا کوئی واسطہ، خدا کے یہاں حاضر ہونے کے لئے ہر ایک اپنی اپنی فکر رکھے وہ سب کو اکٹھا کر کے ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

آپ کہہ دیجئے کہ (اگر ہم نے کوئی جرم کیا ہو گا تو) ہمارے جرائم کی تم سے باز پرس نہیں ہوگی اور نہ تمہارے اعمال کی ہم سے باز پرس ہوگی یعنی میں جو تم کو توحید کے ماننے اور شرک چھوڑ دینے کا حکم دے رہا ہوں یہ محض تمہاری خیر خواہی کے پیش نظر ہے، ورنہ کسی کو دوسرے کے عمل سے ضرر نہیں پہنچے گا، نہ مجھے نہ تمہیں۔

اس کلام میں توحید کو ماننے کی ترغیب ہے جرم کے لفظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جرم کی اپنی طرف نسبت کی اور تعملون کے لفظ میں (جرم کی نسبت مخاطبوں کی طرف نہیں کی بلکہ) عمل کی نسبت مخاطبوں کی طرف کی یہ تلطف تہذیب کا مظاہرہ اور خیر خواہی کا اظہار ہے جو ہر قسم کے تعصب سے دور رکھنے والا ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ

آپ کہہ دیجئے کہ ہمارا رب ہم کو (یعنی مجھے اور تمہیں قیامت کے دن) جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان فیصلہ حق کرے گا وہی بڑا فیصلہ کرنے والا (اور) جاننے والا ہے۔ یفتح فیصلہ کرے گا۔ بالحق یعنی ہم میں سے جو کوئی جس سزا کا مستحق ہے اللہ وہی سزا دے گا حق پر ہونے والوں کو جنت میں اور باطل پرستوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔ الفتاح خوب اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا۔ العلیم یعنی فیصلہ کیا ہونا چاہئے اس کو خوب جاننے والا۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ
تو کہہ مجھ کو دکھلاؤ تو سہی جن کو اس سے ملاتے ہو ساجھی قرار دیکر ☆

ذرا دکھلاؤ تو اپنے معبود!

یعنی ذرا سامنے تو کرو ان کی ہستی ہے جو اس کی خدائی میں ساجھا رکھتی

ہے؟ ہم بھی تو دیکھیں کہ اس کے کیا کچھ اختیارات ہیں یا ان پتھر کی بیجان اور خود تراشیدہ مورتوں کو پیش کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَرُوْنِی (مجھے دکھاؤ) سے مراد ہے مجھے بتاؤ، الحق سے مراد ہے استحقاق الوہیت میں خدا کے ساتھ ملا دینا مطلب یہ ہے کہ کس صفت کی وجہ سے تم نے اپنے معبودوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے کیا وہ کوئی چیز پیدا کرتے ہیں یا کسی کو نفع ضرور پہنچا سکتے ہیں یا روزی دیتے ہیں جب ان اوصاف میں سے کوئی وصف ان کے اندر نہیں تو ان کو شریک خدا قرار دینے کی وجہ جواز نہیں، اتمام حجت اور مدلل ثبوت کے بعد پھر وجہ شرک کا استفسار حقیقت میں لاجواب بنانے کی تکمیل ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَلَّا بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

کوئی نہیں وہی اللہ ہے زبردست حکمتوں والا ☆

نہیں نہیں! اللہ کے برابر کوئی نہیں:

یعنی ہرگز تم ایسی کوئی ہستی پیش نہیں کر سکتے، وہ تو اکیلا ایک ہی خدا ہے جو زبردست، غالب و قاہر اور اعلیٰ درجہ کی حکمت و دانائی رکھنے والا ہے، سب اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا

اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی

وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۲۸﴾

اور ڈر سنانے کو لیکن بہت لوگ نہیں سمجھتے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رسالت:

یہ توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر کر دیا یعنی آپ کا فرض اور آپ کی بعثت کی غرض یہی ہے کہ نہ صرف عرب بلکہ تمام دنیا کے لوگوں کو ان کے نیک و بد سے آگاہ کر دیں سو کر دیا جو نہیں سمجھتے وہ جانیں۔ سمجھدار آدمی تو اپنے نفع نقصان کو سوچ کر آپ کی بات کو ضرور مانیں گے ہاں دنیا میں کثرت جاہلوں اور ناسمجھوں کی ہے ان کے دماغوں میں کہاں گنجائش ہے کہ کار آمد باتوں کی قدر کریں۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب اس طرح ہوگا کہ سب لوگوں کے لیے آپ کو رسالت عامہ دے کر ہم نے بھیجا ہے کوئی شخص آپ کے دائرہ رسالت سے باہر نہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کافۃ میں ت مبالغہ کی ہو یعنی ہم نے آپ کو ایسی حالت میں بھیجا کہ آپ سب لوگوں کو اپنے دائرہ رسالت میں جمع کرنے والے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں (خصوصیت کے ساتھ) عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں (۱) مجھے یہ بات دی گئی کہ ایک ماہ کی مسافت پر میرا رعب (دشمنوں کے دلوں میں) ڈال دیا گیا۔ (۲) تمام زمین کو میرے لیے مسجد اور حصول طہارت کا ذریعہ بنا دیا گیا، لہٰذا میری امت میں سے جس کسی کے لیے نماز کا وقت آ پہنچے وہ (جس پاک جگہ پر) نماز پڑھنا چاہے (وضو کر کے اور پانی کے فقدان کی صورت میں مٹی سے تیمم کر کے) نماز پڑھ لے۔ (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ (۴) مجھے شفاعت (کبریٰ) عطا کی گئی۔ (۵) ہر نبی کو صرف اس کی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا لیکن مجھے سب لوگوں (کی ہدایت) کے لیے بھیجا گیا ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلا رکھی ہو جب چاروں طرف آگ کی روشنی پھیل گئی ہو تو پتنگے اور یہ کیڑے مکوڑے اس میں گرنے لگے ہوں وہ شخص کتنا ہی ان کو آگ میں گرنے سے روکتا ہو مگر پتنگے اس میں زبردستی گر رہے ہوں میں بھی اسی طرح پیچھے سے تمہاری کمر پکڑ کر آگ میں گھسنے سے روک رہا ہوں مگر تم آگ میں گھسے پڑتے ہو، حدیث متفق علیہ ہے، الفاظ بخاری کے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری و مسلم وغیرہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں (۱) ایک یہ کہ میری مدد اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا رعب دے کر فرمائی کہ ایک مہینہ کی مسافت تک لوگوں پر میرا رعب چھا جاتا ہے، (۲) دوسرے یہ کہ میرے لئے پوری زمین کو مسجد اور طہور قرار دے دیا گیا، (پچھلے انبیاء کی شریعتوں میں ان کی عبادت خاص عبادت گاہوں ہی میں ہوتی تھی ان کی مساجد سے باہر میدان یا گھر میں عبادت نہ ہوتی تھی، اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لئے پوری زمین کو اس معنی میں مسجد بنا دیا کہ ہر جگہ نماز ادا ہو سکتی ہے، اور زمین کی مٹی کو پانی نہ ملنے یا پانی کا استعمال مضر ہونے کی صورت میں طہور یعنی پاک کرنے والا بنا دیا کہ اس سے تیمم کر لینا وضو کے قائم مقام ہو جاتا ہے) (۳) یہ کہ میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا مجھ سے پہلے کسی امت کے لئے یہ مال حلال نہیں تھا (بلکہ حکم یہ تھا کہ جنگ میں جو مال کفار کا ہاتھ آتا اس کو جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیں، وہاں ایک آسمانی آگ وغیرہ آ کر اس کو جلا دے گی، اور یہ جلا دینا ہی اس جہاد کی مقبولیت کی علامت ہوتی، امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مال غنیمت کو قرآن کے بتلائے ہوئے اصول کے مطابق لے لینا اور اپنی ضروریات میں صرف کرنا جائز کر دیا گیا۔ (۴) چوتھے یہ کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا مقام دیا گیا (میدان حشر میں جس وقت کوئی پیغمبر شفاعت کی ہمت نہ کرے گا، مجھے اس وقت شفاعت کا موقع دیا جائے) (۵) پانچویں یہ کہ مجھ سے

[illegible] اپنی [illegible] قوم [illegible] طرف بھیجے جاتے تھے [illegible] ہر اقوام عالم کی طرف پیغمبر [illegible] بنا کر بھیجا گیا [illegible]

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ
[illegible]

کہتے ہیں قیامت کب آئے گی

یعنی [illegible] وعدہ [illegible] جلدی [illegible] (تفسیر عثمانی)

قُل لَّكُم مِّيعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَأْخِرُونَ
[illegible] تمہارے [illegible] وعدہ [illegible]
عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ
[illegible] جلدی [illegible]

ضرور آئے گی

یعنی گھبراؤ نہیں، جس دن کا وعدہ ہے ضرور آ کر رہے گا جب آئے گا تو ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی، جلدی مچانے کی بجائے اس کی ضرورت ہے کہ اس وقت کے آنے سے پہلے پہلے تیاری کر رکھو۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن نُّؤْمِنَ بِهَٰذَا الْقُرْآنِ
[illegible]
وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ
[illegible]

کہتے ہیں ہم کتابوں کو نہیں مانتے

یعنی [illegible] نہ پہلی کتابوں کو جنہیں [illegible] تورات و انجیل وغیرہ [illegible] تسلی [illegible] قیامت [illegible] (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ
اور کبھی تو دیکھے جبکہ گنہگار کھڑے کئے جائیں اپنے رب کے پاس
يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ
[illegible]

محشر میں پتہ چلے گا

یعنی جیسے [illegible] وقت ہوتا ہے [illegible] سبب [illegible] محشر میں بھی [illegible] دوسرے کو [illegible]

تفصیل [illegible] (تفسیر عثمانی)

يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا
[illegible]
لَوْلَا أَنتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ
[illegible]

چھوٹوں کا بڑوں پر الزام

[illegible] جو [illegible] طبقہ میں شمار ہوتے تھے اور دوسروں کے پیچھے چلتے تھے [illegible] کہ تم نے ہمیں اس مصیبت میں پھنسایا [illegible] تمہاری بات مان لیتے [illegible] پڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا
[illegible] کمزور گنے گئے تھے
أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ
کیا ہم نے روکا تم کو حق بات سے
إِذْ جَاءَكُم ۖ بَلْ كُنتُم مُّجْرِمِينَ
[illegible]

سرداروں کا جواب یعنی جب [illegible] حق بات پہنچی اور [illegible] تم ہی [illegible] ایمان و یقین سے [illegible] (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا
اور [illegible] وہ لوگ جو کمزور گنے گئے تھے بڑائی [illegible]
بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَن
[illegible]
نَّكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَندَادًا
[illegible] اور ٹھہرائیں اس کے ساتھ برابر کے ساجھی

یعنی [illegible] مغرور [illegible] یقین [illegible] بلکہ بعض مخلوقات [illegible] ترغیب [illegible] (تفسیر عثمانی)

وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ

اور چپکے چپکے پچھتانے لگے جب دیکھ لیا عذاب ☆

پھر سب شرمائیں گے

یعنی جس وقت ہولناک عذاب سامنے آئے گا تابعین اور متبوعین دونوں اپنے اپنے دل میں پچھتائیں گے ہر ایک محسوس کرے گا کہ واقعی میں مجرم اور قصوروار ہوں لیکن شرم کے مارے ایک دوسرے پر ظاہر نہ کریں گے اور شدید اضطراب وخوف سے شاید بولنے کی قدرت بھی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور ہم نے ڈالے ہیں طوق گردنوں میں منکروں کے ☆

طوق اور بیڑیاں:

[illegible] گردنوں میں طوق، اور ہاتھ پاؤں میں [illegible]

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

[illegible] بدلہ پاتے ہیں جو عمل کرتے تھے

اعمال کی سزا یعنی جو عمل کیے تھے آج وہ اس سزا کی صورت میں ظاہر ہو رہے ہیں جیسا کرنا ویسا بھرنا۔ (تفسیر عثمانی)

آگ سارا گوشت جلا دے گی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جہنمی جب ہنکا کر جہنم کے پاس پہنچائے جائیں گے تو جہنم کے ایک ہی شعلے کی لپیٹ سے سارے جسم کا گوشت جھلس کر پیروں پر آپڑے گا (ابن ابی حاتم) حسن بن یحییٰ خشنی فرماتے ہیں کہ جہنم کے ہر قید خانے ہر غار ہر زنجیر ہر قید پر جہنمی کا نام لکھا ہوا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ [illegible] ان کو سزا نہیں دی جائے گی [illegible] اعمال کی جو وہ کرتے تھے۔ ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بوساطت سفیان [illegible] کی روایت سے ابو رزین کا بیان نقل کیا ہے کہ دو آدمی شریک تھے جن میں سے ایک ملک شام کو چلا گیا دوسرا (مکہ میں ہی) رہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو مقیم شخص نے مسافر کو یہ خبر لکھ بھیجی مسافر نے مقیم کو لکھا کہ اس شخص کا (جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے) کیا بنا مقیم نے جواب میں لکھا قریش میں سے صرف نچلا طبقہ اور غریب لوگ اس کے پیرو ہوئے ہیں، جونہی یہ تحریر مسافر کو ملی وہ اپنی تجارت چھوڑ کر اپنے ساتھی (مقیم شخص) کے پاس آیا اور کہا مجھے اس شخص کا پتہ بتاؤ، یہ مسافر شخص بعض (سابقہ آسمانی) کتابیں پڑھا کرتا تھا، غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گیا

اور سوال کیا کہ آپ [illegible] بات کی دعوت دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] (وہ [illegible]) کی یہ سنتے ہی وہ بول اٹھا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ [illegible] ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے یہ کیسے جانا [illegible] جو نبی بھی مبعوث ہوا (پہلے پہلے) نچلا طبقہ اور غریب لوگ ہی اس کے پیرو ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا

[illegible]

قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ

[illegible]

سردار لوگ ہر پیغمبر کے مخالف رہے ہیں

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ [illegible] رئیسوں سے مغموم نہ ہوں، ہر زمانہ میں پیغمبروں کا مقابلہ ایسے ہی [illegible] رئیسوں نے کیا ہے [illegible] دولت کا نشہ اور لذت طلبی کا جذبہ [illegible] دیتے [illegible] سامنے گردن جھکا [illegible] چھوٹے آدمیوں [illegible] گوارا نہیں کرتا [illegible] انبیاء کے اول متبعین عموماً ضعیف و مسکین ہوتے ہیں کما ورد فی حدیث ہرقل۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو بلا بھیجا کہ تمہارے قول کی تصدیق اللہ نے نازل فرما دی مترفین خوش حال لوگ، خوش حال لوگوں کا خصوصی تذکرہ انکار رسالت کے لیے کیا کہ عموماً غرور اور دنیوی دولت مندی پر فخر اور لذت اندوزی میں انہماک اور غریبوں کو ذلیل جاننا انکار رسالت کا موجب ہوتا ہے اسی لئے منکروں نے تکذیب کے ساتھ استہزا اور فخر کو بھی ملا دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا

اور کہنے لگے ہم زیادہ ہیں مال اور اولاد میں

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ

اور ہم پر آفت نہیں آنے والی

مال واولاد پر فخر:

یعنی معلوم ہوا خدا ہم سے خوش اور راضی ہے ورنہ اتنا مال واولاد کیوں دیتا جب وہ خوش ہے تو ہم کو کسی آفت کا اندیشہ نہیں، تم فضول عذاب کی دھمکیاں دیتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ

تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کر دیتا ہے روزی جس کو چاہے

وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾
اور ماپ کر دیتا ہے لیکن بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے ☆

روزی کا مالک اللہ تعالیٰ ہے:

یعنی روزی کی فراخی یا تنگی اللہ کے خوش یا ناخوش ہونے کی دلیل نہیں، دیکھتے نہیں دنیا میں کتنے بدمعاش، شریر، دہریے ملحد (ناستک) مزے اڑاتے ہیں حالانکہ ان کو کوئی مذہب بھی اچھا نہیں کہتا۔ اور بہت سے خداپرست پرہیزگار اور نیک بندے بظاہر فاقے کھینچتے ہیں تو معلوم ہوا کہ دولت وافلاس یا تنگی وفراخی کسی کے محبوب ومقبول عند اللہ ہونے کی دلیل نہیں، یہ معاملات تو دوسری مصالح وحکمتوں پر مبنی ہیں جن کو اللہ ہی جانتا ہے مگر بہت لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے۔

ومن الدليل على القضاء وحكمه
بؤس اللبيب وطيب عيش الاحمق

(تفسیر عثمانی)

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ
اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ نہیں کہ نزدیک کر دیں
عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا
ہمارے پاس تمہارا درجہ پر جو کوئی یقین لایا اور بھلا کام کیا ☆

قرب الٰہی کا ذریعہ تو ایمان اور عمل صالح ہے:

یعنی مال واولاد کی کثرت نہ قرب الٰہی کی علامت ہے جیسا کہ اوپر کی آیت میں گذرا، اور نہ قرب حاصل کرنے کا سبب ہے بلکہ اس کے برعکس کافر کے حق میں زیادت بعد کا سبب بن جاتا ہے ہاں مومن اگر مال ودولت کو وجوہ خیر میں صرف کرے اور اولاد کو بہترین تعلیم وتربیت دلا کر نیک اور شائستہ بنائے، ایسا مال واولاد بیک درجہ میں قرب الٰہی کا سبب بنتا ہے، بہرحال وہاں مال واولاد کی پوچھ نہیں محض ایمان وعمل صالح کی پرسش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہوگا لیکن جو نیکوکار مومن ہو اس کا ایمان اور عمل قرب الٰہی میں پہونچ سکتا ہے حضرت ابن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (رواہ احمد، ابن کثیر)

مال کے مصارف:

حضرت جابرؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک کام صدقہ ہے، اور کوئی آدمی جو اپنے نفس یا اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ کے حکم میں ہے موجب ثواب ہے اور جو شخص کچھ خرچ کرکے اپنی آبرو بچائے وہ بھی صدقہ ہے اور جو شخص اللہ کے حکم کے مطابق کچھ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ اس کا بدل عطا کرے گا مگر وہ خرچ جو (فضول زائد از ضرورت) تعمیر میں یا کسی گناہ کے کام میں کیا ہو اس کے بدل کا وعدہ نہیں۔

حضرت جابرؓ کے شاگرد ابن المنکدر نے یہ حدیث سن کر ان سے پوچھا کہ آبرو بچانے کے لئے خرچ کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جس شخص کے متعلق یہ خیال ہو کہ نہیں دیں گے تو عیب جوئی کرے گا برا کہتا پھرے گا یا بدگوئی کرے گا اس کو کچھ آبرو بچانے کے لئے دینا مراد ہے۔ (۱۰۰ الدر قطنی قرطبی) (معارف القرآن مفتی اعظم)

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا
سو اُن کیلئے ہے بدلہ دونا ان کے لیے کام کا ☆

عمل کا بدلہ:

یعنی کام پر جتنے اجر کا استحقاق ہے اس سے زائد بدلہ ملے گا کم از کم دس گنا اور زیادہ ہو تو سات سو گنا بلکہ اللہ چاہے تو اس سے بھی زیادہ جس کی کوئی حد نہیں وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (بقرۃ۔ رکوع ۳۶) یہاں ضعف سے مطلقاً زیادت مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ
اور وہ بالاخانوں میں بیٹھے ہیں جمعی سے اور جو لوگ دوڑتے ہیں
فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾
ہماری آیتوں کے ہرانے کو وہ عذاب میں پکڑے ہوئے آتے ہیں

منکر ومخالف عذاب میں:

یعنی جو بدبخت اللہ کی آیت کو رد کرتے اور ان پر طعن کرکے لوگوں کو ادھر سے روکتے ہیں گویا سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ ورسول کو ہرا دیں گے وہ سب عذاب میں گرفتار ہو کر حاضر کئے جائیں گے ایک بھی چھوٹ کر نہ بھاگ سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
تو کہہ میرا رب ہے جو کشادہ کرتا ہے روزی جس کو چاہے
مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ
اپنے بندوں میں اور ماپ کر دیتا ہے (اس کو) اور جو خرچ کرتے ہو کچھ چیز
فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۳۹﴾
وہ اُس کا عوض دیتا ہے اور وہ بہتر ہے روزی دینے والا ☆

خرچ کرنے سے نہ گھبراؤ

یہ مسلمانوں کو سنا دیا کہ تم وجوہ خیر میں خرچ کرتے وقت تنگی اور افلاس سے نہ ڈرنا خرچ کرنے سے رزق کم نہیں ہوجاتا جو مقدر ہے پہنچ کر رہے گا اپنی حکمت سے جس کو جتنا دینا چاہئے اس میں تمہارے خرچ کرنے نہ کرنے سے فرق نہیں پڑتا بلکہ وجوہ خیر میں خرچ کرنے سے برکت ہوتی ہے اور حق تعالیٰ اس کا عوض دیتا ہے خواہ مال کی صورت میں یا قناعت وغنائے قلبی کی شکل میں اور آخرت میں بدلہ ملنا تو یقینی ہے غرض اس کے ہاں کچھ کمی نہیں مسلمان کو چاہئے کہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھے اور اس کی مرضی کے سامنے فقر وفاقہ کا اندیشہ دل میں نہ لائے۔ "وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ اِقْلَالًا" (تنبیہ) آیت میں گویا اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ جس طرح دنیا میں تنگی اور فراخی کے اعتبار سے لوگوں کا حال متفاوت ہے آخرت میں بھی باعتبار مراتب ثواب وعذاب کے ایسا ہی تفاوت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا کوئی اگرچہ بظاہر روزی رساں نظر آتا ہے تو حقیقت میں وہ (خداداد) روزی رسانی کا ایک مجازی ذریعہ ہے حقیقی رازق نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

خرچ کرنے سے نعمت بڑھتی ہے:

جس چیز کا خرچ گھٹ جاتا ہے اس کی پیداوار بھی گھٹ جاتی ہے اس آیت کے اشارہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء صرف انسان اور حیوانات کے لئے پیدا فرمائی ہیں جب تک وہ خرچ ہوتی رہتی ہیں ان کا بدل منجانب اللہ پیدا ہوتا رہتا ہے جس چیز کا خرچ زیادہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پیداوار بڑھا دیتے ہیں جانوروں میں بکرے اور گائے کا سب سے زیادہ خرچ ہے کہ ان کو ذبح کر کے گوشت کھایا جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت بلالؓ سے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بلال! خرچ کر اور عرش والے کی طرف سے تنگی کا خیال بھی نہ کر۔

کاٹ کھانے والا زمانہ:

ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے اس زمانے کے بعد ایسا زمانہ آرہا ہے جو کاٹ کھانے والا ہوگا مال ہوگا لیکن مالدار گویا اپنے مال پر دانت گڑوئے ہوئے ہوں گے کہ کہیں خرچ نہ ہوجائے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت وما انفقتم الخ کی تلاوت فرمائی۔

بدتر لوگ: اور حدیث میں ہے بدترین لوگ وہ ہیں جو بے بس اور مضطر لوگوں کی چیزیں کم داموں خریدتے پھریں یاد رکھو ایسی بیع حرام ہے مضطر کی بیع حرام ہے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے نہ اسے رسوا کرے اگر تجھ سے ہوسکے تو دوسروں کے ساتھ سلوک اور بھلائی کر ورنہ اس کی ہلاکت کو تو نہ بڑھا (ابویعلیٰ موصلی) یہ حدیث اس سند سے غریب ہے اور ضعیف بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ
اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو پھر کہے گا فرشتوں کو
اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ
کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے

ملائکہ سے خطاب:

بہت مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے بہت ان کے ہیکل بنا کر پرستش کرتے تھے بعض نے لکھا ہے کہ اصنام پرستی کی ابتداء ملائکہ پرستی سے ہی ہوئی اور عمرو بن لحی یہ رسم قبیح شام سے عرب لایا۔ بہرحال قیامت کے دن علی رؤس الاشہاد فرشتوں سے سوال کریں گے کیا یہ لوگ تم کو پوجتے تھے؟ شاید مطلب یہ ہو کہ تم نے تو ان سے ایسا نہیں کہا یا تم ان کے فعل سے خوش تو نہیں ہوئے جیسے حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال ہوگا ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" (مائدہ۔ رکوع ۱٦) اور سورۂ فرقان میں ہے ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ (فرقان۔ رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

ملائکہ سے یہ خطاب مشرکوں کو ذلیل کرنے اور شفاعت ملائکہ سے مایوس بنانے کے لئے کیا جائے گا (کافروں کے معبود تو اور بھی ہیں اصنام وکواکب وغیرہ جن کی بھی وہ پوجا کرتے ہیں لیکن) خصوصیت کے ساتھ ملائکہ کو خطاب اس لئے کیا جائے گا کہ خطاب کی صلاحیت انہیں میں ہے پھر وہ دوسرے فرضی شرکاء سے افضل بھی ہیں نیز مبداء شرک بھی انہیں کی عبادت ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلْ
وہ کہیں گے پاک ذات ہے تیری ہم تیری طرف میں ہیں نہ ان کی طرف ہیں
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ
نہیں پر پوجتے تھے جنوں کو یہ اکثر انہی پر اعتقاد رکھتے تھے

فرشتوں کا جواب: یعنی آپ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی کسی درجہ میں اس کا شریک ہو (العیاذ باللہ) ہم کیوں ان کو ایسی بات کہتے تھے یا ایسی واہیات حرکت سے خوش ہوتے ہماری رضا تو آپ کی رضا کے تابع ہے ہم کو ان مجرموں سے کیا واسطہ ہم تو آپ کے فرمانبردار غلام ہیں پھر یہ بدبخت تو حقیقت میں ہماری پرستش بھی نہیں کرتے تھے نام ہمارا لے کر شیطانوں کی پرستش تھی فی الحقیقت ان کی عقیدتمندی ان ہی کے ساتھ ہے شیاطین ان کو جس طرف ہانکتے ہیں ادھر ہی مڑ جاتے ہیں خواہ فرشتوں کا نام لے کر یا کسی نبی اور ولی کا بلکہ بعض تو اعلانیہ شیطان ہی کو پوجتے ہیں جیسا کہ پہلے کسی جگہ غالباً سورۂ "انعام" میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا
سو آج تم مالک نہیں ایک دوسرے کے بھلے کے نہ برے کے ☆

عابد و معبود دونوں عاجز ہیں۔

یعنی آج عابد و معبود دونوں کا عجز واضح ہو گیا، کوئی کسی کو ذرہ برابر نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا جن معبودین کا سہارا سمجھتے تھے انہوں نے اس وقت بیزاری ظاہر کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي
اور کہیں گے ہم ان گنہگاروں کو چکھو تکلیف اس آگ کی جس کو
كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ
تم جھوٹ بتاتے تھے اور جب پڑھی جائیں ان کے پاس ہماری آیتیں کھلی کھلی
قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَن يَصُدَّكُمْ
کہیں اور کچھ نہیں مگر یہ ایک مرد ہے چاہتا ہے کہ روک دے تم کو
عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ
ان سے جن کو پوجتے رہے تمہارے باپ دادے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کافروں کی بدگمانی

یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت آپس میں کہتے تھے کہ یہ شخص نبی وغیرہ نہیں بس اتنی غرض ہے کہ ہمارے باپ دادوں کا طریقہ چھڑا دے جس کو ہم قدیم سے حق جانتے چلے آئے ہیں اپنے مذہب پر لے آئے اور خود حاکم و مطبوع بن کر بیٹھ جائے گویا صرف حکومت و ریاست مطلوب ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرًى
اور کہیں اور کچھ نہیں یہ جھوٹ ہے باندھا ہوا

قرآن کریم کے بارے میں ان کا خیال

یعنی قرآن کیا ہے (العیاذ باللہ) چند جھوٹی باتیں جو خدا کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ
اور کہتے ہیں منکر حق بات کو جب پہنچے اُن تک
إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝
اور کچھ نہیں یہ ایک جادو ہے صریح

یعنی یہ نبوت کا دعویٰ جس کے ساتھ چند معجزات و خوارق کی نمائش کی گئی ہے یہ مذہب اسلام جس نے آ کر میاں کو بیوی سے اور باپ کو بیٹے سے جدا کر دیا ہے یہ قرآن جس کی تاثیر لوگوں کے دلوں پر غیر معمولی ہوتی ہے صریح جادو کے سوا اور کچھ نہیں (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

حق سے مراد ہے نبوت یا اسلام یا قرآن، یعنی قرآن یا امر نبوت یا اسلام جب ان کے پاس پہنچا تو بغیر سوچے اور غور کرنے کے اس کو کھلا ہوا جادو کہہ دیا بلاشبہ اس میں کافروں کے قول سے قرآن کو جادو اور اشیدہ جھوٹ بھی اور الفاظ و ترکیب کی ہیئت سے جادو [illegible]

وَمَا آتَيْنَاهُم مِّن كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا ۖ وَمَا
اور ہم نے ان کو کچھ کتابیں نہیں دی تھیں کہ ان کو پڑھتے ہوں اور
أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِن نَّذِيرٍ ۝
بھیجا نہیں ان کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا

کفار مکہ کی کوئی علمی حیثیت نہیں ہے

یعنی بعض ان کے پاس کوئی کتاب ہے نہ ان کے ہاتھ میں کوئی ذاتی مدت دراز سے کوئی نبی ان میں آیا تھا جو ان کو سکھاتا پہلے پیغمبر اور دین جیسی قدر اس کتاب رحمت کی ان کو کرنی چاہئے تھی اور جس طرح پیغمبر کی قدر ان کو کرنی چاہئے تھی۔ ایسے لوگوں کو چاہئے تھا کہ ہمارا پیغمبر اتارا ہوا یا کتاب ہم پر اتاری جاتی تو اوروں سے بڑھ کر ماننے والے ہوتے اب وہ چیز آئی تو لگے انکار کرنے یہ بد بختی ہے۔ ان کے پاس کوئی کتاب ہے جس کی بنیاد پر انکار کرتے ہیں نہ کوئی ان میں آیا جو حق کی بات بتا گیا [illegible] (تفسیر عثمانی)

[illegible]

اور ڈرانے والا عذاب سے ڈرایا ہو جس کے سبب قرآن کو جھٹلاتے ہیں اور بے دلیل باتیں بناتے ہیں [illegible] (تفسیر عثمانی)

وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا
اور جھٹلا چکے ہیں ان سے اگلے اور یہ نہیں پہنچے دسویں حصہ کو اس کے
آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ۝
جو ہم نے اُن کو دیا تھا پھر جھٹلایا انہوں نے میرے بھیجے ہوؤں کو تو کیسا ہوا میرا انکار

ان سے زیادہ طاقتور قومیں ہلاک ہو گئیں۔

یعنی جیسی لمبی عمریں، جسمانی قوتیں، مال و دولت اور عیش و آرام ان کو دیا گیا تمہیں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملا لیکن جب انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب اور مخالفت کی دیکھ لیا انجام ہوا سب ساز و سامان دھرا رہ گیا ایک منٹ بھی عذاب الٰہی کو روک نہ سکے پھر تم کس بات پر اتراتے ہو [illegible] (تفسیر عثمانی)

تحقیق یہ ہے کہ جب دنیا میں تھے تو بڑے بڑے شک میں غرق تھے کہ جوان کو چین نہیں لینے دیتا تھا اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہتا تھا اب جبکہ خدا اور رسول کی باتوں اور خبروں کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پردہ اٹھ گیا تو ایمان کی باتیں کرنے لگے جب ایمان کا وقت تھا تو سخت شک اور [illegible]

عذاب سامنے آجانے کے بعد اب ایمان قبول نہ ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

قُلْ إِنَّمَآ أَعِظُكُم بِوَٰحِدَةٍ ۖ أَن تَقُومُوا۟ لِلَّهِ مَثْنَىٰ
تو کہہ میں تو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں تم کو کہ اُٹھ کھڑے ہو اللہ کے نام پر دو دو
وَفُرَٰدَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا۟ ۚ مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ ۚ
اور ایک ایک پھر دھیان کرو کہ اس تمہارے رفیق کو کچھ سودا نہیں
إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيدٍ
یہ تو ایک ڈرانے والا ہے تم کو ایک بڑی آفت کے آنے سے ☆

اللہ کیلئے کچھ غور وفکر کرو

یعنی تعصب وعناد چھوڑ کر انصاف واخلاص کے ساتھ اللہ کے نام پر اٹھ کھڑے ہو اور کئی کئی مل کر بحث ومشورہ کرلو اور الگ الگ تنہائی میں غور کر کے سوچو کہ یہ تمہارا رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو چالیس برس سے زیادہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہا جس کے بچپن سے لے کر کہولت تک کے ذرہ ذرہ حالات تم نے دیکھے جس کی امانت ودیانت صدق وعفاف اور فہم ودانش سے تم برابر قائل رہے کبھی کسی معاملہ میں نفسانیت یا غرض پرستی کا الزام تم نے اس پر نہیں رکھ کیا تم واقعی گمان کر سکتے ہو کہ العیاذ باللہ اسے بیٹھے بٹھائے جنون ہو گیا ہے جو خواہ مخواہ اس نے ایک طرف سے سب کو دشمن بنا لیا کہیں دیوانے ایسی حکمت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا کوئی مجنون اپنی قوم کی اس قدر خیر خواہی اور ان کی اخروی فلاح اور دنیوی ترقی کا ایسا بندوبست یا مکمل پیش کر سکتا ہے وہ تم کو سخت مہلک خطرات اور تباہی انگیز مستقبل سے آگاہ کر رہا ہے، قوموں کی تاریخیں سناتا ہے دلائل وشواہد سے تمہارا بھلا برا سمجھاتا ہے یہ کام دیوانوں کے نہیں، ان اولوالعزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں جنہیں احمقوں اور شریروں نے ہمیشہ دیوانہ کہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غور کروگے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی واضح ہوجائیگی:

مَثْنَىٰ وَفُرَٰدَىٰ، یعنی زیادہ ہجوم نہ ہو جس سے فکر کی یکسوئی ختم ہو جاتی ہے بلکہ دو دو مل کر یا ایک ایک الگ الگ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں سوچو پھر ہر شخص اپنے خیال کا دوسرے سے اظہار کرے اور وہ انصاف وعدل کے ساتھ غور کرے یا تنہائی میں ہر ایک انصاف کے ساتھ سوچے تاکہ تصویر حق سامنے آجائے اور سمجھ لے کہ تمہارے اس ساتھی کو کسی طرح کا جنون نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ان کو کسی قسم کا جنون نہیں ہے ان کی عقل صحیح ہے، فہم سلیم ہے فکر درست ہے۔ ان کے صحیح الدماغ ہونے کا انکار وہی کر سکتا ہے جو خود پاگل ہو یا محض ضد کا مظاہرہ کر رہا ہو اور یہ بھی بدیہی حقیقت ہے کہ کوئی عقلمند صحیح الدماغ شخص کوئی اتنا عظیم الشان کام جس سے سارے لوگ دشمن ہو جائیں وہ خود اکیلا اور تہی دست بے یار ومددگار رہ جائے اس وقت تک نہیں کرتا جب تک اس کو اپنی حقانیت کا یقین مضبوط عقلی دلائل کی روشنی میں نہ ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے دنیوی مفاد سے بالاتر ہیں:

اور یہ بھی ضروری ہے کہ دانشمند آدمی جب اتنے بڑے کام کا بیڑا اٹھاتا ہے تو بے مقصد اور فضول نہیں اٹھاتا اس کے پیش نظر یا حصول منفعت ہوتا ہے یا دفع مضرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر ان دونوں دنیوی مقاصد میں سے کوئی بھی نہیں ہے حصول منفعت دنیوی کی تو ان کو ممانعت کر دی گئی ہے وہ خود کہتے ہیں مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ میں تم سے جو کچھ مانگوں وہ تم ہی لے لو مجھے ضرورت نہیں، رہا دفع مضرت کا مقصد تو یہ بھی ان کے پیش نظر نہیں ہے ان کے دعویٰ سے تو سارے لوگ دشمن اور درپے آزار ہو گئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر آخرت کی مضرت کا دفع اور آخرت کے نفع کا حصول ہے۔

قریشی سرداروں کو دعوت اور اس کا رد عمل:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب آیت **وانذر عشیرتک الاقربین** نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبائل قریش کو (نام بنام) پکارنا شروع کیا اور فرمایا اے بنی فہر، اے بنی عدی ندا سن کر سب لوگ جمع ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں تم کو اطلاع دوں کہ (پہاڑ کے پار) کچھ سوار موجود ہیں اور تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو بتاؤ کیا تم مجھے سچا سمجھو گے حاضرین نے کہا ہمارے تجربہ میں آپ کا کوئی جھوٹ نہیں ہے (اس لئے سچ سمجھیں گے) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو میں تم کو آگے آنے والے سخت عذاب سے پہلے ہی ڈرا رہا ہوں یہ سن کر ابولہب بولا تجھے ہمیشہ کے لئے موت آجائے کیا اس لئے تو نے ہم کو جمع کیا تھا اس پر سورۃ تَبَّتْ يَدَآ أَبِى لَهَبٍ وَتَبَّ نازل ہوئی متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

غور وفکر کی لائن۔ آیت میں غور وفکر کی یہ واضح راہ بتلائی گئی وہ یہ کہ ایک اکیلا آدمی جس کے ساتھ نہ کوئی طاقتور جتھا اور جماعت ہے نہ مال ودولت کی بہتات وہ اپنی پوری قوم بلکہ پوری دنیا کے خلاف کسی ایسے عقیدہ کا اعلان کرے جو صدیوں سے ان میں راسخ ہو چکا ہے اور وہ سب اس پر متفق ہیں ایسا اعلان صرف دو صورتوں میں ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ کہنے والا بالکل مجنون و دیوانہ ہو جو اپنے نفع نقصان کو نہ سوچے اور پوری قوم کو اپنا دشمن بنا کر مصائب کو دعوت دے، دوسرے یہ کہ اس کی وہ بات سچی ہو۔ وہ اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے، اس کے حکم کی تعمیل میں کسی کی پروا نہیں کرتا۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ مَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ
تو کہہ جو میں نے تم سے مانگا ہو کچھ بدلہ سو وہ تم ہی رکھو
إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ ۖ
میرا بدلہ ہے اُسی اللہ پر ☆

میں کوئی معاوضہ نہیں مانگتا یعنی میں تم سے اپنی محنت کا کچھ صلہ نہیں چاہتا اگر تمہارے خیال میں کچھ معاوضہ طلب کیا ہو وہ سب تم اپنے پاس رکھو، مجھے ضرورت نہیں میرا صلہ تو خدا کے یہاں ہے تم سے جو چیز طلب کرتا ہوں یعنی ایمان و اسلام وہ صرف تمہارے نفع کی خاطر ہے اس سے میری کوئی غرض نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ کا حق اور بندوں کا حق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معاذؓ کیا تم جانتے ہو اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے حضرت معاذؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول ہی پورا علم ہے فرمایا بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ اسی کی عبادت کریں کسی اور کو اللہ کا شریک نہ قرار دیں اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو شرک نہ کرتا ہو اللہ اس کو عذاب نہ دے، متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن صفا پہاڑی پر چڑھ گئے اور عرب کے دستور کے مطابق یا صباحاہ کہہ کر آواز بلند کی جو علامت تھی کہ کوئی شخص کسی اہم بات کے لئے بلا رہا ہے عادت کے مطابق اسے سنتے ہی لوگ جمع ہو گئے آپ نے فرمایا، سنو اگر میں تمہیں خبر دوں کہ دشمن تمہاری طرف چڑھائی کرنے چلا آ رہا ہے اور عجب نہیں کہ صبح و شام ہی تم پر حملہ کر دے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ سب نے بہ یک زبان جواب دیا کہ ہاں بے شک ہم آپ کو سچا جانیں گے آپ نے فرمایا، سنو میں تمہیں اس عذاب سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے آگے ہے یہ سن کر ابولہب ملعون نے کہا، تیرے ہاتھ ٹوٹیں کیا اسی لئے تو نے ہم سب کو جمع کیا تھا اس پر سورۂ تبت یدا ابی لہب اتری۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ
اور اس کے سامنے ہے ہر چیز

یعنی میری سچائی اور نیت اللہ کے سامنے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّ رَبِّىْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ
تو کہہ میرا رب پھینک رہا ہے سچا دین اور وہ جانتا ہے چھپی چیزیں

حق آ گیا اس سے فائدہ اٹھاؤ:

یعنی اوپر سے وحی اتر رہی اور دین کی بارش ہو رہی ہے موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دو اس سے فائدہ اٹھاؤ جس روز سے اللہ تعالیٰ نے حق کو باطل کے سر پر پھینک کر مار رہا ہے اس سے اندازہ کرو کہ باطل کہاں ٹھہر سکے گا ضرور ہے ملیامیٹ ہو کر رہے اور آفاق میں دین حق کا ڈنکا بجے اس علام الغیوب نے خوب دیکھ بھال کر عین موقع پر حق کو باطل کا سر کچلنے کے لئے بھیجا ہے۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ (تفسیر عثمانی)

ہر گھر تک اسلام پہنچ کر رہے گا:

امام احمد کی روایت ہے کہ حضرت مقدادؓ نے بیان کیا میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے روئے زمین پر کوئی گھر مٹی کا ہو یا اون (کا خیمہ) ایسا نہ بچے گا جس کے اندر اللہ کلمۂ اسلام داخل نہ کر دے خواہ عزت والے کو عزت کے ساتھ یا ذلیل کو ذلت کے ساتھ یعنی جو لوگ قبول کر لیں گے اللہ ان کو عزت والا کر دے گا جو نہیں مانیں گے ان کو ذلیل کر دے گا اور (ذلیل ہو کر) وہ کلمۂ اسلام کی اطاعت کریں گے۔

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ہی چھپی باتوں کو خوب جاننے والا ہے یعنی وہی جانتا ہے کہ دین کی رسالت کے لئے منتخب ہونے کا اہل کون ہے اور وہی واقف ہے کہ انجام کار یہ ہو گا اطراف عالم میں کفر کو مغلوب اور اسلام کو غالب کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ
تو کہہ آیا دین سچا اور جھوٹ تو کسی چیز کو نہ پیدا کرے اور نہ پھیر کر لائے

باطل حق کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا:

یعنی دین حق آ پہنچا جب اس کا زور ہے اب نہیں جب پرغالب ہو کر باطل کو زیر کر دے گا جھوٹ سے پاس اب جو حق کے سامنے چل سکے وہ تو اب کرنے کا نہ دھرنے کا سمجھو کہ یہ سوچ فتح مکہ کے دن یہ آیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر تھی۔ (تفسیر عثمانی)

دوسری آیت میں آتا ہے بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ قتادہ نے کہا باطل سے مراد ابلیس ہے جو نہ کسی کی ابتدائی تخلیق کرتا ہے نہ دوبارہ قبروں سے اٹھائے گا یہی قول ہے بعض کے نزدیک باطل سے بت مراد ہیں۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِىْ
تو کہہ اگر میں بہکا ہوا ہوں تو بہکوں گا اپنے ہی نقصان کو
وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِىْٓ اِلَىَّ رَبِّىْ
اور اگر میں سیدھے رستہ پر ہوں تو سبب اس کا ہے جو بھیجتا ہے مجھ کو میرا رب
اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ
بے شک وہ سب کچھ سنتا ہے نزدیک ہے

اگر میں جھوٹا ہوں تو جھوٹ زیادہ دیر نہیں چل سکتا:

یعنی اگر میں نے یہ ڈھونگ خود کھڑا کیا ہے تو کے دن چلے گا اس میں آخر میرا ہی نقصان ہے دنیا کی عداوت مول لینا، ذلت اٹھانا اور آخرت کی رسوائی قبول کرنا (العیاذ باللہ) لیکن اگر میں سیدھے راستہ پر ہوں جیسا کہ واقعی ہوں تو سمجھو کہ یہ سب اللہ کی تائید و امداد اور وحی الٰہی کی برکت و ہدایت سے ہے جو کسی وقت میرا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی میرا خدا سب کچھ سنتا ہے اور بالکل نزدیک ہے وہ ہمیشہ میری مدد فرمائے گا اور اپنے پیغام کو دنیا میں روشن کرے گا تم مانو یا نہ مانو۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی جو دین میں نے اختیار کیا ہے اگر وہ گمراہی ہے تو گمراہی کا وبال مجھی پر پڑے گا اور ظاہر ہے کہ میں دیوانہ نہیں نہ اس سے مجھے کوئی دنیوی فائدہ حاصل ہوگا پھر گمراہی کے راستہ کو میں اپنے لئے کیسے اختیار کر سکتا ہوں اور اگر یہ دین (تفسیر مظہری)

ہدایت ہے تو میری طرف سے نہیں کہ (یعنی میرا ساختہ پرداختہ نہیں ہے) نہ اس شہر میں میں نے کسی سے سیکھا ہے کیوں کہ میرا امّی ہونا ظاہر ہے نہ مجھے لکھنا آتا ہے نہ پڑھنا (میں لکھا پڑھا نہیں ہوں) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دین خدا کا بھیجا ہوا ہے اور اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے اس لئے تم کو بھی میرے طریقہ پر چلنا چاہئے تاکہ جس طرح میں نے ہدایت پائی تم بھی ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا
اور کبھی تو دیکھے جب یہ گھبرا ئیں پھر نہ بچیں بھاگ کر اور پکڑے ہوئے آئیں
مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۙ
نزدیک جگہ سے ☆

ان کی پکڑ کا وقت قریب ہے:

یعنی یہ کفار یہاں ڈینگیں مارتے ہیں مگر وہ وقت عجیب قابل دید ہوگا جب یہ لوگ محشر کا ہولناک منظر دیکھ کر گھبرائیں گے اور کہیں بھاگ نہ سکیں گے اس وقت گرفتاری کے لئے کہیں دور سے ان کو تلاش کرنا نہ پڑے گا بلکہ نہایت آسانی سے فوراً جہاں کے تہاں گرفتار کرلئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ حال روز حشر کا ہے کہ کفار خوف زدہ گھبرا کر بھاگنا چاہیں گے تو چھوٹ نہ سکیں گے اور یہ بھی نہ ہوگا جیسے دنیا میں کوئی مجرم بھاگ جائے تو اس کو تلاش کرنا پڑتا ہے بلکہ سب کے سب اپنی ہی جگہ میں گرفتار کرلئے جائیں گے کسی کو بھاگ نکلنے کا موقع نہ ملے گا بعض حضرات نے اس کو وقت نزع اور موت کا حال قرار دیا ہے کہ جب موت کا وقت آجائے گا اور ان پر گھبراہٹ طاری ہوگی تو فرشتوں کے ہاتھ سے چھوٹ نہ سکیں گے اور وہیں اپنی جگہ سے روح قبض کر کے پکڑ لئے جائیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ
اور کہنے لگیں ہم نے اس کو یقین مان لیا اور اب کہاں ان کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے
مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۚ
بعید جگہ سے ☆

اُس وقت کا ایمان بھی کام نہ آئے گا:

یعنی اس وقت کہیں گے کہ ہمیں پیغمبر کی باتوں پر یقین آگیا اب ہم ایمان لاتے ہیں حالانکہ اب ایمان کیسا؟ وہ موقع دور گیا جب ایمان لا کر اپنے کو بچا سکتے تھے اب ان کا ہاتھ اتنی دور کہاں پہنچ سکتا ہے جو وہاں سے ایمان کو اٹھا لائیں۔ مطلب یہ کہ ایمان مقبول و منجی وہ ہے جو موت سے پہلے اس دنیا میں حاصل ہو آخرت میں تو آنکھوں سے دیکھ کر سب ہی کو یقین آجائے گا اس میں کیا کمال ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ اور وہ کہیں گے ہم اس پر (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) ایمان لے آئے اور بدر کے دن کافروں نے امنا بہ نہیں کہا تھا بلکہ ابوجہل جب زخمی ہو کر گرا پڑا تھا آخری سانس باقی تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کی داڑھی پکڑ کر کہا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے دشمن خدا کو رسوا کیا ابوجہل نے کہا میری رسوائی کس طرح ہوئی کیا جس شخص کو اس کی قوم والے ہی قتل کردیں اس کی رسوائی ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کفار دنیا کی طرف واپسی کی درخواست کریں گے لیکن دور کے مقام یعنی آخرت سے دنیا میں ان کا لوٹنا کہاں ہو سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ
اور اس سے منکر رہے پہلے سے اور پھینکتے رہے
بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۚ
بن دیکھے نشانہ پر دور کی جگہ سے ☆

اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا:

یعنی پہلے جب ایمان لانے کا وقت تھا انکار پر تلے رہے اور یوں ہی اٹکل کے تیر چلاتے رہے دنیا میں رہ کر ہمیشہ سب تحقیقی باتوں کو قبول نہ کیا، اب پچھتانے سے کیا حاصل؟ (تفسیر عثمانی)

مجاہد نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کو انہوں نے بلا تحقیق نشانہ بنا رکھا تھا شاعر کہتے تھے جادوگر کہتے تھے، بہت بڑا دروغ گو کہتے تھے، یہی بالغیب سے یہی مراد ہے قتادہ نے کہا وہ اپنے گمان کے تیر چلاتے تھے ان کا قول تھا کہ نہ قیامت ہوگی نہ جنت نہ دوزخ۔ (تفسیر مظہری)

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ
اور رکاوٹ پڑ گئی ان میں اور ان کی آرزو میں ☆

اب دنیا میں واپسی نہیں ہوگی:

یعنی جس چیز کی آرزو رکھتے ہیں مثلاً ایمان مقبول یا نجات یا دنیا کی طرف واپس جانا یا دنیوی لذتیں اور عیش و آرام، ان چیزوں کے اور ان کفار کے درمیان سخت روک قائم کردے گی کبھی ان تک نہیں پہنچ سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک بنی اسرائیلی نوجوان کا عجیب واقعہ:

ابن ابی حاتم نے یہاں پر عجیب و غریب اثر نقل کیا ہے جسے ہم پورا ہی نقل کرتے ہیں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنو اسرائیل میں ایک فاتح شخص تھا جس کے پاس مال بہت تھا جب وہ مر گیا اور اس کا لڑکا اس کا وارث ہوا تو بری طرح نافرمانیوں میں مال لٹانے لگا اس کے چچاؤں نے اسے ملامت کی اور سمجھایا اس نے غصے میں آکر سب چیزیں بیچ کر روپے لے کر عین ثجاجہ کے پاس آکر ایک محل تعمیر کرا کر یہاں رہنے لگا ایک روز زور کی آندھی اٹھی جس میں ایک بہت خوبصورت خوش رو عورت اس کے پاس آپڑی، اس نے اس سے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا بنی اسرائیلی شخص ہوں کہا یہ محل اور مال آپ ہی کا ہے؟ اس نے کہا ہاں پوچھا آپ کی بیوی بھی ہے؟ کہا، نہیں، کہا پھر تم اپنی زندگی کا لطف کیا اٹھاتے ہو؟ اب اس نے

پوچھا کہ کیا تمہارا خاوند ہے اس نے کہا نہیں کہا پھر مجھے قبول [illegible] اس نے جواب دیا میں یہاں سے میل بھر دور رہتی ہوں کل تم یہاں سے اپنے ساتھ ان بھر کا کھانا پینا لے کر چلو اور میرے ہاں آؤ راستے میں جو عجائبات دیکھو تو گھبرانا نہیں اس نے قبول کیا اور دوسرے دن توشہ لے کر چلا میل بھر [illegible] ایک نہایت عالی شان محل [illegible] دستک دینے سے ایک خوبصورت نوجوان شخص [illegible] پوچھا آپ [illegible] کیا [illegible] یہاں مکان کی مالکہ نے [illegible] پوچھا راستے میں کچھ ہونے [illegible] بھی دیکھیں؟ جواب دیا ہاں [illegible] مجھے یہ [illegible] مت تو میں [illegible] دہشت سے [illegible] ایک چوڑے راستے پر پہنچ تو دیکھا ایک [illegible] پھوڑنے کھجی سوئی ہے میں تعجب [illegible] دور [illegible] وہ [illegible] (بچے) [illegible] پیٹ میں [illegible] نوجوان نے کہا، تو اسے نہیں پائے گا یہ تو آخر زمانے میں ہونے والی ایک بات کی مثال تجھے دکھائی گئی ہے کہ ایک نوجوان بوڑھے بڑوں کی مجلس میں بیٹھے گا اور ان سے اپنے راز کی پوشیدہ باتیں کرے گا میں اور آگے بڑھا تو دیکھا ایک سو بکریاں ہیں جن کے تھن دودھ سے پر ہیں ایک ہے جو دودھ پی رہا ہے جب [illegible] ہو جاتا ہے اور وہ چوس لیتا ہے [illegible] کچھ باقی نہیں رہا تو وہ منہ کھول دیتا ہے گویا اور مانگ رہا ہے اس نوجوان دربان نے کہا اسے بھی نہیں پائے گا یہ مثال تجھے بتلائی گئی ہے ان بادشاہوں کی جو آخر زمانے میں آئیں گے لوگوں سے سونا چاندی گھسیٹیں گے یہاں تک کہ سمجھ لیں گے کہ اب کسی کے پاس کچھ نہیں [illegible] ہی [illegible] پھیلائے رہیں گے اس نے کہا میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک درخت ہے نہایت تر و تازہ، خوش رنگ اور خوش وضع میں نے اس کی ایک ٹہنی توڑنی چاہی تو دوسرے درخت سے آواز آئی کہ اے بندۂ خدا میری ڈالی توڑ جا پھر تو ہر ایک درخت سے یہی آواز آنے لگی دربان نے کہا تو اسے بھی نہ پائے گا اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت ہو جائے گی یہاں تک [illegible] مرد کی طرف سے عورت کو پیغام جائے گا تو دس بیس عورتیں [illegible] بتیں گی [illegible] میں اور آگے بڑھا تو میں نے دیکھا [illegible] ایک شخص کھڑا ہوا ہے اور لوگوں کو پانی بھر بھر [illegible] لیکن اس میں ایک قطرہ بھی نہیں ٹھہرتا دربان نے کہا تو اسے بھی نہیں پائے گا اس میں اشارہ ہے کہ آخر زمانے میں ایسے علماء اور واعظین ہوں گے جو لوگوں کو علم سکھائیں گے بھی باتیں بتلائیں گے لیکن خود عامل نہیں ہوں گے بلکہ خود [illegible] رہیں گے پھر جو میں آگے بڑھا تو میں نے دیکھا کہ ایک بکری ہے بعض لوگوں نے اس کے پاؤں پکڑ رکھے ہیں بعضوں نے دم تھام رکھی ہے بعضوں نے [illegible] رکھے ہیں بعض اس پر سوار ہیں اور بعض اس کا دودھ دوہ رہے ہیں اس نے [illegible] ہے دنیا کی جو اس کے پیر تھامے ہوئے ہیں یہ تو وہ ہیں جو دنیا سے گر گئے جنہیں [illegible] ملی جس نے سینگ تھام رکھے ہیں یہ وہ ہے جو اپنا گزارہ کر لیتا ہے لیکن تنگی ترشی سے دم پکڑنے والے وہ ہیں جن سے دنیا بھاگ چھوٹی ہے سوار وہ ہیں جو [illegible]

دنیا [illegible] فرمائیے [illegible] جن کا [illegible] دیکھا [illegible] چلا تو دیکھا کہ ایک شخص ایک کنوئیں سے پانی کھینچ رہا ہے اور ایک حوض میں [illegible] رہا ہے جس حوض میں سے پانی [illegible] [illegible] جو نیک عمل [illegible] میں قبول [illegible] ایک شخص [illegible] میں [illegible] وقت نیک [illegible] بہت [illegible] [illegible] وہ شخص ہے جس کی نیکیاں مقبول ہو جاتی ہیں [illegible] میں اور آگے بڑھا تو دیکھا کہ ایک شخص چت لیٹا ہے [illegible] ہاتھ پکڑ کر اٹھا دو واللہ جب سے میں پیدا ہوا ہوں [illegible] ہی [illegible] کھڑا ہو کر تیز دوڑا یہاں تک کہ میری نظروں سے پوشیدہ [illegible] یہ تیری عمر تھی جو جا چکی اور ختم ہوگئی میں ملک الموت ہوں اور جس عورت سے تو ملنے [illegible] ہے اس کی صورت میں بھی میں ہی تھا خدا کے حکم سے [illegible] روح اس جگہ قبض کروں پھر تجھے جہنم رسید کروں اس کے بارے میں یہ آیت اتری [illegible] اور اس کی صحت میں بھی نظر ہے۔

کافروں کی روح دنیاوی لذتوں میں اٹکی رہتی ہے۔

آیت کا مطلب ظاہر ہے [illegible] خواہش کے اور ان کے [illegible] مفتون کا حال ہوا کہ گیا تو عورت [illegible] موت سے امید پوری ہو اس سے پہلے روح پرواز کر گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِم مِّن قَبْلُ ۚ إِنَّهُمْ
[illegible]
كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ
[illegible]

[illegible] کا انجام [illegible]

[illegible] ان سے [illegible] میں گھرے ہوئے تھے جو کسی طرح ان کو چین نہ لینے دیتا تھا۔ [illegible]

تحقیق [illegible] دنیا میں تھے تو [illegible] شک میں غرق تھے کہ جو ان کو چین نہیں لینے دیتا تھا۔ اللہ اور رسول کی ہر بات میں ان کو شک رہتا تھا اب جبکہ خدا اور رسول کی باتوں اور خبروں کو آنکھوں سے دیکھ لیا اور پردہ اٹھ گیا تو ایمان کی باتیں کرنے لگے جب ایمان کا وقت تھا تو سخت شک اور اضطراب میں پڑے رہے لہٰذا اب ایمان قبول نہ ہوگا۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

سورة فاطر

جس نے خواب میں اس سورت کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اللہ عزوجل کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جنت میں اس کے لیے ولی ہوگا۔

(ابن سیرین رحمۃ اللہ)

سورۂ فاطر مکہ میں نازل ہوئی اس میں پینتالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
سب خوبی اللہ کو ہے جس نے بنا نکالے آسمان اور زمین

بغیر نمونہ کے بنانے والا

یعنی آسمان و زمین کو ابتداءً عدم سے نکال کر وجود میں لایا پہلے سے کوئی نمونہ اور تخلیق کا قانون موجود نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام حمد (ستائش) اسی اللہ کو زیبا ہے جو آسمانوں کو زمین کو عدم کا پردہ پھاڑ کر وجود میں لانے والا ہے۔ یعنی سب کا خالق ہے بغیر سابق مثال کے ایجاد کرنے والا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فطر کا معنیٰ:

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں فطر کے بالکل ٹھیک معنی میں نے سب سے پہلے ایک عربی کی زبانی سن کر معلوم کئے وہ اپنے ایک ساتھی اعرابی سے جھگڑتا ہوا آیا ایک کنویں کے بارے میں ان کا اختلاف تھا تو اعرابی نے کہا انا فطرتها یعنی پہلے پہل میں نے ہی اُسے بنایا ہے پس معنی یہ ہوئے کہ ابتداءً بے نمونہ صرف اپنی قدرتِ کاملہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان کو پیدا کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا
جس نے ٹھہرایا فرشتوں کو پیغام لانے والے ☆

فرشتوں کی مصروفیات:

یعنی فرشتے انبیاء کے پاس اللہ کا پیغام لاتے ہیں اور بعض دوسرے جسمانی وروحانی نظام کی تدبیر وتشکیل پر مامور ہیں۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ رسول سے مراد اس جگہ واسطہ ہو اللہ تعالیٰ اور اس کی عام مخلوقات کے درمیان جن میں انبیاء علیہم السلام سب سے افضل واعلیٰ ہیں، ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان بھی وحی کا واسطہ بنتے ہیں اور عام مخلوقات تک اللہ تعالیٰ کی رحمت یا عذاب پہنچانے کا بھی واسطہ فرشتے ہی ہوتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ
جن کے پر ہیں دو دو اور تین تین اور چار چار

فرشتوں کی ساخت:

یعنی بعض فرشتوں کے دو بازو (یا دو پر) بعض کے تین بعض کے چار ہیں، ان بازوؤں اور پروں کی کیفیت کو اللہ ہی جانتا ہے جس نے دیکھے ہوں وہ کچھ بتا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کے یہ بازو ان کی خلقت کے مناسب ہیں جیسے ان کی خلقت نورانی ہے اسی طرح ان کے بازو بھی نورانی ہیں اور اصل حقیقت اور کیفیت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پیغمبرانِ خدا کے پیغمبر جنہوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے وہی کچھ ان کا حال بتا سکتے ہیں فلسفی اور سائنسدان دائرۂ محسوسات میں صرف اتنا جانتے ہیں کہ کبوتر کے دو بازو ہیں اور دو پر ہیں جن سے وہ ہوا میں اڑتا ہے مگر کس طرح اڑتا ہے اور اس کے طیران (اڑنے کی) حقیقت اور کیفیت کیا ہے یہ بیان نہیں کر سکتا۔ (معارف کاندھلوی)

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پر والے بازو عطا فرمائے ہیں، جن سے وہ اڑ سکتے ہیں حکمت اس کی ظاہر ہے کہ وہ آسمان سے زمین تک کی مسافت بار بار طے کرتے ہیں، یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ان کو سرعتِ سیر کی قوت عطا کی جائے اور وہ اڑنے ہی کی صورت میں ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

جبرئیل علیہ السلام کے پر:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ المعراج میں حضرت جبرئیل کو دیکھا ان کے چھ سو پر تھے اور ہر دو پر کے درمیان مشرق ومغرب جتنا فاصلہ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ
بڑھا دیتا ہے پیدائش میں جو چاہے
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
بیشک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ جس مخلوق میں جو عضو اور جو صفت چاہے اپنی حکمت کے موافق بڑھا دے فرشتوں کے دو، تین، چار بازو (یا پر) اُسی نے بنائے چاہے

تو بعض فرشتوں کے چار سے زیادہ بنادے چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے چھ سو بازو (یا پر) ہیں اور جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا سے یہ مت سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کچھ ان وسائط کا محتاج ہے ہرگز نہیں، وہ بذاتِ خود ہر چیز پر قادر ہے محض حکمت کی بناء پر یہ اسباب و وسائط کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

سر سید احمد خان کی غلط فہمی:

(اطلاع) جاننا چاہئے کہ ملائکہ کا وجود قرآن اور حدیث سے صراحۃً ثابت ہے مگر خان بہادر سر سید علی گڑھی اپنی تفسیر میں شد و مد سے وجود ملائکہ اور وجود شیاطین کا منکر ہے اور آیات قرآنیہ میں عجیب عجیب تاویلیں کرتا ہے سر سید نے ملائکہ اور شیاطین کے بارہ میں جو تحریفات کی ہیں ان کو مولانا عبد الحق صاحب دہلوی نے اپنی تفسیر حقانی کے مقدمہ میں نقل کر کے ان کا ہذیان اور بکواس ہونا ثابت کیا ہے ناظرین کرام مقدمہ تفسیر حقانی جو تفسیر کے ساتھ چھپا ہوا ہے از ص ۳۰ تا ص ۶۰ ملاحظہ کریں، واللہ یہدی الی سواء الطریق۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ
جو کچھ کہ کھول دے اللہ لوگوں پر
رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ
رحمت میں سے تو کوئی نہیں اس کو روکنے والا ☆

اللہ کی رحمت کو کوئی نہیں روک سکتا:

رحمت جسمانی ہو مثلاً بارش، روزی وغیرہ یا روحانی جیسے انزال کتب وارسال رُسُل، غرض اللہ جب لوگوں پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے، کون ہے جو بند کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں:

نماز فرض کے سلام کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ یہ کلمات پڑھتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ اور صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ [illegible] اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ اَللّٰهُمَّ اَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ

اسی آیت جیسی آیت وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ الخ اور بھی اس کی نظیر کی آیتیں بہت سی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بارش کے وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل:

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جب بارش ہوتے دیکھتے تو فرمایا کرتے تھے مُطِرْنَا بِنَوْءِ الْفَتْحِ اور پھر آیت مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ پڑھتے تھے، یہ عرب کے باطل خیالات کی تردید ہے، جو بارش کو خاص خاص ستاروں کی طرف منسوب کر کے کہا کرتے کہ ہمیں یہ بارش فلاں ستارے کی وجہ سے ملی ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بارش آیت فتح سے ملی ہے، مراد آیت فتح سے یہی مذکورہ آیت ہے جس کو وہ ایسے وقت تلاوت فرمایا کرتے (رواہ مالک فی المؤطا) (معارف القرآن مفتی اعظم)

وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ
اور جو کچھ روک رکھے تو کوئی نہیں اس کو بھیجنے والا اس کے
بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
سوائے اور وہی ہے زبردست حکمتوں والا ☆

یعنی اپنی حکمت بالغہ کے موافق جو کچھ کرنا چاہے فوراً کر گذرے ایسا زبردست ہے جسے کوئی نہیں روک سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۭ هَلْ
اے لوگو یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر کیا
مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ
کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوائے روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے
وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ڮ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝
اور زمین سے کوئی حاکم نہیں مگر وہ پھر کہاں الٹے جاتے ہو ☆

معبود حقیقی صرف اللہ ہی ہے:

یعنی مانتے ہو کہ پیدا کرنا اور روزی کے سامان بہم پہنچا کر زندہ رکھنا سب اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہے پھر معبودیت کا استحقاق کسی دوسرے کو کدھر سے ہو گیا جو خالق و رازق حقیقی ہے وہی معبود ہونا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان و زمین۔

[illegible]

[illegible]

زمین بمنزلہ عورت کے ہے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور زمین اس کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اسی طرح سمجھو کہ علوی اور سفلی کے امتزاج سے رزق پیدا ہوتا ہے یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے آسمان بمنزلہ فاعل کے ہے اور زمین بمنزلہ قابل کے ہے اور زمین کے ثمرات بمنزلہ اولاد کے ہیں جس کا اصل سرچشمہ آسمان ہے۔ کما قال تعالیٰ فِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ (معارف کاندھلوی)

وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ
اور اگر تجھ کو جھٹلائیں تو جھٹلائے گئے ہیں کتنے رسول
مِّن قَبْلِكَ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤﴾
تجھ سے پہلے اور اللہ تک پہنچتے ہیں سب کام ۔

متعصب ہمیشہ رہے ہیں:

یعنی اس قدر سمجھانے اور حجت تمام کرنے کے بعد بھی یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلائیں تو غم نہ کیجئے، انبیاء سابقین کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہو چکا ہے کوئی انوکھی بات نہیں متعصب اور ضدی لوگ کبھی اپنی بات سے باز نہیں آتے ایسوں کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے، وہیں پہنچ کر سب باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا
اے لوگو بیشک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے سو نہ
تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ
بہکائے تم کو دنیا کی زندگانی اور نہ دغا دے تم کو اللہ کے نام سے
الْغَرُورُ ﴿٥﴾ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ
وہ دغاباز، تحقیق شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی سمجھ رکھو اس کو دشمن
إِنَّمَا يَدْعُو حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿٦﴾
وہ تو بلاتا ہے اپنے گروہ کو اسی واسطے کہ ہوں دوزخ والوں میں۔

شیطان سے بچنا ضروری ہے:

یعنی قیامت آنی ہے اور یقیناً سب کو اللہ تعالیٰ کی بڑی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ یہاں دنیا کی ٹیپ ٹاپ اور فانی عیش و بہار پر نہ بھولو اور اس مشہور دغاباز شیطان کے دھوکے میں مت آؤ [illegible] کبھی اچھا مشورہ نہ دیگا۔ [illegible] چھوڑ [illegible] رہے گا۔ چاہیے کہ تم [illegible]

ہم تیری مکاری کے جال میں پھنسنے والے نہیں۔ خوب سمجھتے ہیں کہ تو دوستی کے لباس میں بھی دشمنی کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

محبت کا تقاضا:

اپنے تمام احوال میں اس کے وسوسہ سے بچتے رہو اس کا کہنا نہ مانو اس کی مرضی کے خلاف محض اللہ کی اطاعت کرو، محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب جس کام کو پسند کرے وہی کیا جائے تاکہ اس کی رضامندی حاصل ہو اور دشمنی کا تقاضا ہے کہ جو کام دشمن کو پسند ہو وہ نہ کیا جائے اور اس کو غصہ کی آگ میں جلایا جائے۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَالَّذِينَ
جو منکر ہوئے اُن کو سخت عذاب ہے اور جو
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ
یقین لائے اور کیے بھلے کام اُن کیلئے ہے معافی اور بڑا ثواب
كَبِيرٌ ﴿٧﴾ أَفَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ۖ
بھلا ایک شخص کہ بھلی سمجھائی گئی اس کو اس کے کام کی برائی پھر دیکھا اس نے اس کو بھلا
فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ ۖ
سو اللہ بھٹکاتا ہے جس کو چاہے اور سمجھاتا ہے جس کو چاہے
فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۚ
سو تیرا جی نہ جاتا رہے ان پر پچھتا پچھتا کر
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٨﴾
اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہیں ☆

نیک و بد برابر نہیں ہیں اللہ سب سے نمٹ لے گا:

یعنی شیطان نے جس کی نگاہ میں برے کام کو بھلا کر دکھایا، کیا وہ شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو خدا کے فضل سے بھلے برے کی تمیز رکھتا ہے، نیکی کو نیکی اور بدی کو بدی سمجھتا ہے؟ جب دونوں برابر نہیں ہو سکتے تو انجام دونوں کا یکساں کیونکر ہو سکتا ہے اور یہ خیال نہ کرو کہ کوئی آدمی دیکھتی آنکھوں برائی کو بھلائی کیونکر سمجھ لے گا۔ اللہ جس کو سوء استعداد اور سوء اختیار کی بنا پر بھٹکانا چاہے اس کی عقل اسی طرح اوندھی ہو جاتی ہے اور جس کو حسن استعداد اور حسن اختیار کی وجہ سے ہدایت پر لانا چاہے تب کسی شیطان کی طاقت نہیں کہ جو اسے غلط راستے پر ڈال سکے یہ اپنی بات بجا ہے۔ بہرحال جو شخص شیطانی اغواء سے برائی کو بھلائی، بدی کو نیکی

اور زہر کو تریاق سمجھے ہوئے ہیں ان کے سیدھے راستہ پر آنے کی کچھ توقع ہو سکتی ہے؟ جب نہیں ہو سکتی اور سلسلہ ہدایت و ضلالت کا سب اللہ کی مشیت و حکمت کے تابع ہے تو آپ ان معاندین کے غم میں اپنے کو کیوں گھلاتے ہیں۔ ان حسرت میں کہ یہ بدبخت اپنے فائدہ کی بات کیوں قبول نہیں کرتے کیا آپ اپنی جان دے بیٹھیں گے۔ آپ ان کا قصہ ایک طرف کیجئے۔ اللہ ان کے سب کرتوت جانتا ہے وہ خود ان کا بھگتان کرا دے گا۔ آپ دلگیر و غمگین نہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: جبیر نے بوساطت ضحاک حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی اے اللہ اپنے دین کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام (کے ایمان) سے غلبہ عطا فرما چنانچہ اللہ نے حضرت عمر کو ایمان کی توفیق عنایت کر دی اور ابو جہل کو گمراہ چھوڑ دیا ان ہی دونوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا
اور اللہ ہے جس نے چلائی ہیں ہوائیں پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل
فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ
پھر ہانک لے گئے ہم اس کو ایک مردہ دیس کی طرف پھر زندہ کر دیا
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ
ہم نے اس سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد اسی طرح ہو گا جی اٹھنا

اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کریں گے:

اللہ کے حکم سے ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور جس ملک کا رقبہ مردہ پڑا تھا یعنی کھیتی وغیرہ کچھ نہ تھا۔ چاروں طرف خاک اڑ رہی تھی۔ بارش کے پانی سے اس میں جان پڑ جاتی ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تم کو بھی مرے پیچھے جلا کر کھڑا کر دے گا۔ روایات میں ہے کہ جب اللہ مردوں کو زندہ کرنا چاہے گا عرش کے نیچے سے ایک (خاص قسم کی) بارش ہو گی جس کا پانی پڑتے ہی مردے اس طرح جی اٹھیں گے جیسے ظاہری بارش ہونے پر دانہ زمین سے اُگ آتا ہے۔ مزید تفصیل روایت میں پہلے گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُردوں کے زندہ ہونے کی کیفیت:

حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے مسلم نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں بعث کی کیفیت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے پھر اللہ ایک بارش شبنم کی طرح بھیجے گا جس کی وجہ سے اجسام اُگیں گے۔ الحدیث

ابوالشیخ نے العظمت میں وہب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بحر مسجور (مسجور سمندر) کی ابتداء اللہ کے علم میں ہو گی اور اس کا آخر (کنارہ) اللہ کے ارادہ میں ہو گا اس کے اندر مادہ منویہ کی طرح گاڑھا پانی ہو گا جس کو رجفہ اور رادفہ (زمین کے دو زلزلے) کے درمیان اللہ برسائے گا جس سے جسم اس طرح اُگیں گے جس طرح سیلابی مٹی سے سبزہ اُگتا ہے پھر مسلمانوں کی روحوں کو جنت سے (لاکر) اور کافروں کی روحوں کو دوزخ سے (لاکر) صور میں رکھا جائے گا ان کو صور میں حفاظت سے رکھ کر اسرافیل صور میں پھونکیں گے جس سے ہر روح اپنے بدن میں داخل ہو جائے گی۔ الحدیث (تفسیر مظہری)

صحیح حدیث میں ہے انسان تمام کا تمام گل سڑ جاتا ہے لیکن ریڑھ کی ہڈی نہیں گلتی اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے ترکیب دیا جائے گا۔ یہاں بھی نشان بتا دیا کہ اسی طرح موت کے بعد زندگی ہے۔ (ابن کثیر)

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِیْعًا ؕ
جس کو چاہیے عزت تو اللہ کے لیے ہے ساری عزت

عزت ذلت کا مالک اللہ ہے:

کفار نے دوسرے معبود اس لئے ٹھہرائے تھے کہ اللہ کے ہاں ان کی عزت ہو۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۙ (مریم، رکوع ۵) اور بہت لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرتے تھے تاکہ ان سے اپنی عزت قائم رہے۔ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا (نساء، رکوع ۲۰) اس قسم کے لوگوں کو تنبیہ کی کہ جو شخص دنیا و آخرت کی عزت چاہے، چاہیے کہ اللہ سے طلب کرے۔ عزت کا مالک تو وہ ہے۔ اسی کی فرمانبرداری اور وفاداری سے اصلی عزت میسر آتی ہے۔ تمام عزتوں کا مالک وہی اکیلا ہے۔ جس کو عزت ملی یا ملے گی اسی کے خزانہ سے ملی ہے یا ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ
اس کی طرف چڑھتا ہے کلام ستھرا

عمدہ کلام:

عمدہ کلام سے مراد ہے ذکر اللہ، دعا، تلاوت قرآن، علم و نصیحت کی باتیں، یہ سب چیزیں بارگاہ رب العزت کی طرف چڑھتی ہیں اور قبول و التفات کی عزت حاصل کرتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پاک کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف کیسے چڑھتے ہیں

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جو شخص پانچ کلمات سبحان اللہ والحمد

بِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ واللّٰهُ اَكْبَرُ وَتَبَارَكَ اللّٰهُ کہتا ہے۔ کوئی ایک فرشتہ ان کو فوراً لے کر اپنے پروں کے نیچے چھپا کر اور چڑھ جاتا ہے اور ملائکہ جس کی جماعت کی طرف سے گذرتا ہے وہ ملائکہ ان کلمات کے قائل کے لیے دعاء مغفرت کرتے ہیں آخر رب العالمین کی بارگاہ میں ان کلمات کو وہ فرشتہ پیش کر دیتا ہے اس کی تصدیق اللہ کی کتاب (کی اس آیت) سے ہوتی ہے اللہ نے فرمایا ہے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔

رواہ البغوی والحاکم وغیرہ، ثعلبی اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس حدیث کو مرفوعاً بیان کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور اللّٰهُ اَكْبَرُ عرش کے اردگرد آہستہ آہستہ آواز نکالتے ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ ہوتی ہے اپنے کہنے والے کا ذکر خدا کے سامنے کرتے رہتے ہیں اور نیک اعمال خزانوں میں محفوظ رہتے ہیں۔

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو لوگ اللہ کا جلال اس کی تسبیح اس کی حمد اس کی بڑائی اس کی وحدانیت کا ذکر کرتے رہتے ہیں، ان کے لئے ان کے یہ کلمات عرش کے آس پاس خدا کے سامنے ان کا ذکر کرتے رہتے ہیں کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی نہ کوئی تمہارا ذکر تمہارے رب کے سامنے کرتا رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ
اور کام نیک اُس کو اٹھا لیتا ہے ☆

پاک کلمات اور عمل صالح دونوں ضروری ہیں:

ستھرے کلام (ذکر اللہ وغیرہ) کا ذاتی اقتضاء ہے اُوپر چڑھنا۔ اس کے ساتھ دوسرے اعمال صالحہ ہوں تو وہ اس کو سہارا دے کر اور زیادہ اُبھارتے اور بلند کرتے رہتے ہیں۔ اچھے کلام کو بدون اچھے کاموں کے پوری رفعت شان حاصل نہیں ہوتی۔ بعض مفسرین نے ''وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ'' کی ضمیروں کا مرجع بدل کر یہ معنی لئے ہیں کہ ستھرا کلام اچھے کام کو اُونچا اور بلند کرتا ہے۔ یہ بھی درست ہے اور بعض نے یرفع کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹائی ہے۔ یعنی اللہ عمل صالح کو بلند کرتا اور معراج قبول پر پہنچاتا ہے بہر حال غرض یہ ہے کہ بھلے کام اور اچھے کلام دونوں عُلو و رفعت کو چاہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ سے عزت کا طالب ہو وہ ان چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کرے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ''یعنی عزت اللہ کے ہاتھ ہے۔ تمہارے ذکر اور بھلے کام چڑھتے جاتے ہیں۔ جب اپنی حد کو پہنچیں گے تب بدی پر (پورا) غلبہ (حاصل) کریں گے۔ کفر دفع ہوگا، اسلام کو عزت ہوگی۔'' مکاروں کے سب داؤ گھات باطل اور بیکار ہو کر رہ جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

بغیر عمل کے ایمان بیکار نہیں:

میں کہتا ہوں آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بغیر عمل کے ایمان ناقابل اعتبار اور بیکار ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جس نے اس بات کی شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی تنہا معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں اور عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول اور اللہ کی بندی کے بیٹے اور کلمۃ اللہ تھے جو اللہ نے مریم کی طرف القاء کیا تھا اور اللہ کی طرف سے روح تھے اور اس بات کی بھی شہادت دی کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو اللہ اس کو جنت میں داخل فرما دے گا اس کے عمل کچھ بھی ہوں رواہ الشیخان فی الصحیحین عن عبادۃ بن الصامت۔

قول بغیر ایمان اور خلوص کے خالی باتیں بے کار ہیں:

منافق کا زبانی قول جو عمل قلبی کے ساتھ نہ ہو اور اعمال اعضاء بھی قول کے خلاف ہوں وہ ناقابل اعتبار اور بیکار ہے اسی طرح جو عمل بغیر خلوص نیت کے کیا جائے نہ قلبی عقیدہ عمل کے مطابق ہو نہ اخلاص قلبی اس عمل کے ساتھ ہو وہ بھی قابل قبول نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

قبولیت کی شرط:

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قول کو بغیر عمل کے اور کسی قول و عمل کو بغیر نیت کے اور کسی قول و عمل اور نیت کو بغیر مطابقت سنت کے قبول نہیں کرتا۔ (قرطبی)

اس سے معلوم ہوا کہ مکمل قبولیت کی شرط سنت کے مطابق ہونا ہے، اگر قول بھی عمل بھی اور نیت بھی، یہ سب درست بھی ہوں مگر طریقہ عمل سنت کے مطابق نہ ہو تو قبولیت تامہ حاصل نہیں ہوگی۔

حقیقت یہی ہے کہ جس طرح صرف کلمہ توحید اور تسبیحات بغیر عمل صالح کے کافی نہیں اسی طرح عمل صالح اور امر و نواہی کی پابندی بھی بغیر کثرت ذکر اللہ کے بے رونق رہتی ہے، ذکر اللہ کی کثرت ہی اعمال صالحہ کو مزین کر کے قابل قبول بناتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

''صعود'' اور ''رفع'' کا فرق:

کلمات اور اذکار کا تعلق چونکہ ذات باری تعالیٰ سے ہے ان کا اوپر کو چڑھنا ان کا ذاتی اور طبعی اقتضاء ہے اس لئے ان کے لئے صعود کا لفظ استعمال کیا گیا اور اعمال صالحہ کا تعلق بندہ سے ہے جو سفلی ہے اعمال صالحہ کا اوپر کو چڑھنا ذاتی اور طبعی نہیں بلکہ کسی کے سہارے ہے اس لئے اعمال صالحہ کے لئے لفظ رفع کا استعمال کیا گیا جس کے معنی اوپر اٹھانے کے ہیں جس کیلئے کوئی اٹھانیوالا چاہئے۔ (معارف کاندھلوی)

وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ

اور جو لوگ داؤ میں ہیں برائیوں کے اُن کے لئے سخت عذاب ہے

شَدِيْدٌ ۭ وَمَكْرُ اُولٰۗىِٕكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝

اور اُن کا داؤ ہے ٹوٹنے کا ☆

حق کے مخالف ناکام ہوں گے:

یعنی جو لوگ بری تدبیریں سوچتے اور حق کے خلاف داؤ گھات میں رہتے ہیں آخر ناکام ہو کر خسارہ اٹھائیں گے۔ دیکھو قریش نے ''دارالندوہ'' میں بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کرنے یا قتل کرنے یا وطن سے نکالنے کے مشورے کئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ بدر کے موقع پر وہی لوگ وطن سے نکلے، مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے اور قلیب بدر میں ہمیشہ کے لئے قید کر دیئے گئے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

اور اللہ نے تم کو بنایا مٹی سے پھر بوند پانی سے

ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَمَا تَحْمِلُ

پھر بنایا تم کو جوڑے جوڑے اور نہ پیٹ رہتا ہے

مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ

کسی مادہ کو اور نہ وہ جنتی ہے بن خبر اُسکے ☆

انسان کا توالد و تناسل:

یعنی آدم کو مٹی سے پھر اس کی اولاد کو پانی کی بوند سے پیدا کیا۔ پھر مرد عورت کے جوڑے بنا دیئے جس سے نسل پھیلی۔ اس درمیان میں استقرار حمل سے لے کر بچہ کی پیدائش تک جو ادوار و اطوار گزرے سب کی خبر خدا ہی کو ہے۔ ماں باپ بھی نہیں جانتے کہ اندر کیا کیا صورتیں پیش آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ

اور نہ عمر پاتا ہے کوئی بڑی عمر والا اور نہ گھٹتی ہے

عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

کسی کی عمر مگر لکھا ہے کتاب میں بیشک یہ اللہ پر آسان ہے ☆

ہر ایک کی عمر مقرر ہے، کفر آخر کار مغلوب ہوگا:

یعنی جس کی جتنی عمر ہے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور جو اسباب عمر کے گھٹنے بڑھنے کے ہیں یا یہ کہ کون عمر طبعی کو پہنچے گا کون نہیں، سب اللہ کے علم میں ہے اور اللہ کو ان جزئیات پر احاطہ رکھنا بندوں کی طرح کچھ مشکل نہیں۔ اس کو تو تمام ما کان و ما یکون، جزئی کلی اور غیب وشہادت کا علم ازل سے حاصل ہے۔ اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''ہر کام سہج سہج ہوتا ہے جیسے آدمی کا بننا'' اور اپنی عمر مقدر کو پہنچنا۔ اسی طرح سمجھ لو اسلام بتدریج بڑھے گا اور آخر کار کفر کو مغلوب و مقہور کر کے چھوڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

لوح محفوظ ہر ایک کی عمر کا مفصل اندراج ہوتا ہے:

سعید بن جبیر نے کہا ام الکتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر اتنے سال کی ہوگی پھر اس کے نیچے لکھا ہوتا ہے ایک دن گذر گیا دو دن گذر گئے تین دن گذر گئے اسی طرح پوری عمر کے دن لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور اس طرح عمر ختم ہو جاتی ہے۔

بعض علماء کے نزدیک آیت کا یہ مطلب ہے کہ کسی کی عمر میں بیشی یا کمی نہیں کی جاتی مگر اس کا اندراج (پہلے سے) لوح محفوظ میں ہوتا ہے مثلاً لوح محفوظ میں لکھا ہوتا ہے کہ فلاں شخص کی عمر کتنے سال کی ہوگی پھر بعض نیکیوں کی وجہ سے اس کی عمر بڑھا دی جائے گی یا بعض گناہوں کی وجہ سے اس کی عمر کم کر دی جائے گی یہ سب کچھ لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

زیادتی عمر کے اسباب:

بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو چاہے کہ اس کی روزی اور عمر بڑھے وہ صلہ رحمی کیا کرے، ابن ابی حاتم میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کسی کی اجل آ جانے کے بعد اسے مہلت نہیں ملتی، زیادتی عمر سے مراد نیک اولاد کا ہوتا ہے جس کی دعائیں اسے مرنے کے بعد اس کی قبر میں پہنچتی رہتی ہیں یہی زیادتی عمر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ

اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے پیاس بجھاتا ہے خوشگوار

شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ

اور یہ کھارا کڑوا اور دونوں میں سے کھاتے ہو

لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ

گوشت تازہ اور نکالتے ہو گہنا جس کو پہنتے ہو ☆

غلبہ اسلام کے لطیف اشارے:

اُوپر سے دلائل توحید اور شواہد قدرت بیان ہوتے آ رہے ہیں اسی کے ضمن میں لطیف اشارے اسلام کے غلبہ کی طرف بھی ہوتے جاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی کفر اور اسلام برابر نہیں خدا کفر کو مغلوب ہی کرے گا اگرچہ تم کو دونوں سے فائدہ ملے گا۔ مسلمانوں سے قوت دین اور کافروں سے جزیہ خراج اور گوشت میٹھے کھاری دونوں دریاؤں سے نکلتا ہے یعنی مچھلی۔ اور گہنا (زیور) یعنی موتی، مونگا اور جواہر اکثر کھاری سے نکلتے ہیں" (تفسیر عثانی)

مچھلی کا حکم: اس آیت میں مچھلی کو گوشت کے لفظ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ مچھلی خود بخود حلال گوشت ہے اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، بخلاف دوسرے بری جانوروں کے کہ جب تک ان کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کرو وہ حلال نہیں، مچھلی میں یہ شرط نہیں اس لئے وہ بنا بنایا گوشت ہے۔

موتی کھاری اور میٹھے دونوں طرح کے پانی میں ہوتے ہیں:

حلیہ کے معنی زیور کے ہیں، مراد اس سے موتی ہیں، آیت سے معلوم ہوا کہ موتی جس طرح دریائے شور میں پیدا ہوتے ہیں شیریں دریاؤں میں بھی ہوتے ہیں جو عام شہرت کے خلاف ہے، کیونکہ معروف و مشہور یہی بات ہے کہ موتی دریائے شور (سمندر) میں پیدا ہوتے ہیں۔

مردوں کیلئے موتیوں کا استعمال:

تَلْبَسُوْنَهَا میں صیغہ مذکر استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ موتیوں کا استعمال مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ بخلاف سونے چاندی کے کہ ان کا بطور زیور استعمال کرنا مردوں کے لئے جائز نہیں۔ (روح) (معارف مفتی اعظم)

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا

اور تو دیکھے جہازوں کو اس میں کہ چلتے ہیں پانی کو پھاڑتے

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

تاکہ تلاش کرو اُسکے فضل سے اور تاکہ تم حق مانو ☆

اللہ کا شکر ادا کرو:

اکثر بڑی بڑی تجارتیں جہازوں کے ذریعہ سے ہوتی ہیں، اُن سے جو منافع حاصل ہوں یہ ہی اللہ کا فضل ہے ان تمام انعامات پر انسان کو چاہئے مالک کا شکر ادا کرے۔ (تفسیر عثانی)

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ

رات گھساتا ہے دن میں اور دن گھساتا ہے

فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ

رات میں اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ

ہر ایک چلتا ہے ایک مقرر وعدہ تک ☆

اپنے وقت پر غلبہ ہوگا:

یہ مضمون پہلے کئی جگہ گذر چکا ہے، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں، "یعنی رات دن کی طرح کبھی کفر غالب ہے کبھی اسلام، اور سورج چاند کی طرح ہر چیز کی مدت بندھی ہے دیر سویر نہیں ہوتی۔" حق کا نمایاں غلبہ اپنے وقت پر ہوگا۔ (تفسیر عثانی)

مغرب کے فلاسفروں کا شوشہ:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آفتاب و ماہتاب حسب حکم خداوندی گردش کرتے رہتے ہیں، فلاسفہ مغرب نے ایک شوشہ یہ چھوڑا ہے کہ آفتاب زمین کے گرد نہیں گھومتا بلکہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔

اگر فلاسفہ مغرب کا یہ خیال صحیح ہوتا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے تو لا محالہ زمین کے گھومنے سے قطب ستارہ ضرور متبدل ہوتا رہتا حالانکہ وہ ہمیشہ اپنے حال پر رہتا ہے اور ٹھیک اسی جگہ رہتا ہے جہاں پہلے تھا بلکہ جو لوگ زمین کے شمال اور جنوب میں رہتے ہیں ہر ایک کی جہت متبدل ہو جانی چاہئے حالانکہ تمام سال میں ہم کسی وقت کسی کی جہت کو متبدل نہیں پاتے پس ثابت ہوا کہ زمین کی گردش کا خیال بالکل غلط ہے۔

نیز اگر زمین گردش کرتی تو لازم تھا کہ دریاؤں اور کنوؤں کے پانی منقلب ہو جاتے بلکہ گھڑوں اور کٹوروں کے پانی بھی پلٹ جاتے لہٰذا یہ کہنا

کہ کرۂ زمین آفتاب کے گرد بہت زور سے چکر لگاتا ہے بالکل غلط اور باطل ہے۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
یہ اللہ ہے تمہارا رب اُسی کیلئے بادشاہی ہے اور جن کو تم پکارتے ہو
مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۗ
اُس کے سوائے وہ مالک نہیں کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے ☆

خودساختہ خداؤں کی بے بسی:

یعنی جس کی صفات وشئون اُوپر بیان ہوئیں حقیقت میں یہ ہے تمہارا سچا پروردگار اور کل زمین و آسمان کا بادشاہ، باقی جنہیں تم خدا قرار دے کر پکارتے، وہ مسکین بادشاہ تو کیا ہوتے کھجور کی گٹھلی پر جو باریک جھلی سی ہوتی ہے اُس کے بھی مالک نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ
گر تم اُن کو پکارو سنیں نہیں تمہاری پکار اور اگر
سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۗ
سنیں پہنچیں نہیں تمہارے کام پر
وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۗ
اور قیامت کے دن منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے ☆

خودساختہ خدا بے کار ہیں:

یعنی جن معبودوں کا سہارا ڈھونڈتے ہو وہ تمہاری پکار نہیں سنتے اور توجہ کرتے بھی تو کچھ کام نہ آسکتے بلکہ قیامت کے دن تمہاری مشرکانہ حرکات سے علانیہ بیزاری کا اظہار کرینگے اور بجائے مددگار بننے کے دشمن ثابت ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

انبیاء اور فرشتے مشرکین سے بیزار ہیں:

بتوں میں تو سننے کی صلاحیت ہے ہی نہیں، انبیاء اور فرشتوں میں اگرچہ صلاحیت ہے مگر نہ وہ ہر جگہ موجود ہیں نہ ہر ایک کے کلام کو سنتے ہیں، آگے فرمایا کہ اگر بالفرض وہ سن بھی لیں جیسے فرشتے اور انبیاء، تو پھر بھی وہ تمہاری درخواست پوری نہ کریں گے، کیونکہ ان کی خود قدرت نہیں، اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس سے کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۠
اور کوئی نہ بتلائیگا تجھ کو جیسے بتلائے خبر رکھنے والا ☆

پکی سچی خبر: یعنی اللہ سے زیادہ احوال کون جانے وہ ہی فرماتا ہے کہ یہ شریک غلط ہیں جو کچھ کام نہیں آسکتے ایسی ٹھیک اور پکی باتیں اور کون بتلائیگا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى
اے لوگو تم ہو محتاج اللہ کی طرف
اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ
اور اللہ وہی ہے بے پروا سب تعریفوں والا ☆

سب اللہ کے محتاج ہیں:

یعنی سب لوگ اُسی اللہ کے محتاج ہیں جسے کسی کی احتیاج نہیں کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اُس کی ذات میں جمع ہیں پس وہ ہی مستحق عبادت و استعانت کا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

انسان سب سے زیادہ محتاج ہے:

یعنی وجود، توابع وجود، بقاء وجود، دوزخ سے نجات اور جنت کے ثواب میں تم ہمیشہ اللہ کے محتاج ہو، یوں تو ساری خلائق اللہ کی محتاج ہے لیکن انسان نے باوجود کمزور اور ظالم و جاہل ہونے کے بار امانت اپنے کندھوں پر اٹھایا اس لیے دوسری مخلوق کے مقابلہ میں یہ زیادہ محتاج ہے اس کی احتیاج کی بنسبت باقی مخلوق کی احتیاج درخور اعتنا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ
اگر چاہے تم کو لے جائے اور لے آئے ایک نئی خلقت
وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ
اور یہ بات اللہ پر مشکل نہیں ☆

اللہ تمہاری جگہ دوسری مخلوق لا سکتا ہے:

یعنی تم نہ مانو تو وہ قادر ہے کہ تم کو ہٹا کر دوسری خلقت لا کھڑی کرے جو ہمہ وجوہ اُس کی فرمانبردار اور اطاعت گذار ہو، جیسے آسمانوں پر فرشتے اور ایسا کرنا اللہ کو کچھ مشکل نہیں لیکن اُس کی حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ زمین پر یہ سب سلسلے چلتے رہیں اور آخر میں ہر ایک اپنے نیک و بد عمل کا بدلہ پائے تا اس طرح اُس کی تمام صفات کا ظہور ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ وَاِنْ تَدْعُ
اور نہ اٹھائیگا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا اور اگر پکارے
مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ
کوئی بوجھل اپنا بوجھ بٹانے کو کوئی نہ اٹھائے اس میں سے

شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی
ذرا بھی اگرچہ ہو قرابتی ☆

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا:

یعنی نہ کوئی از خود دوسرے کا بوجھ اپنے سر رکھے گا کہ اُس کے گناہ اپنے اُوپر لے لے اور نہ دوسرے کے پکارنے پر اُس کا کچھ ہاتھ بٹا سکے گا خواہ قریبی رشتہ داری کیوں نہ ہو سب کو نفسی نفسی پڑی ہوگی محض اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ہی سے بیڑا پار ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

کچھ مسلمانوں کے گناہ یہود ونصاریٰ پر ڈالنے کا مطلب

مسلم نے حضرت ابوموسیٰ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ مسلمان پہاڑوں کے برابر گناہ لے کر آئیں گے اللہ ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان کے گناہ یہود ونصاریٰ پر ڈال دے گا۔

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے قیامت کا دن ہوگا تو ہر مسلم کے سامنے ایک مشرک کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا یہ دوزخ سے (بچاؤ کیلئے) تیرا معاوضہ ہے۔

میرے نزدیک ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ امت اسلامیہ سے کافروں نے بعض گناہوں کی بنیاد ڈالی خود بھی ان گناہوں کا ارتکاب کیا اور گناہ کرنے کا ایک طریقہ بھی ایجاد کر دیا آئندہ اقوام وافراد نے ان کی پیروی کی اور ان کے نقش قدم پر چل نکلے، مسلمان بھی ان میں سے بعض گناہوں میں آلودہ ہو گئے لیکن اللہ ان کی مغفرت فرما دے گا مسلمانوں پر یہ اللہ کی مہربانی ہو گی لیکن گناہ کی بنیاد ڈالنے اور طریقہ ایجاد کرنے والوں کو دوہرا عذاب ہوگا خود گناہ کرنے کا اور گناہ کا طریقہ جاری کرنے کا، اس تشریح پر آیت کے لفظ فضع کا مرادی مطلب بطور کنایہ یہ ہوگا کہ ہم کافر کو پوری پوری سزا دیں گے۔

قرابت ورشتہ کا واسطہ نہیں چلے گا:

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں، پڑوسی پڑوسی کے پیچھے پڑ جائے گا، اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا کہ اس سے پوچھ تو سہی کہ اس نے مجھ سے اپنا دروازہ کیوں بند کر لیا تھا۔ کافر مومن کے پیچھے لگ جائے گا اور جو احسان اس نے دنیا میں کئے تھے وہ یاد دلا کر کہے گا کہ آج میں تیرا محتاج ہوں۔ مومن بھی اس کی سفارش کرے گا اور ہو سکتا ہے کہ اس کا عذاب قدرے کم ہو جائے گو جہنم سے چھٹکارا محال ہے، باپ بیٹے کو اپنے احسان جتائے گا اور کہے گا کہ رائی کے دانے برابر مجھے آج اپنی نیکیوں میں سے دے دے وہ کہے گا، ابا! آپ چیز تو تھوڑی سی طلب فرما رہے ہیں لیکن آج تو جو کھٹکا آپ کو ہے وہی مجھے بھی ہے میں تو کچھ بھی نہیں دے سکتا، پھر بیوی کے پاس جائے گا اس سے کہے گا میں نے تیرے ساتھ دنیا میں کیسے سلوک کئے ہیں؟ وہ کہے گی بہت ہی اچھے، یہ کہے گا آج میں تیرا محتاج ہوں، مجھے ایک نیکی دے دے تاکہ عذابوں سے چھوٹ جاؤں، جواب ملے گا کہ سوال تو بہت ہلکا ہے لیکن جس خوف میں تم ہو وہی ڈر مجھے بھی لگا ہوا ہے میں تو کچھ بھی سلوک آج نہیں کر سکتی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
تو تو ڈر سنا دیتا ہے اُن کو جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے
بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ
بن دیکھے اور قائم رکھتے ہیں نماز ☆

ڈرنے والے: یعنی آپ کے ڈرانے سے وہ ہی اپنا رویہ درست کر کے نفع اٹھائے گا جو خدا سے بن دیکھے ڈرتا ہے اور ڈر کر اس کی بندگی میں لگا رہتا ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف ہی نہ ہو، وہ ان دھمکیوں سے کیا متاثر ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفْسِهٖ
اور جو کوئی سنوریگا تو یہی ہے کہ سنوریگا اپنے واسطے کو
وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿١٨﴾
اور اللہ کی طرف ہے سب کو پھر جانا ☆

ہر کسی کا اپنا فائدہ ہے:

یعنی آپ کی نصیحت سن کر جو شخص مان لے اور اپنا حال درست کر لے تو کچھ آپ پر یا خدا پر احسان نہیں بلکہ اسی کا فائدہ ہے اور یہ فائدہ پوری طرح اس وقت ظاہر ہوگا جب سب اللہ کے ہاں لوٹ کر جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ
اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا
وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ
اور نہ اندھیرا اور نہ اُجالا
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ
اور نہ سایہ اور نہ لو
وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ
اور برابر نہیں جیتے اور نہ مُردے ☆

مؤمن اور کافر برابر نہیں:

یعنی مؤمن جس کو اللہ نے دل کی آنکھیں دی ہیں، حق کے اُجالے اور وحی الٰہی کی روشنی میں بے کھٹکے راستہ قطع کرتا ہوا جنت کے باغوں اور رحمت الٰہی کے سایہ میں جا پہنچتا ہے۔ کیا اس کی برابری وہ کافر کر سکے گا جو دل کا اندھا اوہام واہواء کی اندھیریوں میں بھٹکتا ہوا جہنم کی آگ اور اس کی جھلس دینے والی لوؤں کی طرف بے تحاشا چلا جا رہا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسا ہو تو یوں سمجھو کہ مردہ اور زندہ برابر ہو گیا۔ فی الحقیقت مؤمن و کافر میں اس سے بھی زیادہ تفاوت ہے جو ایک زندہ تندرست آدمی اور مردہ لاش میں ہوتا ہے، اصلی اور دائمی زندگی صرف روح ایمان سے ملتی ہے۔ بدون اس کے انسان کو ہزار مردوں سے بدتر مردہ سمجھنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ

اللہ سناتا ہے جس کو چاہے اور تو نہیں سنانے والا

مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝

قبر میں پڑے ہوؤں کو تو تو بس ڈر کی خبر پہنچانے والا ہے ☆

پیغمبر کی ذمہ داری:

یعنی اللہ تعالیٰ چاہے تو مُردوں کو بھی سنا دے یہ قدرت اوروں کو نہیں۔ اسی طرح سمجھ لو کہ پیغمبر کا کام خبر پہنچانا اور بھلے برے سے آگاہ کر دینا ہے کوئی مردہ دل کافر ان کی بات نہ سنے تو یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی سب خلق برابر نہیں جنہیں ایمان دینا ہے ان ہی کو ملے گا۔ تو بہتیری آرزو کرے تو کیا ہوتا ہے اور یہ جو فرمایا "نہ اندھیرا نہ اُجالا" یعنی نہ اندھیرا برابر اُجالے کے اور نہ اُجالا برابر اندھیرے کے (یہ "لا" کی تکریر کا فائدہ بتلا دیا) اور فرمایا تو نہیں سنانے والا قبر میں پڑے ہوؤں کو"۔ حدیث میں آیا کہ مُردوں سے سلام علیک کرو۔ اور بہت جگہ مُردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مُردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سنتا"۔ یہ بحث پہلے سورۂ "نمل" کے آخر میں گزر چکی وہاں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ کا یہ مطلب ہے کہ آپ کا کام صرف دوزخ کا خوف دلانا ہے ہدایت یاب کرنے پر آپ کو قدرت نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۭ

ہم نے بھیجا ہے تجھ کو سچا دین دے کر خوشی اور ڈر سنانے والا

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۝

اور کوئی فرقہ نہیں جس میں نہیں ہو چکا کوئی ڈر سنانے والا ☆

ڈر سنانے والا خواہ نبی ہو یا نبی کا قائم مقام جو نبی کی طرف سے بلاوے۔ اس کے متعلق سورۂ نمل کے چوتھے رکوع میں کچھ مضمون چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ

اور اگر وہ تجھ کو جھٹلائیں تو آگے جھٹلا چکے ہیں جو لوگ کہ

مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

ان سے پہلے تھے پہنچے ان کے پاس رسول ان کے لے کر کھلی باتیں

وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ۝

اور صحیفے اور روشن کتاب

یعنی روشن تعلیمات یا کھلے کھلے معجزات لے کر آئے۔ نیز ان میں سے بعض کو مختصر چھوٹے صحیفے دیئے گئے بعض کو بڑی مفصل کتابیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝

پھر پکڑا میں نے منکروں کو سو کیسا ہوا انکار میرا

یعنی جب تکذیب سے باز نہ آئے تو دیکھ لو انجام کیا ہوا وہ ہی تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی

فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ

پھر ہم نے نکالے اس سے میوے طرح طرح کے ان کے رنگ ☆

عجیب قدرت کا مظاہرہ:

یعنی قسم قسم کے میوے۔ پھر ایک قسم میں رنگ برنگ کے پھل پیدا کئے۔ ایک زمین ایک پانی اور ایک ہوا سے اتنی مختلف چیزیں پیدا کرنا عجیب و غریب قدرت کو ظاہر کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ

اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝

طرح طرح کے ان کے رنگ اور بھجنگ کالے

قدرت کی نیرنگیاں: یعنی سفید بھی کئی درجے (کوئی بہت زیادہ سفید، کوئی کم، کوئی اس سے کم) اور سرخ بھی کئی درجے، اور کالے بھجنگے یعنی بہت گہرے سیاہ کوے کے پر کی طرح۔ (تفسیر عثمانی)

مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا خدائے تعالٰے رنگ آمیزی بھی کرتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، ایسا رنگ رنگتا ہے جو کبھی ہلکا نہ پڑے سرخ زرد اور سفید یہ حدیث مرسل اور موقوف بھی مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ
اور آدمیوں میں اور کیڑوں میں اور چوپاؤں میں
مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ
کتنے رنگ ہیں اسی طرح ☆

یہ سب بیان ہے قدرت کی نیرنگیوں کا، پس جس طرح نباتات، جمادات اور حیوانات میں رنگ برنگ کی مخلوق ہے، انسانوں میں بھی ہر ایک کی طرح جدا ہے۔ مؤمن اور کافر ایک دوسرا سا ہو جائے اور سب انسان ایک ہی رنگ اختیار کر لیں یہ کب ہو سکتا ہے۔ اس میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے دی کہ لوگوں کے اختلاف سے غمگین نہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ۗ
اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اُس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے،
اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿٢٨﴾
تحقیق اللہ زبردست ہے بخشنے والا ☆

اہل علم کی شان:

یعنی بندوں میں نڈر بھی ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے بھی، مگر ڈرتے وہ ہیں جو اللہ کی عظمت و جلال، آخرت کے بقاء و دوام اور دنیا کی بے ثباتی کو سمجھتے ہیں اور اپنے پروردگار کے احکام و ہدایات کا علم حاصل کر کے مستقبل کی فکر رکھتے ہیں۔ جس میں یہ سمجھ اور علم جس درجہ کا ہوگا اسی درجہ میں وہ خدا سے ڈریگا۔ جس میں خوف خدا نہیں وہ فی الحقیقت عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی سب آدمی ڈرنے والے نہیں۔ اللہ سے ڈرنا سمجھ والوں کی صفت ہے اور اللہ کا معاملہ بھی دو طرح ہے وہ زبردست بھی ہے کہ ہر خطا پر پکڑے، اور غفور بھی کہ گنہگار کو بخشے"۔ پس دونوں حیثیت سے بندہ کو ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ نفع و ضرر دونوں اسی کے قبضہ میں ہوئے۔ تو جب چاہے نفع روک دے اور ضرر حق کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

شیخ اجل شہاب الدین سہروردی نے لکھا ہے اس آیت میں در پردہ بیان کیا گیا ہے کہ جس کے دل میں خشیہ نہیں وہ عالم نہیں میں کہتا ہوں اللہ کی عظمت و جلالت اور صفات کمالیہ کو جاننا مستلزم خشیہ ہے خشیہ علم کے لیے لازم ہے اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ مجھ سے وہی ڈرتا ہے جس کو میرے قہر غلبہ اور سطوت کا علم ہو جو شخص جتنا زیادہ اللہ اور اس کی صفات کو جانتا ہے وہ اتنا ہی اللہ سے ڈرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ اللہ کا ڈر تھا:

شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کام کیے اور لوگوں کو اس کی اجازت دے دی لیکن بعض لوگوں نے ان کاموں سے پاک رہنا چاہا (یعنی جائز یا مناسب نہ سمجھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو ایک خطبہ دیا جس میں اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا یہ کیا وجہ ہے کہ کچھ لوگ اس کام سے پرہیز رکھتے ہیں جو میں کرتا ہوں، خدا کی قسم میں ان سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور ان سے بڑھ کر اللہ سے ڈرتا ہوں۔

عالم کی فضیلت:

دارمی نے بروایت مکحول مرسل حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنٰی آدمی پر، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو روتے بہت، ہنستے کم۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ کامل خشیہ انبیاء کو ہوتا ہے اس کے بعد اولیاء کا درجہ ہے حقیقت شناس یہی ہوتے ہیں اس کے بعد درجہ بدرجہ علماء کا نمبر ہے۔ (تفسیر مظہری)

علماء کی تین قسمیں:

مروی ہے کہ علماء کی تین قسمیں ہیں عالم باللہ، عالم بامر اللہ، اور عالم باللہ و بامر اللہ، عالم باللہ عالم بامر اللہ نہیں اور عالم بامر اللہ عالم باللہ نہیں، ہاں عالم باللہ و بامر اللہ وہ ہے جو اللہ تعالٰے سے ڈرتا ہو اور حدود و فرائض کو جانتا ہو، عالم باللہ وہ ہے جو اللہ تعالٰے سے ڈرتا ہو لیکن حدود و فرائض کو نہ جانتا ہو، عالم بامر اللہ وہ ہے جو حدود و فرائض کو تو جانتا ہو لیکن دل اس کا خشیت خدا سے خالی ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

عالم کون ہے اور علم کیا ہے:

حسن بصریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عالم وہ شخص ہے جو خلوت و جلوت میں اللہ سے ڈرے، اور جس چیز کی اللہ تعالٰی نے ترغیب دی ہے وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اس کو اس سے نفرت ہو، اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا لَيْسَ الْعِلْمُ بِكَثْرَةِ الْحَدِيْثِ

ولکِنَّ العِلم عن کثرۃِ الخشیۃ، ''یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔''

حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے وہ اسی درجہ کا عالم ہے، اور احمد بن صالح مصری نے فرمایا کہ خشیۃ اللہ کو کثرت روایت اور کثرتِ معلومات سے نہیں پہچانا جا سکتا بلکہ اس کو کتاب وسنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیۃ نہ ہو وہ عالم نہیں (مظہری) اس کی تصدیق اکابر سلف کے اقوال سے بھی ہوتی ہے،

حضرت ربیع بن انسؓ نے فرمایا

من لم یخش لیس بعالم ''یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں۔''

اور مجاہدؒ نے فرمایا:

اِنَّما العَالِمُ مَنْ خَشِیَ اللّٰہ، ''یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے۔''

سعد بن ابراہیم سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ افقہ کون ہے؟ تو فرمایا اَتْقَاھُمْ لِرَبِّہٖ۔ ''یعنی جو اپنے رب سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔''

ایک شبہ کا ازالہ:

مذکورہ تصریحات سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ بہت سے علماء کو دیکھا جاتا ہے کہ ان میں خدا کا خوف وخشیت نہیں، کیونکہ تصریحات بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک صرف عربی جاننے کا نام علم اور جاننے والے کا نام عالم نہیں، جس میں خشیت نہ ہو وہ قرآن کی اصطلاح میں عالم ہی نہیں، البتہ خشیت کبھی صرف اعتقادی اور عقلی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آدمی بہ تکلف احکام شرعیہ کا پابند ہوتا ہے، اور کبھی یہ خشیۃ حالی اور ملکہ راسخہ کے درجہ میں فائی ہے، جس میں اتباع شریعت ایک تقاضائے طبیعت بن جاتا ہے، خشیت کا پہلا درجہ مامور بہ اور عالم کیلئے ضروری ہے، دوسرا درجہ افضل واعلیٰ ہے ضروری نہیں۔ (از بیان القرآن) (معارف مفتی اعظمؒ)

علم کا مقصود:

ع علمے کہ راہ حق ننماید جہالت است

علم را بر دل زنی یارے بود	علم را بر تن زنی مارے بود
جان جملہ علمہا ایں است ایں	کہ بدانی من کیتم در یوم دیں

علم دین سے مقصود تزکیہ نفس اور اصلاح عمل ہے ورنہ ہیچ ہے، جیسے علم طب سے مقصود جسمانی صحت کی حفاظت ہے محض دواؤں کے نام اور ان کے خواص یاد کر لینا مقصود نہیں یہ ناممکن ہے کہ واقع میں کوئی شراب پئے اور اس کو نشہ نہ ہو، اس طرح یہ ناممکن ہے کہ کوئی حقیقۃً علم دین کا ایک جام پئے اور اس پر دین کا نشہ اور سرور نہ آئے، عالم دین خدا کے نزدیک وہ ہے کہ علم دین اس کے دل میں گھر کر گیا ہو محض باتیں بنانے اور بھی تقریر کرنے سے خدا کے نزدیک عالم نہیں ہو جاتا اگر واقع میں دل میں خشیت اور خوف خداوندی ہوتا تو معاصی پر جرأت نہ کرتا، حدیث میں ہے، اللھم انی اسالک من خشیتک ماتحول بہ بینی و بین معاصیک

معلوم ہوا کہ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس سے بندہ اور معصیت کے درمیان حیلولت واقع ہو جائے۔ (معارف کاندھلوی)

طلب علم کی فضیلت:

جیسے کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص مدینے سے دمشق میں حضرت ابودرداءؓ کے پاس جاتا ہے اور آپ سے ملاقات کرتا ہے تو آپ دریافت فرماتے ہیں کہ پیارے بھائی یہاں کیسے آنا ہوا؟ وہ کہتے ہیں، اس حدیث کو سننے کے لئے آیا ہوں، جو آپ بیان کیا کرتے ہیں پوچھا، کیا کسی تجارت کی غرض سے نہیں آئے؟ جواب دیا نہیں پوچھا، پھر کوئی اور مطلب بھی ہوگا؟ فرمایا کوئی مقصد نہیں، پوچھا پھر کیا حدیث کی طلب کیلئے یہ سفر کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں، فرمایا سنو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستے کو طے کرے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے باغوں میں چلائے گا، خدا کی رحمت کے فرشتے طالب علموں کیلئے پر بچھا دیتے ہیں کیونکہ وہ ان سے بہت ہی خوش ہیں اور ان کی خوشی کے خواہاں ہیں عالم کیلئے آسمان وزمین کی ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ پانی کے اندر کی مچھلیاں بھی، عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسی چاند کی فضیلت تاروں پر، علماء نبیوں کے وارث ہیں، انبیاء علیہم السلام نے اپنے ورثے میں درہم ودینار نہیں چھوڑے ان کا ورثہ علم دین ہے جس نے اسے لیا اس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔ (ابوداؤد وترمذی وغیرہ تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَاَقَامُوا
جو لوگ پڑھتے ہیں کتاب اللہ کی اور سیدھی کرتے ہیں
الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً
نماز اور خرچ کرتے ہیں کچھ ہمارا دیا ہوا چھپے اور کھلے
یَّرْجُوْنَ تِجَارَۃً لَّنْ تَبُوْرَ ۙ
اُمیدوار ہیں ایک بیوپار کے جس میں ٹوٹا نہ ہو

ایسی تجارت جس میں نفع ہی نفع ہے۔

یعنی جو اللہ سے ڈر کر اس کی باتوں کو مانتے اور اس کی کتاب کو عقیدت سے

ساتھ پڑھتے ہیں نیز بدنی عبادات میں کوتاہی نہیں کرتے وہ حقیقت میں ایسے زبردست بیوپار کے اُمیدوار ہیں جس میں خسارے اور ٹوٹے کو کوئی احتمال نہیں، بلاشبہ جب خداوند ان کے اعمال کا خریدار ہو تو اس اُمید میں یقیناً حق بجانب ہیں، نقصان کا اندیشہ کسی طرف سے نہیں ہو سکتا، از سرتاپا نفع ہی نفع ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُربِ خداوندی کا ذریعہ:

امام احمد بن حنبل نے حق جل شانہٗ کو خواب میں دیکھا، عرض کیا کہ آپ تک پہنچنے کا سب سے زیادہ قریبی راستہ کون سا ہے فرمایا، تلاوت قرآن یعنی قرآن کا، ور میرے کلام کا پڑھنا، عرض کیا، **بفهم او بلا فهم**، سمجھ کر یا بلا سمجھ کر، ارشاد ہوا بفہم أو بلا فہم۔ یعنی سمجھ کر ہو یا بلا سمجھ کر ہو، دونوں طرح موجب قرب ہے۔ (معارف کاندھلوی)

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ
تاکہ پورا دے ان کو ثواب اُن کا اور زیادہ دے
فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ
اپنے فضل سے تحقیق وہ ہے بخشنے والا قدردان ہے

اللہ تعالیٰ قدردان ہے:

یعنی بہت سے گناہ معاف فرماتا ہے اور تھوڑی سی طاعت کی قدر کرتا ہے اور ضابطہ سے جو ثواب بنتا ہے بطور بخشش اس سے زیادہ دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عبدالغنی نے تخریج کی ہے کہ اس آیت کا نزول حصین بن حارث بن عبد المطلب بن عبد مناف کے متعلق ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ
اور جو ہم نے تجھ پر اُتاری کتاب وہی ٹھیک ہے
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
تصدیق کرنیوالی اپنے سے اگلی کتابوں کی
إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ
بے شک اللہ اپنے بندوں سے خبردار ہے دیکھنے والا ہے

یعنی بندوں کے احوال کو خوب جانتا ہے ٹھیک موقع پر کتاب اُتاری۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اشیاء کی ظاہری حالت سے بھی واقف ہے اور اندرونی حقیقت سے بھی، اسی کو حق ہے کہ یہ کتاب آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجے اور اس کو معجزہ بنا دے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا
پھر ہم نے وارث کیے کتاب کے وہ لوگ جن کو چن لیا ہم نے
مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ
بندوں سے پھر کوئی اُن میں بُرا کرتا ہے اپنی جان کا اور کوئی ان میں ہے
مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ
بیچ کی چال پر اور کوئی ان میں آگے بڑھ گیا لے کر خوبیاں اللہ کے حکم سے
ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ
یہی ہے بڑی بزرگی ☆

منتخب بندے: یعنی پیغمبر کے بعد اس کتاب کا وارث اس اُمت کو بنایا جو بحیثیت مجموعی تمام اُمتوں سے بہتر و برتر ہے۔ ہاں اُمت کے سب افراد یکساں نہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو باوجود ایمان صحیح کے گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں ("یہ ظالم لنفسہ" ہوئے) اور وہ بھی ہیں جو میانہ روی سے رہتے ہیں۔ نہ گناہوں میں منہمک، نہ بڑے بزرگ اور ولی۔ (ان کو "مقتصد" فرمایا) اور ایک وہ کامل بندے جو اللہ کے فضل و توفیق سے آگے بڑھ بڑھ کر نیکیاں سمیٹتے اور تحصیل کمال میں مقتصدین سے آگے نکل جاتے ہیں۔ وہ مستحب چیزوں کو بھی نہیں چھوڑتے۔ ورع و تقوے کے خوف سے مکروہ تنزیہی بلکہ بعض مباحات تک سے پرہیز کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی بزرگی اور فضیلت تو ان کو ہے۔ ویسے چنے ہوئے بندوں میں ایک حیثیت سے سب کو شمار کیا۔ کیونکہ درجہ بدرجہ بہشتی سب ہیں۔ گنہگار بھی اگر مؤمن ہے تو بہرحال کسی نہ کسی وقت ضرور جنت میں جائیگا۔ حدیث میں فرمایا کہ ہمارا گنہگار معاف ہے یعنی آخرکار معافی ملے گی۔ اور میانہ سلامت ہے اور آگے بڑھنے والا سب سے آگے بڑھے اللہ کریم ہے اس کے یہاں بخل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عبادت سے مراد ہیں صحابہ کرام اور ان کے بعد قیامت تک آنیوالے علماء امت، حضرت ابن عباس کے نزدیک پوری امت اسلامیہ مراد ہے، اللہ نے اس امت کو امت وسط بنایا اور تمام امتوں پر برتری عطا فرمائی ہے یہ کہ سب لوگوں پر شہادت دینے والی ہے اور سید الانبیاء کو مبعوث فرما کر اس امت کو یہ شرف عنایت کیا۔

طوبى لنا معشر الاسلام ان لنا من العناية ركنا غير منهدم

اے گروہ اہل اسلام ہمارے لئے خوشی ہو کہ ہمارا ایک مضبوط سہارا ہے خدا کی عنایت سے جو منہدم ہونے والا نہیں ہے۔

لما دعى الله داعينا لطاعته باكرم الرسل كنا اكرم الامم

جب اشرف المرسلین کے ذریعہ اللہ نے ہم ... دعوت

دی تو ہم اشرف الامم ہو گئے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ مقتصد وہ لوگ ہیں جو اکثر قرآن کے موافق عمل کرتے ہیں اور سابق بالخیرات وہ ہیں جو عمل بھی کرتے ہیں اور دوسروں کو تعلیم بھی دیتے اور ہدایت بھی کرتے ہیں۔

بغوی نے اپنی سند سے ابو عثمان نہدی کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے خود حضرت عمرؓ سے سنا آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ہم میں کے جو سابق ہیں وہ تو آگے بڑھنے والے ہیں اور جو مقتصد ہیں وہ نجات پانے والے ہیں اور جو ہم میں ظالم ہیں ان کی مغفرت کر دی جائے گی۔

امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ اس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سب لوگ بمنزلہ ایک جماعت کے ہوں گے اور سب جنت میں جائیں گے فریابی نے حضرت براء بن عازب کا قول بیان کیا ہے حضرت براء نے آیت فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ الخ کی تشریح میں فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ ان سب کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

ابن ابی عاصم اور اصبہانی نے حضرت ابو موسیٰ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ بندوں کو اٹھائے گا پھر علماء کو الگ کر کے فرمائے گا اے گروہ علماء، میں نے تمہارے اندر علم اس لئے رکھا تھا کہ میں تم کو جانتا تھا (تم کو جانے بغیر میں نے تم کو عالم نہیں بنایا تھا) اور نہ اپنا علم تمہارے اندر اس لیے رکھا کہ (علم دینے کے بعد) پھر تم کو عذاب دوں، جاؤ میں نے تم کو بخش دیا۔

طبرانی نے ثقہ راویوں کے سلسلہ سے حضرت ثعلبہ بن حکم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جب اپنی کرسی پر اپنے بندوں کے فیصلہ کیلئے بیٹھے گا تو علماء سے فرمائے گا میں نے تم کو اپنا علم اور حکم صرف اس لیے دیا تھا کہ تمہاری مغفرت کرنی چاہتا تھا جو عمل بھی تم سے صادر ہوا (سب کو میں نے بخش دیا) اور مجھے پرواہ نہیں۔

عقبہ بن صہبان کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہ سے آیت اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا کے متعلق دریافت کیا ام المومنین نے فرمایا میرے بیٹے یہ سب جنت میں جائیں گے سابق بالخیرات تو وہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گذر گئے حضور نے ان کیلئے جنت کی شہادت دے دی تھی اور مقتصد وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کے نشان قدم پر چل کر آپ سے جا ملے اور ظالم لنفسہ مجھ جیسے اور تم جیسے لوگ ہیں ام المومنین نے اپنے آپ کو بھی ہمارے ساتھ شامل کر دیا۔

میں کہتا ہوں تینوں قسمیں اگر اکابر امت اسلامیہ کی قرار دی جائیں تب بھی ممکن ہے یعنی تینوں قسام اولیاء امت ہی کے مانے جائیں پہلی قسم ظالم لنفسہ کی ہے یہ وہ گروہ ہے جو اپنے نفوس کو لذتوں سے تو محروم کر ہی دیتا ہے جائز حقوق سے بھی محروم کر دیتا ہے یہ اہل رہبانیت ہیں جو سخت ریاضتیں اور مجاہدے کرتے ہیں اور یہ رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر رکھی ہے دوسرا گروہ اہل اقتصاد کا ہے جو لذتوں (میں ڈوبنے) سے تو اپنے نفوس کو روکتا ہے لیکن حقوق نفوس ضرور دیتا ہے روزہ بھی رکھتا ہے ناغہ بھی کرتا ہے نماز بھی پڑھتا ہے سوتا بھی ہے نکاح بھی کرتا ہے اور جائز چیزیں کھاتا پیتا بھی ہے غرض پورے طور پر اتباع سنت کرتا ہے یہ وہی گروہ ہے جس کے متعلق حضرت عائشہ نے فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ قدم پر چلتا ہے یہاں تک کہ آپ سے جا ملتا ہے تیسرا گروہ سابق بالخیرات کا ہے جو کمالات نبوت میں ڈوبا ہوتا ہے یہ گروہ صحابہ کا اور صدیقوں کا ہے حضرت عائشہ نے ظالم لنفسہ گروہ میں اپنے آپ کو محض انکسار کے طور پر شامل کیا اور مخاطب جیسے لوگوں کو اس گروہ میں اس لیے شامل کیا کہ وہ لوگ سخت ریاضتیں کرنے والے تھے۔

خلاصہ یہ کہ احادیث مبارکہ سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ تینوں قسمیں (جن کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے) اسی امت کی ہیں یہ سب ہی اہل جنت ہیں اب جو بھی جو شخص کہتا ہے کہ منهم ظالم لنفسه سے مراد کافر یا منافق ہیں اس کا قول واجب الرد اور ناقابل قبول ہے۔

امام ابو یوسف سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ سب مومن ہیں رہے کفار تو انکی حالت اگلی آیت وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ میں بیان فرمائی ہے تینوں طبقات مومنوں سے ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کی نسبت فرمایا یہ سب اسی امت سے ہیں چوتھی حدیث میں ہے میری امت کے تین حصے ہیں، ایک بے حساب و بے عذاب جنت میں جانے والا دوسرا آسانی سے حساب لیے جانے والا اور پھر بہشت نشین ہونے والا تیسری وہ جماعت ہوگی جن سے باز پرس تو ضرور ہوگی، لیکن پھر فرشتے حاضر ہو کر کہیں گے ہم نے انہیں لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ کہتے ہوئے پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا سچ ہے میرے سوا کوئی معبود نہیں، اچھا انہیں میں نے ان کے اس قول کی وجہ سے چھوڑا، جاؤ انہیں جنت میں لے جاؤ اور ان کی خطائیں جہنمیوں پر لاد دو، اسی کا ذکر آیت وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ میں ہے یعنی وہ ان کے بوجھ اپنے بوجھ کے ساتھ اٹھائیں گے اس کی تصدیق اس میں ہے جس میں فرشتوں کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے جنہیں وارثین کتاب بنایا ہے ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بتائی ہیں پس ان میں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں ان کی باز پرس کی جائے گی۔ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

نکتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی تین قسموں کو بیان کیا اور سب سے پہلے ظالم کو ذکر کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ظالموں کی

کثرت ہے یا یہ اشارہ ہے کہ ظالم ظلم اور معصیت کی وجہ سے اہل اصطفاء سے خارج نہیں ہوا بلکہ ایمان کی وجہ سے وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے جس درجہ کا ایمان ہے اسی درجہ کا وارث ہے جب تک ایمان ہے جنت کی وراثت سے محروم نہیں۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنص صریح امت مرحومہ کو تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے جن میں اعلیٰ گروہ سابقین اولین کا تھا اور وہ صدیقین اور شہداء اور صالحین کے ساتھ مخصوص تھا اور اس گروہ کو مقربین بھی کہا گیا ہے اور دوسرا گروہ اوسط اور میانہ رو ہے وہ اصحاب الیمین اور ابرار کے نام سے پکارا گیا ہے اور سب سے کم تیسرا گروہ ہے جو اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو ایمان اور اعتقاد صحیح رکھتا ہے مگر اعمال میں اس سے کوتاہی واقع ہوتی ہے اور بالآخر بذریعہ توبہ و استغفار اور بذریعہ ندامت اس کا تدارک کرتا ہے اور خلیفہ راشد کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ سابقین اور مقربین میں سے ہو۔ (ازالۃ الخفاء)

حدیثِ ابی الدرداءؓ

ابن جریر نے ابوثابت سے نقل کی ہے کہ وہ ایک روز مسجد میں گئے تو وہاں ابوالدرداء پہلے سے بیٹھے تھے، ابوثابت ان کی برابر جا کر بیٹھ گئے اور یہ دُعاء کرنے لگے، اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ وَارْحَمْ غُرْبَتِیْ وَیَسِّرْلِیْ جَلِیْسًا صَالِحًا۔ ''یعنی یا اللہ میری قلبی وحشت و پریشانی کو دور فرما، اور میری حالت مسافرت پر رحم فرما، اور مجھے کوئی جلیس (ہمنشین) صالح نصیب فرما دے۔'' (یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ سلف صالحین میں جلیس صالح کی طلب و تلاش کا کیا درجہ تھا کہ اس کو اہم مقصد اور سب پریشانیوں کا علاج سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کی دعائیں مانگتے تھے) ابوالدرداء نے یہ دعاء سنی تو فرمایا کہ اگر آپ اپنی اس دعاء و طلب میں سچے ہیں تو میں اس معاملہ میں آپ سے زیادہ خوش نصیب ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ مجھے اللہ نے آپ جیسا جلیس صالح بے مانگے دیدیا) اور فرمایا کہ میں آپ کو ایک حدیث سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، مگر جب سے میں نے اس کو سنا ہے اب تک کسی سے بیان کرنے کی نوبت نہیں آئی وہ یہ ہے کہ آپ نے اس آیت کا ذکر فرمایا ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا الایہ پھر فرمایا کہ ان تین قسموں میں سے جو سابق بالخیرات ہیں وہ تو بے حساب جنت میں جائیں گے اور جو مقتصد یعنی درمیانے ہیں ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور ظالم یعنی اعمال میں کوتاہی کرنے والے اور گناہوں کی لغزش میں مبتلا ہونے والے ہیں اُن کو اس مقام میں سخت رنج و غم طاری ہوگا، پھر ان کو بھی جنت میں داخلہ کا حکم ہو جائے گا اور سب رنج و غم دور ہو جائیں گے اسی کا ذکر اگلی آیت میں آیا ہے: وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ''یعنی وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کر دیا۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ
باغ ہیں بسنے کے جن میں وہ جائیں گے وہاں ان کو
فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ
گہنا پہنایا جائے گا کنگن سونے کے
وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ
اور موتی کے اور اُن کی پوشاک وہاں ریشمی ہے ☆

اہل جنت کے زیور:

سونا اور ریشم مسلمان مردوں کیلئے وہاں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی (مرد) ریشمین (کپڑا) پہنے دنیا میں نہ پہنے آخرت میں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تلاوت کی پھر فرمایا ان کو تاج پہنائے جائیں گے جن کا ایک ادنیٰ موتی مشرق سے مغرب تک (پوری دنیا کو) روشن کر دینے کے لیے کافی ہوگا رواہ الترمذی والحاکم والبیہقی۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

قرطبی نے لکھا ہے اہل تفسیر نے کہا ہے کہ کوئی جنتی ایسا نہ ہوگا جس کے ہاتھ میں تین کنگن نہ ہوں ایک سونے کا، ایک چاندی کا اور ایک موتی کا۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مؤمن کے (ہاتھ میں) زیور وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضوء کا پانی پہنچا ہوگا۔ متفق علیہ۔

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ریشم اور دریائی نہ پہنو سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ پیو نہ ان کی رکابیوں میں کھاؤ، یہ ان (کافروں) کیلئے دنیا میں ہیں اور تمہارے لیے آخرت میں۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اگر جنت کا کوئی کپڑا آج دنیا میں پہن لیا جائے تو جس کی نظر اس پر پڑے گی وہ بیہوش ہو جائے گا کسی کی نظر اس کو برداشت نہ کر سکے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ
اور کہیں گے شکر اللہ کا جس نے دور کیا ہم سے
عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ
غم بیشک ہمارا رب بخشنے والا قدردان ہے ☆

یعنی دنیا کا اور محشر کا غم دور کیا گناہ بخشے اور از راہ قدردانی طاعت قبول فرمائی۔

مہاجرین کی فضیلت.

حضرت صہیب رومی کہتے ہیں میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے مہاجرین آگے بڑھ جانے والے شفاعت کرنیوالے اور اپنے رب پر ناز کرنے والے ہوں گے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے قیامت کے دن وہ اپنے اسلحہ کندھوں پر رکھے ہوئے آئیں گے اور جنت کا دروازہ کھٹ کھٹائیں گے جنت کے دربان ان سے کہیں گے تم کون ہو وہ جواب دیں گے ہم مہاجر ہیں دربان کہیں گے کیا تمہارا حساب ہو چکا ہے سنتے ہی مہاجر دوزانو بیٹھ کر آسمان کی طرف (دعاء کیلئے) ہاتھ اٹھا کر کہیں گے اے ہمارے رب کیا اس کا ہم سے حساب ہوگا ہم تو گھر بار مال اور اولاد چھوڑ کر (تیری مرضی حاصل کرنے) نکلے تھے اللہ ان کے بازو سونے کے لگا دے گا جن میں زبرجد اور یاقوت جڑے ہوں گے پھر وہ ان بازوؤں سے اڑ کر جنت میں داخل ہو جائیں گے یہی مطلب ہے اللہ کے اس قول کا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ جنت کے اندر اپنے گھروں کو زیادہ جانتے ہوں گے بنسبت دنیوی گھروں کی شناخت کے۔

کلمہ طیبہ کی فضیلت:

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو نہ مرنے کے وقت وحشت ہوگی نہ قبروں کے اندر نہ قبروں سے اٹھنے کے وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ صور پھونکے جانے پر لوگ سروں سے مٹی جھاڑ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ۔ رواہ الطبرانی

حضرت ابن عباس نے فرمایا (حزن سے مراد ہے) دوزخ کا غم۔ (تفسیر مظہری)

دنیا غموں کا گھر ہے:

دریں دنیا کسے بے غم نباشد وگر باشد بنی آدم نباشد

اس دنیا میں غموں اور فکروں سے کسی نیک یا بد کو نجات نہیں، اسی لئے اہل دانش دنیا کو دار الاحزان کہتے ہیں اس آیت میں جس غم کے دور کرنے کا ذکر ہے اس میں یہ دنیا کے غم بھی سب کے سب داخل ہیں، دوسرا غم وفکر قیامت اور حشر ونشر کا، تیسرا حساب وکتاب کا، چوتھا جہنم کے عذاب کا، اہل جنت سے اللہ تعالیٰ یہ سب غم دور فرما دیں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ
جس نے اتارا ہم کو سدا رہنے کے گھر میں اپنے فضل سے
لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿٣٥﴾
نہ پہنچے ہم کو اس میں مشقت اور نہ پہنچے ہم کو اس میں تھکنا ☆

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں، رہنے کا گھر جس سے کوئی چلنا نہ ہو جہاں چل چلاؤ اور روزی کا غم، دشمنوں کا ڈر، اور محنت ومشقت، وہاں پہنچ کر سب کافور ہوگئے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت راحت کا گھر ہے:

بیہقی نے البعث میں اور ابن ابی حاتم نے اور ساحت شیخ ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میٹھی) نیند سے اللہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے تو کیا جنت میں بھی نیند آئے گی فرمایا نہیں نیند تو موت کی شریک ہے (یعنی موت کا ایک حصہ ہے) اور جنت کے اندر موت نہیں ہوگی سائل نے عرض کیا پھر اہل جنت کیسے راحت پائیں گے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے ادبی کی معلوم ہوئی اور فرمایا وہاں کسی طرح کی تھکان ہی نہیں ہوگی اہل جنت کا ہر وقت راحت ہی راحت ہوگا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَى
اور جو لوگ منکر ہیں ان کے لئے ہے آگ دوزخ کی نہ ان پر حکم پہنچے
عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ
کہ مر جائیں اور نہ ان پر ہلکی ہو وہاں
عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ
کی کچھ کلفت یہ سزا دیتے ہیں ہم ہر ناشکر کو

کفار کو دائمی عذاب ہوگا:

نہ کفار کو جہنم میں موت آئے گی کہ ان کی تکالیف کا خاتمہ ہو جائے اور نہ عذاب کی تکلیف کسی وقت ہلکی ہوگی یہ ناشکروں کی ہمارے یہاں یہی سزا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

موت کی موت:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی جنت کو چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ کو تو پھر موت کو لا کر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور منادی ندا دے گا اے اہل جنت (آئندہ) موت نہیں اے دوزخ والو (آئندہ) موت نہیں یہ سن کر جنتیوں کو مسرت بالائے مسرت ہوگی اور دوزخیوں کو غم بالائے غم۔

وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ یعنی پل بھر کیلئے بھی عذاب جہنم میں کمی نہیں کی جائے گی بلکہ جب دوزخیوں کی کھالیں پک جائیں گی تو دوسری کھالیں پہنا دی جائیں گی اور جب آگ بجھنے لگے گی تو بھڑکا دی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

نہ چین نہ موت

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو اصلی جہنمی ہیں انہیں وہاں موت نہیں آئے گی ورنہ اچھی زندگی ملے گی وہ تو کہیں گے اے داروغہ جہنم تم ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ ہمیں موت دے دے لیکن جواب ملے گا کہ تم تو یہیں پڑے رہو گے پس وہ تو موت والے سے راحت سمجھیں گے لیکن وہ آئے گی نہیں نہ مریں نہ عذابوں میں کمی دیکھیں۔ (ابن کثیر)

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا
اور وہ چلائیں اس میں اے رب ہم کو نکال
نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ
کہ ہم کچھ بھلا کام کر لیں وہ نہیں جو کرتے رہے

نہ کام حسرت۔ یعنی اس وقت تو اسی کو [illegible] سمجھتے تھے پر اب وہ کام نہ کریں گے ذرا دوزخ سے نکال دیجئے تو ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں اور فرمانبردار بن کر حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ
کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو اتنی کہ جس میں [illegible]
النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ
ڈرانے والا [illegible]

کوئی عذر کام نہ دے گا

یعنی جب دوزخی [illegible] اور کافی عمر دی جس میں سوچنے [illegible] رستے سمجھتے [illegible] مرے پھر اوپر سے ایک شخص [illegible] خواب غفلت سے [illegible] کوئی عذر باقی [illegible] پڑے عذاب کا مزہ چکھتے [illegible]

ساٹھ سال کی عمر اور سفید بال سامان عبرت و نصیحت ہیں:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی شخص کی عمر ساٹھ سال تک پہنچا دے تو پھر اس کی طرف سے کسی عذر کو قبول نہیں کرتا۔ ([illegible])

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اور ابو یعلیٰ نے مسند میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عام طور پر) امت کی عمریں ساٹھ سے ستر برس تک ہوں گی اور ستر سے آگے بڑھنے والے بہت کم ہوں گے یہ مطلب نہیں کہ ساٹھ سال سے پہلے گناہ کرنے کا عذر قابل قبول ہوگا کیونکہ بالغ ہونے کے بعد ہی آدمی مکلف ہو جاتا ہے اور غور و تامل کر کے نصیحت پکڑنے کا اس کو موقع ہوتا ہے۔

اور حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ، اور امام جعفر باقرؒ سے منقول ہے کہ نذیر سے مراد بڑھاپے کے سفید بال ہیں، کہ جب وہ ظاہر ہو جائیں تو وہ انسان کو [illegible] ہدایت کرتے ہیں کہ اب رخصت کا وقت قریب آ گیا ہے، یہ قول بھی پہلے قول سے متعارض نہیں کہ سفید بال بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر ہوں اور انبیاء وعلماء بھی۔ (معارف مفتی اعظم)

گناہ چھوڑنے کی ترکیب:

معاصی دو قسم کے ہیں ایک وہ ہیں کہ جن کے چھوڑنے میں تکلیف ہے دوم وہ کہ جن کے چھوڑنے میں کوئی تکلیف نہیں جیسے داڑھی منڈانا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، شیخی مارنا، ٹخنوں سے نیچا پاجامہ پہننا، اس قسم کے گناہوں کو یکلخت ترک کر دینا چاہئے اور پہلی قسم کے گناہوں کو بتدریج۔ کذا فی شام خورشید ص ۳۴ وعظ نمبر ۱۱۳۸ از مواعظ تبلیغ۔ (معارف کاندھلوی)

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
اللہ بھید جاننے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا
إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ
اس کو خوب معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں ☆

اللہ تعالیٰ غیب دان ہیں:

یعنی اسے بندوں کے سب کھلے چھپے احوال و افعال اور دلوں کے بھید معلوم ہیں کسی کی نیت اور استعداد اس سے پوشیدہ نہیں اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو لوگ اب چلا رہے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دو، پھر [illegible] کی خطا نہ کریں گے، وہ اپنے دعوے میں جھوٹے ہیں، اگر ستر دفعہ لوٹائے جائیں تب بھی شرارت سے باز نہیں آ سکتے ان کے مزاجوں کی افتاد ہی ایسی ہے۔ "وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ" (انعام، رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ
[illegible] تم کو قائم مقام زمین میں ☆

خلافت کا حق ادا کرو یعنی اگلی امتوں کی جگہ تم کو زمین پر آباد کیا اور ان کے بعد ریاست دی چاہئے اب اس کا حق ادا کرو۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ
پھر جو کوئی منکر [illegible] پڑے اس کی ناشکری اور منکروں کو نہ بڑھے گی

كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا وَلَا
اُن کے انکار سے اُن کے رب کے سامنے مگر بیزاری اور
يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا
منکروں کو نہ بڑھے گا اُن کے انکار سے مگر نقصان ☆

تمہاری ناشکری سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہوتا:

یعنی کفرو ناشکری اور اللہ کی آیات کے انکار سے اُس کا کچھ نقصان نہیں وہ ہمارے حمد و شکر سے مستغنی ہیں البتہ ناشکری کرنے والے پر اُس کے فعل کا وبال پڑتا ہے کفر کا انجام بجز اسکے کچھ نہیں کہ اللہ کی طرف سے برابر ناراضی اور بیزاری بڑھتی جائے اور کافر کے نقصان و خسران میں روز بروز ضافہ ہوتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ
تو کہہ بھلا دیکھو تو اپنے شریکوں کو جن کو پکارتے ہو
دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ
اللہ کے سوائے دکھلاؤ تو مجھ کو کیا بنایا انہوں نے
الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِى السَّمٰوٰتِ
زمین میں یا کچھ اُن کا ساجھا ہے آسمانوں میں ☆

عقل سے کام لو:

یعنی اپنے معبودوں کے احوال میں غور کر کے مجھے بتلاؤ کہ زمین کا کونسا حصہ انہوں نے بنایا، یا آسمانوں کو بنانے اور تھامنے میں ان کی کس قدر شرکت ہے۔ اگر کچھ نہیں تو آخر خدا کس طرح بن بیٹھے، کچھ تو عقل سے کام لو۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِّنْهُ
یا ہم نے دی ہے ان کو کوئی کتاب سو وہ سند رکھتے ہیں اُس کی ☆

کوئی دلیل لاؤ: یعنی عقلی نہیں تو کوئی معتبر نقلی دلیل پیش کرو، جس کی سند پر یہ مشرکانہ دعویٰ کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ
کوئی نہیں پر جو وعدہ بتاتے ہیں گنہگار ایک دوسرے کو
بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا
سب فریب ہے ☆

شیطان کے دھوکہ میں مبتلاء ہو

یعنی عقلی یا نقلی دلیل کوئی نہیں بات صرف اتنی ہے کہ ان میں سے بڑے چھوٹوں کو اور اگلے پچھلوں کو شیطان کے اغواء سے یہ وعدہ بتاتے چلے آئے کہ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (یہ بت وغیرہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع بنیں گے) اور اسکا قرب عطا کرینگے حالانکہ یہ خالص جھوٹ اور فریب ہے یہ تو کیا شفیع بنتے، بڑے سے بڑا مقرب بھی وہاں کفار کی سفارش میں زبان نہیں ہلا سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو
اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا
کہ ٹل جائیں اور اگر ٹل جائیں تو کوئی نہ تھام سکے ان کو
مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ
اُس کے سوائے ☆

کائنات کا بانی جب چاہئے اسے توڑ بھی سکتا ہے۔

یعنی اُسی کی قدرت کا ہاتھ ہے جو اتنے بڑے بڑے کرات عظام کو اپنے مرکز سے ہٹنے اور اپنے مقام و نظام سے ادھر ادھر سرکنے نہیں دیتا اور اگر بالفرض یہ چیزیں اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو پھر بجز خدا کے کس کی طاقت ہے کہ ان کو قابو میں رکھ سکے چنانچہ قیامت میں جب یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ درہم برہم کرے گا کوئی قوت اسے روک نہ سکے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ، آسمانوں کو روکنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی حرکت بند کر دی بلکہ مراد اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور ٹل جانا ہے، جیسا کہ لفظ ان تزولا اس پر شاہد ہے اس لئے اس آیت میں آسمان کے متحرک یا ساکن ہونے میں سے کسی جانب پر کوئی دلیل نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

روایت میں ہے کہ منجانب اللہ موسیٰ علیہ السلام کو دو شیشے دیئے گئے کہ ان کو ہاتھ میں تھامے رکھیں اور جبرائیل کو حکم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو سونے نہ دو تین راتیں تو اس طرح گذار دیں بالآخر نیند کا غلبہ ہوا اور شیشے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ بالفرض اگر مجھ پر نیند و اونگھ آتی تو شیشوں کی طرح یہ آسمان و زمین ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ تفسیر عزیز ص ۲۴۳ (معارف کاندھلوی)

حرکتِ آسمان و زمین: جمہور علماء اسلام کا یہ مذہب ہے کہ نہ آسمان حرکت کرتا ہے اور نہ زمین، روح المعانی ص ۱۸۸ قدیم فلاسفہ آسمان کو متحرک اور زمین کو ساکن کہتے ہیں اور جدید فلاسفہ آسمان کے وجود کے قائل نہیں اور زمین و آفتاب کے گرد متحرک مانتے ہیں جس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔

حکماء اسلام یہ کہتے ہیں کہ عالم کو اپنے وجود اور بقاء میں باری تعالیٰ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو زمین کو اپنے روشن ہونے اور روشن رہنے میں آفتاب کی شعاعوں سے نسبت ہے زمین اپنی روشنی کے باوجود اور حدوث میں بھی

آفتاب کی تجلی اور اس کے طلوع کی محتاج اور اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے۔ آفتاب اپنی حرکت طلوعی میں زمین کو روشنی عطا کرتا ہے اور حرکت غروبی میں اپنے عطیہ کو زمین سے واپس لے لیتا ہے معلوم ہوا کہ جس طرح زمین ابتداءً اپنے روشن ہونے میں آفتاب کی محتاج ہے اسی طرح زمین اپنی روشنی کی بقاء میں بھی آفتاب کی محتاج ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾

وہ ہے تحمل والا بخشنے والا ☆

اللہ تعالیٰ کی بُردباری اور بخشش:

یعنی لوگوں کے کفر وعصیان کا اقتضاء تو یہ ہے کہ یہ سارا نظام ایک دم میں تہ وبالا کر دیا جائے لیکن اُس کے تحمل و بردباری سے تھما ہوا ہے۔ اس کی بخشش نہ ہو تو سب دنیا ویران ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حلم ہی کی وجہ سے اس نے کفار کو ڈھیل دے رکھی ہے اور فوری عذاب میں گرفتار نہیں کیا اور مغفرت ہی کے سبب مسلمانوں کے قصوروں کو وہ معاف کرتا رہتا ہے اگر اس کی طرف سے کافروں کو مہلت نہ ملتی اور مسلمانوں کو مغفرت حاصل نہ ہوتی تو وہ آسمانوں کو اور زمین کو تھامے نہ رہتا نتیجہ میں آسمان ان پر ٹوٹ پڑتے اور زمین ان کو لے کر دھنس جاتی۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ

اور قسمیں کھاتے تھے اللہ کی تاکید کی قسمیں اپنی کہ اگر

جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ

آئیگا اُن کے پاس کوئی ڈر سنانے والا تو بہتر راہ چلیں گے

إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَا زَادَهُمْ

ہر ایک امت سے پھر جب آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا اور زیادہ ہو گیا

إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ

ان کا بدکنا غرور کرنا ملک میں اور داؤ کرنا

السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ

برے کام کا اور بُرائی کا داؤ الٹے گا انہی داؤ والوں پر

مشرکین کی فریب کاریاں: عرب کے لوگ جب سنتے کہ یہود وغیرہ دوسری قوموں نے اپنے نبیوں کی یوں نافرمانی کی تو کہتے کہ کبھی ہم میں ایک نبی آئے تو ہم ان قوموں سے بہتر نبی کی اطاعت و رفاقت کر کے دکھلائیں۔ جب اللہ نے نبی بھیجا جو سب نبیوں سے عظمت شان میں بڑھ کر ہے تو حق سے اور زیادہ بدکنے لگے۔ ان کا غرور وتکبر کہاں اجازت دیتا کہ نبی کے سامنے گردن جھکائیں۔ رفاقت و اطاعت اختیار کرنے کے بجائے عداوت پر کمربستہ ہو گئے اور طرح طرح کی مکروہ تدبیریں اور داؤ گھات شروع کر دیئے مگر یاد رہے کہ برا داؤ خود داؤ کرنے والے پر اُلٹے گا۔ گو چند روز عارضی طور پر اپنے دل میں خوش ہولیں کہ ہم نے تدبیریں کر کے یوں نقصان پہنچا دیا، لیکن انجام کار دیکھ لیں گے کہ وہ فی الحقیقت نقصان عظیم کس کو اٹھانا پڑا۔ فرض کرو دنیا میں ٹل بھی گیا، آخرت میں تو یقیناً یہ مشاہدہ ہو کر رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ

پھر اب وہی راہ دیکھتے ہیں پہلوں کے دستور کی سو تو نہ پائیگا اللہ کا دستور

اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾

بدلتا اور نہ پائیگا اللہ کا دستور ٹلتا

تعزیز وسزا کا الٰہی قانون ٹلنے والا نہیں ہے:

یعنی یہ اسی کے منتظر ہیں کہ جو گزشتہ مجرموں کے ساتھ معاملہ ہوا ان کے ساتھ بھی ہو۔ سو باز نہ آئے تو وہی ہو کر رہے گا۔ اللہ کا جو دستور مجرموں کی نسبت سزا دینے کا رہا ہے، نہ وہ بدلنے والا ہے کہ بجائے سزا کے ایسے مجرموں پر انعام و اکرام ہونے لگے اور نہ ٹلنے والا کہ مجرم سے سزا ٹل کر غیر مجرم کو دے دی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ

کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۚ

انجام اُن لوگوں کا جو اُن سے پہلے تھے اور تھے اُن سے بہت سخت زور میں

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمَاوَاتِ

اور اللہ وہ نہیں جس کو تھکائے کوئی چیز آسمانوں میں

وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٤٤﴾

اور نہ زمین میں وہ تو ہے سب کچھ جانتا کر سکتا

اللہ کی گرفت سے کوئی باہر نہیں:

یعنی بڑے بڑے زور آور بھی اللہ کی گرفت سے نہ بچ سکے مثلاً عاد، ثمود وغیرہ۔ یہ بیچارے تو چیز کیا ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ آسمان و زمین کی کوئی طاقت اللہ کو عاجز نہیں کر سکتی علم اس کا محیط اور قدرت اس کی کامل۔ پھر معاذ اللہ عاجز ہو تو کدھر سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

آیات مذکورہ سے واضح ہو گیا کہ کافروں کی جڑ اکھاڑ دینے کا اللہ کا مقررہ ضابطہ ہے اور یہ ضابطہ ناقابل تغیر ہے اسی ضابطہ کے مطابق گذشتہ کافروں کو تباہ کر دیا گیا باوجود یہ کہ وہ بڑے طاقتور تھے مگر ان کی طاقت ان کو فائدہ نہ پہنچا سکی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا
اور اگر پکڑ کرے اللہ لوگوں کی اُن کی کمائی پر
مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ
نہ چھوڑے زمین کی پیٹھ پر ایک بھی ہلنے چلنے والا ☆

حکمت الٰہی: یعنی لوگ جو گناہ کماتے ہیں اگر ان میں سے ہر ہر جزئی پر گرفت شروع کر دے، تو کوئی جاندار زمین میں باقی نہ رہے، نافرمان تو اپنی نافرمانی کی وجہ سے تباہ کر دیئے جائیں۔ اور کامل فرمانبردار جو عادۃً بہت تھوڑے ہوتے ہیں قلت کی وجہ سے اٹھا لئے جائیں۔ کیونکہ نظام عالم کچھ ایسے انداز پر قائم کیا گیا ہے کہ محض معدودے چند انسانوں کا یہاں بستے رہنا خلاف حکمت ہے۔ پھر جب انسان آباد نہ رہے تو حیوانات کاہے کے لئے رکھے جائیں گے۔ ان کا وجود بلکہ تمام عالم کی ہستی تو اسی حضرت انسان کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

(یعنی قیامت) تک ان کو مہلت دے رہا ہے دابۃ جاندار جو زمین پر چلتے ہیں یعنی کسی گناہ گار متنفس کو نہ چھوڑتا یا یہ مطلب کہ ان کافروں کی بداعمالی کی نحوست سب زندہ جانوروں پر پڑتی اور اللہ سب کو تباہ کر دیتا، اجل مسمی سے مراد ہے موت یا قیامت۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ
پر اُن کو ڈھیل دیتا ہے ایک مقرر وعدہ تک پھر جب آئے
اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا
اُن کا وعدہ تو اللہ کی نگاہ میں ہیں اُس کے سب بندے ☆

وقت آنے دو سب کو پتہ لگ جائے گا:

یعنی ایک مقرر میعاد اور حد معین تک اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے کہ ہر ایک جرم پر فوراً گرفت نہیں کرتا۔ جب وقت موعود آ جائیگا تو یاد رکھو سب بندے اسکی نگاہ میں ہیں۔ کسی کا ایک ذرہ بھر برا یا بھلا عمل اسکے علم سے باہر نہیں۔ پس ہر ایک کا اپنے علم محیط کے موافق ٹھیک ٹھیک فیصلہ فرما دے گا۔ نہ مجرم کہیں چھپ سکے نہ مطیع کا حق مارا جائے "اللهم اجعلنا ممن يطيعك واغفرلنا ذنوبنا انك انت الغفور الرحيم" تم سورہ "فاطر" بفضل اللہ ورحمتہ۔ (تفسیر عثمانی)

سورۃ یٰس

جس میں اس کو خواب میں پڑھا۔ دلیل ہے کہ اُس کی عاقبت بالخیر ہوگی۔ (علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ)

سبب نزول:

یٰس ابو نعیم نے دلائل میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد (کعبہ) میں اونچی آواز سے قرأت کرتے تھے قریش کے کچھ لوگوں کو اس سے دکھ ہوتا تھا (ایک روز) حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہاتھ ڈالنے کیلئے وہ لوگ اٹھے لیکن فوراً گردنوں سے ان کے ہاتھ بندھ گئے اور آنکھیں اندھی ہو گئیں کچھ سوجھائی نہیں دیتا تھا مجبور ہو کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور اللہ کا اور قرابت کا واسطہ دے کر دعا کرنے کی درخواست کی، قریش کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابتداری اس سے نہ ہو چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور وہ مصیبت اللہ نے ان کی دور کر دی، اس پر یٰسین سے لایؤمنون تک آیات نازل ہوئیں۔

سورۂ یٰسین کے فضائل:

حضرت ابوبکرؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ یٰسین کو توریت میں معمہ کہا گیا ہے کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والے کو دونوں جہاں کی بھلائی عموماً عطا کرتی اور دنیا و آخرت کے دکھ کو دور کرتی ہے اس کا نام دافعہ اور قاضیہ بھی ہے یہ اپنے پڑھنے والے سے ہر برائی کو دفع کرتی اور اس کی ہر ضرورت پوری کرتی ہے جو اس کو پڑھے گا اس کو بیس حج کے برابر ثواب ملے گا اور جو اس کو سنے گا اس کو راہ خدا میں ہزار دینار صرف کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور جو اس کو لکھے گا اس کے سینہ کے اندر ہزار دوائیں اور ہزار نور اور ہزار یقین اور ہزار نیکیاں اور ہزار رحمتیں داخل کر دی جائیں گی اور ہزار کینے اور مرض اس کے اندر سے نکال دیے جائیں گے یہ بھی حضرت ابوبکرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن اپنے ماں باپ کی قبروں پر یا دونوں میں سے ایک کی قبر پر جا کر سورۂ یٰسین پڑھے گا اللہ اس سورت کے ہر حرف کی تعداد کے برابر اس کے گناہ معاف کر دے گا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے اُسے بخش دیا جاتا ہے اور جو سورۂ دخان پڑھے اُسے بھی بخش دیا جاتا ہے اس کی اسناد بہت عمدہ ہیں۔

بعض علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے کہ جس سخت کام کے وقت سورۂ یٰسین پڑھی جاتی ہے اللہ تعالیٰ اُسے آسان کر دیتا ہے مرنے والے

کے سامنے جب اس کی تلاوت ہوتی ہے تو رحمت و برکت نازل ہوتی ہے اور رُوح آسانی سے نکلتی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم، مشائخ نے بھی فرمایا ہے کہ ایسے وقت سورۂ یٰسین پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تخفیف کر دیتا ہے اور آسانی ہو جاتی ہے۔ بزار میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ میری چاہت ہے کہ میری امت کے ہر ہر فرد کو یہ سورت یاد ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یٰسین قلب القرآن، یعنی سورہ یٰسین قرآن کا دل ہے، اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں ہے کہ جو شخص سورۂ یٰسین کو خالص اللہ اور آخرت کیلئے پڑھتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اس کو اپنے مُردوں پر پڑھا کرو۔

(رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم وغیرہم، کذافی الروح والمظہری)

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ سورۂ یٰسین کو قلبِ قرآن فرمانے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس سورۂ میں قیامت اور حشر و نشر کے مضامین خاص تفصیل اور بلاغت کے ساتھ آئے ہیں اور اصول ایمان میں سے عقیدۂ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان کے اعمال کی صحت موقوف ہے، خوفِ آخرت ہی انسان کو عمل صالح کیلئے مستعد کرتا ہے اور وہی اس کو ناجائز خواہشات اور حرام سے روکتا ہے تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی صحت پر موقوف ہے اسی طرح ایمان کی صحت فکرِ آخرت پر موقوف ہے (روح) اور اس سورۃ کا نام جیسا سورۂ یٰسین معروف ہے اسی طرح ایک حدیث میں اسکا نام عظیمہ بھی آیا ہے (اخرجہ ابونصر السجزی عن عائشہؓ) اور ایک حدیث میں ہے کہ اس سورۃ کا نام تورات میں معمہ آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے کیلئے دنیا و آخرت کی خیرات و برکات عام کرنے والی، اور اس کے پڑھنے والے کا نام شریف آیا ہے اور فرمایا کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت قبیلہ ربیعہ کے لوگوں سے زیادہ کیلئے قبول ہوگی، (رواہ سعید بن منصور والبیہقی عن حسان بن عطیہ) اور بعض روایات میں اس کا نام مدافعہ بھی آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے سے بلاؤں کو دفع کرنے والی اور بعض میں اس کا نام قاضیہ بھی مذکور ہے، یعنی حاجات کو پورا کرنے والی۔ (روح المعانی)

اور حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ جس مرنے والے کے پاس سورۂ یٰسین پڑھی جائے تو اس کی موت کے وقت آسانی ہو جاتی ہے (رواہ الدیلمی، از حسب مظہری)

اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ یٰسین کو اپنی حاجت کے لئے پڑھے تو اسکی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔ (اخرجہ الدیلمی، از مظہری)

اور یحییٰ بن کثیر نے فرمایا کہ جو شخص صبح کو سورۂ یٰسین پڑھ لے وہ شام تک خوشی اور آرام سے رہے گا اور جو شام کو پڑھ لے تو صبح تک خوشی میں رہے گا، اور فرمایا کہ مجھے یہ بات ایسے شخص نے بتائی ہے جس نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ (اخرجہ ابن ضریس، مظہری) (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابن مسعود راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو سورۂ یٰسین پڑھے گا صبح ہوگی تو اس کی مغفرت ہو چکی ہو گی۔ رواہ ابونعیم فی الحلیۃ بسند ضعیف

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سورۂ یٰسین ایک بار پڑھی اس نے گویا دس بار قرآن پڑھا، رواہ البیہقی بسند ضعیف۔

حضرت معقل بن یسار راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے یٰسین پڑھے گا اس کے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اس لیے اپنے مرنے والوں کے پاس اس کو پڑھا کرو، رواہ البیہقی بسند ضعیف۔

طبرانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے جو شخص ہر رات یٰسین پڑھنے کی پابندی کرے گا پھر مر جائے گا تو شہید مرے گا۔

دارمی اور طبرانی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے جو شخص خوشنودی خدا حاصل کرنے کیلئے یٰسین پڑھے گا اس کو بخش دیا جائیگا۔

دیلمی اور ابوالشیخ بن حبان نے فضائل میں حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے جس مرنے والے کے پاس یٰسین پڑھی جاتی ہے اللہ اس کیلئے (موت کی) آسانی کر دیتا ہے۔

محاملی نے امالی میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے جو شخص یٰسین کو اپنی حاجت کا پیش رو بنائے گا اس کی حاجت پوری کر دی جائے گی، دارمی کے نزدیک اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے، جو مرسلاً مروی ہے۔

مستدرک میں حضرت امام ابو جعفر محمد بن امام زین العابدین کا قول مذکور ہے کہ جو شخص اپنے دل میں کچھ سختی محسوس کرے اس کو چاہئے کہ ایک پیالہ میں زعفران سے یٰسین لکھ کر پی لے ابن الفریس نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص دیوانہ پر سورۂ یٰسین پڑھے گا دیوانہ اچھا ہو جائے گا۔ یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے کہ جو شخص صبح شام کو یٰسین پڑھے گا (ان بھر) شام تک خوشی میں رہے گا اور جو شخص شام کو یٰسین پڑھے گا صبح تک خوشی میں رہے گا۔ تجربہ کرنے والوں کا یہی بیان ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن جبیرؒ کے کلام سے یہ مستفاد ہے کہ لفظ یٰسین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ان دو عظیم الشان حرفوں سے رکھنا، یعنی یا اور سین اس میں بڑے راز ہیں۔

یٰسین کسی کا نام رکھنا کیسا ہے:

امام مالک نے اس واسطے پسند نہیں کیا کہ ان کے نزدیک یہ اسماء الٰہیہ میں سے ہے، اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں، اس لئے ممکن ہے کہ کوئی ایسے معنی ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے خالق، رزاق، وغیرہ، البتہ اس لفظ کو یاسین کے رسم الخط میں لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ

قرآن کریم میں آیا ہے سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ (معارف مفتی اعظم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
یٰسٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ
قسم ہے اس پکے قرآن کی تو تحقیق ہے بھیجے
الْمُرْسَلِیْنَ ۝ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝
ہوؤں میں سے اوپر سیدھی راہ کے ☆

اعجاز قرآن کی گواہی:

یعنی قرآن کریم اپنی اعجازی شان، پرحکمت تعلیمات اور پختہ مضامین کے لحاظ سے بڑا زبردست شاہد اس بات کا ہے کہ جو نبی اُمی اس کو لے کر آیا یقیناً وہ اللہ کا بھیجا ہوا اور بے شک وشبہ سیدھی راہ پر ہے اُس کی پیروی کرنے والوں کو کوئی اندیشہ منزل مقصود سے بھٹکنے کا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت:

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت ورسالت کو قسم کے ساتھ بیان کیا آپ کے سوا کسی اور نبی اور رسول کی رسالت کو قسم کھا کر نہیں بیان فرمایا۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝
اتارا زبردست رحم والے نے

اللہ تعالیٰ زبردست بھی ہے مہربان بھی:

یعنی یہ دین کا سیدھا راستہ یا قرآن حکیم اُس خدا کا اتارا ہوا ہے جو زبردست بھی ہے کہ منکر کو سزا دیئے بغیر نہ چھوڑے اور رحم فرمانے والا بھی کہ ماننے والوں کو نوازش وبخشش سے مالا مال کر دے اسی لئے آیات قرآنیہ میں بعض آیات شان لطف ومہر کا اور بعض شان غضب وقہر کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝
تاکہ تو ڈرائے ایک قوم کو کہ ڈر نہیں سنا اُن کے باپ دادوں نے سو اُن کو خبر نہیں
لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓی اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝
ثابت ہو چکی ہے بات اُن میں بہتوں پر سو وہ نہ مانیں گے ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ بہت مشکل کام لگایا گیا ہے:

یعنی بہت کٹھن کام آپ کے سپرد ہوا ہے کہ اُس قوم (عرب) کو آپ قرآن کے ذریعہ سے ہشیار وبیدار کریں جس کے پاس صدیوں سے کوئی جگانے والا نہیں بھیجا تھا، وہ جاہل وغافل قوم جسے نہ خدا کی خبر نہ آخرت کی نہ ماضی سے عبرت نہ مستقبل کی فکر، نہ مبداء پر نظر نہ منتہاء پر، نہ نیک وبد کی تمیز نہ بھلے برے کا شعور اُس کو اتنی ممتد جہالت وغفلت کی اندھیریوں سے نکال کر رشد وہدایت کی صاف سڑک پر لا کھڑا کرنا کوئی معمولی اور سہل کام نہیں ہے۔ بلاشبہ آپ پوری قوت اور زور وشور کے ساتھ ان کو اس غفلت وجہالت کے خوفناک نتائج اور بھیانک مستقبل سے ڈرا کر فلاح وبہبود کے اعلیٰ مدارج پر پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ تاکہ یہ قوم اپنی اعلیٰ کامیابی سے تمام عالم پر کامیابی کا دروازہ کھول دے لیکن بہت افراد وہ ملیں گے جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے والے نہیں اسی لئے اُن پر شیطان پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے جو اُن کی حماقتوں اور شرارتوں کو اُن کی نگاہ میں خوشنما کر کے دکھلاتا اور اگلے پچھلے سب احوال کو خواہ کتنے ہی گندے ہوں، خوبصورت بنا کر ظاہر کرتا ہے، آخر یہ لوگ دوسری زندگی سے بالکل منکر ہو کر اپنی فانی خواہشات ہی کو قبلہ مقصود ٹھہرا لیتے ہیں اُس وقت ایک طرف سے شیطان کی بات "لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ" (مخلصین کے سوا میں سب کو بہکا کر رہوں گا) سچی ہوتی ہے اور دوسری طرف حق تعالیٰ کا قول "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ" (تجھ سے اور تیرے پیرؤوں سے دوزخ کو بھر دوں گا) ثابت اور چسپاں ہو جاتا ہے باقی علم الٰہی میں تو ازل سے ثابت ہے کہ فلاں قوم کے فلاں فلاں افراد اپنی بدتمیزی اور بے پرواہی سے شیطان کے اغواء میں پھنس کر عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے ایسے لوگوں سے راہ پر آنے اور ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے پس آپ کو سلسلہ انذار وصلاح میں اگر ایسے سخت کٹھن واقعات کا مقابلہ کرنا پڑے تو ملول وغمگین نہ ہوں اپنا فرض ادا کئے جائیں اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دیں تقریر بالا کو سمجھنے کیلئے یہ آیت پیش نظر رکھیے۔ "وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ وَاِنَّهُمْ لَیَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِیْلِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ" (زخرف۔ رکوع ۴) معلوم ہوا کہ شیطان ابتداء کسی پر مسلط نہیں کیا جاتا بلکہ اندھا بن کر نصیحت سے اعراض کرتے رہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آخر کار شیطان مسلط ہو جائے جیسے ہاتھ پاؤں سے مدت تک کام نہ لے تو وہ عضو بیکار کر دیا جاتا ہے قول تعالیٰ "فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ" (صف۔ رکوع ۱) "وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ" (انعام۔ رکوع ۱۳)(پ) "وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ" (حٰم السجدۃ رکوع ۳) تسلط کے بعد شیطان یہ کام کرتا ہے جس کا نتیجہ "حق علیھم القول" ہے (ت) "وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ"

فَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ (احقاف۔رکوع۲) ان آیات سے معلوم ہوا کہ لفظ "حَقَّ الْقَوْلُ" اُن لوگوں پر صادق آتا ہے جو موت کے بعد کی دوسری زندگی کا یقین ہی نہیں رکھتے، نہ برائی کو برائی سمجھتے ہیں، بلکہ اغوائے شیطانی سے اپنی بدیوں کو نیکی اور گمراہی کو ہدایت تصور کر لیتے ہیں کیسے ہی معقول دلائل سنایئے اور کھلے کھلے نشان دکھلایئے سب کو جھٹلاتے رہیں اور فضول حجتیں نکالتے رہیں بظاہر ہادیوں اور پیغمبروں کی بات کی طرف کان جھکائیں مگر ایک حرف سمجھنے کی کوشش نہ کریں محض ہوا و ہوس کو اپنا معبود ٹھہرا لیں نہ عقل سے کام لیں نہ آنکھوں سے، یہ ہی لوگ ہیں جن کے اعراض و عناد کے نتیجہ میں آخر کار اللہ تعالیٰ دلوں پر مہر کر دیتا ہے کہ ان میں خیر کے گھسنے کی پھر ذرا گنجائش نہیں رہتی جیسے کوئی شخص، اپنے اوپر روشنی کے سب دروازے بند کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اندھیرے میں چھوڑ دیتا ہے یا ایک بیمار دوا پینے کی قسم کھالے طبیب سے دشمنی کرے اور ہر قسم کی بد پرہیزی پر تیار ہو جائے تو اللہ اس کے مرض کو مہلک بنا دیتا اور لا دوا کے درجہ میں پہنچا دیتا ہے فرماتے ہیں۔ "تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (اعراف۔رکوع۱۳)

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ (یونس۔رکوع۸) وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (روم۔رکوع۶) كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (مومن۔رکوع۴) وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (محمد۔رکوع۲) بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء۔رکوع۲۲) كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (مطففین رکوع) اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ (جاثیہ۔رکوع۳) وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف۔رکوع۲۲)

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ (مائدہ۔رکوع۶) (تفسیر عثمانی)

مَآ اُنْذِرَ میں مَا نافیہ ہے حضرت اسماعیلؑ کے بعد مکہ میں کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا مکہ والوں کو پیغمبر کی ضرورت بہت زیادہ تھی اس لیے فرمایا کہ ان لوگوں کے آباء و اجداد کے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا (اور ان کو پیغمبر کی ضرورت سخت تھی اس لیے) آپ کو ان کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ
ہم نے ڈالے ہیں ان کی گردنوں میں طوق سو وہ ہیں
اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ⑧
ٹھوڑیوں تک پھر ان کے سر الل رہے ہیں

سرمایہ پرستی و جہالت کے طوق:

یہ اُن ہی لوگوں کے حق میں ہے جن کا ذکر گذشتہ فائدہ میں ہوا یہ طوق عادات و رسوم حُبِ جاہ و مال اور تقلید آباء و اجداد کے تھے جنہوں نے ان کے گلے سختی سے دبا رکھے تھے اور نخوت و تکبر کی وجہ سے ان کے سر نیچے نہیں جھکتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

سببِ نزول: ابن جریر نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابوجہل نے کہا تھا اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پایا تو ایسا ایسا کروں گا اس پر مذکورہ آیت ابوجہل کے حق میں لَا يُبْصِرُوْنَ تک نازل ہوئی۔ چنانچہ لوگ ابوجہل سے کہتے تھے یہ محمد موجود ہیں (اب تم جو کہتے تھے وہ کر دکھاؤ) تو ابوجہل کہتا تھا کہاں ہیں مجھے تو دکھائی نہیں دیتے۔

بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول ابوجہل اور اس کے ایک مخزومی ساتھی کے حق میں ہوا ابوجہل نے قسم کھا کر کہا تھا کہ میں نے جہاں بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پایا پتھر سے ان کا سر کچل دوں گا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں اس نے دیکھ لیا اس کے پاس ہی پتھر بھی پڑا ہوا تھا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مارنے کیلئے پتھر اٹھانا چاہا فوراً ہاتھ گردن سے چمٹ گیا اور پتھر چھوٹ کر ہاتھ پر گر پڑا ابوجہل فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ گیا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ بیان کیا اور بیان کرتے ہی وہ دوسرا مخزومی شخص بولا اب میں جا کر اسی پتھر سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں گا چنانچہ پتھر مارنے کیلئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا آپ

صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے اللہ نے اس کو اندھا کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز تو اس کو سنائی دیتی تھی مگر آنکھوں سے کچھ نہیں دکھتا تھا وہ بھی اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا لیکن ساتھیوں میں سے بھی وہ کسی کو دیکھ نہ سکا لوگوں نے اس کو آواز دی اور کہا تو نے کیا کیا مخزومی نے کہا مجھے تو وہ نظر ہی نہیں آئے ہاں ان کی آواز میں نے ضرور سنی مگر میرے اور ان کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل تھی جیسے کوئی نر اونٹ موجود (حملہ کرنے کیلئے) دم ہلا رہا ہو اگر میں ان کے قریب جاتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا اس پر آیت اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا نازل ہوئی۔

فَهِیَ اِلَى الْاَذْقَانِ یعنی گلے میں پڑے ہوئے طوق ٹھوڑیوں تک ہیں جن کی وجہ سے وہ گردن جھکا نہیں سکتے بغوی نے لکھا ہے اغلال سے بطور کنایہ ہاتھ مراد ہیں اگرچہ ہاتھوں کا ذکر پہلے نہیں آیا ہے کیونکہ غل کا معنی ہے ہاتھوں کو گردن سے باندھ دینا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں اور ہاتھوں کو گردن سے ملا کر ہم نے ٹھوڑیوں تک طوق کو کس دیا ہے۔

فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ یعنی ٹھوڑیوں تک طوق ہونے کی وجہ سے ان کی گردنیں اوپر کو اٹھی ہوئی ہیں آنکھیں بند ہوگئی ہیں کسی چیز کو دیکھ نہیں سکتیں۔

بیہقی نے دلائل میں بطریق سدی صغیر از کلبی از ابو صالح حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ قبیلہ بنی مخزوم کے کچھ لوگوں نے باہم مشورہ کر کے یہ بات طے کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں ان مشورہ کرنے والوں میں ابوجہل اور ولید بن مغیرہ بھی شامل تھے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور یہ لوگ آپ کی قرآن کی آواز سن رہے تھے ساتھیوں کے مشورہ کے مطابق ولید بن مغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کے ارادہ سے چل دیا جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے وہاں تک پہنچ گیا لیکن آواز سننے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نظر نہیں آئے، واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو یہ بات بتا دی یہ سنتے ہی دوسرے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے وہاں تک پہنچ بھی گئے اور قرات کی آواز بھی سنتے رہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہ آئے آواز کی طرف بڑھتے تھے تو آواز پیچھے سے آنے لگتی تھی، پیچھے کی طرف آواز کی جانب آتے تھے تو آواز پیچھے سے آنے لگتی تھی آخر ناکام لوٹ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا راستہ نہیں ملا یہی مطلب ہے آئندہ آیت کا۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ
اور بنائی ہم نے ان کے آگے دیوار اور پیچھے دیوار
خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ
پھر اوپر سے ڈھانک دیا سو ان کو کچھ نہیں سوجھتا

عداوت وجہالت کی دیوار:

نبی کی عداوت نے انکے اور قبول ہدایت کے درمیان دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔ جاہلانہ رسوم واطوار اور ہوا وآرائے فاسدہ کی اندھیریوں میں اس طرح بند تھے کہ آگا پیچھا اور نشیب وفراز کچھ نظر نہ آتا تھا۔ نہ ماضی پر نظر تھی نہ مستقبل پر باقی ان افعال کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف اس لئے کی گئی کہ خالق خیر وشر کا وہی ہے اور اسباب پر مسببات کا ترتب اس کی مشیت سے ہوتا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے دلائل آفاقیہ میں غور کرنے کی نفی ہوئی جیسے کہ "فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ" میں دلائل انفسیہ کی طرف ملتفت نہ ہونے کا اشارہ تھا کیونکہ سر اوپر کو اٹھل رہا ہو جھک نہ سکے تو اپنے بدن پر نظر نہیں پڑ سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ
اور برابر ہے ان کو تو ڈرائے
اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ
یا نہ ڈرائے یقین نہیں کریں گے

یہ نصیحت کے لائق نہیں مگر آپ نصیحت کرتے رہیں:

انکو برابر ہے لیکن آپ کے حق میں برابر نہیں، بلکہ ایسی سخت معاند اور سرکش قوم کو نصیحت کرنا اور اصلاح کے درپے ہونا عظیم درجات کے حصول کا سبب ہے اور کبھی یہ اخلاق دوسروں کی ہدایت کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی طرح کی آیات سورۂ "بقرہ" کے اوائل میں گزر چکی ہیں۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ
تو تو ڈر سنائے اس کو جو چلے سمجھانے پر اور ڈرے رحمٰن سے
بِالْغَیْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِیْمٍ
بن دیکھے، سو اس کو خوشخبری دے معافی کی اور عزت کے ثواب کی

یہ نفع مندی کی صفات سے خالی ہیں

یعنی ڈرانے کا فائدہ اسی کے حق میں ظاہر ہوتا ہے جو نصیحت و مان کر اس پر چلے اور اللہ کا ڈر دل میں رکھتا ہو۔ جس کو خدا کا ڈر ہی نہیں نہ نصیحت کی کچھ پرواہ وہ نبی کی تنبیہ وتذکیر سے کیا فائدہ اٹھائے گا۔ ایسے لوگ بجائے مغفرت وعزت کے سزا اور ذلت کے مستحق ہونگے۔ آگے اشارہ کرتے ہیں کہ یقینی طور پر اس عزت وذلت کا پورا اظہار زندگی کے دوسرے دور میں ہوگا جس کے مبادی موت کے بعد سے شروع ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الذکر (نصیحت) سے مراد قرآن ہے قرآن کا اتباع کرنے سے مراد ہے اس کے مطلب پر غور کرنا اور اس کی تعلیم کے بموجب عمل کرنا۔

"رحمٰن" کہنے کا نکتہ:

القهار المنتقم کی بجائے الرحمن فرمایا حالانکہ رحمٰن سے ڈرنے کا کوئی تعلق نہیں۔ خوف تو قہار کے قہر اور منتقم کے انتقام کا ہونا چاہئے کیوں کہ رحمٰن کی صفت رحمت جانتے ہوئے پھر اس سے ڈرنا یا خشیہ کا انتہائی درجہ ہے اور عین ایمان ہے (رحمٰن کی رحمت کو جاننا اور پھر اس سے خوف کرنا) کمال ایمان ہے خوف وامید کے درمیان ہی ایمان ہوتا ہے۔

بِالْغَيْبِ ۔یعنی بن دیکھے عذاب سے ڈرتا ہے یا تنہائی میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔

بِمَغْفِرَةٍ ۔یعنی گناہوں کی معافی کی بشارت دے دیجئے۔

أَجْرٍ كَرِيمٍ ۔اعلیٰ عمدہ اجر یعنی جنت۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ
ہم ہیں جو زندہ کرتے ہیں مُردوں کو ☆

ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں:

یعنی موت کے بعد دوسری زندگی یقینی ہے جہاں سب اپنے کیے کا بدلہ پائیں گے اور شاید ادھر بھی اشارہ ہو کہ یہ قوم (عرب) جس کی روحانی قوتیں بالکل مردہ ہو چکی ہیں، حق تعالیٰ کو قدرت ہے کہ پھر ان میں زندگی کی روح پھونک دے کہ وہ دنیا میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں کرے اور آنیوالی نسلوں کیلئے اپنے آثار عظیمہ چھوڑ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی قبروں سے اٹھانے کے وقت ہم ہی مردوں کو زندہ کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ جہالت اور گمراہی (جو حقیقت میں موت ہیں) کے بعد ہم علم اور ہدایت (جو حقیقت میں زندگی ہیں) دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ
اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے ☆

سب عمل محفوظ ہیں:

یعنی نیک و بد اعمال جو آگے بھیج چکے اور بعض اعمال کے اچھے برے اثرات یا نشان جو پیچھے چھوڑے مثلاً کوئی کتاب تصنیف کی یا علم سکھلایا، یا عمارت بنائی یا کوئی رسم ڈالی نیک یا بد، سب اس میں داخل ہیں بلکہ الفاظ کے عموم میں وہ نشان قدم بھی شامل ہو سکتے ہیں جو کسی عبادت کے لئے چلتے وقت زمین پر پڑ جاتے ہیں چنانچہ بعض احادیث صحیحہ میں تصریح ہے۔ "دیارکم تکتب اثارکم" (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا جس پر بعد والوں نے عمل کیا تو اس شخص کو اپنے کیے کا بھی ثواب ملے گا اور ان لوگوں کے عمل کے برابر بھی جو اس کے جاری کردہ طریقے پر چلے مگر بعد کو اس طریقہ پر چلنے والوں کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا، اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا جس پر بعد کو آنے والے لوگ چلے تو ایجاد کرنے والے پر اپنے عمل کا بھی گناہ ہوگا اور بعد کو عمل کرنے والوں کا بھی لیکن بعد کو عمل کرنیوالوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ رواہ مسلم من حدیث جریر۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز میں سب سے بڑا اجر اس شخص کو ملتا ہوتا ہے جو سب سے زیادہ دور سے چل کر آئے پھر اس کے بعد اس شخص کا اجر ہوتا ہے جو (اوروں سے) زیادہ دور سے آئے اور جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھنے کے انتظار میں رہتا ہے اس کا ثواب اس شخص سے بڑھ کر ملتا ہے جو نماز پڑھ کر سو رہتا ہے۔ (متفق علیہ)

قدموں کے نشان بھی لکھے جاتے ہیں:

حضرت جابر کا بیان ہے مسجد کے گرد کچھ زمین کے قطعے خالی پڑے تھے بنی سلمہ کا ارادہ ہوا کہ (اپنے محلے سے) منتقل ہو کر مسجد کے قریب آ بسیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ منتقل ہو کر مسجد کے قریب آ جاؤ، بنی سلمہ نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا یہی ارادہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی سلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

ابن جریر میں حضرت ثابتؓ سے روایت ہے کہ میں حضرت انسؓ کے ساتھ نماز کیلئے مسجد کی طرف چلا میں جلدی جلدی بڑے قدموں سے چلنے لگا تو آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا اور اپنے ساتھ آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے لے جانے لگے جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا میں (حضرت) زید بن ثابتؓ کے ساتھ مسجد کو جا رہا تھا اور تیز قدم چل رہا تھا تو آپ نے مجھ سے فرمایا اے انس! کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ یہ نشانات قدم لکھے جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُبِينٍ
اور ہر چیز گن لی ہے ہم نے ایک کھلی اصل میں ☆

لوحِ محفوظ یعنی جس طرح تمام اعمال و آثار وقوع کے بعد ضابطہ کے موافق لکھے جاتے ہیں قبل از وقوع بھی ایک ایک چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وہ لکھنا بھی محض انتظامی ضوابط و مصالح کی بناء پر ہے ورنہ اللہ کے علم قدیم میں ہر چھوٹی بڑی چیز پہلے سے موجود و حاضر ہے اسی کے موافق لوح محفوظ میں نقل کی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جزاء اور سزا وقوع کے بعد ملتی ہے ہر چیز وقوع سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور وقوع کے بعد نامۂ اعمال میں لکھی ہوئی ہے امام مبین

سے لوح محفوظ مراد ہے جو کتاب اعمال کے علاوہ ہے جس میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں اور جو قیامت کے دن بندوں کے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ
اور بیان کر ان کے واسطے ایک مثل اُس گاؤں کے لوگوں کی ☆

انطاکیہ والوں کا قصہ:

یہ گاؤں اکثر کے نزدیک شہر "انطاکیہ" ہے اور بائبل کتاب اعمال کے آٹھویں اور گیارہویں باب میں ایک قصہ اسی قصہ کے مشابہ کچھ تفاوت کے ساتھ شہر انطاکیہ کا بیان ہوا ہے لیکن ابن کثیر نے تاریخی حیثیت سے اور سیاق قرآن کے لحاظ سے اس پر کچھ اعتراضات کئے ہیں اگر وہ صحیح ہوں تو کوئی اور بستی ماننی پڑیگی واللہ اعلم، اس قصہ کا ذکر مومنین کے لئے بشارت اور مکذبین کیلئے عبرت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عیسیٰؑ کا دو قاصدوں کو روانہ کرنا:

بغوی نے لکھا ہے علماء تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو حواری قاصد بنا کر انطاکیہ شہر کو بھیجے یہ دونوں جب شہر کے قریب پہنچے تو ایک بوڑھا آدمی بکریاں چراتا ملا (یہ شخص حبیب تھا جو حضرت عیسیٰؑ کا صحابی ہو) دونوں نے اس کو سلام کیا بوڑھے نے کہا تم کون ہو قاصدوں نے کہا اللہ کا رسول تم کو بت پرستی چھوڑ کر اللہ کی عبادت کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے بوڑھے نے کہا کیا تمہارے پاس کوئی نشانی ہے قاصدوں نے کہا ہاں ہم اللہ کے حکم سے بیمار کو تندرست اور مادر زاد نابینا اور کوڑھی کو بھلا چنگا کر دیتے ہیں بوڑھے نے کہا میرا ایک بیٹا ہے جو دو سال سے بیمار ہے، قاصدوں نے کہا تو چلو ہم کو وہاں لے چلو ہم بھی اس کی حالت دیکھیں، بوڑھا دونوں کو لے کر اپنے گھر پہنچا قاصدوں نے اس کے بیٹے پر جونہی ہاتھ پھیرا وہ اللہ کے حکم سے (تندرست ہو کر) اٹھ کھڑا ہوا یہ خبر شہر میں پھیل گئی اور ان کے ہاتھ سے اللہ نے بہت مریضوں کو شفاء عطا فرما دی۔

انطاکیہ کا بادشاہ: انطاکیہ والوں کا ایک بادشاہ تھا وہب نے اس کا نام نطفس کہا ہے یہ بادشاہ رومی تھا اور بتوں کی پوجا کرتا تھا جب اس کو یہ اطلاع ملی تو اس نے دونوں قاصدوں کو طلب کیا دونوں حضرات اس کے پاس پہنچ گئے بادشاہ نے پوچھا تم کون ہو قاصدوں نے کہا ہم عیسیٰؑ کے قاصد ہیں، بادشاہ نے کہا کس غرض سے آئے ہو قاصدوں نے کہا ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ ایسے (بتوں کی) جو نہ کچھ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں پوجا چھوڑ کر ایسی ذات کی عبادت کی طرف آجاؤ جو سنتا اور دیکھتا ہے بادشاہ نے کہا کیا تمہارا کوئی خدا ہمارے معبودوں سے علاوہ ہے قاصدوں نے کہا جی ہاں جس نے آپ کو اور آپ کے معبودوں کو پیدا کیا ہے (وہی ہمارا معبود ہے) بادشاہ نے کہا اچھا اب تو اٹھ جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کروں گا قاصد اٹھ گئے پھر لوگوں نے ان کا پیچھا کیا اور بازار میں پکڑ کر دونوں کو مارا۔

قاصدوں کا قید ہونا اور کوڑوں کی سزا پانا:

وہب کا بیان ہے کہ بادشاہ نے غضبناک ہو کر دونوں کو قید کر دینے اور سو سو کوڑے مارنے کا حکم دے دیا۔

شمعون کا مدد کیلئے جانا:

اہل تاریخ نے لکھا ہے جب ان دونوں قاصدوں کی تکذیب کی گئی اور مارا گیا تو حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں کے سردار شمعون صفا کو ان کے پیچھے ان کی مدد کے لئے بھیجا، شمعون بستی میں حلیہ بدل کر پہنچے اور بادشاہ کے مصاحبوں سے ربط ضبط پیدا کیا جب بادشاہ کے مصاحب ان سے مانوس ہو گئے تو انہوں نے ان کی اطلاع بادشاہ تک پہنچا دی بادشاہ نے طلب کر لیا شمعون دربار میں حاضر ہوئے بادشاہ نے ان کی صحبت کو پسند کر لیا اور مانوس ہو گیا اور ان کی عزت کی۔

شمعون کی قیدیوں کے بارے میں بادشاہ سے گفتگو

کچھ مدت کے بعد ایک روز شمعون نے بادشاہ [illegible]

آپ نے دو آدمیوں کو قید خانہ میں بند کر رکھا ہے [illegible] آپ کے مذہب کے خلاف دعوت دی تو آپ نے [illegible] آپ نے ان سے جو گفتگو بھی کی تھی اور ان کی بات بھی سنی [illegible] بادشاہ نے کہا مجھے اتنا غصہ آیا کہ میں ان سے کوئی بات نہ کر سکا شمعون نے کہا [illegible] بادشاہ مناسب سمجھے تو ان کو طلب فرما کر دریافت کرے کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔

بادشاہ کے سامنے قیدیوں کے بیانات:

شمعون کے مشورہ کے موافق بادشاہ نے دونوں حواریوں کو طلب کیا شمعون نے ان دونوں سے دریافت کیا تم کو یہاں کس نے بھیجا ہے قاصدوں نے جواب دیا "اللہ نے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔" شمعون نے کہا اللہ کے مختصر اوصاف بیان کرو، قاصدوں نے کہا "وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسی اس کی مشیت ہوتی ہے حکم دیتا ہے۔" شمعون نے کہا تم دونوں کے پاس نشانی کیا ہے قاصدوں نے کہا جو آپ طلب کریں۔

اندھے کا بینا ہونا:

یہ سنتے ہی بادشاہ نے ایک لڑکے کو بلوایا جس کی دونوں آنکھوں کے نشان بھی مٹے ہوئے تھے دونوں آنکھوں کی جگہ ایک سپاٹ تھی جیسے پیشانی، دونوں حواریوں نے اپنے رب سے دعاء کرنی شروع کی اور برابر کرتے رہے آخر دونوں آنکھوں کی جگہ پھٹ گئی دونوں نے مٹی کے دو غلے فوراً لے کر آنکھوں کے شگافوں میں رکھ دیے فوراً دونوں غلے آنکھوں کی ڈیلوں کی طرح ہو گئے

اور دونوں سے دکھائی دینے لگا بادشاہ کو (بڑا) تعجب ہوا۔

حقیقت کا اعتراف:

شمعون نے بادشاہ سے کہا اگر آپ اپنے معبود سے درخواست کریں اور وہ بھی ایسا ہی کر دے تو آپ کو برتری حاصل ہو جائے گی بادشاہ نے کہا تم سے کچھ چھپی بات نہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارا معبود جس کی ہم پوجا کرتے ہیں نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ ضرر پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے (وہ کچھ نہیں کر سکتا) شمعون کا قاعدہ یہ تھا کہ بادشاہ جب بتوں کی پوجا کرنے جاتا تو شمعون بکثرت نماز پڑھتا اور (اللہ کے سامنے) گڑگڑاتا تھا لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہمارے مذہب پر ہے۔

مُردہ کا زندہ ہونا:

اس کے بعد بادشاہ نے دونوں حواریوں سے کہا اگر تمہارا خدا جس کی تم پوجا کرتے ہو مردہ کو زندہ کر سکے تو ہم اس کو مان لیں گے حواریوں نے کہا ہمارا معبود ہر چیز کی قدرت رکھتا ہے بادشاہ نے کہا ایک زمیندار کا بچہ سات روز ہوئے مر گیا تھا اس کا باپ موجود نہ تھا ہم نے اس کے باپ کے آنے تک اسکو دفن کرنے سے روک دیا تھا (اس کو تمہارا خدا زندہ کر دے تو مانیں) حسب الحکم لوگ میت کو لے آئے میت بگڑ چکی اور شکل ڈراونی ہو گئی تھی دونوں حواری اللہ سے علانیہ دعاء کرنے لگے اور شمعون چپکے چپکے خدا سے دعاء مانگتا رہا غرض کچھ دیر کے بعد مردہ اٹھ بیٹھا۔

مردہ کے بیانات:

مردہ نے کہا سات روز ہوئے شرک کی حالت میں مرا تھا مجھے آگ کی سات وادیوں میں لے جایا گیا میں تم کو اس شرک سے ڈراتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اللہ پر ایمان لے آؤ پھر اس نے کہا آسمان کے دروازے کھلتے مجھے دکھائی دیے اور میں نے ایک خوبصورت جوان کو دیکھا جو ان تینوں کی سفارش کر رہا تھا بادشاہ نے کہا تین کون، اس نے کہا شمعون اور یہ دونوں بادشاہ کو یہ سن کر اور دیکھ کر بڑا تعجب ہوا شمعون نے جب دیکھ لیا کہ اس کی بات بادشاہ پر اثر کر چکی ہے تو بادشاہ سے کہا آپ ان دونوں شخصوں سے سوال کریں کہ وہ آپ کی لڑکی کو زندہ کر دیں۔

شہزادی کا زندہ ہونا:

بادشاہ نے دونوں حواریوں سے اپنی لڑکی کو زندہ کر دینے کی درخواست کی، فوراً دونوں نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور اللہ سے دعاء کی، شمعون بھی دعاء میں ان کے ساتھ شریک تھے مگر چپکے چپکے دعاء کر رہے تھے تھوڑی دیر کے بعد اللہ نے اس عورت کو زندہ کر دیا قبر پھٹی اور عورت اس سے نکل آئی اور کہا خوب جان لو کہ یہ دونوں سچے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تم نہیں مانو گے پھر اس نے دونوں حواریوں سے درخواست کی کہ وہ اس کو اس کی جگہ واپس کر دیں پھر اس نے اپنے سر پر کچھ مٹی ڈالی اور قبر میں لوٹ گئی۔

بادشاہ کی بدبختی:

ابن اسحٰق نے بحوالۂ کعب و وہب بیان کیا ہے کہ بادشاہ ایمان نہیں لایا اور قوم کے اتفاق رائے سے اس نے قاصدوں کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا یہ خبر حبیب کو ملی حبیب اس وقت شہر کے آخری دروازہ پر تھا فوراً دوڑ کر شہر والوں کے پاس پہنچا ان کو نصیحت کی اور قاصدوں کا کہنا ماننے کی دعوت دی، یہی مطلب ہے اللہ کے آئندہ قول کا۔ (تفسیر مظہری)

بستی کی تعیین کوئی ضروری نہیں:

سیدی حضرت حکیم الامت نے بیان القرآن میں اختیار فرمایا ہے کہ آیت قرآن کا مضمون سمجھنے کیلئے اس بستی کی تعیین ضروری نہیں، اور قرآن کریم نے اس کو مبہم رکھا ہے، تو ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کی تعیین پر تنا زور خرچ کیا جائے، سلف صالحین کا یہ ارشاد کہ ابھموا ما ابھمہ اللہ یعنی جس چیز کو اللہ نے مبہم رکھا ہے تم بھی اسے مبہم ہی رہنے دو، اس کا مقتضیٰ بھی یہی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ
جب کہ آئے اس میں بھیجے ہوئے

ان کے ناموں کی صحیح تعیین نہیں ہو سکتی اور نہ یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر تھے یا کسی پیغمبر کے واسطہ سے حکم ہوا تھا کہ اس کے نائب ہو کر فلاں بستی کی طرف جاؤ دونوں احتمال ہیں گو متبادر یہ ہی ہے کہ پیغمبر ہوں شاید حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے مبعوث ہوئے ہونگے۔ (تفسیر عثمانی)

یہ تینوں قاصد تھے پیغمبر نہیں تھے:

حضرت قتادہؓ سے یہ منقول ہے کہ یہاں لفظ مُرْسَلُوْنَ اپنی اصطلاحی معنی میں نہیں بلکہ قاصد کے معنی میں ہے اور یہ تین بزرگ جو اس قریہ کی طرف بھیجے گئے خود پیغمبر نہیں تھے، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین میں سے تھے، انہی کے حکم سے یہ اس قریہ کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔ (ابن کثیر) اور چونکہ ان کے بھیجنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے، ان کا بھیجنا بھی بالواسطہ اللہ تعالیٰ ہی کا بھیجنا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا
جب بھیجے ہم نے اُن کی طرف دو تو اُن کو جھٹلایا
فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ
پھر ہم نے قوت دی تیسرے سے تب کہا انہوں نے ہم تمہاری طرف آئے ہیں بھیجے ہوئے ہیں

قاصدوں کی دعوت:

یعنی اوّل دو گئے پھر ان کی تائید کیلئے تیسرا بھیجا گیا تینوں نے مل کر کہا کہ

ہم خود نہیں آئے خدا کے بھیجے ہوئے آئے ہیں، لہٰذا جو کچھ ہم کہیں اُسی کا پیغام سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

تینوں قاصدوں کے نام:

عبد الرزاق عبد بن حمید، ابن جریر ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے قتادہ نے کہا مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اہل قریہ کے پاس دو حواریوں کو بھیجا تھا کعب نے کہا پہلے دونوں قاصد صادق و مصدوق تھے اور تیسرا قاصد سلوم تھا۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ اَنْزَلَ

وہ بولے تم تو یہی انسان ہو جیسے ہم اور رحمٰن نے

الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝

کچھ نہیں اُتارا تم سارے جھوٹ کہتے ہو

بستی والوں کا جواب:

یعنی تم میں سے کوئی سرخاب کا پر نہیں جو اللہ تمہیں بھیجتا ہم سے کس بات میں تم بڑھ کر تھے بس رہنے دو خواہ مخواہ خدا کا نام نہ لو، اُس نے کچھ نہیں اُتارا تینوں سازش کر کے ایک جھوٹ بنا کے اُسے خدا کی طرف نسبت کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝

وہ بولے ہمارا رب جانتا ہے ہم بیشک تمہاری طرف بھیجے ہوئے آئے ہیں

قاصدوں کے سچا ہونے کی دلیل:

یعنی اگر ہم خدا پر جھوٹ لگاتے ہیں تو وہ دیکھ رہا ہے کیا وہ اپنے فعل سے برابر جھوٹوں کی تصدیق کرتا رہے گا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب تم سمجھو یا نہ سمجھو، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہم اپنے دعوے میں سچے ہیں اور کوئی بات اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ اسی لئے فعلاً ہماری تصدیق کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ: رسولوں نے اللہ کے علم سے استشہاد کیا جو قسم کے قائم مقام ہے (یعنی انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر کہا) اس لیے (احناف کا مسلک ہے کہ) جس نے دانستہ جھوٹ بولا اور جانتے ہوئے کہا اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کر دیا اور واقع میں وہ کاذب ہو تو اس پر یمین غموس پڑ جائے گی (دانستہ گذشتہ واقعہ پر جھوٹی قسم) (تفسیر مظہری)

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور ہمارا ذمہ یہی ہے پیغام پہنچا دینا کھول کر ☆

یعنی ہم اپنا فرض ادا کر چکے، خدا کا پیام خوب کھول کر واضح، معقول اور دلنشیں طریقہ سے تم کو پہنچا دیا۔ اب اتمام حجت کے بعد خود سوچ لو کہ تکذیب و عداوت کا انجام کیا ہونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ

بولے ہم نے نامبارک دیکھا تم کو اگر تم باز نہ رہو گے تو ہم تم کو سنگسار کریں گے

وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اور تم کو پہنچے گا ہمارے ہاتھ سے عذاب دردناک ☆

بستی والوں کی بے عقلی:

شاید تکذیب مرسلین اور غرور کی شامت سے قحط وغیرہ پڑا ہوگا۔ یا مرسلین کے سمجھانے پر آپس میں اختلاف ہوا کسی نے مانا کسی نے نہ مانا اسکو نامبارک کہا۔ یعنی تمہارے قدم کیا آئے قحط اور نااتفاقی کی بلا ہم پر ٹوٹ پڑی یہ سب تمہاری نحوست ہے (العیاذ باللہ) ورنہ پہلے ہم اچھے خاصے آرام چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ بس تم اپنے وعظ و نصیحت سے ہم کو معاف رکھو۔ اگر یہ روش نہ چھوڑو گے اور وعظ و نصیحت سے باز نہ آؤ گے تو ہم سخت تکلیف و عذاب پہنچا کر تم کو سنگسار کر ڈالیں گے۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ

کہنے لگے تمہاری نامبارکی تمہارے ساتھ ہے کیا اتنی بات پر کہ تم کو سمجھایا

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝

کوئی نہیں پر تم لوگ ہو حد پر نہیں رہتے

قاصدوں کی تعلیم:

یعنی تمہارے کفر و تکذیب کی شامت سے عذاب آیا۔ اگر حق و صداقت کو سب مل کر قبول کر لیتے نہ یہ اختلاف مذموم پیدا ہوتا نہ اس طرح مبتلائے آفات ہوتے، پس نامبارکی اور نحوست کے اسباب خود تمہارے اندر موجود ہیں۔ پھر کیا اتنی بات پر کہ تمہیں اچھی نصیحت و فہمائش کی اور بھلا برا سمجھایا، اپنی نحوست ہمارے سر ڈالنے لگے۔ اور قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم عقل و آدمیت کی حدود سے خارج ہو جاتے ہو، نہ عقل سے سمجھتے ہو نہ آدمیت کی بات کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

پیغمبرانہ دعوت و اصلاح کا طریقہ:

اس بستی کی طرف جو تین رسول بھیجے گئے انہوں نے مشرکین و کفار سے جس طرح خطاب کیا اور ان کی سخت و تلخ باتوں اور دھمکیوں کا جس طرح جواب دیا اسی طرح ان کی دعوت سے مسلمان ہونے والے حبیب نجار نے اپنی قوم سے جس طرح خطاب کیا ان سب چیزوں کو ذرا غور کر کے دیکھئے، تو اس میں تبلیغ دین اور اصلاحِ خلق کی خدمت انجام دینے والوں کے لئے بڑے سبق ہیں۔

ان رسولوں کی ناصحانہ تبلیغ و تلقین کے جواب میں مشرکین نے تین باتیں کہیں۔

۱-تم تو ہمیں جیسے انسان ہو ہم تمہاری بات کیوں مانیں؟
۲-اللہ رحمٰن نے کسی پر کوئی پیغام اور کتاب نہیں اُتاری۔
۳-تم خالص جھوٹ بولتے ہو۔

آپ غور کیجئے کہ بے غرض ناصحانہ کلام کے جواب میں یہ اشتعال انگیز گفتگو کیا جواب چاہتی تھی، مگر ان رسولوں نے کیا جواب دیا، صرف یہ کہ رَبُّنَا یَعْلَمُ اِنَّآ اِلَیْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ۔

آج کل کے مبلغین اور خدمت دعوت واصلاح کے انجام دینے والے نے عموماً اس پیغمبرانہ اسوہ کو چھوڑ دیا اسی لئے ان کی دعوت وتبلیغ بے اثر ہو کر رہ گئی ہے، تقریر وخطاب میں غصہ کا اظہار، مخالف پر فقرے چست کرنا بڑا کمال سمجھا جاتا ہے، جو مخالف کو اور زیادہ ضد وعناد کی طرف دھکیل دیتا ہے، ہم اجعلنا متبعین سنن نبیاءک ووفقنا لما تحب وترضاہ۔ (معارف مفتی اعظم)

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ رَجُلٌ یَّسْعٰی

اور آیا شہر کے پرے سرے سے ایک مرد دوڑتا ہوا ☆

ایک سچا آدمی: کہتے ہیں کہ اس مرد صالح کا نام حبیب تھا۔ شہر کے پرلے کنارے عبادت میں مشغول رہتا اور کسب حلال سے کھاتا تھا، فطری صلاحیت نے چپ نہ بیٹھنے دیا، قصہ سنتے ہی مرسلین کی تائید وحمایت اور مکذبین کی نصیحت وفہمائش کے لئے دوڑتا ہوا آیا۔ مبادا اشقیاء اپنی دھمکیوں کو پورا کرنے لگیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرسلین کی آواز کا اثر شہر کے دور دراز حصوں تک پہنچ گیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وہب نے کہا حبیب ریشمی کپڑے بناتا تھا اور بیمار تھا اس کو جذام ہو گیا تھا اس لیے شہر کے آخری دروازہ پر پڑا رہتا تھا اور مرد مومن تھا خیرات بہت کرتا تھا دن میں جو کچھ کماتا تھا شام کو دو حصے کر کے ایک حصہ خیرات کر دیتا تھا اور ایک حصہ اپنے متعلقین کے صرف میں لاتا تھا جب اس کو اطلاع ملی کہ اس کی قوم والوں نے رسولوں کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو دوڑا ہوا آیا اور کہا، (تفسیر مظہری)

قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ

بولا اے قوم چلو راہ پر بھیجے ہوؤں کی چلو راہ پر ایسے شخص کی

لَّا یَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

جو تم سے بدلہ نہیں چاہتے اور وہ ٹھیک راستہ پر ہیں ☆

وَمَا لِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ

اور مجھ کو کیا ہوا کہ میں بندگی نہ کروں اُس کی جس نے مجھکو بنایا

وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور اُسی کی طرف سب پھر جاؤ گے ☆

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ

بھلا میں پکڑوں اُس کے سوا اوروں کو پوجنا کہ اگر مجھ پر چاہے رحمٰن

بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ۝

تکلیف تو کچھ کام نہ آئے مجھ کو اُن کی سفارش اور نہ وہ مجھ کو چھڑائیں

اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝

تو تو میں بھٹکتا رہوں صریح ☆

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝

میں یقین لایا تمہارے رب پر مجھ سے سُن لو ☆

حبیب کی تقریر:

یعنی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام لے کر آئے ہیں جو نصیحت کرتے ہیں اس پر خود کاربند ہیں اخلاق، اعمال اور عادات واطوار سب ٹھیک ہیں بے غرض خیر خواہی کرتے ہیں۔ کوئی معاوضہ تم سے نہیں چاہتے۔ پھر ایسے بے لوث بزرگوں کا اتباع کیوں نہ کیا جائے اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے جو پیغام بھیجے کیوں قبول نہ کیا جائے۔

یہ اپنے اوپر رکھ کر دوسروں کو سنایا۔ یعنی تم کو آخر کیا ہوا کہ جس نے پیدا کیا اس کی بندگی نہ کرو۔

یعنی یہ مت سمجھنا کہ پیدا کر کے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ اب کچھ مطلب اس سے نہیں رہا۔ نہیں سب کو مرے پیچھے اسی کے پاس واپس جانا ہے۔ اس وقت کی فکر کر رکھو۔

یعنی کس قدر صریح گمراہی ہے کہ اس مہربان اور قادر مطلق پروردگار کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی پرستش کی جائے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی تکلیف سے نہ بذات خود چھڑا سکیں نہ سفارش کر کے نجات دلا سکیں۔

یعنی مجمع میں بے کھٹکے اعلان کرتا ہوں کہ میں خدائے واحد پر ایمان لا چکا۔ اسے سب سن رکھیں شاید مرسلین کو اس لئے سنایا ہو کہ وہ اللہ کے ہاں گواہ رہیں اور قوم کو اس لئے کہ سن کر کچھ متاثر ہوں، یا کم از کم دنیا ایک مومن کی قوت ایمان کا مشاہدہ کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حبیب کے ساتھ بستی والوں کا سلوک اور اللہ تعالیٰ کا انعام:

بغوی نے لکھا ہے جب اس شخص نے یہ بات کہی تو قوم والوں نے اس پر یک دم حملہ کر کے قتل کر دیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قدموں سے ایسا روندھ دیا کہ اس کی آنتیں نیچے سے نکل گئیں سدی نے کہا لوگ اس کو پتھروں سے مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر آخر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مارڈالا حسن نے کہا اس کے گلے کو پھاڑ کر شہر کی فصیل

سے نکال دیا، اس کی قبر انطاکیہ میں موجود ہے۔

اللہ نے اس کو جنت میں داخل فرما دیا وہ زندہ ہے اللہ کی طرف سے اس کو روزی ملتی ہے یعنی وہ شہید ہو گیا اور شہیدوں کی زندگی اس کو عطا کر دی۔

بعض علماء نے کہا بِرَبِّكُمْ میں خطاب رسولوں کو ہے کیوں کہ جب اس کو یقین ہو گیا کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا تو اس نے اپنے مومن ہونے کا گواہ پیغمبروں کو بنایا (گویا) پورا کلام اس طرح تھا پھر اس نے رسولوں سے کہا میں تمہارے رب پر ایمان لایا۔ (تفسیر مظہری)

اور بعض علماء سلف جیسے حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ اہل قریہ اس مرد صالح کو ابھی قتل کرنے نہ پائے تھے اس کے مار ڈالنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ صحیح سالم آسمان پر اٹھا لیا اور اس کو یہ حکم ہوا کہ جنت میں داخل ہو جا دنیا کے جیل خانہ سے تو نکل آیا اب تو ہمارے مہمان خانہ میں قیام کر۔ کما قال تعالیٰ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس مرد صالح کو پھر اپنی قوم کی فکر ہوئی اور کہنے لگا کاش میری قوم جانتی۔ (معارف کاندھلوی)

خلافت خاصہ:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایک جماعت ایسی بھی ہے جو کلمہ حق کو بشارت قلبی سے پہچان لیتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی پیروی کر کے خلق اللہ کو کلمہ حق کی دعوت دیتی ہے آخرت میں انبیاء علیہم السلام کے بعد جو مراتب و منازل ہیں وہ ان کو عطا کئے جائیں گے اور یہ صفت خلافت خاصہ کے لوازم میں سے ہے۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

حضرت حبیب کی مثل ایک صحابیؓ:

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے پھر انہوں نے اپنے قبیلہ کے پاس واپس جانے کی اجازت طلب کی حضور نے فرمایا وہ تجھ سے لڑیں گے عروہ نے کہا حضور اگر وہ مجھے سوتا پائیں گے تو بیدار بھی نہیں کریں گے (وہ میرا بڑا ادب کرتے ہیں) چنانچہ واپس جا کر عروہ نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے عروہ کا کہنا نہ مانا اور تکلیف دہ باتیں سنائیں جب فجر کا وقت ہوا تو انہوں نے اپنے بالا خانہ پر نماز ادا کی اور توحید و رسالت کی شہادت دی باہر سے کسی ثقفی شخص نے ان کے تیر مارا اور شہید کر دیا حضور کو جب ان کے شہید ہونے کی خبر پہنچی تو فرمایا عروہ کی مثال ایسی ہے جیسے یٰسین والے شخص کی جس نے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا تھا اور انہوں نے اس کو قتل کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ
حکم ہوا چلا جا بہشت میں

یعنی فوراً بہشت کا پروانہ مل گیا آگے نقل کرتے ہیں کہ قوم نے اس کو نہایت بیدردی کے ساتھ شہید کر ڈالا ادھر شہادت واقع ہوئی اُدھر سے حکم ملا کہ فوراً بہشت میں داخل ہو جا جیسا کہ ارواح شہداء کی نسبت احادیث سے ثابت ہے کہ وہ قبل از محشر جنت میں داخل ہوتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِىْ يَعْلَمُوْنَ ۙ بِمَا غَفَرَ لِىْ
بولا کسی طرح میری قوم معلوم کر لیں کہ بخش دیا مجھ کو
رَبِّىْ وَجَعَلَنِىْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ
میرے رب نے اور کیا مجھ کو عزت والوں میں ۔

قوم سے ہمدردی:

قوم نے اس کی دشمنی کی کہ مار ڈالا، اس کو بہشت میں پہنچ کر بھی قوم کی خیر خواہی کا خیال رہا کہ اگر میرا حال اور جو انعام و اکرام حق تعالیٰ نے مجھ پر کیا ہے معلوم کریں تو سب ایمان لے آئیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ
اور اتاری نہیں ہم نے اس کی قوم پر اس کے پیچھے کوئی فوج
مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ اِنْ كَانَتْ اِلَّا
آسمان سے اور ہم فوج نہیں اتارا کرتے بس یہی تھی ایک
صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ
چنگھاڑ پھر اسی دم سب بجھ گئے ۔

کفر و ظلم کی سزا:

یعنی اس کے بعد اس کی قوم کفر و ظلم اور تکذیب مرسلین کی پاداش میں ہلاک کی گئی اور اس ہلاک کے لئے کوئی مزید اہتمام کرنا نہیں پڑا کہ آسمان سے فرشتوں کی فوج بھیجی جاتی، نہ حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ قوموں کی ہلاکت کے لئے بڑی بڑی فوجیں بھیجا کریں (یوں کسی خاص موقع پر کسی خاص مصلحت کی وجہ سے فرشتوں کا لشکر بھیج دیں وہ دوسری بات ہے) وہاں تو بڑے بڑے مدعیوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ایک ڈانٹ کافی ہے۔ چنانچہ اس قوم کا حال بھی یہ ہی ہوا کہ فرشتوں نے ایک چیخ ماری اور سب کے سب اسی دم بجھ کر رہ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا کہ یہ والوں نے حبیب کو شہید کر دیا تو اللہ کا غضب جوش

میں آ گیا اور فوری عذاب نازل کر دیا جبرئیل نے بحکم الٰہی ایک چیخ ماری جس سے سب مر گئے۔ (تفسیر مظہری)

روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے شہر کے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ایک سخت ہیبت ناک آواز لگائی جس کے صدمہ کو کسی کی روح برداشت نہ کر سکی سب کے سب مرے رہ گئے، اُن کے مر جانے کو قرآن نے خامدون کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، خمود آگ بجھ جانے کے معنی میں آتا ہے، جاندار کی حیات حرارت غریزی پر موقوف ہے، جب یہ حرارت ختم ہو جائے تو اسی کا نام موت ہے، خامدون یعنی بجھنے والے ٹھنڈے ہو جانے والے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ
کیا افسوس ہے بندوں پر کوئی رسول نہیں آیا اُن کے پاس
إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا
جس سے ٹھٹھا نہیں کرتے کیا نہیں دیکھتے کتنی غارت کر چکے
قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝
ہم ان سے پہلے جماعتیں کہ وہ ان کے پاس پھر کر نہیں آتیں ☆

تاریخ کی پکار:

... سنتے ہیں ... دنیا میں کتنی قومیں سب پیغمبروں سے ٹھٹھا کر کے ... جن کا نام و نشان مٹ چکا۔ کوئی ان میں سے لوٹ کر ادھر واپس نہیں ... سب ... برابر ہو گئیں۔ اس پر بھی عبرت نہیں ہوتی ... رسول آتا ہے وہ ہی تمسخر اور استہزاء شروع کر دیتے ہیں۔ جو پہلا کنار ... تھی۔ چنانچہ آج خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ... (تفسیر عثمانی)

يٰحَسْرَةً ... تعظیم ... حسرت کی عظمت پر دلالت کر رہی ہے۔

یہ حسرت ... جو لوگ اپنے ان مخلص خیرخواہوں کا مذاق اڑائیں جن کی نصیحت سے دونوں جہاں کی بہبودی وابستہ ہے تو ایسے لوگ اسی قابل ہیں کہ ان کی حالت پر اظہار حسرت کیا جائے اور جن و انس و ملائکہ ان پر افسوس کریں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حسرت سے مراد ایمان والے بندوں کی طرف سے اظہار حسرت نہ ہو بلکہ بطور استعارہ اللہ کی طرف سے حسرت کا اظہار ہو اس صورت میں استہزاء کرنے والوں کے جرم کی عظمت کی طرف اشارہ ہوگا بعض نے کہا منادی محذوف ہے یعنی اے لوگو! ان بندوں پر افسوس ... کا مذاق اڑاتے ہیں، حسرت کا معنی ہے شدت حزن اور پشیمانی۔

مکہ والوں کیلئے عبرت:

أَلَمْ يَرَوْا کیا یہ مکہ والے نہیں جانتے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی کثرت سے امتوں کو ہلاک کر دیا ... یہ واقف نہیں کہ ہلاک شدہ امتیں ان کے پاس لوٹ کر نہیں آئیں گی، اس کلام سے ایک شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید مرنے ... کبھی نہیں لوٹیں گے (اور کبھی دوبارہ زندگی ان کو نہیں ملے گی) اس شبہ ... کرنے کیلئے آگے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَإِنْ كُلٌّ لَمَّا جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝
اور اُن سب میں کوئی نہیں جو اکٹھے ہو کر ہمارے پاس پکڑے ہوئے آئیں

مجرمین کا اجتماع:

یعنی وہ تو دنیا کا عذاب تھا، اور آخرت کی سزا الگ رہی یہ نہ سمجھو کہ ہلاک ہو کر ادھر واپس نہیں آتے تو بس قصہ ختم ہوا انہیں سب کو پھر ایک دن خدا کے ہاں حاضر ہونا ہے، جہاں بلا استثناء سب مجرم پکڑے ہوئے آئیں گے۔

وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ أَحْيَيْنَاهَا
اور ایک نشانی ہے ان کے واسطے زمین مردہ اُس کو ہم نے زندہ کر دیا
وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ۝ وَجَعَلْنَا
اور نکالا اُس میں سے اناج سو اُسی میں سے کھاتے ہیں اور بنائے ہم نے
فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا
اُس میں باغ کھجور کے اور انگور کے اور بہا دیئے اُس میں بعضے
فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ۝ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ
چشمے کہ کھائیں اُس کے میووں سے ☆

بعث بعد الموت کی دلیل:

یعنی شاید شبہ گذرتا کہ مرے پیچھے پھر کس طرح زندہ ہو کر حاضر کیے جائینگے؟ اس کو یوں سمجھ دیکھ کہ زمین خشک اور مُردہ پڑی ہوتی ہے پھر خدا اُس کو زندہ کرتا ہے کہ ایک دم لہلہانے لگتی ہے کیسے کیسے باغ و بہار، غلے اور میوے اُس سے پیدا ہوتے ہیں جن کو تم استعمال میں لاتے ہو، اسی طرح خیال کر لو کہ مُردہ ابدان میں روح حیات پھونک دی جائیگی، بہرحال مُردہ زمین ان کے لئے ایک نشانی ہے جس میں غور کرنے سے بعث بعد الموت اور حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت اور اُس کے انعام و احسان کے مسائل کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

تنبیہ: اوپر کی آیت میں ترہیب کا پہلو نمایاں تھا عذاب الٰہی سے ڈر کر راہ ہدایت اختیار کریں، آیت حاضرہ میں ترغیب کی صورت اختیار فرمائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر گذاری کی طرف متوجہ ہوں اور یہ بھی سمجھیں خدا مردہ زمین کو زندہ کرتا رہتا ہے وہ ایمانی حیثیت سے ایک مُردہ قوم کو زندہ ...

دے یہ کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

کھجور: نخیل کھجور کے درخت کو کہتے ہیں اور تمر چھوارے کو کہتے ہیں مناسب تو یہ تھا کہ انگوروں اور اناج کے ساتھ چھواروں کا ذکر کیا جاتا لیکن بجائے چھواروں کے ان کے درختوں کا اس لیے ذکر کیا کہ کھجور کے درختوں کے فوائد پھلوں کے علاوہ اور بھی بہت ہیں اور صنعت الٰہیہ کا ظہور درخت کھجور سے بھی بہت ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۗ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝

اور اس کو بنایا نہیں ان کے ہاتھوں نے پھر کیوں شکر نہیں کرتے

ہر حیثیت سے اللہ کا شکر واجب ہے:

یعنی یہ پھل اور میوے قدرت الٰہی سے پیدا ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں میں یہ طاقت نہیں کہ ایک انگور یا کھجور کا دانہ پیدا کرلیں۔ جو محنت اور تردد باغ لگانے اور اس کی پرورش کرنے میں کیا جاتا ہے، اس کو بار آور کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے اور غور سے دیکھا جائے تو جو کام بظاہر ان کے ہاتھوں سے ہوتا ہے وہ بھی فی الحقیقت حق تعالیٰ کی عطا کی ہوئی قدرت وطاقت اور اسی کی مشیت وارادہ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر حیثیت سے اس کی شکرگزاری اور احسان شناسی واجب ہوئی۔ (تنبیہ) مترجم محقق رحمہ اللہ نے ”وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ“ میں ”ما“ کو نافیہ لیا ہے۔ کما ہو داب اکثر المتاخرین لیکن سلف سے عموماً ”ما“ کا موصولہ ہونا منقول ہے اور اسی کی تائید ابن مسعودؓ کی قرأت ”وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ“ سے ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غافلوں کیلئے تنبیہ:

غافل انسان کو اس پر متنبہ کیا ہے کہ ذرا اپنے کام اور محنت میں غور کرکہ تیرا کام اس باغ و بہار میں اس کے سوا کیا ہے کہ تو نے زمین میں بیج ڈال دیا، اس پر پانی ڈال دیا، زمین کو نرم کردیا کہ نازک کونپل نکلنے میں رکاوٹ پیدا نہ ہو، مگر اس بیج میں سے درخت اُگانا، درخت پر پتے اور شاخیں نکلنا پھر اس پر طرح طرح کے پھل پیدا کرنا ان سب چیزوں میں تیرا کیا دخل ہے، مثلاً پھلوں سے طرح طرح کے حلوے، اچار چٹنی، تیار کرنا اور بعض پھلوں سے تیل وغیرہ نکالنا جو انسانی کسب وعمل کا نتیجہ ہے، اس کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ پھل جو قدرت نے بنائے ہیں بغیر کسی کسب وعمل اور انسانی تصرف کے بھی کھانے کے قابل بنائے گئے ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ سلیقہ بھی دیا ہے کہ ایک ایک پھل سے طرح طرح کی خوش ذائقہ اور مفید چیزیں تیار کرلے۔ (معارف مفتی اعظم)

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ

پاک ذات ہے جس نے بنائے جوڑے سب چیز کے اس قسم سے جو اُگتا ہے

الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

[illegible]

قدرتِ الٰہی کا عجیب کرشمہ:

یعنی نباتات میں، انسانوں میں اور دوسری مخلوقات میں جن کی انہیں پوری خبر بھی نہیں، اللہ تعالیٰ نے جوڑے بنائے ہیں خواہ تقابل کی حیثیت سے جیسے عورت، مرد، نر، مادہ، کھٹا، میٹھا، سیاہ، سفید، دن، رات، اندھیرا، چانداں یا تماثل کی حیثیت سے جیسے یکساں رنگ اور مزے کے پھل اور ایک شکل و صورت کے دو جانور، بہرحال مخلوقات میں کوئی مخلوق نہیں جس کا مماثل یا مقابل نہ ہو یہ صرف خدا ہی کی ذات پاک ہے جس کا نہ کوئی مقابل ہے، نہ مماثل، کیونکہ مقابلہ یا مماثلت ان چیزوں میں ہوسکتی ہے، جو کسی درجہ میں فی الجملہ اشتراک رکھتی ہوں، خالق ومخلوق کا کسی حقیقت میں اشتراک ہی نہیں۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ

[illegible]

مُّظْلِمُوْنَ ۝ وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا

[illegible]

انقلابات جہاں:

”سلخ“ کہتے ہیں جانور کی کھال اتارنے کو جس سے نیچے کا گوشت ظاہر ہوجائے۔ اسی طرح سمجھو کہ رات کی تاریکی پر دن کی چادر پڑی ہوئی ہے۔ جس وقت یہ نور کی چادر اوپر سے اتارلی جاتی ہے لوگ اندھیرے میں پڑے رہ جاتے ہیں اس کے بعد پھر سورج اپنی مقررہ رفتار سے معین وقت پر آکر سب جگہ اجالا کرتا ہے۔ لیل ونہار کے ان تقلبات پر قیاس کرکے سمجھ لو کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ عالم کو فنا کرکے دوبارہ زندہ کرسکتا ہے اور بے شک وہی ایک خدا لائق پرستش ہے جس کے ہاتھ میں ان عظیم الشان تصرفات کی باگ ہے جس سے ہم کو مختلف قسم کے فوائد پہنچتے ہیں نیز جو قادر مطلق رات کو دن سے تبدیل کرتا ہے، کیا کچھ بعید ہے کہ بذریعہ آفتاب رسالت کے دنیا سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کردے لیکن رات دن اور چاند سورج کے طلوع و غروب کی طرح ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورج کا طلوع وغروب:

مشارق ومغارب کا ملحاظ سورج کے پورے دورے میں ۳۶۵ طلوع ہونے کے مقامات اور اتنے ہی غروب ہونے کے مقامات ہوتے ہیں روزانہ نئے مطلع سے نکلتا اور نئے مغرب میں چھپتا ہے اور آئندہ سال تک نہ پھر اس مطلع سے طلوع ہوتا ہے اور نہ اس مغرب میں غروب ہوتا ہے۔

ایک وقت آئے گا جب سورج کو طلوع کی اجازت نہ ہوگی:

بغوی نے حضرت ابوذر کی روایت سے لکھا ہے کہ جس وقت سورج غروب ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کہاں چلا جاتا ہے ابوذر نے کہا میں نے عرض کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو بخوبی علم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جا کر عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور (آگے چلنے کی) اجازت طلب کرتا ہے اس کو اجازت دے دی جاتی ہے لیکن عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ یہ سجدہ کرے گا اور سجدہ قبول نہ ہوگا اور (آگے جانے کی) اجازت طلب کرے گا مگر اس کو اجازت نہیں ملے گی اور حکم دیا جائے گا کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا چنانچہ وہ (لوٹ کر) مغرب سے طلوع ہوگا یہی (مطلب) ہے آیت وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا مستقر عرش کے نیچے ہے۔ متفق علیہ (تفسیر مظہری)

حضرت قتادہؓ کی تفسیر:

آفتاب اپنے مدار پر ایسے محکم اور مضبوط نظام کے ساتھ حرکت کر رہا ہے جس میں کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا ہزار ہا سال اس روش پر گذر چکے ہیں مگر یہ سب دائمی نہیں اس کا ایک خاص مستقر ہے، جہاں پہنچ کر یہ نظام شمسی اور اس کی حرکت بند اور ختم ہو جائے گی اور وہ قیامت کا دن ہے، یہ تفسیر قتادہؓ سے منقول ہے۔ (ابن کثیر)

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی اسی مضمون کی حدیث منقول ہے۔ اس میں کچھ زیادتی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ روزانہ آفتاب تحت العرش پہنچ کر سجدہ کرتا ہے اور نئے دورے کی اجازت طلب کرتا ہے اجازت پا کر نیا دور شروع کرتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آئے گا جب اس کو نیا دورہ کرنے کی اجازت نہیں ملے گی بلکہ یہ حکم ہوگا کہ جس طرف سے آیا ہے اسی طرف لوٹ جا یعنی مغرب کی طرف سے زمین کے نیچے گیا پھر مغرب ہی کی طرف سے لوٹ کر مغرب سے طلوع ہو جا، جس روز ایسا ہوگا تو یہ قیامت کے بالکل قریب ہونے کی علامت ہوگی، اور اس وقت توبہ کرنے اور ایمان لانے کا دروازہ بند کر دیا جائے گا، اس وقت کسی مبتلاء گناہ کی گناہ سے اور مبتلائے شرک وکفر کی کفر سے توبہ قبول نہ ہوگی۔ (ابن کثیر بحوالہ عبدالرزاق)

حدیث کی تشریح:

جبکہ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق عرش خداوندی تمام آسمانوں سیاروں، زمینوں پر محیط ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ آفتاب ہر جگہ زیر عرش ہی ہے اور جبکہ تجربہ شاہد ہے کہ آفتاب جس وقت ایک جگہ غروب ہو رہا ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع بھی ہو رہا ہوتا ہے اس لیے اس کا ہر لحظہ طلوع وغروب سے خالی نہیں، تو آفتاب کا زیر عرش رہنا بھی دائمی ہر حال میں ہے اور غروب وطلوع ہونا بھی ہر حال میں ہے اس لئے حاصل مضمون حدیث کا یہ ہوا کہ آفتاب پورے دورے میں زیر عرش اللہ کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے یعنی اس کی اجازت اور فرمان کے تابع حرکت کرتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح قریب قیامت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کی بالکل قریبی علامت ظاہر کرنے کا وقت آ جائے گا تو آفتاب کو اپنے مدار پر اگلا دورہ شروع کرنے کے بجائے پیچھے لوٹ جانے کا حکم ہو جائے گا اور وہ پھر مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے گا اس وقت دروازہ توبہ کا بند ہو جائے گا کسی کا ایمان وتوبہ اس وقت مقبول نہیں ہوگا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿﴾
یہ سادھا ہے اس زبردست باخبر نے ☆

طلوع وغروب کا نظام:

سورج کی چال اور رستہ مقرر ہے اسی پر چلا جاتا ہے۔ ایک انچ یا ایک منٹ اس سے ادھر ادھر نہیں ہوسکتا۔ جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس میں مشغول ہے۔ کسی دم قرار نہیں۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانہ پر اسے پہنچنا ہے پہنچتا ہے پھر وہاں سے باذن خداوندی نیا دورہ شروع کرتا ہے قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہے گا۔ تا آنکہ ایک وقت آئے گا جب اس کو حکم ہوگا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے ادھر سے الٹا واپس آ۔ یہ ہی وقت ہے جب باب توبہ بند کر دیا جائے گا۔ کما ورد فی الحدیث الصحیح بات یہ ہے کہ اس کے طلوع وغروب کا یہ سب نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے جس کے انتظام کو کوئی دوسرا شکست نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کی حکمت ودانائی پر کوئی حرف گیری کر سکتا ہے وہ خود جب چاہے اور جس طرح چاہے الٹ پلٹ کرے کسی کو مجال انکار نہیں ہوسکتی۔ (تنبیہ۔) اس آیت کی تفسیر میں ایک حدیث آئی ہے کہ جس میں شمس کے تحت العرش سجدہ کرنے کا ذکر ہے، یہاں اسکی تشریح کا موقع نہیں اس پر ہمارا مستقل مضمون ''سجود الشمس'' کے نام سے چھپ ہوئے ملاحظہ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ
اور چاند کو ہم نے بانٹ دی ہیں منزلیں یہاں تک کہ پھر آ رہا
كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿﴾
جیسے ٹہنی پرانی ☆

چاند کی منزلیں:

سورج کی طرح چاند ہمیشہ ایک طرح نہیں رہتا بلکہ روزانہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے؟ اسکی اٹھائیس منزلیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں، ان کو ایک معین نظام

کے ساتھ درجہ بدرجہ طے کرتا ہے۔ پہلی آیت میں رات دن کا بیان تھا پھر سورج کا ذکر کیا جس سے سالوں اور فصلوں کی تشکیل ہوتی ہے۔ اب چاند کا تذکرہ کرتے ہیں جس کی رفتار سے قمری مہینوں کا وجود وابستہ ہے۔ چاند سورج مہینہ کے آخر میں ملتے ہیں تو چاند چھپ جاتا ہے جب آگے بڑھتا ہے تو نظر آتا ہے پھر منزل بمنزل بڑھتا چلا جاتا اور چودھویں شب کو پورا ہو کر بعد میں گھٹنا شروع ہوتا ہے آخر رفتہ رفتہ اسی پہلی حالت پر آ پہنچتا اور کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح پتلا، خمدار اور بے رونق سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا
نہ سورج سے ہو کہ پکڑ لے چاند کو اور
الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ
نہ رات آگے بڑھے دن سے اور ہر کوئی ایک چکر میں تیرتے ہیں ☆

چاند اور سورج حکم الٰہی سے بغاوت نہیں کر سکتے:

سورج کی سلطنت دن میں ہے اور چاند کی رات میں، یہ نہیں ہو سکتا کہ چاند کی نور افشانی کے وقت سورج اسکو آ دبائے۔ یعنی دن آگے بڑھ کر رات کا کچھ اڑالے یا رات سبقت کر کے دن کے ختم ہونے سے پہلے آ جائے۔ جس زمانہ اور جس ملک میں جو اندازہ رات دن کا رکھ دیا ہے ان کی مجال نہیں کہ ایک منٹ آگے پیچھے ہو سکیں۔ ہر ایک سیارہ اپنے اپنے مدار میں پڑا چکر کھا رہا ہے اس سے ایک قدم ادھر ادھر نہیں ہٹ سکتا اور باوجود اسقدر سریع حرکت اور کھلی ہوئی فضا کے نہ ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے نہ مقررہ انداز سے زیادہ تیز یا سست ہوتا ہے کیا یہ اس کا واضح نشان نہیں کہ یہ سب عظیم الشان مشینیں اور ان کے تمام پرزے کسی ایک زبردست مدبر و دانا ہستی کے قبضہ اقتدار میں اپنا اپنا کام کر رہے ہیں پھر جو ہستی، رات دن اور چاند سورج کا ادل بدل کرتی ہے وہ تمہارے فنا کرنے اور فنا کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز ہوگی؟ (العیاذ باللہ) (تنبیہ) حضرت شاہ صاحب '' لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ '' کی تعبیر کا نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ ''سورج چاند اخیر مہینہ میں ملتے ہیں تو چاند پکڑتا ہے سورج کو، سورج چاند کو نہیں پکڑتا'' اسی لئے لَا الْقَمَرُ يَنْبَغِيْ لَهٗ اَنْ يُّدْرِكَ الشَّمْسَ نہیں فرمایا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آیت صراحۃً بتا رہی ہے کہ چاند سورج اور ستارے آسمان میں قسری (یعنی ملائکہ کے زور سے) یا بالارادہ چل رہے ہیں کیلوں کی طرح جڑے ہوئے نہیں ہیں ایسا نہیں ہے کہ آسمان کی حرکت سے ان کی حرکت ہو رہی ہے اور حرکت وضعی ہو، فلاسفہ سیاروں کی حرکت وضعی کے قائل ہیں۔

آسمانوں کی تعداد اور فاصلہ:

قرآن کی نصوص قطعیہ بتا رہی ہیں کہ آسمان سات ہیں اس سے زائد نہیں ہیں، اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے ہر آسمان کا پھٹنا اور جڑنا جائز ہے بلکہ آسمان ضرور پھٹے گا اس کا منکر کافر ہے، اللہ نے فرمایا ہے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ، اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وغیرہ۔

صحیح احادیث میں آیا ہے کہ آسمان باہم چسپاں نہیں ہے بلکہ ہر آسمان دوسرے آسمان سے بہت دور ہے جو شخص آسمانوں کو باہم چسپاں کہتا ہے وہ فاسق ہے (اخبار آحاد کا منکر فاسق ہوتا ہے اور نصوص قطعیہ کا منکر کافر)

امام احمد اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت بیان کی ہے حدیث طویل ہے جس میں یہ بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں کی درمیانی مسافت کا ذکر کیا اور فرمایا ہر آسمان کی دوسرے آسمان سے دوری پانچ سو برس کی (راہ) ہے، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین سے آسمان تک کا فاصلہ اور ہر آسمان سے دوری اکہتر یا بہتر یا تہتر برس کی (راہ کے برابر) ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ
اور ایک نشانی ہے ان کے واسطے کہ ہم نے اٹھا لیا ان کی نسل کو
الْمَشْحُوْنِ ۙ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ
اس بھری ہوئی کشتی میں اور بنا دیا ہم نے ان کے واسطے کشتی جیسی چیزوں کو جس پر سوار ہوتے ہیں ☆

وسائل نقل وحمل

یعنی حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جب طوفان آیا تو آدم کی نسل کو اس بھری ہوئی کشتی پر سوار کر لیا جو حضرت نوحؑ نے بنائی تھی ورنہ انسان کا تخم باقی نہ رہتا پھر اسی کشتی کے نمونہ کی دوسری کشتیاں اور جہاز تمہارے لئے بنادیے جن پر تم آج تک لدے پھرتے ہو، یا کشتیوں جیسی دوسری سواریاں پیدا کر دیں جن پر سوار ہوتے ہو، مثلاً اونٹ، جن کو عرب ''سفائن البر'' (خشکی کی کشتیاں) کہا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

ذُرِّیَّت کا معنی:

بظاہر ذریت سے مراد لڑکے ہیں جو تجارتی سفر میں ساتھ جاتے ہیں یا بچے اور عورتیں مراد ہیں جن کو لوگ اپنے ساتھ سفر میں لے جاتے ہیں، ذریت کا اطلاق عورتوں پر بھی ہوتا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت کو مقتول پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو لڑنے کی اہل نہ تھی خالد سے جا کر کہہ دو کہ ذریت کو اور مزدوروں کو قتل نہ کرے چونکہ عورت کو مقتول پا کر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا اس لیے ذریت سے مراد عورتیں ہی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا ذریت کے ساتھ حج کرو ان کی روزی نہ کھاؤ اور نہ ان کی گردنوں میں پڑی ہوئی رسیاں چھوڑو (گلے میں پڑی ہوئی رسیوں سے مراد فریضۂ حج ہے) یعنی عورتوں کو ساتھ لے کر حج کرو۔ کذا فی النہایہ۔

الفلک سے مراد ہیں کشتیاں جہاز، ذریت کا خصوصی ذکر اس لیے کیا کہ کشتیوں میں جم کر اور استقرار کے ساتھ بیٹھنا ان کے لیے نہایت دشوار ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ مِّثْلِهٖ کا مصداق:

مِنْ مِّثْلِهٖ کا سب سے بڑا مصداق ہوائی جہاز ہیں، اور کشتی کے ساتھ اس کی تمثیل بھی اس کی زیادہ موید ہے، کہ جس طرح پانی کا جہاز پانی پر تیرتا ہے پانی اس کو غرق نہیں کرتا، ہوائی جہاز ہوا پر تیرتا ہے ہوا اس کو نیچے نہیں گراتی، اور عجب نہیں کہ قرآن حکیم نے اسی لئے مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ کو مبہم رکھا ہو تاکہ قیامت تک ایجاد ہونے والی سب سواریاں اس میں شامل ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ
اور اگر ہم چاہیں ڈبو دیں، پھر کوئی نہ پہنچے اُن کی فریاد کو اور نہ وہ چھڑائے جائیں
اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ
مگر ہم اپنی مہربانی سے اُن کا کام چلانے کو ایک وقت تک ☆

سب کچھ رحمتِ الٰہی سے ہے:

یعنی یہ مشت استخواں انسان دیکھو! کیسے خوفناک سمندروں کو کشتی کے ذریعہ عبور کرتا ہے جہاں بڑے بڑے جہازوں کی حقیقت ایک تنکے کے برابر نہیں۔ اگر اللہ اس وقت غرق کرنا چاہے تو کون بچا سکتا ہے اور کون ہے جو فریاد کو پہنچے۔ مگر یہ اس کی مہربانی اور مصلحت ہے کہ اس طرح سب بحری سواریوں کو غرق نہیں کر دیتا کیونکہ اس کی رحمت وحکمت مقتضی ہے کہ ایک معین وقت تک دنیا کا کام چلتا رہے۔ افسوس ہے کہ بہت لوگ ان نشانیوں کو نہیں سمجھتے نہ اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ
اور جب کہیے اُن کو بچو اُس سے جو تمہارے سامنے آتا ہے
وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ
اور جو پیچھے چھوڑتے ہو شاید تم پر رحم ہو

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ
اور کوئی حکم نہیں پہنچتا اُن کو اپنے رب کے حکموں سے
اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ
جس کو وہ ٹلاتے نہ ہوں ☆

منکرین کی بے پرواہی:

سامنے آتا ہے جزا کا دن اور پیچھے چھوڑ سے ہیں اعمال یعنی جب کہا جاتا ہے کہ قیامت کی سزا اور بداعمالیوں کی شامت سے بچنے کی فکر کرو تاکہ خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہو۔ تو نصیحت پر ذرا کان نہیں دھرتے۔ ہمیشہ خدائی احکام سے روگردانی کرتے رہتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ سے مراد آخرت اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد ہے دنیا یعنی آخرت کیلئے عمل کرو اور دنیا سے محتاط رہو اس پر فریفتہ نہ ہو قتادہ نے کہا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ سے مراد ہیں وہ بربادی و تباہی کے واقعات جو گذشتہ امتوں کو پیش آئے اور وَمَا خَلْفَكُمْ سے مراد ہے عذاب آخرت۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ قَالَ الَّذِيْنَ
اور جب کہیے اُن کو خرچ کرو کچھ اللہ کا دیا کہتے ہیں
كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ
منکر ایمان والوں کو ہم کیوں کھلائیں ایسے کو کہ اللہ چاہتا تو اُس کو کھلا دیتا ☆

مشرکین کی حماقت:

یعنی اور احکام الٰہی تو کیا مانتے۔ فقیروں مسکینوں پر خرچ کرنا تو ان کے نزدیک بھی کار ثواب ہے لیکن یہ ہی مسلم بات جب پیغمبر اور مومنین کی طرف سے کہی جاتی ہے تو نہایت بھونڈے طریقے سے تمسخر کے ساتھ یہ کہہ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ جنہیں خود اللہ میاں نے کھانے کو نہیں دیا ہم انہیں کیوں کھلائیں۔ ہم تو اللہ کی مشیت کے خلاف کرنا نہیں چاہتے اگر اسکی مشیت ہوتی تو ان کو فقیر محتاج اور ہمیں غنی و تونگر نہ بناتا۔ خیال کرو اس حماقت اور بے حیائی کا کیا ٹھکانا ہے۔ کیا خدا کسی کو دینا چاہے تو اس کی یہ ہی ایک صورت ہے کہ خود بلاواسطہ رزق اس کے ہاتھ پر رکھ دے۔ جو وسائط سے دینا بھی اسکی مشیت سے ہے تو تم نے یہ فیصلہ کیسے کر لیا کہ اللہ ان کو روٹی دینا نہیں چاہتا۔ یہ تو اسکا امتحان ہے کہ اغنیاء کو فقراء کی اعانت پر مامور فرمایا اور ان کے توسط سے رزق پہنچانے کا سامان کیا جو اس امتحان میں ناکامیاب رہا اسے اپنی بدبختی اور شقاوت پر رونا چاہیے۔ (تنبیہ) بعض سلف کے اقوال سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت بعض زنادقہ کے حق میں ہیں اس صورت میں ان کے اس قول کو تمسخر پر حمل نہ کیا جائے گا بلکہ حقیقت پر رکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

مال خرچ کرنے کا حکم:

خدانے جو امیروں کو فقیروں پر خرچ کرنیکا حکم دیا ہے سو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے بندو میں نے تم کو جو مال و دولت دیا ہے اس کا اصل مالک میں ہوں میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم میری اس دی ہوئی دولت کا کچھ حصہ میرے غریب بندوں کی مدد میں خرچ کرو۔

دریش را خدا بتوانگر حوالہ کرد ۔۔۔ تا کار او بسازد و فارغ کند دلش

از روئے بخل گرنشود ملتفت بدو ۔۔۔ فردا بود ندامت و اندوہ حاصلش

سببِ نزول: روایت کیا گیا کہ صدیق اکبرؓ مسلمان مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے، اتفاق سے ابوجہل آپ کو مل گیا اور کہنے لگا کہ اے ابوبکر کیا تمہارا یہ زعم ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کھانا کھلانے پر قادر ہے۔

حضرت ابوبکر نے کہا ہاں بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان کے کھلانے پر قادر ہے ابو جہل نے کہا پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ نے ان کو بھوکا رکھا اور کھانے کو نہیں دیا، ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے امتحان اور آزمائش ہے کسی قوم کو اللہ نے فقر سے آزمایا اور کسی قوم کو اللہ نے مالداری سے آزمایا اور فقراء کو صبر کا حکم دیا اور دولتمندوں کو شکر اور جود و کرم کا حکم دیا ابوجہل نے کہا اے ابوبکر خدا کی قسم تو خالص گمراہی میں ہے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان فقیروں کو کھانا کھلانے پر قادر ہے اور باوجود قدرت کے پھر ان کو کھانا نہیں دیتا اور پھر تو ان کو کھانا کھلاتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا الی قولہ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ اور یہ آیت نازل ہوئی فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ الی آخر الآیات تفسیر قرطبی۔ (معارف کاندھلوی)

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ
تم لوگ تو بالکل بہک رہے ہو صریح ☆

مطلب پرستی کھلی گمراہی ہے:

اگر یہ جملہ کفار کے قول کا تتمہ ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اے گروہ مومنین! تم صریح گمراہی میں پڑے ہو۔ ایسے لوگوں کا پیٹ بھرنا چاہتے ہو جن کا خدا پیٹ بھرنا نہیں چاہتا۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کفار کو خطاب ہے کہ کس قدر بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ گمراہی ہے نیک کام میں تقدیر کے حوالے کرنا اور اپنے مزے میں لالچ پر دوڑنا" (تفسیر عثمانی)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ
اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچے ہو ☆

منکرین کی ڈھٹائی:

یعنی یہ قیامت اور عذاب کی دھمکیاں کب پوری ہونگی اگر سچے ہو تو جلد پوری کر کے دکھلا دو۔ (تفسیر عثمانی)

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ
یہ تو راہ دیکھتے ہیں ایک چنگھاڑ کی جو ان کو آ پکڑے گی
وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ۞ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ
جب آپس میں جھگڑ رہے ہونگے پھر نہ کر سکیں گے
تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ
کہ کچھ کہہ ہی مریں اور نہ اپنے گھر کو پھر کر جا سکیں گے ☆

قیامت آنے کو ہے:

یعنی قیامت ناگہانی آ پکڑے گی، اور وہ اپنے معاملات میں غرق ہوں گے جس وقت پہلا صور پھونکا جائے گا سب ہوش و حواس جاتے رہینگے اور فوراً مر کر ڈھیر ہو جائینگے اتنی فرصت بھی نہ ملے گی کہ کوئی ضروری معاملہ طے کر سکیں یا کچھ وصیت کہنا چاہیں تو کہہ گذریں یا جو گھر سے باہر تھے وہ گھر واپس جا سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

ناگہاں قیامت آنے کا منظر:

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت ایسی حالت میں آ جائے گی کہ دو آدمی (بائع اور مشتری) کپڑا پھیلائے ہوئے خرید و فروخت میں مشغول ہوں گے نہ سودا ختم کر چکے ہوں گے نہ کپڑے کو لپیٹ چکے ہوں گے (کہ اچانک صور کی آواز سنائی دے گی) اور قیامت ایسی حالت میں آ جائے گی کہ آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر جا رہا ہوگا اور پینے نہ پائے گا اور قیامت ایسی حالت میں آ جائے گی کہ آدمی نے لقمہ منہ تک اٹھا لیا ہوگا اور کھا نہ سکا ہوگا (کہ قیامت برپا ہو جائے گی) رواہ ابوہریرہؓ۔

بعض لوگ اپنے کسی معاملہ میں وصیت بھی نہ کر سکیں گے اور گھر بھی لوٹ نہ پائیں گے کہ گھر والوں کی حالت دیکھ سکیں بلکہ صور کی آواز سنتے ہی مر جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ
اور پھونکی جائے صور پھر تبھی وہ قبروں سے
إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ
اپنے رب کی طرف پھیل پڑینگے

یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہو کر اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہونگے اور فرشتے اُن کو جلد جلد دھکیل کر میدان حشر میں لے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

دو نفخوں کا وقفہ:

چونکہ صور کا پھونکا جانا یقینی ہے اس لیے نُفِخَ ماضی کا صیغہ استعمال کیا یعنی لوگ مر جائیں گے پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پہلی اور دوسری مرتبہ نفخہ صور کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ لیکن ابن ابی داؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے جو مرفوع حدیث نقل کی ہے اس میں چالیس سال کا لفظ ہے۔ (تفسیر مظہری)

کافروں کی جبری حاضری:

معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی حاضری محشر اپنی خوشی سے نہیں بلکہ جبری طور پر ہوگی اور فرشتوں کے پکارنے کی وجہ سے دوڑتے ہوئے محشر میں آ جائیں گے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ٚ

کہیں گے اے خرابی ہماری کس نے اٹھا دیا ہم کو ہماری نیند کی جگہ سے؟

جہنم اور قبر کے عذاب کا موازنہ:

شاید نفخۂ اولی اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان اُن پر نیند کی حالت طاری کر دی جائے یا قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر عذاب قبر کو ہون سمجھیں گے اور نیند سے تشبیہ دینگے یا "مرقد" بمعنی "مضجع" کے ہو۔ نیند کی کیفیت سے تجرید کر لی جائے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے فرمایا کافروں کے اس قول کی وجہ یہ ہوگی کہ دونوں نفخوں کی درمیانی مدت ان پر سے عذاب اٹھا لیا جائے گا اور وہ سو جائیں گے دوسری مرتبہ نفخ صور کے بعد جب اٹھیں گے تو یہ بات کہیں گے۔ معتزلہ عذاب قبر کے منکر ہیں

اہل حقیقت کہتے ہیں کہ کافر جب جہنم کے گوناگوں عذاب کو دیکھیں گے تو عذاب جہنم کے مقابلہ میں ان کو قبر کا عذاب خواب کی طرح محسوس ہوگا اس وقت کہیں گے کہ ہم کو خواب سے کس نے اٹھایا۔

جہنم کی ایک وادی:

امام احمد، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن حبان، حاکم، بیہقی، ابن ابی الدنیا اور ہناد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس میں کافر چالیس برس تک (نیچے کو) تہ تک پہنچنے سے پہلے لڑھکتا چلا جائے گا (یعنی چالیس برس تک لڑھکتا ہوا تہ میں پہنچے گا)

سعید بن منصور، ابن المنذر اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے ویل جہنم کے اندر ایک وادی ہے جس میں دوزخیوں کا پیپ لہو بہہ کر آتا ہے یہ وادی (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی) تکذیب کرنے والوں کیلئے بنائی گئی ہے ابن جریر نے حضرت عثمان بن عفان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ویل دوزخ کے اندر ایک پہاڑ ہے۔ (تفسیر مظہری)

هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ

یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمٰن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے ☆

سچا وعدہ یہ جواب اللہ کی طرف سے اس وقت ملے گا یا مستقبل کو حاضر قرار دیکر اب جواب دے رہے ہیں۔ یعنی کیا پوچھتے ہو کس نے اٹھا دیا۔ ذرا آنکھیں کھولو۔ یہ وہی اٹھانا ہے جس کا وعدہ خدائے رحمٰن کی طرف سے کیا گیا تھا اور پیغمبر جسکی خبر برابر دیتے رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ

بس ایک چنگھاڑ ہوگی پھر اُسی دم وہ سارے

جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝

ہمارے پاس پکڑے چلے آئیں ☆

یعنی کوئی شخص نہ بھاگ سکے گا نہ روپوش ہو سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ

پھر آج کے دن ظلم نہ ہوگا کسی جی پر ذرا اور وہی بدلہ پاؤ گے

اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

جو کرتے تھے ☆

انصاف کا دن: یعنی نہ کسی کی نیکی ضائع ہوگی نہ جرم کی حیثیت سے زیادہ سزا ملے گی ٹھیک ٹھیک انصاف ہوگا اور جو نیک و بد کرتے تھے فی الحقیقت عذاب وثواب کی صورت میں وہ ہی سامنے آ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝

تحقیق بہشت کے لوگ آج ایک مشغلہ میں ہیں باتیں کرتے

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝

وہ اور ان کی عورتیں سایوں میں تختوں پر بیٹھے ہیں تکیہ لگائے

لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝

اُن کے لئے وہاں ہے میوہ اور ان کے لئے ہے جو کچھ مانگیں ☆

عیش ونشاط کا ماحول:

بہشت میں ہر قسم کے عیش ونشاط کا سامان ہوگا۔ دنیا کی مکروہات سے چھوٹ کر آج یہ ہی ان کا مشغلہ ہوگا۔ وہ اور ان کی عورتیں آپس میں گھل مل کر اعلیٰ درجہ کے خوشگوار سایوں میں مسہریوں پر آرام کر رہے ہوں گے۔ ہر قسم کے میوے اور پھل وغیرہ ان کے لئے حاضر ہوں گے بس خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی جنتیوں کے دل میں طلب اور تمنا ہوگی وہ ہی دی جائے گی، اور منہ مانگی مرادیں ملیں گی۔ یہ تو جسمانی لذائذ کا حال ہوا، آگے روحانی نعمتوں کی طرف "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ" "ایک ذرا سا اشارہ فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صوفیاء کا مقام:

صوفیہ کا مقصود سواء ذات خداوندی کے اور کچھ نہیں اس لیے اپنے اپنے درجات کے مطابق یہ گروہ اللہ کی ذاتی نور پاشیوں میں غرق ہوں گے (جنت کی اور کوئی نعمت سواء تجلیات ذاتیہ کے اپنی طرف ان کو مائل نہ کر سکے گی) دوسرے اہل جنت کے مشاغل مختلف ہوں گے کھانا پینا گانا سننا عورتوں سے قربت اور خواہشات کے مطابق دوسرے مشاغل میں انہماک ان کا پسندیدہ شغل ہوگا۔ بوعبیدہ نے ... شیخ طریقت بایزید بسطامی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کے کچھ خاص بندے ایسے بھی ہیں جن سے اللہ اگر اوٹ کرے گا تو جس طرح دوزخی دوزخ سے نکلنے کیلئے فریاد کریں گے اسی طرح وہ جنت کے اندر حجاب دیدار سے نکلنے کیلئے فریاد کریں گے۔

نکتہ: شُغُل میں تنوین تنکیر اظہار عظمت کیلئے ہے یعنی جنت کے اندر اہل جنت کیلئے عظیم الشان خوشی اور لذت ہوگی اتنی کہ نہ وہ احاطہ فہم کے اندر آ سکتی ہے نہ اس کی حقیقت کو الفاظ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے۔

فٰکِهُوْنَ، فکاہت سے مشتق ہے یعنی وہ مزے اور عیش میں ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ
سلام بولنا ہے رب مہربان سے ☆

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام:

یعنی اس مہربان پروردگار کی طرف سے جنتیوں کو سلام بولا جائے گا خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے یا جیسا کہ ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے بلاواسطہ خود رب کریم سلام ارشاد فرمائیں گے اس وقت کی عزت ولذت کا کیا کہنا۔ "اللّٰھم ارزقنا ھٰذہ النعمۃ العظمٰی بحرمۃ حبیبک محمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔ (تفسیر عثمانی)

دیدار الٰہی:

ابن ماجہ ابن ابی الدنیا اجری اور دار قطنی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل جنت اپنے عیش میں ہوں گے اسی اثناء میں ایک نور ان پر جلوہ انداز ہوگا اہل جنت سر اٹھا کر دیکھیں گے تو اوپر سے باری تعالیٰ جلوہ ڈالتا نظر آئے گا اور فرمائے گا اہل جنت تم پر سلام ہو یہی (بیان ہے آیت) سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ (میں) حضور نے فرمایا اہل جنت اس کی طرف دیکھیں گے اور وہ اہل جنت کا نظارہ کرے گا ایسی حالت میں جنت والے کسی اور چیز کی طرف گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھیں گے، اسی کی طرف دیکھتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ خود اوٹ کرلے گا لیکن اس کا نور اور برکت ان کے گھروں میں باقی رہے گی۔

سیوطی نے کہا اللہ کا جھانکنا حلول اور مکان سے پاک ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ
اور تم الگ ہو جاؤ آج اے گنہگارو ☆

مجرموں کا مقام:

یعنی جنتیوں کے عیش و آرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، تمہارا مقام دوسرا ہے جہاں بنا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب دوزخ کے اندر ان لوگوں کو جو ہمیشہ وہاں رہنے والے ہیں ڈال دیا جائے گا تو (اس کی صورت یہ ہوگی کہ) ان کو لوہے کے صندوقوں میں بند کر کے صندوقوں میں لوہے کی کیلیں ٹھونک دی جائیں گی پھر ان صندوقوں کو دوسرے آہنی صندوقوں میں بند کر دیا جائے گا پھر ان کو جہنم کے تہ میں پھینک دیا جائے گا کوئی کافر بھی اندر سے سواء اپنے کسی اور کو عذاب پاتے نہیں دیکھ پائے گا۔ (اس کا گمان ہوگا کہ بس مجھے ہی عذاب دیا جا رہا ہے اس طرح دوسرے کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر کسی قسم کی تسلی حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا) (تفسیر مظہری)

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَیْكُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا
میں نے نہ کہہ رکھا تھا تم کو اے آدم کی اولاد کہ نہ پوجیو
الشَّیْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ
شیطان کو وہ دشمن ہے تمہارا
وَّاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ
اور یہ کہ پوجو مجھ کو یہ راہ ہے سیدھی

انبیاء کی دعوت:

یعنی اس دن کے لئے تم کو انبیاء علیہم السلام کی زبانی بار بار سمجھا دیا گیا تھا کہ شیطان لعین کی پیروی مت کرنا جو تمہارا صریح دشمن ہے وہ جہنم میں

پہنچائے بغیر نہ چھوڑے گا اگر ابدی جنت چاہتے ہو تو یہ سیدھی راہ پڑی ہوئی ہے اُس پر چلے آؤ اور اکیلے ایک خدا کی پرستش کرو۔ (تفسیر عثمانی)

جہنم کی سرزنش:

ابن جریر میں ہے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حکم سے جہنم اپنی گردن نکالے گی جس میں سخت اندھیرا ہوگا اور بالکل ظاہر ہوگی وہ بھی کہے گی اے انسانو! کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا؟ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے اور میری عبادت کرنا یہ سیدھی راہ ہے اس نے تم میں سے اکثر کو گمراہ کر دیا کیا تم سمجھتے نہ تھے؟ اے گنہگارو! آج تم جدا ہو جاؤ اس وقت نیک و بد الگ الگ ہو جائیں گے ہر ایک گھٹنوں کے بل گر پڑے گا ہر ایک کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا آج وہی بدلہ پاؤ گے جو کر کے آئے ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا
اور وہ بہکا لے گیا تم میں سے بہت خلقت کو پھر کیا تم کو سمجھ
تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝
نہ تھی یہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ تھا
اِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝
جا پڑو اس میں آج کے دن بدلہ اپنے کفر کا ☆

انسانوں کی نالائقی:

یعنی افسوس اتنی نصیحت و فہمائش پر بھی تم کو عقل نہ آئی اور اس ملعون نے ایک خلقت کو گمراہ کر چھوڑا۔ کیا تمہیں اتنی سمجھ نہ تھی کہ دوست دشمن میں تمیز کر سکتے۔ اور اپنے نفع نقصان کو پہچانتے۔ دنیا کے کاموں میں تو اس قدر ہوشیاری اور ذہانت دکھلاتے تھے مگر آخرت کے معاملہ میں اتنے غبی بن گئے کہ موٹی موٹی باتوں کو سمجھنے کی لیاقت نہ رہی۔ اب اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگتو یہ دوزخ تیار ہے جس کا بصورت کفر اختیار کرنے کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کفر کا ٹھکانا یہی ہے۔ چاہیے کہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓي اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ
آج ہم مہر لگا دیں گے اُن کے منہ پر اور بولیں گے ہم سے ان کے ہاتھ
وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝
اور بتلائیں گے اُن کے پاؤں جو کچھ وہ کماتے تھے ☆

الٰہی عدالت کے گواہ:

یعنی آج اگر یہ لوگ اپنے جرموں کا زبان سے اعتراف نہ بھی کریں تو کیا ہوتا ہے، ہم منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ حتیٰ کہ بدن کی کھال کو حکم دیا جائے گا کہ ان کے ذریعہ سے جس جرم کا ارتکاب کیا تھا بیان کریں چنانچہ ہر ایک عضو اللہ کی قدرت سے گویا ہوگا اور ان کے جرموں کی شہادت دے گا۔ کما قال تعالیٰ "حَتّٰٓي اِذَا مَا جَاۗءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" (حٰم السجدہ رکوع ۳) وقال اللہ تعالیٰ فی موضع آخر "قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ" (حٰم السجدہ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

حضرت انس کا بیان ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس وجہ سے مسکرا رہا ہوں؟ ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانے فرمایا مجھے اس بات پر مسکراہٹ آئی کہ ایک بندہ اپنے رب سے کہے گا اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم کرنے سے پناہ نہیں دے رکھی ہے (یعنی کیا تو نے یہ نہیں فرما دیا ہے کہ کسی پر قیامت کے دن ظلم نہیں کیا جائے گا) اللہ فرمائے گا کیوں نہیں بندہ عرض کرے گا تو میں اپنے خلاف کسی کی شہادت نہیں مانوں گا سوائے اس کے جو میرے ہی بدن کا حصہ ہو۔ اللہ فرمائے گا آج تیرا نفس اور کراماً کاتبین (اعمال کے لکھنے والے فرشتے) تیرے خلاف شہادت دینے کیلئے کافی ہیں پھر اللہ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اعضاء کو حکم دیا جائے گا کہ تم بولو۔ حسب الحکم اعضاء بندہ کے اعمال کے متعلق بولیں گے اس کے بعد بندے کو (زبان سے) گویائی کی اجازت دے دی جائے گی اور وہ اپنے اعضاء سے کہے گا تم مر جاؤ، مٹ جاؤ تمہاری طرف سے ہی تو میں دفاع کر رہا تھا۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا قیامت کے دن ہم اپنے رب کو دیکھیں گے فرمایا، دوپہر کے وقت جب کہ کوئی بدلی نہ ہو تم کو سورج کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے صحابہ نے جواب دیا نہیں، فرمایا چودھویں کی رات کو جب کہ کوئی ابر نہ ہو تم کو چاند کے دیکھنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ہے، صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم کو اپنے رب کے دیکھنے میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی مگر اتنی جتنی سورج اور چاند کو دیکھنے میں ہوتی ہے، پھر اللہ بندے سے فرمائے گا، اے فلاں شخص کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تھی، کیا تجھے سردار نہیں بنایا تھا، کیا تجھے تیرا جوڑا نہیں دیا تھا، کیا گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرے حکم کا تابع نہیں بنا دیا تھا کہ تجھے سیادت (سرداری) نہیں دی تھی کیا تجھے مال غنیمت کی چوتھائی کا مستحق نہیں بنایا تھا بندہ عرض کرے گا کیوں نہیں اے میرے رب (تو نے یہ سب کچھ مجھے دیا تھا) اللہ فرمائے گا کیا تیرا گمان یہ تھا کہ مجھ سے آ کر ملے گا، بندہ عرض کرے گا نہیں، اللہ فرمائے گا جس طرح تو مجھے بھولا رہا، اسی طرح میں بھی (تجھے دوزخ میں ڈال کر) بھول بسرا کر دوں گا۔

پھر اللہ دوسرے بندے سے ملاقات کرے گا اور اس سے بھی یہی فرمائے گا اور یہی جواب دے گا پھر تیسرے سے ملاقات کرے گا اور اس سے بھی یہی فرمائے گا وہ عرض کرے گا، میں تجھ پر تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لے آیا تھا اور نمازیں پڑھی تھیں، روزے رکھے تھے زکوۃ دی تھی غرض جس قدر کر سکے گا اپنی تعریف کرے گا اس سے کہا جائے گا کیا ہم تیرے خلاف گواہ کھڑا کر دیں وہ شخص اپنے دل میں سوچے گا، میرے خلاف کس کو گواہ بنایا جائے گا، پھر اللہ اس کے منہ پر مہر لگا دے گا اور اس کی ران سے فرمائے گا تو بات کر حسب الحکم اس کی ران گوشت اور ہڈی اس کے اعمال جو کچھ کئے ہوئے ہوں گے بتائے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص منافق ہوگا جو اپنی طرف سے (جھوٹے) عذر پیش کرے گا اور اسی پر اللہ کا غضب ہوگا۔ (مسلم)

وَلَوْ نَشَاۗءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ
اور اگر ہم چاہیں مٹا دیں اُن کی آنکھیں پھر دوڑیں رستہ پانے کو
فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰي مَكَانَتِهِمْ
پھر کہاں سے سوجھے اور اگر ہم چاہیں صورت مسخ کر دیں ان کی جہاں کی تہاں
فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝
پھر نہ آگے چل سکیں اور نہ وہ الٹے پھر سکیں۔

اللہ کی طرف سے مہلت:

یعنی جیسے انہوں نے ہماری آیتوں سے آنکھیں بند کرلی ہیں اگر ہم چاہیں تو دنیا ہی میں بطور سزا کے ان کی ظاہری بینائی چھین کر چوپٹ اندھا کر دیں کہ ادھر ادھر جانے کا راستہ بھی نہ سوجھے اور جس طرح یہ لوگ شیطانی راستوں سے ہٹ کر اللہ کی راہ چلنا نہیں چاہتے ہم کو قدرت ہے کہ ان کی صورتیں بگاڑ کر بالکل اپاہج بنا دیں کہ پھر یہ کسی ضرورت کے لئے اپنی جگہ سے ہل نہ سکیں۔ پر ہم نے ایسا نہ چاہا اور ان جوارح وقویٰ سے ان کو محروم نہیں کیا، یہ ہماری طرف سے مہلت اور ڈھیل تھی آج وہ ہی آنکھیں اور ہاتھ پاؤں گواہی دیں گے کہ ان بیہودوں نے ہم کو کن ناحق کاموں میں لگایا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۭ اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝
اور جس کو ہم بوڑھا کریں اوندھا کریں اس کی پیدائش میں پھر کیا ان کو سمجھ نہیں۔

طاقت کی دلیل:

یعنی آنکھیں چھین لینا اور صورت بگاڑ کر اپاہج بنا دینا کچھ مستبعد مت سمجھو، دیکھتے نہیں؟ ایک تندرست اور مضبوط آدمی زیادہ بوڑھا ہو کر کس طرح دیکھنے، سننے اور چلنے پھرنے سے معذور کر دیا جاتا ہے گویا بچپن میں جیسے کمزور وناتواں اور دوسروں کے سہارے کا محتاج تھا، بڑھاپے میں پھر اسی حالت کی طرف پلٹ دیا جاتا ہے تو کیا جو خدا پیرانہ سالی کی حالت میں ان کی قوتیں سب کر لیتا ہے جوانی میں نہیں کر سکتا؟ (تفسیر عثمانی)

یعنی جس کی عمر ہم دراز کرتے ہیں اس کو رنگوں کر دیتے ہیں، سرنگوں کر دینے سے یہ مراد ہے کہ شروع میں وہ برابر روبہ ترقی تھا، قوت مسلسل بڑھ رہی تھی پھر کمزوری آتی رہی اور مرنے کے وقت تک ضعف میں اضافہ ہوتا رہا۔ (تفسیر مظہری)

دنیا فانی ہے: ونعم قال۔

من عاش اخلقت الایام جدتہ وخانہ ثقتاہ السمع والبصر

"یعنی جو شخص زندہ رہے گا تو زمانہ اس کی جدت وشدت کو بوسیدہ اور پرانا کر دے گا، اور اس کے سب سے بڑے دو ثقہ دوست یعنی شنوائی اور بینائی کی طاقتیں بھی اس سے خیانت کر کے الگ ہو جائیں گی۔"

یعنی انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ اعتماد اپنی آنکھ سے دیکھی یا کان سے سنی ہوئی چیز پر ہوتا ہے، بڑھاپے کی آخر عمر میں یہ بھی قابل اعتماد نہیں، گراں گوشی کے سبب بات پوری سمجھنا مشکل، ضعف بینائی کے سبب صحیح دیکھنا مشکل، متنبی نے اس مضمون کو کہا ہے

ومن صحب الدنیا طویلا تقلبت علی عینہ حتی یری صدقھا کذبا

"یعنی جو شخص دنیا میں زیادہ زندہ رہے گا دنیا اس کی آنکھوں کے سامنے ہی پلٹ جائے گی۔ یہاں تک کہ جس چیز کو پہلے سچ جانتا تھا وہ جھوٹ معلوم ہونے لگے گی۔"

زندگی کے مختلف مراحل کا پیغام:

انسان کے وجود میں یہ انقلابات قدرت حق تعالیٰ شانہ کا عجیب وغریب مظہر تو ہے ہی اس میں انسان پر ایک عظیم احسان بھی ہے کہ خالق کائنات نے جتنی طاقتیں انسان کے وجود میں ودیعت فرمائی ہیں وہ درحقیقت سرکاری مشینیں ہیں، جو اس کو دیدی گئی ہیں، اور یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ یہ تیری ملکیت نہیں اور دائمی بھی نہیں، بالآخر تجھ سے واپس لی جائیں گی اس کا تقاضا ظاہر یہ تھا کہ جب وقت مقدر آجاتا سب طاقتیں بیک وقت واپس لے لی جاتیں مگر مولائے کریم نے ان کی واپسی کی بھی بڑی طویل قسطیں کر دی ہیں اور تدریجی طور پر واپس لیا ہے تاکہ انسان متنبہ ہو کر سفر آخرت کا سامان کر لے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ
اور ہم نے نہیں سکھایا اس کو شعر کہنا اور یہ اس کے لائق نہیں
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝
یہ تو خالص نصیحت ہے اور قرآن ہے صاف

قرآنی تعلیمات حق ہیں:

یعنی اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ حقائق واقعیہ ہیں۔ کوئی شاعرانہ تخیلات نہیں۔ اس پیغمبر نے ہم کو قرآن دیا جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے کوئی شعر وشاعری کا دیوان نہیں دیا جس میں نری طبع آزمائی اور خیالی تک بندیاں ہوں، بلکہ آپ کی طبع مبارک کو فطری طور پر فن شاعری سے تو بعید

رکھ گیا کہ باوجود قریش کے اس اعلیٰ خاندان میں سے ہونے کے جس کی معمولی لونڈیاں بھی اسوقت شعر کہنے کا طبعی سلیقہ رکھتی تھیں۔ آپ نے مدت العمر کوئی شعر نہیں بنایا۔ یوں رجز وغیرہ کے موقع پر کبھی ایک آدھ مرتبہ زبان مبارک سے مقفی عبارت نکل کر بے ساختہ شعر کے سانچہ میں ڈھل گئی ہو وہ الگ بات ہے اسے شاعری یا شعر کہنا نہیں کہتے آپ خود تو شعر کیا کہتے کسی دوسرے شاعر کا شعر یا مصرع بھی زندگی بھر میں دو چار مرتبہ سے زائد نہیں پڑھا۔ اور پڑھتے وقت اکثر اس میں ایسا تغیر کر دیا کہ شعر شعر نہ رہے۔ محض مطلب شاعر ادا ہو جائے۔ غرض آپ کی طبع شریف کو شاعری سے مناسبت نہیں دی گئی تھی کیونکہ یہ چیز آپ کے منصب جلیل کے لائق نہ تھی۔ آپ حقیقت کے ترجمان تھے اور آپ کی بعثت کا مقصد دنیا کو اعلیٰ حقائق سے بدون ادنیٰ ترین کذب وغلو کے روشناس کرانا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام ایک شاعر کا نہیں ہو سکتا کیونکہ شاعریت کا حسن وکمال، کذب ومبالغہ، خیالی بلند پروازی اور فرضی نکتہ آفرینی کے سوا کچھ نہیں، شعر میں اگر کوئی جز محمود ہے تو اس کی تاثیر اور دل نشینی ہو سکتی ہے سو یہ چیز قرآن کی نثر میں اس درجہ میں پائی جاتی ہے کہ ساری دنیا کے شاعر مل کر اپنے کلاموں کے مجموعہ میں پیدا نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم کے اسلوب بدیع کو دیکھتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ گویا نظم کی اصلی روح نکال کر نثر میں ڈال دی گئی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بڑے بڑے فصیح وعاقل دنگ ہو کر قرآن کو شعر یا سحر کہنے لگتے تھے۔ حالانکہ شعر وسحر کو قرآن سے کیا نسبت؟ کیا شاعری اور جادوگری کی بنیاد پر دنیا میں کبھی قومیت وروحانیت کی ایسی عظیم الشان اور لازوال عمارتیں کھڑی ہوئی ہیں جو قرآنی تعلیم کی اساس پر آج تک قائم شدہ دیکھتے ہو۔ یہ کام شاعروں کا نہیں پیغمبروں کا ہے کہ خدا کے حکم سے مردہ قلوب کو ابدی زندگی عطا کرتے ہیں حق تعالیٰ نے عرب کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ آپ پہلے سے شاعر تھے شاعری سے ترقی کر کے نبی بن بیٹھے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام شاعری سے بہت ارفع ہے:

حسن کی روایت سے بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر بطور مثل پڑھا۔

كَفىٰ بِالْإِسْلَامِ وَالشَّيْبِ لِلْمَرْءِ نَاهِيًا

(اسلام اور بالوں کی سفیدی آدمی کو گناہوں سے روکنے کیلئے کافی ہے)

حضرت ابوبکر نے عرض کیا اے اللہ کے نبی شاعر نے تو اس طرح کہا ہے

كفى الشيبُ والاسلامُ بالمرءِ نَاهِيًا

آپ نے دوبارہ پڑھا، اس پر حضرت ابوبکر نے کہا، میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ نے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ۔

مقدام بن شریح کے والد کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور مثل کبھی کوئی شعر پڑھتے تھے، ام المومنین نے جواب دیا، ہاں عبداللہ بن رواحہ کا شعر اس طرح بطور مثل پڑھتے تھے

وَيَاتِيْكَ الْاَخْبَارُ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ

معمر کا بیان ہے مجھ سے قتادہ نے کہا کہ حضرت عائشہؓ سے کسی شخص نے پوچھا، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی شعر بطور مثل کبھی پڑھتے تھے، ام المومنین نے فرمایا، شعر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر کلام سے زیادہ نفرت تھی، آپ کوئی شعر بطور مثل نہیں پڑھتے تھے مگر (قبیلہ) قیس بن طرف کے شاعر کا یہ شعر بطور مثل پڑھتے تھے۔

ستُبدي لك الايام ما كنت جاهلاً   ويأتيك بالاخبار من لم تزوّدِ

لیکن اس شعر کو آپ نے اس طرح پڑھا تھا

ويأتيك من لم تزوّد بالاخبار

حضرت ابوبکر نے عرض کیا یہ شعر اس طرح نہیں ہے فرمایا، میں شاعر نہیں ہوں اور نہ (شاعری) میرے لیے سزاوار ہے۔

اتفاقاً مقفیٰ کلام کا زبان پر جاری ہونا:

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے ہوئے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے اشعار پڑھے، سو یاد رہے کہ آپ کا یہ پڑھنا صحابہؓ کے ساتھ تھا وہ اشعار یہ ہیں۔

لَا هُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا   وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا   وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَيْنَا

اِنَّ الْاُولٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا   اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم لفظ اَبَيْنَا کو کھینچ کر پڑھتے اور ساتھ ہی بلند آواز سے پڑھتے، ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے کوئی غم نہیں اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت یافتہ نہ ہوتے نہ صدقہ دیتے اور نہ نمازیں پڑھتے، اب تو ہم پر تسکین نازل فرما، اور جب دشمنوں سے لڑائی چھڑ جائے تو ہمیں ثابت قدمی عطا فرما، یہ لوگ ہم پر سرکشی کرتے ہیں، ہاں یہ جب بھی فتنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں اسی طرح ثابت ہے کہ حنین کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خچر کو دشمنوں کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ   اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اس کے بارے میں یہ یاد رہے کہ اتفاقیہ ایک کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل گیا جو وزن شعر پر پورا اترا، نہ کہ قصداً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کہا ہو، حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غار میں تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی زخمی ہو گئی تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ   وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

یعنی تو ایک انگلی ہی تو ہے اور تو راہ خدا میں خون آلود ہوئی ہے یہ بھی

اتفاقیہ ہے قصداً نہیں۔

آپ نے فرمایا:

ان تغفر اللّٰھم تغفر جمّا وای عبد لک ما الما

یعنی خدایا تو جب بخشے تو ہمارے تمام گناہ بخش دے، ورنہ یوں تو تیرا کوئی بندہ نہیں جو چھوٹی چھوٹی لغزشوں سے بھی پاک ہو۔

اشعار کی قسمیں۔ حضرت صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ شعر گوئی سے آپ کو طبعی نفرت تھی، دُعا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات پسند آتے تھے اور اُس کے سوا چھوڑ دیتے تھے (احمد) ابوداؤد میں ہے کہ کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اُس کے لئے شعروں سے بھر لینے سے بہتر ہے (ابوداؤد) مسند احمد کی ایک حدیث غریب میں ہے "جس نے عشاء کی نماز کے بعد کسی شعر کا ایک مصرعہ بھی باندھا تو اس کی اس رات کی نماز نامقبول ہے۔" یاد رہے کہ شعر گوئی کی قسمیں ہیں، مشرکوں کی ہجو میں شعر کہنے مشروع ہیں۔ حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک، حضرت عبداللہ بن رواحہ وغیرہ جیسے اکابرین صحابہ نے کفار کی ہجو میں اشعار کہے ہیں، رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (تفسیر ابن کثیر)

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ
تاکہ ڈر سنائے اُس کو جس میں جان ہو
الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
اور ثابت ہو الزام منکروں پر

قرآن زندہ دلوں کی کتاب ہے:

یعنی زندہ دل آدمی قرآن سن کر اللہ سے ڈرے اور منکروں پر حجت تمام ہو، حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں۔ "جس میں جان ہو یعنی نیک اثر پکڑتا ہو اُس کے فائدہ کو اور منکروں پر الزام اُتارنے کو۔" (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ
کیا اور نہیں دیکھتے وہ کہ ہم نے بنا دیے اُن کے واسطے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزوں سے
اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا
چوپائے پھر وہ اُن کے مالک ہیں اور عاجز کر دیا اُن کو اُن کے آگے پھر اُن میں کوئی
رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا
ہے ان کی سواری اور کسی کو کھاتے ہیں اور ان کے واسطے
مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝
چارپایوں میں فائدے ہیں اور پینے کے گھاٹ پھر کیوں شکر نہیں کرتے ☆

آیات تکوینیہ۔ آیات تنزیلیہ کے بعد پھر آیات تکوینیہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں یعنی ایک طرف قرآن کی پند و نصیحت کو سنو، دوسری طرف غور سے دیکھو کہ خدا کے کیسے کیسے انعام و احسان تم پر ہو رہے ہیں۔ اونٹ، گائے، بکری، گھوڑے، خچر وغیرہ جانوروں کو تم نے نہیں بنایا اللہ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے۔ پھر تم کو محض اپنے فضل و کرم سے ان کا مالک بنا دیا کہ جہاں چاہو بیچو اور جو چاہو کام لو۔ (تفسیر عثمانی)

ملکیت اشیاء کی اصل علت عطاء حق ہے، نہ سرمایہ نہ محنت۔

آج کل نئے نئے معاشی نظاموں اور نظریات میں یہ بحث چھڑی ہوئی ہے کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں سرمایہ اور دولت اصل ہے یا محنت، سرمایہ دارانہ نظام معیشت کے قائل دولت و سرمایہ کو اصل قرار دیتے ہیں اور سوشلزم اور کمیونزم والے محنت کو اصل علت تخلیق و ملکیت کی قرار دیتے ہیں۔ قرآن مجید کے اس فیصلے نے بتلا دیا کہ تخلیق اشیاء اور ان کی ملکیت میں دونوں کا کوئی دخل نہیں، تخلیق کسی چیز کی انسان کے قبضہ میں نہیں، وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہے اور عقل کا تقاضا ہے کہ جو کسی چیز کو پیدا کرے وہی اس کا مالک بھی ہو، اس طرح اصلی اور حقیقی ملکیت اشیائے عالم میں حق تعالیٰ کی ہے، انسان کی ملکیت کسی بھی چیز میں صرف اللہ تعالیٰ کے عطا کرنے سے ہو سکتی ہے، خدا نے اشیاء کی اثبات ملکیت اور انتقال ملکیت کا قانون اپنے پیغمبروں کے ذریعہ نازل فرما دیا ہے، اس قانون کے خلاف کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

دیکھو کتنے بڑے بڑے عظیم الجثہ قوی ہیکل جانور انسان ضعیف البنیان کے سامنے عاجز و مسخر کر دیئے، ہزاروں اونٹوں کی قطار کو ایک خوردسال بچہ نکیل پکڑ کر جدھر چاہے لے جائے ذرا کان نہیں ہلاتے۔ کیسے کیسے شہ زور جانوروں پر آدمی سواری کرتا ہے اور بعض کو کاٹ کر اپنی غذا بناتا ہے۔ علاوہ گوشت کھانے کے ان کی کھال، ہڈی، اون وغیرہ سے کس قدر فوائد حاصل کئے جاتے ہیں ان کے تھن کیا ہیں گویا دودھ کے چشمے ہیں ان ہی چشموں کے گھاٹ سے کتنے آدمی سیراب ہوتے ہیں لیکن شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ
اور پکڑتے ہیں اللہ کے سوائے اور حاکم کہ شاید اُن کی
يُنْصَرُوْنَ ۝ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ
مدد کریں نہ کر سکیں گے اُن کی مدد
وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝
اور یہ اُن کی فوج ہو کر پکڑے آ گئے ہیں

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری:

یعنی جس خدا نے یہ نعمتیں مرحمت فرمائیں، بجائے شکر ادا کرنے کے اس کے مقابل دوسرے حاکم اور معبود ٹھہرا لئے جنہیں سمجھتے ہیں کہ آڑے وقت میں

کام آئیں گے اور مدد کریں گے۔ سو یاد رکھو! وہ تمہاری تو کیا اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں جب تم کو مدد کی ضرورت ہوگی اس وقت گرفتار ضرور کرا دیں گے۔ تب پتہ لگے گا کہ جن کی حمایت میں عمر بھر لڑتے رہے تھے وہ آج کس طرح آنکھیں دکھانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

بیہقی اور حکیم نے حضرت ابو درداء کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ نے فرمایا میرا اور جن وانس کا ایک عجیب معاملہ ہے میں پیدا کرتا ہوں اور دوسروں کی عبادت کی جاتی ہے میں رزق دیتا ہوں اور شکر دوسروں کا کیا جاتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يُنصَرُونَ۔ یعنی اس امید پر کہ وہ معبود ان کی مدد کریں گے، حالانکہ نتیجہ اس کے برعکس ہوگا۔

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ۔ وہ عذاب سے بچانے کی طاقت ہی نہ رکھتے ہوں گے۔

وَهُمْ لَهُمْ جُندٌ۔ یعنی کفار اپنے معبودوں کیلئے فریق بنے ہوئے دنیا میں ان کی حفاظت کرتے ہیں اور ان کی نگرانی کیلئے تیار رہتے ہیں باوجود یہ کہ وہ معبود ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے، نہ کسی شر سے ان کو بچاتے ہیں، بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے معبودوں کو طلب کیا جائے گا ان کے ساتھ ان کے پرستاروں کو بھی بلایا جائے گا گویا وہ سب ایک فوج ہوں گے جن کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا
اب تو غمگین مت ہو اُن کی بات سے ہم جانتے ہیں
يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۶﴾
جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

یعنی جب خود ہمارے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو آپ ان کی بات سے غمگین و دلگیر نہ ہوں، اپنا فرض ادا کر کے ہمارے حوالہ کریں ہم ان کے ظاہری و باطنی احوال سے خوب واقف ہیں ٹھیک ٹھیک بھگتان کر دینگے۔ (تفسیر عثمانی)

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ
کیا دیکھتا نہیں انسان کہ ہم نے اُس کو بنایا ایک قطرہ سے
فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿۷۷﴾
پھر تبھی وہ ہو گیا جھگڑنے بولنے والا ☆

یعنی انسان اپنی اصل کو یاد نہیں رکھتا کہ وہ ایک ناچیز قطرہ تھا، خدا نے کیا سے کیا بنا دیا اس پانی کی بوند کو وہ زور اور قوت گویائی عطا کی کہ بات بات پر جھگڑنے اور باتیں بنانے لگا حتی کہ آج اپنی حد سے بڑھ کر خالق کے مقابلہ میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حالت جو میں دیکھ رہا ہوں کیا اس کے بعد بھی خدا اس کو زندہ کر کے اٹھائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اس کو بھی زندہ کر کے اٹھائے گا تم کو بھی مردہ کرے گا پھر جہنم میں داخل کرے گا اس پر آیات ذیل آخر سورۃ تک نازل ہوئیں۔

الانسان یعنی عاص بن وائل، ابن ابی حاتم نے متعدد سند سے مجاہد، عکرمہ، عروہ بن زبیر اور سدی کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابو مالک کی روایت سے نیز بغوی نے بیان کیا ہے کہ ان آیات کا نزول اُبی بن خلف جمحی کے حق میں ہوا یہ ہی ایک بوسیدہ کہنہ ہڈی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انکار بعث وحشر کر کے حضور سے جھگڑا کر رہا تھا اسی نے کہا تھا اس قدر بوسیدہ ہو جانے کے بعد اس کو کون زندہ کر سکتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تجھے (بھی) زندہ کر کے اٹھائے گا اور جہنم میں داخل کر دے گا، اس پر ان آیات کا نزول ہوا۔

بعض علماء نے فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ کا یہ مطلب بیان کیا کہ ایک ذلیل پانی ہونے کے بعد اللہ نے اس کو حامل تمییز وشعور اور ایسا سلیس البیان بنایا کہ اس کو جھگڑنے (اور مقابلہ کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی اور اپنے دل کی بات کو بیان کرنے لگا، لہٰذا وہ اپنی اصلی کمینگی اور ابتدائی حقارت بھول گیا اور اللہ کی زندگی بخشنے والی قدرت کا منکر بن گیا اور اپنے رب سے جھگڑا کرنے کے درپے ہو گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن
اور بٹھلاتا ہے ہم پر ایک مثل اور بھول گیا اپنی پیدائش، کہنے لگا کون
يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۷۸﴾
زندہ کریگا ہڈیوں کو جب کھوکھری ہو گئیں ☆

ناچیز قطرہ کی جرأت:

یعنی دیکھتے ہو! خدا پر کیسے فقرے چسپاں کرتا ہے گویا اس قادر مطلق کو عاجز مخلوق کی طرح فرض کر لیا ہے جو کہتا ہے کہ آخر جب بدن گل سڑ کر صرف ہڈیاں رہ گئیں وہ بھی بوسیدہ، پرانی اور کھوکھری تو انہیں دوبارہ کون زندہ کرے گا ایسا سوال کرتے وقت اسے اپنی پیدائش یاد نہیں رہی ورنہ اس قطرہ ناچیز کو ایسے الفاظ کہنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اپنی اصل پر نظر کر کے کچھ شرماتا اور کچھ عقل سے کام لے کر اپنے سوال کا جواب بھی حاصل کر لیتا جو اگلی آیت میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ ۖ
تو کہہ اس کو زندہ کریگا جس نے بنایا اُن کو پہلی بار

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾
اور وہ سب بنانا جانتا ہے ☆

خالق کیلئے دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں:

یعنی جس نے پہلی مرتبہ ان ہڈیوں میں جان ڈالی اسے دوسری بار جان ڈالنا کیا مشکل ہے۔ بلکہ پہلے سے زیادہ آسان ہونا چاہیے (وهو اهون عليه) اور اس قادر مطلق کے لئے تو سب ہی چیز آسان ہے پہلی مرتبہ ہو یا دوسری مرتبہ۔ وہ ہر طرح بنانا جانتا ہے اور بدن کے اجزاء اور ہڈیوں کے ریزے جہاں کہیں منتشر ہوگئے ہوں ان کا ایک ایک ذرہ اس کے علم میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نطفہ درحقیقت جسم انسانی کے مختلف اور متفرق اجزاء کا مجموعہ ہے اور انسان کے اعضاء متفرقہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اس ایک قطرۂ آب (نطفہ) میں سر اور آنکھ اور کان اور ہاتھ اور کمر اور ٹانگوں اور پیروں کے تمام اجزاء لطیفہ جمع ہیں اور یہ تمام اجزاء لطیفہ اجزاء رضیہ سے مستحیل شدہ ہیں اس لئے کہ منی کے تمام اجزاء در اصل غذا سے پیدا شدہ ہیں پس جو خدائے علیم و قدیر پہلی بار جسم کے ان اجزاء متفرقہ سے انسان کو پیدا کر سکتا ہے وہ مرنے کے بعد بھی گلی و سڑی ہڈیوں کے متفرق ریزوں کو جمع کر کے آدمی کو دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا خدا کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہے۔ (معارف کاندھلوی)

الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ
جس نے بنا دی تم کو سبز درخت سے
نَارًا فَإِذَا أَنتُم مِّنْهُ تُوقِدُونَ ﴿۸۰﴾
آگ پھر اب تم اُس سے سلگاتے ہو ☆

دوبارہ پیدائش کی دلیل:

یعنی اول پانی سے سبز و شاداب درخت تیار کیا پھر اسی تر و تازہ درخت کو سکھا کر ایندھن بنا دیا جس سے اب تم آگ نکال رہے ہو پس جو خدا ایسی متضاد صفات کو ادل بدل کر سکتا ہے کیا وہ ایک چیز کی موت و حیات کے الٹ پھیر پر قادر نہیں۔ (تنبیہ) بعض سلف نے شجر اخضر (سبز درخت) سے خاص وہ درخت مراد لئے ہیں جن کی شاخوں کو آپس میں رگڑنے سے آگ نکلتی ہو جیسے بانس کا درخت ہے یا عرب میں مرخ اور عفار تھے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آگ کا درخت:

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دو قسم کے درخت ہیں ایک کو مرخ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو عفار دونوں درختوں کی مسواک کی دوہری شاخیں اتنی ہری کہ ان سے پانی ٹپکتا ہو کاٹ لی جائیں پھر مرخ کو عفار سے رگڑا جائے تو ان سے آگ نکلتی ہے عرب کہتے ہیں ہر درخت میں آگ ہے اور مرخ عفار میں گھس جاتی علماء کہتے ہیں سواء عناب کے ہر درخت میں آگ ہے۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ
کیا جس نے بنائے آسمان اور زمین
بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يَخْلُقَ مِثْلَهُم ۚ بَلَىٰ
نہیں بنا سکتا ان جیسے کیوں نہیں
وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۱﴾
اور وہی ہے اصل بنانیوالا سب کچھ جاننے والا ☆

یعنی جس نے آسمان و زمین جیسی بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں اسے کافروں جیسی چھوٹی چیزوں کا پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بحر و بر میں پھیلی ہوئی راکھ سے دوبارہ پیدا کرنا:

حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا کہ گذشتہ امتوں میں سے ایک شخص پر موت آئی جو بدعمل تھا اس نے اپنے اہل و عیال کو جمع کر کے وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو لکڑیوں کا ایک بڑا انبار جمع کرنا اور پھر اس میں آگ لگانا جب آگ خوب تیز ہو جائے تو مجھ کو اس میں ڈال کر جلا دینا یہاں تک کہ جب میرا گوشت پوست سب کوئلہ ہو جائے تو اس کو باریک پیس کر آدھا خشکی میں اور آدھا سمندر میں اڑا دینا اس کے اہل و عیال نے حسب وصیت اس کی راکھ کو ہوا میں اڑا دیا اللہ تعالے نے بحر و بر کو حکم دیا کہ اس کی راکھ کے ذرات کو جہاں جہاں ہوں جمع کر کے حاضر کریں جب وہ ذرات جمع ہو گئے تو اللہ نے ان کو زندہ ہو جانے کا حکم دیا اس طرح سے وہ شخص دوبارہ زندہ ہو کر موجود ہو گیا اللہ عز و جل نے اس سے پوچھا کہ یہ حرکت تو نے کیوں کی، اس نے عرض کیا کہ اے پروردگار میں نے یہ حرکت تیرے خوف کی وجہ سے کی اور تو اندرون حال کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔ رواہ احمد والبخاری ومسلم وغیرہما۔

قطرہ کو در ہوا شد یا کہ ریخت
از خزینہ قدرت تو کے گریخت
گر درآید در عدم یا صد عدم
چوں بخوانش او کند از سر قدم

غرض یہ کہ خدا تعالے نے جس کو عقل سلیم دی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ خدا تعالے ہزار بار پیدا کرنے اور ہزار بار موت دینے اور ہزار بار زندہ کرنے پر قادر ہے اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے نہ محال ہے اور نہ بعید ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ
اس کا حکم یہی ہے کہ جب کرنا چاہے کسی چیز کو تو کہے
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾
اس کو ہو وہ اسی وقت ہو جائے ☆

ہر چیز کا وجود فقط ارادۂ الٰہی کا محتاج ہے:

یعنی کسی چھوٹی بڑی چیز کے پہلی مرتبہ یا دوبارہ بنانے میں اسے وقت ہی کیا ہوسکتی ہے اسکے ہاں تو بس ارادہ کی دیر ہے جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کیا اور کہا ہو جا! فوراً ہوئی رکھی ہے۔ ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہوسکتی۔ (تنبیہ) میرے خیال میں اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملا کر یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے خلق بدن کا ذکر تھا یہاں نفخ روح کا مطلب سمجھا دیا۔ واللہ اعلم راجع فوائد سورۃ الاسراء تحت بحث الروح۔ (تفسیر عثمانی)

مخلوق کی قدرت پر خالق کی قدرت کو قیاس نہ کرو:

بیضاوی نے لکھا ہے یہ ایک تشبیہ ہے۔ جس طرح کوئی حاکم محکوم کو حکم دے اور وہ فوراً بلاتوقف حکم بجا لائے اسی طرح اللہ کی قدرت کا اثر مراد الٰہی پر ہوتا ہے کسی چیز کو کرنے کیلئے اللہ کو نہ عملی مشق کی ضرورت ہے نہ آلات کو استعمال کرنے کی (اگر مزاولت یا آلات کی ضرورت ہوتی تو احتیاج کا شبہ ہو جاتا) شبہ کے مادہ کو جڑ سے کاٹ دینے کیلئے یہ تمثیل ذکر فرمائی، قدرتِ مخلوق پر قدرتِ خدا کا قیاس غلط ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ
سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ ہے حکومت ہر چیز کی
وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾
اور اسی کی طرف پھر کر چلے جاؤ گے ☆

حکومت بس اللہ ہی کی ہے:

یعنی وہ اعلیٰ ترین ہستی جس کے ہاتھ میں فی الحال بھی اوپر سے نیچے تک تمام مخلوقات کی زمام حکومت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ پاک ہے عجز و سفہ اور ہر قسم کے عیب و نقص سے۔ (تفسیر عثمانی)

تم سورۃ یٰسین وللہ الحمد والمنۃ

سورۃ الصافات

جس نے خواب میں اس کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو حلال طریقہ سے رزق ملے گا اور اس کے دولڑکے پیدا ہوں گے۔ (علامہ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ)

سورت کے مضامین:

یہ سورت مکی ہے، اور دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا بنیادی موضوع بھی ایمانیات ہیں اور اس میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے، اسی ضمن میں مشرکین کے عقائد کی تردید بھی ہے، اور آخرت میں جنت و دوزخ کے حالات کی منظر کشی بھی، جو عقائد تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شامل رہے۔

سورۃ صافات مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی ایک سو بیاسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾
قسم ہے صف باندھنے والوں کی قطار ہو کر ☆

صف باندھنے والے:

یعنی جو صف باندھ کر قطار در قطار کھڑے ہوتے ہیں خواہ فرشتے ہوں جو حکم الٰہی سننے کو اپنے اپنے مقام پر درجہ بدرجہ کھڑے ہوتے ہیں یا عبادت گزار انسان جو نماز اور جہاد وغیرہ میں صف بندی کرتے ہیں۔ (تنبیہ) قسم محاورات میں تاکید کے لئے ہے جو اکثر منکر کے مقابلہ میں استعمال کی جاتی ہے لیکن بسا اوقات محض ایک مضمون کو مہتم بالشان ظاہر کرنے کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور قرآن کریم کی قسموں کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ عموماً مقسم بہ مقسم علیہ کے لئے بطور ایک شاہد یا دلیل کے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

بعض علماء نے کہا ملائکہ فضا میں اپنے پر پھیلائے رُکے رہتے ہیں اور اُس وقت تک رُکے رہتے ہیں کہ اللہ اپنی مشیت کے مطابق ان کو (کسی کام پر) مامور کرتا ہے بعض اہل علم کے نزدیک اَلصّٰٓفّٰت سے پرندے مراد ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے، وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ۔ (تفسیر مظہری)

نماز میں صفوف کی درستی اور اس کی اہمیت:

چنانچہ انسانوں کو بھی عبادت کے دوران اس صف بندی کی ترغیب و تاکید کی گئی ہے، حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: "تم (نماز میں) اس طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے حضور کرتے ہیں؟" صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا "فرشتے اپنے رب کے حضور کس طرح صف بندی کرتے ہیں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "وہ صفوں کو پورا کرتے ہیں، اور صف میں پیوست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں (یعنی بیچ میں خالی جگہ نہیں چھوڑتے)" (تفسیر مظہری)

نماز میں صفوں کو پورا کرنے اور سیدھا رکھنے کی تاکید میں اتنی احادیث وارد ہوئی ہیں کہ ان سے ایک پورا رسالہ بن سکتا ہے، حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگا کر فرمایا کرتے تھے: "سیدھے رہو، آگے پیچھے مت ہو، ورنہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا" (جمع الفوائد بحوالہ مسلم ونسائی ص۹۲ ج۱) (معارف مفتی اعظم)

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿٢﴾
پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر☆

برائی سے روکنے والی قوتیں:

یعنی جو فرشتے شیطانوں کو ڈانٹ کر بھگاتے ہیں تا استراق سمع کے ارادہ میں کامیاب نہ ہوں یا بندوں کو نیکی کی بات سمجھا کر معاصی سے روکتے ہیں یا وہ نیک آدمی جو خود اپنے نفس کو بدی سے روکتے اور دوسروں کو بھی شرارت پر ڈانٹتے جھڑکتے رہتے ہیں خصوصاً میدان جہاد میں کفار کے مقابلہ پر ان کی ڈانٹ ڈپٹ بہت سخت ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یا شیطانوں کو انسانوں کی راہ (خیر) میں رکاوٹ ڈالنے سے روکتے ہیں، قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا الزّاجرات سے مراد ہیں قرآن کی وہ آیات جو بری باتوں کی مخالفت کرتی اور روکتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿٣﴾
پھر پڑھنے والوں کی یاد کر☆

یعنی وہ فرشتے یا آدمی جو اللہ کے احکام سننے کے بعد پڑھتے اور یاد کرتے ہیں، ایک دوسرے کے بتانے کو۔ (تفسیر عثمانی)

یا ان آیات کو پڑھتے ہیں جو آسمانی کتابوں میں انبیاء پر نازل کی گئی ہیں، یا صافات، زاجرات اور تالیات سے نفوس علمیہ مراد ہیں جو نمازوں میں صف بستہ ہوتے ہیں، دلائل کی روشنی میں کفر اور معاصی سے روکتے ہیں اور آیات رب کی تلاوت کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان تین قسموں سے مراد فرشتے ہیں اور بھی اکثر حضرات کا یہی قول ہے۔ مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہمیں سب لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی کی گئی ہیں، ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے اور پانی کے نہ ملنے کے وقت زمین کی مٹی ہمارے لئے وضو کے قائم مقام کی گئی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نکتہ: تعقیب وجود کیلئے ہے یعنی پہلے صف بستہ ہوتے ہیں پھر زجر کرتے ہیں، پھر تلاوت کرتے ہیں صف بندی بجائے خود صفت کمال ہے، پھر شر سے باز داشت کرنی اور خیر کی طرف چلانا صفت اول کی تکمیل ہے اور تلاوت ذکر فیض رسانی کا درجہ رکھتی ہے، یا عطف صرف ترتیب و ترقی کیلئے ہے جیسے آیت ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، میں عطف ترقی مرتبہ کیلئے ہے۔ (تفسیر مظہری)

مخلوق کی قسم:

مخلوقات میں جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے، کہیں تو اس سے اس چیز کو عظمت وفضیلت کا بیان کرنا مقصود ہوتا جیسے کہ قرآن کریم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم آئی ہے لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق اور کوئی چیز دنیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے زیادہ معزز اور مکرم نہیں پیدا کی، یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن مجید میں کسی نبی و رسول کی ذات کی قسم نہیں آئی، صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کی قسم آیت مذکورہ میں آئی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے

"اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے وہ اپنی مخلوقات میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھا لے، مگر کسی دوسرے کیلئے اللہ کے سوا کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔" (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿٤﴾
بے شک معبود تمہارا ایک ہے☆

فرشتوں اور نیک لوگوں کی گواہی:

بیشک آسمان پر فرشتے اور زمین پر خدا کے نیک بندے ہر زمانہ میں قولاً و فعلاً شہادت دیتے رہے ہیں کہ سب کا مالک و معبود ایک ہے اور ہم اسی کی رعیت ہیں۔ (تفسیر حقانی)

کافروں کی تردید: مکہ کے کافروں نے کہا تھا اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنادیا یہ عجیب بات ہے آیت مذکورہ میں کافروں کے اس قول کی تردید فرمادی۔ (تفسیر مظہری)

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ؕ

اور رب مشرقوں کا ☆

مشارق اور مغارب کا رب:

شمال سے جنوب تک ایک طرف مشرقین ہیں۔ سورج کی ہر روز جدا اور ہر ستارے کی جدا یعنی وہ نقطے جن سے ان کا طلوع ہوتا ہے اور دوسری طرف اتنی ہی مغربین ہیں شاید مغارب کا ذکر یہاں اس لئے نہیں کیا کہ مشارق سے بطور مقابلہ کے خود ہی سمجھ میں آجائینگی۔ اور ایک حیثیت سے طلوع شمس و کواکب کو حق تعالیٰ کی شان حکومت وعظمت کے ثابت کرنے میں بہ نسبت غروب کے زیادہ دخل ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مشارق سے مراد ہیں تمام ستاروں کے طلوع کے مقامات یا سورج کے روزانہ طلوع ہونے کے مقامات سال کے تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں اور ہر دن طلوع کا مقام بدلتا رہتا ہے اور مقامات طلوع کے اختلاف کے مطابق غروب کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں اس لئے صرف مشارق کا ذکر کیا، مغارب کے ذکر کی صراحت نہیں کی اس کے علاوہ آفتاب کے طلوع سے اللہ کی نعمت اور قدرت کی عظمت کا زیادہ ظہور ہوتا ہے اس لئے مشارق کا ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِۨالْكَوَاكِبِ ۙ

ہم نے رونق دی ورے آسمان کو ایک رونق جو تارے ہیں ☆

آسمان کی زینت:

یعنی اندھیری رات میں یہ آسمان بیشمار ستاروں کی جگمگاہٹ سے دیکھنے والوں کو کیسا خوبصورت، مزین اور پُر رونق معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

زینت سے مراد ہے ستاروں کی روشنی اور ان کے اوضاع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے زینت الکواکب کا ترجمہ کیا ضوء کواکب۔

مارد یعنی اللہ کی طاعت سے خارج، مطلب یہ ہے کہ ہم نے ستاروں کو کواکب کی زینت کیلئے اور شیطان سرکش سے حفاظت کیلئے پیدا کیا کواکب سے شہاب کے انگارے شیطان پر مارے جاتے ہیں۔

آیت سے مستفاد ہوتا ہے کہ تمام کواکب آسمانِ دنیا میں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فلاسفہ کا قول:

فلاسفہ متاخرین کہتے ہیں کہ کواکب فضاء میں قوت جاذبہ کے تناؤ پر قائم ہیں نہ کہ آسمان میں جڑے ہوئے ہیں، سو یہ امر اہل اسلام کے نزدیک عقلاً جائز ہے اور قدرت خداوندی کے تصرف میں داخل ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ

اور بچاؤ بنایا ہر شیطان سرکش سے ☆

ستاروں کا مقصد:

یعنی تاروں سے آسمان کی زینت و آرائش ہے اور بعض تاروں کے ذریعہ سے جو ٹوٹتے ہیں شیطانوں کو روکنے اور دفع کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ یہ ٹوٹنے والے ستارے کیا ہیں آیا کہ کواکب نوریہ کے علاوہ کوئی مستقل نوع کواکب نوریہ کی شعاعوں سے ہوا متکیف ہو کر ایک طرح کی آتش سوزاں پیدا ہو جاتی ہے یا خود کواکب کے اجزاء ٹوٹ کر گرتے ہیں؟ اس میں علماء و حکماء کے مختلف اقوال ہیں بہرحال ان کی حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو رجم شیاطین کا کام بھی ان سے لیا جاتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل سورہ "حجر" کے فوائد میں گزر چکی ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

مطلب یہ ہے کہ کواکب سے شعلے جدا ہو کر شیاطین کو سنگسار کرتے ہیں اور انہی شعلوں کو ہم شہاب ثاقب یا ٹوٹے ہوئے ستارے کہتے ہیں جیسے کہ امام رازی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر)

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو آسمان دنیا کی زینت کیلئے بنایا ہے اور شیاطین کی سنگساری کیلئے بنایا ہے بڑے بڑے ستارے آسمان کی زینت ہیں اور چھوٹے چھوٹے ستارے شیاطین کی سنگساری کیلئے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

بخاریؒ نے قتادہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اللہ نے ستاروں کو تین امور کیلئے پیدا کیا آسمان کی زینت بنایا، شیاطین پر مارنے کیلئے (بنایا) راستہ پہچاننے کی علامت (بنایا) اس لیے اگر تخلیق نجوم کی کوئی دوسری غرض کوئی شخص بیان کرتا ہے تو غلطی کرتا ہے۔

شیاطین کی روک تھام:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ شیاطین پہلے جا کر آسمانوں میں بیٹھتے تھے اور وحی سن لیتے تھے اُس وقت اُن پر تارے نہیں ٹوٹتے تھے یہ وہاں کی وحی سن کر زمین پر آ کر ایک ایک کی دس دس کر کے کاہنوں کے کانوں میں پھونکتے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ

سن نہیں سکتے اوپر کی مجلس تک اور پھینکے جاتے ہیں ان پر

مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُوْرًا

ہر طرف سے بھگانے کو ☆

اوپر کی مجلس سے مراد فرشتوں کی مجلس ہے۔ یعنی شیاطین کو یہ قدرت نہیں دی گئی کہ فرشتوں کی مجلس میں پہنچ کر کوئی بات وحی الٰہی کی سن آئیں جب ایسا ارادہ کر

کے اوپر آسمانوں کے قریب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو جس طرف سے جاتے ہیں ادھر ہی سے فرشتے دھکے دے کر اور مار مار کر بھگا دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کاہنوں کے کاروبار کا پس منظر:

بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب اللہ آسمان میں کسی امر کا حکم دیتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کی کسی چٹان پر کسی زنجیر کے لگنے کی آواز ہے جب ملائکہ کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا، دوسرے ملائکہ کہتے ہیں (اس کا فرمان) حق ہے وہ ہی بڑی عظمت وشان والا ہے، فرشتوں کی اس بات کو چوری سے سننے والے (کچھ شیطان) سن پاتے ہیں اور (ان سے دوسرے) چوری سے سننے والے سنتے ہیں ایک کے اوپر ایک (قطار در قطار) اسی طرح ہوتے ہیں۔ سفین راوی نے اپنے ہاتھ کو ترچھا کر کے انگلیوں کو کشادہ کر کے بتایا (کہ جس طرح انگلیاں ترتیب وار ایک کے اوپر ایک ہیں اسی طرح شیطان ترتیب وار اوپر نیچے ہوتے ہیں) اوپر والا شیطان وہ بات نیچے والے شیطان کو پہنچا دیتا ہے پھر نیچے والا اپنے سے نیچے والے کو پہنچا دیتا ہے آخری نچلا شیطان وہ بات ساحر یا کاہن تک پہنچا دیتا ہے اور نتیجہ میں وہ بات ساحر یا کاہن کی زبان پر آ جاتی ہے شہاب (آگ کا شعلہ) شیطان کے پیچھے لگ جاتا ہے کبھی دوسرے شیطان تک پہنچنے سے پہلے اول شیطان کے آ لگتا ہے اور کبھی وہ بات پہنچا چکتا ہے کہ شہاب اس پر پڑتا ہے، ساحر یا کاہن اس ایک بات میں (جو چوری چوری اس تک پہنچتی ہے) سو جھوٹ ملا دیتا ہے (اور لوگوں سے بیان کرتا ہے کہ ایسا ہونے والا ہے) جب کاہن کے کہنے کے مطابق کوئی بات ہو جاتی ہے تو اس ایک بات کی وجہ سے اس کی تصدیق کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں دن کاہن نے ایسا ایسا نہیں کہا تھا؟

بیضاوی نے لکھا ہے جس شیطان پر انگارا مارا جاتا ہے کیا وہ زخمی ہو کر لوٹ جاتا ہے یا جل جاتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ چڑھنے والے کے کبھی وہ شعلہ لگ جاتا ہے اور کبھی نہیں لگتا ہے جیسے موجیں کشتی میں بیٹھنے والوں کے کبھی لگ جاتی ہیں کبھی کشتی سے ٹکرا کر لوٹ جاتی ہیں (کشتی کے مسافروں تک نہیں پہنچتیں) اسی لیے شیاطین باز نہیں آتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ
اور اُن پر مار ہے ہمیشہ کو ☆

شیاطین کیلئے دائمی عذاب:

یعنی دنیا میں ہمیشہ یوں ہی مار پڑتی رہے گی اور آخرت کا دائمی عذاب الگ رہا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ
مگر جو کوئی اُچک لایا جھپٹ سے پھر پیچھے لگا اُس کے انگارا چمکتا ☆

یعنی اسی بھاگ دوڑ میں جلدی سے کوئی ایک آدھ بات اُچک لیا، اس پر بھی فرشتے شہاب ثاقب سے اس کا تعاقب کرتے ہیں اس کی تفصیل سورہ "حجر" کے شروع میں گذر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

الخطفة جھپٹ لینا، اس جگہ مراد ہے ملائکہ کے کلام کا کوئی حصہ سن کر چوری سے لے بھاگنا، شہاب، ستارے سے نکلنے والا وہ شعلہ جو چوری سے سن کر بھاگنے والے شیطانوں کے مارا جاتا ہے اور یہ دکھائی دیتا ہے کہ کوئی ستارہ ٹوٹ کر گرا۔ (تفسیر مظہری)

موجودہ سائنسدانوں کا خیال:

موجودہ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ "شہاب ثاقب" اَن گنت ستاروں ہی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے ہیں، اور عموماً بڑی بڑی اینٹوں کے برابر، اور یہ ان گنت ٹکڑے فضا میں رہتے ہیں، انہی کا ایک مجموعہ "اسدیہ" کہلاتا ہے، جو سورج کے گرد طلیہ کی شکل میں گردش کرتا رہتا ہے، اور اس کا ایک دورہ ۳۳ سال میں پورا ہوتا ہے، ان ٹکڑوں میں روشنی ان کی تیز رفتاری اور خلائی اجرام کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے، یہ ٹکڑے ۱۰ اگست اور ۲۷ نومبر کی راتوں میں زیادہ گرتے ہیں، اور ۲۰ اپریل، ۲۸ نومبر، ۱۸ اکتوبر اور ۶، ۹، ۱۳ دسمبر کی راتوں میں کم ہو جاتے ہیں۔ (از تفسیر الجواہر طنطاوی ص ۱۵ ج ۸)

جدید سائنس کی یہ تحقیق قرآنی اسلوب بیان کے زیادہ مطابق ہے، البتہ جو لوگ "شہاب ثاقب" کے ذریعہ شیطانوں کے مارے جانے کو بعید از قیاس سمجھتے ہیں ان کے بارے میں طنطاوی مرحوم نے الجواہر میں بڑی اچھی بات لکھی ہے: "ہمارے آباؤ اجداد اور حکماء کو بھی یہ بات گراں محسوس ہوتی تھی کہ قرآن کریم ان کے زمانے کے علم فلکیات کے خلاف کوئی بات کہے، لیکن مفسرین اس بات پر راضی نہیں ہوئے کہ ان کے فلسفیانہ نظریات کو قبول کر کے قرآن کو چھوڑ دیں، اس کے بجائے انہوں نے ان فلسفیانہ نظریات کو چھوڑا اور قرآن کے ساتھ رہے کچھ عرصہ کے بعد خود بخود ثابت ہو گیا کہ قدیم یونانی فلسفہ کا خیال بالکل باطل اور غلط تھا، اب بتائیے کہ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ ستارے شیطانوں کو جلاتے، مارتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں تو اس میں کونسی رکاوٹ ہے، ہم قرآن کریم کے اس بیان کو تسلیم کرتے ہوئے مستقبل کے انتظار میں ہیں، (جب سائنس بھی اس حقیقت کو تسلیم کرے گی) (جواہر ص ۱۴ ج ۸)

مقصد اصلی: یہاں آسمانوں، ستاروں اور شہاب ثاقب کا تذکرہ کرنے سے ایک مقصد تو توحید کا اثبات ہے کہ جس ذات نے یکہ وتنہا اتنے زبردست آفاقی

انتظامات کئے ہوئے ہیں، وہی لائق عبادت بھی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا

اب پوچھ ان سے کیا یہ بنانے مشکل ہیں یا جتنی خلقت کہ ہم نے بنائی ☆

انسان کا دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل نہیں:

یعنی منکرین بعث سے دریافت کیجئے کہ آسمان، زمین، ستارے، فرشتے، شیاطین وغیرہ مخلوقات کا پیدا کرنا ان کے خیال میں زیادہ مشکل کام ہے یا خود ان کا پیدا کرنا اور وہ بھی ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد ظاہر ہے جو خدا ایسی عظیم الشان مخلوقات کا بنانے والا ہے اسے ان کا دوبارہ بنا دینا کیا مشکل ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ: مَنْ (ذی عقل مخلوق کیلئے استعمال ہوتا ہے لیکن) اس جگہ اہل عقل کو بے عقل مخلوق پر تغلیب دے کر سب باعقل اور بے عقل مخلوق کیلئے استعمال کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ

ہم نے ہی ان کو بنایا ہے ایک چپکتے گارے سے ☆

مادہ تخلیق:

یعنی ان کی اصل حقیقت ہمیں سب معلوم ہے ایک طرح کے چپکتے گارے سے جس کا پتلا ہم نے تیار کیا۔ آج اس کے یہ دعوے ہیں کہ آسمان و زمین کا بنانے والا اس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ جس طرح پہلے تجھ کو مٹی سے بنایا دوبارہ بھی مٹی سے نکال کر کھڑا کر دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لازب چپکنے والی جو ہاتھ سے چپک جائے، مجاہد اور ضحاک نے لازب کا ترجمہ کیا۔ "سڑی ہوئی" انسانوں کی (جسمانی) تخلیق اور آسمان و زمین کی تخلیق میں یہی بڑا فرق ہے کہ انسانوں کا تخلیقی مادہ تو چپک دار کیچڑ ہے۔

کافروں کے اشکال کا شافی جواب:

کافروں نے کہا تھا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ان کے قول کے خلاف اللہ نے بطور استدلال فرمایا کہ ان کی تخلیق اول سڑی ہوئی لیس دار کیچڑ سے ہو چکی ہے پھر تراب (خاک) سے دوبارہ تخلیق کا یہ کیسے انکار کر سکتے ہیں، طین لازب میں اجزاء آبی اور اجزاء خاکی مخلوط ہوتے ہیں، مرنے کے بعد بھی یہ اجزاء (تحلیل ہو کر اپنی اپنی جگہ) باقی رہتے ہیں پھر دوبارہ اجتماع اور خلط سے کون روک سکتا ہے۔ مادہ کی قابلیت میں فرق نہیں اور فاعل کی قدرت میں کمزوری نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ

بلکہ تو کرتا ہے تعجب اور وہ کرتے ہیں ٹھٹھے ☆

کافروں کی بے وقوفی:

یعنی تجھ کو ان پر تعجب آتا ہے کہ ایسی صاف باتیں کیوں نہیں سمجھتے اور وہ ٹھٹھا کرتے ہیں کہ یہ (نبی) کس قسم کی بے سروپا باتیں کر رہا ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعجب:

قتادہؒ نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب تھا کہ نزول قرآن کے بعد بھی بنی آدم گمراہ کس طرح رہ سکتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ جو شخص بھی اس قرآن کو سنے گا وہ ضرور اس کو مان لے گا اور ایمان لے آئے گا لیکن مشرکین اس کو سن کر بھی ایمان نہیں لائے بلکہ مذاق اڑانے لگے اس لیے عجبت کے بعد ویسخرون فرمایا یعنی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعجب کا مذاق بناتے ہیں اور آپ جو دوسری زندگی ہونے کی تقریر کرتے ہیں وہ اس کی ہنسی اڑاتے ہیں۔

تعجب کا معنی: عجب اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی غیر معمولی بات کو دیکھنے سے انسان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے۔ عجبت میں یہی حالت مراد ہے، ایک حدیث میں عَجِبَ رَبُّكَ مِنْ قَوْمٍ يُسَاقُوْنَ اِلَى الْجَنَّةِ فِي السَّلَاسِلِ اسی طرح سبحانہٗ ما اعظم شانہٗ میں صیغہ تعجب اسی معنی کیلئے استعمال کیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۠ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً

اور جب ان کو سمجھایئے نہیں سوچتے اور جب دیکھیں کچھ نشانی

يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۠ وَقَالُوْٓا اِنْ

ہنسی میں ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں

هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

یہ تو کھلا جادو ہے ☆

یعنی نصیحت سن کر غور و فکر نہیں کرتے اور جو معجزات و نشانات دیکھتے ہیں نہیں جادو کہہ کر ہنسی میں اڑا دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ

کیا جب ہم مر گئے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں تو کیا ہم کو پھر اٹھائیں گے

اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ

کیا اور ہمارے اگلے باپ دادوں کو بھی ☆

کافروں کی ہٹ دھرمی:

وہ ہی مرغے کی ایک ٹانگ گائے جاتے ہیں کہ صاحب جب ہمارا بدن خاک میں مل کر مٹی ہو گیا صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں اور اس سے بھی بڑھ کر ہمارے باپ دادا جن کو مرے ہوئے قرن گذر گئے، شاید ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں، ہم

کس طرح مان لیں کہ یہ سب پھر از سر نو زندہ کر کے کھڑے کر دیے جائیں گے۔

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۚ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ
تو کہہ کہ ہاں اور تم ذلیل ہو گے سو وہ اٹھانا تو یہی ہے
وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ
ایک جھڑکی پھر اسی وقت یہ لگیں گے دیکھنے

اتمام حجت: یعنی ہاں ضرور اٹھائے جاؤ گے اور اس وقت ذلیل و رسوا ہو کر اس انکار کی سزا بھگتو گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ
اور کہیں گے اے خرابی ہماری یہ آ گیا دن جزا کا

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ یعنی ایک ڈانٹ میں سب اٹھ کھڑے ہونگے اور حیرت و دہشت سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے (یہ ڈانٹ یا جھڑکی نفخ صور کی ہوگی) (تفسیر عثمانی)

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ
یہ ہے دن فیصلہ کا جس کو تم جھٹلاتے تھے

یعنی یہ تو سچ مچ جزاء کا دن آ پہنچا جس کی انبیاء خبر دیتے اور ہم ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا
جمع کرو گنہگاروں کو اور ان کے جوڑوں کو اور
كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
جو کچھ پوجتے تھے اللہ کے سوائے
فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ
پھر چلاؤ ان کو دوزخ کی راہ پر

یہ حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب ہوگا۔

یہ حکم ہوگا فرشتوں کو کہ ان سب کو اکٹھا کر کے دوزخ کا راستہ بتاؤ۔ (تنبیہ) "ازواج" (جوڑوں) سے مراد ہیں ایک قسم کے گنہگار یا ان کی کافر بیویاں اور "وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" سے اصنام و شیاطین وغیرہ مراد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ہم مشربوں کا اجتماع:

بیہقی نے بطریق نعمان بن شریک بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ یعنی ان کے ہم مشرب لوگوں کو جو انہیں کی طرح ہیں، سود خوار، سود خواروں کے ساتھ، زنا کار، زنا کاروں کے ساتھ اور شرابی، شرابیوں کے ساتھ ہیں گے۔ سب ہم مشرب جنت میں ساتھ ہوں گے اور ہم مشرب دوزخ میں بھی ساتھی ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (یعنی وہ نیک مومن مخلوق جس کی پرستش مشرک کیا کرتے تھے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مریم علیہا السلام، ملائکہ وغیرہ، وہ سب آیت اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ کی روشنی میں دوزخ سے دور رکھے جائیں گے، باقی بت، شیاطین وغیرہ اپنے پرستاروں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے)

فَاهْدُوْهُمْ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کو دوزخ کا راستہ بتا دو، ابن کیسان نے کہا ان کو دوزخ کی طرف بڑھا دو، پیچھے سے ہنکانے والے کو بھی عرب ہادی کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ
اور کھڑا رکھو ان کو ان سے پوچھنا ہے

باز پرس: حکم کے بعد کچھ دیر ٹھہرائیں گے تا کہ ان سے ایک سوال کیا جائے جو آگے "مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ" میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمؒ نے حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندے کے قدم پل صراط کو نہیں چھوڑیں گے جب تک اس سے چار باتوں کی پرسش نہیں کر لی جائے گی۔

(۱) عمر کس کام میں گذاری (۲) جسم کو کس کام میں لگا کر کمزور کیا (۳) علم کے بعد کیا عمل کیا (۴) مال کہاں سے کمایا اور کس راستے میں صرف کیا، ترمذی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا خوف:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا، مجھے سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ جب حساب ہوگا تو مجھ سے کہا جائے گا تو جانتا تھا (پھر) تو نے عمل کیا کیا؟

جہنم کے سات پل:

ابن ابی حاتم نے اشقع بن عبداللہ کلاعی کا بیان نقل کیا ہے کہ جہنم کے سات پل ہیں، راستہ سب پلوں پر سے گذرتا ہے، پہلے پل کے پاس لوگوں کو روک لیا جائے گا اور (ملائکہ) ہیں کہ ان کو روک لو ان سے پوچھ گچھ کی جائے گی۔ چنانچہ نماز کے متعلق باز پرس کی جائے گی۔ نتیجہ میں جو ہلاک ہونے والے ہیں ہلاک ہو جائیں گے (دوزخ میں گرا دیے جائیں گے) اور جو نجات پانے والے ہیں وہ نجات پا جائیں گے، دوسرے پل پر پہنچ کر امانت کے متعلق دریافت کیا جائے گا کہ امانت میں خیانت کی تھی یا پوری پوری ادا کی تھی، س

کے نتیجے میں جو لوگ ہلاک ہونے والے ہیں ہلاک ہو جائیں گے اور جو نجات پانے والے ہیں نجات پا جائیں گے، پھر تیسرے پل پر پہنچیں گے تو قرابت داری کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ رشتہ قرابت توڑ دیا تھا یا جوڑے رکھا تھا اس کے نتیجہ میں ہلاک ہونے والے ہلاک ہو جائیں گے اور نجات پانے والے نجات پا جائیں گے، راوی نے کہا اس روز رحم (رشتہ قرابت) ہوا میں معلق ہوگا اور کہے گا اے اللہ جس نے مجھے جوڑے رکھا اس کو تو بھی جوڑے رکھ، اور جس نے مجھے کاٹا اس سے تو بھی تعلق منقطع کرلے۔ (تفسیر مظہری)

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ۝

کیا ہو تم کو ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ۝

کوئی نہیں وہ آج اپنے آپ کو پکڑواتے ہیں ☆

کافروں کی ذلت:

یہی دنیا میں تو ''نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنْتَصِرٌ'' کہا کرتے تھے (کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، آج یہ ہوا کہ کوئی اپنے ساتھی کی مدد نہیں کرتا، بلکہ ہر ایک بدون کان ہلائے ذلیل ہو کر پکڑا ہوا چلا آرہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝

اور منہ کیا بعضوں نے بعضوں کی طرف لگے پوچھنے

قَالُوا إِنَّكُمْ كُنتُمْ تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ ۝

بولے تم ہی تھے کہ آتے تھے ہم پر داہنی طرف سے ☆

''یمین'' (داہنے ہاتھ) میں عموماً زور و قوت زائد ہوتی ہے یعنی تم ہی تھے جو ہم پر چڑھے آتے تھے بہکانے کو زور دکھا کر اور مرعوب کر کے یا یمین سے مراد خیر و برکت کی جانب لی جائے یعنی تم ہی تھے کہ ہم پر چڑھائی کرتے تھے۔ بھلائی اور نیکی سے روکنے کے لئے۔ یہ گفتگو اتباع اور متبوعین (زبردستوں اور زیردستوں) کے درمیان ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا بَل لَّمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَنَا

وہ بولے کوئی نہیں پر تم ہی نہ تھے یقین لانے والے اور ہمارا تم پر

عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ ۖ بَلْ كُنتُمْ قَوْمًا طَاغِينَ ۝

کچھ زور نہ تھا پر تم ہی تھے لوگ حد سے نکل چلنے والے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا ۖ إِنَّا لَذَائِقُونَ ۝

سو ثابت ہوئی ہم پر بات ہمارے رب کی بے شک ہم کو مزہ چکھنا ہے

فَأَغْوَيْنَاكُمْ إِنَّا كُنَّا غَاوِينَ ۝

ہم نے تم کو گمراہ کیا جیسے ہم خود تھے گمراہ ☆

جھوٹے معبودوں کی بیزاری:

یعنی خود تو ایمان لائے ہم پر الزام رکھتے ہو۔ ہمارا تم پر کیا زور تھا جو دل میں ایمان نہ گھسنے دیتے تم لوگ خود ہی عقل و انصاف کی حد سے نکل گئے کہ بے لوث ناصحین کا کہنا نہ مانا اور ہمارے بہکائے میں آگئے اگر عقل و فہم اور عاقبت اندیشی سے کام لیتے تو ہماری باتوں پر کبھی کان نہ دھرتے۔ رہے ہم سو ظاہر ہے خود گمراہ تھے، ایک گمراہ سے بجز گمراہی کی طرف بلانے کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ ہم نے وہی کیا جو ہمارے حال کے مناسب تھا لیکن تم کو کیا مصیبت نے گھیرا تھا کہ ہمارے چکموں میں آگئے۔ بہرحال جو ہونا تھا ہو چکا۔ خدا کی حجت ہم پر قائم ہوئی اور اس کی وہی بات لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ ثابت ہو کر رہی آج ہم سب کو اپنی غلط کاریوں اور بدمعاشیوں کا مزہ چکھنا ہے۔

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ۝

سو وہ سب اُس دن تکلیف میں شریک ہیں ☆

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ ۝

ہم ایسا ہی کرتے ہیں گنہگاروں کے حق میں ☆

یعنی سب مجرم درجہ بدرجہ عذاب میں شریک ہوں گے جیسے جرم میں شریک تھے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَٰهَ

وہ تھے کہ اُن سے جب کوئی کہتا کسی کی بندگی نہیں سوائے

إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ ۝

اللہ کے تو غرور کرتے ☆

تکبر کا نقصان: یعنی اُن کا کبر و غرور مانع ہے کہ نبی کے ارشاد سے یہ کلمہ (لا الٰہ الا اللہ) زبان پر لائیں جس سے اُن کے جھوٹے معبودوں کی نفی ہوتی ہے خواہ دل میں اُسے سچ ہی سمجھتے ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُو آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ۝

اور کہتے کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے معبودوں کو کہنے سے ایک شاعر دیوانہ کے

بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِينَ ۝

کوئی نہیں وہ لے کر آیا ہے سچا دین اور سچا مانتا ہے سب رسولوں کو ☆

بے وقوفی کی انتہاء:

یعنی شاعروں کا جھوٹ تو مشہور ہے پھر اُس راست باز ہستی کو شاعر کیسے کہتے ہو جو دنیا میں خالص سچائی لے کر آیا ہے اور سارے جہان کے سچوں کی تصدیق کرتا ہے کیا مجنون اور دیوانے ایسے سچے صحیح اور پختہ اصول پیش کیا کرتے ہیں؟ (تفسیر عثمانی)

صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دعویٰ انوکھا نہیں بلکہ سابق پیغمبروں کا بھی یہی دعویٰ تھا اور یہ گذشتہ پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں، لہٰذا ان کا دعویٰ دوسرے پیغمبروں کے موافق ہوا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكُمْ لَذَآىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ
بے شک تم کو چکھنا ہے عذاب درد ناک
وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
اور وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم کرتے تھے ☆

اپنا کیا سامنے آئے گا:

یعنی انکار توحید اور ان گستاخیوں کا مزہ چکھو گے جو بارگاہِ رسالت میں کر رہے ہو، جو کچھ کرتے تھے ایک دن سب سامنے آ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ
مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے ☆
اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ
وہ لوگ جو ہیں اُن کے واسطے روزی ہے مقرر ☆
فَوَاكِهُ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ
میوے اور اُن کی عزت ہے ☆

مخلص بندے:

یعنی اُن کا کیا ذکر، وہ تو ایک قسم ہی دوسری ہے جس پر حق تعالیٰ نوازش و کرم فرمائے گا۔

یعنی عجیب و غریب میوے کھانے کو ملیں گے جن کی پوری صفت تو اللہ ہی کو معلوم ہے ہاں کچھ مختصر سی بندوں کو بھی بتلا دی ہے جیسے فرمایا "لَا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ" (واقعہ۔ رکوع ۱) (تفسیر عثمانی)

اہل جنت کا رزق:

رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ، یعنی ایسا رزق جس کی خصوصیات معلوم ہیں مثلاً لازوال ہونا، خالص لذت بخش ہونا، فواکہ، فاکھۃ کی جمع ہے، فاکہۃ وہ پھل ہے جس کا مقصد محض لذت اندوزی ہو، غذایابی نہ ہو، اور قوت اس (ماکول و مشروب) چیز کو کہتے ہیں جس سے مقصد لذات اندوزی نہ ہو، بلکہ غذائیت مقصود ہو، رزق کا لفظ دونوں کو شامل ہے، چونکہ اہل جنت کے اجسام ہر طرح کے انحلال سے محفوظ ہوں گے اس لیے (ان کو غذائیت کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ) ان کے ماکولات فواکہ ہونگے جن کا مقصد صرف لذت اندوزی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

نکتہ: امام رازیؒ نے اسی "فواکہ" کے لفظ سے یہ نکتہ نکالا ہے۔ جنت میں جتنی غذائیں دی جائیں گی وہ سب لذت بخشنے کے لئے دی جائیں گی۔ بھوک کی حاجت رفع کرنے کیلئے نہیں، اس لئے کہ جنت میں انسان کو حاجت کسی چیز کی نہیں ہوگی، وہاں اسے اپنی زندگی برقرار رکھنے یا حفظان صحت کے لئے بھی کسی غذاء کی ضرورت نہیں ہوگی، ہاں خواہش ہوگی، اس خواہش کے پورے ہونے سے لذت حاصل ہوگی، اور جنت کی تمام نعمتوں کا مقصد لذت عطا کرنا ہوگا (تفسیر کبیر) (معارف مفتی اعظم)

خدا ہی جانے کیا کیا اعزاز و اکرام ہونگے۔

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ
نعمت کے باغوں میں تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے
يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ
لوگ لئے پھرتے ہیں اُن کے پاس پیالہ شراب صاف کا
بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ لَا فِيْهَا غَوْلٌ
سفید رنگ مزہ دینے والی پینے والوں کو نہ اُس میں سر پھرتا ہے
وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ وَعِنْدَهُمْ
اور نہ وہ اُس کو پی کر بہکیں اور اُن کے پاس
قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ
ہیں عورتیں نیچی نگاہ رکھنے والیاں بڑی آنکھوں والیاں ☆

کامل لطف اندوزی:

یعنی مزہ اور نشاط پورا ہوگا، اور دنیا کی شراب میں جو خرابیاں ہوتی ہیں ان کا نام و نشان نہ ہوگا نہ سر گرانی ہوگی نہ نشہ چڑھے گا، نہ قے آئے گی، نہ پھیپھڑے وغیرہ خراب ہوں گے نہ اس کی نہریں خشک ہو کر ختم ہو سکیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

شرم و ناز سے نگاہ نیچی رکھنے والی حوریں اپنے ازواج کے سوا کسی دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

نگاہیں نیچی رکھنے والی:

علامہ ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ یہ عورتیں اپنے شوہروں سے کہیں

گی: "میرے پروردگار کی عزت کی قسم! جنت میں مجھے تم سے بہتر کوئی نظر نہیں آتا جس اللہ نے مجھے تمہاری بیوی اور تمہیں میرا شوہر بنایا تمام تعریفیں اسی کی ہیں۔"

"نگاہیں نیچی رکھنے والی" کا ایک اور مطلب علامہ ابن جوزی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی نگاہیں نیچی رکھیں گی، یعنی وہ خود اتنی خوب صورت اور وفا شعار ہوں گی کہ ان کے شوہروں کو کسی اور کی طرف نظر اٹھانے کی خواہش ہی نہ ہوگی۔ (تفسیر زاد المسیر ص ۵۷، ۵۸ ج ۷) (معارف القرآن مفتی اعظم)

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ

گویا وہ انڈے ہیں چھپے دھرے ہوئے

حوروں کا حسن:

یعنی صاف وشفاف رنگ ہوگا جیسے انڈا جس کو پرند اپنے پروں کے نیچے چھپا رکھے کہ نہ داغ لگے نہ گرد وغبار۔ پہنچے یا انڈے کے اندر کی سفید تہہ جو سخت چھلکے کے نیچے پوشیدہ رہتی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ شتر مرغ کے انڈے مراد ہیں جو بہت خوش رنگ ہوتے ہیں بہرحال تشبیہ صفائی یا خوش رنگ ہونے میں ہے۔ سفیدی میں نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن۔ رکوع ۳) (تفسیر عثمانی)

عرب کے نزدیک عورتوں کا یہ رنگ حسین ترین رنگ ہے اس لئے عورتوں کو شتر مرغ کے انڈوں سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

ابن جریر نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عین موٹی آنکھوں والیاں جن کی پلکیں (آنکھوں کو چھپا لیں گی اس طرح) جیسے گدھ کے پر (یعنی حوروں کی آنکھیں غلافی ہوں گی) (تفسیر مظہری)

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ

پھر منہ کیا ایک نے دوسرے کی طرف لگے پوچھنے

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ

بولا ایک بولنے والا ان میں میرا تھا ایک ساتھی

يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ءَاِذَا مِتْنَا

کہا کرتا کیا تو یقین کرتا ہے کیا جب ہم مر گئے

وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ

اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم کو جزا ملے گی

اہل جنت کی باہمی گفتگو:

یعنی یاران جلسہ جمع ہوں گے، شراب طہور کا جام چل رہا ہوگا اس عیش و تنعم کے وقت اپنے بعض گذشتہ حالات کا مذاکرہ کریں گے۔ ایک جنتی کہے گا: میں دنیا میں میرا ایک ملنے والا تھا جو مجھے آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے ملامت کیا کرتا اور احمق بنایا کرتا تھا۔ اس کے نزدیک یہ بالکل مہمل بات تھی کہ ایک شخص مٹی میں مل جائے اور گوشت پوست کچھ باقی نہ رہے محض بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں، پھر اسے اعمال کا بدلہ دینے کے لئے از سر نو زندہ کریں؟ بھلا ایسی بے تکی بات پر کون یقین کر سکتا ہے؟ (تفسیر عثمانی)

دوسرا واقعہ

بعض علماء کا قول ہے کہ دونوں دنیا میں شریک تھے ایک کافر تھا جس کا نام مطروس تھا دوسرا مومن تھا جس کا نام یہودا تھا انہی دونوں کا واقعہ اللہ نے سورہ کہف کی آیت وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ الخ میں بیان فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ

کہنے لگا بھلا تم جھانک کر دیکھو گے

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ

پھر جھانکا تو اس کو دیکھا بیچوں بیچ دوزخ کے

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ

بولا قسم اللہ کی تو تو مجھ کو ڈالنے لگا تھا گڑھے میں

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّىْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ

اور اگر نہ ہوتا میرے رب کا فضل تو میں بھی ہوتا انہی میں جو پکڑے ہوئے آئے ہیں

کافر ساتھی کا انجام اور عبرت:

یعنی وہ ساتھی یقیناً دوزخ میں پڑا ہوگا۔ آؤ ذرا جھانک کر دیکھیں کس حال میں ہے (یہ اس جنتی کا مقولہ ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مقولہ اللہ کا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ فرمائیں گے کیا تم جھانک کر اس کو دیکھنا چاہتے ہو۔) یعنی اس جنتی کو اپنے ساتھی کا حال دکھلایا جائے گا کہ ٹھیک دوزخ کی آگ میں پڑا ہوا ہے۔ یہ حال دیکھ کر اسے عبرت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان یاد آئے گا۔ کہے گا کمبخت تو نے مجھے بھی اپنے ساتھ برباد کرنا چاہا تھا۔ محض اللہ کے احسان نے دستگیری فرمائی جو اس مصیبت سے بچا لیا اور میرا قدم راہ ایمان وعرفان سے ڈگنے نہ دیا ورنہ آج میں بھی تیری طرح پکڑا ہوا آتا۔ اور اس دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا

کیا اب ہم کو مرنا نہیں مگر جو پہلی بار مر چکے اور

نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ

ہم کو تکلیف نہیں پہنچنے کی بے شک یہی ہے بڑی مراد ملنی

الْعَظِیْمُ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ

ایسی چیزوں کے واسطے چاہیے محنت کریں محنت کرنے والے ☆

اعلیٰ مقصد کا حصول

اس وقت فرطِ مسرت سے کہے گا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اس پہلی موت کے سوا جو دنیا میں آچکی اب ہم کو کبھی مرنا نہیں اور نہ کبھی اس عیش و بہار سے نکل کر تکلیف و عذاب کی طرف جانا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل و رحمت سے اسی نعیم اور فی بیت میں ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک بڑی بھاری کامیابی اسی کو کہتے ہیں اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کی تحصیل کے لئے چاہیئے کہ ہر طرح کی محنتیں اور قربانیاں گوارا کی جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ جب موت کو ذبح کر دیا جائے گا تو اہلِ جنت بطورِ بشارت و مسرت ملائکہ سے کہیں گے کیا ہم کو پھر کبھی مرنا ہوگا فرشتے کہیں گے نہیں اس پر جنتی کہیں گے۔

ایسے ہی (مقام یا راحت و نعمت) کیلئے عمل کرنیوالوں کو عمل کرنا چاہیے یعنی دنیوی منافع کے حصول کیلئے کوشش بیکار ہے اس تو دنیوی کامیابی کا حصول تو بھی ہولی ہے پھر فنا پذیر بھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ

بھلا یہ بہتر ہے مہمانی یا درخت سینڈ کا

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ

ہم نے اس کو رکھا ہے ایک بلا ظالموں کے واسطے

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ

وہ ایک درخت ہے کہ نکلتا ہے دوزخ کی جڑ میں

دوزخیوں کی مہمانی

اوپر بہشتیوں کی مہمانی کا ذکر تھا۔ یہاں سے دوزخیوں کی مہمانی کا حال سناتے ہیں "زقوم" کسی درخت کا نام ہے جو سخت کڑوا اور بدذائقہ ہوتا ہے جیسے ہمارے یہاں تھوہر۔ یہ سمجھو کہ دوزخ کے اندر حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ایک درخت اگایا ہے اس کو یہاں شجرة الزقوم سے موسوم کیا ہے ایک بد بے ظالموں کے واسطے آخرت میں۔ کیونکہ جب دوزخی بھوک سے بے قرار ہوں گے تو یہی کھانے کو دیا جائے گا اور اس کا حلق سے اتارنا یا اترنے کے بعد ایک خاص اثر پیدا کرنا سخت تکلیف دہ اور مستقل عذاب ہوگا۔

دُنیا میں آزمائش

دنیا میں بھی ایک طرح کی بڑی آزمائش ہے کہ قرآن میں اس کا ذکر سنکر مراد ہوتے ہیں۔ ولی جنت ہے کہ سبز درخت دوزخ کی آگ میں کیونکر رہے گا۔ (حالانکہ ممکن ہے کہ اس کا مزاج ہی ناری ہو جیسے آگ کا کیڑا سمندر آگ میں زندہ رہتا ہے اور سارا پودے اپنی باغ میں بعض درختوں کی تربیت آگ کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔) کسی نے کہا "زقوم" فلاں لغت میں کھجور اور مکھن کو کہتے ہیں۔ انہیں ہاتھ ملا کر یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں کہ آؤ زقوم کھائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت اور جہنم میں پہلی پیشکش

نُزُل وہ چیز جو مہمان کے آتے ہی اس کے سامنے لائی جاتی ہے (ابتدائی پیشکش) اس لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ مذکورۂ بالا نعمتیں تو اہلِ جنت کی ابتدائی پیشکش ہے ہوں گی جو پیش کی جائیں گی اس کے بعد جو پیش کیا جائے گا اس کو سمجھنے سے عقل قاصر ہے، اسی طرح دوزخیوں کو ابتدائی پیشکش کے طور پر زقوم دیا جائے گا (اور اس کے بعد کیسا عذاب ہوگا اس کو سمجھنا عقل کی رسائی سے خارج ہے)

زقوم کی بدمزگی

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ٹپکا دیا جائے تو باشندگانِ زمین کی (ساری) معاش بگڑ جائیں (اس سے اندازہ کر لو کہ) کہ جس کا کھانا زقوم ہو اس کی (بدمزگی کراہتِ طبع اور ناگواری کی) کیا حالت ہوگی۔

ابوعمران خولانی کی روایت سے ابونعیم نے اور زوائد زہد میں عبداللہ بن احمد نے بیان کیا ہے کہ زقوم میں سے دلی جتنا نوچے گا زقوم اس آدمی کا بھی اتنا ہی (گوشت) نوچ لے گا۔

ابن جریر نے روایت کی ہے کہ قریش نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زقوم سے ڈراتے ہیں حالانکہ بربری زبان میں زقوم کا معنی ہے مکھن اور کھجور، ابوجہل ابن زبعری کو اپنے گھر میں لایا اور باندی سے کہا جا ہمارے لئے زقوم لا۔ باندی مکھن اور کھجوریں لے آئی، ابوجہل نے کہا زقوم کھاؤ یہی وہ زقوم ہے جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو ڈراتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

زقوم کی حقیقت

زقوم کا ایک درخت جزیرۂ عرب کے علاقہ تہامہ میں پایا جاتا ہے، اور علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ دوسرے بنجر صحراؤں میں بھی ہوتا ہے، بعض حضرات نے فرمایا ہے یہی درخت ہے جسے اردو میں "تھوہڑ" کہتے ہیں، اسی کے قریب قریب ایک اور درخت ہندوستان میں "ناگ پھن" کے نام سے معروف ہے، بعض حضرات نے اس کو زقوم قرار دیا ہے اور یہ زیادہ

قرینہ قیاس ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ زقوم ایک خاص درخت ہے جس کی شاخیں تمام جہنم میں پھیلی ہوئی ہیں جیسے طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں تمام جنت میں پھیلی ہوئی ہیں اور اس درخت کے خوشے خبیث اور بدشکل ہونے میں شیطانوں کے سر کے مشابہ ہیں شیطانوں کے سر سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ اگرچہ لوگوں نے شیطانوں کو نہیں دیکھا مگر عام طبیعتوں میں شیطانوں کے سروں کا بدشکل اور بدرنگ اور قبیح المنظر ہونا راسخ اور جاگزین ہے اور تشبیہ کیلئے دیکھنا ضروری نہیں۔

زقوم کا درخت دنیا کے درختوں میں ایک نہایت مسموم اور بدبودار اور بدشکل درخت ہے اگرچہ غیر معروف ہے اور وہ ایسا مسموم ہے کہ اگر بدن سے مس کر جائے تو بدن میں ورم ہو جائے اور وہ مر جائے۔ (معارف کاندھلوی)

طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رُءُوسُ الشَّيٰطِينِ
اس کا خوشہ ایسا ہے جیسے سر شیطان کے

زقوم کی بدصورتی: یعنی نہایت بدنما شیطان کی صورت، یا شیاطین کہتے ہیں سانپوں کو یعنی اس کا خوشہ سانپ کے سر کی طرح ہوگا جیسے ہمارے ہاں ایک درخت کو اسی تشبیہ سے "ناگ پھن" کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس نے فرمایا شیاطین سے مراد شیاطین (جن) ہی ہیں بدصورتی زقوم کے پھلوں کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ انتہائی برائی ظاہر کرنے کیلئے اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ شیاطین (اپنی شکل میں) اگرچہ نظر نہیں آتے لیکن دماغ میں ان کی (مفروضہ) صورتوں کا تصور بری ہی شکلوں سے کیا جاتا ہے بعض نے کہا شیاطین سے مراد ہیں وہ بدصورت کریہہ المنظر سانپ جن کے سروں پر بال ہوتے ہیں، شاید اسی کراہت شکل اور ہیبت ناک صورت کی وجہ سے ان کو شیاطین کہا جاتا ہے، بعض کا خیال ہے کہ صحراء میں ایک نہایت بدنما تلخ بدبودار درخت ہوتا ہے جس کو عرب رؤس الشیاطین کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَإِنَّهُمْ لَآكِلُونَ مِنْهَا فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ
سو وہ کھائیں گے اس میں سے پھر بھریں گے اس سے پیٹ

ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِنْ حَمِيمٍ
پھر ان کے واسطے اس کے اوپر ملونی ہے جلتے پانی کی

کھولتا پانی۔

"زقوم" کھا کر پیاس لگے گی تو سخت جلتا پانی پلایا جائے گا جس سے آنتیں کٹ کر باہر آپڑیں گی۔ **فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ** (محمد۔ رکوع ۲) اعاذنا اللہ منہا۔ (تفسیر عثمانی)

علیہ یعنی پیٹ بھر کر کھانے کے بعد جب سخت پیاس لگے گی اور پانی طلب کریں گے یہ بھی ہو سکتا ہے۔ ثُمَّ (ترتیب زمانی کیلئے نہ ہو بلکہ) تراخی رتبی یعنی زیادتی مرتبہ کیلئے ہو (یعنی کھانے کی مصیبت سے زیادہ کی بیان سے زیادہ مکروہ اور ناگوار ہوگا)

تشوب شوب آمیزش، ملاوٹ، حمیم انتہائی گرم پانی مطلب یہ ہے کہ وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور پیٹ میں پہنچ کر وہ زقوم کی غذا سے خلط ملط ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ
پھر ان کو جانا ہے آگ کے ڈھیر میں

یعنی بہت بھوکے ہونگے تو کھانے کے بعد گرم کھولتا پانی پلا کر پھر آگ میں ڈال دیئے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخیوں کا مطعم (۱)

امام رازی فرماتے ہیں کہ جس جگہ کافروں کو زقوم اور حمیم کھلایا پلایا جائے گا وہ جگہ جحیم سے باہر ہوگی یا جہنم کے کنارے پر ہوگی کھانے اور پانے کے بعد پھر ان کو جحیم کی طرف لوٹا دیا جائے گا جو ان کے عذاب کی اصل جگہ ہے۔

(۱) تفسیر کبیر ص ۱۴۳ ج ۲۶ و حاشیہ صاوی علی تفسیر الجلالین ص ۳۳۹ ج ۳

حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ بھوکے (اور پیاسے) ہوں گے آگ سے جا کر ان کو یہ جلتا پانی کھا پی کر پھر آگ میں ڈال دیں گے۔ (موضح القرآن) لہٰذا یہ لوگ کبھی جحیم میں ہوں گے اور کبھی حمیم میں هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ اور حضرت شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں یعنی دوزخیاں را بعد خوردن و نوشیدن ایشاں را باز بدوزخ برند۔ (فتح الرحمن) (معارف کاندھلوی)

إِنَّهُمْ أَلْفَوْا آبَاءَهُمْ ضَالِّينَ
انہوں نے پایا اپنے باپ دادوں کو بہکے ہوئے

فَهُمْ عَلٰى آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ
سو وہ انہی کے قدموں پر دوڑتے ہیں

اندھی تقلید یعنی پچھلے اگلوں کی اندھی تقلید میں گمراہ ہوئے جس راہ پر انہیں چلتے دیکھا اسی پر دوڑ پڑے، کوئی بھلی بری نہ دیکھی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ
اور بہک چکے ہیں ان سے پہلے بہت اگلے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنْذِرِينَ
اور ہم نے بھیجے ہیں ان میں ڈر سنانے والے

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ

اب دیکھ لیجئے کیسا ہوا انجام ڈرائے ہوؤں کا

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ

مگر جو بندے اللہ کے ہیں چنے ہوئے

ہر دور میں ڈرانے والے آتے ہیں:

یعنی ہر زمانے میں انجام سے آگاہ کرنے والے اور آخرت کا ڈر سنانے والے آتے رہے۔ آخر جنہوں نے نہ سنا اور نہ مانا دیکھ لو! ان کا انجام کیسا ہوا۔ ہاں اللہ کے وہ چنے ہوئے بندے محفوظ رہے جن کو خدا کا ڈر اور عاقبت کی فکر تھی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "اس سورۃ میں جتنے بیان میں نیک بندے ہیں اور بد بھی ہیں۔ آگے بعض منذرین (بالکسر) اور منذرین (بالفتح) کے قصے سنائے جاتے ہیں۔ مکذبین کی عبرت اور مومنین کی تسلی کے لئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ

اور ہم کو پکارا تھا نوح نے سو کیا خوب پہنچنے والے ہیں ہم پکار پر

وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ

اور بچا دیا اس کو اور اس کے گھر کو اس بڑی گھبراہٹ سے

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ

اور رکھا اس کی اولاد کو وہی باقی رہنے والے، اور باقی رکھا اس پر

فِي الْاٰخِرِيْنَ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ

پچھلے لوگوں میں کہ سلام ہے نوح پر سارے جہان والوں میں

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا

ہم یوں بدلہ دیتے ہیں نیکی والوں کو وہ ہے ہمارے ایمان دار

الْمُؤْمِنِيْنَ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ

بندوں میں پھر ڈبو دیا ہم نے دوسروں کو۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم:

تقریباً ہزار سال تک حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو سمجھاتے اور نصیحت کرتے رہے مگر ان کی شرارت و ایذا رسانی برابر بڑھتی رہی۔ آخر حضرت نوح نے مجبور ہو کر اپنے بھیجنے والے کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا "فَدَعَا رَبَّهٗ اَنِّي مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ" (القمر۔ رکوع ۱) اے پروردگار! میں مغلوب ہوں آپ میری مدد کو پہنچے۔ دیکھو کہ اللہ نے ان کی پکار کیسے سنی اور مدد کس طرح پہنچی۔ نوح علیہ السلام کو مع ان کے گھرانے کے رات دن کی ایذا سے بچایا۔ پھر ہولناک طوفان کے وقت ان کی حفاظت کی۔ اور تنہا اس کی اولاد سے زمین کو آباد کر دیا۔ اور رہتی دنیا تک اس کا ذکر خیر لوگوں میں باقی چھوڑا۔ چنانچہ آج تک خلقت ان پر سلام بھیجتی ہے اور سارے جہان میں "نوح علیہ السلام" کہہ کر یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ تو نیک بندوں کا انجام ہوا۔ دوسری طرف ان کے دشمنوں کا حال دیکھو کہ سب کے سب زبردست طوفان کی نذر کر دیئے گئے۔ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں۔ اپنی تمام قوت اور شرارت کی بدولت دنیا کا بیڑا غرق کر رہے۔ (تنبیہ) اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ آج تمام دنیا کے آدمی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں ("سام" "حام" "یافث") کی اولاد سے ہیں۔ جامع ترمذی کی بعض احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (تفصیل طالب ابن کثیر۔ تفسیر عثمانی)

کرب عظیم سے مراد ہے قوم کے ہاتھوں سے پہنچنے والا دکھ اور تکلیفیں۔

ترمذی وغیرہ نے حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یہ) حام، سام اور یافث (تینوں ہی باقی) رہنے والے تھے۔

دوسرے سلسلہ روایت میں آیا ہے کہ سام عرب کے جد اعلیٰ اور حام حبش کے جد اعلیٰ اور یافث روم کے جد اعلیٰ تھے ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ کشتی سے اترنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکوں اور ان کی بیبیوں کے علاوہ سب لوگ مر گئے۔

بظاہر قرآنی بیان سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں (۱) طوفان نوح علیہ السلام سے سارے روئے زمین کے باشندے ڈوب گئے صرف وہی لوگ محفوظ رہے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے اور کشتی میں سوار ہو گئے (۲) پھر سوائے اولاد نوح علیہ السلام کے دوسری مومن کی نسل باقی نہیں رہی۔ قیامت تک جتنے آدمی ہوں گے وہ سب نوح علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے۔

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ نوح علیہ السلام کے تین بیٹے (محفوظ رہے) تھے سام، حام، یافث۔ سام عرب فارس اور روم کے جد اعلیٰ ہوئے حام کی نسل میں سارے افریقی ہیں اور یافث کی اولاد میں ترک، خزر، یاجوج ماجوج اور وہاں کے قریب بسنے والے ہیں۔

نوح علیہ السلام ایک مخصوص قوم کے نبی تھے

میری (یعنی مفسر کی) تحقیق یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت سارے انسانوں کے لئے نہیں تھی، یہ خصوصیت تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت صرف ان کی قوم کے لئے مخصوص تھی جب قوم

والے ایمان نہ لائے تو آپ نے ان کے لئے بد دعا کی اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اس جگہ الارض سے مراد ہے محدود خطۂ ارض یعنی ان کافروں کی سرزمین جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے (یعنی عراق) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ
اور اسی کی راہ والوں میں ہے ابراہیم ☆

سب انبیاء ایک جماعت ہیں:

نبی علیہم السلام اصول دین میں سب ایک راہ پر ہیں، اور ہر پچھلا پہلے کی تصدیق و تائید کرتا ہے، اسی لئے ابراہیم کو نوح (علیہم السلام) کے گروہ سے فرمایا "وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ" (مومنون۔ رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

حضرت نوح علیہ السلام سے دو ہزار چھ سو چالیس سال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوئے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام پیغمبر ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ
جب آیا اپنے رب کے پاس لیکر دل ستھرا ☆

حضرت ابراہیم کی خدا پرستی:

یعنی ہر قسم کے اعتقادی و اخلاقی روگ سے دل کو پاک کر کے اور دنیوی خرخشوں سے آزاد ہو کر انکسار و تواضع کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھک پڑے، اور اپنی قوم کو بھی بت پرستی سے باز رہنے کی نصیحت کی۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ
جب کہا اپنے باپ کو اور اس کی قوم کو تم کیا پوجتے ہو
اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ
کیا جھوٹ بنائے ہوئے حاکموں کو اللہ کے سوا چاہتے ہو
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ
پھر کیا خیال کیا ہے تم نے پروردگار عالم کو ☆

اپنے والد اور قوم کو نصیحت:

یعنی یہ آخر پتھر کی مورتیاں چیز کیا ہیں جنہیں تم اس قدر چاہتے ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لئے کیا سچ مچ ان کے ہاتھ میں جہان کی حکومت ہے؟ یا کسی چھوٹے بڑے نقصان کے مالک ہیں؟ آخر سچے مالک کو چھوڑ کر ان جھوٹے حاکموں کی اتنی خوشامد اور حمایت کیوں ہے؟ (تفسیر عثمانی)

افکا مفعول بہ ہے اس کو سب سے پہلے ذکر کرنا اس امر کو ظاہر کر رہا ہے کہ ان کی ساری پوجا پاٹ جھوٹی اور جھوٹ پر مبنی تھی (اس کے اندر کوئی حقیقت اور سچائی نہیں تھی) (تفسیر مظہری)

کیا اس کے وجود میں شبہ ہے؟ یا اس کی شان و رتبہ کو نہیں سمجھتے جو (معاذ اللہ) پتھروں کو اس کا شریک ٹھہرا رہے ہو، یا اس کے غضب و انتقام کی خبر نہیں؟ جو ایسی گستاخی پر جری ہو رہے ہو۔ غرض بتاؤ تو سہی تم نے پروردگار عالم کو کیا خیال کر رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی وہ ذات جو کہ ساری کائنات کے رب ہونے کا حق رکھتی ہے اور واقعی وہ رب العلمین ہے اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے کہ تم نے اس کی عبادت کو چھوڑ دیا ہے یا دوسروں کو اس کا ساجھی قرار دے رکھا ہے کیا تم کو اس کے عذاب کا خوف نہیں ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ یقین تو در کنار رب العلمین کی عبادت ترک کرنے، اس کا کسی کو شریک قرار دینے اور اس کے عذاب سے بے خوف ہو جانے کا تمہارا خیال بھی کسی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ فَقَالَ اِنِّىْ سَقِيْمٌ
پھر نگاہ کی ایک بار تاروں میں پھر کہا میں بیمار ہونے والا ہوں
فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ فَرَاغَ اِلٰٓى
پھر پھر گئے وہ اس سے پیٹھ دے کر پھر جا گھسا ان کے
اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ
بتوں میں پھر بولا تم کیوں نہیں کھاتے ☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا لائحہ عمل:

ان کی قوم میں نجوم کا زور تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے دکھانے کو تاروں کی طرف نظر ڈال کر کہا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں (اور ایسا دنیا میں کون ہے جس کی طبیعت ہر طرح ٹھیک رہے کچھ نہ کچھ عوارض اندرونی یا بیرونی لگے ہی رہتے ہیں یہی تکلیف اور بدمزگی کیا کم تھی کہ ہر وقت قوم کی ردی حالت دیکھ کر کڑھتے تھے) یا یہ مطلب تھا کہ میں بیمار ہونے والا ہوں (بیماری نام ہے مزاج کے اعتدال سے ہٹ جانے کا تو موت سے پہلے ہر شخص کو یہ صورت پیش آنے والی ہے) بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد صحیح تھی۔ لیکن ستاروں کی طرف دیکھ کر "انی سقیم" کہنے سے لوگ یہ مطلب سمجھے کہ بذریعہ نجوم کے انہوں نے معلوم کر لیا ہے کہ عنقریب بیمار پڑنے والے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ایک تہوار میں شرکت کرنے کے لئے شہر سے باہر جا رہے تھے۔ یہ کلام سن کر حضرت ابراہیم کو ساتھ جانے سے معذور سمجھ اور

تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام کی غرض یہی تھی کہ کوئی موقع فرصت اور تنہائی کا ملے تو ان جھوٹے خداؤں کی خبر لوں۔

حضرت ابراہیمؑ بتوں سے مخاطب ہوتے ہیں:

چنانچہ بت خانہ میں جا گھسے اور بتوں کو خطاب کر کے کہا "یہ کھانے اور چڑھاوے جو تمہارے سامنے رکھے ہوئے ہیں کیوں نہیں کھاتے" باوجودیکہ تمہاری صورت کھانے والوں کی سی ہے۔

(تنبیہ) تقریر بالا سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابراہیم کا "اِنِّیْ سَقِیْمٌ" کہنا مطلب واقعی کے اعتبار سے جھوٹ نہ تھا ہاں مخاطبین نے جو مطلب سمجھا اس کے اعتبار سے خلاف واقع تھا اسی لئے بعض احادیث صحیحہ میں اس پر لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ فی الحقیقت یہ کذب نہیں بلکہ "توریہ" ہے اور اس طرح کا "توریہ" مصلحت شرعی کے وقت مباح ہے۔ جیسے حدیث ہجرت میں "من الرجل" کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا "من الماء" اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ "رجل یھدینی السبیل" ہاں چونکہ یہ توریہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رتبہ بلند کے لحاظ سے خلاف اولیٰ تھا اس لئے بقاعدہ "حسنات الابرار سیئات المقربین" حدیث میں اس کو "ذنب" قرار دیا گیا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ہرقل کو نجوم کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کا اندازہ ہونا:

بخاری نے صحیح میں اپنی سند سے بروایت زہری بیان کیا ہے کہ ابن ناطور نے جو ایلیا کا گورنر تھا اور شامی عیسائیوں کا پادری بھی، بیان کیا کہ جب ہرقل ایلیا میں آیا تو صبح کو کچھ پریشان سا تھا کسی مصاحب نے دریافت کیا کہ آج آپ کی حالت ہم کو غیر نظر آتی ہے (مزاج کیسا ہے؟) ہرقل بڑا نجومی تھا ستاروں کی چال دیکھا کرتا تھا اس نے جواب دیا آج رات ستاروں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرنیوالوں کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے، بتاؤ وہ کون قوم ہے جو ختنہ کراتی ہے مصاحبین نے کہا یہودیوں کے سوا اور کوئی قوم ختنہ نہیں کرتی اور یہودیوں سے آپ کوئی اندیشہ نہ کریں، آپ اپنے قلمرو کے تمام شہروں میں حکم بھیج دیجئے کہ جہاں جو یہودی ہو اس کو قتل کر دیا جائے، ہرقل اسی گفتگو میں مشغول تھا کہ شاہ غسان (گورنر شام) کا بھیجا ہوا آدمی آ گیا جو رسول اللہ ﷺ کی (بعثت اور دعویٰ نبوت کی) خبر لایا تھا ہرقل نے اس سے پوری خبر دریافت کی اور حکم دیا اس کو لے جا کر دیکھو کیا یہ مختون ہے لوگوں نے اس کو لے جا کر دیکھا تو اس کو مختون پایا ہرقل نے اسی سے دریافت کیا کہ عرب کیا ختنہ کراتے ہیں اس نے جواب دیا جی ہاں عرب ختنہ کرتے ہیں ہرقل نے کہا اسی قوم کا بادشاہ پیدا ہو گیا ہے پھر اپنے کسی ساتھی کو جو اسی کی طرح علم نجوم کا ماہر تھا مطالعہ نجوم کا حکم دے کر خود حمص کو چلا گیا ابھی حمص میں نہیں پہنچا تھا کہ اس کو مقرر کردہ ساتھی کا خط ملا جس میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی گئی تھی اور لکھا تھا کہ وہ پیدا ہو گئے ہیں وہ نبی ﷺ ہیں۔

اس روایت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم نجوم سے بھی کچھ نہ کچھ (واقعات و حوادث) کا علم ہو جاتا ہے اور موافقت کی وجہ وہی (حقیقت) ہے جس کا ذکر ہم کر چکے ہیں کہ اس سے وہ حوادث کی علامت معلوم ہو جاتی ہیں کہ کچھ ہو رہا ہے) سمجھ سکتے ہیں، مزید یہ کہ اس کی تحصیل میں خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا ہے عام دین میں اس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم نجوم کا مشغلہ مذہب عیسائیت میں جائز تھا ورنہ عیسائی علماء اس میں نہ پڑتے۔

علم نجوم کی شرعی حیثیت

اس آیت کے تحت دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ علم نجوم کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہاں اختصار کے ساتھ اس سوال کا جواب عرض کیا جاتا ہے۔

یہ تو ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج اور ستاروں میں کچھ ایسی خاصیتیں رکھی ہیں جو انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہیں، ان میں سے بعض خاصیات ایسی ہیں جن کا ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے، مثلاً سورج کے قرب و بعد سے گرمی اور سردی کا پیدا ہونا، چاند کے اتار چڑھاؤ سے سمندر میں مد و جزر وغیرہ، اب بعض حضرات کا کہنا تو یہ ہے کہ ان ستاروں کی خصوصیات صرف اتنی ہی ہیں جتنی عام مشاہدہ سے معلوم ہوتی ہیں، اور بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ان کے علاوہ بھی ستاروں کی گردش کے کچھ ایسے خواص ہوتے ہیں جو انسان کی زندگی کے اکثر معاملات پر اثر ڈالتے ہیں ایک انسان کے لئے کسی ستارے کا کسی خاص برج میں چلے جانا مسرتوں اور کامیابیوں کا سبب بنتا ہے، اور کسی کے لئے غموں اور ناکامیوں کا، پھر بعض لوگ تو ان ستاروں ہی کو ان کامیابیوں اور ناکامیوں کے معاملے میں مؤثر حقیقی مانتے ہیں اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، مگر اس نے ستاروں کو ایسے خواص عطا کر دیئے ہیں اس لئے دنیا کے دوسرے اسباب کی طرح وہ بھی انسان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا ایک سبب ہوتے ہیں۔

جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جو ستاروں کو مؤثر حقیقی مانتے ہیں، یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے انقلابات اور واقعات ستاروں ہی کے کئے ہوئے ہیں، ستارے ہی دنیا کے تمام واقعات کے فیصلے کرتے ہیں، تو بلاشبہ ان کا خیال غلط اور باطل ہے، اور یہ عقیدہ انسان کو شرک کی حد تک پہنچا دیتا ہے، اہل عرب بارش کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ ایک خاص ستارہ (جسے "نوء" کہا جاتا تھا) بارش برساتا ہے، اور وہ بارش کے لئے مؤثر حقیقی کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس عقیدے کی سخت تردید فرمائی ہے، جس کی تصریح احادیث میں موجود ہے۔

رہے وہ لوگ جو دنیوی واقعات میں مؤثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اللہ نے ستاروں کو ایسے خواص عطا فرمائے ہیں جو سبب کے درجہ میں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، جس طرح بارش برسانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن اس کا ظاہری سبب بادل ہیں، اسی طرح تمام کامیابیوں اور ناکامیوں کا اصل سرچشمہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی ہے، لیکن ستارے ان کامیابیوں اور ناکامیوں کا سبب بن جاتے ہیں، سو یہ خیال شرک نہیں ہے، اور قرآن و حدیث سے اس خیال کی نہ تصدیق ہوتی ہے نہ تردید، لہٰذا یہ کچھ بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی گردش اور ان کے طلوع و غروب میں کچھ ایسے اثرات رکھے ہوں، لیکن ان اثرات کی جستجو کرنے کیلئے علم نجوم کی تحصیل، اس علم پر اعتماد اور اس کی بناء پر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنا بہر حال ممنوع و ناجائز ہے، اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا

اذا ذكر القدرُ فامسكوا واذا ذكرت النُّجومُ فامسكوا واذا ذكر اصحابي فامسكوا (تخريج احياء العلوم للعراقي بحواله طبراني وهو حديث حسنه العراقي)

"جب تقدیر کا ذکر چھڑے تو رک جاؤ، (یعنی اس میں زیادہ غور و خوض اور بحث و مباحثہ نہ کرو) اور جب ستاروں کا ذکر چھڑے تو رک جاؤ اور جب میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کا (یعنی ان کے باہمی اختلافات وغیرہ کا) ذکر چھڑے تو رک جاؤ۔"

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے

تعلَّمُوا مِنَ النُّجُوْمِ مَا تَهْتَدُوْنَ بِهٖ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ثُمَّ اَمْسِكُوْا (احياء علوم الدين للغزاليؒ)

"ستاروں کے علم سے اتنا علم حاصل کرو جس کے ذریعہ تم خشکی اور سمندر میں راستے جان سکو اس کے بعد رک جاؤ۔"

اس ممانعت سے ستاروں کے خواص و آثار کا انکار لازم نہیں آتا، لیکن ان خواص و آثار کے پیچھے پڑنے اور ان کی جستجو میں قیمتی اوقات برباد کرنے کو منع کیا گیا ہے، امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس ممانعت کی متعدد حکمتیں بتائی ہیں۔

علم نجوم کے ممنوع و مذموم ہونے کی پہلی حکمت تو یہ ہے کہ جب اس علم میں انسان کا انہماک بڑھتا ہے تو تجربہ یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ستاروں ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، اور یہ چیز اسے کشاں کشاں ستاروں کے مؤثر حقیقی ہونے کے مشرکانہ عقیدے کی طرف لے جاتی ہے۔

دوسری حکمت یہ ہے کہ اگر ستاروں میں اللہ تعالیٰ نے کچھ خواص و آثار رکھے بھی ہوں تو ان کے یقینی علم کا ہمارے پاس سوائے وحی کے کوئی راستہ نہیں ہے، حضرت ادریس علیہ السلام کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اس قسم کا کوئی علم عطا فرمایا تھا لیکن اب وہ علم جس کی بنیاد وحی پر تھی، دنیا سے مٹ چکا ہے، اب علم نجوم کے ماہرین کے پاس جو کچھ ہے وہ محض قیاسات، اندازے اور تخمینے ہیں، جن سے کوئی یقینی علم حاصل نہیں ہو سکتا، یہی وجہ ہے کہ نجومیوں کی بے شمار پیشینگوئیاں آئے دن غلط ثابت ہوتی رہتی ہیں، کسی نے اس علم کے بارے میں بہترین تبصرہ کیا ہے

مفيدةٌ غير معلوم و معلومه غير مفيد.

"یعنی اس علم کا جتنا حصہ مفید ہو سکتا ہے وہ کسی کو معلوم نہیں، اور جتنا لوگوں کو معلوم ہے وہ کوئی فائدہ مند نہیں۔"

علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں تاریخی واقعات کی ایسی متعدد مثالیں پیش کی ہیں جن میں علم نجوم کے مسلمہ قواعد کے تحت ایک واقعہ جس طرح پیش آنا چاہیے تھا حقیقت میں اس کے بالکل برعکس پیش آیا، چنانچہ جن بڑے بڑے لوگوں نے اس علم کی تحصیل میں اپنی عمریں کھپائی ہیں وہ آخر میں یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اس علم کا انجام قیاس و تخمین سے آگے کچھ نہیں، ایک مشہور منجم کوشیار دیلمی نے علم نجوم پر اپنی کتاب المجمل فی الاحکام میں لکھا ہے

"علم نجوم ایک غیر مدلل علم ہے اور اس میں انسان کے وسوسوں اور گمانوں کیلئے بڑی گنجائش ہے۔" (روح المعانی ص ۱۱۹ ج ۲۳)

علامہ آلوسیؒ نے اور بھی متعدد علماء نجوم کے اسی قسم کے اقوال نقل فرمائے ہیں، بہر حال یہ بات طے شدہ ہے کہ علم نجوم کوئی یقینی علم نہیں ہے، اور اس میں غلطیوں کے بے حساب احتمالات ہوتے ہیں، لیکن ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ اس علم کی تحصیل میں لگتے ہیں وہ اسے بالکل قطعی اور یقینی علم کا درجہ دے بیٹھتے ہیں، اس کی بناء پر مستقبل کے فیصلے کرتے ہیں، اسی کی وجہ سے دوسروں کے بارے میں اچھی بری رائیں قائم کر لیتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس علم کا جھوٹا پندار بعض اوقات انسان کو علم غیب کے دعووں تک پہنچا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر چیز بے شمار مفاسد پیدا کرنے والی ہے۔

علم نجوم کی ممانعت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمر عزیز کو ایک بے فائدہ کام میں صرف کرنے کے مرادف ہے، جب اس سے کوئی نتیجہ یقینی طور پر حاصل نہیں کیا جا سکتا تو ظاہر ہے کہ دنیا کے کاموں میں یہ علم چنداں مددگار نہیں ہو سکتا، اب خواہ مخواہ ایک بے فائدہ چیز کے پیچھے پڑنا اسلامی شریعت کی روح اور مزاج کے بالکل خلاف ہے اس لئے اس کو ممنوع کر دیا گیا ہے۔

تَوْرِیَہ کا شرعی حکم:

انہی آیات سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ ضرورت کے مواقع پر توریہ

کرنا جائز ہے۔ توریہ ایک تو قولی ہوتا ہے، یعنی ایسی بات کہنا جس کا ظاہری مفہوم خلاف واقعہ ہو، اور باطنی مراد مطابق واقعہ، اور ایک توریہ عملی ہوتا ہے، یعنی ایسا عمل کرنا جس کا مقصد دیکھنے والا کچھ سمجھے اور درحقیقت اس کا مقصد کچھ اور ہو، اسے ایہام بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ستاروں کو دیکھنا (اکثر مفسرین کے قول کے مطابق) ایہام تھا، اور اپنے آپ کو بیمار کہنا توریہ۔

ضرورت کے مواقع پر توریہ کی یہ دونوں قسمیں خود سرکار دو عالم ﷺ سے ثابت ہیں، جس وقت آپ ﷺ ہجرت کیلئے تشریف لے جارہے تھے اور مشرکین آپ ﷺ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے، تو راستے میں ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کے بارے میں پوچھا کہ "یہ کون ہیں؟" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا "هو هادٍ يهديني" (وہ میرے رہنما ہیں، مجھے راستہ دکھاتے ہیں) سننے والا یہ سمجھا کہ عام راستہ بتانے والے رہنما مراد ہیں، اس لئے چھوڑ کر چلا گیا، حالانکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ دینی اور روحانی رہنما ہیں۔ (روح المعانی)

اسی طرح حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو جہاد کے لئے جس سمت میں جانا ہوتا مدینہ طیبہ سے نکلتے وقت اس سمت میں روانہ ہونے کے بجائے کسی دوسری سمت میں چلنا شروع فرماتے تھے، تاکہ دیکھنے والوں کو صحیح منزل معلوم نہ ہوسکے (صحیح مسلم وغیرہ) یہ عملی توریہ یا ایہام تھا۔

مزاح اور خوش طبعی کے مواقع پر بھی آنحضرت ﷺ سے توریہ ثابت ہے، شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بوڑھی عورت سے مزاحاً فرمایا "کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جائے گی۔" وہ عورت یہ سن کر پریشان ہوئی تو آپ ﷺ نے تشریح فرمائی کہ بوڑھیوں کے جنت میں نہ جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہ جائیں گی ہاں جوان ہوکر جائیں گی۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

تم کو کیا ہے کہ نہیں بولتے

جب بتوں کی طرف سے کھانے کے متعلق کچھ جواب نہ ملا تو کہنے لگے۔ تم بولتے کیوں نہیں۔ یعنی اعضاء اور صورت تو تمہاری انسانوں کی سی بنا دی لیکن انسانوں کی روح تم میں نہ ڈال سکے۔ پھر تعجب ہے کہ کھانے پینے اور بولنے والے انسان، بے حس و حرکت انسان کے سامنے سربسجود ہوں اور اپنی مہمات میں ان سے مدد طلب کریں؟۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾

پھر گھسا ان پر مارتا ہوا داہنے ہاتھ سے

یعنی زور سے مارمار کر توڑ ڈالا پہلے یا سورہ انبیاء میں یہ قصہ مفصل گذر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی پوشیدہ طور پر بتوں کے پاس گئے ..... اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنا چاہتے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ..... حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے پاس جانا بتوں کے ..... تھا۔

ضربا یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے داہنے ہاتھ سے زور سے بتوں پر ضرب لگائی ..... اپنی قسم کی وجہ سے بتوں پر ضرب لگائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے قسم کھائی تھی اور کہا تھا تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ جب تم مڑ کر چلے جاؤ گے تو میں خدا کی قسم تمہارے بتوں کے ساتھ ..... معاملہ کروں گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾

پھر لوگ آئے اس پر دوڑتے ہوئے

لوگوں کی میلہ سے واپسی

لوگ جب اپنے میلے سے واپس آئے ..... تو ان کے سمجھا کہ ابراہیم کے سوا کسی کا کام نہیں چنانچہ سب ان کی طرف جھپٹ پڑے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾

بولا کیوں پوجتے ہو جو آپ تراشتے ہو

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور اللہ نے بنایا تم کو اور جو تم بناتے ہو☆

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب:

یعنی ..... تم ..... پتھروں بے جان مورت جو خود تم نے اپنے ہاتھوں سے تراش ..... کے لائق ہوئی؟ اور جو اللہ تمہارا اور تمہارے ..... عمل و معمول کا نیز ان پتھروں کا پیدا کرنے والا ہے، اس ..... کرے اور بندگی ..... ہونے لگے، پھر دوسرے بھی ایسے جو مخلوق در مخلوق ہیں۔ آخر یہ کیا اندھیر ہے؟ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے تم کو اور تمہارے عمل کو پیدا کیا پھر کس طرح اپنے خالق کی عبادت چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کرتے ہو جو خود تمہارے محتاج ہیں۔

علم کلام کا ایک مسئلہ:

اشاعرہ کہتے ہیں کہ سارے آدمیوں کے عمل کا خالق اللہ ہی ہے ..... آیت سے

اسی کی تائید ہو رہی ہے، فرقہ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔

اصل کلام اس طرح تھا اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور ان چیزوں کو بھی جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ بت جن چیزوں سے بنائے جاتے ہیں اس چیز کا خالق یقیناً اللہ ہے، البتہ بتوں کی شکلیں انسان کی ساختہ پرداختہ ہیں (اسی لیے کافروں کے فعل کا نتیجہ ان کو قرار دیا گیا ہے) لیکن اس صنعت پر قدرت دینے والا اللہ ہی ہے اور وہ تمام سر و سامان اور اسباب جن پر بتوں کی تخلیق موقوف ہے ان کا خالق بھی اللہ ہی ہے۔ یہ ما مصدر یہ ہی ہے لیکن عمل مصدر بمعنی معمول ہے اس وقت تعملون تنحتون کے موافق ہو جائے گا (تراشنے والے بھی کافر تھے اور اسی تراش وصنعت کا نتیجہ یعنی معمول بھی انہی کے ساختہ تھے۔)

اشاعرہ کا تفسیری قول صحیح ہے معتزلہ کی دونوں تشریحیں غلط ہیں کیونکہ ان دونوں تاویلوں پر (ضمیر کا) حذف یا معنی مجازی (یا حذف اور معنی مجازی) لازم آتا ہے اور یہ بات تو قابل شک ہے کہ اصنام کا جوہر تخلیقی طور پر کا خلق کردہ نہ تھا صرف اصنام کی شکلیں ان کی ساختہ تھیں پھر معتزلہ کی تفسیر سے اشکال کی تخلیق بھی فعل انسانی ثابت نہیں ہوتی بلکہ انسان کی معمولی یعنی نتیجہ کسب قرار پاتی ہے خالق اشکال ہونا بہرحال اللہ کا ہی ثابت ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری) امام بخاری کی کتاب افعال العباد میں ایک مرفوع حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر صانع اور اس کی صنعت کو پیدا کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ
بولے بناؤ اُس کے واسطے ایک عمارت پھر ڈالو اس کو آگ کے ڈھیر میں
فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ
پھر چاہنے لگے اُس پر برا داؤ کرنا، پھر ہم نے ڈالا انہی کو نیچے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے کا منصوبہ

جب ابراہیم علیہ السلام کی معقول باتوں کا کچھ جواب نہ بن پڑا تو یہ تجویز کی کہ ایک بڑا آتش خانہ بنا کر ابراہیم کو اس میں ڈال دو۔ اس تدبیر سے لوگوں کے دلوں میں بتوں کی عقیدت راسخ ہو جائے گی اور ہیبت بیٹھ جائے گی۔ ان کے مخالف کا انجام ایسا ہوتا ہے آئندہ کوئی ایسی جرأت نہ کرے گا مگر اللہ نے ان ہی کو نیچا دکھلایا۔ ابراہیم پر آگ گلزار کر دی گئی۔ جس سے علی رؤس الاشہاد ثابت ہو گیا کہ تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب مل کر خدائے واحد کے ایک مخلص بندے کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ آگ کی مجال نہیں کہ رب ابراہیم کی اجازت کے بدون ایک ناخن بھی جلا سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی عظمت شان کی کھلی دلیل اس واقعہ ... آگ کو ان ... مخصوص ... جس

گئے، ابراہیم (علیہ السلام) پر آنچ نہیں آئی۔ (تفسیر مظہری)

یہ واقعہ نمرود کے زمانہ میں ... بابل (عراق) میں ہوا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ
اور بولا میں جاتا ہوں اپنے رب کی طرف وہ مجھ کو راہ دے گا

ہجرت ... قوم کی طرف سے ... پ ... تو حضرت ابراہیم ... نے ہجرت کا ارادہ ... آپ ... کا راستہ دکھلایا۔ (...)

روانگی: حضرت ابراہیم ... (بی بی) ... سرزمین بابل کو چھوڑ کر ... آپ زمانہ کی حسین ترین عورتوں میں سے تھیں۔ حضرت ... مصر میں پہنچے

بادشاہ مصر سے حضرت سارہؓ کی حفاظت:

اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ صادف بن صارق تھا، شرح البخاری لابن الملقن میں اس فرعون کا نام سنان بن علوان بتایا ہے جو ضحاک کا بھائی تھا، بعض کا قول ہے کہ اس کا نام عمر بن امراء القیس تھا یہ فرعون حضرت سارہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چھین کر سوار کرا کے اپنے محل میں لے گیا اللہ نے تمام دیواروں اور پردوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے انڈے کے چھلکے کی طرح کر دیا تا کہ سارہ کو آپ دیکھتے رہیں اور آپ کا دل مطمئن رہے کیونکہ آپ علیہ السلام بڑے غیرت مند آدمی تھے، غرض فرعون نے جونہی سارہ کا ارادہ کیا فوراً قصر میں زلزلہ آگیا فرعون اس قصر سے نکل کر دوسرے قصر میں پہنچا، دوسرا قصر بھی ہلنے لگا تو تیسرے قصر میں منتقل ہو گیا یہاں بھی زلزلہ آیا تو سارہ نے کہا یہ زلزلہ ابراہیم علیہ السلام کی وجہ سے ہے فرعون نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی بی بی واپس کر دی ایک اور روایت میں آیا ہے۔ جونہی فرعون نے سارہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ فرعون نے سارہ سے فریاد کی اور آپ سے دعا کا خواستگار ہوا حضرت سارہ نے دعا کی ہاتھ دوبارہ ٹھیک ہو گیا، فرعون نے دوبارہ ہاتھ بڑھایا تو پھر اس کا ہاتھ شل ہو گیا، اس نے پھر دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کرے گا حضرت سارہ نے دعا کی اور ہاتھ ٹھیک ہو گیا لیکن اس نے تیسری بار پھر ہاتھ بڑھایا اور پھر ہاتھ شل ہو گیا آخر اس نے عرض کیا ... قسم کھا کر عہد کیا کہ اگر اب کی مرتبہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا تو کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا حضرت سارہ کی دعا سے پھر اس کا ہاتھ صحیح ہو گیا۔

حضرت ہاجرہ ...

مواہب لدنیہ میں ایک روایت آئی ہے کہ صادف کا ہاتھ بندھ گیا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ... حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے

اللہ نے اس کا ہاتھ کھول دیا اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہاجرہ رضی اللہ عنہا بطور ہدیہ دے دی جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ماں ہوئیں، حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا بڑی امانت دار خازن (اسرار) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہم نشین تھیں۔

حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہاجرہ قابل رغبت عورت ہے میں آپ کو یہ عورت ہبہ کرتی ہوں تا کہ اس سے آپ کی اولاد ہو جائے چنانچہ ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوگئے۔

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ
اے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا ☆

اولاد کی دُعاء:

یعنی کنبہ اور وطن چھوٹا تو اچھی اولاد عطا فرما، جو دینی کام میں میری مدد کرے اور اس سلسلہ کو باقی رکھے۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ
پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو ایک لڑکے کی جو ہوگا تحمل والا

دُعاء سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہوئے اور انہیں کی قربانی کا حکم ہوا:

یہاں سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اولاد کی دعاء مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی کے لئے پیش کیا گیا۔ موجودہ تورات سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیم کی دعاء سے پیدا ہوا وہ حضرت اسماعیل ہیں اور اسی لئے ان کا نام اسماعیل رکھا گیا کیونکہ اسماعیل دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ''سمع'' اور ''ایل'' سمع کے معنی سننے کے اور ایل کے معنی خدا کے ہیں یعنی خدا نے حضرت ابراہیم کی دعاء سن لی۔ تورات میں ہے۔ خدا نے حضرت ابراہیم سے کہا اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی۔ الخ بنا پر آیت حاضرہ میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسماعیل ہیں حضرت اسحاق نہیں۔ اور دیکھئے بھی ذبح وغیرہ کا قصہ ختم کرنے کے بعد حضرت اسحٰق کی بشارت کا جداگانہ ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے ''وَبَشَّرْنٰهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا'' تو معلوم ہوا کہ ''فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ'' میں ان کے علاوہ کسی دوسرے لڑکے کی بشارت مذکور ہے۔ نیز اسحٰق کی بشارت دیتے ہوئے ان کے نبی بنائے جانے کی بھی خوشخبری دی گئی اور سورہ ''ہود'' میں ان کے ساتھ ساتھ حضرت یعقوب کا مژدہ بھی سنایا گیا جو حضرت اسحٰق کے بیٹے ہوں گے ''وَمِنْ وَّرَآءِ إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ'' (ہود۔ رکوع ۷) پھر کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت اسحٰق ذبیح ہوں گویا نبی بنائے جانے اور اولاد عطا کئے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں لامحالہ ماننا پڑے گا کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل ہیں جن کے متعلق بشارت ولادت کے وقت نہ نبوت عطا فرمانے کا وعدہ ہوا نہ اولاد دیئے جانے کا۔ یہی وجہ ہے کہ قربانی کی یادگار اور اس کی متعلقہ رسوم بنی اسمٰعیل میں برابر بطور وراثت منتقل ہوتی چلی آئی ہو تو آج بھی اسماعیل علیہ السلام کی روحانی اولاد جنہیں مسلمان کہتے ہیں ان مقدس یادگاروں کی حامل ہے۔ موجودہ تورات میں تصریح ہے کہ قربانی کا مقام ''موریا'' ''مروہ'' تھا۔ یہود و نصاریٰ نے اس مقام کا پتہ بتانے میں بہت دور دراز کے احتمالات سے کام لیا ہے۔ حالانکہ نہایت ہی اقرب اور بے تکلف بات یہ ہے کہ یہ مقام مروہ ہو جو کعبہ کے سامنے بالکل نزدیک واقع ہے اور جہاں سعی میں اصفا و المروہ ختم کرنے کے بعد حلال ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ ''فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ'' میں اسی سعی کی طرف ایماء ہو موطا امام مالک کی ایک روایت میں نبی کریم ﷺ نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا قربان گاہ یہ ہے۔ غالباً یہ ابراہیم و اسمٰعیل کی قربان گاہ کی طرف اشارہ ہوگا۔ ورنہ آپ کے زمانہ میں لوگ عموماً مکہ سے تین میل ''منیٰ'' میں قربانی کرتے تھے جیسے آج تک کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم کا اصل قربان گاہ ''مروہ'' تھا۔ پھر حجاج کی کثرت کی وجہ سے ''منیٰ'' تک وسعت دے دی گئی۔ قرآن کریم میں بھی ''هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ'' اور ''ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ'' فرما کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ قربانی کعبہ کے قریب ہو۔ بہرحال قربانی کے تاریخی حالات بتلاتے ہیں کہ ذبیح اللہ وہی اسمٰعیل تھے جو مکہ میں آ کر رہے اور وہیں ان کی نسل پھیلی۔ تورات میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس اکلوتے اور محبوب بیٹے کے ذبح کا حکم دیا گیا تھا اور یہ مسلم ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے عمر میں بڑے تھے پھر حضرت اسحاق علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی موجودگی میں اکلوتے کیسے ہو سکتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابراہیم کی دعا کے جواب میں جس لڑکے کی بشارت ملی اسے ''غلام حلیم'' کہا گیا ہے لیکن حضرت اسحاق علیہ السلام کی بشارت جب فرشتوں نے بتدائے خدا کی طرف سے دی تو ''غلام علیم'' سے تعبیر کیا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ''حلیم'' کا لفظ ان دو کے سوا کسی اور نبی پر قرآن میں کہیں اطلاق نہیں کیا گیا۔ (۵) صرف ان دو لڑکے کو جس کی بشارت یہاں دی گئی اور ان کے باپ ابراہیم کو یہ لقب عطا ہوا ہے۔ ''إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ'' (ہود۔ رکوع ۷) اور ''إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ'' (توبہ۔ رکوع ۱۴) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی دونوں باپ بیٹے اس لقب خاص سے ملقب کرنے کے مستحق ہوئے۔ حلیم اور ''صابر'' کا مفہوم قریب قریب ہے اسی ''غلام حلیم'' کی زبان سے یہاں نقل کیا ''سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ'' دوسری جگہ صاف فرما دیا ''وَإِسْمٰعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِينَ'' (انبیاء رکوع ۶) شاید اسی لئے سورہ مریم میں حضرت اسمٰعیل کو ''صادق الوعد'' فرمایا کہ ''سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ'' کے وعدہ کو کس طرح سچا کر

دکھایا بہرحال "حلیم" "صابر" "صادق الوعد" کے القاب کا مصداق ایک ہی معلوم ہوتا ہے یعنی حضرت اسمٰعیل ؑ۔ "وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا"۔ سورہ بقرہ میں تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیم و اسمٰعیل ؑ کی زبان سے جو دعا نقل فرمائی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں "وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ" بعینہ اسی مسلم کے تثنیہ کو یہاں قربانی کے ذکر میں "فَلَمَّا أَسْلَمَا" کے لفظ سے ادا کردیا۔ اور ان ہی دونوں کی ذریت کو خصوصی طور پر مسلم کے لقب سے نامزد کیا بے شک اس سے بڑھ کر اسلام وتفویض اور صبر وتحمل کیا ہوگا جو دونوں باپ بیٹے نے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے متعلق دکھلایا۔ یہ اسی "أَسْلَمَا" کا صلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی ذریت کو امۃ مسلمہ بنادیا فللہ الحمد علی ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے محمد بن کعب قرظی کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک یہودی عالم سے (جو بعد میں مسلمان اور اچھے مسلمان ہوگئے تھے) دریافت کیا ابراہیم ؑ کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا یہودی عالم نے کہا اسمٰعیل ؑ کو پھر کہا امیر المومنین یہودی اس بات کو جانتے ہیں لیکن اے قوم عرب یہودیوں کو اس بات میں حسد ہوتا ہے کہ وہ تمہارے باپ کو ذبیح اللہ مانیں اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ اسحٰق ؑ تھے اسماعیل ؑ کے ذبیح اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جو مینڈھا جس کی قربانی کی گئی تھی اس کے دونوں سینگ کعبہ کے اندر آویختہ تھے جو اولاد اسماعیل ؑ کے قبضہ میں تھے جب حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ اور حجاج کی لڑائی میں کعبہ کو آگ لگ گئی تو وہ سینگ بھی جل گئے، سعید بن منصور اور بیہقی نے سنن میں بنی سلیم کی ایک عورت کے حوالے سے طلحہ ؓ بن عثمان کا بیان نقل کیا ہے کہ اس مینڈھے کے دونوں سینگ کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے۔

اصمعی کا بیان ہے میں نے ابو عمرو بن علاء سے پوچھا ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل ؑ تھے یا اسحٰق ؑ ابو عمرو نے کہا اصمعی تمہاری عقل کہاں چلی گئی اسحٰق ؑ مکہ میں کب تھے، اسماعیل ؑ نے ہی تو اپنے باپ کے ساتھ مل کر کعبہ بنایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

حافظ ابن قیم زاد المعاد میں فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہی ہے کہ ذبیح اللہ اسمٰعیل ؑ ہیں جمہور صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے اور یہ کہنا کہ ذبیح اسحاق ؑ ہیں یہ قول بیس وجہ سے باطل ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف کاندھلوی)

حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت عامر شعبیؒ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے کہ "میں نے اس مینڈھے کے سینگ کعبہ میں خود دیکھے ہیں۔" (ابن کثیر ص ۱۸ ج ۴) اور حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ "اس مینڈھے کے سینگ مسلسل کعبہ میں لٹکے رہے، یہاں تک کہ جب (حجاج بن یوسف کے زمانہ میں) کعبۃ اللہ میں آتش زدگی ہوئی تو یہ سینگ بھی جل گئے۔" (ایضاً ص ۱۷ ج ۴) اب ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضرت اسمٰعیل ؑ تشریف فرما رہے ہیں نہ کہ حضرت اسحٰق ؑ اس لئے صاف ظاہر ہے کہ ذبح کا حکم حضرت اسمٰعیل ؑ ہی سے متعلق تھا، نہ کہ حضرت اسحٰق ؑ سے۔

ملاحظہ فرمایئے: "اور ابراہام کی بیوی ساری سے کوئی اولاد نہ ہوئی، اس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی، اور خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا، اس کا نام اسمٰعیل رکھنا اور جب ابراہام سے ہاجرہ کے اسمٰعیل پیدا ہوا تب ابراہام چھیاسی برس کا تھا۔" (پیدائش باب ۱۶ آیت ۱، ۳، ۱۰، ۱۶)

نیز اگلے باب میں لکھا ہے:

"اور خدا نے ابراہام سے کہا کہ ساری جو تیری بیوی ہے اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا تب ابراہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا ساری کے جو نوے برس کی ہے اولاد ہوگی؟ اور ابراہام نے خدا سے کہا کہ کاش! اسمٰعیل ہی تیرے حضور ﷺ سے جیتا رہے، تب خدا نے فرمایا کہ بیشک تیری بیوی ساری کے تجھ سے بیٹا ہوگا، تو اس کا نام اضحاق رکھنا۔" (پیدائش ۱۷ : ۱۵ تا ۲۰) اس کے بعد حضرت اسحٰق ؑ کی پیدائش کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے

"اور جب اس کا بیٹا اضحاق اس سے پیدا ہوا تو ابراہام سو برس کا تھا۔" (پیدائش ۲۱:۵)

ان عبارتوں سے صاف واضح ہے کہ حضرت اسحٰق ؑ حضرت اسمٰعیل ؑ سے چودہ سال چھوٹے تھے، اور اس چودہ سال کے عرصہ میں وہ حضرت ابراہیم ؑ کے اکلوتے بیٹے تھے، اس کے برعکس حضرت اسحٰق ؑ پر ایسا کوئی وقت نہیں گذرا، جس میں وہ اپنے والد کے اکلوتے ہوں، اب اس کے بعد جب کتاب پیدائش کے بائیسویں باب میں بیٹے کی قربانی کا ذکر آتا ہے تو اس میں "اکلوتا" کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے کہ اس سے مراد اسمٰعیل ؑ ہیں، اور کسی یہودی نے اس کے ساتھ "اضحاق" کا لفظ محض اس لئے بڑھا دیا ہے تاکہ یہ فضیلت بنو اسمٰعیل کے بجائے بنو اسحٰق کو حاصل ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

غلام حلیم سے مراد ہیں اسماعیل یہی قول صحیح ہے حضرت ابن ؓ عمر کا یہی قول ہے سعید بن مسیب، شعبی، حسن بصری، مجاہد ربیع بن انس، محمد بن کعب، قرظی اور کلبی کے نزدیک یہی قول مختار ہے عطاء اور یوسف بن مالک کی روایت سے حضرت ابن عباس ؓ کا قول آیا ہے کہ جس کی جگہ (نبی مینڈھے) کی قربانی کی گئی تھی وہ اسماعیل ؑ ہی تھے واقدی ابن عساکر نے بطریق عامر بن سعید از سعید بیان کیا ہے کہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم ؑ کی بی بی تھیں مدت تک آپ کے بطن سے حضرت ابراہیم ؑ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی، حضرت سارہ ؓ نے دیکھ کر ایک قبطی باندی ہاجرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کر دی جن کے بطن سے اسمٰعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے جس سے حضرت سارہ کو رشک پیدا ہوا۔ ہم نے یہ قصہ سورہ ابراہیم علیہ السلام میں ذکر کر دیا ہے، ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کو لے کر مکہ پہنچے اس وقت اسمٰعیل علیہ السلام دودھ پیتے تھے کعبہ کے پاس پہنچ کر ماں بیٹے کو ٹھہرایا (کذا فی البخاری) (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّيْ أَرٰى فِي
پھر جب پہنچا اس کے ساتھ دوڑنے کو کہا اے بیٹے میں دیکھتا ہوں خواب میں
الْمَنَامِ أَنِّيْ أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ
کہ تجھ کو ذبح کرتا ہوں پھر دیکھ تو کیا دیکھتا ہے بولا
يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْ
اے باپ کر ڈال جو تجھ کو حکم ہوتا ہے تو مجھ کو پائے گا
إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ
اگر اللہ نے چاہا سہارنے والا ☆

خواب اور قربانی:

یعنی جب اسمٰعیل علیہ السلام بڑا ہو کر اس قابل ہو گیا کہ اپنے باپ کے ساتھ دوڑ سکے اور اس کے کام آ سکے۔ اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب بیٹے کو سنایا۔ تا اس کا خیال معلوم کریں کہ خوشی سے آمادہ ہوتا ہے یا زبردستی کرنی پڑے گی۔ کہتے ہیں کہ تین رات مسلسل یہ ہی خواب دیکھتے رہے۔ تیسرے روز بیٹے کو اطلاع کی، بیٹے نے بلا توقف قبول کیا۔ کہنے لگا۔ ابا جان! (دیر کیا ہے) مالک کا جو حکم ہو کر ڈالئے (ایسے کام میں مشورہ کی ضرورت نہیں امر الٰہی کے امتثال میں شفقت پدری مانع نہ ہونی چاہئے)۔ رہا میں! سو آپ ان شاء اللہ دیکھیں گے کہ کس صبر و تحمل سے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔ ہزاراں ہزار رحمتیں ہوں ایسے بیٹے اور باپ پر۔ (تفسیر عثمانی)

شام اور مکہ میں آمد و رفت:

محمد بن اسحٰق نے بیان کیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کے پاس جانا چاہتے تھے تو براق پر سوار ہو کر صبح کو شام سے روانہ ہوتے اور دوپہر کو مکہ میں پہنچ کر قیلولہ کرتے پھر جب مکہ سے واپس آتے تو دوپہر کے بعد چل کر شام کو شام میں پہنچ جاتے اور وہیں رات گذارتے تھے۔

جب اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو آرزو حضرت اسماعیل علیہ السلام سے وابستہ تھی کہ اپنے رب کی عبادت اور حرمات الٰہیہ کی تعظیم کریں گے اس کے پورا ہونے کی امید ہو گئی تو خواب میں آپ کو حکم دیا گیا کہ اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرو (۱) اس کی صورت یہ ہوئی کہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کی شب میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ نے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے صبح کو اٹھے تو سوچ میں پڑ گئے (کہ یہ حکم خداوندی تھا) صبح سے شام تک اسی سوچ میں رہے کہ یہ خواب رحمانی ہے یا شیطانی اس لئے ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو یوم ترویہ (سوچ کا دن) کہا جاتا ہے جب شام ہوئی اور آپ سوئے تو دوسری بار بھی آپ نے وہی پہلا خواب دیکھا جب صبح کو اٹھے تو پہچان گئے کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے اسی لئے اس (نویں) تاریخ کو عرفہ (پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے۔ کذا خرج البیہقی فی شعب الایمان من طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس، محمد بن اسحاق وغیرہ کا بیان ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسماعیل علیہ السلام سے فرمایا رسی اور چھری لے لو ہم اس گھاٹی میں لکڑیاں لینے جا رہے ہیں جب دونوں اس گھاٹی میں پہنچے اور تنہائی ہوئی تو آپ نے اسماعیل علیہ السلام کو حکم کی اطلاع دی جو آپ کو ملا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام سے کہا چلو اللہ کیلئے قربانی کریں گے، اسماعیل علیہ السلام رسی اور چھری لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چل دیئے ابراہیم علیہ السلام ان کو پہاڑوں میں لے گئے۔ پہاڑوں میں پہنچ کر بیٹے نے پوچھا ابا جان آپ کی قربانی کا جانور کہاں ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا میرے پیارے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے (اللہ کی راہ) میں قربان کر رہا ہوں۔

بیٹے کی رائے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے سے اس کی رائے اس لئے دریافت کی کہ آپ کو بیٹے کی صبر اور اطاعت امر اللہ پر ثابت کا امتحان لینا تھا۔

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ انبیاء کا خواب بھی وحی من اللہ ہوتا ہے جس کی تعمیل واجب ہے۔

اس کم سنی ہی میں اللہ نے انہیں کیسی ذہانت اور کیسا علم عطا فرمایا تھا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کے سامنے اللہ کے کسی حکم کا حوالہ نہیں دیا تھا، بلکہ محض ایک خواب کا تذکرہ فرمایا تھا، لیکن حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سمجھ گئے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے، اور یہ خواب بھی درحقیقت حکم الٰہی کی ایک شکل ہے، چنانچہ انہوں نے جواب میں خواب کے بجائے حکم الٰہی کا تذکرہ فرمایا۔

وحی غیر متلو کا ثبوت:

یہیں سے ان منکرین حدیث کی واضح تردید ہو جاتی ہے جو وحی غیر متلو کے وجود کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ وحی صرف وہ ہے جو کتابی شکل میں نازل ہو گئی، اس کے علاوہ وحی کی کوئی دوسری قسم موجود نہیں ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کی قربانی کا حکم خواب کے ذریعے دیا گیا، اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے صدق غرض میں سے اللہ کا حکم قرار دیا، اگر وحی غیر متلو کوئی چیز نہیں ہے تو یہ حکم وحی قرآنی کتاب میں نہ تھا۔

عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ بخاری نے صحیح میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اور مسلم نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور امام احمد بن حنبل نے ابو رزین کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامت کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

> **فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ**
>
> پھر جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا

قربانی کا منظر

بیٹے کا چہرہ سامنے نہ ہو مبادا محبت پدری جوش مارنے لگے۔ کہتے ہیں کہ یہ بات بیٹے نے سکھلائی آگے اللہ نے نہیں فرمایا کہ پھر کیا ہوا۔ جو بیان میں نہیں آتا جو حال گذرا اس کے دل پر اور فرشتوں پر۔ (موضح القرآن)

یہ واقعہ منیٰ میں صخرہ کے پاس ہوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور حاکم نے کی ہے، بغوی نے عطاء بن سائب کی روایت سے کسی قریشی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ واقعہ اسی قربان گاہ میں ہوا جو آج بھی قربان گاہ ہے۔

قربانی سے پہلے بیٹے کی باتیں:

بغوی نے لکھا ہے کہ اہل روایت کا بیان ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ سے کہا ابا میرے بندھن کس کر باندھنا تاکہ میں تڑپ نہ سکوں اور اپنے کپڑے میرے طرف سے سمیٹے رکھنا تاکہ میرا خون اچھل کر آپ کے کپڑوں پر نہ پڑ جائے اور میرے اجر میں کمی آ جائے اور اس کو دیکھ کر میری ماں رنجیدہ ہو جائے اور چھری کو تیز کر لینا اور میرے حلق پر تیزی سے چلانا تاکہ میرے لئے دشواری نہ ہو کیونکہ موت سخت چیز ہے، اور آپ جب میری ماں کے پاس جائیں تو اس کو میرا سلام کہنا اور اگر آپ میرا کرتہ میری ماں کے پاس واپس لے جانا چاہتے ہوں تو لے جائیں اس سے ان کو بڑی تسلی ہوگی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرے پیارے بیٹے اللہ کے حکم کی تعمیل کیلئے تو میرا بہت اچھا مددگار ہے پھر بیٹے نے جو کچھ کہا تھا باپ نے ویسا ہی کیا اول بیٹے کو پیار کیا پھر باندھ دیا اور رونے لگے، پھر اسماعیل علیہ السلام کے حلق پر چھری رکھ دی لیکن چھری سے حلق پر نشان بھی نہ پڑا ایک روایت میں آیا ہے کہ حلق پر چھری تیزی سے چلانے لگے لیکن چھری کچھ نہ کر سکی۔ آپ نے چھری دو دو تین بار پتھر سے تیز کیا لیکن چھری (کچھ بھی) نہ کاٹ سکی۔

شیطان کی کارروائی اور مایوسی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کعب احبار کا قول اور محمد بن اسحاق نے اپنے رواۃ کے حوالے سے بیان کیا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو شیطان نے کہا اگر میں اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے گھر والوں کو نہ بہکا سکا تو پھر کبھی ان کی اولاد میں سے کسی کو نہ بہکا سکوں گا، یہ ارادہ کر کے ایک مرد کی شکل میں لڑکے کی ماں (حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا) کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کیا تم کو معلوم ہے ابراہیم علیہ السلام تمہارے بیٹے کو کہاں لے گئے ہیں ماں نے کہا دونوں اس گھاٹی سے لکڑیاں لینے گئے ہیں شیطان نے کہا نہیں خدا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ ابراہیم علیہ السلام اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے لے گئے ہیں ماں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا وہ تو بیٹے سے بہت پیار کرتے ہیں اور ان کو اس بیٹے کی بڑی محبت ہے شیطان نے کہا وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا ہے ماں نے کہا کہ اگر ان کے رب نے یہ حکم دیا ہے تو حکم رب کی اطاعت کرنی ہی بہتر ہے شیطان یہاں سے لوٹ کر بیٹے کے پاس پہنچا بیٹا اس وقت باپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا شیطان نے اس سے کہا کیا تم جانتے ہو تمہارا باپ تم کو کہاں لے جا رہا ہے لڑکے نے کہا ہم گھر کیلئے ایندھن کی لکڑیاں اس گھاٹی سے لینے جا رہے ہیں شیطان نے کہا نہیں خدا کی قسم اس کا مقصد یہ نہیں بلکہ وہ تم کو ذبح کرنا چاہتا ہے لڑکے نے کہا کیوں؟ شیطان نے کہا اس کا خیال ہے کہ اس کے رب نے اس کو اس بات کا حکم دیا ہے لڑکے نے کہا پھر تو ان کو اپنے رب کے حکم کی اطاعت بسر و چشم کرنی ضروری ہے (میں بھی اس پر راضی ہوں)

جب لڑکے نے شیطان کا مشورہ نہ مانا تو شیطان نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف رخ کیا اور کہنے لگا شیخ کہاں کا ارادہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں ایک کام سے اس گھاٹی میں جانا چاہتا ہوں شیطان بولا۔ خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ شیطان نے خواب میں آ کر تم کو اپنے لڑکے کے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت پہچانے کہ یہ شیطان ہے بولے دشمن خدا میرے پاس سے ہٹ جا میں ضرور ضرور اپنے رب کے حکم پر عمل کروں گا۔ شیطان غضبناک ہو کر لوٹ گیا اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کے معاملہ میں کچھ بھی کامیاب نہ ہو سکا اللہ نے ان سب کو شیطان سے محفوظ رکھا۔

کنکریوں کا مارنا:

ابو الطفیل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ذبح کر دینے کا حکم دیا گیا (تو) اس مشعر پر شیطان (روکنے کیلئے) آ گیا سامنے آیا لیکن آپ آگے نکل چکے تھے، پھر آپ جمرہ عقبہ پر پہنچے

وہاں بھی شیطان سامنے آ گیا آپ نے اس کے سات پتھریاں ماریں شیطان چلا گیا، پھر آپ جمرۂ وسطیٰ پر پہنچے وہاں بھی شیطان آ گیا آپ نے اس کے سات کنکریاں ماریں شیطان چلا گیا اور پھر جمرۂ کبریٰ کے پاس ابراہیم ﷺ نے شیطان کو پایا یہاں بھی آپ نے اس کے سات سنگ ریزے مارے اور شیطان چلا گیا اس کے بعد آپ اللہ کے حکم کی تعمیل کیلئے چل دیئے۔ (تفسیر مظہری)

آنحضرت ﷺ ابن الذبیحین ہیں:

در حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، یا ابن الذبیحین۔ اے دو ذبیح کے فرزند، آپ کو اللہ نے جو عطا کیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی عطا کیجئے آنحضرت ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور ہنسے حضرت معاویہ نے جب یہ روایت اپنی مجلس میں بیان کی تو حاضرین میں سے کسی نے کہا اے امیر المومنین وہ دو ذبیح کون ہیں تو فرمایا، ایک ذبیح تو حضرت اسماعیلؑ حضور کے جد امجد ہیں اور دوسرے ذبیح آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ ہیں جس کا قصہ یہ ہے کہ عبدالمطلب نے جب چاہ زمزم کے کھودنے کا حکم دیا تو اللہ سے یہ نذر کی کہ اگر اللہ نے یہ کام آسان کر دیا تو ایک بیٹے کو خدا کے نام پر ذبح کروں گا۔

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے قرعہ اندازی میں ذبح کا قرعہ عبداللہ کے نام پر نکلا خاندان اور دیگر احباب نے بیٹے کے ذبح سے ان کو روکا اور یہ مشورہ دیا کہ فدیہ میں سو اونٹ قربان کر ڈالو عبدالمطلب نے اس کو منظور کیا اور عبداللہ کی طرف سے فدیہ میں سو اونٹ دیئے اس طرح سے حضرت عبداللہ حکماً ذبیح اللہ ہوگئے اس لئے حاضر ہونے والے شخص نے حضور کو یا ابن الذبیحین سے خطاب کیا، اے دو ذبیح کے بیٹے، پہلے ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل ہیں جو حضور پُرنور کے جد امجد ہیں اور دوسرے ذبیح اللہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ تھے۔ رواہ الحاکم فی المستدرک وابن جریر فی تفسیرہ وغیرہما، روح المعانی ص ۱۲۲ ج ۲۳ و تفسیر قرطبی ص ۱۱۳ ج ۱۵۔

نیز اسی طرح ایک مرفوع حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، انا ابن الذبیحین میں دو ذبیح کا بیٹا ہوں، دیکھو البحر المحیط ص ۳۶۹ ج ۷۔ اور روح المعانی ص ۱۲۴ ج ۲۳۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ میں کسی حدیث کی سند پر مطلع نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

گر بندۂ خویش خوانی مرا　　بہ از مملکت جاودانی مرا
شہے کہ باتخت فرخندہ اند　　ہمہ بندگان ترا بندہ اند

(معارف کاندھلوی)

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ
اور ہم نے اُس کو پکارا یوں کہ اے ابراہیم

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ
تو نے سچ کر دکھایا خواب

صداقتِ ابراہیمی:

یعنی بس بس اب رہنے دے، تو نے خواب سچا کر دکھایا مقصود بیٹے کا ذبح کرنا نہیں محض تیرا امتحان منظور تھا سو اس میں پوری طرح کامیاب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ اس وقت ہم نے ان کو آواز دی کہ اے ابراہیم ﷺ بغوی نے لکھا ہے اس جملہ میں واؤ زائد ہے اور یہ کلام فَلَمَّآ اَسْلَمَا کا جواب (جزا) ہے بیضاوی نے لکھا ہے لما اسلما کی جزا محذوف ہے کلام محذوف اس طرح تھا کہ جو کچھ واقعہ ہونا تھا وہ ہو گیا تو دونوں کی خوشی ناقابل بیان ہوئی کوئی حالت یا مقامی وضاحت اس کا اظہار نہیں کر سکتی۔ آئی ہوئی مصیبت کو اللہ نے دور کر دیا اور باپ بیٹے کو وہ توفیق عنایت کی جو کسی اور کو عنایت نہیں کی اور دونوں جہان میں ان کو برتری عطا فرمائی اور ثواب آخرت جو ان کے لئے مقرر فرمایا اس کا اظہار ہی نہیں ہو سکتا ان تمام نعمتوں پر دونوں نے اپنے رب کا شکر ادا کیا۔

میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ واؤ عطف کے لئے ہو اور لما اسلما کے محذوف جواب پر اس کا عطف ہو یعنی جب بیٹے اور باپ نے حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور ابراہیم ﷺ نے اسمٰعیل ﷺ کو زمین پر لٹا دیا اور حلق پر چھری پھیری تو ہم نے ذبح سے (چھری کو) روک دیا اور اسماعیل ﷺ کو بچا لیا اور ابراہیم ﷺ کو ندا دی۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا تم نے خواب سچ کر دکھایا

یعنی تمہارے اختیار میں جو کچھ تھا وہ تم نے پورا کر دیا کیونکہ ہم کو ... کا مقصد صرف آزمائش اور اس امر کا امتحان کہ بلا تغیر بندہ حکم کی تعمیل کرتا ہے یا نہیں امر کی اس کے سوا کوئی غرض نہیں ہوتی۔ ابراہیم نے امر ذبح کی پوری تعمیل کی اور اپنی دانست میں ذبح کر ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ (تفسیر مظہری)

علامہ انور شاہؒ کی عجیب توجیہ:

حضرت استاذ مولانا سید انور شاہ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم نے خواب میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ ابھی ذبح کر چکے، میں نے ذبح کر دیا، بلکہ یہ دیکھا تھا کہ اِنِّیْۤ اَذْبَحُكَ کہ میں ذبح کر رہا ہوں یعنی ذبح کا عمل یعنی گردن پر چھری چلانا وہ کر رہا ہوں، سو تم کرنے سے وہ خواب میں سچے ہو گئے جتنا خواب دیکھا تھا اتنا پورا ہو گیا۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ
ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنیوالوں کو بے شک یہی ہے

الْبَلٰٓـؤُا الْمُبِيْنُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝
صریح جانچنا اور اس کا بدلہ دیا ہم نے ایک جانور ذبح کرنے کو بڑا

نیکی کا بدلہ:
یعنی ایسے مشکل حکم کر کے آزماتے ہیں، پھران کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ تب درجے بلند دیتے ہیں۔ تورات میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو قربان کرنا چاہا، اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ روک، تو فرشتے نے یہ الفاظ کہے "خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا۔ میں تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریت کی طرح پھیلاؤں گا۔" (تورات تکوین باب ۲۲ آیت ۵) یعنی بڑے درجہ کا جو بہشت سے آیا، بڑا قیمتی ذبیحہ تھا۔ پھر یہی رسم قربانی کی اسماعیل علیہ السلام کی عظیم الشان یادگار کے طور پر ہمیشہ کے لئے قائم کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا، روایت میں آیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے ایک آواز سنی تو نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور پر جبرئیل علیہ السلام نظر آئے جن کے ساتھ ایک سینگوں والا مینڈھا تھا جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کے بیٹے کا فدیہ ہے اس کی قربانی کر دیجئے اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے تکبیر کہی اور مینڈھے نے بھی تکبیر کہی اور ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے نے بھی تکبیر کہی پھر آپ نے قربان گاہ میں اس مینڈھے کو ذبح کر دیا۔ بچے بیٹے وفدیہ تھے، سے وے تو حقیقت میں ابراہیم علیہ السلام تھے لیکن قربانی کا جانور اللہ کا عطا کردہ تھا اور اللہ نے جانور کو بجائے اسمعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اس لئے فدینہ میں فعل فدیہ کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ وہ مینڈھا جس کی اسماعیل علیہ السلام کی جگہ ابراہیم علیہ السلام نے قربانی پیش کی تھی وہی مینڈھا تھا جس کی آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل علیہ السلام نے قربانی پیش کی تھی۔

مسئلہ: اس آیت سے حنفیہ نے استدلال کیا ہے کہ جس شخص نے اپنے بیٹے کے قربان کرنے کی نذر مانی ہو اس پر ایک بکری کی قربانی لازم ہے۔

(حضرت مفسر نے کہا) میں کہتا ہوں کہ سورۂ حج کی آیت **وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ** کی تفسیر میں اس مسئلہ کی وضاحت کر دی ہے۔ قیاس کا تقاضہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں کچھ بھی واجب نہ ہو (نہ بیٹے کو قربان کرنا نہ بکری کو) کیونکہ یہ گناہ کی منت ہے امام ابو یوسف کا یہی قول ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے (خلاف قیاس) استحسان کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ بکری کی قربانی لازم ہے کیونکہ جب حقیقت شرعاً واجب الترک ہو تو مجازی معنی متعین ہو جاتا ہے۔ پس جب کسی نے بیٹے کو قربان کرنے کی نذر مانی تو ظاہر ہے بیٹے کی قربانی واجب الترک ہے اس لئے ہم کہیں گے کہ بیٹے کے قائم مقام بکری کی قربانی کرنے کا خود اپنے اوپر التزام کیا۔ بکری کی قربانی کی تعیین اس لئے ہوئی کہ اللہ نے اسمعیل علیہ السلام کی جگہ مینڈھے کی قربانی کا حکم دے دیا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی پر فتویٰ دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

مینڈھا جس کی بابت حضرت علی سے راوی ہیں کہ وہ مینڈھا شبیر پہاڑ سے اترا تھا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ وہ مینڈھا تھا جس کو ہابیل نے قربان کیا تھا اور اللہ نے اس کو قبول کیا تھا اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک وہ جنت میں چرتا رہا یہاں تک کہ وہ جنت میں حضرت اسمٰعیل کے فدیہ کیلئے اتارا گیا دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۰۷ ج ۱۵ اس طرح سے فدیہ نے اسمٰعیل کی جان بچائی اور آئندہ بیٹے کی قربانی کا قانون ختم کر دیا کہ لوگوں کو چاہئے کہ سنت ابراہیمی کے متعلق قربانی کیا کریں اور جو شخص حیوان کی قربانی کرے گا اس کو ذبح ولد کا ثواب ملے گا۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر حضور ﷺ نے فرمایا، میں نے بھیڑ کے سینگ بیت اللہ شریف کی داخل کے وقت اندر دیکھے تھے اور مجھے یاد نہ رہا کہ میں تجھے ان کے ڈھانک دینے کا حکم دوں، جاؤ اسے ڈھک دو بیت اللہ میں کوئی ایسی چیز نہ ہونی چاہئے جو نمازی کو اپنی طرف متوجہ کرے۔ حضرت سفیان فرماتے ہیں، اس بھیڑے کے سینگ بیت اللہ میں ہی رہے یہاں تک کہ جب ایک مرتبہ بیت اللہ میں آگ لگ گئی، اس میں وہ جل گئے، یہ واقعہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے اسی وجہ سے ان کی اولاد قریش تک یہ سینگ برابر وراثتاً چلے آئے یہاں تک کہ حضور ﷺ کو خدا تعالیٰ نے مبعوث فرمایا، واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ
اور باقی رکھا ہم نے اس پر پیچھے لوگوں میں کہ
سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
سلام ہے ابراہیم پر

آج تک دنیا ابراہیم علیہ السلام کو بھلائی اور بزرگی سے یاد کرتی ہے، علی نبینا و علیہ الف الف سلام و تحیة

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ
ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنے والوں کو
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ
وہ ہے ہمارے ایماندار بندوں میں ☆

یعنی ہمارے اعلیٰ درجہ کے ایماندار بندوں میں۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ
اور خوشخبری دی ہم نے اس کو اسحٰق کی جو نبی ہوگا نیک بختوں میں

دوسری خوشخبری:

معلوم ہوا وہ پہلی خوشخبری اسمٰعیل علیہ السلام کی تھی اور سارا قصہ ذبح کا اُن ہی پر تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بشارت دی کہ ہم تم کو ایک بیٹا عنایت کریں گے جس کا نام اسحاق علیہ السلام ہوگا اور جس کی نبوت کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے، اور جو صالحین میں سے ہوگا، نبوت کے بعد صالح ہونے کا ذکر [illegible] اسحاق علیہ السلام کی عظمت شان اور تعریف کو ظاہر کر رہا ہے اور [illegible] بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اصلاح ہی نبوت کا ہدف اصلی ہے نبوت سے تمام (افکار و اعمال) کی درستگی ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا
اور برکت دی ہم نے اُس پر اور اسحٰق پر اور دونوں کی اولاد میں
مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿۱۱۳﴾
نیکی [illegible] ہیں اور بدکار بھی ہیں اپنے حق میں [illegible]

اولادِ ابراہیم میں برکت:

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ دونوں کہا دونوں بیٹوں کو دونوں سے بہت اولاد پھیلی اسحٰق کی اولاد میں انبیاء بنی اسرائیل ہوئے" اور اسمٰعیل کی اولاد میں عرب ہیں جن میں ہمارے پیغمبر مبعوث ہوئے۔ یعنی اولاد میں سب یکساں نہیں۔ اچھے بھی جو بڑوں کا نام روشن رکھیں اور برے بھی جو اپنی بدکاریوں کی وجہ سے ننگ خاندان کہلانے کے مستحق ہیں (تنبیہ) عموماً مفسرین نے "وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا" کی ضمیر "ابراہیم" و "اسحٰق" کی طرف راجع کی ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ نے "اسمٰعیل و اسحٰق" کی طرف راجع کر کے مضمون میں زیادہ وسعت پیدا کر دی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ۚ وَنَجَّيْنٰهُمَا
اور ہم نے احسان کیا موسٰی اور ہارون پر اور بچا دیا
وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۱۵﴾ۚ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا
ہم نے ان کو [illegible] کی قوم کو اس بڑی گھبراہٹ سے [illegible]
هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ۚ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ۚ
تو رہے وہی غالب اور ہم نے دی ان کو کتاب واضح ☆
وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۱۸﴾ۚ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا
اور بتھائی اُن کو سیدھی راہ اور باقی رکھا ان پر

فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ۙ سَلٰمٌ عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ
پیچھے لوگوں میں [illegible]
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾
[illegible] تحقیق وہ دونوں ہیں [illegible]

یعنی فرعون اور اسکی قوم کے ظلم و ستم سے نجات دی۔ اور بحر قلزم سے نہایت آسانی کے ساتھ پار کر دیا۔

یعنی فرعونیوں کو بے [illegible] غرق کر کے بنی [illegible] غالب و منصور کیا اور بالآخر [illegible] اموال و املاک کا وارث بنایا۔

یعنی تورات شریف جس میں احکام الٰہی بہت تفصیل و ایضاح سے بیان ہوئے ہیں۔

یعنی افعال و اقوال میں استقامت بخشی اور [illegible] میں سیدھی راہ پر چلایا جو عصمت انبیاء کے لوازم میں سے ہے۔

یعنی ہمارے کامل ایماندار بندوں میں سے ہیں۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ؕ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾
اور تحقیق الیاس ہے رسولوں میں جب اُس نے کہا اپنی قوم کو کیا تم کو ڈر نہیں
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ۙ
کیا تم پکارتے ہو بعل کو اور چھوڑتے ہو [illegible]

حضرت الیاس علیہ السلام:

حضرت الیاس علیہ السلام بعض کے نزدیک حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں اللہ نے ان کو ملک شام کے ایک شہر "بعلبک" کی طرف بھیجا۔ وہ لوگ "بعل" نامی بت کو پوجتے تھے۔ حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کو خدا کے عذاب اور بت پرستی کے انجام بد سے ڈرایا۔ (تفسیر [illegible])

نسب: محمد بن اسحاق نے حضرت الیاس علیہ السلام کا نسب اس طرح بیان کیا ہے الیاس بن بشیر بن فنحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران

بنی اسرائیل کی گمراہی:

محمد بن اسحاق کا بیان ہے اصحاب روایت کہتے ہیں کہ جب [illegible] سے پہلے جو پیغمبر تھے ان کی وفات ہوگئی تو بنی اسرائیل میں نئی نئی بدعتیں بڑھ گئیں، شرک پھیل گیا، بت نصب کر دیے گئے، بتوں کی پوجا ہونے لگی، اللہ نے ان کی ہدایت کیلئے الیاس علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کی بعثت اس غرض سے ہوتی تھی کہ توریت کے جو [illegible] ہوئے احکام کو از سر نو تازہ کر دیا جائے بنی اسرائیل ملک شام میں پھیلے ہوئے تھے اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت یوشع علیہ السلام بن نون نے جو ملک شام فتح کیا تھا

وہاں بنی اسرائیل کو بسا دیا تھا اور ان میں سے ایک سبط (خاندان) کو بعلبک اور اس کے اطراف میں آباد کر دیا تھا، انہیں میں سے الیاس علیہ السلام پیغمبر ہوئے، اللہ نے ان کی ہدایت کیلئے الیاس علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔

بادشاہ اس زمانہ میں بعلبک کا بادشاہ اخب تھا، اخب نے بنی اسرائیل کو بت پرستی پر مجبور کیا کیونکہ وہ خود بت پرست تھا بعل نامی بت کی پوجا کرتا تھا، یہ بت دس ہاتھ لمبا تھا اور اس کے چار منہ تھے، حضرت الیاس علیہ السلام تنہا اللہ کی عبادت کی ان کو دعوت دیتے تھے لیکن آپ کی بات کوئی نہیں سنتا تھا صرف بادشاہ کے حکم کو مانتے تھے اور بادشاہ بت کو مانتا اور اس کی پوجا کو صحیح قرار دیتا تھا، الیاس علیہ السلام بادشاہ کو بھی راہ راست دکھاتے اور اس کے احکام کی درستی کرتے رہتے تھے۔

قاتلہ ملکہ: بادشاہ کی ایک بیوی تھی جس کا نام ازبیل تھا، بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی لڑائی پر یا اور کسی غرض سے ملک سے باہر جاتا تھا تو ازبیل کو اپنا جانشین بنا جاتا تھا عورت باہر نکل کر حکومت کرتی تھی اور انبیاء کی (بڑی دشمن اور) زبردست قتالہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ یحییٰ علیہ السلام بن زکریا علیہ السلام پیغمبر کو بھی اسی نے قتل کرایا تھا، اس کا ایک پیشکار تھا جو دانشمند مرد مومن تھا، اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا اس نے تین سو انبیاء کو جن کو قتل کرنے کا ازبیل نے ارادہ کر لیا تھا اس قتالہ کے پنجے سے رہائی دلائی تھی اور جن انبیاء کو یہ قتل کر چکی ان کو قتل کر چکی تھی (ان کا تو ذکر ہی نہیں) یہ عورت بجائے خود با عصمت بھی نہیں تھی سات اسرائیلی پیغمبروں سے نکاح کر چکی تھی اور ہر ایک کو دھوکے سے اس نے قتل کر دیا تھا، اس کی عمر بہت تھی، روایت میں آیا ہے کہ اس کی ستر اولادیں ہوئیں۔

نیک ہمسایہ ملکہ کے ظلم کا شکار ہوا:

بادشاہ اخب کا ایک ہمسایہ بڑا مرد صالح تھا، جس کا نام مزدکی تھا اس کا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا جس پر اس کا گذر بسر تھا اسی کی درستی اور اصلاح میں وہ مشغول رہتا تھا یہ باغیچہ شاہی قصر کے برابر تھا بادشاہ اور اس کی بیگم دونوں اس باغیچہ میں سیر تفریح کرتے وہاں کھاتے پیتے اور غسل کرتے تھے اخب اپنے ہمسایہ سے اچھا سلوک کرتا تھا لیکن اس کی بیوی ازبیل ہمسایہ سے جلتی تھی اور کسی حیلے بہانے سے اس کو قتل کر دینا چاہتی تھی تاکہ باغیچہ چھین لے کیونکہ لوگوں میں باغیچہ کی بڑی شہرت تھی اور لوگ اس کی خوبصورتی کی بہت تعریف کرتے تھے اخب اپنی بیوی کو روکتا رہتا تھا اس لئے بی بی کو مقصد برآری کا کوئی راستہ نہیں ملتا تھا، ایک بار ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ دور کے سفر پر چلا گیا اور طویل مدت تک اپنے ملک سے غیر حاضر رہا ازبیل نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کچھ لوگوں کو حکماً اس امر پر آمادہ کر لیا کہ وہ مزدکی کے خلاف شہادت دیں اور یہ کہیں کہ مزدکی نے بادشاہ کو ہمارے سامنے گالی دی ہے اس زمانہ کا یہ قانون تھا کہ بادشاہ کو گالی دینے والے کی سزا قتل تھی ملکہ نے شہادت مرتب کرلی تو مزدکی کو طلب کیا اور اس سے کہا تو نے بادشاہ کو گالی دی ہے مجھے یہ اطلاع ملی ہے مزدکی نے انکار کیا ملکہ نے گواہوں کو بلوایا گواہوں نے مزدکی کے خلاف جھوٹی شہادت دی ملکہ نے مزدکی کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور اس کے باغیچے پر خود قبضہ کر لیا اس بندہ صالح کے (ناحق ظلماً) قتل کئے جانے پر وہ لوگ غضب خداوندی میں مبتلا ہوگئے۔

بادشاہ کا افسوس

بادشاہ سفر سے واپس آیا تو ملکہ نے اس کو یہ خبر سنائی بادشاہ نے کہا تو نے اچھا نہیں کیا میرا خیال ہے کہ ہم آئندہ فلاح نہیں پاسکیں گے ایک مدت سے وہ ہمارے پڑوس میں رہتا تھا اور ہم نے بھی اس کا پڑوسی اچھی طرح نباہا تھا اور ہر طرح کی ایذارسانی کو اس سے دور رکھا تھا کیونکہ اس کا حق ہم پر واجب تھا لیکن تو نے بدترین سلوک کے ساتھ اس کا کام تمام کر دیا۔ عورت بولی مجھے تو آپ کی وجہ سے غصہ آیا اور آپ ہی کے فیصلہ کے موافق میں نے فیصلہ کیا بادشاہ نے کہا کیا تیرے لئے برداشت کی گنجائش نہ تھی کہ اس کے حق ہمسائیگی کا لحاظ کرتی عورت نے کہا اب تو جو کچھ ہوگیا سو ہوگیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی بعثت:

اللہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو شاہ اخب اور اس کی قوم کے پاس یہ اطلاع دینے کیلئے بھیجا کہ اللہ کے ولی کو جب لوگوں نے ظلم سے قتل کر دیا تو اس حرکت سے اللہ سخت ناراض ہوگیا اور اس نے قسم کھا کر فرمایا ہے کہ اگر بادشاہ اور اس کی ملکہ اپنی حرکت سے توبہ نہیں کریں گے اور باغیچہ مزدکی کے وارثوں کو واپس نہیں دیں گے تو اللہ ان کو تباہ کر دے گا اور باغیچہ کے اندر ہی دونوں کی مردار لاشیں پھینک دے گا کہ ان کی ہڈیاں گوشت سے ننگی ہو جائیں گی۔

بادشاہ کا انکار و عداوت:

الیاس علیہ السلام نے بحسب الحکم یہ پیغام پہنچا دیا، بادشاہ یہ بات سن کر سخت غضب ناک ہوگیا اور کہنے لگا الیاس علیہ السلام تو جس بات کی مجھے دعوت دے رہا ہے وہ غلط ہے فلاں فلاں بادشاہوں نے ہماری طرح بتوں کی پوجا کی اس کے باوجود وہ کھاتے رہے مزے اڑاتے رہے، حکومت کرتے رہے اور جس بات کو تو باطل (غلط اور بے حقیقت) قرار دے رہا ہے ان کو اس باطل پرستی سے کوئی دنیوی نقصان نہیں پہنچا اور ہم اپنے خیال میں ان سے برتر نہیں ہیں غرض بادشاہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کرنے اور دکھ پہنچانے کا ارادہ کر لیا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی ہجرت:

حضرت الیاس علیہ السلام کو جب بادشاہ کی شرارت کا احساس ہوگیا تو آپ اس کو چھوڑ کر چل دیئے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر کہیں سکونت پذیر ہوگئے بادشاہ دوبارہ بعل کی پوجا کرنے لگا، الیاس علیہ السلام کسی بڑے اونچے دشوار گذار پہاڑ پر

چڑھ گئے اور وہاں ایک غار میں داخل ہو گئے بعض روایت میں آیا ہے کہ سات برس آپ نے آوارگی خوف (اور خانہ بدوشی) کی حالت میں چھپتے چھپاتے زمین کی گھاس اور درختوں کے پھل کھا کر گزارے اور بادشاہ کے آدمی آپ کی تلاش میں رہے آپ کے پیچھے جاسوس بھی لگا دیے۔ لیکن اللہ نے آپ کو پوشیدہ رکھا۔

شہزادے کا بیمار ہونا:

سات سال پورے ہو گئے تو اللہ نے آپ کو برآمد ہونے اور قوم سے انتقام لینے کی اجازت عطا فرمائی چنانچہ اُجب کا سب سے پیارا بیٹا جو باپ کا بہت زیادہ ہم شکل تھا بحکم خدا اتنا سخت بیمار ہو گیا کہ باپ کو اس کی طرف سے ناامیدی ہو گئی، اُجب نے اپنے معبود بعل سے دعاء کی (لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا) اُجب اور اس کی رعایا سب بعل کی پرستش میں مبتلا تھے اس کی تعظیم اس حد تک کرتے تھے کہ اس کی نگرانی اور خدمت کیلئے چار سو مجاور مقرر کر رکھے تھے جن کو وہ انبیاء کہتے تھے شیطان بعل کے پیٹ میں گھس کر بولتا تھا اور یہ خدام کان لگا کر اس کا کلام سنتے تھے، شیطان کوئی گمراہ کن قانون مجاوروں کے دلوں میں ڈال دیتا تھا اور مجاور وہ حکم لوگوں کو بتا دیتے تھے اسی لئے ان مجاوروں کو انبیاء کہا جاتا تھا۔

شہزادے کی صحت کے بارے میں بتوں کی ناکامی:

شہزادے کی بیماری جب شدت پکڑ گئی تو اس نے مجاوروں سے درخواست کی کہ بعل سے اس کے بیٹے کی صحت کیلئے سفارش کریں مجاوروں نے بعل سے دعاء کی لیکن بعل نے کوئی جواب نہ دیا، اللہ نے شیطان کو بت کے اندر گھسنے سے روک دیا اس لئے بت بول نہ سکا اور مجاور اس کے سامنے گڑگڑاتے رہے جب مجاوروں کو زاری کرتے اور گڑگڑاتے زیادہ وقت ہو گیا (اور کوئی نتیجہ نہ نکلا یہاں تک کہ بت نے کوئی بات بھی نہ کی)۔

لوگوں کا مشورہ:

لوگوں نے اُجب سے کہا، طرف شام میں کچھ معبود اور ہیں آپ ان انبیاء کو ان کے پاس بھیجئے تاکہ وہ بعل سے سفارش کریں بعل آپ سے سخت ناراض معلوم ہوتا ہے اگر ناراض نہ ہوتا تو جواب ضرور دیتا اور آپ کی دعاء قبول کر لیتا۔ اُجب نے کہا بعل مجھ سے ناراض کیوں ہے میں تو اس کی پوجا کرتا اور اس کے حکم کو مانتا ہوں، لوگوں نے کہا بعل کی ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اب تک الیاس کو قتل نہیں کیا اُس کے قتل کرنے میں آپ کی کوتاہی ہوئی کہ وہ صحیح سالم بچ کر چلا گیا اور وہ آپ کے معبود کا منکر ہے اُجب نے کہا میں الیاس علیہ السلام کو کیسے قتل کر سکتا ہوں میں تو اپنے بیٹے کی بیماری میں لگا ہوا ہوں، میری یہی مشغولیت الیاس علیہ السلام کی تلاش سے روک رہی ہے اور الیاس علیہ السلام کا مقام بھی مجھے معلوم نہیں کہ وہاں سے اس کو گرفتار کر لیا جائے میرا بیٹا اچھا ہو جائے تو الیاس علیہ السلام کو ڈھونڈھنے کی مجھے فراغت مل جائے گی، پھر میں اس کو نہیں چھوڑوں گا قتل کر دوں گا اور اپنے معبود کو خوش کر دوں گا اس کے بعد اُجب نے چار سو انبیاء مجاوروں کو طرف شام کے بتوں کے پاس یہ درخواست کرنے کیلئے بھیجی کہ وہ اُجب کے معبود سے بیٹے کو تندرست کر دینے کی سفارش کر دیں حسب الحکم انبیاء روانہ ہو گئے جب یہ لوگ پہاڑ کے سامنے پہنچے جس میں الیاس علیہ السلام سکونت پذیر تھے تو اللہ نے الیاس علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اب تم نیچے اتر کر ان کے سامنے جاؤ اور ان سے گفتگو کرو، ان سے کوئی خوف نہ کرو میں ان کی شرارت کو تمہاری طرف سے پھیر دوں گا یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دوں گا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی دعوت حق

حسب الحکم الیاس علیہ السلام پہاڑ سے اتر آئے جب ان کے سامنے پہنچے تو ان کو ٹھہر جانے کا حکم دیا سب رک گئے حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا اللہ نے مجھے تمہارے پاس اور ان لوگوں کے پاس جن کو تم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو ایک پیام دے کر بھیجا ہے لوگو! اپنے رب کا پیام خوب سن لو اور واپس جا کر اپنے آقا کو بھی پہنچا دو اور اس سے کہہ دو کہ اللہ فرماتا ہے۔

اے اُجب کیا تو نہیں جانتا کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں میں ہی بنی اسرائیل کا خدا ہوں جس نے ان کو پیدا کیا اور رزق دیا ہے وہی ان کو زندگی عطا کرتا ہے اور موت دیتا ہے کیا وجہ ہے کہ تو دوسروں کو میرا شریک قرار دیتا اور میرے سوا ان سے اپنے بیٹے کی شفاء مانگتا ہے جن کے قبضہ میں اگر میں نہ چاہوں تو کچھ بھی نہیں۔ میں اپنے نام کی قسم کھاتا ہوں کہ تیرے بیٹے کے سبب میں تجھے ضرور غضب میں مبتلا کروں گا اور ضرور ضرور اس کو موت کے حوالہ کر دوں گا تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میرے سوا کوئی بھی اس کیلئے کچھ نہیں کر سکتا۔

مجاوروں کی واپسی:

حضرت الیاس علیہ السلام کا یہ کلام سن کر مجاور خوف زدہ ہو گئے اور لوٹ پڑے اور بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس کو بتایا کہ الیاس علیہ السلام ہمارے پاس اتر کر آیا تھا اور اس نے ہم کو ٹھہر جانے کا حکم دیا ہم ٹھہر گئے ہمارے دلوں میں اس کا رعب بیٹھ گیا اور ہیبت چھا گئی ہماری زبانیں بند ہو گئیں ہم اتنی بڑی تعداد میں تھے لیکن اس سے بات بھی نہ کر سکے نہ اس کی بات کا جواب دے سکے وہ ایک دراز قامت دبلا پتلا آدمی تھا سر کے بال جھڑ گئے تھے بدن کی کھال کھردری ہو گئی تھی بالوں کا بنا ہوا ایک کرتہ اور جبہ پہنے ہوئے تھا کانٹوں سے اس نے کرتے کا گریبان سی لیا تھا، آخر ہم آپ کے پاس لوٹ آئے غرض حضرت الیاس علیہ السلام کی بات انہوں نے بادشاہ کو پہنچا دی۔

بادشاہ کا فریب:

اس کے بعد الیاس علیہ السلام کے زندہ رہتے ہوئے اُجب کو اپنی زندگی بے

سود معصوم ہونے لگی، لیکن بغیر دھوکے اور فریب کے الیاس علیہ السلام تک اس کی دسترس بھی ممکن نہ تھی اس لئے (اس نے ایک چال چلی) اپنی قوم کے پچاس طاقتور قوی آدمی مقرر کئے اور ان کو ذمہ دار بنادیا اور حکم دے دیا کہ فریب سے کام لیں اور دھوکے میں ڈال کر الیاس علیہ السلام کو قتل کر دیں اور الیاس علیہ السلام کو جا کر لالچ دیں کہ ہم اور وہ لوگ جن کو ہم اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں سب کے سب آپ پر ایمان لے آئے ہیں ایسی باتیں سن کر الیاس علیہ السلام کو اطمینان ہو جائے گا اور وہ دھوکا کھا جائیں گے اور اپنے آپ پر تم لوگوں کو قابو دیں گے تم ان کو لے کر بادشاہ کے پاس آجانا، حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہو گئے اور جس پہاڑ میں الیاس علیہ السلام سکونت گزین تھے جب اس پر چڑھے تو منتشر ہو گئے اور انتہائی اونچی آواز سے الیاس علیہ السلام کو پکارنے لگے اور کہنے لگے اے اللہ کے نبی آپ ہم پر کرم کیجئے اور ہمارے سامنے آجائیے ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں اور آپ کو سچا جانتے ہیں اور ہمارا بادشاہ اجب اور سارے لوگ بھی آپ پر ایمان لا چکے ہیں، تمام بنی اسرائیل آپ کو سلام کہتے ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ آپ کا پیام ہم کو پہنچ گیا اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے اس کو جان لیا اور آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کی دعوت کو قبول کر لیا اب آپ ہمارے پاس آجائیے اور ہمارے ساتھ قیام فرمائیے جو کچھ ہم کو آپ حکم دیں گے ہم اس کی اطاعت کریں گے اور جس بات سے روکیں گے اس سے باز رہیں گے اب جب کہ ہم آپ پر ایمان لا چکے ہیں اور آپ کے فرمانبردار ہو گئے ہیں تو آپ کے لئے ہم سے الگ رہنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے ہمارے پاس واپس آجائیے۔

دھوکے بازوں پر آگ کا برسنا:

ان لوگوں کی یہ باتیں ایک دھوکہ تھیں، ایک فریب تھا، حضرت الیاس علیہ السلام کے دل میں ان کا کلام بیٹھ گیا آپ کو ان کے مؤمن ہونے کا خیال بھی ہوا اور (ایسی حالت میں) برآمد نہ ہونے سے اللہ (کی ناراضگی) کا اندیشہ بھی ہوا لیکن اللہ کی طرف سے اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ ابھی توقف کرنا چاہئے اور اللہ سے دُعاء کرنی چاہئے چنانچہ آپ نے (دعا کی اور) کہا اے اللہ اگر یہ لوگ اپنے قول میں سچے ہیں تو مجھے برآمد ہونے کی اجازت عطا فرما دے اور اگر یہ جھوٹے ہیں تو ان کو مجھ سے باز رکھ اور ان پر یہی آگ برسا جو ان کو سوختہ کر دے، ابھی یہ لفظ پورے نہ ہونے پائے تھے کہ اوپر سے آگ برسنے لگی اور سب جل کر رہ گئے۔

دوسرا دھوکہ اور ہلاکت:

اُجب اور اس کی قوم کو جب یہ اطلاع ملی تب بھی اجب اپنے ارادۂ شر سے باز نہیں آیا اور دوبارہ فریب سے کام لیا اور پہلی جماعت کی برابر ایک اور جماعت مقرر کی، جو پہلی جماعت سے زیادہ طاقتور بڑی حیلہ ساز اور چالاک تھی، حسب ہدایت یہ لوگ چل دیے اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پھیل گئے اور پکارنے لگے، اے اللہ کے نبی ہم اللہ کے غضب اور گرفت سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں وہ لوگ جو آپ کے پاس پہلے آئے تھے ہم ان کی طرح نہیں ہیں وہ تو منافق تھے ہمارے مشورے کے بغیر وہ آپ کو فریب دینے چلے آئے تھے اگر ہم کو ان کی حرکت کا علم ہو جاتا تو ہم ان کو قتل کر دیتے اور آپ کو تکلیف نہ اٹھانی پڑتی، اب اللہ نے ان کا کام تمام کر دیا، ان کو ہلاک کر دیا اور ہمارا اور آپ کا ان سے انتقام لے لیا حضرت الیاس علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر سابق کی طرح اللہ سے دعاء کی اللہ نے فوراً ان پر آگ کی بارش کر دی جس سے سب سوختہ ہو گئے۔

تیسری کارروائی:

اس تمام کارروائی کے دوران شہزادہ کی بیماری کی مصیبت شدید ہوتی رہی بادشاہ نے جب دوسرے گروہ کے ہلاک ہو جانے کی خبر سنی تو اس کا غضب بڑے غضب ہو گیا اور خود الیاس علیہ السلام کی تلاش میں جانا چاہا لیکن بیٹے کی بیماری آڑے آئی اور خود نہ جا سکا۔

ایک شخص اجب کی بیوی کا میر منشی یا سیکریٹری تھا اور (اندرون) مؤمن تھا (لیکن بادشاہ کو اس کا مؤمن ہونا معلوم نہ تھا) بادشاہ نے اس کو بھیجنے کی تجویز اس خیال سے کی کہ الیاس علیہ السلام اس سے مانوس ہیں۔ اس کے ساتھ پہاڑ سے اتر کر آجائیں گے اور چونکہ سیکریٹری کا مؤمن ہونا بادشاہ کو معلوم نہ تھا اور یہ جاننے کے باوجود اس نے سیکریٹری کی طرف سے چشم پوشی محض اس کی کارگزاری، امانت داری اور درستی رائے کی وجہ سے کر رکھی تھی اس لئے اس نے سیکریٹری پر یہی ظاہر کیا کہ میں الیاس علیہ السلام سے کوئی بدسلوکی کرنا نہیں چاہتا۔ سیکریٹری کے ساتھ اس نے چند آدمیوں کی ایک جماعت اور بھی کر دی اور اس بات پر آمادہ کر دیا تھا کہ اگر الیاس علیہ السلام ساتھ آنا نہ چاہتے تو گرفتار کر کے باندھ کر لے آئے اور اگر سیکریٹری اطمینان سے ساتھ آجائے تو پھر خوف زدہ کرنے اور ڈرانے کی ضرورت نہیں، سیکریٹری پر اس نے اپنی توبہ کا اظہار بھی کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اب جب کہ میرے آدمی جل چکے اور میرا بیٹا سخت بیمار ہے اور یہ سب مصیبتیں مجھ پر پڑی ہیں تو میں سمجھ گیا کہ یہ سب کچھ الیاس علیہ السلام کی بددعا کا نتیجہ ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ الیاس علیہ السلام ہم سب لوگوں کے لئے جو باقی رہ گئے ہیں بددعا کریں گے تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے اس لئے تم الیاس علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ ہم نے توبہ کر لی ہے اور (اللہ کی طرف) رجوع کر چکے ہیں اور اب ہماری توبہ اور رضاء رب کی طلب اور ترک اصنام کا عمل اسی وقت صحیح ہو گا جب الیاس علیہ السلام ہمارے پاس موجود ہوں اور امر و نواہی صادر کریں اور رب کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ بتائیں، بادشاہ نے اپنے ساتھیوں کو بھی ہدایت کر دی تھی اور اس کے حکم کے مطابق علیحدگی میں انہوں نے بھی سیکریٹری کے سامنے

اعتراف کر لیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جن بتوں کی ہم پہلے پوجا کرتے تھے ان کی پوجا ہم نے چھوڑ دی ہے اور الیاس علیہ السلام کے آنے تک ہم نے اس معاملہ کو ملتوی کر رکھا ہے تا کہ وہی آ کر ان کو جلا دیں اور برباد کر دیں ان باتوں میں سے کسی بات میں خلوص نہ تھا بلکہ یہ سب کچھ بادشاہ کا فریب تھا۔

غرض سکریٹری اور اس کے ساتھ ایک جماعت سب روانہ ہو گئے اور حضرت الیاس علیہ السلام والے پہاڑ پر سکریٹری چڑھ گیا اور حضرت الیاس علیہ السلام کو پکارا آپ نے اس کی آواز پہچان لی دل میں اس سے ملنے کا شوق پہلے ہی تھا، آواز سن کر ملاقات کی ایک ہوک اٹھی فوراً اللہ کی طرف سے وحی بھی آ گئی کہ باہر نکل آؤ اور اپنے صالح بھائی سے ملو اور اس سے (دوستی کے) عہد کی تجدید کرو وحی آتے ہی حضرت الیاس علیہ السلام سکریٹری کے سامنے آ گئے سلام علیک اور مصافحہ کیا اور خبر دریافت کی مرد مؤمن نے کہا مجھے اس ظالم اور سرکش قوم نے آپ کے پاس بھیجا ہے اس کے بعد پوری سرگذشت بیان کر دی اور یہ بھی کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ نہ ہونگے اور میں تنہا واپس جاؤں گا تو مجھے خوف ہے کہ بادشاہ مجھے قتل کر دے گا اب جیسا چاہیں آپ مجھے حکم دیں میں اس کی تعمیل کروں گا اگر آپ چاہیں تو میں بادشاہ سے کٹ کر آپ کے پاس ہی رہنے لگوں اور اس کو بالکل چھوڑ دوں اور اگر آپ چاہیں تو آپ کے ہم کاب رہ کر میں اس سے مقابلہ کروں اور اگر آپ کا ارادہ کچھ پیام دے کر مجھے اس کے پاس بھیجنے کا ہو تو میں آپ کا پیام بھی پہنچا دوں گا اور اگر آپ چاہیں تو اپنے رب سے دعاء کریں کہ وہ ہمارے اس (اُلجھے ہوئے) معاملہ میں کشائش کا کوئی راستہ نکال دے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی واپسی:

اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ جتنی حرکتیں کی ہیں سب فریب اور دھوکہ ہیں وہ تمہارے اوپر قابو پانا چاہتے ہیں، بادشاہ اجب وہ اگر اس کے بھیجے ہوئے نمائندے واپس جا کر خبر دیں گے کہ اس مرد (مؤمن) کی تم سے ملاقات ہو گئی ہے اور وہ تم کو اپنے ساتھ نہ لے جا سکا ہے تو وہ اس شخص پر (تم سے مل جانے کی) تہمت لگائے گا اور سمجھ لے گا کہ مرد مؤمن نے تمہارے معاملہ میں سستی سے کام لیا اس لئے اس کے قتل ہو جانے کا اندیشہ ہے تم اس کے ساتھ چلے جاؤ، میں تم دونوں کی طرف سے اُجب کو روک دوں گا، اس کے بیٹے کی مصیبت دوگنی کر دوں گا تا کہ بیٹے کے سوا کسی اور چیز کی اہمیت ہی اس کی نظر میں نہ رہے پھر اسی بری حالت میں میں اس کے بیٹے پر موت کو مسلط کر دوں گا جب وہ مر جائے تو اس وقت تو اس کے پاس سے لوٹ آنا۔

شہزادے کی موت:

حضرت الیاس علیہ السلام یہ حکم ملنے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گئے اور سب لوگ اجب کے پاس پہنچ گئے جونہی یہ لوگ پہنچے اللہ نے اُجب کے بیٹے کی بیماری شدید کر دی یہاں تک کہ موت اس کے گلو گیر ہو گئی اس طرح اللہ نے اجب اور اس کے ساتھیوں کو الیاس علیہ السلام کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں دیا اور الیاس علیہ السلام بخیریت واپس آ گئے۔

سیکرٹری کی نجات:

جب اجب کا بیٹا مر گیا اور لوگ اس کے ماتم سے فارغ ہو گئے اور غم میں بھی کچھ کمی آ گئی تو اس وقت الیاس علیہ السلام کے سلسلے میں ان کی آنکھیں کھلیں اور سیکرٹری جو حضرت الیاس علیہ السلام کو لایا تھا اس سے الیاس علیہ السلام کے متعلق دریافت کیا، سیکرٹری نے کہا مجھے الیاس علیہ السلام کا کوئی علم نہیں، مجھے شہزادے کی موت اور اس کے غم نے فرصت ہی نہیں دی اور میرا خیال تھا کہ آپ نے الیاس علیہ السلام کے متعلق کچھ اعتماد کر لیا ہوگا اس جواب پر سیکرٹری کی طرف سے اُجب نے پہلو تہی کر لی کیونکہ (گفتگو سے معلوم ہو گیا کہ سیکرٹری کو شہزادے کے مرنے کا) سخت غم تھا۔

حضرت الیاس کا حضرت یونس علیہ السلام کی ماں کے پاس جانا اور واپس ہونا

جب حضرت الیاس علیہ السلام کو پہاڑوں میں رہتے ہوئے بہت طویل مدت گذر گئی اور ان کو دوسرے آدمیوں کے ساتھ رہنے کا شوق پیدا ہو گیا تو پہاڑ سے اتر کر چل دیئے اور ایک اسرائیلی عورت کے گھر جا کر ٹھہرے، یہ عورت مچھلی والے حضرت یونس علیہ السلام بن متی کی ماں تھی اس عورت کے گھر آپ چھ ماہ چھپے رہے یونس علیہ السلام اس وقت شیر خوار بچہ تھے یونس علیہ السلام کی ماں حضرت الیاس علیہ السلام کی خدمت خوب کیا کرتی تھی اور اپنے مال سے ان کی مدد کرتی تھی حضرت الیاس علیہ السلام تو پہاڑوں کی سکونت کے عادی ہو چکے تھے، یہاں گھر کی تنگی میں رہنے سے اکتا گئے اور پہاڑ پر ہی چلا جانا آپ نے پسند کیا، آخر گھر سے نکل کر اپنی (کوہستانی) جگہ پر واپس آ گئے۔

یونس علیہ السلام کی موت اور حضرت الیاس علیہ السلام کی تلاش

حضرت الیاس علیہ السلام کی جدائی سے یونس علیہ السلام کی ماں بے تاب ہو گئی اور آپ کے نہ ہونے سے وحشت زدہ ہو گئی کچھ تھوڑی مدت کے بعد جب اس نے اپنے یونس علیہ السلام کا دودھ چھڑایا تو یونس علیہ السلام کا انتقال ہو گیا اب تو یونس علیہ السلام کی ماں پر مصیبت عظیم آ پڑی اور الیاس علیہ السلام کو تلاش کرنے کیلئے گھر سے نکل کھڑی ہوئی اور برابر پہاڑوں پر چڑھتی اور گھومتی پھری آخر آپ کو اس نے پا لیا اور عرض کیا آپ کے آ جانے کے بعد میرے بچے کے مرنے کی مجھ پر بپتا پڑ گئی جس کی وجہ سے میری مصیبت میں بڑا اضافہ ہو گیا اور اس کے نہ ہونے سے میں بڑی دکھی ہو گئی میرا اس کے سوا کوئی اور بچہ بھی نہیں ہے آپ مجھ پر رحم کیجئے اور اللہ سے دعاء کیجئے کہ میرا بیٹا زندہ ہو جائے میں نے اس کو دفن نہیں کیا ہے وہ یونس (اپنے

سے) ڈھانک دیا ہے اور اس کی موجودگی کو چھپا رکھا ہے، حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا مجھے تو اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے (یعنی مردے کو زندہ کرنے کی دعاء کا حکم نہیں دیا گیا ہے) اور میں تو بندہ ہوں وہی کرتا ہوں جسکا مجھے حکم دیا جاتا ہے، عورت یہ جواب سن کر بے قرار ہوگئی اور گڑگڑانے لگی۔

یونس علیہ السلام کا زندہ ہونا:

اللہ نے حضرت الیاس علیہ السلام کے دل کو عورت کی درخواست کی جانب مائل کردیا پوچھا تیرا بیٹا کب مرا ہے، عورت نے کہا سات روز ہوئے حضرت الیاس علیہ السلام اس کے ساتھ چل کھڑے ہوئے اور سات روز چلنے کے بعد اس کے گھر پہنچے اور اسکے بیٹے کو ۱۴ روز کا مردہ پایا آپ نے وضو کیا نماز پڑھی اور دعاء کی اللہ نے یونس علیہ السلام بن متی کو زندہ کردیا یونس علیہ السلام زندہ ہو کر اٹھ بیٹھے جونہی اٹھ کر بیٹھے فوراً حضرت الیاس علیہ السلام اچھل کر اٹھے اور یونس علیہ السلام کو چھوڑ کر چل دیے اور اپنے مقام پر لوٹ گئے۔

تین سال کیلئے قحط:

جب قوم کی نافرمانی بہت طویل ہوگئی تو حضرت الیاس علیہ السلام ان کی نافرمانی سے بڑے تنگدل ہوگئے اللہ نے سات سال کے بعد ان کے پاس وحی بھیجی، آپ نزول وحی سے پہلے بڑے خوف زدہ تھے اللہ نے الیاس کو ندا دی اور فرمایا الیاس علیہ السلام یہ غم اور بے تابی جس میں تو مبتلا ہے کیا ہے کیا تو میری وحی کا امین اور زمین پر میری برہان اور (ساری) مخلوق میں میرا انتخاب کردہ نہیں ہے (جو کچھ چاہے) مجھ سے مانگ لے میں تجھے عطا کردوں گا، میں وسیع رحمت اور بڑے فضل والا ہوں حضرت الیاس علیہ السلام نے عرض کیا تو مجھے موت دے دے اور میرے اسلاف کے ساتھ مجھے ملا دے میں بنی اسرائیل سے تنگ آگیا ہوں اور بنی اسرائیل مجھ سے تنگ دل ہوگئے ہیں اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا یہ وہ دن نہیں کہ میں زمین اور اہل زمین کو تجھ سے خالی کردوں زمین کا قیام اور بہبودی تو تیری اور تجھ جیسے دوسروں لوگوں کی (برکت کی) وجہ سے ہے اگرچہ تم لوگ تھوڑے ہو مجھ سے کچھ اور سوال کر، تیرا سوال پورا کردوں گا حضرت الیاس علیہ السلام نے عرض کیا اگر تو موت نہیں دیتا تو بنی اسرائیل سے مجھے انتقام لینے کی قدرت عطا فرما دے اللہ نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے، الیاس علیہ السلام نے عرض کیا سات سال تک بارش کے خزانے میرے قبضہ میں دے دے کہ میری دعاء کے بغیر کوئی بدلی ان پر نہ بھیجے اور میری سفارش کے بغیر ایک بوند بارش کی ان پر نہ ہو، اس کے بغیر یہ فرمانبردار نہ ہونگے اللہ نے فرمایا الیاس علیہ السلام میں اپنی مخلوق پر بڑا رحیم ہوں اگرچہ وہ ظلم کرتے ہیں (مگر میں ان پر مہربانی کرتا ہوں) الیاس علیہ السلام نے عرض کیا تو چھ سال (بارش روک دے) اللہ نے فرمایا میں اپنی مخلوق پر اس سے زیادہ مہربان ہوں اللہ نے عرض کیا اچھا تو پانچ سال اللہ نے فرمایا یہ (مدت) بھی میرے تقاضہ رحم سے زائد ہے البتہ تین سال میں (بارش روک کر ان کی نافرمانی کا) بدلہ میں تجھے دے دوں گا بارش کے خزانے تیرے قبضہ میں دے دوں گا۔

قحط کے دوران حضرت الیاس علیہ السلام کی غذا کا انتظام

حضرت الیاس علیہ السلام نے کہا پھر میں کس طرح زندہ رہوں گا اللہ نے فرمایا میں پرندوں کی ایک جماعت تیری خدمت پر لگا دوں گا سبزہ زار و شاداب زمین سے وہ تیرا کھانا پینا لا کر تجھے پہنچا دیں گے اس کے بعد اللہ نے بارش روک دی نتیجہ میں جانور چوپائے اور زمین کے کیڑے مکوڑے مرگئے، درخت سوکھ گئے اور انسان سخت ترین مصیبت میں مبتلا ہوگئے، الیاس علیہ السلام اس مدت میں حسب سابق اپنی قوم سے چھپے رہے جہاں بھی ہوتے ان کا رزق وہاں رکھ دیا جاتا تھا قوم والوں کو بھی اس کا احساس ہوگیا اگر کسی گھر کے اندر سے روٹی کی خوشبو محسوس ہوتی تو سمجھ جاتے یہاں الیاس علیہ السلام آیا تھا چنانچہ وہاں الیاس علیہ السلام کو تلاش کرتے (اور الیاس علیہ السلام نہ ملتے تو) گھر والوں کو ان کے ہاتھوں سے بڑا دکھ پہنچتا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی دُعاء سے بڑھیا کے گھر میں برکت۔

حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا تین سال تک بنی اسرائیل قحط کی مصیبت میں مبتلا رہیں گے ایک روز کسی بوڑھیا کی طرف سے آپ کا گذر ہوا آپ نے اس سے فرمایا کیا تیرے پاس کچھ کھانا ہے بڑھیا نے کہا ہاں! کچھ آٹا اور تھوڑا سا روغن زیتون ہے راوی کا بیان ہے حضرت الیاس علیہ السلام نے دونوں چیزیں منگوالیں اور موجود چیزوں میں برکت کی دعاء کی اور ان پر ہاتھ پھیر دیا، فوراً بوڑھیا کا بورا آٹے سے اور مٹکے روغن زیتون سے بھر گئے (اور خود چل دیے) لوگوں نے جب بڑھیا کے پاس یہ چیزیں دیکھیں تو پوچھا یہ چیزیں تیرے پاس کہاں سے آئیں بڑھیا نے حضرت الیاس علیہ السلام کا پورا حلیہ بیان کیا اور کہا اس حلیہ کا ایک آدمی یہاں آیا تھا (اس کی دعاء سے ایسا ہوا) لوگ پہچان گئے کہ وہ الیاس علیہ السلام ہی تھے آخر آپ کو تلاش کرنے ایک جگہ پا لیا لیکن آپ بھاگ گئے اور کسی اسرائیلی عورت کے گھر میں جا کر مقیم ہوگئے۔

ایک بیمار لڑکے کا صحیح ہونا اور ایمان لانا۔

اس عورت کا ایک لڑکا سخت بیمار تھا جس کا نام الیسع بن اخطوب تھا عورت نے حضرت الیاس علیہ السلام کو مکان میں جگہ دی اور چھپا لیا، آپ نے اس لڑکے کے لئے دعاء کی لڑکا تندرست ہوگیا اور حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور آپ کے ساتھ ہولیا پیچھے لگ گیا جہاں الیاس علیہ السلام جاتے وہ لڑکا بھی ساتھ جاتا، حضرت الیاس علیہ السلام اس وقت عمر رسیدہ و کبیر السن ہوچکے تھے الیسع نوجوان تھا۔

وحی: اللہ نے الیاس علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ تو نے بہت مخلوق

کو بارش کو روک دینے کی وجہ سے ہلاک کر دیا وہ مواشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے جو بے قصور تھے بارش بند ہو جانے کی وجہ سے مر گئے (بقول اہل روایت) الیاس علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! اب مجھے ہی تو اجازت دے دے کہ میں ہی ان کے لئے دعاء کروں اور جس دکھ میں یہ پھنسے ہوئے ہیں اس سے رہائی میری ہی دعاء سے ان کو مل جائے اس طرح شاید یہ باز آجائیں اور جس شرک میں مبتلا ہیں اس سے نکل آئیں جواب ملا اچھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام کی دُعاء سے بارش برسنا اور قوم کی عہد شکنی

یہ جواب پانے کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام بنی اسرائیل کے پاس گئے اور فرمایا کوئی شک نہیں کہ تم لوگ بھوک اور دکھ سے ہلاک ہو گئے اور تمہارے گناہوں کی وجہ سے مویشی اور چوپائے اور پرندے اور کیڑے مکوڑے بھی مر گئے اور درخت بھی مردہ ہو گئے تم سب بلاشبہ باطل پرست ہو اگر تم کو اس کا ثبوت درکار ہے تو اپنے بتوں کو میرے سامنے نکال لاؤ اگر وہ تمہاری دُعائیں قبول کر لیں (اور بارش ہو جائے) تو بے شک تمہاری بات سچی ہو گی اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو خود تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم باطل پرست ہو اس وقت تم اپنے خود ساختہ شرک سے نکل آنا پھر میں اللہ سے دُعاء کروں اور وہ تمہاری یہ مصیبت جس میں تم پھنسے ہوئے ہو دُور کر دیگا قوم والوں نے کہا آپ نے انصاف کی بات کی چنانچہ وہ اپنے بتوں کو باہر نکال کر لے آئے اور ان سے دُعائیں کیں جس مصیبت میں گرفتار تھے وہ دُور نہ ہوئیں۔ پھر حضرت الیاس علیہ السلام نے دُعاء کی الیسع بھی آپ کے ساتھ شریک تھے فوراً سطح سمندر پر ایک ڈھال کے برابر بدلی اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی طرف بڑھی اور آفاق پر چھا گئی پھر بحکمِ خدا اس سے اتنی بارش ہوئی کہ مردہ بستیوں میں جان پڑ گئی اور اللہ نے ان کی فریاد رسی کی جب اللہ نے ان کا دکھ دور کر دیا تب بھی انہوں نے وعدہ پورا نہیں کیا اور کفر کو نہ چھوڑا اور اپنی بدترین حالت پر قائم رہے۔

حضرت الیاس کی قوم سے جدائی:

الیاس علیہ السلام نے جب یہ حالت دیکھی تو (مایوس ہو کر) اللہ سے دعاء کی کہ اب مجھے ان لوگوں سے نجات دے (بقول اہل روایت) جواب ملا فلاں تاریخ کا انتظار کرو مقررہ دن آجائے تو فلاں مقام پر چلے جانا اور جو سواری تمہارے پاس آجائے بے دھڑک اس پر سوار ہو جانا۔

حسب الحکم الیاس علیہ السلام اور ان کے ساتھ الیسع نکل کر اس مقام پر پہنچے جہاں پہنچنے کا حکم دیا گیا تھا ایک آتشیں گھوڑا (اور بقول بعض) آگ کے رنگ کا گھوڑا پاس آکر کھڑا ہو گیا الیاس علیہ السلام کود کر اس پر سوار ہو گئے اور گھوڑا آپ کو لے کر روانہ ہو گیا، الیسع علیہ السلام نے پکار کر کہا حضرت میرے متعلق آپ کا کیا حکم ہے، حضرت الیاس علیہ السلام نے فضاء اعلیٰ کی بلندی سے اپنی ایک تحریر پھینک دی، یہ علامت تھی کہ الیسع کو بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے حضرت کا خلیفہ بنا دیا گیا، حضرت الیسع علیہ السلام کی حضرت الیاس علیہ السلام سے یہ آخری ملاقات تھی، اللہ نے الیاس علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے اندر سے نکال کر اوپر اٹھا لیا، الیاس علیہ السلام کو کھانے پینے سے بے نیاز کر دیا اور (فرشتوں جیسے) پر دار بنا دیئے اور ان کو عقلی انسان بنا دیا جو ارضی (انسان) بھی تھے اور سماوی (فرشتہ) بھی۔

بادشاہ اور ملکہ کی ہلاکت:

شاہ اجب اور اس کی قوم پر اللہ کے ایک غیبی دشمن کو مسلط کر دیا گیا لوگوں کی بے خبری میں اس نے ان پر حملہ کر دیا اور اجب اور اس کی بیوی کو ان کے باغ میں قتل کر دیا اور اسی باغیچہ میں ان کی لاشیں پڑی رہیں کہ گوشت پارہ پارہ ہو گیا اور ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں۔

حضرت الیسع پر وحی اور قوم کا ایمان لانا:

اللہ نے وحی کے ذریعے سے اُس واقعہ کی اطلاع الیسع علیہ السلام کو دے دی اور رسول بنا کر بنی اسرائیل کے پاس بھیجا بنی اسرائیل الیسع علیہ السلام پر ایمان لائے، آپ کی عزت کی اور وفات تک آپ کی حکومت بنی اسرائیل پر قائم رہی۔

حضرت خضر و حضرت الیاس کی رفاقت:

سری بن یحییٰ نے عبدالعزیز بن ابی الدرداء کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں بیت المقدس میں ہر رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں اور حج کے موقع پر ہر سال دونوں ملتے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ الیاس علیہ السلام بیابانوں اور خضر سمندروں (کی ڈیوٹی) پر مقرر ہیں (الیاس علیہ السلام جنگلوں میں بھولے بھٹکے کی راہنمائی کرتے ہیں اور خضر بحری مسافروں کی مدد کرتے ہیں) **کذا ذکر البغوی فی تفسیر قولہ تعالیٰ و ان الیاس لمن المرسلین.** (تفسیر مظہری)

بعثت کا زمانہ اور مقام:

قرآن و حدیث سے یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ حضرت الیاس علیہ السلام کب اور کہاں مبعوث ہوئے تھے؟ لیکن تاریخی اور اسرائیلی روایات اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ آپ حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد اور حضرت الیسع علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے جانشینوں کی بدکاری کی وجہ سے بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی تھی، ایک حصہ یہودا یا یہودیہ کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ اسرائیل کہلاتا تھا، اور اس کا مرکز بیت المقدس تھا، اور دوسرا حصہ اسرائیل کہلاتا تھا اور اس کا پایہ تخت سامرہ (موجودہ

نابلس) تھا، حضرت الیاس علیہ السلام اردن کے علاقہ جلعاد میں پیدا ہوئے تھے، اُس وقت اسرائیل کے ملک میں جو بادشاہ حکمران تھا اسکا نام بائبل میں اخی اب اور عربی تواریخ وتفاسیر میں اجب یا اخب مذکور ہے، اس کی بیوی ایزبل، بعل نامی ایک بت کی پرستار تھی، اور اسی نے اسرائیل میں بعل کے نام پر ایک بڑی قربان گاہ تعمیر کر کے تمام بنواسرائیل کو بت پرستی کے راستہ پر لگا دیا تھا، حضرت الیاس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اس خطے میں جا کر توحید کی تعلیم دیں، اور اسرائیلیوں کو بت پرستی سے روکیں (ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر ص ۵۳، ج ۲۳ وابن کثیر ص ۱۹ ج ۴ وتفسیر مظہری ص ۱۳۴ ج ۸ اور بائبل کی کتاب سلاطین اول ۲۹.۱۶ تا ۳۳ و ۱:۱۷)

حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں تمام روایات کا خلاصہ:

تمام روایات سے خلاصہ کے طور پر جو قدر مشترک نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے اسرائیل کے بادشاہ اخیاب اور اس کی رعایا کو بعل نامی بت کی پرستش سے روک کر توحید کی دعوت دی، مگر دو ایک حق پسند افراد کے سوا کسی نے آپ کی بات نہیں مانی، بلکہ آپ کو طرح طرح سے پریشان کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ اخی اب اور اس کی بیوی ایزبل نے آپ کو شہید کرنے کے منصوبے بنائے، آپ نے ایک دور افتادہ غار میں پناہ لی، اور عرصہ دراز تک وہیں مقیم رہے، اس کے بعد آپ نے دعاء فرمائی، کہ اسرائیل کے لوگ قحط سالی کا شکار ہو جائیں، تا کہ اس قحط سالی کو دور کرنے کیلئے آپ اُن کو معجزات دکھائیں تو شاید وہ ایمان لے آئیں، چنانچہ انہیں شدید قحط میں مبتلا کر دیا گیا۔

اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے اخیاب سے ملے، اور اس سے کہا کہ یہ عذاب اللہ کی نافرمانی کی وجہ سے ہے، اور اگر تم اب بھی باز آجاؤ تو یہ عذاب دور ہو سکتا ہے، میری سچائی کے امتحان کا بھی یہ بہترین موقع ہے، تم کہتے ہو کہ اسرائیل میں تمہارے معبود بعل کے ساڑھے چار سو نبی ہیں، تم ایک دن اُن سب کو میرے سامنے جمع کر لو، وہ بعل کے نام پر قربانی پیش کریں اور میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا جس کی قربانی کو آسمانی آگ آ کر بھسم کر دے گی، اس کا دین سچا ہوگا، سب نے اس تجویز کو خوشی سے مان لیا۔ چنانچہ کوہ کرمل کے مقام پر یہ اجتماع ہوا، بعل کے جھوٹے نبیوں نے اپنی قربانی پیش کی، اور صبح سے دوپہر تک بعل سے التجائیں کرتے رہے، مگر کوئی جواب نہ آیا اس کے بعد حضرت الیاس علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کی، اس پر آسمان سے آگ نازل ہوئی، اور اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کی قربانی کو بھسم کر دیا، یہ دیکھ کر بہت سے لوگ سجدے میں گر گئے، اور اُن پر حق واضح ہو گیا، لیکن بعل کے جھوٹے نبی اب بھی نہ مانے، اس نے حضرت الیاس علیہ السلام کو وادی قیشون میں قتل کرا دیا۔

اس واقعہ کے بعد موسلا دھار بارش بھی ہوئی، اور پورا خطہ پانی سے نہال ہو گیا لیکن سند ضعیف ہے یہ اس لئے کہ جن اشخاص کی طرف سے یہ واقعات منسوب کئے گئے ہیں وہ مجہول ہیں"۔ (بدیۃ و نہیۃ۔)

بعل بت: بعل کے لغوی معنی شوہر اور مالک وغیرہ ہیں، لیکن یہ اس بت کا نام تھا جسے حضرت الیاس علیہ السلام کی قوم نے اپنا معبود بنایا ہوا تھا، بعل کی پرستش کی تاریخ بہت قدیم ہے، شام کے علاقہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی پرستش ہوتی تھی اور یہ اُن کا سب سے زیادہ مقبول دیوتا تھا، شام کا مشہور شہر بعلبک بھی اسی کے نام سے موسوم ہوا، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل حجاز کا مشہور بت ہبل بھی یہی بعل ہے۔ (قصص القرآن ص ۲۸ ج ۲) (معارف مفتی معظم)

اَللّٰہَ رَبَّکُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِکُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝
جو اللہ ہے، رب تمہارا اور رب تمہارے اگلے باپ دادوں کا ☆

حقیقی خالق کو کیوں چھوڑتے ہو:

یعنی یوں تو دنیا میں آدمی بھی تحلیل وترکیب کر کے بظاہر بہت سی چیزیں بنا لیتے ہیں مگر بہتر بنانے والا وہ ہے کہ جو تمام اصول وفروع، جواہر و عرض اور صفات وموصوفات کا حقیقی خالق ہے۔ جس نے تم کو اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا۔ پھر یہ کیسے جائز ہوگا کہ اس احسن الخالقین کو چھوڑ کر "بعل" بت کی پرستش کی جائے اور اس سے مدد مانگی جائے جو ایک ذرہ کو ظاہری طور پر بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اسکا وجود خود اپنے پرستاروں کا رہین منت ہے۔ انہوں نے جیسا چاہا بنا کر کھڑا کر دیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَکَذَّبُوْہُ فَاِنَّھُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝
پھر اس کو جھٹلایا سو وہ آنے والے ہیں پکڑے ہوئے ☆

یعنی جھٹلانے کی سزا مل کر رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ ۝
مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے ☆

یعنی سب نے جھٹلایا مگر اللہ کے چنے ہوئے بندوں نے تکذیب نہیں کی۔ لہٰذا وہ ہی سزا سے بچے رہینگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝
اور باقی رکھا ہم نے اُس پر پچھلے لوگوں میں کہ
سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ ۝
سلام ہے الیاس پر ☆
اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝
ہم یوں دیتے ہیں بدلہ نیکی کرنیوالوں کو

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ

وہ ہے ہمارے ایمان دار بندوں میں

حضرت الیاس علیہ السلام پر سلامتی:

''الیاس'' کو ''الیاسین'' بھی کہتے ہیں کہ جیسے ''طور سینا'' کو ''طور سینین'' کہہ دیا جاتا ہے یا الیاسین سے حضرت الیاس کے متبعین مراد ہوں اور بعض نے ''آلِ یاسین'' بھی پڑھا ہے تو ''یاسین'' ان کے باپ کا نام ہوگا یا ان ہی کا نام ''یاسین'' اور لفظ آل مقحم ہو جیسے ''**کما صلیت علی ال ابراھیم** میں یا **اللھم صل علی آل ابی اوفی** میں ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

الیاس علیہ السلام کو الیاسین بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ سینا کو سینین، اسماعیل کو سمعین اور میکائیل کو میکائین، فراء نے کہا الیاسین الیاس کی جمع ہے اس سے مراد ہی حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت کے مؤمن ساتھی (یعنی الیاس والے)۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

اور تحقیق لوط ہے رسولوں میں سے

اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ

جب بچا دیا ہم نے اس کو اور اس کے سارے گھر والوں کو

اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ

مگر ایک بڑھیا کہ رہ گئی رہ جانے والوں میں

یعنی ان کی زوجہ جو معذبین کے ساتھ ساز باز رکھتی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ

پھر جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہم نے دوسروں کو ☆

یعنی لوط اور اسکے گھر والوں کے سوا دوسرے سب باشندوں پر بستی الٹ دی گئی۔ یہ قصہ پہلے کئی جگہ مفصل گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ

اور تم گزرتے ہو ان پر صبح کے وقت

وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

اور رات کو بھی پھر کیا نہیں سمجھتے ہو

مکہ والوں کیلئے عبرت:

یہ مکہ والوں کو فرمایا۔ کیونکہ ''مکہ'' سے ''شام'' کو جو قافلے آتے جاتے تھے قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیاں ان کے راستہ سے نظر آتی تھیں۔ یعنی دن رات ادھر گزرتے ہوئے یہ نشان دیکھتے ہیں پھر بھی عبرت نہیں ہوتی کیا نہیں سمجھتے کہ جو حال ایک نافرمان قوم کا ہوا وہ دوسری نافرمان اقوام کا بھی ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

علیھم یعنی ان کے گھروں پر سے گذرتے ہو جب ملک شام کا سفر کرتے ہو تو سدوم راہ واقع ہوتا ہے **مُّصْبِحِيْنَ** وبالیل یعنی صبح شام، یعنی دن رات یہ بھی ہوسکتا ہے کہ قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں سے ملحقہ مسافروں کی فرودگاہ کے قریب ہوں، فرودگاہ سے صبح کو کوچ کرنے والا صبح کو ان بستیوں کی طرف سے گذرتا ہو اور جو فرودگاہ پر شام کو پہنچتا ہو وہ ان پر شام کو گزرتا ہو، **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** یعنی کیا اہل عقل نہیں ہو کہ ان کو دیکھ کر عبرت حاصل کرو، یہ جملہ معترضہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

اور قاضی ابوالسعود فرماتے ہیں کہ غالباً سدوم کا یہ علاقہ راستے کی ایک منزل پر واقع تھا کہ یہاں سے کوچ کرنے والے صبح کے وقت روانہ ہوتے تھے اور آنے والے شام کے وقت آتے تھے۔ (تفسیر ابی السعود) (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

اور تحقیق یونس ہے رسولوں میں سے

اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ

جب بھاگ کر پہنچا اس بھری کشتی پر

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ

پھر قرعہ ڈلوایا تو نکلا خطاوار

کشتی دریا میں چکر کھانے لگی، لوگوں نے کہا کہ اس میں کوئی غلام ہے اپنے مالک سے بھاگا ہوا، سب کے ناموں پر کئی مرتبہ قرعہ ڈالا، ہر مرتبہ اُن کا نام نکلا یہ قصہ سورۂ ''یونس'' اور سورۂ ''انبیاء'' میں مفصل گذر چکا ہے وہاں اس کی تحقیق ملاحظہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت یونس علیہ السلام کی آزمائش:

امام احمد نے زہد میں اور عبدالرزاق، عبد بن حمید اور ابن المنذر نے طاؤس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم کو عذاب آنے کی دھمکی دی (اور نزول کا دن مقرر کر دیا اور اس مقرر وقت پر عذاب نہیں آیا عذاب آنے میں تاخیر ہوگئی) تو آپ اللہ کا حکم ملنے سے پہلے نکل کھڑے ہوئے اور بھاگ کر ایک کشتی پر جا کر سوار ہو گئے لیکن وہ کوشش کے بعد بھی) اڑ کر کھڑی ہوگئی ملاحوں نے کہا کشتی میں کوئی بھاگا ہوا غلام موجود ہے چنانچہ قرعہ اندازی کی گئی اور یونس علیہ السلام کا نام پر قرعہ نکل آیا (اور آپ مفرور غلام قرار پاگئے)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، اور وہب بن منبہ کا قول آیا

ہے کہ تین بار لوگوں نے قرعہ ڈالا اور ہر مرتبہ یونس علیہ السلام کا نام نکلا، بغوی نے لکھا ہے یہ بھی مروی ہے کہ جب آپ سمندر پر پہنچے تو آپ کے ساتھ بیوی اور آپ کے دولڑکے تھے کشتی آئی آپ نے پہلے سوار ہونے کے لئے بیوی کو آگے بڑھایا لیکن سوار کرتے کرتے ایک لہر بیچ میں آگئی (جو بیوی کو بہا کر لے گئی) پھر دوسری ایک لہر آئی جو بڑے بیٹے کو پکڑ کر لے گئی چھوٹا بیٹا (کنارہ پر) اکیلا رہ گیا تھا اس کو بھیڑیا لے گیا اتنے میں ایک اور کشتی آگئی آپ اس میں تنہا سوار ہو گئے اور لوگوں سے الگ ایک گوشہ میں بیٹھ گئے کشتی روانہ ہوئی لیکن بیچ سمندر میں پہنچ کر اڑ کر رک گئی اور کشتی والوں نے قرعہ ڈالا۔ ہم نے سورۂ یونس میں پورا قصہ بیان کر دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قرعہ اندازی کا حکم:

یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرعہ اندازی کے ذریعہ نہ کسی کا حق ثابت کیا جا سکتا ہے نہ کسی کو مجرم قرار دیا جا سکتا ہے، مثلاً قرعہ کے ذریعے کسی کو چور ثابت نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اگر دو آدمیوں میں یہ اختلاف ہو کہ فلاں جائیداد کس کی ملکیت ہے تو قرعہ کے ذریعہ اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، ہاں قرعہ اندازی اس موقع پر جائز بلکہ بہتر ہے جہاں ایک شخص کو شرعاً مکمل اختیار حاصل ہو کہ وہ چند جائز راستوں میں سے کسی بھی راستے کو اختیار کر لے، اب وہ اپنی مرضی سے کوئی راستہ متعین کرنے کے بجائے قرعہ ڈال کر فیصلہ کرے، مثلاً جس شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں اُسے سفر میں جاتے وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جس بیوی کو چاہے ساتھ لے جائے اب وہ اپنی مرضی سے ایسا کرنے کے بجائے قرعہ اندازی کر لے تو بہتر ہے، تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، آنحضرت ﷺ کا یہی معمول تھا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ میں بھی قرعہ اندازی سے کسی کو مجرم ثابت کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ پوری کشتی کو بچانے کیلئے کسی کو بھی دریا میں ڈالا جا سکتا تھا، قرعہ کے ذریعہ اس کی تعیین کی گئی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ
پھر لقمہ کیا اُس کو مچھلی نے اور وہ الزام کھایا ہوا تھا ☆

الزام: الزام یہی تھا کہ خطائے اجتہادی سے حکم الٰہی کا انتظار کئے بغیر بستی سے نکل پڑے اور عذاب کے دن کی تعیین کر دی۔ (تفسیر عثمانی)

انبیاء علیہم السلام کا مقام: حضرات انبیاء کا درجہ سب سے اعلیٰ اور ارفع ہے اس لئے ان کی خطاء اجتہادی اور سہو ونسیان پر بھی مواخذہ اور ملامت ہوتی ہے حسنات الابرار سیئات المقربین یعنی ابرار کے مرتبہ میں جو امور حسنات ہیں وہ مقربین کے درجہ میں سیئات ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ عالم غیب سے مچھلی کو آواز آئی اے مچھلی ہم نے یونس کو تیرے لئے رزق نہیں بنایا بلکہ تجھ کو اسکے لئے مکان حفاظت اور مسجد بنایا۔ تفسیر قرطبی (معارف کاندھلوی)

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ
پھر اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ یاد کرتا تھا پاک ذات کو
لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ
تو رہتا اس کے پیٹ میں جس دن تک کہ مردے زندہ ہوں ☆

تسبیح کی برکت:

یعنی چونکہ مچھلی کے پیٹ میں بھی اور پیٹ میں جانے سے پہلے بھی اللہ پاک کو بہت یاد کرتا تھا اس لئے ہم نے اس کو جلدی نجات دے دی۔ ورنہ قیامت تک اس کے پیٹ سے نکلنا نصیب نہ ہوتا مچھلی کی غذا بن جاتا (تنبیہ) "لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ" "الی آخرہ" کنایہ ہے کبھی نہ نکلنے سے اور یہ واقعہ دریائے "فرات" کا ہے۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی نے لکھا ہے کہ ہم نے خود اس دریا میں بہت بڑی بڑی مچھلیاں مشاہدہ کی ہیں تعجب نہ کیا جائے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ شکم ماہی میں ان کی تسبیح یہ تھی "لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ"

فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ
پھر ڈال دیا ہم نے اس کو چٹیل میدان میں اور وہ بیمار تھا
وَأَنبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّن يَقْطِينٍ
اور اُگایا ہم نے اُس پر ایک درخت بیل والا ☆

مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا:

مچھلی کو حکم ہوا اس نے حضرت یونس کو اپنے پیٹ سے نکال کر ایک کھلے میدان میں ڈال دیا غالباً کافی غذا و ہوا وغیرہ نہ پہنچنے کی وجہ سے بیمار اور نحیف ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ دھوپ کی شعاع اور مکھی وغیرہ کا بدن پر بیٹھنا بھی ناگوار ہوتا تھا اللہ کی قدرت سے وہاں کدو کی بیل اُگ آئی۔ اس کے پتوں نے ان کے جسم پر سایہ کر لیا اور اسی طرح قدرت خداوندی سے غذا وغیرہ کا سامان بھی ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مدت:

ابن جریج کا قول اور عبد بن حمید و ابن المنذر کی روایت میں عکرمہ کا قول آیا کہ دن کے کچھ حصہ میں یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں رہے، ابن ابی حاتم، حاکم اور بغوی نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ چاشت کے وقت (دن چڑھے) مچھلی نے نگلا تھا اور شام کو اگل دیا۔

کیا انبیاء کی کسی لغزش کا بیان کرنا جائز ہے:

کسی نبی کی کسی لغزش کا ذکر جائز نہیں کیونکہ نبیوں کی

لغزشیں تو اللہ کی طرف مزید رجوع کرنے اور مراتب میں ترقی پانے کی موجب ہوتی ہیں جس نے کسی نبی پر اعتراض کیا وہ کافر ہو گیا اللہ نے (مومنوں کو یہ کہنے کا حکم دیا اور) فرمایا ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ
حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی بندہ کیلئے یہ کہنا جائز نہیں کہ میں یونس علیہ السلام بن متی سے افضل ہوں (متفق علیہ) بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے یہ کہا کہ میں یونس علیہ السلام بن متی سے افضل ہوں اس نے غلط کہا۔

افضلیتِ انبیاء کا مسئلہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم گالی گلوچ ہوئی مسلمان نے کہا قسم ہے اس کی جس نے محمد ﷺ کو سارے عالم والوں پر برتری عطا فرمائی یہودی بولا قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہان والوں پر فضیلت عنایت کی، یہ سنتے ہی مسلمان نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے منہ پر ایک طمانچہ مار دیا یہودی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کیفیت واقعہ عرض کی اس کے اور مسلمان کے درمیان جو ماجرا ہوا تھا بیان کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس مسلمان کو طلب فرمایا اور واقعہ دریافت کیا مسلمان نے بتا دیا حضور ﷺ نے فرمایا مجھے موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت مت دو کیونکہ قیامت کے دن جب (سب) لوگ بے ہوش جائیں گے تو میں بھی ان کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا پھر سب سے پہلے میں ہی ہوش میں آؤں گا اور دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا ایک کنارہ پکڑے (کھڑے) ہیں مجھے نہیں معلوم کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں شامل تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا اس مخلوق میں شامل تھے جن کو اللہ نے بیہوش ہونے سے مستثنیٰ کر دیا ہوگا۔

ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ موسیٰ علیہ السلام کو طور کے اوپر والی بے ہوشی کی مجرائی دے دی گئی (اور قیامت کے دن صور کی آواز سے وہ بے ہوش نہیں ہوئے) یا مجھ سے پہلے اٹھ کھڑے ہوئے اور میں نہیں کہتا کہ کوئی بھی یونس علیہ السلام بن متی سے افضل ہے۔

حضرت ابو سعیدؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء کو باہم ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کے نبیوں کو باہم فضیلت نہ دو۔

حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قائد المرسلین (پیغمبروں کا لیڈر) ہوں اور کوئی فخر نہیں میں ہی خاتم النبیین ہوں اور کوئی فخر نہیں، میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور سب سے پہلے مقبول الشفاعت ہوں گا اور کوئی فخر نہیں۔ (دارمی)

میں کہتا ہوں تفضیل بین الانبیاء کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک من جانب اللہ (وحی کے ذریعے سے) یقینی علم حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک اپنی رائے اور گمان سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہ دو لیکن جب وحی کے ذریعے سے ایک کی دوسرے پر فضیلت ثابت ہو جائے تو بعض کو بعض سے فضیلت قرار دینے میں کوئی حرج نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَأَرْسَلْنَٰهُ إِلَىٰ مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ
اور بھیجا اس کو لاکھ آدمیوں پر یا اس سے زیادہ

قوم یونس کی تعداد:

یعنی اگر صرف عاقل بالغ گنے تو لاکھ تھے اور سب چھوٹے بڑے شامل گنے تو زیادہ تھے یعنی ہوں ایک لاکھ سے زائد، دو لاکھ تک نہیں پہنچے تھے۔ ہزار کی کسر نہ لگاؤ تو ایک لاکھ کہہ لو اور کسر لگائی جائے تو لاکھ کے اوپر چند ہزار زائد ہوں گے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اور حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ یہاں شک کا اظہار مقصود نہیں ہے، انہیں ایک لاکھ بھی کہا جا سکتا ہے اور اس سے زیادہ بھی، اور وہ اس طرح کہ اگر کسر کا لحاظ نہ کیا جائے تو ان کی تعداد ایک لاکھ تھی، اور اگر کسر کو بھی شمار کیا جائے تو ایک لاکھ سے زیادہ۔ (بیان القرآن) (معارف مفتی اعظم)

فَـَٔامَنُوا۟ فَمَتَّعْنَٰهُمْ إِلَىٰ حِينٍ
پھر وہ یقین لائے، پھر ہم نے فائدہ اٹھانے دیا ان کو ایک وقت تک

ایمان کی وجہ سے نجات:

یعنی ایمان ویقین کی بدولت عذاب الٰہی سے بچ گئے اور اپنی عمر مقدر تک دنیا کا فائدہ اٹھاتے رہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "وہی قوم جس سے بھاگے تھے ان پر ایمان لا رہی تھی۔ ڈھونڈتی تھی کہ یہ جا پہنچے ان کو بڑی خوشی ہوئی" یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ سورہ "یونس" اور سورہ "انبیاء" میں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

قادیانی کی تلبیس کا جواب:

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم پر سے جو عذاب ٹلا دیا گیا وہ اس لئے کہ آپ کی قوم بر وقت ایمان لے آئی تھی، اس سے پنجاب کے جھوٹے نبی مرزا غلام احمد قادیانی کی اس تلبیس کا خاتمہ ہو جاتا ہے کہ جب اس نے اپنے مخالفوں کو چیلنج کیا کہ اگر وہ اسی طرح مخالفت کرتے رہے تو خدا کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ فلاں وقت تک عذاب الٰہی آ جائے گا لیکن مخالفین کی جدوجہد اور تیز ہوئی پھر

بھی عذاب نہ آیا، تب ناکامی کی ذلت سے بچنے کیلئے قادیانی نے کہنا شروع کر دیا چونکہ مخالفین دل میں ڈر گئے ہیں اس لئے ان پر سے عذاب ٹل گیا جس طرح یونس علیہ السلام کی قوم پر سے ٹل گیا تھا، لیکن قرآن کریم کی یہ آیت اس تاویل باطل کو مردود قرار دیتی ہے اس لئے کہ قوم یونس علیہ السلام تو ایمان کی وجہ سے عذاب سے بچی تھی، اس کے برعکس مرزا قادیانی کے مخالفین نہ صرف یہ کہ ایمان نہیں لائے بلکہ ان کی مخالفانہ جدوجہد اور تیز ہوگئی۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ۝
اب ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے یہاں بیٹیاں ہیں اور ان کے یہاں بیٹے
اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ۝
یا ہم نے بنایا فرشتوں کو عورت اور وہ دیکھتے تھے
اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ۝
سنتا ہے وہ اپنا جھوٹ بنایا کہتے ہیں کہ
وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝
اللہ کے اولاد ہوئی اور وہ بیشک جھوٹے ہیں ☆☆

سب اللہ کی مخلوق اور محتاج ہیں:

یعنی انبیاء کا حال تو سن لیا کہ "حضرت نوح، ابراہیم، اسمٰعیل، موسیٰ، ہارون، الیاس، لوط، یونس علیہم السلام" سب کی مشکلات اللہ کی امداد و اعانت سے حل ہوئیں۔ کوئی بڑے سے بڑا مقرب اس کی دستگیری سے بے نیاز نہیں۔ اب آگے تھوڑا سا فرشتوں اور جنوں کا حال سن لو جن کی نسبت خدا جانے کیا کیا واہی تباہی عقیدے تراش کر رکھے ہیں۔ چنانچہ عرب کے بعض قبائل کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ جب پوچھا جاتا کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بڑے بڑے جنوں کی لڑکیوں کو بتلاتے۔ اسطرح (العیاذ باللہ) خدا کا ناطہ جنوں اور فرشتوں دونوں سے جوڑ رکھا تھا۔ آگے دونوں کا حال ذکر کیا جاتا ہے مگر اس سے پہلے بطور توطیہ وتمہید کفار عرب کے اس لچر پوچ عقیدہ کا رد کیا گیا ہے۔ چنانچہ ابتدائے سورۃ سے اپنی عظمت و وحدانیت کے دلائل اور قصص کے ضمن میں اپنی قدرت قاہرہ کے آثار بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اب ذرا ان احمقوں سے پوچھیے کیا اتنی بڑی عظمت وقدرت والا خدا (معاذ اللہ) اپنے لئے اولاد بھی تجویز کرتا ہے تو بیٹیاں لیتا اور تم کو بیٹے دیتا۔ ایک تو یہ گستاخی کہ خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کی، اور پھر اولاد بھی کمزور اور گھٹیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ فرشتوں کو مونث (عورت) تجویز کیا۔ کیا جس وقت ہم نے فرشتوں کو پیدا کیا تھا یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ انہیں عورت بنایا گیا ہے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اس جہالت کا کیا ٹھکانا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فاسد خیالات:

مشرکین نے جب یہ کہنا شروع کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اچھا تو بتلاؤ کہ ان کی مائیں کون ہیں تو بولے کہ سرداران جن کی بیٹیاں ان کی مائیں ہیں، بعض قبائل عرب کا یہ خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سرداران جن کی عورتوں کو اپنی جورو بنایا اور ان سے یہ فرشتے پیدا ہوئے جیسے کہ ہنود کے بھی دیوی اور دیوتاؤں کے متعلق ایسے ہی خیالات فاسدہ ہیں۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دشمنان خدا (یعنی مجوس) یہ کہتے ہیں کہ یزدان اور اہرمن یعنی اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی بھائی ہیں۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا (تفسیر ابن کثیر اسی مقام پر)

کفار عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اور جنات کی سردارزادیاں فرشتوں کی مائیں ہیں، بقول علامہ واحدی یہ عقیدہ قریش کے علاوہ جہینہ، بنوسلمہ، بنوخزاعہ اور بنوملیح کے یہاں بھی رائج تھا۔ (تفسیر کبیر ص ٢١١ ج ٧) (معارف مفتی اعظم)

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ۝
کیا اس نے پسند کیں بیٹیاں بیٹوں سے
مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝
کیا ہو گیا ہے تم کو کیسا انصاف کرتے ہو کیا تم دھیان نہیں کرتے ہو ☆☆

بے تکا عقیدہ: یعنی کچھ تو سوچو عیب کرنے کو بھی ہنر چاہئے۔ ایک غلط عقیدہ بنانا تھا تو ایسا بالکل ہی بے تکا نہ ہونا چاہئے تھا۔ یہ کونسا انصاف ہے کہ اپنے لئے تو بیٹے پسند کرو اور خدا سے بیٹیاں پسند کراؤ۔

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝
یا تمہارے پاس کوئی سند ہے کھلی
فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
تو لاؤ اپنی کتاب اگر ہو تم سچے

مشرکین کے پاس دلیل بھی کوئی نہیں:

یعنی آخر یہ مہمل اور بے تکی بات نکالی کہاں سے۔ عقل و فہم ورعقلی اصول سے تو اس کو لگاؤ نہیں۔ پھر کیا کوئی نقلی سند اس عقیدہ کی رکھتے ہو۔ ہے تو بسم اللہ وہ ہی دکھلاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ
اور ٹھہرایا ہے انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں ناتا
وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝
اور جنوں کو تو معلوم ہے کہ تحقیق وہ پکڑے ہوئے آتے ہیں

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ

اللہ پاک ہے اُن باتوں سے جو یہ بتاتے ہیں

جن اللہ سے ڈرتے ہیں:

یعنی احمقوں نے جنوں کے ساتھ (معاذ اللہ) دامادی کا رشتہ قائم کر دیا۔ سبحان اللہ کیا باتیں کرتے ہیں موقع ملے تو ذرا ان جنوں سے پوچھ آؤ کہ وہ خود اپنی نسبت کیا سمجھتے ہیں۔ ان کو معلوم ہے کہ دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے روبرو پکڑے ہوئے آئیں گے۔ کیا داماد کا سسرال کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے۔ بعض سلف نے نسب سے مراد یہ لی ہے کہ وہ لوگ شیاطین الجن کو اللہ تعالیٰ کا حریف و مقابل سمجھتے تھے (۲) جیسے مجوس ''یزدان'' اور ''اہرمن'' کے قائل ہیں یعنی ایک نیکی کا خدا دوسرا بدی کا۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول:

جُوَیبر کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت قریش کے تین قبائل کے متعلق نازل ہوئی، سلیم، خزاعہ اور جہینہ۔

جن کا معنی:

مجاہد اور قتادہ نے کہا الجنۃ سے مراد ملائکہ ہیں فرشتے (انسان کی) نظروں سے پوشیدہ رہتے ہیں اس لئے ان کو الجنۃ فرمایا (جن کا معنی ہے پوشیدہ ہونا) میں کہتا ہوں ملائکہ کو الجنۃ کے لفظ سے ذکر کرنا یہ بات بتا رہا ہے کہ وہ ابنیت خدا کے سزاوار نہیں۔

مشرکین کے غلط خیالات:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ملائکہ کا ہی ایک خاص گروہ ہے جن میں سے ابلیس بھی ہے ان کو جن کہا جاتا ہے انہیں کو وہ لوگ اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ کلبی نے کہا ان کا قول تھا کہ خدا نے کسی جنی عورت سے اپنا جوڑا لگا لیا اور اس سے ملائکہ پیدا ہو گئے۔ (نعوذ باللہ منہا)

بعض قریشیوں نے جب ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا ان کی مائیں کون ہیں بولے جنات کی شریف ترین اعلیٰ عورتیں (یعنی پریاں) ان کی مائیں ہیں۔ کذا اخرج البیہقی فی شعب الایمان مجاہد۔ (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصریؒ اور ضحاکؒ سے منقول ہے، اور وہ یہ کہ بعض اہل عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ معاذ اللہ ابلیس اللہ تعالیٰ کا بھائی ہے، اللہ تعالیٰ خالق خیر ہے اور وہ خالق شر، یہاں اسی باطل عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر، قرطبی و تفسیر کبیر)

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ (اور جنات کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ گرفتا ہوں گے) ''وہ'' سے مراد یہ مشرکین بھی ہو سکتے ہیں جو جنات اور شیاطین کو خدا کا ہمسر قرار دیتے تھے اور خود جنات بھی، دوسری صورت میں مطلب یہ ہے کہ جن شیاطین اور جنات کو تم نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا رکھا ہے وہ خود اچھی طرح جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کا برا حشر ہونے والا ہے، مثلاً ابلیس، کہ وہ اپنے انجام بد سے خوب واقف ہے، اب جو خود یقین رکھتا ہو کہ مجھے بہرحال عذاب ہونا ہے اسے خدا کا ہمسر قرار دینا کتنی بڑی حماقت ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ

مگر جو بندے ہیں اللہ کے چنے ہوئے

اخلاص وبندگی کام آئے گی:

یعنی جن میں سے ہوں یا آدمیوں میں سے اللہ کے چنے ہوئے بندے ہی اس پکڑ دھکڑ سے آزاد ہیں۔ معلوم ہوا وہاں کسی کا رشتہ ناتا نہیں۔ صرف بندگی اور اخلاص کی پوچھ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ

سو تم اور جن کو تم پوجتے ہو

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ

کسی کو اس کے ہاتھ سے بہکا نہیں سکتے

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ

مگر اسی کو جو پہنچنے والا ہے دوزخ میں

سب اللہ کے اختیار میں ہے:

بہت لوگ سمجھتے ہیں کہ جنوں کے ہاتھ میں بدی کی اور فرشتوں کے ہاتھ میں نیکی کی باگ ہے۔ یہ جس کو چاہیں بھلائی پہنچا دیں اور خدا کا مقرب بنا دیں اور وہ جسے چاہیں برائی اور تکلیف میں ڈال دیں یا گمراہ کر دیں۔ شاید ان ہی مفروضہ اختیارات کی بناء پر انہیں اولاد یا سسرال بنایا ہوگا۔ اس کا جواب دیا کہ تمہارے اور ان کے ہاتھ میں کوئی مستقل اختیار نہیں۔ تم اور جن شیاطین کو تم پوجتے ہو سب مل کر یہ قدرت نہیں رکھتے کہ بدون مشیت ایزدی ایک شخص کو بھی زبردستی گمراہ کر سکو۔ گمراہ وہ ہی ہوگا جسے اللہ نے اس کے سوء استعداد کی بناء پر دوزخی لکھ دیا اور اپنی بدکاری کی وجہ سے از خود دوزخ میں پہنچ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ

اور ہم میں سے جو ہے اُس کا ایک ٹھکانا ہے مقرر

فرشتوں کا کلام:

یہ کلام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی طرف سے گویا ان کی زبان سے ...

جیسے بہت جگہ آدمیوں کی زبان سے دعائیں فرمائی ہیں۔ یعنی ہر فرشتہ کی ایک حد مقرر ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ اس پر فرمایا کہ کافر کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں جنوں کی عورتوں سے پیدا ہوئیں۔ سو جنوں کو اپنا حال خوب معلوم ہے اور فرشتے یوں کہتے ہیں کہ ان کو بھی حکم الٰہی سے ذرا تجاوز کرنے کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

انسان اور ملائکہ کا فرق:

ابوبکر وراق نے کہا مقام عبودیت مراد ہے جیسے خوف، امید، محبت، رضا میں کہتا ہوں (یہ بات تو صرف ملائکہ کیلئے ہے) انسان مراتب قرب میں برابر ترقی کرتا رہتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا ارشاد نقل کیا میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرے قریب ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ مجھے اس سے محبت ہو جاتی ہے، الخ۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ۔

ملائکہ اپنے معین درجہ سے آگے نہیں بڑھ سکتے، حضرت زرارہ رضی اللہ عنہ بن ابی اوفی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے جبرئیل علیہ السلام نے یہ سنتے ہی بازو پھڑ پھڑائے (یعنی خوف کی وجہ سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا) اور کہا محمد ﷺ میرے اور اس کے درمیان تو ستر ہزار نوری حجاب حائل ہیں ان پردوں میں سے اگر میں کسی کے قریب بھی پہنچ جاؤں تو جل جاؤں، ہکذا فی المصابیح، بونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے، لیکن اس روایت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بازو پھڑ پھڑانے کا ذکر نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جب سے اسرافیل علیہ السلام کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے وہ برابر اپنے قدموں پر کھڑا ہے نظر اوپر نہیں اٹھاتا اس کے اور رب کے درمیان ستر نور (یعنی نوری پردے) حائل ہیں اگر ایک کے بھی قریب چلا جائے تو جل جائے۔ رواہ الترمذی وصححہ۔ (تفسیر مظہری)

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾
اور ہم ہی ہیں صف باندھنے والے ☆

نماز میں صف بندی:

یعنی اپنی اپنی حد پر ہر کوئی اللہ کی بندگی اور اس کا حکم سننے کے لئے کھڑا رہتا ہے، مجال نہیں آگے پیچھے سرک جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن ابی حاتم نے یزید بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ لوگ منتشر طور پر نماز پڑھا کرتے تھے (یعنی قطار نہیں بناتے تھے) جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو صف بندی کا حکم دے دیا۔

مسلم نے حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ملائکہ کی صفوں کی طرح صف بندی کیوں نہیں کرتے، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ملائکہ کیسے صف بندی کرتے ہیں فرمایا ملائکہ اپنے رب کے سامنے اس طرح صف بندی کرتے ہیں کہ اگلی صفوں کو پورا (پورا) بھر دیتے ہیں اور باہم مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ادائے طاعت کے وقت ہم اپنے قدموں کو صف بستہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر معین)

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾
اور ہم ہی ہیں پاکی بیان کرنے والے ☆

یہاں تک فرشتوں کا کلام ختم ہوا آگے اہل مکہ کا حال بیان فرماتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾
اور یہ تو کہا کرتے تھے
لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾
اگر ہمارے پاس کچھ احوال ہوتا پہلے لوگوں کا
لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾
تو ہم ہوتے بندے اللہ کے چنے ہوئے
فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾
سو اس سے منکر ہو گئے، اب آگے جان لیں گے ☆

بے حقیقت تمنائیں: عرب لوگ انبیاء کے نام سنتے تھے ان کے علم سے خبردار نہ تھے تو یہ کہتے یعنی اگر ہم کو پہلے لوگوں کے علوم حاصل ہوتے یا ہمارے ہاں کوئی کتاب اور نصیحت کی بات اترتی تو ہم خوب عمل کر کے دکھلاتے اور معرفت و عبادت میں ترقی کر کے اللہ کے مخصوص و منتخب بندوں میں شامل ہو جاتے۔ اب جو ان کے اندر نبی آیا تو پھر گئے وہ قول و قرار کچھ یاد نہ رکھا۔ سو اس انکار و انحراف کا جو انجام ہونے والا ہے عنقریب دیکھ لیں گے۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾
اور پہلے ہو چکا ہمارا حکم اپنے بندوں کے حق میں جو کہ رسول ہیں
اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
بے شک انہی کو مدد دی جاتی ہے
وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾
اور ہمارا لشکر جو ہے بیشک وہی غالب ہے ☆

آخرکار فتح حق والوں کی ہوتی ہے:

یعنی یہ بات علم الٰہی میں ٹھہر چکی ہے کہ منکرین کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مدد پہنچاتا ہے اور آخرکار خدائی لشکر ہی غالب ہو کر رہتا ہے خواہ درمیان میں حالات کتنے ہی پلٹے کھائیں۔ مگر آخری فتح اور کامیابی مخلص بندوں ہی کی ہے۔ باعتبار حجت و برہان کے بھی اور باعتبار ظاہری تسلط وغلبہ کے بھی۔ ہاں شرط یہ ہے کہ جند فی الواقع جند اللہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ازالۃ الخفاء میں آیت مبارکہ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں یعنی روز اول میں ہمارا وعدہ اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء و مرسلین سے متحقق ہو چکا ہے کہ تحقیق دشمن کے مقابلہ میں وہ ضرور مظفر و منصور ہوں گے اور بلا شبہ ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے اس آیت میں مرسلین سے وہ رُسُل مراد ہیں جو کفار سے جہاد و قتال کے لئے مبعوث اور مامور ہوئے اور لشکر سے ان کے اصحاب اور تابعین مراد ہیں جن کے دل میں داعیہ، نصرت رُسُل اور اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا خواہ مرسلین کی موجودگی میں ہوا اور خواہ ان کے وصال کے بعد جیسے صحابہ کرام کہ وہ اللہ کا لشکر تھے اور حق تعالیٰ نے جو وعدہ نبی کریم ﷺ سے اور آپ کے متبعین سے مظفر و منصور ہو جانے کا فرمایا تھا وہ دنیا نے بچشم خود دیکھ لیا کہ آنحضرت ﷺ کے اصحاب میں سے ایک خاص گروہ کے دل میں داعیہ اعلاء کلمۃ اللہ ڈالا گیا اور وہ مظفر و منصور بھی ہوئے تو بالبداہت معلوم ہو گیا کہ صحابہ کرام جند اللہ کا مصداق تھے اور اس وعدے سے مشرف اور ممتاز ہوئے اور آپ کے وصال کے بعد خلفاء راشدین کے ہاتھ پر جو فتوحات ظاہر ہوئے وہ اسی سابقہ وعدہ نصرت وغلبہ کی تکمیل تھی۔ (ازالۃ الخفاء) (معارف کاندھلوی)

نفس اور شیطان سے جہاد:

جب انسان اپنے آپ کو "اللہ کے لشکر" کا ایک فرد بنالے، جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ وہ ہر شعبہ زندگی میں اللہ کی اطاعت کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہو، یہاں "جُنْدَنَا" (ہمارا لشکر) کا لفظ بتا رہا ہے کہ جو شخص اسلام قبول کرے اُسے اپنی زندگی نفس اور شیطان کی طاقتوں سے جنگ کرنے میں خرچ کرنے کا معاہدہ ہوگا، اور اس کا غلبہ خواہ مادی ہو یا اخلاقی، دنیا میں ہو یا آخرت میں، اسی شرط پر موقوف ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ
سو تو ان سے پھر آ ایک وقت تک
وَّأَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ
اور ان کو دیکھتا رہ اب وہ بھی دیکھ لیں گے

اہل باطل کی شکست قریب ہے:

یعنی ابھی چند روز انہیں چھوڑ دیجیے صبر کے ساتھ آپ ان کا حال دیکھتے رہئے اور یہ اپنا انجام دیکھ لیں گے چنانچہ دیکھ لیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّأَبْصِرْهُمْ یعنی اپنے سامنے ان کو مقتول، مغلوب اور عذاب میں خود دیکھ لیجئے مطلب یہ کہ یہ باتیں عنقریب ہونے والی ہیں گویا آپ کے سامنے موجود ہی ہیں، فسوف یبصرون یعنی ہم نے جو آپ ﷺ کی مدد کرنے اور دنیا میں فتح عطا کرنے اور آخرت میں آپ کو ثواب عنایت کرنے اور ان کو عذاب میں ماخوذ کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ عنقریب دیکھ لیں گے۔ (تفسیر مظہری)

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ فَإِذَا نَزَلَ
کیا ہماری آفت کو جلد مانگتے ہیں پھر جب اتری
بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ
ان کے میدان میں تو بری صبح ہوئی ڈرائے ہوؤں کی

جب عذاب آئے گا تو آنکھیں کھلیں گی:

شاید "فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ" سن کر کہا ہوگا کہ وہ چیز جس سے ہم کو ڈراتے ہو ابھی جلدی کیوں نہیں لے آتے۔ اس کا جواب دیا کہ اپنے اوپر جو آفت لانے کی جلدی مچا رہے ہو جب وہ آئے گی تو بہت برا وقت ہوگا۔ عذاب الٰہی اس طرح آئے گا جیسے کوئی دشمن گھات میں لگا ہو اور صبح کے وقت یکایک میدان میں اتر کر چھاپہ مار جائے۔ عذاب آنے کا وقت بری حشر ان لوگوں کا ہوگا جنہیں پہلے سے ڈرا کر ہوشیار کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ فتح مکہ وغیرہ میں ایسا ہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

صباح کا معنی صباح سے مراد ہے شبخون مارنے والے لشکر کے حملہ کرنے کی عرب کا حملہ کرنے کا زیادہ قاعدہ یہی تھا کہ آخر شب میں صبح کے قریب چھاپہ مارتے تھے اس لئے چھاپہ مارنے اور لوٹنے کو صباح کہنے لگے خواہ غارت گری کسی وقت ہو۔

خیبر پر حملہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف نکل چلے اور رات کو وہاں پہنچے اور آپ کا قاعدہ تھا کہ رات کو اگر (دشمن) قوم پر پہنچ جاتے تھے تو صبح تک حملہ نہیں کرتے تھے جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے پھاوڑے اور ٹوکرے لے کر (شہر سے باہر) نکلے اور جونہی رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے خدا کی قسم محمد ہیں اور (ان کے ساتھ) پورا لشکر بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر خیبر ویران ہو گیا، ہم جب ان کے صحن میں اتر گئے تو ان لوگوں کی صبح بہت بری ہو گی جن کو (پہلے سے) ڈرا دیا گیا تھا۔ رواہ البخاری

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہم لوگوں کی قوم پر حملہ (کرنا) چاہتے تھے تو صبح سے پہلے حملہ نہیں کرتے تھے۔ انتظار کرتے رہتے تھے کہ اگر (ان کی آبادی کی طرف سے) اذان کی آواز سنتے تھے تو حملہ سے باز رہتے تھے اگر اذان نہیں سنتے تھے تو ان پر حملہ کر دیتے

تھے چنانچہ جب ہم خیبر کی طرف چلے تو رات کو وہاں پہنچے (اور حملہ نہیں کیا) صبح ہوئی اور آپ نے (بستی کے اندر سے) اذان کی آواز نہیں سنی تو سوار ہو گئے میں بھی ابوطلحہ کے پیچھے سوار ہو گیا میرا قدم رسول اللہ ﷺ کے قدم سے لگ لگ جاتا تھا جب وہ اپنے ٹوکرے اور پھاوڑے لے کر نکلے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے خدا کی قسم محمد ﷺ ہیں اور پورا لشکر بھی ہے پھر جا کر قلعہ بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر خیبر کی ویرانی ہو گئی جب ہم کسی قوم کے صحن میں اترتے ہیں تو ان لوگوں کیلئے وہ دن بہت برا ہوتا ہے جن کو ڈرا دیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾

اور پھر آ اُن سے ایک وقت تک

وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور دیکھتا رہ اب آگے دیکھ لیں گے ☆

شاید پہلا وعدہ دنیا کے عذاب کا تھا اور یہ آخرت کے عذاب کا ہو، یعنی آپ دیکھتے جائیے اب آگے چل کر آخرت میں یہ کافر کیا کچھ دیکھتے ہیں۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

پاک ذات ہے تیرے رب کی وہ پروردگار عزت والا پاک ہے ان باتوں سے جو بیان کرتے ہیں

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور سلام ہے رسولوں پر اور سب خوبی ہے اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا ☆

تمام مضامین کا خلاصہ:

خاتمہ سورت پر تمام اصولی مضامین کا خلاصہ کر دیا یعنی اللہ کی ذات تمام عیوب ونقائص سے پاک اور تمام محاسن وکمالات کی جامع ہے۔ سب خوبیاں اسی کی ذات میں مجتمع ہیں اور انبیاء ورسل پر اس کی طرف سے سلام آتا ہے جو ان کی عظمت وعصمت اور سالم ومنصور ہونے کی دلیل ہے (تنبیہ) احادیث سے بعد نماز اور ختم مجلس پر ان آیات کے پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس لئے سورہ ہذا کے فوائد کو ان ہی آیات متبرکہ پر ختم کرتا ہوں "اے اللہ میرا خاتمہ بھی اسی عقیدہ محکم پر کیجیو" سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ "تمت فوائد الصافات۔ (تفسیر عثمانی)

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے امام شعبی تابعی کبیر سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ جس شخص کو یہ بات پسند ہو اور اچھی معلوم ہوتی ہو کہ قیامت کے دن بھرپور پیمانہ سے ناپ کر اس کو ثواب دیا جائے گا تو اس کو چاہئے کہ اپنی ہر مجلس کے اخیر میں یہ کہہ لیا کرے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اور یہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ مجلس سے اٹھنے سے پہلے یہ پڑھ لیا کرے سبحان اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک تاکہ مجلس میں جو اس کی زبان سے نکلا ہے اس کا کفارہ ہو جائے، اس حدیث کا نام حدیث کفارہ مجلس ہے۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۶ ج ۴ (معارف القرآن کاندھلوی)

نیز ان آیتوں میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید اور رسالت کا صراحۃً اور آخرت کا ضمناً ذکر بھی آ گیا ہے جن کا اثبات سورت کا اصل مقصد تھا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ تعلیم بھی دیدی گئی ہے کہ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے ہر مضمون ہر خطبے اور ہر مجلس کا اختتام باری تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے اور اس کی حمد وثناء پر کرے، چنانچہ علامہ قرطبیؒ نے یہاں اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "میں نے آنحضرت ﷺ سے کئی بار سنا ہے کہ آپ ﷺ نماز ختم ہونے کے بعد یہ آیات تلاوت فرماتے تھے، سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ الخ" (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

العزت غلبہ (عظمت) قوت، رب کی اضافت عزت کی طرف بتا رہی ہے کہ عزت اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے یا ان پیغمبروں اور مؤمنوں کو عزت (واقعی) حاصل ہے جو اللہ سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں آیت میں دلالت ہے اس امر پر بھی کہ اللہ کی صفات بذات خود واجب نہیں ذاتِ خداوندی ان صفات کی مقتضی ہے۔

عَمَّا يَصِفُوْنَ یعنی مشرکوں کے اس بیان سے اللہ پاک ہے جو اس سورت میں آیا ہے اور اسی کے ذیل میں اللہ نے اپنی سلبی اور صفات کا ذکر کر دیا ہے اور توحید پر بھی تنبیہ کر دی ہے۔

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ اور تمام پیغمبروں پر سلام ہو۔

یعنی ان تمام پیغمبروں پر سلام ہے جنہوں نے اللہ کی واقعی صفات بیان کی ہیں اس جملہ میں اللہ کے تمام پیغمبر داخل ہیں سب کیلئے سلامتی ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور ساری خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو رب العلمین ہے یعنی اللہ رب العلمین کیلئے حمد وشکر ہے جس نے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے اور انبیاء کی مدد کر کے اور کافروں کو تباہ کر کے اپنی ذات وصفات کی سچی معرفت مؤمنوں کو عطا فرمائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے آپ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ قیامت کے دن پورے ناپ سے اس کو اجر ناپ کر دیا جائے اس کا مجلس سے اٹھنے کے وقت آخری کلام سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہونا چاہئے۔ رواہ البغوی فی تفسیرہ وعبد بن زنجویہ فی الترغیب۔ (تفسیر مظہری)

الحمد للہ سورۃ الصافات ختم ہوئی

سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا خَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ صٓ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اٹھاسی آیتیں ہیں اور پانچ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

صٓ قسم ہے اس قرآن سمجھانے والے کی بلکہ جو لوگ منکر ہیں

فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝

غرور میں ہیں اور مقابلہ میں ☆

قرآن کی شہادت ☆ یعنی یہ عظیم الشان عالی مرتبہ قرآن جو عمدہ نصیحتوں سے پر اور نہایت موثر طرز میں لوگوں کو ہدایت و معرفت کی باتیں سمجھانے والا ہے، بآواز بلند شہادت دے رہا ہے۔ جو لوگ قرآنی صداقت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے منکر ہیں، اس کا سبب یہ نہیں کہ قرآن کی تعلیم و تفہیم میں کچھ قصور ہے یا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تبلیغ و تبیین میں معاذ اللہ مقصر ہیں۔ بلکہ انکار و انحراف کا اصلی سبب یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹی شیخی، جاہلانہ غرور و نخوت، اور معاندانہ مخالفت کے جذبات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ذرا اس دلدل سے نکلیں تو حق و صداقت کی صاف سڑک نظر آئے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور بعض دیگر محدثین نے یہ مضمون نقل کیا ہے کہ ابو طالب جب بیمار ہوئے تو کفار قریش کی ایک جماعت جن میں ابوجہل بھی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کرنے آئے کہ محمد ہمارے معبودوں کی ہجو اور توہین کرتے ہیں اور ان کو بہت ہی برا بھلا کہتے ہیں۔ ابو طالب نے ان لوگوں کی موجودگی میں آپ سے دریافت کیا۔ تو آپ نے جواباً یہ ارشاد فرمایا میں ان لوگوں سے صرف ایک ہی بات کہتا ہوں کہ اگر مان لیں تو عرب ان کا مطیع ہو جائے۔ اور عجم جزیہ دینے لگیں۔ یہ لوگ پوچھنے لگے۔ ایسی کونسی وہ بات ہے۔ ایک تو کیا ہم دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ بتایئے تو وہ ایک بات کیا ہے آپ نے فرمایا۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ یہ سننا تھا کہ وہ سب نہایت برافروختہ اور مشتعل ہو کر کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہتے جاتے تھے عجیب بات ہے کیا سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا اس پر یہ سورت آیہ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ تک نازل ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ

بہت غارت کر دیں ہم نے ان سے پہلے جماعتیں پھر لگے پکارنے

وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝

اور وقت نہ رہا تھا خلاصی کا ☆

ماضی کے متکبرین کا انجام ☆ یعنی ان کو معلوم رہنا چاہیئے کہ اسی غرور و تکبر کی بدولت انبیاء اللہ سے مقابلہ ٹھان کر بہت سی جماعتیں پہلے تباہ و برباد ہو چکی ہیں۔ وہ لوگ بھی مدتوں خدا کے پیغمبروں سے لڑتے رہے، پھر جب برا وقت آ کر پڑا اور عذاب الٰہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو گھبرا کر شور مچانے اور خدا کو پکارنے لگے مگر اس وقت فریاد کرنے سے کیا بنتا۔ رہائی اور خلاصی کا موقع گزر چکا تھا اور وقت نہیں رہا تھا کہ ان کے شور و بکاء کی طرف توجہ کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک شاعر کہتا ہے۔

وَالْعَاطِفُوْنَ تَحِيْنَ مَا مِنْ عَاطِفٍ

وَالْمُطْعِمُوْنَ زَمَانَ مَا مِنْ مُّطْعِمٍ

وہ ایسے وقت مہربانی کرتے ہیں جب کوئی مہربان موجود نہیں ہوتا اور ایسے وقت کھانا کھلاتے ہیں جب کوئی شخص کھانا کھلانے والا نہیں ہوتا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کفار مکہ جب جنگ کرتے تھے تو لڑائی میں سرمست ہو جاتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے مناص۔ اس پر اللہ نے فرمایا ولات حین مناص یعنی مناص کہنے کا وہ وقت نہ تھا یعنی نہ کوئی جائے پناہ تھی نہ بھاگ جانے کا مقام۔ (تفسیر مظہری)

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ

اور تعجب کرنے لگے اس بات پر کہ آیا ان کے پاس ایک ڈرانے والا انہی میں سے

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝

اور کہنے لگے منکر یہ جادوگر ہے جھوٹا ☆

کافروں کا جھوٹا فلسفہ: ☆ یعنی آسمان سے کوئی فرشتہ آتا تو خیر ایک بات تھی۔ ہم ہی میں سے ایک آدمی کھڑا ہو کر ہم کو ڈرانے دھمکانے لگے اور کہنے لگے میں آسمان والے خدا کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں، یہ عجیب بات ہے۔ اب بجز اس کے کیا کہا جائے کہ ایک جادوگر نے جھوٹا ڈھونگ بنا رکھا کر دیا ہے۔ جادو کے زور سے کچھ کرشمے دکھلا کر انہیں معجزہ کہنے لگے اور چند قصے کہانیاں جمع کر کے جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے علوم ہیں اور میں اسکا پیغمبر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ یعنی ایک انسان اور وہ بھی انہیں میں سے پیغمبر ہو کر ان کو ڈرانے آیا ہے۔

وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ اظہار غضب اور مذمت کے لئے ہے اور اس بات پر تنبیہ

کرنے کے لئے کہ کفر نے ہی ان کو ایسا کہنے کی جرات دلائی بجائے ضمیر کے الکافرون صراحت کے ساتھ فرمایا۔

هٰذَا سٰحِرٌ یعنی اس کے معجزے اسکے جادو کے کرشمے ہیں۔ کَذَّابٌ یعنی نبوت کے دعوی میں پکا جھوٹا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ
کیا اس نے کردی اتنوں کی بندگی کے بدلے ایک ہی کی بندگی یہ بھی ہے
عُجَابٌ ۞ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا
بڑے تعجب کی بات اور چل کھڑے ہوئے کئی پنچ ان میں سے کہ چلو اور جمے رہو
عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ
اپنے معبودوں پر ::

:: یعنی اور بھی اتنے سب شہر دیوتاؤں کا دربار ختم کر کے صرف ایک خدا رہنے دیا۔ اس سے بڑھ کر تعجب کی بات کیا ہوگی کہ تنہا ایک سارے جہان کا انتظام اکیلے ایک خدا سے چل سکتا ہے۔ اور مختلف قسموں اور تمناؤں سے جن خداؤں کی بندگی قرنوں سے ہوتی چلی آتی تھی وہ سب یک قلم موقوف کر دی جائے۔ گویا ہمارے باپ دادے نرے جاہل اور بے وقوف ہی تھے جو اتنے دیوتاؤں کے سامنے سر عبودیت خم کرتے رہے۔ روایات میں ہے کہ ابو طالب کی بیماری میں ابوجہل وغیرہ چند سرداران قریش نے ابو طالب سے آ کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی کہ یہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہیں اور ہمیں طرح طرح سے احمق بناتے ہیں۔ آپ ان کو سمجھائیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے چچا میں ان سے صرف ایک کلمہ چاہتا ہوں جس کے بعد تمام عرب ان کا مطیع ہو جائے اور عجم ان کی خدمت میں جزیہ پیش کرنے لگے۔ وہ خوش ہو کر بولے کہ بتلائیے وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ ایک کلمہ کہتے ہیں، ہم آپ سے اس کلمے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ فرمایا "زیادہ نہیں بس ایک اور صرف ایک ہی کلمہ ہے "لا الٰہ الا اللہ"۔ یہ سنتے ہی غصہ میں بھر کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا اتنے خداؤں کو ہٹا کر بس ایک خدا چھوڑ دیا؟ یہ اپنے منصوبے سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہ تو انہی ہمارے معبودوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں تم بھی مضبوطی سے اپنے معبودوں کی عبادت وحمایت پر جمے رہو۔ مبادا ان کا پروپیگنڈہ کسی ضعیف الاعتقاد کا قدم پرانے آبائی طریقہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ ان کی ان تھک کوشش کے مقابلہ میں ہم کو بہت زیادہ صبر واستقلال دکھانے کی ضرورت ہے۔

انوکھی بات: اَجَعَلَ یہ سوال بطور تعجب ہے یعنی متعدد اور کثیر معبودوں کی جگہ اس نے ایک خدا کی معبودیت کو دیدی یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اِنَّ هٰذَا یہ تو بڑی ہی انوکھی بات ہے ہمارے اسلاف نے جمائی طریقہ کے خلاف ہے ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ایک کا علم اور قدرت اس قدر ہمہ گیر ہو جو بیشمار تعداد کی جگہ پوری پوری کرے۔

عجیب اور عُجاب کا فرق: بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ وہ انوکھی بات جس کی نظیر ہو عجیب ہوتی ہے اور بے نظیر ہو تو اس کو عجاب کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۞
بیشک اس بات میں کوئی غرض ہے ☆

☆ یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو اس قدر زور وشور اور عزم واستقلال سے ہمارے معبودوں کے خلاف جہاد کر رہے ہیں ضرور اس میں ان کی کوئی غرض ہے وہ یہی کہ ایک خدا کا نام لے کر ہم کو اپنا محکوم اور مطیع بنائیں اور دنیا کی حکومت وریاست حاصل کریں۔ سو لازم ہے کہ اس مقصد میں ہم ان کو کامیاب نہ ہونے دیں۔ بعض مفسرین نے "اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ" کا مطلب یہ لیا ہے کہ بے شک یہ وہ چیز ہے جس کا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ارادہ ہی کر چکے ہیں۔ کسی طرح اس سے ہٹنے والے نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ بات (تعدد معبود) ہونے والی ہے۔ اللہ کو یہی منظور ہے کہ دنیا میں انقلاب ہو۔ جہاں تک ہو سکے صبر وتحمل سے اپنے قدیم دین ورآئین کی حفاظت کرتے رہو۔ یا یہ ممکن ہے کہ از راہ تہکم یہ کہا ہو کہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سب کچھ ہیں لیکن ضروری نہیں کہ آدمی جو ارادہ اور تمنا کرے وہ پوری ہو جائے۔ تم ان کے مقابلہ میں قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ
یہ نہیں سنا ہم نے اس پچھلے دین میں
اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۞
اور کچھ نہیں یہ بنائی ہوئی بات ہے ::

:: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "پچھلا دین کہتے تھے اپنے باپ دادوں کو جن کو آگے دیکھتے ہیں کہ اگلے لوگ ایسی باتیں کہتے تھے پر ہمارے بزرگ یوں نہیں کہہ گئے" ممکن ہے پچھلے دین سے عیسائی مذہب مراد ہو۔ جیسا کہ اکثر سلف کا قول ہے۔ یعنی نصاریٰ جو اہل کتاب ہیں ان سے بھی ہم نے نہیں سنا کہ سب خداؤں کو ہٹا کر ایک ہی خدا رہنے دیا ہو۔ آخر وہ بھی تین خدا تو

مانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے۔ اگر پہلی کتابوں میں کچھ اصل ہوتی تو ضرور قبول کرتے۔ معلوم ہوا یہ محض گھڑی ہوئی بات ہے۔ (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

یہ بات پچھلے دین میں نہیں سنی۔ الملۃ الاخرۃ

حضرت ابن عباس، کلبی اور مقاتل نے الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے مراد عیسائیت یعنی آخری (سماوی) مذہب لیا ہے۔ عیسائی بھی توحید کے قائل نہیں (رہے) تھے بلکہ خدا کو تین (اقانیم) میں کا تیسرا کہتے تھے۔ مجاہد نے الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ سے قریش کا مذہب جس پر وہ چلتے تھے مراد ہے یعنی جس مذہب پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اس میں بھی یہ بات نہیں سنی۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جس مذہب کا انتظار کیا جارہا تھا اس میں توحید کی تعلیم کا ہونا تو ہم نے نہ اہل کتاب سے سنا نہ کاہنوں سے۔ اختلاق جھوٹی من گھڑت۔ (تفسیر مظہری)

أَؤُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا

کیا اسی پر اتری نصیحت ہم سب میں سے☆

☆ یعنی اچھا قرآن کو اللہ کا کلام ہی مان لو اور یہ بھی نہ سہی کہ آسمان سے کوئی فرشتہ نبی بنا کر بھیجا جاتا مگر یہ کیا غضب ہے کہ ہم سب میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کا انتخاب ہوا۔ کیا سارے ملک میں ایک یہی اس منصب کے لئے رہ گئے تھے اور کوئی بڑا رئیس مالدار خدا کو نہ ملتا تھا جس پر اپنا کلام نازل کرتا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِي بَلْ لَّمَّا يَذُوقُوا

کوئی نہیں ان کو دھوکا ہے میری نصیحت میں کوئی نہیں ابھی نہیں چکھی

عَذَابِ

نہیں میری مار☆

کافروں کی تردید☆ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کی نامعقول یاوہ گوئی کا جواب ہوا۔ یعنی ان کی یہ خرافات کچھ نہیں، بات صرف اتنی ہے کہ ابھی ہماری نصیحت کے متعلق ان کو دھوکا لگا ہوا ہے۔ وہ یقین نہیں رکھتے کہ جس خوفناک مستقبل سے آگاہ کیا جارہا ہے وہ ضرور پیش آکر رہے گا۔ کیونکہ ابھی تک انہوں نے خدائی مار کا مزا نہیں چکھا جس وقت خدائی مار پڑے گی، تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ

کیا ان کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کی مہربانی کے جو کہ زبردست ہے بخشنے والا

أَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوا

یا ان کی حکومت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جو ان کے بیچ میں ہے تو چاہئے کہ

فِي الْأَسْبَابِ

چڑھ جائیں رسیاں تان کر☆

☆ یعنی رحمت کے خزانے اور آسمان و زمین کی حکومت سب اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ زبردست ہے اور بڑی بخشش والا ہے۔ جس پر جو انعام چاہے کرے کون روک سکتا ہے یا نکتہ چینی کر سکتا ہے اگر وہ اپنی حکمت و دانائی سے کسی بشر کو منصب نبوت و رسالت پر سرفراز فرماتا ہے تو تم دخل دینے والے کون ہو کہ جب اس پر مہربانی فرمائی ہم پر نہ فرمائی۔ یہ رحمت کے خزانے اور زمین و آسمان کی حکومت کچھ تمہارے قبضہ میں ہوتی تو ایسی باتیں کرتے۔ اگر ہو تو اپنے تمام اسباب و وسائل کام میں لا کر اور رسیاں تان کر آسمان پر چڑھ جاؤ تا کہ وہاں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کا آنا بند کر سکو اور علویات پر قبضہ کر کے اپنی مرضی و منشا کے موافق آسمان و زمین کے انتظام و تدبیر کا کام انجام دے سکو۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے تو آسمان و زمین کی حکومت اور خزائن رحمت کی مالکیت کا دعویٰ عبث ہے۔ پھر خدائی انتظامات میں دخل دینا بجز بے حیائی یا جنون کے اور کیا ہوگا۔

ع ای بسا قدر خود بشناس (تفسیر عثمانی)

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ

ایک لشکر یہ بھی وہاں تباہ ہوا ان سب لشکروں میں☆

یہ مشرکین بے طاقت گروہ ہے☆ یعنی کچھ بھی نہیں، زمین و آسمان کی حکومت اور خزانوں کے مالک تو کیا ہوتے، یہ بیچارے تو چند شکست خوردہ آدمیوں کی ایک بھیڑ ہے جو کسی جگہ تباہ شدہ قوموں کی طرح تباہ و برباد ہوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ یہ منظر بدر کے میدان میں سب نے دیکھ لیا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی اگلی قومیں برباد ہوئیں، اگر چڑھ جاویں تو یہ بھی برباد ہوں" گویا اس آیت کا ربط ماقبل سے بتلایا۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کے سامنے مشرک کچھ نہیں۔ ما ھنالک میں ما تقلیل کے لئے ہے (ھنالک سے مراد ہے مکہ) مہزوم شکست خوردہ یعنی عنقریب ان کو شکست ہو جائے گی۔ احزاب سے مراد ہیں کافروں کی وہ جماعتیں جو اپنے اپنے پیغمبروں کے زمانہ میں ان کے خلاف متحد ہوئی تھیں۔ مطلب یہ کہ گذشتہ قوموں سے متحد ہو کر اللہ کا کوئی یہ مختصر تعداد شکست پائے گی جیسے گذشتہ اقوام مغلوب کر دی گئیں۔

کردیا گیا تو ان کے پاس ایسی طاقت کہاں سے آسکتی ہے کہ اللہ کے انتظام عالم میں یہ دخل دے سکیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس حقیر جماعت کی آپ پرواہ نہ کیجئے۔ تو وہ جو کہ اللہ نے پہلے ہی فرما دیا تھا۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ عنقریب کافروں کی جماعت کو شکست ہو جائیگی اور یہ پشت موڑ کر بھاگ جائیں گے چنانچہ اس کا ظہور بدر کے دن ہو گیا۔ هُنَالِكَ سے اشارہ بدر کی لڑائی میں کافروں کی قتل گاہوں کی طرف ہے۔ (تفسیر مظہری)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ
جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور فرعون
ذُو الْأَوْتَادِ
میخوں والا☆

ذوالاوتاد کا مطلب ☆یعنی بہت زور و قوت اور لاؤ لشکر والا جس نے دنیا میں اپنی سلطنت کے کھونٹے گاڑ دیئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ آدمی کو چومیخہ کر کے مارتا تھا اس سے اس کا نام "ذوالاوتاد" (میخوں والا) پڑ گیا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فرعون جب کسی پر عتاب کرتا تھا تو اس کو چت کر کے زمین سے کچھ اوپر ہر ہاتھ اور ٹانگ ایک ایک ستون میں ٹھونک دیتا تھا اس طرح وہ چت معلق رہتا تھا نہ اوپر جا سکتا نہ نیچے زمین پر گر سکتا تھا اسی طرح مر جاتا تھا۔ مجاہد اور مقاتل کا (یہ بھی) بیان ہے کہ جس شخص کو سزا دینی ہوتی فرعون اس کو زمین پر چت لٹاتا تھا پھر اس کے ہاتھ پاؤں علیحدہ علیحدہ کھینچ کر چومیخہ کر دیتا تھا۔ سدی نے کہا چومیخا مضبوط کر کے بچھو اور سانپ اُس پر چھوڑ دیتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْئَيْكَةِ
اور ثمود اور لوط کی قوم اور ایکہ کے لوگ☆

☆ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام جس کی طرف مبعوث ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ۞ إِنْ كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ
وہ بڑی بڑی فوجیں یہ جتنے تھے سب نے یہی کیا کہ جھٹلایا رسولوں کو
فَحَقَّ عِقَابِ ۞
پھر ثابت ہوئی میری طرف سے سزا☆

☆ یعنی یہ بڑی بڑی طاقتور فوجیں بھی رسولوں کو جھٹلا کر سزا سے نہ بچ سکیں، تمہاری تو حقیقت کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَنْظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً
اور راہ نہیں دیکھتے یہ لوگ مگر ایک چنگھاڑ کی

مَا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۞
جو بیچ میں دم نہ لے گی☆

☆ یعنی صور کی آواز کے منتظر ہیں، پوری سزا اس وقت ملے گی اور ممکن ہے "صیحۃ" سے کوئی دنیوی آفت مراد ہو۔ (تفسیر عثمانی)

کفار مکہ شقاوت اور حق سے یہ کہا کرتے تھے۔ اے اللہ اگر یہ بات حق ہے تیری طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے یا اور کوئی دردناک عذاب ہم پر لے آئیے۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۞
اور کہتے ہیں اے رب جلد دے ہم کو چٹھی ہماری پہلے حساب کے دن سے☆

☆ یعنی جب وعدہ قیامت سنتے مسخراپن سے کہتے کہ ہم کو تو اس وقت کا حصہ ابھی دیدیجئے ابھی ہم اپنا اعمالنامہ دیکھ لیں اور ہاتھ کے ہاتھ سزا جزاء سے فارغ ہو جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کا حصہ سعید بن جبیر نے کہا کافروں کی مراد یہ تھی کہ محمد جس جنت کا ذکر کرتے ہیں اس کے اندر ہمارا جو نصیب اور حصہ ہو وہ ہم کو یہیں دیدے۔ حسن، قتادہ، مجاہد اور سدی نے بیان کا مطلب یہ تھا کہ جس عذاب آخرت کی محمد ہم کو دھمکی دیتے ہیں اس کا ہمارا مقررہ حصہ یہیں دنیا میں ہم کو دیدے۔ یہ روایت میں آیا ہے کہ مجاہد نے قط کا ترجمہ حساب کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ
تو تحمل کرتا رہ اُس پر جو وہ کہتے ہیں اور یاد کر ہمارے بندے داؤد
ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ
قوت والے کو وہ تھا رجوع رہنے والا☆

حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ یاد کرو

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں اس جگہ ان کو داؤد کا قصہ یاد دلوایا کہ انہوں نے بھی طالوت کے عہد حکومت میں بہت صبر کیا، آخر حکومت ان کو ملی اور جالوت وغیرہ مخالفوں کو جہاد سے زیر کیا۔ یہ ہی نقشہ ہوا ہمارے پیغمبر کا (تنبیہ) "ذاالاید" کا ترجمہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہاتھ کے بل والا کیا ہے یعنی قوت سلطنت، یا ادھر اشارہ ہو کہ ان کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ یا "ہاتھ کا بل" یہ کہ سلطنت کا مال نہ کھاتے اپنے ہاتھ کی محنت سے کسب کر کے کھاتے اور "اواب" یعنی ہر معاملہ میں اللہ کی طرف رجوع رہتے تھے۔

عبادت کا پسندیدہ طریقہ۔ چنانچہ صحیحین کی ایک حدیث میں آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نماز داؤد علیہ السلام کی ہے۔ اور سب سے زیادہ پسندیدہ روزے داؤد (علیہ السلام) کے ہیں وہ آدھی رات سوتے ایک تہائی رات عبادت کرتے اور پھر رات کے چھٹے حصہ میں سو جاتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے تھے اور جب دشمن سے ان کا مقابلہ ہو جاتا تو فرار اختیار نہ فرماتے تھے۔ اور بلاشبہ وہ اللہ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔'' (...)

عبادت کے اس طریقے کو سب سے زیادہ پسندیدہ اس لئے قرار دیا گیا کہ ایک تو اس میں مشقت زیادہ ہے، ساری عمر روزہ رکھنے سے آدمی روزے کا عادی ہو جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد اس میں زیادہ مشقت نہیں رہتی، لیکن ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنے میں تکلیف مسلسل رہتی ہے، دوسرے اس طریقے سے انسان عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے نفس، اہل وعیال اور متعلقین کے حقوق بھی پوری طرح ادا کر سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی ج ۲۳ میں امام احمد بن حنبل کا نہایت ہی لطیف مضمون بیان کیا ہے کہ مالک بن دینار اس آیت وحسن مآب کی تفسیر میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے روز حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش الٰہی کے سامنے کھڑا کیا جائے گا پھر حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔ اے داؤد آج اس وقت تم میری تسبیح و کبریائی اسی لحن اور آواز سے بیان کرو جس آواز سے دنیا میں بیان کرتے تھے۔ داؤد علیہ السلام کہیں گے اے پروردگار وہ بات تو میری زندگی میں بھی جواب نہیں رہی۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے میں تمہاری وہی صورت تم کو واپس دیتا ہوں اور وہی لحن داؤدی جس سے دنیا میں پہاڑ اور پرند تمہارے ہمنوا ہو جایا کرتے تھے تم کو عطا کرتا ہوں تو حضرت داؤد علیہ السلام تسبیح شروع کریں گے جس سے تمام جنتی بیخود ہو جائیں گے۔ پھر ان تمام وجوہ فضیلت کے علاوہ ایک عظمت و برتری کی وجہ یہ بھی قرآن کریم کی تعبیر سے ظاہر ہے کہ اس قصہ کو حق تعالیٰ نے اس عنوان سے ذکر فرمایا **وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ** تو یہ عنوان بالکل ایسا ہی ہے جیسا **هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ** إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ **الْمُقَدَّسِ طُوًى** ... اے ہمارے پیغمبر کیا آپ کو موسیٰ کی بات پہنچی ہے ... موسیٰ کو ان کے پروردگار نے وادی مقدس طویٰ میں پکارا تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ نبأ الخصم جو داؤد علیہ السلام کا بیان کیا گیا وہ عظمت و فضیلت میں اسی طرح کا ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کا واقعہ وہ طور تو ظاہر ہے کہ جو قصہ اس عظمت و تقدس کے عنوان سے بیان کیا جا رہا ہے ... لغزش ... نہیں ہو سکتا جس سے ... انسان نفرت کرتا ... اور یہ قرآن کی عظمت ... ہے کہ ایک قصہ اس اہمیت و خصوصیت سے بیان کیا جائے۔ غرض کسی نوعیت سے بھی اس مشہور کردہ واقعہ کی صحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ (معارف کاندھلوی)

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ
ہم نے تابع کر دیے تھے پہاڑ اس کے ساتھ پاکی بولتے تھے شام کو
وَالْإِشْرَاقِ
اور صبح

... تسبیح کی شان یہ تھی کہ جب حضرت داؤد تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے۔ اس کے متعلق پورا مضمون سورہ سبا میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔ (...)

نماز چاشت کا حکم۔ بغوی نے اپنی سند سے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس آیت پر میرا (ایمان تو تھا لیکن) میں نہیں جانتا تھا کہ اس کا (مرادی) معنی کیا ہے یہاں تک کہ حضرت ام ہانی بنت ابوطالب نے فرمایا کہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور وضو کا پانی طلب کیا پھر وضو کیا اور چاشت کی نماز (...) پڑھی اور نماز کے بعد فرمایا ام ہانی یہ اشراق کی نماز ہے۔ ... میں طبرانی نے اور ابن مردویہ اور ابن جریر اور حاکم نے عبداللہ بن حارث کے سلسلے سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ مجھے چاشت کی نماز کا حکم اسی آیت سے ہوا اس سے پہلے میں نہیں جانتا تھا کہ چاشت کی نماز کوئی ہوتی ہے۔ سعید بن منصور نے بھی اس اثر کی تخریج کی ہے۔ (...)

ایک لطیف توجیہ۔ حضرت تھانوی نے ایک لطیف توجیہ فرمائی ہے کہ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سے ذکر و شغل کا ایک خاص کیف پیدا ہوتا تھا جس سے عبادت میں نشاط اور تازگی و ہمت پیدا ہوتی ہے اجتماعی ذکر کا یہ فائدہ بھی ہے کہ ذاکر کی برکتوں کا ایک دوسرے پر انعکاس ہوتا رہتا ہے۔ صوفیائے کرام کے یہاں ذکر و شغل کا ایک خاص طریقہ معروف ہے جس میں ... تصور کیا جاتا ہے کہ پوری کائنات ذکر کر رہی ہے ... میں اس طریقہ کی ایک عجیب تاثیر ہے۔ اس آیت سے اس طریقہ ذکر کی بنیاد بھی مستنبط ہوتی ہے۔ (...)

نماز چاشت کی فضیلت۔ جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص صلوۃ الضحیٰ کی دو رکعتوں کی پابندی کرے اس کے سارے گناہ بخش دیے جاتے ہیں خواہ وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں۔ حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو شخص صلوۃ الضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں سونے کا محل بنائے گا۔'' علماء نے فرمایا ہے کہ چاشت کی کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعتیں ہیں، ... پڑھنی ... ہیں لیکن تعداد کے لئے کوئی خاص معمول بنا لیا جائے تو بہتر

ہے۔ اور یہ معمول کم از کم چار رکعت ہو تو زیادہ اچھا ہے یونکہ آپ کا معمول چار رکعتیں ہی پڑھنے کا تھا۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کر دینے والی تقریر عطا فرمائی) حکمت سے مراد تو دانائی ہے یعنی ہم نے انہیں عقل و فہم کی دولت بخشی تھی اور بعض حضرات نے فرمایا کہ نبوت مراد ہے۔ اور "**وَفَصْلَ الْخِطَابِ**" کی مختلف تفسیریں کی گئی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد زور بیان اور قوت خطابت ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام اونچے درجے کے خطیب تھے اور خطبوں میں حمد و صلوٰۃ کے بعد لفظ "اَمَّا بَعد" سب سے پہلے انہوں نے ہی کہنا شروع کیا اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے بہترین قوت فیصلہ مراد ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ
اور اڑتے جانور جمع ہو کر سب تھے اسکے آگے رجوع رہتے ☆

☆ یا سب اس کے ساتھ مل کر اللہ کی طرف رجوع رہتے کما قال بعض المفسرین۔ (تفسیر عثمانی)

والطیر محشورہ کا ترجمہ جمع ہو کر عام اہل لغت اور مفسرین کی رائے کے مطابق ہے۔ حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں محشورہ کا ترجمہ محبوست کیا ہے یعنی پرند ہوا میں اڑتے ہوئے حضرت داؤد کی تسبیح سن کر رک جاتے تھے اور ان کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہو جاتے۔ اسی طرح اونچے اونچے پہاڑ بھی تسبیح داؤدی کے ساتھ آواز بلند کرتے۔ یہ تمام فضائل داؤد علیہ السلام کے معجزات نبوت تھے۔

مذکورہ کے علاوہ اس قید کی وجہ سے واضح ہو گئی کہ اللہ کے فرشتے تو ہر حلقہ ذکر میں موجود ہی ہوتے ہیں تو داؤد علیہ السلام کی خصوصیت اور شرف یہ تھا کہ اس حلقہ ذکر میں فرشتوں کے علاوہ پہاڑ اور پرند بھی شامل ہوتے تھے۔

(معارف کاندھلوی)

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ
اور قوت دی ہم نے اسکی سلطنت کو ☆

☆ یعنی دنیا میں اس کی سلطنت کی دھاک بٹھا دی تھی اور اپنی اعانت و نصرت سے مختلف قسم کی کثیر التعداد فوجیں دے کر خوب اقتدار جما دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت: بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے تمام بادشاہوں سے بڑھ کر داؤد کو اقتدار عطا فرمایا تھا ان کے قلعہ (اور شاہی محل) کی نگرانی ہر رات ۳۶ ہزار سپاہی کرتے تھے۔

بغوی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس کا یہ بیان بھی نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے کسی آدمی نے کسی بڑے آدمی پر حضرت داؤد کے سامنے دعویٰ کیا کہ اس نے میری گائے چھین لی ہے۔ حضرت داؤد نے مدعی علیہ سے پوچھا اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے مدعی سے گواہ طلب کیے اس کے پاس گواہ نہ تھے آپ نے فرمایا اب جیسے جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کروں گا۔ اللہ نے خواب میں حضرت داؤد نے مدعی علیہ سے پوچھا اس نے انکار کر دیا آپ نے مدعی سے گواہ طلب کیے اس کے پاس گواہ نہ تھے آپ نے فرمایا اب جیسے جاؤ میں تمہارے معاملہ پر غور کر کے فیصلہ کروں گا۔ اللہ نے خواب میں حضرت داؤد کے پاس وحی بھیجی کہ مدعی علیہ کو قتل کر دیجئے۔ بیدار ہونے کے بعد آپ نے کہا یہ ایک خواب ہے میں فیصلہ میں جلدی نہیں کروں گا۔ دوسری رات پھر یہی خواب دیکھا لیکن آپ نے خواب کی تعمیل نہیں کی تیسری بار خواب میں وحی آئی کہ مدعی علیہ کو قتل کر دو یا سخت سزا دو بیدار ہونے کے بعد حضرت داؤد نے مدعی علیہ کو طلب کیا اور فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ میں تجھے قتل کر دوں اس نے کہا کیا بغیر ثبوت کے آپ مجھے قتل کر دیں گے۔ حضرت داؤد نے فرمایا خدا کی قسم میں تیرے معاملہ میں اللہ کا حکم نافذ کروں گا۔ جب اس شخص نے دیکھا کہ داؤد مجھے قتل ہی کرا دیں گے تو بولا آپ عجلت سے کام نہ لیں میں آپ کو اصل واقعہ بتاتا ہوں میرے اس جرم کی یہ سزا تجویز نہیں کی گئی ہے بلکہ میری یہ پکڑ ایک اور جرم میں ہوئی ہے میں نے اس مدعی کے باپ کو دھوکہ دے کر اچانک قتل کر دیا تھا اس کی مجھے یہ سزا دی گئی ہے حضرت داؤد نے اس اقرار کے بعد اس کو قتل کرنے کا حکم دے دیا اور قتل کرا دیا۔ اس واقعہ سے بنی اسرائیل کے دلوں پر حضرت داؤد کی ہیبت چھا گئی اور آپ کی حکومت بڑی مستحکم ہو گئی۔ عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بھی اس بیان کی حضرت ابن عباس کی طرف نسبت کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ
اور دی اُسکو تدبیر اور فیصلہ کرنا بات کا ☆

حضرت داؤد علیہ السلام کے اوصاف

☆ یعنی بڑے مدبر و دانا تھے۔ ہر بات کا فیصلہ بڑی خوبی سے کرتے اور بولتے تو نہایت فیصلہ کن تقریر ہوتی تھی۔ بہرحال حق تعالیٰ نے ان کو نبوت "حسن تدبیر" قوت فیصلہ اور طرح طرح کے علمی و عملی کمالات عطا فرمائے تھے۔ لیکن امتحان و ابتلاء سے وہ بھی نہیں بچے۔ جس کا قصہ آگے بیان کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دعائے داؤدی. ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور نماز میں میں نے سجدے کی آیت تلاوت کی اور سجدہ کیا تو میرے ساتھ اس درخت نے بھی سجدہ کیا اور میں نے سنا کہ وہ یہ دعا مانگ رہا تھا۔ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا

عندک ذخرًا واجعلها لی عندک ذخرًا وضع بها عنی وزرًا واقبلها منی کما قبلتها من عبدک داؤد یعنی اے اللہ! میرے اس سجدے کو تو میرے لئے اپنے پاس اجر اور خزانے کا سبب بنا اور اس سے تو میرا بوجھ ہلکا کردے اور اسے مجھ سے قبول فرما جیسے کہ تو نے اپنے بندے داؤد کے سجدے کو قبول فرمایا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی اور سجدے کی آیت کو پڑھ کر سجدہ کیا اور اس سجدہ میں وہی دعا پڑھی جو اس شخص نے درخت کی دعا نقل کی تھی۔

مکحولؒ کہتے ہیں کہ جناب داؤد نبیؑ نے ایک مرتبہ آپ سے چند سوالات کئے اور اُن کے معقول جوابات پا کر فرمایا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ پوچھا کہ سب سے اچھی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور ایمان۔ پھر پوچھا کہ سب سے بُری چیز کیا ہے؟ سلیمان نے عرض کیا کہ ایمان کے بعد کفر۔ پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ میٹھی چیز کیا ہے؟ عرض کیا کہ خدا تعالیٰ کی رحمت۔ پھر پوچھا کہ سب سے زیادہ ٹھنڈک والی چیز کیا ہے؟ جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کا لوگوں سے درگذر کرنا اور لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دینا۔ (ابن ابی حاتم)

الحکمۃ حکمت سے مراد ہے نبوت کامل علم اور عمل کا۔ تکمیل

فصل الخطاب. بغوی نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ فصل الخطاب البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر ہے (مدعی پر لازم ہے کہ گواہ پیش کرے اور گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ سے حلف لیا جائے) یہ ضابطہ تمام جھگڑوں کو طے کر دیتا ہے فریقین کی بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت ابیؓ ابن کعب کا قول بھی یہی روایت میں آیا ہے۔ حضرت ابیؓ نے فرمایا۔ فصل الخطاب گواہ اور قسم ہے۔ مجاہد۔ ورعطاء بن رباح کا یہی قول ہے۔

شعبی نے کہا حمد و ثناء کے بعد جب آدمی مقصد بیان کرنا چاہتا ہے اور بیان مقصد سے پہلے اَمّا بَعْدُ کہتا ہے تو یہ فصل الخطاب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع کلام: تو بہ میں ہم نے ہجرت کے واقعہ میں ام معبد کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ام معبد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے متعلق بیان کیا تھا کہ ان کا کلام نہ اتنا کم تھا کہ مطلب فہمی میں خلل انداز ہو نہ اتنا زیادہ تھا کہ طبیعت کو اکتا دے لا نَزْرٌ ولا هَذْرٌ نہ ناقص نہ بیکار بکواس۔ (تفسیر مظہری)

وَهَلْ أَتٰكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ
اور پہنچی ہے تجھ کو خبر دعوے والوں کی جب دیوار کود کر آئے عبادت خانہ میں،
إِذْ دَخَلُوا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ
جب گھس آئے داؤد کے پاس تو اُن سے گھبرایا☆

حضرت داؤدؑ کی آزمائش

حضرت داؤد نے تین دن کی باری رکھی تھی، ایک دن دربار اور فصل خصومات کا، ایک دن اپنے اہل وعیال کے پاس رہنے کا، ایک دن خاص اللہ کی عبادت کا۔ اس دن خلوت میں رہتے تھے۔ دربان کسی کو آنے نہ دیتے۔ ایک دن عبادت میں مشغول تھے کہ ناگاہ چند شخص دیوار پھاند کر ان کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ داؤد علیہ السلام باوجود اپنی قوت وشوکت کے یہ نرالی ماجرا دیکھ کر گھبرا اٹھے کہ یہ آدمی ہیں یا کوئی اور مخلوق ہے؟ آدمی ہیں تو اس وقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ دربانوں نے کیوں نہیں روکا؟ اگر دروازے سے نہیں آئے تو اتنی اونچی دیوار کو پھاندنے کی کیا سبیل ہوئی۔ خدا جانے ایسے غیر معمولی طور پر کس نیت اور کس غرض سے آئے ہیں۔ غرض چونکہ یہ عجیب وغریب واقعہ دیکھ کر خیال دوسری طرف ہٹ گیا اور عبادت میں جیسی یکسوئی کے ساتھ مشغول تھے قائم نہ رہ سکی۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اپنے وقت کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ یہی قول محمد بن کعب کا بھی تھا حسن کے بیان میں اتنا زیادہ ہے ایک روز بنی اسرائیل کو وعظ کہنے کا آپ نے مقرر کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کے ساتھ مل کر آپ ذکر خدا کرتے خود بھی روتے اور ان کو بھی رلاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

آزمائش کی تشریح: حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اس آزمائش اور لغزش کی تشریح اس طرح فرمائی ہے کہ مقدمہ کے یہ دو فریق دیوار پھاند کر داخل ہوئے اور طرز مخاطبت میں انتہائی گستاخانہ اختیار کیا کہ شروع ہی میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انصاف کرنے اور ظلم نہ کرنے کی نصیحتیں شروع کر دیں اس انداز کی گستاخی کی بنا پر کوئی عام آدمی ہوتا تو انہیں جواب دینے کے بجائے ان کو سزا دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کا یہ امتحان فرمایا کہ وہ بھی غصہ میں آ کر انہیں سزا دیتے ہیں یا پیغمبرانہ عفو وتحمل سے کام لے کر ان کی بات سنتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے لیکن اتنی سی فروگذاشت ہوگئی کہ فیصلہ سناتے وقت ظالم کو خطاب کرنے کے بجائے مظلوم کو مخاطب فرمایا۔ جس سے ایک گونہ جانبداری مترشح ہوتی تھی مگر اس پر فوراً متنبہ ہو کر سجدے میں گر گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ (بیان القرآن)

ان تمام تشریحات میں یہ بات مشترک طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ مقدمہ فرضی نہیں بلکہ حقیقی تھا اور صورت مقدمہ کا حضرت داؤد علیہ السلام کی آزمائش یا لغزش سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

محراب: محراب دراصل بالا خانے یا کسی مکان کے سامنے کے حصہ کو کہتے ہیں۔ پھر خاص طور سے مسجد یا عبادت خانے کے سامنے کے حصہ

کو کہا جانے لگا' قرآن کریم میں یہ لفظ عبادت گاہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ مسجد کے دار و محرابیں جیسی آجکل معروف ہیں۔ یہ عہد نبوی میں موجود نہیں تھیں۔ (روح المعانی)

طبعی خوف: فَفَزِعَ مِنْهُمْ (پس حضرت داؤدؑ ان سے گھبرا گئے) گھبرانے کی وجہ صاف ظاہر تھی کہ دو آدمیوں کا بے وقت پہرہ توڑ کر اس طرح گھس آنا عموماً کسی بری نیت ہی سے ہوتا ہے۔ طبعی خوف نبوت یا ولایت کے منافی نہیں ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں بلاتحقیق قصے

بسند سعید بن المسیب اور حارث اعور حضرت علی رضی اللہ سے یہ روایت کیا ہے۔

انه قال من حدثكم بحديث داؤد علىٰ مايرويه القصاص حلدته مائة وستين جلدة وهو حد الفرية علىٰ الانبياء

انہوں نے فرمایا فرمایا جو شخص تم میں سے داؤد علیہ السلام کے بارے میں وہ قصہ بیان کرے گا جس کو عام طور پر واعظین بیان کرتے ہیں میں اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے ماروں گا جو انبیاء علیہم السلام پر بہتان لگانے کی سزا ہے۔

مولانا ابو محمد عبدالحق دہلوی تفسیر حقانی میں فرماتے ہیں کہ اس قصہ کا اصل ماخذ کتاب صموئیل ہے۔ اور آج تک خود اہل کتاب کو بھی اس کتاب کا پورا پتہ نہیں چل سکا کہ اس کا مصنف کون ہے وہ ایک بحیثیت تاریخ کی کتاب یہود میں مروج تھی جس کو یہود و نصاریٰ نے بلا وجہ الہامی کتاب فرض کر لیا۔ (معارف کاندھلوی)

عصمتِ انبیاء: عصمت انبیاء دین کی بنیاد ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کا دین اس کے احکام انبیاء ہی کے ذریعے تو بندوں تک پہنچتے ہیں۔ حضرات انبیاء خدا کے سفیر اور نمائندے ہوتے ہیں۔ اگر وہ معصوم نہ ہوں تو پھر ان کی سفارت ہی کہاں سے قابل اعتماد ہو سکتی ہے اور ان کے لائے ہوئے احکام اور ان کا اسوہ ہدایت اور فلاح و سعادت کیونکر ہو سکتا ہے۔ عصمت انبیاء کا مسئلہ تو ایسے اصول مسلمہ میں سے ہے کہ کسی آیت کی تفسیر یا روایت کی تشریح اور واقعہ کی توضیح و تفصیل میں اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ (معارف کاندھلوی)

قَالُوْا لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى
وہ بولے مت گھبرا ہم دو جھگڑتے ہیں۔ زیادتی کی ہے ایک نے
بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ
دوسرے پر سو فیصلہ کر دے ہم میں انصاف کا اور دور نہ ڈال بات کو
وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ (۲۲)
اور بتلا دے ہم کو سیدھی راہ ☆

آنے والوں نے کہا آپ گھبرائیے نہیں اور ہم سے خوف نہ کھائیے۔ ہم دو فریق اپنے ایک جھگڑے کا فیصلہ کرانے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں آپ ہم میں منصفانہ فیصلہ کر دیجئے۔ کوئی بے راہی اور ناحق کی بات نہ ہو ہم عدل و انصاف کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں۔ (شاید گفتگو کا یہ عنوان دیکھ کر حضرت داؤد اور زیادہ متعجب ہوئے ہوں) (تفسیر عثمانی)

حاکم کے آداب قالوا لا تخف (انہوں نے کہا ڈریئے نہیں) آنے والوں نے یہ کہہ کر اپنی بات بیان کرنی شروع کر دی' اور حضرت داؤد علیہ السلام خاموشی سے ان کی بات سنتے رہے' اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اچانک کسی بے قاعدگی کا مرتکب ہو تو اسے فوراً ملامت اور زجر و توبیخ شروع نہیں کر دینی چاہئے۔ بلکہ پہلے اس کی بات سن لینی چاہئے۔ تاکہ اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے پاس اس بے قاعدگی کا جواز تھا یا نہیں' کوئی اور ہوتا تو آنے والوں پر فوراً برس پڑتا' لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے انکشاف حقیقت کا انتظار فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ معذور ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو اللہ نے کوئی بڑا مرتبہ دیا ہو اور لوگوں کی ضروریات اس سے متعلق ہوں اسے چاہئے کہ وہ اہل حاجت کی بے قاعدگیوں اور گفتگو کی غلطیوں پر حتی الوسع صبر کرے کہ یہی اس کے مرتبہ کا تقاضہ ہے۔ خاص طور سے حاکم' قاضی اور مفتی وغیرہ کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ (ازمعارف المفتی الاعظم)

اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ
یہ جو ہے بھائی ہے میرا اس کے یہاں ہیں ننانوے دنبیاں اور میرے یہاں
نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ فِي
ایک دنبی پھر کہتا ہے حوالہ کر دے میرے وہ بھی اور زبردستی کرتا ہے
الْخِطَابِ (۲۳)
مجھ سے بات میں ☆

جھگڑا ☆ یعنی جھگڑا یہ ہے کہ میرے اس بھائی کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے ہاں صرف ایک دنبی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ وہ ایک بھی کسی طرح مجھ سے چھین کر اپنی سو پوری کر لے۔ اور مشکل یہ آن پڑی ہے کہ جیسے مال میں یہ مجھ سے زیادہ ہے، بات کرنے میں بھی مجھ سے تیز ہے، جب بولتا ہے تو مجھ کو دبا لیتا ہے اور لوگ بھی اسی کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں۔ غرض میرا حق چھیننے کے لئے زبردستی کی باتیں کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ
بولا وہ بے انصافی کرتا ہے تجھ پر کہ مانگتا ہے تیری دنبی ملانے کو اپنی دنبیوں میں ☆

☆ حضرت داؤد نے بقاعدہ شریعت ثبوت وغیرہ طلب کیا ہوگا۔ آخر میں یہ فرمایا کہ بے شک (اگر یہ تیرا بھائی یہ مطالبہ کرتا ہے تو) اس کی زیادتی اور نا انصافی ہے۔ چاہتا ہے کہ اس طرح اپنے غریب بھائی کا مال ہڑپ کر جائے (مطلب یہ کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے)

دباؤ کے ساتھ چندہ یا ہدیہ طلب کرنا

قابل غور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ایک شخص کے محض دنبی مانگنے کو ظلم قرار دیا حالانکہ بظاہر کسی سے محض کوئی چیز مانگ لینا کوئی جرم نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ صورت سوال کی تھی لیکن جس قوت اور عملی دباؤ کے ساتھ یہ سوال کیا جا رہا تھا اس کی موجودگی میں اس کی حیثیت غصب ہی کی ہوگئی تھی۔

اس سے معلوم یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سے کوئی چیز مانگے اور مخاطب راضی ہو یا نہ ہو لیکن بیٹھ جائے یا اس کے پاس دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو اس طرح ہدیہ طلب کرنا بھی غصب میں داخل ہے لہٰذا اگر مانگنے والا کوئی صاحب اقتدار یا ذی وجاہت شخص ہو اور مخاطب اس کی شخصیت کے دباؤ کی وجہ سے انکار نہ کرسکتا ہو تو وہاں صورت چاہے ہدیہ طلب کرنے کی ہو لیکن حقیقت میں وہ غصب ہی ہوتا ہے اور مانگنے والے کے لئے اس طرح حاصل کی ہوئی چیز کا استعمال جائز نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ خاص طور پر ان لوگوں کے لئے بہت توجہ کرنے کا ہے۔ جو مدارس و مکاتب، مسجد یا انجمنوں اور جماعتوں کے لئے چندے وصول کرتے ہیں۔ صرف وہ چندہ حلال و طیب ہے جو دینے والے نے اپنے مکمل اختیار اور خوش دلی کے ساتھ دیا ہو۔ اور اگر چندہ کرنے والوں نے اپنی شخصیت کا دباؤ ڈال کر یا بیک وقت آٹھ دس آدمیوں نے کسی ایک شخص کو زچ کر کے چندہ وصول کرلیا تو یہ صریح ناجائز فعل ہے۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ۔

لا یحلّ مال امرئٍ مسلم اِلّا بطیب نفس منه

کسی مسلمان کا مال اس کی خوشدلی کے بغیر حلال نہیں (معارف القرآن)

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى
اور اکثر شریک زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر
بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مگر جو یقین لائے ہیں اور کام کئے نیک
وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ
اور تھوڑے لوگ ہیں ایسے ☆

شراکت ☆ یعنی شرکاء کی عادت ہے ایک دوسرے پر ظلم کرنے کی۔ قوی حصہ دار چاہتا ہے کہ ضعیف کو دبا جائے۔ صرف اللہ کے ایماندار اور نیک بندے اس سے مستثنیٰ ہیں مگر وہ دنیا میں بہت ہی تھوڑے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ
[illegible]
وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۩ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ
[illegible]

آزمائش کا سبب ☆ اس قصے کے بعد قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ اس میں داؤد علیہ السلام کی ایک فتنہ اور آزمائش تھی اور انہوں نے استغفار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش معاف کر دی۔ وہ آزمائش کیا تھی اور وہ لغزش کیا تھی جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے اس کے متعلق مفسرین نے بہت سے عجیب قصے بیان کئے ہیں۔ حافظ عماد الدین ابن کثیر بہت کہتے ہیں "قد ذکر المفسرون ههنا قصة اکثرها ماخوذ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیها عن المعصوم حدیث یجب اتباعه" اور علامہ ابو محمد بن حزم نے کتاب الفصل میں بہت شدت سے ان قصوں کی تردید کی ہے بلکہ بعض مفسرین نے ان قصوں سے ہٹ کر جو تاویلات کی ہیں وہ بھی تکلف سے خالی نہیں۔ ہمارے نزدیک اصل بات وہ ہے جو ابن عباس سے منقول ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کو یہ امتحان ایک عجب کی بنا پر پیش آیا صورت یہ ہوئی کہ داؤد علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا کہ اے پروردگار! رات اور دن میں کوئی ساعت ایسی نہیں جس میں داؤد کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد تیری عبادت (یعنی نماز یا تسبیح و تکبیر) میں مشغول نہ رہتا ہو (یہ اسلئے کہا کہ انہوں نے روز و شب کے چوبیس گھنٹے اپنے گھر والوں پر نوبت بہ نوبت تقسیم کر رکھے تھے تاکہ ان کا عبادت خانہ کسی وقت عبادت سے خالی نہ رہنے پائے) اور بھی کچھ اس قسم کی چیزیں عرض کیں (شاید حسن انتظام وغیرہ کے متعلق ہوں گی) اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند ہوئی ارشاد ہوا کہ داؤد یہ سب کچھ ہماری توفیق سے ہے۔ اگر میری مدد نہ ہو تو اس چیز پر قدرت نہیں پاسکتا۔ (ہزار کوشش کرے نہیں نبھ سکے گا) قسم ہے اپنے جلال کی میں تجھ کو ایک روز تیرے نفس کے سپرد کردوں گا (یعنی اپنی مدد ہٹالوں گا دیکھیں اس وقت تو کہاں تک اپنی عبادت میں مشغول رہ سکتا اور اپنا نظام قائم رکھ سکتا ہے) داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے پروردگار! مجھے اس دن کی خبر کر دیجئے۔ بس اسی دن فتنہ میں مبتلا ہوگئے (اخرجہ الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد واقرہ الذہبی فی تلخیص) یہ روایت بتلاتی ہے کہ فتنہ کی

نوعیت صرف اسی قدر ہونی چاہیے کہ جس وقت داؤدؑ عبادت میں مشغول ہوں، باوجود پوری کوشش کے مشتغل نہ رہ سکیں اور اپنا انتظام قائم نہ رکھ سکیں۔ چنانچہ آپ پڑھ چکے کہ کس بے قاعدہ اور غیر معمولی طریقہ سے چند اشخاص نے اچانک عبادت خانہ میں داخل ہو کر حضرت داؤدؑ کو گھبرا دیا اور ان کے شغل خاص سے ہٹا کر اپنے جھگڑے کی طرف متوجہ کر لیا، بڑے بڑے پہرے اور انتظامات ان کو داؤدؑ کے پاس پہنچنے سے نہ روک سکے تب داؤدؑ کو خیال ہوا کہ اللہ نے میرے اُس دعوے کی وجہ سے اس فتنہ میں مبتلا کیا۔ لفظ "فتنہ" کا اطلاق اس جگہ قریب ایسا سمجھو جیسے ایک حدیث میں آیا ہے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما بچپن میں قمیض پہن کر لڑکھڑاتے ہوئے آ رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر سے دیکھا اور خطبہ قطع کر کے ان دونوں کو اٹھا لیا اور فرمایا صدق اللہ "اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ"۔ بعض آثار میں ہے کہ بندہ اگر کوئی نیکی کر کے کہتا ہے کہ اے پروردگار! میں نے یہ کام کیا، میں نے صدقہ کیا میں نے نماز پڑھی، میں نے کھانا کھلایا، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور میں نے تیری مدد کی اور میں نے تجھ کو توفیق دی" اور جب بندہ کہتا ہے کہ اے پروردگار تو نے مدد کی تو نے مجھ کو توفیق بخشی اور تو نے مجھ پر احسان فرمایا تو اللہ کہتا ہے اور تو نے عمل کیا، تو نے ارادہ کیا، تو نے یہ نیکی کمائی (مدارج السالکین ص ۹۹ جلد ۱) اسی سے سمجھ لو کہ حضرت داؤد علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کا اپنے حسن انتظام کو جتلاتے ہوئے یہ فرمانا کہ اے پروردگار! رات دن میں کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں میں یا میرے متعلقین تیری عبادت میں مشغول نہ رہتے ہوں، کیسے پسند آ سکتا تھا، بڑوں کی چھوٹی چھوٹی بات پر گرفت ہوتی ہے اسی لئے ایک آزمائش میں مبتلا کر دیئے گئے تا متنبہ ہو کر اپنی غلطی کا تدارک کریں۔ چنانچہ تدارک کیا اور خوب کیا۔ میرے نزدیک آیت کی بے تکلف تقریر یہی ہے باقی حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی مشہور قصہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ موضح القرآن میں دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ: مجاہد کا بیان ہے داؤدؑ چالیس روز تک یونہی سجدہ میں پڑے رہے سر اوپر نہ اٹھایا اور روتے رہے یہاں تک کہ آپ کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی جس نے آپ کے سر کو چھپا لیا۔ چالیس روز کے بعد ندا آئی داؤدؑ کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھانا دے دیا جائے یا پیاسا ہے کہ تجھے پانی پلا دیا جائے یا ننگا ہے کہ تجھے لباس دے دیا جائے۔ میں تو بلا مانگے یہ چیزیں تجھے دیتا ہوں۔ داؤدؑ اتنا روئے کہ آپ کا سینہ کی گرمی سے لکڑی بھڑکنے لگی اور جل گئی اس کے بعد اللہ نے قبول توبہ اور مغفرت کا حکم نازل فرمایا۔

بعض اہل علم نے بیان کیا کہ داؤدؑ راکع ہونے کی حالت میں سجدہ میں گر گئے گویا انہوں نے نماز استغفار کی دو رکعتوں کے لئے احرام کیا تھا (نیت کی تھی اور تکبیر تحریمہ کہی تھی) پھر نماز میں ہی سجدہ میں گر گئے اور اللہ کی طرف رجوع کیا توبہ کی۔

احناف کا استدلال: علماء حنفیہ نے یہیں سے استدلال کیا ہے کہ جس نے آیت سجدہ پڑھی پھر فوراً سجدہ تلاوت کی نیت سے رکوع کر لیا تو اس کے لئے کافی ہے (سجدہ تلاوت ہو گیا) کیونکہ آیت خَرَّ رَاكِعًا میں رکوع کا سجدہ پر اطلاق کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت سجدہ میں سجدہ مقصود نہیں ہے بلکہ تعظیم خداوندی مقصود ہے اور تعظیم کا مفہوم سجدے اور رکوع دونوں میں یکساں ہے۔ اللہ کی تعظیم کی ضرورت یا تو اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کی تعظیم کی ہے ان کی پیروی ہو جائے یا جن لوگوں نے اللہ کے سامنے غرور کیا ہے ان کی مخالفت ہو جائے تقاضائے قیاس یہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ نے اس جگہ قیاس جلی کو استحسان پر ترجیح دی ہے کیونکہ اس جگہ قیاس کی تاثیر قوی ہے کیونکہ قیاس کی تائید اور تقویت ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عمرؓ نے نماز کے اندر (آیت سجدہ پڑھنے کے بعد) رکوع کو سجدہ کی جگہ کافی قرار دیا ہے اور کسی دوسرے صحابی کا اس سے اختلاف کسی روایت میں نہیں آیا (اس سے معلوم ہوا کہ یہ اجماعی فیصلہ ہے) (تفسیر مظہری، صفحہ ۰۰)

مسئلہ: سورۃ صٓ کی یہ آیت پڑھنے سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک سجدہ تلاوت واجب ہو جاتا ہے امام ہر سجدہ تلاوت کو سنت کہتے ہیں (واجب نہیں مانتے) اس لئے ان کے نزدیک اس جگہ بھی سجدہ تلاوت مسنون ہے امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مشہور قول میں یہ سجدہ شکر ہے جو نماز کے اندر ناجائز ہے اور نماز سے باہر مستحب ہے۔

میں کہتا ہوں بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صٓ کا سجدہ واجب سجدوں میں سے نہیں ہے (مگر) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں سجدہ کرتے دیکھا ہے۔

بیہقی نے بیان کیا ہے کہ متعدد صحابہ نے صٓ میں سجدہ کیا۔ حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے میں نے حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی آپ نے سورۃ صٓ پڑھی اور اس میں (تلاوت کا) سجدہ کیا نماز ختم ہونے کے بعد ایک شخص نے دریافت کیا امیر المومنین کیا یہ واجب سجدوں میں سے ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سجدہ کرتے تھے۔ ابو مریم راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ جب شام میں آئے تو حضرت داؤدؑ کے عبادت خانہ میں بھی گئے وہاں آپ نے نماز پڑھی (اور سورت صٓ پڑھی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو سجدہ کیا۔) (تفسیر مظہری)

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝
اور اُس کے لئے ہمارے پاس مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانا ☆☆

حضرت داؤد کی شان

یعنی بدستور مقرب بارگاہ ہیں۔ اس غلطی سے تقرب اور مرتبہ میں فرق

نہیں آیا۔ صرف تھوڑی سی تنبیہ کردی گئی۔ کیونکہ مقربین کی چھوٹی غلطی بھی بڑی سمجھی جاتی ہے۔ "حسنات الابرار سیئات المقربین"۔

گرچہ یک مو بد گنہ کو جستہ بود ۔۔۔ لیک آں مو در دو دیدہ رستہ بود
بود آدم دیدۂ نور قدیم ۔۔۔ موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

(تفسیر عثمانی)

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ
اے داؤد ہم نے کیا تجھ کو نائب ملک
فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى
میں سو تو حکومت کر لوگوں میں انصاف سے اور نہ چل جی
فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ
کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے مقرر جو لوگ
يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ
بچلتے ہیں اللہ کی راہ سے اُن کے لئے سخت عذاب ہے ☆

خلافت کے تقاضے

☆ یعنی خدا نے تم کو زمین میں اپنا نائب بنایا۔ لہٰذا اسی کے حکم پر چلو اور معاملات کے فیصلے عدل وانصاف کے ساتھ شریعت الٰہی کے موافق کرتے رہو۔ کبھی کسی معاملہ میں خواہش نفس کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ آنے پائے کیونکہ یہ چیز آدمی کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دینے والی ہے۔ اور جب انسان اللہ کی راہ سے بہکا تو پھر ٹھکانا کہاں۔ (تفسیر عثمانی)

خلیفہ اور بادشاہ کا فرق: حضرت عمر بن خطابؓ نے حضرات طلحہؓ، زبیرؓ، کعبؓ اور سلیمان فارسیؓ سے پوچھا خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہم کو نہیں معلوم۔ حضرت سلیمانؓ نے کہا خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رعایا میں انصاف کرے سب کو معاشی تقسیم ایک جیسی کرے۔ اور رعایا پر ایسی شفقت کرے جیسے آدمی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کرے۔ حضرت کعبؓ نے کہا میں یہ سمجھتا تھا کہ میرے سوا اس مجلس میں کوئی بھی خلیفہ کا معنی نہیں جانتا۔ حضرت سلیمانؓ راوی ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے فرمایا میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ حضرت سلیمانؓ نے کہا اگر آپ مسلمانوں کی سرزمین سے ایک درہم یا اس سے کم بیش کچھ بھی وصول کریں اور غیر مستحق (بیجا) مقام پر اس کو دیدیں تو آپ بادشاہ ہیں خلیفہ نہیں ہیں یہ سن کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔

سلیمان ابو عبیدہ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ۔ ایک شخص نے کہا یا امیر المومنین ان دونوں میں فرق ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کیا فرق ہے؟ اس شخص نے کہا خلیفہ حق پر لیتا اور حق پر دیتا ہے اور الحمد للہ آپ ایسے ہیں اور بادشاہ ظلم کرتا ہے (ظلماً) اس سے لیتا اور اس کو دیتا ہے۔ حضرت عمرؓ خاموش ہوگئے۔

حضرت معاویہؓ جب منبر پر بیٹھتے تو کہتے لوگو! خلافت مال واسباب جمع کرنے اور تقسیم کرنے سے نہیں ہوتی بلکہ خلافت نام عمل بالحق کا انصاف سے حکومت کرنے کا اور لوگوں سے بحکم خدا مواخذہ کرنے کا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اسلامی ریاست کا بنیادی کام اقامت حق ہے

اسلام چونکہ ایک ابدی دین ہے اس لئے اُس نے سیاست وحکمرانی کے لئے ایسی تمام جزئیات کی تعیین نہیں فرمائی۔ جو حالات اور زمانے کے بدلنے سے قابل تبدیل ہو جاتی ہیں۔ بلکہ چند ایسی بنیادی ہدایات عطا فرمائی ہیں جن کی روشنی میں ہر زمانے کے مطابق انتظامی جزئیات خود طے کی جا سکتی ہیں۔ اسی لئے یہاں یہ بات تو بتادی گئی ہے کہ حکومت کا اصل کام اقامت حق ہے لیکن اس کی انتظامی تفصیلات ہر دور کے اہل رائے مسلمانوں پر چھوڑ دی گئی ہیں۔

عدلیہ اور انتظامیہ کا رشتہ چنانچہ یہ بات کہ عدلیہ انتظامیہ سے بالکل الگ رہے یا اس کے ساتھ وابستہ؟ اس مسئلہ میں کوئی ایسا متعین حکم نہیں دیا گیا۔ جو ہر دور میں ناقابل تبدیل ہو۔ اگر کسی زمانہ میں حکمرانوں کی امانت ودیانت پر پورا اعتماد کیا جا سکتا ہو تو عدلیہ اور انتظامیہ کی دوئی کو مٹایا جا سکتا ہے۔ اور اگر کسی دور میں حکمرانوں کی امانت ودیانت پر پورا بھروسہ نہ ہو تو عدلیہ کو انتظامیہ سے بالکل آزاد بھی رکھا جا سکتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ان سے زیادہ امانت ودیانت کا کون دعویٰ کر سکتا تھا؟ اس لئے انہیں بیک وقت انتظامیہ اور عدلیہ دونوں کا سربراہ بنا کر تنازعات کے فیصلے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ خلفاء راشدین میں بھی یہی طرز رہا کہ امیر المومنین خود ہی قاضی بھی ہوتا تھا۔ بعد کی اسلامی حکومتوں میں اس طریقے کو بدلا گیا اور امیر المومنین کو انتظامیہ کا اور قاضی القضاۃ کو عدلیہ کا سربراہ بنایا گیا۔

ذمہ داری کے عہدے: یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی شخص کو حاکم، قاضی یا کسی محکمے کا افسر بنانے کے لئے سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اسمیں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے یا نہیں اور اس کے اخلاق وکردار کی کیا حالت ہے؟ اگر یہ محسوس ہو کہ اس کے دل پر خوف خدا کے بجائے خواہشات نفسانی کی حکمرانی ہے تو خواہ وہ کیسی اعلیٰ ڈگریاں رکھتا ہو اور اپنے فن میں کتنا ہی ماہر اور پختہ کار ہو۔ اسلامی نقطہ نظر میں وہ کسی اونچے منصب کا مستحق نہیں ہے۔

جس حاکم یا قاضی کے دل میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر ہے وہی صحیح معنی میں حق و انصاف قائم رکھ سکتا ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو آپ اچھے سے اچھا قانون بنا لیجئے۔ نفس انسانی کے دسیسہ کاریاں ہر جگہ اپنا راستہ خود بنا لیتی ہیں' اوران کی موجودگی میں کوئی بہتر سے بہتر نظام قانون بھی حق و انصاف قائم نہیں کرسکتا۔ دنیا کی تاریخ اور موجودہ زمانے کے حالات اس پر گواہ ہیں۔

خدا کی یاد میں غفلت ہو تو اپنے اُوپر سزا مقرر کرنا دینی غیرت کا تقاضا ہے

کسی نیکی کی عادت ڈالنے کے لئے اپنے نفس پر ایسی سزائیں مقرر کرنا اصلاحِ نفس کا ایک نسخہ ہے اور اس واقعہ سے اس کا جواز بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو جہمؓ نے ایک شامی چادر ہدیۃً پیش کی جس پر کچھ نقش ونگار بنے ہوئے تھے آپؐ نے اس چادر میں نماز پڑھی اور واپس آکر حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ یہ چادر ابوجہمؓ کو واپس کر دو' کیونکہ نماز میں میری نگاہ اس کے نقش ونگار پر پڑی' تو قریب تھا کہ یہ نقش ونگار مجھے فتنہ میں ڈال دیں۔ (احکام القرآن بحوالۂ موطا ۔۔۔)

اسی طرح حضرت ابوطلحہؓ ایک مرتبہ اپنے باغ میں نماز پڑھتے ہوئے ایک پرندے کو دیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ جس سے نماز کی طرف دھیان نہ رہا' تو بعد میں آپ نے پورا باغ صدقہ کر دیا۔

ایسا کوئی کام درست نہیں جس سے اضاعتِ مال لازم آتی ہو صوفیاء میں سے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اسی سزا کے طور پر اپنے کپڑے جلا دیئے تھے' لیکن محقق صوفیاء مثلاً شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے اس عمل کو صحیح قرار نہیں دیا۔ (روح المعانی)

امیر کو بذاتِ خود ریاست کے کاموں کی نگرانی کرنی چاہئے

مملکت کے ذمہ دار یا اونچے درجہ کے افسر کو چاہئے کہ وہ اپنے ماتحت شعبوں پر بذاتِ خود نگرانی رکھے' اور انہیں اپنے ماتحتوں پر چھوڑ کر فارغ نہ ہو بیٹھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ماتحتوں کی کثرت کے باوجود بہ نفسِ نفیس گھوڑوں کا معائنہ فرمایا۔ خلفائے راشدین اور خاص طور سے حضرت فاروق اعظمؓ کے عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

ایک عبادت کے وقت دوسری عبادت میں مشغول ہونا غلطی ہے

یک موقت عبادت کے وقت کو کسی دوسری عبادت میں بھی صرف نہ کرنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جہاد کے گھوڑوں کا معائنہ ایک عظیم عبادت تھی۔ لیکن چونکہ وہ وقت اس عبادت کے بجائے نماز کا تھا اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو بھی غلطی میں شمار کر کے اس کا تدارک فرمایا۔ اسی سے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد جس طرح خرید و فروخت میں مشغولیت جائز نہیں' اسی طرح نماز جمعہ کی تیاری کے علاوہ کسی اور کام میں مشغول ہونا بھی درست نہیں' خواہ وہ تلاوت قرآن یا نفل پڑھنے کی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾
اس بات پر کہ بھلا دیا انہوں نے دن حساب کا ☆

خواہشات کی پیروی کا سبب ☆ یعنی عموماً خواہشات نفسانی کی پیروی اسی لئے ہوتی ہے کہ آدمی کو حساب کا دن یاد نہیں رہتا۔ اگر یہ بات مستحضر رہے کہ ایک روز اللہ کے سامنے جانا اور ذرہ ذرہ عمل کا حساب دینا ہے تو آدمی کبھی اللہ کی مرضی پر اپنی خواہش کو مقدم نہ رکھے (تنبیہ) ممکن ہے "یوم الحساب" کا تعلق "لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ" کے ساتھ ہو "نسوا" کے ساتھ نہ ہو یعنی اللہ کے احکام بھلا دینے کے سبب سے ان پر سخت عذاب ہوگا حساب کے دن۔ (تفسیر عثمانی)

عادل حکمران: حدیث میں ہے کہ عادل لوگ نور کے منبروں پر رحمن کی داہنی جانب ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں یہ عادل وہ ہیں جو اپنی اہل وعیال میں اور جن کے وہ مالک ہوں عدل وانصاف کرتے ہیں اور حدیث میں یہ ہے کہ سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کے دوست اور سب سے زیادہ اُس کے مقرب وہ بادشاہ ہوں گے جو عادل ہوں۔ اور سب سے زیادہ دشمن اور سب سے سخت عذاب میں وہ ہوں گے جو حکمران ظالم ہوں۔ (ترمذی)

خلیفۂ وقت سے حساب: حضرت ابوزرعہؒ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ خلیفہ وقت سے بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب لیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ سچ بتا دوں! خلیفہ نے کہا ضرور سچ ہی بتلاؤ اور آپ کو ہر طرح امن ہے۔ فرمایا اے امیر المؤمنین! خدا تعالیٰ کے نزدیک آپ سے بہت بڑا درجہ حضرت داؤدؑ کا تھا نہیں خلافت کے ساتھ ہی ساتھ خدا تعالیٰ نے نبوت بھی دے رکھی تھی۔ لیکن باوجود اس کے کتاب خدا تعالیٰ اُن سے کہتی ہے۔ یٰدَاوٗدُ اِنَّا الخ۔ عکرمہؒ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کے لئے یوم الحساب کو سخت عذاب ہیں ان کے بھول جانے کے باعث سدی کہتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے یوم الحساب کے لئے اعمال جمع نہیں کئے۔ آیت کے لفظوں سے اُسی قول کو زیادہ مناسبت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا
اور ہم نے نہیں بنایا آسمان اور زمین کو اور جو اُنکے بیچ میں ہے نکما

ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا
یہ خیال ہے اُن کا جو منکر ہیں سو خرابی ہے منکروں کے لئے
مِنَ النَّارِ ۗ
آگ سے ☆

آخرت کو سامنے رکھو ☆ یعنی جس کا آگے کچھ نتیجہ نہ نکلے۔ بعد اس دنیا کا نتیجہ ہے آخرت، لہٰذا یہاں رہ کر وہاں کے لئے کچھ کام کرنا چاہئے اور وہ کام یہی ہے کہ انسان اپنی خواہشات کی پیروی چھوڑ کر حق و عدل کے اصول پر کاربند ہو۔ اور خالق و مخلوق دونوں سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھے۔ یہ نہ سمجھے کہ بس دنیا کی زندگی ہے۔ کھا پی کر ختم ہو جائیں گے، آگے حساب کتاب کچھ نہیں۔ یہ خیالات تو ان کے ہیں جنہیں موت کے بعد دوسری زندگی سے انکار ہے سو ایسے منکروں کے لئے آگ تیار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

باطل کا معنی: باطلا خالی از مصلحت و حکمت۔ یا بے کار محض کھیل کے طور پر۔ یا باطل سے مراد ہے اتباع خواہشات جو حق کے مقابل ہے اس ساری کائنات سے خالق کے وجود پر استدلال اور اس کے احکام کی تعمیل کی صورت میں اس کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا حق ہے اور خواہشات نفس کا اتباع باطل ہے (پس اس کائنات کو اللہ نے اس لئے نہیں پیدا کیا کہ انسان اپنے نفس کے میلان و خواہش کا بندہ بن جائے نہ خالق کے وجود کو مانے نہ اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کرے بلکہ خواہش پرست بنا رہے) (تفسیر مظہری)

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
کیا ہم کر دینگے ایمان والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں برابر
كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۖ اَمْ نَجْعَلُ
اُنکے جو خرابی ڈالیں ملک میں کیا ہم دینگے ڈرنیوالوں کو
الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝
برابر ڈھیٹھ لوگوں کے ☆

قیامِ قیامت کی حکمت ☆ یعنی ہمارے عدل و حکمت کا اقتضاء یہ نہیں کہ نیک ایماندار بندوں کو شریروں اور مفسدوں کے برابر کر دیں یا ڈرنے والوں کے ساتھ بھی وہ ہی معاملہ کرنے لگیں جو ڈھیٹ اور نڈر لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے اس لئے ضرور ہوا کہ کوئی وقت حساب و کتاب اور جزاء سزا کا رکھا جائے۔ لیکن دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے نیک اور ایماندار آدمی قسم قسم کی مصائب و آفات میں مبتلا رہتے ہیں اور کتنے ہی بدمعاش بے فکری سے چین اڑاتے ہیں۔ ماننا پڑے گا کہ موت کے بعد دوسری زندگی ہو جو خبر صادق نے دی ہے عین مقتضائے حکمت ہے۔ وہاں ہی ہر نیک و بد اپنے برے بھلے کام کا بدلہ لے گا پھر "یوم الحساب" کی خبر کا انکار کیسے صحیح ہو سکتا ہے (تفسیر عثمانی)

قیامت کی ایک عقلی دلیل: اس آیت میں وجوب حشر کی ایک عقلی برہان ہے جو دو مقدمات پر مبنی ہے۔ مقدمہ اولیٰ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں دونوں فریقوں کے درمیان برابری نہیں بلکہ تقاضا حکمت کے خلاف ہے کیونکہ دنیا میں کافروں کو مومنوں پر (مال دولت اولاد وغیرہ کے لحاظ سے) نمونہ برتری حاصل ہے اس سے ضروری ہے کوئی دوسری زندگی ہو جس میں ہر فریق کو اس کی (فکری و عملی) حالت کے موافق بدلہ ملے۔ (تفسیر عثمانی)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ
یہ ایک کتاب ہے جو اتاری ہم نے تیری طرف برکت کی تاکہ دھیان کریں
وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝
اس کی باتیں اور تاکہ سمجھیں عقل والے

کتاب کے نزول کی حکمت

یعنی جب نیک و بد کا جدا جدا نتیجہ نکلنا ضروری ہوا تو ضرور تھا کہ کوئی کتاب ہدایت مالک حقیقی کی طرف سے آئے جو دونوں کے خوب معقول طریقے سے ان کو نیک و بد سے آگاہ کرے۔ چنانچہ اس وقت یہ کتاب آئی جس کو قرآن مبین کہتے ہیں جس کے الفاظ و حروف، نقوش اور معانی و مضامین ہر چیز میں برکت ہے اور جو اسی غرض سے اتاری گئی ہے کہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل رکھنے والے اس کی نصیحتوں سے منتفع ہوں۔ چنانچہ اس آیت سے پہلی کی آیت میں دیکھو کس قدر صاف فطری اور معقول طریقہ سے مسئلہ معاد کو حل کیا ہے کہ تھوڑی سی عقل والا بھی غور کرے تو صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔

(تنبیہ) شاید "تدبر" سے قوت علمیہ کی اور "تذکر" سے قوت عملیہ کی تکمیل کی طرف اشارہ ہو۔ یہ سب باتیں حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ کے ذیل میں آگئی تھیں۔ آگے پھر ان کے قصہ کی تکمیل فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تدبر آیات: کتاب۔ یعنی یہ قرآن ہماری طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ہے۔ مبارک یعنی اس کے اندر بڑی منفعت ہے۔ لیدبروا تاکہ لوگ غور کریں یعنی آپ اور آپ کی امت کے علماء غور کریں اس کے ظاہر کو پڑھیں اور صحیح تاویلات کو سمجھیں اور صحیح طور پر معانی کا استنباط کریں۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمام اہل دانش غور کریں اور سمجھیں کہ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے۔ انسان کی ساختہ پرداختہ ہونے کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا حسن نے کہا

تدبر آیات سے مراد ہے آیات کا اتباع کرنا (اور ان کے احکام پر چلنا) وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی تاکہ دانش اور سلیم عقل والے نصیحت اندوز ہوں۔ خارجی دلائل کی روشنی میں معرفت خداوندی کے حصول پر سلیم عقل والوں کو فطری طور پر قدرت حاصل ہے۔ لیکن دانش و بینش کی معقول میں۔ دلائل سے معرفت کا حصول مرکوز ہے اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں سے ان افکار و احکام کا علم حاصل ہو جاتا ہے جو تنہا عقل کی رسائی اور دائرہ دانش سے خارج ہیں اور بغیر شرع کے صرف عقل کی فکری جولانی سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ (تفسیر مظہری)

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ

اور دیا ہم نے داؤد کو سلیمان

یعنی سلیمان بیٹا دیا جو انہی کی طرح نبی اور بادشاہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ

بہت خوب بندہ وہ ہے رجوع رہنے والا جب دکھلانے کو لائے

الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ فَقَالَ اِنِّيْ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ

اس کے سامنے شام کو گھوڑے بہت خاصے تو بولا میں نے دوست رکھا مال کی

عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوْهَا

محبت کو اپنے رب کی یاد سے یہاں تک کہ سورج چھپ گیا اوٹ میں پھیر

عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ

لاؤ ان کو میرے پاس پھر لگا جھاڑنے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کی آزمائش

☆ یعنی نہایت اصیل، شائستہ اور تیز رفتار گھوڑے جو جہاد کے لئے پرورش کئے گئے تھے ان کے سامنے پیش ہوئے۔ ان کا معائنہ کرتے ہوئے دیر لگ گئی۔ حتی کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ شاید اس شغل میں عصر کا وقت کا وظیفہ بھی نہ پڑھ سکے ہوں گے پر بڑے سے بڑھی مشغول تھا۔ ایک طرف ذکر اللہ (یاد خدا) سے غفلت گوارا نہ ہوئی اور جب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی اسی کی یاد سے وابستہ ہے۔ جب جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے تو اس کے معدات و مبادی کا تفقد بھی ذکر اللہ کے تحت میں داخل نہ ہوگا۔ آخر اللہ تعالیٰ جہاد اور آلات جہاد کے مہیا کرنے کی ترغیب نہ دیتا تو اس مال نیک سے ہم اس قدر محبت کیوں کرتے۔ اسی جذبہ جہاد کے جوش و افراط میں حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پھر لاؤ۔ چنانچہ واپس لائے گئے اور حضرت سلیمان غایت محبت و پیار سے ان کی گردنیں اور

پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ آیت کی یہ تقریر بعض مفسرین نے کی ہے اور لفظ "حُبَّ الْخَيْرِ" سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ گویا خیر کا لفظ اس مضمون کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں فرمایا۔ "الخیل معقود فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ" لیکن دوسرے علماء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ حضرت سلیمان گھوڑوں کے معائنہ میں مشغول ہوئے۔ اس وقت کی نماز یا وظیفہ سے ذہول ہو گیا اور ذہول و نسیان انبیاء کے حق میں محال نہیں۔ فرمایا کہ دیکھو مال کی محبت نے مجھ کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا حتی کہ غروب آفتاب تک میں اپنا وظیفہ ادا نہ کر سکا۔ یہ مانا کہ اس مال کی محبت میں بھی ایک پہلو عبادت کا اور خدا کی یاد کا تھا۔ مگر خواص مقربین کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ جس عبادت کا جو وقت مقرر ہے اس میں تخلف نہ ہو اور ہو تو بے حد صدمہ اور قلق سے بے چین ہو جاتے ہیں (گو عذر سے ہو)

ہر کہ در باغ دل خلالے کم بود بر دل سالک ہزاراں غم بود

"غزوہ خندق" میں دیکھ لو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی نمازیں قضا ہوئیں باوجودیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عین جہاد میں مشغول تھے اور کسی قسم کا ذنب آپ پر نہ تھا لیکن جن کفار کے سبب سے ایسا پیش آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے حق میں "ملأ اللہ بیوتہم وقبورہم نارا" وغیرہ الفاظ سے بددعا فرما رہے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بھی ایک موقت عبادت کے فوت ہو جانے سے بے تاب ہو گئے۔ حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو واپس لاؤ (جو یاد الٰہی کے فوت ہونے کا سبب بنے ہیں) جب لائے گئے تو شدت غیرت اور غلبہ حب الٰہی میں تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کر دیں تاکہ سبب غفلت کو اپنے سے اسطرح علیحدہ کریں کہ وہ فی الجملہ کفارہ اس غفلت کا ہو جائے۔ شاید ان کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہو گی اور ان کے پاس گھوڑے وغیرہ اس کثرت سے ہوں گے کہ ان چند گھوڑوں کے قربان کرنے سے مقصد جہاد میں کوئی خلل نہ پڑتا ہو گا اور لفظ فَطَفِقَ مَسْحًا سے یہ بھی لازم نہیں آیا کہ سب گھوڑوں کو قتل ہی کر گذرے ہوں محض تھوڑے سے کاٹ کر باقی کو نشان کر دیا واللہ اعلم۔ اس تقریر کی تائید ایک حدیث مرفوع سے ہوتی ہے جو طبرانی نے باسناد حسن ابی بن کعب سے روایت کی ہے۔ (راجع روح المعانی وغیرہ) (تفسیر عثمانی)

الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ: صافنات صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تین ٹانگوں پر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھی ٹانگ کے سم کی فقط ایک نوک (اس پر وزن دیئے بغیر) زمین سے لگی ہوئی ہے یہ (گھوڑے کے اصیل ہونے کی علامت ہے اور) اچھی صفت مانی جاتی ہے۔

جیاد جواد کی یا جود کی جمع ہے تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جیاد جید کی جمع ہے تیز رفتار گھوڑے کو کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک جیود

جید کی جمع ہے (کھرا گھوڑا) حضرت ابن عباسؓ نے کہا آیت میں گھوڑوں کی دونوں اچھی صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ صافن ہونا اور جودت۔ جب گھوڑا کھڑا ہو تو اس کی صفت صافن ہونا ہے کہ سکون و اطمینان کے ساتھ تین ٹانگوں پر کھڑا ہو اور جب چل رہا ہو تو سبک رفتار اور تیز رو ہو یہ جودت کی نشانی ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے: عبد بن حمید فریابی ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابراہیم تیمی کے حوالہ سے بیان کیا کہ وہ بیس ہزار گھوڑے تھے اور (پرندوں کی طرح) پروں والے تھے ان کو حضرت سلیمانؑ نے ذبح کرا دیا تھا۔

عبد بن حمید اور ابن المنذر نے بروایت عوف بیان کیا کہ حسن نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جن گھوڑوں کو سلیمانؑ نے ذبح کیا تھا وہ (پرندوں کی طرح) پروں والے تھے اور حضرت سلیمان کے لئے سمندر سے برآمد کئے گئے تھے آپ سے پہلے اور نہ آپ کے بعد کسی کو دریائی گھوڑے نہیں ملے بغوی نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ وہ بیس ہزار پردار گھوڑے تھے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عائشہؓ: ابوداؤد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک یا خیبر کے سفر سے واپس آئے تھے گھر میں تشریف فرما تھے۔ جو تیز ہوا کے جھونکے سے گھر میں ایک کونے کا پردہ ہٹ گیا۔ وہاں حضرت عائشہؓ کے کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بھی پڑ گئی۔ دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا میری گڑیاں ہیں۔ آپؐ نے دیکھا کہ بیچ میں ایک گھوڑا سا بنا ہوا ہے جسکے دو پر ہیں کپڑے کے لگے ہوئے ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا گھوڑا ہے۔ فرمایا اور یہ اس کے اوپر دونوں طرف چھیڑے کے کیا بنے ہوئے ہیں؟ کہا یہ دونوں اس کے پر ہیں۔ فرمایا گھوڑا بھی اچھا ہے اور اس کے پر بھی۔ صدیقہؓ نے عرض کیا کہ کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمانؑ کے پردار گھوڑے تھے؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے یہاں تک کہ آپ کے آخری دانت دکھائی دینے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا استغفار: ابن المنذر نے بطریق ابن جریج بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سلیمانؑ نے تلوار سے ان کی پنڈلیاں کاٹ دیں طبرانی نے الاوسط میں اور اسماعیل نے معجم میں اور ابن مردویہ نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تلوار سے ان کی پنڈلیاں اور گردنیں باذن خدا کاٹ دیں۔ اس عمل کا باعث تھا ذکر خدا سے غافل رہ جانے کے گناہ سے توبہ کرنا۔ قرب خدا کے حصول کی طلب اور مرضی رب پا لینے کا جذبہ۔

حسن نے کہا جب سلیمانؑ نے گھوڑوں کو قتل کر دیا تو ان کے عوض اللہ نے آپ کو ایسی سواری عنایت کی جو گھوڑوں سے بہتر اور ان سے زیادہ تیز رفتار تھی یعنی ہوا کو آپ کا تابع حکم بنا دیا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے گھوڑوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت خیرات کر دیا۔ گھوڑے کا گوشت ان کی شریعت میں حلال تھا۔ ہماری شریعت میں بھی بقول جمہور حلال ہے صرف امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ان گھوڑوں کو جہاد کے لئے وقف کر دیا تھا اور ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر وقف کی علامت کے طور پر داغ لگا دیا تھا۔

زہری نے حضرت علی کا ایک قول نقل کیا ہے کہ سلیمانؑ نے جو "رُدُّوْهَا عَلَيَّ" کہا تھا وہ فرشتوں سے کہا تھا یعنی آفتاب پر جو موکل ملائکہ تھے بحکم خدا ان سے کہا تھا کہ سورج کو واپس لوٹا لاؤ کہ میں عصر کی نماز پڑھ لوں چنانچہ فرشتے سورج کو واپس لوٹا لائے اور آپ نے عصر کی نماز بروقت پڑھ لی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا
اور ہم نے جانچا سلیمان کو اور ڈال دیا اس کے تخت پر ایک دھڑ
ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾
پھر وہ رجوع ہوا

آزمائش کی ایک اور صورت

☆ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام عورتوں کے پاس جاؤں گا (جو تعداد میں ستر یا نوے یا سو کے قریب تھیں) اور ہر ایک عورت ایک بچہ جنے گی جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا۔ فرشتہ نے القاء کیا کہ "ان شاء اللہ" کہہ لیجئے مگر (باوجود دل میں موجود ہونے کے) زبان سے نہ کہا۔ خدا کا کرنا کہ اس مباشرت کے نتیجے میں ایک عورت نے بھی بچہ نہ جنا۔ صرف ایک عورت سے ادھورا بچہ ہوا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ دایہ نے وہ ہی ادھورا بچہ ان کے تخت پر لا کر ڈال دیا۔ کہ لو یہ تمہاری قسم کا نتیجہ ہے۔ (اسی کو یہاں "جسد" (دھڑ) سے تعبیر کیا ہے) یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام ندامت کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع ہوئے اور "ان شاء اللہ" نہ کہنے پر استغفار کیا۔ نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔ حدیث میں ہے کہ اگر ان شاء اللہ کہہ لیتے تو بے شک اللہ ویسا ہی کر دیتا جو ان کی تمنا تھی (تنبیہ) اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع پر بہت سے بے سروپا قصے سلیمان کی انگشتری اور جنوں کے نقل کئے ہیں جسے دلچسپی ہو کتب تفاسیر میں دیکھ لے۔ ابن کثیر کہتے ہیں "وقد رويت هذه القصة مطولة عن جماعة من السلف رضى الله عنهم وكلها متلقاة من قصص اهل الكتاب" والله سبحانه تعالىٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ
بولا اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب
لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾
نہ ہو کسی کو میرے پیچھے بیشک تو ہے سب کچھ بخشنے والا ☆

بے مثال حکومت ☆ یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت عنایت فرما جو میرے سوا کسی کو نہ ملے، نہ کوئی دوسرا اس کا اہل ثابت ہو یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو حوصلہ نہ ہو کہ مجھ سے چھین سکے (تنبیہ) احادیث میں ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اجابت کا وعدہ فرما لیا ہے یعنی وہ دعا ضرور ہی قبول کریں گے۔ شاید حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ وہ ہی دعا ہو آخر نبی زادے اور بادشاہ زادے تھے۔ دعا میں بھی یہ رنگ رہا کہ بادشاہت ملے۔ اور اعجازی رنگ کی ملے وہ زمانہ ملوک اور جبارین کا تھا، اس حیثیت سے بھی یہ دعا مذاق زمانہ کے موافق تھی اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ملک حاصل کرنے سے اپنی شوکت وحشمت کا مظاہرہ کرنا نہیں۔ بلکہ اس دین کا ظاہرو غالب کرنا اور قانون سماوی کا پھیلانا ہوتا ہے جس کے وہ حامل بنا کر بھیجے جاتے ہیں لہٰذا اس کو دنیاداروں کی دعا پر قیاس نہ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

انبیاء علیہم السلام کی درخواست کا طریقہ

انبیاء اور صالحین کا طریقہ ہے کہ پہلے استغفار کرتے ہیں پھر اللہ سے کچھ مانگتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے بھی ایسا ہی کیا پہلے درخواست مغفرت کی پھر حکومت کا سوال کیا۔ آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ حضرت سلیمانؑ پر جو یہ مصیبت پڑی وہ محض اللہ کی طرف سے ایک امتحان تھا تاکہ دنیا اور آخرت میں آپ کا مرتبہ اونچا کیا جائے جس طرح کہ حضرت ایوبؑ پر وقوع بلا سے ترقی درجات کے لئے ہوا۔ حضرت سلیمانؑ نے نہ کسی گناہ کا ارتکاب کیا تھا نہ آپ سے کوئی لغزش ہوئی تھی ورنہ ندامت واستغفار بہت گریہ وزاری کے ساتھ گڑگڑا کر کرتے اور درخواست مغفرت وتوبہ کے علاوہ کوئی لفظ زبان پر بھی نہ لاتے (حکومت مانگنے کا تو ذکر ہی کیا ہے) اور جس طرح اللہ نے حضرت داؤدؑ کے متعلق فرمایا تھا ویسے ہی آپ کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دیو (شریر جن) گزشتہ رات تھوک اڑاتا (منہ پھیلاتا) ہوا میری نماز توڑنے کے لئے آیا لیکن اللہ نے اس پر مجھے قابو دیدیا اور میں نے اس کو پکڑ لیا چاہا کہ مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ (صبح کو) تم سب دیکھو لیکن پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آگئی کہ انہوں نے درخواست کی تھی رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ۔ تو میں نے اس کو لوٹا دیا۔ (متفق علیہ)

میں کہتا ہوں اس جملہ کی یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ جو شخص مرتبہ میں میرے بعد ہے اس کو وہ حکومت میسر نہ ہو، ایسی حکومت مجھے عطا فرما حضرت سلیمان نے یہ درخواست لوگوں کی بھلائی اور ان کی ہمدردی کے لئے کی تھی۔ مطلب یہ کہ میری طرح جس کی مشغولیت دنیا سے نہ ہو اور ہر وقت اللہ سے لو لگی ہوئی ہو اس کو کوئی چیز ضرر نہیں پہنچا سکتی نہ اللہ سے کوئی شئے غافل بنا سکتی ہے اس کے لئے دنیا کا حصول نیکیوں کے حاصل کرنے کا مزید ذریعہ ہوتا ہے لیکن جو ایسا نہ ہو اس کو دنیا خدا سے غافل بنا دیتی ہے اور ایسے آدمی کے لئے دنیا سم قاتل کا حکم رکھتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ حضرت سلیمانؑ کے مرتبہ سے اعلیٰ تھا لیکن یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ حضرت سلیمان کی دعا کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکومت عطا نہیں کی گئی اللہ نے تو آپ کو اختیار دے دیا تھا کہ نبوت کے ساتھ چاہیں تو بادشاہ بھی بن جائیں یا غریب بندہ رہنا چاہیں (تو یونہی چھوڑ دیا جائے) آپؐ نے نبوت کے ساتھ (غریب) بندہ رہنا پسند کیا کیونکہ آپ کے نزدیک بادشاہت سے فقیری افضل تھی۔ رہی دیو کو ستون سے باندھنے والی حدیث تو خود اس میں صراحت ہے کہ دیو کو اللہ نے آپ کے قابو میں کر دیا تھا اور آپ اس کو ستون سے باندھ سکتے تھے لیکن حضرت سلیمانؑ کی دعا کا لحاظ کرتے ہوئے خود ہی نہیں باندھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو جن وانس سب پر چلتا تھا۔

تاتي بدعوته الاشجار ساجدة تمشي اليه على ساق بلا قدم

آپ کو بلانے سے تو درخت سجدہ کرتے ہوئے بغیر قدموں کے صرف تنے کے سہارے سے چلتے ہوئے آپؐ کے پاس آجاتے تھے۔

فقراء کی زندگی اور ان کا لباس آپ کو محبوب تھا خلفاء راشدین کی بھی یہی حالت تھی کہ خلافت کے ساتھ فقر ان کو پسند تھا اور دونوں گروہوں کے فضائل انہوں نے جمع کر لئے تھے۔

حکومت اور اقتدار کی دعا: یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی کوئی دعا اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا بھی باری تعالیٰ کی اجازت ہی سے مانگی تھی۔ اور چونکہ اس کا منشاء محض طلب اقتدار نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور کلمۂ حق کو سربلند کرنے کا جذبہ کارفرما تھا اور باری تعالیٰ کو معلوم تھا کہ حکومت ملنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام انہی مقاصد عالیہ کے لئے کام کریں گے۔ اور حب جاہ کے جذبات ان کے دل میں جگہ نہیں پائیں گے۔ اس لئے انہیں اس دعا کی اجازت بھی دیدی گئی اور اسے قبول بھی کر لیا گیا۔ لیکن عام لوگوں کے لئے از خود اقتدار کے طلب کرنے کو حدیث میں اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں حب جاہ ومال کے

جذبات شامل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب انسان کو اس قسم کے جذبات نفسانی سے خالی ہونے کا یقین ہو اور وہ واقعۃً اعلاء کلمۃ الحق کے سوا کسی اور مقصد سے اقتدار حاصل نہ کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے حکومت کی دعا مانگنا جائز ہے۔ (روح المعانی وغیرہ) (معارف مفتی اعظم)

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ
پھر ہم نے تابع کر دیا اُسکے ہوا کو چلتی تھی اُس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچنا
أَصَابَ ۝ وَالشَّيَاطِينَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ۝
چاہتا اور تابع کر دیئے شیطان سارے عمارت کرنیوالے اور غوطے لگانیوالے ☆

☆ یعنی جن ان کے حکم سے بڑی بڑی عمارتیں بنانے اور موتی وغیرہ نکالنے کے لئے دریاؤں میں غوطے لگاتے تھے۔ ہوا اور جنات کے تابع کرنے کے متعلق پہلے سورہ "سبا" وغیرہ میں کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت سلیمانؑ کی جنوں پر حکومت

حضرت سلیمانؑ ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے سمندروں کے موتی نکلوائے مقرنین زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ نے جنات کے دو گروہ کر دیئے تھے (۱) کچھ جنات کو بھاری دشوار کاموں پر لگا دیا تھا جیسے معمار اور غوطہ زن (۲) کچھ شریر تھے تو ان کو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔ تاکہ لوگ ان کی شرارت سے محفوظ رہیں۔

میں کہتا ہوں شاید حضرت سلیمانؑ کو ابلیس پر تسلط اس لئے حاصل نہیں ہوا کہ اس سے آزاد رہنے کا وعدہ کر لیا گیا تھا اور اللہ نے اس سے فرما دیا تھا إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ (تفسیر مظہری)

وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝
بہت سے اور جو باہم جکڑے ہوئے ہیں بیڑیوں میں ☆

☆ یعنی بہت سے جنات اور تھے جن کو سرکشی اور شرارت [illegible] سے قید کر کے ڈال دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

جنات کی زنجیریں: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ سرکش جنات کو حضرت سلیمانؑ نے زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اب ان زنجیروں کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ یہی نظر آنے والی لوہے کی زنجیریں ہوں، ہو سکتا ہے کہ جنات کو جکڑنے کے لئے کوئی اور طریقہ اختیار کیا گیا ہو۔ جسے آسانی سے سمجھانے کے لئے یہاں زنجیروں سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

هَٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝
یہ ہے بخشش ہماری اب تو احسان کر یا رکھ چھوڑ کچھ حساب نہ ہوگا ☆

عطائے الٰہی: ☆ یعنی کسی کو بخشش دو یا نہ دو تم مختار ہو۔ اس قدر بے حساب دیا اور حساب و کتاب کا مواخذہ بھی نہیں رکھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ اور مہربانی کی [illegible] دنیا دی اور مختار کر دیا۔ حساب معاف کر دیا لیکن وہ کھاتے تھے اپنے ہاتھ کی محنت سے [illegible] (تفسیر عثمانی)

بے مثال حکومت ہم نے سلیمانؑ سے کہا کہ یہ حکومت اور ایسا تسلط جو کسی اور کو نہیں دیا گیا صرف تم کو دیا گیا ہے ہمارا خاص عطیہ ہے فامنن سو [illegible] چاہو دو او امسک اور جس سے چاہو روک رکھو۔

بغیر حساب تم سے اس کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ یہ بات ایسی ہے کیونکہ تصرف کا پورا اختیار تم کو دیا گیا ہے جس نے کہا اللہ نے جس کی کو نعمت سے سرفراز کیا آخرکار وہ نعمت اس کے لئے جواب دہی کی موجب ہوگی حضرت سلیمانؑ کو چونکہ [illegible] اختیار دیا گیا ہے وہ کسی کو دیں تو [illegible] انجام میں مواخذہ نہ ہوگا۔

بغیر حساب کا تعلق عطائے سے بھی ہو سکتا ہے اس صورت میں عطاء سے مراد [illegible] بے حساب [illegible] نعمت [illegible]۔

مقاتل نے کہا هٰذَا عَطَاؤُنَا کا یہ مطلب ہے یعنی جنات کی تسخیر [illegible] خاص عطیہ ہے جو ہم نے تم کو دیا ہے فامنن سو تم ان [illegible] میں سے چاہو چھوڑ دو اور جس کو اپنی بندش میں رکھنا چاہو رکھو چھوڑنے اور بند رکھنے کا تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝
اس کا ہمارے یہاں مرتبہ ہے اور اچھا ٹھکانہ ☆

☆ یعنی بادشاہت کے باوجود معنوی قرب اور مرتبہ ہمارے یہاں حاصل ہے اور فردوس بریں میں جو عمدہ ٹھکانا تیار ہے وہ جدا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ
[illegible]
الشَّيْطَانُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ۝
شیطان نے ایذا اور تکلیف ☆

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری

قرآن کریم کے تتبع سے [illegible] متعدد [illegible] شیطان کی طرف منسوب [illegible] موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں آیا وَمَا أَنسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ (کہف۔ رکوع ۹) کیونکہ اکثر اس قسم کی چیزوں کا سبب قریب یا بعید کی [illegible]

میں شیطان ہوتا ہے۔ اسی قاعدے سے حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی بیماری یا تکلیف وآزار کی نسبت شیطان کی طرف کی تو گویا تواضعاً وتادباً یہ ظاہر کیا کہ ضرور مجھ سے کچھ تساہل یا کوئی غلطی اپنے درجہ کے موافق صادر ہوئی ہے جس کے نتیجہ میں یہ آزار پیچھے لگا۔ یا حالت مرض وشدت میں شیطان القاء وساوس کی کوشش کرتا ہوگا اور یہ اس کی مدافعت میں تعب وتکلیف اٹھاتے ہوں گے اس کو نصب وعذاب سے تعبیر فرمایا۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ سورہ ''انبیاء'' میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے مگر واضح رہے کہ قصہ گویوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے متعلق جو افسانے بیان کئے ہیں اس میں مبالغہ بہت ہے۔ ایسا مرض جو عام طور پر لوگوں کے حق میں تنفر اور استقذار کا موجب ہو انبیاء علیہم السلام کی وجاہت کے منافی ہے۔ کما قال تعالیٰ '' لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا '' (احزاب رکوع ۹) لہٰذا اسی قدر بیان قبول کرنا چاہئے جو منصب نبوۃ کے منافی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا نصب سے مراد ہے جسمانی دُکھ اور عذاب سے مراد ہے مالی تباہی حضرت ایوب کے دکھ اور تکلیف کا مفصل ذکر اور ان کا پورا قصہ ہے ہم نے سورۃ انبیاء میں بیان کر دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اس طرح کی بیماری کہ بدن سے کیڑے گرنے لگے اور لوگ ان کو گھر سے باہر کسی جگہ لے جا کر ڈال دیں۔ انبیاء علیہم السلام کی اس عظمت و وجاہت کے منافی ہے جو اللہ کی طرف سے خاصہ نبوت ہے۔ عوارض جسمانیہ اور امراض کا انبیاء پر ورود بے شک درست ہے۔ لیکن ایسے امراض جو گندے اور قابل نفرت ہوں مثلاً جذام و برص عمی (نابینا پن) اور جنون واپاہج پن سے محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

وہ آثار جن میں حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف پھوڑے پھنسیوں کی نسبت کی گئی ہے یا جن میں کہا گیا ہے کہ آپ کو کوڑے پر ڈال دیا گیا تھا' روایۃً ودرایۃً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ (ملخص از روح المعانی واحکام القرآن)

ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ
لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو اور بخشے ہم
وَوَهَبْنَا لَهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا
نے اس کو اسکے گھر والے اور اُنکے برابر اُنکے ساتھ اپنی طرف کی مہربانی
وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ
سے اور یادر رکھنے کو عقل والوں کے ☆

صبر کا پھل ☆ جب اللہ نے چاہا کہ ان کو چنگا کرے حکم دیا کہ زمین پر پاؤں ماریں۔ پاؤں مارنا تھا کہ قدرت نے وہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ نکال دیا۔ اسی سے نہایا کرتے اور پانی پیتے وہ ہی ان کی شفاء کا سبب ہوا۔ اور ان کے گھرانے کے لوگ جو چھت کے نیچے دب کر مر گئے تھے۔ اللہ نے اپنی مہربانی سے ان سے دگنے عطا کئے تاکہ عقلمند لوگ ان واقعات کو دیکھ کر سمجھیں کہ جو بندہ مصائب میں مبتلا ہو کر صبر کرتا اور خدائے واحد کی طرف رجوع ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کی کس طرح کفالت واعانت فرماتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صبر کے بدلہ میں رحمت: صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب ننگے ہو کر نہا رہے تھے کہ آسمان سے سونے کی ٹڈیاں برسنے لگیں' آپ نے جلدی جلدی ان کو اپنے کپڑے میں سمیٹنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے آواز دی کہ اے ایوب! کیا میں نے تمہیں غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا۔ آپ نے جواب دیا ہاں خدایا بیشک تو نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ میں سب سے غنی اور بے نیاز ہوں لیکن تیری رحمت سے بے نیاز نہیں ہوں۔ بلکہ اس کا تو پورا محتاج ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے اس صابر پیغمبر کو نیک بدلے اور بہتر جزائیں عطا فرمائیں۔ اولاد بھی دی اور اسی کے مثل اور بھی دی۔ بعد حضرت حسن اور قتادہ سے تو منقول ہے کہ مردہ اولاد خداتعالیٰ نے زندہ کر دی اور اتنی ہی مزید اولاد عطا کی۔ یہ تھا اللہ تعالیٰ کا رحم جو ان کے صبر واستقلال رجوع الی اللہ اور تواضع وانکساری کے بدلہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا اور عقلمندوں کے لئے نصیحت وعبرت ہے وہ جان لیتے ہیں کہ صبر کا انجام کشادگی ہے اور رحمت وراحت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِّهِ وَلَا تَحْنَثْ
اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکوں کا مٹھا پھر اس سے مار لے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو۔

قسم پوری کرنے کی مخصوص ترکیب

☆ حضرت ایوب علیہ السلام نے حالت مرض میں کسی بات پر خفا ہو کر قسم کھائی کہ تندرست ہو گئے تو اپنی عورت کو سو لکڑیاں ماریں گے۔ وہ بی بی اس حالت کی رفیق تھی اور چنداں قصوروار بھی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے قسم سچی کرنے کا ایک حیلہ ان کو بتا دیا جو ان ہی کے لئے مخصوص تھا۔ آج اگر کوئی اس طرح کی قسم کھا بیٹھے تو اس کے پورا کرنے کے لئے اتنی بات کافی نہ ہوگی (تنبیہ) جس حیلہ سے کسی حکم شرعی یا مقصد دینی کا ابطال ہوتا ہو وہ جائز نہیں جیسے اسقاط زکوۃ وغیرہ کے حیلے لوگوں نے نکالے ہیں۔ ہاں جو حیلہ حکم شرعی کو باطل نہ کرے بلکہ کسی معروف کا ذریعہ بنتا ہو اسکی اجازت ہے۔ وتفصیل یطلب من مظانہ۔

إِنَّا وَجَدْنَٰهُ صَابِرًا ۚ نِّعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ۝ وَاذْكُرْ

ہم نے اُس کو پایا جھیلنے والا۔ بہت خوب بندہ تحقیق وہ ہے رجوع رہنے والا☆

عِبَٰدَنَآ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ أُو۟لِى ٱلْأَيْدِى

اور یاد کر ہمارے بندوں کو ابرہیم اور اسحق اور یعقوب ہاتھوں والے اور

وَٱلْأَبْصَٰرِ ۝

آنکھوں والے☆

☆ یعنی عمل اور معرفت والے جو ہاتھ پاؤں سے بندگی کرتے اور آنکھوں سے خدا کی قدرتیں دیکھ کر یقین وبصیرت زیادہ کرتے ہیں۔

مقام صبر سے ترقی

(حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کا عجیب کلام)

اس مقام پر ہمارے شیخ شہید کا بہت اونچا کلام ہے آپ نے فرمایا جب حضرت ایوب علیہ السلام دکھ اور مصیبت پر برسوں صبر کر چکے اور اللہ نے چاہا کہ ان سے دکھ اور تکلیف دور کرے تو آپ کے دل میں یہ بات خود ہی پیدا کی کہ اللہ تجھ سے دعا اور زاری کا خواستگار ہے تو بارگاہ الٰہی میں اپنی عاجزی اور احتیاج کا اظہار کر تاکہ اللہ اس مصیبت کو دور کر دے۔ چنانچہ آپ نے اپنے طبعی تقاضے کے خلاف جو صبر کا خواستگار تھا مرضی رب کو حاصل کرنے کے لئے دعا اور زاری کو ترجیح دی اور طرح مقام صبر سے ترقی کر کے مقام رضا میں پہنچ گئے اور اللہ نے بھی آپ کے صبر کی قدردانی کی اور فرمایا۔ إِنَّا وَجَدْنَٰهُ صَابِرًا۔

أُو۟لِى ٱلْأَيْدِى یعنی طاعت خداوندی میں اور دینی معرفت الہیہ میں بصیرت مند تھے۔ حضرت ابن عباسؓ قتادہ اور مجاہد نے یہی تشریح کی اطاعت اور بدنی اعمال کی تعبیر لفظ ایدی (ہاتھ) سے کی کیونکہ ہاتھوں سے اکثر اعمال کئے جاتے ہیں۔ اور ابصار سے معرفت خداوندی کی تعبیر کی کیونکہ آنکھیں ہی خداشناسی میں قوی ترین ذریعہ ہیں خلاصہ یہ کہ تینوں حضرات عملی اور علمی قوتوں کے مالک تھے عملی قوت کو اللہ کی اطاعت میں صرف کرتے تھے اور علمی قوت سے معرفت خداوندی اور دینی دانش حاصل کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

إِنَّآ أَخْلَصْنَٰهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى ٱلدَّارِ ۝

ہم نے امتیاز دیا اُن کو ایک چنی ہوئی بات کا وہ یاد اُس گھر کی☆

☆ انبیاء کا امتیاز یہ ہے کہ ان کے برابر خدا کو اور آخرت کو یاد رکھنے والا کوئی نہیں اسی خصوصیت کی وجہ سے اللہ کے ہاں ان کو سب سے ممتاز مرتبہ حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ ٱلْمُصْطَفَيْنَ ٱلْأَخْيَارِ ۝

اور وہ سب ہمارے نزدیک ہیں چنے ہوئے نیک لوگوں

وَٱذْكُرْ إِسْمَٰعِيلَ وَٱلْيَسَعَ وَذَا ٱلْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ

میں اور یاد کر اسمٰعیل کو اور الیسع کو اور ذوالکفل کو اور ہر ایک تھا

مِّنَ ٱلْأَخْيَارِ ۝

خوبی والا☆

☆ حضرت اسمٰعیل اور ذوالکفل کا ذکر پہلے گزر چکا اور "الیسع" کہتے ہیں کہ حضرت الیاسؑ کے خلیفہ تھے۔ ان کو بھی اللہ نے نبوت عطا فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت الیسع علیہ السلام: تاریخ کی کتابوں میں منقول ہے کہ آپ حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں اور حضرت الیاس علیہ السلام کے نائب اور خلیفہ تھے انہی کی رفاقت میں رہتے تھے ان کے بعد آپ کو نبوت عطا کی گئی بائبل کی کتاب سلاطین اول باب نمبر ۱۹ اور سلاطین دوم باب نمبر ۲ وغیرہ میں آپ کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں۔ وہاں آپ کا نام رائی الیشع بن سافط مذکور ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

هَٰذَا ذِكْرٌ ۚ

یہ ایک مذکور ہو چکا ☆

یعنی یہ مذکور تو انبیاء کا تھا۔ آگے عام متقین کا انجام سن لو۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَـَٔابٍ ۝ جَنَّٰتِ عَدْنٍ

تحقیق ڈر والوں کیلئے ہے اچھا ٹھکانا باغ ہیں سدا بسنے کے کھول

مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ ٱلْأَبْوَٰبُ ۝

رکھے ہیں اُن کے واسطے دروازے☆

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جب بہشت میں داخل ہوں گے، ہر کوئی بدون بتائے اپنے گھر میں چلا جائے گا" آواز دے کر دروازہ کھلوانے کی ضرورت نہ پڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

محل عدن: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک محل عدن ہے جس کے آس پاس برج ہیں۔ جس کے پانچ ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں۔ اس میں صرف نبی یا صدیق یا شہید یا عادل بادشاہ ہی رہیں گے (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

مُتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ

تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے اُن میں منگوائیں گے اُن میں میوے بہت

وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾

اور شراب ☆

☆ یعنی قسم قسم کے میوے پھل اور پینے کی چیزیں حسب خواہش تعمیل حاضر کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت میں کھانے کا مقصد: اہل جنت کا کچھ کھانا محض لذت اندوزی کیلئے ہوگا۔ حصول غزائیت کے لئے نہیں ہوگا غذا کی ضرورت تو اس لئے ہوتی ہے کہ اجزاء جسم کو تحلیل شدہ قوت کا بدل مل جائے (اور جنت کے اندر قوت کے تحلیل ہونے اور کمزور پڑ جانے کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے) (تفسیر مظہری)

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

اور اُن کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں ایک عمر کی ☆

☆ یعنی سب عورتیں نوجوان ایک عمر ہوں گی یا شکل وشمائل خو بو میں اپنے ازواج کی ہم عمر معلوم ہوں گی۔ (تفسیر عثمانی)

قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی ایسی عورتیں جن کی نگاہیں شوہروں کے سوا دوسروں پر نہ پڑیں گی (یعنی ان کی نگاہ آوارہ نہ ہوگی)

اتراب ۔ یہ ترب کی جمع ہے ہم عمر۔ سب کی عمر ۳۳ سال کی ہوگی۔ مجاہد نے کہا سب آپس میں بہنوں بہنوں کی طرح ہونگی۔ یہاں کی سوکنوں کی طرح ان میں جلن نہ ہوگی نہ حسد ہوگی۔

زوجین کے درمیان عمر کا تناسب

اور دوسری صورت میں جبکہ "ہم عمر" کا مطلب یہ لیا جائے کہ وہ اپنے شوہروں کی ہم عمر ہوں گی اس کا فائدہ یہ ہے کہ ہم عمری کی وجہ سے طبیعتوں میں زیادہ مناسبت اور توافق ہوگا۔ اور ایک دوسرے کی راحت و دلچسپی کا خیال زیادہ رکھا جا سکے گا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زوجین کے درمیان عمر میں تناسب کی رعایت رکھنی چاہئے کیونکہ اس سے باہمی اُنس پیدا ہوتا ہے۔ اور رشتہ نکاح زیادہ خوشگوار اور پائیدار ہو جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا

یہ وہ ہے جو تم سے وعدہ کیا گیا حساب کے دن پر یہ ہے

لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

روزی ہماری دی ہوئی اسکو نہیں نبڑنا ☆

لازوال نعمتیں ☆ یعنی غیر منقطع اور لازوال نعمتیں ہیں جن کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ رزقنا اللہ منها بفضله وکرمه فانه اکرم الاکرمین وارحم الراحمین (تفسیر عثمانی)

هٰذَا ؕ

یہ سن چکے ☆

☆ یعنی یہ بیان کا ہوا جو سن چکے۔ آگے شریروں کا انجام سن لو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ لِلطّٰغِیْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ یَصْلَوْنَهَا

اور تحقیق شریروں کے واسطے ہے برا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں گریں گے

فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا فَلْیَذُوْقُوْهُ

سو کیا بری آرام کرنے کی جگہ ہے یہ ہے اب اس کو چکھیں

یعنی لو! یہ حاضر ہے۔ اب اس کا مزہ چکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَمِیْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾

گرم پانی اور پیپ

غساق کے معنی: "غساق" سے بعض نے کہا کہ دوزخیوں کے زخموں کی پیپ اور ان کی آلائشیں مراد ہیں جن میں سانپوں بچھوؤں کا زہر ملا ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک "غساق" حد سے زیادہ ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں جسکے پینے سے سخت اذیت ہو گویا "حمیم" کی پوری ضد۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایسی برفیلی سخت ٹھنڈک جو اس طرح دوزخیوں کو جلا دیگی جس طرح آگ اپنی گرمی سے جلائیگی۔ مجاہد اور مقاتل نے کہا جس چیز کی برودت انتہائی درجہ کی ہو وہ غساق ہے۔

العیاذ، العیاذ: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر ایک ڈول غساق کا دنیا میں بہایا جائے تو تمام اہل دنیا بدبودار ہو جائے حضرت کعب احبارؒ فرماتے ہیں کہ غساق نامی جہنم میں ایک نہر ہے جس میں سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا ہے پھر وہ گرم ہو کر پکنے لگتا ہے اس میں جہنمیوں کو غوطے دیئے جائیں گے جس سے ان کا سارا گوشت پوست جھڑ جائے گا اور پنڈلیوں میں لٹک جائے گا۔ جسے وہ اس طرح گھسیٹتے پھریں گے جیسے کوئی شخص اپنا کپڑا گھسیٹ رہا ہو (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ

اور کچھ اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں یہ ایک فوج ہے دھستی چلی آتی ہے

مَعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝ قَالُوا
تمہارے ساتھ جگہ نہ ملیو ان کو یہ ہیں گھسنے والے آگ میں وہ بولے
بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا
بلکہ تم ہی ہو کہ جگہ نہ ملیو تم کو تم ہی پیش لائے ہمارے یہ بلا سو بری
فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝
ٹھہرنے کی جگہ ہے☆

دوزخیوں کی گفتگو☆ یہ گفتگو دوزخیوں کی آپس میں ہوگی۔ جس وقت فرشتے کو یکے بعد دیگرے ہانک کر دوزخ کے کنارے پر جمع کریں گے پہلا گروہ سرداروں کا ہوگا بعدہ ان کے مقلدین واتباع کی جماعت آئے گی۔ اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھ کر پہلے لوگ کہیں گے کہ لو! یہ ایک اور فوج دھنستی اور کھپتی ہوئی تمہارے ساتھ دوزخ میں گرنے کے لئے چلی آرہی ہے۔ خدا کی مار ان پر۔ یہ بھی یہیں آکر مرنے کو تھے۔ خدا کرے ان کو کہیں کشادہ جگہ نہ ملے۔ اس پر وہ جواب دیں گے کہ کم بختو! تمہی پر خدا کی مار ہو۔ خدا تم کو بھی کہیں آرام کی جگہ نہ دے، تم ہی تھے جن کے اغواء واضلال کی بدولت آج ہم کو یہ مصیبت پیش آئی اب بتاؤ کہاں جائیں۔ جو کچھ ہے یہی جگہ ٹھہرنے کی ہے جس طرح ہو یہاں ہی سب مرو کھپو۔ (تفسیر عثمانی)

آیات کی لطیف تفسیر: میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء لوگوں کو پیچھے سے کمر پکڑ کر دوزخ میں گرنے سے روکتے ہیں اور ایسے کاموں سے روکتے ہیں جن کا ارتکاب موجب جہنم ہے مگر لوگ نہیں مانتے خود ہی دوزخ میں گھسے پڑتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو جہنم میں لیجانے والے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی ہو جب آگ روشن ہوگئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے آکر اس میں گرنے لگے۔ وہ ہر چند گرنے سے روکتا تھا مگر آگ میں گرنے والے (پروانے اور کیڑے) اس پر غالب آکر گھسے ہی چلے جاتے تھے (آخر سوختہ ہو جاتے تھے) میں بھی تم کو دوزخ میں گرنے سے ہر چند روکتا ہوں اور کہتا ہوں دوزخ سے ہٹ آؤ آگ سے بچ آؤ مگر تم مجھ پر غالب آتے اور دوزخ میں گھسے پڑتے ہو (متفق علیہ)

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ یعنی اتباع کرنے والے اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ تم نے جو کچھ کہا ہمارے متعلق جو کچھ کہا گیا اس کے تم زیادہ مستحق ہو تم خود بھی گمراہ ہوئے اور ہم کو بھی گمراہ کیا۔

أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا یعنی اس عذاب کو یا عذاب کے سبب کو تم ہی ہمارے سامنے لائے۔ (تفسیر مظہری)

قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا
وہ بولے اے رب ہمارے جو کوئی لایا ہمارے پیش یہ سو بڑھا دے اس
ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝
کو دونا عذاب آگ میں☆

ایک حسرت☆ یعنی آپس میں لعن طعن کر کے پھر حق تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ اے پروردگار جو اپنی شقاوت سے یہ بلا اور مصیبت ہمارے سر پر لایا اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دیجئے۔ شاید سمجھیں گے کہ اس کا دوگنا عذاب دیکھ کر ذرا دل ٹھنڈا ہو جائے گا۔ مگر وہاں تسلی کا سامان کہاں؟ ایک دوسرے کو کوسنا اور پھٹکارنا یہ بھی ایک مستقل عذاب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ
اور کہیں گے کیا ہوا کہ ہم نہیں دیکھتے ان مردوں کو کہ ہم ان کو شمار کرتے تھے
مِنَ الْأَشْرَارِ ۝ أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ
برے لوگوں میں کیا ہم نے ان کو ٹھٹھے میں پکڑ لیا تھا یا چوک گئیں ان سے
الْأَبْصَارُ ۝
ہماری آنکھیں☆

جب وہاں دیکھیں گے کہ سب جان پہچان والے لوگ اولیٰ وہلی دوزخ میں جانے کے واسطے جمع ہوئے ہیں۔ مگر جن مسلمانوں کو ہیچ سمجھتے تھے اور سب سے زیادہ ذلیل جان کر مذاق اڑایا کرتے تھے وہ کہیں نظر نہیں آتے تو حیران ہو کر کہیں گے کہ کیا ہم نے غلطی سے ان کو ایسا سمجھا تھا یا وہ اسی قابل نہ تھے کہ آج دوزخ کے عذاب میں ہوں یا وہ بھی یہیں کہیں ہیں پر ہماری آنکھیں چوک گئیں۔ ہمارے دیکھنے میں نہیں آتے۔ (تفسیر عثمانی)

فقراء مومنین کی آخرت قابل رشک

اشرار شریر کی جمع ہے شر خیر کی ضد ہے۔ خیر وہ چیز ہے جس کی طرف سب کو رغبت ہوتی ہے اور شر وہ چیز ہوتی ہے جس سے ہر شخص نفرت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم دنیا میں ان کو برا سمجھتے تھے اور ان کی تحقیر کرتے تھے ان کو یہاں یہاں نظر نہیں آتے۔ ان کی مراد یہ ہوگی کہ فقراء مومنین جیسے حضرت عمارؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ یہاں دکھائی نہیں دیتے۔ دنیا میں یہ فقیر مخلص غریب مومنوں کو ذلیل جانتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝
یہ بات ٹھیک ہونی ہے، جھگڑا کرنا آپس میں دوزخیوں کا ☆

دوزخیوں کا جھگڑا حق ہے

یعنی بظاہر یہ بات خلاف قیاس ہے کہ اس افراتفری میں ایک دوسرے سے جھگڑیں۔ عذاب کا ہولناک منظر کیسے دوسری طرف متوجہ ہونے دے گا۔ لیکن یاد رکھو! ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ بالکل یقینی چیز ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اور حقیقت میں یہ ان کے عذاب کی تکمیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ
تو کہہ میں تو یہی ہوں ڈر سنا دینے والا اور حاکم کوئی نہیں مگر اللہ اکیلا
الْقَهَّارُ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
دباؤ والا رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو ان کے بیچ میں ہے
الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝
زبردست گناہ بخشنے والا ☆

پیغمبر کا کام ☆ میرا کام تو اتنا ہی ہے کہ تم کو اس آنے والی خوفناک گھڑی سے ہوشیار کردوں اور جو بھیانک مستقبل آنے والا ہے اس سے بے خبر نہ رہنے دوں۔ باقی سابقہ جس حاکم سے پڑنے والا ہے وہ تو وہی اکیلا خدا ہے جس کے سامنے کوئی چھوٹا بڑا دم مار نہیں سکتا۔ ہر چیز اس کے آگے دبی ہوئی ہے۔ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی کوئی چیز نہیں جو اس کے زیر تصرف نہ ہو جب تک چاہے ان کو قائم رکھے جب چاہے توڑ پھوڑ کر برابر کردے۔ اس عزیز وغالب کا ہاتھ کون پکڑ سکتا ہے اسکے زبردست قبضہ سے کون نکل کر بھاگ سکتا ہے اور ساتھ ہی اس کی لامحدود رحمت وبخشش کو کس کی مجال ہے، محدود کردے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝
تو کہہ یہ ایک بڑی خبر ہے کہ تم اُس کو دھیان میں نہیں لاتے ☆

بہت بڑا حادثہ ☆ یعنی قیامت اور اسکے احوال کوئی معمولی چیز نہیں۔ بڑی بھاری اور یقینی خبر ہے جو میں تم کو دے رہا ہوں۔ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ (نبا۔ رکوع ۱) مگر افسوس ہے کہ اس کی طرف سے بالکل بے فکر ہو۔ جو کچھ تمہاری خیر خواہی کو کہا جاتا ہے دھیان میں نہیں لاتے۔ بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہو کہ کب آئے گی۔ کیونکر آئے گی اور اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے، اسے جلد کیوں نہیں بلا لیتے وغیرہ ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝
مجھ کو کچھ خبر نہ تھی اوپر کی مجلس کی جب وہ آپس میں تکرار کرتے ہیں مجھ کو تو
اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝
یہی حکم آتا ہے کہ اور کچھ نہیں میں تو ڈر سنا دینے والا ہوں کھول کر ☆

ملأ اعلیٰ: ☆ "ملأ اعلیٰ" (اوپر کی مجلس) ملائکہ مقربین وغیرہم کی مجلس ہے جنکے توسط سے تدابیر الٰہیہ اور تصریفات کونیہ ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

قیامت کا حتمی علم کسی کو نہیں

یعنی ملأ اعلیٰ میں نظام عالم کے فنا وبقاء کے متعلق جو تدبیریں یا بحثیں اور قیل وقال ہوتی ہے۔ مجھے اس کی کیا خبر تھی جو تم سے بیان کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جن اجزاء پر مطلع فرما دیا وہ بیان کر دیے۔ جو کچھ کہتا ہوں اسی کی دی ہوئی اطلاع سے کہتا ہوں مجھ کو یہی حکم ملا ہے کہ سب کو اس آنے والے خوفناک مستقبل سے خوب کھول کھول کر آگاہ کردوں۔ رہا یہ کہ وہ وقت کب آئے گا اور قیامت کب قائم ہوگی؟ نہ انذار کے لئے اسکی ضرورت ہے، نہ کسی اطلاع کسی کو دی گئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ چند انبیاء علیہم السلام کے ایک اجتماع میں قیامت کا ذکر چلا کہ کب آئے گی سب نے حضرت ابراہیم پر حوالہ کیا انہوں نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں پھر سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حوالہ کیا ان کی طرف سے بھی وہی جواب ملا آخر سب نے حضرت مسیح علیہ السلام کی طرف رجوع کیا فرمایا "وجبۃ الساعۃ" (یعنی قیامت کے وقوع کی گھڑی) تو مجھے بھی معلوم نہیں البتہ حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے الخ اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے قیامت کے آنے کا وقت دریافت کیا۔ فرمایا "ماالمسئول عنھا باعلم من السائل" یعنی میں تم سے زیادہ نہیں جانتا۔ معلوم ہوا کہ ملأ اعلیٰ میں قیامت کے متعلق اس قسم کی کچھ بحث وتکرار اور قیل وقال ہوتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا آپ سے کئی مرتبہ سوال کرنا "فیم یختصم الملأ الاعلیٰ" اور آپ کا جواب دینا مذکور ہے۔ مگر وہاں کے مباحثات کا علم بجز وحی الٰہی کے اور کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہی ذریعہ ہے جس سے اہل نار کے تخاصم پر آپ کو اطلاع ہوئی اسی سے ملأ اعلیٰ کے اختصام کی خبر لگی اور جو تخاصم ابلیس کا آدم کے معاملہ میں ہوا جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ بھی اسی ذریعہ سے معلوم ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

عالم بالا کی بحث: حضرت عبدالرحمٰن بن عائش حضرمی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میں نے اپنے رب کو نہایت ہی حسین شکل میں دیکھا رب نے مجھ سے فرمایا۔ محمد عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالا والے کس

بات میں بحث کر رہے ہیں میں نے عرض کیا اے میرے رب تو ہی خوب جانتا ہے یہ بات دو مرتبہ فرمائی میرے رب نے میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنی ہتھیلی رکھ دی جس کی خنکی مجھے سینہ کے اگلے حصہ میں بھی محسوس ہوگئی اور آسمان و زمین میں جو کچھ (ہو رہا) تھا مجھے معلوم ہوگیا پھر حضور نے آیت وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ تلاوت کی اور فرمایا اس کے بعد میرے رب نے پوچھا محمد عالم بالا والے کس بات میں بحث کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کفارات کے متعلق بحث کر رہے ہیں (یعنی کن کن چیزوں سے گناہوں کا اتارا اور کفارہ ہو جاتا ہے) فرمایا کفارات کیا (کیا) ہیں میں نے عرض کیا پاؤں سے چل کر (نماز کی) جماعتوں کی طرف جانا۔ نماز کے بعد (دوسری نماز کے انتظار میں) مسجدوں میں بیٹھے رہنا اور ناگوار امور (مثلاً برفیلا ٹھنڈا پانی اور سخت سردی) کے باوجود پورا پورا وضو کرنا۔ فرمایا جو ایسا کریگا وہ بخیریت زندہ رہیگا بخیریت مریگا اور اس کے گناہ (معاف کر دیے جائیں گے اور) ایسے (دور) ہو جائیں گے جیسے اس روز تھے جب کہ وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا اور (کفارات کے بعد) درجات (کے حصول کے ذرائع) میں سے ہے (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور (مسلمانوں کو) سلام کرنا اور رات کو جب سب لوگ سوتے ہوں (نماز کے لئے) کھڑا ہونا۔ رب نے فرمایا (محمد) کہو اے اللہ! میں تجھ سے پاک چیزیں مانگتا ہوں اور بری چیزیں (ممنوع) کو چھوڑ دینے (کی توفیق چاہتا ہوں اور مسکینوں کی محبت کا خواستگار ہوں اور اس بات کا طلبگار ہوں کہ تو مجھے بخشدے اور مجھ پر رحم فرما اور جب تو کسی قوم کو آزمائش میں ڈالنا چاہے تو مجھے آزمائش میں ڈالنے سے پہلے ہی وفات دیدے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے بلا شبہ یہ سب باتیں سچی ہیں۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ وتفسیرہ۔

ملاء اعلیٰ سے کفارات کا مطلب: کفارات کے معاملہ میں ملاء اعلیٰ کی بحث سے شاید یہ مراد ہو کہ فرشتوں کی ایک جماعت ان نیکیوں کو لکھنے میں ایک دوسرے سے پیش دستی کرتے ہیں تاکہ اللہ کے سامنے سب سے پہلے وہی پیش کریں۔ جیسے کہ حضرت رفاعہ بن رافع کی روایت میں آیا ہے۔ حضرت رفاعہؓ نے بیان کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جو نہی آپ نے رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہا فوراً پیچھے (مقتدیوں میں سے) ایک شخص نے ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کہا حضور نے نماز پوری کرلی تو فرمایا ابھی کس نے یہ بات کہی تھی۔ اس شخص نے کہا میں نے کہی تھی فرمایا کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ پیش دستی کر رہے تھے کہ کون ان کلمات کو پہلے لکھے۔ (رواہ البخاری) (تفسیر مظہری)

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا
جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو میں بناتا ہوں ایک انسان
مِّنْ طِيْنٍ
مٹی کا ☆

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک یہ بھی تکرار تھی فرشتوں کی جو بیان فرمایا۔" (تفسیر عثمانی)

اِذْ قَالَ. اذ یختصمون کا بدل ہے اور تشریح ہے سورۂ بقرہ میں ملائکہ اور ابلیس کی تخلیق آدم اور ان کے استحقاق خلافت کے متعلق گفتگو اور ان کا مسجود ملائکہ ہونا تفصیل سے بیان کر دیا گیا۔

اپنے آپ کو بڑا سمجھنے کا انجام: حضرت آدم کے مقابلہ میں ابلیس نے غرور کیا اور راندۂ درگاہ ہوگیا مشرک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں اپنے کو بڑا سمجھتے تھے ان کا بھی ابلیس کی طرح خوار و ذلیل ہونا ضروری ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ
پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی جان ☆

روح ☆ یعنی ڈھانچہ ٹھیک تیار کر کے اپنی طرف سے ایک روح پھونکوں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "روحی" (اپنی جان) اسلئے فرمایا کہ آب و خاک سے نہیں بنی، عالم غیب سے آئی۔ کچھ مضمون روح کے متعلق سورۂ "بنی اسرائیل" میں گزرا ہے۔ وہاں روح کی اس اضافت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ملاحظہ کر لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ. فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ
تو تم گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں پھر سجدہ کیا فرشتوں نے سب نے
اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ
اکٹھے ہو کر مگر ابلیس نے ☆

☆ یہ قصہ سورۂ "بقرہ" "اعراف" وغیرہ کئی سورتوں میں گزر چکا۔ اعراف کے فوائد میں ہم نے مفصل بحث کی ہے۔ اسے ایک مرتبہ دیکھ لیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ
غرور کیا اور تھا وہ منکروں میں ☆

ابلیس ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "یہ (ابلیس اصل سے) جن تھا

جو اکثر خدا کے حکم سے منکر ہیں لیکن اب (اپنی کثرت عبادت وغیرہ کے سبب سے) رہنے لگا تھا فرشتوں میں۔" (تفسیر عثمانی)

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ

فرمایا اے ابلیس کس چیز نے روک دیا تجھ کو کہ سجدہ کرے اس کو جس کو میں نے

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ

بنایا اپنے دونوں ہاتھ سے ☆

قدرت ☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی بدن کو ظاہر کے ہاتھ سے اور روح کو غیب (باطن) کے ہاتھ سے اللہ غیب کی چیزیں ایک طرح کی قدرت سے اور ظاہر کی چیزیں دوسری طرح کی قدرت سے بناتا ہے۔ اس انسان میں دونوں طرح کی قدرت خرچ کی۔ (سورہ مائدہ میں پارہ ششم کے ختم کے قریب "بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ" کا فائدہ ملاحظہ کر لیا جائے) ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعوت وصفات میں سلف کا مسلک ہی اقویٰ واحوط ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ یہاں حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پیدا کیا جمہور امت کا اس پر اتفاق ہے کہ "ہاتھوں" سے مراد یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ایسے ہی ہاتھ ہیں جیسے انسانوں کے ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ اعضاء و جوارح کے احتیاج سے منزہ ہے لہٰذا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور عربی زبان میں لفظ "ید" بکثرت قدرت کے معنی میں مستعمل ہے مثلاً ارشاد ہے۔ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں نے آدم کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔ اور یوں تو کائنات کی ساری چیزیں قدرت خداوندی ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ لیکن جب باری تعالیٰ کسی چیز کا خصوصی شرف ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو اُسے خاص طور سے اپنی طرف منسوب فرما دیتے ہیں۔ جیسے کعبہ کو بیت اللہ۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقۃ اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ یا روح اللہ کہا گیا ہے۔ یہاں بھی یہ نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے کی گئی ہے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ

یہ تو نے غرور کیا یا تو بڑا تھا درجہ میں ☆

☆ یا جان بوجھ کر اپنے کو بڑا بنانا چاہا یا واقع میں تو اپنا مرتبہ ہی اونچا سمجھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ

بولا میں بہتر ہوں اُس سے مجھ کو بنایا تو نے آگ سے اور اُس کو

مِنْ طِيْنٍ

بنایا مٹی سے ☆

☆ سورہ "اعراف" میں اس کا بیان گزر چکا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "آگ ہے گرم پر جوش اور مٹی ہے سرد خاموش ابلیس نے آگ کو اچھا سمجھا، اللہ نے اس مٹی کو پسند رکھا۔" (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ

فرمایا تو تو نکل یہاں سے کہ تو مردود ہوا ☆

☆ یعنی بہشت میں فرشتوں کی صحبت میں جو تا تھا اب نکالا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

منها یعنی جنت سے یا آسمانوں سے نکل جا۔ حسن اور ابو العالیہ نے کہا اس بناوٹ (اور خوبصورت تخلیق) سے نکل جا جس میں تو بنایا گیا ہے۔ حسین بن فضل نے کہا یہ تشریح اچھی ہے چنانچہ اس حکم کے بعد ابلیس کا رنگ سیاہ ہو گیا اور خوبصورتی بدصورتی سے بدل گئی۔

فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ، رجیم۔ مردود۔ راندۂ درگاہ۔ تو تو آدم سے افضل نہیں ہے۔ یہ جملہ حکم خروج کی علت ہے (یعنی تجھے نکل جانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اب تو راندۂ درگاہ ہو گیا) (تفسیر مظہری)

وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

اور تجھ پر میری پھٹکار ہے اُس جزا کے دن تک ☆

☆ یعنی اس وقت تک تیرے اعمال کی بدولت پھٹکار بڑھتی جائے گی بعدہ کیا ہوگا؟ اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے آگے آتا ہے "لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ" وہاں جو لعنت ہوگی یہاں کی لعنتیں اسکے سامنے گرد ہو جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ کہنے سے یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ قیامت آنے پر لعنت ختم ہو جائیگی بلکہ مراد یہ ہی کہ قیامت تک تو پھٹکار میں مبتلا رہیگا اور اس کے بعد لعنت کے ساتھ عذاب میں بھی گرفتار ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

بولا اے رب مجھ کو ڈھیل دے جس دن تک کہ مردے جی اُٹھیں ☆

☆ یعنی صور کے دوسرے نفخہ تک۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۙ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ

فرمایا تو تجھ کو ڈھیل ہے اُسی وقت کے دن تک جو

الْمَعْلُوْمِ

معلوم ہے☆

☆ یعنی پہلے نفخہ کے قریب تک اس کے بعد نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ

بولا تو قسم ہے تیری عزت کی میں گمراہ کروں گا ان سب کو مگر جو بندے ہیں تیرے

مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۚ

ان میں چنے ہوئے فرمایا تو ٹھیک بات یہ ہے اور میں ٹھیک ہی کہتا ہوں☆

☆ یعنی میری سب باتیں سچی اور ٹھیک ہی ہوتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَبِعِزَّتِكَ میں فاء سببی ہے۔ ابلیس کو مہلت مل جانا ہی عزم اغواء کا سبب ہے اگر اللہ کی طرف سے اس کو مہلت نہ ملتی تو وہ اغواء پر قادر نہ ہوتا۔ ابلیس ملعون نے اللہ کی عزت یعنی غلبۂ کامل اور ہمہ گیر قدرت کی قسم کھائی تاکہ اس ذریعہ سے اسکو بنی آدم کے اغواء پر تسلط حاصل ہو جائے۔

المخلصین یعنی وہ لوگ جنکو اللہ نے اپنے طاعت کے لئے منتخب کر دیا ہے اور گمراہی سے محفوظ بنا دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

مجھ کو بھرنا ہے دوزخ تجھ سے اور جو ان میں تیری راہ چلے ان سب سے

قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ

تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اس پر کچھ بدلہ اور میں نہیں اپنے آپ کو

الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

بنانے والا یہ تو ایک فہمائش ہے سارے جہان والوں کو

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝

اور معلوم کر لو گے اس کا احوال تھوڑی دیر کے پیچھے☆

پیغمبر کی خیر خواہی

☆ یعنی نصیحت سے غرض یہ ہے کہ اپنے دشمن اور دوست میں تمیز کرو۔ شیطان لعین جو ازلی دشمن ہے اس کی راہ مت چلو، نبیوں کا کہنا مانو جو تمہاری بھی خواہی کے لئے آتے ہیں۔ میں تم سے اس نصیحت کا کوئی صلہ یا معاوضہ نہیں مانگتا نہ خواہ مخواہ اپنی طرف سے بنا کر کوئی بات کہتا ہوں۔ اللہ نے جو پیغام دیا تھا کہ وہ تمہارے تک پہنچا دی۔ تھوڑی مدت کے بعد تم خود معلوم کر لو گے کہ جو خبریں دی گئیں کہاں تک درست ہیں اور جو نصیحت کی گئی کیسی سچی اور مفید تھی۔

تم سورہ صٓ بعون اللہ وحسن توفیقہ وللہ الحمد والمنۃ

(تفسیر عثمانی)

تکلف اور تصنع کی مذمت

وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (اور میں بناوٹ کرنے والوں میں سے نہیں ہوں) مطلب یہ ہے کہ میں تکلف اور تصنع کر کے اپنی نبوت و رسالت اور علم و عظمت کا اظہار نہیں کر رہا۔ بلکہ اللہ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک پہنچا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکلف اور تصنع شرعاً مذموم ہے چنانچہ اس کی مذمت میں بعض احادیث وارد ہوئی ہیں۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد منقول ہے کہ "اے لوگو تم میں سے جس شخص کو کسی بات کا علم ہو وہ تو لوگوں سے کہہ دے لیکن جس کا علم نہ ہو تو وہ "اللہ اعلم" کہنے پر اکتفا کر لے (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا ہے۔ قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (روح المعانی)

(معارف مفتی اعظم)

الحمدللہ سورۃ صٓ ختم ہوئی

سورۃ زمر کی فضیلت: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفل روزے اس طرح پے در پے رکھے چلے جاتے کہ ہم خیال کرتے کہ شاید اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑیں گے نہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم کو خیال ہوتا کہ اب رکھیں گے ہی نہیں اور ہر رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ بقرہ اور سورۃ زمر کی تلاوت کرلیا کرتے۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ نزول: بیہقی نے دلائل میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ سے روایت کیا ہے کہ سورۃ زمر مکہ میں نازل ہوئی۔ بجز ان تین آیات کے جو وحشی قاتل حمزہؓ کے بارے میں نازل ہوئیں وہ تین آیات قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ کہ یہ مدینہ منورہ میں وحشی کے اسلام کے وقت نازل ہوئی اور بعض مفسرین کا قول ہے کہ سات آیات۔ (فتح بیان۔ فتح القدیر، تفسیر ابن کثیر)۔ (معارف کاندھلوی)

سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانِيْ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ زمر مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور آٹھ رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ○

اتارنا ہے کتاب کا اللہ نے جو زبردست ہے حکمتوں والا ☆

قرآن کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا

چونکہ زبردست ہے اس لئے اس کتاب کے احکام پھیل کر اور نافذ ہو کر رہیں گے۔ کوئی مقابل ومزاحم اس کے شیوع ونفاذ کو روک نہیں سکتا۔ اور حکیم ہے اس لئے دنیا کی کوئی کتاب اس کی خوبیوں اور حکمتوں کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ

میں نے اُتاری ہے تیری طرف کتاب ٹھیک ٹھیک سو بندگی کر اللہ کی

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۞ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۚ

خالص کر کر اُسکے واسطے بندگی سنتا ہے اللہ ہی کیلئے ہے بندگی خالص ☆

اللہ کی بندگی اور دعوت میں لگے رہو

☆ یعنی حسب معمول اللہ کی بندگی کرتے رہیے جو شوائب شرک وریا وغیرہ سے پاک ہو اسی کی طرف قولاً وفعلاً لوگوں کو دعوت دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ اللہ اسی بندگی کو قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے ہو۔ عمل خالی از اخلاص کی اللہ کے ہاں کچھ پوچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عمل کی مقبولیت اخلاص کے مطابق ہوتی ہے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں بعض اوقات کوئی صدقہ، خیرات کرتا ہوں یا کسی پر احسان کرتا ہوں جس میں میری نیت اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی بھی ہوتی ہے اور یہ بھی کہ لوگ میری تعریف وثناء کریں گی۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو قبول نہیں فرماتے جس میں کسی غیر کو شریک کیا گیا ہو۔ پھر آپ نے آیت مذکورہ بطور استدلال کے تلاوت فرمائی۔ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۔ (قرطبی)

متعدد آیات قرآنی اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اعمال کا حساب گنتی سے نہیں بلکہ وزن سے ہوتا ہے۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ اور آیات مذکورہ نے بتلا دیا کہ اللہ کے نزدیک اعمال کی قدر اور وزن بقدر اخلاص ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ کمال اخلاص بدون کمال ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اخلاص کامل یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ کسی کو نفع وضرر کا مالک سمجھے نہ اپنے کاموں میں کسی غیر اللہ کو متصرف خیال کرے نہ کسی طاعت وعبادت میں غیر اللہ کا اپنے تصور سے دھیان آنے دے۔ غیر اختیاری وساوس کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا

جنہوں نے پکڑ رکھے ہیں اُس سے ورے حمایتی کہ ہم تو انکو پوجتے ہیں

نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اس واسطے کہ ہم کو پہنچا دیں اللہ کی طرف قریب کے درجہ میں بیشک اللہ

يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ

فیصلہ کر دیگا اُن میں جس چیز میں وہ جھگڑ رہے ہیں ☆

مشرکین کا فیصلہ ہوجائے گا

☆ عموماً مشرک لوگ یہی کہا کرتے ہیں کہ ان چھوٹے خداؤں اور دیوتاؤں کی پرستش کر کے ہم بڑے خدا سے نزدیک ہو جاتے ہیں اور وہ ہم پر مہربانی کریگا جس سے ہمارے کام بن جائیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ ان چیونٹی حیلوں سے

توحید خالص میں جو جھگڑے ڈال رہے ہو اور اہل حق سے اختلاف کر رہے ہو اس کا عملی فیصلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آگے چل کر ہو جائیگا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شانِ نزول:

جویبر کی روایت ہے کہ اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول تین قبائل کے متعلق ہوا بنی عامر۔ بنی کنانہ اور بنی سلمہ۔ یہ قبائل بتوں کی پوجا کرتے تھے اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے اور کہتے تھے کہ ہم ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں (یعنی ان کی پوجا کر کے ہم خدا کے مقرب بن جائیں)

بغوی نے لکھا ہے جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا رب کون ہے تم کو اور آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ جواب دیتے تھے سب کو اللہ نے پیدا کیا اس پر کہا جاتا پھر بتوں کو کیوں پوجتے ہو تو جواب دیتے ہم تو ان کی پوجا محض اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے ہم خدا کے مقرب ہو جائیں۔

مشرکین عرب کا حال

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ

یہ مشرکین عرب کا حال ہے اور اس زمانے کے عام مشرکین بھی تقریباً یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ خالق و مالک اور تمام کاموں میں متصرف تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ شیطان نے ان کو بہکایا تو اپنے خیال کے مطابق فرشتوں کی شکلوں پر بت تراشے اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ بت ہمارے بنائے ہوئے ہیں انہیں کوئی عقل وشعور اور قدرت وقوت نہیں۔ نہیں عقیدہ یہ تھا کہ ان بتوں کی تعظیم وتکریم سے وہ فرشتے ہم سے خوش ہوں گے جنکی شکلوں پر بت بنائے گئے ہیں اور فرشتے اللہ کے نزدیک مقرب ہیں۔ انہوں نے بارگاہ خداوندی کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کیا کہ جیسے شاہی مقرب کسی سے خوش ہوں تو وہ بادشاہ کے پاس ان کی سفارش کر کے ان کو بھی بادشاہ کا مقرب بنا دیتے ہیں۔ یہ سمجھتے تھے کہ فرشتے بھی بادشاہی درباریوں کی طرح جس کی چاہیں سفارش کر سکتے ہیں مگر ان کے یہ سارے خیالات شیطانی تلبیس اور باطل ہی باطل تھے۔ اول تو یہ بت فرشتوں کی شکل پر واقع میں ہیں نہیں اور ہوں بھی تو اللہ کے مقرب فرشتے اپنی پرستش سے کب خوش ہونے والے ہیں۔ ان کو تو ہر اس چیز سے طبعی نفرت ہے جو اللہ کے نزدیک ناپسند ہو۔ اس کے علاوہ بارگاہِ خداوندی میں وہ از خود کسی کی سفارش نہیں کر سکتے جب تک اُن کو کسی خاص شخص کے بارے میں سفارش کی اجازت نہ مل جائے۔

آج کے مادہ پرست کفار تو خود اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کے منکر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شان میں براہ راست گستاخیاں کرتے ہیں۔ یورپ سے درآمد کیا گیا کفر خواہ اُس کے رنگ مختلف ہوں۔ کوئی سرمایہ پرست ہو کوئی کمیونزم کا قائل۔ یہ بات سب میں قدر مشترک ہے کہ معاذ اللہ خدا کوئی چیز نہیں ہم اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ ہم سے ہمارے اعمال کی باز پرس کرنے والا کوئی نہیں اسی بدترین کفر اور ناشکری کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا سے امن واطمینان سکون و راحت مفقود ہو چکا ہے راحت کے نئے نئے سامان بہت مگر راحت مفقود دن بدن ہے جدید آلات اور تحقیقات کی بہتات مگر امراض کی اتنی کثرت جو پہلے کسی زمانے میں نہیں سُنی گئی۔ پہرے چوکیاں پہرے۔ خفیہ پولیس قدم قدم پر مگر جرائم کی رفتار بروز بڑھ رہی ہے۔ یہ نئے آلات اور راحت وآرام کے نئے نئے طریقے جب غور کریں تو یہی خلق خدا کے لئے وبال جان بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ غرض کہ سزا تو آخرت میں ہے ہی جو دائمی جہنم ہے۔ مگر اس اندھی ناشکری کی سزا جو دنیا میں بھگتنی پڑتی ہے۔ کہ جس کی دی ہوئی نعمتوں میں تصرفات کرکے آسمان پر چڑھنے کے حوصلے پیدا ہوئے۔ اسی کا انکار ہے۔

؎ درمیان خانہ گم کردیم صاحب خانہ را (معارف مفتی اعظم)

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ
البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اُس کو جو ہو جھوٹا حق نہ ماننے والا ☆

سرکش وبد باطن تباہ ہوں گے

یعنی جس نے دل میں یہ ہی ٹھان لی کہ کبھی سچی بات کو نہ مانوں گا جھوٹ اور ناحق ہی پر ہمیشہ اڑا رہوں گا منعم حقیقی کو چھوڑ کر جھوٹے محسنوں ہی کی بندگی کروں گا۔ اللہ کی عادت ہے کہ ایسے بد باطن کو فوز وکامیابی کی راہ نہیں دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

لَوْ أَرَادَ اللَّهُ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفَىٰ مِمَّا
اگر اللہ چاہتا کہ اولاد کرلے تو چُن لیتا اپنی خلق میں سے
يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ سُبْحَانَهُ
جو کچھ چاہتا وہ پاک ہے ☆

اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے

☆ یہاں سے ان کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں جیسے کہ نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور ساتھ ہی تین خداؤں میں کا ایک خدا مانتے ہیں یا عرب کے بعض قبائل فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر بفرض محال اللہ یہ ارادہ کرتا کہ اس کی کوئی اولاد ہو تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے کسی کو اس کام کے لئے چنتا کیونکہ دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ ایک خدا کے سوا جو کوئی چیز ہے سب اس کی مخلوق ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مخلوق اور خالق میں کی نسبت میں بھی کوئی یکجنسی کا رشتہ نہیں پھر ایک دوسرے کا باپ یا بیٹا کیسے بن سکتا ہے اور جب مخلوق وخالق میں یہ رشتہ محال ہے تو اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہوگا۔ علاوہ بریں فرض

کیجیے یہ چیز محال نہ ہوتی تب بھی فرشتوں کو بیٹیاں بناتا تو کس طرح سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا۔ جب مخلوق میں سے انتخاب کی ٹھہرتی تو اس کا کیا مطلب کہ خدا اپنے لیے گھٹیا چیز انتخاب کرتا اور بڑھیا اور چن چن کر تمہیں دے دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کو اللہ کی اولاد

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا یہ ان لوگوں پر رد ہے جو فرشتوں کو اللہ کی اولاد کہتے تھے ان کے اس خیال باطل اور محال کی بطور فرض محال کے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے معاذ اللہ کوئی اولاد ہوتی تو وہ بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے ہونا محال ہے کہ زبردستی اولاد اس پر مسلط نہیں ہو سکتی پھر اگر بالفرض اُس کا ارادہ ہوتا تو اُسکی ذات کے سوا سب اُسکی مخلوقات ہی ہیں انہیں میں سے کسی کو اولاد بناتے۔ اور اولاد کا اپنے والد کی ہم جنس ہونا لازم ہے اور مخلوق خالق کی ہم جنس ہو نہیں سکتی۔ اس لئے مخلوق کو اولاد بنانے کا ارادہ کرنا محال ہو گیا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝
وہی ہے اللہ اکیلا دباؤ والا ☆

یعنی ہر چیز اس کے سامنے دبی ہوئی ہے۔ اس پر کسی کا دباؤ نہیں نہ کسی چیز کی حاجت، پھر اولاد بنانا کس غرض سے ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ یعنی الوہیت تو وجوب پر مبنی ہے (جب کوئی دوسرا واجب نہیں ہر موجود مخلوق ہے اور ہر مخلوق ممکن ہے) تو الٰہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے ذات وصفت میں واحد ہو۔ اس کا کوئی مثیل ہو نہ شریک اور جب اس کی مثل کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا تو اس کی اولاد ہونا کس طرح ممکن ہے اولاد تو باپ کے بعض اجزاء سے بنتی ہے اس لئے اپنے والد کی ہم جنس ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ
بنائے آسمان اور زمین ٹھیک لپیٹتا ہے
الَّیْلَ عَلَى النَّهَارِ وَیُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّیْلِ
رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر ☆

نظامِ کائنات

مغرب کے وقت مشرق کی طرف دیکھو، معلوم ہوگا کہ افق سے ایک چادر تاریکی کی اٹھتی ہوئی چلی آ رہی ہے اور اپنے آگے سے دن کی روشنی کو مغرب کی طرف صف کی طرح لپیٹتی جاتی ہے۔ اسی طرح صبح صادق کے وقت نظر آتا ہے کہ دن کا اجالا رات کی ظلمت کو مشرق سے دھکیلتا ہوا آ رہا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "ایک پر دوسرا چڑھ آتا ہے تو ژا نہیں پڑتا"۔ (تفسیر عثمانی)

یُكَوِّرُ کا معنی: یعنی اس کی طرح ہر ایک کو دوسرے پر لپیٹ دیتا ہے یا ایک دوسرے کی مدت چھپا دیتا ہے جیسے غلاف اپنے اندر رکھی ہوئی چیز کو چھپا لیتا ہے۔ یا عمامہ کے پیچوں کی طرح مسلسل ایک کو دوسرے کے بعد اور اس کے اوپر لاتا رہتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ
اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری ہوئی
مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۝
مدت پر سنتا ہے وہی ہے زبردست گناہ بخشنے والا ☆

اللہ تعالیٰ درگذر کرنے والا ہے

یعنی اس کی زبردست قدرت سے یہ نظام قائم کیا اور قائم رکھا ہے۔ لوگوں کی گستاخیوں اور شرارتیں تو یہی ہیں کہ سب نظام درہم برہم کر دیا جائے لیکن وہ بڑا بخشنے والا اور درگذر کرنے والا ہے اپنی شان عفو و مغفرت سے ایسا ہونے نہیں دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ
بنایا تم کو ایک جی سے پھر بنایا اسی سے
مِنْهَا زَوْجَهَا
اس کا جوڑا ☆

تخلیق انسانیت

یعنی آدم علیہ السلام اور ان کا جوڑا حضرت حواء۔ (تفسیر عثمانی)

نفسِ واحدۃ یعنی حضرت آدم جن کو اللہ نے بغیر ماں باپ کے پیدا کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ
اور اتارے تمہارے واسطے چوپاؤں سے آٹھ نر و مادہ ☆

دوسری مخلوقات

یعنی تمہارے نفع اٹھانے کے لیے چوپایوں میں آٹھ نر و مادہ پیدا کیے، اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، جن کا ذکر سورۂ "انعام" میں گزر چکا۔ تفسیر عثمانی

انزل۔ یعنی تمہارے نفع کے لیے چوپائے پیدا کرنے کا حکم دے دیا۔ اللہ کا فیصلہ اور حکم جو لوح محفوظ سے منتقل ہو کر جاری ہوتا ہے اس کو آسمان سے اتارنا کہہ دیا جاتا ہے (کیونکہ لوح محفوظ سے وہ حکم اترتا ہے) یا یہ مطلب ہے۔

ان سب اسباب کے ذریعہ سے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے جو آسمان اور عالم بالا سے نیچے آتے ہیں جیسے ستاروں کی شعاعیں بارش۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ کے ساتھ اللہ نے جنت کے اندر چوپائے بھی پیدا کر دیئے تھے پھر آپ ہی کے ساتھ انکو نیچے اتارا۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۔ آٹھ نر و مادہ (ملا کر) اونٹ اونٹنی۔ گائے بیل، بھینسا بھینس، بکرا بکری۔ (تفسیر مظہری)

يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ
بناتا ہے تم کو ماں کے پیٹ میں ایک طرح پر

بَعْدِ خَلْقٍ
دوسری طرح کے پیچھے ☆

انسانی پیدائش میں قدرت کے کرشمے

☆ یعنی بتدریج پیدا کیا مثلاً نطفہ سے علقہ بنایا، علقہ سے مضغہ بنایا، پھر ہڈیاں بنائیں اور ان پر گوشت منڈھا، پھر روح پھونکی۔ (تفسیر عثمانی)

اس میں قدرت خداوندی کے اُن رموز و اسرار کی کچھ نشاندہی کی گئی ہے جو انسان کی تخلیق میں کارفرما ہیں اول تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ بچے کو شکم میں بیک وقت مکمل پیدا کر دیتے۔ مگر بہ تقاضائے حکمت و مصلحت ایسا نہیں بلکہ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ تدریج اختیار کی کہ عورت جس کے پیٹ میں عالم اصغر بن رہا ہے وہ آہستہ آہستہ اس کا بوجھ برداشت کرنے کی عادی ہوتی چلی جائے۔ دوسرے اس بے نظیر حسین ترین مخلوق کو جس میں سینکڑوں نازک مشینیں اور بال کی برابر رگیں خون اور روح پہنچانے کے لئے لگائی گئی ہیں۔ یہ عام صنعت کاروں کی طرح کسی کھلی جگہ روشنیوں کی مدد سے نہیں بلکہ تین اندھیروں میں ایسی جگہ پیدا کی گئی ہے جہاں کسی کی نظر تو کیا فکر کی بھی رسائی نہیں۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۔ (معارف مفتی اعظم)

فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ
تین اندھیروں کے بیچ ☆

ایک پیٹ دوسرا رحم تیسری جھلی جس کے اندر بچہ ہوتا ہے وہ جھلی بچہ کے ساتھ نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
وہ اللہ ہے رب تمہارا اُسی کا راج ہے کسی کی بندگی نہیں اُس کے سوائے

هُوَ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ
پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو ☆

جامع دلیل

یعنی جب خالق، رب، مالک اور ملک وہ ہی ہے تو معبود اس کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ خدائے واحد کے لئے ان صفات کا اقرار کرنے کے بعد دوسرے کی بندگی یہی مطلب کہ اتنی قریب پہنچ کر کدھر پھرے جاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلکم یعنی یہ تمام کام کرنے والا اللہ ہے۔ تمہارا رب ہے۔ ذٰلکم مبتدا ہے اللہ پہلی خبر ہے۔ ربکم دوسری خبر۔ له الملک تیسری خبر۔ لا اله الا هو چوتھی خبر لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یعنی کوئی مخلوق چونکہ ان افعال میں اس کی شریک اور حصہ دار نہیں ہے اس لئے عبادت کے لائق بھی اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ہ اس میں ف سببی ہے اور استفہام تعجبی ہے یعنی تعجب ہے کہ اس واضح و مکمل بیان کے بعد تم راہ حق سے پھرے جا رہے ہو اور اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف اپنا رخ کر رہے ہو۔ (تفسیر مظہری)

وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے۔ جہاں تمہاری پیدائش ہوتی رہتی ہیں۔ پہلے نطفہ پھر خون بستہ پھر لوتھڑا پھر گوشت پوست ہڈی رگ پٹھے پھر روح غور کرو کہ وہ کتنا اچھا خالق ہے۔ تین اندھیروں میں تمہاری یہ طرح طرح کی تبدیلیوں کی پیدائش کا سلسلہ ہوتا رہتا ہے۔ رحم کی اندھیری اس کے اوپر کی جھلی کی اندھیری اور پیٹ کی اندھیری۔ یہ جس نے آسمان، زمین کو اور خود تم کو اور تمہارے اگلے پچھلوں کو پیدا کیا ہے وہی رب تعالیٰ ہے۔ اس کا ملک ہے وہی سب میں متصرف ہے وہی لائق عبادت ہے اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ افسوس نہ جانے تمہاری سمجھ اور عقلیں کہاں گئیں کہ تم اس کے سوا دوسروں کی عبادت و بندگی کرنے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا
اگر تم منکر ہو گے تو اللہ پروا نہیں رکھتا تمہاری اور پسند نہیں کرتا

يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ
اپنے بندوں کا منکر ہونا ☆

اللہ تعالیٰ کی بے نیازی

☆ یعنی کافر بن کر اس کے انعامات و حقوق کا انکار کرو گے تو تمہارا ہی نقصان ہے اس کا کچھ نہیں بگڑتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ کفر سے راضی نہیں۔ اپنے بندوں کے کافر منکر بننے سے ناخوش ہوتا ہے اور اس چیز کو ان کے لئے

ناپسند کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غنی عنکم یعنی اللہ تم سے اور تمہارے ایمان سے بے نیاز ہے وہ تمہارا اور تمہارے ایمان کا حاجت مند نہیں۔ اِن تکفروا کی جزا محذوف ہے اِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ محذوف جزاء کے قائم مقام ہے اصل کلام اس طرح تھا اگر تم کفر کرو گے تو کفر کا وبال تم پر ہی پڑیگا اللہ پر نہیں پڑیگا کیونکہ اللہ تو تمہارا حاجتمند نہیں نہ تمہارے ایمان کا تم اس کے محتاج ہو نہ اس سے تمہارا ہی ضرر ہوگا اور ایمان سے تمہارا ہی نفع ہوگا۔

یعنی اس کو کفر پسند نہیں، گرچہ کفر ایمان سب اسی کے ارادے (اور مشیت) سے ہوتا ہے اللہ نے خود فرمایا ہے۔ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اللہ جس کو ہدایت یاب کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے (کشادہ دلی سے وہ اسلام کو قبول کر لیتا ہے) اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے (کہ اسلام اس کے دل میں داخل ہی نہیں ہوتا) علماء اسلاف کا یہی قول تمام اہل سنت و جماعت کا اسی پر اجماع ہے۔

آیت کا ایک دوسرا مطلب

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور سدی نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا کہ اللہ اپنے مومن بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بندے وہی ہیں جن کے متعلق اللہ نے (ابلیس سے) فرما دیا تھا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ۔ اس تفسیر پر رضاء کو بمعنی ارادہ مجازاً اس جگہ قرار دیا جائیگا ورنہ حق بات یہ ہے کہ نہ رضا اور ارادہ ہم معنی لفظ ہیں نہ ارادہ کے لئے رضا ضروری ہے ارادہ کا تعلق تو خیر و شر دونوں سے ہوتا ہے اللہ نے جو چاہا وہ ہوا جو نہ چاہا نہیں ہوا اللہ کا ارادہ جس چیز سے متعلق ہو گیا اس کا ہونا ضروری ہے نہ ہونا محال ہے اللہ نے خود فرمایا ہے اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام ایمان یا کفر اللہ تعالیٰ کی مشیت یا ارادہ کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا۔ اس لئے ہر چیز کے وجود میں آنے کے لئے اللہ جل شانہٗ کا ارادہ شرط ہے۔ البتہ رضاء اور پسندیدگی حق تعالیٰ کی صرف ایمان اور اچھے کاموں سے متعلق ہوتی ہے۔ کفر و شرک اور معاصی اس کو پسند نہیں۔ شیخ الاسلام نووی نے اپنی کتاب **الاصول والضوابط** میں لکھا ہے۔ **مذهب اهل الحق الايمان بالقدر و الباته وان جميع الكائنات خيرها وشرها بقضاء الله وقدره وهو مريد لها كلها ويكره المعاصي مع انه تعالىٰ مريد لها لحكمة يعلمها جل و علا۔** (روح المعانی)

مذہب اہل حق کا تقدیر پر ایمان لانا ہے اور یہ کہ تمام کائنات اچھی ہوں یا بری سب اللہ تعالیٰ کے حکم و تقدیر سے وجود میں آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق کا ارادہ بھی کرتا ہے مگر وہ معاصی کو مکروہ و ناپسند سمجھتا ہے۔ اگرچہ ان کی تخلیق کا ارادہ کسی حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے جس کو وہ خود ہی جانتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ
اور اگر اس کا حق مانو گے تو اسکو تمہارے لئے پسند کریگا ☆

اللہ کی پسندیدہ بات

یعنی بندے اس کا حق مان کر مطیع و شکر گزار بنیں۔ یہ بات اس کو پسند ہے جس کا نفع ان ہی کو پہنچتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى
اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا ☆

اللہ عادل ہے

یعنی ناشکری کوئی کرے اور پکڑا کوئی جائے ایسا اندھیر اس کے یہاں نہیں جو کرے گا سو بھرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی براءت

اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ وبال کفر تم پر ہی پڑے گا کسی اور پر نہیں پڑے گا تمہارے کافر رہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نقصان نہیں وہ تو تمہارے ہی فائدے کے لئے تم کو اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
پھر اپنے رب کی طرف تم کو پھر جانا ہے تو وہ جتلائیگا جو تم تھے
تَعْمَلُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ
جو تم کرتے تھے مقرر اس کو خبر ہے دلوں کی بات کی ☆

سب کے عمل سامنے آئیں گے

یعنی وہاں جا کر سب کے اچھے برے اعمال سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ کوئی چھوٹا بڑا کام گم نہ ہوگا۔ کیونکہ خدا کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں۔ دلوں کی تہہ میں جو بات چھپی ہوئی ہو، اسے بھی جانتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا
اور جب آ لگے انسان کو سختی پکارے اپنے رب کو رجوع ہو کر اسکی

اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ
طرف پھر جب بخشے اُس کو نعمت اپنی طرف سے بھول جائے اُس کو
يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا
کہ جس کے لئے پکار رہا تھا پہلے سے اور ٹھہرائے اللہ کی برابر
لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ
اوروں کو تاکہ بہکائے اُس کی راہ سے ☆

انسان کی عجیب طبیعت

یعنی انسان کی حالت عجیب ہے۔ مصیبت پڑنے پر تو ہمیں یاد کرتا ہے کیونکہ دیکھتا ہے کہ کوئی مصیبت کو ہٹانے والا نہیں۔ پھر جہاں اللہ کی مہربانی سے ذرا آرام و اطمینان نصیب ہوا معاً وہ پہلی حالت بھول جاتا ہے جس کے لئے ابھی ابھی ہم کو پکار رہا تھا۔ عیش و تنعم کے نشہ میں ایسا مست و غافل ہو جاتا ہے گویا کبھی ہم سے واسطہ ہی نہ تھا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسرے جھوٹے دم من گھڑت خداؤں کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو خدائے واحد کے ساتھ کرنا چاہئے تھا۔ اس طرح خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور اپنے قول و فعل سے دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ
تو کہہ برت لے ساتھ اپنے کفر کے تھوڑے دنوں تو ہے
النَّارِ ۝
دوزخ والوں میں ☆

مہلت کو نجات نہ سمجھو

یعنی اچھا کافر رہ کر چند روز یہاں اور عیش اڑا لے اور خدا نے جب تک مہلت دے رکھی ہے دنیا کی نعمتوں سے تمتع کرتا رہ اس کے بعد تجھے دوزخ میں رہنا ہے جہاں سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا
بھلا ایک جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں سجدے کرتا ہوا اور کھڑا
يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ
خطرہ رکھتا ہے آخرت کا اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی مہربانی کی تو کہہ

يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ
کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ سوچتے
اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝
وہی ہیں جن کو عقل ہے ☆

مومن کی شان ☆ یعنی جو بندہ رات کی نیند اور آرام چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں لگا۔ کبھی اس کے سامنے دست بستہ کھڑا رہا کبھی سجدہ میں گرا۔ ایک طرف آخرت کا خوف اس کے دل میں بے قرار کیے ہوئے ہے اور دوسری طرف اللہ کی رحمت نے ڈھارس بندھا رکھی ہے۔ کیا یہ سعید بندہ اور وہ بدبخت انسان جس کا ذکر اوپر ہوا کہ مصیبت کے وقت خدا کو پکارتا ہے اور جہاں مصیبت کی گھڑی ٹلی خدا کو چھوڑ بیٹھا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں! ایسا ہو تو یوں ہو کہ ایک عالم اور جاہل یا سمجھدار اور بے وقوف میں کچھ فرق نہ رہا۔ مگر اس بات کو بھی وہی سوچتے سمجھتے ہیں جن کو اللہ نے عقل دی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ ۔ یعنی اپنے اعمال کی کوتاہی پر نظر کرتا ہے تو عذاب آخرت سے ڈرتا ہے اور (اگر اس کے اعمال اچھے بھی ہیں تب بھی) اعمال ہی پر اعتماد نہیں کر لیتا۔ بلکہ اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ وہ ڈرتا بھی ہے اور امید بھی رکھتا ہے نہ تب خوف اس پر اتنا غالب ہوتا ہے کہ اپنے رب سے ناامید ہو جائے کیونکہ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ اللہ کی رحمت سے ناامید تو صرف کافر لوگ ہوتے ہیں۔ نہ صرف امید پر ہی جیتا ہے کہ اللہ کے عذاب سے بے خوف اور مطمئن ہو جائے کیونکہ لَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

آیت کا شان نزول: (۵) بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک نے کہا یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اس کا نزول حضرت عثمانؓ کے بارے میں ہوا۔ ابن ابی حاتم نے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن ابی حاتم بیان کرتے ہیں کہ یحییٰ بکاء نے ایک دفعہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا کر وہ یہ آیت اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ پڑھتے ہوئے سنا تو سن کر فرمایا یہ شخص جس کا ذکر قرآن کریم نے ان کلمات میں کیا وہ تو عثمان بن عفانؓ ہیں کیونکہ ان کی یہی شان تھی کہ پوری رات تہجد اور تلاوت میں گزر جاتی تھی اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ایک ہی رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھ لیتے۔ (کذا معارف)

علم تقویٰ کی بنیاد ہے: الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ یعنی جو لوگ خدا شناس ہیں اللہ کی صفات جلالی و جمالی کو مانتے ہیں اس لئے عذاب سے ڈرتے ہیں اور رحمت سے آس باندھے رکھتے ہیں۔ حکم کی اطاعت کرتے اور گناہوں

سے بچتے رہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

رات کی عبادت: آناء الَّیْلِ رات کے ٹکڑوں کو کہا جاتا ہے۔ رات کی تاریکی میں عبادت باعث سکون وفرحت بھی اور موجب قرب خداوندی بھی ہے۔ قیام لیل اور تہجد خدا کی بارگاہ میں اس قدر محبوب عمل ہے کہ فرشتے اس عمل کو بارگاہ خداوندی میں پیش کرنے کے لئے باہم خصومت کرتے ہیں۔ ہر ایک فرشتہ کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس عمل کو لے کر وہی سب سے پہلے بارگاہ رب العزت میں پہنچے جیسے کہ حدیث اختصام ملأ اعلیٰ میں ذکر فرمایا گیا۔ (کاندھلوی)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ محشر کے موقف حساب میں اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرمادیں اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رات کی اندھیری میں سجدہ اور قیام کی حالت میں پائے۔ اس طرح کی اس کو آخرت کی فکر بھی ہو اور رحمت کی امید بھی۔ بعض حضرات نے مغرب وعشاء کے درمیان کے وقت کو بھی اناء اللیل کہا ہے (قرطبی)۔ (معارف مفتی اعظم)

کامیاب کرنے والی دو صفتیں

عبد بن حمید نے باسناد انس بن مالک رضی اللہ عنہ یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے پاس تشریف لے گئے جبکہ وہ مرض الموت کی حالت میں تھے۔ آپ نے اس شخص سے دریافت فرمایا بتاؤ تم اس وقت اپنے آپ کو کیسی حالت میں پا رہے ہو۔ جواب دیا۔ اِنّی اَرْجُوا اللہ وَاَخافُ ذُنوبی کہ میں اللہ کی رحمت کا امیدوار ہوں اور اپنے گناہوں سے ڈر بھی رہا ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ کہ یہ دو صفتیں کسی مومن بندہ کے قلب میں جمع ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا نہ فرمائے جس کی اسے امید ہے اور اس چیز سے اس کو مامون ومحفوظ نہ فرمادے جس سے وہ ڈر رہا ہے۔ (جامع ترمذی۔ سنن نسائی) (معارف کاندھلویؒ)

قانت کا معنی: لفظ قانت کے کئی ترجمے کئے گئے ہیں۔ سب کو جامع قول حضرت ابن مسعودؓ کا ہے۔ اس کے معنی ہیں اطاعت گزار اور یہ لفظ جب خاص نماز کے لئے بولا جائے۔ جیسے قُوْمُوا لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ۔ تو وہاں مراد وہ شخص ہوتا ہے جو نماز میں اپنی نگاہ کو پست رکھے ادھر ادھر نہ دیکھے نہ اپنے بدن یا کپڑوں سے کھیل کرے نہ دنیا کی کسی چیز کو اپنے اختیار سے نماز میں یاد کرے۔ بھول اور غیر اختیاری وسوسہ اس کے منافی نہیں۔ (قرطبی)

نسائی وغیرہ میں حدیث ہے کہ جس نے ایک رات سو آیتیں پڑھ لیں اس کے نامہ اعمال میں ساری رات کی قنوت لکھی جاتی ہے (مسند وغیرہ) (تفسیر ابن کثیر)

قُلْ یٰعِبَادِ
تو کہہ اے بندہ میرے ☆

☆ یعنی اللہ کی طرف سے یہ پیغام پہنچا دو۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا
جو یقین لائے ہو ڈرو اپنے رب سے جنہوں نے نیکی کی
فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ
اس دنیا میں ان کے لئے ہے بھلائی ☆

نیکی کا بدلہ ضرور ملے گا

یعنی جس نے دنیا میں نیکی کی آخرت میں اسکے لئے بھلائی ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس نے نیکی کی اس کو آخرت سے پہلے ہی دنیا میں بھلائی ملے گی ظاہری یا باطنی۔ (تفسیر عثمانی)

احسان کیا ہے: اَحْسَنُوْا یعنی ایمان لائے اور خشوع وخضوع کے ساتھ نیک اعمال کئے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا احسان (عمل اور عبادت کی خوبی) یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا تم اس کو (اپنے سامنے) دیکھ رہے ہو اگر یہ مشاہدہ تم کو حاصل نہ ہو تو (اتنا ہی سمجھو کہ پردہ غیب سے) وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ
اور زمین اللہ کی کشادہ ہے صبر کرنے والوں ہی کو ملتا ہے
اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ
ان کا ثواب بے شمار ☆

ہجرت کی فضیلت

یعنی اگر ایک ملک میں لوگ نیک راہ چلنے سے مانع ہوں تو خدا کی زمین کشادہ ہے دوسرے ملک میں چلے جاؤ جہاں آزادی سے اس کے احکام بجالا سکو۔ بلاشبہ اس طرح ترک وطن کرنے میں بہت مصائب برداشت کرنا پڑیں گے اور طرح طرح کے خلاف عادت وطبیعت امور پر صبر کرنا پڑے گا لیکن یاد رہے کہ بے شمار ثواب بھی ملے گا۔ تو صرف کرنے والوں ہی کو ملے گا اس کے مقابلہ میں دنیا کی سب سختیاں اور تکلیفیں ہیچ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ہجرت اور جہاد اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ کے ترجمہ میں اضافہ کردہ کلمات سے یہ ظاہر کیا گیا کہ انسان اگر اپنے وطن میں عبادت نہیں کر سکتا تو پھر اس کو چاہئے کہ اس سرزمین سے ہجرت کر کے ایسی جگہ جائے جہاں اپنے رب کی اطاعت کر سکے۔ اس تفسیر پر ماقبل سے ربط بخوبی واضح ہو رہا ہے۔ کہ

اس دنیا میں نیکی کرنے والوں کی نیکی کا بدلہ ضرور ان کو ملے گا رہا یہ کہ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ میں تو ایک جگہ محصور ہوں اور کفار کا غلبہ و تسلط ہے کہ نیکی اور عبادت کر ہی نہیں سکتا تو اس کو فرمایا جا رہا ہے اگر یہ زمین تیرے واسطے تنگ ہے تو کیا ہوا نہیں اور چلا جا۔ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اللہ کی زمین تو بہت وسیع ہے۔ چنانچہ مجاہد اس کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے۔ منها جروا فيها وجاهدوا واعتزلوا الاوثان مجاہد کے اس کلمہ نے ایک لطیف اشارہ بھی کر دیا۔ مسلمانوں پر اگر کافروں کا غلبہ اور تسلط سے کوئی جگہ نیکی اور عبادت کے لئے تنگ ہے تو ہجرت کے ساتھ جہاد بھی کرو۔ تاکہ جہاد کے ذریعہ اللہ کی وسیع زمین فتح کرو اور وہاں اللہ کا دین قائم کرو۔

گناہوں اور فتنوں سے فرار: عطا کا قول ہے مراد یہ ہے جب تم کو کسی معصیت کی طرف بلایا جائے تو تم اس جگہ سے راہ فرار اختیار کرو۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا اسی معنی اور حکم کو ثابت کرنے کے لئے امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں ایک باب من الدین الفرار من الفتن قائم کیا ہے کہ دین کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ ہے کہ فتنوں اور فتنوں کی سرزمین سے انسان راہ فرار اختیار کرے۔ (معارف۔ کاندھلوی)

الصابرون۔ یعنی وہ لوگ جو اپنے دین پر قائم رہے اور کافروں کی ایذاء رسانی سے تنگ آ کر دین کو نہ چھوڑ بیٹھے۔ یا وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے احباب اقارب اور وطن کی جدائی پر صبر کیا۔

آیت کا شان نزول: بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا جو مکہ سے ہجرت کر کے حبش کو چلے گئے تھے۔ دین کو نہ چھوڑا سخت دکھ اٹھائے مگر دین پر قائم رہے اور ہجرت کر کے چلے گئے۔

الفاظ میں عموم ہے مہاجرین حبشہ کو بھی شامل ہے اور تمام وہ لوگ اس میں داخل ہیں جو دکھوں پر صبر کریں۔ دینی مشقتیں برداشت کریں اور گناہوں سے اپنے آپ کو روکتے رہیں۔

صابرین کی فضیلت: بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہر اطاعت گذار کو ناپ تول کر (اس کے اعمال کا) ثواب دیا جائے گا سوائے صابرون کے ان پر تو لپ بھر بھر کر ثواب پھینکا جائے گا۔

اصبہانی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ترازوئیں نصب کی جائیں گی اور نمازیوں کو لایا جائے گا اور وزن کے مطابق ان کو پورا پورا ثواب دیا جائے گا۔ اور صدقہ (خیرات فرض و نفل) دینے والوں کو لایا جائے گا اُن کو بھی وزن کے موافق پورا پورا ثواب دیا جائے گا۔ حاجیوں کو لایا جائے گا اُن کو بھی وزن کر کے پورا ثواب دیا جائے گا اور جو لوگ اہل بلاء (دکھی اور دین کی خاطر مصائب و شدائد اٹھانے والے) ہوں گے ان کو بلایا جائے گا لیکن ان کے اعمال کے وزن کشی کے لئے نہ کوئی ترازو کھڑی کی جائے گی نہ ان کے اعمال کی رجسٹر کھولا جائے گا ان پر تو بے گنتی ثواب کی بارش کی جائے گی یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو دنیا میں عافیت سے رہے تھے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے جسم قینچیوں سے کاٹے جاتے یہ تمنا اس ثواب کو دیکھ کر کریں گے جو اہل بلاء کو ملا ہوگا اور یہی (مطلب) ہے اللہ کے قول کا اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ بغوی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

طبرانی اور ابویعلیٰ نے ناقابل اعتراض سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن شہید کو لایا جائے گا اور حساب کے لئے اس کو کھڑا کیا جائے گا پھر زکوٰۃ دینے والے کو حساب کے لئے کھڑا کیا جائے گا پھر اہل بلاء کو لایا جائے گا اور ان کے حساب کے لئے نہ کوئی ترازو نصب کی جائے گی نہ ان کے اعمال کا رجسٹر کھولا جائے گا بلکہ ان پر ثواب کی خوب بارش کی جائے گی یہاں تک کہ ان کے ثواب کو دیکھ کر لوگ مقام حساب میں تمنا کریں گے کہ کاش (دنیا میں) ان کے اجسام کو قینچیوں سے کاٹا جاتا۔

ترمذی اور ابن ابی الدنیا نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل بلاء کو جس وقت ثواب دیا جائے گا تو اس کو دیکھ کر (دنیا میں) عافیت سے رہنے والے خواستگار ہوں گے (یعنی آرزو کریں گے) کہ دنیا میں ان کی کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں (تو ان کو بھی اہل بلاء کا ایسا ثواب مل جاتا)

عاشقانِ الٰہی: میں کہتا ہوں کہ شاید اہل بلاء سے مراد ہیں عاشقان الٰہی کیونکہ حدیث میں شہداء کو اہل بلاء میں سے نہیں شمار کیا گیا ہے حالانکہ سب سے بڑا دکھ قتل ہونا ہے اور شہید راہ خدا میں جان پر صبر کرتا ہے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ
تو کہہ مجھ کو حکم ہے کہ بندگی کروں اللہ کی خالص کر کر
الدِّيْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ
اُسکے لئے بندگی اور حکم ہے کہ میں ہوں سب سے پہلے
الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾
حکم بردار ہو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت: چنانچہ آپ عالم شہادت میں اس امت کے لحاظ سے اور عالم غیب میں تمام اولین و آخرین کے اعتبار سے

اللہ کے سب سے پہلے حکم بردار بندے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر عثمانی)

مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ یعنی تنہا اسی کی عبادت کروں۔ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ۔ یعنی مجھے اخلاص کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ میں دنیا اور آخرت میں سب سے آگے بڑھ جاؤں کیونکہ سبقت کا مدار اخلاص پر ہے۔

أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ کا مطلب:

قریش اور اس کے ہم نوا لوگوں میں سے جو مسلمان ہوں ان سب سے پہلے میں مسلم ہوں۔

مطلب یہ ہوگا کہ پہلے خود مسلم ہو جانے اور خدا اپنے نفس کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ رسول اللہ کو حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ پہلے خود مسلم ہوں، دوسروں کو دعوت دینے کی بنیاد تو خود پہلے اس کو قبول کرنا ہے۔

اس اسلوب عبادت سے دوسروں کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہے مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اس چیز کی دعوت دے رہا ہوں جو تمہارے لئے بہتر ہے اگر یہ بہتر نہ ہوتی تو میں اپنے لئے اس کو اختیار نہ کرتا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ
تو کہہ میں ڈرتا ہوں اگر حکم نہ مانوں اپنے رب کا ایک
يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑬
بڑے دن کے عذاب سے ☆

نافرمانی موجب عذاب ہے

☆ یعنی مجھ جیسا معصوم و مقرب بھی اگر بفرض محال نافرمانی کرے تو اس دن کے عذاب سے مامون نہیں۔ تا بدیگراں چہ رسد۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مطلب: إِنْ عَصَيْتُ یعنی اگر میں اخلاص ترک کردوں اور تمہاری طرح شرک اور عمل بد کی طرف مائل ہو جاؤں تو مجھے عذاب کا ڈر ہے۔ سابق آیت کی طرح اس آیت میں مخاطبین کو اسلام کی طرف مائل کرنا ورنا فرمانی (کے نتیجہ) سے ڈرانا مقصود ہے۔

شان نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باپ دادا کا دین اختیار کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ اللَّهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُ دِينِي ۞ فَاعْبُدُوا
تو کہہ میں تو اللہ کو پوجتا ہوں خالص کر کر اپنی بندگی اسی کے واسطے، اب تم

مَا شِئْتُمْ مِّن دُونِهِ ۗ
پوجو جس کو چاہو اس کے سوائے ☆

توحید پر استقامت

☆ یعنی میں تو خدا کے حکم کے موافق نہایت اخلاص سے اسی ایک کی بندگی کرتا ہوں، تم کو اختیار ہے جس کی چاہو پوجا کرتے پھرو۔ اب اتنا سوچ لینا کہ انجام کیا ہوگا۔ آگے اسے کھولتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کو دھمکی: پہلے حکم دیا تھا کہ عبادت کرنے اور عبادت کو اللہ ہی کے لئے خالص بنانے پر مامور ہونے کی اطلاع دیدو اب اس آیت میں حکم دیا کہ اپنی عبادت کے خالص اللہ کے لئے ہونے کی (کافروں کو) خبر کردو۔ یہ ترتیب اس لئے رکھی کہ کافروں نے جو اپنے باپ دادا کے دین پر چلنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ امید تھی وہ بالکل منقطع ہو جائے اس لئے دھمکی کے لئے امر تہدید کی غرض سے آخر میں فرمایا تم جس کی چاہو پوجا کرو۔

فاعبدوا محذوف شرط کی جزا ہے مفصل کلام اس طرح تھا کہ تم کو میری دعوت قبول نہیں کرتے اور اللہ کی خالص عبادت نہیں کرتے تو پھر جس جس کی چاہو پوجتے پھرو اس کے نتیجے میں تم پر جو عذاب آئے گا ان ہی کے سبب ہوگے اس کو خود دیکھ لوگے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ
تو کہہ بڑے ہارنے والے وہ جو ہار بیٹھے اپنی جان کو
وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ
اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن سنتا ہے یہی ہے
الْمُبِينُ ⑮
صریح ٹوٹا ☆

مشرکین خسارے میں ہیں

☆ یعنی مشرکین نہ اپنی جان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے نہ اپنے گھر والوں کو۔ سب کو جہنم کے شعلوں کی نذر کر دیا۔ اس سے زیادہ خسارہ کیا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

خسروا انفسهم یعنی گمراہ ہو کر خود اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا۔

واهليهم اور متعلقین کو گمراہ کر کے خود خسارہ پایا۔ اہل سے مراد ہیں متعلقین بیوی بچے اور خدمت گار وغیرہ۔

خسران کی دو صورتیں: بعض لوگوں کا قول ہے کہ خسران اہل کی دو صورتیں ہیں کہ اہل و عیال دوزخی ہیں تو اس شخص کے گمراہ کرنے کی وجہ سے دوزخی ہوئے اور اگر جنتی ہیں اور یہ (کافر دوزخی ہے) ان سے جدا رہا ہمیشہ کے لئے الگ ہو گیا۔

اَلْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ یعنی روز قیامت کا خسران ہی حقیقت میں خسران ہے (جو کبھی دور نہ ہوگا) (مواہب الرحمن)

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ
اُن کے واسطے اُوپر سے بادل ہیں آگ کے اور
تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ
نیچے سے بادل☆

☆ یعنی ہر طرف سے آگ محیط ہو گی جیسے گھٹا چھا جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ظُلَلٌ آگ اور دھویں کے محیط پردے ہوں گے اور نیچے سے بھی انتہائی گہرائی تک آگ کا فرش اور بستر ہوگا۔ فرش کو سائبان (ظلل) اس لئے فرمایا کہ وہ فرش بھی دوسرے نیچے والوں کے لئے سائبان ہوگا۔

ذٰلِكَ یعنی یہ عذاب وہی ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ وہ ایسے کاموں سے بچتے رہیں جو عذاب میں مبتلا کرنے والے ہیں۔

فَاتَّقُوْنِ یعنی تو تقویٰ مجھ سے ڈرو کوئی ایسا کام نہ کرو جو میری ناراضی اور عذاب کا موجب ہو۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ
اس چیز سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو اے بندو میرے تم مجھ سے ڈرو☆

انجام بد سے ڈرو: یعنی سمجھ لو یہ چیز ڈرنے کے قابل ہے یہ نہیں اگر ہے تو اللہ کے غضب سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہئے۔ (تفسیر حقانی)

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا
اور جو لوگ بچے شیطانوں سے کہ اُن کو پوجیں
وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى
اور رجوع ہوئے اللہ کی طرف اُنکے لئے ہے خوشخبری☆

مومن کے لئے خوشخبری

☆ یعنی جنہوں نے شیطانوں کا کہا نہ مانا اور سب شرکاء سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے ان کے لئے بڑی بھاری خوشخبری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

الطَّاغُوْتَ: طغیان (سرکشی) میں حد سے بڑھا ہو طغیان میں حد سے بڑھا ہوا چونکہ شیطان ہے اس لئے طاغوت کا لفظ شیطان کے لئے مخصوص ہو گیا۔ بغوی نے طاغوت سے مراد لئے ہیں بت یعبدوھا میں مؤنث کی ضمیر اس کی طرف راجع کی گئی ہے۔

انابوا الی اللہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے اور اللہ کے سوا دوسروں سے کٹ گئے۔

آیت کا شان نزول:

حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آیت لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اتری تو ایک انصاری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے سات غلام ہیں میں نے ایک ایک دروازہ (میں داخلہ) کے لئے ایک ایک غلام کو (علیحدہ علیحدہ) آزاد کر دیا اس پر آیت فَبَشِّرْ عِبَادِ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ
سو تو خوشی سنا دے میرے بندوں کو جو سنتے ہیں بات
فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ
پھر چلتے ہیں اس پر جو اُس میں نیک ہے☆

اعلیٰ کردار والوں کے لئے بشارت

☆ یعنی سب طرح کی باتیں سنتے ہیں پھر ان میں جو بات اچھی ہو اس پر چلتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ خدا کی بات سنتے ہیں اور اس میں جو ہدایت اعلیٰ سے اعلیٰ ہو اس پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً ایک چیز رخصت واباحت کی ہے دوسری عزیمت کی تو عزیمت کی طرف جھپٹتے ہیں رخصتوں کا تتبع نہیں کرتے۔ یا یوں ترجمہ کرو کہ اللہ کا کلام سن کر اس کی بہترین باتوں کا اتباع کرتے ہیں کیونکہ اس کی ساری باتیں بہتر ہی ہیں۔ کذا قال المفسرون۔ حضرت شاہ صاحب نے ایک اور طرح اس کا مطلب بیان کیا ہے "چلتے ہیں اس کے نیک پر یعنی حکم پر چلنا کہ اس کو کرتے ہیں اور منع پر چلنا کہ اس کو نہیں کرتے۔ اس کا کرنا نیک ہے اور اس کا نہ کرنا نیک ہے"۔ (مواہب الرحمن)

اَلْقَوْلَ اور اَحْسَنَ کی مراد: یعنی قرآن کو بھی سنتے ہیں اور دوسرے کلام کو بھی پھر قرآن کی ہدایتوں پر چلتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بھی سنتے ہیں اور کافروں کا کلام بھی پھر رسول اللہ کے فرمان پر چلتے ہیں (اس مطلب پر القول سے عام کلام مراد ہوگا۔ کسی کا ہو خدا کا رسول کا یا کسی اور کا اور احسن سے مراد ہوگا قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام) اس تفسیر پر اَحْسَنُ (اسم تفضیل) حَسَنٌ (صفت مشبہ) کے معنی

میں ہوگا (یعنی احسن کا ترجمہ بہت اچھا نہ ہوگا بلکہ اچھا ہوگا) کیونکہ کافروں کے کلام میں تو کوئی اچھائی نہیں ہوتی (کہ اس کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو بہت اچھا کہا جائے)

سدی نے کہا احسن سے مراد یہ ہے کہ جو احکام ان کو دیے جاتے ہیں ان میں سے سب سے اچھے حکم پر وہ چلتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا کہ قرآن میں ظالم سے انتقام لینے کی اور معاف کر دینے کی ہر ایک کی اجازت ہے لیکن دونوں میں سے معاف کر دینا احسن ہے۔ قرآن میں عزائم کا بھی ذکر ہے اور رخصتوں کا بھی لیکن عزائم احسن ہے۔

آیت کا شان نزول: عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر جب ایمان لے آئے تو حضرت عثمان حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے اور مسلمان ہونے کی خبر معلوم کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا ہاں میں ایمان لے آیا اُس پر یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے اور انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن زید کا قول ہے کہ ان دونوں آیات کا نزول تین آدمیوں کے متعلق ہوا جو عہد جاہلیت میں بھی لا الہ الا اللہ کے قائل تھے۔ (۱) زید بن عمرو بن نفیل یا سعید بن زید (۲) ابوذر غفاری (۳) سلمان فارسی۔ اور احسن القول سے مراد لا الہ الا اللہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

لفظ "اَحسَن" کا اشارہ:

یہ لفظ احسن کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ ان لوگوں نے قرآن اور تعلیمات رسول کا اتباع بے بصیرتی کے ساتھ نہیں کیا جیسے بے وقوف لوگوں کا طریقہ ہے کہ جس کی بات سنی بغیر کسی تحقیق و بصیرت کے اس کا اتباع کرنے لگے بلکہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو حق اور احسن دیکھنے کے بعد اس کا اتباع کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں آخر آیت میں ان کو اولوالالباب یعنی عقل والے ہونے کا خطاب دیا گیا ہے۔ اس کی نظیر قرآن ہی میں وہ ارشاد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے متعلق ہوا ہے۔ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۔ یہاں بھی احسن سے مراد پوری تورات اور اس کے احکام ہیں۔

اور جن دو چیزوں میں ایک حسن ہو دوسری احسن یہ اُن میں سے احسن ہی کو عمل کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ
وہی ہیں جن کو رستہ دیا اللہ نے اور وہی ہیں

اُولُوا الْاَلْبَابِ
عقل والے ☆

کامیابی کا راستہ

☆ یعنی کامیابی کا راستہ ان ہی کو ملا ہے کیونکہ انہوں نے عقل سے کام لے کر توحید خالص اور انابت الی اللہ کا راستہ اختیار کیا۔ (تفسیر عثمانی)

یہ لوگ باتیں تو سب کی سنتے ہیں کافر کی بھی مومنین کی بھی۔ حق بھی باطل بھی اچھی بھی اور بری بھی لیکن اتباع صرف اسی بات کا کرتے ہیں جو احسن ہے۔ توحید و شرک میں سے توحید کا حق و باطل میں سے حق کا اور حق کے مختلف درجات ہوں تو اُن میں جو احسن اور راجح ہو اس کا اتباع کرتے ہیں۔ اسی لئے ان کو دو صفتوں کے ساتھ موصوف کیا گیا۔ پہلی هَدٰىهُمُ اللّٰهُ یعنی یہ لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں۔ اس لئے مختلف قسم کی باتیں سن کر بھٹکتے نہیں۔ دوسرے اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی یہ لوگ عقل والے ہیں عقل کا کام ہی یہ ہے کہ اچھے برے اور حق و باطل میں تمیز کرے۔ اور حسن و احسن کو پہچان کر احسن کو اختیار کرے۔ (معارف القرآن۔ مفتی اعظم)

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ
بھلا جس پر ٹھیک ہو چکا عذاب کا حکم بھلا تو خلاص کر سکے گا
تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ۝
اسکو جو آگ میں پڑ چکا ☆

بد بخت آدمی: یعنی جن پر ان کی ضد و عناد اور بد اعمالیوں کی بدولت عذاب کا حکم ثابت ہو چکا کیا وہ کامیابی کا راستہ پا سکتے ہیں۔ بھلا ایسے بدبختوں کو جو شقاوت ازلی کے سبب آگ میں گر چکے ہیں کون آدمی راہ پر لا سکتا ہے اور کون آگ سے نکال سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عذاب کے حقدار: حَقَّ عَلَيْهِ یعنی اللہ کے علم قدیم میں عذاب اس لئے مقرر ہو چکا۔ کذا قال ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد ابولہب اور اس کا بیٹا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ
لیکن جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے اُنکے واسطے ہیں بالا خانے
فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
اُنکے اُوپر اور بالا خانے چنے ہوئے اُن کے نیچے بہتی ہیں

الْاَنْهٰرُ ۙ وَعْدَ اللّٰهِ ۙ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ (۲۰)
ندیاں وعدہ ہو چکا اللہ کا اللہ نہیں خلاف کرتا اپنا وعدہ

جنت تیار ہے

☆ یہ جنت کے درجات کی طرف اشارہ ہوا اور یہ کہ وہ سب تیار ہیں۔ نہ یہ کہ قیامت کے روز تیار کیے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے محل اور ان کے حقدار:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جنت میں ایسے محل ہیں جن کا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے صاف دکھائی دیتا ہے۔ ایک اعرابی نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کن لوگوں کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلامی کریں' کھانا کھلائیں اور راتوں کو جب لوگ میٹھی نیند میں ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر گڑگڑائیں' نمازیں پڑھیں (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں فرمان رسولؐ ہے کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے بنایا ہے جو کھانا کھلائیں' کلام نرم رکھیں پے در پے نفل روزے رکھتے رہیں اور پچھلی راتوں کو تہجد پڑھیں۔ مسند کی اور حدیث میں ہے کہ جنتی جنت کے بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔ اور روایت میں ہے کہ جیسے مشرقی اور مغربی کناروں کے ستارے جس طرح تمہیں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح جنت کے وہ محلات تمہیں نظر آئیں گے۔ اور حدیث میں ہے کہ ان محلات کی یہ تعریفیں سن کر لوگوں نے کہا۔ حضور! یہ تو نبیوں کے لئے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں' اور ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کو سچا جانا۔ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب تک ہم آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور آپ کے چہرہ انور کو دیکھتے رہتے ہیں' اس وقت تک تو ہمارے دل نرم رہتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتے ہیں' لیکن جب آپ کی مجلس سے اٹھ کر دنیوی کاروبار میں مصروف ہو جاتے ہیں اور بال بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہماری حالت وہ نہیں رہتی۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم ہر وقت اسی حالت میں رہتے ہو جو حالت تمہاری میرے سامنے ہوتی ہے تو فرشتے اپنے ہاتھوں سے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آ کر تم سے ملاقاتیں کرتے۔ سنو! اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لاتا جو گناہ کریں تاکہ خدا تعالیٰ ان کو بخشے۔ ہم نے کہا حضور! جنت کی بناء کس چیز کی ہے؟ فرمایا کہ ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی۔ اس کا چونا خالص مشک ہے اس کی کنکریاں لؤلؤ اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ اس میں جو داخل ہو گیا وہ مالا مال ہو گیا۔ جس کے بعد بے مال ہونے کا خطرہ ہی نہیں' وہ ہمیشہ اس میں ہی رہے گا وہاں سے نکالے جانے کا امکان ہی نہیں نہ موت کا کھٹکا ہے۔ ان کے کپڑے گلتے سڑتے نہیں ان کی جوانی ہمیشگی والی ہے۔ سنو! تین شخصوں کی دعا مردود نہیں ہوتی' عادل بادشاہ' روزے دار اور مظلوم۔ ان کی دعا ابر پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ رب العزت فرماتا ہے مجھے اپنی عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا گرچہ کچھ مدت کے بعد ہو۔ ترمذی ابن ماجہ وغیرہ۔ (ابن کثیر)

وَعْدَ اللّٰهِ ۙ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا کیونکہ وعدہ کی خلاف ورزی عیب ہے اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت والے اوپر کے بالا خانہ والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم مشرقی اور مغربی افق پر باقی رہ جانے والے چمکدار جگمگاتے ستارے کو (دور سے) دیکھتے ہو یہ صورت اہل جنت کے باہمی فرق مراتب کی ہو گی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ مکان تو انبیاء کے ہوں گے جہاں تک دوسروں کی رسائی نہ ہو گی فرمایا کیوں نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور (تمام) پیغمبروں کو سچا مانا (بخاری و مسلم) اس مضمون کی جو احادیث آئی ہیں ہم سورہ فرقان کی آیت اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا کی تفسیر کے ذیل میں بیان کر چکے ہیں

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی
فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ
پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے

نظام آب پاشی

یعنی بارش کا پانی پہاڑوں اور زمینوں کے مسام میں جذب ہو کر چشموں کی صورت میں پھوٹ نکلتا ہے۔ باقی اگر چشموں کے حدوث کا کوئی اور سبب بھی ہو تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی۔ (تفسیر عثمانی)

پانی کا محفوظ کر دینا' پانی سے بڑی نعمت ہے

ینابیع ینبوع کی جمع ہے جس کے معنی زمین سے پھوٹنے والے چشمے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی نازل کرنا یہ ایک عظیم الشان نعمت ہے مگر اس نعمت کو زمین کے اندر محفوظ کر دینے کا انتظام کیا جاتا

انسان اُس سے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند دن تک فائدہ اٹھا سکتا۔ حالانکہ پانی اس کی زندگی کا مدار اور ایسی ضرورت ہے جس سے وہ ایک دن بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے صرف اس نعمت کے نازل کرنے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اُس کے محفوظ کرنے کے عجیب عجیب سامان فرما دیئے۔ کچھ تو زمین کے گڑھوں، حوضوں اور تالابوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور بہت بڑا ذخیرہ برف بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے۔ جس سے اس کے سڑنے اور خراب ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ پھر وہ برف آہستہ آہستہ پگھل کر پہاڑی رگوں کے ساتھ زمین میں اُتر جاتا ہے اور جا بجا اُبلنے والے چشموں کی صورت میں خود بخود بغیر کسی انسانی عمل کے پھوٹ نکلتا ہے اور ندیوں کی شکل میں زمین میں بہنے لگتا ہے اور باقی پانی پوری زمین کی گہرائی میں چلتا رہتا ہے۔ جس کو کنوئیں کھود کر ہر جگہ نکالا جا سکتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ
پھر نکالتا ہے اُس سے کھیتی کئی کئی رنگ بدلتے ہیں پر ☆

☆ یہ مختلف قسم کی کھیتیاں مثلاً گیہوں، چاول وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا
پھر آئے تیاری پر تو تو دیکھے اُس کا رنگ زرد پھر کر ڈالتا ہے اس کو چورا چورا
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ
بیشک اس میں نصیحت ہے عقلمندوں کے واسطے ☆

کھیتیوں میں نصیحت

☆ یعنی عقل مند آدمی کھیتی کا حال دیکھ کر نصیحت حاصل کرتا ہے کہ جس طرح اسکی رونق اور سرسبزی چند روزہ تھی پھر چورا چورا کیا گیا یہی حال دنیا کی چہل پہل کا ہوگا۔ چاہئے کہ آدمی اس کی عارضی بہار پر مفتوں ہو کر انجام سے غافل نہ ہو جائے۔ جیسے کھیتی مختلف اجزاء سے مرکب ہے مثلاً اس میں دانہ ہے جو آدمیوں کی غذا بنتا ہے اور بھوسہ بھی ہے جو جانوروں کا چارہ بنتا ہے اور ہر ایک جزء سے منتفع ہونا بدون اس کے ممکن نہیں کہ دوسرے اجزاء سے اس کو الگ کریں اور اپنے اپنے ٹھکانا پر پہنچائیں۔ اسی طرح دنیا کو سمجھو کہ اس میں نیکی بدی، راحت تکلیف وغیرہ سب ملی جلی ہیں ایک وقت آئے گا کہ یہ کھیتی کٹے اور خوب چورا چورا کی جائے پھر اس میں سے ہر ایک جز کو اسکے مناسب ٹھکانے پر پہنچا دیا جائے، نیکی اور راحت اپنے مرکز و مستقر پر پہنچ جائے اور بدی یا تکلیف اپنے خزانہ میں جا ملے۔ غرض کھیتی کے مختلف احوال دیکھ کر عقلمند لوگ بہت مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ مضمون آیت میں اشارۃً بھی شاید ہو گئی ہے جس خدا نے آسمانی بارش سے زمین میں چشمے جاری کر دیئے وہ ہی جنت کے محلات میں نہایت قرینہ کے ساتھ نہروں کا سلسلہ جاری کر دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

عقل والوں کے لئے نصیحت:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ یعنی پانی اُتارنے اور اس کو محفوظ کر کے انسان کے کام میں لگانے پھر اس سے قسم قسم کی نباتات اور درخت اُگانے اور ان درختوں پر مختلف رنگ آنے کے بعد آخر میں زرد خشک ہو کر غلہ الگ اور بھوسہ الگ ہو جانے میں بڑی نصیحت ہے عقل والوں کے لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت و حکمت کے دلائل ہیں۔ جن کو دیکھ کر انسان اپنی تخلیق کے معاملہ کی حقیقت بھی پہچان سکتا ہے جو ذریعہ ہو سکتی ہے۔ اپنے خالق و مالک کے پہچاننے کا۔ (معارف مفتی اعظم)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ
بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے دین اسلام کے واسطے سو وہ
عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ
روشنی میں ہے اپنے رب کی طرف سے، سو خرابی ہے انکو جن کے دل
مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ☆
سخت ہیں اللہ کی یاد سے وہ پڑے پھرتے ہیں بھٹکتے صریح

خوش بخت و بد بخت

☆ یعنی دونوں برابر کہاں ہو سکتے ہیں ایک وہ جس کا سینہ اللہ نے قبول اسلام کے لئے کھول دیا نہ اسے اسلام کے حق ہونے میں کچھ شک و شبہ ہے نہ احکام اسلام کی تسلیم سے انقباض۔ حق تعالیٰ نے اس کو توفیق و بصیرت کی ایک عجیب روشنی عطا فرمائی۔ جس کے اجالے میں نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ اللہ کے راستہ پر اڑا چلا جا رہا ہے۔ دوسرا وہ بد بخت جس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو نہ کوئی نصیحت اس پر اثر کرے نہ خیر کا کوئی قطرہ اس کے اندر گھسے، کبھی خدا کی یاد کی توفیق نہ ہو، یوں ہی اوہام و اہواء اور رسوم و تقلید آباء کی اندھیریوں میں بھٹکتا پھرے۔ (تفسیر عثمانی)

شرح صدر: شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے بندہ کے دل میں ایک نور پیدا کیا جس کی چمک میں اس نے حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھ لیا اور بغیر کسی تردد اور شک کے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے دین پر ایمان لے آیا اور سب کی تصدیق کی اس حالت کو شرح صدر سے اس

سے تعبیر کیا کہ سینہ دل اور روح کا مقام ہے اور دل ہی اسلام کو قبول کرتا ہے جب دل اسلام کے تمام احکام کو قبول کر لیتا ہے تو ایسا ہو جاتا ہے جیسے کوئی ظرف ہے جو مظروف کو اپنے اندر سمانے کے لئے فراخ ہو گیا ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت **اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ** تلاوت فرمائی۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول سینہ کشادہ کیسے ہو جاتا ہے فرمایا جب نور دل میں داخل ہو جاتا ہے تو سینہ کشادہ اور فراخ ہو جاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا اس کی علامت کیا ہے فرمایا دار الخلد (یعنی آخرت) کی طرف ہمہ تن رجوع اور دار الغرور (مقام فریب یعنی دنیا) سے دوری اختیار کرنی اور موت آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنی۔ رواہ البغوی والحاکم والبیہقی فی شعب الایمان۔ (تفسیر مظہری)

قساوتِ قلبی سب سے بڑی سزا ہے:

یعنی جب اللہ کا ذکر ان کے سامنے کیا جاتا ہے یا اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو ان کی قساوت اور بڑھ جاتی ہے اور دلوں کی سختی شدید ہو جاتی ہے (گویا اللہ کا ذکر قساوت قلبی بڑھ جانے کی وجہ ہو جاتی ہے)

شرح کے لفظی معنی کھولنے پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں۔ شرح صدر کے معنی وسعت قلب کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قلب میں اسکی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی آیات الٰہیہ آسمان و زمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں غور کر کے عبرت اور فوائد حاصل کرے اسی طرح جو آیات الٰہیہ بصورت کتاب و احکام نازل کی جاتی ہیں اُن میں غور کر کے استفادہ کر سکے۔ اس کا بالمقابل دل تنگی اور قساوت قلب ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت **يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا** اور اس جگہ اگلی آیت میں **لِلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ** اسی شرح صدر کے بالمقابل آیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مالک بن دینار نے کہا قساوت قلب سے بڑھ کر کوئی سزا (عقوبت) بندہ کے لئے مقرر نہیں کی گئی اور اللہ کا غضب کسی قوم پر اسی وقت نازل ہوتا ہے جب ان کے دلوں سے نرمی ختم ہو جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا مصداق: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے۔ من شرح اللہ صدرہ للاسلام صدیق اکبرؓ ہیں۔ مراد یہ کہ جس طرح پیغمبر کی تصدیق اور قبول حق میں صدیق اکبرؓ سب سے مقدم ہیں۔ اسی طرح اسلام کے واسطے سینہ کھل جانے میں بھی وہ سب سے مقدم اور سب سے افضل ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا
اللہ نے اُتاری بہتر بات کتاب☆

☆ یعنی دنیا میں کوئی بات اس کتاب کی باتوں سے بہتر نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لفظ "اللہ" کو مقدم کرنے کا فائدہ:

نَزَّلَ سے پہلے "اللہ" کہنے کے تین فائدے ہیں (۱) اللہ کی طرف قرآن نازل کرنے کی نسبت پختہ ہوگئی۔ (۲) نازل شدہ قرآن کی عظمت شان کا اظہار ہو گیا۔ (کہ یہ اللہ ہی کا بھیجا ہوا کلام ہے) (۳) قرآن کے حسن کی شہادت دے دی گئی (کہ اللہ ہی نے اس کلام کو اتارا اور اس کے احسن الحدیث ہونے کی شہادت دی ہے) (تفسیر مظہری)

مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ
آپس میں ملتی دوہرائی ہوئی ☆

قرآن میں صاف مضامین

☆ یعنی صحیح، صادق، مضبوط، نافع معقول اور فصیح، بلیغ ہونے میں کوئی آیت کم نہیں۔ ایک دوسری سے ملتی جلتی ہے۔ مضامین میں کوئی اختلاف وتعارض نہیں بلکہ بہت سی آیات کے مضامین ایسے متشابہ واقع ہوئے ہیں کہ ایک آیت کو دوسری کی طرف لوٹانے سے صحیح تفسیر معلوم ہو جاتی ہے۔ القرآن **يفسر بعضه بعضاً** اور مثانی یعنی دہرائی ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے احکام اور مواعظ و قصص کو مختلف پیرایوں میں دہرایا گیا ہے تاکہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیں۔ نیز تلاوت میں بار بار آیتیں دہرائی جاتی ہیں اور بعض علماء نے متشابہ و مثانی کا مطلب یہ لیا ہے کہ بعض آیات میں ایک ہی طرح کے مضمون کا سلسلہ دور تک چلا جاتا ہے وہ متشابہ ہوئیں اور بعض جگہ ایک نوعیت کے مضمون کے ساتھ دوسرے جملہ میں اس کے مقابل کی نوعیت کا مضمون بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً "اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ" "نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ" "وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ" ایسی آیات مثانی کہی گئیں کہ ان میں دو مختلف قسم کے مضمون بیان ہوئے۔ (تفسیر عثمانی)

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ
بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے
رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ
ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں اُن کی کھالیں اور اُنکے دل
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ
اللہ کی یاد پر☆

اولیاء اللہ کاملین کی حالت

☆ یعنی کتاب اللہ کو سن کر اللہ کے خوف اور اسکے کلام کی عظمت سے ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھالیں نرم پڑ جاتی ہیں۔ مطلب یہ کہ خوف ورعب کی کیفیت طاری ہو کر ان کا قلب و قالب اور ظاہر و باطن اللہ کی یاد کے سامنے جھک جاتا ہے اور اللہ کی یاد ان کے بدن اور روح دونوں پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہے۔ یہ حال اقویائے کاملین کا ہوا اگر کبھی ضعفاء ناقصین پر دوسری قسم کی کیفیات واحوال طاری ہو جائیں مثلاً غشی یا صعقہ وغیرہ تو اس کی نفی آیت سے نہیں ہوتی اور نہ ان کی تفضیل ان پر لازم آتی ہے۔ بلکہ اس طرح از خود رفتہ اور بے قابو ہو جانا عموماً وارد کی قوت اور مورد کے ضعف کی دلیل ہے۔ جامع ترمذی میں ایک حدیث بیان کرتے وقت ابو ہریرہؓ پر اس قسم کے بعض احوال کا طاری ہونا مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کی رحمت اور عموم مغفرت کا جب وہ ذکر کرتے ہیں تو اس ذکر کی وجہ سے ان کے دلوں میں سکون و طمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ ذکر اللہ کے ساتھ رحمت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اصل تو رحمت ہی ہے۔ اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ الی ذکر اللہ میں الی بمعنی لام ہے یعنی اللہ کے ذکر کی وجہ سے لیکن ذکر کے اندر چونکہ سکون واطمینان کا مفہوم داخل ہے۔ (تفسیر مظہری)

مومنوں کا خوف اور فضیلت: آیات وعید کا ذکر آتا ہے تو مومنوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جلد بدن سکڑ جاتی ہے اس میں انقباض پیدا ہو جاتا ہے، اور جب آیات وعدہ کا ذکر آتا ہے تو کھالوں کا انقباض جاتا رہتا ہے کھالیں نرم ہو جاتی ہیں اور دلوں میں سکون پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کے خوف سے بندہ کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اس کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے سوکھے پتے۔ رواہ الطبرانی بسند ضعیف، رواہ البغوی۔ بغوی کی دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب اللہ کے خوف سے بندہ کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو اللہ اس کو دوزخ کے لئے حرام کر دیتا ہے۔

صحابہؓ اور غیر صحابہ کا فرق: صحابہ کے ظرف وسیع تھے اور صحبت رسولؐ کی برکت سے استعداد قوی تھی اس لئے باوجود برکات کی کثیر بارش کے ان پر بیہوشی طاری نہیں ہوتی صحابیوں کے علاوہ دوسروں کو یہ چیز میسر نہیں اس لئے دو وجہوں سے ان پر بیہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ (۱) یا نزول برکات ہی کم ہوتا ہے (۲) یا ان کا ظرف تنگ ہوتا ہے اور حوصلہ میں سمائی نہیں ہوتی۔

جو صوفی افق اعلیٰ پر پہنچ گئے ہوں اور دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى تک ان کی رسائی ہوگئی ہو ان کی حالت میں تغیر (بیہوشی کی حد تک نہیں بلکہ) صحابہ کی طرح ہو جاتا ہے آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ذکر رب سے دلوں میں سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔

فرشتوں کا خوف: بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے حدیث نقل کی ہے کہ جب اللہ آسمان پر کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے کلام کو سن کر عاجزی کے ساتھ ملائکہ اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں (اور ایسی آواز ہوتی ہے) جیسے پتھر کی چٹان پر زنجیر لگنے سے پیدا ہوتی ہے پھر جب ان کے دلوں کی وہ ہیبت دور ہو جاتی ہے تو (بعض ملائکہ بعض) سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا وہ جواب دیتے ہیں (جو کچھ فرمایا) حق ہے۔ حدیث۔ ایک اور آیت میں حضرت موسیٰ کے بیہوش ہو جانے کا ذکر یہ ہے اور فرمایا ہے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔

انسان کی ہمت فرشتوں سے زیادہ ہے

تنبیہ۔ ملائکہ سے انسان کی استعداد زیادہ قوی اور حوصلہ زیادہ وسیع ہے اسکے ثبوت کیلئے آیت اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ سے اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ تک کافی ہے اسی وسعت حوصلہ اور قوت استعداد کو ظاہر کرنے کے لئے فرمایا اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے جب بھی وحی (کا کلام) سنا تو ان پر غشی طاری ہوگئی لیکن آدمی کی حالت ایسی نہیں ہے اگر (عروج کے بعد) انسان کا نزول بھی مکمل ہو جائے تو سوائے کسی نادر مثال کے عام طور پر ایسے عارفوں کی حالت میں کوئی تغیر نہیں آتا اور اگر نزول حالت کامل نہ ہو ناقص ہو تو اکثر حالت میں تغیر آجاتا ہے (ور ناقص النزول عارف کلام اللہ سن کر بیہوش ہو جاتا ہے)

اولیاء اللہ کی صفات: عبدالرزاق سے مروی ہے کہ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اولیاء اللہ کی صفت یہ ہے کہ قرآن سن کر ان کے دل موم ہو جائیں اور ذکر اللہ کی طرف وہ جھک جائیں ان کے دل ڈر جائیں ان کی آنکھیں آنسو بہائیں اور طبیعت میں سکون پیدا ہو جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام کا عام حال یہی تھا کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے۔ (قرطبی)

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے کے بدن پر اللہ کے خوف سے بال کھڑے ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن کو آگ پر حرام کر دیتے ہیں۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

یہ ہے راہ دینا اللہ کا اس طرح راہ دیتا ہے جس کو چاہے

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

اور جس کو راہ بھلائے اللہ اُس کو کوئی نہیں سجھانے والا ☆

ہدایت اللہ ہی سے مانگو

☆ یعنی جس کے لئے حکمت الٰہی مقتضی ہو اس طرح کامیابی کے راستے کھول دیئے جاتے ہیں اور اس شان سے منزل مقصود کی طرف لے چلتے ہیں اور جس کو سوء استعداد کی وجہ سے خدا تعالیٰ ہدایت کی توفیق نہ دے آگے کون ہے جو اس کی دستگیری کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ

بھلا ایک وہ جو روکتا ہے اپنے منہ پر بُرا عذاب دن

الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ

قیامت کے اور کہے گا بے انصافوں کو چکھو جو تم

تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾

کماتے تھے ☆

محشر میں کافر کی حالت

☆ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے سے کوئی حملہ ہو تو ہاتھوں پر روکتا ہے لیکن محشر میں ظالموں کے ہاتھ بندھے ہوں گے اس لئے عذاب کی تھپیڑیں سیدھی منہ پر پڑیں گی تو ایسا شخص جو بدترین عذاب کو اپنے منہ پر روکے اور اس سے کہا جائے کہ اب اس کام کا مزہ چکھو جو دنیا میں کرتے تھے کیا اس مومن کی طرح ہو سکتا ہے جسے آخرت میں کوئی تکلیف اور گزند پہنچنے کا اندیشہ نہیں، اللہ کے فضل سے مطمئن اور بے فکر ہے۔ ہرگز نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے منہ کو سپر کی طرح آگے بڑھا دے گا۔ قاعدہ ہے کہ ہر حملہ کو آدمی اپنے ہاتھوں پر روکتا ہے سامنے سے ہونے والے حملہ کو روکنے کے لئے اپنے ہاتھ آگے بڑھا دیتا ہے تاکہ چہرہ محفوظ رہے لیکن کافر کو جب دوزخ میں ڈالا جائے گا تو اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہوں گے وہ اپنے چہرے کو بچا نہ سکے گا اور چہرہ پر ہی عذاب پڑے گا۔ مجاہد نے کہا منہ کے بل سرنگوں کر کے کافر کو آگ میں کھینچا جائے گا اس لئے سب سے پہلے آگ اس کے چہرے ہی کو لگے گی۔ مقاتل نے کہا کافر کے ہاتھ گردن میں باندھ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا اور وہ عظیم سے بڑا ہو گا گندھک کی ایک چٹان اس کے گلے میں لٹکی ہوئی ہوگی فوراً اس پتھر میں آگ لگ جائے گی اور وہ بھڑک جائے گا۔

مطلب یہ ہے کہ کیا ایسا کافر جو اپنے منہ کو عذاب سے بچنے کے لئے سپر بنائے گا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو ہر عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ

جھٹلا چکے ہیں اُن سے اگلے پھر پہنچا اُن پر عذاب

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ

ایسی جگہ سے کہ اُن کو خیال بھی نہ تھا پھر چکھائی اُن کو اللہ

الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ

نے رسوائی دنیا کی زندگی میں اور عذاب

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

آخرت کا تو بہت ہی بڑا ہے اگر اُن کو سمجھ ہوتی ☆

ماضی سے سبق حاصل کرو

☆ یعنی بہت قومیں تکذیب انبیاء کی بدولت دنیا میں ہلاک اور رسوا کی جا چکی ہیں اور آخرت کا اشد عذاب جوں کا توں رہا تو کیا موجودہ مکذبین مطمئن ہیں کہ ان کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کیا جائے گا ہاں سمجھ ہوتی تو کچھ فکر کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

دنیا کی ذلت: جیسے صورتیں بگڑ جانا، زمین میں دھنسا دیا جانا، مار جانا، طوفان میں مبتلا ہو جانا، چیخ سے جگر پھٹ جانا، پہاڑ اوپر سے پتھر برسنا، غرق کیا جانا وغیرہ۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ یعنی کاش وہ تکذیب انبیاء کے برے نتیجہ کو سمجھ لیتے تو تکذیب نہ کرتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر اہل بصیرت اور صاحب نظر ہوتے تو پہلے لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور ہم نے بیان کی لوگوں کے واسطے اس قرآن

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا

میں سب چیز کی مثل تاکہ وہ دھیان کریں قرآن ہے

عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ

عربی زبان کا جس میں کجی نہیں تا کہ وہ بچ کر چلیں ☆

قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں

یعنی ان کا نہ سمجھنا اپنی غفلت اور حماقت سے ہے۔ قرآن کے سمجھانے میں کوئی کمی نہیں۔ قرآن تو بات بات کو مثال اور دلیلوں سے سمجھاتا ہے تا کہ لوگ ان میں دھیان کر کے اپنی عاقبت درست کریں، قرآن ایک صاف عربی زبان کی کتاب ہے جو اس کے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی۔ اس میں کوئی ٹیڑھی ترچھی بات نہیں سیدھی اور صاف باتیں ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ کسی طرح کا اختلال اور کجی اسکے مضامین یا عبارت میں نہیں جن باتوں کو منوانا چاہتا ہے نہ ان کا ماننا مشکل اور جن چیزوں پر عمل کرانا چاہتا ہے نہ ان پر عمل کرنا محال۔ غرض یہ ہے کہ لوگ بسہولت اس سے مستفید ہوں اعتقادی و عملی غلطیوں سے بچ کر چلیں اور صاف صاف نصیحتیں سن کر اللہ سے ڈرتے رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

خلق قرآن کا مسئلہ: بغویؒ نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے ستر تابعین کا (باتفاق) قول نقل کیا ہے۔ قرآن نہ خالق ہے نہ مخلوق۔ اس قول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اللہ کی صفت (کلامیہ) ہے عین ذات خداوندی نہیں کہ خالق ہو جائے اور غیر ذات بھی نہیں کہ ذات سے جدا ہو اور حادث و مخلوق ہو جائے۔ یہ قول دلالت کر رہا ہے کہ تابعین کے نزدیک اللہ کا کلام لفظی بھی قدیم ہے اور اللہ کی ایک صفت ہے کیونکہ کلام نفسی (جس پر کلام لفظی دلالت کر رہا ہے) عربی نہیں ہو سکتا عربی اور عجمی ہونا تو الفاظ کی صفت ہے الفاظ کے معانی تو نہ عربی ہوتے ہیں نہ عجمی۔ یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کلام لفظی میں ایک حرف کے بعد دوسرا حرف بولا جاتا ہے (اور اس طرح پورا جملہ اور کلام بن جاتا ہے) اور ترتیب حروف حادث ہونے کی علامت ہے کیونکہ یہ ترتیب حروف تو مخلوق کے کلام کے لئے ضروری ہے محل کلام تنگ ہے اس لئے ایک حرف کے بعد دوسرا حرف آتا ہے اور پورا کلام حادث ہو جاتا ہے اللہ کا کلام تو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس کے کلام میں تعاقب حروف کا تصور بھی غلط ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے حاضر پر غائب کو قیاس کر لیا جائے رویت خداوندی کا انکار کرنے والے اسی توہم میں مبتلا ہو گئے کہ انہوں نے دیدار مخلوق پر دید رخالق کو قیاس کر لیا۔ (تفسیر مظہری)

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ

اللہ نے بتلائی ایک مثل ایک مرد ہے کہ اس میں شریک

مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ

ہیں کئی ضدی اور ایک مرد ہے پورا ایک شخص کا کیا

يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا

برابر ہوتی ہیں دونوں مثل ☆

مشرک و موحد کی مثال

☆ یعنی کئی حصہ دار ایک غلام یا نوکر میں شریک ہیں اور ہر حصہ دار اتفاق سے کج خلق، بے مروت اور سخت ضدی واقع ہوا ہے چاہتا ہے کہ غلام تنہا اس کے کام میں لگا رہے دوسرے شرکاء سے سروکار نہ رکھے اس کھینچ تان میں ظاہر ہے غلام سخت پریشان اور پراگندہ دل ہوگا برخلاف اس کے جو غلام پورا ایک کا ہو اسے ایک طرح کی یکسوئی اور طمانیت حاصل ہوگی وہ دو آقاؤں کو خوش رکھنے کی کشمکش میں گرفتار نہ ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح مشرک اور موحد کو سمجھ لو۔ مشرک کا دل کئی طرف بٹا ہوا ہے اور کتنے ہی جھوٹے معبودوں کو خوش رکھنے کی فکر میں رہتا ہے اس کے برخلاف موحد کی کل توجہات و خیالات اور دوا دوش کا ایک مرکز ہے وہ پوری دل جمعی کے ساتھ اس کے خوش رکھنے کی فکر میں ہے اور سمجھتا ہے کہ اس کی خوشنودی کے بعد کسی کی خوشنودی کی ضرورت نہیں۔ اکثر مفسرین نے اس مثال کی تقریر اسی طرح کی ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک غلام جو کئی کا ہو کوئی اسکو اپنا نہ سمجھے تو اس کی پوری خبر نہ لے اور ایک غلام جو سارا ایک کا ہو وہ اس کو اپنا سمجھے اور پوری خبر لے۔ یہ مثال ہے ان کی جو ایک رب کے بندے ہیں اور جو کئی رب کے بندے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

مشرک، مشترک غلام کی طرح ہے

مشرک بھی متعدد معبودوں کا دعویٰ کرتا اور ان کی پوجا کرتا ہے اور مشترک غلام بھی کشاکش میں مبتلا رہتا ہے کبھی کوئی مالک اس کو کھینچتا ہے کبھی دوسرا مالک، اپنے اپنے مختلف کاموں میں باری باری اس غلام کو تمام مالک لگائے رکھتے ہیں اور بیچارہ غلام حیران پریشان ہوتا ہے۔ اس کو سکون قلب حاصل نہیں ہوتا (وہ تمام آقاؤں کے مختلف کام کس طرح پورے کرے اور کس طرح سب کو راضی رکھے ہر وقت یہی پریشانی اس کو رہتی ہے)

مومن موحد کی مثال

وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ یہ مثال مومن موحد کی ہے ایک مالک کا غلام پریشان نہیں ہوتا یہی حالت موحد کی ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ

سب خوبی اللہ کے لئے ہے پر وہ بہت لوگ سمجھ نہیں رکھتے ☆

اکثر لوگ نہیں سمجھتے

☆ یعنی سب خوبی اللہ کے لئے ہے کہ کیسے اعلیٰ مطالب وحقائق کو کیسی صاف اور دلنشین امثال وشواہد سے سمجھا دیتے ہیں مگر اس پر بھی بہت بدنصیب ایسے ہیں جو ان واضح مثالوں کے سمجھنے کی توفیق نہیں پاتے۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ الحمد سے پہلے لفظ قُلْ محذوف ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے نعمت توحید عطا فرمائی اور یہ نعمت دینے والا خاص وہی ایک مستحق ستائش مالک کل ہے اس پر اس کے لئے ساری حمد زیبا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ

بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر تم

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ

قیامت کے دن اپنے رب کے آگے جھگڑو گے ☆

قیامت میں سب کا آمنا سامنا ہوگا

☆ یعنی جیسے مشرک اور موحد میں جو اختلاف ہے اسکا اثر قیامت کے دن علی رؤس الاشہاد ظاہر ہوگا، جس وقت پیغمبر اور امتی سب اکٹھے کئے جائیں گے اور کفار انبیاء اور مومنین کے مقابلہ میں جھگڑے اور حجتیں نکالیں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ''کافر منکر ہوں گے کہ ہم کو کسی نے حکم نہیں پہنچایا پھر فرشتوں کی گواہی اور زمین وآسمان کی اور ہاتھ پاؤں کی گواہی سے ثابت ہوگا'' کہ اس ادعاء میں جھوٹے ہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام جھگڑوں کا فیصلہ بھی اس دن پروردگار کے سامنے ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ لفظ ''اختصام'' کو عام رکھا جائے تا احادیث وآثار کے خلاف نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

صفت مشبہ کا صیغہ لانے کی وجہ

اِنَّكَ مَيِّتٌ ہر شخص کی موت یقینی ہے اسی لئے بجائے فعل مضارع (تموت اور یموتون) کے صفت مشبہ کا صیغہ جو دوام وثبوت پر دلالت کرتا ہے استعمال کیا (یعنی میت اور میتون فرمایا) فراء اور کسائی کی تحقیق ہے کہ میت اس شخص کو کہتے ہیں جو آئندہ مرنے والا ہو ابھی مرا نہ ہو اور میت اس کو کہتے ہیں جس کی جان نکل چکی ہو اس لئے میت اور میتون مشدد یہی فرمایا۔

آیت کا شان نزول: محلی نے لکھا ہے کہ کفار مکہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلد وفات پا جائیں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی مطلب یہ ہے کہ آپ بھی یقیناً مریں گے اور وہ یعنی کفار مکہ یہ سب لوگ بھی مریں گے پھر رسول اللہ کی وفات سے ان کو خوشی نہ ہونا چاہئے۔

عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ کی وضاحت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرض کریں گے اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو بکواس بنا قرار دے رکھا تھا انہوں نے میری تکذیب کی باوجودیکہ میں حق پر تھا توحید پیش کر رہا تھا اور یہ باطل پر تھے مشرک تھے میں نے ان کو راستہ دکھانے اور تیرے احکام پہنچانے کی بہت کوشش کی اور یہ اپنی سرکشی اور تکذیب پر رہے۔ یہ بطور عذر اپنے عذر میں غلط باتیں کہیں گے کہیں گے ہم اللہ کی جو ہمارا رب ہے قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم مشرک نہیں تھے۔ یہ بھی کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر (پیغمبر) نہیں آیا۔ یہ بھی کہیں گے کہ ہم اپنے سرداروں کے اور بڑوں کے کہنے پر چلے اور اس چیز کی تقلید کی جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

لوگ آپس میں بھی اپنے حقوق کی بابت جھگڑیں گے سب سے پہلے آپس کی خون ریزیوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کے باہمی مقدمات میں سب سے پہلے خونوں کا فیصلہ کیا جائے گا۔

ترمذی اور ابن ماجہ اور طبرانی اور مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے خود حضور سے سنا مقتول اپنے ایک ہاتھ میں اپنا سر لئے اور دوسرے ہاتھ سے قاتل کو پکڑے ہوئے آئے گا اس وقت اس کی گردن کی رگوں سے خون ابل رہا ہوگا اور عرش کے پاس پہنچ کر رب العالمین کی بارگاہ میں عرض کرے گا اس نے مجھے قتل کیا تھا اللہ قاتل سے فرمائے گا تو جہنم میں چلا جا اور دوزخ کو لے جایا جائے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقتول قاتل کو پکڑ کر لائے گا اس کی گردن کی رگوں سے اس وقت خون اچھل رہا ہوگا۔ عرض کرے گا اے میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا۔ قاتل کہے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا کہ فلاں شخص کو عزت (غلبہ) حاصل ہو۔ اللہ فرمائے گا عزت تو (ساری) اللہ ہی کے لئے ہے۔ ابن حاتم نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) قاتل اور مقتول دونوں کو رحمن کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور قاتل سے پوچھا جائے گا تو نے اس کو کیوں قتل کیا اگر اس نے اللہ کے لئے قتل کیا ہوگا تو کہہ دے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تھا کہ غلبہ اللہ (کے دین) کا ہو جواب دیا جائے گا بیشک عزت (غلبہ) اللہ ہی کے لئے ہے اور اگر قاتل نے کسی مخلوق کے لئے قتل کیا ہوگا تو وہ کہے گا میں نے اس کو اس لئے قتل کیا تھا کہ فلاں شخص کو غلبہ حاصل ہو اور شاد ہو گا اس کے لئے تو عزت نہیں۔ غرض جس ظالم نے کسی کو قتل

کیا ہوگا اس سے انتقام لیا جائے گا اور اتنے دنوں اس کو موت کا مزہ چکھایا جاتا رہے گا جتنے دنوں اس نے دنیا میں مقتول کو زندگی سے محروم کیا تھا۔

امام احمد ترمذی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت زبیرؓ نے فرمایا جب آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہمارے آپس کے خاص خاص جرائم کو دوبارہ ہمارے سامنے لایا جائے گا فرمایا ہاں ضرور دوبارہ ان کو سامنے لایا جائے گا۔ یہاں تک کہ ہر حقدار کو اس کا حق پہنچ جائے گا۔ حضرت زبیرؓ نے کہا واللہ معاملہ بڑا سخت ہوگا۔

مرد و عورت کا جھگڑا: جبرانی نے ناقابل اعتراض سند سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن مرد و عورت کا جھگڑا پیش ہوگا' خدا کی قسم مرد زبان سے کچھ نہ کہے گا بلکہ عورت کے ہاتھ پاؤں خود اس کے خلاف شہادت دیں گے کہ یہ اپنے شوہر کی فلاں فلاں عیب چینی کرتی تھی پھر مرد کے ہاتھ پاؤں ان باتوں کی شہادت دیں گے یہ عورت پر وہ زیادتی کرتا تھا۔

ہمسایوں کا مقدمہ: امام احمد نے بسند حسن نے حضرت عقبہ بن عامر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے اول دو ہمسائے (اپنا مقدمہ پیش کرنے) آئیں گے۔

دنیا ہی میں حقوق ادا کردو: بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی طرف اس کے بھائی کا کوئی حق ہو اس کو دنیا ہی میں اس سے خلاصی حاصل کر لینی چاہیے کیونکہ وہاں نہ دینار ہوگا نہ درہم اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس سے وہ عمل لے کر حقدار کو اس کے حق کے موافق دے دیا جائے گا اور اگر اس (ظالم) کی نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ لے کر ظالم پر لاد دئے جائیں گے۔

مفلس کون ہے: مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے صحابہؓ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہی ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ ہو نہ سامان فرمایا میری امت کا مفلس وہ ہوگا جو نماز روزہ زکوٰۃ (سب کچھ) لے کر آئے گا (لیکن) کسی کو گالی دی ہوگی کسی پر تہمت لگائی ہوگی کسی کا مال کھایا ہوگا کسی کا خون بہایا ہوگا کسی کو مارا ہوگا چنانچہ اس کو پکڑا جائے گا اور اس کی کچھ نیکیاں ایک (حقدار) کو بطور بدلہ دے دی جائیں گی اور کچھ دوسرے کو اگر بدلہ پورا ادا ہوئے بغیر اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو حقداروں کے کچھ گناہ لے کر اس پر ڈال دئے جائیں گے پھر اس کو آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

اعمال کے لین دین میں اہلسنت کا مسلک

میں کہتا ہوں مظلوم ظالم کی نیکیاں لے لے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علاوہ ایمان کے دوسری نیکیوں کا ثواب لے لے گا کیونکہ کفر کے علاوہ ہر قسم کے حقوق اور گناہوں کی سزا غیر متناہی نہیں ہے (کبھی ختم ہو جائے گی)۔ یہی قول اہل سنت کے مسلک کے مطابق ہے۔ اہل سنت کے نزدیک مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور ایمان کی جزا دوامی جنت ہے اور جنت کی کوئی حد نہیں لہٰذا جو چیز متناہی بدلہ والی ہے (یعنی اللہ کا گناہ یا بندوں کی حق تلفی) اس کا عوض وہ چیز نہیں ہو سکتی جو غیر متناہی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اگر گناہوں کا بدلہ پورا ادا ہوئے بغیر ظالم کی نیکیاں ختم ہو جائے گی اور صرف ایمان باقی رہ جائے گا تو کفر کے علاوہ مظلوموں کے گناہ ظالم پر لاد دیئے جائیں گے (مظلوم کا کفر ظالم پر نہیں ڈالا جائے گا کیونکہ کفر کی سزا غیر متناہی ہے' اور گناہوں کی سزا متناہی ہے اور متناہی گناہوں کی سزا غیر متناہی سے نہیں بدل سکتی) پھر اگر مظلوم نہ کرے گا تو ظالم کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور اتنی مدت تک وہاں رکھا جائے گا جتنی مدت ان گناہوں کی سزا کے لئے مقرر ہوگی جب گناہوں کی سزا پوری ہو جائے گی تو اس ظالم کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ میں نے جو تشریح کی ہے وہی بیہقی نے بھی کی ہے۔

قیامت کے دن حقوق دلائے جائیں گے

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن حقداروں کو ان کے حقوق واپس دلائے جائیں گے یہاں تک کہ منڈی بکری کو بھی سینگوں والی بکری سے (اگر اس نے منڈی بکری کو مارا ہوگا تو) بدلہ دلوایا جائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے منڈی کو سینگوں والی سے اور (مظلوم) چھوٹی سرخ چیونٹی کو (ظالم) سرخ چیونٹی سے بدلہ دلوایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

ایک اور حدیث میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا کہ حضور مجھے کیا خبر؟ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے' لیکن اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے' اور وہ قیامت کے دن ان دونوں میں انصاف کریگا۔ (ابن کثیر)

صحابۂ کرامؓ کا تعجب: بیہقی نے حضرت زبیرؓ بن عوام کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ نازل ہوئی تھی تو ہم نے کہا تھا ہم آپس میں (قیامت کے دن) کیسے جھگڑیں گے ہمارا رب ایک ہے ہمارا دین ایک ہے اور ہماری کتاب ایک ہے یہاں تک کہ میں نے (اب) دیکھ لیا کہ ہم میں بعض بعض کے چہروں پر تلواریں مار رہے ہیں اب میں نے پہچانا کہ یہ آیت ہمارے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت

ابن عمرؓ کی روایت بھی اسی طرح آئی ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا ہم کہتے تھے ہمارا رب ایک ہے ہمارا نبی ایک ہے ہماری کتاب ایک ہے پھر (قیامت کے دن) یہ باہمی حق طلبی کیا ہوگی آخر جب جنگ صفین کا دن آیا اور ہم میں سے بعض نے بعض پر تلواروں سے حملے کئے تو ہم نے کہا ہاں یہ دن ہے۔

ابراہیم کا بیان ہے کہ جب آیت ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ نازل ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہم تو بھائی بھائی ہیں ہمارا باہم جھگڑا کس طرح ہوگا لیکن جب حضرت عثمان شہیدؓ کردیئے گئے تو لوگوں نے کہا یہ ہے ہمارا باہمی جھگڑا۔

ان تمام مندرجہ بالا اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ یہ سمجھتے تھے کہ قتل وخون کے جھگڑے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوں گے (مسلمانوں کے آپس میں نہیں ہوں گے) لیکن جب بغاوتیں ہوئیں اور مسلمانوں کے آپس میں فساد ہونے لگے اس وقت ظاہر ہوا کہ خصومت اور جھگڑا مسلمانوں کے آپس میں بھی ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

مظلوم کا حق ظالم سے وصول کرنے کی صورت

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں لفظ اِنَّكُمْ میں مومن وکافر اور مسلمان ظالم ومظلوم سب داخل ہیں یہ سب اپنے اپنے مقدمات اپنے رب کی عدالت میں پیش کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا حق دلوائیں گے وہ کافر ہو یا مومن۔ اور صورت اس ادائیگی حقوق کی وہ ہوگی جو صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا حق ہے اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادا یا معاف کرا کر حلال ہو جائے۔ کیونکہ آخرت میں درہم و دنیا تو ہوں گے نہیں۔ اگر ظالم کے پاس کچھ اعمال صالحہ ہیں تو بمقدار ظلم یہ اعمال اس سے لیکر مظلوم کو دیدیئے جاویں گے۔ اور اگر اس کے پاس حسنات نہیں ہیں تو مظلوم کی سیئات اور گناہوں کو اس سے لیکر ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

مسند احمد کی اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آیت ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ یعنی پھر اس دن تم سے خدائی نعمتوں کا سوال کیا جائے گا کے نازل ہونے پر آپ ہی نے سوال کیا کہ وہ کونسی نعمتیں ہیں جن کی بابت ہم سے سوال لیا جائے گا۔ ہم تو کھجوریں کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کر رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب نہیں ہیں تو کیا؟ عنقریب بہت سی نعمتیں حاصل ہو جائیں گی۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن بتلاتے ہیں۔ مسند کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت زبیر بن عوامؓ نے آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ (الآیۃ) کے نازل ہونے پر پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا جو جھگڑے ہمارے دنیا میں تھے وہ دوبارہ یہاں قیامت میں دہرائے جائیں گے؟ ساتھ ہی گناہوں کی بھی پرسش ہوگی؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ ضرور دہرائے جائیں گے اور ہر شخص کو اس کا حق پورا پورا دلوایا جائے گا۔ یہ سن کر آپ نے عرض کیا پھر تو سخت مشکل کام ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سب سے پہلے دو پڑوسیوں کے آپس کے جھگڑے پیش ہوں گے۔ اور حدیث میں ہے اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سب جھگڑوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔

جسم اور روح کا جھگڑا: حافظ ابن مندہ نے کتاب الروح میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہ جھگڑا [illegible] کے درمیان یہاں تک ہوگا کہ [illegible] روح اور جسم میں بھی [illegible] روح جسم سے کہے گی کہ سب کچھ تو نے کیا [illegible] میں تو بے قصور ہوں اصل عمل اور عمل کرنے کی طاقت تو تیری تھی [illegible] دوسرے کو ملزم ٹھہراتا ہوگا تو اس خصومت کی حالت میں اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے گا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کردے۔ یہ فرشتہ ان سے کہے گا [illegible] تمہارے واسطے ایک مثال ہے۔ اور تم دونوں کا حال اس کے مانند ہے۔ ایک اپاہج معذور شخص [illegible] ہے [illegible] تو سب کچھ دیکھتا ہے لیکن چل پھر نہیں سکتا۔ دوسرا اندھا ہے جو چل پھر سکتا ہے۔ دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے اپاہج نے اندھے سے کہا کہ یہ باغ میں بہت باغ ہیں [illegible] کے پھل اور میوے دیکھ رہا ہوں لیکن معذور ہوں پھلوں تک نہیں جا سکتا اندھے نے اپاہج سے کہا کہ تو مجھ پر سوار ہو جا اور مجھے وہاں تک لے چل جہاں تک پھل دیکھ رہا ہے اپاہج اندھے پر سوار ہوگیا پھلوں تک پہنچ کر اور پھل توڑنے لگا۔ تو بتاؤ ان میں سے کون ظالم ہے۔ جسم اور روح دونوں نے جواب دیا۔ ان دو میں سے کوئی ایک تنہا ظالم نہیں ہے۔ ظالم تو دونوں ہی ہیں۔ فرشتہ یہ فیصلہ سن کر بولا اسے جسم و روح کی تم نے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ مجرم اور ظالم تو دونوں ہو مراد یہ کہ جسم سواری ہے اور روح اس پر بمنزلہ سوار کے ہے اور جو اس سواری پر سوار ہو کر اعمال و افعال کا ارتکاب کرتی پھرتی ہے۔ لہٰذا تم دونوں ہی عذاب اور سزا کے مستحق ہو [illegible]

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى
پھر اس سے ظالم زیادہ کون جس نے جھوٹ بولا
اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ
اللہ پر اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اسکے پاس
اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾
کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانا منکروں کا

سب سے بڑا ظالم

☆ اللہ پر جھوٹ بولے یعنی اس کے شریک ٹھہرائے یا اولاد تجویز کرے یا وہ صفات اسکی طرف منسوب کیں جو واقع میں اس کے لائق نہ تھیں اور جھٹلایا سچی بات کو جب پہنچی اس کے پاس یعنی انبیاء علیہم السلام جو سچی باتیں خدا کی طرف سے لائے ان کو سنتے ہی جھٹلانے لگا سوچنے سمجھنے کی تکلیف بھی گوارا نہ کی بلاشبہ جو شخص سچائی کا اتنا دشمن ہو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے۔ اور ایسے ظالموں کا ٹھکانا دوزخ کے سوا اور کہاں ہوگا۔ عموماً مفسرین نے آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یعنی اگر نبی نے (معاذ اللہ) جھوٹ خدا کا نام لیا تو اس سے برا کون اور اگر وہ سچا تھا اور تم نے جھٹلایا تو تم سے برا کون گویا من کذب علی اللہ اور کذب بالصّدق کا مصداق الگ الگ قرار دیا اور ایسا ہی آگے وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ (الخ میں آتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بڑا بے انصاف:

اس شخص سے زیادہ بے انصاف کون ہو ہے جس نے اللہ پر دروغ بندی کی اور اللہ کی طرف سے رسول خدا کے ذریعہ سے جب سچائی (اللہ کی کتاب) اس کے پاس آئی تو اس نے سچائی کو جھوٹا بتایا کیا (ایسے) کافروں کا ٹھکانا جہنم میں نہیں ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ ۔ اس میں ف سببی ہے کافروں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کرنا ان کے بے انصاف ہونے کا سبب ہے سوال انکاری ہے یعنی ایسے شخص سے زیادہ بے انصاف اور کوئی نہیں۔

كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ ۔ اللہ پر دروغ بندی کی اس کے لئے اولاد قرار دی اور دوسروں کو اس کا ساجھی بنایا۔

وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ ۔ اور جب سچ یعنی قرآن اور پیام خدا اس کو پہنچ گیا تو بغیر سوچے سمجھے فوراً اس کی تکذیب کی یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کی سچائی کے دلائل اور اس کے صادق ہونے کے بکثرت شواہد موجود ہیں۔

حضور کیلئے تسلی: اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۔ مثوی اترنے کی جگہ ٹھہرنے کا مقام یہ استفہام تقریری ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ سے اس آیت تک پورا کلام اپنے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک خاص تسلی و اطمینان کا حامل ہے کہ یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں آپ کچھ غم نہ کریں اللہ ان سے انتقام کی کوئی فکر کریں ان کو ان کے اعمال کی سزا دینے کے لئے جہنم کافی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ
اور جو لے کر آیا سچی بات اور سچ مانا جس نے اس کو
بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ
وہی لوگ ہیں ڈر والے ان کے
مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ
لئے ہے جو وہ چاہیں اپنے رب کے پاس یہ ہے
ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝
بدلہ نیکی والوں کا☆

ڈرنے والوں کی شان

☆ یعنی خدا سے ڈرنے والوں کی شان یہ ہوتی ہے کہ سچی بات لائیں، ہمیشہ سچ کہیں اور سچ کی تصدیق کریں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جو سچی بات لے کر آیا وہ نبی اور جس نے سچ مانا وہ مومن ہے گویا دونوں جملوں کا مصداق علیحدہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مصداق: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ (صدق یعنی) لا الٰہ الا اللہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے اور آپ نے خود اس کی تصدیق کی یعنی لوگوں تک اس کو پہنچایا اس تفسیر پر اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پیروی کرنے والے اہل ایمان کی طرف یعنی سب کی طرف اشارہ ہوگا۔

کلبی اور ابوالعالیہ نے کہا قرآن لانے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس کی تصدیق کرنے والے حضرت ابوبکر صدیقؓ۔ زجاج نے حضرت علیؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

حضرت حسان کا شعر ہے۔

امن یھجو رسول اللہ منھم ویمدحہ وینصرہ سواء

کیا ان میں سے وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجو اور (وہ شخص جو) آپ کی تعریف کرتا ہے اور آپ کی مدد کرتا ہے برابر ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِىْ
تاکہ اتار دے اللہ ان پر سے برے کام
عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ
جو انہوں نے کئے تھے اور بدلہ میں دے ان کو ثواب بہتر کاموں کا

الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴿۳۵﴾
جو وہ کرتے تھے ☆

غلطیوں کی معافی

☆یعنی اللہ تعالیٰ متقین ومحسنین کو ان کے بہتر کاموں کا بدلہ دے گا اور غلطی سے جو برا کام ہو گیا معاف کرے گا (تنبیہ) شاید اَسْوَاَ اور اَحْسَن صیغہ تفضیل اس لئے اختیار فرمایا کہ بڑے درجہ والوں کی ادنیٰ بھلائی اوروں کی بھلائیوں اور ادنیٰ برائی اوروں کی برائیوں سے بھاری سمجھی جاتی ہے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

بڑے گناہ بھی معافی کے قابل ہیں

اَسْوَاَ (بہت برے) بطور مبالغہ (کلام کو پرزور بنانے کے لئے) فرمایا کیونکہ جب سب سے برے اعمال کو اللہ معاف فرما دے گا اور کم درجہ کے برے اعمال کی معافی تو بہرحال ہو ہی جائے گی۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ کبیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے پس معتزلہ کا قول غلط ہے جو عفو کبائر کے قائل نہیں اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا کہنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ ہر گناہ کو جو ان سے صادر ہو جائے (خواہ وہ چھوٹا ہو) سب سے برا سمجھتے ہیں گویا تمام (چھوٹے بڑے) گناہ ان کی نظر میں بڑے ہی ہیں۔

مقاتل نے کہا کہ اللہ ان کے اچھے اعمال کا بدلہ دے گا اور برے اعمال کا بدلہ نہیں دیگا۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں سچائی کو لانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسے سچ ماننے والے مسلمان ہیں یہی متقی پارسا اور پرہیزگار ہیں جو خدا سے ڈرتے رہے اور شرک کفر سے بچتے رہے ان کے لئے جنت میں جو وہ چاہیں سب کچھ ہے۔ جب طلب کریں گے پائیں گے۔ یہی بدلہ ہے ان پاکباز لوگوں کا۔ رب ان کی برائیاں تو معاف فرما دیتا ہے اور نیکیاں قبول کر لیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس نے نجات پالی جو اسلام کی ہدایت دیا گیا اور بقدر ضرورت روزی دیا گیا اور قناعت بھی نصیب ہوئی (ترمذی وغیرہ)

حدیث شریف میں ہے اللہ کو یاد رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو اسے ہر وقت اپنے پاس پائے گا۔ آسانی کے وقت رب کی نعمتوں کا شکر گزار رہ سختی کے وقت وہ تجھے کام آئے گا۔ جب کچھ مانگے تو اللہ ہی سے مانگ اور جب مدد طلب کرے تو اسی سے مدد طلب کر۔ یقین رکھ کہ اگر تمام دنیا مل کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے اور خدا کا ارادہ نہ ہو تو وہ سب تجھے ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اور سب جمع ہو کر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں جو خدا نے مقدر میں نہ لکھا ہو تو ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ صحیفے خشک ہو چکے قلمیں اٹھا دی گئیں۔ یقین اور شکر کے ساتھ نیکیوں میں مشغول رہا کر۔ تکلیفوں میں صبر کرنے پر بڑی نیکیاں ملتی ہیں مدد صبر کے ساتھ ہے۔ غم و رنج کے ساتھ ہی خوشی اور فراخی ہے۔ ہر سختی اپنے اندر آسانی کو لئے ہوئے ہے۔ (ابن ابی حاتم)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ
کیا اللہ بس نہیں اپنے بندہ کو اور تجھ کو ڈراتے ہیں
بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ
ان سے جو اس کے سوائے ہیں اور جس کو راہ بھلائے
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ
اللہ تو کوئی نہیں اس کو راہ دینے والا اور جس کو راہ سمجھائے اللہ
فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ
تو کوئی نہیں اس کو بھلانے والا کیا نہیں ہے اللہ زبردست
ذِي انْتِقَامٍ﴿۳۷﴾
بدلہ لینے والا☆

اللہ کا بندہ غیر اللہ سے نہیں ڈرتا

☆ چند آیات پہلے ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ میں شرکاء اور مشرکین کا جہل بیان کیا گیا تھا۔ ان پر مشرکین پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے بتوں سے ڈراتے تھے۔ دیکھو تم ہمارے دیوتاؤں کی توہین مت کرو ان کو غصہ نہ دلاؤ کہیں تم کو معاذ اللہ بالکل خبطی اور پاگل نہ بنا دیں۔ اس کا جواب دیا کہ جو شخص ایک زبردست خدا کا بندہ بن چکا اسے ان عاجز اور بے بس خداؤں سے کیا ڈر ہو سکتا ہے؟ کیا اس عزیز منتقم کی امداد و حمایت اس کو کافی نہیں جو کسی دوسرے سے ڈرے یا لو لگائے۔ یہ بھی ان مشرکین کا خبط و ضلال اور مستقل گمراہی ہے کہ خدائے واحد کے پرستار کو اس طرح کی گیدڑ بھبکیوں سے خوف زدہ کرنا چاہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ٹھیک راستہ پر لگا دینا نہ لگانا سب اللہ کے قبضہ میں ہے جب کسی شخص کو اسکی بدتمیزی اور کجروی کی بناء پر اللہ تعالیٰ کامیابی کا راستہ نہ دے وہ اسی طرح خبطی اور پاگل ہو جاتا ہے اور موٹی موٹی باتوں کو سمجھنے کی قوت بھی اس میں نہیں رہتی کیا ان احمقوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ جو بندہ خداوند قدوس کی پناہ میں آ گیا کونسی طاقت ہے جو اس کا بال بیکا کر سکے جو طاقت مقابل ہوگی پاش پاش کردی جائے گی غیرت خداوندی مخلص وفاداروں کا بدلہ لئے بدون نہ چھوڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بغوی نے لکھا ہے کہ بت پرست لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کی ناراضگی سے ڈراتے تھے اور کہتے تھے ان کو برا کہنے سے زبان روکو ورنہ یہ تمہیں بدحواس اور پاگل بنا دیں گے۔ عبدالرزاق نے بھی یہ روایت بیان کی ہے وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ یعنی اللہ جس کو بے مدد چھوڑ دے کہ وہ اللہ کو اپنے بندہ کی حفاظت کے لئے کافی ہونے سے غافل ہو جائے اور ایسی چیزوں سے ڈرنے لگے جو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ فائدہ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اس کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں کہ سیدھے راستہ پر اس کو چلا سکے۔ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیونکہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ استفہام انکاری یعنی اللہ غالب ہے (اپنے فرماں برداروں کو) نفع بخشتا ہے اور انتقام لینے والا ہے اپنے دشمنوں سے انتقام لیتا ہے (ان کو سزا دیتا ہے) (تفسیر مظہری)

آیت کا شان نزول: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔ اس آیت کا شانِ نزول ایک واقعہ ہے کہ کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کو اس سے ڈرایا تھا کہ اگر آپ نے ہمارے بتوں کی بے ادبی کی تو ان بتوں کا اثر بہت سخت ہے اس سے آپ بچ نہ سکیں گے۔ ان کے جواب میں کہا گیا کہ کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں۔

اس لئے بعض مفسرین نے یہاں بندے سے مخصوص بندہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لیا ہے۔

جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کا محافظ ہے

جو شخص بھی کسی مسلمان کو اس لئے ڈرائے کہ تم نے فلاں حرام کام یا گناہ نہ کیا تو تمہارے حاکم اور افسر جنکے تم محتاج سمجھے جاتے ہو تم سے خفا ہو جائیں گے، اور تکلیف پہنچائیں گے۔ یہ بھی اسی میں داخل ہے اگرچہ ڈرانے والا مسلمان ہی ہو اور جس سے ڈرایا جائے وہ بھی مسلمان ہی ہو۔ اور یہ ایسا عام ابتلاء ہے کہ دنیا کے اکثر ملازمتوں میں لوگوں کو پیش آتا ہے کہ احکام الٰہیہ کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو جائیں یا پھر اپنے افسروں کے عتاب وعقاب کے مورد بنیں۔

اس آیت نے ان سب کو یہ ہدایت دی کہ کیا اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کے لئے کافی نہیں، تم نے خالص اللہ کے لئے گناہوں کے ارتکاب سے بچنے کا عزم کر لیا اور احکام خداوندی کے خلاف کسی حاکم وافسر کی پروانہ کی تو خدا تعالیٰ کی امداد تمہارے ساتھ ہو گی۔ زائد سے زائد یہ ملازمت چھوٹ بھی جائے گی تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق کا دوسرا انتظام کر دیں گے۔ اور مومن کا کام تو یہ ہے کہ ایسی ملازمت کو چھوڑنے کی خود ہی کوشش کرتا رہے کہ کوئی دوسری مناسب جگہ مل جائے تو اس کو فوراً چھوڑ دے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
اور جو تو اُن سے پوچھے کس نے بنائے آسمان
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ
اور زمین تو کہیں اللہ نے تو کہہ بھلا دیکھو تو
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِیَ
جن کو پوجتے ہو اللہ کے سوائے اگر چاہے اللہ مجھ پر
اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ
کچھ تکلیف تو وہ ایسے ہیں کہ کھول دیں تکلیف اسکی ڈالی ہوئی
اَوْ اَرَادَنِیْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ
یا وہ چاہے مجھ پر مہربانی تو وہ ایسے ہیں کہ روک دیں
رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
اسکی مہربانی کو تو کہہ مجھ کو بس ہے اللہ اسی پر
يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾
بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ رکھنے والے☆

جو خالق ہے وہی معبود ہے

☆ یعنی ایک طرف تو خداوند قدوس جو خود تمہارے اقرار کے موافق تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے اور دوسری طرف پتھر کی بے جان مورتیں یا عاجز مخلوق جو سب مل کر بھی خدا کی بھیجی ہوئی ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف وراحت کو اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکے۔ تم ہی بتاؤ دونوں میں سے کس پر بھروسہ کیا جائے اور کس کو اپنی مدد کے لئے کافی سمجھا جائے۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی کہا تھا اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ جسکا جواب حضرت ہود علیہ السلام نے یہ دیا اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِیْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (ہود رکوع ۵) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّیْ شَيْئًا وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَیُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (انعام۔ رکوع ۹) (تفسیر عثمانی)

مشرکین سے سوال: اَفَرَءَيْتُمْ یعنی تم اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ اللہ ہی خالق کائنات ہے اس کے سوا کوئی پیدا کرنے والا نہیں تو مجھے بتاؤ

تنہا اللہ کی خلاقیت کا اقرار کرنے کے بعد ان پر اس بات کا اقرار کرنا لازم ہو جاتا ہے کہ بت نہ دکھ کو دور کر سکتے ہیں نہ سکھ دے سکتے ہیں نہ خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت کو دفع کر سکتے ہیں نہ اس کی عطا کردہ نعمت کو روک سکتے ہیں۔

شانِ نزول: مقاتل کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس آیت کے نزول کے بعد) مشرکوں سے یہ سوال کیا تھا لیکن انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ **قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ** آپ کہہ دیجئے میرے لئے اللہ کافی ہے بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قوی اور غنی ہونے کا طریقہ: ابن ابی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سند سے مرفوعاً حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ من احب ان يكون اقوى النّاس فليتوكل على الله وّمن احب ان يكون اغنى النّاس فَلْيَكُنْ بما في يد الله عزّ و جلّ. اوثق منه بما في يديه و من احبّ ان يّكون اكرم النّاس فليتق الله عزّ وجل

جس شخص کو یہ بات محبوب ہے کہ وہ دنیا میں سب سے زیادہ قوی ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ پر توکل کرے اور جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ غنی ہو اس کو چاہئے کہ جو چیز خدا کے ہاتھ ہے اس پر اس چیز سے زائد بھروسہ کرے جو خود اس کے ہاتھوں میں ہے۔ اور جو شخص چاہتا ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ عزت والا ہو تو اسے چاہئے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔ (معارف کاندھلوی)

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ
تو کہہ اے قوم کام کئے جاؤ اپنی جگہ پر
اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۳۹﴾ مَنْ
میں بھی کام کرتا ہوں اب آگے جان لو گے
يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
کس پر آتی ہے آفت کہ اُس کو رسوا کرے اور اُترتا ہے اُس پر
عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾
عذاب سدا رہنے والا☆

خدا پرست ہی غالب ہوگا

یعنی عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ خدائے واحد کا بندہ غالب آتا ہے یا صدہا دروازوں کے بھکاری کامیاب ہوتے ہیں۔ واقعات جلد بتا دیں گے کہ جو بندہ اللہ کی حمایت اور پناہ میں آیا اس کا مقابلہ کرنے والے آخر کار سب ذلیل و خوار ہوئے (تنبیہ) عذابٌ یُّخْزِیْہِ سے دنیا کا اور عذابٌ مُّقِیْمٌ سے آخرت کا عذاب مراد ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ہر حال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ ہوگا

اِنِّیْ عَامِلٌ یعنی میں اپنی حالت پر عمل کرتا ہوں یہاں مکانتی کا لفظ اختصاراً حذف کر دیا گیا اس سے وعید میں زور بھی پیدا ہو گیا (کہ میں کامیاب ہوں گا اور تم دنیا و آخرت میں تباہ ہو گے) مکانتی کے لفظ کو حذف کر دینے سے اس طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجودہ حالت پر ہی نہیں ٹھہر جائیں گے بلکہ جتنا زمانہ گزرتا جائے گا آپ کو قوت اور نصرت زیادہ حاصل ہوتی جائے گی اسی لئے کافروں کو دھمکایا کہ میں دونوں جہان میں کامیاب رہوں گا۔

عذابٌ یُّخْزِیْہِ دشمنوں کی رسوائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غالب آجانے کی دلیل ہے۔ بدر کی لڑائی میں اللہ نے کفارِ مکہ کو رسوا کر بھی دیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ
ہم نے اتاری ہے تجھ پر کتاب لوگوں کے
بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ
واسطے سچے دین کے ساتھ پھر جو کوئی راہ پر آیا سو اپنے بھلے کو
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ
اور جو کوئی بہکا سو یہی بات ہے کہ بہکا اپنے بُرے کو
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾
اور تو اُن کا ذمہ دار نہیں☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا فرض ادا کر چکے

☆ یعنی تیری زبان پر اس کتاب کے ذریعہ سے سچی بات نصیحت کی کہہ دی گئی اور دین کا راستہ ٹھیک ٹھیک بتلا دیا گیا آگے ہر ایک آدمی اپنا نفع نقصان سوچ لے نصیحت پر چلے گا تو اسی کا بھلا ہے ورنہ اپنی ہی انجام خراب کرے گا۔ تجھ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ زبردستی ان کو راہ پر لے آئے صرف پیام حق پہنچا دینا آپ کا فرض تھا وہ آپ نے ادا کر دیا۔ آگے معاملہ خدا سے رہا جس کے ہاتھ میں مارنا جلانا اور سلانا جگانا سب کچھ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنِ اهْتَدٰى یعنی اس کتاب سے جو ہدایت یاب ہوا۔
مَنْ ضَلَّ جس نے اپنے منافع کے راستہ کو کھو دیا۔

پیغمبر کی ذمہ داری: مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ یعنی آپ کو اس امر کا ذمہ دار نہیں بنایا گیا کہ ہدایت یاب ہونے پر ان کو مجبور کریں آپ کو حکم صرف پیام الٰہی کو پہنچانے کا دیا گیا ہے اور آپ ایسا کر چکے پس ان کے گمراہ رہنے سے آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا
اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے
وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ
کا، اور جو نہیں مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر رکھ
الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ
چھوڑتا ہے جن پر مرنا ٹھہرا دیا ہے اور بھیج دیتا ہے
الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ
اوروں کو ایک وعدہ مقرر تک اس بات میں
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝
پتے ہیں ان لوگوں کو جو دھیان کریں ☆

نینداور موت ☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی نیند میں ہر روز جان کھینچتا ہے پھر (واپس) بھیجتا ہے یہ ہی نشان ہے آخرت کا معلوم ہوا نیند میں بھی جان کھینچتی ہے جیسے موت میں اگر نیند میں کھینچ کر رہ گئی۔ وہی موت ہے مگر یہ جان وہ ہے جس کو (ظاہری) ہوش کہتے ہیں۔ اور ایک جان جس سے سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں اور کھانا ہضم ہوتا ہے وہ دوسری ہے وہ موت سے پہلے نہیں کھینچتی (موضح القرآن) حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی۔ جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیند میں بھی وہ ہی چیز نکلتی ہے جو موت کے وقت نکلتی ہے لیکن تعلق کا انقطاع ویسا نہیں ہوتا جو موت میں ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

توفی کا معنی: يتوفى الانفس یعنی بدنوں سے لے کر قبضہ میں کر لیتا ہے جس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) بدنوں سے جانوں کا تعلق بالکل منقطع کر دیتا ہے بدن پر جان کا نہ بیرونی تصرف باقی رہتا ہے نہ اندرونی۔ ایسا مرنے اور بدن سے بالکل جان کھنچ جانے کے بعد ہوتا ہے۔ (۲) جانوں پر مکمل نہیں بلکہ کسی قدر قبضہ کر لیتا ہے۔ بدن پر جان کا بیرونی تصرف ختم ہو جاتا ہے نہ بدن میں بیرونی حس باقی رہتی ہے نہ حرکت ارادیہ۔ اس عالم ظاہر سے روح کا علاقہ باقی نہیں رہتا اللہ اس کو عالم مثال (عالم اشباہ) کے مطالعہ کی طرف متوجہ کر دیتا ہے باہر کے تعلق سے روح خالی ہو جاتی ہے اس کا رخ مثال کی طرف ہو جاتا ہے (عالم مثال میں گذشتہ اور آئندہ واقعات واحوال کی صورتیں بالفعل حاضر ہیں روح ان کا مطالعہ کرتی ہے کبھی اس کو پچھلے واقعات دکھائی دیتے ہیں کبھی آگے آنے والے احوال کی تصویریں سامنے آجاتی ہیں) ایسا سونے کی حالت میں ہوتا ہے۔ توفی کے دونوں معنی ہیں اول معنی (وفات دینا پورا پورا قبضہ کر لینا اور بدن سے بالکل نکال لینا) حقیقی ہے اور دوسرا معنی مجازی ہے۔ یہاں عموم مجاز کے طور پر مطلق قبض مراد ہے خواہ صرف بیرونی قبضہ ہو (یعنی روح کو بیرونی تصرفات سے روک دیا جائے بدن کی ظاہری حس معطل اور اعضا کی ارادی حرکت ختم ہو جائے) یا بیرونی اور اندرونی دونوں قسم کے تصرف سے روک دیا (روح کا بدن سے تعلق بالکل ہی منقطع کر دیا نہ اندرونی نظام زندگی باقی رہے نہ بیرونی احساس وحرکت یعنی موت آجائے اور بدن سے روح نکل جائے)۔

یا التی لم تمت سے پہلے دوسرا فعل محذوف قرار دیا جائے اور پورا کلام اس طرح مانا جائے کہ اللہ مرنے کے وقت جانوں پر پورا پورا قبضہ کر لیتا ہے (بدن کو بالکل بے جان بنا دیتا ہے) اور جو جانیں مرتی نہیں ان پر صرف خواب میں قبضہ کر لیتا ہے (بیرونی احساس وحرکت سے ان کو محروم کر دیتا ہے)۔

بعض اہل علم کا قول: ہر انسان کا ایک نفس ہے اور ایک روح سونے کی حالت میں نفس بدن سے نکل جاتا ہے اور روح (یعنی جان) باقی رہتی ہے (اور مرنے کے وقت روح بھی نکل جاتی ہے) اس قول میں نفس سے مراد ہے سمجھنے اور تمیز کرنے کی قوت (یعنی بیرونی حواس وقوت شعور) مطلب یہ کہ سونے کے وقت حواس وشعور کی قوت سلب کر لی جاتی ہے، اور روح جس سے زندگی اور احساس وشعور کی قوت وابستہ ہے باقی رہتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں یہ ذکر فرمایا ابن آدم میں نفس اور روح ہے جن دونوں کے درمیان سورج کی شعاع کی طرح ایک چمک حائل ہے۔ نفس کے ذریعہ فہم تمیز اور احساس کا سلسلہ رہتا ہے اور روح سے حیات وحرکت کا تعلق قائم رہتا ہے تو موت کے وقت روح اور نفس دونوں قبض کر لئے جاتے ہیں جس کے بعد حیات وحرکت کا بھی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن نیند کے وقت صرف نفس قبض کیا جاتا ہے جس سے عقل وادراک اور تمیز کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ (روح معانی ج ۲۴ ص ۸)

یہی وہ چیز ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں فرمائی یعنی جس رات سفر غزوہ میں راستہ میں آرام فرمانے کے لئے لیٹے تو آنکھ نہ کھلی تا آنکہ سورج نکل آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا۔ اِنَّ اللہ تعالی قبض ارواحکم حین شاء وردھا الیکم حین شاء (صحیح بخاری۔ سنن نسائی) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ ویرسلھا ایھا الناس ان ھذہ ارواح عاریۃ فی الا العباد فیقبضھا اللہ اذا شآء ویرسلھا اذا شآء۔ (معارف کاندھلوی)

خواب کے سچا اور جھوٹا ہونے کی وجہ

سلیم بن عامر کی روایت ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے فرمایا عجیب بات ہے کہ کچھ لوگ سوتے میں کچھ ایسی چیز دیکھتے ہیں جو ان کے تصور میں بھی نہ ہوتی (پھر بیدار ہوتے ہیں تو وہی بات سامنے آجاتی ہے) ان کا خواب ایسا (صحیح اور واقعی) ہوتا ہے جیسے ہاتھ سے کسی چیز کو پکڑ لیا اور بعض آدمیوں کا خواب کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا حضرت علیؓ نے یہ کلام سن کر فرمایا امیر المومنین میں آپ کو اس کی وجہ بتاتا ہوں اللہ نے فرمایا۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰۤی اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی۔ اللہ روحوں کو قبض کر لیتا ہے جب یہ روحیں اللہ کے قرب میں آسمان پر ہوتی ہیں تو جو کچھ دیکھتی ہیں وہ سچا خواب ہوتا ہے اور جب ان کو جسموں کی طرف چھوڑ دیا جاتا اور راہ میں شیطانوں سے ان کا سامنا ہو جاتا ہے تو شیطان ان سے کچھ جھوٹی باتیں کہہ دیتے ہیں اور بے حقیقت باتیں بتاتے ہیں پس یہ جھوٹا خواب ہوتا ہے حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ کی یہ بات سن کر تعجب ہوا۔

اگر یہ اثر صحیح ہو تو میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سونے کے وقت بدن سے روح کے نکلنے سے مراد یہ ہے کہ عالم ملکوت میں روح عالم مثال کے مطالعہ کی جانب متوجہ ہو جاتی ہے اور عالم مثال بدن سے بہر حال باہر ہی ہے اور بدن کے اندر روح کی شعاع باقی رہنے سے یہ مراد ہے کہ حسب سابق بدن سے روح کا تعلق باقی رہتا ہے خلاصہ یہ کہ خروج روح (یعنی عالم مثال کی طرف متوجہ ہونے سے) سے آدمی خواب دیکھتا ہے پھر آدمی بیدار ہو جاتا تو روح لوٹ آتی ہے یعنی پل بھر سے بھی پہلے روح کا تعلق بدن سے حسب سابق ہو جاتا ہے۔

یعنی سونے والوں کی جانوں کو ہوش اور احساس (بیرونی) کی طرف لوٹا دیتا ہے الی اجل مسمی یعنی اس وقت تک کے لئے رہا کر دیتا ہے جو مرنے کا مقرر ہے۔

سونے اور جاگنے کا مسنون طریقہ

صحیحین میں حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو خواب گاہ (بستر) پر چلے جاتے تو (دائیں کروٹ پر لیٹ کر دائیں) ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر فرماتے اللھم بک اموت واحیی اے اللہ میری زندگی اور موت تیرے ہی ہاتھ میں ہے (مجھ میں بے اعانت اور قبضہ پر قدرت نہیں ہے) اور جب بیدار ہوتے تو فرماتے الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو موت دینے کے بعد زندگی عطا فرمائی اور اسی کی طرف (قیامت کے دن) اٹھ کر جانا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی اپنے بستر کی طرف (لیٹنے کے ارادہ سے) جائے تو (پہلے) اپنی لنگی کے ایک پلو سے بستر کو جھاڑ دے کیونکہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کی جگہ (بستر پر) کون آموجود ہوا (یعنی سانپ بچھو کیڑے مکوڑے) پھر کہے میرے اللہ میں تیرے ہی نام کی برکت اور مدد سے اپنا پہلو (بستر پر) رکھتا ہوں اور تیرے ہی نام سے اس کو اٹھاتا ہوں اگر تو میری جان روک لے تو اس پر رحم فرمانا اور اگر رہا کر دے تو جس چیز کے ساتھ تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے اسی چیز کے ساتھ میری جان کی بھی حفاظت رکھنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دائیں پہلو پر لیٹ کر یہ دعا کہے۔ ایک روایت میں جھاڑنے کے سلسلہ میں فرمایا تین بار اپنے کپڑے سے جھاڑ دے۔

اہل فکر: یتفکرون جو غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ روحوں کا جسم سے تعلق کیسے ہوا اور کیسا ہے پھر کس طرح مرنے کے وقت بدنوں سے ان کا تعلق بالکل کٹ جاتا ہے اور کس طرح ان کو روک لیا جاتا ہے (یا واپس کر دیا جاتا ہے) اور بدن کے فنا ہو جانے کے بعد ان کا بقاء کیسے رہتا ہے پھر ان کی سعادت و شقاوت کے کون سے درجے مختلف ہیں اور کیوں ہیں اور کیا حکمت ہے کہ ان کو چھوڑ دینے کے بعد ظاہری طور پر قبض کر لیا جاتا ہے کہ کچھ وقت کیلئے حس و شعور سے یہ معطل ہو جاتی ہیں اور پھر ان کو وقتاً فوقتاً قبض کرنے اور رہا کرنے کا سلسلہ وقت موت تک جاری رہتا ہے جو ان امور پر غور کرتے ہیں وہ جان لیتے ہیں کہ جو ذات ان تمام امور پر قادر ہے وہی قیامت کے دن زندہ کر کے ان کو اٹھانے پر بھی قدرت رکھتی ہے۔ یہ آیت علت ہے آیت وعلیہ یتوکل المتوکلون کی۔ (تفسیر مظہری (اردو) جلد دہم)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ شُفَعَآءَ
یا انہوں نے پکڑے ہیں اللہ کے سوا کوئی سفارش والے

بتوں کی سفارش کی حقیقت

یعنی بتوں کی نسبت مشرکین یہ دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کی بارگاہ میں ان کے سفارشی ہیں۔ ان کی سفارش سے کام بنتے ہیں اس لئے ان کی عبادت کی

جاتی ہے سواول تو شفیع ہونے سے معبود ہونا لازم نہیں آتا دوسرے شفیع بھی وہ بن سکتا ہے جسے اللہ کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہو اور صرف اسکے حق میں شفاعت کرسکتا ہے جس کو خدا پسند کرے۔ خلاصہ یہ کہ شفیع کا ماذون ہونا اور مشفوع کا مرتضیٰ ہونا ضروری ہے۔ یہاں دونوں باتیں نہیں نہ اصنام بتوں کا ماذون ہونا ثابت ہے نہ کفار کا مرتضیٰ ہونا لہٰذا ان کا دعویٰ غلط ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا

تو کہہ اگرچہ اُن کو اختیار نہ ہو کسی چیز کا اور نہ

يَعْقِلُوْنَ﴿۴۳﴾

سمجھ ☆

یعنی بتوں کو نہ اختیار ہے نہ سمجھ پھر انکو شفیع ماننا عجیب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ

تو کہہ اللہ کے اختیار میں ہے ساری سفارش اُسی کا راج ہے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ

آسمان اور زمین میں پھر اُسی کی طرف

تُرْجَعُوْنَ﴿۴۴﴾

پھیرے جاؤ گے ☆

سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے

یعنی فی الحال بھی زمین و آسمان میں اسی کی سلطنت ہے اور آئندہ بھی اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے تو اسکی اجازت وخوشنودی کے بغیر کس کی مجال ہے جو زبان ہلا سکے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ یعنی اللہ کے روبرو سفارش ہے اللہ کے حکم سے نہ تمہارے کہنے سے جب موت آئے کسی کے کہے سے عزرائیل نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ

اور جب نام لیجئے خالص اللہ کا رک جاتے ہیں دل

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ

اُن کے جو یقین نہیں رکھتے پچھلے گھر کا

وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ

اور جب نام لیجئے اُس کے سوا اوروں کا تب وہ لگیں

يَسْتَبْشِرُوْنَ﴿۴۵﴾

خوشیاں کرنے ☆

غیر اللہ کی محبت والے

یعنی مشرک کا خاصہ ہے کہ جس وقت زبان سے اللہ کی عظمت ومحبت کا اعتراف کرتا ہے یعنی اس کا اکیلے خدا کی حمد وثناء سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں دوسرے دیوتاؤں یا جھوٹے معبودوں کی تعریف کی جائے تو مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے جس کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں۔ افسوس یہی حال آج بہت سے نام نہاد مسلمانوں کا دیکھا جاتا ہے کہ خدائے واحد کی قدرت وعظمت اور اس کے علم کی لامحدود وسعت کا بیان ہو تو چہرے پر انقباض کے آثار ظاہر ہوتے ہیں مگر کسی پیر فقیر کا ذکر آجائے اور جھوٹی سچی کرامات نپ شپ بیان کردی جائے تو چہرے کھل پڑتے ہیں اور دلوں میں جذبات مسرت وانبساط جوش مارنے لگتے ہیں بلکہ بسا اوقات توحید خالص کا بیان کرنے والا ان کے نزدیک منکر اولیاء سمجھا جاتا ہے۔ فالی اللہ المشتکی وھو المستعان۔ (تفسیر عثمانی)

اشمئزاز اور استبشار کا معنی

بیضاوی نے لکھا ہے۔ اشمازت اور یستبشرون دونوں لفظ انتہائی کیفیت پر دلالت کرتے ہیں استبشار (چہرہ کھل جانا) اس وقت ہوتا ہے جب دل خوشی اور مسرت سے اتنا پر ہو جائے کہ اس کے آثار چہرہ پر نمودار ہو جائیں (اور چہرہ شگفتہ ہو جائے) اور اشمئزاز (بھنچ جانا منقبض ہو جانا) اس وقت ہوتا ہے جب دل غم وغصہ سے اتنا بھر جائے کہ چہرہ کی کھال سکڑ جائے بل پڑ جائیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

تو کہہ اے اللہ پیدا کرنے والے آسمانوں کے اور زمین

عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ

کے جاننے والے چھپے اور کھلے کے تو ہی فیصلہ کرے

بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ

اپنے بندوں میں جس چیز میں وہ

يَخْتَلِفُوْنَ﴿۴۶﴾

جھگڑ رہے تھے ☆

☆ یعنی جب یہی موٹی باتوں میں بھی جھگڑے ہونے لگے اور اللہ کا اتنا وقار بھی دلوں میں باقی نہ رکھا تو اب تیرے ہی سے فریاد ہے تو ہی ان جھگڑوں کا عملی فیصلہ فرمائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ ہی سے دعا کیجئے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں اور کافروں کے معاملہ میں سخت حیران ہو گئے اور ان کی دشمنی اور بدخلقی سے عاجز آگئے تو اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ اسی سے دعا اور التجا کریں کیونکہ وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے تمام احوال سے وہی واقف ہے جو چیز ہم سے غائب ہے یا ہمارے مشاہدہ میں ہے وہ سب کا عالم ہے۔

اَنْتَ تَحْكُمُ یعنی اہل حق کو فتح یاب کرے گا اور باطل پرستوں کو بے مدد چھوڑ دے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

ابوسلمہؒ کا بیان ہے میں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس کلام سے نماز شب کا آغاز کرتے تھے۔ ام المومنین نے فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَ مِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اے اللہ، اے جبرئیل و میکائیل و اسرافیل کے رب اے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے والے اے باطن و ظاہر کو جاننے والے (قیامت کے دن) تو اپنے بندوں کے درمیان ان مسائل کا فیصلہ کر دیگا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے مجھے اپنے حق سے مختلف فیہ مسائل میں حق کے راستہ پر چلا تو جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے) (تفسیر مظہری)

حضرت ربیع بن خثیمؒ کی دربار الٰہی میں فریاد

ربیع بن خثیمؒ کی مجلس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر کیا گیا اور بعض حاضرین مجلس نے اس بارہ میں ان سے کچھ دریافت کرنا چاہا تو بڑے ہی رنج و کرب کی کیفیت کے ساتھ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ (معارف کاندھلوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی دعاء

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ یہ دعا ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلٰهُ كُلِّ شَيْءٍ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ وَاَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِيْ اِثْمًا اَوْ اَجُرَّهُ اِلٰى مُسْلِمٍ (یعنی اے اللہ اے آسمان و زمین کو بے نمونہ پیدا کرنے والے چھپی کھلی کے جاننے والے تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں اور فرشتے بھی یہی گواہی دیتے ہیں۔ میں شیطان سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں میں تجھ سے پناہ طلب کرتا ہوں کہ میں اپنی جان پر کوئی گناہ کروں یا کسی اور مسلمان کی طرف کسی گناہ کو لے جاؤں)۔ حضرت ابوعبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں یہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کو سکھلائی تھی وہ اسے سونے کے وقت پڑھا کرتے تھے (مسند امام احمد) اور روایت میں ہے کہ ابوراشد حبرانیؒ نے کوئی حدیث سننے کی خواہش حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کی تو حضرت عبداللہؓ نے ایک کتاب نکال کر ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا یہ ہے جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوائی ہے میں نے دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا یا رسول اللہ! میں صبح و شام کیا پڑھوں؟ آپ نے فرمایا یہ پڑھو۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّمَلِيْكَهٗ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَشَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهٖ اَوْ اَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِيْ سُوْٓءًا اَوْ اَجُرَّهٗ اِلٰى مُسْلِمٍ (ترمذی وغیرہ) مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ فرماتے ہیں مجھے اس دعا کے پڑھنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح شام اور سوتے وقت حکم دیا ہے۔

جنت میں پہنچانے والی دعا: حضورؐ فرماتے ہیں جو بندہ اس دعا کو پڑھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے نے مجھ سے عہد لیا ہے اس عہد کو پورا کرو چنانچہ اسے جنت میں پہنچا دیا جائے گا وہ دعا یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا اَنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ فَاِنَّكَ اِنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ تُقَرِّبْنِيْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِيْ مِنَ الْخَيْرِ وَاِنِّيْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (اے اللہ اے آسمان و زمین کو بے نمونہ کے پیدا کرنے والے اے غائب و حاضر کے جاننے والے میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میری گواہی

ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور میری یہ بھی شہادت ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں تو اگر مجھے میری ہی طرف سونپ دیگا تو میں برائی سے قریب اور بھلائی سے دور جا پڑوں گا۔ خدایا مجھے صرف تیری رحمت ہی کا سہارا اور بھروسہ ہے۔ پس تو بھی مجھ سے عہد کر جسے تو قیامت کے دن پورا کرے یقیناً تو عہد شکن نہیں۔ اس حدیث کے راوی سہیلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰن سے جب کہا کہ عونؒ اس طرح یہ حدیث بیان کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ ہماری تو پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا
اور اگر گنہگاروں کے پاس ہو جتنا کچھ کہ زمین میں ہے سارا
وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ
اور اتنا ہی اور اسکے ساتھ تو سب دے ڈالیں اپنے چھڑوانے
الْعَذَابِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ
میں بری طرح کے عذاب سے دن قیامت کے اور نظر آئے ان کو
اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ۝ وَبَدَا
اللہ کی طرف سے جو خیال بھی نہ رکھتے تھے اور نظر
لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ
آئیں ان کو برے کام اپنے جو کماتے تھے اور الٹ پڑے
مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝
ان پر وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے☆

کافر کی نجات نہیں ہوگی

☆ یعنی جب قیامت کے دن ان اختلافات کا فیصلہ سنایا جائے گا اس وقت جو ظالم شرک کر کے خدا تعالیٰ کی شان گھٹاتے تھے ان کا سخت برا حال ہو گا۔ اگر اس روز فرض کیجئے کل روئے زمین کے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد ان کے پاس موجود ہوں تو چاہیں گے کہ سب دے دلا کر کسی طرح اپنا پیچھا چھڑا لیں جو بدمعاشیاں دنیا میں کی تھیں سب ایک ایک کر کے ان کے سامنے ہوں گی اور ایسے قسم قسم کے ہولناک عذابوں کا مزہ چکھیں گے جو کبھی ان کے خیال وگمان میں بھی نہ گزرے تھے۔ غرض توحید خالص اور دین حق سے جو ٹھٹھا کرتے تھے اس کا وبال پڑ کر رہے گا اور جس عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ ان پر الٹ پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کے لئے ناگہانی عذاب:

اہل جنت کے لئے فرمایا تھا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ اس کے مقابل دوزخیوں کے لئے فرمایا۔ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ۔ یعنی انتہائی چوٹی کا ایسا سخت عذاب ان کے سامنے جس کا ان کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔ مقاتل نے کہا یعنی دنیا میں ان کو گمان بھی نہ تھا کہ ایسے عذاب سے آخرت میں دوچار ہوں گے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ان کا خیال تھا کہ بت ہماری سفارش کریں گے۔ یا یہ خیال تھا کہ حشر نشر کچھ بھی نہ ہوگا یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ آخرت میں ہم مومنوں کے مقابلہ میں بہتر حالت میں ہوں گے قیامت کے دن ان تمام خیالات کے برعکس عذاب سامنے آئے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ
سو جب آلگتی ہے آدمی کو کچھ تکلیف ہم کو پکارنے لگتا ہے☆

انسان کی جفا

☆ یعنی جس سے ڈرتے چڑتا تھا مصیبت کے وقت اسی کو پکارتا ہے اور جس کے ذکر سے خوش ہوتا تھا انہیں بھول جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ
پھر جب ہم بخشیں اسکو اپنی طرف سے کوئی نعمت، کہتا ہے یہ تو مجھ کو ملی
اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ ؕ
کہ پہلے سے معلوم تھی ☆

☆ یعنی قیاس یہ ہی چاہتا تھا کہ یہ نعمت مجھ کو ملے کیونکہ مجھ میں اس کی لیاقت تھی اور اسکی کمائی کے ذرائع کا علم رکھتا تھا اور خدا کو میری استعداد و قابلیت معلوم تھی پھر مجھے کیوں نہ ملتی۔ غرض اپنی لیاقت و عقل پر نظر کی خدا کے فضل وقدرت پر خیال نہ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هِیَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا
کوئی نہیں یہ جانچ ہے پر وہ بہت سے لوگ نہیں
یَعْلَمُوْنَ ۝
سمجھتے☆

نعمت امتحان ہے

☆ یعنی ایسا نہیں بلکہ یہ نعمت خدا کی طرف سے ایک امتحان ہے کہ بندہ سے سے گزر کر منعم حقیقی کو پہچانتا اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اگر ناشکری کی گئی تو یہی نعمت قسمت بن کر وبال جان ہو جائے گی حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یہ جانچ ہے کہ عقل اگی دوڑ سکتی ہے تا اپنی عقل پر بہکے وہی عقل رہتی ہے اور آفت آ پہنچتی ہے پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی لاعلمی اور ضد: یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بعض کافروں کو خود یقین تھا کہ ہم باطل پر ہیں لیکن محض ضد اور عناد کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے تھے۔ پس اکثر کافر بے علمی کی وجہ سے کافر رہے اور بعض کافر باوجود جاننے اور سمجھنے کے محض بغض و ضد کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
کہہ چکے ہیں یہ بات ان سے اگلے
فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ
پھر کچھ کام نہ آیا اُن کو جو کماتے تھے
فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا
پھر پڑگئیں اُن پر بُرائیاں جو کمائی تھیں ☆

چنانچہ قارون نے یہی کہا تھا اس کا جو حشر ہوا وہ پہلے گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ
اور جو گنہگار ہیں ان میں سے اُن پر بھی اب پڑتی ہیں
سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ
بُرائیاں جو کمائی ہیں اور وہ نہیں تھکانے والے ☆

مشرک بھاگ نہیں سکتے

☆ یعنی جیسے پہلے مجرموں پر ان کی شرارتوں کا وبال پڑا، موجودالوقت مشرکین پر بھی پڑنے والا ہے۔ جس وقت اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینا چاہے گا یہ روپوش ہو کر یا اور کسی تدبیر سے اس کا تھکا نہیں سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ
اور کیا نہیں جان چکے کہ اللہ پھیلاتا ہے روزی
لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
جس کے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے۔ البتہ اس میں پتے ہیں
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ
اُن لوگوں کے واسطے جو مانتے ہیں ☆

روزی اللہ کی مرضی سے ملتی ہے

☆ یعنی دنیا میں محض روزی کا فراخ یا تنگ ہونا کسی شخص کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ نہ روزی کا مدار محض عقل و ذہانت اور حسن لیاقت پر منحصر ہے۔ دیکھو کتنے بیوقوف بدمعاش چین اڑا رہے ہیں اور کتنے عقلمند اور نیک آدمی فاقے کھینچتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی عقل دوڑانے اور تدبیر کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتا پھر ایک کو روزی کشادہ ہے ایک کو تنگ جان لو کہ صرف عقل کا کام نہیں کسی اور کے ہاتھ ہے جو روزی کشادہ کرتا ہے یہ رزاق حقیقی کی حکمت و مصلحت کے تابع اور اسی کے ہاتھ میں ہے۔" (تفسیر عثمانی)

تمام حوادث اللہ کی طرف سے ہیں

لقوم یؤمنون۔ یعنی ان لوگوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں جو اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ تمام حوادث اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور بظاہر اسباب کا سلسلہ اپنے معمول پر چلتا ہے (یعنی بظاہر نتائج سبب سے وابستہ ہیں اور اسباب نتائج کو پیدا کرتے ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ
کہہ دے اے بندو میرے جنہوں نے کہ زیادتی کی ہے اپنی جان پر
لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
آس مت توڑو اللہ کی مہربانی سے بیشک اللہ
يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ
بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف
الرَّحِيْمُ
کرنیوالا مہربان ☆

اللہ تعالیٰ کی شان کریمی

یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگزر کی شان عظیم کا

اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں اکسیر شفا کا حکم رکھتی ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی، بدمعاش، فاسق، فاجر، کوئی ہو آیت ہٰذا کو سننے کے بعد خدا کی رحمت سے بالکلیہ مایوس ہو جانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کے لئے کوئی وجہ نہیں کیونکہ اللہ جس کے چاہے سب گناہ معاف کر سکتا ہے۔ کوئی اسکا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا۔ پھر بندہ ناامید کیوں ہو ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے دوسرے اعلانات میں تصریح کر دی گئی کہ کفر و شرک کا جرم بدون توبہ کے معاف نہیں کرے گا۔ لہٰذا اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا کو لِمَنْ يَشَآءُ کے ساتھ مقید سمجھنا ضروری ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (نساء رکوع ۱۸) اس تقیید سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدون توبہ کے اللہ تعالیٰ کوئی چھوٹا بڑا قصور معاف ہی نہ کر سکے۔ اور نہ یہ مطلب ہوا کہ کسی جرم کے لئے توبہ کی ضرورت ہی نہیں بدون توبہ کے سب گناہ معاف کر دیئے جائیں گے قید صرف مشیت کی ہے اور مشیت کے متعلق دوسری آیات میں بتلا دیا گیا کہ وہ کفر و شرک سے بدون توبہ کے مغفرت نہ ہو گی۔ چنانچہ آیت ہٰذا کی شان نزول بھی اس پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اگلی آیت کے فائدہ سے معلوم ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شانِ نزول: طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحشی کو جو حضرت حمزہؓ کا قاتل تھا اسلام کی دعوت دینے کے لئے ایک شخص کو بھیجا وحشی نے جواب دیا آپ مجھے اپنے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت کس طرح دے رہے ہیں۔ آپ کا قول یہ ہے کہ جو شخص قتل کرے گا یا شرک کرے گا یا زنا کرے گا اس کو قیامت کے دن دوہرا عذاب ہوگا اور میں نے یہ سب کچھ کیا ہے اس پر آیت اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا نازل ہوئی۔ وحشی نے کہا یہ شرط تو سخت ہے شاید میں ایسا نہ کر سکوں کیا اس کے علاوہ بھی کوئی صورت ہے اس پر آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ نازل ہوئی وحشی نے کہا اس آیت میں مغفرت کو مشیت پر موقوف رکھا گیا ہے۔ میں اشتباہ میں پڑا ہوا ہوں معلوم نہیں کہ (اگر میں شرک سے توبہ کرلوں تو) میری مغفرت ہوگی یا نہیں ہوگی اس پر آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الخ نازل ہوئی۔

بغوی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بات صرف وحشی کے لئے خاص ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے عمومی (حکم) ہے حضور نے فرمایا (نہیں) بلکہ سارے مسلمانوں کیلئے یہ عام ہے۔

حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہم کہتے تھے کہ مسلمان ہونے اور ایمان لانے کے بعد جو لوگ مصائب میں مبتلا ہو کر اپنا دین چھوڑ بیٹھے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے تو ان ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ نازل فرمائی۔ بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولیدؓ اور مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت کے حق میں ہوا (شروع میں) وہ ایمان لے آئے تھے پھر جب ان کو دکھ اور تکلیفیں دی گئیں تو وہ فتنہ میں پڑ گئے یعنی اسلام چھوڑ بیٹھے ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کا کوئی عمل کبھی قبول نہیں کرے گا نہ نفل نہ فرض یعنی کسی طرح ان کی توبہ قبول نہ ہوگی لوگ اول تو مسلمان ہو گئے پھر دکھ پڑنے پر اپنا دین چھوڑ بیٹھے اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے یہ آیت لکھ کر عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولید اور دوسرے لوگوں کو بھیج دیں تحریر ملنے کے بعد وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مکہ چھوڑ کر مدینہ میں آ گئے۔

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا ہے کہ کچھ مشرک ایسے تھے جنہوں نے بہت آدمیوں کو قتل کیا تھا اور ارتکاب زنا بھی بہت کیا تھا۔ یہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ جو کچھ فرماتے ہیں اور جس امر کی دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو اچھا۔ کیا آپ بتائیں گے کہ اس سے ہماری بداعمالیوں کا بھی کفارہ ہو جائے گا اس پر سورۂ فرقان کی آیت وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔۔۔ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا تک اور آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ الخ نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے بسند صحیح بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بغوی نے بروایت عطاء بھی اس قول کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف کی ہے۔

مقاتل بن حیان نے بتوسط نافع حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہم گروہ صحابہ خیال کرتے تھے اور کہتے تھے۔ ہماری ہر نیکی ضرور قبول ہوگی اس کے بعد جب آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ (اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کے فرمان پر چلو اور اپنے اعمال کو بیکار نہ کردو) نازل ہوئی تو ہم اپنے اعمال کو سوائے اس کے کہ کبیرہ گناہ کریں اور فواحش کا ارتکاب کریں اور کس طرح باطل کر سکتے ہیں۔ یہ خیال کرنے کے بعد جب ہم کسی کو کوئی کبیرہ گناہ کرتے دیکھتے تو کہتے یہ شخص تباہ ہو گیا اس کے بعد یہ آیت (قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا) نازل ہوئی تو ہم اپنے دونوں قولوں سے رک گئے اس کے بعد ہم کسی کو کوئی گناہ کرتے دیکھتے تو ہم کو اس کے متعلق (بربادی اعمال کا) خوف ہو جاتا اور اگر کسی نے ارتکاب گناہ نہ کیا ہوتا تو ہم کو اس کے متعلق (قبول اعمال کی) امید ہوتی۔

لوگوں کو مایوس نہ کرو: روایت ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ مسجد میں تشریف

لے گئے وہاں ایک واعظ وعظ کہہ رہا تھا اور دوزخ کا اور دوزخ کے طوق و زنجیر کا ذکر کر رہا تھا آپ جا کر اس کے سر کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کہا اے وعظ کرنے والے لوگوں کو نا امید کیوں کر رہا ہے پھر آپ نے آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ پڑھی۔

حضرت اسماءؓ بنت زید کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ وَّلَا یُبَالِیْ۔ (یعنی اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو اللہ سب گناہ معاف کر دے گا اور (کسی کے) گناہ کی پرواہ نہیں کرے گا۔) ولا یبالی کا لفظ حضورؐ نے آیت کے بعد خود بڑھا دیا یہ لفظ آیت کا جزء نہیں ہے۔

حضرت جندب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ایک آدمی نے کہا خدا کی قسم اللہ فلاں شخص کی مغفرت نہیں فرمائے گا اللہ نے فرمایا یہ کون ہے جو میری قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص کی میں مغفرت نہیں کروں گا میں نے اس شخص کو بخش دیا اور (اے کہنے والے) تیرے اعمال کو اکارت کر دیا۔ او کما قال علیہ السلام۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابن عباسؓ نے آیت اِلَّا اللَّمَمَ کے متعلق بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ لمم (صغیرہ گناہ یا کبیرہ گناہ جن کو کرنے کے بعد ندامت ہوئی ہو) کو معاف کر دے گا سب (گناہوں) کو بخش دے گا (اے اللہ) تیرا کونسا بندہ ہے جس نے ارتکاب گناہ نہیں کیا ہے۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب کہا ہے۔

بنی اسرائیل کے گنہگار کی مغفرت

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جو ننانوے آدمیوں کا قتل کر چکا تھا پھر (توبہ کی غرض سے) ایک تارک الدنیا درویش کے پاس گیا اور اس سے (اپنی توبہ کے متعلق) مسئلہ دریافت کیا درویش نے کہا تیرے لئے کوئی توبہ (کی گنجائش) نہیں ہے۔ سائل نے یہ جواب سن کر اس درویش کو بھی قتل کر دیا اس کے بعد لوگوں سے دریافت کرتا پھرا کہ اب میں کس سے مسئلہ پوچھوں ایک شخص نے کہا فلاں بستی میں جاؤ (وہاں ایک بڑا عالم ہے اس سے دریافت کرو حسب ہدایت یہ قاتل اس بستی کی طرف چل دیا لیکن راستہ میں) اس کو موت آ پہنچی لیکن (مرتے مرتے) اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف اٹھا دیا یعنی بڑھا دیا (اور مر گیا) رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس شخص کے متعلق اختلاف ہو گیا اللہ نے ایک طرف (یعنی بستی کی طرف) والی زمین کو حکم دیا تو قریب ہو جا اور دوسری طرف والی زمین کو حکم دیا (یعنی جہاں سے وہ شخص چلا تھا اس زمین کا حکم دیا) تو دور (یعنی لمبی) ہو جا فرشتوں نے (حسب حکم) دونوں طرف کی زمین کو ناپا اور موازنہ کیا تو بستی کی طرف والی زمین کو ایک بالشت کم پایا پس اس شخص کی مغفرت ہوئی (متفق علیہ)۔

مسلم بن حجاجؒ نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ اس روایت کے مطابق حدیث کے یہ الفاظ ہیں۔ اس قاتل کو ایک راہب کا پتہ بتایا گیا قاتل نے اس راہب سے جا کر کہا میں نے ننانوے آدمیوں کا قتل کیا ہے کیا میری توبہ (قبول) ہو سکتی ہے۔ راہب نے کہا نہیں۔ اس شخص نے راہب کو بھی قتل کر دیا اس طرح سو کی تعداد پوری ہو گئی پھر لوگوں سے دریافت کیا (اب) اس زمین پر رہنے والوں میں سب سے بڑا کون ہے کسی نے ایک اور عالم کا پتہ بتا دیا اس قاتل نے اس عالم سے جا کر کہا میں نے سو قتل کئے ہیں کیا میری توبہ (قبول) ہو سکتی ہے۔ عالم نے جواب دیا ہاں توبہ قبول ہونے میں کون رکاوٹ ڈال سکتا ہے تم فلاں مقام پر جاؤ وہاں کچھ لوگ اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں تم بھی اس کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جانا اور اب لوٹ کر اپنی بستی کو نہ جانا وہ بری (یعنی گناہوں کی) سرزمین ہے۔ یہ بات سن کر یہ قاتل عالم کی بتائی ہوئی بستی کی طرف چل دیا آدھا راستہ طے کیا تھا کہ موت آ پہنچی اس کے متعلق رحمت اور زحمت کے فرشتوں میں اختلاف ہو گیا ایک فرشتہ پنچ کی صورت بدل کر (ان کا اختلاف دور کرنے کے لئے) آ گیا فرشتوں نے اس کو پنچ بنا لیا پنچ نے فیصلہ کیا کہ دونوں طرف کی زمین ناپ لو جس طرف کی زمین کم ہو اسی کے حکم میں اس شخص کو داخل کر لو۔ فرشتوں نے زمین کی پیمائش کی تو اس طرف کی زمین کم پائی جہاں (عبادت کے لئے) جانے کا اس نے ارادہ کیا تھا چنانچہ رحمت کے فرشتوں نے اس روح پر قبضہ کر لیا۔

ڈرنے والے گنہگار کی مغفرت۔ بخاری اور مسلم نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی تھا جس نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی تھی جب مرنے لگا تو اس نے گھر والوں کو وصیت کی کہ مجھے مرنے کے بعد جلا ڈالنا پھر جلی ہوئی خاک کو آدھی سمندر میں اور آدھی خشکی میں اڑا دینا کیونکہ اگر خدا کا مجھ پر قابو چل گیا تو خدا کی قسم وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو سارے جہان میں کسی کو نہیں دے گا جب وہ شخص مر گیا اور گھر والے وصیت کے موافق عمل کر چکے تو اللہ نے سمندر کو حکم دیا سمندر نے وہ خاک یکجا کر دی جو اس میں اڑائی گئی تھی اور خشکی کو حکم دیا تو اس نے اپنے اندر کی ساری خاک جمع کر دی پھر اللہ نے اس شخص سے پوچھا تو نے ایسا کیوں کیا اس نے جواب دیا اے میرے رب تیرے ڈر سے۔ تو خوب واقف ہے۔ اللہ نے اس کو بخش دیا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی نصیحت: بغوی نے لکھا ہے ضمضم بن جوش نے کہا میں مدینہ کی مسجد میں داخل ہوا ایک بوڑھے آدمی نے (جس کو میں پہچانتا

نہ تھا) مجھے پکار کر کہا اے شخص کسی آدمی سے تو ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تیری مغفرت نہ کرے گا اور تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا۔ میں نے کہا آپ پر اللہ کی رحمت ہو آپ کون ہیں ان بزرگ نے کہا میں ابوہریرہؓ ہوں میں نے کہا یہ لفظ تو ایسا ہے جو نفرت کے وقت ہر شخص کہتا ہے غصہ ہوتا ہے تو اپنے گھر والوں کو بھی کہتا ہے اور بیوی کو بھی خدمتی آدمیوں کو بھی۔ بزرگ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بنی اسرائیل میں دو آدمی تھے جو باہم دوست تھے ایک عبادت میں بڑی محنت کرتا تھا اور دوسرا گناہ کرتا رہتا تھا عابد اپنے گناہگار دوست سے کہتا تھا اب اپنی حرکتوں سے باز آ جا۔ گناہگار جواب دیتا تھا میں جانوں اور میرا رب تو مجھے یوں ہی رہنے دے ایک روز عابد نے اپنے دوست کو کسی بڑی گناہ میں مبتلا پایا تو (حسب معمول) کہا اب باز آ جا اس نے جواب دیا مجھے یوں ہی رہنے دے کیا تجھے میرا نگراں محتسب بنا کر بھیجا گیا ہے عابد نے کہا خدا کی قسم اللہ تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا اور نہ جنت میں کبھی تجھے داخل کرے گا غرض اللہ کی طرف سے جب ملک الموت نے آ کر دونوں کی روحیں قبض کر لیں اور دونوں اللہ کے پاس جمع ہوئے تو اللہ نے اس گناہگار کو حکم دیا تو میری رحمت سے جنت میں چلا جا اور دوسرے سے فرمایا کیا تو میرے بندوں سے میری رحمت کو روک سکتا ہے بندہ نے کہا نہیں پروردگار (ایسا تو ممکن نہیں) اللہ نے فرمایا اس کو دوزخ میں لے جاؤ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس نے جو بات کہی تھی اس نے دنیا اور آخرت میں اس کو تباہ کیا۔ امام احمد نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث یوں ہی بیان کی ہے۔

آیت کی فضیلت: حضرت ثوبان راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں اس آیت کے مقابلہ میں پسند نہیں (سب ہیچ ہیں) **یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ** الخ رواہ احمد بسند حسن وابن جریر والطبرانی فی الاوسط والبیہقی فی شعب الایمان۔

مشرک کی بخشش نہیں ہے: بیہقی کی روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جس نے شرک کیا ہو (کیا اللہ اس کو بھی معاف فرما دے گا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر کے لئے سر جھکا لیا پھر تین بار فرمایا مگر جس نے شرک کیا (اور شرک پر آخر وقت تک قائم رہا اس کی مغفرت نہیں ہوگی)۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اپنے بندے کو ضرور بخش دے گا بشرطیکہ پردہ نہ پڑ جائے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کیا فرمایا کسی شخص کا مشرک ہونے کی حالت پر مرجانا۔ رواہ احمد والبیہقی فی کتاب البعث والنشور۔

یہ بھی حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ سے ایسی حالت میں ملے (یعنی ایسی حالت میں مرجائے) کہ دنیا میں کسی چیز کو اس کے برابر نہ قرار دیتا ہو تو خواہ پہاڑوں کے برابر بھی اس کے گناہ ہوں اللہ معاف فرما دے گا۔ رواہ البیہقی فی کتاب البعث والنشور۔

اپنے فوت شدہ آباء واجداد کے لئے دعا مغفرت کے ہدیے بھیجو

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے اندر اللہ بعض نیک لوگوں کے درجات (ان کے اعمال سے زیادہ) اونچے کرے گا۔ وہ عرض کریں گے اے رب یہ درجات ہمارے لئے کہاں سے (کیسے) مل گئے اللہ فرمائے گا تیرے لئے تیری اولاد کے دعاء مغفرت کرنے سے۔ رواہ احمد

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر کے اندر مردہ ایسا ہوتا ہے جیسے کوئی ڈوبنے والا فریادی ہو (جو غرق ہونے سے بچنے کے لئے چلا رہا ہو) وہ انتظار کرتا ہے کہ باپ یا ماں یا بھائی یا کسی دوست کی طرف سے دعاء مغفرت اس کو پہنچ جائے۔ یہ دعا اس کو دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور زمین کے رہنے والوں کی دعا سے اہل قبور کو اللہ پہاڑوں جیسا ثواب عنایت کرتا ہے۔ زندوں کی جانب سے مردوں کو ہدیہ یہ ہے کہ ان کے لئے دعا مغفرت کی جائے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک رحمت اللہ نے جن انس چوپاؤں اور کیڑوں مکوڑوں کو تقسیم کی ہے اس نازل کردہ رحمت کی وجہ سے یہ آپس میں مہربانیاں اور رحم کرتے ہیں۔ وحشی جانور بھی اسی کی وجہ سے اپنے بچوں کو پیار کرتے ہیں۔ ننانوے رحمتیں اللہ نے اپنے لئے چھوڑ رکھی ہیں وہ رحمتیں قیامت کے دن اپنے بندوں پر مبذول فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

اللہ تعالیٰ ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا کچھ قیدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے گئے قیدیوں میں ایک عورت تھی جس کے پستان سے دودھ ٹپک رہا تھا اور وہ (ادھر ادھر) دوڑتی پھر رہی تھی قیدیوں میں جو شیر خوار بچہ اس کو ملتا وہ اس کو لے کر اپنے پیٹ سے چمٹا لیتی اور دودھ پلاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ عورت اپنے بچہ کو کبھی آگ میں پھینک سکتی ہے (جب کہ وہ دوسروں کے بچوں سے اتنا پیار کر رہی ہے) ہم نے عرض کیا جب تک اس میں طاقت ہوگی وہ اپنے بچہ کو آگ میں نہیں پھینکے گی حضورؐ نے ارشاد فرمایا تو اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ

مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچہ پر مہربان ہے۔ متفق علیہ۔

حضرت عامرؓ کا بیان ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص چادر (یا کمبل) اوڑھے یا کوئی چیز اس کے ہاتھ میں تھی جو چادر (کے کونے) میں پٹی ہوئی تھی اس نے عرض کیا میں درختوں کی ایک جھاڑی کی طرف سے گذرا اس کے اندر کسی پرندے کے چوزوں کی آوازیں آرہی تھیں میں نے ان کو پکڑ کر اپنی چادر میں رکھ لیا اتنے میں ان کی ماں آگئی اور میرے سر کے آس پاس گھومنے لگی۔ میں نے چادر ہٹا کر بچوں کو اس کے سامنے کر دیا فوراً وہ بچوں پر ٹوٹ پڑی میں نے سب کو اپنی چادر میں لپیٹ لیا اب وہ سب میرے پاس یہ موجود ہیں حضور نے حکم دیا ان کو رکھ دو اس نے (چادر کھول کر) سب کو رکھ دیا مگر بچوں کی ماں بچوں سے چمٹی رہی حضور نے فرمایا کیا تم لوگوں کو تعجب ہو رہا ہے کہ ماں ان بچوں پر کیسی مہربان ہے (کہ بچوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچا کر اڑ نہیں جاتی) قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جتنی ان بچوں کی ماں اپنے بچوں پر مہربان ہے اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ جا ان کو لے جا اور جہاں سے تو نے ان کو پکڑا ہے وہیں لے جا کر رکھ دے حسب الحکم وہ شخص ان سب کو لے گیا۔ رواہ ابوداؤد۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے ہم کسی جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے کچھ لوگوں کی طرف سے آپ کا گذر ہوا اور دریافت فرمایا کون لوگ ہو انہوں نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں ان میں ایک عورت بھی تھی جو ہانڈی میں سالن پکا رہی تھی اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا جب کوئی شعلہ اٹھتا تھا وہ بچہ کو الگ کر لیتی تھی وہ حضور کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کیا آپ اللہ کے رسول ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں کہنے لگی آپ پر میرے ماں باپ قربان کیا اللہ ارحم الرحمین نہیں ہے حضور نے فرمایا کیوں نہیں۔ کہنے لگی کیا ماں جتنی اپنے بچہ پر مہربانی کرتی اس سے زیادہ اللہ اپنے بندوں پر مہربان نہیں ہے۔ فرمایا کیوں نہیں کہنے لگی ماں اپنے بچہ کو آگ میں نہیں ڈالتی یہ سن کر حضور اقدس سرنگوں ہو گئے اور رونے لگے کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا اور فرمایا اللہ اپنے بندوں میں سے صرف اسی کو عذاب دے گا جو اس سے سرکشی اور سخت سرکشی کرنے والا ہو اور لا الٰہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دے۔ رواہ ابن ماجہ۔

آخر کار مومن جنت میں جائے گا

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس بندہ نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (یعنی اقرار توحید کیا) پھر اسی حالت میں مر گیا وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا میں نے عرض کیا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو میں نے کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو میں نے پھر کہا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو فرمایا خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو (وہ ضرور جنت میں جائے گا) اگرچہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر فرما رہے تھے۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ یہ میں نے خود سنا تھا۔ میں نے عرض کیا (یا رسول اللہ) خواہ اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو حضور نے دوبارہ یہی آیت پڑھی میں نے دوبارہ کہا خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو حضور نے تیسری بار یہی آیت پڑھی جب میں نے تیسری بار کہا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے زنا کیا ہو چوری کی ہو خواہ اس نے زنا اور چوری کی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خواہ ابودرداء کی ناک مٹی میں رگڑ جائے۔ (تب بھی زانی اور سارق کا داخلہ جنت میں ہو گا۔ ناک کا مٹی میں رگڑنا یہ محاورہ ہے یعنی چاہے ابودرداء کیسی ہی ناک رگڑے اور کیسا ہی ان کی مرضی سے خلاف ہو تب بھی اللہ کا فیصلہ نہیں بدلے گا)۔ رواہ احمد۔

اس موضوع کی بکثرت احادیث آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مآل کار مومن جنت میں جائے گا۔

ثواب کے لئے ایمان شرط ہے

اہل سنت و جماعت ہی کا مسلک حق ہے کہ بغیر موجودگی میں کوئی طاعت سودمند نہیں کیونکہ ایسی طاعت طاعت ہی نہیں ہے۔ طاعت تو وہی ہے جو خالص اللہ کے لئے ہو اگر خلوص نہیں تو طاعت معصیت ہے۔ ایمان اسی طرح طاعت کی شرط ہے جس طرح وضو نماز کے لئے۔ البتہ معصیت کا ذاتی تقاضا عذاب ضرور ہے لیکن یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہے تو معاصی کو معاف کر دے اور معاف نہ کرنا چاہے تو عذاب دے۔

معافی کے ذرائع: معافی توبہ سے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے یا کسی ولی کی سفارش سے یا محض اللہ کی مہربانی اور رحمت سے۔ اگر گناہگار مومن کو اللہ عذاب بھی دے گا تو وہ عذاب دوامی نہ ہو گا کیونکہ اللہ نے ہر نیکی کے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا ہے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ اور ایمان سب سے بڑی نیکی ہے۔ (ہر نیکی کا مدار ایمان پر ہے) اور اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے اور مقام ثواب صرف جنت ہے (لامحالہ ہر مومن جنت میں جائے گا عذاب پانے کے بعد یا بغیر عذاب کے)۔

گناہ! مومن اور کافر کے نزدیک: مومن اپنے ایک گناہ کو بھی ایسا سمجھتا ہے جیسے وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور پہاڑ اوپر سے گرنے والا ہو، اور کافر اپنے گناہوں کو ایسا سمجھتا ہے جیسے ناک پر مکھی بیٹھی ہو اور ہاتھ کے اشارے سے اس کو اڑا دے۔ (رواہ البخاری) (مظہری)

سب سے زیادہ عظمت والی آیت

طبرانی میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ کتاب اللہ قرآن کریم میں

سب سے زیادہ عظمت والی آیت آیت الکرسی ہے اور خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ سے اور سارے قرآن میں سب سے زیادہ ڈھارس دینے والی آیت مَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ہے یعنی اللہ سے ڈرتے رہنے والوں کی مخلصی خود خدا کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں کا اسے گمان و خیال بھی نہ ہو۔ حضرت مسروقؒ نے یہ سن کر فرمایا کہ بے شک آپ سچے ہیں۔

حضرت ابوایوبؓ نے انتقال کے وقت

حضرت ابوایوب انصاریؓ اپنے انتقال کے وقت فرماتے ہیں ایک حدیث میں نے تم سے آج تک بیان نہیں کی تھی اب بیان کر دیتا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا ہے اگر تم گناہ ہی نہ کرتے تو اللہ عز و جل ایسی قوم کو پیدا کرتا جو گناہ کرتی پھر خدا انہیں بخشتا (صحیح مسلم وغیرہ)۔

حضرت آدم علیہ السلام کی درخواست

حضرت عبداللہ بن عبید بن عمیرؒ فرماتے ہیں کہ ابلیس ملعون نے کہا اے میرے رب تو نے مجھے آدم کی وجہ سے جنت سے نکالا ہے اور میں اس پر بغیر اس کے کہ تو مجھے اس پر غلبہ دے غالب نہیں آ سکتا۔ جناب باری نے فرمایا جا تو ان پر مسلط ہے۔ اس نے کہا خدایا کچھ اور بھی مجھے زیادتی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا بنی آدم میں جتنی اولاد پیدا ہو گی اتنی ہی تیرے ہاں بھی ہو گی۔ اس نے پھر التجا کی کہ باری تعالیٰ کچھ اور بھی مجھے زیادتی دے۔ پروردگار عالم نے فرمایا بنی آدم کے سینے میں تیرے لئے مسکن بنا دوں گا اور تم ان کے جسم میں خون کی جگہ پھرو گے اس نے پھر فرمایا کہ کچھ اور بھی مجھے زیادتی عنایت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا تو ان پر اپنے سوار اور پیادے دوڑا۔ اور ان کے مال و اولاد میں اپنا ساجھا کر اور انہیں امنگیں دلا گو حقیقۃً تیرا امنگیں دلانا اور وعدے کرنا سراسر دھوکے کی ٹٹی ہیں۔ اُس وقت حضرت آدم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے میرے پروردگار تو نے اسے مجھ پر مسلط کر دیا اب میں اس سے بغیر تیرے بچائے بچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سنو تمہارے ہاں جو اولاد ہو گی اس کے ساتھ میں ایک محافظ مقرر کر دوں گا جو شیطانی پنجے سے محفوظ رکھے۔ حضرت آدمؑ نے اور زیادتی طلب کی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایک نیکی کو دس گنی کر کے دوں گا بلکہ دس سے بھی زیادہ اور برائی اس کے برابر رہے گی یا معاف کر دوں گا۔ آپ نے پھر بھی اپنی یہی دعا جاری رکھی۔ رب العزت نے فرمایا توبہ کا دروازہ تمہارے لئے اُس وقت تک کھلا ہے جب تک روح جسم میں ہے۔ حضرت آدمؑ نے دعا کی خدایا مجھے اور زیادتی بھی عطا فرما۔ اب اللہ تعالیٰ نے یہی آیت پڑھ سنائی کہ میرے گنہگار بندوں سے کہہ دو وہ میری رحمت سے مایوس نہ ہوں الخ (ابن ابی حاتم) (تفسیر ابن کثیر)

کرم کی انتہاء: اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ کی تفسیر میں فرمایا کرتے دیکھو اس جود و کرم کی کیا انتہا ہے کہ جن لوگوں نے مومنین کو ستایا، اولیاء کو قتل کیا۔ انہیں کو رحمت اور مغفرت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے۔ گناہ کی زندگی سے تائب ہو کر تڑپ اور بے قراری کے ساتھ در رحمت کی طرف دوڑنے والے کو رحمت خداوندی کس طرح اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔

وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ
اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اُس کی حکمبرداری کرو
قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا
پہلے اس سے کہ آئے تم پر عذاب پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ
تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾
آئیگا ☆

توبہ کی ترغیب ☆ مغفرت کی امید دلا کر یہاں سے توبہ کی طرف متوجہ فرمایا یعنی گذشتہ غلطیوں پر نادم ہو کر اور اللہ کے بے پایاں جود و کرم سے شرما کر کفر و عصیان کی راہ چھوڑ دو اور اس رب کریم کی طرف رجوع ہو کر اپنے کو بالکلیہ اسی کے سپرد کر دو، اس کے احکام کے سامنے نہایت عجز و اخلاص کے ساتھ گردن ڈال دو اور خوب سمجھ لو کہ حقیقت میں نجات محض اس کے فضل سے ممکن ہے ہمارا رجوع و انابت بھی بدون اسکے فضل و کرم کے میسر نہیں ہو سکتا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کیا جو کفار دشمنی میں لگے رہے تھے سمجھے کہ دریب اس طرف اللہ ہے۔ یہ سمجھ کر اپنی غلطیوں پر پچھتائے لیکن شرمندگی سے مسلمان نہ ہوئے کہ اب ہماری مسلمانی کیا قبول ہو گی، دشمنی کی لڑائیاں کرے اور کتنے خداپرستوں کے خون کئے۔ تب اللہ نے یہ فرمایا کہ ایسا گناہ کوئی نہیں جس کی توبہ اللہ قبول نہ کرے۔ ناامید مت ہو، توبہ کرو اور رجوع ہو بخشے جاؤ گے مگر جب سر پر عذاب آیا یا موت نظر آنے لگی، اس وقت کی توبہ قبول نہیں۔ نہ اس وقت کوئی مدد کو پہنچ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ کی توفیق: وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ کے بعد وَاَسْلِمُوْا کا حکم حق تعالیٰ سبحانہٗ کے لئے اخلاص پر متوجہ و آمادہ کر رہا ہے اور انابت کے بعد اخلاص کا حکم اس مقصد کیلئے ہے کہ بندہ یہ بات سمجھ لے کہ اس کی نجات و کامیابی اس کی انابت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس کے فضل و کرم سے ہے اور اسی کا فضل تھا کہ انابت کی توفیق حاصل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۴) (معارف کاندھلوی)

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ
اور چلو بہتر بات پر جو اُتری تمہاری طرف تمہارے

رَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ

رب سے پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب

بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

اچانک اور تم کو خبر نہ ہو ☆

قرآن پر عمل کرو ☆بہتر بات سے مراد قرآن کریم ہے یعنی قرآنی ہدایت پر چل کر عذاب آنے سے پہلے اپنے مستقبل کی روک تھام کرلو ورنہ معائنہ عذاب کے بعد کچھ تدارک نہ ہوسکے گا نہ کوئی تدبیر بن پڑے گی، عذاب الٰہی اس طرح ایک دم آدبائے گا کہ خبر بھی نہ ہوگی کہاں سے آگیا۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا

کہیں کہنے لگے کوئی جی اے افسوس اس بات پر

فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ

کہ میں کوتاہی کرتا رہا اللہ کی طرف سے اور میں تو

لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝

ہنستا ہی رہا ☆

کافر کی حسرت ☆یعنی ہوا و ہوس رسم و تقلید اور دنیا کے مزوں میں پڑ کر خدا کو کچھ سمجھا ہی نہیں۔ اس کے دین کی اور پیغمبروں کی اور جس ہولناک انجام سے پیغمبر ڈرایا کرتے تھے سب کی ہنسی اڑاتا رہا۔ ان چیزوں کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھی۔ افسوس خدا کے پہچاننے اور اس کا حق ماننے میں میں نے کس قدر کوتاہی کی جس کے نتیجہ میں آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا۔ یہ بات کافر محشر میں کہے گا اور اگر آیت کا مضمون کفر و عصاۃ کو عام رکھا جائے تو وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ کے معنی عملاً ساخر و مستہزی کے ہونگے کما فسرہ ابن کثیر۔ (تفسیر عثمانی)

بے وقت توبہ: اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ سے تین آیتوں میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ یہاں تک کفر و شرک کو بھی توبہ سے معاف فرمادیتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھو۔ توبہ کا وقت مرنے سے پہلے پہلے ہے۔ مرنے کے بعد قیامت کے روز کوئی توبہ کرے یا اپنے کئے پر حسرت کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ

یا کہنے لگے اگر اللہ مجھ کو راہ دکھاتا

لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

تو میں ہوتا ڈرنے والوں میں ☆

عذر لنگ ☆جب حسرت و افسوس سے کام نہ چلے گا تو دل بہلانے کے لئے یہ عذر لنگ پیش کرے گا کہ کیوں خدا نے مجھ کو ہدایت نہ کی وہ ہدایت کرنا چاہتا تو میں بھی آج متقین کے درجہ میں پہنچ جاتا۔ اس کا جواب آگے آتا ہے بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ الخ اور ممکن ہے یہ کلام بطریق اعتذار نہ ہو بلکہ محض اظہار یاس کے طور پر ہو یعنی میں اپنی سوء استعداد اور بدتمیزی کی وجہ سے اس لائق نہ تھا کہ اللہ مجھ کو راہ دکھا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتا اگر مجھ میں اہلیت و استعداد ہوتی اور اللہ میری دستگیری فرماتا تو میں بھی آج متقین کے زمرہ میں شامل ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

اور اگر ہدایت سے تحقیق ہدایت اور منزل مقصود تک پہنچنا مراد ہو تو اس صورت میں لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ کا یہ مطلب ہوگا کہ میں مجبور تھا اللہ ہی نے مجھے ہدایت نصیب نہیں کی ایمان و طاعت کو اختیار کرنے کی میرے اندر طاقت ہی نہ تھی کیونکہ اللہ نے مجھے اس کی قدرت ہی نہیں دی تھی۔ اللہ نے اس آیت بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ الخ میں اس قول کی تردید کردی اور فرمایا کیوں نہیں ہم نے تو تجھے قدرت دی تھی کہ ایمان و طاعت کو اختیار کرے، چاہے اختیار کرلے اسی پر عذاب ثواب کی عمارت کی بناء ہے لیکن جب میری آیات تیرے پاس پہنچیں تو تو نے اپنے اختیار سے ان کی تکذیب کی۔ اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے کہ بندوں کے افعال میں قدرت خداوندی دخیل اور اثر انداز ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ

یا کہنے لگے جب دیکھے عذاب کو کسی طرح مجھ کو

لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

پھر جانا ملے تو میں ہو جاؤں نیکی والوں میں ☆

ناکام کوشش ☆جب حسرت اور اعتذار دونوں بیکار ثابت ہوں گے اور دوزخ کا عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا اس وقت شدت اضطراب سے کہے گا کہ کسی طرح مجھ کو ایک مرتبہ پھر دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو دیکھو میں کیسا نیک بن کر آتا ہوں۔ (عثمانی)

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا

کیوں نہیں پہنچ چکے تھے تیرے پاس میرے حکم، پھر تو نے ان کو جھٹلایا

وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور غرور کیا اور تو تھا منکروں میں ☆

ہدایت کے مکمل اسباب موجود ہیں

☆ یعنی غلط کہتا ہے کہ کیا اللہ نے راہ نہیں دکھلائی تھی اور اپنے پیغمبروں کو نشانات اور احکام دے کر نہیں بھیجا تھا مگر تو نے تو ان کی کوئی بات ہی نہیں سنی۔ جو کچھ کہا گیا غرور اور تکبر سے اسے جھٹلاتا رہا۔ تیری شیخی قبول حق سے مانع رہی۔ اور بات یہ ہے کہ اللہ کو ازل سے معلوم تھا کہ تو اس کی آیات کا انکار کرے گا اور تکبر و سرکشی سے پیش آئے گا۔ تیرے مزاج اور طبیعت کی افتاد ہی ایسی ہے اگر ہزار مرتبہ دنیا کی طرف لوٹایا جائے تب بھی اپنی حرکات سے باز نہیں آسکتا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام۔ رکوع ۳) ایسے لوگوں کی نسبت خدا کی عادت نہیں کہ ان کو عرش کامیابی سے ہمکنار کرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى

اور قیامت کے دن تو دیکھے ان کو جو جھوٹ بولتے ہیں

اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ

اللہ پر کہ ان کے منہ ہوں سیاہ ☆

حق کو جھٹلانے کا انجام ☆ اللہ کی طرف سے جو سچی بات آئے اس کو جھٹلانا یہ ہی اللہ پر جھوٹ بولنا ہے کیونکہ جھٹلانے والا دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ نے فلاں بات نہیں کہی حالانکہ واقع میں کہی ہے۔ اس جھوٹ کی سیاہی قیامت کے دن ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانا غرور والوں کا ☆

غرور کا انجام ☆ پہلے فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ میں دو صفتیں کافر کی بیان ہوئی تھیں تکذیب جو مشتمل ہے کذب پر اور استکبار و غرور یہاں بتلا دیا کذب و دروغ سے ان کے منہ کالے ہوں گے اور غرور و تکبر کا ٹھکانا دوزخ کے سوا کہیں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تکبر کرنے والوں کا حشر: ابن ابی حاتم کی مرفوع حدیث میں ہے کہ تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا ہر چھوٹی سے چھوٹی مخلوق بھی انہیں روندتی جائے گی یہاں تک کہ جہنم کے جیل خانے میں بند کر دیئے جائیں گے جس کا نام بولس ہے جس کی آگ بہت تیز اور نہایت ہی مصیبت والی ہے جہنمیوں کے لہو پیپ اور گندگی انہیں پلائی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ

اور بچائے گا اللہ ان کو جو ڈرتے رہے انکے بچاؤ کی جگہ

لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

نہ لگے ان کو برائی اور نہ وہ غمگین ہوں ☆

متقین کا انعام ☆ یعنی اللہ تعالیٰ متقین کو ان کے ازلی فوز و سعادت کی بدولت کامیابی کے اس بلند مقام پر پہنچائے گا جہاں ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ اور ہر طرح کے فکر و غم سے آزاد ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ

اللہ بنانے والا ہے ہر چیز کا اور وہ ہر

شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ

چیز کا ذمہ لیتا ہے اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی

وَالْاَرْضِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اور زمین کی اور جو منکر ہوئے ہیں اللہ کی باتوں سے

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں ٹوٹے میں پڑے ☆

تمام اختیارات اللہ کے پاس ہیں

☆ یعنی ہر چیز کو اس نے پیدا کیا اور پیدا کرنے کے بعد انکی بقاء و حفاظت کا ذمہ دار بھی وہ ہی ہوا اور زمین و آسمان کی تمام چیزوں میں تصرف و اقتدار بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ سب خزانوں کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ پھر ایسے خدا کو چھوڑ کر آدمی کہاں جائے چاہئے کہ اسی کے غضب سے ڈرے اور اسی کی رحمت کا امیدوار رہے کفر و ایمان اور جنت و دوزخ سب اسی کے زیر تصرف ہیں۔ اس کی باتوں سے منکر ہو کر آدمی کا کہیں ٹھکانا نہیں۔ کیا اس سے منحرف ہو کر آدمی کسی فلاح کی امید رکھ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللّٰہُ خالق یعنی خیر شر ایمان کفر سب کا وہی خالق ہے۔

وکیل یعنی تمام چیزیں اسی کی سپردگی میں ہیں اور وہی سب کا نگران اور محافظ ہے۔

مقالید کی تفسیر: کلبی نے کہا (مقالید السموٰت سے) مراد ہیں بارش کے خزانے اور (مقالید الارض سے مراد ہیں) سبزے کے خزانے حضرت عثمانؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقالید کی تفسیر پوچھی۔ حضورؐ نے فرمایا اس کی تفسیر ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی حضرت عثمانؓ کا سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی جواب منقول ہے یہ حدیث حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی آئی ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ جو شخص صبح شام یہ دعا دس مرتبہ پڑھے گا اللہ اس کو چھ باتیں عطا فرمائے گا۔

(۱) ابلیس اور اس کے لشکر سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔

(۲) جنت کے اندر اس کو قنطار (ڈھیر ثواب) عنایت فرمائے گا۔

(۳) فراخ چشم حوروں کو اس کی زوجیت میں دے دیگا۔

(۴) اس کے گناہ بخش دے گا۔

(۵) وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہوگا۔

(۶) مرنے کے وقت بارہ فرشتے اس کے پاس آئیں گے اور اس کو حق کی بشارت دیں گے اور قبر سے موقف حساب تک اس کو عزت کے ساتھ لے جائیں گے قیامت کے دن اگر اس کو کچھ خوف ہوگا تو فرشتے کہیں گے تو کسی چیز کا اندیشہ نہ کر تو بلا شبہ با امن رہے گا پھر اللہ اس سے حساب آسانی کے ساتھ لے لیگا پھر اس کو جنت میں لے جانے کا حکم دے دیا جائے گا فرشتے موقف حساب سے جنت تک اس کو اس طرح عزت سے لے جائیں گے جس طرح دلہن کو لے جایا جاتا ہے آخر اس کو بحکم خدا جنت میں داخل کر دیں گے باقی سارے لوگ شدت میں مبتلا ہوں گے۔

میں کہتا ہوں شاید حدیث کا یہ مطلب ہے کہ جن صفات خداوندی کا مذکورہ الفاظ میں بیان کیا گیا ہے وہ صفات مقالید (کنجیاں) ہیں یعنی جو ذات ان صفات سے موصوف ہے وہی آسمان و زمین کے سارے خزانوں کی مالک ہے۔ اس کے قبضہ میں سب کی حکومت ہے اور وہی ان خزانوں میں تصرف کرسکتا ہے۔ اور جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے اور اللہ کی ان صفات کا ذکر کرتا ہے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لئے دنیا میں یا آخرت میں ان خزانوں کے دروازے کھول دیئے جائیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ - اور جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔ آیات اللہ سے مراد ہیں کلمات تمجید و توحید یا قرآن مجید یا اللہ کی قدرت مستقلہ کے نشانات و علامات۔

کافروں کے لئے خسارہ ہی ہے: خسارہ کو کافروں میں ہی محصور کر دیا جانا ہے۔ کافروں کے علاوہ مومنوں کو رحمت و ثواب کا پورا حصہ ملے گا دنیوی آسائش و نعمت سے وہ محروم بھی ہوں تب بھی آخرت میں دنیوی نعمتوں کا عوض ان کو ضرور حاصل ہوگا اور ایسی نعمتیں ملیں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہونگی نہ کسی کان نے ان کا ذکر سنا ہوگا (اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آیا ہوگا)۔ رہے کافر تو دنیا میں ان کو رزق اور رحمت کے خزانوں میں سے جب حصہ مل جاتا ہے تو شکر کا کوئی حصہ ان کو نہیں ملتا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ رحمت کا کوئی حصہ آخرت میں ان کو نصیب نہ ہوگا اور دنیا میں یہ خوش نصیبیاں آخرت میں ان کے لئے وبال بن جائیں گی۔

اہل ایمان کی فلاح

اسلوب ... کا تقاضا ... بات واضح ... ہے کہ اہل ایمان کی فلاح ... منحصر پر موقوف ہے اور کافروں کی ناکامی ان کے کفر سے وابستہ ہے۔ ان میں وعدہ ثواب کی صراحت کر دی گئی ہے اور وعید عذاب ... (غیر واضح)

آیت کا مطلب: فارسی میں کنجی کو کلید کہتے ہیں۔ معرب کر کے اس کو اقلید بنا دیا گیا پھر اس کی جمع مقالید لائی گئی (روح) کنجیوں کا کسی کے ہاتھ میں ہونا اس کے مالک و متصرف ہونے کی علامت ہے اس لئے مراد آیت کی یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں جو خزانے نعمتوں کے مستور ہیں ان سب کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں میں ہیں وہی ان کا محافظ ہے اور وہی متصرف ہے کہ جب چاہے جس کو چاہے جس قدر چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے۔

تیسرے کلمے کی فضیلت: اور بعض روایات حدیث میں کلمہ سوم یعنی سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کو مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص صبح و شام یہ کلمہ پڑھتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کے خزانوں کی نعمتیں عطا فرماتا ہے ان روایات کو ابن جوزی نے موضوع کہہ دیا ہے مگر دوسرے محدثین نے احادیث ضعیفہ قرار دیا ہے جن کا فضائل اعمال میں اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾

تو کہہ اب اللہ کے سوائے کسی کو بتلاتے ہو کہ پوجوں اے

الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾

نادانو!

انتہائی حماقت ☆یعنی انتہائی نادانی وحماقت وجہالت یہ ہے کہ آدمی خدا کو چھوڑ کر دوسروں کی پرستش کرے اور پیغمبر خدا سے معاذ اللہ یہ طمع رکھے کہ وہ اس کے راستہ پر آجائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ مشرکین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دیوتاؤں کی پرستش کی طرف بلایا تھا اس کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں مشرکین نے آپ سے کہا کہ آؤ تم ہمارے معبودوں کی پوجا کرو اور ہم تمہارے رب کی پرستش کریں گے اس پر آیت قل افغیر اللہ سے من الخسرین تک نازل ہوئی۔ (تفسیر ...)

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ
اور حکم ہو چکا ہے تجھ کو اور تجھ سے
مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ
پہلوں کو کہ اگر تو نے شریک مان لیا تو اکارت
عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۵﴾
جائیں گے تیرے عمل اور تو ہوگا ٹوٹے میں پڑا
بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾
نہیں بلکہ اللہ ہی کو پوج اور رہ حق ماننے والوں میں ☆

فقط اللہ کی عبادت کرو

☆یعنی عقلی حیثیت سے دیکھا جائے کہ تمام چیزوں کا پیدا کرنا باقی رکھنا اور ان میں ہر قسم کے تصرفات کرتے رہنا صرف اللہ کا کام ہے تو عبادت کا مستحق بجز اسکے کوئی نہیں ہوسکتا اور نقلی حیثیت سے لحاظ کرو تو تمام انبیاء اللہ اور ادیان سماویہ توحید کی صحت اور شرک کے بطلان پر متفق ہیں بلکہ ہر نبی کو بذریعہ وحی بتلا دیا گیا ہے کہ (آخرت میں) شرک سے تمام اعمال اکارت ہیں اور شرک کا انجام خالص حرمان وخسران کے سوا کچھ نہیں۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدائے قدوس کو پوجے اور اسکا شکر گزار وفادار بندہ بنے۔ اس کے عظمت وجلال کو سمجھے، عاجز وحقیر مخلوق کو اسکا شریک نہ ٹھہرائے، اس کو اسی طرح بزرگ وبرتر مانے جیسا وہ واقع میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شرک سے اعمال غارت ہوجاتے ہیں

اور آپ کی طرف بھی اور جو پیغمبر آپ سے پہلے گذرے ہیں ان کی طرف بھی یہ وحی بھیج دی گئی ہے کہ (اے عام مخاطب) اگر تو شرک کرے گا تو تیرا کیا کرایا سب غارت ہوجائے گا' یہ کلام مبنی بر فرض ہے اس سے مراد ہے کافروں کو ناامید کرنا اور امت کو در پردہ متنبہ کرنا۔

مرتد ہونا نیکیوں کو اکارت کردیتا ہے

اسی آیت کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ مرتد ہو جانے سے تمام گذشتہ نیکیوں کا ثواب ساقط کر دیا جاتا ہے جس طرح اسلام تمام سابق گناہوں کو ڈھا دیتا ہے اسی طرح ارتداد ساری گذشتہ نیکیوں کو اکارت کر دیتا ہے۔

اگر کوئی شخص مرتد ہونے کے بعد مسلمان ہوگیا اور ایسے وقت مسلمان ہوا کہ نماز کا وقت باقی ہے تو ارتداد سے پہلے اگرچہ بحالت اسلام وہ اس وقت کی نماز پڑھ چکا ہو پھر بھی دوبارہ اس کو اس وقت کی نماز پڑھنی لازم ہے (سابق نماز کالعدم ہو گئی) اسی طرح اگر پہلے حج فرض کر چکا ہے پھر مرتد ہوگیا اور دوبارہ پھر مسلمان ہوگیا تو اس کو دوبارہ حج فرض کرنا ہوگا۔ کذا قال الامام ابن الہمام۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ
اور نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے ☆

مشرکین نے اللہ کی قدر نہیں کی

☆یعنی مشرکین نے اس کی عظمت وجلال اور بزرگی وبرتری کو وہاں تک نہ سمجھا اور ملحوظ نہ رکھا جہاں تک ایک بندہ کو سمجھنا اور ملحوظ رکھنا چاہئے تھا۔ اسکی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور رکھنے والا کیا عاجز ومحتاج مخلوق حتی کہ پتھر کی بے جان مورتیوں کو اسکا شریک تجویز کرسکتا ہے۔ حاشا وکلا۔ آگے اسکی بعض شئون عظمت وجلال کا بیان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ان لوگوں نے عظمت الٰہی کو ویسا نہیں جانا جیسا عظمت کا حق تھا (جیسی عظمت ہونی چاہئے تھی) کہ دوسروں کو اس کا شریک قرار دیا اور ان صفات کا حامل اس کو جو اس کی شان کے لئے نازیبا ہیں نہ اس کی اس طرح عبادت کی جس طرح کرنی چاہئے تھی اور نہ اس کی نعمتوں کا ویسا شکر کیا جیسا کرنا لازم تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ جی کر اٹھنے کا انکار کردیا۔ (تفسیر مظہری)

وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
اور زمین ساری ایک مٹھی ہے اسکی دن قیامت کے
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۭ سُبْحٰنَهٗ
اور آسمان لپٹے ہوئے ہوں اسکے داہنے ہاتھ میں، وہ پاک ہے
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾
اور بہت اوپر ہے اس سے کہ شریک بتلاتے ہیں ☆

عظمت شانِ الٰہی ☆ یعنی جس کی عظمت شان کا یہ حال ہے کہ قیامت کے دن کل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے ہوئے ایک ہاتھ میں ہوں گے۔ اسکی عبادات میں بے جان یا عاجز و محتاج مخلوق کو شریک کرنا کہاں تک روا ہوگا۔ وہ شرکاء تو خود اسکی مٹھی میں پڑے ہیں۔ جس طرح چاہے ان پر تصرف کرے۔ ذرا کان یا زبان نہیں ہلا سکتے (تنبیہ) مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ کے متعلق سورہ انبیاء کی آیت یوم نطوی السَّمَآءَ الخ کا حاشیہ دیکھنا چاہئے اور یمین وغیرہ الفاظ متشابہات میں سے ہیں جن پر بلا کیف ایمان رکھنا واجب ہے بعض احادیث میں ہے وکلتا یدیہ یمین اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں اس سے تجسم تحیز جہت وغیرہ کی نفی ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کی مراد: یہ آیت متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس سے مقصود ہے اللہ کی عظمت عالیہ اور قدرت کاملہ پر تنبیہ کرنا اور یہ بتانا کہ وہ عظیم الشان کام جہاں انسانی فہم حیرت میں پڑ جاتی ہے اللہ کے لئے آسان ہیں اس کی قدرت سے باہر نہیں اور اس سارے جہان کی توڑ پھوڑ اس کے لئے دشوار نہیں۔

آیت کا شانِ نزول: آیت کے نزول کی وجہ یہ ہے کہ یہودی نے جب آسمانوں کے اور زمینوں اور پہاڑوں وغیرہ کے سلسلہ میں ایک بات کہی تھی تو یقیناً وہ توریت ہی سے نقل کی تھی اس آیت میں اس کی تصدیق کر دی گئی اللہ کی کتابیں باہم تصدیق ہی کرتی ہیں ایک دوسری کی تکذیب نہیں کرتیں۔ صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت حدیث مذکور میں ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا محمد قیامت کے دن اللہ آسمانوں کو ایک انگلی پر روک لے گا اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں اور درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور ثری (نمناک مٹی جو زمین کی تہ میں ہے) کو ایک انگلی پر اور باقی مخلوق کو ایک انگلی پر پھر ان کو حرکت دے گا اور فرمائے گا میں ہوں بادشاہ میں ہوں اللہ اس عالم کے قول پر تعجب کرتے ہوئے اس کی تصدیق کے لئے حضورؐ مسکرا دیئے پھر آپ نے پڑھا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے داہنے ہاتھ میں لے کر فرمائے گا (آج) میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے داہنے ہاتھ میں پکڑ کر فرمائے گا کہاں ہیں زبردست طاقتور والے کہاں ہیں غرور کرنے والے پھر زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ (دوسری روایت میں بائیں کی جگہ دوسرے کا لفظ آیا ہے) میں لے کر فرمائے گا میں ہوں (آج) بادشاہ کہاں ہیں زبردست طاقت والے کہاں ہیں غرور کرنے والے۔ ابوالشیخ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ آسمانوں کو اور ساتوں زمینوں کو اپنی مٹھی میں سمیٹ کر فرمائے گا میں ہوں اللہ میں ہوں رحمان میں ہوں بادشاہ میں (تمام عیوب سے) پاک ہوں میں امن دینے والا ہوں میں نگران ہوں میں غالب ہوں میں بہت بڑی طاقت والا ہوں میں بڑائی والا ہوں میں نے ہی دنیا کو ابتداء میں پیدا کیا جب کہ وہ کچھ بھی نہ تھی اور میں ہی اس کا اعادہ کر رہا ہوں (آج) بادشاہ کہاں ہیں (اور) بڑی طاقتوں والے کہاں ہیں۔

قاضی عیاض نے کہا قبض طی اور اخذ تینوں کا معنی اکٹھا کرنا (اس وقت) آسمان پھیلے ہوئے ہیں زمین بھی بچھی ہوئی ہے۔ پھر ان الفاظ کا معنی ہو گیا۔ اٹھانا ہٹانا بدل ڈالنا۔ قرطبی نے کہا طے سے مراد ہے فنا کر دینا ابن ابی حاتم نے حسن بصری کا قول نقل کیا کہ یہودیوں نے (پہلے مخلوق کی) گنتی کی اور آسمان و زمین و ملائکہ کی تخلیق پر غور کیا جب اس سے فراغت ہوگئی تو اللہ کا اندازہ کرنے لگے اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ نازل ہوئی۔ سعید بن جبیر کا بیان ہے کہ یہودیوں نے رب کی صفت میں کلام کیا اور صفات کے متعلق ایسی باتیں کہیں جن کا نہ ان کو علم تھا نہ انہوں نے اللہ کی ان صفات کو دیکھا تھا اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ نازل ہوئی۔

ابن المنذر نے بروایت ربیعؒ بن انس بیان کیا ہے کہ جب آیت وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ کرسی ایسی (وسیع) ہے تو عرش کی کیا حیثیت ہوگی اس پر آیت وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ الخ نازل ہوئی۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى یعنی جس ذات کی ایسی (ہمہ گیر) قدرت ہے وہ ان مشرکوں کی شرک آفرینیوں سے بہت دور اور بالا ہے یا یہ مطلب ہے کہ شرک کی جو نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے اس سے وہ پاک اور برتر ہے۔ (تفسیر مظہری (اردو) جلد ۱۰)

زمین و آسمان کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کیفیت کا بیان

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ نے ایک دن منبر پر اس آیت کی تلاوت کی اور آپ اپنا ہاتھ ہلاتے جاتے تھے آگے پیچھے لا رہے تھے اور فرماتے تھے اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی آپ بیان فرمائے گا کہ میں جبار ہوں میں متکبر ہوں میں مالک ہوں میں باعزت ہوں میں کریم ہوں۔ آپ اس کے بیان کے وقت اتنا ہل رہے تھے کہ ہمیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں منبر آپ سمیت گر نہ پڑے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے اس کی پوری کیفیت دکھادی کہ کس طرح حضورؐ نے اسے حکایت کیا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں۔ اپنی انگلیوں کو کبھی کھولے گا کبھی بند کرے گا اور آپ اس وقت ہل رہے تھے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہلنے سے سارا منبر ہلنے لگا اور مجھے یہ ڈر لگا کہ کہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا نہ دے۔ بزار کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور منبر ہلنے لگا پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ آئے گئے۔ واللہ اعلم۔

سورۃ کی آخری آیات کی فضیلت: معجم کبیر طبرانی کی ایک غریب حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی ایک جماعت سے فرمایا میں آج تمہیں سورۂ زمر کی آخری آیتیں سناؤں گا جسے ان سے رونا آ گیا وہ جنتی ہو گیا۔ اب آپ نے اس آیت سے لے کر ختم سورۃ تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں بعض روئے اور بعض کو رونا نہ آیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم نے ہر چند رونا چاہا لیکن رونا نہ آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا میں پھر پڑھوں گا جسے رونا نہ آئے وہ رونی شکل بنا کر بہ تکلف روئے۔

تین چیزیں: ایک اس سے بھی زیادہ غریب حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے تین چیزیں اپنے بندوں سے چھپالی ہیں [illegible] لیتے تو کوئی شخص کبھی کوئی بدی نہ کرتا۔ (۱) میں پردہ [illegible] مجھے دیکھ خوب یقین کر لیتے اور معلوم کر لیتے کہ میں اپنی مخلوق سے [illegible] جب کہ ان کے پاس آؤں اور آسمانوں کو اپنی مٹھی میں لے لوں پھر زمین کو اپنی مٹھی میں لے لوں پھر کہوں میں بادشاہ ہوں میرے سوا ملک کا مالک کون ہے؟ (۲) پھر میں انہیں جنت دکھاؤں اور اس میں جو بھلائیاں ہیں سب ان کے سامنے [illegible] اور وہ یقین کے ساتھ خوب اچھی طرح دیکھ لیں۔ (۳) اور میں انہیں جہنم دکھاؤں اور اس کے عذابوں کا معائنہ [illegible] یہاں تک کہ انہیں یقین آ جائے لیکن میں نے یہ چیزیں قصداً ان سے پوشیدہ کر رکھی ہیں تاکہ میں جان لوں کہ وہ مجھے کس طرح جانتے ہیں کیونکہ میں نے یہ سب باتیں بیان کر دی ہیں۔ اس کی سند متقارب ہے اور اس نسخے سے بہت سی حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي
اور پھونکا جائے صور میں پھر بیہوش ہو جائے گا جو کوئی ہے
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ
آسمانوں میں اور زمین میں مگر
شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا
جس کو اللہ چاہے پھر پھونکی جائے دوسری بار تو فوراً
هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۝
وہ کھڑے ہو جائیں ہر طرف دیکھتے

صور اسرافیل: حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ایک بار [illegible] صور سے عالم فنا ہو [illegible] ہوگا [illegible] بے ہوشی کا، چوتھی [illegible] ہوش ہوں۔ [illegible] محققین [illegible] کل دو مرتبہ نفخ صور ہوگا پہلی مرتبہ میں [illegible] مر جائیں گے اور جو مر چکے تھے [illegible] بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ [illegible] ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آ جائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی کے ساتھ حاضر کئے جائیں گے (تنبیہ) اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ سے بعض نے جبرئیل، میکائیل [illegible] مراد لئے ہیں بعض نے [illegible] و عرش وغیرہ [illegible] شامل [illegible] انبیاء و شہداء مراد ہیں واللہ اعلم۔ بہرحال یہ استثناء اس نفخہ کے وقت ہوگا اس کے بعد ممکن ہے ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن۔ رکوع ۲) [illegible]

اور قیامت کے دن صور میں پھونک ماری جائے گی تو فوراً تمام [illegible] والوں اور زمین والوں [illegible] مگر جس کو خدا چاہے گا (وہ بے ہوشی سے محفوظ رہے گا) پھر اس (صور) میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو فوراً سب کے سب (قبروں سے نکل کر) کھڑے ہو جائیں گے اور (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔

وَنُفِخَ۔ یعنی پہلی بار صور میں پھونک ماری جائے گی۔

فَصَعِقَ۔ [illegible] زمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے یعنی مر جائیں گے۔

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ بیہوشی کی حالت سے کون مستثنیٰ ہوگا اس کی تفصیل ہم نے سورۂ نمل کی آیت وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ کی تفسیر میں کر دی ہے۔ حسن نے کہا من شاء اللہ سے [illegible]

فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ۔ [illegible] قبروں سے نکل کر [illegible] اور حیرانی کے [illegible] نظریں [illegible] بصروں کا یہ

مطلب ہے کہ وہ انتظار کریں گے کہ آئندہ ہمارے متعلق کیا حکم صادر ہوگا اور ہمارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

علاماتِ قیامت: مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں اتنے اتنے وقت تک قیامت آ جائے گی۔ آپ نے ناراض ہو کر فرمایا جی تو چاہتا ہے کہ تم سے کوئی بات بیان نہ کروں۔ میں نے تو کہا تھا کہ بہت تھوڑی مدت میں تم اہم امور دیکھو گے۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میری امت میں دجال آئے گا اور وہ چالیس تک رہے گا۔ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال یا چالیس راتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا۔ وہ بالکل صورت شکل میں حضرت عروہ بن مسعود ثقفیؓ جیسے ہوں گے اللہ آپ کو غالب کرے گا اور دجال آپ کے ہاتھوں ہلاک ہوگا۔ پھر سات سال تک لوگ اسی طرح رہیں گے کہ ساری دنیا میں دو شخصوں کے درمیان بھی آپس میں رنجش وعداوت نہ ہوگی۔ پھر پروردگار عالم شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلائے گا جس سے تمام ایمان والوں کی روح قبض کر لی جائے گی یہاں تک کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا وہ بھی فوت ہو جائے گا۔ یہ [illegible] یہاں تک کہ اگر کسی پہاڑ کی کھوہ میں بھی کوئی مسلمان ہوگا تو یہ ہوا وہاں بھی پہنچے گی۔ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے پھر تو بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنے کمینہ پن میں مثل پرندوں کے ہلکے اور اپنی بے وقوفی میں مثل درندوں کے بے وقوف ہوں گے نہ اچھائی کو اچھائی سمجھیں گے نہ برائی کو برائی جانیں گے۔ ان پر شیطان ظاہر ہوگا اور کہے گا شرماتے نہیں کہ تم نے بت پرستی چھوڑ رکھی ہے چنانچہ وہ اس کے کہنے سے بت پرستی شروع کر دیں گے اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی روزی میں اور ان کی معاش میں کشادگی عطا فرمائے ہوئے ہوگا۔

قیامِ قیامت: پھر صور پھونک دیا جائے گا جس کے کان میں اس کی آواز جائے گی وہ ادھر گرے گا ادھر کھڑا ہوگا پھر [illegible] سب سے پہلے جس کے کان میں پڑے گی یہ وہ شخص ہوگا جو اپنے حوض کی مرمت کر رہا ہوگا، بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے گا۔ پھر تو ہر شخص بے ہوش [illegible] ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا جو شبنم کی طرح ہوگی اس سے لوگوں کے جسم اُگ نکلیں گے۔ پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ کھڑے ہو جائیں گے اور دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا کہ اے لوگو! اپنے رب کی طرف چلو انہیں ٹھہراؤ ان سے سوالات کیے جائیں گے۔ پھر فرمایا جائے گا کہ جہنم کا حصہ نکالو۔ پوچھا جائے گا کس قدر؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے۔ یہ دن ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور یہی دن ہوگا جس میں پنڈلی کھول دی جائے گی۔ (صحیح مسلم) صحیح بخاری میں ہے دونوں نفخوں کے درمیان چالیس ہوں گے راوی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ کیا چالیس دن؟ فرمایا میں جواب دینے سے انکاری ہوں۔ پوچھا گیا کیا چالیس سال؟ فرمایا میں اس کا جواب نہ دوں گا۔ کہا گیا چالیس ماہ؟ فرمایا میں اس کا بھی انکار کرتا ہوں انسان کی سب چیز گل جائے گی مگر ریڑھ کی ہڈی اس سے مخلوق کو ترتیب دی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ
اور چمکے زمین اپنے رب کے نور سے اور لا دھریں
الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ
دفتر اور حاضر آئیں پیغمبر اور گواہ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ
اور فیصلہ ہو ان میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہوگا ۶۹

جلوہ افروزی

[illegible] حق تعالیٰ [illegible] اپنی شان کے [illegible] اجلال فرمائیں گے کما وردفی بعض روایات الدر المنثور اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور بے کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی، حساب کا دفتر کھلے گا، سب کے اعمال نامے سامنے رکھ دیے جائیں گے انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہ دربار میں حاضر ہوں گے اور ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف سے ٹھیک ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا [illegible] (تنبیہ) شہداء سے مراد [illegible] انبیاء [illegible] فرشتے امت محمدیہ [illegible] اور انسان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب ہو سکتے ہیں اور حضرت شاہ صاحب نے [illegible] کے نیک آدمی مراد لیے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کا نور: اپنے خالق کے نور سے۔ بغوی نے لکھا ہے جب اللہ بندوں کا فیصلہ کرنے کے لیے جلوہ فرما ہوگا تو جس طرح کھلے ہوئے آسمان پر چمکتے سورج کو دیکھنے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح نور رب کو دیکھنے میں لوگوں کو کوئی شبہ نہیں ہوگا۔

حسن بصری اور سدی نے کہا نور رب سے مراد ہے عدل وانصاف عدل سے آبادیوں کی زینت اور اظہار حق ہوتا ہے (اور نور سے بھی مقامات کا حسن اور انکشاف اشیاء ہوتا ہے) جیسے ظلم و تاریکی ہو جاتا ہے اسی طرح عدل [illegible] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ظلم (بہت بہت سی تاریکیاں ہو جائے گا۔ متفق علیہ من حدیث ابن عمر۔)

اعمال نامے: بیہقی نے حضرت [illegible] کی روایت سے بیان کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام اعمال نامے عرش کے نیچے ہیں جب موقف ہوگا یعنی قیامت کے دن حساب فہمی کے لئے لوگوں کو ایک میدان میں کھڑا کیا جائے گا تو اللہ ایک ہوا بھیجے گا جو اعمال ناموں کو اڑا کر لے جائے گی اور دائیں بائیں ہاتھوں میں ان کو پہنچا دے گی۔ اعمال ناموں میں سب سے پہلی تحریر یہ ہوگی اِقۡرَاۡ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفۡسِكَ الۡيَوۡمَ عَلَيۡكَ حَسِيۡبًا اپنا اعمال نامہ پڑھ لے تو ہی آج اپنا محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ ابو نعیم نے حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے۔ قیامت کے دن مومن کے اعمال نامہ کا عنوان ہوگا حسن ثناء الناس۔

پیغمبروں کی شہادت: وَجِاۡىۡٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ سیوطی کا قول ہے کہ علماء نے کہا کہ حساب انبیاء کی موجودگی میں ہوگا (یعنی انبیاء کے سامنے حساب فہمی ہوگی) ابن مبارک نے سعید بن مسیب کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی امت کو نہ لایا جاتا ہو آپ ان کی صورتوں کو اور ان کے اعمال کو پہچان لیتے ہیں اسی لئے قیامت کے دن ان کے متعلق شہادت دیں گے۔

امت محمدیہ کی گواہی: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت والے پیغمبروں کی طرف سے شہادت دیں گے کہ انہوں نے (اپنی امتوں کو) احکام خداوندی پہنچا دیئے تھے۔ عطاء نے کہا الشہداء سے مراد ہیں اعمال نامے لکھنے والے فرشتے اسی پر دلالت کرتی ہے وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ۔ (تفسیر مظہری)

وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ
اور پورا ملے ہر جی کو جو اس نے کیا ☆

عمل کے مطابق بدلہ ملے گا

☆ یعنی نیکی کے بدلہ میں کمی اور بدی کے بدلہ میں زیادتی نہ ہوگی جسکا جتنا اچھا یا برا عمل ہے، سب خدا کے علم میں ہے، اسی کے موافق بدلہ ملے گا جس کی کچھ تفصیل آگے آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ اَعۡلَمُ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ
اور اس کو خوب خبر ہے جو کچھ کرتے ہیں ☆

☆ یعنی گواہ آتے ہیں ان کے الزام کو ورنہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ ہے (کذا فی الموضح) (تفسیر عثمانی)

وَسِيۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا
اور ہانکے جائیں جو منکر تھے دوزخ کی طرف گروہ گروہ ☆

کافروں کی ذلت

☆ یعنی تمام کافروں کو دھکے دے کر نہایت ذلت و خواری کے ساتھ دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا اور چونکہ کفر کے اقسام و مراتب بہت ہیں، ہر قسم اور ہر درجہ کے کافروں کا گروہ الگ الگ کر دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

زُمَرًا۔ یعنی متعدد متفرق ٹولیاں۔ ایک کے پیچھے دوسری۔ گروہ موں کے درجات کے لحاظ سے جماعت بندی اور ترتیب ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوۡهَا فُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا
یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اس پر کھولے جائیں اسکے دروازے ☆

☆ جس طرح دنیا میں جیل خانہ کا پھاٹک کھلا نہیں رہتا جب کسی قیدی کو داخل کرنا ہوتا ہے کھول کر داخل کرتے اور پھر بند کر دیتے ہیں ایسے ہی وہاں جس وقت دوزخی دوزخ کے قریب پہنچیں گے دروازے کھول کر اس میں دھکیل دیا جائے گا اس کے بعد دروازے بند کر دیئے جائیں گے کما قال تعالیٰ عَلَيۡهِمۡ نَارٌ مُّؤۡصَدَةٌ (ہمزہ) (تفسیر عثمانی)

جنت کے دروازے: حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص راہ خدا میں اپنے مال کا جوڑا دیگا (یعنی ایک قسم کی دو چیزیں) اس کو جنت کے دروازوں سے (اندر آنے کے لئے) پکارا جائے گا جنت کے (متعدد) دروازے ہیں جو اہل صلوٰۃ میں سے ہوگا اس کو باب الصلوٰۃ سے پکارا جائے گا اور جو اہل صوم میں سے ہوگا اس کو باب الریان سے پکارا جائے گا اور جو اہل صدقہ میں سے ہوگا اس کو باب الصدقہ سے بلایا جائے گا اور جو اہل جہاد میں سے ہوگا اس کو باب الجہاد میں سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کوئی ایسا بھی ہوگا جس کو تمام دروازوں سے پکارا جائے فرمایا ہاں مجھے امید ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہوگے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَاۤ
اور کہنے لگیں انکو اسکے داروغہ ☆

☆ یعنی جو فرشتے دوزخ کے محافظ ہیں وہ کفار سے بطور ملامت یہ کہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡكُمۡ
کیا نہ پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تم میں کے ☆

☆ یعنی جن سے تم کو بسبب ہم جنس ہونے کے فیض لینا آسان تھا۔ (تفسیر عثمانی)

يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُونَكُمْ
پڑھتے تھے تم پر باتیں تمہارے رب کی اور ڈراتے تم [illegible]
لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ
[illegible] تمہارے دن کی ملاقات سے بولیں کیوں نہیں پر ثابت [illegible]
كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِينَ
حکم عذاب کا منکروں پر ☆

اقرار بدبختی ☆ یعنی پیغمبر کیوں نہیں آئے، ضرور آئے، [illegible] سنائیں اور آج کے دن سے بہت کچھ ڈرایا لیکن ہماری بدبختی [illegible] نے ان کا کہنا نہ مانا آخر خدا کی اٹل تقدیر سامنے آئی اور عذاب کا حکم ہم [illegible] پر ثابت ہو کر رہا۔ فَاعْتَرَفُوا بِذَنْبِهِمْ فَسُحْقًا لِأَصْحٰبِ السَّعِيرِ ۔ (تفسیر عثمانی)

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا
حکم ہوا کہ داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں میں [illegible] سدا رہنے کو اس میں
فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ
[illegible]

تکبر کا نتیجہ [illegible] ہمیشہ دوزخ میں [illegible]

کافروں کو ڈانٹ [illegible] تمہارے پاس پیغمبر بھی آئے [illegible] پوری ہوئی تھیں تو پھر تم [illegible] ایمان نہیں [illegible] اگر چہ تنہا عقل کافی نہیں ہے [illegible] خداوندی کو جاننے کے لئے کافی ہے [illegible] بھی بھیج دیا [illegible] شرک و طغیانی معذرت کی کوئی وجہ باقی [illegible]

جنتی اور جہنمی آدمی: حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث بیان کی [illegible] بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے [illegible] تک کہ وہ اسی حالت میں مر جاتا ہے [illegible] بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے [illegible] دوزخیوں کے عمل [illegible] یہاں تک کہ وہ دوزخیوں کے عمل پر مر جاتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے۔ (مالک، ابوداؤد، ترمذی [illegible])

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا
[illegible] جنت کو [illegible]

[illegible] متقی [illegible] اور ان سب جماعتوں و نہایت شوق [illegible] جنت کی طرف [illegible]

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا [illegible] جنت کی طرف [illegible] تیزی کے ساتھ چلایا جائے گا [illegible] جنت [illegible] بعض علماء نے کہا اہل جنت کی سواریوں [illegible] جنت کی طرف [illegible] جنت میں [illegible]

روزہ داروں کا دروازہ [illegible] جنت میں [illegible] میں سے [illegible]

اچھی طرح وضو کرنے والے [illegible] أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدا عبده ورسوله [illegible] جنت [illegible] لا إله إلا الله ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان [illegible] جنت [illegible] مجھ سے پوچھے گا آپ [illegible] (صلی اللہ علیہ وسلم) [illegible] مجھے یہی حکم [illegible] آپ کی تشریف آوری سے پہلے جنت کا دروازہ کسی کے لئے نہیں [illegible]

جنت میں داخل ہونے والی پہلی جماعت

[illegible] چودھویں رات کے چاند جیسی ہوں گی [illegible] چاندی کا [illegible] ان کی انگیٹھیوں میں [illegible] خوشبو [illegible]

[illegible] نظر آرہا ہوگا۔ [illegible] میں کوئی اختلاف اور حسد و بغض نہ ہوگا [illegible] ایسے ہوں گے جیسے ایک شخص کا دل، صبح و شام اللہ کی تسبیح میں گزرے گی۔

واقعہ: صحیحین میں ہے کہ جنت کے ذرے [illegible] خیمے [illegible] اور [illegible] مٹی مشک خالص ہے۔ [illegible] جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت کی مٹی کا سوال کیا تو آپ نے کہا سفید میدے جیسی مشک خالص۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا ہے۔ (مسلم)

جنتیوں کا استقبال: حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب یہ اپنی قبروں سے نکلیں گے ان کا استقبال کیا جائے گا۔ ان کے لئے پروں والی اونٹنیاں لائی جائیں گی جن پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کی جوتیوں کے تسمے تک نور سے چمکتے ہوں گے یہ اونٹنیاں ایک ایک قدم اس قدر دور رکھتی ہیں جہاں تک نگاہ کی حد ہو [illegible]۔ یہ ایک درخت کے پاس پہنچیں گے جس کے نیچے سے دو نہریں نکلتی ہیں۔ ایک کا پانی یہ پئیں گے [illegible] تمام گندگیاں و رنجش دھل جائے گا۔ دوسری نہر میں یہ غسل کریں گے پھر ہمیشہ تک ان کے بدن میلے نہ ہوں گے ان کے بال پراگندہ نہ ہوں گے اور ان کے جسم اور چہرے بارونق رہیں گے۔

جنت کی حوریں: اب یہ جنت کے دروازے پر آئیں گے [illegible] ایک حلقہ سرخ یاقوت کا ہے جو سونے کی تختی پر [illegible] جب یہ اسے ہلائیں گے تو ایک عجیب نرالی اور موسیقی صدا پیدا ہوگی [illegible] جان لے گی کہ اس کے خاوند آگئے یہ داروغہ کو حکم دے گی کہ جاؤ دروازہ کھولو وہ دروازہ کھول دے گا۔ یہ اندر قدم رکھتے ہی اس داروغہ کی نورانی شکل دیکھ کر سجدے میں گر پڑے گا لیکن وہ اسے روک لے گا اور کہے گا اپنا سر اٹھا میں تو تیرا ماتحت ہوں اور اسے اپنے ساتھ لے چلے گا جب یہ اس درّ و یاقوت کے خیمے کے پاس پہنچے گا جہاں اس کی حور ہے وہ بے تابانہ خیمے سے باہر آ جائے گی اور بغل گیر ہو کر کہے گی تم میرے محبوب ہو [illegible] میں تمہاری چاہنے والی ہوں میں یہاں ہمیشہ رہنے والی ہوں مروں گی نہیں۔ میں نعمتوں والی ہوں فقر و محتاجی سے دور ہوں۔ میں آپ سے ہمیشہ راضی خوشی رہوں گی کبھی ناراض نہیں ہوں گی۔ میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہنے والی ہوں کبھی ادھر ادھر ہونگی نہیں [illegible] اس گھر کی چھت فرش سے [illegible] ہاتھ بلند ہوگی [illegible] دیواریں [illegible] اور [illegible] موتیوں کی ہوں گی اس گھر میں ستر تخت ہونگے اور ہر تخت پر ستر چھولداریاں ہوں گی اور ان میں سے ہر بستر پر ستر حوریں ہوں گی اور ہر حور پر ستر جوڑے ہوں گے اور ان سب حلّوں کے نیچے سے ان کی پنڈلی کا گودا نظر آتا ہوگا۔ [illegible] ایک جماع کا اندازہ ایک پوری رات کا ہوگا۔

باغ و بہار: ان کے باغوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی جن کا پانی کبھی بدبودار نہیں ہوتا صاف شفاف موتی جیسا پانی ہے اور دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ [illegible] دودھ کسی جانور کے تھن سے نہیں نکلا۔ اور شراب کی نہریں ہوں گی جو نہایت لذیذ ہوگا۔ اور خالص شہد کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں کے پیٹ سے حاصل شدہ نہیں۔ قسم قسم کے میووں سے لدے ہوئے درخت [illegible] چوطرف ہوں گے جن کا پھل ان کی طرف جھکا ہوا ہوگا۔ یہ جس طرح سے پھل لینا چاہیں لے سکتے ہیں [illegible] نیچے بیٹھے پھل توڑنا چاہیں تو شاخیں اتنی جھک جائیں گی کہ یہ توڑ لیں [illegible] لیٹے لیٹے پھل لینا چاہیں تو شاخیں اور جھک آئیں گی۔ پھر آپ نے آیت ودانية عليهم ظللها الخ پڑھی [illegible] جنتی درختوں [illegible] سمجھ [illegible] ہوں گے [illegible] جب [illegible] خواہش [illegible] رنگ [illegible] [illegible] حاشیہ [illegible] فرشتے ان کے پاس آئیں گے سلام [illegible] کہ یہ جنتیں ہیں جن کے تم اپنے اعمال کے باعث وارث بنائے گئے ہو۔ اگر کسی حور کا ایک بال زمین پر آ جائے تو اپنی چمک [illegible] نور کو روشن کر دے [illegible] [illegible] اللہ ہمیں بھی جنت نصیب فرمائے۔ آمین [illegible]

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا
یہاں تک کہ جب آ پہنچیں اس پر اور کھولے جائیں اس کے دروازے
وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ
اور کہنے لگیں ان کو داروغہ اس کے سلام پہنچے تم پر تم لوگ پاکیزہ ہو
فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾
سو داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کو

جنتیوں کا اعزاز: [illegible] جس طرح مہمانوں کے لئے ان کی آمد سے پہلے [illegible] رکھا جاتا ہے۔ جنتی جب تک جنت [illegible] ہوں گے [illegible] جنتوں کے دروازے کھلے ہوں گے جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے مُفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ (ص۔ رکوع ۴) [illegible] رضوان فرشتے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ کلمات سلام و ثنا وغیرہ سے ان کا استقبال کریں گے اور جنت میں رہنے کی بشارت سنائیں گے۔ [illegible]

اہل جنت کی پاکیزگی: [illegible]

صاف ہو۔ یہ پاکیزگی یا تو اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے کبھی کوئی (قابل مواخذہ) گناہ کیا ہی نہ ہوگا یا اس وجہ سے ہوگی کہ اللہ نے بغیر عذاب دیے ان کے گناہ معاف کر دیے ہوں گے یا دوزخ میں عذاب دے کر پاک کر دیا ہوگا۔
قتادہ نے کہا جب اہل جنت دوزخ کی مسافت طے کر کے گزر جائیں گے تو جنت سے پہلے ان کو ایک پل پر روک لیا جائے گا تاکہ وہ آپس کے حقوق کا جھگڑا باہم چکا لیں جب ایک دوسرے سے اپنے حق کا بدلہ لے چکے گا اور سب صاف ستھرے اور پاک ہو جائیں گے تو رضوان اور اس کے ساتھی (بطور استقبال) کہیں گے سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ۔
حضرت علی نے فرمایا جب ان (اہل جنت) کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا اور وہ جنت کے دروازے پر پہنچ جائیں گے تو دروازے کے پاس ان کو ایک درخت ملے گا جس کے نیچے سے دو چشمے رواں ہوں گے ایک چشمہ میں مومن نہائے گا تو بیرونی جسم کی طہارت ہو جائے گی اور دوسرے چشمہ کا پانی پئے گا تو اندرونی طہارت بھی حاصل ہو جائے گی۔ فرشتے جنت کے دروازے پر ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے۔ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ زجاج نے کہا طبتم کا یہ مطلب ہے کہ تم دنیا میں شرک اور معاصی کی گندگیوں سے پاک تھے۔ حضرت ابن عباس نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارا (یہ) مقام پاک ہے۔
فَادْخُلُوْهَا اس جملہ میں ف سببی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا پاک ہونا ہی جنت میں داخل ہونے اور وہاں ہمیشہ رہنے کا سبب ہوگا اس کی توجیہات وہی ہوں گی جو کفر کے سبب کافروں کی دوزخ میں داخل ہونے کی کی گئی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول پر یہ توجیہ ہوگی کہ جنت چونکہ پاک مقام ہے اس لئے اہل جنت کی قیام گاہ ہونے کی اس میں صلاحیت ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ

اور وہ بولیں گے شکر اللہ کا جس نے سچا کیا ہم سے اپنا وعدہ ☆

☆ یعنی خدا کا شکر جو وعدے انبیاء کی زبانی دنیا میں کیے گئے تھے آج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے۔ (تفسیر عثمانی)
وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ یعنی کارگزاران جنت جب مومنوں سے کہیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ تو وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے اور جنت کے اندر وہ نعمتیں پائیں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی نہ کسی کان نے سنی ہوں گی نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا ہوگا اور کہیں گے اللہ کا شکر ہے الخ۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ

اور وارث کیا ہم کو اس زمین کا ☆

☆ یعنی جنت کی زمین کا۔ (تفسیر عثمانی)
وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ یعنی زمین جنت کا ہم کو مالک بنا دیا۔ وراثت سے مراد ہے مالک بنا دینا۔ (تفسیر مظہری)

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ☆

گھر لے لیویں بہشت میں سے جہاں چاہیں ☆

☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ان کو حکم ہے جہاں چاہیں رہیں لیکن ہر کوئی وہی جگہ چاہے گا جو اس کے واسطے پہلے سے رکھی ہے یعنی اس کا یہ مطلب ہے کہ جنت میں ہر ایک کو اتنی وسعت ملے گی ... کی روک ٹوک نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

جنت میں اہل جنت کی آپس میں ملاقات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ کا مطلب یہ ہے کہ اہل جنت کو اپنے اپنے مقامات کا اور جنت کی ہر جگہ جانے کی اجازت ہوگی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوسرے اہل جنت سے ملاقات کی اجازت ہو جیسا کہ طبرانی اور ابونعیم اور ضیاء نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ سے اتنی محبت ہے کہ اپنے گھر بھی جاتا ہوں تو آپ ہی کو یاد کرتا رہتا ہوں اور جب تک پھر حاضر خدمت نہ ہو جاؤں مجھے صبر نہیں آتا۔ مگر جب میں اپنی موت کو یاد کرتا ہوں اور آپ کی وفات کو یاد کرتا ہوں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آپ تو جنت میں انبیاء کے مقامات عالیہ میں ہوں گے اور میں اگرچہ جنت میں پہنچ بھی گیا تو وہاں آپ تک نہ پہنچ سکوں گا مجھے فکر یہ ہے کہ میں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر کچھ جواب نہیں دیا یہاں تک کہ جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا۔ اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے مسلمان انبیاء و صدیقین وغیرہ کے ساتھ ہی ہوں گے۔ اور آیت مذکورہ میں اس کی تشریح ہوگئی کہ ان کو مقامات عالیہ میں بھی جانے کی اجازت ہوگی۔ ارزقنا اللہ تعالیٰ بمنہ وکرمہ۔ (معارف مفتی اعظم)

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۝ وَتَرَی الْمَلٰٓئِكَةَ

سو کیا خوب بدلہ ہے محنت کرنے والوں کا اور تو دیکھے فرشتوں کو

حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ
گھر رہے ہیں عرش کے گرد پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیاں
رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ
اور فیصلہ ہوتا ہے ان میں انصاف کا اور یہی بات کہتے ہیں کہ سب خوبی ہے
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾
اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا

عدالتِ الٰہی کا منظر

☆ یعنی حق تعالیٰ جب حساب کتاب کے لئے نزول اجلال فرمائیں گے۔ اس وقت فرشتے عرش کے گرداگرد حلقہ باندھے اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک انصاف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس پر ہر طرف سے جوش وخروش کے ساتھ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا نعرہ بلند ہوگا یعنی ساری خوبیاں اس خدا کو زیبا ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے (جس نے سارے جہان کا ایسا عمدہ فیصلہ کیا) اسی نعرہ تحسین پر دربار برخاست ہو جائے گا۔ عموماً مفسرین نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے آیت کو حالت راہنہ پر حمل کیا اور قُضِيَ بَيْنَهُمْ کی ضمیر ملائکہ کی طرف راجع کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ فرشتوں میں فیصلہ یہ کہ ہر ایک فرشتہ (ملأ اعلیٰ میں) اپنے قاعدہ سے ایک تدبیر بولتا ہے (کما یشیر الیہ اختصام الملأ الاعلیٰ وتفصیلہ فی حجۃ اللہ البالغہ) پھر اللہ تعالیٰ ایک بات جاری کرتا ہے وہ ہی ہوتی ہے۔ حکمت کے موافق یہ ماجرا اب بھی ہے اور قیامت میں بھی واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ تم سورۃ الزمر بعون اللہ وتوفیقہ۔ وللہ الحمد (تفسیر عثمانی)

تخلیق کائنات اور انتہائے امور میں ربط

قادہ بیان کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق اپنی حمد سے فرمائی۔ جیسے کہ فرمان ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تو مناسب ہوا کہ تمام مخلوقات کا انجام اور فیصلہ اور ان کے امور کی انتہا بھی حمد خداوندی ہوگئی۔ (معارف کاندھلوی)

الحمد للہ سورۃ الزمر ختم ہوئی

المومن۔ جس نے خواب میں اس سورۃ کی تلاوت کی اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والا ایمان دار اور مخلص ہوگا (علامہ ابن سیرین)

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّتِسْعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ مومن مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پچاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ
اُتارنا کتاب کا اللہ سے ہے
الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ
جو زبردست ہے خبردار گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول
التَّوْبِ
کرنے والا

توبہ☆ یعنی توبہ قبول کرکے گناہوں سے ایسا پاک وصاف کر دیتا ہے گویا کبھی گناہ کیا ہی نہ تھا اور مزید برآں توبہ کو مستقل طاعت قرار دے کر اس پر اجر عنایت فرماتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سورۂ مومن یہی مکی سورت ہے۔ اس سورت کو سورۂ غافر بھی کہتے ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ یہی قول عطاء جابر اور عکرمہ کا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ دو آیتیں مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اس سورت میں پچاسی آیات اور نو رکوع ہیں۔

سورۂ غافر کی فضیلت

بیہقی نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آل حٰم یعنی جو سورتیں حٰم سے شروع ہوتی ہیں وہ سات ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر سورۂ حٰم اپنے تلاوت کرنے کو عذاب جہنم سے بچانے والی ہوگی۔

ربط: اس سے قبل سورہ زمر کی ابتداء وحی الٰہی اور قرآن کریم کی حقانیت کے بیان سے تھی اور انتہا اس مضمون کی تھی کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات کے درمیان صحیح صحیح فیصلہ اور عدل وانصاف قائم کرتا حق تعالیٰ کی شان عزت وکبریائی اور علم وحکمت پر مبنی ہے تو یہ سورت حق تعالیٰ کے ایسے ہی اوصاف عظیم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

بغوی نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قرآن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے اہل وعیال کی غرض سے (ریگستان بیابان میں) آب و گیاہ کی تلاش میں نکلا ہو تلاش کرتے کرتے اس کو کسی جگہ بارش کے نشانات مل گئے وہ برابر چلتا رہا اور تعجب کرتا رہا (کہ یہاں بارش کی علامات کیسی ہیں) اچانک ایک تر زمین میں اسکو کچھ باغات دکھائی دیئے اور وہ تعجب میں ترتر باغات میں پہنچ گیا اور کہنے لگا مجھے تو بارش کے نشانات دیکھ کر ہی تعجب ہوا تھا ان باغوں کا وجود تو بہت تعجب آفریں ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا بارش کی مثال تو قرآن مجید ہے اور قرآن میں جو حٰمٓ ہیں وہ شاداب زمین کے باغوں کی طرح ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جب میں حٰمٓ (پڑھنے) میں مشغول ہوتا ہوں تو (گویا) باغوں میں تفریح کرتا ہوں۔

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہر چیز کا ایک مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز حٰمٓ والی سورتیں ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ابراہیم نے کہا ہر حٰمٓ دلہنوں کی چنبیلی (کی طرح) ہے۔ حاکم نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول (موقوفاً) نقل کیا ہے کہ حٰمٓ والی سورتیں قرآن کی زینت ہیں۔

حٰمٓ کیا ہے: حٰمٓ بغوی نے سدی کا قول نقل کیا ہے۔ حٰمٓ اللہ کا اسم اعظم ہے عکرمہؓ سے منقول ہے کہ الرحمٰن (مرکب ہے اس) کے حروف مقطعہ ر حٰم ن ہیں۔ سعید بن جبیر اور عطاء خراسانی نے کہا حٰمٓ (سے اللہ کے اسماء کی طرف اشارہ ہے اس) کی ح آغاز ہے اللہ کے اسماء حکیم حمید حی اور حیان کا اور م آغاز ہے ملک مجید منان کا۔ (تفسیر مظہری)

آیت کی تفسیر: حضرت ابن عباسؓ نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرمایا جو لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کا قائل ہے اس کے گناہ بخشنے والا ہے اور جو لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه کا قائل ہے اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے یہ یوں ہوا کہ اللہ کی ان دو صفتوں کا ظہور الگ مواقع پر ہوتا ہے۔ مومن جس نے توبہ نہ کی وہ (اور بغیر توبہ کے مرجائے) اللہ اس کے لئے غافر الذنب ہے یعنی اس کے گناہ پر (قیامت کے دن) پردہ ڈال دینے والا اس کے گناہ کا (مخلوق کی نظروں سے) پوشیدہ رکھنے والا ہے۔ غفر کا لغوی معنی ہے پردہ ڈالنا چھپا دینا۔ اور جس نے توبہ کر لی ہو اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث مرفوع ہے ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور حکیم نے حضرت ابیؓ کی روایت سے اور ابن ابیؓ کی روایت سے اور ابن بخاری نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابن عساکر و بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے حدیث بیان کی اس تفسیر پر توبہ نہ کرنے والے (مومن) کی مغفرت کا اللہ کا قول آیت سے ثابت ہوتا ہے وہ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ہے یعنی جو لا اله الا الله کا قائل نہ ہو اس کو سخت عذاب دینے والا ہے۔

ان آیات کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح

یزید بن اصم کی روایت ہے کہ ایک شامی شخص بڑا بہادر تھا حضرت عمرؓ اس کی بہادری کی وجہ سے اس کو چاہتے تھے (پسند کرتے تھے) کچھ مدت کے بعد وہ غائب ہو گیا حضرت عمرؓ نے لوگوں سے اس کے متعلق استفسار کیا آپ کو بتایا گیا کہ وہ اس مدت میں مسلسل شراب نوشی میں مست رہا۔ حضرت عمرؓ نے کاتب کو طلب فرمایا اور لکھوایا منجانب عمر بن خطاب بنام فلاں شخص سلام علیک۔ میں تمہارے سامنے اس اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی اور قابل عبادت نہیں۔ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ (گناہوں کو بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت عذاب دینے والا قدرت و نعمت والا۔ اس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے) پھر آپ نے دعا کی اور حاضرین کو بھی دعا کرنے کا حکم دیا کہ اللہ اس کو توفیق دے کہ وہ دل سے توبہ کرے اور اللہ اس کی توبہ قبول فرمائے۔ جب یہ خط اس کو پہنچا تو وہ خط پڑھنے لگا اور کہنے لگا عذاب اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میرا قصور معاف فرمائے گا وَقَابِلِ التَّوْبِ (اللہ نے مجھ سے میری توبہ قبول کرنے کا وعدہ فرمایا) شَدِيْدِ الْعِقَابِ اللہ نے مجھ کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے ذِي الطَّوْلِ اور طول خیر کثیر کو کہتے ہیں اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ وہ شخص بار بار یہ آیت پڑھتا تھا اور روتا جاتا تھا اور روتا تھا آخر اس نے ندامت سے توبہ کی اور اچھی توبہ کی (پھر وہ نیک بن گیا) حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا تم لوگ بھی ایسا ہی کیا کرو جب دیکھو کہ تمہارا کوئی بھائی قدم راہ راست سے پھسل گئے ہیں تو اس کو سیدھا کرو اور اس کو نرمی سے سمجھاؤ اور اللہ سے دعا کرو کہ اس شخص کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بن جاؤ۔ قتادہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک جوان بڑا عبادت گذار تھا حضرت عمرؓ کو بھی اس سے محبت تھی اتفاقاً وہ معصیت میں پڑ گیا (اور ہر طرح کی بدی میں پڑ گیا) کی بدی سے اس کو نہیں روکا۔ حضرت عمرؓ کے پاس ابو کا کوئی عزیز آیا تو آپ نے اس سے جوان کے متعلق دریافت کیا اس شخص نے جواب دیا مجھ سے اس کا حال نہ پوچھے حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں اس شخص نے کہا وہ نوجوان تو بگڑ گیا اور اوباش ہو گیا حضرت عمرؓ نے اس کے نام تحریر بھیجی عمر کی طرف سے فلاں شخص کے نام حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۔ آخر تک۔ اس جوان نے تحریر پڑھی اور بار بار پڑھتا

رہا۔ آخرکار اللہ سے توبہ کی اور بخیر آ گیا۔ اسحاق صبیعی راوی ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا امیر المومنین میں قتل کر چکا ہوں کیا میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے آپ نے اس کے سامنے آیت حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ تلاوت فرمائی اور فرمایا عمل کرنا امید نہ ہو۔ (قرطبی مظہری)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جب میں تلاوت قرآن کرتے ہوئے آل حم پر آ جاتا ہوں تو گویا ان میں میری بڑی تفریح ہوتی ہے۔

دشمن سے حفاظت۔ ابوداؤد و ترمذی میں باسناد صحیح حضرت مہلب بن ابی صفرۃ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے ایک شخص نے روایت کی کہ جس نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ (کسی جہاد کے موقع پر رات میں حفاظت کے لئے) فرما رہے تھے کہ اگر رات میں تم پر چھاپہ مارا جائے تو حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ پڑھ لینا جس کا حاصل لفظ حٰم کے ساتھ یہ دعا کرنا ہے کہ ہمارا دشمن کامیاب نہ ہو۔ اور بعض روایات میں حٰم لَا يُنْصَرُوْا بغیر نون کے آیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تم حٰم کہو گے تو دشمن کامیاب نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حٰم دشمن سے حفاظت کا قلعہ ہے۔ (ابن کثیر)

ایک عجیب واقعہ: حضرت ثابت بنانیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت مصعب بن زبیرؓ کے ساتھ کوفے کے علاقہ میں تھا۔ میں ایک باغ کے اندر چلا گیا کہ دو رکعت پڑھ لوں۔ میں نے نماز سے پہلے حٰم المؤمن کی آیتیں الیہ المصیر تک پڑھیں اچانک دیکھا کہ ایک شخص میرے پیچھے ایک سفید خچر پر سوار کھڑا ہے۔ جس کے بدن پر یمنی چادریں ہیں۔ اس شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تم غافر الذنب کہو تو اس کے ساتھ یہ دعا کرو یا غافر الذنب اغفرلی یعنی اے گناہوں کے معافی کرنے والے مجھے معاف کر دے اور جب تم پڑھو قابل التوب تو یہ دعا کرو یا قابل التوب اقبل توبتی یعنی اے توبہ قبول کرنے والے میری توبہ قبول فرما پھر جب پڑھیں شدید العقاب تو یہ دعا کرو یا شدید العقاب لا تعاقبنی یعنی اے سخت عقاب والے مجھے عذاب نہ دیجئے اور جب ذی الطول پڑھو تو یہ دعا کرو یا ذا الطول طل علی بخیر۔ یعنی اے صاحب احسان کرنے والے مجھ پر انعام فرما۔

ثابت بنانیؒ کہتے ہیں یہ نصیحت اس سے سننے کے بعد جو اس کو دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا میں اسکی تلاش میں باغ کے دروازے پر آیا۔ لوگوں سے پوچھا کہ ایک ایسا شخص یمنی لباس میں یہاں سے گذرا ہے سب نے کہا کہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا۔ ثابت بنانیؒ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ الیاس علیہ السلام تھے دوسری روایت میں اس کا ذکر نہیں۔ (ابن کثیر)

شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ
سخت عذاب دینے والا مقدور والا☆

یعنی بے حد قدرت و وسعت اور غنا والا جو بندوں پر انعام و احسان کی بارشیں کرتا رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ
کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے اسی کی طرف پھر جانا ہے☆

یعنی جہاں پہنچ کر ہر ایک اپنے کئے کا بدلہ پائے گا۔ (عثمانی)

مَا يُجَادِلُ فِىْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
وہی جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں جو
كَفَرُوْا
منکر ہیں☆

ناحق جھگڑا: یعنی اللہ کی باتیں اور اسکی عظمت و قدرت کے نشان ایسے نہیں جن میں کوئی جھگڑا کیا جائے مگر جن لوگوں نے یہی ٹھان لی ہے کہ روشن سے روشن دلائل و براہین اور کھلی باتوں کا بھی انکار کیا جائے وہ ہی ان باتوں میں ناحق جھگڑے ڈالتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

خطرناک بحثیں: عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے سنن میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو سنا کہ وہ کسی آیت میں نزاع اور خصومت کر رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ انما هلك من كان قبلكم بهذا ضربوا كتاب الله بعضه ببعض انما نزل كتاب الله يصدق بعضه بعضاً فلا تكذبوا بعضه ببعض فما علمتم فقولوه وما جهلتم فكلوه الى عالمه رواه البغوى۔ (یعنی تم سے پہلے صرف اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر مارا اور مخالفت و تردید کے جذبہ میں تعارض و تناقض ثابت کرنے کی فکر میں لگ گئے) حالانکہ کتاب اللہ کا تو ایک حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے۔ (نہ کہ تردید و تکذیب) اس لئے تم ایک حصہ کی دوسرے کسی حصہ سے تکذیب اور تردید نہ کرو۔ جو جانتے ہو وہ بیان کرو۔ اور جو چیز تم نہیں جانتے وہ اس کے عالم کے حوالہ کر دو۔

صحیح مسلم میں یہ ہے کہ آپ نے دو شخصوں کی آواز کی کہ وہ کسی آیت میں جھگڑ رہے ہیں تو آپ کو اس قدر ناگوار ہوئی کہ چہرہ انور سے غصہ کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم سے پہلی قومیں اپنی کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔

بہر کیف یہ جدال و خصومت جو کافروں کی صفت بیان کی گئی ہے وہ جدال و خصومت ہے جس کا مقصد قرآن کریم پر طعن اور اعتراض ہو یا حق کا

مقابلہ مقصود ہو اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ کتاب اللہ کی تفسیر اور بیان معانی میں صرف اس شخص کو بولنے کا حق ہے جو علم رکھتا ہو۔ علوم قرآن اور علوم شریعت کی اس کو معرفت ہو اور جو ان علوم سے نابلد ہو اس کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے جہل کے باوجود کتاب اللہ میں اپنی رائے ٹھونسنے لگے۔ (معارف القرآن)

صاحب عنایہ نے لکھا ہے کہ یہ جدال آیات جس کی مذمت کی گئی ہے ان آیات سے تعلق رکھتا ہے جس میں تقدیر وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، جو اہل کلام اہل بدعت اور رائے پرستوں کے درمیان ان آیات میں جدال کیا جاتا ہے۔ آیات احکام اور ابواب حلال وحرام میں اختلاف کی ممانعت نہیں ہے یہ اختلاف تو صحابہ میں بھی تھا اور بہت سے آنے والے علماء کے درمیان بھی ہوتا رہا ہے اس کا مقصد صرف حقیقت مسئلہ کا انکشاف اور حق تک رسائی ہوتا ہے اپنے حریف پر غالب آجانے کا جذبہ کارفرما نہیں ہوتا۔ (از مظہری رحمہ اللہ)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ رواہ البغوی بیہقی نے شعب الایمان میں اور طیالسی نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ ابوداؤد اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ
سو تجھ کو دھوکا نہ دے یہ بات کہ وہ چلتے پھرتے ہیں شہروں میں

منکرین کا انجام ☆ یعنی ایسے منکرین کا انجام تباہی اور ہلاکت ہے کوئی اتفاق وہ شہروں میں چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے نظر آتے ہیں کسی کو دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امہال واستدراج ہے۔ چند روز چل پھر لیں۔ مزے اڑالیں، تجارتیں اور سازشیں کرلیں۔ پھر ایک روز غفلت کے نشہ میں اسی طرح مخمور ہو کر پکڑے جائیں گے۔ اگلی قوموں کا حال بھی یہی ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ
جھٹلا چکے ہیں ان سے پہلے قوم نوح کی اور کتنے فرقے
مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ
ان سے پیچھے اور ارادہ کیا ہر امت نے
بِرَسُولِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ
اپنے رسول پر کہ اس کو پکڑلیں اور لانے لگے جھوٹے جھگڑے

لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَأَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ
کہ اس سے ڈگا دیں سچے دین کو پھر میں نے ان کو پکڑ لیا پھر کیسا
كَانَ عِقَابِ
ہوا میرا عذاب

حق کے منکر کبھی کامیاب نہیں ہوئے

یعنی ہر ایک امت نے شرارت سے اپنے پیغمبروں کو پکڑ کر قتل کرنے یا ستانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ جھوٹے جھگڑے کھڑے کر کے سچے دین کو شکست دیں اور حق کی آواز کو دبا دیں۔ لیکن ہم نے ان کا داؤ چلنے نہ دیا اور اس کے بجائے کہ وہ پیغمبروں کو پکڑتے ہم نے ان کو پکڑ کر سخت سزا دی پھر دیکھ لو ہماری سزا کیسی ہوئی [illegible] تباہ شدہ قوموں کے [illegible] موجود ہیں [illegible] کی تباہی کا تصور کر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی میں فرمان [illegible] سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بری الذمہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ
اور اسی طرح ٹھیک ہو چکی بات تیرے رب کی منکروں پر
كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ
کہ یہ ہیں دوزخ والے

ان منکروں پر بھی عذاب آئے گا

یعنی جس طرح پچھلی قوموں پر عذاب آنے کی بات پوری ہوئی اسی طرح موجود الوقت منکروں پر بھی اتری ہوئی سمجھو [illegible] پیغمبروں سے عادت کے موافق کافروں پر دنیوی عذاب آکر رہا تیرے رب کی یہ بات بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ آخرت میں ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا (تنبیہ) بعض نے "انہم اصحب النار" کو "لانہم" کے معنی میں لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ گذشتہ منکروں کی طرح موجودہ منکروں پر بھی اللہ کی بات پکی ہے کیونکہ یہ بھی اصحاب النار میں سے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ
جو لوگ اٹھا رہے ہیں عرش کو اور جو اس کے گرد ہیں

يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ
پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی خوبیوں اور اس پر یقین رکھتے ہیں
وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور گناہ بخشواتے ہیں ایمان والوں کے☆

مومنین کا شرف

☆ پہلی آیات میں مجرمین ومنکرین کا حال زبوں بیان ہوا تھا یہاں ان کے مقابل مومنین تائبین کا فضل وشرف بیان کرتے ہیں۔ یعنی عرش عظیم کو اٹھانے والے اور اسکے گرد طواف کرنے والے بے شمار فرشتے جن کی غذا صرف حق تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور مقربین بارگاہ ہونے کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا ایمان ویقین رکھتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے آگے مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں سبحان اللہ اس عزت افزائی اور شرف واحترام کا کیا ٹھکانا ہے کہ فرش خاک پر رہنے والے مومنین سے جو خطائیں اور لغزشیں ہوگئیں ملائکہ کروبین بارگاہ احدیت میں ان کے لئے غائبانہ معافی چاہیں اور جن کی شان میں وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ آیا ہے تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کام پر مامور ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

عرش کے حامل فرشتے: علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ حاملین عرش فرشتوں اور ان کے گرد ملائکہ کو کروبین کہا جاتا ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش کے حاملین چار فرشتے ہیں۔ ایسے فرشتے جن کی عظمت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے اگر ایک ستارہ زمین کی سطح سے لاکھوں گنا زائد ہو سکتا ہے تو کیا تعجب ہے کہ فرشتوں کی عظمت ایسی ہو کہ وہ عرش خداوندی کے حامل بن جائیں۔ اس روایت سے حاملین عرش کا عدد چار معلوم ہوا لیکن قرآن کریم کی آیتہ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ بتاتی ہے کہ قیامت کے روز عرش کے اٹھانے والے فرشتے آٹھ ہوں گے تو بظاہر یومئذ کی قید اس پر دلالت کرتی ہے کہ قیامت کے روز ان کی تعداد چار سے بڑھ کر آٹھ ہو جائے گی۔

شہر بن حوشبؒ بیان کرتے ہیں ان آٹھ حاملین عرش میں سے چار کی تسبیح تو یہ ہوتی ہے۔ سبحانک اللّٰھم وبحمدک لک الحمد علی حلمک بعد علمک اے اللہ تیری پاکی ہے حمد وثنا کے ساتھ اور تیرے ہی واسطے حمد ہے تیرے اس حلم پر جو تیرے علم کے بعد ہے۔ اور چار کی تسبیح اس طرح ہوتی ہے۔ سبحنک اللّٰھم وبحمدک لک الحمد علی عفوک بعد قدرتک یعنی تیری حمد وثنا ہے تیرے درگزر پر باوجود تیری قدرت کے۔ (معارف کاندھلوی)

حس حولہ یعنی عرش کا طواف کرنے والے۔ حاملین عرش اور طوافین عرش تمام ملائکہ کے سردار ہیں انہیں کروبی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حاملین عرش کے ٹخنوں سے زیر قدم (یعنی تلوے) تک پانچ سو سال کی مسافت (کے بقدر فاصلہ) ہے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ان کے قدم زمینوں کی انتہائی حد تک قائم ہیں اور آسمان ان کی کمر تک آتے ہیں۔ (یعنی ان کا نصف اعلیٰ آسمانوں سے پار ہے) اور وہ (بروقت) کہتے ہیں۔ سُبْحَانَ ذِي الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔ میسرہ بن عبدویہ نے کہا ان کے قدم سب سے نچلی زمین میں ہیں اور ان کے سر عرش کو پھاڑ رہے ہیں (یعنی عرش کے اوپر ہیں) اور سب خشوع کی حالت میں ہیں نگاہ اوپر نہیں اٹھاتے اور ساتویں آسمان والوں سے زیادہ (اللہ کی ہیبت و جلال سے) خوف زدہ ہیں اور ساتویں آسمان والے چھٹے آسمان والوں سے زیادہ ترساں ہیں اور چھٹے آسمان والے اپنے (نیچے) متصل آسمان والوں کے مقابلہ میں زیادہ خائف ہیں۔ مجاہد نے کہا ملائکہ اور عرش کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں۔ محمد بن منذر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اجازت دی گئی ہے کہ حاملین عرش میں سے (کسی) ایک فرشتہ کی (کچھ) حالت بیان کروں اس کے کان کی لو سے کاندھے تک سات سو برس کی راہ کے برابر فاصلہ ہے۔ رواہ ابوداؤد وایضاء بسند صحیح۔

حضرت جعفر بن محمد نے اپنے والد کے حوالہ سے دادا کا قول نقل کیا ہے کہ عرش کے پایوں میں سے ایک پائے کی دوسرے پائے سے مسافت اتنی ہے جتنی تیز اڑان والے پرندے کی تین ہزار برس کی راہ طیران، عرش کے روزانہ ستر ہزار رنگ کے نور کے لباس پہنائے جاتے ہیں وہ نور ایسا ہے کہ کوئی مخلوق اس کی طرف نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ نے تمام مخلوق کو عرش کے اندر ایسا پیدا کیا ہے جیسے بیابان میدان کے اندر کوئی چھلا پڑا ہو۔ مجاہد نے کہا ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ستر ہزار حجاب (ترتیب وار) ہیں ایک نور کا حجاب پھر تاریکی کا حجاب پھر نور کا حجاب پھر تاریکی کا حجاب۔ وہب بن منبہ نے کہا عرش کے گرد فرشتوں کی ستر ہزار قطاریں ہیں قطار در قطار۔ قطار کے پیچھے قطار۔ سب عرش کا طواف کر رہے ہیں۔ کبھی یہ سامنے آتے ہیں کبھی وہ آتے ہیں جب ایک دوسرے کے سامنے آتا ہے تو ایک لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے اور دوسرا ''اللہ اکبر'' کہتا ہے۔ ان سے پچھلی صف والوں کو جب اگلی صف والوں کی تہلیل وتکبیر کی آواز سنائی دیتی ہے تو وہ بلند آواز سے کہتے ہیں۔ سبحانک وبحمدک ما اعظمک واجلک انت اللہ لا الٰہ غیرک انت الاکبر الخلق کلھم راجعون الیک صف صف بستہ کھڑے ہیں ان کے ہاتھ گردنوں کی طرف ہیں اور کاندھوں پر رکھے

ہوئے ہیں۔ ان کی بھی ستر ہزار قطاریں ہیں ان سے پیچھے ملائکہ کی ایک لاکھ قطاریں ہیں جو داہنے ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے ہوئے ہیں اور ہر ایک تسبیح و تحمید میں مشغول ہے۔ ان میں سے ہر فرشتے کے دونوں بازوؤں کے درمیان تین سو برس کی راہ کے بقدر دوری ہے اور اس کی لو سے کاندھے تک چار سو برس کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے جو ملائکہ عرش کے گرد ہیں ان کے اور اللہ کے درمیان ستر حجاب آگ کے ستر حجاب تاریکی کے ستر حجاب نور کے ستر حجاب سفید موتی کے ستر حجاب یاقوت سرخ کے ستر حجاب زمرد سبز کے ستر حجاب برف کے ستر حجاب پانی کے اور ستر حجاب اولوں کے حائل ہیں اور کچھ ایسی چیزیں حائل ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا حاملین عرش اور حوالی عرش والوں کی صورتیں مختلف ہیں۔ کسی کا چہرہ بیل کا کسی کا شیر کا کسی کا گدھ کا اور کسی کا آدمی کے جیسا ہے ہر ایک کے چار بازو ہیں دو پنکھ تو چہرے پر ڈالے رکھے ہوئے ہیں کہ عرش کی طرف نگاہ نہ اٹھ جائے اور وہ بیہوش ہو جائے دو بازو نیچے کی طرف (عاجزی کی وجہ سے) گرائے ہوئے ہیں اور سوائے تسبیح و تحمید تکبیر اور تمجید کے ان کا کوئی کلام نہیں۔

عرش کی بناوٹ: بہت سے علماء کے نزدیک عرش رحمٰن ایک یاقوت سُرخ سے بنا ہے جس کا قطر اتنا بڑا ہے کہ وہ پچاس ہزار سال کی مسافت ہے۔ اسی طرح اُس کا ارتفاع ساتویں زمین سے پچاس ہزار سال کی مسافت تک ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَيُؤْمِنُونَ بِهِ یعنی وہ دل سے مانتے ہیں کہ اللہ ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا تمام چیزوں کا خالق ہے ایک ہے بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

فرشتوں کی فضیلت: اللہ نے ملائکہ کی فضیلت اور عظمت کے اظہار کے لئے ان کے مومن ہونے کی صراحت کی اور اس طرف اشارہ کیا کہ بندگی عاجزی اور ایمان بالغیب کے لحاظ سے فرشتے بھی دوسری مخلوق کی طرح ہیں وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کی کوئی اولاد نہیں اس لئے کافروں کا یہ عقیدہ صحیح نہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اس سے فرقہ مجسمہ کے قول کی بھی تردید ہوگئی جو اللہ کا جسم قرار دیتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

غائبانہ دعاء: صحیح مسلم شریف میں ہے کہ جب مسلمان اپنے بھائی مسلمان کے لئے اس کی غیر حاضری میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے اور اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ خدا تجھے بھی یہی دے جو تو اس مسلمان کے لئے خدا سے مانگ رہا ہے۔

امیہ بن ابی الصلت کے اشعار: مسند احمد میں ہے کہ امیہ بن ابی الصلت کے بعض اشعار کی رسول اللہ نے تصدیق کی جیسے یہ شعر ہے ۔

زحل و ثور تحت رجل يمينه والنسر للاخرى وليث موصد

یعنی حاملانِ عرش چار فرشتے ہیں ... ... کی طرف آپ نے فرمایا سچ ہے۔ پھر اس نے کہا۔

والشمس تطلع كل آخر ليلة حمراء يصبح لونها يتورد

تابى فما تطلع لنا فى رسلها الا معذبة والا تجلد

یعنی سورج سرخ رنگ طلوع ہوتا ہے پھر گلابی ہو جاتا ہے اپنی ہیئت میں بھی صاف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ رو پوشیدہ ہی رہتا ہے۔ آپ نے فرمایا سچ ہے اس کی سند بہت پختہ ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حاملانِ عرش چار فرشتے ہیں ہاں قیامت کے دن عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائیں گے جیسے قرآن مجید میں ہے وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا
اے پروردگار ہمارے ہر چیز سمائی ہوئی ہے تیری بخشش و علم میں
فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ
سو معاف کر ان کو جو توبہ کریں اور چلیں تیری راہ پر
وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ
اور بچا ان کو آگ کے عذاب سے

رحمت و بخشش: یہ فرشتے ... ... کی بارگاہ احدیت میں یوں عرض کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار آپ کا علم اور رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ پس جو کوئی تیرے علم میں برائیوں کو چھوڑ کر ... تیری طرف رجوع ہوا اور تیرے راستے پر چلنے کی کوشش کی ... بمقتضائے بشریت چند کمزوریوں اور خطاؤں میں مبتلا ہو گیا ہے۔ آپ اپنے فضل و رحمت سے اس کو معاف فرما دیں۔ نہ دنیا میں ان پر ... اور نہ دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے۔ باقی جو مسلمان توبہ و اتباع ... تیرے راستے ... اس آیت میں اس کی طرف ... حاملین عرش ان کے حق میں دعا نہیں کرتے اللہ ان کے ساتھ جو معاملہ ہو وہ دوسری نصوص سے معلوم کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي
اے رب ہمارے اور داخل کر ان کو سدا بسنے کے باغوں میں جن کا
وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ
وعدہ کیا تو نے ان سے اور جو کوئی نیک ہو ان کے باپوں میں

وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ

اور عورتوں میں اور اولاد میں بیشک تو ہی ہے

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

زبردست حکمت والا☆

عزیز واقارب کی وجہ سے نجات

یعنی اگرچہ جنت ہر کسی کو اپنے عمل سے ملتی ہے (جیسا کہ یہاں بھی من صلح کی قید سے ظاہر ہے) بدون اپنے ایمان وصلاح کے بیوی، بیٹا اور ماں باپ کام نہیں آتے لیکن تیری حکمتیں یہ بھی ہیں کہ ایک کے سبب سے متعلقین کو ان کے عمل سے زیادہ اعلیٰ درجہ پر پہنچا دے۔ کما قال تعالیٰ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (سورۂ طور) اور گہری نظر سے دیکھا جائے تو حقیقت میں وہ بھی ان ہی کے کسی عمل قلبی کا بدلہ ہو مثلاً وہ آرزو رکھتے ہوں کہ ہم بھی اسی مرد صالح کی چال چلیں۔ یہ نیت اور نیکی کی حرص اللہ کے ہاں مقبول ہو جائے یا اس مرد صالح کے اکرام و مدارات کی ایک صورت یہ ہو کہ اسکے ماں باپ اور بیوی بچے بھی اسکے درجہ میں رکھے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

عزیز واقارب کی وجہ سے نجات

امام بغوی نے سعید بن جبیرؓ سے یہ روایت تخریج کی ہے بیان کرتے ہیں جس وقت ان مومنین کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا جو اعزاز واکرام سے اپنے باغات ومحلات میں پہنچا دیئے جائیں گے تو ان مومنین میں سے بعض کہیں گے کہاں ہے میرا باپ کہاں ہے میری ماں کہاں ہے میرا بیٹا کہاں ہے میری بیوی یا میرا خاوند تو جواب دیا جائے گا۔ ان کا عمل تو تیرے عمل جیسا نہیں ہے یعنی وہ اپنے اعمال کے لحاظ سے اس رتبے کے نہیں ہیں تو یہ مومن کہے گا اے پروردگار میں جو عمل کرتا تھا وہ اپنے واسطے اور ان کے واسطے بھی کیا کرتا تھا۔ اس پر اعلان ہوگا کہ ان کو بھی اس مومن کے ساتھ ملحق کر دو۔ اس مضمون کو بیان کرتے سعید بن جبیرؓ یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے۔ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ الخ یہی وہ مضمون ہے جو آیت مبارکہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ میں ذکر فرمایا گیا۔ (معارف کاندھلوی)

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ

اور بچا ان کو برائیوں سے اور جس کو تو بچائے برائیوں سے

يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اس دن اس پر مہربانی کی تو نے اور یہ جو ہے یہی ہے بڑی

الْعَظِيْمُ ۝

مراد پانی☆

برائی سے حفاظت اللہ کا فضل ہے

یعنی محشر میں ان کو کوئی برائی (مثلاً گھبراہٹ اور پریشانی وغیرہ) لاحق نہ ہو اور یہ عظیم الشان کامیابی صرف تیری خاص مہربانی ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ بعض مفسرین نے سیئات سے اعمال سیئہ مراد لئے ہیں یعنی آگے کو انہیں برے کاموں سے محفوظ فرما دے اور ان کی خوابی مراد ہے کہ برائی کی طرف نہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ جو آج یہاں برائی سے بچ گیا اس پر تیرا فضل ہو گیا۔ وہی آخرت میں اعلیٰ کامیابی حاصل کرے گا۔ اس تفسیر پر یومئذ کا ترجمہ بجائے "اُس دن" کے "اِس دن" ہونا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی تیری مہر ہی ہو کہ برائیوں سے بچے۔ اپنے عمل سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ تھوڑی بہت برائی سے کون خالی ہے۔" یہ الفاظ دونوں تفسیروں پر چسپاں ہو سکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ

جو لوگ منکر ہیں انکو پکار کر کہیں گے بے شک بیزار

اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ

ہوتا تھا زیادہ اس سے جو تم بیزار ہوئے ہو اپنے جی سے جس وقت

تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۝

تم کو بلاتے تھے یقین لانے کو پھر تم منکر ہوتے تھے☆

کفر کی سزا: یہ قیامت کے دن کہیں گے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں یعنی آج تم اپنے (نفس سے بیزار ہو اور) اپنے جی کو پھٹکارتے ہو دنیا میں جب منکر ہوتے تھے (اس وقت) اللہ اس سے زیادہ تم کو پھٹکارتا تھا (اور تمہاری حرکات سے بیزار تھا) اس کا بدلہ آج پا رہے ہو۔ اور بعض مفسرین نے "مقتکم" کا ترجمہ ایک دوسرے سے بیزاری کا کیا ہے کہ تم دنیا میں دعوت ایمان کی

طرف بلایا جاتا تھا اور تم بار بار کفر کرتے تھے۔ آج اس کی سزا بھگتنے کے وقت جس قدر تم اپنی جانوں سے بیزار ہو رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ تم سے بیزار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا
بولیں گے اے رب ہمارے تو موت دے چکا ہم کو دو بار اور زندگی دے چکا
اثْنَتَيْنِ
دو بار ☆

دو موتیں دو حیاتیں:

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ پہلے مٹی تھے یا نطفہ تو مردے ہی تھے پھر جان پڑی تو زندہ ہوئے پھر مرے پھر زندہ کر کے اٹھائے گئے۔ یہ ہیں دو موتیں اور دو حیاتیں۔ کما قال تعالیٰ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (بقرہ۔ رکوع ۳)۔ قبل غیر ذلک واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا
اب ہم قائل ہوئے اپنے گناہوں کے ☆

اعتراف جرم ☆ یعنی انکار کیا کرتے تھے کہ مرنے کے بعد پھر جینا نہیں نہ حساب کتاب ہے نہ کوئی اور قصہ اسی لئے گناہوں اور شرارتوں پر جری ہوتے تھے۔ اب دیکھ لیا کہ جس طرح پہلی موت کے بعد آپ نے ہم کو زندہ کیا اور عدم سے نکال کر وجود عطا فرمایا دوسری موت کے بعد بھی پیغمبروں کے ارشاد کے موافق دوبارہ زندگی بخشی۔ آج جتنے بعد الموت کے وہ سب مناظر جن کا ہم انکار کیا کرتے تھے سامنے ہیں اور بجز اس کے چارہ نہیں کہ ہم اپنی غلطیوں اور خطاؤں کا اعتراف کریں۔ (تفسیر عثمانی)

منکرین کا اقرار: فَاعْتَرَفْنَا۔ اس میں ف سببی ہے۔ جب وہ دوسری موت کے بعد دوسری زندگی کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو اپنے گناہ اور خطا کا اقرار کرلیں گے اس طرح دونوں موتوں اور دونوں زندگیوں کا مجموعہ اعتراف کا سبب ہو جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ
پھر اب بھی ہے نکلنے کو کوئی راہ ☆

حسرت ☆ یعنی افسوس اب تو بظاہر یہاں سے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی کوئی راہ نظر نہیں آتی۔ ہاں آپ قادر ہیں کہ جہاں دو مرتبہ موت و حیات دے چکے ہیں، تیسری مرتبہ ہم کو پھر دنیا کی طرف واپس بھیج دیں تاکہ اس مرتبہ واپس آ کر ہم خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں کی حسرت: خروج یعنی ایک بار نکلنے کی طرح نکلنے کی کوئی راہ ہے کہ ہم اس پر چلیں اور تیزی یا آہستہ رفتار سے چل کر دنیا میں لوٹ جائیں۔ یہ سوال بھی تمنا ہو گا یعنی کاش ایسا ہو جاتا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ
یہ تم پر اس واسطے ہے کہ جب کسی نے پکارا اللہ کو اکیلا تو تم منکر ہوتے
وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ
اور جب اس کے ساتھ پکارتے شریک تو تم یقین لے آتے اب حکم وہی جو کرے اللہ
الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ
سب سے اوپر بڑا ☆

یعنی بے شک اب دنیا کی طرف واپس نے جانے کی کوئی صورت نہیں ہے تو تم کو اپنے اعمال سابقہ کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ تمہارے متعلق جو بہت بڑی کا فیصلہ اس لئے ہوا ہے کہ تم نے ایک سچے خدا کی پکار پر بھی کان نہ دھرا ہمیشہ اس کا یا اس کی وحدانیت کا انکار ہی کرتے رہے۔ ہاں کسی جھوٹے خدا کی طرف بلائے گئے تو فوراً آمنا وصدقنا کہہ کر اس کے پیچھے ہو لئے۔ اس سے تمہاری خو و طبیعت کی افتاد کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہزار مرتبہ بھی واپس کیا جائے پھر وہی کفر و شرک کی تکرار کرو گے۔ بس آج تمہارے جرم کی ٹھیک سزا یہی جیل دوام ہے جو اس بڑے زبردست خدا کی عدالت عالیہ سے جاری کی گئی جس کا کہیں آگے مرافعہ (اپیل) نہیں۔ اس سے چھوٹنے کی تمنا عبث ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ۔ یعنی جب لا الٰہ الا اللہ کہا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور کہتے تھے اجعل الالهة الٰهًا واحدًا کیا اس نے سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔

تؤمنوا۔ یعنی شرک کو مانتے تھے۔

فالحكم لله۔ یعنی آج یہ حکم صرف اللہ کا ہے جو تنہا مستحق عبادت ہے اور شرک سے پاک ہے اسی نے تمہارے خلاف یہ فیصلہ کر دیا کہ تم دائمی شدید عذاب میں ماخوذ رہو گے اگر تمہارا کوئی معبود اللہ کا شریک ہوتا تو آج تم کو اس عذاب سے بچا لیتا اور تم کو اس سے نکلنے کا موقع مل جاتا۔

العلى الكبير۔ یعنی اللہ عالی شان ہے اور ہر شے سے بڑا ہے کوئی اس سے برتر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ
وہی ہے تم کو دکھلاتا اپنی نشانیاں اور اتارتا ہے تمہارے
مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ
واسطے آسمان سے روزی اور سوچ وہی کرے
یُّنِیْبُ (۱۳)
جو رجوع رہتا ہو

عظمت و وحدانیت کی نشانی

یعنی اس کی عظمت و وحدانیت کی نشانیاں ہر چیز میں ظاہر ہیں۔ ایک اپنی روزی ہی کے مسئلہ کو آدمی سمجھ لے جس کا سامان آسمان سے ہوتا رہتا ہے تو سب کچھ سمجھ میں آ جائے لیکن جب ادھر رجوع ہی نہ ہو اور غور و فکر سے کام ہی نہ لے تو کیا خاک سمجھ حاصل ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَ لَوْ
سو پکارو اللہ کو خالص کر کر اُسے واسطے بندگی اور پڑے
كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ؕ
برا مانیں منکر ☆

کافروں کی پرواہ نہ کرو

یعنی بندوں کو چاہئے کہ سمجھ سے کام لیں اور ایک خدا کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکاریں اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں بے شک مخلص بندوں کے اس موحدانہ طرز عمل سے کافر و مشرک ناک بھوں چڑھائیں گے کہ سارے دیوتا اڑا کر صرف ایک ہی خدا رہنے دیا گیا مگر پکا موحد وہ ہی ہے جو مشرکین کے مجمع میں توحید کا نعرہ بلند کرے اور ان کے برا ماننے کی اصلاً پرواہ نہ کرے۔ (تفسیر عثمانی)

فرض نماز کے بعد کی دعاء

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہر فرض نماز کے سلام کے بعد یہ پڑھتے تھے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَآءُ الْحَسَنُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔ اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز کے بعد انہیں پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد) یہ حدیث مسلم، ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی
وہی ہے اونچے درجوں والا مالک عرش کا اتارتا ہے
الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ
بھید کی بات اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے
عِبَادِهٖ
بندوں میں ☆

"بھید کی بات" سے وحی مراد ہے جو اول انبیاء علیہم السلام پر اترتی ہے اور ان کے ذریعہ سے دوسرے بندوں کو پہنچ جاتی ہے چنانچہ قیامت تک اسی طرح پہنچتی رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

ہر ضرورت کا کفیل اللہ تعالیٰ ہی ہے

مخلوق کی احتیاج مادی اور احتیاج روحانی ہر قسم کی احتیاج اسی کی بارگاہ عنایت سے پوری ہوتی ہے۔ رزق کے ذریعہ مادی احتیاج پوری فرماتا ہے اور وحی نازل فرما کر روحانی احتیاج کو پورا فرماتا ہے تو اس پہلو کے لحاظ سے یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فرما کر نظام تشریع اور وحی الٰہی کو بیان فرما دیا گیا کہ جس طرح اللہ رب العزت رزق پیدا فرما کر مخلوق کو عام مادی حاجتیں پوری فرماتا ہے اسی طرح وحی نازل فرما کر بندوں کی روحانی حاجتیں بھی پوری کی جاتی ہیں۔ تو اس ذات خداوندی کا ایسی بندہ نوازی صفات سے متصف ہونا اور شان صمدیت (بے نیازی) والا ہونا کہ کل کائنات اس کی محتاج ہے۔ مادی احتیاج کے لحاظ سے بھی اور روحانی احتیاج کے لحاظ سے بھی غرض یہ سارے امور اس کے مقتضی ہیں وہ یکتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

روح سے مراد: روح سے مراد وحی الٰہی ہے جیسے آیت مبارکہ وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا میں وحی و قرآن سے تعبیر کیا گیا۔ روح سے مراد بعض نے جبریل امین لیا ہے کیونکہ وہ روح القدس ہیں چنانچہ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰى قَلْبِكَ باذن اللہ میں حضرت جبرائیل امین کا بھی روح نام بیان کیا گیا۔ (معارف کاندھلوی)

رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ کا معنی: درجات سے مراد بعض حضرات نے صفات قرار دیا ہے اس سے رفیع الدرجات کے معنی ہوئے۔ رفیع الصفات یعنی اس کے صفات کمال سب سے زیادہ رفیع الشان ہیں۔ ابن کثیر نے

اپنے ظاہر پر رکھا ہے یعنی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد رفعت عرش عظیمہ کا بیان ہے کہ وہ تمام زمینوں اور آسمان پر حاوی اور سب مخلوق کی چھت ہے بلند ہے۔

اور بعض حضرت مفسرین نے ہوئے رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ بمعنی رافع الدرجات ہے یعنی اللہ تعالیٰ مومنین متقین کے درجات کو بلند فرماتا ہے۔ [illegible] مظہری،

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ یعنی اس کے درجات کمال بہت بلند ہیں کسی کا کمال اس کے کمال کے سامنے نمودار نہیں ہو سکتا۔ بعض اہل تفسیر نے اس فقرہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ اپنے انبیاء اور اولیاء کے درجات قرب جنت کے اندر اونچے کرنے والا ہے سب کے درجات ترتیب کے ساتھ ہوں گے کوئی بہت اونچا کوئی اس کے قریب ذُو الْعَرْشِ یعنی عرش کا خالق اور مالک ہے۔ (تفسیر مظہری)

لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ
تا کہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے ☆

یعنی جس دن تمام اولین و آخرین ملکر اللہ تعالیٰ کی پیشی میں حاضر ہوں گے اور ہر ایک شخص اپنے اچھے یا برے عمل سے ملاقات کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ملاقات کا دن: حاکم ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الاہوال میں حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا حضرت ابن عباس نے آیت يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ پڑھی پھر فرمایا قیامت کے دن ایک میدان میں اللہ (ساری) مخلوق کو جمع کرے گا۔ جن انسان چوپائے پرندے سب جمع ہوں گے پھر نچلا آسمان شق ہو جائے گا اور اس کے باشندے نیچے اتریں گے اور ان کی تعداد جن و انس سے زائد ہوگی اس طویل حدیث میں ساتوں آسمانوں کا شگافتہ ہونا اور ترتیب وار ہر آسمان کی مخلوق کا یکے بعد دیگرے نازل ہونا اور (پھر) اللہ کا جلوہ افروز ہونا بیان کیا اللہ کا جلوہ فرما ہونا متشابہات میں سے ہے (جس کی کیفیت نا قابل فہم اور خارج از بیان ہے) ہم نے اس کی تشریح سورۂ فرقان کی آیت يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ اور سورۂ بقرہ کی آیت اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ کی تفسیر میں کر دی ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ
جس دن وہ لوگ نکل کھڑے ہونگے ☆

☆ یعنی قبروں سے نکل کر ایک کھلے ہموار میدان میں حاضر ہوں گے جہاں کوئی آڑ پہاڑ حائل نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ
چھپی نہ رہے گی اللہ پر اُن کی کوئی چیز ☆

یعنی خوب مجموعہ کہ اس حاکم علی کے دربار میں حاضر ہونے جس پر تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ [illegible] جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ
کس کا راج ہے اس دن اللہ کا ہے جو اکیلا ہے دباؤ والا
اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ
آج بدلہ ملے گا ہر جی کو جیسا اس نے کمایا
لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ
بالکل ظلم نہیں آج بیشک اللہ جلد لینے والا ہے حساب

یعنی اس دن تمام وسائط و حجب اٹھ جائیں گے ظاہری اور مجازی طور میں بھی کسی کی بادشاہت نہ رہے گی۔ اس اکیلے شہنشاہ مطلق کی [illegible] آج سب پر ایک حالت طاری ہوئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

منادی کی پکار: ابن ابوداؤد نے البعث میں حضرت ابو سعید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک منادی منادی کرنے والا پکار کر کہے گا لوگو تم پر وہ گھڑی آ گئی اس ندا میں وہ آواز تمام سنیں گے زندہ مردے سب کی سنیں گے اور اللہ [illegible] کی طرف [illegible] فرمائے گا پھر ایک منادی پکارے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

بیہقی نے حضرت انس کی روایت سے ایک مرفوع حدیث آیت وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ [illegible] (بیہوش ہونے اور مرنے سے) مستثنیٰ ہیں وہ جبرئیل میکائیل اور ملک الموت پھر اللہ فرمائے گا (باوجودیکہ وہ خوب جانتا ہے پھر بھی پوچھے گا) ملک الموت سے فرشتے کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات اور تیرے بندے جبرائیل اور میکائیل اور ملک الموت [illegible] کا میکائیل کی جان قبض کر لے (ملک الموت میکائیل کی جان قبض کر لے گا) پھر باوجود جاننے کے فرمائے گا ملک الموت اب کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا تیری ذات مبارک اور تیرا بندہ جبرائیل اور ملک الموت فرمائے گا جبرئیل کی جان بھی قبض کر لے (ملک الموت فوراً حکم کی تعمیل کرے گا) پھر باوجود جاننے کے پوچھے گا اب کون باقی رہا ملک الموت عرض کرے گا صرف تیری ذات مبارک اور ملک الموت کا فرشتہ وہ بھی مرنے والا ہے۔ حکم ہوگا مرجا (ملک الموت مر جائے گا) اس کے بعد اللہ ندا دے گا میں نے ہی شروع میں مخلوق کو پیدا کیا اور میں ہی دوبارہ پیدا کروں گا (آج) ظالم مغرور کہاں

ہیں پھر ندا دے گا لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ آج کس کی حکومت ہے جب کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو خود ہی فرمائے گا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ یعنی اللہ ہی کی حکومت ہے جو یکتا و قہار ہے۔ اس کے بعد دوبارہ صور میں پھونک ماری جائے گی تو یکدم سب کھڑے ہو جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

سوال اور جواب: قرطبی نے بحوالہ نحاس ایک حدیث کے پیش کی ہے جو ابو وائل نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے وہ یہ کہ تمام آدمی ایک صاف زمین پر جمع کیے جائیں گے جس پر کسی نے کوئی گناہ نہیں کیا ہوگا۔ اس وقت ایک منادی کو حکم ہوگا جو یہ ندا کرے گا لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ یعنی آج کے دن ملک کس کا ہے۔ اس پر تمام مخلوقات مؤمنین و کافرین یہ جواب دیں گے کہ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ مؤمن تو اپنے اعتقاد کے مطابق خوشی و تلذذ کی صورت میں کہیں گے اور کافر مجبور و عاجز ہونے کی بنا پر رنج و غم کے ساتھ اس کا اقرار کریں گے۔ (معارف مفتی اعظم)

جبار و متکبر کہاں ہیں: عبداللہ بن عمر کی حدیث میں یہ مضمون اس طرح ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنے دست قدرت میں لپیٹ لے گا اور پھر فرمائے گا۔ این الجبارون این المتکبرون این الملوک کہ کہاں ہیں بادشاہ کہاں ہیں بڑے زور و طاقت والے۔ کہاں ہیں بڑے غرور و نخوت والے۔ ہر طرف سے سکون ہوگا۔ خود ہی ارشاد فرمائیں گے۔ انا الملک انا الجبار بس میں ہی ہوں بادشاہ میں ہی زور و طاقت والا میں ہی ہوں بڑائی والا۔ (معارف کاندھلوی)

الیوم یعنی اس روز جب کہ مجازی حکومت بھی کسی کی نہ ہوگی اور ظاہری حکومت بھی اللہ ہی کی ہوگی۔ لاظلم الیوم اس روز کسی کی حق تلفی نہ ہوگی یعنی نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی نہ عذاب میں زیادتی جیسا اللہ نے وعدہ کیا ہے اس کے مطابق بدلہ دیا جائے گا کیونکہ اس وقت حکومت صرف اللہ کی ہوگی اور اللہ کی حکومت میں ظلم کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ظلم کا تصور تو وہاں کیا جا سکتا ہے جو مالک کی اذن کے بغیر اس کی مملوک میں کیا جائے اللہ تو سب کا مالک ہے جو تصرف کرتا ہے اپنی ملک میں کرتا ہے۔

آدھے دن میں سب کا حساب:

اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ بیشک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

یعنی اس کی مشیت یہ ہے کہ سب لوگوں کا حساب اس دنیا کے نصف یوم کی برابر مدت میں کر دیگا اگرچہ وہ ایک آن میں بھی سب کا حساب کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کو کسی عمل میں ایسی مشغولیت ہی نہیں ہوتی جو دوسرا کام کرنے میں رکاوٹ پیدا کر دے۔

وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ
اور خبر سنا دے اُنکو اس نزدیک آنے والے دن کی جس وقت دل

لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۬
پہنچیں گے گلوں کو تو وہ دبا رہے ہونگے ☆

قیامت کی دہشت

یعنی خوف اور گھبراہٹ سے دل اچھل کر گلوں تک پہنچ رہے ہوں گے اور لوگ دونوں ہاتھوں سے اس کو پکڑ کر دبا رہے ہوں گے کہ کہیں سانس کے ساتھ باہر نہ نکل پڑیں۔ (تفسیر عثمانی)

لدى الحناجر یعنی دل اپنی جگہ چھوڑ دینگے اور اچھل کر گلے میں آ پھنسیں گے۔ نیچے ترنے سکے نہ چین آ جائے نہ باہر ہی نکل پائیں گے کہ موت ہی آ جائے۔

کظمین سب بیچین خوف و غم سے بھرے ہوئے کظم کا معنی ہے غم، خوف اور غم کی دل میں آمد و رفت جو قابل برداشت نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ
کوئی نہیں گنہگاروں کا دوست اور نہ سفارشی کہ
يُّطَاعُ ۬
جسکی بات مانی جائے ☆

سفارش: یعنی یہ کوئی سفارشی نہیں ہوگا جس کی بات ضرور ہی مانی جائے سفارش وہی کرے گا جس کو اجازت ہو اور اسی کے حق میں کرے گا جس کے لئے پسند ہو۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی کوئی سفارشی ہی نہیں ہوگا۔ اس صورت میں صفت (یعنی یطاع) کا کوئی مفہوم نہیں ہے یہ کہا جائے کہ یطاع کا لفظ کافروں کے مسلمہ کی بنا پر ذکر کیا گیا ہے۔ بت پرستوں کا خیال تھا کہ ہمارے معبود ہماری سفارش کریں گے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ بالفرض اگر کافروں کا کوئی سفارشی ہوگا بھی تو اس کی سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى
وہ جانتا ہے چوری کی نگاہ اور جو کچھ چھپا ہوا ہے
الصُّدُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ
سینوں میں اور اللہ فیصلہ کرتا ہے انصاف سے ☆

آنکھ کی خیانت ☆ یعنی مخلوق سے نظر بچا کر چوری چھپے سے کسی پر نگاہ ڈالی یا کن انکھیوں سے دیکھا یا دل میں کچھ نیت کی یا کسی بات کا ارادہ یا خیال آیا۔

ان میں سے ہر چیز کو اللہ جانتا ہے اور فیصلہ انصاف سے کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا
اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوائے نہیں
يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
فیصلہ کرتے کچھ بھی بیشک اللہ جو ہے
السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ
وہی ہے سننے والا دیکھنے والا

فیصلہ کا اختیار یعنی فیصلہ کرنا اسی کا کام ہو سکتا ہے جو سننے اور جاننے والا ہو۔ بھلا یہ پتھر کی بے جان مورتیں جنہیں تم خدا کہہ کر پکارتے ہو کیا خاک فیصلہ کریں گی پھر جو فیصلہ بھی نہ کر سکے وہ خدا کس طرح ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ کیونکہ اللہ ہی بلا شبہ سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اس جملہ سے خیانت نگاہ سے علم اور قضاء بالحق کی تائید ہو رہی ہے اور کافروں کے لئے ان کے قول و فعل پر عذاب کی (اور پردہ) وعید بھی ہے اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان پر تعریض بھی ہے۔ وہ ایسی چیزوں کو پکارتے ہیں جو نہ دیکھتی ہیں نہ سنتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
کیا وہ پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھتے
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ
انجام کیسا ہوا اُن کا جو تھے اُن سے
قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً
پہلے وہ تھے اُن سے سخت زور میں
وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ
اور نشانیوں میں جو چھوڑ گئے زمین میں ☆

یعنی بڑے مضبوط قلعے عالی شان عمارتیں اور مختلف قسم کی یادگاریں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ
پھر ان کو پکڑا اللہ نے ان کے گناہوں پر اور نہ ہوا ان کو

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ
اللہ سے کوئی بچانے والا

یعنی جب اللہ کے عذاب سے کوئی نہ بچا سکا تو آخرت میں کون بچا سکے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
یہ اس لئے کہ ان کے پاس آتے تھے ان کے رسول
بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ
کھلی نشانیاں لے کر پھر منکر ہوئے تو ان کو پکڑا اللہ نے
اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ
بیشک وہ زور آور ہے سخت عذاب دینے والا ☆

اللہ کا پیغمبر غالب ہوگا

یعنی تم بھی ان کی طرح رسول کی تکذیب سے باز نہیں آتے آخر ہلاک اور برباد ہو گے اور خداوند قدوس اپنے زور و قوت سے پیغمبر کو غالب و منصور رکھے گا۔ اسی مناسبت سے آگے موسیٰ اور فرعون کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ
اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر اور کھلی
مُّبِيْنٍ
سند دے کر

معجزات موسوی "نشانیوں" سے معجزات اور "کھلی سند" سے شاید ان میں سے مخصوص و ممتاز معجزات مراد ہوں یا "کھلی سند" معجزات سے اور "نشانیوں" سے دلائل و براہین و فرمودہ "آیات" سے تعلیمات و احکام مراد ہوں اور سلطان مبین سے حجت مراد ہو یا "سلطان مبین" سے قوت قدسیہ اور مخصوص تائید ربانی کا نام ہو جس سے آپ کو دیکھ کر مخالفین مرعوب ہو جاتے ہیں اور ہیبت طاری رہتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ
فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس

فرعون وقارون: ☆ ہامان وزیر تھا فرعون کا۔ اور قارون بنی اسرائیل میں سب سے بڑا مالدار اور تاجر تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے خلاف فرعون کی مرضی پر چلتا تھا۔ پہلے اسکا قصہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ
پھر کہنے لگے یہ جادوگر ہے جھوٹا ☆

☆ یعنی جادوگر ہے معجزات دکھانے میں اور جھوٹا ہے دعوئے رسالت میں۔ یہ بعض نے کہا ہوگا اور دوسروں نے اسکی تصدیق کی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا
پھر جب پہنچا اُنکے پاس لیکر سچی بات ہمارے پاس سے
قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ
بولے مار ڈالو بیٹے اُن کے جو یقین لائے ہیں اُسکے ساتھ
وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ
اور جیتی رکھو اُن کی عورتیں ☆

فرعون کی دہشت گردی

☆ یہ حکم اب دوسری مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد دیا تا کہ بنی اسرائیل کی تذلیل و توہین کریں، ان کی تعداد گھٹائیں اور ان کے دلوں میں یہ خیال جمادیں کہ یہ سب مصیبت ان پر موسیٰ علیہ السلام کی بدولت آئی ہے۔ یہ خیال کر کے لوگ ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور دہشت انگیزی کی پالیسی کامیاب ہو جائے گی۔ آگے پتہ نہیں اس حکم پر عمل ہوا یا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ
اور جو داؤ ہے منکروں کا سو غلطی میں ☆

منکرین کے منصوبے: یعنی ایسے داؤ پیچ اور تدبیروں سے کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرما کر منکرین کے سب منصوبے غلط کر دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ
اور بولا فرعون مجھ کو چھوڑو کہ مار ڈالوں
مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ
موسیٰ کو اور پکارے اپنے رب کو ☆

فرعون کی چالبازی

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں فرعون نے کہا کہ مجھ کو چھوڑو شاید اس کے ارکان سلطنت اس کے قتل کا مشورہ نہ دیتے ہوں گے کہ یہ معجزات دیکھ کر ڈر گئے تھے کہیں اس کا وبال ہم پر نہ پڑے۔ فرعون خود بھی دل میں ڈرتا ہو گا لیکن لوگوں پر اپنی قوت و شجاعت کا اظہار کرنے کے لیے یہ شقاوت اور بے حیائی سے ایسا کہہ رہا تھا تا کہ لوگ سمجھیں کہ اس کو قتل سے کوئی چیز مانع نہیں اور اسکے ارادہ کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

بیضاوی نے لکھا ہے اس کلام سے مترشح ہو رہا ہے کہ فرعون کو موسیٰ کی نبوت کا یقین تھا اس لئے موسیٰ کو قتل کرنے سے ڈرتا تھا۔ یا شاید یہ خیال تھا کہ موسیٰ کو قتل کرنا اس کے امکان میں نہیں۔ اس نے ایسا کیا تو کامیابی نہ ہوگی اس بات کی تائید ولیدع ربہ کے لفظ سے ہو رہی ہے فرعون نے اس فقرہ میں اپنی جرأت کا اظہار کیا اور یہ بات بتائی کہ مجھے پرواہ نہیں موسیٰ اپنے رب کو پکارے اور وہ اس کی مدد کو آجائے۔ فرعون نے جو الفاظ بولے تھے ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى یہ بھی اس کا فریب تھا۔ وہ تو دل میں ڈرتا تھا اور بات چاہتا تھا کہ اس کے ساتھی درباری اور اس کی قوم والے اس کو موسیٰ کے قتل سے روکتے ہیں حالانکہ موسیٰ کو قتل کر دینے کے حکم سے جو امر مانع تھا وہ موسیٰ کا ہی ڈر تھا جو فرعون کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ
میں ڈرتا ہوں کہ بگاڑ دے تمہارا دین یا
يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ
پھیلائے ملک میں خرابی ☆

خوف اقتدار: ☆ یعنی اسے زندہ چھوڑ دیا گیا تو دینی اور دنیوی دونوں طرح کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اپنے وعظ و تلقین سے تمہارے مذہبی طور و طریق کو جو پہلے سے چلا آتا ہے بگاڑ ڈالے یا سازش وغیرہ کا جال پھیلا کر ملک میں بدامنی پھیلا دے۔ جس کا انجام یہ ہو کہ تمہاری (قبطیوں) کی حکومت کا خاتمہ ہو کر سب بنی اسرائیل کے ہاتھ میں چلا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ
اور کہا موسیٰ نے میں پناہ لے چکا ہوں اپنے
وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ
اور تمہارے رب کی ہر غرور والے سے

حضرت موسیٰ کا عزم

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب ان کے مشوروں کی خبر پہنچی تو اپنی قوم سے فرمایا کہ مجھے ان دھمکیوں کی مطلق پروا نہیں فرعون کیا تو کیا ساری دنیا کے متکبرین و جبارین جمع ہو جائیں تب بھی میرا اور تمہارا پروردگار ان کے شر سے بچانے کیلئے کافی ہے۔ میں اپنے کو تنہا اس کی پناہ میں دے چکا ہوں وہی میرا حامی و مددگار ہے کما قال تعالی لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰی (طہٰ۔ رکوع ۲) جس اس کی حمایت و مداد کے بعد کسی مغرور انسان کا کیا ڈر۔ (تفسیر عثمانی)

یہ بھی جائز ہے کہ ربکم میں خطاب (مومنوں کو نہ ہو بلکہ) فرعون اور اس کی قوم کو ہو اور اس میں تنبیہ ہو اس بات پر کہ میرا اور تم سب کا رب ایک ہی ہے کوئی دوسرا رب نہیں ہے۔

فرعون کا نام نہ لینے کی حکمت: حضرت موسیٰ نے فرعون کا خصوصی نام نہیں لیا بلکہ بطور عموم ہر مغرور منکر آخرت کے شر سے اللہ کی پناہ مانگی اس میں فرعون بھی آ گیا اور تمام مغرور منکروں کے شر سے بھی استعاذہ ہو گیا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فرعون کو شر پر آمادہ کرنے والا اس کا غرور اور انکار آخرت ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ
جو یقین نہ کرے حساب کے دن کا ۲۷

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جس کو حساب کا یقین ہو وہ ظلم کاہے کو کرے گا۔" (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
اور بولا ایک مرد ایماندار فرعون کے لوگوں میں
يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ
جو چھپاتا تھا اپنا ایمان کیا مارے ڈالتے ہو ایک مرد کو اس بات پر کہ کہتا
رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ
ہے میرا رب اللہ ہے اور لایا تمہارے پاس کھلی نشانیاں تمہارے
رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ
رب کی اور اگر وہ جھوٹا ہو گا تو اُس پر پڑیگا اُس کا جھوٹ
وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ
اور اگر وہ سچا ہو گا تو تم پر پڑیگا کوئی نہ کوئی وعدہ جو تم سے

يَعِدُكُمْ
کرتا ہے ۲۸

مرد مومن: یعنی ایک مرد مومن جس نے فرعون اور اس کی قوم سے اپنا ایمان ابھی تک مخفی رکھا تھا ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى کے جواب میں بول اٹھا کیا تم ایک شخص کا ناحق خون کرنا چاہتے ہو اس بات پر کہ وہ صرف ایک اللہ کو اپنا رب کیوں کہتا ہے حالانکہ وہ اپنے دعوی کی صداقت کے کھلے کھلے نشان تم کو دکھلا چکا۔ اور اس سے قطع نظر اس کی تم کو چنداں ضرورت بھی نہیں۔ ممکن ہے کہ تمہارے لئے معقول ہو۔ فرض کرو وہ اپنے دعوی میں جھوٹا ثابت ہوا تو اتنے بڑے جھوٹ پر خدا کی طرف سے ... کا خدا کی عادت نہیں کہ وہ ایسے کاذب و بد بخت کو پھلنے پھولنے دے ... یقینی ایک روز اس کی قلعی کھول دی جائے گی۔ یہ حالت بروئے کار آئیں گے۔ دنیا اعلانیہ اس کی رسوائی و ناکامی اور کذب و دروغ کا تماشا دیکھے گی اور تم کو خواہ مخواہ اس کے خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہ رہے گی اور اگر واقع میں وہ سچا ہے تو دنیا اور آخرت کے جس عذاب سے وہ اپنے مکذبین کو ڈراتا ہے یقیناً اس کا کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچ کر رہے گا۔ بہر حال پہلی شق پر اس کے قتل میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں اور دوسری شق پر اسکا قتل کرنا سراسر موجب نقصان و خسران ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی اگر جھوٹا ہے تو جس پر جھوٹ بولتا ہے وہی سزا دے رہے گا اور شاید سچا ہو تو پھر فکر پڑا" (تنبیہ) یہ تقریر اس صورت میں ہے جب کسی مدعی کا کذب ظاہر نہ ہوا ہو اور اگر مدعی نبوت کا کذب و افتراء دلائل و براہین سے روشن ہو جائے تو بلاشبہ واجب القتل ہے اس زمانہ میں جبکہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا اگر کوئی شخص مدعی نبوت کا کھڑا ہو گا تو چونکہ اس کا یہ دعوی ایک قطعی الثبوت عقیدہ کی تکذیب کرتا ہے لہذا اس کے متعلق کسی قسم کے تامل و تردد اور امہال و انتظار کی گنجائش نہ ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا جذبہ ایمان

امم سابقہ میں جو فضائل و کمالات حق تعالی نے عطا فرمائے وہ اس امت کے افراد بھی بدرجہ اتم و اکمل پاتے گئے ہیں۔ یہ کلمات اس مرد مومن کے اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ جو قرآن کریم نے ذکر فرمائے وہی الفاظ ہیں جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جبکہ کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و ستم ڈھانے پر تلے ہوئے تھے۔ عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے کہا کہ مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زائد جو سخت تکلیف پہنچائی وہ مجھے بتاؤ تو فرمایا ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم حطیم کعبہ میں نماز ادا کر رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے آ کر آپ کی گردن میں کپڑا ڈالا اور اس زور سے کھینچا کہ گلا گھٹنے لگا اور تکلیف انتہائی شدت کو پہنچ چکی تھی۔ سامنے سے ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے اور عقبہ کو زور سے ایک دھکا دیا اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (افسوس تم ایک شخص کو قتل کرنے کے درپے ہو محض اس بات پر کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور حال یہ ہے کہ وہ تو تمہارے پاس نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل تمہارے رب کی طرف سے لے کر تمہارے پاس آیا ہے) تو آل فرعون کا مردِ مومن تو اپنے ایمان کو چھپانے والا تھا۔ مگر امت محمدیہ کا یہ مردِ مومن وہ تھا کہ جس نے روزِ اول سے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ مسند بزار اور دلائل ابونعیم میں محمد بن علی سے مروی ہے کہ ایک روز حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اثنائے خطبہ یہ فرمایا۔ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور کون ہے۔ لوگوں نے جواب دیا ہم میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تو آپ ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ میرا حال تو یہ ہے کہ جس کسی نے میرا مقابلہ کیا۔ میں نے اس سے انتقام لیا۔ سب سے زیادہ شجاع تو ابوبکرؓ تھے۔ میں نے دیکھا کہ قریش کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارتے جاتے ہیں اور یہ کہتے جا رہے ہیں۔ اَنْتَ جَعَلْتَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدَةً کیا تو ہی ہے وہ شخص جس نے بہت سے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔ تو اس وقت ہم میں سے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کے قریب جا سکے۔ اتفاق یہ کہ سامنے سے ابوبکرؓ آ گئے اور مشرکین کے ہجوم میں گھس پڑے اور بڑی قوت کے ساتھ کسی کے لات ماری کسی کے گھونسہ مارا اور با آواز بلند مشرکین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ وَيْلَكُمْ (ہلاکت ہو تمہاری) اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہ کہہ کر رو پڑے اور فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ آل فرعون کا رجل مومن افضل تھا یا ابوبکر رضی اللہ عنہ؟ لوگ خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ایک گھڑی آل فرعون کے مردِ مومن کی تمام زندگی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس نے تو اپنے ایمان کو چھپایا تھا مگر ابوبکرؓ نے اپنے ایمان کا اظہار و اعلان کیا۔ پھر یہ کہ اس مردِ مومن کی حمایت ناصحانہ خطاب اور باتوں تک محدود رہی گویا کہ یہ بھی بہت بڑا جہاد تھا لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تو زبانی نصیحت و حمایت کے علاوہ اپنے ہاتھ پاؤں اور عمل سے اللہ کے پیغمبر کی حمایت اور مدد کی۔ تو بے شک یہ بہت ہی اونچا اور اعلیٰ مقام تھا جو اللہ تعالیٰ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

رَجُلٌ مؤمن: مقاتل اور سدی کا بیان ہے کہ وہ مومن قبطی تھا اور فرعون کے چچا کا بیٹا تھا یہ وہی شخص تھا جس کے متعلق سورۃ القصص میں اللہ نے فرمایا ہے وَجَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ يَسْعٰى روایت میں آیا ہے کہ اسکا نام حبیب تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ترین ایذاء

عروہ بن زبیر کا بیان ہے میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے کہا مجھے بتائیے کہ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ سخت تکلیف دہ برتاؤ کونسا کیا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط آ گیا اور حضور کے دونوں مونڈھے پکڑ کر آپ کی گردن میں اپنا کپڑا ڈال کر مروڑنے اور گلا گھونٹنے لگا اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آ گئے آپ نے عقبہ کے دونوں مونڈھے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو الگ کیا اور فرمایا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ رواہ البخاری۔ (تفسیر مظہری)

چند صدیقین: ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدیقین چند ہیں ایک حبیب نجار جس کا قصہ سورۂ یٰس میں ہے۔ دوسرا مومن آل فرعون تیسرے ابوبکر اور وہ ان سب میں افضل ہیں۔ (قرطبی)

مسئلہ: يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اگر لوگوں کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار نہ کرے دل سے اعتقاد پختہ رکھے تو وہ مومن ہے مگر نصوص شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ ایمان کے مقبول ہونے کے لئے صرف دل کا یقین کافی نہیں بلکہ زبان سے اقرار کرنا شرط ہے جب تک زبان سے اقرار نہ کریگا مومن نہ ہوگا۔ البتہ زبان کا اقرار لوگوں کے سامنے اعلان کے ساتھ کرنا ضروری نہیں۔ اس کی ضرورت صرف اس وجہ سے ہے کہ جب تک لوگوں کو اس کے ایمان کا علم نہیں ہوگا وہ اس کے ساتھ معاملہ مسلمانوں جیسا نہ کر سکیں گے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
بیشک اللہ راہ نہیں دیتا اُس کو جو ہو بے لحاظ
كَذَّابٌ
جھوٹا

موسیٰ کی سچائی کی دلیل: یعنی موسیٰ (علیہ السلام) اگر بالفرض جھوٹا ہوتا تو ہرگز اسکا اللہ راہ نہ دیتا کہ وہ برابر ایسے معجزات دکھاتا رہے اور کامیابی میں ترقی کرتا چلا جائے اور اگر تم جھوٹے ہو کہ ایک سچے کو جھوٹا بتلا رہے ہو تو انجام کار اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل و ناکام کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ
اے میری قوم آج تمہارا راج ہے چڑھ رہے

فِى الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ
ہو ملک میں پھر کون مدد کریگا ہماری اللہ کی
بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ؕ
آفت سے اگر آگئی ہم پر

طاقت سے دھوکہ نہ کھاؤ

یعنی اپنے سامانوں اور لشکروں پر مغرور مت ہو۔ آج تمہاری یہ شان و شکوہ ہے لیکن کل اگر خدا کے عذاب نے آ گھیرا تو کوئی بچانے والا نہ ملے گا۔ یہ سب ساز و سامان یوں ہی رکھے رہ جائیں گے۔ [illegible]

قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ
بولا فرعون میں تو وہی بات سجھاتا ہوں تم کو
اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ
جو سوجھی مجھ کو اور وہی راہ بتلاتا ہوں جس میں
الرَّشَادِ ۝
بھلائی ہے

فرعون کی رائے یعنی تمہاری تقریر سے میرے خیالات تبدیل نہیں ہوئے، جو کچھ میرے نزدیک مصلحت ہے وہی تم کو سمجھا رہا ہوں۔ میرے خیال میں بہتری کا راستہ یہی ہے کہ اس شخص کا قصہ پہلے ہی قدم پر ختم کر دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِىْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ
اور کہا اس ایماندار نے اے قوم
اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ
میری میں ڈرتا ہوں کہ آئے تم پر دن اگلے فرقوں کا سا
مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ
جیسے حال ہوا قوم نوح کا اور عاد اور ثمود کا
وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ
اور جو لوگ اُن کے پیچھے ہوئے اور اللہ بے انصافی نہیں

ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ
چاہتا بندوں پر

تکذیب انبیاء کی سزا

یعنی تم اس طرح تکذیب و عداوت پر تلے رہے تو [illegible] قوموں کے دن دیکھنے پڑیں گے جو پہلی قومیں اپنے پیغمبروں کی تکذیب کر کے دیکھ چکی ہیں۔ [illegible] جرائم پر [illegible] قوموں [illegible] تو وہ عین عدل و انصاف کے تقاضے سے ہوگا۔ [illegible] جو اپنے [illegible] ہوتے مستحق [illegible] وہ تحقیق [illegible]

اخاف علیکم [illegible] تمہاری [illegible] مجھے تو [illegible] متعلق اندیشہ ہے [illegible] آ جائے جیسا ان [illegible] جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی۔ جیسے قوم نوح، عاد اور ثمود [illegible] (مثل قوم [illegible]) عذاب آیا [illegible] (تفسیر [illegible])

وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۙ
اور اے قوم میری میں ڈرتا ہوں کہ تم پر آئے دن ہانک پکار کا

پکار کا دن۔ عموماً مفسرین یوم التناد (ہانک پکار کے دن) سے قیامت کا دن مراد لیتے ہیں جبکہ محشر میں جمع ہونے اور حساب دینے کے لیے سب کو پکارا جائے گا۔ اور اہل جنت، اہل نار اور اہل اعراف ایک دوسرے کو پکاریں گے اور آخر میں ندا آئے گی یااهل الجنة خلود لا موت ویا اهل النار خلود لاموت کما ورد فی الحدیث۔ لیکن حضرت شاہ صاحب نے "یوم التّناد" سے وہ دن مراد لیا ہے جس میں فرعونیوں پر عذاب آیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "ہانک پکار کا دن ان پر آیا جس دن بحر قلزم میں غرق ہوئے، اس وقت ڈوبتے ہوئے ایک دوسرے کو پکارنے لگا (شاید) یہ مرد مومن کو کشف سے معلوم ہو گیا یا قیاس سے کہ اس قوم پر عذاب اسی طرح آتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

خوف دور کرنے کی دعاء حدیث شریف میں ہے کہ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قوم سے خوف ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے: اللّٰهم انا نعوذبک من شرورهم وندرءبک فی نحورهم یعنی اے اللہ ان کی برائی سے ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھے ان کے مقابلے میں کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

بعض اہل تفسیر کے نزدیک اس دن سے مراد ہے نفخہ بیہوشی سے پہلے

نفخہ الفزع کا دن (یعنی پہلی بار صور پھونکے جانے کا دن جب صور کی آواز سن کر لوگ گھبرا جائیں گے اس کے بعد نفخہ صعق ہوگا یعنی صور کی آواز سے لوگ بیہوش ہو جائیں گے اور مر جائیں گے) ابن جریر نے المطولات میں اور ابویعلی نے مسند میں اور بیہقی نے البعث میں اور ابوالشیخ نے کتاب العظمۃ میں اور عبد بن حمید نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں تین بار صور پھونکے جانے کا ذکر آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرامی نے فرمایا اللہ اسرافیلؑ کو پہلی بار صور پھونکنے کا حکم دے گا اور فرمائے گا گھبراہٹ (پیدا کرنے) والی پھونک مار جب اسرافیل صور پھونکے گا جس کی آواز سے آسمانوں والے اور زمین والے گھبرا جائیں گے ہاں جس کو اللہ چاہے گا (گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا) اسرافیل صور کی پھونک کو برابر کھینچتا اور لمبا کرتا جائے گا بیچ میں سلسلہ منقطع نہیں کرے گا یعنی دم نہ لے گا یہاں تک کہ دودھ پلانے والیاں دودھ پیتے بچوں سے غافل ہو جائیں گی اور حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور بچوں کے بال (شدت خوف سے) سفید ہو جائیں گے اور شیطان گھبراہٹ کی وجہ سے اڑے اڑے بھاگتے پھریں گے جب زمین کے کناروں پر پہنچیں گے تو ملائکہ ان کے چہروں پر ضرب رسید کریں گے اور لوٹا دیں گے لوگ پشت پھیر کر بھاگیں گے اور آپس میں پکار مچی ہوگی یہی وہ دن ہوگا جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے۔ "یوم التناد" بزار اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ابن آدم کو لا کر میزان کے دونوں پلڑوں کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور ایک فرشتہ کو اس پر مامور کر دیا جائے گا (اور اعمال کا وزن کیا جائے گا) سو اگر اس کی نیکیوں کا وزن بھاری نکلا تو وہ فرشتہ اتنی بلند آواز سے ندا دے گا جو تمام مخلوق سنے گی فلاں شخص خوش نصیب ہو گیا اس کے بعد کبھی بدنصیب نہ ہوگا اور اگر (نیکیوں کا) وزن ہلکا نکلا تو ایک فرشتہ ایسی آواز سے جس کو سب مخلوق سن لے گی ندا دے گا فلاں شخص بدبخت نکلا اس کے بعد کبھی خوش بخت نہ ہوگا اور اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا میں نے (تمہارا) ایک رشتہ مقرر کیا تھا اور تم نے (اپنے لئے) دوسرا رشتہ مقرر کیا تھا۔ (یعنی میں نے تقویٰ کو تمہارے لئے پسند کیا تھا اور اس کو تمہارا نسب قرار دیا تھا اور تم نے رشتہ تولید و قرابت کو اختیار کیا)

موت کے مرجانے کا اعلان: طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کا دن ہوگا تو اللہ ایک منادی کو حکم دے گا سن لو میں نے ایک رشتہ مقرر کیا تھا اور تم نے دوسرا رشتہ مقرر کیا تھا میں نے سب سے زیادہ معزز اس کو قرار دیا تھا جو تم میں سے سب سے بڑا پرہیزگار ہو مگر تم نے (اس کو ماننے سے انکار کر دیا سو تم نے کہا تھا کہ فلاں بن فلاں فلاں بن فلاں سے بہتر ہے آج میں اپنے

(قرار دیا ہوا) نسب والوں کا مرتبہ (قائم کروں گا) سب کو پتہ چل جائے گا کہ تقویٰ والے کہاں ہیں اس وقت جب کہ موت ذبح کر دی جائے گی ندا کی جائے گی اے اہل جنت (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے اور (یہاں) موت نہ ہوگی اور اے دوزخ والو (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے اور کبھی موت نہیں ہوگی۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان موت کو لا کر ذبح کیا جائے گا پھر ایک منادی ندا دے گا۔ اے اہل جنت اب نہ موت نہیں اور اے دوزخ والو اب نہ موت نہیں۔ یہ ندا سن کر اہل جنت کو فرحت پر فرحت حاصل ہوگی اور دوزخ والوں پر غم پر غم سوار ہو جائے گا۔ حضرت ابو سعید کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح آئی ہے اور حاکم اور ابن حبان نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے۔

منتشر ہونے کا دن: حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کی قرأت میں یوم التاد کی جگہ یوم التناد بتشدید دال (بھاگنے اور منتشر ہونے کا دن) آیا ہے جس طرح اونٹ اپنے مالکوں سے بھاگتے اور بدکتے ہیں اسی طرح قیامت کے دن لوگ بھاگے بھاگے زمین پر پھریں گے۔ ابن جریر اور ابن مبارک نے ضحاک کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس نچلے آسمان کو حکم دے گا وہ پھٹ جائے گا اور اس کے فرشتے اس کے کناروں پر رہیں گے پھر حکم ہوگا اتر کر زمین اور زمین والوں کو گھیر لیں گے پھر دوسرے پھر تیسرے پھر چوتھے پھر پانچویں پھر چھٹے پھر ساتویں آسمان کو بھی یہی حکم ہوگا۔ آسمان پھٹتے جائیں گے اور ہر آسمان کے فرشتے قطار در قطار صف بستہ ہو جائیں گے پھر ملک الاعلیٰ (شاہ اعلیٰ جاہ) نزول اجلال فرمائے گا جہنم اس کے بائیں جانب ہوگا (اور جنت دائیں جانب) دوزخ کو دیکھ کر زمین والے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن زمین کے جس کنارے پر پہنچیں گے وہاں ملائکہ کی سات قطاریں (ایک کے پیچھے ایک) موجود پائیں گے۔ مجبوراً جہاں تھے وہیں لوٹ آئیں گے اسی کا بیان ان آیات ذیل میں ہے۔ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ اور وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا وَجِایْٓءَ یَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ اور یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا اور وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِیَ یَوْمَىٕذٍ وَّاهِیَةٌ وَّالْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآىٕهَا (التفسیر المظہری)

خوش بختی اور بدبختی کا اعلان: حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کا ایک منادی ندا دے گا کہ اللہ کے مخالف لوگ کھڑے ہو جائیں۔ اس سے

مراد وہ لوگ ہوں گے جو تقدیر کا انکار کرتے تھے۔ اور پھر اصحاب جنت دوزخ والوں کو اور دوزخ والے اصحاب جنت کو اور اصحاب اعراف دونوں کو ندا دیکر اپنی اپنی باتیں کریں گے۔ اور اس وقت ہر خوش نصیب اور بد نصیب کا نام مع ولدیت میزان کے نتیجہ کا اعلان کیا جائے گا کہ فلاں ابن فلاں سعید و کامیاب ہو گیا اس کے بعد شقاوت کا کوئی احتمال نہیں رہا اور فلاں بن فلاں شقی و بد بخت ہو گیا۔ اب اس کی نیک بختی کا کوئی احتمال نہیں رہا (رواہ ابن ابی حاتم فی السنۃ مظہری) مسند بزار و بیہقی میں حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سعادت و شقاوت کا اعلان وزن اعمال کے بعد ہوگا۔

حضرت ابو حازمؒ کی حالت: اور حضرت ابو حازم اعرج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے اعرج قیامت کے روز ندا دی جائے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہو جائیں تو ان کے ساتھ کھڑا ہوگا۔ پھر ندا دی جائے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا۔ پھر ندا دی جاوے گی کہ فلاں قسم کے گناہ کرنے والے کھڑے ہوں تو ان کے ساتھ بھی کھڑا ہوگا۔ اور میں سمجھتا ہوں ہر گناہ کے اعلان کے وقت تجھے ان کے ساتھ کھڑا ہونا پڑے گا (کیونکہ تو نے ہر قسم کے گناہ جمع کر رکھے ہیں) (اخرجہ ابو نعیم۔ مظہری) (معارف مفتی معظم)

يَوْمَ تُوَلُّونَ مُدْبِرِينَ
جس دن بھاگو گے پیٹھ پھیر کر

فضول بھاگ دوڑ ☆ یعنی محشر سے پیٹھ پھیر کر دوزخ کی طرف بھگائے جاؤ گے یا نزول عذاب کے وقت اس سے بھاگنے کی ناکام کوشش کرو گے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَكُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۗ وَمَن
کوئی نہیں تم کو اللہ سے بچانے والا اور جس کو
يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ
غلطی میں ڈالے اللہ تو کوئی نہیں اس کو سمجھانے والا ☆

عناد کی سزا: ☆ یعنی میں تم کو سب نشیب و فراز پوری طرح سمجھا چکا، اس پر بھی تم نہ مانو تو سمجھ لو کہ تمہاری عناد و کجروی کی شامت سے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر لیا ہے کہ تم کو تمہاری پسند کردہ غلطی و گمراہی میں پڑا رہنے دے پھر ایسے شخص سے سمجھنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ
اور تمہارے پاس آچکا ہے یوسف اس سے پہلے کھلی باتیں لے کر

فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِّمَّا جَاءَكُم بِهِ ۖ
پھر تم رہے دھوکے ہی میں ان چیزوں سے جو وہ تمہارے پاس لے کر آیا
حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَن يَبْعَثَ اللَّهُ
یہاں تک کہ جب مر گیا لگے کہنے ہرگز نہ بھیجے گا اللہ
مِن بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ
اس کے بعد کوئی رسول

حضرت یوسف علیہ السلام سے استدلال

☆ یعنی جو قصہ ختم ہوا نہ یہ رسول تھا نہ اب اس کے بعد کوئی رسول آئے گا۔ جب دنیا سے سلسلہ رسالت ہی کا انکار ہوا لیکن حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی میں (مصر والے ان کی نبوت سے) قائل نہ ہوئے تھے مگر ان کے بعد جب مصر کی سلطنت کا بندوبست بگڑا تو حضرت یوسف کا قدم اس شہر پر مبارک تھا یہ کہنے لگے (آئندہ) کوئی نہ آئے گا یاد کر کر یاد کرتے رہے ان کے اوصاف اور زیادہ کوئی نبی نہ آئے گا مراد مومن کی غرض یہ تھی کہ نعمت کی قدر زوال کے بعد ہوتی ہے، نبی کے احوال تم موسیٰ علیہ السلام کی قدر نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
اسی طرح بھٹکاتا ہے اللہ اس کو جو ہو بیباک
مُّرْتَابٌ ۝ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ
شک کرنے والا وہ جو کہ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں
اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا
میں بغیر کسی سند کے جو پہنچی ہو ان کو بڑی بیزاری
عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ
ہے اللہ کے یہاں اور ایمانداروں کے یہاں

سب سے بڑی زیادتی

☆ یعنی بدون حجت عقلیہ و نقلیہ کے اللہ کی باتوں میں جھگڑے کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر زیادتی اور بے حیائی کیا ہوگی۔ کہ اللہ اور سچے ایماندار بندے ان لوگوں سے سخت بیزار ہیں جو سبب ہے ان کے انتہائی

معون ہونے کا۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ
اسی طرح مہر کر دیتا ہے اللہ ہر دل
مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾
پر غرور والے سرکش کے☆

غرور کی سزا☆ جو لوگ حق کے سامنے غرور سے گردن نہ جھکائیں اور پیغمبروں کے ارشادات سکبر سے نیچے نہ کریں آخر کار ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ اسی طرح مہر کر دیتا ہے کہ پھر قبول حق اور نفوذ خیر کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ فرعون کے خاندان سے سوائے اس مرد مومن اور اس کی بیوی آسیہ کے اور کوئی ایمان نہیں لایا۔ (ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

سرکش: حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں جبار وہ شخص ہے جو دو انسانوں کو قتل کر ڈالے۔ ابو عمران جونی اور قتادہ کا فرمان ہے کہ جو بغیر حق کے کسی کو قتل کرے وہ جبار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

خیانت کرنے والا حکمران: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو امام اپنی رعیت سے خیانت کھیل رہا ہو وہ مر کر جنت کی خوشبو بھی نہیں پاتا۔ حالانکہ وہ خوشبو پانچ سو سال کی راہ پر آتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ الموفق للصواب۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا
اور بولا فرعون کہ اے ہامان بنا میرے واسطے
لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ
ایک اونچا محل شاید میں جا پہنچوں رستوں میں آسمانوں کے
فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى
پھر جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے معبود کو☆

فرعون کی بے شرمی☆ یہ اس ملعون کی انتہائی بے شرمی اور بے باکی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شاید اللہ تعالیٰ کی صفت علو وغیرہ کو سن کر یہ قرار دیا ہوگا کہ موسیٰ کا خدا آسمان پر رہتا ہے اسی پر یہ استہزاء و تمسخر شروع کر دیا۔ سچ ہے چیونٹی کی موت آتی ہے تو پر لگ جاتے ہیں۔ سورہ "قصص" میں اس مقام کی تقریر گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ
اور میری اٹکل میں تو وہ جھوٹا ہے☆

☆ یعنی دعوائے رسالت میں بھی اور اس دعوے میں بھی کہ سارے جہان کا کوئی اور معبود ہے مجھے تو اپنے سوا دوسرا نظر نہیں آتا۔ کما قال مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (قصص۔ رکوع ۴) (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ
اور اسی طرح بھلے دکھلائے گئے فرعون کو اس کے برے کام
وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ
اور روک دیا گیا سیدھی راہ سے☆

مسلسل برائی کا نتیجہ

برے کام کرتے کرتے آدمی کی یوں ہی عقل ماری جاتی ہے، ور ایسی ہی مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگتا ہے جس کے بعد راہ پر آنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔ یہ ہی حال فرعون کا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾
اور جو داؤ تھا فرعون کا سو تباہ ہونے کے واسطے☆

بیکار منصوبے☆ یعنی فرعون کے جس قدر داؤ پیچ اور منصوبے یا مشورے تھے سب بے حقیقت تھے۔ خود اپنی ہی تباہی کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ
اور کہا اسی ایماندار نے اے قوم راہ چلو
اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾
میری پہنچا دوں تم کو نیکی کی راہ پر☆

☆ چونکہ فرعون نے کہا تھا وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ اس کے جواب میں مرد مومن نے کہا۔ سَبِيْلَ الرَّشَادِ (بھلائی اور بہتری کا راستہ) وہ نہیں جو فرعون تجویز کرتا ہے۔ بلکہ تم میرے پیچھے چلو تو تم کو بہتری کے راستے پر چلنا نصیب ہو۔ (تفسیر عثمانی)

سَبِيْلَ الرَّشَادِ ایسا راستہ جس پر چلنے والا منزل مقصود پر پہنچ جائے سبیل الرشاد کہلاتا ہے۔ اس میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے طریقہ پر تعریض ہے کہ وہ طریقہ رشد کا طریقہ نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ

اے میری قوم یہ جو زندگی ہے دنیا کی سو کچھ برت لینا ہے

وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

اور وہ گھر جو پچھلا ہے وہی ہے جم کر رہنے کا گھر ☆

آخرت کو نہ بھولو: یعنی فانی و زائل زندگی اور چند روزہ عیش و بہار میں پڑ کر آخرت کو نہ بھولو دنیا کی زندگی بہرحال بھلی بری طرح ختم ہونے والی ہے۔ اس کے بعد وہ زندگی شروع ہوگی جس کا کبھی خاتمہ نہیں عقل کا کام یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے اس کی درستی کی فکر کرے ورنہ ہمیشہ کی تکلیف میں مبتلا رہنا پڑے گا۔ ع

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

(تفسیر عثمانی)

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا

جس نے کی ہے برائی تو وہی بدلہ پائیگا

مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ

اس کے برابر اور جس نے کی ہے

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ

بھلائی مرد ہو یا عورت اور وہ یقین رکھتا ہو سو وہ لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا

جائیں گے بہشت میں روزی پائینگے وہاں

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

بے شمار ☆

آخرت کی ایک جھلک

☆ یہ اخروی زندگی کی تھوڑی سی تفصیل بتلادی کہ وہ کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ وہاں ایمان اور عمل صالح درکار ہیں۔ مال و متاع کو وہاں کوئی نہیں پوچھتا اور یہ بھی خبر ہوئی کہ اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ عقلمند وہی ہے جو موقع ہاتھ سے نہ جانے دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ

اور اے قوم مجھ کو کیا ہوا ہے بلاتا ہوں تم کو نجات کی طرف

وَتَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾

اور تم بلاتے ہو مجھ کو آگ کی طرف ☆

عجیب معاملہ

☆ یعنی میرا اور تمہارا معاملہ بھی عجیب ہے میں چاہتا ہوں کہ تم کو وہ راستہ بتلاؤں جس پر چل کر خدا کے عذاب سے نجات دائمی پاؤ اور تمہاری کوشش یہ ہے کہ اپنے ساتھ مجھے بھی دوزخ کی آگ میں دھکیل دو۔ ایک طرف سے انتہائی دشمنی اور دوسری جانب سے یہ خیر خواہی اور دلسوزی۔

عالی یعنی مجھے بدعقیدہ و بد مذہب بنانے کی کوشش تمہاری بڑی دشمنی ہے۔

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ

تم بلاتے ہو مجھ کو کہ منکر ہو جاؤں اللہ سے اور شریک ٹھہراؤں اس کا

مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ

اس کو جس کی مجھ کو خبر نہیں ہے

قوم کی دعوت

☆ یعنی تمہاری کوشش کا حاصل تو یہ ہے کہ میں (معاذ اللہ) خدائے واحد کا انکار کردوں اس کے پیغمبروں کو اور ان کی باتوں کو نہ مانوں اور نادان جاہلوں کی طرح ان چیزوں کو خدا ماننے لگوں جن کی الوہیت کسی دلیل و برہان یا اصول سے ثابت نہیں۔ نہ مجھے خبر ہے کہ یونہی ان چیزوں کو خدا بنا دیا گیا بلکہ میں جانتا ہوں کہ اس کے خلاف پر دلائل قطعیہ قائم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

اور میں بلاتا ہوں تم کو اس زبردست گناہ بخشنے والے کی طرف ☆

مرد مومن کی دعوت

☆ یعنی میرا منشاء یہ ہے کہ کسی طرح تمہارا سر اس خدائے واحد کی چوکھٹ پر جھکا دوں جو نہایت زبردست بھی ہے اور بہت زیادہ بخشنے والا بھی

معاف کرنیوالا بھی۔ مجرم کو پکڑے تو کوئی چھڑا نہ سکے اور معاف کرے تو کوئی روک نہ سکے۔ وہ ہی اسکا مستحق ہے کہ آدمی اس کے آگے ڈر کر اور امید باندھ کر سر عبودیت جھکائے۔ یہ دیکھو میں اسی خدا کی پناہ میں آچکا ہوں جس کی طرف تمہیں بلا رہا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

لَاجَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ

آپ ہی ظاہر ہے کہ جس کی طرف تم مجھ کو بلاتے ہو اس کا بلاوا

دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَلَا فِی الْاٰخِرَةِ

کہیں نہیں دنیا میں اور نہ آخرت میں☆

قوم کی بے عقلی

☆یعنی ماسوا خدا کے کوئی چیز ایسی نہیں جو دنیا یا آخرت میں ادنیٰ ترین نفع و ضرر کی مالک ہو پھر اسکی بندگی اور خدائی کا بلاوا دینا جہل و حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗٓ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ (احقاف۔ رکوع) آخر ایسی عاجز اور بے بس چیزوں کی طرف آدمی کیا سمجھ کر دعوت دے اور تماشہ یہ ہے کہ ان میں بہت چیزیں وہ ہیں جو خود بھی اپنی طرف دعوت نہیں دیتیں بلکہ دعوت دینے کی قدرت بھی نہیں رکھتیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ

اور یہ کہ ہم کو پھر جانا ہے اللہ کے پاس اور یہ کہ زیادتی والے

هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

وہی ہیں دوزخ کے لوگ☆

☆یعنی انجام کار سب کو اسی خدائے واحد کی طرف جانا ہے وہاں پہنچ کر سب کو اپنی زیادتیوں کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ بتلا! اس سے بڑھ کر زیادتی کیا ہوگی کہ عاجز مخلوق کو خالق کا درجہ دیدیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

سو آگے یاد کرو گے جو میں کہتا ہوں تم کو☆

بے وقت پشیمانی

☆یعنی آگے چل کر جب اپنی زیادتیوں کا مزہ چکھو گے اس وقت میری نصیحت کو یاد کرو گے۔ کہ ہاں ایک مرد خدا جو ہم کو سمجھایا کرتا تھا وہ ٹھیک تھا۔ لیکن اس وقت یاد کرنے پشیمان ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور میں سونپتا ہوں اپنا کام اللہ کو بیشک اللہ کی

بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

نگاہ میں ہیں سب بندے☆

ادائے فرض کے بعد خدا کے سپرد

☆یعنی میں خدا کی حجت تمام کر چکا اور نصیحت کی بات سمجھا چکا، تم نہیں مانتے تو میرا تم سے کچھ مطلب نہیں، اب میں اپنے کو بالکلیہ خدا کے سپرد کرتا ہوں، اسی پر میرا اعتماد ہے، تم اگر مجھے ستانا چاہو گے تو وہ ہی خدا میرا حامی وناصر ہے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں وہ میرا اور تمہارا دونوں کا معاملہ دیکھ رہا ہے، کسی کی کوئی حرکت اس پر پوشیدہ نہیں۔ ایک مومن قانت کا کام یہ ہے کہ اپنی امکانی سعی کر چکنے کے بعد نتیجہ کو خدا کے سپرد کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ

پھر بچا لیا اس مومن کو اللہ نے برے داؤں سے جو کرتے تھے اور الٹ پڑا

بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ

فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب☆☆

آخری نتیجہ

☆یعنی حق و باطل کی اس کشمکش کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہیوں کو جن میں یہ مومن آل فرعون بھی تھا) فرعونیوں کے منصوبوں سے محفوظ رکھا۔ کوئی داؤ ان کا چلنے نہ دیا۔ بلکہ ان کے داؤ پیچ خود ان ہی پر الٹ پڑے۔ جس نے حق پرستوں کا تعاقب کیا وہ مارا گیا اور قوم کی قوم کا بیڑا بحر قلزم میں غرق ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وحاق بال فرعون یعنی فرعون اور فرعونیوں پر بڑا تکلیف دہ عذاب نازل ہوا فرعون کا ذکر کرنا بیکار تھا کیونکہ وہ تو عذاب کا مستحق سب سے زیادہ تھا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

سُوْٓءُ الْعَذَاب یعنی دنیا میں پانی میں غرق کر دیا اور مرنے کے بعد دوزخ میں ڈال دیا۔

آل فرعون: بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ آل فرعون سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو فرعون نے عبد مومن کو گرفتاری کے لئے بھیجا تھا اس صورت میں سوء

العذاب سے مراد ہوگا عذاب قتل۔ عبد مومن بھاگ کر ایک پہاڑ پر چلا گیا لوگوں نے اس کا پیچھا کیا اور پہاڑ پر چڑھ گئے جا کر دیکھا تو اس کو نماز میں مشغول پایا اور چاروں طرف گھیرا ڈالے صف بستہ جنگلی درندے اس کی حفاظت کر رہے تھے مجبور ہو کر لوٹ پڑے اس جرم میں فرعون نے ان کو قتل کرا دیا۔ (تفسیر مظہری)

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ

وہ آگ ہے کہ دکھا دیتے ہیں اُن کو صبح اور شام☆

عذاب قبر☆ یعنی دوزخ کا ٹھکانا جس میں وہ قیامت کے دن داخل کیے جائیں گے ہر صبح وشام ان کو دکھلا دیا جاتا ہے تا نمونہ کے طور پر اس آنے والے عذاب کا کچھ مزہ چکھتے رہیں۔ یہ عالم برزخ کا حال ہوا۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اسی طرح ہر کافر کے سامنے دوزخ کا اور ہر مومن کے سامنے جنت کا ٹھکانا روزانہ صبح وشام پیش کیا جاتا ہے (تنبیہ) آیت ہذا سے صرف فرعونیوں کا عالم برزخ میں معذب ہونا ثابت ہوا تھا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم کرایا گیا کہ جملہ کفار بلکہ عصاۃ مومنین بھی برزخ میں معذب ہیں (اعاذنا اللہ منہ) کما ورد فی الاحادیث الصحیحۃ اور بعض آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح جنتیوں میں سے شہداء کی روحیں ''طیور خضر'' کے ''حواصل'' میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں، اسی طرح دوزخیوں میں سے فرعونیوں کی ارواح کو ''طیور سود'' کے ''حواصل'' میں داخل کر کے ہر صبح وشام دوزخ کی طرف بھیجا جاتا ہے (البتہ ارواح کا مع ان کے اجساد کے جنت یا دوزخ میں اقامت پذیر ہونا یہ آخرت میں ہوگا) اگر یہ صحیح ہو تو فرعونیوں کے متعلق اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا اور عام دوزخیوں کے متعلق حدیث عُرض علیه مقعده بالغداة والعشی کے الفاظ کا تفاوت شاید اسی بناء پر ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

عالمِ برزخ پر ایمان لانا ضروری ہے: عالم برزخ اور وہاں کا ثواب وعذاب اور راحت وتکلیف امر قطعی ہے اور جس طرح آخرت پر اور آخرت کے ثواب وعقاب پر ایمان ضروری ہے۔ اسی طرح برزخ کے ثواب وعقاب پر بھی ایمان ویقین ضروری ہے اور ایمان بالآخرۃ جو دین کی اصل بنیاد ہے وہ احوال برزخ پر ایمان لائے بغیر ممکن نہیں۔

برزخ وقبر کیا ہے: برزخ دنیا اور آخرت کے درمیان ایک درمیانی عالم کا نام ہے۔ جس جگہ بھی اور جس حال میں بھی مردہ مرنے کے بعد سے لے کر یوم البعث تک رہے گا وہی برزخ ہے خواہ مردہ قبر میں دفنا دیا جائے یا سمندر میں ڈبو دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے یا کوئی جانور یا درندہ اس کو کھا لے۔ غرض اس جملہ احوال کا عنوان برزخ ہے اور اسی کو اصطلاحی طور پر قبر کہا جاتا ہے۔ اگرچہ قبر لفظی طور سے زمین کے گڑھے کو کہتے ہیں مگر شریعت کی نظر میں یہ جملہ احوال عالمِ قبر ہی شمار کیے جاتے ہیں۔ اس عالمِ برزخ کا ثبوت کتاب اللہ کی نص صریح ہے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ میں موجود ہے۔ اسی لئے حضرات متکلمین عقائد کے سلسلے میں عذاب قبر کا ایک مستقل باب رکھتے ہیں۔

اس عالم کی وسعت کا ہم کوئی اندازہ نہیں کر سکتے۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ عالم دنیا اس جہان برزخ کے سامنے ایسا ہے جیسے ماں کا پیٹ تمام دنیائے عالم کے سامنے۔ جس طرح حالت نوم موت وحیات کے درمیان ایک حالت ہے۔ ایسے ہی اس عالم برزخ کو دنیا اور آخرت کے درمیان عالم سمجھ لیا جائے۔ انسان کے مر جانے کے بعد دنیوی حیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور روح عالم برزخ میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر پھر بدن سے پھر بھی ایک گونہ تعلق باقی رہتا ہے۔ اور محل دفن سے بھی باقی رہتا ہے۔

قبر کی حیات: قبر میں میت کو جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ دنیوی حیات معہودہ کی طرح نہیں بلکہ وہ دوسری نوع کی ہوتی ہے جس کا ان حواس سے ادراک نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدنی حواس تو بدن کی موت سے ختم ہو چکے ہیں۔ ان ادراکات کو اسی طرح سمجھ لیا جائے جیسے حالت نوم میں انسان جو کچھ دیکھتا سنتا ہے وہ ان آنکھوں اور کانوں سے نہیں دیکھتا سنتا وہ تو حالت نوم میں معطل ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے باطنی مدرکات ہیں جن کے ذریعے یہ ادراک حاصل ہوتا ہے۔ بہرکیف مرنے کے بعد انسان جب اس جہان میں پہنچ جاتا ہے۔

قبر میں مومن وکافر کی حالت: حدیث میں آتا ہے کہ مومن شخص قبر میں جب نکیرین کے سوال وجواب سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے ایک نہایت بہترین صورت ظاہر ہوتی ہے تو مومن دریافت کرتا ہے۔ مَنْ اَنْتَ الخ کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے خیر نظر آرہی ہے۔ تو جواب یہ ہوگا۔ انا عملک الصالح کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اس کے برعکس کافر اور فاسق وفاجر کے سامنے ڈراونی ہیبت ناک شکل آئے گی۔ وہ یہ شخص جب پوچھے گا کہ تو کون ہے تیرے چہرے سے تو شر ٹپک رہا ہے تو وہ یہ جواب دے گی انا عملک الخبیث میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ غرض یہ عالم برزخ عالم آخرت کا دیباچہ ہے۔ جیسے نجات یا عدم نجات کا ہونا ہے اسی کے مطابق قبر ہی میں معاملہ شروع ہو جائے گا۔

نکیرین کا سوال کس سے ہوگا: شیخ عبدالکریم شہرستانی نہایۃ الاقدام میں فرماتے ہیں کہ نکیرین کا سوال وجواب کے لئے بدن کا تمام اجزاء بدن سے تعلق ضروری نہیں ہے۔ بعض اجزاء کا بدن سے تعلق کافی ہے۔ کیونکہ زندگی میں بھی ادراک وشعور اور فہم ونطق جسم کے بعض اجزاء ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد قبر میں اللہ تعالیٰ ان اجزاء مخصوصہ کے ساتھ روح کا تعلق قائم فرما کر زندہ کر دیں گے ور نکیرین سے

سوال و جواب دراصل انہی اجزائے مخصوصہ سے ہوگا اور پھر قیامت کے روز یہی اجزاء اصلیہ حشر ونشر کے وقت اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

ثواب وعذاب قبر کے دلائل

نہایہ الاقوام للعلامہ شہرستانی بحوالہ عقائد الاسلام حضرت مولانا محمد ادریس رحمہ اللہ بہر کیف یہ آیت اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا۔ برزخ میں عذاب قبر ثابت کر رہی ہے اور یہ کہ یہ عذاب قبل از قیامت ہوگا جیسے کہ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ کی تصریح اس پر دلالت کر رہی ہے اور حبیب نجار کے قصہ میں جن کو کفار نے شہید کر دیا تھا وہ آیت کہ متعلق ہے۔ قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ کہ شہادت کے بعد ہی حکم ہوگیا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ اور جنت میں داخل ہوئے تو اس کی تمنا ہوئی کاش میری قوم کو بھی اس کی نعمت وکرامت کا علم ہو جائے تاکہ وہ بھی ایمان لائے تو ظاہر ہے کہ یہ ثواب مرنے کے بعد قبل از قیامت ہوا اس طرح سے ثابت ہوا کہ قبل از قیامت عذاب قبر کی طرح ثواب قبر بھی ہے جو مومنین ومطیعین کے لئے ہوگا۔ اسی طرح آیت واقعہ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ اور یہ سب انعام مرنے کے بعد فوراً ہی ہے اور کفار کے حق میں مرنے کے بعد متصل احوال یہ ہیں فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّتَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ مہمانی کھولتے پانی کی اور جہنم کی آگ میں گھسنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا احادیث متواترہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔ (معارف کاندھلوی)

امام احمد بن حنبل کی تخریج کردہ وہ حدیث جس کا یہ مضمون ہے کہ ایک یہودی عورت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا کرتی۔ اور حضرت عائشہؓ اس کی مدد فرمایا کرتیں۔ تو جب بھی اس کے ساتھ کوئی احسان وغیرہ کرتیں تو وہ یہودیہ یہ دعا دیتی کہ وقاک اللہ عذاب القبر (اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے) حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ یہ یہودیہ جھوٹ بولتی ہے۔ اور یہ لوگ تو اللہ پر بہت ہی جھوٹے ہیں قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ پھر آپ کچھ دن گذرنے کے بعد ایک روز نصف النہار کے وقت اپنی چادر اوڑھے باہر نکلے۔ اور گھبراہٹ کی وجہ سے آپ کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند فرما رہے تھے القبور كقطع الليل المظلم کہ قبر رات کے تاریک ٹکڑوں کی طرح ہے اے لوگو! اگر تم کو وہ باتیں معلوم ہو جائیں جو میں جانتا ہوں تو تم لوگ کثرت سے رویا کرو اور بہت کم ہنسا کرو۔ اے لوگو! پناہ مانگو اللہ کی عذاب قبر سے۔ کیونکہ عذاب قبر حق ہے۔ اس حدیث کو اگرچہ بخاری اور مسلم نے روایت نہیں کیا مگر یہ ان کی شرط پر ہے۔ آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ انكم تفتنون في القبور قريباً من فتنة الدجال۔ امام بخاری ومسلم نے عبداللہ بن عمرؓ کی سند سے یہ حدیث تخریج فرمائی ہے۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان احدكم اذا مات عرض عليه مقعده بالغداة والعشى. ان كان من اهل الجنة فمن اهل الجنة وان كان من اهل النار فمن اهل النار. فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله عزوجل الىٰ يوم القيمه۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

(کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس پر اس کا ٹھکانہ صبح وشام پیش (اور ظاہر) کیا جاتا ہے اگر اہل جنت سے ہوتا ہے تو جنت والوں کا ٹھکانہ اور اگر اہل جہنم میں سے ہوتا ہے تو جہنم والوں کا ٹھکانہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کو یہی کہلایا جاتا ہے کہ یہ ہے تیرا ٹھکانہ یہاں تک کہ تجھ کو اللہ عزوجل قیامت کے روز اٹھا نہ لے)

صبح وشام آگ

حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے فرمایا کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے جوف کے اندر داخل ہو کر روزانہ دو مرتبہ صبح شام دوزخ پر پیش ہوتی ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ اے آل فرعون قیامت برپا ہونے تک تمہارا یہی ٹھکانہ ہے اس کی تائید حضرت عبداللہؓ بن عمر کی اس روایت سے ہوتی ہے جو صحیحین میں مذکورہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مر جاتا ہے تو اس کی قیام گاہ صبح شام اس کے سامنے لائی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہوتا ہے تو جنت والوں کی قیام گاہ اور اگر دوزخی ہوتا ہے تو دوزخ والوں کی قیام گاہ (اس کے سامنے لائی جاتی ہے) اور اس سے کہا جاتا ہے یہی تیری رہنے کی جگہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اللہ قیامت کے دن تجھے اٹھائے گا۔

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور قبر (یعنی برزخ) میں عذاب ہوتا ہے (متعدد) احادیث بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں اور اسی پر اجماع علماء ہے۔

اَدْخِلُوْا۔ یعنی (عذاب کے) فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اشد العذاب سے مراد ہے طرح طرح کا عذاب جو عالم برزخ کے عذاب سے بالکل الگ قسم کا ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

مسند احمد میں ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں تم میں سے جب کبھی کوئی مرتا ہے ہر صبح شام اس کی جگہ اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت اور اگر وہ جہنمی ہے تو جہنم۔ اور کہا جاتا ہے کہ تیری اصلی جگہ یہ ہے جہاں تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بھیجے گا۔ یہ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ایک طالب علمانہ اشکال اور اس کا حل

بعض حدیثوں میں کچھ ایسے مضامین وارد ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب برزخ کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے شریف کی

ہجرت کے بعد ہوا اور یہ آیت مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشرکوں کی روحیں صبح شام جہنم کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ یہ عذاب ہر وقت جاری اور باقی رہتا ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی کہ آیا یہ عذاب صرف روح کو ہی ہوتا ہے یا جسم کو بھی؟ اس کا علم خدا کی طرف سے آپؐ کو مدینہ شریف میں کرایا گیا اور آپؐ نے اسے بیان فرمادیا۔ پس حدیث و قرآن ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب و ثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ ۛ أَدْخِلُوا آلَ

اور جس دن قائم ہوگی قیامت حکم ہوگا داخل کرو

فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾ وَإِذْ

فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں اور جب

يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ

آپس میں جھگڑیں گے آگ کے اندر پھر کہیں گے کمزور

لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ

غرور کرنے والوں کو ہم تھے تمہارے تابع

تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا

پھر کچھ تم ہم پر سے اٹھا لو گے

نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾

حصہ آگ کا☆

جھوٹے لیڈروں کا انجام

☆یعنی دنیا میں ہم سے اپنی اطاعت اور اتباع کراتے رہے جس کی بدولت آج ہم پکڑے گئے۔ اب یہاں ہمارے کچھ تو کام آؤ۔ آخر بڑوں کو چھوٹوں کی تھوڑی بہت خبر لینی چاہئے۔ دیکھتے نہیں آج ہم کس قدر مصیبت میں ہیں۔ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ اس مصیبت کا کوئی جزو ہم سے ہلکا کردو۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا

کہیں گے جو غرور کرتے تھے ہم سبھی پڑے ہوئے ہیں اسمیں

إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾

بیشک اللہ فیصلہ کرچکا بندوں میں☆

☆یعنی جو دنیا میں بڑے بنتے تھے جواب دیں گے کہ آج ہم اور تم سب اسی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہر ایک کے جرم کے موافق جو فیصلہ دینا تھا دے دیا ہے جو بالکل قطعی اور اٹل ہے۔ اب ممکن نہیں رہا کہ کوئی کسی کے کام آئے۔ ہم اپنی ہی مصیبت کو ہٹا نہیں سکتے پھر تمہارے کیا کام آسکتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ

اور کہیں گے جو لوگ پڑے ہیں آگ میں دوزخ کے

جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا

داروغوں کو مانگو اپنے رب سے کہ ہم پر ہلکا کردے

يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾

ایک دن تھوڑا عذاب☆

داروغوں سے درخواست

☆یعنی اپنے سرداروں کی طرف سے مایوس ہو کر ان فرشتوں سے درخواست کریں گے جو دوزخ کے انتظام پر مسلط ہیں کہ تم ہی اپنے رب سے دعا کرو کوئی دن تعطیل کا کرا دو جس میں ہم پر سے عذاب کچھ ہلکا ہو جایا کرے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ

وہ بولے کیا نہ آتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول

بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۚ قَالُوا فَادْعُوا ۗ

کھلی نشانیاں لے کر کہیں گے کیوں نہیں بولے پھر پکارو

وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٥٠﴾

اور کچھ نہیں کافروں کا پکارنا مگر بھٹکنا

اب وقت نکل چکا ہے

☆یعنی اس وقت ان کی بات نہ مانی اور اپنا ہی فرض نہ پہچانا جو کچھ کام چلتا۔ اب موقع ہاتھ سے نکل چکا کوئی سعی سفارش یا خوشامد درآمد کام نہیں دے

سکتی۔ پڑے چیختے چلاتے رہو۔ نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں نہ تمہاری چیخ پکار سے کوئی فائدہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "دوزخ کے فرشتے کہیں گے سفارش کرنا ہمارا کام نہیں ہم تو عذاب دینے پر مقرر ہیں سفارش کام ہے رسولوں کا سو رسولوں سے تم برخلاف ہی تھے" (تنبیہ) آیت ہذا سے معلوم ہوا کہ آخرت میں کافروں کی دعا کا کوئی اثر نہ ہوگا باقی دنیا میں کافر کے مانگنے پر اللہ تعالیٰ کوئی چیز دیدیں وہ دوسری بات ہے جیسے ابلیس کو قیامت تک مہلت دیدی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ایمان والوں
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
کی دنیا کی زندگانی میں ☆

دنیا میں مدد ☆ یعنی دنیا میں ان کا بول بالا کرتا ہے جس مقصد کے لئے وہ کھڑے ہوتے ہیں اللہ کی مدد سے اس میں کامیابی ہوتی ہے۔ حق پرستوں کی قربانیاں کبھی ضائع نہیں جاتیں درمیان میں کتنی ہی اتار چڑھاؤ ہو اور کیسے ہی امتحانات پیش آئیں مگر آخر ان کا مشن کامیاب ہو کر رہتا ہے۔ علمی حیثیت سے حجت و برہان میں تو وہ ہمیشہ ہی منصور رہتے ہیں لیکن مادی فتح اور ظاہری عزت و رفعت بھی آخر کار ان ہی کو حاصل ہوتی ہے سچائی کے دشمن کبھی معزز نہیں رہ سکتے۔ ان کا علو اور عروج محض ہنڈیا کا جھاگ اور سوڈے کا ابال ہوتا ہے۔ انجام کار مومنین قانتین کے مقابلہ میں ان کو پست اور ذلیل ہونا پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے اپنے اولیاء کا انتقام لئے بدون نہیں چھوڑتا لیکن واضح رہے کہ آیت میں جن مومنین کے لئے وعدہ کیا گیا شرط یہ ہے کہ وہ حقیقی مومن اور رسولوں کے متبع ہوں کما قال تعالیٰ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران۔ رکوع ۱۴) مومنین کی خصلتیں قرآن میں جابجا مذکور ہیں چاہئے کہ مسلمان اس کسوٹی پر اپنے کو کس کر دیکھ لیں۔ (تفسیر عثمانی)

ضحاک نے کہا دنیا میں مدد کرنے سے مراد ہے دلیل و برہان سے مدد کرنا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا غلبہ عطا کرنا مراد ہے۔ بیضاوی نے کہا اگرچہ کبھی کافروں کو بھی غلبہ عطا کیا گیا لیکن اعتبار اغلبی معاملات اور اکثریت کا ہے (اور اکثر صورتوں میں پیغمبروں کو کافروں پر غلبہ ہی عطا کیا گیا ہے) بعض لوگوں نے کہا نصرت رسل سے مراد ہے دشمنوں سے انتقام (یعنی دنیا میں اللہ نے پیغمبروں کے دشمنوں سے پیغمبروں کا انتقام ضرور لیا) (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کی سنت: الغرض حق تعالیٰ کی یہ سنت قدیم ہمیشہ سے جاری رہی کہ وہ اپنے مومن بندوں کی مدد فرماتا ہے۔ اور ان کے ظالموں سے بدلہ لے کر مومنین کی آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے حق تعالیٰ کی اس سنت قدیم کو ابو ہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک سے نقل فرماتے ہیں۔ فرمایا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے جو بھی میرے کسی دوست سے دشمنی کا معاملہ کرے۔ بس اس نے میرے مقابلہ میں اعلان جنگ کیا۔ اور میدان میں میرے سامنے نکل آیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ خداوند عالم نے قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط اور اصحاب مدین اور ایسے اللہ کے رسولوں سے عداوت و مقابلہ کرنے والوں کا کیسا عبرت ناک انجام دنیا کو دکھایا اور سب سے آخیر میں خاتم الانبیاء والمرسلین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کی اللہ نے یہی مدد و کامیابی فرمائی اور دشمنوں کو ذلیل و رسوا کر کے کلمۃ اللہ ہی العلیا اور لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا منظر دکھایا۔ گو ایک وقت مغلوبیت کا گذارا مکہ سے ہجرت بھی کرنی پڑی۔ مگر مظلومیت اور بے بسی کے اس دور کے ساتھ ہی ساتھ انصار کا گروہ مہیا فرما دیا جن کی زندگیاں اللہ کے رسولؐ اور ان پر ایمان لانے والوں کے لئے سراپا نصرت ہی نصرت تھیں۔ پھر اللہ نے کفار پر جنگ بدر میں غلبہ دیا۔ ان کے رؤسا اور سردار قتل کئے گئے۔ قید و بند کی ذلت سامنے آ گئی فدیہ دیکر رہائی حاصل کرنا ہی اپنے ہاتھوں اپنی ذلت و پستی کو اختیار کر لینا تھا۔ تا آنکہ مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ وہی سردار وہی رؤسا قریش دست بستہ سرنگوں شرمسار آپ کے سامنے معافی مانگتے ہوئے حاضر ہو رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر احسان فرماتے ہوئے یہ فرماتے جا رہے ہیں۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جزیرہ عرب اور یمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہوا اور اہل کتاب جزیہ گذار ہو گئے۔ اور لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خلفاء راشدین کے دور فارس و روم۔ افریقہ اندلس اور کابل تک فتوحات کا سلسلہ پھیل گیا۔ اور اسلام کا کلمہ اور دین کا غلبہ مشرق و مغرب میں دنیا نے دیکھ لیا (تفسیر ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾
اور جب کھڑے ہونگے گواہ ☆

اہل حق کا اعزاز ☆ یعنی میدان حشر میں جبکہ اولین و آخرین جمع ہوں گے حق تعالیٰ اپنے فضل سے علی رؤس الاشہاد ان کی سربلندی اور عزت و رفعت کو ظاہر فرمائے گا۔ دنیا میں تو کچھ شبہ بھی رہ سکتا ہے اور التباس ہو جاتا ہے وہاں ذرا بھی ابہام و التباس باقی نہ رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ باجماع مفسرین یہ دن قیامت کا دن ہے۔ اور اشہاد کی تفسیر ملائکہ سے کی گئی۔ جو بندوں کے نامہ ہائے اعمال کے

میدان حشر میں موجود ہوں گے۔ (معارف کاندھلوی)

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ

جس دن کام نہ آئیں منکروں کو اُن کے بہانے

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝

اور اُن کو پھٹکار ہے اور اُنکے واسطے برا گھر ☆

☆یعنی ان کی کوئی مدد اور دستگیری نہ ہوگی۔ یہ مقبولین کے بالمقابل مطرودین کا انجام بیان فرمادیا۔ (تفسیر عثمانی)

سوٓ الدار کی تفسیر: بعض مفسرین مثلاً سدی یہ بیان کرتے ہیں۔ بئس المنزل والمقیل۔ یعنی بہت ہی بری اترنے کی جگہ اور بہت ہی بری آرام گاہ اور جہنم کو آرام گاہ کہنا ایسا ہی ہوگا جیسے فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں لفظ بشارت استعمال کیا گیا۔ اس کی تفسیر انجام کی تباہی اور بربادی سے فرمایا کرتے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا

اور ہم نے دی موسیٰ کو راہ کی سوجھ اور وارث کیے

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝ هُدًى وَّذِكْرٰى

بنی اسرائیل کو کتاب کا بجھانے اور سمجھانے والی

لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

عقلمندوں کو☆

قابل عبرت ☆یعنی دنیا ہی میں دیکھ لو کہ فرعون اور اسکی قوم کو باوجود اس قدر طاقت و جبروت کے حق کی دشمنی نے کس طرح ہلاک و برباد کر کے چھوڑا اور موسیٰ علیہ السلام کی برکت و رہنمائی سے بنی اسرائیل کی مظلوم اور کمزور قوم کو کس طرح ابھارا اور اس عظیم الشان کتاب (تورات) کا وارث بنایا جو دنیا میں عقلمندوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دیتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ

سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور بخشوا

لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ

اپنا گناہ اور پاکی بول اپنے رب کی خوبیاں شام کو

وَالْاِبْكَارِ ۝

[illegible] صبح کو ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور فتح ہوگی

☆یعنی آپ تسلی رکھئے جو وعدہ آپ سے کیا گیا ہے ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ خداوند قدوس دارین میں آپ کو اور آپ کے طفیل میں آپ کے متبعین کو سربلند کرے گا۔ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے شدائد و نوائب پر صبر کریں اور جس سے جس درجہ کی تقصیر کا امکان ہو اس کی معافی خدا سے چاہتے رہیں اور ہمیشہ صبح و شام اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کا قولاً و فعلاً ورد رکھیں ظاہر و باطن میں اس کی یاد سے غافل نہ ہوں پھر اللہ کی مدد یقینی ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر ساری امت کو سنایا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو سو بار استغفار کرتے۔ ہر بندے کی تقصیر اس کے درجے کے موافق ہے، اس سے ان کی استغفار ضروری ہے۔" (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ

جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر

سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ

کسی سند کے جو پہنچی ہو اُن کو اور کوئی بات نہیں انکے دلوں میں

اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ

غرور ہے کہ کبھی نہ پہنچیں گے اس تک ☆

تکبر: ☆یعنی جو لوگ اللہ کی دلائل توحید اور کتب سماویہ اور اس کے پیغمبروں کے معجزات و ہدایات میں خواہ مخواہ جھگڑتے اور بے سند باتیں نکال کر حق کی آواز دبانا چاہتے ہیں ان کے ہاتھ میں کچھ حجت و دلیل نہیں۔ نہ کوئی واقعی ان کھلی ہوئی چیزوں میں شک و شبہ کا موقع ہے۔ صرف شیخی اور غرور مانع ہے کہ حق کے سامنے گردن جھکائیں اور پیغمبر کا اتباع کریں۔ وہ اپنے کو بہت اونچا کھینچتے ہیں۔ چاہتے یہ ہیں کہ پیغمبر سے اوپر ہو کر رہیں یا کم از کم اس کے سامنے جھکنا نہ پڑے۔ یقین رکھیں کہ وہ اس مقصد تک کبھی نہیں پہنچ سکتے۔ پیغمبر کے سامنے سر اطاعت جھکانا پڑے گا ورنہ سخت ذلیل و رسوا ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ

سو تو پناہ مانگ اللہ کی بیشک وہ سنتا

الْبَصِيْرُ
دیکھتا ہے☆

☆یعنی اللہ کی پناہ مانگ کہ وہ ان مجادلین کے خیالات سے بچائے اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آگے بعض مسائل کی تحقیق ہے جن میں وہ لوگ جھگڑتے تھے مثلاً بعث بعد الموت (موت کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا) کہ اس کو وہ محال سمجھتے تھے یا توحید باری جس کا انکار کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ
البتہ پیدا کرنا آسمانوں کا اور زمین کا بڑا ہے
خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
لوگوں کے بنانے سے لیکن بہت لوگ نہیں
يَعْلَمُوْنَ
سمجھتے☆

موت کے بعد زندگی ☆یعنی بظاہر مادی حیثیت سے آسمان و زمین کی عظمت و جسامت کے سامنے انسان کی کیا حقیقت ہے۔ یہی مشرکین بھی تسلیم کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا وہی خداوند قدوس ہے۔ پھر جس نے اتنی بڑی مخلوقات کو پیدا کیا ہے آدمیوں کا پہلی بار یا دوسری بار پیدا کر دینا کیا مشکل ہوگا۔ تعجب ہے کہ ایسی موٹی بات کو بہت لوگ نہیں سمجھتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ
اور برابر نہیں اندھا اور آنکھوں والا اور نہ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِىْٓءُ
ایمان دار جو بھلے کام کرتے ہیں اور نہ بدکار
قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ اِنَّ السَّاعَةَ
تم بہت کم سوچ کرتے ہو تحقیق قیامت
لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
آنی ہے اس میں دھوکا نہیں لیکن بہت
النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ
لوگ نہیں مانتے☆

مومن اور بدکار

☆یعنی ایک اندھا جسے حق کا سیدھا راستہ نہیں سوجھتا اور ایک آنکھوں والا جو نہایت بصیرت کے ساتھ صراط مستقیم کو دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا ایک نیکوکار مومن اور کافر بدکار کا انجام یکساں ہو سکتا ہے؟ اگر ایسا نہیں تو ضرور ایک دن چاہیے جب ان کا باہمی فرق کھلے اور دونوں کے علم و عمل کے ثمرات اپنی اکمل ترین صورت میں ظاہر ہوں مگر افسوس کہ تم اتنا بھی نہیں سوچتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِىْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ
اور کہتا ہے تمہارا رب مجھ کو پکارو کہ پہنچوں تمہاری پکار کو☆

☆یعنی میری ہی بندگی کرو کہ اس کی جزا دوں گا اور مجھ ہی سے مانگو۔ تمہارا مانگنا خالی نہ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اس امت کے لئے مخصوص تین چیزیں

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں اس امت کو تین چیزیں ایسی دی گئی ہیں کہ ان سے پہلے کی امت کو نہیں دی گئیں بجز نبی کے۔ دیکھو ہر نبی کو خدا کا فرمان یہ ہوتا ہے کہ تو اپنی امت پر گواہ ہے۔ لیکن تم لوگوں پر گواہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیا۔ اگلے نبیوں سے کہا جاتا تھا کہ تجھ پر دین میں حرج نہیں۔ لیکن اس امت سے فرما دیا کہ تمہارے دین میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ نبی سے کہا جاتا تھا کہ مجھے پکار میں تیری پکار قبول کروں گا لیکن اس امت کو فرما دیا گیا کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار قبول فرماؤں گا (ابن ابی حاتم) امام ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ابن حبان اور حاکم بھی اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی شان من لم یغضب ان ترکت سؤاله . وبنی آدم حين يسأل يغضب یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب تو اس سے نہ مانگے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسان کی یہ حالت ہے کہ اس سے مانگو تو وہ روٹھ جاتا ہے۔ مسند میں ہے جو شخص خدا سے دعا نہیں کرتا اللہ اس پر غضب ناک ہوتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

چار باتیں: انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث قدسی کا مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ فرمایا حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ چار باتیں ہیں جن میں سے ایک میرے واسطے اور ایک اے میرے بندے تیرے واسطے ہے۔ اور ایک میرے اور تیرے درمیان ہے اور ایک وہ ہے جو تیرے اور میرے دوسرے تمام بندوں کے درمیان ہے۔

جو چیز میرے واسطے ہے وہ یہ ہے کہ تو میرے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرنا۔ اور جو چیز تیری مجھ پر ہے وہ یہ ہے کہ جو بھی تو عمل خیر کرے گا اس کی

جزاء میرے ذمہ ہے اور جو چیز میرے اور تیرے درمیان ہے وہ یہ کہ تو دعا کرے اور میں اس کو قبول کروں اور جو تیرے اور مخلوق کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے واسطے وہی چیز پسند کرے جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
بیشک جو لوگ تکبر کرتے ہیں میری بندگی سے
سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ
اب داخل ہوں گے دوزخ میں ذلیل ہو کر

مانگنا بندگی کی شرط ہے اپنے رب سے مانگنا نہ مانگنا غرور ہے اور اس آیت سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ بندوں کی پکار کو پہنچتا ہے یہ بات تو سب شک برحق ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر بندے کی ہر دعا قبول کر لے یعنی جو مانگے وہی چیز دیدے نہیں اس کی اجابت کے بہت سے رنگ ہیں جو احادیث میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ وہی چیز دینا اس کی مشیت پر موقوف اور حکومت کے تابع ہے۔ کما قال فی موضع آخر فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ (انعام رکوع ۴) بہر حال بندہ کا کام ہے مانگنا اور یہ مانگنا خود ایک عبادت بلکہ مغز عبادت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تکبر کرنے والوں کا حشر

مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی شکل میں جمع کیے جائیں گے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ان کے اوپر ہوگی۔ انہیں بولس نامی جہنم کے جیل خانے میں ڈالا جائے گا اور بھڑکتی ہوئی سخت آگ ان کے سروں پر شعلے مارے گی۔ انہیں جہنمیوں کا لہو پیپ اور پاخانہ پیشاب پلایا جائے گا۔

قابل تعجب آدمی: ابن ابی حاتم میں ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں میں ملک روم میں کافروں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گیا تھا ایک دن میں نے سنا کہ ہاتف غیب ایک پہاڑ کی چوٹی سے بہ آواز بلند کہہ رہا ہے خدایا! اس پر تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے تیرے سوا دوسرے کی ذات سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ خدایا اس پر بھی تعجب ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے اپنی حاجتیں دوسروں کے پاس لے جاتا ہے۔ پھر ذرا ٹھہر کر ایک پر زور آواز لگائی اور کہا پورا تعجب اس پر ہے جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے وہ کام کرتا ہے جن سے تو ناراض ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے بلند آواز سے پوچھا کہ تو کوئی جن ہے یا انسان؟ جواب آیا کہ انسان ہوں تو ان کاموں سے اپنا دھیان ہٹا لے جو تجھے فائدہ نہ دیں اور ان کاموں میں مشغول ہو جا جو تیرے فائدے کے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

دعاء کی حقیقت: دعاء کے لفظی معنے پکارنے کے ہیں اور اکثر استعمال کسی حاجت و ضرورت کیلئے پکارنے میں ہوتا ہے۔ کبھی مطلق ذکر اللہ کو بھی دعا کہا جاتا ہے۔ یہ آیت امت محمدیہ کا خاص اعزاز ہے کہ ان کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا اور اس کی قبولیت کا وعدہ کیا گیا اور جو دعا نہ مانگے اس کے لئے عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت قتادہ نے کعب احبار سے نقل کیا ہے کہ پہلے زمانے میں یہ خصوصیت انبیاء کی تھی کہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا تھا کہ آپ دعا کریں میں قبول کروں گا۔ امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ حکم تمام امت کے لئے عام کر دیا گیا۔ (ابن کثیر)

حضرت نعمان بن بشیرؓ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الدُّعَاءَ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ یعنی دعا عبادت ہی ہے اور پھر آپ نے استدلال میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ

[illegible]

[illegible] عبادات ہے اور ہر عبادات [illegible] کسی کے سامنے انتہائی تذلل اختیار کرنے کا نام ہے۔ کسی کا محتاج سمجھ کر اس کے سامنے سوال کے لئے ہاتھ پھیلانا بڑا تذلل ہے جو مفہوم عبادات کا ہے۔ اس طرح ہر عبادت کا حاصل بھی اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور جنت اور دنیا و آخرت کی عافیت مانگنا ہے۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص میری حمد و ثنا میں اتنا مشغول ہو کہ اپنی حاجت مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ ملے میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ (یعنی اُس کی حاجت پوری کر دوں گا)۔ (رواہ الجزری فی النہایہ)

اور ترمذی و مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ من شغله القرآن عن ذكرى و مسئلتى اعطيته افضل ما اعطى السائلين۔ یعنی جو شخص تلاوت قرآن میں اتنا مشغول ہو کہ مجھ سے اپنی حاجت مانگنے کی بھی فرصت نہ ملے تو میں اس کو اتنا دوں گا کہ مانگنے والوں کو بھی اتنا نہیں ملتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر عبادت بھی وہی فائدہ دیتی ہے جو دعا کا فائدہ ہے۔

اور عرفات کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفات میں میری دعا اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی دعا (یہ کلمہ ہے) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (رواہ ابن ابی شیبہ مظہری)

اس میں عبادت و ذکر کو دعا فرمایا گیا ہے اور اس آیت میں عبادت سے مراد دعا نہ کرنے والوں کو جو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے وہ بصورت استکبار ہے یعنی جو شخص بطور تکبر کے اپنے آپ کو دعا سے مستغنی سمجھ کر دعا چھوڑے یہ علامت کفر کی ہے اس لئے وعید جہنم کا مستحق ہوا۔ ورنہ فی نفسہ عام دعائیں فرض و واجب نہیں ان کے ترک سے کوئی گناہ نہیں بجز اس کے کہ محروم مستحب

اور فضل ہے۔ (مظہری) اور حسب تصریح احادیث موجب برکات ہے۔

فضائل دعا

حَدِیْث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعاء سے زیادہ کوئی چیز مکرم نہیں۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ حاکم عن ابی ہریرۃ)

حَدِیْث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **الدعاء مخ العبادۃ** یعنی دعاء عبادت کا مغز ہے۔ (ترمذی عن انسؓ)

حَدِیْث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال اور حاجت طلبی کو پسند فرماتا ہے اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ تنگی کے وقت آدمی فراخی کا انتظار کرے۔ (ترمذی عن ابن مسعودؓ)

حَدِیْث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے اپنی حاجت کا سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کا اس پر غضب ہوتا ہے۔ (ترمذی۔ ابن حبان۔ حاکم)

ان سب روایات کو تفسیر مظہری میں نقل کر کے فرمایا کہ دعاء نہ مانگنے والے پر غضب الٰہی کی وعید اس صورت میں ہے کہ نہ مانگنا تکبر اور اپنے آپ کو مستغنی سمجھنے کی بنا پر ہو جیسا کہ آیت مذکورہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

حَدِیْث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا سے عاجز نہ ہو کیونکہ دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہیں ہوتا۔ (ابن حبان۔ حاکم عن انسؓ)

حَدِیْث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے اور دین کا ستون اور آسمان و زمین کا نور ہے۔ (حاکم فی المستدرک عن ابی ہریرۃؓ)

حَدِیْث:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کیلئے دعا کے دروازے کھول دیئے گئے اس کے واسطے رحمت کے دروازے کھل گئے اور اللہ تعالیٰ سے کوئی دعا اس سے زیادہ محبوب نہیں مانگی گئی کہ انسان اس سے عافیت کا سوال کرے۔ (ترمذی۔ حاکم عن ابن عمرؓ)۔ لفظ عافیت بڑا جامع لفظ ہے جس میں بلاؤں سے حفاظت اور ہر ضرورت و حاجت کا پورا ہونا داخل ہے۔

مَسْئَلہ:۔ کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا مانگنا حرام ہے وہ دعا اللہ کے نزدیک قبول نہیں ہوتی۔ (کمافی الحدیث عن ابی سعید الخدریؓ)

قبولیت دُعا کا وعدہ: آیت مذکورہ میں اس کا وعدہ ہے کہ جو بندہ اللہ سے دعا مانگتا ہے وہ قبول ہوتی مگر بعض اوقات انسان یہ بھی دیکھتا ہے کہ دعا مانگی وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس کا جواب ایک حدیث میں ہے جو حضرت ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان جو بھی دعا اللہ سے کرتا ہے اللہ اس کو عطا فرماتا ہے۔ بشرطیکہ اس میں کسی گناہ یا قطع رحمی کی دعا نہ ہو اور قبول فرمانے کی تین صورتوں میں سے کوئی صورت ہوتی ہے ایک یہ کہ جو مانگا وہی مل گیا دوسرے یہ کہ اس کی مطلوب چیز کے بدلے اس کو آخرت کا کوئی اجر و ثواب دیدیا گیا۔ تیسرے یہ کہ مانگی ہوئی چیز تو نہ ملی مگر کوئی آفت و مصیبت اس پر آنے والی تھی وہ ٹل گئی۔ (مسند احمد۔ مظہری)

قبولیت دُعاء کی شرائط: آیت مذکورہ میں تو بظاہر کوئی شرط نہیں۔ یہاں تک مسلمان ہونا بھی قبولیت دعا کی شرط نہیں ہے۔ کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ ابلیس کی دُعاء تاقیامت زندہ رہنے کی قبول ہوگئی۔ نہ دعا کے لئے کوئی وقت شرط نہ طہارت اور نہ باوضو ہونا شرط ہے۔ مگر احادیث معتبرہ میں بعض چیزوں کو موانع قبولیت فرمایا ہے۔ ان چیزوں سے اجتناب لازم ہے جیسا کہ حدیث میں حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض آدمی بہت سفر کرتے اور آسمان کی طرف دُعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور یارب یارب کہہ کر اپنی حاجت مانگتے ہیں مگر ان کا کھانا حرام۔ پینا حرام۔ لباس حرام۔ ان کو حرام ہی سے غذا دی گئی تو ان کی دعا کہاں قبول ہوگی۔ (رواہ مسلم)۔

اسی طرح غفلت و بے پرواہی کے ساتھ بغیر دھیان دئے دعا کے کلمات پڑھیں تو حدیث میں اس کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایسی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ (ترمذی عن ابی ہریرۃؓ) (معارف مفتی اعظم)

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا
اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے واسطے رات کو کہ اس میں
فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا
چین پکڑو اور دن بنایا دیکھنے کا

رات اور دن: رات کی ٹھنڈ اور تاریکی میں عموماً لوگ سوتے اور آرام کرتے ہیں جب دن ہوتا ہے تو تازہ دم ہو کر اسکے اجالے میں اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس وقت دیکھنے بھالنے اور چلنے پھرنے کے لئے مصنوعی روشنیوں کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی۔ (تفسیر عثمانی)

رات اور دن کا نظام اوقات بہت بڑی نعمت ہے

غور کیجئے کہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ قدرت نے تمام طبقات انسان بلکہ جانوروں تک کے لئے فطری طور پر نیند کا ایک وقت معین کر دیا۔ اور اس وقت کو اندھیرا کر کے نیند کے لئے مناسب بنا دیا۔ اور سب کی طبیعت و فطرت میں رکھدیا کہ اس وقت میں رات کو نیند آتی ہے ورنہ جس طرح انسان اپنے کاروبار کے لئے اپنی اپنی طبیعت و سہولت کے لحاظ سے وقت مقرر کرتا ہے۔ اگر نیند بھی اسی طرح اس کے اختیار میں ہوتی۔ اور ہر انسان اپنی نیند کا پروگرام مختلف اوقات میں بنایا کرتا تو نہ سونے والوں کو نیند کی لذت و راحت ملتی نہ

جاگنے والوں کے کام کا نظم درست ہوتا۔ کیونکہ انسانوں کی حاجتیں باہم ایک دوسرے سے متعلق ہوتی ہیں۔ اگر اوقات نیند کے مختلف ہوتے تو جاگنے والوں کے کام مختل ہو جاتے جو سونے والوں سے متعلق ہیں اور سونے والوں کے وہ کام خراب ہو جاتے جن کا تعلق جاگنے والوں سے ہے اور بعض انسانوں کی نیند کا وقت متعین ہوتا۔ بہائم اور حیوانات کی نیند کے اوقات دوسرے ہوتے تو بھی انسانی کاموں کا نظم مختل ہو جاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
اللہ تو فضل والا ہے لوگوں پر
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾
اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے ٭

ناشکری: یعنی منعم حقیقی کی حق شناسی یہی تھی کہ قول و فعل اور جان و مال سے اس کا شکر ادا کرتے۔ بہت سے لوگ شکر کے بجائے شرک کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ
وہ اللہ ہے رب تمہارا ہر چیز بنانے والا
لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾
کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا، پھر کہاں سے پھرے جاتے ہو

معبودیت کی دلیل

٭ یعنی رات دن کی سب نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں تو بندگی بھی صرف اسی کی ہونی چاہئے۔ اس مقام پر پہنچ کر تم کہاں بھٹک جاتے ہو کہ مالک حقیقی تو کوئی ہو اور بندگی کسی کی کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ
اسی طرح پھرے جاتے ہیں جو لوگ کہ اللہ کی باتوں
اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ
سے منکر ہوتے رہتے ہیں اللہ ہے جس نے بنایا
لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً
تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو عمارت ٭

٭ یعنی قبہ کی طرح بنایا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ
اور صورت بنائی تمہاری تو اچھی بنائیں صورتیں تمہاری اور روزی
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ
دی تم کو ستھری چیزوں سے وہ اللہ ہے رب تمہارا
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾
سو بڑی برکت ہے اللہ کی جو رب ہے سارے جہان کا ٭

٭ سب جانوروں سے انسان کی صورت بہتر اور سب کی روزی سے اس کی روزی ستھری ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے بہتر صورت اور سب سے بہتر رزق انسان کا ہے

انسان کی صورت کو اللہ تعالیٰ نے سب جانوروں سے ممتاز اعلیٰ اور بہتر ہیئت میں بنایا ہے۔ اس کو سوچنے سمجھنے کی عقل عطا فرمائی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ایسے بنائے کہ ان سے طرح طرح کی شیاء و مصنوعات بنا کر اپنی راحت کے سامان پیدا کرتا ہے۔ اس کا کھانا پینا بھی عام جانوروں سے ممتاز ہے وہ اپنے منہ سے چرتے اور پیتے ہیں یہ ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے۔ عام جانوروں کی غذا مفردات ہے کسی کی غذا گھاس ہے کسی کی پتے اور وہ بھی بالکل مفرد۔ بخلاف انسان کے کہ یہ اپنے کھانے کو مختلف قسم کی چیزوں پھلوں۔ ترکاریوں گوشت اور مصالحہ سے لذیذ و مرغوب بنا کر کھاتا ہے۔ ایک ایک پھل سے طرح طرح کے کھانے اور چٹنیاں مربے بناتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (معارف مفتی اعظم)

هُوَ الْحَيُّ
وہی زندہ رہنے والا ہے

٭ جس کی کسی حیثیت سے کبھی فنا اور موت طاری نہیں ہوتی نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہو سکے گی۔ جب اس کی حیات ذاتی ہوئی تو تمام کمالات حیات بھی ذاتی ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ
کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا سو اس کو پکارو خالص کر کر اسی کی
الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾
بندگی سب خوبی اللہ کو جو رب ہے سارے جہان کا ۔

☆ کمالات اور خوبیاں سب وجود حیات کے تابع ہیں جو حی علی الاطلاق ہے وہی عبادت کا مستحق اور تمام کمالات اور خوبیوں کا مالک ہوگا اس لئے هُوَ الْحَيُّ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فرمایا جیسا کہ پہلی آیت میں نعمتوں کا ذکر کر کے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ فرمایا تھا۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہنا چاہئے۔ اسکا ماخذ یہی آیت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرات سلف کا عمل: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ کی تفسیر میں ابن جریر سے منقول ہے فرمایا حضرات سلف کی ایک جماعت یہ کہا کرتی تھی کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہے اس کو چاہئے کہ اس کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بھی کہہ لیا کرے تاکہ اس آیت مبارکہ پر عمل ہو جائے بروایت اعمش مجاہد حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی یہی نقل فرمایا کرتے تھے۔ عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ ہر نماز کا سلام پھیرنے سے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے۔ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لا شريك لهُ وَلهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الحمد وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شيْءٍ قدير. لا حول ولا قوة الا بالله ولا نعبُدُ الا اياه ولا نعبُدُ الا اياهُ له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسنُ. لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مخلصين لهُ الدّين ولو كره الكافرون. اور یہ بیان کیا کرتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ کلمات ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے (صحیح مسلم۔ نسائی) تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۸۲۔ (معارف کاندھلوی)

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ

تو کہہ مجھ کو منع کر دیا کہ پوجوں اُن کو

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِيَ

جن کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے جب پہنچ چکیں

الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ وَاُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ

میرے پاس کھلی نشانیاں میرے رب سے اور مجھ کو حکم ہوا کہ تابع رہوں

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾

جہان کے پروردگار کا ☆

☆ یعنی کھلے کھلے نشانات دیکھنے کے بعد کیا حق ہے کہ کوئی آدمی خدائے واحد کے سامنے سر عبودیت نہ جھکائے اور خالص اسی کا تابع فرمان نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ

وہی ہے جس نے بنایا تم کو خاک سے ☆

☆ یعنی تمہارے باپ آدم کو یا تم کو اس طرح کہ نطفہ جس غذا کا خلاصہ ہے وہ خاک سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ

پھر پانی کی بوند سے پھر خون جمے ہوئے سے

☆ یعنی ہر آدمی کی اصل ایک پانی کی بوند (قطرہ منی) ہے جو آگے چل کر جما ہوا خون بنا دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

پھر تم کو نکالتا ہے بچہ پھر جب تک کہ پہنچو

اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ

اپنے پورے زور کو پھر جب تک کہ ہو جاؤ بوڑھے اور کوئی تم میں ایسا ہے

مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا

کہ مر جاتا ہے پہلے اس سے اور جب تک کہ پہنچو

اَجَلًا مُّسَمًّى

لکھے وعدے کو ☆

☆ یعنی بچہ سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوتا ہے اور بعض آدمی جوانی یا بڑھاپے سے پہلے ہی گزر جاتے ہیں۔ بہرحال سب کو ایک معین میعاد اور لکھے ہوئے وعدے تک پہنچنا ہے۔ موت اور حشر سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ ؎

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
ز جام دہر مے کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

(تفسیر عثمانی)

وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور تاکہ تم سوچو ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی سوچو کتنے احوال (دور) تم پر گزرے۔ ممکن ہے ایک حال اور بھی گزرے۔ وہ بھی مر کر جینا ہے آخر اسے کیوں محال سمجھتے ہو۔" (تفسیر عثمانی)

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى

وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے پھر جب حکم کرے

اَمۡرًا فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ

کسی کام کو تو یہی کہے اُس کو کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے ☆

☆یعنی اس کی قدرت کاملہ اور شان کن فیکون کے سامنے یہ کیا مشکل ہے کہ موت کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کردے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِ

تو نے نہ دیکھا اُن کو جو جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں

اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصۡرَفُوۡنَ ۞ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا

کہاں سے پھرے جاتے ہیں وہ لوگ کہ جنہوں نے

بِالۡكِتٰبِ وَبِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِهٖ رُسُلَنَا ؕ

جھٹلایا اس کتاب کو اور اس کو کہ جو بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ

فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ

سو آخر جان لینگے ☆

☆کہ اس تکذیب کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِىۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ وَالسَّلٰسِلُ

جب طوق پڑیں اُن کی گردنوں میں اور زنجیریں بھی ☆

☆زنجیر کا ایک سرا طوق میں اٹکا ہوا اور دوسرا فرشتوں کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس طرح مجرموں اور قیدیوں کی مانند لے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يُسۡحَبُوۡنَ ۞ فِى الۡحَمِيۡمِ ۙ ثُمَّ فِى النَّارِ

گھسیٹے جائیں جلتے پانی میں پھر آگ میں اُن کو

يُسۡجَرُوۡنَ ۞

جھونک دیں ☆

☆یعنی دوزخ میں کبھی جلتے پانی کا اور کبھی آگ کا عذاب دیا جائیگا (عافانا اللہ منھم) (تفسیر عثمانی)

حمیم کیا ہے: جہنم ہی کے بہت سے طبقات ہوں گے جن میں قسم قسم کے عذاب ہوں گے۔ انہیں میں ایک طبقہ حمیم کا بھی ہوسکتا ہے جس کو بوجہ ممتاز اور الگ ہونے کے جہنم سے خارج بھی کہا جا سکتا ہے اور چونکہ یہ بھی ایک طبقہ جہنمیوں کا سب اس سے اس و جہنم ہی ہیں جو [illegible] ہے۔ ابن شیخ نے فرمایا [illegible] جہنم زنجیروں میں جکڑے ہوئے کبھی کھینچ کر حمیم میں ڈال دیے جائیں گے کبھی جحیم میں۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ قِيۡلَ لَهُمۡ اَيۡنَ مَا كُنۡتُمۡ

پھر اُنکو کہیں کہاں گئے جن کو تم

تُشۡرِكُوۡنَ ۞ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ

شریک بتلایا کرتے تھے اللہ کے سوا

☆یعنی اس وقت ان میں سے کوئی کام نہیں آتا ہوسکے تو ان کو مدد کے بلا لو۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا

بولے وہ ہم سے چوک گئے

☆یعنی ہم سے کھوئے گئے۔ شاید اس وقت عابدین و معبودین الگ الگ کردیے جائیں گے یا ضَلُّوْا عَنَّا کا مطلب یہ ہو کہ گو موجود ہیں مگر جب ان سے کوئی فائدہ نہیں تو ہوئے نہ ہوئے برابر ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلۡ لَّمۡ نَكُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَيۡـًٔا ؕ

کوئی نہیں ہم تو پکارتے نہ تھے پہلے کسی چیز کو ☆

غلطی کا اعتراف ☆اکثر مفسرین نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ ہم جن کو دنیا میں پکارتے تھے اب کھلا کہ وہ واقع میں کچھ چیز نہ تھے گویا یہ بطور حسرت و افسوس کے اپنی غلطی کا اعتراف ہوگا۔ لیکن حضرت شاہ صاحب کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین اولین منکر ہوچکے تھے کہ ہم نے شریک ٹھہرائے ہی نہیں اب کچھ گھبرا کر منہ سے نکل جائیگا ضَلُّوْا عَنَّا جس میں شریک ٹھہرانے کا اعتراف ہوگا پھر سنبھل کر انکار کردینگے کہ ہم نے خدا کے سوا کسی کو پکارا ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الۡكٰفِرِيۡنَ ۞

اسی طرح بچلاتا ہے اللہ منکروں کو ☆

☆یعنی جس طرح یہاں انکار کرتے کرتے بچل گئے اور گھبرا کر اقرار کر گیا۔ یہی حال ان کافروں کا دنیا میں تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ

یہ بدلہ اُس کا جو تم اتراتے پھرتے تھے زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ۝٧٥

ناحق اور اس کا جو تم اکڑتے تھے☆

☆یعنی دیکھ لیا ناحق کی شیخی اور غرور و تکبر کا انجام یہ ہوتا ہے اب وہ اکڑ فوں کدھر گئی۔ (تفسیر عثمانی)

فرح کا معنی: مال و دولت کے نشہ میں خدا کو بھول کر معاصی سے لذت حاصل کرنا اور ان پر خوش ہونا یہ تو حرام و ناجائز ہے اور اس آیت میں یہی فرح مراد ہے جیسے قارون کے قصہ میں بھی فرح اسی معنی میں آیا ہے لا تفرح۔ (معارف مفتی اعظم)

اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

داخل ہو جاؤ دروازوں میں دوزخ کے☆

☆یعنی ہر قسم کے مجرم اس دروازے سے جو ان کے لئے تجویز شدہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى

سدا رہنے کو اس میں سو کیا برا ٹھکانا ہے

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٧٦ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ

غرور والوں کا سو تو ٹھہرا رہ بیشک وعدہ اللہ کا

اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ

ٹھیک ہے پھر اگر ہم دکھلا دیں تجھ کو کوئی وعدہ

الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا

جو ہم ان سے کرتے ہیں یا قبض کر لیں تجھ کو، ہر حالت میں ہماری ہی طرف

يُرْجَعُوْنَ ۝٧٧

پھر آئیں گے☆

وعدۂ الٰہی ☆یعنی اللہ نے ان کو عذاب دینے کا جو وعدہ فرمایا ہے وہ یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ ممکن ہے کہ کوئی وعدہ آپ کی موجودگی میں پورا ہو (جیسا کہ "بدر" اور "فتح مکہ" وغیرہ میں ہوا) یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہو بہرحال یہ ہم سے بچ کر کہیں نہیں جا سکتے سب کا انجام ہمارے ہاتھ میں ہے اس زندگی کے بعد عذاب کی تکمیل اس زندگی میں ہوگی۔ چھٹکارہ کسی صورت سے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ

اور ہم نے بھیجے ہیں بہت رسول تجھ سے پہلے

مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ

بعضے ان میں وہ ہیں کہ سنایا ہم نے تجھ کو ان کا احوال

مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ

اور بعضے ہیں کہ نہیں سنایا

یعنی بعض کا تفصیلی حال تجھ سے بیان کیا بعض کا نہیں کیا (اور ممکن ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ان کا بھی مفصل حال بیان کر دیا ہو) بہرحال جن کے نام معلوم ہیں ان پر تفصیلاً اور جن کے نام وغیرہ معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا ضروری ہے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ

اور کسی رسول کو مقدور نہ تھا کہ لے آتا کوئی نشانی

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

مگر اللہ کے حکم سے☆

مختار کل اللہ تعالیٰ ہے ☆یعنی اللہ کے سامنے سب عاجز ہیں۔ رسولوں کو یہ بھی اختیار نہیں کہ جو معجزہ چاہیں دکھلا دیا کریں۔ صرف وہی نشانات دکھلا سکتے ہیں جن کی اجازت حق تعالیٰ کی طرف سے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ

پھر جب آیا حکم اللہ کا فیصلہ ہو گیا انصاف سے

وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝٧٨

اور ٹوٹے میں پڑے اس جگہ جھوٹے☆

☆یعنی جس وقت اللہ کا حکم پہنچتا ہے رسولوں اور ان کی قوموں کے درمیان منصفانہ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت رسول سرخرو اور کامیاب ہوتے ہیں اور باطل پرستوں کے حصہ میں ذلت و خسران کے سوا کچھ نہیں آتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا

اللہ ہے جس نے بنا دیے تمہارے واسطے چوپائے تاکہ سواری کرو

مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَكُمْ فِيْهَا

بعضوں پر اور بعضوں کو کھاتے ہو اور ان میں تم کو

مَنَافِعُ

بہت فائدے ہیں☆

مثلاً ان کے چمڑے، بال اور اون وغیرہ سے طرح طرح کے فائدے اٹھاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ

اور تاکہ پہنچو ان پر چڑھ کر کسی کام تک جو تمہارے جی میں ہو☆

سواری وغیرہ سے خود ایک مقصد ہے اور سواری کے ذریعے سے بہت مقاصد دینی و دنیوی حاصل کئے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو☆

یعنی خشکی میں جانوروں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ

اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں پھر کون کونسی نشانیوں و

تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اپنے رب کی نہ مانو گے☆

یعنی اس قدر کھلے نشان دیکھنے پر بھی آدمی کہاں تک انکار ہی کرتا چلا جائے گا (اور ابھی کیا معلوم اللہ اور کتنے نشان دکھلائے گا)۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا

کیا پھرے نہیں وہ ملک میں کہ دیکھ لیتے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

کیسا انجام ہوا اُن سے پہلوں کا

كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا

وہ تھے اُن سے زیادہ اور زور میں سخت اور نشانیوں

فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

میں جو چھوڑ گئے ہیں زمین پر، پھر کام نہ آیا اُن کے جو وہ

يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

کماتے تھے☆

عذاب الٰہی: یعنی پہلے بہت قومیں گزر چکیں جو گنتی میں اور طاقت میں ان سے بہت زیادہ تھیں۔ انہوں نے ان سے کہیں زیادہ زمین پر اپنی یادگاریں اور نشانیاں چھوڑی ہیں۔ جب خدا کا عذاب آیا تو وہ زور و طاقت اور سامان کچھ بھی کام نہ آیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا

پھر جب پہنچے ان کے پاس رسول ان کے کھلی نشانیاں لے کر اترانے لگے

بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ

اس پر جو ان کے پاس تھی خبر اور الٹ پڑی ان پر وہ چیز

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

جس پر ٹھٹھا کرتے تھے☆

پیغمبروں پر استہزاء کا انجام: یعنی جو عقلی و دنیاوی معلومات کا ذخیرہ ان کے پاس تھا اور جن غلط عقیدوں پر جمے ہوئے تھے اسی پر اتراتے رہے اور انبیاء علیہم السلام کے علوم و ہدایات کو حقیر سمجھ کر مذاق اڑاتے رہے۔ آخر ایک وقت آیا جب اس چیز کی حقیقت کھلی اور ان کا استہزاء و تمسخر خود ان ہی پر الٹ پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

جہل مرکب: جیسے یونانی فلاسفہ کہ بیشتر علوم و تحقیقات جو الٰہیات سے متعلق ہیں ان کے نمونے ہیں جن کی کوئی دلیل نہیں، ان کو جہل مرکب کہہ سکتے ہیں۔ ان کا ماحصل ظن و تخمین ہے۔ یا پھر اس سے اس علم سے مراد دنیا کی تجارت، صنعت وغیرہ کا علم ہے جس میں یہ لوگ فی الواقع ماہر تھے۔

یہ لوگ چونکہ قیامت اور آخرت کے منکر اور بے فکر ہیں، راحت و کلفت سے جاہل و غافل ہیں۔ اسی لئے اپنی اس خامی پر خوش اور علوم انبیاء کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ (معارف، بیان القرآن)

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہماری آفت کو بولے ہم یقین لائے اللہ

وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ

اکیلے پر اور ہم نے چھوڑ دیں وہ چیزیں جن کو

مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾

شریک بتاتے تھے ☆

اب پچھتائے کیا ہوت ☆ یعنی جس وقت آفت آنکھوں کے سامنے آ گئی اور عذاب الٰہی کا معائنہ ہونے لگا تب ہوش آیا اور ایمان و توبہ کی سوجھی اب پتہ چلا کہ اکیلے خدائے بزرگ ہی سے کام چلتا ہے۔ جن ہستیوں کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا سب عاجز اور بیکار ہیں ہماری سخت حماقت اور گستاخی تھی کہ ان چیزوں کو تخت خدائی پر بٹھا دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا

پھر نہ ہوا کہ کام آئے اُن کو یقین لانا اُن کا جس وقت

رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ

دیکھ چکے ہمارا عذاب ☆

یعنی اب پچھتانے اور تقصیر کا اعتراف کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایمان و توبہ کا وقت نکل چکا۔ عذاب دیکھ لینے پر تو ہر کسی کو بے اختیار یقین آ جاتا ہے مگر یہ یقین موجب نجات نہیں نہ اس یقین کی بدولت آیا ہوا عذاب ٹل سکتا ہے۔ قال تعالیٰ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰۤی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ (نساء، رکوع ۳) وقال فی قصۃ فرعون آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ وفی الحدیث ان اللہ تعالیٰ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر۔ (تفسیر عثمانی)

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ

رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آئی ہے اُس

عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

کے بندوں میں اور خراب ہوئے اُس جگہ منکر ☆

سُنَّةَ اللّٰه: یعنی ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا رہا ہے کہ لوگ اول انکار و استہزاء سے پیش آتے ہیں پھر جب عذاب میں پکڑے جاتے ہیں اس وقت شور مچاتے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ اللہ کی عادت یہ ہے کہ اس بے وقت کی توبہ قبول نہیں فرماتا۔ آخر منکرین اپنے جرائم کی پاداش میں خراب و برباد ہو کر رہ جاتے ہیں اللھم احفظنا من الخسران واحفظنا من غضبک وسخطک فی الدنیا و الآخرۃ۔ (تم سورۃ المؤمن وللہ الحمد والمنۃ) (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورہ حٰم سجدہ مکہ میں نازل ہوئی، اور اس میں چون آیتیں ہیں اور چھ رکوع

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا ایک ایسی قوم کی ہدایت کا ذریعہ بنے گا جو بحکم الٰہی شریعت کے احکام پر عمل کریں گے۔ (علامہ ابن سیرین)

سورۃ حٰم سجدہ کے مضامین: اس سورت کے مضامین کا حاصل زیادہ تر اثبات رسالت ہے۔ اور ضمناً بعث بعد الممات اور حشر و نشر کو بھی ثابت کیا گیا۔ بالخصوص قریش کے لوگ جو توحید خداوندی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے سے اعراض کرتے تھے ان پر وعید و تہدید بھی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾

اُتارا ہوا ہے بڑے مہربان رحم والے کی طرف سے ☆

نعمت کتاب ☆ یعنی اللہ تعالیٰ کی بہت ہی بڑی مہربانی اور رحمت بندوں پر ہے جو انکی ہدایت کے لئے ایسی عظیم الشان اور بے مثال کتاب نازل فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ

ایک کتاب ہے کہ جدی جدی کی ہیں اُسکی آیتیں ☆

مضامین قرآن ☆ لفظی طور پر آیات کا جدا جدا ہونا تو ظاہر ہے مگر معنوی حیثیت سے بھی سینکڑوں قسم کے علوم اور مضامین کی تفصیل الگ الگ آیات میں کی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾

قرآن عربی زبان کا ایک سمجھ والے لوگوں کیلئے ☆

قرآن کی زبان ☆ یعنی قرآن کریم اعلیٰ درجہ کی صاف و شستہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے جو اسکے مخاطبین اولین کی مادری زبان تھی تاکہ ان لوگوں کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ خود سمجھ کر دوسروں کو پوری طرح سمجھا سکیں۔ مگر اسکے باوجود بھی ظاہر ہے کہ وہ ہی لوگ اس سے منتفع ہو سکتے ہیں جو سمجھ رکھتے ہیں۔ ناسمجھ جاہل کو اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

سُنانے والا خوشخبری اور ڈر☆

☆یعنی قرآن اپنے ماننے والوں کو نجات وفلاح کی خوشخبری سناتا اور منکروں کو برے انجام سے ڈراتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٤﴾

پر دھیان میں نہ لائے وہ بہت لوگ سو وہ نہیں سنتے☆

اکثریت کا اعراض ☆یعنی ان سب باتوں کے باوجود بھی تعجب ہے کہ ان میں کے بہت لوگ اس کتاب کی بیش قیمت نصائح کی طرف دھیان نہیں کرتے اور جب ادھر دھیان ہی نہیں تو سننا کیوں چاہیں گے۔ اور فرض کیجئے کانوں سے سن بھی لیا لیکن گوش دل سے نہ سنا اور قبول کرنے کی توفیق نہ ہوئی تو سننا ان سنا برابر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن پاک کا عتبہ پر اثر: سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ قریشیوں کی مجلس ایک مرتبہ جمع تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عتبہ قریش سے کہنے لگا کہ اگر تم سب کا مشورہ ہو تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤں انہیں کچھ سمجھاؤں اور کچھ لالچ دوں۔ اگر وہ کسی بات کو قبول کریں تو ہم انہیں دیدیں اور انہیں ان کے کام سے روک دیں۔ یہ واقعہ اس دن کا ہے کہ حضرت حمزہؓ مسلمان ہو چکے تھے اور مسلمانوں کی تعداد معقول ہوگئی تھی اور روز افزوں ہوتی جاتی تھی۔ سب قریشی اس پر رضامند ہوئے یہ حضورؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا برادر زادے! تم عالی نسب ہو تم ہم میں سے ہو ہماری آنکھوں کے تارے اور ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہو۔ افسوس کہ تم اپنی قوم کے پاس ایک عجیب وغریب چیز لائے تم نے ان میں پھوٹ ڈلوادی۔ تم نے ان کے عقل مندوں کو بے وقوف قرار دیا۔ تم نے ان کے معبودوں کی عیب جوئی کی تم نے ان کے دین کو برا کہنا شروع کیا تم نے ان کے بڑے بوڑھوں کو کافر بنایا۔ اب سن لو آج میں آپ کے پاس ایک آخری اور انتہائی فیصلے کے لئے آیا ہوں۔ میں بہت سی صورتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے جو آپ کو پسند ہو قبول کیجئے اور خدارا اس فتنے کو مٹا دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہیں کہنا ہو کہو میں سن رہا ہوں۔ اس نے کہا سنو اگر تمہارا ارادہ اس چال سے مال کے جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم سے بڑھ کر مالدار سارے قریش میں کوئی نہ ہو۔ اور اگر آپ کا ارادہ اس سے اپنی سرداری کا ہے تو ہم سب مل کر تم کو اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور اگر آپ بادشاہ بننا چاہتے ہیں تو ہم ملک آپ کو سونپ کر رعایا بننے کے لئے بھی تیار ہیں۔ اور اگر آپ کو کوئی جن وغیرہ کا اثر ہے تو ہم اپنا مال خرچ کر کے بہتر سے بہتر طبیب اور جھاڑ پھونک کرنے والے مہیا کر کے آپ کا علاج کراتے ہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض مرتبہ تابع جن اپنے عامل پر غالب آجاتا ہے تو اسی طرح اس سے پیچھا چھڑا لیا جاتا ہے۔ اب عتبہ خاموش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی سب کہہ چکے؟ کہا ہاں۔ فرمایا اب میری سنو وہ متوجہ ہو گیا۔ آپؐ نے بسم اللہ پڑھ کر اس سورۃ کی تلاوت شروع کی۔ عتبہ باادب سنتا رہا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر فرمایا ابوالولید میں کہہ چکا اب تجھے اختیار ہے۔ عتبہ یہاں سے اٹھ اور اپنے ساتھیوں کی طرف چلا۔ اس کے چہرے کو دیکھتے ہی ہر ایک کہنے لگا عتبہ کا حال بدل گیا۔ اس سے پوچھا کہو کیا بات رہی؟ اس نے کہا میں نے تو ایسا کلام سنا ہے جو واللہ اس سے پہلے کبھی نہیں سنا۔ بخدا نہ تو وہ جادو ہے نہ شعر گوئی ہے نہ کاہنوں کا کلام ہے۔ سنو قریشیو میری مان لو اور میری بچی تلی بات قبول کر لو کہ اسے اس کے خیال پر چھوڑ دو نہ موافقت کرو نہ مخالفت جو دعوی اس کا ہے اس میں اور جو یہ کہتا ہے اس میں تم سب اس کا مخالف ہے وہ اپنی تمام طاقت اس کے مقابلے میں صرف کر رہا ہے۔ یہ تو وہ اس پر غالب آجائیں گے تو تم سستے چھوٹے اور یہ ان پر غالب آئے گا تو اس کا ملک تمہارا ملک کہا جائے گا اور اس کی عزت تمہاری عزت ہوگی اور سب سے زیادہ اس کے نزدیک مقبول تم ہی ہو گے۔ یہ سن کر قریشیوں نے کہا ابوالولید قسم خدا کی محمدؐ نے تجھ پر جادو کر دیا۔ اس نے جواب دیا سنو جو میری رائے تھی میں آزادی سے کہہ چکا اب تمہیں اپنے فعل کا اختیار ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا

اور کہتے ہیں ہمارے دل غلاف میں ہیں اس بات سے جس کی طرف

تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ

تو ہم کو بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے

وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ

اور ہمارے اور تیرے بیچ میں پردہ ہے

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿٥﴾

سو تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں☆

اکثریت کا جواب ☆یعنی صرف اسی قدر نہیں کہ نصیحت کی طرف دھیان نہیں کرتے یا کان نہیں دھرتے، بلکہ ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے

کرنا ہی بالکلیہ مایوس ہو جائے۔ اور آئندہ نصیحت سنانے کا ارادہ بھی ترک کر دے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو تمہاری باتوں کی طرف سے غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی بات وہاں تک پہنچتی نہیں۔ اور جب تم بات کرتے ہو ہمارے کان اونچا سننے لگتے ہیں۔ ثقل سماع کی وجہ سے کچھ سنائی نہیں دیتا اور ہمارے تمہارے درمیان ایسا پردہ ہے جو ایک کو دوسرے سے ملنے نہیں دیتا، دشمنی، اور عداوت کی جو دیواریں کھڑی ہیں وہ درمیان سے اٹھ جائیں اور جو خلیج حائل ہے وہ پر ہو، تب ہم میں سے ایک دوسرے تک پہنچ سکے لیکن ایسا ہونا ناممکن ہے پھر تم کیوں اپنا مغز تھکاتے ہو۔ ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ تم اپنا کام کیے جاؤ، ہم اپنا کام کریں گے اس کی توقع مت رکھو کہ ہم کبھی تمہاری نصیحتوں سے متاثر ہونے والے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مِمَّا تَدْعُوْنَآ — یعنی جس توحید کی طرف تم ہم کو بلا رہے ہو اس کی طرف سے ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں اس لئے تمہاری بات ہم نہیں سمجھتے۔

وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ — وقر، ثقل، گرانی، ڈاٹ، مطلب یہ کہ ہمارے کان بند ہیں اس لئے تمہاری بات نہیں سنتے۔ یعنی تمہاری دعوت ہم قبول نہیں کرتے اس طرح جیسے کوئی بے عقل اور مکمل بہرا ہو جو نہ کچھ سمجھتا ہو نہ سنتا ہو۔

حجاب کا معنیٰ: حجاب۔ یعنی ہمارے اور تمہارے درمیان دین کا اختلاف ہے جو ہم کو تمہارے ساتھ جڑ جانے اور مل جانے سے روکتا ہے اور یہ حجاب بھی ایسا ہے جو ہم دونوں کی درمیانی مسافت کو پر کر دینے والا ہے دونوں کے درمیان کوئی خلا نہیں ہے کہ ایک فریق دوسرے کی طرف بڑھ سکے اور مائل ہو سکے۔ آیات مذکورہ میں ترک قبول اور انقطاع کلی کو تمثیلی رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔

فَاعْمَلْ۔ سو آپ اپنے مذہب کے مطابق کام کریں یا یہ مطلب کہ آپ ہمارے افکار و اعمال کے خلاف کام کئے جائیں۔

آیت کا شان نزول: حضرت عمر بن خطابؓ کی روایت ہے کہ کچھ قریشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضورؐ نے ان سے فرمایا تمہارے مسلمان نہ ہونے کی کیا وجہ ہے اسلام لے آؤ گے تو عرب کے سردار بن جاؤ گے قریشیوں نے کہا ہم آپ کی بات نہیں سمجھتے نہ ہم کو آپ کا کلام سنائی دیتا ہے ہمارے دلوں پر تو غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ ابو جہل نے ایک کپڑا لے کر اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان حائل کر کے کہا محمد وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو دو باتیں ماننے کی دعوت دیتا ہوں۔ شہادت دو کہ اکیلے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی ساجھی نہیں (۲) اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ کافروں نے جب یہ بات سنی تو پشت پھیر کر چل دیئے اور بولے کیا اس نے (ہمارے) تمام معبودوں کی جگہ ایک معبود کو دے دی یہ بڑی عجیب بات ہے اور ایک دوسرے سے کہنے لگا چلو (چلو) اپنے معبودوں (کی پوجا) پر جمے رہو مقصود یہی ہے ہم نے یہ بات تو پچھلی قوموں میں نہیں سنی تھی یہ محض من گھڑت ہے کیا نصیحت نامہ ہم میں (سب کو چھوڑ کر) اسی پر نازل کیا گیا۔ اس وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ آپ کو سلام فرماتا ہے اور اس نے فرمایا ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو سمجھنے سے ان کے دل پردوں میں ہیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹیں کہ ان کو کچھ سنائی نہیں دیتا اگر ان کی یہ بات صحیح ہوتی تو قرآن سن کر بھاگتے کیوں بلاشبہ یہ جھوٹے ہیں سنتے ہیں لیکن سننے سے فائدہ نہیں اٹھاتے کیونکہ ان کو قرآن سے نفرت ہے (یہ واقعہ تو پہلے دن ہوا) جب دوسرا دن ہوا تو ان میں سے ستر آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمدؐ ہمارے رو برو اسلام پیش کیجئے (ہم مسلمان ہونا چاہتے ہیں حضورؐ نے اسلام پیش کیا) اور وہ سب مسلمان ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بات دیکھ کر مسکرا دیئے اور فرمایا کل تم کہتے تھے کہ تمہارے دل میری دعوت کی طرف سے پردہ پوش ہیں اور تمہارے کانوں میں ڈاٹیں ہیں اور آج صبح کو ہی تم مسلمان ہو گئے اللہ کا شکر ہے کہنے لگے اے اللہ کے رسول ہم نے کل جھوٹ کہا تھا اگر وہ بات سچ ہوتی تو ہم کو کبھی ہدایت نہ ملتی اللہ سچا ہے اور بندے جھوٹے ہیں اللہ غنی ہے اور ہم اس کے محتاج ہیں۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ
تو کہہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم حکم آتا ہے مجھ کو
اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ
کہ تم پر بندگی ایک حاکم کی ہے سو سیدھے رہو اس کی طرف
وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ
اور اس سے گناہ بخشواؤ ☆

پیغمبر کا خطاب ☆ یعنی نہ میں خدا ہوں کہ زبردستی تمہارے دلوں کو پھیر سکوں، نہ فرشتہ ہوں جس کے بھیجے جانے کی تم فرمائش کیا کرتے ہو نہ کوئی اور مخلوق ہوں، بلکہ تمہاری جنس و نوع کا ایک آدمی ہوں۔ جس کی بات کا سمجھنا تم کو ہم جنسی کی بناء پر آسان ہونا چاہئے، اور وہ آدمی ہوں، جسے حق تعالیٰ نے اپنی آخری اور کامل ترین وحی کے لئے چن لیا ہے بناء علیہ خواہ تم کتنا ہی اعراض کرو اور کتنی ہی یاس انگیز باتیں کرو میں خدائی پیغام تم کو ضرور پہنچاؤں گا۔ مجھے بذریعہ وحی بتلایا گیا ہے کہ تم سب کا معبود اور حاکم علی الاطلاق ایک ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ لہٰذا سب کو لازم ہے کہ تمام شئون و احوال میں سیدھے اسی خدائے واحد کی طرف رخ کر کے چلیں اسکے راستہ سے ذرا

اِدھر اُدھر قدم نہ ہٹائیں اور پیسے اگر ٹیڑھے ترچھے چلے ہیں تو اپنے پروردگار سے اسکی معافی چاہیں۔ اور اگلی پچھلی خطائیں بخشوائیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ کا مطلب: (۱) حسن نے کہا اللہ نے آپ کو تواضع کی تعلیم دی یعنی میں تم میں سے ہی ایک شخص ہوں اگر میرے پاس وحی نہ آتی تو مجھے وہ علم حاصل نہ ہوتا جو تم دیکھ رہے ہو میرے پاس وحی ہی تو آتی ہے جس نے بتایا ہے کہ تمہارا سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس لئے تم پر لازم ہے کہ اس کو کان لگا کر سنو اور قبول کرو (۲) یا اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا یہ مطلب ہے کہ میں فرشتہ نہیں ہوں نہ جن ہوں کہ تم اس سے تعلیم حاصل نہ کر سکو نہ خلاف عقل باتوں کی میں تم کو تعلیم دیتا ہوں بلکہ توحید کی طرف بلا رہا ہوں جو بالکل تقاضاء عقل کے بھی مطابق ہے اور نقل کے بھی موافق ہے۔ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ سو اس (معبود برحق) کی طرف سیدھے بندھے رہو اور اس سے معافی مانگو۔ یعنی خالص توجہ کے ساتھ اللہ کی طاعت کرو اور اللہ کی اطاعت سے رخ موڑ کر کسی دوسرے کی طاعت کی طرف نہ جاؤ۔ اور ہر طرح کے شرک و گناہ کی معافی کی درخواست اللہ سے کرو۔ اس سے آگے نافرمانوں کو عذاب کی دھمکی دی اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا
اور خرابی ہے شریک کرنے والوں کو جو نہیں
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ
دیتے زکوۃ اور وہ آخرت سے
هُمْ كٰفِرُوْنَ (۷)
منکر ہیں ☆

مشرکوں کا انجام یعنی جن لوگوں کا معاملہ اللہ کے ساتھ یہ ہے کہ وہ عاجز مخلوق کو اس کی بندگی میں شریک کرتے ہیں، اور بندوں کے ساتھ یہ ہے کہ صدقہ اور زکوۃ کا پیسہ کسی محتاج مسکین پر خرچ کرنے سے روادار نہیں ساتھ ہی انجام کی طرف سے بالکل غافل اور بے فکر ہیں، کیونکہ انہیں تسلیم ہی نہیں کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی اور اچھے برے کا حساب کتاب بھی ہوگا۔ ایسوں کا مستقبل بجز ہلاکت اور خرابی و بربادی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

زکوۃ کا مطلب (تنبیہ) بعض سلف نے یہاں "الزکوۃ" سے مراد کلمہ طیبہ لیا ہے۔ اور بعض نے "زکوۃ" کے معنی پاکیزگی اور ستھرائی کے لئے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ وہ لوگ اپنے نفس کو عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ سے پاک و صاف نہیں کرتے۔ اس میں کلمہ طیبہ کا ترک اور زکوۃ وغیرہ کا ادا نہ کرنا بھی آ گیا

وھذا کما قال "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" وقال "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا" وقال "وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً" وغیر ذلک شاید یہ معنی اس لئے یہاں لئے گئے ہوں کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں یا اس لئے کہ آیت مکی ہے اور زکوۃ وغیرہ کی تشخیص مدینہ میں ہوئی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زکوۃ کو خصوصیت سے ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے

اس کا جواب قرطبی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ قریش عرب صدقہ دینے والے تھے۔ اور صدقہ، خیرات غریبوں کی امداد ان کا خاص وصف تھا۔ مگر جو لوگ مسلمان ہو جاتے۔ یہ لوگ ان کو اسی طرح کی خاندانی اور معاشرتی امداد سے بھی محروم کر دیتے تھے۔ اس کی مذمت کرنا مقصود ہے اس لئے زکوۃ کو خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

شرک باللہ اور انکار آخرت کے ساتھ اللہ نے آیت مذکورہ میں زکوۃ نہ دینے کا ذکر اس لئے کیا کہ مال سے انسان کو بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایمان کی اولین دلیل ہے۔ آیت میں (اور ۔۔۔) مومنوں کو ادائے زکوۃ کی ترغیب دی گئی ہے اور زکوۃ نہ دینے پر سخت تہدید کی گئی ہے۔

زکوۃ نہ دینے کا مطلب

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ سے مراد یہ ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہیں کرتے توحید کا اقرار ہی نفس کی (زکوۃ یعنی) طہارت ہے مطلب یہ ہے کہ توحید کا اقرار کر کے وہ شرک کی نجاست سے اپنے نفسوں کو پاک نہیں کرتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ (زکوۃ مالی مراد ہو یا طہارت اعمال دونوں صورتوں میں) آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار (جس طرح ایمان کے مکلف ہیں اسی طرح) فروع ایمان کے بھی مکلف ہیں۔

یعنی زکوۃ نہ دینے کی علت یہ ہے کہ وہ آخرت کے منکر ہیں جو شخص آخرت کا منکر ہو اور زکوۃ کے اخروی ثواب کا عقیدہ نہ رکھتا ہو وہ غریبوں کی مالی امداد کو تضییع مال کے سوا کچھ نہیں سمجھتا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
البتہ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام
لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (۸)
اُن کو ثواب ملنا ہے جو موقوف نہ ہو ☆

مومنین کا اجر یعنی کبھی منقطع نہ ہوگا ابدالآباد تک جاری رہے گا جنت

میں پہنچ کر ان کو نقصان سے ثواب کو۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مصداق: سدی نے کہا جو بیمار، اپاہج، اور بوڑھے لوگ (جوانی کی طرح) عبادت کرنے سے عاجز ہوگئے ہوں ان کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا مطلب یہ ہے کہ جوانی اور صحت کی حالت میں وہ نیک عمل کرتے تھے۔ کمزوری اور مجبوری کے زمانہ میں بھی ان کے اعمال ویسے لکھے جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب اچھے طریقہ سے عبادت کرتا رہتا ہے پھر بیمار ہو جاتا ہے تو اعمال نویس فرشتے کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس کے ویسے ہی اعمال تحریر کر جیسے وہ صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا یہ حکم اس وقت تک کے لئے دیا جاتا ہے جب کہ اللہ اس کو بیماری سے آزاد کردے۔ رواہ البغوی فی تفسیرہ و شرح السنۃ۔

حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب بیمار ہو جاتا ہے یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے لئے ویسے اعمال لکھے جاتے ہیں جیسے وہ وطن میں قیام اور صحت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ رواہ البخاری۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی دکھ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ فرشتے کو حکم دیتا ہے اس کے وہی نیک اعمال لکھ جو (صحت کی حالت میں) وہ کیا کرتا تھا اب اگر اللہ اس کو تندرستی دیدیتا ہے تو اللہ (اس بیماری کی وجہ سے) اس کے گناہ دھو دیتا اور پاک کردیتا ہے اور اگر اس کی روح قبض کر لیتا ہے تو اس کی مغفرت کردیتا ہے اور اس کو رحمت سے نوازتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا بیماری کی حالت میں بندہ کے لئے وہ ثواب لکھا جاتا ہے جو بیمار ہونے سے پہلے اس کے اعمال کا لکھا جاتا تھا اور اب بیماری کی وجہ سے ان اعمال کو کرنے سے قاصر ہوگیا ہو۔ رواہ رزین۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ
تو کہہ کیا تم منکر ہو اُس سے جس نے
خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ
بنائی زمین دو دن میں اور
تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ
برابر کرتے ہو اُسکے ساتھ اوروں کو وہ ہے رب
الْعٰلَمِیْنَۚ
جہان کا ☆

مقام تعجب ☆ یعنی کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ رب العالمین کی وحدانیت اور صفات کمالیہ کا انکار کرتے اور دوسری چیزوں کو اس کی برابر سمجھتے ہو جو ایک ذرہ کا اختیار نہیں رکھتیں۔ (تفسیر عثمانی)

آسمان و زمین کی تخلیق میں ترتیب: بیان القرآن میں حضرت سیدی حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ یوں تو زمین و آسمان کی پیدائش کا ذکر مختصر و مفصل قرآن کریم میں سینکڑوں جگہ آیا ہے۔ مگر ان میں ترتیب کا بیان کہ پہلے کیا بنا پیچھے کیا بنا۔ یہ غالباً صرف تین ہی آیتوں میں آیا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ سب آیات میں غور کرنے سے میرے خیال میں تو یہ آتا ہے کہ یوں کہا جاوے کہ اول زمین کا مادہ بنا اور ہنوز اس کی موجودہ ہیئت نہ بنی تھی کہ اس حالت میں آسمان کا مادہ بنا جو دخان یعنی دھوئیں کی شکل میں تھا اس کے بعد زمین ہیئت موجودہ پر پھیلا دی گئی۔ پھر اس پر پہاڑ اور درخت وغیرہ پیدا کیے گئے۔ پھر آسمان کے مادہ دخانیہ کے سات آسمان بنا دیئے۔ امید ہے کہ سب آیتیں اس تقریر پر منطبق ہو جاویں گی۔ آگے حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ ہی خوب واقف ہیں (بیان القرآن، سورۂ بقرہ، رکوع ۳) (معارف مفتی اعظم)

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا
اور رکھے اس میں بھاری پہاڑ اوپر سے
وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا
اور برکت رکھی اُسکے اندر اور ٹھہرائیں اُس میں خوراکیں اُس کی ☆

زمین کی برکت: ☆ اور برکت رکھی اس کے اندر یعنی قسم قسم کی کانیں، درخت، میوے، پھل، غلے اور حیوانات زمین سے نکلتے ہیں اور "ٹھہرائیں اس میں خوراکیں اس کی" یعنی زمین پر بسنے والوں کی خوراکیں ایک خاص اندازہ اور حکمت سے زمین کے اندر رکھ دیں چنانچہ ہر اقلیم اور ہر ملک میں وہاں کے باشندوں کی طبائع، مزاج اور عادات کے موافق خوراکیں مہیا کردی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ

اقوات قوت کی جمع ہے جس کے معنی ہیں رزق اور روزی جس میں عام ضروریات انسانی داخل ہیں۔ کما قال ابوعبیدۃ المفسر بن حوری رحمہ اللہ۔

ہر خطۂ زمین کے الگ الگ خصوصیات کی حکمت

اور حضرت حسن اور سدی نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر حصہ میں اسکے بسنے رہنے والوں کی مصالح کے مناسب رزق اور روزی مقدر فرمادی۔ مقدر فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم جاری کردیا کہ اس حصۂ زمین میں فلاں فلاں چیزیں اتنی اتنی مقدار سے پیدا ہو جائیں۔ اسی تقدیر

الٰہی سے ہر حصہ زمین کی کچھ خصوصیات ہوگئیں، ہر جگہ مختلف قسم کی معدنیات اور مختلف اقسام کی نباتات اور درخت اور جانور اس خطہ کی ضروریات ان کے مزاج و مرغوبات کے مطابق پیدا فرما دیئے۔

اسی سے ہر خطہ کی مصنوعات و ملبوسات مختلف ہوتی ہیں۔ یمن میں عصب۔ سابور میں سابوری رے میں طیالسہ۔ کسی خطہ میں گندم، کسی میں چانوں اور دوسرے غلاف، کسی جگہ میں روئی، کسی میں جوٹ، کسی میں سیب انگور اور کسی میں آم۔ اس اختلاف اشیاء میں ہر خطہ کے مزاجوں کی مناسبت بھی ہے اور عکرمہ اور ضحاک کے قول کے مطابق یہ فائدہ بھی ہے کہ دنیا کے سب خطوں و ملکوں میں باہمی تجارت اور تعاون کی راہیں کھلیں۔ کوئی خطہ دوسرے خطہ سے مستغنی نہ ہو۔ باہمی احتیاج ہی پر باہمی تعاون کی مضبوط تعمیر ہوسکتی ہے۔ عکرمہ نے فرمایا کہ بعض خطوں میں نمک کو سونے کی برابر تول کر فروخت کیا جاتا ہے۔

ضروریات انسانی کا بے مثال گودام

گویا زمین کو حق تعالیٰ نے اس پر بسنے والے انسانوں اور جانوروں کی تمام ضروریات غذا، مسکن اور لباس وغیرہ کا ایک ایسا عظیم الشان گودام بنا دیا ہے۔ جس میں قیامت تک آنے اور بسنے والے اربوں اور کھربوں انسانوں اور لاتعداد جانوروں کی سب ضروریات رکھ دی ہیں، جو زمین کے پیٹ میں بڑھتی اور حسب ضرورت قیامت تک نکلتی رہیں گی۔ انسان کا کام صرف یہ رہ گیا کہ اپنی ضروریات کو زمین سے نکال کر اپنی ضرورت کے مطابق استعمال کرے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَقَدَّرَ فِيهَآ أَقْوَاتَهَا اور زمین کے باشندوں کی روزی زمین میں ہی مقرر فرما دی۔ اقواتھا میں مضاف محذوف ہے یعنی اقوات اھلھا۔ حسن نے کہا اللہ نے زمین میں انسانوں اور چوپایوں کی روزی الگ الگ مقرر کر دی جو چیز جس کے لئے مناسب اور ذریعہ زندگی تھی وہ اس کو دے دی۔ عکرمہ اور ضحاک نے کہا ہر شہر میں وہ چیز پیدا کی جو دوسرے شہر میں نہیں پیدا کی تاکہ ایک شہر والے دوسرے شہر کو لے جائیں اور اس طرح باہم تجارت کر کے زندگی بسر کریں کلبی نے کہا کہ کسی طرف والوں کو روٹی کسی سمت والوں کو (صرف) جوار کسی کو چھوارے اور کسی جانب کے رہنے والوں کو مچھلیاں عطا کیں (یعنی ہر سمت کے رہنے والوں کو خاص خاص قسم کی کھانے کی چیزیں عنایت کی۔ (تفسیر مظہری)

فِيٓ أَرۡبَعَةِ أَيَّامٖ سَوَآءٗ لِّلسَّآئِلِينَ ﴿١٠﴾
چار دن میں پورا ہوا پوچھنے والوں کو ☆

پیدائش زمین کی مدت ☆ یعنی یہ سب کام چار دن میں ہوا۔ دو روز میں زمین پیدا کی گئی اور دو روز میں اس کے متعلقات کا بندوبست ہوا۔ جو پوچھے یا پوچھنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے بتلا دو کہ یہ سب مل کر پورے چار دن ہوئے بدون کسر اور کمی بیشی کے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی (پوچھنے والوں کا) جواب پورا ہوا۔"

دن کا مطلب:

(تنبیہ) یہاں "دنوں" سے مراد ظاہر ہے معروف متبادر دن نہیں ہو سکتے کیونکہ زمین اور سورج وغیرہ کی پیدائش سے قبل ان کا وجود متصور ہی نہیں، بحالہ ان دنوں کی مقدار مراد ہوگی یا وہ دن مراد ہو جس کی نسبت فرمایا ہے وَإِنَّ يَوۡمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلۡفِ سَنَةٖ مِّمَّا تَعُدُّونَ (حج، رکوع ۶) واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ ٱسۡتَوَىٰٓ إِلَى ٱلسَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٞ
پھر چڑھا آسمان کو اور وہ دھواں ہو رہا تھا ☆

☆ یعنی پھر آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت سارا ایک دھوئیں کی طرح۔ اس کو بنت کر سات آسمان کئے جیسے آگے آتا ہے (تنبیہ) ممکن ہے "دخان" سے آسمانوں کے مادہ کی طرف اشارہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ کا معنیٰ: ثم کا اس جگہ استعمال تاخیر زمانہ کے لئے نہیں ہے کیونکہ پہاڑوں کی تخلیق زمین کو بچھانے اور ہموار کرنے کے بعد ہوئی اس سے تاخیر زمانی تو مراد نہیں ہوسکتی بلکہ دونوں تخلیقوں میں تفاوت کے اظہار کے لئے ثم کا استعمال کیا۔

دخان کیا ہے: وَهِيَ دُخَانٞ شاید دخان سے مراد مادہ دخان اور وہ چھوٹے چھوٹے اجزا ہوں جن سے آسمان بنایا گیا ہے۔ آسمان کا مادہ دخان یعنی آبی بخارات ہیں کذا قال البغوی (فلسفہ یونان اور علماء طبعیات کے نزدیک دخان نام ہے ارضی اور آتشی اجزاء کے مخلوط امتزاجی قوام کا اور بخار نام ہے آبی و ہوائی اجزاء کے مرکب امتزاجی کا لیکن بغوی کے قول پر دخان سے مراد آبی بخارات ہیں)۔ (تفسیر مظہری اردو، جلد دہم)

فَقَالَ لَهَا وَلِلۡأَرۡضِ ٱئۡتِيَا طَوۡعًا أَوۡ
پھر کہا اس کو اور زمین کو آؤ تم دونوں خوشی سے
كَرۡهٗا قَالَتَآ أَتَيۡنَا طَآئِعِينَ ﴿١١﴾
یا زور سے وہ بولے ہم آئے خوشی سے ☆

نظام کائنات ☆ یعنی ارادہ یہ کیا کہ ان دونوں (آسمانوں اور زمین) کے ملاپ سے دنیا بسائے۔ خواہ اپنی طبیعت سے ملیں یا زور سے ملیں (بہرحال دونوں کو ملا کر ایک نظام بنانا تھا) وہ دونوں آملے اپنی طبیعت سے آسمان سے سورج کی شعاع آئی، گرمی پڑی، ہوائیں اٹھیں، ان سے گرد اور بھاپ اوپر چڑھی پھر پانی ہو کر مینہ برسا جس کی بدولت زمین سے طرح طرح کی چیزیں

پیدا ہوئیں۔ اور پہلے جو فرمایا تھا کہ "زمین میں اس کی خوراکیں رکھیں" یعنی اس میں قابلیت ان چیزوں کے نکلنے کی رکھ دی تھی۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

زمین وآسمان کو اللہ تعالیٰ کا حکم: جو تاثیر و تاثر میں نے تمہارے اندر پیدا کیا ہے اس کو لے کر آجاؤ اور جو مختلف اوضاع اور طرح طرح کی کائنات تمہارے اندر میں نے ودیعت کردی ہیں ان کو ظاہر کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس چیز کو میں تمہارے اندر سے پیدا کرنے والا ہوں اس چیز کو نمودار کردو۔

طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ کا تفسیری قول اس طرح نقل کیا ہے میں نے بندوں کی مصلحت کے لئے جو منافع تم دونوں کے اندر پیدا کئے ہیں ان کو ظاہر کرو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے آسمان سے ارشاد فرمایا اے آسمان اپنے سورج چاند اور ستاروں کو نمودار کر اور اے زمین اپنے اندر دریاؤں کو رواں کر اور درختوں اور پھلوں کو برآمد کر۔

طوعًا او کرھًا۔ چار و ناچار حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ نے آسمان و زمین سے ارشاد فرمایا میں نے جو حکم تم کو دیا ہے اس کی تعمیل کرو، ورنہ میں تم کو مجبور کر کے اپنے حکم کی تعمیل کراؤں گا۔ آسمان و زمین نے اس کے جواب میں کہا۔

قالتا اتینا طائعین۔ دونوں نے کہا ہم بخوشی حاضر ہیں۔ **طائعین** جمع مذکر کا صیغہ استعمال کیا۔ **طائعتین** بصیغہ تثنیہ مؤنث نہیں فرمایا اس لئے کہ حکم کی اطاعت کا قول کرنے والے آسمان و زمین اور ان کی ساری کائنات تھی اس لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا اور جب آسمان و زمین کی طرف قول کی نسبت کی اور قول کی نسبت ذی عقل کی طرف کی جاتی ہے اس لئے آسمان و زمین کو ذی عقل مان کر وہ صیغہ استعمال کیا جو ذی عقل کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کلام مجازی استعارہ ہے (حقیقی قول مراد نہیں ہے)۔

اتینا سے مراد ہے قدرت کاملہ کا اظہار اور مراد خداوندی کا یقینی قطعی وقوع اور اتیان سے مراد ہے فوراً متاثر ہو جانا جس طرح حاکم و فرماں روا کے حکم کی تعمیل فرماں بردار فوراً کرتا ہے اسی طرح آسمان و زمین نے فرمان پذیری کا مظاہرہ کیا آیت کن فیکون میں بھی یہی فوری فرمان پذیری ہی مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ
پھر کر دیے وہ سات آسمان دو دن میں ☆

تعیین ایام کی احادیث ☆ یعنی چار دن وہ تھے اور دو دن میں آسمان بنائے کل چھ دن ہوگئے، جیسا کہ دوسری جگہ "ستۃ ایام" کی تصریح ہے (تنبیہ) جس حدیث مرفوعہ میں تخلیق کائنات کے متعلق دنوں کی تعیین و ترتیب دی ہے کہ فلاں فلاں چیز اللہ نے ہفتہ کے فلاں فلاں دن میں پیدا کی ان میں والی حدیث صحیح اب تک نظر سے نہیں گزری حتیٰ کہ ابوہریرہؓ کی حدیث کے متعلق جو صحیح مسلم میں ہے ابن کثیر لکھتے ہیں "وھومن غرائب الصحیح و قد علله البخاری فی التاریخ فقال رواہ بعضھم عن ابی ھریرۃ عن کعب الاحبار وھوالا صح" اور روح المعانی میں قفال شافعی سے نقل کیا ہے "تفردبه مسلم و قد تکلم علیه الحفاظ علی ابن المدینی والبخاری وغیرھما وجعلوہ من کلام کعب وان اباھریرۃ انما سمعه منه ولکن اشتبه علی بعض الرواۃ فجعله مرفوعاً"

تخلیق زمین وآسمان میں تقدیم وتاخیر کا مسئلہ

باقی قرآن کریم کی اس آیت اور سورہ بقرہ کی آیت ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ سے جو ظاہر ہوتا ہے کہ سات آسمان زمین کی پیدائش کے بعد بنائے گئے اور سورہ "نازعات" میں وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین آسمان کے بعد بچھائی گئی۔ اس کے جواب کئی طرح دیئے گئے ہیں احقر کو ابوحیان کی تقریر پسند ہے یعنی ضروری نہیں کہ پہلی آیت میں "ثم" اور دوسری میں "بعد ذلک" تراخی زمان کے لئے ہو۔ ممکن ہے کہ ان الفاظ سے تراخی فی الاخبار یا تراخی رتبی مراد لیں جیسے "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ" میں۔ یا دوسری جگہ "عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ" میں یہی معنی مراد لئے گئے ہیں۔ بہرحال قرآن کریم میں ترتیب زمانی کی تصریح نہیں۔ ہاں نعمت کے تذکرہ میں زمین کا اور عظمت و قدرت کے تذکرہ میں آسمان کا ذکر مقدم رکھا ہے جس کا نکتہ ادنیٰ تامل و تدبر سے معلوم ہو سکتا ہے۔ تفصیل کا یہاں موقع نہیں یہ چند الفاظ اہل علم کی تنبیہ کیلئے لکھ دیئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

زمین وآسمان کی تخلیق کے دن

صحیح یہ ہے کہ آغاز تخلیق اتوار کے دن سے ہوا لیکن اس حدیث میں سنیچر کے دن ابتداء تخلیق قرار دی گئی ہے آیت خلق الجبال رواسی الخ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑوں وغیرہ کی پیدائش تیسرے اور چوتھے دن (منگل اور بدھ) ہوئی لیکن حدیث میں پہاڑوں کی پیدائش اتوار کے دن اور درختوں کی پیدائش پیر کے دن بتائی گئی ہے۔ تخلیق آدم کے قصہ کی رفتار رہی ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق سے بہت مدت کے بعد آدم کی تخلیق ہوئی اللہ نے فرمایا وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً الخ پھر تخلیق آدم کے بیان میں آیا ہے کہ آدم کی مٹی چالیس روز گوندھی گئی اب حدیث مذکورہ کی رو سے اگر آدم کی پیدائش جمعہ کی آخری ساعت میں قرار دی جائے تو آغاز تخلیق جمعہ کے دن سے ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا
اور اتارا ہر آسمان میں حکم اس کا ☆

... یعنی جو حکم جس آسمان کے مناسب تھا۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: "یہ رب کو معلوم ہے کہ وہاں کون مخلوق بستی ہے اور ان کا کیا اسلوب (اور رنگ ڈھنگ) ہے۔ اتنی زمین میں ہزاراں ہزار کارخانے ہیں تو اتنے بڑے آسمان سب خالی پڑے ہوں گے۔" (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ نے آسمان کو کیا حکم دیا عطاء نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ آسمان کے اندر اس کی مخلوق یعنی ملائکہ دریا پہاڑ برف اور وہ سب چیزیں پیدا کر دیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قتادہ و سدی نے کہا یعنی آسمان میں سورج چاند اور ستارے پیدا کر دیئے۔ مقاتل نے کہا اللہ نے جو امر و نہی دینی چاہی وہ آسمان کو وحی کر دی۔ (تفسیر مظہری)

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ
اور رونق دی ہم نے سب سے ورلے آسمان کو چراغوں سے
وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ
اور محفوظ کر دیا یہ سادھا ہوا ہے زبردست
الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾
خبردار کا ☆

آسمان کی زینت یعنی دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ گویا سب ستارے اسی آسمان میں جڑے ہوئے ہیں۔ رات کو ان قدرتی چراغوں سے آسمان کیسا پر رونق معلوم ہوتا ہے۔ پھر محفوظ کتنا کر دیا ہے کہ کسی کی وہاں تک دسترس نہیں۔ فرشتوں کے زبردست پہرے لگے ہوئے ہیں کوئی طاقت اس نظام محکم میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتی کیونکہ وہ سب سے بڑی زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بِمَصَابِيْحَ۔ مصابیح سے مراد ہیں ستارے۔

وَحِفْظًا۔ یعنی ہم نے آفت یا چوری کرنے والوں سے اس کو محفوظ کر دیا یا حفظاً مفعول لہٗ ہے یعنی زینت اور حفاظت کے لئے ہم نے آسمان دنیا میں ستارے پیدا کر دیئے۔

العزیز۔ اپنی حکومت میں غالب۔

الحکیم۔ اپنی مخلوق سے واقف۔ (تفسیر مظہری)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً
پھر اگر وہ ٹلائیں تو تو کہہ میں نے خبر سنا دی تمکو ایک سخت عذاب

مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾
کی جیسے عذاب آیا عاد اور ثمود پر

کفار مکہ کو تنبیہ ☆ یعنی کفار مکہ اگر ایسے عظیم الشان آیات سننے کے بعد بھی نصیحت قبول کرنے اور توحید و اسلام کی راہ اختیار کرنے سے اعراض کرتے رہیں تو فرما دیجئے کہ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارا انجام بھی "عاد" و "ثمود" وغیرہ اقوام معذبین کی طرح ہونا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ
جب آئے اُن کے پاس رسول آگے
اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
سے اور پیچھے سے ☆

جاءتہم الرسل کا مطلب یعنی ہر طرف سے۔ شاید بہت رسول آئے ہوں گے مگر مشہور یہی دو رسول ہیں۔ حضرت ہود اور حضرت صالح علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام اور یا "مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ" سے مراد یہ ہو کہ ان کو ماضی اور مستقبل کی باتیں سمجھاتے ہوئے۔ کوئی جہت اور کوئی پہلو نصیحت و فہمائش کا نہیں چھوڑا۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ۔ جب قوم عاد و ثمود کے پاس ان کے پیغمبر آئے۔

آگے اور پیچھے سے کیا مطلب

ہر طرف سے پہنچے اور ان کو ہدایت کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ یا آگے پیچھے سے مراد ہے گذرا ہوا اور آنے والا زمانہ۔ گذشتہ کافروں پر جو گذرا وہ بھی بتایا اور آئندہ آخرت میں ان پر جیسا عذاب ہوگا اس سے بھی ڈرایا۔ یا آگے پیچھے سے مراد ہے پہلا پچھلا یعنی پہلے لوگوں کے احوال کی طرح ان کو بھی اور حضرت ہود و حضرت صالح نے ان کو پچھلے لوگوں کے احوال سے بھی باخبر کر دیا اور اس طرح ایمان کی دعوت دی۔ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ سے مراد ہے کثرت جیسے دوسری آیت میں آیا ہے۔ يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ یعنی قوم عاد و ثمود نے جواب دیا۔

فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ یعنی تم جو رسول ہونے کے مدعی ہو اور کہہ رہے ہو کہ تم کو تبلیغ و توحید کے لئے بھیجا گیا۔ ہم اس کو نہیں مانتے۔ تم بھی ہماری طرح آدمی ہی ہو تم کو ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں۔

عتبہ والے واقعہ کی تفصیل

بغوی نے حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابو

جہل نے اور قریش کے کچھ سرداروں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہماری سمجھ میں ٹھیک نہیں آتا۔ کسی ایسی آدمی کو تلاش کرو جو شاعری اور کہانت اور جادو سے واقف ہو وہ جا کر محمد سے گفتگو کرے اور پھر آ کر ہم کو صاف صاف بتائے عقبہ بن ربیعہ بولا واللہ میں نے شعر بھی سنے ہیں اور کہانت وسحر کے الفاظ بھی اور مجھے اس سے کچھ واقفیت بھی ہے اگر اس میں سے کوئی بات ہوئی تو مجھ سے چھپی نہیں رہے گی غرض عقبہ وہاں سے اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم بہتر ہو یا ہاشم تم بہتر ہو یا عبدالمطلب تم بہتر ہو یا عبداللہ، تم ہمارے معبودوں کو کیوں برا کہتے ہو اور کیوں ہمارے اسلاف کو گمراہ قرار دیتے ہو اگر تم سرداری کے خواستگار ہو تو ہم اپنے جھنڈے تم کو دے دیں گے اور اگر عورت کے خواہشمند ہو تو قریش کی دس عورتوں سے جن کو تم پسند کرو تمہارا نکاح کر دیں گے اور اگر تم مال کے طلبگار ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم بھی دولت مند ہو جاؤ گے اور تمہارے بعد آنے والی نسل بھی۔ عقبہ کہتا رہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے سنتے رہے جب وہ کہہ چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا شروع کیا۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت مثل صاعقۃ عاد وثمود تک پڑھیں عتبہ نے (ڈر کر) فوراً حضور کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور رشتہ داری کی قسم دے کر خاموش ہو جانے کی درخواست کی پھر لوٹ کر سیدھا اپنے گھر پہنچ گیا قریش کے پاس نہیں گیا۔ اپنے گھر بیٹھ رہا یہ بات دیکھ کر ابوجہل نے کہا اے قریش والو خدا کی قسم ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ عتبہ محمد کی طرف جھک گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے پر ریجھ گیا اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ وہ مفلس ہو گیا ہے ذرا اس کے پاس تو چلو۔ قریش والے عتبہ کے پاس گئے اور ابوجہل نے اس سے کہا عتبہ خدا کی قسم ہم کو تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم تو ہمارے پاس نہیں آئے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تمہارا جھکاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو گیا اور تم ان کے کھانے پر ریجھ گئے اگر تم ضرورتمند ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں جو محمد کے کھانے سے تم کو بے نیاز کر دے یہ بات سن کر عتبہ کو غصہ آ گیا اور قسم کھا کر کہا آئندہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات بھی نہیں کرے گا اور بولا تم لوگ واقف ہو کہ میں قریش کے اندر بڑے مالدار لوگوں میں سے ہوں بات یہ ہوئی کہ میں ان کے پاس گیا تھا اور ان سے پورے حالات بیان کئے تھے لیکن انہوں نے مجھے ایسا جواب دیا کہ خدا کی قسم نہ وہ شعر ہے نہ کہانت اور جادو (کے الفاظ) پھر عتبہ نے یہ سورت پڑھ کر سنائی یہ کلام سن کر میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش کر دیا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا۔ چپ ہو جائیں تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات کہتے ہیں تو جھوٹ نہیں کہتا اس سے مجھے ڈر ہو گیا کہ کہیں تم پر عذاب آ جائے۔

محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے ہم سے کہا گیا ہے کہ عتبہ بڑا دانشمند سردار تھا قریش کی مجلس میں ایک روز بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تنہا مسجد (کعبہ) میں تشریف فرما تھے عتبہ نے کہا اے گروہ قریش کیا میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر ان سے کچھ گفتگو کروں اور چند باتیں ان کے سامنے رکھوں شاید وہ کوئی بات قبول کر لیں اور ہم ان کی وہ بات پوری کر دیں اور وہ پھر ہم سے کچھ تعرض نہ کریں یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضرت حمزہ مسلمان ہو چکے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی بڑھتے جا رہے تھے۔ قریش نے کہا ابوالولید ایسا ہی کرو ان کے پاس جاؤ اور بات کرو عتبہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور کہنے لگا میرے بھتیجے تم جانتے ہو کہ تمہارا نسب وسیع ہے اور نسبی لحاظ سے بھی تمہارا ایک خاص مقام ہے لیکن تم نے ایک بڑی بات کی ہے جس سے قریش کی جماعت میں تم نے پھوٹ ڈال دی اور سب کو بیوقوف قرار دیا اور ان کے معبودوں کی خرابیاں بیان کیں اور ان کے گذشتہ باپ دادا کو کافر بتایا ذرا کان لگا کر میری بات سنو میں چند چیزیں تمہارے سامنے رکھتا ہوں تم ان پر غور کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوالولید کہو کیا باتیں ہیں عتبہ نے کہا بھتیجے اگر تم جو بات لائے ہو اس سے تمہارا مقصد مال کا حصول ہے تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے اور اگر سرداری کے طلبگار ہو تو ہم تم کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں اور اگر تم کو کچھ دکھائی دیتا ہے (یعنی جنون یا جن کا اثر ہے) تو ہم تمہارا علاج تلاش کریں گے اور ممکن ہے یہ شعر ہوں جو تمہارے سینہ سے اٹھتے ہوں (اور تم ان کو روک نہ سکتے ہو) تو اس کا مطلب تم کو اس (شاعری) پر وہ قدرت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے جب عتبہ بات ختم کر چکا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوالولید کیا تم اپنی بات پوری کر چکے عتبہ نے کہا جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا تو اب میری سنو عتبہ نے کہا سناؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھنا شروع کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ حٰمٓ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پشت کے پیچھے ٹکائے ان پر سہارا لگائے خاموشی کے ساتھ کان لگائے سن رہا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت سجدہ پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور فرمایا ابوالولید یہ تمہاری بات کا جواب ہے۔ عتبہ فوراً کھڑا ہو گیا اور اپنے ساتھیوں کی طرف چل دیا۔ اہل مجلس میں سے ایک نے دوسرے سے خدا کی قسم کہا ابوالولید جو خیال لے کر گیا تھا اس کے خلاف خیال لے کر واپس آ رہا ہے جب عتبہ آ کر بیٹھ گیا تو لوگوں نے پوچھا کیا خبر لائے ابوالولید۔ عتبہ نے کہا خبر یہ ہے کہ میں نے ایسا کلام سنا کہ خدا کی قسم

[illegible] تمہاری [illegible] اس کی وجہ سے تم [illegible] اس نے تیرے اوپر [illegible]

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ

[illegible] اللہ [illegible] کہنے لگے [illegible]

رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ

[illegible]

بِهٖ كٰفِرُوْنَ

[illegible]

[illegible]

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ

سو وہ جو عاد تھے وہ تو غرور کرنے لگے ملک میں ناحق

الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ

[illegible]

قوم عاد [illegible]

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ

[illegible]

هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا

وہ زیادہ ہے اُن سے زور میں اور تھے ہماری نشانیوں

يَجْحَدُوْنَ

[illegible]

[illegible] دل میں انکا حق ہونا سمجھتے تھے مگر ضد اور عناد سے انکار کرتے چلے جاتے تھے۔ (میر عثمانی)

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ

پھر بھیجی ہم نے اُن پر ہوا بڑے زور کی کئی دن

اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ

جو مصیبت کے تھے تاکہ چکھائیں اُن کو رسوائی کا عذاب

الْخِزْيِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

دنیا کی زندگی میں [illegible]

عذاب [illegible] ان کا غرور توڑنے کو ایک مزور مخلوق [illegible] آٹھ دن مسلسل ہوا کا طوفان چلتا [illegible]

قوم عاد پر عذاب کس وقت اور کتنے وقت میں ہوا

[illegible] تعالیٰ نے تین سال تک بارش [illegible] اور آٹھ روز سات راتیں [illegible] روایت میں ہے کہ یہ واقعہ آخر شوال [illegible]

اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی کی علامت

[illegible]

کوئی وقت منحوس نہیں ہے

[illegible]

کہ کوئی دن یا ساعت اپنی ذات میں منحوس نہیں ہے۔ قوم عاد پر طوفان باد کے ایام کو نحسات فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ یہ دن اس قوم کے حق میں ان کی بد عملیوں کے سبب منحوس ہوگئے تھے اس لئے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ دن سب کے لئے منحوس ہوں۔ (مظہری، بیان القرآن) [illegible] مسئلہ کی پوری تحقیق [illegible] کوئی چیز اپنی ذات میں منحوس ہوسکتی ہے یا نہیں [illegible] کتاب [illegible] کے باب [illegible] میں دیکھیں جو عربی میں طبع ہوچکی ہے۔ (معارف القرآن)

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى

اور آخرت کے عذاب میں تو پوری رسوائی ہے

وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور اُن کو کہیں مدد نہیں ☆

عذاب آخرت: یعنی آخرت کی رسوائی تو بہت ہی بڑی ہے جو کبھی [illegible] ٹالے نہیں ٹلے گی نہ وہاں کوئی مدد کر سکے گا۔ [illegible] اپنی [illegible] محبت و ہمدردی کے بڑے بڑے مدعی آنکھیں چرائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا

اور وہ جو ثمود تھے سو ہم نے اُن کو راہ بتلائی، پھر اُنکو خوش لگا

الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى

اندھا رہنا راہ سوجھنے سے ☆

قوم ثمود ☆ یعنی نجات کا راستہ تو ہمارے پیغمبر نے بتلا دیا تھا [illegible] آنکھیں بند [illegible] اور اندھا رہنے کو پسند کیا۔ آخر اللہ تعالیٰ نے [illegible] ذلت والی حالت میں [illegible] (تفسیر عثمانی)

فهدینهم۔ یعنی خیر و شر دونوں کے راستے بتا دیئے اور پیغمبروں کی وساطت سے ان کو سیدھا راستہ دکھا دیا۔ کذا فسر ابن عباسؓ۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى۔ یعنی ایمان کے مقابلہ میں انہوں نے جہالت اور کفر کو پسند کیا۔

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ

پھر پکڑا اُن کو کڑک نے ذلت کے عذاب کی

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾

بدلہ اُس کا جو کماتے تھے ☆

زلزلہ [illegible] یعنی زلزلہ آیا جس سے تھرتھرا ہونے لگے [illegible] اس [illegible] سے جگر پھٹ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور بچا دیا ہم نے اُن کو جو یقین لائے تھے اور بچ کر چلتے تھے

اہل ایمان: یعنی جو لوگ ایمان لائے اور بدی کے راستہ سے بچ کر چلتے تھے انکو صاف بچا دیا۔ [illegible] آنچ بھی نہیں لگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ

اور جس دن اکٹھے ہوں گے دشمن اللہ کے دوزخ پر تو اُن کی

يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾

[illegible] مثلیں بندھی جائیں گی

قیامت میں مجرموں کے گروہ: یعنی ہر ایک قسم کے مجرموں کی الگ جماعت ہوگی اور یہ سب جماعتیں ایک دوسرے کے انتظار میں جہنم کے قریب روکی جائیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ

[illegible] جب [illegible] پہنچیں اس [illegible] بتلاویں گے اُن کو

سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ

اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کے چمڑے

بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾

جو کچھ وہ کرتے تھے

اعضاء کی گواہی: دنیا میں کانوں سے [illegible] سنتے تھے [illegible] آیات تکوینیہ [illegible] خدا کی نافرمانی [illegible] [illegible]

کیا کیا چیزیں گواہی دیں گی

مقاتل نے کہا ہاتھ پاؤں بولیں گے۔ مسلم نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت [illegible] نے فرمایا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یکایک حضور [illegible] اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس بات پر ہنس رہا ہوں ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی جانے فرمایا میں اس بات پر ہنس رہا ہوں کہ بندہ اپنے رب سے مخاطب ہو کر عرض کرے گا اے میرے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے پناہ نہیں دی ہے (یعنی کیا تو نے نہیں فرمایا ہے کہ کسی پر ظلم نہ ہوگا) اللہ فرمائے گا کیوں نہیں بندہ عرض کرے گا تو میں اپنے خلاف شہادت دینے والا کوئی میری ہی جز ہو گا (جو میرے) میں اپنے خلاف شہادت دینے کی اجازت نہیں دوں گا اللہ فرمائے گا بس آج تیرا نفس تیرے خلاف شہادت دینے کو کافی ہے اور کراماً کاتبین شاہد کافی ہیں [illegible] منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء جسم، ہاتھ پاؤں سے اعمال بولنے کو کہا جائے گا [illegible] پھر بندہ کو بات کرنے کی آزادی دے دی جائے گی (یعنی منہ سے مہر ہٹا لی جائے گی) تو وہ (اعضاء سے) کہے گا دور ہو جاؤ تمہاری طرف سے ہی تو میں دفاع کر رہا تھا۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے اس میں اتنا زیادہ ہے [illegible] منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کی ران کو بولنے کا حکم دیا جائے گا فوراً اس کی ران اس کا گوشت اور ہڈی [illegible] اس کے اعمال بیان کر دیں گی [illegible]

دن کی گواہی: [illegible] حضرت معقل بن یسار کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنے والا دن انسان کو پکار کر کہتا ہے کہ میں نیا دن ہوں اور جو کچھ مجھ میں کیا جائے گا [illegible] قیامت کے دن میں اس کی گواہی دوں گا [illegible] تجھے چاہیے کہ [illegible] ختم ہونے سے پہلے پہلے کوئی نیکی [illegible] کر لے [illegible] میں چلا گیا تو پھر تو مجھے کبھی نہ پائے گا اور رات بھی یہی ندا دیتی ہے۔ (رواہ ابو نعیم) [illegible]

> وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ۭ
>
> اور وہ کہیں گے اپنے چمڑوں کو تم نے کیوں بتایا ہم کو

اعضاء کو ملامت [illegible] جب میں زبان سے انکار کر رہا تھا تو تم پر کیا مصیبت پڑی تھی کہ خواہ مخواہ تم نے بولنا شروع کر دیا [illegible] آخر [illegible] کس نے۔ (تفسیر عثمانی)

کافر کی ہٹ دھرمی: (ابن ابی حاتم) ابو یعلیٰ میں ہے حضور فرماتے ہیں قیامت کے دن کافر کے سامنے اس کی بد اعمالیاں پیش کی جائیں گی تو وہ انکار کرے گا اور جھگڑنے لگے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ ہیں تیرے پڑوسی جو شاہد ہیں یہ کہے گا سب جھوٹے ہیں۔ فرمائے گا یہ ہیں تیرے کنبے قبیلے والے جو گواہ ہیں۔ کہے گا یہ بھی سب جھوٹے ہیں۔ اللہ ان سے قسم دلوائے گا وہ قسم کھائیں گے لیکن یہ انکار ہی کرے گا۔ خدا سب کو چپ کرا دے گا اور خود ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔ پھر انہیں جہنم واصل کر دیا جائے گا۔

تعجب خیز بات۔ حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں جب ہم سمندر کی ہجرت سے واپس آئے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم سے پوچھا تم نے حبشہ کی سرزمین پر کوئی تعجب خیز بات دیکھی ہو تو سناؤ۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا ایک مرتبہ ہم وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان کے علماء کی ایک بڑھیا عورت ایک پانی کا گھڑا سر پر لئے ہوئے آ رہی تھی انہی میں سے ایک جوان نے اسے دھکا دیا جس سے وہ گر پڑی اور گھڑا ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھی اور اس شخص کی طرف دیکھ کر کہنے لگی مکار! تجھے اس کا حال اس وقت معلوم ہو گا جب اللہ تعالیٰ اپنی کرسی بچھائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ پاؤں گواہیاں دیں گے اور ایک ایک عمل کھل جائے گا اس وقت تیرا اور میرا فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے اس نے سچ کہا اس نے سچ کہا اس قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح پاک کرے جس میں زور آور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ ابن ابی الدنیا میں یہی روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

> قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ
>
> وہ بولیں گے ہم کو بلوایا اللہ نے جس نے بلوایا ہے ہر چیز کو

[illegible] اسی کی قدرت ہے کہ ناطق چیز کو بولنے کی قوت دی۔ آج اس نے ہم کو بھی گویا کر دیا۔ نہ بولتے اور نہ بات کر سکتے۔ جب وہ قادر مطلق بلوانا چاہے تو کس چیز کی مجال ہے کہ نہ بولے۔ جس نے زبان میں قوت گویائی رکھی، کیا ہاتھ پاؤں میں نہیں رکھ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

> وَهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ
>
> اور اسی نے بنایا تم کو پہلی بار اور اسی کی طرف
>
> تُرْجَعُوْنَ
>
> پھیرے جاتے ہو☆

[illegible] مقولہ یا اللہ تعالیٰ کا ہے کہ جلود کا ہے۔ دونوں احتمال ہیں۔ [illegible]

تین کم سمجھ آدمی [illegible] شیخین نے صحیحین میں نیز بغوی نے حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے [illegible] دو ثقفی اور ایک قریشی یا دو قریشی اور ایک ثقفی شخص جمع ہوئے ان تینوں کے پیٹ تو موٹے تھے جن پر چربی کثرت سے جمی

ہوئی تھی اور دلوں میں سمجھ کم تھی ایک بولا کیا تم کو معلوم ہے کہ اللہ ہماری باتیں سنتا ہے دوسرا بولا ہم چلا کر بولیں تو سنتا ہے۔ اور چپکے چپکے بات کریں تو نہیں سنتا تیسرے نے کہا اگر وہ چلا کر بات کرنے کو سنتا ہے تو چپکے کی بات بھی ضرور سنے گا۔ بغوی نے لکھا ہے یہ ثقفی شخص عبد یالیل تھا اور دونوں قریشی آدمی ربیعہ اور صفوان بن امیہ تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ
اور تم پردہ نہ کرتے تھے اس بات سے کہ
عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ
تم کو بتلائیں گے تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں
وَلَا جُلُوْدُكُمْ
اور نہ تمہارے چمڑے ☆

ناوانی ☆ یعنی غیر سے چھپ کر گناہ کرتے تھے۔ یہ خبر نہ تھی کہ ہاتھ پاؤں بتلا دیں گے۔ ان سے بھی پردہ کریں اور کرنا بھی چاہتے تو اس کی قدرت کہاں تھی۔ (تفسیر عثمانی)

تَسْتَتِرُوْنَ کا معنی: بغوی نے لکھا ہے اکثر علماء نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے "تم چھپا نہیں سکتے تھے" مجاہد نے ترجمہ کیا تم ڈرتے نہ تھے۔ قتادہ نے کہا تم خیال بھی نہیں کرتے تھے کہ تمہارے ہاتھ اور پاؤں تمہارے خلاف شہادت دیں گے لیکن تمہارا خیال تھا کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر نہیں ہے اسی لئے تم اپنے برے اعمال بیباکی سے کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ
پر تم کو یہ خیال تھا کہ اللہ نہیں جانتا
كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾
بہت چیزیں جو تم کرتے ہو ☆

دل کا چور ☆ یعنی اصل میں تمہارے طرز عمل سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ گویا تم کو خدا تعالیٰ کے علم محیط کا یقین ہی نہ تھا سمجھتے تھے کہ جو چاہو کرتے رہو کون دیکھ بھال کرتا ہوگا۔ اگر پوری طرح یقین ہوتا کہ خدا ہماری تمام حرکات سے باخبر ہے اور اس کے ہاں ہماری پوری مسل محفوظ ہے تو ہرگز ایسی شرارتیں نہ کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ
اور یہ وہی تمہارا خیال ہے جو تم رکھتے تھے
بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ
اپنے رب کے حق میں اسی نے تم کو غارت کیا پھر آج رہ گئے
الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ
ٹوٹے میں پھر اگر وہ صبر کریں تو آگ
مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا
ان کا گھر ہے اور اگر وہ منایا چاہیں
فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾
تو ان کو کوئی نہیں مناتا ☆

عذاب کسی طرح نہ ٹلے گا ☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ "یعنی دنیا میں بعض بلا صبر سے آسان ہوتی ہے، وہاں صبر کریں یا نہ کریں دوزخ گھر ہو چکا (جہاں سے کبھی نکلنا نہیں) اور بعض بلا منت خوشامد کرنے سے ٹلتی ہے وہاں جتنا چاہیں کہ منت کریں، کوئی قبول نہیں کرتا۔" (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا یعنی اگر وہ رب کو راضی کرنا چاہیں گے اور خواستگار عقبیٰ ہوں گے۔ عقبیٰ کا معنی ہے اپنی پسندیدہ حالت کی طرف لوٹنا۔

فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۔ تو ان کی یہ درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

جیسا گمان ویسا عمل: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جناب باری عزاسمہ کا ارشاد ہے کہ میرے ساتھ میرا بندہ جو گمان کرتا ہے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں حضرت حسن اتنا فرما کر کچھ تامل کرکے فرمانے لگے جس کا جیسا گمان خدا کے ساتھ ہوتا ہے ویسا ہی اس کا عمل بھی ہوتا ہے۔ مومن چونکہ خدا کے ساتھ نیک ظن ہوتا ہے وہ اعمال بھی اچھے کرتا ہے۔ اور کافر و منافق چونکہ خدا کے ساتھ بدظن ہوتے ہیں وہ اعمال بھی بد کرتے ہیں پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ
اور لگا دیئے ہم نے انکے پیچھے ساتھ رہنے والے، پھر انہوں نے خوبصورت
مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ
بنا دیا انکی آنکھوں میں اس کو جو انکے آگے ہے اور جو انکے پیچھے ہے ☆

اعراض کا نتیجہ [illegible] شیطان [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] کما قال تعالیٰ وَمَنْ یَّعْشُ عَنْ
ذِکْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ (زخرف۔ رکوع۴) [illegible]

وَحَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ

اور ٹھیک پڑ چکی اُن پر عذاب کی بات اُن فرقوں

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ

ساتھ جو گذر چکے اُن سے پہلے جنوں

وَالْاِنْسِ

[illegible] اور آدمیوں

[illegible] لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (ھود۔ رکوع ۱۰)۔ [illegible]

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ

بیشک وہ تھے ٹوٹے والے☆

جب آدمی کو خسارہ آتا ہے تو اسی طرح آتا ہے اور ایسے ہی سامان ہو
جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا

اور کہنے لگے منکر مت کان دھرو

لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ

اس قرآن کے سننے کو اور بک بک کرو اس

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ

[illegible] پڑھنے میں شاید تم غالب [illegible]

آواز حق ☆☆ قرآن کریم کی آواز بجلی کی طرح سننے والوں کے دل میں اثر کرتی تھی جو سنتا فریفتہ ہو جاتا اور اس سے روکنے کی تدبیر [illegible] کہ جب قرآن پڑھا جائے ادھر کان مت دھرو، اور اس قدر شور و غل مچاؤ کہ دوسرے بھی نہ سن سکیں۔ اس طرح ہماری بک بک سے قرآن کی آواز دب جائے [illegible] جس چیز [illegible] ہیں [illegible] بات تو [illegible] لیکن صداقت [illegible] اور [illegible] سے کہاں مغلوب ہو سکتی ہے۔ ان تدبیروں کے باوجود حق [illegible] ہو کر رہتی ہے۔ (عثمانی)

کافروں کی بک بک

حضرت ابن عباس نے فرمایا [illegible] جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے دیکھو تو ان کے سامنے رجز اور شعر خوب پڑھو [illegible] بک بک کرنے سے مراد ہیں سیٹیاں اور تالیاں بجانا [illegible] خوب [illegible] جو کچھ وہ کہہ رہے ہوں اس میں گڑ بڑ پیدا ہو جائے [illegible] (تفسیر مظہری)

[illegible] جب قرآن [illegible] اس [illegible]
[illegible] تو اس وقت انہوں نے [illegible]
[illegible] جب محمد
صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] پڑھیں [illegible] پکارا [illegible]
[illegible] (قرطبی)

تلاوت قرآن کے وقت خاموش ہو کر سننا واجب ہے خاموش نہ رہنا کفار کی عادت ہے

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن میں خلل ڈالنے کی نیت سے شور [illegible] کفر کی علامت ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاموش ہو کر سننا واجب اور ایمان کی علامت ہے۔ آجکل ریڈیو پر تلاوت قرآن نے ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ ہر ہوٹل اور مجمع کے مواقع میں ریڈیو کھولا جاتا ہے۔ جس میں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو اور ہوٹل والے خود اپنے دھندوں میں لگے رہتے ہیں اور کھانے پینے والے اپنے شغل میں۔ اس کی صورت وہ بن جاتی ہے جو کفار کی علامت تھی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت فرما دیں کہ یا تو ایسی مواقع میں تلاوت قرآن کیلئے کھولیں اگر کھولنا ہے اور برکت حاصل [illegible] تو چند منٹ سب کام بند کر کے خود بھی اس طرف متوجہ ہو کر سنیں دوسروں کو بھی اس کا موقع دیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَلَنُذِیْقَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا

سو ہم کو ضرور چکھانا ہے منکروں کو سخت عذاب

شَدِیْدًا وَّلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ

اور اُن کو بدلہ دینا ہے بُرے سے بُرے کاموں

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

کا جو وہ کرتے تھے ☆

☆ اس سے زیادہ برا کام کونسا ہوگا کہ خود نصیحت کی بات نہ سنے اور دوسروں کو بھی سننے نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ

یہ سزا ہے اللہ کے دشمنوں کی آگ

لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءً

ان کا اسی میں گھر ہے سدا کا بدلہ اس کا

بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

جو ہماری باتوں سے انکار کرتے تھے ☆

☆ یعنی دل میں سمجھتے تھے لیکن ضد اور تعصب و عناد سے انکار ہی کرتے رہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا

اور کہیں گے وہ لوگ جو منکر ہیں اے رب ہمارے ہم کو دکھا دے

الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ

وہ دونوں جنہوں نے ہم کو بہکایا جو جن سے

وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا

اور جو آدمی کہ ڈالیں ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے

لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

کہ وہ رہیں سب سے نیچے ☆

کافروں کی تمنا ☆ یعنی خیر ہم تو آفت میں پھنسے ہی ہیں، آدمیوں اور جنوں میں سے جن شیطانوں نے ہم کو بہکا کر اس آفت میں پھنسایا ذرا انہیں ہمارے سامنے کر دیجئے کہ ان کو ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں۔ اور نہایت ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں دھکیل دیں تاکہ انتقام لے کر ہمارا دل کچھ تو ٹھنڈا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

برے کام کی بنیاد ڈالنے والوں کا حشر

اَلَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا۔ یعنی جنات اور انسانوں میں سے جس نے ہم کو بہکایا [illegible] بنیاد ڈالنے والے یہی دونوں تھے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

تحقیق جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر

اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

اسی پر قائم رہے ان پر اترتے ہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا

فرشتے کہ تم مت ڈرو اور نہ غم کھاؤ

وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

اور خوشخبری سنو اس بہشت کی جس کا تم سے

تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

وعدہ تھا ☆

اہل ایمان و استقامت کا انعام

☆ یعنی دل سے قبول کیا اور اسی پر قائم رہے، ربوبیت و الوہیت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا نہ اس یقین و اقرار سے مرتے دم تک ہٹے نہ ڈگمگائے [illegible] جو کچھ زبان سے کہا تھا اس کے مقتضٰی پر اعتقاداً اور عملاً جمے رہے۔ اللہ کی ربوبیت کاملہ کا حق پہچانا جو عمل کیا خالص اس کی خوشنودی اور شکر گزاری کے لئے کیا اپنے رب کے عائد کئے ہوئے حقوق و فرائض کو سمجھا اور ادا کیا۔ غرض ماسوا سے منہ موڑ کر سیدھے اسی کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی کے راستہ پر چلے۔ ایسے مستقیم الحال بندوں پر موت کے قریب اور قبر میں پہنچ کر اور اس کے بعد قبروں سے اٹھنے کے وقت اللہ کے فرشتے اترتے ہیں جو تسکین و تسلی دیتے اور جنت کی بشارتیں سناتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اب تم کو ڈرنے اور گھبرانے کا کوئی موقع نہیں رہا۔ دنیائے فانی کے سب فکر و غم ختم ہوئے اور آگے کسی آفت کا اندیشہ بھی نہیں رہا۔ اب ابدی طور پر ہر قسم کی جسمانی و روحانی خوشی اور عیش تمہارے لئے ہے۔ اور جنت کے جو وعدے انبیاء علیہم السلام کی زبانی کئے گئے تھے وہ اب تم سے ایفاء کئے جانے والے ہیں۔ یہ وہ دولت ہے جس کے ملنے کا یقین حاصل ہونے پر کوئی فکر اور غم آدمی کے پاس نہیں پھٹک سکتا۔ (تنبیہ) بہت ممکن ہے کہ متقین و ابرار پر

اس دنیوی زندگی میں بھی یہ قسم کا نزول فرشتوں کا ہوتا ہو جو امدادِ حکم سے ان کے دینی و دنیوی امور میں بہتری کی باتیں الہام کرتے ہوں۔ جو ان کے شرح صدر اور تسکین و طمینان کا موجب ہو جاتا ہو جیسے ان کے بالمقابل ایک دوسرے آیت پہلے گزر چکا ہے کہ کفار پر شیطان مسلط ہیں جو تزیین قبائح سے ان کے غو کا سامان کرتے ہیں چنانچہ دوسری جگہ شیاطین کے حق میں بھی لفظ "تنزل" استعمال ہوا ہے قال تعالیٰ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ (شعراء) بہرحال بعض مفسرین کے نزدیک یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اور اس تقدیر پر اگلی آیت نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا زیادہ چسپاں ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

استقامت کے معنی: پہلے جز کو لفظ استقامت سے تعبیر فرمایا ارشاد ہوا اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ۔ یعنی جن لوگوں نے سچے دل سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب یقین کیا اور اس کا اقرار بھی کر لیا یہ تو اصل ایمان ہوا آگے اس پر مستقیم بھی رہے یہ عمل صالح ہوا۔ اس طرح ایمان اور عمل صالح کے جامع ہو گئے۔ لفظ استقامت کا جو مفہوم خلاصہ تفسیر میں بیان ہوا ہے کہ ایمان و توحید پر قائم رہے اس وچھوڑا نہیں۔ یہ تفسیر حضرت صدیق اکبرؓ سے منقول ہے اور تقریباً یہی مضمون حضرت عثمان غنیؓ سے منقول ہے انہوں نے استقامت کی تفسیر اخلاص عمل سے فرمائی ہے اور حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ۔ الاستقامة ان تستقيم على الامر والنهى ولا تروغ روغان الثعالب۔ (مظہری) (استقامت یہ ہے کہ تم اللہ کے تمام احکام اور اوامر اور نواہی پر سیدھے جمے رہو اس سے ادھر ادھر راہ فرار لومڑیوں کی طرح نہ نکالو) اس لئے علماء نے فرمایا کہ استقامت تو ایک لفظ مختصر ہے مگر تمام شرائع اسلامیہ کو جامع ہے جس میں تمام احکام الٰہیہ پر عمل اور تمام محرمات و مکروہات سے اجتناب دائمی طور پر شامل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حاضرین سے فرمایا تم لوگ ان دونوں آیتوں کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو (اللہ نے فرمایا ہے) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (اس کا کیا مطلب ہے دوسری آیت میں فرمایا) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ (ظلم سے کیا مراد ہے) حاضرین نے جواب دیا ثم استقاموا کا یہ مطلب ہے کہ اس پر قائم رہے اور اوامر کے پابند رہے اور پھر کوئی گناہ نہیں کیا اور لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کا بھی یہی مطلب ہے کہ ایمان کے بعد انہوں نے گناہ نہیں کیا حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا آپ لوگوں نے آیت کی تفسیر میں بڑی شدت اختیار کی لَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے پھر ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کیا اور ثم استقاموا کا یہ مطلب ہے کہ وہ اقرار ربوبیت و وحدانیت کے بعد اس پر قائم رہے بت پرستی کی طرف نہیں لوٹے۔ کذا فی ازالۃ الخفاء لشیخ ولی اللہ۔ نسائی بزار اور ابو یعلیٰ وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت الذین قالوا ربنا الله تلاوت فرمائی پھر فرمایا بہت لوگوں نے یہ بات کہہ دی اور خوف کی وجہ سے کچھ لوگ منکر ہو گئے جو مرتے وقت اس کا قائل رہا وہ صاحب استقامت ہے۔

حضرت عثمان بن عفانؓ نے استقاموا کا ترجمہ کیا انہوں نے خالص اللہ کے لئے عمل کیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا پھر انہوں نے فرائض ادا کیے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا پھر وہ ادائے فرائض پر قائم رہے۔ حسنؒ نے کہا پھر وہ امر الٰہی پر قائم رہے اللہ کی طاعت کرتے رہے اور نافرمانی سے بچتے رہے مجاہد اور عکرمہ نے کہا اللہ سے ملنے کے وقت یعنی مرتے دم تک لا الٰہ الا اللہ کی شہادت پر قائم رہے۔ مقاتل نے کہا معرفت پر قائم رہے۔ پھر معرفت سے نہیں پھرے۔

یہ تمام اقوال اسی مضمون کی مختلف تعبیریں ہیں جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ کا قول ان تمام امور کو شامل ہے جن کا بجا لانا اللہ نے فرض کیا ہے اور ان امور کو بھی حاوی ہے جن سے اجتناب رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے خواہ ان اوامر و نواہی کا تعلق عقائد سے ہو یا اخلاق سے یا اعمال سے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کا بیان کردہ مطلب بتا رہا ہے کہ شہرت کی طلب اور دکھاوا وہ نہیں کرتے مجاہد اور عکرمہ کے قول کا بھی یہی حاصل ہے غرض استقامت بغیر فنائے نفس و قلب کے نہیں حاصل ہوتی اور معرفت الٰہیہ کا حصول جو مقاتل کے قول میں آیا ہے اسی طریقہ سے ہوتا ہے جو صوفیہ نے اپنی اصطلاحات میں بیان کیا ہے۔

قتادہ کا بیان ہے حضرت حسنؒ جب یہ آیت پڑھتے تھے تو کہتے تھے اے اللہ تو ہمارا رب ہے ہم کو استقامت نصیب کر۔ حسنؒ صوفیہ کے سرگروہ تھے اکثر سلسلوں کا سرچشمہ وہی تھے۔ (تفسیر مظہری)

مومنین کے لئے اللہ تعالیٰ کی دوستی اور رضاء

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ یعنی ہم تمہارے ولی سرپرست اور دوست ہیں دنیا اور آخرت میں اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ولایت اور محبت دنیا میں اور آخرت میں ایک ایسا عظیم انعام ہے کہ دنیا و مافیہا کی ساری نعمتیں اس کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔ بلکہ اخروی نعمتوں میں بھی یہ بہت ہی بلند پایہ نعمت ہے۔ کیونکہ اللہ رب العزت کی رضا اور خوشنودی جنت کی ہر نعمت اور راحت سے زائد اور بلند ہے جیسے کہ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جنت میں اہل جنت کو تمام انعامات سے نوازنے کے بعد فرمائے گا۔ اے میری بندو! کیا تمہیں کچھ اور چیز مطلوب ہے۔ جنتی جواب دیں گے اے ہمارے رب اب ہمیں اور کیا چاہئے ہم کو تو وہ نعمتیں دیدی گئیں ہیں جو جہاں والوں میں کسی کو نہیں دی گئیں۔ اس پر اعلان ہو گا۔ رضائی لا اسخط علیکم بعده ابدًا۔ کہ میری رضامندی اور خوشنودی ہے تمہارے لئے۔ اب آئندہ میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۔ (معارف کاندھلوی)

سب سے آسان آیت:

حضرت ابن عباسؓ سے سوال کیا گیا کہ قرآن میں حکم اور جزا کے لحاظ سے سب سے زیادہ آسان آیت کون سی ہے؟ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی کہ توحید خدا پر تا عمر قائم رہنا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کی اطاعت پر جم جاتے ہیں اور لومڑی کی چال نہیں چلتے کہ کبھی ادھر کبھی اُدھر۔

استقامت کی دعا:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں فرائض خدا کی ادائیگی کرتے ہیں۔ حضرت قتادہ یہ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّنَا فَارْزُقْنَا الْاِسْتِقَامَۃَ خدایا! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت اور پختگی عطا فرما۔ استقامت سے مراد دین اور عمل کا خلوص ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اسلام کے بعد سب سے اہم بات

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کے سلسلہ میں مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر مجھے کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے ارشاد فرمایا کہو آمَنْتُ بِاللّٰہِ (میں اللہ پر ایمان لایا) پھر استقامت رکھو (یعنی اس پر جمے رہو یا سیدھی چال چلتے رہو) رواہ مسلم۔ (تفسیر مظہری)

نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ					
ہم	ہیں	تمہارے	رفیق	دنیا	میں
الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ ج					
اور	آخرت	میں	☆		

دنیا و آخرت کی رفاقت ☆ بعض نے اس کو اللہ کا کلام بتایا ہے یعنی فرشتوں کا کلام اس سے پہلے ختم ہو چکا۔ اور اکثر کے نزدیک یہ بھی فرشتوں کا مقولہ ہے۔ گویا فرشتے یہ قول ان کے دلوں میں الہام کرتے ہیں اور ان کی ہمت بندھاتے ہیں۔ ممکن ہے اس زندگی میں بعض بندوں سے مشافہۃً بھی اتنے الفاظ کہتے ہوں اور ممکن ہے کہ موت کے قریب یا اسکے بعد کہا جاتا ہو اس وقت "نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ" کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے رفیق رہے ہیں کہ اللہ کے حکم سے باطنی طور پر تمہاری اعانت کرتے تھے اور آخرت میں بھی رفیق رہینگے کہ وہاں تمہاری شفاعت یا اعزاز و اکرام کا انتظام کرینگے۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی دنیا میں ہم تمہارے ساتھی تھے اچھی باتیں تمہارے دل میں ڈالتے تھے اور شیطانوں سے تمہاری حفاظت کرتے تھے اور آخرت میں بھی تمہارے ساتھ اس وقت تک رہیں گے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ (تفسیر مظہری)

مومنوں کے لئے بشارتیں: حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مومن کی روح سے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح جو پاک جسم میں تھی چل خدا کی بخشش انعام اور اس کی نعمت کی طرف چل اُس خدا کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب مسلمان اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی وقت فرشتے ان کے پاس آئیں گے اور انہیں بشارتیں سنائیں گے۔ حضرت ثابتؒ جب اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت تک پہنچے تو ٹھہر گئے تو فرمایا ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مومن بندہ جب قبر سے اٹھے گا تو وہ دو فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے اس کے پاس آئیں گے اور اس سے کہیں گے ڈر نہیں، گھبرا نہیں، غمگین نہ ہو تو جنتی ہے خوش ہو جا تجھ سے خدا کے جو وعدے تھے پورے ہوں گے۔ غرض خوف امن سے بدل جائے گا۔ آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی دل مطمئن ہو جائیگا۔ قیامت کا تمام خوف دہشت اور وحشت دور ہو جائے گی۔ اعمال صالحہ کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھے گا اور خوش ہوگا۔ الحاصل موت کے وقت، قبر میں اور قبر سے اٹھتے ہوئے ہر وقت ملائکہ رحمت اس کے ساتھ رہیں گے اور ہر وقت بشارتیں سناتے رہیں گے اس سے فرشتے یہ بھی کہیں گے کہ زندگانی دنیا میں بھی ہم تمہارے رفیق و ولی تھے تمہیں نیکی کی راہ سجھاتے تھے، خیر کی رہنمائی کرتے تھے۔ تمہاری حفاظت کرتے تھے۔ ٹھیک اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ رہیں گے تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے۔ قبر میں حشر میں میدان قیامت میں، پل صراط پر غرض ہر جگہ ہم تمہارے رفیق اور دوست اور ساتھی ہیں۔ نعمتوں والی جنتوں میں پہنچا دینے تک تم سے الگ نہ ہوں گے وہاں جو تم چاہو گے تمہیں ملے گا جو خواہش ہوگی پوری ہوگی۔ یہ مہمانی یہ عطا یہ انعام یہ ضیافت اُس خدا کی طرف سے ہے جو بخشنے والا اور مہربانی کرنے والا ہے اس کا لطف و رحم اس کی بخشش اور کرم بہت وسیع ہے۔

جنت کے بازار: حضرت سعید بن مسیبؒ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی تو حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کو جنت کے بازار میں ملائے۔ اس پر حضرت سعیدؒ نے پوچھا کیا جنت میں بھی بازار ہوں گے؟ فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے اور اپنے اپنے مراتب کے مطابق درجے پائیں گے تو دنیا کے اندازے سے جمعہ والے دن انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن پر تجلی فرمائے گا اس کا عرش

ظاہر ہوگا۔ وہ سب جنت کی باغیچی میں نور کے اور لؤلؤ اور یاقوت کے اور زبرجد اور سونے چاندی کے منبروں پر بیٹھیں گے۔ بعض اور جونیئیوں کے اعتبار سے کم درجے کے ہیں لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کمتر نہیں، وہ مشک کے اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ ان اپنی جگہ سے خوش ہوں گے۔ کرسی والوں کو اپنے سے افضل مجلس میں نہیں جانتے ہوں گے۔

دیدارِ الٰہی: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں دیکھو گے۔ آدھے دن کے سورج اور چودھویں رات کے چاند کو جس طرح صاف دیکھتے ہو اسی طرح خدائے تعالیٰ کو دیکھو گے۔ اس مجلس میں ایک ایک سے اللہ تبارک وتعالیٰ باتیں چیتیں کرے گا۔ یہاں تک کہ کسی سے فرمائے گا یاد ہے فلاں دن تم نے میرا فلاں خلاف کیا تھا۔ وہ کہے گا کیوں جناب باری! تو تو وہ خطا معاف فرما چکا تھا پھر اس کا کیا ذکر؟ کہے گا ہاں ٹھیک ہے اسی میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو تو اس درجے پر پہنچا۔ یہ اسی حالت میں ہوں گے کہ انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا اور اس سے ایسی خوشبو برسے گی کہ کبھی کسی نے نہیں سونگھی تھی۔ پھر رب العالمین عزوجل فرمائے گا کہ اٹھو اور میں نے جو انعام و اکرام تمہارے لئے تیار کر رکھے ہیں انہیں لو۔ پھر یہ سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے چوطرف سے فرشتے گھیرے ہوئے ہونگے وہاں وہ چیزیں دیکھیں گے جو نہ کبھی دیکھی تھیں نہ سنی تھیں۔ نہ کبھی خیال میں گزری تھیں۔ جو شخص جو چیز چاہے گا لے لیگا خرید و فروخت وہاں نہ ہوگی بلکہ انعام ہوگا۔ وہاں تمام اہل جنت ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے۔ ایک کم درجے کا جنتی اعلیٰ درجے کے جنتی سے ملاقات کرے گا تو اس کے لباس وغیرہ کو دیکھ کر جی میں خیال کرے گا وہیں اپنے جسم کی طرف دیکھے گا کہ اس سے بھی اچھے کپڑے اس کے ہیں۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج وغم نہ ہوگا۔ اب ہم سب لوٹ کر اپنی اپنی منزلوں میں جائیں گے۔ وہاں ہماری بیویاں ہمیں مرحبا کہیں گی اور کہیں گی کہ جس وقت آپ یہاں سے گئے تھے تب یہ تروتازگی اور یہ نورانیت آپ میں نہ تھی لیکن اس وقت تو جمال وخوبی اور خوشبو اور تازگی بہت ہی بڑھی ہوئی ہے۔ یہ جواب دیں گے کہ ہاں ٹھیک ہے ہم آج خدائے تعالیٰ کی مجلس میں تھے اور یقیناً ہم بہت ہی بڑھ چڑھ گئے (ترمذی وغیرہ) (تفسیر ابن کثیر)

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ أَنْفُسُكُمْ
اور تمہارے لئے وہاں ہے جو چاہے جی تمہارا

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ
اور تمہارے لئے وہاں ہے جو کچھ مانگو

یعنی جس چیز کی خواہش ہو جنت میں موجود ہے جو زبان سے طلب کرو گے سب کچھ ملے گا، اللہ کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

جنت میں تفاوتِ درجات کے باوجود باہمی تحاسد نہ ہوگا

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْ أَنْفُسُكُمْ کا مدلول یہ ہے کہ اہل جنت جس کسی چیز کی خواہش کریں گے وہ ان کو حاصل ہو جائے گی۔ حضرت حکیم الامت تھانوی نے اس پر ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا جس سے یہ اشکال دور کیا کہ جنت میں درجات مختلف ہوں گے، بعض، بعض سے بلندی اور فضیلت رکھنے والے ہوں گے۔ تو کم تر درجے کے لوگ اگر اپنے سے بلند مرتبہ والوں کو نہ جانیں گے تو جہل لازم آئے گا۔ اور جہالت عیب اور نقصان ہے اور یہ ممکن نہیں کہ اہل جنت ناقص و عیب دار ہوں۔ اور اگر جانے گا تو طبعی تقاضے کے باعث حسد ہوگا تو یہ بھی بری خصلت ہے تو فرمایا یہی شق اختیار کر لی جائے کہ بعض اہل جنت اپنے سے بلند درجات والوں کا علم ہوگا لیکن حسد ایک انسانی خصائل میں ایک مذموم اور بری خصلت ہے اور جنتی جنت میں جب داخل کیے جائیں گے۔

ان اوصاف وبشارات کے اولین مصداق

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے فرمایا ان اوصاف کاملہ اور بشارات فاضلہ کے سب اولین مصداق خلفاء راشدین پھر مہاجرین اولین تھے جن کے ایمان واستقامت کی عظمت وبلندی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اللہ کی ربوبیت ان کے اعتقاد کامل کی پوری تصویر اور ان کی عملی زندگی تھی۔ پھر اطاعت وفرمانبرداری کا وہ مقام تھا۔ دنیا کی کوئی مشقت ورکاوٹ ان کی راہ اطاعت میں حائل نہ ہوسکتی تھی۔ ربنا اللہ عقیدہ توحید کی ترجمانی ہے اور اس کے بعد استقامت طاعت وبندگی کا کمال ہے کیونکہ استقامت ہر مامور اور حکم کی تعمیل و پیروی اور ہر ممنوع اور خلاف شرع چیز سے پرہیز کرنے کا نام ہے جس میں اعمال قلوب اور افعال جوارح داخل ہیں اور اس عملی کیفیت کا نام ہے جو ایمان اسلام اور احسان کے مقام کو جامع ہو۔ اسی وجہ سے حضرات عارفین کا قول ہے کہ استقامت ہزار ہا کرامتوں سے بڑھ کر ہے۔ [illegible] وَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ سے زیادہ کوئی سخت آیت نازل نہ ہوئی۔ (معارف القرآن)

نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ
مہمانی ہے اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے

اللہ تعالیٰ کی مہمانی: یعنی سمجھ لو وہ غفور رحیم اپنے مہمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے گا۔ اور یہ کتنی بڑی عزت و توقیر ہے کہ ایک بندہ ضعیف رب العزت کا مہمان ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی مہمانی: بزار ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جنت کے اندر پرندوں کو دیکھ کر (ان کا گوشت کھانے کی) جونہی خواہش کرو گے فوراً وہ تمہارے سامنے بھنے بھنائے گر پڑیں گے۔

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جنتی آدمی (جونہی) جنت کے اندر پرندہ (کا گوشت کھانے) کی خواہش کرے گا فوراً وہ پرندہ جو بختی اونٹ کی طرح ہوگا جنتی کے خوان پر گر پڑے گا نہ اس کو دھواں لگا نہ آگ نے اس کو چھوا ہوگا جنتی آدمی اس میں سے پیٹ بھر کر کھالے گا پھر وہ پرندہ صحیح سالم اصلی حالت میں اڑ جائے گا۔

جنت میں اولاد: بیہقی اور ترمذی نے لکھا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی مؤمن جنت کے اندر بچہ پیدا ہونے کی خواہش کرے گا فوراً گھڑی بھر میں بچہ اس کی خواہش سے پیدا ہو جائے گا اس کی مدت حمل اور مدت پیدائش اور عمر سب کچھ ایک گھڑی میں ہو جائے گا۔

ہناد نے الزہد میں حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے بیان کیا حضرت ابوسعیدؓ نے فرمایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولاد تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور تمام مسرت ہوتی ہے کیا جنت کے اندر جنتی کی اولاد ہوگی فرمایا جب جنتی بچے کی خواہش کرے گا۔ الخ

اصبہانی نے الترغیب میں غیر مرفوع حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ جنتی آدمی (جب) بچہ پیدا ہونے کی خواہش کرے گا (تو بچہ فوراً پیدا ہو جائے گا) اس کے حمل شیر خوارگی اور دودھ چھڑانے کی مدت بس ایک گھڑی ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ
اور اس سے بہتر کس کی بات جس نے بلایا
اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ
اللہ کی طرف اور کیا نیک کام اور کہا میں
مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ؏
حکم بردار ہوں ☆

اہل استقامت کا اعلیٰ مقام

پہلے "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا" میں ان مخصوص مقبول بندوں کا ذکر تھا جنہوں نے صرف ایک اللہ کی ربوبیت پر اعتقاد جما کر اپنی استقامت کا ثبوت دیا۔ یہاں انکے ایک اور اعلیٰ مقام کا ذکر کرتے ہیں۔ یعنی بہترین شخص وہ ہے جو خود اللہ کا ہو رہے، اسی کی حکم برداری کا اعلان کرے، اسی کی پسندیدہ روش پر چلے اور دنیا کو اسی کی طرف آنے کی دعوت دے۔ اسکا قول و فعل بندوں کو خدا کی طرف کھینچنے میں مؤثر ہو۔ جس نیکی کی طرف لوگوں کو بلائے بذات خود اس پر عامل ہو۔ خدا کی نسبت اپنی بندگی اور فرمانبرداری کا اعلان کرنے سے کسی موقع پر اور کسی وقت نہ جھجکے۔ اسکا طغرائے قومیت صرف مذہب اسلام ہو اور ہر قسم کی تنگ نظری اور فرقہ وارانہ نسبتوں سے یکسو ہو کر اپنے مسلم خالص ہونے کی منادی کرے اور اسی اعلیٰ مقام کی طرف لوگوں کو بلائے جس کی دعوت دینے کیلئے سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اپنی عمریں صرف کی تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

داعی کے آداب: حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ نے اپنے ایک وعظ "دعوت الی اللہ" میں ان آیات کی تفسیر و تشریح میں عجیب لطائف و نکات بیان فرمائے۔ اصل داعی میں دعوت کے ساتھ عمل صالح اور ساتھ تو اضع اور انکسار اور اعتراف فرمانبرداری بھی ضروری ہے اپنی دعوت اور خدمت پر فخر نہ کرے اس لئے کہ سب کام خدا کی توفیق سے ہوتا ہے اس لئے اپنے اوپر نظر نہ کرنی چاہیے۔

مطلب یہ کہ دعوت الی اللہ الاسلام کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے مخالفین بھڑکیں نہیں، کیونکہ اگر بھڑکے گا تو اس کا شر اور بڑھیگا پہلے چھپی عداوت کرتا تھا تو اب کھلی ہوئی کرے گا۔ تو اس عداوت سے اور شر سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ ٹال دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کرو۔ تو دشمن دوست بن جائے گا۔ اور پھر وہ اگر تمہیں مدد بھی نہ دے گا تو تمہاری کوششوں کو روکے گا بھی نہیں۔ اور دعوت الی اللہ کا کام مکمل ہو جائے گا۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت عمرؓ کا فرمان ہے کہ تیرے بارے میں جو شخص خدا کی نافرمانی کرے تو تو اسکے بارے میں خدا کی فرمانبرداری کر۔ اس سے بڑی کوئی چیز نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایمان والوں کو خدا کا حکم ہے کہ وہ غصے کے وقت صبر کریں اور دوسرے کی جہالت پر اپنی بردباری کا ثبوت دیں اور دوسرے کی برائی سے درگزر کریں۔ ایسے لوگ شیطانی داؤں سے محفوظ رہتے ہیں اور ان کے دشمن بھی پھر تو ان کے دوست بن جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اذان کی فضیلت

حضرت معاویہؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے قیامت کے دن مؤذن سب سے زیادہ دراز گردن ہوں گے۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابوسعیدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مؤذن کی (اذان کی) آواز جتنی مسافت تک جن وانس یا کوئی اور چیز (چوپایہ وغیرہ) سنے گی قیامت کے دن اس کے لئے شہادت دے گی۔ رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امانت دار اے اللہ! اماموں کو ہدایت فرما اور مؤذنوں کی مغفرت فرما۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والشافعی۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بامید ثواب سات برس اذان دی اس کے لئے دوزخ سے برأت (نجات) لکھ دی گئی رواہ الترمذی وابن ماجہ وابوداؤد حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین شخص جنت کے ٹیلوں (یعنی بلند مقامات) پر ہوں گے ایک وہ غلام جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی دوسرا وہ شخص جس نے کسی قوم کی امامت کی اور لوگ اس (کی امامت) سے راضی رہے تیسرا وہ آدمی جس نے ہر رات دن میں پانچ نمازوں کی اذان دی۔ رواہ الترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور ہر تر و خشک اس کی شہادت دیتا ہے اور نماز میں حاضر ہونیوالے کے لئے پچیس نمازوں (کا ثواب) لکھا جاتا ہے (یعنی جماعت سے نماز پڑھنے والے کو پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے) اور ہر دو نمازوں کے درمیان کئے ہوئے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ۔

حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو چیزیں ہیں جن کو رد نہیں کیا جاتا یا فرمایا کم رد کیا جاتا ہے اذان کے وقت دعا کرنی اور جہاد کے وقت کی دعا جب لوگ باہم گتھے ہوئے (دست و گریباں) ہوتے ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بارہ سال اذان دی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی ہر اذان دینے سے روزانہ اس کی ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر اقامت کہنے پر تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ رواہ ابن ماجہ۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا مغرب کی اذان کے وقت ہم کو دعا کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔ رواہ البیہقی فی الدعوات۔

اذان کا جواب

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مؤذن کی اذان سنو تو جو وہ کہتا ہے تم بھی کہو پھر مجھ پر درود پڑھو جو میرے لئے دعا کرے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا پھر میرے لئے اللہ سے وسیلہ طلب کرو وسیلہ جنت کے اندر ایک خاص مقام ہے جس پر اللہ کے بندوں میں سے کسی ایک بندہ کو فائز کیا جائے گا اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی وہ بندہ ہوں گا پس جو میرے لئے وسیلہ ملنے کی دعا کرے گا اس کے لئے میری شفاعت کھل جائے گی۔ رواہ مسلم۔

حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر کہے اور تم میں سے بھی کوئی (سننے والا) اللہ اکبر اللہ اکبر کہے (الحدیث) یعنی جو مؤذن کہے وہ (سننے والا بھی) وہی کہے اور جب مؤذن حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کہے تو وہ (سننے والا) لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ رواہ مسلم۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن ہم سے بڑھ جائیں گے فرمایا جیسا وہ کہتے ہیں تم بھی ویسے ہی الفاظ کہو پھر جب ختم کر چکو تو اللہ سے مانگو (جو مانگو گے) پاؤ گے۔ (رواہ ابوداؤد) (تفسیر مظہری)

آیت کا شان نزول: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس آیت میں بھی مؤذن کی تعریف ہے۔ اس کا حی علی الصلوٰۃ کہنا خدا کی طرف بلانا ہے۔ ابن عمرؓ اور عکرمہؒ فرماتے ہیں یہ آیت مؤذنوں کے بارے میں اتری ہے۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ عمل صالح کرتا ہے اس سے مراد اذان وتکبیر کے درمیان دو رکعت پڑھنا ہے۔ جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے دو اذانوں کے درمیان نماز ہے دو اذانوں کے درمیان نماز ہے دو اذانوں کے درمیان نماز ہے جو چاہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اذان واقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی۔

محمد بن سیرینؒ اور سدیؒ نے کہا مَنْ دعا الی اللہ الخ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک مراد ہے حسنؒ کے نزدیک ہر وہ مومن مراد ہے جس نے اللہ کی دعوت (اسلام) قبول کی اور نیک کام کئے اور اپنے مسلم ہونے کا اظہار کیا۔ (تفسیر مظہری)

اذان واقامت کے درمیان نماز ودعا

حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں سمجھتی ہوں کہ اس آیت کا نزول مؤذنوں کے حق میں ہوا تھا۔ حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا دعا الی اللہ (اللہ کی طرف بلایا) اس سے مراد ہے اذان دی اور عمل صالحا (نیک کام کئے) اس سے مراد ہے اذان واقامت کے درمیان دو رکعتیں پڑھیں۔ قیس بن حازم نے کہا نیک کام کرنے سے مراد ہے اذان واقامت کے درمیان نماز ہے۔ حضرت معقل بن یسار راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے تیسری بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے اس کے لئے جو چاہے (یعنی فرض نہیں ہے جو چاہے پڑھے) متفق علیہ۔ حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا مجھے نہیں معلوم حضرت انسؓ راوی

ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذان اور اقامت کے درمیان (کی ہوئی) دعا رد نہیں کی جاتی رواہ ابوداؤد والترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ
اور برابر نہیں نیکی اور نہ بدی
اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا
جواب میں وہ کہہ جو اُس سے بہتر ہو پھر
الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ
تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا
وَلِیٌّ حَمِيْمٌ
دوست دار ہے قرابت والا☆

داعی کے اخلاق ☆ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی خوب سمجھ لو نیکی، بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے۔ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مومن قانت اور خصوصاً ایک داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہئے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے اگر کوئی اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اسکے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہئے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب وشائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرز عمل سے نتیجہ میں تم دیکھ لوگے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائیگا اور گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئیگا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرمجوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی وعداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں کما قال عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً (سورۂ ممتحنہ رکوع۲) ہاں کسی شخص کی طبیعت کی افتاد ہی سانپ بچھو کی طرح ہو کہ کوئی نرم خوئی اور خوش اخلاقی اس پر اثر نہ کرے وہ دوسری بات ہے مگر ایسے افراد بہت کم ہوتے ہیں۔ بہرحال دعوۃ الی اللہ کے منصب پر فائز ہونے والوں کو بہت زیادہ صبر واستقلال اور حسن خلق کی ضرورت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

برائی کے بدلے اچھائی کرو: بعض علماء نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ بدیاں بھی سب ایک درجہ کی نہیں ہوتیں اسی طرح نیکیوں کے مراتب بھی مختلف ہوتے ہیں اب اگر کوئی دشمن کوئی بدی کرے تو اس کے مقابلہ میں بہترین اعلیٰ درجہ کی نیکی سے کام لیا جائے مثلاً کسی نے اگر تمہارے ساتھ بدسلوکی کی ہو تو درگذر کرنا چاہئے (یہ ایک درجہ کی نیکی ہے) لیکن اگر بدی کے عوض دشمن سے بہترین سلوک کیا جائے تو یہ احسن ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا
اور یہ بات ملتی ہے انہی کو جو سہار رکھتے ہیں
وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ
اور یہ بات ملتی ہے اسی کو جس کی بڑی قسمت ہے☆

☆یعنی بہت بڑا حوصلہ چاہئے کہ بری بات سہار کر بھلائی سے جواب دے۔ یہ اخلاق اور اعلیٰ خصلت اللہ کے ہاں سے بڑے قسمت والے خوش نصیب اقبال مندوں کو ملتی ہے (ربط) یہاں تک اس حریف اور دشمن کے ساتھ معاملہ کرنا سکھلایا تھا جو حسن معاملہ اور خوش اخلاقی سے متاثر ہو سکتا ہے لیکن ایک دشمن وہ ہے جو کسی حال اور کسی تدبیر سے دشمنی نہیں چھوڑ سکتا تم کتنی ہی خوشامد یا نرمی برتو اس کا نصب العین یہ ہے کہ تم کو ہر طرح نقصان پہنچائے ایسے شیطانوں سے محفوظ رہنے کی تدبیر آگے تلقین فرمائی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يُلَقّٰهَا یعنی بدی کے مقابلہ میں بھلائی کرنے کی خصلت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو نفسانیت اور خواہشات کی مخالفت پر جمے رہتے ہیں۔

ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ بڑا خوش نصیب۔ یعنی جس کو تجلیات ذاتی وصفاتی کا بڑا حصہ ملتا ہے اسی کو یہ اعلیٰ خصلت ملتی ہے نفس پر جب اعلیٰ صفات جلوہ پوش ہو جاتی ہیں تو بری صفات نکل جاتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ
اور جو کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان
نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
کے چوک لگانے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی بیشک وہی
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
ہے سننے والا جاننے والا☆

شیطان کا مقابلہ ☆یعنی ایسے شیطانوں کے مقابلہ میں نرمی اور عفو درگذر سے کام نہیں چلتا۔ بس اس سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ خداوند

قدوس کی پناہ میں آجاؤ۔ یہ وہ مضبوط قلعہ ہے جہاں شیطان کی رسائی نہیں۔ اگر تم واقعی اخلاص و تضرع سے اللہ کو پکارو گے وہ ضرور تم کو پناہ دے گا کیونکہ وہ ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ کس نے کتنے اخلاص و تضرع سے اس کو پکارا ہے۔ حضرت شاہ صاحب اس آیت کا پہلی آیت سے ربط ظاہر کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں "یعنی کبھی بے اختیار غصہ چڑھ آئے تو یہ شیطان کا دخل ہے"۔ وہ نہیں چاہتا کہ تم حسن خلق پر کاربند ہو کر دعوت الی اللہ کے مقصد میں کامیابی حاصل کرو۔ (تفسیر عثمانی)

شیطان کی کوشش اور اس کا ازالہ

يَنْزَغَنَّكَ نَزْغٌ کچو کا دینا چبھونا شیطان کچو کا دیتا ہے یعنی گناہ پر ابھارتا ہے قاموس میں ہے نَزَغَهُ اس کے نیزہ چبھویا نَزَغَ بَيْنَهُم ان کے درمیان فساد ڈلوا دیا وسوسہ پیدا کر دیا برانگیختہ کر دیا مطلب یہ ہے کہ اگر شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں وسوسہ پیدا ہو اور انتقام لینے پر اور برائی کے عوض برائی کرنے پر شیطان آپ کو ابھارے۔ تو شیطان کے شر سے آپ اللہ کی پناہ کے خواستگار ہوں اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں اللہ خود اس بدی کو آپ سے دفع کر دے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ
اور اس کی قدرت کے نمونے ہیں رات اور دن
وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ
اور سورج اور چاند ہیں

عظمت الٰہی کے دلائل: دعوۃ الی اللہ کے ساتھ چند دلائل واضحہ بیان فرماتے ہیں جن سے داعی الی اللہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت، وحدانیت اور بعث بعد الموت وغیرہ اہم مسائل کے سمجھانے میں مدد ملے۔ اس ضمن میں ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ ایک طرف خدا کے مخصوص بندے اپنے قول و عمل سے خدا کی طرف بلا رہے ہیں اور دوسری طرف چاند، سورج اور آسمان و زمین کا عظیم الشان نظم و نسق سوچنے والوں کو اسی خدائے واحد کی طرف آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ وفی کل شیء له اٰیة تدل علی انه واحد انسان کو چاہئے کہ ان تکوینی نشانیوں میں الجھ کر نہ رہ جائے جیسے بہت سی قومیں رہ گئی ہیں بلکہ لازم ہے کہ اس خداوند قدرت کے سامنے سر جھکائے جس کی یہ نشانیاں ہیں اور جس کے حکم سے ان کی ساری نمود ہے اور ممکن ہے کہ اس پر بھی متنبہ ہو۔ کہ کبھی رات اور دن اور ان دونوں کی نشانیاں چاند اور سورج ایک دوسرے کے متبادل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان میں ردو بدل کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کو قدرت ہے کہ دعوت الی اللہ کی روشنی اور دلائل کی جلوہ بہت اور خوش اخلاقی کی مدد سے مخاطبین کی کایا پلٹ کر دے اور تاریک فضا کو ایک روشن ماحول سے بدل دے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ
سجدہ نہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو
وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ
اور سجدہ کرو اللہ کو جس نے ان کو بنایا
اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ
اگر تم اسی کو پوجتے ہو

یعنی سورج اور چاند وغیرہ کو پوجنے والے بھی زبان سے یہی کہتے تھے کہ ہماری غرض ان چیزوں کی پرستش سے اللہ کی پرستش ہے۔ اللہ نے بتلا دیا کہ یہ چیزیں پرستش کے لائق نہیں۔ عبادت کا مستحق صرف ایک خدا ہے۔ کسی غیر کو معبود بنا کر خدا کے مقربین سے عبادت کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں

سجدہ صرف خالق کائنات کا حق ہے۔ اس کے سوا کسی ستارے یا انسان وغیرہ کو سجدہ کرنا حرام ہے۔ خواہ وہ عبادت کی نیت سے ہو یا محض تعظیم و تکریم کی نیت سے دونوں صورتیں باجماع امت حرام ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ جو عبادت کی نیت سے کسی کو سجدہ کرے گا وہ کافر ہو جائے گا اور جس نے محض تعظیم و تکریم کے لئے سجدہ کیا اس کو کافر نہیں کہیں گے مگر مرتکب حرام و مجرم و فاسق کہا جائے گا۔

سجدہ عبادت تو اللہ کے سوا کسی کو کسی امت، شریعت میں حلال نہیں رہا۔ کیونکہ وہ شرک میں داخل ہے اور شرک تمام شرائع انبیاء میں حرام رہا ہے۔ البتہ سجدہ تعظیمی سجدہ کرنا پچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔ دنیا میں آنے سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے فرشتوں کو سجدہ کا حکم اور یوسف علیہ السلام کو ان کے والد اور بھائیوں نے سجدہ کیا جس کا ذکر قرآن میں موجود ہے مگر باتفاق فقہاء امت یہ پچھلی شریعتوں میں تھا۔ اسلام میں منسوخ قرار دیا گیا ہے۔ رفع اللہ سجدہ تعظیمی کا مسئلہ پوری تفصیل کے ساتھ ... المقالة المرضية في حكم سجدة التحية میں مذکور ہے جو زبان عربی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

توحید الٰہی کے دلائل چاند، سورج اور پورا نظام کائنات

یعنی ان میں سے ہر ایک چیز اپنے بنانے والے کے واجب ہونے پر اور اس کی وحدانیت اور صفات کاملہ پر دلالت کر رہی ہے اس لئے چاند سورج کو سجدہ نہ کرو یہ تو مخلوق ہیں تمہاری طرح محکوم ہیں بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان چاروں کو پیدا کیا ہے۔ خَلَقَهُنَّ کی ضمیر چاروں کی طرف ہے۔ تنبیہ (دن رات کو تو کوئی سجدہ کرتا ہی نہیں) مراد یہ ہے کہ چاند سورج کو سجدہ کرنے کی ممانعت کرنی۔ رات دن کے ساتھ چاند سورج کو بیان کرنے کی مناسبت میں رات دن کو شامل کرنے سے زیادہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ شمس و قمر بھی متغیر ہونے میں چاند سورج بھی رات دن کی طرح ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِندَ
پھر اگر غرور کریں تو جو لوگ تیرے
رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ
رب کے پاس ہیں پڑھتے رہتے ہیں اس کی پاکی رات اور دن
وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ۩
اور وہ نہیں تھکتے ☆

اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے یعنی اگر غرور و تکبر حق کے قبول کرنے سے مانع ہے اور باوجود وضوح دلائل توحید کے خدائے واحد کی عبادت کی طرف نہیں جھکتے تو نہ جھکیں، اپنا ہی نقصان کریں گے اللہ کو ان کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ جس کی عظمت و عبادت کا یہ عالم ہے کہ بے شمار ملائکہ مقربین شب و روز اس کی عبادت اور تسبیح و تقدیس میں مشغول رہتے ہیں، نہ کبھی تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔ کسی کے ماننے نہ ماننے کی اسے کیا پروا ہے۔ جو نہ مانے خواہ مخواہ اپنی حماقت سے اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وہ بڑا بے نیاز ہے تمام جہانوں سے مستغنی اور بے نیاز ہے جیسے حدیث قدسی میں ہے کہ اولین و آخرین، زندہ، مردہ، انسان اور جن سب کے سب جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو اس جیسے دل والے ہو جائیں تو میری خدائی میں کچھ بڑھ نہیں سکتا اور سب سے بدترین جیسے ہو جائیں تو خدائی میں کچھ کمی نہیں کر سکتے۔ (ابن کثیر)

سجدہ کس مقام پر ہے: حضرت ابن عباسؓ دوسری آیت کے آخر یعنی لا یسئمون پر سجدہ کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پہلی آیت کے آخر... دوسری آیت کے آخر پر سجدہ کرتے ہیں۔ مسروق، ابوعبدالرحمن سلمی، ابراہیم نخعی، ابن سیرین، قتادہ وغیرہ جمہور فقہاء لا یسئمون ہی پر سجدہ کرتے تھے۔ امام ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ یہی مذہب تمام ائمہ حنفیہ کا ہے اور فرمایا کہ اختلاف کی بنا پر احتیاط بھی اسی میں ہے کہ دوسری آیت کے ختم پر سجدہ کیا جائے کیونکہ اگر سجدہ پہلی آیت سے واجب ہو چکا ہے تو وہ اب ادا ہو جائے گا اور اگر اسی آیت سے واجب ہوا ہے تو اس کا ادا ہونا خود ظاہر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ
اور ایک اس کی نشانی یہ کہ تو دیکھتا ہے زمین کو
خَاشِعَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ
دبی پڑی پھر جب اتارا ہم نے اس پر پانی
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا
تازی ہوئی اور ابھری بیشک جس نے اس کو زندہ کیا
لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۚ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
وہ زندہ کریگا مردوں کو وہ سب کچھ
قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾
کر سکتا ہے

زمین کی خاصیات: یعنی زمین کو دیکھو بیچاری چپ چاپ، ذلیل و خوار بوجھ میں دبی ہوئی پڑی رہتی ہے۔ خشکی کے وقت ہر طرف خاک اڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ لیکن جہاں بارش کا ایک چھینٹا پڑا، پھر اس کی تروتازگی رونق اور ابھار قابل دید ہو جاتا ہے۔ آخر یہ انقلاب کس کے دست قدرت کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ جس خدا نے اس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیا، کیا وہ مرے ہوئے انسانوں کے بدن میں دوبارہ جان نہیں ڈال سکتا؟ اور کیا وہ قادر مطلق مرے ہوئے دلوں کو دعوت الی اللہ کی تاثیر سے از سر نو حیات تازہ عطا نہیں کر سکتا؟ بے شک وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ اس کی قدرت کے سامنے کوئی مانع و مزاحم نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا
جو لوگ ٹیڑھے چلتے ہیں ہماری باتوں میں
لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَن يُلْقَىٰ فِي
وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں بھلا ایک جو پڑتا ہے

النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ

آگ میں وہ بہتر یا ایک جو آئیگا امن سے دن

الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ

قیامت کے کئے جاؤ جو چاہو بیشک

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

جو تم کرتے ہو وہ دیکھتا ہے ☆☆

ملحد کا انجام ☆☆ یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کی زبان سے آیات تنزیہیہ سن کر اور قرطاس دہر پر خدا کی آیات کونیہ کو دیکھ کر بھی جو لوگ کجروی سے باز نہیں آتے اور سیدھی سیدھی باتوں کو واہی تباہی شبہات پیدا کر کے ٹیڑھی بناتے ہیں یا خواہ مخواہ توڑ مروڑ کر ان کا مطلب غلط لیتے ہیں، یا یوں ہی جھوٹ موٹ کے عذر اور بہانے تراش کر ان آیات کے ماننے میں ہیر پھیر کرتے ہیں ایسے ٹیڑھی چال چلنے والوں کو اللہ خوب جانتا ہے ممکن ہے وہ لوگ اپنی مکاریوں اور چالاکیوں پر مغرور ہوں مگر خدا سے ان کی کوئی چال پوشیدہ نہیں۔ جس وقت سامنے جائیں گے دیکھ لیں گے فی الحال اس نے ڈھیل دے رکھی ہے مجرم کو ایک دم نہیں پکڑتا۔ اسی لئے آگے فرمایا۔ "اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ یعنی اچھا جو تمہاری سمجھ میں آئے کئے جاؤ۔ مگر یاد رہے کہ تمہاری سب حرکات اس کی نظر میں ہیں ایک دن ان کا اکٹھا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ اب خود سوچ لو کہ ایک شخص جو اپنی شرارتوں کی بدولت جلتی آگ میں گرے، اور ایک جو اپنی شرافت و سلامت روی کی بدولت ہمیشہ امن چین سے رہے، دونوں میں کون بہتر ہے۔" (تفسیر عثمانی)

الحاد کیا ہے: عام طور سے الحاد ایسے انحراف کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص ظاہر میں تو قرآن اور اس کی آیات پر ایمان و تصدیق کا دعوی کرے مگر ان کے معانی اپنی طرف سے ایسے گھڑے جو قرآن و سنت کی نصوص اور جمہور امت کے خلاف ہوں اور جس سے قرآن کا مقصد ہی الٹ جائے۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں الحاد کے معنی یہی منقول ہیں فرمایا الالحاد وضع الکلام علی غیر موضعہ۔ اور آیت مذکورہ میں ارشاد لا یخفون علینا بھی اس کا قرینہ ہے کہ الحاد کوئی ایسا کفر ہے جس کو یہ لوگ چھپانا چاہتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہم سے اپنا کفر نہیں چھپا سکتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ الحاد ایک قسم کا کفر نفاق ہے کہ ظاہر میں قرآن اور آیات قرآن کو ماننے کا دعوی اور اقرار کرے لیکن آیات قرآنی کے معانی ایسے گھڑے جو دوسری نصوص قرآن و سنت اور اصول اسلام کے منافی ہوں۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا۔

کذالک الزنادقة الذین یلحدون وقد کانوا یظھرون الاسلام (ایسے ہی وہ زندیق لوگ ہیں جو الحاد کرتے ہیں اور بظاہر اسلام کا دعوی کرتے ہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ملحد اور زندیق دونوں ہم معنی ہیں ایسے کافر کو کہا جاتا ہے جو ظاہر میں اسلام کا دعوی کرے اور حقیقت میں اس کے احکام کی تعمیل سے انحراف کا یہ بہانہ بنائے کہ قرآن کے معانی ہی ایسے گھڑے جو خلاف نصوص و خلاف اجماع امت ہوں۔

اسی لئے علماء و فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ یہ تاویل جو تکفیر سے مانع ہوتی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ وہ ضروریات دین میں ان کے مفہوم قطعی کے خلاف نہ ہو۔ ضروریات دین سے مراد وہ احکام و مسائل ہیں جو اسلام اور مسلمانوں میں اتنے متواتر اور مشہور ہوں کہ مسلمانوں کے ان پڑھ جاہلوں تک کو بھی ان سے واقفیت ہو جیسے پانچ نمازوں کا فرض ہونا، صبح کی دو ظہر کی چار رکعت کا فرض ہونا۔ رمضان کے روزے فرض ہونا۔ سود شراب خنزیر کا حرام ہونا وغیرہ۔ اگر کوئی شخص ان مسائل سے متعلق آیات قرآن میں ایسی تاویل کرے جس سے مسلمانوں کا متواتر اور مشہور مفہوم الٹ جائے۔ وہ بلا شبہ باجماع امت کافر ہے کیونکہ در حقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے انکار ہے اور ایمان کی تعریف جمہور امت کے نزدیک یہی ہے کہ تصدیق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما علم مجیئہ به ضرورة۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنا ان تمام امور میں جن کا بیان کرنا اور حکم کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرورۃ ثابت ہو یعنی ایسی یقینی ثابت ہو کہ علماء کے سوا عوام بھی اس کو جانتے ہوں۔

اس سے کفر کی تعریف اس کے بالمقابل یہ ہوگی کہ جن چیزوں کا لانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضروری اور قطعی طور پر ثابت ہو ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے۔

تو جو شخص ایسی ضروریات دین میں تاویل کر کے ان کا حکم بدلے وہ آپ کی لائی ہوئی تعلیم کا انکار کرتا ہے۔

اس زمانہ میں کفر و الحاد کی گرم بازاری

اس زمانہ میں ایک طرف تو دین اور احکام دین سے جہالت اور غفلت انتہا کو پہنچ گئی کہ نئے لکھے پڑھے لوگ بہت سی ضروریات دین سے بھی ناواقف رہتے ہیں۔ دوسری طرف جدید تعلیم جس کی بنیاد ہی مادہ پرستی پر ہے۔ پھر اس کے اثر سے ان پر مزید یورپ کے مستشرقین کے پھیلائے ہوئے اسلام کے خلاف شبہات و اوہام سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اسلام اور اصول اسلام پر بحث و گفتگو شروع کر دی ہے جن واسطہ کے سوا فروع قرآن و حدیث کے علوم سے کوئی واسطہ نہیں۔ انہوں نے اسلام کے

متعلق اگر کچھ معلومات بھی حاصل کی ہیں تو اہل یورپ دشمنان اسلام سے حاصل کی ہیں۔ ایسے لوگوں نے قرآن وحدیث کی نصوص قطعیہ ضروریہ میں طرح طرح کی باطل تاویلیں کرکے شریعت اسلام کے متفق علیہ اور نصوص قطعیہ سے ثابت شدہ احکام کی تحریف کو اسلام کی خدمت سمجھ لیا۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ یہ کھلا کفر ہے تو وہ مشہور ضابطہ کا سہارا لیتے ہیں کہ ہم اس حکم کے منکر تو نہیں بلکہ ایک تاویل کررہے ہیں اس لئے ہم پر یہ کفر عائد نہیں ہوتا۔

اس لئے وقت کی اہم ضروریات سمجھ کر ہمارے استاد حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ایک مستقل کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے اکفار الملحدین و المتاولین فی شیء من ضروریات الدین۔ اس میں ہر طبقہ ہر مسلک کے علماء وفقہاء کی تصریحات سے ثابت کیا ہے کہ ضروریات دین میں کسی کی تاویل مسموع نہیں۔ اور یہ تاویل ان کی تکفیر سے مانع نہیں۔ یہ کتاب بزبان عربی شائع ہوئی ہے احقر نے اس کا خلاصہ اردو زبان میں بنام "کفر و اسلام قرآن کی روشنی میں" شائع کردیا ہے۔ اور احکام القرآن حزب خامس میں اسکا خلاصہ بزبان عربی بیان کردیا ہے۔ اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ یہاں اس کا خلاصہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایک تحریر سے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

الحاد کی دو قسمیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز نے فرمایا۔ آیت قرآن میں تاویل باطل جس کو قرآن کی آیت مذکورہ میں الحاد فرمایا ہے اس کی دو قسمیں ہیں اول وہ تاویل باطل جو نصوص قطعیہ متواترہ یا اجماع قطعی کے خلاف ہو وہ تو بلا شبہ کفر ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ایسی نصوص کے خلاف ہو جو اگرچہ ظنی ہیں مگر قریب بہ یقین ہیں یا اجماع عرفی کے خلاف ہو ایسی تاویل گمراہی اور فسق ہے۔ کفر نہیں ان دو قسم کی تاویلوں کے علاوہ باقی تاویلات جو قرآن وحدیث کے الفاظ میں مختلف احتمالات ہونے کی بنا پر ہوں وہ تاویل عام فقہاء امت کا میدان اجتہاد ہے جو بتصریح حدیث ہر حال میں باعث اجر وثواب ہے۔

آیات مذکورہ کا خلاصہ: خلاصہ آیات مذکورہ کے مضمون کا یہ ہو گیا کہ جو لوگ بظاہر مسلمان ہیں اس لئے کھل کر قرآن کا انکار تو نہیں کرتے مگر آیات قرآنی میں تاویلات باطلہ سے کام لیکر ان کو ایسے مطلب پر محمول کرتے ہیں جو قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قطعی تصریحات کے خلاف ہے۔ ان کی تحریف سے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ایسا محفوظ کردیا ہے کہ یہ گھڑے ہوئے معانی کسی کے چل نہیں سکتے۔ قرآن وحدیث کی دوسری نصوص اور علماء امت اس کی قلعی کھول دیتے ہیں۔

قیامت تک اہل حق کی جماعت موجود رہے گی

احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق قیامت تک مسلمانوں میں ایسی جماعت قائم رہے گی جو تحریف کرنے والوں کی تحریف کا پردہ چاک کرکے قرآن کے صحیح مفہوم کو واضح کردیں۔ اور دنیا سے وہ اپنے کفر کو کیسا ہی چھپائیں۔ اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے۔ اور جب اللہ تعالیٰ ان کی اس سازش سے باخبر ہے تو ان کو اس کی سزا ملنا بھی ضروری ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مجاہد نے کہا یلحدون فی ایتنا سے مراد ہے سیٹیاں اور تالیاں بجانا شور وغل کرنا اور لغویات بکنا۔ قتادہ نے کہا يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا یعنی ہماری آیات کو جھٹلاتے اور ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ سدی نے کہا عناد اور مخالفت کرتے ہیں۔ مقاتل نے کہا یہ آیت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی۔ یلحدون کا لفظ عام ہے تکذیب کرنے والے، لغویات بکنے والے اور قرآن کی قرأت کے وقت سیٹیاں بجانے والے اور تفسیر سلف کے خلاف قرآن کے معانی میں تحریف کرنے والے اور باطل تاویلات کرنے والے سب ہی یلحدون کے ذیل میں آتے ہیں۔

بظاہر ترتیب عبارت یوں ہونی چاہئے تھی کیا جو دوزخ میں ڈالا جائے گا وہ بہتر ہے یا وہ بہتر ہے جو جنت میں داخل ہوگا (اس ترتیب سے جہنم کا جنت سے تقابل ہو جائے گا) لیکن کلام میں زور نہیں پیدا ہوگا کلام میں زور اسی طریقہ سے ہوتا ہے جس طرح بیان کیا گیا ہے کیونکہ دوزخ میں ڈالا جانے والا جب اس شخص کی طرح نہیں ہوسکتا جو قیامت کے دن بے خوف اور مامون ہو کر آئے گا تو جنت میں داخل ہونیوالے کے برابر نہ ہونے کا تو ذکر ہی کیا ہے جنت میں داخل ہونے والے کے برابر ہونے کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

اللہ تعالیٰ کی بخشش وسزا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر خدائے تعالیٰ کی بخشش اور معافی نہ ہوتی تو دنیا میں ایک متنفس جی نہیں سکتا تھا۔ اور اگر اس کی پکڑ دھکڑ عذاب سزا نہ ہوتی تو ہر شخص مطمئن ہو کر ٹیک لگا کر بے خوف ہو جاتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا
جو لوگ منکر ہوئے نصیحت سے
جَآءَهُمْ
جب آئی ان کے پاس ☆

☆ یعنی وہ خواہ مخواہ اپنی کج روی سے نصیحت کی بات میں شبہات پیدا کرتے ہیں حالانکہ اس میں جھوٹ کی گنجائش کسی طرف سے نہیں۔ وہ نصیحت کیا ہے؟ ایک صاف واضح اور مضبوط و محکم کتاب جس کا انکار ایک احمق یا شریر آدمی کے سوا کوئی نہیں کرسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ
اور وہ کتاب ہے نادر اس پر

الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
جھوٹ کا دخل نہیں آگے سے
وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيلٌ مِّنْ
اور نہ پیچھے سے اتاری ہوئی ہے
حَكِيمٍ حَمِيدٍ (۴۲)
حکمتوں والے سب تعریفوں والے کی☆

☆یعنی اُس کی اتاری ہوئی کتاب میں جھوٹ آئے تو کدھر سے آئے اور جس کتاب کی حفاظت کا وہ ذمہ دار ہو، باطل کی کیا مجال ہے کہ اُس کے پاس پھٹک سکے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن پاک کی تحریف میں کوئی کامیاب نہیں ہوسکتا

قتادہ اور سدی نے کہا باطل سے مراد شیطان ہے شیطان قرآن میں کوئی کمی بیشی یا تبدیلی تغیر نہیں کر سکتا۔ شیطان انس ہو یا جن سب ہی کو لفظ باطل حاوی ہے۔ فرقہ شیعہ نے قرآن میں دس پاروں کا اضافہ کیا تھا لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔ قرآن ان کے پاس بھی تیس ہی پاروں کا رہا پھر بعض آیات میں الفاظ کی کمی بیشی کی جیسے لکل قوم هاد کے آخر میں لفظ علی بڑھا دیا اور سیعلموں الذین ظلموا کے آخر میں آل محمد کا لفظ زیادہ کیا لیکن اللہ نے ان کی اس کوشش کو بارآور نہیں ہونے دیا اور بڑھائے ہوئے الفاظ جزو قرآن نہ بن سکے۔

زجاج نے کہا کہ آگے سے باطل نہ آسکنے کا معنی ہے کمی نہ ہو اور پیچھے سے باطل نہ آنے کا معنی ہے زیادتی نہ ہونا۔ اس تفسیر پر باطل سے مراد ہوگی کمی بیشی۔ مقاتل نے یہ مطلب بیان کیا کہ کتب سابقہ سے اس قرآن کی تکذیب نہیں ہوتی نہ اس کے بعد کوئی ایسی کتاب آئے گی جو قرآن کو باطل یا منسوخ کردے۔ (تفسیر مظہری)

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ
تجھے وہی کہتے ہیں جو کہہ چکے ہیں
لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ
سب رسولوں سے تجھ سے پہلے تیرے رب کے
لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ
یہاں معافی بھی ہے اور سزا بھی ہے

أَلِيمٍ (۴۳)
دردناک☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی: یعنی منکرین کا جو معاملہ آپ کے ساتھ ہے، یہی ہر زمانہ کے منکرین کا پیغمبروں کے ساتھ رہا ہے پیغمبروں نے ہمیشہ خیر خواہی کی ہے۔ انہوں نے اس کے جواب میں ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں پھر جس طرح پیغمبروں نے سختیوں سے صبر کیا، آپ بھی صبر کرتے رہئے نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ لوگ توبہ کر کے راہ راست پر آجائیں گے جن کے لئے خدا کے ہاں معافی ہے اور کچھ اپنی کجروی اور ضد پر قائم رہیں گے جو آخر کار دردناک سزا کے مستوجب ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا
اور اگر ہم اُسکو کرتے قرآن اوپری زبان کا تو کہتے
لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ
اُس کی باتیں کیوں نہ کھولی گئیں کیا اوپری زبان کی کتاب
وَّعَرَبِيٌّ ؕ
اور عربی لوگ☆

خوئے بد را بہانہ بسیار☆یعنی ایک بات کو نہ ماننا ہو تو آدمی ہزار حیلے بہانے نکال سکتا ہے۔ کفار مکہ نے اور کچھ نہیں تو یہ ہی کہنا شروع کر دیا کہ صاحب! عربی پیغمبر کا معجزہ تو ہم اُس وقت سمجھتے جب قرآن عربی کے سوا کسی اور زبان میں آتا لیکن فرض کیجئے اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے کے لئے یوں کہنے لگتے کہ بھلا صاحب! کہیں ایسی بے جوڑ بات بھی دیکھی ہے، کہ رسول عربی، اور اس کی قوم بھی جو اولین مخاطب ہے عرب، مگر کتاب بھیجی جائے ایسی زبان میں جس کا ایک حرف بھی عرب لوگ نہ سمجھ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شانِ نزول: مقاتل نے کہا عامر حضرمی کا ایک یہودی عجمی غلام تھا جس کا نام ایسار اور کنیت ابو فکیہہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آتے جاتے تھے یہ دیکھ کر مشرکوں نے کہنا شروع کیا کہ یسار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہے یسار کے آقا نے اس کو مارا اور کہا تو محمد کو سکھلاتا ہے یسار نے کہا وہ تو مجھے تعلیم دیتے ہیں اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا هُدًى
تو کہہ یہ ایمان والوں کے لئے سوجھ ہے اور روگ

وَّ شِفَآءٌ

کا دور کرنیوالا☆

کتاب عمل ☆یعنی لغو اور بیہودہ شبہات تو کبھی ختم نہیں ہونگے ہاں اس قدر تجربہ ایک آدمی کرسکتا ہے کہ یہ کتاب مقدس اپنے اوپر ایمان لاتے اور عمل کرنے والوں کو کیسی عجیب ہدایت وبصیرت اور سوجھ بوجھ عطا کرتی اور ان کے قرنوں اور صدیوں کے روگ مٹا کر کسی طرح بھلا چنگا کردیتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ

اور جو یقین نہیں لاتے ان کے کانوں میں

وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى

بوجھ ہے اور یہ قرآن ان کے حق میں اندھاپا ہے☆

مسخ شدہ فطرت والے ☆یعنی جس طرح خفاش (چمگادڑ) کی آنکھیں سورج کی روشنی میں چندھیا جاتی ہیں، ان منکروں کو بھی قرآن کی روشنی میں کچھ نظر نہیں آتا۔ اس میں قرآن کا کیا قصور ہے منکروں کو چاہئے کہ اپنی نگاہ کا ضعف وقصور محسوس کرکے علاج کی طرف متوجہ ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ

ان کو پکارتے ہیں دور کی

بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾

جگہ سے☆

☆یعنی کسی کو دور سے آواز دو تو نہیں سنتا اور سنے تو اچھی طرح سمجھتا نہیں۔ اسی طرح منکرین قرآن بھی صداقت اور منبع صداقت سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ حق کی آواز ان کے اس کے کانوں تک نہیں پہنچتی اور کبھی پہنچتی ہے تو اس کا ٹھیک مطلب نہیں سمجھتے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ

پھر اس میں اختلاف پڑا ☆

☆یعنی جیسے آج قرآن کے ماننے اور نہ ماننے والوں میں اختلاف پڑ رہا ہے پہلے تورات کے متعلق بھی ایسا ہی اختلاف پڑ چکا ہے پھر دیکھ لو وہاں کیا انجام ہوا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے نکل چکی تیرے

رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

رب کی طرف سے تو ان میں فیصلہ ہو جاتا☆

☆بات وہ ہی نکل چکی کہ فیصلہ آخرت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾

اور وہ ایسے دھوکے میں ہیں اس قرآن سے جو چین نہیں لینے دیتا☆

☆یعنی مہمل شکوک وشبہات ان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے ہر وقت دل میں کھٹکتے رہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ

جس نے کی بھلائی سو اپنے واسطے اور جس نے

اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ

کی برائی سو وہ بھی اسی پر اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ظلم کرے

لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

بندوں پر☆

عمل کی اہمیت ☆یعنی خدا کے ہاں ظلم نہیں، ہر آدمی اپنے عمل کو دیکھ لے۔ جیسا کرے گا وہ ہی سامنے آئے گا۔ نہ کسی کی نیکی اس کے ہاں ضائع ہوگی نہ ایک کی بدی دوسرے پر ڈالی جائے گی (ربط) چونکہ نیکی بدی کا پورا پورا بدلہ قیامت کے دن ملے گا اور کفار اکثر سوال کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی، اس لئے آگے اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ "اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ" الخ۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ

اسی کی طرف حوالہ ہے قیامت کی خبر کا☆

قیامت کا علم ☆یعنی اسی کو خبر ہے کہ قیامت کب آئے گی بڑے سے بڑا نبی اور فرشتہ بھی اسکے وقت کی تعیین نہیں کرسکتا جس سے دریافت کرو گے یہی کہے گا "ما المسئول عنها باعلم من السائل"۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَ

اور نہیں نکلتے کوئی میوے اپنے غلاف سے

مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ

اور نہیں رہتا حمل کسی مادہ کو اور نہ وہ جنے کہ جس کی اس کو خبر نہیں ہے

علم الٰہی ☆ یعنی علم الٰہی ہر چیز کو محیط ہے کوئی کھجور اپنے گابھے سے اور کوئی دانہ اپنے خوشہ سے اور کوئی میوہ یا پھل اپنے غلاف سے باہر نہیں آتا جس کی خبر خدا کو نہ ہو نیز کسی عورت یا کسی مادہ (جانور) کے پیٹ میں جو بچہ موجود ہے اور جو چیز وہ جن رہی ہے سب کچھ اللہ کے علم میں ہے اسی طرح سمجھو کہ موجودہ دنیا کے نتیجہ کے طور پر جو آخرت کا ظہور اور قیامت کا وقوع ہونے والا ہے اس کا وقت بھی خدا ہی کو معلوم ہے کہ کب آئے گا کوئی انسان یا فرشتہ اس کی خبر نہیں رکھتا اور نہ اس کی خبر رکھنے کی ضرورت نہ ضرورت اس کی ہے آدمی قیامت کی خبر پر اللہ کے فرمانے کے موافق یقین رکھے اور اس دن کی فکر کرے جب کوئی شریک کام نہ آئے گا اور کہیں مخلص نہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ

اور جس دن ان کو پکارے گا کہاں ہیں میرے شریک ☆

☆ یعنی جن کو میری خدائی میں شریک ٹھہراتے تھے اب وہ کہاں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ

بولیں گے ہم نے تجھ کو کہہ سنایا ہم میں کوئی ان کا اقرار نہیں کرتا ☆

کافروں کی دیدہ دلیری ☆ یعنی ہم تو آپ سے صاف عرض کر چکے کہ ہم میں کوئی قائل مجرم نہیں جو اس جرم (شرک) کا اعتراف کرنے کو تیار ہو (گویا اس وقت نہایت دیدہ دلیری سے جھوٹ بول کر واقعہ کا انکار کرنے لگیں گے) اور بعض نے شہید کو بمعنی شاہد لے کر یہ مطلب لیا ہے کہ اس وقت ہم سے کوئی ان شرکاء کو یہاں نہیں دیکھتا۔ (تفسیر عثمانی)

مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ۔ کہ ہم میں سے کوئی شرک کی شہادت دینے والا نہیں، مطلب یہ کہ جب عذاب آنکھوں کے سامنے دیکھیں گے تو شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ آج ہم میں سے کوئی بھی ان شریکوں کا مشاہدہ نہیں کرتا سب غائب ہو گئے کوئی سامنے نظر نہیں آتا۔ (تفسیر مظہری)

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ

اور چوک گیا ان سے جو پکارتے تھے پہلے

قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ

اور سمجھ گئے کہ ان کو نہیں نہیں خلاصی ☆

جھوٹے عابد و معبود ☆ یعنی دنیا میں جنہیں خدا کا شریک ٹھہرا کر پکارتے تھے آج ان کا کہیں پتہ نہیں وہ اپنے پرستاروں کی مدد کو نہیں آتے اور پرستاروں کے دلوں سے بھی وہ پکارنے کے خیالات اب غائب ہو گئے۔ انہوں نے بھی سمجھ لیا کہ خدائی سزا سے بچنے کی اب کوئی سبیل نہیں اور گلوخلاصی کا کوئی ذریعہ نہیں آخر آس توڑ کر بیٹھ رہے اور جن کی حمایت میں پیغمبروں سے لڑتے تھے آج ان سے قطع تعلقی اور بیزاری کا اظہار کرنے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ وَاِنْ

نہیں تھکتا آدمی مانگنے سے بھلائی اور اگر لگ

مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ

جائے اس کو برائی تو آس توڑ بیٹھے ناامید ہو کر اور اگر ہم چکھا دیں

رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ

اس کو کچھ اپنی مہربانی پیچھے ایک تکلیف کے جو اس کو پہنچی تھی

لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً

تو کہنے لگے یہ ہے میرے لائق اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے

وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ

اور اگر میں پھر بھی گیا اپنے رب کی طرف بے شک میرے واسطے ہے

لَلْحُسْنٰى

اس کے پاس خوبی ☆

انسانی طبیعت کی نیرنگیاں ☆ یعنی انسان کی طبیعت عجیب طرح کی ہے جب دنیا کی ذرا سی بھلائی پہنچے اور کچھ عیش و آرام و تندرستی نصیب ہو تو مارے حرص کے چاہتا ہے کہ اور زیادہ مزے اڑائے کسی حد پر پہنچ کر اس کی حرص کا پیٹ نہیں بھرتا اگر بس چلے تو ساری دنیا کی دولت لا کر اپنے گھر میں ڈال لے لیکن جہاں ذرا کوئی افتاد پڑنا شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اپنے خلاف دیکھا تو پھر مایوس و ناامید ہوتے بھی دیر نہیں لگتی۔ اس وقت اس کا دل فوراً آس توڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی نظر صرف پیش آمدہ اسباب پر محدود ہوتی ہے اس قادر مطلق مسبب الاسباب پر اعتماد نہیں رکھتا جو چاہے تو ایک آن میں سلسلہ اسباب کو الٹ پلٹ کر رکھ دے اس

مایوسی کے بعد اگر فرض کیجئے اللہ نے تکلیف ومصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے پھر عیش وراحت کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے "ھٰذَا لِیْ" یعنی میں نے فلاں تدبیر کی تھی میری تدبیر اور لیاقت وفضیلت سے یوں ہی ہونا چاہئے تھا اب نہ خدا کی مہربانی یاد رہی نہ اپنی وہ مایوسی کی کیفیت جو چند منٹ پہلے قلب پر طاری تھی اب عیش وآرام کے نشہ میں ایسا مخمور ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اسی حالت میں رہوں گا اور اگر کبھی ان تاثرات کے دوران میں قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو خیال نہیں کرتا کہ یہ چیز کبھی ہونے والی ہے اور فرض کرو، یہی نوبت آہی گئی اور مجھ کو لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہی پڑا تب بھی مجھے یقین ہے کہ وہاں میرا انجام بہتر ہوگا اگر میں خدا کے نزدیک برا اور نالائق ہوتا تو دنیا میں مجھ کو یہ عیش وبہار کے مزے کیونکر ملتے لہٰذا وہاں بھی توقع ہے کہ یہی معاملہ میرے ساتھ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

لَا یَسْئَمُ الْاِنْسَانُ۔ یعنی کافر آدمی نہیں اکتاتا اس کا جی نہیں بھرتا۔

مِنْ دُعَآءِ الْخَیْرِ۔ خیر کی طلب سے یعنی برابر مال ودولت صحت وغیرہ کی اللہ سے درخواست کرتا رہتا ہے۔ وَاِنْ مَّسَّہُ الشَّرُّ۔ اور اگر اس کو کوئی تکلیف یعنی افلاس وبیماری (وغیرہ) پہنچ جائے۔ فَیَئُوْسٌ قَنُوْطٌ۔ تو اللہ کی رحمت اور راحت ملنے سے ناامید ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا
سو ہم جتلا دیں گے منکروں کو جو انہوں نے کیا ہے
وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۰﴾
اور چکھائیں گے ان کو ایک گاڑھا عذاب ☆

☆ یعنی خوش ہولو کہ اس کفروغرور کے باوجود وہاں بھی مزے لوٹو گے وہاں پہنچ کر پتہ لگ جائے گا کہ منکروں کو کیسی سخت سزا بھگتنا پڑتی ہے اور کس طرح عمر بھر کے کرتوت سامنے آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ
اور جب ہم نعمتیں بھیجیں انسان پر تو ٹلا جائے اور موڑ لے
بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ
اپنی کروٹ اور جب لگے اس کو برائی تو دعائیں کرے
عَرِیْضٍ ﴿۵۱﴾
چوڑی ☆

☆ یعنی اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہونے کے وقت تو منعم کی حق شناسی اور شکر گزاری سے اعراض کرتا اور بالکل بے پرواہ ہو کر ادھر سے کروٹ بدل لیتا ہے پھر جب کوئی تکلیف اور مصیبت پیش آتی ہے تو اسی خدا کے سامنے ہاتھ پھیلا کر لمبی چوڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے شرم نہیں آتی کہ اب اسے کس منہ سے پکارے اور تماشہ یہ ہے کہ بعض اوقات اسباب پر نظر کر کے دل اندر سے مایوس ہوتا ہے اس حالت میں بھی بدحواس اور پریشان ہو کر دعا کے ہاتھ بے اختیار خدا کی طرف اٹھ جاتے ہیں قلب میں ناامیدی بھی ہے اور زبان پر یا اللہ بھی حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یہ سب بیان ہے انسان کے نقصان (قصور) کا نہ سختی میں صبر ہے نہ نرمی میں شکر"۔ (تفسیر عثمانی)

کافر اور مومن کی حالت: کافر پر جب کوئی دکھ آتا ہے تو وہ خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور سچے دل سے دعائیں کرتا ہے لیکن کسی مصلحت کی وجہ سے اگر قبول دعا میں تاخیر ہو جاتی ہے تو وہ نراش ہو جاتا ہے۔ مومن صالح کی حالت اس سے بالکل جدا ہوتی ہے وہ کبھی ناامید نہیں ہوتا قبول دعا میں تاخیر کو وہ مصلحت خداوندی سمجھتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے دعا کرنے والوں کو یا تو اللہ جلد (یعنی اس دنیا میں) عطا فرما دیتا ہے یا ان کے لئے آخرت میں جمع رکھتا ہے۔

یا یوں کہا جائے کہ دل سے تو نراش اور ناامید ہوتا ہے مگر زبان سے لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ بتوں کی طرف سے ناامید ہو جاتا ہے اور خدا سے دعائیں کرتا ہے۔

مسئلہ: جو چاہتا ہے کہ مصیبت اور سختی کے وقت اس کی دعا قبول کی جائے اس کو چاہئے کہ سکھ اور راحت کے وقت دعا زیادہ کرے ایک حدیث میں اسی طرح آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ ہو اللہ کے پاس سے
ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِیْ
پھر تم نے اس کو نہ مانا پھر اس سے گمراہ زیادہ کون جو دور چلا
شِقَاقٍ بَعِیْدٍ ﴿۵۲﴾
جائے مخالف ہو کر ☆

انسانی امراض کا علاج ☆ اوپر انسان کی طبیعت کا عجیب وغریب نقشہ کھینچ کر اس کی کمزوریوں اور بیماریوں پر نہایت موثر انداز میں توجہ دلائی تھی اب تنبیہ کرتے ہیں کہ یہ کتاب جو تمہاری کمزوریوں پر آگاہ کرنے والی اور انجام کی طرف توجہ دلانے والی ہے اگر خدا کے پاس سے آئی ہو (جیسا کہ واقع میں ہے) پھر تم نے اس کو نہ مانا اور ایسی اعلیٰ اور بیش قیمت نصائح سے

منکر رہ کر اپنی عاقبت کی فکر نہ کی بلکہ حق کی مخالفت میں دور ہوتے چلے گئے تو بتلاؤ اس سے بڑھ کر گمراہی اور نقصان خسارہ کچھ اور ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
اب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنے نمونے دنیا میں اور خود انکی جانوں میں
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ
یہاں تک کہ کھل جائے ان پر کہ یہ ٹھیک ہے ☆

قدرت کے نمونے ☆یعنی قرآن کی حقانیت کے دوسرے دلائل و براہین تو بجائے خود رہے اب ہم ان منکروں کو خود ان کی جانوں میں اور ان کے چاروں طرف سارے عرب بلکہ ساری دنیا میں اپنی قدرت کے وہ نمونے دکھلائیں گے جن سے قرآن اور حامل قرآن کی صداقت بالکل روز روشن کی طرح آنکھوں سے نظر آنے لگے وہ نمونے کیا ہیں؟ وہی اسلام کی عظیم الشان اور محیر العقول فتوحات جو سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل برخلاف قرآن کی پیشینگوئیوں کے عین مطابق وقوع پذیر ہوئیں چنانچہ معرکہ "بدر" میں کفار مکہ نے خود اپنی جانوں کے اندر اور "فتح مکہ" میں مرکز عرب کے اندر اور خلفاء راشدین کے عہد میں تمام جہان کے اندر یہ نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آیات سے عام نشانہائے قدرت مراد ہوں جو غور کرنے والوں کو اپنے وجود میں اور اپنے وجود سے باہر تمام دنیا کی چیزوں میں نظر آتے ہیں جن سے حق تعالیٰ کی وحدانیت و عظمت کا ثبوت ملتا ہے اور قرآن کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے جبکہ وہ ان سنن الٰہیہ اور نوامیس فطری کے موافق ثابت ہوتے ہیں جو اس عالم تکوین میں کار فرما ہیں اس قسم کے تمام حقائق کونیہ اور آیات آفاقیہ و انفسیہ کا انکشاف چونکہ لوگوں کو دفعۃً نہیں ہوتا بلکہ وقتاً فوقتاً بتدریج ان کے چہرے سے پردہ اٹھتا رہتا ہے اس لئے "سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا" سے تعبیر فرمایا۔ (تفسیر عثمانی)

آیاتِ آفاقی: بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیات فی الآفاق یہ ہیں (۱) آئندہ واقعات کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں (۲) گذشتہ حوادث و مصائب کے نشانات (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کا بلاد شرق و غرب پر معجزانہ تسلط اور آیات فی انفسہم سے مراد ہیں۔ (۱) وہ واقعات جو اہل مکہ کو خود پیش آئے (مثلاً بدر کی شکست اور مکہ کی فتح) (۲) انسان کی جسمانی ساخت صنعت الٰہیہ کی عجیب کار فرمائیاں اور کمال قدرت کی ندرت آگیں اعجوبہ زائیاں۔ (تفسیر مظہری)

اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهُ عَلٰى كُلِّ					
کیا	تیرا	رب	تھوڑا	ہے	ہر

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾
چیز پر گواہ ہوتے کیلئے ☆

☆یعنی قرآن کی حقانیت کو فرض کرو کوئی نہ مانے تو اکیلے خدا کی گواہی کیا تھوڑی ہے جو ہر چیز پر گواہ ہے اور ہر چیز میں غور کرنے سے اس کی گواہی کا ثبوت ملتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کے مختلف معانی:

اَوَلَمْ يَكْفِ اصل عبارت اس طرح تھی کیا اپنے کام کے انجام میں آپ کو کچھ شک ہے اور آپ کے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ آپ کا رب ہر چیز پر شاہد ہے۔ جن نشانات کا اس نے وعدہ کیا ہے ان کو آپ کے معاملہ میں ضرور پورا کرے گا۔ یا شہید ہونے سے مراد ہے۔ عالم ہونا یعنی اللہ ان کے حال اور آپ کے حال کو جانتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ انسان کو گناہوں سے روکنے کے لئے کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے کوئی بات اس سے چھپی نہیں ہے یعنی وہ ضرور ہر بات کا بدلہ دے گا۔ (تفسیر مظہری)

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ
سنتا ہے وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے
اَلَآ اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾
سنتا ہے وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو ☆

فریب نفسی ☆یعنی یہ اس دھوکہ میں ہیں کہ کبھی خدا سے ملنا اور اس کے سامنے جانا نہیں حالانکہ خدا تعالیٰ ہر وقت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہیں کسی وقت بھی اس کے قبضہ اور احاطہ سے نکل کر نہیں جا سکتے اگر مرنے کے بعد ان کے بدن کے ذرات مٹی میں مل جائیں یا پانی میں بہہ جائیں یا ہوا میں منتشر ہو جائیں تب بھی ایک ایک ذرہ پر اللہ کا علم اور قدرت محیط ہے ان کو جمع کر کے از سر نو زندہ کر دینا کچھ مشکل نہیں تمت سورۃ حم السجدہ فللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۔لقاء رب سے مراد ہے قیامت برپا ہونا اعمال کا بدلہ ملنا۔

بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۔یعنی ہر چیز اس کے علم اور قدرت کے احاطہ میں ہے ہر چیز کا اجمالی اور تفصیلی علم اس کو ہے۔ اور ہر چیز پر وہ قدرت رکھتا ہے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر چیز پر اس کا فراتی احاطہ ہے اور ذاتی احاطہ بے کیف ہے اس کی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی۔ (تفسیر مظہری)

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے تو اس کا پڑھنے والا علم و عمل سے فائدہ اٹھائے گا۔

سُوْرَةُ الشُّوْرٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّخَمْسُ رُكُوْعَاتٍ

سورہ شوریٰ مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں ترپن آیتیں ہیں اور پانچ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ ۚ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ

اسی طرح وحی بھیجتا ہے تیری طرف

وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ

اور تجھ سے پہلوں کی طرف اللہ زبردست

الْحَكِيْمُ ۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

حکمتوں والا اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

زمین میں اور وہی ہے سب سے اوپر بڑا ☆

شانِ حکمت ☆ یعنی جس طرح یہ سورۃ (جو نہایت اعلیٰ و اکمل مضامین پر مشتمل ہے) آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی عادت آپ کی طرف اور دوسرے انبیاء کی طرف وحی بھیجنے کی رہی ہے۔ جس سے اس کی شان حکمت و حکومت کا اظہار ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جابر اور عکرمہ سے منقول ہے فرمایا یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس سورۃ کو سورۂ حٰم عسق بھی کہا جاتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

حٰمٓ عٓسٓقٓ کو الگ کرنے کی وجہ

حٰمٓ عٓسٓقٓ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حسن بن فضل سے دریافت کیا گیا حٰم۔ عسق۔ کے دو ٹکڑے کیوں کئے (یعنی حم کو عسق سے جدا کیوں کیا گیا) اور کہیعص کے دو ٹکڑے نہیں کئے گئے۔ حسن نے جواب دیا جن سورتوں کو حم سے شروع کیا گیا ان میں سے یہ بھی ایک سورت ہے اس جیسی دوسری سورتوں کی طرح اس کا آغاز بھی (مستقل طور پر) حم سے کیا گیا (اور کہٰ سے کسی سورت کا آغاز نہیں کیا گیا اس لئے کہٰ کو یعص) سے ملا کر کہیعص کر دیا گیا۔

حٰمٓ عٓسٓقٓ کا معنی: عکرمہؒ راوی ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ح اللہ کا حکم اور م اللہ کی مجد اور ع اللہ کا علم اور س اللہ کی سناء (بزرگی یا نور) اور ق اللہ کی قدرت۔ اللہ نے ان کی قسم کھائی ہے۔ یہ بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول کہا جاتا ہے کہ ہر صاحب کتاب کے پاس حم عسق وحی کے ذریعہ سے بھیجا گیا۔ (تفسیر مظہری)

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ

قریب ہے کہ پھٹ پڑیں آسمان اوپر سے ☆

پھٹ پڑنے کی وجہ ☆ یعنی آسمان پھٹ پڑیں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے زور سے یا بے شمار فرشتوں کے بوجھ سے یا ان کے ذکر کی کثرت سے متاثر ہو اور پھٹ پڑے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمانوں میں چار انگشت جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سربسجود نہ ہو اور بعض نے آیت کا مطلب یہ لیا ہے کہ جب مشرکین خدا تعالیٰ کے لئے شریک اور بیٹے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں تو خداوند قدوس کی جناب میں ایسی سخت گستاخی ہے جس سے کچھ بعید نہیں کہ آسمان کی اوپر والی سطح تک پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے کما قال تعالیٰ فی سورۃ مریم "تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا" مگر اللہ کی شان مغفرت و رحمت اور ملائکہ کی تسبیح و استغفار کی برکت سے یہ نظام تھما ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اور فرشتے پاکی بولتے ہیں خوبیاں اپنے رب کی

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ

اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے ☆

فرشتوں کی دعاء ☆ یعنی اللہ تعالیٰ مومنین کی خطاء و لغزش کو معاف فرمائے اور کفار کو دنیا میں ایک دم پکڑ کر بالکلیہ تباہ و برباد نہ کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتوں کی تسبیح و تحمید: یعنی کافر جو اللہ کی طرف صاحب اولاد ہونے کی نسبت کرتے ہیں اور ایسی باتیں اس کی ذات میں مانتے ہیں جو کسی طرح اس کی شان کے مناسب نہیں ان سب سے فرشتے اللہ کے پاک ہونے کا اظہار کرتے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ عظمت الٰہیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں تو اور بھی تسبیح و تحمید میں مشغول رہتے ہیں۔

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ۔ یعنی مومنوں کے لئے معافی کے طلبگار ہوتے ہیں کیونکہ مومنوں کے ساتھ ان کو ایمان میں شرکت حاصل ہے اور اس شرکت ایمانی کا تقاضا ہے کہ وہ اہل ایمان کے لئے دعاء مغفرت کریں۔ (تفسیر مظہری)

اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

سنتا ہے وہی (اللہ) معاف کرنے والا مہربان ☆

اللہ تعالیٰ کی مہربانی ☆یعنی اپنی مہربانی سے فرشتوں کی دعا قبول کرکے مومنین کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے اور کافروں کو ایک عرصہ کے لئے مہلت دیتا ہے ورنہ دنیا کا سارا کارخانہ چشم زدن میں درہم برہم ہوجاے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ اللّٰهُ

اور جنہوں نے پکڑے ہیں اُس کے سوائے رفیق اللہ

حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ ۖ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ

کو وہ سب یاد ہیں اور تجھ پر نہیں اُن کا

بِوَكِیْلٍ

ذمہ☆

اللہ تعالیٰ حفیظ ہیں ☆یعنی دنیا میں مشرکین کو مہلت تو دیتا ہے لیکن یہ نہ سمجھو کہ وہ ہمیشہ کے لئے بچ گئے ان کے سب اعمال واحوال اللہ کے ہاں محفوظ ہیں جو وقت پر کھول دیئے جائیں گے آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ مانتے کیوں نہیں اور نہ ماننے کی صورت میں فوراً تباہ کیوں نہیں کردیئے جاتے آپ ان باتوں کے ذمہ دار نہیں صرف پیغام حق پہنچادینے کے ذمہ دار ہیں آگے ہمارا کام ہے وقت آنے پر ہم ان کا سب حساب چکادیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا

اور اسی طرح اتارا ہم نے تجھ پر قرآن عربی زبان کا

لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

کہ تو ڈر سنادے بڑے گاؤں کو اور اُس کے آس پاس والوں کو☆

اُمُّ القُریٰ ☆''ام القریٰ'' (بڑا گاؤں) فرمایا مکہ معظمہ کو کہ سارے عرب کا مجمع وہاں ہوتا ہے اور ساری دنیا میں اللہ کا گھر وہیں ہے اور وہی گھر روئے زمین پر سب سے پہلی عبادت گاہ قرار پائی۔ بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے زمین کو اسی جگہ سے پھیلانا شروع کیا جہاں خانہ کعبہ واقع ہے اور مکہ کے آس پاس سے اول ملک عرب اس کے بعد ساری دنیا مراد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ''مکہ'' کو خطاب

امام احمد نے مسند میں حضرت عدی بن حمراء زہری سے روایت کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اسوقت سنا جبکہ آپ (مکہ مکرمہ سے ہجرت کررہے تھے اور) بازار مکہ کے مقام حزورہ پر تھے کہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو خطاب کرکے فرمایا۔

انک لخیرارض اللہ واحبّ ارض اللہ الیّ ولولا انی اُخرجت منک لما خرجت (وروی مثلہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ وقال الترمذی حدیث حسن صحیح) (تو میرے نزدیک اللہ کی ساری زمین سے بہتر ہے اور ساری زمین سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے اس زمین سے نکالا نہ جاتا تو میں اپنی مرضی سے کبھی اس زمین کو نہ چھوڑتا)۔ (معارف مفتی اعظم)

''مکہ'' علمائے محققین کی نظر میں:

امام راغب فرماتے ہیں مکہ مکرمہ کو ام القریٰ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ مرد ارض اور تمام روئے زمین کے واسطے یہ حصہ زمین اصل نقطہ مرکز یہ ہے جیسا کہ بعض روایات ہیں کہ پانی کی سطح پر اللہ رب العزت نے پہلے مبیدگی صورت یہ ٹکڑا جامد ظاہر فرمایا اور پھر اسی سے ساری زمین بچھائی اور پھیلائی گئی تو تمام آبادی عالم اور خطہ زمین کے لئے یہی جگہ اصل ہوئی اور اصل وام یعنی ماں کہا جاتا ہے۔ امام بغوی اور شیخ قشیری نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور یہ کہ یہ سرۃ الارض یعنی زمین کی ناف ہے اور تمام دنیا اس کے ارد گرد پھیلائی گئی۔ اگرچہ جانب شمال میں آبادی زائد ہے۔ بہ نسبت جنوب کی جانب کے۔

آیہ مبارکہ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر اور ابن جریر طبری نے یہی بیان کیا ہے کہ زمین دنیا کی آبادی کی اصل یہی سرزمین مکہ ہے جہاں جب اللہ سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ اللہ نے ایک ہوا چلائی جس نے پانی کی لہروں کو شق کیا اور پانی کی سطح پر ایک بلبلہ نمودار ہوا جو قبہ کی سی شکل کا تھا۔ پھر اسی سے اللہ نے تمام زمین کو مرکب فرمایا اور بنایا اور سطح زمین کو پانی پر بچھادیا متعدد روایت سے ثابت ہے زمین کا جو ٹکڑا سب سے پہلے اللہ نے پیدا فرمایا وہ جگہ کعبۃ اللہ کی ہے تو یہ جگہ روئے زمین کے واسطے نقطۂ مرکز یہ ہوا۔ اس تکوینی مرکزیت کے ساتھ اللہ نے اس کو شرعی مرکزیت بھی عطا کردی۔ کہ روئے زمین کے انسانوں کو اسی کی طرف عبادت کا حکم دیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اسی جگہ جنت سے موتیوں کا خیمہ اتارا گیا تھا جس کا انہوں نے طواف کیا۔ پھر اسی جگہ بیت اللہ کی عمارت قائم ہوئی۔ تفصیل کے لئے ناچیز کی کتاب تاریخ الحرمین کامطالعہ فرمائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرزمین مکہ میں آمد اور اسکی آبادی

تاریخی روایات سے ثابت ہے کہ طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جب

حضرت نوح کی اولاد زمین پر پھیلی تو حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً دو ہزار دو سو سینتالیس برس قبل شہر بابل اور اس کے برج کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ شہر ملک عراق میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان دو آب میں واقع تھا اور بقول بعض فرات کے کنارے پر تھا تو حضرت ابراہیم جو تارخ کے بیٹے جن کو آزر بھی کہا جاتا ہے۔ قصبہ اہواز میں پیدا ہوئے جو شہر بابل کے کنارے واقع تھا اور بعض کا خیال ہے خاص شہر بابل میں پیدا ہوئے۔ وہاں کلدانی قوم آباد تھی جو بت پرست تھے۔ اور بت بنا بنا کر بیچا کرتے تھے۔ (معارف کاندھلوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے پانچ چیزوں میں دوسرے انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی نمبرا۔ سب لوگوں کے لئے مجھے بھیجا گیا (یعنی تمام لوگوں کو میری امت دعوت بنایا گیا) (۲) میری امت کے لئے میری شفاعت جمع رکھی گئی۔ (یعنی قیامت کے دن امت کی شفاعت کا مجھے اختیار دیا گیا) (۳) ایک ماہ کی راہ تک آگے کی طرف اور ایک ماہ کی راہ تک پیچھے کی طرف میرا رعب (دشمنوں کے دلوں میں) ڈال دیا گیا اور اس طرح میری مدد کی گئی (۴) زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک بنا دیا گیا (یعنی سوائے نجس مقامات کے ہر جگہ مجھے نماز پڑھنے کی اجازت دے دی گئی) (۵) میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔ رواہ الطبرانی بسند صحیح عن السائب بن یزید۔

مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ چیزوں کی وجہ سے مجھے انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی (۱) مجھے کلام جامع عطا کیا گیا (یعنی ایسے مختصر الفاظ جو کثیر مضامین کو حاوی ہوں بولنے کا مجھے ملکہ عطا کیا گیا) (۲) دشمنوں پر رعب ڈال کر میری مدد کی گئی (یعنی مجھے فتح یاب کیا گیا) (۳) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا (۴) میرے لئے (ساری) زمین کو مسجد اور پاک بنا دیا گیا (۵) مجھے تمام مخلوق (یعنی انسانوں) کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا (۶) مجھ پر (سلسلۂ نبوت) کو ختم کر دیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيهِ فَرِيقٌ
اور خبر سنا دے جمع ہونے کے دن کی اس میں دھوکا نہیں ایک فرقہ
فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ
بہشت میں اور ایک فرقہ آگ میں ☆

قیامت یقینی ہے

یعنی آگاہ کر دیں کہ ایک دن آنے والا ہے جب تمام اگلے پچھلے خدا کی پیشی میں حساب کے لئے جمع ہوں گے یہ یک یقینی اور طے شدہ بات ہے۔ جس میں کوئی دھوکا فریب اور شک و شبہ کی گنجائش نہیں چاہئے کہ اس دن کے لئے آدمی تیار ہو جائے اس وقت کل آدمی دو فرقوں میں تقسیم ہوں گے ایک فرقہ جنتی اور ایک دوزخی سوچ لو کہ تم کو کس فرقہ میں شامل ہونا چاہئے اور اس میں شامل ہونے کے لئے کیا سامان کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

اثبات تقدیر:

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو عبد اللہؓ نامی صحابی بیمار تھے ہم لوگ ان کی بیمار پرسی کیلئے گئے دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ تو کہا کہ آپ کیوں روتے ہیں؟ آپ سے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اپنی مونچھیں کم رکھ کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔ اس پر صحابیؓ نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے لیکن مجھے تو حدیث رُلا رہی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی دائیں مٹھی میں مخلوق لی اور اسی طرح دوسرے ہاتھ کی مٹھی میں بھی اور فرمایا یہ لوگ اس کیلئے ہیں یعنی جنت کے لئے اور یہ اس کیلئے ہیں یعنی جہنم کے لئے اور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ پس مجھے خبر نہیں کہ خدا کی کس مٹھی میں میں تھا۔ اس طرح کی اثبات تقدیر کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَوْمَ الْجَمْعِ۔ تاکہ آپ ان کو قیامت کے دن سے ڈرائیں جب کہ اگلے پچھلے سب لوگ جمع ہوں گے۔

فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ الخ۔ یعنی جمع ہونے والوں میں سے ایک فریق جنتی اور دوسرا دوزخی ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مٹھیوں میں دو تحریریں دبائے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ دونوں تحریریں کیا ہیں۔ ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم نہیں واقف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ رب العالمین کی (طرف سے) تحریر ہے۔ اس میں تمام اہل جنت کے ان کے باپوں کے ان کے قبائل کے نام ہیں اور ان کی گنتی ہے (رب العالمین کی یہ تحریر) اس وقت سے بھی پہلے کی ہے جب نطفے باپوں کی پشتوں اور ماؤں کے رحموں میں ٹھیرے تھے۔ جب لوگ (یعنی ان کے خمیر) کیچڑ میں پڑے ہوئے تھے ان میں نہ زیادتی ہو سکتی ہے نہ کمی قیامت تک ہونے والے (جنتی) لوگوں کی اللہ کی طرف سے یہ مجمل تحریر ہے پھر بائیں ہاتھ والی تحریر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ رب العالمین کی طرف سے دوزخیوں کے ان کے باپوں کے اور ان کے قبائل کے ناموں کی تحریر ہے ان کی گنتی ہے یہ اس وقت سے بھی پہلے کی ہے جب نطفے باپوں کی

پشتوں میں اور ماؤں کے رحموں میں ٹھہرے تھے جب لوگ (یعنی ان کے خمیر) کیچڑ میں پڑے ہوئے تھے ان میں نہ زیادتی ہوسکتی ہے نہ کمی۔ قیامت تک ہونے والے (دوزخی) لوگوں کی اللہ کی طرف سے یہ مجمل تحریر ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے عرض کیا تو ایسی حالت میں عمل کی کیا ضرورت۔ فرمایا کہ جاؤ سیدھی چال رکھو اور لگے رہو جو جنتی ہے اس کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا خواہ (زندگی بھر) اس نے کیسے ہی عمل کئے ہوں اور دوزخی کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ (عمر بھر) اس نے کچھ بھی کیا ہو پھر فرمایا فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۔ اللہ کی طرف سے انصاف ہوگا۔ رواہ البغوی والترمذی۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
اور اگر چاہتا اللہ تو سب لوگوں کو کرتا ایک ہی فرقہ
وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ
لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہے اپنی رحمت میں
وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ
اور گنہگار جو ہیں ان کا کوئی نہیں رفیق
وَّلَا نَصِيْرٍ
اور نہ مددگار☆

قدرت اور حکمت ☆یعنی بے شک اس کو قدرت تھی اگر چاہتا تو سب کو ایک طرح کا بنا دیتا اور ایک ہی راستہ پر ڈال دیتا لیکن اس کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ اپنی رحمت وغضب دونوں قسم کی صفت کا اظہار فرمائے اس لئے بندوں کے احوال میں اختلاف وتفاوت رکھا کسی کو اس کی فرمانبرداری کی وجہ سے اپنی رحمت کا مورد بنایا اور کسی کو اس کے ظلم وعصیان کی بناء پر رحمت سے دور پھینک دیا جو لوگ رحمت سے دور ہو کر غضب کے مستحق ہوئے اور حکمت الٰہیہ ان پر سزا جاری کرنے کو مقتضی ہوئی ان کا ٹھکانا کہیں نہیں نہ کوئی رفیق اور مددگار ان کو مل سکتا ہے جو اللہ کی سزا سے بچا دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا سب کو ایک دین پر کر دیتا۔ مقاتل نے کہا سب کو دین اسلام پر کر دیتا۔ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ اس سے مقاتل کے قول کی تائید ہوتی ہے)۔

کافروں کا عذاب کوئی دفع نہ کر سکے گا

الظّٰلِمُوْنَ۔ یعنی کافر۔ مطلب یہ کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کرے گا اس لئے ان کا کوئی حامی نہ ہوگا کہ عذاب کو دفع کر سکے نہ مددگار ہوگا کہ دوزخ سے بچا سکے۔ وعید میں زور پیدا کرنے کے لئے طرز کلام کو بدل دیا۔ تقابل کا تقاضا تھا کہ یوں کہا جاتا کہ اللہ ان کو اپنی رحمت میں داخل نہیں کرے گا لیکن مبالغہ کے طور پر فرمایا ان کا کوئی حامی ہوگا نہ مددگار۔ (تفسیر مظہری)

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ
کیا انہوں نے پکڑے ہیں اس سے ورے کام بنانے والے سو اللہ
هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰى
جو ہے وہی ہے کام بنانے والا اور وہی جلاتا ہے مُردوں کو اور وہ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
ہر چیز کر سکتا ہے☆

اللہ کو مددگار بناؤ ☆یعنی رفیق ومددگار بنانا ہے تو اللہ کو بناؤ جو سارے کام بنا سکتا ہے حتیٰ کہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے یہ بیچارے عاجز ومجبور رفیق تمہارا کیا ہاتھ بٹائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ
اور جس بات میں جھگڑا کرتے ہو تم لوگ کوئی چیز ہو
فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ
اس کا فیصلہ ہی اللہ کے حوالے وہ اللہ☆

☆یعنی سب جھگڑوں کے فیصلے اسی کے سپرد ہونے چاہئیں۔ عقائد ہوں یا احکام، عبادات ہوں یا معاملات جس چیز میں بھی اختلاف پڑ جائے اس کا بہترین فیصلہ اللہ کے حوالہ ہے وہ دنیا کوئیہ کے ذریعہ سے یا اپنی کتاب میں یا اپنے رسولوں کی زبان پر صراحتہً یا اشارۃً جس مسئلہ کا جو فیصلہ فرمادے بندہ کو حق نہیں کہ اس میں چون وچرا کرے توحید جو اصل اصول ہے اللہ تعالیٰ جب قولاً وفعلاً برابر اس کا حکم دیتا رہا ہے پھر کیونکر جائز ہوگا کہ بندہ ایسے قطعی اور محکم فیصلہ میں جھگڑے ڈالے اور بے ہودہ شبہات نکال کر اس کے فیصلہ سے سرتابی کرے۔ (تفسیر عثمانی)

حکم صرف اللہ کا ہے رسول، اولوالامر اور مفتی کا حکم بھی اسی کے تابع ہے

یعنی جس معاملہ جس کام میں بھی تمہارے آپس میں کوئی اختلاف ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ کیونکہ اصل حکم صرف اللہ ہی کا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ اور دوسری اکثر آیات میں جو اطاعت کے حکم میں رسول کو اور بعض آیات میں اولوالامر کو بھی شامل کیا گیا ہے وہ اس کے معارض نہیں کیونکہ رسول یا اولوالامر جو کچھ فیصلہ یا حکم کرتے ہیں وہ ایک حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہوتا ہے۔ اگر بذریعہ وحی یا نصوص کتاب وسنت ہے تو اس کا حکم الٰہی ہونا ظاہر ہے۔ اور اگر اپنے اجتہاد سے ہے تو چونکہ اجتہاد کا مدار بھی نصوص قرآن وسنت پر ہوتا ہے اس لئے وہ بھی ایک حیثیت سے اللہ ہی کا حکم ہے۔ مجتہدین اُمت کے اجتہادات بھی اس حیثیت سے احکام الٰہیہ ہی میں داخل ہیں۔ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ عام آدمی جو قرآن وسنت کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے اُن کے حق میں مفتی کا فتویٰ ہی حکم شرعی کہلاتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ⁽¹⁰⁾
رب میرا اسی پر ہے۔ مجھ کو بھروسہ اور اسی کی طرف میری رجوع ہے ☆

☆ یعنی میں اسی پر ہمیشہ سے بھروسہ رکھتا ہوں اور ہر معاملہ میں اسی کی طرف رجوع ہوتا رہتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ
بنا نکالنے والا آسمانوں کا اور زمین کا بنا دیے تمہارے
لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ
واسطے تمہی میں سے جوڑے اور چوپایوں
الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ
میں سے جوڑے ☆

☆ یعنی چوپایوں میں سے ان کے جوڑے نر اور مادہ بنا دیے کہ وہ بھی تمہارے کام آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ ؕ
بکھیرتا ہے تم کو اسی طرح ☆

☆ یعنی آدمیوں کے الگ اور جانوروں کے الگ جوڑے بنا کر ان کی کتنی نسلیں پھیلا دیں جو تمام روئے زمین پر اپنی روزی اور معیشت کی فکر میں جدوجہد کرتی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ
نہیں ہے اُس کی طرح کا سا کوئی ☆

اس کی مثل کوئی نہیں

یعنی نہ ذات میں اس کا کوئی مماثل ہے نہ صفات میں نہ اس کے احکام اور فیصلوں کی طرح کسی کا حکم اور فیصلہ ہے نہ اس کے دین کی طرح کوئی دین ہے نہ اسکا کوئی جوڑا ہے نہ ہمسر نہ ہم جنس۔ (تفسیر عثمانی)

مثل کا لفظ زائد ہے مطلب یہ ہے کہ وہ کسی چیز کی طرح نہیں ہے مثل کے لفظ کی زیادتی مفید تاکید ہے جس طرح ایک اور آیت میں آیا ہے فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ بعض کے نزدیک کمثلہ میں کاف زائد ہے یعنی اس کی مثل کوئی شے نہیں جو اس کی ہم پلہ اور اس سے جوڑ کھانے والی ہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ⁽¹¹⁾
اور وہی ہے سننے والا دیکھنے والا ☆

اللہ کا دیکھنا، سننا مخلوق کی طرح نہیں ہے

☆ یعنی بے شک ہر چیز کو دیکھتا سنتا ہے مگر اسکا دیکھنا سننا بھی مخلوق کی طرح نہیں کمالات اس کی ذات میں سب ہیں پر کوئی کمال ایسا نہیں جس کی کیفیت بیان کی جا سکے کیونکہ اس کی نظیر کہیں موجود نہیں وہ مخلوق کی مشابہت و مماثلت سے بالکلیہ پاک اور مقدس ومنزہ ہے پھر اس کی صفات کی کیفیت کس طرح سمجھ میں آئے۔ (تفسیر عثمانی)

لیس کمثلہ سے ہونے والے ایک وہم کا ازالہ

جو چیز سننے کے قابل ہے اس کو سنتا ہے اور جو چیز دیکھنے کے قابل ہے اس کو دیکھتا ہے یعنی حقیقت میں سننے اور دیکھنے والا وہی ہے۔ دوسرے سننے اور دیکھنے والے تو سماعت وبصارت اسی سے مانگتے ہیں۔ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ میں نفی مثل کی صراحت ہے اس سے یہ شبہ یا توہم ہو سکتا تھا کہ جب اس کا مثل نہیں تو اس کے اندر کوئی بھی صفت نہیں ہوگی اس شبہ کو آیت مذکورہ میں زائل کر دیا۔ (تفسیر مظہری)

لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
اسی کے پاس ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ

پھیلا دیتا ہے روزی جس کے واسطے چاہے اور ماپ کر دیتا ہے

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

اور ہر چیز کی خبر رکھتا ہے ☆

تمام خزانوں کا مالک اللہ ہے

☆ تمام خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں ہیں اسی کو قبضہ اور اختیار حاصل ہے کہ جس خزانہ میں سے جس کو جتنا چاہے مرحمت فرمائے تمام جانداروں کو وہی روزی دیتا ہے لیکن کم وبیش کی تعیین اپنی حکمت کے موافق کرتا ہے اسی کو معلوم ہے کہ کون سی چیز کتنی عطا کی مستحق ہے اور اس کے حق میں کس قدر دینا مصلحت ہوگا جو حال روزی کا ہے وہی دوسری عطایا میں سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اسی کے ہیں آسمانوں کے اور زمین کے خزانے۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں رزق کے خزانے کلبی نے کہا (آسمان میں) بارش اور (زمین میں) سبزہ کے خزانے۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۔ جس کو چاہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہے کم دیتا ہے۔ (ترجمہ تھانوی) یعنی اپنی مشیت کے موافق رزق کی وسعت بھی وہی کرتا ہے اور تنگی بھی وہی کرتا ہے اور یہ سب کچھ امتحان وآزمائش کے لئے کرتا ہے۔

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ بلاشبہ وہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے یعنی جیسا مناسب ہوتا ہے ویسا کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ

راہ ڈال دی تمہارے لئے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا

نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا

نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا

وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى

حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو

وَعِيْسٰٓى

اور عیسیٰ کو ☆

اولوالعزم انبیاء

آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے رسول حضرت نوح علیہ السلام ہیں بلکہ کہنا چاہئے کہ فی الحقیقت تشریع احکام کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا اور آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن پر سلسلہ رسالت ونبوت منتہی ہوا درمیان میں جو انبیاء ورسل آئے ان میں حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ تین زیادہ مشہور ہوئے جن کے نام لیوا ہر زمانہ میں بکثرت موجود رہے ہیں ان پانچوں کو اولوالعزم پیغمبر کہتے ہیں۔ بہرحال اس جگہ حق تعالیٰ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے یعنی عقائد، اخلاق اور اصول دیانات میں تمام متفق رہے ہیں البتہ بعض فروع میں حسب مصلحت، زمانہ کچھ تفاوت ہوا دین کے قائم کرنے کے طور وطریق ہر وقت میں اللہ نے جدا ٹھہرا دیے ہیں جس کو دوسری جگہ فرما دیا "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا" (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولیت

حضرت خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ زمانِ ولادت وبعثت کے اعتبار سے سب سے آخر میں ہیں مگر ازلی تقسیم نبوت ورسالت میں سب سے مقدم ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا ہے۔ میں سب انبیاء میں باعتبار تخلیق (ازلی) کے پہلے ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخر میں ہوں۔

(ابن ماجہ دارمی عن بہز بن حکیم وقال ہذا حدیث حسن کذا فی المشکوٰۃ ص ۵۸۳)

نوح علیہ السلام کو ذکر میں مقدم کرنے کی وجہ

رہا یہ سوال کہ سب سے پہلے پیغمبر تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں ذکر انبیاء کو ان سے کیوں شروع نہ کیا گیا۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے پیغمبر ہیں جو دنیا میں تشریف لائے۔ اصول عقائد اور مہمات دین میں اگرچہ وہ بھی مشترک تھے مگر ان کے زمانہ میں شرک وکفر انسانوں میں نہیں تھا۔ کفر وشرک کا مقابلہ حضرت نوح علیہ السلام سے شروع ہوا ہے اس لحاظ سے نوح علیہ السلام پہلے پیغمبر ہیں جن کو اس طرح کے معاملات پیش آئے جو بعد کے انبیاء کو پیش آنے والے تھے اس لئے سلسلہ کو نوح علیہ اسلام سے شروع کیا گیا۔ واللہ اعلم۔

دین اسلام ہی تمام انبیاء کا دین ہے

یعنی دین اسلام جو امت محمدیہ کے لئے مقرر کیا ہے وہ کوئی نیا دین نہیں ہے تمام انبیاء کا دین یہی رہا ہے حق (ہر زمانہ میں) ایک ہی ہوتا ہے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا رہ جاتا ہے (پس دین اسلام کے علاوہ ہر مذہب گمراہی ہے) اہل کتاب نے جو اسلام کا انکار کیا وہ محض دشمنی اور ضد کے زیر اثر کیا۔

یہ دین اسلام نام ہے ایک اللہ کی ذات اور صفات کو اور اس کے انبیاء کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے ملائکہ کو اور مرنے کے بعد (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جانے کو اور جو کچھ انبیاء لے کر آئے سب کو ماننے کا اور اللہ کے حکم پر چلنے اور ممنوع باتوں سے باز رہنے کا۔ یہ ایمان وعمل تمام شریعتوں میں مشترک ہے سب شریعتیں اس پر متفق ہیں۔ بعض عملی احکام کا منسوخ ہو جانا دین میں اختلاف پر دلالت نہیں کرتا (یعنی بعض شرائع کے بعض عملی احکام اگر شریعت اسلامیہ یا شریعت عیسویہ میں منسوخ کر دیئے گئے تو اس سے دینی وحدت میں کوئی فرق نہیں آتا) ایسا نسخ تو ایک ہی نبی کے احکام میں (مختلف اوقات میں) ہوا ہے خود رسول اللہ ﷺ نے سولہ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور کعبہ کی طرف رخ کر کے آپ نماز پڑھنے لگے اس اختلاف حکم سے دین اسلام کی وحدت پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ اسی طرح مختلف انبیاء کی شریعتوں میں اگر بعض فروع احکام میں اختلاف ہے تو اس سے ادیان کا اختلاف لازم نہیں آتا سب کا مآل ایک ہی ہے یعنی اللہ کے اوامر کا امتثال اور ممنوعات سے اجتناب۔ (تفسیر مظہری)

اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ
یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں

یعنی سب انبیاء اور ان کی امتوں کو حکم ہوا کہ دین الٰہی کو اپنے قول وعمل سے قائم رکھیں اور اصل دین میں کسی طرح کی تفریق واختلاف کو روا نہ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

اقامت دین فرض اور اس میں تفرق حرام ہے

یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دین مشترک بین الانبیاء اصول عقائد یعنی توحید۔ رسالت۔ آخرت پر ایمان اور اصول عبادات۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کی پابندی ہے۔ نیز چوری، ڈاکہ، زنا، جھوٹ، فریب، دوسروں کو بلاوجہ شرعی ایذاء دینے وغیرہ اور عہد شکنی کی حرمت ہے جو سب ادیان سماویہ میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں۔ اور یہ بھی نص قرآن سے ثابت ہے کہ فروع احکام میں سے انبیاء کی شریعتوں میں جزوی اختلاف بھی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ اس مجموعہ سے ثابت ہوا کہ آیت کے اس جملہ میں جس دین کی اقامت کا حکم اور اس میں تفرق کی ممانعت مذکور ہے وہ وہی احکام الٰہیہ ہیں جو سب انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق علیہ چلے آئے ہیں۔ انہیں میں تفرق واختلاف حرام اور موجب ہلاکت اُمم ہے۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے ایک سیدھا خط کھینچا پھر اس خط کے داہنے بائیں دوسرے چھوٹے خط کھینچے اور فرمایا کہ یہ داہنے بائیں کے خطوط وہ طریقے ہیں جو شیاطین نے ایجاد کئے ہیں اور اس کے ہر راستہ پر ایک شیطان مسلط ہے جو لوگوں کو اس طرف چلنے کی تلقین کرتا ہے اور پھر سیدھے خط کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ۔ یعنی یہ میرا سیدھا راستہ ہے تم اسی کا اتباع کرو۔ (رواہ احمد والنسائی والدارمی۔ مظہری)

اس تمثیل میں صراط مستقیم سے وہی دین قیم کا راستہ ہے جو سب انبیاء علیہم السلام میں مشترک چلا آیا ہے۔ اس کے اندر شاخیں نکالنا یہ تفرق حرام اور شیاطین کا عمل ہے۔ اور انہیں اجماعی اور متفق علیہ احکام میں تفرقہ ڈالنے کی شدید ممانعت احادیث صحیحہ میں آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔ رواہ احمد وابوداؤد یعنی جس شخص نے جماعت مسلمین سے ایک بالشت بھی جدائی اختیار کی اس نے اسلام کا حلقہ عقیدت اپنے گلے سے نکال دیا۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یداللہ علی الجماعة (رواہ الترمذی بسند حسن) یعنی اللہ کا ہاتھ ہے جماعت پر اور حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان انسانوں کے لئے بھیڑیا ہے جیسے بکریوں کے گلے کے پیچھے بھیڑیا لگتا ہے تو وہ اس بکری کو پکڑتا ہے جو اپنی ڈار اور گلے سے پیچھے یا ادھر ادھر رہ جائے۔ اس لئے تمہیں چاہئے کہ جماعت کے ساتھ رہو علیحدہ نہ ہو۔

آئمہ مجتہدین کے فروعی اختلافات تفرق ممنوع میں داخل نہیں

اس سے واضح ہو گیا کہ فروعی مسائل میں جہاں قرآن وحدیث میں کوئی واضح حکم موجود نہیں یا نصوص قرآن وسنت میں کوئی ظاہری تعارض ہے۔ وہاں آئمہ مجتہدین کا اپنے اپنے اجتہاد سے کوئی حکم متعین کر لینا جس میں باہم اختلاف ہونا۔ اختلاف رائے ونظر کی بنا پر لازمی ہے اس تفرق ممنوع سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ایسا اختلاف صحابہ کرامؓ میں خود عہد رسالت سے چلا آتا ہے اور وہ باتفاق فقہاء رحمت ہے۔

اور اقامت دین سے مراد اس پر قائم ودائم رہنا اس میں کسی شک وشبہ کو راہ نہ دینا اور کسی حال اس کو نہ چھوڑنا ہے۔ (قرطبی)　(معارف مفتی اعظم)

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ
بھاری ہے شرک کرنیوالوں کو وہ چیز جس کی طرف
اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِیْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ
تو انکو بلاتا ہے اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو رجوع لائے ☆

جہالت اور بدبختی کی انتہا

یعنی آپ جس دین توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں مشرکین پر وہ بہت بھاری ہے گویا آپ کوئی نئی اور انوکھی چیز پیش کر رہے ہیں جو کسی نے پہلے پیش نہیں کی تھی بھلا توحید جیسی صاف معقول اور متفق علیہ چیز بھی جب بھاری معلوم ہونے لگے اور اس میں بھی لوگ اختلاف ڈالے بدون نہ رہے تو جہالت اور بدبختی کی حد ہوگئی۔ سچ تو یہ ہے کہ ہدایت وغیرہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے وہ چاہے بندوں میں سے چن کر اپنی طرف کھینچ لے اور اپنی رحمت وموہبت سے مقام قرب واصطفا پر فائز فرما دے اور جو لوگ اپنی حسن استعداد سے اس کی طرف رجوع ہوتے اور محنتیں کرتے ہیں ان کی محنت کو ٹھکانے لگانا اور دستگیری کر کے کامیاب فرمانا بھی اسی کا کام ہے قال اللہ تعالیٰ ”وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ“ (قصص رکوع ۷) وقال اللہ تعالیٰ ”اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ“ (حج رکوع ۱۰) وقال ”وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا“ (عنکبوت رکوع ۷) بہر حال حکمت الٰہی جس کی ہدایت کو مقتضی ہو وہ ہی ہدایت پا سکتا اور فائز المرام ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ارشاد ہوا: انبیاء علیہم السلام کی مثال ان بچوں جیسی ہے جن کا جوہر خود ہی صالح ہو اور ان کے متعلق کوئی بادشاہ یہ طے کر لے کہ ان کو وزیر بنایا جائے گا ایسے بچوں کو ابتدا ہی سے خاص تربیت دی جاتی ہے اور خاص خاص آداب کی ان کو تعلیم ہوتی ہے اور مخالف اور حقیر چیزوں سے ان کو پوری احتیاط کے ساتھ روکا جاتا ہے۔ ان کے برخلاف کچھ بچے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی تربیت اگرچہ خاص توجہ سے نہیں ہوتی مگر وہ رفتہ رفتہ ترقی کرتے کرتے کسی خاص منصب پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دوسرے حضرات ہیں۔ جن کو علیٰ فرق مراتب۔ صدیقین شہداء اور صالحین کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ والیہ اشار بقولہ تعالیٰ. **الله يجتبى اليه من يشاء ويهدى اليه من ينيب** (سورہ شوریٰ۔ از افادات مدنی رحمہ اللہ)

مُراد اور مرید: صوفیہ کہتے ہیں جس کو اللہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور آدمی بے اختیار اس کی طرف کھنچ جاتا ہے تو ایسا آدمی مراد خداوندی ہوتا ہے۔ یہ گروہ انبیاء اور صدیقین کا ہوتا ہے اور یہ جو شخص اپنے ارادہ سے اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے پھر اللہ اس کو اپنی ذات تک رسائی کی توفیق دیتا ہے تو ایسا شخص مرید ہوتا ہے یہ گروہ اولیاء اور اللہ کے نیک بندوں کا ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ

اور جنہوں نے اختلاف ڈالا سو سمجھ آ چکنے کے بعد

الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

آپس کی ضد سے اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو نکل چکی ہے

مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ

تیرے رب سے ایک مقررہ وعدہ تک تو فیصلہ

بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْ

ہو جاتا اُن میں اور جن کو ملی ہے کتاب اُن سے

بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

پیچھے وہ البتہ اس کے دھوکے میں ہیں جو چین نہیں آنے دیتا ☆

نفسانیت کے کرشمے ☆ یعنی توحید اور اصول دین میں جنہوں نے اختلاف ڈالا اور کتب سماویہ میں تحریف کی وہ کچھ غلط فہمی یا اشتباہ کی وجہ سے نہ تھی ایسی صاف وصریح اور مجمع علیہ تعلیمات میں اشتباہ والتباس کیا ہوسکتا تھا۔ محض نفسانیت، ضد، عداوت، اور حب مال وجاہ وغیرہ واسباب ہیں جو فی الحقیقت اس تفریق واختلاف مذموم کا باعث ہوئے ہیں بعدہ جب اختلاف قائم ہو گئے اور مختلف مذاہب نے الگ الگ مورچے بنا لیے تو پیچھے آنے والی نسلیں عجیب خبط اور دھوکہ میں پڑ گئیں اور ایسے شکوک وشبہات پیدا کر دیے گئے جو کسی حال ان کو چین سے بیٹھنے نہیں دیتے مگر یہ سب کچھ اس سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بندوں کو ڈھیل دی اگر وہ چاہتا تو سارے اختلافات کو ایک دم میں ختم کر دیتا لیکن ایسا کرنا تکوین کی غرض اصلی کے منافی تھا اس کی حکمت بالغہ اسی کو مقتضی تھی کہ ان اختلافات کا عملی اور دوٹوک فیصلہ ایک وقت معین پر زندگی کے دوسرے دور میں کیا جائے اگر یہ بات پہلے سے نہ نکل چکی ہوتی تو سب جھگڑے قصے فوراً ہاتھوں ہاتھ ختم کر دیے جاتے۔ (تفسیر عثمانی)

بَغْيًا بَيْنَهُمْ کا معنیٰ: آپس کی ضد ضدی سے۔ عطاء نے کہا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وہ مغرور ہو گئے اور تکبر کی وجہ سے انہوں نے ایسا کیا۔ قاموس میں ہے بغی علیہ بغیاً اونچا ہو گیا۔ ظلم کیا انصاف کی حد سے بڑھ چڑھ گیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ
سو اسی طرف بلا اور قائم رہ جیسے کہ فرما دیا ہے تجھے کو
وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ
اور مت چل ان کی خواہشوں پر اور کہہ میں یقین لایا ہر کتاب پر جو اتاری
اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ
اللہ نے اور مجھ کو حکم ہے کہ انصاف کروں تمہارے بیچ میں
اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ
اللہ رب ہے ہمارا اور تمہارا، ہم کو ملیں گے ہمارے کام اور تم کو
اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ
تمہارے کام کچھ جھگڑا نہیں ہم میں اور تم میں اللہ
يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۵
اکٹھا کریگا ہم سب کو اور اسی کی طرف پھر جانا ہے☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض

یعنی جب دین حق کے متعلق تفریق و اختلاف کے طوفان چاروں طرف سے اٹھ رہے ہیں تو آپ کا فرض یہ ہے کہ غیر متزلزل عزم کے ساتھ اسی دین و آئین کی طرف لوگوں کو بلاتے رہیں جس کی دعوت آدم و نوح اور ان کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے ہیں آپ اپنے پروردگار کے حکم سے ذرا ادھر ادھر نہ ہوں قولاً و فعلاً اور عملاً و حالاً برابر اسی راستہ پر گامزن رہیں جس پر اب تک رہے ہیں مکذبین اور معاندین کی خواہشات کی ذرا پروا نہ کریں اور صاف اعلان کر دیں کہ میں اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر خواہ وہ تورات ہو یا انجیل یا قرآن یا کوئی صحیفہ جو کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوا ہو سچے دل سے یقین رکھتا ہوں میرا کام پہلی صداقتوں کو جھٹلانا نہیں بلکہ سب کو تسلیم کرنا اور باقی رکھنا ہے اور مجھ کو حکم ہے کہ تمہارے درمیان انصاف کروں جو اختلاف تم نے ڈالے ہیں ان کا منصفانہ فیصلہ دوں اور تبلیغ احکام و شرائع یا فصل خصومات میں عدل و مساوات کا اصول قائم رکھوں ہر وہ سچائی جو کسی جگہ یا کسی مذہب میں ملے اسے بے تکلف تسلیم کروں جس طرح تم کو خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کی طرف بلاؤں تم سے پہلے میں خود احکام الٰہی کی پوری تعمیل کر کے اس کا کامل فرمانبردار بندہ ہونا ثابت کروں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا اور ہمارا رب ایک ہی ہے اس لئے ہم سب کو اسی کی خوشنودی کے لئے کام کرنا چاہئے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو ہمارا تم سے کچھ تعلق نہیں۔ ہم دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کر کے سبکدوش ہو چکے۔ ہم میں سے کوئی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار نہیں۔ ہر ایک کا عمل اسکے ساتھ ہے وہ ہی اس کے آگے آئے گا۔ چاہئے کہ اس کے نتائج برداشت کرنے کے لئے تیار رہیں آگے ہم کو تم سے جھگڑنے اور بحث و تکرار کی ضرورت نہیں سب کو خدا کی عدالت میں حاضر ہونا ہے وہاں جا کر ہر ایک کو پورا پتہ لگ جائے گا کہ وہ دنیا سے کیا کچھ کما کر لایا ہے۔ (تنبیہ) یہ آیات مکی ہیں قتال کی آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شان نزول:

ابن المنذر نے عکرمہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جب سورۃ اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا نازل ہوئی تو مشرکوں نے مکہ میں ان مومنوں سے جو ان کے پاس موجود تھے کہا لوگ خدا کے دین میں گروہ گروہ داخل ہو گئے تم بھی یہاں سے چلے جاؤ کب تک ہمارے ہاں رہو گے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ يُحَآجُّوْنَ فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ
اور جو لوگ جھگڑا ڈالتے ہیں اللہ کی بات میں جب لوگ اس کو
مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ
مان چکے ان کا جھگڑا باطل ہے ان کے
رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ
رب کے یہاں اور ان پر غصہ ہے اور ان کو سخت
شَدِيْدٌ ۝۱۶
عذاب ہے☆

اہل کتاب کے جھگڑے

یعنی اللہ کے دین، اس کی کتاب اور اسکی باتوں کی سچائی جب علانیہ ظاہر ہو چکی حتیٰ کہ بہت سے سمجھدار لوگ اس کو قبول کر چکے اور بہتیرے قبول نہ کرنے کے باوجود ان کی سچائی کا اقرار کرنے لگے۔ اس قدر ظہور و وضوح حق کے بعد جو لوگ خواہ مخواہ جھگڑے ڈالتے یا ماننے والوں سے الجھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور سخت عذاب کے مستوجب ہیں اور ان کے سب جھگڑے جھوٹے اور سب بحثیں پادر ہوا اور باطل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عبدالرزاق نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جھگڑا نکالنے والوں سے مراد ہیں یہودی اور عیسائی (یعنی اہل کتاب) انہوں نے کہا تھا ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے اور ہمارے پیغمبر تمہارے پیغمبر سے پہلے ہے اس لئے ہم تم سے بہتر ہیں یہی اہل کتاب کا جھگڑا تھا۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِیْبَ لَهٗ۔ بعد اس کے کہ لوگوں نے اس کی دعوت قبول کر لی اور مسلمان ہو گئے اور معجزات نیز حسن دعوت کی وجہ سے دین خداوندی میں داخل ہو گئے۔

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ۔ ان کا جھگڑا اور بحث کرنا باطل ہے یا یہ مطلب ہے کہ جس بات کو وہ دلیل و حجت خیال کرتے ہیں حقیقت میں وہ ایک لغو بے بنیاد شبہ ہے (وہ وہم کو فہم سمجھ بیٹھے ہیں)

وَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ۔ اور چونکہ وہ خواہ مخواہ عناد رکھتے ہیں اس لئے ان پر اللہ کا غضب آنے والا ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ۔ اور کفر کی وجہ سے ان پر سخت عذاب ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ
اللہ وہی ہے جس نے اُتاری کتاب سچے دین پر اور ترازو بھی ☆

ترازو ☆ اللہ نے مادی ترازو بھی اتاری جس میں اجسام تلتے ہیں اور معنوی ترازو بھی جسے عقل سلیم کہتے ہیں اور اخلاقی ترازو بھی جسے صفت عدل و انصاف کہا جاتا ہے اور سب سے بڑی ترازو دین حق ہے جو خالق و مخلوق کے حقوق کا ٹھیک ٹھیک تصفیہ کرتا ہے اور جس میں بات پوری تلتی ہے نہ کم نہ زیادہ۔ (تفسیر عثمانی)

میزان کا معنی: حضرت ابن عباسؓ نے میزان کی تفسیر عدل و انصاف سے کی ہے۔ مجاہدؒ امام تفسیر نے فرمایا کہ یہاں میزان سے مراد وہ عام ترازو ہے جس کو لوگ استعمال کرتے ہیں اور مراد اس سے سب کے حقوق کی پوری ادائیگی اور انصاف ہے۔ تو لفظ حق میں سب حقوق اللہ اور لفظ میزان میں سب حقوق العباد کی طرف اشارہ ہو گیا۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے پورا پورا تولنے کا حکم دیا اور تول میں کمی کرنے کی ممانعت فرمائی۔

بعض علماء کے نزدیک میزان سے مراد شریعت ہے شریعت سے حقوق کا صحیح توازن ہوتا اور انسانوں کے باہمی معاملات میں انصاف ہوتا ہے۔ (تفسیر معین)

وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ⑰
اور تجھ کو کیا خبر ہے شاید وہ گھڑی پاس ہو ☆

☆ یعنی اپنے اعمال و احوال کو کتاب اللہ کی کسوٹی پر کس کر اور دین حق کی ترازو میں تول کر دیکھ لو کہاں تک کھرے اور پورے اترتے ہیں کیا معلوم ہے کہ قیامت کی گھڑی بالکل قریب ہی آ لگی ہو پھر کچھ نہ ہو سکے گا جو فکر کرنا ہے اس کے آنے سے پہلے کر لو۔ (تفسیر عثمانی)

ایک نحوی پیچیدگی کا حل: الساعۃ مؤنث ہے اور قریب مذکر ہے دونوں میں توافق نہیں ہے اس لئے کسائی نے قریب کا فاعل محذوف قرار دیا یعنی قیامت کا آنا قریب ہے بعض نے کہا قریب کا لفظ اگرچہ مذکر ہے لیکن قرب والی (یعنی مؤنث) مراد ہے گویا اس قائل کے نزدیک وزن فعیل مؤنث کے لئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے بعض نے کہا ساعت بمعنی بعث ہے (اور بعث مذکر ہے) اس لئے قریب بصیغہ مذکر ذکر کیا۔

آیت کا شان نزول: مقاتل کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کا تذکرہ کیا اس وقت آپ کے پاس کچھ مشرک بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بطور تکذیب کہا بتاؤ قیامت کب آئے گی۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ
جلدی کرتے ہیں اُس گھڑی کی وہ لوگ کہ یقین نہیں رکھتے
بِهَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا
اُس پر اور جو یقین رکھتے ہیں ان کو اس کا ڈر ہے
وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیْنَ
اور جانتے ہیں کہ وہ ٹھیک ہے سنتا ہے جو لوگ
یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ
جھگڑتے ہیں اس گھڑی کے آنے میں وہ بہک کر دور جا پڑے ☆

مومن اور منکر ☆ یعنی جن کو قیامت پر یقین نہیں وہ ہنسی مذاق کے طور پر نہایت بے فکری سے کہتے ہیں کہ ہاں صاحب وہ قیامت کب آئے گی؟ آخر دیر کیا ہے؟ جلدی کیوں نہیں آ جاتی؟ لیکن جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان و یقین سے بہرہ ور کیا ہے وہ اس ہولناک گھڑی کے تصور سے لرزتے اور کانپتے ہیں اور خوب سمجھتے ہیں کہ یہ چیز ہونے والی ہے کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی۔ اسی لئے اس کی تیاری میں لگے رہتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ ان جھگڑنے والے منکرین کا حشر کیا ہونا ہے۔ جب ایک شخص کو قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں وہ تیاری کیا خاک کرے گا۔ ہاں جتنا اس حقیقت کا

مذاق اڑائے گا گمراہی میں اور زیادہ دور ہوتا چلا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ جو فرمایا کہ مومنین قیامت سے ڈرتے ہیں۔ مراد اس سے اعتقادی خوف ہے جو قیامت کے اہوال سے ہے۔ نیز اپنی عملی کوتاہیوں پر نظر کرنے سے لازمی ہوتا ہے۔ مگر بعض اوقات کسی مؤمن پر اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شوق غالب ہو کر اس خوف پر غالب آ جاتا ہے وہ اس کے منافی نہیں۔ جیسا کہ قبر میں بعض مردوں کا یہ کہنا ثابت ہے کہ قیامت جلد آ جائے وجہ یہ ہے کہ قبر میں جب فرشتوں کی طرف سے انسان کو بشارت رحمت و مغفرت کی مل جائے گی تو قیامت کا خوف مغلوب ہو جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

خدا اور رسول کی محبت قیامت کی تیاری ہے

ایک شخص نے بلند آواز سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! قیامت کب ہوگی؟ یہ واقعہ سفر کا ہے وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دور تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہاں وہ یقیناً آنے والی ہے تو بتا کہ تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے کہا خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت رکھتا ہے۔ اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہر شخص اُس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا۔ یہ حدیث یقیناً متواتر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یُمَارُوْنَ۔ جھگڑتے ہیں اور وقوع قیامت میں شک کرتے ہیں۔ قاموس میں ہے مِرْیَۃٌ اور مُرْیَۃٌ شک۔ جھگڑا کرنا۔ مَارَاہُ مُمَارَاۃً اس میں شک کیا اس کا اصل لغوی معنی ہے اونٹنی کے تھن کو دودھ دوہنے کے لئے سختی کے ساتھ دبانا جھگڑا کرنے والے دونوں فریق میں سخت کلامی کے ساتھ باہم جواب کے خواستگار ہوتے ہیں اس لئے اس جھگڑے کو مِرْیَۃٌ کہا جاتا ہے۔

لَفِیْ ضَلٰلٍ۔ یعنی حق سے بہت ہی بھٹکے ہوئے ہیں۔ قیامت اگرچہ بالفعل محسوس نہیں ہے لیکن قرآن حدیث اور صحیح عقل کی شہادت ہے کہ دار الجزاء کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ قیامت اس وقت ہمارا نظروں سے غائب ہے اور محسوس نہیں ہے مگر محسوس کی بہت زیادہ مشابہ ہے (گویا نظروں کے سامنے ہی ہے) اب جو شخص قیامت کو نہیں جانتا اور اللہ کی ہمہ گیر قدرت کے باوجود وقوع قیامت کو قدرت کے احاطہ سے خارج سمجھتا ہے وہ بہت ہی گمراہ ہے اور مابعد زندگی کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ
اللہ نرمی رکھتا ہے اپنے بندوں پر☆☆

اللہ تعالیٰ کی نرمی ☆☆یعنی باوجود تکذیب و انکار کے روزی کسی کی بند نہیں کرتا بلکہ بندوں کے باریک سے باریک احوال کی رعایت کرتا اور نہایت نرمی اور تدبیر لطیف سے ان کی تربیت فرماتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَطِیْفٌ کا مطلب: مقاتل نے کہا نیکوں اور بدوں پر سب پر مہربانی کرنے والا کہ بدکاروں کی خطاکاریوں کی وجہ سے کسی کو ہلاک نہیں کرتا بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ نفع پہنچانے اور مصائب کا رخ پھیر دینے کی تدبیر وہ اپنے مخفی علم سے کرنے والا ہے۔ بعض نے کہا اس کا علم دقیقہ رس ہے اس کا حلم عظیم ہے وہ بندے کی اچھائیاں پھیلاتا اور عیوب پر پردہ ڈالتا ہے۔ بندے کی ضرورت سے زیادہ عطا کرتا اور بقدر برداشت طاعت کا حکم دیتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ
روزی دیتا ہے جس کو چاہے اور وہی ہے زور آور
الْعَزِيْزُ ۧ
زبردست☆☆

☆ جس کو چاہے جتنی چاہے دے۔ (تفسیر عثمانی)

رزق میں دو طرح کی مہربانی: حضرت جعفر بن محمدؒ نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مہربانی بندوں پر دو طرح کی ہے اول تو یہ کہ ہر ایک ذی روح کو اس کے مناسب حال غذاء اور ضروریات عطا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی کو اس کا پورا رزق عمر بھر کا یک وقت نہیں دے دیتا ورنہ اول تو اس کو حفاظت کرنا مشکل ہو جاتا۔ اور کتنی بھی حفاظت کرتا وہ پھر بھی سڑنے اور خراب ہونے سے نہ بچتا۔ (مظہری ومثلہٗ فی القرطبی)

ایک مجرب عمل: مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ نے فرمایا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ سے منقول ہے کہ جو شخص صبح کو ستر مرتبہ پابندی سے یہ آیت پڑھا کرے وہ رزق کی تنگی سے محفوظ رہے گا۔ اور فرمایا کہ بہت مجرب عمل ہے آیت یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ۔ (معارف مفتی اعظم)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ
جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی
نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ
زیادہ کریں ہم اسکے واسطے اُس کی کھیتی ☆

ثواب میں زیادتی ☆ ایک نیکی کا دس گنا ثواب دیں بلکہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ اور دنیا میں ایمان و عمل صالح کی برکت سے جو فراخی اور برکت ملے وہ الگ رہی۔ (تفسیر عثمانی)

حرث کا معنی: حرث اصل میں زمین میں دانہ بکھیرنے کو کہتے ہیں لیکن جو کھیتی تخم پاشی سے پیدا ہوتی ہے اس کو بھی حرث کہہ لیا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے حرث کمائی۔ مال جمع کرنا کھیتی۔ اس جگہ ثواب آخرت مراد ہے۔ ثواب آخرت کو زرع سے تشبیہ دی کیونکہ آخرت میں ملنے والا ثواب دنیوی اعمال کا پھل ہے اسی لئے دنیا کو آخرت کا کھیت کہا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں جو کام کیا جاتا ہے اس کا حاصل آخرت میں ملے گا تو گویا ثواب آخرت کمائی ہے۔ **نزد له في حرثه**۔ یعنی اس کی کمائی یا کھیتی میں ہم ترقی دیں گے۔ ایک کے بدلے دس اور دس سے بھی زیادہ سات سو گنا تک عطا کریں گے۔ جیسے ایک دانہ سے ایک پودا پیدا ہوا اور پودے میں سات بالیاں ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ
اور جو کوئی چاہتا ہو دنیا کی کھیتی اُس کو دیویں
مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ
ہم کچھ اس میں سے اور اُس کے لئے نہیں آخرت میں کچھ حصہ ☆

دنیا کے لئے محنت ☆ دنیا کے واسطے جو محنت کرے موافق قسمت کے ملے پھر اس محنت کا فائدہ آخرت میں کچھ نہیں کما قال تعالیٰ "عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَاۤءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ" (بنی اسرائیل، رکوع ۲) (تفسیر عثمانی)

اعمال کا مدار نیتوں پر ہے

حضرت عمر بن خطابؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال صرف نیتوں کے ساتھ ہیں ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی پس جس کا ترک وطن اللہ اور رسول کی طرف آنے کے لئے ہو اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہوگی۔ اور جس کا ترک وطن دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہوگی۔ متفق علیہ۔

اس امت کیلئے خوشخبری:

حضرت ابی بن کعبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کو خوشخبری دے دو (نام) روشن ہونے کی، اونچائی ہونے کی، دین کی اور زمین پر اقتدار حاصل ہونے کی۔ امت میں سے جو شخص آخرت کا کام دنیا کیلئے

کرے گا اس کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ رواہ البغوی۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ
کیا اُن کے لئے اور شریک ہیں کہ راہ ڈالی ہے انہوں نے اُن
الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ
کے واسطے دین کی کہ جس کا حکم نہیں دیا اللہ نے ☆

ہدایت فقط اللہ کی طرف سے ہے ☆ یعنی اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی زبانی آخرت اور دین حق کا راستہ بتلا دیا۔ کیا اس کے سوا کوئی اور ہستی ایسی ہے جسے کوئی دوسرا راستہ مقرر کرنے کا حق اور اختیار حاصل ہو کہ وہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرا دے پھر آخر ان مشرکین نے اللہ کی وہ راہ چھوڑ کر جو انبیاء علیہم السلام نے بتلائی تھی دوسری راہیں یہاں سے نکال لیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ
اور اگر نہ مقرر ہو چکی ہوتی ایک بات فیصلہ کی تو فیصلہ
بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ
ہو جاتا اُن میں اور بیشک جو گنہگار ہیں
عَذَابٌ اَلِيْمٌ
اُن کو عذاب ہے دردناک ☆

☆ یعنی فیصلہ کا وعدہ ہے اپنے وقت پر۔ (تفسیر عثمانی)

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا
تو دیکھے گا گنہگاروں کو کہ ڈرتے ہونگے اپنی
كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ
کمائی سے اور وہ پڑ کر رہیگا ان پر ☆

☆ یعنی اپنی کرتوت کے نتائج سے خوفزدہ ہوں گے۔ مگر اس وقت ڈرنے سے کیا بنتا ہے۔ ڈریں یا نہ ڈریں وہ سزا تو ضرور مل کر رہے گی۔ ٹل نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کئے

فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ

باغوں میں ہیں جنت کے انکے لئے ہے جو وہ چاہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۲۲﴾

اپنے رب کے پاس یہی ہے بڑی بزرگی ☆

☆یعنی جنت میں ہر قسم کی جسمانی و روحانی راحتیں اور اپنے رب کا قرب یہ ہی بڑا فضل ہے دنیا کے عیش اس کے سامنے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

دوشیزاؤں کی بارش: حضرت ابوطیبہؒ فرماتے ہیں جنتیوں کے سروں پر اَبر آئے گا اور انہیں ندا ہوگی کہ بتلاؤ کس چیز کا برسنا چاہتے ہو؟ پس جو لوگ جس چیز کا برسنا چاہیں گے وہی چیز ان پر اس بادل سے برسے گی۔ یہاں تک کہ کہیں گے ہم پر اُبھرے ہوئے سینے والی ہم عمر عورتیں برسائی جائیں۔ چنانچہ وہی برسیں گی۔ اسی لئے فرمایا کہ فضل کبیر یعنی زبردست کامیاب کامل نعمت یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ

یہ ہے جو خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے ایماندار بندوں کو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جو کرتے ہیں بھلے کام ☆

☆یعنی اللہ جو خوشخبری دے وہ لامحالہ واقع ہو کر رہے گی۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا

تو کہہ میں مانگتا نہیں تم سے اُس پر کچھ بدلہ مگر

الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی

دوستی چاہئے قرابت میں☆

دعوت کا عجیب انداز ☆یعنی قرآن جیسی دولت تم کو دے رہا ہوں اور ابدی نجات وفلاح کا راستہ بتلاتا اور جنت کی خوشخبری سناتا ہوں یہ سب محض لوجہ اللہ ہے۔ اس خیر خواہی اور احسان کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا صرف ایک بات چاہتا ہوں کہ تم سے جو میرے نسبی وخاندانی تعلقات ہیں کم از کم ان کو نظر انداز نہ کرو آخر تمہارا معاملہ اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ کیا ہوتا ہے بسا اوقات ان کی بے موقع بھی حمایت کرتے ہو میرا کہنا یہ ہے کہ اگر تم میری بات نہیں مانتے نہ مانو میرا دین قبول نہیں کرتے یا میری تائید وحمایت میں کھڑے نہیں ہوتے نہ سہی لیکن کم از کم قرابت ورحم کا خیال کر کے ظلم واذیت رسانی سے باز رہو اور مجھ کو اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا میں پہنچاتا رہوں کیا اتنی دوستی اور فطری محبت کا بھی میں مستحق نہیں ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مودۃ فی القربیٰ کا معنی

(تنبیہ) آیت کے یہ معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں منقول ہیں بعض سلف نے "اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی" کا مطلب یہ لیا ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرو اور حق وقرابت کو پہچانو اور بعض نے "قربیٰ" سے اللہ کا قرب اور نزدیکی مراد لی ہے یعنی ان کاموں کی محبت جو خدا سے قریب کرنے والے ہوں مگر صحیح اور راجح تفسیر وہی ہے جو ہم نے اول نقل کی ہے بعض علماء نے "مودۃ فی القربیٰ" سے اہل بیت نبوی کی محبت مراد لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ میں تم سے تبلیغ پر کوئی بدلہ نہیں مانگتا بس اتنا چاہتا ہوں کہ میرے اقارب کے ساتھ محبت کرو کوئی شبہ نہیں کہ اہل بیت اور اقارب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور تعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم وواجب اور جزء ایمان ہے اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر متفرع ہے لیکن آیت ہذا کی تفسیر اس طرح کرنا شان نزول اور روایات صحیحہ کے خلاف ہونے کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع کے مناسب نہیں معلوم ہوتا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اہل بیت کی فضیلت: ہم اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے منکر نہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ ان کے ساتھ احسان وسلوک اور ان کا اکرام واحترام ضروری چیز ہے۔ روئے زمین پر ان سے زیادہ پاک اور صاف ستھرا گھرانا اور نہیں۔ حسب ونسب میں، فخر اور مباہات میں بلاشک یہ سب سے اعلیٰ ہیں۔ بالخصوص ان میں سے وہ جو متبع سنت نبی ہوں جیسے کہ اسلاف کی روش تھی یعنی حضرت عباسؓ اور آل عباسؓ اور حضرت علیؓ اور آل علیؓ کی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں فرمایا ہے میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت اور یہ دونوں جدا نہ ہوں گے جب تک کہ حوض پر میرے پاس نہ آ جائیں۔ مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ قریش جب آپس میں ملتے ہیں تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے ہیں لیکن ہم سے اصلی خوشی کے ساتھ نہیں ملتے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت رنجیدہ ہوئے اور فرمانے لگے خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کسی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ خدا تعالیٰ کے لئے اور اس کے رسول کی وجہ سے تم سے محبت نہ رکھے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ نے صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا

لحاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں رکھو۔ ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ آپؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں سے سلوک کرنا مجھے اپنے قرابت داروں کے سلوک سے بھی پیارا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا واللہ تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام لانے سے بھی زیادہ اچھا لگا۔ اس لئے کہ تمہارا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے اسلام سے زیادہ محبوب تھا۔ صحیح مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ یزید بن حیان اور حصین بن میسرہ اور عمر بن مسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے۔ حضرت حصینؓ نے کہا اے حضرت! آپ کو تو بڑی بڑی خیر و برکت مل گئی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں اپنے کانوں سے سُنیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازیں پڑھیں۔ حق تو یہ ہے کہ بڑی بڑی فضیلتیں آپ نے سمیٹ لیں۔ اچھا اب کوئی حدیث ہمیں بھی تو سُنایئے۔ اس پر حضرت زیدؓ نے فرمایا میرے بھتیجے سنو میری عمر اب بڑی ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کو عرصہ گزر چکا بعض چیزیں ذہن میں محفوظ بھی نہیں رہیں۔ اب تو یہی رکھو جو از خود سُنا دوں سے مان لیا کرو ورنہ مجھے تکلیف نہ دو کہ تکلف سے بیان کرنا پڑے پھر آپ نے فرمایا (رضی اللہ عنہ) کہ مکے اور مدینے کے درمیان پانی کی جگہ کے پاس جسے خم کہا جاتا تھا کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے رسول نے ہمیں یہ خطبہ سنایا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی وعظ و پند کیا۔ پھر فرمایا لوگو! میں ایک انسان ہوں، کیا عجب کہ ابھی ابھی میرے پاس قاصد خدا تعالیٰ پہنچ جائے اور میں اس کی مان لوں۔ سنو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ایک تو کتاب اللہ جس میں نور و ہدایت ہے۔ تم خدا تعالیٰ کی کتاب کو مضبوط تھام لو اور اس پر چنگل مارے رہو۔ پس اس کی بڑی رغبت دلائی اور بہت کچھ تاکیدیں کیں۔ پھر فرمایا میری اہل بیت۔ میں تمہیں اپنی اہل بیت کے بارے میں خدا تعالیٰ کو یاد دلاتا ہوں۔ یہ سُن کر حصینؒ نے حضرت زیدؓ سے پوچھا۔ اے زید! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون ہیں کیا آپؐ کی بیویاں اصل بیت میں داخل نہیں فرمایا بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی آپ کے اصل بیت میں ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صدقہ حرام ہے، پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا آل علی، آل عقیل، آل جعفر، آل عباس (رضی اللہ عنہم) پوچھا کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟ فرمایا ہاں۔ حضرت جابر ابن عبداللہ کی روایت سے ترمذی میں ہے کہ عرفے والے دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر جسے قصواء کہا جاتا تھا، خطبہ دیا۔ جس میں فرمایا، لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے لئے رہے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوؤ گے۔ کتاب اللہ اور میری عترت اہل بیت۔ ترمذی کی اور روایت میں ہے کہ خدا کی نعمتوں کو مدنظر رکھ کر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت رکھو۔ اور میری محبت کی وجہ سے میری اہل بیت سے محبت رکھو۔ یہ حدیث اوپر کی حدیث حسن غریب ہے۔

اس مضمون کی اور احادیث ہم نے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ الخ۔ کی تفسیر میں وارد کر دی ہیں۔ یہاں ان کے دُہرانے کی ضرورت نہیں، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ. ایک ضعیف حدیث مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے بیت اللہ کے دروازے کا کنڈا تھامے ہوئے فرمایا، لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو جانتے ہی ہیں، جو نہیں پہچانتے وہ اب پہچان لیں کہ میرا نام ابوذرؓ ہے۔ سنو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم میں میرے اہل بیت کی مثال مثل نوح علیہ السلام کی کشتی کے ہے۔ اس میں جو چلا گیا اس نے نجات پالی اور جو اس میں داخل نہ ہوا ہلاک ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

قرابت کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم میری اطاعت کرتے۔ اگر اطاعت نہیں کی تو ایذا رسانی سے تو باز آ جاؤ۔ آخر میں تمہارا عزیز و قریب ہوں کوئی دشمن تو نہیں۔ اس لئے میری بات سنو۔ اور اس پر توجہ کرو۔

قوت نیکی نہ داری بد مکن ‖ بر وجود خود ستم بیجد مکن

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى یہی معنی منقول ہیں۔

سعید بن جُبیر نے فرمایا۔ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو فرمایا۔

لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا اِنْ لَا تُؤْذُوْنِيْ فِيْ نَفْسِيْ الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى لِقَرَابَتِيْ مِنْكُمْ وَتَحْفَظُوْا لِقَرَابَةِ الَّتِيْ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ۔

یعنی میں تم سے کسی قسم کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا بجز اس کے کہ تم مجھے ایذا نہ پہنچاؤ میری اس قرابت کی وجہ سے جو تم سے ہے اور تم اس قرابت کا لحاظ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۶ ص)

امام بیہقی نے دلائل میں شعبی سے روایت کیا ہے کہ (ایک زمانہ تھا کہ) لوگ کثرت سے اس آیت کے بارے میں ہم سے دریافت کرتے اور حجت بازی کرتے۔ ہم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ یہ صورت حال ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی مراد بیان فرمائیں تو ابن عباسؓ نے اس کی مراد میں یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب قریش کی تمام شاخوں سے ملتا تھا کوئی شاخ ایسی نہ تھی کہ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نہ ملتا ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی دعوت و تبلیغ پر جو قریش مکہ نے انکار کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا عداوت اور ستانے پر تل گئے۔ تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو! میں تم

سے کچھ نہیں طلب کرتا بجز (مودۃ فی القربیٰ) اس لئے کہ تم میری قرابت کا خاظ کرو۔ اور مجھے ایذا نہ پہنچاؤ اور قدرت دو کہ میں اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچا دوں (تفسیر روح المعانی جلد ۲۵)

فرقہ شیعہ کی غلط تفسیر: فرقہ شیعہ اس آیت کی یہ مشہور و معروف اور جملہ ائمہ مفسرین کی اختیار کردہ تفسیر کو جو الفاظ کی دلالت سے پوری پوری مطابقت رکھتی ہے۔ چھوڑ کر جداگانہ تفسیر کرتے ہیں کہتے ہیں کہ الا المودۃ فی القربیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت والوں سے محبت کرنا مراد ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ تم لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم سے اپنی تعلیم و دعوت اور تبلیغ پر کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتا البتہ صرف یہ مانگتا ہوں کہ میرے قرابت والوں سے محبت کرو اور میری قرابت والے صرف چار ہیں۔ فاطمہؓ، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ۔

جواب: یہ عجیب فلسفہ ہے کہ قرابت کے تمام رشتوں کو خارج قرار دیدیا جائے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین دیگر صاحبزادیاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس اور ان کی اولاد بھی قرابت داروں کی فہرست سے خارج ہوں بہرکیف شیعہ فرقہ کی تفسیر کی رو سے اجرت رسالت قرابت داروں کی اور ان میں سے بھی صرف چار کی محبت ہے۔ پھر یہ کہ قرابت داروں کی محبت بھی محض محبت کے معنی کے لحاظ سے نہیں بلکہ یہ کہ میرے بعد ان کو اور ان کی اولاد کو خلیفہ اور بادشاہ بناؤ۔ جس کا حاصل دنیا یہ سمجھ سکتی ہے کہ آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں۔ میری محنت و جانفشانی سے جو غلبہ اقتدار حاصل ہو یعنی جو حکومت اس طرح مجھ کو مل جائے۔ وہ نسلاً بعد نسل میری اولاد ہی میں رہے باہر جانے نہ پائے۔ اہل حق کے قول اور شیعہ فرقہ کی تفسیر میں فرق ظاہر ہے۔

سورۃ شوریٰ بالاتفاق مکی سورت ہے۔ اور یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ہوا۔ اور حضرت حسن بن علیؓ غزوہ بدر کے بعد ۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت حسینؓ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور جب یہ سورت مکی ہے تو لامحالہ یہ آیت حسنؓ و حسینؓ کی پیدائش سے کئی سال قبل نازل ہو چکی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر ایسی قرابت سے فرمائیں جس کا اس وقت کہیں وجود ہی نہیں۔ بالخصوص اس صورت میں کہ القربیٰ معرف باللام ہے اور معرفہ وہاں لایا جاتا ہے جہاں مخاطبین کو معلوم اور ان کے نزدیک معروف ہو اور جو پیدا ابھی نہیں وہ مخاطبین کو معروف و معلوم کیسے ہو سکتا ہے۔ زائد سے زائد یہ ممکن ہے کہ آیت سے حضرت فاطمہؓ و حضرت علیؓ کی محبت کا وجوب ثابت کیا جائے۔ تو اس سے اہل سنت کب منکر ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک تو اہل بیت کی محبت جزو ایمان ہے۔

ذوی القربیٰ کی محبت اہل سنت کے نزدیک ایمان کی بنیاد ہے

اہل سنت کا مسلک یہ ہے کہ آل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان کی اساس اور روح ہے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب حضرت سیدہؓ حضرت حسین اور جملہ اہل بیت کی محبت فرض و لازم ہے۔ اور اہل بیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر اقارب نبوی جو مشرف باسلام ہوئے سب داخل ہیں۔ ہر شخص کی محبت و عظمت اس کے مرتبے کے بقدر لازم ہے تو سوال طلب امر یہ ہے کہ اگر اس آیت کے باعث شیعوں کے نزدیک محبت کے لئے اطاعت لازم ہے تو بلا تخصیص تمام اقارب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہونی چاہئے۔ اور حضرت فاطمہؓ کے علاوہ جو دیگر تین صاحبزادیاں حضرت زینبؓ، حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثومؓ کی اطاعت فرض ہونی چاہئے۔ اور ان کے اصول سے حضرت فاطمہ کو امام بھی ہونا چاہئے۔ اور جب فاطمہؓ کی امامت ضروری ہوئی تو دیگر صاحبزادیوں کی بھی امامت کا درجہ فرض ہونا چاہئے اور ظاہر ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں۔ بہر حال یہ آیت اگر اہل بیت کی محبت کو لازم کرتی ہے تو اہل سنت خود اس کے قائل ہیں لہٰذا اہل تشیع کو اہل سنت پر اعتراض کا کوئی حق نہیں اگر پھر بھی اعتراض کریں تو یہ اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا بلکہ بہتان ہوگا اور اگر محبت سے اطاعت کے لزوم کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم ان سے یہ پوچھیں گے کہ پھر جملہ اہل بیت کی اطاعت کی فرضیت کے کیوں قائل نہیں۔ اور اس کا جواب دو کہ بعض اہل بیت کی محبت کو فرض کہتے ہو اور بعض کی محبت سے گریز بلکہ نفرت کرتے ہو۔ اور اس کا جواب دو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ایک صاحبزادی سے شرف زوجیت کے باعث امام معصوم اور خلیفہ بلا فصل ہوئے لیکن حضرت عثمان ذوالنورین دو صاحبزادیوں سے شرف زوجیت رکھتے باوجود نہ امام ہوئے نہ معصوم اور نہ مستحق محبت ہوئے بلکہ ان کا بغض و نفرت و تشیع کی حقیقت اور روح بنا؟ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی جواب قیامت تک نہیں دیا جا سکتا۔ اور اس وجہ تفریق پر بجا طور پر یہ مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔ فَاْتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اہل بیت کے بارے میں وہ تمام احادیث ملاحظہ فرمائی جائیں جو محدثین نے باب فضائل اہل بیت میں بیان فرمائیں۔ (معارف کاندھلوی)

امام حدیث سعید بن منصور اور ابن سعد اور عبد بن حمید اور حاکم اور بیہقی نے امام شعبی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ امام شعبی کہتے ہیں کہ لوگوں نے ہم سے اس آیت کی تفسیر کے متعلق سوالات کئے تو ہم نے حضرت ابن عباسؓ کو خط لکھ کر اس کی صحیح تفسیر

دریافت کی آپ نے جواب میں لکھا کہ

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان وسط النسب في قريش ليس بطن من بطونهم الا وقد ولدوه فقال الله تعالىٰ قل لا اسئلكم اجرا على ما ادعوكم عليه الا المودة في القربىٰ تودوني لقرابتي منكم و تحفظوني بها. (روح) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے ایسے نسب سے تعلق رکھتے تھے کہ اس کے ہر ذیلی خاندان سے آپ کا رشتہ ولادت قائم تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ "آپ مشرکین سے یہ کہئے کہ اپنی دعوت پر میں تم سے کوئی معاوضہ بجز اس کے نہیں مانگتا کہ تم مجھ سے قرابت داری کی مروّت ومودت کا معاملہ کر کے بغیر کسی تکلیف کے اپنے درمیان رہنے دو اور میری حفاظت کرو۔

اور ابن جریر وغیرہ نے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

يا قوم اذا ابيتم ان تتابعوني فاحفظوا قرابتي منكم ولا تكون غيركم من العرب اولى بحفظي ونصرتي منكم (روح) اے قوم! اگر تم میری اتباع سے انکار کرتے ہو تو تم سے جو میرا قرابت کا رشتہ ہے اس کی پاسداری تو کرو اور ایسا نہ ہو کہ عرب کے دوسرے لوگ (جن کے ساتھ میری قرابت نہیں) میری حفاظت اور نصرت میں تم پر بازی لے جائیں۔

حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت کا ساری کائنات سے زائد ہونا جزو ایمان بلکہ مدار ایمان ہے۔ اور اس کے لئے لازم ہے کہ جس کو جس قدر نسبت قریبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اسکی تعظیم ومحبت بھی اسی پیمانے سے واجب ولازم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ انسان کی صلبی اولاد کو سب سے زیادہ نسبت قربت حاصل ہے اسلئے اُنکی محبت بلاشبہ جزو ایمان ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ازواجِ مطہرات اور دوسرے صحابۂ کرام جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ متعدد قسم کی نسبتیں قربت اور قرابت کی حاصل ہیں ان کو فراموش کر دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حُبِّ اہلِ بیت وآلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ امت میں کبھی زیر اختلاف نہیں رہا۔ باجماع واتفاق ان کی محبت وعظمت لازم ہے۔ اختلافات وہاں پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں دوسروں کی عظمتوں پر حملہ کیا جاتا ہے۔ ورنہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی حیثیت سے عام سادات خواہ ان کا سلسلہ نسبت کتنا ہی بعید بھی ہو ان کی محبت وعظمت عین سعادت واجر اور جن کو اللہ تعالیٰ نبوت ورسالت عطا فرماتے ہیں۔ ان کو معجزات بھی عطا فرماتے ہیں۔ اور ان کے معجزات کا صدور روشن کرتے ہیں۔ اس طرح تکوینی اور تقدیری طور پر ان کی نبوت کو ثابت کر دیتے ہیں۔

دوسرے اپنے کلام کی آیات میں اُن کی تصدیق نازل فرما دیتے ہیں۔

جب یہ ضابطہ معلوم ہو گیا تو اب یہ سمجھو کہ قرآن کریم ایک معجزہ ہے کہ تمام دنیا کے جن وبشر اس کی ایک آیت کی مثال بنانے سے عاجز ہیں جن کا عجز زمانہ نبوت میں ثابت ہو چکا اور آج تک ثابت ہے۔ ایسا کھلا ہوا معجزہ کسی جھوٹے مدعی نبوت سے حسب ضابطہ مذکورہ صادر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپ کا دعویٰ وحی رسالت صحیح اور حق ہے اس کو غلط اور افترا کہنے والے گمراہ مفتری ہیں۔

دوسری آیت میں منکرین ومعاندین کو نصیحت کی گئی ہے اب بھی کفر وانکار سے باز آ جائیں اور توبہ کر لیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم وکریم ہے۔ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرما لیتا ہے اور ان کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

شیعوں کا غلط استدلال: ابن ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قرابت داروں سے کون لوگ مراد ہیں۔ فرمایا علیؓ اور فاطمہؓ اور ان کے دونوں بیٹے۔

فرقۂ شیعہ نے اس حدیث کی روشنی میں اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ تینوں سابق خلفاء کی خلافت صحیح نہ تھی۔ خلیفہ صرف حضرت علیؓ تھے کیونکہ اللہ نے اس آیت میں اور اللہ کے رسول نے اس مذکورہ تشریح میں حضرت علیؓ کی محبت فرض قرار دی ہے اور علیؓ کے سوا دوسروں کی محبت واجب نہیں ہے اور محبت کا لازمی تقاضا ہے کہ محبوب کی طاعت واجب ہو۔ اس لئے حضرت علیؓ کے سوا کسی کی خلافت صحیح نہیں ہوئی۔

ان کے استدلال کے جوابات:

فرقۂ شیعہ کا یہ استدلال بوجہ ذیل غلط ہے۔

(۱) حدیث مذکورہ کی سند میں ایک راوی حسین اشعری ہے جو سخت شیعی ہے۔ اس لئے یہ حدیث ہی صحیح نہیں ہے پھر آیت مکی ہے اور مکہ میں حضرت سیدہ کا کوئی لڑکا ہوا ہی نہ تھا۔

(۲) یہ تسلیم ہے کہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ اور دونوں صاحبزادوں کی محبت واجب ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ دوسروں کی محبت واجب نہ ہو۔ دیکھو ابن عدی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکرؓ وعمرؓ سے محبت رکھنی ایمان ہے اور ان دونوں سے بغض رکھنا کفر ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ابوبکرؓ وعمرؓ کی محبت ایمانی کی علامت ہے اور ان سے بغض کفر ہے۔ اور انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے بغض کفر ہے۔ اور عرب کی محبت ایمان کی علامت ہے اور ان سے دشمنی کفر ہے اور جس نے میرے صحابہ کو گالی دی اس پر اللہ کی لعنت۔ اور جو ان کے معاملہ میں میرا لحاظ رکھے گا میں قیامت

کے دن اس کا لحاظ رکھوں گا۔ رواہ ابن عساکر عن جابرؓ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انصار سے محبت ایمان کی نشانی اور انصار سے عداوت نفاق کی علامت ہے۔ رواہ النسائی عن انس۔ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش سے محبت کرنی ایمان ہے اور ان سے دشمنی کرنا کفر ہے۔ عرب کی محبت ایمان ہے اور ان کی عداوت کفر ہے جس نے عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے عرب سے عداوت کی اس نے مجھ سے عداوت کی۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس۔

پھر فرقہ شیعہ کا یہ قول کہ جس کی محبت واجب ہے وہی امام (خلیفہ) ہو گا۔ اور اس کی طاعت واجب ہو گی غلط ہے۔ بعض علماء کے نزدیک القربیٰ سے مراد ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قرابتدار جن کے لئے زکوٰۃ لینی ناجائز تھی یعنی بنی ہاشم اور بنی مطلب۔ بنی مطلب بنی ہاشم سے جاہلیت کے دور میں بھی الگ نہ تھے اور اسلام کے بعد بھی علیحدہ نہیں ہوئے۔

بعض نے کہا حضرت علیؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عباسؓ کی نسل مراد ہے۔ انہیں کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں تمہارے اندر دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جاؤں گا۔ اول اللہ کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور نور ہے اس کو لو اور مضبوطی سے پکڑے رہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ سے مسلمانوں کو کتاب اللہ کے موافق عمل کرنے پر برانگیختہ کیا اور ترغیب دی پھر فرمایا (دوئم) میرے اہل بیت ہیں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں تم کو خدا کی یاد دلاتا ہوں میں اپنے اہل بیت کے معاملہ میں تم کو خدا کی یاد دہانی کراتا ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ سے دریافت کیا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کون تھے فرمایا علیؓ، اور عقیلؓ، اور عباسؓ، کی اولاد۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی اور اپنے اقرباء کی مودت طلب کی اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مودت طلب کرنے کا حکم دیا وہ صرف مودت کرنے والوں کے لئے فائدہ رساں ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا محبت کرنے والے کو فائدہ پہنچتا ہے وہ اللہ کا محبوب مقرب اور دوست ہو جاتا ہے اور اس محبت سے اس کو کمال ایمان کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے میرے نزدیک آیت مذکورہ میں مودت فی القربیٰ کی یہی تفسیر زیادہ صحیح ہے کہ میں تم سے بس یہ چاہتا ہوں کہ میرے اقرباء میرے اہل بیت اور میری اولاد سے محبت کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آخری نبی تھے آپ کے بعد اور کوئی نبی ہونے والا نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد فرض تبلیغ کو ادا کرنے والے علماء امت ہی ہیں۔ علماء ظاہر ہوں یا علماء باطن (یعنی فقہاء اور محدثین ہوں یا آئمہ تصوف) اللہ نے اپنے نبی کو اسی لئے حکم دیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کو اپنے اہل بیت سے محبت رکھنے کی تبلیغ کریں کیونکہ امام السالکین حضرت علیؓ اور آئمہ اہل بیت جو آپ کی نسل میں سے ہوئے کمالات ولایت کے قطب تھے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ نے ارشاد فرمایا تھا میں علم کا شہر ہوں ابو بکرؓ اسکی بنیاد اور عمرؓ اسکی دیواریں اور عثمانؓ اسکی چھت اور علی اس شہر (میں داخل ہونے) کا دروازہ ہیں۔ رواہ البزار والطبرانی عن جابر۔ اس روایت کی تائیدی شواہد وہ حدیثیں بھی ہیں جن کے راوی حضرت ابن عمر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت علیؓ ہیں۔ حاکم نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ اکثر مشائخ کے سلسلے آئمہ اہل بیت تک پہنچ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ سادات عظام میں بہت کثرت سے اولیاء ہوئے ہیں جیسے غوث الثقلین محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی۔ اور شیخ بہاء الدین نقشبند اور سید مودود چشتی اور سید معین الدین چشتی اور سید ابوالحسن شاذلی وغیرہ۔ یہی مراد ہے حدیث مبارک انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی کی۔ اکثر علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ میں استثناء منقطع ہے (اور الّا کا معنی ہے لیکنؒ) اور اجر اپنے حقیقی معنی پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تم سے کسی معاوضہ کا بالکل طلبگار نہیں لیکن میری قرابت جو تم سے ہے اس کی یاد دہانی کرتا ہوں اور مودت قرابت چاہتا ہوں۔ حضرت زید بن ارقم کی روایت کردہ حدیث اذکرکم اللہ فی اہل بیتی میں اسی مطلب کا اظہار کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنی اور اپنے اہل بیت کی محبت رکھنے کا حکم امت کو دیا تاکہ امت کو فائدہ پہنچے اس کی تائید آئندہ آیت سے ہو رہی ہے فرمایا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا
اور جو کوئی کمائے گا نیکی ہم اس کو بڑھا دیں گے اس کی
حُسْنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٢٣﴾
خوبی بیشک اللہ معاف کرنیوالا حق ماننے والا ہے ☆☆

نیکی میں برکت ☆☆ یعنی انسان بھلائی اور نیکی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی بھلائی کو بڑھاتا ہے آخرت میں تو اجر و ثواب کے اعتبار سے اور دنیا میں نیک خوئی عطا فرما کر اور ایسے آدمی کی لغزشوں کو بھی معاف فرماتا ہے شاید یہاں اس مضمون کا ذکر اسلئے فرمایا کہ کم از کم قرابت کی محبت مطلوب ہے جسکا حاصل ایذا و ظلم سے روکنا تھا لیکن جو اس سے زائد نیکی دکھلائے وہ خوب سمجھ لے کہ خدا کے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں جاتی بلکہ بڑھتی رہتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر تکلیف پر نیکی ملتی ہے: صحیح حدیث میں ہے کہ مؤمن کو جو تکلیف

سختی غم اور پریشانی ہوتی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے یہاں تک کہ ایک کانٹا لگنے کے عوض بھی جب آیت فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا الخ اتری اس وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانا کھا رہے تھے آپ نے اسے سن کر کھانے سے ہاتھ ہٹا لیا اور کہا یا رسول اللہ! کیا ہر ہر برائی بھلائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! طبیعت کے خلاف جو چیزیں ہوتی ہیں یہ سب برائیوں کے بدلے ہیں اور ساری نیکیاں خدا تعالیٰ کے پاس جمع شدہ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

ماقبل سے ربط: حسنۃ سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور نائبوں کی محبت ورنہ سابق عبارت اور اس جملہ میں کوئی ربط نہ ہوگا البتہ لفظ حسنۃ عام ہے ہر نیکی کو شامل ہے۔

صوفیاء کے ہاں نیکی کے بڑھنے کی صورت

اللہ حسنۃ میں اور خوبی بڑھا دیتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آل رسول یعنی مشائخ طریقت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بڑھ جاتی ہے اور محبت رسول کی ترقی سے محبت خدا میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اس لئے مشائخ صوفیہ کہتے ہیں کہ صوفی کو پہلے فنافی الشیخ کا درجہ حاصل ہوتا ہے پھر فنافی الرسول کا اور آخر میں فنافی اللہ کا۔ فنا سے مراد ہے ایسی شدت محبت کہ محبوب کی یاد کے وقت نہ اپنا پتہ رہے نہ کسی دوسرے کا سوا محبوب کے ہر نشان مٹ جائے۔

آیت کا مصداق: بعض علماء کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حق میں ہوا۔ بخاری نے صحیح میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اہل بیت رسول کے معاملہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لحاظ کرو۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ
کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ
فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۭ
سو اگر اللہ چاہے مہر کر دے تیرے دل پر
وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ
اور مٹاتا ہے اللہ جھوٹ کو اور ثابت کرتا ہے سچ کو
بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ
اپنی باتوں سے اس کو معلوم ہے جو دلوں میں ہے ☆

تصدیق رسالت ☆ یعنی بفرض محال اگر کوئی بات بھی خدا کی نسبت جھوٹ بنا کر کہہ دے تو اللہ کو قدرت ہے کہ تیرے دل پر مہر کر دے پھر فرشتہ یہ کلام معجز لے کر تیرے قلب پر نہ اتر سکے اور سلسلہ وحی کا بند ہو جائے بلکہ پہلا دیا ہوا بھی سب کر لیا جائے کما قال "وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا" (بنی اسرائیل رکوع ۱۰) مگر چونکہ واقع میں قطعاً کذب و افتراء کا شائبہ نہیں اس سے محض بدبختوں کی قدر ناشناسی اور طعن اور تشنیع کی بناء پر یہ فیض منقطع نہیں کیا جا سکتا بے شک اللہ اس کو جاری رکھے گا اور اپنی باتوں سے عملی طور پر جھوٹ کو جھوٹ اور سچ کو سچ ثابت کر کے رہے گا اس وقت سب کو صاف کھل جائے گا کہ فریقین میں جھوٹا اور مفتری کون ہے اور کس کے دل پر اللہ نے فی الواقع مہر لگا دی ہے کہ خیر کے اترنے اور حق کے قبول کرنے کی اس میں مطلقاً گنجائش نہیں رہی رہا یہ سوال کہ اللہ کی وہ باتیں کیا ہیں جن سے جھوٹ ملیا میٹ ہو اور حق ثابت ہو جائے تو میرے نزدیک وہ ہی دلائل و براہین ہیں جو قرآن اور پیغمبر کی صداقت پر اس نے قائم کی ہیں بالخصوص وہ آیات "انفسیہ و آفاقیہ" جن کا ذکر سورہ "حم السجدۃ" کے آخر پر "سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ" کے حاشیہ میں کیا گیا ہے۔ ان آیات کے ظاہر ہونے پر سب کھرے اور کھوٹے دلوں کا حال علانیہ واضح ہو جائے گا (تنبیہ) آیت ہذا کی تفسیر میں بہت اقوال ہیں بندہ کے نزدیک بے تکلف یہ ہی مطلب ہے جو اوپر عرض کیا اس تفسیر پر "وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ" جملہ مستانفہ ہوا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اور اکثر محققین نے اسی کو اختیار کیا ہے البتہ مضارع کے معنی مترجم رحمہ اللہ نے حال کے لئے ہیں جو بالکل صحیح ہیں مگر بندہ کے خیال میں یہاں استقبال لینا زیادہ چسپاں ہے واللہ اعلم۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ "وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ" کا عطف "يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ" پر کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ "یعنی اللہ اپنے اوپر کیوں جھوٹ بولنے دے دل کو بند کر دے کہ مضمون ہی نہ آئے جس کو باندھ سکے اور چاہے تو کفر کو مٹا دے بے پیغام بھیجے مگر وہ اپنی باتوں سے دین کو ثابت کرتا ہے اس واسطے نبی پر اپنا کلام بھیجتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

باطل کو مٹانے اور حق کو ثابت کرنے کا مطلب

مطلب یہ ہے کہ اگر رسول افتراء پرداز ہوتے تو ان کے افتراء کو ملیامیٹ کر دیتا کیونکہ اللہ کا دستور ہی یہی ہے کہ وہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو وحی کے یا فیصلے کے ذریعہ سے ثابت کرتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس نے وعدہ کر رکھا ہے کہ باطل کو مٹائے گا اور حق کو قرآن یا فیصلے کے ذریعہ سے ثابت کرے گا۔ اس کے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ باطل کو مٹا دیا اور کافروں کے مقابلہ میں اپنے احکام بھیج کر اسلام کا بول بالا کر دیا۔

شیطانی خیال کا ازالہ: بغوی نے اور طبرانی نے کمزور سند سے بیان کیا

ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب آیت قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى نازل ہوئی تو کچھ لوگوں کے دلوں میں ایک شیطانی خیال پیدا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد اپنے اقرباء کے اتباع پر ہم کو اس طرح سے آمادہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت جبرئیل آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کچھ لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق اس طرح کے جھوٹے خیال پیدا ہوئے ہیں اور اللہ نے آیت اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ نازل فرمائی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لوگوں کو سنائی تو غلط خیال رکھنے والوں نے توبہ کی اور کہا یا رسول اللہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور سچے ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِىْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ

اور وہی ہے جو قبول کرتا ہے توبہ اپنے

عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ

بندوں کی اور معاف کرتا ہے برائیاں

وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَيَسْتَجِيْبُ

اور جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور دعا سنتا ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

ایمان والوں کی جو بھلے کام کرتے ہیں

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَالْكٰفِرُوْنَ

اور زیادہ دیتا ہے اُنکو اپنے فضل سے اور جو منکر ہیں

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾

اُن کے لئے سخت عذاب ہے ☆

اللہ کا معاملہ ☆یعنی نبی خدا کا پیغام پہنچاتا ہے تم جھوٹ سمجھو یا سچ اس کے بعد بندوں کا سارا معاملہ خدا سے ہے ہر ایک بندہ سے دنیا اور آخرت میں اسکے حال و استعداد کے موافق معاملہ ہوتا ہے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور باوجود سب کچھ جاننے کے کتنی برائیوں سے درگزر کرتا ہے جو ایماندار اور نیک بندے اس کی بات سنتے ہیں وہ ان کی دعائیں سنتا اور ان کی طاعات کو شرف قبول بخشتا ہے اور جس قدر اجر و ثواب کے وہ عام ضابطہ سے مستحق ہوں اپنے فضل سے اس سے کہیں زائد مرحمت فرماتا ہے رہ گئے منکر اور پکے کافر جن کو مرتے دم تک رجوع و توبہ کی توفیق میسر نہیں ہوئی ان کا انجام اگلے جملہ میں مذکور ہے۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ کی حقیقت: توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ اور اس کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے تین شرائط ہیں۔

ایک یہ کہ جس گناہ میں فی الحال مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کر دے دوسرے یہ کہ ماضی میں جو گناہ ہوا اُس پر نادم ہو اور تیسرے یہ کہ آئندہ اُسے ترک کرنے کا پختہ عزم کر لے اور کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہوا ہے تو اسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اپنے اوپر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو یا اسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں اور اس کے ورثاء موجود ہیں تو ان کو لوٹائے اگر ورثاء بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کر دے اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہے مثلاً کسی کو ناحق ستایا ہے برا بھلا کہا ہے یا اس کی غیبت کی ہے تو اسے جس طرح ممکن ہو راضی کر کے اس سے معافی حاصل کرے۔

اور یہ تو ہر قسم کی توبہ کے لئے ضروری ہے ہی کہ گناہ کا ترک کرنا اللہ کیلئے ہو اپنے کسی جسمانی ضعف یا مجبوری کی بنا پر نہ ہو۔ اور شریعت میں اصل مطلوب تو یہ ہے کہ توبہ سارے ہی گناہوں سے کی جائے لیکن اگر صرف کسی خاص گناہ سے توبہ کی گئی تو اہل سنت کے مسلک کے مطابق اس گناہ کی حد تک تو معافی ہو جائیگی۔ دوسرے گناہوں کا وبال سر پر رہے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

توبہ کے چھ معانی: بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا گذشتہ گناہوں سے توبہ کرنے کے چھ معانی ہیں۔ (۱) فرائض کے ضائع کر دینے پر پشیمانی (۲) فرائض کو دوبارہ ادا کرنا (۳) حقوق لوٹا کر دے دینا (۴) جس طرح نفس کو گناہوں میں گھلایا ہو اسی طرح نفس کو طاعت میں پگھلانا (۵) جیسے پہلے نفس کو گناہوں کی لذت چکھائی ہو اسی طرح نفس کو طاعت کی تلخی چکھانا (۶) جیسے پہلے ہنستا رہا تھا اسی طرح اب رونا۔

بغوی نے شرح السنہ میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے۔ ندامت توبہ ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔

اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے کتنا خوش ہوتا ہے

حارث بن سویدؓ کا بیان ہے میں حضرت عبداللہؓ کی عیادت کرنے گیا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا اگر کوئی شخص ہلاکت آفرین صحرا میں ہو اور اس کی اونٹنی بھی اس کے ساتھ ہو جس پھر یہ شخص اک جگہ اتر کر سو جائے اور اونٹنی

کسی طرف کو چلی جائے جب یہ شخص بیدار ہو تو اونٹنی موجود نہ ہو۔ یہ شخص اونٹنی کی تلاش میں (دور دور) گھومتا پھرے۔ یہاں تک کہ سخت پیاس لگنے لگے (مگر پانی نہ ملے) آخر وہ فیصلہ کرلے کہ اب مجھے اسی مقام پر جا کر مرجانا ہے جہاں اونٹنی تھی۔ یہ سوچ کر وہ واپس آ جائے اور (مرنے کے لئے) آنکھیں بند کرلے کچھ دیر کے بعد جو آنکھیں کھلیں تو اس کو اپنے پاس ہی اونٹنی کھانے پانی سے لدی ہوئی مل جائے ایسے آدمی کو جتنی خوشی ہوتی ہے اللہ کو اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ رواہ البغوی

اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتے ہیں:

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب (گناہ کا) اقرار کرتا ہے پھر توبہ کرلیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

یہ بھی مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب کیجانب سے سورج برآمد ہونے سے پہلے جو توبہ کرے گا اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا۔

توبہ کرنے والا: ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی تھا جس نے کبھی کوئی اچھا کام نہیں کیا تھا جب وہ مرنے لگا تو اس نے گھر والوں کو وصیت کردی کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے جلا (کر خاکستر کر) دینا پھر آدھی خاک خشکی میں اور آدھی دریا میں اڑا دینا کیونکہ خدا کی قسم اگر اللہ نے (مجھ پر) قابو پالیا تو وہ عذاب دے گا کہ کسی آدمی کو ایسا عذاب نہیں دے گا۔ غرض جب وہ مرگیا تو گھر والوں نے وہی کیا جیسا اس نے کہا تھا۔ اس کے بعد اللہ نے سمندر کو حکم دیا سمندر نے وہ خاک جمع کردی جو اس کے اندر تھی اور خشکی نے بھی حسب حکم جو راکھ اس میں تھی وہ سمیٹ کر یکجا کردی پھر اللہ نے اس سے فرمایا تو نے ایسا کیوں کیا تھا اس شخص نے عرض کیا اے میرے رب تیرے خوف سے ایسا کیا تھا تو خوب واقف ہے اللہ نے اسے بخش دیا۔

ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہیں

حضرت ابو درداءؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے ور میں نے خود سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ولمن خاف مقام ربه جنتان (جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے دو جنتیں ہوں گی) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ اس نے زنا کیا ہو خواہ اس نے چوری کی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار بھی یہی فرمایا ولمن خاف مقام ربه جنتان میں نے دوبارہ یہی عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ اس نے زنا کیا ہو خواہ اس نے چوری کی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر تیسری بار بھی ولمن خاف مقام ربه جنتان فرمایا۔ میں نے بھی تیسری بار یہی کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواہ اس نے زنا کیا ہو خواہ اس نے چوری کی ہو فرمایا ابو درداءؓ ناک مٹی میں رگڑے (تب بھی اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرنے والے کے لئے دو جنتیں ہوں گی) رواہ احمد۔

ویعلم ما تفعلون۔ اس میں خطاب مشرکوں کو ہے۔

اعلیٰ ترین دعا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک ہے اعلیٰ ترین دعا الحمد للہ ہے۔ اخرجہ الترمذی۔ والنسائی وابن ماجۃ۔ وابن حبان من حدیث جابر۔

دعا قبول نہ ہونے کی وجہ: روایت میں آیا ہے کہ ابراہیم بن ادہم سے کسی نے پوچھا کیا وجہ کہ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں مگر ہماری دعا قبول نہیں ہوتی۔ ابراہیم نے جواب دیا اس لئے قبول نہیں ہوتی کہ اللہ نے تم کو (طاعت کی) دعوت دی اور تم نے اس کی دعوت قبول نہیں کی۔

ویزیدھم۔ یعنی ان کی دعا یا استحقاق سے زائد دیتا ہے۔ ابو صالح کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے۔ یعنی ان کے بھائیوں (دوستوں) کے لئے ان کی سفارش قبول فرمائے گا اور زیادہ دینے کا مطلب ہے کہ ان کے بھائیوں کے دوستوں کے حق میں بھی ان کی شفاعت قبول کرے گا۔

لھم عذاب شدید۔ یعنی مومنوں کو جتنا ثواب ملے گا کافروں کو اس کے مقابلہ میں اتنا ہی سخت عذاب ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا
اور اگر پھیلا دے اللہ روزی اپنے بندوں کو تو دھوم
فِي الْاَرْضِ وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ
اُٹھا دیں ملک میں ولیکن اُتارتا ہے ماپ کر جتنی
مَّا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ
چاہتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے دیکھتا ہے ☆☆

حکمت کا تقاضا ☆ خدا کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں اگر چاہے تو اپنے تمام بندوں کو غنی اور تونگر بنا دے لیکن اسکی حکمت مقتضی نہیں کہ سب کو بے اندازہ روزی دے کر خوش عیش رکھا جائے ایسا کیا جاتا تو عموماً لوگ طغیان وتمرد اختیار کرکے دنیا میں اودھم مچا دیتے نہ خدا کے سامنے جھکتے نہ اس کی مخلوق کو خاطر میں لاتے جو سامان دیا جاتا کوئی اس پر قناعت نہ کرتا حرص اور زیادہ بڑھ جاتی

جیسا کہ ہم بحالت موجودہ بھی عموماً مرفہ الحال لوگوں میں مشاہدہ کرتے ہیں جتنا آ جائے اس سے زیادہ کے طالب رہتے ہیں کوشش اور تمنا یہ ہوتی ہے کہ سب کے گھر خالی کر کے اپنا گھر بھر لیں ظاہر ہے کہ ان جذبات کے ماتحت عام غنا اور خوشحالی کی صورت میں کیسا عام اور زبردست تصادم ہوتا اور کسی کو کسی سے دبنے کی کوئی وجہ نہ رہتی ہاں دنیا کے عام مذاق و رجحان کے خلاف فرض کیجئے کسی وقت غیر معمولی طور پر کسی مصلح اعظم اور مامور من اللہ کی نگرانی میں عام خوشحالی اور فارغ البالی کے باوجود باہمی آویزش اور طغیان و سرکشی کی نوبت نہ آئے اور زمانہ کے انقلاب عظیم سے دنیا کے طبائع ہی میں انقلاب پیدا کر دیا جائے وہ اس عادی اور اکثری قاعدہ سے مستثنیٰ ہوگا بہرحال دنیا کا بحالت موجودہ جس نظام پر چلنا ہے اس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ غناء عام نہ کیا جائے بلکہ ہر ایک کو اس کی استعداد اور احوال کی رعایت سے جتنا مناسب ہو جانچ تول کر دیا جائے اور یہ خدا ہی کو خبر ہے کہ کس کے حق میں کیا صورت اصلح ہے کیونکہ سب اگلے اور پچھلے حالات اسی کے سامنے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا شان نزول: امام بغویؒ نے حضرت خباب بن ارتؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع کے مال و دولت کو دیکھا تو ہمارے دلوں میں بھی مالداری کی تمنا پیدا ہوئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور حضرت عمرو بن حریثؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب صفہ میں سے بعض حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں مالدار بنادے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی وغیرہ)۔

حکیمانہ نظام: مقصد یہ ہے کہ گو نظام عالم کی مصلحت سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو مال و دولت میں وسعت عطا نہیں کی، بلکہ ایک حکیمانہ انداز سے رزق کی تقسیم فرمائی ہے، لیکن کائنات کی جو نعمتیں عمومی فائدے کی ہیں، ان سے ہر شخص کو بہرہ اندوز کیا ہے، بارش، بادل، زمین، آسمان اور ان کی مخلوقات سب انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کی گئی ہیں اور یہ سب چیزیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔

تکلیفیں گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں

اس کے بعد کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کے اپنے اعمال کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ لہٰذا اُسے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے کے بجائے اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہئے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ کا یہی مطلب ہے۔ حضرت حسنؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ جس شخص کو کسی لکڑی سے کوئی خراش لگتی ہے، یا کوئی رگ دھڑکتی ہے یا قدم کو لغزش ہوتی ہے۔ یہ سب اس کے گناہوں کے سبب سے ہوتا ہے اور ہر گناہ کی سزا اللہ تعالیٰ نہیں دیتے بلکہ جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیتے ہیں وہ ان سے بہت زیادہ ہیں، جن پر کوئی سزا دی جاتی ہے۔

عارفانہ نکتہ: حضرت اشرف المشائخ نے فرمایا کہ جس طرح جسمانی اذیتیں اور تکلیفیں گناہوں کے سبب آتی ہیں اسی طرح باطنی امراض بھی کسی گناہ کا نتیجہ ہوتے ہیں، آدمی سے کوئی ایک گناہ سرزد ہو گیا تو وہ سبب بن جاتا ہے دوسرے گناہوں میں مبتلا ہونے کا، جیسا کہ حافظ ابن قیم نے الدواء الشافی میں لکھا ہے کہ گناہ کی ایک نقد سزا یہ ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ دوسرے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، اسی طرح نیکی کی ایک نقد جزاء یہ ہے کہ ایک نیکی دوسری نیکی کو کھینچ لاتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی بندے کے گناہ زائد ہو جائیں اور اس کے پاس کوئی چیز ان گناہوں کے کفارہ کے واسطے نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی غم اور فکر میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ بحوالہ تفسیر ابن کثیر ج ۴۔

تقسیم رزق میں حکمت الٰہی معیار ہے

حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کے واسطے تقسیم الرزق میں معیار اپنی حکمت و مشیت کو بیان فرمایا۔ کہ وہ اپنی حکمت سے جس کو جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے، جس میں یہ صورت ہوتی ہے کہ کسی کو زائد عطا فرماتا ہے اور غنی کرتا ہے تو اس کا غنا بھی حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔ اور جس پر رزق کی تنگی فرماتا ہے اس پر فقر بھی حکمت خداوندی ہی سے ہوتا ہے۔ اور یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ ایک زمانہ ایک شخص پر تنگی کا گذرتا ہے تو پھر اس کو فراخی اور غنا عطا کر دیا جاتا ہے۔ کبھی اس کا عکس ہوتا ہے اور ایک زمانہ فراخی و وسعت کا گذرا۔ پھر اس کو فقیر و تنگدست کر دیا گیا۔

حضرت آدم کی تمنا: احادیث میں ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا تو آدم علیہ السلام نے ان میں دیکھا کہ کچھ غنی ہیں اور کچھ فقیر تو عرض کیا۔ لولا سویت بین عبادک کہ اے پروردگار تو نے اپنے بندوں کے درمیان مساوات و برابری (رزق میں) کیوں نہ کر دی جواب دیا گیا۔ اَحْبَبْتُ اَنْ اُشْكَرَ یعنی میں نے یہ چاہا کہ میرا شکر ادا کیا جایا کرے۔ اور یہ بات اسی پر موقوف ہے تفاوت مراتب ہو۔

علامہ طیبی کی رائے: علامہ طیبی کی رائے یہ ہے کہ عباد سے کل بندے مراد نہیں بلکہ اللہ کے وہ خاص بندے ہیں جن کو اللہ نے اپنی ولایت و قرب کی کرامت سے نوازا تھا کہ اللہ نے ان پر رزق کو نہیں پھیلایا اگر ان پر رزق

پھیلا دیا جاتا تو وہ بغاوت وسرکشی کا رنگ اختیار کر لیتے اور یہ بات اللہ رب العزت کی سنت ہے کہ وہ اپنے اولیاء مقربین کو غنا وتونگری کی بجائے فقرو تنگدستی میں ڈالدیتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث کا مضمون ہے۔ اِذَا اَحَبَّ اللہُ عَبْدًا احماہُ الدُّنیا کَمَا یظلُّ اَحَدُکُمْ لَحُمِّیٰ سقیمہ المآءَ۔ کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو اس کو دنیا اور دنیا کی لذتوں سے اس طرح بچاتا ہے جس طرح کوئی شخص اپنے اس بیمار کو پانی سے بچاتا ہو جس کو پانی نقصان دیتا ہو۔ (معارف کاندھلوی)

نعمتوں کی تقسیم میں حکمت قدسی کے بارے میں مفصل حدیث

بغوی نے حضرت انسؓ بن مالک کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحوالۂ جبرئیل باری تعالیٰ کا یہ قول بیان فرمایا کہ جو میرے کسی ولی کی توہین کرتا ہے وہ مجھ سے جنگ کرنے کے لئے میرا مقابلہ کرتا ہے۔ میں اپنے اولیاء کی حمایت کے لئے ایسا غضبناک ہوں جیسا غضبناک شیر غصب میں آجاتا ہے۔ میرا مومن بندہ میرا مقرب (اور کسی طریقہ سے) اتنا نہیں ہوتا جتنا میرا مقرر کردہ فریضہ ادا کرنے سے ہوتا ہے اور نوافل کے ذریعہ سے میرا مومن بندہ برابر میرا مقرب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو پھر میں اس کے کان اور آنکھیں اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور اس کا مددگار بن جاتا ہوں اگر وہ مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں اور مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں جس کام کو میں کرنے والا ہوتا ہوں اس کے کرنے میں مجھے ایسا تردد نہیں ہوتا جتنا اپنے مومن بندہ کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے اگر وہ مرنے کو ناگوار جانتا ہو تو مجھے اس کو دکھ دینا پسند نہیں ہوتا مگر مرنے کے بغیر اس کے لئے کوئی چارہ نہیں ہوتا (اس لئے قبض روح کی تکلیف اس کو دیتا ہوں) میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں جو مجھ سے باب عبادت (کھولنے) کی درخواست کرتے ہیں لیکن میں ان کو اس سے روک دیتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے اندر غرور پیدا ہو جائے اور اس سے ان کی حالت بگڑ جائے میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں جن کے ایمان کو صرف مال ہی درست رکھ سکتا ہے اگر میں ان کو محتاج بنادوں تو ان کا ایمان بگڑ جائے اور کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ افلاس ہی ان کے ایمان کو درست رکھ سکتا ہے اگر میں ان کو غنی کردوں تو مال ان کے ایمان کو خراب کردے۔ میرے کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ ان کے ایمان کو صرف جسمانی تندرستی ہی صحیح رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو بیمار کردوں تو بیماری ان کے ایمان کو بگاڑ دے اور کچھ مومن بندے ایسے ہیں کہ بیماری ہی ان کے ایمان کو صحیح رکھ سکتی ہے اگر میں ان کو تندرست کردوں تو صحت ان کے ایمان کو خراب کردے میں اپنے بندوں کے کاموں کا اپنے علم کے مطابق انتظام کرتا ہوں مجھے ان کے دلوں کی حالت معلوم ہے میں بخوبی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ
اور وہی ہے جو اُتارتا ہے مینہ بعد اس کے کہ
مَا قَنَطُوْا وَیَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَهُوَ الْوَلِیُّ
آس توڑ چکے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت اور وہی ہے کام بنانے والا
الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾
سب تعریفوں کے لائق ☆

باران رحمت ☆یعنی بہت مرتبہ ظاہری اسباب وحالات پر نظر کر کے جب لوگ بارش سے مایوس ہو جاتے ہیں اس وقت حق تعالیٰ باران رحمت نازل فرماتا اور اپنی مہربانی کے آثار وبرکات چاروں طرف پھیلا دیتا ہے تا بندوں پر ثابت ہو جائے کہ رزق کی طرح اسباب رزق بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں جیسے وہ روزی ایک خاص اندازہ سے عطا کرتا ہے بارش بھی خاص اوقات اور خاص مقدار میں مرحمت فرماتا ہے بات یہ ہے کہ سب کام اسی کے اختیار میں ہیں اور جو کچھ وہ کرے عین حکمت وصواب ہے کیونکہ تمام خوبیاں اور کمالات اس کی ذات میں جمع ہیں اور ہر قسم کی کارسازی اور اعانت و امداد وہیں سے ہو سکتی ہے۔ (تنبیہ) اللہ کی رحمت وقدرت کی طرف سے مایوس ہو جانا کافروں کا شیوہ ہے لیکن ایک مومن کی نظر میں اسباب کا سلسلہ یاس انگیز ہو سکتا ہے جیسے فرمایا "فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا" (یوسف رکوع ۱۰) اور "حَتّٰۤى اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ" (یوسف رکوع ۱۲) (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ
اور ایک اُس کی نشانی ہے بنانا آسمانوں کا
وَالْاَرْضِ
اور زمین کا ☆

مخلوق، خالق کے کمال کی دلیل ہے ☆یعنی جس طرح رزق پہنچانا اور اس کے اسباب (بارش وغیرہ کا) مہیا کرنا اسکے قبضہ میں ہے ان اسباب کے اسباب سماویہ وارضیہ اور ان کے آثار ونتائج بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهٖ۔ اور اللہ کے وجود وحدانیت قدرت اور صفات کاملہ کی نشانیوں میں سے آسمان وزمین کو پیدا کرنا بھی ہے آسمان وزمین کی ذات

کیفیات اور حالات اللہ کے وجود پر اور خالق و صانع اور قادر و دانا ہونے پر دلالت کر رہی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ

اور جس قدر بکھیرے ہیں اُن میں جانور ☆

☆ آیت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی طرح آسمانوں پر بھی جانوروں کی قسم سے کوئی مخلوق پائی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دَابّہ کا معنی: لفظ دابہ تمام جانداروں کو شامل ہوگا ملائکہ ہو یا جن و انس یا جانور یا دابہ سے مراد ہیں زمین پر چلنے والے جانور اس صورت میں فِيهِمَا کی ضمیر تثنیہ اگرچہ آسمان و زمین کی طرف راجع ہے لیکن مراد زمین ہے کیونکہ زمین میں جو چیز موجود ہوگی وہ زمین و آسمان کے مجموعہ میں ضرور موجود ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اور وہ جب چاہے اُن سب کو اکٹھا کر سکتا ہے ☆

☆ یعنی جس نے بکھیرے وہ ہی سب کو اکٹھا کر سکتا ہے اور یہ قیامت کے دن ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا

اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ

كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾

بدلہ ہے اُس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ ☆

مصائب کی علت ☆ یعنی جیسی نعمتیں ایک خاص اندازہ اور خاص اوقات و احوال کی رعایت سے دی جاتی ہیں مصائب کا نزول بھی خاص اسباب اور ضوابط کے ماتحت ہوتا ہے مثلاً بندوں کو جو کوئی سختی اور مصیبت پیش آئے اس کا سبب قریب یا بعید بندوں ہی کے بعض اعمال و افعال ہوتے ہیں ٹھیک اسی طرح جیسے ایک آدمی غذا وغیرہ میں احتیاط نہ کرنے سے خود بیمار پڑ جاتا بلکہ بعض اوقات ہلاک ہو جاتا ہے یا بعض اوقات والدہ کی بد پرہیزی بچہ کو مبتلائے مصیبت کر دیتی ہے یا کبھی کبھی ایک محلہ والے یا شہر والے کی بے تدبیری اور حماقت سے پورے محلے اور شہر کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے یہ ہی حال روحانی اور باطنی بد پرہیزی اور بے تدبیری کا سمجھو۔ گویا دنیا کی ہر مصیبت بندوں کے بعض اعمال ماضیہ کا نتیجہ ہے اور مستقبل میں ان کے لئے تنبیہ اور امتحان کا موقع بہم پہنچتی ہے اور اس پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بندوں کے بہت گناہوں سے درگزر کرتی ہے اگر ہر ایک جرم پر گرفت ہوتی تو زمین پر کوئی متنفس بھی باقی نہ رہتا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ خطاب عاقل بالغ لوگوں کو ہے گنہگار ہوں یا نیک مگر نبی اس میں داخل نہیں اور چھوٹے بچے بھی شامل نہیں۔ ان کے واسطے اور کچھ ہوگا اور سختی دنیا کی بھی آگئی۔ اور قبر کی اور آخرت کی"۔ (تفسیر عثمانی)

بہت بڑھیا آیت: بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کیا میں تم کو کتاب اللہ کی بہت بڑھیا آیت بتاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمائی تھی وہ آیت ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ میں اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ یعنی کوئی بیماری یا عذاب یا کوئی دنیوی بلاء۔ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (دنیا میں پاداش عمل کے بعد) اللہ آخرت میں دوہری سزا نہیں دے گا اس کی شان اس سے برتر ہے۔ اور جس جرم سے دنیا میں درگزر فرما دی تو معافی کے بعد پھر لوٹ کر اس کی آخرت میں سزا نہیں دے گا وہ احکم الحاکمین ہے۔ رواہ احمد وغیرہ۔

آیت کے مخاطب: بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں خطاب مجرموں کو ہے اور مجرموں ہی کے لئے آیت کا حکم خاص ہے کیونکہ جو گنہگار نہ ہوں ان پر مصیبت دوسری وجوہ سے آتی ہے مثلاً یہ مقصد ہوتا ہے کہ مومن صبر کرے تاکہ اجر عظیم کا مستحق ہو جائے۔

تکلیف آنے کی حکمت:

بغوی نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے بندہ کے جو ذرا سی کھرونچ لگ جاتی ہے وہ یا تو اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اللہ اس کے بغیر اس کا گناہ معاف کرنے والا نہیں ہوتا یا کسی مرتبہ پر پہنچانے کے لئے ہوتی ہے کہ بغیر اس دکھ کے اللہ اس مرتبہ پر اس کو پہنچانے والا نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ

اور تم تھکا دینے والے نہیں بھاگ کر زمین میں

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ

اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوائے کام بنانے وال

وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

اور نہ مددگار ☆

☆ یعنی محض اپنی مہربانی سے معاف کرتا ہے ورنہ جس جرم پر سزا دینا چاہے مجرم بھاگ کر کہیں روپوش نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے سوا کوئی دوسرا حمایت و

مداد کے لیے کھڑا ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ

اور ایک اُس کی نشانی ہے کہ جہاز چلتے ہیں

كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾

دریا میں جیسے پہاڑ ☆

☆یعنی جیسے زمین کی سطح پر پہاڑ ابھرے ہوئے ہیں سمندر کی سطح پر بڑے بڑے جہاز ابھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ یَّشَاْ یُسْكِنِ الرِّیْحَ فَیَظْلَلْنَ

اگر چاہے تھام دے ہوا کو پھر رہیں

رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ

سارے دن ٹھہرے ہوئے اُس کی پیٹھ پر ☆

ہوا بھی اللہ کے تابع ہے ☆یعنی ہوا بھی اللہ کے قبضہ میں ہے اگر ہوا کو ٹھہرا رکھے چلنے نہ دے تو تمام بادبانی جہاز دریا کی پیٹھ پر جہاں کے تہاں کھڑے رہ جائیں غرض پانی اور ہوا سب اسی کے زیر فرمان ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ

بیشک مقرر اس بات میں پتے ہیں ہر قائم رہنے والے کو

شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾

جو احسان مانے ☆

☆دریائی سفر میں موافق اور ناموافق دونوں قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا ہے اس لئے بہت ضرورت ہے کہ انسان موافق حالات پر شکر اور ناموافق حالات پر صبر کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور نعمت کو پہچانے۔ (تفسیر عثمانی)

اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَیَعْفُ

یا تباہ کر دے اُنکو بسبب اُن کی کمائی کے اور معاف بھی

عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۴﴾

کرے بہتوں کو ☆

☆یعنی چاہے تو مسافروں کے بعض اعمال کی پاداش میں جہازوں کو تباہ کر ڈالے اور اس تباہی کے وقت بھی بعض کو معاف فرما دے۔ (تفسیر عثمانی)

وَّیَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْ اٰیٰتِنَا

اور تا جان لیں وہ لوگ جو جھگڑتے ہیں ہماری قدرتوں

مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾

میں کہ نہیں اُن کے لیے بھاگنے کی جگہ ☆

☆یعنی تباہ اس لئے کیے جائیں کہ ان کے بعض اعمال کا بدلہ ہو اور بڑے بڑے جھگڑالو بھی دیکھ لیں کہ اب خدائی گرفت سے نکل بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جو لوگ ہر چیز اپنی تدبیر سے سمجھتے ہیں اس وقت عاجز رہ جائیں گے" کوئی تدبیر بن نہ پڑے گی۔ (تفسیر عثمانی)

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جو لوگ قرآن کی تکذیب کرتے اور آیات خداوندی سے سبق اندوز نہیں ہوتے قیامت کے دن جب اللہ کے سامنے جائیں تو ان کو معلوم ہو جائے کہ عذاب سے بھاگنے کا اب کوئی راستہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ

سو جو کچھ ملا ہے تم کو کوئی چیز ہو سو وہ برت لینا ہے دنیا کی

الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّاَبْقٰى

زندگانی میں اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے بہتر ہے اور باقی رہنے والا

لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾

واسطے ایمان والوں کے جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں ☆

دنیا کے سامان سے دھوکہ میں نہ پڑو

☆یعنی یہ تمام باتیں سننے کے بعد انسان کو چاہئے کہ اللہ کو راضی رکھنے کی فکر کرے اس چندروزہ زندگانی اور عیش فانی پر مغرور نہ ہو اور خوب سمجھ لے کہ ایمانداروں کو جو عیش و آرام اللہ کے ہاں ملے گا وہ اس دنیا کے عیش و آرام سے بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی نہ اس میں کسی طرح کی کدورت ہو گی نہ فنا و زوال کا کھٹکا ہو گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَآ اُوْتِیْتُمْ۔ یعنی دنیا میں جو کچھ تم کو دیا گیا ہے۔

فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ۔ سو وہ دنیوی زندگی میں برتنے کا سامان ہے اس

زندگی میں اس سے فائدہ اندوز ہو سکتے ہو لیکن دنیوی زندگی فنا پذیر ہے یہ سامان آخرت کے لئے توشہ نہیں ہے اسلئے بقدر ضرورت اس میں سے لے لو جو چیز آخرت سے غافل بنائے اس کو چھوڑ دو۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ۔ یعنی آخرت میں جو ثواب اللہ کے پاس ہے۔

خَیْرٌ۔ بہتر ہے مقدار کیفیت فائدہ ہر لحاظ سے بہتر ہے وہ سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا شان نزول: لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ حضرت علیؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا کچھ لوگوں نے اس فعل پر آپ کو ملامت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ
اور جو لوگ کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے
وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ
اور بے حیائی سے اور جب غصہ آوے تو وہ
یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾
معاف کر دیتے ہیں ☆

☆اس کا بیان سورہ نساء کی آیت "اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ" کے فوائد میں گزر چکا۔ وہاں ملاحظہ کر لیا جائے شاید یہاں "کبائر الاثم" سے وہ بڑے گناہ مراد ہوں جو قوت نظریہ کی غلط کاری سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً عقائد بدعیہ اور "فواحش" وہ گناہ جن میں قوت شہوانیہ کی بے اعتدالی کو دخل ہو آگے "وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ" میں تو ظاہر ہے کہ قوت غضبیہ کی روک تھام کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ: یہ حسن اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ کیونکہ کسی کی محبت یا کسی پر غصہ یہ دونوں چیزیں جب غالب آتی ہیں تو اچھے بھلے عاقل فاضل آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہیں۔ وہ جائز ناجائز، حق و باطل اور اپنے کئے کے نتائج پر غور کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھتا ہے۔ جس پر غصہ آتا ہے اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ مقدور بھر اس پر غصہ اتارا جائے۔ مومنین وصالحین کی اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے کہ غصے کے وقت حق و ناحق کی حدود پر قائم رہیں بلکہ اپنا حق ہوتے ہوئے بھی معاف کر دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا
اور جنہوں نے کہ حکم مانا اپنے رب کا اور قائم کیا

الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ
نماز کو اور کام کرتے ہیں مشورہ سے آپ کے ☆

مشورہ☆مشورہ سے کام کرنا اللہ کو پسند ہے دین کا ہو یا دنیا کا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہمات امور میں برابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ فرماتے تھے۔ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان آپس میں مشورہ کرتے تھے حروب وغیرہ کے متعلق بھی اور بعض مسائل و احکام کی نسبت بھی۔ بلکہ خلافت راشدہ کی بنیاد ہی شوریٰ پر قائم تھی یہ ظاہر ہے کہ مشورہ کی ضرورت ان کاموں میں ہے جو مہتم بالشان ہوں اور جو قرآن و سنت میں منصوص نہ ہوں جو چیز منصوص ہو اس میں رائے و مشورہ کے کوئی معنی نہیں اور ہر چھوٹے بڑے کام میں اگر مشورہ ہوا کرے تو کوئی کام نہ ہو سکے احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ ایسے شخص سے لیا جائے جو عاقل و عابد ہو۔ ورنہ اسکی بے وقوفی یا بددیانتی سے کام خراب ہو جانے کا اندیشہ رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

استجابت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ملے اسکو فوراً بے چون و چرا اور بے تامل قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو جائے وہ اپنی طبیعت کے مطابق ہو یا مخالف، ہر حال میں اس کی تعمیل کرے۔ اس میں اسلام کے تمام فرائض کی ادائیگی اور تمام محرمات و مکروہات سے بچنے کی پابندی شامل ہے مگر فرائض میں چونکہ نماز سب سے اہم فرض ہے۔ اور اس میں یہ خاصہ بھی ہے کہ اس پر عمل کرنے سے دوسرے فرائض کی پابندی اور ممنوع چیزوں سے بچنے کی توفیق بھی ہو جاتی ہے اس لئے اس کو ممتاز کر کے فرما دیا "وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ" یعنی یہ لوگ نماز کو اس کے تمام واجبات اور آداب کے ساتھ صحیح صحیح ادا کرتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مومن کا مشورہ اور مشورہ کا ادب:

یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی مومن دوسرے مومن سے کسی معاملہ میں مشورہ کرتا ہے تو وہ وہی مشورہ دیتا ہے جس سے مشورہ لینے والے کو دونوں جہان میں بہبودی حاصل ہو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار (یعنی خیر خواہ) ہو (خیانت کار یعنی بدخواہ نہ ہو) رواہ مسلم عن ابی ہریرہؓ والترمذی عن ام سلمہؓ وابن ماجہ عن ابن مسعودؓ۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہو وہی مشورہ دے جو اپنے لئے اختیار کرنے والا ہو یعنی جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہو ویسا ہی مشورہ وہ مشورہ طلب کرنے والے کو دے۔ (تفسیر مظہری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جہاد وغیرہ کے موقعہ پر لوگوں سے مشورہ کر لیا کرتے تا کہ ان کے جی خوش ہو جائیں اور اسی بنا پر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کہ آپ کو زخمی کر دیا گیا اور وفات کا وقت آ گیا چھ آدمی مقرر کر دیئے کہ یہ اپنے مشورے سے کسی کو میرا جانشین مقرر کریں۔ ان چھ بزرگوں کے نام یہ ہیں۔ عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ پس سب نے باتفاق رائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا امیر مقرر کیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ ۔ خصوصیت کے ساتھ صدیق اکبرؓ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں وہ سب سے مقدم اور سب کے پیشوا ثابت ہوئے۔ اجابت حق تسلیم و انقیاد اور اقامت صلوٰۃ آپ کا معروف اور نمایاں وصف تھا اور اقامت صلوٰۃ کا یہ نمایاں وصف اس امر کا باعث بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں انہی کو اپنی جگہ امامت کے لئے مامور فرمایا۔ اگرچہ حضرت عائشہؓ بار بار اس کو ٹلاتی رہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار یہی فرماتے مُرُوْا اَبَابَكْرٍ لِيُصَلِّ بِالنَّاسِ یعنی کہو ابوبکرؓ کو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

اور لفظ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپؓ معروف وصف شوریٰ تھا آپؓ اپنے زمانہ خلافت میں کوئی امر بدون فقہاء صحابہؓ کے مشورہ کے نافذ نہیں کیا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ملت اسلامیہ کا عظیم ترین سرمایہ وہ ذخیرہ اجماعیات یعنی وہ امور ہیں جن پر فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اجماع ہو چکا تھا وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اجماعیات اللہ کے نزدیک صحیح اور پسندیدہ بلکہ قابل مدح و تحسین ہیں اور یہ ایسا وصف ہے جس کو حق تعالیٰ نے بطور مدح ذکر فرمایا۔ (معارف کاندھلوی)

اسلام حقیقی جمہوریت کا بانی ہے:

ابن کثیر نے فرمایا کہ مہمات مملکت میں مشورہ لینا واجب ہے۔ اسلام میں امیر کا انتخاب بھی مشورہ پر موقوف کر کے زمانہ جاہلیت کی شخصی بادشاہتوں کو ختم کیا ہے۔ جنہیں ریاست بطور وراثت کے ملتی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے اس کو ختم کر کے حقیقی جمہوریت کی بنیاد ڈالی مگر مغربی جمہوریت کی طرح عوام کو ہر طرح کے اختیارات نہیں رہتے اہل شوریٰ پر کچھ پابندیاں عائد فرمائی ہیں۔ اس طرح اسلام کا نظام حکومت شخصی بادشاہت اور مغربی جمہوریت دونوں سے الگ ایک نہایت معتدل دستور ہے اس کی تفصیل معارف القرآن جلد دوم ص ٢١٥ سے ص ٢٢٢ تک میں وہ جس طرح چاہیں کریں۔ اس وقت تمہارے لئے زمین کی پیٹھ کی بجائے زمین کا پیٹ بہتر ہوگا یعنی زندگی سے موت بہتر ہوگی۔ (روح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٨﴾

اور ہمارا دیا کچھ خرچ کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ

اور وہ لوگ کہ جب اُن پر ہووے

الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾

چڑھائی تو وہ بدلہ لیتے ہیں ☆

مومن کی شان ☆یعنی جہاں معاف کرنا مناسب ہو معاف کرے مثلاً ایک شخص کی حرکت پر غصہ آیا اور اس نے ندامت کے ساتھ اپنے عجز و قصور کا اعتراف کر لیا انہوں نے معاف کر دیا یہ محمود ہے اور جہاں بدلہ لینا مصلحت ہو مثلاً کوئی شخص خواہ مخواہ چڑھتا ہی چلا آئے اور ظلم و زور سے دبانے کی کوشش کرے یا جواب نہ دینے سے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے یا ہماری شخصی حیثیت سے قطع نظر کر کے دین کی اہانت یا جماعت مسلمین کی تذلیل ہوتی ہے، ایسی حالت میں بدلہ لیتے ہیں وہ بھی بقدر اس کی زیادتی کے جرم سے زائد سزا نہیں دیتے۔ (تفسیر عثمانی)

عفو و انتقام میں معتدل فیصلہ: حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ سلف صالحین یہ پسند نہ کرتے تھے کہ مؤمنین اپنے آپ کو فساق فجار کے سامنے ذلیل کریں اور ان کی جرأت بڑھ جائے۔ اس لئے جہاں یہ خطرہ ہو کہ معاف کرنے سے فساق فجار کی جراءت بڑھے گی وہ اور نیک لوگوں کو ستائیں گے وہاں انتقام لے لینا بہتر ہوگا اور معافی کا افضل ہونا اس صورت میں ہے جبکہ ظلم کرنے والا اپنے فعل پر نادم ہو اور ظلم پر اس کی جرأت بڑھ جانے کا خطرہ نہ ہو۔ قاضی ابوبکر ابن عربی نے احکام القرآن میں اور قرطبی نے اپنی تفسیر میں اسی کو اختیار کیا ہے کہ عفو و انتقام کے دونوں حکم مختلف حالات کے اعتبار سے ہیں۔ جو ظلم کرنے کے بعد شرمندہ ہو جائے اس سے عفو، افضل ہے اور جو اپنی ضد اور ظلم پر اقرار کر رہا ہو اس سے انتقام لینا افضل ہے۔

اور حضرت اشرف المشائخ نے بیان القرآن میں اس کو اختیار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں مؤمنین مخلصین اور صالحین کی دو خصوصیتیں ذکر فرمائی ہیں۔ هُمْ يَغْفِرُوْنَ ۔ میں تو یہ بتلایا کہ یہ غصہ میں مغلوب نہیں ہوتے۔ بلکہ رحم و کرم ان کے مزاج میں غالب رہتا ہے معاف کر دیتے ہیں۔ اور هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ میں یہ بتلایا کہ یہ بھی انہیں صالحین کی خصوصیت ہے کہ اگر کبھی ظلم کا بدلہ لینے کا داعیہ ان کے دل میں پیدا بھی ہو اور بدلہ لینے لگیں تو اس میں حق سے تجاوز نہیں کرتے۔ اگرچہ معاف کر دینا

اُن کے لئے افضل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

ومما رزقنھم ینفقون میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ ہے یہی ان کا امتیازی وصف تھا اور اسی انفاق فی سبیل اللہ کے باعث بشارت عظیم سے فائز ہوئے۔

اور والذین اذا اصابھم البغی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ پر منطبق ہے۔ کیونکہ آپؓ اپنے عہد خلافت میں باغیوں سے بغاوت پر جہاد و قتال کیا۔ (معارف کاندھلوی)

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ
اور بُرائی کا بدلہ ہے بُرائی ویسی ہی ☆

بدلہ ☆: بدلہ کے طور پر جو برائی کی جائے وہ حقیقۃً نہیں محض صورۃ برائی ہوتی ہے "سیئہ" کا اطلاق اس پر مشاکلۃً کیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کی وضاحت: سفیان بن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے سفیان ثوری سے کہا آیت وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کا کیا مطلب ہے کہ اگر کوئی تم کو گالی دے تو تم بھی اس کو گالی دو یہ جو عمل کوئی تمہارے ساتھ کرے تم بھی ویسا ہی عمل اس کے ساتھ کرو ثوری نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا میں نے ہشام بن حجیرہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو انہوں نے کہا (مراد یہ ہے کہ) اگر زخمی کرنے والا زخمی کر دے تو اس سے بدلہ لیا جائے یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر وہ تم کو گالی دے تو تم بھی اس کو گالی دو ہشام کے اس قول کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ دو شخص جو باہم گالی گلوچ کرتے ہیں دو شیطان ہیں جو بیہودہ جھوٹی بکواس کرتے اور جھوٹ کہتے ہیں۔ رواہ احمد و البخاری بسند صحیح عن عیاض بن حمار۔

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بکثرت لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ (گزشتہ امتوں پر) شہادت دینے والے ہوں گے نہ (کسی کی) سفارش کرنے والے (یعنی نہ ان کی شہادت قابل ہوگی نہ شفاعت) رواہ مسلم وابوداؤد عن ابی الدرداء۔

گالی گلوچ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باہم گالی گلوچ کرنے والوں کے متعلق فرمایا (اس سے دونوں کی برائی برابر ظاہر کرنا مقصود نہیں ہے) دونوں میں جو ابتدا کرنے والا ہے وہ بڑا مجرم ہے البتہ مظلوم اگر اس (برابری کی حدود سے) تجاوز کر جائے تو وہ بھی ویسا ہی ہو جائے گا۔ رواہ احمد و مسلم وابوداؤد عن ابی ہریرۃ۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ ابتدا کرنے والا بڑا مجرم ہے اور جواب دینے والے کو (برابر کا) جواب دینے کی ایک طرح کی اجازت ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى
پھر جو کوئی معاف کرے اور صلح کرے سو اس کا ثواب ہے

اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝
اللہ کے ذمہ بیشک اس کو پسند نہیں آتے گنہگار ☆

معاف کرنا ☆: یعنی ظلم اور زیادتی تو اللہ کے ہاں کسی حالت میں پسند نہیں بہترین خصلت یہ ہے کہ آدمی جتنا بدلہ لے سکتا ہے اس سے بھی درگزر کرے بشرطیکہ درگزر کرنے میں بات سنورتی ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں ہے درگزر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت اور بڑھا دیتا ہے لیکن جو بدلے میں اصل جرم سے بڑھ جائے وہ خدا کا دشمن ہے۔ پھر برائی کی ابتدا اسی کی طرف سے سمجھی جائے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

معاف کرنے کی فضیلت: بغوی نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی ندا دے گا جس کا کوئی ثواب اللہ کے ذمہ ہو تو وہ کھڑا ہو جائے اس ندا کو سن کر صرف وہی شخص کھڑا ہوگا جس نے (اپنے حق تلفی کرنے والے سے) درگزر کی ہوگی یہ بیان کر کے حسن نے یہی آیت پڑھی۔

انہ لا یحب الظالمین یعنی اللہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو ظلم کی ابتدا کرتے ہیں یا انتقام لینے میں برابری کی حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی ظلم کرنے کی ابتدا کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
اور جو کوئی بدلہ لے اپنی مظلوم ہونے کے بعد سو اُن
مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝
پر بھی نہیں کچھ الزام ☆

☆: یعنی مظلوم ظالم سے بدلہ لینا چاہے تو اسمیں الزام اور گناہ کچھ نہیں ہاں معاف کر دینا افضل واحسن ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک شخص نے آپ کے سامنے حضرت ابوبکرؓ کو گالی دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچنبھے میں آ گئے اور مسکرانے لگے جب اس شخص نے حضرت ابوبکرؓ کو زیادہ برا بھلا کہا تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی اس کی بعض باتیں لوٹا دیں یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آ گیا اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے پیچھے سے حضرت ابوبکر بھی جا پہنچے اور عرض کیا یا رسول اللہ جب تک وہ مجھے گالیاں دیتا رہا آپ بیٹھے رہے جب میں نے اس کی بعض گالیاں لوٹا دیں تو آپ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے (اس کی کیا وجہ ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھ (یعنی تمہاری حمایت کے لئے) ایک فرشتہ تھا وہ تمہاری طرف

سے جواب دے رہا تھا جب تم نے اس کی بعض باتیں لوٹا دیں (یعنی جو اس نے تم کو کہا وہی تم نے اس کو کہا) تو شیطان آپڑا اور میں شیطان کے پاس بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ پھر فرمایا ابوبکرؓ تین باتیں ہیں اور تینوں سچی ہیں۔ نمبرا۔ کسی بندہ پر کوئی کسی طرح کا ظلم کرے وہ محض اللہ کے واسطے اس کو معاف کر دے تو اللہ اس کو عزت فرماتا ہے اور اپنی نصرت عطا کرتا ہے۔ نمبر۲۔ اور جو شخص خیرات کا دروازہ کھول دے اور اس سے اس کا مقصد ہو امداد تو اللہ اس کے مال میں ترقی دیتا ہے۔ نمبر۳۔ اور جو شخص سوال کا دروازہ اس غرض سے کھولے کہ مانگ مانگ کر مال کو بڑھائے تو اللہ اس کی وجہ سے مال میں کمی کر دیتا ہے۔ (رواہ احمد) (تفسیر مظہری)

مَا عَلَیْھِمْ۔ یعنی انتقام لینے والوں کے خلاف کوئی راہ نہیں مطلب یہ ہے کہ نہ ان کو برا کہا جائے گا نہ ان سے مواخذہ ہوگا۔ (تفسیر معین)

اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ
الزام تو ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں
النَّاسَ
لوگوں پر☆

☆یعنی ابتداءً ظلم کرتے ہیں یا انتقام لینے میں حد استحقاق سے بڑھ جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اور اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ سے اشارہ مروانی امیوں کی جانب ہے جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند لونڈوں کے ہاتھ سے ہوگی۔ (اسعد المعین)

وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ
اور دھوم اٹھاتے ہیں ملک میں ناحق
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَلَمَنْ
ان لوگوں کے لئے ہے عذاب دردناک اور البتہ
صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ
جس نے سہا اور معاف کیا بیشک یہ کام ہمت
الْاُمُوْرِ ۝
کے ہیں☆

☆یعنی غصہ کو پی جانا اور ایذائیں برداشت کر کے ظالم کو معاف کر دینا بڑی ہمت اور حوصلہ کا کام ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس بندہ پر ظلم ہو اور وہ محض اللہ کے واسطے اس سے درگزر کرے تو ضرور ہے کہ اللہ اس کی عزت بڑھائے گا اور مدد کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

صبر کرنیوالا شخص افضل ہے:

اور جو شخص صبر کرے اور معاف کر دے (تو وہ افضل ہے) یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے یعنی جس نے ظالم کے ظلم پر صبر کیا انتقام نہیں لیا معاف کر دیا تو یہ صبر مخصوص امور میں سے ہے جو شرعاً مطلوب ہیں۔ عزم بمعنی معزوم ہے۔ اور معزوم بہا طلب ہے مطلوب۔ مراد مطلوب شرعی۔ یہ آیت دلیل فضل ہے انہ ہی ہے۔

زجاج نے کہا صابر کو صبر کا ثواب دیا جائے گا اور ثواب کی طلب ملحظ طلب ہے۔ مقاتل نے کہا یعنی ان امور میں سے ہے جن کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فضیل بن عیاض کی اپنے خادم کو نصیحت

حافظ ابن کثیر نے فضیل بن عیاض کے خادم عبد الصمد بن یزید سے نقل کیا کہ میں نے فضیل بن عیاض سے خود فرماتے ہوئے سنا کہ جب تمہارے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لیکر آئے تو تم یہ کہہ دیا کرو کہ اے میرے بھائی اس کو معاف کر دو۔ اگر وہ یہ کہے کہ میرا دل گوارہ نہیں کرتا کہ میں اس کو معاف کروں تو پھر اس سے یہ کہو کہ اگر بدلہ ہی لینا ہے تو اس طرح لو جیسے اللہ نے اس کی اجازت دی۔

اور آیت سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا سے تقدم کی اجازت دی گئی مگر عفو اور اصلاح چشم پوشی اور درگذر کو افضل اور بہتر فرمایا گیا عجب نہیں کہ اس لفظ وَاَصْلَحَ سے حضرت حسنؓ کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ انہوں نے امیر معاویہ کے ساتھ فرمائی۔ اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا۔ یعنی اِنَّ ابنی ھذا سید ویصلح اللہ بہ بین فئتین عظیمتین۔ یعنی یہ میرا فرزند سردار ہے اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ اور چونکہ لفظ واصلح مسلمانوں کے درمیان اتفاق واقع ہونے اور باہمی نزاع وتفرقہ اٹھ جانے پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس میں ایک لطیف اشارہ حضرت معاویہؓ کی امارت وحکومت کی طرف بھی ہے۔ کیونکہ واصلح کا مصدر میں ذکر کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ صلح عند اللہ صحیح اور معتبر ہوئی تو اس طرح اس مصالحت کے نص قرآنی کے اشارہ سے حق ہونا معلوم ہوا۔

اور آخر میں ولمن صبر وغفر ان ذالک لمن عزم الامور" سے ایسے ثابت قدم علماء ربانیین کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے مراد

سے حسین نے جو ظلم پر صبر کیا۔ وہ اس اندیشہ سے کہ امت انتشار و افتراق کا شکار نہ ہو جائے۔ مسلمانوں کو میر وقت کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے سے منع کیا اور باوجود کراہت کے اطاعت قبول کی۔ اور اس گروہ کے سرخیل اور امام علی بن الحسین تھے رضی اللہ عنہ وعن ابیہ واسرار (حضرات قارئین تفصیل کے لئے ازالۃ الخفاء از ص ۵۹۲ مراجعت فرمائیں)۔ (معارف کاندھلوی)

علامہ بن زیاد کی گورنر کو نصیحت:

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں مکہ میں جانے لگا تو دیکھا کہ خندق پر پل بنا ہوا ہے۔ میں ابھی وہیں تھا جو گرفتار کر لیا گیا اور امیر بصرہ مروان بن مہلب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ اس نے مجھ سے کہا ابو عبد اللہ! تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا یہی کہ اگر تم سے ہو سکے تو بنو عدی کے بھائی جیسے بن جاؤ۔ پوچھا وہ کون ہے؟ کہا علاء بن زیاد کہ اپنے ایک دوست کو ایک مرتبہ کسی صیغہ پر عامل بنایا تو انہوں نے اسے لکھا کہ حمد وصلوٰۃ کے بعد اگر تجھ سے ہو سکے تو یہ کرنا کہ تیری کمر بوجھ سے خالی رہے تیرا پیٹ حرام سے بچ جائے تیرے ہاتھ مسلمانوں کے خون و مال سے آلودہ نہ ہوں۔ تو جب یہ کرے گا تو تجھ پر کوئی گناہ کی راہ باقی نہ رہے گی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ
اور جس کو راہ نہ سجھائے اللہ تو کوئی نہیں اس کا کام
وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ
بنانے والا اُس کے سوا☆

توفیق اللہ کی طرف سے ہے ☆یعنی اللہ کی توفیق ودستگیری ہی سے آدمی کو عدل وانصاف اور صبر ومغفرت کی اعلیٰ خصلتیں حاصل ہو سکتی ہیں وہ ان بہترین اخلاق کی طرف راہ نہ دے تو کون ہے جو ہاتھ پکڑ کر اخلاقی پستی اور رسوائی کے گڑھے سے ہم کو نکال سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ
اور تو دیکھے گنہگاروں کو جس وقت دیکھیں گے عذاب
يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ﴿۴۴﴾
کہیں گے کسی طرح پھر جانے کی بھی ہو گی کوئی راہ ☆

کافروں کی حسرت ☆یعنی کوئی ایسی سبیل بھی ہے کہ ہم دنیا کی طرف پھر واپس کر دیئے جائیں اور اس مرتبہ وہاں سے خوب نیک بن کر حاضر ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ
اور تو دیکھے اُن کو کہ سامنے لائے جائیں آگ کے آنکھیں جھکائے ہوئے
الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ
ذلت سے دیکھتے ہوں گے چھپی نگاہ سے ☆

☆یعنی ایک سہمے ہوئے مجرم کی طرح خوف اور ذلت وندامت کے مارے نیچی نظر سے دیکھتے ہوں گے۔ کسی سے پوری طرح آنکھ نہیں ملا سکیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

گنہگاروں کی حالت: مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ۔ پوشیدہ چوری کی نظر سے دیکھیں گے جیسے وہ شخص جو رسیوں سے بندھا ہوا جکڑا ہوا ہو خوف زدہ ہو کر عاجزی کے ساتھ چوری کی نظر سے جلاد کو دیکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ
اور کہیں وہ لوگ جو ایماندار تھے مقرر ٹوٹے والے وہی ہیں جنہوں نے
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
گنوایا اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن ☆

☆یعنی بدبخت اپنے ساتھ اپنے متعلقین اور گھر والوں کو بھی لے ڈوبے کسی کو تباہ و برباد کئے بغیر نہ چھوڑا۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں نے ایمان نہ لا کر اپنی حوریں کھودیں

بعض اہل تفسیر کے نزدیک اہل سے مراد حوریں ہیں اگر کافر ایمان لے آتے تو ان کو وہ حوریں مل جاتیں جو جنت میں ان کے لئے مقرر کر دی گئی ہیں لیکن کفر کی وجہ سے وہ ان حوروں تک نہیں پہنچ سکے اور اس طرح خسارے میں رہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾
سنتا ہے گنہگار پڑے ہیں سدا کے عذاب میں
وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ
اور کوئی نہ ہوئے اُن کے حمایتی جو مدد کرتے اُن کی
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا
اللہ کے سوائے اور جس کو بھٹکائے اللہ اُس کے

لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿٤٤﴾

نے کہیں نہیں راہ ☆

☆یعنی نہ دنیا میں ہدایت کی نہ آخرت میں نجات کی۔ (تفسیر عثمانی)

اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ

مانو اپنے رب کا حکم اس سے پہلے کہ آئے

يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۭ مَا لَكُمْ

وہ دن جس کو پھرنا نہیں اللہ کے یہاں سے ☆

☆یعنی جیسے دنیا میں عذاب موخر ہوتا اور ٹلتا چلا جاتا ہے اس دن نہیں ٹلے گا۔ (تفسیر عثمانی)

استجیبوا لربکم۔ یعنی محمد جو اللہ کی طرف بلانے والے ہیں تم ان کی نافرمانی نہ کرو۔

لا مرد له من الله۔ یعنی اللہ جب اس روز کے آنے کا حکم دے چکے گا تو پھر اس کو وہ واپس نہیں لے گا۔ (تفسیر مظہری)

مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ﴿٤٧﴾

نہیں ملے گا تم کو بچاؤ اس دن اور نہ ملے گا [illegible] ہو جانا ☆

☆یعنی [illegible] نہ بچنے کی جگہ ہوگی اور اپنی شرارتوں سے [illegible] کا ہو چکے ہو [illegible]

یوم۔ سے مراد ہے مرنے کا دن یا روز قیامت۔

ملجاء۔ مفر (بھاگنے کی جگہ) جہاں پناہ لے سکو۔

ما لکم من نکیر۔ یعنی تم سے جو گناہ ہوئے ہیں ان کا انکار نہ کر سکو گے۔ (تفسیر مظہری)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تجھ کو نہیں بھیجا ہم نے ان پر

حَفِيْظًا ۭ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ

نگہبان تیرا ذمہ تو بس یہی ہے پہنچا دینا ☆

☆یعنی آپ ذمہ دار نہیں کہ زبردستی منوا کر چھوڑیں آپ کا فرض پیغام پہنچا دینا ہے۔ وہ آپ ادا کر چکے ہیں یہ نہیں مانتے تو یہ مجرم ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّآ اِذَآ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً

اور ہم جب چکھاتے ہیں آدمی کو اپنی طرف سے رحمت

فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا

اس پر پھولا نہیں سماتا اور اگر پہنچتی ہے ان کو کچھ برائی

قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿٤٨﴾

بدلے میں اپنے ہاتھوں کی کمائی کے تو انسان بڑا ناشکرا ہے ☆

انسانی طبیعت ☆یعنی ان کے اعراض سے آپ غمگین نہ ہوں انسان کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے (اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ) اللہ انعام و احسان فرمائے تو اکڑنے اور اترانے لگتا ہے پھر جہاں اپنی کرتوت کی بدولت کوئی افتاد پڑی بس سب نعمتیں بھول جاتا ہے اور ایسا ناشکرا بن جاتا ہے گویا کبھی اس پر اچھا وقت آیا ہی نہ تھا خلاصہ یہ کہ فراخی اور عیش کی حالت ہو یا تنگی اور تکلیف کی اپنی حد پر قائم نہیں رہتا البتہ مومنین قانتین کا شیوہ یہ ہے کہ تنگی پر صبر اور فراخی کی حالت میں منعم حقیقی کا شکر ادا کرتے ہیں اور کسی حال اس کے انعامات و احسانات کو فراموش نہیں کرتے۔ (تفسیر عثمانی)

مصیبت، رحمت کا تقاضا نہیں ہے:

اذقنا کے ساتھ لفظ اذا استعمال کیا۔ یعنی مصیبت کا آنا تقاضاء رحمت نہیں۔ نہ اللہ کا یہ دستور ہی ہے کہ (سب پر بغیر جرم کئے) مصیبت میں مبتلا کر دے اس لئے تصبہم کے ساتھ لفظ ان (اگر جو شک کے لئے آتا ہے) استعمال کیا۔ (تفسیر مظہری)

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا

اللہ کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کرتا ہے جو

يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ

چاہے بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے

لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ

جس کو چاہے بیٹے یا ان کو دیتا ہے جوڑے

ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ

بیٹے اور بیٹیاں اور کر دیتا ہے جس کو چاہے بانجھ

اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

وہ ہے سب کچھ جانتا کر سکتا☆

اللہ ہی مالک ومختیار ہے ☆یعنی سختی ہو یا نرمی سب احوال خدا کے بھیجے ہوئے ہیں آسمان وزمین میں سب جگہ اسی کی سلطنت اور اسی کا حکم چلتا ہے جو چیز چاہے پیدا کرے اور جو چیز جسکو چاہے دے جسکو چاہے نہ دے دنیا کے رنگارنگ حالات کو دیکھ لو کسی کو سرے سے اولاد نہیں ملتی کسی کو ملتی ہے تو صرف بیٹیاں کسی کو بیٹے کسی کو دونوں جڑواں یا الگ الگ اس میں کسی کا کچھ دعوی نہیں وہ مالک حقیقی ہی جانتا ہے کہ کس شخص کو کس حالت میں رکھنا مناسب ہے اور وہی اپنے علم وحکمت کے موافق تدبیر کرتا ہے کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادہ کو روک دے یا اس کی تخلیق وتقسیم پر حرف گیری کر سکے عاقل کا کام یہ ہے کہ ہر قسم کے نرم وگرم حالات میں اسی کی طرف رجوع کرے اور ہمیشہ اپنی ناچیز حقیقت کو پیش نظر رکھ کر تکبر یا کفران نعمت سے باز رہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ۔ جب ساری کائنات پر اسی کی حکومت ہے تو اس کو اس میں جیسے چاہے تصرف کرنے کا حق ہے نعمت دے یا جرم کا انتقام لے۔

یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یہ کلام سابق کی علت ہے۔

یَھَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا۔ بعض اہل علم نے کہا یہ آیت **خلق ما یشاء** کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کو لڑکیاں عطا فرماتا ہے ان کے کوئی لڑکا نہیں ہوتا۔ اور بعض کو لڑکے دیتا ہے۔ ان کے کوئی لڑکی نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارہ سے

اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا

یا پردہ کے پیچھے سے یا بھیجے کوئی پیغام لانے والا

فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ

پھر پہنچا دے اُسکے حکم سے جو وہ چاہے☆

اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کی صورتیں

☆کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اس کے سامنے ہو کر مشافہۃً کلام فرمائے اور وہ تحمل کر سکے اسی لئے کسی بشر سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں (الف) بلا واسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لذت اندوز ہو مگر اس حالت میں آنکھیں دولت دیدار سے متمتع نہ ہو سکیں جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ الاسراء میں پیش آیا (ب) بواسطہ فرشتہ کے حق تعالیٰ کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر نزول کرے اور قلب ہی سے ادراک فرشتہ اور صوت کا ہوتا ہو تو اس ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے میرے خیال میں یہ صورت ہے کہ جس کو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں "یاتینی فی مثل صلصلۃ الجرس" سے تعبیر فرمایا ہے اور صحیح بخاری کے ابواب بدء الخلق میں وحی کی اس صورت میں بھی اتیان ملک کی تصریح موجود ہے اسی کو حدیث میں "وھو اشدہ علی" فرمایا اور شاید وحی قرآن بکثرت اسی صورت میں آتی ہو جیسا کہ "نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ" اور "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" میں لفظ "قلبک" سے اشارہ ہوتا ہے اور چونکہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ طور پر اندر ہی اندر ہوتا تھا۔ پیغمبر کے وجود سے باہر کوئی علیحدہ ہستی نظر نہ آتی تھی اور نہ اس طرح کلام ہوتا تھا جیسے ایک آدمی دوسرے سے بات کرتا ہو کہ پاس بیٹھنے والے سامعین بھی سمجھ لیں اس لئے اس قسم کو خصوصیت کے ساتھ آیت ہذا میں لفظ "وحیا" سے تعبیر کیا ہو کیونکہ لغت میں "وحی" کا لفظ اخفاء اور اشارہ سریعہ پر دلالت کرتا ہے (ج) تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آجائے اور اس طرح خدا کا کلام وپیام پہنچا دے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک دو مرتبہ اپنی اصلی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اکثر مرتبہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے تھے اور کبھی کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں بھی تشریف لائے ہیں اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان ان کی آواز سنتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی بعض اوقات گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں جو دو قسمیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے یہ دوسری صورت ہے اور میرے خیال میں اسی کو آیت ہذا میں "اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ" سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ باقی حجاب والی صورت چونکہ بالکل نادر بلکہ اندر تھی اس لئے عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس سے تعرض نہیں کیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

آیات کا شانِ نزول:

یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام نہیں کرتے اور کیوں نہیں بالمشافہ اللہ کو دیکھتے ہو۔ اگر آپ نبی ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح براہ راست کلام کریں اور موسیٰ کی طرح اللہ کو دیکھیں جب تک آپ ایسا نہیں کریں گے ہم آپ کی بات پر یقین نہیں کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

موسیٰ علیہ السلام نے تو خدا کو نہیں دیکھا (تم غلط کہتے ہو اور اسی طرح

انہوں نے اللہ سے براہِ راست بلا واسطہ کلام نہیں کیا بلکہ از پسِ پردہ کلام ہوا تھا) اور یہ آیت نازل ہوئی وما کان لبشر الخ (تفسیر قرطبی ص ۵۳ ج ۱۶)

وحی کا مفہوم: امام راغب نے مفردات میں لفظ وحی کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا اشارة سریعة فی خفیة یعنی پوشیدہ اور مخفی طور سے ایک سریع اشارہ اور رمز۔ لفظ خفیۃ سے تو یہ ظاہر کیا کہ وحی الٰہی کا تعلق ظاہری حواس کے ادراک اور احساس سے نہیں یہ باطنی مدرکات اور شعور سے تعلق رکھنے والا امر ہے۔ اور لفظ سریعۃ کی دلالت یہ بتاتی ہے۔ کہ وہ ایک آن کی آن میں عرش الٰہی سے قلب پیغمبر پر وارد ہو جاتی ہے۔ اور فی خفیۃ کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ مجلس میں حضرات صحابہ موجود ہوتے اور نزول وحی ہو جاتا اس طرح کہ کسی کو کوئی خبر بھی نہ ہوتی۔ اکثر یہی ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات اللہ کا فرشتہ نظروں کے سامنے محسوس ہوتا اور وہ کوئی کلام کرتا تو دوسرے بھی اس کو سنتے جیسے کہ حدیث ایمان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جبرئیل امین کا دو ایک شخص کی شکل میں آنا اور ان کے سوالات کا قصہ مذکور ہے۔

نزول وحی کی کیفیت میں شدۃ کی وجہ: امام راغب نے شدۃ اور سرعۃ کی قید ذکر کی۔ اور یہی وجہ ہوتا ہے پیش آنے کی ہوتی تھی جیسے کہ ارشاد ہے انا سنلقی علیک قولا ثقیلا حتیٰ کہ سردیوں کے زمانہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی سے پسینہ ٹپکتا ہے۔

کیونکہ عالم خواب باطنی قویٰ اور مدرکات سے متعلق ہے تو اس لحاظ سے وحی کے ذریعہ کسی چیز کے سننے اور جاننے کے اعتبار سے ورنہ ظاہر ہے کہ خواب ایک ظنی چیز ہے۔ اور وحی الٰہی امر قطعی ہے۔ یہی سبب ہے کہ وحی کی ابتدا خوابوں سے ہوئی۔ جیسے کہ آفتاب کے طلوع سے قبل آسمان پر صبح کی سپیدی طلوع آفتاب کی تمہید ہوتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور وحی سے قبل چھ ماہ تک سچے خوابوں کا سلسلہ آفتاب رسالت سے قبل تمہید نبوت تھی۔

انبیاء علیہم السلام چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس بنا پر ان کا خواب بھی وحی کی طرح قطعی اور امر خداوندی ہوتا ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔

وحی کی حقیقت: بہر کیف عالم روحانیت اور ملاء اعلیٰ کے امور کا القاء اللہ کی طرف سے وحی کی حقیقت ہے یعنی جو چیز انسان نہ آنکھ سے دیکھ سکتا ہو اور نہ کان سے سن سکتا ہو اور نہ عقل سے اس کا ادراک کر سکتا ہو اس کا علم بذریعہ وحی الٰہی ہوتا ہے۔

غرض وحی الٰہی اور نبوت ایک موہبہ اور عطیہ خداوندی ہے کہ کوئی کسبی و اکتسابی یا فطری صلاحیت یا آثار و کیفیات کا نام نہیں جیسے کہ فلاسفہ اور ملحدین کا گمان ہے۔ فلاسفہ وحی کی حقیقت میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ایک فطری ملکہ ہے۔ یعنی انسانی فطرت کی ایک اعلیٰ حالت کا نام ہے اور نبی کے قوائے طبعیہ کا ایک عمل ہے۔

آیت میں مذکور تین صورتوں کی وضاحت

اللہ کا کلام پیغمبر سے یا بشکل وحی خفی یا انہی کی صورت میں ہوگا۔ یا ازپسِ پردہ ہوگا۔ یا کسی قاصد کے ذریعہ ہوگا کہ وہ آکر اللہ کا پیغام ان کو پہنچا دے۔ ان ہی تین صورتوں کو اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ الا وحیا کی شکل تو وہ ہوگی کہ اندر ہی اندر جس کو نزل بہ الروح الامین علیٰ قلبک میں بیان فرمایا گیا کہ ظاہری طور پر نہ آنکھ کسی متکلم کو دیکھتی ہو اور نہ ظاہری کان کوئی آواز سنتے ہوں اور قلب پر اللہ کی وحی اور کلام نازل ہو جائے کہ حواس ظاہرہ کے دخل کے بغیر ہی قلب اپنے کانوں سے کلام الٰہی سن لے۔ عارفین کہتے ہیں حواس اصل میں تو اندر ہیں۔ جب عالم ظاہر سے تجرد ہوتا ہے تو حواس باطنہ اپنا عمل شروع کرتے ہیں۔ جیسے عالم خواب میں مدرکات اپنا عمل اس وقت شروع کرتے ہیں جب انسان پر نوم (نیند) طاری ہو جائے۔

اور حواس عالم ظاہر کے احساس و ادراک سے معطل اور غافل ہو جاتے ہیں۔ اسی حقیقت و قانون پر گویا یہ آیت ظاہر کر رہی ہے وما ھی بالتی نعمی بصیرته ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ دوسری صورت کا حاصل یہ ہے۔ قوت سامعہ کا تو دخل اور توسط ہو مگر قوت باصرہ اور محسوس کا درمیان میں دخل وتوسط نہ ہو اور ازپس پردہ نزول وحی کی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر اللہ کا کلام سنا۔ آنکھوں سے نہ کوئی متکلم نظر آ رہا تھا اور نہ خداوند قدوس کا دیدار تھا۔ تیسری شکل کا حاصل یہ ہے کہ کسی قاصد اور فرشتہ کے ذریعہ وحی الٰہی آئے۔ اور خدا کا پیغمبر اس فرشتہ اور قاصد کو آنکھوں سے دیکھتا بھی ہو اور کانوں سے اس کے کلام کو سنتا ہو جیسے کہ بسا اوقات جبرئیل امین حضرت دحیہ الکلبی کی شکل میں اترتے اور اللہ کی وحی پہنچا دیتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حارث بن ہشام کے سوال کے جواب میں جو چیز ذکر فرما رہی ہیں وہ وحی کی ان تین شکلوں میں سے دو کو مشتمل ہے جس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ احیانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وهوا شده علی واحیاناً یتمثل لی الملک بشرا فیکلمنی فاعی ما یقول یعنی بسا اوقات وحی مجھ پر نازل ہوتی ہے گھنٹہ یا نالی کی جھنکار و گونج کی طرح اور یہ مجھ پر بڑا شدید ہوتی ہے اور بسا اوقات میرے سامنے فرشتہ بشر کی شکل میں متشکل ہو کر رونما ہوتا ہے۔ اور وہ مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں یاد کر لیتا ہوں جو کچھ وہ کہتا ہے تو مثل صلصلة الجرس کی شکل الا وحیا کی ہوتی تھی اور تمثیل لی الملک بشرا کی صورت وہ ہوتی تھی جس کو قرآن کریم نے او یرسل رسولا فیوحی باذنه ما یشاء میں بیان فرمایا۔ یہی دو صورتیں غالب تھیں اور من وراء حجاب نادر اور قلیل تھی اس وجہ سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس کو صراحۃً نہیں فرمایا گیا اور الا وحیا کی صورت

شدید اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی صفت بشریت سے منسلخ ہو کر ملکیت کی طرف صعود کرنا پڑتا تھا بخلاف اس صورت کے کہ فرشتہ ہی بصورت بشر نزول کر کے پیغام خداوندی پہنچا دے تو اس میں اپنے قوی میں تصرف کی مشقت نہیں ہوتی تھی۔ اس وجہ سے یہ دوسری صورت سہل ہوتی تھی بہ نسبت پہلی صورت کے یہ صورتیں تو وحی الٰہی کی وہ تھیں کہ ملاء اعلیٰ سے عالم دنیا کی طرف پیغمبر پر اللہ کا کلام اتارا جائے گویا یہ نزول وحی کا درجہ ہوا۔ ایک درجہ ایحاء کا یہ ہوا موحی الیہ کو اوپر بلایا جائے۔ جیسے کہ معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتوں آسمانوں کی بلندیوں کے بعد سدرۃ المنتہیٰ اور بیت المعمور تک اور پھر وہاں سے مزید بلندیوں تک پہنچایا گیا کہ قاب قوسین کی صورت ہوئی اور اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی گئی جیسے کہ فرمایا گیا۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى یعنی جانبین سے مکالمہ ہوا۔ اگرچہ رؤیت میں اختلاف ہے لیکن بر تقدیر ثبوت یہ کہا جا سکتا ہے کہ دیدار اور کلام جدا جدا ہوگا۔ رؤیت مع الکلام کا جمع ہونا اس آیت کی رو سے بظاہر مشکل ہے کیونکہ بیان کردہ تین شکلوں کو انفصال کے عنوان سے بیان فرمایا گیا ہے کہ کلام خداوندی ان صورتوں میں سے کسی ایک ہی صورت میں ہو سکتا ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کلام من وراء حجاب یعنی از پس پردہ تو ہو سکتا ہے لیکن یہ کہ عیاناً اور بالمشافہ دیدار خداوندی کے ساتھ کلام بھی نصیب ہو جائے" تو یہ نہیں ہوگا۔

الہام اور اس کی صورتیں:

الہام بھی ملاء غیب سے علوم وہدایات کے القاء کا نام ہے جو انبیاء کے سوا دیگر اللہ کے برگزیدہ بندوں کے قلب پر ہو۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ الہام۔ جو علم کے قلب میں بغیر کسی اکتساب اور استدلال کے حق تعالیٰ شانہ یا ملاء اعلیٰ کی جانب سے القاء ہو اس کو الہام کہتے ہیں۔

قال تعالیٰ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا پھر اللہ نے اس کو فجور اور تقویٰ کا اس کا الہام فرمایا شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تقویٰ کا الہام اس لئے فرمایا تاکہ نفس اس پر عمل کرے اور فجور کا الہام اس لئے فرمایا تاکہ اس سے پرہیز کرے۔

حصین بن منذر خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مشرف باسلام ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعلیم فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِیْ رُشْدِیْ وَاَعِذْنِیْ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ. (اے اللہ مجھ کو رشد وہدایت کا الہام فرما اور شر نفس سے مجھ کو پناہ دے)

وقال تعالیٰ شانہٗ

وَأَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّ مُوسَى أَنْ أَرْضِعِيهِ (سورۃ قصص) (اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو الہام کیا کہ ان کو دودھ پلاؤ)

وقال تعالیٰ شانہٗ

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي حواریین کو یہ الہام کیا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ۔

وقال اللہ جل جلالہٗ

قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا (اور ذوالقرنین کو یہ الہام کیا کہ خواہ انکو عذاب دو یا انکے ساتھ احسان کرو) (سورۃ کہف)

الہام کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ من جانب اللہ براہ راست سب پر القاء ہوتا ہے اس کو علم لدنی کہتے ہیں کما قال تعالیٰ شانہ۔ وعلمناہ من لدنا علما چنانچہ حجۃ الاسلام امام غزالی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔

ولعلم اللدنی هو الذی لا واسطة فی حصوله بین النفس و بین الباری وانما هو كالضوء من سراج الغیب یقع علیٰ قلب صاف فارغ لطیف (کذافی الرسالۃ اللدنیہ ص ۲۸)

علم لدنی وہ ہے کہ جس کے حصول میں نفس اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہ ہو۔ علم لدنی بمنزلہ روشنی کے ہے کہ جو سراج غیب سے قلب صاف وشفاف پر واقع ہوتی ہے (رسالۂ لدنیہ ص ۲۸)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منکرین علم لدنی سے یہ [illegible] کرتے تھے۔

قد اخذتم علمکم میتا عن میت ونحن اخذنا علمنا عن الحی الذی لا یموت (کذافی الیواقیت والجواہر (ص ۹۱ ج ۲) تم نے (خطاب بہ علماء ظاہر) علم میتاً عن میت حاصل کیا ہے اور ہم نے علم حی لایموت سے لیا ہے۔

اور کبھی ملاء اعلیٰ اور ملک الہام کے توسط سے کوئی چیز قلب میں القا کی جاتی ہے اس کو القاء فی القلب اور نفث فی الروع کہتے ہیں۔ ملک الہام قلب میں القاء کرتا ہے مگر نظر نہیں آتا۔

كما قال النبیُّ صلی اللہ علیه وسلم ان رُوحَ القُدُس نفث فِیْ رُوْعِیْ لَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ حَتّٰی تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا الْحَدِيْثُ وَقَالَ تَعَالٰی اِذْ يُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ آمَنُوْا (سورہ انفال) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یا روح القدس یعنی جبرئیل نے میرے قلب میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک ہرگز نہ مریگا جب تک کہ وہ اپنا رزق پورا نہ لے لے۔ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کی طرف وحی بھیجتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو تم مسلمانوں کے دلوں کو ثابت اور قائم رکھو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد واعظ اللہ فی قلب کل مومن جیسے کہ امام احمد بن حنبل اور امام ترمذی نے نواس بن سمعان سے روایت کیا ہے اس واعظ اللہ سے یہی الہام الٰہی بواسطۃ الملائک مراد ہے جیسا

کہ حافظ ابن قیم نے مدارج السالکین میں ذکر کیا ہے۔

فرشتے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کیا کرتے تھے مگر جب وہ داغ لگوانے لگے تو فرشتوں نے سلام چھوڑ دیا پس جب انہوں نے داغ دینا چھوڑ دیا تو فرشتے پھر مخاطبت اور سلام کرنے لگے۔

اور عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ عمران بن حصین بڑے جلیل القدر تھے و فقہاء صحابہ میں سے تھے اہل بصرہ خود حضرت عمران سے ناقل ہیں کہ وہ کراماً کاتبین کو دیکھا کرتے تھے۔ اور ان سے باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ داغ دیا۔ (کذا فی الاصابہ ص ۲۶ ج ۳)

حجۃ الاسلام قدس اللہ سرہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ قلب کے دو دروازے ہیں، ایک عالم ملکوت اور ملاء اعلیٰ کی طرف ہے اور دوسرا عالم شہادت کی طرف۔ ظاہری علوم اور معارف ظاہری جب یعنی حواس خمسہ ظاہرہ سے قلب میں داخل ہوتے ہیں۔ اور عالم ملکوت اور ملاء اعلیٰ کے علوم باطنی دروازہ سے قلب میں آتے ہیں۔

حسن بصری۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ ارشاد فرمایا کہ علم دو ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی اور آخرت میں علم باطن ہی نفع دیتا ہے۔ بعض علماء سے علم باطن کے متعلق دریافت کیا گیا تو یہ فرمایا کہ وہ ایک سرّ الٰہی ہے جس کو حق تعالیٰ اپنے محبوبین کے دلوں میں ڈالتے ہیں اور اس پر کسی فرشتہ اور بشر کو بھی مطلع نہیں فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے محدث اور معلم اور مکلم ہوں گے۔ اور عمرؓ ان میں سے ہیں۔ اور ابن عباسؓ کی قراءت میں ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ ولا محدث اور محدث وہ ملهم من الله ہے کہ جسکے باطن قلب میں ان حواس ظاہرہ کے علاوہ علوم و معارف کیلئے کوئی دوسرا راستہ کھل گیا ہو بایزید رحمۃ اللہ علیہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ شخص عالم نہیں کہ جو کسی کتاب کو یاد کرلے اس لئے کہ اکثر وہ اسکو بھول جائے تو جاہل رہ جائے گا۔ عالم حقیقۃً وہ ہے کہ جو اپنے رب سے جس وقت چاہے علم حاصل کرتا ہو بغیر حفظ اور تدریس کے اور یہی علم ربانی ہے اور عَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ ہر علم اللہ ہی کے پاس سے ہے مگر بعض علم تعلیم خلق کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے اس کو علم لدنی نہیں کہتے۔ علم لدنی وہ ہے کہ جو بغیر کسی خارجی سبب کے خود بخود قلب میں من جانب اللہ آتا ہو۔

حجۃ الاسلام قدس سرہٗ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ حوض میں پانی لانیکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نہر وغیرہ سے پانی لایا جاوے۔ دوم یہ کہ اسی حوض کو کھود کر اور اسکو آلات سے صاف کر کے اس میں کوئی چشمہ جاری کر دیا جائے اور یہ پانی بہ نسبت نہر کے پانی کے نہایت صاف اور شیریں اور لذیذ ہوگا۔ اسی طرح قلب بھی بمنزلہ حوض کے ہے تو کبھی علم اس میں حواس کی نہر سے لایا جاتا ہے اور کبھی بذریعہ خلوت و عزلت مجاہدہ و ریاضت قلب کو کھود کر صاف کر دیا جاتا ہے۔

اس وقت خود اندرون قلب ہی سے علم کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں اور تحصیل علوم میں حواس ظاہرہ کی ضرورت بالکل باقی نہیں رہتی حجۃ الاسلام رسالہ لدنیہ میں فرماتے ہیں مگر اس باطنی باب کا انفتاح تحصیل علوم اور صلاح و تقویٰ اور ریاضت صادقہ اور مجاہدہ کبیرہ اور مراقبۂ صحیحہ اور تفکر پر موقوف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اس کو ان چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جن کو وہ نہیں جانتا۔ اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو چالیس روز اخلاص کے ساتھ عبادت کرے اللہ تعالیٰ علم و حکمت کے چشمے اسکے قلب سے اسکی زبان پر جاری فرما دیتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک گھڑی تفکر اور مراقبہ ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے پس متفکر جب صحیح راستہ پر چلے تو وہ عند اللہ اولوا الالباب میں سے ہوتا ہے اور علم غیب سے ایک روزن اس کے قلب میں کھل جاتا ہے اس وقت یہ شخص پورا عالم اور عاقل اور ملہم اور مؤید من اللہ ہوتا ہے۔ (رسالہ لدنیہ ص ۳۷)

الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق

حافظ تورپشتی رحمہ اللہ تعالیٰ المعتمد فرماتے ہیں کہ الہام انبیاء اور الہام اولیاء میں فرق ظاہر ہے انبیاء کا الہام قطعی ہوتا ہے جس طرح انبیاء کرام معصوم عن الخطاء ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کا الہام بھی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے بخلاف الہام اولیاء کے کہ وہ ظنی ہوتا ہے اور خطاء سے معصوم نہیں ہوتا اور یہ فرق ایسا ہی ہے جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کے رؤیاء صالحہ میں۔ انبیاء کا رؤیا صالحہ وحی ہوتا ہے۔ اولیاء کا نہیں۔

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

والہام کہ اولیاء راہست مقتبس از انوار نبوت است واز برکات و فیوض متابعت انبیاء است علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات

(مکتوب ۲۳ جلد ۳ ص ۴۱)

اور اولیاء کا الہام انوار نبوت سے ماخوذ ہوتا ہے اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کی متابعت کے فیض اور برکت سے ہوتا ہے۔ فافہم واستقم۔

یعنی جس طرح مؤمنین کا ایمان اور ان کی دیگر صفات مثلاً زہد و ورع قناعت و توکل۔ رضا و تسلیم وغیرہ وغیرہ انبیاء کرام ہی کے ایمان اور صفت کا ایک عکس ہوتا ہے مؤمنین کے ایمان اور ان کے زہد اور ورع کو انبیاءؑ کے ایمان اور زہد و ورع سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

اسی طرح الہام مؤمنین کو الہام انبیاء سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ الہام مؤمنین تو الہام انبیاء کا ایک ادنیٰ سا پرتو اور عکس ہوتا ہے۔ یہ کہاں اُس

سے ہمسر ہو سکتا ہے۔ ابن اثیر کی من اخر یہ۔

نیز الہام اولیہ فقط کسی بشارت یا تنبیہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور الہام نبیہ میں امر و نہی اور احکام آلہیہ جو بندوں کے متعلق ہوں وہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء پر اپنے الہام کی تبلیغ واجب ہے اور اولیاء پر نہیں بلکہ اُس کا اخفاء اولی ہے جب تک کوئی ضرورت شرعیہ و دینیہ داعی نہ ہو۔

وحی و الہام کی تحقیق و تفصیل میں حضرت والد محترم کا یہ کلام نہایت جامع اور اسرار و حکمت پر مشتمل تھا جو ہدیہ ناظرین کیا گیا۔ بحمد اللہ تم تفسیر سورۃ الشوریٰ۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ﴿۵۱﴾

تحقیق وہ سب سے اُوپر ہے حکمتوں والا☆

☆یعنی اس کا مقام رفیع ہے کہ بے حجاب کلام کرے اور حکمت مقتضی ہے کہ بعض صورتیں ہم کلامی کی اختیار کی جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا

اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ

مِّنْ اَمْرِنَا ؕ

اپنے حکم سے☆

روح سے مراد: ☆مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے اس جگہ روح سے مراد فرشتہ لیا ہے یعنی جبریل امین اور یہ بعض مفسرین کی رائے ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں خود قرآن کریم کو روح سے تعبیر فرمایا کیونکہ اسکی تاثیر سے مردہ قلوب زندہ ہوتے ہیں اور انسان کو ابدی حیات نصیب ہوتی ہے دیکھ لو جو قومیں کفر و ظلم اور بداخلاقی کی موت مر چکی تھیں کس طرح قرآن نے ان میں جان تازہ ڈال دی۔ (تفسیر حقانی)

رُوْحًا روح سے مراد ہے کتاب یعنی قرآن مجید کذلک قال الکلبی و مالک بن دینار۔ سدی نے کہا جس طرح روح سے بدن کی زندگی ہوتی ہے اسی طرح قرآن دلوں کو زندہ کرتا ہے اس لئے قرآن کو روح فرمایا۔ ربیع نے کہا روح سے مراد ہیں جبریل اور اَوْحَيْنَا کا معنی ہے اَرْسَلْنَا یعنی ہم نے جبرئیل کو بھیجا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا روح (سے مراد) نبوت ہے۔ حسن نے کہا رحمت مراد ہے ان دونوں سے مراد بھی قرآن ہی ہے نبوت اور رحمت کا نشان قرآن ہی ہے۔

مِنْ اَمْرِنَا اپنے حکم سے۔ یعنی اپنے حکم سے ہم نے وحی بھیجی یا یہ مطلب کہ یہ روح ہمارے امر سے ہے (ہمارے امر کا نتیجہ ہے)۔ (تفسیر مظہری)

روح القدس کی بات: صحیح ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات پھونکی ہے کہ کوئی شخص بھی جب تک اپنی روزی اور اپنا وقت پورا نہ کرے ہرگز نہیں مرتا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور روزی کی طلب میں اچھائی اختیار کرو یا پردے کی اوٹ سے جیسے حضرت موسیٰ سے کلام ہوا۔ کیونکہ انہوں نے کلام کے بعد جمال دیکھنا چاہا لیکن وہ پردے میں تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ

تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان ☆

تفاصیل وحی کے ذریعہ معلوم ہوئیں

☆یعنی ایمان اور اعمال ایمانیہ کی یہ تفاصیل جو بذریعہ وحی اب معلوم ہوئیں پہلے سے کہاں معلوم تھیں گو نفس ایمان کے ساتھ ہمیشہ سے متصف تھے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ۔ یعنی وحی سے پہلے آپ نہیں جانتے تھے۔

ایمان سے کیا مراد ہے:

یعنی ان احکام و شرائع سے واقف نہ تھے جن کو جاننے کا طریقہ (عقلی نہیں بلکہ) محض نقلی ہی ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا اس جگہ ایمان سے نماز مراد ہے دوسری آیت میں آیا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اللہ ایسا نہیں کہ تمہاری (گذشتہ) نمازوں کو اکارت کردے۔ اس تفسیر کی بناء اہل علم کے اس متفق علیہ خیال پر ہے کہ انبیاء کا اللہ پر ایمان (فطری) الہامی ہوتا ہے وہ فطری طور پر بالہام خداوندی اس عالم کا ایک صانع جو تمام نقائص سے پاک اور تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے مانتے ہیں۔

یہ بات ضرور ہے کہ وحی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خلوت پسند تھے تنہائی کی طرف راغب تھے۔ میں کہتا ہوں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وحی سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومن کامل تھے حقیقت ایمان کا یقین رکھتے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ اسی حالت کا نام ایمان ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ

ولیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ سجھا دیتے ہیں

نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ

جس کو چاہیں اپنے بندوں میں ☆

نور ہدایت ☆یعنی قرآن کی روشنی میں جن بندوں کو ہم چاہیں سعادت و فلاح کے راستہ پر لے چلتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لیکن اس ایمان کو نور بنا دیا سدی نے کہا۔ قرآن کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی اس قرآن کو نور بنا

یہ۔ نور سے مراد ہے جہالت کی تاریکی کو دور کرنے والی روشنی۔

نھدی بہ۔ یعنی دنیا میں قرآن کے ذریعہ سے صحیح عقیدہ تک اور آخرت میں جنت اور مقام قرب تک ہم جس بندہ کو چاہتے ہیں پہنچا دیتے ہیں۔

وانک لتھدی۔ یعنی اے محمد آپ تمام لوگوں کو سیدھے راستہ پر چلنے کی ہدایت کرتے ہیں سیدھے راستہ سے مراد ہے اسلام جو جنت میں پہنچانے والا ہے۔ اس جملہ میں ہدایت سے مراد ہے راستہ دکھانا۔ راہنمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝
اور بیشک تو سجھاتا ہے سیدھی راہ ☆☆

☆☆ یعنی آپ تو سب بندوں کو قرآن کریم کے ذریعہ سے اللہ تک پہنچنے کی سیدھی راہ بتلاتے رہتے ہیں کوئی اس پر چلے یا نہ چلے۔ (تفسیر عثمانی)

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
راہ اللہ کی کہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں
وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
اور زمین میں ☆☆

☆☆ یعنی سیدھی راہ وہ ہے جس پر چل کر آدمی خدائے واحد تک پہنچتا ہے جو اس راہ سے بھٹکا خدا سے گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ما فی السموت والارض۔ یعنی کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کی مملوک اور اسی کی مخلوق ہے۔ الامور یعنی مخلوق کے تمام امور براہ راست بلا واسطہ قیامت کے دن اللہ ہی کے پاس منتقل ہوں گے تمام درمیانی تعلقات اور وسائط ختم ہو جائیں گے۔

اس آیت میں اطاعت گزاروں کے لئے (اچھے انجام کا) وعدہ اور مجرموں کے لئے (عذاب کی) وعید ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝
سنتا ہے اللہ ہی تک پہنچتے ہیں سب کام ☆☆

انجام کو سوچو ☆☆ یعنی جب سب کاموں کا انجام اسی کی طرف ہے تو چاہئے کہ آدمی شروع سے اس انجام کو سوچ لے اور اپنے اختیار سے ایسے راستہ پر چلے جو سیدھا اسی کی بارگاہ تک پہنچنے والا ہو "اللھم اھدنا الصراط المستقیم وثبتنا علیہ تم سورۃ الشوریٰ۔ (تفسیر عثمانی)

تمت سورۃ شوریٰ

جو شخص خواب میں اس سورت کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے رزق میں کمی پیش آئے اور آخری عمر میں اس کا دل تنگ ہو اس کے دین و دنیوی میں کمی آجائے۔ (ابن سیرین)

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّثَمَانُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ
سورہ زخرف مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی نواسی آیتیں ہیں اور سات رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ
قسم ہے اس کتاب واضح کی ہم نے رکھا اس کو
قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝
قرآن عربی زبان کا تاکہ تم سمجھو

☆☆ یعنی عربی تمہاری مادری زبان ہے تاکہ تمہارے ذریعہ سے اپنی قوم میں اس کتاب کو سمجھیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا لطیف معنی۔ انا جعلنہ۔ ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔ قرآن حقیقت میں اللہ کی صفت کلام ہے جو مخلوق (یعنی بنایا ہوا) نہیں ہے (بنائی ہوئی نہیں ہے) اس لئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو عربی الفاظ کا جامہ پہنایا ہے تاکہ تم پڑھو اور اس کے معانی کو سمجھو۔ (تفسیر مظہری)

یہ سورت کی ہے بعض حضرات مقاتل کا قول ہے کہ آیت وسئل من ارسلنا الخ مدنی ہے اور یہ قول بھی ہے کہ یہ سورت معراج کے وقت آسمان پر نازل ہوئی (روح معانی) واللہ اعلم۔

قسم کھانے کا مطلب۔ والکتب المبین۔ (قسم ہے کتاب واضح کی) اس سے مراد قرآن کریم ہے اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی قسم کھاتے ہیں تو عموماً وہ چیز بعد کے دعوے کی دلیل ہوا کرتی ہے یہاں قرآن کریم کی قسم کھا کر اس طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ قرآن کریم خود اپنے اعجاز کی وجہ سے اپنی حقانیت کی دلیل ہے۔

قرآن کو واضح کہنے کا مطلب۔ قرآن کو واضح کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اسکے وعظ و نصیحت پر مشتمل مضامین تو آسانی سمجھ میں آجاتے ہیں لیکن جہاں تک اس سے احکام شرعیہ کے استنباط کا تعلق ہے وہ بلا شبہ ایک مشکل کام ہے جو اجتہاد کی پوری صلاحیت کے بغیر انجام نہیں دیا جا سکتا چنانچہ دوسری

جگہ یہ بات واضح کر دی گئی ہے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (اور بلا شبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا ہے پس کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟) اسمیں فرمایا دیا گیا ہے کہ قرآن نصیحت اندوزی کیلئے آسان ہے لہٰذا اس سے اجتہاد و استنباط کا آسان ہونا لازم نہیں آتا بلکہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ اس کام کے لئے متعلقہ علوم میں پوری مہارت شرط ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ

اور تحقیق یہ قرآن لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے برتر مستحکم☆

برتر و محکم کتاب: ☆یعنی وجوہ اعجاز اور اسرار عظیمہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے نہایت بلند مرتبہ اور تبدیل و تحریف سے محفوظ رہنے کی وجہ سے نہایت مستحکم ہے اس کے دلائل و براہین نہایت مضبوط اور اسکے احکام غیر منسوخ ہیں کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اور تمام مضامین اصلاح معاش و معاد کی اعلیٰ ترین ہدایات پر مشتمل اور حکیمانہ خوبیوں سے مملو ہیں اور قرآن کے ان تمام محاسن پر خود قرآن ہی شاہد ہے "آفتاب آمد دلیل آفتاب"۔ (تنبیہ) قرآن اور تمام کتب سماویہ نزول سے پہلے لوح محفوظ میں لکھی گئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اُمّ الکتاب۔ (تمام کتابوں کی اصل) یعنی لوح محفوظ دوسری آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے فرمایا ہے **بل هو قرآن مجيد فى لوح محفوظ**۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور جس مخلوق کو اللہ پیدا کرنا چاہتا تھا اس کو لکھ دینے کا قلم کو حکم دیا اس کے بعد آپ نے پڑھا۔ **وانہ فی ام الکتب**۔

لدینا۔ ہمارے پاس۔ اللہ کے پاس ہونا بے کیف اور تصور کا تیب سے پاک ہے (قرب الٰہی نہ مکانی ہے نہ کسی جسمانی کیفیت کا حامل) بعض علماء نے لدنا سے پہلے محفوظا کا لفظ محذوف قرار دیا ہے یعنی قرآن ہمارے پاس ہر تغیر سے محفوظ ہے۔

لعلیٌ۔ بڑے رتبہ والا کسی کا ادراک وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں اس کی شان بلند ہے کیونکہ تمام کتب سماویہ میں یہ ہی معجز ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا نظر کشف سے دکھائی دیتا ہے کہ تمام آسمانی کتابوں کے دائرہ میں قرآن مرکزی حیثیت رکھتا ہے جس طرح مرکز اصل اور دائرہ کا سمٹا ہوا نقطہ ہوتا ہے بلکہ پورے دائرہ سے مرکز افضل اور وسیع تر ہوتا ہے اسی طرح نگاہ کشف سے دکھتا ہے کہ قرآن بہت ہی جامع مرکز ہے مگر شان سب سے اونچی رکھتا ہے یوں سمجھو کہ جس طرح چاند ہالہ کے اندر دیکھنے والے کو ہالہ سے چھوٹا نظر آتا ہے لیکن واقع میں ہالہ کے دائرے سے کہیں زیادہ وسیع ہوتا ہے قرآن کی بھی یہی حیثیت ہے۔

حَكِيْمٌ۔ حکمت کاملہ سے بھرا ہوا یا محکم جس کو کوئی کتاب منسوخ نہیں کر سکتی۔ (تفسیر مظہری)

قرآن کے اُمّ الکتاب ہونے کا تقاضا

ایک حدیث میں بھی آیا ہے بشرطیکہ وہ صحیح ثابت ہو جائے۔ اس لئے کہ عالم بالا میں فرشتے اس کتاب کی عزت و تعظیم کرتے ہیں جس میں یہ قرآن لکھا ہوا ہے۔ پس اس عالم میں ہمیں بطور اولیٰ اس کی بہت زیادہ تعظیم و تکریم کرنی چاہئے۔ خصوصاً یہ زمین والوں کی طرف ہی بھیجا گیا ہے اور اس کا خطاب ان ہی سے ہے تو ہمیں اس کی بہت زیادہ تعظیم اور ادب کرنا چاہئے اور ساتھ ہی اس کے احکام کو تسلیم کر کے ان پر عامل بن جانا چاہئے کیونکہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ ہمارے ہاں ام الکتاب میں ہے۔ بڑے بلند پایہ اور با حکمت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ

کیا پھیر دیں گے ہم تمہاری طرف سے یہ کتاب موڑ کر اس

كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ۝

سبب سے کہ تم ہوا ایسے لوگ کہ حد پر نہیں رہتے☆

کسی کی شرارت کے سبب نزول ہدایت بند نہیں ہو سکتی

☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس سبب سے کہ تم نہیں مانتے کیا حکم کا بھیجنا موقوف کریں گے" یعنی ایسی توقع مت رکھو اللہ کی حکمت و رحمت اسی کو مقتضی ہے کہ باوجود تمہاری زیادتیوں اور شرارتوں کے کتاب الٰہی کا نزول اور دعوت و نصیحت کا سلسلہ بند نہ کیا جائے کیونکہ بہت سی سعید روحیں اس سے مستفید ہوتی ہیں اور منکرین پر کامل طور سے اتمام حجت ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا ایک اور مطلب: بغوی نے قتادہ کا تفسیری بیان نقل کیا ہے کہ ابتداء وحی کے زمانہ کے کافروں نے جب قرآن کو ماننے سے انکار کر دیا تھا اگر اسی زمانہ میں قرآن اٹھا لیا جاتا تو سب لوگ ہلاک ہو جاتے لیکن اللہ نے اپنی رحمت و مہربانی سے بیس سال تک یا جب تک اس نے چاہا قرآن کو نازل کیا اور اس سال وحی کو قائم رکھا۔

مجاہد اور سدی نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کیا ہم تم سے رخ موڑ لے جائیں گے اور تم کو بغیر سزا کے کفر کے یونہی چھوڑ دیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ۝

اور بہت بھیجے ہیں ہم نے نبی پہلوں میں

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا كَانُوا بِهِ
اور نہیں آتا لوگوں کے پاس کوئی پیغام لانیوالا جس سے
يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٧﴾
ٹھٹھا نہیں کرتے ☆

☆یعنی پہلے رسولوں کے ساتھ بھی استہزاء کیا گیا اور ان کی تعلیمات کو جھٹلایا گیا مگر اس کی وجہ سے پیغمبری کا سلسلہ مسدود نہیں ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وما یاتیھم ۔گزشتہ حال کا بیان ہے یعنی ان کے پاس کوئی نبی ایسا نہ آتا تھا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو۔

من نبی ۔من زائد ہے یعنی کوئی نبی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے پیغام تسکین

الا کانوا به یستھزءون ۔اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پیام تسکین ہے (یعنی صرف آپ ہی کے ساتھ کافر یہ معاملہ نہیں کر رہے ہیں بلکہ تمام انبیاء کے ساتھ ان کا سلوک یہی ہوتا رہا ہے) (تفسیر مظہری)

فَأَهْلَكْنَا أَشَدَّ مِنْهُم بَطْشًا وَمَضَىٰ
پھر برباد کر ڈالے ہم نے اُن سے سخت زور والے اور چلی آئی ہے
مَثَلُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨﴾
مثال پہلوں کی ☆

سامان عبرت ☆یعنی عبرت کے لئے ان مکذبین کی تباہی کی مثالیں پیش آ چکیں اور پہلے مذکور ہو چکیں جو زور وقوت میں تم سے کہیں زیادہ تھے جب وہ اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے تو تم کاہے پر مغرور ہوتے ہو آگے اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت اور کمال کا ذکر کرتے ہیں جو ایک حد تک ان کے نزدیک بھی مسلم تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ
اور اگر تو اُن سے پوچھے کس نے بنائے آسمان
وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ
اور زمین تو کہیں بنائے اُس زبردست
الْعَلِيمُ ﴿٩﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ
خبردار نے وہی ہے جس نے بنا دیا تمہارے لئے زمین
مَهْدًا وَجَعَلَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ
بچھونا اور رکھ دیں تمہارے واسطے اُس میں راہیں تاکہ تم
تَهْتَدُونَ ﴿١٠﴾
راہ پاؤ ☆

زمین کی نافعیت ☆یعنی جہاں تک انسان بستے ہیں آپس میں مل سکیں ایک دوسرے تک راہ پائیں اور چل پھر کر دنیوی واخروی مقاصد میں کامیابی کا راستہ معلوم کریں۔ (تفسیر عثمانی)

ولئن سالتھم ۔یعنی اگر مشرکین سے آپ دریافت کریں۔

مھدا ۔زمین فرش جیسے بچے کا بستر ہوتا ہے۔

سبلا ۔یعنی چلنے کے لئے اس نے زمین میں راستے بنا دیے۔

لعلکم تھتدون ۔تاکہ ان راستوں پر چل کر تم اپنے مقصد تک پہنچ جاؤ۔ یا یہ مطلب ہے کہ زمین میں پیدا کی ہوئی راہوں پر غور کر کے حکمت صانع وسمجھنے میں تمہاری ذہنی رسائی ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

زمین کا گول ہونا: جعل لکم الارض مھدا ۔(تمہارے لئے زمین و فرش بنایا) مطلب یہ ہے کہ زمین و ظاہری صورت اور ... کا آرام و فرش کا ... لہذا یہ زمین کے گول ہونے کے منافی نہیں۔ (... تفسیر ...)

وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ
اور جس نے اتارا آسمان سے پانی ناپ کر ☆

☆یعنی ایک خاص مقدار میں جو اس کی حکمت کے مناسب اور اس کے علم میں مقدر تھی۔ (تفسیر عثمانی)

بقدر ۔ایک اندازہ کے ساتھ یعنی اتنی مقدار میں جو مفید ہو ضرر رساں نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَأَنشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَٰلِكَ
پھر اُبھار کھڑا کیا ہم نے اُس سے ایک دیس مردہ کو اسی طرح تم کو
تُخْرَجُونَ ﴿١١﴾
بھی نکال لینگے ☆

بعث بعد الموت ☆یعنی جس طرح مردہ زمین کو بذریعہ بارش کے زندہ اور آباد کر دیتا ہے۔ ایسے ہی تمہارے جسموں میں جان ڈال کر قبروں سے نکال کھڑا کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْشَرْنَا۔ پھر ہم نے زندہ کیا۔ یعنی جس طرح ہم نے پانی سے زمین کو زندہ کیا اسی طرح تم کو بھی قبروں سے نکالا جائے گا یعنی تم کو زندہ کیا جائے گا۔

دونفخوں کے درمیان مدت: شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے مرتبہ صور پھونکنے اور دوسری بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس کی مدت ہوگی لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے دریافت کیا کیا چالیس دن کی مدت ہوگی حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا میں اس کا اقرار نہیں کرتا لوگوں نے پوچھا کیا چالیس ماہ مراد ہیں حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا مجھے اس سے بھی انکار ہے لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی مدت ہوگی حضرت ابو ہریرہؓ نے اس کا بھی اقرار نہیں کیا۔

آب حیات کی بارش: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر اللہ آسمان سے پانی برسائے گا جس سے مردے (زمین سے) ایسے اگیں گے جیسے سبزہ اگتا ہے آدمی کی ہر چیز سوائے ایک ہڈی کے فنا ہو جاتی ہے اور وہ ہڈی دم کے سرے کی ہڈی ہے اسی سے جسمانی بناوٹ جوڑی جائے گی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن جریر نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے بیان کیا کہ اصل عرش سے ایک وادی بہہ نکلے گی جس سے روئے زمین پر رینگنے والا ہر جاندار (سبزے کی طرح) اگے گا پھر روحوں کو حکم ہوگا کہ اڑ کر (اپنے اپنے) جسموں میں داخل ہو جائیں اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ۔۔۔ الخ۔

امام احمد اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو (قبروں سے) اٹھایا جائے گا اور آسمان سے ان پر ہلکی بارش ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا
اور جس نے بنائے سب چیز کے جوڑے

سب کا خالق: یعنی دنیا میں جتنی چیزوں کے جوڑے ہیں اور مخلوق کی جتنی قسمیں اور متماثل یا متقابل انواع ہیں سب کو خدا ہی نے پیدا کیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ
اور بنا دیا تمہارے واسطے کشتیوں اور چوپایوں کو
مَا تَرْكَبُونَ ۝ لِتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ
جس پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ چڑھ بیٹھو تم اس کی پیٹھ پر ☆

☆ یعنی خشکی میں بعض چوپایوں کی پیٹھ پر اور دریا میں کشتی پر سوار ہو۔ (تفسیر عثمانی)

جانوروں اور سواریوں کی نعمت:

چوپایوں کا نعمت ہونا تو بالکل ظاہر ہے کہ وہ انسان سے کئی گنا زائد طاقتور ہوتے ہیں لیکن اللہ نے انہیں انسان کے آگے ایسا رام کر دیا ہے کہ ایک بچہ بھی ان کے منہ سے لگام یا ناک میں نکیل ڈال کر جہاں چاہتا ہے انہیں لے جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری سواریاں بھی اللہ کی بڑی نعمت ہیں جن کی تیاری میں انسانی صنعت کا دخل ہے بیل گاڑی سے لیکر معمولی سائیکل تک یہ ساری سواریاں اگرچہ بظاہر انسان نے خود بنائی ہیں لیکن ان کی صنعت کے طریقے سمجھانے والا اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے؟ یہ وہ قادر مطلق ہی تو ہے جس نے انسانی دماغ کو وہ طاقت عطا کی ہے جو لوہے کو موم بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اسکے علاوہ ان کی صنعت میں جو خام مواد استعمال ہوتا ہے وہ اس کے خواص و آثار تو براہ راست اللہ تعالیٰ ہی کی تخلیق ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا
پھر یاد کرو اپنے رب کا احسان جب
اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا
بیٹھ چکو اس پر اور کہو
سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا
پاک ذات ہے وہ جس نے بس میں کر دیا ہمارے
وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ۝
سواری اور ہم نہ تھے اس کو قابو میں لا سکتے ☆

انسانی صلاحیت کی نعمت: یعنی چوپایوں یا کشتی پر سوار ہوتے وقت اللہ کا احسان دل سے یاد کرو۔ ہم لوگوں نے اس قدر قوی اور تنومند جانوروں کو اپنی عقل و تدبیر وغیرہ سے ان چیزوں کو قابو میں لے آئے یہ محض خدا کا فضل ہے ورنہ ہم میں اتنی طاقت اور قدرت نہ تھی کہ ایسی ایسی چیزوں کو مسخر کر لیتے نیز دل کی یاد کے ساتھ زبان سے سواری کے وقت یہ الفاظ کہنے چاہئیں۔ "سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ" اور بھی اذکار و ادعیہ احادیث میں آئی ہیں جو کتب حدیث و تفسیر میں مذکور ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سوار ہونے کے اذکار و دعائیں

چنانچہ کتاب الاذکار والادعیہ میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر شروع کرتے وقت سواری پر سوار ہونے کے بعد یہ

کلمات دعا یہ پڑھنے کی ہدایت فرمائی۔ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر سوار ہوتے تو تین بار تکبیر فرماتے اور تین بار سبحان اللہ فرماتے ایک بار لا الٰہ الا اللہ اور ایک روایت میں ہے کہ لا الٰہ الا اللہ بھی تین بار فرماتے اور پھر یہ آیت مبارکہ سُبحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا پڑھتے۔ اس کے بعد یہ کلمات فرماتے اَللّٰهُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ فِیۡ سَفَرِیۡ هٰذَا مِنَ الۡبِرِّ وَالتَّقۡوٰی وَمِنَ الۡعَمَلِ مَا تُحِبُّ وَتَرۡضٰی اَللّٰهُمَّ هَوِّنۡ عَلَیۡنَا السَّفَرَ وَاطۡوِلَنَا الۡبُعۡدَ اَللّٰهُمَّ اَنۡتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالۡخَلِیۡفَةُ فِی الۡاَهۡلِ اَللّٰهُمَّ اَصۡحِبۡنَا فِیۡ سَفَرِنَا هٰذَا وَاخۡلُفۡنَا فِیۡ اَهۡلِنَا۔ (معارف کاندھلوی)

سفر سے واپسی کی دعاء: جب سفر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی طرف لوٹتے تو فرماتے اٰئِبُوْنَ تَآئِبُوْنَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ یعنی واپس لوٹنے والے توبہ کرنیوالے ان شاء اللہ عبادتیں کرنیوالے اپنے رب تعالیٰ کی تعریفیں کرنے والے۔ (مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہ)۔

سواری کے وقت دعا پڑھنے کی حکمت

ابو لاس خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صدقہ کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سواری کے لئے ہمیں عطا فرمایا کہ ہم اس پر سوار ہو کر حج کو جائیں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ! ہم نہیں دیکھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر اونٹ کی کوہان میں شیطان ہوتا ہے تم جب اس پر سوار ہو تو جس طرح میں تمہیں حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کا نام یاد کرو پھر اسے اپنے لئے خادم بنا لو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ ہی سوار کراتا ہے۔ (مسند احمد)۔ حضرت ابو لاس کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر اونٹ کی پیٹھ پر شیطان ہے تو تم جب اس پر سواری کرو تو اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرو پھر اپنی حاجتوں میں کمی نہ کرو۔ (تفسیر ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ فعل:

ابوداؤد ترمذی نسائی اور بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے جب اپنا قدم رکاب میں رکھا تو فوراً بسم اللہ کہا پھر جب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے تو الحمدللہ کہہ کر فرمایا۔ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ اس کے بعد تین بار الحمدللہ اور تین بار اللہ اکبر کہا پھر کہا لا الٰہ الا انت ظلمت نفسی فاغفرلی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت اس کے بعد مسکرا دیئے عرض کیا گیا امیر المومنین آپ کس وجہ سے مسکرائے فرمایا بندہ جب لا الٰہ الا انت ظلمت نفسی فاغفرلی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا ھو کہتا ہے تو اللہ اس کے اس فعل کو پسند کرتا ہے (او کما قال) اس موقعہ پر حضور مسکرائے تھے تو حضرت علیؓ بھی مسکرائے۔ (تفسیر مظہری)

صاحب عقل کا کام: ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ (اور تاکہ تم یاد کرو اپنے پروردگار کی نعمت کو) اس سے اشارہ فرما دیا کہ ایک صاحب عقل و ہوش انسان کا کام یہ ہے کہ وہ منعم حقیقی کی نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے غفلت بے پرواہی اور استغناء کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اس بات پر دھیان دے کہ یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے لہٰذا مجھ پر اس کے شکر کی ادائیگی اور عجز و نیاز کا اظہار واجب ہے۔

کافر و مومن کا فرق: ایک کافر اور مومن میں درحقیقت یہی فرق ہے کہ کائنات کی نعمتوں کو دونوں استعمال کرتے ہیں لیکن کافر انہیں غفلت اور بے پرواہی سے استعمال کرتا ہے اور مومن اللہ کے احسانات کو مستحضر کر کے اپنا سر نیاز اس کے حضور جھکا دیتا ہے اسی مقصد سے قرآن و حدیث میں مختلف کاموں کی ابتداء کے وقت صبر و شکر کے مضامین پر مشتمل دعائیں تلقین کی گئی ہیں۔ اور اگر انسان اپنی روزمرہ زندگی میں اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ان دعاؤں کو اپنا معمول بنائے تو اس کا ہر مباح کام بھی عبادت بن جاتا ہے۔ یہ دعائیں علامہ جزری کی کتاب "حصن حصین" اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی "مناجات مقبول" میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ
اور ہم کو اپنے رب کی طرف پھر جانا ہے

سفر آخرت کی یاد: یعنی اس سفر سے آخرت کا سفر یاد کرو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوتے تو یہ کلمات کہتے تھے۔ (روح المعانی)

وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ۔ (اور بلا شبہ ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں) ان الفاظ کے ذریعہ تعلیم یہ دی گئی ہے کہ انسان کو چاہئے دنیوی سفر کے وقت آخرت کا وہ کٹھن سفر یاد کرنا چاہئے جو ہر حال میں پیش آ کر رہے گا اور اسے موت کے ساتھ طے کرنے کے لئے ...... کوئی سواری نہیں ہوگی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ
اور ٹھہرائی ہے انہوں نے حق تعالیٰ کے واسطے اس کے
الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ؕ اَمِ اتَّخَذَ
بندوں میں سے تحقیق انسان بڑا ناشکر ہے صریح کیا اس نے
مِمَّا يَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصۡفٰكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ
رکھ لیں اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اور تم کو دے دیئے چن کر بیٹے

ناشکری ☆ یعنی چاہئے تھا اللہ کی نعمتوں کو پہچان کر شکر ادا کرتے یہ حق ناشناس پر ترا یہ ورائی جناب میں گستاخیاں کرنے لگا اس سے بڑی گستاخی اور ناشکری کیا ہوگی کہ اس کیلئے اولاد تجویز کی جائے وہ بھی بندوں میں سے اور وہ بھی بیٹیاں اس واولاد باپ کے وجود کا ایک جز ہوتا ہے تو خداوند قدوس کے لئے اولاد تجویز کرنے کے یہ معنی ہوئے کہ وہ اجزاء سے مرکب ہے اور مرکب کا حادث ہونا ضروری دوسرے ولد اور والد میں مجانست ہونی چاہئے دونوں ایک جنس نہ ہوں تو ولد یہ والد کے حق میں عیب ہے یہاں مخلوق و خالق میں مجانست کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تیسرے عورتیں باعتبار قوائے جسمیہ وعقلیہ کے عموماً مرد کے سے ناقص اور مزور ہوتی ہیں کیا معاذ اللہ خدا نے اپنے لئے اولاد بھی رکھی تو گھٹیا ۔ ناقص کیا تم کو شرم نہیں آتی کہ اپنے حصہ میں عمدہ اور بڑھیا اور خدا کے حصہ میں ناقص اور گھٹیا چیز لگاتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کے دعویٰ کی عقلی تردید: وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا (اور انہوں نے خدا کے بندوں میں سے خدا کا جز ٹھہرایا) یہاں "جزو" سے مراد اولاد ہے کہ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے اور "اولاد" کے بجائے "جزو" کا لفظ اختیار کر کے مشرکین کے اس دعوائے باطل کی عقلی تردید کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ
اور جب ان میں کسی کو خوشخبری ملے اس چیز کی جس کو
لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا
رحمن کے نام لگایا تو سارے دن رہے منہ اس کا سیاہ
وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾
اور وہ دل میں گھٹ رہا ہے ☆

مشرکین کی بے عقلی ☆ یعنی جو اولاد خدا کے لئے تجویز کرتے ہیں وہ ان کے زعم میں ایک عیب دار اولاد ذلیل و حقیر ہے کہ اگر خود انہیں ان کے بیٹے کی خوشخبری سنائی جائے تو مارے رنج اور غصہ کے تیوریاں بدل جائیں اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہیں اس کی پوری تقریر سورۂ "صافات" کے اخیر رکوع میں گزر چکی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مثلاً کا ایک اور مفہوم: مثل سے مراد ہے صفت یعنی جب اس کو اس وصف کی بشارت دی جاتی ہے جس کو اس نے رحمن کا وصف قرار دیا ہے تو انتہائی غم سے اس کا چہرہ سخت کالا ہو جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَوَمَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي
کیا ایسا شخص کہ پرورش پاتا ہے زیور میں اور وہ
الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾
جھگڑے میں بات نہ کہہ سکے ☆

ضعیف الرائے ☆ یعنی کیا خدا نے اولاد بنانے کے لئے لڑکی کو پسند کیا ہے جو عادۃً آرائش و زیبائش میں نشو ونما پائے اور زیورات وغیرہ کے شوق میں مستغرق رہے جو دلیل ہے ضعف رائے و عقل کی اور وہ بوجہ ضعف قوت فکریہ کے مباحثہ کے وقت قوت بیانیہ بھی نہ رکھے چنانچہ عورتوں کی تقریروں میں ذرا غور کرنے سے مشاہدہ ہوتا ہے کہ نہ اپنے دعوے کو کافی بیان سے ثابت کر سکیں نہ دوسرے کے دعوے کو گرا سکیں ہمیشہ ادھوری بات کہیں گی یا فضول باتیں اس میں ملا دیں گی جن کو مطلوب میں کچھ دخل نہ ہو کہ اس سے بھی تبیین مقصود میں خلل پڑ جاتا ہے اور مباحثہ کی تخصیص اس حیثیت سے ہے کہ اس میں بوجہ بیان کی احتیاج زیادہ ہونے کے ان کا عجز زیادہ ظاہر ہو جاتا ہے پس ہر کلام طویل اسی کے حکم میں ہے اور معمولی جملوں کا ادا ہو جانا مثلاً میں آ گئی تھی وہ گئی تھی قوت بیانیہ کی دلیل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

عورتوں کیلئے زیور کی اجازت اور مردوں کیلئے ممانعت کی حکمت

يُنَشَّؤُا (باب تفعیل) یعنی پرورش پاتا ہے۔ اس سے عورتیں مراد ہیں حسن صورت عورت کا طرۂ امتیاز ہے اسی لئے عورت زیور کی ضرورت مند ہے تا کہ اس کے حسن ظاہری میں اضافہ ہو مردوں کا امتیاز اوصاف باطنی و کمالات ذاتی پر موقوف ہے اور یہ زیور سے حاصل نہیں ہوتا اس لئے مردوں کو زیور کی ضرورت نہیں۔ آیت میں در پردہ ایماء ہے اس طرف کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ اور زیور سے آرائش عیب ہے مردوں کو اس سے پرہیز رکھنا اور لباسِ تقویٰ سے آراستہ ہونا چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ
اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو جو بندے ہیں
الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا
رحمن کے عورتیں ☆

مشرکوں کا جھوٹ ☆ یعنی یہ ان کا ایک اور جھوٹ ہے کہ فرشتوں کو عورتوں کی صف میں داخل کرتے ہیں حالانکہ وہ نہ عورت نہ مرد جنس ہی علیحدہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کی طرف سے فرشتوں کی توہین

اور انہوں نے فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں عورتیں قرار دے رکھا ہے۔ یعنی مشرکوں نے نازیبا اوصاف ہی خدا کے لئے ثابت نہیں کئے اور خدا کو صرف صاحب اولادہی نہیں قرار دیا اور محض خدا ہی کی توہین نہیں کی بلکہ فرشتوں کی بھی تحقیر کی وہ فرشتے جو اللہ کے برگزیدہ بندے اور مقرب بارگاہ خداوندی ہیں اور ان کا قرب ناقابل بیان ہے ان کو عورتیں قرار دے رکھا ہے۔

آیت کا شانِ نزول: ابن المنذر نے قتادہ کا قول نقل کیا کہ کچھ منافق اللہ کا رشتۂ زوجیت جنات سے جوڑتے تھے اور ملائکہ کو ان سے مانتے تھے ان کی تردید میں نازل ہوا وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا۔ بغوی نے جو یہ کلبی و مقاتل بیان کیا ہے کہ جب مشرکوں نے یہ بات کہی (یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم کو کیسے معلوم کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں انہوں نے کہا ہم نے اپنے بزرگوں سے یہی سنا ہے اور ہم کو یقین ہے کہ انہوں نے غلط نہیں کہا اس پر آیت سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ۔ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ
کیا دیکھتے تھے اُن کا بننا اب لکھ رکھیں گے
شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ ۝
اُن کی گواہی اور اُن سے پوچھ ہوگی۔

مشرکین کے دعوے بلا دلیل ہیں

یعنی کوئی دلیل نقلی عقلی تو ان کے پاس اس دعوے پر نہیں پھر کیا اللہ نے جب فرشتوں کو بنایا تو یہ کھڑے دیکھ رہے تھے کہ مرد نہیں عورت بنایا ہے بہت اچھا ان کی یہ گواہی دفتر اعمال میں لکھ لی جاتی ہے خدائی عدالت میں جس وقت پیش ہوں گے تب اس کے متعلق ان سے پوچھ ہوگی کہ تم نے ایسا کیوں کہا تھا اور کہاں سے کہا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ؕ
اور کہتے ہیں اگر چاہتا رحمٰن تو ہم نہ پوجتے اُن کو

بے وقوفانہ دلیل یعنی اور لیجئے یہ ان مشرکانہ گستاخیوں سے جو نرا اختلال پر ایک دلیل عقلی بھی پیش کرتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم کو اپنے سوا دوسری چیزوں کی پرستش سے روک دیتا جب ہم برابر کرتے رہے اور نہ روکا تو ثابت ہوا کہ یہ کام بہتر ہیں اور اس کو پسند ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ اِنْ هُمْ
کچھ خبر نہیں اُن کو اس کی یہ سب
اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ؕ
اٹکلیں دوڑاتے ہیں

جواب: یعنی یہ تو صحیح ہے کہ بدون خدا کے چاہے کوئی چیز نہیں ہوسکتی لیکن اس چیز کا ہمارے حق میں بہتر ہونا اس سے نہیں نکلتا۔ ایسا ہو تو دنیا میں کوئی کام اور کوئی چیز بری ہی نہ رہے سارا مرض گناہ ہو جائے شرکاء کی ہی مستحب نہ ہو ہر ایک جھوٹ اور ظلم خون خوار یہی کہہ دے گا کہ خدا چاہتا تو مجھ ایسا ظلم و ستم نہ کرنے دیتا۔ جب کرنے دیا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کام سے خوش اور راضی ہے۔ بہرحال مشیت اور رضا میں تلازم ثابت کرنا کوئی علمی اصول نہیں محض اٹکل سے تیر ہیں جس کا بیان آٹھویں پارے کے نصف سے پہلے آیت "سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا" کے حواشی میں گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

ان لوگوں کو اس کا (یعنی ملائکہ کے بنات اللہ ہونے کا یا اس بات کا کہ ملائکہ اپنے معبود ہونے پر راضی ہیں کوئی حسی یا عقلی) علم نہیں۔ یہ محض بے تکی باتیں کرتے ہیں۔

یخرصون۔ یعنی بے بنیاد عقیدت محض اپنے تخمینے سے بنا کر تے ہیں۔

ربط آیات: اللہ نے پہلے مشرکوں کے فاسد عقیدے کی تردید بیان فرمائی اور ان کے فاسد شبہات کو نقل کیا پھر فرمایا کہ ان کے پاس کوئی (حسی یا عقلی) علم نہیں ہے پھر نقلی علم کی نفی کے لئے آئندہ آیت ام آتیناھم الخ نازل فرمائی۔ (تفسیر [illegible])

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ
یا ہم نے کوئی کتاب دی ہے اُن کو اس سے پہلے سو انہوں نے
مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ
اُس کو مضبوط پکڑ رکھا ہے کوئی نہیں پر کہتے ہیں ہم نے پایا
اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ
اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم اُنہی کے قدموں پر ہیں

مُّهْتَدُونَ ﴿٢٢﴾

راہ پائے ہوئے ہیں☆

مشرک نقلی دلیل سے بھی خالی: یعنی عقلی دلیل کا حال تو سن چکے اب بتلاؤ کہ کوئی نقلی دلیل اپنے دعوے پر رکھتے ہیں؟ یعنی خدا کی اتاری ہوئی کوئی کتاب ان کے ہاتھ میں ہے جس میں شرک کا پسندیدہ ہونا لکھا ہو ظاہر ہے کہ ایسی کوئی سند ان کے پاس نہیں۔ پھر بجز باپ دادا کی اندھی تقلید کے سوا کیا باقی رہ گیا وہی ان کی سب سے زیادہ زبردست دلیل ہے جس کو ہر زمانہ کے مشرک پیش کرتے آئے ہیں آگے اسی کا بیان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

امت کا معنی: علی امۃ یعنی ایک دین اور طریقہ پر۔ دین و ملت کو امت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ دین کی طرف قصد کیا جاتا ہے جیسے رحلہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طرف کوچ کر کے جاتے ہیں۔ مجاہد نے امت کا ترجمہ ملت کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي

اور اسی طرح جس کسی کو بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے

قَرْيَةٍ مِّن نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا

ڈر سنانے والا کسی گاؤں میں سو کہنے لگے وہاں کے خوشحال

إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا

ہم نے تو پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم

عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ ﴿٢٣﴾ قَالَ أَوَلَوْ

انہی کے قدموں پر چلتے ہیں وہ بولا اور جو میں

جِئْتُكُم بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدتُّمْ

لا دوں تم کو اس سے زیادہ سوجھ کی راہ جس پر تم نے پایا

عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ

اپنے باپ دادوں کو☆

پیغمبر کی دعوت: یعنی پیغمبر نے فرمایا کہ تمہارے باپ دادوں کی راہ سے اچھی راہ تم کو بتلا دوں تو کیا پھر بھی تم اسی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہو گے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ﴿٢٤﴾

تو یہی کہنے لگے ہم تمہارا لایا ہوا نہیں مانیں گے☆

کافروں کی ہٹ دھرمی: یعنی کچھ بھی ہو ہم تمہاری بات نہیں مان سکتے اور پرانا آبائی طریقہ ترک نہیں کر سکتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

پھر ہم نے ان سے بدلہ لیا سو دیکھ لے کیسا ہوا انجام

الْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٥﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَ

جھٹلانے والوں کا اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ کو اور

قَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿٢٦﴾ إِلَّا الَّذِي

اپنی قوم کو میں الگ ہوں ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے ہو مگر جس نے

فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ ﴿٢٧﴾

مجھ کو بنایا سو وہ مجھ کو راہ سمجھائے گا☆

حضرت ابراہیمؑ کی عزیمت

یعنی صرف ایک خدا سے مجھے علاقہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے منزل مقصود تک سیدھا آخر تک لے چلے گا۔

قصہ کا مقصد:

(تنبیہ) یہاں یہ قصہ اس پر بیان کیا کہ اگر تم ہمیشہ سے باپ دادا کی راہ پر چلنا چاہتے ہو تو اپنے باپ ابراہیم کی راہ پر چلو جس نے دنیا میں حق و صداقت کا جھنڈا گاڑا تھا اور جن کی وصیت یہ تھی کہ ایک خدا کے سوا کسی کو نہ پوجنا۔ قال تعالیٰ ''وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ'' (البقرہ رکوع ۱۶) (تفسیر عثمانی)

کلمہ ''ما'' کی توجیہات:

ما مصدری ہے یعنی تمہاری عبادت سے میں بیزار ہوں یا موصولہ ہے یعنی تمہارے معبودوں سے بیزار ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ اس زمانہ کا ذکر کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے یہ بات کہی تھی تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ابراہیم نے باپ دادا کی تقلید سے کیسا انکار و بیزاری کیا تھا اور تقلید سے بیزاری و ترک عقلاً و نقلاً ثابت کیا تھا۔

تقلید کرنی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کرو

اگر اپنے آباء و اجداد ہی کے راستے پر چلنا چاہتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے راستے پر کیوں نہیں چلتے جو تمہارے اشرف ترین جد اعلیٰ ہیں اور جن کے ساتھ نسبی وابستگی کو تم خود اپنے لئے سرمایۂ فخر سمجھتے ہو۔ وہ نہ صرف توحید کے قائل تھے اور اپنی اولاد کو بھی اسکی وصیت کر کے گئے بلکہ خود ان کا طرز عمل یہ بتاتا ہے کہ کھلے ہوئے عقلی اور نقلی دلائل کی موجودگی میں محض باپ دادوں کی تقلید کرنا جائز نہیں۔ جب وہ دنیا میں مبعوث ہوئے تو ان کی ساری قوم اپنے آباؤ اجداد کی اتباع میں شرک میں مبتلا تھی لیکن انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے بجائے دلائل واضحہ کا اتباع کرتے ہوئے اپنی قوم سے بیزاری کا اظہار کیا اور فرمایا اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ۔ (جن چیزوں کی عبادت تم کرتے ہو میں اُن سے بَری ہوں)۔

بدعمل و بدعقیدہ لوگوں سے برأت کا اظہار ضروری ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی بدعمل یا بدعقیدہ گروہ یا جماعت کے درمیان رہتا ہے اور خاموش رہنے کی صورت میں یہ اندیشہ ہے کہ اس کو بھی اسی گروہ کا ہم خیال سمجھا جائے گا تو محض اپنے عقیدے اور عمل کی درستی کر لینا ہی کافی نہیں، بلکہ اس گروہ کے عقائد و اعمال سے اپنی براءت کا اظہار بھی ضروری ہے، چنانچہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ اپنے عقائد و اعمال مشرکین سے ممتاز رکھے بلکہ زبان سے بھی براءت کا برملا اظہار فرمایا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِىْ عَقِبِهٖ
اور یہی بات پیچھے چھوڑ گیا اپنی اولاد میں
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾
تاکہ وہ رجوع رہیں

یعنی یہی کلمہ توحید کا بیان کہ ان کی نسل میں ہمیشہ حق کی طرف رجوع ہوتا رہے۔ (تفسیر عثمانی)

کلمۃً باقیۃً کا مطلب: مطلب یہ ہے کہ اپنے عقیدہ توحید کو انہوں نے اپنی ذات ہی تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدے پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی، چنانچہ آپ کی اولاد میں ایک بڑی تعداد موحدین کی رہی اور خود عرب کے گردونواح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تک ایسے سلیم الفطرت حضرات موجود تھے جو صدیاں گزرنے کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصلی دین ہی پر قائم رہے۔

اولاد کی اصلاح کی فکر ضروری ہے:

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنی ذات کے علاوہ اپنی اولاد کو دین صحیح پر کاربند کرنے اور رکھنے کی فکر بھی انسان کے فرائض میں داخل ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بھی قرآن کریم نے بتایا ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو دین صحیح پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی لہٰذا جس صورت سے ممکن ہو اولاد کے اعمال و اخلاق کی اصلاح میں اپنی پوری کوشش صرف کر دینا ضروری بھی ہے اور انبیاء کی سنت بھی۔ اور یوں تو اولاد کی اصلاح کے بہت سے طریقے ہیں جنہیں حسب موقع اختیار کیا جا سکتا ہے۔

اولاد کی اصلاح کا کارگر عمل:

حضرت شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف المنن والاخلاق میں لکھا ہے کہ اولاد کی اصلاح کے لئے سب سے زیادہ کارگر عمل یہ ہے کہ والدین ان کی دینی اصلاح کے لئے دعا کا اہتمام کریں۔ افسوس ہے کہ اس آسان تدبیر سے آجکل غفلت عام ہوتی جا رہی ہے اور اس کے انجام بد کا مشاہدہ خود والدین کرتے رہتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى
کوئی نہیں پر میں نے برتنے دیا ان کو اور ان کے باپ دادوں کو یہاں تک کہ
جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾
پہنچا انکے پاس دین سچا اور رسول کھول کر سنا دینے والا☆

مشرکین پر افسوس: یعنی افسوس ابراہیم علیہ السلام کی وراثت حاصل نہ کی اور ان کی وصیت پر نہ چلے بلکہ اللہ نے جو دنیا کا سامان دیا تھا اس کے مزوں میں پڑ کر خداوند قدوس کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے یہاں تک کہ ان کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اپنا وہ پیغمبر بھیجا جس کی پیغمبری بالکل روشن اور واضح ہے اس نے سچا دین پہنچایا، قرآن پڑھ کر سنایا اور اللہ کے احکام پر نہایت صفائی کے ساتھ مطلع کیا۔ (تفسیر عثمانی)

مبین کا معنی: رَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ۔ معجزات کے ذریعہ سے رسالت کو ظاہر کرنے والا یا آیات و براہین کی روشنی میں توحید کو ظاہر کرنے والا یا اللہ کے احکام کو ظاہر کرنے والا۔

شان نزول: ابن جریر نے ضحاک کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے اپنے رسول کو مبعوث فرمایا تو عرب نے ماننے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ کسی انسان کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجنے سے اللہ

شان بندو بالا ہے (یعنی وہ کسی انسان کو اپنا رسول نہیں بنا سکتا) اس پر اللہ نے آیات ذیل نازل فرمائیں۔ کَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْھُمْ اور مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا جب بار بار آیات کا (بکثرت) نزول ہونے لگا تو کہنے لگے اگر آدمی کا ہی پیغمبر ہونا ضروری تھا تو محمد کے علاوہ دوسرے لوگ رسالت کے لئے زیادہ اہل تھے ان کو پیغمبر ہونا چاہئے تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا جَآءَھُمُ الْحَقُّ قَالُوْا ھٰذَا سِحْرٌ

اور جب پہنچا اُن کے پاس سچا دین کہنے لگے یہ جادو ہے

وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور ہم اُس کو نہ مانیں گے ☆

☆ یعنی قرآن کو جادو بتلانے لگے اور پیغمبر کی بات کو ماننے سے انکار کردیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی

اور کہتے ہیں کیوں نہ اُترا یہ قرآن کسی

رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾

بڑے مرد پر ان دونوں بستیوں میں کے ☆

مشرکین کا اعتراض ☆ یعنی اگر قرآن کو اترنا ہی تھا تو مکہ یا طائف کے کسی بڑے سردار پر اترا ہوتا یہ کیسے باور کرلیا جائے کہ بڑے بڑے دولت مند سرداروں کو چھوڑ کر خدا نے منصب رسالت کے لئے ایک شخص کو چن لیا ہو جو ریاست و دولت کے اعتبار سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ (تفسیر عثمانی)

نبوت روحانی مرتبہ ہے اسکا دولت سے کوئی واسطہ نہیں

رجل عظیم سے مراد ہے بڑی عزت والا دنیوی آبرودار اور بڑا مالدار کافروں نے یہ سمجھا کہ رسالت بہت بڑا منصب ہے اور بڑا منصب بڑے آدمی کو ہی ملنا چاہئے انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ نبوت ایک روحانی مرتبہ ہے جس کا دنیوی وجاہت و دولت سے کوئی تعلق نہیں یہ مرتبہ چاہتا ہے کہ جس کو اس درجہ پر فائز کیا جائے وہ نفس اور روح ... قدسیہ کا حامل ہو ذاتی اور صفاتی تجلیات کا جلوہ گاہ بننے کی اس میں صلاحیت ہو۔

کافروں کے نامزد عظیم آدمی

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے کہا کافروں کی مراد یہ تھی کہ مکہ میں عتبہ بن ربیعہ پر اور طائف میں عبد یالیل پر نازل ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

روایات میں ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے مکہ مکرمہ سے ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی حبیب بن عمرو ثقفی یا کنانہ بن عبد یالیل کے نام پیش کئے تھے۔ (معارف مفتی اعظم)

کافروں کا اعتراض

ان آیات باری تعالیٰ نے مشرکین عرب کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کیا کرتے تھے۔ دراصل شروع میں تو وہ یہ باور کرنے پر ہی تیار نہ تھے کہ اللہ کا کوئی رسول انسان ہو سکتا ہے چنانچہ اُن کا یہ اعتراض قرآن کریم نے جا بجا ذکر فرمایا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہم جیسے انسان ہیں جبکہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے ہیں لیکن جب متعدد آیات قرآنی کے ذریعہ یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ دنیا میں جس قدر انبیاء آئے ہیں وہ سب انسان ہی تھے تو اب انہوں نے پینترا بدل کر یہ اعتراض کیا کہ اگر کسی انسان ہی کو نبوت سونپنی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالی اعتبار سے کوئی بڑے صاحب حیثیت نہیں ہیں یہ منصب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مکہ اور طائف کے کسی بڑے دولتمند اور صاحب جاہ و منصب انسان کو کیوں نہیں دیا گیا؟۔ (معارف مفتی اعظم)

مال و دولت کی زیادتی فضیلت کا سبب نہیں ہے

کفار نے جو یہ کہا تھا کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے مالدار کو نبی کیوں نہ بنایا گیا۔ ان آیات میں اسکا دوسرا جواب دیا گیا ہے اور اسکا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نبوت کے لئے کچھ شرائط صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے لیکن مال و دولت کی زیادتی کی بناء پر کسی کو نبوت نہیں دی جا سکتی کیونکہ مال و دولت ہماری نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کر دیتے اور صحیح ترمذی کی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منھا شربۃ ماء (یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا) اس سے معلوم ہوا کہ نہ مال و دولت کی زیادتی کوئی فضیلت کی چیز ہے نہ اس کی کمی انسان کے کم رتبہ ہونے کی علامت ہے۔ البتہ نبوت کے لئے کچھ اعلیٰ درجہ کے اوصاف ضروری ہیں وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اسلئے یہ اعتراض بالکل لغو و باطل ہے۔

اَھُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّکَ

کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے رب کی رحمت کو ☆

مالک اللہ ہے تم نہیں [illegible] نبوت [illegible] منصب [illegible] تمہارے ہاتھ [illegible] جو اتنی [illegible] تقسیم [illegible]

اعتراض کا الٰہی جواب:

نبوت کی تقسیم تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے کہ کسی کو نبی بناتے سے پہلے تم سے رائے لی جائے یہ کام تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اپنی عظیم مصلحتوں کے مطابق [illegible] عطا فرماتا ہے تمہارا وجود اور عقل و شعور اس عظیم کام کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا کہ تقسیم نبوت کا کام تمہارے سپرد کیا جاتا اور نبوت کی تقسیم تو بہت اونچے درجہ کی چیز ہے تمہاری حیثیت، وجود، شعور، عقل بھی تمہارا نہیں ہے خود تمہاری معیشت اور سامان معیشت کی تقسیم کا کام تمہارے سپرد کیا جا سکتا کیونکہ ہم جانتے ہیں اگر ایسا کیا جاتا تو تم لوگ اس کا بھی نظام صحیح طور پر نہ چلا سکتے اور سارا نظام درہم برہم ہو جاتا اسلئے اللہ تعالیٰ نے دنیوی زندگی میں تمہاری روزی کی تقسیم بھی تمہارے [illegible] نہیں رکھی بلکہ تقسیم معیشت کا کام خود اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ جب یہ ادنیٰ درجہ کا کام تمہارے حوالے نہیں کیا جا سکتا تو نبوت کی تقسیم جیسا عظیم کام تمہارے حوالے کیسے کیا جائے۔ آیت کا مقصود تو اتنا ہی ہے [illegible] جواب دینا ہے۔ اسی ضمن میں باری تعالیٰ نے دنیا کے نظام معیشت سے متعلق [illegible] بیان فرما دیئے ہیں [illegible] معاشی اصول [illegible] ہیں جن کی مختصر توضیح ضروری ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي
ہم نے بانٹ دی ہے اُن میں روزی اُن کی
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ
دنیا کی زندگانی میں اور بلند کر دیئے درجے بعض کے بعض
دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا
پر کہ ٹھہراتا ہے ایک [illegible]

[illegible] کوئی غنی کوئی فقیر [illegible] ایک دوسرے سے کم کوئی تابع ہے کوئی متبوع۔ [illegible]

معاشی مساوات کی حقیقت وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ (اور ہم نے [illegible] بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے) [illegible] معاشی مساوات (جس کا یہ مطلب لیا جائے کہ تمام افراد کی آمدنی بالکل برابر ہو) نہ مطلوب ہے نہ ممکن عمل [illegible] تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے ہر رکن پر [illegible] کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور کچھ حقوق [illegible] جس کی جتنی ذمہ داری ہے اتنے ہی حقوق ہیں انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان کے ذمہ چونکہ فرائض سب سے کم ہیں۔ وہ شرعی حلال وحرام اور جائز و ناجائز کے مکلف نہیں ہیں اسلئے اُن کے حقوق بھی سب سے کم ہیں چنانچہ انسان کو ان کے معاملہ میں وسیع آزادی عطا کی گئی ہے کہ وہ ان سے چند معمولی سی پابندیوں کیساتھ جس طرح چاہے نفع اُٹھا سکتا ہے چنانچہ بعض حیوانات [illegible] بعض پر سواری کرتا ہے بعض مخلوقات کو پامال کرتا ہے مگر اسے ان مخلوقات کی حق تلفی نہیں سمجھا جاتا اسلئے کہ ان مخلوقات پر چونکہ فرائض [illegible] اسلئے اُن کے حقوق بھی بہت کم ہیں۔

فرائض و حقوق کا تعین انتہائی نازک مشکل کام ہے

البتہ یہ طے کرنا کہ کس کے فرائض زیادہ اور کس کے کم ہیں اور ان کی [illegible] کتنے حقوق ملنے چاہئیں ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے اور انسان کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس سے وہ اسباب کا ٹھیک ٹھیک تعین کر سکے۔ بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور تجربہ کار انجینئر نے ایک گھنٹہ میں اتنی آمدنی حاصل کر لی ہے جو ایک غیر ہنر مند مزدور نے [illegible] بھی حاصل نہیں کی لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو قطع نظر اس سے کہ مزدور کی دن بھر کی آزاد محنت ذمہ داری کے اس بوجھ کے برابر نہیں ہو سکتی جو انجینئر نے اٹھا رکھا ہے۔ انجینئر کی یہ آمدنی صرف اس ایک گھنٹے کی محنت کا صلہ نہیں بلکہ اسمیں سالہا سال [illegible] عرق ریزی اور جانفشانی کے صلے کا ایک حصہ بھی شامل ہے جو اسے انجینئر [illegible] کی تعلیم [illegible] تجربہ [illegible] حاصل [illegible]

اشتراکیت کا نقص [illegible] اپنی [illegible] آمدنی [illegible] تفاوت [illegible] چنانچہ [illegible] مختلف [illegible] تفاوت پیدا ہو جاتا ہے [illegible] فرائض کا تعین اور پھر ان کی مناسبت سے ان کی آمدنی کی [illegible] ہے۔

تقسیم معیشت کا قدرتی نظام نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ۔ (ہم نے تقسیم کیا ہے ان کے درمیان ان کی معیشت کو) مقصد یہ ہے کہ ہم نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کا [illegible] ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے کا [illegible] ہیں [illegible] ضروریات کی [illegible] ہیں۔

تقسیم معیشت کا کام کسی ادارے کا نہیں ہے

[illegible] اللہ تعالیٰ نے تقسیم

معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی با اختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضروریات کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے؟ وسائل پیداوار کو کس تناسب سے کن کاموں میں لگایا جائے اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے؟ اسکے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے۔

تقسیم حقوق وفرائض اللہ کے ذمہ ہے:

جس طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص کس سے شادی کرے طبعی مناسبتوں کے فطری نظام کے تحت خود بخود انجام پاتا ہے اور اُسے منصوبہ بندی کے ذریعہ حل کرنے کا کسی کو خیال نہیں آیا۔ یا مثلاً یہ بات کہ کون شخص علم وفن کے کس شعبہ کو اپنا میدان بنائے؟ اسی طبعی ذوق اور مناسبت کے بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہو سکتا ہے اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈال دیا ہے جو اسکے لئے زیادہ مناسب ہے اور جسے وہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے چنانچہ ہر شخص خواہ وہ کیسا خاکروب ہی کیوں نہ ہو اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنے لئے سرمایہ فخر سمجھتا ہے۔ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ۔ البتہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلام نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ وہ ہر جائز وناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر دوسروں کے لئے رزق کے دروازے بند کر دیں' بلکہ ذرائع آمدنی میں حلال وحرام کی تفریق کر کے سود' سٹہ' قمار اور ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیدیا ہے۔

اسلامی مساوات کا مطلب: مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آمدنی میں مکمل مساوات نہ عدل وانصاف کا تقاضا ہے' نہ عملاً کہیں قائم ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے' اور نہ یہ اسلام کو مطلوب ہے البتہ اسلام نے جس مساوات کو قائم کیا ہے وہ قانون' معاشرت اور ادائے حقوق کی مساوات ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا قدرتی طریق کار کے تحت جس شخص کے جتنے حقوق متعین ہو جائیں انہیں حاصل کرنے کے قانونی' تمدنی اور معاشرتی حقوق میں سب برابر ہیں اس بات کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ ایک امیر یا صاحب جاہ منصب انسان اپنا حق عزت کیساتھ بآسانی حاصل کر لے اور غریب کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں اور ذلیل وحقیر ہونا پڑے۔ قانون امیر کے حقوق کی حفاظت کرے اور غریب کو بے یار ومددگار چھوڑ دے' اسی کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔

واللہ ما عندی اقوی من الضعیف حتی آخذ الحق له ولا عندی اضعف من القوی حتی آخذ الحق منه "خدا کی قسم میرے نزدیک ایک کمزور آدمی سے زیادہ قوی کوئی نہیں تاوقتیکہ میں اسکا حق اسے نہ دلوا دوں اور میرے نزدیک ایک قوی آدمی زیادہ کمزور کوئی نہیں' جب تک کہ میں اس سے (کمزور کا) حق وصول نہ کرلوں"۔

اسلام کے معاشی نظام میں مساوات کا مطلب

اسی طرح ٹھیٹھ معاشی نقطۂ نظر سے اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر شخص کو کمائی کے یکساں مواقع حاصل ہیں اور اسلام اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ چند بڑے بڑے دولتمند مال ودولت کے دہانوں پر قابض ہو کر اپنی اجارہ داریاں قائم کرلیں اور چھوٹے تاجروں کے لئے بازاروں میں بیٹھنا دوبھر بنا دیں' چنانچہ سود' سٹہ' قمار' ذخیرہ اندوزی اور اجارہ دارانہ تجارتی معاہدوں کو ممنوع قرار دیکر' نیز زکوٰۃ' عشر' خراج' نفقات' صدقات اور دوسرے واجبات عائد کر کے ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے جس میں ہر انسان اپنی ذاتی صلاحیت' محنت اور سرمایہ کے تناسب سے مالی ترقی کے مناسب مواقع حاصل کر سکتا ہے اور اس سے ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر ہو سکتی ہے' اسکے باوجود آمدنی کا جو تفاوت باقی رہے وہ درحقیقت فطری ہے' اور جس طرح انسانوں سے دنیا میں حسن وجمال' قوت وصحت' عقل وذہانت اور آل واولاد کے تفاوت کو مٹانا ممکن نہیں' اسی طرح اس تفاوت کو بھی مٹایا نہیں جا سکتا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۳۲﴾
اور تیرے رب کی رحمت بہتر ہے ان چیزوں سے جو سمیٹتے ہیں

یعنی نبوت ورسالت کا شرف تو ظاہری مال وجاہ اور دنیوی ساز وسامان سے کہیں اعلیٰ ہے جب اللہ نے دنیا کی روزی ان کی تجویز پر نہیں بانٹی پیغمبری ان کی تجویز پر کیونکر دے۔ آگے دنیا کے مال ودولت اور مادی سامان کا اللہ کے ہاں بے وقعت اور حقیر ہونا بیان کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نبوت میں کسی کی مرضی کو دخل نہیں

خلاصہ بیان یہ کہ دنیا میں جب کوئی بڑائی اور ترقی خود حاصل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور کسی کو اس انتخاب میں دخل نہیں ہے تو نبوت میں جو انسانیت کا اعلیٰ مقام ہے کیسے ان کی مرضی اور مشیت کو دخل ہو سکتا ہے۔ اللہ کی بارگاہ میں۔ بڑا آدمی اسباب دنیوی کی کثرت سے نہیں بنتا بلکہ نبوت عظمت انسانی کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ دنیوی متاع تو اللہ کی نظر میں بے قدر حقیر اور قابل نفرت ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً
اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ہو جائیں
وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ
ایک دین پر تو ہم دیتے ان لوگوں کو جو منکر ہیں
بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ
رحمن سے اُن کے گھروں کے واسطے چھت
فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾
چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں
وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا
اور اُن کے گھروں کے واسطے دروازے اور تخت جن پر
يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾ وَزُخْرُفًا
تکیہ لگا کر بیٹھیں اور سونے کے ☆

اللہ کے ہاں دنیا کی بے وقعتی

یعنی اللہ کے ہاں اس دنیوی مال و دولت کی کوئی قدر نہیں نہ اس کا دیا جانا کچھ قرب و وجاہت عند اللہ کی دلیل ہے یہ تو ایسی بے قدر اور حقیر چیز ہے کہ اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ کافروں کے مکانوں کی چھتیں، زینے، دروازے چوکھٹ قفل اور تخت چوکیاں سب چاندی اور سونے کی بنا دیتا مگر اس صورت میں لوگ یہ دیکھ کر کہ کافروں ہی کو ایسا سامان ملتا ہے عموماً کفر کا راستہ اختیار کر لیتے (الا ماشاء اللہ) اور یہ چیز مصلحت خداوندی کے خلاف ہوتی اس لئے ایسا نہیں کیا گیا حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر ایک مچھر کے بازو برابر ہوتی تو کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا بھلا جو چیز خدا کے نزدیک اس قدر حقیر ہو اسے سیادت و وجاہت عند اللہ اور نبوت و رسالت کا معیار قرار دینا کہاں تک صحیح ہوگا حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا نہیں تو اس کو آرام ہے آخرت میں دکھ عذاب ہے یہیں تو آرام ملتا مگر ایسا ہو تو سب وہی کفر کا راستہ پکڑ لیں۔" (تفسیر عثمانی)

اور مذکورہ آیت میں یہ جو کہا گیا ہے کہ "اگر کافروں پر مال و دولت کی اتنی فراوانی کر دی جاتی تو سب لوگ کافر ہو جاتے" اس میں مراد لوگوں کی بھاری اکثریت ہے ورنہ اللہ کے کچھ نیک بندے آج بھی ایسے موجود ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ کفر اختیار کر کے وہ مال و دولت کے نواب ہو سکتے ہیں لیکن وہ مال و دولت کی خاطر کفر و اختیار نہیں کرتے یہ چھوٹی سی شاید اس وقت بھی ایمان پر قائم رہ جاتے لیکن اُن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ
اور یہ سب کچھ نہیں ہے مگر برتنا
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ
دنیا کی زندگانی کا اور آخرت تیرے رب کے
رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع
یہاں انہی کے لئے ہے جو ڈرتے ہیں ☆

☆ یعنی دنیا کی بہار میں تو سب شریک ہیں مگر آخرت مع اپنی ابدی نعماء و آلاء کے متقین کے لئے مخصوص ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مومنین کے لئے آخرت ہے:

صحیحین میں ہے کہ ازواج مطہرات نے جس زمانہ میں نفقہ کی زیادتی کا مطالبہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطالبہ سے ناراض ہو کر ایک ماہ تک کے لئے ازواج مطہرات سے ملنے جلنے بات چیت سے پرہیز کرنے کی قسم کھائی تھی۔ اور بالا خانہ پر مقیم تھے تو عمر فاروق جب وہاں حاضر ہوئے۔ اور یہ دیکھا کہ آپ کھری روئی چٹائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جس کی چٹیوں نے آپ کے پہلوئے مبارک پر نشان ڈال رکھے ہیں تو اس منظر کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ قیصر و کسریٰ جس حال میں ہیں خوب ہے کہ جن کے پاس دنیا کی نعمتوں کی کوئی حد و انتہا نہیں اور آپ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں (جو اس حالت میں ہے) تو آپ اپنی امت کے لئے دعا کر دیجئے کہ اللہ ان کو فراخی عطا کر دے۔ روایات میں ہے کہ آپ عمر فاروقؓ کی یہ بات سنتے ہی چونک کر آگے کو ہو بیٹھے۔ اور دوبار آپؐ نے یہ فرمایا **الفی شک انت یا ابن الخطاب** کہ اے ابن خطاب تو ابھی شک ہی میں پڑا ہوا ہے۔ یہ لوگ تو وہ ہیں دنیا کی لذتیں انہیں دنیا میں جلدی ہی دیدی گئیں۔ جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ ان کے واسطے دنیا ہو۔ اور ہمارے واسطے آخرت ہو۔ (معارف کاندھلوی)

دنیا کی قیمت: حضرت مستورد بن شداد فہری کا بیان ہے میں ان سواروں میں شامل تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ایک مردہ بکری کے بچہ پر جمع تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ دیکھ

رہے ہو کہ اس کو بے قدر سمجھ کر گھر والوں نے یہاں پھینک دیا ہے۔ حاضرین نے عرض کیا جی ہاں بے قدر سمجھ کر اس کو پھینکا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جتنا یہ گھر والوں کی نظر میں بے قدر ہے اس سے زیادہ اللہ کے نزدیک دنیا بے قدر ہے۔ رواہ البغوی۔

ابو نعیم نے لکھا ہے کہ داؤد بن ہلال اجنی نے کہا حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے کہ دنیا تو نیکوں کے سامنے آراستہ ہو کر آتی ہے لیکن تو ان کی نظر میں بہت حقیر ہے میں نے ان کے دلوں میں تیری نفرت اور تیری طرف سے بے رخی ڈال دی تجھ سے زیادہ ذلیل میں نے اور کوئی مخلوق نہیں پیدا کی تو ہر حالت میں حقیر ہے (تیرا انجام فنا ہے) فنا کی طرف تو جارہی ہے جس روز میں نے تجھے پیدا کیا تھا اسی روز فیصلہ کر دیا تھا کہ نہ تو کسی کے لئے ہمیشہ رہے گا نہ کوئی تیرے لئے ہمیشہ رہے گا خواہ تیرا حال کتنا ہی تیرا حریص ہو اور کتنا ہی تیرے سلسلہ میں کنجوس ہو خوشی ہو ان نیکوں کاروں کے لئے جو (میری) خوشنودی پر قائم رہ کر اندرون قلب سے مجھے دیکھتے اور صدق واستقامت پر قائم رہ کر اپنے ضمیر سے میری طرف جھانکتے ہیں خوب ہے کہ ان کے لئے وہ ثواب جو میرے پاس ہے جب وہ قبروں سے اٹھ کر میری طرف آئیں گے تو ان کا نور ان کے آگے آگے (اور دائیں طرف) دوڑتا ہوا آئے گا اور ملائکہ ان کو گھیرے ہوئے ہوں گے اس وقت میں ان کو اپنی اس رحمت تک پہنچا دوں گا جس کے وہ امیدوار تھے۔

حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ ملعون ہے سوا اس چیز کے جو اللہ کی طرف سے ہے (یعنی ہدایت ایمان اسلام کتب الٰہیہ ملائکہ وغیرہ) رواہ الضیاء

دنیا کو بے عقل جمع کرتا ہے

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں (بہشت کے اندر) کوئی گھر نہیں اور یہ اس کے لئے مال ہے جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہیں اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کے اندر عقل نہیں۔

حدیث کی مراد یہ ہے کہ مومن خواہ کتنے ہی عیش دنیوی میں ہو لیکن آخرت میں ثواب اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں یہ عیش دنیا ایک قید خانہ ہے اور کافر اس زندگی میں خواہ کتنے ہی دکھ اور مصیبت میں ہوں لیکن آخرت میں جو عذاب اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے اس کے مقابلہ میں یہ دنیوی دکھ اس کے لئے جنت ہے۔ واللہ اعلم۔

اہل اللہ کا بلند مقام:

مؤلف مسند الفردوس نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا اہل آخرت کے لئے حرام ہے اور آخرت اہل دنیا کے لئے حرام ہے اور دنیا و آخرت (دونوں) اہل اللہ کے لئے حرام ہیں اس کا کیا مطلب۔

میرے نزدیک حدیث کا مطلب یہ ہے۔ اہل آخرت یعنی مومنوں کے لئے دنیا کی محبت حرام ہے یہ معنی نہیں کہ دنیا سے بہرہ اندوز ہونا حرام ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ (اللہ نے اپنے بندوں کے لئے دنیوی زیبائش اور پاکیزہ رزق حرام نہیں کیا ہاں قیامت کے دن یہ عیش ولذت مومنوں کے لئے مخصوص ہے) اب جو دنیا کی محبت میں مبتلا ہوتا ہے وہ اپنی آخرت خراب کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت سے پیار کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا تم غیر فانی (آخرت) کو فانی (دنیا) پر ترجیح دو۔ (یعنی آخرت کو اختیار کرو) رواہ احمد والحاکم فی المستدرک عن ابی موسیٰ۔

آخرت سے مراد ہیں آخرت کی خوش نصیبیاں لذتیں اہل دنیا یعنی کفار جن کا مقصد صرف دنیا کا حصول ہے آخرت کی لذتیں ان کے لئے حرام ہیں آیت مِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ میں یہی لوگ مراد ہیں۔

باقی دنیا و آخرت یعنی دونوں کی محبت اہل اللہ کے لئے حرام ہے۔

اہل اللہ کے دلوں میں اللہ کی محبت ایسی رچی بسی ہوتی ہے کہ دوسری طرف وہ گوشۂ چشم سے بھی نہیں دیکھتے ان کے دلوں کی توجہ کسی اور طرف ہوتی ہی نہیں روایت میں آیا ہے کہ رابعہ بصریہ ایک ہاتھ میں پانی سے بھرا کوئی برتن اور دوسرے ہاتھ میں آگ کا ٹکڑا پکڑے جارہی تھیں کسی نے پوچھا آپ کہاں جارہی ہیں فرمایا میں چاہتی ہوں کہ اس پانی سے دوزخ کی آگ کو بجھا دوں اور اس آگ سے جنت کو جلا دوں تاکہ جنت کے لالچ اور دوزخ کے خوف سے کوئی شخص اللہ کی عبادت نہ کرے بلکہ محض لوجہ اللہ عبادت کرے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ارشاد:

مجددؒ الف ثانی نے فرمایا رابعہ کا یہ قول سکر پر مبنی تھا سلوک کی دنیا میں تو مومن کا فرض ہے کہ جنت کا خواہش مند ہو صرف اس وجہ سے کہ وہ رحمت خداوندی کا مقام ہے اور دوزخ سے اللہ کی پناہ کا طلب گار ہو کیونکہ دوزخ اللہ کی ناراضگی اور غضب کا محل ہے مومن کو فی نفسہ نہ جنت کی تمنا ہوتی ہے نہ دوزخ کا ڈر اس کی خواہش وبیم کی بناء اس بات پر ہوتی ہے کہ ایک مرکز رحمت اور دوسرا مقام غضب ہے۔

طلب معیشت: سامان دنیا سے بہرہ اندوز ہونا جائز ہے بشرطیکہ اللہ اور اس کے بندوں کی حق تلفی نہ ہو اور طلب معاش جائز بلکہ فرض ہے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال (روزی) کی طلب فرض (نماز) ادا کرنے کے بعد فرض ہے۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ابن مسعودؓ۔

اگر تحصیل مال سے مقصد اپنی اور اپنے اہل وعیال کی پرورش اور ان کے حقوق کی ادائیگی ہو یا عبادت کے لئے جسمانی قوت حاصل کرنا یا اللہ کی راہ میں مستحقوں کو دینا مقصود ہو تو کسب معاش مکروہ نہیں ہے بلکہ بعض صورتوں میں واجب اور بعض صورتوں میں مستحب اور بعض صورتوں میں مباح ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی حلال مال کمائے پھر اس میں سے خود کھائے یا پہنے اور اس کے بعد اللہ کی اس مخلوق کو کھلائے پہنائے جو اس سے قریبی تعلق رکھتی ہے تو یہ عمل اس کے لئے (گناہ سے) پاکی کا ذریعہ ہو جائے گا۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ من حدیث ابی سعیدؓ۔

لیکن طلب دنیا میں اعتدال مسنون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا طلب دنیا میں اعتدال رکھو کیونکہ ہر شخص کو وہ چیز آسانی سے مل جائے گی جو اس کے لئے پیدا کی گئی ہو۔ رواہ محمد وابن ماجۃ والحاکم۔

دنیا کی محبت کا مطلب: دنیا کی محبت کا یہ مطلب ہے کہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے لگے دنیا کمانے اور دنیوی عیش حاصل کرنے میں اتنا انہماک ہو جائے کہ حصول ثواب اور خوف عذاب سے غفلت ہو جائے مال جمع کرنے کی اتنی حرص پیدا ہو جائے کہ لمبی لمبی آرزوؤں میں گرفتار ہو جائے دولت مندوں کو ناداروں سے بہتر سمجھنے لگے اہل ثروت کی تعظیم محض اس سبب سے کرنے لگے کہ وہ سرمایہ دار ہیں کسی مضرت کو دفع کرنے یا احسان کا بدلہ دینے یا کسی درجہ جائز شرعی مقصد کے زیر اثر امیروں کی تعظیم نہ ہو محض ان کی دولت کی محبت سے ہو یا امراء کی تعظیم تکریم کرکے (ان کا قرب حاصل کرنے کے بعد) منافع کا درجہ چاہتا ہو یا تعمیہ کو تخریب سے بدلنے کا خواستگار ہو اور حق میں تباہی پھیلانا چاہتا ہو۔ تو یہ سب صورتیں ناجائز ہیں لیکن جو کسب تجارت اور خرید و فروخت میں پھنس کر اللہ کی یاد اور صلوٰۃ اور زکوٰۃ سے غافل نہ ہوتے ہوں اور روز حشر سے ہر وقت خوف زدہ ہوں ان کے لئے کسب معاش حرام نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

جو کوئی آنکھیں چرائے رحمن کی یاد سے

نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ

ہم اس پر مقرر کر دیں ایک شیطان پھر وہ رہے اُس کا ساتھی ☆

حق سے منہ موڑنے کا عذاب ☆یعنی جو شخص سچی نصیحت اور یاد الٰہی سے اعراض کرتا رہتا ہے اس پر ایک شیطان خصوصی طور سے مسلط ہو جاتا ہے جو ہر وقت اغوا کرتا رہتا ہے اس میں حرص کے ذریعہ سے وسوسے ڈالتا ہے یہ شیطان دوزخ تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

یہی شیطان اس کا ساتھی ہو جاتا ہے اس سے الگ نہیں ہوتا گناہوں اور بدکاریوں کو آراستہ کر کے اس کی نظر کے سامنے لاتا ہے اور نیکیوں کی طرف سے ذہن میں پھیرتا رہتا ہے کہ یہی ہدایت کا راستہ ہے۔

آیت کا شان نزول: محمد بن عثمان مخزومی کا بیان ہے کہ قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد کے ہر ساتھی پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو چنانچہ محمد کے رفیق کو وہ پکڑ لیں جب مشورہ ہو گیا تو حضرت ابوبکرؓ کے لئے طلحہ بن عبید اللہ کو مقرر کیا گیا طلحہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا تم مجھے کس بات کو ماننے کی دعوت دیتے ہو طلحہ نے کہا ہم لات اور عزیٰ کی پوجا کی طرف بلاتے ہیں حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا لات کیا ہے طلحہ نے کہا ہمارا رب پوچھا عزیٰ کیا ہے طلحہ نے کہا یہ حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کس کی ماں ہوتی ہے۔

طلحہ لاجواب ہو گئے اور اپنے ساتھیوں سے بولے جواب دو سب خاموش رہے اس پر طلحہ نے کہا ابوبکر اٹھو میں شہادت دیتا ہوں اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله۔ اس پر آیت ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطانا نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

معلوم ہوا کہ ذکر اللہ سے اعراض کی اتنی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ انسان کی صحبت خراب ہو جاتی ہے اور شیطین خواہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے اس کو بھلائیوں سے دور اور برائیوں کے قریب کرتے رہتے ہیں وہ کام سارے برائی کے کرتا ہے مگر سمجھتا یہ ہے کہ بہت اچھا کر رہا ہے۔ (قرطبی)

اور یہاں جس شیطان کو مسلط کرنے کا ذکر ہے وہ اس شیطان کے علاوہ ہے جو ہر مومن وکافر کے ساتھ لگا دیا گیا ہے یہ مومن سے خاص اوقات میں بھی جدا ہو جاتا ہے اور یہ ہمیشہ ساتھ لگا رہے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ

اور وہ اُن کو روکتے رہتے ہیں راہ سے

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ

اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ پر ہیں ☆

عقل کے دشمن ☆یعنی شیاطین ان کو نیکی کی راہ سے روکتے رہتے ہیں مگر ان کی عقلیں ایسی مسخ ہو جاتی ہیں کہ اسی کو ٹھیک راستہ سمجھتے ہیں بدی

اور نیکی کی تمیز بھی باقی نہیں رہتی۔ (تفسیر عثمانی)

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ
یہاں تک کہ جب آئے ہمارے پاس کہے کسی طرح
بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ
مجھ میں اور تجھ میں فرق ہو مشرق مغرب کا سا
فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾
کہ کیا برا ساتھی ہے ☆

بے وقت حسرت ☆ یعنی خدا کے ہاں پہنچ کر کھلے گا کہ کیسے برے ساتھی تھے۔ اس وقت حسرت اور غصہ سے کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا، اور ایک لمحہ تیری صحبت میں نہ گزرتا کم بخت! اب تو مجھ سے دور ہو حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی دنیا میں شیطان کے مشورہ پر چلتا ہے اور وہاں اس کی صحبت سے پچتائے گا۔ اس طرح کا ساتھی شیطان کسی کو جن ملتا ہے کسی کو آدمی"۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ جب کافر قبر سے اٹھایا جائے گا تو اس کے ساتھ اس کے شیطان کو ملا کر جوڑ دیا جائے گا شیطان اس سے الگ نہ ہوگا یہاں تک کہ دونوں دوزخ میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ
اور کچھ فائدہ نہیں تم کو آج کے دن جب کہ تم ظالم ٹھہر چکے
اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾
اس بات سے کہ تم عذاب میں شامل ہو ☆

کسی صورت عذاب میں تخفیف نہ ہوگی

☆ دنیا کا قاعدہ ہے کہ جس مصیبت میں عام طور پر چھوٹے بڑے سب شریک ہوں تو کچھ ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے مشہور ہے کہ "مرگ انبوہ جشنے دارد" مگر دوزخ میں تمام شیاطین الانس والجن اور تابعین ومتبوعین کا عذاب میں شریک ہونا کسی کو کچھ فائدہ نہ دے گا عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ اس طرح کی سطحی باتوں سے تسلی اور تخفیف نہیں ہو سکتی حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی کافر کہیں گے کہ انہوں نے ہم کو عذاب میں ڈلوایا، خوب ہوا یہ بھی نہ بچے لیکن اگر دوسرا بھی پکڑا گیا تو اس کو کیا فائدہ"۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي
سو کیا تو سنائے گا بہروں کو یا سمجھائے گا
الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ
اندھوں کو اور صریح غلطی میں بھٹکوں
مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا
سو اگر کبھی ہم تجھ کو یہاں سے لے جائیں
مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ
تو ہم کو ان سے بدلہ لینا ہے یا تجھ کو دکھا دیں جو ان سے وعدہ
وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾
ٹھہرایا ہے تو یہ ہمارے بس میں ہیں
فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ
سو تو مضبوط پکڑے رہ اسی کو جو تجھ کو حکم پہنچا
اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾
تو ہے بیشک سیدھی راہ پر ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

یعنی اندھوں کو راہ حق دکھلا دینا یا بہروں کو حق کی آواز سنا دینا اور جو صریح غلطی اور گمراہی میں پڑے بھٹک رہے ہوں ان کو تاریکی سے نکال کر سچائی کی صاف سڑک پر چلا دینا آپ کے اختیار میں نہیں ہاں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے آپ کی آواز میں تاثیر پیدا کر دے۔ بہرحال آپ اس غم میں نہ رہیے کہ یہ سب لوگ حق کو کیوں قبول نہیں کرتے اور کیوں اپنا انجام خراب کر رہے ہیں ان کا معاملہ خدا کے سپرد کیجئے وہ ہی ان کے اعمال کی سزا دے گا اگر آپ کی وفات کے بعد دی تب، اور آپ کو دکھلا کر دی تب بہر صورت نہ ہمارے قابو سے نکل کر جا سکتے ہیں اور نہ ہم ان کو سزا دیے بدون چھوڑیں گے آپ کا کام یہ ہے کہ جو وحی آئے اور جو حکم ملے اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہیں اور برابر اپنا فرض ادا کیے جائیں کیونکہ دنیا کہیں اور کسی راستہ پر جائے، آپ اللہ کے فضل سے سیدھی راہ پر ہیں جس سے ایک قدم ادھر ادھر ہٹنے کی ضرورت نہیں نہ کسی ہوا پرست کی خواہش و آرزو کی طرف التفات کرنے کی حاجت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت مندرجہ میں مشرکین مکہ مراد ہیں بدر کی لڑائی میں اللہ نے ان سے انتقام لے لیا۔ اکثر اہل تفسیر کا یہی قول ہے۔

حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ امت اسلامیہ مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو امت مسلمہ کے درمیان آپس میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تکلیف رساں اور رنجدہ ہوتی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی امت محمدیہ شدید عذاب (باہمی جدال وقتال اور نفاق وشقاق) میں مبتلا ہوگئی۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں جو حوادث دکھا دیئے گئے جو امت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیش آنے والے تھے اس خواب کے بعد وقت وفات تک آپ کو کبھی خندان وفرحان نہیں دیکھا گیا۔

عبدالرحمٰن بن مسعود عبدی کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ نے اس آیت کی تلاوت کے بعد فرمایا اللہ کے نبی تو چلے گئے اور اللہ کا عذاب اس کے دشمنوں کے لئے باقی رہ گیا۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا حاصل مقصود: مقصود یہ ہے کہ پیغمبر بعضے وعدے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دکھلا دیں گے اور بعض وعدے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ظہور پذیر ہوں۔ خدا نے جو وعدے کئے ہیں وہ ضرور بالضرور پورے ہوں گے۔ کوئی دیر سے کوئی سویرے سے چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا کہ بعضے وعدے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پورے ہو گئے جیسے فتح خیبر اور مکہ کا اور بعضے وعدے جیسے فارس اور روم کی فتح کا وعدہ سو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات میں واقع نہیں ہوا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے زمانے میں پورا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء بعثت سے تاحین وفات فارس اور روم کی فتح کا وعدہ دیتے۔ اور فرماتے رہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو کیا **اہل قری و امصار** اور کیا اہل بادیہ وصحراء غرض سب کے گھروں میں پہنچا دے گا۔ خواہ بعزت اور خواہ بذلت بعزت تو یہ کہ مشرف باسلام ہوں گے اور بذلت یہ کہ جزیہ اور خراج دیتے ہوئے اسلام کا باج گذار بنیں گے اور ظاہر ہے کہ فتح فارس اور روم کی فتح کا وعدہ زمانہ نبوت سراپا سعادت میں ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ میں پورا ہوا اور جس کے ہاتھ پر اللہ کے وہ وعدے پورے ہوں جن کا اللہ نے اپنے نبی سے وعدہ کیا تھا۔ وہی اس کے نبی کا خلیفہ خاص ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَإِنَّهُۥ لَذِكۡرٞ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ
اور یہ مذکور رہیگا تیرا اور تیری قوم کا ☆

اعزاز وترقی کا سامان: ☆یعنی قرآن کریم تیرے اور تیری قوم کے لئے خاص فضل وشرف کا سبب ہے۔ اس سے بڑی عزت اور خوش نصیبی کیا ہوگی۔ اللہ کا کلام اور ساری دنیا کی نجات وفلاح کا ابدی دستور العمل ان کی زبان میں اترا۔ اور وہ اس کے اولین مخاطب قرار پائے، اگر عقل ہو تو یہ لوگ اس نعمت عظمیٰ کی قدر کریں۔ اور قرآن جو ان سب کے لئے بیش بہا نصیحت نامہ ہے اس کی ہدایات پر چل کر سب سے پہلے دنیوی واخروی سعادتوں کے مستحق ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

مستقبل کیلئے بشارت: اور جملہ وَإِنَّهُۥ لَذِكۡرٞ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ کے معنی یہ ہیں کہ اے پیغمبر۔ جماعت قریش میں سے چند وہ لوگ ہونگے جو ظاہر و باطن کی شرافت سے مشرف وممتاز ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے مددگار ہوں گے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلیفہ ہوں گے۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کریں گے۔ (ازالۃ الخفاء ص ۵۹۵) (معارف کاندھلوی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا شرف: حضرت عدی بن حاتم نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا حضورؐ نے ارشاد فرمایا میرے دل میں جو اپنی قوم کی محبت ہے وہ اللہ کو معلوم تھی اس لئے اس نے مجھے مع قوم کے شرف عطا فرمایا اور ارشاد فرمایا وَإِنَّهُۥ لَذِكۡرٞ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُونَ ۔ اللہ نے اپنی کتاب میں (اس آیت میں) میری قوم کو ذکر اور شرف عنایت فرمایا اس کے بعد فرمایا وَأَنذِرۡ عَشِيرَتَكَ ٱلۡأَقۡرَبِينَ وَٱخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ۔ پس اللہ کا شکر ہے جس نے صدیق کو میری قوم سے بنایا شہید کو میری قوم سے کیا اور اماموں کو میری قوم سے کیا۔ بیشک اللہ بندوں کے دلوں پر نظر رکھتا ہے اس نے قریش کو تمام عرب سے بہتر پایا قریش ہی وہ بابرکت درخت ہے جس کے متعلق اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے مَثَلٗا كَلِمَةٗ طَيِّبَةٗ كَشَجَرَةٖ طَيِّبَةٍ أَصۡلُهَا ثَابِتٞ وَفَرۡعُهَا فِي ٱلسَّمَآءِ ۔ اس سے مراد ہے شرف اسلام جسکی ہدایت اللہ نے قریش کو کی اور انکو اور انکو اس شرف کا اہل بنایا۔ اسکے بعد قریش کے حق میں اللہ نے سورۃ لایلٰف نازل فرمائی۔

حضرت عدی بن حاتم کا بیان ہے میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبھی ذکر خیر آیا ہو اور آپ خوش نہ ہوئے ہوں اتنے خوش کہ چہرہ مبارک پر مسرت کے آثار سب لوگوں کو دکھائی دیتے تھے اور آپ اکثر آیت وَإِنَّهُۥ لَذِكۡرٞ لَّكَ وَلِقَوۡمِكَ وَسَوۡفَ تُسۡـَٔلُونَ پڑھا کرتے تھے۔

قریش اور عرب کی فضیلت: حضرت معاویہ کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ یہ امر قریش میں رہے گا جو کوئی ان سے دشمنی کرے گا اللہ اس کو منہ کے بل گرا دے گا جب تک وہ دین کو سیدھا رکھیں گے (یعنی دین پر قائم رہیں گے)۔

مجاہد نے کہا قوم سے مراد ہیں عرب قرآن عرب کی زبان میں نازل ہوا عام عرب کو یہ شرف حاصل ہے پھر درجہ بدرجہ جس جس عرب میں خصوصیت بڑھتی گئی اسی کے لئے شرف بھی خاص ہوتا گیا یہاں تک کہ یہ (خصوصی) شرف سب سے زیادہ قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم کو حاصل ہوا۔ (تفسیر مظہری)

وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾
اور آگے تم سے پوچھ ہوگی ☆

قرآن کے بارے میں پوچھ ہوگی

☆ یعنی آگے چل کر پوچھ ہوگی کہ اس نعمت عظمیٰ کی کیا قدر کی تھی؟ اور اس فضل و شرف کا کیا شکر ادا کیا تھا؟۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی قیامت کے دن تم سب سے قرآن کے متعلق باز پرس ہوگی اور دریافت کیا جائے گا کہ قرآن کی پابندی جو تم پر لازم تھی تم نے اس کی قدر کی۔ (تفسیر مظہری)

وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
اور پوچھ دیکھ جو رسول بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے
مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ
بھی ہم نے رکھے ہیں رحمٰن کے
الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾
سوائے اور حاکم کہ پوجے جائیں ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کوئی انوکھی نہیں

☆ یعنی آپ کا راستہ وہی ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام کا تھا شرک کی تعلیم کسی نبی نے نہیں دی نہ اللہ تعالیٰ نے کسی دین میں اس بات کو جائز رکھا کہ اس کے سوا دوسرے کی پرستش کی جائے اور یہ ارشاد کہ "پوچھ دیکھو" یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو (جیسے شب معراج میں ہوئی) یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو بہر حال جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تمام انبیاء کا اجتماع

عطا کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جایا گیا تو حضرت آدمؑ اور آپ کی نسل میں جو انبیاء ہوئے سب کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے بھیجا گیا حضرت جبرئیل نے اذان اور اقامت کہی اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر نماز پڑھاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی نماز سے فراغت کے بعد جبرئیل نے کہا محمد وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ (محمد آپ سے پہلے جو انبیاء ہم نے بھیجے تھے ان سے دریافت کرو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پوچھنے کی ضرورت نہیں میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

زہری سعید بن جبیر اور ابن زید کا قول بھی یہی ہے کہ شب معراج میں تمام انبیاء کو اللہ نے جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے دریافت کرنے کا حکم دیا لیکن حضور کو کوئی شک نہ تھا اس لئے آپ نے کسی سے کچھ سوال نہیں کیا۔

سوال کا مطلب: (اپنے شک کا ازالہ نہیں بلکہ) مشرکین قریش کو یہ بتانا اور یقین دلانا مقصود ہے کہ ہر پیغمبر جو اللہ کی طرف سے بندوں کے لئے بھیجا گیا اس نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود قرار دینے کی ممانعت کی۔ (تفسیر مظہری)

سوال کرنے کا ایک اور مطلب

خود انبیاء علیہم السلام سے پوچھنا مراد نہیں بلکہ ان پر نازل ہونیوالے صحیفوں سے تحقیق کرنا اور ان کی امتوں کے علماء سے پوچھنا مراد ہے چنانچہ انبیاء بنی اسرائیل کے جو صحیفے اب موجود ہیں ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود توحید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم آج تک شامل ہے۔

انبیاء کے صحیفوں میں توحید کی تعلیم

موجودہ تورات میں ہے۔ "تا کہ تو جانے کہ خداوند ہی خدا ہے اور اس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں" (استثناء ۴: ۵)

اور "سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خدا ہے" (استثناء ۶: ۴)

اور حضرت اشعیا علیہ السلام کے صحیفہ میں ہے۔

"میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں، میرے سوا کوئی خدا نہیں، تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں، میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں" (یسعیاہ ۴۵: ۵، ۶)

اور حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول موجودہ انجیلوں میں مذکور ہے۔

"اے اسرائیل، سن، خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے، اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ" (مرقس ۱۲: ۲۹ و متی ۲۲: ۳۶)

منقول ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ مناجات کرتے ہوئے فرمایا۔

"اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا ۱۷: ۳) (معارف مفتی اعظم)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى
اور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر

فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ

فرعون اور اسکے سرداروں کے پاس تو کہا میں بھیجا ہوا ہوں

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَآ

جہان کے رب کا پھر جب لایا اُن کے پاس ہماری نشانیاں

اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

وہ تو لگے اُن پر ہنسنے ☆

☆یعنی معجزات کا مذاق اڑانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ

اور جو دکھلاتے گئے ہم اُن کو نشانی سو پہلی سے

مِنْ اُخْتِهَا٘

بڑی ☆

☆یعنی ایک سے ایک بڑھ کر نشان اپنی قدرت کا اور موسیٰ علیہ السلام کی صداقت کا دکھلایا۔ (تفسیر عثمانی)

اَکْبَرُ کا مطلب:

ہر معجزہ اعجاز کی چوٹی پر پہنچا ہوا تھا ہر معجزہ کو دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ یہ معجزہ سب سے بڑا ہے کیونکہ ہر معجزہ انتہائی بڑا تھا جیسے ایک شاعر کا شعر ہے۔

مَنْ تَلْقَ مِنْهُمْ فَقُلْ لَاقَیْتَ سَیِّدَهُمْ
مِثْلَ النُّجُوْمِ الَّتِیْ یَسْرِیْ بِهَا السَّارِیْ

ان میں سے جس سے تمہاری ملاقات ہو تم یہی سمجھو گے کہ ان کے سردار سے ملاقات ہوئی (یعنی ہر ایک کے اندر سرداری کے اوصاف کامل طور پر موجود ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ

اور پکڑا ہم نے اُن کو تکلیف میں تاکہ وہ

یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

باز آئیں ☆

☆یعنی آخر وہ نشان بھیجے جو ایک طرح کے عذاب کا رنگ اپنے اندر رکھتے تھے جیسا کہ سورہ "اعراف" میں گزرا "وَ[illegible] عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ" [illegible] غرض یہی تھی کہ اپنی حرکت سے باز آجائیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَقَالُوْا یٰٓاَیُّهَ السّٰحِرُ

اور کہنے لگے اے جادوگر

ساحر: "ساحر" ان کے محاورات میں عالم کو کہتے تھے۔ کیونکہ بڑا علم ان کے نزدیک یہی سحر تھا۔ شاید اس خوشامد اور لجاجت کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بظاہر تعظیمی لقب سے پکارا ہو اور خبث باطن سے اشارہ اس طرف بھی کیا ہو کہ ہم تجھ کو نبی اب بھی نہیں سمجھتے۔ [illegible] سمجھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے جیسا سکھلا رکھا ہے تجھ کو ہم ضرور راہ پر آجائیں گے ☆

قوم کی فرمائش: یعنی تیرے رب نے جو خاص [illegible] کچھ تجھ سے عہد کر رکھا ہے اس کے موافق [illegible] عذاب ہم سے دفع ہو [illegible] اور تیری بات مان لیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فرعونیوں کی دھوکہ بازی: فرعونیوں نے حضرت موسیٰ سے درخواست کی [illegible] عذاب کو ان سے [illegible] ہم آپ کی ہدایت [illegible] (مجبوری کی) درخواست [illegible] کیونکہ ان کے دلوں میں [illegible] اور تعلی ان پر [illegible] انہوں نے معجزات کو سحر قرار دیا تھا [illegible] لب پر تھا یقولون بعض [illegible] سحروں۔
بعض [illegible] جادو کے زور سے ہم پر غالب [illegible] (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ

پھر جب کھول دی ہم نے ان سے تکلیف تبھی

یَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

وہ وعدہ توڑ ڈالتے ☆

بنی اسرائیل کی بدعہدی

یعنی جہاں تکلیف رفع ہوئی اور مصیبت کی گھڑی ختم ہوئی ایک دم

اپنے قول و فعل سے پہچانتے ہیں ہیں کچھ وعدہ یاد ہی نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ

اور پکارا فرعون نے اپنی قوم میں بولا

يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ

اے میری قوم بھلا میرے ہاتھ میں نہیں حکومت مصر کی اور یہ

الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا

نہریں چل رہی ہیں میرے محل کے نیچے کیا تم

تُبْصِرُوْنَ ۝

نہیں دیکھتے ☆

حاکم مصر ☆ اس گردو پیش کے ملکوں میں مصر کا حاکم بہت بڑا سمجھا جاتا تھا اور نہریں اسی نے بنائی تھیں دریائے نیل کا پانی کاٹ کر اپنے باغ میں لایا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ ان سامانوں کی موجودگی میں کیا ہماری حیثیت یہ ہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے معمولی حیثیت والے آدمی کے سامنے گردن جھکائیں۔ (موضح القرآن)

یعنی عذاب دور ہونے کے بعد فرعون نے قوم کے مجمع میں پکارا۔ شاید یہ خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ موسیٰ کا معجزہ دیکھ کر قوم کے دل میں اندیشہ پیدا ہوا۔ وہی شخص نہیں ایمان نہ لے آئے۔

نیل کی نہریں نیل سے متعدد نہریں نکلی تھیں جن میں چار بڑی تھیں۔ نہر شاہی۔ نہر طولون۔ نہر دمیاط۔ نہر تنیس۔

تجری من تحتی۔ یعنی میرے محلات کے نیچے جاری ہیں یا میرے زیر حکم بہہ رہی ہیں یا میرے سامنے باغوں میں جاری ہیں۔ افلا تبصرون کیا تم یہ چیزیں نہیں دیکھ رہے ہو۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ اَنَا خَيْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ

بھلا میں ہوں بھی بہتر اس شخص سے جس کو کچھ عزت نہیں

وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۝

اور صاف نہیں بول سکتا

فرعون کا تجزیہ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہ روپیہ نہ پیسہ، نہ حشمت، نہ عزت، نہ کوئی خداداد کمال، حتیٰ کہ بات کرتے ہوئے بھی زبان پوری طرح صاف نہیں چلتی۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ

پھر کیوں نہ آپڑے اس پر کنگن سونے کے

اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۝

یا آتے اس کے ساتھ فرشتے پرا باندھ کر ☆

اہل مصر کا دستور۔ کہتے ہیں کہ وہ خود جواہرات کے کنگن پہنتا تھا اور جس امیر و وزیر پر مہربان ہوتا سونے کے کنگن پہناتا تھا اور اس کے سامنے فوج پرا باندھ کر کھڑی ہوتی تھی۔ مطلب یہ تھا کہ ہم کسی کو عزت دیتے ہیں تو ایسے دیتے ہیں۔ کیا خدا کسی کو اپنا نائب بنا کر بھیجے تو اسکے ہاتھ میں سونے کے کنگن اور جلو میں فرشتوں کی فوج بھی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

مجاہد نے کہا اہل مصر کا دستور تھا کہ جب کسی شخص کو اپنا سردار بناتے تھے تو اس کو سونے کے کنگن اور طوق پہناتے تھے سردار ہونے کی یہ علامت تھی اسی لئے فرعون نے کہا کہ موسیٰ کے رب نے جب موسیٰ کو واجب الاطاعت سردار بنایا ہے تو اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے۔ (تفسیر مظہری)

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ

پھر عقل کھودی اپنی قوم کی پھر اسکا کہنا مانا مقرر

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝

وہ تھے لوگ نافرمان ☆

فرعون کی عیاری: یعنی اپنی بلند بانگ باتوں سے قوم کو الو بنا لیا وہ سب احمق اسی کی بات ماننے لگے حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی طبائع میں خدا کی نافرمانی پہلے سے رچی ہوئی تھی اسکو سمجھانے بجھانے کا بہانہ ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ کا معنیٰ: اپنی قوم یعنی قبطیوں کو جاہل پایا ان کو سبک سر اور جاہل ہونے پر آمادہ کیا۔ استخفاف رائے کسی کی رائے کو بے وقوف بنانا اور صحیح راستہ سے ہٹا دینا۔ بعض علماء نے کہا فرعون نے قوم سے اپنی اطاعت میں خفت (اور تیزی) کی خواہش کی چنانچہ موسیٰ سے جو لوگوں نے ایمان کا وعدہ کیا تھا فرعون کے حکم کو مان کر اس وعدہ کو توڑ دیا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا

پھر جب ہم کو غصہ دلایا ☆

یعنی وہ کام کئے جن پر عادۃً خدا کا غضب نازل ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اسفونا یعنی جب عناد اور نافرمانی میں وہ حد سے بڑھ گئے تو ان کی اس نافرمانی نے ہم کو غضبناک کر دیا۔ اسف فلانٌ فلاں شخص سخت غضبناک ہو گیا۔ پھر جب انہوں نے ہم کو سخت غضبناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو (نیل میں) ڈبو دیا۔ (تفسیر مظہری)

اِنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

تو ہم نے اُن سے بدلہ لیا پھر ڈبو دیا

اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٥﴾ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا

اُن سب کو پھر کر ڈالا اُن کو گئے گذرے

وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿٥٦﴾

اور ایک نظیر پچھلوں کے واسطے☆

عبرت ☆ یعنی پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے ان کا قصہ ایک عبرتناک نظیر کے طور پر بیان ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

انتقام کی صورتیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کسی انسان کو خدا دنیا دیتا چلا جائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر جما ہوا ہو تو سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ نے اسے ڈھیل دے رکھی ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی (ابن ابی حاتم)۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اچانک موت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا ایماندار پر یہ تخفیف ہے اور کافر پر حسرت ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت کو پڑھ سنایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں انتقام غفلت کے ساتھ ہے۔ (ابن کثیر)

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا

اور جب مثال لائے مریم کے بیٹے کی تبھی

قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿٥٧﴾ وَقَالُوْٓا

قوم تیری اُس سے چلانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں

ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ

ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ☆

مشرکین کا واویلا ☆ حضرت مسیح علیہ السلام کا جب ذکر آتا تو عرب کے مشرکین خوب شور مچاتے اور قسم قسم کی آوازیں اٹھاتے تھے بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی یہ آیت پڑھی "اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ" (انبیاء رکوع ۷) کہنے لگے نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ جب تو تمہارے خیال میں ہمارے معبود اچھے ہیں یا مسیح علیہ السلام ظاہر ہے تم مسیح کو اچھا کہو گے۔ جب وہ بھی (معاذ اللہ) آیت کے عموم میں داخل ہوئے تو ہمارے معبود بھی سہی۔ بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا "لیس احد یعبد من دون اللہ فیہ خیر" کہنے لگے کیا مسیح میں بھی کوئی خیر اور بھلائی نہیں؟ ظاہر ہے کہ آیت کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان الفاظ کا مطلب ان چیزوں سے متعلق تھا جن کی پرستش لوگ کرتے ہیں اور وہ ان کو اس سے منع نہیں کرتے۔ اور اپنی بیزاری کا اظہار نہیں کرتے۔ مگر ان معترضین کا منشا تو محض جھگڑے نکالنا اور کٹ حجتی کرنا تھا۔ ورنہ قصداً جان بوجھ کر ایسے معنی پیدا کرتے تھے جو مراد متکلم کے مخالف ہوں۔ کبھی کہتے تھے کہ بس معلوم ہو گیا کہ آپ بھی اسی طرح ہم سے اپنی پرستش کرانا چاہتے ہیں جیسے نصاریٰ حضرت مسیح علیہ السلام کی کرتے ہیں شاید کبھی یہ بھی کہتے ہوں گے کہ خود قرآن نے حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت یہ بیان کیا ہے "اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ" (آل عمران رکوع ۲) اب دیکھو ہمارے معبود اچھے ہیں یا مسیح؟ نہیں یوں ہی کیوں بے ادبی سے یاد کرتے ہو؟ اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو اور خدا جانے کیا کیا کچھ کہتے ہوں گے ان سب باتوں کا جواب آگے دیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ

یہ مثال جو ڈالتے ہیں تجھ پر سو جھگڑنے کو بلکہ

هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنْ هُوَ

یہ لوگ ہیں جھگڑالو وہ کیا ہے

اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ

ایک بندہ ہے کہ ہم نے اس پر فضل کیا اور کھڑا کر

مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ﴿٥٩﴾

دیا اس کو بنی اسرائیل کے واسطے☆

مشرکین کی عادت بد: ☆ یعنی یہ جھگڑے ایک مسئلہ میں نہیں ان کی طبیعت ہی جھگڑالو واقع ہوئی ہے۔ سیدھی اور صاف بات کبھی ان کے دماغوں میں نہیں اترتی۔ یوں ہی مہمل بحثیں اور بیکار جھگڑے نکالتے رہتے ہیں۔ جھوٹ اور کٹ حجتیوں سے اپنی بات کی پچ کراتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں کہ وہ ہم جیت گئے ...

بے جان مورتیں جو کسی کو کفر و شرک سے روکنے پر اصلاً قدرت نہیں رکھتیں اور کہاں وہ خدا کا مقبول بندہ جس پر اللہ نے خاص فضل فرمایا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے واسطے کھڑا کیا جس کو اپنے بندہ ہونے کا اقرار تھا اور جو اپنی امت کو اسی چیز کی طرف بلاتا تھا کہ "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ" "کیا اس مقبول بندہ کو العیاذ باللہ" حَصَبُ جَهَنَّمَ "یا" لَيْسَ فِيْهِ خَيْرٌ" کہا جا سکتا ہے؟ یا یہ پتھر کی مورتیاں اسکی ہمسری کر سکتی ہیں۔ یاد رکھو! قرآن کریم کسی بندہ کو بھی خدائی کا درجہ نہیں دیتا اسکا تو سارا جہاد ہی اس مضمون کے خلاف ہے یہ بھی نہیں کر سکتا کہ محض احمقوں کے خدا بنا لینے سے ایک مقرب و مقبول بندہ کو پتھروں اور شریروں کے برابر کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا جَدَلًا کا مطلب:

یہ لوگ جانتے ہیں کہ آیت مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ میں مراد بت اور بے جان معبود ہیں۔ عیسیٰ عزیر اور ملائکہ مراد ہی نہیں ہیں آیت میں مَا تَعْبُدُوْنَ کا لفظ اگرچہ عام ہے لیکن یہ عام مخصوص البعض ہے۔

جھگڑے کی نحوست:

حضرت ابو امامہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہدایت پر ہونے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر (اس وجہ سے کہ) ان کو جدل (جھگڑا یا جھگڑے کرنے کی عادت) دے گئی (یعنی جن ہدایت یافتہ لوگوں نے باہم جھگڑے کرنے شروع کیے وہ گمراہ ہو گئے) پھر آپ نے آیت مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ تلاوت فرمائی رواہ البغوی واحمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم فی المستدرک۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام عبرت آفرین شخصیت

وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا۔ یعنی ہم نے ان کو عجیب انسان بنایا کہ دوسری کہاوتوں کی طرح ان کا قصہ بھی عجیب ہوا اور بنی اسرائیل کے لیے ان کے واقعہ کو عبرت آفرین کر دیا جس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی تھی کہ اللہ بغیر باپ کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي
اور اگر ہم چاہیں نکالیں تم میں سے فرشتے رہیں
الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ (۶۰)
زمین میں تمہاری جگہ ☆

کسی چھوٹی سی بات سے کوئی معبود نہیں بن جاتا

☆یعنی عیسیٰ علیہ السلام میں آثار فرشتوں کے سے تھے (جیسے کہ سورہ مائدہ، آل عمران، اور کہف کے فوائد میں اشارہ کیا جا چکا ہے) اتنی بات سے کوئی شخص معبود نہیں بن جاتا۔ اگر ہم چاہیں تو تمہاری نسل سے ایسے لوگ پیدا کریں یا تمہاری جگہ آسمان سے فرشتوں ہی کو لا کر زمین پر آباد کر دیں ہم کو سب قدرت حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حاصل کلام یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اگرچہ تعجب آگیں ہے لیکن اس سے بڑھ کر اچنبھا پیدا کرنے والے واقعات پیدا کرنے پر قادر ہیں اور فرشتے تم جیسی مخلوق ہیں ان کی پیدائش بسلسلۂ توالد و تناسل بھی ہو سکتی ہے (ایسا ممکن ہے) اور بطور ایجاد بھی (جیسا کہ اب ہے) ان کو استحقاق الوہیت کس طرح ہو سکتا ہے اور ان کی نسبی نسب اللہ کی طرف کیسے ہونا ممکن ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ
اور وہ نشان ہے قیامت کا ☆

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ..... نشان ہدایت

یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کا اول مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لئے ایک نشان تھا کہ بدون باپ کے پیدا ہوئے اور عجیب و غریب معجزات دکھلائے اور دوبارہ آنا قیامت کا نشان ہوگا ان کے نزول سے لوگ معلوم کر لیں گے کہ قیامت بالکل نزدیک آ لگی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مسئلہ نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول میں ایک بڑی حکمت یہ ہے۔ کہ جب انقراض عالم کی مدت قریب ہو گی تو عیسیٰ علیہ السلام چونکہ بنی آدم میں سے ہیں اور بعض اعتبارات سے اپنے باپ آدم کا نمونہ ہیں۔ اس لئے اول انکو خدا تعالیٰ کفار کے شر سے بچا کر ایک مدت معینہ کیلئے آسمان پر اٹھا لیا۔ اور چونکہ کوئی انسان آسمان پر فوت نہ ہوگا۔ بلکہ زمین ہی پر مریگا۔ لہٰذا جب عیسیٰ علیہ السلام کی اجل مقررہ اور مدت حیات اختتام کو پہنچے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمان سے زمین پر نازل کرے گا۔ تا کہ ان کی موت زمین پر آئے اور جس نبی آخر الزمان کی بشارت دینے کے لئے وہ مبعوث ہوئے تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ان ہی کے قدموں میں دفن ہونے کی سعادت نصیب ہو چنانچہ قیامت کے قریب دجال کے قتل کے لئے آسمان سے نازل ہوں گے اور پھر کچھ عرصہ بعد مدینہ منورہ میں جا کر وفات پائیں گے۔ اور روضۂ اقدس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب مدفون ہوں گے۔ اور بعض مورخین کی نقول سے مثل علامہ سمہودی معلوم ہوتا ہے۔ کہ حجرۂ شریفہ میں جو ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ وہ آنحضرت کی قبر مبارک سے آگے یعنی آپ کے قدمین شریفین سے سمت مشرق میں واقع ہے۔

دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۰۵ ج ۱۶ و ازالۃ المسیر ص ۳۲۵ جلد ۷ و تفسیر ابن جریر و تفسیر ابن کثیر جلد ۴ در منثور تمام تفاسیر میں صحابہ و تابعین سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے اور اس کے خلاف کسی سے منقول نہیں۔

غرض نزول عیسیٰ علیہ السلام احادیث متواترہ سے ثابت ہے جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ ائمہ محدثین نے ان احادیث کو بھی متواتر فرمایا ہے۔ جو تیس سے پچاس تک شمار کی گئی ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے احادیث نزول کو اخبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا کہ یہ تمام احادیث قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہیں۔ اس لحاظ سے مسئلہ نزول مسیح دین کے لوازم اور ضروریات میں سے ہوا جس پر ایمان کے بغیر قانون شریعت سے کوئی شخص مسلمان نہیں سمجھا جا سکتا۔

فقہ اکبر صفحہ ۱۳ میں امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد ہے۔

وخروج الدّجال ویاجوج وماجوج وطلوع الشمس من مغربها ونزول عيسىٰ عليه السلام من السّماء وسائر علامات القيامة على ماوردت به الاخبار الصّحيحة حق كائن والله تعالى يهدى من يّشآء الى صراط مّستقيم.

خروج دجال اور خروج یاجوج وماجوج اور آفتاب کا مغرب سے طلوع اور حضرت عیسیٰ کا آسمان سے نزول اور باقی علامات قیامت جن کا احادیث صحیحہ میں ذکر آیا ہے یہ اور وہ سب حق ہیں اور ضرور ہو کر رہیں گی اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

امام بیہقی سند صحیح کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری خوشی کا کیا حال ہوگا جبکہ عیسیٰ بن مریم تمہارے درمیان آسمان سے اتریں گے اور تمہارا امام خود تم میں سے ہوگا۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے جو لوگ دجال کا اتباع کریں گے وہ ستر ہزار یہودی ہوں گے اُن کے سروں پر طیلسان ہوں گے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسوقت جبکہ دجال خروج کرے گا۔ تو اس وقت عیسیٰ بن مریم کو وہ افیق پر آسمان سے نازل ہوں گے اور وہ اس امت کے حق میں امام اور ہادی اور حاکم منصف ہونگے۔ (کنز العمال ص ۲۶۸ ج ۷)

نیز حدیث نزول میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام دو رنگین کپڑے پہنے دو فرشتوں کے کاندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے منارۂ شرقیہ پر اتریں گے۔ (معارف کاندھلوی)

قیامت کی دس نشانیاں:

حضرت حذیفہؓ بن اسید غفاری کا بیان ہے کہ ہم لوگ کچھ باہم گفتگو کر رہے تھے اتنے میں حضور والا برآمد ہوئے اور فرمایا تم کس چیز کا تذکرہ کر رہے تھے سب نے عرض کیا ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے تھے فرمایا قیامت سے پہلے جب تک دس نشانیاں ظاہر نہ ہو جائیں گی قیامت نہیں آئے گی اس کے بعد آپ نے (ان چیزوں کا) ذکر کیا۔ (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابۃ الارض (۴) مغرب سے آفتاب کا طلوع (۵) عیسیٰ بن مریم کا نزول (۶) یاجوج ماجوج کا خروج (۷) زمین کا تین جگہ دھنسنا مشرق میں (۸) مغرب میں (۹) جزیرۃ العرب میں (۱۰) یہ آگ ہے جو یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو ہنکا کر میدان حشر کی طرف لے جائے گی۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ دسویں علامت ایک ہوا ہوگی جو لوگوں کو سمندر میں جا پھینکے گی۔ رواہ مسلم۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام کی احادیث:

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہوگا۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین۔

حضرت نواس بن سمعان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ایک طویل بیان میں ذکر فرمایا دجال کا قصہ میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن مریم کو بھیجے گا آپ دمشق کے مشرقی جانب سفید مینار کے قریب دو زرد کپڑے پہنے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے اتریں گے جب آپ سر جھکائیں گے تو پسینہ کے قطرے ٹپکیں گے اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو (بھی) چاندی کے موتی جیسے قطرے گریں گے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے تمہارے اندر عیسیٰ بن مریم حاکم عادل ہو کر اتریں گے صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ موقوف کر دیں گے مال بہائیں گے یہاں تک کہ کوئی مال قبول نہیں کرے گا اس وقت ایک سجدہ دنیا اور تمام سامان دنیا سے بہتر ہوگا۔ (صحیحین)

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ابن مریم حاکم عادل بن کر اتریں گے صلیب توڑ ڈالیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے اور اونٹنیوں کو (یونہی بلا سواری) چھوڑ دیں گے ان سے کام نہیں لیا جائے گا۔ آپس کا بغض اور حسد جاتا رہے گا اور مال دینے کے لئے بلایا جائے گا لیکن کوئی مال قبول نہیں کرے گا۔ مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) تمہارا امیر (عیسیٰ سے) کہے گا آئیے آپ نماز پڑھائیے عیسیٰ کہیں گے اس امت کی عزت افزائی کے پیش نظر نہیں۔ (کیونکہ) تم میں سے ہی بعض بعض کے امیر ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس جائیں گے اس وقت لوگ عصر کی نماز میں ہوں گے امام حضرت عیسیٰ کی آمد پا کر پیچھے ہٹے گا لیکن حضرت عیسیٰ اس کو آگے بڑھائیں گے اور شریعت محمدی کے مطابق

(خود بھی) نماز پڑھیں گے خنزیر کو قتل کریں گے صلیب کو توڑیں گے یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانوں کو منہدم کردیں گے اور سواء ان لوگوں کے جو آپ پر ایمان لے آئیں گے باقی عیسائیوں کو قتل کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هٰذَا

سو اُس میں شک مت کرو اور میرا کہا مانو

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ

یہ ایک سیدھی راہ ہے اور نہ روک دے تم کو

الشَّيْطٰنُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٢﴾

شیطان وہ تو تمہارا دشمن ہے صریح ☆

☆یعنی قیامت کے آنے میں شک نہ کرو۔ اور جو سیدھی راہ ایمان و توحید کی میں بتلا رہا ہوں اس پر چلے آؤ مبادا تمہارا ازلی دشمن شیطان تم کو اس راستہ سے روک دے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا۔ یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش قیامت سے برپا ہونے پر دلالت کررہی ہے تو اب تم کو وجود قیامت میں شک نہ ہونا چاہئے۔

کھلا دشمن ہے تم کو جنت سے نکلوانے کا سبب بنا اور مصائب کے گھر میں تمہارے آنے کا موجب ہوا اور اب بھی اتباع حق سے تم کو روک رہا ہے اور جنت میں داخل ہونے سے رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَمَّا جَاءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ

اور جب آیا عیسیٰ نشانیاں لے کر بولا میں

جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ

لایا ہوں تمہارے پاس پکی باتیں ☆

☆یعنی پکی باتیں دانائی اور حکمت کی۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْبَيِّنٰتِ۔ یعنی معجزات یا انجیل کی آیت یا واضح احکام۔ (تفسیر مظہری)

وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي

اور بتلانے کو بعضی وہ چیز

تَخْتَلِفُونَ فِيهِ

جس میں تم جھگڑتے تھے ☆

☆یعنی دینی باتیں یا بعض وہ چیزیں جن کو شریعت موسویہ نے حرام ٹھہرایا تھا انکا حلال ہونا بیان کرتا ہوں کما قال "وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ" (آل عمران رکوع ۵) (تفسیر عثمانی)

الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد میل نفسانی کے زیر اثر یہودیوں کے اکہتر فرقے بن گئے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے یہودیوں کو غلط عقائد سے روکا اور راہ حق پر چلنے کی ہدایت کی۔

امتوں کے فرقے: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اکہتر فرقوں میں بٹ گئے اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہو گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ (تفسیر مظہری)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُونِ ﴿٦٣﴾ إِنَّ اللّٰهَ

سو ڈرو اللہ سے اور میرا کہا مانو بیشک اللہ

هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هٰذَا

جو ہے وہی ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اسی کی بندگی کرو

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦٤﴾

یہ ایک سیدھی راہ ہے ☆

عیسیٰ کی تعلیم: ☆یہ تعلیم تھی حضرت مسیح علیہ السلام کی۔ دیکھو کیسی صفائی سے خدائے واحد کی ربوبیت اور معبودیت کو بیان فرمایا ہے اور اسی توحید اور اتقاء و اطاعت رسول کو صراط مستقیم قرار دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ ف سببیہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پُر حکمت تعلیم کا لانا حصول تقویٰ کا سبب ہے۔

وَأَطِيعُونِ۔ یعنی اللہ کی طرف سے جو کچھ میں تم کو پہنچا رہا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔

فَاعْبُدُوهُ۔ اسی کی پوجا کرو کسی اور کی پرستش نہ کرو۔

هٰذَا۔ یعنی توحید اور شرعی احکام کی پابندی۔ یہ حضرت عیسیٰ کے کلام کا تتمہ ہے یا اللہ کا فرمان ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ

پھر پھٹ گئے کتنے فرقے ان کے بیچ سے ☆

فرقہ بندی ☆یعنی اختلاف پڑ گیا۔ یہود ان کے منکر ہوئے اور نصاریٰ

قائل ہوئے۔ پھر نصاریٰ آگے چل کر کئی فرقے بن گئے، کوئی حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بتلاتا ہے، کوئی ان کو تین خداؤں میں ایک کہتا ہے کوئی کچھ اور کہتا ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کی اصلی تعلیم پر ایک بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

امت عیسیٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئی یا من جنہم سے یہودیوں اور عیسائیوں کا مجموعہ مراد ہے۔ فویل پس بڑی ہلاکت (اور خرابی) ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ

سو خرابی ہے گنہگاروں کو آفت سے دکھ

يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا

والے دن کی اب یہی ہے کہ راہ دیکھتے ہیں

السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ

قیامت کی کہ آ کھڑی ہو اُن پر اچانک اور اُن کو

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾

خبر بھی نہ ہو ☆

منکرین کی ہلاکت کا اعلان ☆ ایسے ایسے کھلے بیانات اور واضح ہدایت کے باوجود بھی جو لوگ نہیں مانتے آخر وہ کا ہے کے منتظر ہیں۔ ان کے احوال کو دیکھ کر یہی کہا جا سکتا ہے کہ بس قیامت ایک دم ان کے سر پر آ کھڑی ہو تب مانیں گے مگر اس وقت کا ماننا کچھ کام نہ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

لِلَّذِينَ ظَلَمُوا۔ ان لوگوں کے لئے جنہوں نے خواہشات کی پیروی کر کے اور کتاب وسنت کو ترک کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ۔ یعنی آتش جہنم۔

ناجی فرقہ اہل سنت والجماعت ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قدم بقدم میری امت پر وہی بات آئے گی جو بنی اسرائیل پر آئی اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے علی الاعلان اپنی ماں سے زنا کیا تو میری امت میں سے بھی کوئی ایسا کرے گا بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی کہ سوا ایک فرقہ کے سب فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ (برحق نجات یافتہ) کونسا گروہ ہوگا فرمایا جو اس راستہ پر چلتا ہوگا جس پر میں اور میرے صحابی ہیں۔ رواہ الترمذی۔ (تفسیر مظہری)

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

جتنے دوست ہیں اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے

عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿۶۷﴾ ع

مگر جو لوگ ہیں ڈر والے ☆

قیامت کی ہیبت ☆ اس دن دوست سے دوست بھاگے گا کہ اس کے سبب سے کہیں میں نہ پکڑا جاؤں۔ دنیا کی سب دوستیں اور محبتیں منقطع ہو جائیں گی۔ آدمی پچھتائے گا کہ فلاں شریر آدمی سے دوستی کیوں کی تھی جو اس کے اکسانے سے آج گرفتار مصیبت ہونا پڑا اس وقت بڑا گرمجوش محب محبوب کی صورت دیکھنے سے بیزار ہوگا۔ البتہ جن کی محبت اور دوستی اللہ کے واسطے تھی اور اللہ کے خوف پر مبنی تھی وہ کام آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اچھے اور برے دوست: بغوی نے اس آیت کے ذیل میں حضرت علی کا ارشاد نقل کیا ہے آپ نے فرمایا دو دوست مومن اور دو دوست کافر ہوتے ہیں ایک مومن مر جاتا ہے وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب فلاں شخص مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کرنے کا مشورہ دیتا تھا مجھے نیک کام کرنے کا حکم دیتا تھا اور برے کام سے روکتا تھا وہ مجھ سے کہتا تھا کہ ایک دن مجھے تیرے سامنے آنا پڑے گا اے میرے رب میرے بعد تو اس کو گمراہ نہ کر دینا اور جیسے تو نے مجھے راہ راست پر چلنے کی توفیق دی ایسے ہی اس کو بھی ہدایت پر قائم رکھنا اور جس طرح تو نے میری عزت افزائی کی اسی طرح اس کی بھی عزت افزائی کرنا جب اس کا دوست مر جاتا ہے تو اللہ دونوں کو یکجا کر کے فرماتا ہے تم دونوں ایک دوسرے کی تعریف کرو چنانچہ ہر ایک دوسرے کے متعلق کہتا ہے یہ اچھا بھائی ہے اچھا دوست ہے اچھا ساتھی ہے۔

اور جب دونوں کافر دوستوں میں سے ایک مر جاتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب فلاں شخص مجھے تیری اور تیرے رسول کی طاعت سے منع کرتا تھا برے کام کرنے کا مشورہ دیتا تھا۔ اور اچھے کام سے روکتا تھا اور مجھ سے کہتا تھا کہ مجھے تیرے پاس آنا نہیں ہے۔ وہ برا بھائی برا دوست اور برا ساتھی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ فرمائے گا میری عظمت و بزرگی کے ساتھ باہم دوستی کرنے والے کہاں ہیں آج میں ان کو اپنے سایہ میں لوں گا آج میرے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں۔ رواہ مسلم۔

اللہ کیلئے محبت کرنیوالے: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ کے واسطے دو بندے باہم محبت کرنے والے ہوں ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں۔ اللہ قیامت کے دن دونوں کو یکجا کر دیگا اور فرمائے گا یہی وہ شخص ہے جس سے تو

میرے لئے محبت کرتا تھا۔ (رواہ البیہقی شعب الایمان) (تفسیر مظہری)

دوستی درحقیقت وہی ہے جو اللہ کے لئے ہو

اس آیت نے یہ بات کھول کر بتادی کہ یہ دوستانہ تعلقات جن پر انسان دُنیا میں ناز کرتا ہے اور جن کی خاطر حلال وحرام ایک کر ڈالتا ہے قیامت کے روز نہ صرف یہ کہ کچھ کام نہ آئیں گی بلکہ عداوت میں تبدیل ہو جائیں گی چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے اس آیت کے تحت حضرت علیؓ کا یہ ارشاد مصنف عبدالرزاقؒ اور ابن ابی حاتمؒ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ دو دوست مومن تھے اور دو کافر مومن دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوا اور اُسے جنت کی خوشخبری سنائی گئی تو اُسے اپنا دوست یاد آیا اُس نے دُعا کی کہ یا اللہ! میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت کی تاکید کرتا' بھلائی کا حکم دیتا اور بُرائی سے روکتا تھا اور یہ یاد دلاتا رہتا تھا کہ مجھے ایک دن آپ کے پاس حاضر ہونا ہے' لہٰذا یا اللہ! اسکو میرے بعد گمراہ نہ کیجئے گا تاکہ وہ بھی (جنت کے) وہ منظر دیکھ سکے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں' اور آپ جس طرح مجھ سے راضی ہوئے ہیں اُسی طرح اُس سے بھی راضی ہو جائیں۔ اس دُعاء کے جواب میں اس سے کہا جائیگا کہ جاؤ' اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ میں نے تمہارے اُس دوست کے لئے کیا اجر وثواب رکھا ہے تو تم روؤ کم اور ہنسو زیادہ۔ اسکے بعد جب دوسرے دوست کی وفات ہو چکے گی تو دونوں کی ارواح جمع ہونگی' باری تعالیٰ اُن سے فرمائیگا کہ تم میں سے ہر شخص دوسرے کی تعریف کرے' تو اُن میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں یہ کہیگا کہ وہ بہترین بھائی' بہترین ساتھی اور بہترین دوست ہے۔

اس کے برخلاف جب دو کافر دوستوں میں سے ایک کا انتقال ہوگا اور اسے بتایا جائیگا کہ اسکو جہنم میں ڈالا جائے گا تو اُسے بھی اپنا دوست یاد آئے گا اُس وقت وہ یہ دُعا کرے گا کہ یا اللہ! میرا فلاں دوست مجھے آپ کی اور آپ کے رسول کی نافرمانی کرنیکا حکم دیتا تھا' بُرائی کی تاکید کرتا اور بھلائی سے روکتا تھا' اور مجھ سے کہا کرتا تھا کہ میں کبھی آپ کے حضور حاضر نہ ہونگا۔ لہٰذا یا اللہ! اس کو میرے بعد ہدایت نہ دیجئے گا' تاکہ وہ بھی (دوزخ کے) وہ منظر دیکھے جو آپ نے مجھے دکھائے ہیں' اور آپ جس طرح مجھ سے ناراض ہوئے ہیں اُسی طرح اُس سے بھی ناراض ہوں۔ اسکے بعد دوسرے دوست کا بھی انتقال ہو جائیگا تو دونوں کی رُوحیں جمع کی جائیں گی اور ان سے کہا جائیگا کہ تم میں سے ہر شخص اپنے ساتھی کی تعریف کرے' تو اُن میں سے ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہے گا یہ بدترین بھائی بدترین ساتھی اور بدترین دوست ہے۔ (ابن کثیر ۱۳۴ ج ۴) اسی لئے دُنیا وآخرت دونوں کے لحاظ سے بہترین دوستی وہ ہے جو اللہ کے لئے ہو۔ جن دو مسلمانوں میں صرف اللہ کے لئے محبت ہو اُن کے بڑے فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ میدان حشر میں یہ لوگ اللہ کے عرش کے سایہ میں ہونگے اور اللہ کے لئے محبت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے سے اس بناپر تعلق ہو کہ وہ اللہ کے دین کا سچا پیرو ہے' چنانچہ علوم دین کے استاذ' شیخ ومُرشد' علماء اور اہل اللہ سے نیز عالم اسلام کے تمام مسلمانوں سے بے لوث محبت اس میں داخل ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ
اے بندو میرے نہ ڈر ہے تم پر آج کے دن اور نہ تم
اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾
غمگین ہوگے☆

☆یعنی نہ آگے کا ڈر نہ پیچھے کا غم۔ (تفسیر عثمانی)

نحوی ترکیب: یَا عِبَادِ یہ جملہ مستانفہ ہے یَقُوْلُ فعل محذوف ہے یعنی اللہ ان تقویٰ رکھنے والے دوستوں سے فرمائے گا اے میرے بندو آج نہ تم کو کوئی خوف ہے نہ غمگین ہوگے۔

مومنوں کیلئے اعلان: معتمر بن سلیمان نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا۔ معتمر کے باپ نے کہا میں نے سنا ہے کہ جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ہر ایک گھبرایا ہوا ہوگا اس وقت (اللہ کی طرف سے) ایک منادی ندا دیگا۔ یٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ یہ سن کر لوگوں کو کچھ امید بندھے گی لیکن فوراً ہی منادی اس کے بعد کہے گا۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ یہ سن کر سوا اہل ایمان کے کافر لوگ سب مایوس ہو جائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾
جو یقین لائے ہماری باتوں پر اور رہے حکمبردار ☆

ایمان واسلام: ☆یعنی دل سے یقین کیا اور جوارح سے اس کے حکمبردار رہے۔ یہاں سے ایمان اور اسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث جبریل میں اس کا مفصل بیان ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ
چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں
تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ
کہ تمہاری عزت کریں گے لئے پھریں گے اُنکے پاس رکابیاں
مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ
سونے کی اور آبخورے ☆

☆یعنی غلمان لئے پھریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

تُحۡبَرُوۡنَ۔ یعنی تم خوش ہو گے کہ اس کا اثر چہروں سے نمودار ہو گا اس مطلب پر تحبرون حبار سے مشتق ہو گا اور حبار کا معنی ہے اثر نشان یا تحبرون کا ترجمہ ہے تم آراستہ کئے جاؤ گے سجائے جاؤ گے اس وقت تحبرون کا مادہ حبر ہو گا اور حبر کا معنی ہے زینت۔ خوبصورتی۔ یا اس کا ترجمہ ہے تمہاری پوری پوری عزت افزائی کی جائے گی۔

یُطَافُ عَلَیۡهِمۡ۔ یعنی غلمان جو ہمیشہ ہی امرد رہیں گے۔ اہل جنت کے لئے بڑے بڑے پیالوں اور کوزوں کا دور کریں گے صحاف صحفۃ کی جمع ہے صحفۃ بڑے پیالے کو کہتے ہیں۔ اکواب کوب کی جمع ہے۔ کوب کوزہ یعنی ایسا برتن جس کا گلا بھی مدور ہو اور قبضہ نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَفِيۡهَا مَا تَشۡتَهِيۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ
اور وہاں ہے جو دل چاہے اور جس سے
الۡاَعۡيُنُ
آنکھیں آرام پائیں ☆

دیدار الٰہی ☆ سب سے اعلیٰ چیز جس سے آنکھیں آرام پائیں گی وہ دیدار ہے حق سبحانہ وتعالیٰ کا (رزقنا اللہ بفضلہ ومنہ) (تفسیر عثمانی)

صوفی کی طلب: یعنی ہر شخص کو جنت میں وہ چیز ملے گی جس کا وہ خواستگار ہو گا۔ صوفی طلبگار ہے ایسے وصل کا جس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی جا سکتی اور ایسے دیدار کا جو کبھی غائب نہ ہو چنانچہ یہ نعمت حاصل ہو گی صوفیہ کے علاوہ دوسرے لوگ جو جنت کی نعمتوں کے خواستگار ہوں گے ان کو وہ نعمتیں ملیں گی۔

جنت میں گھوڑے اور اونٹ: بغوی نے حضرت عبدالرحمن بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے گھوڑے بہت پسند ہیں۔ کیا جنت میں گھوڑے ملیں گے۔ فرمایا اگر اللہ تم کو جنت میں داخل کر دے پھر تم چاہو کہ سرخ یاقوت کے گھوڑے پر سوار ہو کر اڑ کر جنت کے اندر جہاں جانا چاہو پہنچ جاؤ تو ایسا کر سکو گے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اونٹ کو پسند کرتا ہوں کیا جنت میں اونٹ ملیں گے فرمایا اے اعرابی اگر اللہ تجھے جنت میں داخل کر دے گا تو تجھے وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کو تیرا دل چاہے گا اور آنکھوں کو جس سے فرحت حاصل ہو گی۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنۡتُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلۡكَ
اور تم ان میں ہمیشہ رہو گے اور یہ وہی
الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ
بہشت ہے جو میراث پائی تم نے بدلے میں ان کاموں

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۷۲﴾
کے جو کرتے تھے ☆

☆ یعنی تمہارے باپ آدم کی میراث واپس مل گئی تمہارے اعمال کے سبب سے اور اللہ کے فضل سے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتِلۡكَ الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دوزخی کو اس کا جنت والا مقام (یعنی وہ مقام اگر وہ مومن ہوتا تو اس کو وہ مقام ملتا) دکھایا جائے گا تاکہ اس کو حسرت ہو اس وقت وہ کہے گا۔ لَوۡ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰٮنِىۡ لَـكُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِيۡنَ اگر اللہ مجھے ہدایت یاب بناتا تو میں متقیوں میں ہو جاتا۔ اور ہر جنتی کو اس کا دوزخ والا مقام (یعنی وہ مقام کہ اگر وہ مومن نہ ہوتا تو اس مقام پر ہوتا) دکھایا جائے گا تاکہ وہ شکر کرے۔ جنتی بطور شکر کہے گا۔

وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِىَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ۔ یہ بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص کا ایک گھر جنت میں اور ایک گھر دوزخ میں ہے کافر کے جنت والے مکان کا مومن وارث ہو گا۔ یہی مطلب ہے (آیت) تِلۡكَ الۡجَـنَّةُ الَّتِىۡۤ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ کا۔ (تفسیر مظہری)

لَكُمۡ فِيۡهَا فَاكِهَةٌ كَثِيۡرَةٌ مِّنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۷۳﴾
تمہارے واسطے ان میں بہت میوے ہیں ان میں سے کھاتے رہو ☆

☆ یعنی چن چن کر۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کے پھل: بزار اور طبرانی نے بیان کیا کہ حضرت ثوبان نے فرمایا میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جنتی جس پھل کو توڑے گا اس کی جگہ ویسا ہی دوسرا پھل دوبارہ پیدا کر دیا جائے گا۔

بزار نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے جب آدم کو جنت سے نکالا تو ان کو بطور توشہ کچھ جنت کے پھل بھی دے دیے اور ہر ایک کے اوصاف بھی بتا دیئے تو یہ تمہارے پھل جنت کے پھلوں سے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ یہ خراب ہو جاتے ہیں اور وہ تغیر پذیر نہیں ہیں۔

ابن ابی الدنیا کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ شام میں تھے لوگوں نے جنت کا تذکرہ کیا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جنت کا ایک خوشہ (اتنا بڑا ہو گا جتنی مسافت) یہاں سے صنعاء (یمن) تک ہے۔

ابن ابی الدنیا نے کہا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جنت کے پھلوں میں سے ایک ایک پھل کی لمبائی بارہ ہاتھ ہو گی اور ان کے اندر گٹھلی نہیں ہو گی۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ
البتہ جو لوگ کہ گنہگار ہیں وہ دوزخ کے عذاب میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا یُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِیْهِ

ہمیشہ رہنے والے ہیں نہ ہلکا ہوتا ہے اُن پر سے اور وہ اُسی میں

مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾

پڑے ہیں آس ٹوٹے ☆

دوزخیوں کی ناامیدی

یعنی عذاب نہ کسی وقت ملتوی ہوگا نہ ہلکا کیا جائے گا دوزخی ناامید ہو جائیں گے کہ اب یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُجْرِمِیْنَ - یعنی پکے مجرم۔ مراد ہیں کافر کیونکہ مومنوں کے مقابل مجرموں کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے مجرموں سے کافر مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن تھے وہی بے انصاف ☆

اپنے اوپر خود ظلم کیا ☆ یعنی ہم نے دنیا میں بھلائی برائی کے سب پہلو سمجھا دیئے تھے اور پیغمبروں کو بھیج کر حجت تمام کردی تھی۔ کوئی معقول عذر ان کے لئے باقی نہیں چھوڑا تھا۔ اس پر بھی نہ مانے اور اپنی زیادتیوں سے باز نہ آئے۔ ایسوں کو سزا دی جائے تو ظلم کون کہہ سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَادَوْا یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ ؕ

اور پکاریں گے اے مالک کہیں ہم پر فیصل کر چکے تیرا رب ☆

داروغۂ جہنم ☆ "مالک" نام ہے فرشتہ کا جو دوزخ کا داروغہ ہے دوزخی اس کو پکاریں گے ہم نہ مرتے ہی ہیں نہ چھوٹتے ہیں اپنے رب سے کہہ کہ ایک دفعہ عذاب دے کر ہمارا کام ہی تمام کردے گویا نجات سے مایوس ہو کر موت کی تمنا کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

دوزخیوں کی بدحالی: ہناد طبرانی ابن ابی حاتم حاکم بیہقی اور عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص کا قول نقل کیا ہے کہ دوزخی مالک کو پکاریں گے اور کہیں گے۔ یٰمٰلِكُ لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّكَ۔ مالک چالیس برس تک ان کو کوئی جواب نہیں دے گا۔ یونہی چھوڑے رکھے گا پھر جواب دے گا تو کہے گا اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

وہ کہے گا تم کو ہمیشہ رہنا ہے ☆

☆ یعنی چلانے سے کچھ فائدہ نہیں تم کو اسی حالت میں ہمیشہ رہنا ہے کہتے ہیں۔ دوزخی ہزار برس چلائیں گے تب وہ یہ جواب دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن جریر ابن ابی حاتم ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ۔ ایک ہزار برس تک مالک ان کو جواب نہیں دے گا۔ ہزار برس کے بعد کہے گا۔ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ۔

دوزخیوں کی پانچ دعائیں

سعید بن منصور اور بیہقی نے محمد بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ دوزخی پانچ بار دعائیں کریں گے۔ چار دعاؤں کا تو اللہ جواب دیدے گا اور پانچویں دعا کے بعد پھر وہ کبھی کوئی کلام نہیں کریں گے۔ دوزخی کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ۔ اس کے جواب میں اللہ فرمائے گا۔ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ یُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْكَبِیْرِ۔ پھر اہل جہنم کہیں گے۔ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَآ اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ پھر دوزخی کہیں گے رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ۔ پھر دوزخی کہیں گے رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ۔ پھر وہی دوزخی کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ۔ اللہ جواب میں فرمائے گا۔ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ۔ اس کے بعد وہ کوئی بات نہیں کریں گے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ

ہم لائے ہیں تمہارے پاس سچا دین پر تم

اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

بہت لوگ سچی بات سے بُرا مانتے ہو ☆

☆ یعنی وہ سزا اس جرم پر ملی کہ تم میں کے اکثر سچائی سے چڑتے تھے (اور بہت سے اندھوں کی طرح ان کے پیچھے ہو لئے)۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

کیا انہوں نے ٹھہرائی ہے ایک بات تو ہم بھی کچھ ٹھہرائیں گے ☆

کفار کی تدبیریں ☆☆ کفار عرب پیغمبر کے مقابلہ میں طرح طرح کے منصوبے گانٹھتے اور تدبیریں کرتے تھے مگر اللہ کی خفیہ تدبیر ان کے سب منصوبوں پر پانی پھیر دیتی تھی حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "کافروں نے مل کر مشورہ کیا کہ تمہارے تغافل سے اس نبی کی بات بڑھی آئندہ جو اس دین میں آئے اسی کے رشتہ دار اسکو مار مار کر لٹا پھیریں اور جو اجنبی شخص شہر میں آئے اسکو پہلے سنا دو کہ اس شخص کے پاس نہ بیٹھے یہ بات انہوں نے ٹھہرائی اور اللہ نے ٹھہرایا ان کو ذلیل ورسوا کرنا اور اپنے دین اور پیغمبر کو عروج دینا آخر اللہ کا ارادہ غالب رہا۔ (تفسیر عثمانی)

اَبْرَمُوْٓا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی مضبوط خفیہ تدبیر کی ہے یا یہ مطلب ہے کہ حق کی تکذیب وتردید کی کوئی پوشیدہ اسکیم بنا رکھی ہے اور صرف حق سے نفرت پر بس نہیں کیا ہے۔

فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ۔ یعنی ہم نے بھی ان کو سزا دینے کی تدبیر درست کر لی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ
کیا خیال رکھتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے اُن کا بھید
وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ
اور اُن کا مشورہ کیوں نہیں اور ہمارے بھیجے ہوئے
يَكْتُبُوْنَ ۝
اُنکے پاس لکھتے رہتے ہیں☆

ہم سب جانتے ہیں ☆ یعنی ان کے دلوں کے بھید ہم جانتے اور ان کے خفیہ مشورے ہم سنتے ہیں اور حکومت کے انتظامی ضابطہ کے موافق ہمارے فرشتے (کراماً کاتبین) ان کے سب اعمال وافعال لکھتے جاتے ہیں یہ ساری مسل قیامت میں پیش ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے لکھا ہے کہ کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان تین آدمی جمع ہوئے دو قریشی تھے اور ایک ثقفی یا دو ثقفی تھے اور ایک قریشی۔ ایک بولا تم لوگوں کے خیال میں کیا خدا ہمارا کلام سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا جب تم چلا کر بات کرو تو سنتا ہے اور چپکے چپکے بات کرو تو نہیں سنتا' اس پر آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ڰ فَاَنَا
تو کہہ اگر ہو رحمٰن کے واسطے اولاد تو میں

اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝
سب سے پہلے پوجوں☆

عقیدۂ اولاد کی تردید ☆ یعنی اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا کہ اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کی جائیں۔ آپ کہہ دیجئے اگر بفرض محال خدا کے اولاد ہو تو پہلا شخص میں ہوں جو اسکی اولاد کی پرستش کرے کیونکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ خدا کی عبادت کرنے والا ہوں۔ اور جس کو جس قدر علاقہ خدا کے ساتھ ہوگا اسی نسبت سے اس کی اولاد کے ساتھ ہونا چاہئے پھر جب میں باوجود اول العابدین ہونے کے کسی ہستی کو اس کی اولاد نہیں مانتا تو تم کون سے اللہ کا حق ماننے والے ہو جو اس کی فرضی اولاد تک کے حقوق پہچانو گے (تنبیہ) بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ اگر تمہارے اعتقاد میں اللہ کی کوئی اولاد ہے تو یاد رکھو! کہ میں تمہارے مقابلہ میں اس اکیلے خدا کی عبادت کرنے والا ہوں جو اولاد وغیرہ سے منزہ ومقدس ہے بعض نے "عابد" کے معنی لغتہ جاحد (منکر) کے بتلائے ہیں یعنی اس فاسد عقیدہ کا سب سے پہلا انکار کرنے اور رد کرنے والا میں ہوں۔ بعض کے نزدیک "ان" نافیہ ہے یعنی رحمان کے کوئی اولاد نہیں مگر یہ کچھ زیادہ قوی نہیں اور بھی احتمالات ہیں جن کے استیعاب کا یہاں موقع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ۔ یعنی تم سے پہلے میں اس کی عبادت کرنے والا ہوں نبی خوب واقف ہے کہ اللہ کے لئے کونسا وصف زیبا ہے اور کونسی صفت نامناسب ہے اور کس کی تعظیم واجب ہے اس کا علم پیغمبر سے زیادہ کسی کو نہیں ہوسکتا پس اگر خدا کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے پیغمبر اس کی تعظیم کرتا جو شخص والد کی تعظیم کرتا ہے وہ والد کی اولاد کی بھی تعظیم ضرور ہی کرتا ہے۔

آیت کا مقصد: یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خدا کے صاحب اولاد ہونے کا انکار کر رہے ہیں تو اس انکار کی بنیاد کوئی ذاتی مخالفت نہیں (کہ خدا کے بیٹے سے آپ کو عناد ہو اس لئے آپ انکار کر رہے ہوں) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی خدازادہ ہوتا تو آپ اس کا اعتراف سب سے پہلے کرتے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا کہ رحمن کی کوئی اولاد نہیں ہے میں سب سے پہلے اس کی شہادت دیتا ہوں۔ یعنی ان شرطیہ نہیں ہے بلکہ نافیہ ہے اور عابدین کا معنی ہے گواہی دینے والے۔ (تفسیر مظہری)

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ
پاک ذات ہے وہ رب آسمانوں کا اور زمین کا صاحب

الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

عرش کا اُن باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں☆

پاک ذات ☆یعنی جن باتوں کی نسبت یہ لوگ اس کی طرف کرتے ہیں مثلاً اولاد وغیرہ اس سے خدا تعالیٰ کی ذات برتر اور منزہ ہے اس کی ذات میں یہ امکان ہی نہیں کہ معاذ اللہ کسی کا باپ یا بیٹا بنے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا

اب چھوڑ دے اُن کو بک بک کریں اور کھیلیں یہاں تک کہ ملیں

يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

اپنے اُس دن سے جس کا اُن کو وعدہ دیا ہے☆

عنقریب گرفت ہوگی ☆یعنی غفلت وحماقت کے نشہ میں جو کچھ بکتے ہیں بکنے دیجئے یہ لوگ چند روز اور دنیا کے کھیل تماشے میں گزار لیں، آخر وہ موعود دن آنا ہے جس میں ایک ایک کر کے ان کی گستاخیوں اور شرارتوں کا مزہ چکھایا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى

اور وہی ہے جس کی بندگی ہے آسمان میں اور اُس کی

الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾

بندگی ہے زمین میں اور وہی ہے حکمت والا سب سے خبردار☆

معبود فقط اللہ ہے ☆نہ آسمان میں فرشتے اور شمس وقمر معبود بن سکتے ہیں نہ زمین میں اصنام واوثان وغیرہ سب زمین وآسمان والوں کا معبود اکیلا وہ ہی خدا ہے جو فرش سے عرش تک کا مالک اور تمام عالم کون میں اپنے علم و اختیار سے متصرف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَبٰرَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور بڑی برکت ہے اُس کی جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں

وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ

اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے اور اُسی کے پاس ہے خبر قیامت کی☆

☆یعنی قیامت کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اسی مالک کو ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور اُسی تک پھر کر پہنچ جاؤ گے☆

☆یعنی وہاں پہنچ کر سب کی نیکی بدی کا حساب ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ

اور اختیار نہیں رکھتے وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ

سفارش کا مگر جس نے گواہی دی سچی اور اُن

يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

کو خبر تھی☆

سفارش ☆یعنی اتنی سفارش کر سکتے ہیں کہ جس نے ان کے علم کے موافق کلمہ اسلام کہا اس کی گواہی دیں بغیر کلمہ اسلام کسی کے حق میں ایک حرف سفارش کا نہیں کہہ سکتے اور اتنی سفارش بھی صالحین کریں گے جو سچائی کو جانتے اور اس کو زبان ودل سے مانتے ہیں۔ دوسروں کو اجازت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ

اور اگر تو اُن سے پوچھے کہ ان کو کس نے بنایا تو کہیں گے

اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾

اللہ نے پھر کہاں سے اُلٹ جاتے ہیں☆

توحید کی دلیل ☆یعنی جب بنانے والا ایک اللہ ہے تو بندگی کا مستحق کوئی دوسرا کیونکر ہو یا ہے عبادت نام ہے انتہائی تذلل کا وہ اسی کا حق ہونا چاہیے جو نہایتی عظمت رکھتا ہے، عجیب بات ہے مقدمات کو تسلیم کرتے ہیں اور نتیجہ سے انکار۔ (تفسیر عثمانی)

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے رب یہ لوگ ہیں کہ یقین نہیں لاتے☆

نبی کی مخلصانہ التجا ☆یعنی نبی کا یہ کہنا بھی اللہ کو معلوم ہے اور اسکی اس مخلصانہ التجا اور درد بھری آواز کی اللہ قسم کھاتا ہے کہ وہ اس کی ضرور مدد کرے گا۔ اور اپنی رحمت سے اس کو غالب ومنصور کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

کافروں پر غضب کے متعدد اسباب: یہ جملہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ ان کافروں پر غضب خداوندی نازل ہونے کے کتنے شدید اسباب موجود ہیں۔ ایک طرف تو ان کے جرائم فی نفسہ سخت ہیں دوسری طرف وہ رسول جو رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین بنا کر بھیجے گئے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جب خود ان لوگوں کی شکایت کریں اور یہ فرمائیں کہ یہ لوگ بار بار فہمائش کے باوجود ایمان نہیں لاتے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر اذیت پہنچائی ہوگی۔ ورنہ معمولی تکلیف پر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے ایسی پُر درد شکایت نہ فرماتے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ
سو تو منہ پھیر لے اُن کی طرف سے اور کہہ سلام ہے ☆

☆ یعنی غم نہ کھا، اور زیادہ ان کے پیچھے نہ پڑ۔ فرض تبلیغ ادا کر کے ادھر سے منہ پھیر لے اور کہہ دے کہ اچھا نہیں مانتے تو ہمارا سلام لو۔ (تفسیر عثمانی)

داعی حق کا وطیرہ: آخر میں وہی تلقین کی گئی ہے جو ہر داعی حق کو ہمیشہ کی گئی کہ مخالفین کے دلائل وشبہات کا جواب تو دیدو لیکن وہ جو جہالت و حماقت یا دشنام طرازی کی بات کریں اسکا جواب انہی کی زبان سے دینے کے بجائے سکوت اختیار کرو۔

سلام کہنے کا مطلب: یہ جو فرمایا کہ کہہ دو تم کو سلام کرتا ہوں اس سے مقصد یہ نہیں ہے کہ انہیں السّلام علیکُم کہا جائے کیونکہ کسی غیر مسلم کو ان الفاظ سے سلام کرنا جائز نہیں بلکہ یہ ایک محاورہ ہے کہ جس کسی شخص سے قطع تعلق کرنا ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ "میری طرف سے سلام" یا "تمہیں سلام کرتا ہوں"۔ اس سے حقیقی طور پر سلام کرنا مقصد نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝
اب آخر کو معلوم کرلیں گے ☆

☆ یعنی آخر کار ان کو پتہ لگ جائے گا کہ کس غلطی میں پڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ کچھ تو دنیا ہی میں لگ گیا اور پوری تکمیل آخرت میں ہونے والی ہے۔

تم سورۃ الزخرف بعون اللہ وتوفیقہ فللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ظالموں کے ظلم اور عذاب قبر و عذاب جہنم اور ضعف یقین سے محفوظ رہے گا۔ (ابن سیرین)

فضیلت سورت:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات میں سورۂ دُخان پڑھ لے تو صبح کو اسکے گناہ معاف ہو چکے ہونگے۔ اور حضرت امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کی رات یا دن میں سورۂ دُخان پڑھ لی اللہ تعالیٰ اسکے لئے جنت میں گھر بنائیں گے۔ (قرطبی روایت ثعلبی)

ترمذی نے ضعیف سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو حٰمٓ الدخان پڑھتا ہے صبح ہوتی ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

ضعیف سند سے یہ بھی ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شب جمعہ میں جو شخص حٰمٓ الدخان پڑھے گا اس کو بخش دیا جائے گا۔ ابن ضریر نے مرسلاً حسن کا بیان نقل کیا ہے کہ شب جمعہ میں جو شخص سورۂ دُخان پڑھے گا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کی رات یا دن میں حٰم الدخان پڑھے گا اللہ اس کے لئے جنت کے اندر ایک گھر بنا دے گا۔ (تفسیر مظہری)

سُوْرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ دُخان مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں اُنسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ
قسم ہے اس کتاب واضح کی ہم نے اُس کو اُتارا
فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
ایک برکت کی رات میں ☆

شب براءت ☆ "برکت کی رات" شب قدر ہے۔ کما قال تعالیٰ "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ" (قدر رکوع ۱) جو رمضان میں واقع ہے

لقولہ تعالیٰ ''شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ'' (بقرہ رکوع ۲۳) اس رات میں قرآن کریم ''لوح محفوظ'' سے سمائے دنیا پر اتارا گیا پھر بتدریج تئیس سال میں پیغمبر علیہ السلام پر اترا نیز اسی شب پیغمبر پر اس کے نزول کی ابتداء ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

ابن صیاد کاہن کے جھوٹ کا ظاہر ہونا

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن صیاد کیلئے دل میں فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ چھپا کر اس سے پوچھا کہ بتا میں نے اپنے دل میں کیا چھپا رکھا ہے؟ اس نے کہا دُخ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بس برباد ہو اس سے آگے تیری نہیں چلنے کی۔ اس میں بھی ایک قسم کا ارشاد ہے کہ ابھی اس کا انتظار ہوتی ہے اور یہ کوئی آنے والی چیز ہے۔ چونکہ ابن صیاد بطور کاہنوں کے بعض باتیں دل کی زبان سے بتانے کا مدعی تھا اس کے جھوٹ کو ظاہر کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا اور جب وہ پورا نہ بتا سکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کی حالت سے واقف کر دیا کہ اس کے ساتھ شیطان ہے۔ کلام میں خرالیت ہے اور یہ اس سے زیادہ پر قدرت نہیں پانے کا۔

دُخان علامت قیامت ہے جو آنے والی ہے

حضرت علیؓ فرماتے ہیں دُخان گزر نہیں گیا بلکہ اب آئے گا۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت میں (حضرت) ابن عباسؓ کے پاس گیا تو آپ فرمانے لگے رات کو میں بالکل نہیں سویا۔ میں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ لوگوں سے سنا کہ دُم دار ستارہ نکلا ہے تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہی دُخان نہ ہو پس صبح تک میں نے آنکھ سے آنکھ نہیں ملائی۔ اس کی سند صحیح ہے اور حبر الامۃ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ صحابہؓ اور تابعینؒ بھی ہیں اور مرفوع حدیثیں بھی ہیں، جن میں صحیح حسن اور ہر طرح کی ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دُخان ایک علامتِ قیامت ہے جو آنے والی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

رات میں برکت کی وجہ

برکت (خیر کثیر) رات میں اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ اسی رات میں وہ قرآن نازل ہوا جو تمام دینی اور دنیوی منافع کا ضامن ہے اسی رات میں ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

مبارک رات کونسی ہے

مبارک رات سے مراد ہے شب قدر۔ قتادہ اور ابن زید کا یہی قول ہے۔ دونوں بزرگوں کا بیان ہے کہ شب قدر میں قرآن مجید لوح محفوظ سے آسمانِ دنیا پر نازل ہوا پھر بیس سال میں حضرت جبرئیل کی وساطت سے تھوڑا تھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نصف شعبان کی رات مراد ہے مگر یہ خیال غلط ہے اللہ نے خود فرمایا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ۔ اور دوسری آیت میں آیا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (اس سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان میں ہے)۔

قاسم بن محمد نے بوساطت اب عن جد بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نصف شعبان کی رات کو اللہ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ہر شخص کو بخش دیتا ہے سوا اس شخص کے جس کے دل میں کینہ ہو یا وہ مشرک ہو۔ رواہ البغوی۔ اس حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ قرآن کا نزول نصف شعبان کی رات میں ہوا۔ (تفسیر مظہری)

لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے جو رمضان مبارک کے آخری قرآن کی سورۂ قدر میں تصریح کے ساتھ آیا ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں بھی لیلۂ مبارکہ سے مراد شب قدر ہی ہے۔ اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں ابتداء دُنیا سے آخر تک اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں وہ سب کی سب ماہ رمضان المبارک ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت قتادہ نے بروایت واثلہؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تورات رمضان کی چھٹی تاریخ میں، زبور بارھویں میں، انجیل اٹھارویں میں، اور قرآن چوبیس تاریخ گزرنے کے بعد یعنی پچیسویں شب میں نازل ہوا (قرطبی)

قرآن کے شب قدر میں نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوح محفوظ سے پورا قرآن سماء دُنیا پر اسی رات میں نازل کر دیا گیا تھا پھر تئیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ہر سال میں جتنا قرآن نازل ہونا مقدر ہوتا تھا اتنا ہی شب قدر میں لوح محفوظ سے سماء دُنیا میں نازل کر دیا جاتا تھا۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

جمہور مفسرین کے نزدیک یہی متعین ہے کہ شب قدر میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر اتارا گیا اور پھر تئیس سال کی مدت میں بتدریج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا گیا۔ تو اس وجہ سے اس موقعہ پر لیلۃ مبارکہ سے لیلۃ برأت مراد لیا جانا مشکل ہے۔ (معارف کاندھلوی)

قسم کا مقصود: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم کھا کر ارشاد فرمایا ہے کہ اسکو ہم نے ایک مبارک رات میں نازل فرمایا جس کا مقصد غافل انسانوں کو بیدار کرنا ہے اسی طرح کی قسم انہی الفاظ کے ساتھ سورۂ زخرف کے شروع میں بھی گزر چکی ہے وہاں اسکا بیان آ چکا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

نزول قرآن کے مختلف مراحل

نزول قرآن پاک کے بارے میں تین کلمے قرآن حکیم میں وارد

ہوئے ہیں فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ۔

لیلۃ القدر اس سال شہر رمضان میں ہوئی اس لئے ان دونوں میں اختلاف نہیں ہے لیلہ مبارکہ سے مراد لیلۃ البراءت ہے۔ نزول قرآن کے بھی تین دفعات ہیں۔ دفعہ اول وہ ہے کہ امر الٰہی ملائک کو ہوا کہ ام الکتاب اور لوح محفوظ سے اتنا حصہ اخذ کریں۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ دفعہ ثانیہ ملائک نے بیت العزت میں اس کلام کو ودیعت کیا اور دفعہ ثالثہ بیت العزت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہوا لیلۃ مبارکہ یعنی لیلۃ البراءت یعنی جس میں ملائکہ عام امثل کو خدمات سپرد ہوتی ہیں۔

فِیْھَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ پس فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ میں نزول اول مراد ہے کہ ملائک کو ام الکتاب سے نقل کرنے کا حکم ہوا اور "لَیْلَۃُ الْقَدْرِ" میں نزول ثانی مراد ہے کہ بیت العزت کی جانب نزول ہوا۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ اور بہت سے مفسرین کا رجحان یہی ہے کہ معنون ایک ہی ہے صرف تعبیریں مختلف اختیار کی گئی ہیں۔ ان حضرات کی رائے یہ ہے کہ نزول قرآن کا آغاز شب قدر میں ہوا۔ اس سال شب قدر رمضان شریف میں تھی۔ اسی شب کو لیلۃ مبارکۃ فرمایا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب لیلۃ مبارکۃ (سورۂ دخان) کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "رات برکت کی شب قدر ہے"

جس شب کو سورۂ دخان میں "لیلہ مبارکہ" فرمایا گیا ہے اس کی خصوصیت یہ ارشاد ہوئی ہے۔ "اس میں جانچ تولے اور خاص خاص اندازوں (تقدیروں) سے مقرر کئے ہوئے کام امر الٰہی اور حکم خداوندی کی حیثیت میں جدا جدا کئے جاتے ہیں اور ہر کام کے لئے فرشتے بھیجے جاتے ہیں اور "لیلۃ القدر" کی خصوصیت سورۂ انا انزلنا میں یہ بتائی گئی ہے کہ اس شب کو فرشتے اور روح (روح القدس) کا نزول ہوتا ہے امن وسلامتی کے پیغام پہنچائے جاتے ہیں۔ جمعیت خاطر اور عبادت میں خاص قسم کی حلاوت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"نصف شب (شعبان کی پندرھویں شب) میں سال بھر کے امور طے کر کے کارگذاری کے لئے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں وفات پانے والوں کے نام الگ درج کر دیئے جاتے ہیں پھر ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی"۔

یہی مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(تفسیر مظہری جلد ۸، بحوالہ بغوی۔ از افادات مدنی)

اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۝۳
ہم ہیں کہہ سنانے والے ☆

دستور الٰہی ☆ یعنی کہہ سنانا ہمیشہ ہمارا دستور رہا ہے۔ اسی کے موافق یہ قرآن اتارا۔ (تفسیر عثمانی)

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۝۴ اَمْرًا
اسی میں جدا ہوتا ہے ہر کام جانچا ہوا حکم ہو کر
مِّنْ عِنْدِنَا ؕ
ہمارے پاس سے ☆

شب قدر اور شب براءت میں کیا ہوتا ہے

☆ یعنی سال بھر کے متعلق قضا وقدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے اسی عظیم الشان رات میں لوح محفوظ سے نقل کر کے ان فرشتوں کے حوالہ کیے جاتے ہیں جو شعبہ ہائے تکوینیات میں کام کرنے والے ہیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعبان کی پندرھویں رات ہے جسے شب براۃ کہتے ہیں ممکن ہے وہاں سے اس کام کی ابتداء اور شب قدر پر انتہا ہوتی ہو واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

آیت بتا رہی ہے کہ قرآن شب قدر کی برکات میں بہت بڑی برکت ہے اور شب قدر میں پُر حکمت محکم امور کا فیصلہ ہوتا ہے اس لئے قرآن کا نزول بھی اسی رات میں ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ شب قدر میں آئندہ سال میں ہونے والے تمام واقعات لوحِ محفوظ سے نقل کر لئے جاتے ہیں۔ خیر وشر رزق اور میعادِ زندگی یعنی موت یہاں تک کہ یہ بھی لکھ لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس سال حج کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا یعنی اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے جس کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ یہ رات جس میں نزول قرآن ہوا یعنی شب قدر اسی میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم اُمور جن کے فیصلے اس سال میں اگلی شب قدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کئے جاتے ہیں کہ کون کون اس سال میں پیدا ہوں گے، کون کون آدمی اس میں مریں گے، کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا، یہی تفسیر دوسرے آئمہ تفسیر حضرت قتادہؒ مجاہد، حسن وغیرہم سے بھی منقول ہے اور مہدوی نے فرمایا کہ معنی اسکے یہ ہیں کہ یہ تمام فیصلے جو تقدیر الٰہی میں پہلے ہی سے طے شدہ تھے اس رات میں متعلقہ فرشتوں کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝۵
ہم ہیں بھیجنے والے ☆

فرشتوں کے کام

☆یعنی فرشتوں کو ہر کام پر جو ان کے مناسب ہو چنانچہ جبریل کو قرآن دے کر محمد رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ (تفسیر عثمانی)

ہم ہی (پیغمبروں کو) بھیجنے والے ہیں' یعنی ہمارا ضابطہ یہی ہے کہ ہم بندوں کو عذاب سے ڈراتے ہیں اور پیغمبروں کو کتابیں دے کر بھیجتے ہیں۔ اسی ئے جب آسمان کی طرف نظر آنے والا دھواں پیدا ہوگا' سب لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ دردناک عذاب ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ
رحمت سے تیرے رب کی وہی ہے سننے
الْعَلِيْمُ ۙ﴿۶﴾
جاننے والا☆

رحمت وحکمت الٰہی ☆یعنی تمام عالم کے حالات سے باخبر ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔ اسی لئے عین ضرورت کے وقت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دے کر عالم کے لئے رحمت کبریٰ بنا کر بھیج دیا۔ (تفسیر عثمانی)

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ
رب آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے
اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾
بیچ ہے اگر تم کو یقین ہے ☆

ربوبیت الٰہی ☆یعنی اگر تم میں کسی چیز پر یقین رکھنے کی صلاحیت ہے تو سب سے پہلی چیز یقین رکھنے کے قابل اللہ کی ربوبیت عامہ ہے جس کے آثار ذرہ ذرہ میں روز روشن سے زیادہ ہویدا ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ
کسی کی بندگی نہیں سوائے اُسکے جلاتا ہے اور مارتا ہے رب تمہارا اور رب
اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾
تمہارے اگلے باپ دادوں کا☆

بے شبہ حقیقت ☆یعنی جس کے قبضہ میں مارنا جلانا اور وجود وعدم کی باگ ہو اور سب اولین وآخرین جس کے زیر تربیت ہوں۔ کیا اس کے سوا دوسرے کی بندگی جائز ہو سکتی ہے؟ یہ ایک ایسی صاف حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾
کوئی نہیں وہ دھوکے میں ہیں کھیلتے ☆

مشرکین کی بے توجہی ☆یعنی ان واضح نشانات اور دلائل کا اقتضاء تو یہ تھا کہ یہ لوگ مان لیتے، مگر پھر بھی نہیں مانتے، بلکہ وہ توحید وغیرہ عقائد حقہ کی طرف سے شک میں پڑے ہیں اور دنیا کے کھیل کود میں مصروف ہیں۔ آخرت کی فکر نہیں جو حق کو طلب کریں اور اس میں غور وفکر سے کام لیں۔ یہ اس دھوکے میں ہیں کہ ہمیشہ یوں ہی رہنا ہے خدا کے سامنے کبھی پیشی نہیں ہو گی اسی لئے نصیحت کی باتوں کو ہنسی کھیل میں اڑا دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاۗءُ بِدُخَانٍ
سو تو انتظار کر اُس دن کا کہ لائے آسمان دھواں
مُّبِيْنٍ ﴿۱۰﴾ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ
صریح جو گھیر لیوے لوگوں کو یہ ہے عذاب
اَلِيْمٌ ﴿۱۱﴾
دردناک☆

واضح دھواں ☆''دھویں'' سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں سلف کے دو قول ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک دھواں اٹھے گا جو تمام لوگوں کو گھیر لے گا نیک آدمی کو اس کا اثر خفیف پہنچے گا جس سے زکام سا ہو جائے گا۔ اور کافر ومنافق کے دماغ میں گھس کر بے ہوش کر دے گا۔ وہ ہی یہاں مراد ہے شاید یہ دھواں وہ ہی سماوات کا مادہ ہو جس کا ذکر '' ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِيَ دُخَانٌ '' میں ہوا ہے گویا آسمان تحلیل ہو کر اپنی پہلی حالت کی طرف عود کرنے لگیں گے اور یہ اس کی ابتداء ہو گی واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ زور شور کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس آیت سے مراد وہ دھواں نہیں جو علامات قیامت میں سے ہے بلکہ قریش کے تمرد وطغیان سے تنگ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ ان پر بھی سات سال کا قحط مسلط کر دے جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصریوں پر مسلط ہوا تھا چنانچہ قحط پڑا جس میں مکہ والوں کو مردار اور چمڑے ہڈیاں کھانے کی نوبت آ گئی غالباً اسی دوران میں ''یمامہ'' کے رئیس

ثمامہ ابن اثال رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے اور وہاں سے غلہ کی جو بھرتی مکہ کو جاتی تھی بند کردی غرض اہل مکہ بھوکوں مرنے لگے اور قاعدہ ہے کہ شدت کی بھوک اور مسلسل خشک سالی کے زمانہ میں جو یعنی زمین و آسمان کے درمیان دھواں سا آنکھوں کے سامنے نظر آیا کرتا ہے اور ویسے بھی مدت دراز تک بارش بند رہنے سے گرد وغبار وغیرہ چڑھ کر آسمان پر دھواں سا معلوم ہونے لگتا ہے۔ اس کو یہاں دخان سے تعبیر فرمایا۔ اس تقریر پر ''یَغْشَی النَّاسَ'' میں لوگوں سے مراد مکہ والے ہوں گے گویا یہ ایک پیشین گوئی تھی (کما یدل علیہ قولہ ''فَارْتَقِبْ'') جو پوری ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی سب سے اول علامات: ابن جریرؒ ثعلبی اور بغوی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سب سے اول (قیامت کی) نشانی دھواں اور عیسیٰ ابن مریمؑ کا نزول اور ایک آگ ہوگی جو عدن کے کسی غار سے نکلے گی اور لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہنکا کر لے جائے گی' دوپہر کو لوگ جہاں ٹھہریں گے آگ بھی ٹھہر جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

تین چیزیں جن سے ڈرایا گیا: ابن جریر نے ابو مالک اشعریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں تین چیزوں سے ڈراتا ہوں۔ ایک دخان (یعنی دھواں) جو مومن کے لئے صرف ایک طرح کا زکام پیدا کردیگا اور کافر کے تمام بدن میں بھر جائے گا یہاں تک کہ اس کے ہر مسمع اور مسام سے نکلنے لگے گا اور دوسری چیز دابۃ (یعنی دابۃ الارض کوئی عجیب قسم کا جانور زمین سے نکلے گا) اور تیسرے دجال' اس روایت کو ابن کثیر نے نقل کرکے فرمایا (بذا اسناد جید) (معارف مفتی اعظم)

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا
اے رب کھول دے ہم پر سے یہ آفت ہم
مُؤْمِنُونَ ۝
یقین لاتے ہیں☆

بے موقع پچھتاوا☆ یعنی اس عذاب میں مبتلا ہو کر یوں کہیں گے کہ اب تو اس آفت سے نجات دیجئے آگے کو ہماری توبہ! ہم کو اب یقین آگیا۔ پھر شرارت نہ کریں گے۔ بے مسلمان بن کر رہیں گے آگے اسکا جواب دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ
کہاں ملے ان کو سمجھنا اور آ چکا ان کے پاس

رَسُولٌ مُّبِينٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا
رسول کھول کر سنانے والا پھر اس سے پیٹھ پھیری اور کہنے لگے
مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ ۝
سکھایا ہوا ہے باؤلا☆

اب پچھتائے کیا ہوت☆ یعنی اب موقع سمجھنے اور نصیحت سے فائدہ اٹھانے کا کہاں رہا۔ اس وقت تو مانا نہیں جب ہمارا پیغمبر کھلے کھلے نشان اور کھلی کھلی ہدایات لے کر آیا تھا۔ اس وقت کہتے تھے کہ یہ باؤلا ہے۔ کبھی کہتے کہ کسی دوسرے سے سیکھ کر اس نے یہ کتاب تیار کرلی ہے (ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر یہ مطلب ہوا) اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے موافق یہ معنی ہوں گے کہ اہل مکہ نے قحط وغیرہ سے تنگ آکر خود درخواست کی کہ یہ آفت ہم سے دور کیجئے بعض روایت میں ہے کہ ابوسفیان وغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فریاد کی کہ آپ تو کہتے ہیں کہ میں رحمت ہوں اور یہ آپ کی قوم قحط وخشک سالی سے تباہ ہو رہی ہے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رحم اور قرابت کا واسطہ دیتے ہیں کہ اس مصیبت کے دور ہونے کی دعا کیجئے اگر ایسا ہوگیا تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ آپ کی دعا سے بارش ہوئی اور ثمامہ نے جو غلہ روک دیا تھا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلوا دیا پھر بھی وہ ایمان نہ لائے۔ اسی کو فرماتے ہیں ''اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى'' الخ یعنی یہ لوگ ان باتوں سے ماننے والے کہاں ہیں۔ اس قسم کی چیزوں میں بڑا رتاؤ ہیں تو کیا لیں جو چیز بالکل کھلی ہوئی آفتاب سے زیادہ روشن تھی یعنی آپ کی پیغمبری اسی کو نہ مانا۔ کوئی مجنون بتلانے لگا کسی نے کہا کہ صاحب فلاں اردومی غلام سے کچھ مضامین سیکھ آئے ہیں ان کو اپنی عبارت میں ادا کردیتے ہیں ایسے متعصب معاندین سے سمجھنے کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ
ہم کھولے دیتے ہیں یہ عذاب تھوڑی مدت تک تم پھر
عَائِدُونَ ۝
وہی کرو گے☆

مشرکین کی بدکرداری

یعنی اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے عذاب ہٹالیں، پھر وہ ہی حرکتیں کریں گے جو پہلے کرتے تھے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر یہ مطلب ہوگا کہ

لو اچھا ہم تھوڑی مدت کے لئے یہ عذاب ہٹا لیتے ہیں۔ پھر دیکھ لینا وہ ہی کریں گے جو پہلے کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا

جس دن پکڑیں گے ہم بڑی پکڑ تحقیق ہم

مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

بدلہ لینے والے ہیں☆

بڑی پکڑ ☆ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک بڑی پکڑ قیامت میں ہوگی۔ غرض یہ ہے کہ آخرت کا عذاب نہیں ٹلتا اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک "بڑی پکڑ" سے معرکہ "بدر" کا واقعہ مراد ہے۔ "بدر" میں ان لوگوں سے بدلہ لے لیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ

اور جانچ چکے ہیں ہم اُن سے پہلے فرعون کی قوم کو

وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾

اور آیا اُن کے پاس رسول عزت والا☆

قوم فرعون کی آزمائش

☆یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے ان کا امتحان کیا گیا کہ اللہ کے پیغام کو قبول کرتے ہیں یا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَىَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ

کہ حوالے کرو میرے بندے خدا کے☆

دعوت موسوی

☆یعنی خدا کے بندوں کو اپنا بندہ مت بناؤ۔ بنی اسرائیل کو غلامی سے آزادی دو اور میرے حوالہ کرو۔ میں جہاں چاہوں لیجاؤں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا

میں تمہارے پاس آیا ہوں بھیجا ہوا معتبر اور یہ کہ چڑھے

تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّىْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ

نہ جاؤ اللہ کے مقابل میں لاتا ہوں تمہارے پاس سند

مُّبِيْنٍ ﴿۱۹﴾ ۚ

کھلی ہوئی☆

کھلی سند ☆"کھلی سند" وہ معجزات تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دکھلائے 'عصا' اور 'ید بیضا' وغیرہ۔ (تفسیر عثمانی)

اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ۔ یعنی اللہ کی طرف سے میں تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں۔ اَمِيْنٌ۔ اللہ کی وحی کا امین ہوں۔ معجزات میری سچائی پر دلالت کر رہے ہیں۔ جھوٹا ہونے کی تہمت مجھ پر نہیں لگائی جا سکتی۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ اَنْ

اور میں پناہ لے چکا ہوں اپنے رب اور تمہارے رب کی اس بات سے

تَرْجُمُوْنِ ﴿۲۰﴾ ۚ

کہ تم مجھ کو سنگسار کرو☆

فرعونی دھمکیوں کا جواب ☆یہ ان کی دھمکیوں کا جواب دیا یعنی میں تمہارے ظلم و ایذا سے خدا کی پناہ حاصل کر چکا ہوں وہ میری حمایت پر ہے اور اسی کی حفاظت پر مجھے بھروسہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِىْ فَاعْتَزِلُوْنِ ﴿۲۱﴾

اور اگر تم نہیں یقین کرتے مجھ پر تو مجھ سے پرے ہو جاؤ☆

☆یعنی اگر میری بات نہیں مانتے تو کم از کم مجھے ایذا دے کر اپنے جرم کو سنگین مت کرو "مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں" اور حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی اپنی قوم کو لے جاؤں تم راہ نہ روکو"۔ (تفسیر عثمانی)

فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھر دعا کی اپنے رب سے کہ یہ لوگ گنہگار ہیں

فَاَسْرِ بِعِبَادِىْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ ۙ

پھر لے نکل رات سے میرے بندوں کو البتہ تمہارا پیچھا کریں گے☆

حضرت موسیٰ کی دعاء اور حکم الٰہی

☆یعنی آخر مجبور ہو کر اللہ سے فریاد کی کہ یہ لوگ اپنے جرائم سے باز آنے والے نہیں اب آپ میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے۔ وہاں کیا

دیر تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعونیوں کو اطلاع کیے بدون بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے چلے جاؤ۔ کیونکہ دن ہونے پر جب انہیں اطلاع ہوگی اس وقت تمہارا پیچھا کریں گے لیکن یاد رہے راستہ میں سمندر پڑے گا اس پر عصا مارنے سے پانی ادھر ادھر ہٹ جائے گا اور درمیان میں خشک و صاف راستہ نکل آئے گا اسی راستہ سے اپنی قوم کو لے کر گزر جاؤ۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ
اور چھوڑ جا دریا کو تھما ہوا البتہ وہ لشکر
مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾
ڈوبنے والے ہیں ☆

فرعون کی ہلاکت کا سامان:

یعنی اس کی فکر مت کرو کہ دریا میں خدا کی قدرت سے جو راستہ بن گیا وہ باقی نہ رہے اس کو اسی حالت میں چھوڑ دے یہ راستہ دیکھ کر ہی تو فرعون کے لشکر اس میں گھسنے کی ہمت کریں گے چنانچہ وہ سب خشک راستہ دیکھ کر اندر گھسے اسکے بعد خدا کے حکم سے سمندر کا پانی چاروں طرف سے آ کر مل گیا سارا لشکر اس طرح غرقاب ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

تمام دریاؤں کا سردار

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں مصر کا دریائے نیل مشرق، مغرب کے دریاؤں کا سردار ہے اور سب نہریں اس کے ماتحت ہیں جب اس کی روانی خدا تعالیٰ کی منظور ہوتی ہے تو تمام نہروں کو اس میں پانی پہنچانے کا حکم ہوتا ہے۔ جہاں تک رب تعالیٰ کو منظور ہو اس میں پانی آ جاتا ہے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اور نہروں کو روک دیتا ہے اور حکم دے دیتا ہے کہ اب تم اپنی اپنی جگہ چلی جاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾
بہت سے چھوڑ گئے باغ اور چشمے
وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ
اور کھیتیاں اور گھر خاصے اور آرام کا سامان
كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۣ وَاَوْرَثْنٰهَا
جس میں باتیں بنایا کرتے تھے یونہی ہوا اور وہ سب ہاتھ لگا دیا
قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾
ہم نے ایک دوسری قوم کے ☆

بنی اسرائیل کے لئے غنیمت

☆ یعنی بنی اسرائیل کے ہاتھوں میں دے دیا جیسا کہ سورۂ "شعراء" میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ فرعون کے غرق ہوئے بعد مصر میں بنی اسرائیل کا دخل ہوا اور اگر یہ ثابت نہ ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جس قسم کے سامان فرعونیوں نے چھوڑے تھے اسی طرح کے ہم نے بنی اسرائیل کو دیئے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فرعونیوں کے باغات:

ان فرعونیوں کے یہ باغات دریائے نیل کے دونوں کناروں پر مسلسل چلے گئے تھے اسوان سے لے کر رشید تک اس کا سلسلہ تھا اور اس کی نو خلیجیں تھیں۔ خلیج اسکندریہ، خلیج۔ دمیاط، خلیج سردوس، خلیج منف، خلیج فیوم، خلیج منتہی، اور ان سب میں اتصال تھا ایک دوسرے سے متصل تھی۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ
پھر نہ رویا اُن پر آسمان اور زمین ☆

مومن اور کافر کی موت

☆ روایت میں ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اس کی روزی اترتی تھی یا جس سے اسکا عمل صالح اوپر چڑھتا تھا اور زمین روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا یعنی افسوس وہ سعادت ہم سے چھن گئی۔ کافر کے پاس عمل صالح کا بیج ہی نہیں پھر اس پر آسمان یا زمین کیوں روئے۔ بلکہ شاید خوش ہوتے ہوں گے کہ چلو پاپ کٹا "خس کم جہاں پاک"۔ (تفسیر عثمانی)

کافر پر آسمان زمین نہیں روتے:

ابن جریر نے حضرت شریح بن عبید حضرمی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مومن سفر کی حالت میں مرجاتا ہے کہ اس کے متعلقین اس کے پاس نہیں ہوتے تو آسمان و زمین اس پر نوحہ کرتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا کافر پر آسمان زمین نہیں روتے۔ (تفسیر مظہری)

آسمان میں ہر بندہ کے لئے دو دروازے ہیں

مسند ابو یعلیٰ موصلی میں ہے ہر بندے کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک سے اس کی روزی اترتی ہے۔ دوسرے سے اس کے اعمال اور اس کے کلام چڑھتے ہیں۔ جب یہ مر جاتا ہے اور وہ عمل و رزق کو گمشدہ پاتے ہیں تو روتے ہیں۔ پھر اسی آیت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی۔

کسی کی موت پر آسمان کے رونے یا نہ رونے کی وجہ

حضرت علیؓ سے کسی نے پوچھا کہ آسمان و زمین کبھی کسی پر روئے بھی ہیں؟ آپ نے فرمایا آج تو نے وہ بات دریافت کی کہ تجھ سے پہلے مجھ سے

اس کا سوال کسی نے نہیں کیا۔ سنو ہر بندے کے لئے زمین میں ایک نماز کی جگہ ہوتی ہے اور ایک جگہ آسمان میں اس کے عمل کے چڑھنے کی ہوتی ہے اور آلِ فرعون کے نیک اعمال ہی نہ تھے اس وجہ سے نہ زمین ان پر روئی نہ آسمان کو ان پر رونا آیا، ورنہ انہیں ڈھیل دی گئی کہ کوئی نیکی بجا لاسکیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا كَانُوا مُنْظَرِينَ ﴿۲۹﴾ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا
اور نہ ملی ان کو ڈھیل اور ہم نے بچا نکالا
بَنِي إِسْرَاءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۳۰﴾
بنی اسرائیل کو ذلت کی مصیبت سے
مِنْ فِرْعَوْنَ
جو فرعون کی طرف سے تھی ☆

☆ بلکہ فرعون کا وجود ایک مجسم مصیبت تھا۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّهُ كَانَ عَالِيًا مِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۳۱﴾
بیشک وہ تھا چڑھ رہا حد سے بڑھ جانے والا ☆

☆ یعنی بڑا متکبر اور سرکش تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى
اور اُن کو ہم نے پسند کیا جان بوجھ کر
الْعَالَمِينَ ﴿۳۲﴾
جہان کے لوگوں سے ☆

بنی اسرائیل کی فضیلت ☆ یعنی اگرچہ بنی اسرائیل کی کمزوریاں بھی ہم کو معلوم تھیں تاہم ان کو ہم نے اس زمانہ کے تمام لوگوں سے فضیلت دی۔ اور بعض فضائل جزئیہ تو وہ ہیں جو آج تک کسی قوم کو میسر نہیں ہوئے مثلاً اتنے بے شمار انبیاء کا ان میں اٹھایا جانا۔ (تفسیر عثمانی)

وَآتَيْنَاهُمْ مِنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ
اور دیں ہم نے اُن کو نشانیاں جن میں تھی
مُبِينٌ ﴿۳۳﴾
مدد صریح ☆

نشانیاں ☆ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے مثلاً من وسلویٰ کا اتارنا، بادل کا سایہ کرنا وغیر ذلک۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَيَقُولُونَ ﴿۳۴﴾ إِنْ هِيَ
یہ لوگ کہتے ہیں اور کچھ نہیں
إِلَّا مَوْتَتُنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ
ہمارا یہی مرنا ہے پہلا اور ہم کو پھر
بِمُنْشَرِينَ ﴿۳۵﴾
اٹھنا نہیں ☆

انکارِ بعث ☆ درمیان میں حضرت موسیٰ کی قوم کا ذکر استطراداً آ گیا تھا یہاں سے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہماری آخری حالت بس یہی ہے کہ موت آ جائے موت کے بعد سب قصہ ختم۔ موجودہ زندگی کے سوا دوسری زندگی کوئی نہیں۔ کہاں کا حشر اور کیسا حساب کتاب۔ (تفسیر عثمانی)

فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۶﴾
بھلا لے تو آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر تم سچے ہو ☆

اہل مکہ کی دلیل ☆ یعنی پیغمبر اور مومنین سے کہتے ہیں کہ اگر تم اپنے عقیدہ میں سچے ہو کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جائیں گے تو اچھا ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو ذرا زندہ کر کے دکھا دو تب ہم جانیں۔ (تفسیر عثمانی)

أَهُمْ خَيْرٌ أَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ
بھلا یہ بہتر ہیں یا تُبّع کی قوم ☆

تُبَّعٍ ☆ "تبع" لقب تھا یمن کے بادشاہ کا، جس کی حکومت "سبا اور حضر موت وغیرہ سب پر تھی"، "تبع" بہت گزرے ہیں۔ اللہ جانے یہاں کون مراد ہے۔ بہرحال اتنا ظاہر ہوا کہ اس کی قوم بہت قوت و جبروت والی تھی جو اپنی سرکشی کی بدولت تباہ کی گئی۔ ابن کثیرؒ نے اس سے قوم سبا مراد لی ہے جس کا ذکر سورہ سبا میں گزر چکا واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

بادشاہوں کے القاب: یہ قوم تبع عرب قحطان تھے جب کہ قریش عرب عدنان تھے تبع یمن کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسا کہ کسریٰ شاہ فارس کو اور قیصر شاہ روم کو اور فرعون بادشاہ مصر کو اور نجاشی شاہ حبشہ کو کہتے تھے۔

تبع کا ایمان لانا: یمن میں اس لقب سے بہت سے بادشاہ گزرے جس تبع کا یہاں ذکر ہے اس کا نام بعض روایات میں اسعد بیان کیا جاتا ہے اور بعض احادیث سے اس کا ایمان لانا بھی ثابت ہے۔ واللہ اعلم۔

قوم تبع اگرچہ بالعموم اپنے تاریخی ادوار میں کافر گزری اور ان کا بادشاہ فرعون اور قیصر و کسریٰ کی طرح کافر ہوتا تھا لیکن اہل یمن کے بعض فرمانبروا اور تبع کا یمن سے نکل کر بلاد سمرقند میں جانے کا بعض تواریخ میں ذکر ملتا ہے اور یہ کہ یہ تبع شاہ یمن جب یمن سے نکلا اور سمرقند وغیرہ پہنچا تو اس زمانہ میں اس کا ملک نہایت ہی وسیع اور مضبوط ہو چکا تھا اور رعایا بھی بڑی تعداد میں تھی اس نے حیرہ شہر آباد کیا تھا۔

اہل مدینہ کی عجیب شرافت:

ایام جاہلیت میں جب اس کا گزر مدینہ منورہ سے ہوا۔ تو اس نے اہل مدینہ سے قتال کا ارادہ کیا اہل مدینہ نے مقابلہ کیا اور اس کے باوجود کہ دن کے وقت اس کے ساتھ قتال کرتے اور جب رات ہوتی تو مہمان نوازی کرتے اس طرز عمل پر یہ بادشاہ شرمایا اور قتال کے ارادہ سے باز آیا اور مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں میں سے دو علماء کو اپنا مصاحب بنالیا جنہوں نے اس کو نصیحت کی تھی کہ اے تبع تیرا یہ طرز صحیح نہیں اور تو ہرگز اس شہر کے باشندوں پر غالب نہیں آ سکتا کیوں کہ شہر اس نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے جو اخیر زمانہ میں مبعوث ہوں گے۔ تو شاہ تبع اس ارادہ سے باز آ گیا تھا اور ان دونوں کو اپنا مصاحب بنا کر اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ پھر یہ بادشاہ جب مکہ کی طرف پہنچا تو وہاں بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو ان دونوں نے اس کو اس سے بھی منع کیا اور کہا کہ یہ اللہ کا گھر ہے جسے ابراہیم خلیل نے بنایا تھا اور اس کعبہ کی بہت ہی بڑی شان ہوگی ان ہی نبی آخر الزماں کی وجہ سے تو بادشاہ یہ سن کر بیت اللہ کی عزت و تکریم و تعظیم کرنے لگا۔ طواف کیا اور قیمتی غلاف چڑھایا اور جب یمن کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تو اہل مکہ کو یہودی مذہب قبول کرنے کی دعوت دی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دین ہی آسمانی ہدایت اور دین تھا اور حضرت مسیح بن مریم علیہما السلام کی بعثت نہیں ہوئی تھی۔ تو اس وقت اہل یمن بالعموم اس بادشاہ تبع کے ساتھ یہودی ہو گئے تھے محمد بن اسحاق نے اس قصہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں بعض مزید چیزیں ذکر کیں۔ تبع کے بارہ میں بعض روایات ابن عباس اور کعب احبار سے مروی ہیں کہ اس نے دین حق قبول کر لیا تھا۔

کعبۃ اللہ پر غلاف کی ابتداء

حضرت سعید بن جبیر سے منقول ہے کہ تبع نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جس سے قبل بیت اللہ پر غلاف کا دستور نہیں تھا۔

بعض تاریخی نقول سے ثابت ہے کہ اس نے اپنی قوم پر تین سو چھبیس (۳۲۶) برس حکومت کی اور قوم حمیر میں اس سے زیادہ کوئی طویل العمر نہیں ہوا اور یہ بھی منقول ہے کہ بادشاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً سات سو سال قبل گزرا ہے اور یہ بھی ذکر کیا گیا کہ جب ان دو علماء یہود نے مدینہ منورہ کے بارہ میں یہ بتایا کہ یہ شہر رسول آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے اور وہ اس شہر میں آ کر بسیں گے جن کا نام احمد و محمد ہو گا تو اس نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے۔

شَهِدتُ علىٰ احمد اَنّهٗ	رَسُولُ الله بارِی النَّسم
فلَوْ مدّ عمری الیٰ عمرہٖ	لکنت و زیرًا وّابنَ عم
وَجاهدتُ بالسیف اعدائهٗ	وفرجت عن صدرهٖ کل غم

یعنی میں گواہی دیتا ہوں احمدؐ کے بارہ میں کہ وہ اس پروردگار کے رسول ہیں جو کائنات کا خالق ہے اور اگر میری عمر ان کے وقت تک دراز کر دی جائے تو میں ان کا وزیر اور چچا زاد بھائی ہوتا اور میں تلوار اٹھا کر ان کے دشمنوں کے ساتھ جہاد کرتا اور ان کے دل سے ہر غم و پریشانی کو دور کرتا۔

بعض تاریخی نقول سے یہ بھی ثابت ہے کہ مدینہ کے بعض علماء یہود نے اس علم و معرفت کی بناء پر یہ سرزمین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے مدینہ میں قیام کی اجازت طلب کی تو شاہ تبع نے سب کو اجازت دی ان کو بہت سا مال و دولت بھی دیا اور ایک خاص مکان تیار کرایا کہ نبی آخر الزماںؐ جب ہجرت کر کے آئیں تو وہ اس مکان میں قیام پذیر ہوں اور ایک خط بھی لکھا جس میں آپ سے ملاقات کی تمنا کا اظہار تھا اور مذکورہ اشعار بھی اس میں تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اسی عالم کی اولاد میں تھے اور یہ مکان وہی ہے جو تبع نے اسی غرض سے بنوایا تھا چنانچہ خدا کے حکم سے وہ اونٹنی اسی مقام پر آ کر ٹھہری اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کے یہاں مقیم رہے۔

(روض الانف بحوالہ سیرت المصطفیٰ جلد اول حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

شیخ زین الدین مراغی بیان کیا کرتے تھے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ابوایوب انصاری کے مکان پر نہیں اترے تھے بلکہ اپنے مکان پر اترے تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ گویا ابوایوب انصاری کا قیام تو اس مکان میں آپ کے انتظار میں تھا۔ (معارف کاندھلوی)

تبع کی دو بہنیں: ابن ابی الدنیا میں ہے کہ دور اسلام میں صنعاء شہر میں اتفاق سے قبر کھدی تو دیکھا گیا کہ دو عورتیں مدفون ہیں جن کے جسم بالکل صحیح سالم ہیں اور سرہانے پر چاندی کی ایک تختی لگی ہوئی ہے جس میں سونے کے حروف سے یہ لکھا ہوا ہے کہ یہ قبر حی اور تمیس کی ہے۔ اور ایک روایت میں ان کے نام حیی اور تماضر ہیں۔ یہ دونوں تبع کی بہنیں ہیں یہ دونوں مرتے وقت تک اس بات کی شہادت پر رہیں کہ لائق عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ دونوں خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتی تھیں۔ ان سے پہلے کے تمام نیک صالح لوگ بھی اسی شہادت کے ادا کرتے ہوئے انتقال فرماتے رہے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

تبع کو برا بھلا مت کہو: ابن ابی حاتم، امام احمدؒ اور طبرانیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تسبّوا تبعا فانّهٗ قد كان اسلم۔ تبع کو برا بھلا مت کہو اس لئے کہ وہ اسلام لے آیا تھا۔ (معارف مفتی معظم)

وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ

اُن سے پہلے تھے ہم نے اُن کو غارت کر دیا بیشک وہ

كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۳۷﴾

تھے گنہگار ☆

عاد وثمود کا حشر ☆ مثلاً عاد وثمود وغیرہ۔ ان سب کو اللہ نے ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر کے چھوڑا۔ کیا تم ان سے بہتر یا ان سے زیادہ طاقتور ہو کہ تم کو ہلاک نہ کر سکے گا یا نہ کر سکے گا؟ (تفسیر عثمانی)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا

اور ہم نے جو بنایا آسمان اور زمین اور جو

بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ

انکے بیچ ہے کھیل نہیں بنایا اُن کو تو بنایا ہم نے ٹھیک کام

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

پر بہت لوگ نہیں سمجھتے ☆

کارخانہ کائنات ☆ یعنی اتنا بڑا کارخانہ کوئی کھیل تماشہ نہیں۔ بلکہ بڑی حکمت سے بنایا گیا ہے جس کا نتیجہ ایک دن نکل رہے گا وہ ہی نتیجہ آخرت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اکثر لوگ آسمان وزمین میں غور نہیں کرتے

اکثر لوگ چونکہ طلب دنیا میں غرق ہیں اور غور نہیں کرتے اس لئے ان کو معلوم نہیں کہ اس آسمان وزمین اور درمیانی کائنات کی تخلیق اللہ کی ہستی اور توحید کو ثابت کرنے اور انسان کی جانچ کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾

تحقیق فیصلہ کا دن وعدہ ہے اُن سب کا ☆

☆ یعنی اس دن سب کا حساب بیک وقت ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا

جس دن کام نہ آئے کوئی رفیق کسی رفیق کے کچھ بھی

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

اور نہ اُن کو مدد پہنچے ☆

☆ یعنی نہ کسی اور طرف سے مدد پہنچ سکے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ

مگر جس پر رحمت کرے اللہ بیشک وہی ہے زبردست

الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾

رحم والا ☆

رحمت الٰہی ☆ یعنی ہاں جس پر اللہ کی رحمت ہو جائے وہ ہی بچے گا۔ کما ورد فی الحدیث "الا ان يتغمدني الله برحمته" (تفسیر حقانی)

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ۔ ہاں وہ لوگ جن پر اللہ رحم فرما دے اور خود معاف کر دے یا شفاعت کی وجہ سے گناہوں سے درگذر کر دے۔ مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ۔ سے مراد مومن ہیں، مومنوں کو شفاعت کرنے کی اجازت دی جائے گی اور بعض مومن دوسرے مومنوں کی شفاعت کریں گے۔

اَلْعَزِيْزُ۔ یعنی اللہ ایسا غالب ہے کہ جب وہ کسی کو عذاب دینا چاہے گا تو کوئی عذاب سے بچا نہیں سکے گا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾

مقرر درخت سینڈ کا کھانا ہے گنہگار کا ☆☆

زقوم ☆ کسی ادنیٰ مشابہت کی وجہ سے اس کو "زقوم" (سینڈھ) کہا گیا ہے ورنہ دوزخ کے سینڈھ کی کیفیت اللہ ہی کو معلوم ہے جیسے بعض نعمائے جنت اور نعمائے دنیوی میں اشتراک اسمی ہے اسی طرح جہنم کے متعلق سمجھ لو۔ (تفسیر عثمانی)

آگ میں درخت اُگنا ممکن ہے

درخت زقوم کا آگ میں اُگنا کوئی قابل تعجب امر نہیں ممکن ہے اس کا مزاج ناری ہو جیسے بعض کیڑے آگ میں پلتے ہیں اور رہتے ہیں۔

سہارن پور یوپی کی کمپنی باغ میں ایک درخت تھا جس سے آگ کے شعلے نظر آتے تھے اور کچھ درخت ایسے تھے جن کی نشوونما آگ کے ذریعے ہوتی تھی۔ (مولانا کاندھلوی)

كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ

جیسے پگھلا ہوا تانبا کھولتا ہے پیٹوں میں جیسے

الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ

کھولتا پانی پکڑو اس کو اور دھکیل کر لے جاؤ بیچوں بیچ

الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾

دوزخ کے ☆

☆ یہ حکم فرشتوں کو ہوگا جو تعذیب مجرمین [illegible]

شانِ نزول: سعید بن منصور نے [illegible] (ابن جریر [illegible]) [illegible] [illegible]

المھل [illegible]

فی البطون [illegible]

زقوم کی حقیقت

[illegible] ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگو اللہ سے ڈرو جتنا ڈرنے کا حق ہے۔ اگر زقوم کی ایک بوند زمین پر ٹپکا دی جائے تو [illegible] زندگی تلخ کر دے۔ [illegible] گا [illegible]

[illegible]

خذوہ [illegible]

فاعتلوہ [illegible]

ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ

[illegible] عذاب

حمیم [illegible]

[illegible] ثم صبوا فوق راسہ من عذاب الحمیم [illegible] فوق راسہ عذاب ہو الحمیم۔

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ

[illegible] عزت والا سردار [illegible]

کافروں کی ذلت [illegible] اب وہ عزت اور سرداری کہاں گئی۔

ذق۔ یعنی عذاب دینے والے کہیں گے اس عذاب کا مزہ چکھ تو تو [illegible] بڑی عزت اور بزرگی والا تھا بغوی نے مقاتل کا قول نقل [illegible] بھیجا ڈکھنے لگے گا۔ پھر اس کے اندر انتہائی گرم کھولتا ہوا پانی ڈالے گا اور کہے گا۔ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ابوجہل [illegible] کہا کرتا تھا میں [illegible] (مکہ) کا سب سے عزت والا اور بزرگ شخص ہوں اور توہین و توبیخ کے طور پر کہتا تھا یہ ہیں دوزخ کے کارندے۔ (تفسیر [illegible])

ابوجہل کا دعویٰ اور اس کی تذلیل

اموی نے مغازی میں عکرمہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل سے [illegible] (ہلاکت ہو) ابوجہل نے [illegible] میں ہی سب سے بزرگ اور عزت والا ہوں آخر بدر میں [illegible] گیا اور [illegible] ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ [illegible]

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ

[illegible]

کافروں کی [illegible] [illegible]

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ

[illegible]

اللہ سے ڈرنے والے [illegible] بڑی [illegible] [illegible]

[illegible] سے روایت [illegible] کہ جنتی جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اعلان [illegible]
ان لکم ان تصحوا فلا تسقموا ابدا وان لکم ان تعیشوا فلا تموتوا ابدا
وان لکم ان تنعموا فلا تبئسوا ابدا وان لکم ان تشبوا فلا تھرموا ابدا
کہ اہل جنت (آگاہ ہو جاؤ) بے شک تمہارے واسطے (اب [illegible]) رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے اور تم ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہیں مرو گے [illegible] [illegible] جوان رہو گے کبھی بوڑھے [illegible]

فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۚ يَّلْبَسُوْنَ مِنْ
[illegible]
سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۚ
[illegible]

جنت کا لباس یعنی ان کی [illegible] ایک جنتی دوسرے سے اعراض نہ کرے گا [illegible]

[illegible]

[illegible] جو یہ پہنے گا۔ وہ لباس [illegible]

كَذٰلِكَ ۗ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۗ
[illegible] آنکھوں والی [illegible]

[illegible] ان سے جوڑے ملا دیں گے

زَوَّجْنٰهُمْ۔ سے نکاح کرانا مراد نہیں [illegible]

حُوْرٌ حوراء کی جمع ہے [illegible] صفائی اور گورے پن [illegible]

عِيْنٌ۔ عیناء کی جمع ہے [illegible] چشم عورتیں۔

حوروں کی بناوٹ اور حسن [illegible] بیہقی نے حضرت انس کی مرفوع اور حضرت ابن عباس [illegible] حدیث بھی اسی طرح نقل کی ہے اور مجاہد سے بھی یہ روایت آئی ہے۔

[illegible] اسلم کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے حوروں کو مٹی سے نہیں [illegible] تخلیق تو ام مشک کافور اور زعفران کا ہے۔

[illegible] نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ [illegible] نے فرمایا اگر حور سمندر میں تھوک دے تو اس کے لعاب [illegible] میٹھا ہو جائے

[illegible] جائے اور اگر حور اپنی اوڑھنی نکال دے تو سورج اس کے سامنے ایسا معلوم ہو جیسے سورج کے سامنے ایک بے نور بتی اور اگر حور اپنا چہرہ نمودار کر دے تو اس [illegible]

[illegible] عورتوں کا حسن [illegible] حسن میں) حور عین سے بڑھ کر ہوں گی۔ (تفسیر مظہری)

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۙ
[illegible]

[illegible] کو جی چاہے گا فورا حاضر کرا دیا جائے گا کوئی [illegible]

[illegible] پھل [illegible]

[illegible] یا میں کوئی پھل میٹھا ہو یا کڑوا ایسا نہیں جو جنت [illegible]

[illegible]

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ
[illegible]
الْاُوْلٰى ۚ
[illegible]

دائمی زندگی [illegible] بھی موت نہیں [illegible] میں رہنا نہ اس کو فنا نہ ان کے سامانوں کو۔ (تفسیر عثمانی)

وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۙ فَضْلًا
اور بچایا اُن کو دوزخ کے عذاب سے فضل سے

مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۵۷﴾

تیرے رب سے یہی ہے بڑی مراد ملنی ☆

بڑی کامیابی ☆ اس سے بڑی کامیابی کیا ہو سکتی ہے کہ عذاب الٰہی سے محفوظ و مامون رہے اور بدوں آ بادے نیعمہائے الطاف وافضال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اللہ پر کسی کا حق نہیں جنت کا ملنا اللہ کی رحمت ہے

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ۔ یعنی اہل تقویٰ کو جو کچھ ملے گا اللہ کی مہربانی سے ملے گا۔ اللہ اپنے فضل ورحمت سے ان کو عطا کرے گا حق کسی کا خدا پر نہیں ہوگا۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا اور نہ دوزخ سے پناہ دے گا اور نہ میں (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں جاؤں گا) بغیر اللہ کی رحمت کے۔ رواہ مسلم۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔ یعنی بڑی کامیابی ہے۔ کیونکہ تمام مکروہات سے نجات اور مقصد تک رسائی یہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

صحیح حدیث میں ہے کہ تم ٹھیک ٹھاک رہو قریب قریب رہو اور یقین مانو کہ کسی کے اعمال اسے جنت میں نہیں لے جا سکتے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ کے عمل بھی؟ فرمایا ہاں میرے اعمال بھی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت میرے شامل حال ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ

سو یہ قرآن آسان کیا ہم نے اس کو تیری بولی میں تاکہ

يَتَذَكَّرُوْنَ

وہ یاد رکھیں ☆

تیسیر قرآن ☆ یعنی اپنی مادری زبان میں آسانی سے سمجھ لیں اور یاد رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۵۹﴾

اب تو راہ دیکھ وہ بھی راہ تکتے ہیں ☆

وقت بتا دے گا ☆ یعنی اگر نہ سمجھیں تو آپ چندے انتظار کیجئے۔ ان کا بد انجام سامنے آ جائے گا یہ تو منتظر ہیں کہ آپ پر کوئی افتاد پڑے لیکن آپ دیکھتے جایئے کہ ان کا کیا حال بنتا ہے۔

تم سورۃ الدخان بفضل اللہ ورحمتہ فللہ الحمد والمنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

سورة الجاثيه

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ زاہدوں میں سے ہوگا۔

سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ جاثیہ مکہ میں نازل ہوئی اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ

اتارنا کتاب کا ہے اللہ کی طرف سے

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ

جو زبردست ہے حکمتوں والا بیشک آسمانوں میں

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾

اور زمین میں بہت نشانیاں ہیں ماننے والوں کے واسطے

ایمان کی دلیل ☆ یعنی آدمی ماننا چاہے تو یہی آسمان و زمین کی پیدائش اور ان کے محکم نظام میں غور کر کے مان سکتا ہے کہ ضرور کوئی ان کا پیدا کرنے والا اور تھامنے والا ہے جس نے کمال حکمت وخوبی سے ان کو بنایا اور محدود قدرت سے ان کی حفاظت کی۔

البعرة تدل على البعير و الاقدام تدل على المسير فكيف لا يدل هذا النظام العجيب الغريب على الصانع اللطيف الخبير (تفسیر عثمانی)

الْعَزِيْزِ۔ انتقام لینے (یعنی عذاب دینے) میں غالب اور تدبیر وانتظام خلائق حکمت سے کرنے والا۔ (تفسیر مظہری)

حدیث شریف میں ہے کہ قرآن لے کر دشمنوں کے ملک میں نہ جاؤ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کی اہانت و بے قدری کریں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ

اور تمہارے بنانے میں اور جس قدر پھیلا رکھے ہیں جانور

اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾

نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے واسطے جو یقین رکھتے ہیں ☆

☆ یعنی، انسان خود اپنی بناوٹ اور دوسرے حیوانات کی ساخت میں غور کرے تو درجہ عرفان وایقان تک پہنچانے والی ہزار ہا نشانیاں اس کو ملیں گی۔ (تفسیر عثمانی)

انسان کی تدریجی بناوٹ: وفی خلقکم یعنی تم میں سے ہر ایک کے پیدا کرنے میں قدرت و وحدانیت کی نشانیاں ہیں ہر انسان کی تخلیق نطفہ سے ہوئی۔ نطفہ جم کر لوتھڑا بنا پھر لوتھڑا بوٹی بنا یہاں تک کہ (تدریجی مراتب طے کر کے) انسان بن گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ

اور بدلنے میں رات دن کے اور وہ

اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ

جو اتاری اللہ نے آسمان سے روزی ☆

رزق کا جوہر ☆ یعنی پانی آسمان کی طرف سے اتارا جو مادہ ہے روزی کا۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

پھر زندہ کر دیا اُس سے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد

وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوْمٍ

اور بدلنے میں ہواؤں کے نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے

یَّعْقِلُوْنَ ﴿۵﴾

واسطے جو سمجھ سے کام لیتے ہیں

غور کی ضرورت ☆ یعنی ذرا بھی سمجھ سے کام لیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ امور بجز اس زبردست قادر حکیم کے اور کسی کے بس میں نہیں جیسا کہ پہلے متعدد مواضع میں اس کی تقریر گزر چکی۔ (تفسیر عثمانی)

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ

یہ باتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں

بِالْحَقِّ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ

تجھ کو ٹھیک ٹھیک پھر کونسی بات کو

اللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

اللہ اور اُس کی باتوں کو چھوڑ کر مانیں گے ☆

اللہ کی بات سے بڑھ کر کوئی نہیں: ☆ یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسرا کون ہے اور اسکی باتیں چھوڑ کر کس کی بات ماننے کے قابل ہے جب اس بڑے مالک کی ایسی سچی اور صاف باتیں بھی کوئی بد بخت قبول نہ کرے تو آخر کس چیز کا منتظر ہے جسے قبول کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ﴿۷﴾ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ

خرابی ہے ہر جھوٹے گنہگار کے لئے کہ سنتا ہے باتیں

اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا

اللہ کی کہ اُسکے پاس پڑھی جاتی ہیں پھر ضد کرتا ہے غرور سے

كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا

گویا سنا ہی نہیں ☆

ضد اور غرور ☆ یعنی ضد اور غرور کی وجہ سے اللہ کی بات نہیں سنتا اس کی شیخی اجازت نہیں دیتی کہ اپنی جہالت سے ہٹے۔ حق کو سن کر اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا سنا ہی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ کے رموز: لفظ ثم عربی میں تراخی کے لئے آتا ہے) سماع آیات کے بعد کفر پر جمار ہنا بہت ہی بعید ہے۔ اسی بُعد کو ظاہر کرنے کے لئے اس جگہ لفظ ثم استعمال کیا گیا ہے (یعنی بُعد زمانی کے قائم مقام بُعد مرتبہ و قرار دیا اور لفظ ثم سے اس کا اظہار کیا) مُسْتَكْبِرًا۔ ایمان کو (ذلیل حرکت سمجھ کر اس سے) تکبر کرنیوالا۔ (تفسیر مظہری)

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۸﴾ وَاِذَا

سو خوشخبری سنا دے اسکو ایک عذاب دردناک کی اور جب

عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْـًٔا اتَّخَذَهَا

خبر پائے ہماری باتوں میں سے کسی کی اُس کو ٹھہرائے

هُزُوًا ۚ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

[illegible]

مُّهِينٌ

[illegible]

غرور کی سزا [illegible]

مِّن وَرَآئِهِمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يُغْنِى عَنْهُم

پرے ان کے دوزخ ہے اور کام نہ آئیگا اُن کے

مَّا كَسَبُوا۟ شَيْـًٔا وَلَا مَا ٱتَّخَذُوا۟ مِن

جو کمایا تھا ذرا بھی اور نہ وہ کہ جن کو پکڑا تھا

دُونِ ٱللَّهِ أَوْلِيَآءَ ۖ

[illegible]

کوئی چیز کام نہ آئے گی [illegible] کام نہ آئے گی نہ وہ کام آئیں گے جن کو اللہ کے سوا معبود [illegible] تھے [illegible]

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ هَٰذَا هُدًى ۖ

اور اُن کے واسطے بڑا عذاب ہے یہ سجھا دیا

وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ

اور جو منکر ہیں اپنے رب کی باتوں سے [illegible]

عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ۝

عذاب ہے [illegible]

عظیم ہدایت یعنی یہ قرآن عظیم الشان ہدایت ہے [illegible] طرح کی برائی بھلائی انسان کو سمجھانے کے لئے آئی ہے جو اس کو نہ مانیں وہ سخت غلیظ اور دردناک عذاب بھگتنے کے لئے تیار رہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ٱللَّهُ ٱلَّذِى سَخَّرَ لَكُمُ ٱلْبَحْرَ

اللہ وہ ہے جس نے بس میں کر دیا تمہارے دریا کو

لِتَجْرِىَ ٱلْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِۦ

کہ چلیں اُس میں جہاز اُس کے حکم سے ☆

تسخیر کائنات یعنی سمندر جیسی مخلوق کو ایسا مسخر کر دیا کہ تم بے تکلف [illegible] تھیں [illegible] پچتے ہو میلوں کی گہرائیوں کو پایاب [illegible]

وَلِتَبْتَغُوا۟ مِن فَضْلِهِۦ وَلَعَلَّكُمْ

[illegible] فضل سے اور تا کہ

تَشْكُرُونَ ۝

[illegible]

یعنی [illegible] تجارت [illegible] شکار [illegible] سب منافع [illegible] وقت [illegible] اس کا حق [illegible] [illegible]

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى

اور کام میں لگا دیا تمہارے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور

ٱلْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ

زمین میں سب اپنی طرف سے

یعنی اپنے حکم اور قدرت سے سب کو تمہارے کام میں لگا دیا [illegible] ایسی عظیم الشان مخلوقات انسان کی خدمت گذاری میں لگی [illegible]

سخر [illegible]

من فضلہ۔ یعنی تجارت۔ غوطہ زنی اور شکار کے ذریعہ سے خداداد رزق تم طلب [illegible]

ما فی السموت۔ یعنی چاند سورج ستارے پانی برف وغیرہ۔

ما فی الارض۔ یعنی سماوات نباتات معدنیات تمہارے لئے مسخر کر دیئے۔

منہ۔ یعنی طرف سے۔ یعنی ان سب چیزوں کو اپنی طرف سے بطور عطیہ دینا طلب ہے۔ یہ سب چیزیں اس کی طرف سے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے جمیعا منہ کی تشریح میں فرمایا کہ یہ سب چیزیں اللہ کی طرف سے رحمت ہیں جو تم کو عطا کی گئیں اور سب اس کی طرف سے مہربانی ہیں۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ

اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے واسطے جو دھیان کرتے ہیں

غور کرو: جو آدمی دھیان کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ یہ چیزیں اس کے لئے کس کی نعمتیں محض اس کے فضل اور اس کی قدرت کاملہ سے ہیں اور سب کاموں میں لگی ہوئی ہیں تو ہم کو بھی کسی کام میں لگنا چاہئے وہ یہی ہے کہ اس منعم حقیقی ومحسن علی الاطلاق کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں اپنی ہمت اور قوت کو صرف کر دیں تاکہ آئندہ چل کر ہمارا انجام درست ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَغۡفِرُوۡا لِلَّذِیۡنَ لَا

کہہ دے ایمان والوں کو درگزر کریں ان سے جو امید نہیں

یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰہِ

رکھتے اللہ کے دنوں کی ☆

ایام اللہ: "ایام اللہ" (اللہ کے دن) سے مراد وہ دن ہیں جن میں اللہ اپنے دشمنوں کو کوئی خاص سزا دے یا اپنے فرمانبرداروں کو کسی خصوصی نعمت و اکرام سے سرفراز فرمائے۔ لہٰذا "لِلَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰہِ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان دنوں کی رحمت سے نا امید اور نہ عذاب سے بے خوف ہیں۔ (معارف القرآن)

شان نزول: (۱) بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مکہ میں ایک غفاری شخص نے حضرت عمرؓ کو گالی دی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی پکڑ (یعنی اس پر حملہ) کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔

(۲) بغوی نے قرظی اور سدی کا قول نقل کیا ہے کہ حکم جہاد سے پہلے مکہ میں مسلمانوں کو مشرک سخت اذیتیں دیتے تھے۔ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا شکوہ کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر آیت جہاد سے اس آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔

یغفروا: یعنی آپ مسلمانوں سے کہہ دیجئے معاف کر دو اگر آپ ان کو کوئی تکلیف پہنچائیں تو ان سے درگزر کریں۔

لا یرجون۔ جو امید نہیں رکھتے اور خوف نہیں رکھتے۔

ایام اللہ۔ یعنی ان واقعات سے جو اللہ نے اپنے دشمنوں سے واقع کئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان واقعات سے آنے کی ان کو امید بھی نہیں جو اللہ نے گزشتہ قوموں کی نسبت واقع کئے ان سے بے خوف ہو رہے ہیں۔

(۳) غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مریسیع نامی ایک کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی بھی مسلمانوں کے لشکر میں شامل تھا۔ اس نے اپنے غلام کو کنویں سے پانی بھرنے بھیجا جب اسے دیر ہوئی تو عبداللہ بن ابی نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ حضرت عمرؓ کا غلام کنویں کے کنارے پر بیٹھا تھا اس نے کسی کو اس وقت تک پانی نہ بھرنے دیا جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے مشکیزے نہیں بھر لئے۔ اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا ہمارا اور ان لوگوں کا تو وہی مثل صادق آتی ہے سمن کلبک یاکلک (اپنے کتے کو موٹا کرو تو وہ تم کو کھا جائے گا) حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ تلوار لے کر عبداللہ بن ابی کی طرف چلے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس روایت کے مطابق یہ آیت مدنی ہے۔ (قرطبی وروح المعانی) (معارف مفتی اعظم)

درگزر کا یہ حکم ابتداء اسلام میں تھا

حضرت مولانا ادریس کاندھلوی اپنی تفسیر میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا کہ مسلمان کافروں کی ایذاؤں اور تکالیف پر صبر کریں اور درگزر سے کام لیں اور اہل کتاب کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ رکھیں تاکہ تالیف قلبی ہو اور وہ اسلام کے قریب ہوں۔ لیکن جب کافروں پر یہ مروت اور حسن خلق کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ان کی عداوت اور دشمنی بڑھتی گئی تو جہاد کا حکم نازل ہوا۔ قتادہ مجاہد اور حضرت عبداللہ بن عباس سے یہی منقول ہے۔ (معارف کاندھلوی)

لِیَجۡزِیَ قَوۡمًۢا بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾

تاکہ وہ سزا دے ایک قوم کو بدلہ اس کا جو کماتے تھے ☆

صبر وتحمل کا صلہ: یعنی مسلمان آپ ان سے بدلہ لینے کی فکر نہ کریں اللہ پر چھوڑ دیں۔ وہ ان کی شرارتوں پر کافی سزا اور مومنین کے صبر وتحمل اور عفو ودرگزر کا مناسب صلہ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ

جس نے بھلا کام کیا تو اپنے واسطے اور جس نے

أَسَآءَ فَعَلَيۡهَا

بُرا کیا سو اپنے حق میں ☆

بھلائی اور برائی ☆یعنی بھلے کام کا فائدہ کام کرنے والے کو پہنچتا ہے اللہ کو اس کی کیا ضرورت؟ اور بدی کرنے والا خود اپنے حق میں برا بیج بو رہا ہے۔ ایک کی برائی دوسرے پر نہیں پڑتی غرض ہر شخص اپنے نفع و نقصان کی فکر کرے اور جو عمل کرے یہ سمجھ کر کرے کہ اس کا سود و زیاں اسی کی ذات کو پہنچے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُونَ ﴿١٥﴾

پھر اپنے رب کی طرف پھیرے جاؤ گے ☆

☆یعنی وہاں پہنچ کر سب برائی بھلائی سامنے آجائے گی اور ہر ایک اپنی کرتوت کا پھل چکھے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدۡ ءَاتَيۡنَا بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱلۡكِتَٰبَ

اور ہم نے دی بنی اسرائیل کو کتاب

وَٱلۡحُكۡمَ وَٱلنُّبُوَّةَ وَرَزَقۡنَٰهُم مِّنَ

اور حکومت اور پیغمبری اور کھانے کو دیں ستھری

ٱلطَّيِّبَٰتِ

چیزیں ☆

بنی اسرائیل پر روحانی وجسمانی انعامات

☆یعنی تورات دی اور سلطنت یا قوت فیصلہ یا دانائی کی باتیں یا دین کی سمجھ عطا کی، اور کس قدر کثرت سے پیغمبر ان میں سے اٹھائے یہ تو روحانی غذا ہوئی، جسمانی غذا دیکھو تو وہ بھی بہت افراط سے دی گئی حتی کہ من وسلویٰ اتارا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَضَّلۡنَٰهُمۡ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿١٦﴾

اور بزرگی دی اُن کو جہان پر ☆

☆یعنی اس زمانہ میں سارے جہان پر ان کو فضیلت کلی حاصل تھی اور بعض فضائل جزئیہ کے اعتبار سے اس زمانہ کی قید لگانے کی بھی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَضَّلۡنَٰهُمۡ۔ اور مراتب قرب عطا کر کے ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو یعنی انبیاء کو ان کے زمانے کے لوگوں پر فوقیت عطا کی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے زمانے میں اللہ کا محبوب اور اللہ کے نزدیک معزز کوئی بھی ان سے زیادہ نہ تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَءَاتَيۡنَٰهُم بَيِّنَٰتٖ مِّنَ ٱلۡأَمۡرِۖ

اور دیں اُن کو کھلی باتیں دین کی ☆

☆یعنی نہایت واضح اور مفصل احکام دیئے اور کھلے کھلے معجزات جو دین کے باب میں بطور حجت و برہان کے پیش کیے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَيِّنَٰتٖ مِّنَ ٱلۡأَمۡرِ۔ امر دین کی کھلی دلیلیں۔ اللہ نے بنی اسرائیل کو ان تمام امور کا علم عطا فرما دیا تھا جن کو جاننا اور ان پر عقیدہ رکھنا ضروری تھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور بعثت کی نشانیاں بھی بتا دی تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ہی یقینی طور پر جانتے پہچانتے تھے جتنا اپنی اولاد کو پہچانتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَا ٱخۡتَلَفُوٓاْ إِلَّا مِنۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ

پھر انہوں نے پھوٹ جو ڈالی تو سمجھ آ چکنے کے بعد

ٱلۡعِلۡمُ بَغۡيَۢا بَيۡنَهُمۡۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقۡضِي

آپس کی ضد سے بیشک تیرا رب فیصلہ کریگا

بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُواْ فِيهِ

اُن میں قیامت کے دن جس بات میں وہ

يَخۡتَلِفُونَ ﴿١٧﴾

جھگڑتے تھے ☆

امتوں میں فرقہ بندی کی علت

☆یعنی آپس کی ضد اور نفسانیت سے اصل کتاب کو چھوڑ کر بے شمار فرقے بن گئے۔ جن کا عملی فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا اس وقت پتہ لگے گا کہ ان کا منشا نفس پروری اور ہوا پرستی کے سوا کچھ نہ تھا۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَا ٱخۡتَلَفُوٓاْ۔ یعنی امور دین میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں ان کا باہمی اختلاف اسی وقت ہوا جب ان کو حقیقت کا علم ہو گیا اور یہ اختلاف محض آپس کی عداوت، حسد اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے ہوا کسی محکم دلیل کی روشنی میں یہ اختلاف نہیں تھا۔ آیت مذکورہ سے ثابت ہو رہا ہے

کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اکثر بہتر فرقے کسی دلیل کی روشنی میں نہیں بن گئے تھے بلکہ محض آپس کی ضدا ضدی سے بنے تھے۔ امت اسلامیہ کے تہتر فرقے بھی کسی محکم دلیل کی بناء پر نہیں ہو گئے بلکہ نصوص قطعیہ کے مقابلہ میں صرف اتباع وہم کی وجہ سے ہو گئے۔ (اسی وہم کو ہر فرقہ وال فہم ودانش قرار دیتا ہے) جیسے فرقہ معتزلہ نے فلاسفہ کے اتباع میں بہت سے مسائل (دینی) کا فیصلہ کرنے اور حق کو باطل سے ممتاز بنانے کے لئے عقل کو کافی قرار دیا (اور ظاہر نصوص کی مخالفت کی۔ مترجم) یا مجسمہ نے خیال کر لیا کہ ہر موجود کا جسم ہونا ضروری ہے (اس لئے خدا کا بھی جسم ہے) یا محض حسد وعناد سے کچھ فرقے (اجماع امت سے الگ ہو کر) بن گئے۔ جیسے خارجی اور شیعہ۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ

پھر تجھ کو رکھا ہم نے ایک رستہ پر دین کے کام کے

فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا

سو تو اسی پر چل اور مت چل خواہشوں پر

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

نادانوں کی ☆

صراط مستقیم ☆ یعنی ان اختلاف اور فرقہ وارانہ کشمکش کی موجودگی میں ہم نے آپ کو دین کے صحیح راستہ پر قائم کر دیا تو آپ کو اور آپ کی امت کو چاہئے کہ اس راستہ پر برابر مستقیم رہے۔ کبھی بھول کر بھی جاہلوں اور نادانوں کی خواہشات پر نہ چلے مثلاً ان کی خواہش یہ ہے کہ آپ ان کے طعن وتشنیع اور ظلم وتعدی سے تنگ آ کر دعوت وتبلیغ ترک کر دیں یا مسلمانوں میں بھی ویسا ہی اختلاف وتفریق پڑ جائے جس میں وہ لوگ خود مبتلا ہیں اندریں صورت واجب ہے کہ ان کی خواہشات کو بالکل پامال کر دیا جائے۔ (تفسیر حقانی)

شَرِيْعَةٍ۔ حق راستہ صراطِ مستقیم جس پر چلنے کا انبیاء کو حکم دیا گیا تھا۔

مِّنَ الْاَمْرِ۔ امر سے مراد ہے امر دین۔

فَاتَّبِعْهَا۔ یعنی اے محمد! آپ شریعت حق پر چلئے۔

وَلَا تَتَّبِعْ۔ بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے۔ لیکن خطاب کا اصل رُخ امت کی طرف ہے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ کا مطلب: علم تو ان کو تھا وہ جانتے تھے لیکن قصداً انہوں نے اللہ کی کتاب پر عمل ترک کر دیا تھا اور آیات کتاب کی غلط تاویلیں کرتے تھے تو گویا وہ علم ہی سے محروم تھے جیسے علماء یہود تھے اسی طرح مسلمانوں میں سے وہ فرقے بھی جو راہ حق سے بھٹکے ہوئے تھے اور اپنی خواہشات کے تابع تھے۔ (تفسیر مظہری)

قانونِ شریعت کے اجزاء: قانون شریعت تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ بصیرت ہدایت اور رحمت ترتیب طبعی بھی ایسی ہی ہے انسان کی پہلے آنکھیں کھلتی ہیں تو صحیح راستہ نظر آتا ہے اور منزل مقصود پہچان کر اس کی طرف چلنا شروع کر دیتا ہے تو بصیرت راستہ نظر آتا ہوا اور ہدایت منزل تک پہنچانے والے راستہ پر چل پڑتا ہے اور رحمت حصول مقصد اور وصول منزل پر مرتب ہونے والے ثمرہ کا نام ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ

وہ ہرگز کام نہ آئیں گے تیرے اللہ کے سامنے ذرا بھی ☆

☆ یعنی ان کی طرف جھکنا تم کو خدا کے ہاں کچھ کام نہ دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ

اور بے انصاف ایک دوسرے کے رفیق ہیں

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور اللہ رفیق ہے ڈرنیوالوں کا ☆

سچے مسلمان ☆ یعنی منصف اور راستی پسند مسلمان ظالم اور بے راہ رو کافروں کے رفیق نہیں ہو سکتے۔ وہ تو اللہ کے مطیع بندے ہیں اور اللہ ہی ان کا رفیق ومددگار ہے۔ لازم ہے کہ اسی کی راہ چلیں اور اسی پر بھروسہ رکھیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ۔ اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے پس آپ تقویٰ اختیار کیجئے اور شریعت پر چلیے۔ دونوں جملوں سے در پردہ اس طرف اشارہ ہے کہ یہ کافر آپ کو ضرر نہیں پہنچا سکتے کیونکہ یہ ظالم آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور اللہ تقویٰ والوں کا دوست ہے اور دونوں کی دوستی میں عظیم الشان فرق ہے۔ (تفسیر مظہری)

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى

یہ سوجھ کی باتیں ہیں لوگوں کے واسطے اور راہ کی

وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین لاتے ہیں ☆

بصیرت افروز حقائق ☆ یعنی یہ قرآن بڑی بڑی بصیرت افروز حقائق پر مشتمل ہے لوگوں کو کام کی باتیں اور کامیابی کی راہ سمجھاتا ہے اور جو خوش قسمت اس کی ہدایت ونصائح پر یقین کر کے عمل پیرا ہوتے ہیں ان کے حق

میں [illegible] قرآن [illegible]

بَصَآئِرُ ۔ [illegible] بصیرت حاصل [illegible] لوگوں کے لئے ۔ اس سے دونوں جہاں میں کامیاب ہونے کے طریقے [illegible] ہیں ۔ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۔ اللہ کی طرف سے راہنمائی اور رحمت ہے ۔ لِّقَوْمٍ يُّوقِنُوْنَ ۔ ان [illegible] کے لئے جو اس کے اللہ کی طرف سے [illegible]

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ
[illegible]
نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
کردیں گے [illegible]
سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا
یکساں ہے اُن کا جینا اور مرنا بڑے دعوے ہیں
يَحْكُمُوْنَ
[illegible]

مومن و کافر [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] حکمت [illegible] عقلمند یہ گمان کر سکتا ہے [illegible] آدمی اور [illegible] اللہ تعالیٰ یکساں معاملہ کرے گا۔ اور دونوں کا [illegible] اس زندگی میں دونوں [illegible] ہو سکتے ہیں [illegible] مومن [illegible] کو یہاں [illegible] میں [illegible] معیشت [illegible] آخرت میں [illegible] بالکل غلط [illegible] کر دے گا۔ اس کی حکمت اس کو مقتضی نہیں بلکہ ضرور ہے کہ دونوں کے [illegible] ٹھیک ٹھیک نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا اور ہر ایک نیکی یا بدی کے آثار فی الجملہ یہاں بھی مشاہد ہوں اور ان کا پوری طرح مکمل [illegible] موت کے بعد [illegible]

شان نزول: اس آیت کا نزول مکہ کے ان مشرکوں کے حق میں ہوا جنھوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو [illegible] قیامت [illegible] میں ہوئی بھی تب بھی ہم تم سے آخرت میں برتر رہیں گے جس طرح دنیا میں ہم کو برتری حاصل ہے۔

كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ یعنی نیکو کار [illegible]

[illegible] زندگی کے اندر رزق [illegible] آخرت [illegible] دونوں جہاں میں [illegible] يَحْكُمُوْنَ [illegible]

حضرت تمیم داری کا قیام اللیل [illegible] اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ [illegible]

نیک لوگ بروں سے برابر نہیں ہو سکتے ہیں

[illegible] ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان [illegible]

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ
اور بنائے [illegible] جیسے چاہئیں
وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ
[illegible]
لَا يُظْلَمُوْنَ
[illegible]

زمین و آسمان کا پیغام [illegible] بلکہ نہایت حکمت سے کسی خاص مقصد [illegible] میں غور کر کے لوگ معلوم کر سکیں کہ [illegible] عظیم الشان نتیجہ نکلنے والا ہے [illegible] آخرت [illegible] جہاں ہر ایک کو [illegible] کا پھل ملے گا اور جو بویا تھا وہی کاٹنا پڑے گا۔

[illegible] (موضح القرآن)

چار چیزیں دین کی اصل ہیں

حضرت ... فرماتے ہیں چار چیزوں پر ... نے اپنے دین کی بنا ... جو ... سے ... نہ ... وہ خدا سے ... کا عقیدہ رکھے حلال و حرام، حکم و ... صرف خدا کے اختیار میں ہیں ... حدس اور اس ... کا عقیدہ ... ہمیشہ ... مردو نبی کا مالک صرف اسی کو جانتا بس یہ دین کی اصل ہے۔

ولتجزی۔ اللہ کی ہستی ... قدرت ... صفات ... بھی ... شخص ... کا بدلہ ... پر ظلم نہ ہوگا ... عذاب ... ثواب میں کمی ...

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ
بھلا دیکھ تو جس نے ٹھہرا لیا اپنا حاکم اپنی خواہش کو
وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ
اور راہ سے بچلا دیا اسکو اللہ نے جانتا بوجھتا

بدبخت: یعنی اللہ جانتا تھا کہ اس کی استعداد خراب ہے اور اسی قابل ہے کہ سیدھی راہ سے اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ بدبخت علم رکھنے کے باوجود اور سمجھنے بوجھنے کے بعد گمراہ ہوا۔

شانِ نزول: ابن جریر اور ابن المنذر کا بیان ہے اور بغوی نے سعید بن جبیر کی طرف بھی اس بیان کی نسبت کی ہے کہ عرب پتھروں کی اور سونے چاندی کی پوجا کرتے تھے جب کوئی پتھر پہلے سے اچھا مل جاتا تو پہلے پتھر کو پھینک دیتے توڑ ڈالتے اور دوسرے کو پوجنے لگتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

سب سے بُرا بُت: حضرت ابوامامہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ زیر آسمان دنیا میں جتنے معبودوں کی عبادت کی گئی ہے اُن میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک ہوئی ہے یعنی خواہش نفسانی۔

عقلمند کون ہے: حضرت شداد ابن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دانشمند وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور بعد الموت کے واسطے عمل کرے اور احمق وہ ہے جو اپنے نفس کو اس کی خواہش کے پیچھے چھوڑ دے اور اسکے باوجود اللہ سے آخرت کی بھلائی کی تمنا کرتا رہے۔

ایک بیماری جو خود اپنی دوا بھی ہے

حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے فرمایا کہ تمہاری بیماری تمہاری نفسانی خواہشات ہیں۔ ... اگر تم ان کی مخالفت کرو تو یہ بیماری ہی تمہاری دوا بھی ہے (یہ سب روایات قرطبی سے لی گئی ہیں)۔ (معارف مفتی اعظم)

فَرَءَيْتَ ۔ اس آیت سے پہلے ایک جملہ محذوف ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا آپ اس کو ہدایت دینا چاہتے ہیں اور آپ نے دیکھ بھی لیا ہے کہ اس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا رکھا ہے ایسے آدمی کو کون ہدایت کر سکتا ہے۔ یہ ... اور مردود ہی ... اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے گویا اس نے خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ، حسن اور قتادہ نے آیت کے مطلب کی توضیح اس طرح کی ہے اس کافر نے اپنا دین نفسانی ہوا و ہوس کو بنا رکھا ہے جس بات کی خواہش ہوتی ہے اس کو اختیار کر لیتا ہے کیونکہ اللہ پر اس کا ایمان نہیں وہ خدا سے ڈرتا نہیں اور جس کام سے اللہ نے روکا ہے اُس سے رُکتا نہیں۔

بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اس نے اپنا معبود ہوا اور ہوس کو بنا لیا ہے اپنی نفسانی خواہشات کی پوجا کرتا ہے۔

شعبی نے ... لئے کہا جاتا ہے (کہ ہوٰی کا معنی ہے لڑھکانا نیچے گرانا اور) خواہشات اپنے پرستار کو دوزخ میں گرا دیتی ہیں۔

علیٰ علم۔ یعنی اللہ اس کی گمراہی اور (فطری) استعداد کی خرابی کو جانتا تھا اس بناء پر اس کو گمراہ کیا یا یہ مطلب ہے کہ اس کو پیدا کرنے سے اللہ کو علم تھا کہ یہ گمراہ ہوگا۔

علم کی وجہ سے صحابی رضی اللہ عنہ کا خوف

حضرت ابوعبداللہ صحابیؓ کی عیادت کے لئے لوگ گئے تو آپ کو روتا پایا۔ دریافت کیا آپ کیوں روتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کیا اپنی مونچھیں ... یہاں تک کہ (مرنے کے بعد) مجھ سے آ کر ملو۔ حضرت ابوعبداللہ نے فرمایا ہاں یہ تو ہے لیکن یہ بھی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ نے اپنی داہنی مٹھی میں کچھ (روحوں کو) لیا اور کچھ (روحوں) کو بائیں ہاتھ کی مٹھی میں لیا اور فرمایا یہ اس کے لئے (یعنی جنت کے لئے) ہیں اور یہ اس کے لئے (یعنی جہنم کے لئے) ہیں اور میں (سب سے) بے پرواہ ہوں اب مجھے معلوم نہیں کہ میں کس مٹھی میں تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ
اور مہر کر دی اسکے کان پر اور دل پر اور ڈال دی
عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَنْ يَّهْدِيْهِ
اُس کی آنکھ پر اندھیری پھر کون راہ پر لائے اُس کو
مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ
اللہ کے سوائے سو کیا تم غور نہیں کرتے ☆

خواہش پرستی ☆ جو شخص محض خواہش نفس کو اپنا حاکم اور معبود ٹھہرا لے، جدھر اس کی خواہش لے چلے اُدھر ہی چل پڑے اور حق و ناحق کے جانچنے کا معیار اسکے پاس یہی خواہش نفس رہ جائے، اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے پھر اس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ نہ کان نصیحت کی بات سنتے ہیں نہ دل سچی بات کو سمجھتا ہے نہ آنکھ سے بصیرت کی روشنی نظر آتی ہے ظاہر ہے کہ اللہ جس کو اس کی کرتوت کی بدولت ایسی حالت پر پہنچا دے کونسی طاقت ہے جو اس کے بعد اسے راہ پر لے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

عالم آخرت اور اس میں جزا و سزا: یہ بات تو ہر شخص کے مشاہدہ میں ہے کسی کو اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ دنیا میں اچھے بُرے اعمال کا بدلہ پورا نہیں ملتا' بلکہ عام طور سے کفار فجار دولت دنیا اور عیش و عشرت میں زندگی گزارتے ہیں اور اللہ کے اطاعت شعار بندے فقر و فاقہ اور مصائب و آفات میں مبتلا رہتے ہیں۔ اول تو دنیا میں بدکردار مجرموں کے جرم کا علم ہی اکثر نہیں ہوتا۔ علم بھی ہو گیا تو اکثر پکڑے نہیں جاتے' کبھی پکڑے بھی گئے تو حلال حرام جھوٹ سچ کی پروا کئے بغیر سزا سے بچنے کے راستے ڈھونڈ لیتے ہیں اور سینکڑوں میں کسی ایک کو سزا ہو بھی گئی تو وہ بھی اسکے عمل کی پوری سزا نہیں ہوتی۔ اس طرح خدا تعالیٰ کے باغی اپنی خواہشات کے پیرو اس دنیا کی زندگی میں دندناتے پھرتے رہتے ہیں اور بیچارے مومن پابند شریعت بہت سی دولت اور لذتوں کو تو حرام سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں اور مصائب و آفات سے بچنے کے لئے بھی صرف جائز طریقے اختیار کرتے ہیں اس لئے دنیا میں اُن کا بڑی راحتوں اور لذتوں سے محروم رہنا ظاہر ہے۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ اس دنیا میں اعمال کی پوری جزا نہیں ملتی تو اب اگر اس دنیا کے بعد دوسرا عالم آخرت اور اسمیں دوبارہ زندگی اور جزا و سزا کا نفاذ نہ ہو تو پھر دنیا میں کسی چوری' ڈاکے' زنا' قتل وغیرہ کو جرم کہنا حماقت کے سوا کیا ہے۔ یہ لوگ تو اکثر دنیا میں بڑی کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔ ایک چور ڈاکو رات بھر میں اتنی دولت حاصل کر لیتا ہے جو ایک گریجویٹ سالوں کی ملازمت اور محنت سے حاصل نہیں کر سکتا' تو اگر آخرت اور اسکا حساب کتاب کچھ نہ ہو تو اس چور ڈاکو کو اس شریف گریجویٹ سے بہتر اور افضل کہنا پڑے گا جو کوئی ذی عقل گوارا نہیں کر سکتا۔ رہا یہ کہنا کہ ان لوگوں پر دنیا میں سخت سزائیں ہر حکومت میں مقرر ہیں مگر آجکل کا تجربہ یہ بتلا رہا ہے کہ مجرم صرف وہ پکڑا جاتا ہے جو بے وقوف ہو' ہوشیار عادی مجرم کے لئے سزا سے بچنے کے راستے کھلے ہوئے ہیں' ایک رشوت ہی کا چور دروازہ انکے فرار کیلئے کافی ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ

اور کہتے ہیں اور کچھ نہیں بس یہی ہے ہمارا جینا دنیا کا ہم مرتے ہیں

وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ

اور جیتے ہیں اور ہم جو مرتے ہیں سو زمانہ سے ☆

بے وقوفانہ استدلال ☆ یعنی اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی دوسری زندگی نہیں بس یہی ایک جہان ہے جس میں ہمارا مرنا اور جینا ہے۔ جیسے بارش ہونے پر سبزہ زمین سے اگا، خشکی ہوئی تو سوکھ کر ختم ہو گیا، یہی حال آدمی کا سمجھو، ایک وقت آتا ہے پیدا ہوتا ہے۔ پھر معین وقت تک زندہ رہتا ہے۔ آخر زمانہ کا چکر اسے ختم کر دیتا ہے۔ یہی سلسلہ موت و حیات کا دنیا میں چلتا رہتا ہے۔ آگے کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین اور فلاسفہ کی نادانی: فلاسفہ کے نزدیک زمانہ حرکت فلکیہ کا نام ہے تو اس نوع کے لوگ فلک کو بڑا موجد ہے بزرگ مان کر بھنڈا کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر کہ زمانہ کو گالیاں نہ دیا کرو اللہ ہی کی قدرت و ارادہ زمانہ اور زمانہ کے تغیرات ہیں ایک حدیث میں آپ نے اس کی ممانعت فرمائی کہ کوئی شخص یہ کہے افسوس زمانہ کی بدنصیبی و ناکامی یا نحوست' اور ایک حدیث قدسی کا مضمون ہے حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے زمانہ کو برا کہتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہی ہوں میرے ہی قبضہ میں رات دن ہے جس طرح چاہوں زمانہ کو لوٹتا پلٹتا رہتا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ روح المعانی جلد ۲۵ تفسیر ابن کثیر جلد ۴۔ (معارف کاندھلوی)

دہر کا معنی اور مشرکین کا استدلال. لفظ دہر دراصل اس تمام مدت کے مجموعہ کا نام ہے جو اس عالم کی ابتداء سے انتہا تک ہے۔ اور کبھی بہت بڑی مدت کو بھی دہر کہہ دیا جاتا ہے۔ کفار نے یہ قول بطور دلیل کے پیش کیا ہے کہ ہماری موت و حیات کا خدا کے حکم و مشیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسباب طبعیہ کے تابع ہے جسکا مشاہدہ موت کے متعلق تو سب کرتے ہیں کہ اعضاء انسانی اور اسکی قوتیں استعمال کے سبب گھٹتی رہتی ہیں اور ایک زمانہ دراز گزر جانے کے بعد وہ بالکل معطل ہو جاتی ہیں اسی کا نام موت ہے اسی پر حیات کو بھی قیاس کر لو کہ وہ بھی کسی خدائی حکم سے نہیں بلکہ مادہ کی طبعی حرکتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ

اور اُن کو کچھ خبر نہیں اس کی محض

هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ۝٢٤

اٹکلیں دوڑاتے ہیں ☆

زمانہ کو برا کہنے کا نتیجہ ☆ یعنی زمانہ نام ہے دہر کا۔ وہ کچھ کام کرنے والا نہیں کیونکہ نہ اس میں حس ہے نہ شعور نہ ارادہ، لامحالہ وہ کسی اور چیز کو کہتے ہوں گے جو معلوم نہیں ہوتی لیکن دنیا میں اس کا تصرف چلتا ہے پھر اللہ ہی کو کیوں نہ کہیں جسکا وجود اور متصرف علی الاطلاق ہونا دلائل فطریہ اور براہین عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہو چکا ہے، اور زمانہ کا الٹ پھیر اور رات دن کا ادل بدل کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے، اسی معنی سے حدیث میں بتلایا گیا کہ دہر اللہ ہے اس کو برا نہ کہنا چاہئے کیونکہ جب آدمی دہر کو برا کہتا ہے اسی نیت سے کہتا ہے کہ حوادث دہر اسکی طرف منسوب ہیں حالانکہ تمام حوادث دہر اللہ کے ارادے اور مشیت سے ہیں تو دہر کی برائی کرنے سے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ (تفسیر عثمانی)

علم کے حصول کے دو طریقے: (۱) بغیر غور وفکر اور بلا سوچ وبچار کے (اس علم کو بدیہی کہتے ہیں)۔ (۲) اور غور وفکر کے بعد (اس علم کو برہانی اور استدلالی کہتے ہیں)۔ اور زمانہ کا مؤثر حقیقی ہونا نہ بداہۃً معلوم ہے نہ کوئی دلیل ایسی ہے جس سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہو اس لئے کافروں کو اس کا علم ہی نہیں ہے بلکہ ایک صانع حکیم کی ہستی کا ثبوت مختلف دلائل سے ملتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا
اور جب سنائی جائیں انکو ہماری آیتیں کھلی کھلی
كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ
اور کچھ دلیل نہیں اُن کی مگر یہی کہ کہتے ہیں لے آؤ ہمارے باپ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾
دادوں کو اگر تم سچے ہو ☆

مشرکین کا مطالبہ ☆ یعنی جب قرآن کی آیت یا بعث بعد الموت کی دلائل اس کو سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ میں کسی دلیل کو نہیں مانوں گا۔ بس اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہمارے مرے ہوئے باپ دادوں کو زندہ کر کے دکھلا دو تب ہم تسلیم کریں گے، بے شک موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَيِّنٰتٍ۔ یعنی واضح آیات جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر کھلے طور پر دلالت کر رہی ہیں اور منکرین کے عقیدے کے خلاف کھلا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ بایّنات سے مراد ہیں کھول کر بیان کرنے والی آیات۔

حُجَّتَهُمْ۔ یعنی کوئی ایسی بات جس سے استدلال کر سکیں۔ مشرکوں اور منکروں کے قول کو حجت صرف اس کے خیال کے اعتبار سے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
تو کہہ کہ اللہ ہی جلاتا ہے تم کو پھر ماریگا تم کو پھر
يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا
اکٹھا کریگا تم کو قیامت کے دن اُس میں
رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
کچھ شک نہیں پر بہت لوگ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾
نہیں سمجھتے ☆

جواب ☆ یعنی جس نے ایک مرتبہ زندہ کیا پھر مارا، اسے کیا مشکل ہے کہ دوبارہ زندہ کر کے سب کو ایک جگہ اکٹھا کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

يُحْيِيْكُمْ۔ یعنی جس وقت چاہتا ہے تم کو زندہ رکھتا ہے۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ۔ پھر جب چاہتا ہے تم کو موت دیتا ہے۔ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ۔ پھر سزا جزا کے لئے تم کو جمع کرے گا۔ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ اس میں الیٰ زائد ہے یا بمعنی لام ہے یعنی لیوم القیٰمۃ۔ قیامت کے دن۔ لَا رَيْبَ فِيْهِ۔ یعنی وقوع قیامت میں ذرا شک نہیں کیونکہ اللہ کا وعدہ حق ہے جھوٹا نہیں ہو سکتا جوایجاد (آغاز آفرینش) پر قادر، وہ دوبارہ زندہ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے اور سزا جزا حکمت کا تقاضا ہے (عقل چاہتی ہے کہ اعمال کا بدلہ ضرور ہو)۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ لیکن اکثر لوگ چونکہ کوتاہ نظر ہیں، قلیل الفکر ہیں اس لئے اللہ کی قدرت کو نہیں جانتے۔ (تفسیر مظہری)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اور اللہ ہی کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں
وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ
اور جس دن قائم ہو گی قیامت اُس دن خراب
الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾
ہوں گے جھوٹے ☆

قیامت میں حقیقت کھلے گی ☆ اس دن ذلیل وخوار ہو کر پتہ لگے گا کہ کس دھوکہ میں پڑے ہوئے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً

ور تو دیکھے ہر فرقہ کو کہ بیٹھے ہیں گھٹنوں کے بل☆

☆یعنی خوف وہیبت سے۔ (تفسیر عثمانی)

جَاثِيَةً کا معنیٰ: جثو سے مشتق ہے [illegible] کے ہیں اور حضرت سفیان نے فرمایا [illegible] خوف [illegible] طرح زمین پر صرف گھٹنے اور پاؤں کے نیچے تک [illegible] شدت ہول اور خوف کی وجہ سے ہوگی۔

تمام اہل محشر پر خوف طاری ہوگا: [illegible] یہ صورت خوف تمام اہل محشر [illegible] آیت اور بعض دوسری آیات اور روایات میں [illegible] خوف [illegible] انبیاء وصلحاء [illegible] دہشت وخوف تھوڑی مدت [illegible] شدت خوف [illegible]

جاثیہ کا ایک اور مفہوم: [illegible] ہے اور فیصلہ کا [illegible] حضرت [illegible] ہوں گا جو دوزخ [illegible] آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِىْ رَبِّهِمْ [illegible]

حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا قیامت [illegible] دس سال کی ہوگی سب لوگ اس مدت [illegible] یہاں تک کہ [illegible] سے بچنے کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔ (تفسیر مظہری)

كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ

ہر فرقہ بلایا جائے اپنے اپنے دفتر کے پاس آج

تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٨﴾

بدلہ پاؤ گے جیسا تم کرتے تھے☆

سب کو اعمال نامے دیئے جائیں گے

[illegible]

هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ

[illegible]

حضرت سفیان ثوری کی معنیٰ خیز وصیت

[illegible]

نامہ اعمال اور لوح محفوظ کا تقابل

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ فرماتے ہیں کہ [illegible]

اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٩﴾

ہم لکھواتے جاتے تھے جو [illegible]

اعمال کی رپورٹ [illegible]
[illegible]

[illegible]
[illegible] ان کو [illegible] اعمال [illegible]
عمل [illegible] پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتے اور جو اعمال [illegible]
[illegible] جیسے [illegible]

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

سو جو لوگ یقین [illegible]

الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ

[illegible] ان کا رب

فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

اپنی رحمت میں یہ جو ہے یہی ہے صریح

الْمُبِيْنُ ۝۳۰

[illegible]

مؤمنین کا انعام ☆ یعنی جنت میں جہاں اعلیٰ درجہ کی رحمت اور ہر قسم کی [illegible] ہوں گی۔ [illegible]

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ

اور [illegible] تم کو سنائی

اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ

نہ جاتی تھیں باتیں میری پھر تم نے غرور کیا

وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ

اور ہو گئے تم [illegible]

کافروں کا حال [illegible]
جنت کا [illegible] یہاں [illegible]
ہوں۔ [illegible] وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ [illegible]
[illegible] جرائم پیشہ تھے۔ [illegible]

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

اور جب کہیے کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے

وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا

اور قیامت میں کچھ شبہ نہیں تم کہتے تھے

نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا

ہم نہیں سمجھتے [illegible] قیامت ہم کو آتا تو ہے

ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲

ایک [illegible] اور ہم کو یقین نہیں ہوتا

مشرکین پر اتمام حجت

[illegible] قیامت [illegible] ہوتی ہے۔ تم جو کچھ قیامت کے [illegible]
[illegible] کا یقین نہیں ہوتا۔ یوں سنی سنائی
[illegible] ضعیف سا اٹکل اور دھندلا سا خیال کبھی آ جائے وہ دوسری بات
[illegible]

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ

[illegible] کاموں کی جو کیے تھے اور الٹ

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۳

[illegible] وہ چیز جس پر ٹھٹھا کرتے تھے ☆

[illegible] قیامت آئے گی ان کی تمام بدکاریاں اور ان کے نتائج
[illegible] عذاب وغیرہ کی دھمکیوں کا جو مذاق اڑایا کرتے تھے
[illegible] پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ

اور حکم ہوگا کہ آج ہم تم کو بھلا دیں گے جیسے تم نے بھلا دیا تھا

لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا

اپنے اس دن کی ملاقات کو ☆

بھولنے کی سزا ☆ یعنی دنیا میں تم نے آج کے دن کو یاد نہ رکھا تھا آج ہم تم

کو مہربانی سے یاد نہ کریں گے ہمیشہ کے لئے اسی طرح عذاب میں پڑا چھوڑ دیں گے جیسے تم نے اپنے کو دنیا کے مزوں میں پھنسا کر چھوڑ دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

بھولنے کا مطلب: جس طرح تم نے آج کی ملاقات کی تیاری ترک کر دی تھی اور اس کی پرواہ بھی نہیں کی تھی۔ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ میں مصدر کی اضافت ظرف کی طرف ہے۔ یعنی اپنے رب سے ملنے کے دن کی تیاری یا اعمال کا بدلہ پانے کے دن کی تیاری تم نے ترک کر دی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَمَأْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ
اور گھر تمہارا دوزخ ہے اور کوئی نہیں تمہارا
نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ
مددگار یہ تم پر اس واسطے کہ تم نے پکڑا اللہ کی
اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ
باتوں کو ٹھٹھا اور بہکے رہے دنیا کی زندگانی پر ☆

غلط خیال ☆ یعنی دنیا کے مزوں میں پڑ کر خیال ہی نہ کیا کہ یہاں سے کبھی جانا، اور خدا کے سامنے پیش ہونا بھی ہے اور اگر کبھی کچھ خیال آیا بھی تو یوں سمجھ کر دل کی تسلی کر لی کہ جس طرح دنیا میں ہم مسلمانوں سے مقابل ہیں وہاں بھی ہمارا یہی زور رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا
سو آج نہ اُن کو نکالنا منظور ہے وہاں سے اور نہ
هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾
ان سے مطلوب ہے توبہ ☆

قیامت آنے پر کافروں کے لئے تمام مواقع ختم ہو جائیں گے

☆ یعنی نہ ان کو دوزخ سے نکالا جائے گا نہ یہ موقع دیا جائے گا کہ وہ اب خدا کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ان سے اس بات کی طلب نہیں کی جائے گی کہ توبہ کر کے اللہ کو راضی کر لو۔ کیونکہ توبہ کا وقت گذر چکا ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا موت کے بعد طلب رضا مندی (کی گنجائش) نہ ہوگی۔ کیونکہ رضا مندی کا حصول اعمال پر موقوف ہے۔ اور اعمال کا وقت (مرنے کے بعد) گذر چکا ہے۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے عُتبیٰ گناہ اور بدکاری سے لوٹ جانا (توبہ کرنا) بغوی نے (اسی معنی کے لحاظ سے) لکھا ہے ان سے طلب نہیں کی جائے گی کہ اللہ کی طاعت کی طرف لوٹ آئیں۔ (تفسیر مظہری)

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ
سو اللہ ہی کے واسطے ہے سب خوبی جو رب ہے آسمانوں کا اور رب
الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ
ہے زمین کا رب سارے جہان کا اور اُسی کے لئے بڑائی ہے
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۪ وَهُوَ
آسمانوں میں اور زمین میں اور وہی ہے
الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾
زبردست حکمت والا ☆

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو: ☆ چاہئے کہ آدمی اسی کی طرف متوجہ ہو اس کے احسانات و انعامات کی قدر کرے اس کی ہدایات پر چلے سب کو چھوڑ کر اسی کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر رکھے اور اس کی بزرگی و عظمت کے سامنے ہمیشہ بااختیار خود مطیع و منقاد رہے۔ کبھی سرکشی و تمرد کا خیال دل میں نہ لائے۔ حدیث قدسی میں ہے "الكبرياء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی واحداً منهما قذفته فی النار" (کبریائی میری چادر اور عظمت میری تہ بند ہے لہٰذا جو کوئی ان دونوں میں سے کسی میں مجھ سے منازعت اور کشمکش کرے گا، میں اسے اٹھا کر آگ میں پھینک دوں گا۔ اللهم اجعلنا مطيعين لامرك وجنبنا غضبك وقنا عذاب النار انك سميع قريب مجيب الدعوات۔ تم سورة الجاثية بعونه وصونه فلله الحمد والمنة وبه التوفيق والعصمة۔ (تفسیر عثمانی)

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ اللہ ہی کے لئے تعریف ہے کہ اس نے مومنوں اور کافروں سے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کیا۔ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ۔ اللہ کی ربوبیت اس کی ایک مستقل نعمت ہے جو اس کے کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اسی لئے لفظ کو مکرر ذکر کیا۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یعنی اللہ کی عظمت و بزرگی کے آثار آسمان و زمین میں ظاہر ہیں۔ الْعَزِيْزُ۔ ایسا زبردست جس پر کوئی غالب نہ آ سکے۔ اس کے مقابل میں بڑا ہونے کا دعویٰ کسی کے لئے جائز نہیں۔ الْحَكِيْمُ۔ اس کا اندازہ اور فیصلہ پُر حکمت ہے۔

الحمد للہ سورۂ جاثیہ کی تفسیر ختم ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

جو شخص اس کی خواب میں تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان ہوگا لیکن آخری عمر میں اس کو اچھی توبہ نصیب ہوگی۔

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ احقاف مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پینتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ

اُتارنا کتاب کا ہے اللہ زبردست

الْحَكِيْمِ ○ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

حکمت والے کی طرف سے ہم نے جو بنائے آسمان اور زمین

وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى

اور جو اُن کے بیچ میں ہے سو ٹھیک کام پر اور ایک ٹھہرے وعدہ پر☆

کارخانۂ کائنات بے مقصد نہیں

☆یعنی آسمان و زمین، اور یہ سب کارخانہ اللہ تعالیٰ نے بیکار نہیں بنایا بلکہ کسی خاص غرض و مقصد کے لئے پیدا کیا ہے جو ایک معین میعاد اور ٹھہرنے ہوئے وعدہ تک یوں ہی چلتا رہے گا تا آنکہ اس کا نتیجہ ظاہر ہو اسی کو آخرت کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کائنات کا پیغام حال: یہ ساری کائنات بتا رہی ہے کہ ان کا ایک بنانے والا ہے جو قدیم ہے اور حکمت والا ہے۔ یہ سارا جہان یہ بات بھی بتا رہا ہے کہ حسب تقاضائے حکمت و انصاف سزا جزا دینے کے لئے انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا

اور جو لوگ منکر ہیں وہ ڈر کو سن کر

مُعْرِضُوْنَ

منہ پھیر لیتے ہیں☆

کافروں کی بے فکری ☆یعنی برے انجام سے ڈرتے نہیں، اور آخرت کی تیاری نہیں کرتے۔ جب آخرت کی بات سنی ایک کان سے سنی دوسرے کان سے نکال دی۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

تو کہہ بھلا دیکھو تو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوائے

اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ

دکھلاؤ تو مجھ کو انہوں نے کیا بنایا زمین میں

اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ

یا اُن کا کچھ ساجھا ہے آسمانوں میں☆

زمین و آسمان کس نے بنائے: ☆یعنی خداوند قدوس نے تو آسمان و زمین اور کل مخلوقات بنائی کیا سچے دل سے کہہ سکتے ہو کہ زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ کسی اور نے بھی بنایا ہے یا بنا سکتا ہے۔ پھر ان کو خدا کیساتھ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کے سب دلائل بے کار ہیں: ان آیات میں مشرکین کے دعوائے شرک کو باطل کرنے کے لئے اُن سے انکے دعوے پر دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے کیونکہ کوئی دعوی بغیر شہادت و دلیل کے عقلاً و شرعاً قابل عمل نہیں ہوتا پھر اسمیں جتنی قسمیں دلائل کی ہو سکتی ہیں سب کو جمع کر دیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ تمہارے دعوے پر کسی قسم کی بھی دلیل و شہادت موجود نہیں اس لئے اس بے دلیل دعوے پر قائم رہنا گمراہی ہے۔

دلائل کی قسمیں: دلائل کی اس آیت میں تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ایک عقلی دلیل جس کی نفی کے لئے فرمایا اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ دوسری قسم دلیل نقلی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں دلیل نقلی وہی معتبر ہو سکتی ہے جو خود حق تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو جیسے آسمانی کتابیں تورات انجیل اور قرآن وغیرہ یا ان حضرات کے اقوال جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول و نبی منتخب کیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے۔

اَرَءَيْتُمْ۔ یہ استفہام تقریری ہے یعنی مخاطب کو اقرار پر آمادہ کرنا مقصود ہے۔

مَا تَدْعُوْنَ۔ یعنی جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو اس سے بت مراد ہیں۔

مِنَ الْاَرْضِ۔ یہ مَا کا بیان ہے یعنی کیا زمین کو انہوں نے پیدا کیا ہے۔

فِي السَّمٰوٰتِ۔ یعنی آسمانوں کو پیدا کرنے میں کیا ان کی شرکت اور دخل ہے۔

ایک باطل گمان کی تردید: ایک گمان کیا جا سکتا تھا کہ عالم غلی یعنی

کائنات عنصری میں جو حوادث و واقعات ہوتے ہیں ان کی تخلیق میں عالم علوی یعنی کائنات سماوی کی شرکت ہے۔ اس گمان کو زائل کرنے کے لئے فرمایا کہ تخلیق سماوات میں کیا تمہارے معبودوں کا کوئی دخل ہے یا ان کی شرکت کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّن قَبْلِ هَٰذَا أَوْ
لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا
أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝
کوئی علم جو چلا آتا ہو اگر ہو تم سچے ☆

اپنے دعوی کی دلیل لاؤ: یعنی اگر اپنے دعوے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند لاؤ یا کسی ایسے علمی اصول سے ثابت کرو جو عقلاء کے نزدیک مسلم چلا آتا ہو۔ جس چیز پر کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ہو آخر اسے یونہی تسلیم کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

دلیل نقلی کی دونوں قسموں سے مشرک خالی ہیں

دونوں قسموں میں سے پہلی قسم کی نفی تو اس سے فرمائی ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّن قَبْلِ هَٰذَا یعنی اگر تمہارے پاس اس سے پہلے کی نازل کی ہوئی کوئی آسمانی کتاب موجود ہے جس میں بت پرستی اور شرک کی اجازت دی گئی ہو۔ اور دوسری قسم یعنی اقوال انبیاء کی نفی کے لئے فرمایا۔ اَوْ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ یعنی اگر اللہ کی کتاب میں تم شرک و بت پرستی کی کوئی دلیل و شہادت نہیں لا سکتے تو انبیاء میں سے کسی کا قول نقل کرو جو سند معتمد کے ساتھ ان سے ثابت ہو۔ اور جب تم یہ بھی پیش نہیں کر سکتے تو تمہارا قول و عمل بجز گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ لفظ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ میں اثارہ مصدر ہے بروزن شجاعت و سماحت وغیرہ جس کے معنی نقل و روایت کے ہیں اور اسی سے حضرت عکرمہ اور مقاتل نے اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ کی تفسیر میں روایت عن الانبیاء فرمایا اور قرطبی نے اس کی تفسیر اسناد حسن کے ساتھ فرمائی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دلیل نقلی کی دو قسمیں معتبر ہیں، ایک آسمانی کتاب جو اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر پر نازل فرمائی، دوسرے پیغمبر کا قول جو اسناد معتبر کے ساتھ پیغمبر سے ثابت ہو۔ اَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ کا یہی مفہوم ہے یہ سب مضمون تفسیر قرطبی سے لیا گیا ہے اور یہی تفسیر مختار اور سب سے بہتر ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن
اور اس سے زیادہ گمراہ کون جو پکارے اللہ کے
دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ
سوائے ایسے کو کہ نہ پہنچے اس کو پکار کو
إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ
دن قیامت تک اور ان کو خبر نہیں ان کے
غَافِلُونَ ۝
پکارنے کی ☆

سب سے بڑی گمراہی: یعنی اس سے بڑی حماقت و گمراہی کیا ہوگی کہ خدا کو چھوڑ کر ایک ایسی بے جان یا بے اختیار مخلوق کو اپنی حاجت برآری کے لئے پکارا جائے جو اپنے مستقل اختیار سے کسی کی پکار کو نہیں پہنچ سکتی بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ ان کو پکارنے کی خبر بھی ہو۔ پتھر کی مورتوں کا تو کہنا ہی کیا، فرشتے اور پیغمبر بھی وہی بات سن سکتے اور وہی کام کر سکتے ہیں جس کی اجازت اور قدرت حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ اَضَلُّ۔ (سوال انکاری ہے) یعنی اس شخص سے بڑھ کر گمراہ کوئی نہیں۔ مِمَّنْ يَدْعُوْا۔ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرتا اور ان سے مرادیں مانگتا ہے۔ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ۔ جو بالفرض اگر پکارنے والوں کو پکار سن بھی لیں تو ان کا مطلب نہ سمجھیں اور نہ مرادیں پوری کرنے کا طریقہ ان کو معلوم ہو۔ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ روز قیامت تک یعنی جب تک دنیا قائم ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ
اور جب لوگ جمع ہوں گے وہ ہوں گے ان کے
أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ۝
دشمن اور ہوں گے ان کے پوجنے سے منکر ☆

کافروں کے معبود نہ دنیا کے کام کے نہ آخرت کے

یعنی محشر میں جب مدد اور اعانت کی زیادہ حاجت ہوگی یہ بیچارے معبود اپنے عابدین کی مدد تو کیا کر سکتے، ہاں دشمن بن کر ان کے مقابل کھڑے ہوں گے اور سخت بیزاری کا اظہار کریں گے بلکہ یہاں تک کہہ دیں گے کہ "ما کانوا ایانا یعبدون" (قصص رکوع ۷) یہ لوگ ہماری پرستش کرتے ہی نہ تھے۔ اس وقت سوچو کیسی حسرت و ندامت کا سامنا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وہ معبودان پجاریوں کے دشمن ہو جائیں گے۔ فائدہ پہنچانے کی جگہ ضرر پہنچانے کا ذریعہ بن جائیں گے اور ان پجاریوں کی پوجا کی تکذیب کریں گے۔ اور کہیں گے اے اللہ! ہم ان سے بیزار ہیں یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے (بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے) مطلب یہ کہ ان کے معبود نہ دنیا میں ان کے کام آ سکتے ہیں اور نہ آخرت میں بلکہ آخرت میں تو ضرر رساں (ضرر پہنچنے کا ذریعہ) ہو جائیں گے لہٰذا ایسے معبودوں کی پوجا کرنے والوں اور اللہ سمیع و بصیر، خبیر، قریب، مجیب کی عبادت کو ترک کرنے والوں سے زیادہ اور کون گمراہ ہو سکتا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے آیت وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ معبودان باطل کے یہ پجاری قیامت کے دن باطل معبودوں کی پوجا کرنے سے منکر ہو جائیں گے اور کہیں گے قسم ہے معبود برحق کی جو ہمارا رب ہے ہم مشرک نہیں تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ

اور جب سنائی جائیں اُن کو ہماری باتیں کھلی کھلی

قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا

کہتے ہیں منکر سچی بات کو جب

جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ

اُن تک پہنچی یہ جادو ہے صریح ☆

کافروں کی بے پروائی ☆ یعنی ان لوگوں کو کوئی خیال نہیں کہ کچھ فکر نہیں کہ کسی نصیحت و فہمائش پر کان نہیں دھرتے بلکہ جب قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اسے جادو کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِلْحَقِّ۔ یعنی حق کی بابت حق کو حق سے مراد ہیں آیات۔ کفروا کے ساتھ صراحۃً لِلْحَقِّ کہنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ آیات حق اور سچی ہیں اور یہ لوگ بلا شبہ کافر، گمراہ اور حق کے منکر ہیں۔ لَمَّا جَآءَهُمْ۔ یعنی جونہی آیات ان کو پہنچیں انہوں نے بغیر سوچے اور غور کئے فوراً کہہ دیا کہ یہ قرآن صریح جادو ہے اس کا جادو ہونا کھلا ہوا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ط

کیا کہتے ہیں یہ بنا لایا ہے ☆

بہتان طرازی ☆ یعنی جادو کہنے سے زیادہ قبیح و شنیع ان کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید آپ خود بنا لائے ہیں اور جھوٹ طوفان خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ

تو کہہ اگر میں یہ بنا لایا ہوں تو تم میرا بھلا نہیں

لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ط

کر سکتے اللہ کے سامنے ذرا بھی ☆

بہتان کا جواب ☆ یعنی خدا پر جھوٹ لگانا انتہائی جرم ہے۔ اگر بفرض محال میں ایسی جسارت کروں تو گویا جان بوجھ کر اپنے کو اللہ کے غضب اور اس کی سخت ترین سزا کیلئے پیش کر رہا ہوں۔ بھلا خیال کرو جو شخص ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ لگائے اور ذرا ذرا سے معاملہ میں اللہ کے خوف سے کانپتا ہو، کیا وہ ایک دم بیٹھے بٹھائے اللہ پر جھوٹ طوفان باندھ کر اپنے کو ایسی عظیم ترین آفت و مصیبت میں پھنسائے گا جس سے بچانے والی اور پناہ دینے والی کوئی طاقت دنیا میں موجود نہیں۔ اگر میں جھوٹ سچ بنا کر فرض کرو تمہیں اپنا تابع کر لوں تو کیا تم قدرت سے غضب و قہر سے جو جھوٹے مدعیان نبوت پر ہوتا ہے مجھ کو نجات دے سکو گے، اور جب اللہ مجھ کو برائی پہنچانا چاہے گا تم میرا کچھ بھلا نہ کر سکو گے۔ میری چالیس سالہ حیات و سوانح سے اتنا تو تم بھی جانتے ہو کہ میں ایسا بے خوف اور بے باک نہیں ہوں اور نہ ایسا بے عقل ہوں کہ چند نفوس کی خوشنودی کیلئے خدائے قدوس کا غصہ مول لوں۔ بہر حال اگر میں معاذ اللہ کذاب و مفتری ہوں تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ط كَفٰى

اس کو خوب خبر ہے جن باتوں میں تم لگ رہے ہو وہ کافی ہے

بِهٖ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ط

حق بتانے والا میرے اور تمہارے بیچ ☆

اللہ سب کو خوب جانتا ہے ☆ یعنی جو باتیں تم نے شروع کر رکھی ہیں اللہ ان کو بھی خوب جانتا ہے لہٰذا لغو اور دور از کار خیالات چھوڑ کر اپنے انجام کی فکر کرو اگر خدا کے سچے رسول کو جھوٹا اور مفتری کہا تو سمجھ لو اس کا حشر کیا ہوگا خدا پر میری اور تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے علم صحیح و محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے گا میں اسی کو اپنے اور تمہارے درمیان گواہ ٹھہراتا ہوں وہ اپنے قول و فعل سے بتا رہا ہے اور آئندہ بتلا دے گا کہ کون حق پر ہے اور کون جھوٹ بول رہا، افترا کر رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ۔ یعنی اللہ کی آیات کی تکذیب۔ اور اس کے کلام کو جادو اور من گھڑت کہنے میں تم جس رخ پر ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

كَفَىٰ بِهِ۔ یہ فعل کا قائم مقام ہے یعنی اللہ کافی ہے۔

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ۔ میرے اور تمہارے درمیان شہادت دینے کے لئے۔ یعنی معجزات عطا فرما کر اس نے میری سچائی اور تبلیغ کی شہادت دی اور تمہارے جھوٹے ہونے کی۔ اور اسی کی شہادت کافی ہے یہ کافروں کے لئے وعید ہے کہ تم کو اس تکذیب کی سزا ملے گی۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٨﴾
اور وہی ہے بخشنے والا مہربان ☆

تباہی سے بچنے کا موقع ☆ یعنی اب بھی باز آ جاؤ تو بخشے جاؤ۔ اور یہ بھی اس کی مہربانی و بردباری سمجھو کہ باوجود جرائم پر مطلع ہونے اور کامل قدرت رکھنے کے تم کو فوراً ہلاک نہیں کر دیتا۔ (معسر عثمانی)

وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ۔ یہ ان لوگوں کے لئے مغفرت اور رحمت کا وعدہ ہے جو توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں۔

آیت میں درپردہ اشارہ ہے کہ اللہ بڑا حلیم ہے کہ باوجود بڑے مجرم ہونے کے کافروں کو فوراً عذاب نہیں دیتا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ
تو کہہ میں کچھ نیا رسول نہیں آیا ☆

میں کوئی انوکھی چیز نہیں لایا ☆ یعنی میری باتوں سے اس قدر بدکتے کیوں ہو؟ میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا۔ مجھ سے پہلے بھی دنیا میں سلسلہ نبوت و رسالت کا جاری رہا ہے وہ ہی میں ہوں کہ ان سب رسولوں کے بعد مجھ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے جس کی خبر پہلے رسول دیتے چلے آئے ہیں اس حیثیت سے بھی کوئی نئی بات نہ رہی بلکہ بہت پرانی بشارات کا مصداق آج سامنے آ گیا پھر اس کے ماننے میں اشکال کیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت کی نبوت کے بے شمار دلائل موجود ہیں

بدع اور بدیع دونوں ہم معنی ہیں جیسے نصف اور نصیف۔ یعنی میں پہلا پیغمبر نہیں ہوں کہ جو دعوی مجھ سے پہلے کسی پیغمبر نے نہیں کیا وہ میں کر رہا ہوں مجھ سے پہلے بہت پیغمبر ہو چکے ہیں پھر تم لوگ میری نبوت کا انکار کیوں کرتے ہو جب کہ معجزات بھی میری نبوت کی تصدیق کر رہے ہیں۔ یہ مطلب ہے کہ میں نوکھا پیغمبر نہیں ہوں کہ تمہارے مطالبات اور مطلوبہ فرمائشیں پوری کر دوں، جو پہلے پیغمبر نہیں کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ ۖ
اور مجھ کو معلوم نہیں کیا ہونا ہے مجھ سے اور تم سے
إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا
میں اسی پر چلتا ہوں جو حکم آتا ہے مجھ کو اور میرا کام
إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٩﴾
تو یہی ہے ڈر سنا دینا کھول کر ☆

پیغمبر کا کام ☆ یعنی مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا آخری نتیجہ کیا ہونا ہے۔ میرے ساتھ اللہ کیا معاملہ کرے گا۔ اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا نہ میں اس وقت پوری پوری تفاصیل اپنے اور تمہارے انجام کے متعلق بتلا سکتا ہوں کہ دنیا اور آخرت میں کیا کیا صورتیں پیش آئیں گی۔ ہاں ایک بات کہتا ہوں کہ میرا کام صرف وحی الٰہی کا اتباع اور حکم خداوندی کا امتثال کرنا اور کفر و عصیان کے سخت خطرناک نتائج سے خوب کھول کر آگاہ کر دینا ہے۔ آگے چل کر دنیا یا آخرت میں میرے تمہارے ساتھ کیا کچھ پیش آئے گا اس کی تمام تفصیلات فی الحال میں نہیں جانتا نہ اس بحث میں پڑنے سے مجھے کچھ مطلب، بندہ کا کام نتیجہ سے قطع نظر کر کے مالک کے احکام کی تعمیل کرنا ہے اور بس۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: علماء کی ایک جماعت نے کہا کہ آیت مذکورہ کا مطلب یہ ہے میں نہیں جانتا کہ دنیا میں میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ رہا آخرت کا معاملہ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں اور کافر دوزخ میں ہوں گے۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے جب صحابہؓ پر تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں تو ایک روز مکہ میں ہی خواب دیکھا جیسے سوتا آدمی خواب دیکھتا ہے کہ ایک ہموار (غیر مزروعہ) زمین ہے جس میں کھجور کے درخت ہیں و آپ ترک وطن کر کے اس کی طرف گئے ہیں۔ جو خواب سن کر صحابہؓ نے عرض کیا آپ ہجرت کر کے وہاں کب جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اس پر آیت وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ نازل ہوئی۔ یعنی میں نہیں جانتا کہ میں اسی جگہ جگہ رہوں گا یا میں اور تم یہاں سے نکل کر اس سرزمین میں چلے جائیں گے جو میرے سامنے (خواب میں) لائی گئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا حاصل: امور غیبیہ کا علم مجھے صرف وحی کے ذریعہ ہو سکتا ہے جس معاملے کے متعلق وحی سے مجھے علم نہ ہو خواہ وہ میری ذات سے متعلق ہو یا امت

کے مؤمن وکافر لوگوں سے اور خواہ وہ معاملہ دنیا کا ہو یا آخرت کا اکی مجھے کچھ خبر نہیں۔ امور غیبیہ کے متعلق میں جو کچھ کہتا ہوں وہ سب وحی الٰہی سے کہتا ہوں چنانچہ قرآن کریم میں خود مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار علوم امور غیبیہ کے متعلق عطا فرمائے ہیں تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ آیت کا یہی مطلب ہے۔ اُمور آخرت' دوزخ' جنت' حساب کتاب' سزا جزاء سے متعلق تو تفصیلات احادیث صحیحہ متواترہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں جس سے ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ میں اُمور غیبیہ کے علم محیط میں خدا تعالیٰ کی طرح نہیں اور اُن کے علم میں خود مختار نہیں بلکہ مجھے بواسطہ وحی خداوندی جو کچھ بتلا دیا جاتا ہے وہ میں ذکر کر دیتا ہوں۔

تفسیر روح المعانی میں اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا سے اُس وقت تک رخصت نہیں ہوئے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور آخرت اور دنیا میں پیش آنیوالے اہم معاملات سے آپکو بذریعہ وحی باخبر نہیں کر دیا گیا۔ رہا اشخاص وافراد کے جزوی شخصی حالات ومعاملات کا علم کہ زید کل کو کیا کام کریگا اور اسکا انجام کیا ہو گا' عمر بکر اپنے گھروں میں کیا کیا کام کر رہے ہیں یا کریں گے ان اُمور غیبیہ کا علم نہ کوئی کمال ہے نہ اُنکے نہ ہونے سے کمال نبوت میں کوئی فرق آتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق تقاضائے ادب

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق تقاضائے ادب یہ ہے کہ یوں نہ کہا جائے کہ آپ غیب نہیں جانتے تھے بلکہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمور غیب کا بہت بڑا علم دیا تھا جو انبیاء میں سے کسی دوسرے کو نہیں ملا۔ اور بعض حضرات مفسرین نے جو یہ فرمایا کہ اس آیت میں نفی علم صرف اُمور دُنیویہ سے متعلق ہے آخرت کے متعلق علم غیب کی نفی اس میں شامل نہیں (کما ذکرہ القرطبی) اُنہوں نے غالباً جملہ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى کو بمعنے استثناء قرار نہیں دیا اس لئے نفی علم غیب کو اُمور دنیا کیساتھ مخصوص فرمایا کیونکہ آخرت کے متعلق تو کھلے طور پر آپ نے بتلا دیا کہ کافر دوزخ میں اور مؤمن جنت میں جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ

تو کہہ بھلا دیکھو تو اگر یہ آیا ہو

عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ

اللہ کے یہاں سے اور تم نے اُس کو نہیں مانا

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ

اور گواہی دے چکا ایک گواہ بنی

اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ

اسرائیل کا ایک ایسی کتاب کی پھر وہ یقین لایا

وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

اور تم نے غرور کیا بیشک اللہ راہ نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰

گنہگاروں کو☆

علمائے یہود کی گواہی ☆ اس زمانہ میں عرب کے جاہل مشرک بنی اسرائیل کے علم وفضل سے مرعوب تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین نے اس باب میں علمائے بنی اسرائیل کا عندیہ لینا چاہا غرض یہ تھی کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر دیں تو کہنے کو ایک بات ہاتھ آ جائے کہ دیکھو اہل علم اور اہل کتاب بھی ان کی باتوں کو جھوٹا کہتے ہیں مگر اس مقصد میں مشرکین ہمیشہ ناکام رہے، خدا تعالیٰ نے انہی بنی اسرائیل کی زبانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق وتائید کرائی، نہ صرف اتنی بات سے کہ وہ لوگ بھی قرآن کی طرح تورات کو آسمانی کتاب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت موسیٰ کو پیغمبر کہتے تھے اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوائے رسالت اور قرآن کی وحی کوئی انوکھی چیز نہیں رہتی بلکہ اس طرح کہ بعض علمائے یہود نے صریحاً اقرار کیا اور گواہی دی کہ بے شک ہمارے ہاں اس ملک (عرب) سے ایک عظیم الشان رسول اور کتاب کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور یہ رسول وہ ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ کتاب اسی طرح کی ہے جس کی خبر دی گئی تھی۔ علمائے یہود کی شہادتیں فی الحقیقت ان پیشین گوئیوں پر مبنی تھیں جو باوجود ہزارہا تحریف وتبدل کے آج بھی تورات وغیرہ میں موجود چلی آتی ہیں جن سے ہویدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا گواہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) ہزاروں برس پہلے خود گواہی دے چکا ہے کہ بنی اسرائیل کے اقارب اور بھائیوں (بنی اسمٰعیلؑ) میں سے اسی کی مثل ایک رسول آنے والا ہے اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (المزمل رکوع ۱) یہی سبب تھا کہ بعض منصف وحق پرست احبار یہود مثلاً عبداللہ بن سلام وغیرہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھتے ہی اسلام لے آئے اور بول اٹھے کہ "ان هذا الوجه ليس بوجه كاذب" (یہ چہرہ جھوٹے کا چہرہ نہیں) انہوں نے قرآن جیسی واضح الاعجاز کتاب کے حق ہونے کی گواہی دی پھر جب موسیٰ علیہ السلام ایک چیز پر وقوع سے ہزاروں برس پہلے ایمان رکھیں، علمائے یہود اسکے صدق کی گواہی دیں، بعض احبار یہود زبانی وقلبی شہادت دے، مشرف باسلام ہو جائیں اور ان سب شہادتوں کے باوجود تم اپنی شیخی اور غرور سے اس کو قبول نہ کرو تو سمجھ لو اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا اور ایسے ظالم اور گنہگار کی نجات وفلاح کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: ابو یعلیٰ طبرانی اور حاکم نے سند صحیح سے بروایت عوف بن مالک الاشجعی سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مسجد سے نکل کر) باہر جانے لگے اور میں آپ کے ساتھ تھا۔ یہاں تک کہ یہودیوں کے کنیسہ میں داخل ہوئے۔ یہاں کی عید کا دن تھا ان لوگوں کو اس روز ہمارا وہاں پہنچنا کچھ پسند نہیں آیا آپ نے اندر جانے کے بعد فرمایا اے یہودیو! مجھے وہ بارہ آدمی دکھاؤ جو گواہی دیتے ہوں کہ **لا اله الا الله محمد رسول الله** تو آسمان کے نیچے جو بھی یہودی ہے اس سے اللہ تعالیٰ اپنا غضب دور فرما دے گا یہ سن کر وہ سب خاموش ہو گئے کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد آپ نے فرمایا تو بھی کسی نے جواب نہ دیا آپ نے پھر تیسری مرتبہ فرمایا تب بھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد آپ نے فرمایا اچھا اگر تم جواب نہیں دیتے تو سن لو میں ہی حاشر ہوں میں ہی عاقب ہوں اور میں ہی مقفی ہوں اگر اب خواہ تم ایمان لاؤ یا انکار کرو یہ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کنیسہ سے لوٹنے لگے اور میں آپ کے ساتھ تھا ہم باہر نکلنے ہی والے تھے کہ ایک شخص آپ کے پیچھے سے یہ کہتے ہوئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذرا آپ اسی جگہ ٹھہریں آپ نے اس شخص کی طرف رخ کیا تو اس نے کہا اے گروہ یہود تم لوگ مجھے کیسا سمجھتے ہو۔ سب نے جواب دیا خدا کی قسم ہم میں سے کوئی شخص تم سے زیادہ کتاب اللہ کا عالم نہیں نہ تم سے زیادہ کوئی سمجھنے والا ہے اور نہ تمہارے باپ سے اور نہ تمہارے دادا سے۔

جب یہودی یہ کہہ چکے تو اس شخص نے کہا تو پھر میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے برحق رسول ہیں میں خدا کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کو تم تورات وانجیل میں پاتے ہو یہ سن کر سب یہودی غیظ وغضب سے مشتعل ہو گئے اور کہنے لگے کہ تم جھوٹے ہو تم ہم میں سب سے برے اور سب سے برے آدمی کے بیٹے ہو راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے تو میں اور عبداللہ بن سلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے باہر چلے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الخ۔

علامہ آلوسیؒ نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا اس سے یہی معلوم ہوا کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ (معارف کاندھلوی)

اَرَءَيْتُمْ۔ مجھے بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ۔ قتادہ اور ضحاک نے کہا شاہد سے مراد ہیں حضرت ابو یوسف عبداللہ بن سلام بن حارث۔ آپ حضرت یوسف بن حضرت یعقوبؑ بن حضرت اسحاق بن حضرت ابراہیم کی نسل میں سے تھے۔

حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے گھر والوں کے اسلام لانے کے تفصیلی واقعات

بخاری اور بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور محمد بن اسحاق نے عبداللہ بن سلام کی اولاد میں سے کسی شخص کی روایت سے نیز بیہقی نے حضرت موسیٰ بن عقبہ اور زہری کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن سلام کے حوالہ سے بیان کیا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ سنا اور آپ کے اوصاف نام اور شکل اور ان باتوں کو جن کی (آنے والے نبی کی بابت) ہم کو توقع تھی پہچان لیا تو میں خاموش رہا اور دل میں اس بات کو چھپائے رہا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے آئے اور بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں فروکش ہوئے تو ایک شخص نے آپ کی تشریف آوری کی خبر دی۔ میں اس وقت کھجور کے درخت پر چڑھا ہوا تھا اور میری پھوپھی خالدہ بنت حارث نیچے بیٹھی ہوئی تھیں۔ جونہی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر سنی (زور سے) اللہ اکبر کہا پھوپھی نے آواز تکبیر سن کر کہا۔ اگر حضرت موسیٰؑ بن عمران کی آمد کی خبر سنتا تو اس سے بڑھ کر اظہار مسرت نہ کرتا۔ میں نے پھوپھی سے کہا خدا کی قسم یہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں اور انہی کے دین کے پیرو ہیں اور جو دین دے کر ان کو بھیجا گیا تھا وہی دین دے کر ان کو بھیجا گیا ہے۔ پھوپھی نے کہا یہ تو سن کی ہوئی بات ہے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہو گیا اور چہرہ مبارک کو دیکھتے ہی پہچان گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔

سب سے پہلی بات جو عبداللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی

حضرت عبداللہ نے جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے پہلے سنی وہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! (غریبوں محتاجوں وغیرہ) کو کھانا کھلاؤ سلام (کا رواج) پھیلاؤ قرابتداروں کی قرابت کو جوڑے رکھو اور رات میں جب اور لوگ سوتے ہوں تو تم نماز پڑھو (یہ عمل کر کے) جنت میں داخل ہو جاؤ۔

تین باتیں جن کا علم نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ہوسکتا

حضرت عبداللہ نے عرض کیا۔ میں آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کا علم نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ہوسکتا۔ قیامت کی سب سے پہلی نشانی کیا ہوگی؟ اہل جنت کو سب سے پہلے کون سا کھانا دیا جائے گا؟ اولاد باپ یا ماں کی طرف کیوں کھنچتی ہے (یعنی باپ یا ماں کے ہم شکل کیوں ہوتی ہے) اور (چوتھی بات ایک یہ ہے کہ) چاند میں یہ سیاہی کیسی ہے؟۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے ابھی جبرئیلؑ نے بتایا ہے' حضرت عبداللہ نے کہا جبرائیلؑ نے بتایا ہے؟ فرمایا' ہاں! عبداللہ نے کہا وہ تو یہودیوں کا دشمن فرشتہ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی اول ترین نشانی ایک آگ ہوگی جو مشرق سے برآمد ہوگی اور لوگوں کو مغرب کی طرف لائے گی۔ اور اہل جنت سب سے پہلے جو کھانا کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کی نوک ہوگی۔ اور مرد کا پانی غالب آتا ہے تو بچے کو اپنی شکل کی طرف کھینچ لیتا ہے اور عورت کا پانی غالب آتا ہے تو بچے کو اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ اور وہ سیاہی جو چاند میں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں سورج (یعنی چمکدار) تھے اللہ نے فرمایا ہے۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ۔ پس یہ سیاہی وہی محو ہے (یعنی اللہ نے اتنی جگہ کی چمک مٹا دی ہے) حضرت عبداللہ یہ سن کر فوراً بول اُٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پھر لوٹ کر گھر جا کر سب کو مسلمان ہو جانے کا مشورہ دیا۔ سب گھر والے بھی مسلمان ہو گئے۔ لیکن اس وقت آپ نے اپنا اسلام چھپائے رکھا۔

پھر کچھ وقت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ یہودی جانتے ہیں کہ میں ان کا سردار ہوں اور ان کے سردار کا بیٹا ہوں اور ان کا سب سے بڑا عالم ہوں' اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہوں مگر یہ لوگ ہیں بڑے جھوٹے' آپ پہلے ان سے میرے متعلق دریافت کریں اگر آپ کی دریافت کرنے سے پہلے ان کو میرے مسلمان ہو جانے کا علم ہو جائے گا تو یہ مجھ پر دروغ بافی کریں گے اور میرے اندر وہ عیوب نکالیں گے جو مجھ میں نہیں ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ مجھے آپ اپنے گھر کے اندر کسی کوٹھری میں چھپ جانے کی اجازت دیجئے پھر ان کو بلوا کر میرے متعلق دریافت کیجئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو اپنے گھر کے اندر ایک کوٹھری میں چھپ جانے کی اجازت دیدی پھر یہودیوں کو طلب فرمایا' یہودی آ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں' تم لوگ بلاشبہ جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں حق دین اور شریعت لے کر آیا ہوں' تم مسلمان ہو جاؤ (مان لو) یہودیوں نے کہا ہم آپ کے دین کو حق نہیں جانتے۔ حضور نے فرمایا' عبداللہ تمہارے اندر کیسا آدمی ہے؟ یہودیوں نے کہا وہ ہم سے بہتر ہے اور سب سے افضل آدمی کا بیٹا ہے۔ ہمارا سردار ہے اور ہمارا سردار زادہ ہے' ہم میں سب سے بڑا عالم ہے اور سب سے بڑے عالم کا بیٹا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اچھا اگر وہ اسلام لے آیا (تو تم مسلمان ہو جاؤ گے) کہنے لگے اللہ اس کو بچائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (آواز دے کر) حضرت عبداللہ سے فرمایا۔ باہر آ جاؤ۔ فوراً عبداللہ باہر آ گئے اور بولے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں' اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو اور جو دین تمہارے پاس آ گیا ہے اس کو قبول کرو بخدا تم بلاشبہ جانتے ہو کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں' تمہارے پاس جو توریت ہے اس میں تم ان کا نام اور ان کے اوصاف لکھے ہوئے پاتے ہو اس لئے میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں میں ان پر ایمان رکھتا ہوں' ان کی تصدیق کرتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں' یہودی بولے تو جھوٹا ہے تو ہم میں سب سے زیادہ برا اور سب سے زیادہ برے باپ کا بیٹا ہے' غرض یہودیوں نے حضرت عبداللہ کے نقائص بیان کئے (یعنی تہمت تراشی کی) حضرت عبداللہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا میں آپ کو پہلے ہی سے بتا نہیں دیا تھا کہ یہ لوگ بڑے جھوٹے' عہد شکن' دروغ گو اور بدکار ہیں۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ نے اپنے اور اپنے گھر والوں کے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ آپ کی پھوپھی بنت حارث بھی مسلمان ہو گئیں اور اچھی مسلمان ثابت ہوئیں۔

حضرت عبداللہ بن سلام کی فضیلت:

شیخین نے لکھا ہے کہ حضرت سعید بن ابی وقاص نے فرمایا' میں نے نہیں سُنا کہ سوا عبداللہ بن سلام کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر چلنے والے کسی (زندہ) شخص کے متعلق فرمایا ہو کہ وہ اہل جنت میں سے ہے۔ عبداللہ ہی کے متعلق آیت وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور کہنے لگے منکر ایمان والوں کو
لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ
اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ نہ دوڑتے اُس پر ہم سے پہلے ☆

کافروں کی خود رائی ☆ یعنی کمزور ذلیل اور لونڈی غلام مسلمان

ہوتے ہیں اگر یہ دین بہتر ہوتا تو بہتر لوگ اس کی طرف جھپٹتے کیا یہ اچھی ہوتی تو سبقت حاصل کرنے میں ہم جیسے عقل منداور عزت و دولت والے ان لونڈی غلاموں سے پیچھے رہ جاتے۔ (تفسیر عثمانی)

لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی اہل ایمان کی بابت کافروں نے کہا۔

لَوْ كَانَ۔ یعنی اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اچھا ہوتا۔

شان نزول: (۱) ابن جریر نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ مشرکوں نے کہا تھا' ہم بڑی عزت والے ہیں ہم (ان مسلمانوں سے) افضل ہیں اگر یہ مذہب بہتر ہوتا تو فلاں فلاں شخص ہم سے سبقت نہ لے جاتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲) ابن المنذر نے بروایت عون بن ابی شداد بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایک باندی جس کو زنین کہا جاتا تھا آپ سے پہلے ایمان لے آئی تھی۔ حضرت عمرؓ مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کو اتنا مارتے تھے کہ اس کے اوسان خطا ہو جاتے تھے اور کفار قریش کہا کرتے تھے کہ اگر اسلام کوئی اچھی چیز ہوتا تو زنین ہم سے سبقت نہیں لے جا سکتی اس پر زنین کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔ ابن سعد نے ضحاک اور حسن کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

آیت کا مطلب: بغوی نے لکھا ہے اگر آیت سابقہ کا نزول حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق جانا جائے تو آیت موجود کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار یہود نے مؤمن یہودیوں کی بابت کہا کہ اگر محمد کا دین بہتر ہوگا۔ تو یہ (عبداللہ بن سلام وغیرہ) ہم سے آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ

اور جب راہ پر نہیں آئے اُس کے بتلانے سے تو یہ اب کہیں گے

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ (۱۱)

یہ جھوٹ ہے بہت پرانا ☆

☆ یعنی ہمیشہ کچھ لوگ ایسی باتیں بناتے چلے آئے ہیں۔ شاید یہ جواب ہوگا "وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ" اور "مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ" کا۔ (تفسیر عثمانی)

هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ۔ یہ پرانا جھوٹ ہے۔ گذشتہ زمانہ والوں نے اس کو از خود گڑھ لیا تھا' پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے لیا۔ (اور جو بات سابق لوگوں نے کہی تھی وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنے لگے)۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا

اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ کی تھی راہ ڈالنے والی

وَّرَحْمَةً ۭ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ

اور رحمت اور یہ کتاب ہے اُس کی تصدیق کرتی ☆

لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ

عربی زبان میں تاکہ ڈر سنائے

ظَلَمُوْا ڰ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ (۱۲)

گنہگاروں کو اور خوشخبری نیکی والوں کو ☆

قدیم سچائی ☆☆ یعنی یہ پرانا جھوٹ نہیں بلکہ بہت پرانا سچ ہے۔ نزول قرآن سے سینکڑوں برس پہلے تورات نے بھی اصولی تعلیم یہی دی تھی جس کی انبیاء و اولیاء اقتداء کرتے رہے اور اس نے پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی تعلیمات و بشارات سے راستے ہدایت کی داغ بیل ڈالی اور رحمت کے دروازے کھول دیئے اب قرآن اترا تو اس کو سچا ثابت کرتا ہو غرض دونوں کتابیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں اور یہی حال دوسری کتب سماویہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ قَبْلِهٖ۔ اور قرآن سے پہلے۔ كِتٰبُ مُوْسٰى۔ یعنی توریت۔ اِمَامًا۔ رہنما پیشوا۔ وَّرَحْمَةً۔ اور اللہ کی طرف سے لوگوں پر رحمت تا کہ لوگ دونوں جہان میں فلاح حاصل کریں۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ۔ اور یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے۔ مُّصَدِّقٌ۔ یعنی موسیٰ کی کتاب کو سچا بتاتی ہے یا معجزہ ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو ثابت کر رہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ

مقرر جنہوں نے کہا رب ہمارا اللہ ہے پھر

اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

ثابت قدم رہے تو نہ ڈر ہے اُن پر اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۱۳)

وہ غمگین ہوں گے ☆

☆ اس طرح کی آیت "حم سجدہ" چوبیس پارہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد دیکھ لئے جائیں۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت میں بڑی بلاغت کے ساتھ پورے اسلام و ایمان اور اعمال صالحہ سب کو جمع کر دیا گیا' ربنا اللہ کا اقرار پورا ایمان ہے اور اس پر استقامت میں ایمان پر تادم مرگ قائم رہنا بھی شامل ہے اور اسکے مقتضیات پر پورا پورا

عمل بھی' لفظ استقامت اور اس کی اہمیت کی تشریح و تفصیل سورۃ حٰم سجدہ میں بیان ہوچکی ہے۔

ایمان واستقامت پر بشارت: آیت مذکورہ میں ایمان واستقامت پر یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں کو نہ آئندہ کسی تکلیف و پریشانی کا خوف ہوگا نہ ماضی کی تکلیف پر رنج وافسوس رہے گا۔ بعد کی آیت میں اس بے نظیر راحت کی دائمی اور غیر منقطع ہونیکی بشارت دی گئی ہے اسکے بعد کی چار آیتوں میں انسان کو اسکے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ہدایت اور اس کے خلاف کرنے کی مذمت اور ضمن میں انسان پر اس کے ماں باپ کے احسانات کا اور اولاد کے لئے سخت محنت ومشقت برداشت کرنے کا تذکرہ اور بڑی عمر کو پہنچنے کے ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت کی خاص تلقین فرمائی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ
وہ لوگ ہیں بہشت والے سدا رہیں گے
فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ
اس میں بدلہ ہے اُن کاموں کا جو کرتے تھے ☆

مومنوں کا انعام ☆ یعنی اپنے نیک کاموں کے سبب حق تعالیٰ کی رحمت سے ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ
اور ہم نے حکم کر دیا انسان کو اپنے ماں باپ سے
إِحْسَانًا
بھلائی کا ☆

والدین کے حقوق ☆ قرآن میں کئی جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کا حق بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ موجد حقیقی تو اللہ ہے لیکن عالم اسباب میں والدین اولاد کے وجود کا سبب ظاہری اور حق تعالیٰ کی شان ربوبیت کا مظہر خاص بنتے ہیں۔ یہاں بھی پہلے "ان قالوا الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا" میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کا ذکر تھا۔ اب والدین کا حق بتلا دیا یعنی انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے ان کی تعظیم ومحبت اور خدمت گزاری کو اپنی سعادت سمجھے دوسری جگہ بتلا دیا ہے کہ اگر والدین مشرک ہوں تب بھی ان کے ساتھ دنیا میں معاملہ اچھا رکھنا چاہئے۔ خصوصاً ماں کی خدمت گذاری کہ بعض وجوہ سے اسکا حق باپ سے بھی فائق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر دال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے: شروع آیت میں حسن سلوک کا حکم ماں اور باپ دونوں کے لئے ہے مگر اس جگہ صرف ماں کے محنت ومشقت کا ذکر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ماں کی محنت ومشقت لازمی اور ضروری ہے۔ حمل کے زمانے کی تکلیفیں پھر وضع حمل اور دردِ زہ کی تکلیف ہر حال ہر بچہ کے لئے لازمی ہے جو صرف ماں ہی کی محنت ہے' باپ کے لئے پرورش پر محنت اُٹھانا اتنا لازمی وضروری نہیں ہوسکتا ہے کہ کسی باپ کو اولاد کی تربیت میں کوئی بھی محنت مشقت اُٹھانی پڑے جبکہ وہ مالدار صاحب حشم وخدم ہو' دوسروں سے اولاد کی خدمت لے یا وہ کسی دوسرے ملک میں چلا گیا اور خرچ بھیجتا رہا' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد پر ماں کے حق کو سب سے زیادہ رکھا ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے **صِلْ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ** (مظہری) یعنی صلہ رحمی اور خدمت کرو اپنی ماں کی پھر اپنی ماں کی' اسکے بعد اپنے باپ کی اور اس کے بعد قریب تر رشتہ دار ہو اسکی' پھر جو اس کے بعد ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا
پیٹ میں رکھا اس کو اُس کی ماں نے تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے ☆

ماں کی مشقت ☆ یعنی حمل جب کئی مہینہ کا ہو جاتا ہے اس کا ثقل محسوس ہونے لگتا ہے اس حالت میں اور تولد کے وقت ماں کیسی کیسی صعوبتیں برداشت کرتی ہے۔ پھر دودھ پلاتی ہے اور برسوں تک اس کی ہر طرح نگہداشت رکھتی ہے اپنی آسائش وراحت کو اس کی آسائش وراحت پر قربان کر دیتی ہے۔ باپ بھی بڑی حد تک ان تکلیفوں میں شریک رہتا ہے اور سامان تربیت فراہم کرتا ہے۔ بے شک یہ سب کام فطرت کے تقاضے سے ہوتے ہیں مگر اسی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اولاد ماں باپ کی شفقت ومحبت کو محسوس اور ان کی محنت وایثار کی قدر کرے۔ (تنبیہ) حدیث میں ماں کی خدمت گذاری کا تین مرتبہ حکم فرما کر باپ کی خدمتگاری کا ایک مرتبہ حکم فرمایا ہے۔ لطف یہ ہے کہ آیہ ہذا میں والد کا ذکر صرف ایک مرتبہ لفظ "والدیہ" میں ہوا۔ اور والدہ کا تین مرتبہ ذکر آیا لفظ "والدیہ" میں پھر "حملتہ امہ" میں پھر "وضعتہ" میں۔ (تفسیر عثمانی)

ماں سے حسن سلوک کی وجہ: کُرْهًا۔ یہ اچھا سلوک کرنے کی وجہ بتاتی ہے۔ کرہ کا معنی ہے مشقت یعنی مشقت والا بوجھ کرہ اور کرہ دونوں ہم معنی ہیں اور لغت میں دونوں لفظ آئے ہیں' بعض نے کہا بضم کاف اسم مصدر ہے اور بفتح کاف مصدر ہے۔

آیت میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ ماں حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ

اور حمل میں رہنا اس کا اور دودھ چھوڑنا تیس مہینے میں ہے☆

دودھ پلانے کی مدت ☆شاید یہ بطور عادت اکثریہ کے فرمایا حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "لڑکا اگر قوی ہو تو اکیس مہینہ میں دودھ چھوڑتا ہے اور نو مہینے ہیں حمل کے" یا یوں کہو کہ کم از کم مدت حمل چھ مہینے ہے اور دو برس میں عموماً بچوں کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے اس طرح کل مدت تیس مہینے ہوئے مدت رضاع کا اس سے زائد ہونا نہایت قلیل و نادر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فصال بمعنی فطام دودھ چھڑانا مراد دودھ پلانا ملزوم کو لازم کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ کم سے کم حمل کی مدت چھ ماہ ہے کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے **وفصالہ فی عامین** اس میں دودھ چھڑانا دو سال میں ہے اور اس جگہ حمل و فصال کی مجموعی مدت ۳۰ ماہ بیان کی گئی جب دو سال فصال کے مجرا کر دیئے گئے تو حمل کی مدت چھ ماہ رہ گئی۔

عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب مدت حمل پوری نو مہینے ہو جائے تو عورت بچہ کو دودھ ۲۱ مہینے پلائے گی (یعنی مدت رضاعت نو ماہ ہوگی) اور اگر چھ ماہ میں بچہ پیدا ہو جائے تو ۲۴ مہینے دودھ پلائے گی (مدت رضاعت دو سال ہوگی)۔

ایک عورت کا واقعہ:

قتادہ نے بروایت ابوالحرب بن اسود دؤلی بیان کیا کہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک عورت کو پیش کیا گیا جس کے ششماہہ بچہ ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا اس پر رجم نہ ہوگا دیکھئے اللہ نے فرمایا ہے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اور دوسری آیت میں آیا ہے وَفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (حمل اور فصال کی مجموعی مدت تیس ماہ فرمائی۔ اور صرف دودھ چھڑانے کی مدت دو سال۔ دو سال مجرا کرنے کے بعد) حمل کی مدت چھ ماہ باقی رہی حضرت عمرؓ نے یہ استدلال سننے کے بعد عورت کو چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ہمیں اطلاع ملی کہ چھ ماہ کے بعد اس عورت کے ایک بچہ اور ہوا۔ نافع بن جبیر نے کہا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ میں اس عورت کے ساتھ تھا جس کے ششماہہ بچہ پیدا ہوا تھا اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا لوگوں پر اس ششماہی ولادت کا برا اثر ہوا (یعنی انہوں نے عورت کو زنا کا مجرم سمجھا) میں نے حضرت عمرؓ سے کہا آپ ظلم کیسے کر سکتے ہیں۔ فرمایا ظلم کیسا میں نے کہا پڑھئے وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۔ وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ ۔ فرمایئے سال کے کتنے مہینے ہوتے ہیں فرمایا بارہ۔ میں نے کہا چوبیس مہینے کے دو سال پورے ہو گئے (اب چھ ماہ باقی رہے) اور اللہ حمل کو جتنا چاہتا ہے مؤخر و مقدم کر دیتا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کا تردد جاتا رہا۔ (تفسیر مظہری)

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَبَلَغَ

یہاں تک کہ جب پہنچا اپنی قوت کو اور پہنچ گیا

اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۙ

چالیس برس کو☆

عقلی اور اخلاقی تکمیل کی مدت: ☆چالیس برس کی عمر میں عموماً انسان کی عقلی اور اخلاقی قوتیں پختہ ہو جاتی ہیں اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت چالیس برس سے پہلے نہ ہوتی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

چالیس سال کی زندگی: وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۔ میں انسان کی جوانی اور قوی کی مضبوطی بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا اور پہنچ گیا چالیس سال کی عمر کو جو تقریباً ... فطری کمال اور ... بلوغ ہے انسان کا فہم اور فکر جس حالت پر چالیس برس کی عمر میں پہنچ جاتا ہے اس کے بعد بالعموم اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی تو ... مکمل ہو چکا ہوتا ہے یہی وجہ ہے حضرات انبیاء کو خلعت نبوت و رسالت چالیس برس کی عمر میں عطا فرمایا گیا۔

حافظ موصلی نے حضرت عثمان غنیؓ کی روایت بیان کی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مسلمان بندہ جب چالیس برس کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب ہلکا فرما دیتا ہے اور جب ساٹھ برس کا ہو جاتا ہے تو اس کی رجوع الی اللہ کی صلاحیت و توفیق نصیب ہوتی ہے اور جب ستر برس کا ہو جائے تو آسمانوں میں ملائکہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور جب اسی برس کا ہو جائے تو اس کی خطاؤں کا کفارہ ہونے لگتا ہے اور اس کی نیکیاں اللہ تعالیٰ ثابت فرما دیتا ہے اور اگر نوے برس کا ہو گیا تو اس کے گناہوں کی مغفرت کے ساتھ اس کی شفاعت بھی اس کے گھر والوں کے لئے قبول کر لی جاتی ہے اور آسمان والے اس کو کہتے ہیں اسیر اللہ فی ارضہ (تفسیر ابن کثیر) وقد طعن المحدثون علی اسنادہ۔ اا (معارف کاندھلوی)

حضرت ابوبکرؓ کی زندگی: یہ سب حالات حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہیں انہیں کا بیان بلفظ عام اس حکمت سے کیا گیا ہے کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی اسکی ترغیب ہو کہ وہ بھی ایسا ہی کیا کریں اور اسکی دلیل وہ روایت ہے جو قرطبی نے بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی بیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کا قصد فرمایا اور ملک شام کا سفر کیا تو اس سفر میں ابوبکر صدیق آپ کے ساتھ تھے اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی جو مصداق ہے بَلَغَ اَشُدَّهٗ کا۔ پھر اس سفر میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

ایسے حالات دیکھے کہ وہ اتنے گرویدہ ہو گئے کہ سفر سے واپسی کے بعد ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے لگے یہاں تک کہ جب آپ کی عمر شریف چالیس سال کی ہو گئی اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کا شرف عطا فرمایا اس وقت ابوبکرؓ کی عمر اڑتیس سال تھی۔ مردوں میں سب سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا پھر جب ان کی عمر چالیس سال کی ہوئی اس وقت یہ دعا مانگی جو اوپر آیت میں مذکور ہے رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اور یہی مصداق ہے اَرْبَعِیْنَ سَنَةً کا، اور جب یہ دعا مانگی اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ تو اللہ نے یہ دعا قبول فرمائی اُن کو تو ایسے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی توفیق بخشی جو مسلمان ہو گئے تھے اور اُن کے مالک اُن کو اسلام لانے پر طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے اسی طرح اُن کی دعا وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ بھی قبول ہوئی اُن کی اولاد میں کوئی ایسا نہ رہا جو ایمان نہ لایا ہو۔ اسی طرح صحابہؓ کرام میں یہ خصوصیت حق تعالیٰ نے صدیق اکبرؓ ہی کو عطا فرمائی کہ وہ خود بھی مسلمان ہوئے والدین بھی، اولاد بھی اور سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ
کہنے لگا اے رب میرے میری قسمت میں کر کہ شکر کروں

نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى
تیرے احسان کا جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے

وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا
ماں باپ پر اور یہ کہ کروں نیک کام

تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ
جس سے تو راضی ہو اور مجھ کو دے نیک اولاد میری

اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ
میں نے توبہ کی تیری طرف اور میں ہوں

الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾
حکمبردار ☆

سعادت مندی ☆ یعنی سعادت مند آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جو احسانات اللہ تعالیٰ کے اس پر اور اسکے ماں باپ پر ہو چکے ہیں انکا شکر ادا کرنے اور آئندہ نیک عمل کرنے کی توفیق خدا سے چاہے اور اپنی اولاد کے حق میں بھی نیکی کی دعا مانگے جو کوتاہی حقوق اللہ یا حقوق العباد میں رہ گئی ہو اس سے توبہ کرے اور از راہ تواضع و بندگی اپنی مخلصانہ عبودیت و فرمانبرداری کا اعتراف کرے۔ (تنبیہ) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے ہی خوش قسمت تھے کہ خود ان کو ان کے ماں باپ کو اور اولاد کو ایمان کے ساتھ صحبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف میسر ہوا صحابہ میں یہ خصوصیت کسی کو حاصل نہیں ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابوبکرؓ کی خصوصیت: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے ابو بکرؓ کی دعا قبول فرمائی اللہ نے ایسی توفیق دی کہ آپ نے نو مسلمان (باندی غلاموں) کو جو اللہ کی راہ میں طرح طرح سے ستائے جا رہے تھے (خرید کر) آزاد کیا اور جس کار خیر کو کرنے کا آپ نے ارادہ کیا اللہ نے اس کو پورا کرنے میں مدد فرمائی۔ دوسری دعا اولاد کے صالح ہونے کی آپ کی سب اولاد اسلام کی حلقہ بگوش ہوئی اس طرح ماں باپ اولاد سب کے سب مسلمان ہو گئے حضرت ابو قحافہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر صدیقؓ اور ابو عتیق بن عبدالرحمن سب صحابی ہوئے۔ یہ شرف آپ کے سوا کسی صحابی کو حاصل نہ ہوا۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ
یہ وہ لوگ ہیں جن سے ہم قبول کرتے ہیں

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ
بہتر سے بہتر کام جو کئے ہیں اور معاف کرتے ہیں ہم

سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۚ وَعْدَ
برائیاں اُن کی رہنے والے جنت کے لوگوں میں

الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
سچا وعدہ جو اُن سے کیا جاتا تھا ☆

☆ یعنی ایسے بندوں کی نیکیاں قبول اور کوتاہیاں معاف ہوتی ہیں۔ اور ان کا مقام اللہ کے سچے وعدہ کے موافق جنت میں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عثمانؓ کی فضیلت: حضرت یوسف بن سعدؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ اہل بصرہ پر غالب آ گئے اُس وقت میرے پاس (حضرت)

محمد بن حاطب آئے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے میں حضرت علیؓ کے پاس تھا اور اس وقت حضرت عمارؓ حضرت صعصعہ حضرت اشترؒ حضرت محمد بن ابوبکر بھی تھے۔ بعض لوگوں نے حضرت عثمانؓ کا ذکر نکالا اور کچھ گستاخی کی، حضرت علیؓ اس وقت تخت پر بیٹھے ہوئے تھے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ حاضرین مجلس میں سے کسی نے کہا کہ آپ کے سامنے تو آپ کی اس بحث کا صحیح محاکمہ کرنے والے موجود ہی ہیں، چنانچہ سب لوگوں نے حضرت علیؓ سے سوال کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے بارے میں اللہ عزوجل فرماتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ الخ قسم خدا کی یہ لوگ جن کا ذکر اس آیت میں ہے حضرت عثمانؓ ہیں اور ان کے ساتھی۔ تین مرتبہ یہی فرمایا۔ راوی یوسف کہتے ہیں میں نے محمد بن حاطب سے پوچھا سچ کہو تمہیں خدا کی قسم تم نے خود حضرت علیؓ کی زبانی یہ سنا ہے؟ فرمایا ہاں قسم خدا کی میں نے خود حضرت علیؓ سے یہ سنا ہے۔

نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ۔ ہم ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں یعنی ان کو کسی برائی کی سزا نہیں دیں گے (سب معاف کردیں گے)۔ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ۔ یعنی اہل جنت میں ان کا شمار ہوگا یا جنتیوں کے ساتھ ان کو بھی ثواب دیا جائے گا۔ وَعْدَ الصِّدْقِ۔ یہ مفعول مطلق ہے تاکید کے لئے یعنی اللہ نے سچا وعدہ کیا ہے۔ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ۔ یعنی دنیا میں جوان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ

اور جس شخص نے کہا اپنے ماں باپ کو میں بیزار ہوں تم سے ☆

نافران اولاد ☆ سعادت مند اولاد کے مقابلہ میں یہ بے ادب، نافرمان اور نالائق اولاد کا ذکر فرمایا کہ ماں باپ اس کو ایمان کی بات سمجھاتے ہیں وہ نہیں سمجھتا اور نہایت گستاخانہ خطاب کر کے ایذاء پہنچاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مصداق: ابن ابی حاتم نے عبداللہ المدینی سے روایت کیا ہے کہ مروان جس وقت خطبہ دے رہا تھا تو میں مسجد میں تھا وہ کہنے لگا کہ میں امیر المومنین یزید کے متعلق بہتر رائے رکھتا ہوں اگر امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تھا تو ابوبکر و عمر نے بھی تو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا یعنی ابوبکر نے عمر فاروق کو متعین کیا تھا اور عمر فاروق نے چھ حضرات کی مجلس شوریٰ مقرر کر کے ان ہی میں سے کسی ایک کو خلافت کے واسطے طے فرما دیا تھا۔ لہٰذا یہ تو ابوبکر و عمر کو طریقہ اور انکی سنت ہوئی۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر کہنے لگے کیا یہ طریقہ اور میراث ہرقل کی نہیں ہے؟ خدا کی قسم ابوبکر و عمر نے نہ تو اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ بنایا اور نہ ہی اپنے خاندان کے کسی فرد کو اور فرمایا کیا تو وہ ابن اللعین نہیں ہے کہ تیرے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت لعنت فرمائی تھی تو اس کی پشت میں تھا یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سن لی اور فرمایا اے مروان کیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر کے بارہ میں ایسا کہتا ہے تو جھوٹ بول رہا ہے۔ خدا کی قسم یہ آیت ان کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔ یہ تو فلاں ابن فلاں کے متعلق اتری ہے اور اگر میں چاہوں تو ان کے نام بھی بتا سکتی ہوں۔ (روح المعانی ج ٢٦۔ تفسیر ابن کثیر ج ۴) (معارف کاندھلوی)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے مروان کے قول کی تردید کر دی اور ایک شخص کا نام لے کر فرمایا یہ آیت فلاں شخص کے حق میں اتری تھی۔ حافظ بن جبیر نے کہا حضرت عائشہؓ نے جو مروان کے قول کی تردید اور حضرت عبدالرحمٰن کے حق میں نزول آیت سے انکار کیا یہ روایت زیادہ صحیح الاسناد اور قابل قبول ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ

کیا مجھ کو وعدہ دیتے ہو کہ میں نکالا جاؤں گا

خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ج

قبر سے اور گذر چکی ہیں بہت جماعتیں مجھ سے پہلے ☆

نافرمان کی گستاخ کلامی ☆ یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی دھمکیوں سے میں نہیں ڈرتا۔ بھلا کتنی قومیں اور جماعتیں مجھ سے پہلے گذر چکی ہیں کوئی شخص بھی ان میں سے اب تک دوبارہ زندہ ہو کر واپس آیا؟ لوگ ہمیشہ سے یونہی سنتے چلے آتے ہیں مگر آج تک تو اس خبر کا تحقق ہوا نہیں پھر میں کیونکر اعتبار کرلوں۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ

اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کہ اے خرابی

اٰمِنْ ڰ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ج

تیری تو ایمان لے آ بیشک وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے ☆

والدین کی کاوش ☆ یعنی اس کی گستاخیوں پر، ایک طرف اللہ سے فریاد کرتے اور دعا مانگتے ہیں کہ اسے قبول حق کی توفیق ملے اور دوسری طرف اس کو سمجھاتے ہیں کہ کم بخت تیرا ستیاناس! اب بھی باز آجا! دیکھ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے بعث بعد الموت کی جو خبر اس نے دی ہے ضرور اپنے وقت پر پوری ہو کر رہے گی اس وقت تیرا یہ انکار رنگ لائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ

پھر کہتا ہے یہ سب نقلیں ہیں

الْاَوَّلِيْنَ ⑰

پہلوں کی ☆

☆یعنی ایسی کہانیاں بہت سی ہیں پرانے وقتوں کے قصے اسی طرح مشہور ہو جاتے ہیں اور واقع میں انکا مصداق کچھ نہیں ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

یہ وہ لوگ ہیں کہ جن پر ثابت ہوئی بات عذاب کی شامل

فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ

اور فرقوں میں جو گذر چکے ہیں ان سے

مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ

پہلے جنوں کے اور آدمیوں کے ☆

بدبختوں کا انجام ☆عذاب کی بات وہی ہے "لاملان جهنم من الجنة والناس اجمعين" (السجدہ رکوع ۲) یعنی جس طرح بہت سی جماعتیں جنوں اور آدمیوں کی ان سے پہلے جہنم کی مستحق ہو چکی ہیں یہ بدبخت بھی ان ہی میں شامل ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حَقَّ ۔ جب ہو گیا ثابت ہو کر رہا۔

فِیْٓ اُمَمٍ ۔ گزشتہ کافر امتوں کے بارے میں۔

مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۔ یہ امم کا بیان ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کو جن کا ذکر اوپر کی آیت میں آیا ہے اللہ نے دوزخی ہونا ظاہر فرمایا اور ظاہر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ اکابر اہل اسلام میں تھے اس لئے آپ کے متعلق آیت کا نزول نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ⑱

بیشک وہ تھے ٹوٹے میں پڑے ☆

بدبختوں کا نقصان ☆اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہر آدمی کے دل میں فطری طور پر جو بیج ایمان و سعادت کا بکھیرا تھا وہ بھی ان بدبختوں نے ضائع کر دیا اس سے زیادہ ٹوٹا اور خسارہ کیا ہوگا کہ کوئی شخص تجارت میں بجائے منافع حاصل کرنے کے راس المال کو بھی اپنی غفلت و حماقت سے ضائع کر بیٹھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ

اور ہر فرقہ کے کئی درجے ہیں اپنے کئے کاموں کے موافق ☆

اہل جنت واہل دوزخ کے درجات ☆یعنی اعمال کے تفاوت کی وجہ سے اہل جنت کے کئی درجے ہیں اور اسی طرح اہل دوزخ کے بھی۔ (تفسیر عثمانی)

مسلمان ہونے میں تقدیم وتاخیر کا اعتبار

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ جو پہلے اسلام لایا وہ بعد کو مسلمان ہونے والے سے افضل ہے۔ خواہ یہ تقدیم تاخیر ایک ساعت کی ہو۔

ابن زید نے اس آیت کی تشریح میں کہا' دوزخیوں کے لئے درجات (زینے۔ سیڑھیاں) ان کو نیچے کی طرف لے جائیں گے اور اہل جنت کے درجات ان کو اوپر چڑھائیں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ

اور تاکہ پورے دے اُن کو کام اُن کے اور اُن پر

لَا يُظْلَمُوْنَ ⑲

ظلم نہ ہوگا ☆

☆نہ کسی نیکی کا ثواب کم کیا جائے گا نہ کسی جرم کی سزا حد مناسب سے زائد کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى

اور جس دن لائے جائیں گے منکر آگ کے کنارہ پر

النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ

ضائع کئے تم نے اپنے مزے دنیا کی زندگانی میں

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ

اور اُن کی برت چکے ☆

کافر کی نیکیوں کا اجر ☆کافر کے کسی نیک کام میں ایمان کی روح نہیں ہوتی۔ محض صورت اور ڈھانچہ نیکی کا ہوتا ہے۔ ایسی فانی نیکیوں کا اجر بھی فانی

ہے جو اسی زندگی میں مال، اولاد، حکومت، تندرستی، عزت و شہرت وغیرہ کی شکل میں مل جاتا ہے۔ اس کو فرمایا کہ تم اپنی صوری نیکیوں کے مزے دنیا میں لے چکے اور وہاں کی لذتوں سے تمتع کر چکے۔ جو عیش و آرام ایمان لانے کی تقدیر پر آخرت میں ملتا، گویا کسی جگہ بھی دنیا میں مزے اڑا لئے اب یہاں کے عیش میں تمہارا کوئی حصہ نہیں حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "جن لوگوں نے آخرت نہ چاہی فقط دنیا ہی چاہی ان کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں مل چکا"۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُعْرَضُ۔ یعنی جس دن کافروں کو آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ بطور مبالغہ جملہ کی ساخت الٹ دی گئی۔ کافروں کی آگ پر پیشی ہوگی یعنی کافروں کے سامنے آگ لائی جائے گی۔ اَذْهَبْتُمْ۔ یعنی تم نے اپنی لذت کی چیزیں دنیوی زندگی میں لے لیں مطلب یہ کہ عیش و لذت کا حصہ تمہارے لئے اللہ نے لکھ دیا تھا وہ تم نے دنیا میں حاصل کر لیا۔ وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا۔ اور دنیاوی زندگی میں ان سے بہرہ اندوز ہو گئے مزے اڑا لئے اور تمہارا کوئی حصہ عیش باقی نہیں رہا۔ (تفسیر مظہری)

فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ
ب آج سزا پاؤ گے ذلت کا عذاب
بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْأَرْضِ
بدلہ اُس کا جو تم غرور کرتے تھے ملک میں
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ
ناحق اور اُس کا جو تم نافرمانی کرتے تھے ☆

☆ یعنی آج تمہاری جھوٹی شیخی اور نافرمانیوں کی سزا میں ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب دیا جائے گا۔ یہی ایک چیز تمہارے لئے یہاں باقی ہے آگے بعض زور آور اور متکبر قوموں کا حال بیان فرماتے ہیں کہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ان کا انجام کیا ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

بِمَا كُنْتُمْ۔ ما مصدری ہے یعنی باطل طور پر بڑا بننے اور اللہ کی اطاعت سے خارج ہونے کی وجہ سے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا حال

بغوی نے لکھا ہے اللہ نے دنیوی لذت اندوزی اور عیش کوشی پر تنبیہ، زجر کی اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے دنیوی لذتوں سے اجتناب کیا اور ثواب آخرت کے امیدوار رہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک کبھی دو روز متواتر جو کی روٹی (بھی) پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

بخاری نے بروایت ابوسعید مقبری بیان کیا کہ کچھ لوگوں کے سامنے بھونا ہوا بکری کا گوشت رکھا تھا ادھر سے حضرت ابوہریرہؓ گزرے ان لوگوں نے آپ کو بھی کھانے کے لئے بلایا۔ آپ نے کھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی بھی (کبھی) پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے، ہم پر ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا کہ (ہمارے گھر میں) آگ نہیں جلتی تھی صرف پانی اور چھوارے ہوتے تھے (جس پر بسر اوقات ہوتی تھی) ہاں۔ اللہ جزاء خیر دے انصار کی عورتوں کو وہ کبھی بطور ہدیہ ہم کو دودھ بھیج دیا کرتی تھیں۔

امام احمدؒ، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ مسلسل راتیں ایسی گزر جاتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے رہتے تھے (کچھ کھانے کو نہیں ہوتا تھا) گھر والوں کے بھی شام کا کھانا نہیں ملتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی روٹی اکثر جو کی ہوتی تھی۔

ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اللہ کی راہ میں ڈرایا گیا جب کہ (اور) کسی کو نہیں ڈرایا جاتا تھا اور مجھے ایذائیں دی گئیں جب کہ اور کسی کو نہیں ستایا جاتا تھا۔ مجھ پر تیس دن رات ایسے گزرے کہ نہ میرے پاس نہ بلالؓ کے پاس کوئی کھانا تھا جو کوئی زندہ شخص کھاتا ہے ہاں بلالؓ نے اپنی بغل میں کچھ چھپا لیا تھا (وہی ہم کھا لیا کرتے تھے) ترمذی نے کہا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ کو ساتھ لے کر مکہ سے بھاگ کر چلے گئے تھے بلال کے پاس بس اتنا کھانا تھا کہ انہوں نے بغل کے اندر چھپا لیا تھا۔

بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا ان میں کسی ایک کے بدن پر بھی چادر نہیں تھی یا لنگی (تہبند) تھی یا کمبل جس کو گلے میں انہوں نے باندھ رکھا تھا۔ کسی کے آدھی پنڈلیوں تک تھی، کسی کے ٹخنوں تک۔ اپنے ہاتھ سے وہ اس کو سمیٹے رہتا تھا کہ ستر عورت نہ کھل جائے۔

بخاری نے بیان کیا کہ حضرت انسؓ جو کی روٹی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس زرہ رہن رکھوا کر گھر والوں کے لئے جو لئے تھے اور میں نے خود یہ فرماتے سنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے پاس ایک صاع گیہوں رات کو (کبھی) نہ رہے اور نہ ایک صاع دانے (یعنی اناج) اور (اس زمانے میں) آپ کی نو عورتیں (یعنی بیبیاں) تھیں۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ ہر ایک کے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ کھول

کر دکھایا جس پر دو پتھر بندھے تھے۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

مسلم نے بروایت عبدالرحمن بیان کیا۔ عبدالرحمن نے کہا میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ تین آدمی آپ کے پاس آئے اور عرض کیا ابومحمد! واللہ ہم بالکل بے طاقت ہیں نہ ہمارے پاس کھانے پینے کو ہے نہ سواری ہے نہ کوئی سامان ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو اگر تم چاہتے ہو تو ہمارے پاس آؤ اللہ نے جس چیز کی آپ لوگوں کے لئے ہم کو توفیق دی وہ دے دیں گے۔ اور اگر تم چاہو تو ہم تمہارے واقعہ کا سلطان سے ذکر کر دیں اور اگر چاہو تو صبر کرو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن فقراء مہاجرین دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ ان لوگوں نے کہا تو اب ہم صبر کریں گے کوئی چیز نہیں مانگتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت معاذ کو نصیحت

امام احمد نے حضرت معاذؓ بن جبل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا عیش پرستی سے بچنا اللہ کے بندے عیش پرست نہیں ہوتے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علیؓ کی روایت میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تھوڑے سے رزق پر اللہ سے راضی ہوگا اللہ (اس کے) تھوڑے عمل سے راضی ہوگا۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کا روزہ تھا شام کو آپ کے سامنے کھانا لایا گیا' فرمایا' مصعبؓ بن عمیر شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے تو ان کو ایک چادر کا کفن دیا گیا (چادر اتنی چھوٹی تھی کہ) سر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں چھپائے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔

راوی نے کہا' میرا خیال ہے (کہ حضرت عبدالرحمن نے یہ بھی فرمایا)' اور حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے پھر ہمارے لئے دنیا چوڑی کی گئی جتنی بھی چوڑی کی گئی یہ فرمایا پھر ہم کو دنیا دے دی گئی ہم کو اندیشہ ہے کہ ہماری (ساری) نیکیوں کا بدلہ (یہیں) جلد ہم کو نہ دے دیا گیا ہو پھر آپ رونے لگے اور کھانا موقوف کر دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے میرے ہاتھ میں گوشت لٹکا ہوا دیکھا تو فرمایا جابر یہ کیا ہے میں نے عرض کیا گوشت ہے گوشت کو میرا دل چاہا تھا اس سے خرید لایا ہوں' فرمایا جو بھی تمہارا جی چاہے گا خرید لو گے کیا تم کو آیت اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا کا خوف نہیں۔ ایک روایت میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں یہ بھی آیا ہے (حضرت عمرؓ نے فرمایا) کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کی کوشش نہیں کرتا کہ اپنے ہمسائے اور اپنے چچا کے بیٹے کے لئے خود بھوکا رہے۔ پورا قصہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث میں آیا ہے۔

رزین نے زید بن اسلم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ نے پینے کے لئے پانی طلب کیا۔ پانی پیش کیا گیا مگر اس میں شہد ملا ہوا تھا (یعنی شہد کا شربت تھا) فرمایا بیشک یہ پاکیزہ ہے لیکن میں سن رہا ہوں کہ اللہ نے ان لوگوں سے (جنہوں نے اپنی خواہشات کو پورا کیا) طیبات کی نفی کر دی اور فرمایا اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا' مجھے ڈر ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ فوراً (نہ) دے دیا گیا ہو۔ یہ بیان فرمانے کے بعد حضرت عمرؓ نے وہ شربت نہیں پیا۔

حضرت عمرؓ کی حالت: سالم بن عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے' لذات زندگی سے ہماری مراد (صرف) یہ ہی نہیں ہے کہ ہم اپنے حکم سے بکری کے چھوٹے بچوں کا گوشت بریان کرائیں' میدے کی روٹیاں پکوائیں' مٹکوں میں خشک انگور (کشمش منقی) اتنی دیر بھگوئیں کہ چوندے کی آنکھ کی طرح ہو جائے پھر ہم ان چیزوں کو کھائیں پئیں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ اپنی لذتوں کو (آخرت کے لئے) باقی رکھیں کیوں کہ ہم نے سن لیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا۔

قتادہ نے کہا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے تھے اگر میں چاہتا تو تم سب سے زیادہ لذیذ کھانے کھاتا اور سب سے اعلیٰ نرم لباس پہنتا لیکن میں اپنی لذتیں آخرت کے لئے باقی رکھنا چاہتا ہوں۔

بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام میں تشریف لائے تو آپ کے لئے ایسا کھانا تیار کیا گیا جیسا آپ نے کبھی نہیں دیکھا تھا آپ نے فرمایا' یہ (لذیذ کھانے ہمارے لئے تیار کئے گئے ہیں) ان محتاج مسلمانوں کے لئے کیا ہے جو مرتے دم تک پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہیں پاتے' حضرت خالدؓ بن ولید نے عرض کیا (ان کے لئے) جنت ہے۔ حضرت عمرؓ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور فرمایا اگر ہمارا حصہ یہ حقیر بے قدر چیز ہے اور وہ جنت کے مالک ہیں تو وہ ہم سے بہت دور (بہت آگے) ہو گئے۔ حمید بن ہلال کا بیان ہے کہ حفصؓ اکثر شام کو حضرت عمرؓ کے پاس رہتے تھے لیکن جب کھانا سامنے لایا جاتا تو آپ کھانے سے انکار کر دیتے حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کیا بات ہے کہ تم ہمارا کھانا نہیں کھاتے۔ حفصؓ نے جواب دیا' امیرالمؤمنین میرے گھر والے جو کھانا تیار کرتے ہیں وہ آپ کے کھانے سے زیادہ نرم (زیادہ لذیذ) ہوتا ہے میں آپ کے کھانے کے مقابلے میں اس کو پسند کرتا ہوں فرمایا تیری ماں تجھے روئے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر میں چاہوں تو ایک موٹا تازہ بکری کا بچہ (ذبح کرا کے کھال) بالوں سے صاف کرا کے بریان کرا لوں پھر چھلنی میں چھنے ہوئے آٹے کی چپاتیاں بنا لوں اور ایک صاع کشمش (یا منقی) لے کر کشتی (کٹھلا) میں بھگونے کا حکم دوں اور اتنی دیر بھگا رکھوں کہ

اس کا پانی ہرن کے خون کی طرح (سرخ) ہو جائے۔ حفص نے کہا میں جانتا ہوں کہ آپ لذیذ کھانے سے واقف ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے تیری ماں روئے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر قیامت کے دن مجھے اپنی نیکیاں کم ہو جانا پسند نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کو لذیذ کھانے میں شریک کر لیا کرتا یعنی خود بھی لذیذ کھانا کھاتا اور تم کو بھی کھلاتا۔

حسن کی روایت ہے کہ اہل بصرہ کا وفد حضرت ابوموسیٰؓ کے ساتھ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ کی روٹی روزانہ کسی چیز سے آلودہ ہوتی تھی۔ کبھی ہم دودھ کے سالن سے اس کو آلودہ پاتے کبھی خشک گوشت کا ابلا ہوا قیمہ ہوتا کبھی تازہ گوشت کا سالن ہوتا لیکن ایسا کم ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہم سے فرمایا خدا کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ تم کو میرا کھانا ناپسند ہے اور تم اس سے نفرت کرتے ہو لیکن بخدا اگر میں چاہتا تو تم سب سے زیادہ لذیذ کھانا کھاتا اور بڑے مزے کی زندگی گزارتا خدا کی قسم میں مرغ آبیوں پر بیروں سے ناواقف نہیں ہوں لیکن اللہ نے عار دلائی ہے (لذت کوش) لوگوں کو اور فرمایا ہے۔ ﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾۔ (مه رد الله مصحعة)

(تفسیر مظہری)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ

اور یاد کر عاد کے بھائی کو☆

☆یعنی ہود علیہ السلام جو "عاد" کے قومی بھائی تھے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سابقہ اقوام سے عبرت حاصل کرنے کا سبق دینا

مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کھلکھلا کر اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے مسوڑھے نظر آئیں۔ آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ اور جب ابر اٹھتا اور آندھی چلتی تو آپ کے چہرے سے فکر کے آثار نمودار ہو جاتے۔ چنانچہ ایک روز میں نے آپ سے کہا یا رسول اللہ لوگ تو ابر و باد کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اب بارش برسے گی لیکن آپ کی اس کے بالکل برعکس حالت ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا عائشہ میں اس بات سے کہ کہیں اس میں عذاب ہو کیسے مطمئن ہو جاؤں؟ ایک قوم ہوا ہی سے ہلاک کی گئی ایک قوم نے عذاب کے بادل کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر بارش برسائے گا۔

ہوا کے وقت کی دعاء: مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی آسمان کے کنارے سے ابر اٹھتا ہوا دیکھتے تو اپنے تمام کام چھوڑ دیتے اگرچہ نماز میں ہوں اور یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ خدایا میں تجھ سے اس برائی سے پناہ چاہتا ہوں جو اس میں ہے پس اگر کھل جاتا تو اللہ عزوجل کی حمد کرتے اور اگر برس جاتا تو یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اَرْسَلْتَ بِهٖ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اَرْسَلْتَ بِهٖ یا اللہ میں تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس کو یہ ساتھ لے کر آئی ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور تجھ سے اس کی اور اس میں جو ہے اس کی اور جس چیز کے ساتھ یہ بھیجی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتا ہوں۔ اور جب ابر اٹھتا تو آپ کے رنگ متغیر ہو جاتا کبھی اندر کبھی باہر کبھی آتے کبھی جاتے جب بارش ہو جاتی تو آپ کی یہ فکرمندی دور ہو جاتی۔ حضرت عائشہؓ نے اسے سمجھ لیا اور آپ سے ایک بار سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ عائشہ خوف اس بات کا ہوتا ہے کہیں یہ اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم ہود نے اپنی طرف بادل بڑھتا ہو دیکھ کر خوشی سے کہا تھا کہ یہ ابر ہمیں سیراب کریگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ

جب ڈرایا اپنی قوم کو احقاف میں ☆

احقاف ☆ مولف "ارض القرآن" بلاد "احقاف" کے تحت میں لکھتے ہیں "یمامہ، عمان، بحرین، حضرموت اور مغربی یمن کے بیچ میں جو صحرائے اعظم "الدہنا" یا "ربع خالی" کے نام سے واقع ہے گو وہ آبادی کے قابل نہیں لیکن اس کے اطراف میں کہیں کہیں آبادی کے لائق تھوڑی تھوڑی زمین ہے خصوصاً اس حصہ میں جو حضرموت سے نجران تک پھیلا ہوا ہے۔ گو اس وقت وہ بھی آباد نہیں۔ تاہم عہد قدیم میں اسی حضرموت اور نجران کے درمیانی حصہ میں "عاد ارم" کا مشہور قبیلہ آباد تھا جس کو خدا نے اس کی نافرمانی کی پاداش میں نیست و نابود کر دیا"۔ (تفسیر عثمانی)

احقاف جمع ہے حقف کی اور حقف کہتے ہیں ریت کے پہاڑ کو مطلق پہاڑ اور غار اور حضرموت کی وادی جس کا نام برہوت ہے جہاں کفار کی روحیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ مطلب بھی احقاف کا بیان کیا گیا ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ یمن میں سمندر کے کنارے ریت کے ٹیلوں میں ایک جگہ تھی جس کا نام شجر تھا یہاں یہ لوگ آباد تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرموت میں ایک وادی کا نام احقاف ہے قوم ہود کہا کرتے تھے کہ یہ بات مشہور ہے کہ عاد یمن میں رہنے والی ایک قوم تھی جو ریگستانی علاقے میں ساحل سمندر پر آباد ہوئی اور اسی کے قرب و جوار میں ان کی بستیاں بھی آباد ہو گئیں۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ

اور گذر چکے تھے ڈرانے والے اس کے آگے سے

يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا

اور پیچھے سے کہ بندگی نہ کرو کسی کی

اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اللہ کے سوائے میں ڈرتا ہوں تم پر

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾

آفت سے ایک بڑے دن کے☆

ہود کی دعوت ☆یعنی ہود علیہ السلام سے پہلے اور پیچھے بہت ڈرانے والے آئے سب نے وہی کہا جو حضرت ہود علیہ السلام نے کہا تھا یعنی ایک خدا کی بندگی کرو اور کفر و معصیت کے برے انجام سے ڈرو۔ ممکن ہے قوم عاد میں بھی حضرت ہود علیہ السلام کے علاوہ اور نذیر آئے ہوں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی کی مرفوع حدیث میں ہے کہ عادیوں پر اتنی ہی ہوا کھولی گئی تھی جتنا انگوٹھی کا حلقہ ہوتا ہے۔ یہ ہوا پہلے دیہات والوں اور بادیہ نشینوں پر آئی وہاں سے شہری لوگوں پر آئی جسے دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ یہ ابر جو ہماری طرف بڑھا چلا آ رہا ہے یہ ضرور ہم پر بارش برسائے گا لیکن اس میں جنگلی لوگ تھے جو ان شہریوں پر گرا دیئے گئے تھے اور سب ہلاک ہو گئے۔ ہوا کے خزانچیوں پر ہوا کی سرکشی اس وقت اتنی تھی کہ دروازوں کے سوراخوں سے وہ نکلی جا رہی تھی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ

بولے کیا تو آیا ہے ہمارے پاس کہ پھیر دے

اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ

ہم کو ہمارے معبودوں سے سو لے آ ہم پر جو وعدہ کرتا ہے

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾

اگر ہے تو سچا☆

کافروں کا مطالبہ ☆یعنی ہم اپنے آبائی طریقہ سے ہٹنے والے نہیں اگر تو اپنی دھمکیوں میں سچا ہے تو دیر کیا ہے۔ جو زبان سے کہتا ہے، کر کے دکھلا دے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۫

کہا یہ خبر تو اللہ ہی کو ہے

وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ

اور میں تو پہنچا دیتا ہوں جو کچھ بھیج دیا میرے ہاتھ

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ نادانی کرتے ہو☆

مطالبہ کا جواب ☆یعنی اس قسم کا مطالبہ کرنا تمہاری نادانی اور جہالت ہے۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں جو پیام میرے ہاتھ بھیجا گیا وہ پہنچا رہا ہوں اس سے زائد کا نہ مجھے علم نہ اختیار۔ یہ علم خدا ہی کو ہے کہ منکر قوم کس وقت دنیوی سزا کی مستوجب ہوتی ہے اور کس وقت تک اسے مہلت ملنی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْعِلْمُ۔ یعنی وقت عذاب کا علم۔

عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی عذاب مقرر وقت پر آئے گا۔ اگر اس وقت تک نہیں آیا تو اس سے یہ لازم نہیں کہ میں جھوٹا ہوں ہاں مجھے عذاب لانے میں کوئی دخل نہیں کہ جلد لانے کا طلب گار بنوں۔

وَاُبَلِّغُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖ۔ یعنی پیام توحید، احکام اور تمہارے ایمان نہ لانے کی صورت میں نزول عذاب کی اطلاع دے کر جو مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے میں وہ تم کو پہنچا رہا ہوں۔

قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۔ یعنی تم نہیں جانتے کہ علیم و قدیر اللہ نے پیغمبروں کو صرف تبلیغ توحید و احکام اور ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہے پیغمبر نہ خود عذاب دینے والے ہوتے ہیں نہ نزول عذاب کی (بغیر وحی کے) تلاش و طلب کرنے والے۔ (تفسیر مظہری)

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ

پھر جب دیکھا اُس کو ابر سامنے آیا

اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ

اُن کے نالوں کے بولے یہ ابر ہے

مُّمْطِرُنَا ؕ

ہم پر برسے گا☆

قوم عاد پر عذاب کے آنے کی کیفیت ☆یعنی سامنے سے

بادل اٹھتا ہوا دکھائی دیا۔ سمجھے کہ سب ندی نالے بھر جائیں گے کہنے لگے۔ کہ بہت برساؤ گھٹا اٹھی ہے اب کام بن جائے گا۔ اس وقت طویل خشک سالی کی وجہ سے پانی کی بہت ضرورت تھی۔ (تفسیر عثمانی)

قوم عاد پر دو سال سے بارش نہیں ہوئی تھی۔ جب بادل کو سامنے سے آتے دیکھا تو بڑے خوش ہوئے اور کہنے لگے' یہ جو ہم کو نظر آ رہا ہے بادل ہے جو برسے گا' پانی برسائے گا۔ اللہ نے یا حضرت ہودؑ نے فرمایا' یہ ابر باراں نہیں ہے بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کی تم جلدی مچاتے تھے۔ یہ ایک آندھی ہے جس کے اندر عذاب الیم ہے۔

سب سے پہلے عذاب ہونے کی شناخت ان کو اس وقت ہوئی جب بستی کے باہر کی چیزیں انہوں نے ہوا میں اڑتی ہوئی دیکھیں' یہ سماں دیکھ کر وہ اپنے گھروں میں گھس گئے اور دروازے بند کر لئے لیکن طوفان نے ان کے دروازے توڑ دیئے اور سب لوگوں کو زمین پر دے پٹکا پھر بحکم خدا طوفانی ریت ان پر آ پڑی اور سب ریت کے نیچے دب گئے' یہ آندھی ساری رات اور آٹھ دن چلتی رہی' ایک ہفتہ کے بعد طوفانی ریت اڑ گئی اور ہوا ان کی لاشوں کو اڑا کر سمندر میں پھینک دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ہودؑ کو جب طوفان کا احساس ہو تو فوراً مومنوں کو لے کر ایک حصار میں داخل ہو گئے۔

حافظ عماد الدین ابن کثیر نے سند غریب سے ایک روایت امام احمد بن حنبل کی مسند سے ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ قوم عاد ایک دفعہ قحط میں مبتلا ہوئی تو انہوں نے ایک وفد روانہ کیا جس کو قیل کہا جاتا تھا وہ وفد معاویہ بن بکر پر سے گزرا تو ایک ماہ اس کے یہاں ٹھہرا جو اس کو شراب پلاتا اور دوگانے والی لونڈیاں اس کو اپنے نغمہ و سرود میں مست کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ ایک ماہ گزر گیا تو وہ مہرہ پہاڑ کی طرف روانہ ہوا اور کہا اے پروردگار تو جانتا ہے کہ نہ تو میں کسی مریض کی جانب آیا ہوں کہ اس کا علاج کروں اور نہ کسی قیدی کی طرف کہ اس کا فدیہ ادا کروں۔

اے اللہ (بس یہی طلب ہے) تو عاد کو سیراب کر دے جس چیز سے بھی تو سیراب کرنے والا ہو تو اچانک چند بادل سیاہ رنگ کے سامنے سے گذرنے لگے تو ان میں سے ایک آواز آئی ان میں جو بادل چاہے اختیار کرے اس نے ان بادلوں میں سے سیاہ ترین بادل اختیار کر لیا فوراً اس میں سے آواز آئی حذھار ماذار مذذا الخ یعنی لے لے یہ بادل اس طرح کہ جل کر راکھ کر دینے والے شعلے اور ریزہ ریزہ کر دینے والا کہ قوم عاد میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑے تو ایک آندھی چلی جس نے پوری بستی ہلاک کر دی اور کوئی مکان باقی نہ بچا کہ وہ منہدم نہ ہو گیا ہو اور درخت جڑوں سے اکھڑ گئے اور یہ تن آور اور طاقت ور ڈیل ڈول والے زمین پر پچھڑے ہوئے پڑے تھے جیسے کہ کھجور کے درخت اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہوں گے

كَاَنَّهُمْ اَعجاز محل خاوية۔ یہ آندھی مسلسل سات راتوں اور آٹھ تک چلتی رہی۔ سبعَ ليال وثما نيةَ ايام حُسُوما۔

علامہ آلوسیؒ نے ایک روایت کے مضمون میں یہ بیان کیا کہ سب سے پہلے اس عذاب کو ایک عورت نے دیکھا کہ ایک ہوا کا جھونکا ان کی بستی کی طرف اٹھا جس میں دہکتی ہوئی آگ کے شعلے تھے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے جب یہ محسوس کیا کہ یہ آندھی عذاب خداوندی لے کر آ رہی ہے تو ایک خط اپنے پر کھینچ لیا اور ایک خط اس جگہ پر جہاں مومنین تھے تو ان پر یہ ہوا نہایت لطیف و خوشگوار ہو کر لگ رہی تھی حالانکہ یہی ہوا قوم عاد کو ان کی بستی درختوں اور مکانات کو اکھاڑ پھینک رہی تھی اور یہ نظر آ رہا تھا کہ ان پر پتھروں کی بارش ہو رہی ہے

(ابن ابی شیبہ بحوالہ تفسیر روح المعانی) (معارف کاندھلوی)

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۗ رِيْحٌ

کوئی نہیں یہ تو وہ چیز ہے جس کی تم جلدی کرتے تھے

فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ﴿۲۴﴾

ہوا ہے جس میں عذاب ہے دردناک ہے☆

☆ یعنی یہ برسنے والا بادل نہیں۔ بلکہ عذاب الٰہی کی آندھی ہے وہ ہی جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا

اکھاڑ پھینکے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے پھر کل کو رہ گئے

لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ

کہ کوئی نظر نہیں آتا تھا سوائے اُنکے گھروں کے یوں ہم

نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

سزا دیتے ہیں گنہگار لوگوں کو ☆

عذاب ☆ سات رات اور آٹھ دن مسلسل ہوا کا وہ غضبناک طوفان چلا جس کے سامنے درخت، آدمی اور جانوروں کی حقیقت تنکوں سے زیادہ نہ تھی۔ ہر چیز ہوا نے اکھاڑ پھینکی اور چاروں طرف تباہی نازل ہو گئی۔ آخر مکانوں کے کھنڈرات کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ دیکھ لیا! اللہ کے مجرموں کا حال یہ ہوتا ہے۔ چاہیے کہ ان

واقعات کو سن کر ہوش میں آؤ۔ ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ

اور ہم نے مقدور دیا تھا اُن کو اُن

اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ

چیزوں کا جن کا تم کو مقدور نہیں دیا☆

کفار مکہ کو نصیحت ☆یعنی مال، اولاد، جتھے اور جسمانی طاقت جو ان کو دی گئی تھی تم کو نہیں دی گئی، مگر جب عذاب آیا، کوئی چیز کام نہ آئی، پھر تم کس بات پر مغرور ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّ

اور ہم نے اُن کو دیے تھے کان اور آنکھیں اور

اَفْئِدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ

دل پھر کام نہ آئے اُن کے کان اُن کے

وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ

اور نہ آنکھیں اُن کی اور نہ دل اُن کے

شَيْءٍ

کسی چیز میں☆

بدنصیبی ☆یعنی نصیحت سننے کے لئے کان اور قدرت کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے بوجھنے کے لئے دل دیئے گئے تھے پر وہ کسی قوت کو کام میں نہ لائے۔ اندھے، بہرے اور پاگل بن کر پیغمبروں کے مقابل ہو گئے۔ آخر انجام یہ ہوا کہ یہ قوتیں سب موجود رہیں اور عذاب الٰہی نے آ گھیرا، کوئی اندرونی یا بیرونی قوت اس کو دفع نہ کر سکی۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ

اس لئے کہ منکر ہوتے تھے اللہ کی باتوں سے اور اُلٹ پڑی

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اُن پر جس بات سے کہ وہ ٹھٹھا کرتے تھے☆

استہزاء کا نتیجہ ☆یعنی جس عذاب کی ہنسی اڑایا کرتے تھے وہ ان پر واقع ہوا۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ان کو دل اور کان اور آنکھ دی تھی، یعنی دنیا کے کام میں عقل مند تھے، وہ عقل نہ آئی جس سے آخرت بھی درست ہو"۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى

اور ہم غارت کر چکے ہیں جتنی تمہارے آس پاس ہیں بستیاں☆

قوم ثمود اور قوم لوط ☆یعنی "عاد" کے سوا "قوم ثمود" اور "قوم لوط" وغیرہ کی بستیاں بھی اسی طرح تباہ کی جا چکی ہیں جو تمہارے آس پاس واقع تھیں، یہ مکہ والوں کو فرمایا کیونکہ سفروں میں ان کا گذر ان مقامات کی طرف ہوتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور طرح طرح سے پھیر کر سنائیں اُن کو باتیں

يَرْجِعُوْنَ ۝

تاکہ وہ لوٹ آئیں☆

☆مگر اتنا سمجھانے پر بھی وہ باز نہ آئے۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کو عبرت کی دعوت: اور ہم نے دوسرے آس پاس کے اور بستیاں بھی تباہ کر دیں اور ہم نے بار بار اپنی نشانیاں بتا دی تھیں تاکہ وہ باز آ جائیں سو خدا کے سوا جن جن چیزوں کو انہوں نے خدا تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے اپنا معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی مدد کیوں نہیں کی بلکہ وہ ان سے غائب ہو گئے وہ محض ان کی من گھڑت اور تراشی ہوئی بات تھی۔

مَا حَوْلَكُمْ۔ یعنی اے اہل مکہ تمہارے آس پاس کی بستیاں جیسے قوم ثمود کی بستی حجر اور قوم لوط کی بستی سدوم وغیرہ۔ بستیوں کو ہلاک کرنے سے مراد ہے اہل بستی کو ہلاک کرنا۔ (تفسیر مظہری)

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا

پھر کیوں نہ مدد پہنچی اُن کو اُن لوگوں کی طرف سے جن کو پکڑا تھا

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ

اللہ سے ورے معبود بڑے درجے پانے کو☆

اب بتوں کو بلاؤ ☆یعنی جن بتوں کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے نزدیک کر دیں اور بڑے درجے دلائیں وہ

اس آڑے وقت میں کیوں کام نہ آئے۔ اب ذرا ان کو بلایا ہوتا۔ (تفسیر عثمانی)

قُرْبَانًا اٰلِهَةً یعنی اللہ کے سوا دوسروں کو انہوں نے معبود بنا رکھا تا کہ ان کے ذریعہ سے اللہ کا قرب حاصل کرلیں کیوں کہ انہوں نے کہا تھا هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (تفسیر مظہری)

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ
کوئی نہیں گم ہو گئے اُن سے ☆

اب بت کہاں گئے ☆ یعنی آج ان کا کہیں پتہ نہیں، نہ عذاب کے وقت ان کو پکارا جاتا ہے آخر وہ گئے کہاں جو ایسی مصیبت میں بھی کام نہیں آتے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ۔ یعنی غائب ہو گئے (کھو گئے) مطلب یہ کہ عذاب نازل ہونے کے وقت غائب ہو گئے اور جس طرح کسی غائب سے طلب مدد ناممکن ہے اسی طرح ان معبودوں سے مدد طلب کرنی بھی محال تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۲۸
ور یہ جھوٹ تھا اُن کا اور جو اپنی جی سے باندھتے تھے ☆

جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے ☆ یعنی ظاہر ہوا کہ بتوں کو خدا بنانا اور ان سے امیدیں قائم کرنا محض جھوٹی اور من گھڑت باتیں تھیں، جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے پھر وہ چلے کیسے (ربط) اوپر کی آیات میں انسانوں کے تمرد و سرکشی کی داستان تھی۔ آگے اسکے مقابل جنوں کے اطاعت و فرمانبرداری کا حال سنتے ہیں۔ تا معلوم ہو کہ جو قوم طبعی طور پر سخت متمرد اور سرکش واقع ہوئی ہے اس کے بعض افراد کس طرح اللہ کا کلام سن کر موم ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ذٰلک سے اشارہ عدم امداد کی طرف ہے یعنی امداد نہ ہونا ان کے جھوٹ یعنی افتراء کا نتیجہ ہے۔

وَمَا كَانُوْا۔ ما مصدری ہے یعنی ان کا افتراء۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ
ور جس وقت متوجہ کر دیئے ہم نے تیری طرف کتنے اک لوگ جنوں میں
يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ
سے سننے لگے قرآن پھر جب وہاں پہنچ گئے

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى
بولے چپ رہو پھر جب ختم ہوا اُلٹے پھرے
قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۲۹
اپنی قوم کو ڈرسناتے ہوئے ☆

جنات کا مسلمان ہونا ☆ بعثت محمدی سے قبل جنوں کو کچھ آسمانی خبریں معلوم ہو جاتی تھیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنا شروع ہوئی تو وہ سلسلہ تقریباً بند ہو گیا اور بہت کثرت سے شہب کی مار پڑنے لگی، جنوں کو خیال ہوا کہ ضرور کوئی نیا واقعہ ہوا ہے جسکی وجہ سے آسمانی خبروں پر بہت سخت پہرے بٹھلائے گئے ہیں۔ اسی کی جستجو کے لئے جنوں کے مختلف گروہ مشرق و مغرب میں پھیل پڑے۔ ان میں سے ایک جماعت "بطن نخلہ" کی طرف گذری۔ وہاں اتفاق سے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز فجر ادا کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جنوں کی اس ٹکڑی کا رخ قرآن سننے کے لئے ادھر پھیر دیا قرآن کی آواز انہیں بہت عجیب اور موثر و دلکش معلوم ہوئی اور اسکی عظمت و ہیبت دلوں پر چھا گئی۔ آپس میں کہنے لگے کہ چپ رہو اور خاموشی کے ساتھ یہ کلام پاک سنو آخر قرآن نے ان کے دلوں میں گھر کرلیا۔ وہ سمجھ گئے کہ یہ ہی نئی چیز ہے جس نے جنوں کو آسمانی خبروں سے روکا ہے۔ بہر حال جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھ کر فارغ ہوئے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں ایمان و ایقان لے کر واپس گئے اور اپنی قوم کو نصیحت کی۔ ان کی مفصل باتیں سورہ "جن" میں آئیں گی۔ احادیث میں معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے جانے اور سننے سنانے کا پتہ نہیں لگا۔ ایک درخت نے باذن اللہ کچھ اجمالی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور مفصل حال اس کے بعد وحی کے ذریعہ سے معلوم کرا دیا گیا۔ کما قال تعالیٰ "قل اوحی الی انه استمع نفر من الجن الخ" (جن رکوع ۱) بعدہ بہت بڑی تعداد میں جن مسلمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے اور دین سیکھنے کے لئے ان کے وفود حاضر خدمت ہوئے۔ خفاجی نے روایات کی بناء پر دعویٰ کیا ہے کہ چھ مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے ملاقات کی۔ اس لئے روایات میں جو اختلاف ان کے عدد یا دوسرے امور کے متعلق معلوم ہوتا ہے اس کو تعدد وقائع پر حمل کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

اہل مکہ جنوں سے بھی بڑھ کر سرکش ہیں

کفار مکہ باوجودیکہ از قسم بنی آدم اشرف المخلوق ہیں اور خدا نے نوع بشر میں حلم و بردباری اور تاثر انفعال کی صلاحیت بہت زائد رکھی ہے اس کے بالمقابل نوع جن میں اس وجہ سے کہ وہ مخلوق ناری ہیں شدت و تمرد اور سرکشی اور خارجی

تاثرات سے متاثر نہ ہونے کا وصف ان میں زائد ہے لیکن اس جماعت نے جب قرآن کریم کی توجہ کی اور غور وفکر کے ساتھ سنا تو فوراً ہی حق کی طرف قلوب مائل ہو گئے اور قرآن کریم کی عظمت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اطاعت وفرمانبرداری کا سر جھکا دیا اور نہ صرف یہ کہ خود ہدایت قبول کی بلکہ اپنی قوم کی طرف ہادی ورہنما اور داعی بن کو لوٹے تو اس قصہ سے اہل مکہ کے عناد اور تمرد وسرکشی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر متنفر وبرگشتہ تھے۔ (معارف کاندھلوی)

جنات کے قرآن سننے کا واقعہ: مسند احمد میں حضرت زبیرؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ یہ واقعہ نخلہ کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز عشاء ادا کر رہے تھے۔ یہ سب جنات سمٹ آپ کے ارد گرد بھیڑ کی شکل میں کھڑے ہو گئے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ یہ جنات نصیبین کے تھے تعداد میں سات تھے۔ کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت ابن عباسؓ مروی ہے کہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کو سنانے کی غرض سے قرآن پڑھا تھا نہ آپ نے انہیں دیکھا آپ تو اپنے صحابہؓ کے ساتھ عکاظ کے بازار جا رہے تھے۔ ادھر یہ ہوا تھا کہ شیاطین کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان روک ہو گئی تھی اور ان پر شعلے برسنے شروع ہو گئے تھے۔ شیاطین نے آ کر اپنی قوم کو یہ خبر دی تو انہوں نے کہا کوئی نہ کوئی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔ جاؤ تلاش کرو پس یہ نکل کھڑے ہوئے۔ ان میں کی جو جماعت عرب کی طرف متوجہ ہوئی تھی وہ جب یہاں پہنچی تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوق عکاظ کی طرف جاتے ہوئے نخلہ میں اپنے اصحاب کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ ان کی کانوں میں جب آپ کی تلاوت کی آواز پہنچی تو یہ ٹھہر گئے اور کان لگا کر بغور سننے لگے اس کے بعد انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تمہارا آسمانوں تک پہنچنا موقوف کر دیا گیا ہے۔ یہاں سے یہ فوراً ہی واپس لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے ہم نے عجیب قرآن سنا جو نیکی کا رہبر ہے۔ ہم تو اس پر ایمان لا چکے اور اقرار کرتے ہیں کہ اب ناممکن ہے کہ خدا کے ساتھ ہم کسی اور کو شریک کریں۔ اس واقعہ کی خبر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ جن میں دی۔ یہ حدیث بخاری ومسلم وغیرہ میں بھی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء: سیرت ابن اسحٰق میں محمد بن کعبؒ کا ایک لمبا بیان منقول ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف جانا انہیں اسلام کی دعوت دینا ان کا انکار کرنا وغیرہ پورا واقعہ بیان ہے۔ حضرت حسنؒ نے اس دعاء کا بھی ذکر کیا ہے جو آپ نے اس تنگی کے وقت کی تھی جو یہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وھوانِیْ عَلَی النَّاسِ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وانت ربُّ الْمُسْتَضْعفِیْن وانت ربیّ الٰی من تکلنی الٰی عدوٍّ بعیدٍ یتجھمنی دام الٰی صَدِیْقٍ قریبٍ ملّکتہٗ امری اِنْ لَّم یکُنْ بک غضبٌ علَیَّ فلا اُبالی غیر اَنَّ عافیتک اَوْسعُ لی اعوذ بنور وجھک الّذی اشرقت لہ الظُّلُمٰتُ وصلح علیہ امر الدُّنیا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ یَّنزل بی غضبک او یحلّ بی سخطک وَلَکَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ۔ یعنی اپنی کمزوری اور بے سروسامانی اور کس مپرسی کی شکایت صرف تیرے سامنے کرتا ہوں۔ اے ارحم الراحمین تو دراصل سب سے زیادہ رحم وکرم کرنے والا ہے اور کمزوروں کا رب تو ہی ہے۔ میرا پال نہار بھی تو ہی ہے۔ تو مجھے کس کو سونپ رہا ہے۔ کسی دوری والے دشمن کو جو مجھے عاجز کر دے یا کسی قریب والے دوست کو جسے تو نے میرے بارے کا اختیار دے رکھا ہو اگر تیری کوئی خفگی مجھ پر نہ ہو تو مجھے اس درد دکھ کی کوئی پرواہ نہیں لیکن تاہم اگر تو مجھے عافیت کے ساتھ ہی رکھے تو وہ میرے لئے بہت ہی راحت رساں ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کے باعث جس کی وجہ سے تمام اندھیریاں جگمگا اٹھی ہیں اور دین ودنیا کے تمام امور کی صلاح کا مدار اسی پر ہے۔ تجھ سے اس بات کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھ پر تیرا عتاب اور تیرا غصہ نازل ہو یا تیری ناراضگی مجھ پر آ جائے۔ مجھے تیرے ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی طاقت تیری ہی مدد سے ہے۔

رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنوں کے پاس تشریف لے جانا

حضرت علقمہ حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ کوئی نہ تھا۔ آپ رات بھر ہم سے غائب رہے اور ہمیں رہ رہ کر بار بار یہی خیال گذرا کرتا تھا کہ شاید کسی دشمن نے آپ کو دھوکا دیدیا' خدانخواستہ آپ کے ساتھ کوئی ایسا ہی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا' وہ رات ہماری بڑی بری طرح کٹی۔ صبح صادق سے کچھ ہی پہلے ہم نے دیکھا کہ آپ غار حرا سے واپس آ رہے ہیں پس ہم نے رات کی اپنی ساری کیفیت بیان کر دی تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنات کا قاصد آیا تھا جس کے ساتھ جا کر میں نے انہیں قرآن سنایا۔ چنانچہ آپ ہمیں لیکر گئے اور ان کے نشانات اور ان کی آگ کے نشانات ہمیں دکھائے۔ روایت کی دوسری سند میں ہے کہ حضور نے فرمایا پندرہ جنات جو آپس میں چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی ہیں آج رات مجھ سے قران سننے کے لئے آنے والے ہیں اس میں ہڈی اور لید کے ساتھ کوئلے کا لفظ بھی ہے۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں' دن نکلے میں اسی جگہ گیا تو دیکھا کہ وہ کوئی ساٹھ اونٹ بیٹھنے

کی جگہ ہے اور روایت میں ہے کہ جب جنات کا اژدحام ہو گیا تو ان کے سردار وردان نے کہا یا رسول اللہ میں انہیں ادھر اُدھر کر کے آپ کو اس تکلیف سے بچا لیتا ہوں تو آپ نے فرمایا اللہ سے زیادہ مجھے کوئی بچانے والا نہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پا کر ہم بہت ہی گھبرائے تھے اور تمام وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کر آئے تھے۔ اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات میں جنات کو قرآن سناتا رہا اور جنوں میں ہی اسی شغل میں رات گذاری۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو چاہے آج کی رات جنات کے امر میں میرے ساتھ رہے۔ پس میں موجود ہو گیا۔ آپ مجھے لیکر چلے جب مکہ شریف کے اونچے والے حصہ میں پہنچے تو آپ نے اپنے پاؤں سے ایک خط کھینچ دیا اور مجھ سے فرمایا بس یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ چلے اور ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرأت شروع کی پھر تو اس قدر جماعت آپ کے اردگرد ٹھٹ لگا کر کھڑی ہو گئی کہ میں تو آپ کے قرأت سننے سے بھی رہ گیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جس طرح ابر کے ٹکڑے پھٹتے ہیں اس طرح وہ ادھر ادھر جانے لگے اور یہاں تک کہ اب بہت تھوڑے رہ گئے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت فارغ ہوئے اور آپ وہاں سے دور نکل گئے اور حاجت سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے اور پوچھنے لگے وہ باقی کے کہاں ہیں؟ میں نے کہا وہ یہ ہیں پس آپ نے انہیں ہڈی اور لید دی۔ پھر آپ نے مسلمانوں کو ان دونوں چیزوں سے استنجا کرنے سے منع فرما دیا۔

نصیبین کے جن: مجاہدؒ کہتے ہیں یہ جنات تعداد میں سات تھے۔ نصیبین کے تھے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کو اہل حران سے کہا اور چار کو اہل نصیبین سے ان کے نام یہ ہیں حسی، حسا، مُنسی، ساصر، ناصر، الاردوبیان، الاحتم، ابوحمزہ، ثمالی" فرماتے ہیں انہیں بنوشیصبان کہتے ہیں، یہ قبیلہ جنات کے اور قبیلوں سے تعداد میں بہت زیادہ تھا اور یہ ان میں نسب کے بھی شریف مانے جاتے تھے اور عموماً یہ ابلیس کے لشکروں میں سے تھے۔

ایک کاہن کی گواہی: صحیح بخاری شریف کی یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس چیز کی نسبت جب بھی کہتے کہ میرے خیال میں یہ اس طرح ہوگی تو وہ عموماً اسی طرح نکلتی۔ ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک حسین شخص گذرا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اگر میرا گمان غلط نہ ہو تو یہ شخص اپنے جاہلیت کے زمانے میں ان لوگوں کا کاہن تھا جانا ذرا اسے لے آنا۔ جب وہ آ گیا تو آپ نے اپنا یہ خیال اس پر ظاہر فرمایا۔ وہ کہنے لگا مسلمانوں میں اس ذہانت و فطانت کا کوئی شخص آج تک میری نظر سے نہیں گذرا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اب میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو اپنی کوئی صحیح اور سچی خبر سنا۔ اس نے کہا بہت اچھا سنئے میں جاہلیت کے زمانے میں ان کا کاہن تھا میرے پاس میرا جن جو سب سے زیادہ تعجب خیز خبر لایا وہ سنیے۔ میں ایک مرتبہ بازار میں جا رہا تھا کہ وہ آ گیا اور سخت گھبراہٹ میں تھا اور کہنے لگا کیا تو نے جنوں کی بربادی، مایوسی اور ان کا پھیلنے کے بعد سمٹ جانا اور ان کی درگت نہیں دیکھی؟

حضرت عمرؓ کی گواہی: حضرت عمرؓ فرمانے لگے یہ سچا ہے ایک مرتبہ میں ان کے بتوں کے پاس سویا ہوا تھا ایک شخص نے وہاں ایک بچھڑا چڑھایا کہ ناگہاں ایک سخت پرزور آواز آئی ایسی کہ اتنی بڑی بلند اور کرخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی۔ اس نے کہا اے صبح نجات دینے والا امر آ چکا ایک شخص نے جو فصیح زبان سے لا الٰہ الا اللہ کی منادی کر رہا ہے۔ سب لوگ تو مارے ڈر کے بھاگ گئے لیکن میں وہیں بیٹھا رہا کہ دیکھوں آخر یہ ہے کیا کہ دوبارہ پھر اسی طرح وہی آواز سنائی دی اور اس نے وہی کہا پس کچھ ہی دن گذرے تھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی آوازیں ہمارے کانوں میں پڑنے لگیں۔ اس روایت کے ظاہر الفاظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت فاروقؓ نے یہ آواز اس ذبح شدہ بچھڑے سے سنی اور ایک ضعیف روایت میں صریح طور پر یہ بھی آ گیا ہے لیکن باقی اور روایتیں یہ بتلا رہی ہیں کہ اسی کاہن نے اپنے دیکھنے سننے کا ایک واقعہ یہ بھی بیان کیا واللہ اعلم۔ امام بیہقیؒ نے یہی کہا ہے اور یہی کچھ اچھا معلوم ہوتا ہے اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا۔ جو شخص اس واقعہ کی پوری تفصیل دیکھنا چاہتا ہو وہ میری کتاب سیرۃ عمرؓ دیکھ لے وللہ الحمد والمنۃ۔ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں ممکن ہے یہی وہ کاہن ہو جس کا ذکر بغیر نام کے صحیح حدیث میں ہے۔

سواد بن قارب کے اسلام لانے کا واقعہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر نبوی پر ایک مرتبہ خطبہ سنا رہے تھے اسی میں پوچھا کیا سواد ابن قارب یہاں موجود ہیں لیکن اس پورے سال تک کسی نے ہاں نہیں کہی اگلے سال آپ نے پھر پوچھا تو حضرت براءؓ نے کہا سواد بن قارب کون ہے؟ اس سے کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے اسلام لانے کا قصہ عجیب و غریب ہے، ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں جو حضرت سواد بن قاربؓ آ گئے۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا سواد اپنے اسلام کا ابتدائی قصہ کہہ سناؤ۔ آپ نے فرمایا ہاں سنئے میں ہند گیا ہوا تھا میرا ساتھی جن ایک رات میرے پاس آیا۔ میں اس وقت سویا ہوا تھا۔ مجھے اس نے جگا دیا اور کہنے لگا اُٹھ اور اگر کچھ عقل و ہوش ہیں تو سن لے اور سمجھ لے اور سوچ لے۔ قبیلۂ لوئی بن غالب میں سے خدا کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں جنات کی حس اور ان کے بوریہ بستر باندھنے پر تعجب کر رہا ہوں، اگر تو طالب ہدایت ہے تو فوراً مکے کی طرف کوچ کر۔ سمجھ لے کہ بہتر اور بدتر جن یکساں نہیں، جا جلدی جا اور بنو ہاشم کے اس دلارے کے منور مکھڑے

پر نظریں تو ڈال نے مجھے پھر غنودگی سی آ گئی تو اس نے دوبارہ جگایا اور کہنے لگا اے سواد بن قارب اللہ عزوجل نے اپنا رسول بھیج دیا ہے۔ تم ان کی خدمت میں پہنچو اور ہدایت اور بھلائی سمیٹ لو دوسری رات پھر آیا اور مجھے جگا کر کہنے لگا مجھے جنات کے جستجو کرنے اور جلد جلد پالان اور جھولیں کسنے پر تعجب معلوم ہوتا ہے۔ اگر تو بھی ہدایت کا طالب ہے تو مکے کا قصد کر۔

تو اٹھ اور جلدی جلدی بنو ہاشم کے اس پسندیدہ شخص کی خدمت میں پہنچ اور اپنی آنکھیں اس کے دیدار سے منور کر۔ تیسری رات پھر آیا اور کہنے لگا مجھے جنات کے باخبر ہو جاتے اور ان کے قافلوں کے فوراً تیار ہو جانے پر تعجب ہو رہا ہے۔ وہ سب طلب ہدایت کے لئے مکہ کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ ان میں کے بُرے بھلوں کی برابری نہیں کر سکتے۔ تو بھی اٹھ اور اس بنو ہاشم کے چیدہ شخص کی طرف چل کھڑا ہو مؤمن جنات کافروں کی طرح نہیں۔ تین راتوں تک برابر یہی سنتے رہنے کے بعد میرے دل میں بھی دفعۃً اسلام کا ولولہ اٹھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اور محبت سے دل پُر ہو گیا۔ میں نے اپنی سانڈنی پر کجاوہ کسا اور بغیر کسی اور جگہ قیام کئے سیدھا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت شہر مکہ میں تھے اور لوگ آپ کے آس پاس ایسے تھے جیسے گھوڑے پر ایال مجھے دیکھتے ہی یک بارگی اللہ کے پیغمبر نے فرمایا سواد بن قارب کو مرحبا ہو آؤ ہمیں معلوم ہے کہ کیسے اور کس لئے اور کس کے کہنے سننے سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا حضور! میں نے کچھ اشعار کہے ہیں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ آپ نے فرمایا سواد شوق سے کہو تو حضرت سواد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ ہے میرے پاس میرا جن میرے سو جانے کے بعد رات کو آیا اور اس نے مجھے ایک سچی خبر پہنچائی تین راتیں برابر وہ میرے پاس آتا رہا اور ہر رات کہتا رہا کہ لوئی بن غالب میں اللہ کے رسول مبعوث ہو چکے ہیں۔ میں نے بھی سفر کی تیاری کر لی اور جلد جلد راہ طے کرتا یہاں پہنچ ہی گیا اب میری گواہی ہے کہ بجز اللہ کے اور کوئی رب نہیں اور آپ خدا کے امانت دار رسول ہیں۔ آپ سے شفاعت کا آسرا سب سے زیادہ ہے اے بہترین بزرگوں اور پاک لوگوں کی اولاد اے تمام رسولوں سے بہتر رسول جو حکم آسمانی آپ ہمیں پہنچائیں گے وہ کتنا ہی مشکل اور طبیعت کے خلاف کیوں نہ ہو ناممکن ہے کہ ہم اسے ٹال دیں۔ آپ قیامت کے دن ضرور میری سفارشی بننا کیوں کہ وہاں بجز آپ کے سواد بن قارب کا سفارشی اور کون ہو گا؟ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہنسے اور فرمانے لگے سواد تم نے فلاح پالی۔ حضرت عمرؓ نے یہ واقعہ سن کر پوچھا کیا وہ جن اب بھی تیرے پاس آتا ہے؟ اس نے کہا جب سے میں نے قرآن پڑھا وہ نہیں آتا اور اللہ کا بڑا شکر ہے کہ اس کے عوض میں نے رب کی پاک کتاب پائی۔

حضرت ابن مسعودؓ کی زبانی لیلۃ الجن کا قصہ

اب جس حدیث کو ہم حافظ ابونعیم کی کتاب دلائل النبوۃ سے نقل کرتے ہیں اس میں بھی اس کا بیان ہے کہ مدینہ شریف میں بھی جنات کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں باریاب ہوا تھا۔ حضرت عمرو بن غیلان ثقفیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جا کر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ جس رات جنات کا وفد حاضر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تھا اس رات حضور کے ساتھ آپ بھی تھے جواب دیا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے کہا ذرا واقعہ تو سنائیے فرمایا صفہ والے مساکین صحابہؓ کو لوگ اپنے اپنے ساتھ شام کو کھانا کھلانے کے لئے لے گئے اور میں یونہی رہ گیا۔ میرے پاس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا ابن مسعود فرمایا تمہیں کوئی لے نہیں گیا کہ تم بھی کھا لیتے؟ میں نے جواب دیا نہیں کوئی نہیں لے گیا۔ فرمایا اچھا میرے ساتھ چلو شاید کچھ مل جائے تو دے دوں گا۔ میں ساتھ ہو لیا آپ حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں گئے۔ میں باہر ہی ٹھہر گیا۔ تھوڑی دیر میں اندر سے ایک لونڈی آئی اور کہنے لگی حضور فرماتے ہیں ہم نے اپنے گھر میں کوئی چیز نہیں پائی تم اپنی خوابگاہ چلے جاؤ میں واپس مسجد میں آ گیا اور مسجد میں کنکریوں کا ایک چھوٹا سا ڈھیر کر کے اس پر سر رکھ کر اپنا کپڑا پیٹ پر لپیٹ کر سو گیا۔ تھوڑی ہی دیر گذری ہو گی جو وہی لونڈی پھر آئیں اور کہا رسول خدا آپ کو یاد فرما رہے ہیں۔ میں ساتھ ہو لیا اور اور مجھے امید پیدا ہو گئی کہ اب تو کھانا ضرور ملے گا۔ جب میں اپنی جگہ پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں کھجور کے درخت کی ایک تر چھڑی تھی جسے میرے سینے پر رکھ کر فرمانے لگے جہاں میں جا رہا ہوں کیا تم بھی میرے ساتھ چلو گے؟ میں نے کہا جو اللہ نے چاہا ہو تین مرتبہ یہی سوال جواب ہوئے پھر آپ چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چلنے لگا' تھوڑی دیر میں بقیع غرقد جا پہنچے پھر قریب قریب وہی بیان ہے جو اوپر کی روایتوں میں گذر چکا ہے۔ اس کی اسناد غریب ہے اور اس کی سند میں ایک مبہم راوی ہے جن کا نام ذکر نہیں۔

ایک شہید جن صحابی:

ابونعیم میں ایک روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے امیر المؤمنین میں ایک جنگل میں تھا' میں نے دیکھا کہ دو سانپ آپس میں خوب لڑ رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اب میں انہیں چھوڑ کر جہاں معرکہ ہوا تھا وہاں گیا۔ دیکھا تو بہت سے سانپ قتل کئے ہوئے پڑے ہیں اور بعضوں سے اسلام کی خوشبو آ رہی ہے پس میں نے ایک ایک کو سونگھنا شروع کیا۔

یہاں تک کہ ایک زرد رنگ کا دبلے پتلے سانپ میں سے مجھے اسلام کی خوشبو آنے لگی۔ میں نے اپنے عمامے میں لپیٹ کر اسے دفنا دیا۔ اب میں چلا جا رہا تھا جو میں نے ایک آواز سنی کہ اے اللہ کے بندے تجھے خدا کی طرف سے ہدایت دی گئی۔ یہ دونوں سانپ جنات کے قبیلہ بنو شعبان اور بنو قیس میں سے تھے ان دونوں میں جنگ ہوئی اور پھر جس قدر قتل ہوئے وہ تم نے خود دیکھ لئے۔ انہیں میں ایک شہید جنہیں تم نے دفن کیا وہ تھے جنہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وحی الٰہی سنی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس قصے کو سن کر فرمانے لگے اے شخص اگر تو سچا ہے تو اس میں شک نہیں کہ تو نے عجیب واقعہ دیکھا اور اگر تو جھوٹا ہے تو جھوٹ کا بوجھ تجھ پر ہے۔

مؤمن جنوں کے جنت میں جانے کا مسئلہ

جب کافر جنات کو جہنم میں ڈالا جائے گا جو مقام عدل ہے تو مؤمن جنات کو جنت میں کیوں نہ لے جایا جائے؟ جو مقام فضل ہے بلکہ یہ بہت زیادہ لائق اور بطور اولیٰ ہونے کے قابل ہے اور اس پر وہ آیتیں بھی دلیل ہیں جن میں عام طور پر ایمانداروں کو جنت کی خوشخبری دی گئی ہے مثلاً إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا وغیرہ وغیرہ یعنی ایمانداروں کا مہمان خانہ یقیناً جنت فردوس ہے۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیچ جنت میں تو یہ پہنچیں گے نہیں البتہ کناروں پر اور ادھر ادھر رہیں گے۔ بعض لوگ کہتے ہیں جنت میں تو وہ ہوں گے لیکن دنیا کے بالکل برعکس انسان انہیں دیکھیں گے اور یہ انسانوں کو دیکھ نہیں سکیں گے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ وہ جنت میں کھائیں گے پئیں گے نہیں صرف تسبیح وتحمید وتقدیس ان کا طعام ہوگا جیسے فرشتے اس لئے کہ یہ بھی انہی کی جنس سے ہیں۔ لیکن ان تمام اقوال میں نظر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

چھ مرتبہ جنات حاضر ہوئے:

طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے۔ خفاجی نے فرمایا کہ احادیث کی روایات جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرنے کے واقعات چھ مرتبہ پیش آئے ہیں (کذا فی الروح واخذتہ عن بیان القرآن)۔ (معارف مفتی اعظم)

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا
بولے اے قوم ہماری ہم نے سنی ایک کتاب

اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى
جو اُتری ہے موسیٰ کے بعد ☆

توراۃ کی گواہی

کتب سابقہ میں حضرت موسیٰ کی کتاب (تورات) کی برابر کوئی کتاب احکام وشرائع کو حاوی نہیں تھی۔ اسی پر انبیائے بنی اسرائیل کا عمل رہا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہ ہی فرمایا کہ میں تورات کو بدلنے کے لئے نہیں آیا بلکہ اسکی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے وقت سے جنوں میں تورات ہی مشہور چلی آتی تھی۔ اس لئے اس موقع پر انہوں نے اسی کی طرف اشارہ کیا خود تورات میں بھی جو پیشین گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آئی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ (اے موسیٰ علیہ السلام) "تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا"۔ (تفسیر عثمانی)

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
سچا کرنے والی سب اگلی کتابوں کو ☆

☆ شاید اس وقت قرآن کا جو حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمایا تھا اس میں ایسا مضمون آیا ہوگا۔ یا قرائن سے سمجھے ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ
بھاتی ہے سچا دین اور ایک راہ
مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾
سیدھی ☆

قرآن کی رہنمائی

یعنی سچے عقیدے اور عمل کا سیدھا راستہ۔ (تفسیر عثمانی)

يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ۔ الحق سے مراد ہیں صحیح عقائد۔ اور طریق مستقیم سے مراد ہیں عملی احکام۔ (تفسیر مظہری)

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ
اے قوم ہماری مانو اللہ کے بلانے والے کو اور اس پر یقین لاؤ ☆

جنوں کی اپنی قوم کو دعوت ☆ یعنی اس کی بات مانو جو اللہ کی طرف بلا رہا ہے اور اسکی رسالت پر یقین کرو۔ (تفسیر عثمانی)

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ

کہ بخشے تم کو کچھ تمہارے گناہ ☆

اسلام سے گناہ معاف ہو جاتے

☆یعنی جو گناہ حالت کفر میں کر چکے ہو۔ اسلام کی برکت سے سب معاف ہو جائیں گے۔ آئندہ سے نیا کھاتہ شروع ہوگا لیکن یاد رہے کہ یہاں ذنوب کا ذکر ہے۔ حقوق العباد کا معاف ہونا اس سے نہیں نکلتا۔ (تفسیر عثمانی)

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ ۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا یعنی وہ گناہ معاف کر دے گا جن کا تعلق حق اللہ سے ہوگا۔ حقوق العباد ایمان لانے سے معاف نہیں ہوتے۔ جنات کی اس تبلیغ سے ستر جن مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بطحاء میں تھے آپ نے ان کو قرآن پڑھ کر سنایا۔ فرائض ادا کرنے کا حکم دیا اور ممنوعات سے باز داشت کی اس واقعہ میں اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن وانس دونوں کے لئے بھیجا گیا تھا۔ سورۃ جن میں ہم نے مؤمن جن کے متعلق علماء کے اختلاف پر روشنی ڈالی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ وَمَنْ

اور بچا دے تم کو ایک عذاب دردناک سے اور جو کوئی

لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ

نہ مانے گا اللہ کے بُلانیوالے کو تو وہ نہ تھکا سکے گا

فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ

بھاگ کر زمین میں اور کوئی نہیں اُس کا اُسکے سوائے

أَوْلِيَاءُ

مددگار☆

خدا کے باغی کا کہیں ٹھکانہ نہیں

یعنی نہ خود بھاگ کر خدا کی مار سے بچ سکے نہ کوئی دوسرا بچا سکے۔ حضرت شاہ صاحب ''فی الارض'' کی قید پر لکھتے ہیں کہ ''شیاطین کو'' اوپر سے فرشتے مارتے ہیں تو زمین ہی کو بھاگتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ ۔ یعنی زمین پر اللہ کو مغلوب نہیں کر سکتا اگر اللہ اس کو عذاب دینا چاہے تو وہ اللہ کی دسترس سے چھوٹ نہیں سکتا۔ (تفسیر مظہری)

أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ أَوَلَمْ

وہ لوگ بھٹکتے ہیں صریح کیا نہیں

يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ

دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے بنائے آسمان

وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ

اور زمین اور نہ تھکا اُن کے بنانے میں ☆

یہود کے عقیدہ کی تردید

اس لفظ میں ''یہود'' کے عقیدے کا رد ہے جو کہتے تھے کہ چھ دن میں اللہ نے زمین وآسمان پیدا کئے ''ثم استراح'' (پھر ساتویں دن آرام کرنے لگا) العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ ۔ اور ان کو پیدا کرنے سے نہیں تھکا اور نہ عاجز ہو گیا کیوں کہ اس کی قدرت ذاتی ہے پیدا کرنے اور ایجاد کرنے سے اس میں نقص نہیں آسکتا۔ (تفسیر مظہری)

بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ ۚ بَلَىٰ

وہ قدرت رکھتا ہے کہ زندہ کرے مُردوں کو

إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

کیوں نہیں وہ ہر چیز کر سکتا ہے ☆

موت کے بعد زندگی

یعنی بڑا عذاب مرنے کے بعد ہوگا اور اس دھوکا میں نہ رہیں کہ مر کر کہاں زندہ ہوتے ہیں۔ اللہ کو یہ کچھ مشکل نہیں۔ جو آسمان وزمین کے پیدا کرنے سے نہ تھکا، اسکو تمہارا دوبارہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى

اور جس دن سامنے لائیں منکروں کو آگ کے

النَّارِ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۖ قَالُوا بَلَىٰ

کیا یہ ٹھیک نہیں کہیں گے کیوں نہیں

وَرَبِّنَا ؕ

قسم ہے ہمارے رب کی ☆

کافروں کا اقرار ☆یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ دوزخ کا وجود اور اسکا عذاب کیا واقعی چیز نہیں؟ آخر سب ذلیل ہوکر اقرار کریں گے کہ بے شک واقعی ہے (ہم غلطی پر تھے جو اس کا انکار کیا کرتے تھے) (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا

کہا تو چکھو عذاب بدلہ اُس کا

كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

جو تم منکر ہوتے تھے ☆

☆یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ اچھا اب اس انکار وتکذیب کا مزہ چکھتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ

سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہیں ہمت والے

الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ

رسول اور جلدی نہ کرو اُنکے معاملہ میں ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی

یعنی جب معلوم ہو چکا کہ منکرین کو سزا ملنی ضرور ہے۔ آخرت میں طے یا دنیا میں بھی۔ تو آپ ان کے معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ بلکہ ایک میعاد معین تک صبر کرتے رہیں جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا ہے (تنبیہ) بعض سلف نے کہا کہ سب رسول اولوالعزم (ہمت والے) ہیں اور عرف میں پانچ پیغمبر خصوصی طور پر اولوالعزم کہلاتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اور حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر عثمانی)

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اولوالعزم رسول سے مراد سب پیغمبر ہوں تو مِنَ الرُّسُلِ کا مِن بیانِ جنس کے لئے ہوگا' واللہ اعلم۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پس آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا۔

فَاصْبِرْ یعنی اے محمد آپ کافروں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کیجئے۔ مطلب یہ کہ جب آپ کو معلوم ہو گیا کہ کافروں کو دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھنا ہوگا تو آپ صبر کیجئے۔ انتقام کا ارادہ نہ کیجئے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ارشاد:

شیخ احمد مجدد الف ثانی نے فرمایا' عزم والے چھ تھے آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰ، عیسیٰؑ، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم مؤخر الذکر پانچ کا ذکر تو خصوصیت کے ساتھ آیت میثاق (مذکورہ بالا) میں کر دیا گیا ہے یہ حضرات (الگ الگ) شریعتوں کے حامل بھی تھے ان کے بعد جو پیغمبر ہوئے وہ انہیں کی شریعتوں کے پابند تھے رہے حضرت آدمؑ تو ظاہر ہے کہ وہ سب سے پہلے تھے ان کی شریعت سب سے اول تھی (جس پر وہ عامل تھے)۔

اہل عزم کا مقام:

بغوی نے لکھا ہے کہ مسروق نے کہا مجھ سے حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' عائشہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آلِ محمد کے لئے دنیا مناسب نہیں عائشہ! اللہ نے اہل عزم کے لئے دنیا کے مکروہات پر صبر رکھنے اور مرغوبات سے صبر (اعراض۔ گریز) کرنے ہی کو پسند فرمایا اور مجھے بھی اسی امر کا مکلف کیا جس کا مکلف دوسرے اولوالعزم کو کیا تھا میرے لئے اسی بات کو اس نے پسند کیا۔ اور فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اور واللہ میرے لئے بھی طاعت خداوندی کے سوا کوئی چارہ نہیں! جیسے انہوں نے صبر کیا میں بھی صبر کروں گا اور جیسے انہوں نے محنتیں برداشت کیں میں بھی ویسی ہی محنت کروں گا۔ ولا قوۃ الا باللہ

ایک نبیؑ کا صبر:

حضرت ابن مسعود نے فرمایا' گویا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کا وقعہ بیان فرما رہے تھے جن کو ان کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا لیکن وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے اے اللہ میری قوم کو معاف کر دے یہ لوگ نادان ہیں متفق علیہ (غالباً نبی سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات مبارک تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کو مبہم الفاظ میں بیان فرمایا)۔ (تفسیر مظہری)

كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لا

یہ لوگ جس دن دیکھ لیں گے اُس چیز کو جس کا اُن سے وعدہ ہے

لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ

جیسے ڈھیل نہ پائی تھی مگر ایک گھڑی دن کی ☆

جب عذاب آئے گا تو پتہ چلے گا

''ڈھیل نہ پائی تھی دنیا میں'' یعنی اب تو دیر سمجھتے ہیں کہ عذاب جلد کیوں نہیں آتا اس دن جانیں گے کہ بہت شتاب آیا دنیا میں ہم ایک ہی گھڑی رہے یا عالم قبر کا رہنا ایک گھڑی معلوم ہوگا۔ قاعدہ ہے کہ گذری ہوئی مدت تھوڑی معلوم ہوا کرتی ہے۔ خصوصاً سختی اور مصیبت کے وقت عیش و آرام کا زمانہ بہت کم نظر آنے لگتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَمْ يَلْبَثُوْٓا۔ یعنی دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر گھڑی بھر۔ روز قیامت اور عذاب کی ہولناکی کی وجہ سے دنیوی زندگی ان کو بہت ہی تھوڑی محسوس ہو گی کیوں کہ جو مدت گزر گئی وہ کتنی ہی طویل ہو لیکن جب گذر چکی تو گویا تھی ہی نہیں۔ (تفسیر مظہری)

بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ
یہ پہنچا دینا ہے اب وہی غارت ہونگے جو لوگ
الْفٰسِقُوْنَ ۝
نافرمان ہیں ☆

حجت پوری ہو چکی ☆ یعنی ہم نے نصیحت کی بات پہنچا دی اور سب نیک و بد سمجھا دیا۔ اب جو نہ مانیں گے وہ ہی تباہ و برباد ہوں گے ہماری طرف سے حجت تمام ہو چکی اور کسی کو بے قصور ہم نہیں پکڑتے اسی کو غارت کرتے جو غارت ہونے ہی پر کمر باندھ لے تم سورة الاحقاف بفضل الله وحسن توفيقه فلله الحمد والمنة۔ (تفسیر عثمانی)

بَلٰغٌ۔ یعنی یہ نصیحت جو کی گئی یا یہ سورت یا یہ قرآن اور جو بیان اس کے اندر ہے اللہ کی طرف سے تم کو پہنچانا ہے یعنی بس اس کا پہنچا دینا ہی کافی ہے یا ہذا سے تبلیغ رسول کی طرف اشارہ ہے۔ بلاغ کی تنوین اظہار عظمت کے لئے یعنی یہ بلاغ عظیم ہے۔

فَهَلْ يُهْلَكُ۔ سوال انکاری ہے یعنی سوا نافرمان لوگوں کے عذاب سے کوئی ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

الْفٰسِقُوْنَ۔ یعنی نصیحت پذیری یا طاعت سے خارج ہو جانے والے۔ زجاج نے اس کی تشریح میں کہا کہ اللہ کی رحمت اور کرم کی موجودگی میں عذاب سے ہلاک ہونے والے صرف نافرمان لوگ ہوں گے (باقی لوگوں پر اللہ کی رحمت ہوگی) اسی لئے کچھ لوگوں نے کہا کہ رحمت خداوندی سے امید رکھنے کے سلسلہ میں جو کچھ آیا ہے وہ اس آیت سے زیادہ قوی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلَّى اللهُ تعالىٰ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ محمد و اٰلِهٖ واصحابه اجمعين. (تفسیر مظہری)

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے پاس فرشتہ اچھی صورت میں آئے گا۔

اس سورۃ کا نام ''قتال'' ہونے کی وجہ

سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوسرا نام قتال بھی ہے کیونکہ جہاد و قتال کے احکام اس میں بیان ہوئے ہیں۔ ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی یہ سورت نازل ہوئی یہاں تک کہ اس کی ایک آیت كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ وہ مکی آیت ہے کیونکہ اسکا نزول اس وقت ہوا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کی نیت سے مکہ معظمہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ کی بستی اور بیت اللہ پر نظر کر کے آپ نے فرمایا کہ ساری دُنیا کے شہروں میں مجھے تو ہی محبوب ہے اگر اہل مکہ مجھے یہاں سے نہ نکالتے تو میں خود اپنے اختیار سے مکہ مکرمہ نہ چھوڑتا۔ (معارف مفتی اعظم)

سُوْرَةُ مُحَمَّدٍ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٍ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ محمد مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں اڑتیس آیتیں ہیں اور چار رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
جو لوگ کہ منکر ہوئے اور روکا اوروں کو
سَبِيْلِ اللّٰهِ
اللہ کی راہ سے ☆

راہ حق سے روکنا ☆ جیسا کہ رؤسائے کفار کی عادت تھی کہ جان، مال اور ہر طرح سے اس میں کوشش کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝
کھو دیے اللہ نے اُنکے کام ☆

خود فریبی ☆ یعنی جن اعمال کو وہ نیک سمجھ رہے ہیں بوجہ عدم ایمان کے وہ مقبول نہیں بلکہ ان میں سے بعض کام اور الٹے موجب عتاب ہوتے ہیں جیسے لوگوں کو اسلام سے روکنے میں پیسہ خرچ کرنا۔ (تفسیر عثمانی)

اعمال بغیر ایمان کے مقبول نہیں

اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت اور نابود کر دیا۔ اعمال سے مراد ہیں وہ عمال جو بظاہر بہت اچھے دکھائی دیتے ہیں جیسے غریبوں کو کھانا کھلانا۔ قرابت داروں کے رشتۂ قرابت کو جوڑے رکھنا اور ان سے حسن سلوک کرنا اور قیدیوں کو رہا کرانا اور ہمسایہ کے حقوق کی نگہداشت کرنا۔ چونکہ کافروں کے اچھے اعمال کا مقصود خوشنودیٔ خدا کا حصول نہیں ہوتا اس لئے آخرت میں اللہ ان کا کوئی ثواب نہیں دے گا۔ اللہ کی مہربانی سے دنیا میں ان کا اچھا بدلہ مل سکتا ہے۔

دوسرا ترجمہ: ضحاک نے **اصل اعمالھم** کا ترجمہ کیا اللہ نے ان کی خفیہ تدبیروں کو اکارت کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کی سیہ کاریوں کو نابود کر دیا اور ان کی مکاریوں کا چکرا انہیں پر الٹ دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور جو یقین لائے اور کئے بھلے کام
وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ
اور مانا اس کو جو اترا محمد پر اور وہی ہے سچا دین
مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ
اُن کے رب کی طرف سے اُن پر سے اتاریں اُن کی برائیاں
وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾
اور سنوارا اُن کا حال ☆

سچا دین ☆ یعنی برائیوں کی عادت چھڑا کر اللہ تعالیٰ ان کا حال سنوار دیتا ہے کہ "یوماً فیوماً" نیکی میں ترقی کرتے رہتے ہیں اور آخرت میں ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر اچھے حال میں رکھتا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "پہلے زمانہ میں ساری مخلوق ایک شریعت کی مکلف نہ تھی۔ اس وقت سب جہان کو یک حکم ہے اب سچا دین یہی ہے اور برے بھلے کام مسلمان بھی کرتے ہیں اور کافر بھی، لیکن سچا دین ماننے کو یہ قبولیت ہے کہ نیکی ثابت اور برائی معاف، اور نہ ماننے کی یہ سزا ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم"۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ میں تو تمام وہ امور داخل ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے خاص طور پر اس شریعت پر جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ایمان لانا لازم قرار دیا اس سے شریعت محمدیہ پر ایمان لانے کی عظمت کا اظہار اور اس امر کی صراحت کرنی مقصود ہے کہ اس شریعت پر ایمان لائے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی اور اصل ایمان یہی ہے تمام ایمانیات اس میں داخل ہیں۔

ایک لطیف مفہوم: بعض اہل علم نے کہا اسکی حقانیت یہ ہے کہ سب کا ناسخ ہے منسوخ نہیں ہے۔

نحوی نکتہ: وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۔ یہ جملہ معترضہ ہے اور کلام مفید حصر ہے۔

كَفَّرَ ۔ ایمان اور اچھے اعمال کی وجہ سے اللہ ان کے گناہوں کو چھپا دے گا ان کے گناہوں پر پردہ ڈال دے گا۔

اصلاحِ حال: وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۔ اور دنیا میں ان کے حالات درست رکھے گا دشمنوں پر فتح عنایت کرے گا گناہوں سے بچنے اور شیطان کے تسلط سے محفوظ رہنے کی اور طاعت الٰہیہ کی توفیق عطا فرمائے گا پھر آخرت میں دوامی راحت اور خوشنودی خدا مرحمت کرے گا۔ حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا یعنی زندگی بھر ان کی حفاظت رکھے گا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ سے مراد مکہ کے مشرک ہیں۔ اور اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے مراد انصار ہیں۔ میں کہتا ہوں لفظ عام ہے (اس میں ہر کافر اور ہر مؤمن صالح داخل ہے)۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا
یہ اس لئے کہ جو منکر ہیں وہ چلے
الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا
جھوٹی بات پر اور جو یقین لائے
اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ
انہوں نے مانی سچی بات اپنے رب کی طرف سے یوں
يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾
بتلاتا ہے اللہ لوگوں کو اُن کے احوال ☆

واضح بیان ☆ یعنی اسطرح کھول کھول کر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے بھلے برے احوال پر متنبہ کرتا ہے تا باطل پرستی کی نحوست وشامت اور حق پرستی کی برکت ان کو پوری طرح ذہن نشین ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ
سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو

الرِّقَابِ حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ
گردنیں یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو ان کو
فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ
تو مضبوط باندھ لو قید پھر یا احسان کیجیو
وَاِمَّا فِدَآءً
اور یا معاوضہ کیجیو ☆

باطل سے مقابلہ کی ہدایات

یعنی حق اور باطل کا مقابلہ تو رہتا ہی ہے۔ جس وقت مسلمان اور کافروں میں جنگ ہو جائے تو مسلمانوں کو پوری طرح مضبوطی اور بہادری سے کام لینا چاہیے۔ باطل کا زور جب ہی ٹوٹے گا کہ بڑے بڑے شریر مارے جائیں اور ان کے جتھے توڑ دیے جائیں۔ اس لئے ہنگامہ کارزار میں کسل سستی، بزدلی، اور توقف و تردد کو راہ نہ دو اور دشمنانِ خدا کی گردنیں مارنے میں کچھ باک نہ کرو کافی خونریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور ان کا زور ٹوٹ جائے اس وقت قید کرنا بھی کفایت کرتا ہے قال تعالیٰ "مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ" (انفال رکوع ۹) یہ قید و بند ممکن ہے ان کے لئے تازیانہ عبرت کا کام دے۔ اور مسلمانوں کے پاس رہ کر ان کو اپنی اور تمہاری حالت کے جانچنے اور اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع بہم پہنچائے۔ شدہ شدہ وہ لوگ حق و صداقت کا راستہ اختیار کر لیں یا مصلحت سمجھو تو بدون کسی معاوضہ کے ان پر احسان کر کے قید سے رہا کر دو۔ اس صورت میں بہت سے افراد ممکن ہے تمہارے احسان اور خوبی اخلاق سے متاثر ہو کر تمہاری طرف راغب ہوں اور تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں۔ اور یہ بھی کر سکتے ہو کہ زر فدیہ لے کر یا مسلمان قیدیوں کے مبادلہ میں ان قیدیوں کو چھوڑ دو۔ اس میں کئی طرح فائدے ہیں بہر حال اگر ان اسیران جنگ کو ان کے وطن کی طرف واپس کرو تو دو ہی صورتیں ہیں معاوضہ میں چھوڑنا یا بلا معاوضہ رہا کرنا۔ ان میں جو صورت امام کے نزدیک اصلح ہو اختیار کر سکتا ہے۔ حنفیہ کے ہاں بھی فتح القدیر اور شامی وغیرہ میں اسی طرح کی روایات موجود ہیں ہاں اگر قیدیوں کو ان کے وطن کی طرف واپس کرنا مصلحت نہ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں ذمی بنا کر بطور رعیت کے رکھنا یا غلام بنا لینا یا قتل کر دینا احادیث سے قیدی کو قتل کرنے کا ثبوت صرف خاص خاص حالات میں ملتا ہے جبکہ وہ کسی ایسے سنگین جرم کا مرتکب ہوا ہو جس کی سزا قتل سے کم نہیں ہو سکتی تھی البتہ غلام یا رعیت بنا کر رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَقِیْتُمُ۔ لقیتم لقاء سے مشتق ہے اور لقاء (کا معنی ہے مقابلہ۔ اس) سے مراد ہے لڑائی۔ فَضَرْبَ الرِّقَابِ۔ اصل جملہ تھا فاضربوا الرقاب ضربا۔ خوب گردنیں مارو۔ گردن مارنے سے مراد ہے قتل کر دینا' دوسرے اعضاء کو زخمی کر دینے سے کبھی ہلاکت ہو جاتی ہے کبھی نہیں ہوتی اور گردن کاٹنے سے عام طور پر موت ہو ہی جاتی ہے اس لئے گردنیں کاٹنے کا حکم دیا یعنی قتل کر دو۔ حَتّٰٓی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ۔ یہاں تک کہ جب تم خوب قتل کر چکو۔ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ۔ ثخن سے ماخوذ ہے ثخین کا معنی ہے دبیز موٹا' قتل کر چکو یعنی کثرت سے خون ریزی کر چکو۔ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ۔ یعنی قتل سے رک جاؤ اور گرفتار کر لو اور مضبوطی کے ساتھ باندھ لو تاکہ بھاگ نہ جائیں وثاق اور وثاق' بندھن جس سے کسی چیز کو باندھا جاتا ہے۔ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ۔ یعنی گرفتار کرنے کے بعد ان پر احسان رکھ کے بغیر معاوضہ لئے چھوڑ دو۔ وَاِمَّا فِدَآءً اور یا وہ فدیہ جو رہائی کے لئے معاوضہ ادا کریں۔ (تفسیر مظہری)

جنگی قیدیوں کا مسئلہ: خلاصہ یہ ہے کہ آیت انفال نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنا بھی ممنوع کر دیا تو بلا معاوضہ چھوڑنا بدرجۂ اولیٰ ممنوع ہوگا۔ اور سورۂ محمد کی آیتِ مذکورہ نے ان دونوں چیزوں کو جائز قرار دیا ہے اسلئے اکثر صحابہ اور ائمہ فقہاء نے فرمایا کہ سورۂ محمد کی اس آیت نے سورۂ انفال کی ایت کو منسوخ کر دیا تفسیر مظہری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حسن اور عطاء اور اکثر صحابہ و جمہور فقہاء کا یہی قول ہے اور ائمہ فقہاء میں سے ثوری' شافعی' احمد' اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی قلت تھی اس وقت منّ و فداء کی ممانعت آئی اور پھر جب مسلمانوں کی شوکت و تعداد بڑھ گئی تو سورۂ محمد میں منّ و فداء کی اجازت دیدی گئی۔ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہؒ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ یہی قول صحیح اور مختار ہے کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل فرمایا اور آپکے بعد خلفائے راشدین نے اس پر عمل فرمایا اس لئے یہ آیت سورۂ انفال کی آیت کے لئے ناسخ ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورۂ انفال کی آیت غزوہ بدر کے وقت نازل ہوئی جو ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ھ غزوۂ حدیبیہ میں جن قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد فرمایا ہے وہ سورۂ محمد کی اس آیت مذکورہ کے مطابق ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

جنگی قیدیوں کے متعلق امام المسلمین کو چار اختیار

مذکورہ الصدر تقریر سے واضح ہو گیا کہ جنگی قیدیوں کے قتل اور استرقاق یعنی غلام بنا لینے کا جو امام المسلمین کو اختیار ہے اس پر تو تمام اُمت کا اجماع ہے اور فدیہ لے کر یا بلا معاوضہ آزاد کرنے میں اگرچہ کچھ اختلاف ہیں مگر جمہور کے نزدیک یہ دونوں صورتیں بھی جائز ہیں۔

قرطبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے یہ ثابت کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو کبھی قتل کیا گیا ہے اور کبھی غلام بنایا گیا اور کبھی فدیہ لے کر چھوڑا گیا اور کبھی بغیر فدیہ کے آزاد کر دیا گیا۔ فدیہ لینے میں یہ بھی داخل ہے کہ انکے بدلے میں مسلمان قیدی آزاد کرا لئے جائیں اور یہ بھی کہ اُن سے کچھ مال لیکر چھوڑا جائے' دونوں قسم کی صورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہیں۔

مسئلہ غلامی کے بارے میں اسلام پر اعتراض اور اس کا جواب

رہا یہ اشکال کہ اسلام' جو حقوق انسانیت کا سب سے بڑا محافظ ہے' اُس نے غلامی کی اجازت کیوں دی؟ سو در حقیقت یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کی جائز سی صورتوں میں جنگی قیدیوں کے ساتھ اس سے بہتر سلوک ممکن نہیں' مشہور مستشرق موسیو گستاولیبان اپنی کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے۔

غلام کا لفظ جب کسی ایسے یوروپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے جو تمیں سال کے دوران لکھی ہوئی امریکی روایتوں کو پڑھنے کا عادی ہے تو اس کے دل میں اُن مسکینوں کا تصور آجاتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں' ان کے گلوں میں طوق پڑے ہیں اور انہیں کوڑے مار مار کر ہنکایا جا رہا ہے' ان کی غذا انکی سد رمق کے لئے بھی کافی نہیں اور انہیں رہنے کے لئے تاریک کوٹھڑیوں کے سوا کچھ میسر نہیں' مجھے یہاں اس سے بحث نہیں کہ یہ تصویر کس حد تک درست ہے اور انگریزوں نے چند سالوں سے امریکہ میں جو کچھ کیا ہے یہ باتیں اس پر صادق آتی ہیں یا نہیں؟ لیکن یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اہل اسلام کے یہاں غلام کا تصور نصرانی کے یہاں غلام کے تصور سے بالکلیہ مختلف ہے۔ (منقول از دائرۃ معارف فرید وجدی' ص ۹-۲ ج ۴ ۱۹۰۴ ستہ قاق)

حقیقت یہ ہے کہ بہت سی صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قیدیوں کو غلام بنانے سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر غلام نہ بنایا جائے تو تین ہی صورتیں عقلاً ممکن ہیں۔ یا قتل کر دیا جائے' یا آزاد چھوڑ دیا جائے یا دائمی قیدی بنا کر رکھا جائے' اور بسا اوقات یہ تینوں صورتیں مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں' قتل کرنا اس لئے مناسب نہیں ہوتا کہ قیدی اچھی صلاحیتوں کا مالک ہوتا ہے۔ آزاد چھوڑ دینے میں بعض مرتبہ یہ خطرہ ہوتا ہے کہ دار الحرب میں پہنچ کر وہ مسلمانوں کے لئے دوبارہ عظیم خطرہ بن جائے' اب دو ہی صورتیں رہ جاتی ہیں' یا تو اسے دائمی قیدی بنا کر آجکل کی طرح کسی الگ تھلگ جزیرے میں ڈال دیا جائے یا پھر غلام بنا کر اس کی صلاحیتوں سے کام لیا جائے' اور اس کے حقوق انسانی کی پوری نگہداشت کی جائے' ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ان میں سے بہتر صورت کونسی ہے؟۔

غلاموں کے بارے میں اسلام نقطۂ نظر

غلاموں کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر وہ ہے جو ایک معروف حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفاظ ذیل بیان فرمایا ہے۔

اخوانکم جعلهم الله تحت ایدیکم فمن کان اخوه تحت یدیه فلیطعمه مما یاکل ولیلبسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه فان کلّفهٗ ما یغلبه فلیعنهٗ. (بخاری' مسلم' ابوداؤد وغیرہ)

تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے زیر دست کر دیا ہے' پس جس کا بھائی اسکے زیر دست ہو اسے چاہئے کہ اسکو بھی اسی میں سے کھلائے جو وہ خود کھاتا ہے اور اسی میں سے پہنائے جسے وہ خود پہنتا ہے اور اسکو ایسے کام کی زحمت نہ دے جو اس کے لئے ناقابل برداشت ہو' اور اگر اسے ایسے کام کی تکلیف دے تو خود بھی اس کی مدد کرے۔

اسلام نے غلاموں کو تمام معاشرتی حقوق دیئے

معاشرتی اور تمدنی حقوق کے اعتبار سے اسلام نے غلاموں کو جو مرتبہ عطا کیا وہ آزاد افراد کے قریب قریب مساوی ہے' چنانچہ دوسری اقوام کے برخلاف اسلام نے غلاموں کو نکاح کی نہ صرف اجازت دی بلکہ آقاؤں کو وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ والی آیت کے ذریعہ اسکی تاکید کی گئی ہے یہاں تک کہ وہ آزاد عورتوں سے بھی نکاح کر سکتا ہے' مال غنیمت میں اسکا حصہ آزاد مجاہدین کے برابر ہے اور دشمن کو امان دینے میں اسکا قول اسی طرح معتبر ہے جس طرح آزاد افراد کا' قرآن و حدیث میں اس کیساتھ حسن سلوک کے کتنے احکام آئے ہیں کہ ان کو جمع کرنے سے ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جو الفاظ آخری وقت تک زبان مبارک پر جاری تھے اور جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالق حقیقی سے جا ملے' وہ یہ الفاظ تھے۔ **الصّلوۃ الصّلوۃ' اتقوا الله فیما ملکت ایمانکم** (ترجمہ) نماز کا خیال رکھو نماز کا خیال رکھو اپنے زیر دست غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو (ابوداؤد۔ باب فی حق المملوک)

اسلام میں غلاموں کی تعلیم و تربیت کے مواقع

غلاموں کے لئے تعلیم و تربیت کے جو مواقع اسلام نے فراہم کئے ہیں ان کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں اسلامی سلطنت کے تقریباً تمام صوبوں میں علم و فضل کے مرجع اعلیٰ سب کے سب غلاموں میں سے تھے جس کا واقعہ متعدد کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

غلاموں کی آزادی کے فضائل و مواقع

مختلف فقہی احکام میں غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہانے ڈھونڈے گئے

ہیں۔ کفارہ صوم، کفارہ قتل، کفارہ ظہار، کفارہ یمین ان تمام صورتوں میں سب سے پہلا حکم یہ مذکور ہے کہ کوئی غلام آزاد کیا جائے، یہاں تک کہ حدیث میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی نے غلام کو ناحق تھپڑ ماردیا تو اسکا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کردیا جائے۔ (صحیح مسلم۔ باب صحبۃ المملایک)

بعض صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد

صاحب النجم لوہاج نے بعض صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی یہ تعداد نقل کی ہے۔

حضرت عائشہؓ	۶۹	حضرت عباسؓ	۷۰
حضرت حکیم بن حزامؓ	۱۰۰	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	۱۰۰۰
حضرت عثمان غنیؓ	۲۰	حضرت ذوالکلاع حمیریؓ	۸۰۰۰ (صرف ایک دن میں)
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	۳۰۰۰۰		

(فتح العلام شرح بلوغ المرام نواب صدیق حسن خانصاحب ص۲۳۲ ج ۲ کتاب العتق)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف سات صحابہؓ نے ۳۹۲۵۹ غلام آزاد کیے اور ظاہر ہے کہ دوسرے ہزاروں صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زائد ہوگی۔

غرض اسلام نے غلامی کے نظام میں جو ہمہ گیر اصلاحات کیں جو شخص بھی انہیں بنظر انصاف دیکھے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسے دوسری اقوام کے احکامِ غلامی پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے، اور ان اصلاحات کے بعد جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کی اجازت ان پر ایک عظیم احسان بن گئی ہے۔

اسلام نے جنگی قیدیوں کو غلام بنانا فرض نہیں کیا صرف جواز ہے

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا حکم صرف اباحت اور جواز کی حد تک ہے یعنی اگر اسلامی حکومت مصالح کے مطابق سمجھے تو نہیں غلام بنا سکتی ہے ایسا کرنا مستحب یا واجب فعل نہیں ہے بلکہ قرآن و حدیث کے مجموعی ارشادات سے آزاد کرنے کا افضل ہونا سمجھ میں آتا ہے اور یہ اجازت بھی اس وقت تک کے لئے ہے جب تک اس کے خلاف دشمن سے کوئی معاہدہ نہ ہو اور اگر دشمن سے یہ معاہدہ ہو جائے کہ نہ وہ ہمارے قیدیوں کو غلام بنائیں گے نہ ہم اُن کے قیدیوں کو تو پھر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی۔ ہمارے زمانے میں دُنیا کے بہت سے ملکوں نے ایسا معاہدہ کیا ہوا ہے، لہذا جو اسلامی ممالک اس معاہدے میں شریک ہیں ان کے لئے غلام بنانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک یہ معاہدہ قائم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛۚ
جب تک کہ رکھ دے لڑائی اپنے ہتھیار ☆

☆ یعنی یہ حرب وضرب اور قید و بند کا برابر جاری رہے گا تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دے اور جنگ موقوف ہو جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حرب اور آوزار کا مطلب:

اپنے بوجھ یعنی اسلحہ مراد یہ ہے کہ لڑائی ختم ہو جائے اور سوائے مسلم کے یا صلح کرنے والوں کے اور کوئی باقی نہ رہے بعض نے کہا اوزار سے مراد ہیں گناہ یعنی جنگی مشرک اپنے گناہوں کا بار اپنے اوپر سے اتار دیں مطلب یہ کہ کفر سے توبہ کرلیں مسلمان ہو جائیں۔ بعض اہل علم نے کہا (حرب سے مراد ہے تمہاری حرب اور اوزار سے مراد ہیں مشرکوں کے گناہ اور اعمال بد) مطلب یہ ہے کہ تمہاری لڑائی اور تمہارا جہاد مشرکوں کے گناہوں اور بد کرداریوں کا بار اتار دیں، وہ مسلمان ہو جائیں یعنی مشرکوں کو خوب قتل اور قید کرو تاکہ تمام ملتوں والے ملت اسلام میں داخل ہو جائیں۔

احکام اسلام کا مقصد:

اللہ نے ضرب یا قید یا بلا معاوضہ رہائی اور معاوضہ لے کر آزادی یا ان تمام احکام کے مجموعہ کا نتیجہ انقطاع جنگ کو قرار دیا یعنی یہ احکام اس لئے جاری کئے گئے کہ لڑائی کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے اور مشرکوں کا زور ٹوٹ جائے تو جنگ ہی کا خاتمہ ہو جائے اور ایسا حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت ہو جائیگا۔

ظلم کے خلاف جہاد جاری رہے گا

حضرت عمران بن حصین راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر جنگ کرتا رہے گا اپنے مقابلوں پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کا آخری شخص دجال مسیح سے جنگ کرے گا۔ رواہ ابوداؤد۔ بغوی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب سے اللہ نے مجھے بھیجا ہے جہاد جاری ہے یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال سے لڑے گا۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ۙ
یہ سن چکے اور چاہے اللہ تو بدلہ لے اُن سے
وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ۗ
پر جانچنا چاہتا ہے تمہارے ایک سے دوسرے کو ☆

قتال و جہاد کی حکمت ☆ یعنی خدا کو قدرت ہے کہ ان کافروں کو کوئی آسمانی عذاب بھیج کر "عاد وثمود" وغیرہ کی طرح ہلاک کر ڈالے۔ لیکن جہاد و قتال مشروع کر کے اسے بندوں کا امتحان کرنا تھا۔ وہ دیکھتا ہے کہ کتنے مسلمان اللہ کے نام پر جان و مال نثار کرنے کے لئے تیار ہیں اور کفر میں

سے کتنے لوگ ان تنبیہی کارروائیوں سے بیدار ہوتے اور اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو اللہ نے دے رکھی ہے کہ پہلی قوموں کی طرح ایک دم پکڑ کر استیصال نہیں کر دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

جہاد کی ایک حکمت: تاکہ کافروں سے جہاد کرا کے مومنوں کی جانچ کر لے اور جہاد کر کے وہ ثواب کے مستحق ہو جائیں اور مومنوں سے جنگ کرا کے کافروں کی جانچ کر لے اور مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کو سزا دے دے تاکہ کچھ لوگ کفر سے باز آ جائیں اور بعض لوگ کفر پر قائم رہ کر دوزخ کے مستحق قرار پائیں۔

حاصل یہ ہے کہ اللہ اگرچہ کافروں کے بیخ بن سے اکھاڑ پھینکنے کی قدرت رکھتا ہے لیکن اس نے جو جہاد کا حکم دیا ہے یہ حکم برحکمت اور مبنی بر مصلحت ہے اور مصلحت یہ ہے کہ مومنوں اور کافروں کی جانچ ہو جائے۔ (تفسیر مظہری)

مشروعیت جہاد کی دوسری حکمت

وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ ' اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس اُمت میں کفار سے جہاد و قتال کی مشروعیت درحقیقت ایک رحمت ہے۔ کیونکہ وہ آسمانی عذابوں کے قائم مقام ہے کیونکہ کفر و شرک اور اللہ سے بغاوت کی سزا پچھلی قوموں کو آسمانی اور زمینی عذابوں کے ذریعہ دی گئی ہے اُمت محمدیہ میں ایسا ہو سکتا تھا مگر رحمۃ للعالمین کی برکت سے اس اُمت کو ایسے عام عذابوں سے بچا لیا گیا' اسکے قائم مقام جہاد شرعی کو کر دیا گیا جس میں بہ نسبت عذاب عام کے بڑی سہولتیں اور مصلحتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ عذاب عام میں پوری قومیں مرد عورت' بچے بھی تباہ ہوتے ہیں اور جہاد میں عورتیں بچے تو مامون ہیں ہی' مرد بھی صرف وہی اسکی زد میں آتے ہیں جو اللہ کے دین کی حفاظت کرنیوالوں کے مقابلہ پر قتال کے لئے آ کھڑے ہوں' پھر اُس میں بھی سب مقتول نہیں ہوتے' اُن میں بہت سے لوگوں کو اسلام و ایمان کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور جو لوگ مارے گئے اللہ کی راہ میں
فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيْهِمْ
تو نہ ضائع کریگا وہ اُنکے کئے کام اُن کو راہ دیگا
وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝
اور سنواریگا اُن کا حال ☆

شہید کامیاب ہیں ☆ یعنی جو لوگ اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے خواہ بظاہر یہاں کامیاب نظر نہ آتے ہوں، لیکن حقیقۃً وہ کامیاب ہیں اللہ ان کے کام ضائع نہ کرے گا۔ بلکہ انجام کار ان کی محنت ٹھکانے لگائے گا ان کو جنت کی طرف راہ دے گا اور آخرت کے تمام منازل و مواقف میں انکا حال درست رکھے گا۔ (تفسیر عثمانی)

تین شہید: اصفہانی نے ترغیب میں اور بزار و بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید تین ہیں۔ نمبر۱۔ ایک شخص وہ ہے جو اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کے ساتھ بامید ثواب لڑنے کے لئے اور مسلمانوں کے گروہ کی تعداد بڑھانے کے لئے نکلتا ہے اور چاہتا ہے کہ راہ خدا میں مارا جائے' یہ شخص اگر مر جائے گا یا مارا جائے گا تو اس کے سارے گناہ معاف کر دئے جائیں گے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھا جائے گا اور (قیامت کے دن) بڑی گھبراہٹ سے مامون رہے گا بڑی آنکھوں والی حوروں سے اس کا جوڑا لگایا جائے گا عزت کا لباس اس کو پہنچایا جائے گا اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جائے گا۔ دوسرا وہ شخص (شہید) ہے جو بامید ثواب اپنی جان و مال کے ساتھ (راہ خدا میں) نکلتا ہے اور قتل کرنا چاہتا ہے لیکن مارا جانا نہیں چاہتا یہ شخص اگر مر جائے گا یا مارا جائے گا تو وہ ابراہیم خلیل اللہ کے ساتھ اللہ کے سامنے ایک با اقتدار بادشاہ کی مجلس صدق میں ہوگا تیسرا وہ شخص ہے جو اپنی جان و مال کے ساتھ بامید ثواب نکلا وہ چاہتا ہے کہ (دشمنوں کو) قتل کرے اور خود بھی مارا جائے یہ شخص اگر مر جائے گا یا مارا جائے گا تو قیامت کے دن تلوار سونتے ہوئے کندھے پر رکھے ہوئے آئے گا سب لوگ دوزانوں بیٹھے ہوں گے اور یہ شہدا کہیں گے ہم نے راہ خدا میں اپنے خون اور مال خرچ کئے ہیں ہمارے لئے جگہ کشادہ چھوڑ دو چنانچہ یہ سب عرش کے نیچے پہنچ کر نور کے منبروں پر بیٹھ جائیں گے اور لوگوں کے فیصلے ہوتے ہوئے دیکھیں گے اور نہ ان کو مرنے کا غم ہوگا نہ برزخی فتنہ میں مبتلا ہوں گے نہ (صور اسرافیل سے) ان کو گھبراہٹ ہوگی نہ میزان حساب اور پل صراط کی فکر ہوگی جو کچھ مانگیں گے ان کو دیا جائے گا جس معاملہ میں سفارش کریں مانی جائے گی جنت کا جو حصہ پسند کریں گے ان کو دیدیا جائے گا جنت میں جہاں چاہیں گے رہیں گے۔ واللہ اعلم۔

اُحد کے دن کی صورتحال:

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ آیت وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ احد کے دن نازل ہوئی مسلمانوں میں زخمی اور شہدا پھیلے ہوئے تھے اور مشرکوں نے پکار کر کہا تھا اُعْلُ هُبَل (ہبل سربلند یا ہبل کی جے) اس کے جواب میں مسلمانوں نے نعرہ بلند کیا اللہ اعلیٰ واجل (اللہ سب سے اونچا اور سب سے زیادہ بزرگی والا ہے) مشرکوں نے کہا اِنَّ لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ (عزّیٰ دیوی ہماری ہے تمہاری کوئی عزیٰ نہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کہو اَللّٰهُ مَوْلٰنَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ (اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی کارساز نہیں)۔ (تفسیر مظہری)

شہید کے لئے دو نعمتیں:

ایک یہ کہ اللہ ان کو ہدایت کردیگا۔ دوسرے اُن کے سب حالات درست کردیگا۔ حالات سے مُراد دُنیا و آخرت دونوں جہان کے حالات ہیں۔ دنیا میں تو یہ کہ جو شخص جہاد میں شریک ہوا اگرچہ وہ شہید نہ ہوا سلامت رہا وہ بھی شہید کے ثواب کا مستحق ہوئے۔ اور آخرت میں یہ کہ وہ قبر کے عذاب سے محشر کی پریشانی سے نجات پائے گا اور اگر کچھ لوگوں کے حقوق اسکے ذمہ رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ اصحاب حقوق کو اس سے راضی کر کے اسکی خلاصی کرادیں گے۔ (کما ورد فی حدیث ابی نعیم والبزار والبیہقی۔ مظہری) (معارف مفتی اعظم)

تین قسم کے آدمی جن کا قرض اللہ تعالیٰ ادا کریں گے

ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت سہل بن سعد کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں نیز بزار نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین (قسم کے) آدمیوں کی طرف سے قیامت کے دن اللہ (ان کا قرضہ) ادا کردے گا۔

نمبر ۱- وہ شخص جس کو اندیشہ ہو کہ دشمن مسلمانوں کے ممالک پر حملہ کردے گا، وراس کے پاس قوت نہ ہو اس لئے قرض لے کر ہتھیار خرید کر قوت حاصل کرے اور قرض ادا کرنے سے پہلے مرجائے تو اللہ اس کی طرف سے اس کا قرض ادا کردے گا۔

نمبر ۲- وہ شخص جس کا مسلمان بھائی مرجائے اور اس کے پاس کفن دینے کو نہ ہو اس لئے قرض لے کر کفن خرید لے اور اداء قرض کی قدرت حاصل نہ ہو پائے اور اسی حالت میں مرجائے اس کا قرض بھی اللہ ادا کردے گا۔

نمبر ۳- وہ شخص جس کو (نفسانی خواہش سے مغلوب ہو کر) ارتکاب زنا کا اندیشہ ہو اس نے (کچھ قرض لے کر) کسی عورت سے نکاح کرلے اور اس طرح پاک دامن رہے اور ادائیگی قرض (پر قدرت حاصل ہونے) سے پہلے مرجائے تو اس کا قرض بھی اللہ ادا کردے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ﴿٦﴾
اور داخل کریگا انکو بہشت میں جو معلوم کرادی ہے اُن کو☆

☆یعنی جس جنت کا حال ان کو انبیاء علیہم السلام کی زبان اور اپنے وجدان صحیح سے معلوم ہو چکا تھا اس میں داخل کئے جائیں گے اور وہاں پہنچ کر ہر جنتی اپنے ٹھکانے کو خود بخود پہچان لے گا اس کے دل کی کشش ادھر ہی ہو گی جہاں اس کو رہنا ہے (تنبیہ) ابن عباس رضی اللہ عنہ نے "**عرفها لهم**" کے معنی "**طيبها لهم**" کے لئے ہیں یعنی جنت ان کے لئے خوشبوؤں سے مہکادی گئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جنتیوں کو اپنی بیویوں اور گھروں کی صحیح شناخت ہوگی

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے قسم ہے اس کی جس نے مجھے (دین) حق دے کر بھیجا ہے تم لوگ دنیا میں اپنی بیبیوں اور اپنے گھروں کو اس سے زیادہ شناخت نہیں کرتے جتنی شناخت اہل جنت اپنی بیبیوں اور اپنے گھروں کی رکھتے ہوں گے۔ ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس کو بیان کیا ہے بیہقی نے البعث میں اور طبرانی نیز ابو یعلی وغیرہ نے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

خوشبو سے مہکائے ہوئے مکان

حضرت عبداللہ بن عباسؓ **عرفها لهم** کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا کرتے تھے **طيبها لهم**۔ طیب کے معنی خوشبو کے ہیں یعنی وہ مکانات جنتیوں کے واسطے خوشبوؤں سے مہکائے ہوئے ہوں گے۔ (معارف کاندھلوی)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ
اے ایمان والو اگر تم مدد کرو گے اللہ کی ☆

☆یعنی اللہ کے دین کی اور اس کے پیغمبر کی۔ (تفسیر عثمانی)

يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ﴿٧﴾
تو وہ تمہاری مدد کریگا اور جمادے گا تمہارے پاؤں ☆

مومنوں کی ہمت افزائی ☆یعنی جہاد میں اللہ کی مدد سے تمہارے قدم نہیں ڈگمگائیں گے اور اسلام و طاعت پر ثابت قدم رہو گے جسکے نتیجہ میں "صراط" پر ثابت قدمی نصیب ہوگی حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ اللہ چاہے تو خود ہی کافروں کو مسلمان کر ڈالے پر یہ بھی منظور نہیں، جانچنا منظور ہے۔ سو بندہ کی طرف سے کمر باندھنا اور اللہ کی طرف سے کام بنانا۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ - یعنی کافروں سے جہاد کرنے اور حقوق اسلام ادا کرنے میں تم کو ثابت قدم رکھے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّهُمۡ
اور جو لوگ کہ منکر ہوئے وہ گرے منہ کے بل
وَاَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ﴿٨﴾
اور کھودیے اُن کے کیے کام☆

کافروں کی بربادی ☆یعنی جس طرح مومنین کے قدم جمادیے

جاتے ہیں اس سے بلکس منکروں و منہ کے بل گرا دیا جاتا ہے۔ اور جیسے خدا کی طرف سے مومنین کی مدد کی جاتی ہے اس کے خلاف کافروں کے کام برباد کر دیے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۔ اور اللہ نے ان کے اعمال کالعدم کر دیے یعنی وہ شیطان کی اطاعت میں برباد ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
یہ اس لئے کہ انہوں نے پسند نہ کیا جو اتارا اللہ نے
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ
پھر اکارت کر دیے اُن کے کام

ہلاکت کا سبب

یعنی جب انہوں نے اللہ کی باتوں کو ناپسند کیا تو اللہ ان کے کام کیوں پسند کرے گا۔ اور جو چیز خدا کو ناپسند ہو وہ محض اکارت ہے۔ (عثمانی)

ذٰلِكَ۔ یہ ہلاکت اور تباہی۔ ... یعنی قرآن کو انہوں نے پسند نہیں کیا تھا کیونکہ قرآن کے اندر جو توحید کی تعلیم اور ان کی مرغوبات ... خواہشات کے مخالف اور امر و نواہی میں ... ناپسند ہیں۔

فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۔ اس ... ...

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
کیا پھرے نہیں ملک میں کہ دیکھیں
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
کیسا ہوا انجام اُن کا جو اُن سے
قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
پہلے تھے ہلاکت ڈالی اللہ نے اُن پر اور منکروں کو ملتی رہتی ہیں
اَمْثَالُهَا ۝
ایسی چیزیں ☆

اہل مکہ کے لئے عبرت ☆ یعنی دنیا میں ہی دیکھ لو منکروں کی کیسی گت بنی اور کس طرح ان کے منصوبے خاک میں ملا دیئے گئے۔ کیا آج کل کے منکروں کو ویسی سزائیں نہیں مل سکتیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا۔ یعنی اہل مکہ کیا ملک میں چلے پھرے نہیں۔ استفہام انکاری ہے اور اس کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا کیا یہ (حجروں) سے باہر نہیں گئے اور ملک میں چلے پھرے نہیں۔

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ یعنی گزشتہ پیغمبروں کی کافر قومیں۔

دَمَّرَ اللّٰهُ۔ اللہ نے ان کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔

عَلَيْهِمْ۔ یعنی ان کو اور ان کے اہل و عیال و مال کو۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ۔ یعنی مکہ کے کافروں کے لئے۔

اَمْثَالُهَا۔ اس سابق انجام سے یا اس عذاب سے یا اس ہلاکت سے چند گونہ بڑھ کر عذاب یا ہلاکت ہونے والی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
یہ اس لئے کہ اللہ رفیق ہے اُن کا جو یقین لائے
وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝
اور یہ کہ جو منکر ہیں اُن کا رفیق نہیں کوئی ☆
اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مقرر اللہ داخل کریگا اُن کو جو یقین لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
اور کئے بھلے کام باغوں میں جن کے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
نیچے بہتی ہیں نہریں ☆

اللہ مومنین کا مددگار ہے

یعنی اللہ مومنین صالحین کا رفیق ہے جو وقت پر ان کی مدد کرتا ہے۔ کافروں کا ایسا رفیق کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں کام آسکے۔ غزوہ احد میں ابوسفیان نے پکارا تھا "لنا العزى ولا عزى لكم" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پکارو "الله مولانا ولا مولى لكم" (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ۔ یہ یعنی مومنوں کی مدد اور کافروں پر قہر۔

بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی اللہ مومنین کا کارساز ہے مددگار ہے ان کی مدد کرے گا۔ ان کو توفیق دے گا ان کے کاموں کو درست کر دے گا

شیطانی خطرات [illegible] دوسری آیت میں فرمایا ہے۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ (تیرا تسلط میرے بندوں پر نہ ہوگا)۔

وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ۔ یعنی جن لوگوں نے [illegible] اور شیطان کا [illegible] [illegible] (تفسیر مظہری)

اُحد کے دن رجزیہ نعروں کا تبادلہ:

[illegible] مشرکین کے سردار ابوسفیان صخر بن حرب نے فخر کے ساتھ [illegible] نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلیفوں کی نسبت سوال کیا اور کوئی جواب نہ پایا تو [illegible] لگا کہ یہ سب ہلاک ہوگئے۔ پھر اسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا اور فرمایا جن کی زندگی تجھے خار کی طرح کھٹکتی ہے اللہ نے ان سب کو اپنے فضل سے زندہ ہی رکھا ہے ابوسفیان کہنے لگا سنو یہ دن بدلے کا دن ہے اور لڑائی [illegible] دونوں [illegible] کبھی کوئی اوپر کبھی کوئی اوپر۔ تمہارے مقتولین میں بعض ایسے بھی پاؤ گے جن کے ناک کان وغیرہ ان کے مرنے کے بعد کاٹ [illegible] ہیں۔ میں نے ایسا حکم نہیں [illegible] مجھے [illegible] بھی نہیں لگا۔ [illegible] شعر فخریہ پڑھنے شروع [illegible] اُعْلُ هُبَل اُعْلُ هُبَل۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اسے جواب کیوں نہیں [illegible] نے پوچھا حضور کیا جواب دیں؟ فرمایا کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ یعنی وہ کہتا تھا ہبل ہبل بت کا بول بالا ہو جس کے جواب میں کہا [illegible] زیادہ بلندی والا اور سب سے زیادہ عزت [illegible] پھر کہا لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ ہمارا عزیٰ (بت) ہے اور تمہارا [illegible] کے جواب میں بفرمان حضور کہا گیا اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ [illegible] مولیٰ ہے اور تمہارا مولیٰ کوئی نہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَیَاْکُلُوْنَ
اور جو لوگ منکر ہیں برت رہے ہیں اور کھاتے ہیں
کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًی لَّهُمْ
جیسے کہ کھائیں چوپائے اور آگ ہے گھر اُن کا ☆

حیوانوں جیسی زندگی ☆

[illegible] دنیا کا سامان برت رہے ہیں اور [illegible] کی طرح [illegible] شاپ [illegible] چلے جاتے ہیں۔ نتیجہ کی خبر نہیں [illegible] یہ کھایا پیا [illegible] [illegible] اچھا چند روز مزے اڑالیں آگے ان کے لئے آگ کا گھر تیار ہے۔ (تفسیر [illegible])

یَتَمَتَّعُوْنَ۔ یعنی کچھ دنوں دنیا کے مزے اڑاتے ہیں۔

کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ۔ یعنی جانوروں کی طرح کھانے کی حرص کرتے ہیں [illegible]

[illegible] غافل ہیں اس کا شکر نہیں کرتے اور انجام بد سے نہیں ڈرتے۔

مَثْوًی۔ [illegible] (تفسیر مظہری)

وَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً
اور کتنی تھیں بستیاں جو زیادہ تھیں زور میں
مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْكَ
اس تیری بستی سے جس نے تجھ کو نکال
اَهْلَکْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾
ہم نے اُن کو غارت کر دیا پھر کوئی نہیں اُن کا مددگار ☆

یہ کافر کس پر اتراتے ہیں [illegible] یعنی دوسری قوموں کو جو زور و طاقت میں مکہ والوں سے کہیں بڑھ کر تھیں ہم نے تباہ کر چھوڑا اور کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچا۔ پھر یہ کس بات پر اتراتے ہیں (تنبیہ) "قَرْیَتِكَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْكَ" [illegible] مکہ معظمہ ہے وہاں کے لوگوں نے ایسی حرکات کیں کہ آپ صلی اللہ [illegible] حدیث میں [illegible] آپ صلی اللہ [illegible] مکہ معظمہ کو خطاب کر کے فرمایا خدا کی قسم تو تمام [illegible] محبوب ترین شہر ہے۔ اور [illegible] تجھ کو نہ چھوڑتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ
بھلا ایک جو چلتا ہے واضح راستہ پر اپنے رب کے
کَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا
[illegible] بھلا دکھایا اس کا برا کام اور چلتے ہیں
اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾
اپنی خواہشوں پر۔

[illegible] ایک شخص نہایت شرح صدر اور فہم و بصیرت کے ساتھ سچائی کی صاف اور کشادہ سڑک پر بے کھٹکے چلا جا رہا ہے اور دوسرا اندھیرے میں پڑا ٹھوکریں کھاتا ہے جس کو سیاہ و سفید یا نیک و بد کی کچھ تمیز نہیں حتی کہ اپنی بے تمیزی سے برائی کو بھلائی سمجھتا ہے، اور خواہشات کی پیروی میں اندھا ہو رہا ہے کیا ان دونوں کا مرتبہ اور انجام برابر ہو جائے گا؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا

کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی شان حکمت وعدل کے منافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مومن وکافر برابر نہیں ہو سکتے

اَفَمَنْ کَانَ ۔ استفہام انکاری ہے یعنی دونوں فریق ایک جیسے نہیں ہو سکتے مؤمن کا کارساز اللہ ہے اور کافر کا کوئی کارساز نہیں مؤمن کا یقین (یعنی ایمان) دلیل یعنی قرآن پر مبنی ہے جو اس کے رب کی طرف سے آیا ہے بینہ سے ہر دلیل بھی مراد ہو سکتی ہے خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی اور کافر کی نظر کے سامنے شرک اور بداعمالی خوبصورت شکل میں شیطان لے آتا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشات پر چلتا اور بتوں کی پوجا کرتا ہے یہ دونوں فریق برابر نہیں ہو سکتے۔ اول فریق کو دوسرے فریق پر بلاشبہ عقلاً برتری حاصل ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ
حوال اس بہشت کا جس کا وعدہ ہو ہے ڈرنے والوں سے
فِیْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ
اُس میں نہریں ہیں پانی کی جو بو نہیں کر گیا☆

جنت کا پانی ☆یعنی طول مکث یا کسی چیز کے اختلاط سے اس کی بو نہیں بدلی۔ شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سفید۔ کسی طرح کے تغیر کو اس کی طرف راہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اعلیٰ ترین جنت کی دعا مانگو

ایک حدیث میں ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے لوگو جب تم اللہ سے جنت کے لئے دعا مانگو تو فردوس کا سوال کیا کرو کیونکہ فردوس جنت کا درمیانی اور اعلیٰ ترین مقام ہے جس سے تمام نہریں جنت کی بہہ رہی ہیں اور اس کے اوپر عرش رحمٰن ہے۔ (معارف کاندھلوی)

جنت کا پانی' دودھ اور شراب

جنت کے پانی اور دودھ اور شراب کے بارے میں بتلا دیا گیا کہ وہ سب تغیرات و بدمزگی کی آفت سے خالی ہیں اور جنت کا دوسری مضرتوں اور مفاسد سے خالی ہونا سورۂ صافات کی آیت میں آیا ہے۔ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ ۔ اسی طرح دنیا کے شہد میں موم اور میل چیل ملا ہوتا ہے جنت کی نہر میں شہد کا پاک صاف ہونا بتلا دیا۔ صحیح بات یہ ہے کہ انہار جنت کی چاروں قسمیں' پانی' دودھ' شراب' شہد اپنے حقیقی معنی میں ہیں بلا وجہ مجازی معنے لینے کی ضرورت نہیں' البتہ یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ جنت کی چیزوں کو دنیا کی چیزوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا وہاں کی ہر چیز کی لذت و کیف کچھ اور ہی ہوگا جس کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

جنت میں دریاء: حضرت معاویہ بن حیدہ نے بیان کیا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے' جنت کے اندر پانی کا دریا ہے اور شہد کا دریا ہے اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے پھر (ہر ایک سے) نہریں نکالی گئی ہیں۔ رواہ البیہقی والترمذی۔ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی نہریں مشک کے پہاڑ سے پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ رواہ ابن حبان والحاکم والبیہقی والطبرانی وابن ابی حاتم

جنت کی نہریں سطح زمین کے اوپر ہیں

مسروق کا بیان ہے کہ جنت کی نہریں بغیر گڑھے کے (ہموار سطح پر) بہتی ہیں۔ رواہ ابن المبارک والبیہقی۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید تم خیال کرتے ہو کہ جنت کی نہریں زمین کے گڑھے (میں بہتی) ہوں گی۔ نہیں خدا کی قسم۔ وہ روئے زمین پر رواں ہوں گی اس کے دونوں کنارے موتیوں کے خیمے ہوں گے اور اس کی مٹی خالص مشک ہوگی۔

سیحون' جیحون' فرات اور نیل

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سیحون اور جیحون اور فرات اور نیل سب جنت کی نہروں سے ہیں۔ رواہ مسلم۔

حضرت عمروؓ بن عوف راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار (دریا) جنت کی نہریں (دریا) ہیں نیل' فرات' سیحون اور جیحون اور چار پہاڑ جنت کے پہاڑ ہیں' اُحد' طور' لبنان' اور ورقان کعب احبار نے کہا جنت کے اندر دریائے نیل شہد کا دریا ہے اور دریاء دجلہ دودھ کا دریا ہے فرات شراب کا دریا ہے اور دریائے سیحون پانی کا دریا ہے (یعنی جنت کے اندر جن دریاؤں کے یہ دنیوی نام ہیں ان کی حقیقت شہد دودھ شراب اور پانی ہے) رواہ البیہقی۔

بغوی نے کعب احبار کا قول اس طرح بیان کیا ہے دریاء دجلہ (جو جنت میں ہے) جنتیوں کے پانی کا دریا ہے اور فرات (نام) کا دریا ہے ان کے دودھ کا دریا ہے اور مصر کا دریا (یعنی نیل مراد جنتی نیل) جنتیوں کی شراب کا دریا ہے اور دریائے سیحون ان کے شہد کا دریا ہے اور یہ چاروں (جنتی) دریا دریاء کوثر سے نکلتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ
اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا مزہ نہیں پھرا ☆

☆یعنی دنیا کے دودھ پر قیاس نہ کرو۔ اتنی مدت گزرنے پر بھی اس کے مزے میں فرق نہیں آیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ۬

اور نہریں ہیں شراب کی جس میں مزہ ہے پینے والوں کے واسطے ☆

☆ یعنی وہاں کی شراب میں خالص لذت اور مزہ ہی ہے۔ نہ نشہ ہے نہ شکستگی نہ تلخی نہ سر گرانی نہ کوئی اور عیب و نقصان۔ (تفسیر عثمانی)

جنت کا دودھ شراب شہد

ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ یہ دودھ جانوروں کے تھن سے نکلا ہوا نہیں بلکہ قدرتی ہے اور نہریں ہوں گی شراب صاف کی جو پینے والے کا دل خوش کردیں دماغ کشادہ کریں۔ جو شراب نہ تو بدبودار ہے نہ تلخی والی نہ بدمنظر ہے بلکہ دیکھنے میں بہت اچھی پینے میں بہت مزیذ نہایت خوشبودار، جس سے نہ عقل میں فتور آئے نہ دماغ میں چکر آئیں نہ بہکیں نہ نشہ چڑھے نہ عقل جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ شراب بھی کسی کے ہاتھوں کی کشید کی ہوئی نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تیار ہوئی ہے۔ خوش ذائقہ اور خوش رنگ ہے۔ جنت میں شہد کی نہریں بھی ہیں جو بہت صاف ہے اور خوشبودار اور ذائقہ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ یہ شہد بھی مکھیوں کے پیٹ سے نہیں۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ جنت میں دودھ، پانی، شہد اور شراب کے سمندر ہیں جن میں سے ان کی نہریں اور چشمے جاری ہوتے ہیں۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ سے حسن صحیح فرماتے ہیں۔

جنت کا نہری نظام: ابن مردویہ کی حدیث میں ہے یہ نہریں جنت عدن سے نکلتی ہیں پھر ایک حوض میں آتی ہیں وہاں سے بذریعہ اور نہروں کے تمام جنتوں میں جاتی ہیں۔ طبرانی میں حضرت لقیط بن عامر جب وفد میں آئے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت میں کیا کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا صاف شہد کی نہریں اور بغیر نشے کے سر درد نہ کرنے والی شراب کی نہریں اور نہ بگڑنے والی دودھ کی نہریں اور خراب نہ ہونے والے شفاف پانی کی نہریں اور طرح طرح کے میوے جات عجیب و غریب بے مثل و بے کل تازہ اور پاک صاف بیویاں جو صالحین کو ملیں گی اور خود بھی صالحات ہوں گی، دنیا کی لذتوں کی طرح ان سے لذتیں اٹھائیں گے، ہاں وہاں بال بچے نہ ہوں گے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں یہ خیال کرنا کہ جنت کی نہریں بھی دنیا کی نہروں کی طرح کھدی ہوئی زمین میں اور گڑھوں میں بہتی ہیں نہیں نہیں قسم خدا کی وہ صاف زمین پر یکساں جاری ہیں ان کے کنارے کنارے لؤلؤ اور موتیوں کے خیمے ہیں ان کی مٹی مشک خالص ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ

اور نہریں ہیں شہد کی جھاگ اتارا ہوا ☆

جوہر حیات، غذائے لطیف، سامان سرور اور شفاء

☆ یعنی صاف و شفاف شہد جسمیں تکدر تو کہاں ہوتا جھاگ تک نہیں (تنبیہ) یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر ہوا جن میں پانی تو ایسی چیز ہے کہ انسان کی زندگی اس سے ہے اور دودھ غذائے لطیف کا کام دیتا ہے اور شراب سرور و نشاط کی چیز ہے اور شہد کو "شفاء للناس" فرمایا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

اور اُن کے لئے وہاں سب طرح کے میوے ہیں ☆

☆ مشروبات کے بعد یہ ماکولات کا ذکر فرما دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ

اور معافی ہے اُن کے رب سے ☆

☆ یعنی سب خطائیں معاف کر کے جنت میں داخل کریں گے وہاں پہنچ کر کبھی خطاؤں کا ذکر بھی نہ آئے گا جو ان کی کلفت کا سبب بنے۔ اور نہ آئندہ کسی بات پر گرفت ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِى النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً

یہ برابر ہے اُس کے جو سدا رہے آگ میں اور پلایا جائے انکو کھولتا

حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ؕ

پانی تو کاٹ نکالے اُن کی آنتیں ☆

☆ یعنی کھولتا ہوا پانی جب دوزخیوں کو پلائیں گے تو آنتیں کٹ کر باہر آپڑیں گی (اعاذنا اللہ منہ) (تفسیر عثمانی)

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِى النَّارِ۔ یہ جملہ مبتدا محذوف کی خبر ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا وہ شخص جو اس جنت میں ہمیشہ رہے گا اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے۔ جو ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

كَمَنْ هُوَ۔ میں لفظ کے لحاظ سے مَنْ مفرد ہے اس لئے هُوَ ضمیر مفرد راجع کردی گئی لیکن معنی کے اعتبار سے مَنْ جمع ہے اس لئے سُقُوْا کی ضمیر جمع لوٹائی گئی۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰى

اور بعض اُن میں ہیں کہ کان رکھتے ہیں تیری طرف یہاں تک کہ

اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ
جب نکلیں تیرے پاس سے کہتے ہیں ان کو جن کو
اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا
علم ملا ہے کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی

منافق پہلے اوپر مومنوں اور کافروں کا حال مذکور تھا۔ ایک قسم کافروں کی وہ ہے جسے منافق کہتے ہیں یعنی ظاہر میں اسلام کا دعوی اور باطن میں اس سے انحراف اس آیت میں ان کا ذکر ہے یعنی یہ لوگ جب پیغمبر کی بات سننے کے لئے کان رکھتے ہیں مگر ذرا نہیں سمجھتے۔ جب مجلس سے باہر جاتے ہیں تو اہل علم سے کہتے ہیں کہ اس شخص (یعنی پیغمبر علیہ السلام) نے ابھی ابھی کیا بیان کیا تھا۔ شاید اس دریافت کرنے سے مقصود ادھر تعریض ہو گا کہ ہم ان کی بات کو لائق التفات نہیں سمجھتے نہ توجہ سے سنتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کا سننا اور منافق کا سننا

ابن المنذر نے بحوالہ ابن جریج بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مومن اور منافق سب جمع ہوتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے مومن تو اس کو (کان لگا کر) سنتے اور یاد رکھتے تھے اور منافق سنتے تھے مگر یاد نہیں رکھتے تھے (دل میں جگہ نہیں دیتے تھے) پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے منافق نکل کر آتے تو مومنوں سے پوچھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی کیا فرمایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى
یہ وہی ہیں جن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اللہ
قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ
نے اور چلے ہیں اپنی خواہشوں پر ☆

منافقت کی سزا ☆ یعنی ایسی نالائق حرکتوں کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ پھر نیکی کی توفیق قطعاً نہیں ہوتی محض خواہشات کی پیروی رہ جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى
اور جو لوگ راہ پر آئے ہیں ان کو اور بڑھ گئی اس سے سوجھ

وَاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ
اور انکو اس سے ملا بچ کر چلنا

سچائی کی برکت

یعنی سیدھے راستہ پر چلنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی علم و ہدایت میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور اسکی سوجھ بوجھ اور پرہیزگاری بڑھتی جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اور جو لوگ راہ پر ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور ان کو تقویٰ کی توفیق دیتا ہے۔

زادھم ھدی یعنی [illegible] سے [illegible] ہدایت [illegible] بڑھا دیتا ہے۔

وآتاھم تقواھم یعنی علم کے موافق عمل کرنے کی ان کو توفیق عطا کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ دوزخ سے محفوظ رہنے کے طریقے ان پر واضح کر دیتا ہے۔ [illegible] یہ مطلب بیان کیا [illegible] اعمال [illegible] ثواب عنایت فرماتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ
اب یہی انتظار کرتے ہیں قیامت کا کہ آ کھڑی ہو
تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا
ان پر اچانک سو آ چکی ہیں اس کی نشانیاں
فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ
پھر کہاں نصیب ہوگا انکو جب وہ آ پہنچے ان پر سمجھ پکڑنا ☆

قرآن کے وعظِ بلیغ کے بعد کس چیز کا انتظار ہے؟ قیامت آنے کو ہے

☆ یعنی قرآن کی نصیحتیں، گذشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں اور جنت اور دوزخ کے وعدہ و وعید سب سن چکے اب ماننے کے لئے کس وقت کا انتظار ہے۔ یہی کہ قیامت کی گھڑی ان کے سر پر اچانک آ کھڑی ہو سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آ چکیں اور جب خود قیامت آ کھڑی ہوگی، اس وقت ان کے لئے سمجھ حاصل کرنے اور ماننے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ یعنی وہ سمجھنا اور ماننا بے کار ہے کیونکہ اس پر نجات نہیں ہو سکتی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "بڑی نشانی قیامت کی ہمارے نبی کا پیدا ہونا ہے سب نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

کی راہ دیکھتے تھے جب وہ آچکے (مقصود تخلیق عالم کا حاصل ہو چکا) اب قیامت ہی باقی ہے" حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کرکے فرمایا "انا والساعۃ کھاتین" (میں اور قیامت اس طرح ہیں) گویا میں قیامت سے اتنا آگے نکل آیا ہوں جتنا بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے آگے نکلی ہوئی ہے شرح صحیح مسلم میں ہم نے اس کی مفصل تقریر کی ہے یہاں گنجائش نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

توبہ میں تاخیر نہ کرو:

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کچھ لوگ (توبہ کرنے کے لئے) بس انتظار کرتے رہتے ہیں ایسے دولت مند ہو جانے کا جو سرکش بنادے یا ایسی ناداری کا جو (تمام فرائض کو) فراموش کرادے یا ایسی بیماری کا (جو ساری صحت کو) تباہ کردے یا ایسے بوڑھاپے کا جو خبطی بنادے یا ایسی موت کا جو (ہر ایک کے لئے) تیار کردی گئی ہے یا دجال (کے سامنے آجانے) کا اور دجال ایک ایسی شر ہے جو غائب ہے (اور جب تک وہ غائب رہے بہتر ہی ہے) یا قیامت کا اور قیامت بہت سخت مصیبت اور بڑی تلخ (حقیقت) ہے۔

قیامت قریب ہے: فَقَدۡ جَآءَ اَشۡرَاطُهَا ۔ یعنی قیامت کی نشانیاں اور علامات آچکی ہیں۔ (۱) چاند پھٹ چکا اللہ نے فرمایا ہے اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۔ قیامت قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا۔ (۲) اخوان (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت ہوگئی مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت سہل ابن سعد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیانی انگلی اور اس کے برابر کی انگلی کو جو انگوٹھے اور متصل ہے جوڑ کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا میں قیامت کے ساتھ ان دونوں (انگلیوں) کی طرح (متصل) بھیجا گیا ہوں۔ احمد ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بھی اسی طرح کی حدیث نقل کی ہے۔

قیامت کی نشانیاں: حضرت انسؓ نے فرمایا میں تم سے ایک ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو میرے سوا کوئی اور تم سے نہیں بیان کرے گا۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرما رہے تھے قیامت کی علامات یہ ہیں کہ علم اٹھ لیا جائے گا' جہالت کی کثرت ہو جائے گی زنا بڑھ جائے گی' شراب خوری کثیر ہو جائے گی' مرد کم ہو جائیں گے' عورتیں اتنی زیادہ ہو جائیں گی کہ پچاس (پچاس) عورتوں کا سردھرا ہوگا دوسری روایت میں ایا ہے علم کم ہو جائے گا اور جہالت کا غلبہ ہو جائے گا (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران گفتگو میں ایک بدوی آیا اور عرض کیا قیامت کب ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امانت ضائع کردی جائے تو اس وقت قیامت کا انتظار رکھ۔ اس نے عرض کیا امانت کے ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے فرمایا جب معاملات (حکومت) ایسے لوگوں کے سپرد کر دیئے جائیں جو اہل نہیں ہیں تو قیامت ہونے کا منتظر رہ۔ بخاری۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مال فئے کو دولت اور امانت کو مال غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان قرار دے دیا جائے اور تحصیل علم کی غرض دین کے علاوہ (کچھ اور) ہو اور مرد اپنی بی بی کے کہے پر چلے اور ماں کی نافرمانی کرے دوست کو اپنا مقرب بنالے اور باپ کو دور کردے اور مسجدوں میں آوازیں اٹھنے لگیں (یعنی جھگڑے ہونے لگیں) اور فاسق قوم کے سردار ہو جائیں اور قوم کا کرتا دھرتا وہ ہو جو سب سے زیادہ رذیل ہو اور آدمی کی عزت اس غرض سے کی جائے کہ دوسرے لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں اور گانے والی عورتیں اور باجے کثیر ہو جائیں اور شرابیں (بکثرت) پی جائیں اور اس امت کے پچھلے لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو ایسے وقت انتظار کرو سرخ آندھیوں کا زلزلوں کا زمین کے اندر (بستیوں کے) دھنس جانے کا صورتیں مسخ ہو جانے کا اور پتھر برسنے کا بہ کثرت پے در پے نشانیوں کا جو اس طرح آئیں گے جیسے کسی ہار کا دھاگا کاٹ دیا جائے (اور اس کے دانے بکھر جائیں) رواہ الترمذی۔

وہ کام جن کی وجہ سے مصیبت آئے گی

حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ کام کرنے لگے گی تو ان پر مصیبت کا نزول ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفصیل بتائی اور فرمایا دین کے علاوہ کسی اور غرض سے علم حاصل کیا جائے گا اور دوست سے حسن سلوک کیا جائے گا اور باپ پر ظلم کیا جائے گا اور شراب پی جائے گی اور ریشمی لباس پہنا جائے گا۔ (ترمذی)
(تفسیر مظہری)

فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
سو تو جان لے کہ کسی کی بندگی نہیں سوائے اللہ
وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ
اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے اور ایماندار مردوں
وَالۡمُؤۡمِنٰتِ
اور عورتوں کے لئے ☆

ہر ایک کا گناہ اس کے مرتبہ کے موافق ہے

☆ ہر ایک کا ذنب (گناہ) اسکے مرتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ کسی کام کا بہت اچھا

پہلو چھوڑ کر کم اچھا پہلو اختیار کرنا گو وہ حدود جواز و استحسان میں ہو بعض اوقات مقربین کے حق میں ذنب (گناہ) سمجھا جاتا ہے۔ "حسنات الابرار سیئات المقربین" کے یہی معنی ہیں حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دن میں سو بار استغفار فرماتے تھے۔ (تنبیہ) "فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کا خطاب ہر ایک مخاطب کو ہے اور اگر خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہوں تو مطلب یہ ہے کہ اس علم پر برابر جمے رہیے اور استغفار کرتے رہیے اور "فاعلم" کی تفریع ماقبل پر اس طرح ہے کہ قیامت آنے کے بعد کسی کو ایمان و توبہ وغیرہ نافع نہیں، تو آدمی کو چاہئے کہ اس کے آنے سے قبل صحیح معرفت حاصل کرے۔ اور ایمان، استغفار کے طریق پر مستقیم رہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ تو آپ یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں ہے۔ **فَاعْلَمْ**۔ میں ف سببیہ ہے یعنی جب آپ کا مومنوں کا خوش نصیب ہونا اور کافروں کا بدنصیب ہونا معلوم ہو گیا تو آپ کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی وحدانیت اور نفس کے اصلاح احوال و اعمال کا جو علم حاصل ہو گیا ہے اس پر جمے رہیے قیامت کے دن یہی علم آپ کے لئے مفید ہوگا۔

آنحضرت کو استغفار کا حکم دینے کا مطلب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ہر گناہ سے معصوم تھے کسی گناہ کا ارتکاب آپ سے ممکن ہی نہ تھا لیکن بندہ کی عبادت اللہ کی عظمت و جلال کے مقابلے میں بہرحال قاصر ہے (عبادت کا حق کون ادا کر سکتا ہے) اسی لئے حکم دیا کہ اپنے کو حق عبادت ادا کرنے سے قاصر سمجھتے ہوئے استغفار کیجئے اور آپ کی امت کو بھی آپ کی پیروی کرنی چاہئے۔

ابلیس کا مقولہ: حضرت ابوبکر صدیق کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ اور استغفار کی کثرت تم لوگوں پر لازم ہے کیوں کہ ابلیس کا مقولہ ہے میں نے گناہوں (کا ارتکاب) کرا کے لوگوں کو تباہ کر دیا لیکن انہوں نے لا الٰہ الا اللہ اور استغفار (کی کثرت) سے مجھے تباہ کر دیا جب میں نے یہ دیکھا تو (ان کے دلوں میں) نفسانی خواہشات (پیدا کر کے اس ذریعہ) سے ان کو ہلاک کر دیا اور وہ اپنے آپ کو ہدایت یافتہ ہی سمجھتے رہے۔

کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر مرنے والا

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کے بیٹے یحییٰ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کو غمگین دیکھ کر دریافت کیا کیوں کیا بات ہے حضرت طلحہؓ نے فرمایا میں نے اللہ کے رسول سے سنا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ مجھے ایک ایسی بات معلوم ہے کہ اگر مرتے وقت (کوئی) اس کو کہے گا تو اللہ موت کی سختی اس سے دور کر دے گا اس کا رنگ چمک جائے گا (یعنی چہرہ نورانی ہو جائے گا) اور وہ (کیفیات) اس پر وارد ہوں گی جو اس کے لئے مسرت بخش ہوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ بات میں نے صرف اس لئے دریافت نہیں کی کہ مجھے (دریافت کرنے پر) قدرت حاصل تھی لیکن اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھے وہ بات معلوم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کوئی بات اس جملہ سے بڑھ کر نہیں ہے جو چچا (ابو طالب) کے مرنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہی تھی یعنی لا الٰہ الا اللہ (کا اقرار) حضرت طلحہؓ نے فرمایا واللہ یہی بات تھی یہی تھی حضرت عثمان راوی ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا جو شخص ایسی حالت میں مرے کہ لا الٰہ الا اللہ پر اس کو یقین ہو وہ جنت میں (ابتداءً یا انتہاءً) جائے گا (از مظہری)

ایک حدیث اور اس کی صوفیانہ تشریح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے دل پر (بعض اوقات) کچھ زنگ آ جاتا ہے اور روزانہ سو مرتبہ میں اللہ سے معافی کا طلب گار ہوتا ہوں۔ رواہ مسلم واحمد وابوداؤد والنسائی من حدیث الاغر المازنی۔

میں کہتا ہوں دل پر زنگ (میل) آنے سے شاید وہ کیفیت مراد ہے جو امکان کی تاریکیوں کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اور پھر صوفی اپنے تمام (وجود اور اس کے تابع) کمالات کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ (اور اس طرح امکان کی تاریکی مغلوب ہو کر دل سے دور ہو جاتی ہے)۔

مجدد الف ثانی نے ایک بار فرمایا جو شخص اپنے نفس کی فرنگی کافر سے بھی برا نہیں جانتا اللہ کی معرفت اس کے لئے حرام ہے سوال کیا گیا یہ کیسے ممکن ہے صوفی تو اپنے آپ کو کم سے کم پکا سچا مومن جانتا اور کافر کو ابحاثہ کافر سمجھتا ہے اور کفر پر ایمان کی فضیلت دین کی ضرورت میں سے ہے۔ حضرت مجدد نے جواب دیا ہر ممکن موجود ہے ظلمت مکان سے کوئی ممکن خالی نہیں۔ وجود اور اس کے تابع کمالات کا نور تو بارگاہ منان سے بطور مستعار ملا ہوا ہے وجود اور دوسرے وجودی کمالات کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب صوفی جو کرتا ہے وہ آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا کے حکم کی تعمیل میں کرتا ہے صوفی جانتا ہے کہ جو وجود مستفاد من الرحمن ہے اس کا پہلو غالب ہے اور وہ اس کا نفس (ممکن بالذات ہونے کی وجہ سے) ہر ماسوا سے زیادہ برا ہے چونکہ حیثیت اور لحاظ کا اختلاف ہے اور علم و ادراک کے درجات کا تفاوت ہے اس لئے اپنے نفس کو فرنگی کافر سے بھی بدتر جاننا فضیلت ایمان علی الکفر کے عقیدہ سے نہیں ٹکراتا ہاں جو لوگ غافل ہیں وہ اپنے وجود و کمالات کو اپنے نفس کی جانب منسوب کرتے ہیں اور پکارتے ہیں اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (میں کافر سے بہتر ہوں)۔ (تفسیر مظہری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ "ذنب" کی توجیہ

اصل حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر لحظہ مدارج کی ترقی اور

بندی کا ہوتا ہے اور ہر آنیوالی گھڑی گزشتہ گھڑی کی نسبت عظمت وبلندی کے مقام پر پہنچانے والی ہوتی تھی۔ اور آپ کے قلب وذہن میں جن مدارج و مقامات کی آرزو ہوتی تھی ان تک آپ کا اپنے تخیل کے لحاظ سے محسوس کرتا کہ نہیں عروج ہوا تقصیر کا درجہ ہے جس کو ذنب کے لفظ سے تعبیر کیا گیا اور اس پر گویا یہ حکم ہے اور اسی کی تعمیل میں آپ کا یہ دستور العمل تھا جسکو ارشاد فرماتے ہیں۔ انی لا ستغفر الله کل یوم ماة مرة کہ ہر روز میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔ سو مرتبہ (مسند احمد بن حنبل۔ جامع ترمذی) امام مسلم ابوداؤد ونسائی نے اغر مزنی سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انه لیغان قلبی و انی لا ستغفر والله کل یوم ماة مرة۔ کہ میرے قلب پر ایک قسم کی رکاوٹ یا تکدر محسوس ہوتا ہے اور البتہ میں اللہ رب العزت سے استغفار کرتا ہوں ہر روز ایک سو مرتبہ۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے تھے آپ نے فرمایا جب بھی میں صبح کرتا ہوں تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ میں سو مرتبہ استغفار نہ کرلوں۔ معلوم ہوا کہ کل یوم سے ہر دن کی صبح کے وقت اس کی پابندی مراد ہے ورنہ آپ کی تو یک ایک مجلس ہی میں ایک ہی دن میں متعدد بار ایک سو مرتبہ سے زائد استغفار کی تعداد ہو جاتی تھی جیسے کہ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ ہم ایک ہی نشست میں آپ کے استغفار شمار کرتے تو سو مرتبہ سے زائد ہو جاتا تھا۔

دل پر رکاوٹ آنے کی وضاحت

اور یہ جو رکاوٹ یا مراتب عالیہ کی عروج وبلندی میں کمی کا ذکر حدیث میں وارد ہوا اس کی حقیقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا کی ظاہر اشتغال کے لحاظ دو جانبیں ہیں ایک اشتغال الی الحق اور دوسری جانب اشتغال مع الخلق ہے اگرچہ آپ کے اشتغال مع الخلق بھی جو کہ امت کی تعلیم وتربیت کی صورۃ اشتغال الی الحق سے بظاہر تعطل نظر آتا ہے تو اسی کو آپ تقصیر وکوتاہی فرمارہے ہیں اور اسی پر سلسلہ استغفار ہے اور یہی وہ ہے جسکو وَ سْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ میں فرمایا گیا۔ (معارف کاندھلوی)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾
اور اللہ کو معلوم ہے بازگشت تمہاری اور گھر تمہارا ☆

اصلی گھر ☆ یعنی جتنے پردوں میں پھرو گے پھر بہشت یا دوزخ میں پہنچو گے جو تمہارا اصلی گھر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُتَقَلَّب اور مَثویٰ کا معنی: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا متقلب یعنی مشاغل دنیوی میں گھومنا پھرنا اور چلنا اور مثویٰ سے مراد ہے آخرت میں جنت یا دوزخ کی طرف جانا۔ مقاتل اور ابن جریرؒ نے کہا متقلبکم سے مراد ہے دن میں کاروبار میں مصروف رہنا اور مثواکم سے مراد ہے رات کو خواب گاہوں میں بستروں پر چلا جانا۔ عکرمہ نے کہا متقلبکم یعنی پشت پدر سے رحم مادر میں آنا اور مثواکم سے مراد ہے زمین پر ٹھہرنا۔ قیام کرنا۔ ابن کیسان نے کہا متقلبکم یعنی پشت سے شکم میں آنا اور مثواکم یعنی قبروں میں قیام کرنا۔ بہرحال مطلب یہ ہے کہ اللہ تمہارے تمام احوال کو جانتا ہے اس سے تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں اس لئے اس سے ڈرتے رہو۔ خطاب تمام انسانوں کو ہے مؤمن ہوں یا کافر۔ (تفسیر مظہری)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا
اور کہتے ہیں ایمان والے کیوں نہ
نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ
اُتری ایک سورت ☆

☆ یعنی ایسی سورت جس میں جہاد کی اجازت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ یعنی جہاد کی انتہائی خواہش کی وجہ سے مسلمان کہتے ہیں۔ لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۔ یعنی کوئی ایسی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی جس میں جہاد کا حکم ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ
پھر جب اُتری ایک سورت جانچی ہوئی ☆

سورۃ محکمہ ☆ یعنی جچے تلے احکام پر مشتمل ہے جو غیر منسوخ ہیں اور ٹھیک اپنے وقت پر اترتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُّحْكَمَةٌ کا معنی: محکم کے لفظی معنی مضبوط و مستحکم کے ہیں اس لغوی معنی کے اعتبار سے تو قرآن کی ہر سورت محکمہ ہے لیکن اصطلاحِ شرح میں محکم بمقابلہ منسوخ استعمال ہوتا ہے یہاں سورۃ کے ساتھ محکمہ کی قید کا اضافہ اس لئے ہے کہ عمل کا شوق تو جبھی پورا ہوسکتا ہے جبکہ وہ سورت منسوخ نہ ہو۔ اور قتادہؓ نے فرمایا کہ جتنی سورتوں میں قتال وجہاد کے احکام آئے ہیں وہ سب محکمہ ہیں۔ یہاں چونکہ اصل مقصود حکم جہاد اور اس پر عمل ہے اسلئے سورت کے ساتھ محکمہ کا لفظ بڑھا کر ذکر جہاد کی طرف اشارہ کردیا جس کی آگے تصریح آرہی ہے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ
اور ذکر ہوا اس میں لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ
انکو جن کے دل میں روگ ہے تکتے ہیں

اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ
تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بے ہوش پڑا ہوا مرنے کے وقت
فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾
سو خرابی ہے اُن کی☆

منافقوں پر حکم جہاد کا اثر☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ" مسلمان سورت مانگتے تھے یعنی کافروں کی ایذا سے عاجز ہو کر آرزو کرتے کہ اللہ جہاد کا حکم دے تو جو ہم سے ہو سکے کر گزریں۔ جب جہاد کا حکم آیا تو منافق اور کچے لوگوں پر بھاری ہوا، خوفزدہ اور بے رونق آنکھوں سے پیغمبر کی طرف دیکھنے لگے کہ کاش ہم کو اس حکم سے معاف رکھیں بے حد خوف میں بھی آنکھ کی رونق نہیں رہتی۔ جیسے مرتے وقت آنکھوں کا نور جاتا رہتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

جہاد کا حکم: تو دونے کہ جس صورت میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے وہ محکم ہے ناقابل منسوخی ہے بلکہ اس کے نزول سے پہلے جو صلح اور ملاپ رکھنے کا حکم دیا گیا ہو سب کو حکم جہاد منسوخ کرنے والا ہے۔ حکم جہاد قیامت تک جاری رہے گا جہاد کا حکم جس صورت میں نازل ہوا منافقوں پر اس سورت کا نزول سارے قرآن سے زیادہ شاق اور دشوار ہوا۔

فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۔ مرض سے مراد بزدلی اور ضعف۔ ایسے ڈرپوک لوگ۔ (تفسیر مظہری)

طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ فَاِذَا عَزَمَ
حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی پھر جب تاکید ہو
الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا
کام کی تو اگر سچے رہیں اللہ سے تو اُن کا بھلا
لَّهُمْ ﴿۲۱﴾
ہے☆

مخلص ہونے کا تقاضا☆یعنی ظاہر میں یہ لوگ فرمانبرداری کا اظہار اور زبان سے اسلام واحکام اسلام کا اقرار کرتے ہیں۔ مگر کام کی بات یہ ہے کہ عملاً خدا ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانیں اور بات اچھی اور معقول کہیں پھر جب جہاد وغیرہ میں کام کی تاکید اور زور آ پڑے اس وقت اللہ کے سامنے سچے ثابت ہوں تو یہ صورت ان کی بہتری اور بھلائی کی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں

کہ" یعنی حکم شرع سے منہ سے کافر ہو جاتا ہے اللہ کا حکم ہر طرح ماننا ہی چاہئے پھر رسول بھی جانتا ہے کہ نامردوں کو کیوں نہ لائے۔ ہاں جب بہت ہی تاکید پڑے اس وقت تو نا ضروری ہوگا نہیں تو لڑنے والے بہت ہیں"۔ (تفسیر عثمانی)

ترکیب نحوی: الامر سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی اصحاب۔ مرتنی جن کو قتال کا حکم دیا وہ لوگ جب جہاد پر سنجیدگی سے مستعد ہو گئے۔

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔ یہ لو صدقوا کی جزا ہے بعض اہل تفسیر کے نزدیک شرط کی جزا محذوف ہے اور یہ جملہ علیحدہ ہے پورا کلام اس طرح تھا جب جہاد لازم ہو گیا تو انہوں نے اپنے قول کو سچ نہ کر دکھایا اور حکم جہاد کو نہ مانا اگر وہ اپنی رغبت جہاد کو سچ کر دکھاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ
پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے
تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا
تو خرابی ڈالو ملک میں اور قطع کرو
اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾
اپنی قرابتیں☆

اگر اقتدار ملے تو فساد نہ پھیلاؤ☆یعنی حکومت واقتدار کے نشہ میں لوگ عموماً اعتدال وانصاف پر قائم نہیں رہا کرتے۔ دنیا کی حرص اور زیادہ بڑھ جاتی ہے پھر جاہ ومال کی کشمکش اور غرض پرستی میں جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں جن کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے عام فتنہ وفساد اور ایک دوسرے سے قطع تعلق۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں " یعنی جان سے تنگ ہو کر جہاد کی آرزو کرتے ہو اور اگر اللہ تم ہی کو غالب کر دے تو فساد نہ کرنا" (تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "تولیتم" کا ترجمہ حکومت مل جانے سے کیا ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے۔ دوسرے علماء "تولی" کو بمعنی اعراض لے کر یوں مطلب لیتے ہیں کہ اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو ظاہر ہے کہ دنیا میں امن وانصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اور جب دنیا میں امن وانصاف نہ ہے گا تو ظاہر ہے کہ فساد، بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہوگا اور بعض نے اس طرح تفسیر کی ہے کہ اگر تم ایمان لانے سے اعراض کرو گے تو زمانہ جاہلیت کی کیفیت عود کر آئے گی جو خرابیاں اور فساد اس وقت تھے اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر رشتے ناتے قطع ہو جاتے تھے وہ ہی سب نقشہ پھر قائم ہو جائے گا اور اگر آیت میں خاص منافقین سے خطاب مانا جائے تو ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر جہاد سے اعراض کرو گے تو

تم سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں خرابی مچاؤ گے اور جن مسلمانوں سے تمہاری قرابتیں ہیں ان کی مطلق پرواہ نہ کرتے ہوئے کھلے کافروں کے مددگار بنو گے۔ (تفسیر حقانی)

تَوَلَّيْتُمْ کا معنی: اگر تم لوگوں کے حاکم بن جاؤ اور ان کے امور کے متولی بنا دیئے جاؤ تو تم سے بعید نہیں کہ ظلم کر کے ملک میں تباہی پیدا کر دو گے (اس مطلب پر تولیتم کا معنی ہو گا تم متولی ہو جاؤ حاکم ہو جاؤ) یہ آیت بنی امیہ اور بنی ہاشم کے حق میں نازل ہوئی۔ اس بات کی تاکید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علی کی قراءت میں تُوُلِّيْتُمْ بصیغہ مجہول آیا ہے۔ (گویا اس جگہ باب تفعل بمعنی تفعیل ہے اور تُوُلِّيْتُمْ بمعنی وُلِّيْتُمْ ہے) مطلب اس طرح ہو گا کہ اگر تم ظالم حاکم مقرر کر دو گے تو ملک میں تباہی پھیلاؤ گے اور فتنہ انگیزی میں ان کے ساتھ ہو جاؤ گے۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ: حضرت بریدہؓ کا بیان ہے میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ نے کسی کی چیخ کی آواز سنی فرمایا دیکھو تو یہ آواز کیسی ہے یرفا نے کہا ایک لڑکی ہے جس کی ماں کو فروخت کیا جا رہا ہے فرمایا مہاجرین اور انصار کو بلا کر لا۔ تھوڑی ہی دیر میں (سب آ گئے اور) حجرہ بھر گیا حضرت عمرؓ نے اول اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ جو (شریعت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اس میں رشتہ داریاں منقطع کرنے کا حکم ہے حاضرین نے کہا نہیں (ہے) فرمایا تو تمہارے اندر یہ قطع قرابت پیدا ہو گیا ہے پھر آپ نے آیت فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ تلاوت فرمائی قطع قرابت اس سے زیادہ اور کیا ہو گا کہ تمہارے اندر کسی شخص کی ماں فروخت کی جائے حالانکہ اللہ نے تمہارے لئے (اس فروخت کے علاوہ دوسری) گنجائش عطا فرما دی ہے حاضرین نے کہا پھر آپ کی جو رائے ہو کیجئے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اطراف ملک میں لکھ بھیجا کہ کسی آزاد شخص کی ماں نہ فروخت کی جائے یہ قطع رحم ہے جائز نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

کفر فسادِ عالم کا ذریعہ: آج کی دنیا میں یہ بات مشاہدہ اور تجربہ میں بخوبی آ چکی ہے دنیا کے امن و سکون کو تباہ کرنے والی اشیمی طاقتیں سرزمین کفر ہی سے تمام عالم میں پھیل رہی ہیں اور اس امر کا اعتراف ہر صاحب عقل کرنے پر مجبور ہے کہ کفر ہی درحقیقت تمام فتنوں کا سرچشمہ اور امن عالم کو تباہ کرنے والا ہے ایک طرف کفر فساد عالم کا ذریعہ ہے تو دوسری طرف حق تلفی اور ظلم و استبداد کا بھی باعث ہے بعض ائمہ مفسرین نے "ان تولیتم" کا ترجمہ ولایت سے مشتق قرار دیتے ہوئے حکومت و ولایت کے حاصل کرنے کا کیا ہے یعنی اگر تم کو حکومت مل جائے۔

صلہ رحمی کی فضیلت: یہ بھی ارشاد ہے کہ میں رحمٰن و رحیم ہوں رحم (قرابت) کو میں نے اپنے نام میں سے نکالا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ آپ نے فرمایا قطع رحمی اور ظلم کے علاوہ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے کہ اس کی آخرت کی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی اس کی سزا جلد از جلد دیتا ہوں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔ اور صلہ رحمی یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی عزیز و قریب قرابت کا لحاظ کرتا ہے تو اس کے ساتھ ایسا ہی حق قرابت کی ادائیگی کا معاملہ کیا جائے گا بلکہ صلہ رحمی کی حقیقت وہ ہے جس کو فرمایا گیا لیس الواصل بالمکافی. ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمۃ وصلہا۔ یعنی صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو مکافات اور بدلہ کا معاملہ کر رہا ہو۔ (معارف کاندھلوی)

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو پیدا کر چکا تو رحم کھڑا ہوا اور رحمٰن سے چمٹ گیا اس سے پوچھا گیا کیا بات ہے؟ اس نے کہا یہ مقام ہے ٹوٹنے سے تیرے پناہ میں آنے کا اس پر اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تو اس سے راضی نہیں؟ کہ تیرے ملانے والے کو میں ملاؤں اور تیرے کاٹنے والے کو میں کاٹ دوں؟ اس نے کہا ہاں اس پر میں بہت خوش ہوں۔ اس حدیث کو بیان فرما کر پھر راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو فَهَلْ عَسَيْتُمْ الخ اور سند سے ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابوداؤد ترمذی ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کوئی گناہ اتنا بڑا اور اتنا بُرا نہیں جس کی بہت جلدی سزا دنیا میں اور پھر اس کی بُرائی آخرت میں بہت بری پہنچتی ہو بہ نسبت سرکشی بغاوت اور قطع رحمی کے۔ اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا میرے نزدیکی قرابت دار مجھ سے توڑتے رہتے ہیں اور میں انہیں معاف کرتا رہتا ہوں وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں اور وہ میرے ساتھ برائیاں کرتے رہتے ہیں تو کیا میں ان سے بدلہ نہ لوں؟ آپ نے فرمایا نہیں اگر ایسا کرو گے تو تم سب کے سب چھوڑ دیئے جاؤ گے تو صلہ رحمی پر ہی رہ اور یاد رکھ کہ جب تک تو اس پر باقی رہے گا اللہ کی طرف سے تیرے ساتھ ہر وقت معاونت کرنے والا رہے گا۔ حقیقتاً صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو کسی احسان کے بدلے احسان کرے بلکہ صحیح معنی میں رشتے ناتے ملانے والا وہ ہے کہ گو تو اسے کاٹا جائے وہ تجھ سے ملاتا جائے۔ مسند احمد میں ہے صلہ رحمی قیامت کے دن رکھی جائے گی اس کی رانیں ہوں گی مثل ہرن کی رانوں کی وہ بہت صاف اور تیز زبان سے بولے گی پس وہ کاٹ دیا جائیگا جو اسے کاٹتا تھا اور وہ ملایا جائے گا جو اسے ملاتا تھا۔ مسند کی ایک اور حدیث میں ہے رحم کرنے والوں پر خدا بھی رحم کرتا ہے تم زمین والوں پر رحم کرو آسمانوں والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم رحمٰن کی طرف سے ہے۔ اس کے ملانے والوں کو خدا ملاتا ہے اور اس کے توڑنے والے کو خود خدا توڑ دیتا ہے۔

یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیمار پرسی کے لئے لوگ گئے تو آپ فرمانے لگے تم نے صلۂ رحمی کی ہے۔ اور حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں روحیں ملی جلی ہیں جو روز ازل میں میل کر چکی ہیں وہ یہاں یگانگت برتتی ہیں اور جن میں وہاں نفرت رہی ہے یہاں بھی دوری رہتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب زبانی دعوے بڑھ جائیں عمل گھٹ جائیں زبانی میل جول ہو دلی بغض وعداوت ہو رشتہ دار سے بدسلوکی کرے اور اس وقت ایسے لوگوں پر لعنت خدا نازل ہوتی ہے اور ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کردی جاتی ہیں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ
ایسے لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے
فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾
پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں ان کی آنکھیں ☆

فسادیوں اور ظالموں پر لعنت

یعنی حکومت کے غرور میں اندھے بہرے ہو کر ظلم کرنے لگے۔ پھر کسی کا سمجھایا نہ سمجھے خدا کی پھٹکار نے بالکل ہی سنگدل بنادیا اور یہ سب کچھ ان ہی کے قصور استعداد سے ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِکَ۔ یعنی یہی زمین میں تباہی پھیلانے والے اور قرابت داریاں منقطع کرنے والے۔

الَّذِینَ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ۔ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ خارج کر دیا ہے۔

فَاَصَمَّہُمْ۔ اور کلام حق سننے سے بہرا کر دیا ہے اور تصویر حق دیکھنے سے اندھا بنادیا ہے (اس لئے گوش حق نیوش سے وہ بہرے ہیں اور چشم حقیقت بیں سے محروم ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا استنباط:

حضرت فاروق اعظمؓ نے اسی آیت سے ام الولد کی بیع کو حرام قرار دیا' یعنی وہ مملوکہ کنیز جس سے کوئی اولاد پیدا ہو چکی ہو اس کی فروخت کرنا اس اولاد سے قطع رحمی کا ذریعہ ہے جو موجب لعنت ہے اس لئے ام ولد کی فروخت کو حرام قرار دیا (رواہ الحاکم وصححہ وابن المنذر عن بریدہ)۔

کسی معین شخص پر لعنت کا حکم اور لعن یزید کی بحث

اور حضرت امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ نے اُن سے یزید پر لعنت کی جائے جس پر اللہ نے اپنی کتاب میں لعنت کی ہے۔ صاحبزادے نے عرض کیا کہ میں نے تو قرآن کو پورا پڑھا اس میں کہیں یزید پر لعنت نہیں آئی آپ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ یزید سے زیادہ کون قطع ارحام کا مرتکب ہوگا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ وقرابت کی بھی رعایت نہیں کی' مگر جمہور اُمت کے نزدیک کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں جب تک کہ اسکا کفر پر مرنا یقینی طور پر ثابت نہ ہو۔ ہاں عام وصف کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے جیسے لعنت اللّٰہ علی الکاذبین' لعنت اللّٰہ علی المفسدین و لعنت اللّٰہ علی قاطع الرحم وغیرہ' روح المعانی میں اس جگہ اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے (روح ص ۷۲ ج ۲۶) (معارف مفتی اعظم)

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ
کیا دھیان نہیں کرتے قرآن میں یا
قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾
دلوں پر لگ رہے ہیں اُنکے قفل ☆

☆ یعنی منافق قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کی شرارتوں کی بدولت دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں کہ نصیحت کے اندر جانے کا راستہ ہی نہیں رہا۔ اگر قرآن کے سمجھنے کی توفیق ملتی تو باآسانی سمجھ لیتے کہ جہاد میں کس قدر دنیوی واخروی فوائد ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کی وضاحت علم معانی کی روشنی میں

یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔ قلوب کو خزانہ سے تشبیہ دی اور ہر خزانہ کا مقفل ہونا لازم نہیں تو مناسب ضرور ہے مشبہ بہ کی مناسبات کو مشبہ کے لئے ثابت کیا ہے پھر اقفال کی قلوب کی طرف وضاحت کی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دلوں پر جو قفل پڑے ہیں وہ یہ مستعمل معمولی قفل نہیں ہیں بلکہ غیر معمولی تالے ہیں جو قلوب کے مناسب ہیں (یعنی غفلت کے تالے ہیں لوہے پیتل وغیرہ کے نہیں ہیں) گویا بصورت کنایہ یہ بات بتائی کہ ان کے اندر استعداد ہی نہیں ہے ان کے دل نصیحت پذیری کی قابلیت ہی نہیں رکھتے اگر بالفرض یہ قرآن پر غور بھی کریں تب بھی نہیں سمجھ پائیں گے۔

ایک نوجوان کا واقعہ:

بغوی نے بروایت ہشام بن عروہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُہَا۔ تلاوت فرمائی ایک یمنی جوان نے یہ آیت سن کر کہا کیوں نہیں بلاشبہ دلوں پر تالے پڑے ہیں اللہ ہی ان کو دور نہ کر دے یہ تالے دلوں پر پڑے رہیں گے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوان کی یہ بات کھب گئی اور آپ کے دل میں جم گئی جب آپ خلیفہ ہوئے تو اس کو اپنا مددگار مقرر کیا۔ حضرت سہیل بن سعد راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا تلاوت فرمائی۔ ایک جوان بولا کیوں نہیں بلا شبہ دلوں پر تالے پڑے ہیں اللہ ہی ان کو دور کرنے والا ہے حضرت عمرؓ جب خلیفہ ہوئے تو کوئی ملازمت دینے کے لئے اس جوان کی بابت دریافت کیا لیکن اطلاع ملی کہ اس کا انتقال ہو چکا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ
بیشک جو لوگ اُلٹے پھر گئے اپنی پیٹھ پر
مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی
بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی اُن پر سیدھی راہ
الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰی لَهُمْ ﴿۲۵﴾
شیطان نے بات بنائی ان کے دل میں اور دیر کے وعدے کئے

منافقین شیطان کے چکر میں ہیں

یعنی منافقین اسلام کا اقرار کرنے اور اسکی سچائی ظاہر ہو چکنے کے بعد وقت آنے پر اپنے قول و قرار سے پھرے جاتے ہیں۔ اور جہاد میں شرکت نہیں کرتے۔ شیطان نے ان کو یہ بات سمجھا دی ہے کہ لڑائی میں نہ جائیں گے تو دیر تک زندہ رہیں گے خواہ مخواہ جا کر مرنے سے کیا فائدہ۔ اور نہ معلوم کیا کچھ کچھ سمجھاتا اور دور دراز کے لمبے چوڑے وعدے دیتا ہے "وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا" (تفسیر عثمانی)

ارْتَدُّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِهِمْ۔ یعنی سابق کفر کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت عروہؒ نے کہا ان لوگوں سے مراد ہیں کفار اہل کتاب۔ توریت میں انہوں نے رسول اللہ کے اوصاف پڑھے تھے اس لئے بعثت سے پہلے ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے تھے لیکن جب آپ مبعوث ہوئے تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابن عباسؓ ضحاک اور سدی کے نزدیک منافق مراد ہیں۔

الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ۔ سوّل سوال سے مشتق ہے اور سوال کا معنی ہے استرخا یعنی شیطان نے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر کے ان کے لئے آسان بنا دیا بعض کے نزدیک سوّل سُول سے مشتق ہے یعنی ان کو خواہشات پر آمادہ کیا سُول کا معنی ہے آرزو۔

اَمْلٰی لَهُمْ۔ یعنی شیطان نے ان کی اُمیدیں اور آرزوئیں بہت لمبی بڑھا دیں۔ (تفسیر مظہری)

شیطان کے دو کام: شیطان کی طرف دو کاموں کی نسبت کی گئی۔ ایک تسویل جس کے معنی تزیین کے ہیں کہ بُری چیز یا بُرے عمل کو کسی کی نظروں میں اچھا اور مزین کر دے۔ دوسرا املاء جس کے معنی امہال اور مہلت دینے کے ہیں مراد یہ ہے کہ شیطان نے اول تو انکے بُرے اعمال کو اُن کی نظروں میں اچھا اور مزین کر کے دکھلایا پھر ان کو ایسی طویل آرزوؤں اور اُمیدوں میں اُلجھا دیا جو پوری ہونے والی نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا
یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا اُن لوگوں سے جو بیزار ہیں
مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ
اللہ کی اتاری کتاب سے ہم تمہاری بات بھی مانیں گے بعضے
الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾
کاموں میں اور اللہ جانتا ہے ان کا مشورہ کرنا ☆

منافقوں کا یہودیوں سے گٹھ جوڑ

☆ منافقوں نے یہود وغیرہ سے کہا کہ گو ہم ظاہر میں مسلمان ہو گئے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے ساتھ ہو کر تم سے نہ لڑیں گے۔ بلکہ موقع ملا تو تم کو مدد دیں گے اور اس قسم کے کاموں میں تمہاری بات مانیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ۔ یعنی شیطان کی طرف سے یہ فریب وہی طویل ترین ہوا و ہوس کی ترغیب اس سبب سے ہے۔

کہ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا۔ یعنی یہودی کافروں نے منافقوں سے یا منافقوں نے یہودی کافروں سے یا ایک فریق نے مشرکوں سے کہا۔

سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ۔ یعنی بعض امور میں ہم تمہارے کہے پر چلیں گے یا تمہارے بعض مشوروں پر عمل کریں گے جیسے تمہارے کہنے کے مطابق ہم جہاد میں (مسلمانوں کے ساتھ) شریک نہیں ہوں گے یا تمہارے کہنے سے تمہارے ساتھ مل کر ہم بھی نکلیں گے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں ہم تمہارے ساتھ شریک ہوں گے۔

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ۔ یہودیوں یا منافقوں کی پوشیدہ باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی جو اللہ نے ظاہر کر دی۔ (تفسیر مظہری)

فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ یَضْرِبُوْنَ
پھر کیسا ہوگا حال جبکہ فرشتے جان نکالیں گے ان کے مارتے جاتے ہوں

وُجُوۡهَهُمۡ وَ اَدۡبَارَهُمۡ ﴿۲۷﴾

اُن کے منہ پر اور پیٹھ پر ☆

نفاق کا مزہ ☆یعنی اس وقت موت سے کیونکر بچیں گے۔ بیشک اس وقت نفاق کا مزہ چکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَیۡفَ۔ استفہام تعجبی ہے (پس تعجب ہے بچنے کی یہ کیا تدبیر کریں گے جب کہ) ملائکہ ان کی روحیں قبض کریں گے (لوہے کے ہتھوڑوں اور ...ں سے) ان کے چہروں اور پیٹھوں پر چوٹیں لگاتے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوۡا مَاۤ اَسۡخَطَ

یہ اس لئے کہ وہ چلے اُس راہ جس سے

اللّٰهَ وَكَرِهُوۡا رِضۡوَانَهٗ فَاَحۡبَطَ

اللہ بیزار ہے اور ناپسند کی اُس کی خوشی پھر اس نے اکارت

اَعۡمَالَهُمۡ ﴿۲۸﴾

کردیئے انکے کئے کام ☆

اعمال غارت کرنے والا راستہ

☆یعنی اللہ کی خوشنودی پسند نہ کی اسی راہ پر چلے جس سے وہ ناراض ہوتا تھا اس لئے موت کے وقت یہ بھیانک سماں دیکھنا پڑا، اور اللہ نے انکے کفرو طغیان کی بدولت سب عمل بے کار کردیئے۔ کسی عمل نے ان کو دوسری زندگی میں فائدہ نہ پہنچایا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ۔ ایسا اس وجہ سے ہوگا کہ یہ اس بات پر چلے جو اللہ کی ناراضگی اور غضب کی موجب تھی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی توریت کی صراحتوں کو انہوں نے چھپایا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا۔

وَكَرِهُوۡا۔ اور ایسے کاموں سے نفرت کی جو اللہ کی خوشنودی کے موجب ہیں یعنی ایمان جہاد اور دوسری طاعتوں سے نفرت کی۔ اسی سبب سے اللہ نے ان کے اعمال کو اکارت کردیا۔ (تفسیر مظہری)

امام اعظم ابوحنیفہ کا یہی مذہب ہے کہ جو اعمال صالحہ ابتداءً فرض یا واجب نہیں تھے مگر کسی نے ان کو شروع کردیا تو اب انکی تکمیل اس آیت کی رو سے واجب ہوگئی تاکہ ابطال عمل کا مرتکب نہ ہو، اگر کسی نے ایسا عمل شروع کرکے بلا عذر کے چھوڑ دیا یا قصداً فاسد کردیا تو وہ گنہگار بھی ہوا اور اسکے ذمہ قضا بھی لازم ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ

کیا خیال رکھتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں روگ ہے

اَنۡ لَّنۡ یُّخۡرِجَ اللّٰهُ اَضۡغَانَهُمۡ ﴿۲۹﴾

کہ اللہ ظاہر نہ کردے گا اُن کے کینے ☆

منافقوں کا خبث باطن ظاہر ہو کر رہے گا

☆یعنی منافقین اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جو حسد عداوتیں اور کینے رکھتے ہیں کیا یہ خیال ہے کہ وہ دلوں میں پنہاں ہی رہیں گے؟ اللہ ان کو طشت ازبام نہ کرے گا؟ اور مسلمان ان کے مکروفریب پر مطلع نہ ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔ ان کا خبث باطن ضرور ظاہر ہو کر رہے گا۔ ایسے امتحان کی بھٹی میں ڈالے جائیں گے جہاں کھوٹا کھرا الگ الگ ہوجائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ۔ ام منقطعہ ہے کلام سابق سے اعراض پر دلالت کررہا ہے اور استفہام انکاری ہے۔ مرض سے مراد ہے نفاق یعنی منافق خیال رکھتے ہیں۔

اَنۡ لَّنۡ یُّخۡرِجَ اللّٰهُ اَضۡغَانَهُمۡ۔ کہ اللہ اپنے رسول اور مسلمانوں پر ان (منافقوں) کے دلوں کے اندر چھپے ہوئے بغض ظاہر نہیں کردے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوۡ نَشَآءُ لَاَرَیۡنٰكَهُمۡ فَلَعَرَفۡتَهُمۡ

اور اگر ہم چاہیں تجھ کو دکھلادیں وہ لوگ سو تو پہچان تو چکا ہے

بِسِیۡمٰهُمۡ ؕ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِیۡ لَحۡنِ

اُن کو اُن کے چہرہ سے اور آگے پہچان لیگا بات کے

الۡقَوۡلِ ؕ

ڈھب سے

اللہ تعالیٰ کے علم اور پیغمبر کے نورِ فراست سے منافق چھپ نہیں سکتے

☆یعنی اللہ چاہے تو تمام منافقین کو باشخاصہم معین کرکے آپ کو بالکل دکھلا دے، اور نام بنام مطلع کردے کہ مجمع میں فلاں فلاں آدمی منافق ہیں مگر اسکی حکمت بالفعل اس درجہ کے اظہار کو مقتضی نہیں۔ ہاں اللہ نے آپ کو علی درجہ کا نور فراست دیا ہے کہ ان کے چہرے بشرے سے آپ پہچان لیتے ہیں۔ اور آگے چل کر ان کی طرز گفتگو سے آپ کو مزید شناخت ہوجائے گی۔

کیونکہ منافق اور مخلص کی بات کا ڈھنگ الگ الگ ہوتا ہے جو زور شوکت ، پختگی اور خلوص کا رنگ مخلص کی باتوں میں جھلکتا ہے۔ منافق کتنی ہی کوشش کرے اپنے کلام میں پیدا نہیں کرسکتا۔ (تنبیہ) مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے "فلعرفتهم" کو "لونشاء" کے نیچے رکھا عامہ مفسرین اس کو "لونشاء" کے تحت میں رکھ کر "لاریناکهم" پر متفرع کرتے ہیں یعنی اگر ہم چاہیں تو تجھ کو دکھلا دیں وہ لوگ پھر تو ان کو پہچان جائے صورت دیکھ کر احقر کے خیال میں مترجم رحمہ اللہ کی تفسیر زیادہ لطیف ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے اٹھا دیا ممکن ہے وہ شناخت "لحن القول" اور "سیما" وغیرہ سے حاصل ہوئی ہو یا آیت ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل وتعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

لَاَرَيْنٰكَهُمْ۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو آگاہ کر دیں واقف بنا دیں۔

لَاَرَيْنٰكَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ۔ پھر علامت اور نشانات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پہچان لیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت انس نے فرمایا اس آیت کے اترنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقوں کی کوئی حرکت پوشیدہ نہیں رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کو ان کی خصوصی علامات دیکھ کر پہچان لیتے تھے۔

لَحْنِ الْقَوْلِ۔ کلام کو اس کے اصلی رخ سے ہٹا کر تعریض اور توریہ کی طرف موڑ دینے کو لحن القول کہتے ہیں۔ منافق ایسا ہی کرتے تھے بصورت تعریض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی عیب چینی کرتے تھے ان کا مذاق اڑاتے تھے اور مذمت بہ لباس مدح کرتے تھے۔

بغوی نے لکھا ہے اس کے بعد جو منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بات کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (اس کی اصلی غرض کو) پہچان جاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

مختلف روایتوں میں تطبیق: اور تفسیر روح المعانی میں حضرت انسؓ سے بیان کیا کان علیه السلام یوفیهم بسیماهم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نشانی سے ان کو پہچان لیتے تھے۔ یہاں اس آیت میں ایک پہچان تو سابق بتائی فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ اور ایک معرفت و پہچان مستقبل کے بارہ میں فرمائی گئی۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ کی لب و لہجہ سے پہچان لیں گے ان دونوں لَحْنِ الْقَوْلِ ایک حسی مشاہدہ ہے۔

اور یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نام بنام منافقین کا بتا دینا تو وہ اشخاص معینہ کی حیثیت سے تھا جن کو گویا بارگاہ رب العالمین سے طے کر دیا گیا تھا کہ یہ منافق ہیں ان کے علاوہ باقی منافقین کے بارہ میں یہ فرمایا دیا گیا کہ آپ ان کو ان کے لب ولہجہ سے پہچان لیں گے۔ (معارف کاندھلویؒ)

حدیث میں ہے جو شخص کسی راز کو پردہ میں رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس پر عیاں کر دیتا ہے وہ بہتر ہے تو اور بدتر ہے تو۔

چھتیس منافقوں کے نام:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا تم میں بعض لوگ منافق ہیں پس جس کا میں نام لوں وہ کھڑا ہو جائے۔ پھر فرمایا اے فلاں کھڑا ہو جا اے فلاں کھڑا ہو جا یہاں تک کہ چھتیس اشخاص کے نام لئے پھر فرمایا تم میں یا "تم میں سے" منافق ہیں پس اللہ سے ڈرو۔ اس کے بعد ان لوگوں میں سے ایک کے سامنے سے حضرت عمرؓ گزرے وہ اس وقت کپڑے سے اپنا منہ لپیٹے ہوا تھا۔ آپ اسے خوب جانتے تھے پوچھا کیا ہے؟" اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اوپر والی حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا خدا تجھے غارت کرے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾
اور اللہ کو معلوم ہیں تمہارے سب کام ☆

☆ یعنی بندوں سے کوئی بات چھپی رہے، ممکن ہے۔ مگر اللہ کے علم میں تمہارے سب کام ہیں خواہ کھل کر کرو یا چھپ کر۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ۔ اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے یعنی اللہ تمہارے اچھے برے اعمال سے واقف ہے کیونکہ کفر اور زنا اور ان ہی کی طرح کے دوسرے اعمال جن کی برائی فی نفسہ اور ذاتی ہے ان کی خرابی کو تو سب ہی پہچانتے لیکن اس کے علاوہ دوسرے اعمال کی خرابی نیت سے وابستہ ہے اور نیت سے سوا خدا کے کوئی واقف نہیں وہی ارادے اور نیت کے مطابق بدلہ دے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ
اور البتہ ہم تم کو جانچیں گے تا معلوم کر لیں جو تم میں لڑائی کرنے والے
مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ
ہیں اور قائم رہنے والے ☆

امتحان ☆ یعنی جہاد وغیرہ کے احکام سے آزمائش مقصود ہے اسی سخت آزمائش میں کھلتا ہے کہ کون لوگ اللہ کے راستہ میں لڑنے والے اور شدید ترین امتحانات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں اور کون ایسے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾
اور تحقیق کر لیں تمہاری خبریں ☆

یعنی ہر ایک کے ایمان اور اطاعت وانقیاد کا وزن معلوم ہو جائے اور سب کے اندرونی احوال کی خبریں عملاً محقق ہو جائیں (تنبیہ) "حتی نعلم" الخ سے جو شبہ حدوث علم کا ہوتا ہے اس کا مفصل جواب "پارہ سیقول" کے شروع "اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ" الخ کے حواشی میں ملاحظہ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

ایک اشکال اور اس کا دفعیہ:

امتحان اور جانچ وہ شخص کرتا ہے جس کو امتحان لینے سے پہلے علم نہ ہو لیکن اللہ کو تو پہلے ہی تمام آئندہ واقعات کا علم ہے اس کو امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے اس کے جواب کے لئے مفسر نے علماء بعد الوجودی مرادی قید کا اضافہ کیا۔ اللہ کو ہر چیز کا علم قبل از وجود ویسا ہی ہے جیسے وجود کے بعد لیکن جو علم قبل الوجود ہے اس پر احکام مرتب نہیں ہوتے اور امتحان کے بعد جو علم ہوتا ہے وہ حادث بھی ہے اور اس پر احکام کا ترتب بھی ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
جو لوگ منکر ہوئے اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ
اللّٰهِ وَشَاۗقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ
سے اور مخالف ہو گئے رسول سے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی ان پر
الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيُحْبِطُ
سیدھی راہ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ اور وہ اکارت کر دیگا
اَعْمَالَهُمْ ۝
اُنکے سب کام ☆

کافر و منافق اپنا ہی نقصان کرتے ہیں

☆ یعنی اپنا ہی نقصان کرتے ہیں، اللہ کا کیا نقصان ہے۔ نہ اس کے دین اور پیغمبر کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں وہ قدرت والا ان کے سارے منصوبے غلط اور تمام کام اکارت کرے گا اور سب کوششیں خاک میں ملا دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ یعنی ایمان لانے سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے سے روکا۔

وَشَاۗقُّوا اللّٰهَ۔ اور اللہ کے رسول کی مخالفت کی۔ اس جگہ الذین کفروا الخ سے بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودی اور وہ (مکی) کافر مراد ہیں جنہوں نے بدر کی لڑائی میں کافروں کے لشکر کو باری باری سے کھانا کھلایا تھا۔ یہ بارہ سردار تھے ہر سردار نے اپنے باری کے دن پورے لشکر کو کھانا دیا تھا۔

لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ۔ یعنی اپنے کفر سے وہ اپنے آپ کو ہی ضرور پہنچا ئیں گے اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ۔ اور یقیناً اللہ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا ان کو آخرت میں ثواب نہیں دے گا نہ دنیا میں ان کو کوئی فائدہ حاصل ہو گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بدر کے زمانے میں (کافروں کے لشکر کو) کھانا دیا تھا۔ (تفسیر مظہری)

کفار قریش کی مدد کرنے والے منافق

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ اُن منافقین کے متعلق ہے جنہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر کفار قریش کی امداد اس طرح کی کہ ان میں سے بارہ آدمیوں نے ان کے پورے لشکر کا کھانا اپنے ذمہ لے لیا تھا ہر روز اُن میں سے ایک آدمی لشکر کفار کے کھانے کا انتظام کرتا تھا۔ (معارف مفتی اعظم)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ
اے ایمان والو حکم پر چلو اللہ کے
وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا
اور حکم پر چلو رسول کے اور ضائع مت کرو اپنے کئے ہوئے
اَعْمَالَكُمْ
کام ☆

اعمال کی مقبولیت کی شرط

☆ یعنی جہاد، یا اللہ کی راہ میں دوسری محنت وریاضت کرنا اس وقت مقبول ہے جب اللہ ورسول کے حکم کے موافق ہو محض۔ اپنی طبیعت کے شوق یا نفس کی خواہش پر کام نہ کرو۔ ورنہ ایسا عمل یوں ہی بیکار ضائع جائے گا۔ مسلمان کا کام نہیں کہ جو نیک کام کر چکا یا کر رہا ہے اس کو کسی صورت سے ضائع ہونے دے نیک کام کو نہ بیچ میں چھوڑو نہ ریا و نمود اور اعجاب وغرور وغیرہ سے اسکو برباد کرو بھلا ارتداد کا تو ذکر کیا ہے جو ایک دم تمام اعمال کو حبط کر دیتا ہے العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی خیال کرتے تھے کہ جس طرح شرک کی موجودگی میں کوئی اچھا عمل مفید نہیں۔ اسی طرح لا الٰہ الا اللہ کے قائل کو کوئی گناہ ضرر نہیں پہنچائے گا۔ اس خیال کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت کا سبب نزول ابن ابی حاتم اور محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلوٰۃ میں بحوالہ ابو العالیہ بیان کیا ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کو اندیشہ ہوا۔ (اور وہ جان گئے) کہ گناہ سے نیک عمل باطل ہو جاتا

ہے۔ بغوی نے بھی ابوالعالیہ کی یہ روایت نقل کی ہے۔

کام ضائع نہ کرو کا مطلب: حضرت ابن عباسؓ اور عطا نے کہا یعنی شک اور نفاق یا غرور سے اپنے اعمال کو رائیگاں نہ کرو۔ کلبی نے کہا ریا اور دکھاوٹ سے اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ حسن نے کہا کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنی نیکیاں برباد مت کرو۔

مقاتل نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ (اپنے ایمان اور خدمت اسلام کا) رسول پر احسان نہ رکھو ورنہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں گے۔

مسئلہ: ظاہر روایت میں امام ابوحنیفہؒ کا قول آیا ہے کہ نماز روزہ حج عمرہ یا کوئی دوسری عبادت اگر شروع کر لی گئی ہو تو اس کو پورا کرنا واجب ہے بلا عذر شرعی بیچ میں سے منقطع کر دینا جائز نہیں۔ **کذا ذکر صاحب الھدایة والقدوری وغیرھما۔**

ضیافت کے لئے نفلی روزہ توڑنا: کیا ضیافت بھی ایسا عذر ہے جس میں شریک ہونے کے لئے نفلی روزہ توڑا جا سکتا ہے کسی نے اس کو عذر تسلیم کیا ہے کسی نے نہیں تسلیم کیا بعض کا قول ہے کہ زوال سے پہلے اس کو (روزہ توڑنے کا) عذر مانا جائے گا زوال کے بعد نہیں مانا جائے گا ہاں اگر زوال کے بعد نفلی روزہ نہ توڑنے میں والدین کی نافرمانی ہو رہی ہو تو اس وقت عذر تسلیم کیا جائے گا۔ اگر نفل روزہ یا نفل نماز شروع کرنے کے بعد توڑ دی تو امام ابوحنیفہؒ کے اور امام مالک کے نزدیک قضا واجب ہے منتقی کی روایت میں آیا ہے کہ نفل روزہ بغیر عذر کے توڑ دینا امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے مگر اس کا بدل بطور قضا ادا کرنا (یعنی روزہ رکھنا) ہو گا۔

احناف کے دلائل: حضرت عائشہ کا بیان ہے۔ عروہ نے اس کو نقل کیا ہے کہ حفصہؓ کے پاس بطور ہدیہ بکری کا کچھ گوشت آیا ہم دونوں کا روزہ تھا ہم نے روزہ توڑ دیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو ہم نے اس بات کا تذکرہ آپ سے کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں (اس) روزہ کے عوض دوسرا روزہ رکھنا۔ رواہ احمد من طریق سفیان بن حسین عن عروہ۔ ورواہ الترمذی من طریق جعفر بن برقان عن عروۃ۔ ترمذی کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے میں اور حفصہ دونوں روزہ دار تھیں کچھ کھانا ہمارے سامنے لایا گیا ہم کو خواہش ہوئی ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا پھر (جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مجھ سے پہلے حفصہ نے آگے بڑھ کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم (دونوں) روزہ دار تھیں کھانا سامنے آیا ہم کو اشتہا تھی ہم نے اس میں سے کچھ کھا لیا فرمایا اس کی جگہ کسی اور دن قضا رکھ لینا۔

ابوداؤد و نسائی نے یہ حدیث زمیل بن عروہ کی روایت سے نقل کی ہے لیکن بخاری نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے کیونکہ نہ زمیل کا عروہ سے سماع ثابت ہے نہ یزید کا زمیل سے۔

طبرانی نے سب طریقوں سے جدا الاوسط میں اس طرح بیان کیا ہے۔ موسیٰ بن ہارون از محمد بن مہران جمال از محمد بن ابی سلمہ مکی از محمد بن عمرو یہ از ابو سلمہ از ابوہریرہ۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے پاس کوئی ہدیہ آیا دونوں روزے دار تھیں لیکن دونوں نے اس میں سے کچھ کھا لیا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی بجائے اور ایک دن روزہ رکھ لینا اور دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

ابن ہمام نے کہا اس حدیث کا ثبوت ناقابل تردید ہے خواہ ہر طریق روایت ضعیف ہو لیکن طرق روایت کی کثرت اس کو ناقابل تردید بنا رہی ہے پھر ہر طریق ضعیف بھی نہیں ہے۔

حضرت ابوجحیفہ کا بیان ہے کہ حضرت سلیمانؓ کا حضرت ابودرداءؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارا کرا دیا (ایک روز) حضرت سلیمانؓ حضرت ابودرداءؓ کی ملاقات کو گئے (اندر جا کر) حضرت ابودرداءؓ کی بیوی کو میلی کچیلی حالت میں دیکھ پوچھا کیا بات ہے ام درداء نے کہا آپ کے بھائی ابودرداءؓ کو دنیا کی کوئی رغبت نہیں (پھر میں کس کے لئے سنگھار کروں) اتنے میں حضرت ابودرداءؓ بھی آ گئے اور حضرت سلمانؓ کے لئے کھانا بنایا (کھانا آ گیا تو) حضرت ابودرداءؓ نے حضرت سلمانؓ سے کہا میرا تو روزہ ہے آپ کھائیے حضرت سلمانؓ نے کہا جب تک آپ نہیں کھائیں گے میں بھی نہیں کھاؤں گا۔ چنانچہ حضرت ابودرداءؓ نے بھی کھایا جب رات ہوئی وابودرداء نماز کے لئے کھڑے ہونے لگے حضرت سلمانؓ نے کہا اب سو جائیے حضرت ابودرداء سو گئے پھر (رات میں کسی وقت) نماز پڑھنے اٹھ بیٹھے حضرت سلمانؓ نے کہا سو جائیے جب آخر رات ہوئی تو حضرت سلمانؓ نے کہا اب اٹھ جائیے۔ چنانچہ دونوں اٹھ کر نماز پڑھنے لگے حضرت سلمانؓ نے حضرت ابودرداء سے کہا تم پر اپنے رب کا بھی حق ہے اور اپنی جان کا بھی حق ہے اور تم پر تمہاری بیوی کا بھی حق ہے ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو حضرت ابودرداءؓ نے (صبح کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس بات کا تذکرہ کیا حضور نے فرمایا سلمانؓ نے سچ کہا۔

میں کہتا ہوں ان احادیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ (نفل) روزہ توڑ دینا جائز ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ توڑے ہوئے روزے کی قضا واجب نہیں ہے۔

ابوداؤد اور دارمی وغیرہ نے بروایت جریر از یزید بن زیادہ از عبداللہ بن حارث بیان کیا کہ حضرت ام ہانی نے فرمایا جب فتح مکہ کا دن ہوا تو فاطمہ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں میں دائیں طرف بیٹھی تھی ایک خادمہ ایک برتن میں کچھ شربت لائی میں نے لے کر کچھ اس میں سے پیا پھر (روزہ دار ہونے کا خیال آیا تو) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

بسم میرا تو روزہ تھا میں نے روزہ توڑ دیا فرمایا کیا تم نے قضا کا روزہ رکھا تھا میں نے عرض کیا نہیں فرمایا اگر نفلی تھا تو (توڑنے میں) کوئی حرج نہیں۔

میں کہتا ہوں لا تبطلوا کا مصدر ابطال ہے (اور لا تبطلوا کسی خاص ابطال پر دلالت نہیں کر رہا ہے بلکہ اس سے عام ابطال سمجھا جاتا ہے) اور یہ ابطال ثمرہ ہے جو فعل (۔) کے بعد آیا ہے اس لئے ہر ابطال کی ممانعت اس سے معلوم ہوتی ہے اب جو شخص شروع کرنے کے بعد نفل نماز کو توڑ دے یا نفل روزے کو بہر حال وہ عمل (خیر) کا نقص ہوگا رہا قضا کا مسئلہ تو یہ الگ عمل ہے جس سے پہلے عمل (یعنی نقض عمل) کا تدارک کیا جاتا ہے لہٰذا بلا عذر (نفل نماز روزہ وغیرہ کو توڑنا) اس آیت سے ہی ممنوع قرار پاتا ہے۔ ہاں احادیث سے ضرور ابطال کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن تعارض کے وقت احادیث آحاد پر آیت کی تقدیم لازم ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ آیت نقض عمل کی حرمت پر دلالت کر رہی ہے اور احادیث حلت پر اور تحریم کو احتیاطاً تحلیل پر مقدم رکھنا واجب ہے۔ اس سے قیاس بھی تحریم ہی کو چاہتا ہے کیونکہ نفل حج اور عمرہ کو توڑنا (کسی کے نزدیک) جائز نہیں اگر توڑ دیا تو قضا واجب ہے (پس نفل نماز روزہ کا توڑنا بھی جائز نہیں ہوگا اگر توڑ دیا تو قضا واجب ہوگی)۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ

جو لوگ منکر ہوئے اور روکا لوگوں کو

سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

اللہ کی راہ سے پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

تو ہرگز نہ بخشے گا اُن کو اللہ ☆

محارب کافر ☆ یعنی کسی کافر کی اللہ کے ہاں بخشش نہیں خصوصاً ان کافروں کی جو دوسروں کو خدا کے راستہ سے روکنے میں لگے ہوئے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ

سو تم بودے نہ ہو جاؤ اور بلانے لگو صلح کی طرف ☆

مسلمانو! کم ہمت نہ بنو ☆ یعنی مسلمانوں کو چاہیے کہ کفار کے مقابلہ میں سست اور کم ہمت نہ بنیں اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر صلح کی طرف نہ دوڑیں، ورنہ دشمن شیر ہو کر دباتے چلے جائیں گے اور جماعت اسلام کو مغلوب و رسوا ہونا پڑے گا ہاں کسی وقت اسلام کی مصلحت اور اہل اسلام کی بھلائی صلح میں نظر آئے تو اس وقت صلح کر لینے میں مضائقہ نہیں جیسا کہ آگے سورۂ "فتح" میں آتا ہے بہر حال صلح کی بنا اپنی کم ہمتی اور نامردی پر نہ ہونی چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَهِنُوْا۔ یعنی جہاد میں کمزوری نہ کرو۔

وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ۔ یعنی اول کافروں کو صلح کی طرف نہ بلاؤ۔ اس مطلب پر تدعوا کا عطف تَهِنُوْا پر ہوگا اور دونوں فعل نہی کے ذیل میں آ جائیں گے۔ آیت میں کافروں سے صلح کی درخواست کرنے کی ممانعت فرما دی کیونکہ اس سے اپنی کمزوری اور بزدلی کا اظہار ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

صلح اور اس کی شرط: صحیح یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ابتداءً صلح کر لینا بھی جائز ہے جبکہ مصلحت مسلمانوں کی اس میں دیکھی جائے۔ محض بزدلی اور عیش کوشی اسکا سبب نہ ہو اور اس آیت کے شروع میں فَلَا تَهِنُوْا کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ ممنوع وہ صلح ہے جسکا منشاء بزدلی اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے فرار ہو اسلئے اسمیں بھی کوئی تعارض نہیں کہ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ کی آیت کے حکم کو اس صورت کیساتھ مقید کیا جائے جس میں صلح جوئی کا سبب بزدلی اور سستی وغیرہ نہ ہو بلکہ خود مسلمانوں کی مصلحت کا تقاضا ہو واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ

اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ اور

يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝

نقصان نہ دیگا تم کو تمہارے کاموں میں ☆

گھبراؤ نہیں ☆ یعنی گھبرانے کی کچھ بات نہیں، اگر صبر و استقلال دکھاؤ گے اور خدا کے احکام پر ثابت قدم رہو گے تو خدا تمہارے ساتھ ہے وہ تم کو آخر کار غالب کرے گا اور کسی حالت میں بھی تم کو نقصان اور گھاٹے میں نہ رہنے دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ یعنی اللہ کی مدد سے تم غالب ہو گے اللہ نے نیک مومنوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی جزاء میں کوئی کمی نہیں کریگا اشارہ اس طرف ہے کہ دنیا میں کوئی تکلیف بھی پہنچ گئی تو اسکا اجر عظیم آخرت میں ملنے والا ہے اسلئے مومن تکلیف کی حالت میں بھی ناکام نہیں۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔ چونکہ جہاد سے روکنے والی چیز انسان کے لئے دنیا کی

محبت ہی ہو سکتی ہے جس میں اپنی جان کی محبت اہل وعیال کی محبت مال و دولت کی محبت سب داخل ہیں اس آیت میں یہ بتلا دیا گیا ہے کہ یہ سب چیزیں بہر حال ختم اور فنا ہونیوالی ہیں اس وقت ان کو بچا بھی لیا تو پھر کیا دوسرے وقت یہ چیزیں ہاتھ سے نکلیں گی اسلئے ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کی محبت کو آخرت کی دائمی پائیدار نعمتوں کی محبت پر غالب نہ آنے دو۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۚ وَاِنْ
یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تماشا اور اگر تم
تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ
یقین لاؤ گے اور بچ کر چلو گے دیگا تم کو تمہارا بدلہ
وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾
اور نہ مانگے گا تم سے مال تمہارے ☆

دنیا پرست نہ بنو تقویٰ اختیار کرو

☆یعنی آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت ایک کھیل تماشا جیسی ہے۔ اگر تم ایمان وتقویٰ اختیار کرو گے اور اس کھیل تماشہ سے ذرا بچ کر چلو گے تو اللہ تم کو اسکا پورا بدلہ دے گا اور تمہارا مال بھی تم سے طلب نہیں کرے گا اسے کیا حاجت ہے۔ وہ تو خود دینے والا ہے کما قال "مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ" (ذاریات رکوع ۳) اگر طلب بھی کرے تو مالک حقیقی وہ ہی ہے تمام مال اسی کا ہے مگر اسکے باوجود دین کے معاملہ میں جب خرچ کرنے کو کہتا ہے تو سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا۔ بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ طلب کیا جاتا ہے۔ وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے فائدہ۔ حضرت کو شاہ صاحب لکھتے ہیں "حق تعالیٰ نے ملک فتح کرا دیئے مسلمانوں کو تھوڑے ہی دن (اپنی گرہ) سے پیسہ خرچ کرنا پڑا۔ پھر جتنا خرچ کیا تھا اس سے سوسو گنا ہاتھ لگا اس مطلب سے (قرآن کریم میں کئی جگہ) فرمایا ہے کہ اللہ کو قرض دو"۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۔ اور تمہارے مال تم سے طلب نہیں کرے گا یعنی وہ تمہارے مال کا محتاج نہیں ہے تم کو ایمان وطاعت کا حکم اس لئے دے رہا ہے کہ اس کے بدلہ میں تم کو جنت عطا فرما دے۔ یہ مضمون دوسری آیت میں آیا ہے فرمایا ہے۔ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ۔

آیت کا ایک اور مطلب: بعض اہل تفسیر نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ صدقات وخیرات کی شکل میں تم سے تمہارا سارا مال نہیں طلب کرے گا بلکہ ایک حقیر قلیل حصہ یعنی چالیسواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم طلب کرے گا۔ جیسے ۱۲۰ بکریوں میں ایک بکری بہذا تم کو غم نہ کرنا چاہئے۔ ابن عیینہ نے یہی تفسیر کی ہے۔ رفتار آیت بھی اسی مطلب کی مؤید ہے کیوں کہ ایمان وتقویٰ کی ترغیب اور دنیوی زندگی کی مذمت سے (بے وقوفوں کے دماغ میں) یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید اللہ اپنے راستہ میں ہمارا سارا مال صرف کرانا چاہتا ہے اس خیال کو دور کرنے کے لئے فرمایا اللہ تمہارا سارا مال طلب نہیں فرمائے گا۔ (تفسیر مظہری)

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا
اگر مانگے تم سے وہ مال پھر تم کو تنگ کرے تو بخل کرنے لگو
وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾
اور ظاہر کر دے تمہارے دل کی خفگیاں ☆

اللہ تم سے مال طلب نہیں کرتا

یعنی اگر اللہ تعالیٰ سختی کے ساتھ کل مال طلب کرنے لگے جو تم کو دے رکھا ہے تو کتنے مردان خدا ہیں جو کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے اس حکم پر لبیک کہیں گے اکثر تو وہی ہوں گے جو بخل اور تنگدلی کا ثبوت دیں گے اور مال خرچ کرنے کے وقت ان کے دل کی خفگی باہر ظاہر ہو جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ ۔ یعنی اگر وہ تم سے تمہارا سارا مال طلب کرتا اور تم کو دشواری میں ڈال دیتا۔ احفاء کسی کام کو آخری حد تک پہنچانا مبالغہ کرنا' حدیث میں آیا ہے اُحْفُوا الشَّوَارِبَ یعنی لبوں کو جڑ سے کاٹو۔

تَبْخَلُوْا ۔ اور تم بخل کر دیتے اور مال نہ دیتے۔

وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۔ اللہ تمہارے سینوں میں چھپے ہوئے کینوں کو برآمد کر دیتا یا تمہارا بخل تمہارے کینوں کو ظاہر کر دیتا۔ قتادہ نے کہا اللہ کو معلوم تھا کہ مال طلب کرنے سے کینہ سامنے آ جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا
سنتے ہو تم لوگ تم کو بلاتے ہیں کہ خرچ کرو
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
اللہ کی راہ میں ☆

اللہ کے دیئے میں مخصوص حصہ خرچ کرو

☆یعنی ایک حصہ خدا کے دیئے ہوئے مال کا اس کے راستہ میں اپنے نفع کی خاطر۔ (تفسیر عثمانی)

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ یعنی تم کو تمہارے اموال کا کچھ حصہ فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی طرف دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے بعض اس میں بھی بخل کرنے لگتے ہیں اسکے بعد فرمایا کہ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ یعنی جو شخص اس میں بھی بخل کرتا ہے وہ کچھ اللہ کا نقصان نہیں کرتا بلکہ خود اپنی جان کا نقصان اس بخل کے ذریعہ کرتا ہے کہ آخرت کے ثواب سے محرومی اور ترک فرض کا وبال ہے۔ پھر اس بات کی وضاحت سے فرمایا وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ یعنی اللہ تو غنی ہے تم ہی حاجتمند ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا خود تمہاری ہی حاجت کا پورا کرنا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ
پھر تم میں کوئی ایسے ہے کہ نہیں دیتا اور جو کوئی نہ دیگا
فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ
سو نہ دے گا آپ کو ☆☆

دینے کا نفع تمہیں ہے ☆☆ یعنی تمہارا دینا خود اپنے فائدہ کے لئے ہے نہ دو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے اللہ کو تمہارے دینے نہ دینے کی کیا پرواہ۔ (تفسیر عثمانی)

اپنا مال اور وارثوں کا مال: حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس کو اپنے (مملوکہ) مقبوضہ مال سے زیادہ وارثوں (کی ملک اور قبضہ میں پہنچنے والے) مال سے زیادہ محبت ہو صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم میں سے تو ہر ایک کو اپنے (کام میں آنے والے) مال سے زیادہ محبت ہوتی ہے فرمایا تو اپنا مال وہی ہے جو اس نے پہلے بھیج دیا اور وارثوں کا مال وہ ہے جو (مرنے کے بعد) پیچھے چھوڑ گیا۔ رواہ البخاری والنسائی۔

دو فرشتوں کی دعاء: حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز صبح کو دو فرشتے اترتے ہیں اور ایک کہتا ہے اے اللہ راہ حق میں خرچ کرنے والے کو بدل عنایت فرما دوسرا کہتا ہے اے اللہ روک کر رکھنے والے (بخیل) کے مال کو تلف کر دے۔ متفق علیہ۔

خرچ کرتے رہو: حضرت اسماء راوی ہیں کہ (مجھ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرچ کرو اور گنتی نہ کرو ورنہ اللہ بھی گن گن کر دے گا اور جمع (یعنی جمع کر کے) نہ رکھو ورنہ اللہ بھی تجھ سے بند کر لے گا۔ اور تھوڑا تھوڑا دیتی رہو جہاں تک ہو سکے۔ متفق علیہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے اے آدم زاد! خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا (یعنی تجھے دوں گا) متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ
اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو ☆☆

اللہ محتاج نہیں تم ہو ☆☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی مال خرچ کرنے کی جو تاکید سنتے ہو یہ نہ سمجھو کہ اللہ یا اس کا رسول مانگتا ہے نہیں۔ یہ تمہارے بھلے کو فرماتا ہے۔ پھر ایک کے ہزار ہزار پاؤ گے۔ ورنہ اللہ کو اور اسکے رسول کو کیا پرواہ ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ۔ یعنی اللہ کو تمہاری عبادت و صدقات کی ضرورت نہیں۔

وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ اور تم دنیا و آخرت میں اس کے محتاج ہو اس لئے اس نے جو چاہا تم کو حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا
اور اگر تم پھر جاؤ گے تو بدل لے گا اور لوگ
غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۝
تمہارے سوائے پھر وہ نہ ہونگے تمہاری طرح کے ☆☆

اللہ تمہارا محتاج نہیں ☆☆ یعنی اللہ تعالیٰ جس حکمت و مصلحت سے بندوں کو خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اس کا حاصل ہونا کچھ تم پر منحصر نہیں۔ فرض کیجئے اگر تم سب بخل کرو اور اس کے حکم سے روگردانی کرو تو وہ تمہاری جگہ کوئی دوسری قوم کھڑی کر دے گا جو تمہاری طرح بخیل نہ ہوگی بلکہ نہایت فراخدلی سے اللہ کے حکم کی تعمیل اور اسکی راہ میں خرچ کرے گی۔ بہرکیف اللہ کی حکمت و مصلحت تو پوری ہو کر رہے گی ہاں تم اس سعادت سے محروم ہو جاؤ گے حدیث میں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ دوسری قوم کون ہے جس کی طرف اشارہ ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اس کی قوم اور فرمایا "خدا کی قسم اگر ایمان ثریا پر جا پہنچے تو فارس کے لوگ وہاں سے بھی اس کو اتار لائیں گے۔" الحمدللہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس بے نظیر ایثار و جوش ایمان کا ثبوت دیا کہ ان کی جگہ دوسری قوم کو لانے کی نوبت نہ آئی۔ تاہم فارس والوں نے اسلام میں داخل ہو کر علم اور ایمان کا وہ شاندار مظاہرہ کیا اور ایسی زبردست دینی خدمات انجام دیں جنہیں دیکھ کر ہر شخص کو ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے موافق یہی قوم تھی جو بوقت ضرورت عرب کی جگہ پر کر سکتی تھی ہزاروں علماء و ائمہ سے قطع نظر کر کے تنہا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا وجود ہی اس پیشین گوئی کے صدق پر کافی شہادت ہے۔ بلکہ اس بشارت عظمیٰ کے کامل ور

اولین مصداق امام صاحب ہی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ (تفسیر حقانی)

امام اعظم رحمہ اللہ کی فضیلت:

شیخ محمد بن یوسف صالحی شافعی نے کہا کہ شیخ شافعی یعنی جلال الدین سیوطی کے قول کے بموجب اس حدیث میں ابوحنیفہؒ اور آپ کے ساتھی مراد ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ علم کی جس چوٹی پر امام ابوحنیفہؒ اور ان کے ساتھی پہنچ گئے کوئی فارسی اس چوٹی تک نہیں پہنچا امام ابوحنیفہؒ کے دادا اہل فارس میں سے ہی تھے۔ ابوحنیفہؒ کی اولاد دین کی بڑی اونچی سطح پر فائز ہوئی آپ ہی کی اولاد میں ابوعلی شرف الدین قلندر پانی پتی اور قطب جمال اور قطب برہان ہانسوی اور قطب عبدالقدوس گنگوہی تھے۔ (از مفسر قدس سرہ)

اللہ سے دعاء کرتا ہوں کہ میرا خاتمہ اس خیر پر ہو جس پر حضور ختم المرسلین کے برگزیدہ لوگوں کا ہوا۔ اے اللہ اس تفسیر کے ختم ہونے کا ثواب اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ اور اولاد اور ازواج مطہرات کی پاک روحوں کو اور اولیاء امت محمدیہ خصوصاً شیخ شمس الدین حبیب اللہ مظہر اور آپ کے تمام مشائخ کو پہنچا دے۔ آمین (تفسیر مظہری)

دین کا قیام کسی خاص قوم پر موقوف نہیں ہے

خدا کا دین کسی جماعت پر موقوف نہیں کہ بس وہی دین خدا کی حفاظت واعانت کر سکتے ہیں ان کے سوا اور کوئی یہ کام انجام نہیں دے سکتا یہ خیال باطل ہے وہ اپنی حکمت سے جس قوم اور طبقہ کو چاہے اقامۃ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے منتخب کر لے اَللّٰهُ يَجْتَبِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ

منت منہ کی خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(معارف کاندھلوی)

اللہ تعالیٰ غنی الاغنیاء ہے

اس آیت میں حق تعالیٰ کے غنی الاغنیاء ہونے کو اس طرح واضح کیا ہے کہ اللہ کو تمہارے اموال کی تو کیا خود تمہارے وجود کی بھی کوئی ضرورت نہیں' اگر تم سب کے سب ہمارے احکام کی تعمیل چھوڑ دو تو جب تک ہمیں دنیا کو اور اس میں اسلام کو باقی رکھنا ہے ہم اپنے دین حق کی حفاظت اور اپنے احکام کی تعمیل کیلئے دوسری ایسی قوم پیدا کر دیں گے جو تمہاری طرح احکام شرعیہ سے گریز اور اعراض نہ کریگی بلکہ ہماری مکمل اطاعت کریں گی۔ (معارف مفتی اعظم)

تم سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بتوفیقہ واعانتہ فللہ الحمد والمنۃ

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے اس کی تعبیر یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکو محبوب رکھے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سورۃ کا شان نزول اور فضیلت

امام احمدؒ بخاری' ترمذی نسائی' ابن حبان اور ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا' ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ میں نے ایک بات کے متعلق تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا لیکن حضور نے کوئی جواب نہیں دیا میں نے (اپنے دل میں) کہا عمر! تیری ماں تجھے روئے تو نے تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بار جواب نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا' پھر میں نے اپنے اونٹ کو بڑھایا اور دوسرے لوگوں سے آگے بڑھ گیا مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ میرے بارے میں قرآن کی کوئی آیت نازل ہو گی۔ (جس میں شاید مجھ پر عتاب ہو) کچھ دیر گذری تھی کہ میں ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو مجھے پکار رہا تھا۔ میں فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو ہر اس شے سے مجھے پیاری ہے جس پر سورج نکلتا ہے پھر آپ نے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کی تلاوت فرمائی۔

حاکم وغیرہ نے حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم کی روایت سے بیان کیا کہ سورۃ فتح اول سے آخر تک مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان حدیبیہ کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حدیبیہ سے لوٹتے ہوئے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر ایک آیت اتاری گئی ہے جو مجھے روئے زمین سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی صحابہؓ آپ کو مبارکباد دینے لگے' اور کہا حضور! یہ تو ہوئی آپ کے لئے ہمارے لئے کیا ہے؟ اس پر یہ آیت لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ سے عَظِيْمًا تک نازل ہوئی (بخاری ومسلم) حضرت مجمع بن حارثہ انصاری رضی اللہ عنہ جو قاری قرآن تھے فرماتے ہیں حدیبیہ سے ہم واپس آرہے تھے جو میں نے دیکھا کہ لوگ اونٹوں کو بھگائے لئے جارہے ہیں پوچھ کیا بات ہے؟ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے تو ہم لوگ بھی اپنے اونٹوں کو دوڑاتے ہوئے سب کے ساتھ پہنچے آپ اس وقت کراع الغمیم میں تھے جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے یہ سورت تلاوت کر کے سنائی تو ایک صحابی نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے یہ فتح ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حدیبیہ سے

آتے ہوئے ایک جگہ رات گذارنے کے لئے ہم اترے سو گئے تو ایسے سوئے کہ سورج نکلنے کے بعد جاگے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی سوئے ہوئے ہیں ہم نے کہا آپ کو جگانا چاہئے جو آپ خود جاگ گئے اور فرمانے لگے جو کچھ کیا کرتے تھے کرو اور اسی طرح کرے جو سو جائے یا بھول جائے اسی سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کہیں گم ہوگئی ہم ڈھونڈنے کو نکلے تو دیکھا کہ ایک درخت میں نکیل اٹک گئی ہے اور وہ رکی کھڑی ہے۔ اسے پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے آپ سوار ہوئے اور ہم نے کوچ کیا۔ ناگہاں راستے میں ہی آپ پر وحی آنے لگی۔ وحی کے وقت آپ پر بہت دشواری ہوتی تھی، جب وحی ہٹ گئی تو آپ نے ہمیں بتلایا کہ آپ پر سورۂ انا فتحنا لک فتحا اتری ہے (ابوداؤد نسائی مسند وغیرہ) (تفسیر ابن کثیر)

سُوْرَةُ الْفَتْحِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَاَرْبَعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ فتح مدینہ میں نازل ہوئی اس کی انتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱

ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ

سورۃ کے مضامین کا خلاصہ:

اس سورۃ کی مختلف آیات میں متعدد واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ بغرض سہولت فہم ان کو مختصرا یہاں لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (الف) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا کہ ہم مکہ میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلق وقصر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب صحابہ سے بیان فرمایا۔ گو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت کی تعیین نہیں فرمائی تھی مگر شدت اشتیاق سے کثروں کا خیال اس طرف گیا کہ امسال عمرہ میسر ہوگا۔ اور اتفاقاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصد بھی عمرہ کا ہوگیا (ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقریبا ڈیڑھ ہزار آدمیوں کو ہمراہ لے کر بغرض عمرہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور "ھدی" بھی آپ کے ساتھ تھی یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش نے بہت سا مجمع کر کے اتفاق کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں نہ آنے دیں گے حالانکہ ان کے ہاں حج وعمرہ سے دشمن کو بھی روکا نہیں جاتا تھا بہر حال حدیبیہ پہنچ کر جو مکہ سے قریب ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور کسی طرح اٹھنے کا نام نہ لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حبسها حابس الفيل اور فرمایا کہ خدا کی قسم اہل مکہ مجھ سے جس بات کا مطالبہ کریں گے جس میں حرمات اللہ کی تعظیم قائم رہے میں منظور کروں گا آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں قیام فرمایا (اسی مقام کو آج کل "شمیسیہ" کہتے ہیں (ج) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے پاس قاصد بھیجا کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کر کے چلے جائیں گے جب اس کا کچھ جواب نہ ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو وہی پیام دے کر بھیجا اور بعض مسلمان مرد وعورت جو مکہ میں مغلوب ومظلوم تھے ان کو بشارت پہنچائی کہ عنقریب مکہ میں اسلام غالب ہو جائے گا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے روک لیا ان کی واپسی میں جو دیر لگی یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان قتل کر دیے گئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ شاید لڑائی کا موقع ہو جائے سب صحابہ سے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر جہاد کی بیعت لی۔ جب قریش نے بیعت کی خبر سنی ڈر گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو واپس بھیج دیا (د) کچھ مدت کے چند روساء بغرض صلح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح نامہ لکھنا قرار پایا اس سلسلہ میں بعض امور پر بحث وتکرار بھی ہوئی اور مسلمانوں کو غصہ اور جوش آیا کہ تلوار سے معاملہ ایک طرف کر دیا جائے لیکن آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کے اصرار کے موافق سب باتیں منظور فرمائیں اور مسلمانوں نے بھی بے انتہا تحمل سے کام لیا اور صلح نامہ تیار ہوا جس میں ایک شرط فریق کی طرف سے یہ تھی کہ آپ اس سال واپس چلے جائیں اور سال آئندہ خیر سے آکر عمرہ کر جائیں اور یہ کہ فریقین میں دس سال تک لڑائی نہ ہوگی۔ اس مدت میں جو مرد ہمارے ہاں سے تمہارے پاس جائے آپ اپنے پاس نہ رکھیں اور جو تمہارا آدمی ہمارے ہاں آئے گا ہم واپس نہ کریں گے صلح کا تمام معاملہ طے ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "حدیبیہ" ہی میں ھدی کا جانور ذبح کیا اور حلق وقصر کر کے احرام کھول دیا اور مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے (ہ) راستہ ہی میں یہ سورۃ "الفتح" نازل ہوئی اور یہ سب واقعہ اواخر ۶ھ میں پیش آیا۔ (و) حدیبیہ سے واپس تشریف لا کر اوائل ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کیا جو مدینہ سے شمال جانب چار منزل پر شام کی سمت یہود کا ایک شہر تھا۔ اس حملہ میں کوئی شخص ان صحابہ کے علاوہ شریک نہ تھا۔ جو حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے (ز) سال آئندہ یعنی ذیقعدہ ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب معاہدہ عمرۃ القضا کے لئے تشریف لے گئے اور امن وامان کے ساتھ مکہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا۔ (ح) عہد نامہ میں جو دس سال تک لڑائی بند رکھنے کی شرط تھی قریش نے نقض عہد کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور رمضان ۸ھ میں اس کو فتح کر لیا۔ (تفسیر عثمانی)

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ

تا معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے

ذَنۢبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ

تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے☆

صلح حدیبیہ فتوحات کا دیباچہ

☆"حدیبیہ" کی صلح بظاہر ذلت ومغلوبیت کی صلح نظر آتی ہے اور شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون ومضطرب تھے وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور ان کے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کردیا جاتا مگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آنکھیں ان احوال و نتائج کو دیکھ رہی تھیں جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ تخت سے تخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کے لئے کھول دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال استغناء اور توکل وتحمل کے ساتھ ان کی ہر شرط قبول فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو اللّٰہ ورسولہ اعلم کہہ کر تسلی دیتے رہے یعنی اللہ اور اسکا رسول زیادہ جانتا ہے تا آنکہ یہ سورۃ نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام فتح مبین رکھا۔ لوگ اس پر بھی تعجب کرتے کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ فتح ہے فرمایاں ہاں بہت بڑی فتح۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہؓ کی بیعت جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفو ودرگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر ان کے بے ہودہ مطالبات پر قطعاً برافروختہ نہ ہونا۔ یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مدد ورحمت کے استجلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر اسلام کی شان پیغمبری کا سکہ بٹھلا رہے تھے گو عہد نامہ لکھتے وقت ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی لیکن ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام تر فیصلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسکا نام فتح مبین رکھ کر متنبہ کردیا ہے کہ یہ صلح اسوقت بھی فتح ہے اور آئندہ کے لئے بھی آپ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری وباطنی کا دروازہ کھولتی ہے۔ اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کے باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا کفار مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سنتے اور ان مقدس مسلمانوں کے احوال واطوار کو دیکھتے تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صلح "حدیبیہ" سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف باسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے۔ خالد بن ولید اور عمرو بن العاص جیسے نامور صحابہ اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے۔ یہ جسموں وذہنوں دلوں کی فتح دراصل صلح حدیبیہ کی عظیم ترین برکت تھی۔ اب جماعت اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی اور ترقی کر گئی تھی کہ مکہ معظمہ کو فتح کرکے ہمیشہ کے لئے شرک کی گندگی سے پاک کردینا بالکل سہل ہوگیا۔ "حدیبیہ" میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانباز تھے لیکن دو برس کے بعد مکہ معظمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کا لشکر جرار آپ کے ہم رکاب تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر، بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لئے صلح حدیبیہ بطور اساس و بنیاد اور زریں دیباچہ کے تھی۔ اور اس تحمل وتوکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلہ میں ظاہر ہوئی۔ جن علوم ومعارف قدسیہ اور باطنی مقامات اور مراتب کا فتح باب ہوا ہوگا اسکا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ ہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا ہے۔ یعنی جیسے سلاطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جنرل کو خصوصی اعزاز واکرام سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جن میں پہلی چیز "غفران ذنوب" ہے (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے اور کسی بندہ کے لئے نہیں فرمائی مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے اور لوگوں کو دیکھ کر رحم آتا تھا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عرض کرتے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرماچکا فرماتے "افلا اکون عبداً شکورا" (تو کیا میں اسکا شکر گزار بندہ نہ ہوں) ظاہر ہے اللہ تعالیٰ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کر نڈر نہ ہوجائے بلکہ اور زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے لگے۔ شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ معاف کرچکا ہے (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہوجائے تو وہ بھی عفو عام کے تحت پہلے ہی آچکی بجز ان کے اور کسی کا یہ کام نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اگلے اور پچھلے گناہوں کا مطلب: عطاء خراسانی نے کہا ما تقدم

سے مراد ہیں حضرت آدم اور حضرت حوا کی غلطیاں اور متاخر سے مراد ہیں امت کے گناہ یعنی آپ کی برکت سے اللہ آدم و حوا کی غلطیاں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے گناہ معاف کردے۔ (تفسیر مظہری)

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

اور پورا کردے تجھ پر اپنا احسان ☆

اتمامِ انعامات ☆یعنی صرف تقصیرات سے درگزر نہیں بلکہ جو کچھ ظاہری و باطنی اور مادی و روحی انعام و احسان اب تک ہو چکے ہیں ان کی پوری تکمیل و تتمیم کی جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا

اور چلائے تجھ کو سیدھی راہ ☆

راہِ ہدایت میں ترقی ☆یعنی تجھ کو ہدایت اور استقامت کی سیدھی راہ پر ہمیشہ قائم رکھے گا معرفت و شہود کے غیر محدود مراتب پر فائز ہونے اور ابدان وقلوب پر اسلام کی حکومت قائم کرنیکی راہ میں تیرے لئے کوئی رکاوٹ حائل نہ ہوسکے گی۔لوگ جوق در جوق تیری ہدایت سے اسلام کے سیدھے راستہ پر آئیں گے۔ اور اسطرح تیرے اجور و حسنات کے ذخیرہ میں بے شمار اضافہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝

اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد ☆

بے مثال مدد ☆یعنی اللہ کی ایسی مدد آئے گی جسے کوئی نہ روک سکے گا نہ دبا سکے گا۔ اور اسی کی مدد سے فتح و ظفر تیرے قدموں کے ساتھ ساتھ ہوگی۔ سورہ "نصر" میں فرمایا کہ جب خدا کی طرف سے مدد اور فتح آجائے اور لوگ دین الٰہی میں فوج در فوج داخل ہونے لگیں تو اللہ کی تسبیح و تحمید اور اس سے استغفار کیجئے۔ ظاہر ہے کہ اس فتح مبین پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استغفار کیا ہوگا تو اس کے جواب میں "لیغفرلک اللّٰہ" الخ کا مضمون اور بھی زیادہ صاف ہو جاتا ہے۔ نبہ علیہ ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر عثمانی)

نَصْرًا عَزِيْزًا۔ جس میں عزت ہی عزت ہے۔ یعنی جس کی وجہ سے وہ شخص عزت یاب ہو جائے جس کی نصرت کی گئی ہو۔ اصل میں عزت پانے والا وہ شخص ہوتا ہے جس کی مدد کی جائے نصرت کو عزت والا قرار دینا بطور مبالغہ ہے یا عزیزاً سے مراد ہے ایسی نصرت جس میں غلبہ اور قوت ہو۔ (تفسیر مظہری)

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ

وہی ہے جس نے اتارا اطمینان دل میں

الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ؕ

ایمان والوں کے تاکہ اور بڑھ جائے انکو ایمان اپنے ایمان کے ساتھ ☆

نزولِ اطمینان ☆اطمینان اتارا یعنی باوجود خلاف طبع ہونے کے رسول کے حکم پر جمے رہے ضدی کافروں کے ساتھ ضد نہیں کرنے لگے اس کی برکت سے ان کے ایمان کا درجہ بڑھا اور مراتب عرفان و ایقان میں ترقی ہوئی انہوں نے اول بیعت جہاد کر کے ثابت کر دیا تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں مرنے کے لئے تیار ہیں یہ ایمان کا ایک رنگ تھا اسکے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسلمانوں کے جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کر لی تو ان کے ایمان کا دوسرا رنگ یہ تھا کہ اپنے پرجوش جذبات و عواطف کو زور سے دبا کر اللہ و رسول کے فیصلہ کے آگے گردن انقیاد خم کردی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ورضوا عنہ۔ (تفسیر عثمانی)

ایمان بڑھنے کا مطلب: ضحاک نے کہا (پہلے) یقین کے ساتھ (تازہ) یقین یعنی عقیدہ کا جماؤ اور دل کا اطمینان کلبی نے کہا ایسا حدیبیہ میں ہوا تھا جب کہ اللہ نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دکھایا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے (اور لوگوں کو اس کی تعلیم دینے) کے لئے بھیجا جب لوگوں نے اس کی تصدیق کر دی اور ایمان لے آئے تو پھر نماز کی فرضیت کا اضافہ کر دیا پھر زکوٰۃ پھر روزہ پھر حج پھر جہاد کا مزید حکم دیا پھر ان کے دین کو (پورے احکام دے کر) مکمل کر دیا اس طرح جو حکم مزید آتا تھا اور لوگ اس کی تصدیق کرتے تھے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ (تفسیر مظہری)

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

اور اللہ ہے خبردار حکمت والا ☆

حالات واحکام کی حکمت اللہ ہی جانتا ہے

☆یعنی وہی جانتا ہے کہ کس وقت قتال کا حکم دینا تمہارے لئے مصلحت ہے اور کس موقع پر قتال سے باز رکھنا اور صلح کرنا حکمت ہے تم کو اگر قتال کا حکم ہوتا تو کبھی کفار کی کثرت کا خیال کر کے پس و پیش نہ کرنا کیونکہ آسمان و زمین کے لشکروں کا مالک وہی ہے جو تمہاری قلت کے باوجود اپنے غیبی لشکروں سے

مدد کر سکتا ہے جیسے "بدر" "احزاب" اور "حنین" وغیرہ میں کی۔ اور اگر صلح کرنے اور قتال سے رکنے کا حکم دے تو اسی کی تعمیل کرو۔ یہ خیال نہ کرنا کہ افسوس صلح ہوگئی اور کفار بچ نکلے ان کو سزا نہ ملی اگر قتال کا حکم ہو جاتا تو ہم ان کو ہلاک کر ڈالتے۔ کیونکہ ان کا ہلاک ہونا کچھ تم پر موقوف نہیں ہم چاہیں تو اپنے دوسرے لشکروں سے ہلاک کر سکتے ہیں۔ بہر حال زمین و آسمان کے لشکروں کا مالک اگر صلح کا حکم دے گا تو ضرور اسی میں بہتری اور حکمت ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ

تا کہ پہنچا دے ایمان والے مردوں کو اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں

تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

نیچے بہتی ہیں ان کے نہریں ہمیشہ رہیں

فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

ان میں اور اتار دی ان پر سے ان کی برائیاں ☆

صحابہ کیلئے انعام ☆ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم "انا فتحنا لک فتحا مبینا" تک پڑھ کر صحابہ کو سنا چکے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مبارکباد عرض کی اور کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوا ہمارے لئے کیا ہے" اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں یعنی اللہ نے اطمینان و سکینہ اتار کر مؤمنین کا ایمان بڑھایا تا انہیں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں داخل کرے اور انکی برائیوں اور کمزوریوں کو معاف فرمادے۔ حدیث میں ہے کہ جن اصحاب نے حدیبیہ میں بیعت کی ان میں سے ایک بھی دوزخ میں داخل نہ ہوگا۔ (تنبیہ) مؤمنات کا ذکر تعمیم کے لئے ہے یعنی مرد ہو یا عورت کسی کی محنت اور ایمانداری ضائع نہیں جاتی احادیث سے ثابت ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَانَ ذَٰلِكَ عِندَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ۝٥

اور یہ ہے اللہ کے یہاں بڑی مراد ملنی ☆

نقال صوفیوں کی تردید ☆ بعض نقال صوفی یا کوئی مغلوب الحال بزرگ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جنت طلب کرنا ناقصوں کا کام ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں یہی بڑا کمال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ

اور تا کہ عذاب کرے دغاباز مردوں کو اور دغاباز عورتوں کو

وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ

اور شرک والے مردوں اور شرک والی عورتوں کو ☆

منافقوں اور مشرکوں کے لئے سزا ☆ یعنی مؤمنین کے دلوں پر صلح کی طرف سے اطمینان پیدا کر کے اسلام کی جڑ مضبوط کر دی اور اسلامی فتوحات و ترقیات کا دروازہ کھول دیا جو انجام کار سبب ہے، کافروں اور منافقوں پر مصیبت ٹوٹنے اور ان کو پوری طرح سزا ملنے کا۔ (تفسیر عثمانی)

الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ

جو اٹکلیں کرتے ہیں اللہ پر بری اٹکلیں ☆

منافقوں کی اٹکلیں ☆ "بری اٹکلیں" یہ کہ مدینہ سے چلتے وقت منافق (بجز ایک جد بن قیس کے) مسلمانوں کے ساتھ نہیں آئے، بہانے کر کے بیٹھ رہے۔ دل میں سوچا کہ مڈبھیڑ ضرور ہو کر رہے گی یہ مسلمان لڑائی میں تباہ ہوں گے ایک بھی زندہ واپس نہ آئے گا کیونکہ وطن سے دور، فوج کم، اور دشمن کا دیس ہوگا ہم کیوں ان کے ساتھ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں اور کفار مکہ نے یہ خیال کیا کہ مسلمان بظاہر "عمرے" کے نام سے آرہے ہیں اور فریب و دغا سے چاہتے ہیں کہ مکہ معظمہ ہم سے چھین لیں۔ (تفسیر عثمانی)

عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ

انہی پر پڑے پھیر مصیبت کا ☆

ان کی پیش بندیاں بیکار ہیں ☆ یعنی زمانہ کی گردش اور مصیبت کے چکر میں آ کر رہیں گے کہاں تک احتیاطیں اور پیش بندیاں کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرا مطلب: مسلمانوں کے متعلق جو ان کا گمان ہے اور مسلمانوں کی تباہی کے وہ منتظر ہیں اس بدگمانی اور امید ہلاکت کا چکر انہیں پر پڑے گا۔

وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ

اور غصہ ہوا اللہ ان پر اور لعنت کی ان کو

وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝٦

اور تیار کی ان کے واسطے دوزخ اور بری جگہ پہنچے

وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ

اور اللہ کے ہیں سب لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور ہے

اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ⑦

اللہ زبردست حکمت والا ☆

حکمت خداوندی کو کمزوری نہ سمجھو ☆یعنی وہ سزا دینا چاہے تو کون بچ سکتا ہے۔ خدائی لشکر ایک لمحہ میں پیس کر رکھ دے مگر وہ زبردست ہونے کے ساتھ حکمت والا بھی ہے حکمت ابھی متقضی نہیں کہ فوراً ہاتھوں ہاتھ ان کا استیصال کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ الخ یعنی اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں سارے جہان کے لشکر پس وہ اپنے نبی اور مؤمنوں کے دشمنوں کے سازشوں کو جس طرح چاہے گا دفع کردے گا اور وہی سب پر غالب ہے اس لئے اس کے عذاب کو کافروں سے کوئی دور نہیں کرسکتا۔ اور وہی حکمت والا ہے جس طرح چاہتا ہے انتظام وتدبیر کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا

ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانے والا اور خوشی

وَّنَذِيْرًا ۙ⑧

اور ڈر سنانے والا ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام

یعنی آپ اللہ کے فرمانبرداروں کو خوشی اور نافرمانوں کو ڈر سناتے ہیں اور خود اپنے احوال بتلاتے ہیں جیسے "اِنَّا فَتَحْنَا" سے یہاں تک تینوں قسم کے مضامین آچکے اور آخرت میں بھی اپنی امت پر نیز انبیاء علیہم السلام کے حق میں گواہی دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

تمام امت کے تمام اعمال پر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے

یہ گواہی تمام اُمت کے اعمال طاعات وسیئات پر ہوگی کیونکہ بعض روایات کے مطابق اُمت کے اعمال صبح شام رسول اللہ کے سامنے فرشتے پیش کرتے ہیں اسلئے آپ تمام اُمت کے اعمال سے باخبر ہونگے (ذکرہ القرطبی عن سعید بن المسیب) (معارف مفتی اعظم)

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ

تاکہ تم لوگ یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اسکی مدد کرو

وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ

اور اسکی عظمت رکھو ☆

اللہ اور رسول اللہ کی مدد کرو

"تُعَزِّرُوْهُ" اور "تُوَقِّرُوْهُ" کی ضمیریں اگر اللہ کی طرف راجع ہوں تو اللہ کی مدد کرنے سے مراد اس کے دین اور پیغمبر کی مدد کرنا ہے اور اگر رسول کی طرف سے راجع ہوں تو پھر کوئی اشکال نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ⑨

اور اس کی پاکی بولتے رہو صبح اور شام ☆

☆یعنی اللہ کی پاکی بیان کرتے رہو۔ خواہ نمازوں کے ضمن میں یا نمازوں سے باہر۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا

تحقیق جو لوگ بیعت کرتے ہیں تجھ سے وہ

يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

بیعت کرتے ہیں اللہ سے اللہ کا ہاتھ ہے اوپر ان کے ہاتھ کے ☆

حضور کے ہاتھ میں بیعت گویا اللہ سے بیعت ہے

☆لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے اس کو فرمایا کہ نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے کیونکہ حقیقت میں نبی خدا ہی کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل وتاکید بیعت کے ذریعہ سے کراتا ہے فہذا کما قال مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء رکوع ۱۱) وکما قال "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (انفال رکوع ۲) جب بیعت نبوی کی حقیقت یہ ہوئی تو یقیناً خدا ہی کا دست شفقت وحمایت ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوگا۔

مشائخ طریقت کی بیعت

(تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے کبھی اسلام پر کبھی جہاد پر کبھی کسی دوسرے امر خیر پر بیعت لیتے تھے۔ صحیح مسلم میں "وعلی الخیر" کا لفظ آیا ہے مشائخ طریقت کی بیعت اگر بطریق مشروع ہو تو اسی لفظ کے تحت میں مندرج ہوگی "حدیبیہ" میں اس بات پر بیعت لی گئی کہ مرتے دم تک میدان جہاد سے نہیں بھاگیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں جو آپ کے ہاتھ پر یہ بیعت (معاہدہ) کر رہے ہیں کہ میدان جنگ سے فرار نہیں ہوں گے اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے کہ فتح یاب ہوں یا مارے جائیں۔

یَدُ اللہ کے اوپر ہونے کا مطلب:

اوپر کی آیت میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کو اللہ کی بیعت قرار دیا اور بیعت کا مشہور معنی ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا ہی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لوگوں سے اسی طرح بیعت لی تھی تو گویا اللہ کے ہاتھ کا (بوقت بیعت) ان کے ہاتھ پر ہونے کا تخیل پیدا ہو گیا۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' اللہ نے جو ان سے خیر کا وعدہ کیا تھا اس کو پورا کرنے والا اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا۔ میں کہتا ہوں' جب **ید اللہ** سے (بقول حضرت ابن عباسؓ) ایفائے وعدہ کا ہاتھ مراد ہوگا تو اس وقت **ید اللہ** 'اللہ کی ایک خاص صفت قرار پائے گی جس کی کیفیت ناقابل تصور ہے۔

کلبی نے کہا **ید اللہ** یعنی اللہ کی طرف سے ہدایت کی نعمت **فوق ایدیھم** یعنی انہوں نے جو بیعت کی تھی مطلب یہ کہ انہوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی اس سے بالاتر اللہ نے ہدایت کی نعمت ان کو عطا کی۔

واقعہ حدیبیہ کی تفصیلات

عبد بن حمید اور ابن جریر نے بروایت مجاہد و قتادہ اور بیہقی نے صرف مجاہد کی روایت سے اور ابن جریر نے ابن یزید اور محمد بن عمرو کے حوالہ سے بیان کیا کہ حدیبیہ کو روانگی سے پہلے مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ امن کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ کچھ لوگوں کے سر منڈے ہوئے ہیں اور کچھ نے بال کتروالئے ہیں اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی کنجی لے لی اور بیت اللہ میں داخل ہو گئے۔ **کذا قال البغوی و محمد بن یوسف الصّالحی فی سبیل الرشاد۔**

جنگ کی تیاری اور روانگی: ابن سعید اور محمد بن عمرو غیرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آس پاس کے صحرانشین لوگوں کو اور (دوسرے) عربوں کو اپنے ساتھ نکل چلنے کی ترغیب دی لیکن آپ کو اندیشہ لگا ہوا تھا کہ قریش ضرور تعرض کریں گے اور کعبہ تک پہنچنے میں رکاوٹ ڈالیں گے۔ (آپ کی طلب کے باوجود) بکثرت بادیہ نشین لوگ نہیں آئے۔

امام احمدؒ بخاری عبد بن حمید' ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے بروایت زہری بیان کیا اور محمد بن اسحاق نے بروایت زہری از عروہ از مسعور بن مخرمہ اور مروان بن حکم بیان کیا کہ (حدیبیہ کو روانہ ہونے سے پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے اندر جا کر غسل کیا' پھر صحابہ کے بنے ہوئے دو کپڑے (چادر اور لنگی) پہنے پھر دروازے کے پاس سے ہی قصوی اونٹنی پر سوار ہوئے۔ حضرت ام سلمہؓ کو ساتھ لیا ام منیع' اسماء بنت عمرو اور ام عمارہ اشہلیہ بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ مہاجرین' انصار اور دوسرے عرب بھی آپ کے ساتھ آ کر مل گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی وجہ سے کسی کو فتح میں شک بھی نہیں تھا۔ ان حضرات کے پاس تلواروں کے علاوہ اور اسلحہ بھی نہیں تھے اور تلواریں بھی نیاموں کے اندر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانور پہلے سے بھجوا دیئے تھے یکم ذوالقعدہ ۶ھ بروز دوشنبہ مدینہ سے روانہ ہوئے دوپہر کو ذوالحلیفہ میں پہنچ کر ظہر کی نماز پڑھی قربانی کے لئے ستر اونٹ تھے سب کو جھولیں پہنائی گئیں اور ان میں سے چند کو قبلہ رخ کھڑا کر کے دائیں پہلوں پر خود زخم لگائے (اشعار کیا) اور باقی اونٹوں کو اشعار کرنے کا حکم ناجیہ بن جندب کو دیا اور ایک ایک جوتہ (قربانی کے) ہر اونٹ کی گردن میں ڈال دیا۔ مسلمانوں نے اپنی اپنی قربانی کے اونٹوں کو اشعار کیا اور ان کی گردنوں میں ایک ایک جوتہ لٹکا دیا۔ مسلمانوں کے ساتھ دو سو گھوڑے بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشر بن سفیان کو (قریش کی خبریں معلوم کرنے کے لئے) بطور جاسوس پہلے بھیج دیا اور عباد بن بشر کو بیس سواروں کے ساتھ بطور ہراول آگے روانہ کر دیا۔ کہا جاتا ہے ہراول دستہ کا کمانڈر سعد بن زید اشہلی کو مقرر کیا تھا۔

عمرہ کا احرام باندھنا: پھر آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور ذوالحلیفہ کی مسجد کے دروازہ سے اونٹنی پر سوار ہو گئے اونٹنی قبلہ رخ تھی جب اونٹنی اٹھی تو آپ نے عمرہ کا احرام باندھ لیا تاکہ لوگوں کو یہ خطرہ نہ ہو کہ آپ لڑائی کے ارادہ سے روانہ ہوئے ہیں بلکہ سب کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کا ارادہ کعبہ کی زیارت کا ہے۔

حضور نے لبیک کہی آپ کے احرام کے ساتھ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ اور اکثر صحابہؓ نے بھی احرام باندھ لیا بعض صحابہؓ نے جحفہ پہنچ کر احرام باندھا آپ بیدار کے راستے سے چلے مکہ اور مدینہ کے درمیان قبائل بنی بکر' مزینہ اور جہینہ کی آبادیاں تھیں آپ کا گذر ان کی طرف سے ہوا تو آپ نے ان کو بھی چلنے کی ترغیب دی لیکن وہ اپنے مالی مشاغل میں مشغول رہے اور آپس میں ایک نے دوسرے سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایسے لوگوں سے لڑنے کے لئے لے جا رہے ہیں جو گھوڑوں اور ہتھیاروں کے لحاظ سے بالکل تیار ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی سب لقمہ بن جائیں گے نہ کبھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ کر آئیں گے نہ ان کے ساتھی۔ یہ نہتے لوگ ہیں نہ ان کے پاس اسلحہ ہیں نہ ان کی کوئی (معقول) تعداد ہے نہ سروسامان۔ اسی سفر میں ایک واقعہ یہ ہوا کہ حضرت قتادہؓ نے جو احرام میں نہ تھے ایک گورخر شکار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کا کچھ حصہ پیش کیا۔ یہ واقعہ مقام ابواء کا ہے۔ سورۂ مائدہ کی تفسیر میں اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

مقام جحفہ پر آنحضرت کا خطاب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جحفہ میں پہنچے تو ایک درخت کے نیچے پڑاؤ کا حکم دیا اور فروکش ہونے کے بعد لوگوں کو خطاب کیا اور فرمایا میں تمہارا پیش خیمہ (ہراول) بننے والا ہوں اور تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑ جاؤں گا اللہ کی کتاب اور اللہ کے نبی کی سنت اگر تم ان کو پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

اہل مکہ مشورہ اور لڑائی کی تیاری: (مکہ کے) مشرکوں کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے جمع ہو کر باہم مشورہ کیا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی عمرہ کرنے کے لئے اپنے لشکر کو لے کر ہم پر آنا چاہتے ہیں عرب سنیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی ہم پر چڑھ آئے جب کہ ہمارے اور ان کے درمیان جو لڑائی ہے وہ سب کو معلوم ہے (تو ہماری کمزوری ظاہر ہو گی) ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ اس کے بعد دو سو سواروں کا کمانڈر بنا کر خالد بن ولید کو انہوں نے کراع الغمیم کو بھیجا خالد بن ولید مختلف قبائل کی ٹولیوں کو بھی ساتھ لے کر روانہ ہو گئے اور بنی ثقیف بھی ان کے ساتھ کھنچ کر آ گئے اس طرح سب لوگ بلدح کے مقام پر پہنچ گئے اور وہاں ڈیرے خیمے نصب کر دیئے عورتیں اور بچے بھی ان کے ساتھ تھے بلدح میں فوجی اجتماع ہو گیا سب نے اتفاق کر لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کریں گے در مکہ میں ان کو گھسنے نہیں دیں گے دس آدمیوں کو جاسوسی کے لئے پہاڑیوں پر مقرر کر دیا پہلا جاسوس دوسرے کو بطور اشارہ آواز سے کہتا تھا کہ محمد اب یہ کر رہے ہیں دوسرا تیسرے سے اور تیسرا چوتھے سے یہی کہتا تھا اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر نقل و حرکت کی قریش تک اطلاع پہنچ جاتی تھی۔

بشر بن سفیان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینا

بشر بن سفیان جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جاسوس مقرر کر کے بھیجا تھا مکہ سے لوٹ آئے اور عسفان کی عقب میں غدیر الاشطاط کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور عرض کیا قریش کو آپ کی روانگی کی اطلاع مل گئی وہ (مکہ) سے نکل آئے ہیں ان کے ساتھ نوزائیدہ بچے بھی ہیں۔ (اس وقت) وہ مقام ذی طویٰ میں فروکش ہیں اور سب نے خدا کی قسمیں کھا کر معاہدہ کر لیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اندر گھسنے نہیں دیں گے خالد بن ولید کو انہوں نے کراع الغمیم کو پہلے بھیج دیا ہے یہ خبر سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس قریش کے حال پر۔ ان کو لڑائیاں کھا گئیں مجھے اگر عرب کے لئے یہ لوگ آزاد چھوڑ دیتے (اور میرے اور عرب کے معاملے میں دخل نہ دیتے) تو ان کا کیا نقصان ہو جاتا اگر عرب مجھ پر غالب آ جاتے تو ان کی مراد پوری ہو جاتی اور اگر اللہ مجھے عرب پر غالب کر دیتا تو یہ بھی (ہماری جماعت میں) داخل ہو جاتے اور تعداد کو بڑھا دیتے اور اگر وہ ایسا نہ بھی کرتے (مسلمانوں کی جماعت میں داخل نہ ہوتے) تب بھی ان میں طاقت ہوتی اور وہ (دشمنوں سے) لڑ سکتے۔ قریش کا کیا خیال ہے خدا کی قسم میں ان سے اس دین کی بنیاد پر برابر جہاد کرتا رہوں گا جو مجھے اللہ نے عطا فرما کر بھیجا ہے یہاں تک کہ اللہ اس کو غالب کر دے یا یہ گردن تنہا رہ جائے۔

مسلمانوں کا باہم مشورہ: اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں (کے حلقہ) میں کھڑے ہو کر اول خدا کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا اما بعد اے گروہ اہل اسلام! مجھے مشورہ دو تمہاری کیا رائے ہے کیا میں ان لوگوں کے بال بچوں کی طرف اپنا رخ موڑ دوں اور ہم ان کو پکڑ لیں اس پر اگر (چپ ہو کر) یہ لوگ بیٹھ رہے تو بغیر انتقام لئے بیٹھے رہیں گے اور اگر ہمارے مقابلہ پر آئیں گے تو اللہ ان میں سے کچھ لوگوں کی گردن کاٹ دے گا یعنی ان میں کی ایک جماعت ماری جائے گی اور یا تمہاری یہ رائے ہے کہ ہم کعبہ (کی زیارت) کے ارادے سے چلیں پھر جو لوگ ہم کو کعبہ سے روکیں ہم اُن سے لڑیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ کعبہ کے ارادہ سے چلے ہیں آپ کا ارادہ نہ کسی سے قتال کرنے کا تھا نہ لڑنے کا لہذا آپ کعبہ کا رخ کیجئے اگر کسی نے ہم کو راستہ میں روکا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔ حضرت اسید بن حضیر نے حضرت ابوبکرؓ کے قول کی تائید کی۔ ابن ابی شیبہ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے کلام کے بعد حضرت مقداد بن اسود نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے کہی تھی کہ تم جاؤ اور تمہارا رب جائے دونوں جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے بلکہ ہم آپ سے یہ کہیں گے کہ آپ (بھی) جائیں آپ کا رب بھی جائے اور دونوں جا کر (مشرکوں سے) لڑیں ہم بھی آپ کی معیت میں لڑیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر بسم اللہ کہہ کر چل پڑو۔

صف بندیاں: خالد بن ولید اپنے سواروں کے ساتھ اتنے قریب آ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ان کو دکھائی دینے لگے چنانچہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلہ کے درمیان صف بندی کر دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عباد بن بشر کو آگے بڑھ کر صف بندی کرنے کا حکم دے دیا عباد نے بھی آگے بڑھ کر خالد کے مقابل اپنے سواروں کو صف بند کر دیا اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا بلال نے آذان دی اور اقامت کہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو نماز پڑھائی خالد نے کہا یہ لوگ غفلت کی حالت میں تھے اگر نماز میں ہم ان پر حملہ کر دیتے تو کامیاب ہو جاتے خیر ابھی ان کی دوسری نماز کا وقت آنے گا جو ان کو جان و اولاد سے زیادہ پیاری ہے (اس وقت حملہ کریں گے)۔

نمازِ خوف کا حکم: حضرت جبرائیلؑ ظہر اور عصر کے درمیان آیت وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ الخ لے کر آ گئے عصر کی نماز کا وقت ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حسب مضمون آیت)

صلوۃ خوف پڑھی اس کی تفصیل سورت نساء میں گزر چکی ہے۔

لڑائی سے احتراز: محمد بن عمر اور بزار نے معتبر قابل اعتماد راویوں کی سند سے حضرت ابوسعیدؓ خدری کا بیان نقل کیا ہے کہ شام ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دائیں طرف حمص کے سامنے کے راستے پر چلو کیوں کہ خالد بن ولید دواروں سمیت قریش کے ہراول کے طور پر کراع الغمیم میں موجود ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ پر بڑے مہربان تھے آپ خالد سے تصادم نہیں چاہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے حنظل والی گھاٹی سے کون واقف ہے بریدہ بن حصیب نے جواب دیا میں واقف ہوں۔

مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور ابونعیم نے حضرت ابوسعیدؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ حدیبیہ کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے جب عسفان میں پہنچے تو پچھلی رات میں چل کر حنظل والی گھاٹی کے سامنے پہنچ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات اس گھاٹی کی مثال اس دروازہ کی سی ہے جس میں داخل ہونے کا حکم اللہ نے بنی اسرائیل کو دیا تھا اور فرمایا تھا اُدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ الخ۔ آج رات اس گھاٹی کو جو شخص عبور کرے گا اللہ اس کی مغفرت فرمادے گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو اندیشہ ہے کہ قریش ہماری جلائی ہوئی آگ دیکھ لیں گے (یعنی جب گھاٹی میں ہم آگ جلائیں گے تو قریش ہم کو دیکھ لیں گے) فرمایا وہ تم کو ہرگز نہیں دیکھ سکیں گے۔

سب کی مغفرت: پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تمام سواروں کو (یا سارے قافلے کو) سوا اس ایک شخص کے جو سرخ اونٹ پر سوار ہے بخش دیا گیا۔

ایک بدقسمت شخص: (لوگوں نے جستجو کی کہ وہ بدقسمت کون ہے جس کی مغفرت نہیں ہوئی تو معلوم ہوا کہ) وہ بنی ضمرہ کا ایک شخص ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ ہم نے اس شخص سے کہا چل ہم رسول اللہ سے درخواست کریں کہ تیرے لئے حضور دعاء مغفرت کر دیں کہنے لگا اگر میری گمشدہ اونٹنی مجھے مل جائے تو آپ لوگوں کے ساتھی کی دعاء سے مجھے زیادہ پسند ہے اسی اثناء میں جب ہم مرادع کے سامنے پہنچ گئے تو اس کی اونٹنی کا پاؤں پھسلا اور وہ گر کر مر گیا اور کسی کو معلوم بھی نہ ہوا جب تک درندوں نے اس کو کھا نہ لیا۔

حدیبیہ میں قیام: حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی کا اگلا پاؤں زمین میں پڑ گیا (یعنی بیٹھ گئی) لوگوں نے حل حل کہا لیکن اونٹنی نے اٹھنے سے انکار کر دیا اور جمی بیٹھی رہی لوگوں نے کہا قصوی اڑ گئی حضور نے فرمایا قصوی اڑی نہیں ہے اور نہ یہ (اڑ کر بیٹھنا) اس کی عادت ہے بلکہ اس کو اسی نے روک رکھا ہے جس نے مکہ سے ہاتھیوں کو روکا تھا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج قریش جس بات کا مجھ سے مطالبہ کریں گے بشرطیکہ اس میں حرامات خداوندی کی تعظیم ہو میں منظور کرلوں گا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کو ڈانٹا اونٹنی فوراً اچھل کر کھڑی ہوگئی اس کے بعد حضور رخ موڑ کر چلے اور حدیبیہ کے آخری کنارہ پر جہاں تھوڑا سا پانی تھا پہنچ کر اتر پڑے۔

آنحضرت کا معجزہ: صحابہؓ کو خیال ہوا کہ پانی تھوڑا ہے لوگ اس کو (جلد) ختم کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا لوگوں نے تھوڑی ہی دیر میں سارا پانی (اس تالاب یا کنویں) کا کھینچ کر ختم کر دیا پھر لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانی کی قلت کی شکایت کی آپ نے فوراً اپنی ترکش میں سے ایک تیر نکال کر حکم دیا کہ اس تیر کو اس جگہ گاڑ دو جہاں گڑھے میں پانی جمع ہو۔ (حکم کی تعمیل کی گئی) پھر تو سیراب ہو ہو کر لوگ اس سے باہر نکلنے لگے حضرت مسعود کا بیان ہے کہ (پانی اتنا ہوا کہ) لوگ کنارے پر بیٹھے بیٹھے اپنے برتن بھرنے لگے اور تیر لے کر پانی کے اندر اترنے والے ناجیہ بن جندب تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کو ہنکانے والے تھے۔ محمد بن عمر کی روایت ہے کہ ابومروان نے کہا مجھ سے چودہ صحابیوں نے بیان کیا کہ تیر لے کر پانی میں اترنے والے ناجیہ بن عجم تھے ناجیہ کا بیان ہے کہ لوگوں نے جب پانی کی کمی کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طلب فرما کر ترکش میں سے ایک تیر کھینچ کر مجھے دیا اور (کم پانی والے اس) کنویں سے ایک ڈول پانی لانے کا حکم دیا میں ڈول بھر کر لایا حضور نے وضو کیا اور منہ میں کلی لے کر ڈول میں تھوک دیا سخت گرمی پڑ رہی تھی اور وہ کنواں ایک ہی تھا مشرک پہلے ہی بلدح میں پہنچ گئے تھے اور وہاں کے تمام پانیوں پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ڈول کو لے کر نیچے اتر جانا اور کنویں میں اس کو الٹ دینا اور تیر کو اس میں گاڑ دینا میں نے حکم کی تعمیل کی قسم ہے اس کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا میں نکلنے بھی نہ پایا تھا کہ پانی میرے اوپر آ گیا اور ہانڈی کے ابال کی طرح ابلنے لگا یہاں تک کہ اچھل اچھل کر کناروں کے برابر آ گیا لوگ اس کے کنارے ہی سے چلو بھر بھر کر لینے لگے۔

بخاری نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک چھوٹی سی چھاگل (یہ پانی پینے کا چمڑے کا پیالہ) رکھی ہوئی تھی لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس پانی نہیں کہ وضو کریں نہ پینے کے لئے پانی ہے بس اتنا ہی پانی ہے جو آپ کے کوزے میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بڑا پیالہ رکھا ہوا تھا (حسب الحکم) ہم نے وہ پانی اس پیالے میں الٹ دیا اور حضور نے اپنے دونوں ہاتھ اس میں ڈال دیئے فوراً آپ کی انگلیوں کے بیچ میں سے پانی جوش

مار کر چشموں کی طرح ابلنے لگا ہم نے وہ پانی (خوب) پیا اور وضو بھی کیا حضرت جابرؓ سے دریافت کیا گیا آپ لوگ اس روز کتنے تھے حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم تھے تو پندرہ سو لیکن اگر ایک لاکھ ہوتے تب بھی سب کے لئے کافی ہو جاتا۔

بدیل بن ورقاء کی آمد: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ میں مطمئن ہو گئے تو بدیل بن ورقاء خزاعہ قبیلہ کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر آیا (بعد کو بدیل مسلمان ہو گیا) اس کے ساتھیوں میں عمرو بن سالم حراش بن امیہ خارجہ بن کرز اور یزید بن امیہ بھی تھے سب لوگوں نے آ کر سلام کیا پھر بدیل نے کہا ہم آپ کے پاس آپ کی قوم کعب بن لوی اور عامر بن لوی (یعنی قریش) کی طرف سے آئے ہیں وہ آپ کے مقابلہ کے لئے تمام قبائل کے لوگوں کو اور ان سب لوگوں کو نکال کر لے آئے ہیں جو ان کی بات مانتے ہیں ورحدیبیہ کے پانیوں پر یہ تمام لوگ اترے ہوئے ہیں ان کے ساتھ تو زائیدہ بچوں کی مائیں بھی ہیں اور چھوٹے بچے بھی ہیں سب لوگوں نے اللہ کی قسمیں کھائی ہیں کہ وہ آپ کو کعبہ تک پہنچنے کا راستہ نہیں دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے صرف اس کعبہ کا طواف کرنے آئے ہیں جو کوئی ہم کو اس سے روکے گا ہم اس سے لڑیں گے قریش کو لڑائی ہی نے انتہائی کمزور کر دیا اگر وہ قریش چاہتے ہوں تو ہم ان سے ایک مقررمدت کے لئے امن کا معاہدہ کرنے کو تیار ہیں (شرط یہ ہے کہ) وہ ہمارے اور دوسرے لوگوں کے معاملہ میں دخل نہ دیں دوسرے لوگوں کی تعداد قریش سے زائد ہے (ان کو ان کی مدد کرنے کی ضرورت نہیں) اگر وہ لوگ مجھ پر غالب آ جائیں گے تو قریش کی مراد پوری ہو جائے گی اور اگر میری بات غالب آئی تو قریش کو پھر بھی اختیار ہوگا کہ چاہیں تو اسی دین میں داخل ہو جائیں جس میں دوسرے لوگ داخل ہوں اور چاہیں تو (ہم سے) سب اکٹھے ہو کر لڑیں۔ لیکن اگر یہ لوگ اس پر بھی نہیں مانیں گے تو خدا کی قسم میں اپنے کام کی کوشش میں اس حد تک لگا رہوں گا کہ میری گردن اکیلی رہ جائے یا اللہ اپنا حکم نافذ کر دے (یعنی میں کامیاب ہو جاؤں) بدیل نے کہا آپ کی یہ باتیں میں قریش کو پہنچا دوں گا۔

بدیل کی قریش کے پاس واپسی: چنانچہ بدیل نے قریش سے آ کر کہا ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آ رہے ہیں اور آپ لوگوں کو ان کی گفتگو کے متعلق اطلاع دینا چاہتے ہیں عکرمہ بن ابوجہل اور حکم بن عاص (یہ دونوں آئندہ مسلمان ہو گئے تھے) نے کہا ہم کو ان کی گفتگو کی اطلاع دینے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ان سے جا کر ہماری بات کہہ دو کہ اس سال جب تک ایک آدمی بھی باقی ہے وہ مکہ میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے عروہ بن مسعود ثقفی نے مشورہ دیا کہ بات سنو پھر چاہو ماننا پسند نہ ہو نہ ماننا صفوان بن امیہ اور حارث بن ہشام (یہ دونوں بھی آئندہ مسلمان ہو گئے تھے) نے کہا اچھا تم نے جو کچھ سنا ہے بیان کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا تھا بدیل نے وہ بیان کر دیا اس کے بعد عروہ نے کہا اے میری قوم کیا تم (میرے) بچے نہیں ہو لوگوں نے کہا کیوں نہیں عروہ نے کہا کیا میں تمہارا باپ نہیں لوگوں نے کہا کیوں نہیں (عروہ بن مسعود خاندان عبد شمس کی سات قریشی شاخوں سے رشتہ رکھتا تھا) عروہ نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ میں اہل عکاظ کو تمہاری مدد (کے لئے) نکال کر لایا تھا لیکن جب انکے پاس میں نے کچھ نہیں پایا تو اپنے اہل و اولاد کو اور ان لوگوں کو تمہارے پاس لے آیا جنہوں نے میرا کہنا مانا۔ لوگوں نے کہا بیشک عروہ نے کہا تو اس شخص نے ایک اچھی بات تمہارے سامنے رکھی ہے تم یہ بات قبول کرو اور مجھے اجازت دو کہ میں اس کے پاس جاؤں (اور بات کروں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عروہ بن مسعود کے مابین گفتگو اور صحابہ کی جاں نثاری کے مظاہرے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ سے بھی وہی بات کہی جو بدیل سے کہی تھی عروہ نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھو اگر تم نے اپنی قوم کی جڑ اکھاڑ پھینکی (تو کیا یہ کوئی اچھی بات ہوگی) کیا تم نے سنا ہے کہ کسی عرب نے تم سے پہلے خود اپنی بیخ کنی کی ہو اور اگر کوئی دوسری بات ہوئی (یعنی تم مغلوب ہوئے تو بعید نہیں یوں کہ) خدا کی قسم میں (تمہارے گرداگرد) کچھ رذیل لوگوں کے چہرے دیکھ رہا ہوں جو تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے یہ بات سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تو لات کی شرمگاہ کو چوستا رہ کیا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے عروہ نے کہا یہ کون شخص ہے لوگوں نے کہا ابوبکر ہیں عروہ نے کہا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تیرا سابق احسان مجھ پر نہ ہوتا جس کی اطلاع میں نے تجھے بھی نہیں دی ہے تو میں تیری بات کا جواب دیتا۔ عروہ نے ایک بار کسی قتل کی دیت (خون بہا) ادا کرنے کا بار اپنے اوپر اٹھایا تھا اس کی امداد میں کسی نے ایک حصہ کسی نے دو حصے کسی نے تین سہام دیئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ نے دس سہام دیئے تھے عروہ پر حضرت ابوبکرؓ کا یہی احسان تھا (جو عروہ کو یاد تھا اور اسی کی طرف عروہ نے اشارہ کیا تھا) اس کے بعد عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے لگا اور بات کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک (ہاتھ بڑھا کر) پکڑنے لگا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ تلوار لئے خود اوڑھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے پیچھے کھڑے تھے جب عروہ رسول اللہ کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھاتا آپ تلوار کا پھل اس کے ہاتھ پر مارتے تھے اور فرماتے تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے اپنا ہاتھ الگ رکھ کسی مشرک کے لئے ریش مبارک کو چھونا مناسب نہیں عروہ نے سر اوپر

اٹھا کر پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا مغیرہ بن شعبہ عروہ نے کہا او غدار کل ہی تو تو نے اپنے سرینوں کی نجاست عکاظ میں دھوئی ہے اور ہمیشہ کے لئے تو نے ہی بنی ثقیف کی عداوت ہمارے اندر پیدا کردی ہے۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ حضرت مغیرہ دور جاہلیت میں کچھ لوگوں کے ساتھ تھے موقع پا کر آپ نے ان کو قتل کردیا اور ان کا مال لوٹ لیا پھر آ کر مسلمان ہو گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کو تو میں قبول کرتا ہوں لیکن اس مال سے میرا کوئی تعلق نہیں (میں اس کا ذمہ دار نہیں) اس کے بعد عروہ اپنی آنکھوں سے صحابہ کرامؓ کی حالت کا مشاہدہ کرنے لگا اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناک کی ریزش جو پھینکتے ہیں اس کو زمین پر گرنے سے پہلے کوئی صحابی اپنے ہاتھ پر لے کر منہ اور جلد پر مل لیتا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو صحابی باہم اس کام کو کرنے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے ہیں تو وضو کا استعمال پانی لینے کے لئے صحابی ایسی چھینا جھپٹی کرتے ہیں جیسے باہم لڑ پڑیں گے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بولنے کے وقت سب لوگ اپنی آوازیں پست کر لیتے ہیں اور تعظیم و ادب کی وجہ سے نظر اٹھا کر آپ کی طرف نہیں دیکھتے۔

عروہ کی اپنے رفقاء کی طرف واپسی اور تاثرات

یہ دیکھ کر عروہ اپنے رفقاء کے پاس لوٹ کر آیا اور کہا میری قوم والو خدا کی قسم میں بادشاہوں کے پاس گیا۔ قیصر اور کسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں بھی حاضر ہوا لیکن بخدا کسی کے ساتھیوں کو بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے نہیں دیکھا جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ناک کی ریزش پھینکتے ہیں تو وہ (زمین پر پہنچنے سے پہلے) کسی صحابی کے ہاتھ پر پڑتی ہے اور وہ اس کو اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو ان کے ساتھی اس کام کے کرنے کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو وضوء کا استعمال پانی لینے کے لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ لڑ پڑیں گے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو ان کے ساتھی اپنی آوازیں نیچی کر لیتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے انہوں نے اب ایک اچھی بات پیش کی ہے تم اس کو قبول کر لو قریش نے جواب دیا نہیں۔ ہاں اس سال تم ان کو واپس کردو آئندہ سال وہ لوٹ کر آجائیں (اور عمرہ کر لیں) عروہ نے کہا تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تم پر مصیبت آپڑنے ہی والی ہے یہ کہہ کر عروہ اپنے ساتھیوں کو لے کر طائف کو واپس چلا گیا۔

جلیس بن علقمہ کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آمد اور واپسی

مختلف قبائل کے متعدد افراد جو قریش کی حمایت کے لئے آئے تھے ان کی جماعت کا کمانڈر اس روز جلیس بن علقمہ تھا عروہ کے جانے کے بعد وہ اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کو آتا دیکھا تو فرمایا یہ ایسے لوگوں میں سے ہے جو قربانی کے اونٹوں کی بڑی تعظیم کرتے ہیں اور خدا پرست ہیں تم لوگ اس کے سامنے سے قربانی کے اونٹوں کو لے کر گزرو کہ وہ دیکھ لے جب جلیس نے قربانی کے جانوروں کا سیلاب وادی کے عرض سے آتا ہوا دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کی گردنوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں اور طول حبس کی وجہ سے اس کے بال اڑ گئے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچا فوراً لوٹ کر قریش کے پاس چلا گیا اور ان سے کہا اے گروہ قریش میں دیکھ آیا قربانی کے جانوروں کی گردنوں میں قلادے لٹک رہے تھے۔ طول حبس کی وجہ سے ان کے بال اڑ گئے تھے ان کو روکنا جائز نہیں۔

جلیس اور قریشیوں کا باہمی تکرار: قریش نے کہا بیٹھ جا۔ تو بدو ہے تجھے کچھ علم نہیں اس بات پر جلیس کو غصہ آگیا اور بولا اے گروہ قریش اس بات پر ہم نے تم سے معاہدہ نہیں کیا تھا اور نہ یہ وعدہ کیا تھا کہ جو خانہ کعبہ کی تعظیم کے لئے آئے گا تم اس کو روک دو گے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں جلیس کی جان ہے یا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے مقصد آمد کے درمیان تم حائل نہ ہو گے یا یہ مختلف قبائل کی پوری جماعت یک نفس ہو کر بھاگ جائیگی (یعنی میں اس ساری جماعت کو لے کر چلا جاؤں گا) قریش نے کہا جلیس خاموش ہو جا ہمارے معاملہ میں دخل نہ دے ہم اپنے لئے جو بات پسند کریں گے اسی کو اختیار کریں گے۔

مکرز کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آجانا

ایک شخص جس کا نام مکرز بن حفص تھا کھڑا ہوا اور بولا مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دو (لوگوں نے اجازت دے دی مکرز روانہ ہو گیا) جب صحابہؓ کے سامنے پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ مکرز ہے یہ غدار آدمی ہے یا فرمایا یہ بدکار آدمی ہے جب مکرز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا تو حضور نے اس سے وہی فرمایا جو بدیل اور عروہ سے فرمایا تھا مکرز لوٹ کر اپنے ساتھیوں کے پاس چلا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ جواب دیا تھا اس کی اطلاع دے دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قریشیوں کے پاس اپنا قاصد بھیجنا

محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو وغیرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ پر جس کو ثعلب کہا جاتا تھا خراش بن امیہ کو سوار کر کے سرداران قریش کے پاس بھیجا تا کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی غرض معلوم ہو جائے عکرمہ بن ابی جہل نے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور خراش کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا

لیکن مختلف قبائل کے گروہ نے قریش کو چھوڑ دیا اور راستہ کی رکاوٹ ختم کر دی قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر مفاہمت بیان کر دی۔

بیہقی نے حضرت عروہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ میں فروکش ہوگئے تو قریش خوف سے گھبرا گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے کسی کو بطور قاصد بھیجنے کا ارادہ کیا چنانچہ حضرت عمرؓ بن خطاب کو بھیجنے کے لئے طلب فرمایا عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے قریش سے اپنی جان کا اندیشہ ہے قریش جانتے ہیں کہ میں ان کا (کتنا سخت) دشمن ہوں بنی عدی میں سے کوئی وہاں میری حفاظت کرنے والا بھی نہیں ہے میں ایک ایسے شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتا ہوں جو مکہ میں مجھ سے زیادہ معزز اور محفوظ ہے یعنی عثمان بن عفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ قریش کے پاس جاؤ اور ان کو اطلاع دے دو کہ ہم لڑنے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں اور ان کو اسلام کی دعوت بھی دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ مکہ میں جو مؤمن مرد اور عورتیں ہیں ان کے پاس جا کر ان کو فتح کی بشارت دینا اور خبر پہنچا دینا کہ اللہ مکہ میں اپنے دین کو غالب عطا فرمائے گا یہاں تک کہ کوئی شخص مکہ میں اپنے ایمان کو پوشیدہ نہ رکھے گا۔ حضرت عثمانؓ قریش کے پاس جانے کے لئے بلوح کی طرف سے گزرے بلدح والوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ میں تم کو اسلام کی دعوت دوں اور اللہ کی طرف بلاؤں اور تم سب اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ کیوں کہ اللہ اپنے دین کو ضرور غالب کرے گا اور اپنے نبی کو عزت عطا فرمائے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ تم کو (مخالفت کرنے کی) ضرورت ہی نہیں ہے وہ یہ کہ دوسرے لوگ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آ گئے تو تمہارا یہی مقصد ہے جو پورا ہو جائے گا اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غالب آ گئے تو تم کو اختیار ہوگا اور لوگوں کی طرح دین میں داخل ہو جانا یا جنگ کرنا تمہاری تعداد تو (بہر حال) بہت ہے لڑائی نے تم کو انتہائی کمزور کر دیا اور تمہارے بزرگوں کو فنا کر دیا۔ ایک بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے لڑنے نہیں آئے عمرہ کرنے آئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کرنے کے اونٹ ہیں جن کی گردنوں میں قلادے ہیں قربانی کے بعد وہ واپس چلے جائیں گے مشرکوں نے کہا جو کچھ آپ نے کہا ہم نے سن لیا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا آپ واپس جا کر اپنے ساتھی سے کہہ دیں کہ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکتے حضرت عثمانؓ سے ابان بن سعید کی ملاقات ہوئی۔ ابان آئندہ مسلمان ہوگئے تھے۔ ابان نے آپ کو مرحبا کہا اور اپنی حفاظت میں لے لیا اور کہا آپ اپنے کام میں کوتاہی نہ کریں پھر ابان گھوڑے سے جس پر سوار تھے اتر آئے حضرت عثمانؓ کو آگے زین پر سوار کیا اور خود پیچھے بیٹھ گئے اور حضرت عثمان سے کہا آپ آئیں جائیں کسی سے خوف نہ کریں۔ سعید کے بیٹے حرم میں بڑی عزت والے تھے ابان حضرت عثمانؓ کو مکہ میں لے گئے۔

حضرت عثمان کی سرداران قریش سے ملاقات اوران کا جواب

آپ سرداران قریش کے ایک ایک فرد کے پاس گئے (اور گفتگو کی) لیکن سب نے آپ کی بات پلٹ دی اور یہی کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ حضرت عثمانؓ کمزور مسلمان مردوں اور عورتوں کے پاس گئے جو کمزوری کی وجہ سے مکہ میں رہ گئے تھے اور ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عنقریب مکہ میں (فتح یاب ہو کر) آنے والا ہوں مکہ کے اندر کوئی بھی اپنے ایمان کو چھپا کر نہیں رکھے گا (یعنی کسی مؤمن کو خوف نہیں ہوگا) مسلمان یہ پیغام سن کر خوش ہوئے اور حضرت عثمانؓ سے کہا ہماری طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہہ دینا۔

حضرت عثمان کی وفاشعاری:

حضرت عثمانؓ جب پیام رسانی سے فارغ ہوگئے تو قریش نے کہا اگر آپ چاہیں تو بیت اللہ کا طواف کرلیں آپ نے فرمایا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف نہ کرلیں میں ایسا نہیں کر سکتا حضرت عثمانؓ تین روز مکہ میں رہے اور قریش کو اسلام کی دعوت دیتے رہے ادھر حدیبیہ میں مسلمان کہنے لگے کہ عثمانؓ تو ہمارے پاس سے نکل کر بیت اللہ پہنچ گئے اور طواف کرنے لگے اور حضورؐ نے فرمایا اگر وہ اتنے سال بھی وہاں رہے ہیں تب بھی جب تک میں طواف نہیں کروں گا وہ بھی نہیں کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو مامور کر دیا تھا کہ رات کو پہرا دیں چنانچہ پہرے دار تین شخص بنائے گئے جو باری باری سے چوکیداری کرتے تھے اوس بن ابی عباد بن بشر محمد بن مسلمہ۔

قریش کے خفیہ لشکر کے سردار کی مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتاری

ایک رات جب کہ حضرت عثمانؓ مکہ میں تھے حضرت محمد بن مسلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکیداری کر رہے تھے قریش نے پچاس آدمی مکرز بن حفص کی زیر قیادت مسلمانوں کے پڑاؤ کی طرف بھیجے اور ان کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اگرد چکر لگائیں شاید مسلمانوں کی طرف سے غفلت کا موقع مل جائے (اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں) محمد بن مسلمہ نے ان کو پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عزم کیا تھا وہ بات پوری ہوگئی۔

چند مسلمانوں کے چند آدمیوں کی مکہ میں گرفتاری

کچھ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت عثمانؓ کی امان کے ذیل میں یا پوشیدہ طور پر مکہ میں داخل ہو گئے تھے۔ کرز بن جابر فہری' عبداللہ بن سہیل بن عمرو بن عبد الشمس 'عبداللہ بن حذافہ سہمی' ابوالروم بن عمیر بن عمرو عمیر بن وہب جمحی۔ حاطب بن ابی بلتعہ اور عبداللہ بن امیہ کے مکہ میں داخل ہونے کی قریش کو اطلاع مل گئی اور ان کو گرفتار کر لیا گیا قریش کو یہ بھی اطلاع مل گئی تھی کہ محمد بن مسلمہ نے ان کے آدمیوں کو پکڑ لیا ہے اس لئے قریش کی ایک جماعت (خفیہ طور پر) مسلمانوں کی طرف آئی (مسلمانوں کو بھی اطلاع مل گئی) اور دونوں جماعتوں میں سنگ باری اور تیر اندازی ہونے لگی مسلمانوں نے بارہ سواروں کو گرفتار کر لیا حضرت ابن زنیم ایک پہاڑی پر چڑھ گئے تھے مشرکوں نے تیر مار کر ان کو شہید کر دیا۔

بیعت رضوان: اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا یہ خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب فرمایا۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت عروہ کی روایت سے اور ابن اسحاق نے زہری کی روایت سے اور محمد بن عمر نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا۔ حضرت سلمہؓ نے کہا ہم دوپہر کو بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی 'لوگو' روح القدس نازل ہو گیا۔ بیعت کرو بیعت کرو اللہ کا نام لے کر نکل کھڑے ہو صحیح مسلم میں حضرت سلمہؓ کا قول نقل کیا سب لوگوں سے پہلے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی پھر دوسرے نے پھر تیسرے نے یہاں تک کہ جب آدھے آدمی بیعت کر چکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمہ! بیعت کر میں نے کہا (یا رسول اللہ) میں تو بیعت کر چکا فرمایا اور بھی میں نے دوبارہ بیعت کر لی اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور لوگوں سے بیعت لی جب آخر آدمی بھی بیعت کر چکا تو فرمایا کیا تو بیعت نہیں کرے گا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں تو سب سے پہلے اور درمیان میں بیعت کر چکا فرمایا اور سہی چنانچہ میں نے تیسری بار بھی بیعت کر لی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ دریافت کیا گیا تم لوگ کس بات پر بیعت کرتے تھے حضرت سلمہؓ نے کہا موت پر۔

صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا یک پھل دار درخت کے نیچے جب کہ حضرت عمر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک پکڑے ہوئے تھے ہم نے حضور کی بیعت سوا جد بن قیس کے اور سب نے کی جد اپنے اونٹ کے پیچھے جا کر چھپ گیا۔

طبرانی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور بیہقی نے شعبی کی روایت سے اور ابن مندہ نے دیدہ بن حبیش کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب فرمایا تو سب سے پہلا شخص جو (بیعت کرنے کے لئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا ابوسنان اسدی تھا ابو سنان نے عرض کیا ہاتھ پھیلایئے میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس بات پر بیعت کرو جو تمہارے دل میں ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ ابوسنان نے کہا میرے دل میں کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تمہارے دل میں یہ ہے کہ) تلوار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اتنا لڑوں گا کہ یا اللہ غالب کر دے یا میں مارا جاؤں ابوسنان نے بیعت کر لی اور ابوسنان کی بیعت کے موافق دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کر لی۔

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کا اس وقت حکم دیا جب حضرت عثمانؓ قاصد رسول اللہ کی حیثیت سے مکہ والوں کے پاس گئے ہوئے تھے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ عثمانؓ تیرے اور تیرے رسول کے کام سے گیا ہے یہ فرما کر اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک عثمانؓ کے لئے اور لوگوں کے لئے اپنے ہاتھوں سے بہتر تھا۔

قریش کی معذرت اور گرفتار شدگان کا تبادلہ

قریش نے سہیل بن عمر اور حویطب بن عزی اور مکرز بن حفص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا (اول الذکر دونوں شخص آئندہ مسلمان ہو گئے تھے) سہیل نے کہا آپ کے آدمیوں کو جو روک لیا گیا تھا اور کچھ لوگوں نے آپ سے قتال بھی کیا تھا وہ ہمارے اصحاب الرائے کے مشورہ سے نہیں ہوا تھا نہ ہم کو یہ بات پسند تھی ہم کو تو اس کا علم بھی اس وقت تک نہیں ہوا جب تک ہم کو خبر نہیں پہنچی یہ فعل ہمارے کچھ بیوقوفوں کا تھا اس لئے ہمارے جن ساتھیوں کو آپ نے پہلی بار اور دوسری بار گرفتار کیا ہے ان کو چھوڑ دیجئے عثمانؓ اور ان کے ساتھیوں کے قتل کا معاملہ تو ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ خبر غلط تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم لوگ میرے ساتھیوں کو نہیں چھوڑو گے میں تمہارے آدمیوں کو نہیں چھوڑوں گا سہیل اور اس کے ساتھیوں نے کہا آپ نے یہ بات انصاف کی کہی اس کے بعد سہیل اور اس کے ساتھیوں نے قریش کے پاس شتیم بن عبد مناف تیمی کو بھیجا اور قریش نے جو قیدی ان کے پاس تھے ان کو بھیج دیا یہ گیارہ اشخاص تھے ایک حضرت عثمانؓ اور دس ان کے ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کے آدمیوں کو جو مسلمانوں کے پاس قیدی تھے چھوڑ دیا۔

سہ رکنی وفد کی مکہ واپسی اور قریش کی صلح پر آمادگی

صحیحین میں سہیل بن حنیف کی روایت سے آیا ہے اور بخاری و اصحاب السنن

نے مروان بن حکم کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب عثمانؓ اور ان کے ساتھی مکہ گئے تو سہیل بن عمرو اور حویطب اور مکرز لوٹ کر قریش کے پاس چلے گئے اور مسلمانوں نے جس تیزی سے جہاد پر بیعت کی تھی اور لڑائی کے لئے تیار ہو گئے تھے اس کی اطلاع قریش کو دی یہ خبر قریش پر بڑی شاق گذری اور ان میں سے جو اہل الرائے تھے انہوں نے کہا سب سے بہتر بات یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر صلح کرلی جائے کہ اس سال وہ واپس چلے جائیں بیت اللہ تک نہ پہنچیں تاکہ جن عربوں نے ان کے آنے کی خبر سنی ہے وہ یہ بھی سن لیں کہ ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا آئندہ سال وہ آکر تین روز قیام کریں اور قربانی کریں اور لوٹ جائیں۔ سب کا اتفاق اس پر ہوگیا۔

صلح کی شرائط اور صلح نامہ: سہیل کو مامور کیا گیا کہ وہ جاکر اسی شرط پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کرلے صلح میں یہ شرط ضرور ہو کہ وہ اس سال مکہ میں داخل نہ ہوں گے تاکہ عرب یہ نہ کہہ سکیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے سہیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا وہ لوگ صلح کے خواستگار ہیں اسی لئے انہوں نے سہیل کو بھیجا ہے ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں حضورؐ نے فرمایا تمہارا کام آسان ہوگیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم چہارزانو بیٹھے ہوئے تھے سر کے پیچھے عباد بن بشر اور سلمہ اور اسلم کھڑے ہوئے تھے۔ (اول الذکر) دونوں حضرات لوہے سے ڈھکے ہوئے تھے سہیل آکر دوزانو بیٹھ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات شروع کی اور لمبی بات کی دونوں کی گفتگو کا ردوبدل ہوتا رہا آوازیں اونچی نیچی ہوتی رہیں عباد بن بشر نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز نیچی رکھو بات ہوتی رہی آخر صلح ہوگئی سہیل نے کہا لائیے آپس میں (صلح نامہ) تحریر کرلیں حضورؐ نے حضرت علی کو طلب فرمایا بخاری نے حضرت براءؓ کی روایت سے اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل نے کہا رحمٰن رحیم کو تو میں جانتا نہیں کہ یہ کیا ہے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو جیسے آپ لکھا کرتے تھے مسلمانوں نے کہا خدا کی قسم ہم یہ نہیں لکھیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ہی لکھ دو پھر فرمایا لکھو یہ (معاہدہ) وہ ہے جس پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا ہے۔ سہیل بولا اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ کو کعبہ سے نہ روکتے نہ آپ سے لڑتے محمد بن عبداللہ لکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا رسول اللہ (کے لفظ) کو مٹادو حضرت علیؓ نے جواب دیا میں تو مٹانے والا نہیں۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ نے حضرت علی کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا محمد رسول اللہ کے علاوہ اور کچھ نہ لکھیں ورنہ تلوار ہمارا اور ان (مشرکوں) کا فیصلہ کرے گی آوازیں اونچی ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (رسول اللہ کا لفظ) مجھے دکھاؤ حضرت علی نے دکھادیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹادیا اور فرمایا محمد بن عبداللہ لکھو۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت براءؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ خط اپنے ہاتھ میں لیا اور آپ اچھی طرح نہیں لکھ سکتے تھے پس اس خط میں لکھا یہ (معاہدہ) وہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے اتفاق کیا اور دس سال تک لوگوں کے باامن رہنے و لڑائی نہ کرنے کا فیصلہ کیا اس مدت میں جنگ بندی رہے گی لوگ پرامن رہیں گے ہر شخص دوسرے سے باز رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل سے فرمایا یہ (مصالحت) اس شرط پر ہے کہ تم ہمارے اور کعبہ کے درمیان حائل نہ ہوگے ہم طواف کریں گے سہیل نے کہا نہیں خدا کی قسم (اس سال آپ طواف نہیں کرسکتے) آئندہ سال آپ کو اس کا اختیار ہوگا یہ بات لکھ دی گئی سہیل نے کہا ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارا جو آدمی اپنے سرپرست کی اجازت بغیر تمہارے پاس جائے گا اس کو واپس کرنا ہوگا خواہ وہ مسلمان ہی ہو مسلمانوں نے کہا سبحان اللہ یہ کیسے لکھا جاسکتا ہے مشرکوں کے پاس اس کو کیسے واپس کیا جائے گا وہ مسلمان ہو کر آئے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ہم میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے گا اللہ نے اس کو دور کردیا (یعنی وہ مسلمان ہی نہ تھا چلا گیا تو اچھا ہوا) اور ان میں سے جو کوئی ہمارے پاس آجائے گا (و ہم اس کو واپس کردیں گے) تو اللہ اس کے لئے کوئی کشائش پیدا کر ہی دے گا۔

حضرت براءؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین شرطوں پر صلح کی تھی مشرکوں میں سے جو شخص کٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر مل جائے گا آپ اس کو واپس مشرکوں کو دے دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکوں کے پاس چلا جائے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہیں دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں آئندہ سال داخل ہوسکیں گے اور تین روز قیام کریں گے اور مکہ میں داخل ہوں گے تو اسلحہ تلوار کمان وغیرہ غلاف پوش لے کر داخل ہوں گے۔ فریقین میں مصالحت ہوگئی اور یہ شرط ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان یہ معاہدہ سربند صندوق ہوگا نہ اس میں چوری چھپے کوئی حرکت ہوگی نہ خیانت۔

قبائل کی حمایت: جو شخص (اس معاہدہ کی رو سے) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ میں جانا پسند کرے وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوجائے اور جو قریش سے ملنا چاہے وہ ان کے ساتھ شامل ہوجائے فوراً بنی خزاعہ کود کر سامنے آئے اور کہا ہم محمد کے معاہدوں اور ذمہ داری میں شامل ہیں و بنی بکر نے کہا ہم قریش کے عہد اور ذمہ داری میں ہیں جب صلح پختہ ہوگئی اور سوائے تحریر کے اور کوئی کام باقی نہیں رہا۔

حضرت عمرؓ کی گفتگو: حضرت عمرؓ تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی نہیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہمارے مقتولین جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر آپ ہم کو ہمارے دین میں یہ ذلت کیوں دے رہے ہیں ابھی تک اللہ نے ہمارا اور ان کا فیصلہ نہیں کیا (یعنی لڑائی نہیں ہوئی) اور ہم واپس چلے جائیں (یہ بڑی ذلت کی بات ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کر سکتا اللہ مجھے تباہ نہیں کرے گا وہی میرا مددگار ہے حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپ ہم سے یہ نہیں فرماتے تھے کہ ہم کعبہ پہنچیں گے اور یقیناً طواف کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں مگر کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ اسی سال ہم بیت اللہ میں پہنچیں گے حضرت عمرؓ نے کہا یہ تو نہیں فرمایا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یقیناً تم بیت اللہ پہ پہنچو گے اور اس کا طواف کرو گے اس کے بعد حضرت عمرؓ غصہ کی حالت میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور صبر نہ کر سکے اور بولے ابوبکرؓ کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم لوگ سچائی پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیوں نہیں حضرت عمرؓ نے کہا تو پھر کیوں یہ ذلت آپ ہم کو ہمارے دین میں دے رہے ہیں (یہ مصالحت تو ہمارے دین کی ذلت ہے) اللہ نے ہمارا ان کا فیصلہ نہیں کیا اور ہم لوٹ جائیں (یہ تو بڑی ذلت ہے) حضرت ابوبکرؓ نے کہا اے شخص وہ اللہ کے رسول ہیں اپنے رب کے حکم کے خلاف نہیں کرتے وہی ان کا مددگار ہے تم مرتے دم تک ان کی کمر (یعنی دامن) کو پکڑے رہو بلاشبہ وہ سچائی پر ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا بلاشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں حضرت عمرؓ نے کہا میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمرؓ نے یہ بھی کہا کیا وہ ہم سے یہ نہیں کہتے تھے کہ وہ بیت اللہ پر پہنچیں گے اور طواف کریں گے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کیوں نہیں لیکن کیا انہوں نے تم کو یہ بھی بتایا تھا کہ اسی سال تم بیت اللہ پر پہنچو گے حضرت عمرؓ نے کہا نہیں حضرت ابوبکرؓ نے کہا تو پھر یقیناً تم کعبہ کو پہنچو گے اور طواف کرو گے۔

مذکورہ بالا شرائط صلح حضرت عمرؓ پر بڑی شاق تھیں چنانچہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا جب سے میں مسلمان ہوا مجھے اس روز کے علاوہ کبھی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات میں) شک نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب وہی کر رہے تھے (یہاں تک کہ) ابوعبیدہ بن جراح نے کہا اے خطاب کے بیٹے کیا تم نہیں سنو گے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ پڑھو حضرت عمرؓ کا بیان ہے میں نے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ کہا ابن اسحاق اور ابن عمر واسلمی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روز جو مجھ سے حرکت ہوئی اس کی معافی کے لئے میں (بطور کفارہ) خیرات کرتا رہا روزے رکھتا اور غلام آزاد کرتا رہا۔

معجزہ: احمد نسائی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مغفل کی مذکورہ بالا حدیث میں یہ بھی بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے فرمایا ہم اسی حالت میں تھے کہ تیس مسلح جوان (پہاڑی گھاٹی سے) نکلے اور سیدھے ہماری طرف انہوں نے چڑھائی کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے بددعا کی اللہ نے ان کو بہرا کر دیا دوسری روایت میں آیا ہے اللہ نے ان کو اندھا کر دیا اور ہم نے اٹھ کر ان کو پکڑ لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کسی کی ذمہ داری میں آئے ہو کیا تم کو کسی نے امان دی ہے انہوں نے کہا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اس پر آیت وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ نازل ہوئی۔

امام احمد مسلم اور ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اہل مکہ کے اسی (۸۰) مسلح آدمی کوہ تنعیم کی جانب سے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے ان کا مقصد یہ تھا کہ اچانک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بددعا دی وہ اندھے بہرے ہو گئے ان کو گرفتار کر لیا گیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا۔ (چھوڑ دیا)

زہری کی حدیث میں مروان و مسور کی روایت سے اور مسلم و احمد و عبد بن حمید کے بیان میں خود حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت سے آیا ہے حضرت سلمہؓ نے فرمایا جب میں نے ابن زنیم کے شہید ہونے کی خبر سنی تو تلوار سونت کر چار مشرکوں کی طرف گیا وہ سو رہے تھے میں نے ان کے ہتھیار لئے اور پکڑ کر ہنکاتا ہوا رسول اللہ کی خدمت میں لے آیا (یہی ہے آیت) وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ (کی مراد)۔

حضرت ابوجندلؓ کا واقعہ: اسی اثناء میں ابوجندل بن سہیل بن عمرو بیڑیاں پہنے قیدیوں کی چال سے (وادی کے) نشیب سے نکل کر آ پہنچے اور آتے ہی مسلمانوں کے سامنے گر پڑے ان کے باپ سہیل نے ان کو بیڑیوں میں جکڑ کر قید کر دیا تھا مسلمان فوراً ان کے خیر مقدم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور (بھاگ کر رہائی پانے کی) مبارکباد دی۔ سہیل نے یہ حالت دیکھی تو اٹھ کر بیٹے کی طرف گیا اور اس کے منہ پر خاردار لکڑی ماری اور گریبان پکڑ لیا اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یہ پہلا واقعہ ہے جس پر میں نے اور آپ نے معاہدہ کیا تھا کہ (جو شخص ہم میں سے آپ کے پاس آ جائے گا) آپ اس کو واپس

کریں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تک تو تحریر پوری نہیں ہوئی ہے گا تو کچھ خدا کی قسم میں کبھی مصالحت نہیں کروں گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس کو میری ضمانت میں دیدو کہنے لگا میں آپ کی ضمانت میں نہیں دے سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں ایسا کرو۔ کہنے لگا میں نہیں کروں گا اس پر مکرز اور حویطب نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا ہم اس کو آپ کی وجہ سے اپنی ذمہ داری میں لیتے ہیں یہ کہہ کر دونوں نے اس کو اپنی ذمہ داری میں لے لیا اور خیمے میں چلے گئے اور باپ بے تعلق ہو گیا ابوجندل نے کہا اے گروہ مسلم کیا مجھے مشرکوں کے ہاتھ میں واپس دیا جا رہا ہے میں تو مسلمان ہو کر آیا تھا دیکھو میں نے کیسے دکھ جھیلے ہیں سہیل نے ابوجندل کو سخت ترین تکلیفیں دی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا ابوجندل صبر کر ثواب کی امید رکھ اللہ تیرے لئے مع ان کمزور لوگوں کے جو تیرے ساتھ ہیں کوئی کشائش اور رہائی کا راستہ ضرور پیدا کر دے گا ہم نے ان لوگوں سے صلح کا معاہدہ کر لیا ہے ہم نے ان کو اور انہوں نے ہم کو وعدہ دے دیا ہے اس لئے ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب (یہ حالت دیکھ کر) ابوجندل کے برابر گئے اور کہا صبر کر اور ثواب کی امید رکھ یہ مشرک ہیں ان کا خون کتے کے خون کے برابر ہے (یعنی ان کو قتل کرنا نہ گناہ ہے نہ قابل مواخذہ) حضرت عمرؓ اس بات کے کہنے کے درمیان تلوار کا قبضہ ابوجندل کے قریب کرتے جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ مجھے خیال تھا کہ ابوجندل تلوار لے کر اس سے باپ کو مار ڈالے گا اس لئے میں نے تلوار کا قبضہ اس کی طرف بڑھا دیا تھا آخر ابوجندل کو باپ کے سپرد کر دیا گیا۔

صحابہؓ کی اداسی: صحابہ خوش تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی وجہ سے ان کو فتح میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ صلح ہو گئی اور واپس جانا پڑے گا تو اس سے ان کو بڑا رنج ہوا قریب تھا کہ موت سے ہمکنار ہو جائیں پھر ابوجندل کے واقعہ نے ان کا رنج اور بڑھا دیا۔ جب صلح کی بات طے ہو گئی (اور صلح نامہ لکھ دیا گیا) تو کچھ مسلمانوں اور کچھ مشرکوں نے اس پر اپنی شہادت ثبت کی۔ مسلمانوں میں سے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت عبداللہؓ بن سہیل بن عمروؓ حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت محمودؓ بن سلمہ، حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور مشرکوں میں سے مکرز بن حفص نے شہادت دی۔ تحریر سے فراغت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اٹھو قربانی کرو سر منڈواؤ (یہ حکم سن کر بھی) خدا کی قسم کوئی نہیں اٹھا یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار حکم دیا (لیکن کسی نے جنبش نہیں کی)۔

حضرت ام سلمہؓ کی دانائی: اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا صدمہ ہوا اور اندر حضرت ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور ام المؤمنین سے فرمایا مسلمان ہلاک ہو گئے میں نے ان کو قربانی کرنے اور سر منڈوانے کا حکم دیا لیکن انہوں نے تعمیل نہیں کی ام المؤمنین نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مسلمانوں کو برا نہ کہیں ان پر بڑا صدمہ پڑا ہے آپ نے صلح کرنے اور بغیر فتح کرنے کے واپس ہو جانے کی جس دشواری میں خود اپنے کو ڈالا ہے اس کا مسلمانوں کو بڑا رنج ہوا ہے یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تشریف لے جائیے اور کسی سے ایک بات بھی نہ کیجئے جا کر اپنے قربانی کے اونٹوں کو نحر کیجئے اور کسی کو طلب فرما کر اپنا سر منڈوا دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے اور کسی سے کوئی بات کہے بغیر بلند آواز سے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر قربانی کی اونٹوں کو نحر کیا اور ایک شخص کو بلوا کر سر منڈوا دیا۔ صحابہؓ نے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تو خود بھی اٹھ کر اپنی اپنی قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا اور باہم ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے قریب تھا کہ ایک دوسرے سے لڑ پڑیں۔ حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ حدیبیہ کے دن کچھ لوگوں نے سر منڈوائے اور کچھ لوگوں نے بال کتروائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منڈوانے والوں پر اللہ کی رحمت ہو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور بال کتروانے والوں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منڈوانے والوں پر اللہ کی رحمت ہو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور کتروانے والوں پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کتروانے والوں پر بھی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وجہ کہ آپ نے منڈوانے والوں کے لئے دو بار دعاء رحمت فرمائی فرمایا اس لئے کہ وہ شبہ میں نہیں پڑے (یعنی ان کو یقین ہو گیا کہ حالت احرام ختم ہو گئی اور اب آگے بڑھنا نہیں ہے) حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ یہ تھی کہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ شاید ہم کو طواف کرنے کا موقع مل جائے اس لئے وہ سر منڈوانے سے رکے رہے (اور کچھ بال کتروا دیئے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں ۱۹ یا ۲۰ رات قیام کیا' محمد بن عمرو کا یہی بیان ہے۔

حضرت کعب بن عجرہ کا احرام

حدیبیہ کے قیام کے زمانہ میں (احرام کھولنے اور قربانی کرنے کے حکم سے پہلے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن عجرہ سے فرمایا تھا تم کو کیا سر کے کیڑوں (جوؤں) سے تکلیف ہو رہی ہے حضرت کعب کے سر سے جوئیں گرتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لی تھیں کعب نے عرض کیا جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سر منڈوانے اور فدیہ دینے کا حکم دیا فدیہ کی تین صورتیں تھیں روزے رکھنے یا خیرات یا قربانی۔ اس وقت آیت وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ الخ ہم نے سورۂ

بقرہ کی اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں احصار (راستہ کی رکاوٹ) اور کسی عذر کی وجہ سے سرمنڈوادینے اوراس سے تعلق رکھنے والے مسائل بیان کردیئے ہیں۔

معجزہ: مسلم نے حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بزار وطبرانی وبیہقی نے حضرت ابوحبیش کی روایت سے اور محمد بن عمرو نے اپنے شیوخ کی سند سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلی) مَرُّالظهران میں اوراس کے بعد (دوسری منزل) عسفان میں کی یہاں پہنچ کرلوگوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں رہا۔ صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شکایت کی اور عرض کیا کیا ہم گدھوں کو ذبح کرلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ایسا نہ کیجئے لوگوں کے پاس سواریاں رہنا زیادہ مناسب ہیں اگر کل کو دشمن سے مقابلہ ہوگیا اور ہم بھوکے بھی ہوئے اور پیدل بھی تو کیا ہوگا میری رائے یہ ہے کہ جو کچھ صحابہؓ کے پاس کھانے کی چیز رہ گئی ہو آپ وہ طلب فرمائیں پھر برکت کی دعاء کریں امید ہے کہ اللہ آپ کی دعاء سے ہم کو (منزل مقصود تک) پہنچادے گا اس مشورہ کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سامان کھانے کا (کسی کے پاس) باقی رہ گیا تھا طلب فرمایا اور چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا سب سے زیادہ لانے والا وہ شخص تھا جو ایک صاع (تقریباً چار سیر) چھوارے لایا غرض لوگوں کے پاس کھانے کی جو چیز تھی وہ چرمی دسترخوان پر جمع کردی گئی پھر حضور نے کھڑے ہوکر جو کچھ اللہ نے چاہا (پڑھ کر) دعا کی نتیجہ یہ ہوا کہ سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور اپنے برتن بھی بھر لئے اور چیزیں جتنی تھیں اتنی ہی رہیں۔ حضور والا یہ دیکھ کر ہنس دیئے اتنے کہ کچلیاں دکھ گئیں حضرت سلمہؓ کا بیان ہے میں نے اندازہ کیا کہ ہم اس روز تقریباً ۱۴سو آدمی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں جو بندہ ان دونوں (توحید ورسالت) پر ایمان رکھے گا وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا۔

ابوبصیر کا واقعہ: امام احمد بخاری ابوداؤد اور نسائی نے حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے اور بیہقی نے زہری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حدیبیہ سے مدینہ میں آگئے تو ابوبصیر عتبہ بن اسد ثقفی (مکہ سے بھاگ کر) مسلمان ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ خاندان بنی ثقیف قبیلۂ بنی زہرہ کا حلیف تھا اخنس بن شریف ثقفی اور ازہر بن عبدعوف زہرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط خنیس بن جابر عامری کے ہاتھ بھیجا جس میں گذشتہ مصالحت کا تذکرہ کیا اور درخواست کی کہ ابوبصیر کو واپس بھیج دیا جائے۔ ابوبصیر کے پہنچنے سے تین دن بعد عامری اپنے غلام کے ساتھ جس کا نام کوثر تھا خط لیکر پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبصیر کو حکم دیا کہ ان دونوں کے ساتھ واپس چلے جاؤ۔ تم واقف ہو کہ ہم نے ان لوگوں سے معاہدہ کرلیا ہے اور ہمارے مذہب میں عہد شکنی جائز نہیں اللہ تمہارے لئے اور تمہارے ساتھی دوسرے مسلمانوں کے لئے کوئی کشائش اور رہائی کا راستہ پیدا کردے گا غرض دونوں شخص ابوبصیر کو لے کر ذوالحلیفہ پہنچ گئے یہاں پہنچ کر ابوبصیر نے مسجد میں دو رکعت نماز قصر پڑھی اور نماز کے بعد جو کچھ کھانے کا سامان ساتھ لائے تھے کھانے لگے اور عامری کو اوراس کے ساتھی کو بھی کھانے میں شریک ہونے کی دعوت دی وہ دونوں بھی اتر آئے اور چھوارے کھانے لگے عامری کے پاس اس وقت تلوار تھی دونوں باتیں کرتے رہے۔ بقول عروہؓ عامری نے تلوار نیام سے نکال لی اور کہا میں اپنی اس تلوار سے کسی دن رات تک اوس اور خزرج کو ماروں گا ابوبصیر نے کہا کیا تمہاری تلوار بڑا ن بھی ہے عامری نے کہا ہاں ابوبصیر نے کہا مجھے تو دکھاؤ عامری نے ابوبصیر کے ہاتھ میں تلوار دے دی ابوبصیر نے جب تلوار کا قبضہ پکڑ لیا تو اسی سے عامری کے ایسی ضرب رسید کی کہ وہ ٹھنڈا پڑ گیا کوثر بھاگ کر مدینے پہنچا اور مسجد میں گھس گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بات ہے کوثر نے کہا میرا ساتھی ختم ہوگیا اور میں چھوٹ کر بھاگ آیا ورنہ میں بھی مارا جاتا غرض کوثر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی اوراس کو پناہ دیدی ابوبصیر عامری کے اونٹ پر سوار ہوکر آگیا۔ اونٹ کو مسجد سے باہر بٹھایا اور خود دہشت زدہ حالت میں تلوار سمیت مسجد میں آگیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے تو اپنی ذمہ داری پوری کردی اور اللہ نے آپ سے یہ ذمہ داری پوری کرادی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دشمن کے ہاتھ میں دے دیا لیکن میں اپنے دین کی وجہ سے مصیبت میں پڑنے سے محفوظ رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس یہ لڑائی کی آگ بھڑکائے گا۔ کاش کوئی اس (کو مکہ پہنچانے) کے لئے ہوتا ابوبصیر نے عامری کا مال جس پر اس نے قتل کرنے کے بعد قبضہ کیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تاکہ آپ اس میں سے پانچواں حصہ لے لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس میں سے خمس لے لوں گا تو وہ لوگ خیال کریں گے کہ میں نے ان سے کیا ہوا معاہدہ پورا نہیں کیا تم جانو اور یہ چھینا ہوا مال اور جہاں چاہو چلے جاؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کا اثر قریشیوں کا خود اپنی شرط سے دستبردار ہونا

صحیح روایت میں آیا ہے کہ ابوبصیر نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ تو لڑائی کی آگ بھڑکائے گا الخ تو اس نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ضرور واپس کریں گے اس لئے ابوبصیر اور اس کے ساتھ وہ پانچ آدمی جو مکہ سے بھاگ کر اس کے ساتھ مدینہ میں آئے تھے اور کسی نے ان کی تلاش بھی نہیں کی تھی نکل کر چل دیئے اور ساحل سمندر میں پہنچ کر عیص اور ذی

امرو قریش کے درمیان قریش کے قافلہ کے راستہ پر مقیم ہو گئے مکہ میں جو مسلمان بند تھے ان کو جب ابو بصیر کے واقعہ کی اطلاع ملی تو وہ بھی چپکے سے چوری چھپے نکل کر ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے۔

محمد بن عمرو کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے مکہ کے مسلمانوں کو لکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کے متعلق فرمایا تھا افسوس یہ لڑائی کی آگ بھڑکانے والا ہے کاش اس کے لئے کچھ لوگ ہوتے (یعنی کچھ لوگ اس کو پکڑ کر واپس کر دیتے) حضرت عمرؓ نے یہ بھی اطلاع دے دی تھی کہ وہ اب سمندر کے ساحل پر مقیم ہے۔ ادھر ابو جندل بن سہیل جس کو حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس مشرکوں کو دے دیا تھا چھوٹ گیا اور ستر سوار جو مسلمان ہوگئے تھے ابو جندل کے ساتھ ہوئے اور سب آکر ابو بصیر سے مل گئے جوں ہی ابو جندل ابو بصیر کے پاس پہنچے ابو بصیر نے جماعت کی سرداری ابو جندل کے سپرد کر دی کیونکہ ابو جندل قریشی تھے یہی نماز کی امامت کرتے تھے ابو جندل کی خبر سن کر قبائل غفار و سلیم وجہینہ اور متفرق قبائل کے کچھ لوگ فرار ہو کر ابو جندل سے جا ملے یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی بیہقی نے بروایت زہری یہی بیان کیا ہے قریش کا جو قافلہ ادھر سے گذرتا تھا یہ لوگ اس کا مال چھین لیتے تھے اور قافلہ والوں کو قتل کر دیتے تھے قریش کو انہوں نے تنگ کر دیا قریش کا جو آدمی ان کے ہاتھ لگتا اس کو قتل کر دیتے آخر قریش نے ابوسفیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور یہ پیام دیا کہ ابو بصیر اور اس کے ساتھیوں کو آپ (اپنے پاس) بلوالیں آئندہ ہمارا جو آدمی آپ سے جا کر مل جائے آپ اس کو روک لیں آپ کے لئے روک لینا جائز ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ابو بصیر و ابو جندل کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر اور ابو جندل کو لکھ بھیجا کہ تم دونوں میرے پاس آجاؤ اور دوسرے مسلمان جو تمہارے ساتھ ہیں ان کو حکم دے دو کہ وہ اپنی اپنی بستیوں کو اور اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں آئندہ یہ قریش یا قافلہ ان کی طرف سے گذرے اس سے کوئی تعرض نہ کریں ابو بصیر کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ گرامی اس وقت پہنچا جب ان کا آخری وقت تھا نامہ گرامی انکے ہاتھ میں تھا اس کو پڑھ رہے تھے اسی حالت میں وفات ہوگئی ابو جندل نے ان کو اسی جگہ دفن کر دیا اور ان کی قبر کے قریب مسجد بنادی۔ اس کے بعد ابو جندل اپنے کچھ رفقاء کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور باقی لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے صلح حدیبیہ کا قضیہ طے ہونے کے بعد جب ابو جندل بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آگئے تو کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا تھا کہ ابو جندل کو باپ کے حوالے نہ کیا جائے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا تھا اب جب کہ قریش کی درخواست پر ابو جندل ساحل سمندر سے مدینہ میں آگئے تو ان مشورہ دینے والوں پر یہ امر واضح ہو گیا کہ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری ہر معاملہ میں ان کے لئے بہتر ہے خواہ ان کو پسند ہو یا ناگوار۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کا پورا ہونا:

جب یہ واقعہ ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جو تم لوگوں سے وعدہ کیا تھا وہ یہی ہے اور جب فتح مکہ کے دن کعبہ کی کنجی حاصل کر لی تو حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا یہ وہی ہے جو میں نے تم لوگوں سے کہا تھا۔ اور حجۃ الوداع کے زمانہ میں عرفات میں قیام کے وقت بھی حضرت عمرؓ سے فرمایا یہ وہی ہے جو میں نے تم لوگوں سے کہا تھا۔

صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ صلح حدیبیہ سے بڑی کوئی فتح نہیں ہوئی حضرت ابوبکرؓ فرماتے تھے اسلام میں صلح حدیبیہ سے بڑھ کر کوئی فتح نہیں ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رب کے درمیان جو خصوصی علاقہ تھا لوگوں کی سمجھ اس سے قاصر تھی بندے جلدی کرتے ہیں لیکن اللہ ان کی عجلت (پسندی) کی وجہ سے جلدی نہیں کرتا جب تمام امور اللہ کی مشیت کے مطابق ہو جاتے ہیں تو وہ کرتا ہے میں نے حجۃ الوداع میں قربان گاہ کے قریب سہیل بن عمرو کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب لاتے تھے اور آپ اپنے ہاتھ سے ان کو نحر کرتے تھے اور حجام کو طلب فرما کر آپ نے سر منڈوایا تھا میں نے یہ بھی دیکھا کہ سہیل بن عمرو ان بالوں کو چن چن کر اپنی آنکھوں پر رکھ رہے تھے اور مجھے یاد ہے کہ حدیبیہ کے دن بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھنے سے انہوں نے انکار کیا تھا لیکن انہوں نے اللہ کا شکر کیا کہ اللہ نے ان کو مسلمان ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ‌ۚ
پھر جو کوئی قول توڑ دے سو توڑتا ہے اپنے نقصان کو
وَمَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ
اور جو کوئی پورا کرے اس چیز کو جس پر اقرار کیا اللہ
فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۰﴾
سے تو وہ اُس کو دیگا بدلہ بہت بڑا ☆

☆ یعنی بیعت کے وقت جو قول و قرار کیا ہے اگر کوئی اس کو توڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا اللہ و رسول کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا۔ اسی کو عہد شکنی کی سزا

ملے گی اور جس نے استقامت دکھلائی اور اپنے عہد و پیماں کو مضبوطی کے ساتھ پورا کیا تو اسکا بدلہ بھی بہت پورا ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ اَوْفٰی۔ یعنی جو بیعت پر قائم رہے گا۔

اَجْرًا عَظِیْمًا۔ یعنی جنت اور اللہ کی خوشنودی اور اس کا دیدار۔ (تفسیر مظہری)

سَیَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ
اب کہیں گے تجھ سے پیچھے رہ جانے والے
الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا
گنوار ہم کام میں لگے رہ گئے اپنے مالوں کے
وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا
اور گھر والوں کے سو ہمارا گناہ بخشوا☆

منافقوں کے اندیشے اور بہانے

☆ مدینہ سے روانہ ہوتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روانگی کا اعلان کر دیا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کے لئے ابھارا تھا شاید قرائن سے آپ کو بھی لڑائی کا احتمال ہو۔ اس پر دیہاتی گنوار جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہ ہوا تھا جان چرا کر بیٹھ رہے۔ اور آپس میں کہنے لگے کہ بھلا ہم ایسی قوم کی طرف جائیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مدینہ میں آ کر ان کے کتنے ساتھیوں کو قتل کر گئی اب ہم اسکے گھر جا کر اس سے لڑیں گے؟ تم دیکھ لینا اب یہ اور ان کے ساتھی اس سفر سے واپس آنے والے نہیں سب وہیں کھیت رہیں گے ان آیات میں حق تعالیٰ نے ان کے نفاق کا پردہ فاش کیا ہے۔ آپ کو مدینہ پہنچنے سے قبل راستہ میں بتلا دیا گیا کہ تمہارے صحیح و سالم جانے پر وہ لوگ اپنی غیر حاضری کے جھوٹے عذر اور حیلے بہانے کرتے ہوئے آئیں گے اور کہیں گے کہ کیا کہئے ہم کو گھر بار کے دھندوں سے فرصت نہ ملی، کوئی ہمارے پیچھے مال اور اہل و عیال کی خبر لینے والا نہ تھا بہر حال ہم سے کوتاہی ضرور ہوئی۔ اب اللہ سے ہمارا قصور معاف کرا دیجئے۔ (تفسیر عثمانی)

یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ
وہ کہتے ہیں اپنی زبان سے جو اُن کے
قُلُوْبِهِمْ
دل میں نہیں☆

جھوٹی ظاہرداری ☆ یعنی دل میں جانتے ہیں کہ یہ عذر بالکل غلط ہے اور استغفار کی درخواست کرنا بھی محض ظاہر داری کے لیے ہے سچے دل سے نہیں وہ دل میں نہ اس کو گناہ سمجھتے ہیں نہ آپ پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ
تو کہہ کس کا کچھ بس چلتا ہے اللہ سے تمہارے
شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ
واسطے اگر وہ چاہے تمہارا نقصان یا چاہے
بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا
تمہارا فائدہ بلکہ اللہ ہے تمہارے
تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۱۱﴾
سب کاموں سے خبردار☆

حیلہ تراشی کا جواب ☆ یعنی ہر طرح کا نفع و نقصان اللہ کے قبضہ میں ہے جس کی مشیت و ارادہ کے سامنے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا اسکو منظور نہیں تھا کہ تم کو اس سفر مبارک کی شرکت کے فوائد نصیب ہوں۔ نہ اب یہ منظور ہے کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں اس نے تمہاری حیلہ تراشی سے قبل ہی ہم کو ان جھوٹے اعذار پر مطلع کر دیا تھا۔ بہر حال اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ تمہارے اعمال و حرکات کی بدولت غزوہ "حدیبیہ" کی گوناگوں برکات فوائد کی طرف سے تم کو نقصان اور گھاٹے میں رکھے اور ہاں تم کہتے ہو کہ اپنے مال اور گھر والوں کی حفاظت کی وجہ سے سفر میں نہ جا سکے تو کیا خدا اگر تمہارے مال و اولاد وغیرہ میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تم گھر میں رہ کر اسے روک دو گے۔ یا فرض کرو اللہ تم کو کچھ فائدہ مال و عیال میں پہنچانا چاہے اور تم سفر میں ہو، تو کیا اسے کوئی روک سکتا ہے۔ جب نفع و نقصان کو کوئی روک نہیں سکتا تو اللہ اور اسکے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خوشنودی کے مقابلہ میں ان چیزوں کی پرواہ کرنا محض حماقت و ضلالت ہے، ان حیلوں بہانوں سے مت سمجھو کہ ہم اللہ کو خوش کر لیں گے بلکہ یاد رکھو اللہ تمہارے سب کھلے چھپے اعمال و احوال کی پوری خبر رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ
کوئی نہیں تم نے تو خیال کیا تھا کہ پھر کر نہ آئے گا رسول

وَّالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ

اور مسلمان اپنے گھر کبھی اور کھب

ذٰلِكَ فِىْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ

گیا تمہارے دل میں یہ خیال اور اٹکل کی تم نے بری اٹکلیں

وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

اور تم لوگ تھے تباہ ہونے والے☆

منافقوں کے دل کا چور☆ یعنی واقع میں تمہارے نہ جانے کا سبب یہ نہیں جو بیان کر رہے ہو بلکہ تمہارا خیال یہ تھا کہ اب پیغمبر اور مسلمان اس سفر سے بچ کر واپس نہ آئیں گے۔ یہ ہی تمہاری دلی آرزو تھی اور یہ غلط اٹکل اور تخمینہ تمہارے دلوں میں خوب جم گیا تھا اسی لئے اپنی حفاظت اور نفع کی صورت تم نے علیحدہ رہنے میں سمجھی۔ حالانکہ یہ صورت تمہارے خسران اور تباہی کی تھی اور اللہ جانتا تھا کہ یہ تباہ و برباد ہونے والے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ فِىْ قُلُوْبِكُمْ۔ یعنی مسلمانوں کو اور رسول کی تباہی کی پسندیدگی تمہارے دلوں میں پیدا تو اللہ نے کی تھی مگر شیطان نے تمہارے دلوں میں یہ خیال دل پسند بنا دیا تھا۔ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ۔ یعنی تم نے خیال کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مشرکوں کا لقمہ بن جائیں گے اسی طرح کے اللہ اور اس کے رسول کے متعلق برے برے گمان تم رکھتے تھے۔ قَوْمًا بُوْرًا۔ عند اللہ ہلاک ہونے والے تباہ بد اعتقاد اور برے گمان رکھنے کی وجہ سے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اور جو کوئی یقین نہ لائے اللہ پر اور اُس کے رسول پر

فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَلِلّٰهِ

تو ہم نے تیار کر رکھی ہے منکروں کے واسطے دہکتی آگ اور اللہ کیلئے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ

راج آسمانوں کا اور زمین کا بخشے جس کو

يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

چاہے اور عذاب میں ڈالے جس کو چاہے اور ہے اللہ

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

بخشنے والا مہربان☆

☆ یعنی جس کو وہ بخشنا چاہے، میں کیسے بخشواؤں ہاں اسکی مہربانی ہو تو تم کو توبہ کی توفیق مل جائے اور بخشش ہو جائے اور اسکی رحمت بہر حال غضب پر سابق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لِمَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی اس پر نہ مغفرت واجب ہے نہ سزا دینا لازم۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ یعنی اللہ کی ذاتی صفت تو مغفرت اور رحمت ہیں اور عذاب دینے کا فیصلہ عارضی ہے۔ (تفسیر مظہری)

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى

اب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے جب تم چلو گے غنیمتیں

مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ

لینے کو چھوڑو ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۚ قُلْ

چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ کا کہا تو کہہ دے

لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ

تم ہمارے ساتھ ہرگز نہ چلو گے یونہی کہہ دیا اللہ نے

قَبْلُ ۚ

پہلے سے☆

غزوۂ خیبر سے متعلق منافقوں کا رویہ

☆ "حدیبیہ" سے واپس ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "خیبر" پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا جہاں غدار یہود آباد تھے جو بد عہدی کر کے جنگ "احزاب" میں کافر قوموں کو مدینہ پر چڑھا لائے تھے۔ حق تعالیٰ نے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر دی کہ وہ گنوار جو حدیبیہ نہیں گئے اب "خیبر" کے معرکہ میں تمہارے ساتھ چلنے کو کہیں گے کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما دیں کہ تمہاری استدعا سے پیشتر اللہ ہم کو کہہ چکا ہے کہ تم (اس سفر میں) ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے اندریں صورت یہ تم ہمارے ساتھ جا سکتے ہو۔ اگر جاؤ گے تو یہ معنی ہوں گے

کہ گویا اللہ کا کہا بدل دیا گیا جو کسی طرح ممکن نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

رہی یہ بات کہ جب مسلمان اتنے بہادر تھے تو مکہ میں زبردستی کیوں داخل نہ ہو سکے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش پر اللہ نے رحم فرمایا کہ اپنے رسول کو اور مسلمانوں کو داخل ہونے سے روک دیا جیسے قریش پر رحم کرنے کے سبب ہاتھی والے حبشیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا پھر اللہ کو یہ بھی علم تھا کہ قریش کے اکثر آدمی مسلمان ہو جائیں گے اور ان کی نسل سے بہت سی مؤمن روحیں پیدا ہوں گی ایک بات یہ بھی تھی کہ مسلمان مکہ میں زبردستی گھستے اور جنگ ہوتی تو وہاں کچھ مسلمان مرد اور عورتیں بھی پوشیدہ تھے اور حملہ کرنے والوں کو معلوم نہیں تھا اس لئے ناواقفی میں ممکن تھا وہ روندے جاتے یہی وجوہ تھیں کہ مسلمانوں نے زبردستی داخل ہونے کی کوشش نہیں کی اور اللہ نے انکو حدیبیہ میں ہی روک دیا۔

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا۔ اللہ کی طرف سے بطور معجزہ یہ ایک پیشین گوئی ہے کہ باوجودیکہ وہ اعراب مال غنیمت کی لالچ میں مخلص مؤمنوں کے ساتھ جانے کا پختہ ارادہ کر چکے تھے مگر اللہ نے پہلے سے خبر دے دی کہ یہ ساتھ نہیں جائیں گے۔ گویا دو مرتبہ پیشین گوئی فرمائی ایک بار یہ کہ وہ تمہارے ساتھ جانے کو کہیں گے اور دوسری بار یہ کہ وہ تمہارے ساتھ ہرگز نہیں نکلیں گے۔ (تفسیر مظہری)

فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ
پھر اب کہیں گے نہیں تم تو جلتے ہو ہمارے فائدہ سے ☆

منافقوں کی چرب زبانی ☆ یعنی اللہ نے کچھ بھی نہیں فرمایا محض یہ چاہتے ہو کہ ہمارا فائدہ نہ ہو۔ سب مال غنیمت بلا شرکت غیرے تمہارے ہی ہاتھ آ جائے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝
کوئی نہیں پر وہ نہیں سمجھتے ہیں مگر تھوڑا سا ☆

منافق احمق ہیں ☆ یعنی بہت تھوڑی سمجھ ہے احمق یہ نہیں سمجھتے کہ مسلمانوں کے زہد و قناعت کا کیا حال ہے کیا وہ مال کے حریص ہیں؟ جو تم پر حسد کریں گے؟ اور پیغمبر ازراہ حسد خدا پر جھوٹ بول دے گا؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ
کہہ دے پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے

سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ
آئندہ تم کو بلائیں گے ایک قوم پر بڑے سخت لڑنے والے
شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ
یا وہ مسلمان ہونگے تم اُن سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہونگے
فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ
پھر اگر حکم مانو گے دیگا تم کو اللہ بدلہ اچھا ☆

منافقوں کے جھوٹے شوق کی تسکین ☆

یعنی ذرا صبر کرو، اس لڑائی میں تو نہیں جا سکتے لیکن آگے بہت معرکے پیش آنے ہیں بڑی سخت جنگجو قوموں سے مسلمانوں کے مقابلے ہوں گے جن کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ قومیں مسلمان ہو کر یا جزیہ وغیرہ دے کر اسلام کی مطیع ہو جائیں۔ اگر واقعی تم کو شوق جہاد ہے تو اس وقت میدان میں آ کر داد شجاعت دینا۔ اس موقع پر خدا کا حکم مانو گے تو اللہ بہترین بدلہ دے گا (تنبیہ) ان جنگجو قوموں سے ''بنو حنیفہ'' وغیرہ مراد ہیں جو ''مسیلمہ کذاب'' کی قوم تھی یا ''**ہوازن و ثقیف**'' وغیرہ جن سے ''حنین'' میں مقابلہ ہوا یا وہ مرتدین جن پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فوج کشی کی۔ یا فارس و روم اور کرد وغیرہ جن سے خلفائے راشدین کے زمانہ میں لڑائیاں ہوئیں۔ ان میں سے بہت سے بے لڑے بھڑے مسلمان ہوئے اور مال غنیمت بھی بہت آیا۔ (تفسیر عثمانی)

اسلام کی تین شرطیں (۱) اسلام (۲) لڑائی (۳) جزیہ

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ۔ یعنی دونوں باتوں میں سے ایک ہوگی۔ قتل یا اسلام۔ مراد یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک بات ہونی ضرور ہے یا تو ان سے جنگ کرتے رہو یا وہ اسلام لے آئیں تیسری بات نہیں ہو سکتی ان سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا۔ یہ حکم صرف عرب کے مشرکوں اور مرتد ہو جانے والے مسلمانوں کے لئے خاص تھا۔ اہل روم اور دوسری عجمیوں کے لئے تین صورتیں تھیں جنگ یا اسلام یا جزیہ۔

شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت کی طرف اشارہ

اس تفسیر پر حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا برحق ہونا اس آیت سے ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ مرتدوں سے جہاد کرنے کی آپ ہی نے مسلمانوں کو دعوت دی لیکن حضرت ابن عباسؓ مجاہد عطاء اور ابن جریج کے نزدیک قوم سے مراد

اہل فارس ہیں اس صورت میں حضرت عمرؓ کی خلافت (حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر مبنی تھی) کی طرف اشارہ ہوگا کیونکہ آپ نے ہی اہل فارس سے جہاد کیا مگر اس تفسیر پر یسلمون کا معنی ہوگا ینقادون یعنی قم ان سے لڑو یہاں تک کہ وہ تمہارے مطیع ہو جائیں اور جزیہ ادا کرنا قبول کرلیں۔

اَجْرًا حَسَنًا یعنی جنت۔ (تفسیر مظہری)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ایک اور موقعہ پر فرماتے ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ مبارک اس پیشین گوئی کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ بچند وجوہ اول یہ کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں تین لڑائیاں ہوئیں۔ جمل، صفین، نہروان، یہ تینوں لڑائیاں کلمہ گویان و اسلام سے تھیں اور یسلمون اس پر صادق نہیں آتا یہ لڑائیاں تو محض مسلمان باغیوں کو شکست دینے کے لئے تھیں دوم یہ کہ تینوں لڑائیاں عربوں ہی سے تھیں۔ سوم یہ کہ کسی روایت میں یہ مضمون نہیں ہے کہ ان بدوؤں کو حضرت علی المرتضیٰؓ نے دعوت جہاد دی ہو۔

واقدی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو ابوبکرؓ خلیفہ بنالئے گئے ان کے عہد میں مسلیمہ بن قیس مارا گیا جس نے دعوائے نبوت کیا تھا اور انہیں نے بنوحنفیہ سے قتال کیا۔ نیز انہیں کے زمانے میں سجاح اور اسود عنسی مارے گئے اور طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور انہیں نے یمامہ کو فتح کیا اور تمام عرب ان کا مطیع ہوگیا اس وقت انہوں نے ارادہ کیا کہ ملک شام پر لشکر کشی کریں اور ان کی توجہ غزوہ روم کی طرف مائل ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور منبر پر کھڑے ہوکر اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا اس کے بعد فرمایا کہ اے لوگو تم کو واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اسلام کے سبب سے فضیلت دی ہے اور تم کو محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی امت میں کیا ہے اور تمہارے ایمان و یقین کو ترقی دی ہے اور کھلم کھلا تمہاری مدد کی ہے اور تمہارے ہی حق میں فرمایا ہے کہ الیوم اکملت لکم یعنی آج میں نے کامل کردیا تمہارے لئے دین تمہارا اور پوری کردی میں نے تم پر نعمت اپنی اور پسند کیا میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین اور یہ بھی واضح رہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور ہمت ملک شام کی طرف تھی مگر اللہ نے ان کو اٹھالیا اور ان کے لئے اپنا قرب پسند کیا (صلی اللہ علیہ وسلم) لہٰذا اب میں ارادہ رکھتا ہوں کہ تمام مسلمانوں کو جمع کرکے شام کی طرف بھیجوں کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے (اشارۃً) مجھے اس کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ زمین کی مشرق ومغرب سب میرے لئے لپیٹ دی گئی ہے اور جس قدر حصہ زمین کا میرے لئے لپیٹا گیا' وہاں تک میری امت کی سلطنت پہنچے گی پس اب تم لوگ (اس بارے میں) کیا کہتے ہو اللہ تم پر رحم کرے۔ ان لوگوں نے کہا کہ یا خلیفہ رسول اللہ (ہمارا بولنا آپ کے سامنے کیا مناسب ہے) آپؓ اپنے حکم سے ہمیں اطلاع دیں اور جہاں چاہیں بھیج دیں کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ کی اطاعت ہم پر فرض کردی ہے چنانچہ فرمایا۔ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ بہت مسرور ہوئے اور خوش ہوئے اس کے بعد منبر سے اتر آئے اور بادشاہان یمن اور سرداران عرب اور اہل مکہ کے نام خطوط لکھے ان تمام خطوط کا مضمون یہ تھا۔

مسلمانوں کے نام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

عبداللہ (ملقب بہ) ابن ابی قحافہ کی طرف سے تمام مسلمانوں کے نام۔ سلام ہو تم پر۔ میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور درود پڑھتا ہوں اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ میں نے ارادہ کیا ہے کہ تم کو ملک شام کی طرف بھیجوں تاکہ تم لوگ اس کو فتح کرو پس جو شخص تم میں سے جہاد کا ارادہ کرے اس کو چاہئے کہ سبقت کرے اطاعت خدا اور اطاعت رسول پر خط کے آخر میں یہ آیت لکھی تھی۔ اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا الخ اس کے بعد یہ خط سب کے پاس بھیج دیئے اور اس کے جواب کا انتظار رہا۔ سب سے پہلے جو شخص یمن بھیجا گیا وہ حضرت انسؓ بن مالکؓ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ واقدی کا کلام ختم ہوا۔

آپؓ کے خط کا اثر: حضرت صدیق اکبرؓ کا اس بلانے میں مثل جارح کے ہونا اور ان کا اس واقعہ میں اس حدیث قدسی کا مظہر ہونا جو اللہ تعالیٰ نے بخطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائی کہ تم ایک لشکر بھیجو تو ہم ویسے پانچ لشکر بھیج دیں گے بالکل کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ (ان کے) اس خط نے لوگوں کے دلوں میں ایسا اثر کیا جو دنیاوی عقل سے بالاتر ہے۔ یہاں تک کہ غزوہ یرموک میں چالیس ہزار آدمی جمع ہوگئے اور ان کے ہاتھ سے عجیب کوشش ظاہر ہوئی اور ایسی فتح حاصل ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے آج تک کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی۔ بمقابلہ کوشش اور اہتمام کے دوگنا اور چوگنا نتیجہ حاصل ہوا حضرت صدیقؓ کا یہی کام حضرت فاروق اعظمؓ کے لئے دستور العمل بن گیا انہوں نے اس طریقہ سے غزوہ قادسیہ میں اعراب کی دعوت دی۔ روضۃ الاحباب میں ذکر غزوۂ قادسیہ میں لکھا ہے کہ جب یہ خبر ملی کہ اہل عجم نے یزدجرد کو بادشاہ بنایا ہے تو انہوں نے اپنے عمال کو اس مضمون کا خط بھیجا کہ ان اطراف میں جس کو تم جانتے ہو کہ اس کے پاس گھوڑا اور ہتھیار ہے اور ہمت و شجاعت بھی رکھتا ہے اور فن حرب سے واقف ہے اس کو فوراً سامان درست کر

کے مدینہ روانہ کرو۔ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کی کمک کے لئے جبکہ انہوں نے وہاں کے بادشاہ سے جنگ چھیڑی اعراب کو بلایا۔ اور یہ واقعہ بھی مشہور ہے تو یہ تمام تفصیلات اسی امر کو ثابت کر رہی ہیں کہ وہ بلانا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ انہی خلفائے ثلثہ کا ہے اور ان میں سے ہر ایک خلیفہ راشد تھے ان کی طرف سے جہاد کی دعوت حکم شرعی تھا اور ان کا حکم عنا قرآنی فیصلہ تھا جس پر اجر کا وعدہ فرمایا گیا اور ان کے حکم کی خلاف ورزی عذاب خداوندی کا سبب تھا۔ (معارف کاندھلوی)

جنگجو قوم سے مراد: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ایک ایسی قوم سے نہ لڑو جن کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی ہوں گی اور ناک بیٹھی ہوئی ہوگی' ان کے منہ مثل تہہ بہ تہہ ڈھالوں کے ہوں گے۔ حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں اس سے مراد ترک ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ تمہیں ایک قوم سے جہاد کرنا پڑے گا جن کی جوتیاں بالوں دار ہوں گی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اس سے مراد کرد لوگ ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

جنگجو قوموں سے مقابلے دورِ خلافت میں ہوئے

ارشاد فرمایا سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ ' یعنی ایک ایسا وقت آنے والا ہے جبکہ تمہیں جہاد کی دعوت دی جائے گی اور یہ جہاد ایک بڑی سخت جنگجو قوم کے ساتھ ہوگا۔ اور تاریخ اسلام شاہد ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش نہیں آیا' کیونکہ اوّلاً تو آپ کا اس کے بعد اعراب کو کسی غزوہ میں دعوت شرکت دینا ثابت نہیں ثانیاً اسکے بعد کسی ایسی قوم سے مقابلہ بھی نہیں' ہوا جسکے بہادر اور سخت ہونیکا قرآن نے ذکر فرمایا ہے کیونکہ غزوہ تبوک میں اگرچہ مقابلہ ایسی قوم سے تھا مگر نہ اس غزوہ میں اعراب کو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ اسمیں قتال کی نوبت آئی کیونکہ مقابل آدمیوں پر اللہ نے رعب ڈالدیا وہ مقابلہ پر نہیں آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بغیر قتال کے واپس آئے اور غزوۂ حنین میں بھی نہ انکو دعوت دینا ثابت ہے اور نہ اُس وقت مقابل کوئی ایسی قوم تھی جو سخت اور ساز و سامان والی ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ
اور اگر پلٹ جاؤ گے جیسے پلٹ گئے تھے
قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا
پہلی بار دیگا تم کو ایک عذاب دردناک ☆

دھمکی ☆ یعنی جیسے پہلے "حدیبیہ" جانے سے پیچھے ہٹ گئے تھے اگر آئندہ ان معرکوں سے پیچھے ہٹے تو اللہ سخت دردناک سزا دے گا شاید آخرت سے پہلے دنیا ہی میں مل جائے۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى
اندھے پر تکلیف نہیں اور نہ لنگڑے پر
الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ
تکلیف اور نہ بیمار پر تکلیف ☆

☆ یعنی جہاد ان معذور لوگوں پر فرض نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ
اور جو کوئی حکم مانے اللہ کا اور اُس کے رسول کا اُس کو
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
داخل کریگا باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں
وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۷﴾
اور جو کوئی پلٹ جائے اُس کو عذاب دیگا دردناک ☆

☆ یعنی تمام امور اور معاملات میں عام ضابطہ یہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ
تحقیق اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ
جب بیعت کرنے لگے تجھ سے اُس درخت کے نیچے ☆

بیعت رضوان ☆ وہ کیکر کا درخت تھا حدیبیہ میں غالباً۔ "لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ" الخ فرمانے کی وجہ سے ہی اس بیعت کو بیعت الرضوان کہتے ہیں شروع سورت میں اسکا مفصل قصہ گزر چکا۔ (تفسیر عثمانی)

صحابہ کی تعریف: اس آیت سے مقصود مؤمنوں کی تعریف اور مدح ہے اور گذشتہ کلام سے ایفاء بیعت پر برانگیختہ کرنا مقصود تھا۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا ہم حدیبیہ کے دن ایک

بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم زمین والوں میں سب سے بہتر ہو۔ مسلم نے حضرت ام بشرؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ جو کوئی اس درخت کے نیچے بیعت کر چکا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

اہل عراق کا جھوٹ اور حضرت عثمانؓ کی فضیلت

عراقی لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان عظمت پر جب جرح وتنقید اور طعن وتشنیع کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے حضرت عثمان پر الزامات اور تہمتوں کی ایک فہرست تیار کی ہوئی تھی اور طے شدہ منصوبہ کے مطابق ہر مجمع میں ایک یہ بات بھی کہتے کہ عثمان وہ ہیں جو بیعت الرضوان میں غیر حاضر رہے تو ایک عراقی نے عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے بھی ان الزامات کو دہراتے ہوئے پوچھا۔ بتاؤ کیا عثمان وہ شخص نہیں ہیں۔ جنہوں نے بیعت الرضوان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت نہیں کی۔ فرمایا میں تجھے اس کی حقیقت بتاتا ہوں اور یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ اس بیعت میں جو لوگ حاضر تھے تو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بیعت کی تھی مگر جب عثمانؓ کی بیعت کی نوبت آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے ہاتھ کو عثمانؓ کے ہاتھ قائم مقام بنایا۔ خدا کی قسم ہم سب کی بیعت سے افضل اور بہتر عثمانؓ کی بیعت تھی۔ صحیح بخاری جلد ۲۔ کتاب التفسیر ۱۲۔ (معارف کاندھلوی)

صحابہ کرام پر طعن وتشنیع اور انکی لغزشوں میں غور و بحث اس آیت کیخلاف ہے

تفسیر مظہری میں فرمایا کہ جن خیار امت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے غفران ومغفرت کا یہ اعلان فرما دیا ہے اگر اُن سے کوئی لغزش یا گناہ ہوا بھی ہے تو یہ آیت اُس کے معافی کا اعلان ہے۔ پھر انکے ایسے معاملات کو جو مستحسن نہیں ہیں غور و فکر اور بحث ومباحثہ کا میدان بنانا بدبختی اور بظاہر اس آیت کی مخالفت ہے۔ یہ آیت روافض کے قول کی واضح تردید ہے جو ابوبکر و عمرؓ اور دوسرے صحابہؓ پر کفر ونفاق کے الزام لگاتے ہیں۔

شجرۂ رضوان: شجرہ جسکا ذکر اس آیت میں آیا ہے ایک ببول کا درخت تھا اور مشہور یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چل کر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ کو خطرہ ہوا کہ کہیں آئندہ آنے والے جہلاء اسی درخت کی پرستش نہ شروع کر دیں جیسے پچھلی اُمتوں میں اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں اس لئے اس درخت کو کٹوا دیا مگر صحیحین میں ہے کہ حضرت طارق بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حج کے لئے گیا تو راستے میں میرا گذر ایسے لوگوں میں ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے میں نے اُن سے پوچھا کہ یہ کونسی مسجد ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان لی تھی میں اسکے بعد حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس حاضر ہوا اور اس واقعہ کی خبر اُن کو دی انہوں نے فرمایا کہ میرے والد ان لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک ہوئے انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ہم جب اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا ہمیں بھول ہو گئی اسکا پتہ نہیں لگا۔ پھر سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جو خود اس بیعت میں شریک تھے اُن کو تو پتہ نہیں لگا تمہیں وہ معلوم ہو گیا عجیب بات ہے کیا تم اُن سے زیادہ واقف ہو (روح المعانی) اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے محض اپنے تخمینہ اور اندازہ سے کسی درخت کو متعین کر لیا اور اس کے نیچے حاضر ہونا اور نمازیں پڑھنا شروع کر دیا۔ فاروق اعظم کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ وہ درخت نہیں پھر خطرہ ابتلاء شرک کا لاحق ہو گیا اس لئے اس کو قطع کر دیا ہو کیا بعید ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ
پھر معلوم کیا جو اُن کے جی میں تھا☆

صحابہ کی دلی کیفیت ☆یعنی ظاہر کا اندیشہ اور دل کا توکل، حسن نیت، صدق واخلاص اور حب اسلام وغیرہ (تنبیہ) عموماً مفسرین نے "ما فی قلوبھم" سے یہی مراد لیا ہے مگر ابو حیان کہتے ہیں کہ صلح اور شرائط صلح کی طرف سے دلوں میں جو رنج وغم اور اضطراب تھا وہ مراد ہے اور آگے "فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ" اس پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ
پھر اُتارا اُن پر اطمینان
وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ
اور انعام دیا اُن کو ایک فتح نزدیک
وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ
اور بہت غنیمتیں جن کو وہ لیں گے ☆

☆یعنی فتح خیبر جو حدیبیہ سے واپسی کے بعد فوراً مل گئی اور مال غنیمت بہت آیا جس سے صحابہ آسودہ ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ۔ یعنی ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کر دیا کہ حضور قلب

کے ساتھ وہ ذکر خدا میں مشغول ہو گئے اور نفسانی پسندیدگی کو چھوڑ کر اللہ کے حکم پر راضی ہو گئے۔

فتح خیبر کتنے عرصہ بعد ہوئی: ابن عائذ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے "واپس" کر دس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے میں قیام فرمایا سلیمان تیمی نے پندرہ روز قیام بتایا ہے ابن عقبہ نے زہری کا قول نقل کیا ہے کہ بیس روز قیام فرمایا۔ ابن اسحاق نے بحوالۂ مسور و مروان بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ ذی الحجہ میں مدینہ میں تشریف فرما ہوئے اور محرم تک قیام پذیر رہے محرم میں خیبر کی طرف روانہ ہو گئے اور فتح خیبر صفر ۷ھ میں ہوئی۔ کذافی المعازی للواقدی۔ حافظ نے کہا یہی روایت راجع ہے۔ حاکم نے بھی واقدی سے یہی نقل کیا ہے۔

خیبر کی غنیمتیں: بخاری نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا خیبر فتح ہو گیا تو ہم نے کہا اب ہم پیٹ بھر کر چھوارے کھائیں گے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا جب تک خیبر کی فتح نہ ہوگی ہم نے پیٹ بھر کر چھوارے نہیں کھائے۔

حافظ محمد بن یوسف صالحی نے کہا خیبر زمین کا ایک قطعہ تھا جس میں قلعے تھے کھیت تھے بکثرت نخلستان تھے حدیبیہ سے تین روز کی مسافت پر شامی حاجیوں کے بائیں ہاتھ کو واقع تھا۔

مَغَانِمَ كَثِيرَةً کی وضاحت کی وجہ: صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان مکہ سے واپس آ گئے اور (بظاہر) فتح حاصل نہیں ہوئی (اس سے کچھ دل شکستگی پیدا ہو گئی اس کو دور کرنے اور) مومنوں کو تسلی دینے کے لئے مغانم کثیرہ حاصل ہونے کی صراحت فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝
اور ہے اللہ زبردست حکمت والا ☆

☆ یعنی اپنے زور و حکمت سے حدیبیہ کی کسر یہاں نکال دی اور اسی طرح کا قصہ فتح مکہ اور حنین میں ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً
وعدہ کیا ہے تم سے اللہ نے بہت غنیمتوں کا
تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ
کہ تم ان کو لو گے سو جلدی پہنچا دی تم کو یہ غنیمت ☆

مستقبل کے نقشے ☆ یعنی آگے چل کر بے شمار غنیمتیں ملنے والی ہیں ان میں کا یہ ایک حصہ غزوہ خیبر میں دلوا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

وحی الٰہی صرف قرآن میں منحصر نہیں، قرآن کے علاوہ بھی بذریعہ وحی احکام آئے ہیں اور احادیث رسول بھی کلام اللہ کے حکم میں ہیں علماء نے فرمایا کہ یہ تخصیص اہل حدیبیہ کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اسکا قرآن میں کہیں صراحۃً ذکر نہیں، بلکہ یہ تخصیص اہل حدیبیہ کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر حدیبیہ میں فرمایا تھا، اسی کو اس جگہ کلام اللہ اور قال اللہ کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اس سے معلوم ہوا کہ علاوہ احکام قرآن کے جو احکام احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں وہ بھی حسب تصریح اس آیت کے کلام اللہ اور قول اللہ میں داخل ہیں۔

جو ملحدین احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت دین نہیں مانتے یہ آیتیں ان کے الحاد کو کھولنے کے لئے کافی ہیں، رہا یہ معاملہ کہ اسی سورت میں جو سفر حدیبیہ کے شروع میں نازل ہوئی ہے یہ الفاظ قرآن میں موجود ہیں وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا' اور باتفاق مفسرین یہاں فتح قریب سے فتح خیبر مراد ہے تو اس طرح قرآن میں فتح خیبر کا اور اُس کے غنائم اہل حدیبیہ کے ملنے کا وعدہ آ گیا وہی اس لفظ کلام اللہ اور قال اللہ کی مراد ہو سکتی ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں غنیمت کا وعدہ تو ہے مگر اسکا کہیں ذکر نہیں کہ یہ غنیمت اہل حدیبیہ کے ساتھ مخصوص ہوگی دوسرے اس میں شریک نہ ہو سکیں گے یہ تخصیص تو بلاشبہ حدیث رسول ہی سے معلوم ہوئی ہے وہی کلام اللہ اور قال اللہ کا مصداق ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ
اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے ☆

غیبی مدد ☆ یعنی عام لڑائی نہ ہونے دی اور حدیبیہ یا خیبر میں کفار کے ہاتھوں سے تم کو کچھ ضرر نہ پہنچنے دیا اور تمہاری غنیمت میں تمہارے اہل و عیال وغیرہ پر کوئی دست درازی نہ کر سکا۔ (تفسیر عثمانی)

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بنی غطفان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہودیوں کے مددگار تھے جب انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے قریب فروکش ہیں تو یہودیوں کی مدد کرنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور روانہ ہو گئے لیکن اثناء راہ میں انہوں نے (اپنی بستی کے اندر) اپنے اہل و عیال میں کچھ آہٹ سی محسوس کی تو خیال کیا کہ مسلمان وہاں جا پہنچے فوراً پچھلے قدم لوٹ پڑے اور بال بچوں کی حفاظت میں لگے رہے اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خیبر تک پہنچنے کا راستہ خالی کر دیا۔

ابن قانع بغوی اور ابو نعیم نے بروایت سعید بن شتیم بیان کیا کہ سعید کے باپ عیینہ بن حصن کے لشکر میں جو غطفان کے سواروں کے ساتھ تھے ایک آواز سنی لوگو! اپنے گھر والوں کی خبر لو ان پر حملہ کر دیا گیا ہے یہ آواز سنتے ہی لوگ ٹوٹ پڑے کسی نے کسی کی طرف نظر لوٹا کر بھی نہیں دیکھا۔ ہمارا خیال ہے کہ وہ آواز آسمان کی طرف سے آئی تھی۔

بعض اہل تفسیر نے کَفَّ اَیْدِیَهُمْ کا یہ مطلب بیان کیا کہ صلح کی وجہ سے اہل مکہ کے ہاتھوں کو روک دیا۔ (تفسیر مظہری)

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور تا کہ ایک نمونہ ہو قدرت کا مسلمانوں کے واسطے ☆

مسلمانوں کے لئے قدرت الٰہی کی نشانی

☆ یعنی مسلمان سمجھیں کہ اللہ کی قدرت کیسی ہے اور ان کا درجہ اس کے ہاں کیا ہے اور یہ کہ اسی طرح آئندہ کے وعدے بھی پورے ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝٢٠

اور چلائے تم کو سیدھی راہ ☆

یعنی اللہ کے وعدوں پر وثوق اور اسکی لامحدود قدرت پر بھروسہ ہوگا تو اور زیادہ طاعت و فرمانبرداری کی ترغیب ہوگی۔ یہی سیدھی راہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غزوۂ خیبر کے واقعہ کی تفصیلات

امام احمد ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سباعؓ بن عرفطہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

یہود مدینہ کی پریشانی: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے (خیبر کو روانہ ہونے کی) تیاری کرلی تو مدینے کے یہودیوں کو یہ تیاری بڑی شاق گذری اور مدینہ کے جس یہودی کا جس مسلمان پر کچھ حق (قرض) تھا وہ یہودی اس مسلمان سے چمٹ گیا (کہ میرا قرض دے کر جانا)۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابوجدرد کا بیان نقل کیا ہے۔ ابوجدردؓ نے فرمایا کہ ابو شحم یہودی کے مجھ پر پانچ درہم تھے وہ مجھ سے چمٹ گیا میں نے کہا مجھے مہلت دے دے امید ہے کہ واپس آ کر میں تیرا قرض ادا کر دوں گا کیوں کہ اللہ نے اپنے نبی سے خیبر کے مال غنیمت کا وعدہ فرمالیا ہے کہنے لگا کیا تیرا یہ گمان ہے کہ خیبر کی لڑائی بھی ایسی ہی ہوگی جیسی تم کو دیہاتیوں بدویوں کی طرف سے پیش آتی ہے (اور تم اس کے عادی ہو) توریت کی قسم خیبر میں دس ہزار جنگ جو بہادر رہتے ہیں غرض دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا معاملہ پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا حق ادا کر دو چنانچہ میں نے ایک کپڑا اپنا تین درہم کو فروخت کر دیا۔ الحدیث۔

مقامِ اصہباء میں قیام: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے قریب مقام اصہباء میں پہنچے تو ہم (سب) سے کھانے کی چیزیں (جتنی جس کسی کے پاس تھیں) طلب فرمائیں لیکن حضور کی خدمت میں صرف ستو پیش کئے گئے (کسی کے پاس اور کچھ تھا ہی نہیں) آپ نے ستوں کو پانی سے تر کیا خود بھی کھائے اور ہم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ستو کھائے پھر آپ نے نماز پڑھی (جدید) وضو نہیں کیا۔ رواہ البخاری والبیہقی۔ محمد بن عمرو کا بیان ہے پھر حضور یہاں سے چل کر اس پڑاؤ پر پہنچے جہاں خیبر کا بازار تھا یہ جگہ (فتح کے بعد) حضرت زید بن ثابتؓ کے حصہ میں آئی تھی پچھلی رات کو اس جگہ پہنچ کر فروکش ہوئے اور (پچھلی) شب کے کچھ حصہ میں یہاں ٹھہرے رہے۔

یہودیوں کی خام خیالی: یہودیوں کا پہلے یہ خیال نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جنگ کریں گے کیوں کہ یہودیوں میں قوت تھی اسلحہ بھی تھے اور تعداد بھی (بہت) تھی جب ان کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے ہیں تو روزانہ دس ہزار جنگجو بہادر (خیبر سے) نکل کر قطار در قطار ہو کر باہر آتے تھے اور جب مسلمانوں کے نہ پاتے تو واپس ہو کر کہتے تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بدل گیا وہ کہاں آئیں گے ان کا آنا بہت دور کی بات ہے روزانہ ان کا یہی معمول تھا۔

جس رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے میدان میں اترے اس رات کو انہوں نے کوئی حرکت ہی نہیں کی (سب غافل بے غم پڑے سوتے رہے) مرغ نے بھی بانگ نہیں دی یہاں تک کہ صبح ہوگئی تو ان کے دل خوف سے دھڑکنے لگے اور قلعوں کے دروازے کھول کر وہ باہر آ گئے۔

حملہ: صحیحین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کو روانہ ہو کر رات کو پہنچے اور آپ کا دستور تھا کہ اگر کسی قوم پر (حملہ کرنے کے لئے) رات کو پہنچتے تھے تو دھوکہ سے اچانک حملہ نہیں کرتے تھے جب صبح ہو جاتی اور بستی سے اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ نہیں کرتے تھے اور اذان کی آواز نہ آتی تو حملہ کرتے تھے۔ ہم نے فجر کی نماز تڑکے سے پڑھ لی اذان کی آواز سنائی نہ دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو گئے مسلمان بھی سوار ہو گئے بستی والے اپنے ٹوکرے اور کسیاں لے کر کھیتوں پر جانے کے لئے باہر نکلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پشت پھیر کر بھاگ پڑے اور بولے محمد آ گئے اور پورا لشکر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا اللہ اکبر خیبر تباہ ہو گیا ہم جب (کسی قوم کے) میدان میں اترتے ہیں (اور ان کو

تباہی سے ڈراتے ہیں لیکن وہ نہیں مانتے) تو جن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے ان کی صبح بری ہوتی ہے (یعنی وہ غارت کردیئے جاتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آغاز جہاد نطاۃ کے باشندوں سے کیا۔ مسلمانوں کی صف بندی کی اوران کو نصیحت کردی کہ میری اجازت سے پہلے لڑائی شروع نہ کرنا۔

نافرمان کے لئے جنت نہیں ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لئے بغیر بنی اشجع کے ایک آدمی نے ایک یہودی پر حملہ کردیا اس یہودی نے حملہ کیا اور مسلمان کو قتل کردیا لوگوں نے کہا فلاں شخص شہید ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگ کی میں نے ممانعت کردی تھی اس کے بعد اس شخص نے یہودی پر حملہ کردیا مسلمانوں نے کہا، جی ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ ندا کردے کسی نافرمان کے لئے جنت حلال نہیں۔

عافیت کی دعا مانگو: طبرانی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا' دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا کرو کیوں کہ تم کو معلوم نہیں کہ (جنگ میں) تم کو کیا صورت پیش آئے گی ہاں جب مڈبھیڑ ہو ہی جائے گی تو دعا کروائے اللہ ہمارے اور ان کے مالک ہماری اوران کی پیشانیاں تیرے قبضہ میں ہیں تو ہی ان کو قتل کرے گا پھر زمین سے چمٹ کر بیٹھ جاؤ اور جب وہ تم پر حملہ کر دیں تو اٹھ کھڑے ہو اور اللہ اکبر کہو۔ الحدیث۔

سب سے پہلا محاصرہ: ابن اسحاق اور محمد بن عمرو بن سعید کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈے تقسیم کردیئے (ہر دستہ کا ایک جھنڈا مقرر کردیا) اور لوگوں کو لڑنے کی اجازت دے دی اور جمے رہنے کی ترغیب دی۔ سب سے اول جس قلعہ کا محاصرہ کیا وہ ناعم علاقہ نطاۃ کا قلعہ تھا یہاں سخت جنگ ہوئی اہل نطاۃ نے شدید ترین جنگ کی شام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجیع کو لوٹ آئے اسی طرح صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھنڈے لے کر نکلتے تھے (اور شام کو واپس آجاتے تھے) آخر اللہ نے وہ قلعہ فتح کرادیا۔

بخار اور اس کا علاج: بیہقی ابونعیم اور محمد بن عمر کی روایت ہے کہ جب مسلمان خیبر میں پہنچے تو ان ایام میں کھجوریں کچی تھیں مسلمانوں کو ان کے کھانے سے بخار آگیا لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو فرمایا پانی مشکیزوں میں بھرلو اور صبح کو دونوں اذانوں کے درمیان بسم اللہ کرکے پانی (اپنے اوپر) بہاؤ مسلمانوں نے حکم کی تعمیل کی فوراً (ایسے) چست ہوگئے جیسے ایک بندش تھی اور وہ کھل گئی (گویا اونٹ کا زانو بند کھل گیا اور وہ چستی کے ساتھ کھڑا ہوگیا)۔

دوسرا محاصرہ: ناعم کی فتح کے بعد مسلمانوں نے صعب بن معاذ کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ محمد بن عمر نے ابوالیسر کعب بن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہ قلعہ بڑا مضبوط قلعہ تھا مسلمانوں نے تین روز تک اس کا محاصرہ کیا۔

غذائی سامان کی قلت اور دعا کی قبولیت

ابن اسحٰق نے قبیلۂ اسلم کے ایک آدمی کے حوالہ سے اور محمد بن عمر نے معتب اسلمی کے بیان سے نقل کیا ہے اسلمی شخص نے کہا ہمارے قبیلۂ اسلم والوں کو سخت بھوک نے ستایا تھا یہاں تک کہ ہم خیبر میں پہنچے اور دس روز تک حصن نطاۃ (کے محاصرہ) پر جمے رہے لیکن کوئی ایسا مقام جہاں کھانے کی کوئی چیز ہوتی فتح نہیں ہوا لوگوں نے اسماء بن حارثہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اسماء نے جاکر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ والوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور عرض کیا ہے کہ ہم سخت بھوک کی تکلیف میں مبتلا ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قبضہ میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ میں ان کو کھانے کے لئے دے سکوں پھر فرمایا اے اللہ سب سے بڑا قلعہ جس میں سب سے زیادہ چربی ہو فتح کرادے یہ دعا کرنے کے بعد جھنڈا حباب بن منذر کو عطا فرمایا اور لوگوں کو حباب کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کی دعوت دی راوی کا بیان ہے کہ ہم (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے) لوٹے بھی نہ تھے کہ اللہ نے صعب بن معاذ کے قلعہ کی فتح عنایت کردی خیبر میں اس سے بڑھ کر (غذائی رسد یعنی) غلہ اور چربی والا کوئی قلعہ نہیں تھا۔

دوبدو مقابلہ: حباب کا مقابلہ کرنے کے لئے یوشع یہودی باہر نکلا تھا حباب نے اس کو قتل کردیا پھر زیال نکل کر آیا اس کو عمارہ بن عقبہ غفاری نے جالیا اس پر لوگوں نے کہا اس کا جہاد بیکار گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر کوئی گناہ عائد نہیں ہوتا (کہ اس نے حباب کے حریف کو حباب سے پہلے ہی قتل کردیا) بلکہ اس کو اجر ملے گا اور اس کا فعل قابل ستائش ہے۔

صعب قلعہ سے غذائی اشیاء کا ملنا: محمد بن عمر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ صعب کے قلعہ کے اندر مسلمانوں کو اتنی کثرت سے کھانے کی چیزیں ملیں جن کا ان کو گمان بھی نہیں تھا جو' چھوارے' گھی' شہد' زیتون کا تیل اور چربی (ہر چیز بافراط ہاتھ آئی) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی کھاؤ اور لے لو لیکن اپنے ساتھ لادنا مت یعنی یہاں سے اُٹھا کر اپنی بستیوں میں نہ لے جانا۔

تیسرا محاصرہ اور یہودی کا فتح کے لئے راستہ بتانا

بیہقی نے محمد بن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ یہودی حصن ناعم اور حصن صعب سے منتقل ہو کر قلعہ زبیر کو چلے گئے (پہاڑ کی وہ چوٹی جو حضرت زبیرؓ کے حصہ میں آئی تھی قلعہ زبیر سے وہی چوٹی مراد ہے) اس چوٹی پر ایک قلعہ تھا مسلمانوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور تین روز محاصرہ قائم رکھا۔ ایک یہودی

جس کا نام غزال تھا (پوشیدہ طور پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ابوالقاسم میں آپ کو ایک تدبیر بتاتا ہوں جس سے اہل حصن کے جھگڑے سے آپ کو فراغت مل جائے گی بشرطیکہ مجھے مع اہل وعیال یہیں سے امن کے ساتھ شق کو چلے جانے کی آپ اجازت دے دیں کیونکہ شق میں رہنے والے آپ کے رعب سے مرے جا رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مع اہل وعیال امن دینے کا وعدہ فرمالیا یہودی نے کہا اگر آپ ایک مہینہ تک یہاں پڑے رہیں گے تب بھی اہل حصن کو کچھ پرواہ نہ ہوگی کیونکہ زمین کے اندر ان کے پاس پانی جمع ہے رات کو نکل کر وہاں جا کر وہ اپنے لئے پانی لے آتے ہیں اگر آپ پانی تک پہنچنے کا ان کا راستہ کاٹ دیں تو وہ (بیتاب ہوکر) باہر نکل پڑیں گے (حسب مشورہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کران کے پانی کا سلسلہ منقطع کردیا پانی کا سلسلہ کٹ گیا تو وہ لوگ فوراً باہر نکل آئے اور سخت ترین مقابلہ کیا اس روز کی لڑائی میں چند مسلمان شہید ہو گئے دس یہودی مارے گئے اور قلعہ فتح ہوگیا۔ نطاۃ کا یہ آخری قلعہ تھا۔

سموان چھاؤنی پر حملہ: نطاۃ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شق کی طرف متوجہ ہوئے شق میں قلعے اور ایک چھاؤنی تھی جس کو سموان کہا جاتا تھا سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کا رخ کیا چھاؤنی والوں نے سخت ترین مقابلہ کیا۔ ایک یہودی جس کو غزول کہا جاتا تھا مقابلہ کے لئے باہر آیا حباب بن منذر نے اس کو قتل کردیا ایک اور یہودی نکل کر آیا اس کو ابودجانہ نے قتل کردیا اور اس کی زرہ اور تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ زرہ اور تلوار ابو دجانہ کو ہی عنایت فرمادی۔ اس کے بعد یہودی میدان میں نکل کر مقابلہ کرنے سے رک گئے۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور چھاؤنی پر حملہ کردیا اور اندر گھس گئے۔ حضرت ابودجانہ آگے آگے تھے۔ وہاں مسلمانوں کو بڑا مال اسباب بکریاں بھیڑیں اور غلہ ملا وہاں جو جنگ جو لوگ تھے سب بھاگ کر بزال (قلعہ کا نام) میں چھپ گئے۔ نطاۃ میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ بھی بزال میں آگئے اور انتہائی مضبوطی کے ساتھ قلعہ بند ہوگئے۔

قلعہ بزال پر حملہ اور معجزۂ نبوی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتھیوں کو لے کر (بزال کی طرف) حرکت کی اور سخت ترین جنگ کی اہل شق نے مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بارش کردی کچھ تیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی آئے جو آپ کے کپڑوں میں الجھ کر رہ گئے آپ نے ان کو جمع کرلیا پھر ایک مٹھی کنکریاں لے کر قلعہ پر پھینک ماریں جس سے قلعہ میں لرزہ پیدا ہوگیا اور دیواریں زمین پر آ لگیں مسلمان اندر داخل ہو گئے اور قلعہ والوں کو گرفتار کرلیا نطاۃ اور شق کے قلعے فتح ہوگئے تو جو لوگ باقی رہ گئے تھے وہ کتیبہ کی چھاؤنیوں کی طرف بھاگ گئے۔

قموص پر حملہ: کتیبہ کی چھاؤنیوں میں سب سے بڑی چھاؤنی قموص تھی یہ بڑی مضبوط اور محفوظ تھی ابن ابی عقبہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا محاصرہ بیس روز جاری رکھا یہ سرزمین صحت کے لئے مضر تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف:

شیخین نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے اور بخاری وابونعیم نے حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت سے اور ابونعیم نے حضرت عمرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حضرت عمرانؓ بن حصین اور حضرت جابرؓ بن عبد اللہ کی روایت سے اور مسلم وبیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور امام احمد وابو یعلی وبیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور نعیم وبیہقی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (درد) شقیقہ (آدھے سر کا درد) اٹھا کرتا تھا جس کی وجہ سے ایک دو روز آپ باہر تشریف نہیں لاتے تھے جب خیبر میں فروکش ہوئے تو (حسب عادت) درد شقیقہ شروع ہوگیا۔

لڑائی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو بلوا کر اپنا جھنڈا ان کے سپرد کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جھنڈا لے کر سخت ترین جنگ کی پھر دوبارہ چڑھائی کی اور پہلی جنگ سے زیادہ شدید حملہ کیا لیکن کامیابی کے بغیر واپس آگئے فتح نہ ہوسکی حضرت علیؓ کی روایت میں آیا ہے کہ (شروع) دو دن کی لڑائی میں یہودیوں کا پلڑہ بھاری رہا۔

فاتح کے ہاتھ میں جھنڈا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی گئی تو فرمایا کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح عنایت فرمائے گا وہ میدان سے بھاگنے والا نہ ہوگا اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہوگا اور زبردستی فتح حاصل کرے گا۔ حضرت بریدہ کا بیان ہے کہ فرمان نبوی کے بعد ہمارے دلوں کو یقین ہوگیا کہ کل فتح حاصل ہو جائے گی لیکن لوگوں کو رات بھر یہی سوچ رہا کہ کل جھنڈا کس کو دیا جائے گا صبح ہوئی تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہر ایک کی خواہش تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو جھنڈا عطا فرمائیں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روز کے علاوہ مجھے کبھی خواہش نہ ہوئی کہ مجھے امیر بنایا جائے صبح کو فجر کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا طلب فرمایا اور سیدھے کھڑے ہوکر (حسب روایت زہری) لوگوں کو نصیحت فرمائی پھر فرمایا علیؓ کہاں ہیں لوگوں نے کہا ان کی آنکھیں آگئی ہیں لوگوں کو بلانے کے لئے بھیجا گیا حضرت سلمہؓ کا بیان ہے میں حضرت علیؓ کا ہاتھ پکڑ کر لے آیا۔

معجزہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو کیا ہوگیا حضرت علیؓ نے جواب

دیا میری آنکھیں دکھنے لگی ہیں اتنی کہ سامنے کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتا حاکم کی روایت میں حضرت علیؓ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سر اپنی گود میں لیا پھر اپنا لعاب دہن دست مبارک میں لے کر میری آنکھوں میں مل دیا صحابہؓ کا بیان ہے ملتے ہی آنکھیں ایسی ہو گئیں گویا کبھی یہ دکھی ہی نہ تھیں اس کے بعد وقت وفات تک حضرت علیؓ کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں۔

حضرت علیؓ کو نصیحتیں: اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا ان کو عنایت فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ان یہودیوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں گا جب تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ ہو جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آہستہ چال سے چل کر جاؤ جب ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ تو ان کو اسلام کی دعوت دو اور ان کو بتاؤ کہ اللہ کا حق ان پر کیا ہے اور اللہ کے رسول کا حق کیا ہے اگر تمہارے ذریعہ سے اللہ ایک کو بھی ہدایت کر دے تو خدا کی قسم سرخ اونٹوں سے بھی تمہارے لئے زیادہ بہتر (مفید) ہوگا حضرت علیؓ جھنڈا لے کر نکل کر چلے اور قلعہ کے نیچے پہنچ کر جھنڈا زمین میں گاڑ دیا ایک یہودی نے قلعہ کے اوپر سر باہر نکال کر دیکھا اور پوچھا تو کون ہے حضرت علیؓ نے فرمایا میں علیؓ ہوں یہودی یہ سنتے ہی بول اٹھا قسم ہے اس کی جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل کی تم غالب آ گئے آخر حضرت علیؓ فتح کر کے ہی لوٹے۔

دو بدو مقابلہ' حضرت علیؓ کی شجاعت: محمد بن عمرو نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ خیبر کے قلعہ سے جو سب سے پہلے باہر نکل کر آیا حضرت علیؓ سے مقابلہ کرنے وہ مرحب کا بھائی حارث تھا حضرت علیؓ نے اس کو قتل کر دیا اس کے ساتھی قلعہ کے اندر لوٹ کر چلے گئے پھر عامر قلعہ سے برآمد ہوا یہ بڑا دراز قامت جسیم آدمی تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عامر باہر نکلا ہے تم دیکھ رہے ہو یہ پانچ ہاتھ کا آدمی ہے اور دعوت مقابلہ دے رہا ہے حضرت علیؓ اس کے مقابلہ پر گئے اور اس کو قتل کر دیا اس کے بعد یاسر نکل کر آیا حضرت علی اس کے مقابلہ کے لئے بھی جانے لگے تو حضرت زبیرؓ بن عوام نے کہا میں آپ کو قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھے اس سے تنہا نبٹ لینے دیجئے حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کی بات مان لی جب حضرت زبیرؓ مقابلہ کے لئے برآمد ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے کہا اے اللہ کے رسول میرا بیٹا مارا جائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارا بیٹا ان شاء اللہ اس کو قتل کر دے گا چنانچہ حضرت زبیرؓ نے یاسر کو قتل کر دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت زبیرؓ سے فرمایا) تجھ پر میرا چچا قربان۔ ہر نبی کا حواری (مخلص قلبی دوست) ہوتا ہے میرا حواری زبیر ہے۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع راوی ہیں کہ مرحب رجز (رزمیہ اشعار) پڑھتا ہوا باہر آیا حضرت علیؓ نے اس کو بھی قتل کر دیا۔ امام احمد نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب میں نے مرحب کو قتل کر دیا تو اس کا سر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا بیہقی اور محمد بن عمرو نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت محمد بن مسلمہ نے مرحب کو قتل کیا تھا لیکن صحیح روایت مسلم کی ہے کہ حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کیا تھا ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت ابو رافع نے بیان کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (جھنڈا دے کر) حضرت علیؓ کو بھیجا تو میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھا آپ قلعہ کے قریب پہنچے تو اہل قلعہ باہر نکل آئے حضرت علیؓ ان سے لڑنے لگے ایک یہودی نے حضرت علیؓ کی تلوار پر ضرب لگائی جس سے ڈھال آپ کے ہاتھ سے گر گئی ایک کواڑ قلعہ کے پاس پڑا ہوا تھا آپ نے فوراً اس کو اٹھا لیا اور اس کو ڈھال بنا لیا اور برابر لڑتے رہے آخر اللہ نے فتح عنایت فرما دی لڑائی سے فارغ ہو کر وہ کواڑ اپنے ہاتھ سے پھینک دیا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا ہم سب نے کوشش کر کے اس کواڑ کو پلٹنا چاہا لیکن پلٹ نہ سکے۔

بیہقی نے دو طریقوں سے حضرت محمد بن علی (محمد حنیفہ) کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ نے خیبر کے دن وہ دروازہ اٹھا کر (قلعہ سے) لگا دیا کہ مسلمان اس پر چڑھ کر قلعہ پر پہنچ گئے اور قلعہ کھول دیا ہم نے بطور آزمائش اس کو اٹھانا چاہا مگر چالیس آدمی اس کو اٹھا نہ سکے۔ اس روایت کے سب راوی ثقہ ہیں صرف لیث بن سلیم غیر معتبر ہے۔

حضرت جابرؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ستر آدمیوں نے جمع ہو کر کوشش کی کہ اس دروازے کو اس کی جگہ پر لوٹا دیں۔ صالحی نے کہا کہ حاکم نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔

قیدی عورتیں اور حضرت صفیہؓ:

قموص میں ابو الحقیق کے قلعہ کے اندر سے کچھ عورتیں گرفتار ہو کر آئیں جن میں سے حیی بن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہؓ بھی تھیں۔ حضرت بلالؓ ان کو اور ان کے ساتھ ایک اور عورت کو اس راستہ سے لے کر آئے جہاں یہودیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ حضرت صفیہؓ کے ساتھ والی عورت ان کو دیکھ کر چیخ پڑی اور منہ پیٹ لیا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھ کر فرمایا' اس شیطانہ کو الگ لے جاؤ پھر حضرت صفیہؓ کو اپنے پیچھے آنے کا حکم دیا اور اپنی چادر ان پر ڈال دی چادر ڈالنے سے مسلمان سمجھ گئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو اپنے لئے منتخب فرما لیا۔ حضرت صفیہؓ کے ساتھ والی یہودن کی بے قراری دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کیا تمہارے (دل کے) اندر سے رحم بالکل نکال لیا گیا (یعنی کیا تمہارے دل میں رحم بالکل نہیں رہا) کہ تم ان دونوں عورتوں کو ادھر سے لے کر آئے جہاں ان کے مرد مقتول پڑے ہیں۔

حضرت صفیہؓ کا خواب: حضرت صفیہؓ کی شادی جب کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق سے ہوئی اسی زمانہ میں آپ نے خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گودی میں آ رہا ہے۔ یہ خواب آپ نے اپنے شوہر سے بیان کیا تو شوہر نے کہا تو شاہ حجاز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش مند ہے۔ یہ کہہ کر ایک طمانچہ اس نے آپ کے منہ پر ایسا مارا کہ آنکھ پر نیل پڑ گیا جب حضرت صفیہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں تو طمانچہ کا نشان آپ کی آنکھ پر تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب دریافت کیا تو آپ نے واقعہ بیان کر دیا۔

شادی: ایک روایت میں آیا ہے کہ دحیہ (کلبی) نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان قیدیوں میں سے ایک باندی مجھے عنایت فرما دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا جاؤ کوئی لونڈی لے لو۔ حضرت دحیہ نے حضرت صفیہ بنت حیی کا انتخاب کیا۔ یہ دیکھ کر ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے حیی کی بیٹی صفیہ جو (سارے) بنی قریظہ اور بنی نضیر کی سردار ہے دحیہ کو عطا فرما دی وہ تو صرف آپ کے لئے زیبا تھی رسول نے حکم دیا دحیہ کو مع صفیہ کے بلاؤ دحیہ مع صفیہ کے آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفیہ کو دیکھ کر حضرت دحیہ سے فرمایا اس کی بجائے قیدیوں میں کوئی اور لونڈی لے لو اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے خود ان سے نکاح کر لیا واپسی میں راستہ میں ہی تھے کہ ام سلمہؓ نے حضرت صفیہ کو سروسامان سے تیار کر کے رات ہی کو خدمت گرامی میں بھیج دیا۔

دعوت ولیمہ اور مہر: صبح ہوئی تو فرمایا جس کے پاس جو (کھانے کی) چیز ہو وہ لے آئے یہ حکم دیکھ کر چمڑے کا دسترخوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچھوا دیا چنانچہ کوئی چھوارے لایا کوئی گھی لایا کوئی ستو لایا اور سب کو ملا کر لوگوں نے حلوا بنا لیا' یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے طعام ولیمہ تھا۔ ثابت نے ابوحمزہ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو مہر کیا دیا ابوحمزہ نے کہا ان کو آزاد کر دیا اور نکاح کر لیا۔ (آزادی ہی مہر قرار پائی)۔

بعض چیزوں کی ممانعت: صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے فرمایا خیبر کے (قیام کے) زمانہ میں ہم سخت بھوک میں مبتلا ہو گئے (کھانے کی بڑی قلت تھی) خیبر کی جنگ کے دن کچھ پالتو گدھے ہمارے ہاتھ لگ گئے ہم نے انہیں کو ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں ہانڈیوں میں ابال آیا ہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی "ہانڈیاں الٹ دو گدھوں کا گوشت بالکل نہ کھاؤ"۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ تقسیم سے پہلے مال غنیمت کو فروخت کرنے کی ایک وضع حمل سے پہلے حاملہ (لونڈی) سے صحبت کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی اور فرمایا یہ دوسرے کی کھیتی کو تم اپنے پانی سے سیراب کرو گے اور پالتو گدھے کے گوشت اور ہر نوک دار دانت (یعنی کیلوں) والے جانور کا گوشت سے بھی منع فرما دیا ہے رواہ الدار قطنی محمد بن عمرو کا بیان ہے بیس یا تیس گدھے ذبح کئے تھے۔

آخری دو قلعے صلح غنیمت: ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال پر مال لیتے اور قلعہ پر قلعہ فتح کرتے جا رہے تھے یہاں تک کہ قلعہ وطیح اور سلالم رہ گئے یہ دونوں آخری قلعے تھے جو فتح نہیں ہوئے تھے یہودی باہر نہیں آتے تھے قلعہ بند ہو گئے تھے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق نصب کرانے کا ارادہ کر لیا (تاکہ سنگ باری کر کے دیوار توڑ دی جائے) جب یہودیوں کو ہلاکت کا یقین ہو گیا ۱۴ روز کا محاصرہ ہو گیا تھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی کنانہ بن ابی الحقیق نے ایک یہودی کو جس کا نام شماخ تھا پیام صلح دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شرطوں پر مصالحت تسلیم کر لی۔ جتنے لوگ قلعہ بند ہیں ان کی اور ان کے اہل و عیال کی جانیں محفوظ رہیں گی وہ خیبر کی سرزمین سے نکل جائیں مال و متاع سونا چاندی گھوڑے زمین کھجوریں اسلحہ وغیرہ سب چھوڑ جائیں اور جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں بس وہی پہنے ہوئے چلے جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کچھ چھپاؤ گے تو اللہ کی اور میری ذمہ داری ختم ہو جائے گی ان شرائط پر یہودیوں نے صلح کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب وار ہر چیز پر قبضہ کر لیا ان دونوں قلعوں میں سو زرہیں چار سو تلواریں اور پانچ سو عربی کمانیں مع تیر دانوں کے دستیاب ہوئیں اور کتیبہ میں پانچ سو کمانیں تیر دانوں سمیت پہلے مل چکی تھیں۔

کنانہ اور ربیع کا معاملہ: ابن سعد اور بیہقی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے نیز ابن سعد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے مصالحت کی یہی تفصیل بیان کی ہے جو ہم نے ذکر کر دی کہ یہودیوں نے وعدہ کیا تھا کہ کوئی چیز چھپائیں گے نہیں اگر چھپائیں گے تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری ختم۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت صفیہ کے سابق شوہر کنانہ بن ابی الحقیق کو اور اس کے بھائی ربیع کو اور اس کے چچا کے بیٹے کو بلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا حیی کا چمڑے کا (سونے سے بھرا ہوا) تھیلا کیا ہوا جو بنی نضیر سے لے کر آئے تھے دونوں بھائیوں نے کہا (امدادی) مصارف اور لڑائیوں نے ان کو ختم کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمانہ تو تھوڑا ہی گذرا ہے اور مال بہت تھا (اتنی قلیل مدت میں سب سونا کیسے خرچ ہو گیا) تم دونوں نے یقیناً اس کو چھپا رکھا ہے اگر تم مجھ سے کچھ بھی چھپائے رکھو گے

اور پھر مجھے اس کی اطلاع مل جائے گی تو تم دونوں کا قتل اور تمہارے بیوی بچوں کو باندی غلام بنانا میرے لئے جائز ہو جائے گا کنانہ نے کہا ہاں۔ بیہقی نے عروہ اور محمد بن عمرو کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو اس خزانہ کا مقام بتا دیا اور حضور نے کنانہ سے فرمایا بحکم آسمانی تو جھوٹا ہے پھر ایک انصاری کو طلب فرما کر حکم دیا فلاں میدان میں جاؤ ایک درخت خرما دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ملے گا (دونوں کے بیچ میں زمین کے اندر ایک خزانہ ملے گا) جو کچھ وہاں ملے میرے پاس لے آؤ انصاری جا کر ایک برتن اور کچھ مال لے آئے جس کی قیمت دس ہزار دینار جانچی گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی گردنیں مارنے اور دونوں کے بیوی بچوں کو باندی غلام بنانے کا حکم دے دیا کیوں کہ ان دونوں نے عہد شکنی کی تھی۔

خیبر کی زمینیں: بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت ابن عمر اور موسیٰ بن عقبہ اور عروہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خیبر فتح کر لیا تو یہودیوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو یہیں رہنے دیجئے ہم یہیں رہیں گے اور اس زمین کی خدمت انجام دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے پاس کاشت کاری سے واقف غلام نہ تھے اور خود اتنی فراغت نہ تھی کہ زمین کی (کھیتی باڑی) کا کام انجام دے سکتے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر ان کی درخواست منظور فرمالی کہ اناج اور کھجوروں کی پیداوار میں سے ان کو نصف دیا جائے گا اور باقی حصہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوگا۔

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا ہم جب تک چاہیں گے تم کو (اس طور پر) برقرار رکھیں گے۔ دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے جب اللہ تم کو برقرار رکھے گا ہم بھی برقرار رکھیں گے۔

پیداوار کی منصفانہ تقسیم: رسول حضرت عبداللہ بن رواحہ جا کر وہاں کی پیداوار نکلوا کر ایک جگہ جمع کر کے نصف نصف تقسیم کر دیتے تھے یہودیوں نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شکایت رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی اور حضرت عبداللہ کو رشوت دینی چاہی حضرت عبداللہؓ نے فرمایا اے دشمنان خدا کیا تم مجھے حرام کھلانا چاہتے ہو میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کے طرف سے آیا ہوں جو مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے اور تم میری نظر میں بندروں اور سوروں سے بھی زیادہ قابل نفرت ہو لیکن تم سے یہ نفرت اور ان سے یہ محبت مجھے تمہارے ساتھ ناانصافی کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتی یہودیوں نے کہا اسی عدل پر تو آسمان و زمین قائم ہیں غرض یہودی اپنی زمینوں پر بدستور قائم رہے۔

یہودیوں کی غداری اور خیبر سے جلاوطنی

جب حضرت عمرؓ کا دور خلافت آیا تو یہودیوں نے مسلمانوں سے غداری کی اور جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو مکان کے اوپر سے نیچے پھینک دیا پھر دونوں ہاتھوں (کے پہونچوں) کو مروڑ دیا گو یا اکھاڑ دیا بعض روایت میں آیا ہے رات کو جب حضرت عبداللہ سو رہے تھے تو یہودیوں نے آپ پر جادو کیا صبح کو اٹھے تو ایسا معلوم ہوا کہ پہونچے انگوٹھوں کی طرف مڑ گئے ہیں گو یا بندھے ہوئے ہیں جب آپ کے ساتھی آئے تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں کو ٹھیک کیا یہ حالات دیکھ کر حضرت عمرؓ نے برسر عام ایک تقریر کی اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے سلسلہ میں یہودیوں سے مالی پیداوار کا ایک معاملہ کیا تھا اور فرمایا تھا جب تک اللہ تم کو برقرار رکھے گا ہم بھی برقرار رکھیں گے عبداللہ بن عمرؓ اپنے مال کے سلسلہ میں وہاں گئے تھے ان پر رات کو حملہ کیا گیا اور ان کے ہاتھوں کو موڑ دیا گیا یا اکھاڑ دیا گیا وہاں سوائے یہودیوں کے اور کوئی ہمارا دشمن نہیں ہے (اس جرم میں) انہیں لوگوں کی اہمیت ہماری نظر میں ہے اس لئے میں ان کو جلاوطن کرنا چاہتا ہوں جس جس کا حصہ خیبر میں ہو وہ آجائے اور (زمین خیبر کو) تقسیم کرالے جب حضرت عمرؓ نے یہودیوں کو جلاوطن کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تو قبیلہ بنی الحقیق کا ایک سردار آیا اور اس نے کہا آپ ہم کو جلاوطن نہ کیجئے ہم کو یہیں رہنے دیجئے جیسے ابوالقاسم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ابوبکرؓ نے ہم کو رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کیا تو بھول گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھ سے فرمایا تھا تیرا اس وقت کیا حال ہوگا جب تیز رفتار اونٹنی شب شب تجھے لئے اڑ رہی ہوگی کہنے لگا یہ تو ابوالقاسم کا ایک مذاق تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا تو جھوٹا ہے غرض آپ نے یہودیوں کو خیبر سے نکال دیا۔

یہودیہ عورت کی چالبازی: شیخین نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابن سعد و ابونعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت اور بعض دوسرے علماء نے حضرت جابرؓ حضرت ابوسعیدؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے نیز زہری نے بیان کیا کہ مرحب کی بھتیجی سلام بن مسکم کی بیوی زینب نے لوگوں سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کے کس عضو کا گوشت پسند ہے لوگوں نے کہا دست کا زینب نے پوری بکری کا گوشت زہر آلود کر کے بھون کر حضرت صفیہؓ کے پاس بطور ہدیہ بھیجی اور دست میں زیادہ زہر ملا دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لائے حضرت بشر بن براء بن معرور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے حضرت صفیہؓ نے بھونی ہوئی (پکی) بکری خدمت میں پیش کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا دست لے کر کچھ گوشت اس میں سے نوچا (اور منہ میں رکھ کر) گھمایا اور بشر نے ہڈی لے کر اس میں سے گوشت نوچ کر منہ میں لیا ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بشر نے تو اس کو نگل لیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیا۔ زہری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے ایک ٹکڑا لیا اور حضرت بشر نے بھی ایک لقمہ لیا حضور نے فرمایا ہاتھ کھینچ لو یہ بکری مجھے اطلاع دے رہی

ے کہ وہ رہ آ ... ے حضرت بشر نے کہا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو عزت بخشی ہے میں نے بھی اپنے نوالہ میں یہ بات محسوس کی تھی لیکن آپ کے سامنے میں نے صرف اس وجہ سے پھینکنا پسند نہیں کیا جب آپ نے اپنے منہ کے اندر نوالہ ڈال لیا اور محسوس نہیں کیا تو میں آپ کی جان سے اپنی جان کو عزیز رکھتا ایسا نہیں ہو سکتا تھا مجھے یہی خیال تھا کہ نوالہ میں خرابی ہونے کے باوجود آپ نے نگل لیا ہو یہ ہو نہیں سکتا حضرت بشر اپنی جگہ سے اٹھنے بھی نہ پائے کہ طیلسان (چادر سبز یا زرد) کی طرح آپ کا رنگ ہو گیا اور وفات ہوئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو ہند کو بلوا کر اپنے کندھے پر پچھنے (خون بھری سینگھی) لگوائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچ تو گئے لیکن یہ دکھ وقت وفات تک رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زہریلی بکری کا جو لقمہ خیبر کے دن میں نے کھایا تھا اس کا اثر میں برابر محسوس کرتا رہا (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا درگذر: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودن کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کیا تو نے بکری (کے گوشت) کو زہر آلود کیا تھا یہودن نے کہا جی ہاں فرمایا تو نے یہ حرکت کیوں کی کہنے لگی میری قوم کی جو درگت آپ نے بنائی آپ سے پوشیدہ نہیں ہے میں نے خیال کیا کہ اگر یہ شخص بادشاہ ہے تو میں اس سے نجات پا جاؤں گی اور اگر نبی ہے تو اس کو اطلاع مل جائے گی (اس اقرار کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے درگذر فرمائی۔

عبدالرزاق نے مصنف میں بوساطت معمر زہری کا قول نقل کیا ہے کہ وہ عورت مسلمان ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا سلیمان تیمی نے اسی پر جزم کیا ہے اور روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اس عورت نے کہا اور اگر آپ جھوٹے ہیں تو میرے ذریعہ سے لوگوں کو آپ (کی اس فتنہ انگیزی) سے سکھ مل جائے گا اب مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ آپ سچے ہیں میں آپ کو اور آپ کے پاس جو لوگ موجود ہیں ان کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ راوی کا بیان ہے جب وہ مسلمان ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تعرض نہیں کیا۔

مختلف روایات میں تطبیق: محمد بن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ (سارا) گوشت جلا دیا گیا حضرت جابر کی روایت ہے کہ جب حضرت بشر بن براء کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس یہودن کو قتل کرا دیا گیا رواہ ابوداؤد عن محمد بن عامر یا سانیدلہ۔ اس روایت میں ہے کہ اس یہودن کو بشر کے اولیاء کے سپرد کر دیا گیا اور انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ بیہقی نے کہا احتمال ہے کہ پہلے چھوڑ دیا ہو (پھر قتل کرا دیا ہو) سہیلی نے کہا آپ اپنی ذات کا انتقام لینا نہیں چاہتے تھے اس لئے (پہلے) چھوڑ دیا پھر حضرت بشر کے قصاص میں قتل کرا دیا حافظ نے کہا چونکہ وہ مسلمان ہوگئی تھی اس لئے چھوڑ دیا پھر جب حضرت بشر کا انتقال ہو گیا تو قصاص واجب ہو گیا اس لئے قتل کرا دیا۔

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی حبشہ سے واپسی

حضرت ابوموسیٰؓ اشعری نے فرمایا ہم یمن میں تھے وہاں ہم کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے (مدینہ کو) روانہ ہو گئے ہم بھی وطن سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچنے کے ارادہ سے چل پڑے (لیکن) کشتی نے ہم کو حبشہ میں جا پھینکا وہاں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب سے ہماری ملاقات ہوگئی حضرت جعفرؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہاں بھیجا تھا اور یہیں قیام کرنے کا حکم دیا تھا تم بھی ہمارے ساتھ یہیں ٹھہر جاؤ۔ ہم بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ یہیں قیام پذیر ہو گئے (پھر کچھ مدت کے بعد) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر فتح کر چکے تھے تو ہم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مال غنیمت میں) ہمارا بھی حصہ لگا دیا سوا اصحاب سفینہ (یعنی حضرت جعفر حضرت موسیٰؓ اور دوسرے مہاجرین حبشہ) کے اور کسی ایسے شخص کو خیبر کے مال میں حصہ دار نہیں بنایا جو فتح خیبر کے وقت وہاں موجود نہ تھا حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے پہنچنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا میں نہیں جانتا کہ دونوں باتوں میں سے کس سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی خیبر کی فتح یا جعفرؓ کے واپس آنے سے۔ حضرت جعفرؓ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھائی تو (آپ پر) کچھ خجالت طاری ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کے ساتھیوں سے فرمایا تمہارے لئے دو ہجرتیں ہیں (مکہ سے حبشہ کو جانا اور ترک وطن کرنا پھر حبشہ سے مدینہ میں آنا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا (یعنی پیشانی چوم لی) رواہ البیہقی۔

حضرت ابوہریرہؓ اور قبیلہ دوس والوں کا آنا

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے میں اور قبیلہ دوس کے اسی گھر مدینہ میں آئے پھر خیبر میں اس وقت پہنچے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نطاۃ کو فتح کر چکے تھے اور کتیبہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ہم سب وہیں ٹھہر گئے یہاں تک کہ اللہ نے فتح عنایت فرما دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے مسلمان کے ساتھ مال غنیمت میں ہمارے حصے بھی لگا دیئے۔ رواہ احمد البخاری فی التاریخ والحاکم والبیہقی وابن خزیمۃ والطحاوی۔

فدک کا قصہ

خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو (خیبر والوں کے ساتھ) معاملہ کیا تھا فدک والوں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے درخواست صلح کے لئے ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور گذارش کی کہ ہماری جانوں کی حفاظت کی ذمہ داری آپ لے لیں اور ہم کو چلا جانے دیں ہم سارا مال یہیں آپ کے لئے چھوڑ جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عرض داشت قبول فرمالی لیکن شرط یہ لگادی کہ (اب تو تم یہیں ٹھہرو اور کام کرو) آئندہ ہم جب چاہیں گے تم کو نکال دیں گے اہل فدک اس پر راضی ہو گئے۔ (چونکہ خیبر پر قبضہ جنگ کے بعد ہوا تھا اس لئے) خیبر (کے مال) میں سب مسلمان مجاہد شریک ہوئے اور فدک (پر قبضہ بغیر جنگ کے ہوا تھا اس لئے) خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت رہا مسلمانوں کو فدک پر گھوڑے اور اونٹ دوڑانے (یعنی لشکر کرنے) کی ضرورت نہیں پڑی۔ حضرت عمرؓ نے اہل خیبر کی طرح ان کو بھی جلاوطن کردیا۔ (تفسیر مظہری)

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ
اور ایک فتح اور جو تمہارے بس میں نہ آئی وہ
اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
اللہ کے قابو میں ہے اور اللہ ہر
شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾
چیز کر سکتا ہے☆

فتح مکہ کی بشارت ☆یعنی اس بیعت کے انعام میں فتح خیبر دی۔ اور مکہ کی فتح جو اس وقت ہاتھ نہ لگی وہ بھی مل ہی چکی ہے۔ کیونکہ اللہ نے اس کا وعدہ کرلیا اور فی الحقیقت عالم اسباب میں وہ نتیجہ اسی صلح حدیبیہ کا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

یا اَحَاطَ سے مراد ہے علمی احاطہ یعنی اللہ کا علم ان کو محیط ہے اللہ ان کو تمہارے لئے فتح کرانا جانتا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا۔ یعنی اگرچہ تم ان پر قدرت نہیں رکھتے مگر اللہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا
اور اگر لڑتے تم سے کافر تو پھیرتے
الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّ
پیٹھ پھر نہ پاتے کوئی حمایتی اور
لَا نَصِیْرًا ﴿۲۲﴾
نہ مددگار☆

اس وقت صلح ہی قرین حکمت تھی ☆یعنی لڑائی ہوتی تو تم ہی غالب رہتے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگتے کوئی مددگار ان کو آفت سے نہ بچا سکتا مگر اللہ کی حکمت اسی کو مقتضی ہوئی کہ فی الحال صلح ہوجائے اور اسکی عظیم الشان برکات سے مسلمان مستفید ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ
رسم پڑی ہوئی اللہ کی جو چلی آتی ہے
قَبْلُ ۖۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾
پہلے سے اور تو ہرگز نہ دیکھے گا اللہ کی رسم کو بدلتے☆

سنت اللہ ☆یعنی جب اہل حق اور اہل باطل کا کسی فیصلہ کن موقع پر مقابلہ ہوجائے تو آخر کار اہل حق غالب اور اہل باطل مغلوب و مقہور کیے جاتے ہیں یہی عادت اللہ کی ہمیشہ سے چلی آتی ہے جس میں کوئی تبدیل و تغییر نہیں ہاں یہ شرط ہے کہ اہل حق بحیثیت مجموعی پوری طرح حق پرستی پر قائم رہیں اور بعض نے "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا" کے معنی یوں کیے ہیں کہ اللہ کی عادت کوئی دوسرا نہیں بدل سکتا یعنی کسی اور کو قدرت نہیں کہ وہ کام نہ ہونے دے جو سنت اللہ کے موافق ہونا چاہیے تھا۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ نے یہ طریقہ ہمیشہ سے جاری کردیا ہے کہ اللہ کے اولیاء وانبیاء، اللہ کے دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ دوسری آیت میں آیا ہے لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ میں اور میرے رسول بلاشبہ غالب آئیں گے۔ دوسری آیت میں آیا ہے اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ اللہ کا گروہ ہی فلاح یاب ہوگا۔ تیسری جگہ ہے اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ اللہ کا گروہ ہی غالب رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ
اور وہی ہے جس نے روک رکھا اُن کے ہاتھوں کو تم سے
وَاَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ
اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے بیچ شہر مکہ کے

مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ اَظۡفَرَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ ؕ

بعد اس کے کہ تمہارے ہاتھ لگا دیا ان کو

مشرکین کی فتنہ انگیزی ☆ مشرکین کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں "حدیبیہ" پہنچی تھیں کہ موقع پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں اور یہ کہ ایسے مسلمانوں کو ستائیں چنانچہ کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کی بلکہ ایک مسلمان کو قتل بھی کر دیا اور اشتعال انگیز کلمات بکتے پھرے۔ آخر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو زندہ گرفتار کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف فرما دیا۔ کچھ انتقام نہیں لیا آیت بالا میں ان ہی واقعات کی طرف اشارہ ہے اور "بِبَطۡنِ مَكَّةَ" (بیچ شہر مکہ کے) یعنی شہر کے قریب گویا شہر کا بیچ ہی سمجھو۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول: وَهُوَ الَّذِيۡ الخ۔ مسلم میں حضرت انس کی روایت آ رہی ہے کہ اسی یا اسّی کفار مکہ کوہ تنعیم سے اتر کر (مسلمانوں پر غفلت کی حالت میں حملہ کرنے آئے) تو سب کو پکڑ لیا گیا (اور حملہ نہ کر سکے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معاف فرما دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مغفل کی روایت میں آیا ہے کہ تیس جوان ہم پر (حملہ کرنے کے لئے کوہ تنعیم) سے نکل کر آئے تھے۔ حضرت مسلم بن اکوع کی روایت ہے کہ میں نے چار آدمیوں پر اپنی تلوار سونت لی تھی۔ الحدیث۔ (تفسیر مظہری)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ

اور ہے اللہ جو کچھ تم کرتے ہو

بَصِيۡرًا ﴿۲۴﴾

دیکھتا ☆

☆ یعنی ان کی شرارتیں اور تمہارا عفو و تحمل سب کچھ اللہ دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

هُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡكُمۡ

یہ وہی لوگ ہیں جو منکر ہوئے اور روکا تم کو

عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَالۡهَدۡىَ

مسجد حرام سے اور نیاز کی قربانی

مَعۡكُوۡفًا اَنۡ يَّبۡلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ

کو بھی بند پڑی ہوئی اس بات سے کہ پہنچے اپنے جگہ تک ☆

مشرکین کی زیادتیاں ☆ یعنی حرم کے اس حصہ تک قربانی کے جانور پہنچنے نہ دیے جہاں لے جا کر ذبح کرنے کا عام دستور و معمول ہے حدیبیہ میں ہی رکے پڑے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَوۡلَا رِجَالٌ مُّؤۡمِنُوۡنَ وَنِسَآءٌ

اور اگر نہ ہوتے کتنے ایک مرد ایمان والے اور کتنی عورتیں

مُّؤۡمِنٰتٌ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡهُمۡ اَنۡ تَطَئُوۡهُمۡ

ایمان والیاں جو تم کو معلوم نہیں خطرہ کہ تم ان کو پیس ڈالتے

فَتُصِيۡبَكُمۡ مِّنۡهُمۡ مَّعَرَّةٌ ۢ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ۚ

پھر تم پر ان کی وجہ سے خرابی پڑ جاتی بےخبری سے

لِيُدۡخِلَ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ

کہ اللہ کو داخل کرنا ہے اپنی رحمت میں جس کو چاہے ☆

مکہ میں موجود مومنین کے تحفظ کی حکمت عملی

☆ یعنی کچھ مسلمان مرد و عورت جو کہ مکہ میں مظلوم و مقہور تھے اور مسلمان ان کو پوری طرح جانتے نہ تھے وہ لڑائی میں بےخبری سے پیس دیے جائیں گے اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو فی الحال لڑائی کا حکم دے دیا جاتا لیکن ایسا ہوتا تو تم خود اس قومی نقصان پر متاسف ہوتے اور کافروں کو یہ کہنے کا موقع ملتا کہ دیکھو! مسلمان مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے اس خرابی کے باعث لڑائی موقوف رکھی گئی تا وہ مسلمان محفوظ رہیں اور تم پر اس بےمثال صبر و تحمل کی بدولت خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔ نیز کافروں میں سے جن لوگوں کا اسلام لانا مقدر ہے ان کو بھی لڑائی کی خطرناک گڑبڑ سے بچا کر اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "اس تمام قصے میں ساری ضد اور کعبہ کی بےادبی ان ہی (مشرکین) سے ہوئی۔ تم با ادب رہے انہوں نے عمرہ والوں کو منع کیا اور قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچنے دی۔ بےشک وہ جگہ اس قابل تھی کہ اسی وقت تمہارے ہاتھ سے فتح کرائی جاتی مگر بعض مسلمان مرد و زن مکہ میں چھپے ہوئے تھے اور بعض لوگ جن کا مسلمان ہونا اب مقدر تھا اس وقت کی فتح مکہ میں وہ پیسے جاتے آخر دو برس کی صلح میں جتنے مسلمان ہونے کو تھے ہو چکے اور نکلنے والے نکل آئے تب اللہ نے مکہ فتح کرا دیا"۔ (تفسیر عثمانی)

مَعَرَّةٌ ۔ ابن زید نے معرہ کا ترجمہ کیا گناہ کیونکہ قتل خطا بھی گناہ سے خالی نہیں ہوتا اسی لئے قتل خطا کا کفارہ واجب ہے۔

شانِ نزول: طبرانی اور ابو یعلیٰ راوی ہیں کہ حضرت ابو جمعہ جنید بن سبع نے بیان کیا دن کے ابتدائی (نصف) حصہ میں جب میں کافر تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (کافروں کی طرف سے) لڑا اور پچھلے دن میں جب میں مسلمان ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب ہو کر (کافروں سے) لڑا۔ ہم تین مرد اور سات عورتیں تھے ہمارے ہی متعلق آیت وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ نازل ہوئی۔

نحوی نکتہ: لِیُدْخِلَ اللّٰهُ۔ رفتارِ کلام بتا رہی ہے کہ اس فقرہ کا تعلق محذوف فعل سے ہے یعنی زبردستی مکہ میں داخل ہونے کی ممانعت اس وجہ سے ہوئی کہ اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت یعنی اپنے دین یا جنت میں داخل کر دے۔

مَنْ يَّشَآءُ۔ یعنی کفارِ مکہ میں سے جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل فرما دے چنانچہ فتح مکہ کے دن بہت سے شرفِ مسلمان ہو گئے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کمزور بے بس مسلمانوں کو اپنی دنیوی رحمت یعنی عافیت میں طویل مدت تک زندہ رکھے۔ (تفسیر مظہری)

لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اگر وہ لوگ ایک طرف ہو جاتے تو آفت ڈالتے ہم منکروں پر

مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۲۵

عذاب دردناک کی ☆

☆یعنی اگر کفار مسلمانوں سے الگ ہوتے اور مسلمان ان میں لے ملے نہ ہوتے تو دیکھ لیتے کہ ہم مسلمانوں کے ہاتھوں سے کافروں کو کیسی دردناک سزا دلواتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ

جب رکھی منکروں نے اپنے دلوں میں

الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

کد نادانی کی ضد پھر اتارا اللہ نے

سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

اپنی طرف اطمینان اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر ☆

جاہلیت کا تعصب ☆نادانی کی ضد یہی کہ امسال عمرہ نہ کرنے دیا اور یہ کہ جو مسلمان مکہ سے ہجرت کر جائے اسے پھر واپس بھیج دو اگلے سال عمرہ کو آؤ تو تین دن سے زیادہ مکہ میں نہ ٹھہرو اور ہتھیار رکھے نہ۔ ۔ ۔ صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ لکھو اور بجائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۔ ۔ محمد بن عبداللہ تحریر کرو۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب باتیں قبول کیں اور مسلمانوں کے سخت انقباض واضطراب کے باوجود پیغمبر کے ارشاد کے آگے سرِ تسلیم جھکا دیا اور بالآخر اسی فیصلہ پر ان کے قلوب مطمئن ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِذْ جَعَلَ۔ اِذْ ظرف (زمان) ہے اس کا تعلق عَذَّبْنَا سے ہے یا صَدُّوْا سے۔ یا محذوف فعل کا یہ مفعول ہے کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کی حمیت کو جما لیا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف سے روک دیا تھا اور معاہدہ کے کاغذ پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے سے انکار کر دیا تھا۔ مقاتل کا بیان ہے کہ اہل مکہ نے کہا تھا انہوں نے ہمارے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کیا۔ اب ہم پر چڑھ آنا چاہتے ہیں۔ عرب کہیں گے کہ یہ ہم کو ذلیل کر کے اندر گھس پڑے ہیں لات اور عزیٰ کی قسم یہ لوگ (اس سال) مکہ میں نہیں داخل ہو سکتے حمیت جاہلیت سے یہی مراد ہے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اللہ نے اپنے رسول کو اور مومنوں کو اطمینان خاطر عطا فرمایا انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور جنگ پر قدرت رکھنے کے باوجود لڑائی سے باز رہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا

اور قائم رکھا ان کو ادب کی بات پر اور وہی تھے

اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ

اسکے لائق اور اس کام کے اور ہے اللہ ہر

شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۲۶

چیز سے خبردار ☆

صحابہ کرامؓ کی عظمت ☆یعنی اللہ سے ڈر کر نافرمانی کی راہ سے بچے اور کعبہ کے ادب پر مضبوطی سے قائم رہے ورکیوں نہ رہتے۔ وہ دنیا میں خدائے واحد کے سچے پرستار اور کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے زبردست حامل تھے ایک پکا موحد اور پیغمبر کا مطیع و وفادار ہی اپنے جذبات و رجحانات کو عین جوش و خروش کے وقت اللہ کی خوشنودی اور اسکے شعائر کی تعظیم پر قربان کر سکتا ہے۔ حقیقی توحید یہی ہے کہ آدمی اس اکیلے مالک کا حکم سن کر اپنی ذلت وعزت کے سب خیالات بالائے طاق رکھ دے شاید اسی لئے

حدیث میں "کلمۃ التقوی" کی تفسیر لا الہ الا اللہ سے کی گئی ہے کیونکہ تمام تر تقویٰ وطہارت کی بنیاد یہی کلمہ ہے جس کے اٹھانے اور حق ادا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چن لیا تھا اور بلا شبہ اللہ کے علم میں وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔ (تفسیر عثمانی)

كَلِمَةَ التَّقْوٰى۔ حضرت ابن عباسؓ، مجاہدؒ، قتادہؒ، ضحاکؒ، عکرمہؒ، سدیؒ، ابن زیدؒ اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ کلمة التقویٰ سے مراد ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا کلمۃ التقویٰ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہے۔ عطاء خراسانی کے نزدیک لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ مراد ہے۔ زہری نے کہا کلمة التقوی بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے مآل سب کا ایک ہی ہے (یعنی کلمہ توحید مراد ہے)۔

کلمہ توحید ہر تقویٰ کی بنیاد اور سبب ہے۔ کلمة التقوی سے مراد ہے اہل تقویٰ کا کلمہ۔

اَلْزَمَ سے مراد یہ ہے کہ ان کو کلمہ تقویٰ پر جمائے رکھا اور حمیت جاہلیت وان سے دور کر دیا۔

اَحَقَّ بِھَا۔ یعنی کفار مکہ سے کلمہ تقویٰ کے زیادہ مستحق تھے۔

روافض کی تردید: وَاَھْلَھَا۔ یعنی اللہ کے علم میں وہ کلمہ تقویٰ کے اہل تھے۔ اس لئے اللہ نے اپنے دین کی مدد کرنے اور اپنے رسول کا مصاحب بنانے کے لئے ان کا انتخاب کر لیا۔ روافض کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کافر اور منافق تھے (نعوذ باللہ منہا)۔ اس آیت سے نیز آیت لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ سے روافض کے قول کی غویت ثابت ہوتی ہے۔

وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۔ یعنی صحابہؓ کے دلوں میں جو ایمان اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مخفی ہے اللہ اس کو جانتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّءْیَا

اللہ نے سچ دکھلایا اپنے رسول کو خواب

بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

تحقیق کہ تم داخل ہو رہو گے مسجد حرام میں

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ مُحَلِّقِیْنَ

اگر اللہ نے چاہا آرام سے بال مونڈتے ہوئے

رُءُوْسَکُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ لَا تَخَافُوْنَ

اپنے سروں کو اور کترتے ہوئے بے کھٹکے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب: ابتدائے سورت میں ذکر ہو چکا ہے کہ مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا کہ ہم مکہ میں داخل ہوئے اور سر منڈا کر اور بال کتروا کر حلال ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کا قصد اس سال عمرہ کا ہو گیا صحابہ نے عموماً یہ خیال جمالیا کہ اسی سال ہم مکہ پہنچیں گے اور عمرہ ادا کریں گے۔ جس وقت صلح عمل ہو کر حدیبیہ سے واپس ہوئی اور بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان سے مکہ میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہو گا عرض کیا نہیں۔ فرمایا تو بے شک یوں ہی ہو کر رہے گا تم امن وامان سے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں سے کوئی سر منڈا ئے گا کوئی بال کترا کر احرام کھولے گا اور وہاں جانے کے بعد کسی طرح کا کھٹکا نہ ہو گا۔ چنانچہ حدیبیہ سے اگلے سال یوں ہی ہوا آیت ہذا میں اسی کو فرمایا ہے کہ بالتحقیق اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا خواب دکھلایا باقی "ان شاء اللہ" فرمانا ابن کثیر کے نزدیک تحقیق و تاکید کے لئے ہے اور سیبویہ کے نزدیک اس قسم کے مواقع میں قطعی طور پر ایک چیز کا بتانا کسی مصلحت سے مقصود نہیں ہوتا اور کرنا منظور ہوتا ہے وہاں یہ عنوان اختیار کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ

پھر جانا وہ جو تم نہیں جانتے پھر مقرر کر دی

دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۲۷﴾

اُس سے ورے ایک فتح نزدیک ☆

تعبیر خواب میں تاخیر کی مصالح: یعنی پھر اللہ نے اپنے علم محیط کے موافق واقعات کا سلسلہ قائم کیا وہ جانتا تھا کہ خواب کی تعبیر یک سال بعد ظاہر کرنے میں کس قدر مصالح ہیں جنکی تمہیں خبر نہیں اسلئے خواب کا وقوع امسال نہ ہونے دیا اور اس کے وقوع سے قبل تم کو لگتے ہاتھ ایک اور فتح عنایت کر دی۔ یعنی فتح خیبر یا صلح حدیبیہ جسے صحابہ فتح مبین کہتے تھے جیسا کہ سورہ ہذا کے پہلے فائدہ میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ھُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی

وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول سیدھی راہ پر

وَدِيْنِ الْحَقِّ

اور سچے دین پر ☆

اسلام ہر لحاظ سے سچا ہے ☆ یعنی اصول و فروع اور عقائد و احکام کے اعتبار سے یہی دین سچا اور یہی راہ سیدھی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے۔ (تفسیر عثمانی)

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ

تا کہ اوپر رکھے اُس کو ہر دین سے ☆

غلبہ کامیابی اسلام ہی کا مقدر ہے ☆ اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سینکڑوں برس تک سب مذاہب پر غالب کیا اور مسلمانوں نے تمام مذاہب والوں پر صدیوں تک بڑی شان و شوکت سے حکومت کی اور آئندہ بھی دنیا کے خاتمہ کے قریب ایک وقت آنے والا ہے جب ہر چہار طرف دین برحق کی حکومت ہوگی۔ باقی حجت و دلیل کے اعتبار سے تو دین اسلام ہمیشہ ہی غالب رہا کیا اور رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مرظہران میں پہنچے جہاں سے کعبہ کے بت دکھائی دیتے تھے تو آپ نے تمام نیزے بھالے تیر کمان بطن یاجج میں بھیج دیئے مطابق شرط صرف تلواریں پاس رکھ لیں اور وہ بھی میان میں تھیں۔ ابھی آپ راستے میں ہی تھے جو قریش کا بھیجا ہوا آدمی مکرز بن حفص آیا اور کہنے لگا حضور! آپ کی عادت تو عہد توڑنے کی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آپ تیر اور نیزے لے کر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ہم نے تو وہ سب یاجج بھیج دیئے۔ اس نے کہا یہی ہمیں آپ کی ذات سے امید تھی آپ ہمیشہ سے بھلائی نیکی اور وفاداری کرنے والے ہیں۔ سرداران کفار تو بوجہ غیظ و غضب اور رنج و غم کے شہر سے باہر چلے گئے کیونکہ وہ تو آپ کو اور آپ کے اصحاب کو دیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے اور جو لوگ مکہ میں رہ گئے تھے وہ سب مرد عورت بچے تمام راستوں پر اور کوٹھوں پر اور چھتوں پر کھڑے ہو گئے اور ایک استعجاب کی نظر سے اس مخلص گروہ کو اس پاک لشکر کو اس خدائی فوج کو دیکھ رہے تھے۔ آپ نے قربانی کے جانور ذی طویٰ میں بھیج دیئے تھے خود آپ اپنی مشہور اونٹنی قصواء پر سوار تھے آگے آگے آپ کے اصحاب تھے جو برابر لبیک پکار رہے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے اور یہ اشعار پڑھے۔ ؎

باسْمِ الَّذِیْ لَا دِیْنَ اِلَّا دِیْنُہٗ بِسْمِ الَّذِیْ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُہٗ
خَلُّوْا بَنِی الْکُفَّارِ عَنْ سَبِیْلِہٖ اَلْیَوْمَ نَضْرِبُکُمْ عَلٰی تَاْوِیْلِہٖ
کَمَا ضَرَبْنَاکُمْ عَلٰی تَنْزِیْلِہٖ ضَرْبًا یُزِیْلُ الْھَامَ عَنْ مَقِیْلِہٖ
وَیُذْھِلُ الْخَلِیْلَ عَنْ خَلِیْلِہٖ قَدْ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِیْ تَنْزِیْلِہٖ
فِیْ صُحُفٍ تُتْلٰی عَلٰی رَسُوْلِہٖ بِاَنَّ خَیْرَ الْقَتْلِ فِیْ سَبِیْلِہٖ
یَارَبِّ اِنِّیْ مُؤْمِنٌ بِقِیْلِہٖ

یعنی اس خدا کے نام سے جس کے دین کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں اس اللہ کے نام سے جس کے رسول حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اے کافروں کے بچو! حضور کے راستے سے ہٹ جاؤ آج ہم تمہیں آپ کے لوٹنے پر بھی ویسا ہی ماریں گے جیسا کہ آپ کے آنے پر مارا تھا وہ مار جو دماغ کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دے اور دوست کو دوست سے بھلا دے۔ اللہ تعالیٰ رحم والے نے اپنی وحی میں نازل فرمایا ہے جو اُن صحیفوں میں محفوظ ہے جو اس کے رسول کے سامنے تلاوت کئے جاتے ہیں کہ سب سے بہتر موت شہادت کی موت ہے جو اس کی راہ میں ہو۔ اے میرے پروردگار میں اس بات پر ایمان لا چکا ہوں۔ بعض روایتوں میں الفاظ میں کچھ ہیر پھیر بھی ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ اس عمرے کے سفر میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرّ الظہران میں پہنچے تو صحابہؓ نے سنا کہ اہل مکہ کہتے ہیں یہ لوگ بوجہ لاغری اور کمزوری کے اُٹھ بیٹھ نہیں سکتے یہ سن کر صحابہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنی سواریوں کے چند جانور ذبح کر لیں ان کا گوشت کھائیں اور شوربا پئیں اور تازہ دم ہو کر مکہ میں جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو تمہارے پاس جو کھانا ہو اُسے جمع کرو چنانچہ جمع کیے دسترخوان بچھایا اور کھانے بیٹھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی وجہ سے کھانے میں اتنی برکت ہوئی کہ سب نے کھا پی لیا اور توشے دان بھر لئے۔ آپ مکہ شریف میں آئے سیدھے بیت اللہ گئے قریش حطیم کی طرف بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چادر کے پلے دائیں بغل کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈال لئے اور اصحابؓ سے فرمایا یہ لوگ تم میں سستی اور لاغری محسوس نہ کریں۔ اب آپ نے رکن کو بوسہ دے کر دوڑنے کی سی چال سے طواف شروع کیا جب رکن یمانی کے پاس پہنچے جہاں قریش کی نظریں نہیں پڑتی تھیں تو وہاں سے آہستہ آہستہ چل کر حجرِ اسود تک پہنچے۔ قریش کہنے لگے تم لوگ تو ہرنوں کی طرح چوکڑیاں بھر رہے ہو گویا چلنا تمہیں پسند ہی نہیں۔ تین مرتبہ تو آپ اسی طرح ہلکی دوڑ کی سی چال حجر اسود سے رکن یمانی تک چلتے رہے تین پھیرے اسی طرح کئے چنانچہ یہی مسنون طریقہ ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے اندرونی پوشیدہ حالت کی اصلاح کرے اور بھلائیاں پوشیدگی سے کرے اللہ تعالیٰ اسکے چہرے کی سلوٹوں پر اور اس کے زبان کے کناروں پر ان نیکیوں کو ظاہر کر دیتا ہے۔ الغرض دل کا آئینہ چہرہ ہے جو اس

میں ہوتا ہے اس کا اثر چہرے پر ہوتا ہے پس مؤمن جب اپنے دل کو درست کر لیتا ہے اپنا باطن سنوار لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی لوگوں کی نگاہوں میں سنوار دیتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو شخص اپنے باطن کی اصلاح کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ظاہر کو بھی آراستہ و پیراستہ کر دیتا ہے طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص جیسی بات پوشیدہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کی چادر اڑھا دیتا ہے اگر وہ پوشیدہ بھلی ہے تو بھلائی کی اور اگر بری ہے تو برائی کی۔ لیکن اس کا ایک راوی عراقی متروک ہے۔ مسند احمد میں آپ کا فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی ٹھوس چٹان میں گھس کر جس کا نہ کوئی دروازہ ہو نہ اس میں کوئی سوراخ ہو کوئی عمل کرے گا اللہ اسے بھی لوگوں کے سامنے رکھ دیگا۔ برائی ہو تو اور بھلائی ہو تو۔ مسند کی اور حدیث میں ہے نیک طریقہ اچھا خلق اور میانہ روی نبوۃ کے پچیسویں حصہ میں سے ایک حصہ ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے رافضیوں کے کفر پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ صحابہ سے چڑتے ہیں اور ان سے بغض رکھنے والا کافر ہے۔ علماء کی ایک جماعت بھی اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ ہے۔ صحابہ کرام کے فضائل میں اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرنے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ خود خدائے تعالیٰ نے ان کی تعریفیں بیان کیں اور ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے۔ کیا ان کی بزرگی میں یہ کافی نہیں؟ صحیح مسلم شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہ کو برا نہ کہو ان کی بے ادبی اور گستاخی نہ کرو اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو ان کے تین پاؤ اناج بلکہ ڈیڑھ پاؤ اناج کے اجر کو بھی نہیں پا سکتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٢٨﴾
اور کافی ہے اللہ حق ثابت کرنیوالا ☆

☆ یعنی اللہ اس دین کی حقانیت کا گواہ ہے اور وہی اپنے فعل سے اسکو حق ثابت کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ
محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اُس کے ساتھ ہیں
اَشِدَّاۗءُ عَلَى الْكُفَّارِ
زور اور ہیں کافروں پر ☆

معاندین اسلام کے لئے صحابہ کی سختی

☆ یعنی کافروں کے مقابلہ میں سخت مضبوط اور قوی، جس سے کافروں پر رعب پڑتا اور کفر سے نفرت و بیزاری کا اظہار ہوتا ہے۔ قال تعالیٰ "وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً" (توبہ رکوع ۱۶) وقال تعالیٰ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (توبہ رکوع ۱۰) وقال تعالیٰ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (مائدہ رکوع ۸) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "جو تندی اور نرمی اپنی خو ہو وہ سب جگہ برابر چلے اور جو ایمان سے سنور کر آئے وہ تندی اپنی جگہ اور نرمی اپنی جگہ۔" اسے کافر سے بھی تبسم احسان اور حسن سلوک سے پیش آنا اگر مصلحت شرعی ہو چھ مضائقہ نہیں، مگر دین کے معاملہ میں وہ تم کو ڈھیلا نہ سمجھے۔ (تفسیر عثمانی)

شیعوں کی تردید۔ اسی مضمون کی ایک اور آیت میں فرمایا ہے اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ میں باہم عداوت و بغض رکھتے تھے ان کی بات غلط ہے اور ان کے مذہب کے خلاف یہ آیت نص قطعی ہے۔ (تفسیر مظہری)

چار جگہ نام مبارک کا ذکر۔ پورے قرآن میں نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لینے سے بجائے عموماً آپ کا ذکر اوصاف و القاب کیساتھ کیا خصوصاً ندا کے موقع پر یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ وغیرہ بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ ان کے نام لیکر خطاب کیا گیا یا ابراہیم یا موسیٰ یا عیسیٰ۔ پورے قرآن میں صرف چار جگہ آپ کا نام مبارک محمد صلی اللہ علیہ وسلم ذکر فرمایا ہے جہاں اس نام کے ذکر ہی میں کوئی مصلحت تھی۔ ان مقام پر مصلحت یہ تھی کہ حدیبیہ کے صلح نامہ میں آپکے نام کے ساتھ جب حضرت علیؓ نے محمد رسول اللہ لکھا تو کفار قریش نے اس کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے پر اصرار کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم ربانی اس کو منظور کر لیا قبول کیا۔ حق تعالیٰ نے اس مقام پر خصوصیت سے آپ کے نام مبارک کیساتھ رسول اللہ کا لفظ قرآن میں ذکر کر کے اس کو دائمی بنا دیا جو قیامت تک اسی طرح پڑھا لکھا جائے گا۔

کافروں پر سخت ہونے کا مطلب: صحیح بخاری وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ من احب لله وابغض لله فقد استكمل ايمانه یعنی جو شخص اپنی محبت اور بغض و عداوت دونوں کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام کے کفار کے مقابلہ پر سخت ہونیکا یہ مطلب نہیں کہ وہ کبھی کسی کافر پر رحم نہیں کرتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر اللہ و رسول کا حکم کفار پر سختی کرنے کا ہوتا ہے وہاں ان کو اپنے رشتے ناتے یا دوستی وغیرہ کے علاقے اس کام میں مانع نہیں ہوتے اور جہاں تک ان کے ساتھ رحم و کرم کے معاملہ کا تعلق ہے وہ تو خود قرآن نے ان کا فیصلہ کر دیا ہے کہ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ (الی) اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ یعنی جو کفار

مسلمانوں کے درپے آزار اور مقاتلہ پر نہیں اُن کے ساتھ احسان کا سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ منع نہیں کرتا' چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بیشمار واقعات ہیں جن میں ضعیف ومجبور یا ضرورتمند کفار کے ساتھ احسان و کرم کے معاملات کئے گئے ہیں اور انکے معاملہ میں عدل وانصاف کو برقرار رکھنا تو اسلام کا عام حکم ہے۔ عین میدان کارزار میں بھی عدل وانصاف کیخلاف کوئی کارروائی جائز نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ
نرم دل ہیں آپس میں ☆

آپس میں نرمی ومحبت ☆یعنی اپنے بھائیوں کے ہمدرد مہربان' ان کے سامنے نرمی سے جھکنے والے اور تواضع و انکسار سے پیش آنے والے' "حدیبیہ" میں صحابہ کی یہ دونوں شانیں چمک رہی تھیں "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ"۔ (تفسیر عثمانی)

آپس میں محبت کی وجہ: رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ۔یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کے زیر اثر وہ آپس میں نرمی اور دوستی کا سلوک کرتے ہیں محبوب کا دوست بھی محبوب ہوتا ہے۔

حدیث قدسی میں آیا ہے میری عظمت کے زیر اثر آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں آج میں ان کو اپنے سایہ (عاطفت) میں داخل کروں گا جبکہ میرے سایہ کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہے۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرۃ مرفوعاً) آگے ایک حدیث آئے گی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جو ان سے محبت کرے گا وہ میری ہی محبت کے زیر اثر کرے گا۔ (تفسیر مظہری)

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ
تو دیکھے اُن کو رکوع میں اور سجدہ میں ڈھونڈتے ہیں
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا
اللہ کا فضل اور اُسکی خوشی ☆

خدا پرستی ☆یعنی نمازیں کثرت سے پڑھتے ہیں۔ جب دیکھو رکوع وسجود میں پڑے ہوئے اللہ کے سامنے نہایت اخلاص کے ساتھ وظیفہ عبودیت ادا کر رہے ہیں۔ ریا ونمود کا شائبہ نہیں۔ بس اللہ کے فضل اور اسکی خوشنودی کی تلاش ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا ۔یعنی اکثر اوقات نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ اس لئے کبھی رکوع میں ہوتے ہیں کبھی سجدہ میں۔ نماز اہل ایمان کی معراج ہے۔ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ ۔یعنی اللہ کی طرف سے جنت اور دیدار الٰہی۔ (تفسیر مظہری)

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ
نشانی اُن کی اُن کے منہ پر ہے
اَثَرِ السُّجُوْدِ
سجدہ کے اثر سے ☆

چہروں کا نور ☆یعنی نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے۔ گویا خشیت وخشوع اور حسن نیت اور اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر کو روشن کر رہی ہیں۔ حضرت کے اصحاب اپنے چہروں کے نور اور متقیانہ چال ڈھال سے لوگوں میں الگ پہچانے جاتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

سجدوں کی نشانی: عکرمہؒ نے اور سعید بن جبیر نے کہا' پیشانیوں پر مٹی کے نشان مراد ہیں۔ ابوالعالیہ نے کہا' اس کی وجہ سے تھی کہ وہ فروتنی کے طور پر مٹی پر سجدہ کرتے تھے' کپڑے پر نہیں کرتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

یعنی نماز اُن کا ایسا وظیفہ زندگی بن گیا ہے کہ نماز اور سجدہ کے مخصوص آثار ان کے چہروں سے نمایاں ہوتے ہیں۔ مراد ان آثار سے وہ انوار ہیں جو عبدیت اور خشوع وخضوع سے ہر متقی عبادت گذار کے چہرہ پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔ پیشانی میں جو نشان سجدہ کا پڑ جاتا ہے وہ مراد نہیں۔ خصوصاً نماز تہجد کا یہ اثر بہت زیادہ واضح ہوتا ہے جیسے کہ ابن ماجہ میں بروایت جابرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ من كثر صلوته بالليل حسن وجهه بالنهار یعنی جو شخص رات میں نماز کی کثرت کرتا ہے دن میں اسکا چہرہ حسین پُر نور نظر آتا ہے اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اس سے مراد نمازیوں کے چہروں کا وہ نور ہے جو قیامت میں نمایاں ہوگا۔ (معارف مفتی اعظم)

مجاہد نے اس کی تفسیر میں حضرات صحابہ کا خشوع اور تقویٰ بیان کیا ہے۔ اور بعض عارفین کا یہ قول نقل کیا ہے ان للحسنة نورًا فی القلب وضياءً في الوجه وسعة في الرزق کہ نیکی کا نور قلب میں ہوتا ہے اور اس کی رونق چہرہ پر ہوتی ہے اور وہ رزق میں فراخی کا باعث ہوتا ہے۔

امام مالکؒ سے یہ منقول ہے فرمایا حضرات صحابہ کی خلوص نیت اور ان کے محاسن اعمال کا یہ اثر تھا۔ کہ جو بھی انکو دیکھتا اس کا دل گواہی دیتا کہ یہ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور نصاریٰ نے تو صحابہ کو دیکھ کر ہی شام کے راستے ان کے لئے کھول دیئے تھے اور کہنے لگے خدا کی قسم یہ لوگ تو عیسیٰ کے حواریوں سے بھی اچھے ہیں۔ ۱۲ تفسیر ابن کثیر۔ (معارف کاندھلوی)

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ
یہ شان ہے اُن کی تورات میں اور مثال ان کی

فِى الْاِنْجِيْلِ ۚ

انجیل میں ☆

☆یعنی پہلی کتابوں میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کی ایسی ہی شان بیان کی گئی تھی۔ چنانچہ بہت سے غیر متعصب اہل کتاب ان کے چہرے اور طور وطریق دیکھ کر بول اٹھتے تھے کہ واللہ یہ تو مسیح کے حواری معلوم ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

تورات وانجیل میں صحابہؓ کی مثال:

امام بغویؒ نے فرمایا کہ صحابہؓ کرام کی یہ مثال انجیل میں ہے کہ شروع میں قلیل ہونگے پھر بڑھیں گے اور قوی ہونگے جیسا کہ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ صحابہ کرام کی یہ مثال انجیل میں لکھی ہوئی ہے کہ "ایک قوم ایسی نکلے گی جو کھیتی کی طرح بڑھے گی اور وہ نیک کاموں کا حکم اور برے کاموں سے منع کیا کرے گی (مظہری) موجودہ زمانہ کی تورات وانجیل میں بھی بیشمار تحریفات کے باوجود اسکی پیشین گوئی کے حسب ذیل الفاظ موجود ہیں۔

تورات باب استثناء ۳۳۔ ۱ تا ۳ کے یہ الفاظ ہیں۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا اور اسکے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت انکے لئے تھی وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے اسکے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں تیری بات مانیں گے"۔

پوری تفصیل مع دوسرے حوالوں کے اظہار الحق جلد سوم باب ششم ص ۲۵۶ میں ہے یہ کتاب عیسائیت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے پادری فنڈ کے مقابلہ پر تحریر فرمائی تھی اس کتاب میں انجیل کی تمثیل کا اسطرح ذکر ہے۔ انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۱ میں یہ الفاظ ہیں۔ اس نے ایک اور تمثیل انکے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لیکر اپنے کھیت میں بو دیا وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اسکی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔ اور انجیل مرقس ۲۶:۴ کے یہ الفاظ ہیں جو الفاظ قرآنی کے زیادہ قریب ہیں۔ اس نے کہا کہ خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے پتی پھر بالیں پھر بالوں میں تیار دانے پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا (اظہار الحق جلد ۳ باب ششم ص ۳۱۰ آسمان کی بادشاہی سے مراد نبی آخر الزماں کا ہونا انجیل کے متعدد مقامات سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ

جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر

فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ

مضبوط کی پھر موٹا ہوا پھر کھڑا ہو گیا اپنی نال پر ☆

چند افراد سے لاکھوں تک

☆حضرت شاہ صاحب کھیتی کی مثال کی تقریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یعنی اول اس دین پر ایک آدمی تھا۔ پھر دو ہوئے پھر آہستہ آہستہ قوت بڑھتی گئی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پھر خلفاء کے عہد میں بعض علماء کہتے ہیں کہ "اخرج شطاہ" میں عہد صدیقی "فازرہ" میں عہد فاروقی "فاستغلظ" میں عہد عثمانی اور "فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ" میں عہد مرتضوی کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بعض دوسرے بزرگوں نے "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" کو علی الترتیب خلفائے اربعہ پر تقسیم کر دیا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ آیت تمام جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کی بہ ہیئت مجموعی مدح ومنقبت پر مشتمل ہے خصوصاً اصحاب بیعت الرضوان کی جن کا ذکر آغاز سورت سے برابر چلا آرہا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

ایک وقت ایسا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا صرف تین مسلمان تھے مردوں میں صدیق اکبر عورتوں میں حضرت خدیجہؓ بچوں میں حضرت علیؓ پھر رفتہ رفتہ اُن کی قوت بڑھتی رہی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب بتلائی گئی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ

خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو ☆

☆کھیتی کرنے والے چونکہ اس کام کے مبصر ہوتے ہیں اسلئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا۔ جب ایک چیز کا مبصر اسکو پسند کرے دوسرے کیوں نہ کریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ۔ یعنی موٹی اور قوی اور خوبصورت ہو جانے کی وجہ سے وہ کاشتکاروں کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔

اللہ نے دونوں بیانوں میں صحابہؓ کرام کی حالت بیان کی ہے پہلی تمثیل میں صلحاء امت اور تمام اولیاء ملت بھی شریک ہیں لیکن دوسری تمثیل صرف

صحابۂ کرامؓ کے اوصاف خصوصی کے ساتھ مختص ہے۔

مرحلہ بہ مرحلہ ترقی:

اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا مبعوث فرمایا' جیسے کاشتکار بیج زمین میں بوتا ہے' اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ، حضرت بلالؓ ایمان لائے۔ ان حضرات کے بعد حضرت عثمانؓ حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد، حضرت سعید' حضرت حمزہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہم اور دوسرے حضرات مسلمان ہوئے یہاں تک کہ حضرت عمرؓ چالیسویں نمبر پر ایمان لائے شروع میں اسلام بے وطن (بے مددگار) تھا اسلام کو مٹانے کے لئے ہر طرف سے ٹھٹ کے ٹھٹ چڑھ آئے اگر اللہ کی حمایت نہ ہوتی تو ابتدائی پودے کی بالیدگی ہی نہ ہوتی' لیکن مہاجرین اور انصار کی کوششوں سے اللہ نے اس پودے کو قوی کر دیا' صحابہؓ نے اس نونہال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اپنے خون سے سینچا اور یہ سینچائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی جاری رہی خصوصاً حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں سینچائی برابر مسلسل چلتی رہی یہاں تک کہ اسلام پورا قوی مستحکم اور اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور تمام مذاہب پر غالب آ گیا اور کسی کی حمایت کا محتاج نہیں رہا آخر اللہ نے آیت اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔ نازل فرما دی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''میری امت (کبھی) گمراہی پر اتفاق نہیں کرے گی''۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت:

حضور نے یہ بھی فرمایا' میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم کو قائم رکھے گا کسی کی مدد نہ کرنا اور کسی کی مخالفت کرنا اس کو ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے صحابہ کرام میدان فضیلت میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ کسی بڑے سے بڑے آدمی کو ان کے کسی مرتبہ تک رسائی حاصل نہ ہو سکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' میرے ساتھیوں کو برا نہ کہو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی شخص (بالفرض کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں صرف کرے گا تو صحابی کا ایک سیر بلکہ آدھا سیر سونا راہ خدا میں صرف کرنے کے برابر نہ ہو گا۔ (صحیح بخاری و مسلم) امام احمد نے یہ حدیث اسی طرح حضرت انس کی روایت سے بیان کی ہے۔

یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم گرامی نے ارشاد فرمایا' اگر میرا کوئی صحابی کسی سرزمین میں مر جائے گا تو قیامت کے دن اس زمین کے رہنے والوں (کو جنت کی طرف لے جانے والا) قائد اور نور بنا کر اس کو اٹھایا جائے گا۔ رواہ الترمذی عن بریدہؓ یہی مادۂ صحابیت اکثر صحابہؓ کے درمیان تفاوتِ مرتبہ کا ذریعہ تھا۔ جو لوگ سب سے پہلے ایمان لائے جیسے حضرت ابوبکرؓ یا دین کے ضعف کے زمانہ میں اسلام کو قوی کرنے اور مستحکم بنانے میں زیادہ حصہ لیا جیسے حضرت عمرؓ وہ دوسری صحابیوں سے افضل قرار پائے۔

ہم نے اپنی کتاب السیف المسلول میں عام صحابہؓ کے اور ان میں سے خاص حضرات کے فضائل کامل طور پر بیان کر دیئے ہیں۔ تمام روایات اور شہادت عقل کو واضح طور پر ذکر کر دیا ہے۔

انجیل میں صحابہ کی مثال

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے انجیل میں صحابہؓ کی ایک مثال بیان کی ہے کہ شروع میں وہ تھوڑے (اور کمزور) ہوں گے' پھر بڑھتے جائیں گے۔

قتادہ نے کہا' اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تمثیل انجیل میں اس طرح دی گئی ہے۔ ان لوگوں کی روئیدگی کھیتی (کے پودے) کی طرح ہو گی وہ بھلائی کا حکم دیں گے اور بُری باتوں سے باز داشت کریں گے۔

بعض لوگوں کے نزدیک کھیتی (کے پودے) سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک اور اس پودے کی سوئیاں ہیں صحابۂ کرامؓ اور دوسرے مؤمن۔

تمثیل کی تطبیق:

مبارک بن فضالہ راوی ہیں کہ حسن نے فرمایا' محمد اللہ کے رسول ہیں اور وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ابوبکرؓ ہیں اور اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ عمر بن خطاب ہیں اور رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ عثمان بن عفان ہیں تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا علی بن ابی طالبؓ ہیں اور يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا باقی عشرہ مبشرہ (سعد' سعید' ابوعبیدہ' طلحہ' زبیر' عبدالرحمٰن) ہیں یعنی جن اوصاف کا ذکر آیت کے مذکورہ فقروں میں کیا گیا ہے ان کے حاملین کے امام عشرہ مبشرہ ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیج کی کاشت کی' ابوبکرؓ نے اس کی ابتدائی کونپل نکالی' عمر بن خطابؓ نے اس کو قوت پہنچائی' عثمان کے اسلام کی وجہ سے اس میں موٹائی آ گئی اور علی بن ابی طالب کی وجہ سے وہ پودا سیدھا اپنے تنہ پر کھڑا ہو گیا' حضرت علیؓ کی تلوار سے اسلام میں استقامت آ گئی۔

مدارک میں عکرمہ کا قول منقول ہے کہ ابوبکرؓ کی وجہ سے (اسلام کے بیج نے) اپنی سوئی بر آمد کی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسلمان ہونے کے بعد فرمایا' آئندہ (کافروں کے ڈر سے) اللہ کی عبادت چھپ کر نہیں کی جائے گی۔ (تفسیر مظہری)

لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ
تاکہ جلائے اُن سے جی کافروں کا ☆

کافروں کا بغض

یعنی اسلامی کھیتی کی یہ تازگی اور رونق و بہار دیکھ کر کافروں کے دل غیظ و حسد سے جلتے ہیں۔ اس آیت سے بعض علماء نے یہ نکالا کہ صحابہ سے جلنے والا کافر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صحابۂ کرامؓ سے بغض کافروں کا کام ہے

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۔ ہم کی ضمیر وَالَّذِينَ مَعَهُ کی طرف راجع ہے یا معنوی طور پر شطأ کی طرف راجع ہے کیونکہ پہلی سوئی جو دانہ سے برآمد ہوئی ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو (آغاز اسلام کے زمانہ میں ہی) مسلمان ہو گئے۔ یعنی کافروں کو جلانے کے لئے اللہ نے اہل ایمان کو کافروں کے لئے سخت اور آپس میں مہربان اور نرم دل بنا دیا۔

حضرت انسؓ بن مالک نے فرمایا صحابہؓ کے خلاف جس کے دل میں کوئی جلن اور ہو وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو خدا کا خوف کرو خدا کا خوف کرو میرے بعد ان کو ہدف (مذمت) نہ بنانا جو ان سے محبت کرے گا وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ حقیقت میں مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا جس نے ان کو دکھ پہنچایا اس نے حقیقت میں مجھے دکھ پہنچایا اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔ اور جس نے اللہ کو اذیت دی تو عنقریب اللہ اس کو پکڑے گا۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضرت ابوعروہ زبیری فرماتے ہیں کہ ہم حضرت امام مالکؒ کی مجلس میں حاضر تھے ایک شخص نے بعض صحابہ کرام کی تنقیص کے کچھ کلمات کہے تو امام مالک یہ آیت پوری تلاوت کرتے جب لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ پر پہنچے تو فرمایا کہ جس شخص کے دل میں صحابہ کرام میں سے کسی کے ساتھ غیظ ہو تو اس آیت کی وعید اس کو ملے گی (قرطبی) حضرت امام مالکؒ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ وہ کافر ہو جاوے گا مگر یہ فرمایا کہ یہ وعید اس کو بھی پہنچے گی۔ مطلب یہ ہے کہ وہ کافروں جیسا کام کرنے والا ہو جائے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
وعدہ کیا ہے اللہ نے اُن سے جو یقین لائے ہیں اور کئے ہیں
الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا
بھلے کام معافی کا اور بڑے

عَظِيْمًا ۟
ثواب کا

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے لئے وعدہ

حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "یہ وعدہ دیا ان کو جو ایمان والے ہیں اور بھلے کام کرتے ہیں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سب اصحاب ایسے ہی تھے مگر خاتمہ کا اندیشہ رکھا حق تعالیٰ بندوں کو ایسی صاف خوشخبری نہیں دیتا کہ نڈر ہو جائیں۔ اس مالک سے اتنی شاباشی بھی غنیمت ہے" تم سورة الفتح بفضل الله ورحمته فلله الحمد والمنة۔ (تفسیر عثمانی)

روافض کا کفر:

مواہب لدنیہ میں ہے کہ امام مالک نے اس آیت سے روافض کی تکفیر پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ وہ صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان سے بغض نص قرآنی سے کفر ہے۔ امام مالک نے اس قول اور فتوی کی تائید بہت سے اکابر مجتہدین اور ائمہ سے منقول ہے۔ امام مالک کے سامنے کسی شخص کا ذکر کیا گیا کہ وہ صحابہ کی شان میں تنقیص و توہین کرتا ہے تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا جو شخص بھی صبح کو اس حالت میں اٹھے کہ اس کے دل میں صحابہ سے بغض ہے تو یقیناً یہ آیت اسی پر منطبق ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے فرمایا کرتے تھے رسول خدا کے اصحاب اس امت کے سب سے زیادہ برگزیدہ اور متقی افراد تھے جن کا علم نہایت عمیق تھا اور ان میں تکلیف کا نام و نشان نہ تھا۔ اللہ نے ان کو اپنے پیغمبر کی مرافقت کے لئے اور اپنا دین قائم کرنے کے واسطے چنا تو ان کی فضیلت و عظمت کو پہچانو اور ان کے نقش قدم پر چلو جہاں تک بھی تم سے ہو سکے۔ روح المعانی۔ سنن نسائی۔ جامع ترمذی۔ ۱۲ (معارف کاندھلوی)

تمام صحابہ عدول ہیں

اہل السنت کا اجماع ہے کہ تمام صحابی عدول تھے (کوئی فاسق اور غیر صالح نہ تھا) اور سب مغفور تھے (اللہ نے ان کی مغفرت فرما دی)۔ (تفسیر مظہری)

ابن عبدالبر نے مقدمہ استیعاب میں اسی آیت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ومن رضی الله عنه لم يسخط عليه ابدا۔ یعنی اللہ جس سے راضی ہو جائے پھر اس پر کبھی ناراض نہیں ہوتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی بناء پر ارشاد فرمایا کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں میں سے کوئی آگ میں نہ جائیگا تو یہ وعدہ جو اصحاب النبی سے کیا گیا ہے ان میں سے بعض کا مستثنیٰ ہونا قطعاً باطل ہے اسی لئے امت کا اس پر اجماع ہے کہ صحابۂ کرام سب کے سب عادل و ثقہ ہیں۔

صحابۂ کرام سب کے سب اہل جنت ہیں اُن کی خطائیں مغفور ہیں اُن کی تنقیص گناہِ عظیم ہے

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہے جن میں چند آیات تو اسی سورت میں آ چکی ہیں سورۂ انبیاء میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے حسنیٰ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دور رکھے جائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خير القرون قرنی ثم الذی یلونهم ثم الذين يلونهم (بخاری) یعنی تمام زمانوں میں میرا زمانہ بہتر ہے اسکے بعد اُس زمانے کے لوگ بہتر ہیں جو میرے زمانے کے متصل ہیں پھر وہ جو ان کے متصل ہیں۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ (ان کی قوت ایمانی کی وجہ سے ان کے حال یہ ہے کہ) اگر تم میں سے کوئی شخص اللہ کی راہ میں احد پہاڑ کی برابر سونا خرچ کرے تو وہ اُنکے خرچ کئے ہوئے کے ایک مد کی برابر بھی نہیں ہو سکتا اور نہ نصف مد کی برابر۔ مد عرب کا ایک پیمانہ ہے جو تقریباً ہمارے آدھے سیر کے برابر ہوتا ہے (بخاری) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے صحابہ کو سارے جہان میں سے پسند فرمایا ہے پھر میرے صحابہ میں میرے لئے چار کو پسند فرمایا ہے۔ ابوبکر عمر عثمان علی رضی اللہ عنہم (رواہ البزار بسند صحیح) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

> اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملے میں میرے بعد ان کو طعن تشنیع کا نشانہ مت بناؤ کیونکہ جس شخص نے ان سے محبت کی تو میری محبت کے ساتھ ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو میرے بغض کے ساتھ ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اُس نے مجھے ایذاء پہنچائی اور جس نے مجھے ایذاء دی اُس نے اللہ کو ایذاء پہنچائی اور جو اللہ کو ایذاء پہنچانے کا قصد کرے تو قریب ہے کہ اللہ اسکو عذاب میں پکڑ لے گا۔ (رواہ الترمذی عن عبداللہ بن المغفل۔ جمع الفوائد) (معارف القرآن مفتی اعظم)

الحمدللہ سورۃ الفتح ختم ہوئی

سورة الحجرات

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا اللہ کے بندوں کے دلوں میں صلح آشتی پیدا کرے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ

سورۂ حجرات مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھارہ آیتیں اور دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ

اے ایمان والو آگے نہ بڑھو

يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اللہ سے اور اُسکے رسول سے ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب وحقوق

یعنی جس معاملہ میں اللہ و رسول کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو اس کا فیصلہ پہلے ہی آگے بڑھ کر اپنی رائے سے نہ کر بیٹھو بلکہ حکم الٰہی کا انتظار کرو جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرمائیں خاموشی سے کان لگا کر سنو ان کے بولنے سے پہلے خود بولنے کی جرات نہ کرو۔ جو حکم ادھر سے ملے اس پر بے چون و چرا اور بلا پس و پیش عامل بن جاؤ اپنی اغراض اور اہواء و آراء کو ان کے احکام پر مقدم رکھو۔ بلکہ اپنی خواہشات و جذبات کو احکام سماوی کے تابع بناؤ (تنبیہ) اس سورت میں مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و حقوق اور اپنے بھائی مسلمانوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات قائم رکھنے کے طریقے سکھلائے ہیں اور یہ کہ مسلمانوں کا جماعتی نظام کن اصول پر کاربند ہونے سے مضبوط و مستحکم رہ سکتا ہے اور اگر کبھی اس میں خرابی اور اختلال پیدا ہو تو اس کا علاج کیا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ بیشتر نزاعات و مناقشات خود رائی اور غرض پرستی کے ماتحت وقوع پذیر ہوتے ہیں جسکا واحد علاج یہ ہے کہ مسلمان اپنی شخصی رایوں اور غرضوں کو کسی ایک بلند معیار کے تابع کر دیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ و رسول کے ارشادات سے بلند کوئی معیار نہیں ہو سکتا۔ ایسا کرنے میں خواہ وقتی اور عارضی طور پر کتنی ہی تکلیف اٹھانا پڑے لیکن اس کا آخری انجام یقینی طور پر دارین کی سرخروئی اور کامیابی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اگر آپ چل رہے ہیں تو کوئی آپ سے آگے نہ بڑھے کھانے کی مجلس ہے تو آپ سے پہلے کھانا شروع نہ کرے مگر یہ کہ آپ کی تصریح یا قرائن قویہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ آپ خود ہی کسی کو آگے بھیجنا چاہتے ہیں جیسے سفر اور جنگ میں کچھ لوگوں کو آگے چلنے پر مامور کیا جاتا تھا۔

علمائے دین اور دینی مقتداؤں کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ علماء و مشائخ دین کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ وارث انبیاء ہیں اور دلیل اس کی یہ واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت ابوالدرداءؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے آگے چل رہے ہیں تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ کیا تم ایسے شخص کے آگے چلتے ہو جو دنیا و آخرت میں تم سے بہتر ہے اور فرمایا کہ دنیا میں آفتاب کا طلوع و غروب کسی ایسے شخص پر نہیں ہو جو انبیاء کے بعد ابوبکر سے بہتر و افضل ہو (روح البیان از کشف الاسرار) بعض علماء نے فرمایا کہ اپنے استاد و مرشد کے ساتھ بھی یہی ادب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (معارف مفتی اعظم)

لَا تُقَدِّمُوْا۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش دستی نہ کرو نہ قول میں نہ فعل میں۔

بَيْنَ يَدَيِ۔ دونوں ہاتھوں کے درمیان یعنی اللہ اور اللہ کے رسول کے فرمان سے پہلے اپنا فیصلہ نہ کرو نہ قولی نہ فعلی۔

ضحاک نے کہا یعنی جہاد اور قوانین دین کے معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے پہلے فیصلہ نہ کرو۔

ابوعبیدہ نے کہا عرب کہتے ہیں لَا تُقَدِّمْ بَيْنَ يَدَيِ الْاِمَامِ. لَا تُقَدِّمْ بَيْنَ يَدَيِ الْاَبِ یعنی حکم دینے ممانعت کرنے اور جھڑکنے میں حاکم اور باپ سے عجلت نہ کرو۔

آنحضرت کی تعظیم اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے

بعض اہل علم نے کہا کہ اصل مقصد ہے اللہ کے رسول کے سامنے پیش دستی کرنے کی ممانعت اللہ کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف ایماء کرنا مقصود ہے کہ اللہ کے رسول پر تقدیم گویا اللہ پر تقدیم ہے۔ کیوں کہ اللہ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ آپ کی تعظیم اللہ کی تعظیم اور آپ سے بے ادبی کرنی اللہ سے بے ادبی کرنی ہے۔

عید نماز سے پہلے قربانی نہ کرو:

حضرت براءؓ بن عازب کا بیان ہے کہ قربانی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطاب کیا اور فرمایا آج سب سے پہلے ہم نماز ادا کریں پھر واپس آ کر قربانی کریں۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہمارے طریقہ کو پا لیا۔ جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی تو یہ (قربانی نہیں بلکہ) معمولی گوشت ہے جو گھر والوں کے لئے اس نے پہلے سے تیار کرلیا ہے قربانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں (متفق علیہ) حضرت جندبؓ بن عبداللہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ قربانی کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی پھر خطبہ دیا پھر قربانی کی۔ پھر فرمایا جس نے نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کی وہ اس کی جگہ اور قربانی کرے (متفق علیہ)

احادیث مذکورہ کی روشنی میں امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام محمد نے فرمایا کہ امام کی نماز سے پہلے قربانی کرنی جائز نہیں۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا دیہات میں چوں کہ عید کی نماز نہیں پڑھی جاتی اس لئے فجر صادق کے طلوع کے بعد قربانی کرنی جائز ہے باقی تینوں اماموں کا قول اس کے خلاف ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے قول کی دلیل:

یہ ہے کہ نماز سے قربانی کو مؤخر کرنے کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ اگر نماز سے پہلے قربانی کی جائے گی تو ممکن ہے کہ قربانی میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز سے کچھ غفلت ہو جائے لیکن دیہات میں چوں کہ عید کی نماز ہی نہیں ہے۔ اس لئے قربانی کی تاخیر کی کوئی مصلحت ہی نہیں۔

شان نزول: طبرانی نے الاوسط میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ ماہ رمضان شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے رکھنے سے بھی اول روزے رکھ لیا کرتے تھے۔ اس پر اللہ نے آیت لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ نازل فرمائی۔

رمضان سے پہلے روزے رکھنا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رمضان شروع ہونے سے دو ایک روز پہلے روزے رکھنے نہ شروع کر دیا کرو۔ ہاں وہ شخص رمضان سے دو ایک روز پہلے روزہ رکھ سکتا ہے جو برابر روزے رکھتا چلا آیا ہے۔ رواہ اصحاب الصحاح والسنن الستۃ۔ (تفسیر مظہری)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱﴾
اور ڈرتے رہو اللہ سے سنتا ہے جانتا ہے ☆

سچی فرمانبرداری کی شرط

یعنی اللہ و رسول کی سچی فرمانبرداری اور تعظیم اسی وقت میسر ہو سکتی ہے

جب خدا کا خوف دل میں ہو۔ اگر دل میں ڈر نہیں تو محض دعویٰ اسلام کو نباہنے کے لئے اللہ و رسول کا نام بار بار زبان پر لائے گا اور بظاہر ان کے احکام کو مانے گا۔ رکھے گا لیکن فی الحقیقت ان کو اپنی اندرونی خواہشات و اغراض کی تحصیل کے لئے ایک حیلہ و آلہ کار بنائے گا۔ سو یاد رہے کہ جو زبان پر ہے اللہ سنتا ہے اور جو دل میں ہے اسے جانتا ہے پھر اسکے سامنے یہ فریب کیسے چلے گا چاہئے کہ آدمی اس سے ڈر کر کام کرے۔ (تفسیر عثمانی)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ

اے ایمان والو بلند نہ کرو اپنی آوازیں

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ

نبی کی آواز سے اوپر اور اس سے نہ بولو تڑخ کر

بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ

جیسے تڑختے ہو ایک دوسرے پر کہیں اکارت نہ ہو جائیں

اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ

تمہارے کام اور تم کو خبر بھی نہ ہو

مجلس نبوی کے آداب

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شور نہ کرو اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلاف ادب ہے آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے تفخیم و احترام کے لہجہ میں ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ سے، لائق شاگرد استاد سے، مخلص مرید پیر و مرشد سے، اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے پیغمبر کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھنی چاہئے مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپ کو تکدر پیش آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانا کہاں ہے۔ ایسی صورت میں تمام عمل ضائع ہونے اور ساری محنت اکارت جانے کا اندیشہ ہے۔

احادیث کی مجلس اور روضۂ نبوی کے آداب

(تنبیہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہ ہی ادب چاہئے اور جو قبر شریف کے پاس حاضر ہوں وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء، علماء ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ کی ادب سے پیش آنا چاہئے تاجماعتی انتظام قائم رہے، فرق مراتب نہ کرنے سے بہت مفاسد اور فتنوں کا دروازہ کھلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام جس طرح حیات مبارکہ میں تھا اب بھی ضروری ہے

احادیث میں ہے کہ ایک مرتبہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں دو شخصوں کی آواز سنی تو ان کو تنبیہ فرمائی اور پوچھا کہ تم لوگ کہاں کے ہو معلوم ہوا کہ یہ اہل طائف ہیں تو فرمایا اگر یہاں مدینے کے باشندے ہوتے تو میں تم کو سزا دیتا (افسوس کی بات ہے کہ) تم اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں۔ اس حدیث سے علماء امت نے یہ حکم اخذ فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آپ کی حیات مبارکہ میں تھا اسی طرح کا احترام وفات کے بعد اب بھی لازم ہے کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں حی (زندہ) ہیں اور جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیوی حیات مبارکہ میں لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ کی حرمت و ممانعت تھی اسی طرح اب بھی ہے۔ اس لئے قبر مبارک کے پاس بلند آواز سے بات کرنا اور نعت وغیرہ پڑھنا ممنوع ہے اور سکون اور تعظیم و تکریم کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

مجلس نبوی کا ادب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا یا بلند آواز سے اس طرح گفتگو کرنا جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے محابا کیا کرتے ہیں ایک قسم کی بے ادبی گستاخی ہے چنانچہ اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام کا یہ حال ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قسم ہے کہ اب مرتے دم تک آپ سے اس طرح بولوں گا جیسے کوئی کسی سے سرگوشی کرتا ہو (دُر منثور عن البیہقی) اور حضرت عمرؓ اسقدر آہستہ بولنے لگے کہ بعض اوقات دوبارہ پوچھنا پڑتا تھا (کذا فی الصحاح) اور حضرت ثابت بن قیس طبعی طور پر بہت بلند آواز تھے یہ آیت سن کر وہ بہت ڈرے اور روئے اور اپنی آواز کو گھٹایا (بیان القرآن از دُر منثور)

روضۂ اقدس کے سامنے بھی بہت بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ممنوع ہے

قاضی ابوبکر ابن عربی نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہی واجب ہے جیسا حیات میں تھا اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام وکلام کرنا ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح جس مجلس میں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جا رہی ہوں اس میں بھی شور و شغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جس وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کے لئے خاموش ہو کر اسکا سننا واجب و ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جس مجلس میں آپ کا کلام سنایا جاتا ہو وہاں شور و شغب کرنا بے ادبی ہے۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

پیغمبر کی گستاخی کفر ہے۔ یعنی خطرہ ہے کہ اس طرح سے کہیں تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں۔ یہ ممانعت کی علت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و تعظیم کا لحاظ نہ رکھتے ہوئے آپ کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنا توہین نبی پر دلالت کرتا ہے اور توہین نبی کفر ہے اور کفر حبط اعمال کا موجب ہے پس نبی کے آواز سے اپنی آواز اونچی کرنی اگر اہانت نبی کی وجہ سے ہو تو کفر ہے اور اگر لاپرواہی اور نگہداشت ادب کے فقدان کے زیر اثر ہو تو برکات صحبت سے محرومی کی موجب ہے۔ صحابیت کے فائدہ سے محروی ہو جائے تو ایسی صحابیت بیکار ہے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ
جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں
عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
رسول اللہ کے پاس وہی ہیں جن کے
امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى
دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے ☆☆

ادب کی بنیاد: یعنی جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تواضع اور ادب و تعظیم سے بولتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں یہ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ادب کی تخم ریزی کے لئے جانچ لیا ہے اور خالص تقویٰ و طہارت کے واسطے تیار کر دیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ چار چیزیں اعظم شعائر اللہ سے ہیں قرآن، کعبہ، پیغمبر، نماز۔ ان کی تعظیم وہی کرے گا جس کا دل تقویٰ سے مالا مال ہو "وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ" (الحج رکوع ۴) یہاں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے زیادہ آواز بلند کرنا خلاف ادب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و ارشادات سننے کے بعد ان کے خلاف آواز اٹھانا کس درجہ کا گناہ ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ حکم کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ کے ساتھ۔ فرمایا اگر نہ پاؤ؟ جواب دیا سنت رسول اللہ کے ساتھ فرمایا اگر نہ پاؤ۔ جواب دیا اجتہاد کروں گا۔ تو آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا خدا کا شکر ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو یہ توفیق دی جس سے خدا کا رسول خوش ہو (ابوداؤد)

حضرت سفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کسی قول و فعل میں اللہ اور اس کے رسول پر سبقت نہ کرو۔

حضرت ثابت بن قیس کا حال: ابن جریر میں ہے جب یہ آیت اتری تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راستے میں بیٹھ گئے اور رونے لگے حضرت عاصم ابن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وہاں سے گزرے اور انہیں روتے دیکھا تو سبب دریافت کیا۔ جواب ملا کہ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل نہ ہوئی ہو میری آواز بلند ہے۔ حضرت عاصمؓ یہ سن کر چلے گئے ادھر حضرت ثابتؓ کی ہچکی بندھ گئی دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گھر گئے اور اپنی بیوی صاحبہ حضرت جمیلہؓ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول سے کہا میں اپنے گھوڑے کے طویلے میں جا رہا ہوں تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیل سے اسے جڑ دو خدا کی قسم میں اس میں سے نہ نکلوں گا یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے رضامند کر دے۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جب حضرت عاصمؓ نے دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا تو آپ نے حکم دیا کہ تم جاؤ اور ثابتؓ کو میرے پاس بلا لاؤ۔ لیکن جب عاصم رضی اللہ عنہ اس جگہ آئے تو دیکھا کہ حضرت ثابتؓ وہاں نہیں ہیں مکان پر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ تو گھوڑے کے طویلے میں ہیں یہاں آ کر کہا کہ ثابت چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ حضرت ثابتؓ نے کہا بہت خوب کیل نکال ڈالو اور دروازہ کھول دو پھر باہر نکل کر سرکار میں حاضر ہوئے تو آپ نے رونے کی وجہ پوچھی جس کا سچا جواب حضرت ثابتؓ سے سن کر آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم قابل تعریف زندگی جیو اور شہید ہو کر مرو اور جنت میں جاؤ۔ اس پر حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سارا رنج کافور ہو گیا باچھیں کھل گئیں اور فرمانے لگے یا رسول اللہ میں اللہ تعالیٰ کی اور آپ کی اس بشارت پر بہت خوش ہوں اور اب آئندہ کبھی بھی اپنی آواز کو آپ کی آواز سے اونچی نہ کروں گا۔ اس پر اس کے بعد کی آیت اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ الخ نازل ہوئی۔ یہ قصہ اس طرح کئی ایک تابعین سے بھی مروی ہے۔

نافرمانیوں سے بچنے والے: امام احمدؒ نے کتاب الزہد میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ سے ایک تحریری استفتار لیا گیا کہ اے امیر المومنین ایک وہ شخص جسے نافرمانی کی خواہش ہی نہ ہو اور نہ کوئی نافرمانی اس نے کی ہو اور وہ شخص جسے خواہش معصیت ہے لیکن وہ برا کام نہیں کرتا ان میں

افضل کون ہے؟ آپ نے جواب میں لکھا کہ جنہیں معصیت کی خواہش ہوتی ہے پھر نافرمانیوں سے بچتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کے لئے آزما لیا ہے ان کے لئے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فائدہ: یہ جملہ دلالت کر رہا ہے کہ رسول اللہ کی تعظیم کی وجہ سے پست آواز سے کلام کرنا اللہ کو بہت ہی پسند ہے اور ایسے لوگ کمال کے انتہائی درجہ پر فائز ہیں۔ ان کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے کلام کرنا (اور شور و غل مچانا) اللہ کے نزدیک بہت ہی برا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا۔ ہم اپنے سامنے جنتی یعنی ثابت بن قیس کو جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی چلتے پھرتے دیکھتے تھے (اور جانتے تھے کہ یہ زندہ جنتی ہیں) اور ان ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ تم قابل ستائش زندگی گزارو گے اور شہادت کی موت مارے جاؤ گے اور جنت میں چلے جاؤ گے۔

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جب جنگ یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے مقابلہ ہوا تو ثابتؓ کو (شروع میں) مسلمانوں میں کچھ شکست کی حالت نظر آئی بلکہ ایک جماعت تو شکست کھا کر بھاگ بھی پڑی۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت ثابتؓ نے کہا۔ ان لوگوں پر افسوس ہے۔ پھر حضرت سالمؓ سے فرمایا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں تو ہم اللہ کے دشمنوں سے اس طرح نہیں لڑتے تھے اس قول کے بعد دونوں حضرات نے ثابت قدمی کی۔ پھر تا دم شہادت سخت قتال کیا۔ حضرت ثابتؓ شہید ہو گئے۔ اس وقت آپ زرہ پہنے ہوئے تھے مرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں سے کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ خواب میں آپ نے اس صحابی کو بتایا کہ میری زرہ ایک مسلمان، تارکِ لشکر کے کنارہ پر ایک جگہ لے گیا۔ وہاں گھوڑا رسی سے بندھا ہوا ہے اور زرہ پر پتھر کی ایک ہانڈی رکھ دی ہے۔ تم خالد بن ولید سے جا کر کہہ دو کہ وہ میری زرہ اس شخص سے واپس لے لیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ سے جا کر یہ بات کہہ دو کہ مجھ پر کچھ قرض ہے وہ ادا کر دیا جائے۔ اور میرا فلاں غلام آزاد ہے (یعنی میں آزاد کرتا ہوں) اس صحابی نے حضرت خالدؓ سے جا کر یہ بات کہہ دی۔ حضرت خالدؓ نے جا کر دیکھا تو زرہ اور گھوڑا ویسے ہی پایا جیسا بیان کیا تھا آپ نے زرہ واپس لے لی حضرت خالدؓ نے یہ خواب حضرت ابوبکرؓ سے جا کر بیان کر دیا تو آپ نے حضرت ثابتؓ کی وصیت پوری کر دی حضرت مالک بن انس نے فرمایا اس وصیت کے علاوہ مجھے کوئی ایسی دوسری وصیت معلوم نہیں جس کو پورا کیا گیا ہو۔ (تفسیر مظہری)

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

اُن کے لئے معافی ہے اور ثواب بڑا ☆

☆ یعنی ان اخلاص و تقویٰ شعاری کی برکت سے پچھلی کوتاہیاں معاف ہوں گی اور بڑا بھاری ثواب ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ

بے شک جو لوگ پکارتے ہیں تجھ کو

الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

دیوار کے پیچھے سے وہ اکثر عقل نہیں رکھتے

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ

اور اگر وہ صبر کرتے جب تک تو نکلتا

اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ

اُن کی طرف تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بخشنے والا مہربان ہے☆

واقعہ بنوتمیم ☆☆ بنی تمیم ملنے کو آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ مبارک میں تشریف رکھتے تھے، وہ لوگ باہر سے آوازیں دینے لگے ''یا محمد اخرج الینا'' (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم باہر آیئے) یہ بے عقلی اور بے تہذیبی کی بات تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو نہیں سمجھتے تھے کیا معلوم ہے اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ یا کسی اور مہم کام میں مشغول ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات تو مسلمانوں کے تمام دینی و دنیوی امور کا مرکز و ملجا تھی کسی معمولی ذمہ دار آدمی کے لئے بھی کام کرنا سخت مشکل ہو جائے اگر اس کا کوئی نظام الاوقات نہ ہو۔ اور آخر پیغمبر کا ادب و احترام بھی کوئی چیز ہے چاہیے تھا کہ کسی کی زبانی اندر اطلاع کراتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے باہر تشریف لانے تک صبر کرتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے اس وقت خطاب کرنا چاہیے تھا۔ ایسا کیا جاتا تو ان کے حق میں بہتر اور قابل ستائش ہوتا۔ تاہم بے عقلی اور ناواقفی سے جو بات اتفاقاً سرزد ہو جائے اللہ اس کو اپنی مہربانی سے بخشنے والا۔

ہے۔ چونکہ یہ پی تقسیم پر نادم ہو رہ آئندہ ہمارا یہ عقیدہ نہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت ہی وہ نقطہ ہے جس پر قوم مسلم کی تمام پراگندہ قوتیں و منتشر جذبات جمع ہو سکتے ہیں اور یہی وہ ملی رشتہ ہے جس پر اسلامی اخوۃ کا نظام قائم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مدینہ طیبہ میں نو تھیں ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک حجرہ الگ تھا جن میں آپ باری باری تشریف لے جاتے تھے۔

حجرات امہات المؤمنین: ابن سعد نے بروایت عطا خراسانی بیان کیا ہے کہ یہ حجرات کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور ان کے دروازوں پر سیاہ اون کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ امام بخاری نے ادب المفرد میں اور بیہقی نے داؤد بن قیس سے روایت لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ان حجرات کی زیارت کی ہے میرا گمان یہ ہے کہ حجرہ کے دروازہ سے سقف بیت تک چھ سات ہاتھ ہوگا اور بیت (کمرہ) دس ہاتھ اور چھت کی اونچائی سات آٹھ ہاتھ ہوگی۔ یہ حجرات امہات المؤمنین ولید بن عبد الملک کی حکومت میں ان کے حکم سے مسجد نبوی میں شامل کر دیئے گئے۔ مدینہ میں اس روز لوگ بہت رو رہے تھے (؟)

تنبیہ: صحابہ و تابعین نے اپنے علماء و مشائخ کے ساتھ بھی اسی ادب کا استعمال کیا ہے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ جب میں کسی عالم صحابیؓ سے کوئی حدیث دریافت کرنا چاہتا تھا تو ان کے مکان پر جا کر دروازہ پر بیٹھ جاتا تھا اور دروازہ پر دستک نہیں دیتا تھا جب تک کہ وہ خود ہی باہر تشریف لاتے اس وقت ان سے دریافت کرتا۔ وہ مجھے دیکھ کر فرماتے کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی آپ نے دروازہ پر دستک کیوں نہ دی؟ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عالم اپنی قوم میں مثل نبی کے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نبی کی شان میں یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ان کے باہر آنے کا انتظار کیا جائے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی کسی عالم کے دروازہ پر جا کر دستک نہیں دی بلکہ اس کا انتظار کیا کہ وہ خود ہی جب باہر تشریف لاویں گے اس وقت ملاقات ہوگی۔ (روح المعانی)

مسئلہ: آیت مذکورہ میں حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ کی قید بڑھانے سے یہ ثابت ہوا کہ صبر و انتظار اس وقت تک کرنا ہے جب تک کہ آپ لوگوں سے ملاقات کے لئے باہر تشریف لائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا باہر تشریف لانا کسی دوسری ضرورت سے ہو اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مطلب کی بات کرنا مناسب نہیں بلکہ اس کا انتظار کریں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوں اس وقت بات کریں۔ اگر واقعات متعدد مانے جائیں تو یہ مطلب ہوگا کہ کبھی ایک حجرہ کے باہر سے اور کبھی دوسرے حجرہ کے باہر سے پکارتے تھے۔ (معارف القرآن)

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ اکثر بے سمجھ ہیں۔

سبب نزول: ثعلبی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حجرہ کے باہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس نے پکارا تھا۔ یہی دونوں ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر دوپہر کے وقت مدینہ میں پہنچے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بی بی کے حجرہ میں سو رہے تھے۔ انہیں دونوں نے پکار کر کہا تھا۔ محمد! باہر آؤ۔ ابن جریر نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اقرع بن حابس نے کہا تھا۔ محمد ہمارے پاس باہر آؤ۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

عبد الرزاق نے بوساطت معمر قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ محمد میں جس کی تعریف کر دوں تو اس کے لئے میری تعریف جمال آفریں ہو جاتی ہے اور کسی کو برا کہہ دوں تو میرا برا کہنا اس کے لئے موجب عیب ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ تو صرف اللہ ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے (کسی صحابی کا نام اس روایت میں نہیں ہے) لیکن اس کی شاہد وہ حدیث ہے جو نزول آیت کے متعلق حضرت براء بن عازب کی روایت سے مرفوعاً آئی ہے ابن جریج نے حسن کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

بغوی نے قتادہ اور جابرؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ یہ آیت (یعنی یہ آیت اور اس سے بعد کی آیات) بنی تمیم کے کچھ خانہ بدوش بدویوں کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے دروازہ پر (پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) آوازیں دی تھیں۔ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ دروازہ پر پہنچ کر انہوں نے پکار مچائی۔ محمد باہر نکل کر آؤ۔ ہماری طرف سے (کسی کی) تعریف (اس کے لئے) باعث زینت ہے اور ہماری طرف سے (کسی کی) مذمت موجب عیب ہے آوازیں۔ حضور یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ ایسا تو بس اللہ ہے۔ جس کی طرف سے کسی کی ستائش موجب زینت اور مذمت موجب عیب ہے۔ دیہاتی بولے ہم اپنے شاعر اور خطیب کو ساتھ لے کر آئے ہیں۔

خطیب اور شاعر آمنے سامنے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابتؓ بن قیس سے فرمایا۔ اٹھو ان کو جواب دو۔ حضرت ثابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے۔ حسب الحکم آپ نے بنی تمیم کے خطیب کو جواب دیا۔ پھر ان کا شاعر کھڑا ہوا اور اس نے کچھ اشعار پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ بن ثابت کو حکم دیا۔ اٹھو ان کو جواب دو۔ حضرت حسانؓ نے اٹھ کر جواب دیا۔ یہ بات دیکھ کر اقرعؓ بن حابس (تمیمی) نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو یہ خیر تمام ہے۔ ہمارا خطیب بولا (تو ان کا

خطیب بھی ہو۔ اور ہمارے خطیب پر غالب آیا۔ پھر ہمارے شاعر نے کچھ اشعار پڑھے تو ان کے شاعر نے جواب دیا) پس (ہمارے شاعر سے) تمہارا شاعر احسن ثابت ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب پہنچا اور بول پڑا۔ اشهد ان لا اله الا الله واشهد انک رسوله۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس سے پہلے (تجھ سے) جو جرائم ہو گئے ہیں (وہ سب معاف ہو گئے) ان کا کوئی ضرر تجھے نہیں پہنچے گا۔ (یعنی ان کی مواخذہ نہیں کیا جائے گا) اس کے بعد ان سب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کچھ نقد اور) لباس عطا فرمایا۔ قافلہ میں ایک (بچہ) کم سنی کی وجہ سے رہ گیا تھا۔ جس کا نام عمرو بن اہتم تھا۔ قافلہ کے مال اور جانوروں کی نگرانی کے لئے یہ لوگ اس کو چھوڑ آئے تھے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اتنا ہی (حصہ) دیا۔ جتنا ان لوگوں میں سے ایک ایک کو دیا تھا۔ بعض لوگوں نے اس لڑکے کو (اپنے مقابلہ میں) حقیر قرار دیا (اور پورا حصہ دینے پر اعتراض کیا)۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (قبیلہ) بنی العنبر کی طرف ایک جہادی دستہ عیینہؓ بن حصین فزاری کے زیر کمانڈ روانہ کیا۔ جب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ عیینہ کا رخ ہماری طرف ہے تو وہ اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیینہ نے ان کے اہل وعیال کو قید کر لیا اور لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کچھ وقفہ کے بعد ان کے مرد اپنے بچوں کو زر فدیہ ادا کر کے رہا کرانے کے لئے آ گئے۔ جس وقت وہ آئے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بی بی کے حجرہ میں قیلولہ کر رہے تھے۔ ان کے بچوں نے جب اپنے باپوں کو دیکھا تو بیتاب ہو کر رونے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بی بی کا ایک مخصوص حجرہ تھا۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے سے پہلے ہی جلدی میں پکارنے لگے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! باہر آیئے۔ غرض (شور مچا کر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے آئے۔ ان لوگوں نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم! فدیہ لے کر ہمارے اہل وعیال کو رہا کر دو۔ اس وقت جبرئیلؑ نازل ہوئے اور کہا۔ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے اور ان لوگوں کے درمیان کسی تیسرے شخص کو (بطور پنچ) مقرر کر دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی پانے کے بعد فرمایا۔ سبرہ بن عمرو تمہارا ہم مذہب ہے۔ کیا تم لوگ اس کو میرے اور اپنے درمیان ثالث بنانا پسند کرو گے؟ ان لوگوں نے جواب دیا جی ہاں سبرہ نے کہا۔ جب تک میرا چچا اعور بن بشامہ یہاں موجود نہ ہوگا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا یعنی اعور سے فیصلہ کراؤں گا۔ خود کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ لوگ راضی ہو گئے۔ اعور نے فیصلہ ان کے آدھے اہل وعیال کو بغیر معاوضہ کے آزاد کیا جائے اور باقی نصف کو فدیہ لے کر رہا کیا جائے

حضور نے فرمایا۔ میں اس پر راضی ہوں۔ چنانچہ نصف کو بلا معاوضہ اور نصف کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔ اور اللہ نے آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ نازل فرمائی۔

عقلمندی کا تقاضا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو ملنے کی ضرورت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا مقصد حاصل کرنے کی حاجت تھی۔ اس سے عقل کا تقاضا تھا۔ ایسی شخصیت جس کی عظمت مرتبہ اللہ کی طرف سے بے مثال تھی۔ اس کی وہ لوگ تعظیم کرتے اور نفسانی اغراض کے زیر اثر جو کاربراری میں عجلت پسندی کی تھی۔ اس سے اپنے آپ کو روکے رکھتے اور اس وقت تک اپنے مقصد کو پیش کرنے سے رکے رہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم (مقررہ وقت پر قیلولہ کے بعد اٹھ کر) باہر تشریف لے آتے اور خود ہی کلام کا آغاز فرماتے تو یہ فعل ان کے لئے بہتر ہوتا۔ بے ادبی نہ ہوتی اور اللہ کے رسول کی تعظیم بھی ہوتی۔ اور پھر اس کا ثواب بھی ملتا اور ان کے عمل کو قابل ستائش قرار دیا جاتا اور کام بھی پورا ہو جاتا۔ متکلم نے بہتر ہونے کا یہ مطلب بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کو بلا معاوضہ رہا کر دیتے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ

اے ایمان والو اگر آئے تمہارے پاس کوئی گنہگار

بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ

خبر لے کر تو تحقیق کر لو کہیں جا نہ پڑو کسی قوم پر نادانی سے

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝

پھر کل کو اپنے کیے پر لگو پچھتانے ☆

نزاعات کا انسداد: بہت سی نزاعات ومناقشات کی ابتدا جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اس لئے اول اختلاف وتفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرو فرض کیجئے ایک بے راہرو اور تکلیف دہ آدمی اپنے کسی خیال اور جذبے سے بے قابو ہو کر کسی قوم کی شکایت کی تم محض اس کے بیان پر اعتماد کر کے اس قوم پر چڑھ دوڑے بعدہ ظاہر ہوا کہ اس شخص نے غلط کہا تھا۔ تو خیال کرو اس وقت کس قدر پچھتانا پڑے گا اور اپنی جلد بازی پر کیا کچھ ندامت ہوگی اور اس کا نتیجہ جماعت اسلام کے حق میں کیسا خراب ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کوئی شریر فاسق آدمی اگر کسی شخص یا قوم کی شکایت کرے اُن پر کوئی الزام لگائے تو اسکی خبر یا شہادت پر بغیر مکمل تحقیق کے عمل کرنا جائز نہیں۔

آیت سے متعلقہ احکام ومسائل

امام جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس آیت میں ایک قراءت فَتَثَبَّتُوْا کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے۔ اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہوا تو شہادت کو قبول کرنا بدرجہ اولی ناجائز ہوگا کیونکہ شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف وقسم کے ساتھ موکد کی جاتی ہے اس لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں۔ البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔

مسئلہ: یہ کہ کوئی فاسق ہدیہ کا کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے۔ اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین الحکام وغیرہ میں ہے۔

صحابہؓ کے متعلق اہل سنت کا عقیدہ: عقیدہ اہل سنت والجماعت کا نصوص قرآن وسنت کی بناء پر یہ ہے کہ صحابی سے گناہ تو ہو سکتا ہے مگر کوئی صحابی ایسا نہیں جو گناہ سے توبہ کر کے پاک نہ ہو گیا ہو۔ قرآن کریم نے علی الاطلاق ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ آیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

سبب نزول: احمد وغیرہ نے عمدہ سند کے ساتھ بیان کیا کہ حارثؓ بن ضرار خزاعی نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلام کی دعوت دی میں نے اقرار کر لیا اور اسلام میں داخل ہو گیا۔ حضور نے مجھے زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دی میں نے اس کا بھی اقرار کر لیا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی قوم کے پاس واپس جاؤں گا اور ان کو اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دوں گا جو شخص میری دعوت قبول کرے گا میں اس کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا۔ آپ میرے پاس فلاں فلاں اوقات میں کسی کو بھیج دیں کہ وہ زکوٰۃ کا مال لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دے۔ (یہ کہہ کر حارث چلے گئے اور) زکوٰۃ جمع کر لی۔ جب مقررہ وقت آ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد نہیں پہنچ پایا تو حارث نے خیال کیا کہ میرے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ ناراضگی ہو گئی۔ اس لئے انہوں نے سرداران قوم کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے مال پر قبضہ کرنے کے لئے قاصد بھیجنے کا ایک وقت مقرر فرما دیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتے معلوم ہوتا ہے کہ قاصد ورنہ بھیجنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کو دخل ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کی وجہ سے ہی قاصد کو نہیں بھیجا ہے) اس لئے تم سب چلو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود (مال لے کر) حاضر ہو جائیں ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولیدؓ بن عقبہ کو حارثؓ کے پاس بھیج چکے تھے۔ تاکہ زکوٰۃ کا جو مال حارث نے جمع کیا ہوا اس کو وصول کر لیں۔ ولید روانہ تو ہو گئے لیکن ڈر کر (راستہ ہی سے) لوٹ آئے۔ اور آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دیا کہ حارث نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنا چاہا (اس لئے میں بھاگ آیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں کا ایک دستہ حارث کے پاس بھیجا۔ حارثؓ اپنے ساتھیوں کو لے کر سامنے سے آتے ہوئے مل گئے۔ اس دستہ نے استقبال کے لئے وہ مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ حارث نے دریافت کیا تم لوگوں کو کس طرف بھیجا گیا ہے۔ ان لوگوں نے جواب دیا۔ تمہارے پاس۔ حارثؓ نے کہا کیوں؟ ان لوگوں نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے پاس ولید بن عقبہ کو بھیجا تھا۔ انہوں نے جا کر کہا کہ حارثؓ نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور ولیدؓ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ حارث نے کہا۔ نہیں قسم ہے اس کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ولیدؓ کو دیکھا بھی نہیں نہ وہ میرے پاس آیا۔ غرض حارثؓ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا اور میرے قاصد کو قتل کرنا چاہا تھا۔ حارثؓ نے کہا۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو نبی برحق بنایا ہے ایسا تو (بالکل) نہیں ہوا۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو اگر کوئی شریف آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔ (کہیں) کسی قوم کو انجانے میں ضرر نہ پہنچاؤ پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ طبرانی نے بھی ایسی ہی حدیث حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے اور علقمہ بن ناجیہ اور حضرت ام سلمہؓ کے حوالہ سے نقل کی ہے ابن جریر نے بھی بوساطت عوفی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ طبرانی نے حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے نیز بغوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے حق میں نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید کو بنی مصطلق کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جاہلیت کے زمانہ میں بنی مصطلق اور ولید کے درمیان عداوت تھی۔ بنی مصطلق کے لوگوں نے جب ولید کے آنے کی خبر سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے احترام میں ولید کے استقبال میں نکل آئے۔ ولید کے دل میں شیطان نے یہ وسوسہ پیدا کر دیا کہ وہ لوگ ولید کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے راستہ سے ہی لوٹ آیا اور آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے کہہ دیا کہ ان لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آ گیا اور ان سے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ بنی مصطلق کو جب ولید کے لوٹ جانے کی اطلاع ملی تو وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ جب ہم نے آپ کے قاصد (کے روانہ ہو جانے) کی خبر سنی تو ہم اس کے استقبال واحترام کے لئے اور اللہ کا جو حق ہم نے قبول کیا تھا اس کو ادا کرنے کے واسطے نکل آئے۔ لیکن واپس لوٹ پڑنا ہی اس کو مناسب معلوم ہوا۔ اس سے ہم کو اندیشہ ہوا کہ شاید راستہ سے لوٹ پڑنے کی یہ وجہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا کوئی خط راستہ میں اس کو پہنچ گیا۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ناراضگی کا اظہار کیا ہو۔ ہم اللہ کے اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ کے خواستگار ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی المصطلق کی صداقت کا یقین نہیں آیا اور آپ نے خالدؓ بن ولید کو کچھ فوج کی معیت میں پوشیدہ طور پر تحقیق کے لئے بھیج دیا اور یہ حکم دے دیا کہ تم جا کر دیکھنا اگر تم کو ان کے مسلمان ہونے کی کوئی علامت معلوم ہو تو ان کے مال کی زکوٰۃ لے لینا۔ ورنہ ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا جو کافروں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ حضرت خالدؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہاں پہنچے تو مغرب وعشاء کی اذان کی آواز سنی اور (حسب الحکم) ان سے زکوٰۃ وصول کر لی اور سوائے اطاعت اور بھلائی کے ان کی طرف سے کوئی بات بھی نہیں دیکھی۔ پھر واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل خبر بتا دی اس وقت آیت یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌ الخ نازل ہوئی۔

فَتَبَیَّنُوْۤا یعنی تحقیق حال کر لو۔ فاسق کی خبر کی تحقیق کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم چاہتا ہے کہ اگر ایک عادل (صالح) شخص کوئی خبر دے تو اس کی اطلاع کو قبول کیا جائے کیونکہ قبول خبر سے کوئی مانع نہیں ہے۔

لغت میں فسق کے معنی ہے نکلنا۔ عرب کہتے ہیں۔ **فسقت الرطبة عن قشرها** کھجور اپنے چھلکے سے نکل آئی۔ اصطلاح شرع میں بھی کافر پر اطلاق ہوتا ہے کیوں کہ وہ ایمان سے خارج ہوتا ہے۔ قرآنی استعمال میں فاسق اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو صغیرہ گناہوں پر جما رہے اور توبہ نہ کی ہو۔ آیت میں باجماع اہل تفسیر مرتکب بیرہ ہی مراد ہے۔

حضرت ولید بن عقبہؓ کا معاملہ: میں کہتا ہوں۔ ولید بن عقبہ صحابی تھے اور اس دروغ گوئی سے پہلے ان کا فسق ظاہر بھی نہیں ہوا تھا اور اس دروغ بیانی کا سبب بھی ان کی بدگمانی اور ان لوگوں کے متعلق غلط خیال بندی تھی جو اسلام سے پہلے ان کے دشمن تھے۔ اس لئے آیت میں فاسق سے مراد شاید ایسا شخص ہو جس کی سچائی اور عدالت ظاہر نہ ہوئی ہو۔ اس تفسیر پر وہ شخص جس کی حالت ظاہر نہ ہو مستور الحال ہو۔ اس میں داخل ہو جائے گا۔ یا فاسق سے مراد ایسا شخص ہے جس نے کوئی ایسی خبر دی ہو۔ جس کے غلط ہونے پر قرینہ دلالت کر رہا ہو۔ خواہ مخبر بظاہر صالح ہو۔ بنی مصطلق اپنی خوشی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لے آئے اور اسلام کے احکام قبول کئے تھے۔ ان کا مرتد ہو جانا بہت زیادہ بعید از عقل تھا۔ ولید کا قصداً یہ سوء ظن کی بنا پر دروغ بیانی کرنا اتنا بعید از قیاس نہیں تھا۔ (تفسیر مظہری)

ابوداؤد ترمذی نے حضرت سعید بن زید سے نقل کیا ہے کہ **واللہ لمشھد رجل منھم مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یغبر فیہ وجھہ خیر من عمل احدکم ولو عمر عمر نوح** یعنی خدا کی قسم ان میں سے کسی شخص کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جہاد میں شریک ہونا جس میں اُن کے چہرہ پر غبار پڑ گیا ہو تمہاری عمر بھر کی طاعت وعبادت سے افضل ہے اگرچہ اس کو عمر نوح علیہ السلام دیدی گئی ہو۔ اسلئے ان سے صدور گناہ کے وقت اگر چہ حدود وغیرہ میں معاملہ وہی کیا گیا جو اس جرم کے لئے مقرر تھا مگر اس کے باوجود بعد میں کسی کے لئے جائز نہیں کہ ان میں سے کسی کو فاسق قرار دے اسلئے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کسی صحابی سے کوئی گناہ موجب فسق سرزد بھی ہوا اور اسوقت ان کو فاسق کہا بھی گیا تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس فسق کو ان کے لئے مستمر سمجھ کر معاذ اللہ فاسق کہا جائے۔ (کذافی الروح)

اور یہ آیت مذکورہ میں تو قطعاً یہ ضروری نہیں کہ ولید بن عقبہ کو فاسق کہا گیا ہو سبب نزول خواہ اُن کا معاملہ ہی سہی مگر لفظ فاسق اُن کے لئے استعمال کیا گیا یہ ضروری نہیں۔

خبر کی تحقیق: آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ کچھ مسلمانوں نے ولید کو سچا جان کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی مصطلق پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مشورہ نہیں مانا اور خالدؓ بن ولید کو تحقیق واقعہ کے لئے بھیجا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں لوگوں کو خطاب کر کے تحقیق حال کرنے کا حکم دیا ہے۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس نے حکم دیا کہ آخرت میں ندامت اُٹھانی نہ پڑے۔ (تفسیر مظہری)

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ
اور جان لو کہ تم میں رسول ہے اللہ کا
لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ
اگر وہ تمہاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں
لَعَنِتُّمْ
تو تم پر مشکل پڑے☆

حق کو اپنی رائے کے تابع نہ بناؤ

یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری کہی خبر یا رائے پر عمل نہ کریں تو برا نہ مانو حق لوگوں کی خواہشوں یا رایوں کے تابع نہیں ہو سکتا۔ایسا ہو تو زمین و آسمان کا سارا کارخانہ ہی درہم برہم ہو جائے۔کما قال تعالیٰ ''وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ'' (المومنون رکوع ۴) الغرض خبروں کی تحقیق کیا کرو اور حق کو اپنی خواہش اور رائے کے تابع نہ بناؤ بلکہ اپنی خواہشات کو حق کے تابع رکھو۔اس طرح تمام جھگڑوں کی جڑ کٹ جائے گی۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں ''یعنی تمہارا مشورہ قبول نہ ہو تو برا نہ مانو اور دل عمل کرتا نبی اللہ کے حکم پر۔ان میں تمہارا بھلا ہے۔اگر تمہاری بات مانا کرے تو ہر کوئی اپنے بھلے کی کہے۔پھر کس کس کی بات پر چلے''۔(تفسیر عثمانی)

اللہ کے رسول ہی کی اطاعت ضروری ہے

پچھلی آیت میں قرآن کریم نے اسکو قانون بنا دیا کہ جس شخص کی خبر میں قرائن قویہ سے کوئی شبہ ہو جاوے تو قبل از تحقیق اُس پر عمل جائز نہیں۔اس آیت میں صحابۂ کرام کو ایک اور ہدایت کی گئی ہے کہ اگرچہ بنی المصطلق سے متعلق خبر ارتداد سن کر تمہارا جوش غیرت دینی کے سبب تھا مگر تمہاری رائے صحیح نہ تھی۔اللہ کے رسول نے جو صورت اختیار کی وہ ہی بہتر تھی (مظہری) مقصد یہ ہے کہ مشورہ طلب امور میں کوئی رائے دیدینا تو درست ہے لیکن یہ کوشش کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے کے مطابق ہی عمل کریں یہ درست نہیں کیونکہ اُمور دُنیویہ میں اگرچہ شاذ و نادر رسول کی رائے خلاف مصلحت ہونیکا امکان ضروری ہے جو شان نبوت کیخلاف نہیں لیکن حق تعالیٰ نے جو فراست اور دانش اپنے رسول کو عنایت فرمائی ہے وہ تمہیں حاصل نہیں ہے اسلئے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے پر چلا کریں تو بہت سے معاملات میں نقصان و مصیبت میں پڑ جاؤ گے۔

لَعَنِتُّمْ۔یعنی تم گناہ اور ہلاکت میں پڑ جاتے۔

صحابہؓ نے چونکہ ولید بن عقبہ سے بنی مصطلق کے مرتد ہو جانے کی خبر سنی تھی (اور ان کو یقین آ گیا تھا) اس لئے بنی مصطلق پر ان کو غصہ تھا اور یہ غصہ صرف اللہ کے دین کی حمایت کے لئے تھا۔(معارف مفتی اعظم)

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ
پر اللہ نے محبت ڈال دی تمہارے دل میں ایمان کی
وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ
اور کھبا دیا اُس کو تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈالدی

الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ
تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی
اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا
وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر اللہ کے فضل
مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ
سے اور احسان سے ☆

ایمان کی محبت:☆یعنی اگر تم یہ چاہتے ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری ہر بات مانا کریں تو بڑی مشکل ہوتی لیکن اللہ کا شکر کرو کہ اس نے اپنے فضل و احسان سے مومنین قانتین کے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا۔اور کفرو معصیت کی نفرت ڈالدی جس سے وہ ایسی بے ہودگی کے پاس بھی نہیں جا سکتے۔جس مجمع میں اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جلوہ افروز ہو وہاں کسی کی رائے و خواہش کی پیروی کہاں ہو سکتی ہے۔آج گو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان میں نہیں مگر حضور کی تعلیم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث وناءب یقیناً موجود ہیں اور رہیں گے۔(تفسیر عثمانی)

کفر، فسوق اور عصیان کا معنی اور آیت کا مطلب

بظاہر رفتار کلام سے معلوم ہو رہا ہے کہ فسوق کا درجہ عصیان سے اونچا اور کفر سے نیچا ہے کفر بہت ہی قبیح ہے۔اس سے کم برا فسق ہے کم عصیان ہے۔اس صورت میں فسوق سے مراد ہوگا۔جماعت سے نکل جانا اور بدعتی عقیدہ اختیار کرنا لیکن اعتقادی بدعت کے باوجود کفر کی حد تک نہ پہنچ جانا اور عصیان سے مراد ہے۔عملی گناہ اور اعضاء جسم کی نافرمانی جب کہ عقیدہ جمہور اہل سنت کے موافق ہو عقیدہ میں بدعت نہ ہو اس تشریح کی روشنی میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تم نے جو تامل اور تحقیق خبر سے کام نہیں لیا۔یہ قابل ملامت نہیں۔کیوں کہ تم کو کفر سے نفرت اور ایمان سے محبت ہے۔اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کا پیار اور کفر سے بغض پیدا کر دیا ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾
اور اللہ سب کچھ جانتا ہے حکمتوں والا ☆

☆یعنی وہ سب کی استعداد کو جانتا ہے اور ہر ایک کو اپنی حکمت سے وہ احوال و مقامات مرحمت فرماتا ہے جو اسکی استعداد کے مناسب ہوں۔(تفسیر عثمانی)

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
اور اگر دو فریق مسلمانوں کے
اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ
آپس میں لڑ پڑیں تو اُن میں ملاپ کرا دو پھر اگر
بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى
چڑھا چلا جائے ایک اُن میں سے دوسرے پر
فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى
تو تم سب لڑو اُس چڑھائی والے سے یہاں تک کہ پھر آئے
اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا
اللہ کے حکم پر پھر اگر پھر آیا تو ملاپ کرا دو
بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ
اُن میں برابر اور انصاف کرو بیشک
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝
اللہ کو خوش آتے ہیں انصاف والے☆

باہمی اختلاف ختم کرنے کا لائحہ عمل

☆یعنی ان تمام پیش بندیوں کے باوجود اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ اختلاف رفع ہو جائے۔ اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور کوئی فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم و زیادتی ہی پر کمر باندھ لے تو یکسو ہو کر نہ بیٹھ رہو بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان مل کر اس سے لڑائی کریں۔ یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آئے اور خدا کے حکم کی طرف سے رجوع ہو کر صلح کے لئے اپنے کو پیش کر دے اس وقت چاہئے کہ مسلمان دونوں فریق کے درمیان مساوات و انصاف کے ساتھ صلح اور میل ملاپ کرا دیں کسی ایک کی طرفداری میں جادہ حق سے ادھر ادھر نہ جھکیں۔ (تنبیہ) آیت کا نزول صحیحین کی روایت کے موافق "انصار" کے دو گروہ اوس و خزرج کے ایک وقتی ہنگامے کے متعلق ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان اسی آیت کے ماتحت صلح کرا دی۔

جو لوگ خلیفہ کے مقابلہ میں بغاوت کریں وہ بھی عموم آیت میں داخل ہیں چنانچہ قدیم سے علماء سلف بغاۃ کے مسئلہ میں اسی سے استدلال کرتے آئے ہیں لیکن جیسا کہ شان نزول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے تمام جماعتی مناقشات و مشاجرات کو شامل ہے۔ باقی باغیوں کے متعلق احکام شرعیہ کی تفصیل فقہ میں دیکھنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

عام مسلمان کیا کرے؟ جہاں کوئی امام و امیر یا بادشاہ و رئیس نہیں وہاں حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دونوں کو فہمائش کر کے ترک قتال پر آمادہ کیا جائے اور دونوں نہ مانیں تو دونوں لڑنے والے فرقوں سے الگ رہے نہ کسی کے خلاف لڑے نہ موافقت کذافی بیان القرآن۔

مسائل متعلقہ: مسلمانوں کے دو گروہوں کی باہمی لڑائی کی چند صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ دونوں جماعتیں امام المسلمین کے تحت ولایت ہیں یا دونوں نہیں یا ایک ہے ایک نہیں۔ پہلی صورت میں عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ فہمائش کر کے ان کو باہمی جنگ سے روکیں۔ اگر فہمائش سے باز نہ آئیں تو امام المسلمین پر اصلاح کرنا واجب ہے اگر حکومت اسلامیہ کی مداخلت سے دونوں فریق جنگ سے باز آ گئے تو قصاص و دیت کے احکام جاری ہونگے۔ اور باز نہ آئیں تو دونوں فریق کے ساتھ باغیوں کا سا معاملہ کیا جائے اور ایک باز آ گیا دوسرا ظلم و تعدی پر جما رہا تو دوسرا فریق باغی ہے اسکے ساتھ باغیوں کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھی جاسکتی ہے اور مختصر جامع حکم یہ ہے کہ قبل قتال انکے ہتھیار چھین لئے جاویں گے اور اُن کو گرفتار کر کے توبہ کرنے کے وقت تک قید رکھیں گے اور عین قتال کی حالت میں اور قتال کے بعد اُن کی ذریت کو غلام یا لونڈی نہ بنادیں گے اور ان کا مال، مال غنیمت نہیں ہوگا البتہ توبہ کرنے تک اموال کو محبوس رکھا جائیگا توبہ کے بعد واپس دیدیا جائے گا۔ آیات مذکورہ میں جو یہ ارشاد ہوا ہے فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا یعنی اگر بغاوت کرنے والا فرقہ بغاوت اور قتال سے باز آ جائے تو صرف جنگ بند کر دینے پر اکتفا نہ کرو بلکہ اسباب جنگ اور باہمی شکایات کے ازالہ کی فکر کرو تا کہ دلوں سے بغض و عداوت نکل جاوے اور ہمیشہ کے لئے بھائی چارے کی فضا قائم ہو جائے۔ اور چونکہ یہ لوگ امام المسلمین کے خلاف بھی جنگ کر چکے ہیں اس لئے ہو سکتا تھا کہ ان کے بارے میں پورا انصاف نہ ہو اسلئے قرآن نے تاکید فرمائی کہ دونوں فریق کے حقوق میں عدل و انصاف کی پابندی کی جائے (یہ سب تفصیل بیان القرآن سے لی گئی ہے اور اسمیں ہدایہ کے حوالہ سے ہے)۔

مسئلہ: اگر مسلمانوں کی کوئی بڑی طاقتور جماعت امام المسلمین کی اطاعت سے نکل جائے تو امام المسلمین پر لازم ہے کہ اول اُن کی شکایات سنے ان کو

کوئی شبہ یا غلط فہمی پیش آئی ہے تو اسکو دور کرے۔

مشاجرات صحابہ کے بارے میں ہمارا رویہ

یہ جائز نہیں ہے کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اسلئے کہ ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی، یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے کہ ان کے باہمی اختلافات سے کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہترین طریقے پر کریں کیونکہ صحابیت بڑی حرمت کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے۔" اس کے علاوہ متعدد سندوں سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرمایا۔

انّ طلحة شهيد يمشي على وجه الارض یعنی طلحہ روئے زمین پر چلنے والے شہید ہیں۔

اب اگر حضرت علیؓ کے خلاف حضرت طلحہؓ کا جنگ کے لئے نکلنا کھلا گناہ اور عصیان تھا تو اس جنگ میں مقتول ہو کر وہ ہرگز شہادت کا رتبہ حاصل نہ کرتے، اسی طرح حضرت طلحہؓ کا یہ عمل تاویل کی غلطی اور ادائے واجب میں کوتاہی قرار دیا جا سکتا تو بھی آپ کو شہادت کا مقام حاصل نہ ہوتا کیونکہ شہادت تو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب کوئی شخص اطاعت ربانی میں قتل ہوا ہو۔ لہٰذا ان حضرات کے معاملہ کو اسی عقیدہ پر محمول کرنا ضروری ہے جسکا اوپر ذکر کیا گیا۔

اس بات کی دوسری دلیل وہ صحیح اور معروف و مشہور احادیث ہیں جو خود حضرت علیؓ سے مروی ہیں اور جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "زبیر کا قاتل جہنم میں ہے"۔

نیز حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "صفیہؓ کے بیٹے کے قاتل کو جہنم کی خبر دیدو"۔ جب یہ بات ہے تو ثابت ہو گیا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ اس لڑائی کی وجہ سے عاصی اور گنہگار نہیں ہوئے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہؓ کو شہید نہ فرماتے اور حضرت زبیرؓ کے قاتل کے بارے میں جہنم کی پیشین گوئی نہ کرتے۔ نیز ان کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہے جن کے جنتی ہونے کی شہادت تقریباً متواتر ہے۔

اسی طرح جو حضرات صحابہؓ ان جنگوں میں کنارہ کش رہے انہیں بھی تاویل میں خطا کار نہیں کہا جا سکتا بلکہ ان کا طرز عمل بھی اس لحاظ سے درست تھا کہ اللہ نے ان کو اجتہاد میں اسی رائے پر قائم رکھا جب یہ بات ہے تو اس وجہ سے ان حضرات پر لعن طعن کرنا اس سے براءت کا اظہار کرنا اور انہیں فاسق قرار دینا ان کے فضائل و مجاہدات اور ان عظیم دینی مقامات کو کالعدم کر دینا کسی طرح درست نہیں۔ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ اس خون کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو صحابہ کرامؓ کے باہمی مشاجرات میں بہایا گیا تو انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھ دی کہ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ "یہ ایک امت تھی جو گزر گئی اسکے اعمال اسکے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔

کسی اور بزرگ سے یہی سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا۔" ایسے خون ہیں کہ اللہ نے میرے ہاتھوں کو ان میں رنگنے سے بچایا اب میں اپنی زبان کو ان سے آلودہ نہیں کروں گا"۔ مطلب یہی تھا کہ میں کسی ایک فریق کو کسی ایک معاملے میں یقینی طور پر خطا کار ٹھہرانے کی غلطی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا۔

علامہ ابن فورکؒ فرماتے ہیں۔" ہمارے بعض اصحاب نے کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو مشاجرات ہوئے انکی مثال ایسی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے درمیان پیش آنیوالے واقعات کی، وہ حضرات آپس کے ان اختلافات کے باوجود ولایت اور نبوت کی حدود سے خارج نہیں ہوئے۔ بالکل یہی معاملہ صحابہؓ کے درمیان پیش آنیوالے واقعات کا بھی ہے"۔

اور حضرت محاسبیؒ فرماتے ہیں کہ۔" ایسی لڑائی تھی جس میں صحابہ موجود تھے اور ہم غائب وہ پورے حالات کو جانتے تھے اور ہم نہیں جانتے، جس معاملہ پر تمام صحابہ کا اتفاق ہے ہم اس میں ان کی پیروی کرتے ہیں اور جس معاملہ میں ان کے درمیان اختلاف ہے اس میں سکوت اختیار کرتے ہیں۔

حضرت محاسبی فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی بات کہتے ہیں جو حسن بصری نے فرمائی ہم جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے جن چیزوں میں دخل دیا ان سے وہ ہم سے کہیں بہتر طریقے پر واقف تھے۔ لہٰذا ہمارا کام یہی ہے کہ جس پر وہ سب حضرات متفق ہوں اس کی پیروی کریں اور جسمیں انکا اختلاف ہو اس میں خاموشی اختیار کریں اور اپنی طرف سے کوئی نئی رائے پیدا نہ کریں، ہمیں یقین ہے کہ ان سب نے اجتہاد سے کام لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی تھی اس لئے کہ دین کے معاملہ میں وہ سب حضرات شک وشبہ سے بالاتر ہیں۔ (معارف القرآن)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا
مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں سو صلح کرا دو
بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ
اپنے دو بھائیوں میں اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم پر
تُرْحَمُوْنَ ؏
رحم ہو ☆☆

اصلاح کی پوری کوشش کرو ☆ یعنی صلح اور جنگ کی ہر ایک حالت میں یہ ملحوظ رہے کہ دو بھائیوں کی لڑائی یا دو بھائیوں کی مصالحت ہے' دشمنوں اور کافروں کی طرح برتاؤ نہ کیا جائے جب دو بھائی آپس میں ٹکرا جائیں تو یوں ہی ان کے حال پر نہ چھوڑ دو بلکہ اصلاح ذات البین کی پوری کوشش کرو اور ایسی کوشش کرتے وقت خدا سے ڈرتے رہو کہ کسی کی بے جا طرفداری یا انتقامی جذبہ سے کام لینے کی نوبت نہ آئے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ یعنی تمام مومنوں کی اصل ایک ہے۔ یعنی سب کو (مشترک) اصل ایمان ہے اور ایمان ہی حیات ابدی کا موجب ہے۔ اس لئے تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ اور چونکہ اس اصل کی پیدائش گاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مومنوں کے باپ اور آپ کی گھر والیاں تمام مسلمانوں کی مائیں قرار پائیں۔

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ یعنی اس امید پر تقویٰ پر قائم رہو کہ تم پر رحم کیا جائے گا کیونکہ باہم اتحاد' الفت' محبت اور آپس میں رحم کرنے کا سبب تقویٰ ہے اور آپس کی محبت و تراحم اللہ کی رحمت کا موجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر ہی رحم کرتا ہے (رواہ الجد د) صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا' اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔ یہ روایت حضرت جریر بن عبداللہ کی ہے۔

سبب نزول: بغوی نے لکھا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر سنائی تو سب مسلمانوں نے باہم صلح کر لی اور ہر شخص دوسرے کے ساتھ لڑنے سے رک گیا۔

سعید بن منصور اور ابن جریر نے حضرت ابو مالک کی روایت سے بیان کیا ہے کہ دو مسلمانوں میں باہم گالی گلوچ ہو گئی۔ جس کی وجہ سے ہر ایک کا قبیلہ دوسرے پر بھڑک اٹھا اور ہاتھوں اور جوتوں سے مار پیٹ شروع ہو گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی شاید یہ قصہ بعینہ اسی واقعہ کا بیان ہے جو اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔

ابن جریر ابن ابی حاتم نیز بغوی نے سدی کا بیان نقل کیا ہے۔ ایک انصاری تھے۔ جن کو عمران کہا جاتا تھا ان کی بیوی ام زید نے اپنے میکے جانے کا ارادہ کیا۔ شوہر نے روک دیا اور ایک بالا خانہ پر عورت کو رکھ دیا۔ عورت نے اپنے میکے کو خبر کر دی وہاں سے اس کا قبیلہ والے آ گئے اور عورت کو بالا خانہ سے نیچے اتار کر لیجانے لگے۔ شوہر باہر گیا ہوا تھا اس نے اپنے کنبے والوں سے مدد طلب کی۔ اس کے چچا کے بیٹے آ گئے اور عورت کو لے جانے میں مزاحمت کی آخر دونوں فریقوں میں دھکم دھکا ہونے لگی اور جوتوں سے لڑائی شروع ہو گئی۔ انہیں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر ان میں صلح کرادی اور سب اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

بغوی وغیرہ نے بوساطت سالم بیان کیا کہ سالم کے والد یعنی حضرت عبداللہ نے بیان کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس کی حق تلفی نہ کرے نہ گالی دے جو شخص اپنے بھائی کی حاجت (پوری کرنے) میں لگا رہتا ہے' اللہ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی دور کرتا ہے۔ اللہ روز قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور کر دے گا۔ جو شخص مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا۔ اللہ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ اس پر ظلم نہ کرے اس کو بے مدد نہ چھوڑے اور اس کی تحقیر نہ کرے' سینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا۔ تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔ آدمی کا یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون بھی اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔

باغی گروہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا

دونوں آیتیں دلالت کر رہی ہیں کہ باغی گروہ (دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا اس) پر مومن کا اطلاق کیا جا سکتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اسی پر دلالت کرتا ہے۔ وہ اثر جو حارث اعور نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ جنگ جمل اور صفین میں جو لوگ آپ کے مقابل تھے۔ کیا وہ مشرک تھے؟ فرمایا نہیں۔ شرک سے تو وہ بھاگ کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ سوال کیا گیا۔ تو کیا وہ منافق تھے؟ فرمایا نہیں۔ منافق تو اللہ کی یاد نہیں کرتے۔ عرض کیا گیا تو پھر وہ کون تھے فرمایا۔ وہ ہمارے بھائی تھے۔ جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی تھی۔

باغی گروہ کے قلع قمع کے مسائل

مسئلہ: اگر مسلمانوں کا کوئی گروہ امام (خلیفہ) کے خلاف جمع ہو جائے اور اس کے پاس اجتماعی قوت اور لڑنے والی طاقت بھی ہو تو خلیفہ کو چاہئے کہ اول اس کو اطاعت کی دعوت دے اور اس کے اعتراضات کو دور کر دے پھر اگر وہ کوئی ایسی وجہ ظاہر کریں جس کی وجہ سے انہوں نے امام کے خلاف صف آرائی کی ہے۔ مثلاً امام نے ان پر یا ان کے علاوہ دوسروں پر کچھ ظلم کیا ہو تو ایسے لوگوں سے جنگ کرنی امام کے لئے جائز نہیں۔ بلکہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان ظلم برادران بغاوت کی مدد کریں۔ تاکہ امام ان کے ساتھ انصاف کرے اور ظلم سے باز آ جائے (کذا قال ابن الہمام) لیکن بغاوت کو جائز قرار دینے والی کوئی معقول وجہ ظاہر نہ کر سکیں اور لڑنے کے لئے جتھے بند ہو جائیں تو امام کے لئے ان کو قتل کرنا اور ان سے لڑنا جائز ہے۔ (ھذا قول ابی حنیفہ)

امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ جب تک وہ خود جنگ شروع نہ کریں۔ ان کو قتل

کرنا جائز نہیں۔ مسلمانوں کو قتل کرنا صرف دفاع کی صورت میں جائز ہے اور وہ مسلمان ہیں اللہ نے فرمایا ہے۔ فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا امام احمدؒ امام مالکؒ اور اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ لغت میں بغی کا معنی ہے طلب کرنا۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۔ (یہی وہ ہے جس کے ہم طلب گار تھے) اس جگہ بغی سے مراد ہے ان چیزوں کی طلب جو انتظام (اور امن و انصاف) میں مخل ہو۔ جیسے جور، ظلم، احکام شروع کو قبول کرنے سے انکار۔ اس طرح دوسری آیت میں آیا ہے۔ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۔ اگر وہ عورتیں تمہاری اطاعت کریں تو پھر ان کے خلاف کسی طرح کی راہ ظلم تلاش نہ کرو۔

اس لئے مذکورہ بالا باغیوں سے قتال کرنے کے لئے یہ شرط ضروری نہیں کہ ابتداء قتال باغیوں کی طرف سے ہو۔ رہی یہ بات کہ باغیوں کے پاس فوج اور قوت جنگ ہونا ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ان کے پاس عسکری طاقت نہ ہو تو پھر ان سے جنگ کرنی غیر ضروری ہے ہم ان کو قید کر سکتے ہیں اور ان کو مار سکتے ہیں۔ اگر ہم جواز قتال کے لئے یہ شرط لازم قرار دیں کہ ابتداء جنگ باغیوں کی طرف سے ہو تو ممکن ہے کہ آئندہ ان کی قوت اتنی بڑھ جائے کہ ہم ان کا دفاع بھی نہ کر سکیں۔

مسئلہ: اگر باغیوں کا ایک گروہ ہو تو زخمی باغی پر حملہ کیا جائے (کہ وہ مر جائے) اور جو باغی منہ پھیر کر بھاگ رہا ہو۔ اس کا پیچھا کیا جائے تاکہ وہ اپنی جماعت سے جا کر مل نہ جائے۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ زخمی باغی پر حملہ نہ کیا جائے نہ بھاگتے ہوئے کا تعاقب کیا جائے۔ کیونکہ جب ان دونوں نے مسلمانوں سے لڑنا چھوڑ دیا تو اب ان کا قتل دفاعی نہیں رہا اور دفاع شر کے لئے ہی ان کے قتل کا جواز تھا۔ ابن ابی شیبہ نے عبد خیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا۔ پشت پھیر کر بھاگتے ہوئے کا تعاقب نہ کرنا اور جو ہتھیار ڈال دے اس پر حملہ نہ کرنا وہ امن یافتہ ہے۔ یہ جملہ بھی روایت میں آیا ہے کہ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔

ہم کہتے ہیں یہ (زخمی باغی اور پشت پھیر کر بھاگنے والے) جب اپنے گروہ سے جا کر مل جائیں گے تو شر کا اندیشہ بہرحال باقی رہے گا۔ رہا اہل جمل سے متعلق حضرت علیؓ کا حکم تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جمل والوں کا کوئی (مرکزی) گروہ (کہیں جمع) نہیں تھا۔

حاکم نے مستدرک میں اور بزار نے مسند میں بتوسط کوثر بن حکیم بروایت نافع از ابن عمرؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابن ام عبد! کیا تم کو معلوم ہے کہ اس امت میں سے اگر کوئی بغاوت کرے تو اللہ نے اس کے متعلق کیا حکم دیا ہے؟ ابن عمرؓ نے جواب دیا۔ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے۔ فرمایا۔ زخمی پر حملہ نہ کرو۔ قیدی کو قتل نہ کیا جائے۔ اس کے مال کو غنیمت سمجھ کر تقسیم نہ کیا جائے۔ کوثر بن حکیم کی وجہ سے اس روایت کو بزار نے معلل قرار دیا ہے اور ذہبی نے حاکم پر (اس روایت کی وجہ سے) گرفت کی ہے۔

مسئلہ: علماء کا بالاجماع فیصلہ ہے کہ باغی کے بیوی بچوں کو باندی غلام نہ بنایا جائے۔ نہ اس کے مال و متاع کو تقسیم کیا جائے بلکہ مال کو قرق کر لیا جائے اور جب تک وہ توبہ نہ کرے مال کو روکے رکھا جائے۔ ابن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت طلحہؓ اور ان کے ساتھیوں کو شکست دے دی تو آپ نے ندا دینے والے کو حکم دیا۔ اس نے ندا کر دی کہ اب نہ سامنے سے آنے والے کو قتل کیا جائے نہ پشت پھیرنے والے کو یعنی شکست دینے کے بعد یہ منادی کرا دی۔ کسی کا دروازہ نہ کھلوایا جائے اور کسی کی شرم گاہ کو حلال نہ سمجھا جائے نہ کسی کے مال کو (مال غنیمت بنا کر حلال سمجھا جائے) عبدالرزاق نے اس روایت میں اتنا زائد بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ مقتول (باغی) کا مال نہیں لیتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص (مقتول کے مال میں سے) کوئی چیز اپنی شناخت کر لے وہ لے لے۔

تاریخ واسط میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے دن فرمایا پشت پھیرنے والے کا پیچھا نہ کرو اور کسی زخمی پر (اس کو قتل کر دینے کے ارادہ سے) سخت حملہ نہ کرو اور کسی قیدی کو قتل نہ کرو اور (باغیوں کی) عورتوں سے الگ رہو خواہ وہ تم کو سخت سست کہیں اور تمہارے حاکموں کو گالیاں ہی دیں۔

مسئلہ: اگر باغیوں سے چھینے ہوئے ہتھیاروں کے ذریعے سے باغیوں سے لڑنے کی ضرورت ہو تو امام کی طرف داروں کو ان ہتھیاروں سے کام لینا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح باغیوں کی سواریوں پر سوار ہو کر بھی باغیوں سے جنگ کی جا سکتی ہے۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک اس کے خلاف ہے۔ ان بزرگوں کے نزدیک باغیوں کے ہتھیاروں اور سواریوں کا استعمال ناجائز ہے۔ ہمارے قول کی دلیل وہ روایت ہے جو ابن ابی شیبہ نے مصنف کے آخر میں بیان کی ہے کہ جمل میں جن اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر باغی آئے تھے اور جو ہتھیار انہوں نے استعمال کئے۔ حضرت علیؓ نے (باغیوں کی شکست کے بعد) وہ اپنے لشکر کو تقسیم کر دیئے۔ صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے۔ یہ تقسیم استعمال کرنے کے لئے تھی مالک بنانے کے لئے نہیں تھی کیونکہ بالاتفاق باغیوں کے مال کا (فاتح لشکر یا خلیفہ) مالک نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: باغیوں نے دوران جنگ وفادار ان امام کا جو جانی نقصان کر دیا ہو اور اس کی کوئی وجہ شرعی (باغیوں کے خیال میں) ہو اور ان کے پاس (فوجی و انتظامی) طاقت بھی ہو تو امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا (آخری راجح) قول نیز امام احمدؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوگا۔ شافعیؒ اور احمدؒ کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔

ابن شہاب زہری نے لکھا ہے کہ اس فتنہ میں بڑی خوں ریزی ہوئی جس

میں بعض موقعوں پر قاتل اور مقتول کی شناخت بھی ہو گئی اور بکثرت مال بھی ضائع ہوا لیکن جب لڑائی ختم ہو گئی اور فتنہ ٹھنڈا پڑ گیا اور باغیوں پر خلیفہ کا اقتدار ہو گیا تو میں نہیں جانتا کہ کسی سے قصاص لیا گیا ہو یا کسی سے تلف شدہ مال کا تاوان وصول کیا گیا ہو۔

مسئلہ: اگر کسی باغی نے امام کے کسی وفادار کو قتل کر دیا اور وہ مدعی ہے کہ میں نے یہ قتل ٹھیک کیا اور میرا یہ فعل برحق ہے تو قاتل مقتول کا وارث ہوگا اور اگر وہ اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہے تب تو وارث نہ ہوگا اور اگر امام کا کوئی وفادار کسی باغی کو قتل کر دے تو باجماع علماء قاتل مقتول کا وارث ہو سکتا ہے۔

مسئلہ: اطاعت امام سے خارج ہونے والوں کے پاس (ان کے خیال میں بھی) لوگوں کو قتل کرنے، رہزنی کرنے اور مال لوٹنے کی کوئی شرعی وجہ نہ ہو تو ان کے پاس خواہ فوجی طاقت ہو مگر رہزن اور ڈاکو قرار دیا جائے گا۔ ان کا حکم سورۃ مائدہ میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان کو قتل کیا جائے اور صلیب پر لٹکایا جائے یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور بستی سے نکال دیا جائے۔

مسئلہ: اطاعت امام سے سرکشی کرنے والے کے پاس اگر فوجی اور انتظامی طاقت نہ ہو تو مطابق حکم خدا ان کو قید کر دیا جائے۔ جسمانی مار لگائی جائے اور اس طرح کی دوسری سزا دی جائے مگر قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے سنا کوئی شخص مسجد کے گوشہ میں کہہ رہا تھا لا حُکم الا للّٰہ (خدا کے سوا کسی کا حکم جائز نہیں۔ فرمایا۔ بات تو سچی ہے لیکن اس کا مطلب غلط نکالا گیا ہے۔

تمہارے ہم پر تین حق ہیں۔ مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے (یعنی نماز پڑھنے) سے ہم تم کو نہیں روکیں گے۔ جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کے ساتھ ہوں گے۔ (یعنی جب تک تم ہمارے وفادار رہو گے) ہم مال غنیمت میں حصہ دار ہونے سے تم کو نہیں روکیں گے ہم تم سے لڑنے (اور تم کو قتل کرنے) کی ابتداء نہیں کریں گے امام محمدؒ نے کہا ہم کو بھی حضرت علیؓ کا یہ اثر اسی طرح پہنچا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ

اے ایمان والو ٹھٹھا نہ کریں ایک لوگ

مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا

دوسروں سے شاید وہ بہتر ہوں

مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى

ان سے اور نہ عورتیں دوسری عورتوں سے شاید

اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا

وہ بہتر ہوں ان سے اور عیب نہ لگاؤ

اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ

ایک دوسرے کو اور نام نہ ڈالو چڑانے کو ایک دوسرے کے ☆

آداب معاشرت ☆ اول مسلمانوں میں نزاع و اختلاف کو روکنے کی تدابیر بتلائی تھیں پھر بتلا دیا کہ اگر اتفاقاً اختلاف رونما ہو جائے تو پرزور اور موثر طریقہ سے اس کو مٹایا جائے لیکن جب تک نزاع کا خاتمہ نہ ہو کوشش ہونی چاہئے کہ کم از کم جذبات منافرت و مخاصمت زیادہ تیز اور مشتعل نہ ہونے پائیں۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو شخصوں یا دو جماعتوں میں اختلاف رونما ہوا بس ایک دوسرے کا تمسخر اور استہزاء کرنے لگتا ہے ذرا سی بات ہاتھ لگ گئی اور ہنسی مذاق اڑانا شروع کر دیا حالانکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید جس کا مذاق اڑا رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہو بلکہ بسا اوقات یہ خود بھی اختلاف سے پہلے اسکو بہتر سمجھتا ہوتا ہے مگر ضد و نفسانیت میں دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا اس طریقہ سے نفرت و عداوت کی خلیج روز بروز وسیع ہوتی رہتی ہے اور قلوب میں اس قدر بعد ہو جاتا ہے کہ صلح و ائتلاف کی کوئی امید باقی نہیں رہتی آیت ہذا میں خداوند قدوس نے اسی قسم کی باتوں سے منع فرمایا ہے یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کے ساتھ نہ مسخراپن کرے نہ ایک دوسرے پر آوازے کسے جائیں نہ کھوج لگا کر عیب نکالے جائیں اور نہ برے ناموں اور برے القاب سے فریق مقابل کو یاد کیا جائے کیونکہ ان باتوں سے دشمنی اور نفرت میں ترقی ہوتی اور فتنہ فساد کی آگ زیادہ تیزی سے پھیلتی ہے سبحان اللہ! کیسی بیش بہا ہدایات ہیں آج اگر مسلمان سمجھیں تو ان کے سب سے بڑے مرض کا مکمل علاج اسی ایک سورہ حجرات میں موجود ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: مسند احمد میں ہے کہ یہ حکم بنو سلمہ کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے تو یہاں ہر شخص کے دو دو تین تین نام تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کسی کو کسی نام سے پکارتے تو لوگ کہتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس سے چڑتا ہے۔ اس پر یہ آیت اتری (ابوداؤد) پھر فرمایا یہ کہ ایمان کی حالت میں فاسقانہ لقب سے آپس میں ایک دوسرے کو نامزد کرنا نہایت بُری بات ہے۔ اب تمہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے ورنہ ظالم گنے جاؤ گے۔

مومن کی عزت: ابن ماجہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کعبہ کرتے ہوئے فرمایا تو کتنا پاک گھر ہے۔ تو کیسی اچھی خوشبو والا ہے۔ تو

کس قدر عظمت والا ہے اور کیسی بڑی حرمت والا ہے۔ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے کہ مومن کی حرمت اس کے مال اور اس کی جان کی حرمت اور اس کے ساتھ نیک گمان کرنے کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بہت بڑی ہے۔

بول چال اور میل جول نہ چھوڑو:

مسلم وغیرہ میں ہے ایک دوسرے سے روٹھ کر نہ بیٹھ جایا کرو ایک دوسرے سے میل جول ترک نہ کرلیا کرو ایک دوسرے سے حسد بغض نہ کیا کرو بلکہ سب مل کر خدا کے بندے آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بند ہو کر زندگی گذارو۔ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بول چال اور میل جول چھوڑ دے۔

شگون، حسد اور بدگمانی کا علاج:

طبرانی میں ہے کہ تین خصلتیں میری امت میں رہ جائیں گی فال لینا۔ حسد کرنا اور بدگمانی کرنا۔ ایک شخص نے پوچھا حضور پھر ان کا تدارک کیا ہے؟ فرمایا جب حسد کرتو استغفار کرلے۔ جب گمان پیدا ہو تو اسے چھوڑ دے اور یقین نہ کر۔ اور جب شگون لے خواہ نیک نکلے خواہ بد اپنے کام سے نہ رک، اسے پورا کر۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اور کہا گیا کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب کے قطرے گر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمیں بھید ٹٹولنے سے منع فرمایا گیا ہے اگر ہمارے سامنے کوئی چیز ظاہر ہوگئی تو ہم اس پر پکڑ کر سکتے ہیں۔

مسلمان کی پردہ داری کا ثواب:

مسند احمد میں ہے کہ عقبہ کے کاتب دجین حضرت عقبہ کے پاس گئے اور اُن سے کہا کہ میرے پڑوس میں کچھ لوگ شرابی ہیں، میرا ارادہ ہے کہ میں داروغہ کو بلا کر انہیں گرفتار کرادوں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرنا بلکہ انہیں سمجھاؤ بجھاؤ، ڈانٹ ڈپٹ کردو۔ پھر کچھ دنوں بعد آئے اور کہا وہ باز نہیں رہتے اب تو میں ضرور داروغہ کو بلاؤں گا۔ آپ نے فرمایا افسوس افسوس تم ہرگز ہرگز ایسا نہ کرو۔ سنو میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی پردہ داری کرے اسے اتنا ثواب ملے گا جیسے کسی نے زندہ درگور کردہ لڑکی کو جلا لیا۔

پوشیدگیاں نہ ٹٹولو:

ابوداؤد میں ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر تو لوگوں کی پوشیدگیوں اور ان کے راز ٹٹولنے کے درپے ہوگا تو تو انہیں بگاڑ دیگا یا فرمایا ممکن ہے تو انہیں خراب کردے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث سے اللہ تعالیٰ نے حضرت معاویہؓ کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ابوداؤد کی ایک اور حدیث میں ہے کہ امیر اور بادشاہ جب اپنے ماتحتوں اور رعیت کی برائیاں ٹٹولنے لگ جاتا ہے اور کھود کرید شروع کردیتا ہے تو انہیں بگاڑ دیتا۔

حدیث میں ہے اے وہ لوگو جن کی زبانیں تو ایمان لا چکی ہیں لیکن دل ایماندار نہیں ہوئے تو مسلمانوں کی غیبتیں کرنی چھوڑ دو اور ان کے عیبوں کی کرید نہ کیا کرو یاد رکھو اگر تم نے ان کے عیب ٹٹولے تو اللہ تعالیٰ تمہاری پوشیدگیوں کو ظاہر کر دے گا۔ یہاں تک کہ تم اپنے گھرانے والوں میں بھی بدنام اور رسوا ہو جاؤ گے۔

تجسس، تحسس اور تدابر

حدیث شریف میں ہے نہ تجسس کرو نہ تحسس کرو نہ حسد و بغض کرو نہ منہ موڑو بلکہ سب مل کر اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ امام اوزاعی فرماتے ہیں تجسس کہتے ہیں کسی چیز میں کرید کرنے کو اور تحسس کہتے ہیں ان لوگوں کی سرگوشی پر کان لگانے کو جو کسی کو اپنی باتیں سنانا چاہتے ہوں اور تدابر کہتے ہیں ایک دوسرے سے رک کر آزردہ ہو کر قطع تعلقات کرنے کو۔ (تفسیر ابن کثیر)

سورۃ حجرات کے مضامین: سورہ حجرات کے شروع میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور آداب کا بیان آیا پھر عام مسلمانوں کے باہمی حقوق و آداب معاشرت کا بیان شروع ہوا سابقہ دو آیتوں میں انکی اجتماعی و جماعتی اصلاح کے احکام بیان ہوئے مذکور الصدر آیتوں میں اشخاص و افراد کے باہمی حقوق و آداب معاشرت کا ذکر ہے۔ ان میں تین چیزوں کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ اول کسی مسلمان کے ساتھ تمسخر و استہزاء دوسرے کسی پر طعنہ زنی کرنا تیسرے کسی کو ایسے لقب سے ذکر کرنا جس سے اس کی توہین ہوتی ہو یا وہ اس سے بُرا مانتا ہو۔

تمسخر: پہلی چیز سخریہ یا تمسخر ہے۔ قرطبی نے فرمایا کہ کسی شخص کی تحقیر و توہین کے لئے اس کے کسی عیب کو اس طرح ذکر کرنا جس سے لوگ ہنسنے لگیں اس کو سخریہ، تمسخر، استہزاء کہا جاتا ہے اور یہ جیسے زبان سے ہوتا ہے ایسے ہی ہاتھ پاؤں وغیرہ سے اس کی نقل اتارنے یا اشارہ کرنے سے بھی ہوتا ہے اور اس طرح بھی کہ اسکا کلام سن کر بطور تحقیر کے ہنسی اڑائی جائے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ سخریہ و تمسخر کسی شخص کے سامنے اسکا اسی طرح ذکر کرنا ہے کہ اس سے لوگ ہنس پڑیں اور یہ سب چیزیں بنص قرآن حرام ہیں۔

سخریہ کی ممانعت کا قرآن کریم نے اتنا اہتمام فرمایا کہ اس میں مردوں کو الگ مخاطب فرمایا عورتوں کو الگ، مردوں کو لفظ قوم سے تعبیر فرمایا، کیونکہ اصل میں یہ لفظ مردوں ہی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اگرچہ مجازاً و توسعاً عورتوں کو اکثر شامل ہو جاتا ہے اور قرآن کریم نے عموماً لفظ قوم مردوں عورتوں دونوں ہی کے لئے استعمال کیا ہے۔

کتے کے ساتھ بھی استہزاء نہ کرو: اگر کسی شخص کے بدن یا صورت یا قدوقامت وغیرہ میں کوئی عیب نظر آوے تو کسی کو اس پر ہنسنے یا استہزاء کرنے کی جرأت نہ کرنا چاہئے کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ شاید وہ اپنے صدق واخلاص وغیرہ کے سبب اللہ کے نزدیک اس سے بہتر اور افضل ہو۔ اس آیت کو سن کر سلف صالحین کا حال یہ ہوگیا تھا کہ عمرو بن شرحبیل نے فرمایا کہ میں اگر کسی شخص کو بکری کے تھنوں سے منہ لگا کر دودھ پیتے دیکھوں اور اس پر مجھے ہنسی آ جائے تو میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میں بھی ایسا ہی نہ ہو جاؤں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں اگر کسی کتے کے ساتھ بھی استہزاء کروں تو مجھے ڈر رہتا ہے کہ میں خود کتا نہ بنا دیا جاؤں۔ (قرطبی)

ظاہر پر حکم نہ لگاؤ: صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی صورتوں اور انکے مال ودولت پر نظر نہیں فرماتا بلکہ ان کے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے قرطبی نے فرمایا کہ اس حدیث سے ایک ضابطہ اور اصل یہ معلوم ہوئی کہ کسی شخص کے معاملہ میں اسکے ظاہری حال کو دیکھ کر کوئی قطعی حکم لگا دینا درست نہیں، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ جس شخص کے ظاہری اعمال وافعال کو ہم بہت اچھا سمجھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ جو اسکے باطنی حالات اور قلبی کیفیات کو جانتا ہے وہ اسکے نزدیک مذموم ہو اور جس شخص کے ظاہری حال اور اعمال برے ہیں ہو سکتا ہے کہ اسکے باطنی حالات اور قلبی کیفیات اسکے اعمال بد کا کفارہ بن جائیں اسلئے جس شخص کو بری حالت یا برے اعمال میں مبتلا دیکھو تو اس کی اس حالت کو تو برا سمجھو مگر اس شخص کو حقیر و ذلیل سمجھنے کی اجازت نہیں۔

لمز: لمز کے معنی ہیں کسی میں عیب نکالنے اور عیب ظاہر کرنے یا عیب پر طعنہ زنی کرنے کے ہیں آیت میں ارشاد فرمایا لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی تم اپنے عیب نہ نکالو۔ یہ ارشاد ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں ہے لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ جس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو دونوں جگہ اپنے آپ کو قتل کرنے یا اپنے عیب نکالنے سے مراد یہ ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو ایک دوسرے کو طعنہ نہ دو۔ اور اس عنوان سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ بتلانا ہے کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا ایک حیثیت سے اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے کیونکہ اکثر تو ایسا واقع ہو ہی جاتا ہے کہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا دوسرے کے حمایتی لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اگر یہ بھی نہ ہو تو اصل بات یہ ہے کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں اپنے بھائی کو قتل کرنا گویا خود اپنے آپ کو قتل کرنا اور بے دست و پا بنانا ہے یہی معنی یہاں لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ میں ہیں کہ تم جو دوسروں کے عیب نکالو اور طعنہ دو تو یہ درکھو کہ عیب سے تو کوئی انسان عادۃً خالی نہیں ہوتا تم اسکے عیب نکالو گے تو وہ تمہارے عیب نکالے گا جیسا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ وفیک عیوب و للناس اعین۔ یعنی تم میں بھی کچھ عیوب ہیں اور لوگوں کی آنکھیں ہیں جو ان کو دیکھتی ہیں تم کسی کے عیب نکالو گے اور طعنہ زنی کرو گے تو وہ تم پر یہی عمل کریں گے اور بالفرض اگر اس نے صبر بھی کیا تو بات وہی ہے کہ اپنے ایک بھائی کی بدنامی اور تذلیل پر غور کریں تو اپنی ہی تذلیل وتحقیر ہے۔

انسان کی خوش نصیبی: علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کی سعادت اور خوش نصیبی اس میں ہے کہ اپنے عیوب پر نظر رکھے ان کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے اور جو ایسا کریگا اس کو دوسروں کے عیب نکالنے اور بیان کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی۔ ہندوستان کے آخری مسلمان بادشاہ ظفر نے خوب فرمایا ہے۔

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر
رہے دیکھتے لوگوں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر
تو جہان میں کوئی برا نہ رہا

برے لقب سے پکارنا: کسی کو لنگڑا لولا یا اندھا کانا کہہ کر پکارنا یا اس لفظ سے اسکا ذکر کرنا اسی طرح جو نام کسی شخص کی تحقیر کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اس نام سے اس کو پکارنا۔ حضرت ابوجبیرہ انصاریؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو ہم میں اکثر آدمی ایسے تھے جن کے دو یا تین نام مشہور تھے اور ان میں سے بعض نام ایسے تھے جو لوگوں نے اس کو عار دلانے اور تحقیر و توہین کے لئے مشہور کر دیئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ تھا بعض اوقات وہی برا نام لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خطاب کرتے تو صحابہ عرض کرتے کہ یا رسول اللہ وہ اس نام سے ناراض ہوتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آیت میں تنابز بالالقاب سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی گناہ یا برا عمل کیا ہو اور پھر اس سے تائب ہو گیا ہو اس کے بعد اس کو اس برے عمل کے نام سے پکارنا مثلاً چور یا زانی یا شرابی وغیرہ۔ جس نے چوری، زنا، شراب سے توبہ کر لی ہو اس کو اس پچھلے عمل سے عار دلانا اور تحقیر کرنا حرام ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو ایسے گناہ پر عار دلائے جس سے اس نے توبہ کر لی ہے تو اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ اسکو اسی گناہ میں مبتلا کر کے دنیا و آخرت میں رسوا کرے گا۔ (قرطبی)

بعض القاب کا استثناء: بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں جو فی نفسہ برے ہیں مگر وہ بغیر اس لفظ کے پہچانا ہی نہیں جاتا تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت پر علماء کا اتفاق ہے بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا قصد اس سے تحقیر و تذلیل کا نہ ہو جیسے بعض محدثین کے نام کے ساتھ اعرج یا

احدب مشہور ہے اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو جس کے ہاتھ نسبتاً زیادہ طویل تھے ذوالیدین کے نام سے تعبیر فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک سے دریافت کیا گیا کہ اسانید حدیث میں بعض ناموں کے ساتھ کچھ ایسے لقب آتے ہیں مثلاً حمید الطویل۔ سلیمان الاعمش۔ مروان الاصفر وغیرہ تو کیا ان القاب کے ساتھ ذکر کرنا جائز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تمہارا قصد اس کا عیب بیان کرنے کا نہ ہو بلکہ اس کی پہچان پوری کرنے کا ہو تو جائز ہے۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

سنت یہ ہے کہ لوگوں کو اچھے القاب سے یاد کیا جائے

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا حق دوسرے مومن پر یہ ہے کہ اس کا ایسے نام و لقب سے ذکر کرے جو اس کو زیادہ پسند ہو۔ اسی لئے عرب میں کنیت کا رواج عام تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو پسند فرمایا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص صحابہ کو کچھ لقب دیئے ہیں۔ صدیق اکبر کو عتیق اور حضرت عمرؓ کو فاروق اور حضرت حمزہ کو اسد اللہ اور خالد بن ولید کو سیف اللہ فرمایا ہے۔

سبب نزول کا دوسرا واقعہ: حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس کے کانوں میں کچھ گرانی تھی (یعنی گراں گوش اور بہرے تھے) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے اور پہلے سے لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہوتے اور جگہ تنگ ہوتی تو لوگ آپ کو (آگے) جگہ دے دیتے تھے تاکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سن سکیں۔ ایک روز آپ فجر کی نماز میں اس وقت آئے۔ جب ایک رکعت ہو چکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ختم کی تو صحابہ کرام جگہ کی تنگی کی وجہ سے اپنا اپنا مقام پر جم کر بیٹھے رہے۔ مجلس اتنی تنگ تھی کہ کوئی (خود سمٹ کر) دوسرے کے لئے گنجائش نکال نہیں سکتا تھا۔ آنے والے کو جب بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تو وہ کھڑا رہتا تھا۔ حضرت ثابتؓ جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی گردنیں پھلانگتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کو بڑھے اور لوگوں سے فرمایا۔ جگہ دو گنجائش کرو۔ لوگ آپ کو دیکھ کر سمٹنے اور گنجائش دینے لگے۔ اس طرح آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تک پہنچ گئے۔ آپ کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف ایک آدمی رہ گیا۔ حضرت ثابتؓ نے اس سے بھی فرمایا مجھے جگہ دے اس شخص نے کہا۔ آپ کو جگہ تو مل گئی۔ یہیں بیٹھ جایئے۔ حضرت ثابتؓ اس آدمی کے پیچھے غصہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ یہ بات آپ کو کھلی بہت جب تاریکی چھٹ گئی اور روشنی ہوئی تو ثابتؓ نے اس شخص کو دبایا اور پوچھا۔ یہ کون شخص ہے۔ اس نے کہا۔ میں فلاں شخص ہوں۔ ثابتؓ نے کہا فلاں عورت کا بیٹا۔ حضرت ثابتؓ نے اس شخص کی ماں کے وہ عیوب بیان کئے جو جاہلیت کے زمانہ میں طنزیہ طور پر اس کے لئے کہے جاتے تھے۔ اس شخص نے شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ
برا نام ہے گنہگاری پیچھے ایمان کے ☆☆

کسی کو برا نام دینا گناہ ہے: یعنی کسی کا برا نام ڈالنے سے آدمی خود گنہگار ہوتا ہے اس کو تو واقع میں عیب لگا یا نہ لگا لیکن اسکا نام بد تہذیب فاسق گنہگار مردم آزار پڑ گیا خیال کرو "مومن" کے بہترین لقب کے بعد یہ نام کیا اچھے معلوم ہوتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ جب ایک شخص ایمان لا چکا اور مسلمان ہو گیا اس کو مسلمان ہونے سے پہلے کی باتوں پر طعن دینا یا اس وقت کے بدترین القاب سے یاد کرنا مثلاً یہودی یا نصرانی وغیرہ کہہ کر پکارنا نہایت مذموم حرکت ہے اسی طرح جو شخص کسی عیب میں مبتلا ہوا اور وہ اسکا اختیاری نہ ہو یا کسی گناہ سے فرض کیجئے توبہ کر چکا ہے چڑانے کے لئے اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ
اور جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں
الظّٰلِمُوْنَ ۞
بے انصاف ☆☆

پچھلے گناہ پر توبہ کر لو: یعنی جو پہلے ہو چکا اب توبہ کر لو اور یہ احکام و ہدایات سننے کے بعد بھی ان جرائم سے توبہ نہ کی تو اللہ کے نزدیک اصلی ظالم یہی ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرے کو کفر اور فسق سے منسوب کرنا

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی کسی کو فسق یا کفر کی طرف منسوب کرے گا (یعنی فاسق یا کافر کہے گا) اگر وہ ایسا نہ ہوا تو وہ قول کہنے والے پر لوٹ پڑے گا (یعنی کہنے والا فاسق یا کافر ہو جائے گا) رواہ البخاری۔ حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو دونوں میں سے ایک پر یہ کلمہ لوٹے گا۔ (یعنی یا کہنے والا کافر ہو جائے گا یا جس کو کافر کہا ہے وہ واقع میں کافر ہوگا۔ متفق علیہ)۔

حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کسی کو کفر کی طرف منسوب کیا یا دشمن خدا کہا اور واقع میں وہ ایسا نہ ہوا تو وہ قول کہنے والے پر پڑ جائے گا۔ متفق علیہ۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مسلمان کو گالی دینا فسق (گناہ کبیرہ) ہے اور مسلمان کو قتل کرنا کفر ہے۔ متفق علیہ۔

تہمت لگانے کی سزا: کسی محصن (پاک دامن) آزاد مسلمان کو زنا کی طرف منسوب کرنا (اور پھر ثابت نہ کر سکنا) حد قذف اسی کوڑے کا موجب ہے اور اگر غیر محصن مثلاً غلام یا کافر ہو اور اس کو متہم بالزنا کیا جائے تو حد قذف جاری نہ ہوگی۔ تعزیر کی جائے گی۔ کیوں کہ غیر محصن کا درجہ محصن سے کم ہے اور تہمت زنا سے آبرو ریزی ہوتی ہے اور بُری بات پھیلتی ہے۔

اگر محصن کو زنا کے علاوہ کسی اور حرام فعل کی طرف منسوب کیا جائے تو تعزیر واجب ہے۔

کسی کو برا بھلا کہنے کی سزا: کسی نے مسلمان (صالح) کو فاسق یا کافر، خبیث، یا چور، یا فاجر، یا مخنث کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تعزیر جاری کی، کذا روی۔

اگر کسی کو اے گدھے، سور، کتا، یا مینڈھا، یا پیچھے لگانے والا کہا تو تعزیر جاری ہوگی۔

بعض اہل علم کی رائے ہے کہ صورت مذکورہ میں تعزیر نہ ہوگی۔ ہاں اگر کسی عالم یا صوفی یا نیک صالح آدمی کو ایسا کہا تو تعزیر ہوگی۔ اگر کسی کو بونے باز (شطرنج باز۔ چوسر باز وغیرہ) یا محصل ٹیکس کہا تو تعزیر نہ ہوگی۔ اگرچہ یہ فعل شرعاً ممنوع ہیں لیکن عرف عام میں ان کو عیب نہیں شمار کیا جاتا۔

تعزیر کیا ہے؟ تعزیری سزا کتنی ہونی چاہئے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ نے کہا۔ تعزیری سزا ادنیٰ حد سے بھی کم ہوگی۔ امام صاحب کے نزدیک شراب پینے کی ادنیٰ حد غلام کے لئے چالیس تازیانہ ہے (اس سے تعزیری سزا کم ہونی چاہئے) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شراب کی حد آزاد مسلمان کے لئے اسی تازیانے ہے (ہنداسی تازیانوں سے تعزیر کم ہونی چاہیے) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ادنیٰ حد بیس تازیانے ہے (تعزیر اس سے کم ہونا چاہئے) امام مالکؒ نے فرمایا۔ حاکم وقت کو اختیار ہے۔ تعزیر میں جتنے تازیانے مناسب سمجھے سوائے کوئی تعداد مقرر نہیں۔ اگر شرمگاہ کے علاوہ جماع کیا تو امام احمدؒ کے نزدیک اعلیٰ حد اور ادنیٰ حد کے درمیان تعزیری سزا دی جائے۔ ادنیٰ حد سے زائد اور اعلیٰ سے کم۔

اجنبی عورت کا بوسہ لینے۔ کسی کو گالی دینے یا نصاب سرقہ سے کم چوری کرنے پر تعزیر کی جائے گی لیکن اتنی کہ ادنیٰ حد تک نہ پہنچے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا
اے ایمان والو بچتے رہو بہت تہمتیں
مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ
کرنے سے مقرر بعضی تہمت گناہ ہے
وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ
اور بھید نہ ٹٹولو کسی کا اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک

بَّعْضًا
دوسرے کو ☆

بدگمانی اور اس کے نتائج ☆ اختلاف و تفریق باہمی کو بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق سے ایسا بدگمان ہو جاتا ہے کہ حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا مخالف کی کوئی بات ہو اس کا محمل اپنے خلاف نکال لیتا ہے۔ اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو ہمیشہ اس کی طبیعت برے پہلو کی طرف چلے گی اور اسی کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مقابل پر تہمتیں اور الزام لگانا شروع کر دے گا پھر نہ صرف یہی کہ ایک بات حسب اتفاق پہنچ گئی بدگمانی سے اس کو غلط معنی پہنا دیئے گئے نہیں اس جستجو میں رہتا ہے کہ دوسری طرف کے اندرونی بھید معلوم ہوں جس پر ہم خوب حاشیے چڑھائیں اور اس کی غیبت سے اپنی مجلس گرم کریں ان تمام خرافات سے قرآن کریم منع کرتا ہے۔ اگر مسلمان اس پر عمل کریں۔ تو جو اختلافات بدقسمتی سے پیش آ جاتے ہیں وہ اپنی حد سے آگے نہ بڑھیں اور ان کا ضرر بہت محدود ہو جائے بلکہ چند روز میں نفسانی اختلافات کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "الزام لگانا اور بھید ٹٹولنا اور پیٹھ پیچھے برا کہنا کسی جگہ بہتر نہیں مگر جہاں اس میں کچھ دین کا فائدہ ہو اور نفسانیت کی غرض نہ ہو۔" ہاں اجازت ہے جیسے رجال حدیث کی نسبت ائمہ جرح و تعدیل کا معمول رہا ہے کیونکہ اسکے بدون دین کا محفوظ رکھنا محال تھا۔ (تفسیر عثمانی)

ظن ممنوع اور ظن مشروع: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔ یعنی گمان سے بچو کیونکہ گمان جھوٹی بات ہے۔ یہاں ظن سے مراد باتفاق کسی مسلمان کے ساتھ بلا کسی قوی دلیل کے بدگمانی کرنا ہے اور جو کام ایسے ہیں کہ ان میں کسی جانب پر عمل کرنا شرعاً ضروری ہے اور ایسے متعلق قرآن و سنت میں کوئی دلیل واضح موجود نہیں وہاں پر ظن غالب پر عمل کرنا واجب ہے۔ جیسے باہمی منازعات و مقدمات کے فیصلہ میں ثقہ گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ دینا کیونکہ حاکم اور قاضی جسکی عدالت میں مقدمہ دائر ہے اُس پر اسکا فیصلہ دینا واجب و ضروری ہے اور اس خاص معاملے کے لئے کوئی نص قرآن و حدیث میں موجود نہیں تو ثقہ آدمیوں کی گواہی پر عمل کرنا اسکے لئے واجب ہے اگرچہ یہ امکان و احتمال وہاں بھی ہے کہ شاید کسی ثقہ آدمی نے اس وقت جھوٹ بولا ہو اس لئے اس کا سچا ہونا صرف ظن غالب ہے اور اسی پر عمل واجب ہے۔ اسی طرح جہاں سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس سے معلوم کی جا سکے وہاں اپنے ظن غالب پر عمل ضروری ہے اسی طرح کسی شخص پر کسی چیز کا ضمان دینا

واجب ہو تو اس ضائع شدہ چیز کی قیمت میں ظن غالب ہی پر عمل کرنا واجب ہے۔ اسی طرح جب سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جس سے معلوم کی جا سکے وہاں اپنے ظن غالب پر عمل ضروری ہے اسی طرح کسی شخص پر کسی چیز کا ضمان دینا واجب ہوا تو اس ضائع شدہ چیز کی قیمت میں ظن غالب ہی پر عمل کرنا واجب ہے اور ظن مباح ایسا ہے جیسے نماز کی رکعتوں میں شک ہو جاوے کہ تین پڑھی ہیں یا چار تو اپنے ظن غالب پر عمل کرنا جائز ہے۔ اور اگر وہ ظن غالب کو چھوڑ کر امر یقینی پر عمل کرے یعنی تین رکعت قرار دیکر چوتھی پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے اور ظن مستحب و مندوب یہ ہے کہ ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھے کہ اس پر ثواب ملتا ہے۔ (جصاص ملخص)

قرطبی نے فرمایا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۔ اس میں حسن ظن بالمومنین کی تاکید آئی ہے۔

ایک مشہور مقولہ کا مطلب: اور یہ جو مشہور ہے کہ اِنَّ مِنَ الْحَزْمِ سُوْءَ الظَّنِّ یعنی حقیقت کی بات یہ ہے کہ ہر شخص سے بدگمانی رکھے اسکا مطلب یہ ہے کہ معاملہ ایسا کرے جیسے بدگمانی کی صورت میں کیا جاتا ہے کہ بدون قوی اعتماد کے اپنی چیز کسی کے حوالہ نہ کرے نہ یہ کہ اس کو چور سمجھے اور اس کی تحقیر کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی شخص کو چور یا غدار سمجھے بغیر اپنے معاملے میں احتیاط برتے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے۔

نگہ دار زاں شوخ در کیسہ در
کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر

تجسس اور تحسس: تجسس یعنی کسی کے عیب کی تلاش اور سراغ لگانا ہے۔ اس میں قرأتیں دو ہیں ایک لَا تَجَسَّسُوْا بالجیم دوسرے لَا تَحَسَّسُوْا بالحاء اور حدیث صحیحین میں جو حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے یہ دونوں لفظ آئے ہیں ارشاد ہے لَا تَجَسَّسُوْا - وَلَا تَحَسَّسُوْا اور ان دونوں لفظوں کے معنی متقارب ہیں۔ اخفش نے دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ تجسس بالجیم کسی ایسے امر کی جستجو اور تلاش کو کہا جاتا ہے جس کو لوگوں نے آپ سے چھپایا ہوا اور تحسس بالحاء مطلق تلاش اور جستجو کے معنی میں آتا ہے۔ سورہ یوسف میں فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ اسی معنی کے لئے آیا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ جو چیز تمہارے سامنے آجائے اسکو پکڑ سکتے ہو اور کسی مسلمان کا جو عیب ظاہر نہ ہو اس کی جستجو اور تلاش کرنا جائز نہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتهم فان من اتبع عوراتهم يتبع الله عورته ومن يتبع الله عورته يفضحه في بيته (قرطبی) (مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کی جستجو نہ کرو کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاش کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاش اللہ تعالیٰ کرے اُس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کر دیتا ہے)۔

بیان القرآن میں ہے کہ چھپ کر کسی کی باتیں سننا یا اپنے کو سوتا ہوا بنا کر باتیں سننا بھی تجسس میں داخل ہے البتہ اگر کسی سے مضرت پہنچنے کا احتمال ہو اور اپنی یا دوسرے کسی مسلمان کی حفاظت کی غرض سے مضرت پہنچانے والے کی خفیہ تدبیروں اور ارادوں کا تجسس کرے تو جائز ہے۔ تیسری چیز جس سے اس آیت میں منع فرمایا گیا ہے وہ کسی کی غیبت کرنا ہے یعنی اس کی غیر موجودگی میں اسکے متعلق کوئی ایسی بات کہنا جس کو وہ سنتا تو اس کو ایذا ہوتی اگرچہ وہ سچی بات ہی ہو کیونکہ جو غلط الزام لگائے وہ تہمت ہے جس کی حرمت الگ قرآن کریم سے ثابت ہے اور غیبت کی تعریف میں اس شخص کی غیر موجودگی کی قید سے یہ نہ سمجھا جائے کہ موجودگی کی حالت میں ایسی رنج دہ بات کہنا جائز ہے۔ کیونکہ غیبت تو نہیں مگر لمز میں داخل ہے جس کی حرمت اس سے پہلی آیت میں آچکی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

غیبت کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا (ہوتی) ہے حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا۔ اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی واقف ہیں! فرمایا۔ (اگر) تم اپنے بھائی کا (غائبانہ) اس طرح ذکر کرو جو اس کو ناگوار ہو (تو غیبت ہے) عرض کیا گیا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھئے اگر میرے بھائی میں وہ (عیب) ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو کیا یہ بھی غیبت ہوگی فرمایا۔ اگر اس کے اندر وہ (بری) باتیں ہیں جو تم کہہ رہے ہو تو یہ غیبت ہوئی اور اگر جو باتیں تم کہہ رہے ہو اسمیں نہیں ہیں تو تم نے اس پر تہمت لگائی (یہ تہمت ہے) متفق علیہ۔

حضرت عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لوگوں نے ایک شخص کا ذکر کیا اور کہا جب تک اس کو کھلایا نہ جائے وہ کھاتا نہیں اور جب تک اس کو سوار نہ کیا جائے وہ سوار نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے اس کی غیبت کی۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہم نے وہی بات کہی جو اس میں ہے۔ فرمایا۔ غیبت ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ تم ان باتوں کا ذکر کرو جو اس کے اندر ہیں۔ رواہ البغوی۔ (تفسیر مظہری)

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ
بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت
اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ
اپنے بھائی کا جو مردہ ہو سو گھن آتا ہے تم کو اس سے ☆

غیبت کی گندگی: یعنی مسلمان بھائی کی غیبت کرنا ایسا گندہ اور گھناؤنا کام ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت نوچ نوچ کر کھائے۔ کیا اس کو کوئی

سان پسند کریگا؟ بس سمجھو غیبت اس سے بھی زیادہ شنیع حرکت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

غیبت کی تمثیل: اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا۔ یہ غیبت کرنے کی قباحت کی پُرزور تصویر کھینچی گئی ہے اور غیبت کرنے والا جو دوسرے کی آبرو اور عزت برباد کرتا ہے اس کو قبیح ترین شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

غیبت کی سزا: حدیث میں حضرت انس بن مالک کی روایت ہے کہ شب معراج کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے لیجایا گیا تو میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور بدن کا گوشت نوچ رہے ہیں، میں نے جبرئیل امین سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائی کی غیبت کرتے اور ان کی آبروریزی کرتے تھے (رواہ البغوی۔ مظہری) اور حضرت ابوسعید اور جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" الغیبة اشد من الزنا" یعنی غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یہ کیسے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایک شخص زنا کرتا ہے پھر توبہ کرلیتا ہے تو اسکا گناہ معاف ہو جاتا ہے اور غیبت کرنے والے کا گناہ اس وقت تک معاف نہیں ہوتا جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی ہے۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد واز مظہری)

حضرت میمون کا واقعہ: میمون کا بیان ہے (ایک روز) میں سو رہا تھا۔ خواب میں ایک حبشی کی سڑی ہوئی لاش میرے سامنے لائی گئی اور کسی نے مجھ سے کہا اس کو کھا۔ میں نے کہا بندۂ خدا میں کیوں کھاؤں کہنے والے نے کہا تو نے فلاں شخص کے غلام کی غیبت کیوں کی تھی۔ میں نے کہا خدا کی قسم میں نے تو نہ اس کی اچھائی کا ذکر کیا نہ برائی کا کہنے والے نے کہا۔ مگر تو نے اس کی بُرائی کا ذکر سنا تو تھا اور (دل سے) اس کو پسند کیا تھا۔ (اس کے بعد) میمون کسی کی غیبت نہ خود کرتے تھے نہ کسی کو کسی کی غیبت اپنے سامنے کرنے دیتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

غیبت کی تلافی: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غیبت ایک ایسا گناہ ہے جس میں حق اللہ کی بھی مخالفت ہے اور حق العبد بھی ضائع ہوتا ہے اسلئے جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے معاف کرانا ضروری ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ غیبت کی خبر جب تک صاحب غیبت کو نہ پہنچے اس وقت تک وہ حق العبد نہیں ہوتی کہ اسکے لئے اس سے معافی کی ضرورت نہیں (نقلہ فی الروح عن الحسن والحیاطی وابن الصباغ والنووی و ابن الصلاح والزرکشی و ابن عبدالبر عن ابن المبارک) مگر بیان القرآن میں اسکو نقل کر کے فرمایا ہے کہ اس صورت میں گو اس شخص سے معافی مانگنا ضروری نہیں مگر جس شخص کے سامنے یہ غیبت کی تھی اسکے سامنے اپنی تکذیب کرنا یا اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ضروری ہے اور اگر وہ شخص مر گیا ہے یا اسکا پتہ نہیں تو اسکا کفارہ حضرت انسؓ کی حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان من کفارة الغیبة ان یستغفر لمن اغتابه تقول اللّٰھم اغفرلنا وله (رواہ البیہقی۔ مظہری) یعنی کفارہ غیبت کا یہ ہے کہ جس کی غیبت کی گئی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعائے مغفرت کرے اور یوں کہے کہ یا اللہ ہمارے اور اس کے گناہوں کو معاف فرما۔

مسئلہ: بچے اور مجنون اور کافر ذمی کی غیبت بھی حرام ہے کیونکہ ان کی ایذاء بھی حرام ہے اور جو کافر حربی ہیں اگرچہ انکی ایذاء حرام نہیں مگر اپنا وقت ضائع کرنے کیوجہ سے پھر بھی غیبت مکروہ ہے۔

مسئلہ: غیبت جیسے قول اور کلام سے ہوتی ہے ایسے ہی فعل یا اشارہ سے بھی ہوتی ہے جیسے کسی لنگڑے کی چال بنا کر چلنا جس سے اُس کی تحقیر ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

بعض مخصوص صورتیں: بعض روایات سے ثابت ہے کہ آیت میں جو غیبت کی حرمت کا حکم ہے یہ مخصوص البعض ہے یعنی بعض صورتوں میں اس کی اجازت ہوئی ہے مثلاً کسی شخص کی بُرائی کسی ضرورت یا مصلحت سے کرنا پڑے تو وہ غیبت میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ ضرورت و مصلحت شرعاً معتبر ہو جیسے کسی ظالم کی شکایت کسی ایسے شخص کے سامنے کرنا جو ظلم کو دفع کر سکے، یا کسی کی اولاد بیوی کی شکایت اُس کے باپ اور شوہر سے کرنا جو اُن کی اصلاح کر سکے، یا کسی واقعہ کے متعلق فتویٰ حاصل کرنے کے لئے صورت واقعہ کا اظہار یا مسلمانوں کو کسی شخص کے دینی یا دنیوی شر سے بچانے کے لئے کسی کا حال بتلانا، یا کسی معاملے کے متعلق مشورہ لینے کے لئے اسکا حال ذکر کرنا۔ یا جو شخص سب کے سامنے کھلم کھلا گناہ کرتا ہے اور اپنے فسق کو خود ظاہر کرتا پھرتا ہے اس کے اعمال بد کا ذکر بھی غیبت میں داخل نہیں مگر بلا ضرورت اپنے اوقات ضائع کرنے کی بناء پر مکروہ ہے (یہ سب مسائل بیان القرآن میں بحوالہ رُوح المعانی بیان کئے گئے ہیں) اور ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کی بُرائی اور عیب ذکر کرنے سے مقصود اسکی تحقیر نہ ہو بلکہ کسی ضرورت و مجبوری سے ذکر کیا گیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝
اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ معاف کرنیوالا ہے مہربان ☆

تقویٰ فرمانبرداری کی بنیاد ہے ☆ یعنی ان نصیحتوں پر کاربند وہی ہوگا جس کے دل میں خدا کا ڈر ہو یہ نہیں تو کچھ نہیں چاہیے کہ ایمان و اسلام کا دعویٰ رکھنے والے واقعی طور پر اس خداوند قہار کے غضب سے ڈریں اور ایسی ناشائستہ حرکتوں کے قریب نہ جائیں۔ اگر پہلے کچھ غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوئی ہیں اللہ کے سامنے صدق دل سے توبہ کریں وہ اپنی مہربانی سے معاف فرمادے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ
اے آدمیو! ہم نے تم کو بنایا ایک مرد
ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ
اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور
قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ
قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو تحقیق عزت
عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ
اللہ کے یہاں اسی کو بڑی جس کو ادب بڑا ہے

بہتری اور برتری کا معیار: شریعت طعن و تشنیع اور عیب جوئی کا منشا کبر ہوتا ہے کہ آدمی اپنے کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اسکو بتلاتے ہیں کہ اصل میں نسب کا بڑا چھوٹا یا معزز و حقیر ہونا ذات پات اور خاندان و نسب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو شخص جس قدر نیک خصلت مودب اور پرہیزگار ہو اسی قدر اللہ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔ نسب کی حقیقت تو یہ ہے کہ سارے آدمی ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم و حوا کی اولاد ہیں، شیخ، سید، مغل، پٹھان، اور صدیقی، فاروقی، عثمانی، انصاری سب کا سلسلہ آدم و حوا پر منتہی ہوتا ہے۔ یہ ذاتیں اور خاندان اللہ تعالیٰ نے محض تعارف اور شناخت کے لئے مقرر کئے ہیں۔ بلاشبہ جس کو حق تعالیٰ کسی شریف اور بزرگ ومعزز گھرانے میں پیدا کرے وہ ایک موہوب شرف ہے جیسے کسی کو خوبصورت بنایا جائے۔ لیکن یہ چیز ناز اور فخر کرنے کے لائق نہیں کہ اسی کو معیار کمال اور فضیلت کا ٹھہرالیا جائے اور دوسروں کو حقیر سمجھا جائے ہاں شکر کرنا چاہئے کہ اس نے بلا اختیار ہم کو یہ نعمت مرحمت فرمائی۔ شکر میں یہ بھی داخل ہے کہ غرور و تفاخر سے باز رہے اور اس نعمت کو کمینہ اخلاق اور بری خصلتوں سے خراب نہ ہونے دے۔ بہر حال مجد و شرف اور فضیلت و عزت کا اصلی معیار نسب نہیں تقویٰ و طہارت ہے اور متقی آدمی دوسروں کو حقیر کب سمجھے گا؟ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب: ابن ابی حاتم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ والے دن اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر طواف کیا اور ارکان کو آپ اپنی چھڑی سے چھو لیتے تھے۔ پھر چونکہ مسجد میں اس کے بٹھانے کی جگہ نہ ملی تو لوگوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ اتارا اور اونٹنی کو بطن مسیل میں لے جا کر بٹھایا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگوں کو خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری حمد و ثنا بیان کر کے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے اسباب اور جاہلیت کی باپ دادوں پر فخر کرنے کی رسم اب دور کر دی ہے۔ پس انسان دو ہی قسم کے ہیں یا تو نیک کار پرہیزگار جو خدا کے نزدیک بلند مرتبہ ہیں یا بدکار غیر متقی جو خدا کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا میں اپنی یہ بات کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر)

شانِ نزول: یہ آیت فتح مکہ کے موقع پر اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا تو قریش مکہ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرے والد پہلے ہی وفات پا گئے ان کو یہ روز بد دیکھنا نہیں پڑا اور حارث بن ہشام نے کہا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کالے کوے کے سوا کوئی آدمی نہیں ملا کہ جو مسجد حرام میں اذان دے۔ ابو سفیان بولے کہ میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ میں کچھ کہوں گا تو آسمانوں کا مالک ان کو خبر کر دیگا چنانچہ جبرئیل امین تشریف لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تمام گفتگو کی اطلاع دی۔ آپ نے ان لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ تم نے کیا کہا تھا انہوں نے اقرار کر لیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت بن قیس اور ان کی قوم والوں کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت ثابت بن قیس کو آگے بڑھنے کا موقع ایک شخص نے نہیں دیا تو حضرت ثابتؓ نے اس سے فرمایا۔ تو فلاں عورت کا بیٹا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ فلاں عورت کا نام کس نے لیا (اور کس نے اس شخص کو اس کی ماں کا نام لے کر عار دلائی) ثابتؓ بن قیس نے کہا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے عورت کا ذکر کیا تھا۔ فرمایا۔ قوم کے چہروں پر غور سے دیکھو۔ ثابتؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم نے کیا دیکھا۔ ثابتؓ نے عرض کیا میں نے گورا دیکھا کسی کو لال کسی کو کالا۔ فرمایا۔ تم صرف دین اور تقویٰ کی وجہ سے ان پر فضیلت رکھتے ہو۔ (یہی برتری کی چیز ہے یہ معیار فضیلت نہیں) اس پر ثابتؓ کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور جس شخص نے حضرت ثابتؓ کو جگہ نہیں دی تھی اس کے حق میں آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا نازل ہوئی۔

نسب پر اترانے والوں کا انجام:

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ قیامت کا دن ہوگا تو اللہ کے حکم سے ایک ندا دینے والا ندا دے گا خوب سن لو میں نے ایک نسب مقرر کیا تھا اور تم نے بھی ایک نسب مقرر کیا تھا۔ میں نے تو سب سے بڑے متقی کو سب سے زیادہ عزت والا قرار دیا تھا پر تم نے اس کو نہیں مانا۔ بلکہ تم کہتے رہے فلاں بن فلاں، فلاں بن فلاں سے بہتر ہے۔ سو آج میں اپنے قائم کئے ہوئے نسب کو سربلند کرتا ہوں اور تمہارے قائم

کردہ نسب کو نیچے گراتا ہوں کہاں ہیں اہل تقویٰ۔ (تفسیر مظہری)

اسلام چھوت چھات سے بیزار ہے:

مسلمان جانتے ہیں کہ اسلام چھوت چھات سے بیزار ہے وہ تمام انسانوں کو ایک ماں باپ کی اولاد قرار دیتا ہے۔ فرق ہے تو صرف اسلام اور کفر کا۔ پھر جس طرح مسلمانوں میں ذات پات کی بنا پر اونچ نیچ نہیں ہے حتیٰ کہ سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تقویٰ میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

اسی طرح غیر مسلموں میں بھی شودر اور برہمن وغیرہ کا کوئی فرق نہیں ہے اگر ایک برہمن ہمارے پاس بیٹھ سکتا ہے۔ ہمارے پاندان سے پان لگا کر کھا سکتا ہے ہمارے کنویں سے پانی بھر سکتا ہے تو انسانیت کے یہ سب حقوق ایک بھنگی اور چمار کو بھی حاصل ہیں۔ مگر ہماری صدہا سالہ معاشرت جو برہمنوں اور اونچ ذات کے ہندوؤں کے ساتھ رہی اس نے ہمیں کم از کم عملی طور پر چھوت چھات کا عادی بنا دیا ہے۔ (از افادات مدنی)

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿١٣﴾

اللہ سب کچھ جانتا ہے خبردار ☆

اللہ دلوں کے حال سے باخبر ہے: یعنی تقویٰ اور ادب اصل میں دل سے ہے اللہ ہی کو خبر ہے کہ جو شخص ظاہر میں متقی اور مؤدب نظر آتا ہے وہ واقع میں کیسا ہے اور آئندہ کیسا رہے گا "انما العبرة للخواتیم" (تفسیر عثمانی)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ

کہتے ہیں گنوار کہ ہم ایمان لائے تو کہہ تم

تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا

ایمان نہیں لائے پر تم کہو ہم مسلمان ہوئے

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ

اور ابھی نہیں گھسا ایمان تمہارے دلوں میں ☆

ایمان کی کمزوری کی علامت

یہاں یہ بتلاتے ہیں کہ ایمان ویقین جب پوری طرح دل میں راسخ ہو جائے اور جڑ پکڑ لے اس وقت غیبت اور عیب جوئی وغیرہ کی خصلتیں آدمی سے دور ہو جاتی ہیں جو شخص دوسروں کے عیب ڈھونڈنے اور آزار پہنچانے میں مبتلا ہو سمجھ لو کہ ابھی تک ایمان اسکے دل میں پوری طرح پیوست نہیں ہوا۔

ایک حدیث میں ہے" یا معشر من اٰمن بلسانه ولم یفض الایمان الی قلبه لا تغتابوا المسلمین ولا تتبعوا عوراتهم "الخ (ابن کثیر ص۸/۲۲۴) حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک کہتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں یعنی دین مسلمانی ہم نے قبول کیا اس کا مضائقہ نہیں اور ایک کہتا ہے کہ ہم کو پورا یقین ہے جو یقین پورا ہے تو اسکے آثار کہاں؟ جس کو واقعی پورا یقین حاصل ہو وہ تو ایسے دعوے کرنے سے ڈرتا اور شرماتا ہے" (تنبیہ) اس آیت سے ایمان واسلام کا فرق ظاہر ہوتا ہے اور یہ ہی بات حدیث جبریل وغیرہ سے ثابت ہوئی۔ ہم نے شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر کافی بحث کی ہے یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے کہ بنی اسد کے چند آدمی قحط کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بظاہر مسلمان ہو گئے لیکن باطن میں وہ مومن نہیں تھے۔ ان لوگوں نے مدینہ کے راستے (قضائے حاجت کی) گندگیوں سے بھر دیئے اور مدینہ میں چیزوں کے نرخ گراں کر دیے۔ صبح شام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کہتے تھے۔ دوسرے عرب آپ کے پاس انٹیوں پر سوار ہو کر تنہا آئے ہیں اور ہم سارا سامان اور اہل وعیال کو لے کر آئے ہیں۔ فلاں فلاں قبائل نے آپ سے جنگ کی (پھر مسلمان ہوئے) لیکن ہم آپ سے کبھی نہیں لڑے اس کلام سے وہ رسول اللہ پر (اپنے اسلام کا) احسان رکھنا چاہتے تھے اور مال صدقات کے طلب گار تھے۔ (تفسیر مظہری)

ایمان کیا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ کو اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں کو اور روز قیامت کو مانو اور اچھی بری تقدیر کی تصدیق کرو (یعنی اس بات کی دل سے تصدیق کرو کہ دنیا میں ہر خیر وشر اللہ کے مقررہ اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ ہر اچھی بری چیز کا اللہ نے پہلے ہی اندازہ مقرر کر دیا ہے) سوال جبرئیلؑ کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا تھا۔ کذا فی الصحیحین من حدیث عمرؓ بن الخطاب مرفوعاً۔ (تفسیر مظہری)

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا

اور اگر حکم پر چلو گے اللہ کے اور اُس کے رسول کے

يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْــــًٔا ۭ

کاٹ نہ لے گا تمہارے کاموں میں سے کچھ

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

اللہ بخشتا ہے مہربان ہے ☆

مہلت عمل ☆ یعنی اب بھی اگر فرمانبرداری کا راستہ اختیار کرو گے تو پچھلی کمزوریوں کی وجہ سے تمہارے کسی عمل کے ثواب میں کمی نہ کرے گا۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ

ایمان والے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر

وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا

اور اُس کے رسول پر، پھر شبہ نہ لائے اور لڑے

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ

اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے

اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ

وہ لوگ جو ہیں وہی ہیں سچے ☆

سچے مومن کی شان ☆ یعنی سچے مومن کی شان یہ ہوتی ہے کہ اللہ و رسول پر پختہ اعتقاد رکھتا ہو اور ان کی راہ میں ہر طرح جان و مال سے حاضر رہے۔ (تفسیر عثمانی)

مومن کی تین قسمیں: مسند احمد میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں مومن کی تین قسمیں ہیں (۱) وہ جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لایا شک وشبہ نہ کیا اور اپنی جان اور اپنے مال سے راہ خدا میں جہاد کیا (۲) وہ جن سے لوگوں نے امن پالیا نہ یہ کسی کا مال ماریں نہ کسی کی جان لیں (۳) وہ جو طمع کی طرف جب جھکتے ہیں اللہ عزوجل کی یاد کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الخ یعنی خلوص قلب سے ایمان لائے اور احکام کی تعمیل کی۔

ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین میں ان کو کبھی شک و قع نہیں ہوا۔ لفظ **ثُمَّ** دلالت کر رہا ہے کہ شروع ایمان کے وقت جس طرح شک نہ کرنا لازم تھا اسی طرح آئندہ پوری زندگی مرتے دم تک کبھی شک میں نہ پڑنا ضروری ہے۔ آیت **ثُمَّ اسْتَقَامُوا** سے بھی یہی مراد ہے۔

ترکیب نحوی: فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ یعنی اللہ کی طاعت میں۔ **جَاهَدُوا** کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی جنگجو دشمن سے یا شیطان سے یا ناجائز خواہشات نفس سے انہوں نے جہاد کیا۔

مجاہد کی شان: جو شخص اصلاح عالم کے لئے اور تباہی و بربادی کو دور کرنے کے لئے اور اللہ کا بول بالا کرنے اور دین کو پھیلانے کے لئے اپنی جان و مال کی قربانی دیتا ہے وہ بدرجہ اولیٰ اپنے نفس کی قربانی کرے گا، اور تمام احکام شریعت کا پابند ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ أَتُعَلِّمُونَ اللَّهَ بِدِينِكُمْ وَاللَّهُ

تو کہہ کیا تم جتلاتے ہو اللہ کو اپنی دینداری اور اللہ

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

کو تو خبر ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے ☆

اللہ کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا

یعنی اگر واقعی سچا دین اور پورا یقین تم کو حاصل ہے تو کہنے سے کیا ہوگا جس سے معاملہ ہے وہ آپ خبردار ہے۔ (تفسیر عثمانی)

طبرانی نے عمدہ سند سے حضرت عبداللہؓ بن ابی اوفیٰ کی روایت سے اور برار نے بطریق سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن ابی حاتم نے حسن کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔ کہ کچھ بدویوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم (خود) مسلمان ہو گئے اور آپ سے (کبھی) نہیں لڑے لیکن فلاں قبیلہ والوں نے آپ سے جنگ کی (اور پھر مسلمان ہوئے) بقول حسن یہ بات فتح مکہ ہو جانے کے بعد کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَمُنُّونَ عَلَيْكَ أَنْ أَسْلَمُوا

تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے ☆

بعض نادانوں کی نافرمانی

بعض گنوار آ کر کہتے تھے کہ دیکھئے ہم تو بدون لڑے بھڑے مسلمان ہو گئے گویا احسان جتلاتے تھے اسکا جواب آگے دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اسلام اور ایمان ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟

ایمان اصطلاح شرع میں تصدیق قلبی کا نام ہے یعنی اپنے دل سے اللہ

تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کو سچا ماننا۔ اور اسلام نام ہے اعمال ظاہرہ میں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی اطاعت کرنے کا لیکن شریعت میں تصدیق قلبی سوقت تک قابل اعتبار نہیں جب تک اسکا اثر جوارح کے اعمال وافعال تک نہ پہنچ جائے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ زبان سے کلمہ اسلام کا اقرار کرے۔ اسی طرح اسلام اگرچہ اعمال ظاہرہ کا نام ہے لیکن شریعت میں وہ اسوقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں تصدیق نہ آ جائے ورنہ وہ نفاق ہے۔ اس طرح اسلام وایمان مبدأ اور منتہی کے اعتبار سے تو الگ الگ ہیں کہ ایمان باطن اور قلب سے شروع ہو کر ظاہر اعمال تک پہنچتا ہے اور اسلام افعال ظاہرہ سے شروع ہو کر باطن کی تصدیق تک پہنچتا ہے مگر مصداق کے اعتبار سے ان دونوں میں تلازم ہے کہ ایمان اسلام کے بغیر معتبر نہیں اور اسلام ایمان کے بغیر شرعاً معتبر نہیں شریعت میں یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص مسلم تو ہو مؤمن نہ ہو یا مؤمن ہو مسلم نہ ہو مگر یہ کلام اصطلاحی ایمان واسلام میں ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص مسلم ہو مؤمن نہ ہو جیسے تمام منافقین کا یہی حال تھا کہ ظاہری اطاعت احکام کی بنا پر مسلم کہلاتے تھے مگر دل میں ایمان نہ ہونے کے سبب مؤمن نہ تھے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ
تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا
بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ
بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تم کو
لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۷
راہ دی ایمان کی اگر سچ کہو ☆

ناوانوں کو جواب

یعنی اگر واقعی تم دعوائے اسلام وایمان میں سچے ہو تو یہ تمہارا احسان نہیں اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ایمان کی طرف آنے کا راستہ دیا اور دولت اسلام سے سرفراز کیا اگر سچی بات کہو تو واقعہ اس طرح ہے حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ "نیکی اپنے ہاتھ سے ہو اپنی تعریف نہیں رب کی تعریف ہے جس نے وہ نیکی کروائی" گویا خاتمہ سورت پر متنبہ کر دیا کہ اگر تم کو قرآنی ہدایات اور اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق ہو تو احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ کے احسان وانعام کا شکر ادا کرو جس نے ایسی توفیق ارزانی فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی   منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(معارف کاندھلوی)

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ
اللہ جانتا ہے چھپے بھید آسمانوں کے
وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا
اور زمین کے اور اللہ دیکھتا ہے جو تم
تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸ ع
کرتے ہو☆

خدا کے سامنے باتیں نہ بناؤ

یعنی دلوں کے بھید اور ظاہر کا عمل سب کو خدا جانتا ہے اسکے سامنے باتیں نہ بناؤ۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول

ابن سعد نے بروایت محمد بن کعب قرظی اور سعید بن منصور نے بروایت سعید بن جبیر بیان کیا کہ ۹ھ میں قبیلہ بنی اسد کے دس آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں طلحہ بن خویلد بھی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے ان لوگوں نے آ کر سلام کیا پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ وحدہٗ لاشریک لہ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں یا رسول اللہ ہم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اپ نے اپنا کوئی نمائندہ ہمارے پاس نہیں بھیجا تھا ہم اپنے ان لوگوں کے لئے جو ہمارے پیچھے رہ گئے ہیں پیام مصالحت لے کر آئے ہیں اس پر اللہ نے آیت مذکورہ نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ الحجرات کی تفسیر ختم ہوئی

جوشخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا علم اچھا ہوگا اور اس کے شہر والے اس کے محتاج رہیں گے اور اس کی عمر کا آخری حصہ اول سے بہتر رہے گا اور نہایت قوی ہوگا۔

سورۂ قٓ کی خصوصیات:

سورۂ ق میں بیشتر مضامین آخرت اور قیامت اور مردوں کے زندہ ہونے اور حساب وکتاب سے متعلق ہیں اور یہی مناسبت ہے اس کو اس سے پہلی سورۂ حجرات سے کہ اس کے آخر میں انہی مضامین کا ذکر تھا۔

سورۂ ق کی ایک خاص اہمیت اس حدیث سے معلوم ہوتی ہے کہ اُم ہشام بنت حارثہ بن النعمانؓ کہتی ہیں کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب میرا مکان تھا) دو سال کے قریب ہمارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تنور (جس میں روٹی پکتی تھی) ایک ہی تھا مجھے سورۂ ق پوری اس طرح حفظ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سورت ہر جمعہ کو منبر پر خطبہ میں تلاوت فرماتے تھے (رواہ مسلم از قرطبی)۔

اور حضرت عمر بن خطابؓ نے ابو واقد لیثیؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نمازوں میں کونسی سورت پڑھا کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا۔ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ اور حضرت جابرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں بکثرت سورۂ ق تلاوت فرماتے تھے۔ (یہ سورت خاصی بڑی ہے) مگر اس کے باوجود نماز ہلکی رہتی تھی (قرطبی) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تلاوت کا خاص اثر تھا کہ بڑی سے بڑی سورت اور طویل سے طویل نماز بھی پڑھنے والوں پر ہلکی رہتی تھی۔ (معارف مفتی اعظم)

حضرت اوسؓ فرماتے ہیں میں نے صحابہ سے پوچھا کہ تم قرآن کے حصے کس طرح کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا پہلی تین سورتوں کی ایک منزل پھر پانچ سورتوں کی ایک منزل پھر سات سورتوں کی ایک منزل پھر نو سورتوں کی ایک منزل اور مفصل کی سورتوں کی ایک منزل۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے۔ پس پہلی چھ منزلوں کی کل اڑتالیس سورتیں ہوئیں۔ پھر اس کے بعد مفصل کی تمام سورتوں کی ایک منزل تو انچاسویں سورت یہی سورۂ قاف پڑتی ہے۔ باقاعدہ گنتی سنیے۔ پہلی منزل کی تین سورتیں سورۂ بقرہ سورۂ آل عمران سورۂ نساء ہوئیں۔ دوسری منزل کی پانچ سورتیں مائدہ انعام اعراف انفال اور براءت ہوئیں۔ تیسری منزل کی سات سورتیں یونس ہود یوسف رعد ابراہیم حجر اور نحل ہوئیں۔ چوتھی منزل کی نو سورتیں سبحان کہف مریم طٰہٰ انبیاء حج مؤمنون نور اور فرقان ہوئیں۔ پانچویں منزل کی گیارہ سورتیں شعراء نمل قصص عنکبوت روم لقمان الم سجدہ احزاب سبا فاطر اور یٰسین ہوئیں۔ چھٹی منزل کی تیرہ سورتیں باقی رہیں جو حجرات کے بعد کی سورت سے شروع ہوں گی اور سورۂ ق ہے اور یہی ہم نے کہا تھا فالحمد للہ۔

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ عید کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا پڑھتے تھے؟ آپ نے فرمایا سورۂ ق اور سورۂ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔ مسلم میں ہے حضرت ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو سال تک یا ایک سال چھ ماہ تک ایک ہی تنور رہا میں نے سورۂ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ رسول اللہؐ کی زبانی سن کر یاد کر لی اس لئے کہ ہر جمعہ کے دن جب آپ لوگوں کو خطبہ سنانے کیلئے منبر پر آتے تو اس سورت کی تلاوت کرتے۔ الغرض بڑے بڑے مجمع کے موقع پر جیسے عید ہے۔ جمعہ ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کی تلاوت کرتے کیونکہ اس میں ابتداء خلق کا مرنے کے بعد جینے کا خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا حساب وکتاب کا جنت ودوزخ کا ثواب وعذاب کا اور رغبت و ڈراوے کا ذکر ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ ق مکہ میں نازل ہوئی اور اس میں پینتالیس آیتیں اور تین رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ بَلْ عَجِبُوْٓا
قسم ہے اس قرآن بڑی شان والے کی بلکہ ان کو تعجب ہو
اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ
کہ آیا ان کے پاس ڈر سنانے والا انہی میں کا تو کہنے
الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ②
لگے منکر یہ تعجب کی چیز ہے
ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ
کیا جب ہم مر چکیں اور ہو جائیں مٹی یہ پھر آنا
بَعِيْدٌ ③
بہت دور ہے☆

قرآن کی عظمت و اعجاز ☆ یعنی قرآن کی بزرگی اور عظمت شان کا کیا کہنا جس نے آ کر سب کتابوں کو منسوخ کر دیا اور اپنی اعجازی قوت اور لامحدود اسرار و معارف سے دنیا کو محو حیرت بنا دیا۔ یہی بزرگی والا قرآن بذات خود شاہد ہے کہ اس کے اندر کوئی نقص و عیب نہیں نہ کہیں انگلی رکھنے کی جگہ ہے لیکن منکرین پھر بھی اس کو قبول نہیں کرتے اس لیے نہیں کہ ان کے پاس اس کے خلاف کوئی حجت و برہان ہے بلکہ محض اپنے جہل وحماقت سے اس پر تعجب کرتے ہیں کہ ان ہی کے خاندان اور نسل کا ایک آدمی ان کی طرف رسول ہو کر آیا اور بڑا بن کر سب کو نصیحتیں کرنے لگا اور بات بھی ایسی عجیب کہی جسے کوئی باور نہ کر سکے بھلا جب ہم مر کر مٹی ہو گئے کیا پھر زندگی کی طرف واپس کیے جائیں گے؟ یہ واپسی تو عقل سے بہت دور اور امکان و عادت سے بالکل بعید ہے۔ (تفسیر عثانی)

قٓ کیا ہے: بعض نے کہا قٓ سے اشارہ ہے جملہ قُضِیَ الْاَمْرُ یا قُضِیَ مَا هُوَ كَائِنٌ کی طرف۔ حق بات یہ ہے کہ (دوسرے مقطعات و متشابہات کی طرح) اس کی اصلی مراد سواء اللہ اور اس کے رسول اور رسوخ علمی رکھنے والوں کے اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان ایک رمز ہے۔ فرمایا عکرمہ نے قاف زمرد سبز کا ایک پہاڑ ہے جو زمین کو محیط ہے اور اس پر آسمان قبہ کی طرح ڈھانکا ہوا ہے۔ ترجمہ یوں ہوا، قسم ہے قٓ کی اور قرآن کی۔

یعنی کفار مکہ نے بلا شبہ تعجب کیا اس بات پر کہ انہیں میں سے ایک ڈرانے والا ان کے پاس ایک بات لے کر آیا جو تعجب انگیز نہیں تھی یہ امر تعجب آفرین نہ ہونا چاہئے کہ انہیں میں کا ایک شخص جس کو وہ سچا جانتے تھے اور اس کی سچائی کا اقرار کرتے تھے ان کی خیر خواہی کرتا ہے اس کو اندیشہ ہے کہ کہیں ان لوگوں کو دکھ پہنچ جائے، ایسے بھی خواہ قوم، سچے مخلص آدمی کو تو کسی خوفناک امر سے قوم کو ڈرانا ہی چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ
ہم کو معلوم ہے جتنا گھٹاتی ہے زمین
مِنْهُمْ ۚ
اُن میں سے ☆

موت فنائے محض نہیں

یعنی ساری مٹی نہیں ہو جاتی جان سلامت رہتی ہے اور بدن کے اجزاء تحلیل ہو کر جہاں کہیں منتشر ہو گئے ہیں وہ سب اللہ کے علم میں ہیں اس کو قدرت ہے کہ ہر جگہ سے اجزائے اصلیہ کو جمع کر کے ڈھانچہ کھڑا کر دے اور دوبارہ اس میں جان ڈال دے۔ (تفسیر عثانی)

وَ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝
اور ہمارے پاس کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے ☆

اللہ کا قدیم علم ☆ یعنی یہ نہیں کہ آج سے معلوم ہے بلکہ ہمارا علم قدیم ہے حتی کہ ان میں قبل وقوع ہی سب اشیاء کے سب حالات ایک کتاب میں جو لوح محفوظ کہلاتی ہے لکھ دیئے تھے اور اب تک ہمارے پاس وہ کتاب موجود چلی آتی ہے پس اگر علم قدیم کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو یوں ہی سمجھ لے وہ دفتر جس میں سب کچھ لکھا ہے حق تعالیٰ کے سامنے حاضر ہے یا اس کو پہلے جملہ کی تاکید سمجھو کیونکہ جو چیز کسی کے علم میں ہو اور قلم بند بھی کر لی جائے وہ لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ موکد سمجھی جاتی ہے اسی طرح یہاں مخاطبین کے محسوسات کے اعتبار سے متنبہ کر دیا کہ ہر چیز خدا کے علم میں ہے اور اس کے ہاں لکھی ہوئی ہے جس میں ذرا کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثانی)

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ
کوئی نہیں پر جھٹلاتے ہیں سچے دین کو جب اُن تک پہنچا
فَهُمْ فِیْۤ اَمْرٍ مَّرِیْجٍ ۝
سو وہ پڑ رہے ہیں اُلجھی ہوئی بات میں ☆

سچ تکذیب ☆ یعنی صرف تعجب نہیں بلکہ کھلی ہوئی تکذیب ہے۔ حضرت کی نبوت قرآن اور بعث بعد الموت ہر چیز کو جھٹلاتے ہیں اور عجب الجھی ہوئی باتیں کرتے ہیں بے شک جو شخص سچی باتوں کو جھٹلاتا ہے اسی طرح شک و اضطراب اور تردد و تحیر کی الجھنوں میں پڑ جایا کرتا ہے۔ (تفسیر عثانی)

مَّرِیْجٍ۔ امر مشتبہ۔ مضطرب۔ بے یقینی۔ ان کے قول میں اضطراب اور بے یقینی تکذیب نبوت کی وجہ سے ہی تھی۔ قتادہ اور حسن نے کہا جو حق کو چھوڑ دیتا ہے اس کو اپنے معاملہ میں اور دین میں اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے، زجاج نے کہا ایک قول پر ان کو قرار نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی شاعر کہتے ہیں کبھی جادوگر، کبھی دوسروں کو سکھایا پڑھایا ہوا، کبھی دیوانہ، کبھی دروغ تراشی کرنے والا اور یہ سارے اقوال باہم مختلف اور متضاد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

کافروں کا بعث بعد الموت کو محال سمجھنے کی وجہ

پروردگار عالم ان کے اس محال سمجھنے کی اصل وجہ بیان فرما رہا ہے کہ دراصل یہ حق کو جھٹلانے والے لوگ ہیں اور جو لوگ اپنے پاس حق کے آ جانے کے بعد اس کا انکار کر دیں ان سے بھلی سمجھ چھن جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ

کیا نہیں دیکھتے آسمان کو اپنے اوپر

كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا

کیسا ہم نے اُس کو بنایا اور رونق دی اور اُس میں نہیں

مِنْ فُرُوْجٍ ۝

کوئی سوراخ ☆

آسمان کی بناوٹ ☆یعنی آسمان کو دیکھو نہ بظاہر کوئی کھمبا نظر آتا ہے نہ ستون اتنا بڑا عظیم شان جسم کیسا مضبوط و مستحکم کھڑا ہے اور رات کو جب اس پر ستاروں کی قندیل اور جھاڑ فانوس روشن ہوتے ہیں تو کس قدر پر رونق اور خوبصورت نظر آتا ہے پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں برس گزر گئے نہ اس چھت میں کہیں سوراخ ہوا نہ کوئی کنگرہ گرا نہ پلاستر ٹوٹا نہ رنگ خراب ہوا۔ آخر کونسا ہاتھ ہے جس نے یہ مخلوق بنائی اور بنا کر اسکی ایسی حفاظت کی۔ (تفسیر عثمانی)

کیا آسمان نظر آتا ہے؟

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمان نظر آتا ہے اور مشہور یہ ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو نظر آتا ہے یہ ہوا کا رنگ ہے مگر اس کی نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں کہ یہی رنگ آسمان کا بھی ہو۔ (معارف مفتی اعظم)

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا

اور زمین کو پھیلایا اور ڈالے اس میں

رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ

بوجھ اور اُگائی اس میں ہر ہر قسم کی

زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى

رونق کی چیز سجھانے کو اور یاد دلانے کو

لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝

اُس بندہ کے لئے جو رجوع کرے ☆

دانائی کا سامان ☆یعنی جو آدمی خدا کی طرف رجوع ہو محض ان ہی محسوسات کے دائرہ میں الجھ کر نہ رہ جائے اس کے لئے آسمان وزمین کی تخلیق و تنظیم میں دانائی و بینائی کے کتنے سامان ہیں جن میں اونیٰ غور کرنے سے صحیح حقیقت تک پہنچ سکتا ہے اور بھولے ہوئے سبق اس کو یاد آسکتے ہیں پھر خدا جانے ایسی روشن نشانیوں کی موجودگی میں بھی یہ لوگ کیونکر حق کو جھٹلانے کی جرات کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۔مخلوق پر غور کرکے اپنے رب کی طرف رجوع ہونے والے بندے کے لئے چونکہ "عبد منیب" کے لئے ہی یہ تخلیق تثبیت و فراز بصیرت آفرین ہے اس لئے منیب کا لفظ خاص طور پر ذکر کیا۔ (تفسیر مظہری)

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝

پھر اگائے ہم نے اس سے باغ اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے ☆

☆اناج وہ ہے جس کے ساتھ اسکا کھیت بھی کٹ جائے اور باغ پھل ٹوٹ کر قائم رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝

اور کھجوریں لمبی ان کا خوشہ ہے تہ بہ تہ ☆

☆یعنی بڑی کثرت و افراط سے جن کا خوشہ دیکھنے میں بھی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

باسقات کا معنی:

لمبے لمبے کھجور کے درخت یا باسقات کا معنی بوجھ اٹھانے' بکری گابھن ہو جائے تو کہتے ہیں' بَسَقَتِ الشَّاةُ۔ کھجور کا درخت بہت اونچا بھی ہوتا ہے اور اس کے منافع بہت ہیں' اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا۔

کھجور کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' درختوں میں ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے پتے نہیں گرتے اس کی مثال ایسی ہے جیسے مسلمان۔ بتاؤ وہ کونسا درخت ہے؟ لوگوں کا خیال صحرائی درختوں کی طرف گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' وہ کھجور کا درخت ہے۔ رواہ البخاری' من حدیث ابن عمر۔

یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' اپنی پھوپھی' یعنی کھجور کے درخت کی عزت کرو۔ تمہارے باپ آدم کی جسمانی ساخت سے جو مٹی بچ رہی

تھی اس سے اس (درخت) کو بنایا گیا اور جس درخت کے نیچے مریم بنت عمران کے بطن سے (عیسیٰؑ کی) پیدائش ہوئی اس سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک اور کوئی درخت نہیں، پس تم اپنے اہل وعیال کو کھجوریں کھلاؤ اور اگر کھجوریں نہ ہوں تو چھوارے کھلاؤ۔ رواہ ابن حاتم وابو یعلیٰ فی المسند وابن عدی فی الکامل وابن انس وابونعیم فی الطب وابن مردویہ عن علی رضی اللہ عنہ۔ (تفسیر مظہری)

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً
روزی دینے کو بندوں کے اور زندہ کیا ہم نے اُس سے ایک
مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۞
مردہ دیس کو یونہی ہوگا نکل کھڑے ہونا☆

سبزہ کی طرح انسانی جسم اُگے گا

یعنی بارش برسا کر مردہ زمین کو زندہ کردیا اسی طرح قیامت کے دن مردے زندہ کردیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

صحیحین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' دونوں صور پھونکنے کے درمیان فاصلہ چالیس کا ہوگا۔ حاضرین نے پوچھا' ابو ہریرہؓ! کیا چالیس دن (کا فاصلہ ہوگا) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' مجھے اس لفظ کے کہنے سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا تو کیا پھر چالیس مہینوں کی (مدت ہوگی) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' میں یہ بھی نہیں کہتا۔ لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی (مدت ہوگی) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا' میں یہ بھی نہیں کہتا۔ لوگوں نے کہا تو کیا چالیس سال کی (مدت آپ کہنا چاہتے ہیں) فرمایا' مجھے کہنے سے بھی انکار ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) پھر اللہ آسمان سے (پانی) نازل فرمائے گا' جس سے لوگ ایسے اگیں گے جیسے سبزہ اُگتا ہے۔ آدمی (کے بدن) کا ہر حصہ سوائے ایک ہڈی کے یعنی سوائے دم گزے کی ہڈی کے فنا ہوجاتا ہے قیامت کے دن اسی دم گزے (عُصْعُص) کی ہڈی سے جوڑ کر انسانی جسم بنایا جائے گا۔ ابن ابی داؤد سے بھی اسی طرح کی حدیث بروایت حضرت ابو ہریرہؓ آئی ہے۔ اس روایت میں یہ الفاظ (بھی) آئے ہیں کہ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا فصل ہوگا۔

بن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عرش کے نیچے سے پانی کا ایک نالہ دونوں مرتبہ صور پھونکنے کی درمیانی مدت میں بہکر آئے گا اور یہ درمیانی مدت چالیس سال کی ہوگی۔ اس پانی سے وہ تمام انسان چوپائے اور پرندے جو بوسیدہ فرسودہ ہو کر گل گئے ہوں گے (دوبارہ سبزہ کی طرح) اُگیں گے جو شخص ان کو پہلے (دنیا میں) پہچانتا ہوگا جب دوبارہ پیدا ہونے کے بعد ان کی طرف سے گذرے گا تو پہچان نہ سکے گا۔ اس کے بعد روحوں کو بھیجا جائے گا اور جسموں کے ساتھ ان کا جوڑ لگا دیا جائے گا۔ یہی مطلب ہے آیت وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا۔ (تفسیر مظہری)

اسرافیل کی نداء: احادیث میں ہے کہ جب قیامت قائم کرنے کے لئے اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم ہوگا تو وہ یہ ندا کریں گے۔ **ایتها العظام البالیه والا وصال المتقطعه والشعور المتفرقة ان الله یا مُرکن ان تجتمعن۔** کہ اے بوسیدہ ہڈیوں اور ٹکڑے ٹکڑے ہوئے جوڑو اور منتشر بالوں تم سب کو اللہ کا حکم ہے کہ جمع ہو جاؤ چنانچہ اس نداء ہی کے ساتھ انسانی اجزاء جہاں بھی اور جس حالت میں ہوں گے ایک جا جمع ہو جائیں گے اور اس طرح دوبارہ زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔

ایک آدمی کا واقعہ: صحاح ستہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے پہلی امتوں میں سے جب مرنے لگا تو اس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی جب میں مرجاؤں تو میری لاش کو جلانا اور جلا کر راکھ کردینا اور جب میں جل کر راکھ ہو جاؤں تو اس میں سے نصف راکھ سمندر میں بہا دینا اور نصف ہواؤں میں اڑا دینا اور ایک روایت میں یہ لفظ ہے کہ جس روز تیز ہوائیں چل رہی ہوں اس روز راکھ ہوا میں اڑا دینا اور ایک روایت میں ہے کہ خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کو مجھ پر دوبارہ اٹھانے کی قدرت ہوگئی تو وہ مجھ کو ایسا عذاب دے گا کہ جہاں والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہ ہوگا (گویا اس کے نزدیک یہ شکل عدم محض کے درجہ میں ہوجانے کی تھی اور اس حالت کے بعد اس کو تصور نہ تھا کہ پھر دوبارہ زندگی کا امکان ہوگا وہ قدرت خداوندی پر یقین تو رکھتا تھا مگر اس کے احاطۂ فکر میں قدرت خداوندی کی یہی حد تھی کہ کوئی مردہ اپنے جسم کے ساتھ زمین میں موجود ہو تو بس اس کو دوبارہ اٹھا لیا جائے گا) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے مرنے کے بعد ایسا ہی کیا گیا۔ حق تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا۔ اس میں جو اجزاء تھے وہ اس نے جمع کرلئے۔ ہواؤں کو حکم ہوا' ہوا نے جو ریزے اس میں منتشر تھے انکو جمع کرلیا اور حق تعالیٰ نے اس کو زندہ کر کے سوال فرمایا۔ اے میرے بندے یہ بات تو نے کس وجہ سے کی عرض کرے گا اے پروردگار تیرے ڈر سے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بارگاہ خداوندی سے اس کے اس تقویٰ اور خشیت پر مغفرت فرمادی جائے گی۔ ۱۲۔

عبرت ونصیحت: بارش برسنے سے زمین بنجر کے شاداب ہونے اور زمین کی تہوں سے سبزے' غلے' پھل اور پھول کی پیدائش کے مناظر کو دیکھ کر اقرار کر لینا چاہئے كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو بھی بس اسی طرح زمین سے یا جہاں بھی ہوں قیامت کے روز میدان حشر میں اٹھائے گا اور جمع کرے گا۔ (معارف کاندھلوی)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ
جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے نوح کی قوم اور کنویں
الرَّسِّ وَثَمُودُ ۝ وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ
والے اور ثمود اور عاد اور فرعون
وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ
اور لوط کے بھائی اور بن کے رہنے والے اور
وَقَوْمُ تُبَّعٍ
تبع کی قوم☆☆

☆ان اقوام کے قصے سورہ حجر، فرقان، دخان وغیرہ میں گزر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اصحاب الرس کون لوگ ہیں؟

اصحاب الرس' لفظ رس عربی زبان میں مختلف معنی کے لئے آتا ہے مشہور معنی یہ ہیں کہ کچے کنویں کو رس کہا جاتا ہے۔ جو اینٹ پتھر وغیرہ سے پختہ نہ کیا گیا ہو' اصحاب الرس سے مراد قوم ثمود کے باقی ماندہ لوگ ہیں جو عذاب کے بعد باقی رہے' ضحاک وغیرہ مفسرین نے ان کا قصہ یہ لکھا ہے کہ جب حضرت صالح علیہ السلام کی قوم (ثمود) پر عذاب آیا تو ان میں سے چار ہزار آدمی جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لا چکے تھے وہ عذاب سے محفوظ رہے' یہ لوگ اپنے مقام سے منتقل ہو کر حضرموت میں جا کر مقیم ہو گئے' حضرت صالح علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے' ایک کنویں پر جا کر یہ لوگ ٹھہر گئے' اور حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہو گئی' اس لئے اس جگہ کا نام حَضَر مَوْتٌ (یعنی موت حاضر ہو گئی) ہے۔ یہ لوگ یہیں رہ پڑے' پھر ان کی نسل میں بت پرستی شروع ہو گئی' ان کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ نے ایک نبی کو بھیجا' جس کو انہوں نے قتل کر ڈالا' ان پر خدا تعالیٰ کا عذاب آیا' ان کا کنواں جس پر ان کی زندگی کا انحصار تھا وہ بیکار ہو گیا۔ اور عمارتیں ویران ہو گئیں' قرآن کریم نے اسی کا ذکر اس آیت میں فرمایا ہے وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ یعنی چشم عبرت والوں کے لئے ان کا بیکار پڑا ہوا کنواں اور پختہ بنے ہوئے محلات ویران پڑے ہوئے عبرت کے لئے کافی ہیں۔

اَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ۔ ایکہ گھنے جنگل اور بن کو کہتے ہیں' یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے' حضرت شعیب علیہ السلام اُن کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے' انہوں نے نافرمانی کی' آخر عذاب الٰہی سے تباہ و برباد ہوئے۔ (معارف مفتی اعظم)

کعب' مقاتل اور سدی نے کہا رس انطاکیہ میں ایک کنواں تھا جس میں حبیب نجار کو (لوگوں نے پھینک کر) شہید کر دیا تھا انہیں لوگوں کا ذکر سورہ یٰسین میں آیا ہے۔

بعض علماء نے کہا اصحاب ارخدود ہی اصحاب رس تھے انہوں نے ہی وہ کنواں کھدوایا تھا۔ عکرمہ نے کہا ان لوگوں نے کنویں میں اپنے نبی کو پاٹ دیا تھا۔

قوم ثمود: اس قوم نے پیغمبروں کی تکذیب کی ان کے بھائی صالح (پیغمبر) نے ان سے کہا تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے۔ میں تمہاری ہدایت کے لئے امانتدار پیغمبر (بنا کر بھیجا گیا) ہوں۔ میرا کہا مانو اللہ سے ڈرو کہنے لگے تیرے اوپر تو جادو کر دیا گیا ہے تو ہم جیسا آدمی ہے (پیغمبر نہیں ہے) اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی پیش کر حضرت صالحؑ کی دعا سے ایک دس ماہ کی گابھن اونٹنی ایک پتھر سے برآمد ہو گئی اور اس کا بچہ بھی اسی جیسا پیدا ہو گیا۔

یہ اونٹنی ایک دن سارا پانی پی جاتی تھی اور دوسرے دن دوسرے جانوروں کے لئے چھوڑ دیتی تھی (اس طرح ایک دن کا پانی اونٹنی کا اور ایک دن کا پانی قوم کے جانوروں کا مقرر کر دیا گیا تھا) حضرت صالحؑ نے کہہ دیا پانی کا ایک مقرر حصہ (یعنی ایک دن کا پانی) اونٹنی کا ہے اور ایک دن کا تم لوگوں کا۔ اس کو تکلیف دینے کے لئے ہاتھ بھی نہ لگانا' ورنہ سخت عذاب تم کو آ پکڑے گا' لیکن ان لوگوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں پھر پشیمان بھی ہوئے (مگر بیکار) حضرت صالحؑ نے کہہ دیا تین روز تک اپنے گھروں میں مزے اڑاؤ (اس کے بعد عذاب نازل ہو جائے گا) یہ دھمکی جھوٹی نہیں ہے غرض عذاب آ گیا صالحؑ اور ان کے ساتھ وہ لوگ جو ایمان لے آئے تھے عذاب سے محفوظ رہے اور ظالموں کو ایک چیخ نے پکڑ لیا اور سب کے گھروں میں زمین سے چمٹے ہوئے مردہ ہو گئے۔

قوم عاد: اور قوم عاد نے پیغمبروں کو جھٹلایا اُن کے بھائی ہودؑ (پیغمبر) نے کہا کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے' میں رسول امین ہوں' تمہاری ہدایت کے لئے آیا ہوں' اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو غرض اللہ نے ایک تیز طوفان بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا طوفان ان پر سات رات اور آٹھ دن مسلط رہا جس نے ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا لمبے لمبے زمین پر ایسے پڑے تھے جیسے درخت کھجور کے کھوکھلے تنے۔

فرعون اور اس کی قوم: اور فرعون اور اس کی قوم عمالقہ نے (تکذیب کی) اللہ نے موسیٰؑ اور ہارون کو اس کے پاس بھیجا اور فرمایا' فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے اس سے کہو کیا تو پاک ہونے کا خواہشمند ہے اور کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے تیرے رب تک پہنچنے کا راستہ بتاؤں اور تیرے اندر خشیت پیدا ہو جائے موسیٰؑ نے اس کو بڑا معجزہ دکھایا زمین پر اپنی لاٹھی کو پھینک دیا وہ فوراً سانپ بن کر دوڑنے لگی اور ایک اور نشانِ نبوت بھی دکھایا اپنے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈال کر باہر نکالا تو بغیر کسی بیماری وہ گورا (آفتاب کی

طرح چھپایا) ہو کر برآمد ہوا۔ لیکن فرعون نے موسیٰؑ کی تکذیب کی اور منہ پھیر کر (اپنے درباریوں سے) کہنے لگا میں تم سب کا رب اعلیٰ ہوں اللہ نے موسیٰؑ کے پاس وحی بھیجی کہ میرے بندوں کو رات کو باہر نکال کر (مصر سے) لے جاؤ (موسیٰؑ نے حکم کی تعمیل کی' جب دریا پر پہنچے تو متحیر ہو گئے کہ دریا کو عبور کیسے کریں اللہ نے فرمایا) اپنی لاٹھی دریا پر مارو۔ موسیٰؑ نے پانی میں لاٹھی ماری پانی پھٹ کر ادھر اُدھر بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا اور راستہ پایاب نکل آیا' موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر دریا میں گھس پڑے' اس طرح اللہ نے موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نجات دیدی۔

فرعون اور اس کے لشکر نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا اور موسیٰؑ کے پیچھے وہ بھی دریا میں گھس گئے۔ فوراً دریا کی ایک عظیم الشان موج آئی اور ان پر چھا گئی۔ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اُٹھا میں نے مان لیا کہ سوائے اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں اور کوئی معبود نہیں اور میں اس کے فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' اب ایمان لایا اور اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تباہی پھیلانے والوں میں سے تھا' آج تیرا رب تیری لاش کو بچالے گا تا کہ آنے والے لوگوں کے لئے تو عبرت بن جائے۔ الخ

اخوان لوط: اور لوطؑ کے بھائی بندوں' یعنی قوم والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا' ان کے بھائی لوطؑ نے کہا' کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے میں امانت دار قاصد ہوں' تمہارے پاس مجھے بھیجا گیا ہے۔ اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو' سارے جہان میں کیا (تم ہی ایسے بے حیا ہو کہ) مردوں پر چڑھ بیٹھتے ہو اور تمہارے رب نے جو (عورتیں) تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان سے ترک تعلق کرتے ہو' بلاشبہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والے لوگ ہو کہنے لگے۔ لوط' اگر تو اپنی اس نصیحت سے باز نہیں آیا تو بستی سے نکال دیا جائے گا لوطؑ نے کہا مجھے تمہارے عمل سے سخت نفرت ہے آخر اللہ نے لوطؑ کو اور سوائے بیوی کے باقی اہل وعیال کو عذاب سے محفوظ رکھا۔ بیوی پیچھے رہنے والوں (یعنی کافروں) میں سے تھی (اس لئے ہلاک کر دی گئی) اللہ نے ان پر کنکر یلے پتھر جو (ہر ایک کے لئے الگ الگ) نشان زدہ تھے برسائے۔

وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۔ بغوی نے لکھا ہے قتادہ نے بیان کیا **تبع یمن** کے بادشاہوں میں سے ایک حمیری بادشاہ تھا' یہ اپنی فوجیں لے کر حیرہ اور سمرقند تک گیا تھا' اس کے تابع بہت زیادہ لوگ تھے' اسی لئے اس کو تبع کہا جاتا تھا۔ تبع بھی بہت تھے' اور چونکہ ایک دوسرے کے پیچھے (بغیر فصل) کے بادشاہ ہوتا تھا۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک کو تبع کہا جاتا ہے۔ تبع پہلے آتش پرست تھا پھر اسلام لے آیا اور اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

محمد بن اسحاق وغیرہ نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ آخری تبع اسعد بن ابوکرب بن ملیک بن یکرب تھا اسعد مشرق سے آتے ہوئے مدینہ پر سے گذرا اور مدینے میں اپنے ایک بیٹے کو اپنا قائم مقام بنا کر خود چلا گیا بیٹے کو کسی نے قتل کر دیا یہ خبر پا کر اسعد مدینہ کو اس بات کا پختہ ارادہ کر کے آیا کہ مدینہ کو بیخ وبن سے اکھاڑ دے گا۔ انصار کے اس قبیلہ (یعنی اوس اور خزرج) کو جب اسعد کے اس ارادے کی اطلاع ملی تو اسعد سے لڑنے اور مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ کے باہر جمع ہو گئے۔

قبائل انصار اسعد کے لشکر سے دن میں تو لڑتے تھے اور رات کو ان کی مہمانی کرتے (یعنی کھانا کھلاتے) تھے۔ اسعد کو اس پر بڑا تعجب ہوا کہنے لگا یہ بڑے شریف لوگ ہیں۔

انہی ایام میں بنی قریظہ کے دو یہودی عالم کعب اور اسدا اسعد کے پاس آئے اور عرض کیا بادشاہ سلامت آپ کو اپنے ارادے سے باز آجانا چاہئے اگر آپ اپنی ضد پر قائم رہے تب بھی آپ کو مراد حاصل نہ ہو گی۔ کوئی (غیبی) رکاوٹ پڑ جائے گی۔ اس صورت میں آپ کی (غیبی) فوری مصیبت سے مامون نہیں رہیں گے۔ یہ ایک نبی کی ہجرت گاہ ہے' جو اس قبیلہ قریش میں پیدا ہو گا' اس کا نام محمد ہو گا' مکہ اس کی جائے پیدائش اور مدینہ مقام ہجرت ہے۔ یہاں جس جگہ آپ اُترے ہیں اسی جگہ اس نبی کے ساتھیوں کی اور اس کے دشمنوں کی لڑائی ہو گی' جس میں کچھ لوگ مجروح ومقتول ہوں گے' اسعد نے کہا' جب وہ نبی ہو گا تو اس سے لڑے گا کون؟ کعب اور اسد نے کہا اس کی قوم والے یہاں آ کر اس سے لڑیں گے۔

یہودیوں کی یہ باتیں سن کر اسعد اپنے خیال سے باز آ گیا۔ دونوں عالموں نے اس کو اپنے دین یعنی اصل یہودی مذہب کی طرف بلایا تو اس نے یہ دعوت قبول کر لی اور یہودی دین اختیار کر لیا۔ اور دونوں عالموں کی بڑی عزت کی اور مدینہ سے واپس چلا گیا۔ واپسی میں ان دونوں کو اور کچھ اور یہودیوں کو ساتھ لے کر یمن جانے کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ واپسی میں ان دونوں کو اور کچھ اور یہودیوں کو ساتھ لے کر یمن جانے کے ارادے سے روانہ ہو گیا۔ راستہ میں قبیلہ ہذیل کے کچھ آدمی اس سے ملے اور کہنے لگے ہم آپ کو ایک ایسا گھر بتاتے ہیں جس کے اندر موتیوں اور زبرجد اور چاندی کا خزانہ (مدفون) ہے اسعد نے کہا مکہ میں ایسا کونسا گھر ہو سکتا ہے؟ حقیقت میں بنی ہذیل نے اسعد کو ہلاک کرنا چاہا تھا۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ بیت اللہ کے متعلق بُرا ارادہ رکھنے والا ہلاکت سے بچ نہیں سکتا۔

یہودی علماء سے جب اس کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا اس (کعبہ) کے علاوہ کوئی اور ایسا گھر ہمارے علم میں نہیں ہے (جس کے متعلق بُرا ارادہ کرنے والا ہلاک نہ کر دیا گیا ہو) آپ اسی گھر کو عبادت خانہ بنالیں۔ اس کا حج کریں' قربانی کریں اور اس کے پاس سر منڈوائیں۔

یہودی عالموں سے جب اسعد نے یہ بات سنی تو ہذیل کے ان آدمیوں کو جنہوں نے اسعد کو اغوا کرنا چاہا تھا' پکڑ کر ہاتھ پاؤں کٹوا کر' آنکھوں میں سلائی پھیر کر صلیب پر لٹکوا دیا' پھر مکہ میں جا کر شعب مصالح میں اُترا اور کعبہ

کو غلاف پہنایا۔ اسعد ہی پہلا شخص تھا جس نے کعبہ کو غلاف پوش کیا۔ شعب میں چھ ہزار اونٹوں کی قربانی کی چھ دن یہاں قیام کیا' طواف کیا اور سر منڈوایا' پھر واپس چلا گیا۔ جب یمن کے قریب پہنچا اور حدود یمن میں داخل ہونا چاہا تو قبیلہ حمیر والوں نے یمن میں داخلہ سے روکا اور کہا' تم نے ہمارا مذہب چھوڑ دیا۔ اس لئے یمن کے اندر تم داخل نہیں ہو سکتے' اسعد نے حمیر والوں کو مذہب یہودیت کی دعوت دی اور کہا یہ دین تمہارے دین سے بہتر ہے۔ حمیر والوں نے کہا' چلو آگ کے پاس یہ معاملہ رکھو آگ سے فیصلہ کرواؤ۔

یمن کے اندر ایک پہاڑ کے نشیب میں ایک آگ تھی لوگ نزاعی معاملات اس کے پاس لے جاتے تھے۔ آگ (غار کے اندر سے) نکل کر ظالم کو کھا جاتی تھی اور مظلوم کو کچھ بھی ضرر نہیں پہنچاتی تھی۔ تبع نے کہا' تم نے یہ بات انصاف کی کہی۔ چنانچہ حمیر والے اپنے بتوں کو اور ان کے دین پر جو بھینٹ کی چیزیں ہوتی تھیں ان سب کو لے کر نکلے اور دونوں یہودی عالم اپنی مذہبی کتابیں گلے میں ڈال کر برآمد ہوئے اور یہ سب لوگ اس جگہ جا کر بیٹھ گئے جہاں سے آگ نکلتی تھی کچھ دیر کے بعد آگ نکلی اور سب کو ڈھانک لیا۔ بتوں کو اور بھینٹ کے سامان کو تو کھا لیا اور یہودی عالم جن کی گردنوں میں مذہبی صحیفے آویزاں تھے برابر ان کو پڑھتے رہے۔ پیشانی سے پسینہ تو بہنے لگا اور کوئی ضرر نہیں پہنچا آگ جہاں سے نکلی تھی وہیں واپس چلی گئی اس کے بعد حمیر والوں نے بھی بالاتفاق اصل دین یہودیت اختیار کر لیا۔

ابو حاتم نے رقاشی کا قول نقل کیا ہے کہ ابو کرب اسعد حمیری تبابعہ میں سے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے سات سو برس پہلے ہی آپ پر ایمان لے آیا تھا۔

ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ کعب نے کہا اللہ نے تبع کی قوم کی تو مذمت کی تبع کی مذمت نہیں کی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں تبع کو برا مت کہو وہ اسلام لے آیا تھا' حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مجھے نہیں معلوم کہ تبع نبی تھے یا نہ تھے۔

کُلٌّ۔ یعنی ہر ایک شخص نے یا ہر امت نے یا سب نے پیغمبروں کی تکذیب کی تمام پیغمبروں کی تکذیب ہے اس لئے کَذَّبَ الرُّسُلَ (بصیغہ جمع) فرمایا' یا یوں کہا جائے کہ ان میں سے کوئی بھی اللہ کی توحید پر ایمان نہیں رکھتا تھا' سب کے سب توحید ہی کے منکر تھے اس لئے پیغمبروں کے آنے کے منکر بدرجۂ اولیٰ تھے۔ (تفسیر مظہری)

كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝
ان سب نے جھٹلایا رسولوں کو پر ٹھیک پڑا میرا ڈرانا ☆

تکذیب انبیاء کا انجام ☆ یعنی تکذیب انبیاء پر جس انجام سے ڈرایا گیا تھا وہ ہی سامنے آ کر رہا۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ
اب کیا ہم تھک گئے پہلی بار بنا کر کوئی نہیں
فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝
اُن کو دھوکا ہے ایک نئے بنانے میں ☆

غلط گمان ☆ یعنی دوبارہ نئے سرے سے پیدا کرنے میں انہیں فضول دھوکا لگ رہا ہے۔ جس نے پہلی بار پیدا کیا دوسری مرتبہ پیدا کر دینا کیا مشکل ہے؟ کیا یہ گمان کرتے ہو کہ (معاذ اللہ) وہ پہلی دفعہ دنیا کو بنا کر تھک گیا ہوگا؟ اس قادر مطلق کی نسبت ایسے توہمات قائم کرنا سخت جہالت اور گستاخی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ترکیب نحوی: اَفَعَيِيْنَا۔ میں ہمزہ انکاری ہے' حرف عاطفہ تعقیبیہ ہے' آیت اَفَلَمْ يَنْظُرُوْا اِلَى السَّمَآءِ الخ پر اس کا عطف ہے اور کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ سے آخر تک معترضہ جملے ہیں۔

خلاصۂ آیت: ہم نے آسمان کو بغیر کسی شگاف اور رخنہ کے بنایا۔ زمین کو پھیلایا' پہاڑوں کو جمایا' آسمان سے پانی برسایا۔ پانی سے کھیتوں کو اگایا اور تمہارا مشاہدہ اور اعتراف ہے کہ ہم پہلی مرتبہ ان سب چیزوں کو پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوئے تو دوبارہ تخلیق سے کس طرح عاجز ہو سکتے ہیں۔ تخلیق اول' تخلیق دوئم سے آسان نہیں تھی' پھر یہ بھی ہے کہ تخلیق اول کا اعتراف کرنے والے تخلیق ثانی کے منکر ہیں۔

فِيْ لَبْسٍ۔ لبس کا معنی ہے مخلوط ہو جانا' مشتبہ ہو جانا' اس جگہ مراد ہے شک۔ لبس کا لغوی ترجمہ ہے چھپانا۔ شک کی حالت میں بھی باطل حق کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے اور حق کو چھپا لیتا ہے۔

ابن آدم کی نالائقی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ فرماتا ہے۔ آدم کے بیٹے نے میری تکذیب کی۔ اور یہ تکذیب اس کو سزاوار نہ تھی۔ اس نے مجھے گالی دی اور یہ اس کے لئے جائز نہیں تھا۔ تکذیب تو یہ کی کہ اس نے کہا' خدا نے پہلی مرتبہ جو مجھے پیدا کر دیا اب دوبارہ مجھے پیدا نہیں کر سکے گا۔ حالانکہ تخلیق اول میرے لئے تخلیق ثانی سے آسان نہیں تھی اور مجھے گالی اس نے اس طرح دی (کہ اس نے میرے لئے اولاد قرار دی) اور اس نے کہا کہ اللہ نے اپنے لئے صاحب اولاد ہونا اختیار کیا۔ حالانکہ میں اکیلا ہوں بے نیاز ہوں نہ کسی کا والد ہوں نہ مولود نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہ وابن عباسؓ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ

اور البتہ ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں

مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚۖ

جو باتیں آتی رہتی ہیں اُسکے جی میں ☆

وسوسہ کا معنی و مراد ☆یعنی اس کے ہر قول و فعل سے ہم خبردار ہیں حتی کہ جو وسوسے و خطرات اس کے دل میں گزرتے ہیں انکا بھی ہم کو علم ہے" اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۗ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ "۔ (تفسیر عثمانی)

مَا تُوَسْوِسُ۔ وسوسہ کا لغوی معنی ہے پوشیدہ (چپکے کی) آواز۔ اس جگہ مراد ہے دل میں پیدا ہونے والا خیال۔ یعنی ہم نے انسان کو اور ہر چیز کو خواہ جوہر ہو یا عرض اپنے ارادہ اور اختیار سے پیدا کیا اور تخلیق بالارادہ اُسی وقت ہوسکتی ہے جب اس سے پہلے اس کا علم ہو (علم کے بغیر ارادے کا کوئی معنی نہیں) (تفسیر مظہری)

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ

اور ہم اُس سے نزدیک ہیں دھڑ کتی

الْوَرِيْدِ ⑯

رگ سے زیادہ ☆☆

قرب علمی: ☆☆ گردن کی رگ مراد ہے جسے "شہ رگ" کہتے ہیں اور جس کے کٹنے سے انسان مرجاتا ہے شاید یہ کنایہ ہو جان اور روح سے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہم باعتبار علم کے اسکی روح اور نفس سے بھی نزدیک تر ہیں یعنی جیسا علم انسان کو اپنے احوال کا ہے ہم کو اس کا علم خود اس سے بھی زیادہ ہے نیز علت اور منشاء کو معلول اور ناشی کے ساتھ وہ قرب حاصل ہوتا ہے جو معلول اور ناشی کو خود اپنے نفس سے بھی نہیں ہوتا اس کا کچھ مختصر بیان " اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ " کے حواشی میں ہو چکا ہے حضرت شاہ صاحب" لکھتے ہیں کہ "اللہ اندر سے نزدیک ہے اور رگ آخر باہر ہے جان سے" و نعم ما قیل۔

ے جان نہاں در جسم و او درجاں نہاں
اے نہاں اندر نہاں اے جان جاں

(تفسیر عثمانی)

عام و خاص قرب: آیت میں انسان سے خدا کا قرب جو مستفاد ہو رہا ہے اس میں کوئی خصوصیت نہیں نہ کافر کو نہ مؤمن کی نہ کسی اور مخلوق کی۔ ساری کائنات سے اللہ قریب تر ہے' یہاں تک کہ کافروں سے بھی۔ اس قرب عام کے علاوہ اللہ کا ایک اور قرب خاص بھی ہے' مذکورہ قرب عمومی اور اس قرب خصوصی میں صرف نام کا اشتراک ہے (دونوں کو قرب ہی کہا جاتا ہے) لیکن حقیقت دونوں کی جدا جدا ہے۔ اس قرب کا ادراک بھی نور فراست اور کتابت و سنت سے ہوتا ہے' اللہ نے فرمایا ہے۔ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ دوسری جگہ فرمایا اللّٰهَ مَعَنَا۔ تیسری آیت میں فرمایا۔ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ۔ ایک اور آیت میں آیا ہے عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ اور اور جگہ آیا ہے عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ایک دوسرے مقام پر فرمایا فتدلّٰی فکان قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل فرمایا ہے۔ نوافل کے ذریعہ سے بندہ برابر میرے قریب ہوتا جاتا ہے اسی مقام قرب کو ولایت کہتے ہیں اس کے مدارج و مراتب بے شمار ہیں اس کے برعکس وہ بُعد (دور) ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ۔ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ اَلَا بُعْدًا لِّقَوْمٍ خَاسِرِيْنَ۔

ترکیب نحوی: حبل (رسی) یعنی رگ۔ ورید حبل کا بیان ہے جیسے شجرۃ الاراک اور یوم الجمعہ میں اضافتِ بیانیہ ہے۔

ورید: گلے کے دائیں بائیں دو رگیں ہیں جن کا تعلق اور اتصال دل کی رگ سے ہے' ان دونوں کو ورید کہا جاتا ہے۔ ورید کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ دونوں سر سے اُتر کر گردن کی طرف آتی ہیں۔ بعض نے کہا روح اس رگ کی طرف اترتی ہے (معلوم نہیں' روح سے کونسی روح مراد ہے' طبعی یا نفسانی یا حیوانی یا شرعی روح)۔

قرب سے کیا مراد ہے: قریب ہونے سے کیا مراد ہے۔ بعض علماء کے نزدیک قرب علمی مراد ہے (کیونکہ ذات خداوندی تو ہر مکان سے بالا اور منزہ ہے۔ وہ نہ جسم ہے نہ جسمانی' ہر قرب و بعد مکانی سے پاک ہے)۔

بیضاوی نے اسی قول کو پسند کیا ہے' مطلب یہ ہے کہ حبل اور ورید سے قریب ترین شخص سے بھی زیادہ قریب ہمارا علم ہے۔ ہم انسان کو اس شخص سے بھی زیادہ جانتے ہیں جو انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہو۔ قرب ذات سے مراد مجازاً قرب علمی ہے کیونکہ قرب شخصیت سے قرب علمی حاصل ہوتا ہے (مسبب بول کر سبب مراد لینا مجاز کی ایک قسم ہے) حبل الورید کو قرب کامل ظاہر کرنے کے لئے بطور مثال بیان کیا جاتا ہے۔ عرب کہتے ہیں۔ موت ورید سے بھی زیادہ میرے قریب ہے۔

بغوی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہم انسان کو اتنا زیادہ جانتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو بھی اتنا نہیں جانتا' کیونکہ انسان کے بعض اجزاء دوسرے اجزاء کے علم کے لئے حاجب اور مانع ہو جاتے ہیں' لیکن اللہ کے علم کے لئے کوئی چیز حاجب نہیں ہوسکتی۔ اس مطلب پر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ طبیب حبل الورید سے بھی زیادہ مریض کے قریب ہوتا ہے۔ کیونکہ طبیب مریض کی صحت و بیماری کی جو

حالت جانتا ہے وہ مریض خود اپنی نہیں جانتا اگرچہ طبیب کا علم استدلالی ہوتا ہے۔ (اور مریض کا علم وجدانی) خصوصاً اگر کوئی چیز بالکل معدوم العلم اور مفقود العقل ہو تو وہ اپنے متعلق کچھ بھی نہیں جانتا دوسرا شخص اس کے کچھ حالات جانتا ہے مثلاً آسمان مفقود العلم محروم الفہم ہے اپنے آپ کو کچھ نہیں جانتا تو وہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں آسمان سے اتنا قریب ہوں کہ آسمان خود اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے۔ پس اگر اللہ کے اقرب ہونے کے یہی معنی ہیں کہ مخلوق اپنے نفس کو اتنا نہیں جانتی جتنا اس کو اللہ جانتا ہے تو یہ خدا کے علم پر محدود نہیں ہے (ہر علم والا معدوم العلم کے حوال اتنے جانتا ہے جتنے وہ خود نہیں جانتا اس لئے کہنا پڑے گا کہ ہر علم رکھنے والا مفقود العلم سے اتنا قریب ہے کہ وہ اپنے آپ سے اتنا قریب نہیں ہے) اللہ کی اقربیت بایں معنی میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

صوفیاء کا قول: صوفیہ کہتے ہیں مخلوق سے اللہ کی اقربیت ذاتی ہے نہ زمانی ہے نہ مکانی نہ کیفی (نہ مقداری) اللہ کی اس اقربیت کا ادراک نور فراست سے حاصل ہوتا ہے۔ حواس یا عقلی استدلال سے حاصل نہیں ہوتا۔

زیادہ سے زیادہ اقربیت خداوندی کو قابل فہم بنانے کے لئے یوں کہا جا سکتا ہے کہ سارا جہان اپنے وجود اور بقائے وجود کے لئے واجب کا کا ایسا ہی محتاج ہے جیسے سایہ اصل کا محتاج ہوتا ہے۔

میرے قرنے افق المبین میں صراحت کر دی ہے کہ ثبوت وجود للماہیۃ تقر ... ہیت کی فرع ہے۔

صوفیہ تمام عالم کی نسبت دائرہ ظلال کی جانب اور ظلال کی نسبت صفت کی جانب اور صفات کی نسبت ذات کی جانب کرتے ہیں۔ اور ظلال کے مدارج بہت ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ان للہ سبعین الف الخ اللہ کے لئے نور وظلمت کے ستر ہزار حجاب ہیں اگر وہ کھول دے تو اس کے چہرے کے چمکارے (جلوے) حد نظر تک ساری خلوق کو جلا ڈالیں۔ اسی طرح صفت کے مدارج غیر متناہی ہیں۔ اللہ نے خود فرمایا ہے۔ اگر زمین میں جتنے درخت ہیں وہ سب قلم بن جائیں اور سمندر روشنائی ہو جائیں اور سات سمندر اور (روشنائی بننے میں) ان کی مدد کریں (اور صفات الٰہیہ کو لکھیں) تو کلمات اللہ (یعنی صفات خداوندی ختم نہیں ہوں گی) ایک اور آیت میں فرمایا ہے' جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ باقی رہنے والا (یعنی غیر فانی اور غیر مختتم) ہے۔

حضرت مجدد قدس سرہٗ نے فرمایا: اللہ سبحانہٗ وراء الوراء ہے' پھر وراء لوراء ہے' پھر وراء الوراء ہے' اس کے جہت میں قرب ہے دوری نہیں ہے۔ یعنی ظلال صفات کا ممکن سے قرب اتنا زیادہ ہے کہ ممکن کا اپنی ذات سے بھی اتنا قرب نہیں ہے اور صفات خداوندی کا ممکن سے قرب اتنا زیادہ ہے کہ ممکن کا اپنی ذات سے بھی اتنا قرب نہیں ہے اور صفات خداوندی کا ممکن سے قرب اتنا زائد ہے کہ نہ اتنا قرب ممکن کا اپنی ذات سے ہے نہ ظلال کا ممکن کی ذات سے اور اللہ کا قرب ممکن سے اتنا زیادہ ہے کہ اتنا قرب نہ ممکن کا اپنی ذات سے ہے' نہ ظلال صفات کا نہ صفات کا۔ (تفسیر مظہری)

یہ قرب و تقرب جو عبادات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے اور انسان کے اپنے کسب و عمل کا نتیجہ ہوتا ہے یہ صرف مؤمن کے لئے مخصوص ہے' اور ایسے مؤمنین اولیاء اللہ کہلاتے ہیں' جن کو حق تعالیٰ کے ساتھ یہ تقرب حاصل ہو یہ اتصال و قرب اس قرب کے علاوہ ہے جو حق تعالیٰ کو ہر انسان مؤمن و کافر کی جان کے ساتھ یکساں ہے' غرض مذکورہ آیات و روایات اس پر شاہد ہیں کہ انسان کو اپنے خالق و مالک کے ساتھ ایک خاص قسم کا اتصال حاصل ہے گو ہم اس کی حقیقت اور کیفیت کا ادراک نہ کر سکیں' مولانا رومی نے اسی کو فرمایا ہے۔

اتصالے بے مثال و بے قیاس
ہست رب الناس را با جان ناس

یہ قرب و اتصال آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ فراست ایمانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تفسیر مظہری میں اسی قرب و اتصال کو اس آیت کا مفہوم قرار دیا ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ
جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بیٹھا
وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ﴿۱۷﴾
اور بائیں بیٹھا ☆

کراماً کاتبین ☆ یعنی دو فرشتے خدا کے حکم سے ہر وقت لگی تاک میں لگے رہتے ہیں جو لفظ اسکے منہ سے نکلے وہ لکھ لیتے ہیں نیکی داہنے والا اور بدی بائیں والا۔ (تفسیر عثمانی)

اعمال نامہ لکھنے والے فرشتے: حضرت حسن بصری نے آیت مذکورہ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ تلاوت فرما کر کہا۔

''اے ابن آدم! تیرے لئے نامہ اعمال بچھا دیا گیا ہے' اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں' ایک تیری داہنی جانب دوسرا بائیں جانب' داہنی جانب والا تیری حسنات کو لکھتا ہے اور بائیں جانب والا تیری سیئات اور گناہوں کو اب اس حقیقت کو سامنے رکھ کر جو تیرا جی چاہے عمل کر اور کم کر یا زیادہ' یہاں تک کہ جب تو مرے گا تو یہ صحیفہ یعنی نامۂ اعمال لپیٹ دیا جائے گا' اور تیری گردن میں ڈال دیا جائے گا۔ جو تیرے ساتھ قبر میں جائے گا' اور رہے گا' یہاں تک کہ جب تو

قیامت کے روز قبر سے نکلے گا تو اس وقت حق تعالیٰ فرمائے گا وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۔ یعنی ہم نے ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن میں لگا دیا ہے اور قیامت کے روز وہ اس کو کھلا ہوا پائے گا اب اپنا اعمالنامہ خود پڑھ لے تو خود ہی اپنا حساب لگانے کے لئے کافی ہے۔

روایت میں ہے کہ پہلے تو ہر کلمہ لکھا جاتا ہے خواہ گناہ و ثواب اس میں ہو یا نہ ہو مگر ہفتہ میں جمعرات کے روز اس پر فرشتے نظر ثانی کر کے صرف وہ رکھ لیتے ہیں جن میں ثواب یا عتاب ہو یعنی خیر یا شر ہو باقی کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ
نہیں بولتا کچھ بات جو نہیں ہوتا اُسکے پاس
رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝
ایک راہ دیکھنے والا تیار☆

☆ یعنی لکھنے کو تیار ہے (تنبیہ) دونوں فرشتے کہاں رہتے ہیں؟ اور علاوہ اقوال کے کیا کیا کچھ لکھتے ہیں؟ اسکی تفصیل احادیث و آثار سے ملے گی۔ (تفسیر عثمانی)

مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ ۔ انسان اپنے منہ سے کوئی لفظ نکالتا بھی نہیں ہے کہ۔ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۔ رقیب سے مراد نگران فرشتہ جو آدمی کے عمل کی چوکسائی کرتا رہتا ہے۔ عَتِيدٌ ۔ حاضر (موجود) حسن نے کہا فرشتے دو حالتوں میں انسان سے الگ ہو جاتے ہیں رفع حاجت کے وقت اور جماع کے وقت۔

امام احمد بن حنبلؒ کا فرمان: بلال بن حارث مزنی سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بندہ کبھی ایک کلمہ اللہ کی خوشنودی کا بول دیتا ہے۔ جسکو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ ایک کلمہ اس درجہ تک پہنچ جائے گا تو اسی ایک کلمہ کی بدولت اس کے واسطے قیامت تک کے لئے اللہ کی رضامندی کا پروانہ لکھ دیا جاتا ہے اور بسا اوقات ایک کلمہ اللہ کی ناراضگی کا بول دیتا ہے حالانکہ اس کا اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ اس درجہ تک پہنچا دے گا تو اسی ایک کلمہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی قیامت تک کے واسطے لکھ دی جاتی ہے۔

علقمہ اس روایت کو نقل کر کے کہا کرتے تھے کہ بہت سی باتیں ہیں جنہیں میں اپنے منہ سے کہنے سے باز رہتا ہوں یعنی اس فرمان کا تصور مجھ کو ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرنے کی جانچ پڑتال پر آمادہ کرتا ہے اور میں انتہائی احتیاط اختیار کرتا ہوں۔

دونوں فرشتے ایک دوسرے کے نگران ہیں

احنف بن قیس کہا کرتے تھے دائیں ہاتھ والا فرشتہ جو خیر لکھتا ہے دوسرے فرشتے پر نگران رہتا ہے کہ اگر بندہ نے کوئی خطا کر لی تو دائیں ہاتھ والا فرشتہ بائیں جانب والے کو کہتا ہے کہ ذرا ٹھہر جا ابھی اس کی یہ برائی نہ لکھ تاکہ اس مہلت میں بندہ استغفار کر لے لیکن بندہ نے اگر استغفار نہ کیا تو پھر لکھ لیتا ہے۔

حسن بصریؒ یہ آیت عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ پڑھ کر فرمایا کرتے اے ابن آدم تیرا نامۂ اعمال میں نے کھول رکھا ہے اور تجھ پر دو معزز فرشتے مقرر کر دیئے ہیں ایک تیری دائیں جانب ہے اور دوسرا میں بائیں جانب۔ دائیں جانب والا تیری نیکیاں لکھ رہا ہے اور بائیں جانب والا تیری برائیاں لکھ رہا ہے اب تیری مرضی جو عمل چاہے کر۔ کم کر یا زیادہ کر۔ یہاں تک کہ جب تو مر جائے گا تو تیرے یہ صحیفے لپیٹ کر تیری گردن میں ڈال دیئے جائیں گے یہاں تک کہ جب قیامت کے روز تو اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس وقت کہا جائے گا۔ اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۔ اس کے بعد فرمایا کرتے خدا کی قسم تیرے بارہ میں اس ذات نے عدل وانصاف کیا جس نے خود تیرے نفس کو تیرا محاسب بنایا۔ اسی کو حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا ہے۔ وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۔ (معارف کاندھلوی)

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ
اور وہ آئی بے ہوشی موت کی تحقیق ☆

انتہائی مربوط نظام

یعنی لو! ادھر مسل تیار ہوئی ادھر موت کی گھڑی آ پہنچی اور مرنے والا نزع کی بے ہوشیوں اور جان کنی کی سختیوں میں ڈبکیاں کھانے لگا اس وقت وہ سب سچی باتیں نظر آنا شروع ہو گئیں جن کی خبر اللہ کے رسول نے دی تھی اور میت کی سعادت و شقاوت سے پردہ اٹھنے لگا اور ایسا پیش آنا قطعی اور یقینی تھا کیونکہ حکیم مطلق کی بہت سی حکمتیں اس سے متعلق تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

ربط: کافروں کو دوبارہ جی اٹھنا بعید از عقل معلوم ہوتا ہے اللہ نے ان کے اس خیال کا ازالہ اس طور پر کر دیا کہ اپنی قدرت اور علم کی ہمہ گیری کو اول بیان کیا تخلیق عالم اور انسان کی ہستی و معاش کی تخلیق کا ذکر کیا اس کے بعد آئندہ آیت میں تہدید و تخویف کے لئے موت کے قریب ہونے اور قیامت برپا ہونے کا بیان کیا اور فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اسرار و رموز: ان آیات میں جاءت اور نُفخ اور کشفنا تمام صیغے ماضی کے ذکر کئے گئے حالانکہ یہ واقعات مستقبل میں پیش آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعات یقینی ہیں ضروری پیش آئیں گے اور ایسے موقع پر ماضی کا صیغہ استعمال کرنے سے اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ واقعات اتنے یقینی الوقوع ہیں کہ گویا ان کا وقوع ہو ہی گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ حالت پیش آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی میں ہاتھ ڈال کر چہرۂ مبارک پر ملتے اور فرماتے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ' یعنی کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے فرمایا کہ موت کی بڑی شدتیں ہوتی ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

سکرۃ الموت موت کی بے چینی کا نام ہے جو جسمانی طور پر نزع روح کے وقت پیش آتی ہے یہ سکرۃ الموت ہر ایک کے حق میں ہے حدیث صحیح میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب موت کی کیفیت واقع ہونے لگی تو آپ کی پیشانی پسینہ آلود ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیشانی کا پسینہ پونچھتے جاتے اور فرماتے سبحان اللہ ان للموت سکرات۔

موت ہر انسان کی قیامت ہے

اس آیت میں ہر انسان کی موت کا ذکر ہے اور ہر انسان کی موت اس کے حق میں قیامت ہے جیسا کہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اِنَّ مَنْ مَاتَ فقد قامت قیامتہ کہ جو شخص مر گیا بس اس کی تو قیامت شروع ہوگئی۔ (معارف کاندھلوی)

امام احمد کا حال:

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بابت مروی ہے کہ آپ اپنے مرض الموت میں کراہ رہے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ فرشتے اسے بھی لکھتے ہیں چنانچہ آپ نے کراہنا بھی چھوڑ دیا' اللہ آپ پر اپنی رحمت نازل فرمائے' اپنی موت کے وقت اُف بھی نہ کی۔

حضرت ابوبکرؓ کی حالت

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں اپنے والد رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں آپ کے سرہانے بیٹھی تھی۔ آپ پر غشی طاری ہوئی تو میں نے یہ بیت پڑھا ؎

من لا یزال دمعہ مقنعا فانہ لا بدمرۃ مد فوق

مطلب یہ ہے کہ جس کے آنسو ٹھہرے ہوئے ہیں وہ بھی ایک مرتبہ ٹپک پڑیں گے۔ تو آپ نے اپنا سر اُٹھا کر کہا پیاری بچی یوں نہیں بلکہ جس طرح خدا نے فرمایا وَجَآءَتْ سَکْرَۃُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ۔ الخ۔ اور روایت میں بیت کا پڑھنا اور صدیق اکبرؓ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ یوں نہیں بلکہ یہ آیت پڑھو۔ اس اثر کے اور بھی بہت سے طریق ہیں جنہیں میں نے سیرۃ الصدیق میں آپ کی وفات کے بیان میں جمع کر دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

یہ وہ ہے جس سے تو ٹلتا رہتا تھا ☆

موت ٹلنے والی نہیں

یعنی آدمی نے موت کو بہت کچھ ٹلانا چاہا اور اس ناخوشگوار وقت سے بہت کچھ بھاگتا اور کتراتا رہا پر یہ گھڑی ٹلنے والی کہاں تھی آخر سر پر آ کھڑی ہوئی کوئی تدبیر اور حیلہ دفع الوقتی کا نہ چل سکا۔ (تفسیر عثمانی)

موت سے بھاگنے والے کی مثال

معجم کبیر طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس شخص کی مثال جو موت سے بھاگتا ہے اُس لومڑی جیسی ہے جس سے زمین اپنا قرضہ طلب کرنے لگی اور یہ اس سے بھاگنے لگی' بھاگتے بھاگتے جب تھک گئی اور بالکل چکنا چور ہوگئی تو اپنے بھٹ میں جا گھسی' زمین چونکہ وہاں بھی موجود تھی اس نے لومڑی سے کہا لا میرا قرض تو یہ وہاں سے پھر بھاگی سانس پھولا ہوا تھا حال بُرا ہو رہا تھا آخر یونہی بھاگتے بھاگتے بے دم ہو کر مر گئی الغرض جس طرح اس لومڑی کو زمین سے بھاگنے کی راہیں بند تھیں اسی طرح انسان کو موت سے بچنے کے راستے بند ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۗ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾

اور پھونکا گیا صور یہ ہے دن ڈرانے کا ☆

بڑی قیامت ☆ چھوٹی قیامت تو موت کے وقت ہی آ چکی تھی اس کے بعد بڑی قیامت حاضر ہے بس صور پھونکا گیا اور وہ ہولناک دن آ موجود ہوا جس سے انبیاء و رسل برابر ڈراتے چلے آتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

فرشتہ تیار کھڑا ہے: حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں کس طرح راحت و آرام حاصل کر سکتا ہوں حالانکہ صور پھونکنے والے فرشتے نے صور منہ میں لے لیا ہے اور گردن جھکائے حکم خداوندی کا انتظار کر رہا ہے کہ کب حکم ملے اور کب وہ پھونک دے۔ صحابہؓ نے کہا پھر یا رسول اللہ ہم کیا کہیں۔ آپ نے فرمایا کہو حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

جب صور پھونکا جائے گا تو سب کھڑے ہو جائیں گے

ابو نعیم نے حلیہ میں لکھا ہے کہ عکرمہ نے کہا جو لوگ سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔ لاشوں کا گوشت' مچھلیاں بانٹ لیتی ہیں۔ صرف ہڈیاں رہ جاتی ہیں سمندر کی لہریں ہڈیوں کو خشکی پر لا ڈالتی ہیں۔ پھر ہڈیاں خشک ہو کر اتنی بوسیدہ ہو جاتی ہیں کہ ان کو اونٹ چبا جاتے ہیں اور اونٹ کے پیٹ کے اندر پہنچ کر انکی مینگنیاں بن جاتی ہیں اونٹ مینگنیاں کر دیتا ہے مینگنیوں کے مقام پر کوئی مسافر آ کر اترتا ہے وہ مسافر مینگنیاں لے کر ان کو بطور ایندھن استعمال کرتا ہے۔ مینگنیاں دہکنے لگتی ہیں' پھر آگ بجھ جاتی ہے اور مینگنیاں راکھ بن جاتی

ہیں۔ پھر اس خاک کو ہوا زمین پر پھیلا دیتی ہے اور منتشر کر دیتی ہے' جب صور پھونکی جائے گی تو وہ لوگ (جو اتنے مراحل طے کرنے کے بعد منتشر خاک بن گئے ہوں گے) پھر زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ

اور آیا ہر ایک جی اس کے ساتھ ہے ایک ہانکنے والا

وَّشَهِيۡدٌ ﴿٢١﴾

اور ایک احوال بتلانیوالا ☆

محشر کی پیشی ☆ یعنی محشر میں اس طرح حاضر کیے جائیں گے کہ ایک فرشتہ پیشی کے میدان کی طرف دھکیلتا ہوگا اور دوسرا اعمالنامہ لئے ہوگا جس میں اس کی زندگی کے سب احوال درج ہوں گے شاید یہ وہی دو فرشتے ہوں جو "کراماً کاتبین" کہلاتے ہیں اور جن کی نسبت فرمایا تھا "اِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ" الخ اور ممکن ہے کہ کوئی اور ہوں واللہ اعلم۔ (تفسیر حقانی)

ہانکنے والا اور گواہ: سعید بن منصور' عبدالرزاق' ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں اس آیت کی تشریح کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک ہنکانے والا ہر شخص کو اللہ کے حکم کی طرف ہنکا کر لے جائے گا اور ایک شاہد اس کے اعمال کی شہادت دے گا ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول بیان کیا ہے کہ ہنکانے والا فرشتہ ہو۔ اور شہید آدمی کا عمل۔

سیوطی نے کتاب البرزخ میں حضرت جابرؓ کی مرفوع روایت بیان کی ہے' جب قیامت برپا ہوگی کہ نیکیاں لکھنے والا فرشتہ اور گناہ لکھنے والا فرشتہ آدمی پر ٹوٹ پڑیں گے اور چستی کے ساتھ اس تحریر پر قبضہ کر لیں گے جو آدمی کے گلے میں بندھی ہوگی۔ پھر دونوں اس کے ساتھ (میدان حساب میں) آئیں گے' ایک ہنکانے والا ہوگا اور دوسرا گواہ۔

ابو نعیم اور ابن ابی حاتم اور ابن ابی الدنیا نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ بغوی نے ضحاک کا قول بیان کیا ہے کہ ہنکانے والا فرشتہ ہوگا اور گواہ آدمی کے ہاتھ پاؤں۔ عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَقَدۡ كُنۡتَ فِيۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا

تو بے خبر رہا اس دن سے

فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ

اب کھول دی ہم نے تجھ پر سے تیری اندھیری سو تیری نگاہ

الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ ﴿٢٢﴾

آج تیز ہے ☆

محشر کی ڈانٹ ☆ یعنی اس وقت کہا جائے گا کہ تو دنیا کے مزوں میں پڑ کر تو آج کے دن سے بے خبر تھا اور تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹا دیئے اور نگاہ خوب تیز کر دی۔ اب دیکھ لے جو باتیں کہی گئی تھیں صحیح ہیں یا غلط۔ (تفسیر عثمانی)

غِطاء کا معنیٰ: امور معاد کو مخفی رکھنے والا پردہ! اس سے مراد ہے غفلت۔ محسوسات میں ڈوب جانا اور ان سے محبت کرنا اور غور کرنے سے نظر کو کوتاہ رکھنا اور دل کی سیاہی اور زنگ۔ اللہ نے اسی غطاء کو غشاوہ اور رین (زنگ) فرمایا ہے۔ ایک آیت میں آیا ہے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ ؕ وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ ۔ دوسری آیت ہے كَلَّا بَلۡ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ ۔

حَدِيۡدٌ ۔ آج تیری نظر خوب تیز ہے کہ دنیا میں جس چیز کا تجھے انکار تھا اور دکھتی نہ تھی آج اس کو دیکھ رہا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے کہا (نظر تیز ہونے کا یہ مطلب ہے) کہ جب تیری نیکیاں اور بدیاں تولی جا رہی ہیں تو ترازو کی زبان (جس کو ہاتھ میں پکڑ کر تولا جاتا ہے) کو تیزی سے دیکھ رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَالَ قَرِيۡنُهٗ هٰذَا مَا لَدَىَّ عَتِيۡدٌ ﴿٢٣﴾

اور بولا فرشتہ اسکے ساتھ والا یہ ہے جو میرے پاس تھا حاضر ☆

یعنی فرشتہ اعمالنامہ حاضر کرے گا اور بعض نے قرین سے مراد شیطان لیا ہے یعنی شیطان کہے گا کہ یہ مجرم حاضر ہے جس کو میں نے اغوا کیا اور دوزخ کے لئے تیار کر کے لایا ہوں مطلب یہ کہ اغوا تو میں نے کیا مگر میرا ایسا زور و تسلط نہ تھا کہ زبردستی اس کو شرارت میں ڈال دیتا یہ اپنے ارادہ و اختیار سے گمراہ ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلۡقِيَا فِىۡ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيۡدٍ ﴿٢٤﴾

ڈال دو تم دونوں دوزخ میں ہر ناشکر مخالف کو

مَّنَّاعٍ لِّلۡخَيۡرِ مُعۡتَدٍ مُّرِيۡبِ ﴿٢٥﴾

نیکی سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا شبہ ڈالنے والا ☆

جہنم میں ڈالنے کا حکم ☆ بارگاہ ایزدی سے یہ حکم دو فرشتوں کو ہوگا کہ ایسے لوگوں کو جہنم میں جھونک دو (اعاذنا اللہ منہم) (تفسیر عثمانی)

أَلْقِيَا ۔ تم دونوں ڈال دو۔ دونوں سے مراد ہیں سائق اور شہید یا دوزخ پر مامور فرشتوں میں سے دو فرشتے یا مخاطب حقیقت میں کوئی ایک ہے لیکن بصیغہ تثنیہ ذکر کرنے سے تثنیہ فعل مراد ہے۔ عَنِيدٍ ۔ حق سے عناد رکھنے والا۔ لِلْخَيْرِ ۔ خیر سے مراد ہے فرض زکوٰۃ اور ہر وہ مالی حق جس کا ادا کرنا واجب ہے۔ مُعْتَدٍ ۔ ظالم جو اللہ کی توحید کا اقرار نہیں کرتا۔ مُرِيبٍ ۔ اللہ کی ذات صفات اور اس کے دین میں شک کرنے والا۔ (تفسیر مظہری)

الَّذِي جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا
جس نے ٹھہرایا اللہ کے ساتھ اور کو پوجنا
آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿۲۶﴾
سو ڈال دو اُس کو سخت عذاب میں ☆

سخت ترین عذاب کے مستحق

☆یعنی ایسے لوگ جہنم میں سخت ترین عذاب کے مستحق ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ
بولا شیطان اُن کا ساتھی اے رب ہمارے میں نے
وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿۲۷﴾
اُسکو شرارت میں نہیں ڈالا پر یہ تھا راہ کو بھولا دور پڑا ہوا☆

اعمال لکھنے والے فرشتے اور شیطان

☆یعنی میری کچھ زبردستی اس پر نہ چلتی تھی ذرا شبہ دی تھی کہ یہ کم بخت خود گمراہ ہو کر نجات وفلاح کے راستہ سے دور جا پڑا۔ شیطان یہ کہہ کر اپنا جرم ہلکا کرنا چاہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عباسؓ مقاتل اور سعید بن جبیر کے نزدیک اس جگہ قرین سے مراد ہے وہ فرشتہ جو انسان پر مقرر ہے' سعید بن جبیر نے کہا فرشتہ یہ بات اس وقت کہے گا۔ جب کافر کہے گا' فرشتہ نے لکھنے میں مجھ پر زیادتی کردی ہے۔ (اپنی طرف سے) میں نے اس کی طرف کفر اور طغیان کی نسبت نہیں کی (یعنی اپنی طرف سے غلط طور پر اس کو کافر اور طاغی نہیں لکھا) اور نہ لکھنے میں اس پر کوئی زیادتی کی ہے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ قرین سے اس جگہ وہ شیطان مراد ہے جو اس کافر پر مسلط کیا گیا تھا' یعنی کافر کہے گا' میرے شیطان نے مجھے کج راہ بنادیا تھا' شیطان کہے گا' میں نے اس کو نہ گمراہ کیا نہ کج راہ بنایا بلکہ یہ خود پرلے درجہ کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا تو میں نے اس کی مدد کردی' (یعنی گمراہی میں اس کو اور بڑھوا دیا)۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ شیطانی اغوا اسی وقت آدمی پر اثر انداز ہوتا ہے جب آدمی کا عقیدہ خود ہی غلط ہو اور گناہ کی طرف اس کا طبعی میلان ہو۔ یہی وجہ ہے کہ شیطان کہے گا کہ میری تیرے اوپر کوئی زبردستی نہیں تھی۔ میں نے تو (گناہ کی طرف) تم لوگوں کو بلایا تھا تم نے میری دعوت کو قبول کرلیا اس لئے مجھے برا مت کہو اپنی جانوں کو ملامت کرو۔

صوفیاء کی مستعدی

یہی وجہ ہے کہ اونچے درجہ والے صوفیاء اپنے نفسوں سے جہاد کرنے کے لئے کمربستہ رہتے ہیں اور اپنی پوری طاقت نفسوں کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف کردیتے ہیں تاکہ شیطان کا راستہ بند ہوجائے۔ (شیطان نفس کے راستہ سے ہی آتا ہے)

بعض متاخرین کے نزدیک دونوں جگہ قرین سے مراد شیطان ہے جو کافر پر مسلط ہوتا ہے شیطان کافر کا ساتھی ہوتا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ شیطان کہے گا یہ شخص جو میرے پاس ہے اور میرے زیر تسلط (رہا) ہے دوزخ کے لئے حاضر ہے۔ میں نے اغواء کرکے دوزخ کے لئے تیار کیا ہے لیکن میں نے اس کو زبردستی طاغی نہیں بنایا۔ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں تھا اپنے اختیار سے میری پیروی کی اور میری دعوت کو قبول کیا اور فرشتے کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ (تفسیر مظہری)

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيَّ وَقَدْ
فرمایا جھگڑا نہ کرو میرے پاس اور میں پہلے ہی
قَدَّمْتُ إِلَيْكُم بِالْوَعِيدِ ﴿۲۸﴾
ڈرا چکا تھا تم کو عذاب سے ☆

گمراہ کرنے اور گمراہ ہونے کی سزا ملے گی

☆یعنی بک بک مت کرو دنیا میں سب کو نیک و بد سے آگاہ کردیا گیا تھا اب ہر ایک کو اس کے جرم کے موافق سزا ملے گی جو گمراہ ہوا اور جس نے اغوا کیا سب اپنی حرکتوں کا خمیازہ بھگتیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا
بدلتی نہیں بات میرے پاس اور میں
بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۲۹﴾
ظلم نہیں کرتا بندوں پر☆

اللہ کے ہاں ظلم نہیں ہے ☆یعنی ہمارے یہاں ظلم نہیں جو کچھ فیصلہ ہوگا عین حکمت اور انصاف سے ہوگا اور بات نہیں بدلتی یعنی کافر بخشا نہیں جاتا بھلا شیطان اکفر کی بخشش تو کہاں۔ (تفسیر عثمانی)

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ ۔ یعنی میرے قول کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ میں کہہ چکا ہوں اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ اس لئے اب میری طرف سے مغفرت کی امید نہ رکھو۔

کلبی نے کہا اور فراء نے اس کو پسند کیا کہ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ کا یہ مطلب ہے کہ میرے سامنے جھوٹ نہیں بولا جاسکتا' کلام کو بدلا نہیں جاسکتا۔ میں غیب کو جانتا ہوں (مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں)۔ (تفسیر مظہری)

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ

جس دن ہم کہیں دوزخ کو تو بھر بھی چکی

وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ

اور وہ بولے کچھ اور بھی ہے ☆

جہنم کی طلب ☆یعنی دوزخ کا پھیلاؤ اس قدر لوگوں سے نہ بھرے گا اور شدت غیظ سے زیادہ کافروں اور نافرمانوں کو طلب کرے گی۔ (تفسیر عثمانی)

صحیح بات یہ ہے کہ یہ استفہام زیادتی کی طلب کو ظاہر کررہا ہے' کیونکہ شیخین نے صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جہنم کے اندر برابر مسلسل مخلوق ڈالی جاتی رہے گی اور وہ کہتی رہے گی هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ" آخر رب العزت اپنا قدم اس میں رکھ دے گا۔ رب العزت کے قدم رکھتے ہی' دوزخ سمٹنے لگے گی۔ اس کے اجزاء باہم سکڑنے لگیں گے اور وہ کہے گی بس' بس تیری عزت اور کرم کی قسم (میں بھر گئی) اور جنت کے اندر ایک حصہ برابر خالی رہے گا (اس کے اندر کوئی رہنے والا نہیں ہوگا) آخر اللہ ایک اور مخلوق کو پیدا کرے گا جس کو اس خالی حصہ میں آباد کرے گا۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے' اللہ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو جنات اور انسانوں سے سب سے بھردوں گا۔ جب قیامت کے دن اللہ کے دشمنوں کو دوزخ کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا اور گروہ در گروہ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا تو سب اندر چلے جائیں گے اور دوزخ کسی چیز سے پُر نہ ہوگی۔ دوزخ عرض کرے گی کیا مجھے بھر دینے کی تو نے قسم نہیں کھائی تھی؟ اللہ اپنا قدم دوزخ پر رکھ دے گا اور فرمائے گا' اب کیا تو بھر گئی۔ دوزخ کہے گی' بس' بس اب زیادتی (کی گنجائش) نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ

اور نزدیک لائی جائے بہشت ڈرنیوالوں کے واسطے دور نہیں ☆

جنت کا نظارہ ☆یعنی جنت ان سے دور نہ ہوگی' بہت قریب سے اس کی تروتازگی اور بناؤ سنگار دیکھیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ

یہ ہے جس کا وعدہ ہوا تھا تم سے ہر ایک رجوع

حَفِيْظٍ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ

رہنے والے یاد رکھنے والے کے واسطے جو ڈرا رحمٰن

بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ

سے بن دیکھے اور لایا دل رجوع ہونیوالا

ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ

چلے جاؤ اس میں سلامت ☆

جنت کے مستحقین ☆یعنی جنہوں نے دنیا میں خدا کو یاد رکھا اور گناہوں سے محفوظ ہو کر اس کی طرف رجوع ہوئے اور بے دیکھے اس کے قہرو جلال سے ڈرے اور ایک پاک وصاف رجوع ہونے والا دل لے کر حاضر ہوئے۔ اس جنت کا وعدہ ایسے لوگوں سے کیا گیا تھا۔ وقت آگیا ہے کہ سلامت وعافیت کے ساتھ اس میں داخل ہوں' فرشتے ان کو سلام کریں اور ان کے پروردگار کا سلام پہنچائیں۔ (تفسیر عثمانی)

بن دیکھے کا مطلب: یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرتا تھا جب کہ وہ اللہ سے غائب تھا۔ یعنی دنیا میں تھا' اللہ کو نہیں دیکھا تھا' یا اللہ کے عذاب سے غائب تھا' اللہ کے عذاب کو نہیں دیکھا تھا' یا وہ خود غائب تھا کسی کی نظر کے سامنے نہیں تھا۔

ضحاک' سدی اور حسن نے کہا' یعنی وہ تنہائی میں اللہ سے ڈرتا تھا' جب کہ کوئی بھی اس کو نہیں دیکھتا تھا۔ (القہار یا المنتقم کی جگہ) الرحمٰن کا لفظ ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جہاں وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی رحمت کے امیدوار بھی ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ جہاں وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی رحمت کے امیدوار بھی ہیں یا اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کو وسیع دیکھتے ہوئے بھی عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ نہ اللہ

کی رحمت کو دیکھ کر فریب خوردہ ہوتے ہیں اور نہ گناہوں پر جرأت کرتے ہیں (کہ بلاخوف وخطر گناہ کرتے رہیں)۔

بِسَلٰمٍ ۔یعنی عذاب، افکار اور زوال نعمت سے مامون رہ کر' یا یہ مطلب ہے کہ اللہ اور ملائکہ کی طرف سے ان کو پیام سلامتی ملے گا۔ (تفسیر مظہری)

اواب' حفیظ اور منیب: حضرت عبداللہ کہ بن مسعودؓ اور شعبیؒ اور مجاہدؒ نے فرمایا کہ اواب وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کرے اور ان سے استغفار کرے اور حضرت عبید بن عمیر نے فرمایا کہ اواب وہ شخص ہے جو ہر مجلس اور ہر نشست میں اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگے' اور فرمایا کہ ہمیں یہ بتلایا گیا ہے کہ اواب اور حفیظ وہ شخص ہے جو اپنی ہر مجلس سے اُٹھنے کے وقت یہ دعاء پڑھے **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ مِمَّا اَصَبْتُ فِیْ مَجْلِسِیْ هٰذَا** (پاک ہے اللہ اور اسی کی حمد ہے' یا اللہ میں مغفرت مانگتا ہوں اُس بُرائی سے جو میں نے اس مجلس میں کی ہو)

اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اپنی مجلس سے اُٹھنے کے وقت یہ دعاء پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے وہ سب گناہ معاف فرما دیں گے جو اس مجلس میں سرزد ہوئے' دعاء یہ ہے۔ **سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ** (یعنی یا اللہ تو پاک ہے اور تیری حمد وثناء ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں' میں تجھ سے مغفرت مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں)

اور **حَفِیْظٍ** کے معنی حضرت ابن عباسؓ نے یہ بتلائے کہ جو شخص اپنے گناہوں کو یاد رکھے تاکہ ان سے رجوع کر کے تلافی کرے' اور ان سے ایک روایت میں **حَفِیْظٍ** کے معنی **هُوَ الْحَافِظُ لِاَمْرِ اللّٰهِ** کے بھی منقول ہیں' یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کو یاد رکھے۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص شروع دن میں چار رکعتیں (اشراق کی) پڑھ لے وہ اواب اور حفیظ ہے (قرطبی)

وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبٍ ۔ ابوبکر وراقؒ فرماتے ہیں کہ منیب کی علامت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ جل شانہ کے ادب کو ہر وقت مستحضر رکھے' اور اس کے سامنے تواضع اور عاجزی سے رہے' اور اپنے نفس کی خواہشات کو چھوڑ دے۔ (معارف مفتی اعظم)

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿۳۴﴾

یہ دن ہے ہمیشہ رہنے کا ☆

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "اس دن جس کو جو کچھ ملا سو ہمیشہ کے لئے ہے اس سے پہلے ایک بات پر ٹھہراؤ نہ تھا"۔ (تفسیر عثمانی)

خلود کا اعلان: شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں' پھر دونوں کے درمیان ایک اعلانچی اعلان کرے گا۔ اے دوزخ والو! (آئندہ) موت نہیں اور اے اہل جنت (آئندہ) موت نہیں ہر شخص اسی میں ہمیشہ رہے گا جس میں وہ ہے۔

بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ کہا جائے گا اے اہل جنت (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے۔ موت نہیں (آئے گی) اور اے دوزخ والو! (یہاں) ہمیشہ رہنا ہے موت (آئندہ) نہیں (آئے گی)۔ (تفسیر مظہری)

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ﴿۳۵﴾

اُنکے واسطے ہے وہاں جو وہ چاہیں اور ہمارے پاس ہے کچھ زیادہ بھی ☆

بے گمان وبے قیاس انعام ☆: یعنی جو چاہیں گے وہ ملے گا اور اسکے علاوہ وہ نعمتیں ملیں گی جو ان کے خیال میں بھی نہیں مثلاً دیدار الٰہی کی لذت بے قیاس اور ممکن ہے کہ "وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ" سے یہ غرض ہو کہ ہمارے پاس بہت ہے جنتی کتنا ہی مانگیں سب دیا جائے گا۔ اللہ کے ہاں اتنا دینے پر بھی کوئی کمی نہیں آتی' نہ اسکے لئے کوئی رکاوٹ ہے پس اتنی بے حساب وبے شمار عطایا کو مستبعد نہ سمجھو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

"مزید" کا مطلب: ایسی نعمتیں ہیں جن کا تصور نہ کسی کے دل میں آیا نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان سے (ان کا بیان) سنا' حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جنت کے اندر تمہارا کم سے کم یہ مرتبہ ہوگا کہ (اللہ کی طرف سے) حکم ہوگا اپنی (اپنی) تمنا کرو' مخاطب اپنی تمنا (اپنے دل میں) کرے گا ارشاد ہوگا کیا تم نے اپنی تمنا کر لی بندہ کہے گا جی ہاں اللہ فرمائے گا تمہارے لئے وہ سب کچھ (دیا جاتا) ہے جس کی تم نے تمنا کی اور اتنا ہی اور بھی (تم کو دیا جاتا) ہے۔ رواہ مسلم۔ حضرت ابو سعید راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث بیان فرمائی' جس میں یہ بھی بتایا کہ اللہ فرمائے گا۔ میں نے اپنے بندوں سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ جس آدمی کو میں جنت میں داخل کروں گا اس کے لئے وہ تمام چیزیں مہیا کر دوں گا جن کو اس کا دل چاہے گا اور اتنی ہی اور بھی۔

حضرت جابرؓ اور حضرت انسؓ نے فرمایا' مزید سے مراد ہے اللہ کا دیدار۔ مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت صہیب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب جنت والے جنت میں چلے جائیں گے تو اللہ ان سے فرمائے گا کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو اور کچھ عطا کروں' اہل جنت عرض کریں گے (پروردگارا) کیا تو نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا کہ تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کر دیا کیا تو نے دوزخ سے ہم کو محفوظ نہیں رکھا۔ (اس سے زیادہ اور کونسی

نعمت ہو سکتی ہے)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پھر اللہ حجاب کھول دے گا (اور چودھویں کے چاند کی طرح جلوۂ بے حجاب سامنے آ جائے گا) تو دیدار رب سے بڑھ کر کوئی نعمت اہل جنت کو محبوب نہیں ہو گی اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ذیل تلاوت فرمائی لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔

ابن خزیمہ اور ابن مردویہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت کعب بن عجرہ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت سے اور ابن مردویہ اور ابوالشیخ نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابوالشیخ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا اور یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت حذیفہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' قیامت کے دن اللہ ایک ندا کرنے والے کو یہ ندا کرنے کا حکم دے گا اس کی ندا کو اول سے آخر تک سب لوگ سنیں گے اے اہل جنت! اللہ نے تم سے اچھی جزاء اور زیادتی کا وعدہ کیا تھا تو اچھی جزا جنت ہے اور رحمٰن کا دیدار مزید (نعمت) ہے۔ (تفسیر مظہری)

ابن عمرؓ فرماتے ہیں مزید میں یہ بھی ہے کہ اہل جنت کے پاس سے ایک بادل گذرے گا جس میں سے ندا آئے گی کہ تم کیا چاہتے ہو؟ جو تم چاہو میں برساؤں' پس یہ جس چیز کی خواہش کریں گے اس سے برسے گی۔ حضرت کثیرؒ فرماتے ہیں اگر میں اس مرتبہ میں پہنچا اور مجھ سے سوال ہوا تو میں کہوں گا کہ خوبصورت خوش لباس نوجوان کنواریاں برسائی جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارا جی جس پرند کے کھانے کو چاہے گا وہ اس وقت بھنا بھنایا موجود ہو جائے گا۔ مسند احمد کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اگر جنتی اولاد چاہے گا تو ایک ہی ساعت میں حمل اور بچہ اور بچے کی جوانی ہو جائے گی۔ امام ترمذیؒ اسے غریب حسن بتلاتے ہیں' اور ترمذی میں یہ بھی ہے کہ جس طرح یہ چاہے گا ہو جائے گا۔ اور آیت میں ہے لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ۔ صہیب بن سنان رومیؓ فرماتے ہیں اس زیادتی سے مراد اللہ کریم کے چہرے کی زیارت ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں ہر جمعہ کے دن انہیں دیدار باری تعالیٰ ہو گا' یہی مطلب مزید کا ہے۔ مسند شافعی میں ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے جس کے بیچوں بیچ ایک نقطہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا یہ جمعہ کا دن ہے جو خاص آپ کو اور آپ کی امت کو بطور فضیلت کے عطا فرمایا گیا ہے۔ سب لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہیں یہود بھی اور نصاریٰ بھی۔ تمہارے لئے اس میں بہت کچھ خیر و برکت ہے۔ اس میں ایک ایسی ساعت ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے مل جاتا ہے۔ ہمارے ہاں اس کا نام يَوْمُ الْمَزِيْد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا تیرے رب نے جنت الفردوس میں ایک کشادہ مکان بنایا ہے جس میں مشکی ٹیلے ہیں' جمعہ کے دن اللہ تعالیٰ جن جن فرشتوں کو چاہے اتارتا ہے۔ اس کے ارد گرد نوری منبر ہوتے ہیں جن پر انبیاء علیہم السلام رونق افروز ہوتے ہیں۔ شہداء اور صدیق لوگ ان کے پیچھے ان مشکی ٹیلوں پر ہوں گے۔ اللہ عزوجل فرمائے گا میں نے اپنا وعدہ تم سے سچا کیا ہے اب مجھ سے جو چاہو مانگو پاؤ گے۔ یہ سب کہیں گے ہمیں تیری خوشی اور رضامندی مطلوب ہے' اللہ فرمائے گا یہ تو میں تمہیں دے چکا۔ میں تم سے راضی ہو گیا اس کے سوا بھی تم جو چاہو گے پاؤ گے اور میرے پاس اور زیادہ ہے۔ پس یہ لوگ جمعہ کے خواہشمند رہیں گے کیونکہ انہیں بہت سی نعمتیں اسی دن ملتی ہیں' یہی دن ہے جس دن تمہارا رب عرش پر مستوی ہوا اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن قیامت آئے گی۔ اسی طرح اسے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام کی کتاب الجمعہ میں بھی وارد کیا ہے۔ امام ابن جریرؒ نے اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ایک بہت بڑا اثر وارد کیا ہے' جس میں بہت سی باتیں غریب ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتی ستر سال تک ایک ہی طرف متوجہ بیٹھا رہے گا پھر ایک حور آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرے گی وہ اتنی خوبصورت ہو گی کہ اس کے رخسار میں اسے اپنی شکل اس طرح نظر آئے گی جیسے آبدار آئینے میں' وہ جو زیورات پہنے ہوئے ہو گی ان میں کا ایک ایک ادنیٰ موتی ایسا ہو گا کہ اس کی جوت سے ساری دنیا منور ہو جائے۔ وہ سلام کرے گی یہ جواب دیکر پوچھے گا تم کون ہو؟ وہ کہے گی میں ہوں جسے قرآن میں مزید کہا گیا تھا۔ اس پر ستر حلے ہوں گے' لیکن تاہم اس کو خوبصورتی اور چمک دمک اور صفائی کیوجہ سے باہر ہی سے اس کی پنڈلی کا گودا نظر آئے گا' اس کے سر پر جڑاؤ تاج ہو گا جس کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ
اور کتنی تباہ کر چکے ہم ان سے پہلے جماعتیں
هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا
کہ ان کی قوت زبردست تھی اُن سے پھر لگے کریدنے
فِى الْبِلَادِؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝٣٦
شہروں میں' کہیں ہے بھاگ جانے کو ٹھکانہ ☆

کفار اقوام کی بربادی ☆ پہلے کفار کی تعذیب اخروی کا بیان تھا درمیان میں ان کے مقابلہ پر اہل جنت کے تنعم کا ذکر آ گیا۔ اب پھر کفار کی سزا ہی کا ذکر کرتے ہیں یعنی آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ہم کتنی شریر و سرکش قوموں کو تباہ کر چکے ہیں جو زور و قوت میں موجودہ اقوام کفار سے بڑھ چڑھ کر تھیں اور جنہوں نے بڑے بڑے شہر چھان مارے تھے پھر جب عذاب الٰہی آیا تو بھاگ جانے کو روئے زمین پر کہیں ٹھکانا نہ ملا یا یہ مطلب ہے کہ

عذاب کے وقت، پھر بستیوں میں کھوج لگانے گئے کہ کہیں پناہ ملے مگر کوئی ٹھکانہ نہ پایا" وهذا هو الظاهر من الترجمة والاول ما اختاره جمهور المفسرين"۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ
اس میں سوچنے کی جگہ ہے اُس کو
كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَی السَّمْعَ
جس کے اندر دل ہے یا لگائے کان
وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾
دل لگا کر ☆

نصیحت پانے والے ☆یعنی ان عبرتناک واقعات میں غور وفکر کر کے وہ ہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں جن کے سینہ میں سمجھنے والا دل ہو کہ از خود ایک بات کو سمجھ لیں یا کم از کم کسی سمجھانے والے کے کہنے پر دل کو حاضر کر کے کان دھریں کیونکہ یہ بھی ایک درجہ ہے کہ آدمی خود متنبہ نہ ہو تو دوسرے کے متنبہ کرنے پر ہشیار ہو جائے۔ جو شخص نہ خود سمجھے نہ کسی کے کہنے پر توجہ کے ساتھ کان لگائے اس کا درجہ اینٹ پتھر سے زیادہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

یہاں کون سا دل مراد ہے: یعنی اس شخص کے لئے جس کا دل تمام کثافتوں سے پاک صاف ہو تجلیات صفت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اللہ کی یاد میں ڈوبا رہتا ہو اور غیر اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اس مضمون کی تائید ایک حدیث قدسی سے ہوتی ہے۔ (اللہ نے فرمایا) نہ میری زمین مجھے سما سکتی ہے نہ میرا آسمان مجھے سما سکتا ہے ہاں مومن بندے کے دل کے اندر میری سمائی ہو سکتی ہے۔

صوفیہ کی اصطلاح میں ایسا دل فنا کے بعد ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' قلب سے مراد عقل ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک یہ دو رکھنے والا (عبرت پذیر) دل مراد ہے جو حقائق پر غور کرتا ہے (سطحی نظر سے نہیں دیکھتا)

شہید کا معنی: یعنی یہ سورۃ اس شخص کے لئے عبرت وموعظت ہے جس کے قلب سلیم ہو یا قرآن کو بحضور قلب سنے خواہ حضور قلب بناوٹی ہو (یعنی صورت حضور قلب والے کی ایسی بنالے) غافل نہ ہو۔

یہ شہید بمعنی شاہد ہے یعنی کانوں سے سن کر دل اس کی گواہی دے اور تصدیق کرے۔ ظاہر قرآن سے نصیحت اندوز ہو اور تنبیہات فرقانیہ سے اثر پذیر ہو۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا ارشاد: اول (قلب سلیم ہونا) کاملوں کا بیان اور دوسرا (کانوں کو متوجہ ہونا) مخلص مردوں کا درجہ ہے۔ اسی مضمون کی طرح دوسری حدیث کا مضمون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبادت کی خوبی یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا (عبادت کے وقت) تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے ہو تو (اتنا خیال رکھو کہ) وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی اللہ کے سامنے حاضر ہونے کا تصور رکھا جائے خواہ خود آ ورد ہی ہو۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں قلب سے مراد حیات ہے وہ بھی اسی لئے کہ حیات کا مدار قلب ہے معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اس سورت قرآن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے نصیحت وعبرت کا فائدہ اسی شخص کو پہنچ سکتا ہے جس میں عقل ہو یا زندگی ہو بے عقل یا مردے کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ (معارف مفتی اعظم)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
اور ہم نے بنائے آسمان اور زمین
وَمَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے چھ دن میں ☆

☆اس کا بیان پہلے کئی جگہ گزر چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾
اور ہم کو نہ ہوا کچھ تکان ☆

دوبارہ پیدائش ☆جب پہلی مرتبہ بنانے سے نہ تھکے تو دوسری مرتبہ کیوں تھکیں گے اور تباہ وبرباد کر دینا تو بنانے سے کہیں آسان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح کہا ہے کہ کچھ یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر آسمان وزمین کی تخلیق کے متعلق سوال کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے زمین کو اتوار کے دن اور سمندروں کو سوموار کے دن اور پہاڑوں کو اور جو کچھ ان کے اندر فائدہ بخش چیزیں ہیں سب کو منگل کے دن اور درختوں کو اور پانی کو اور شہروں کو اور آبادیوں کو اور ویرانوں کو بدھ کے دن اور آسمان کو جمعرات کے دن اور ستاروں کو اور چاند سورج کو اور ملائکہ کو جمعہ کے دن اس وقت تک پیدا کیا جبکہ یوم جمعہ کی تین ساعتیں باقی تھیں۔ (بقیہ) پہلی ساعت میں اوقات موت کو پیدا کیا جن میں مرنے والے مرتے ہیں اور دوسری ساعت میں ان مصائب کو پیدا کیا جن کا نزول انسان کو فائدہ پہنچنے والی ہر چیز پر ہوتا ہے اور تیسری ساعت میں آدمی کو پیدا کیا اور انکو جنت کا ساکن بنایا اور ابلیس کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرے اور تیسری ساعت کے آخر میں آدم کو دیا ابلیس کو جنت سے نکال دیا۔

یہودیوں نے دریافت کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر کیا ہوا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' پھر اللہ عرش پر مستوی ہوگیا۔ یہودیوں نے کہا (آپ نے پورا بیان نہیں کیا' بیان میں نقص ہے) اگر آپ بیان مکمل کردیتے تو صحیح ہوجاتا۔ اس کے بعد اللہ نے آرام لیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غصہ آگیا اور آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ
سو تو سہتا رہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور پاکی بولتا رہ
بِحَمْدِ رَبِّكَ
خوبیاں اپنے رب کی

آپ صبر کرتے رہیں ☆یعنی ایسی سوئی باتوں کو یہ لوگ نہ سمجھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین نہ ہوں بلکہ ان کی بے ہودہ بکواس پر صبر کرتے رہیں اور اپنے پروردگار کی یاد میں دل لگائے رکھیں جو تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کے بنانے اور بگاڑنے پر قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ ۔ یعنی یہودیوں کے اس قول پر کہ اللہ تھک گیا' پھر اس نے آرام لیا۔ صبر کیجئے۔ یا مشرک جو انکار قیامت کرتے ہیں اس پر صبر کیجئے۔ کیونکہ جو خدا ابتدائی تخلیق عالم پر قادر ہے وہ ان کو دوبارہ زندہ کرنے اور ان سے انتقام لینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ
پہلے سورج کے نکلنے سے اور پہلے
الْغُرُوْبِ ۚ وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ
ڈوبنے سے اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی ☆

عبادت وقبولیت کے اوقات ☆یہ وقت اللہ کی یاد کے ہیں ان میں دعا اور عبادت بہت قبول ہوتی ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہی نمازیں فرض تھیں فجر اور عصر اور تہجد بہرحال اب بھی ان تینوں وقتوں کو خصوصی فضل وشرف حاصل ہے۔ نماز یا ذکر و دعا وغیرہ سے ان اوقات کو معمور رکھنا چاہئے حدیث میں ہے "علیکم بالغدوة والروحة و شئی من الدلجة" بعض نے کہا "قبل الطلوع" سے نماز فجر "قبل الغروب" سے ظہر وعصر اور "من اللیل" سے مغرب وعشاء مراد ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

نماز فجر اور عصر کی تاکید: مسند احمد میں ہے ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چودھویں رات کے چاند کو دیکھ اور فرمایا تم اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اسے اس طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو جس کے دیکھنے میں کوئی دھکا پیلی نہیں پس اگر تم سے ہوسکے تو خبردار سورج نکلنے سے پہلے کی اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز میں مغلوب نہ ہوجایا کرو' پھر آیت وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ پڑھی۔ یہ حدیث بخاری ومسلم میں بھی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نماز تہجد: اور تہجد (قیام لیل) بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور امت پر واجب کیا گیا تھا جو ایک سال تک رہا جس کے بعد قیام دلیل کا وجوب امت کے حق میں منسوخ کردیا گیا اور جب معراج میں پنجگانہ نمازیں فرض ہوگئیں تو اکثر مفسرین کی رائے کے مطابق ہر ایک سے اس کا وجوب منسوخ کردیا گیا۔ گوکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر پابندی ایسی ہی کرتے تھے جیسے کہ امر واجب کی کی جائے حتیٰ کہ کسی رات اگر ضعف یا بیماری کے باعث قیام لیل نہ فرما سکے تو اس کی قضا کے طور پر طلوع شمس اور زوال کے درمیانی وقت بارہ رکعت ادا فرما لیتے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ
اور پیچھے سجدہ کے ☆

☆یعنی نماز کے بعد کچھ تسبیح وتہلیل کرنا چاہئے یا نوافل مراد ہوں جو فرائض کے بعد پڑھے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ۔ حضرت مجاہدؒ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ سجود سے مراد فرض نمازیں ہیں' اور اَدْبَارَ السُّجُوْدِ' سے مراد وہ تسبیحات پڑھنا ہے جس کی فضیلت ہر نماز کے بعد حدیث مرفوع میں آئی ہے۔

فرض نماز کے بعد تسبیحات کی فضیلت

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ' ۳۳ مرتبہ الحمد للہ' ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لهٗ له الملک وله الحمد وهو علیٰ کلّ شئ قدیر' پڑھ لیا کرے تو اس کی خطائیں معاف کردی جائیں گی' اگرچہ وہ دریا کی موجوں کے برابر ہوں (رواہ البخاری ومسلم) اور ادبار السجود سے مراد وہ سنتیں بھی ہوسکتی ہیں جو فرض نمازوں کے بعد احادیث صحیحہ میں آئی ہیں (مظہری) (معارف مفتی اعظم)

وَاسْتَمِعْ یَوْمَ یُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ
اور کان رکھ جس دن پکارے پکارنے والا نزدیک کی

قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾

جگہ سے ☆

نداءِ قریب ☆ کہتے ہیں صور پھونکا جائے گا بیت المقدس کے پتھر پر اس لئے نزدیک کہا یہ مطلب ہے کہ اس کی آواز ہر جگہ نزدیک لگے گی اور سب کو یکساں سنائی دے گی باقی صور پھونکنے کے سوا اور بھی ندائیں حق تعالیٰ کی طرف سے اس روز ہوں گی بعض نے آیت سے وہ مراد لی ہے مگر ظاہر نفخ صور ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

پکارنے والے کی پکار: ابن عساکر نے بروایت زید بن جابر شافعی اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ (قیامت کے دن) اسرافیل صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر کہیں گے' اے بوسیدہ ہڈیو! اے پارہ پارہ کھالو! اے ٹوٹے ہوئے بالو! اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ فیصلہ خطاب کے لئے جمع ہو جاؤ۔

کلبی نے کہا' زمین کے دوسرے حصے آسمان سے جتنے فاصلہ پر ہیں ان سب سے اٹھارہ میل زائد صخرہ آسمان کے قریب ہے۔

یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ۔ یعنی اس روز بحکم خدا مردے سنیں گے' مردے ہوں یا جمادات (پتھر وغیرہ) بحکم خدا سننے کے معاملے میں زندوں کی طرح ہیں۔ تمام موجودات کو (خواہ بے حس' بے شعور اور غیر نامی ہوں یا نامی' باحس یا باشعور) کسی نہ کسی طرح کی زندگی تو حاصل ہی ہے۔

عذابِ قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے

علمائے (اہل سنت) کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے شیخین نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولین بدر کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا' جو وعدہ (یعنی وعدۂ عذاب) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا' کیا تم نے اس کو صحیح پالیا' ہم سے ہمارے رب نے جو وعدہ (یعنی فتح و نصرت کا وعدہ) کیا تھا ہم نے تو اس کو صحیح پالیا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بے جان جسموں کو کس طرح خطاب کر رہے ہیں؟ فرمایا: میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم اس کو ان سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ مجھے جواب نہیں دے سکتے۔

قرطبی نے کہا' صور کی آواز جس سے مُردے زندہ ہو جائیں گے' پھیلتی اور بڑھتی جائے گی ابتدائی آواز تو زندہ کرنے کے لئے ہوگی' اور اس کے بعد کی آواز قبروں سے باہر نکالنے کے لئے زندہ کرنے والی آواز تو وہ (مردے) نہیں سنیں گے۔ لیکن قبروں سے نکالنے کی آواز کو سنیں گے۔ سیوطی نے کہا' احتمال ہے کہ جو روحیں صورِ اسرافیل میں ہوں وہ شروع سے ہی سن لیں۔

میں کہتا ہوں اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ اسرافیل ہڈیوں اور کھالوں کو خطاب کریں گے' روحوں کو خطاب نہیں کریں گے۔ ارواح کو سننے کا کوئی فائدہ نہیں۔ (تفسیر مظہری)

يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ

جس دن سنیں گے چنگھاڑ محقق وہ ہے

يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾

دن نکل پڑنے کا ☆

نفخۂ ثانیہ ☆ یعنی دوسری مرتبہ جو صور پھونکا جائے گا تو سب زمین سے نکل کھڑے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾

ہم ہیں جلاتے اور مارتے اور ہم تک ہے سب کو پہنچنا ☆

موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے

☆ یعنی بہر حال موت وحیات سب خدا کے ہاتھ میں ہے اور ہر پھر کر آخر کار اسی کی طرف سب کو جانا ہے۔ بچ کر کوئی نہیں نکل سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ

جس دن زمین پھٹ کر نکل پڑیں وہ سب دوڑتے ہوئے

ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾

یہ اکٹھا کرنا ہم کو آسان ہے ☆

یوم حشر ☆ یعنی زمین پھٹے گی اور مردے اس سے نکل کر میدان حشر کی طرف جھپٹیں گے خدا تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں اکٹھا کر دے گا اور ایسا کرنا اس کو کچھ مشکل نہیں۔

یَوْمَ تَشَقَّقُ۔ یعنی مردوں کو زندہ کر کے اس روز اٹھایا جائے گا' جب حساب فہمی کے لئے ان کو پکارا جائے گا اور زمین پھٹ کر وہ تیزی کے ساتھ باہر نکل آئیں گے۔

ذٰلِكَ۔ یہ یکدم سب کا نکل آنا۔ ہمارے لئے آسان ہے۔ یَسِیْرٌ سے پہلے عَلَيْنَا کا ذکر اظہار خصوصیت کے لئے ہے' حشر اموات اسی کے لئے آسان ہو سکتا ہے جو بذاتِ خود عالم اور قادر ہو۔ اور کسی کام میں مشغولیت دوسرے کاموں سے اس کو غافل نہ بنا سکے۔ اور ایسی ذات صرف اللہ ہی کی

ہے اس لئے حشر اموات اس کے لئے دشوار نہیں۔ اللہ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ۔ (تفسیر مظہری)

دوڑنا کس طرف ہوگا: حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوڑنا ملک شام کی طرف ہوگا' جہاں صخرۂ بیت المقدس پر اسرافیل علیہ السلام نداء کرتے ہوں گے۔

جامع ترمذی میں حضرت معاویہ بن حیدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک سے ملک شام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

یہاں سے اُس طرف (یعنی شام کی طرف) تم سب اٹھائے جاؤ گے کچھ لوگ سوار کچھ پیدل اور بعض کو چہروں کے بل گھسیٹ کر قیامت کے روز اس میدان میں لایا جائے گا۔ (از قرطبی)

حضرت قتادہؒ کی دعاء: حضرت قتادہؒ اس آیت کو پڑھ کر یہ دعا مانگتے تھے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّخَافُ وَعِيْدَكَ وَيَرْجُوْا مَوْعُوْدَكَ يَابَارُّ يَارَحِيْمُ. "یعنی یا اللہ ہمیں ان لوگوں میں داخل فرما دیجئے جو آپ کی وعدیِ عذاب سے ڈرتے ہیں' اور آپ کے وعدے کے امیدوار ہیں' اے وعدہ پورے کرنے والے اے رحمت والے۔ (معارف مفتی اعظم)

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ
ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے ہیں اور تو نہیں
عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ
ہے اُن پر زور کرنیوالا سو تو سمجھا قرآن سے
مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾
اُس کو جو ڈرے میرے ڈرانے سے ☆

آپ قرآن سناتے رہیں ☆ یعنی جو لوگ حشر کا انکار کرتے اور واہی تباہی کلمات بکتے ہیں بکنے دو، ان کا معاملہ ہمارے سپرد کرو ہم کو سب معلوم ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ کا یہ منصب نہیں کہ زور زبردستی سے ہر ایک کو یہ باتیں منوا کر چھوڑیں ہاں قرآن سنا سنا کر بالخصوص ان کو نصیحت اور فہمائش کرتے رہیے جو اللہ کے ڈرانے سے ڈرتے ہیں ان معاندین کے پیچھے زیادہ نہ پڑیے۔ (تفسیر عثمانی)

سببِ نزول: عمرو بن قیس ملائی کی وساطت سے ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اگر آپ ہم کو (عذاب سے) ڈراتے رہیں تو بہتر ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ سے مرسل روایت بھی اس طرح آئی ہے۔

تم سورۃ قٓ والحمد للہ۔ (تفسیر مظہری)

جو شخص اس کو خواب میں پڑھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا زمین کی نباتات میں سے جس قدر چاہے حاصل کرے گا اور ہر مذہب کی طرف وہ مائل رہے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ
سورۂ ذاریات مکہ میں نازل ہوئی اور اسکی ساٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾
وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾
قسم ہے اُن ہواؤں کی جو بکھیرتی ہیں اُڑا کر پھر اٹھانے والیاں بوجھ
فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾
کو پھر چلنے والیاں نرمی سے پھر بانٹنے والیاں حکم سے ☆

قیامِ قیامت کی شہادتیں ☆ اول زور کی ہوائیں اور آندھیاں چلتی ہیں جن سے غبار وغیرہ اڑتا ہے اور بادل بنتے ہیں پھر ان میں پانی بنتا ہے اس بوجھ کو اٹھائے پھرتی ہیں پھر برسنے کے قریب نرم ہوا چلتی ہے پھر اللہ کے حکم کے موافق بارش میں جس جگہ کا جتنا حصہ ہوتا ہے وہ تقسیم کرتی ہیں ان ہواؤں کی اللہ قسم کھاتا ہے۔ بعض علماء نے "ذاریات" سے ہوائیں "حاملات" سے بادل "جاریات" سے ستارے اور "مقسمات" سے فرشتے مراد لئے ہیں گویا مقسم بہ کی ترتیب نیچے سے اوپر کو ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سے منقول ہے کہ "ذاریات" ہوائیں "حاملات" بادل "جاریات" کشتیاں اور "مقسمات" فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے رزق وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

صبیغ کا قصہ: بزار میں ہے صبیغ تمیمی امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا بتلاؤ ذاریات سے کیا مراد ہے؟ فرمایا ہوا' اور اسے میں نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا نہ ہوتا تو میں کبھی نہ کہتا۔ پوچھا مُقَسِّمات؟ فرمایا فرشتے' اور اسے بھی میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے پوچھا جاریات سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا کشتیاں' یہ بھی اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سنا ہوتا تو تجھ سے نہ کہتا پھر حکم دیا کہ اسے سو کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ اُسے دُرّے مارے گئے اور ایک مکان میں رکھا گیا جب زخم اچھے ہو گئے تو بلوا کر پھر سو کوڑے پٹوائے' اور سوار کرا کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ یہ کسی مجلس میں نہ بیٹھنے

پڑے۔ کچھ دنوں بعد یہ حضرت ابوموسیٰؓ کے پاس آئے اور بڑی سخت تاکیدی قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا کہ اب میرے خیالات کی پوری اصلاح ہو چکی ہے اب میرے دل میں وہ بدعقیدگی نہیں رہی جو پہلے تھی۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ نے جناب امیر المؤمنین کی خدمت میں اس کی اطلاع دی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ کہ میرا خیال ہے کہ اب وہ واقعی ٹھیک ہو گیا ہے۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے فرمان پہنچا کر پھر انہیں مجلس میں بیٹھنے کی اجازت دیدی جائے۔ امام ابوبکر بزارؒ فرماتے ہیں اس کے دو راویوں میں کلام ہے پس یہ حدیث ضعیف ہے۔ ٹھیک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ حدیث بھی موقوف ہے یعنی حضرت عمرؓ کا اپنا فرمان ہے مرفوع حدیث نہیں امیر المؤمنینؓ نے جو اسے پٹوایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی بدعقیدگی آپ پر ظاہر ہو چکی تھی اور اس کے یہ سوالات از روئے انکار اور مخالفت کے تھے واللہ اعلم۔ صبیغ کے باپ کا نام عسل تھا اور اس کا یہ قصہ مشہور ہے جسے پورا پورا حافظ ابن عساکرؒ لائے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ﴿۵﴾
بیشک جو وعدہ کیا ہے تم سے سو سچ ہے
وَّاِنَّ الدِّيْنَ لَوَاقِعٌ ۭ﴿۶﴾
اور بیشک انصاف ہونا ضرور ہے ☆

انجام کائنات ☆ یعنی یہ ہواؤں اور بارش وغیرہ کا نظام شاہد ہے کہ آخرت کا وعدہ سچا اور انصاف ہونا ضروری ہے۔ جب اس دنیا میں ہوا تک بے نتیجہ نہیں چلتی تو کیا اتنا بڑا کارخانہ یوں ہی بے نتیجہ چل رہا ہے؟ یقیناً اس کا کوئی عظیم الشان انجام ہوگا اسی کو آخرت کہتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالسَّمَاۗءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۙ﴿۷﴾
قسم ہے آسمان جال دار کی ☆

آسمان کا نظم ونسق ☆ یعنی صاف وشفاف، خوبصورت، مضبوط، اور پررونق آسمان کی قسم جس پر ستاروں کا جال بچھا ہوا معلوم ہوتا ہے اور جس پر ستاروں کی اور فرشتوں کی راہیں پڑی ہوئی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حبک کا معنی: صاحب قاموس نے لکھا ہے حبک مضبوط بناوٹ والے حبک اشوب کپڑے کی ساخت میں خوبصورت آثار صنعت۔ حبک الرمل ریت کی دھاریں حبک کا واحد حباک ہے جیسے کتب کا واحد کتاب۔ حبک الماء پانی کی شکستہ لہریں حبک الشعر گھونگریالے بال حبک السماء ستاروں کی گزرگاہیں۔ (تفسیر مظہری)

ابن جریر کی ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تمہارے پیچھے کذاب بہکانے والا ہے اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے حبک حبک ہیں یعنی گھونگر والے ہیں ابوصالح فرماتے ہیں حبک سے مراد شدت والا۔ خصیف کہتے ہیں مراد خوش منظر ہے۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں اس کی خوبصورتی اس کے ستارے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد ساتواں آسمان ہے۔ ممکن ہے آپ کا مطلب یہ ہو کہ قائم رہنے والے ستارے اس آسمان میں ہیں۔ اکثر علمائے ہیئت کا بیان ہے کہ یہ آٹھویں آسمان میں ہیں جو ساتویں کے اوپر ہے واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ﴿۸﴾
تم پڑ رہے ہو ایک جھگڑے کی بات میں
يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۭ﴿۹﴾
اس سے باز رہے وہی جو پھیرا گیا ☆

قیامت میں جھگڑنا حماقت ہے ☆ یعنی قیامت اور آخرت کی بات میں خواہ مخواہ جھگڑے ڈال رکھے ہیں اسکو وہی تسلیم کرے گا جسے بارگاہ ربوبیت سے کچھ تعلق ہو جو شخص راندہ درگاہ ہے اور خیر وسعادت کے راستوں سے پھیر دیا گیا ہے وہ اس چیز کے تسلیم اور قبول کرنے سے ہمیشہ باز رہے گا حالانکہ اگر صرف آسمان کے نظم ونسق میں غور کرے تو یقین ہو جائے کہ اس مسئلہ میں جھگڑنا محض حماقت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قُتِلَ الْخَـرّٰصُوْنَ ﴿۱۰﴾
مارے پڑے اٹکل دوڑانے والے ☆

اٹکل دوڑانے والے ☆ یعنی دین کی باتوں میں اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور محض اپنے ظن وتخمین سے قطعیت کو رد کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ﴿۱۱﴾
وہ جو غفلت میں ہیں بھول رہے ☆

غفلت کے اسباب ☆ یعنی دنیا کے مزوں نے آخرت سے اور خدا سے غافل کر رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَسْــَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۲﴾
پوچھتے ہیں کب ہے دن انصاف کا ☆

کافروں کی ہنسی ☆ یعنی انکار اور ہنسی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ انصاف کا دن کب آئے گا؟ آخر اتنی دیر کیوں ہو رہی ہے؟ (تفسیر عثمانی)

یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ
جس دن وہ آگ پر اُلٹے سیدھے پڑیں گے
ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِىْ
چکھو مزا اپنی شرارت کا یہ ہے جس کی
كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ
تم جلدی کرتے تھے ☆

کافروں کو تنبیہ ☆ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان کو جواب دیا گیا یعنی ذرا صبر کرو وہ دن آیا چاہتا ہے جب تم آگ میں الٹے سیدھے کئے جاؤ گے اور خوب جل تپ کر کہا جائے گا کہ لو اب اپنی شرارت اور استہزاء کا مزہ چکھو جس دن کی جلدی مچا رہے تھے وہ آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

حکیم الامت: یہ کہ جس قیامت کی دھمکی دی جا رہی ہے وہ کہاں آئے گی تو اس طبعی شقاوت کے باعث جواب میں تنبیہ اور سختی کا رنگ اختیار کرتے ہوئے فرمایا یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں یہ جواب اسی طرز کا ہے جیسے کسی مجرم کے واسطے پھانسی کا حکم ہو جائے مگر وہ احمق باوجود قیام براہین کے محض اس وجہ سے کہ تاریخ نہیں بتلائی گئی تکذیب ہی کئے جائے اور یہی کہتا رہے اچھا وہ دن کب آئے گا چونکہ یہ سوال از راہ تعنت ہے اس لئے جواب میں بجائے تاریخ بتلانے کے یہ کہنا بھی نہایت ہی مناسب ہوگا وہ دن اس وقت آئے گا جب تم پھانسی پر لٹکائے جاؤ گے تو اسی طرح یہاں اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ کے جواب میں بھی مناسب ہوا کہ فرمایا جائے یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۔ (معارف کاندھلوی)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ
البتہ ڈرنے والے باغوں میں ہیں اور چشموں میں
اٰخِذِيْنَ مَاۤ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ
لیتے ہیں جو دیا اُن کو اُن کے رب نے ☆

متقیوں کو خوشخبری ☆ یعنی خوشی خوشی ان نعمتوں کو قبول کرتے ہیں جو ان کے پروردگار نے ارزانی فرمائی ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ
وہ تھے اس سے پہلے نیکی والے ☆

محسنین ☆ یعنی دنیا سے نیکیاں سمیٹ کر لائے تھے آج ان کا نیک پھل مل رہا ہے آگے ان نیکیوں کی قدرے تفصیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مُحْسِنِيْنَ ۔ حضور خاطر اور خلوص قلب کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے تھے اور اس کی خوشنودی کے طلب گار تھے۔ (تفسیر مظہری)

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا
وہ تھے رات کو تھوڑا
يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ
سوتے اور صبح کے وقتوں میں
يَسْتَغْفِرُوْنَ
معافی مانگتے ☆

متقیوں کی نیکیاں ☆ یعنی رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گزارتے اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی حق عبودیت ادا نہ ہو سکا جو کوتاہی رہی اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے۔ کثرت عبادت ان کو مغرور نہ کرتی تھی بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خشیت و خوف بڑھتا جاتا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

يَهْجَعُوْنَ ۔ میں ما زائدہ ہے۔ ہجوع کا معنی ہے رات کو سونا۔

قَلِيْلًا ۔ مفعول فیہ ہے یا مفعول مطلق یعنی رات کو تھوڑے وقت وہ سوتے ہیں یا رات کے کچھ حصہ میں وہ تھوڑی سی نیند لے لیتے ہیں یعنی رات کے زیادہ حصہ میں نماز پڑھتے رہتے ہیں۔

پوری رات عبادت کرنے والے: سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے آیت کی تشریح اس طرح کی ہے کم تر رات ایسی گزرتی ہے کہ وہ اس کے کسی حصہ میں نماز نہ پڑھتے ہوں شروع رات میں پڑھتے ہیں یا درمیان شب میں پڑھتے ہیں یا آخر رات میں یعنی پوری رات کم ہی سوتے ہیں۔ مراد یہ کہ پوری رات نہیں سوتے۔

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ اور آخر شب میں استغفار کیا کرتے تھے

اللہ تعالیٰ کی عنایتیں: حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر رات کو جب رات کا ایک تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے اللہ آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے میں ہی بادشاہ ہوں کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں کون سے جو مجھ سے گناہوں کی معافی کا طلب گار ہو اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔ (متفق علیہ)۔

مسلم کی روایت میں ہے پھر اللہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو روک سکتا ہو ایسی ذات کو جو نہ نادار ہے نہ ظالم یہاں تک کہ فجر نکل آتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد اور استغفار

حضرت ابن عباسؓ کی صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات سے اٹھ کر تہجد پڑھتے استغفار کرتے اور کہتے تھے اے اللہ! تیرے ہی لئے ستائش (زیبا) ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور ان کی کائنات کا تو ہی مدبر ہے تیرے ہی لئے حمد ہے۔ آسمانوں کا زمین کا اور ان کی موجودات کا تو ہی حاکم ہے تیری ہی تعریف (زیبا) ہے تو ہی حق ہے تیرا ہی وعدہ حق ہے تیرا (ہمیشہ) باقی رہنا حق ہے تیرا کلام حق ہے دوزخ حق ہے انبیاء حق ہیں محمد حق ہیں قیامت حق ہے اے اللہ میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں تجھی پر ایمان رکھتا ہوں تجھی پر میرا بھروسہ ہے تیری ہی طرف میں رجوع کرتا ہوں تیری مدد سے میں دشمنوں کا مقابلہ کرتا ہوں تیری ہی جانب میں اپنا معاملہ (فیصلہ کے لئے) لے جاتا ہوں تو ہمارا رب ہے تیری ہی طرف منتقل ہونا ہے۔ میرے اگلے پچھلے اور پوشیدہ ظاہر گناہ اور وہ قصور جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے معاف فرما دے تو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے ہٹانیوالا ہے (یا سب سے پہلے اور سب کے بعد تو ہی ہے) تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تیرے مدد وہ کوئی قابل پرستش نہیں (متفق علیہ)۔

قبولیت دعاء کا عمل: حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات سے اٹھ کر کہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ. اس کے بعد کہے رَبِّ اغْفِرْلِی یا فرمایا پھر دعا کرے تو اس کی دعا قبول ہوگی اس کے بعد وضو کر کے نماز پڑھے گا تو نماز قبول کی جائے گی (رواہ البخاری) ترجمہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی حکومت ہے اس کے لئے ہر تعریف (زیبا) ہے اور وہ ہر شئے پر قابو رکھتا ہے۔ اللہ پاک ہے اللہ کے لئے ہر تعریف زیبا ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے سواء اللہ کی مدد کے جو بزرگ اور عظمت والا ہے نہ طاقت ہے نہ قوت پھر کہے اے میرے رب مجھے معاف کر دے یا فرمایا پھر دعا کرے الخ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاءِ شبانہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات سے بیدار ہوتے تو کہتے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ وَاَسْئَلُکَ رَحْمَتَکَ اللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ. (رواہ ابوداؤد) (تفسیر مظہری)

حضرت ابن عباسؓ، قتادہ، مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس جملے کا مطلب حرف مَا کو اس میں نفی کے لئے قرار دے کر یہ بتلایا گیا ہے کہ رات کو تھوڑا سا حصہ پر ایسا بھی آتا ہے جس میں وہ سوتے نہیں بلکہ عبادت نماز وغیرہ میں مشغول رہتے ہیں اس مفہوم کے اعتبار سے وہ سب لوگ اس کا مصداق ہو جاتے ہیں جو رات کے کسی بھی حصہ میں عبادت کر لیں خواہ شروع میں یا آخر میں یا درمیان میں۔

اس آیت کا مصداق

حضرت انسؓ اور ابوالعالیہؒ نے اس کا مصداق ان لوگوں کو قرار دیا جو مغرب وعشاء کے درمیان نماز پڑھتے ہیں اور امام ابوجعفر باقرؒ نے فرمایا کہ جو لوگ عشاء کی نماز سے پہلے نہ سوویں وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر)

اپنے عمل کا اہل جنت وجہنم کے اعمال سے موازنہ

حضرت حسن بصریؒ نے احنف بن قیس سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے عمل کا اہل جنت کے اعمال سے موازنہ کیا تو یہ دیکھا کہ وہ ایک ایسی قوم ہے جو ہم سے بہت بلند و بالا اور ممتاز ہے۔ وہ ایک ایسی قوم ہے کہ ہمارے اعمال ان کے درجہ تک نہیں پہنچتے کیونکہ وہ لوگ راتوں میں سوتے کم ہیں عبادت زیادہ کرتے ہیں پھر میں نے اپنے اعمال کا اہل جہنم کے اعمال سے موازنہ کیا تو دیکھا کہ وہ اللہ و رسول کی تکذیب کرنے والے قیامت کا انکار کرنے والے ہیں (جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں محفوظ رکھا) اس لئے ہمارے اعمال موازنہ کے وقت نہ اصل اہل جنت کے درجہ کو پہنچتے ہیں اور نہ (بحمد اللہ) اہل جہنم کے ساتھ ملتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ ہمارا درجہ عمل کے اعتبار سے وہ ہے جن کا قرآن کریم نے ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا۔ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اچھے برے اعمال خلط ملط کر رکھے ہیں تو ہم میں بہتر آدمی وہ ہے جو کم از کم اس طبقے کی حدود میں رہے۔

حضرت زیدؒ کا فرمان: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ بنی تمیم کے ایک شخص نے میرے والد سے کہا کہ اے ابو اسامہؒ ہم اپنے اندر وہ صفت نہیں پاتے جو اللہ تعالیٰ نے متقین کے لئے ذکر فرمائی ہے۔ یعنی (کَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ) کیونکہ ہمارا حال تو یہ ہے کہ قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا نَقُوْمُ ”یعنی رات میں بہت کم جاگتے اور عبادت کرتے ہیں“ میرے

والد نے اس کے جواب میں فرمایا: "بشارت ہے اس شخص کے لئے جس کو نیند آوے تو سو جاوے مگر جب بیدار ہو تو تقویٰ اختیار کرے۔ (معارف مفتی اعظم)

سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کا عمل

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب شروع شروع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ شریف تشریف لائے تو لوگ آپ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے میں اس مجمع میں تھا واللہ آپ کے مبارک چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اتنا تو میں نے یقین کرلیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے انسان کا نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلی بات جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میرے کان میں پڑی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا اے لوگو کھانا کھلاتے رہو اور صلہ رحمی کرتے رہو اور سلام کیا کرو اور راتوں کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں نماز ادا کرو تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

جنت کے محلات کس کے لئے ہیں:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ یہ کن کے لئے ہیں؟ فرمایا ان کے لئے جو نرم کلام کریں اور دوسروں کو کھلاتے پلاتے رہیں اور جب لوگ سوتے ہوئے ہوں یہ نمازیں پڑھتے رہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾
اور اُن کے مال میں حصہ تھا مانگنے والوں کا اور ہارے ہوئے کا ☆

متقیوں کی انسان دوستی

"ہارا ہوا" وہ جو محتاج ہے اور مانگتا نہیں پھرتا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کے علاوہ اپنے مال میں اپنی خوشی سے سائلوں اور محتاجوں کا حصہ مقرر کر رکھا تھا جو التزام کی وجہ سے گویا ایک حق لازم سمجھا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

سببِ نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ حسن بن محمد بن حنفیہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کا ایک دستہ روانہ کیا۔ ان مجاہدوں کے ہاتھ (کافروں کی) کچھ بکریاں لگ گئیں جب یہ لوگ بکریوں کے حصے بخرے کر کے فارغ ہو گئے تو کچھ (غریب) لوگ آ پہنچے ان مجاہدوں نے ان کو بھی کچھ حصہ دے دیا اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

محروم کون ہے؟ ابوداؤد وغیرہ میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سائل کا حق ہے گو وہ گھوڑے سوار ہو محروم وہ ہے جس کا کوئی حصہ بیت المال میں نہ ہو خود اس کے پاس کوئی کام کاج نہ ہو صنعت و حرفت یاد نہ ہو۔ جس سے روزی کما سکے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ کچھ سلسلہ کمانے کا کر رکھا ہے لیکن اتنا نہیں پاتے کہ انہیں کافی ہو جائے۔ حضرت ضحاک فرماتے ہیں وہ شخص جو مالدار تھا لیکن مال اس کا تباہ ہو گیا۔ چنانچہ یمامہ میں جب پانی کی طغیانی آئی اور ایک شخص کا تمام مال اسباب بہالے گئی تو ایک صحابی نے فرمایا یہ محروم ہے اور بزرگ مفسرین فرماتے ہیں محروم سے مراد وہ شخص ہے جو باوجود حاجت کے کسی سے سوال نہیں کرتا۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مسکین وہ نہیں جو چکر لگاتے رہتے ہیں اور جنہیں ایک دو لقمے یا ایک دو کھجوریں تم دے دیا کرتے ہو بلکہ حقیقتاً وہ لوگ مسکین ہیں جو اتنا نہیں پاتے کہ انہیں حاجت نہ رہے نہ اپنا حال و قال ایسا رکھتے ہیں کہ کسی پر ان کی حاجت و افلاس ظاہر ہو اور کوئی انہیں صدقہ دے (بخاری و مسلم) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مکہ شریف جا رہے تھے کہ راستے میں ایک کتا پاس آ کر کھڑا ہو گیا آپ نے ذبح کردہ بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف ڈال دیا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں میں تو عاجز آ گیا لیکن محروم کے معنی معلوم نہ کر سکا۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ رہا ہو خواہ وجہ کچھ بھی ہو۔ یعنی حاصل نہ کر سکا ہو کمانے کا سلیقہ ہی نہ ہو یا کام ہی نہ چلتا ہو یا کسی آفت کے باعث جمع شدہ مال ضائع ہو گیا ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ﴿۲۰﴾
اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین لانے والوں کے واسطے
وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾
اور خود تمہارے اندر سو کیا تم کو سوجھتا نہیں ☆

غور و فکر ☆ یعنی یہ شب بیداری استغفار اور محتاجوں پر خرچ کرنا اس یقین کی بناء پر ہونا چاہئے کہ خدا موجود ہے اور اسکے ہاں کسی کی نیکی ضائع نہیں کی جاتی اور یہ یقین وہ ہے جو آفاقی و انفسی آیات میں غور کرنے سے بسہولت حاصل ہو سکتا ہے انسان اگر خود اپنے اندر یا روئے زمین کے حالات میں غور و فکر کرے تو بہت جلد اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ ہر نیک و بد کی جزا کسی نہ کسی رنگ میں ضرور مل کر رہے گی جلد یا بدیر۔ (تفسیر عثمانی)

آیات آفاقی: مطلب یہ ہے کہ زمین میں ان محسنین کے لئے (اللہ کی قدرت تامہ علم محیط اور ربوبیت و الوہیت کی) نشانیاں ہیں وہ ان نشانہائے قدرت کو اندھوں بہروں کی طرح دیکھ کر گزر نہیں جاتے بلکہ بینا آنکھوں سے دیکھ کر غور کرتے اور سوچتے ہیں کہ زمین کیسے پیدا ہوئی کیسے بچھائی گئی آدمیوں کے رہنے کے لئے اس کا کچھ خشک حصہ کیسے ابھار دیا گیا ہے۔ زمین کے مختلف

اجزاء کی مختلف کیفیت حالات اور متضاد خاصیات کیسے اور کیوں ہیں چشمے پھوٹ کر نہریں بن کر دریا کس طرح اور کس حکمت کے زیراثر بہتے ہیں۔ زمین کے اندر قیمتی جواہر کی کانیں کیسے بن جاتی ہیں۔ زمین کے اوپر غیر محدود ان گنت نباتات اور حیوانات کا پھیلاؤ کتنا ناقابل فہم ہے یہ سب انواع اجناس' کیفیات' خاصیات' اشکال اور الوان کا تعدد دلالت کر رہا ہے کہ ان کا کوئی بنانے والا واجب الوجود خالق کل ہمہ گیر علم اور قدرت کاملہ کا مالک ہے۔ اسی نے اپنی رحمت اور حکمت سے ان چیزوں کو بنایا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ زمین پر اور زمین کی موجودات پر اللہ کی رحمت کی کیسی بارش ہو رہی ہے۔ وجود اور بقائے وجود کی اللہ کی طرف سے کس قدر برکتیں نازل ہو رہی ہیں اور موجودات ارضی کی ہر چیز اپنی ساری ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے اللہ کی رحمت کے سامنے دست سوال پھیلا رہی ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَانٍ۔

آیاتِ انفسی: انسان عالم صغیر (چھوٹی دنیا) ہے اللہ کی قدرت' حکمت' صنعت اور ربوبیت کی جو نشانیاں عالم کبیر میں ہیں ابتداء تخلیق سے لے کر آخری انجام تک وہ ساری آیات انسان کے اندر ہیں۔ آغاز میں تخلیق انسانی بصورت نطفہ تھی۔ پھر نطفہ بستہ خون بنا۔ پھر ایک گوشت کا لوتھڑا ہوا۔ پھر ہڈیاں بنائی گئیں۔ پھر ہڈیوں کے ڈھانچے کو گوشت کا لباس پہنایا گیا۔ پھر اس میں روح ڈالی گئی پھر بسہولت باہر آنے کا راستہ بنایا گیا۔ باہر آنے کے بعد فراہمی غذا کا انتظام کیا گیا۔ پستان مادر سے دودھ پینا سکھایا گیا اور رفتہ رفتہ دوسری غذاؤں کی طرف آنے اور کھانے کی رہنمائی کی گئی بول وبراز اور دوسرے فیصلے کو اس کے راستوں سے باہر پھینکا گیا۔

یہ تمام تدبیریں بقاء جسمانی کے لئے کی گئیں۔ اس سے آگے بقاء نسل بھی ضروری تھی تو قوت تولید کو پیدا کیا گیا اور ایک جوڑے کے اختلاط سے سابق کی طرح تیسرے انسان کو بنایا اور پیدا کیا گیا۔ پھر پیغمبروں کو بھیج کر اور آسمان سے کتابیں اتار کر معاد کی طرف جانے کا صحیح راستہ دکھایا گیا۔

انسانوں کی زبانوں یا صورتوں کا رنگوں کا طبقوں اور مزاجوں کا عقل و دانش کا۔ قبول حق کی صلاحیتوں کا راہِ حق پر چلنے کی استعدادوں کا۔ پھر درجات قرب اور مراتب معرفت پر فائز ہونے کا عظیم الشان تفاوت اور تعدد۔ صانع کی نادر صنعت اور بدیع نقوش ہیں جو اہل بصیرت اور معرفت کوش قلوب نظارہ کرتے اور بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں تبارک اللہ احسن الخالقین۔

آیات میں غور کرنے کا نتیجہ: پھر ان اہل عرفان کے سامنے سے تجلیات ذاتیہ وصفاتیہ اور انوار ظلالیہ کے چہروں سے اسرار کے پردے ہٹ جاتے ہیں۔ اسی کی تعبیر حدیث قدسی میں اس طرح فرمائی ہے بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا ہے آخر میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ الحدیث

اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف کہتا ہے شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو اس کی راہ بتائی اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا تو ہم ہدایت یاب نہ ہوتے۔ ہمارے رب کے رسول حق لے کر آئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾
اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا گیا

رزق اور جنت آسمان میں ☆ یعنی سائلوں اور محتاجوں پر خرچ کرنے سے اس لئے نہیں ڈرنا چاہئے کہ خرچ کر کے ہم کہاں سے کھائیں گے اور نہ خرچ کر کے ان مساکین پر احسان جتلائے کیونکہ تمہاری سب کی روزی اور اجر وثواب کے جو وعدے کئے گئے ہیں آسمان والے کے ہاتھ میں ہیں ہر ایک کی روزی پہنچ کر رہے گی کسی کے روکنے سے نہیں رک سکتی۔ اور خرچ کرنیوالوں کو ثواب بھی مل کر رہے گا حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "آنے والی جو بات ہے اس کا حکم آسمان ہی سے اترتا ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا دوسرا معنی: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے کہ رزق سے مراد ہے رزق کے پیدا ہونے کا سبب یعنی بارش۔ اس تفسیر کی بنا اس مسلمہ پر ہے جو (ظاہر) شریعت میں آیا ہے کہ بارش آسمان سے نازل ہوتی ہے۔

تیسرا معنی: رزق کا اگر یہ معنی لیا جائے تو آیت وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ میں یہ تو اللہ کی قدرت کی آفاقی اور انفسی نشانیاں مراد ہوں گی جیسے چاند سورج ستارے اور ان کی رفتار طلوع وغروب اور پھر ان سے پیدا ہونے والے مفید ومضر آثار اور موسموں کے اختلافات وغیرہ ان ارضی وسماوی آیات میں غور کرنا اور ان سے اللہ کی قدرت پر استدلال کرنا درحقیقت نیکوکار اہل ایمان ہی کا حصہ ہے۔ پھر اس استدلال اور فہم ودانش پر جس رحمت اور برکات کا اللہ کی طرف سے فیضان ہوتا ہے اور اہل عرفان پر جو تجلیات کی بارش ہوتی ہے وہ بھی نہیں محسنین مؤمنین کا نصیب ہے اور جن کے دلوں پر اور گوش ہوش پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور جن کی آنکھوں پر غفلت وجہالت کے پردے پڑے ہیں وہ بے نصیب ہیں اور فیضان وعرفان سے محروم ہیں۔ عارف رومی نے کہا ہے۔

گر نخواہد بے بدن جان تو زیست
فی السماء رزقکم روزی کیست

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کا ارشاد

ان علماء کے یہ تینوں اقوال اس امر پر مبنی ہیں کہ خطاب کا رُخ مومنوں

کی طرف بھی ہو اور کافروں کی طرف بھی اور دونوں گروہوں کو مخاطب مانا جائے اس صورت میں آیت کا مطلب اس طرح ہوگا۔ کہ تمہارا رزق اور وعدہ ثواب عذاب یا وعدہ خیر و شر یا وعدۂ جنت و دوزخ آسمان میں لکھا موجود ہے۔ یہ مطلب نہ ہوگا کہ خیر و شر اور ثواب و عذاب اور جنت و دوزخ آسمان میں ہیں کیونکہ یہ غلط ہے جنت آسمان پر ہے اور دوزخ زمین کے نیچے اس کی صراحت احادیث میں آ چکی ہے لیکن اگر مخاطب صرف محسنین کو قرار دیا جائے تو اس تاویل کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ نیکو کاروں سے جنت اور ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اور جنت آسمان میں ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ
سو قسم ہے رب آسمان اور زمین کی کہ یہ بات تحقیق ہے
مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ
جیسے کہ تم بولتے ہو ☆

یقینی چیزیں ☆ یعنی جیسے اپنے بولنے میں شبہ نہیں ویسا ہی اس کلام میں شبہ نہیں۔ یقیناً روزی پہنچ کر رہے گی قیامت قائم ہوگی آخرت آ کر رہے گی اور خدا کے وعدے ضرور پورے ہوں گے آگے "وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا" کی مناسبت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی کا قصہ سناتے ہیں جو تمہید ہے لوط علیہ السلام کے قصہ کی۔ دونوں قصوں سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دنیا میں محسنین کے ساتھ کیا ہے اور مکذبین کے ساتھ اس نے کیسا برتاؤ کیا۔ (تفسیر عثمانی)

دیہاتی کا قصہ: اصمعی کا بیان ہے میں بصرہ کی جامع مسجد سے آ رہا تھا سامنے سے ایک اعرابی آیا اور مجھ سے پوچھا تم کس قبیلے سے ہو میں نے کہا بنی اصمع سے بولا کہاں سے آ رہے ہو میں نے کہا وہاں سے جہاں اللہ کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ کہنے لگا مجھے بھی کچھ سناؤ میں نے سورت والذاریات تلاوت کی جب آیت وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ پر پہنچا تو اعرابی نے کہا بس کرو پھر خود اٹھ کر اپنی اونٹنی کے پاس گیا اس کو نحر کیا اور گوشت آنے جانے والوں کو بانٹ دیا اور پھر اپنے کمان اور تلوار توڑ دی اور منہ موڑ کر چلا گیا۔

اس کے بعد جب میں ہارون رشید کے ساتھ حج کو گیا اور (مکہ مکرمہ میں) گھومنے لگا تو اچانک ایک آواز سنی کہ کوئی کمزور آواز سے مجھے پکار رہا تھا۔ میں نے منہ موڑ کر دیکھا تو وہی اعرابی تھا۔ میں قریب گیا تو اس نے سلام کیا اور وہی سورت (الذاریات) سنانے کی فرمائش کی جب میں نے پڑھ کر سنائی اور اسی آیت پر پہنچا تو اس نے ایک چیخ ماری اور بولا ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے اس کو حق پایا پھر کہنے لگا کیا اور کچھ (آپ پڑھیں گے)۔

میں نے اس سے آگے پڑھا فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ اعرابی نے یہ سنتے ہی ایک چیخ ماری اور کہا سبحان اللہ رب جلیل کو کس نے غضب ناک کر دیا کہ اس نے قسم کھائی لوگوں نے اس کی بات کو سچ نہ جانا اور اس کو قسم کھانے پر مجبور کر دیا یہ الفاظ اس نے تین بار کہا اور یہی کہتے کہتے اس کی جان نکل گئی۔ (مدارک)

نکتہ: بلاغت کا تقاضا ہے کہ مخاطب کا انکار جس درجہ کا ہوتا ہے خبر دینے والا کلام کو اسی قدر تاکید کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اللہ نے اس جگہ کلام کو انتہائی تاکید کے ساتھ بیان کیا قسم کھائی۔ ان (تحقیقیہ) کا استعمال کیا۔ لام تاکید بھی ذکر کیا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ بات حق ہے اور آخر میں حقانیت کلام کو نطق انسانی سے تشبیہ دی جو کھلی ہوئی محسوس حقیقت ہے۔ گویا اللہ کی طرف سے رزق کا جو وعدہ کیا گیا ہے انسان اس کا شدید منکر ہے اور روزی کمانے کے لئے انتہائی مشقتیں جھیلتا ہے حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا اللہ نے انسان کو جس چیز کا مکلف کیا ہے اور ابدی ثواب و عذاب کو جس سے وابستہ کیا ہے آدمی اس کی طرف سے غافل ہے۔ (تفسیر مظہری)

لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ۔ یعنی جس طرح تمہیں اپنے اپنے کلام کرنے میں کوئی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح قیامت کا آنا بھی ایسا ہی واضح ہے اور کھلا ہوا ہے اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، انسان کے محسوسات جو دیکھنے، سننے، چکھنے، چھونے اور سونگھنے سے متعلق ہیں ان سب میں سے اس جگہ نطق یعنی بولنے کو خاص طور سے انتخاب شاید اس لئے کیا کہ مذکورہ سب محسوسات میں کبھی کبھی کسی مرض وغیرہ کے سبب سے التباس ہو جاتا ہے، دیکھنے سننے میں فرق ہو جانا معروف ہے، بیماری میں ذائقہ بعض اوقات خراب ہو کر میٹھے کو کڑوا بتلانے لگتا ہے، مگر نطق و گویائی ایسی چیز ہے کہ اس میں کسی دھوکہ اور تلبیس کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ
کیا پہنچی ہے تجھ کو بات ابراہیم کے مہمانوں کی
الْمُكْرَمِيْنَ
جو عزت والے تھے ☆

حضرت ابراہیمؑ کے مہمان ☆ یعنی فرشتے تھے جن کو ابراہیم علیہ السلام اول انسان سمجھے ان کی بڑی عزت کی اور اللہ کے ہاں تو فرشتے معزز و مکرم ہیں ہی۔ کما قال "بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ"۔ (تفسیر عثمانی)

مہمانوں کی تعداد: بغوی نے لکھا ہے ان مہمانوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تین فرشتے تھے جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل۔

محمد بن کعب نے کہا جبرئیل اور ان کے ساتھ سات اور تھے (کل آٹھ)۔

ضحاک کہتے ہیں نو تھے۔ مقاتل نے کہا بارہ فرشتے تھے سدی نے کہا گیارہ ملائکہ تھے امرد لڑکوں کی شکل میں جن کے چہرے چمکیلے (نورانی) تھے۔

مہمان کا اکرام:

یعنی کچھ کہنے سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے ان کی عزت کی تھی حضرت نے خود بنفس نفیس اور آپ کی بی بی نے ان کی خدمت کی تھی اور طعام مہمانی پیش کیا تھا پیغمبروں کا طریقہ یہی ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کا یہی معمول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے ہمسائے سے اچھا سلوک کرے۔

دوسری روایت میں آیا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کو دکھ نہ دے اور جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اپنے مہمان کی خاطر کرنی چاہیے اور جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ بھلی بات کہے یا خاموش رہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد والترمذی وابن ماجہ عن ابی ہریرۃ

حضرت ابو شریح کعبی کی روایت سے صحیحین میں حدیث مذکور ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے جو شخص اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرے۔ ایک دن رات کی پذیرائی ہے اور (تمام) مہمانی تین روز تک ہے اس کے بعد خیرات ہے اور مہمان کے لئے جائز نہیں کہ میزبان کے پاس اتنا ٹھہرے کہ اس کو تنگ کر دے۔ (تفسیر مظہری)

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا
جب اندر پہنچے اُس کے پاس تو بولے سلام
قَالَ سَلٰمٌ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ
وہ بولا سلام ہے یہ لوگ ہیں اوپرے☆

☆یعنی سلام کا جواب سلام سے دیا اور دل میں یا آپس میں کہا کہ یہ لوگ کچھ اوپرے سے معلوم ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ابو العالیہ نے کہا اس شہر میں سلام کا دستور نہ تھا اس لئے حضرت ابراہیم نے سلام میں غیرت محسوس کی۔ سلام تو اسلام کی علامت ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَرَاغَ إِلٰٓى أَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ
پھر دوڑا اپنے گھر کو تو لے آیا ایک بچھڑا
سَمِيْنٍ فَقَرَّبَهٗٓ إِلَيْهِمْ قَالَ أَلَا
گھی میں تلا ہوا پھر ان کے سامنے رکھا کہا کیوں
تَأْكُلُوْنَ
تم کھاتے نہیں☆

☆یعنی نہایت اہتمام سے مہمانی شروع کر دی اور نہایت مہذب و شائستہ پیرایہ میں کہا کہ کیوں حضرات! تم کھانا نہیں کھاتے؟ وہ فرشتے تھے کھاتے کس طرح آخر ابراہیم علیہ السلام سمجھے کہ یہ آدمی نہیں ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

آداب مہمانی: ابن کثیر نے فرمایا کہ اس آیت میں مہمان کے لئے چند آداب میزبانی کی تعلیم ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ پہلے مہمانوں سے پوچھا نہیں کہ میں آپ کے لئے کھانا لاتا ہوں بلکہ چپکے چپکے سے کھسک گئے اور ان کی مہمانی کے لئے اپنے مال مویشی میں سے اچھی چیز کھانے کی تھی یعنی بچھڑا ذبح کیا۔ اس کو بھونا اور لے آئے اور دوسرے یہ کہ لانے کے بعد مہمانوں کو اس کی تکلیف نہیں دی کہ ان کو کھانے کی طرف بلاتے بلکہ جہاں وہ بیٹھے تھے وہیں لا کر ان کے سامنے پیش کر دیا فقربہ الیہم تیسرے یہ کہ مہمانی پیش کرنے کے وقت انداز گفتگو میں اصرار نہ تھا بلکہ فرمایا الا تاکلون (کیا آپ کھاتے نہیں) جس میں یہ لطف ہے اگرچہ آپ کو حاجت کھانے کی نہ ہو مگر ہماری خاطر سے کچھ کھائیے۔ (معارف مفتی اعظم)

فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً قَالُوْا
پھر جی میں گھبرایا ان کے ڈر سے بولے
لَا تَخَفْ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ
تو مت ڈر اور خوشخبری دی اُسکو ایک لڑکے ہشیار کی☆

☆یہ قصہ سورۂ ہود اور حجر میں گزر چکا ہے وہاں تفصیل ملاحظہ کر لی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابراہیمؑ کا اندیشہ

جب حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ مہمان کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھا رہے ہیں اور اعراض کر رہے ہیں تو دل میں اندیشہ پیدا ہوا (کہ شاید یہ لوگ دشمن ہیں)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ فرشتے ہیں ان کو عذاب کے لئے بھیجا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ

پھر سامنے سے آئی اس کی عورت بولتی ہوئی پھر پیٹا

وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ (۲۹)

اپنا ماتھا اور کہنے لگی کہیں بڑھیا بانجھ ☆

حضرت سارہ کا تعجب ☆ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی ایک طرف گوشہ میں کھڑی سن رہی تھیں لڑکے کی بشارت سن کر چلاتی ہوئی دوسری طرف متوجہ ہوئیں اور تعجب سے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہنے لگیں کہ (کیا خوب) ایک بڑھیا بانجھ جس کے جوانی میں اولاد نہ ہوئی اب بڑھاپے میں بچہ جنے گی؟! (تفسیر عثمانی)

فَصَكَّتْ۔ حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا اس سے اپنے ہاتھ سے اپنا منہ لپیٹ لیا۔ عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی غیر معمولی عجیب بات سن کر یا دیکھ کر منہ پیٹ لیتی ہیں۔ بعض اہل روایت نے لکھا ہے کہ انہوں نے حیض کے خون کی حرارت محسوس کی اور شرم سے منہ لپیٹ لیا۔

عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ۔ کہ اول تو میں بڑھیا پھر بانجھ تھی جوانی میں بھی اولاد کے قابل نہیں تھی اب بڑھاپے میں یہ کیسے ہوگا۔ اس کے جواب میں فرشتوں نے فرمایا کذلک یعنی اللہ تعالیٰ تو سب قدرت ہے یہ کام یونہی ہوگا۔ چنانچہ اس وقت اس بشارت کے مطابق حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت سارہ کی عمر ننانوے سال اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال کی تھی۔ (قرطبی) (انوار البیان مختصراً)

قَالُوْا كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ اِنَّهٗ

وہ بولے یوں ہی کہا تیرے رب نے

هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ (۳۰)

وہ جو ہے وہی ہے حکمت والا خبردار ☆

فرشتوں کا جواب ☆ یعنی ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ تیرے رب نے یہی فرمایا ہے وہی جانتا ہے کہ کس کو کس وقت کیا چیز دینا چاہیے (کچھ تم بیت نبوت سے ہو کر اس بشارت پر تعجب کیا کرتی ہو) (تفسیر) مجموعہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکا حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں جن کی بشارت ماں اور باپ دونوں کو دی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ (۳۱)

بولا پھر کیا مطلب ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ ☆

حضرت ابراہیم کا سوال ☆ یعنی ابراہیم نے فرشتوں سے پوچھا کہ تم کس مہم کے لیے آئے ہو۔ اندازہ سے سمجھے ہوں گے کہ ضرور کسی اور اہم مقصد کے لیے ان کا نزول ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قَالُوْا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ (۳۲)

وہ بولے ہم کو بھیجا ہے ایک گنہگار قوم پر

لِنُرْسِلَ عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ (۳۳)

کہ چھوڑیں ہم اُن پر پتھر مٹی کے ☆

فرشتوں کا مقصد ☆ یعنی قوم لوط کی سزا دہی کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ کنکر کے پتھر برسا کر ان کو ہلاک کریں۔ "مِنْ طِیْنٍ" کی قید سے معلوم ہو گیا کہ یہ اولوں کی بارش نہ تھی جس کو توسعاً پتھر کہہ دیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قوم لوط: یہ لوگ سدوم کی بستی کے باشی تھے۔ بڑے خبیث تھے اور عام مجلسوں میں سب کے سامنے بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ان ہی کے ایک برادر وطن حضرت لوطؑ کو بھیجا لیکن قوم نے لوطؑ کی نبوت ماننے سے انکار کر دیا اور بولے اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔ لوطؑ نے دعا کی اے میرے رب مجھے اس ظالم قوم سے محفوظ رکھ اور ان مفسدوں کے مقابلہ میں میری مدد کر اور فتح عنایت فرما۔ اللہ نے دعا قبول فرمائی اور ملائکہ کو ان بدکاروں کی ہلاکت کے لئے بھیج دیا۔

حِجَارَةً مِّنْ طِیْنٍ یعنی کنکر۔ وہ مٹی جو پختہ ہو کر پتھر بن جاتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِیْنَ (۳۴)

نشان پڑے ہوئے تیرے رب کے یہاں سے حد سے نکل چلنے والوں کے لئے ☆

عذاب ☆ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پتھروں پر نشان کر دیے گئے ہیں۔ یہ عذاب کے پتھر خاص ان ہی کو لگیں گے جو عقل، دین اور فطرت کی حد سے نکل چلے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مُّسَوَّمَةً ۔ نشان دار۔ جس پتھر سے جس شخص کو ہلاک کرنے کا حکم تھا اس شخص کا نام اس پتھر پر مقرر تھا۔

لِلْمُسْرِفِيْنَ ۔ بدکاری میں حد سے بڑھے ہوئے لوگوں کے لئے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یعنی مشرکوں کے لئے کیوں کہ شرک سب سے بڑا اور حد سے زیادہ گناہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ

پھر بچا نکالا ہم نے جو تھے وہاں

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا

ایمان والے پھر نہ پایا ہم نے اس جگہ

غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ

سوائے ایک گھر کے مسلمانوں سے ☆

نجات والا گھرانا ☆یعنی اس بستی میں صرف ایک حضرت لوطؑ کا گھرانہ مسلمانی کا گھرانا تھا۔ اس کو ہم نے عذاب سے محفوظ رکھا اور صاف بچا نکالا۔ باقی سب تباہ کردیے گئے۔ (تفسیر عثمانی)

مُؤْمِنِيْنَ ۔ یعنی لوطؑ پر ایمان لانے والوں میں سے۔ یعنی ملائکہ نے کہا لوطؑ ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں ان کی دسترس تم تک نہ ہو سکے گی تم کچھ رات رہے اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے نکل جاؤ تم میں سے کوئی منہ پھیر کر نہ دیکھے ہاں تمہاری بیوی منہ پھیر کر دیکھے گی اس لئے جو پتھر اوروں پر پڑیں گے اس پر بھی ویسا ہی پتھر آ پڑے گا۔

غَيْرَ بَيْتٍ ۔ یعنی ایک گھر والوں کے سوا۔ اس سے مراد ہیں حضرت لوطؑ اور آپ کی بیٹیاں اللہ نے پہلے ان کو مومن فرمایا پھر مسلم کیوں کہ ہر مومن مسلم ہوتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَتَرَكْنَا فِيْهَا اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ

اور باقی رکھا ہم نے اس میں نشان اُن لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۗ

عذاب دردناک سے ☆

سامانِ عبرت ☆یعنی اب تک وہاں تباہی کے نشان موجود ہیں اور انکی غیر معمولی ہلاکت کے قصہ میں ڈرنے والوں کے لیے عبرت کا سامان ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ

اور نشانی ہے موسیٰ کے حال میں جب بھیجا ہم نے اسکو فرعون کے

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ

پاس دے کر کھلی سند ☆

☆یعنی معجزات و براہین۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ

پھر اُس نے منہ موڑ لیا اپنے زور پر اور بولا یہ جادوگر ہے یا دیوانہ ☆

فرعون کا پاگل پن ☆یعنی زور وقوت پر مغرور ہو کر حق کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنی قوم اور ارکان سلطنت کو بھی ساتھ لے ڈوبا۔ کہنے لگا کہ موسیٰ یا تو چالاک جادوگر ہے اور یا دیوانہ ہے دو حال سے خالی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ سے معجزات صادر ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ کو جادوگر کہا اور چونکہ اس کی بیمار کور بصیرت والی عقل میں موسیٰؑ کی دعوت توحید نہیں آتی تھی۔ اس لئے آپ کو پاگل کہنے لگا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کے معجزات کو دیکھ کر فرعون نے آپ کو آسیب زدہ سمجھا پھر سوچنے لگا کہ ان افعال کے اظہار میں موسیٰؑ کے اپنے اختیار اور کوشش کو دخل ہے یا نہیں اگر ہے تو یہ جادوگر ہے اور بے اختیار ہے تو پاگل ہے وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اظہار معجزات میں موسیٰ کے ارادے اور اختیار کو دخل ہے یا نہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ

پھر پکڑا ہم نے اُس کو اور اُسکے لشکروں کو پھر پھینک دیا انکو

فِى الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۗ

دریا میں اور اُس پر لگا الزام ☆

فرعون کو کیے کی سزا ملی

یعنی ہم نے زیادتی نہیں کی۔ الزام اسی پر ہے کہ اس نے کفر و سرکشی اختیار کی سمجھانے پر بھی باز نہ آیا۔ آخر جو بویا تھا وہی کاٹا۔ (تفسیر عثمانی)

وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ

اور نشانی ہے عاد میں جب بھیجی ہم نے ان پر ہوا

الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ

خیر سے خالی نہیں چھوڑتی کسی چیز کو جس پر

عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾

گذرے کہ نہ کر ڈالے اُس کو جیسے چورا ☆

عذاب کی آندھی

☆یعنی عذاب کی آندھی آئی جو خیر و برکت سے یکسر خالی تھی اس نے مجرموں کی جڑ کاٹ ڈالی اور جس چیز پر گزری اس کا چورا کر کے رکھ دیا۔ (تفسیر عثمانی)

الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۔ یہ ہوا پچھوا تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پروا ہوا بھیج کر میری مدد کی گئی اور پچھوا ہوا سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

كَالرَّمِيْمِ ۔ رَمٌّ کے معنی بوسیدہ فرسودہ اور ریزہ ریزہ ہو جانا۔ یعنی پچھوا ہوا جس چیز پر لگی اس کو راکھ بنا دیا۔ (سب کو جلا ڈالا تباہ کر دیا) (تفسیر مظہری)

وَفِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا

اور نشانی ہے ثمود میں جب کہا اُن کو برت لو

حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾

ایک وقت تک ☆

حضرت صالح کی تنبیہ

یعنی حضرت صالحؑ نے فرمایا کہ اچھا کچھ دن اور دنیا کے مزے اڑا لو اور یہاں کا سامان برت لو آخر عذاب الٰہی میں پکڑے جاؤ گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَفِيْ ثَمُوْدَ ۔ یعنی قوم ثمود کو ہلاک کرنے میں بھی ہم نے (اپنی قدرت کی) نشانی چھوڑی۔ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ ۔ یعنی جب انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا تو حضرت صالحؑ نے ان سے کہا۔ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ۔ یعنی اپنے گھروں میں صرف تین روز تک مزے اڑاتے رہو۔ (تفسیر مظہری)

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ

پھر شرارت کرنے لگے اپنے رب کے حکم سے پھر پکڑا اُن کو

الصّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا

کڑک نے اور وہ دیکھتے تھے۔ پھر نہ

اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا

ہو سکا اُن سے کہ اُٹھیں اور نہ ہوئے کہ

مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

بدلہ لیں ☆

قوم ثمود کی تباہی ☆یعنی ان کی شرارت روز بروز بڑھتی گئی آخر عذاب الٰہی نے آلیا ایک کڑک ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سب ٹھنڈے ہو گئے۔ وہ سب زور و طاقت اور متکبرانہ دعوے اور طنطنے خاک میں مل گئے۔ کسی ایک سے اتنا بھی نہ ہوا کہ پچھاڑ کھانے کے بعد ذرا اٹھ کھڑا ہوتا۔ بھلا بدلہ تو کیا لے سکتے تھے۔ اور اپنی مدد پر کسے بلاتے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ ۔ یعنی تین دن گزرنے کے بعد صاعقہ نے انکو آ پکڑا۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے صاعقہ' موت' ہر مہلت عذاب اور عذاب کی چیخ اور صعق کا معنی ہے آواز کی کڑک۔

وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۔ یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اپنے گھروں کے اندر زمین سے چمٹ کر بیٹھ گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۖ اِنَّهُمْ

اور ہلاک کیا نوح کی قوم کو اس سے پہلے تحقیق

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

وہ تھے لوگ نافرمان ☆

قوم نوح ☆یعنی ان اقوام سے پہلے نوحؑ کی قوم اپنی بغاوت اور سرکشی کی بدولت تباہ کی جا چکی ہے۔ وہ لوگ بھی نافرمانی میں حد سے نکل گئے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا

اور بنایا ہم نے آسمان ہاتھ کے بل سے اور ہم کو

لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

سب مقدور ہے ☆

دلیل قدرت ☆ یعنی آسمان جیسی وسیع چیز اپنی قدرت سے پیدا کی اور اس سے بھی بڑی چیزیں پیدا کرے تو کیا مشکل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لفظ ایدٍ قوت وقدرت کے معنی میں آتا ہے اس جگہ حضرت ابن عباسؓ نے یہی تفسیر فرمائی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور زمین کو بچھایا ہم نے سو کیا خوب بچھانا جانتے ہیں ہم ☆

خدا کا مجرم کہاں بھاگے گا ☆یعنی زمین و آسمان سب خدا کے پیدا کیے ہوئے اور اسی کے قبضہ میں ہیں پھر اس کا مجرم بھاگ کر کہاں پناہ لے سکتا ہے۔ نیز خالق کائنات کی عجیب وغریب کاریگری میں آدمی غور کرے تو اسی کا ہو رہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ

اور ہر چیز کے بنائے ہم نے جوڑے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

تاکہ تم دھیان کرو ☆

ہر چیز کے جوڑے ☆یعنی نر و مادہ جیسا کہ ابن زید نے کہا اور آج جدید حکماء اس کا اعتراف کر رہے ہیں کہ ہر ایک نوع میں نر اور مادہ کی تقسیم پائی جاتی ہے اور یا ''زوجین'' سے متقابل ومتضاد چیزیں مراد ہیں۔ مثلاً رات دن' زمین آسمان' اندھیرا اُجالا' سیاہی سفیدی صحت و مرض' کفر و ایمان' وغیرہ ذٰلک۔ (تفسیر عثمانی)

زَوْجَیْنِ یعنی دو صنفیں میں کہتا ہوں دو صنفوں سے مراد ہیں متعدد (دو عدد مراد نہیں ہیں) اللہ نے ہر مخلوق کی ایک سے زیادہ قسمیں پیدا کی ہیں جنت اور کالی میں بھی دوزخ رکھے ہیں۔ اجزاء معدوم بالذات واجب بالغیر' عاجز بالذات قادر بالغیر ہر ممکن اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم ہے لیکن واجب بالغیر بھی ہے۔ الشَّیْءُ متی لم یجب لم یُوْجَدْ۔ مسلم مسئلہ ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَفِرُّوْٓا اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾

سو بھاگو اللہ کی طرف میں تم کو اس کی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر ☆

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ

اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ اور کسی کو معبود میں تم کو

مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾

اس کی طرف سے ڈر سناتا ہوں کھول کر ☆

اللہ کی طرف دوڑو ☆یعنی جب زمین و آسمان اور تمام کائنات ایک اللہ کی پیدا کی ہوئی اور اسی کے زیر حکومت ہے تو بندہ کو چاہیے ہر جانب سے ہٹ کر اسی کی طرف بھاگے۔ اگر اسی کی طرف نہ بھاگا اور رجوع نہ ہوا تو بہت ڈر کی چیز ہے یا کسی اور ہستی کی طرف رجوع ہو گیا تو یہ بھی ڈر کی بات ہے۔ ان دونوں صورتوں کے خوفناک انجام سے میں تم کو صاف صاف ڈراتا ہوں۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی ممکنات کے احوال اور واجب کی خصوصیت کو سمجھنے اور جاننے کا تقاضا ہے کہ تم ہر چیز سے منہ موڑ لو اور بھاگو اور اللہ ہی کی طرف اپنا رخ کر لو۔ اسی کی محبت میں ڈوب جاؤ اسی کے احکام کی تعمیل میں غرق ہو جاؤ تاکہ ہر نقص اور شر سے آزاد ہو جاؤ اور ہر خیر و سعادت کے حامل بن کر قرب وصال کے زینہ پر چڑھتے چلے جاؤ۔

اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ۔ یعنی میں اللہ کے عذاب سے تم کو ڈرا رہا ہوں اللہ کی نافرمانی اور اس کے حکم سے سرکشی سے اللہ سے دوری ہوتی ہے اور اس کا غضب آتا ہے اور اس کے غضب کا نتیجہ عذاب کی شکل میں نازل ہوتا ہے۔

مُّبِیْنٌ۔ یعنی اللہ کی طرف سے معجزات کی روشنی میں واضح طور پر ڈرانے والا ہوں یا مبین کا معنی ہے کھول کر ڈرانے والا۔

واجب الوجود ہونے میں یا استحقاق معبودیت میں یا مقصود اصلی اور محبوب ذاتی ہونے میں کسی کو اس کا شریک مت بناؤ۔

اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ اس جملہ کی تکرار تاکید کے لئے ہے پہلے جملہ میں خواص کو حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے سوا نہ کسی دوسرے سے محبت کریں نہ اپنا رخ کسی اور کی طرف کریں۔ (تفسیر مظہری)

اللہ کی طرف دوڑنے کا مطلب: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مراد یہ ہے کہ اپنے گناہوں سے بھاگو اللہ کی طرف توبہ کے ذریعہ ابوبکر وراق اور جنید بغدادی نے فرمایا کہ نفس و شیطان معاصی کی طرف دعوت دینے والے ہیں اور بہکانے والے ہیں' تم اُن سے بھاگ کر اللہ کی طرف پناہ لو تو وہ تمہیں ان کے شر سے بچالیں گے (قرطبی) (معارف مفتی اعظم)

كَذٰلِكَ مَآ اَتَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ

جو رسول آیا اس کو یہی کہا کہ جادوگر ہے یا

مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾

دیوانہ ☆

ایک تاریخی حقیقت ☆ یعنی ایسی صاف تنبیہ و نذار پر اگر یہ منکرین کان نہ دھریں تو غم نہ کیجئے۔ ان سے پہلے جن کافر قوموں کی طرف کوئی پیغمبر آیا اسی طرح جادوگر یا دیوانہ بتا کر اس کی نصیحتوں کو ہنسی میں اڑا دیا۔ (تفسیر عثمانی)

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾

کیا یہی وصیت کر مرے ہیں ایک دوسرے کو کوئی نہیں پر یہ لوگ شریر ہیں ☆

☆ یعنی ہر زمانہ کے کافر اس بات میں ایسے متفق اللفظ رہے کہ گویا ایک دوسرے کو وصیت کر مرے ہیں کہ جو رسول آئے اسے ساحر یا مجنون کہہ کر چھوڑ دینا۔ اور واقع میں وصیت تو کہاں کرتے البتہ شرارت کے عنصر میں سب شریک ہیں اور یہی اشتراک پچھلے شریروں سے وہ الفاظ کہلواتا ہے جو اگلے شریروں نے کہے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّذَكِّرْ

سو تو لوٹ آ ان کی طرف سے اب تجھ پر نہیں ہے الزام اور سمجھاتا

فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۵﴾

رہ کہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کو ☆

آپ کام جاری رکھیں ☆ یعنی آپ فرض دعوت و تبلیغ کما حقہ ادا کر چکے ہیں۔ اب زیادہ پیچھے پڑنے اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ماننے کا جو کچھ الزام رہے گا ان ہی معاندین پر رہیگا ہاں سمجھانا آپ کا کام ہے سو یہ سلسلہ جاری رکھیے۔ جس کی قسمت میں ایمان لانا ہوگا اس کو یہ سمجھانا کام دیگا۔ جو ایمان لا چکے ہیں ان کو مزید نفع پہنچے گا اور منکروں پر خدا کی حجت تمام ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول:

ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ ابن منیع۔ ابن راہویہ۔ ابن ہیثم بن کلیب نے بروایت مجاہد حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ نازل ہوئی تو ہم میں سے ہر شخص کو ہلاک ہونے کا یقین ہوگیا کیونکہ اللہ نے اپنے پیغمبروں کو لوگوں کی طرف سے بے رخی اختیار کرنے کا حکم دے دیا اس کے بعد جب وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ نازل ہوئی تو ہم سب خوش اور مطمئن ہو گئے۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو ☆

تخلیق جن وانس کا مقصد

☆ یعنی ان کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لیے ان میں خلقۃً ایسی استعداد رکھی ہے۔ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں۔ یوں ارادہ کونیہ قدریہ کے اعتبار سے تو ہر چیز اس کے حکم تکوینی کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔ یقیناً ایک وقت آئے گا جب سب بندے اپنے ارادہ سے تخلیق عالم کی اس غرض شرعی کو پورا کرینگے بہرحال آپ سمجھاتے رہیے کہ سمجھانے ہی سے یہ مطلوب شرعی حاصل ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ترجمہ:

حضرت علیؓ نے آیت کا تفسیری ترجمہ اس طرح کیا' میں نے جن وانس کو نہیں پیدا کیا مگر صرف اس لئے کہ ان کو اپنی عبادت کا حکم دوں یعنی اپنے احکام کا مکلف بناؤں' اسی مفہوم کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے اور فرمایا ہے۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا یعنی ان کو صرف ایک معبود کی عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کذا ذکر البغوی قول علی رضی اللہ عنہ۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول:

مجاہد نے لیعبدون کا ترجمہ کیا لیعرفن مجھے پہچانیں اور کافر بھی اللہ کے وجود کو تو پہچانتے ہی ہیں اللہ نے فرمایا ہے وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ اگر آپ ان (مشرکوں) سے دریافت کریں کہ تم کو کسی نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے۔

بعض حضرات کی رائے

بعض اہل تفسیر نے کہا عبادت سے مراد ہے اقرار توحید یعنی اپنی توحید کے لئے تمام جن وانس کو پیدا کیا۔ مومنین تو ہر دکھ سکھ اور تکلیف و راحت میں تنہا اللہ کو پکارتا ہی ہے لیکن کافر پر بھی جب ناقابل تدبیر دکھ آتا ہے تو وہ خدا ہی کو پکارتا ہے اللہ نے فرمایا ہے۔ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ صاحب مدارک نے کہا ہے سارے کافر بھی آخرت میں توحید کا اقرار سب ہی کریں گے۔

اللہ نے فرمایا ہے ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اگر کفار دنیا میں توحید کے منکر ہوں تب بھی یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ توحید کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے (کیوں کہ قیامت کے دن تو توحید کا اقرار سب ہی کریں گے) میں کہتا ہوں صحیح قول حضرت علیؓ کا ہے باقی دوسرے اقوال کمزور ہیں۔ (تفسیر مظہری)

زیادہ بہتر توجیہ: زیادہ بہتر اور بے غبار توجیہ وہ ہے جو تفسیر مظہری میں کی گئی ہے کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ انہیں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت

میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوات میں ضائع کر دیتا ہے اور اس مضمون کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ (یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو (اس فطرت سے ہٹا کر کوئی) یہودی بنا دیتا ہے کوئی مجوسی فطرت پر پیدا ہونے سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دین اسلام پر پیدا ہونا ہے) تو جس طرح اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر انسان میں فطری اور خلقی طور پر اسلام و ایمان کی استعداد و صلاحیت رکھی جاتی ہے پھر کبھی اس کے ماں باپ اس صلاحیت کو ضائع کر کے کفر کے طریقوں پر ڈالتے ہیں اسی طرح اس آیت میں (اِلَّا لِيَعْبُدُوْا) کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ جن و انس کی ہر فرد میں اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صلاحیت عبادت کی رکھی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

مَاۤ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَاۤ اُرِيْدُ
میں نہیں چاہتا ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا
اَنْ يُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ
کہ مجھ کو کھلائیں اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا
ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾
زور آور مضبوط ☆

اللہ روزی رساں ہے

یعنی انکی بندگی سے میرا کچھ فائدہ نہیں انہی کا نفع ہے میں وہ مالک نہیں جو غلاموں سے کہے میرے لیے کما کر لاؤ یا میرے سامنے کھانا لا کر رکھو میری ذات ان تخیلات سے پاک اور برتر ہے میں ان سے اپنے لیے روزی کیا طلب کرتا خود ان کو اپنے پاس سے روزی پہنچاتا ہوں بھلا مجھ جیسے زور آور قادر توانا کو تمہاری خدمات کی کیا حاجت ہو سکتی ہے بندگی کا حکم صرف اس لیے دیا گیا ہے کہ تم میری شہنشاہی اور عظمت و کبریائی کا قولاً و فعلاً اعتراف کر کے میرے خصوصی الطاف و مراحم کے مورد و مستحق بنو۔

؎ من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

(تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی برتر شان

اللہ کا اپنے بندوں سے تعلق ایسا نہیں ہے جیسے دوسرے آقاؤں کا اپنے غلاموں کے ساتھ ہوتا ہے۔ آقا چاہتے ہیں کہ ان سے خدام ان کو کما کر کھلائیں۔ ان کے مالک ہونے کی یہی غرض ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے سے کمائی کرائیں اور خود لے لیں۔ اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے۔

اللہ تعالیٰ کو کھلانا پلانا:

ایک حدیث مبارک میں آیا ہے۔ اللہ فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے کھانا مانگا پر تو نے مجھے کھانا نہیں دیا۔ بندہ کہے گا اے میرے رب میں تجھے کھانا کیسے دیتا تو تو رب العالمین ہے۔ اللہ فرمائے گا کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا پر تو نے اس کو نہیں کھلایا اگر تو اس کو کھانا دے دیتا تو مجھے اس کے پاس (موجود) پاتا۔ رواہ مسلم من حدیث ابی ہریرۃ۔

اس حدیث کی دوسری روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔

عبادت میں سستی نہ کرو:

مسند احمد میں حدیث قدسی ہے کہ اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے فارغ ہو جا میں تیرا سینہ تونگری اور بے نیازی سے پُر کردوں گا اور تیری فقیری روک دونگا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو اشغال سے بھر دونگا اور تیری فقیری کو ہرگز بند نہ کروں گا۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث شریف ہے۔ امام ترمذیؒ اسے حسن غریب کہتے ہیں۔

بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم! میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے پس تو اس سے غفلت نہ کر تیرے رزق کا میں ضامن ہوں تو اس میں بے جا تکلیف نہ کر مجھے ڈھونڈ تاکہ مجھے پالے۔ جب تو نے مجھے پا لیا تو یقین مان کر تو نے سب کچھ پا لیا۔ اور اگر میں تجھے نہ ملا تو سمجھ لے کہ تمام بھلائیاں تو کھو چکا۔ سن تمام چیزوں سے زیادہ محبت تیرے دل میں میری ہونی چاہیے۔

رزق کے لئے کوشش:

خالد کے دونوں لڑکے حضرت حبہ اور حضرت سواء فرماتے ہیں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنا رہے تھے یا کسی چیز کو درست کر رہے تھے ہم بھی اسی کام میں لگ گئے۔ جب کام ختم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دعا دی اور فرمایا سر ہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہونا دیکھو انسان

جب پیدا ہوتا ہے ایک سرخ بوٹی ہوتا ہے بدن پر ایک چھلکا بھی نہیں ہوتا پھر اللہ تعالیٰ اُسے سب کچھ دیتا ہے۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ
سو ان گنہگاروں کا بھی ڈول بھر چکا ہے جیسے
ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾
ڈول بھرا اُنکے ساتھیوں کا اب مجھ سے جلدی نہ کریں ☆

ان کو بھی سزا ملے گی

یعنی اگر یہ ظالم بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھ لو کہ دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے۔ بس اب ڈوبا چاہتا ہے خواہ مخواہ سزا میں جلدی نہ مچائیں۔ جیسے دوسرے کافروں کو خدائی سزا کا حصہ پہنچا' ان کو بھی پہنچ کر رہیگا۔ (تفسیر عثمانی)

ظَلَمُوْا۔ یعنی شرک و معاصی کا ارتکاب کر کے اور فطرتِ سلیمہ کو ضایع کر کے اور بجائے عبادت کے جس کا ان کو مکلف کیا گیا تھا اور جس کی تخلیقی صلاحیت ان کو دی گئی تھی کفرانِ نعمت کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ۔ یعنی جب کافروں کے متعلق آپ نے میری وعید سن لی تو وہ آپ کی تسلی کے لئے کافی ہے اس لئے کافروں کو عذاب جلد دینے کی مجھ سے مسلمان درخواست نہ کریں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کافروں نے جو کہا تھا' مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اللہ نے اس کا یہ جواب دے دیا۔ اس صورت میں یہ خطاب کافروں کو ہوگا۔ (تفسیر مظہری)

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ
سو خرابی ہے منکروں کو اُن کے اُس دن سے
الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾
جس کا اُن سے وعدہ ہو چکا ہے☆

سزا کا دن

یعنی قیامت کا دن۔ یا اس سے پہلے ہی کوئی دن سزا کا آجائے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کو "بدر" میں خاصی سزا مل گئی۔ (تفسیر عثمانی)

تم سورۃ الذاریات وللہ الحمد۔

تفسیر سورۂ طور مکیہ

سورۂ طور کی فضیلت: حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۂ وَالطُّوْرِ﴿۱﴾ پڑھتے ہوئے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوش آواز اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اچھی قرأت والا میں نے تو کسی کو نہیں سنا (مؤطا امام مالک)۔ حضرت امِ سلمہؓ فرماتی ہیں زمانۂ حج میں میں بیمار تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اپنا حال کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سواری پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے پیچھے طواف کرلو۔ چنانچہ میں نے سواری پر بیٹھ کر طواف کیا اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے ایک کونے میں نماز پڑھ رہے تھے اور وَالطُّوْرِ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ﴿۲﴾ کی تلاوت فرما رہے تھے۔ (بخاری) (تفسیر ابن کثیر)

سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا رُكُوْعَانِ
سورہ طور مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی انچاس آیتیں ہیں اور اس میں دو رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
﴿شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

وَالطُّوْرِ ﴿۱﴾
قسم ہے طور کی ☆

کوہ طور ☆ یعنی کوہ "طور" جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا۔ (تفسیر عثمانی)

کوہ طور کی فضیلت: یہاں طور سے مراد وہ طور سینین ہے جو ارض مدین میں واقع ہے' جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا' بعض روایات حدیث میں ہے کہ دنیا میں چار پہاڑ جنت کے ہیں ان میں سے ایک طور ہے (قرطبی) طور کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم و تشریف کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس کی طرف بھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے کچھ کلام اور احکام آئے ہیں جن کی پابندی اُن پر فرض ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴿۳﴾
اور لکھی ہوئی کتاب کی کشادہ ورق میں ☆

لکھی ہوئی کتاب ☆ اس کتاب سے شاید لوح محفوظ مراد ہو یا لوگوں کا

عملنامہ یا قرآن کریم یا طور کی مناسبت سے تورات یا عام کتب سماویہ۔ سب احتمالات ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ

اور آباد گھر کی ☆

بیت معمور ☆ شاید کعبہ کو کہا یا ساتویں آسمان پر خانہ کعبہ کی ٹھیک محاذات میں فرشتوں کا کعبہ ہے۔ اس کو "بیت معمور" کہتے ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۔ کعبہ کی بالکل سیدھ میں ساتویں آسمان پر ایک عبادت خانہ ہے جس کو صراح کہا جاتا ہے آسمان پر اس کی ایسی ہی تعظیم کی جاتی ہے۔ جیسی زمین پر کعبہ کی۔

مسلم نے حضرت انسؓ کی روایت سے حدیث معراج میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ساتویں آسمان پر میں نے ابراہیم کو دیکھا جو بیت معمور سے اپنی پشت لگائے ہوئے تھے بیت معمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے (عبادت کے لئے) داخل ہوتے ہیں جو دوبارہ (کبھی) نہیں آتے۔ بغوی کی روایت ہے وہ بیت معمور کا طواف کرتے ہیں اور اس کے اندر نماز پڑھتے ہیں پھر لوٹ کر دوبارہ کبھی نہیں آتے (ہر وقت) ملائکہ اس پر چھائے رہتے ہیں (یعنی نئے نئے ملائکہ آتے رہتے ہیں) بیضاوی نے لکھا ہے بیت معمور سے کعبہ مراد ہے حج و اعتکاف کرنے والوں سے کعبہ معمور (آباد) ہے یا مومن کا دل مراد ہے جس کی آبادی معرفت اور اخلاص سے ہوتی ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ

اور اونچی چھت کی ☆

اونچی چھت ☆ یعنی آسمان کی قسم جو زمین سے اوپر ایک چھت کی طرح ہے اور "سقف مرفوع" عرش عظیم کو کہا جو تمام آسمانوں کے اوپر ہے اور روایات سے ثابت ہوا ہے کہ وہ جنت کی چھت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ

اور اُبلتے ہوئے دریا کی ☆

ابلتے ہوئے دریاء ☆ دنیا کے ابلتے ہوئے دریا مراد ہوں' یا وہ عظیم الشان دریا مراد ہو جس کا وجود عرش عظیم کے نیچے اور آسمانوں کے اوپر روایات سے ثابت ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ کیا ہے۔ محمد بن کعب اور ضحاک نے کہا اَلْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ وہ سمندر جس کو آگ کی طرح بھڑکایا اور گرمایا جائے گا جیسے گرم کیا ہوا تنور۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تمام سمندروں کو آگ بنا دے گا جس سے دوزخ کی آگ میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

بیہقی نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے مجاہد اور حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے کے اور کوئی شخص سمندر میں سفر نہ کرے کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے یا (فرمایا) آگ کے نیچے سمندر ہے۔ حضرت یعلی بن امیہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر جہنم ہے۔

ابو الشیخ نے العظمۃ میں اور بیہقی نے بطریق سعید بن مسیب بیان کیا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا' میں نے فلاں شخص سے زیادہ سچا کسی یہودی کو نہیں دیکھا اس نے (مجھ سے) کہا تھا کہ اللہ کی عظیم ترین آگ سمندر ہے (یعنی سمندر عظیم ترین آگ بن جائے گا) جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ اس میں سورج اور چاند اور ستاروں کو جمع کر دے گا (یعنی سب کو سمندر میں پھینک دے گا) پھر پچھوا ہوا بھیجے گا جس کو بھڑکا دے گا اس طرح سارا سمندر جہنم کی آگ بن جائے گا۔

ربیع بن انس نے کہا شیریں اور شور کا مخلوط (یعنی میٹھا اور نمکین سمندر سب مخلوط ہو جائیں گے اسی مجموعے کو بحر مسجور کہا گیا ہے) ضحاک نے بحوالۂ نزال بن سبرہ بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا بحر مسجور عرش کے نیچے ایک سمندر ہے اس کی گہرائی اتنی ہے جتنا سات آسمانوں کا سات زمینوں سے فاصلہ۔ اس میں گاڑھا پانی بھرا ہوا ہے اس سمندر کو بحر حیوان (بحر حیات) کہا جاتا ہے۔ پہلا صور پھونکا جانے کے بعد چالیس صبح اس سے مخلوق پر بارش ہوگی جس سے لوگ اپنی اپنی قبروں میں (غلہ کے دانوں کی طرح) اُگیں گے۔ مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضرت علیؓ سے کسی یہودی نے پوچھا کہ جہنم کہاں ہے؟ تو آپ نے فرمایا سمندر ہے یہودی نے بھی جو کتب سابقہ کا عالم تھا اس کی تصدیق کی (قرطبی) اور حضرت قتادہ وغیرہ نے مسجور کے معنی مملوٌ کے کئے ہیں۔ یعنی پانی سے بھرا ہوا ابن جریر نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

امام احمد بن حنبل نے نقل کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی رات ایسی نہیں ہوتی کہ سمندر تین مرتبہ اپنی گردن بلند کر کے اللہ رب العزت سے پھیل جانے کی اجازت نہ طلب کرتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کو روکتا ہے اور اپنی حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ رواہ احمد بن حنبل فی المسند بحوالہ ابن کثیر۔ (معارف کاندھلوی)

حضرت عمرؓ پر اللہ کے کلام کا اثر: ابن ابی الدنیا میں ہے کہ ایک

رات حضرت عمر فاروقؓ شہر کی دیکھ بھال کے لئے نکلے تو ایک مکان سے کسی مسلمان کی قرآن خوانی کی آواز کان میں پڑی وہ سورۂ والطور پڑھ رہے تھے۔ آپ نے سواری روک لی اور کھڑے ہو کر قرآن سننے لگے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے تو زبان سے نکل گیا کہ رب کعبہ کی قسم سچی ہے پھر اپنے گدھے سے اتر پڑے۔ اور دیوار سے تکیہ لگا کر بیٹھ گئے چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی دیر تک بیٹھ رہنے کے بعد جب ہوش وحواس ٹھکانے آئے تو اپنے گھر پہنچے لیکن خدا کے کلام کی اس ڈراؤنی آیت کے اثر سے دل کی کمزوری کی یہ حالت تھی کہ مہینہ بھر تک بیمار پڑے رہے اور ایسے کہ لوگ بیمار پرسی کو آتے تھے گو کسی کو معلوم نہ تھا کہ بیماری کیا ہے؟ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾
بیشک عذاب تیرے رب کا ہو کر رہے گا
مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾
اُس کو کوئی نہیں ہٹانے والا ☆

قدرت وعظمت الٰہی ☆ یعنی یہ تمام چیزیں جن کی قسم کھائی شہادت دیتی ہیں کہ وہ خدا بہت بڑی قدرت وعظمت والا ہے پھر اس کی نافرمانی کرنیوالوں پر عذاب کیوں نہیں آئیگا اور کس کی طاقت ہے جو اسکے بھیجے ہوئے عذاب کو الٹا واپس کر دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

جبیر بن مطعم پر اس آیت کا اثر

حضرت جبیر بن مطعمؓ فرماتے ہیں کہ میں مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ اس لئے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے متعلق گفتگو کروں' میں پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے اور آواز مسجد سے باہر تک پہنچ رہی تھی' جب یہ آیت پڑھی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ۔ اچانک میری یہ حالت ہوئی کہ گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائے گا' میں نے فوراً اسلام قبول کیا' مجھے اُس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا' کہ مجھ پر عذاب آ جائے گا (قرطبی)۔ (معارف مفتی اعظم)

عذاب کی تاکید: یعنی اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ کہ اے مخاطب تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے ورقیامت ضرور آئیگی حساب اور جزاء وسزاء کا مرحلہ انسان سے ٹل نہیں سکتا تو اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس خبر اور بیان کے لئے پانچ عظیم الشان چیزوں یعنی کوہ طور' کتاب مسطور' بیت معمور' سقف مرفوع اور بحر مسجور کی قسم کھائی کہ ان عظیم الشان مخلوقات کی عظمت کا مخاطب اپنے ذہن میں استحضار کرتے ہوئے آئندہ بیان کی جانے والی خبر پر نہ حیرت کرے نہ اس میں تردد کرے بلکہ بلا کسی جھجک اور تامل اس پر ایمان لائے۔ (معارف کاندھلوی)

يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾
جس دن لرزے آسمان کپکپا کر ☆

قیامت کی دہشت ناکیاں

یعنی آسمان لرز کر اور کپکپا کر پھٹ پڑیگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ﴿۱۰﴾
اور پھریں پہاڑ چل کر ☆

☆ یعنی پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دینگے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ
سو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں کو جو
هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۘ﴿۱۲﴾
باتیں بناتے ہیں کھیلتے ہوئے ☆

غافلوں کی ہلاکت

یعنی جو آج کھیل کود میں مشغول ہو کر طرح طرح کی باتیں بناتے اور آخرت کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کیلئے اس روز سخت خرابی اور تباہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ﴿۱۳﴾
جس دن کہ دھکیلے جائیں دوزخ کی طرف دھکیل کر
هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾
یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے ☆

ذلت کے ساتھ جہنم میں داخلہ

یعنی فرشتے ان کو سخت ذلت کے ساتھ دھکیلتے ہوئے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور وہاں پہنچا کر کہا جائیگا یہ وہ آگ حاضر ہے جس کو تم جھوٹ جانتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾
اب بھلا یہ جادو ہے یا تم کو نہیں سوجھتا ☆

اب بتلاؤ ☆ یعنی تم دنیا میں انبیاء کو جادوگر اور ان کی وحی کو جادو کہا کرتے تھے۔ ذرا اب بتلاؤ کہ یہ دوزخ جس کی خبر انبیاء نے دی تھی کیا واقعی جادو یا نظر بندی ہے یا جیسے دنیا میں تم کو کچھ سوجھتا نہ تھا اب بھی نہیں سوجھتا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ یعنی کیا تم کو یہ آگ دکھائی نہیں دیتی جس طرح تم کو دنیا میں معجزات دکھائی نہیں دیتے تھے اور تم کہتے تھے ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔

سَوَآءٌ۔ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی دونوں چیزیں تمہارے لئے برابر ہیں، تمہارے اعمال کی سزا تو ضرور ملنی ہے کفر کی سزا کی وعید اللہ کی طرف سے تم کو مل چکی تھی اور کفر کی سزا بھی اللہ کی واجب کردہ ہے (اس لئے نہ وعید کی خلاف ورزی ہو سکتی ہے نہ اللہ کی مقرر کردہ سزا بدل سکتی ہے) (تفسیر مظہری)

اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا ۚ
چلے جاؤ اُس کے اندر پھر تم صبر کرو یا نہ صبر کرو
سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا
وہی بدلہ پاؤ گے جو کچھ تم
كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾
کرتے تھے ☆

اب کسی صورت چھٹکارا نہیں ہے ☆ یعنی دوزخ میں پڑ کر اگر گھبراؤ اور چلاؤ گے تب کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں۔ اور بفرض محال صبر کر کے چپ ہو رہو تب تم پر کوئی رحم کھانے والا نہیں غرض دونوں حالتیں برابر ہیں۔ اس جیل خانہ سے نکلنے کی تمہارے لیے کوئی سبیل نہیں جو کرتوت دنیا میں کیے تھے ان کی سزا یہ ہی حبس دوام اور ابدی عذاب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِىۡ جَنّٰتٍ وَّنَعِيۡمٍۙ ﴿۱۷﴾
جو ڈرنے والے ہیں وہ باغوں میں ہیں اور نعمت میں
فٰكِهِيۡنَ بِمَاۤ اٰتٰٮهُمۡ رَبُّهُمۡ ۚ وَ
میوے کھاتے ہوئے جو اُن کو دیئے اُن کے رب نے اور
وَقٰٮهُمۡ رَبُّهُمۡ عَذَابَ الۡجَحِيۡمِ ﴿۱۸﴾
بچایا اُنکے رب نے دوزخ کے عذاب سے ☆

مومنین کا انعام ☆ یعنی جو دنیا میں اللہ سے ڈرتے تھے۔ وہاں بالکل مامون اور بے فکر ہونگے۔ ہر قسم کے عیش و آرام کے سامان ان کے لیے حاضر رہیں گے۔ اور یہ ہی انعام کیا کم ہے کہ دوزخ کے عذاب سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے گا۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًا ۢ بِمَا كُنۡتُمۡ
کھاؤ اور پیو رچتا ہوا بدلہ اُن کاموں کا
تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـئِيۡنَ عَلٰى سُرُرٍ
جو تم کرتے تھے تکیہ لگائے بیٹھے تختوں پر برابر بچھے ہوئے
مَّصۡفُوۡفَةٍ ۚ
[illegible]

جنتیوں کی مجلس ☆ یعنی جنتیوں کی مجلس اس طرح ہوگی کہ سب جنتی بادشاہوں کی طرح اپنے اپنے تخت پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہونگے اور ان کی ترتیب نہایت قرینے سے ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

هَنِيۡٓـئًا۔ خوشگواری کے ساتھ کھاؤ پیو یا خوشگوار کھانا کھاؤ اور خوشگوار مشروب پیو۔ (انوار مضمون)

وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيۡنَ
اور بیاہ دیں ہم نے انکو حوریں بڑی آنکھوں والیاں اور جو لوگ
اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِاِيۡمَانٍ
یقین لائے اور اُن کی راہ پر چلی اُن کی اولاد ایمان سے
اَلۡحَـقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ وَمَاۤ اَلَـتۡنٰهُمۡ
پہنچا دیا ہم نے اُن تک اُن کی
مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ
اُن سے [illegible] ذرا بھی ☆

صالحین کی صالح اولاد ☆ یعنی کاملوں کی اولاد اور متعلقین اگر ایمان پر قائم ہوں گے اور ان ہی کاملوں کی راہ پر چلیں۔ جو خدمات ان کے بزرگوں نے انجام دی تھیں یہ بھی ان کی تکمیل میں لگے ہوں تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو جنت میں ان ہی کے ساتھ ملحق کر دیگا۔ گو ان کے اعمال و احوال ان کے اعمال

واحوال سے کمّاً وکیفاً فروتر ہوں۔ تاہم ان بزرگوں کے اکرام اور عزت افزائی کے لیے ان تابعین کو ان متبوعین کے جوار میں رکھا جائیگا اور ممکن ہے بعض کو بالکل ان ہی کے مقام اور درجہ پر پہنچا دیا جائے جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے اور اس صورت میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ ان کاملین کی بعض نیکیوں کا ثواب کاٹ کر ذریت کو دیدیا جائیگا۔ نہیں یہ محض اللہ کا فضل واحسان ہوگا کہ قاصرین کو ذرا ابھار کر اوپر کاملین کے مقام تک پہنچا دیا جائے۔ (تنبیہ) احقر نے "واتبعتهم ذريتهم" کا جو مطلب بیان کیا ہے صحیح بخاری کی یہ حدیث اس سے مناسب معلوم ہوتی ہے۔ "قالت الانصار (يا رسول الله!) ان لكل قوم اتباعا وانا قد اتبعناك فادع الله ان يجعل اتباعنا منا قال النبی صلی الله عليه وسلم اللهم اجعل اتباعهم منهم"۔ (تفسیر عثمانی)

بچوں کا کیا ہوگا: ابن ابی شیبہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے نسل انسانی کے ان (بچوں) کے متعلق مانگ کی جو کھیلنے والے ہوں اللہ نے مجھے وہ عطا فرما دیئے (یعنی ان کو جنتی بنا دیا) ابن عبدالبر نے کہا کھیلنے والوں سے مراد ہیں بچے کیونکہ ان کے کام بے عقلی کے کھیل کود کی طرح ہوتے ہیں عزم کے ساتھ نہیں ہوتے۔ ابن جریر نے لکھا ہے کہ حضرت سمرہؓ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے بچوں کے متعلق دریافت کیا فرمایا وہ جنت والوں کے خادم ہوں گے۔ ابن جریر نے ایسی ہی حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے موقوفاً بھی بیان کی ہے طیالسی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اسی کی ہم معنی حدیث نقل کی ہے بعض علماء کا خیال ہے کہ مشرکوں کے بچوں کی جانچ کی جائے گی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ (جوان ہو کر کیا کرنے والے ہوتے) متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہؓ۔

مَآ اَلَتْنٰهُمْ ۔ یعنی ان کے باپوں کے اعمال کے ثواب میں ہم کوئی کمی نہیں کریں گے۔ مطلب یہ کہ مومن اولاد کو ان کے باپوں کے ساتھ شامل کر دینے اور درجہ میں ان کے ساتھ ملا دینے سے ان کے آباء کے اعمال کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ (تفسیر مظہری)

بزرگوں کے ساتھ نسبی تعلق آخرت میں بھی نفع دے گا بشرطیکہ ایمان۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین صالحین کی ذریت واولاد کو بھی ان کے بزرگ آباء کے درجہ میں پہنچا دیں گے۔ اگرچہ وہ عمل کے اعتبار سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں تاکہ ان بزرگوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ (رواہ الحاکم والبیہقی فی سننه والبزار وابونعیم فی الحلیة وابن المنذر وابن جریر وابن ابی حاتم)۔ (تفسیر مظہری)

اور طبرانی نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے فرمایا اور میرا گمان یہ ہے کہ انہوں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اپنے ماں باپ اور بیوی اور اولاد کے متعلق پوچھے گا (وہ کہاں ہیں) اس سے کہا جائیگا کہ وہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچے (اس لئے ان کا جنت میں الگ مقام ہے) یہ شخص عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں نے جو کچھ عمل کیا وہ اپنے لئے اور ان سب کے لئے کیا تھا تو حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان کو بھی اسی درجہ جنت میں اُن کے ساتھ رکھا جائے گا۔ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

اولاد کے استغفار و دعا کا اثر: مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کا درجہ جنت میں ان کے عمل کی مناسبت سے بہت اونچا کر دیں گے۔ تو یہ دریافت کرے گا کہ میرے پروردگار مجھے یہ مقام اور درجہ کہاں سے مل گیا (میرا عمل تو اس قابل نہ تھا) تو جواب یہ دیا جائے گا کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لئے استغفار و دعاء کی اس کا یہ اثر ہے۔ (رواہ الامام احمد وقال ابن کثیر اسناد صحیح و لم یخرجوہ ولکن لہ شاہد فی صحیح مسلم عن ابی ہریرہؓ) (معارف مفتی اعظم)

تین عمل جو مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے ہیں

ایک روایت صحیح مسلم میں اس طرح مروی ہے کہ ابن آدم کے مرتے ہی اُس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں لیکن تین عمل کہ وہ مرنے کے بعد بھی ثواب پہنچاتے رہتے ہیں۔ صدقۂ جاریہ، علم دین، جس سے نفع پہنچتا رہے نیک اولاد جو مرنے والے کے لئے دعاء خیر کرتی رہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾
ہر آدمی اپنی کمائی میں پھنسا ہے ☆

عدل کا ضابطہ

اوپر فضل کا بیان تھا یہاں عدل کا ضابطہ بتلا دیا۔ یعنی عدل کا مقتضاء یہ ہے کہ جس آدمی نے جو کچھ اچھا یا برا عمل کیا اسی کے موافق بدلہ پائے۔ آگے اللہ کا فضل ہے کہ وہ کسی کی تقصیر معاف فرما دے یا کسی کا درجہ بلند کر دے۔ (تفسیر عثمانی)

كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۔ یعنی ہر انسان اپنے عمل میں محبوس ہوگا ایسا نہیں ہوگا کہ کسی دوسرے کا گناہ اس کے سر ڈال دیا جائے یعنی جس طرح آیت سابقہ میں اولاد صالحین کو صالحین کی خاطر سے درجہ بڑھا دیا گیا یہ عمل حسنات میں تو ہوگا۔ سیئات میں ایک کے گناہ کا کوئی اثر دوسرے پر نہ پڑیگا۔ (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ
اور تار لگا دیا ہم نے اُن پر میووں کا اور گوشت کا

مِمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾

جس چیز کو جی چاہے☆

دلخواہ میوے☆یعنی جس قسم کا گوشت مرغوب ہو اور جس جس میوے کو دل چاہے بلا توقف لگاتار حاضر کیے جائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا

جھپٹتے ہیں وہاں پیالہ نہ بکنا ہے اُس شراب میں

وَلَا تَاْثِیْمٌ ﴿۲۳﴾

اور نہ گناہ میں ڈالنا☆

شراب طہور☆یعنی شراب طہور کا دور جب چلے گا تو جنتی بطور خوش طبعی کے ایک دوسرے سے چھینا جھپٹی کرینگے لیکن اس شراب میں محض نشاط اور لذت ہوگی۔ نشہ بکواس اور فتور عقل وغیرہ کچھ نہ ہوگا۔ نہ کوئی گناہ کی بات ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ

اور پھرتے ہیں اُن کے پاس چھوکرے اُن کے

كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾

گویا وہ موتی ہیں اپنے غلاف کے اندر☆

غلمان☆یعنی جیسے موتی اپنے غلاف کے اندر بالکل صاف و شفاف رہتا ہے گرد وغبار کچھ نہیں پہنچتا۔ یہی حال ان کی صفائی اور پاکیزگی کا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

کم ترین درجہ کا جنتی: ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اہل جنت میں کم ترین درجہ کا وہ شخص ہوگا جس کی خدمت کے لئے صبح شام پانچ ہزار خدام ایسے کمر بستہ ہوں گے جن میں سے کسی ایک کے پاس بھی (کھانے پینے کا) وہ برتن نہ ہوگا جو کسی دوسرے کے پاس ہوگا (یعنی ہزاروں قسم کے کھانے کے برتن جدا جدا ہوں گے)۔

خادم ومخدوم کا حسن: بغوی نے حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جب خادم (حسن و چمک میں) موتی کی طرح ہوں گے تو ان کے مخدوم کی کیا حالت ہوگی۔ فرمایا مخدوم کی خادم پر آب وتاب چمک اور خوبصورتی میں برتری ایسی ہوگی جیسے چودھویں رات کے چاند کی باقی ستاروں پر۔ (تفسیر مظہری)

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰی بَعْضٍ

اور منہ کیا بعضوں نے دوسروں کی طرف

یَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْٓ

آپس میں پوچھتے ہوئے بولے ہم بھی تھے اس سے پہلے

اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا

اپنے گھروں میں ڈرتے رہتے پھر احسان کیا اللہ نے ہم پر

وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ

اور بچا دیا ہم کو لو کے عذاب سے ہم پہلے سے

قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ ﴿۲۸﴾

پکارتے تھے اُس کو بیشک وہی ہے نیک سلوک والا مہربان☆

جنتیوں کی شاہانہ ملاقاتیں☆یعنی جنتی اس وقت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر باتیں کرینگے اور غایت مسرت وامتنان سے کہیں گے کہ بھائی ہم دنیا میں ڈرتے رہتے تھے کہ دیکھیے مرنے کے بعد کیا انجام ہو۔ یہ کھٹکا برابر لگا رہتا تھا۔ اللہ کا احسان دیکھو کہ آج اس نے ہیں مامون ومطمئن کر دیا کہ دوزخ کی بھاپ بھی ہم کو نہیں لگی۔ ہم اپنے رب کو ڈر اور امید باندھ کر پکارا کرتے تھے۔ آج دیکھ لیا کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہماری پکار سنی اور ہمارے ساتھ کیسا اچھا سلوک کیا۔ (تفسیر عثمانی)

مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی اپنے دوستوں سے ملنا چاہے گا تو اس کے دوست کے دل میں بھی یہی خواہش پیدا ہوگی اس کا تخت اُڑے گا اور راستے میں دونوں مل جائیں گے اپنے اپنے تختوں پر آرام سے بیٹھے ہوئے باتیں کرنے لگیں گے دنیا کے ذکر چھیڑیں گے اور کہیں گے کہ فلاں دن فلاں جگہ ہم نے اپنی بخشش کی دعا مانگی تھی تو اللہ نے اسے قبول فرمایا۔ اس حدیث کی سند کمزور ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دعاء

مسروق سے منقول ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک روز یہ آیت فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ کی تلاوت کی اور پھر اسی طرح دعا کے یہ کلمات فرمائے ہیں۔ اے اللہ تو ہم پر احسان فرما اور ہم کو جنتی بنا دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ (معارف کاندھلوی)

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ

اب تو سمجھا دے کہ تو اپنے رب کے فضل سے نہ جنوں سے خبر لینے والا ہے

وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝

اور نہ دیوانہ ☆

کافروں کی بے وقوفی ☆☆ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی دیوانہ کہتے، کبھی کاہن یعنی جنوں اور شیطانوں سے کچھ جھوٹی سچی خبریں لیکر چلتی کر دیتے ہیں۔ اتنا نہیں سمجھتے تھے کہ آج تک کسی کاہن اور دیوانے نے ایسی اعلیٰ درجہ کی نصیحتیں اور حکیمانہ اصول اس طرح کے صاف، شستہ اور شائستہ طرز میں بیان کیے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ آپ ان کو بھلا برا سمجھاتے رہیے اور پیغمبرانہ نصیحتیں کرتے رہیے ان کی بواس سے دلگیر نہ ہوں جب اللہ کے فضل و رحمت سے نہ آپ کاہن ہیں نہ مجنون، بلکہ اس کے مقدس رسول ہیں تو نصیحت کرتے رہنا آپ کا فرض منصبی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ

کیا کہتے ہیں یہ شاعر ہے ہم منتظر ہیں

بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝

اس پر گردش زمانہ کے ☆

☆ یعنی پیغمبر جو اللہ کی باتیں سناتا اور نصیحت کرتا ہے کیا یہ لوگ اس لیے قبول نہیں کرتے کہ آپ کو محض ایک شاعر سمجھتے ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ جس طرح قدیم زمانہ کے بہت سے شعراء گردش زمانہ سے یونہی مرمرا کر ختم ہو گئے۔ یہ بھی ٹھنڈے ہو جائینگے۔ کوئی کامیاب مستقبل ان کے ہاتھ میں نہیں۔ محض چند روز کی وقتی واہ واہ ہے اور بس۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جو مکہ کے پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں الگ الگ بٹ کر بیٹھ گئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن اور ساحر اور شاعر کہتے تھے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں مشورہ کرنے کے لئے قریش دار الندوہ (چوپال) میں جمع ہوئے بعض لوگوں نے کہا یہ بھی زہیر اور نابغہ کی طرح ایک شاعر ہے اس کو قید کر دو یہاں تک کہ خود اپنے وقت پر مر جائے جیسے دوسرے شاعر مر گئے اس پر آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ

تو کہہ تم منتظر رہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ

الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝

منتظر ہوں ☆

☆ یعنی اچھا تم میرا انجام دیکھتے رہو۔ میں تمہارا دیکھتا ہوں۔ عنقریب کھل جائیگا۔ کہ کون کامیاب ہے، کون خائب و خاسر۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ

کیا اُن کی عقلیں یہی سکھلاتی ہیں اُن کو یا یہ لوگ

قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝

شرارت پر ہیں ☆

مشرکین کی بے عقلی ☆☆ یعنی پیغمبر کو مجنون کہہ کر گویا اپنے کو بڑا عقلمند ثابت کرتے ہیں کیا انکی عقل و دانش نے یہ ہی سکھلایا ہے کہ ایک انتہائی صادق، امین، عاقل و فرزانہ اور سچے پیغمبر کو شاعر یا کاہن یا دیوانہ قرار دیکر نظر انداز کر دیا جائے۔ اگر شاعروں اور پیغمبروں کے کلام میں تمیز بھی نہیں کر سکتے تو کیسے عقلمند ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دل میں سمجھتے سب کچھ ہیں مگر محض شرارت اور کجروی سے باتیں بناتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

کیا ان کی عقلیں ان متضاد اقوال کا حکم دے رہی ہیں۔ کاہن تو بڑا زیرک اور دقیق النظر ہوتا ہے اور مجنون بے عقل خبط الحواس اور شاعر وہ ہوتا ہے جس کا کلام بلیغ، موزوں اور تخیل کا حامی ہوتا ہے اور مجنون کے کلام میں نہ وزن ہوتا ہے نہ بلاغت نہ خیال کی پرواز۔ قریش کے بڑے لوگ بہت دانش مند مانے جاتے تھے اللہ نے فرمایا اور کہا تو زیرک و دانا اور پاگل میں بھی امتیاز نہیں ہے حق و باطل میں بھی تمیز نہیں کر سکتے پھر کیسے عقلمند ہیں کیا اس تضاد بیانی کا حکم ان کی عقلیں دے رہی ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

یا کہتے ہیں یہ قرآن خود بنا لیا، کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا

پھر چاہیے کہ لے آئیں کوئی بات اسی طرح کی اگر وہ

صٰدِقِيْنَ ؕ
سچے ہیں ☆

نہ ماننے کے ہزار بہانے

یعنی کیا یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر جو کچھ سنا رہے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں؟ بلکہ اپنے دل سے گھڑ لایا ہے؟ اور جھوٹ موٹ خدا کی طرف منسوب کر دیا" سو نہ ماننے کے ہزار بہانے۔ جو شخص ایک بات پر یقین نہ رکھے اور اسے تسلیم نہ کرنا چاہے وہ اسی طرح کے بے سروپا احتمالات نکالا کرتا ہے ورنہ آدمی ماننا چاہے تو اتنی بات سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ وہ دنیا کی تمام طاقتوں کو اکٹھا کر کے بھی اس قرآن کا مثل نہیں لا سکتے اور جیسے خدا کی زمین جیسی زمین اور اس کے آسمان جیسا آسمان بنانا کسی سے ممکن نہیں، اس کے قرآن جیسا قرآن بنانا بھی محال ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ
کیا وہ بن گئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں
الْخٰلِقُوْنَ ؕ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ
بنانے والے یا انہوں نے بنایا آسمانوں کو
وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ؕ
اور زمین کو کوئی نہیں پر وہ یقین نہیں کرتے ☆

پیغمبر خدا کی بات کیوں نہیں مانتے

یعنی پیغمبر خدا کی بات کیوں نہیں مانتے، کیا ان کے اوپر کوئی خدا نہیں جس کی بات ماننا ان کے ذمہ لازم ہو کیا بغیر کسی پیدا کرنیوالے کے خود بخود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا خود اپنے آپ کو خدا سمجھتے ہیں؟ یا یہ خیال ہے کہ آسمان وزمین ان کے بنائے ہوئے ہیں لہٰذا اس قلمرو میں جو چاہیں کرتے پھریں، کوئی ان کو روکنے ٹوکنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ سب خیالات باطل اور مہمل ہیں۔ وہ بھی دلوں میں جانتے ہیں کہ ضرور خدا موجود ہے جس نے ان کو اور تمام زمین وآسمان کو نیست سے ہست کیا۔ مگر اس علم کے باوجود جو ایمان ویقین شرعاً مطلوب ہے اس سے محروم اور بے بہرہ ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ
کیا اُن کے پاس ہیں خزانے تیرے رب کے یا وہی
الْمُصَيْطِرُوْنَ ؕ
داروغہ ہیں ☆

کیا یہی منکر خزانوں کے مالک ہیں

یعنی کیا یہ خیال ہے کہ زمین وآسمان گو خدا کے بنائے ہوئے ہیں مگر اس نے اپنے خزانوں کا مالک ان کو بنا دیا ہے؟ یا اس کے ملک اور خزانوں پر انہوں نے زور سے تسلط اور قبضہ حاصل کر لیا ہے پھر ایسے صاحب تصرف واقتدار ہو کر وہ کسی کے مطیع ومنقاد کیوں بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ
کیا انکے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر سن آتے ہیں
فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ
تو چاہئے لے آئے جو سنتا ہے اُن میں ایک
مُّبِيْنٍ ؕ
سند کھلی ہوئی ☆

کیا یہ منکر کوئی سند رکھتے ہیں

یعنی کیا یہ دعویٰ ہے کہ وہ زینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جاتے اور وہاں سے ملاء اعلیٰ کی باتیں سن آتے ہیں پھر جب ان کی رسائی براہ راست اس بارگاہ تک ہو تو کسی بشر کا اتباع کرنے کی کیا ضرورت رہی۔ جس کا یہ دعویٰ ہو تو بسم اللہ اپنی سند اور حجت پیش کرے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ؕ
کیا اُسکے یہاں بیٹیاں ہیں اور تمہارے یہاں بیٹے ☆

☆ یعنی کیا (معاذ اللہ) خدا کو اپنے سے گھٹیا سمجھتے ہیں جیسا کہ بیٹے اور بیٹیوں کی اس تقسیم سے مترشح ہوتا ہے اور اس لیے اس کے احکام وہدایت کے سامنے سر تسلیم جھکانا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ
کیا تو مانگتا ہے اُن سے کچھ بدلہ سو اُن پر تاوان کا
مُّثْقَلُوْنَ ؕ
بوجھ ہے ☆

کیا آپ ان سے کوئی معاوضہ مانگتے ہیں

☆ یعنی کیا یہ لوگ آپ کی بات اس لیے نہیں مانتے کہ خدانکردہ آپ ان سے

ن رشد و تبلیغ پر کوئی بھاری معاوضہ طلب کر رہے ہیں۔ جس کے بوجھ سے وہ دبے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ؕ

یا اُن کو خبر ہے بھید کی سو وہ لکھ رکھتے ہیں ☆

کیا ان پر وحی آتی ہے ☆یعنی یا خود ان پر اللہ اپنی وحی بھیجتا اور پیغمبروں کی طرح اپنے بھید پر مطلع کرتا ہے جسے یہ لوگ لکھ لیتے ہیں جیسے انبیاء کی وحی لکھی جاتی ہے اس لیے ان کو آپ کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قتادہ نے کہا یہ جواب ہے کافروں کے قول کا۔ کافروں نے کہا تھا نَتَرَبَّصُ بِهٖ رَيۡبَ الۡمَنُوۡنِ اللہ نے اس کا جواب دیا کیا ان کو علم غیب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پہلے مر جائیں گے اور ان کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ؕ فَالَّذِيۡنَ

کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا سو جو

كَفَرُوۡا هُمُ الۡمَكِيۡدُوۡنَ ؕ

منکر ہیں وہی آتے ہیں داؤ میں ☆

ان کے داؤ پیچ الٹا انہیں پر پڑیں گے

☆یعنی ان میں سے کوئی بات نہیں تو کیا پھر یہی ارادہ ہے کہ پیغمبر کے ساتھ داؤ پیچ کھیلیں اور مکر وفریب اور خفیہ تدبیریں گانٹھ کر حق کو مغلوب یا نیست و نابود کر دیں۔ ایسا ہے تو یاد رہے کہ یہ داؤ پیچ سب ان ہی پر الٹنے والے ہیں عنقریب پتہ لگ جائے گا کہ حق مغلوب ہوتا ہے یا وہ نابود ہوتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمۡ لَهُمۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ ؕ سُبۡحٰنَ

کیا اُن کا کوئی حاکم ہے اللہ کے سوائے وہ اللہ پاک ہے

اللّٰهِ عَمَّا يُشۡرِكُوۡنَ ؕ

اُنکے شریک بنانے سے ☆

کیا کوئی اور حاکم و معبود ہے؟ ☆یعنی کیا خدا کے سوا کوئی اور حاکم اور معبود تجویز کر رکھے ہیں جو مصیبت پڑے پر ان کی مدد کریں گے؟ اور جن کی پرستش نے خدا کی طرف سے ان کو بے نیاز کر رکھا ہے؟ سو یاد رہے کہ یہ سب اوہام و وساوس ہیں۔ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کا شریک و مثیل یا مقابل و مزاحم ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنۡ يَّرَوۡا كِسۡفًا مِّنَ السَّمَآءِ

اور اگر دیکھیں ایک تختہ آسمان سے

سَاقِطًا يَّقُوۡلُوۡا سَحَابٌ مَّرۡكُوۡمٌ ؕ

گرتا ہوا کہیں یہ بادل ہے گاڑھا ☆

یہ صرف ضدی اور عنادی ہیں ☆یعنی حقیقت میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔ صرف ایک چیز ہے "ضد اور عناد" جس کی وجہ سے یہ لوگ ہر سچی بات کے جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر ان کی فرمائش کے موافق فرض کیجیے آسمان سے ایک تختہ ان پر گرا دیا جائے تو دیکھتی آنکھوں اس کی بھی کوئی تاویل کر دینگے مثلاً کہیں گے کہ یہ آسمان سے نہیں آیا۔ بادل کا ایک حصہ گاڑھا اور منجمد ہو کر گر پڑا ہے جیسے بڑے بڑے اولے کبھی کبھی گرتے ہیں بھلا ایسے متعصب معاندوں سے ماننے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَذَرۡهُمۡ حَتّٰى يُلٰقُوۡا يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ فِيۡهِ

سو تو چھوڑ دے اُن کو یہاں تک کہ دیکھیں اپنے اُس دن کو جس میں اُن پر

يُصۡعَقُوۡنَ ۙ يَوۡمَ لَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ كَيۡدُهُمۡ

پڑے گی بجلی کی کڑک جس دن کام نہ آئیگا اُن کو اُن کا داؤ

شَيۡـًٔـا وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ؕ

ذرا بھی اور نہ اُن کو مدد پہنچے گی ☆

ان معاندوں پر قہر برسے گا ☆یعنی ایسے معاندوں کے پیچھے پڑنے کی زیادہ ضرورت نہیں چھوڑ دیجیے کہ چند روز اور کھیل لیں اور باتیں بنا لیں۔ آخر وہ دن آتا ہے جب قہر الٰہی کی کڑک بجلی سے ان کے ہوش و حواس جاتے رہیں گے اور یہ کوئی تدبیر کام نہ دیگی نہ کسی طرف سے مدد پہنچے گی (غالباً اس سے آخرت کا دن مراد ہے)۔ (تفسیر عثمانی)

وَاِنَّ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا عَذَابًا دُوۡنَ

اور ان گنہگاروں کے لئے ایک عذاب ہے اُس سے

ذٰلِكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ

ورے پر بہت اُن میں کے نہیں جانتے ☆

ان بے خبروں کو پتہ چل جائے گا

یعنی ان میں سے اکثروں کو خبر نہیں کہ آخرت کے عذاب سے ورے دنیا میں بھی ان کیلئے ایک سزا ہے جو مل کر رہے گی۔ شاید یہ معرکہ "بدر" وغیرہ کی سزا ہو۔ (تفسیر عثمانی)

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا

اور تو ٹھہرا رہ منتظر اپنے رب کے حکم کا تو تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے☆

آپ انتظار کریں: ☆ یعنی صبر و استقامت کے ساتھ اپنے رب کے حکم تکوینی و تشریعی کا انتظار کیجئے جو عنقریب آپکے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ اور آپ کو مخالفین کی طرف سے کچھ بھی نقصان نہ پہنچے گا کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے زیر حفاظت ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ

اور پاکی بیان کر اپنے رب کی خوبیاں جس وقت تو اٹھتا ہے☆

آپ تسبیح و تحمید میں لگے رہیں: ☆ یعنی صبر و تحمل اور سکون و اطمینان کے ساتھ ہمہ وقت اللہ کی تسبیح و تحمید اور عبادت گزاری میں لگے رہیے۔ خصوصاً جس وقت آپ سو کر اٹھیں یا نماز کے لئے کھڑے ہوں یا مجلس سے اٹھ کر تشریف لے جائیں۔ ان حالات میں تسبیح وغیرہ کی مزید ترغیب و تاکید آئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مطلب اور کفارۂ مجلس:

سعید بن جبیر اور عطاء نے کہا (مجلس سے اٹھنے کا وقت مراد ہے یعنی) جب اپنی مجلس سے تم اٹھو تو اس وقت پڑھا کرو **سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ** پس اگر وہ مجلس نیکی کی مجلس تھی تو اس کی نیکی میں اضافہ ہو جائے گا اور اگر مجلس میں کوئی بری بات ہوئی تو یہ تسبیح و تحمید اس کا کفارہ ہو جائے گی۔ حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھے پھر اٹھنے سے پہلے کہے۔ **سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ**۔ (اے اللہ میں تیری پاکی کا اقرار کرتا ہوں اور تیری ثنا کرتا ہوں میں شہادت دیتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے گناہ کی معافی چاہتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں) تو جو کچھ مجلس میں ہو ہوگا یہ دعا اس کا کفارہ ہو جائے گی۔ بیہقی نے دعوات کبیر میں اور ترمذی نے کان کفارۃ لما بین عمر لہ ما کان فی **مخلسه** کے الفاظ نقل کئے ہیں۔

حضرت رافع بن خدیج راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر کے آخر دور میں جب صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوتے اور آپ مجلس سے اٹھنے کا ارادہ کرتے تو کہتے تھے **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ عَمِلْتُ سُوْءًا** (اور فرماتے) **ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ** ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ الفاظ تو آپ نئے فرماتے ہیں پہلے تو مجلس سے اٹھتے وقت یہ الفاظ نہیں کہتے تھے) فرمایا ہاں میرے پاس جبرائیل آئے تھے اور کہا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ (الفاظ) مجلس (کی بری باتوں) کا کفارہ ہیں۔ رواہ النسائی۔ حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔ طبرانی نے تینوں معاجم میں اس کو مختصر نقل کیا ہے۔ (بعض اہل تفسیر کے نزدیک مجلس خیر کے آخر میں پڑھنا مراد ہے) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے فرمایا چند الفاظ ہیں جو کوئی مجلس خیر اور مجلس ذکر (کے آخر) میں ان کو پڑھے گا اس کے لئے یہ (مجلس کی) مہر بن جائیں گے جیسے کسی تحریر پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ الفاظ یہ ہیں **سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ** رواہ ابو داؤد و ابن حبان فی صحیحہ۔

گناہ والی مجلس: حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ کسی ایسی مجلس میں بیٹھیں جس میں نہ اللہ کا ذکر کریں نہ نبی پر درود پڑھیں تو یہ بیٹھنا ان کے لئے گناہ ہوگا۔ اللہ چاہے گا عذاب دے گا اور چاہے گا معاف کر دے گا۔ (رواہ ابو داؤد والترمذی و ابن ابی الدنیا و البیہقی)

ابو داؤد کی روایت میں آیا ہے جو شخص کسی جگہ بیٹھے اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کرے تو اللہ کی طرف سے یہ بیٹھنا موجب انتقام ہوگی۔ اور جو کسی جگہ لیٹے اور اللہ کی یاد نہ کرے تو یہ لیٹنا اللہ کی طرف سے باعث انتقام ہوگا اور جو شخص ایسے راستہ میں چلے جس میں اللہ کی یاد نہ کرے تو یہ چلنا اللہ کی طرف سے موجب انتقام ہوگا۔ (یعنی اللہ ایسے بیٹھنے اور لیٹنے اور چلنے سے نفرت کرتا ہے اور پسند نہیں کرتا)۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا آیت میں سو کر اٹھنے کے بعد نماز پڑھنا مراد ہے ضحاک اور ربیع نے کہا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو کہو: **سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ**۔ رواہ ابوداؤد والترمذی۔ رواہ ابن ماجۃ عن ابی سعید۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث ہم کو صرف حارثہ کی روایت سے معلوم ہوئی اور حارثہ کی قوت حافظہ میں کلام کیا گیا ہے۔

کلبی نے کہا بستر سے اٹھ کر نماز شروع کرنے کے وقت تک زبان سے ذکر خدا کرنا مراد ہے۔ حماد بن حمید کا بیان ہے میں نے ام المومنین حضرت عائشہ سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو (بستر سے) اٹھتے تھے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے تھے۔ فرمایا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے

تھے تو دس مرتبہ اللہ اکبر، دس بار الحمد للہ اور دس بار استغفر اللہ کہتے تھے اور کہتے تھے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ. اور قیامت کے دن جائے قیام کی تنگی سے (اللہ کی) پناہ چاہتے تھے۔ ابوداؤد نے شریق ہوزلی کی وساطت سے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات سے اٹھتے تو دس بار تکبیر کہتے اور دس بار اللہ کی حمد کرتے اور دس بار سبحان الله وبحمده کہتے اور دس بار سُبْحَان الملک القدوس کہتے۔ اور دس بار استغفار کرتے اور دس بار تہلیل کرتے (یعنی لا الٰہ الا اللہ کہتے) پھر دس بار کہتے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعُوْذُبِکَ مِنْ ضَيْقِ الدنيا وضيق يَوْمِ القيامة (اے اللہ! میں تیری پناہ پکڑتا ہوں دُنیا کی تنگی سے اور روزِ قیامت کی تنگی سے)۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ۔ یعنی نماز پڑھو۔ مقاتل نے کہا مغرب اور عشاء کی نماز مراد ہے۔ میں کہتا ہوں بظاہر تہجد۔ مراد لینا زیادہ اچھا ہے۔ میں کہتا ہوں بظاہر تہجد مراد لینا زیادہ اچھا ہے۔ آیت میں نماز شب کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ رات کی عبادت نفس پر بڑی شاق ہوتی ہے اور دکھاوٹ کا شبہ نہیں ہوتا۔ (تفسیر مظہری)

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾
اور کچھ رات میں بول اس کی پاکی اور پیٹھ پھیرتے وقت تاروں کے ☆

☆ "رات کے حصہ" سے مراد شاید تہجد کا وقت ہو اور تاروں کے پیٹھ پھیرنے کا وقت صبح کا وقت ہے کیونکہ صبح کا اجالا ہوتے ہی ستارے غائب ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فجر کی دو سنتیں

اکثر اہل تفسیر کے نزدیک صلوٰۃ فجر سے پہلے کی دو رکعتیں (یعنی دو سنتیں) دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ رواہ مسلم

یہ بھی حضرت عائشہؓ ہی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی پابندی فجر کی دو رکعتوں کی کرتے تھے اور کسی (سنت) نماز کی نہیں کرتے تھے۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

تم سورۃ الطور وللہ الحمد والمنۃ

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی اولاد بہت ہو گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی میں مریں گے اور وہ شخص صاحب علم وتقویٰ ہوگا۔ (ابن سیرینؒ)

سورۂ نجم کی خصوصیات

سورۂ نجم پہلی سورت ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں اعلان فرمایا (رواہ عبداللہ بن مسعودؓ قرطبی) اور یہی سب سے پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ تلاوت کیا۔ اور اس سجدہ میں ایک عجیب صورت یہ پیش آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سورت مجمع عام میں تلاوت فرمائی جس میں مسلمان اور کفار سب شریک تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پر سجدہ ادا کیا تو مسلمان تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سجدہ کرتے ہیں سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کیا، تعجب کی چیز یہ پیش آئی کہ جتنے کفار و مشرکین موجود تھے وہ بھی سب سجدہ میں گر گئے صرف ایک متکبر شخص جس کے نام میں اختلاف ہے ایسا رہا جس نے سجدہ نہیں کیا، مگر زمین سے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر پیشانی سے لگائی اور کہنے لگا کہ بس یہی کافی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو کفر کی حالت میں مرا ہوا دیکھا ہے (رواہ البخاری ومسلم واصحاب السنن، ابن کثیر ملخصاً)۔ (معارف مفتی اعظم)

سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اِثْنَتَانِ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ
سورہ نجم مکہ میں نازل ہوئی اس کی باسٹھ آیتیں ہیں اور تین رکوع
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ
قسم ہے تارے کی جب گرے ☆

☆ یعنی غروب ہو۔ (تفسیر عثمانی)

ثریا ستارہ: والبی اور عوفی کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ جب ثریا گر جائے (غائب ہو جائے) هوى کا معنی ہے غائب ہو جانا۔ عرب ثریا کو النجم کہتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) زمین پر جو آفت، رضی (کیڑے کوڑے

وغیرہ) ہوتی ہے۔ نجم یعنی ثریا کے نکلتے ہی وہ جاتی رہتی ہے۔ رواہ البغوی۔

امام احمد کی روایت میں ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی (ارضی) آفت برپا ہو اور نجم صبح کو نکلے اور وہ آفت دور نہ کر دی گئی ہو یا ہلکی نہ کر دی گئی ہو۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

نجم کے معنی مختلف اقوال:

امام جعفر صادق نے فرمایا آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ جب شب معراج میں آسمان سے نیچے اترے تھے۔ ھَوٰی کا معنی ہے اترانا۔

بعض علماء نے کہا۔ اَلنَّجْم سے مراد ہے مسلمان اور ھَوٰی سے مراد ہے اس کا قبر میں دفن ہونا۔ نجم کے وقت ہوئی کو قسم کے لئے اس وجہ سے مخصوص کیا کہ یہ وقت نجم کے اوقات میں سب سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اگر نجم سے مراد ثریا یا عام ستارے ہوں اور ہوی سے مراد ہو ستاروں سے شعلہ نکلنا اور شیطانوں پر انگارے پڑنا تو ظاہر ہے کہ نجوم کی پیدائش کی اصل غرض رجم الشیطان ہی ہوگی اور اگر ہوئی سے مراد قیامت کے دن ستاروں کا بکھرنا اور جھڑنا مراد ہو تو تکمیل مقصد یعنی ستاروں کے گرنے کا وہی وقت ہوگا۔ اور اگر ہوی سے غروب نجم مراد ہو تو ظاہر ہے کہ ستاروں کا چھپنا اور غروب ہونا وجود صانع کا واضح ثبوت ہے اسی وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے ستاروں کے ڈوبنے اور چاند سورج کے غروب ہونے سے صانع برتر کی ہستی پر استدلال کیا تھا اور کہا تھا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ۔

(۲) اور اگر نجم سے نجم القرآن اور ہوی سے نزول قرآن مراد ہو تو یقینی امر ہے کہ نزول قرآن لوگوں کی ہدایت کے لئے ہوا۔

(۳) اور اگر نجم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شخصیت اور ہوی سے مراد شب معراج میں آپ کا آسمان سے نیچے اترنا ہو تو ناقابل شک ہے یہ حقیقت کو عروج کے بعد آپ کا ہدایت خلق کے لئے نیچے اترنا اللہ کا اتنا بڑا احسان اور انعام ہے جس کی کوئی مثال نہیں۔

(۴) اور اگر نجم سے مسلمان اور ہوی سے مراد قبر میں (دفن کیا جانا) ہو تو بلاشبہ ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ شیطانی اغواء اور نفسانی وسوسہ سے محفوظ رہ کر مسلمان کا مرنا اور دفن ہونا عظیم الشان نعمت خداوندی ہے۔ (تفسیر مظہری)

قسم کھانے کا مقصد: یہاں حق تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھائی جس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ستارے اندھیری رات میں سمتیں اور راستے بتانے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں اور ان سے سمت مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ کے راستے کی طرف ہدایت ہوتی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ
بہکا نہیں تمہارا رفیق اور نہ بے راہ چلا ☆

آفتاب اللہ کے راستہ ہی پر ہے

"رفیق" سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی نہ آپ غلط فہمی کی بناء پر راستہ سے بہکے نہ اپنے قصد و اختیار سے جان بوجھ کر بے راہ چلے بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لیکر غروب تک ایک مقرر رفتار سے معین راستہ پر چلے جاتے ہیں کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے، آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستہ پر برابر چلا جاتا ہے۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر یا ادھر پڑ جائے۔ ایسا ہو تو ان کی بعثت سے جو غرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی رہنمائی ہوتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب درخشاں طلوع ہوتا ہے ایسے ہی تمام انبیاء کی تشریف بری کے بعد آفتاب محمدی مطلع عرب سے طلوع ہوا۔ پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہئے۔ جن سے ایک عالم کی ہدایت وسعادت وابستہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۗ اِنْ هُوَ
اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو
اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۙ
حکم ہے بھیجا ہوا ☆

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حرف بھی اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں

یعنی کوئی کام تو کیا۔ ایک حرف بھی آپ کے دہن مبارک سے ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو۔ بلکہ آپ جو کچھ دین کے باب میں ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ اس میں وحی متلو کو "قرآن" اور غیر متلو کو "حدیث" کہا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وحی کی قسمیں: وحی کی بہت سی اقسام احادیث بخاری سے ثابت ہیں ان میں ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ سب حق تعالیٰ کی طرف سے

نازل ہوتے ہیں، جس کا نام قرآن ہے، دوسری وہ کہ صرف معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں اس کا نام حدیث اور سنت ہے، پھر حدیث میں جو مضمون حق تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے کبھی وہ کسی معاملہ کا صاف اور واضح فیصلہ اور حکم ہوتا ہے، کبھی کوئی قاعدہ کلیہ بتلایا جاتا ہے، جس سے احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے نکالتے اور بیان کرتے ہیں، اس اجتہاد میں اس کا امکان رہتا ہے کہ کوئی غلطی ہو جائے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ جو احکام وہ اپنے اجتہاد سے بیان فرماتے ہیں ان میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے وہ اپنے غلط اجتہاد پر قائم نہیں رہ سکتے۔ بخلاف دوسرے علماء مجتہدین کے کہ ان سے اجتہاد میں خطا ہو جائے تو وہ اس پر قائم رہ سکتے ہیں اور ان کی یہ خطاء بھی عنداللہ صرف معاف ہی نہیں بلکہ دین کے سمجھنے میں جو اپنی پوری توانائی وہ خرچ کرتے ہیں اس پر بھی ان کو ایک ثواب ملتا ہے (کما فی الاحادیث الصحیحة المعروفة)

بعض اوقات وحی کسی قاعدہ کلیہ کی شکل میں آتی ہے، جس سے احکام کا استخراج کرنے میں پیغمبر کو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا پڑتا ہے، چونکہ یہ قاعدہ کلیہ اللہ کی طرف سے آیا ہے اس لئے ان سب احکام کو بھی وحی من اللہ کہا گیا ہے، واللہ اعلم۔ (معارف مفتی اعظم)

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ﴿۵﴾ ذُوْ مِرَّةٍ ؕ
اس کو سکھلایا ہے سخت قوتوں والے نے زور آور نے ☆

وحی لانے والا فرشتہ ☆ یعنی وحی بھیجنے والا تو اصل میں اللہ تعالیٰ ہے لیکن جس کے ذریعہ سے وہ وحی آپ تک پہنچتی ہے اور جو بظاہر آپ کو سکھلاتا ہے وہ بہت سخت قوتوں والا، بڑا زور آور حسین و وجیہ فرشتہ ہے جسے "جبریل امین" کہتے ہیں۔ چنانچہ "سورۃ التکویر" میں جبریل کی نسبت فرمایا۔ "اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ذِىْ قُوَّةٍ" الخ (تفسیر عثمانی)

سورۂ نجم کے دو واقعات: قرآن کریم نے اپنے عام اسلوب کے مطابق سورۂ نجم کی ابتدائی آیتوں میں دو واقعات کا ذکر فرمایا ہے ایک واقعہ جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں اس وقت دیکھنے کا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فترت وحی کے زمانے میں مکہ مکرمہ میں کسی جگہ جا رہے تھے، اور یہ واقعہ اسراء و معراج سے پہلے کا ہے۔

دوسرا واقعہ شب معراج کا ہے۔ جس میں جبرئیل امین کو ان کی اصلی صورت میں دوبارہ دیکھنے سے کہیں زیادہ دوسرے عجائب و راللہ تعالیٰ کی آیات کبریٰ کا دیکھنا مذکور ہے، ان آیات کبریٰ میں خود حق تعالیٰ سبحانہ کی رویت کا شامل ہونا بھی محتمل ہے۔

فَاسْتَوٰى ۙ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ؕ
پھر سیدھا بیٹھا اور وہ تھا اونچے کنارہ پر آسمان کے ☆

حضرت جبرئیلؑ ☆ "اونچے کنارے" سے اکثروں نے افق شرقی مراد لیا ہے۔ جدھر سے صبح صادق نمودار ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدائے نبوت میں ایک مرتبہ حضرت جبریل اپنی اصلی صورت میں ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ اس وقت آسمان ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک ان کے وجود سے بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ یہ غیر معمولی اور مہیب منظر پہلی مرتبہ آپ نے دیکھا۔ دیکھ کر گھبرائے تو سورۃ "مدثر" اتری۔ (تفسیر عثمانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ جبرئیلؑ کو دیکھا

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے فرمایا۔ آپ مجھے اپنی اصل شکل دکھا دیجئے۔ حضرت جبرئیل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اصل شکل دو مرتبہ دکھائی۔ ایک بار زمین پر اور ایک بار آسمان پر۔ زمین پر تو مشرق کی طرف سے نمودار ہوئے۔ اس وقت حضور حراء میں تھے۔ جس وقت جبرئیلؑ مشرقی افق سے برآمد ہوئے تو مشرق سے مغرب تک پورے افق پر چھا گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ منظر دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جبرئیلؑ فوراً آدمی کی شکل میں اتر کر آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چمٹا لیا اور چہرۂ مبارک سے غبار صاف کرنے لگے۔ دوسری بار آسمان میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس شب معراج میں آپ نے جبرئیلؑ کی اصل شکل دیکھی۔ سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی نبی نے حضرت جبرئیل کو اس شکل میں نہیں دیکھا۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ
پھر نزدیک ہوا اور لٹک آیا پھر رہ گیا فرق
قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ فَاَوْحٰٓى اِلٰى
دو کمان کی برابر یا اس سے بھی نزدیک، پھر حکم بھیجا اللہ نے
عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ؕ
اپنے بندہ پر جو بھیجا ☆

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریل سے قرب

☆ یعنی جبریل اپنے اصل مستقر سے تعلق رکھنے کے باوجود نیچے اترے اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر نزدیک ہوگئے کہ دونوں کے درمیان دو ہاتھ یا دو کمانوں سے زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندہ (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی بھیجی۔ غالباً اس سے مراد سورۂ "مدثر" کی یہ آیت ہیں۔ "یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ الخ" یا اور کچھ احکام ہوں گے۔

(تنبیہ) "فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى" میں محققین کے نزدیک "او" شک کے لئے نہیں۔ بلکہ اس قسم کی ترکیب پوری تاکید اور مبالغہ کے ساتھ زیادہ کی نفی کے لئے ہوتی ہے یعنی تعیین کر کے یہ بتلانا مقصود نہیں کہ "قوسین" کا فاصلہ تھا یا اس سے بھی کم ہاں اتنا ظاہر کر دینا ہے کہ کسی حال اور کسی طرح اس سے زائد نہ تھا۔ وفیہ اقوال آخر ذکرہا المفسرون۔ (تفسیر عثمانی)

کس کا قریب ہونا مراد ہے: بغوی نے لکھا ہے قصۂ معراج میں شریک بن عبداللہ بن انس کی روایت سے ہم سے بیان کیا گیا کہ رب لعزت قریب ہوا۔ پھر نیچے آیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قریب ہوگیا جیسے دو کمانوں کا فاصلہ بلکہ اس سے بھی قریب۔

شیخ محمد حیات سندی نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔ یہ حدیث غریب ہے۔ سی طرح حضرت ابن عباسؓ نے بھی بیان کیا جس کو ابوسلمہ نے نقل کیا ہے۔

صوفیہ کا قول: صوفیہ نے کہا کہ دو کمانوں سے مراد ہے قوس امکان اور قوسِ وجوب۔ صوفی مرتبہ قرب میں قَابَ قَوْسَیْنِ کے مقام پر پہنچتا ہے تو اس کی نظر دونوں قوسوں (دائرۂ امکان اور دائرہ وجوب) کی طرف ہوتی ہے۔ لیکن مرتبہ ادنیٰ (اقرب) پر پہنچتا ہے تو اس کی نظر سے قوس امکان پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اس کو اپنی ہستی کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔

عرب کا رواج تھا کہ جب دو شخص آپس میں دوستی کا معاہدہ کرتے تھے اور خلوص و مودت کا اظہار کرنا چاہتے تھے تو ہر ایک اپنی کمان لاتا اور دوسرے کی کمان سے چمٹا کر رکھ دیتا تھا۔ اس سے اس امر کا اظہار مقصود ہوتا تھا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کے حمایتی اور ہر طرح مددگار ہیں اور اتنے ہی قریب ہیں جیسے یہ دونوں کمانیں۔ یہاں قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ سے مراد باری تعالیٰ کے قرب کا مرتبہ ہے جس کا ادراک ایک عارف ہی کر سکتا ہے۔ جس نے مرتبۂ قرب کا مزا نہ چکھا ہو وہ کیا جانے۔ کتب تصوف میں ان درجات کا ذکر ان گنت الفاظ میں کیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ قَابَ قَوْسَیْنِ یعنی دو ہاتھ (شرعی دو گز) کی مقدار۔ سعید بن جبیرؒ اور شفیق بن سلمہؒ کا بھی یہی قول ہے۔ قوس ایک ذراع ہوتی ہے، جس سے ہر چیز ناپی جاتی ہے۔ بخاری نے اس آیت کی تشریح میں حضرت عائشہؓ کا یہی قول نقل کیا ہے۔

جبرئیل علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آنا اور نازل ہونا اور اتنا پاس آ جانا جتنا قوسین کا فاصلہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث کمال نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ تو حضرت جبرئیلؑ سے افضل تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا' آسمان میں میرے دو وزیر ہیں۔ جبرئیلؑ اور میکائیلؑ۔

یہ آیت متشابہات سے ہو سکتی ہے: قرآن میں تو کچھ آیات متشابہات بھی ہیں۔ جن کی مراد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا پھر اس آیت کو بھی اگر متشابہات میں سے قرار دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ اللہ کا استواء' قرب' نزول سب کے معانی تو معلوم ہیں لیکن کیفیت معلوم نہیں۔ صرف اَرْبَابُ الْقُلُوْب ان صفات کا اس طرح مشاہدہ کرتے ہیں جس طرح چودھویں کے چاند کو دیکھا جاتا ہے۔ اس لئے زیادہ مناسب قول اول ہی ہے۔ (تفسیر مظہری)

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى
جھوٹ نہیں کہا رسول کے دل نے جو دیکھا ☆

فرشتہ کی معرفت ☆ یعنی جبریل کو آپ نے آنکھ سے دیکھا اور اندر سے دل نے کہا کہ اس وقت آنکھ ٹھیک ٹھیک جبریل کو دیکھ رہی ہے۔ کوئی غلطی نہیں کر رہی کہ کچھ کا کچھ نظر آتا ہو۔ ایسا کہنے میں آپ کا دل سچا تھا حق تعالیٰ اسی طرح پیغمبروں کے دلوں میں فرشتہ کی معرفت ڈال دیتے ہیں ورنہ رسول کو خود اطمینان نہ ہو تو دوسروں کو اطمینان کہاں سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

رؤیت اللہ تعالیٰ کی ہوئی یا جبریلؑ کی

حضرت انسؓ، حسنؒ، اور عکرمہؒ کا قول ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یعنی اپنی آنکھ سے بغوی نے بروایت عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے ابراہیم کو خُلّت کے لئے چُن لیا (اور خلیل اللہ فرما دیا) اور موسیٰؑ کو کلام کے لئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنی) رویت کے لئے۔ ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا۔ فرمایا میں نے اپنے دل سے اس کو دیکھا۔ ترمذی نے بروایت شعبی بیان کیا کہ کعب احبار نے حضرت ابن عباسؓ سے عرض کیا' اللہ نے اپنے کلام اور دیدار کو موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰؑ سے دو بار کلام کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار (اس کو) دیکھا۔

کون سا دیکھنا مراد ہے

میں کہتا ہوں جس روایت میں اختلاف علماء ہے وہ قلبی رویت نہیں' چشم سر کی رویت میں اختلاف ہے۔ کیوں کہ رویت قلبی جس کو مشاہدہ بھی کہا جائے (انبیاء تو درکنار) بعض اولیاء امت کو بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ بعض اولیاء

نے تو رویت چشم کے حصول کا بھی دعویٰ کیا ہے مگر یہ خلاف اجماع ہے۔ اتفاق علماء ہے کہ رویت چشم سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امتی کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض صوفیہ کو اشتباہ ہو جاتا ہے وہ بیداری کی حالت میں مشاہدۂ قلبی میں ایسے غرق ہو جاتے ہیں کہ باوجود آنکھیں کھلی ہونے کی قوت بصر معطل ہو جاتی ہے۔ وہ غلبہ حال کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ ہم آنکھوں سے رب کو دیکھ رہے ہیں' حالانکہ ان کی بینائی چشم معطل ہوتی ہے' دل سے مشاہدہ میں غرق ہوتے ہیں۔

میں کہتا ہوں اگر رویت چشم ثابت بھی ہو جائے جیسے کہ حضرت ابن عباسؓ اور کعب احبار کا مکالمہ میں ہے۔ تب بھی آیت میں رویت قلبی ہی مراد ہو گی۔ کیونکہ بوقت وحی کے وقت قلبی رویت کا ہی تصور کیا جا سکتا ہے۔ رویت چشم مراد نہ ہو گی کیوں کہ (اگر اس کا وقوع ہوا ہے تو) اس کی خصوصیت شب معراج کے ساتھ ہے۔

ابوجعفر اور ہشام کی قرأت میں بحوالہ ابو عباس کذّب (باب تفعیل سے) آیا ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اپنی آنکھ یا اپنے دل سے دیکھا۔ دل نے اس کی تصدیق کی تکذیب نہیں کی' بلکہ یقین کر لیا' محقق مان لیا۔ بات یہ ہے کہ امور قدسیہ کا ادراک سب سے پہلے قلب سے ہوتا ہے۔ پھر یہ ادراک چشم بصیرت کی طرف منتقل ہوتا ہے (یعنی بصر و بصیرت اس کا ادراک کرتے ہیں) پس اگر ادراک قلبی کے موافق ادراک چشم و بصیرت ہو تو دل اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن بصر و بصیرت کی رسائی ادراک قلبی تک نہ ہو۔ بلکہ اس کے خلاف ہو تو قلب اس کی تکذیب کرتا ہے۔ سچے علوم رحمانی اور جھوٹے خیالات اور اشتباہات شیطانی میں یہی فرق ہے۔

کیا تصدیق قلبی' رویت قلبی سے کوئی الگ چیز ہے؟

بے شک دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ تنقیح مسئلہ اس طرح کی جا سکتی ہے کہ جب اللہ کو مومن بندے سے بے کیف ذاتی محبت ہو جاتی ہے تو مومن کو اللہ کی بے کیف ذاتی معیت حاصل ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بندہ کو اللہ کی ذات وصفات کا ادراک میسر ہو جاتا ہے لیکن رویت حاصل نہیں ہوتی۔ رویت کا تعلق صرف مرتبۂ ظلیت سے ہے (یعنی رویت ظلال کی ہوتی ہے ذات وصفات کی نہیں ہوتی) قلب تو ممکنات ذات کو بھی نہیں دیکھتا بلکہ اس کے ظل اور شبیہ کو دیکھتا ہے۔ کیونکہ ذہن میں کسی چیز کی ذات حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی صورت اس شبیہ حاصل ہوتی ہے۔ ہاں نفس شئ اور ذات شئ کی رویت قوت باصرہ کی وساطت سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے ذات خداوندی کی رویت تو دنیا میں ممکن نہیں (معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یا نہیں دیکھا اس اختلاف کا ذکر سطور بالا میں کر دیا گیا ہے) کیونکہ دنیا میں حاسۂ بصری اس کی طاقت نہیں رکھتا' البتہ آخرت میں (قوت باصرہ میں) اس کی صلاحیت واستعداد پیدا ہو جائے گی اس لئے عام مومنوں کو دیدار الٰہی ہو سکے گا اور ادراک کا تعلق چونکہ صرف دل سے ہے' بصارت چشم سے نہیں ہے۔ اس لئے نہ دنیا میں ادراک ذات باری کا ہو سکتا ہے۔ نہ آخرت میں ممکن ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى
اب کیا تم اُس سے جھگڑتے ہو اُس پر جو اُس نے دیکھا☆

اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے ☆یعنی وحی بھیجنے والا اللہ اور لانے والا فرشتہ جس کی صورت وسیرت نہایت پاکیزہ اور فہم وحفظ وغیرہ کی تمام قوتیں کامل' پھر اتنا قریب ہو کر وحی پہنچائے پیغمبر اس کو اپنی آنکھ سے دیکھے۔ اس کا صاف اور روشن دل اس کی تصدیق کرے۔ تو کیا ایسی دیکھی بھالی چیز میں تم کو حق ہے کہ اس سے فضول بحث وتکرار کرو اور جھگڑے نکالو۔

؎ اذا لم تر الهلال فسلم لناس راوه بالابصار

(تفسیر عثمانی)

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کے دیکھنے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ تمہیں اس کا انکار اور جھگڑا نہ کرنا چاہئے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰىۙ عِنْدَ
اور اُس کو اُس نے دیکھا ہے اُترتے ہوئے ایک بار اور بھی
سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ
سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اُس کے پاس ہے بہشت
الْمَاْوٰىؕ
آرام سے رہنے کی☆

دوسری مرتبہ دیکھنا ☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "دوسری بار جبریل کو اپنی اصلی صورت پر دیکھا۔ معراج کی رات' میں سات آسمان سے اوپر' جہاں درخت ہے بیری کا' وہ حد ہے نیچے اور اوپر کی' نیچے کے لوگ اوپر نہیں پہنچتے اور اوپر کے نیچے نہیں اترتے۔ اس کے پاس بہشت کو دیکھا" (تنبیہ) جس طرح جنت کے انگور' انار وغیرہ کو دنیا کے پھلوں اور میووں پر قیاس نہیں کر سکتے محض اشتراک اسمی ہے۔ اس بیری کے درخت کو بھی یہاں کی بیریوں پر قیاس نہ کیا جائے اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ بیری کس طرح کی ہو گی۔ بہرحال وہ درخت ادھر اور ادھر کی سرحد پر واقع ہے جو اعمال وغیرہ ادھر

سے چڑھتے ہیں اور جو احکام وغیرہ ادھر سے اترتے ہیں سب کا منتہیٰ وہ ہی ہے۔ مجموعہ روایت سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ اس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور پھیلاؤ ساتویں آسمان میں ہوگا۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ رَاٰهُ ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو یا جبرائیل کو ان کی اصل شکل میں دیکھا۔

نَزْلَةً اُخْرٰى ۔ یعنی ایک اور نزول کے وقت۔ نزلۃ سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ اس بار رویت نزول اور قرب کی حالت میں ہوئی۔ کیونکہ ممکن واجب کو اسی وقت دیکھ سکتا ہے جب دیکھنے والا انسان امکان کے مرتبہ انس اور افق اعلیٰ میں ہو اور واجب مرتبہ تنزیہ سے کچھ اتر کر درجہ تشبیہ کی طرف آ جائے اور حجاب صفات یا پردہ ظلال کی آڑ سے اس کو دیکھا جا سکے۔ اس قول سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ واجب کی ذات میں کوئی نئی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تغیرات سے پاک ہے۔ بلکہ آئینہ قلب میں جب صفائی پیدا ہو جاتی ہے تو مرتبہ علم میں نزول و عروج ہوتا ہے۔ یہ تفصیلی بحث سورۂ بقرہ کی آیت هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ کی تفسیر میں ہم نے ذکر کر دی ہے۔

ضروری نہیں کہ رویت صرف دو ہی دفعہ ہوئی ہو

اُخرٰی کے لفظ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ رویت صرف دو مرتبہ ہوئی بلکہ اس سے مراد ہے تعدد اور تعدد کا ادنیٰ درجہ چونکہ دو کا عدد ہے۔ اس لئے حضرت ابن عباسؓ اور کعب الاحبار کے مکالمہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔

اس آیت میں اس رویت کا ذکر ہے جو شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی تھی۔ (تفسیر مظہری)

عتبہ کی بدبختی: ابن عساکر میں ہے کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ شام کے سفر کی تیاریاں کرنے لگے اس کے بیٹے نے کہا سفر میں جانے سے پہلے ایک مرتبہ ذرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کو ان کے سامنے گالیاں تو دے آؤں۔ چنانچہ یہ آیا اور کہا اے محمد! جو قریب ہوا اور اترا اور دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی زیادہ نزدیک آ گیا میں تو اس کا منکر ہوں۔ (چونکہ یہ ناہنجار سخت بے ادب تھا اور بار بار گستاخی سے پیش آتا تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کے لئے بددعا نکل گئی کہ باری تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر مقرر کر دے۔ یہ جب لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا اور ساری باتیں کہہ سنائیں تو اس نے کہا بیٹا! اب مجھے تو تیری جان کا اندیشہ ہو گیا اس کی دعا رد نہ جائے گی۔ اس کے بعد یہ قافلہ یہاں سے روانہ ہوا۔ شام کی سرزمین میں ایک راہب کے عبادت خانہ کے پاس پڑاؤ کیا۔ راہب نے ان سے کہا یہاں تو بھیڑیے اس طرح پھرتے ہیں جیسے بکریوں کے ریوڑ تم یہاں کیوں آ گئے؟ ابولہب یہ سن کر کھٹک گیا اور تمام قافلے والوں کو جمع کر کے کہا دیکھو میرے بڑھاپے کا حال تمہیں معلوم ہے اور تم جانتے ہو کہ میرے کیسے کچھ حقوق تم پر ہیں اب آج میں تم سے ایک عرض کرتا ہوں امید ہے کہ تم سب اسے قبول کرو گے۔ بات یہ ہے کہ مدعی نبوت نے میرے جگر گوشے کے لئے بددعا کی ہے اور مجھے اس کی جان کا خطرہ ہے۔ تم اپنا سب اسباب اس عبادت خانے کے پاس جمع کرو اور اس پر میرے پیارے بچے کو سلاؤ اور تم سب اس کے اردگرد پہرا دو۔ لوگوں نے اسے منظور کر لیا۔ یہ سب اپنے جتن کر کے ہوشیار رہے کہ اچانک شیر آیا اور سب کے منہ سونگھنے لگا۔ جب سب کے منہ سونگھ چکا اور گویا جسے تلاش کر رہا تھا اسے نہ پایا تو پچھلے پیروں ہٹ کر بہت زور سے جست کی اور ایک چھلانگ میں اس مچان پر پہنچ گیا وہاں جا کر اس کا منہ بھی سونگھا اور گویا کہ وہی اس کا مطلوب تھا۔ پھر تو اس نے اس کے پرخچے اڑا دیئے چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس وقت ابولہب کہنے لگا اس کا تو مجھے پہلے ہی سے یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے یہ بچ نہیں سکتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

معراج کا قصہ

شق صدر: صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بحوالہ حضرت مالک بن صعصعہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں حطیم میں سو رہا تھا کہ ایک آنے والا آیا۔ اس نے اس جگہ سے اس جگہ تک یعنی ہنسلی کے گڑھے سے ناف تک (میرا سینہ) شق کیا پھر ایک سنہری طشت ایمان سے بھرا ہوا لایا گیا اور (اس سے) میرے دل کو دھویا گیا۔ پھر (ایمان کو) دل میں بھر کر اس کی جگہ دوبارہ رکھ دیا گیا۔ ایک روایت میں آیا ہے۔ پھر آب زمزم سے اس کو دھویا گیا۔ اس کے بعد ایمان اور حکمت سے اس کو بھر دیا۔

بُراق: پھر ایک چوپایہ لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا جس کو براق کہا جاتا تھا۔ حد نظر تک اس کا ایک قدم پڑتا تھا۔ پھر مجھے اس پر سوار کیا گیا۔ اس کے بعد جبرئیلؑ مجھے لے کر روانہ ہوئے۔

آسمان تک پہنچنا اور انبیاء سے ملاقات

یہاں تک کہ آسمان دنیا تک اور (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ دریافت کیا گیا۔ کون ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا۔ جبرئیلؑ۔ پوچھا گیا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ دریافت کیا گیا۔ کیا ان کے پاس تم کو بھیجا گیا تھا۔ جبرئیلؑ نے کہا ہاں۔ (دروازہ) فوراً کھول دیا گیا اور کہا گیا مرحبا خوش آمدید!۔ جب میں ادھر پہنچا تو وہاں آدمؑ کو موجود پایا۔ جبرئیلؑ نے کہا: یہ تمہارے باپ آدمؑ ہیں ان کو سلام کرو! میں نے سلام کیا۔ آدمؑ نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا۔ صالح بیٹے کے لئے مرحبا! اس کے بعد جبرئیلؑ مجھے

دوسرے آسمان تک چڑھا کر لے گئے اور (دروازہ) کھلوانا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان دنیا کے تذکرہ میں جس (سوال جواب) کا ذکر کیا وہی دوسرے آسمان تک بلکہ ہر آسمان تک پہنچنے کا سلسلہ میں بیان فرمایا۔ چنانچہ فرمایا۔ جب میں اوپر پہنچا تو وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ کو پایا جو آپس میں خالہ کے بیٹے تھے۔ جبرئیلؑ نے کہا: یہ یحییٰؑ ہیں اور یہ عیسیٰؑ ہیں۔ ان کو سلام کرو میں نے دونوں کو سلام کیا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا۔ اور کہا صالح بھائی اور صالح نبی کے کے لئے مرحبا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرے آسمان پر یوسفؑ (کے ہونے) کا اور چوتھے پر ادریسؑ کا اور پانچویں پر ہارونؑ کا اور چھٹے پر موسیٰؑ (کے موجود ہونے) کا ذکر کیا۔ ہر ایک نے صالح بھائی اور صالح نبی کے لئے مرحبا کہا۔ جب میں آگے بڑھا یعنی موسیٰؑ سے تو موسیٰؑ رو دیے پوچھا گیا۔ آپؑ کے رونے کی کیا وجہ۔ موسیٰؑ نے کہا: میں اس لئے رویا کہ ایک لڑکے کو میرے بعد (نبی بنا کر) بھیجا گیا۔ جس کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں جائے گی۔ پھر مجھے چڑھا کر ساتویں آسمان تک لے جایا گیا۔ اس جگہ بھی حضور نے دروازہ کھلوانے وغیرہ کا حسب مذکور بالا ذکر فرمایا۔ اور وہاں ابراہیمؑ کے موجود ہونے کا بھی بیان فرمایا جبرئیلؑ نے کہا: یہ آپ کے باپ ابراہیمؑ ہیں۔ ان کو سلام کرو۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا۔ صالح بیٹے کے لئے مرحبا۔

اس کے بعد سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى اٹھا کر میرے سامنے لایا گیا اس کے بیر ایسے تھے جیسے ہجر کے مٹکے اور پتے ایسے تھے۔ جیسے ہاتھی کے کان۔ جبرائیل نے کہا۔ یہ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ہے۔ وہاں سے چار دریا نکل رہے تھے۔ دو اندرونی و بیرونی میرے دریافت کرنے پر جبرائیلؑ نے کہا۔ دو اندرونی دریا تو وہ ہیں جو جنت کے اندر ہیں اور دو بیرونی دریا نیل و فرات ہیں۔

اس کے بعد بَيْتِ الْمَعْمُوْرِ میرے سامنے لایا گیا پھر ایک برتن شراب کا بھرا ہوا ایک برتن دودھ سے بھرا ہوا اور ایک برتن شہد سے بھرا ہوا میرے سامنے لایا گیا۔ میں نے دودھ لے لیا۔ جبرائیلؑ نے کہا۔ یہی وہ (دین) فطرت ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہوگی۔

نمازوں کا فرض ہونا: اس کے بعد مجھ پر ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ میں لوٹ کر آیا اور موسیٰؑ کی طرف سے گذرا تو انہوں نے پوچھا آپ کو کیا حکم دیا گیا۔ میں نے کہا ہر روز پچاس نمازوں کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہر روز پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکے گی۔ میں واللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں میں بنی اسرائیل کی درستی کی بھی سخت کوشش کر چکا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس جا کر اپنی امت کے لئے اپنے رب سے درخواست کیجئے۔ میں واپس گیا (اور تخفیف کی درخواست کی) اللہ نے دس نمازیں ساقط کر دیں۔

میں لوٹ کر موسیٰؑ کی طرف آیا۔ موسیٰؑ نے وہی پہلے کی طرح بات کی۔ میں پھر لوٹ کر گیا اور اللہ نے دس نمازیں (اور) ساقط کر دیں۔ میں موسیٰؑ کے پاس لوٹ کر آیا۔ موسیٰؑ نے وہی بات کہی آخر مجھے دس نمازوں کا حکم دیا گیا اور میں موسیٰؑ کے پاس لوٹ کر آیا۔ موسیٰؑ نے وہی پہلی بات کہی میں لوٹ کر پھر گیا تو مجھے روز پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا۔ میں موسیٰؑ کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کیا حکم ملا۔ میں نے کہا۔ مجھے ہر روز پانچ نمازوں کا حکم دیا گیا ہے۔ موسیٰؑ نے کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت روزانہ پانچ نمازوں کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل سے میرا سخت واسطہ پڑ چکا ہے۔ آپ واپس جا کر اپنی امت کے لئے تخفیف کی اپنے رب سے درخواست کیجئے۔ میں نے کہا میں اتنی مرتبہ درخواست کر چکا کہ اب (مزید درخواست کرنے سے) مجھے شرم آتی ہے لیکن میں خوشی و رضا سے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔ جب میں (موسیٰؑ کے پاس سے) آگے بڑھا تو ایک ندا کرنے والے نے پکار کر کہا۔ میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں کے لئے تخفیف کر دی۔

بیت المقدس پہنچنا: مسلم نے بوساطت ثابت بنانی حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے پاس براق لایا گیا وہ ایک چوپایہ تھا۔ سفید دراز قامت گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا۔ اس کی (ایک) ٹاپ وہاں پڑتی تھی جہاں تک اس کی نظر پہنچتی تھی۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گیا۔ جس حلقہ سے دوسرے انبیاء (اپنے جانوروں کو) باندھ دیتے تھے۔ اس سے میں نے براق کو باندھ دیا۔ ابن جریرؒ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب ہم بیت المقدس پہنچ گئے تو جبرئیلؑ نے اشارہ کر کے پتھر میں شگاف کر دیا اور اس سے براق کو باندھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعت نماز پڑھی باہر نکلا تو جبرئیلؑ ایک برتن شراب سے بھرا ہوا اور ایک برتن دودھ سے بھرا ہوا میرے پاس لائے۔ میں نے دودھ کو پسند کر لیا۔ جبرئیل نے کہا آپ نے فطرت کو پسند کر لیا۔ اس کے بعد ہم کو چڑھا کر آسمان کی طرف لے گئے۔ باقی حدیث روایت اول کے موافق ہے۔

گھر کی چھت میں شگاف:

صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی وساطت سے حضرت ابوذرؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے گھر کی چھت میں شگاف کر دیا گیا۔ اس وقت میں مکہ میں تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شق صدر کا حسب روایت سابق ذکر کیا لیکن براق کا ذکر نہیں کیا۔

براق کی شوخی: معمر نے بوساطت قتادہؒ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا

کہ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے براق لایا گیا جو زین پوش اور لگام بردوش تھا۔ براق نے کچھ شوخی کی۔ حضرت جبرائیلؑ نے فرمایا۔ کیا محمد کے ساتھ تو ایسی حرکت کر رہا ہے۔ حالانکہ کوئی بھی اللہ کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عزت والا تجھ پر سوار نہیں ہوا۔ براق یہ بات سن کر پسینے پسینے ہو گیا۔

سدرۃ المنتہیٰ: مسلم کا بیان ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔ شب معراج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین سے جو اعمال اوپر چڑھتے ہیں وہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں اور وہاں سے (اللہ کی طرف سے) ان کو لے لیا جاتا ہے۔ اور جو کچھ (حکم) اوپر سے اترتا ہے وہ سدرۃ المنتہیٰ تک آتا ہے اور یہاں سے ملائکہ کے قبضہ میں اس کو دے دیا جاتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ہلال بن یسار نے کہا۔ میں موجود تھا کہ حضرت ابن عباسؓ نے کعب (احبار) سے سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق دریافت کیا۔ کعب نے کہا۔ سدرہ عرش کی جڑ میں ہے مخلوقات کے علم کی رسائی بس وہیں تک ہے۔ اس کے پرے غیب ہے۔ جس سے اللہ کے سوا کوئی واقف نہیں۔

میں کہتا ہوں۔ اس قول میں مخلوقات سے مراد ملائکہ ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ تک ملائکہ کی رسائی ہے۔ اس سے آگے کوئی فرشتہ نہیں بڑھ سکتا۔ اس سے پرے مکمل غیب ہے۔ خود سدرۃ المنتہیٰ اگرچہ بعض آدمیوں کے لئے غیب ہے مگر بعض ملائکہ کے لئے غیب نہیں ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت اسماء بنت صدیق اکبرؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ اس کی شاخ کا سایہ ایسا ہے کہ ایک سوار سو برس اس کے نیچے چلتا رہے اور ایک لاکھ سوار اس کے سایہ میں آسکتے ہیں۔ اس کا فرش سونے کا ہے اور اس کا پھل مٹکوں کی طرح (مقدار میں) ہیں۔

مقاتل نے کہا۔ وہ ایک درخت جو زیور اور لباس اور پھلوں سے اور تمام رنگوں سے آراستہ ہے۔ اگر اس کا پتہ زمین پر گر جائے تو زمین کے سارے رہنے والوں کو روشن کر دے۔ یہی طوبیٰ ہے۔

جنت الماویٰ: عطاء کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ وہ ایک جنت ہے جو جبرئیل اور ملائکہ کی قرارگاہ (جائے رجوع) ہے۔ مقاتل اور کلبی نے کہا۔ شہداء کی روحیں یہیں اقامت گزیں ہوتی ہیں۔ (تفسیر مظہری)

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى
جب چھا رہا تھا اُس بیری پر جو کچھ چھا رہا تھا ☆

دیدار الٰہی ☆ یعنی حق تعالیٰ کے انوار و تجلیات اس درخت پر چھا رہے تھے۔ اور فرشتوں کی کثرت و ہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ "مَا يَغْشٰى" سنہری پروانے تھے۔ یعنی نہایت خوش رنگ جن کے دیکھنے سے دل کھنچا جائے۔ اس وقت درخت کی بہار و رونق اور اس کا حسن و جمال ایسا تھا کہ کسی مخلوق کی طاقت نہیں کہ لفظوں میں بیان کر سکے۔ شاید ابن عباسؓ وغیرہ کے قول کے موافق معراج میں جو اللہ کا دیدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا اس کا بیان اسی آیت کے ابہام میں منطوی و مندرج ہو۔ کیونکہ پہلی آیتوں کے متعلق تو عائشہ صدیقہؓ کی احادیث میں تصریح ہو چکی ہے کہ ان سے رویت رب مراد نہیں۔ محض رویت جبریل مراد ہے۔ ابن کثیرؒ نے مجاہدؒ سے جو ابن عباسؓ کے اخص اصحاب میں سے ہیں اسی آیت کے تحت میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ "كان اغصان السدرة لؤلؤا وياقوتا و زبرجدا فراها محمد صلى الله عليه وسلم وراى ربه بقلبه" اور یہ روایت چونکہ صرف قلب سے نہ تھی بلکہ قلب اور بصر دونوں کو دیدار سے حصہ ملا، جیسا کہ "مَازَاغَ الْبَصَرُ" سے ظاہر ہوتا ہے۔ شاید اسی لئے ابن عباسؓ نے طبرانی کی بعض روایات میں فرمایا۔ "راه مرتين مرة بقلبه و مرة ببصره" یہاں دو مرتبہ دیکھنے کا مطلب یہ ہو کہ ایک ہی وقت میں دو طرح دیکھا (كما قالوا فى حديث انشق القمر بمكة مرتين) ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی لیکن یاد رہے کہ یہ رویت وہ نہیں جس کی نفی "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" میں کی گئی ہے۔ کیونکہ اس سے غرض احاطہ کی نفی کرنا ہے۔ یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ علاوہ بریں ابن عباسؓ سے جب سوال کیا گیا کہ دعویٰ رویت آیت "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" کے مخالف ہے تو فرمایا "ويحك ذاك اذا تجلى بنوره الذى هو نوره" (رواه الترمذى) معلوم ہوا کہ خداوند قدوس کی تجلیات و انوار متفاوت ہیں۔ بعض انوار قاہرہ للبصر ہیں بعض نہیں اور رویت رب فی الجملہ دونوں درجوں پر صادق آتی ہے۔ اور اسی لئے کہا جا سکتا ہے کہ جس درجہ کی رویت مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگی جبکہ نگاہیں تیز کر دی جائیں کی جو اس تجلی کو برداشت کر سکیں۔ وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔ ہاں ایک خاص درجہ کی رویت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ابن عباسؓ کی روایت کے موافق میسر ہوئی۔ اور اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک و سہیم نہیں۔ نیز ان ہی انوار و تجلیات کے تفاوت و تنوع پر نظر کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اقوال میں کوئی تعارض نہیں۔ شاید وہ نفی ایک درجہ میں کرتی ہوں اور یہ اثبات دوسرے درجہ میں کر رہے ہوں۔ اور اسی طرح ابو ذرؓ کی روایات "رأيت نورا" اور "نورانى اراه" میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى
بہکی نہیں نگاہ اور نہ حد سے بڑھی ☆

جو دیکھا پورے یقین سے دیکھا☆یعنی آنکھ نے جو کچھ دیکھا پورے تمکن و اتقان سے دیکھا، نہ نگاہ ٹیڑھی ترچھی ہو کر داہنے بائیں ہٹی نہ مبصر سے تجاوز کر کے آگے بڑھی، بس اسی چیز پر جمی رہی جس کا دکھلانا منظور تھا۔ بادشاہوں کے دربار میں جو چیز دکھلائی جائے اس کو نہ دیکھنا اور جو نہ دکھلائی جائے اس کو تاکنا دونوں عیب ہیں۔ آپ ان دونوں سے پاک تھے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَا طَغٰى کا ایک صوفیانہ مفہوم:

اور نہ نظر محبوب سے ہٹی۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

آہ مِنَ الْعِشْقِ وَحَالَاتِہَا اَحْرَقَ قَلْبِیْ بِحَرَارَاتِہٖ

مَا نَظَرَ الْعَیْنُ اِلٰی غَیْرِکُمْ اُقْسِمُ　　بِاللّٰہِ　　وَاٰیَاتِہٖ

آہ عشق اور کیفیات عشق کی گوناگوں تپش نے میرے دل کو سوختہ کر دیا۔ اللہ اور کلام اللہ کی قسم میری آنکھ نے تو تمہارے سوا (کسی چیز کو) دیکھا بھی نہیں"۔ بعض علماء نے مَا طَغٰی کا یہ مطلب بیان کیا کہ جن عجائبات قدرت کو دیکھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ان سے نگاہ دوسری طرف نہیں مڑی۔ (تفسیر مظہری)

ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں میں نے یہ سن کر کہا پھر یہ آیت کہاں جائے گی جس میں فرمان ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ اسے کوئی نگاہ نہیں پا سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اپنے نور کی پوری تجلی کرے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ اپنے رب کو دیکھا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

رویت باری کا مسئلہ: تمام صحابہ و تابعین اور جمہور امت اس پر متفق ہیں کہ آخرت میں اہل جنت و عام مؤمنین حق تعالیٰ کی زیارت کریں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں، اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رویت و زیارت کوئی امر محال یا ناممکن نہیں، البتہ عالم دنیا میں انسانی نگاہ میں اتنی قوت نہیں جو اس کو برداشت کر سکے اس لئے دنیا میں کسی کو رویت و زیارت حق تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی، آخرت کے معاملہ میں خود قرآن کریم کا ارشاد ہے۔ فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَآءَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ یعنی آخرت میں انسان کی نگاہ تیز اور قوی کر دی جائیگی اور پردے ہٹا دیئے جائیں گے، حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی نگاہ فانی ہے، اور اللہ تعالیٰ باقی، پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہ رہے گا، تقریباً یہی مضمون قاضی عیاضؒ سے بھی منقول ہے، اور صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تقریباً تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّکُمْ لَنْ تَرَوْا رَبَّکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوْا (فتح الباری ص ۴۹۳ ج ۸) اس سے امکان تو اس کا بھی نکل آیا کہ عالم دنیا میں بھی کسی وقت خصوصی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں وہ قوت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں، لیکن اس عالم سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں اور جنت و دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کے لئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا، اس وقت تو حق تعالیٰ کی زیارت اس عام ضابطہ سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم دنیا میں نہیں ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی۝
بیشک دیکھے اُس نے اپنے رب کے بڑے نمونے ☆

☆"اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ" کے فائدہ میں جو بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ جو اور نمونے دیکھے ہونگے وہ اللہ ہی جانتا ہے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں　　بلبل چہ گفت وگل چہ شنید و صبا چہ کرد

(تفسیر عثمانی)

عجائب ملکوتی: آیات کبریٰ سے مراد ہیں۔ عجائب ملکوتی جنکی سیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں دوران آمد و رفت کی تھی۔ براق، آسمان، انبیاء، ملائکہ، سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی سب کا شمار عجائب ملکوت میں ہے۔

آیات کبریٰ کہنے کی وجہ: عجائب ملکوت کو آیات کبریٰ کہنے کی خصوصیت اس بنا پر ہے کہ مذکورہ آیات قدرت برکت و رحمت کی مورد گاہ تھیں اور انوار و تجلیات کی خصوصی بارش ان پر ہو رہی تھی۔ ورنہ ہر ممکن وجود صانع کی روشن برہان اور واضح دلیل ہے۔

معراج کے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

اہل سنت والجماعۃ کا اجماع ہے کہ سیر معراج بیداری میں ہوئی (لیکن کہاں سے کہاں تک اور کیسے ہوئی اس میں اقوال مختلف ہیں) اہل علم نے صراحت کی ہے کہ مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک جانا تو قطعی ہے۔ قرآنی صراحت سے ثابت ہے۔ اللہ نے سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا تصریح کے ساتھ فرما دیا ہے۔ اس لئے اس کا منکر تو کافر ہے۔ لیکن ساتویں آسمان تک اور اس سے اوپر جانا قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ صحیح احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (اور احادیث آحاد قطعی نہیں ظنی ہوتی ہیں) اس لئے اس کا منکر فاسق (بحسب العقیدہ) ہے کافر نہیں ہے صحیح بات یہ ہے کہ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی تک پہنچنا تو

ی آیت سے ثابت ہے اور قطعی ہے اس لئے معراج سماوی کا منکر بھی کافر ہے۔

تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ سیر معراج نبوت سے تقریباً بارہ سال بعد ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی۔

محدثین کا قول:

بعض علماء حدیث کا قول ہے کہ (معراج دوبار ہوئی ایک بار) نبوت سے پہلے خواب میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں سو رہے تھے اور (دوسری بار) بیداری کی حالت میں ہجرت سے پہلے نبوت کے بارہ سال بعد آپ کو سیر معراج کرائی گئی تاکہ نبوت سے پہلے خواب کی عملی تصدیق ہو جائے جیسا کہ ۶ھ میں حدیبیہ کے سال خواب میں فتح مکہ دکھائی گئی۔ پھر اس کی عملی تصدیق ۸ھ میں ہوئی اور اللہ نے فرما دیا۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ الخ رویت رب و آیات رب کو ذکر کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی تصدیق کی صراحت کے بعد اللہ نے آئندہ آیت میں بطور مذمت کافروں کا ذکر فرمایا جو کوتاہ نظر تھے ان کی نظر مجاز سے آگے حقیقت تک رسائی نہیں رکھتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۙ وَمَنٰوةَ

بھلا تم دیکھو تو لات اور عزیٰ کو اور منات

الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى

تیسرے پچھلے کو

لات، عزّیٰ اور مناۃ کفار کے بت

یعنی اس لامحدود عظمت و جلال والے خدا کے مقابلہ میں ان حقیر و ذلیل چیزوں کا نام لینے سے شرم آنی چاہئے۔ (تنبیہ) "لات" "عزیٰ" "مناۃ" ان کے بتوں اور دیویوں کے نام ہیں۔ ان میں "لات" طائف والوں کے ہاں بہت معظم تھا۔ "مناۃ" اوس و خزرج اور خزاعہ کے ہاں۔ اور "عزیٰ" کو قریش اور بنی کنانہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اول "عزیٰ" جو مکہ کے قریب نخلہ میں تھا۔ پھر "لات" جو طائف میں تھا۔ پھر سب سے پیچھے تیسرے درجہ میں "مناۃ" جو مکہ سے بہت دور مدینہ کے نزدیک واقع تھا۔ علامہ یاقوت نے معجم البلدان میں یہ ترتیب نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے۔ "اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى" "هؤلاء العرانیق العلی و ان شفاعتهن لترتجی" کتب تفسیر میں اس موقع پر ایک قصہ نقل کیا ہے جو جمہور محدثین کے اصول پر درجہ صحت کو نہیں پہنچتا۔ اگر فی الواقع اس کی کوئی اصل ہے تو شاید یہ ہی ہوگی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور کافروں کے مخلوط مجمع میں یہ سورۃ پڑھی۔ کفار کی عادت تھی کہ لوگوں کو قرآن سننے نہ دیں اور بیچ میں گڑ بڑ مچا دیں کما قال تعالیٰ "وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ" (حم السجدہ۔ رکوع ۴) جب یہ آیت پڑھی تو کسی کافر شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ہی کے لب و لہجہ سے وہ الفاظ کہہ دیئے ہوں گے جو ان کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے۔ "تلک العرانیق العلی" الخ آگے تعبیر و ادا میں تصرف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا۔ ورنہ ظاہر ہے نبی کی زبان پر شیطان کو کیا تسلط حاصل ہو سکتا ہے اور جس چیز کا ابطال کیا جا رہا ہے اس کی مدح سرائی کے کیا معنی۔ (تفسیر عثمانی)

عُزّیٰ کا قیام: ضحاک کا بیان ہے کہ عزیٰ بنی غطفان کی آبادی میں ایک بت تھا۔ جس کو سعید بن ظالم غطفانی نے قائم کیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہوا کہ سعید بن ظالم مکہ کو گیا۔ وہاں اس نے صفا اور مروہ کی پہاڑیاں دیکھیں۔ جن کے درمیان لوگ چکر لگاتے تھے۔ جب مکہ سے وادی نخلہ میں واپس آیا تو اس نے اپنی قوم والوں سے کہا۔ مکہ والوں کا صفا اور مروہ ہے اور تمہارے پاس کوئی صفا اور مروہ نہیں ہے اور ان کا ایک معبود ہے جس کی وہ پوجا کرتے ہیں اور تمہارا کوئی معبود نہیں۔ لوگوں نے کہا پھر آپ کا کیا حکم ہے۔ سعید نے کہا۔ میں بھی تمہارے لئے ایسا ہی بنا دوں گا۔ چنانچہ وہ ایک پتھر صفا کا اور ایک پتھر مروہ کا لایا۔ صفا کے پتھر کو ایک جگہ رکھ دیا اور کہا یہ تمہارے لئے صفا ہے اور مروہ والے پتھر کو کچھ فاصلہ سے رکھ کر کہا۔ یہ تمہارا مروہ ہے پھر ایک درخت کے سہارے سے تین پتھر کھڑے کئے اور کہا یہ تمہارا رب ہے۔ اس طرح لوگ دونوں پتھروں کے درمیان چکر لگانے اور پتھروں کی پوجا کرنے لگے۔

حضرت خالدؓ کے ہاتھ "عزیٰ" کا مارا جانا

بیہقی نے حضرت ابوالطفیلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت خالد بن ولیدؓ وہاں گئے اور کیکر کے درختوں (یعنی جھاڑیوں) کو کاٹ دیا اور عزیٰ کو ڈھا دیا پھر واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دے دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم کو وہاں کچھ نظر آیا۔ حضرت خالدؓ نے جواب دیا۔ کچھ بھی نہیں فرمایا۔ تو تم نے اس کو نہیں ڈھایا۔ حضرت خالدؓ دوبارہ گئے اور برابر چوکنے رہے۔ جب مجاوروں نے خالدؓ کو دیکھا تو پہاڑوں پر پھیل گئے اور کہنے لگے عزیٰ اس کو لے اس کو ہلاک کر دے ورنہ ذلت کے ساتھ مر جا۔ فوراً ایک کالی بھجنگ ننگی سر بکھیرے ہوئے سر اور منہ پر خاک اڑاتی ہوئی عورت برآمد ہوئی۔ خالدؓ نے تلوار

سونت لی اور فرمایا۔ میں تجھے نہیں مانتا۔ میں تجھے پاک نہیں جانتا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ نے تجھے ذلیل کیا ہے۔ پھر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس آ کر اطلاع دیدی۔ فرمایا ہاں وہ عُزّیٰ تھی۔ اب وہ تمہارے شہر میں پوجی جانے سے ہمیشہ کے لئے ناامید ہوگئی۔

منات کا قتل: محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو فتح کے درمیان ہی سعد بن زید اشہلی کو منات کی طرف جو کوہ مشلل پر تھا بھیجا۔ مشلل وہ پہاڑ تھا۔ جس سے اتر کر وادی قدید میں آتے ہیں۔ منات اوس' خزرج اور غسان کا (بت) تھا' ایک مجاور اس پر مقرر تھا' سعد بن زید بیس سواروں کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے مجاور نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو' سعد نے کہا منات کو ڈھا دینا' مجاور نے کہا تم جانو اور وہ جانے سعد پیدل چل کر منات کی طرف بڑھے' ایک عورت برہنہ بدن سیاہ فام پراگندہ سر سینہ پیٹتی اور موت کو پکارتی برآمد ہوئی' حضرت سعدؓ اس کو تلوار سے مارنے لگے' یہاں تک کہ قتل کر دیا اور پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر بت کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کو ڈھا دیا۔ (تفسیر مظہری)

لات وعزیٰ کی قسم کھانا کفر ہے: صحیح بخاری میں ہے جو شخص لات و عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے اسے چاہیے فوراً لا الٰہ الا اللہ کہہ لے اور جو اپنے ساتھی سے کہہ دے کہ آ جوا کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہئے۔ مطلب یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں چونکہ اسی کی قسم کھائی جاتی تھی تو اب اسلام کے بعد بھی اگر کسی کی زبان سے اگلی عادت کے موافق یہ الفاظ نکل جائیں تو اسے کلمہ پڑھ لینا چاہئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ایک مرتبہ اسی طرح لات عزیٰ کی قسم کھا بیٹھے جس پر لوگوں نے انہیں متنبہ کیا' یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ پڑھ لو اور تین مرتبہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو اور آئندہ سے ایسا نہ کرنا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ۝

کیا تم کو تو ملے بیٹے اور اُس کو بیٹیاں

تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝

یہ بانٹا تو بہت بھونڈا ☆

نظریہ ولدیت کی تردید ☆ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ کفار ان بتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ سو اول تو خدا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے اور بالفرض اولاد کا نظریہ تسلیم کیا جائے تب بھی یہ تقسیم کس قدر بھونڈی اور مہمل ہے کہ تم خود تو بیٹے لے جاؤ اور خدا کے حصہ میں بیٹیاں لگا دو؟ العیاذ باللہ۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ

یہ سب نام ہیں جو رکھ لئے ہیں

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا

تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے اللہ نے نہیں اتاری

مِنْ سُلْطٰنٍ

اُن کی کوئی سند ☆

محض نام ہیں حقیقت کچھ نہیں

یعنی پتھروں اور درختوں کے کچھ نام رکھ چھوڑے ہیں جن کی خدائی کی کوئی سند نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہیں۔ ان کو اپنے خیال میں خواہ بیٹیاں کہہ لو یا بیٹے یا اور کچھ محض کہنے کی بات ہے جس کے نیچے حقیقت کچھ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى

محض اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیوں کی

الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ

اُمنگ ہے اور پہنچی ہے اُن کو اُن کے رب سے

الْهُدٰى ۝٢٣

راہ کی سوجھ ☆

عقل کے اندھے ☆ یعنی باوجودیکہ اللہ کے پاس سے ہدایت کی روشنی آ چکی اور وہ سیدھی راہ دکھا چکا مگر یہ احمق ان ہی اوہام واہوا کی تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جو کچھ اٹکل پچو ذہن میں آ گیا اور وہ دل میں امنگ پیدا ہوئی کر گذرے۔ تحقیق وبصیرت کی راہ سے کچھ سروکار نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝

کہیں آدمی کو ملتا ہے جو کچھ چاہے'

فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ۝٢٥ ع

سو اللہ کے ہاتھ ہے سب بھلائی پچھلی اور پہلی ☆

آرزوؤں کے پجاری ☆یعنی سمجھتے ہیں کہ یہ بت ہمارے سفارشی بنیں گے۔ یہ خالی خیالات اور آرزوئیں ہیں۔ کیا انسان جو تمنا کرے وہ مل جائے گا۔ یاد رہے دنیا اور آخرت کی سب بھلائی اللہ کے ہاتھ ہے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی بت پوجے سے کیا ملتا ہے ملے وہی جو اللہ دے"۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ
اور بہت فرشتے ہیں آسمانوں میں کچھ کام نہیں آتی
شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ
ان کی سفارش مگر جب حکم دے
اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾
اللہ جس کے واسطے چاہے اور پسند کرے ☆

اللہ کے سامنے ان کی سفارش کام نہ دے گی

☆یعنی ان بتوں کی حقیقت کیا ہے، آسمان کے رہنے والے مقرب فرشتوں کی سفارش بھی کچھ کام نہیں دے سکتی۔ ہاں اللہ ہی جس کے حق میں سفارش کرنے کا حکم دے اور اس سے راضی ہو تو وہاں سفارش بیشک کام دیگی۔ ظاہر ہے کہ اس نے نہ بتوں کو سفارش کا حکم دیا اور نہ وہ کفار سے راضی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
جو لوگ یقین نہیں رکھتے آخرت کا
لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿٢٧﴾ وَمَا
وہ نام رکھتے ہیں فرشتوں کے زنانے نام اور
لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا
ان کو اس کی کچھ خبر نہیں محض اٹکل پر
الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ
چلتے ہیں اور اٹکل کچھ کام نہ آئے ٹھیک
شَيْئًا ﴿٢٨﴾ ۚ
بات میں

بے یقینی کا نتیجہ ☆یعنی جن کو آخرت کا یقین نہیں وہ سزا کی طرف سے بے فکر ہو کر ایسی گستاخیاں کرتے ہیں۔ مثلاً فرشتوں کو زنانہ قرار دے کر خدا کی بیٹیاں کہہ دیا۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ بھلا فرشتوں کو مرد اور عورت ہونے سے کیا واسطہ اور خدا کے لئے اولاد کیسی۔ کیا سچی اور ٹھیک بات پر قائم ہونا ہو تو ایسی اٹکلوں اور بے پادر ہوا اوہام سے کام چل سکتا ہے۔ اور کیا تخمینے اور اٹکلیں حقائق ثابتہ کے قائم مقام ہو سکتی ہیں؟۔ (تفسیر عثمانی)

دلائل کی قسمیں اور ترتیب:

جہاں تک ممکن ہو قطعی دلائل سے علم حاصل کرنا واجب ہے لیکن اگر قطعی دلیل نہ مل سکے تو عقل فیصلہ کن ہوگی اور دلیل ظنی سے جو حکم مستفاد ہو (یا خبر معلوم ہو) اس پر احتیاطاً عمل کرنا واجب ہوگا۔ دلیل ظنی سے مراد ہے ایسی دلیل جو صحیح طریق سے غلبۂ ظن پیدا کر دے۔ مثلاً دلیل ظنی سے ثابت ہو گیا ہے کہ وتر واجب ہیں اور چاشت کی نماز سنت ہے اور بھنگ حرام ہے اور بیع کو اگر فاسد شرط کے ساتھ مشروط کر دیا جائے تو ایسی بیع ممنوع ہے اور اس کے خلاف حکم دینے والی کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے لہٰذا بنظر احتیاط عقل کا بالجزم فیصلہ ہے کہ وتر کو نہ چھوڑا جائے بھنگ نہ پی جائے۔ بشرط فاسد بیع نہ کی جائے اور بامید ثواب چاشت کی نماز پڑھی جائے کیونکہ جب تعمیل حکم میں ضرر نہ ہونے کا یقین ہو تو حصول نفع کا احتمال بھی اس حکم کی تعمیل کے لئے کافی ہے اور اگر مضرت کا احتمال بھی ہو تو اس عمل سے پرہیز رکھنے کے لئے یہ احتمال بھی کافی ہے کسی سوراخ میں سانپ کے موجود ہونے کا احتمال اس میں انگلیاں نہ ڈالنے کا موجب ہے۔

اگر کوئی قطعی دلیل معارض نہ ہو یعنی احادیث آحاد اور قیاس سے ٹکرانے والی کوئی بھی قطعی دلیل موجود نہ ہو تو جو حکم احادیث آحاد اور قیاس سے ٹکرانے والی کوئی بھی قطعی دلیل موجود نہ ہو تو جو حکم احادیث آحاد یا قیاس سے مستفاد ہو واجب اس پر عمل کرنا اور تفقہ سے کام لینا ان احادیث سے بھی ثابت ہے جو باجماع امت متواتر المعنی ہیں اور قرآنی آیت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ۔ دوسری آیت ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔ (تفقہ اور اعتبار کا معنی ہی قیاس کرنے کے ہیں)۔

مسائل فقہیہ میں دراصل ظنی طریق (استنباط) میں ہوتا ہے لیکن جب ظن کا صحیح ہونا ثابت ہو جائے تو پھر بدلیل قطعی اس پر عمل واجب ہے اسی طرح مبدا اور معاد کے متعلق جو خبریں اخبار آحاد میں آئی ہیں وہ اگرچہ ظنی ہیں لیکن تمام آحاد میں یہ قدر مشترک ہے اتنی حد تک تو وہ قطعی اور موجب عمل ہیں رہی ان کی تفصیل تو اگر زیادہ قوی دلیل یعنی نص قطعی سے اس کا تصادم نہ ہوتا ہو تو اس سے ترغیب وترہیب کا استفادہ جائز ہے (کیونکہ اس صورت میں موعظت ونصیحت سے فائدہ حاصل ہونے کی امید ہے اور کسی نص کی مخالفت نہیں ہے) واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

ظن کے مختلف اقسام اوران کے احکام

لفظ ظن عربی زبان میں مختلف معانی کے لئے بولا جاتا ہے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ بے بنیاد خیالات کو ظن کہا جاتا ہے آیت میں یہی مراد ہے اور یہی مشرکین مکہ کی بت پرستی کا سبب تھا اسی کے ازالہ کے لئے یہ فرمایا گیا ہے دوسرے معنی ظن کے وہ ہیں جو یقین کے بالمقابل آتے ہیں یقین کہا جاتا ہے اس علم قطعی مطابق للواقع کو جس میں کسی شک وشبہ کی راہ نہ ہو جیسے قرآن کریم یا حادیث متواترہ سے حاصل شدہ علم اس کے مقابل ظن اس علم کو کہا جاتا ہے جو بے بنیاد خیالات تو نہیں دلیل کی بنیاد پر قائم ہے مگر یہ دلیل اس درجہ قطعی نہیں جس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہ رہے جیسے عام روایات حدیث سے ثابت ہونے والے احکام اسی لئے قسم اول کے مسائل کو قطعات اور یقینیات کہا جاتا ہے اور دوسری قسم کو ظنیات اور یہ ظن شریعت میں معتبر ہے قرآن وحدیث میں اس کے معتبر ہونے کے شواہد موجود ہیں اور تمام امت کے نزدیک واجب العمل ہے آیت مذکورہ میں ظن کو جو نا قابل اعتبار قرار دیا ہے اس سے مراد ظن بمعنی بے بنیاد و بے دلیل خیالات ہیں اس لئے کوئی اشکال نہیں (معارف مفتی اعظم)

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا
سو تو دھیان نہ کر اُس پر جو منہ موڑے ہماری یاد سے
وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ ذٰلِكَ
اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کا جینا بس یہیں
مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ
تک پہنچی اُن کی سمجھ ☆☆

مادہ پرستی ☆یعنی جس کا اوڑھنا بچھونا یہی دنیا کی چندروزہ زندگی ہو کر اس میں منہمک ہو کر کبھی خدا کو اور آخرت کو دھیان میں نہ لائے۔ آپ اس کی بکواس کو دھیان میں نہ لائیں۔ وہ خدا سے منہ موڑتا ہے۔ آپ اس کی شرارت اور بجروی کی طرف سے منہ پھیر لیں۔ سمجھانا تھا سو سمجھا دیا۔ ایسے بدبخت اشخاص سے قبول حق کی توقع رکھنا اوران کے غم میں اپنے کو گھلانا بیکار ہے۔ ان کی سمجھ تو بس یہی دنیا کے فوری نفع نقصان تک پہنچتی ہے اس سے آگے ان کی رسائی نہیں۔ وہ کیا سمجھیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے۔ ان کی تمام تر علمی جدوجہد صرف بہائم کی طرح پیٹ بھرنے اور شہوت فرو کرنے کے لئے ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قرآن کریم نے یہ ان کفار کا حال بیان کیا ہے جو آخرت و قیامت کے منکر ہیں افسوس ہے کہ انگریزوں کی تعلیم اور دنیا کی ہوا و ہوس نے آجکل ہم مسلمانوں کا یہی حال بنا دیا ہے کہ ہمارے سارے علوم وفنون اور علمی ترقی کی ساری کوششیں صرف معاشیات کے گرد گھومنے لگیں معادیات (معاملات آخرت) کا بھولے کر بھی دھیان نہیں آتا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید لگائے ہوئے ہیں مگر حالت یہ ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت والوں سے رخ پھیر لینے کی ہدایت کرتا ہے نعوذ باللہ منہ (معارف مفتی اعظم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا اس کا گھر ہے جس کا (آخرت میں) گھر نہ ہو اور دنیا اس کا مال ہے جو (آخرت میں) کنگال ہو اسے جمع کرنے کی دھن میں وہ رہتا ہے جو عقل سے خالی ہو۔ ایک منقول دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا پروردگار! تو ہماری اہم کوشش کو منتہائے نظر اور مقصد معلومات صرف دنیا ہی کو نہ کر۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ
تحقیق تیرا رب ہی خوب جانے اُس کو جو بہکا اُس کی
سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ۝
راہ سے اور وہی خوب جانے اُس کو جو راہ پر آیا ☆☆

اللہ خوب جانتا ہے ☆☆یعنی جو گمراہی میں پڑا رہا اور جو راہ پر آیا۔ ان سب کو اور ان کی مخفی استعدادوں کو اللہ تعالیٰ ازل سے جانتا ہے۔ اسی کے موافق ہو کر رہیگا۔ ہزار جتن کرو اس کے علم کے خلاف ہرگز واقع نہیں ہوسکتا۔ نیز وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک سے ٹھیک ٹھیک اس کے احوال کے مناسب معاملہ کرے گا۔ لہٰذا آپ یکسو ہو کر ان معاندین کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ
اور اللہ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں
لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ
تا کہ وہ بدلہ دے برائی والوں کو ان کے کیئے کا اور بدلہ دے
الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ
بھلائی والوں کو بھلائی سے ☆

ہر چیز کا مالک وہی ہے ☆ یعنی ہر شخص کا حال اس کو معلوم اور زمین و آسمان کی ہر چیز پر اس کا قبضہ۔ پھر نیک و بد کا بدلہ دینے سے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ بلکہ غور سے دیکھو تو زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ اس کے نتیجہ میں زندگی کا ایک دوسرا غیر فانی سلسلہ قائم کیا جائے جہاں بروں کو ان کی برائی کا بدلہ ملے اور نیکوں کے ساتھ ان کی بھلائی کے صلہ میں بھلائی کی جائے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ۔ یعنی سارے جہان کا خالق اور مالک اللہ ہی ہے وہ معبود برحق ہے۔ جو چاہتا اور جیسے اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے ویسا کرتا ہے۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ۔ اس نے ساری کائنات کو پیدا کیا اور گمراہوں سے ہدایت یافتہ لوگوں کو الگ کر دیا اور ان کے اچھے برے احوال کو محفوظ رکھا تا کہ مشرکوں اور گنہگاروں کو ان کے کئے کی سزا دے اور مخلص نیکو کاروں کو اچھا ثواب یعنی جنت عطا کرے۔ یا بِالْحُسْنٰی کا یہ مطلب ہے کہ ان کے سب سے اچھے عمل یعنی اخلاص کی جزا دے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ
جو کہ بچتے ہیں بڑے گناہوں سے
وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ
اور بے حیائی کے کاموں سے مگر کچھ آلودگی ☆

لَمَم کا معنی ☆ گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق سورۃ "نساء" کے فوائد میں مفصل گذر چکا "لمم" کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ جو خیالات وغیرہ گناہ کے دل میں آئیں مگر ان کو عمل میں نہ لائے وہ "لمم" ہیں۔ بعض نے صغیرہ گناہ مراد لئے ہیں۔ بعض نے کہا کہ جس گناہ پر اصرار نہ کرے یا اس کی عادت نہ ٹھہرائے یا جس گناہ سے توبہ کر لے وہ مراد ہے۔ ہمارے نزدیک بہترین تفسیر وہ ہی ہے جو مترجم محقق قدس اللہ روحہ نے سورۃ "نساء" کے فوائد میں اختیار کی ہے لیکن یہاں ترجمہ میں دوسرے معانی کی بھی گنجائش رکھی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لمم سے وہ گناہ مراد ہیں جو کبھی آدمی سے صادر ہو جائیں پھر وہ ان پر جمانہ رہے بلکہ توبہ کر لے گناہ اس کا معمول نہ بن جائے۔ عادت نہ ہو جائے۔ کبھی کبھی صدور ہو جائے۔ کذا قال الجوہری بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرۃؓ مجاہد اور حسن کا یہی قول ہے بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول منقول ہے۔

سدی کا بیان ہے کہ ابو صالح نے کہا مجھ سے اِلَّا اللَّمَمَ کی تفسیر پوچھی گئی۔ میں نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی گناہ کے قریب تو ہو جائے بار بار نہ کرے (عادی نہ ہو جائے) پھر میں نے اپنے اس قول کا حضرت ابن عباسؓ سے تذکرہ کیا۔ فرمایا معزز فرشتے نے آیت کا مطلب بیان کرنے میں تمہاری مدد کی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ بروایت عطاء حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر پڑھا تھا

ــ اِنْ تَغْفِرِ اللّٰهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَاَيُّ عَبْدٍ لَكَ لَا اَلَمَّا

اے اللہ! اگر تو معاف کر دے گا تو بہت گناہ معاف کر دے گا۔ تیرا کونسا بندہ گناہ پر نہیں اترا (یعنی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا)۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے لمم چھوٹے گناہ۔ صغیرہ گناہ کی مثال بیان کی گئی ہے جیسے نامحرم پر ایک نظر آنکھ کا اشارہ، بوسہ یعنی زنا سے کم درجہ گناہ۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابو ہریرۃؓ، مسروق اور شعبی کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ طاؤس نے حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول قرار دیا ہے۔ بخاری کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لمم کی تشریح میں ابو ہریرۃؓ کے اس قول سے زیادہ صحیح قول میں نے نہیں پایا۔

کلبی نے کہا لمم کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) وہ گناہ جس کی دنیوی سزا اللہ نے نہیں بیان کی نہ آخرت میں اس کا عذاب کی کوئی صراحت کی۔ ایسا گناہ اگر کبیرہ اور فحش کی حد تک نہ پہنچے تو نماز سے اس کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

(۲) وہ بڑا گناہ جس میں ایک بار مسلمان مبتلا ہو جاتا ہے پھر اس سے توبہ کر لیتا ہے یہ بھی لمم میں داخل ہے۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کی معافی کا قانون

حافظ ابن کثیرؒ نے بروایت ابن جریر مجاہد سے متعدد اقوال نقل کئے ہیں۔ قانون مغفرت میں سورۂ نساء کی اس آیت مبارکہ کو اصولیین نے بنیاد سمجھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ الخ

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبائر وہ گناہ ہیں جو فحش اور ظلم کی حد میں شمار کئے جاتے ہیں اور ان کی مغفرت کا قانون یہ ہے کہ انسان نادم و شرمندہ ہو کر معافی مانگے اور ندامت و شرمندگی یہ ہے کہ آئندہ پھر اس گناہ کا ارادہ نہ کرے۔

کبائر کی معافی توبہ پر موقوف ہے اور صغائر جن کو سیئات کہا جاتا ہے ان کی معافی حسنات کے ذریعہ فرمائی گئی اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ علماء متکلمین کے یہاں یہ بات بھی زیر بحث آئی ہے کہ سیئات کی معافی آیا بذریعہ حسنات اجتناب عن الکبائر کی شرط کے ساتھ مشروط ہے یا مطلقاً نیکیاں انسان کے صغائر کو معاف کر دیتی ہیں دونوں قول منقول ہیں۔ امام غزالی کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ معمولی گناہ بمنزلہ امراض ہیں اور طاعات و عبادات بمنزلہ علاج اور دوا ہیں۔ اور اجتناب عن الکبائر بمنزلہ پرہیز کے ہیں۔ دوا اور

علاج کی تاثیر پرہیز کے ساتھ پوری طرح باقی رہتی ہے اور بدپرہیزی کی صورت میں دوا کی تاثیر یا تو ختم ہو جاتی ہے یا ضعیف ہو جاتی ہے۔ (تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں احیاء العلوم) (معارف ومظہری)

اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ
بیشک تیرے رب کی بخشش میں بڑی سمائی ہے☆

اللہ کی مغفرت وسیع ہے☆ اسی لئے بہت سے چھوٹے موٹے گناہوں سے درگذر فرماتا ہے اور توبہ قبول کرتا ہے۔ گنہگار کو مایوس نہیں ہونے دیتا۔ اگر ہر چھوٹی بڑی خطا پر پکڑنے لگے تو بندہ کا ٹھکانا کہاں۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
وہ تم کو خوب جانتا ہے، جب بنا نکالا تم کو زمین سے
وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ
اور جب تم بچے تھے ماں کے پیٹ میں
فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ
سو مت بیان کرو اپنی خوبیاں وہ خوب جانتا ہے اس کو
اتَّقٰى
جو بچ کر چلا☆

شیخی نہ مارو☆ یعنی پرہیزگاری کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے، تو شیخی نہ مارو اور اپنے کو بہت بزرگ نہ ٹھہراؤ۔ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم نے ہستی کے اس دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا۔ آدمی کو چاہئے اپنی اصل کو نہ بھولے۔ کس طرح مٹی سے تھی پھر پیٹ مادر کی تاریکیوں میں ناپاک خون سے پرورش پاتا رہا۔ اس کے بعد کتنی جسمانی اور روحانی کمزوریوں سے دوچار ہوا۔ آخر میں اگر اللہ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اس قدر بڑھ چڑھ کر دعویٰ کرنے کا استحقاق نہیں۔ جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب بھی پوری طرح کمزوریوں سے پاک ہونا بشریت کی حد سے باہر ہے۔ پھر نیکی کا دعویٰ کس منہ سے ہو سکتا ہے۔ الامن عصمہ اللہ [illegible]

سبب نزول۔ بعض مومن عمل کرنے والے اچھے عمل کرتے تھے پھر (بطور فخر) کہتے تھے ہماری نماز، ہمارا روزہ، ہمارا حج، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

واحدی، طبرانی، ابن المنذر، اور ابن ابی حاتم نے حضرت ثابتؓ بن حارث انصاری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب یہودیوں کا کوئی چھوٹا بچہ مر جاتا تھا تو وہ اس کو صدیق کہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو فرمایا یہودی جھوٹے ہیں۔ ماں کے پیٹ کے اندر بھی اللہ کسی جان کو پیدا کرتا ہے اس وقت خوش نصیب یا بدبخت لکھ دیا جاتا ہے اس پر اللہ نے آیت هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ آخر تک نازل فرمائی۔

هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ پشت آدم سے باہر لانے سے پہلے ہی اللہ جانتا تھا کہ کس کا انجام تقویٰ و خلوص عمل پر ہوگا۔

جنتیوں اور دوزخیوں کی پیدائش:

امام مالک، ترمذی اور ابوداؤد نے حضرت عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیر کر کچھ نسل (یعنی روحوں) کو برآمد کیا اور فرمایا میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ اہل جنت کے عمل کریں گے پھر آدم کی پشت پر اپنا بایاں ہاتھ پھیر کر کچھ نسل کو برآمد کیا اور فرمایا ان کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا اور یہ دوزخیوں کے عمل کریں گے۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر عمل کس کام کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جس بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے کام بھی جنت والوں کے کراتا ہے یہاں تک کہ وہ اہل جنت کے عمل پر ہی مر جاتا ہے اور اللہ اس کو جنت میں داخل کر دیتا ہے اور جس بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے اس سے عمل بھی دوزخیوں کے کراتا ہے یہاں تک کہ وہ مرتے وقت تک دوزخیوں کا کوئی عمل کرتا ہے اور اللہ اس کو دوزخ میں داخل کر دیتا ہے۔

تقدیر: مسلم نے حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے مخلوق کی تقدیریں مقرر کی تھیں اور اس کا تخت پانی پر تھا۔ ترمذی نے حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا اور حکم دیا کہ لکھ قلم نے عرض کیا کیا لکھوں فرمایا تقدیر لکھ حسب الحکم قلم نے ان تمام چیزوں کو جو ہو چکیں اور جو آخر تک ہونے والی ہیں لکھ دیا۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے۔

حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ اللہ کے سچے رسول نے ہم سے بیان فرمایا کہ تم میں سے (ہر) ایک کا مادہ تخلیق بصورت نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک جمع رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت بستہ خون کی صورت میں رہتا ہے پھر اتنی ہی مدت تک بوٹی کی شکل میں رہتا ہے پھر چار باتیں لکھنے کے لئے اللہ فرشتہ کو بھیج دیتا ہے، فرشتہ اس کے (ہونے والے) عمل، اس کی مدت زندگی، اس کا رزق اور اس بات کو لکھ دیتا ہے کہ وہ خوش نصیب ہے

یا بد بخت۔ پھر اس کے اندر روح پھونک دی جاتی ہے۔ پس قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے کام (ساری عمر) کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان ایک ذراع کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے۔ اور وہ دوزخیوں کا عمل کرتے ہیں اور دوزخ میں چلے جاتے ہیں اور تم میں کچھ لوگ ساری عمر دوزخیوں کے کام کرتے ہیں۔ اور دوزخ کے اتنے قریب پہنچ جاتے کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ آخر تقدیر کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ اہل جنت کا عمل کرتے ہیں اور جنت میں چلے جاتے ہیں۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

نیک ہونے کا دعویٰ نہ کرو:

حضرت زینب بنت ابی سلمہ کا نام اُن کے والدین نے برّہ رکھا تھا جس کے معنی ہیں نیکو کار۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ تلاوت فرما کر اس نام سے منع کیا' کیونکہ اس میں اپنے نیک ہونے کا دعویٰ ہے' اور نام بدل کر زینب رکھ دیا۔ (رواہ مسلم فی صحیحہ من شیخ)

امام احمد نے عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دوسرے آدمی کی مدح و تعریف کی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور فرمایا کہ تمہیں کسی کی مدح و ثنا کرنا ہی ہو تو ان الفاظ سے کرو کہ میرے علم میں یہ شخص نیک متقی ہے' ولا ازکی علی اللہ احدًا یعنی میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کے نزدیک بھی وہ ایسا ہی پاک صاف ہے جیسا میں سمجھ رہا ہوں۔ (معارف مفتی اعظم)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾
بھلا تو نے دیکھا اُس کو جس نے منہ پھیر لیا ☆

☆ یعنی اپنی اصل کو بھول کر خالق و مالک حقیقی کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول: درمنثور میں بروایت ابن جریر یہ نقل کیا ہے کہ کوئی شخص اسلام لے آیا تھا' اس کے کسی ساتھی نے اس کو ملامت کی کہ تو نے اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑ دیا؟ اس نے کہا کہ میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں وہ بولا کہ تو مجھے کچھ دیدے تو میں آخرت کا تیرا عذاب اپنے سر پر رکھ لوں گا۔ تو عذاب سے بچ جائے گا' چنانچہ اس نے کچھ دیدیا' اس نے اور مانگا تو کچھ کشاکشی کے بعد کچھ اور بھی دیدیا۔ اور بقیہ کی دستاویز مع گواہوں کے لکھ دی' روح المعانی میں اس شخص کا نام ولید بن مغیرہ لکھا ہے' جس کا رسول اللہ کی طرف میلان ہو گیا تھا' اس کے دوست نے ملامت کی' اور عذاب کی ذمہ داری اپنے سر لے لی' (معارف مفتی اعظم)

وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾
اور دیا تھوڑا سا اور سخت نکلا ☆

ولید بن مغیرہ ☆ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں "یعنی تھوڑا سا ایمان لانے لگا پھر اس کا دل سخت ہو گیا"۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیت ولید بن مغیرہ کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر اس کو اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی۔ اور کفر کی سزا سے ڈر کر قریب تھا کہ مشرف باسلام ہو جائے' ایک کافر نے کہا کہ ایسا مت کر میں تیرے سب جرائم اپنے اوپر لئے لیتا ہوں۔ تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا۔ بشرطیکہ اس قدر مال مجھ کو دیا جائے۔ اس نے وعدہ کر لیا اور مقررہ رقم کی کچھ قسط ادا کر کے باقی سے انکار کر دیا۔ اس صورت میں "وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى" کے معنی یہ ہوں گے کہ کچھ مال دیا' پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ (تفسیر عثمانی)

محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ابوجہل کے بارے میں ہوا۔ ابوجہل نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اچھے اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں لیکن اس قول کے باوجود وہ ایمان نہیں لایا تھوڑا دینے کا یہی مطلب ہے کہ کسی قدر حق کا اس نے اقرار کیا اور اکدیٰ سے مراد ہے ایمان نہ لانا۔ (تفسیر مظہری)

خرچ کرنے سے مال بڑھتا ہے: انسان غور کرے تو قرآن کا یہاں ارشاد صرف مال اور پیسہ کے معاملہ میں نہیں' بلکہ ہر قوت و توانائی جو وہ دنیا میں خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدن میں اس کا بدل مابتحلل پیدا کرتے رہتے ہیں' ورنہ انسان کے بدن کا ایک ایک عضو اگر فولاد کا بھی بنا ہوتا تو ساٹھ ستر سال کام لینے سے بھی کا گھس گھسا کر برابر ہو جاتا' جس طرح اللہ تعالیٰ انسان کے تمام اعضاء میں جو کچھ محنت سے تحلیل ہو جاتا ہے خود کار مشین کی طرح اس کا بدل اندر سے پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح مال کا بھی معاملہ یہی ہے کہ انسان خرچ کرتا رہتا ہے اس کا بدل آتا رہتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو فرمایا۔ اَنْفِقْ يَا بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِى الْعَرْشِ اِقْلَالًا "یعنی بلال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور عرش والے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا خطرہ نہ رکھو کہ وہ تمہیں مفلس کر دے گا" (ابن کثیر) (معارف مفتی اعظم)

اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾
کیا اُس کے پاس خبر ہے غیب کی سو وہ دیکھتا ہے ☆

کیا یہ عالم الغیب ہے ☆ یعنی کیا یہ غیب کی بات دیکھ آیا ہے کہ آئندہ اس کو کفر کی سزا نہ ملے گی اور دوسرے کو اپنی جگہ پیش کر کے چھوٹ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِىْ صُحُفِ
کیا اُس کو خبر نہیں پہنچی اُس کی جو ہے ورقوں میں

مُوْسٰى ۙ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۙ

موسیٰ کے اور ابراہیم کے جس نے کہ اپنا قول پورا اُتارا☆

حضرت ابراہیم کی وفاداری ☆یعنی ابراہیم اپنے قول وقرار اور عہد و پیمان کی پابندی میں پورا اترا اور اللہ کے حقوق پوری طرح ادا کئے اور اس کے احکام کی تعمیل میں ذرہ بھر تقصیر نہ کی۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی اللہ کے احکام کی پوری پوری تعمیل کی تھی۔ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رب کے پیام مخلوق تک پہنچائے طرح طرح کی تکلیفیں لوگوں کے ہاتھوں سے اٹھائیں اور صبر کیا یہاں تک کہ غرور کی آگ میں بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اللہ نے متعدد احکام دے کر آزمائش کی اور تمام احکام کو آپ نے پورا پورا کیا۔ توفیہ (باب تفعیل) کا معنی ہے کسی کام کو پورا پورا کرنا۔

حضرت ابراہیمؑ کے لئے "وفّی" کہنے کی وجہ

بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابوامامہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى کے سلسلے میں فرمایا کہ دن کے اول حصہ میں ابراہیم نے چار رکعتیں پڑھیں۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت معاذ بن انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ اللہ نے ابراہیم خلیل اللہ سے متعلق الذی وفی کیوں فرمایا اس کی وجہ یہ تھی کہ ابراہیم ہر صبح اور شام کو فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (الی آخر الآیات) پڑھا کرتے تھے۔

ترمذی نے حضرت ابوذر داءؓ اور حضرت ابوذرؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان نقل کیا ہے۔ اللہ فرماتا ہے' اے ابن آدم دن کے ابتدائی حصہ میں تو میرے لئے چار رکعتیں پڑھ میں پچھلے دن کے تیرے کام پورے کر دوں گا۔ ابوداؤد اور دارمی نے یہ حدیث نعیم غطفانی کی وساطت سے نیز امام احمد نے بھی بحوالہ سابقہ نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۙ

کہ اُٹھاتا نہیں کوئی اٹھانیوالا بوجھ کسی دوسرے کا☆

صحفِ ابراہیم وموسیٰ کا ایک مضمون ☆یعنی موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں یہ مضمون تھا کہ خدا کے ہاں کوئی مجرم دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جوابدہی بذات خود کرنا ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

دور جہالت کے غلط رواج: بغوی نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے پہلے لوگ مجرم کے جرم کی پاداش میں غیر مجرم کو پکڑ لیتے تھے اور اگر کسی کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا بیوی یا غلام نے قتل کیا سو تو اس کے عوض اس شخص کو قتل کر دیا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کو اس حرکت سے روکا اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ کسی کے جرم کا بار دوسرے پر نہ ڈالا جائے۔

میں کہتا ہوں' حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کا رواج کوئی شرعی قانون نہیں تھا۔ بلکہ ایک جاہلی رواج تھا۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے قبائل اوس وخزرج کا رواج تھا ایک قبیلہ جب دوسرے قبیلہ سے زیادہ باعزت اور مالدار ہوتا تھا اور اس کی کسی عورت کو حریف قبیلہ مار ڈالتا تھا تو شریف قبیلہ والے کمزور قبیلہ کے کسی مرد کو مقتول عورت کے عوض قتل کرتے تھے اور غلام مارا جاتا تھا تو دوسرے قبیلے کے کسی آزاد مرد کو قتل کرتے تھے۔ اور ایک مرد مارا جاتا تھا تو انتقام میں دو آدمیوں کو قتل کرتے تھے۔ اس رواج کو منسوخ کرنے کے لئے آیت اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى نازل ہوئی۔ سورۂ بقرہ میں ہم نے اس آیت کی تشریح کر دی ہے۔

جس نے برائی ایجاد کی تو سب کرنیوالوں کا گناہ اسکو بھی ہوگا

امام احمد اور امام مسلم نے حضرت جریر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مَنْ سَنَّ سُنَّةً سَيِّئَةً فَلَهٗ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ جس نے کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس پر خود اس طریقہ پر عمل کرنے کا بھی گناہ ہوگا اور قیامت تک جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی اس پر ہوگا۔

آیت مَنْ قَتَلَ نَفْسًا الخ اور حدیث مَنْ سَنَّ سُنَّةً الخ کا مقصد یہ ہے کہ مرتکب قتل اور سنت سیئہ کا موجد خود تو گناہگار ہوتا ہی ہے لیکن اس کا فعل چونکہ دوسروں کے مجرم اور گنہگار بننے کا سبب ہوتا ہے' اس لئے اس کا جرم دو گونہ ہو جاتا ہے (یہ مطلب نہیں کہ آنے والے مجرموں کا جرم اس پر ڈال دیا جائے گا اور ان کو گناہ سے آزاد کر دیا جائے گا) اسی لئے حدیث کے آخر میں فرمایا ہے' من غیر ان ینقص من اوزارھم شیئًا (بغیر اس کے کہ آئندہ اس طریقہ قبیحہ پر چلنے والوں کے بارے میں کوئی تخفیف کی جائے)۔

آیت ہے وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً (اس عذاب سے ڈرو جو صرف ظالموں پر ہی نہیں آئے گا۔ بلکہ عمومی ہوگا ظالم اور غیر ظالم سب پر آئے گا)۔ اسی طرح ایک حدیث مبارک میں آیا ہے جب اللہ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو (اچھے برے) جو لوگ بھی ان کے اندر ہوتے ہیں سب پر وہ عذاب آتا ہے۔ پھر قیامت کے دن ان کے اعمال کے موافق (الگ الگ) ان کو اٹھایا جائے گا۔ رواہ البخاری ومسلم من حدیث ابن

عمر، حضرت ابوبکر صدیق کی روایت سے اصحاب السنن الاربعہ نے ایک حدیث نقل کی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور جب لوگ اس کا ہاتھ نہیں پکڑیں گے تو ہو سکتا ہے کہ اللہ کا عذاب سب پر عموماً آ جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا اور آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ الخ کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے خود تو گناہوں کا ارتکاب نہیں کیا لیکن امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کیا اور مجرموں کو برائی سے نہیں روکا وہ بھی عذاب کے دائرے میں آ جاتے ہیں۔

مسئلہ:- کیا میت کے گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے؟

علماء سلف کا اس میں اختلاف ہے۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن ملیکہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان کی ایک لڑکی کا مکہ میں انتقال ہو گیا ہم جنازہ کی شرکت کے لئے گئے وہاں حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ بھی موجود تھے حضرت ابن عمرؓ نے عمرو بن عثمانؓ سے کہا کیا تم رونے سے باز نہیں آتے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تھے پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ حدیث بیان کی اور فرمایا۔ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو صہیب رونے لگے اور کہنے لگے ہائے بھائی ہائے ساتھی حضرت عمرؓ نے فرمایا صہیب کیا تم مجھ پر روتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ گھر والوں کے بعض رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی تو میں نے اس حدیث کا ذکر حضرت عائشہؓ سے کیا ام المؤمنین نے فرمایا عمرؓ پر اللہ کی رحمت ہو خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ گھر والوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ کافر کے گھر والوں کے رونے سے اللہ کافر کا عذاب بڑھاتا ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ نے فرمایا تمہارے لئے قرآن کی یہ آیت کافی ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ ہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔ ابن ابی ملیکہ کا بیان ہے اس پر حضرت ابن عمرؓ نے کچھ نہیں کہا (یعنی تردید نہیں کی)۔

میں کہتا ہوں حضرت عائشہؓ نے جو حضرت عمرؓ کے بیان کی تغلیط کی وہ کمزور ہے کیونکہ حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ سے زیادہ فقیہ (واقف شریعت) تھے اور حضرت عمرؓ کی شہادت ثبوت اثبات ہے (جو شہادت نفی کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے) اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کی روایت کی تائید دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے جس پر نوحہ کیا جاتا ہے اس کو نوحہ کی بقدر اس پر عذاب ہوتا ہے۔

ابو یعلیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مردے کے) کنبہ والوں کے رونے کی وجہ سے میت پر گرم پانی ڈالا جاتا ہے اسی قسم کی حدیث ابن حبان کی صحیح میں حضرت انسؓ اور حضرت عمران بن حصین کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے اور ابو یعلیٰ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کی حدیث صحیح ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ عذاب دینے سے مراد ہے ملائکہ کا میت کو زجر و تنبیہ کرنا۔ ترمذی، حاکم اور ابن ماجہ نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جس میت پر نوحہ کرنے والی عورت نوحہ کرتی اور کہتی ہے واجبلاہ واسیداہ اور اس قسم کے دوسرے الفاظ تو اللہ کی طرف سے دو فرشتے اس پر مقرر کئے جاتے ہیں جو میت کو جھڑکتے ہیں اور کہتے ہیں کیا تو ایسا تھا۔

میں کہتا ہوں اس تاویل پر بھی تعارض دفع نہیں ہوتا کیونکہ دوسرے کے فعل پر میت کو جھڑکنا بھی لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کے خلاف ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ عذاب دینے سے مراد یہ ہے کہ متعلقین کے فعل سے میت کو رنج اور دکھ ہوتا ہے۔ طبرانی اور ابن ابی شیبہ نے قیلہ بنت مخرمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے مرے ہوئے بیٹے کا ذکر کیا اور رونے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی اس بات پر قادر نہیں کہ دنیا میں جو اس کا ساتھی ہو اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور جب وہ مر جائے تو إِنَّا لِلّٰهِ پڑھے، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے تم میں سے کوئی روتا ہے تو اس کا ساتھی اس پر غمگین ہوتا ہے، اللہ کے بندو! اپنے مردوں کو تکلیف نہ دو۔ ابن جریر نے اسی قول کو پسند کیا ہے اور تمام ائمہ کے جن میں ابن تیمیہ بھی ہیں اسی تاویل کو اختیار کیا ہے۔

سعید بن منصور راوی ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کچھ عورتوں کو ایک جنازہ کے ساتھ دیکھ کر فرمایا لوٹ جاؤ بار گناہ اٹھانے والیو! ثواب نہ پانے والیو! زندوں سے آگے بڑھ کر مردوں کو دکھ نہ پہنچاؤ۔

دفع تعارض کی صحیح صورت یہ ہے کہ حدیث میں میت پر عذاب ہونے سے اس میت پر عذاب ہونا مراد ہو جو (اپنی زندگی میں) مُردے پر رونے کا عادی تھا یا جس نے اپنے مرنے کے بعد گھر والوں کو نوحہ کرنے کی وصیت کی ہو یا وصیت نہ بھی کی ہو لیکن اس کو معلوم ہو کہ میرے مرنے کے بعد گھر والے نوحہ کریں گے اور باوجود اس علم کے ان کو پس مرگ نوحہ کرنے سے منع نہ کیا ہو اس توجیہ پر میت پر جو عذاب ہوگا وہ میت کے اپنے جرم کی وجہ سے ہوگا۔ دوسرے کے گناہ کا بار اس پر نہ ہوگا۔ امام بخاری نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۙ
اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اُس نے کمایا ☆

ہر کوئی اپنے کئے کا مالک ہے یعنی آدمی جو کچھ کوشش کرتا ہے

وہ ہی اس کا ہے۔ کسی دوسرے کی نیکیاں لے اڑے یہ نہیں ہو سکتا۔ باقی کوئی خود اپنی خوشی سے اپنے بعض حقوق دوسرے کو ادا کر دے اور اللہ اس کو منظور کر لے وہ الگ بات ہے جس کی تفصیل حدیث وفقہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ایصال ثواب کا مسئلہ: آیت مذکورہ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کے فرائض ایمان و نماز و روزہ کو ادا کر کے دوسرے کو سبکدوش نہیں کر سکتا' تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک شخص کے نفلی عمل کا کوئی فائدہ اور ثواب دوسرے شخص کو نہ پہنچ سکے ایک شخص کی دعا اور صدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہنچنا نصوص شرعیہ سے ثابت اور تمام اُمت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔ (ابن کثیر)

صرف اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب کسی دوسرے کو بخشا اور پہنچایا جا سکتا ہے یا نہیں' امام شافعیؒ اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت مذکورہ کا مفہوم عام لے کر اس سے استدلال فرماتے ہیں' جمہور ائمہ اور امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس طرح دعا اور صدقہ کا ثواب دوسرے کو پہنچایا جا سکتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن اور ہر نفلی عبادت کا ثواب دوسرے شخص کو بخشا جا سکتا ہے اور وہ اس کو ملے گا' قرطبی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ مؤمن کو دوسرے شخص کی طرف سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے' تفسیر مظہری میں اس جگہ ان احادیث کو جمع کر دیا ہے جس سے ایصال ثواب کا فائدہ دوسرے کو پہنچنا ثابت ہوتا ہے۔

صحفِ موسیٰ و ابراہیم کے دو حکم: اوپر صحف موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کے حوالے سے جو دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ ایک شخص کے گناہ کا عذاب کسی دوسرے کو نہیں پہنچے گا' اور ایک کے گناہ میں دوسرا کوئی نہ پکڑا جائیگا۔ دوسرے یہ کہ ہر شخص پر جن اعمال کی شرعی ذمہ داری ہے اس سے سبکدوشی خود اس کے اپنے عمل سے ہوگی' دوسرے کا عمل اس کو سبکدوش نہ کرے گا۔ (معارف القرآن مفتی اعظم)

اس آیت کا منسوخ ہونا: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' آیت وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۔ دوسری آیت الَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ الخ سے منسوخ ہے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ آیت مذکورہ کا حکم حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰؑ کی امتوں کے لئے مخصوص تھا۔ امت اسلامیہ کو تو اپنے کئے ہوئے نیک اعمال کا بھی ثواب ملے گا۔ اور ان نیکیوں کا بھی جو ان کے دوسرے کریں۔

ایصال ثواب کی احادیث

(۱) ابو نعیم نے لکھا ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا' میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ جب اپنے مؤمن بندے کی روح قبض کر لیتا ہے تو دو فرشتے اس کو آسمان تک چڑھا کر لے جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں اے ہمارے رب! تو نے ہم کو اس مؤمن کے اعمال لکھنے کا ذمہ دار بنایا تھا' اب تو نے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔ ہم کو اجازت عطا فرما کہ ہم زمین میں جا کر رہیں' اللہ فرماتا ہے۔ میری زمین تو میری مخلوق سے بھری پڑی ہے جو میری پاکی بیان کرتی ہے۔ اب تم دونوں جا کر میرے (اس) بندے کی قبر پر قیام کرو اور میری تسبیح و تہلیل اور تکبیر میں قیامت تک مشغول رہو اور اس کا ثواب میرے (اس) بندے کے لئے لکھ دو۔

(۲) مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے' مگر تین چیزوں کا (سلسلہ جاری رہتا ہے) صدقہ جاریہ۔ وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے (مثلاً دینیات کا درس تصنیفات وغیرہ) یا صالح اولاد جو اس (میت) کے لئے دعا کرے۔

(۳) طبرانی نے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابو سعیدؓ کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ اللہ جنت کے اندر نیک بندے کے درجے کو اونچا کر دے گا' بندہ عرض کرے گا اے میرے رب! میرے یہ درجہ کی بلندی کیسے ہوئی اللہ فرمائے گا' تیرے بیٹے نے تیرے لئے مغفرت کی دعا کی تھی (اس کی وجہ سے) تیرا درجہ بلند کر دیا گیا۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' قبر کے اندر مردہ ایسا ہوتا ہے جیسا کوئی ڈوبتا آدمی ہوتا ہے' باپ یا ماں یا اولاد یا کسی معتمد دوست کی دُعا کا انتظار کرتا رہتا ہے کہ کسی کی دعا اس کو پہنچ جائے' جب دعا اس کو پہنچ جاتی ہے تو وہ دعا دنیا اور مافیہا سے اس کو زیادہ پیاری ہوتی ہے اور زمین کے باشندوں کی دعا سے اللہ قبروں والوں کے لئے پہاڑوں جیسا (ثواب) قبوروں کے اندر پہنچا دیتا ہے' مردوں کے لئے زندوں کا ہدیہ استغفار ہے۔ رواہ البیہقی والدیلمی۔

(۵) طبرانی نے الاوسط میں مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' میری امت مرحومہ امت ہے گناہ اپنے ساتھ لے کر قبروں میں جائے گی اور قبروں سے بے گناہ ہو کر نکلے گی مؤمن اس کے لئے دعائے مغفرت کریں گے۔ جس کی وجہ سے وہ گناہوں سے خالص (پاک) ہو جائے گی۔

(۶) حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں بغیر کچھ وصیت کئے اچانک مر گئی اور میرا غالب خیال ہے کہ اگر وہ بات کر سکتی تو کچھ خیرات کرتی' اب اگر میں اس کی طرف سے کچھ خیرات کروں تو کیا اس کو ثواب پہنچے گا۔ فرمایا۔ ہاں۔ متفق علیہ۔

(۷) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی غیر حاضری میں ان کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ میں موجود نہ تھا اگر اس کی طرف سے میں کچھ خیرات کروں تو کیا اس کو کچھ فائدہ پہنچے گا؟ فرمایا ہاں۔ سعدؓ نے عرض کیا تو میں آپ کو گواہ

بنا تا ہوں کہ یہ باغ میری ماں کی طرف سے خیرات ہے۔ رواہ البخاری۔

(۸) امام احمد اور چاروں اصحاب السنن نے لکھا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ کا انتقال ہو گیا اب اس کے لئے کونسی خیرات سب سے بہتر ہوگی فرمایا پانی یہ فرمان سن کر حضرت سعد نے ایک کنواں کھدوا دیا اور کہا یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔

(۹) حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی نفلی خیرات کرے تو ماں باپ کی طرف سے کرے اس خیرات کا ثواب اس کے ماں باپ کو ملے گا۔ اور خود اس کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔

(۱۰) حضرت انسؓ کا بیان ہے میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس گھر میں کوئی مر جائے۔ پھر گھر والے اس کے لئے کچھ خیرات کریں تو جبرئیل نور کے ایک طباق میں اس کو لے کر میت کی قبر کے کنارے کھڑے ہو کر کہتے ہیں۔ اے گہری قبر والے یہ تحفہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تجھے بھیجا ہے۔ اس کو لے لے اس طرح وہ مردہ وہ تحفہ لے کر قبر میں جاتا ہے اور خوش ہوتا ہے لیکن اس کے برابر قبروں والے جن کو کچھ نہیں بھیجا جاتا وہ غمگین ہوتے ہیں۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

(۱۱) حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرتا ہے اللہ دوزخ سے آزادی اس کے والدین کے لئے لکھ دیتا ہے اور ان کے لئے حج کامل ہو جاتا ہے لیکن حج کرنے والے کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔

(۱۲) ابو عبداللہ ثقفی نے حضرت زیدؓ بن ارقم کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ جس کے ماں باپ نے حج نہ کر پایا ہو اور وہ ماں باپ کے لئے حج کر لے تو کیا حکم ہے۔ فرمایا اس کے ماں باپ آزاد ہو جائیں گے۔ اور آسمان میں ان کی روحوں کو بشارت دی جائے گی اور اللہ کے ہاں اس کو (ماں باپ کے ساتھ) نیکی لکھا جائے گا۔

(۱۳) حضرت عقبہ بن عامر راوی ہیں کہ ایک عورت نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا میری ماں مر چکی ہے کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بتا کہ اگر تیری ماں پر کچھ قرض ہو اور تو (اس کی طرف سے) ادا کر دے (تو کیا ادا ہو جائے گا عورت نے عرض کیا کیوں نہیں حضور نے اس کو ماں کے لئے حج کرنے کا حکم دیدیا۔ (رواہ الطبرانی)

(۱۴) حضرت انسؓ کی روایت ہے ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ میرا باپ مر گیا اور حج اسلام (یعنی فرض حج نہ کر پایا) (کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتا ہوں) فرمایا یہ بتا کہ اگر تیرے باپ پر قرض ہو (اور وہ ادا نہ کر سکا ہو تو) کیا تو اس کی طرف سے ادا کر دے گا؟ اس نے کہا جی ہاں۔ فرمایا تو یہ بھی اس پر قرض تھا تو ادا کر دے۔ رواہ البزار والطبرانی بسند حسن۔

(۱۵) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی میت کی طرف سے حج کرے گا اس کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا۔ جتنا میت کو ملے گا (یا میت کو بھی اتنا ہی ثواب پہنچ جائے گا جتنا حج کرنے والے کو ملے گا) رواہ الطبرانی فی الاوسط۔

(۱۶) عطاء اور زید بن اسلم کی مرسل روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ مر چکا ہے میں (اس کو ثواب پہنچانے کے لئے) اس کی طرف سے غلام آزاد کر دوں؟ فرمایا ہاں۔ ابن ابی شیبہ نے یہ دونوں حدیثیں بیان کی ہیں۔

(۱۷) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ایک شخص کہہ رہا تھا لَبَّیْکَ عَنْ شبرمۃ۔ (یعنی اس نے احرام حج شبرمہ کے لئے یا شبرمہ کی طرف سے باندھا تھا) فرمایا شبرمہ کون ہے؟ اس شخص نے جواب دیا میرا بھائی یا میرا عزیز' فرمایا کیا تو اپنا حج کر چکا ہے اس نے عرض کیا نہیں' فرمایا تو پہلے اپنا حج کر پھر شبرمہ کے لئے۔ رواہ ابو داؤد و ابن ماجۃ والدارقطنی والبیہقی۔ بیہقی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(۱۸) ابو الشیخ کا بیان ہے کہ حضرت عمرو بن عاص نے خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عاص نے وصیت کی تھی کہ اس کی طرف سے کوئی بردے آزاد کئے جاتے ہیں (یعنی کافر کو نہ خیرات کا ثواب پہنچتا ہے نہ حج کا نہ غلام آزاد کرنے کا)۔

(۱۹) حضرت حجاج بن دینار کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! نیکی بالائے نیکی (یعنی دوہری نیکی) یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ماں باپ کے لئے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھے اور اپنے لئے خیرات کرنے کے ساتھ ان کے لئے بھی خیرات کرے۔ رواہ ابن ابی شیبۃ۔

(۲۰) حضرت بریدہؓ کی حدیث ہے کہ ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میری ماں پر دو ماہ کے روزے ہوں (اور مر جائے) اور میں اس کی طرف سے رکھ لوں تو کیا کافی ہو جائے گا۔ فرمایا' ہاں اس عورت نے عرض کیا' میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا' کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں۔ فرمایا' ہاں۔ رواہ مسلم۔

(۲۱) حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جو شخص مر جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ لے۔ متفق علیہ۔

(۲۲) حضرت علیؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جو شخص قبرستان سے گذرے اور قل ہو اللہ احد گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشدے اللہ اس قبرستان کے (تمام) مردوں کی تعداد کے موافق اس کو ثواب عطا فرمائے گا۔ رواہ ابو محمد السمر قندیؒ۔

(۲۳) حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قبرستان میں داخل ہو پھر سورۂ فاتحہ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ کر کہے۔ میں نے جو تیرا کلام پڑھا اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخش دیا تو اللہ کی بارگاہ میں وہ مردے اس کی شفاعت کریں گے۔ رواہ ابوالقاسم۔ سعد بن علی۔

(۲۴) حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جو شخص قبرستان میں جائے پھر سورۂ یٰسین پڑھے تو اللہ ان مردوں سے عذاب ہلکا کردے گا اور اس قبرستان کے مردوں کی تعداد کے موافق اس شخص کے لئے نیکیاں (لکھ دی جائیں گی) اخرجہ عبدالعزیز صاحب الخلال بسندہ۔

(۲۵) ابن سعد نے قاسم بن محمد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کے لئے ان کے موروثی غلاموں میں سے ایک غلام کو آزاد کیا آپ کو امید تھی کہ اس کا فائدہ حضرت عبدالرحمٰن کو مرنے کے بعد پہنچے گا۔

امت کا اجماع: حافظ شمس الدین بن عبدالواحد نے کہا لوگ ہمیشہ سے ہر شہر میں جمع ہو کر اپنے مردوں کے لئے قرآن پڑھتے رہے ہیں اور کسی نے اس کو ناجائز نہیں قرار دیا تو گویا اس پر اجماع ہو گیا خلال نے شعبی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ انصار میں جب کوئی شخص مر جاتا تھا تو لوگ اس کی قبر پر آتے جاتے' قرآن پڑھا کرتے تھے۔ احیاء العلوم میں امام احمد بن حنبل کی روایت سے آیا ہے کہ جب تم قبرستان میں داخل ہو تو سورۂ فاتحہ اور معوذتین اور قل ہو اللہ احد پڑھا کرو اور اس کا ثواب اس قبرستان کے مردوں کو بخش دیا کرو' تمہارا پڑھنا (یعنی پڑھنے کا ثواب) ان کو پہنچ جائے گا۔

زندوں کی دعاء سے مردوں کو فائدہ: سیوطی کا قول ہے کہ متعدد لوگوں نے اس بات پر اجماع کا ہونا بیان کیا ہے کہ (زندوں کی) دعا سے مردوں کو فائدہ ہوتا ہے اس کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے اللہ نے فرمایا ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ۔

میں کہتا ہوں یہ امر ظاہر ہے کہ زندوں کی دعا سے مردوں اور زندوں' دونوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور یہ بات صرف اسی امت کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۔ حضرت ابراہیم نے آزر سے فرمایا تھا۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے باپ سے درخواست کی تھی یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِیْنَ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔

آیت کی توجیہ میں بیضاوی نے لکھا ہے کہ جو شخص حج اور خیرات کرنے کی نیت رکھتا ہو (اور بغیر کئے مر جائے تو وہ توبہ کرنے والے کی طرح ہو جاتا ہے (متعلقین کا اس کے لئے حج اور خیرات کرنا گویا ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے اس نے خود کیا ہو) بعض علماء نے آیت کی تاویل اس طرح کی ہے کہ مومن کا دوسرے کی سعی سے فائدہ اندوز ہونا اس کے ایمان پر مبنی ہے اور ایمان اس کا اپنا فعل ہے لہٰذا اس کے لئے دوسروں کا کوئی عمل خیر کرنا خود اس کی اپنی سعی کے تابع ہوا۔ (تفسیر مظہری)

دفن کے وقت آیات کا پڑھنا:

سیوطی نے لکھا ہے دفن کے وقت میت کے سرہانے سورۂ فاتحہ اور پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات پڑھنا وارد ہوا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت میں آیا ہے۔ لیکن حضرت علا بن الجلاح کی مرفوع روایت میں پاؤں کی طرف سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات کا پڑھنا آیا ہے۔ ایک حدیث ہے اپنے مردوں پر سورۂ یٰسین پڑھو قرطبی نے کہا جمہور کے نزدیک اس کا مطلب ہے مرنے کے وقت سورۂ یٰسین کا پڑھنا۔ عبدالواحد مقدسی نے کہا اس کا مطلب ہے قبرستان میں داخل ہونے کے وقت یٰسین پڑھنا۔ محب طبری نے کہا دونوں حالتوں میں پڑھنا مراد ہے۔

ابن ابی شیبہ نے عطاء کا قول نقل کیا ہے آدمی کے مرنے کے بعد (اس کے متعلقین کی طرف سے اس کے لئے) غلاموں کو آزاد کرنا اور حج کرنا اور خیرات کرنا اس کے پیچھے پہنچ جاتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

علامہ زبیدیؒ کا قول: علامہ زبیدی شرح احیاء میں فرماتے ہیں کہ علماء اہلسنت ایصال ثواب پر متفق ہیں اور یہ خیال غلط ہے کہ اموات کو زندوں کی طرف سے کسی عمل صالح اور خیر کا ثواب نہیں پہنچتا۔

یعنی انسان اپنی ہی سعی کا مالک ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کی سعی کا ہاں اگر اپنی سعی اور عمل کسی اور کو ہدیہ اور ہبہ کر دے تو بے شک دوسرا بھی اس سے منتفع ہو سکتا ہے جیسے کہ مال و دولت جس کا انسان مالک ہو تو دوسرے کو ہبہ کر دینے سے دوسرا اس سے مستفید و منتفع ہو جاتا ہے۔

زعمِ باطل کی تردید: انسان کو اپنے آباؤ اجداد کے عمل پر بھروسہ نہ کرنا چاہئے کہ ان کے صلاح و تقویٰ سے میری نجات ہو جائے گی بلکہ اس کو چاہئے کہ خود بھی عمل کرے ورنہ اگر ترک عمل کرکے آباؤ اجداد پر امید لگائے بیٹھا رہے گا تو قرآن کریم نے اس زعم فاسد کا رد کر دیا ہے فرمادیا تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔ یا یہ مطلب ہے کہ کوئی شخص دوسرے کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوگا جیسے کہ ارشاد ہے۔ فَالْیَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔

قرآن کریم سے مردوں کے لئے دعا و استغفار ثابت ہے جیسے کہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ ۔ (معارف کاندھلوی)

وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۠ ثُمَّ

اور یہ کہ انسان کی سعی اس کو دکھائی ضرور دے گی پھر

يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ۙ

اس کو بدلہ ملنا ہے اس کا پورا بدلہ

☆یعنی ہر ایک کی سعی وکوشش اس کے سامنے رکھ دی جائیگی اور اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کا مطلب: یعنی انسان اگر مومن ہے تو قیامت کے دن اس کے اعمال کے وقت اس کی نیکی سامنے آجائے گی اور دیکھی جائے گی۔ لیکن کافر کے اعمال اکارت جاتے ہیں۔ چونکہ اعمال کے بار آور ہونے کی اولین شرط خلوص نیت ہے اور اس کا عمل خیر لوجہ اللہ ہوتا نہیں ہے یہ اعمال سے اکارت جانے کی یہ وجہ ہوئی کہ دنیا میں ہی وہ اپنی بھلائیوں کا بدلہ پا چکتا ہے (کوئی نیکی باقی ہی نہیں رہتی)۔ میں کہتا ہوں اول بیان کے مطابق جملہ کی کا ترجمہ کردو بنایا گیا ہے۔

(۲) بعض محققین نے کہا کہ سعی کا (لغوی) معنی ہے تیز چلنا اور کسی کام کی کوشش کرنے کیلئے اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ انسان کو وہی ملے گا جس کے لئے اس نے اپنے عمل سے کوشش کی ہو (یعنی عمل کی نیت کے موافق عمل کا نتیجہ ہوگا) ایک صحیح حدیث ہے انما الاعمال بالنیات وان لکل امرء ما نوی فمن کانت ھجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله ورسوله ومن کانت ھجرته الی الدنیا یصیبها او المرءة نکحها فهجرته الی ماھاجر الیه. (متفق علیہ) اعمال (کا نتیجہ) نیتوں کے مطابق ہوگا۔ ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی ہوگی' سو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہوگی تو اس کی ہجرت بے شک اللہ اور اس کے رسول ہی کی طرف ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی مقصد کی طرف ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہوگی۔ (بخاری ومسلم) بصورت مذکورہ آیت کا مطلب بھی اسی حدیث کے موافق ہوگا۔ اس مطلب پر یہ لازم نہیں آتا کہ ایک کا عمل دوسرے کے لئے فائدہ بخش نہ ہو' دیکھو جنازہ کی نماز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے درود پڑھنا واجب ہے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے ہی ان کو واجب کیا گیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۙ

اور یہ کہ تیرے رب تک سب کو پہنچنا ہے☆

نیکیوں کا پھل اللہ ہی سے ملتا ہے

☆یعنی تمام علوم وافکار اور سلسلہ وجود کی انتہا اسی پر ہوتی ہے اور سب کو آخر کار اسی کے پاس پہنچنا ہے۔ وہیں سے ہر ایک کو نیکی بدی کا پھل ملے گا (تفسیر عثمانی)

اللہ تعالیٰ کی ذات میں غور کرنا: بغوی نے حضرت ابی بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت وان الی ربک المنتھٰی کی تشریح میں فرمایا رب (کی ذات وصفات) میں کوئی غور نہیں یعنی ہر سوچ اور غور کی انتہا رب پر ہے وہاں تک پہنچ کر ہر غور وفکر کی رفتار ختم ہو جاتی ہے۔ بغوی کی اس حدیث کا مضمون اس حدیث کے مفہوم کی طرح ہے جو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مخلوق میں غور کرو خالق (کی ذات وصفات) میں غور مت کرو کیونکہ خالق کا احاطہ کوئی عقل نہیں کر سکتی۔

ابو الشیخ نے العظمۃ میں اور بغوی نے بروایت حضرت ابن عباسؓ بیان کیا ہے ہر چیز میں غور کرو مگر اللہ کی ذات میں غور نہ کرو' کیونکہ ساتویں آسمان سے اوپر اللہ کی کرسی تک سات ہزار نور (کے طبقات) ہیں اور اللہ سب سے بالا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی فکر اللہ کی کرسی تک نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ کی ذات تک رسائی پانے کا ذکر ہی کیا ہے وہ تو سب سے اعلیٰ ہے۔

ابونعیم نے الحلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اللہ کی مخلوق میں غور کرو اللہ (کی ذات وصفات) میں غور مت کرو۔

ابو الشیخ نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے لکھا ہے' اللہ کی مخلوق پر غور کرو اللہ پر غور نہ کرو۔

غور نہ کرنے کی وجہ: میں کہتا ہوں فکر وغور کے معنی ہیں کسی نامعلوم نتیجہ کو معلوم کرنے کے لئے مقدمات (اور مبادی) کو مرتب کرنا اور ظاہر ہے کہ صرف اللہ کی آیات' نشانات اور آثار صنعت وحکمت میں ترتیب کا تصور ممکن ہے اور مطلوب اللہ کی ذات ہے' یہاں پہنچ کر ہر غور وفکر ختم ہو جاتا ہے (آثار وآیات کی ترتیب سے فکر آگے نہیں بڑھتی) کیونکہ اللہ وہ حقیقت صمدیہ ہے جس کی گہرائی تک غور وخوض کی رسائی نہیں۔

ذات الٰہی تک بے کیف رسائی ممکن ہے

خوض فی ذات اللہ کی ممانعت سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ذات الٰہیہ تک بے کیف رسائی بھی ناممکن ہے۔ الی ربک المنتھٰی کے الفاظ تو دلالت کر رہے ہیں کہ انتہاء سیر ذات تک ہے۔ صوفیہ کی اصطلاح میں سیر فی اللہ کا معنی ہے صفات شیون اور اعتبارات کی سیر۔ ذات محض جس کو لاتعین سے تعبیر کیا جاتا ہے مراد نہیں ہوتی۔ (تفسیر مظہری)

شیطان کی حرکت: صحیح حدیث میں بھی یہ مضمون موجود ہے اس میں

ہے۔ شیطان کسی کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا؟ اور اُسے کس نے پیدا کیا؟ یہاں تک کہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ اور جب تم میں سے کسی کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہو تو اَعُوذُ پڑھ لے اور اس خیال کو دل سے دور کردے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۙ﴿۴۳﴾ وَاَنَّهٗ
اور یہ کہ وہی ہے ہنساتا اور رُلاتا اور یہ کہ
هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۙ﴿۴۴﴾ وَاَنَّهٗ خَلَقَ
وہی ہے مارتا اور جِلاتا اور یہ کہ اُس نے بنایا
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۙ﴿۴۵﴾
جوڑا نر اور مادہ ☆

متضاد کیفیات کا خالق ☆ یعنی اس عالم میں تمام متضاد و متقابل احوال اسی نے پیدا کیے ہیں۔ خیر و شر کا خالق وہی ہے خوشی یا غم کی کیفیات بھیجنا ہنسانا رلانا مارنا جِلانا اور کسی کو نر کسی کو مادہ بنانا اُسی کا کام ہے۔ (تفسیر حقانی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی خوش دلی

بغوی نے حضرت جابرؓ بن سمرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ صحابۂ کرام (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس) بیٹھ کر باہم شعر خوانی کرتے اور جاہلیت کی باتوں کا تذکرہ کرتے اور ہنستے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ مسکرادیتے تھے۔

مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں لوگ باتیں کرتے تھے۔ جاہلیت کی کسی بات کا ذکر شروع کردیتے تھے پھر ہنستے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مسکرادیتے تھے۔

بغوی نے شرح السنۃ میں قتادہ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہنستے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہاں باوجودیکہ ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے بھی بڑا (اور مضبوط) تھا۔

بلال بن سعد کا بیان ہے (دن میں) صحابہ کرام مختلف اغراض میں خوب مشغول رہتے تھے لیکن جب رات ہوتی تو وہ راہب (تارک الدنیا عابد) ہوجاتے تھے۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ منہ بھر کر ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوا مجھے نظر آجاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسکرادیتے تھے۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت جریرؓ نے فرمایا جب سے میں مسلمان ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی پردہ داری نہیں کی اور جب بھی آپ نے مجھے دیکھا مسکرادیے۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن الحارث بن الجزءؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کسی کو نہیں دیکھا۔ (تفسیر مظہری)

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۪﴿۴۶﴾ وَاَنَّ عَلَيْهِ
ایک بوند سے جب ٹپکائی جائے اور یہ کہ اُس کے ذمہ ہے
النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۙ﴿۴۷﴾
دوسری دفعہ اٹھانا ☆

دوبارہ پیدا ہونا ☆ یعنی جس نے ایک قطرہ آب سے نر و مادہ پیدا کر دیئے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے (یہ درمیان میں ایک پیدائش سے دوسری پیدائش پر متنبہ کردیا) (تفسیر عثمانی)

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۙ﴿۴۸﴾
اور یہ کہ اُس نے دولت دی اور خزانہ ☆

غنی و فقیر ☆ یعنی مال خزانہ جائیدادیں سب اسی کی دی ہوئی ہیں اور بعض نے "اقنی" کے معنی "افقر" کیے ہیں۔ یعنی اسی نے کسی کو غنی اور کسی کو فقیر بنا دیا۔ یہ معنی پہلے سیاق کے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ متقابل چیزوں کا ذکر چلا آرہا ہے۔ اور اگر پہلا مطلب لیا جائے تو اس کے مقابل اہلاک کو رکھا جائے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ یعنی خزانے اور مال و دولت دے کر وہی بڑھاتا ہے اور وہی بڑی بڑی دولت مند اور طاقتور قوموں کو تباہ و برباد کرتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۙ﴿۴۹﴾
اور یہ کہ وہی ہے رب شعریٰ کا ☆

شعریٰ کیا ہے ☆ "شعریٰ" ایک بہت بڑا ستارہ ہے جس کو بعض عرب پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ عالم کے احوال میں اس کی بہت بڑی تاثیر ہے۔ یہاں بتلا دیا کہ "شعریٰ" کا رب بھی اللہ ہے۔ دنیا کے تمام الٹ پھیر اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ "شعریٰ" غریب بھی ایک ادنیٰ مزدور کی طرح اس کا حکم بجالاتا ہے اس میں مستقل تاثیر کچھ بھی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

شعریٰ ایک ستارے کا نام ہے جو جوزاء کے پیچھے واقع ہوا ہے۔ شعریٰ دو ستارے ہیں ایک کو عبور کہتے ہیں اور دوسرے کو غمیص۔ اس جگہ عبور مراد

ہے۔ بنی خزاعہ عبور کی پوجا کرتے تھے۔

شعریٰ کی پوجا کا موجد

کوئی شخص تھا کبشہ۔ یہ بنی خزاعہ کا ایک سردار تھا۔ اسی نے اس رسم بد کی ایجاد کی اور قریش کے بت پرستی کے رواج کی مخالفت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عرب اسی مناسبت سے ابن ابی کبشہ کہتے تھے کیونکہ آپ نے بھی عرب کی بت پرستی کی مخالفت کی تھی۔ شعریٰ کے رب ہونے کا خصوصی ذکر اس وجہ سے کیا کہ وہ لوگ شعریٰ کو پوجتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاَنَّهٗۤ اَهۡلَكَ عَادَا ۨالۡاُوۡلٰى ۙ‏

اور یہ کہ اُس نے غارت کیا عاد پہلے کو ☆

☆ یعنی حضرت ہود علیہ السلام کی قوم۔ (تفسیر عثمانی)

یعنی قوم ہود جسے عاد بن ارم بن سام بن نوح کہا جاتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَثَمُوۡدَا۟ فَمَاۤ اَبۡقٰى ۙ‏ وَقَوۡمَ نُوۡحٍ

اور ثمود کو پھر کسی کو باقی نہ چھوڑا اور نوح کی قوم کو

مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا هُمۡ اَظۡلَمَ

پہلے ان سے وہ تو تھے اور بھی ظالم

وَاَطۡغٰى ؕ‏

اور شریر☆

قوم نوح ☆ کہ سینکڑوں برس تک خدا کے پیغمبر نوح علیہ السلام کو سخت ترین ایذائیں پہنچاتے رہے جن کو پڑھ کر کلیجہ پھٹتا ہے اور آنے والوں کے لئے بری راہ ڈال گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَالۡمُؤۡتَفِكَةَ اَهۡوٰى ۙ‏ فَغَشّٰٮهَا

اور اُلٹی بستی کو پٹک دیا پھر آ پڑا

مَا غَشّٰى ۚ‏

اُس پر جو کچھ کہ آ پڑا☆

☆ یعنی پتھروں کا مینہ (یہ قوم لوط کی بستیوں کا ذکر ہے) (تفسیر عثمانی)

ما غشٰی۔ یعنی اوپر سے نامزد کنکر برسائے۔ لفظ **ما** کا **ابہام عظمت** عذاب اور تباہی کو ہونے کی پرداشت کر رہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى‏

اب تو کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلائے گا☆

ظالموں کی تباہی ☆ یعنی ایسے مفسد ظالموں اور باغیوں کا تباہ کر ڈالنا بھی اللہ کا بڑا بھاری انعام ہے۔ کیا ایسی نعمتوں کو دیکھ کر بھی انسان اپنے رب کو جھٹلاتا ہی رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

خطاب عام: حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ خطاب ہر انسان کو ہے کہ سابقہ آیات اور صحف موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام میں آئی ہوئی آیات ربانی میں کوئی ذرا بھی غور و فکر کرے تو اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور تعلیمات کے حق ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور اقوام سابقہ کی ہلاکت وعذاب کے واقعات سنکر مخالفت سے باز آ جانے کا موقع ملتا ہے جو حق تعالیٰ کی ایک نعمت ہے اس کے باوجود تم اللہ تعالیٰ کی کس کس نعمت میں جھگڑا اور خلاف کرتے رہو گے۔ (معارف مفتی اعظم)

هٰذَا نَذِيۡرٌ مِّنَ النُّذُرِ الۡاُوۡلٰى‏

یہ ایک ڈر سنانے والا ہے پہلے سنانے والوں میں کا ☆

نذیر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم☆

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجرموں کو اسی طرح برے انجام سے ڈرانے والے ہیں جیسے ان سے پیشتر دوسرے نبی ڈرا چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں ہے تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی جس طرح کوئی شخص کسی برائی کو دیکھ لے کہ وہ قوم کے قریب پہنچ چکی ہے اور پھر جس حالت میں ہو اسی میں دوڑا بھاگا آ جائے اور قوم کو وقت متنبہ کر دے کہ دیکھو وہ بلا آ رہی ہے فوراً تدارک کر لو اسی طرح قیامت کے ہولناک عذاب بھی لوگوں کی غفلت کی حالت میں ان سے بالکل قریب ہو گئے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن عذابوں سے ہوشیار کر رہے ہیں جیسے اس کے بعد کی سورت میں ہے اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ قیامت قریب آ چکی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے لوگو! گناہوں کو چھوٹا اور حقیر جاننے سے بچو۔ سنو! چھوٹے چھوٹے گناہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک قافلہ کسی جگہ اُترا سب ادھر اُدھر چلے گئے اور لکڑیاں سمیٹ کر تھوڑی تھوڑی لے آئے۔ تو گو ہر ایک کے پاس لکڑیاں کم کم ہیں لیکن جب وہ سب جمع کر لی جائیں تو ایک انبار لگ جاتا ہے جس سے دیگیں کی دیگیں پک جائیں۔ اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ جمع ہو کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور اچانک اس گنہگار کو پکڑ لیا جاتا ہے اور یہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور حدیث میں

ہے میری اور قیامت کی مثال ایسی ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر ان کا فاصلہ دکھایا۔ میری اور قیامت کی مثال دو گھوڑوں کی سی ہے۔ میری اور آخرت کے دن کی مثال ٹھیک اس طرح ہے جس طرح ایک قوم نے کسی شخص کو طلایہ پر بھیجا اس نے دشمن کے لشکر کو بالکل نزدیک کی کمین گاہ میں چھاپہ مارنے کے لئے تیار دیکھا یہاں تک کہ اسے ڈر لگا کہ میرے پہنچنے سے پہلے ہی کہیں یہ نہ پہنچ جائیں تو وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گیا اور وہیں کپڑا اہلا کر انہیں اشارے سے بتلا دیا کہ خبردار ہو جاؤ دشمن سر پر موجود ہے۔ پس میں ایسا ہی ڈرانے والا ہوں۔ اس حدیث کی شہادت میں اور بھی بہت سی حسن اور صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب:

صحیحین کی روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ الکسوف یعنی سورج گہن کی نماز میں جنت وجہنم کے مناظر پیش کئے گئے اور آپ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا اے لوگو! خداوند عالم بڑا ہی غیور ہے اور اسی وجہ سے اس نے فواحش اور بے حیائیوں کو حرام فرمایا ہے۔ مراد یہ تھی کہ بے حیائی کا ارتکاب کرنے والے شخص کو اس بات سے غافل نہ ہونا چاہئے کہ وہ خداوند عالم کی غیرت کو پامال کر کے خدا کے قہر وغضب کو دعوت دے رہا ہے اور اس صورت میں اسے اپنے انجام سے بے فکر نہ ہونا چاہئے۔

اور ایک حدیث میں ہے آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اگر تم وہ بات جان لو جو مجھے معلوم ہے تو تم لوگ ہنسنا بھول جاؤ گے اور کثرت سے رویا کرو گے اور حتیٰ کہ تمہیں اپنے بستروں پر چین نہ آئے گا اور تم جنگلوں میں نکل جاؤ گے۔ (معارف کاندھلوی)

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ
آ پہنچی آنے والی کوئی نہیں اُس کو
دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾
اللہ کے سوائے کھول کر دکھانیوالا ☆

قیامت قریب ہے ☆ یعنی قیامت قریب ہی آ لگی ہے جس کا ٹھیک وقت اللہ کے سوا کوئی کھول کر نہیں بتا سکتا اور جب وقت معین آ جائے تو کوئی طاقت اس کو دفع نہیں کر سکتی۔ اللہ ہی چاہے تو ہٹے مگر وہ چاہے گا نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾
کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوتا ہے

وَتَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاَنْتُمْ
اور ہنستے ہو اور روتے نہیں
سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾
اور تم کھلاڑیاں کرتے ہو ☆

قرب قیامت کا تقاضا ☆ یعنی قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر چاہئے تھا خوف خدا سے رونے لگتے اور گھبرا کر اپنے بچاؤ کی تیاری کرتے۔ مگر تم اس کے برخلاف تعجب کرتے اور ہنستے ہو اور غافل و بے فکر ہو کر کھلاڑیاں کرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾
سو سجدہ کرو اللہ کے آگے اور بندگی ☆

عقل مند کا فرض ☆ یعنی عاقل کو زیبا نہیں کہ انجام سے غافل ہو کر نصیحت وفہمائش کی باتوں پر ہنسے اور مذاق اڑائے بلکہ لازم ہے کہ بندگی کی راہ اختیار کرے۔ اور مطیع ومنقاد ہو کر جبین نیاز خداوند قہار کے سامنے جھکا دے (تنبیہ) روایات میں ہے کہ سورۃ نجم پڑھ کر آپ نے سجدہ کیا اور تمام مسلمان اور مشرک جو حاضر تھے سجدہ میں گر پڑے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ لکھتے ہیں کہ "اس وقت سب کو ایک غاشیۂ الٰہیہ نے گھیر لیا تھا۔ گویا ایک غیبی اور قہری تصرف سے طوعاً و کرھاً سب کو سربسجود ہونا پڑا۔ صرف ایک بدبخت جس کے دل پر سخت مہر تھی اس نے سجدہ نہ کیا مگر زمین سے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر اس نے بھی پیشانی کو لگالی اور کہا کہ مجھے اسی قدر کافی ہے۔ (تم سورۃ النجم وللہ الحمد والمنۃ) (تفسیر عثمانی)

ایک بدبخت بوڑھا: حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والنجم پڑھی اور اس میں سجدہ کیا اور لوگ آپ کے ساتھ تھے انہوں نے سجدہ کیا۔ مگر قریش کے ایک بوڑھے شخص نے (سجدہ نہیں کیا بلکہ) ایک ہاتھ میں پتھریاں یا مٹی اٹھا کر پیشانی تک لے گیا اور بولا میرے لئے یہی کافی ہے' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا' میں نے دیکھا کہ اس واقعہ کے بعد وہ کفر کی حالت میں مارا گیا۔ متفق علیہ۔ (تفسیر مظہری)

الحمدللہ سورۃ نجم ختم ہوئی

جو شخص خواب میں اس کی تلاوت کرے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس پر جادو کیا جاوے گا اور وہ اس سے نجات پائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو کوئی نقصان پہنچائے گا۔ (ابن سیرینؒ)

سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ خَمْسٌ وَّخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّثَلٰثُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ قمر مکہ میں نازل ہوئی اس کی پچپن آیتیں اور تین رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ

پاس آ لگی قیامت اور پھٹ گیا چاند ☆

معجزہ شق القمر ☆ ہجرت سے پیشتر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "منیٰ" میں تشریف فرما تھے کفار کا مجمع تھا۔ انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ نے فرمایا آسمان کی طرف دیکھو۔ ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ان میں سے مغرب کی اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا۔ بیچ میں پہاڑ حائل تھا۔ جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے۔ کفار کہنے لگے کہ محمد نے چاند پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے اس معجزہ کو "شق القمر" کہتے ہیں۔ اور یہ ایک نمونہ اور نشانی تھی قیامت کی۔ آگے سب کچھ یوں ہی پھٹے گا۔ خطابی اور ابن کثیر وغیرہ نے اس واقعہ کے تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جا سکا اور محض استبعاد کی بنا پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جا سکتا بلکہ استبعاد تو اعجاز کے لئے لازم ہے۔ روزمرہ کے معمولی واقعات کو معجزہ کون کہے گا۔ (ملاحظہ ہو ہمارا مستقل مضمون جو معجزات و خوارق عادات کے متعلق "الحمود" میں شائع ہوا ہے) باقی یہ کہنا کہ "شق القمر" اگر واقع ہوا ہوتا تو تاریخوں میں اس کا وجود کیوں نہیں۔ تو یاد رہے کہ یہ قصہ رات کا ہے بعض ملکوں میں تو اختلاف مطالع کی وجہ سے اس وقت دن ہو گا اور بعض جگہ آدھی رات ہو گی لوگ عموماً سوتے ہوں گے اور جہاں بیدار ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوں گے تو وہ یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں زمین پر جو چاندنی پھیلی ہو گی۔ بشرطیکہ مطلع صاف ہو اس میں دو ٹکڑے ہو جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گہن ہوتا ہے اور خاصہ ممتد رہتا ہے لیکن لاکھوں انسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی اور اس زمانہ میں آجکل کی طرح رصد وغیرہ کے اتنے وسیع و مکمل انتظامات اور تقاویم (جنتریوں) کی اس قدر اشاعت بھی نہ تھی بہرحال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہو سکتی۔ باایں ہمہ "تاریخ فرشتہ" وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان میں مہاراجہ "مالیبار" کے اسلام کا سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: بغوی نے بوساطت شیبان قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ چاند کے شگافتہ ہو جانے کا معجزہ حضور نے دو مرتبہ دکھایا۔ ترمذی میں بھی لکھا ہے کہ مکہ میں چاند دو مرتبہ پھٹا اس پر آیت اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ الی قولہ۔ سحر مستمر۔ نازل ہوئی۔ شیخین اور حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں نے مکہ میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا یہ دیکھ کر کافروں نے کہا چاند پر جادو کر دیا گیا اس پر آیت اقتربت الساعۃ وانشق القمر نازل ہوئی۔ ابوالضحیٰ نے بوساطت مسروق حضرت عبداللہ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چاند پھٹ گیا لوگوں نے کہا ابن ابی کبشہ نے تم پر جادو کر دیا ہے مسافروں سے دریافت کرنا مسافروں سے دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ انہوں نے بھی چاند کو پھٹتا دیکھا تھا۔ اس پر آیت واقتربت الساعۃ الخ نازل ہوئی۔

ابو کبشہ: ابو کبشہ عرب کے قبیلہ خزاعہ کا ایک سردار تھا جس نے بت پرستی کو ترک کر کے ستارہ پرستی شروع کی تھی یعنی عام مشرکوں کا مذہب چھوڑ دیا تھا اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بت پرستی کی مخالفت کی اور عام عرب کے مسلک سے بیزاری کا اظہار کیا تھا اس لئے اہل مکہ آپ کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

معجزہ شق القمر کے وقوع میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے

معجزہ شق القمر کا وقوع قرآن کریم احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے اور علاوہ ازیں تاریخی نقول سے اس کا مشاہدہ بھی ثابت ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کا ثبوت کلام خداوندی احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مشاہدہ سے ہو چکا ہو اس کا انکار یا اس کی تاویل خلاف عقل ہے اس پر بلا تردد ایمان لانا لازم ہے۔ جس طرح قرآن کریم کی تصریحات کی وجہ سے جنت و جہنم پر ایمان لائے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح قرآن کریم کی ہر بیان کردہ چیز پر ایمان لائے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر قرآنی تصریحات اور قطعیات میں تاویل کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر نہ تو ایمان بالآخرہ رہے گا اور نہ جنت و جہنم کی حقیقت کا کوئی مسئلہ باقی رہ سکتا ہے تو جس قرآن حکیم نے ہم کو قیامت جیسے عظیم الشان واقعہ کی خبر دی اور

ہمارا اس پر ایمان ہے تو اگر قرآن نے ہمیں شق القمر کے واقعہ کی بھی خبر دی تو جب قیامت پر ایمان ہے تو پھر شق القمر جو قیامت سے زیادہ کوئی عجیب یا عظیم شے نہیں اس پر ایمان لانے میں کیا تامل کیا جا سکتا ہے امام طحاوی اور حافظ ابن کثیر نے اس واقعہ کے متعلق تواتر کا دعویٰ کیا ہے اور یہ دعویٰ دلائل قویہ سے ثابت ہے۔

فلاسفہ وملحدین کی بے عقلی:

فلاسفہ اور ملحدین نے شق القمر کو محال قرار دیتے ہوئے انکار کیا اور بعض لوگوں نے اس کی تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز پیش آنے والے شق قمر کا ذکر ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اس وقت چاند پھٹ جائے گا۔ فلاسفہ اور ملحدین کا شق قمر کو محال قرار دینا خود خلاف عقل ہے۔

معجزۂ ردِ شمس

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور معجزات میں سے معجزہ رد شمس بھی ہے یعنی آفتاب کا غروب ہو کر پھر نکل آنا اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کے قریب مقام صہباء میں تھے اور سر مبارک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گود میں تھا اور ہنوز حضرت علیؓ نے عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ اسی حالت میں وحی کا نزول شروع ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے عصر کی نماز پڑھی۔ عرض کیا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت دست بدعا ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ علی تیرے رسول کی اطاعت میں تھا آفتاب کو واپس بھیج دیں تاکہ نماز عصر اپنے وقت پر ادا کر سکے۔ اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ آفتاب غروب کے بعد لوٹ آیا اور اس کی شعاعیں زمین اور پہاڑوں پر پڑیں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ ابن جوزی اور ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع اور بے اصل بتلایا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اس حدیث کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس حدیث کا صحیح ہونا ثابت کیا اور علامہ زرقانی نے بھی شرح مواہب میں اس حدیث کا صحیح اور متعدد ہونا ثابت کیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ
اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو ٹلا جائیں اور کہیں یہ جادو ہے
مُّسْتَمِرٌّ ②
پہلے سے چلا آتا ☆

☆ یعنی اس طرح کے جادو مدعیان نبوت نے پہلے بھی کئے ہیں، پھر جس طرح وہ جاتے رہے یہ بھی جاتا رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ
اور جھٹلایا اور چلے اپنی خوشی پر اور ہر
اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③
کام ٹھہرا رکھا ہے وقت پر ☆

☆ یعنی ان کا عذاب بھی اپنے وقت پر آئے گا۔ اور اللہ کے علم میں ان کی جو گمراہی اور ہلاکت ٹھہر چکی ہے وہ کسی صورت سے ٹلنے والی نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ کے بارے میں علماء کے اقوال

بعض علماء نے اس جملہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ہر مقدر امر ہونے والا ہے ہو کر رہے گا۔ جس بات کا اللہ نے وعدہ کر لیا ہے وہ ضرور واقع ہوگی۔ کلبی نے کہا ہر امر ایک حقیقت ہے دنیا میں لوگوں کی طرف سے جو بات ہوگی اس کا ظہور ہو جائے گا۔ اور آخرت میں اللہ کی طرف سے جو کچھ ہوگا وہ معلوم ہو جائے گا۔ قتادہ نے کہا جس امر کا استقرار خیر میں ہے وہ اہل خیر کیساتھ رہیگا۔ اور جس امر کا استقرار شر میں ہے وہ اہل شر کے ساتھ رہے گا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ
اور پہنچ چکے ہیں ان کے پاس احوال
مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ④
جن میں ڈانٹ ہو سکتی ہے ☆

☆ یعنی قرآن کے ذریعہ سے ہر قسم کے احوال اور تباہ شدہ قوموں کے واقعات معلوم کرائے جا چکے ہیں جن میں اگر غور کریں تو خداوند قہار کی طرف سے بڑی ڈانٹ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قیامت کی آمد آمد ہے: ولید بن عبد الملک کے پاس جب حضرت ابوہریرہ پہنچے تو اس نے قیامت کے بارے کی حدیث کا سوال کیا جس پر آپ نے فرمایا میں نے حضور سے سنا ہے کہ تم اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہو۔ اس کی شہادت اس حدیث سے ہو سکتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ناموں میں سے ایک نام حاشر آیا ہے اور حاشر وہ ہے جس کے قدموں پر لوگوں کا حشر ہو۔ حضرت بہزؓ کی روایت سے مروی ہے کہ حضرت عتبہ بن غزوانؓ نے اپنے خطبہ میں فرمایا اور کبھی کہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ سناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا۔

دنیا کے خاتمہ کا اعلان ہو چکا یہ پیٹھ پھیرے بھاگی جا رہی ہے اور جس طرح برتن کا کھانا کھا لیا جائے اور کناروں میں کچھ باقی لگا لپٹا رہ جائے اسی طرح دنیا کی عمر کا کل حصہ نکل چکا صرف برائے نام باقی رہ گیا ہے۔ تم یہاں سے ایسے جہان کی طرف جانے والے ہو جسے فنا نہیں پس تم سے جو ہو سکے بھلائیاں اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔ سنو ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے گا جو برابر ستر سال تک نیچے کی طرف جاتا رہے گا لیکن تہ تک نہ پہنچے گا۔ خدا کی قسم جہنم کا یہ گڑھا انسانوں سے پر ہونے والا ہے۔ تم اس پر تعجب نہ کرو۔ ہم نے یہ ذکر بھی سنا ہے کہ جنت کی چوکھٹ کی دو لکڑیوں کے درمیان چالیس سال کا راستہ ہے اور وہ بھی ایک دن اس قدر پُر ہوگی کہ بھیڑ بھاڑ نظر آئے گی الخ (مسلم)

حضرت حذیفہؓ کا خطبۂ جمعہ: ابو عبدالرحمن سلمی فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ مدائن گیا اور بستی میں تین میل کے فاصلے پر ہم ٹھہرے۔ جمعہ کے لئے میں بھی اپنے والد کے ہمراہ گیا۔ حضرت حذیفہؓ خطیب تھے۔ آپ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگو سنو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا بے شک قیامت قریب آ چکی ہے، بے شک چاند پھٹ گیا ہے۔ بے شک دنیا جدائی کا اعلان کر چکی ہے آج کا دن کوشش اور تیاری کا ہے کل تو دوڑ بھاگ کر کے آگے بڑھ جانے کا دن ہوگا۔ میں نے اپنے باپ سے دریافت کیا کہ کیا کل دوڑ ہوگی؟ جس میں آگے نکلنا ہوگا؟ میرے باپ نے مجھ سے فرمایا تم نادان ہو یہاں مراد نیک اعمال میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا ہے۔ دوسرے جمعہ کو جب ہم آئے تو بھی حضرت حذیفہؓ کو اسی کے قریب فرماتے ہوئے سنا اس کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ غایت آگ ہے اور سابق وہ ہے جو جنت میں پہلے پہنچ گیا۔ چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا ذکر ہے جیسے کہ متواتر حدیثوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۙ

پوری عقل کی بات ہے پھر ان میں کام نہیں کرتے ڈر سنانے والے

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ

سو تو ہٹ آ ان کی طرف سے ☆

☆ یعنی قرآن کریم پوری حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے۔ کوئی ذرا نیک نیتی سے غور کرے تو دل میں اتری چلی جائیں مگر افسوس اتنے سامان ہدایت کی موجودگی میں ان پر کچھ اثر نہیں۔ کوئی نصیحت و فہمائش و دھمکی کام نہیں دیتی۔ کمبختوں کی سمجھ کو پتھر پر جونک نہیں لگتی۔ لہٰذا ایسے سنگدل بدبختوں کو آپ بھی منہ نہ لگائیے۔

آپ فرض تبلیغ، دعوت بأحسن اسلوب ادا کر چکے۔ اب زیادہ تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کو ان کے ٹھکانے کی طرف چلنے دیں۔ (تفسیر عثمانی)

يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ

جس دن پکارے پکارنے والا ایک نا گوار چیز کی طرف ☆

☆ یعنی میدان حشر کی طرف حساب دینے کو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پکار: پکارنے والے اسرافیل ہوں گے جو صخرہ بیت المقدس پر کھڑے ہو کر پکاریں گے۔ اے گلی سڑی ہڈیو، بوسیدہ بدنو، اے پارہ پارہ کھالو اور اے ٹوٹے ہوئے بالو اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ آخری فیصلے کے لئے جمع (ہو جاؤ) (انتہی) ہو جاؤ رواہ ابن عساکر عن زید بن جابر الشافعی۔

خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ

آنکھیں جھکائے ☆

☆ یعنی اس وقت خوف و ہیبت کے مارے ذلت و ندامت کے ساتھ آنکھیں جھکائے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ

نکل پڑیں قبروں سے

كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۙ

جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی

مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ

دوڑتے جائیں اس پکارنے والے کے پاس ☆

☆ یعنی تمام اگلے پچھلے قبروں سے نکل کر ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑیں گے اور خداوند قدوس کی عدالت میں حاضری دینے کے لئے تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

يَقُولُ الْكَافِرُونَ هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ

کہتے جائیں منکر یہ دن مشکل آیا ☆

☆ یعنی اس دن کے ہولناک احوال و شدائد اور اپنے جرائم کا تصور کر کے کہیں گے کہ یہ دن بڑا سخت آیا ہے۔ دیکھئے آج کیا گذرے گی۔ گو سب جانتے ہیں کہ قیامت اور آخرت کا عذاب تو اپنے وقت پر آئے گا۔ بہت سے مکذبین کے لئے اس سے پہلے دنیا ہی میں ایک سخت دن آ چکا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا

جھٹلا چکی ہے اُن سے پہلے نوح کی قوم پھر جھوٹا کہا

عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَازْدُجِرَ ۝

ہمارے بندہ کو اور بولے دیوانہ ہے اور جھڑک لیا اسکو☆

☆ کہنے لگے اے نوح! اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو تم کو سنگسار کر دیا جائیگا۔ گویا دھمکیوں ہی میں اس کی بات رلا دی۔ اور بعض نے "وازدجر" کے معنی یوں کیے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے آسیب زدہ۔ جن اس کی عقل لے اُڑے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم (العیاذ باللہ) (تفسیر عثمانی)

ساڑھے نو سو سال حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب ہوتی رہی

فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا۔ یعنی انہوں نے نوحؑ کی متواتر تکذیب کی تکذیب کرنے والوں کی ایک نسل جب مرجاتی تھی تو آنے والی دوسری نسل تکذیب کرتی تھی اور دوسری کے بعد تیسری نسل تکذیبین کی پیدا ہو کر حضرت نوحؑ کو جھوٹا کہتی تھی اور یہ تکذیب کا سلسلہ نو سو پچاس برس جاری رہا۔ (تفسیر مظہری)

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۝

پھر پکارا اپنے رب کو کہ میں عاجز ہو گیا ہوں تو بدلہ لے☆

☆ یعنی سینکڑوں برس سمجھانے پر بھی جب کوئی نہ پسیجا تو بددعا کی اور کہا اے پروردگار میں ان سے عاجز آ چکا ہوں۔ ہدایت وفہمائش کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اب آپ اپنے دین اور پیغمبر کا بدلہ لیجئے اور زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ۝

پھر ہم نے کھول دیئے دہانے آسمان کے پانی ٹوٹ کر برسنے والے سے

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ

اور بہا دیئے زمین سے چشمے پھر مل گیا سب پانی

عَلَىٰ أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝

ایک کام پر جو ٹھہر چکا تھا☆

☆ یعنی پانی اس قدر ٹوٹ کر برسا گویا آسمان کے دہانے کھل گئے اور نیچے سے زمین کے پردے پھٹ پڑے۔ اتنا پانی ابلا گویا ساری زمین چشموں کا مجموعہ بن کر رہ گئی پھر اوپر اور نیچے کا یہ سب پانی مل کر اس کام کے لئے اکٹھا ہو گیا جو پہلے سے اللہ کے ہاں ٹھہر چکا تھا یعنی قوم نوح کی ہلاکت اور غرقابی۔ (تفسیر عثمانی)

مُنْهَمِر۔ سخت برسنے والا چالیس روز تک مسلسل بارش ہوتی رہی کسی وقت منقطع نہیں ہوئی۔ بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ آسمان وزمین کے درمیان کی خلاء پانی سے بھر گئی۔

وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا۔ یعنی ہم نے زمین کو چشمے ہی چشمے بنا دیا۔ (اتنے چشمے زمین سے برآمد کر دیئے کہ پوری زمین چشمہ ہی ہو گئی)

فَالْتَقَى الْمَاءُ۔ یعنی آسمان اور زمین کا پانی آپس میں مل گیا۔ الماء کا اطلاق ایک پانی پر بھی ہوتا ہے اور ایک ہی زیادہ پر بھی۔ اس جگہ یہی مؤخر معنی مراد ہے۔

قَدْ قُدِرَ کے دو مطلب:

اس امر کے مطابق جو اللہ نے ازل میں مقدر کر دیا تھا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا تھا یا قُدِرَ سے مراد یہ ہے کہ دونوں پانی مقدار میں برابر کر دیئے گئے۔ آسمان سے برسنے اور زمین سے نکلنے والے پانی کی مقدار برابر کر دی گئی۔ یا یہ مراد ہے کہ اللہ نے جو امر مقرر کر دیا تھا یعنی طوفان سے قوم نوح کا ہلاک ہونا اس کے مطابق پانی مل گیا (اور قوم نوح غرق ہو گئی) (تفسیر مظہری)

اس آیت سے تقدیر پر استدلال

حضرات متکلمین اور ائمہ اہلسنت اس آیت سے مسئلہ تقدیر کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں کہ ہر امر اللہ کی تقدیر سے ہے اور ہر چیز کا علم اللہ کو اس کے وجود سے قبل ہے تابعین کے دور میں کچھ لوگ تقدیر خداوندی پر جب انکار کرنے لگے تو حضرات صحابہ اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات سے فرقہ قدریہ اور منکرین قدر کا رد کیا کرتے تھے۔ عطاء بن ابی رباح سے منقول ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس پہنچا جبکہ وہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے اور کپڑے نیچے کی طرف سے بھیگے ہوئے تھے میں نے عرض کیا اے ابن عباس مسئلہ تقدیر میں لوگ کچھ حجت بازی اور قیل وقال کرنے لگے ہیں۔ فرمایا خدا کی قسم یہ آیت " ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ۝ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ " سوائے ان لوگوں کے اور کسی کے بارہ میں نہیں نازل ہوئی اور اس کے بعد فرمایا اولٰئک شرار الخلق یہ اللہ کی مخلوق میں بدترین مخلوق ہے۔ (معارف کاندھلوی)

وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ۝

اور ہم نے اُسکو سوار کر دیا ایک تختوں اور کیلوں والی پر

تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا

بہتی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے☆

یعنی اس ہولناک طوفان کے وقت نوح کی کشتی ہماری حفاظت اور نگرانی میں نہایت امن چین سے چلی جا رہی تھی۔ (تفسیر عثمانی)

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ؕ
بدلہ لینے کو اس کی طرف سے جس کی قدر نہ جانی تھی۔

یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی بے قدری کی اور اللہ کی باتوں کا انکار کیا یہ اس کی سزا ملی۔ (تفسیر عثمانی)

ہر نبی اپنی امت کے لئے رحمت اور نعمت ہوتا ہے

حق تعالیٰ کا ہر نبی اپنی امت کے لئے اللہ کی رحمت اور نعمت ہوتا ہے۔ نوح بھی اپنی قوم کے لئے اللہ کی نعمت تھے لیکن اس نعمت کا قوم کی طرف سے کفران کیا گیا پس نعمت کی (جو بصورت نوح اللہ نے عطا کی تھی) ناشکری کی وجہ سے اللہ نے قوم کو طوفان میں غرق کر دیا اور نوح کو کشتی پر سوار کر کے بچا لیا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ
اور اس کو ہم نے رہنے دیا نشانی کے لئے پھر کوئی ہے سوچنے والا

یعنی سوچنے والوں کے لئے اس قصہ میں عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یہ مطلب ہے کہ اس کشتی کا وجود دنیا میں اس کے قصہ کو یاد دلانے والا اور اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا نشان ہے اور بعض نے کہا کہ بعینہ وہی کشتی نوح کے بعد مدت تک رہی۔ "جودی" پہاڑ پر نظر آتی تھی اس امت کے لوگوں نے بھی دیکھی۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ
پھر کیسا تھا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا

☆ یعنی دیکھ لیا۔ میرا عذاب کیسا ہوتا ہے اور میرا ڈرانا کس قدر سچا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ
اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ
پھر ہے کوئی سوچنے والا

☆ یعنی قرآن سے نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے کیونکہ جو مضامین ترغیب و ترہیب اور انذار و تبشیر سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف اور سہل اور موثر ہیں پر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ کرے تو سمجھے۔ (تنبیہ) آیت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے جس کے اندر کوئی دقائق، غوامض نہیں۔ اس علیم و خبیر کے کلام کی نسبت ایسا گمان کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ جب اللہ بندوں سے کلام کرتا ہے تو معاذ اللہ اپنے [illegible] ہی جیسا ہو جاتا ہے؟ یقیناً اس کے کلام میں وہ گہرے حقائق و باریکیاں ہوں گی جن کا کسی دوسرے کلام میں تلاش کرنا بیکار ہے اسی لئے حدیث میں آیا "لاتنقضی عجائبه" (قرآن کے عجائب و اسرار کبھی ختم ہونے والے نہیں) علمائے امت اور حکمائے ملت نے اس کتاب کے دقائق و اسرار کا پتہ لگانے اور نئے علوم مستنبط کرنے میں عمریں صرف کر دیں تب بھی اس کی آخری تہہ تک نہیں پہنچ سکے۔ (تفسیر عثمانی)

حفظ کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے قرآن کو آسان کیا گیا ہے نہ کہ اجتہاد اور استنباط احکام کے لئے

اس آیت میں یسرنا کے ساتھ للذکر کی قید لگا کر یہ بھی بتلا دیا گیا ہے۔ قرآن کو حفظ کرنے اور اس کے مضامین سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کی حد تک اس کو آسان کر دیا گیا ہے۔ جس سے ہر عالم و جاہل چھوٹا بڑا یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کریم سے مسائل اور احکام کا استنباط بھی ایسا ہی آسان ہو وہ اپنی جگہ ایک مستقل اور مشکل فن ہے جس میں عمریں صرف کرنے والے علماء راسخین کو ہی حصہ ملتا ہے ہر ایک کا یہ میدان نہیں۔

اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہو گئی جو قرآن کریم کے اس جملے کا سہارا لے کر قرآن کی مکمل تعلیم اس کے اصول و قواعد سے حاصل کئے بغیر مجتہد بننا اور اپنی رائے سے احکام و مسائل کا استخراج کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کھلی گمراہی کا راستہ ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ
جھٹلایا عاد نے پھر کیسا ہوا میرا عذاب
وَنُذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
اور میرے کھڑکھڑانے ہم نے بھیجی ان پر
رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ
ہوا تند ایک نحوست کے دن
مُّسْتَمِرٍّ ۝
جو چلی گئی

☆ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی نحوست نہ اٹھی جب تک تمام نہ ہو چکے اور یہ نحوست کا دن ان ہی کے حق میں تھا یہ نہیں کہ ہمیشہ کو" وہ دن منحوس سمجھ لئے جائیں۔ جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہے اور اگر وہ دن عذاب آنے کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے منحوس بن گیا ہے تو مبارک دن کونسا رہے گا۔ قرآن کریم میں تصریح ہے کہ وہ عذاب سات رات اور آٹھ دن برابر رہا۔ بتلایئے اب ہفتہ کے دنوں میں کونسا دن نحوست سے خالی رہے گا۔ (تفسیر عثمانی)

صَرْصَرًا۔ بہت تیز برفیلا گرج دار طوفان باد نحس دشمنوں کیلئے منحوس۔

مُّسْتَمِرٍّ مسلسل نحوست والا یا یہ مطلب کہ وہ دن اتنی مدت تک قائم رہا جب تک ان کو ہلاک نہیں کر دیا گیا۔ یا وہ چھوٹوں بڑوں بوڑھوں بچوں سب کے لئے منحوس تھا کسی کو باقی نہیں چھوڑا یا مُّسْتَمِرٍّ کا معنی ہے انتہائی تلخ بدمزہ بغوی نے لکھا ہے کہ مہینہ کی آخری تاریخ تھی بدھ کا دن تھا۔ (تفسیر مظہری)

تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ
اکھاڑ مارا لوگوں کو گویا وہ جڑیں ہیں کھجور کی
مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾
اکھڑی پڑی ☆

☆ "قوم عاد" کے لوگ بڑے تنومند اور قد آور تھے لیکن ہوا کا جھکڑ ان کو اٹھا کر اس طرح زمین پر پٹکتا تھا جیسے کھجور کا تنا جڑ سے اکھاڑ کر زمین پر پھینک دیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

طوفان کی شدت: طوفان ان لوگوں کو ان کے گھروں سے اکھاڑ کر (باہر کر) سر کے بل پٹک دیتا تھا کہ گردنیں ٹوٹ جاتی تھی۔ بیضاوی نے لکھا ہے لوگ پہاڑیوں کی گھاٹیوں میں اور غاروں میں گھس گئے اور باہم چمٹ گئے لیکن طوفان ان کو وہاں سے بھی اکھاڑ لایا۔ اور باہر کر زمین پر پٹک دیا کہ سب مر گئے۔ بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ طوفان مُردوں کو قبروں سے اکھاڑ لایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۲۱﴾ وَ
پھر کیسا رہا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا اور
لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ
ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی
مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿۲۳﴾
سوچنے والا جھٹلایا ثمود نے ڈرسنانے والوں کو☆

☆ یعنی حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا اور ایک نبی کا جھٹلانا سب کا جھٹلانا ہے کیونکہ اصول دین میں سب ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ۔ عذاب کی عظیم ہولناکی بتانے کے لئے یہ آیت مکرر ذکر کی عذاب دنیا نے ان کو گھیر لیا تھا اور آخرت میں بھی وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (تفسیر مظہری)

قرآن کی آسانی اللہ کی ایک نعمت ہے

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ اس میں آسانی نہ رکھ دیتا تو مخلوق کی طاقت نہ تھی کہ اللہ عزوجل کے کلام کو پڑھ سکے۔ میں کہتا ہوں انہی آسانیوں میں سے ایک آسانی وہ ہے جو پہلے حدیث میں گزر چکی کہ یہ قرآن سات قراءتوں پر نازل کیا گیا ہے۔ اس حدیث کے تمام طرق و الفاظ ہم نے پہلے جمع کر دیئے ہیں۔ اب دوبارہ یہاں وارد کرنے کی ضرورت نہیں۔ پس اس قرآن کو بہت ہی آسان کر دیا ہے۔ ہے کوئی صاحب علم جو اس خدائی علم کو حاصل کرے جو بالکل آسان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ
پھر کہنے لگے کیا ایک آدمی ہم میں کا ہم اس کے کہے پر چلیں گے
اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾
تو تو ہم غلطی میں پڑے اور سودا میں ☆☆

☆☆ یعنی کوئی آسمان کا فرشتہ نہیں بلکہ ہم ہی جیسا ایک آدمی اور وہ بھی اکیلا جس کے ساتھ کوئی قوت اور جتھا نہیں، چاہتا ہے کہ ہمیں دبالے اور سب کو اپنا تابع بنالے۔ یہ کبھی نہ ہوگا۔ اگر ہم اس پھندے میں پھنس جائیں تو ہماری بڑی غلطی اور حماقت بلکہ جنون ہوگا وہ تو ہم کو ڈراتا ہے کہ مجھے نہ مانو گے تو آگ میں گرو گے اور واقعہ یہ ہے کہ ہم اس کے تابع ہو جائیں تو گویا خود اپنے کو آگ میں گرا رہے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا۔ یعنی ہم اپنی ہی جنس کے ایک آدمی کا (جو فرشتہ نہیں ہے) یا اپنی جماعت ہی کے ایک معمولی آدمی کا جس کو نہ مال میں ہم پر برتری حاصل ہے نہ مرتبہ میں۔

نَتَّبِعُهٗ۔ ہم اتباع کریں۔ یہ استفہام انکاری ہے اور انکار اتباع سے نہیں ہے اگر کوئی فرشتہ یا بادشاہ متبوع ہوتا تو وہ اتباع کر لیتے۔

وَاحِدًا۔ یعنی اکیلا تنہا جس کا کوئی تابع نہیں یا ہم میں سے ایک معمولی فرد جس کا شمار سرداروں میں نہیں ہے۔

اِنَّآ اِذًا۔ یعنی اگر ہم نے اس کا اتباع کیا تو اس صورت میں ہم بڑی غلطی

اور دیوانہ پن میں جا پڑیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ

کیا اُتری اُسی پر نصیحت ہم سب میں سے کوئی نہیں

هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾

یہ جھوٹا ہے بڑائی مارتا ہے ☆

☆یعنی پیغمبری کے لئے بس یہی رہ گیا تھا؟ سب جھوٹ ہے خواہ مخواہ بڑائی مارتا ہے کہ خدا نے مجھے پیغمبر رسول بنا دیا اور ساری قوم کو میری اطاعت کا حکم دیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ۔ بلکہ یہ بڑا جھوٹا ہے اللہ پر اس نے دروغ بافی کی ہے۔

اَشِرٌ۔ شیخی باز (اترانے والا) ہے۔ نبوت کا دعویٰ کر کے ہم سے اونچا بننا چاہتا ہے گویا ان لوگوں نے حضرت صالح علیہ السلام کے اخلاق پر عیب لگایا اور ایک قبیح خصلت کو آپ کی طرف منسوب کیا۔ پہلے حضرت صالح علیہ السلام کی برتری کا انکار کیا پھر ایک بری خصلت کا حامل قرار دیا۔ (تفسیر مظہری)

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ

اب جان لینگے کل کو کون ہے جھوٹا

الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾

بڑائی مارنے والا ☆

☆یعنی بہت جلد معلوم ہوا چاہتا ہے کہ دونوں فریق میں جھوٹا اور بڑائی مارنے والا کون ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا۔ کل کو جان لیں گے یعنی جس وقت ان پر عذاب نازل ہوگا۔ (غدا سے مراد ہے یوم عذاب) کلبی نے کہا روز قیامت مراد ہے۔

جب ثبوت نبوت کے لئے قوم والوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا اور خود ہی اس کی صورت تجویز بھی کر دی کہ پتھر کو چٹان کے اندر ایک دس ماہ گابھن سرخ رنگ کی اونٹنی برآمد کر دو تو اللہ نے حضرت صالح علیہ السلام سے فرمایا۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ

ہم بھیجتے ہیں اونٹنی اُن کے جانچنے کے واسطے ☆

☆یعنی ان کی فرمائش کے موافق ہم پتھر سے اونٹنی نکال کر بھیجتے ہیں اس کے ذریعے سے جانچا جائے گا کہ کون اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانتا ہے اور کون نفس کی خواہش پر چلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾

سو انتظار کر اُن کا اور سہتا رہ ☆

☆یعنی دیکھتا رہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ

اور سنا دے اُنکو کہ پانی کا بانٹا ہے اُن میں

كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

ہر باری پر پہنچنا چاہئے ☆

☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "وہ اونٹنی جس پانی پر جاتی سب جانور بھاگتے" تو اللہ نے باری ٹھہرا دی۔ ایک دن وہ جائے اور ایک دن سب جانور"۔ (تفسیر عثمانی)

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾

پھر پکارا انہوں نے اپنے رفیق کو پھر ہاتھ چلایا اور کاٹ ڈالا ☆

☆حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "ایک بدکار عورت تھی اس کے مواشی بہت تھے اپنے ایک آشنا کو اکسا دیا۔ اس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ (تفسیر عثمانی)

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ

پھر کیسا ہوا میرا عذاب اور میرا کھڑکھڑانا ہم نے

اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً

بھیجی اُن پر ایک چنگھاڑ

فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾

پھر رہ گئے جیسے روندی ہوئی باڑ کانٹوں کی ☆

☆فرشتے نے ایک چیخ ماری کلیجے پھٹ گئے اور سب چورا ہو کر رہ گئے۔ جیسے کھیت کے گرد کانٹوں کی باڑ لگا دیتے ہیں اور چند روز کے بعد پامال ہو کر اس کا چورا ہو جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً ایک چیخ جو حضرت جبرئیلؑ نے نکالی تھی۔

فَکَانُوْا۔ پس وہ ہو گئے۔

کَھَشِیْمِ الْمُحْتَظِرِ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا محتظر اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی بکریوں کے لئے درختوں اور کانٹوں کا باڑہ بنا لیتا ہے تاکہ درندوں سے بکریوں کی حفاظت ہو جائے اگر کوئی حصہ اس کا گر جاتا ہے اور بکریاں اس کو پامال کر دیتی اور روند ڈالتی ہیں (اور اس کا چورا ہو جاتا ہے) تو اس کو ھشیم کہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ
اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو پھر ہے
مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۢ
کوئی سوچنے والا جھٹلایا لوط کی قوم نے
بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾
ڈرسنانے والوں کو☆

☆ یعنی حضرت لوط علیہ السلام کو جھٹلایا اور ایک نبی کی تکذیب سب انبیاء کی تکذیب ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ
ہم نے بھیجی ان پر آندھی پتھر برسانے والی
اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً
سوائے لوط کے گھر کے ان کو ہم نے بچا دیا پچھلی رات سے فضل سے
مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ
اپنی طرف کے ہم یوں بدلہ دیتے ہیں اس کو
شَكَرَ ﴿۳۵﴾
جو حق مانے☆

☆ یعنی وہ پچھلی رات میں اپنے گھر والوں کو لے کر صاف نکل گئے ان کو ہم نے عذاب کی ذرا بھی آنچ نہ لگنے دی اور یہی ہماری عادت ہے۔ حق شناس اور شکر گذار بندوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حاصب وہ تند ہوا جو چھوٹے سنگریزوں کو اڑا کر لے جاتی اور برساتی ہے۔ حصب، چھوٹے سنگریزوں کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے (چھوٹے) پتھر جو مٹھی بھر سے کم ہوں حصب، کہلاتے ہیں حاصب بھی (پتھر) پھینکنے والے کو کہتے ہیں اس صورت میں آیت کا معنی ہوگا پتھر برسانے والا۔

سَحَرٍ۔ رات کے آخری حصہ کو کہتے ہیں۔

نِعْمَۃً۔ یعنی انعام دینے کے لئے۔

مَنْ شَکَرَ۔ جو اللہ کی نعمت کا شکر کرتا ہے یعنی اللہ کی توحید کا قائل اور اطاعت گذار ہے اس کو ہم ایسی جزا دیتے ہیں جیسی لوط کے گھر والوں کو دی اور اس کو مشرکوں کے ساتھ عذاب نہیں دیتے۔ کذا اس مقاتل۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَ
اور وہ ڈرا چکا تھا ان کو ہماری پکڑ سے پھر لگے
وْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾
مکرانے ڈرانے کو☆☆

☆☆ یعنی اس کی باتوں میں واہی تباہی شبہے اور جھگڑے کھڑے کر کے جھٹلانے لگے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ
اور اس سے لینے لگے اس کے مہمانوں کو پس ہم نے مٹا دیں
اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾
ان کی آنکھیں اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا☆

☆ یعنی فرشتے جو حسین لڑکوں کی شکل میں آئے تھے ان کو آدمی سمجھ کر اپنی خوئے بد کی وجہ سے لینا چاہا۔ ہم نے ان کو اندھا کر دیا کہ ادھر ادھر ٹٹولتے پھرتے تھے۔ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور کہا لو پہلے اس عذاب کا مزہ چکھو۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان
قوم کی بدتمیزی اور عذاب الٰہی

قوم والوں نے ان مہمانوں سے جو واقع میں فرشتے تھے اور جبرئیلؑ بھی ان میں شامل تھے لیکن لڑکوں کی شکل میں ہو کر آئے تھے بدکاری کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت لوط علیہ السلام سے کہا تم ان مہمانوں کے معاملہ میں کوئی تعرض نہ کرو ان کو ہمارے سپرد کر دو۔ اللہ نے ان فرشتوں کو قوم لوط علیہ السلام پر کنکر سے پتھر برسانے کے لئے بھیجا اور ہر پتھر کو ایک کافر کے لئے نامزد کر دیا۔ جب قوم

والوں نے نہ مانا اور لوط علیہ السلام کے گھر میں دروازہ توڑ کر گھس جانا چاہا (اور حضرت لوط علیہ السلام بہت پریشان ہوئے) تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا ان کو اندر آنے دیجئے ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں یہ لوگ ہم تک نہیں پہنچ پائیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ گھر کے اندر گھس آئے۔

بغوی نے ابن اسحق اور ابن عساکر کا بیان بطریق جریر و مقاتل حسب روایت ضحاک نقل کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا' لوط علیہ السلام نے مہمانوں سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر لیا اور دروازہ کے اندر سے قوم والوں سے جھگڑنے لگے۔ وہ لوگ پھلانگ کر اندر آ گئے۔ ملائکہ نے جب لوط علیہ السلام کی یہ حالت دیکھی تو کہا (آپ پریشان نہ ہوں) ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں۔ آپ تک ان کی رسائی نہیں ہو پائے گی۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل نے اپنے ایک پر کی جھپٹ ماری جس سے وہ اندھے ہو گئے۔ ہر چند ادھر اُدھر چکر کاٹتے اور گھومتے تھے لیکن دروازے کا راستہ نہیں ملتا تھا۔ آخر حضرت لوط علیہ السلام نے خود ان کو اسی نابینائی کی حالت میں نکال باہر کر دیا آیت فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ سے یہی مراد ہے۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ

اور پڑا ان پر صبح کو سویرے عذاب

مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣٨﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٩﴾

جو ٹھہر چکا تھا اب چکھو میرا عذاب اور میرا ڈرانا ☆

☆ یعنی اندھا کرنے کے بعد ان کی بستیاں الٹ دی گئیں اور اوپر سے پتھر برسائے گئے۔ اس چھوٹے عذاب کے بعد یہ بڑا عذاب تھا۔ (تفسیر حقانی)

مُّسْتَقِرٌّ۔ یعنی وہ عذاب جو مرنے کے بعد بھی قائم رہا۔ دُنیوی عذاب سنگ باری' اس کے بعد عذاب قبر اور پھر دوامی دوزخ۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ

اور ہم نے آسان کر دیا قرآن سمجھنے کو

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ

پھر ہے کوئی سوچنے والا اور پہنچے فرعون والوں

فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿٤١﴾

کے پاس ڈرانے والے ☆

☆ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ اور ان کے ڈرانے والے نشان۔ (تفسیر عثمانی)

آیت کے تکرار کا مقصد: ہر قصہ کے بعد اس آیت کا تکرار حقیقت میں از سر نو تنبیہ ہے۔ نصیحت پذیری پر اور ترغیب ہے عبرت اندوزی کی۔

النذر۔ بعض علماء کے نزدیک وہ معجزات مراد ہیں جو فرعون اور فرعونیوں کو ڈرانے کے لئے حضرت موسیٰؑ نے پیش کئے تھے۔ صرف آل فرعون کا ذکر کیا فرعون کا ذکر نہیں کیا۔ کیوں کہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ اصل فرعون ہی تھا اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں تھی۔ (تفسیر مظہری)

ماضی کی سپر طاقتیں اور ان کا حشر: یہ پانچوں اقوام دنیا کی قوی ترین اور قابو یافتہ قومیں تھیں' جن کو کسی طاقت سے رام کرنا کسی کے لئے آسان نہ تھا' آیات مذکورہ میں اُن پر اللہ کا عذاب آنا دکھلایا گیا' اور ہر ایک قوم کے انجام پر قرآن کریم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا (فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ) یعنی اتنی بڑی قوی اور بھاری تعداد والی قوم پر جب اللہ کا عذاب آیا تو دیکھو کہ وہ کس طرح اس عذاب کے سامنے مکھیوں' مچھروں کی طرح مارے گئے۔ (معارف مفتی اعظم)

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ

جھٹلایا انہوں نے ہماری نشانیوں کو سب کو پھر پکڑا ہم نے انکو

اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٤٢﴾

پکڑنا زبردست کا قابو میں لے کر ☆

☆ یعنی خدا کی پکڑ بڑے زبردست کی پکڑ تھی جس کے قابو سے نکل کر کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ دیکھ لو تمام فرعونیوں کا بیڑہ کس طرح بحر قلزم میں غرق کیا کہ ایک بچ کر نہ نکل سکا۔ (تفسیر عثمانی)

آیات سے مراد ہیں حضرت موسیٰؑ پر نازل شدہ نو احکام۔

دو یہودیوں کا قصہ:

حضرت صفوان بن عسال راوی ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ساتھی سے کہا چلو اس نبی کے پاس چلیں۔ ساتھی نے کہا ارے نبی نہ کہو اگر وہ سن پائے گا (کہ تم نے بھی اس کو نبی کہا ہے) تو اس کی چار آنکھیں ہو جائیں گی۔ غرض دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تِسْعَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ (نو واضح احکام) کے متعلق سوال کیا کہ وہ نو احکام کون سے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (نو احکام یہ تھے) کسی چیز کو

اللہ کا شریک نہ قرار دو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ جس کو قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔ کسی بے قصور کو حاکم کے پاس قتل کرانے کے لئے نہ لے جاؤ۔ جادو نہ کرو۔ سود نہ کھاؤ۔ کسی پاکدامن عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ۔ جہاد کے معرکہ سے بھاگنے کے لئے پشت نہ پھیرو۔ اور اے یہودیو (ایک حکم) تمہارے لئے خاص طور پر یہ تھا کہ ہفتہ کے دن (کی حرمت) میں حد سے تجاوز نہ کرو (یعنی ہفتہ کے دن کی حرمت قائم رکھو۔ اس روز دنیوی کاروبار نہ کرو) یہ سنتے ہی دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چوم لئے اور بولے ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے (سچے) نبی ہیں۔ حضور نے فرمایا پھر میرا اتباع کرنے سے تمہارے لئے کیا مانع ہے کہنے لگے حضرت داؤد نے اپنے رب سے دعاء کی تھی کہ (اے میرے رب) میری ہی نسل میں سے ہمیشہ نبی ہوتا رہے (اور حضرت داؤد کی دعاء کا قبول ہونا یقینی ہے) اور ہم کو یہ ڈر ہے کہ اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں گے تو یہودی ہم کو مار ڈالیں گے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی۔ والنسائی۔ (تفسیر مظہری)

اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ
اب تم میں جو منکر ہیں کیا یہ بہتر ہیں اُن سب سے یا تمہارے لئے فارغ
بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ
خطی لکھدی گئی ورقوں میں کیا کہتے ہیں
نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾
ہم سب کا مجمع بدلہ لینے والا ☆

☆ گذشتہ اقوام کے واقعات سنا کر موجودہ لوگوں کو خطاب ہے یعنی تم میں کے کافر کیا ان پہلے کافروں سے کچھ اچھے ہیں جو کفر وطغیان کی سزا میں تباہ نہیں کئے جائیں گے؟ یا اللہ کے ہاں سے کوئی پروانہ لکھ دیا گیا ہے کہ تم جو چاہو شرارت کرتے رہو سزا نہیں ملے گی؟ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارا مجمع اور جتھا بہت بڑا ہے اور سب مل کر جب ایک دوسرے کی مدد پر آ جائیں گے تو سب سے بدلہ لے کر چھوڑیں گے اور کسی کو اپنے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونے دیں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ۔ یعنی اے اہل مکہ کیا آسمانی کتابوں میں تمہارے لئے عذاب سے امان لکھی ہوئی ہے کہ تم میں اگر کفر اور پیغمبروں کی تکذیب بھی کرے گا تب بھی اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ بدر (کی لڑائی) کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیمہ میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دعاء کی) اور کہا اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کا واسطہ دیتا ہوں اگر تیری مشیت یہی ہے (کہ تیری عبادت نہ کی جائے تو) آج کے بعد تیری عبادت نہیں کی جائے گی (یعنی مسلمانوں کو شکست ہوگئی تو تیری عبادت کرنے والا باقی ہی نہیں رہے گا) حضرت ابوبکرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب (سے مانگنے) پر بہت اصرار کر لیا اب بس کیجئے (اتنا ہی کافی ہے) اس کے بعد حضور زرہ پہنے اچھلتے ہوئے سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ کہتے ہوئے (خیمہ سے) برآمد ہوئے۔ مجھے اس وقت معلوم نہ ہوا کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مراد کون سی جماعت تھی (مسلمان کی یا کافروں کی)۔ (تفسیر مظہری)

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾
اب شکست کھائیگا یہ مجمع اور بھاگیں پیٹھ پھیر کر ☆

☆ یعنی عنقریب ان کو اپنے مجمع کی حقیقت کھل جائے گی جب مسلمانوں کے سامنے سے شکست کھا کر اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ چنانچہ "بدر" اور "احزاب" میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ آیت جاری تھی "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ"۔ (تفسیر عثمانی)

بدر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ بدر والے دن اپنے ڈیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرما رہے تھے اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد و پیمان یاد دلاتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تیری چاہت یہی ہے کہ آج کے دن کے بعد سے تیری عبادت واحدانیت کے ساتھ زمین پر کی ہی نہ جائے۔ بس اتنا ہی کہا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا یا رسول اللہ! بس کیجئے آپ نے بہت الحاح کر لی۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ سے باہر آئے اور زبان پر یہ دونوں آیتیں سَيُهْزَمُ الخ دونوں جاری تھیں۔

کون سی جماعت مراد ہے: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اس آیت کے اُترنے کے وقت میں سوچ رہا تھا کہ اس سے مراد کون سی جماعت ہوگی؟ جب بدر والے دن میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ زرہ پہنے ہوئے اپنے کیمپ سے باہر تشریف لائے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے اُس دن میری سمجھ میں اس کی تفسیر آ گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ

بلکہ قیامت ہے اُنکے وعدہ کا وقت اور وہ گھڑی بڑی

اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿٤٦﴾

آفت ہے اور بہت کڑوی ☆

☆ یعنی یہاں کیا شکست کھائیں گے ان کی شکست کا اصلی وقت تو وہ ہوگا جب قیامت سر پر آ کھڑی ہوگی وہ بہت سخت مصیبت کا وقت ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

بخاری میں ہے حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میری چھوٹی سی عمر تھی اپنی ہمجولیوں میں کھیلتی پھرتی تھی اس وقت یہ آیت بَلِ السَّاعَةُ الخ اتری ہے۔ یہ روایت بخاری میں فضائل القرآن کے موقعہ پر مطول مروی ہے۔ مسلم میں یہ حدیث نہیں ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَدْهٰى۔ بہت سخت مصیبت جس کو کسی طرح دفع کرنا ممکن نہ ہو۔

اَمَرُّ۔ یعنی عذاب دینا ہے زیادہ بدمزہ اور تلخ۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٤٧﴾

جو لوگ گنہگار ہیں غلطی میں پڑے ہیں اور سودا میں

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى

جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں

وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

اوندھے منہ چکھو مزا آگ کا ☆

☆ یعنی اس وقت غفلت کے نشہ میں پاگل بن رہے ہیں۔ یہ سودا دماغ میں سے اس وقت نکلے گا جب اوندھے منہ دوزخ کی آگ میں گھسیٹے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ لو اب ذرا اس کا مزہ چکھو۔ (تفسیر عثمانی)

فِيْ ضَلٰلٍ۔ یعنی دنیا میں حق سے بھٹکے ہوئے۔

وَّسُعُرٍ۔ یعنی آخرت میں (بھڑکتی) آگ کے اندر بعض اہل تفسیر میں فی ضلال کی تشریح میں کہا آخرت میں جنت کے راستہ سے کٹے ہوئے۔ (تفسیر مظہری)

اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿٤٩﴾

ہم نے ہر چیز بنائی پہلے ٹھہرا کر ☆

☆ یعنی ہر چیز جو پیش آنے والی ہے اللہ کے علم میں پہلے سے ٹھہر چکی ہے دنیا کی عمر اور قیامت کا وقت بھی اس کے علم میں ٹھہرا ہوا ہے اس سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

سبب نزول: مسلم اور ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ قریشی مشرک تقدیر کے مسئلہ میں جھگڑا کرنے کے لئے رسول اللہ کی خدمت میں آئے تھے اس وقت آیت اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۔ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۔ تک نازل ہوئی۔

تقدیر کا ماننا ضروری ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا بیان ہے کہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے تمام مخلوق کے اندازے لکھ دیئے تھے اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔ رواہ مسلم۔

بغوی نے اپنی سند سے طاؤس بن مسلم کا بیان نقل کیا ہے۔ طاؤس بن مسلم یمنی نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابی ایسے پائے جو کہہ رہے تھے کہ ہر چیز اندازہ کے مطابق ہے یہاں تک کہ نادانی اور دانائی بھی۔ حسب تقدیر خداوندی ہے۔

منکرین تقدیر: حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے میری امت کے جو لوگ تقدیر کے منکر ہوں گے ان پر خسف (زمین میں دھنسا دینے) اور مسخ (صورتیں اور شکلیں بگاڑ دینے کا عذاب) ہوگا رواہ ابو داؤد وروی الترمذی نحوہ۔

حضرت ابن عمرؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (فرقہ) قدریہ (جو تقدیر خداوندی کا منکر ہے اور انسان کے اچھے برے اعمال کا خالق انسان ہی کو جانتا ہے) اس امت کے مجوسی ہیں (مجوسی دو خالق مانتے ہیں ایک شر کا خالق جس کو اہرمن کہتے ہیں دوسرا خیر کا خالق جس کو یزدان کہتے ہیں) اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت مت کرو اور مر جائیں تو ان کے جنازوں میں شرکت مت کرو۔ رواہ احمد وابوداؤد۔

حضرت ابوخزامہ کے باپ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم (بیماری وغیرہ کے لئے) کچھ افسوں پڑھتے ہیں دواء کے ذریعہ سے علاج بھی کرتے ہیں اور بچاؤ کی تدبیر (یعنی پرہیز) بھی کرتے ہیں کیا یہ چیزیں تقدیر خداوندی کو پلٹ سکتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی تقدیر (کا جزء) ہی ہیں رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد آنے والے علماء اہل سنت کا اس پر اتفاق بھی ہے۔ (تفسیر مظہری)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ذکر آیا کہ آج ایک شخص آیا ہے جو منکر تقدیر ہے۔ فرمایا اچھا مجھے اس کے پاس لے چلو۔ لوگوں نے کہا آپ نابینا ہیں آپ اس کے پاس چل کر کیا کریں گے۔ فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میرا بس چلا تو میں اس کی ناک توڑ دوں گا اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آگئی تو میں مروڑ دوں گا۔ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بنوفہر کی عورتیں خزرج کے اردگرد طواف کرتی پھرتی ہیں ان کے جسم حرکت کرتے ہیں وہ مشرکہ عورتیں ہیں۔ اس امت کا پہلا شرک یہی ہے۔ اس رب کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اُن کی بے مجھی یہاں تک بڑھے گی کہ اللہ تعالیٰ کو بھلائی کا مقدر کرنے والا بھی نہ مانیں گے جس طرح برائی کا مقدر کرنے والا نہ مانا (مسند احمد) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ایک دوست شامی تھا جس سے آپ کی خط و کتابت تھی حضرت عبداللہ نے کہیں سن پایا کہ وہ تقدیر کے بارے میں کچھ موشگافیاں کرتا ہے۔ آپ نے جھٹ سے اُسے خط لکھا کہ میں نے سنا ہے تو تقدیر کے مسئلہ میں کچھ کلام کرتا ہے اگر یہ سچ ہے تو بس مجھ سے خط و کتابت کی امید نہ رکھنا۔ آج سے بند سمجھنا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میری امت میں تقدیر کو جھٹلانے والے لوگ ہوں گے (ابوداؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر امت میں مجوس ہوتے ہیں میری امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو تقدیر کے منکر ہوں۔ اگر وہ بیمار پڑیں تو تم ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مرجائیں تو تم اُن کے جنازے نہ پڑھو (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ
اور ہمارا کام تو یہی ایک دم کی بات ہے جیسے لپک
بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾
نگاہ کی ☆

☆ یعنی ہم چشم زدن میں جو چاہیں کر ڈالیں کسی چیز کے بنانے یا بگاڑنے میں ہم کو دیر نہیں لگتی نہ کچھ مشقت ہوتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَمَآ اَمْرُنَآ۔ یعنی کسی چیز کو پیدا کرنے اور معدوم کرنے اور دوبارہ موجود کرنے کا حکم۔

اِلَّا وَاحِدَةٌ۔ یعنی بغیر دشواری کے یکدم ایک فعل ہے خواہ موجود کرنا ہو یا معدوم کرنا یا یہ مطلب ہے کہ ہمارا حکم بس ایک کلمہ ہے پیدا کرنے کے لئے لفظ کُنْ (ہوجا) اور معدوم کرنے کے لئے ایک سخت آواز۔

كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ۔ یعنی تیزی اور جلدی کے اعتبار سے بس پلک جھپکنے کی طرح ہے۔ حضرت ابن عباس نے آیت کی تفسیر اس طرح کی قیامت آجانے کا ہمارا حکم سرعت میں ایسا ہوگا جیسے پلک جھپکنا (رواہ الکلبی) اس مضمون کو دوسری آیت میں اس طرح بیان کیا ہے 'وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ' (حکم قیامت اتنا تیز ہوگا جیسے پلک جھپکنا یا اس سے بھی تیز) (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ
اور ہم برباد کر چکے ہیں تمہارے ساتھ والوں کو پھر ہے
مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾
کوئی سوچنے والا ☆

☆ یعنی تمہاری قماش کے بہت سے کافروں کو پہلے تباہ کر چکے ہیں پھر تم میں کوئی اتنا سوچنے والا نہیں کہ ان کے حال سے عبرت حاصل کر سکے۔ (تفسیر عثمانی)

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾
اور جو چیز انہوں نے کی ہے لکھی گئی ورقوں میں ☆

☆ یعنی ہر ایک نیکی بدی عمل کے بعد ان کے اعمال ناموں میں لکھی گئی ہے۔ وقت پر ساری مسل سامنے کردی جائیگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾
اور ہر چھوٹا اور بڑا لکھا جا چکا ☆

☆ یعنی اس سے قبل ہر چھوٹی بڑی چیز کی تفصیل "لَوْحِ مَحْفُوْظ" میں لکھی جاچکی۔ تمام دفاتر باقاعدہ مرتب ہیں کوئی چھوٹی موٹی چیز بھی ادھر ادھر نہیں ہوسکتی۔ (تفسیر عثمانی)

چھوٹے گناہ کو بھی حقیر نہ سمجھو:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صغیرہ گناہ کو بھی ہلکا نہ سمجھو خدا کی طرف سے اس کا بھی مطالبہ ہونے والا ہے (نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ)۔ حضرت سلیمان بن مغیرہؒ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہوگیا جسے میں نے حقیر سمجھا رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا آیا ہے اور مجھ سے کہہ رہا ہے اے سلیمان!

۔ لَا تَحْقِرَنْ مِنَ الذُّنُوْبِ صَغِيْرًا
اِنَّ الصَّغِيْرَ غَدًا يَعُوْدُ كَبِيْرًا
اِنَّ الصَّغِيْرَ وَلَوْ تَقَادَمَ عَهْدُهٗ
عِنْدَ اللّٰهِ مُسَطَّرٌ تَسْطِيْرًا
فَازْجُرْ هَوَاكَ عِنْدَ الْبِطَالَةِ لَا تَكُنْ
صَعْبَ الْقِيَادِ وَشَمِّرَنْ تَشْمِيْرًا
اِنَّ لِلْمُحِبِّ اِذَآ اَحَبَّ اِلٰهَهٗ
طَارَ الْفُؤَادُ وَاُلْهِمَ التَّفْكِيْرًا
فَاسْاَلْ هِدَايَتَكَ الْاِلٰهَ فَتَتَّئِدْ
فَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا

یعنی صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر اور ناچیز نہ سمجھ۔ یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے۔ گو گناہ چھوٹے چھوٹے ہوں اور انہیں کیے ہوئے بھی عرصہ گزر چکا ہو اللہ کے پاس وہ صاف صاف لکھے ہوئے موجود ہیں۔ بدی سے اپنے نفس کو روکے رکھ اور ایسا ہو نہ جا کہ مشکل سے نیکی کی طرف آئے بلکہ اونچا دامن کر کے بھلائی کی طرف لپک' جب کوئی شخص سچے دل سے اللہ کی محبت کرتا ہے تو اس کا دل اُڑنے لگتا ہے اور اُسے خدا کی جانب سے غور وفکر کی عادت الہام کی جاتی ہے۔ اپنے رب سے ہدایت طلب کر اور نرمی اور ملائمت کر۔ ہدایت اور نصرت کرنے والا رب تجھے کافی ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ
جو لوگ ڈرنے والے ہیں باغوں میں ہیں اور نہروں میں
مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾
بیٹھے سچی بیٹھک میں نزدیک بادشاہ کے جس کا سب پر قبضہ ہے☆

☆ مجرمین کے بعد یہ متقین کا انجام بیان فرما دیا کہ وہ اپنی سچائی کی بدولت اللہ و رسول کے سچے وعدوں کے موافق ایک پسندیدہ مقام میں ہوں گے جہاں اس شہنشاہ مطلق کا قرب حاصل ہوگا۔ "اللّٰهم انک مليک مقتدر. ماتشاء من امر يکون فاسعدنی فی الدارين و کن لی ولاتکن علی و اتنی فی الدنيا حسنة و فی الاخرة حسنةً و قنی عذاب النار" تم سورۃ القمر وللہ الحمد والمنہ۔ (تفسیر عثمانی)

بغوی نے لکھا ہے امام جعفر صادق نے فرمایا آیت میں اللہ نے مقام کی صفت صدق کے لفظ سے کی ہے پس اس مقام پر اہل صدق ہی بیٹھیں گے۔

قرب خداوندی بے کیف اور فہم سے ماوراء ہے

قرب خداوندی بے کیف ہے دانش و فہم کی رسائی سے باہر ہے۔ ہاں اگر اللہ کسی کا پردہ بصیرت ہٹا دے تو اس کے قرب خداوندی کا وجدان ہو جاتا ہے۔ (واللہ اعلم) (تفسیر مظہری)

تمت سورۃ القمر

الحمدللہ چھٹی جلد ختم ہوئی